READER BURAQ

مالا

تحریر: نمرہ احمد

حصہ اول "لاہور"

باب اول:

"بس ایک کار کریش ...
کسی مرض کی تشخیص...
ایک غیر متوقع فون کال...
کوئی نیا دریافت شدہ عشق...
یا ایک ٹوٹا ہوا دل...
بس اتنی سی دیر لگتی ہے ہمیں
ایک بالکل مختلف انسان بننے میں...
کتنی خوبصورتی سے نزاکت بھری ہے ہمارے اندر
کہ یہ سب چیزیں بس ایک پل میں
بدل ڈالتی ہیں اس حقیقت کو
کہ ہم کون ہیں..." (سیموئیل ڈیکر تھامپسن)

تاریخ تھی پانچ اپریل۔ شہر تھا اسلام آباد کا۔ اور وقت تھا صبح آٹھ بجے کا۔
ہماری کہانی ایک غیر متوقع فون کال سے شروع ہوتی ہے جو اس صبح کیف جمال کو موصول ہوئی تھی۔
کیف ان دنوں ہر بے روزگار اور ناکام انٹرپرینیئر کی طرح دن چڑھے تک سویا کرتا تھا۔ اور دوپہر سے فجر تک کام کی تلاش میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ گہری نیند میں تھا جب گھنٹی بجی۔ اس نے سوئے ہوئے دماغ کے ساتھ فون کان سے لگایا۔

نمبر غیر شناسا تھا اور آواز خشک۔ کوئی ادھیڑ عمر مرد تھا جو اسے بتا رہا تھا کہ اس کا باس جو حال ہی میں برطانیہ سے آیا ہے اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کے پاس کیف کے لیے ایک جاب آفر ہے۔

''کون ہیں آپ کے باس؟'' وہ جمائی روکتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ آنکھیں مسلیں۔ وقت دیکھا۔

''ماہر فرید۔''

''مگر میں کسی ماہر فرید کو نہیں جانتا۔''

''جان جاؤ گے۔''

ادھیڑ عمر آدمی نے کال کاٹ دی۔

قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد کیف اوبر میں سوار اس لوکیشن کی طرف جا رہا تھا جو اس نامعلوم شخص نے بھیجی تھی۔

راستے میں اس نے گوگل کا سہارا لے کر ماہر فرید کو کھوجنا چاہا۔ ویسے تو بہت سے لوگ تھے اس نام کے لیکن انگلینڈ سے تعلق رکھنے والا ماہر فرید اسے ایک ہی ملا۔ اس کا کوئی سوشل میڈیا اکاؤنٹ نہیں تھا۔ بس ایک فیس بک گروپ پہ اس کا تذکرہ نظر آیا جو کہ اس کی کاؤنٹی کے چند رہائشیوں کے کمنٹس کی شکل میں تھا۔ کیف دلچسپی سے پڑھتے گیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ ماہر فرید کسی معروف کاروباری شخصیت کا بیٹا تھا اور اس کو کوئی ذہنی عارضہ لاحق تھا۔ چند برس قبل اس کے اپنے ماں باپ نے اسے ذہنی امراض کے ایک انسٹی ٹیوشن میں داخل کروا دیا تھا۔ وہ ایک مدت وہاں زیرِ علاج رہا تھا۔

یہاں تک پڑھ کے کیف کا دل عجیب سا ہونے لگا۔ لیکن اگلی معلومات زیادہ چونکا دینے والی تھیں۔

کسی نے گوسپ کے انداز میں لکھا تھا کہ جن دنوں ماہر زیرِ علاج تھا' اس کے باپ نے ماہر کو اپنی جائیداد سے بے دخل کرنے کا اعلان کر دیا تھا اور وہ سب کچھ اپنی بیٹی کے نام چھوڑنا چاہتے تھے۔ ابھی وصیت کو قانونی شکل نہیں دی گئی تھی جب ایک کار کریش میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد ماہر کی ماں اور بہن ملک چھوڑ کے چلے گئے۔ اور نجانے کیسے لیکن ماہر فرید کے ڈاکٹرز نے اسے کلیئر قرار دے کر ڈسچارج کر دیا۔ یوں وہ واپس اپنے گھر آ گیا۔ اور یقیناً اب وہ اپنے ماں باپ کے تمام اثاثوں کا مالک تھا۔

یہ خبر دو برس پرانی تھی۔

کیف نے مزید سرچ کرنا چاہا لیکن اس کے علاوہ انٹرنیٹ پہ اس شخص کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

ہوٹل آ چکا تھا۔یہیں ملاقات طے کی گئی تھی۔ایک لمحے کے لیے کیف جمال کا دل چاہا کہ وہ واپس پلٹ جائے۔ لیکن کیا معلوم یہ کوئی اور ماہر فرید ہو؟ایک دفعہ ملنے میں کیا حرج ہے؟

چند منٹ بعد وہ لفٹ میں سوار تھا جو اسے چوتھے فلور کی طرف لے کر جا رہی تھی۔

(شاید مجھے بہتر حلیے میں آنا چاہیے تھا۔) لفٹ کے قد آور آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

کیف ایک خوش شکل نوجوان تھا۔البتہ اس کا حلیہ بے پرواہ سا تھا۔ماتھے پہ بکھرے بال۔بڑھی ہوئی شیو۔جینز کے نیچے سفید جوگرز جو مٹیالے ہو چکے تھے۔پوری آستین کی چیک والی شرٹ جس کے بٹن کھلے تھے اور نیچے پہنی سفید شرٹ جھلکتی تھی۔اس نے بالوں میں ہاتھ پھیر کے انہیں درست کرنا چاہا لیکن کوئی فائدہ نہ تھا۔

چوتھے فلور پہ وہ لفٹ سے نکلا تو سامنے مرمریں راہداری تھی۔فاصلے فاصلے پہ کمروں کے دروازے تھے۔

کیف نے گردن اٹھا کے ہوٹل کی شان و شوکت کو دیکھا۔یہاں رہائش پذیر انسان کو اس سے کیا کام ہو سکتا تھا؟

کیف جمال ایک ناکام آنٹر پیرونیئر ہونے کے علاوہ ایک ایونٹ فوٹوگرافر بھی تھا جس کو لوگ عموماً انسٹاگرام یا فیس بک کے ذریعے ہائر کیا کرتے تھے۔اس جیسے اس شہر میں سینکڑوں دوسرے فوٹوگرافرز بھی تھے۔پھر ماہر فرید نے اسے ہی کیوں بلایا؟

کمرے کا دروازہ ایک ادھیڑ عمر شخص نے کھولا۔وہ بادامی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا اور اس کے بال اتنے سفید تھے کہ سلور لگتے تھے۔اس نے سپاٹ تاثرات کے ساتھ سر سے پیر تک کیف کا جائزہ لیا۔پھر خوش آمدید کہہ کے راستہ چھوڑ دیا۔وہ آواز سے پہچان گیا۔یہ وہی شخص تھا جس نے اسے کال کی تھی۔ماہر فرید کا مینیجر۔

کیف تیز ہوتی دھڑکن کے ساتھ اندر داخل ہوا۔سوئیٹ کافی وسیع اور شاندار تھا۔سارے میں لیونڈر اور موتیے کی خوشبو پھیلی تھی۔دیوار گیر کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور باہر پھیلی روشن صبح دکھائی دیتی تھی۔

کھڑکی کے آگے رکھے بڑے صوفے پہ ایک آدمی ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔وہ مسکراتے ہوئے کیف کو اندر آتے دیکھ رہا تھا۔گرے پینٹ اور سفید شرٹ پہ چارکول ویسٹ پہنے وہ ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے ہوئے تھا۔پیچھے سے آتی روشنی میں اس کے کف لنکس چمک رہے تھے۔

وہ اس کی توقع سے زیادہ جوان اور وجیہہ تھا۔کلین شیو چہرہ،جیل سے سیٹ بال،اور پرکشش آنکھیں۔نہ چاہتے ہوئے بھی کیف کا دل مرعوبیت سے بھر گیا۔اس نے جس طرح کے شخص کا خاکہ ذہن میں بنایا تھا،یہ آدمی اس سے کہیں مختلف اور شاندار تھا۔

''آؤ کیف۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' بے تکلفی سے مسکرا کے ماہر فرید نے خالی صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھنے سے ماہر کا ایک بوٹ فضا میں تھا۔ اس بوٹ کی سیاہ چمکیلی سطح پہ کیف کا عکس نظر آ رہا تھا۔

''آپ یقیناً ماہر فرید ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے بیٹھا۔

دونوں کے درمیان شیشے کی میز تھی جس پہ لیدر کور والی بھوری ڈائری رکھی تھی۔ کچھ تھا اس کمرے کی فضا میں جو اعصاب پہ سوار ہوتا تھا۔ لیوٹڈر اور موبیے کی خوشبو اب محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ خاموش کمرے میں واحد آواز ماہر فرید کے ناخنوں سے آ رہی تھی جنہیں وہ صوفے کے ہتھے سے عادتاً رگڑ رہا تھا۔

کیف نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس شخص کی امارت اور وجاہت کے رعب میں نہیں آئے گا۔ کھنکھار کے پوچھا۔

''آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے تھے؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے میں تم سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھنے لگا۔

''میں ایک فوٹوگرافر ہوں اور لوگ مجھے فوٹوگرافی کے لیے ہی بلاتے ہیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

ماہر نے صوفے کی پشت سے بازو ہٹایا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا لیے۔ نظریں ہنوز اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''صرف فوٹوگرافر؟ اونہوں۔'' اس نے دائیں سے بائیں گردن ہلائی۔ ''تم ایک انٹرپرینیئر بھی ہو۔ ناکام انٹرپرینیئر۔ تم نے اپنا بزنس شروع کیا تھا۔ بلکہ ایک نہیں' تم نے بہت سے کام شروع کر کے چھوڑے ہیں۔ بہت سی نوکریاں بھی کی ہیں۔''

کیف نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر مینیجر کو۔ یہ بات غیر متوقع تھی۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''آپ میرے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتے ہیں؟''

''زیادہ نہیں جانتا۔'' ماہر پیچھے کو ہوا اور کندھے بے پروائی سے اچکائے۔ ناخن پھر سے صوفے کے ہتھے سے رگڑنے لگا۔ ''بس اتنا معلوم ہے کہ تمہارا آخری کاروبار نہ صرف ناکام ہوا ہے بلکہ اس نے تمہیں بہت سے قرضوں میں ڈبو دیا ہے۔ اب حال یہ ہے تمہارا کیف کہ جن لوگوں کے پیسے تم نے ڈبوئے تھے' وہ تمہاری جان کو آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری بہن کا شوہر بھی ہے۔ تمہاری فیملی لائف اس بات سے کتنی متاثر ہو رہی ہوگی' میں سمجھ سکتا ہوں۔''

کیف کے ماتھے پہ شکن پڑی۔ جسم کے سارے اعصاب تن سے گئے۔ ''آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

اس نے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

''میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' ماہر فرید اس کی آنکھوں میں جھانک کے مسکرایا۔ اسے انٹرنیٹ پہ پڑھی باتیں یاد آئیں۔ کیا یہ کسی سائیکو پیتھ کی آنکھیں تھیں؟

''کیسے؟'' (وہ پوچھنا چاہتا تھا ''کیوں'' لیکن منہ سے کیسے پھسل گیا۔ کیا وہ مدد کے لیے اتنا بے تاب تھا؟)

''میرے پاس تمہارے لیے ایک جاب ہے۔''

کیف کے اندر کسی نے سرگوشی کی۔ ابھی بھی وقت ہے' یہاں سے بھاگ جاؤ کیف۔ ورنہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ لیکن وہ نہیں بھاگ سکا۔ مجبوریوں نے اس کے قدم زنجیر کر رکھے تھے۔ اسے اس پراسرار شخص کی آفر سننی تھی۔

''اگر تم چند ماہ تک میرے لیے کام کرو تو میں تمہارے سارے قرضے بھی اتروا دوں گا' اور اگر تم دوبارہ کاروبار کرنا چاہو تو اس کو سیٹ کرنے میں تمہاری مدد بھی کروں گا۔ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اتنا تو تم میرے بارے میں جان چکے ہو گے۔''

اس کے لہجے کی ہمدردی بھی کیف کو مصنوعی لگی۔ کچھ ناقابلِ اعتبار سا تھا اس شخص کے بارے میں۔

''مجھے کیا کرنا ہو گا؟''

ماہر فرید کے چہرے پہ بھرپور مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ایک گہری سانس باہر کو خارج کی۔ (بالآخر۔) اس نے میز پہ رکھی بھورے لیدر کور کی ڈائری اٹھائی۔ دو انگلیوں سے ڈائری کے اندر سے ایک تصویر نکالی اور سامنے رکھی۔ کیف نے نظریں جھکا کے دیکھا۔

وہ ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ چہرے کا کلوز اپ۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں اور بھورے بال ڈھیلے جوڑے میں بندھے تھے۔ وہ ایک بے داغ' شفاف سا چہرہ تھا۔ ایسے چہرے انسان ہر روز نہیں دیکھتا۔

''تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟''

کیف نے نفی میں گردن ہلائی۔

''یہ تمہاری کزن صفورا کی دوست ہے۔''

''او کے۔'' کیف نے الجھ کے اسے دیکھا۔ صفورا اس کی امیر سیکنڈ کزن تھی۔ مہینوں بعد اس سے ملاقات ہوا کرتی' اور اس میں بھی صفورا اس کو اسٹیبلیش ہونے کے لیکچرز دیتی تھی۔ تنگ آ کے اس نے صفورا کی فیملی سے ملنا ہی

چھوڑ رکھا تھا۔

''صفورا نے اپنی اس دوست (تصویر اٹھا کے دکھائی) کو دو تین دفعہ سیکیورٹی گارڈز رکھوا کے دیے ہیں لیکن اس لڑکی کے پاس زیادہ دن تک کوئی گارڈ نہیں ٹکتا۔ پچھلے ہفتے اس نے پھر سے صفورا سے کوئی قابلِ بھروسہ گارڈ ڈھونڈنے کے لیے کہا ہے۔''

سفید بالوں والا مینیجر اس دوران باری باری ان دونوں کو دیکھ رہا تھا جیسے ٹینس کے میچ میں گیند کا نظروں سے تعاقب کر رہا ہو۔

''او کے؟'' کیف ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''تم' کیف... تم اپنی کزن صفورا سے کہو گے کہ وہ اس لڑکی سے تمہاری سفارش کرے اور تمہیں اس کے پاس گارڈ کی جاب دلوا دے۔ ویسے بھی تم نے چند برس پہلے ایک سیکیورٹی کمپنی میں دو ماہ کے لیے کام کیا تھا۔ تمہارے پاس تجربہ بھی ہے اور تمہیں ضرورت بھی ہے۔ مجھے امید ہے صفورا تمہیں انکار نہیں کرے گی۔'' تصویر رکھی اور مسکرا کے کندھے اچکائے۔ ''بس اتنا سا کام ہے۔''

بالآخر معاملہ کیف کی سمجھ میں آنے لگا۔

''آپ... آپ چاہتے ہیں کہ میں صفورا کی دوست کا گارڈ بن جاؤں۔ اس کا اعتماد حاصل کروں۔ مگر کیوں؟''

ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرے پہ سختی در آئی۔

''ایسے کاموں میں کیوں نہیں پوچھتے۔ کام کی قیمت پوچھتے ہیں۔'' ابرو اٹھا کے سرد لہجے میں تنبیہ کی۔

چند لمحے کے لیے سٹنگ روم میں سناٹا چھا گیا۔ ساری خوشبوئیں مر گئیں۔ اب صرف ایک احساسِ یرغمالی تھا۔

''دیکھیں...'' وہ قدرے دھیمے لہجے میں بولا۔ ''مجھے اتنا تو بتائیں کہ مجھے اس کے پاس جاب کر کے کیا کرنا ہے؟ میرا مقصد کیا ہوگا؟ میں کوئی برا انسان نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے میرے مسئلے ہیں لیکن میں کچھ غلط نہیں کرنا چاہتا۔''

ماہر فرید نے بدمزہ ہو کے مینیجر کو دیکھا۔ ''بہت بولتا ہے یہ۔''

مینیجر نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ پھر کوٹ کی جیب سے ایک پرچی نکال کے کیف کے سامنے رکھی۔ اس پہ ایک رقم درج تھی۔

کیف نے رقم کے ہندسے پڑھے۔ پھر صفر گنے۔ ایک بار۔ دو بار۔ اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ نظریں اٹھا

کے تذبذب سے ماہر کو دیکھا۔

''بدلے میں آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''اتنے پیسے کوئی نیک کام کے لیے نہیں دیا کرتا' کیف۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولا۔

کیف نے پرچی پہ درج رقم دوبارہ پڑھی۔ پھر سر جھکا دیا۔ اتنا کہ تھوڑی سینے سے لگنے لگی۔

''کسی لڑکی کا گارڈ بننے کا مطلب ہے سایے کی طرح اس کے ساتھ رہنا۔ اس پہ نظر رکھنا۔ اس کو نقصان پہنچانا۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔

ماہر فرید کچھ دیر اس کے جھکے سر کو گھورتا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ کیف نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ صوفے کے پیچھے چلا گیا اور کھڑکی کے سامنے چکر کاٹنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ پنڈولم کی طرح۔ وہ جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر قدم روک کے دور بیٹھے کیف کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔ نہ مانو میری بات۔ پھر کیا کرو گے؟'' اس کی آواز میں نرمی تھی جیسے سمجھا رہا ہو۔'' کاروبار میں نقصان اور قرضوں نے تمہاری سوشل لائف ختم کر کے رکھ دی ہے۔ مرد کا معاشی طور پہ اسٹیبلشڈ نہ ہونا اس کی عزت آدھی کر دیتا ہے۔ وہ لوگوں سے ملنا چھوڑ دیتا ہے۔ لاؤنج لزرڈ lounge lizard بن جاتا ہے۔ گھر سے نہیں نکلتا اور نکلتا ہے تو ایسے جوتے پہن کے۔''

کیف نے چونک کے اپنے جوتوں کو دیکھا۔ سفید جوگرز اب مٹیالے ہو چکے تھے۔ اس نے پیر قدرے پیچھے کیے لیکن وہ ان کو چھپا نہیں سکتا تھا۔

''دوسری طرف میری آفر ہے۔'' ماہر فرید واپس اس کے سامنے آ کے بیٹھا۔'' میرے لیے صرف دو ماہ کام کرو۔ صرف دو ماہ۔ اور ساتھ اپنی فوٹوگرافی جاری رکھو اور اپنا نیا بزنس پلان بناؤ۔ دو ماہ ختم ہوتے ہی میں تمہارا بزنس خود سیٹ کروا دوں گا۔ مارکیٹنگ' نیٹ ورکنگ' میری ٹیم سب کر لے گی۔ صرف دو ماہ۔'' وکٹری کی دو انگلیاں بنا کے دکھائیں۔

''آپ اپنا کام کسی سے بھی کروا سکتے ہیں۔ پھر میں ہی کیوں؟''

ماہر فرید پیچھے کو ہوا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اب کے وہ بولا تو آواز میں برہمی تھی۔''تم میرا کام کرو گے یا

نہیں؟''

کیف جمال کا چہرہ ہلکا سا سرخ ہوا۔''اوہ۔آپ جلدی میں ہیں؟اگر میں جا کے صفورا کو بتا دوں کہ کوئی اس کی دوست کو اسٹالک کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو؟''

وہ کیف کو چند ثانیے دیکھتا رہا۔پھر ایک دم سے ہنس پڑا۔اور نفی میں سر ہلایا۔

''تم یہ نہیں کرو گے۔''یہ کہتے ہوئے اس نے تصویر اٹھائی۔کیف کو تصویر کی پشت نظر آئی۔وہاں کچھ لکھا تھا۔پانچ الفاظ۔

''آپ کو کیسے معلوم کہ میں یہ نہیں کروں گا؟''وہ متعجب ہوا۔

ماہر فرید نے جواب نہیں دیا۔اس نے لیدر ڈائری کھولی۔کیف کی نظریں نیچے جھکیں۔وہ جسے ڈائری سمجھ رہا تھا'وہ دراصل فوٹو البم تھی۔اگلے ہی لمحے اس کا سانس رک گیا۔

پہلے صفحے پہ اوپر نیچے دو تصاویر تھیں۔اوپری تصویر ایک سیاہ بالوں والی لڑکی کی تھی۔وہ اس میں مسکرا رہی تھی۔

نچلی تصویر اسی لڑکی کی تھی لیکن اس کی آنکھیں نیلوں نیل تھیں۔پیشانی زخمی تھی اور ... پلکیں بند تھیں۔وہ شاید کسی لاش کی تصویر تھی۔

وہ آہستہ آہستہ صفحے پلٹانے لگا۔ہر صفحے پہ اوپر ایک لڑکی کی زندگی سے بھرپور تصویر ہوتی اور نیچے زخمی یا لاش جیسے تصویر۔تصویریں مختلف لڑکیوں کی تھیں۔

اس نے چھٹا صفحہ پلٹایا تو وہ خالی تھا۔اس نے اوپری خانے میں سبز آنکھوں والی لڑکی کی تصویر ڈال دی۔

نیچے جگہ ابھی خالی تھی۔

کیف اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔اطراف میں ساری خوشبوئیں دم توڑ گئی تھیں۔اب صرف کافور کی بو تھی جو اندر باہر پھیلی تھی۔

ماہر فرید نے کھلی ہوئی البم پرے دھکیلی اور نظریں اٹھا کے کیف کو دیکھا۔پھر اس نے دو فقرے بولے۔وہ دو فقرے اس کی ساری گفتگو پہ بھاری تھے۔کیف جمال نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔پرچی پہ لکھے صفر گئے۔یہ اس کے قرضے اتارنے کے لیے کافی تھے۔اور ان دو فقروں کے بعد اس کے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔صرف دو ماہ کے لیے وہ یہ کام کر سکتا تھا۔

''میں تیار ہوں۔''

ماہر فرید مسکرایا۔ ''گڈ بوائے۔'' پھر مینیجر کو اشارہ کیا۔ اس نے جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کے کیف کے سامنے رکھا۔

''یہ کام کے علاوہ ہیں۔ صرف اس لیے کہ تم نئے جوتے خرید سکو۔ آئندہ کسی ورک میٹنگ پہ ایسے جوتے پہن کے مت آنا۔'' نرمی سے تنبیہ کی۔ ''اب تم جاؤ۔ مالک تم سے خود رابطہ کرلے گا۔'' سفید بالوں والے کی طرف اشارہ کیا۔

کیف نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی' پیکٹ اٹھایا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

''مجھے اس لڑکے پہ اعتبار نہیں ہے' ماہر۔'' اس کے جاتے ہی مالک ناخوشی سے بولا۔

''اعتبار تو مجھے تم پہ بھی نہیں ہے۔ لیکن ہم ساتھ کام کر رہے ہیں نا۔'' وہ عام سے لہجے میں کہتے ہوئے اٹھا اور کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دوپہر کی سنہری روشنی سیدھی اس کے چہرے پہ پڑنے لگی۔ ماہر نے آنکھیں بند کر لیں۔

''ماہر...'' مینیجر نے پکارا۔ ''انتقام کے سفر پہ نکلنے والے کو چاہیے کہ وہ دو قبریں کھود لے۔ ایک دشمن کی اور ایک خود اپنی۔''

''یہ Confucius نے کہا تھا۔ اور جانتے ہو اسے کیا چیز قبر تک لے گئی تھی؟ اپنے بیٹوں کی موت کا غم۔'' وہ آنکھیں بند کیے کہہ رہا تھا۔ سرد سی سرگوشی میں۔ ''موت سے بڑا کوئی غم نہیں ہے' مالک۔''

میز پہ البم یونہی کھلا رکھا تھا۔ مالک نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ پھر ہاتھ بڑھا کے چھٹا صفحہ پلٹایا تو سبز آنکھوں والی لڑکی کی تصویر کی پشت دکھائی دینے لگی۔

وہاں اردو میں لکھا تھا۔

''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ تھی گیارہ اپریل اور شہر تھا اسلام آباد کا۔

آج کا دن اہم تھا کیونکہ آج کشمالہ کی زندگی بدلنے جا رہی تھی۔ لیکن اپنی صبح کا آغاز کرتے ہوئے اسے اس بات کا علم نہیں تھا۔

کسی کو بھی نہیں ہوتا۔

وہ بیڈروم میں آئینے کے سامنے کھڑی کانوں میں ٹاپس پہن رہی تھی جب موبائل کی مخصوص ٹون بجی۔ وہ مسکرا دی۔ یقیناً ماں کا فیملی گروپ پہ میسج آیا ہوگا۔ وہ بھی گڈ مارننگ کا۔ ماں ایک ہی میسج اپنے تینوں بچوں کو فیملی گروپ اور پرسنل چیٹ پہ الگ الگ بھیجتی تھیں۔ اس نے ٹاپس پہن کے موبائل اٹھایا اور میسج کھولا۔

ماں نے گڈ مارننگ کے ساتھ پوچھا تھا کہ کیا وہ ویک اینڈ پہ عزہ کی شادی کے لیے لاہور آئے گی؟

''کل بتاؤں گی ماں۔'' اس نے مبہم سا جواب بھیج دیا۔ یہاں ریستوران میں اتنے کام پڑے تھے۔ وہ کیسے جائے گی لاہور؟ وہ کل معذرت کر لے گی۔

اپنی تیاری مکمل کر کے اس نے سر سے پیر تک آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ اس نے نیوی بلیو لمبی قمیض کے ساتھ ہم رنگ دوپٹہ کندھے پہ ڈال رکھا تھا۔ بین گلے سے گردن میں پہنا ننھا سا ڈائمنڈ لاکٹ جھلک رہا تھا۔ پیروں میں زرد ہائی ہیلز تھیں۔ لمبے بھورے بال فرنچ جوڑے میں بندھے تھے۔ بیضوی چہرہ گلابی سفید سا تھا جیسے عموماً پٹھان لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ اور آنکھیں سبز تھیں جن کے گرد لائنر لگا تھا۔ جیسے سیاہ پیالے میں سبز پانی ہو۔

اس نے چہرہ دائیں بائیں گھما کے دیکھا۔ اسکن بے داغ تھی۔ کوئی ایک پمپل بھی نہ تھا۔ اس نے جوڑے سے دو لٹیں نکالیں اور انگلی سے رول کر کے چھوڑ دیں۔ وہ چہرے کے دونوں اطراف میں ٹھہر گئیں۔ اپنے عکس کو دیکھ کے مسکرائی۔ وہ کام پہ جانے کے لیے تیار تھی۔

ماں ہوتیں سامنے تو کہتیں کہ ان کی کوئی بیٹی حسن میں ان پہ نہیں گئی۔ کہاں اپنے زمانے کی حسین ترین حورِ جہاں بیگم۔ اور کہاں ماہ بینہ اور کشمالہ۔ ایک تو ماں کی جج مینٹل آواز ہمیشہ ذہن کے پسِ منظر میں گونجتی تھی۔ جانے سارا زمانہ کہے کہ ماہی (ماہ بینہ) اور مالا (کشمالہ) جیسا حسین کوئی نہ تھا' ماں نے نہیں ماننا تھا۔ وہ ماں کو یاد کر کے زیرِ لب مسکراتی ہوئی کھڑکی تک آئی۔

کھڑکی میں تین ننھے گملے رکھے تھے۔ ان میں سٹیپلیا' بیگونیا اور ہیورتھیا اُگے تھے۔ کشمالہ نے چہرہ ان کی سطح تک جھکا کے دیکھا۔ باقی دونوں کی نئی گروتھ نظر آ رہی تھی۔ مگر ہیورتھیا کے پتے بھورے ہو رہے تھے۔ شاید روشنی اس کے لیے تیز تھی۔ اس نے پودے کو ذرا پیچھے کر دیا۔

وہ باہر جانے کے لیے لاؤنج میں آئی۔ کونے میں رکھی ورک ٹیبل سے زرد ہینڈ بیگ اور لیپ ٹاپ اٹھایا۔ پھر بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ تبھی نگاہ میں کچھ کھٹکا۔ کشمالہ کے قدم زنجیر ہوئے۔ گردن دھیرے سے دائیں

جانب موڑی۔

دیوار گیر بک شیلف میں ایک موٹی سی کتاب کی جگہ خالی تھی۔

کشمالہ کی نگاہوں نے نیچے میز تک کا سفر کیا۔ وہاں ایک ویبز ڈکشنری رکھی تھی۔

یہ شیلف سے نیچے کیسے آئی؟

اس نے چونک کے ٹیرس کے دروازے کو دیکھا۔ وہ بند تھا۔ کھڑکیاں بھی اندر سے مقفل تھیں۔

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ رات کو جب میں گھر آئی تھی' تب یہ کتاب اپنی جگہ پہ تھی یا نہیں؟ مگر کچھ یاد نہ آیا۔

اس نے سر جھٹکا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ صفورا نے کہا تھا کہ وہ نئے گارڈ کے لیے کسی کو آج بھیج رہی ہے۔ گارڈ آجائے گا تو یہ مسئلہ نہیں ہوگا۔ اسے ابھی اس معاملے کی فکر نہیں کرنی تھی۔ اسے اپنے نئے بزنس پلان پہ فوکس کرنا تھا۔

اور اس بارے میں سوچتے ہی مالا کے لبوں پہ ایکسائٹمنٹ بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

وہ بیرونی زینے اترتے ہوئے نیچے آئی۔ وہ ماموں کے گھر کی بالائی منزل پہ بطور پے انگ گیسٹ رہتی تھی۔ ماموں ممانی اور ان کی فیملی نیچے رہتے تھے۔ دونوں کی ملاقات ہفتوں بعد ہوا کرتی تھی۔

باہر ہوا ٹھنڈی تھی اور آسمان پہ سیاہ بادل تھے۔ آج خوب بارش برسنی تھی۔ کچن کے جالی دار دروازے سے ناشتے کی مہک پورچ تک آرہی تھی۔ وہ دروازے پہ رکی اور جالی سے اندر جھانکا۔ نسرین کام کرتی دکھائی دے رہی تھی۔

''نسرین... کل میرے پورشن میں کوئی آیا تھا؟''

''نہیں باجی۔ کوثر تو چھٹی پہ ہے دو دن سے۔'' اس نے صفائی والی لڑکی کا نام لیا۔

کشمالہ پورچ کی طرف بڑھ گئی۔ البتہ اس کی سوچتی نظروں نے گیٹ اور لان کا جائزہ ضرور لیا تھا۔ کون تھا جو اس کی غیر موجودگی میں اس کے پورشن میں آتا تھا؟ بلکہ نہیں۔ اسے ابھی اس بارے میں نہیں سوچنا تھا۔ اسے آج ظہیر کو اپنے نئے بزنس پلان کی پریزنٹیشن دینی تھی۔ اسے اپنی توانائی برقرار رکھنی تھی۔

ظہیر اس کا کلاس فیلو تھا۔ دونوں نے لاہور میں ایک ساتھ گریجویٹ کیا تھا۔ پھر ظہیر اسلام آباد واپس آگیا۔ کشمالہ کے پاس آئیڈیاز تھے اور ہمیشہ ہی ہوتے تھے۔ اور ظہیر کے پاس سرمایہ تھا جو کشمالہ کے پاس نہیں تھا۔ ابا بچپن میں ہی کہیں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ سعودیہ میں جاب کرتے تھے۔ بچوں سے تعلق نہ ہونے کے

برابر تھا۔ چارسدہ میں ان کی زمینیں اور باغ تھے۔ ابا کی وفات کے بعد بھی ماں نے کبھی نوکری نہیں کی۔ صرف حساب کتاب کیے۔ زمینوں اور ٹھیکوں کے رجسٹر سنبھالے۔ لیکن اپنے تینوں بچوں کو ایک اچھی زندگی اور اعلیٰ تعلیم فراہم کردی۔

ماہی آرکیٹیکٹ تھی۔ معید ڈاکٹر بن چکا تھا۔ اور کشمالہ کو ہمیشہ سے ''اپنا کام'' کرنے کا شوق تھا۔

لیکن پانچ سال پہلے جب اس نے اپنا کام شروع کرنے کا سوچا تو اس کے پاس سرمایا نہیں تھا۔ ان دنوں ماں کو بھی ماہ بینہ (ماہی) کی شادی کرنی تھی۔ گو کہ ماہی اس سے چھوٹی تھی لیکن اس کی عباد سے منگنی برسوں سے طے تھی۔ عباد ان کی سگی خالہ کا بیٹا تھا۔ کشمالہ ان حالات میں ماں پہ بوجھ نہیں ڈال سکتی تھی۔ سو اس کو ظہیر کی انویسٹمنٹ کی ضرورت تھی۔

یوں پانچ برس پہلے ظہیر اور اس نے مل کے ایک بزنس کی بنیاد رکھی۔ ظہیر کی انویسٹمنٹ اور مالا کے آئیڈیاز اور محنت۔ اس وقت جو ناممکن لگتا تھا' وہ پانچ برس بعد شہر کے معروف اور ایلیٹ ریسٹورانٹس میں شمار ہونے لگا تھا۔

اوشن۔ Ocean

اور اوشن (ریستوران) کے لیے اس نے پانچ برس پہلے لاہور چھوڑ دیا تھا۔ ماں اس فیصلے سے خوش نہیں تھیں لیکن انہوں نے کبھی منع نہیں کیا۔ ہمیشہ ساتھ دیا۔ معید میڈیکل پڑھ رہا تھا اور ماں کے ساتھ ہوتا تھا۔ پھر ماہی اور عباد بھی اسی کالونی میں رہتے تھے۔ یوں ماں کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

ایک سال پہلے عباد کی کینیڈا میں جاب لگ گئی تھی۔ پہلے وہ گیا اور پھر چھے ماہ پہلے ماہی بھی کینیڈا چلی گئی۔ ماں کے پاس صرف معید تھا جو سرجری میں ٹریننگ کر رہا تھا۔ ایک احساس ہوتا تھا کہ ماں قدرے اکیلی ہوگئی ہوں گی۔ وہ سوچتی بھی تھی کہ ہر دوسرے ویک اینڈ پہ لاہور جایا کرے گی۔ لیکن لاہور جاتے جاتے اسے ایک ڈیڑھ ماہ گزر جایا کرتا تھا۔ اور اب... اب وہ اوشن کے لیے ایک نئے بزنس پلان پہ کام کرنے جا رہی تھی۔ اب تو شاید وہ چھے ماہ بعد لاہور جا سکے گی۔

یہ نیا آئیڈیا اسے چند ہفتے قبل آیا تھا۔ اوشن کے پیچھے کچھ جگہ خالی تھی جو ظہیر کی ملکیت تھی۔ پلان یہ تھا کہ وہ دونوں مل کے وہاں ایک بیکری بنائیں۔ لیکن وہ ایک منفرد طرز کی بیکری ہوگی۔ اور اس دفعہ کشمالہ خود بھی انویسٹ کرے گی۔ اس نے ابھی ظہیر کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔ وہ ایک ہی دفعہ پوری تیاری کے ساتھ اسے پریزنٹیشن کے ذریعے بتانا چاہتی تھی تاکہ وہ انکار نہ کر سکے۔

ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ دفعتاً موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ جانتی تھی اس وقت کس کی ویڈیو کال آسکتی تھی۔ اس نے ہولڈر میں لگے فون کا بٹن دبایا۔ اسکرین پہ ویڈیو کال روشن ہوگئی۔

''کیسی ہو ماہی؟''

''ہمیشہ کی طرح خوبصورت۔'' ماہی کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ مالا نے اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے مسکرا کے موبائل اسکرین کو دیکھا۔ وہاں ماہی نظر آرہی تھی۔ کینیڈا میں اس وقت رات تھی۔ ماہی کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی جوسر کے جگ سے جوس گلاس میں انڈیل رہی تھی۔ گوری رنگت' گلابی گال' اور بھوری آنکھوں والی ماہی ایک کیوٹ سی پٹھان لڑکی تھی۔ بال چھوٹے اور باب اسٹائل میں کٹے تھے۔ ایک طرف سے کان کے پیچھے اڑسے ہوئے۔ اور دوسری طرف گال پہ آگے کو گرتے ہوئے۔ یہ ماہی کا سگنیچر ہیئر کٹ تھا جس کو وہ کبھی نہیں بدلتی تھی۔

''تم نے ظہیر کو اپنا بزنس پلان دکھانا ہے نا آج۔ سوچا تمہیں وش کر دوں۔'' ماہی جگ سے گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تھینک یو ماہی۔ اور تم ٹھیک ہو؟ اپنا خیال رکھتی ہو نا؟''

''مجھے چھوڑو۔ ظہیر کا بتاؤ۔ وہ مان جائے گا نا؟'' ماہی کچن اسٹول پہ بیٹھی۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ رکھیں اور جوس کا گلاس کہنیوں کے درمیان رکھا۔ پھر اسٹرا ہونٹوں کے بیچ ڈال کے گھونٹ بھرا۔

''وہ بزنس مین ہے۔ اتنے اچھے آئیڈیا کو ناں نہیں کہے گا۔''

''تم نا ظہیر پہ زیادہ ہی ٹرسٹ کرتی ہو۔'' اسٹرا ہٹا کے اس نے خفگی سے کہا۔ آنکھیں شکی انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ ''وہ دل کا شیخ ہے۔ میں بتا رہی ہوں وہ تمہیں انویسٹ نہیں کرنے دے گا۔ سارا پرافٹ اور کنٹرول اسے خود چاہیے۔''

کشمالہ ڈرائیو کرتے ہوئے مسکرا دی۔ ''کیوں اتنا شک کرتی ہو لوگوں پہ؟''

''تم جو بھی کہو... لیکن ماہی کی جج منٹ کبھی غلط نہیں ہوتی۔'' فخر سے کالر جھٹکا۔

کشمالہ مسکرا دی۔ ماہی ایسی ہی تھی۔ ماں کے مطابق ان کی سب سے زیادہ سمجھدار اولاد۔ اور مالا کے مطابق سب سے زیادہ شک کرنے والی۔ وہ خود اس کے برعکس تھی۔ سب پہ بھروسہ کرنے والی۔ لوگوں کو چانس دینے والی۔ اسی لیے اسے امید تھی ظہیر مان جائے گا۔

''مالا...'' ماہی کہتے کہتے رکی۔ کشمالہ اپنی بہن کو اتنے اچھے سے جانتی تھی کہ اسے معلوم تھا وہ اب کیا بات

کرنے جارہی ہے۔

''پھر تو کچھ نہیں ہوانا۔''

''نہیں۔اب میں چلتی ہوں۔اوشن آ گیا ہے۔''اس نے کتاب کے اپنی جگہ پہ نہ ہونے والی بات گول کر دی۔کم از کم اس وقت وہ ماہی کا لیکچر نہیں سن سکتی تھی۔

اوشن نامی ریستوران نیلے اور سفید رنگوں میں استوار کیا گیا تھا۔برامدے کی میزیں لوگوں سے پُر تھیں۔گفتگو' قہقہے' ناشتہ اور کافی کی مہک۔اندر کا ہال بھی تقریباً بھرا ہوا تھا۔ہر روز کی طرح۔اس کے آتے ہی ادھر ادھر جاتے عملے نے اسے جہاں دیکھا' وہیں رک کے سلام کیا۔

''بارش آنے والی ہے۔مزید مہمانوں کو لان میں مت بٹھاؤ۔''گزرتے ہوئے اس نے کسی کو روکا۔''اور پندرہ بیس منٹ تک جو بھی لان میں بیٹھا ہو' اس کو بہت ادب کے ساتھ برآمدے میں موو ہونے کے لیے کہہ دو۔''پھر ایک ویٹر کو روکا۔دو انگلیوں سے قریب آنے کی ہدایت دی۔وہ مودب سا چلا آیا۔

''اس کٹلری کو یہاں سے اٹھاؤ۔''تحکم سے ایک میز کی طرف اشارہ کیا۔''اور فاروق سے کہو اس کو واش کر کے ڈرائی کر کے بھیجے۔مجھے اتنی دور سے اس پہ پانی کے داغ نظر آ رہے ہیں۔''لہجہ دوٹوک مگر نرم تھا۔کہہ کے وہ رکی نہیں۔ہائی ہیلز سے چلتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

اوپر آ کے پہلے ظہیر کے آفس میں جھانکا۔وہ وہاں نہیں تھا۔وہ دیر سے آتا تھا اور جلدی چلا جاتا تھا۔خیر ہے۔وہ اس کا انتظار کر لے گی۔پھر وہ اپنے آفس میں آئی جہاں ساعقہ پانی کی ٹھنڈی بوتل اور اس کی کافی رکھ رہی تھی۔

''تھینکس ساعقہ۔''وہ مسکرا کے اپنی سیٹ کی طرف آئی۔اس کا آفس چھوٹا سا تھا۔آفس ٹیبل پہ کھڑکی سے سیدھی دھوپ پڑتی تھی۔وہاں کیکٹس کا ننھا سا سفید گملا رکھا تھا۔

''ہیلو شیلڈن۔''اس نے مسکرا کے گملے کی مٹی تک چہرہ جھکا کے اسے دیکھا۔سیدھا لمبا سا کیکٹس جس کا نام اس نے شیلڈن رکھا تھا۔وہ اسے گزشتہ روز کے مقابلے میں بڑا لگا تھا۔

''میم ...''ساعقہ نے جاتے جاتے کہا۔''کوئی کیف جمال آپ سے ملنے آیا ہے۔بھیجوں؟''

''ہاں اسے بھیجو۔''وہ اپنی پاور سیٹ پہ بیٹھی اور کمر پیچھے ٹکائی۔ایک سکون سا وجود میں بھر گیا۔اس کا یہ آرام دہ آفس۔(گردن موڑ کے کھڑکی کو دیکھا جو ٹیبل کے ساتھ بائیں طرف تھی) کھڑکی سے نیچے نظر آتا ریستوران کا لان۔پھول۔پودے۔کونے میں لگے گھنے درخت۔اوشن اس کی وہ جنت تھا جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا

تھا۔اور اب وہ اس کو مزید پھیلانے جا رہی تھی۔

لیکن پہلے اسے سیکیورٹی گارڈ کا انٹرویو کرنا تھا۔

اس نے موبائل پہ صفورا کی چیٹ کھولی۔اور کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کا میسج دوبارہ پڑھا۔وہ اپنے کزن کیف جمال کی سفارش کر رہی تھی۔وہ ضرورت مند بھی تھا اور قابلِ بھروسہ بھی۔صفورا نے تقریباً درخواست کے لہجے میں لکھا تھا کہ مالا اس کو جاب دے دے۔وہ پچھلے گارڈز کی طرح جاب چھوڑ کے نہیں جائے گا۔

انٹرویو بھی ایک فارمیلٹی ہی تھا۔صفورا نے کہہ دیا تو بس کہہ دیا۔صفورا بہت سوشل اور تعلقات رکھنے والی لڑکی تھی۔کسی کو ملازم چاہیے یا گارڈ صفورا سے سب سے پہلے رابطہ کیا جاتا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو کشمالہ نے سر اٹھایا اور کچھ کہنے لگی۔لیکن نووارد کو دیکھ کے رک گئی۔آنکھوں میں تعجب ابھرا۔

''کیا نام ہے آپ کا؟''تصدیق چاہی۔

''میں کیف ہوں۔کیف جمال۔''سامنے کھڑا نوجوان رسمی مسکرا کے بولا۔

''آپ سیکیورٹی گارڈ کی جاب کے لیے آئے ہیں؟''

''جی۔''اس نے اثبات میں سر ہلایا۔مالا نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔اس کے اب تک کے رکھے تمام گارڈز کرخت چہروں اور مونچھوں والے ہوتے تھے۔یہ ایک پڑھا لکھا'اسمارٹ سا نوجوان لگتا تھا۔حلیہ بے پرواہ سا تھا۔بال ماتھے پہ کٹے ہوئے اور بل دار تھے۔ان کو پیچھے کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔چہرے پہ چند دن کی بڑھی شیو تھی۔آنکھیں بھوری تھیں اور رنگت کھلتی ہوئی۔جینز کے اوپر ملٹری گرین رنگ کی کالر شرٹ پہنے ہوئے تھا۔گریبان کے اوپری بٹن کھلے تھے اور نیچے سے سفید شرٹ جھانک رہی تھی۔کف بھی ایک تہہ موڑے ہوئے تھے۔پیروں میں جرابوں کے بغیر سفید جوگرز تھے جو نئے لگتے تھے۔

اس کے اس بے ترتیب سے حلیے میں صرف اس کے جوگرز قابلِ ستائش تھے۔

''میں صفورا کا کزن ہوں۔''مسکرا کے بولا۔وہ مسکراتا تھا تو اس کے بائیں گال میں ڈمپل پڑتا تھا۔اس کے چہرے میں سب سے زیادہ پرکشش کیا تھا؟اس کے مسکرانے کا انداز؟یا اس کی بھوری آنکھوں کی لمبی اور مڑی ہوئی پلکیں؟

''تشریف رکھیے۔''

وہ بیٹھ گیا اور ایک فائل اس کے سامنے رکھی۔ پھر گردن ہلائے بنا نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ آفس چھوٹا سا تھا۔ تین دیواریں سفید تھیں۔ چوتھی دیوار پہ جنگل کے اونچے درخت پینٹ کیے گئے تھے۔ جگہ جگہ منی پلانٹس اوران ڈور پودوں کے گملے رکھے تھے۔ ان کی خوشبو کافی کی مہک میں مکس ہوگئی تھی۔

سامنے نیلے لباس میں بیٹھی لڑکی سر جھکائے اس کی فائل کے صفحے پلٹا رہی تھی۔ چہرے کے دونوں اطراف سے نکلتی لٹیں بھی فائل پہ جھکی تھیں۔ کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس دمک رہے تھے۔

کشمالہ نے فائل بند کردی۔ پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ اپنی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں سے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ تھا اس نوجوان کے بارے میں جو اس جاب انٹرویو سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ کچھ غیر فطری سا۔ وہ سمجھ نہیں پائی۔

''آپ نے صرف دو ماہ ایک پرائیوٹ سیکیورٹی فرم میں کام کیا ہے۔ وہ کام کیوں چھوڑا؟''

''میں ایک سیاستدان کے سیکیورٹی اسکواڈ میں شامل تھا۔ بطور پرسنل باڈی گارڈ۔ ٹائمنگ مشکل تھی۔ میں ساتھ ساتھ اپنے بزنس پلان پہ بھی کام کررہا تھا۔ دو چیزیں مینیج کرنا مشکل تھا۔''

''کس چیز کا بزنس کررہے تھے آپ؟'' وہ سیٹ پہ ٹیک لگائے سپاٹ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ جوڑے سے نکلی دو لٹیں اس کے چہرے کے دونوں اطراف کو چھو رہی تھیں۔

''میں پروفیشنل فوٹوگرافر ہوں۔ ہم دوستوں نے ایک ویڈنگ فوٹوگرافی کمپنی بنائی تھی جس میں ہم بہت سی سروسز مہیا کرتے تھے۔ لیکن وہ فلاپ ہوگئی۔'' ہلکے سے کندھے اچکائے۔''میں نے باہر سے بہت قیمتی equipment منگوالیا تھا جس کی وجہ سے میں شدید قرضوں میں گھرا ہوا ہوں اور وہی قرضے اتارنے کے لیے جاب کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے اس کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔

''کتنا قرضہ ہے آپ پہ؟''

''اتنا کہ اس جاب سے چند ماہ میں اتار لوں گا۔'' قدرے توقف سے بولا۔''آپ کو سیکیورٹی گارڈ چاہیے یا باڈی گارڈ؟''

''دونوں۔'' وہ سنجیدہ تھی۔''مگر آپ خود کو میرا ڈرائیور کہیں گے۔ صبح مجھے ریستوران ڈراپ کریں گے۔ شام کو یہاں سے پک کریں گے۔ اور رات میرے گھر ڈیوٹی دیں گے۔ جب تک میں ریستوران میں ہوتی ہوں مجھے آپ کی ضرورت نہیں۔ آپ گھر جا کے آرام یا کام وغیرہ کرسکتے ہیں۔''

''مجھے خود کو ڈرائیور کہنا ہے؟'' وہ جیسے سمجھا نہیں تھا۔

کشمالہ نے غیر آرام دہ انداز میں پہلو بدلا۔''میں اپنے رشتے داروں کے ساتھ رہتی ہوں۔ باڈی گارڈ کے لفظ سے وہ اُن کمفرٹیبل ہو جائیں گے۔''

''کیا ان کو نہیں معلوم کہ آپ کو سیکیورٹی تھریٹ ہے؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''ویسے نیچر آف تھریٹ کیا ہے؟''

کشمالہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ گردن موڑ کے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ آسمان اندھیر ہوتا جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے بادل گرج رہے تھے۔

کیف نے کھنکھار کے وضاحت کرنی چاہی۔''نیچر آف تھریٹ یعنی.....''

''مجھے معلوم ہے نیچر آف تھریٹ کیا ہوتا ہے۔ مگر میں ابھی اس بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔''

''حفاظت کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجھے خطرے کی نوعیت کا علم ہو۔''

''اور اگر علم نہ ہو تو؟'' اس نے سبز آنکھیں گھما کے کیف کو دیکھا۔

کیف نے گہری سانس لے کر ہلکے سے کندھے اُچکائے۔''میں تب بھی آپ کی حفاظت کروں گا۔ میں نے صفورا سے وعدہ کیا ہے۔ میں اپنی جاب میں بہت اچھا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ وہ واقعی اس کے گزشتہ گارڈز سے مختلف تھا۔ لیکن اچھا تھا۔ اس کے بات کرنے کے انداز میں ایک احساسِ تحفظ تھا۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔

''مجھے لگتا ہے کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔'' وہ بولی تو اس کی آواز ہلکی تھی۔ اس نے بھروسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آخر وہ صفورا کا کزن تھا۔

''صرف لگتا ہے یا کسی کو دیکھا بھی ہے؟'' وہ چونکا۔

''دیکھا نہیں ہے۔ لیکن وہ ثبوت چھوڑ جاتا ہے۔ وہ میرے گھر میں داخل ہوتا ہے اور چیزیں چھیڑ کے چلا جاتا ہے۔''

''سی سی ٹی وی میں نظر نہیں آیا؟''

کشمالہ نے نفی میں سر ہلایا۔''ممانی ان کے خلاف ہیں۔ صرف گیٹ پہ سی سی ٹی وی لگا ہوا ہے۔ باقی گھر میں وہ

لگوانے نہیں دیتیں۔ان کی پرائیویسی ڈسٹرب ہوتی ہے۔"

"آپ نے خفیہ کیمرے لگوانے کا نہیں سوچا؟"

"مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں کسی کے ساتھ رہوں اور اس کے پیٹھ پیچھے چھپ کے کچھ ایسا کروں جو اس کو نہیں پسند۔اور میں نہیں چاہتی کہ انہیں معلوم ہو کہ مجھے کوئی مسئلہ ہے۔خاندان میں باتیں ہوں گی۔"

"آپ کی کسی سے دشمنی ہے؟" وہ سوچتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

وہ اداسی سے مسکرادی۔"میں ایک انتہائی بے ضرر انسان ہوں' کیف۔میں صرف کام کرتی ہوں۔اور کچھ نہیں۔کسی کو مجھ سے کیا مسئلہ ہوسکتا ہے۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ذہن کے پردے پہ وہ فوٹو البم آ گیا۔اور چھٹے صفحے پہ رکھی تصویر۔

"آپ کو خود کیا لگتا ہے؟ کوئی آپ کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟"

کشمالہ نے کندھے اچکائے۔"شاید مجھے مارنے کے لیے۔"

"لیکن ابھی تک مارا نہیں ہے؟"

وہ اس کی بات پہ چونکی۔"ہوں؟"

کیف اپنی جگہ سے اٹھا اور ہاتھ بڑھا کے کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔پھر باہر کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ روز اس کھڑکی میں بیٹھ کے کام کرتی ہیں۔سامنے ایک کمرشل مارکیٹ ہے۔اس کی کسی بھی عمارت کی کھڑکی سے آپ کو شوٹ کرنا بہت آسان ہے۔اگر میں ہوتا تو اس سرمئی عمارت کا انتخاب کرتا۔" اشارہ کر کے ایک عمارت دکھائی۔

"آپ وقت کی پابند ہیں۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے کھڑے بات جاری رکھی۔"روز فکسڈ ٹائم پہ ریستوران پہنچتی ہیں۔یہ مجھے اسٹاف نے بتایا ہے۔کوئی آپ کا تعاقب دو دن تک کر لے تو اسے معلوم ہوگا کہ آپ کب اور کہاں ہوتی ہیں۔راستے میں کہیں بھی آپ کو شوٹ کیا جا سکتا ہے۔"

پھر اس نے میز پہ رکھی کافی کا مگ اٹھایا۔کپ میں دو گھونٹ بچے ہوئے تھے۔کپ نیچے سے پکڑ کے اونچا کیا۔"یہاں کسی بھی ویٹر یا اسٹاف کو چند پیسے دے کر آپ کی کافی میں کچھ ملایا جا سکتا ہے۔ویسے میں ہوتا تو کافی میں زہر نہ ملاتا کیونکہ آپ آخری گھونٹ بچانے کی عادی ہیں۔میں یہاں زہر لگاتا۔" اس نے انگلی سے کپ کے دہانے کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کی لپ اسٹک کا نشان لگا تھا۔پھر کپ رکھا اور کرسی پہ واپس بیٹھا۔

''آپ کو مارنا بہت آسان ہے۔ میرا نہیں خیال وہ آپ کو مارنا چاہتا ہے۔''

وہ بس اس کو دیکھ رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔ اس کے تاثرات دیکھ کے کیف کھنکھارا۔ ''میں صرف بتا رہا تھا۔ تھیوری میں۔''

کشمالہ نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ (اُف۔) پھر لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔ ''آپ کے خیال میں کوئی مجھے اسٹاک کیوں کر رہا ہے؟''

''ظاہر ہے آپ کو ڈرانے کے لیے۔ اور ڈرانے والے کی غذا آپ کا ڈر ہوتا ہے۔ جس دن آپ اس کی غذا روک دیں گی وہ کمزور پڑ جائے گا۔'' پھر مسکرایا۔ ''کیا میں ہائر کر لیا گیا ہوں؟''

''ہائر ہونے کا فیصلہ آپ خود کریں گے۔ میرے پاس گارڈز زیادہ دیر نہیں رہتے۔ اس لیے میں ہر آنے والے کو رکھ لیتی ہوں۔ کچھ دن بعد یا آپ جاب چھوڑ جائیں گے یا موجود رہیں گے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہی تھی۔ ''لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ میں کسی کو کام میں کوتاہی کی وجہ سے کبھی فائر نہیں کرتی۔ میں لوگوں کو چانس دیتی ہوں۔ کام سکھاتی ہوں۔ لیکن اگر وہ مجھ سے جھوٹ بولیں، میری پیٹھ پیچھے مجھ سے چھپا کے کچھ کریں، یا کسی بھی طرح مجھے دھوکہ دیں، تو میں ان کو اپنے کام اور زندگی سے بالکل الگ کر دیتی ہوں۔ اس کے بعد وہ جتنی معافی مانگ لیں، میں انہیں واپس نہیں لیتی۔''

اس نے دیکھا کیف کے چہرے پہ ایک سایہ سا گزرا ہے۔ لیکن بظاہر وہ مسکراتا رہا۔

''یعنی آپ کو ناراض کرنا بہت مشکل ہے لیکن ایک دفعہ ناراض ہو جائیں تو منانا مشکل ہے۔''

''مشکل نہیں، ناممکن ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ کیف نے بظاہر مسکراتے ہوئے تھوک نگلا۔

یہ وہ وقت تھا جب وہ اسے بتا سکتا تھا کہ وہ وہاں کیوں آیا ہے۔ وہ اسے بتا سکتا تھا کہ کسی کے پاس اس کی تصویر ہے۔ کوئی اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اور یہ کہ اسے اندازہ ہے کہ کون اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اس کا یقین نہیں کرے گی۔ کوئی بھی اس کا یقین نہیں کرے گا۔

''آپ کو مجھ سے کبھی شکایت نہیں ہوگی۔'' پھر جیسے یاد آیا۔ ''آپ کے گارڈز بار بار جاب کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟''

''آپ جان جائیں گے۔'' وہ لیپ ٹاپ اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے ظہیر سے ملنا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ آفس سے باہر نکلے۔ وہ آگے بڑھ گئی اور وہ وہیں رک کے موبائل کے بٹن دبانے لگا۔

''وائٹ ہیئر'' نام کی ایک چیٹ نکالی۔

''اس نے مجھے ہائر کرلیا ہے۔ یہ تو بہت آسان تھا'' اس کی انگلیاں ٹائپ کررہی تھیں۔

ظہیر کا آفس ٹیرس کے دوسری جانب تھا۔ درمیان میں چند کرسیاں میزیں رکھی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھ گئی اور صفورا کو کال ملائی۔

''میں نے تمہارے کزن کو ہائر کرلیا ہے۔'' گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا۔ سیاہ بادل دور دور سے اس کے سر پہ اکٹھے ہورہے تھے۔ لگتا تھا آج برس برس کے اوشن کو بہالے جائیں گے۔

''گڈ'' صفورا اپنے مخصوص انداز میں بولی۔ ''اچھا سنو۔ وہ کوئی غلطی کرے تو اس کو ایسے ہی ٹریٹ کرنا جیسے باقی ملازمین کو کرتی ہو۔ میرا کزن ہونے کا ناجائز فائدہ نہ اٹھانے دینا۔ اس کو بزنس کا شوق ہے لیکن وہ کبھی ترقی نہیں کرے گا۔ اس کے لیے بھی بہتر ہے کہ وہ تمہارے پاس نوکری کرتا رہے۔ اچھا مالا... سنو...'' صفورا رکی۔ توقف کیا۔

''ہوں۔'' مالا ابھی تک گردن اٹھائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ آدھا ریستوران اوپن ائیر تھا بارش ان کے لیے اچھی ثابت نہیں ہوتی تھی۔

''میں نے سنا ہے ظہیر نے اوشن کو بیچ دیا ہے؟''

بجلی زور کی چمکی۔ عین اس کے سر پہ۔

''کیا؟'' بادل اتنے زور سے گرجے کہ زمین دہل گئی۔

''ایوب بتا رہا تھا کہ ظہیر نے کسی لبنانی فوڈ چین کو اوشن بیچ دیا ہے۔ اس نے تمہیں اعتماد میں نہیں لیا؟''

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ایسا... ایسا نہیں ہوسکتا۔'' وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔ اسی پل بارش برسنے لگی۔ جیسے اوپر سے کسی نے پانی کا تھال الٹ دیا ہو۔

وہ تیز تیز چلتی ظہیر کے آفس میں داخل ہوئی۔ اس کی ہیلو گیلے نشانوں کی قطار اپنے پیچھے چھوڑتی جارہی تھیں۔

''ظہیر۔''

ظہیر نے سر اٹھا کے دیکھا۔ مالا کے بال نم تھے اور چہرے پہ پانی کے قطرے تھے۔ آواز اونچی تھی۔

''میں کیا سن رہی ہوں؟'' ہتھیلیاں میز کے کناروں پہ رکھے وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''تم نے اوشن بیچ دیا ہے؟'' غصہ نہیں تھا۔ بے یقینی تھی۔ حیرت تھی۔

آفس کی کھڑکی کے شیشے پہ تڑتڑ بوندیں برس رہی تھیں۔ گویا آسمان سے برستے پتھر ہوں۔ اور ہر پتھر پہ کسی کا نام لکھا ہو۔

ظہیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر گردن موڑ کے کھڑکی کو دیکھنے لگا۔

''ہاں۔ میں نے ایک لبنانی گروپ کے ساتھ ڈیل کی ہے۔''

وہ چند لمحے ہل نہیں سکی۔ نہ پلک جھپکی۔ نہ سانس لیا۔ اس کے ذہن نے بات کو جذب ہی نہیں کیا تھا۔

''تم نے کیا کیا ہے؟'' میز سے ہاتھ ہٹائے۔ سیدھی کھڑی ہوئی۔

''میرے کچھ ذاتی مسئلے چل رہے ہیں۔ مجھے پیسے چاہیے تھے۔ سوری میں تمہیں پہلے نہیں بتا سکا۔''

پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی شناسا مردانہ آواز۔ ''باس ... آپ کا فون باہر گرا ہوا تھا۔ مسلسل بجے جا رہا ہے۔'' کہنے والا خود ہی خاموش ہو گیا۔ آگے آیا اور میز پہ کشمالہ کا فون رکھ کے واپس ہو گیا۔

''تم مجھے بتائے بغیر ایسا کیسے کر سکتے ہو؟'' وہ اسی طرح ظہیر کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''کیونکہ انہوں نے اپنا اسٹاف لانا ہے۔ مالا میں ہر ایک کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ سب اپنا کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں۔'' وہ قدرے جھنجھلایا۔ ''میں نے کہا نا مجھے پیسے چاہیے تھے۔ بہت ضروری۔''

''ظہیر تم.... تم مجھے بتائے بغیر ایسے کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کو لگا اسے سانس نہیں آ رہا۔

''میں کر سکتا ہوں۔ میں ریستوران کا مالک ہوں۔ ہمارے درمیان کبھی کوئی ایسی بات نہیں طے ہوئی تھی جس سے میرا یہ حق سلب ہو جائے۔''

''مالک؟ تم مالک ہو؟ ظہیر میں نے یہ ریستوران بنایا ہے تمہارے ساتھ۔ اپنے انہی ہاتھوں سے۔ اور تم نے ایک منٹ میں اس کو بیچ بھی دیا؟'' اس نے خود کو بولتے سنا۔ اور تب کسی اڑتے تیر کی طرح ایک فقرہ ذہن میں پیوست ہو گیا۔

''وہ اپنا اسٹاف لائیں گے؟ تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں اور ہمارا اسٹاف ... ہم سب جاب لیس ہو گئے ہیں؟'' وہ دو قدم پیچھے ہوئی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ظہیر کے چہرے پہ ملال ابھرا۔

''مالا... تم اتنی قابل، اتنی ٹیلنٹڈ ہو۔ تم کچھ بھی کر لو گی یار۔ میرا مسئلہ سمجھو۔''

وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ظہیر کے آفس سے نکلی تو ذہن شل تھا۔ اسے اپنے آفس تک جانے کے لیے ٹیرس عبور کرنا تھا۔ وہ قدم قدم آگے بڑھنے لگی۔ زرد جوتے مزید گیلے ہوتے گئے۔

اس نے ٹیرس کی دیوار پہ ہاتھ پھیرا۔ یہ وال ٹائلز اس نے سلیکٹ کی تھیں۔ گراس ٹرف کتنے ملی میٹر رکھی ہے' یہ اس نے طے کیا تھا۔ فالس سیلنگ کا ڈیزائن۔ لائٹنگ کس طرز کی کرنی ہے۔ ریستوران کا تھیم اور مینیو کیا ہوگا؟ یہ سب اس نے طے کیا تھا۔

ہر شے پہ ظہیر کا پیسہ اور کشمالہ مبین کے پانچ سال لگے تھے۔

ایک دم قطروں کا راستہ رک گیا۔ کشمالہ نے چونک کے گردن موڑی۔ پانی کی بوچھاڑ کے پار وہ بھوری آنکھوں والا نوجوان بازو لمبا کر کے اس کے اوپر چھتری تانے ہوئے تھے۔

''آپ بھیگ رہی ہیں۔'' وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کشمالہ چند ثانیے اس کا چہرہ تکتی رہی۔ پھر مڑ گئی۔ ابھی ذہن کے اندر کوئی منظر جذب نہیں ہو رہا تھا۔ اسے جلد سے جلد کھلی فضا میں واپس جانا تھا۔

اوشن سے دور۔ ظہیر سے دور۔ اس سب سے دور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش شام تک وقفے وقفے سے برستی رہی۔ لگتا تھا کوئی بادل پھٹ گیا ہے۔ یا شاید کسی کا دل تھا۔

وہ بتیاں بجھائے اندھیرا لاؤنج میں صوفے پہ لیٹی رہی۔ اس کا جوڑا ڈھیلا ہو چکا تھا اور رونے سے سارا مسکارا بہہ گیا تھا۔

ظہیر نے کب بیچا ریستوران؟ اسے علم کیوں نہیں ہوا؟ یا شاید اسے علم ہو سکتا تھا۔ وارننگ سائن عرصے سے آ رہے تھے۔

چند ہفتے پہلے اوشن میں ظہیر کے کوئی لبنانی دوست آئے تھے۔ کم از کم ظہیر نے یہی کہا تھا کہ وہ اس کے دوست ہیں۔ وہ ان کے ساتھ ریستوران میں نہیں بیٹھا۔ ساری جگہ گھما پھرا کے انہیں اپنے آفس میں لے کر بند ہو گیا۔ اور ہاں... اس نے سن رکھا تھا کہ ظہیر کی بیوی کا اصرار ہے وہ دونوں اس کے ماں باپ کے پاس آسٹریلیا شفٹ ہو جائیں۔ کوئی خاندانی مسئلے تھے۔ ظہیر نے اس سے پہلے بھی چند بڑے فیصلے مالا کو اعتماد میں لیے بغیر کیے تھے۔ اسے تب ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ وہ کبھی اس پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔ لیکن پھر بھی اس نے کیا۔

''مالا باجی....'' جانے مغرب ڈوبے کتنا وقت بیتا تھا جب ٹیرس کا دروازہ بجنے لگا۔ ممانی کی ملازمہ آئی تھی۔ وہ بدقت اٹھی۔ آنکھیں صاف کیں۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور دروازہ کھولا۔

نسرین کے ہاتھ میں کانچ کی پلیٹ تھی جس پہ چاکلیٹ براؤنیز رکھی تھیں۔ ''یہ آپ کی ممانی نے بھجوائی

ہیں۔ نیچے نگینہ آنٹی آئی ہوئی ہیں۔اور ہاں... آپ کا فون آف ہے۔آپ کی امی جی کی کال آئی تھی۔ پریشان تھیں۔ان کو کال کرلیں۔'' جلدی جلدی بتا کے وہ مڑی۔ پھر واپس پلٹی۔''اور ٹیرس کی لائٹ تو جلا دیں۔''

وہ چونکی۔اس نے واقعی آج کوئی بتی نہیں جلائی تھی۔ باہر اندھیرا پھیل چکا تھا۔وقت کا احساس ہی ختم ہوگیا تھا۔

براؤنیز کی پلیٹ اس نے سینٹر ٹیبل پہ رکھی اور خود وضو کرنے چلی گئی۔قضا نماز ادا کی اور وہیں جائے نماز پہ زمین پہ بیٹھ گئی۔آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ پھر سے گرنے لگے۔

''میرے ساتھ یہ کیوں ہوا ہے اللہ تعالیٰ؟ میں لوگوں کے دل نہیں دکھاتی۔زکوٰۃ ادا کرتی ہوں صدقے دیتی ہوں۔میں تو چیونٹی تک کو نہیں مارتی۔ پھر بھی میری جاب چلی گئی۔اتنا بڑا اسیٹ بیک۔'' دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے لیکن کیا دعا مانگے۔''میں اب کہاں سے شروع کروں دوبارہ؟ اسکوائر ون سے؟ پانچ سال میں نے اس شہر میں اوشن کو سیٹ کیا' اپنی ایک سوشل لائف بنائی۔اور ایک ہی دن میں سب ملیا میٹ ہوگیا۔''نظریں اندھیرا لاؤنج میں نصب بک شیلف تک اٹھیں۔''اوپر سے پتہ نہیں کون میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ میں کیا کروں اللہ تعالیٰ؟''

وہ واپس صوفے پہ آ بیٹھی۔روئی روئی آنکھیں میز پہ رکھی براؤنیز پہ جمی تھیں۔

صبح تک وہ ایک بہت اچھی جاب کی مالک تھی۔ وہ ایک نیا بزنس پلان کرنے جا رہی تھی۔اس کے پاس گھر جانے کا وقت بھی نہیں ہوتا تھا۔زندگی مصروف اور پرامید تھی۔

شام ہونے سے پہلے وہ جاب لیس تھی۔

اس نے کھڑکی سے باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھا۔اس وقت وہ ہمیشہ ریستوران میں ہوتی تھی۔ یہ گہما گہمی کا وقت ہوتا تھا۔لیکن آج وہ واپس زیرو پہ پہنچ کے گھر بیٹھی تھی۔

وہ میٹھے کی شوقین نہیں تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ بیکری بنانا چاہتی تھی لیکن وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جن کو چاکلیٹ اور آئسکریم خوش کر دیتی ہیں۔ذرا سا میٹھا کھانے پہ بھی اسے پانی کا گھونٹ بھر کے اس کے ذائقے کو ختم کرنا پڑتا تھا۔لیکن جہاں آج اتنا سب کچھ غلط ہو چکا تھا' وہاں براؤنیز ہی سہی۔اس نے ایک ٹکڑا اٹھالیا اور بائٹ لی۔میٹھی سی کڑواہٹ منہ میں گھل گئی۔

پھر اس نے موبائل آن کیا۔ماں کے میسیجز آئے ہوئے تھے۔اس نے کال بیک کی۔

''کیسی ہے میری بیٹی؟'' ماں اس کی آواز سے ہی کھل اٹھیں۔''فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟''

''بس کام میں بزی تھی۔''

''تمہاری ممانی تو کہہ رہی تھیں شاید سوئی پڑی ہو۔ آج بتیاں بھی نہیں جلائیں۔''

''اُف۔ لاہور تک بتا دیا انہوں نے کہ مالا نے بتی نہیں جلائی۔ میں کام کر رہی تھی ماں۔'' وہ جھنجھلا گئی۔ ماں خاموش ہو گئیں۔

''تم نے آج ظہیر کو اپنا کوئی نیا بزنس پلان دینا تھا۔ اس کا کیا بنا؟''

اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا پڑ گیا۔ آواز آہستہ ہو گئی۔ ''آپ نے دعا مانگی تھی؟''

''ہاں بیٹے۔ میں نے دعا مانگی تھی کہ وہ ہو جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔''

اس نے 'سڑ' کی آواز کے ساتھ گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔

''اصل میں ... کام نہیں بنا۔ ظہیر انٹرسٹڈ نہیں ہے۔'' آواز کو نارمل بنانے کی کوشش کی۔ ''بلکہ وہ شاید بائی شفٹ ہونے کا سوچ رہا ہے۔ کہہ رہا تھا شاید ریستوران بھی بیچ دے۔''

وہ اتنی جلدی اتنی بڑی بات نہیں بتا سکتی تھی۔ اس میں ہمت نہیں تھی۔

ایک لمحے کے لیے ماں خاموش ہو گئیں۔

''مالا...'' ان کی آواز ویسی ہی پرسکون تھی۔ ''اس نے تمہیں بتائے بغیر ریستوران بیچ دیا ہے۔ ہے نا؟''

مالا کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو گرنے لگے۔ اس نے بدقت لبوں پہ ہاتھ رکھ کے سسکی اندر روکی۔

کیسے پتہ چل جاتا تھا ماں کو ہر بات کا؟

''دفعہ کرو اس کو۔ تم گھر آ جاؤ۔ عزہ کی شادی بھی ہے نا۔ مل کے اٹینڈ کریں گے۔'' انہوں نے بڑے تحمل سے بات بدل دی تھی۔ ماں کو اس کے کام کی کامیابی یا ناکامی سے کبھی فرق نہیں پڑا تھا۔ ان کو بس دو چیزوں کی فکر ہوتی تھیں۔ ان کے بچوں نے نماز پڑھی؟ یا ان کے بچوں نے کھانا کھایا؟

ماں کی کال بند ہوئی تو کچھ دیر بعد ماہی کی ویڈیو کال آنے لگی۔ اسے معلوم تھا خبر کینیڈا تک پہنچ گئی ہو گی۔

''ماں بتا رہی تھیں ظہیر نے تم سے پوچھے بغیر ریستوران بیچ دیا۔'' ایپرن پہنے کچن میں کھڑی ماہی شدید غصے میں لگ رہی تھی۔ چھوٹے بال پونی میں بندھے تھے اور ہاتھ میں کفگیر تھا۔

''اس کے اپنے مسئلے تھے ماہی۔'' اس نے ماہی سے آنسو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

''مسئلے کی ایسی تیسی۔ اور تم... ایسے ہی نا جاب چھوڑ دینا۔ ریستوران کی دو چار کھڑکیاں توڑ کے آنا۔ اور میں تو اس ظہیر کو پاکستان میں ایسا بدنام کروں گی، تم دیکھنا۔ میرے ساتھ اس کے کچھ رشتے دار ایڈیٹ ہیں فیس بک پہ۔ یہ

اپنے خاندان میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا' میں بتا رہی ہوں۔'' ماہی کفگیر گھما گھما کے کہہ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہیں سے ظہیر کا سر توڑ دے۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گی ماہی۔ میں پہلے ہی بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو کے بولی۔ ماہی کچھ کہنے لگی' پھر بھنویں اکٹھی ہوئیں۔

''ایں؟ تم کیک کھا رہی ہو؟ تمہیں کب سے میٹھا پسند ہو گیا؟''

''کیک نہیں ہے۔ براؤنیز ہیں۔ وہ بھی تمہاری فیورٹ بیکری کی۔ ممانی نے مہمانوں کے لیے منگوائی ہیں۔ کوئی نگینہ آنٹی آئی ہیں۔'' اس نے آنسو رگڑ کے صاف کیے اور براؤنی کی ایک اور بائٹ لی۔ ذہن دوسری طرف لگانا چاہا۔ ''ہماری کون سی رشتے دار ہیں نگینہ آنٹی؟''

''وہ دبئی والی۔ عزہ کی شادی کے لیے آئی ہوں گی۔ ممانی کی کزن ہیں۔ اور ہمارے بابا کی بھی دور کی کزن ہیں۔ وہی جن کا بیٹا رائٹر ہے۔ زیاد سلطان۔ اس کی کتاب کا نیویارک ٹائمز نے ریویو بھی کیا تھا۔ میں اسے انسٹاپہ فالو کرتی ہوں۔''

''اچھا۔ ہوگا۔ مجھے یاد نہیں۔'' اس کی یادداشت میں کوئی زیاد سلطان نہیں تھا۔

''اوہو یاد کرو۔ سہیل کی شادی پہ ہم ان سے ملے تھے۔ جب اس کمبخت پارلر والی نے میرے بال خراب کر دیے تھے۔'' ماہی کا پسندیدہ لفظ کمبخت تھا۔ کوئی اچھا لگتا تو دیکھو کمبخت کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ کوئی برا لگتا تو وہ ہے ہی کمبخت۔

''ویسے مجھے پتہ ہے نگینہ آنٹی اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے آئی ہیں پاکستان۔ عزہ کی شادی کا تو صرف بہانہ ہے۔''

''تم کیسے کرتی ہو یہ ماہی؟ کینیڈا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بیٹھ کے تمہیں کیسے سارے پاکستان کی خبریں مل جاتی ہیں۔''

''چلی دیک ایک گاؤں نہیں ہے۔ تمہارے اسلام آباد سے بڑا ہے۔ جاؤ میں تم سے بات نہیں کر رہی۔'' اس نے فون بند کر دیا اور مالا یہی چاہتی تھی۔ اسے کچھ وقت اکیلے درکار تھا۔

براؤنی ہاتھ میں لیے وہ ٹیرس پہ آ گئی۔ اس نے ابھی تک وہاں کی بتی نہیں جلائی تھی۔ بالوں کا ڈھیلا جوڑا کھل گیا تھا اور اب وہ اس کے کندھوں پہ بکھرے تھے۔

ٹیرس گیلا تھا۔ بلکہ ٹیرس کیا' ساری کالونی گیلی تھی۔ جگہ جگہ جلتے اسٹریٹ پولز رات کا اندھیرا دور کرنے میں ناکام تھے۔

وہ ریلنگ کے ساتھ کھڑی تازہ ہوا کو سانس کے ذریعے اندر اتارنے لگی۔ ذہن پھر سے ظہیر کی طرف چلا گیا۔ قانونی طور پہ ظہیر نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ اور اخلاقی طور پہ اس نے کچھ درست نہیں کیا تھا۔

نیچے سے آتی آوازوں نے اس کا دھیان بٹا دیا۔ اس نے گردن جھکا کے جھانکا۔ نگینہ آنٹی لوگ پورچ میں کھڑے تھے۔ غالباً رخصت ہو رہے تھے۔ ممانی اور ماموں ان کو سی آف کرنے گیٹ تک آئے تھے۔

نگینہ آنٹی سر پہ سفید دوپٹہ لیے ہوئے تھیں۔ کندھوں پہ شال تھی۔ باوقار سی لگتی تھیں۔ مالا نے بہت عرصہ پہلے ان کو دیکھا تھا۔ ان کے بارے میں ہمیشہ یہی سنا تھا کہ بہت نیک خاتون ہیں جن کا ایک فرمانبردار سا بیٹا ہے جو اسے یاد نہیں تھا۔

وہی بیٹا اس وقت ماں کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ اس کی کشمالہ کی طرف پشت تھی۔ اس نے گردن مزید اونچی کر کے دیکھنا چاہا۔

وہ دروازہ بند کر کے کار کی دوسری جانب گیا۔ سینے پہ ہاتھ رکھ کے ماموں کو ایک دفعہ پھر خدا حافظ کہا۔ اور ڈرائیونگ ڈور کھولا۔ اب اس کا چہرہ مالا کے سامنے آیا۔

وہ کافی دراز قد تھا۔ بال سلیقے سے سیٹ تھے۔ جینز پہ سفید ڈریس شرٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین کف سے فولڈ کیے ہوئے تھے۔ سانولی رنگت اور پرکشش نقوش۔ ایسے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے سارے مسئلے بھول کے اس کو دیکھے گئی۔ ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ اس کے ذہن میں یہی الفاظ آئے تھے۔

تو یہ تھا زیاد سلطان۔ انٹرسٹنگ۔

دروازہ کھولتے ہوئے زیاد کی نظر اوپر اٹھی۔ جیسے اسے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ جو ایک ہاتھ ریلنگ پہ جمائے' دوسرے سے براؤنی کھا رہی تھی' گڑبڑا کے جلدی سے پیچھے ہوئی۔ دل زور سے دھڑکا۔ اُف۔ کتنا برا لگا ہوگا۔ مگر نہیں۔ ٹیرس اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ زیاد کو نظر نہیں آیا ہوگا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اس نے خود کو تسلی دی۔

گاڑی کے ٹائر باہر نکلنے کی آواز آئی تو وہ واپس سیدھی ہوئی۔ پھر ٹیرس کی بتی جلائی اور اندر آ گئی۔

''آپ آج جلدی میں چلی گئیں اس لیے پوچھ نہیں سکا۔'' اندر آ کے موبائل اٹھایا تو کیف کا میسج سامنے

تھا۔ ''صبح کتنے بجے کام پہ آؤں؟''

ذرا دیر کے لیے وہ اپنا غم بھولی تھی۔ ایک دم سے سب تازہ ہو گیا۔ اس نے نو بجے لکھ کے بھیج دیا۔ اسے صبح ایک دفعہ پھر اوشن جانا تھا۔

وہ صوفے پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھ لیا۔ اسے وہ کانٹریکٹ پڑھنا تھا جو ظہیر نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ بنا تین ماہ کے نوٹس کے اسے جاب سے نہیں نکال سکتا تھا۔ اور اگر وہ نکالتا تھا تو اسے کتنا مداوا بھرنا تھا؟

وہ ظہیر سے لڑائی نہیں کرے گی۔ نہ وہ اس پہ چیخے چلائے گی یا اس کو الزام دے گی۔ یہ اس کی فطرت میں نہیں تھا۔ لیکن وہ اس سے اپنا حق ضرور لے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح گزشتہ روز جیسی ہی روشن اور خوبصورت اتری تھی لیکن کشمالہ مبین کے لیے سارا شہر بے رونق اور اداس ہو گیا تھا۔ وہ کاغذوں کا پلندہ لیے صبح صبح ظہیر کے آفس میں گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ اسٹاف اور ویٹرز آس پاس ستونوں اور دیواروں کے پیچھے کھڑے ہو کے سننے لگے۔ سارا ماحول سہما ہوا اور اداس تھا۔

کیف اس کے انتظار میں بار کاؤنٹر کے ساتھ اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ کاؤنٹر ٹاپ پہ رکھے کافی مگ میں چمچ ہلاتے ہوئے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا جب سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی۔ اس نے نظریں اٹھا کے دیکھا۔ وہ زینے اتر رہی تھی۔

اس نے آج سیاہ لمبی قمیض کے ساتھ سفید دوپٹہ کندھے پہ ڈالا ہوا تھا۔ بالوں کا جوڑا بندھا تھا اور ایک لٹ دائیں گال کو چھو رہی تھی۔ آج اس نے ٹاپس نہیں پہنے تھے۔ پیروں میں سفید ہیلز تھیں اور پیشانی پہ ابھی تک بل تھے۔ چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ ہاتھ میں ایک باکس تھا جس میں اس کی چیزیں تھیں۔ سب سے اوپر کیکٹس کا ننھا سا گملہ تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھ سے باکس لے لیا۔

''تھینکس۔'' اس نے ایک سرسری نظر کیف پہ ڈالی۔ اس کے نئے جوگرز آج بھی اجلے سفید تھے۔ البتہ حلیہ وہی تھا۔ بڑھی شیو۔ ماتھے پہ آئے نو عمر لڑکوں جیسے بل دار بال۔ ٹی شرٹ پہ کالر والی شرٹ جس کے بٹن سامنے سے کھلے تھے۔ چہرے پہ مسکراہٹ اور ہاتھ پیچھے کو بندھے ہوئے۔

''یس باس۔''

''مجھے مال تک جانا ہے۔تم ڈرائیو کرو گے۔'' کار ریموٹ اس کی طرف بڑھایا اور خود آگے بڑھ گئی۔

کیف باکس اٹھائے اس سے دو قدم پیچھے تھا۔ یکدم کشمالہ کو احساس ہوا کہ وہ رک گیا ہے۔اس نے پلٹ کے دیکھا۔

وہ ریستوران کے ہال کی مرکزی دیوار کے سامنے رکا ہوا تھا۔گردن اونچی اٹھائے وہ دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

وہ دیوار بذاتِ خود ایک پینٹنگ تھی۔وہاں ایک منظر بنا تھا۔ساحل کی ریت۔ پیچھے نظر آتا نیلا سمندر جس کی سطح پہ دھوپ چمک رہی تھی۔ایک جھولا جو ریت پہ ستونوں سے نصب کیا گیا تھا۔جھولے پہ ایک کتاب درمیان سے کھول کے الٹی رکھی تھی۔منظر اتنا خوبصورتی سے پینٹ کیا گیا تھا کہ حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔دیوار کے آگے فرش پہ اصلی ریت اور سیپیاں بکھری تھیں۔وہ صرف پینٹنگ نہیں تھی۔تھری ڈی پینٹنگ تھی۔

کیف کی نظریں دیوار کے نچلے کونے تک گئیں۔وہاں ''مالا'' کے نام سے دستخط تھے۔ساتھ پانچ برس قبل کی تاریخ درج تھی۔اس نے گردن موڑ کے ستائشی نظروں سے مالا کو دیکھا جو اس کی منتظر کھڑی تھی۔

''یہ آپ نے پینٹ کیا ہے؟''

''ہوں۔چلیں؟'' وہ بنا کسی تاثر کے بولی اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ ہولیا۔

''آپ الوژن آرٹسٹ بھی ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔'' وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پرانی بات ہے۔'' وہ جیسے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔کیف خاموش ہو گیا۔

راستے میں وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ایک دو بار نگاہ اٹھا کے کیف کی طرف دیکھا تو احساس ہوا کہ اس نے بیٹھتے ہی بیک ویو مرر کو چھت کی طرف کر دیا تھا تاکہ ڈرائیور اور سواری ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔صفورا درست کہہ رہی تھی۔اس کا کزن ڈیسنٹ ہے۔ورنہ ہر ڈرائیور بیک ویو مرر سے گھورتا ضرور تھا۔

''سنو۔تم ڈرائیورز یونیفارم نہیں پہن سکتے؟''

''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔اس کے انداز میں ایک عجیب بے نیازی تھی جو کبھی کبھی کشمالہ کو کھلتی تھی۔لیکن خیر۔وہ باہر بھاگتی ٹریفک کو دیکھنے لگی۔دھوپ کے باعث سبز آنکھیوں کی پتلیاں سکوڑ رکھی تھیں۔

''باس۔اب آپ کیا کریں گی؟ اپنے جاب آورز کے لیے پوچھ رہا ہوں۔''

''کل ہمیں لاہور جانا ہے ایک ہفتے کے لیے۔ واپس آ کے اس بارے میں بات کریں گے۔''

مال کی پارکنگ میں کیف نے کار روکی تو باہر نکلنے سے قبل مالا نے سرسری انداز میں کہا۔

''مجھے گھنٹہ لگ جائے گا۔ چاہو تو گھوم پھر لو۔ چاہو تو بیٹھے رہو۔''

کیف نے محض سر ہلا دیا۔ کچھ کہا نہیں۔

کچھ دیر وہ یونہی مال کی راہداریوں میں چلتی رہی۔ دن کا وقت تھا اس لیے بہت رش نہیں تھا۔ اسے عزہ کے لیے گفٹ لینا تھا لیکن دل نہیں چاہ رہا تھا۔ پہلے جب کبھی وہ خاندان کی شادیوں پہ جاتی اس کو سلیبریٹی ٹریٹمنٹ ملتی تھی۔ کشمالہ ان سب کی کامیاب انٹرپرونیئر کزن تھی۔ اپنے پیروں پہ کھڑی عورت۔ وہ مہنگے گفٹس دیتی تھی۔ لوگوں سے ملتے ہوئے بھی ہاتھ میں موبائل آن ہوتا۔ وہ ساتھ ساتھ اسلام آباد آفس کو مانیٹر کر رہی ہوتی تھی۔ اب اس کے پاس کچھ کرنے کو ہی نہیں تھا۔ سوشل میڈیا سے جلد ہی سب کو علم ہو جائے گا کہ اوشن بند ہو رہا ہے۔ ہر کوئی اس سے سوال کرے گا۔ اُف۔

وہ اپنی کیفیت میں چلتی جا رہی تھی جب ایک احساس ہوا۔ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

چلتے چلتے اس نے گردن موڑی۔ دائیں بائیں۔ پیچھے۔ وہاں بہت سے لوگ تھے لیکن سب اپنی اپنی سمت میں جا رہے تھے۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے جھرجھری لے کر جھٹکا۔ شاید اسے وہم ہوا تھا۔

ایک ڈیزائنر برانڈ سے اس نے ایک کامدار جوڑا لیا۔ عزہ کے ٹیسٹ کے مطابق ٹھیک تھا۔ شاپ سے باہر نکلی تو سیدھ میں ایک بک شاپ نظر آئی۔ اس کی گلاس وال کے اس پار کیف کھڑا تھا۔ وہ کاؤنٹر پہ پے منٹ کر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف چلی آئی۔

کیف نے اسے نہیں دیکھا۔ اس کی کشمالہ کی طرف پشت تھی۔ وہ موبائل کان اور کندھے کے درمیان لگائے' شاپنگ بیگز کاؤنٹر سے اٹھا رہا تھا۔ دبی آواز میں کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ آواز اتنی ہلکی تھی کہ کچھ سنائی نہ دیا۔ نہ وہ سننے کی خواہشمند تھی۔

''کیف؟'' اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے پکارا۔ وہ ایک دم جھٹکے سے مڑا۔ موبائل چھوٹ گیا۔ شاپنگ بیگ بھی نیچے گر گیا۔ وہ ڈر کے ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''سوری۔ میں نے تمہیں ڈرا دیا؟''

''نہیں نہیں۔ میں کسی اور خیال میں تھا۔'' کیف کی رنگت تبدیل ہوئی جیسے وہ لمحے بھر کے لیے پریشان ہوا ہو۔

مگر فوراً سے سنبھل گیا۔ جلدی سے موبائل اٹھانے جھکا جو کشمالہ کے قدموں کے ساتھ گرا تھا۔ اس نے گردن جھکا کے دیکھا۔ اس پہ کال ملی ہوئی تھی۔ ''وائٹ ہیئر'' لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کیف نے جلدی سے فون اٹھایا اور کال کاٹ کے اسے جیب میں ڈال دیا۔

''میرا ایک انکل ہے۔ اس سے بات کر رہا تھا۔'' اب وہ پنجوں کے بل بیٹھا شاپنگ بیگ سے نکلا سامان اندر واپس ڈال رہا تھا۔

''میں فری ہوں۔ چلیں؟'' اس نے نظر انداز کیا۔ البتہ وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کے ہاتھ میں ایک اسکیچ بک اور چند گریفائٹ پنسلز تھیں جنہیں وہ جلدی جلدی سمیٹ رہا تھا۔ پھر وہ کھڑا ہوا۔ نظر کشمالہ کے ہاتھوں پہ گئی۔ فوراً ہاتھ بڑھایا۔

''یہ مجھے پکڑا دیں۔''

''نو پرابلم۔ میں اٹھا سکتی ہوں۔'' وہ آگے جانے لگی لیکن کیف سامنے آیا اور ''ادھر لائیں'' کہتے ہوئے نرمی سے اس سے شاپنگ بیگ لے لیا۔ وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئی لیکن اسے اچھا لگا تھا۔ اس نوجوان میں بہت مینرز تھے۔ بس یونیفارم والی بات پہ ''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں'' والا ایٹی ٹیوڈ نہ ہوتا تو وہ بہترین ملازم تھا۔ کشمالہ کے تجربے کے مطابق ایٹی ٹیوڈ والا ملازم زیادہ دیر تک ملازم نہیں رہ سکتا تھا۔ دیکھتے ہیں یہ کتنا عرصہ ٹکتا ہے۔

''کافی لیں گی؟'' لفٹ کی طرف جاتے ہوئے کیف نے پوچھ لیا۔ وہ اس سے دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔

''ہاں میرے لیے ایک...''

''اسپریسو ڈبل شاٹ۔ رائٹ؟''

وہ پرس سے کارڈ نکالتے ہوئی چونکی۔ ابرو تعجب سے اکٹھی ہوئیں۔

''تمہیں کیسے معلوم میں کیسی کافی پیتی ہوں؟''

''آپ کی اسسٹنٹ صاعقہ سے پوچھا تھا۔'' وہ مسکرایا۔ گال کا گڑھا گہرا ہوا۔

''نہیں، میں تمہیں اپنا اسسٹنٹ نہیں رکھنے لگی۔''

''حالانکہ آپ کو ایک نئے اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔'' اس کے ہاتھ سے کارڈ اچکتے ہوئے مسکرا کے بولا۔ ''صاعقہ کو اوشن جیسی تنخواہ دینا آپ افورڈ نہیں کر سکتیں۔ جلد یا بدیر آپ کو کوئی نیا کام شروع کرنا ہوگا۔ اس وقت کم تنخواہ پہ اگر کوئی دستیاب ہے تو وہ میں ہوں۔''

''کافی لاؤ شاباش۔'' ابرو سے اشارہ کیا۔ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کیف نے اسے گھر ڈراپ کیا تو وہ اسے صبح جلد آنے کی ہدایت دیتے ہوئے کار سے نکلی۔ پھر شاپنگ بیگز لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہیں گیٹ کے اندر کھڑا موبائل پہ اپنے لیے رائیڈ بک کروانے لگا۔ اس وقت گھر پہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ ممانی ورکنگ وومن تھیں۔ بچے اسکول کالج والے تھے۔ وہ بیگز لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اوپر ٹیرس تک آئی تو رک گئی۔ بیگز وہیں فرش پہ رکھ دیے۔ گردن موڑ کے پیچھے دیکھا۔ وہ موبائل کان سے لگائے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ اسی پل چہرہ اٹھا کے اوپر دیکھا۔ کشمالہ کے چہرے کی پریشانی بھانپ کے وہ الرٹ سا ہوا۔ موبائل نیچے کیا اور سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائے۔

''ادھر آؤ۔'' اس نے دو انگلیوں سے اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اندر آیا۔ سیڑھیاں دو دو کر کے پھلانگیں۔ انداز چوکنا تھا۔

ٹیرس کے دہانے پہ آ کے وہ رک گیا۔ نظریں فرش سے ہوتی ہوئی داخلی دروازے تک اٹھتی گئیں۔

''تم نے پوچھا تھا نا میرے پچھلے گارڈز جاب کیوں چھوڑ جاتے ہیں؟ یہ ہے اس کی وجہ۔'' کشمالہ نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

سیڑھیوں کے اختتام پہ خون پڑا تھا۔ بہت سا خون۔ جیسے کسی نے پیالہ بھر کے انڈیل دیا ہو۔ خون کے چھینٹے دیوار پہ بھی آئے ہوئے تھے۔ اور وہ ابھی تک گیلا تھا۔

''کیا یہ پہلے بھی کبھی ہوا ہے؟'' وہ احتیاط سے پیر بچاتے ہوئے اوپر آیا۔ پھر ایک جگہ اکٹھے ہوئے گیلے خون کے ساتھ پنجوں کے بل بیٹھا۔ گردن جھکا کے غور سے اسے دیکھا۔

''ایک گارڈ نے اسی وجہ سے جاب چھوڑی تھی۔ اور دوسرے نے اس لیے کہ کسی نے پتھر مار کے میری کار کا شیشہ توڑ دیا تھا۔''

''اور تیسرا؟'' وہ گردن جھکائے خون کا معائنہ کر رہا تھا۔

''اس کو میں نے خود نکالا تھا۔ اسموکنگ کرتا تھا۔'' اس نے بے چینی سے خون آلود فرش کو دیکھا۔ عجیب وحشت ہو رہی تھی وہ سب دیکھ کے۔ پھر اس نے دیکھا پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا کیف خون کی طرف انگلی بڑھا رہا ہے۔

''ہاتھ مت لگاؤ اسے۔ پتہ نہیں کس کا خون ہے۔''

کیف نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔ واپس سر جھکایا اور دو انگلیاں خون میں ڈبوئیں۔ پھر سرخ

پوروں کو چہرے کے قریب لا کے سونگھا۔اس کے بعد اسے انگوٹھے اور انگلیوں کے درمیان مسلا جیسے کپڑا مسل کے چیک کرتے ہیں۔

''یہ خالص خون نہیں ہے۔اسے پتلا کیا گیا ہے۔''

وہ چونک گئی۔''پتلا؟ کیوں؟''

''تا کہ یہ جلدی خشک نہ ہو اور آپ کے پیروں کے ساتھ لگ جائے۔اصل خون جلد گاڑھا ہو کے جم جاتا ہے۔''

کشمالہ نے سر جھکا کے اپنی سفید ہیلز دیکھیں۔وہ صاف تھیں۔

کیف اب کھڑے ہوتے ہوئے ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔''کوئی آپ کو ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

اس نے تھک کے گہری سانس لی۔

''اگر تم جاب چھوڑنا چاہتے ہو تو ابھی سے بتا دو۔مجھے کل لاہور جانا ہے۔میں ڈرائیور کا بندوبست کر رکھوں۔''

''میں کیوں جاب چھوڑوں گا؟''ٹشو سے انگلیاں رگڑتے ہوئے وہ حیرت سے بولا۔

''اس حرکت سے ڈر کے۔لوگ خون دیکھ کے ڈر جاتے ہیں۔''

''میں ایسے انسان سے کیوں ڈروں گا جو بزدلوں کی طرح چھپ کے کسی عورت کے گھر میں خون پھینکتا ہے؟''وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔مروڑا ہوا خون آلود ٹشو اس کے ہاتھ میں تھا۔''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا آپ کی حفاظت کا۔آج میں آپ سے ایک اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس شخص کو ڈھونڈ کے آپ کے پاس ضرور لاؤں گا۔''وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔کچھ تھا اس کے انداز میں۔یقین دلانے والا۔بے خوف کر دینے والا۔اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔اس نے ممنونیت سے کیف کو دیکھا۔بولی کچھ نہیں۔

وہ اب سوچتی نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

''کوئی سی سی ٹی وی نہیں ہے؟''

''بتایا نا۔یہ لوگ لگوانے نہیں دیتے۔گھر کے باہر لگا ہوا ہے ایک سی سی ٹی وی۔اس میں کبھی کوئی نظر نہیں آیا۔چوکیدار بھی موجود ہے۔وہ کسی کو یوں داخل نہیں ہونے دیتا۔''

''ضروری نہیں ہے کہ کوئی باہر سے آیا ہو۔''وہ ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ چلتے ہوئے نیچے دیکھ رہا تھا۔''گھر کے کسی ملازم کو پیسے دے کر بھی یہ کام کروایا جا سکتا ہے۔''

''ناممکن۔ماموں کے ملازم بہت پرانے ہیں۔ہم سب ہر موقعے پہ ان کی مدد کرتے ہیں۔وہ ایسے کیوں کریں

گے؟''

''آپ ان کو پیسے سے خوش رکھتی ہیں۔وہی پیسہ کوئی زیادہ دے تو وہ اس کا کام کر دیں گے۔پیسہ ہر وقت ہر ایک کی ضرورت ہوتا ہے'باس۔آپ اس سے کسی کو بھی خرید سکتے ہیں۔''وہ منڈیر سے جھک کے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں بھی؟''

کیف ٹھٹھک کے رکا۔پھر آہستہ سے اس کی طرف پلٹا۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ ہوتا ہے ناموویز میں...باڈی گارڈ کو سب سے پہلے خریدا جاتا ہے۔اگر میرا اسٹاکر (فرش پہ گرے خون کی طرف اشارہ کیا) تمہیں خریدنا چاہے تو کیا کرو گے؟''

لمحے بھر کو ٹیرس پہ سناٹا چھا گیا۔

''آپ کسی سے پوچھیں کہ وہ بک سکتا ہے تو وہ کہے گا نہیں۔میں بھی یہی کہوں گا۔وقت کے ساتھ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔''

وہ ہلکا سا مسکرادی۔''میں مذاق کر رہی تھی۔تم جاؤ تمہاری رائیڈ آ گئی ہے۔''نیچے اوبر بائیک پہنچ چکا تھا۔کیف نے بائیکر کو اشارہ کیا۔پھر واپس اس کی طرف پلٹا۔

''آپ پریشان تو نہیں ہیں؟یعنی اس خون سے۔''

''نہیں۔''اس نے نفی میں سر ہلا کے کندھے اچکائے۔''اب مجھے عادت ہو گئی ہے۔اور تم نے کہا نا'وہ مجھے مارنا نہیں چاہتا۔''

لیکن جب وہ چلا گیا تو مالا کو احساس ہوا کہ خون دیکھ کے اسے ایک دفعہ پھر سے وحشت شروع ہو گئی تھی۔وہ جوتے بدل کے آئی'اور فرش صاف کرنے میں جت گئی۔پہلے خون صاف کیا۔پھر پائپ لگا کے فرش دھو دیا۔جب تھک ہار کے لاؤنج میں واپس آئی تو مغرب اتر رہی تھی۔

''آج پھر سے کسی نے ٹیرس پہ خون پھینکا ہے۔''ماہی کو میسج لکھا۔پھر مٹا دیا۔پھر لکھا۔پھر مٹا دیا۔پھر تیسری دفعہ لکھ کے سینڈ دبا دیا۔

کینیڈا کے شہر چلی ویک میں ماہ بینہ اور عباد کے گھر کا واحد بیڈروم خاموشی میں ڈوبا تھا۔ماہی کروٹ کے بل سو رہی تھی جب میسج ٹون سے اس کی آنکھ کھلی۔وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔بدقت پلٹ کے دیکھا۔عباد گہری نیند سو رہا تھا۔

ماہی نے چھوٹے بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور فون اٹھا کے کھولا۔ چہرہ موبائل کی نیلی روشنی سے روشن ہو گیا۔

میسج پڑھ کے اس کی آنکھوں میں فکرمندی اتر آئی۔ انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

"It's him" لکھ کے بھیج دیا۔ پھر دبے قدموں وہ لحاف تلے سے نکلی۔ اس نے آدھی آستین کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ بال کھلے تھے۔ وہ ننگے پیر لکڑی کے فرش پہ چلتی دروازے تک آئی۔ ذرا سے چلنے پہ بھی آہٹ سنائی دیتی تھی۔

لونگ روم میں ٹی وی کنسول کے نیچے بنے کیبنٹ کو وہ چند لمحے دیکھتی رہی۔ کھولے یا نہ کھولے۔ پھر اس نے کونے والی کیبنٹ کھولی۔ جھک کے اندر سے ایک اسکیچ بک نکالی۔ اور سیدھی ہوئی۔

اسکیچ بک کے درمیان میں کہیں گریفائٹ پنسل رکھی تھی۔ ماہی نے پنسل والے صفحے کو کھولا۔

وہاں ایک تصویر بنی تھی۔ وہ چند لمحے اس تصویر کو دیکھتی رہی۔ مالا کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا' اس کا ذمہ دار یہ چہرہ تھا۔ اس کی آنکھیں... اس کی فاتحانہ مسکراہٹ... وہ اس چہرے کو بنا پلک جھپکے دیکھ رہی تھی۔ عجیب بے بسی اور نفرت کا احساس ہو رہا تھا۔

اس نے اسکیچ بک واپس رکھ دی۔ پھر دیوار پہ نصب گھڑی کی طرف دیکھا۔ فجر کا وقت ہونے کو تھا۔

وہ مالا کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ مالا اس کی نہیں سنتی تھی۔ کوئی ماہی کی نہیں سنتا تھا۔ وہ صرف دعا کر سکتی تھی۔ وہ دعا کرے گی اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماہی کی دعائیں عموماً قبول ہوا کرتی تھیں۔ یہ بھی ہو گی۔ وہ خود کو تسلی دیتی ہوئی وضو کرنے چل دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف اگلی صبح فجر ہوتے ہی اسے لینے آ گیا تھا۔ پہلے اس نے مالا سے دوبارہ اس کا ٹیرس دیکھنے کی اجازت مانگی۔ چوکیدار اس نوجوان کو اوپر جاتے دیکھ کے گھورتا رہا لیکن اس نے پرواہ نہیں کی۔ ہر طرف سے ٹیرس کا جائزہ لیا۔ پھر گھر کے لاکس چیک کیے۔ کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ جب مطمئن ہوا تو نیچے آیا۔ اور ان کا سفر شروع ہوا۔

وہ لانگ روٹ پہ ڈرائیو نہیں کرتی تھی کیونکہ کر نہیں سکتی تھی۔ اسے متلی ہوتی تھی۔ اس لیے وہ پچھلی سیٹ پہ کھڑکی سے سر ٹکا کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ چلنے سے قبل اس نے ماں کو میسج کر دیا تھا۔ اب ہر گھنٹے بعد ماں کا میسج آتا تھا۔ کہاں پہنچی ہو۔ خیریت سے سفر گزر رہا ہے؟ وہ مسکرا کے جواب دیتی اور فون رکھ کے آنکھیں موند لیتی۔ وہ بھی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

''کچھ لیں گی آپ؟'' قیام و طعام اسٹیشن پہ کار اندر لے جاتے ہوئے کیف نے پوچھا۔ جواب نہیں آیا تو اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔ وہ سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ سر قدرے ترچھا پڑا تھا۔ ایک طرف سے کیچر سے نکلتے بالوں نے آدھے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ساتھ سیٹ پہ ٹوکری میں ننھے ننھے پودے رکھے تھے۔

وہ واپس سیدھا ہو گیا۔ چہرے پہ اضطراب پھیلا۔ کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

اب بھی وقت تھا۔ وہ اس کو سب کچھ بتا سکتا تھا۔ وہ یہاں کیوں ہے۔ اور وہ اس کو کیسے دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ یہ ڈیزرو نہیں کرتی تھی کہ وہ اسے دھوکہ دے۔ اس میں اور ظہیر میں فرق ہونا چاہیے تھا۔

کیف نے آنکھیں کھولیں۔ ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔ دنیا ویسی ہی تھی جیسی اس کے آنکھیں بند کرنے سے پہلے تھی۔ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدل سکتی تھی۔ اسے خاموشی سے صرف اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اسے اس لڑکی سے ہمدردی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے اپنے مسئلے حل کرنے تھے۔ وہ اس کو دھوکہ ضرور دے رہا ہے لیکن ساتھ ہی وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ یوں حساب برابر ہو جائے گا۔ بس دو ماہ وہ اس کی نوکری کرے گا اور پھر کہیں غائب ہو جائے گا۔ وہ اسے بھول جائے گی۔ اور معاملہ دفن ہو جائے گا۔ بس دو ماہ اور۔

کشمالہ کی کھڑکی کے شیشے پہ دستک ہوئی تو اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔ کیف باہر کھڑا کافی کا کپ اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔

''ریسٹ ایریا آ گیا؟'' وہ خود سے بولی اور کپ تھام لیا۔ آنکھوں میں ابھی تک کچی نیند تھی۔ وہ گھوم کے واپس ڈرائیونگ سیٹ تک آیا۔ اپنی کافی اس نے کپ ہولڈر میں رکھی اور سیٹ بیلٹ پہننے لگا۔

''ایک بات پوچھوں آپ سے؟'' کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ وہ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے اسے سننے لگی۔

''آپ کے پاس کوئی فیوچر پلان تو ہو گا۔ دوبارہ سے اپنا کام سیٹ کرنے کا پلان۔''

''تمہارا مطلب ہے کامیابی کا نیا پلان۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے تلخی سے مسکرائی۔ ''اسکول سے یونیورسٹی تک' کتابوں سے انٹرنیٹ تک' سب یہی سکھاتے آئے ہیں کہ کامیاب کیسے ہونا ہے۔ کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ناکام کیسے ہونا ہے؟ جاب چلی جائے گی تو کیا کرو گے؟ کام میں نقصان ہو گا تو کیا کرو گے؟ صفر سے دوبارہ کیسے شروع کرو گے؟ سب ہمیں کامیابی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ کوئی ہمیں ناکام ہونے کے لیے تیار کیوں نہیں کرتا؟''

''میرے خیال میں انسان کا ایکسیڈنٹ ایک دم سے نہیں ہوتا۔ پہلے near misses ہوتے ہیں تاکہ ہم سنبھل جائیں۔ ریڈ فلیگز نظر آتے ہیں۔ ظہیر کے بارے میں بھی آپ کو نظر آئے ہوں گے۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ کشمالہ نے سوچتی نظروں سے اس کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔

''کیا تمہیں قرضوں میں گھرنے سے پہلے ریڈ فلیگز نہیں نظر آئے تھے؟ طنز نہیں کر رہی۔ اس لیے پوچھ رہی ہوں کیونکہ تم بہت اسمارٹ لگتے ہو۔ پھر اتنا نقصان کیسے کر لیا اپنا۔''

کیف نے گہری سانس لی۔ ''ایک اچھا بزنس مین بننے کے لیے اسمارٹ ہونا کافی نہیں ہوتا۔''

''پھر کیا چاہیے ہوتا ہے؟''

''ایک آئیڈیا۔ ایک یونیک آئیڈیا۔ اس آئیڈے سے محبت کرنا۔ پھر اس کے گرد بہت محنت سے اپنے کام کو تعمیر کرنا۔'' اس کی آواز میں جوش سا بھر گیا تھا۔ ''پھر اس آئیڈیے کو کامیاب کرنے کے لیے ایک اچھی ٹیم بنانا اور بیچنے سے پہلے اپنی ٹارگٹ آڈیئنس کا علم ہونا۔ اپنے کام کی کوالٹی اور ویلیوز پہ کبھی سمجھوتہ نہ کرنا۔''

وہ اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ جمائے بولے جا رہا تھا اور وہ انگلیوں پہ گن رہی تھی۔

''مگر یہ سب کافی نہیں ہوتا' باس۔ بزنس میں ترقی یہاں سے آتی ہے۔'' ایک ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹا کے اپنی پیشانی پہ دستک دی۔ ''آپ کی پیشانی کے بخت سے۔''

کشمالہ نے تعجب سے ابرو اٹھائی۔ ''یعنی قسمت؟''

''یعنی قسمت۔'' اس نے تائید میں سر ہلایا۔

''تم کہہ رہے ہو کہ انسان کی قسمت اس کی محنت سے زیادہ ضروری ہے؟''

''محنت اور بزنس کی سمجھ بوجھ۔ یہ لازم ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم فیل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس چیز میں ہمارا بخت نہیں ہوتا۔ لیکن وہ کسی دوسری چیز میں ضرور ہوتا ہے۔ آپ کا اگر بخت ریستوران میں نہیں ہے تو شاید وہ کسی اور کام میں ہو۔ اب بتائیں۔ کیا میں اسسٹنٹ پوزیشن کے لیے ہائر کر لیا گیا ہوں؟''

''جانتے ہو تم میں اور میرے پرانے ڈرائیورز میں فرق کیا ہے؟''

''وہ میری طرح اسٹریٹ اسمارٹ نہیں تھے؟''

''وہ اتنا بولتے نہیں تھے۔'' اور چہرہ موڑ کے باہر دیکھنے لگی۔ اس سے بہتر اسسٹنٹ کشمالہ کو نہیں ملنے والا تھا۔ لیکن ابھی وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ معید 'ماہ بینہ اور حورِ جہاں کا گھر ''مبین منزل'' کہلاتا تھا۔شہر کے ایک پوش علاقے میں بنا ایک کنال کا دومنزلہ گھر جس کے لان میں بوگن ویلیا کے درخت ہر دیوار کے ساتھ اُگے تھے۔ گھر کا کوئی کونا گملوں اور بیلوں سے خالی نہ تھا۔

وہ کار سے نکلی اور آنکھیں بند کر کے اپنے گھر کی فضا میں گہرا سانس لیا۔ کہتے ہیں انسان محبت اور سکون کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر کرتا ہے مگر وہ اس کے گھر پہ اس کا منتظر ہوتا ہے۔

سلیم گیٹ بند کر کے اس طرف آیا تو اس نے کیف کی طرف اشارہ کیا جو کار ٹرنک سے اس کا سامان نکال رہا تھا۔

''یہ میرا ڈرائیور ہے کیف۔اس کو اس کا کمرہ دکھا دو۔اور کھانا کھلا دو۔''

پھر وہ آگے آئی۔داخلی دروازہ کھولا۔سامنے راہداری تھی جو لاؤنج میں کھلتی تھی۔برسوں پرانی عادت تھی۔اسے معلوم تھا جب وہ راہداری کا کونا مڑے گی تو ایک تخت نظر آئے گا۔اس تخت پہ ماں بیٹھی ہوں گی۔

کشمالہ کے قدم آگے بڑھے۔راہداری کا کونا عبور کیا۔اور سامنے وہی پرانا منظر نظر آیا۔

لاؤنج میں صوفے بھی تھے لیکن حور جہاں بیگم تخت پہ بیٹھی تھیں۔ایک ٹانگ سیدھی لمبی کیے۔ دوسری اندر کی طرف موڑے۔گھٹنے کے ساتھ سبزی کے تھال رکھے تھے۔سر پہ دوپٹہ تھا جو ایک کان کے پیچھے اڑسا ہوا تھا۔وہ چہرہ جھکائے آلوؤں کے قتلے کاٹے جا رہی تھیں۔بھرے بھرے سفید بازو آستینوں سے جھلک رہے تھے۔دائیں کلائی میں سونے کی چوڑیاں تھیں۔

حورِ جہاں بیگم فربہ خاتون تھیں۔رعب دار اور دبنگ سی۔لیکن ساتھ ہی کچھ بہت نرم اور ملائم سا تھا ان میں۔ چہرہ سفید گلابی سا تھا۔ناک میں ہیرے کی لونگ تھی۔سبز آنکھوں کے گرد جھریاں تھیں۔پیشانی اور قلموں سے سیاہ سفید بال جھلکتے تھے۔بڑھتی عمر نے ان کے حسن کو گہنایا نہیں تھا۔بلکہ مزید باوقار کر دیا تھا۔

آہٹ پہ انہوں نے سر اٹھا کے دیکھا۔چہرہ کھل اٹھا۔سبز آنکھوں میں رونق دوڑ گئی۔

''میری بیٹی آ گئی۔''چھری ایک طرف رکھی۔گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے پیر نیچے اتارے۔پھر پیروں سے زمین پہ جوتے تلاش کیے کہ فربہ خاتون تھیں۔جھک نہیں سکتی تھیں۔تب تک وہ ان کے قریب آ پہنچی تھی۔

''میری پیاری ماں۔''اس نے پرس ایک طرف پھینکا۔اور جھک کے ان کے گلے سے لگ گئی۔ماں کافی فربہ

تھیں۔ وہ ان کے مقابلے میں دبلی پتلی سی تھی۔ ماں نے اس کا چہرہ دونوں طرف سے چوما۔ ان کے چہرے پہ اتنی خوشی تھی کہ بیان سے باہر تھی۔

''میری بیٹی کیسی ہے۔ اچھا کیا واپس آ گئی۔'' اس سے الگ ہو کے اس کا چہرہ دیکھ کے بولیں۔ ''اس ظہیر کو تو...''

''چھوڑیں اس کو ماں۔'' وہ ماں سے الگ ہو کے نرمی سے بولی۔ پھر دیکھا ساتھ چوکی پہ بخت بی بیٹھی تھی۔ وہ جھک کے اس سے بھی ملی۔ بخت بی ادھیڑ عمر عورت تھی۔ بالوں میں تیل لگا کے کس کے چوٹی بنائے وہ کانوں میں سنہری بالیاں پہنے ہوئے تھی۔ وہ مالا کو ملی تو بے اختیار دعا دی۔ بخت بی جب ملتی ایسے ہی دعائیں دیا کرتی تھی۔

بخت بی بی کتنے برسوں سے ان کی ملازمہ تھی' اب تو مالا کو گنتی ہی بھول گئی تھی۔ بس اتنا یاد تھا کہ اس کا شوہر مرا تھا تو وہ پانچ بچوں کے ساتھ ان کے سرونٹ کوارٹر میں آئی تھی۔ اب اس کے بچے جوان ہو کے اس آشیانے سے اڑ چکے تھے۔ ایک بیٹا سلیم چوکیدار بھی تھا اور سودا سلف بھی لاتا تھا۔ باقی بیٹیوں کی شادی ہو گئی لیکن بخت بی بی اور ماں کا ساتھ قائم تھا۔

''سفر ٹھیک گزرا؟ راستے میں متلی تو نہیں ہوئی؟'' وہ ماں کے کندھے سے سر ٹکائے بیٹھی تھی اور وہ اس کے بال کان کے پیچھے اڑس رہی تھیں۔

''نہیں ماں۔ ڈرائیور ساتھ لائی ہوں۔''

تبھی راہداری میں آہٹ ہوئی۔ ماں نے چونک کے دیکھا۔ کیف ہاتھ میں ٹوکری لیے کھڑا تھا۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی۔

''پلانٹس کہاں رکھوں؟''

''میاں تم کون ہو اور اندر کہاں چلے آ رہے ہو؟'' حورِ جہاں بیگم کے ماتھے پہ بل پڑے۔ دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ ''پیچھے۔''

''سوری۔ میں...'' وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ متذبذب سا چند قدم پیچھے ہوا۔ ''میں کیف جمال ہوں۔ کشمالہ بی بی کا ڈرائیور۔''

''تمہاری بی بی نے تمہیں بتایا نہیں ہے کہ ڈرائیور گھروں کے اندر نہیں آتے؟ اور پیچھے۔'' دو انگلیاں جھٹک کے کہا۔

''سوری۔'' وہ نا سمجھی کے انداز میں مزید پیچھے ہوا۔ کشمالہ نے مسکرا کے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ کیف نے ٹوکری وہیں رکھی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''یہ کیا تم رنگ برنگے ڈرائیور رکھتی رہتی ہو۔'' ماں نے خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

''باجی یہ ڈرائیور تو نہیں لگتا۔'' بخت بی لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں کیف سلیم کے ساتھ جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ میرا اسسٹنٹ بھی ہے' ماں۔ بتایا تھا نا۔ میں نیا بزنس سیٹ کرنے لگی ہوں۔''

ماں کی سبز آنکھوں میں افسوس سا ابھرا۔ تاسف سے سر ہلایا۔

''کیا کرو گی اتنا پیسہ کما کے' مالا؟''

اور یہیں پہ ماں اور اس کا اختلاف شروع ہوتا تھا۔

''ماں.... یہ اکیسویں صدی ہے۔ عورت صرف پیسے کے لیے کام نہیں کرتی۔ اسے اپنا بھی کچھ چاہیے ہوتا ہے تاکہ اس کی sanity برقرار رہے۔ وہ خود کو گھر کے چولہے میں ضائع نہ کرے۔ حورِ جہاں بیگم کی طرح۔'' ماں کے کان کے پاس شرارت سے جھکی۔

ان کی آنکھوں میں خفگی اتری۔ ''پرے بدتمیز۔ تمہیں لگتا ہے میں نے خود کو ضائع کیا؟'' سر جھٹک کے چھری اٹھا لی اور آلو کے کھٹ کھٹ ٹکڑے کرنے لگیں۔ اب پروٹوکول ختم تھا۔ مالا اب پرانی ہو چکی تھی۔ ماں اس سے زیادہ بچوں کو پروٹوکول دینے کی عادی نہیں تھیں۔

''ضائع نہیں کیے تو کچھ productive بھی نہیں کیا۔ ماسٹرز ہولڈر تھیں۔ مگر بچوں میں لگی رہیں۔ آپ کا سارا دن اسی فکر میں گزرتا ہے کہ آپ کے بچوں نے کھانا کھایا یا نہیں۔ اب وہ بچے اپنی اپنی زندگیوں میں چلے گئے ہیں۔ اگر کوئی کیریئر یا مشغلہ اپنایا ہوتا تو آج فراغت میں آپ کے پاس کچھ کرنے کو ہوتا۔ آپ اب بھی سبزی کاٹ رہی ہیں جو بخت بی بھی کاٹ سکتی ہے۔ یہی فرق ہے آپ کی اور ہماری جنریشن میں۔ آپ چولہے سے نہیں نکلتیں اور ہم دنیا فتح کرنا چاہتے ہیں۔''

''بختو... اپنی مالا بی بی کو بتاؤ کہ ہر انسان دنیا میں اپنا کردار ادا کرنے آتا ہے۔ کسی کا کردار دنیا فتح کرنا ہوتا ہے اور کسی کا اس فاتح کی تربیت کرنا۔''

مگر مالا مسکرا کے شانے اچکا کے اٹھ گئی۔ ''اگر آپ نے تیس سال پہلے کوئی بزنس شروع کیا ہوتا تو آج آپ بھی

ایک بزنس وومن ہوتیں۔کبیرہ تائی کی طرح۔"

ماں نے اپنی چپل کی تلاش میں پیرز مین پہ مارا۔وہ ہنستی ہوئی بیگ اٹھا کے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ماں خفگی سے بڑبڑاتے ہوئے سبزی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

کبیرہ تائی ہماری کہانی کا ایک اہم کردار ہیں۔وہ ابا کے فرسٹ کزن کی بیوی تھیں۔ایک خوبصورت' دولتمند اور بااثر خاتون۔اس کے علاوہ جن خصلتوں سے وہ پہچانی جاتی تھیں ان میں تکبر'بدزبانی اور منافقت سرفہرست تھیں۔بھری محفلوں میں دوسروں کا تمسخر اڑانا تو لازم تھا۔کسی کی بدصورتی تو کسی کی غربت کا مذاق۔خود حسین تھیں۔رئیس تھیں۔رشتے داران کے گرد منڈلاتے تھے۔

بیٹے والے ان کی بیٹی کی وجہ سے۔اور بیٹی والے ان کے اس بیٹے میں دلچسپی رکھتے تھے جو ماں کی طرح مغرور مشہور تھا۔اتنا مغرور کہ وہ کبھی پاکستان نہیں آیا تھا نہ اپنے رشتے داروں سے ملا تھا۔

ان کا بیٹا جب تین چار برس کا تھا' تب وہ لوگ انگلینڈ شفٹ ہو گئے تھے۔کئی برس بعد ان کی فیملی خود تو پاکستان سیٹل ہوگئی لیکن ان کا بیٹا لوٹ کے نہیں آیا۔نہ اسے کبھی کسی نے دیکھا۔نہ کوئی اس سے ملا۔بس کبیرہ تائی تھیں جو ہر محفل میں بیٹھ کے اپنے بیٹے کی کامیابی اور وجاہت کے قصے سنایا کرتی تھیں۔اپنے بیٹے پہ ان کو بہت ہی مان تھا۔ماہی کا کہنا تھا کہ ان کا بیٹا بھی انہی کی طرح ہوگا۔سائیکو کیس۔

کبیرہ تائی کو کوئی نفسیاتی عارضہ بھی تھا۔وہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے تسکین محسوس کرتی تھیں۔کسی بھی رشتے دار کے گھر خوشی غمی ہوتی تو فوراً پہنچ جاتیں۔مہنگے گفٹس۔بھاری سلامیاں۔پھر اسی رشتے دار کے گھر بیٹھ کے باقی خاندن کا مذاق اڑاتیں۔

سارے خاندان میں اگر کبیرہ کی کسی سے نہیں بنتی تھی تو وہ حورِ جہاں بیگم تھیں۔

ماں جب بیاہ کے اس خاندان میں آئیں تو کبیرہ نے ان کو بھی اپنی دولت سے دبانے کی کوشش کی۔لیکن حورِ جہاں ان عورتوں میں سے نہیں تھیں جن کی اپنی کوئی آواز نہیں ہوتی۔یا وہ کسی کی دولت سے متاثر ہو کے اپنی آواز کھو دیتی ہیں۔حورِ جہاں اپنے آپ میں کافی تھیں۔حسین بھی تھیں اور پڑھی لکھی بھی۔ان کو کسی قسم کا احساسِ کمتری نہ تھا۔پہلی دفعہ جب بھری محفل میں انہوں نے کبیرہ کو کسی کا تمسخر اڑاتے اور خاندان والوں کو مسکرا کے سنتے دیکھا تو ٹوک دیا۔

''دیکھو کبیرہ۔ سب کی صورتیں شکلیں اللہ نے بنائی ہیں۔ جو خوبصورت ہیں ان کی خوبصورتی ہی ان کا امتحان ہوتا ہے۔ ایسے غرور نہ کیا کرو۔ اللہ کو یہ نہیں پسند۔''

ایسا کئی موقعوں پہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک محفل میں جب کبیرہ اپنی نند کا ذکر کرتے ہوئے کچھ کہنے لگیں تو حورِ جہاں یہ کہتے ہوئے اٹھ گئیں کہ ''میں ایسی محفل میں نہیں بیٹھوں گی جہاں کسی کا مذاق اڑایا جائے۔ میں نے اللہ کو جواب دینا ہے۔''

محفل میں دوسرے لوگ بھی دبی دبی آواز میں بولنے لگے۔ آہستہ آہستہ سب تتر بتر گئے۔

وہ کبیرہ جس کے آگے سارا خاندان بچھ جاتا تھا' اس کو چار سمدھ کے عام سے گھرانے کی ہاؤس وائف ٹوک کے اٹھ گئی تھی۔ کبیرہ بیگم کی ایسی توہین کسی نے کبھی نہ کی تھی۔ معید کا کہنا تھا کہ یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی لیکن کبیرہ تھوڑی سائیکو بھی تھیں۔ ایسے لوگوں کو ہمیشہ ایک ولن کی تلاش ہوتی ہے جس کو وہ اپنی بے سکونی کے لیے الزام دے سکیں۔ اس لیے اس دن سے کبیرہ نے حورِ جہاں کے ساتھ بیر پال لیا۔

ایسے چند واقعات اور بھی ہوئے۔ تب کبیرہ انگلینڈ میں رہتی تھیں۔ وہاں بیٹھ کے بھی سارے پاکستان کی خبر رکھتیں۔ سال میں تین چار چکر بھی لگا لیتیں۔ انہوں نے خاندان میں مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حورِ جہاں اس سے جلتی ہے۔ ایک دو الزام بھی لگائے ماں پر۔ کوئی نو دس سال پرانی بات ہے جب کبیرہ اور ماں کا اسی طرح ایک محفل میں پھر سے ٹاکرا ہو گیا۔ کبیرہ نے کسی کی بے عزتی کی اور ماں نے سب کے سامنے اس غریب رشتے دار کی سائیڈ لی۔

اس دن کے بعد کبیرہ اور ماں کی بول چال ختم ہو گئی۔ دوبارہ محفلوں میں ایک دوسرے کو جب بھی دیکھا' ماں پھر بھی سلام کہہ دیتیں لیکن کبیرہ گھمنڈ اور نفرت سے سر موڑ کے گزر جاتی جیسے سنا ہی نہیں۔ ماہی ماں کو منع کرتی تھی۔ وہ جواب نہیں دیتیں تو آپ کیوں سلام کرتی ہیں؟ لیکن ماں بڑے ہی سکون سے کہتیں کہ دیکھو اللہ نے ہم پہ سلام فرض کیا ہے۔ بیٹھ کے گپیں مارنا فرض نہیں کیا۔ میں بس اتنا کر رہی ہوں جتنا میرے اوپر فرض ہے۔

اب اتنے برس ہو گئے تھے۔ کبیرہ پاکستان واپس آ گئیں لیکن دونوں کے تعلقات بحال نہیں ہوئے تھے۔ کبیرہ کا نام اب ان کے لیے ایک مذاق تھا۔ مالا ماں کو تنگ کرنے کے لیے اس کا نام لیتی۔ ماہی کو جب کسی انسان کو شدید برا کہنا ہوتا تو اس کو کبیرہ سے ملا دیتی۔ اور رہا معید ... تو جب اس کی ماہی سے لڑائی ہوتی تو وہ کہتا....

''پہلے زمانے میں mail ہوتی تھی۔ اب ای میل ہوتی ہے۔ ایسے ہی پہلے زمانے میں کبیرہ تھی اور اب ای

کبیرہ ہوتی ہے۔اور وہ تم ہو ماہی۔"

وہ فریش ہو کے کمرے سے نکلی تو معید کچن کے دروازے پہ کھڑا تھا۔ ہاتھ میں سیب پکڑے کھا رہا تھا۔اسے دیکھ کے ہنس دیا۔

"پھر کیسا مذاق کیا ظہیر نے آپ کے ساتھ؟" وہ قریب آیا اور بند مٹھی اس کی طرف بڑھائی۔ مالا نے ہنس کے اپنی بند مٹھی اس کی مٹھی سے ٹکرائی۔

"بدتمیز۔" پھر سر سے پیر تک معید کو دیکھا۔"اپنی سناؤ۔ ماں کو ٹائم دیتے ہو یا فون پہ اپنی دوسری ماؤں کے ساتھ لگے رہتے ہو۔"

وہ جھینپ گیا۔"میری ماں اس وقت صرف جنرل سرجری ہے او کے۔"

معید نکلتے ہوئے قد کا نوجوان تھا۔کلین شیو۔ ماتھے پہ کٹے ہوئے بال۔ ماہی جیسی بھوری آنکھیں۔ چہرے پہ ہر وقت بجی مسکراہٹ۔اور کانوں میں ہینڈز فری۔وہ جنرل سرجری میں ٹریننگ کر رہا تھا۔گھر اس کے لیے ہوٹل کی طرح تھا جہاں وہ صرف سونے آتا تھا۔

"یہ باہر تمہارا ڈرائیور ہے؟" معید نے سیب کی بائٹ لیتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔

اُف یہ سوال۔کیا تھا اگر کیف جمال یونیفارم پہن لیتا۔ یا اتنا خوش شکل نہ ہوتا۔

"ایک تو سب کو میرے ڈرائیور سے کیا مسئلہ ہے؟" وہ چڑی نہیں تھی۔ نہ اسے غصہ آیا۔بس اس تکرار سے تھک گئی تھی۔

"مسئلہ نہیں ہے بابا۔ میں تو کہتا ہوں مجھے بھی اپنا ڈرائیور رکھ لو۔ بڑا اسکوپ ہے اس کام کا۔" وہ سیب کھاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔اس کے پاس گھر والوں کے لیے بس اتنا وقت ہوتا تھا۔

وہ واپس کمرے میں آ گئی کیونکہ لاؤنج میں بیٹھی ماں اور بخت بی کی سرگوشیاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"باجی... مالا بی بی کی شادی کر دیں۔ پہلے تو ان کے سر پہ ریستوران سوار ہوتا تھا۔شکر ہے وہ قصہ ختم ہوا۔"

اسے ہنسی آ گئی۔ بخت بی کو اس کی ٹریجڈی میں بھی امید کی کرن نظر آئی تھی۔

"تمہاری مالا بی بی ہی نہیں مانتی۔ ورنہ خاندان میں کس نے رشتہ نہیں مانگا۔حسن بھی آزمائش ہے بخت بی بی۔"

مالا مسکراتے ہوئے کمرے میں آ گئی۔اسے اس ذکر کی اتنی عادت تھی کہ اب فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اسے کسی حسین ترین مرد سے شادی کرنی تھی۔نہیں۔بس وہ ذہین ہو۔اس کے کام کو سپورٹ کرے۔کم از کم ویسا ہو

جیسی وہ خود ہے۔اور یہ ساری خوبیاں اس کے رشتے داروں کے بیٹوں میں ایک ساتھ نہیں تھیں۔

کھڑکی کے پردے ہٹائے تو لان نظر آیا۔کیف گیٹ کے ساتھ بنے گارڈ روم کے باہر کرسی ڈالے گود میں لیپ ٹاپ رکھے ٹائپ کر رہا تھا۔اس نے مالا سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اپنے بزنس پلان پہ کام کر رہا ہے اس لیے جب فارغ ہوگا اپنا کام کرتا رہے گا۔مالا کو ظاہر ہے اعتراض نہیں تھا۔البتہ اس نے نوٹ کیا کہ سلیم ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا دلچسپی سے کیف کو دیکھ رہا تھا۔دونوں بات بھی کر رہے تھے۔خیر اسے کیا۔وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

''یہ کمپیوٹر آپ کا اپنا ہے؟ نیا لگتا ہے۔''سلیم نے متاثر ہوتے ہوئے انگلی لیپ ٹاپ کے کنارے پہ پھیری۔کیف نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''تمہیں اگر کوئی فلم وغیرہ دیکھنی ہو تو میرے کمپیوٹر پہ دیکھ لینا۔''فراخ دلی سے آفر کی۔سلیم کا چہرہ کھل اٹھا۔

''شکریہ کیف بھائی۔''ذرا دیر کو خاموشی کا وقفہ آیا۔

''گھر میں کون کون ہوتا ہے؟''ٹائپ کرتے ہوئے سرسری سا سوال کیا۔

''معید بھائی اور بڑی باجی۔''سلیم جوش سے بتانے لگا۔''پہلے بڑی باجی کی چھوٹی بہن بھی یہاں رہتی تھیں۔مالا بی بی کی خالہ۔وہ بیمار تھیں۔محتاج تھیں۔بڑی باجی نے ان کی بڑی خدمت کی۔میری امی کے ہاتھوں میں ہی وہ فوت ہوئیں۔''

''بڑی باجی کے سارے بچوں کی شادی ہوگئی ہے؟''

''نہیں۔صرف ماہی باجی کی ہوئی ہے۔وہ کنیڈا ہوتی ہیں۔''سلیم کینیڈا کو کنیڈا کہتا تھا۔

''اچھا۔مالا بی بی کی منگنی بھی نہیں ہوئی؟''اسے تعجب ہوا۔''وہ سب سے بڑی ہیں نا۔''

''ان کو شادی کا شوق نہیں ہے جی۔وہ بس اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔''سلیم کو اس کے علاوہ کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔کیف کی ٹائپ کرتی انگلیاں رک گئیں۔وہ سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

یہ ممکن نہیں تھا۔اس کا خیال تھا اس کی کوئی منگنی وغیرہ تو ہو چکی ہوگی۔شاید ہو کے ختم ہوگئی ہو۔لیکن ایسا نہیں تھا۔یا شاید کچھ اور تھا جو اسے چبھ رہا تھا۔

چند دن پہلے تک کشمالہ مبین اس کا ایک ٹارگٹ تھی جس کے پاس اسے نوکری کرنی تھی۔وہ اکیلی تھی۔کام 'ریستوران' گھر۔لیکن آج اس نے کچھ اور دیکھا تھا۔وہ اب صرف ایک ٹارگٹ نہیں تھی۔اس کی ایک فیملی۔وہ اکیلی نہیں تھی۔

لاہور آنا پاپا ان کا حصہ نہیں تھا۔شاید یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات تک وہ گھر سے نہیں نکلی۔بس کمرے میں پڑی سوتی رہی۔کیف سے اس کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔وہ اسے گویا یہاں لا کے بھول ہی گئی تھی۔ڈرائیورز گھر کے اندر نہیں آیا کرتے تھے۔ان کا داخلہ صرف ڈرٹی کچن تک محدود تھا۔

ان کے لاؤنج سے ملحقہ بڑا سا کچن کلین کچن کہلاتا تھا۔کلین کچن سے ایک دروازہ چھوٹے سے ڈرٹی کچن میں کھلتا تھا۔اور ڈرٹی کچن سے ایک دروازہ باہر کی طرف۔تاکہ ملازم یعنی سلیم باہر سے ہی ڈرٹی کچن میں آئے اور اپنا ناشتہ چائے وغیرہ بنا کے وہیں سے رخصت ہو جائے۔ماں کو مرد ملازموں کا گھر کے اندر آنا پسند نہیں تھا۔کھانا البتہ سب کا ماں خود بناتی تھیں۔وہ کسی اور کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتی تھیں۔بلکہ اکثر اپنے ملازموں کی فرمائش پہ کھانے اور میٹھے بنایا کرتی تھیں۔

ماہی کہتی تھی ماں نے ان کو ملازم نہیں رکھا۔انہوں نے ماں کو مالک رکھا ہوا ہے۔

بخت بی اور سلیم کا کمرہ بیسمنٹ میں تھا۔بیسمنٹ کی سیڑھیاں گھر کے باہر سے تھیں تاکہ ملازموں سے پرائیویسی رہے۔انہوں نے کیف کو بھی بیسمنٹ میں ایک کمرہ دے دیا تھا جسے اس نے چپ چاپ قبول کر لیا۔

صبح فجر پہ اس کی آنکھ لاؤنج میں ہوتی کھٹ پٹ پہ کھلی۔اسے معلوم تھا یہ ماں ہوں گی۔ماں فجر خوب شور کے پڑھا کرتی تھیں تاکہ ان کے بچوں کی نیند ایسے خراب ہو کے وہ دوبارہ سو نہ سکیں۔اسلام آباد میں نمازیں اوپر ہو جایا کرتی تھیں لیکن لاہور میں مجال تھی کہ ایسا ہو۔وہ نماز پڑھ کے جائے نماز پہ بیٹھی اور سوچا کہ کیا دعا مانگے۔اسے اس وقت سب سے زیادہ کیا چاہیے تھا؟

بیابزنس۔وہ دوبارہ سے برسرِ روزگار ہو جائے۔اپنے پیروں پہ کھڑی ہو جائے۔اور اب سے کوئی مرد اسے ظہیر کی طرح دھوکہ نہ دے سکے۔

دعا مانگ کے وہ اٹھی اور جمائی لیتے ہوئے کھڑکی کے سامنے آئی تو رک گئی۔

اندھیرا لان میں گارڈ روم کے سامنے وہ گھاس پہ جائے نماز ڈالے دوزانو بیٹھا تھا۔وہ شاید نماز پڑھ چکا تھا۔اب

بس یونہی سر جھکائے بیٹھا تسبیح کے دانے گرا رہا تھا۔

اسے بہت عجیب لگا۔ مانا کہ بہت سے لڑکے لاپرواہ اور مغربی حلیے کے باوجود نمازیں پڑھتے ہیں۔ لیکن تسبیح؟ اسے نہیں یاد اس نے کبھی کسی نوجوان کو ہاتھ میں تسبیح پکڑے دیکھا ہو۔ وہ خود بھی تسبیحوں کی عادی نہیں تھی۔ وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

کیف جمال تسبیح پڑھتا تھا؟ عجیب بات تھی۔

صبح بخت بی جب اس کے کمرے میں کافی لائیں تو اسے حیرت ہوئی۔

''آپ کو کب سے کافی بنانی آ گئی؟''

''اس موئے ڈرائیور نے بنائی ہے۔ میں نے اسے چائے کی چیزیں پکڑائیں تو بابو آگے سے بولا' میں چائے نہیں پیتا۔ مجھے کافی میکر دو۔ (اس کی نقل کر کے بولیں) پھر خود ہی کچن سے معید بھائی کا پرانا کافی میکر ڈھونڈ لایا اور سیٹ کر دیا۔ بازار سے موٹے بیجوں والے ڈبے بھی لے آیا۔ اور ساتھ یہ مجھے پکڑا دی کہ میری بی بی یہی پیتی ہیں۔ ہونہہ۔''

وہ ہنس دی۔ مبین منزل کو پہلی دفعہ ایسا رنگ برنگا ملازم ملا تھا۔ بخت بی سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

''چھوٹی باجی... اس لڑکے کو ذرا فاصلے پہ رکھیو۔ مجھے یہ وارداتیا لگتا ہے۔''

''اچھا بخت بی۔ اب جائیں اور کیف سے کہیں تیار رہے۔ اس نے مجھے سیلون لے کر جانا ہے۔''

شام میں عزہ کے نکاح کا فنکشن تھا۔ اور صد شکر اس کے چہرے پہ ایک بھی پمپل نہیں تھا ورنہ عموماً کسی فنکشن سے پہلے ہی یہ پمپل حاضری دیا کرتے تھے۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ابھی فیشل کروالے تو شام تک اس کا اثر آنے لگے گا۔

وہ باہر آئی تو کیف گارڈ روم کے باہر کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں اسکیچ بک تھی اور وہ پنسل سے اس پہ کچھ کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کے کھڑا ہو گیا۔ اسکیچ بک پیچھے کر لی۔ آج جینز پہ سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ پیروں میں جوگرز تھے اور چہرے کی ہلکی بڑھی شیو ویسی ہی تھی۔

''کیا کر رہے ہو؟'' وہ اس کی اسکیچ بک کو دیکھتے ہوئے قریب چلی آئی۔ پرس کہنی پہ ٹانگے' بال کیچر میں باندھے وہ آنکھوں پہ سیاہ چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ کیف کے چہرے پہ جھینپ جانے کا تاثر ابھرا۔ رخسار ہلکے سے گلابی ہوئے یا شاید دھوپ کے باعث اسے ایسا لگا تھا۔

''یونہی فارغ وقت میں اسکیچز بناتا ہوں۔''

''کیا بنا رہے ہو؟ دکھاؤ۔'' وہ دوستانہ لہجے میں کہتی اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔اب وہ دونوں دھوپ میں تھے۔چھاؤں پیچھے رہ گئی تھی۔

کیف نے اسکیچ بک کھول کے اس کے سامنے کی۔صفحے پلٹائے۔اس پہ موٹر بائیک کا سیاہ سفید اسکیچ بنا تھا۔

''تمہیں موٹر بائیکس پسند ہیں؟''

''بہت زیادہ۔'' وہ تھوڑا شرمندہ نظر آ رہا تھا۔مالا نے غور سے اسکیچ کو دیکھا۔

''یہ ہیوی بائیک ہے۔کافی مہنگی ہوتی ہے۔اگر تم اپنا نیا بزنس اس لیے شروع کرنا چاہتے ہو کہ ایک دن تم یہ بائیک خرید سکو تو یہ ایک غلط اپروچ ہے۔'' نرمی سے تنبیہہ کی۔اسے سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ نوجوان قرضوں کا شکار کیوں تھا۔مہنگی بائیکس کا شوق۔مہنگا لیپ ٹاپ۔قیمتی فوٹوگرافی آلات امپورٹ کروانا۔وہ اپنی بساط سے اونچی جست لگانا چاہتا تھا اور ایسے میں زمین اس کے قدموں تلے سے نکل جاتی تھی۔

کیف نے جواب نہیں دیا۔کار کی طرف بڑھ گیا۔جیسے وہ اس کی بات سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔

وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا جب صفورا کی کال آنے لگی۔

''کیف کیسا کام کر رہا ہے؟ تم اس سے مطمئن ہو نا؟'' مالا کا فون کار سے کنیکٹڈ تھا۔آواز خود بخود اسپیکرز پہ گونجنے لگی۔

''ہاں۔کیف اچھا کام کر رہا ہے۔کافی اسمارٹ اور سمجھدار ہے۔ساتھ ہی اپنے نئے بزنس پلان کو بھی وقت دیتا ہے۔'' وہ سادگی سے کہتے ہوئے باہر دیکھ رہی تھی۔وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو کسی کو اس کے سامنے اس لیے نہیں سراہتے کہ وہ سر نہ چڑھ جائے۔جو سچ ہو اسے کہہ دینا چاہیے۔

''اسمارٹ ہوتا تو اب تک کامیاب ہو چکا ہوتا۔اس کے لیے اچھا ہے کہ تمہارے پاس ہی جاب کرتا رہے۔ورنہ اس کا اپنا کام کبھی کامیاب نہیں ہونا۔اور ہاں۔بس یہ دھیان کرنا کہ وہ تم سے ایکسٹرا پیسے ویسے نہ لے۔تھوڑا سا لالچی بھی ہے۔میرا کزن ہے نا' مجھے اس کا پتہ ہے۔''

صفورا اتنا تیز تیز بولے جا رہی تھی کہ اسے اسپیکر آف کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔بے اختیار کیف کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔(اُف)

''ہے کہاں وہ؟ ذرا بات کرواؤ میری۔'' صفورا اپنے تئیں ایک اچھی دوست ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

کیف نے ایک ہاتھ ہلا کے نفی کا اشارہ کر دیا۔ کہا کچھ نہیں۔ چونکہ بیک ویو مرر اوپر کی طرف تھا' وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''ابھی وہ مصروف ہے۔ تم بعد میں اسے خود ہی کال کر لینا۔'' کال بند ہونے کے بعد بھی کار میں ایک عجیب سی ٹینشن پھیل گئی۔

''اس کو معلوم نہیں تھا کہ تم سن رہے ہو۔''

''وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ کیف جمال ایک لوزر ہے اور رہے گا۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''جان میکس ویل کہتا تھا' تم پیسے سے نہیں جیت سکتے۔ اس کو کمانے پہ فوکس کرو تو مادیت پرست کہلاؤ گے۔ کمانا چاہو اور نہ کما سکو تو لوزر ہو۔ بہت کما کے خرچ نہ کرو تو کنجوس ہو۔ اگر کما کے خرچ کرتے رہو تو فضول خرچ ہو۔ اگر کمانے کی فکر نہ کرو تو تم unambitious ہو۔ اگر بڑھاپے تک بہت سے پیسے کے مالک ہو تو تم بے وقوف ہو کہ اس پیسے کو قبر میں لے جانا چاہ رہے تھے۔''

''پھر کیا کرنا چاہیے پیسے کے ساتھ؟''

''پیسے سے جیتنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے' باس۔ اس کو مٹھی میں نہیں دبا لینا بلکہ ڈھیلی گرفت کے ساتھ اس کو پکڑنا ہے اور پھر کھلے دل سے اس کو قابلِ قدر چیزوں کو حاصل کرنے پہ صرف کرنا ہے۔'' ذرا توقف سے بولا۔ ''آپ سے ایک درخواست ہے۔ دوبارہ ان کی کال آئے تو مجھ سے بات مت کروائیے گا۔ ان کا میرے اوپر احسان ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے سامنے ان کو کچھ ایسا بول دوں جس پہ مجھے بعد میں شرمندگی ہو۔''

ساری بات ہی ختم ہو گئی تھی۔ (کاش وہ اسپیکر آف رکھتی)

سیلون ایک کمرشل بلاک کی دو منزلوں پہ پھیلا تھا۔ تیسری اور چوتھی منزل پہ کوئی جم تھا۔ وہ اترنے لگی تو کیف نے پوچھا کہ کیا وہ اسے اندر دروازے تک چھوڑنے آئے؟ مگر کشمالہ نے منع کر دیا۔ سیلون اس کی کزن کا تھا۔ یونہی اس نوجوان کو ساتھ دیکھ کے باتیں بنتیں۔

اسے وہاں دو گھنٹے لگ گئے۔ جب وہ واپسی پہ لفٹ میں سوار ہوئی تو اندر کوئی اور بھی تھا۔ ایک ہٹا کٹا سا آدمی جو اس کی طرف پہلو کیے کھڑا تھا۔ وہ نظر انداز کر کے اندر آئی اور گراؤنڈ فلور کا بٹن دبایا۔

جو کچھ ہوا ایک لمحے میں ہوا۔ کسی نے اس پہ پیچھے سے حملہ کیا۔ وہ اوندھے منہ نیچے گری۔ سر کے پچھلے حصے میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

''باس...باس..''

کشمالہ نے آنکھیں کھولیں۔ بصارت کے آگے اب بھی دھند تھی۔اس نے پلکیں جھپکائیں۔

وہ لفٹ کے فرش پہ چہرے کے بل گری ہوئی تھی۔اس کے سامنے وہ پنجوں کے بل بیٹھا اسے پکار رہا تھا۔وہ بدقت ہتھیلی کے بل اٹھی۔پھر چونک کے ادھر ادھر دیکھا۔

لفٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔وہ گراؤنڈ فلور تھا۔باوردی گارڈ باہر کی طرف کھڑا تھا۔اور کیف اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟''وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔اس کا ہاتھ بے اختیار سر کے پچھلے حصے کی طرف گیا۔درد کی ٹیس ابھی تک اٹھ رہی تھی۔

''کیا ہوا مجھے؟''اس نے الجھن سے ادھر ادھر دیکھا۔

''لفٹ نیچے آئی تو آپ اندر بے ہوش تھیں۔گارڈ کو معلوم تھا کہ آپ کس کار سے نکلی تھیں'اس لیے وہ مجھے بلا لایا۔آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔میں ٹھیک ہوں۔چلو۔''وہ تکلیف برداشت کرتے ہوئے اٹھنے لگی۔

''مگر ہوا کیا تھا؟''وہ تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''چلو نا۔''اس سے پہلے کہ لوگ جمع ہوتے'وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔سر گھوم رہا تھا لیکن وہ بظاہر خود کو سنبھالے قدم اٹھانے لگی۔

''پرس مجھے دیں۔''اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے پرس لے لیا۔پھر وہ گارڈ کے سامنے رکا۔بٹوے سے پانچ سو کا نوٹ نکال کے اسے تھمایا'اس کا شکریہ ادا کیا اور کشمالہ کے پیچھے چل دیا۔کسی نے گارڈ کو روک کے پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔

''وہ ایک باجی سیلون آئی تھیں۔ان کی شاید طبیعت خراب ہوگئی تھی۔میں ان کے شوہر کو پارکنگ سے بلا لایا۔''وہ قصہ بیان کر رہا تھا۔

''سیدھے گھر چلو۔''اس کا سر شدید درد کر رہا تھا۔سیٹ کی پشت سے اسے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

''پہلے مجھے بتائیں ہوا کیا تھا؟''وہ کہتے کہتے چونکا۔''کسی نے کچھ کیا ہے؟میں ابھی دیکھتا ہوں۔''کیف نے تیزی سے سیٹ بیلٹ کھولی اور باہر نکلنے لگا جب مالا نے روکا۔

''واپس بیٹھو کیف۔'' انداز میں تحکم بھی تھا اور تکان بھی۔ ''یہ میری کزن کا سیلون ہے۔ یہاں تماشہ نہیں بنانا۔ خاندان میں باتیں بنتی ہیں۔''

''مجھے بتائیں تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔''

وہ اس کی طرف رخ موڑ کے بیٹھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔ ماتھے پہ بل تھے۔ آنکھوں میں غصہ بھی تھا۔

اسے جو یاد تھا' بتا دیا۔

''میں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا مگر میں اس کو نہیں جانتی۔ اور لفٹ میں سی سی ٹی وی بھی نہیں تھا۔''

''لفٹ کے باہر تو ہوگا۔ مجھے دیکھنے تو دیں۔ میرا کیا فائدہ آپ کو اگر میں یہ چیزیں ٹریس نہیں کر سکتا؟'' اسے غصہ آ رہا تھا۔ یہ طے تھا کہ وہ نہ پولیس رپورٹ درج کروائے گی نہ شور ڈالے گی۔

''میں نے کہا نا' یہاں تماشہ نہیں بنانا۔ گھر چلو۔'' وہ تکان سے بولی۔ سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اس آدمی نے اسے بہت زور سے مارا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ مگر میں واپس آؤں گا۔ اور آپ کا نام لیے بغیر ان کے ریکارڈز ضرور نکلواؤں گا۔ ایسے کیسے کوئی آپ پہ حملہ کر سکتا ہے۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے برہمی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے پہلی دفعہ کیف کو غصے میں دیکھا تھا۔

''جیسے وہ میرے گھر میں خون پھینکوا تا ہے۔ ایسے ہی وہ مجھ پہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔''

''اس نے اپنا چہرہ نہیں ڈھانپا ہوا تھا اس لیے میرا نہیں خیال کہ وہ آپ کا تعاقب کار تھا۔ کوئی کرائے کا آدمی ہوگا۔ مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''ایک منٹ اپنا پرس چیک کریں۔ کچھ مسنگ تو نہیں ہے۔''

اس کا ذہن ابھی تک شل تھا۔ وہ جو اتنے عرصے سے صرف ایک وہم لگتا تھا' وہ آج حقیقت بن کے سامنے آ گیا تھا۔ ایسے میں اسے پرس کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔

اس نے پرس کھولا اور اندر سے ایک ایک چیز نکال کے دیکھنے لگی۔ موبائل۔ بینک کارڈز۔ کیش۔ سب ویسا ہی تھا۔

البتہ ایک چیز وہاں ایسی بھی تھی جو اس کی نہیں تھی۔

''اس نے میرے بیگ میں کچھ رکھا ہے۔'' وہ تعجب سے بولی تو کیف نے بیک ویو مرر کا رخ ٹھیک کیا اور اس کے عکس میں مالا کو دیکھا۔ وہ ایک سلور رنگ کا لائٹر الٹ پلٹ کے دیکھ رہی تھی۔

''کوئی میرے بیگ میں سگریٹ لائٹر کیوں رکھے گا؟''

''مجھے دکھائیں۔کوئی ریکارڈنگ ڈیوائس بھی ہوسکتی ہے۔''

لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔وہ لائٹر کی نچلی سائیڈ کو اوپر اٹھائے کچھ دیکھ رہی تھی۔

''وہ مجھے اپنا نام بتانا چاہتا ہے۔''وہ تلخی سے مسکرائی۔''لائٹر پہ اس کا نام لکھا ہے۔''

''واقعی؟'' کیف کو حیرت ہوئی۔موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔''کیا لکھا ہے؟''

کشمالہ نے لائٹر پہ لکھے دو الفاظ پڑھے۔

''ماہر فرید۔''

اس نے ایک جھٹکے سے بریک لگائی۔کار کے ٹائر چرچرائے۔

''آرام سے کیف۔''

لیکن وہ تیزی سے پیچھے گھوما اور لائٹر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔پھر اسے اونچا اٹھا کے دیکھا۔

اس پہ واقعی انگریزی میں لیزر انگریونگ سے ماہر فرید لکھا تھا۔

کیف کا حلق خشک ہونے لگا۔(ناممکن)

''بالآخر مجھے میرے تعاقب کار کا نام معلوم ہوگیا ہے۔''

کیف نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔اس کا چہرہ گلابی سا ہو رہا تھا۔سبز آنکھوں میں الجھن تھی۔ناسمجھی تھی۔

اس نے بہت سا تھوک خشک گلے سے نیچے اتارا۔

''آپ کسی ماہر فرید کو جانتی ہیں؟''لہجہ سرسری بنایا۔

''نہیں۔''کشمالہ نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔''میں نے یہ نام ہی پہلی دفعہ سنا ہے۔''

''میں یہ لائٹر رکھ لوں؟اس کو چیک کرنا ہوگا۔اندر کوئی ریکارڈنگ ڈیوائس نہ ہو۔''

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ واپس کار اسٹارٹ کرنے لگا البتہ اس کے چہرے کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔

گھر کے پورچ میں جب وہ کار سے نکلی تو وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ پریشان لگ رہا تھا۔

''صفورا تمہارے بارے میں غلط تھی۔جو لوگ پیسے کے لالچی ہوتے ہیں وہ گارڈز کو ٹپ نہیں دیتے۔''

وہ چونکا۔اس حالت میں بھی وہ نوٹ کر گئی تھی۔وہ پھیکا سا مسکرایا۔''آپ نے پیٹرول کے جو پیسے دیے تھے اس

میں سے دیا تھا۔''

اس کے جانے کے بعد کیف کے تاثرات بدلے۔ چہرے پہ برہمی در آئی۔ اس نے فون نکالا اور وائٹ ہیئر کی چیٹ کھولی۔

''تم میرے ساتھ کوئی ڈبل گیم کھیل رہے ہو؟ یہ حرکت تمہاری یا تمہارے آدمیوں کی ہے نا؟'' انگلیاں تیزی سے ٹائپ کر رہی تھیں۔ وہ شدید بے بسی محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام مبین منزل میں گہما گہمی کا عالم تھا۔ سب شادی میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ معید کسی باتھ روم سے چلاتا اپنے کپڑے مانگ رہا تھا۔ ماں خود تخت پہ بیٹھی تھیں۔ بالوں میں صبح ہی ہیئر ڈائی لگایا تھا۔ سو اب وہ سفید نہیں گہرے بھورے لگ رہے تھے۔ گرے رنگ کا کامدار جوڑا پہنے وہ کلائیوں میں سونے کے کنگن پہن رہی تھیں۔ لمبے بال کھلے تھے۔ بخت بی ان میں کنگھی پھیر رہی تھی۔

سامنے گاؤ تکیے پہ ان کا موبائل کھڑا رکھا تھا جس پہ ماہی نظر آ رہی تھی۔ وہ کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی۔ ایپرن پہنے، چھوٹے بالوں کی پونی بنائے وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے تفتیشی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ایئر رنگز دکھائیں مجھے۔'' کینیڈا سے حکم آیا۔

ماں نے چہرہ ترچھا کر کے ایک کان دکھایا۔ ماہی نے ماتھے کو چھوا۔

''اُف ماں۔ یہ کیا انیس سو دس والے کانٹے پہن لیے ہیں۔ وہ گرے اسٹونز والے ٹاپس کہاں ہیں جو میں لبرٹی سے لائی تھی۔''

''کہاں رکھے ہیں؟'' ماں سر جھکائے اپنے جیولری باکس میں سے ڈھونڈنے لگیں۔ ماہی کا حکم وہ نہیں ٹالا کرتی تھیں۔

''جیولری باکس کا سب سے نچلا خانہ دیکھیں۔'' ماہی کو یاد تھا۔ اسے ماں کی ہر چیز یاد رہتی تھی۔

ٹاپس وہیں تھے۔ ماں نے انہیں نکال کے اونچا کیا۔ وہ واقعی بہت حسین تھے۔ سونے کے کانٹے اتار کے انہیں کانوں میں پہنا تو چہرے کا وقار مزید بڑھ گیا۔

''اچھا بتاؤ شال کون سی لوں؟'' وہ اپنی سمجھدار بیٹی سے پوچھ رہی تھیں۔

''مالا سے کہیں وائٹ والی شال نکال دے جس کا گرے بارڈر ہے۔'' ماں نے مڑ کے دیکھا۔ مالا لاؤنج کی

ایک کرسی پہ بیٹھی موبائل پہ لگی تھی۔کھوئی کھوئی سی۔ جب سے وہ سیلون سے آئی تھی وہیں بیٹھی تھی۔

''مالا ... بیٹے وہ وائٹ شال تو نکال دو۔اور تم کب تیار ہو گی؟'' پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔''تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں۔سر میں درد ہے۔ میں شال نکالتی ہوں۔'' وہ وہاں سے اٹھ گئی۔اس نے کمرے میں پہلے سے وہی سفید شال نکال رکھی تھی لیکن ماں کو وی نہیں تھی۔ ماں اسے تب پہنیں گی جب ماہی کہے گی۔ ماں کو صرف ماہی کی چوائس پہ اعتبار تھا۔

ماہی یہاں ہوتی تھی تو فنکشنز وغیرہ پہ ماں کو خود تیار کرتی۔ جب سے وہ کینیڈا گئی تھی وُیڈیو کال پہ یہی کام کرواتی۔ ماں کے کپڑے حتیٰ کہ مالا کے بھی اکثر کپڑے ماہی لیا کرتی تھی۔اس کو شوق تھا دکانداروں سے لڑلڑ کے قیمتیں کم کروانے کا۔ یہ ٹاپس بھی اس نے مالا کے ساتھ ہی لیے تھے۔ مالا کہتی رہی کہ اب چھوڑ دو۔وہ پندرہ سو سے کم میں نہیں دے گا۔لیکن ماہی بھی ڈٹی رہی۔نہیں۔ یہ مجھے آٹھ سو میں دے گا۔دیکھ لینا۔اور پندرہ منٹ بعد ماہی وہ ٹاپس آٹھ سو میں لے کر ہی ہٹی تھی۔

شال ماں کو دینے آئی تو ماہی وڈیو کال پہ کہہ رہی تھی۔

''فنکشن کی ساری تصویریں فوراً سے مجھے بھیجنی ہیں آپ نے'ماں۔آپ کے باقی دونوں بچے ہر فنکشن میں مجھے بھول جاتے ہیں۔ہائے کاش میں پاکستان میں ہوتی۔''

''اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں ہر حال میں'ماہی۔'' ماں نے ٹوکا۔''شکر کرو اللہ نے تمہیں شادی کے پانچ سال بعد خوشی دکھائی ہے۔بس خوب کھاؤ پیو اور اپنا خیال رکھو۔شادیاں تو ہوتی رہتی ہیں۔''

''ہاں چھوٹی بی بی۔'' بخت بی بی ماں کے کندھے کے پیچھے سے کال میں شامل ہوئی۔وہ کینیڈا کی کال پہ اتنا اونچا بولتی تھی کہ جیسے آواز ہوا کے دوش پہ کینیڈا جاتی ہے۔''تیری ماں نے بڑی دعائیں کی ہیں تیری گود ہری ہونے کے لیے۔ ہر وقت کہتی تھی اللہ میری ماہی کو بچہ دے۔تو بس اپنا خیال رکھ۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ عباد کی نوکری نہ ہوتی تو میں کبھی کینیڈا نہ رہتی۔ بورنگ ٹھنڈا ملک۔'' ماہی روہانسی ہو کے بولی۔پھر کچھ یاد آیا۔''شادی پہ کبیرہ تائی بھی ہوں گی نا۔''

ماں کے چہرے پہ ناپسندیدگی ابھری۔سر جھکا کے تخت پہ بکھری اپنی چیزیں سمیٹنے لگیں۔''پرے کرو اس کو۔ہمیں کیا۔''

''دیکھنا آپ۔وہ شادی پہ آئیں گی اور سارے رشتے دار آپ کو جانے کے لیے ان کے پاس جا کے خوب ہنسیں بولیں گے۔دیکھنا۔''

معید تیار ہو کے آ گیا تھا اور اب صوفے پہ بیٹھ کے جوتے پہن رہا تھا۔منہ میں بڑبڑایا۔

''لاہور اور اس کے مضافات میں غیبتوں کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

ماہی اس بات کا کرارا سا جواب دیتی لیکن اسے کچھ نظر آیا تھا۔اسکرین پہ چہرہ قریب کیا اور تفتیشی انداز میں سوال کیا۔

''یہ باہر لان میں کون ہے؟'' ماہی کی تیز نظریں ماں کے پیچھے کھڑکی پہ جمی تھیں۔

ماں نے ایک نظر کھڑکی کو دیکھا جہاں لان میں موبائل پہ لگا کیف ٹہلتا نظر آ رہا تھا۔

''اپنی بہن سے پوچھو۔وہی ساتھ لائی ہے۔''

ماں نے مالا کو فون پکڑا دیا اور خود گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھیں۔ان کا رخ کمرے کی جانب تھا۔ابھی انہوں نے جوتے پہننے تھے۔

''میرا ڈرائیور ہے۔اور اسسٹنٹ بھی۔'' مالا نے فون تھام لیا۔ماہی بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''ذرا قریب سے دکھاؤ اس کی شکل۔'' ماہی کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔اپنے سامنے لاؤنج میں کام کرتے ہوئے عباد کو دیکھ کے اونچا سا بولی۔''بڑا عرصہ ہو گیا کوئی ہینڈسم آدمی نہیں دیکھا۔''

عباد پہ اثر نہیں ہوا۔لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔''آئینہ دیکھ لو۔خود بھی تم کسی مرد سے کم نہیں لگ رہیں۔''

ماہی کی ہنسی غائب ہوئی۔چہرہ سرخ ہوا۔

''سنو۔تم لوگ شادی اٹینڈ کرو۔میں ذرا آتی ہوں۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

برٹش کولمبیا میں اب جنگ عظیم چھڑنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نکاح کا وینیو سفید اور سبز رنگ میں سجا تھا۔اونچی چھت سے جگہ جگہ فانوس لٹک رہے تھے۔اسٹیج بھی سفید پھولوں اور سبز پتوں سے مزین تھا اور مہمانوں کی میزوں کے گرد رکھے صوفے بھی سفید تھے۔

وہ ماں کے ساتھ ایک تھری سیٹر صوفے پہ بیٹھی تھی۔ماں چند رشتے دار خواتین سے باتوں میں مصروف

تھیں۔معید ہم عمر کزنز کی طرف چلا گیا تھا لیکن وہ خود کو یہاں زیادہ محفوظ تصور کر رہی تھی۔اگر وہ کزنز میں گئی تو سب کی زبان پہ ایک ہی سوال ہونا تھا۔اوشن بند کیوں ہو گیا؟ اور کیا اب وہ جاب لیس ہو گئی ہے؟ اور اس وقت وہ اس سوال کا سامنا کر کے موڈ نہیں خراب کرنا چاہتی تھی۔

ویسے بھی اسے ماں پہ نظر رکھنی تھی۔ان کی شوگر کنٹرول میں نہیں تھی۔اور شادیوں پہ تو وہ کچھ زیادہ ہی دل کھول کے کھاتی تھیں۔معید ان کی شوگر کا اتنا دھیان نہیں رکھتا تھا کہ وہ گھر ہی کب ہوتا تھا۔لیکن آج وہ دیکھے گی کہ ماں کیسے میٹھا کھاتی ہیں۔

ماں ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔شال ایک کندھے پہ تھی۔شفون کا گرے ڈوپٹہ سر پہ تھا۔وہ ہلکے کاجل اور لپ اسٹک کے ساتھ بہت باوقار لگ رہی تھیں۔کسی کو اپنے گھٹنوں کے درد کا بتا رہی تھیں اور رشتے دار خاتون ان کو کوئی دیسی ٹوٹکا بتا رہی تھیں جو ان کے میاں نے فیس بک پہ پڑھا تھا۔

واقعی۔حورِ جہاں جیسی خوبصورتی اسے ماہی یا معید کو نہیں ملی تھی۔''ناٹ فیئر' اللہ تعالیٰ۔''آسمان کو شاکی نظروں سے دیکھا۔

''حورے بھابھی... آپ گھٹنوں کا آپریشن کروا ہی لیں۔میں نے خود کروایا ہے۔سمجھو نئی زندگی مل گئی ہے۔''خاتون نے مشورہ دیا۔ماں کا نام حورِ جہاں تھا۔حور کے نیچے زیر تھی۔(اسے حورے جہاں پڑھتے تھے) اسی لیے بہت سے رشتے دار ان کو اب بھی حورے کہتے تھے۔

''نہ بابا نہ۔میں نے نہیں آپریشن کروانا۔''ماں نے ناک سے مکھی اڑائی۔''انسان کبھی پیچھے کو نہیں پلٹتا ہوتا۔اب جیسے ہیں گھٹنے ویسے ٹھیک ہیں۔''

''ماں۔''اس نے ماں کے قریب سرگوشی کی۔''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے نا کہ آپ میٹھا نہیں کھائیں گی۔آج صبح آپ کی فاسٹنگ شوگر ایک سو چالیس تھی۔''نرمی سے تنبیہ کی۔

ماں دوسری جانب جھک کے ان خاتون سے کسی بہت اہم موضوع پہ بات کرنے لگیں۔یوں ظاہر کیا جیسے مالا کی بات سنی ہی نہ ہو۔

دفعتاً ساتھ بیٹھی ممانی کسی کو دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔کشمالہ نے نظریں اوپر اٹھائیں۔

سامنے گلینہ آنٹی کھڑی تھیں۔وہ جو اس روز اسلام آباد میں اپنے بیٹے کے ساتھ ماموں کے پورشن میں آئی تھیں۔انہوں نے سفید سلک کا ڈریس پہن رکھا تھا۔سر پہ دوپٹہ تھا۔وہ مسکرا کے پہلے ممانی سے ملیں۔پھر ماں

سے۔ ماں ان کو دیکھ کے خوش ہوئیں۔ اپنے پاس صوفے پہ جگہ دی۔

''تم کب آئیں دبئی سے؟''

''زیاد اور میں پچھلے ہفتے آئے ہیں۔ اتنے عرصے بعد کسی خاندان کی شادی میں شرکت کر رہے ہیں۔ یہ کون سی والی بیٹی ہے تمہاری ماشاءاللہ سے؟'' انہوں نے مسکرا کے مالا کی طرف دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''میں کشمالہ ہوں۔ مجھ سے چھوٹی ماہی کینیڈا ہوتی ہے۔''

''ارے ہاں۔ تم تو اسلام آباد ہوتی ہو نا۔ ہم تمہارے ماموں کی طرف گئے تھے اس دن۔'' نگینہ آنٹی نے ممانی کو دیکھ کے کہا۔ ''پتہ چلا تم سو رہی ہو۔ ورنہ ضرور ملاقات ہوتی۔''

''جی مجھے پتہ چلا تھا۔'' وہ مسکرا کے بولی۔

''زیاد کیسا ہے؟ کیا کر رہا ہے آج کل؟'' ماں رسماً نگینہ بیگم سے پوچھنے لگیں۔

''زیاد رائٹر ہے۔ کتابیں لکھتا ہے۔ ساتھ ایک ڈیجیٹل مارکیٹنگ فرم میں بہت اچھی جاب بھی کر رہا ہے۔ مگر بڑے عرصے سے کچھ لکھا نہیں۔'' کہتے ہوئے نگینہ آنٹی کی آواز میں اداسی گھل گئی۔

مالا کی متلاشی نظریں سارے میں گھومیں۔ اور پھر وہ اسے نظر آ ہی گیا۔ وہ کچھ مردوں کے ایک گروپ کے ساتھ کھڑا تھا۔ ٹال، ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ سیاہ بالوں کو جیل سے پیچھے کیے وہ دوسرے کزنز کی طرح کرتے شلوار میں ملبوس تھا۔

اس وقت وہ سنجیدگی سے کسی کی بات کا جواب دے رہا تھا۔ دن کی روشنی میں زیادہ جاذب نظر تھا۔

''اس کی منگنی کی تھی تم نے کچھ عرصہ پہلے۔ کوئی مسئلہ ہوا تھا پھر۔'' ماں کو یاد آیا۔

بظاہر دوسری طرف دیکھتی کشمالہ کے کان کھڑے ہو گئے۔

''بس بھابھی۔ کیا بتاؤں۔ اس کی منگیتر کی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔ وہ زیاد کی اپنی پسند تھی۔ اس نے دل پہ بہت بوجھ لے لیا ہے۔ ڈیڑھ سال ہو گیا ہے اس بات کو۔ اب میرا بیٹا شادی کا نام ہی نہیں لیتا۔'' نگینہ بیگم دور نظر آتے اپنے بیٹے کو دیکھ کے اداسی سے بولیں۔ ماں بھی افسوس سے خاموش ہو گئیں۔

''حوریے بھابھی۔ آپ اتنی نیک ہیں۔'' انہوں نے ماں کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ ''آپ میرے زیاد کے لیے دعا کیا کریں کہ وہ اس ٹراما سے نکل آئے اور نئی زندگی شروع کرے۔''

''کیوں نہیں نگینہ۔ میں ضرور دعا کروں گی۔'' ماں نے خلوصِ دل سے کہا۔

ایک بلند آواز کانوں میں پڑی تو کشمالہ نے چونک کے نظریں گھمائیں۔سبزہ زار کی انٹرنس پہ ایک اونچا نسوانی قہقہہ گونجا تھا۔یہ اس بات کا غماز تھا کہ کبیرہ بیگم پہنچ چکی تھیں۔

یہ طے تھا کہ وہ ہر فنکشن پہ جان بوجھ کے دیر سے آتی تھیں تا کہ ہر نظر ان کی طرف اٹھے۔اور واقعی وہ اتنی خوبصورت تھیں کہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

آج بھی وہ اینٹرنس پہ چند خواتین کے جھمگٹھے میں کھڑی اونچے قہقہے لگاتے ہوئے سب کی توجہ گھیر رہی تھیں۔نیلے رنگ کی سلیولیس ساڑھی میں ملبوس تھیں۔کانوں اور گردن میں چمکتے ہوئے ڈائمنڈز پہن رکھے تھے۔بال بوائے کٹ میں کٹے تھے۔(اگر لمبے رکھتیں تو زیادہ خوبصورت لگتیں لیکن وہ جانتی تھی کہ تائی بال چھوٹے کیوں رکھتی ہیں۔اس کی بھی ایک مضحکہ خیز سی وجہ تھی)

اب وہ چلتی ہوئی باری باری مہمانوں سے ملتی جا رہی تھیں۔اپنی طرف بڑھتے ہاتھوں کو غرور سے ذرا سا ملا کے چھوڑ دیتیں۔

ممانی ان رشتے داروں میں سے تھیں جن کی کبیرہ تائی سے بہت بنتی تھی۔وہ ان کو دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں اور نگینہ سے بولیں۔"آپ نے نہیں ملنا کبیرہ سے؟"

"نہیں تابندہ۔میرا کبیرہ سے کوئی رشتہ نہیں۔البتہ میرا حورِ جہاں بھابھی سے رشتہ ہے۔اگر کبیرہ حورِ جہاں بھابھی سے ملنے خود نہیں آ سکتی تو میں کیوں جا کے اس سے ملوں۔"پھر چہرہ موڑ کے ماں کو دیکھا۔"ہاں تو آپ کہہ رہی تھیں..."

سادہ۔دوٹوک انداز۔ممانی پہ تو گھڑوں پانی پڑ گیا۔کشمالہ اندر ہی اندر مسکرا دی۔کوئی تو رشتے دار تھا جو ماں کا ساتھ دے رہا تھا۔ورنہ سب کبیرہ کی دولت کی چمک دمک سے اتنے متاثر تھے کہ اس کے گرد مکھیوں کی طرح بھنبھناتے تھے۔

ماہی کے میسجز آ رہے تھے۔تصویریں بھیجو۔اس کے فون کی بیٹری کم تھی اور وہ بیٹری پیک کار میں بھول آئی تھی۔اس نے کیف کو کال کی اور اسے بیٹری پیک لانے کو کہا۔

کیف جب سفید پھولوں سے سجے وسیع ہال میں آیا تو وہ اسے سامنے ہی نظر آ گئی۔صوفوں پہ خواتین کے ایک گروپ میں بیٹھی،وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بس مسکراتے ہوئے سب کی باتیں سن رہی تھی۔اس نے آف وائٹ کامدار ڈریس پہن رکھا تھا۔بال چہرے کے ایک طرف ڈالے ہوئے تھے۔کانوں میں بڑے بڑے سلور جھمکے نظر آ

رہے تھے۔

اس کا چہرہ سادہ تھا۔ جلد اعتبار کرنے والا۔ آنکھیں ذہین تھیں لیکن چالاک نہ تھیں۔ ایسی آنکھیں جو مہربان ہوتی ہیں۔ شک نہیں کرتیں۔ انتقام نہیں لیتیں۔ وہ لوگوں کی اچھائی پہ نظر رکھتی ہیں۔

اور وہ ایسی لڑکی کو دھوکہ دے رہا تھا۔ کیف کے چہرے پہ کرب ابھرا۔ اس کا دل برا ہونے لگا۔

ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ اسے ایک کونے میں لے جائے۔ اور اس کو بتائے کہ اس سے بڑی غلطی ہوگئی تھی۔ وہ جھوٹ اور دھوکے کے ساتھ مالا کی زندگی میں شامل ہوا تھا۔ اب بھی وقت تھا۔ وہ سب کچھ کلیئر کر سکتا تھا۔ اس سے معافی مانگ سکتا تھا۔ وہ اس مہربان لڑکی کو بتانا چاہتا تھا کہ کسی کے پاس اس کی تصویر ہے اور وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اور وہ کوئی عام شخص نہیں ہے۔ وہ ایک سائیکو پیتھ ہے۔ کوئی عام شخص ایسی البم نہیں بناتا۔

مالا نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کے اس کی طرف آ گئی۔ کیف نے بیٹری پیک اس کی طرف بڑھا دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ وہ یہ سب اسے نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کی اپنی مجبوریاں تھیں۔

سچ بولنا جھوٹ بولنے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

''تھینک یو کیف۔'' وہ بیٹری پیک پکڑتے ہوئے مسکرائی۔ وہ دونوں ایک پھولدار ستون کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''میں سیلون گیا تھا۔ میں نے آپ کا نام نہیں لیا۔ جم کے کیمرے کا رزلٹ بہت مدھم تھا۔ آپ کے بتائے حلیے کا شخص لفٹ میں سوار ہوا تھا اور واپس جم میں ہی اتر گیا تھا۔ لیکن اس کی شکل واضح نہیں ہے۔ میں نے فوٹیج آپ کو ای میل کی ہے۔''

''کیا فائدہ؟ میں اس کو نہیں پہچانتی تھی۔''

''آر یو شیور آپ کسی ماہر فرید کو نہیں جانتیں؟'' اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا۔ کشمالہ نے کندھے اچکا دیے۔

''جو آج ہوا ہے وہ اچھا نہیں ہوا۔ یہ دوبارہ بھی ہو سکتا ہے۔ پولیس تک آپ نہیں جانا چاہتیں۔ اس لیے آئندہ آپ میرے بغیر کہیں نہیں جائیں گی۔ میں قریب رہوں گا۔'' کیف اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ نے مجھے سب کچھ نہیں بتایا۔ آپ پولیس تک کیوں نہیں جانا چاہتیں؟ کچھ ہے جو آپ اپنے تعاقب کار کے بارے میں جانتی ہیں۔'' آواز دھیمی کی۔ ''دیکھیں۔ میں آپ کا باڈی گارڈ ہوں۔ آپ کو مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔ اگر آپ کچھ بھی اور جانتی ہیں تو مجھے بتا دیں۔ کچھ بھی ایسا جو ابھی تک آپ نے مجھے نہیں بتایا۔''

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک قدم آگے ہوئی۔ فنکشن کے شور اور ہنگامے میں ان کی آواز دور نہیں جا سکتی تھی۔ کشمالہ نے آواز سرگوشی میں بدل دی۔

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ایک آدمی کے پاس میری ایک تصویر ہے۔ اس تصویر کی بیک پہ لکھا ہے حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔ اور وہ آدمی مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔'' کشمالہ سرگوشی کر کے پیچھے ہو گئی۔

اور کیف کے لیے ایک دم ساری دنیا برف ہو گئی۔ وہ جہاں تھا وہیں جم گیا۔ ٹھنڈا اور ساکت۔

''آپ یہ کیسے جانتی ہیں؟ اور کون آدمی ہے وہ؟'' وہ بدقت بول پایا۔

کشمالہ گردن موڑ کے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ ''میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی'' وہ واپس صوفوں کی طرف چلی گئی۔

وہ برف کا مجسمہ بنے وہیں کھڑا رہ گیا۔

وہ کس کھیل کا حصہ بن گیا تھا؟ یہاں سب اس سے زیادہ جانتے تھے۔

ماں گھٹنوں کی وجہ سے اٹھ نہیں سکتی تھیں اس لیے وہ کھانا لگنے پہ بفے ٹیبل پہ چلی آئی تا کہ ماں کے لیے کھانا ڈال سکے۔ شادیوں کا مزہ ماہی کے ساتھ آتا تھا۔ تصویریں بنانا' اپنی میز پہ بیٹھ کے لوگوں اور کھانے پہ تبصرے کرنا۔ کس نے کیا پہنا ہے ڈسکس کرنا۔ ماہی کے بغیر سارے فنکشنز بے رونق تھے۔

وہ پلیٹ میں کھانا ڈال رہی تھی جب عقب میں نگینہ آنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سے کچھ کہتے ہوئے پلیٹ اٹھا رہی تھیں۔ مالا کا سارا وجود کان بن گیا۔ بظاہر وہ سر جھکائے کھانا نکالتی رہی۔ پھر پلٹی تو دیکھا' نگینہ آنٹی کے ساتھ ان کا بیٹا تھا جسے وہ کوئی ہدایت دے رہی تھیں۔ انہوں نے بھی اسی وقت اسے دیکھا۔ اسے دیکھ کے مسکرا دیں۔ پھر جیسے خیال آیا۔

''کشمالہ... تم زیادے سے ملی ہو؟''

اس نے زیاد کو دیکھا اور زیاد نے اس کو۔ یہ وہی تھا۔ بھورے کرتے والا۔ نال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ چہرے پہ سادگی اور مسکراہٹ تھی۔ ایک تو کچھ مردوں کو اتنا اچھا لگنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

بظاہر رسمی انداز میں مسکرائی۔ ''کیسے ہیں آپ؟ خوشی ہوئی آپ سے مل کے۔''

''مجھے بھی۔'' پھر ماں کو دیکھا۔ ''ہم انہی کے گھر گئے تھے نا؟'' جیسے یاد کروایا۔ وہ آہستہ بولتا تھا۔ نرمی اور شائستگی سے۔

''وہ ان کے ماموں کا گھر تھا۔ لیکن کشمالہ وہیں رہتی ہے۔''

زیاد نے ہوں کہہ کے سر ہلا دیا۔ گفتگو دم توڑ گئی۔ وہاں کھڑا رہنا آکورڈ لگتا تھا۔ وہ ان سے معذرت کر کے ماں کی پلیٹ لیے میز پہ واپس آ گئی۔ کھانا کھل چکا تھا اور سب اس وقت کھانے میں مگن تھے۔ اس نے ماں کے سامنے پلیٹ رکھی۔

انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ پلیٹ میں موجود لوازمات پہ ڈالی۔ جیسے دلچسپی نہ ہو۔ پھر چہرہ ادھر ادھر گھمایا۔ کیف ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ ماں نے دور سے اسے اشارہ کیا۔

''لڑکے.... ادھر آؤ۔'' تحکم سے دو انگلیوں سے بلایا۔

کیف فوراً اس طرف آیا۔

''پہلے بتاؤ تم کون ہو؟ میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔'' ماں نے سر سے پیر تک اسے گھورا۔ کیف نے بے اختیار مالا کو دیکھا۔ پھر ماں کو۔

''میں کشمالہ بی بی کا ڈرائیور ہوں۔ کیف جمال۔''

''جو بھی ہو.... وہ پیچھے دیکھو ٹیبل پہ سفید رنگ کی کیا چیز رکھی ہے۔''

''وہ سفید رنگ کی چیز ڈیزرٹ ہے ماں۔ اور آپ وہ نہیں کھا سکتیں۔'' وہ دھیمی مگر سخت آواز میں بولی۔

ماں نے اسے گھور کے دیکھا۔ ''میری ماں نہ بنو۔'' پھر انہی خشمگیں نظروں سے کیف کو دیکھا۔ ''جاؤ۔ لے کر آؤ۔''

اس نے فوراً کشمالہ کو دیکھا۔ جس نے نفی میں گردن ہلائی۔ کیف نے ماں کو دیکھا۔ وہ اب کے سختی سے بولیں۔

''آواز نہیں آئی؟ لے کر آؤ۔''

''جی او کے۔'' وہ فوراً سے پلٹ گیا۔ کشمالہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''ماں آپ کو شوگر ہے یار۔ نہ کریں ایسے۔''

ماں نے تو یوں ظاہر کیا جیسے سنا ہی نہیں ہے۔ کیف نے ڈش سامنے لا کے سرو کی تو انہوں نے جی بھر کے ڈیزرٹ ڈالا۔

''اچھا تھوڑا کم کر دیں۔'' اس نے ہاتھ ان کے پیالے کی طرف بڑھایا تو ماں نے اس کے ہاتھ پہ چمچہ مارا۔

''میں نے کہا نا میری ماں نہ بنو۔ جاؤ یہاں سے۔''

وہ خفگی سے اٹھ گئی۔ پھر کیف کی طرف آئی۔ غصے سے اسے دیکھا۔

''تمہیں کس نے کہا تھا ڈیزرٹ لے آؤ؟''

''میں کیا کرتا؟ آنٹی غصہ کر رہی تھیں۔''

''غصہ ہی کر سکتی ہیں وہ۔ اٹھ کے تو نہیں جا سکتیں نا۔ ان کی فاسٹنگ ایک سو چالیس تھی صبح۔ حد ہے یار۔'' وہ جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

''باس....'' وہ ہلکا سا کھنکھارا۔ ''آنٹی نے مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں۔ وہ کل سے مجھ سے تین دفعہ یہی سوال پوچھ چکی ہیں۔''

''ماں کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔ اب ان کو کچھ میٹھا نہیں دینا۔ او کے۔'' وہ تنبیہہ کر کے آگے بڑھ گئی۔ وہ بس اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اس کا موڈ ماں کی اس حرکت پہ خراب ہو گیا تھا۔ وہ ایسے ہی بددلی سے سینے پہ بازو لپیٹے بفے ٹیبل کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ اکثریت کھانا ڈال چکی تھی اس لیے یہاں رش کم تھا۔

تبھی قریب میں کوئی کھنکھارا۔ ''آپ کھانا نہیں کھا رہیں۔''

وہ چونکی۔ پھر سنبھلی۔ چہرے کے زاویے درست کیے۔

وہ زیاد تھا۔ ہاتھ میں پلیٹ لیے اس کے قریب آ رہا تھا۔ تشویش سے اسے دیکھا۔ پھر گردن موڑ کے اس میز کو جہاں ماں بیٹھی مزے سے ڈیزرٹ کھا رہی تھیں۔ زیاد ہلکا سا ہنس دیا۔

''اچھا۔ آپ کی بھی اپنی امی سے یہی لڑائی چلتی رہتی ہے۔''

کشمالہ نے افسوس سے ماں کی طرف دیکھا۔ ''میں ان کی گھٹنے کی سرجری کروانا چاہتی ہوں۔ شوگر کنٹرول نہیں ہو گی تو سرجری کیسے ہو گی۔''

''اس کا ایک حل ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ پھر اپنی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ ''دو منٹ یہ پکڑیں۔''

کشمالہ نے ناسمجھی کے انداز میں پلیٹ پکڑی۔ زیاد گھوم کے بفے ٹیبل کے دوسری طرف گیا' ایک پیالہ چمچ اٹھایا اور واپس آیا۔ اب وہ ڈش سے ڈیزرٹ پیالے میں نکال رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''اس کا حل یہ ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں اور کچھ کھا لیں۔'' وہ پیالہ لے کر مسکراتا ہوا اس کے سامنے آیا۔ اسے پیالہ تھمایا اور اپنی پلیٹ واپس لی۔

''تھینک یو۔مگر میں میٹھا نہیں کھاتی۔''اس نے پیالہ رکھا نہیں۔پکڑے کھڑی رہی۔لیکن اسے ڈیزرٹ نہیں پسند تھا۔سو یہ طے تھا کہ وہ نہیں کھائے گی۔

''اچھا؟''وہ حیران ہوا۔اپنی پلیٹ سے چاولوں کا چمچ بھرا۔''اس دن تو آپ ٹیرس پہ براؤنیز کھا رہی تھیں۔''

(اُف...اس نے اسے دیکھ لیا تھا۔)

''اچھا؟ مجھے یاد نہیں۔''کندھے بے نیازی سے اچکا دیے۔پھر بات بدلنے کو بولی۔

''آپ کیا لکھ رہے ہیں آج کل؟''

زیادنے گہری سانس لے کر سر جھکا دیا۔وہ چمچ سے چاول ادھر ادھر مکس کرنے لگا۔

''میں آج کل رائٹرز بلاک کا شکار ہوں۔پاکستان آیا تھا کہ یہاں بیٹھ کے شاید کچھ لکھ سکوں۔لیکن نہیں لکھ پا رہا۔''

''کیا لکھنا چاہ رہے ہیں آپ؟''

زیادنے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''وہی جو سب شوق سے پڑھتے ہیں۔ایک عظیم لوا سٹوری۔''

اس نے دیکھا'زیاد سلطان کی آنکھیں اداس تھیں۔ایسی آنکھیں جن کو محبت کے پیپی اینڈنگ پہ بھروسہ نہیں ہوتا۔اسے نگینہ آنٹی کی باتیں یاد آئیں۔

''آپ کی سپر پاور کیا ہے؟''

''میری سپر پاور؟''وہ حیران ہوا۔

''ہاں نا۔ہر شخص کی ایک سپر پاور ہوتی ہے۔آپ کس چیز میں اچھے ہیں؟اگر آپ لوا سٹوری لکھنے کے بجائے وہ لکھیں جس میں آپ اچھے ہیں تو آپ کا یہ بلاک ختم ہو جائے گا۔''

''ہوں۔''وہ مسکراہٹ دبائے سوچنے لگا۔پھر اطراف میں نگاہ دوڑائی۔''میں رائٹر ہوں۔اور میرا مشاہدہ اچھا ہے۔میں وہ نوٹ کرتا ہوں جو کوئی اور نوٹ نہیں کرتا۔''

''میں کیسے مان لوں؟''

''آزما کے دیکھ لیں۔''

''اچھا؟''وہ اس کے چیلنج پہ مسکرائی۔''یہ جو سامنے لڑکی جا رہی ہے۔اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔''

نگاہوں سے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں عزہ کی بہن ویٹرز کو ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔ زیاد نے اس طرف دیکھا۔

''اس کے پیر میں ہائی ہیلز کی وجہ سے درد ہے اور وہ شدید اَن کمفرٹیبل ہے۔'' پھر زیاد نے چہرہ گھما کے اگلا ہدف ڈھونڈا۔ ''وہ ویٹر جو ٹرے اٹھائے جا رہا ہے اس کی ابھی ابھی بے عزتی کی گئی ہے کیونکہ اس کے کان اور گال سرخ ہو رہے ہیں۔''

''آپ خود سے بنا رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں میں ان باتوں کی تصدیق نہیں کر سکتی۔''

''نہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مثلاً آپ...'' اس نے ایک نظر غور سے کشمالہ کو دیکھا۔ اس کو اپنے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوتی محسوس ہوئی۔ کوئی سحر سا تھا اس شخص کی آنکھوں میں۔

''آپ کے بارے میں کچھ بتاؤں؟''

''بتائیں۔'' لیکن وہ اندر سے خائف ہوئی۔ کہیں وہ جان نہ لے کہ وہ اس سے کتنا متاثر ہو رہی ہے۔

''آپ کی گردن یا سر کے پچھلے حصے میں درد ہے۔ آپ گردن اس طرف نہیں موڑ رہیں اور بار بار ہاتھ سے پیچھے دباتی ہیں۔''

وہ جھینپ کے ہنس دی۔ ہاتھ نیچے کیا۔

''او کے مان لیا۔'' تسلیم کرنے کے انداز میں سر ہلایا۔

''تھینک یو۔'' زیاد کے چہرے پہ حیران سی ممنونیت تھی۔ ''آپ کی اس نصیحت نے میری مدد کی ہے۔ شاید مجھے وہ نہیں لکھنا جو مجھ سے میری ایڈیٹر لکھوانا چاہتی ہے۔ بلکہ مجھے وہ لکھنا چاہیے جو میں انجوائے کروں گا۔''

وہ مسکرا دی اور پیالہ لیے آگے بڑھ گئی۔

دور کسی سے بات کرتی کبیرہ بیگم نے غور سے ان دونوں کو باتیں کرتے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صبح بخت بی کے رونے کی آوازوں سے اٹھی۔ پہلے کچھ دیر تو بستر میں لیٹی پلکیں جھپک جھپک کے چھت کو دیکھے گئی۔ جب سے کام کرنا چھوڑا تھا' دن رات کا کوئی حساب نہیں تھا۔ ایک عجیب سی مایوسی ذہن پہ چھائی تھی۔ کام کرنے والی لڑکی کے لیے فارغ گھر بیٹھنا بہت مشکل تھا۔ خیر۔ آج وہ اپنے بزنس پلان پہ کام شروع کرے گی۔ ایک آئیڈیا آیا تھا اس کے ذہن میں۔

وہ بالوں کو جوڑے میں لپیٹتی باہر آئی تو بخت بی آنسو بہاتے ہوئے حورِ جہاں بیگم کو اپنی بیٹی کا قصہ سنا رہی تھی۔ وہی روایتی کہانی۔ شوہر کام نہیں کرتا۔ نشہ کرتا ہے۔ سارا دن گھر میں پڑا رہتا ہے۔ اور بیٹی کو مارتا ہے۔

''بخت بی۔'' اس نے پیچھے سے بخت بی کے دونوں کندھوں پہ ہاتھ رکھا اور سر جھکا کے نرمی سے تسلی دی۔ ''آپ اپنی بیٹی سے کہیں کہ وہ اسٹینڈ لے۔ ہم اس کے ساتھ ہیں۔''

بخت بی نے اپنا سانولا کھردرا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔ ''وہ ڈرتی ہے جی۔''

مالا سیدھی کھڑی ہوئی اور افسوس سے بولی۔ ''واقعی۔ وہ بھی کیسے اسٹینڈ لے؟ جب تک عورت کے پاس تعلیم اور مالی خودمختاری نہیں ہوگی تب تک وہ ایسے ہی پٹتی رہے گی۔''

''مالا ٹھیک کہہ رہی ہے بختو۔'' ماں کے ماتھے پہ بل تھے۔ اور وجود میں جلال میں آیا ہوا تھا۔ وہ گود میں سبزیوں کی پرات رکھے تخت پہ بیٹھی تھیں۔ چھری والا ہاتھ اونچا کر کے بولیں۔ ''بیٹیوں کی طرح پالا ہے میں نے نسیم کو۔ اسے کہو میرے پاس آجائے۔ وہ اکیلی نہیں ہے۔ ہم اس کے سائیں بیٹھے ہیں ادھر۔''

وہ کچن میں آئی تو ڈرٹی کچن کی طرف کھلتا دروازہ نیم وا تھا۔ کیف وہاں کافی بناتا نظر آرہا تھا۔ آہٹ پہ پلٹا اور اسے وہاں کھڑے دیکھا۔

وہ خوابیدہ آنکھیں لیے بالوں کا گول مول جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ رات والا میک اتارنے کے باوجود آنکھوں کے گرد ہلکی سی سیاہی تھی۔

''کافی بناؤں آپ کی؟'' وہ نظریں موڑ کے دوسری طرف پلٹ گیا۔

''ہاں پلیز۔'' توقف کیا۔ اور آواز آہستہ کی۔ ''پھر؟ کچھ نکلا لاسٹر سے؟''

''اونہوں۔ عام سا لاسٹر ہے۔ کچھ نہیں ہے اس میں۔'' وہ کین سے کافی بینز نکالتے ہوئے بولا۔ اس کے ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے۔

''مالی خودمختاری اور تعلیم ... آپ کے خیال میں یہ چیزیں عورت کو ابیوز ہونے سے بچا سکتی ہیں؟''

فلٹر پیپر لگا کے کافی بینز اندر ڈالے۔ پھر اس کمپارٹمنٹ کو کھڑک کر کے بند کیا اور مشین آن کر دی۔

''تمہیں اختلاف ہے؟'' مالا کو تعجب ہوا۔

کیف اس کی طرف پلٹا۔ کاؤنٹر سے ٹیک لگائی اور سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔ جوگرز کی قینچی بنالی۔

''ساری لڑکیاں ابیوز ہوتی ہیں باس۔ بخت بی بی کی بیٹی اپنے شوہر کے ہاتھوں اور ایلیٹ کلاس کی لڑکی اپنے

بوائے فرینڈ کے ہاتھوں۔"

"یہ دونوں باتیں مختلف ہیں۔" کافی میکر سے پانی ابلنے کی آواز آرہی تھی۔ سارے میں کافی کی خوشبو پھیل گئی تھی۔

"اونہوں۔ ایک ہی بات ہے۔ غریب کی لڑکی چائے دیر سے لائے تو شوہر کا موڈ خراب ہوتا ہے۔ وہ اس کو مارتا ہے۔ امیر کی لڑکی پارٹنر کے ساتھ ڈرگز نہ کرے تو پارٹنر کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ اس کو خوش رکھنے کے لیے وہ ڈرگز پہ لگ جاتی ہے۔ دونوں ابیوز ہوتی ہیں۔ غریب لڑکی بھی۔ اور امیر پڑھی لکھی لڑکی بھی۔"

"تو وجہ کیا ہے؟"

"وجہ یہ ہے باس کہ کسی نے عورتوں کو نہیں سکھایا کہ مردوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ اور کسی نے مردوں کو نہیں سکھایا کہ عورتوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ کافی۔" گرم مگ اس کی طرف بڑھایا۔

"انٹرسٹنگ۔ خیر... آج جیولرز پہ چلنا ہے۔"

"گولڈ لینا ہے تو چند دن ٹھہر جائیں۔" وہ اب اپنی کافی کے لیے فریش بینز ڈال رہا تھا۔ "تولہ ابھی ایک لاکھ سترہ ہزار کا ہے۔ ایک ہفتے میں یہ نوے ہزار تک گرے گا۔"

"تمہیں کیسے پتہ؟"

"کیف نے شانے اچکائے۔ "مجھے پتہ ہوتا ہے۔"

"چلیں آپ کی اطلاع کے لیے مجھے بھی معلوم ہے کہ گولڈ گرنے والا ہے۔ میں نے خریدنا نہیں بیچنا ہے۔ کچھ bricks ہیں میرے پاس گولڈ کی۔ ان کو بیچ کے نیا کام شروع کرنا ہے۔"

اسی اثناء میں بخت بی کچن میں داخل ہوئیں۔ ایک نظر درمیانی دروازے کو دیکھا جو کھلا تھا اور پھر دوسری خشمگیں نظر کیف پہ ڈالی۔

"تمہارا کام ختم ہو گیا ہے تو کھڑے کیوں ہو؟"

کیف نے اپنا مگ اٹھاتے ہوئے فریج کی طرف اشارہ کیا۔

"میں کشمالہ بی بی سے کہہ رہا تھا کہ پتہ نہیں کون ناسمجھ ہے جو ڈبل روٹی کو فریج میں رکھ دیتا ہے۔ حالانکہ فریج میں رکھنے سے ڈبل روٹی جلدی خراب ہوتی ہے۔ اس کو ہمیشہ باہر روم ٹمپریچر پہ رکھتے ہیں۔" معصومیت سے کہہ کے اپنا مگ لیے باہر نکل گیا۔ بخت بی نے پیر پٹخا۔

''میں بتا رہی ہوں مالا باجی' یہ ڈرائیور کم اور وارداتیا زیادہ لگتا ہے مجھے۔''

وہ دل کھول کے ہنس دی۔ تبھی فون پہ ماہی کی کال آنے لگی۔ وہ بھی اپنا مگ لیے پچھلے دروازے کی طرف چلی گئی تاکہ لان میں جا کے تسلی سے ماہی سے بات کر سکے۔ یہاں بات کرتی تو لاؤنج میں ماں تک آوازیں جاتیں۔

''کل کی شادی کیسی رہی؟ تم لوگوں نے مجھے واپس آ کے فون ہی نہیں کیا۔'' ماہی الگ ناراض تھی۔

''تھک گئے تھے نا رات میں۔ اب سناتی ہوں سارے قصے۔'' وہ پچھلی گیلری میں مگ لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ کیف بھی وہیں جا رہا تھا۔ آہٹ پہ رک کے ایک طرف ہو گیا۔ اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

''پہلے یہ بتاؤ' زیاد کا کیا سین ہے؟ ماں بڑا ذکر کر رہی تھیں اس کا۔ کیسا ہے وہ؟'' ماہی کا لہجہ تفتیشی تھا۔ مالا مسکرا دی۔

''زیاد؟ ہوں۔'' مسکرا کے فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے وہ آگے جا رہی تھی۔ ''ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔''

وہ آگے نکل گئی اور کیف چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔

''صرف ٹال اور ڈارک تھا۔ ہینڈسم کہاں سے تھا؟ ہونہہ۔'' منہ میں بڑبڑایا۔

اگلا آدھا گھنٹہ وہ لان میں بیٹھی کافی پیتے ہوئے ماہی کو ساری شادی کا قصہ سنائے گئی۔ کس نے کیا پہنا۔ کون کون آیا۔ کون پہلے ملا اور کون نہیں ملا۔ اور ماہی کا فیورٹ سوال۔ کھانے میں کیا تھا؟

کال بند ہوئی تو اس نے دیکھا' ماں اب لان میں چلی آ رہی تھیں۔ ماں اس وقت پودوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اپنے فربہ وجود کے ساتھ اب وہ قدم قدم چلتے ہوئے بوگن ویلیا کے درختوں کا معائنہ کر رہی تھیں۔ ہاتھ میں تسبیح تھی جس کے دانے بھی ساتھ ساتھ گر رہے تھے۔

''ادھر آؤ۔'' ماں کی نظر اس پہ پڑ گئی جو گارڈ روم کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا لیپ ٹاپ پہ لگا تھا۔ دو انگلیوں سے اشارہ کر کے اسے بلایا۔

کیف نے پہلے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے ہی بلا رہی تھیں۔ پھر لیپ ٹاپ رکھ کے اٹھا۔ اور سیدھا ان کی طرف آیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''کیف جمال۔''

''کب سے تم نے پودوں کو پانی نہیں لگایا۔تنخواہ کس بات کی لیتے ہو؟''

''ابھی لگا دیتا ہوں۔''

''اب کیوں؟ شام میں یا صبح میں لگاتے ہیں پانی۔''وہ بڑبڑا کے پودوں کی طرف مڑ گئیں۔وہ متذبذب سا کھڑا رہا۔جائے یار کار ہے۔

وہ جو مسکرا کے یہ سب دیکھ رہی تھی اٹھ کے ان کی طرف آ گئی۔

''ماں... سلیم لگا دے گا پودوں کو پانی۔کیف کو اپنے کام کرنے ہوتے ہیں۔اس کو جانے دیں۔''

ماں نے سنا نہیں۔ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے پودوں کا جائزہ لیتے ہوئے برہمی سے بولیں۔

''ویسے یہ ظہیر انتہائی ناشکرا آدمی ہے۔''

''اُف ماں۔اس کا کیا ذکر یہاں۔''وہ کراہی۔

''پرسوں چارسدہ سے گڑ آیا تھا۔میں نے اسے بھجوایا۔کل اس کو مل بھی گیا لیکن مجال ہے کہ اس نے شکریے کا فون کیا ہو۔''

مالا کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔وہ ساکت رہ گئی۔

''واٹ؟ ماں آپ نے ... ظہیر کو گڑ بھجوایا ہے؟''

وہ تینوں بوگن ویلیا کے گلابی پھولوں والے درخت کے ساتھ کھڑے تھے۔کیف خاموشی سے باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''کیوں؟ ہمیشہ بھیجتی ہوں۔اب نیا کیا ہے۔''وہ چڑچڑی لگ رہی تھیں۔

کشمالہ مبین کو جلدی غصہ نہیں آیا کرتا تھا۔وہ یا تو ہنس دیتی یا تحمل سے بات بدل دیا کرتی تھی۔یا اس جگہ سے اٹھ جایا کرتی تھی۔لیکن یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

''ماں آپ نے یہ کیا کیا؟ وہ کیا سوچے گا؟''اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''اس کو شکریہ کہنے کی توفیق پھر بھی....''

''ماں آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں۔آپ کو میرے کام کی نہیں سمجھ آتی مان لیا۔لیکن میری عزت بے عزتی کا خیال تو کرنا تھا۔اچھا شرمندہ کروایا ہے آپ نے مجھے۔''اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔''اس آدمی نے میرے ساتھ اتنا بڑی زیادتی کی اور آپ اس کو گڑ بھیج رہی ہیں۔وہ سمجھے گا میں اس کی منت کر رہی ہوں اب۔واٹ

واہیل ماں۔"

ماں نے ایک خفا نظر اس پہ ڈالی اور سر جھکا لیا۔ کسی معصوم بچے کی طرح جس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ پھر کیف سے آہستہ سے بولیں۔

"میری ٹانگیں درد کر رہی ہیں۔ مجھے ادھر کرسی لا دو۔"

مالا پیرنج کے اندر چلی گئی۔ کمرے میں آ کے اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اور وہ جو اتنے دنوں سے آنسو روکے ہوئے تھے وہ ایک دم بہنے لگے۔

بے روزگاری کا احساس۔ بیکار ہونے کا گلٹ۔ تاریک نظر آتا مستقبل۔ راکھ ہوا کیریئر۔ وہ اتنے سالوں سے اپنا کماتی اور خرچ کرتی آئی تھی۔ وہ کسی پہ بوجھ نہیں تھی۔ لیکن اگر اس کا نیا کام نہ چلا تو وہ اپنے بلز خود نہیں بھر سکے گی۔ کیسی بے بسی ہو گی یہ۔

سب کچھ ایک دم سے حواسوں پہ سوار ہوا تھا۔ وہ بیڈ پہ بیٹھی روتی رہی۔ ماں کو کبھی اس کے کام کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ بس معید کی ڈاکٹری ان کو کوئی کام لگتا تھا۔ باقی مالا اور ماہی کی پڑھائی تو بس شغل تھی جیسے۔

اسے ماں پہ بیک وقت غصہ بھی آ رہا تھا اور اپنی بے بسی پہ رونا بھی۔ ماں کے ساتھ مسئلہ کیا تھا۔ خوامخواہ ان کو سب کو سوغاتیں بھیج کے اچھا بننے کا شوق تھا۔ وہ اٹھی اور اپنا بیگ پیک کرنے لگی۔ وہ آج ہی اسلام آباد واپس جا رہی تھی۔ بس یہ طے تھا۔

کیف کی کال آ رہی تھی۔ اس نے غصے میں کاٹ دی۔ وہ دوبارہ کال کرنے لگا۔ اس نے جھنجھلا کے کال اٹھائی۔

"باہر آئیں۔ آپ سے بات کرنی ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ اس نے آنسو رگڑ کے پونچھ ڈالے۔ آج یہ بھی اس سے کچھ سنے گا۔

وہ باہر آئی تو ماں لان میں کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھیں۔ وہ ان کو نظر انداز کر کے پورچ کی طرف آ گئی جہاں اوپر جانے کا بیرونی زینہ بنا تھا۔ وہاں کیف کھڑا تھا۔ ریلنگ سے ٹیک لگائے ایک جوگر زمین پہ اور ایک جوگر اوپری زینے پر رکھے۔ سینے پہ بازو لپیٹے۔ وہ اس کا منتظر تھا۔

"ادھر آ کے بیٹھیں اور میری بات سنیں۔" اس کی روئی روئی گلابی آنکھیں دیکھ کے سنجیدگی سے بولا۔ سامنے ایک خالی کرسی رکھی تھی۔ وہ ناک سکوڑ کے گیلی سانس اندر کھینچتی کرسی پہ آ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"کیا مسئلہ ہے؟" لہجہ سخت تھا۔

''میں ابھی سن رہا تھا جو آپ اپنی ماں سے کہہ رہی تھیں۔'' وہ کھنکھارا۔ کشمالہ کے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔

''کیف تم اپنے کان اور منہ بند کرنا سیکھو۔ مجھے بالکل پسند نہیں ہے کہ تم میرے گھر کی باتیں سنو یا ان پہ تبصرہ کرو۔''

وہ سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔ پھر بولا تو آواز آہستہ تھی۔

''اپریل میں گرٹ نہیں ہوتا' کشمالہ بی بی۔ چار سدہ کا گرٹ سیزن مارچ میں ختم ہو جاتا ہے۔''

وہ ایک دم بالکل ٹھہر گئی۔ ساکن۔ ہوا رک گئی۔ شاید اس کا سانس بھی۔

''میں نے سلیم سے پوچھا ہے۔ فروری کے بعد چار سدہ سے کوئی گرٹ نہیں آیا نہ آنٹی نے کسی کو بھیجا ہے۔''

وہ اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اور تب اسے یاد آیا۔ ماں نے ظہیر کو جنوری میں گرٹ بھیجا تھا اور اس نے شکریے کا فون نہیں کیا تھا۔

کیف پہلے زینے پہ بیٹھ گیا اور اسی سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''آنٹی نے مجھ سے چار دفعہ پوچھا ہے کہ میں کون ہوں۔ وہ اپنی بات بار بار دہراتی ہیں۔ اور وہ چیزیں بھول رہی ہیں۔ ان کے ذہن میں نئی یادداشتیں نہیں بن رہیں۔ یا شاید وہ وقت کا حساب کھو رہی ہیں۔''

پورچ کی فضا بالکل ساکن تھی۔ نہ وہاں پھولوں کی خوشبو تھی نہ پودوں کا سبزہ۔ ہر شے کو زوال آ گیا تھا۔

''کشمالہ...'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ ٹھہر ٹھہر کے بولا۔

''آپ کی ماں بیمار ہیں۔''

اس کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔ جیسے کسی برفانی رات میں گھر سے باہر گم ہو جانے والے کا ہوتا ہے۔ نہ جان تھی۔ نہ سانس تھی۔

وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں اٹھی۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

(یونیورسٹی' کالج' کتابیں... سب یہ سکھاتے ہیں کہ کامیاب کیسے ہونا ہے۔ کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ناکام کیسے ہونا ہے؟)

وہ گھاس پہ قدم اٹھاتی لان چیئرز کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

ماں وہاں اکیلی بیٹھی تھیں۔ سر جھکائے موبائل پہ لگی تھیں۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ جاب چلی جائے گی تو کیا کرو گے؟ ناکام ہو جاؤ گے تو کیا کرو گے؟)

ماں کے ماتھے پہ پسینہ آیا ہوا تھا جسے وہ دوپٹے کے کنارے سے پونچھ رہی تھیں۔

(دل ٹوٹے گا تو کیا کرو گے؟ مستقبل تاریک نظر آئے گا تو کیسے آگے بڑھو گے؟)

وہ ان کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی اور غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ خوبصورت باوقار چہرہ آج بوڑھا لگ رہا تھا۔ جھریاں بڑھ گئی تھیں۔ بائیں جانب سے ہونٹوں کے قریب کی جلد لٹک سی گئی تھی۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ماں بیمار ہو جائے گی تو کیا کرو گے؟)

وہ شاید ماہی کو میسج لکھ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ ٹائپ کرتی تھیں۔ مالا نے نرمی سے انگلیوں کی پشت ان کے گال پہ پھیری۔ انہوں نے چونک کے اسے دیکھا۔

''ماں۔'' اس نے گیلی آواز میں پکارا۔ ''آپ نے ظہیر کو گڑ بھیجا تھا؟''

''میں نے؟ نہیں تو۔'' انہوں نے حیرت سے نفی میں دائیں بائیں سر ہلایا۔ اس حرکت میں ایک بے بس سی معصومیت تھی۔ آنکھوں میں کچھ کھوئے کھوئے سے ہونے کا احساس تھا۔ ''گڑ تو سردیوں میں ہوتا ہے مالا۔''

وہ نرمی سے ان کے چہرے پہ انگلیوں کی پشت پھیر گئی۔ کچھ مختلف سا تھا ان کے چہرے میں۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ماں بیمار ہو جائے گی تو کیا کرو گے؟)

مگر کشمالہ مبین کو معلوم تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ وہ حورِ جہاں کی بیٹی تھی۔ اس کے راستے متعین ہو چکے تھے۔

''ہم اسلام آباد واپس نہیں جا رہے۔ میں یہیں رہوں گی۔'' وہ سیڑھیوں کے ساتھ کھڑا تھا جب وہ اس کے پاس آئی اور اسے اپنا فیصلہ سنایا۔ ''تم جانا چاہو تو تمہاری مرضی ہے۔ میں کسی اور کا بندوبست کر لوں گی۔''

جو فیصلہ پانچ برس میں نہیں ہو سکا وہ پانچ منٹ میں ہو گیا تھا۔

''میں کہیں نہیں جا رہا۔ میرے گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے مس کرے۔ میں نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ میں پورا کروں گا۔ میں یہیں ہوں آپ کے ساتھ۔''

کیف کو دیکھتی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے بس اثبات میں سر ہلا دیا اور واپس مڑ گئی۔ اس کی انگلیاں ماہی کو میسج لکھ رہی تھی۔ وہ میسج جو کوئی انسان اپنے ماں باپ کے بارے میں نہیں پڑھنا چاہتا۔

''ماہی۔ ماں بیمار ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ شاید الزائمرز۔ تم پاکستان آ جاؤ۔ فوراً۔''

چلی ویک کے اس چھوٹے سے گھر کے لاؤنج میں صوفے پہ نیم دراز ماہ بینہ کا فون بجا تو اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ٹی وی دیکھتے دیکھتے سو گئی تھی۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ موبائل اٹھا کے دیکھا۔

وہ ایک مسیح اس کی جان نکال گیا۔ وہ تیزی سے اٹھی۔ پیروں میں جوتے گھسیڑے اور کھڑی ہوئی۔ اور تب ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔

اس کو شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ اتنی شدید کہ حد نہیں۔ وہ کھڑی ہوئی اور سفید صوفے کو دیکھا جس پہ وہ سو گئی تھی۔ وہاں خون کے دھبے تھے۔ اس کے لباس پہ بھی خون تھا۔ نچلے وجود میں تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

''ماں۔'' تکلیف میں اس کے لبوں سے یہی نکلا۔ وہ دوہری ہو کے بیٹھتی گئی۔ اور پھر دوسرا احساس زیادہ جان لیوا تھا۔

''میرا بچہ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

قسط نمبر: 2

"کہتے ہیں اولاد ہوتی ہے
خنجر کی طرح۔
وہ نہ چاہتے ہوئے بھی
معصومیت اور سادگی سے
کاٹ ڈالتی ہے۔
پھر بھی ہم اس کو تھامے رکھتے ہیں۔
بھلے خون ٹپ ٹپ گرنے لگے۔
اور کہتے ہیں ماں ہوتی ہے
سورج کی طرح۔
بھلے کتنا گرم ہو
اور تم سے کتنا دور ہو
تم اس کی روشنی میں بیٹھ سکتے ہو۔
اس کی کرنوں کو چھو سکتے ہو۔
اور
وہ تمہیں کبھی نہیں جلائے گا۔"

(نامعلوم)

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

تاریخ تھی پانچ اپریل۔ شہر تھا اسلام آباد کا۔ اور وقت تھا صبح گیارہ بجے کا۔

ہوٹل سوئیٹ کی اونچی کھڑکی سے دھوپ چھن کے ماہر فرید کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے کھڑا موتیے اور لیونڈر کی خوشبو کو سانس کے ذریعے اندر اتار رہا تھا۔

"ماہر..." پیچھے صوفے پہ بیٹھے مینیجر مالک نے پکارا۔ "انتقام کے سفر پہ نکلنے والے کو چاہیے کہ وہ دو قبریں کھود لے۔ ایک دشمن کی اور ایک خود اپنی۔"

"یہ Confucius نے کہا تھا۔ اور جانتے ہو اسے کیا چیز قبر تک لے گئی تھی؟ اپنے بیٹوں کی موت کا غم۔" وہ آنکھیں بند کیے کہہ رہا تھا۔ سرد سی سرگوشی میں۔ "موت سے بڑا کوئی غم نہیں ہے' مالک۔"

تبھی ڈور بیل بجی۔ ماہر فرید اسی طرح آنکھیں بند کیے کھڑا رہا۔ مالک قدرے چونک کے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازے کے پار کیف جمال رقم کا پیکٹ لیے کھڑا تھا۔ مالک نے سر سے پیر تک اسے دیکھا' اور پھر مڑ کے ماہر کو۔ وہ ہنوز اسی طرح کھڑا تھا۔

"اسے آنے دو۔ مجھے معلوم تھا یہ واپس آئے گا۔" وہ مڑے بنا بولا۔ مالک نے اس لڑکے کو گھورتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔

"میں یہ نہیں کر سکتا۔" کیف صوفے تک آیا اور پیکٹ میز پہ رکھ دیا۔ اس کے چہرے پہ شدید اضطراب تھا۔

ماہر فرید بالآخر اس کی طرف گھوما۔ اس کے تاثرات سپاٹ تھے۔ ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں تھے۔

"کیا رقم کم ہے؟" سادگی سے سوال کیا جو کیف جمال کو پتھر کی طرح لگا۔

"آپ کو لگتا ہے آپ ہر انسان کو پیسے سے خرید سکتے ہیں؟"

"کیوں؟ کیا میں نے تین منٹ پہلے تمہیں نہیں خریدا؟" وہ صوفے کے پیچھے سے نکل کے کیف کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر مالک کی طرف گردن موڑی۔ "ہم نے اپنے مہمان کو چائے قہوہ نہیں پوچھا۔"

"قہوہ نہیں' کافی۔" مالک نے کھنکھارتے ہوئے اسے نظروں میں تادیبی اشارہ کیا۔

"میں کافی پینے واپس نہیں آیا۔ میں اس سوال کا جواب لینے آیا ہوں جو آپ نے مجھے نہیں دیا۔" کیف نے ناگواری سے سامنے کھڑے وجیہہ اور دراز قد آدمی کو دیکھا۔ "آپ یہ کام مجھ سے کیوں کروانا چاہتے ہیں؟ آپ کسی کو بھی خرید سکتے تھے۔"

اس نے یہ کیوں دوسری دفعہ پوچھا تھا۔

ماہر فرید کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔اس نے ایک نظر مالک کو دیکھا۔

''اسے بتادیں کیوں؟''

''ماہر۔'' مالک نے سفید ابرو اٹھا کے تنبیہ کی۔ماہر اور کیف آمنے سامنے گھڑی کی چھے اور بارہ کی سوئیوں کی طرح کھڑے تھے اور مالک ایک طرف نو کی سوئی بنا بیٹھا تھا۔

''میں نے تمہارا انتخاب اس لیے کیا کیونکہ مجھے تمہارا نام پسند آیا تھا۔باقی جتنے لوگوں کی پروفائلز مجھے مالک نے دکھائی تھیں'ان کے نام بورنگ تھے۔نام کے علاوہ تمہارے اندر کوئی قابل توجہ شے نہیں تھی۔'' وہ مسکرا کے بولا۔ مالک نے جیسے ریلیکس ہو کے سانس لیا۔اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ایک لمحے کو اسے لگا تھا ماہر فرید اس نوجوان کو اصل بات بتانے جا رہا ہے لیکن..خیر۔

''اب تم بتاؤ کیف جمال کہ تمہاری واپسی کی اصل وجہ کیا ہے۔تم صرف یہ سوال پوچھنے نہیں آئے۔''

کہتے ہیں یہ ایک لمحہ ہوتا ہے جو انسان کی قسمت بدلتا ہے۔ایک لمحے میں کوئی تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ایک لمحے کی بے دھیانی ایکسیڈنٹ کروا دیتی ہے۔ایک لمحہ کسی کو کسی کی محبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔وہ ایک لمحہ اگر انسان پکڑ لے تو وہ اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔اور کیف جمال نے اس وقت اس ایک لمحے کو پکڑ لیا تھا۔مالک کا ماہر کو منع کرنا'اور ماہر فرید کا آگے سے بات بنا دینا۔بھلے کیف جمال ایک ناکام انسان تھا اور وہ ماہر فرید اور اس سفید بالوں والے جیسا شاطر نہیں تھا'لیکن وہ ذہین تھا اور اس ایک لمحے نے کیف جمال کو یہ بتا دیا تھا کہ کوئی وجہ تھی جس کے باعث یہ امیر سائیکو پیتھ کیف جمال سے مدد لینے میں مجبور تھا۔وہ یہ کام کسی اور سے نہیں کروا سکتا تھا۔ماہر فرید کو اس کی ضرورت تھی۔

اس کے ذہن میں چھایا اس برطانوی بزنس مین کا سارا رعب اور خوف چٹکی میں ہوا ہو گیا۔

''میں چند باتیں کلیئر کرنے آیا ہوں۔'' اب کے وہ بولا تو اس کی آواز نے خوف اور گردن اٹھی ہوئی تھی۔

''چند باتیں؟ اوکے۔پہلی بات؟'' ماہر نے یہ تبدیلی محسوس کی تھی۔اس نے پینٹ کی جیب سے ہاتھ نکالا اور انگلی پہ گننے لگا۔اس کے انداز میں تمسخر تھا۔

''پہلی بات یہ کہ بھلے میں اس کام کے لیے راضی ہوں'لیکن میری بھی ایک بہن ہے...''

''وہی بہن جس کے شوہر کے تم نے پیسے دینے ہیں۔آگے چلو۔''

کیف نے ضبط سے سانس اندر کھینچی۔

"جو پیسے میں آپ سے لے رہا ہوں' یہ میری کسی لگژری پہ نہیں لگیں گے۔ میں ان سے اپنے قرضے اتاروں گا اور نئی زندگی شروع کروں گا۔ البتہ میں اس معصوم لڑکی کے ساتھ نہ کچھ برا کروں گا نہ ہونے دوں گا۔ اس کا گارڈ بننے اور اس پہ نظر رکھنے کی حد تک ٹھیک ہے لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ اس کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔"

"اور دوسری بات؟" ماہر فرید کو جیسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"دوسری بات یہ کہ آپ نے میرے ایمان کی بہت کم قیمت لگائی ہے۔"

ماہر فرید نے ہاتھ گرا دیا اور مسکرا کے مالک کو دیکھا۔ "میں کہہ رہا تھا نا اسے مزید رقم چاہیے۔" مالک بھی ہلکا سا مسکرایا اور شانے اچکا دیے۔ ماہر واپس صوفے پہ بیٹھا تو پیچھے کھڑکی سے آتی دھوپ کا راستہ کھل گیا۔ وہ سیدھی کیف کے چہرے پہ پڑنے لگی۔

"مجھے مزید رقم نہیں چاہیے۔" کیف سامنے والے صوفے پہ بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے کہتا گیا۔ "مگر مجھے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ جو رقم آپ مجھے دے رہے ہیں' یہ تو قرضوں کی ادائیگی میں نکل جائے گی۔ مجھے اس جاب سے کیا ملے گا۔"

"ہوں۔ بولتے جاؤ۔"

ماہر فرید نے اسے سوچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ اس کے چمکتے بوٹ میں چھت سے لٹکتے فانوس کا عکس دکھائی دینے لگا۔

"آپ نے کہا آپ میرا بزنس سیٹ کروا دیں گے۔ ظاہر ہے اپنے پیسے اور تعلقات کے ذریعے۔" کیف سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔ آواز نڈر تھی۔ "لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ اپنے ذریعے بھی کریں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میرے بزنس ہمیشہ فلاپ اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ کوئی مجھے میری غلطی نہیں بتاتا۔ آئیڈیاز ہیں میرے پاس۔ میغور نہیں ہے۔"

"تم چاہتے ہو میں تمہیں میغور کروں؟" وہ متعجب ہوا تھا۔

"آپ کر سکتے ہیں۔ آپ ایک کامیاب بزنس مین دکھائی دیتے ہیں۔" وہ پہلی دفعہ ماہر فرید کے سامنے ٹیک لگا

کے بیٹھا۔ دل البتہ زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔

''اتنی ساری دولت خود سے کمائی نہیں جاتی' کیف جمال۔ یہ کسی سے لی جاتی ہے۔ کیا تم نے وہ مشہور منقولہ نہیں سنا کہ'

You don't make a billion dollars. You take a billion dollars.

وہ تلخی سے بولا۔ اس کے چہرے پہ اس وقت کیف جمال کے لیے ناپسندیدگی تھی۔

''گاڈ فادر۔'' کیف ہلکا سا مسکرایا۔ ''لیکن کم از کم آپ کو اس دولت کو بڑھانے کا ہنر آتا ہوگا۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے میغور کریں۔''

''میرے پاس بے بی سٹنگ کے لیے وقت نہیں ہے۔'' مگر کیف نہیں سن رہا تھا۔ وہ کہے جا رہا تھا۔

''جب تک میں آپ کے اس کام کا حصہ ہوں' میں ساتھ ساتھ اپنے نئے بزنس پلان پہ بھی کام کروں گا۔ دو ماہ کے اختتام پہ جب یہ گارڈ والی جاب ختم ہو جائے گی' میں اپنا پلان لے کر آپ کے پاس آؤں گا۔ آپ اس پلان کو دیکھیں گے' اس کی اصلاح کریں گے اور اس کو عمل میں لانے میں میری مدد کریں گے۔''

مالک کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اب وہ شدید اکتا چکا ہے۔ ''سنو لڑکے... اب تم اپنے قد سے بڑی باتیں کر رہے ہو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں...''

''ایک منٹ مالک۔'' ماہر فرید نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا اور کیف کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''میرے میغور کرنے سے تمہیں لگتا ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے؟''

''جی۔ بالکل۔''

ماہر ہلکا سا ہنسا۔ ''تم نے کامیاب ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکے ہوتے۔ تم کیف جمال ایک ناکام انسان ہو اور تمہارا بزنس پلان اس دفعہ بھی ناکام ہوگا۔''

کیف کے چہرے پہ کئی رنگ آ کے گزرے۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔

''میرا بزنس پلان دیکھے بغیر آپ مجھے ناکام کیسے کہہ سکتے ہیں۔''

''کیونکہ وہ بزنس پلان کبھی نہیں بنے گا۔ تم اگلے دو ماہ ضائع کر دو گے۔'' وہ بے رحمی سے بولا۔

''اور اگر دو ماہ بعد میں آپ کے پاس اپنا پلان لے کر آ گیا تو؟''

ماہر فرید پھر سے ہنس دیا۔ ''چلو آج تم پہ ایک تجربہ کرتے ہیں' کیف جمال۔''

''ماہر...'' مالک نے تنبیہہ کی لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اس صورتحال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''میں اکثر سوچتا تھا کہ کیا ایک انسان تمام وسائل کے باوجود ناکام ہو سکتا ہے؟ کیونکہ آدھی انسانیت اپنی ناکامی کا ذمہ دار وسائل کی کمی اور غربت کو ٹھہراتی ہے۔ مگر تم میرے لیے ایک ٹیسٹ کیس ہو' کیف۔ تم میرے اس سوال کو حل کرو گے۔'' اس کی آنکھوں میں چیلنج تھا۔

''اگلے دو ماہ تمہیں یا تمہاری فیملی کو کوئی مالی پریشانی نہیں فیس کرنی پڑے گی۔ تمہیں اپنے کام کے لیے بہترین آلات دیے جائیں گے۔ جو بھی آفس equipments چاہئیں' ان کی مالک کو لسٹ بھیج دو۔ وہ تمہیں سب مہیا کر دے گا۔''

مالک اس بات سے بالکل خوش نظر نہیں آتا تھا لیکن خاموشی اس کی مجبوری تھی۔

''میں تمہیں دو ماہ دیتا ہوں۔ تم اپنا پلان بناؤ۔ دو ماہ ایک لمبا عرصہ ہے۔ تم دن کے چند گھنٹے بھی کام کرو تو یہ کر سکتے ہو۔ تم گھر سے کام کرتے ہو یا ہو تو تمہیں ہم کوئی آفس یا لگژری اپارٹمنٹ بھی فراہم کر سکتے ہیں جہاں تم سکون سے دن کے چند گھنٹے کام کر سکو۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا تم بزنس پلان بنا لو گے؟'' اس کی چمکتی آنکھوں میں تمسخر تھا۔ کیف نے ضبط سے سانس اندر کھینچی۔

''میں آپ کو یہ کر کے دکھاؤں گا۔''

''ناممکن۔ تم دو ماہ تک اتنی سہولیات کے باوجود بھی ایک بزنس پلان تک نہیں بنا سکو گے۔ مالک اور میں تمہارے جانے کے بعد اس بات پہ شرط لگائیں گے کیونکہ تم ایک سست انسان ہو۔ تم نے کامیاب ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکے ہوتے۔''

''میں آپ سے مختلف ہوں' ماہر فرید صاحب۔ آپ ایک نارسیسٹ ہیں۔'' اب کے کیف جمال بولا تو اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''آپ کے لیے اپنی اونچی کرسی پہ بیٹھ کے بے روزگار نوجوانوں کی ناکامی کا مذاق اڑانا بہت آسان ہے۔ آپ سونے کا چمچ منہ میں لیے بڑے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی محنت سے یہاں نہیں پہنچے۔ آپ پریویلیجڈ (previliged) ہیں۔ آپ کے والد نے آپ کے لیے ایک بہت بڑی بزنس ایمپائر چھوڑی ہے جسے آپ خوبصورت لڑکیوں کا پیچھا کرنے میں ضائع کر رہے ہیں۔''

''تمہارے پاس دو ماہ ہیں۔'' اسے کیف جمال کے الفاظ سے فرق نہیں پڑا تھا۔ اسی محظوظ انداز میں بولا۔ ''مگر میں جانتا ہوں کہ تم دو ماہ بعد بھی کوئی پلان لے کر نہیں آؤ گے۔ اور پھر میں ہر بزنس ڈنر پہ' ہر سیمینار پہ تمہارا قصہ سنایا

کروں گا کہ کیسے انسان ہر شے کے باوجود ناکام ہو سکتا ہے۔" ماہر فرید اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھایا۔

کیف نے ایک نظر اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ وہ لمبی انگلیوں والا خوبصورت ہاتھ تھا۔ ایسے ہاتھ مجسمہ سازوں یا پیانو بجانے والوں کے ہوتے ہیں۔ کیف نے اس سے ہاتھ ملا لیا۔

"میں آپ کو غلط ثابت کر کے دکھاؤں گا۔" کیف نے ہاتھ ملا کے چھوڑ دیا۔ پھر وہ رکا۔ کھنکھارا۔ اب اسے ایک مشکل سوال پوچھنا تھا۔

"اگر کسی وجہ سے میں دو ماہ سے پہلے اس جاب کو مزید نبھانے سے انکار کر دوں؟ اگر میں اس سب کو ختم کرنا چاہوں تو کیا آپ مجھے دی گئی رقم واپس لے لیں گے اور اپنی مدد کھینچ لیں گے؟" وہ نتائج جاننا چاہتا تھا۔

ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ تین چار قدم آگے آیا یہاں تک کہ وہ کیف جمال کے عین مقابل آ کھڑا ہوا۔ اس کی چبھتی نظریں کیف کے وجود کے اندر تک گڑ گئیں۔

"تم نے کبھی سنا ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کسی دن اچانک سے غائب ہو جاتا ہے؟ وہ اپنے اپارٹمنٹ سے نکلتا ہے اور پھر واپس نہیں آتا۔ اس کے اپارٹمنٹ کے سامنے ڈیری سروس والے دودھ کی بوتلیں رکھ جاتے ہیں۔ بینک لیٹرز اور اخبار سے اس کا میل باکس بھرنے لگتا ہے۔ کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اپارٹمنٹ میں نہیں ہے حتیٰ کہ دودھ خراب ہو کے بدبو دینے لگے۔ تب پولیس بلائی جاتی ہے اور اپارٹمنٹ کا لاک توڑا جاتا ہے۔ مگر جب تک بدبو نہ آئے کوئی اس لاپتہ شخص کی پرواہ نہیں کرتا۔ تم کیف جمال اس جاب کو اپنی مرضی سے ختم نہیں کر سکتے۔ یہ جاب تب ختم ہو گی جب میں کہوں گا۔ اور جب تک میں نہیں کہوں گا' تمہارے اپارٹمنٹ سے بدبو بھی نہیں اٹھے گی۔ اب یہ پیکٹ اٹھاؤ' اور جا کے نئے جوتے خریدو۔"

کیف کا چند منٹ پہلے بحال ہوا اعتماد ایسے بکھر گیا جیسے ہوا سے سوکھے پتے بکھر جاتے ہیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پیے' مینو رشپ' اپنے برنس کا کامیاب ہو جانا' یہ سب اس کی ضروریات تھیں لیکن اس لمحے اسے احساس ہوا کہ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس نے خود کو ایک غلط آدمی کے ساتھ سودے میں پھنسا دیا ہے۔

"مزید کچھ پوچھنا ہے تو ابھی پوچھ لو۔" ماہر فرید نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "میری لندن کی فلائٹ ہے۔ مجھے واپس جانا ہے۔ زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔"

کیف جمال نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے۔ اسی وقت روم کا دروازہ کھٹکا۔ ایسے نہیں جیسے بیل بجاتے ہیں۔

بلکہ ایسے جیسے کوئی جوتے سے دو تین دفعہ ٹھوکر مارتا ہے۔ ماہر فرید نے کیف سے نظر ہٹائی اور مالک کو دیکھ کر ابرو سے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔

مگر مالک نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض کندھے اچکا دیے۔

''اس کے پاس کارڈ ہے۔ خود کھول لے گا۔''

کیف ابھی تک بے بس مگر چبھتی ہوئی نظروں سے ماہر فرید کو دیکھ رہا تھا اس کی آخری بات کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔

چند لمحے بعد کارڈ سوائپ ہونے کی بپ بجی۔ پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

''ایک دروازہ کھولنے میں کتنی محنت لگتی ہے یار۔ تم لوگ میرے ساتھ یہ جان بوجھ کے کرتے ہو۔'' اندر داخل ہونے والا شخص جھنجھلاتے ہوئے کہتے کہتے رک گیا۔ کیف ابھی تک ماہر کو دیکھ رہا تھا لیکن اسے پیچھے کھڑکی کے شیشے میں مدھم سا عکس دکھائی دیا۔ وہ ایک نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں پکڑی پیپر ٹرے میں کافی کے ڈسپوزیبل کپ نظر آ رہے تھے۔

کیف جمال کو دیکھ کے نوارد نے نظریں جھکائیں۔ پلکیں گنے۔ ایک دو تین۔

پھر چہرہ اوپر اٹھا کے کمرے میں موجود افراد کی گنتی کی۔ اب کے وہ بولا تو آواز میں معذرت تھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں ہم چار لوگ ہوں گے۔''

کیف جمال نے ماہر فرید سے نظریں ہٹائیں اور گردن موڑ کے اس شخص کی طرف دیکھا۔ کیف کو خود نہیں معلوم تھا کہ اس روز ہوٹل ہوئیٹ میں وہ تین نہیں' چار ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ موسم بہار اس سال اداس اداس سا اترا تھا۔ بوگن ویلیا کے درخت اپنے خوش رنگ پتوں کے باوجود مرجھائے ہوئے لگتے تھے۔ جب سے مالا کو ماں کے بھولنے کی بیماری کا علم ہوا تھا' اسے لگتا تھا کہ وہ ایک ایسے سرسبز باغ میں کھڑی ہے جس کو پانی لگانے والا یہاں کا راستہ بھول گیا ہے۔ اور اب وہ لہلہاتے درختوں کو دیکھ کے سوچ رہی ہے کہ کیا ان کو کوئی پانی لگائے گا یا یہ آہستہ آہستہ مرجھاتے جائیں گے؟

عصر باسی ہو چکی تھی اور شام کسی بھی پل دم توڑنے کو تیار تھی۔ مالا ہینڈز فری لگائے فون اونچا اٹھائے لان میں بیٹھی تھی۔ اسکرین پہ نظر آتی ماہی کمزور لگ رہی تھی۔ آنکھوں تلے حلقے۔ بجھا ہوا چہرہ۔ وہ تکیوں کے سہارے بیڈ پہ

نیم دراز تھی۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟''

''تھوڑی سی اسپائنگ ہوئی ہے۔ مگر بے بی ٹھیک ہے۔'' ماہی اداس لگ رہی تھی۔ ''مجھے مکمل بیڈ ریسٹ کا کہہ دیا گیا ہے۔ ویسے بھی ٹیسٹ ٹیوب بے بی ہے۔ رسکی پریگننسی ہے۔''

''ماہی تمہیں مکمل بیڈ ریسٹ کرنا ہے اب او کے۔'' وہ فکرمندی سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھ رہی تھی۔

''مالا میں پاکستان نہیں آسکوں گی۔ مجھے سختی سے منع کیا گیا ہے سفر سے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ شادی کے پانچ سال میں ماہی کے دو مس کیرج ہو چکے تھے۔ اس لیے اس کی یہ پریگننسی بہت ہائی رسک تھی۔

''یار میں نے تمہیں پاکستان آنے کے لیے تب کہا تھا جب مجھے تمہاری کنڈیشن کا نہیں پتہ تھا۔ اور پھر تم یہاں آ کے کیا کرلوگی۔ ماں ذرا سا بھولتی ہی ہیں۔ ہم مینیج کرلیں گے۔ لیکن اگر بے بی کو کچھ ہوا تو ماں سے زیادہ دکھی کوئی نہیں ہوگا۔ ماں نے پانچ سال اس بے بی کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔ عمرہ، حج، تہجد، نفل۔ بے بی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ اور پھر ہم آئیں گے نا کینیڈا۔''

وہ نم آنکھوں سے مسکرادی۔ ''ہاں۔ پلیز تم لوگ آجاؤ۔'' اس کی آنکھوں میں امید جاگی۔ وہ مزید بات کرتی لیکن درمیان میں غیر شناسا نمبر سے واٹس ایپ پہ میسج ریسیو ہوا تو وہ چونک گئی۔

''ایک منٹ ماہی۔'' کہہ کے چیٹ کھولی۔ پھر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے میسج اونچا پڑھ کے سنایا۔

''کیسی ہیں آپ کشمالہ؟ میں نے آپ کا نمبر اپنی والدہ سے لیا تھا۔ اگر آپ فارغ ہیں تو کیا میں آپ کو کال کرسکتا ہوں؟ آپ سے ایک کام تھا۔''

''یہ کون ہے؟'' ماہی چونک کے سیدھی ہوئی۔ ابرو اکٹھے ہو گئے۔

''زیاد سلطان۔'' کشمالہ نے کندھے اچکائے۔ ''اس کو مجھ سے کیا کام ہوسکتا ہے؟''

''جانے دو مالا۔ مردوں کی انا اتنی اونچی ہوتی ہے کہ وہ عورتوں کو کبھی کام نہیں کہتے۔ سوائے اس صورت میں کہ وہ بہت مجبور ہوں یا صرف گفتگو شروع کرنے کا بہانہ چاہتے ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا تم زیاد سے بات کرنا چاہتی ہو؟''

اس سوال کا جواب کشمالہ مبین کے پاس نہیں تھا۔ زیاد اسے اچھا لگا تھا۔ ایک کامیاب انسان جس کا کیریئر بھی تھا، خاندانی بھی تھا اور شکل وصورت بھی اچھی تھی۔ ریپوٹیشن بھی اس کی ایک شریف اور معزز انسان کی تھی۔ وہ

اٹھائیس برس کی تھی اور وہ جانتی تھی کہ اب اسے شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اسے شادی سے کوئی بیر نہ تھا۔ بس ابھی تک جو رشتے اس کو میسر ہوئے تھے ان میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہوتا تھا۔ اس کا کوئی خانہ ہمیشہ چیک ہونے سے رہ جاتا تھا۔ زیادہ سلطان البتہ اس کے تمام خانوں میں سبز ٹک لگاتا گیا تھا۔ ماں کی بیماری کا علم ہونے سے پہلے اگر یہ سب کچھ ہوتا تو شاید وہ خوش ہوتی لیکن کل سے ساری دنیا ہی بدل گئی تھی۔

اس نے فون رکھ دیا اور گردن اٹھائے جامنی پڑتے آسمان کو دیکھنے لگی۔ دور اوپر چند پرندے اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ ہم گھروں کو لوٹنے میں اتنی دیر کیوں لگا دیتے ہیں کہ آگے بس اندھیرا ہمارا منتظر ہوتا ہے؟

معید دوپہر میں گھر آیا تو مالا نے اس کو سامنے بٹھا کے ساری بات بتائی۔ معید کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے سر ہلا دیا۔

''زیادہ سے زیادہ الزائمرز ہوگا؟ ہم اس کو دواؤں سے مینیج کر سکتے ہیں۔ اور آج تو ماں بالکل ٹھیک ہیں۔ شاید وقتی ہو۔'' معید ہمیشہ گلاس کو آدھا بھرا ہوا دیکھا کرتا تھا۔

مالا کی تسلی کروا کے وہ ماں کے پاس جا بیٹھا۔ اس وقت وہ لاؤنج کے تخت پہ بیٹھی سلائیوں سے اون کا سوئیٹر بن رہی تھیں۔ ماہی کے بے بی کے لیے بننے والا یہ کوئی چوتھا سیٹ تھا۔

معید ان سے ادھر ادھر کے سوالات کرنے لگا۔ ماں کے تمام جواب درست تھے۔ ایک بات بھی نہیں بھولیں۔

''ماں .... آپ واقعی بھولنے لگی ہیں یا ہمارے ساتھ شغل لگاتی ہیں؟'' معید آخر میں ہنس کے بولا۔ ماں نے پرے بدتمیز کہہ کے اس کے کندھے پہ اون کا گولا دے مارا۔ گولا معید سے ٹکرا کے فرش پہ جا گرا اور دھاگہ کھلتا گیا۔ کچن سے لاؤنج میں آتی مالا کے پیروں میں گولا جا کے رکا۔

''مالا میرے ویزے کا کیا بنا؟'' وہ مالا سے اپنے ویزے کا پوچھنے لگیں۔ ماہی کا چوتھا مہینہ چل رہا تھا۔ اور ماں کا ارادہ تھا کہ اس کی ڈلیوری کے وقت ماں ماہی کے پاس جائیں گی۔ وہ کیسے اکیلی یہ وقت گزارے گی؟

''ویزہ جلد آ جائے گا ماں۔'' وہ جھک کے گولا اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی اور دھاگہ لپیٹنے لگی۔

اس نے ویزہ تب اپلائی کیا تھا جب وہ ایک ریستوران کی کامیاب مینیجر تھی۔ تب اس کا ارادہ تھا کہ ماں کے ساتھ کینیڈا جا کے چند دن رہ کے آ جائے گی۔ اور ماں مہینوں وہیں رہیں گی۔ مگر اب حالات مختلف تھے۔ اب وہ اس باغ کو نہیں چھوڑ سکتی تھی کیونکہ کوئی اس کو پانی لگانے والا نہ تھا۔

''مالا... آر یو شیور ماں بھولنے لگی ہیں؟ یہ بالکل نارمل ہیں یار۔''

''کچن میں آؤ۔'' مالا نے اسے گھور کے انگریزی میں کہا۔ وہ اس کے پیچھے چلتا آیا اور کچن آئی لینڈ کی ٹاپ پہ بیٹھ گیا۔ ساتھ رکھی نوکری سے ایک سیب نکال کے اس کی بائٹ لی۔

''میں کہہ رہی ہوں ماں ٹھیک نہیں ہیں معید تو وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ یہ دیکھو۔'' وہ انگریزی میں کہتی فریزر کا دروازہ کھول کے دکھانے لگی (کہ ماں کو اسپوکن انگلش سمجھ میں نہیں آتی تھی)۔

''ماں کا فریزر کبھی اتنا خالی نہیں ہوا۔ ہمیشہ فروزن آئٹم' کباب کوفتے وغیرہ بنا کے رکھتی تھیں۔ پورے گھر کی صفائی' پودوں کی کانٹ چھانٹ' سب خود کرواتی تھیں۔ تم سارا دن ہاسپٹل ہوتے ہو۔ تم وہ نہیں دیکھ سکتے جو میں دیکھ رہی ہوں۔ ہمارا گھر کبھی اتنا بے ترتیب نہیں ہوا۔''

''تو یار بخت بی کو کھینچو نا۔'' اس نے سیب کی بائٹ لیتے ہوئے اپنی طرف سے حل بتایا۔

''ملازم خود سے کچھ نہیں کرتے۔ گھر کی مالکن ان سے کام کرواتی ہے یا نہیں کرواتی۔ ماں نے ساری عمر اپنے گھر کو سنوارنے کے علاوہ کیا ہی کیا ہے؟ اگر وہ اس کام کو بھی ٹھیک سے نہیں کر رہیں تو وہ ٹھیک نہیں ہیں۔'' اسے اب معید پہ غصہ آ رہا تھا۔ ان بھائیوں کو آرام سے بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟

''اچھا بابا میں ایک نیورولجسٹ سے اپائنٹمنٹ لیتا ہوں۔ وہ کراچی گئے ہوئے ہیں۔ سوموار تک آ جائیں گے۔ ہم منگل کو انہیں کو دکھا دیں گے۔''

''منگل میں چھے دن ہیں معید۔''

''مالا ریلیکس۔ میں کسی عام سے نیورولجسٹ کو نہیں دکھا سکتا۔ ورنہ اس طرح تو میرے سینئرز بھی بہت ہیں۔''

''انگریزی بولتے ہیں میرے سامنے تا کہ مجھے سمجھ نہ آئے۔ آئے بڑے۔'' وہ لاؤنج میں بیٹھی سلائیاں چلاتے ہوئے ان کی آوازیں سن رہی تھیں۔

تب ہی بخت بی باہر سے کچن میں داخل ہوئیں تو معید نے انہیں روک لیا۔

''آپ ذرا میری بات سنیں۔'' اس کی آواز سخت ہو گئی۔ ''مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ ماں کو میٹھا کھانے دیتی ہیں۔ میں ان کی شوگر جتنی کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہوں' آپ ان کی چاپلوسی کے چکر میں اسے بڑھا دیتی ہیں۔ آج سے گھر میں میٹھا نہیں بنے گا۔ ورنہ میں آپ کا لحاظ نہیں کروں گا۔ کل کو ہمیں ماں کی گھٹنے کی سرجری کروانی پڑ گئی تو یہ شوگر کا کنٹرول نہ ہونا کتنا نقصان دہ ہو سکتا ہے' آپ کو احساس نہیں ہے اس بات کا۔''

مالا چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ بظاہر مالا کو وہ تسلی دے رہا تھا مگر اندر سے وہ خود پریشان تھا۔ البتہ وہ ظاہر نہیں

کرے گا۔ وہ ماں پہ گیا تھا۔ ماں کہتی تھیں کہ معید اندر سے گہرا کنواں ہے۔ اور شاید مالا بھی ماں پہ ہی گئی تھی۔ اپنے غم کو اندر ہی اندر لے کر گھلتے رہنا ان دونوں کی عادت تھی۔ ماہی ایسی نہیں تھی۔ ماں کا کہنا تھا کہ وہ ان کے ابا پہ گئی تھی۔ ذرا کوئی اسے تنگ کرے، وہ آستینیں چڑھا کے اگلے کی ساری دنیا الٹانے پہنچ جاتی تھی۔ وہ پریشان ہوتی تو دل میں نہیں رکھتی تھی۔ کمیونیکیٹ کرتی تھی۔ صاف صاف بول کے اس مسئلے کو حل کرتی تھی۔

معید اور مالا نے اس روز فیصلہ کیا کہ وہ ماں کو زیادہ سے زیادہ وقت دیں گے۔ معید اب ڈیوٹی آورز کے بعد کہیں نہیں جائے گا بلکہ ماں کے پاس بیٹھے گا اور مالا تو پہلے ہی اسلام آباد واپس نہ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کا کچن بھی باقی گھر کی طرح سرسبز پتوں سے آراستہ تھا۔ سنک کی کھڑکی کی سلاخوں کے ساتھ منی پلانٹ کی بیلیں اوپر چڑھتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کاؤنٹر کے ہر کونے میں سبز بوتلوں میں بھی منی پلانٹ سجے تھے۔

وہ وسطی گول میز پہ اداس سی بیٹھی لاپنے ساتھ براجمان حورِ جہاں بیگم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے لہسن چھیل رہی تھیں۔ وہ دیسی لہسن منگوایا کرتی تھیں جو چھیلے جانے میں وقت لیتا تھا۔ اس لیے ماں جب فارغ ہوتیں لہسن چھیلنے لگ جاتیں۔ لان کے سوٹ پہ سفید چکن کا دوپٹا انہوں نے سر پہ لے کر کانوں کے پیچھے اڑس رکھا تھا۔ وہ نرمی سے ان کی کنپٹیوں سے نکلتے بال پیچھے کرنے لگی۔ وہ کمزور ہوتی جا رہی تھیں اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ جب ماں بیمار ہوتی ہے تو انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اپنی ساری دولت، ڈگری اور کامیابیوں کے باوجود وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو ہے وہ اللہ ہے اور بس اللہ ہی ہے۔

دفعتاً ڈرٹی کچن کا دروازہ چرچراتا ہوا کھلا اور کسی نے کھنکھارتے ہوئے اس کی توجہ چاہی۔ مالا نے بجھا ہوا چہرہ اٹھا کے دیکھا تو سامنے کیف کھڑا تھا۔ جینز پہ بھوری ڈریس شرٹ کے آستین پیچھے موڑے گیلے بال ماتھے پہ بکھیرے وہ ہر صبح کی طرح ہشاش بشاش اور مسکراتا ہوا تھا۔

''باس... میں کافی بنا رہا ہوں۔ آپ کو چاہیے؟''

مالا نے نفی میں گردن ہلا دی۔ ماں نے برہمی سے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''یہ باس کیا ہوتا ہے؟ جیسے سلیم کہتا ہے کشمالہ بی بی ویسے کہا کرو۔'' ساتھ ہی بڑبڑائیں۔ (کسی انگریز کی اولاد نہ ہو تو)۔

''جی بڑی بی بی۔ میں چلتا ہوں۔'' کیف سنبھل کے بولا۔ اسے ماں کی ڈانٹ سے ڈر لگتا تھا' یہ واضح تھا۔

''واپس آؤ' میاں۔'' ماں نے اسے گھورتے ہوئے دو انگلیوں سے آنے کا اشارہ کیا۔

''جی؟'' کیف متذبذب سا آگے آیا۔ اور ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ منی پلانٹ والی کھڑکی اب کیف کی پشت پہ تھی۔ مالا نے دلچسپی سے ہتھیلی پہ تھوڑی جمائے اسے دیکھا۔ ماں کی ڈانٹ بڑی دلچسپ ہوتی تھی بالخصوص تب جب وہ کسی اور کو پڑے۔

''ماں مجھے ایک بات بتاؤ۔ تمہیں تمہارے اماں باوا نے کوئی ادب آداب سکھائے ہیں یا نہیں؟''

''انہوں نے کوشش تو کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔''

مالا نے مسکراتے ہوئے اسے گھورا۔ ماں کو اس کے انداز پہ مزید تپ چڑھ گئی۔

''رات سونے کے لیے ہوتی ہے' میاں اور دن کام کرنے کے لیے۔ یہ جو تم رات بھر لان میں ٹہلتے ہوئے فون پہ لگے ہوتے ہو نا' ساری آوازیں آتی ہیں مجھے۔''

''میں؟ فون پہ؟'' کیف کے چہرے پہ ناسمجھی کا تاثر ابھرا جیسے اسے ماں کی بات سمجھ نہ آئی ہو۔ مالا کو لگا شاید ماں مس اپ کر رہی تھیں۔ ماں سوتے وقت اٹھنے ہی نہیں جاتی تھیں۔ اس کی ہوا سے ان کے گھٹنوں میں درد ہوتا تھا۔ وہ کھڑکی کا ایک پٹ کھولے رکھتی تھیں۔ یوں لان کی آوازیں صاف اندر آتی تھیں۔

''سوری بڑی بی بی۔ میں دھیان کروں گا...'' کیف نے تابعداری سے بات سنبھال لی۔ ماں بڑبڑا کے بخت بی کو آواز دینے لگیں۔ کیف الٹے قدموں ڈرٹی کچن کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ بند نہیں کیا۔ بس خاموشی سے اپنی کافی بنانے لگا۔

''ماں...'' وہ نرمی سے کہتی ماں کے قریب ہوئی۔ ''میں نے اس کو چوکیدار کی ڈیوٹی بھی دی ہے۔ اب پوری رات کرسی پہ فارغ تو نہیں بیٹھ سکتا۔ بے چارہ کالز کر لیتا ہو گا۔ خیر ہے۔''

ماں نے ناپسندیدگی سے ڈرٹی کچن کی طرف دیکھا جہاں کیف ان کی طرف پشت کیے کافی بنا رہا تھا۔

''لڑکیوں سے باتیں کرتا ہے ساری رات۔ توبہ استغفراللہ۔''

مالا کو ہنسی آ گئی۔ ''آپ کو کیسے پتہ؟''

''زارا زارا کی رٹ لگا رکھی تھی کل اس نے۔''

''کوئی دوست ہو گی اس کی۔ جانے دیں۔''

ماں نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ ''بی بی... مرد اور عورت کبھی دوست نہیں ہوتے۔''

''آج کل سب چلتا ہے ماں۔'' ان کو مزید تپانے کے لیے مسکراہٹ دبا کے بولی۔

''کبھی اپنی ماں کا کوئی دوست گھر آتے دیکھا؟ برداشت ہوتا تم لوگوں سے؟ مرد اور عورت ازل سے ابد تک دوست نہیں بن سکتے۔ مرد مرد ہوتا ہے اور عورت عورت۔'' وہ لہسن کا چھلکا اتارتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ ''اللہ نے آدم اور حوا کو جب زمین پہ اتارا تو مختلف جگہوں پہ اتارا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کو تلاش کرنے میں کئی برس لگے تھے۔ اللہ نے ہر انسان کا جوڑ اس دنیا میں اتارا ہے۔ کسی کو مل جاتا ہے اور کسی کو نہیں۔ مگر وہ ہوتا ضرور ہے۔ اور ہر انسان ساری زندگی اسی جوڑ کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ دوستی کے نام پہ بھی مرد اور عورت دوسرے شخص میں اسی جوڑ کو ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ بختو...''

وہ بختو کو آواز دیتی ہوئیں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اٹھ گئیں اور فریج کی طرف بڑھیں۔

کافی میکر چلاتے ہوئے کیف نے ہلکی سی گردن موڑ کے کلین کٹ کی گول میز پہ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ وہ اپنی ماں کی بات پہ دل کھول کے ہنسی تھی۔ بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے' اس کا سبز آنکھوں والا چہرہ دھلا دھلایا اور شفاف لگ رہا تھا۔ اس نے ایسے مہربان چہرے والی لڑکی کبھی دیکھی تھی کیا؟ شاید نہیں۔

''بختو... یہ بچے ہوئے سالن نکالو اور ڈبوں میں ڈال کے ہمسائیوں کے ملازموں کو دے آؤ۔''

''ماں... روز اتنا کھانا نہ بنایا کریں اگر آس پاس بانٹنا ہی ہوتا ہے۔ آج ایک سالن بنا لیں اور ساتھ ان پرانے سالن کو چلا لیں۔''

ماں نے گھور کے اسے دیکھا۔ ''اب میں گھر کے ملازموں کو باسی سالن دوں گی اور اپنے بچوں کو نیا سالن؟ بی بی ایسی تفریق تمہاری ماں نے کبھی نہیں کی۔''

''اُف ماں۔ میں کھا لوں گی پرانا سالن۔ آپ بخت بی اور سلیم کے لیے نیا بنا لیں۔'' جل کے بولی۔ ماں نے ان لوگوں کو ملازم نہیں رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے ماں کو مالک رکھا ہوا تھا۔

''کھانا کھلانا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ کھلانے سے کسی کا رزق کم نہیں ہوتا۔'' ماں فریج کا دروازہ بند کر کے اس طرف مڑیں تو دیکھا' ڈرٹی کچن میں کھڑا کیف اپنی تازہ بنائی کافی کا گھونٹ بھر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی در آئی۔

''منہ کیوں بنا رہے ہو؟''

کیف نے چونک کے انہیں دیکھا۔ وہ اسے ہی گھور رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے کپ نیچے کیا۔

''اتنی اچھی نہیں بنی اس لیے۔''

''کیوں میاں؟'' بخت بی جو چولہے کے ساتھ کھڑی تھیں' چمک کے بولیں۔ ''جب میں نے چائے بنا کے دی تھی تو کہتے تھے میں چائے نہیں پیتا۔ اب یہ ولایتی کافی حلق سے نیچے نہیں اتر رہی؟''

کیف نے مگ کاؤنٹر پہ رکھا اور ان کے سامنے آیا۔ اب کے وہ بولا تو انداز جلا کٹا تھا۔

''میں نے کہا تھا بخت بی' کہ میں ''ایسی'' چائے نہیں پیتا جو آپ بناتی ہیں۔ کالے پانی جیسی۔ میں خالص دودھ کی کڑک چائے پیتا ہوں جو کافی دیر تک چولہے پہ کڑھتی رہے۔ اوکے؟''

''نخرے تو دیکھو۔'' بخت بی برا مان گئیں۔

''اور یہ کافی میکر میں نے کشمالہ بی بی کے لیے نکالا ہے کیونکہ وہ بھی آپ کے ہاتھ کی کافی نہیں پی سکتیں۔'' چبا چبا کے بخت بی کو اطلاع دی۔ مالا کو لگا کہ اب کیف کو ماں سے ڈانٹ پڑنے والی ہے لیکن خلاف توقع ماں اسے چند لمحے دیکھتی رہیں' پھر آہستہ آہستہ واپس اپنی کرسی تک آئیں۔

''تو خود اپنے لیے بنا لیا کرو کڑک چائے۔'' ان کا انداز عام سا تھا۔

''مجھے بنانی نہیں آتی۔'' اس نے کندھے اچکا دیے۔ ''ورنہ۔ کچھ تھا جو کیف کو نہیں کرنا آتا تھا۔

''پہلے کون بنا کے دیتا تھا؟''

کیف نے جواب نہیں دیا اور ڈرٹی کچن کی طرف بڑھ گیا۔

''واپس آؤ اور قہوے کا پانی رکھو۔ میں تمہیں سکھاتی ہوں کڑک چائے بنانا تاکہ تمہارے نخرے ختم ہوں۔'' ماں نے گھور کے اسے واپس آنے کا اشارہ کیا۔

کیف ہلکا سا مسکرا دیا۔ ماں کی ڈانٹ کے پیچھے بھی ان کی فکر تھی۔ چاہے ملازم بھی ہو' لیکن اسے اس کی پسند کا کھانا پینا ملنا چاہیے۔ وہ چپ چاپ واپس آیا اور ان کی ہدایت کے مطابق قہوہ رکھنے لگا۔ مالا کو اس سے ہمدردی ہوئی۔ ماں کے ساتھ جو کچن میں کام کرتا تھا' اس کو ڈانٹ بھی ساتھ ساتھ پڑتی تھی۔ البتہ کچھ تھا جو اس کے ذہن میں چبھا تھا۔ کسی کانٹے کی طرح جو فصلوں میں چلتے ہوئے پائنچوں کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔

اس کے گھر میں کون تھا جو اسے اتنی محنت سے کڑک چائے بنا کے دیا کرتا تھا۔ کیف نے اس سوال کا جواب کیوں نہیں دیا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کہتے ہیں جس نے لاہور نہیں دیکھا' وہ پیدا نہیں ہوا۔ ٹھیک کہتے ہیں یا غلط' مگر کہتے ضرور ہیں۔ لاہور کشمالہ کے لیے ہمیشہ ایک فرار تھا۔ جب وہ اپنی ورک لائف سے تنگ آجاتی تو اپنے گھر واپس آجاتی۔ کچھ دن ماں کے ساتھ رہتی تو ذہن فریش ہو جاتا۔ مگر لاہور میں مستقل رہنا اس کے لیے کٹھن ثابت ہونے والا تھا۔ یہاں کی فضا آلودہ تھی اور شور زیادہ تھا۔ اسلام آباد ایک ہی رنگ میں رنگا تھا۔ پنڈی کی حدود سے جیسے ہی اسلام آباد میں داخل ہوتو ایک پوش اور صاف ستھرا سا شہر نظر آتا تھا۔ لاہور ایسا نہیں تھا۔ اس شہر میں بہت سے رنگ ایک ساتھ بستے تھے۔ لوگوں کے لہجے مختلف تھے۔ صبح دیر سے ہوتی تھی اور رات اس سے بھی دیر سے۔ یہاں سب سے بڑی انٹرٹینمنٹ کھانا اور شاپنگ مالز تھے۔

دوپہر میں وہ کسی کام سے بینک جا رہی تھی تو کار کی کھڑکی سے باہر گزرتے منظر کو دیکھ کے اسے حیرت ہوئی۔ لاہور میں بہت سے ریستوران چائے کے نام سے کھل گئے تھے۔ اور یہ سب نئے ریستوران تھے۔

''تمہیں کڑک چائے پسند ہے نا؟ دیکھو تمہارے لیے کتنے کیفے ہیں یہاں۔'' اس نے ڈرائیو کرتے کیف کو بتایا۔

''کچھ سال پہلے تک لاہور ایسا نہیں تھا۔'' کیف وقار سکرین کے پار سڑک پہ توجہ کیے تبصرہ کرنے لگا۔ ''یہاں کافی پینا فیشن سمجھا جاتا تھا۔ چائے ایک بیک ورڈ چیز تھی۔ لیکن جب سے انڈین پائلٹ ابھی نندن نے پاکستانی چائے کو فنفاسٹک کہا ہے' لاہور میں چائے کے نام پہ درجنوں کیفے کھل گئے ہیں۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟ تم تو اتنے سال سے اسلام آباد میں رہ رہے ہو۔''

کیف نے شانے اچکائے۔ ''مجھے معلوم ہوتا ہے۔''

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بیک ویو مرر اوپر کر دیتا تھا اور اسے کیف کی یہ عادت پسند تھی۔ اتنے دن سے وہ ڈری نہیں تھی نہ اسے اس انجان تعاقب کار سے کوئی خوف محسوس ہوا تھا۔ کیونکہ جب وہ باہر نکلتی' کیف ساتھ ہوتا۔ یہ احساسِ تحفظ اسے پہلے کسی گارڈ کے ساتھ محسوس نہیں ہوا تھا۔

''ویسے میں دھیان کروں گا کہ رات کو میرے کام کی وجہ سے بڑی بی بی ڈسٹرب نہ ہوں۔'' وہ توقف سے بولا۔

''ہاں تم نے بتایا تھا۔ تم اپنا بزنس پلان بنا رہے ہو۔ کہاں پہنچا وہ؟'' وہ کھڑکی سے باہر دوڑتے درختوں کو دیکھ کے بولی۔ وہ نہر کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور یہاں درخت پہلے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ سبزہ دیکھ کے اندر تک ٹھنڈ اتر گئی تھی۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''ابھی تو شروع کیا ہے۔ ڈیڑھ ماہ ہیں میرے پاس۔''

''ڈیڑھ ماہ کیوں؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''وہ دراصل...'' وہ سنبھلا اور موڑ کاٹا۔ ''اپنے لیے ڈیڈ لائن رکھی ہے۔''

''اوہ اچھا۔'' کشمالہ نے سر ہلا دیا۔ ''ڈیڑھ ماہ کافی لمبا عرصہ ہے۔ دو ہفتے بھی کافی ہوتے ہیں۔ خیر۔ تم کر لو گے۔''

اس کی بات پہ وہ مسکرا دیا۔ ''تھینک یو۔ مجھے کسی نے کہا تھا کہ میں یہ نہیں کر سکوں گا۔''

''چچ...'' کشمالہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔ ''لوگ نوجوان انٹرپرونیئرز سے اتنی بے رحم باتیں کیسے کہہ دیتے ہیں۔ خیر... ایک مشورہ دوں۔ تمہیں ایک مینٹور کی ضرورت ہے۔ ہر نوجوان انٹرپرونیئر کو ہوتی ہے۔ کوئی بہت سینئر اور کامیاب انسان جس کو بزنس کی سمجھ تم سے کہیں زیادہ ہو۔ جو تمہارا پلان دیکھ کے اس کی خامیاں دور کر سکے۔''

کہتے ہوئے مالا نے سوچا' کیا اسے کیف کو اپنی مینٹورشپ آفر کرنی چاہیے؟ وہ اس کا پلان دیکھ کے اس کو امپرو کرنے میں مدد دے سکتی تھی لیکن....

''جی... مینٹور ہے میرے پاس۔''

''اچھا کون؟'' اس نے کھڑکی سے نظریں ہٹائیں اور دلچسپی سے کیف کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔ وہ یہاں سے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بس اسٹیئرنگ پہ رکھے اس کے ہاتھ نظر آ رہے تھے۔

''آپ نہیں جانتیں اسے۔ مطلب وہ یہاں کا نہیں ہے۔ برطانیہ کا ایک کامیاب بزنس مین ہے۔ میرا فیملی تعلق ہے اس سے۔'' وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ کشمالہ نے کندھے اچکا دیے۔

''او کے گڈ۔ مگر تم میری جاب کے ساتھ اپنے پلان پہ کام کیسے کرو گے؟''

''کر لوں گا۔ پوری رات ہوتی ہے میرے پاس۔ آپ کا تعاقب کار بھی تنگ نہیں کر رہا۔'' پھر خیال آنے پہ پوچھا۔ ''آپ نے بڑی بی بی کا چیک اپ نہیں کروایا؟''

''معید نے اپائنٹمنٹ لی ہے ایک نیورولوجسٹ سے منگل کے لیے۔''

''منگل آنے میں پانچ دن ہیں۔''

وہ جواب دیتی لیکن کیف کا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔ موبائل ڈرائیونگ اور فرنٹ سیٹ کے درمیان میں رکھا تھا۔ کیف نے موڑ کاٹتے ہوئے موبائل اٹھانا چاہا۔ وہ پھسل کے نیچے جا گرا۔ اس نے چونکہ فون گرتے نہیں دیکھا

تھا' اس لیے وہ اپنی سائیڈ پہ ہاتھ مارنے لگا حالانکہ فون سلپ ہو کے پیچھے کشمالہ کے قدموں میں آ گرا تھا۔

اس نے جھک کے موبائل اٹھایا۔ اسکرین سامنے تھی۔ ایک ہی نظر میں کال کرنے والے کا نام پڑھ سکتی تھی۔

''زارا کیف۔''

اس نے موبائل کیف کی طرف بڑھایا تو کیف نے تیزی سے اسے تقریباً کھینچا اور پھر زور سے بٹن دبا کے اسے بند کیا اور دوسری طرف رکھ دیا۔ کار کی اسپیڈ بڑھ گئی۔ کیف ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

وہ ظاہر کیے بنا کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ مگر ذہن میں بہت سی جمع تفریق چل رہی تھی۔

زارا کیف۔ یہ کون تھی؟ کیف کی سی وی کے مطابق وہ غیر شادی شدہ تھا۔ شاید اس کی کوئی دوست ہو جس کا لاسٹ نیم بھی کیف ہو۔ کیا ایسا اتفاق ممکن تھا؟

کشمالہ کو بینک کے سامنے اتار کے وہ کار میں بیٹھا رہا۔ جب اسے تسلی ہو گئی کہ وہ اندر جا چکی ہے تو اس نے موبائل نکالا اور زارا کی چیٹ کھولی۔ پھر بے بسی بھرے غصے سے میسج ٹائپ کرنے لگا۔

''تم آئندہ مجھے خود سے کال نہیں کرو گی۔ جب کال کرنی ہو گی میں خود کروں گا۔ سمجھ میں آیا؟''

وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کی مڑی پلکوں والی آنکھیں بینک کے دروازے پہ جمی تھیں۔ ذہن میں الگ طوفان برپا تھے۔ پھر اس نے وائٹ ہیئر کو کال ملائی اور موبائل کان سے لگا لیا۔

''میں یہ جاب مزید نہیں کر سکتا۔ میں quit کرنا چاہتا ہوں۔''

دوسری طرف ایک لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔ پھر مالک کی سرد آواز گونجی۔

''کیوں؟''

''میری ذاتی زندگی اور یہ جاب مکس اپ ہو رہی ہے۔''

''تمہیں کیا مذاق لگتا ہے یہ سب؟'' مالک ایک دم غصے سے دھاڑا۔ ''تم ایک صبح اٹھ کے فیصلہ کرو گے کہ تم یہ نہیں کرنا چاہتے اور میں تمہیں چپ چاپ واک آؤٹ کرنے دوں گا؟''

''چلاؤ مت۔ میں تمہارا ماتحت نہیں ہوں۔ میں جب چاہے اس جاب کو چھوڑ سکتا ہوں۔'' وہ دانت پیس کے بولا۔ اس کے کان سرخ ہو رہے تھے۔

توقف کے بعد مالک بولا تو آواز دھیمی تھی۔

''اصل وجہ کیا ہے؟ کیوں چھوڑنا چاہتے ہو یہ جاب؟''

کیف نے گہری سانس لی۔

''اس کی ماں بیمار ہے۔ میں اس کے ساتھ مزید دھوکہ نہیں کر سکتا۔''

''تم اس کی ماں کے لیے اتنے حساس کیوں ہو رہے ہو۔''

''بس میں اس کی فیملی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔''

''اب یہی پلان کا حصہ ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ تم اس لڑکی کی جاب کرو گے۔ جب تک تمہیں وہ نہیں ملتا جو ہمیں درکار ہے۔''

''اس نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ کیسے جانتی ہے کہ کسی آدمی کے پاس اس کی تصویر ہے۔ میں نے اس دن سے دو دفعہ پوچھا ہے۔ وہ نہیں بتاتی۔ میں کیا کروں۔''

''پھر تم اس کا اعتماد حاصل کرو۔ تمہیں یہ کرنا پڑے گا۔''

''یا میں اسے سب سچ بتا دوں۔ تب ایسا کر سکتا ہوں۔'' اس کا انداز ہٹ دھرمی تھا۔ کسی بھی خوف سے خالی۔

''ٹھیک ہے۔ ابھی جاؤ اور اسے سب بتا دو۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اس سے کیا ہو گا۔ کیا وہ تمہارا شکریہ ادا کرے گی؟ نہیں۔ وہ تمہیں کھڑے کھڑے گھر سے نکال دے گی۔ اور تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔''

کیف کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑتے گئے۔

''میں جھوٹا اور دھوکے باز نہیں تھا۔ میں مزید یہ نہیں کرنا چاہتا۔''

''تم اس لڑکی کی زندگی میں دھوکے سے داخل ہوئے ہو۔ اب تم اس چیز کو فکس نہیں کر سکتے۔ اب واپسی ممکن نہیں ہے۔ جلد یا بدیر اسے تمہاری حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس کے بعد وہ صرف تم سے نفرت کرے گی۔'' مالک کا انداز استہزایہ تھا۔ ''تمہیں اس وقت کے آنے سے پہلے اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے نکلنا ہے۔ سمپل۔'' مالک کے لیے یہ جمع تفریق بہت آسان تھی اور اس کے لیے یہ فقرہ بہت بھاری تھا۔ (وہ تم سے نفرت کرے گی۔)

''تم مجھے کسی بھی چیز کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولا۔ ''میں نے اپنی مرضی سے اس جاب کے لیے حامی بھری تھی۔ میں اپنی مرضی سے اس کھیل کو ختم بھی کر سکتا ہوں۔''

''تمہارے پاس یہ چوائس اس دن تک تھی جب ہم تینوں اس ہوٹل سوئیٹ میں اکٹھے ہوئے تھے۔ اس دن کے بعد تمہارے پاس یہ چوائس نہیں رہی۔ تم اس کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ورنہ میں سچ کہہ رہا ہوں، مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ جاؤ اور اپنا کام مکمل کرو۔''

کشمالہ بینک سے باہر آ رہی تھی۔ کہنی پہ بیگ لٹکائے' سن گلاسز ماتھے کے اوپر چڑھائے وہ موبائل کے بٹن ساتھ ساتھ دبا رہی تھی۔ پھر چہرہ اٹھا کے اپنی کار کی تلاش میں دیکھا۔ کیف نے فون رکھ دیا۔ کشمالہ کی نگاہ اس سے ملی تو وہ مسکرا دی اور اس کی طرف آنے لگی۔

کیا وہ اس سے نفرت کرنے لگے گی؟ کیا ان دونوں پہ ایسا بھی وقت آنا تھا؟ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک ہی فقرہ گونج رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کے بالائی فلور پہ ایک کمرے کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی۔ وہ کمرہ کسی زمانے میں گیسٹ روم ہوتا تھا۔ برسوں پہلے کشمالہ نے وہاں سے بیڈ اور صوفے نکلوا کے اسے اپنا پینٹنگ اسٹوڈیو بنا لیا تھا۔ پھر وہ اسلام آباد چلی گئی تو یہ کمرہ بند ہی رہ گیا۔ کام والی صفائی کر دیتی تھی لیکن جب سے ماں نے سیڑھیاں چڑھنا ترک کیا تھا' اوپر کی صفائی بھی واجبی ہوتی تھی۔ اس روز کشمالہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی' گرد کی بو فوراً سے نتھنوں میں گھسی۔

کمرہ خالی خالی سا تھا۔ دو دیواروں پہ بک شیلف بنے تھے جن میں اس کی پسند کی کتابیں اور پینٹ باکسز رکھے تھے۔ نیچے کینوسز بنے تھے۔ اس نے ایک کینوس کھولا تو بہت سی یادیں سامنے آ گئیں۔ مریز (maries) اور وزرز اینڈ ٹیوٹن کے خالی پینٹ باکسز۔ ٹرپنٹائن کا آدھا بھرا کنٹینر۔ ساتھ ہی چند خالی کنٹینرز رکھے تھے جن پہ آئل پینٹ کے داغوں کی بہتات تھی۔ ان میں سے ایک کنٹینر اس کا پسندیدہ تھا۔ مالا نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے اٹھا کے دیکھا۔ آرٹسٹس کو اپنے کچھ ڈبوں اور کچھ برشز سے محبت ہو جاتی ہے بالخصوص ایسا برش جس پہ اس کا ہاتھ بیٹھ جائے۔ اس ڈبے میں اس کا فیورٹ برش رکھا تھا۔ اس کے برسلز رف اور داغدار تھے اور اب تک وہ ایکسپائر ہو چکا تھا لیکن ماں نے انہیں پھینکنے کی اجازت کبھی نہیں دی۔ مالا جیسے انہیں چھوڑ کے گئی تھی' اسے وہ ویسے ہی ملنے چاہیے ہیں۔ شاید وہ ہمیشہ سے اس کی واپسی کی منتظر تھیں۔

ایک دیوار پہ اونچی سے کھڑکی تھی جو لان میں کھلتی تھی۔ اس نے بلائنڈز اوپر کیے اور کھڑکی کا پٹ کھولا۔ گرد کی ایک تہہ اڑ کے آنکھوں میں آئی۔

نیچے لان میں گارڈ چیئر پہ بیٹھا کیف اسکیچ بک پہ تیز تیز پینسل چلا رہا تھا۔ آہٹ پہ اس نے گردن اٹھا کے کشمالہ کو دیکھا۔ پھر اسکیچ بک رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کوئی کام ہے' باس؟'' ماں کی غیر موجودگی میں اس کے منہ سے باس پھسل جاتا تھا۔

لان میں لگا بوگن ویلیا کا درخت پینٹ اسٹوڈیو کی کھڑکی تک جاتا تھا۔ وہاں کشمالہ کھڑی تھی۔ جامنی پھولوں اور سبز شاخوں کے درمیان وہ کسی پینٹنگ کا حصہ لگ رہی تھی۔ گلابی شلوار قمیض میں ملبوس' بال اونچی پونی میں مقید کیے' دوپٹا ایک کندھے سے گزار کے دوسری طرف باندھے وہ یقیناً کام کے ارادے سے اسٹوڈیو میں آئی تھی۔

(وہ جلد یا بدیر تمہاری حقیقت جان جائے گی۔ پھر وہ تم سے نفرت کرے گی۔)

وہ چند لمحے گردن اٹھائے اس پینٹنگ جیسی لڑکی کو دیکھے گیا۔

جب اس نے یہ جاب شروع کی تھی' اور اس کا کشمالہ مبین سے تعارف ہوا تھا' تب وہ اس کے لیے ایک تصویر تھی۔ وہ اسے نہیں جانتا تھا۔ اس لیے دو ماہ کے لیے اس کا گارڈ بننا مجبوری کے ساتھ ساتھ ایک ایڈونچر بھی لگا تھا۔ وہ دو ماہ بعد یہاں سے چلا جائے گا۔ بعد میں وہ جان بھی جائے تو اسے کیا۔ وہ اس کا کیا بگاڑ لے گی۔ کچھ دن بعد وہ اپنی زندگی میں مصروف ہو کے اس لڑکی کو بھول جائے گا۔

اور اب.... اب وہ سوچ ایک عذاب لگتی تھی۔ وہ کیسے اس لڑکی کو' اس کے گھر کو' اور اس کے پودوں کو بھول پائے گا؟

''تم اوپر آؤ اور سلیم کو بھی بلا لاؤ۔'' وہ اوپر کھڑی کہہ رہی تھی۔ کیف چونکا۔

''آج ہم نے اسٹوڈیو کو صاف کرنا ہے۔''

وہ پرجوش نظر آتی تھی۔ یہ طے تھا کہ اسے ماں کے ساتھ رہنا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ گھر میں بے کار بیٹھے گی۔ اسے بے کار بیٹھنے کی عادت تھی نہ شوق۔ اس کے ذہن نے ایک نئے پلان پہ کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور ورک فرام ہوم کا پہلا اصول ہی یہی تھا کہ وہ گھر کا ایک کونا اپنے کام کے لیے مختص کرے۔ کوئی انسان گھر سے کام تب تک نہیں کر سکتا جب تک اس کے پاس ورکنگ اسپیس نہ ہو۔ اس کا سامان اسلام آباد سے آ گیا تھا۔ پیکرز نے سب کچھ پیک کر کے لاہور پہنچا دیا تھا۔ اب اسے اس سب کو یہاں سیٹ کرنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلیم اور کیف اس کے ساتھ اسٹوڈیو میں کھڑے کام کروا رہے تھے۔ کیف کتابیں نکال نکال کے رکھ رہا تھا۔ اور سلیم ان کو کارٹن میں ڈال رہا تھا تاکہ باہر لے جا کے انہیں جھاڑے۔ چند ہی منٹ میں وہ تینوں مٹی مٹی ہو گئے تھے۔ سلیم تو بس ایسے ہی شروع ہو گیا تھا البتہ کیف نے دستانوں اور ماسک کے ساتھ کام شروع کیا تھا اور وہ بار بار مٹی کی وجہ سے ناک بھوں بھی چڑھاتا تھا۔ (نخرے تو دیکھو۔)

''باس... ایک بات پوچھوں۔''

''نہیں۔ کام پہ دھیان دو۔''

''بات تو سنیں۔''

''پہلے تم میری بات سنو۔'' وہ دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے اس کی طرف گھومی۔ ''تم اپنا بزنس پلان بنا رہے ہو یا نہیں؟''

''بنالوں گا۔ ڈیڑھ ماہ ہے میرے پاس۔''

''میں جب دیکھتی ہوں تم اسکیچ بک لیے موٹر بائیکس بنا رہے ہوتے ہو۔''

''میں اسکیچنگ کر کے فریش ہو جاتا ہوں۔ یو نو۔ اسٹریس ریلیف۔'' وہ کتابوں کی مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کشمالہ خفگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے سنا نہیں ہے کہ مرد کی سب سے بڑی بدصورتی اس کی خالی جیب ہوتی ہے؟''

''یار یہ کیا آپ لوگوں نے انیس رڈ سیٹ کر لیے ہیں کہ تیس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے کیریئر سیٹ ہونا چاہیے۔ ہر بندے کا نہیں ہو سکتا۔'' وہ جھنجھلایا۔

''بات کیریئر سیٹ کرنے یا زیادہ کمانے کی نہیں ہے۔ چاہے کم کماؤ لیکن اپنا کچھ کرتے رہو۔ فارغ بیٹھنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ تیس کی عمر آنے تک تمہارے پاس کچھ اپنا ہونا چاہیے۔''

وہ کتابیں واپس رکھتے ہوئے چونکا۔ ''میں آپ کو کتنے سال کا لگتا ہوں؟''

کیف نے سوالیہ ابرو اٹھائی تو کشمالہ نے رک کے اندازہ لگانا چاہا۔ ''شاید ستائیس اٹھائیس۔''

وہ محظوظ انداز میں مسکرایا۔ ''میں بتیس سال کا ہوں۔ نہیں لگتا نا؟ ایکسرسائز، کم کھانا اور اسٹریس نہ لینا... یہ چیزیں عمر بڑھنے کے پروسیس کو سست کر دیتی ہیں۔ یہ سائنسی طور پہ ثابت شدہ بات ہے۔''

''اوہ۔ تو تم کم عمر دکھنے کے لیے ساری عمر بے کار مشغلوں میں ضائع کر دو گے لیکن کیریئر نہیں بناؤ گے؟ ایک میرا کلاس فیلو بھی ایسا تھا۔ ہر وقت اپنی اسکن اور فٹنس کی پرواہ میں لگا رہتا تھا۔ کبھی ڈھنگ سے نوکری نہیں کر سکا کہ دھوپ میں کام کرنے سے اسکن خراب ہو جائے گی۔''

''ٹھیک کہتا تھا۔ دھوپ میں کام کرنے سے اسکن کینسر ہو سکتا ہے۔ اسی لیے سن اسکرین لگانی چاہیے۔'' وہ ڈھٹائی سے کہتے ہوئے کتابیں واپس شیلف میں جوڑ رہا تھا۔ فرش پہ بیٹھے خالی ڈبے صاف کرتے سلیم نے ناپسندیدگی سے کیف کو دیکھا۔ یہ مالا باجی کے ساتھ کچھ زیادہ ہی فرینک ہوتا تھا۔

''میں تمہیں ایک نصیحت کر رہی ہوں۔اپنے بزنس پلان پہ دھیان دو۔بتیس سال کی عمر میں بھی اگر تمہارے پاس کوئی پلان نہیں ہے تو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔سوچو تمہارا مینیور کیا سوچے گا اگر تم اسے اپنا پلان دکھانے میں ناکام ہو جاتے ہو۔''

کیف کے چہرے سے سایہ سا گزر گیا۔اس نے جواب نہیں دیا۔جھک کے ایک کیبنٹ کھولی اور اندر رکھے چند کینوس باہر نکالے۔پھر انہیں کھولا تو آنکھوں میں ستائش ابھر آئی۔

''یہ آپ نے بنائے ہیں۔''

''ظاہر ہے میں نے بنائے ہیں۔اب تم کہو گے کہ یہ بہت اچھے ہیں تو مجھے پہلے سے معلوم ہے کہ یہ بہت اچھے ہیں۔اس لیے کام پہ دھیان دو۔''

کیف نے مسکرا کے کینوس واپس رکھے۔۔

''ویسے... آپ کیا کام شروع کرنے لگی ہیں اب؟''اس نے وہ سوال پوچھ لیا جو وہ شروع میں پوچھنے جا رہا تھا۔

''بتاؤں گی۔''وہ بے نیازی سے کہہ کے کام کرنے لگی۔کیف نے چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کیا۔پھر اسے احساس ہوا کہ کیف جمال ایک ناکام انٹریپرونیئر ہے اور کشمالہ مبین ایک کامیاب انسان۔وہ ایک ناکام انسان سے کبھی رائے نہیں لے گی۔اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور اوپری خانوں سے چیزیں نکالنے لگا۔وہ ان دونوں سے لمبا تھا۔اس لیے سب سے اوپر والے خانوں کی صفائی وہی کر سکتا تھا۔

شیلف کے سب سے اوپری خانے سے اس نے کتابیں نکالیں تو کچھ فرش پہ گرا۔وہ چونکا۔کتابیں ایک طرف رکھیں۔اور پنجوں کے بل نیچے جھکا۔وہ ایک تہہ شدہ کاغذ تھا۔

کیف نے ہلکی سی گردن موڑ کے ان دونوں کو دیکھا۔ان کی اس طرف پشت تھی۔کسی نے وہ کاغذ گرتے نہیں دیکھا تھا۔کیف نے دھڑکتے دل سے اس کی تہیں کھولیں۔اندر لکھی تحریر کو وہ ایک ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔اس نے نامحسوس انداز میں کاغذ جیب میں رکھ لیا اور واپس کام کرنے لگا۔

شام تک وہ تینوں مل کے اس اسٹوڈیو کو چمکا چکے تھے۔ماربل کا فرش دھل کے خشک ہو چکا تھا۔کھڑکیاں اندر باہر سے صاف ہو چکی تھیں۔ایک ورک ٹیبل کھڑکی کے ساتھ رکھی تھی جس پہ کشمالہ نے اپنی ضروری چیزیں سجائی تھیں۔سینٹڈ کینڈل بھی جلا دی تھی جس نے سارے کو معطر کر دیا تھا۔

کیف نے تنقیدی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ ''یہاں صرف ایک چیز کی کمی ہے۔''

''پودوں کی۔'' وہ مسکرا کے بولی۔ ''صبح نئے پرانے سارے پودے سیٹ کر دوں گی ادھر۔ پھر میرا ہوم آفس مکمل ہو جائے گا۔''

کیف نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ اس کے بال اور پلکیں تک مٹی مٹی ہو چکی تھیں لیکن وہ خوش لگ رہی تھی۔

''پتہ ہے کیف... انسان کو اپنی روٹین لائف بورنگ لگتی ہے۔ لیکن روٹین اصل نعمت ہے۔ روٹین کا مطلب ہے ہم صحت سے ہیں۔ عافیت میں ہیں۔ بس مجھے اپنی روٹین میں واپس جانا ہے۔''

''اس ریستوران کا کیا ہوا جنہوں نے آپ کو جاب آفر کی تھی؟'' اسے یاد آیا۔ وہ شیلف سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔

''وہ۔'' کشمالہ کا چہرہ بجھ گیا۔ ''میں توقع کر رہی تھی کہ وہ مجھے کوئی مینیجمنٹ پوزیشن آفر کریں گے۔ لیکن وہ اپنے ریستوران کی ایک دیوار پہ تھری ڈی الیوژن بنوانا چاہتے ہیں۔''

''آپ بنا سکتی ہیں۔ نہیں؟''

''رمضان شروع ہونے والا ہے۔ ان کے پاس عید تک کا وقت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں سارا رمضان اس ایک دیوار پہ کام کروں۔ مگر چار ہفتوں میں صرف پینٹنگ بنائی جا سکتی ہے' آرٹ نہیں۔''

''کیوں؟'' وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

''آرٹ بنانے کے لیے کوئی ڈیڈ لائن نہیں رکھی جا سکتی کیونکہ آرٹ خوشی سے نہیں تخلیق کیا جاتا۔ نہ وہ پیسے کمانے کے لیے ہوتا ہے۔ آرٹ درد اور ٹوٹے دل سے بنتا ہے۔ اس کے لیے (کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی) ذہن کے کری ایٹو حصے کا شور سے خالی ہونا ضروری ہے۔ اور میرے ذہن میں ابھی بہت شور ہے۔''

''یعنی آپ نے انکار کر دیا؟''

''نہیں۔ سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے حالانکہ انکار کر دینا چاہیے تھا۔'' وہ متذبذب لگ رہی تھی۔

''آپ لوگوں کو ناں نہیں کہتیں۔ کہہ دیا کریں۔ ناں کہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ سانس لینا۔ نہیں کہیں گی تو دم گھٹنے لگے گا۔ کافی بنا دوں؟'' تابعداری سے پوچھا۔ کشمالہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تھینک یو کیف۔ تم میری زندگی بہت آسان کر دیتے ہو۔ میری دعا ہے کہ تمہارا بزنس پلان جلد بن جائے اور وہ کامیاب ہو۔'' وہ خود سے کہہ رہی تھی یا اس سے' وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔ بس چند لمحے اس مہربان لڑکی کو دیکھتا رہا جو

اس کے کیریئر کی اتنی فکر کر رہی تھی۔ دل کا بوجھ بڑھتا گیا۔

''کشمالہ بی بی...'' اس نے کہنا چاہا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب وہ اسے سب بتا سکتا تھا۔ اسے مالک کی بات نہیں سننی تھی۔ وہ اسے اپنی مجبوری بتائے گا۔ ساری بات سمجھائے گا۔ یہی وہ لمحہ تھا۔ اگر آج نہیں تو پھر شاید کبھی نہیں۔ وہ اس سے نفرت نہیں کرے گی۔ وہ مہربان دل کی مالک تھی۔ وہ اسے اپنے قریب رہنے دے گی۔ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اس کو کوئی نقصان نہیں ہونے دے گا۔

''اوہ ہاں...'' کشمالہ نے سنا نہیں۔ اسے یاد آیا۔ ''میں نے ماہر فرید کو گوگل کیا تھا۔'' آواز آہستہ کر لی۔ سلیم کسی کام سے نیچے گیا تھا۔ اسے اس کے آنے سے پہلے بات مکمل کرنی تھی۔

کیف کے قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔ سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''اور؟'' دل زور سے دھڑکا۔

''تم نے نوٹس کیا تھا کہ اس لائٹر کے اوپر made in UK لکھا تھا۔''

کیف نے اسے وہ لائٹر واپس کر دیا تھا اور اس نے کل رات ہی اسے غور سے دیکھا تھا۔

''جی۔ لائٹر تو کہیں کا بھی بنا ہو سکتا ہے۔'' اس نے بات ٹالنی چاہی۔

''نہیں۔ اگر تم غور کرو تو ''made in UK'' اور ''ماہر فرید'' ان دونوں الفاظ کو ایک ہی فونٹ میں engrave کیا گیا ہے۔ یعنی وہ لائٹر یو کے کا نہیں بنا ہوا۔ وہ ایک ہنٹ تھا۔''

کیف نے تھوک نگل کے بظاہر ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ...'' اس کی آنکھیں چمکیں۔ ''اس ماہر فرید کا تعلق یو کے سے ہے۔ پہلے میں نے سرچ کیا تھا تو بہت سے ملکوں کے ماہر فرید نظر آئے تھے۔ لیکن جب میں نے یو کے لکھ کے سرچ کیا تو مجھے ایک پرانی فیس بک پوسٹ ملی۔'' وہ اسے وہ بتا رہی تھی جو وہ پہلے سے جانتا تھا۔ پھر بھی ضبط کیے سنے گیا۔

''اس کے مطابق ماہر فرید ایک سائیکو پیتھ ہے جس کے ماں باپ نے خود اس کو کسی ذہنی امراض کے ہسپتال میں داخل کروایا تھا۔ لیکن پھر کسی طرح اس نے خود کو وہاں سے نکلوا لیا اور اپنے باپ کے کار کریش میں مر جانے کے بعد وہ اس کے تمام اثاثوں کا مالک بن بیٹھا۔ وہاں کوئی کہہ رہا تھا کہ شاید اس نے اپنے باپ کو خود قتل کیا ہو۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''کتنے عجیب لوگ ہوتے ہیں دنیا میں۔ میری ماں کو ذرا سی بیماری ہے اور میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے اور

لوگ پیسے کے لیے اپنے باپ کو مار بھی سکتے ہیں۔'' وہ واقعی افسوس سے کہہ رہی تھی۔

کیف کے حلق میں کانٹے اُگ آئے۔ ''سائیکو پیتھ ایسے ہی ہوتے ہیں۔'' پھر اس نے غور سے کشمالہ کو دیکھا۔ ''کیا واقعی آپ کسی ماہر فرید کو نہیں جانتیں؟''

''نہیں کیف۔ میں نہیں جانتی۔ لیکن ایک بات ہے۔ یہ آدمی جو پتہ نہیں کیوں میرے پیچھے پڑا ہے' یہ اکیلا کام نہیں کر رہا۔ اس نے اپنے ہرکارے چھوڑ رکھے ہیں۔ جیسے وہ لفٹ والا آدمی۔''

''یعنی اس سائیکو پیتھ نے....'' پھر سے بہت سا تھوک حلق سے نیچے اتارا۔ ''کچھ لوگوں کو اپنے پے رول پہ رکھا ہوا ہے آپ کو تعاقب کرنے کے لیے۔''

''ایسا ہی لگتا ہے۔ اور پتہ ہے کیا۔ یہ لوگ جو اس کے لیے کام کر رہے ہیں' یہ اس سائیکو پیتھ سے بدتر ہیں کیونکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کیا ہے لیکن صرف اس کی دولت کی وجہ سے وہ اس کے ساتھ ہیں۔'' وہ جو کچھ رات سے سوچ رہی تھی' اس سب کو ایک سانس میں باہر نکال دیا۔ پھر جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

''سوری تم کچھ کہہ رہے تھے۔'' تب خیال آیا کہ کیف نے کسی بات کا آغاز کیا تھا۔

''نہیں۔ کچھ نہیں۔'' اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

''میں تھک گیا ہوں۔ کچھ دیر کے لیے کمرے میں جا رہا ہوں۔'' اس سے نگاہ ملائے بغیر وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسے کیا ہوا؟ یہ تو کافی بنانے جا رہا تھا۔ اس نے تعجب سے کیف کو جاتے دیکھا۔ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

وہ مزید اس بارے میں سوچتی مگر اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ زیاد سلطان کا ایک اور میسج ریسیو ہوا تھا۔ اس نے پچھلا میسج ابھی کھولا نہیں تھا۔ نوٹیفکیشن سے پڑھا تھا۔ کیونکہ وہ تب تک یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ کیا وہ زیاد سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

''شیور۔ آپ مجھے رات آٹھ بجے سے پہلے تک کسی بھی وقت کال کر سکتے ہیں۔'' اس نے مسکرا کے میسج ٹائپ کیا۔

سیڑھیاں اترتے کیف کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ نیچے کمرے میں آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ فرش پہ ایک سادہ میٹرس رکھا تھا۔ ایک طرف الماری تھی اور دوسری جانب کولر لگا

تھا۔ کیف میٹرس پہ بیٹھا اور کتنی ہی دیر سامنے والی دیوار کو دیکھے گیا۔

پھر اس نے موبائل نکالا اور وائٹ ہیئر کو کال ملائی۔

''میں یہ جاب کرتا رہوں گا۔ میں اسے سچ نہیں بتاؤں گا۔ بے فکر رہو۔''

''ارے واہ۔ ایک دم اتنی تبدیلی کیسے؟''

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔ میں اسے پہلے ہی دھوکہ دے چکا ہوں اور وہ جلد یا بدیر مجھ سے نفرت ہی کرے گی۔ اس لیے مجھے جلد از جلد اپنا کام مکمل کر کے یہاں سے نکلنا ہے۔'' وہ تلخی سے دبی دبی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

''اچھا مجھے ایک کاغذ ملا ہے کشمالہ کے گھر سے۔ اس کی تصویر بھیج رہا ہوں۔ اس کا کیا کرنا ہے؟'' وہ میکانکی انداز میں بتا رہا تھا۔ کسی روبوٹ کی طرح۔ کسی کارپوریٹ جاسوس کی طرح۔

''تم نے کشمالہ کو بتایا اس کاغذ کے بارے میں؟''

''نہیں۔ میں کشمالہ مبین کے لیے کام نہیں کرتا۔ میں ایک خودغرض انسان ہوں اور میں صرف ایک آدمی کے لیے کام کرتا ہوں۔ اور وہ ہے ماہر فرید۔'' اس کے انداز میں خود اپنے لیے ناپسندیدگی تھی۔

وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی اور ایک وقت آئے گا جب وہ اس سے نفرت کرے گی۔ اسے ابھی سے خود کو اس وقت کے لیے تیار کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح وہ اٹھی تو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ موبائل چیک کیا اور زیاد کی چیٹ دیکھی تو مسکرا دی۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ شام میں اسے کال کرے گا۔ زیاد کو اس سے کیا کام ہو سکتا تھا؟ وہ یہی سوچتے ہوئے سنگھار میز کے سامنے آئی اور آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ پھر دائیں بائیں چہرہ گھمایا۔ کوئی پمپل نہیں تھا۔ گڈ۔

بال جوڑے میں لپیٹتی وہ لاؤنج میں آئی تو ماں تخت پہ بیٹھی بھنڈیاں کاٹ رہی تھیں۔ ایک ٹانگ موڑے۔ دوسری سیدھی لمبی کیے۔ درمیان میں پرات رکھے۔ سفید چکن کا دوپٹہ ہمیشہ کی طرح سر پہ لے کر کانوں کے پیچھے اڑس رکھا تھا۔ چہرہ اٹھا کے اسے آتے دیکھا تو فوراً فکرمندی سے بولیں۔

''افطاری کی تیاری نہیں کرنی؟''

وہ جو آج بہتر محسوس کر رہی تھی' ایک دم بجھ سی گئی۔ ماں پھر سے بھولنے لگی تھیں۔

''ماں... ابھی صبح کے دس بجے ہیں۔ اور رمضان آنے میں ابھی چھے دن ہیں۔''

وہ ان کے ساتھ تخت پہ لیٹ گئی۔ گاؤ تکیہ پہ سر رکھ لیا اور پہلو کے بل کروٹ لے لی۔ پھر دو انگلیوں سے وہ ماں کی کلائیوں میں موجود سونے کی چوڑیوں کو چھیڑنے لگی۔

ماں نے اس بات کو جیسے سنا ہی نہیں۔ سر جھکائے بھنڈی کا سر قلم کرتے ہوئے بولیں۔

''ماہی سے کہو اٹھ جائے۔ کب تک سوتی رہے گی۔''

''ماہی کہاں ہوتی ہے ماں؟'' تحمل سے یاد دلایا۔ وہ بار بار ماں کو بھول جانے والی اشیاء یاد دلاتی تھی تاکہ ان کا ذہن خود سے کام کرنے کا عادی رہے۔

''ہیں؟'' ماں نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ تھوڑا سا سوچا۔

''یاد کریں... ماہی کہاں ہوتی ہے؟'' انگلی چوڑیوں کے اوپر سے گزاری۔ سونا سونے سے ٹکرایا۔ چھن چھن کی آواز آئی۔

''کینیڈا کے صوبے برٹش کولمبیا میں۔'' ماں نے سبق کی طرح دہرایا۔

''برٹش کولمبیا کے کس شہر میں؟'' تین چوڑیاں ایک طرف کیں اور تین ایک طرف۔ درمیان میں گیپ آ گیا۔

''چلی ویک میں۔'' ماں کا سبق مکمل ہوا۔

مالا انگلی سے چوڑیوں کو باری باری ساتھ ساتھ کرنے لگی۔ ماں نے ایک دم سے بازو اٹھا کے اپنا موبائل اٹھایا تو ساری چوڑیاں پھسل گئیں۔

''معید نے کھانا کھایا؟'' انہیں یاد آیا۔ ساتھ ہی معید کو کال ملانے لگیں۔ آج کل وہ ہر گھنٹے بعد معید کو کال کرتی تھیں۔

''ماں معید بچہ نہیں ہے۔ کھالے گا جب بھوک لگے گی۔ ریلیکس۔'' ان کے چہرے پہ نرمی سے ہاتھ پھیرا۔ پتہ نہیں یہ ماؤں کا کیا معاملہ ہوتا ہے بچوں کے کھانے کو لے کر۔ شاید وہ تب تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے گی جب تک اس کے اپنے بچے نہیں ہوں گے۔ شاید تب تک کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا۔

معید نے کال نہیں اٹھائی تو ماں نے فون رکھ دیا۔ تب ہی وہ دوبارہ بجنے لگا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔

ماں نے کال اٹھائی تو نگینہ آنٹی تھیں۔ ماں اسپیکر آن کر کے سنتی تھیں۔ فون ساتھ رکھ دیا اور سبزی کاٹتے ہوئے بات کرنے لگیں۔ ''کیسی ہیں نگینہ بھابھی؟''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

وہ اسی طرح ان کے ساتھ لیٹی رہی۔ چوکنی سی۔ کہیں ماں کچھ الٹا سیدھا نہ بول دیں اور خاندان میں مشہور ہو جائے کہ حورِ جہاں کو کوئی ذہنی مسئلہ ہے۔

''حورے بھابھی... سچ کہوں تو مجھے آپ کی بیٹی کشمالہ بہت پسند آئی۔''

اس کارواں رواں کان بن گیا۔ سانس وہیں ٹھہر گیا۔

''میرے بیٹے نے تو بس اپنی منگیتر کی موت کا غم سینے سے لگا لیا تھا۔ شادی کی بات پہ گم صم ہو جاتا تھا۔ مگر کل جب میں نے اس سے کشمالہ کا ذکر کیا تو پہلی دفعہ اس نے مجھ سے سوچنے کے لیے وقت مانگا۔''

وہ زیرِ لب مسکرا کے چھت کو دیکھنے لگی۔ (تو زیاد صاحب کو یہ کام تھا مجھ سے۔)

''میرے بس میں ہو تو میں ابھی کشمالہ کا رشتہ لینے آپ کے پاس آ جاؤں لیکن زیاد بار بار کہتا ہے کہ میری اور کشمالہ کی زندگی بہت مختلف ہے۔ کشمالہ راضی ہی نہیں ہو گی۔ خیر ہو گا تو وہی جو نصیب میں لکھا ہے۔ لیکن میں تو بہت خوش ہوں۔ پہلی دفعہ اس نے اتنے عرصے بعد اس پہلو پہ سوچنا شروع کیا ہے۔''

نگینہ آنٹی ہر ماں کی طرح اتنے پہ ہی خوش تھیں۔

کشمالہ کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ وہ اب بغور ماں کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ ہوں ہوں کر کے سن رہی تھیں۔ اسے احساس ہوا ماں کے ذہن میں بات رجسٹر نہیں ہو رہی۔ دورمیان میں معید کی کال آنے لگی تو ماں نے کال کاٹ کے اس کی کال اٹھا لی۔

یہ بھی ایک نشانی تھی۔ ایک دم سے گفتگو ختم کر دینا۔ یہ نارمل نہیں تھا۔ ان کو کسی نیورولوجسٹ کو دکھانے کی ضرورت تھی کہ ان کا ذہن کیوں ٹھیک سے کام نہیں کر رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام کیف بیسمنٹ میں اپنے کمرے کے میٹرس پہ بیٹھا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے اسکیچ بک پہ پنسل رگڑتا وہ کچھ بنا رہا تھا۔ بار بار چند لکیریں کھینچتا۔ پھر صفحہ پھاڑ کے مروڑ دیتا اور اسے دور اچھال دیتا۔ اس کا موڈ خراب لگتا تھا۔ عجیب بے چینی سی بے چینی تھی۔ تبھی سلیم دروازہ کھٹکھٹائے بغیر اندر داخل ہوا۔ کیف نے فوراً سے اسکیچ بک بند کر دی۔

''دستک تو دے دیا کرو یار۔''

مگر سلیم کا چہرہ ایکسائٹمنٹ سے سرشار تھا۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھی اور وہیں

مینرس پہ بیٹھ گیا۔

"پتہ ہے وہ جو مالا باجی کی دبئی سے آنٹی آئی ہیں نا... نگینہ آنٹی... ان کے بیٹے کو مالا باجی پسند آئی ہیں۔ امی کہہ رہی تھی لگتا ہے رشتہ ہو جائے گا دونوں کا جلد۔"

ملازمین کو ایسی باتیں کوئی نہیں بتاتا۔ وہ گھر کے ہر کونے میں موجود ہوتے ہیں۔ سوائے کام کا حکم سننے کے وہ ہر شے سنتے اور جذب کرتے جاتے ہیں۔ اور پھر آپس میں ڈسکس کرتے ہیں۔ ان کے مالک ان کی بہترین گوسپ ہوتے ہیں۔

وہ چونک گیا۔ کمر سیدھی کی۔ "نام کیا ہے ان کے بیٹے کا؟"

"زید۔" سلیم نے دانت نکالے۔ اس تک خبر پہنچتے پہنچتے زیاد کا نام زید بن گیا تھا۔

اچھا۔ وہ زیاد۔ ٹال اور ڈارک۔ وہ خاموش ہو گیا۔ چہرے کے زاویے عجیب سے ہو گئے۔ اسکیچ بک بیگ میں رکھ دی۔ اور لیپ ٹاپ اٹھا لیا۔

سلیم نے للچاتی نظروں سے اس کے لیپ ٹاپ کو دیکھا اور قریب ہو کے سرگوشی کی۔

"کوئی فلم دیکھیں۔"

"سینما کھول رکھا ہے یہاں میں نے؟ جاؤ اپنا کام کرو۔" وہ ڈپٹ کے بولا۔ سلیم گڑبڑا کے پیچھے ہوا۔ پھر آنکھوں میں برہمی دوڑ گئی۔ ہونہہ کر کے اٹھا اور وہاں سے نکل گیا۔

کیف کچھ دیر لیپ ٹاپ پہ یونہی چند ٹیب کھولے بیٹھا رہا۔ پھر اسے بند کیا اور اسکیچ بک اٹھائے باہر آ گیا۔ ابھی عصر قضا نہیں ہوئی تھی۔ خوبصورت سی شام ہر سو پھیلی تھی۔ وہ گارڈ چیئر پہ بیٹھا اور گردن اوپر اٹھائی تو دیکھا' کشمالہ اوپر ٹیرس پہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے بوگن ویلیا کے جامنی پھولوں کے رنگ جیسا لباس پہن رکھا تھا اور بال آدھے کیچر میں بندھے تھے۔ ہوا سے ایک لٹ بار بار گال تک آتی جسے وہ مسکرا کے پیچھے کرتی۔ ہینڈز فری کانوں میں لگائے وہ کسی سے بات کر رہی تھی۔ اس کی آواز یہاں تک نہیں آتی تھی۔

کیف نے موبائل نکالا اور چہرہ جھکا کے وائٹ ہیئر کی چیٹ میں ٹائپ کرنے لگا۔

"ایک آدمی ہے زیاد سلطان۔ دبئی سے آیا ہے۔ وہ کشمالہ مبین میں انٹرسٹڈ ہے۔ شاید شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بارے میں پتہ کرواؤ کہ یہ کون ہے۔ کہیں یہ ہمارے لیے کوئی مسئلہ تو نہیں بنے گا؟" میسج بھیج کے اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ اسکیچ بک کھول لی۔ جب طے تھا کہ وہ اس کی زندگی سے نفرت کے ساتھ دور چلا

جائے گا تو کیا ضرورت تھی اپنا موڈ خراب کرنے کی؟ زیاد سلطان ہو یا کوئی اور۔ وہ جلد یا بدیر کسی اچھے انسان سے شادی کر لے گی جو اس کی زندگی میں دیانت داری کے ساتھ داخل ہو گا۔ اسے اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

یہ سوچنا آسان تھا۔ کرنا مشکل۔ مالا کی ماں نے درست کہا تھا۔ ہر انسان اس دنیا کا سفر کرتے ہوئے اپنے زوج کو تلاش کر رہا ہے۔ لیکن سب کی تلاش کامیاب نہیں ہوتی۔

اس نے ایک اور صفحہ پھاڑ کے جھنجھلاہٹ کے ساتھ مروڑ دیا۔ زیاد کا نام جب سے سنا تھا' سارا موڈ برباد ہو گیا تھا۔

''زیاد کی کال آئی؟'' اوپر ٹیرس پہ بیٹھی مالا کے کانوں میں لگے ہینڈز فری میں ماہی پوچھ رہی تھی۔ اس نے نفی میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔

''ابھی تک تو نہیں۔''

''تم انتظار کر رہی ہو؟''

ظاہر ہے مجھے سسپنس ہے۔ اب وہ دوسرا جملہ پھینک بھی دے۔''

''پتہ ہے کیا مالا....'' ماہی سوچ میں ڈوبی کہہ رہی تھی۔ ''مجھے زیاد جیسا آدمی تمہاری ٹائپ کا نہیں لگا کبھی۔ تمہیں ہمیشہ سے کسی اور طرح کا بندہ چاہیے تھا۔''

''اچھا؟'' وہ ہنس دی۔ ''مثلاً کیسا؟''

''میں زیاد کو زیادہ نہیں جانتی۔ بس جتنا اسے سوشل میڈیا پہ فالو کیا ہے' اس سے مجھے وہ کافی سنجیدہ سا لگتا ہے۔''

زیاد سلطان اس وقت اپنے لاہور والے گھر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا۔ میز پہ کتابیں پھیلائے' وہ لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔ کافی کا بھاپ اڑاتا مگ ساتھ رکھا تھا۔ آنکھوں پہ ریڈ ٹنگ گلاسز لگائے ہوئے تھا۔ بال جیل لگا کے سیٹ کر رکھے تھے۔ سیاہ پینٹ پہ نیلی پولو شرٹ پہنے وہ کام میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔

''ہر وقت کام میں گم رہنے والا....''

دفعتاً زیاد کی انگلیاں تھمیں۔ اس نے گردن گھما کے اپنے موبائل کی بجھی ہوئی سیاہ اسکرین کو دیکھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ چند لمحے وہ سوچتا رہا۔

''وہ رائٹر ہے اور گہری فلسفیانہ کتابیں پڑھتا رہتا ہے....''

زیاد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد موبائل اٹھا لیا اور گلاسز اتار کے سائیڈ پہ رکھ دیں۔ پھر پیچھے کو ٹیک لگا لی۔ اس

کے آس پاس کمرے کی دیواروں پہ اونچے بک شیلف دکھائی دے رہے تھے جو بے تحاشا کتابوں سے بھرے تھے۔

''وہ بے باک اور کیئر فری سا نہیں ہے۔ بلکہ دھیمے مزاج کا سوچ سمجھ کے بولنے والا لگتا ہے۔''

کشمالہ کے نام کی چیٹ کھول کے وہ چند لمحے سوچتا رہا۔ بار بار کال بٹن کی طرف انگلی بڑھاتا پھر رک جاتا۔ اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتا جہاں شام کی مدھم روشنی میں نیم منور سا لان دکھائی دے رہا تھا۔

''گہری باتیں کرنے والا... سادہ سا انسان...''

اس نے ایک میسج لکھا اور سینڈ کا بٹن دبا دیا۔ بس ایک فقرہ۔ لمبی چوڑی بناوٹی تمہید کے بغیر۔

''وہ عمر میں تم سے ایک دو سال ہی بڑا ہوگا۔ مگر وہ تمہارے مقابلے میں زیادہ ہی سنجیدہ لگتا ہے مجھے۔''

فون رکھ کے زیاد نے ریڈنگ گلاسز دوبارہ سے پہن لیں اور زیرِ لب مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''وہ ایک اچھی جاب کرتا ہے۔ تم لکھتا بھی ہے۔ یعنی جاب اور شوق کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے والا بیلنس قسم کا آدمی ہے۔''

زیاد ٹائپ کرتے ہوئے گاہے بگاہے ایک نظر بجھے ہوئے موبائل پہ ڈال لیتا جیسے اسے کشمالہ کے جواب کا انتظار تھا۔

''اپنی پوسٹس اور اسٹیٹس اپ ڈیٹس سے وہ مجھے کوئی رومانٹک انسان نہیں لگتا۔ پریکٹیکل سا لگتا ہے۔ حقیقت پسندی سے ہر چیز کا جائزہ لینے والا۔''

''جیسے تم لیتی ہو۔''

''میرا رشتہ نہیں ہو رہا یہاں۔ ہم تمہاری بات کر رہے ہیں۔'' وہ برا مان گئی۔ مالا ہنس دی۔

''ہاں مجھے بھی زیادہ سنجیدہ اور پریکٹیکل سا لگا۔ لیکن تم نے یہ کیوں کہا کہ وہ میری ٹائپ نہیں ہے؟ میں بھی سنجیدہ اور پریکٹیکل ہوں۔'' وہ انگلی پہ لٹ مروڑتے ہوئے نیچے نظر آتے لان کو دیکھتے ہوئے الجھی ہوئی سی کہہ رہی تھی۔ کیا ماہی مالا کو مالا سے زیادہ جانتی تھی؟

''نہیں مالا۔ تم ambitious ہو۔ تم ایک جگہ رک کے نہیں رہ سکتیں۔ تمہیں آگے بڑھنے اور اونچے خواب دیکھنے کا شوق ہے۔''

کشمالہ کی نظر نیچے گیٹ کے ساتھ کرسی پہ بیٹھے کیف پہ پڑی۔ اس کے ابرو نا گواری سے تنے تھے۔ وہ ٹانگ پہ

ٹانگ جمائے بیٹھا اسکیچ بک گھٹنے پر رکھے اس پہ تیز تیز پنسل چلا رہا تھا۔

"تمہیں ایسے مرد پسند ہیں جن کے اندر grow کرنے کا جذبہ ہو۔ ایسے مرد جو ٹھہرے پانی کی طرح ایک لگا بندھا سا کام نہ کرتے رہیں۔"

کیف گردن ترچھی کیے مینسل کو دو انگلیوں میں پکڑے ایک خاص زاویے پہ رکھ کے چلا رہا تھا۔ پھر رک گیا۔ مایوسی سے نفی میں سر ہلایا اور زچ انداز میں صفحہ پھاڑ دیا۔

"تمہیں ایسا انسان چاہیے جو نا کام یاب نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے کیریئر میں ترقی کر رہا ہو۔"

کیف نے تھک کے اس پھٹے ہوئے صفحے کو دیکھا۔ پھر اسے مروڑ کے میز پہ اچھال دیا۔ وہ شدید مضطرب نظر آتا تھا۔

"یہ نہیں ہے کہ تمہیں کوئی امیر کبیر بندہ چاہیے۔ او نہوں۔ چاہے وہ چند ہزار بھی کماتا ہو لیکن وہ کام کرتا ہو۔ اس کا کچھ اپنا ہو۔ کوئی کام۔ کوئی شوق۔"

کیف اب گردن دوسری طرف ترچھی کیے نئے صفحے پہ اوپر نیچے لکیریں کھینچ رہا تھا۔

"ایسا آدمی جو فوکسڈ ہو۔ وہ فضول مشغلوں میں اپنا وقت نہ ضائع کرے۔ وہ دیکھنے میں بھی اچھا ہو۔ لیکن اس سے زیادہ اس کے میز ر اچھے ہوں۔ لاپرواہ اور بے ترتیب سا نہ ہو۔ اٹھنے بیٹھنے کا ڈھنگ آتا ہو۔"

کیف کا فون بجنے لگا تو اس نے اسکیچ بک پرے ڈال دی۔ پیچھے ٹیک لگا لی اور ٹانگیں لمبی کر کے میز پہ ایک دوسرے کے اوپر رکھ دیں۔ پھر فون کان سے لگا لیا اور بات کرنے لگا۔

"اور وہ صرف بک اسمارٹ نہ ہو۔ اسٹریٹ اسمارٹ بھی ہو۔ اور اس اسمارٹ نیس کو وہ اپنے کام کے لیے استعمال کرے۔ خود کو ضائع نہ کرے۔ تمہیں مالا کھڑے پانی جیسے مرد نہیں پسند۔ تمہیں ہر پل آگے بڑھنے والے مرد پسند ہیں۔"

"اور زیادہ میں یہ سب کچھ ہے۔" وہ مسکرا کے گردن اٹھائے اوپر سیاہ آسمان کو دیکھنے لگی۔

"ہاں اس میں یہ سب ہے لیکن.... وہ کچھ زیادہ ہی حقیقت پسند لگتا ہے مجھے اپنی باتوں سے۔ ایسے لوگ تھوڑے سے تلخ ہوتے ہیں۔"

"مگر سچے تو ہوتے ہیں نا۔ جھوٹے خوابوں میں تو نہیں رہتے۔ میرے پاس جتنے آپشنز ہیں زیادان میں سے بیسٹ ہے۔ اس کے علاوہ میرے اردگرد کوئی ایسا اسمارٹ، قابل اور گڈ لکنگ مرد ہے ہی نہیں۔"

''گڈ لکنگ سے یاد آیا' یہ تمہارا ڈرائیور کیسا ہے؟'' ماہی کی آواز میں تجسس سا ابھرا۔ ''بخت بی کہہ رہی تھیں شکل کا بہت اچھا ہے۔ بس زبان کافی لمبی ہے۔''

''شرم کرو۔ وہ میرا ڈرائیور ہے۔ اور تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ (آواز آہستہ کی) وہ میرا گارڈ بھی ہے۔''

ماہی نے افسوس سے گہری سانس لی۔ ''تم گارڈ کیوں ہائر کرتی ہو' مالا؟ جب تمہیں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہارے پیچھے کون پڑا ہوا ہے اور... اچھا چھوڑو۔'' ماہی نے بات پلٹی۔ جانتی تھی یہاں ان دونوں کی لڑائی ہو جانی تھی۔ ''یہ بتاؤ... تمہیں وہ کیسا لگتا ہے؟''

''ڈرائیور ہی لگتا ہے بس۔'' اس نے نیچے بیٹھے کیف کو دیکھا۔ وہ مدھم آواز میں کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اب وہ قدرے ریلیکس نظر آ رہا تھا۔

''ہاں لیکن وہ کوئی غریب' لاچار سا ملازم نہیں ہے۔ اچھے خاندان کا ہے۔ صفورا کا کزن ہے۔ پھر وہ تمہیں چھوڑ کے نہیں گیا۔ تمہارے لیے دوسرے شہر میں شفٹ ہو گیا ہے۔''

''کیا کہنا چاہ رہی ہو؟''

''یہی کہ مرد بہت سادہ ہوتے ہیں۔ اتنا تردد کسی عورت کے لیے وہ تب ہی کرتے ہیں جب یا تو انہیں مالی منافع نظر آئے یا ان کا کسی پہ دل آ جائے۔ کیف بے چارے کو لمبی چوڑی تنخواہ تو مل نہیں رہی تم سے۔ پھر وہ کیوں تمہارا گارڈ بنا ہوا ہے۔''

ماہی اور مالا کی ساری دنیا پہ شک کرنے کی عادت۔ اُف۔

''وہ صرف اپنی جاب کر رہا ہے۔ ویسے بھی میرا خیال ہے...'' اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا۔ ''اس کی زندگی میں کوئی لڑکی پہلے سے ہے۔ اسی سے فون پہ لگا رہتا ہے۔''

''اوہ یعنی تم اس کی کالز پہ نظر رکھتی ہو۔ سلیم کی کالز پہ تم نے کبھی نظر رکھی؟ وہ بھی تو ملازم ہے۔''

''ماہی یار کیا مسئلہ ہے۔ میں زیاد کی بات کر رہی ہوں اور تم کیف کو درمیان میں لے آئی ہو۔''

''کیونکہ تم زیاد کی بات اب کر رہی ہو۔ ہماری ہر ویڈیو کال میں تم آدھا وقت مجھے یہ بتاتی ہو کہ کیف کتنا اسمارٹ ہے اور تمہیں اس کے نئے بزنس کے فیل ہو جانے کی کتنی فکر ہے۔''

''میں تم سے بات ہی نہیں کر رہی۔'' اس نے خفگی سے فون بند کر دیا۔ پھر دیکھا' زیاد کا میسج آیا ہوا تھا۔ وہ اس سے کال کرنے کا پوچھ رہا تھا۔ ہاؤ ڈیئر یو۔ اس نے شیور لکھ کے میسج بھیجا تو فوراً سے زیاد کی کال آ گئی۔

''کیسی ہیں آپ' کشمالہ؟'' اپنا نام اس کی زبان سے بہت منفرد لگا۔ اور اچھا بھی۔ ''امید ہے میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا ہوگا۔''

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ ہلکے سے ہنس دی۔ ''آپ بتائیں۔ کوئی کام تھا آپ کو؟''

''جی۔ ایک کام تھا۔ سوچا آپ سے مشورہ لے لوں۔'' ذرا ٹھہر کے بولا۔ ''پہلے بھی آپ کے مشورے کی وجہ سے میں دوبارہ سے لکھنے لگا ہوں۔''

''چلیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا مشورہ آپ کے کام آیا۔'' وہ واقعی اس کے لیے خوش ہوئی تھی۔

''دراصل ہم آج کل یہاں میرے دادا کے گھر رہ رہے ہیں۔'' وہ بہت دھیما بولتا تھا۔ ٹھہر ٹھہر کے۔ ''میرے ابو بھی آئے ہوئے ہیں۔ اور سب رشتے دار امی ابو سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ گھر میں کافی رش ہوتا ہے۔ یہاں میں سکون سے کام نہیں کر سکتا۔ اب جتنے دن چھٹی پہ آیا ہوں' اتنے دن کام بھی تو کرنا ہے۔''

''آپ کسی کافی شاپ سے بھی کام کر سکتے ہیں۔''

''جی۔ لیکن کافی شاپس میں آپ ایک حد تک بیٹھ سکتے ہیں۔ وہاں شور بھی ہوتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا لاہور میں کوئی اچھی کوورکنگ اسپیس (co working space) تو ہوگی۔''

''جی لاہور میں ایسی بہت سی جگہیں کھل گئی ہیں۔ بلکہ میرے ایک کلاس فیلو نے گلبرگ میں اپنی پوری بلڈنگ بنائی ہے۔ اس میں جم بھی ہے اور ریستوران بھی۔''

''گریٹ۔ آپ مجھے وہ جگہ دکھا سکتی ہیں؟''

''شیور۔ میں ابھی عاصم سے بات کرتی ہوں۔''

''عاصم؟''

''وہی میرا کلاس فیلو جس نے اپنی کوورکنگ اسپیس بنا رکھی ہے۔''

''اوہ اوکے۔ مگر ایسے معاملات میں کسی کا ریفرنس ہونا بہتر ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو آپ ساتھ آ سکتی ہیں؟''

اس نے عام سے لہجے میں کہا۔ لیکن کشمالہ نے فون کان سے ہٹا کے دیکھا۔ کیا یہ مجھ سے ملنے کا بہانہ ہے؟

''میں چیک کر کے بتاتی ہوں۔''

ظاہر ہے یہ اس سے ملنے کا بہانہ تھا۔ وہ مسکرا کے عاصم کو کال ملانے لگی۔ عاصم ظہیر اور اس کا کلاس فیلو تھا۔ ایک

www.facebook.com/nemrahahmed

زمانے میں وہ شدید کمزور اور پڑھاکو ٹائپ لڑکا ہوتا تھا جو بہت شائے تھا۔ اور آج وہ ایک کامیاب انٹرپرونیئر تھا۔ اس نے تین ساڑھے تین سال پہلے ایک کوورکنگ اسپیس کی بنیاد رکھی تھی جو آج کامیابی سے چل رہی تھی۔ اس کے بزنس گریجویٹ کلاس فیلوز یا کامیاب تھے یا ناکام۔ ایک وہی تھی جو کامیاب ہو کے ناکام ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایسے دنوں میں سے ایک دن تھا جب ایک لمحے کے لیے دل کا موسم خوشگوار ہو جاتا۔ اور دوسرے ہی لمحے سارے مسائل یاد آنے پہ طبیعت مکدر ہو جاتی۔ باہر کا موسم بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔ ایک دم گرمی ہو جاتی اور ایک دم سیاہ بادل چھا کے سارے میں چھایا کر دیتے۔

کیف ساری رات جاگنے کے بعد فجر کے بعد تھوڑی دیر سونے اپنے کمرے میں گیا تھا۔ گھنٹہ بھر سویا اور پھر واپس باہر آ گیا۔ اپنی کافی بنائی (کہ کڑک چائے اس سے کوشش کے باوجود نہیں بنتی تھی) اور لیپ ٹاپ لیے گارڈ چیئر کی طرف آ گیا۔

آسمان گہرا نیلا تھا جب کیف نے لیپ ٹاپ کھولا۔ پھر وہ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے کام کیے گیا اور ساتھ ساتھ آسمان کی نیلاہٹ کم ہوتی گئی یہاں تک کہ سنہری افتاب نے سارے میں اجالا بکھیر دیا۔

کوئی گھنٹے بھر بعد اس نے ذرا سا ستانے کے لیے لیپ ٹاپ بند کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تسبیح ہاتھ میں پکڑے وہ یونہی گھر کی چار دیواری کا چکر لگانے لگا۔ عقاب جیسی آنکھیں اطراف کے گھروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ گیٹ کے قریب اس نے گردن اونچی کر کے باہر جھانکا۔ سب خاموش اور نارمل تھا۔

اور تبھی اس کی نگاہ گیٹ سے باہر گئی۔

ڈرائیوے پہ خون گرا تھا۔

کیف اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ پھر تیزی سے گیٹ کھولا مگر باہر نہیں نکلا۔ قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔ گیٹ کے ساتھ بھی خون پھیلا تھا۔ بڑے بڑے سرخ قطرے سڑک تک جاتے تھے۔ وہاں جا کے خون ختم ہو جاتا تھا۔ جو بھی تھا اس نے بڑی مہارت سے سڑک سے گیٹ تک خون پھینکا تھا۔

وہ خون پھلانگتا ہوا باہر نکلا اور بھاگتا ہوا سڑک تک آیا۔ پھر ایڑھیوں پہ چاروں طرف گھوما۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ آس پاس کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے جھنجھلا کے سڑک کی تارکول کو پیر سے ٹھڈا مارا۔ یہ کس نے کیا اور کب؟ وہ یہیں تھا۔ ساری رات۔ فجر کے بعد تھوڑی دیر کے لیے وہ سویا تھا۔ کیا یہ تب ہوا تھا؟

اس نے مڑ کے دیکھا۔ سارا گھر خاموش پڑا تھا۔ سلیم بھی سو رہا ہوگا۔ کسی کو علم نہیں تھا اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اسے خاموشی سے یہ جگہ صاف کرنی تھی۔ ہاں وہ کشمالہ مبین کے لیے کام نہیں کرتا تھا۔ لیکن وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

صبح دس بجے کے قریب جب کشمالہ تیار ہو کے باہر نکلی تو وہ کار کے ساتھ ٹیک لگائے ہشاش بشاش سا کھڑا تھا۔ ایک نظر کشمالہ کو دیکھا تو نگاہ وہیں ٹھہر سی گئی۔

وہ سر جھکائے پرس میں کچھ تلاش کرتی باہر نکل رہی تھی۔ اس کے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے اور چند لٹیں چہرے کے دائیں بائیں گر رہی تھیں۔ اس نے آج ہلکا فیروزی لباس پہن رکھا تھا اور پیروں میں سفید بلاک ہیلز تھیں۔ پرس کی زپ بند کرتے ہوئے اس نے چہرہ اوپر کیا تو سبز آنکھیں کیف کی طرف اٹھیں۔ اس نے کشمالہ کو کافی دن بعد ہلکے پھلکے میک اپ میں دیکھا تھا۔

''کہاں جانا ہے بی بی؟''

''نہیں۔ آج میں خود چلی جاؤں گی۔'' وہ ڈرائیونگ ڈور کے قریب آئی لیکن کیف نے ہاتھ ہینڈل پہ رکھ لیا۔ کشمالہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''آپ اکیلی نہیں جائیں گی۔ میں ساتھ جاؤں گا۔'' اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

''میں نے کہا نا آج ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے نرمی سے کہا لیکن ہاتھ نہیں ہٹایا۔

''آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے یا نہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں سورج تھا۔ کشمالہ کی آنکھیں دھوپ سے چھوٹی ہو گئیں۔

''ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ کیف دو قدم آگے آیا۔ دھوپ کا راستہ رک گیا۔ سورج اس کے پیچھے چھپ گیا۔ اب وہ سامنے تھا اور ارد گرد کوئی تپش نہ تھی۔ وہ چھاؤں میں تھی۔

''میں ساتھ جاؤں گا بی بی۔ آپ پیچھے بیٹھیں۔'' اس نے چابی کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ کشمالہ نے چابی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ واقعی اس کی زندگی آسان بنا دیتا تھا۔

''گلبرگ جانا ہے۔ ایک کوورکنگ اسپیس ہے وہاں ''کام کاج'' کے نام سے۔''

کیف ڈرائیو کرتا رہا اور وہ باہر دیکھتی رہی۔

لاہور عجیب شہر تھا۔ یہاں پنجاب کے بہت سے رنگ بکھرے تھے۔ اسلام آباد مختلف تھا۔ وہاں تین کلاسز تھیں۔

دو کلاسز امراء کی تھیں اور تیسری لوئر مڈل کلاس یعنی عام لوگوں کی۔ عام لوگوں کی کلاس ہر جگہ نظر نہیں آتی تھی۔ البتہ امراء کی دونوں کلاسز ہر طرف چھائی تھیں۔

ایک ایلیٹ کلاس شدید لبرل تھی اور دوسری ایلیٹ کلاس شدید مذہبی طبقے پہ مشتمل تھی جن میں اسکالرز اور پڑھے لکھے تبلیغی شامل تھے۔ یہ دونوں امیر کلاسز ایک ساتھ بڑی ہوئی تھیں۔ اسلام آباد ایک بہت چھوٹا شہر ہے۔ وہاں کی ایلیٹ میں کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی کا اسکول فیلو نکل آتا ہے۔ اسلام آباد کے ایلیٹ اسٹوڈنٹس عموماً ہائی اسکول سے امپورٹڈ ڈرگز' میتھ (آئس)' اکسٹاسی اور کینابیز پہ لگ جاتے ہیں۔ ان کے والدین ان کی ان عادات سے عموماً صرفِ نظر کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بچوں کو ایسے اسکولز میں اس لیے پڑھاتے ہیں تاکہ ان کے اسکول فیلوز کے والدین سے تعلقات بنا کے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔

لاہور ایسا نہیں تھا۔ یہاں بہت سی کلاسز تھیں۔ گو کہ اسلام آباد کی طرح لاہور میں بھی ایلیٹ دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک شدید مذہبی اور دوسرے شدید لبرل۔ لیکن یہاں کی ایلیٹ میں لبرل زیادہ تھے اور ان کے اسکولز بھی ویسے ہی تھے جیسے اسلام آباد کے۔

البتہ لاہور میں ایک بہت بڑا طبقہ دوسرے شہروں سے آنے والی فیملیز کا تھا جو اپنا معیارِ زندگی بہتر بنانے بڑے شہر آئے تھے۔ ان کی اکثریت کی گزشتہ نسل نے لاہور آتے ہی کیلبر کلچر کو اپنا لیا تھا کیونکہ وہ اپنے احساسِ کمتری دور کر کے لاہوریوں کے رنگ میں رنگنا چاہتے تھے سو انہوں نے اپنی اقدار سے پیچھا چھڑانا شروع کر دیا۔ ان کی وہ گزشتہ نسل اب بوڑھی ہو رہی تھی اور نئی آنے والی نسل ان سے کہیں زیادہ دین سے دور تھی۔ اس نئی نسل کی اکثریت اپنے والدین کے گاؤں' قصبے یا چھوٹے شہر کا نام لینے میں شرمندگی محسوس کرتی تھی۔ لاہور میں دو ہی تفریحیں تھیں۔ ریستوران اور شاپنگ مال اور نئی نسل بس انہی میں پڑی تھی۔

ایک اور طبقہ اسٹوڈنٹس کا تھا۔ ہاسٹلز میں مقیم اسٹوڈنٹس کا۔ ان میں سے بھی اکثریت لاہور سے باہر چھوٹے شہروں کی تھی۔ جب یہ شروع شروع میں لاہور آئے تھے تو لڑکے باجماعت نمازیں پڑھتے تھے' ان کی چھوٹی چھوٹی داڑھیاں ہوتی تھیں اور لڑکیوں کے سر پہ حجاب ہوتے تھے۔ پھر ان میں سے کچھ ہی تھے جو اپنی ویلیوز پہ قائم رہے۔ آہستہ آہستہ نمازیں مصروفیت میں کھو گئیں۔ داڑھیاں شیو ہو گئیں اور حجاب اتر گئے۔

لاہور میں پڑھنے والے اسٹوڈنٹس میں سے قریباً ساٹھ فیصد لڑکے لڑکیاں فائنل ائیر تک پہنچنے سے پہلے ہی سگریٹ اور ڈرگز پہ لگ جاتے ہیں اور ان کے چھوٹے شہروں میں مقیم ماں باپ اس امر سے ناواقف ہوتے

ہیں۔وہ ہر ماہ اپنے بچے کو ہاسٹل کے اخراجات کے لیے پیسے بھیجتے ہیں جن میں سے ایک بڑا حصہ ڈرگز پہ خرچ ہو جاتا ہے۔

لاہور آنے والے تمام اسٹوڈنٹس اپنی تعلیم مکمل نہیں کرتے۔ڈرگز پہ لگنے والے اکثر اسٹوڈنٹس درمیان میں ہی اپنا تعلیمی سلسلہ توڑ دیتے ہیں۔مگر بہت سے اسٹوڈنٹس نشے کی لت کے باوجود تعلیم مکمل کر لیتے ہیں۔ایسے میں وہ تمام گریجویٹ' چاہے وہ ڈرگز کرتے ہوں' چاہے نہ کرتے ہوں' چاہے وہ مذہبی ہوں' چاہے لبرل ہوں' پیسہ کمانے کے وقت ان سب کا ایک سا ہی حال ہوتا ہے۔

قسمت اور بخت سب سے زیادہ چلتا ہے اور پھر بات محنت اور قابلیت کی آتی ہے۔

کچھ گریجویٹس کو نوکری مل جاتی ہے اور کچھ کہیں سے پیسے جوڑ کے کاروبار شروع کر لیتے ہیں۔لیکن ایک بہت بڑا طبقہ بے روزگار نوجوانوں کا ہے جن کو کام نہیں ملتا۔کچھ نے پڑھائی مکمل کی تھی اور کچھ نے درمیان میں چھوڑ دی۔وہ نوکری کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور کاروبار کرنے کے لیے ان کے پاس اگر سرمایا ہے تو جگہ نہیں۔

یہ نوجوان نکمے یا سست نہیں ہوتے۔ان کے پاس بس اتنے وسائل نہیں ہوتے کہ یہ اپنے کام کو ترقی دیں۔ان میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس آئیڈیاز ہوتے ہیں اور انہوں نے اپنا چھوٹا موٹا کام شروع بھی کر رکھا ہوتا ہے۔کوئی آن لائن جاب کرتا ہے تو کوئی آن لائن بزنس۔ان سب کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس کام کرنے کے لیے جگہ نہیں ہوتی۔گھر میں کام کرنے سے سستی کا شکار رہتے ہیں مگر آفس بنانے کا سرمایہ نہیں ہوتا۔ایسے میں وہ اپنے کام کو ترقی کیسے دیں؟

ایسے لوگوں کے لیے ترقی یافتہ ممالک میں کوورکنگ اسپیسز (co working spaces) بنائی جاتی ہیں جہاں وہ کرایے پہ آفس فلور' سنگل آفس' یا ایک سنگل ڈیسک بھی لے سکتے ہیں اور وہاں سکون سے بیٹھ کے اپنا کام کر سکتے ہیں۔یہ کانسپٹ پاکستان میں چند برس پہلے متعارف ہوا تھا اور جیسے جیسے آن لائن کام بڑھتا جا رہا تھا' یہ کانسپٹ ترقی کرتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بھی اس وقت ایسی ہی ایک کوورکنگ اسپیس کی طرف جا رہی تھی جو اس کے کلاس فیلو عاصم نے بنائی تھی۔البتہ راستہ آسان نہ تھا۔درمیان میں کسی مذہبی جماعت کا جلوس تھا اور روڈ بلاک تھا۔تھوڑی دیر بعد کار رک گئی اور جب چند لمحے کے لیے آگے نہیں بڑھی تو کشمالہ نے جھنجھلا کے کیف کو دیکھا۔

''کسی دوسرے راستے سے لے جاؤ۔ مجھے وقت پہ وہاں پہنچنا ہے۔''

''تھوڑی سی تاخیر اس قابل نہیں ہوتی کہ انسان اپنا موڈ خراب کرے' کشمالہ بی بی۔ دس منٹ اوپر لگ جائیں گے لیکن راستہ کھل جائے گا۔''

وہ بے نیازی سے بولا۔ اس کے انداز میں ہمیشہ کچھ ہوتا تھا۔ جیسے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ اس بات سے بھی نہیں کہ وہ اس کی بے تکلفی کا برا مان جائے گی۔ اور نہ جانے کیوں وہ برا نہیں مانتی تھی۔ کیف کا انداز کبھی بھی غصہ دلانے والا نہیں ہوتا تھا۔

''اور ہاں .... میں نے سی سی ٹی وی کے لیے کہلوا دیا ہے۔ ہم آج مبین منزل کے تمام داخلی دروازوں پہ کیمرے لگوا رہے ہیں۔''

''ہاں وہ تو لگوانے تھے۔ لیکن خیریت۔ کچھ ہوا ہے کیا؟'' وہ چونکی۔

''کیا ہم کچھ ہونے کا انتظار کریں گے؟ میں آپ کا گارڈ ہوں' کشمالہ بی بی۔ یہ میری جاب ہے۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آج اس کا انداز قدرے مختلف تھا۔ جیسے وہ خود سے بہت کچھ طے کیے بیٹھا تھا۔

وہ خاموشی سے باہر دیکھنے لگی۔ کار ابھی تک رش میں پھنسی ہوئی تھی۔ دھوپ بھی تیز ہونے لگی تھی۔ اے سی کے باوجود اسے گھٹن ہونے لگی۔

''تمہارا بزنس پلان کیسا جا رہا ہے؟'' باہر دیکھتے ہوئے اس نے سرسری سا پوچھا۔ وہ چونکا۔ چہرے کی سنجیدہ لکیریں قدرے نرم پڑیں۔ گہری سانس اندر کھینچ کے خارج کی۔

''شاید میں نہیں کر پاؤں گا۔ ایک نقطے پہ ذہن stuck ہو گیا ہے۔ جو میں کرنا چاہتا ہوں' وہ دنیا کے لیے قابلِ قبول نہیں ہو گا۔ اور جو دنیا کے لیے قابلِ قبول ہے' اس کو کرنے کے لیے دل نہیں مانتا۔''

کشمالہ نے سوچتی نظروں سے اس کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔ پھر اسٹیئرنگ پہ جمے اس کے ہاتھوں کو۔ یہ نوجوان انتہائی ٹیلنٹڈ تھا' لیکن صرف اس لیے کہ اس کے پاس وسائل نہیں تھے' یہ آج تک ناکام تھا۔ اسے افسوس ہوا۔

''بتاؤ کہاں پھنسے ہوئے ہو۔ شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولی۔ کیف چند لمحے خاموش رہا۔

''بطور آرٹسٹ آپ کو رنگ کیوں اچھے لگتے ہیں؟'' وہ ونڈ اسکرین کے پار سڑک کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ اس سوال کا پس منظر نہیں سمجھ پائی لیکن اسے جواب دینا تھا۔

''کیونکہ رنگوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ ہر رنگ بات کرتا ہے۔''

ایک بچہ وائپر لیے آیا اور جلدی جلدی کار کی ونڈ اسکرین پہ سرف والا پانی اسپرے کرنے لگا اس سے پہلے کہ وہ لوگ منع کر دیں۔

''آپ کا فیورٹ رنگ کون سا ہے؟''

''سرخ۔''

جواب جتنی جلد آیا وہ چونکا۔ سیٹ بیلٹ کی وجہ سے اس نے بدقت گردن پوری موڑ کے کشمالہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ تعجب تھا۔ جیسے اس سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

''سرخ؟ کیوں؟'' کیف نے لہجے کو عام سا بنایا البتہ اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔

''کیونکہ سرخ رنگ گفتگو کرتا ہے۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ بچہ اب دوسری جانب سے آ کے ونڈ اسکرین کا بقایا حصہ صاف کر رہا تھا۔

''اور کیا کہتا ہے سرخ رنگ؟''

وہ سانس روکے سن رہا تھا۔

''سرخ کہتا ہے کہ مجھے یاد رکھو۔ یہ رنگ توجہ کھینچتا ہے۔ یہ تاریخ میں لکھا جاتا ہے۔ ریڈ رائڈنگ ہڈ کا چغہ کسی اور رنگ کا ہوتا تو یاد نہ رہتا۔ ریڈ شوز والی لڑکی کے جوتے سیاہ ہوتے تو بھول جاتے۔ لیکن ان کی رنگت کی سرخی نے انہیں یاد رکھوایا۔ سرخ خون کا رنگ ہے۔ اور آگ کا بھی۔ یہ لباس یا میک اپ میں ہو تو بتاتا ہے کہ اس کو کسی خاص موقع کی وجہ سے پہنا گیا ہے۔ جب آپ سرخ پہنتے ہیں تو آپ کے جانے کے بعد بھی آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔''

ٹریفک کا راستہ کھل گیا۔ کیف نے شیشہ نیچے کر کے بچے کو سو روپے کا نوٹ پکڑایا اور کار سست روی سے آگے بڑھا دی۔

''مگر بہت سے لوگ سرخ سے غیر آرام دہ بھی ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سرخ too much ہے۔ جسٹ ٹو مچ۔'' اس کی آواز میں تلخی تھی۔ چبھن تھی۔

''لوگوں کے لیے تو ہر چیز ٹو مچ ہوتی ہے۔ لوگوں کی سننے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ انسان کو وہی رنگ پہننا چاہیے جس کے لیے اس کا دل چاہے۔ لیکن تمہارے بزنس پلان کا اس سے کیا تعلق؟''

http://kitaabghar.com/nemrah.ahmed.official

''نہیں۔ بزنس کے لیے نہیں پوچھ رہا تھا۔ کسی کو کچھ گفٹ کرنا تھا۔ رنگ ڈیسائڈ نہیں ہو رہا تھا۔'' اس کا لہجہ بدل گیا۔ اب وہ عام لاابالی سے کیف کا لہجہ بن گیا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ سچ نہیں کہہ رہا لیکن کشمالہ ایسی باتیں نہیں کریدتی تھی۔ اسے کیا۔

وہ دونوں ایک ساتھ عاصم کے آفس میں داخل ہوئے۔ وہ دبلا پتلا سا پستہ قد نوجوان تھا۔ گلاسز لگاتا تھا۔ کشمالہ کو دیکھ کے گرمجوشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کیف کو دیکھ کے ٹھٹھکا۔ آنکھوں میں ناسمجھی بھرا سوال اترا۔

کیف اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کھڑکی تک آیا۔ باہر جھانکا۔ سڑک چند فلورز نیچے تھی۔ پھر باتھ روم تک گیا۔ دروازہ کھول کے اندر دیکھا۔ پھر دروازہ بند کیا۔ اور کشمالہ کی طرف مڑا۔

''آپ بیٹھیں۔ میں باہر ہوں۔'' سنجیدگی سے کہہ کے دروازے کی طرف بڑھا۔

''کشمالہ...'' عاصم حیرت سے ہنسا۔ ''تم نے باڈی گارڈ رکھ لیا ہے؟''

(اُف کیف) اس سے قبل کہ کشمالہ معذرتی انداز میں کچھ کہتی' کیف دروازے سے واپس آیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر گردن نیچی کر کے عاصم کو گھورا۔

''جی۔ رکھ لیا ہے۔ کوئی مسئلہ ہے کیا؟''

عاصم کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔ نو پرابلم۔ ہاؤ آر یو کشمالہ۔''

کیف اسے گھورتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ اچھا میرا کزن آنے والا ہوگا۔ تم نے اس کو اپنا بہترین کارنر آفس دکھانا ہے۔ ڈسکاؤنٹ بھی اور پروٹوکول بھی۔'' آنکھوں سے اشارہ کیا۔ وہ تھوڑی سی نروس تھی۔ زیاد سے اتنے دن بعد ملاقات ہو رہی تھی اور اسے نگینہ آنٹی کی کہی باتیں یاد تھیں۔

''سر جی آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں سمجھ گیا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ عاصم کے ساتھ مین لابی میں کھڑی تھی۔ دونوں کی نظریں لفٹ کے بند دروازوں پہ تھیں۔ زیاد چند منٹ لیٹ تھا۔ کوئی اور ہوتا تو وہ بہت برا مانتی کیونکہ وہ وقت پہ پہنچی تھی لیکن یہ زیاد تھا۔ یہ طے تھا کہ کشمالہ اس کی بات کا برا نہیں مان سکتی تھی۔

لفٹ کے دروازے ہمس کی آواز سے کھلے۔ چند افراد باہر نکلے۔ ان میں زیاد سلطان بھی تھا۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed

اس نے سن رکھا تھا کہ بعض لوگ کسی محفل میں آتے ہیں تو اپنی شخصیت کے سحر سے چراغوں میں روشنی نہیں رہنے دیتے۔ تمام نگاہیں ان کی طرف اٹھتی ہیں اور پھر واپس نہیں لوٹتیں۔ وہ بھی ایسا ہی تھا۔ وہ لفٹ سے نکلا اور دائیں بائیں چہرہ گھمایا۔ پھر سامنے دیکھا تو کشمالہ سے نظر ملی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ میں شناسائی بھی تھی اور ممنونیت بھی۔ وہ متوازن قدم اٹھاتا اس کی طرف آیا۔

وہ آج بھی ویسا ہی لگ رہا تھا۔ دراز قد اور ہینڈسم۔ اس نے خاکی پینٹ پہ آدھے آستین والی نیوی بلیو پولو شرٹ پہن رکھی تھی۔ گیلے بال ایک طرف کو جمائے' اس کے سانولے چہرے پہ تازہ شیو کی نیلاہٹ تھی۔ اس کی نظریں کشمالہ سے ملیں تو اسے لگا جیسے اس آدمی کی کمی تھی اس کی زندگی میں۔ وہ وہ سب کچھ تھا جو وہ نہیں تھی۔ وہ ایک ہی چیز کے دو حصے تھے جو برسوں سے دنیا کا سفر کرتے ایک دوسرے کو تلاش کر رہے تھے۔

''آپ کے آنے کا شکریہ کشمالہ۔'' اس کے قریب آ کے اسے دیکھتے ہوئے وہ ممنونیت سے بولا تھا۔ وہ کتنا دھیما اور شائستہ سا تھا۔ وہ نوپرابلم کہتے ہوئے تعارف کروانے لگی۔

''یہ عاصم ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا اس کے بارے میں۔''

''ہائے زیاد۔'' عاصم نے گرمجوشی سے ہاتھ بڑھایا۔ زیاد نے مسکرا کے اس سے ہاتھ ملا لیا۔

''اور میں کیف جمال ہوں۔''

کشمالہ چونک کے مڑی۔ اسے تو وہ بھول ہی گئی تھی۔ وہ ان سے تھوڑا فاصلہ رکھ کے ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ خود ہی آگے آیا اور ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کی چبھتی ہوئی نظریں زیاد سلطان کے اوپر جمی تھیں گویا اندر تک اتر رہی ہوں۔

زیاد نے اسی رسمی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ملایا اور شائستگی سے پوچھنے لگا۔

''آپ بھی یہاں کام کرتے ہیں؟''

وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ کوئی عجیب سا تناؤ ان کے درمیان حائل تھا۔

''نہیں۔ میں کشمالہ بی بی کے ساتھ ہوں۔'' اپنا ہاتھ علیحدہ کر کے کیف پیچھے ہوا۔ چہرہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''زیاد یہ کیف ہے۔ میرا ڈرائیور بھی اور اسسٹنٹ بھی۔''

کچھ تھا جو کشمالہ کو اچھا نہیں لگا تھا۔ چند لمحے پہلے تک کشمالہ اور زیاد ''دو'' تھے۔ ایک دوسرے کا گمشدہ حصہ۔ اسے دو کا تکون بننا اچھا نہیں لگا تھا۔

ڈرائیور کے لفظ پہ زیاد چونکا۔ پھر اس نے سر سے پیر تک ایک نظر کیف پہ ڈالی۔ کشمالہ جانتی تھی اس ایک نظر میں وہ کیف جمال کو اسکین کر رہا تھا۔

''اچھا لگا آپ سے مل کے' کیف۔'' زیاد نے اسی رسمی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی۔ کیف اب بھی نہیں مسکرایا۔ اسے گھورتے ہوئے دو قدم پیچھے ہو گیا۔

''ہم اوپر جا کے آفس دیکھتے ہیں۔ کیف تم یہیں رکو۔'' کشمالہ نے تحکم سے کہا (ساتھ ہی آنکھوں سے گھورا بھی) تو وہ وہیں رک گیا۔

عاصم انہیں لیے ایگزیکٹو لفٹ کی طرف آ گیا جہاں سے انہوں نے ٹاپ فلور پہ جانا تھا۔ وہ آگے چلنے لگا اور وہ دونوں اس کے پیچھے۔

''آنٹی کیسی ہیں؟'' زیاد اس کے کندھے کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے پرفیوم کی خوشبو ساری راہداری میں پھیل گئی تھی۔

''ٹھیک ہیں بس۔'' یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب دینے سے دل عجیب سا ہو جاتا تھا۔ کیا بتائے اور کتنا بتائے۔

''امی بتا رہی تھیں ان کی بات ہوئی تو آنٹی کچھ اچھا محسوس نہیں کر رہی تھیں۔'' وہ نرمی سے دھیما دھیما سا بولتا تھا۔ اتنا کہ اگر وہ شور میں بولے تو شاید کشمالہ کو آواز ہی نہ آئے۔

''وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' اس نے زیاد سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

وہ عمارت کے ٹاپ فلور میں داخل ہوئے تو وہاں گہما گہمی تھی۔ ایک طرف مغربی طرز کی کافی شاپ کے نقشے پہ کیفے ٹیریا بنا تھا۔ دوسری جانب جم کی طرف جاتا دروازہ تھا۔ ہر طرف روسٹ ہوئے کافی بینز کی خوشبو پھیلی تھی۔

''ہماری کو ورکنگ اسپیس میں مختلف طرح کے لوگ اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔'' عاصم ان کے آگے چلتا ہوا اپنی بلڈنگ کی خصوصیات بتا رہا تھا۔ ''آپ کو سارا دن کافی اور چائے فری ملے گی۔ جتنی چاہے آرڈر کریں۔''

''ایک ورکنگ شفٹ میں انسان کتنی کافی پی سکتا ہے؟ دو کپ؟ شاید تین کپ۔'' زیاد متاثر ہوئے بغیر بولا۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے قدم بڑھا رہا تھا۔

عاصم خاموش ہو گیا۔ پھر دوبارہ ہمت کی۔

''جم کی ایکسیس فری ہے۔ ہمارے پاس سوئمنگ پول بھی ہے۔ اس کے علاوہ میٹنگ رومز بھی ہیں۔ آپ کو کسی

سے ملنا ہو تو آپ اپنی مرضی کا میٹنگ روم بک کر سکتے ہیں۔ کانفرنس کے لیے ہم کانفرنس رومز بھی مہیا کرتے ہیں۔ ہماری ایپ پہ جا کے آپ چند گھنٹے کے نوٹس پہ کوئی بھی روم بک کر سکتے ہیں۔"

"نہیں مجھے کسی سے ملنا۔ تنہائی میں سکون سے بیٹھ کے کام کرنا ہے۔"

وہ طائرانہ نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ عاصم اب کے واقعی خاموش ہو گیا۔

پھر وہ انہیں سیڑھیوں کے ذریعے ٹاپ سے نچلے فلور پہ لے آیا۔ کارنر میں ایک گلاس ڈور کھلا تو سامنے چھوٹا سا آفس نظر آیا۔ کشمالہ نے اندر قدم رکھا تو آنکھوں میں ستائش ابھری۔

آفس کی دیواریں گرے تھیں جن پہ چند پینٹنگز آویزاں تھیں۔ ایک طرف سفید ورک ٹیبل اور ایگزیکٹو چیئر رکھی تھی۔ دوسری جانب کسی مہمان کو بٹھانے کے لیے کرسی رکھی تھی۔ دیوار پہ چند کیبنیٹس بنی تھیں اور دروازے کے مقابل دیوار پہ مستطیل کھڑکی نصب تھی۔

عاصم نے کھڑکی کے بلائنڈز اوپر کیے تو سورج کی روشنی نے سارے کمرے کو منور کر دیا۔

وہ ایک مغربی ممالک کے جیسا چھوٹا اور cozy سا آفس تھا۔

زیادہ آگے بڑھا اور کھڑکی سے نیچے جھانکنے لگا۔

"آپ کو صرف آفس کے ماہانہ چارجز پے کرنے ہوں گے۔ چائے کافی کے علاوہ اے سی اور انٹرنیٹ بھی فری ہے۔ جتنا چاہے استعمال کریں۔" عاصم فخر سے بتانے لگا۔ "اوقات کی بھی پابندی نہیں۔ بلڈنگ چوبیس گھنٹے کھلی ہوتی ہے۔ آپ جب چاہے آئیں۔ بلڈنگ میں داخلے کے لیے آپ کا ایک اسمارٹ کارڈ ہوگا، اس کو سوائپ کر کے آپ داخل ہوں گے۔ اور ہاں۔ آپ کے آفس کی چابی صرف آپ کے پاس ہوگی۔ پرائیوسی اور سیکیورٹی کا یہاں پورا خیال رکھا جاتا ہے۔"

کشمالہ مسکرا دی۔ عاصم نے کتنا اچھا سسٹم بنا رکھا تھا۔ وہ گلبرگ میں ایسی دو عمارتیں یونہی تو نہیں چلا رہا تھا۔ اسے واقعی عاصم پہ فخر ہوا۔

"پھر کیسا لگا آپ کو یہ آفس؟" عاصم نے کھنکھار کے پوچھا۔ زیادہ کھڑکی سے نیچے جھانک رہا تھا۔

"اس سائیڈ کا ویو کافی distasteful ہے۔ دیکھیں یہاں سے سڑک بھی ٹوٹی ہوئی ہے اور کچرے کے ڈرم نظر آتے ہیں۔"

"ہم سڑک کے اس حصے کا کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ تو انتظامیہ والوں کا مسئلہ ہے۔ یہ ہماری جگہ نہیں ہے نا۔"

''سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن اس دیوار نے آفس کی خوبصورتی خراب کر دی ہے۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب گردن اوپر نیچے گھما کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

کشمالہ کی مسکراہٹ مدھم پڑنے لگی۔ وہ خاموشی سے ایگزیکٹو چیئر پہ آ بیٹھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ اب وہ بغور زیاد کو آفس کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''دیواروں کے کونوں میں سیم بھی لگی ہوئی ہے۔ چند ہفتوں میں یہ پینٹ اکھڑنے لگے گا۔ آپ نے لائیٹنگ بھی کم رکھی ہے۔'' زیاد نے سوئچ بورڈ کے بٹن دبائے کہ شاید مزید بتیاں جل جائیں لیکن چھت کی اسپاٹ لائٹس بس اتنی ہی تھیں۔

''میں لکھاری آدمی ہوں عاصم۔ مجھے جگہ ایسی چاہیے تھی جو مجھے کری ایٹیویٹی میں مدد دے۔ نہ کہ مجھے گھٹا گھٹا سا محسوس کروائے۔ جیسے یہ دیواریں۔ یہ بہت ڈارک ہیں۔'' وہ مایوسی سے گردن اٹھائے اردگرد دیکھ رہا تھا۔ ''ویسے بھی ایسا نہیں ہے جو ذہن کو فریش کرے۔'' پھر عاصم کو دیکھا اور ہلکی سی مسکرایا۔ ''میں آپ کو سوچ کے بتاؤں گا۔ تھینکس۔''

عاصم کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں شکریہ ادا کیا اور ''میں کافی بھجواتا ہوں'' کہہ کے باہر چلا گیا۔

اب کے زیاد نے اسے دیکھا۔ فیروزی لباس والی لڑکی کرسی پہ بیٹھی بجھی بجھی لگ رہی تھی۔

''مجھے لگا آپ کو یہ جگہ پسند آئے گی۔''

''آپ گلٹی کیوں فیل کر رہی ہیں؟ اس میں آپ کا قصور نہیں ہے۔ اور پھر میں نے اس جگہ کو ریجیکٹ نہیں کیا۔ بس اتنا کہا ہے کہ سوچوں گا۔'' وہ کھڑکی سے ہٹا اور کشمالہ کے سامنے والی کرسی کھینچ کے بیٹھا۔

''میں اصل میں کچھ بہتر کی توقع کر رہا تھا۔ مگر ابھی عاصم کو اس بلڈنگ کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ خیر وقت کے ساتھ سیکھ جائے گا۔''

''مجھے یہ آفس آپ کی رائٹنگ کے لحاظ سے مناسب لگا تھا۔''

اس نے یہ نہیں کہا کہ اگر ماں بیمار نہ ہوتیں تو وہ یہی آفس لے لیتی اور اسی سے اپنے نئے کام کا آغاز کرتی۔ اسے تو یہ سارے مسائل نظر نہیں آئے تھے۔ کیوں؟ کیا وہ چیزوں کی گہرائی میں نہیں جاتی تھی؟

''آپ یہ جگہ پہلے دیکھ چکی تھیں؟''

''نہیں۔ میں نے آپ کے ساتھ ابھی دیکھی ہے۔''

''اور آپ نے پانچ منٹ میں اس کو لینے کا فیصلہ بھی کرلیا۔'' وہ مسکرایا۔ ''آپ کے بارے میں میں نے ایک اندازہ لگایا تھا کہ آپ دوسروں کو بہت جلد چانس دے دیتی ہیں۔ اعتبار بھی جلد کرلیتی ہیں۔ میں ایسے فیصلے نہیں کرتا۔ میں وقت لیتا ہوں اور سوچ سمجھ کے تمام زاویوں سے کسی چیز کو پرکھتا ہوں۔''

کچھ تھا جو دروازے کی درز سے رینگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور ان دونوں کے درمیان حائل ہوگیا۔ ایک بددلی کا احساس جس نے کچھ دیر پہلے کا جوش ٹھنڈا کردیا تھا۔

''میں وانجر پہ چلتی ہوں زیادہ۔'' کنٹرول چیئر پہ بیٹھی لڑکی نے کندھے اچکائے۔ ''اگر میری گٹ فیلنگ (gut feeling) یہ کہے کہ یہ کام درست ہے تو میں اسے کرلیتی ہوں۔''

''گٹ فیلنگ ہمیشہ درست نہیں ہوتی۔ مثلاً میرے آفس میں کچھ دن پہلے ایک لڑکی آئی۔'' وہ یاد کرکے بتانے لگا۔ ''وہاں دبئی میں۔ اس نے اپنے مالی مسائل کا ذکر اتنے اندوہناک انداز میں کیا کہ میں متاثر ہوگیا اور شاید میں اسے جاب دے دیتا لیکن پھر میں نے سوچنے کے لیے وقت لیا۔ بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے حالات ایسے نہیں تھے جیسا نقشہ وہ کھینچ رہی تھی۔''

''میں ہوتی تو اس کے لیے آفس میں جگہ بنا دیتی اور اسی کو نوکری دے دیتی۔ کیونکہ میری ماں کہتی ہیں کہ جب ہم دوسروں کے لیے جگہ بناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ہماری زندگی کشادہ کرتا ہے۔'' اس کا انداز سنجیدہ تھا۔ کچھ تھا جو اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

سامنے بیٹھا زیاد مسکرایا۔ ''وہ میں دیکھ سکتا ہوں کہ آپ کیسے لوگوں کو جاب دے دیتی ہیں۔''

کشمالہ نے گہری سانس لی۔ اب کے وہ بولی تو انداز قدرے سخت تھا۔

''آپ کا اشارہ میرے ڈرائیور کی طرف ہے غالباً۔ وہ دیکھنے میں اچھا بھلا لگتا ہے لیکن ایسا ہے نہیں۔ اس نے ایک سال پہلے ایک کمپنی بنائی تھی جو فلاپ ہوگئی تھی اور وہ تب سے بے روزگار اور مقروض تھا۔ میری جاب سے اس کے قرضے نہیں اتریں گے۔ لیکن کم از کم وہ کسی قابل تو ہو جائے گا۔''

''آپ مہربان دل کی مالک ہیں۔ اسی لیے کسی نے آپ کے پاس آکے اپنی مالی مجبوریوں کا ذکر کیا اور آپ نے یقین کرلیا۔'' وہ مسکرایا۔ جیسے بڑا کسی بچے کی بات پہ مسکراتا ہے۔

''آپ میری جگہ ہوتے تو کیا ایسے نوجوان کو جاب نہ دیتے؟'' وہ کرسی پہ آگے ہوئی اور آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سننا چاہتی تھی کہ وہ آگے سے کیا کہتا ہے۔

''نہیں۔ میں اس نوجوان کو جاب بالکل نہ دیتا۔'' زیاد نے شانے اچکائے۔ ''کیونکہ میں دل سے نہیں دماغ سے فیصلہ کرتا ہوں۔ مثلاً آپ کا ڈرائیور کم اسسٹنٹ کہہ رہا ہے کہ اس کے اوپر ایک سال سے قرضے ہیں۔ انٹرسٹنگ۔ مگر آئی فون کا جو ماڈل اس کے ہاتھ میں تھا وہ ابھی ستمبر میں ریلیز ہوا ہے۔ ایک قرضوں کا شکار آدمی چھے ہزار درہم (تین لاکھ روپے) کا فون اٹھا کے نہیں گھومتا۔ نہ ہی وہ ٹامفورڈ کے جوتے پہنتا ہے۔''

سرمئی دیواروں والے آفس میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔

''میں اپنے اچھے برے کی پہچان کر سکتی ہوں۔ میرا ڈرائیور چاہے مہنگا فون اٹھائے' چاہے ڈیزائنر جوتے پہنے' اگر وہ میرا کام ٹھیک کر رہا ہے تو یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

''آپ برا مان گئیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' زیاد کے چہرے پہ معذرتی تاثر ابھرا۔ ''میں صرف ایک بات کہہ رہا تھا۔ کبھی کبھی کسی کی نصیحت سن لینی چاہیے' کشمالہ۔ یہ انسان کو بڑے نقصان سے بچا لیتی ہے۔''

زیاد سلطان کی گہرے مشاہدے کی وہ صلاحیت جو اسے اس دن متاثر کر گئی تھی' آج شدید بری لگی تھی۔

''میں چلتی ہوں۔ مجھے کہیں پہنچنا ہے۔ کیا آپ کو مزید یہاں کچھ دیکھنا ہے؟'' وہ گھڑی دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی سبز آنکھیں اب بے تاثر تھیں اور پیشانی پہ شکنیں تھیں۔

زیاد بھی کھڑا ہو گیا۔ ''نہیں۔ میں بھی چلتا ہوں۔ لیکن امید کرتا ہوں کہ ہم دوبارہ مل سکیں گے۔'' پھر وہ رکا نہیں۔ اس کافی کے لیے بھی نہیں جو عاصم بھجوانا بھول گیا تھا غالباً۔ سر کے خم سے اسے خدا حافظ کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔

کشمالہ نے اسے لفٹ کے دروازوں کے پیچھے گم ہوتے دیکھا تو واپس بیٹھ گئی۔ کہنیاں میز پہ بچھا دیں اور چہرہ ایک بازو پہ رکھ دیا۔ میز پہ گرد کی ہلکی سی تہہ تھی۔ اس نے اس پہ انگلی سے لکیر کھینچی۔

دستک پہ نظریں اٹھائیں۔ کیف چوکھٹ میں کھڑا تھا۔

''وہ ٹال اور ڈارک کہاں گیا؟''

''چلا گیا۔'' وہ میز کی سطح پہ لکیریں کھینچ رہی تھی۔

''آپ اپ سیٹ ہیں؟'' غور سے کشمالہ کا چہرہ دیکھا۔

''کچھ سوچ رہی ہوں۔'' وہ انگلی سے گرد پہ چند حروف لکھ رہی تھی۔ ایم اے ایل اے۔

''کیا؟'' وہ کھڑکی سے ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔ جوگرز کی قینچی بنالی۔ وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ ہمیشہ ایسے کھڑا

ہوتا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے۔ ایک جوتا دوسرے کے آگے رکھے۔

''کیف.... اس جگہ میں تمہیں کیا کیا خامیاں نظر آتی ہیں؟''

''بہت سی۔ گنواؤں؟''

کشمالہ نے تھک کے اسے دیکھا۔ وہ عاصم کی کامیابی پہ خوش تھی اور یہاں سب کو خامیاں نظر آتی تھیں۔

''کوورکنگ اسپیسز میں ڈیسک کے درمیان فاصلہ زیادہ ہونا چاہیے تاکہ ہر ورکر کو اپنی پرائیویسی ملے کیونکہ یہ اسپیسز ہمیشہ تب فلاپ ہوتی ہیں جب ورکرز خاموشی سے کام نہیں کر سکتے۔ لوگ یہاں جس سکون کی تلاش میں آتے ہیں ان کو وہ ملنا چاہیے ورنہ وہ گھر میں ہی نہ کام کر لیں۔'' وہ واقعی انگلیوں پہ گنوا رہا تھا۔ ''دوسرا تمام ہالز میں آرکیٹیکچر کی تھوڑی سی غلطی ہے۔ بہت سی جگہ ڈیکور میں ضائع کی گئی ہے بالخصوص کونے۔ وہاں بہت کوزی سے کارنرز بنائے جا سکتے تھے۔''

کشمالہ نے ایک نظر کھڑکی کو دیکھا، پھر لائٹنگ کو۔ پھر گرے دیواروں کو۔ کیف نے ان میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''اور؟''

''اور اس پوری بلڈنگ میں ایک چیز کی کمی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''پودوں کی۔ ہے نا۔''

وہ بھی ہلکا سا مسکرا دی۔ ساری بددلی اور کلفت دور ہونے لگی۔

''جیسا کہ آپ کہتی ہیں، کشمالہ بی بی ... رنگوں کی اپنی زبان ہوتی ہے۔ سبز رنگ تو پوری لغت ہے۔ یہ کری ایٹیویٹی کا رنگ ہے۔ یہ ذہن کو فریش کر کے اس میں نت نئے آئیڈیاز ڈالتا ہے۔ عاصم کو صرف ایک مشورہ دیں کہ بلڈنگ میں پودے اور سبز رنگ کا اضافہ کر دے۔''

''اور یہ آفس؟'' اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ ''یہ کیسا ہے؟''

''جنت ہے۔ لاہور میں کارنر آفس وہ بھی اس قیمت پہ کہاں ملتا ہے۔ میرے پاس پیسے ہوتے تو فوراً اس جگہ کو لے لیتا۔''

''تمہیں کم روشنی یا باہر کے منظر سے مسئلہ نہ ہوتا؟''

وہ ہنس دیا۔ گال کا گڑھا واضح ہوا۔ ''میں نے لیپ ٹاپ پہ سر جھکا کے کام کرنا ہے۔ سوئی میں دھاگہ نہیں

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

ڈالنا۔ اوپر سے چائے کافی فری ہے۔"

"ایک انسان دن میں دو تین کپ ہی پی سکتا ہے۔ کیا فائدہ۔"

"یہاں وہ لوگ آتے ہیں جنہیں خود کو روز بستر سے نکال کے کام پہ آنے کے لیے مجبور کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے لیے کام کرتے ہیں۔ ان کے سر پہ کوئی ڈنڈا نہیں ہوتا۔ ایسے میں کوورکنگ اسپیسز میں فری کافی اس لیے دی جاتی ہے تاکہ آپ کے پاس کام پہ آنے کا بہانہ ہو۔ لگژری کو انجوائے کرنے کا دل چاہے۔ ورنہ کوئی کافی یا چائے کا بھوکا نہیں ہوتا۔ اور آپ اتنی منفی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ دو چار آرکیٹیکچر کی غلطیاں تو ہر بلڈنگ میں ہوتی ہیں۔ مگر عاصم اس جگہ کو اچھا مینیج کر رہا ہے۔"

"کچھ نہیں۔ گھر چلو۔ ماں اکیلی ہوں گی۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ عاصم سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔ عجیب شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی۔ جاتے جاتے رک کے کیف کو دیکھا۔ پھر نظریں اس کے ہاتھوں میں پکڑے فون تک گئیں۔ اس کے جوتے یقیناً ریپلیکا (نقل) تھے لیکن فون اصلی تھا۔ اس نے پہلے نوٹ کیوں نہیں کیا۔

"تم تو کہہ رہے تھے تم پہ ایک سال سے قرضے ہیں۔ پھر آئی فون کا یہ نیا ماڈل کیسے خریدا؟"

کیف نہ گھبرایا۔ نہ پریشان ہوا۔ ہلکے سے شانے اچکا دیے۔

"میں نے کب کہا میں نے خریدا ہے۔ گفٹ ملا ہے۔"

"اتنے مہنگے گفٹ کون دے سکتا ہے؟"

"ایک لڑکی نے دیا تھا۔ امیر لڑکیاں مہنگے تحفے دیتی ہیں۔ سب آپ کی طرح نہیں ہوتیں جو صرف تنخواہ دیں۔ وہ بھی لیٹ۔"

کشمالہ نے گھور کے اسے دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔ اس کی ہیل کی آواز سارے کاریڈور میں گونجتی گئی۔ کیف نے سینے میں مقید سانس خارج کی' کوفت سے اس فون کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ وہ کتنا کچھ چھپائے گا اس سے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں نے اس ساری بات سے یہ نتیجہ نکالا ہے مالا کہ..." ماہی نے اس کا لمبا سا ٹیکسٹ پڑھنے کے بعد جواب لکھا تھا۔ "کہ تم اتنے دن بعد زیادہ سے ملیں اور تم نے کیف کی وجہ سے اس سے بحث کی۔"

"میں نے کیف کی وجہ سے اس سے بحث نہیں کی۔ وہ میری چوائس پہ مجھے شک میں مبتلا کر رہا تھا۔" وہ کار کی

پچھلی سیٹ پہ بیٹھی ٹھک ٹھک ٹائپ کر رہی تھی۔

''ہوسکتا ہے وہ آفس اس کے لیے مناسب نہ ہو۔ مالا اب وہ تمہارا دل رکھنے کے لیے تو اس آفس کو نہیں لے سکتا تھا نا۔ ویسے بھی وہ مجھے بہت خشک اور پریکٹیکل سا لگتا ہے۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ اس کا قصور ہے۔ لیکن اس کو کیف کے بارے میں ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔''

''پھر کیف۔ یار کون ہے یہ کیف؟ میں نے اس کو دیکھنا ہے۔ تمہاری ہر بات میں اس کیف کا ذکر ہوتا ہے۔''

''کیونکہ وہ آدھے سے زیادہ دن میرے ساتھ ہوتا ہے۔''

''مالا تم نے ظہیر کے ساتھ پانچ سال کام کیا۔ اور میں نے تمہارے منہ سے ظہیر کا ذکر پانچ دفعہ بھی نہیں سنا۔ سوائے اہم موقعوں کے۔ مگر کیف اسپیشل ہے۔''

''میں تم سے بات ہی نہیں کر رہی۔''

اور ماہی ہنس دی۔

''تمہارے اس دعوے کی ایکسپائری ڈیٹ پچھے گھنٹے سے زیادہ نہیں ہے۔'' وہ بھی مسکرا دی۔

اس کو گھرا تار کے وہ کچھ دیر کے لیے باہر چلا گیا۔ پچھلی اسٹریٹ میں ایک پارک بنا تھا۔ کیف سورج اور گرمی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہاں ایک بنچ پہ بیٹھا اور کال ملا کے فون کان سے لگایا۔ اس کے چہرے پہ بے چینی تھی۔

''زیاد سلطان کے بارے میں معلوم کیا؟''

''جیسے میرے پاس کرنے کے لیے اور کوئی کام نہیں ہے۔'' مالک تلخی سے بولا۔ پھر گہری سانس لی۔ ''ہاں معلوم کیا تھا۔ وہ کوئی رائٹر ہے۔ اور ایک اچھی جاب کرتا ہے۔ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ باپ شریف سا ہے۔ وہ بھی جاب کرتا ہے۔ ماں ہاؤس وائف ہے اور قرآن پڑھتی اور پڑھاتی ہے۔ نیک شریف ماں باپ ہیں۔ اور اس نوجوان کی ریپوٹیشن بھی اچھی ہے۔ کم گو اور نرڈ سا ہے۔ تمہیں اس سے کیا مسئلہ ہے۔''

''اس کو مجھ سے مسئلہ ہے۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔ یونہی لگتا ہے مجھے۔'' کیف ناپسندیدگی سے بولا۔

''میرا خیال ہے تم اسے پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ اس لڑکی میں انٹرسٹڈ ہے۔ اس لیے میں تمہیں ایک ریلیٹی چیک دیتا ہوں۔'' مالک کی سرد آواز میں استہزا تھا۔ ''تم کیف جمال ہو۔ ایک ناکام انسان جس کا نہ کوئی کیریئر ہے نہ کوئی سماجی حیثیت۔ تم کشمالہ مبین کے ڈرائیور اور گارڈ ہو۔ وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھے گی۔ تم اس کی جتنی حفاظت کر لو جس دن اس کو معلوم ہوا کہ تم اس کو کس طرح دھوکہ دیتے آئے ہو وہ تم سے نفرت کرے گی۔ تمہاری

اس کہانی کا الم ناک انجام ایسے ہی ہونا ہے۔ اس لیے اس کو یہیں ختم کر دو۔"

حقیقت ایسا زہر ہے جس کو پینے سے انسان مرتا نہیں ہے۔ بس وہ اس کے اندر کی ساری امید چوس جاتا ہے۔ وہ جو بار بار بھولنے لگتا تھا اسے ایک دفعہ پھر حقیقت یاد دلائی جا رہی تھی۔

(میں کیف جمال ہوں۔ ایک ناکام انسان جس کا کوئی کیریئر یا سماجی حیثیت نہیں ہے۔) اس نے خود سے دہرایا۔ کسی سبق کی طرح۔ اسے بار بار خود کو یہ یاد کروانا تھا کیونکہ وہ اسے ایسے ہی دیکھتی تھی۔

وہ گھر آئی تو ماں اپنے کمرے میں تھیں۔ اس نے جوتے لاؤنج میں ہی اتار دیے اور ننگے پیر چلتی ہوئی ماں کے کمرے کی طرف آئی۔ ماں نے اس کے آنے کی آواز نہیں سنی تھی۔ اسی لیے انہیں معلوم نہ ہو سکا اور کشمالہ ان کے سر پہ پہنچ گئی۔

وہ الماری کا پٹ کھولے کھڑی تھیں اور ہاتھ میں سوہن حلوے کا ڈبہ تھا۔ وہ چپکے چپکے اس سے سوہن حلوہ نکال کے کھا رہی تھیں۔ ڈبہ بند کیا تو چونک گئیں۔ وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"تم کب آئیں؟" انہوں نے ڈبہ بند کیا۔ اور الماری میں رکھنے لگیں لیکن کشمالہ نے وہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آپ کو میرا احساس ہے ماں؟" وہ دبا دبا سا چلائی۔ "میں دو دن سے پریشان ہوں کہ آپ کی فاسٹنگ شوگر ایک سو چالیس سے نیچے کیوں نہیں جا رہی اور آپ میری ساری محنت ضائع کر رہی ہیں ایک اسٹوپڈ حلوے کے پیچھے۔" آواز بلند ہونے لگی۔

ماں نے چوری پکڑے جانے پہ سر جھکا لیا۔ ہتھیلی بیڈ پہ رکھی اور سہارے سے بیڈ پہ بیٹھیں۔

"ماں آپ کو تھوڑا سا بھی میرا احساس ہے؟ آپ کے پیچھے میں کون سی قربانیاں دیتی ہوں؟ آپ کی صحت کے لئے کتنا ہلکان ہوتی ہوں۔ مگر آپ کو احساس ہی نہیں ہے۔ نہ میری زندگی کا۔ نہ میرے کام کا۔ آپ کو اتنی سی بھی میری پرواہ نہیں ہے۔" کہاں کا غصہ کہاں نکل رہا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے زاروقطار گر رہے تھے۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھ گئی۔ الماری سے ٹیک لگائے اور زور زور سے رونے لگی۔ پتہ نہیں ایک دم سے اتنے سارے آنسو کہاں سے آ گئے تھے۔

"بس بچے کریں ماں کا خیال۔ اور ماں؟ اس نے نہیں کرنا ہوتا بچوں کا خیال؟"

ماں نے چہرہ اٹھایا۔ان کی بوڑھی آنکھوں میں بے چارگی تھی۔

''اچھا میں اب کوشش کروں گی کہ میٹھا نہ کھاؤں۔''

ایک ڈرا سہما سا انداز۔پریشانی۔کشمالہ نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

اور تب اسے احساس ہوا کہ ماں جان بوجھ کے میٹھا نہیں کھاتی تھیں۔وہ جانتی تھیں وہ ان کے لیے اچھا نہیں ہے۔وہ کوشش بھی کرتی تھیں خود کو روکنے کی۔مگر وہ کر نہیں پاتی تھیں۔یہ ان کے بس میں نہیں تھا۔یہ ذیابطیس کا مرض ہی ایسا تھا۔وہ بھی اتنی ہی مجبور تھیں جتنی کہ مالا۔

وہ وہاں سے اٹھی اور آنسو صاف کیے۔پھر ڈبہ واپس الماری میں رکھا اور الماری بند کی۔ماں نظریں جھکائے بیٹھی تھیں۔کشمالہ ان کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھی اور نرمی سے ان کے فربہ کندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگی۔

''ماں بس کچھ دن آپ نے کنٹرول کرنا ہے۔اگر آپ کے گھٹنے کی سرجری کی نوبت آئی تو مسئلہ ہوگا۔اور ہاں۔آج سے آپ میرے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہیں۔آپ کو ماحول چینج کرنے کی ضرورت ہے۔''نرمی سے ان کا کندھا دبایا۔ماں نے سر ہلا دیا۔کوئی مزاحمت نہیں کی۔

''ہاں ویسے بھی تمہارا مواڈرائیور باز نہیں آیا۔ساری رات لڑکیوں سے باتیں کرتا ہے۔''

اسے آنسوؤں کے درمیان میں ہنسی آ گئی۔''اچھا باتیں کیا کرتا ہے؟ یہ تو بتائیں۔''

''مجھے نہیں سمجھ آتی۔کوئی دوسری زبان بولتا ہے۔''

کشمالہ ہنس دی۔''وہ آپ کی وجہ سے انگریزی بولنے لگ گیا ہوگا۔''

وہ کیف کو فون کال کرنے سے نہیں روک سکتی تھی۔اچھا نہیں لگتا تھا۔

رات میں بخت بی اور وہ ماں کی ساری چیزیں لیے مالا کے کمرے میں آ گئے۔ماں کو آج کل چلنے میں کچھ زیادہ ہی دشواری پیش آ رہی تھی۔جیسے وہ بہت تکلیف سے چل رہی ہوں۔مالا کے کمرے میں آئیں تو ہانپتی ہوئی بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔پھر گردن گھما کے اطراف میں دیکھا۔اس کے کمرے کی ایک دیوار زیتون رنگ کی تھی اور باقی تینوں دیواریں ایش وائٹ تھیں۔

''مالا... ہم ہوٹل میں ہیں؟''

''نہیں ماں۔ہم اپنے گھر ہیں۔''

ماں کے ساتھ کبھی پشاور جاتے کسی شادی پہ تو ہوٹل میں رہا کرتے تھے کہ ماں کو رشتے داروں کے گھر رہنا پسند

www.facebook.com/groups/kitaabghar

نہیں تھا۔ مالا کے کمرے کی سیٹنگ بھی اسی ہوٹل کے کمرے جیسی تھی۔ سفید چادریں اور بیڈ کور۔ ماں پھر سے مس اپ کر رہی تھیں۔

''یہاں بریک فاسٹ فری ہے؟''

''ماں ہم ہوٹل میں نہیں، میرے کمرے میں ہیں۔'' پھر سے یاد کروایا۔

''اچھا چھا۔ میں ذرا نماز پڑھ لوں۔'' وہ کھڑی ہو گئیں۔ وہ جانتی تھی کہ ماں نماز پڑھ چکی ہیں۔ بخت بی گواہ تھی۔ لیکن ماں کو بھول گیا تھا۔ ان کی ضد ویسے بھی سارے چارسدہ میں مشہور تھی۔ مالا ان کو باتھ روم لے گئی کہ پتہ نہیں کیوں اسے خوف تھا کہ ماں پھسل نہ جائیں۔ پھر سے ان کو وضو کروایا اور انہوں نے پھر سے نماز پڑھی۔ پھر وہ سونے لیٹیں۔ تو وہ بیڈ پہ دوسری طرف آ بیٹھی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھ لیا۔

ماں اس کی طرف کروٹ لیے آنکھیں موندے ہوئے تھیں۔ ہاتھ میں تسبیح تھی جس کے وہ دانے گرا رہی تھیں۔

کام کرتے کرتے مالا نے ان پہ نظر ڈالی۔ اس نے آج ماں کو کتنی سنا دیں۔ یہ ہم دوسروں کا غصہ اپنی ماؤں پہ کیوں نکالتے ہیں؟ دوستوں پہ کیوں نہیں نکالتے؟ باس پہ کیوں نہیں نکالتے؟ کیونکہ ماں پہ ہمارا بس چلتا ہے۔ اور مائیں بھی چپ کر کے کیوں سن لیتی ہیں؟ ماں سے لڑنے جھگڑنے کے بعد کا گلٹ... اس گلٹ کا کیا کرے انسان۔ اس کا دل برا ہونے لگا۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ کہتے ہیں ماں باپ کا چہرہ دیکھتے رہنے سے بھی ثواب ملتا ہے۔ کیا وہ ثواب ان ساری تلخ باتوں کو مٹا دیتا ہے جو ہم اپنی ماؤں سے کہہ دیتے ہیں؟

وہ بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھے گئی۔ ان کا چہرہ کتنا کمزور ہو گیا تھا۔ چند ہی دن میں وہ مرجھا سی گئی تھیں۔ اور چہرے کی بائیں طرف کی جلد لٹک گئی تھی۔ جیسے ملالہ یوسف زئی کا چہرہ فیشل نرو کے ڈیمج ہونے سے ایک طرف سے مختلف ہے ایسے ہی ماں کا چہرہ بائیں اینگل سے مختلف تھا۔ یہ اس نے آج نوٹ کیا تھا۔

ماں کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟ وہ سوچتی نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔ تبھی ماں نیند سے جاگیں۔ چونک کے اسے دیکھا۔

''آج میں نے رات کو چائے نہیں پی۔ گھر والوں نے بھی ہمیں چائے بھی نہیں پوچھی۔''

''کون سے گھر والے ماں؟''

''جن کے گھر ہم آئے ہوئے ہیں۔''

وہ دل کھول کے ہنس دی۔ ''ماں ہم اپنے گھر میں ہیں۔''

''اوہ اچھا۔'' بے اختیار ماتھے کو چھوا جیسے اپنے بھول جانے پہ شرمندگی ہوئی ہو۔

''ہم اسلام آباد نہیں آئے ہوئے تمہارے ماموں کے گھر؟''

''نہیں ماں۔ ہم میرے کمرے میں ہیں۔''

''ماہی سے کہو سو جائے۔'' ماں نے اس کی طرف سے کروٹ موڑ لی۔

''ماہی کہاں ہوتی ہے ماں؟'' اس نے دہرایا۔

''کینیڈا کے صوبے برٹش کولمبیا میں۔'' وہ آنکھیں موندے بڑبڑا رہی تھیں۔ مالا نے دوبارہ لیپ ٹاپ کھولا ہی تھا کہ ماں کی دھیمی سی آواز آئی۔

''وہ بچہ پھر کہاں گیا؟''

مالا نے تیزی سے لیپ ٹاپ بند کیا۔ اس کا سانس رک گیا تھا۔

''ششش... ماں.... سو جائیں۔'' اس نے ان کا کندھا تھپتھپایا۔ ایک لمحے کو جیسے اس کا گلا بند ہونے لگا تھا۔ پھر اس نے گہرے گہرے سانس لیے۔ ماں اور ماہی اس بچے کو بھولتی کیوں نہیں تھیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلی ویک کے اس چھوٹے سے گھر میں اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ ماہی لونگ روم کے صوفوں پہ تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ ہاتھ میں ریموٹ تھا اور وہ بے توجہی سے چینل بدل رہی تھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ ٹی وی کیبنٹ پہ پھسلتی گئی۔ وہ بدقت اٹھی اور ننگے پیر چلتی کیبنٹ تک آئی۔ اسے کھولا اور اپنی اسکیچ بک نکالی۔

واپس صوفے پہ بیٹھتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے صفحے پلٹانے لگی یہاں تک کہ وہ تصویر سامنے کھل گئی۔

ماہ بینا اس تصویر کو دیکھے گئی۔ خاموشی سے۔ پلک جھپکائے بغیر۔

وہ ایک تین چار سال کے بچے کی تصویر تھی۔

ان کی زندگیوں میں جو بھی مسائل تھے ان سب کا ذمہ دار یہ بچہ تھا۔

کیا وہ مالا کی طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی؟ کیا وہ اس حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کرے گی جو اس کے سامنے منہ کھولے کھڑی تھی؟ وہ حقیقت جو اس کو نگلنے کے لیے تیار تھی؟ بلکہ اس کو کیا' اس کے پورے خاندان کو؟

نہیں۔ وہ مالا نہیں تھی۔ وہ ماہی تھی۔ اسے اس معاملے کو خود ہی ختم کرنا تھا۔ کوئی ماہی کی نہیں سنتا تھا لیکن وہ ایک بات جانتی تھی۔ ماہی کا اندازہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔

اس نے موبائل اٹھایا اور ڈاکٹر رائد کے نام سے ایک چیٹ کھولی۔ پھر اس کی انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا کل یا پرسوں ہم مل سکتے ہیں؟''

ڈاکٹر رائد اس کے شہر سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پہ موجود شہر وین کوور میں رہتے تھے۔ وین کوور ایک بڑا شہر تھا۔ دنیا کے مہنگے ترین شہروں میں سے ایک۔ عباد اور وہ ویک اینڈ پہ وین کوور جایا کرتے تھے۔ وہ وہاں دن گزارتے' شاپنگ کرتے' اور پھر واپس آ جاتے۔ وہ وہاں سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے۔ انجوائے کرنے۔ مزہ کرنے۔

مگر اس دفعہ ماہی وہاں کچھ اور لینے جائے گی۔

ان تمام سوالوں کے جواب لینے جو اس کو راتوں کو جگائے رکھتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلا سارا دن گھر کے کاموں میں گزرا۔ وہ بخت بی سے صفائیاں کرواتی رہی۔ پھر رمضان کے آنے سے پہلے کچھ چیزیں بنوا کے فریز کروانی تھیں۔ گروسری لانی تھی۔ ایسے میں معید سے بات کرنا اسے یاد ہی نہ رہا۔

دوپہر میں عاصم کا فون آ گیا۔

''تمہارے perfectionist کزن نے آفس لے لیا ہے۔'' اس نے مزید کوئی شکایت نہیں کی۔ اس نے کہا کہ یہ آفس چونکہ کشمالہ کو پسند آ گیا تھا' اس لیے وہ مزید نہیں سوچنا چاہتا۔

وہ مسکرا دی۔ زیاد کو احساس ہو گیا تھا۔ اسے اچھا لگا۔ شام میں زیاد کا معذرتی میسج بھی آیا۔ اس نے ڈائریکٹ سوری نہیں کہا تھا لیکن وہ فکرمند تھا کہ کشمالہ اس کو غلط نہ سمجھے۔ اس نے بھی ''کوئی بات نہیں'' لکھ کے بھیج دیا۔ رات گئی بات گئی۔

''نیورولجسٹ سے اپائنٹمنٹ کنفرم ہے نا سوموار کی؟'' معید رات کھانے کی ٹیبل پہ آیا تو مالا نے پوچھا۔ وہ تینوں اب اکٹھے کھانا کھاتے تھے بالخصوص رات کا کھانا۔ معید نے لقمہ توڑتے ہوئے سر جھکائے جی کہہ دیا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے فون پہ بھی لگا تھا۔ معید کی زندگی اس کے فون سے شروع ہو کے اسی میں ختم ہوتی تھی۔

دفعتاً معید نے متلاشی نظروں سے ٹیبل کو دیکھا۔

''بخت بی نے میرا سلاد الگ سے پھر نہیں بنایا؟''

''کہا تو تھا میں نے۔''

معید نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ ''بخت بی کے وعدے اور وائکرل (vicryl) کے دھاگے پہ کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔''

ایک تو معید کے یہ سرجری والے ریفرنس اسے سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ سرجری سے اسے یاد آیا' اسے معید کو کچھ بتانا تھا۔

ماں چپ چاپ اپنا کھانا کھا رہی تھیں۔ وہ انگریزی میں کہنے لگی۔

''معید... تمہیں نہیں لگتا ماں کے چہرے کا بایاں حصہ تھوڑا deviate کر رہا ہے۔''

موبائل پہ چلتی ڈاکٹر معید مبین کی انگلیاں تھم گئیں۔ اس نے دھیرے سے گردن اٹھائی۔ اس کی آنکھیں ماں کے چہرے تک گئیں۔ وہ چند لمحے ان کو دیکھتا رہا۔

''ہوں۔'' اس نے فون رکھ دیا اور سر جھکا کے دوسرا نوالہ توڑا۔ مالا کو لگا اس کی انگلیاں کانپی تھیں۔ شاید اس کا وہم تھا۔

''چہرہ ایسے کیوں ہو رہا ہے ماں کا؟'' اس نے انگریزی میں پوچھا۔

''ہو جاتا ہے۔ اولڈ ایج۔'' وہ نظریں ملائے بغیر بولا۔ وہ 'اوکے' کہہ کے واپس کھانا کھانے لگی۔ معید نے جو نوالہ توڑا اسے ختم نہیں کیا۔ بس اسے پلیٹ میں رکھے بیٹھا رہا۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

''سنو... صبح تیار رہنا۔ سات بجے ماں کو میو ہسپتال لے جائیں گے۔'' وہ میز سے اٹھتے ہوئے بولا۔ وہ اب بھی مالا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

''اتنی جلدی کیوں؟''

''ماں کا اسکین کروائیں گے۔ لسٹ لمبی ہوتی ہے۔ جلدی جائیں گے تو جلدی کام ہوگا۔''

''گھٹنے کا اسکین؟''

معید نے ایک نظر اسے دیکھا۔ ''ہاں گھٹنے کا۔'' اور پھر وہ وہاں نہیں بیٹھا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے کمرے کی بتی پھر ساری رات جلی رہی۔ وہ سحری کے بعد سو گئی تھی۔ ساڑھے چھ بجے معید نے آ کے اسے اٹھایا۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ ساری رات نہیں سویا۔

وہ خود بھی کام کی وجہ سے دیر سے سوئی تھی۔ اسے بہت نیند آ رہی تھی۔ معید نے کافی پینے کا وقت بھی نہیں دیا۔ اسے نہ جانے کس بات کی جلدی تھی۔ کہاں وہ ہفتے بھر بعد کی اپائنٹمنٹ لیے بیٹھا تھا اور کہاں وہ صبح صبح ماں کو

ہسپتال لے آیا تھا۔

میو ہسپتال میں ایک سرخ سی نئی عمارت حال ہی میں بنی تھی۔ وہ ان کا نیا اور جدید آلات سے لیس سرجیکل ٹاور تھا۔ داخلی دروازے پہ معید ماں کے لیے وہیل چیئر لے آیا۔ وہ سفید چادر میں ملبوس تھیں۔ تھکی تھکی سی لگتی تھیں جیسے تکلیف میں ہیں۔ بدقت وہیل چیئر پہ بیٹھیں۔

معید چیئر آگے دھکیلنے لگا۔ مالا ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ وہ بار بار جمائی روکتی تھی۔ اس نے سیاہ کینوس شوز کے ساتھ سیاہ سرمئی لباس پہن رکھا تھا۔ سرمئی دوپٹہ سر پہ لیا ہوا تھا اور سن گلاسز ماتھے پہ اٹکا رکھے تھے۔ یہ معید کی ورک پلیس تھی اور معید یہاں آ کے بڑا کانشس ہو جاتا تھا۔ بالخصوص بہنوں کے بارے میں۔

سرجیکل ٹاور کی عمارت میں ہر طرف پودے رکھے تھے۔ سبزے کو دیکھ کے چہرے پہ خود بخود مسکراہٹ بکھر گئی۔

معید ماں کی وہیل چیئر دھکیلے آگے جا رہا تھا۔ وہ گزرتے ہوئے پودوں کو انگلیوں سے چھوتی جا رہی تھی۔

معید یہاں صرف معید نہیں تھا۔ ڈاکٹر معید تھا۔ ڈاکٹر معید ادھر آئیں۔ ڈاکٹر معید یہ دیکھیں۔ اپنے بہن بھائیوں کو ان کی ورک پلیس یا یونیورسٹی میں دیکھنا بھی کافی دلچسپ ہوتا ہے۔ وہ جن کو ہم گھر میں اندر باہر سے جانتے ہیں جن کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی وہ جو گھر میں لڑتے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں اپنی ورک پلیس پہ وہ بڑے ہی مہذب بنے ہوتے ہیں۔

معید ماں کو لیے ایم آر آئی روم میں چلا گیا اور اسے کہا کہ وہ ساتھ والے روم میں بیٹھ جائے۔ وہ دوسرے روم میں چلی آئی۔ وہاں ایک شیشے کی دیوار تھی جس سے ایم آر آئی دکھائی دیتا تھا۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ معید ماں کو اسٹریچر پہ لٹا رہا ہے۔ ساتھ چند کمپیوٹرز لگے تھے جن کے ساتھ ایک ٹیکنیشن بیٹھا تھا۔ اس نے معید کی وجہ سے مالا کو کچھ نہیں کہا۔ اپنا کام کرتا رہا۔

ماں کو اسٹریچر پہ لٹا کے ایم آر آئی کی آدھے چاند جیسی مشین کو سیٹ کیا جانے لگا۔ اس کی نظریں ماں کے گھٹنے پہ تھیں لیکن.... وہ مشین کو ماں کے سر پہ سیٹ کر رہے تھے۔ کشمالہ کا ماتھا ٹھنکا۔ سر پہ کیوں؟

ایم آر آئی اسٹارٹ ہوا تو معید باہر نکلا اور سیدھا اس روم میں آیا تو کشمالہ کو دیکھ کے ٹھٹھکا۔

''مالا یار میں نے تمہیں ساتھ والے روم میں بیٹھنے کو کہا تھا۔ یہاں نہیں۔''

''تم تو کہہ رہے تھے کہ گھٹنے کا اسکین ہونا ہے۔ پھر برین کا کیوں؟''

وہ آگے آیا اور ٹیکنیشن کے کندھے پہ جھک کے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

''معید میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

''کیونکہ گھٹنے کو چلنے کا حکم برین سے آتا ہے مالا۔ بائیو نہیں پڑھی تھی کیا؟'' وہ جیسے چڑ گیا۔ ''ماں کو چلنے میں وقت ہوتی ہے نا۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ برین کیوں گھٹنے کو چلنے کا حکم نہیں دے رہا۔''

''کیوں نہیں دے رہا؟''

''کیونکہ...'' معید کی نظریں اسکرین پہ تھیں۔ ''کبھی کبھی برین میں (SOL) ایس او ایل بن جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے چہرہ deviate کرنے لگ جاتا ہے۔''

''ایس او ایل کیا ہوتا ہے؟'' وہ پریشانی سے بولی۔ معید نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''Space occupying lesion' پانی کی تھیلی ہوتی ہے چھوٹی سی۔ کوئی مسئلے کی بات نہیں۔ اس کو نکال لیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اور واپس جھک کے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

(ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔)

اس کو یاد آیا ماہی کی گردن میں تھائرائڈ کے مسئلے کی وجہ سے ایک پانی کی تھیلی بن گئی تھی۔ انجیکشن سے ڈاکٹر نے پانی نکال لیا تھا۔ بس اتنی سی بات تھی۔

کنٹرول روم کافی بڑا تھا۔ گلاس وال کے ساتھ ٹیکنیشن کرسی پہ بیٹھا اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ معید اس کے ساتھ کھڑا تھا۔

مالا پیچھے ایک کرسی پہ جا کے بیٹھ گئی۔ کرسی کے ہتھ پہ کہنی رکھی اور ہتھیلی گال تلے رکھ لی۔ رات نیند نہیں پوری ہوئی تھی۔ اوپر سے روزہ بھی تھا۔ اس کی آنکھیں بھاری ہونے لگیں۔ اس نے پلکیں موند لیں۔ ایم آر آئی پینتالیس منٹ چلنا تھا آرام سے۔ ابھی کافی وقت تھا۔

(ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔)

وہ کچی نیند میں تھی جب کہنی پھسلی۔ وہ جھٹکے سے سیدھا ہوئی۔ غنودہ آنکھیں کھولیں۔ اسکین ہو رہا تھا۔ مشین کی گڑگڑاہٹ جیسی آوازیں یہاں تک آ رہی تھیں۔ ماں گلاس وال کے پار اسٹریچر پہ لیٹی نظر آ رہی تھیں۔ ان کا سر مشین سے ڈھکا ہوا تھا۔ اسے معید کی پشت نظر آ رہی تھی۔

(ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔)

''معید کتنی دیر ہے؟'' اس نے پیچھے سے پکارا۔ معید نے جواب نہیں دیا۔ یقیناً سنا نہیں تھا۔ اس نے پھر سوال

دہرایا۔ معید نے اب بھی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا اور باہر نکل گیا۔ کشمالہ نے تعجب سے اسے باہر جاتے دیکھا۔

(ایس اوایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔)

اس نے کہنی پھر سے کرسی پہ ٹکائی اور تھوڑی کو ہتھیلی کے پیالے میں رکھ دیا۔ آنکھیں دوبارہ بند ہونے لگیں۔

غنودگی میں اسے آواز آئی۔ باریک بیل سے ٹک ٹک چلتی کوئی خاتون اندر آئی تھی۔ وہ تیزی سے سیدھی ہوئی اور آنکھیں پوری کھول لیں۔ ایک تو صبح کافی نہ پیے تو ذہن فریش ہی نہیں ہوتا۔

عینک لگائے' سفید کوٹ پہنے' وہ تیار شیار سی کوئی ریڈیالوجسٹ تھیں۔ چہرے پہ کرختگی تھی اور وہی کرختگی آواز میں بھی تھی۔ ٹیکنیشین کے پیچھے کھڑے ہو کے اسکرین کو دیکھا جس کے اوپر برین کے اندر کی فلم چل رہی تھی۔ سیاہ اور سفید رنگ کی فلم۔

''یہ ڈاکٹر معید کی پیشنٹ ہیں؟''

''جی۔'' کشمالہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ریڈیالوجسٹ نے مڑ کے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

''آپ ڈاکٹر ہیں؟''

''نہیں۔ میں ڈاکٹر معید کے ساتھ ہوں۔'' پھر اس نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ برین اسکین کو وہ سمجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ سیاہ اور سفید تھا۔ وہ کوئی اور زبان تھی۔

''کوئی ایس اوایل ہے کیا ان کے برین میں؟''

وہ قدم قدم چلتی اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ اسکرین کو ایسے دیکھا جیسے اَن پڑھ کتاب کو دیکھتا ہے۔

''جی۔'' ریڈیالوجسٹ نے سر ہلایا۔ وہ بھی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ کشمالہ نے ایک نظر دروازے کو دیکھا۔ وہ شیشے کا تھا۔ اس کے پار کاریڈور میں معید کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس کی مالا کی طرف پشت تھی۔ وہ بیچ کاریڈور میں کھڑا کیا کر رہا تھا؟

کچھ غلط تھا۔ اس سارے منظرنامے میں کچھ تھا جو بہت غلط تھا۔ نیند اس کے دماغ سے غائب ہونے لگی۔

اس نے کھنکھار کے ریڈیالوجسٹ کو پکارا۔

''ایس اوایل کیا ہوتا ہے؟''

''space occupying lesion۔'' خشک سا جواب آیا۔

www.facebook.com/groups/mrah.ahmed.offical

(ایس اوایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔)

"مگر وہ کیا ہوتا ہے؟" اس نے اصرار سے پوچھا۔

ریڈیالوجسٹ نے اسی سپاٹ انداز میں اسے دیکھا اور ایسے اطلاع دی جیسے خبر پڑھ کے سناتے ہیں۔

"برین ٹیومر۔"

کہتے ہیں کچھ الفاظ انسان کا سانس روک دیتے ہیں۔ ہوا نہ اندر آتی ہے نہ باہر جاتی ہے۔ انسان کی رنگت سفید پڑنے لگتی ہے اور ہونٹ نیلے۔ وہ پتھرا جاتا ہے۔ جیسے نیلے ہونٹوں اور سفید مٹی سے بنا کوئی مجسمہ ہو۔

ریڈیالوجسٹ تبصرہ کر رہی تھی۔

"ڈاکٹر معید اس اسٹیج پہ لائے ہیں پیشنٹ کو۔ بیچ۔ برین میں تو تباہی مچی پڑی ہے۔"

ٹیکنیشن کھنکھارا اور آہستہ سے سرگوشی کی۔ "یہ ڈاکٹر معید کی والدہ ہیں۔"

شاید وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید وہ ابھی تک کچھ بول رہی تھیں۔ اس نے خود کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ قدم قدم وہ معید کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے معید کے کندھے کو چھوا۔ اس کے ہاتھ برف ہو رہے تھے اور معید کا کندھا اس سے بھی ٹھنڈا تھا۔ اس نے زور سے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"معید۔"

وہ رو رہا تھا۔

گردن نیچے کیے وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"تم نے کہا تھا ایس اوایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے۔" وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ شاک اور بے یقینی کا تاثر اس کی آنکھوں میں پتھر ہو چکا تھا۔

معید نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

"بہت بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے۔" اس نے دہرایا۔ وہ اس شے کا نام بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"برین کے ایک تہائی حصے پہ پھیلا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

وہ بس جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے۔ ذہن ابھی تک سن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.facebook.com/nemrah...

گھر واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا۔ وہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ سڑکوں پہ لوگ مصروف دکھائی دے رہے تھے۔ اپنی اپنی دنیا میں مگن۔ ساتھ سے ایک میوزک بجاتی گاڑی گزری۔ کیا لوگوں کی زندگی میں اب بھی خوشیاں تھیں؟ لوگ کیسے ہنس بول رہے تھے؟ ایک بل بورڈ پہ پراپرٹی کا اشتہار چل رہا تھا۔ قسطوں پہ پلاٹ۔ کیا لوگ اب بھی اگلے کئی سال کی پلاننگ کر سکتے ہیں؟ میری ماں کو برین ٹیومر ہے۔ دنیا میں دوسرے لوگوں کی زندگی کیسے چل سکتی ہے؟

معید کی آنکھیں بار بار گیلی ہوتی تھیں۔ وہ بار بار ان کو کف سے رگڑتا تھا۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی ماں نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا ہے معید؟'' وہ بے خبر تھیں۔

''الرجی ہو رہی ہے آنکھوں میں۔'' اس نے گیلی بھاری آواز میں کہا۔

''گھر جا کے تمہیں اینٹی الرجی دیتی ہوں۔ ٹھیک ہو جائے گی۔''

ماں آدھی ڈاکٹر بھی تھیں۔ کسی زمانے میں ان کو ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ لیکن نانا نے بننے نہیں دیا۔ شادی کے بعد پرائیوٹ پڑھ کے انہوں نے ماسٹرز کر لیا وہ بھی اسلامیات میں۔ لیکن ان کا ڈاکٹر بننے کا شوق کبھی گیا نہیں۔ اپنے بچوں کا خود علاج کرتی تھیں۔ بیٹیاں تو آرام سے بڑی ہو گئیں۔ لیکن معید بچپن سے بہت بیمار ہوتا تھا۔ پیدا ہوا تو یرقان ہوا۔ پھر ڈبل نمونیا۔ ماں کہتی تھیں لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بہت بیمار ہوتے ہیں۔ ان کی بیماری پہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بڑے ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن ماں نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ ماں بیمار ہو جائے تو کیا کرتے ہیں؟

گیٹ کیف نے کھولا۔ وہ بغور مالا اور معید کی شکل دیکھ رہا تھا لیکن بولا کچھ نہیں۔ وہ ماں کو اندر لے آئے۔ انہیں بیڈ پہ لٹایا۔ ان کو نیند آ رہی تھی۔ معید نے کہا کہ وہ سو جائیں۔ بخت بی کو ان کے ساتھ چھوڑا۔ بخت بی باری باری ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہی تھی مگر وہ بھی کچھ نہیں بولی۔ کشمالہ اور معید اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آئے تھے جس کے ساتھ وہ گئے تھے۔

بخت بی کو ماں کے پاس چھوڑ کے معید نے اس کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ انہیں آپس میں بات کرنی تھی۔

اوپر مالا کے ہوم آفس میں آ کے معید نے دروازہ بند کیا۔ کھڑکی مقفل کی۔ پھر وہ آمنے سامنے کرسیوں پہ بیٹھے۔

''یہ کس ٹائپ کا ٹیومر ہے؟'' اس کی آنکھیں معید کے چہرے پہ امید تلاش کر رہی تھیں۔

''یہ مجھے نہیں پتہ۔''

''تم کیسے ڈاکٹر ہو؟ تمہیں کیوں نہیں معلوم؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''میں نیوروسرجن نہیں ہوں مالا۔ میں جنرل سرجن ہوں۔ ہر ڈاکٹر ہر چیز میں ماہر نہیں ہوتا۔'' معید کا وہ پہلا جذباتی فیز گزر چکا تھا۔ اب وہ سنبھلا ہوا تھا اور تحمل سے بتا رہا تھا۔ ''اسی لیے آج ہم ماں کی رپورٹس نیوروسرجن ڈاکٹر دوہرا کے پاس لے کر جائیں گے۔ وہ بتائیں گے کہ یہ کس قسم کا ٹیومر ہے۔ سرجری ہو سکتی ہے یا نہیں۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ اسے معید کی کسی بات کا فی الحال اعتبار نہیں تھا۔

''مالا... دیکھو کچھ ٹیومر آپریشن سے نکالے جاتے ہیں۔ کچھ کے لیے گاما نائف کرتے ہیں یعنی شعاؤں وغیرہ سے ان کو ختم کیا جاتا ہے۔ اور کچھ ٹیومرز کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔''

''اب ہم کیا کریں گے؟''

''مالا وہ ہماری ماں ہیں۔ ہم ان کا علاج کروائیں گے۔ ہمارے پاس وسائل ہیں۔ دوا اور سرجری کے پیسے ہیں۔ میں خود ڈاکٹر ہوں۔ تم بھی یہاں آ گئی ہو۔ اب ہم اپنی ماں کا خیال رکھیں گے۔ میں اپنی ٹریننگ فریز کروا رہا ہوں۔ ہم کوئی اور کام نہیں کریں گے۔ ہم صرف ماں کے پاس ہوں گے۔ بروقت۔''

''میں اتنے سال ان کے پاس نہیں تھی۔ میں ان کے پاس کیوں نہیں تھی؟''

صدمے کی پہلی چوٹ اگر شاک ہوتا ہے تو دوسری چوٹ گلٹ کی پڑتی ہے۔ خود کو الزام دینا... اپنا قصور ڈھونڈنا... کیونکہ انسانی دماغ کو کسی نہ کسی پہ الزام رکھنا ہوتا ہے۔

''میں ان کے پاس ہو کے بھی اپنی ٹریننگ میں اتنا مصروف تھا کہ مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا وقت نہیں ملتا تھا۔ میں اتنے عرصے تک دیکھ ہی نہیں سکا کہ ان کا چہرہ ڈیوی ایٹ ہو رہا ہے۔ میں تو اپنے بیچ کے سب سے برائٹ اسٹوڈنٹس میں سے تھا۔ میں ماں کو روز دیکھتا تھا۔ مجھے کیوں نہیں پتہ چل سکا۔''

''کیونکہ اپنی ماں کے لیے کوئی یہ تصور نہیں کرنا چاہتا معید۔''

معید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ گیلی سانس اندر کھینچتے ہوئے اٹھا۔ ''میں میو واپس جا رہا ہوں۔ ماں کی رپورٹس اور فلم اٹھانے۔ اور مجھے اللہ سے پوری امید ہے۔ اللہ تعالیٰ میری ماں کو شفا دے گا۔ ہم دعا کریں گے اور علاج کروائیں گے۔ دیکھنا وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

کلاسک معید۔ ہر بات میں۔ امید ڈھونڈ لیتا تھا۔ اور اتنے وثوق سے کہتا کہ کشمالہ کو یقین ہونے لگتا لیکن آج وہ معید پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

''معید اب تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گے۔ ہم دونوں adults ہیں۔ مجھے بھی اپنی ماں کے بارے میں حقیقت جاننے کا حق ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہر ڈاکٹر پہ جاؤں گی۔'' وہ بظاہر حتمی لہجے میں کہہ رہی تھی لیکن ایک عجیب سی بے بسی نے سارے وجود کو جکڑا ہوا تھا۔ کیا ماں کا ٹیومر قابلِ علاج تھا؟ معید اسے سچ نہیں بتائے گا۔ وہ معید کو بچپن سے جانتی تھی۔ وہ سارا پریشر خود لیتا جائے گا لیکن اپنی بہنوں کو پریشان نہیں کرنا چاہے گا۔

بہنیں؟ یہ لفظ ہتھوڑے کی طرح اس کے سر پہ برسا۔

ماہی.... وہ بھی تو بہن تھی۔ اسے کون بتائے گا؟ بلکہ.... سوال یہ تھا کہ... اسے کیسے بتایا جائے؟ اور تب اسے احساس ہوا کہ معید کیوں ایس او ایل کو اپنی کی تھیلی کہتا تھا۔ اپنی بہن کو یہ سب بتانا آسان نہیں ہوتا۔ مالا پھر معید کی بڑی بہن تھی۔ لیکن ماہی۔ وہ تو سب سے چھوٹی تھی اور وہ ماں سے سب سے زیادہ اٹیچڈ تھی۔ اس کا ماں اور عباد کے علاوہ کوئی دوست نہ تھا۔ وہ بچپن سے اب تک اپنی ساری دوستی' ساری لڑائیاں' سارے مقابلے ماں سے کیا کرتی تھی۔ وہ اپنے سارے مسئلے لے کر ماں کے پاس آتی تھی۔ اسے کانٹا بھی چبھ جاتا تو وہ پورا ڈرامہ کر کے ساری دنیا سر پہ اٹھا کے ماں کے پاس آجاتی۔

اب وہ کس کے پاس جائے گی۔

''ماہی کو نہیں بتاتے۔'' معید نے فوراً کہا۔ ''اسے پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اپنی ماں کے لیے پریشان ہونا ماہی کا فرض ہے۔ اور ماہی کوئی بے بی نہیں ہے۔ ہم اس سے یہ نہیں چھپا سکتے۔ اپنوں کی بیماریاں اس وجہ سے نہیں چھپانی چاہیے ہیں کہ فلاں پریشان ہو جائے گا۔''

وہ دونوں اب اسٹوڈیو میں کھڑے دبی دبی آواز میں بحث کر رہے تھے اور سفید ورک ٹیبل پہ رکھے پودے اداسی سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عباد اپنے لونگ روم کے صوفے پہ بیٹھا کام کر رہا تھا جب اسے معید نے کال کی۔ اس نے فون کال ہینڈز فری لگا کے سنی۔ کال سنتے سنتے اس کی انگلیاں تھم گئیں۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین آہستہ سے فولڈ کی۔ کتنی ہی دیر وہ ساکت

www.facebook.com/groups/kitaabghar

سامنے والی دیوار کو دیکھے گیا۔ اس نے معید سے کچھ نہیں کہا۔ بس کال کاٹ دی۔

حورِ جہاں بیگم اس کی سگی خالہ تھیں۔ وہ ہمیشہ سے صحت مند اور ہنستی مسکراتی ملتی تھیں۔ کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ.... اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

کمرے سے کھٹر پٹر کی آواز آئی تو اس نے چہرہ اٹھایا۔ جلدی سے آنکھیں رگڑیں۔

ماہی بالوں میں تولیہ لپیٹے باہر آ رہی تھی۔ وہ غالباً نہا کے نکلی تھی۔ اس نے کھلی سی لمبی قمیض کے نیچے ٹراؤزر پہن رکھے تھے۔ اس کا دھلا دھلایا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ وہ تولیے کے بنے سلیپرز پہنے لاؤنج میں چلتی آئی۔ ایک نظر اوپن کچن کو دیکھا۔ برتن دھونے والے پڑے تھے۔

''پتہ ہے میں کیا سوچ رہی ہوں۔'' وہ آگے آئی اور کچن کاؤنٹر پہ رکھا خالی کوک کا کین اٹھا کے غور سے دیکھا۔ ''پچھلے کچھ دن سے وال مارٹ سے میں جو بھی کوک لاتی ہوں اس کی گیس نہیں ہوتی۔ مجھے لگتا ہے وال مارٹ کی کوک کی پوری لاٹ خراب ہے۔''

''کہیں ٹھنڈ میں پڑے رہے ہوں گے کین لیک ہو گئے ہوں۔'' عباد کی اس کی طرف پشت تھی۔

''ہے نا۔'' ماہی نے چٹکی بجائی۔ ''میں ابھی کوکا کولا کمپنی میل کرتی ہوں۔'' اس کی آنکھیں چمکیں۔ ماہی کو اگر جہاز میں ٹھیک سے کھانا نہ ملے تو اس کی طرف سے ایک لمبی چوڑی ای میل ایئر لائن کمپنی کو جایا کرتی تھی۔ اور جواب میں وہ اس کو کچھ فری کوپون دے ڈالتے تھے۔

''اچھا سنو۔ ایبٹس فورڈ چلیں کل؟ حلال میٹ ختم ہو گیا ہے۔ مجھے گروسری بھی کرنی ہے۔'' وہ کاؤنٹر کے پاس کھڑی کہہ رہی تھی۔

جواب نہیں آیا تو اس نے چہرہ عباد کی طرف موڑا۔ وہ اس کی جانب پشت کیے بیٹھا تھا۔ وہ اس کے سامنے آئی تو دیکھا اس کی آنکھیں گلابی تھیں۔ ماہی کے تاثرات بدلے۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔

''عباد کیا ہوا ہے؟'' پھر خیال آیا۔ ''کس کا فون آیا تھا؟''

کینیڈین گھروں کی کاغذ جیسی ڈرائی وال سے آوازیں آر پار سنائی دیتی تھیں۔ اسے عباد کا ہیلو اور ہوں ہاں سنائی دی تھی مگر مزید کچھ نہیں۔

عباد چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی گلاسز اتاریں۔ ان کو صاف کیا۔ پھر انہیں دوبارہ پہنا۔

''عباد بولو یار۔'' وہ بے چینی سے چلائی۔ وہ پلک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

عباد کہنا شروع ہوا۔

''معید کی کال آئی تھی۔ خالہ کا برین اسکین کروایا ہے آج۔ انہیں برین ٹیومر ہے۔''

الفاظ اس کے لبوں سے ادا ہو رہے تھے اور ماہ بینہ مبین کی سماعتوں میں داخل ہو رہے تھے لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ صرف عباد کے ہلتے ہونٹ دیکھ رہی تھی۔ اس نے نظریں جھکائیں۔ عباد مٹھیاں بھینچے ہوئے تھا۔ اس کی ہتھیلیوں کی پشت پہ پسینہ تھا۔

ماہی نے پھر اوپر دیکھا۔ عباد کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ کچھ کہے جا رہا تھا۔ ماہی کی نظریں اس کی پشت سے ہوتی ہوئی کچن کاؤنٹر تک گئیں۔ وہاں سنک میں میلے برتنوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ایک کونے میں واشنگ مشین رکھی تھی۔ اس کا چکر ختم ہونے والا تھا۔ ابھی گھنٹی بجنے کو تھی۔

اس کی نظر فریج تک گئی۔ اندر کل رات اس نے اسٹیک کو مصالحہ لگا کے رکھا تھا۔

ماہی کے چہرے پہ ایک گم صم سا تاثر تھا۔ پھر وہ اٹھ گئی۔ ہاتھ بڑھا کے تولیہ کی ٹربن کھولی۔ اس کے چھوٹے گیلے بال گردن پہ موٹی لٹوں کی صورت گرتے کچھ گالوں پہ چپک گئے۔ عباد مڑ کے اسے دیکھے گیا۔ وہ نرم سلیپرز پہنے قدم قدم اٹھاتی کمرے تک گئی۔ کھونٹی سے لٹکا دوپٹہ اٹھایا اور سر پہ لپیٹا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اس نے ریک سے جائے نماز اٹھائی اور لکڑی کے فرش پہ بچھائی۔ پھر وہ تکبیر کہہ کے نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ اس کا ذہن سن تھا اور ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ آج کل بیٹھ کے نماز پڑھتی تھی۔

''ماہی۔'' عباد نے گیلی آواز سے پکارا۔ مگر وہ اس کے پیچھے نہیں آیا۔ وہ اسے بچپن سے جانتا تھا۔ وہ ماہ بینہ تھی۔ وہ حورِ جہاں کی سب سے سمجھدار، سب سے بہادر اور مضبوط اعصاب والی اولاد تھی۔ اسے تنہائی چاہیے تھی۔

ماہی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ سر جھکائے نماز پڑھ رہی تھی۔ پہلے سجدے میں جاتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ عباد نے اسے کیا بتایا تھا۔

ماں کو برین ٹیومر تھا۔

دوسرے سجدے میں اسے احساس ہوا کہ ایک اور بات بھی تھی جو عباد نے اسے نہیں کہی تھی۔

اس کی ماں کو برین ٹیومر تھا اور وہ اپنی ماں کے پاس نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماں کی طبیعت بجھی بجھی سی تھی۔ وہ آج کچھ زیادہ ہی بھول رہی تھیں۔ آج انہوں نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ بس

بیڈ پہ نیم دراز آنکھیں موندے لیٹی رہی تھیں۔ مالا ان کے ساتھ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹہ لپیٹے وہ ماں کا ہاتھ پکڑے زیر لب کوئی دعا بڑبڑا رہی تھی۔

واشف انت الشافی. والشف انت الشافی۔ (شفا عطا فرما۔ بے شک تو ہی شفا دینے والا ہے۔)

ایسی عجیب سی حالت میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا دعا مانگی جائے۔ وہ بس شفا مانگ رہی تھی۔

دفعتاً فون بجنے لگا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ ماہی کالنگ۔

مالا کے دل پہ بوجھ سا آ گیا۔ وہ ماہی سے کیسے بات کرے گی۔ ماہی یقیناً رو رہی ہوگی۔ اس کے اندر اس وقت رونے کی سکت تک نہیں تھی۔ مگر اسے کال اٹھانی تھی۔ ماں کا ہاتھ آہستہ سے چھڑا کے اس نے موبائل اٹھا لیا اور باہر نکل آئی۔ لان میں جا کے اس نے فون کان سے لگایا۔

''ماہی....'' اس کی آواز گیلی تھی۔

''مالا.... سارے ٹیومرز لاعلاج نہیں ہوتے۔ میں گوگل پہ پڑھ رہی تھی۔'' ماہی رو نہیں رہی تھی۔ وہ تیز تیز بول رہی تھی۔

اپنے کچن کاؤنٹر پہ اونچی کرسی پہ بیٹھے وہ لیپ ٹاپ اپنے سامنے کھولے بیٹھی اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی روئی روئی، متورم آنکھوں تلے حلقے تھے۔ اور ناک گلابی ہو رہی تھی۔ مگر فی الحال وہ رو نہیں رہی تھی۔

''ماہی... پلیز گوگل مت کیا کرو۔ گوگل بہت کنفیوز کرتا ہے۔''

''معید نے کہا ہے کہ یہ گلاؤما لگتا ہے۔ لیکن برین اسکین سے کوئی نہیں بتا سکتا کہ ٹیومر کی ٹائپ کیا ہے جب تک کہ دماغ کو کھول کے اس شے کو باہر نہ نکالا جائے۔ اور جانتی ہو وہ کون سا ٹیومر ہے جو ایم آر آئی میں بالکل گلاؤما جیسا لگتا ہے؟'' اس کی آواز میں امید جاگی۔

''وہ مننجیوما (meningioma) ہوتا ہے۔ وہ بالکل گلاؤما جیسا دکھائی دیتا ہے۔'' وہ اس کی نہیں سن رہی تھی۔ ''اور پتہ ہے، گلاؤما سب سے خطرناک ٹیومر ہوتا ہے۔ یہ برین کے اندر سے بنتا ہے۔ اس کا علاج نہیں ہوتا۔ لیکن... ماں کی جو علامات ہیں... ان سے مجھے لگتا ہے کہ ماں کو گلاؤما نہیں ہے۔ ماں کو مننجیوما ہے۔'' وہ اسکرین کو غور سے دیکھتے ہوئے پڑھ کے بتانے لگی۔

''مننجیوما برین کے اندر کا ٹیومر نہیں ہے۔ یہ برین کے باہر مننجی کی تہہ میں بنتا ہے۔ یہ اسکین میں بالکل گلاؤما جیسا لگتا ہے۔ لیکن یہ خطرناک نہیں ہوتا۔ اس کو نکالا جا سکتا ہے اور یہ اتنی سست روی سے بنتا ہے کہ اگر اسے نکال لیا

جائے اور تھوڑا سا حصہ چھوڑ بھی دیا جائے تب بھی اسے دوبارہ اتنا بڑا ہونے کے لیے بیس سے پچیس سال چاہیے ہیں۔ میں نے یہاں اتنے لوگوں کے کیسز پڑھے ہیں مالا جن کا منجیو ما آپریٹ ہوا تھا اور پھر وہ بیس پچیس سال تک بالکل فٹ اور صحت مند رہے تھے۔ تم دیکھنا ماں کا ٹیومر گلاؤما نہیں نکلے گا۔ وہ منجیو ما ہوگا۔" وہ امید کا سہارا لے رہی تھی۔ یا شاید وہ مالا سے امید مانگ رہی تھی۔

"ماہی..." اس نے گہری سانس لی۔ "ماں ٹھیک ہو جائیں گی۔" ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا اور گال سے پھسل کے گردن تک چلا گیا۔

"میری ماں کو کچھ نہیں ہوگا۔" وہ بڑبڑائی۔ پھر اس نے کال کاٹ دی۔ ماہی ٹھیک نہیں تھی وہ جانتی تھی۔ مگر وہ ماہی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"باس..." آواز پہ وہ چونکی۔ پھر پلٹ کے دیکھا۔ لان کے دہانے پہ کیف کھڑا تھا۔ ماتھے پہ بال بکھرے تھے۔ جینز' ٹی شرٹ اور جوگرز میں ملبوس وہ اپنے ازلی حلیے میں تھا۔ کیف کی زندگی کتنی آسان تھی۔ کیونکہ کیف کی ماں کو برین ٹیومر نہیں تھا۔

"کیا ہوا ہے بڑی بی بی کو؟" وہ اس کے قریب چلا آیا۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی تھی۔ "آپ جب سے ہسپتال سے واپس آئی ہیں' آپ ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ اس کے عین سامنے آ رکا۔ کشمالہ نے بھیگی آنکھوں سے اس کی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں کو دیکھا۔

"ماں کو برین ٹیومر ہے۔"

اس نے خود کو دھیرے سے کہتے سنا۔ کیف نے آنکھیں کرب سے بند کر لیں اور سر جھکا دیا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ سر جھکائے ہوئے تھا۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر لہرایا تھا۔

ہسپتال کے بیڈ پہ ایک بوڑھا آدمی لیٹا تھا۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا کبھی وہ ایک خوبصورت مرد ہوگا لیکن آج وہ ایک نحیف اور لاغر سا وجود بن کے رہ گیا تھا۔ وہ ان کا بوڑھا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ آج کے مقابلے میں کم عمر تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

کوئی اس کے کندھے کے قریب آ کے کہہ رہا تھا۔

"تمہارے ابا کو برین ٹیومر ہے۔ اور وہ بھی گلاؤما۔ وہ چھے ماہ سے زیادہ نہیں جئیں گے۔"

کیف نے آنکھیں کھولیں اور چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

''آئی ایم سوسوری' کشمالہ بی بی۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔''

کشمالہ نے نفی میں سر ہلایا۔''تم نہیں سمجھ سکتے۔کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ خود اس سے نہ گزرے۔''

کیف اسے دیکھتا رہا۔چہرہ بے تاثر رہا۔پھر بولا تو آواز ہموار تھی۔

''کس طرح کا ٹیومر ہے؟''

''ابھی ڈاکٹر دوہرا کے پاس جا رہے ہیں۔نیوروسرجن ہیں وہ۔وہ اسکین دیکھ کے بتائیں گے کہ کیا ہے۔''پھر اس نے آواز دھیمی کی۔''گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے' کیف۔میں صرف تمہیں بتا رہی ہوں۔''

''آپ بے فکر رہیں۔میں گھر پہ ہوں۔مینیج کرلوں گا۔''

گیٹ پہ ہارن ہوا تو وہ سمجھ گئی کہ معید پہنچ چکا تھا۔ان دونوں کو ڈاکٹر دوہرا کے پاس جانا تھا۔مالا جلدی جلدی اسے ہدایات دینے لگیں۔

''تم اندر میرے کمرے میں ماں کے پاس بیٹھ جاؤ۔اور بخت بی سے کہو وہ بھی ساتھ بیٹھی رہیں۔میں صرف بخت بی پہ ماں کو چھوڑ کے نہیں جا سکتی۔''

''شیور۔میں سب مینیج کرلوں گا۔آپ جائیں۔''

وہ اسے جاتے دیکھتا رہا۔وہ اتنی تیزی سے باہر نکلی تھی کہ ہاتھ میں صرف فون تھا۔پرس تک نہیں اٹھایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیوروسرجن ڈاکٹر دوہرا کا کلینک ان کے گھر میں بنا تھا۔چار کنال کے بڑے سے گھر کو آدھا کلینک بنایا گیا تھا۔جس انٹرنس سے وہ کلینک میں داخل ہوئے وہاں گملے ہی گملے رکھے تھے۔چھت سے بیلیں گرتی ہوئی دروازوں تک لٹک رہی تھیں۔

ڈاکٹر دوہرا کا آفس لکڑی کے رنگ میں سجا تھا۔وہ اپنی بڑی سی لیدر چیئر پہ بیٹھے رپورٹس دیکھ رہے تھے۔کمرے میں لگے ایک روشنی کے چوکھٹے پہ ماں کا ایم آر آئی اسکین لگا تھا جسے کچھ دیر ڈاکٹر دوہرا نے اسٹڈی کیا تھا۔پھر انہوں نے اپنی عینک اتاری اور سامنے بیٹھے نوجوان ڈاکٹر اور اس کی بہن کو دیکھا جن کے چہرے بے بس اور آنکھیں بے چین تھیں۔

''میں نے تمام اسکین اور رپورٹس دیکھی ہیں۔''انہوں نے کھنکھار کے بات کا آغاز کیا۔''اور میں اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ ...''

کشمالہ کا سانس رک گیا۔ (منجیوما۔ کہہ دیں کہ یہ منجیوما ہے۔)

''یہ گلاؤما ہے۔''

امید کا فانوس چھن سے فرش پہ آ گرا اور چکنا چور ہو گیا۔ ساری بتیاں بجھ گئیں۔ دنیا تاریک ہو گئی جیسے۔

''میں جو بات کہنے جا رہا ہوں' اس کو آپ نے صبر سے سننا ہے۔ اگر آپ کی والدہ کے برین میں یہ چیز ہے جو اسکین میں نظر آ رہی ہے' تو ان کے پاس صرف چھے ماہ ہیں۔''

کشمالہ نے گنتی کی۔ آج یکم مئی تھی۔ چھے ماہ بعد یکم اکتوبر آنی تھی۔ دماغ کیسی عجیب چیز ہے۔ اس حالت میں بھی حساب کتاب سے نہیں چوکتا۔

''اگر سرجری کروائیں؟''

انہوں نے سوالیہ نظروں سے مالا کو دیکھا۔ ''آپ ڈاکٹر ہیں؟''

(اف یہ سوال۔)

''نہیں۔ میں بزنس وومن ہوں۔''

''دیکھیں بیٹا...'' ڈاکٹر دوہرا نے سادگی سے کہنا شروع کیا۔ ''یہ ایک گلاؤما ہے۔ اس کو نکلوانے کا فائدہ نہیں ہے کیونکہ سرجری کامیاب نہیں ہو گی۔ لاہور کا کوئی سرجن اس کیس میں ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ یہ ویسے بھی ایک ڈاکٹرز مدر کا کیس ہے۔ کسی نے ہاتھ ڈالا بھی تو سرجری کے دوران برین کا کوئی حصہ ڈیمیج ہو سکتا ہے جس سے ان کے جسم کے کسی حصے کے مفلوج ہونے کا ڈر ہے۔ بلڈ پریشر نہ سنبھلا تو برین ہیمریج ہو سکتا ہے۔ وہ کوما میں جا سکتی ہیں۔''

''ریڈی ایشن؟ اگر ریڈی ایشن لگوائیں تو؟'' وہ بے چینی سے بولی۔

''گاما نائف نہیں ہو سکے گی۔ ٹیومر کا سائز بہت بڑا ہے۔''

''نہ سرجری کروا سکتے ہیں۔ نہ شعاعیں لگوا سکتے ہیں۔ پھر ہم کیا کریں؟'' اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

''دوائیوں سے ان کی علامات اور درد کو کم کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ان کی یادداشت ایسے ہی ختم ہوتی رہے گی۔ کچھ عرصے بعد فٹس (دورے) پڑیں گے۔ خون کی الٹیاں آ سکتی ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ مفلوج ہو سکتا ہے۔ یہ سب گلاؤما کے آخری اسٹیج پہ ہوتا ہے۔'' وہ اپنے تئیں ایک ڈاکٹر سے بات کر رہے تھے۔ ان کا انداز نرم تھا۔ وہ حقیقت بتا رہے تھے۔ مگر مالا کا دل چاہا ڈاکٹر کو گریبان سے پکڑے اور دیوار پہ اس کا سر دے مارے۔ اتنی دفعہ کہ اس کے سر سے خون بہنے لگے۔ وہ کیسے اتنے آرام سے کہہ سکتے تھے کہ ماں کو دورے پڑ سکتے ہیں؟

''مگر ماں کو ابھی تک فٹس (دورے) نہیں پڑے۔'' معید چونک کے بولا۔

''اتنے بڑے گلاؤما کے ساتھ فٹس پڑتے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فٹس نہ پڑیں۔ کیا انہوں نے سر درد کی شکایت تک نہیں کی؟''

''نہیں۔ شاید ان کو سر میں درد ہی نہ ہوتا ہو۔'' وہ پھر سے بولی۔

''اتنے بڑے ٹیومر کے ساتھ صرف سر میں درد نہیں ہوتا' بلکہ سر میں بم پھٹ رہے ہوتے ہیں۔ اگر آپ کی ماں نے شکایت نہیں کی تو ان کے اعصاب بہت مضبوط ہیں۔ وہ ایک بہت بہادر خاتون ہیں۔ اور...'' ان کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''وہ اس وقت بہت تکلیف میں ہیں۔ آپ نے ان کا خیال رکھنا ہے۔'' وہ اگلے چند لمحے بولتے رہے۔ معید گردن جھکا کے سنتا رہا۔ اور وہ مٹھیاں بھینچے۔

وہ ان کو اپنی ماں کے جنازے کی تیاری کرنے کو کہہ رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ چھے ماہ ہیں بس۔ اب انہیں ان چھے ماہ تک ماں کا خیال رکھنا ہے اور ان کی تکلیف کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ وہ دماغ کی سوجن کم کرنے والی دوا لکھ کے دے رہے تھے۔ وہ ایا کیسے کہہ سکتے تھے۔ کسی کی ماں کے بارے میں کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ صرف چھے ماہ جیے گی؟

وہ وہاں سے باہر نکلے تو اس کے قدم من من بھر کے اٹھ رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ اس نے معید کو دیکھا۔ وہ ساتھ ساتھ فون پہ لگا ہوا تھا۔ اس کا رونے کا فیز گزر چکا تھا۔ ڈاکٹر معید اب زندہ ہو گیا تھا۔ اور وہ پرامید تھا۔

''معید اب کیا ہوگا؟'' وہ دونوں ڈاکٹر وہیرا کے گملوں سے سجے پورچ میں کھڑے تھے۔

''میں سرجری کے بارے میں مزید ڈاکٹرز کی رائے لوں گا۔ میں ماں کا علاج کرواؤں گا۔''

''مگر ڈاکٹر وہیرا نے کہا ہے کہ لاہور کا کوئی سرجن اس کیس میں ہاتھ نہیں ڈالے گا معید۔''

معید نے موبائل سے چہرہ اٹھا کے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''پھر ہم لاہور سے باہر کسی سرجن کو ڈھونڈیں گے' مالا۔ کوئی تو ہوگا جو امید دلائے گا۔''

مگر اسے معید کا اعتبار نہیں تھا۔

اس لمحے اس گملوں سے بھرے پورچ میں کھڑے کشمالہ کو لگا' کوئی سرجن اتنا جی دار نہیں ہوگا کہ حورِ جہاں کے برین کے ایک تہائی حصے پہ پھیلے ٹیومر کو دیکھ کے کہے کہ میں اس کا علاج کر سکتا ہوں۔

کوئی سرجن اتنا بہادر نہیں ہوگا کہ ان کی ماں کا دماغ کھول کے ٹیومر کو نکالنے کی جراءت کرے۔

کوئی سرجن ان کی ماں کو پھر سے تندرست ہو جانے کی امید نہیں تھمائے گا۔

کیونکہ اس وقت تک اس کی ملاقات ڈاکٹر واصف نصیر سے نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کو وہ ماں کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ ٹی وی پہ کوئی ڈرامہ چل رہا تھا۔ ماں کو پاکستانی ڈرامے بہت پسند تھے۔ ایک زمانے میں معید تبلیغی جماعت کے ساتھ متعارف ہوا تو تھوڑا زیادہ مسلمان ہو گیا تھا۔ تب اس نے ماں کو منع کرنا شروع کیا۔ ماں یہ ڈرامے نہ دیکھا کریں۔ ماں نے چپل اٹھائی اور کھینچ کے اس کو رسید کی۔

''بے غیرت ... تیری ماں نہ کبھی کلب گئی' نہ kitty پارٹیز اٹینڈ کیں۔ اور نہ تو کبھی اپنی ماں کو ورلڈ ٹور پہ لے کر گیا۔ ایک ڈرامے ہی ہیں میری انٹرٹینمنٹ۔ ان پہ بات نہ کیا کر۔ شکل گم کر میرے سامنے سے۔''

لیکن کشمالہ نے نوٹ کیا کہ وہ ڈرامے پہ توجہ نہیں دے رہی تھیں۔ ان کا شاید دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بس تخت پہ ٹیک لگا کے اونگھنے لگی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ کرسی پہ پیر اوپر کیے' گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے بیٹھی تھی۔

''آپ کی ماں ٹھیک ہو جائیں گی۔'' آواز پہ وہ چونکی۔ چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ کیف کچن کے دروازے پہ کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس پہ بھاپ اڑاتا مگ رکھا تھا۔

''تھینک یو کیف۔ مگر میں نے کافی نہیں پینی۔''

''یہ قہوہ ہے۔ آجاؤں؟'' اس نے اجازت چاہی۔ ساتھ ہی اونگھتی ہوئی ماں کو دیکھا۔ وہ ان سے ڈرتا تھا۔ کشمالہ نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ وہ لاؤنج میں چلا آیا اور اس کے سامنے میز پہ ٹرے رکھی۔

''کس چیز کا قہوہ ہے یہ؟'' اس نے بھاپ اڑاتے مگ کو دیکھا۔ اندر بھورا سا گرم مشروب تھا۔

''ادرک' سبز چائے اور بہت سے مصالحے۔ میرے ابا بناتے تھے یہ۔'' اس کے چہرے پہ ایک عجیب سی اداسی بکھری۔ نظریں جھکا دیں۔ مالا نے کبھی پہلے اس کے چہرے پہ یہ تاثر نہیں دیکھا تھا۔

''کہاں ہوتے ہیں تمہارے ابا؟'' اسے یاد آیا اس نے صفورا سے کبھی کیف کے والدین کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔

''جہاں بھی ہیں' سکون سے ہیں۔'' وہ جیسے ٹال گیا۔ کیا وہ اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا؟ مالا نے ہاتھ بڑھایا اور قہوہ اٹھا لیا۔ پھر ایک نظر ماں کو دیکھا۔ وہ آنکھیں بند کیے اونگھ رہی تھیں۔

دفعتاً اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔

"پتہ نہیں کون ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ کیف ساتھ کھڑا چوکنا سا اسے دیکھے گیا۔ کشمالہ نے موبائل کان سے لگایا۔

"جی؟"

"ہیلو مالا.... کیسی ہو؟" کھنکتی ہوئی نسوانی آواز۔ وہ اس اونچی آواز کو سارے جہان میں پہچان سکتی تھی۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

"کبیرہ تائی؟" اس کی آواز تلخ ہوگئی۔ "آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟"

"تمہاری ممانی سے لیا ہے۔ سوچا بہت عرصے سے تم سے بات نہیں ہوئی۔ کال کرلوں۔" وہ برسوں بعد ایسے کال کر رہی تھیں جیسے روز بات ہوتی ہو۔ کشمالہ نے ایک نظر اپنی ماں کو دیکھا۔ وہ سوتے ہوئے کتنی کمزور لگ رہی تھیں۔

"جی بتائیں۔"

"سنا ہے تمہاری امی کو برین ٹیومر ہوگیا ہے۔ وہ بھی گلاؤما۔ چچ چچ.... مجھے سچ میں بہت افسوس ہوا۔"

اس کے پیروں تلے سے زمین آہستہ آہستہ سرکنے لگی۔ اس نے چونک کے اپنے اطراف میں دیکھا۔ دائیں بائیں۔

کیف تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بنا آواز کے لب ہلا کے پوچھا۔ (کیا ہوا؟) مگر وہ کیف کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

"اب کیسی ہیں تمہاری امی؟"

حورِ جہاں کی تربیت نہ ہوتی تو وہ ان کو کھری کھری سنا دیتی۔ خیر ماہی تو اب بھی سنا دیتی۔ لیکن اس وقت اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ ان کو کیسے....؟

"ٹھیک ہیں میری امی۔ آپ کے کنسرن کا شکریہ۔ اللہ حافظ۔" اس نے تیزی سے فون رکھ دیا۔ پھر فون کو یوں تخت پہ اچھالا جیسے اس میں کرنٹ ہو۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ اس کے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کبیرہ تائی کو کیسے معلوم کہ ماں کو ٹیومر ڈائیگنوز ہوا ہے۔"

کیف نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "یہ نہیں ہوسکتا۔ سلیم اور اس کی ماں تک کو نہیں معلوم۔"

www.facebook.com/groups/...

''کبیرہ تائی کو ہمارے گھر کی خبریں کون دے رہا ہے۔'' وہ ابھی تک بے یقین تھی۔ ٹانگیں بے جان محسوس ہو رہی تھیں۔

''پہلے مجھے بتائیں' یہ کبیرہ تائی کون ہیں؟'' وہ اچنبھے کا شکار تھا۔

''وہ جو اس دن شادی پہ تھیں۔ چھوٹے بالوں والی۔ ساڑھی پہنے۔'' وہ بتانے لگی۔ دبے دبے الفاظ میں۔ جو بھی وہ کبیرہ کے متعلق جانتی تھی۔ اور یہ بتاتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس نے صرف کیف کو اس بارے میں بتایا تھا۔ لیکن کیف ظاہر ہے کبیرہ تائی کو نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کا ان سے کوئی تعلق کیسے ہو سکتا تھا۔

''اچھا وہ... مجھے یاد آ گئیں۔'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''وہ باہر کس ملک میں رہتی تھیں؟''

''انگلینڈ میں۔ ان کا بیٹا اب بھی وہیں ہوتا ہے۔''

کیف چونکا۔ ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔

''ان کا بیٹا انگلینڈ میں ہوتا ہے؟''

''ہاں۔'' ایک اور بات بھی تھی جو کبیرہ تائی کے بارے میں مشہور تھی لیکن وہ بات کشمالہ کیف کو نہیں بتا سکتی تھی۔ وہ اس کا یقین نہیں کرے گا۔ کوئی بھی نہ کرتا۔

''اور کبیرہ تائی سائیکو پیتھ بھی ہیں۔ اور کچھ نفسیاتی مرائض نسل در نسل منتقل ہوا کرتے ہیں۔ ان کے بیٹے کے بھی ایسے مسئلے ہو سکتے ہیں۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

کشمالہ اس کی پوری بات نہیں سن رہی تھی۔ اس کا چہرہ اب غصے سے سرخ پڑ رہا تھا۔ اس کی ماں کو ٹیومر تھا اور کبیرہ تائی اس بات سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ عجیب بے بسی سی بے بسی تھی۔

''آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ کبیرہ تائی کا بیٹا آپ کا تعاقب کار ہو سکتا ہے؟'' اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

کشمالہ مبین اور ماہر فرید کے درمیان بالآخر ایک کڑی اسے نظر آئی تھی۔ ایک کنکشن جو اس سارے پزل کو جوڑتا تھا۔ وہ یہاں کیوں تھا' وہ کس کھیل کا حصہ تھا' اسے بالآخر جواب ملنے والا تھا۔

''میں ان کے بیٹے کو نہیں جانتی۔ اس کا نام تک مجھے یاد نہیں۔ ماہی کہتی ہے ان کا کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔ وہ جھوٹ بولتی ہیں۔ ان کو بیٹے کا شوق تھا اس لیے وہ ایک کہانی گھڑ کے لوگوں کو سناتی ہیں۔ ورنہ کبھی تو نظر آتا ان کا بیٹا۔''

ماں ذرا سا ملیں تو کیف فوراً کھڑا ہو گیا۔

''میں چلتا ہوں ورنہ بی بی کو برا لگے گا۔ ہم اس قصے کو بعد میں یہیں سے شروع کریں گے۔'' اسے وہاں سے ہٹنے کا بہانہ چاہیے تھا۔ کشمالہ نے بس سر ہلا دیا۔ اس کا چہرہ ابھی تک تمتمار ہا تھا۔ وہ غصے اور بے بسی سے ماہی کو کال ملانے لگی۔

باہر لان میں آتے ہی اس نے موبائل نکالا اور وائٹ ہنیر کے نام سے چیٹ کھولی۔ وہ میسج لکھنے لگا تھا جب اس نے چیٹ کا آخری میسج دیکھا۔ شام میں اس نے مالک کو ایک پیغام بھیجا تھا۔

''کشمالہ کی ماں کو برین ٹیومر ہے۔''

مالک کا جواب کچھ یوں موصول ہوا تھا۔

''سن کے افسوس ہوا۔''

وہ جو میسج ٹائپ کرنے لگا تھا، رک گیا۔ اس نے صرف مالک کو یہ بات بتائی تھی۔ پھر یہ کبیرہ بیگم تک کیسے پہنچی؟ کیا وہ مالک پہ اعتبار کر سکتا تھا؟ شاید نہیں۔ کبیرہ تائی کے بارے میں جو نئی معلومات اسے ملی تھیں، ان کا تعاقب وہ کم از کم مالک کے ذریعے نہیں کر سکتا تھا۔

وہ انباکس میں واپس گیا اور زارا کیف کے نام کی چیٹ کھولی۔

''مجھے تم سے ایک کام ہے۔'' اس کی انگلیاں تیزی سے ٹائپ کر رہی تھیں۔

''تمہارا برادر ان لاء اسکاٹ لینڈ یارڈ میں ہوتا ہے نا۔ مجھے ایک آدمی کو ڈھونڈنا ہے لیکن بالکل رازداری سے۔ وہ انگلینڈ میں رہتا ہے۔ اس کی ماں کا نام کبیرہ ہے۔ میں کبیرہ اور اس کی فیملی کی تمام تفصیلات معلوم کروا کے بھیجتا ہوں۔ کیا تم اپنے طور پہ پتہ کروا سکتی ہو؟ لیکن میرا نام نہیں آنا چاہیے۔ کسی بھی صورت میں میرا نام نہیں آنا چاہیے ورنہ میں مشکل میں پھنس جاؤں گا۔'' وہ رکا اور کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس کی انگلیوں نے آخری سطر لکھی۔

''میں ساری دنیا میں سب سے زیادہ اعتبار تم پہ کرتا ہوں زارا۔ اپنی فیملی، اپنے دوستوں، اپنے دشمنوں۔ ہر ایک سے زیادہ۔ تم یہ کر لو گی نا؟''

جواب چند لمحوں میں ہی موصول ہو گیا تھا۔

''آف کورس۔ کیا میں نے اتنے برسوں میں کبھی تمہیں ناں کہا ہے؟''

کیف کھلے دل سے مسکرا دیا۔ زارا جیسا اس کے لیے کوئی نہ تھا۔ صرف وہی تھی جو اس کے سارے مسئلے حل کیا کرتی تھی۔

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

قسط نمبر: 3

جب ہم چھوٹے تھے'
ہمیں کہانیوں میں جادو
اپنا گرویدہ بنالیتا تھا۔
پھر ہم بڑے ہوئے
اور ہم ڈرنے لگے۔
محبت سے۔
نہ جانے کس مقام پہ
ہم نے بھلا دیا
اس بات کو
کہ جادو اور محبت...
ایک ہی شے ہے؟

(جے آر روگ)

nemrahahmad.com

تاریخ تھی پانچ اپریل۔شہر تھا اسلام آباد کا۔اور وقت تھا اس ملاقات کے ختم ہونے کا۔
ہوٹل سوئیٹ میں وہ دونوں گھڑی کی پیچھے اور بارہ کی سوئیوں کی طرح آمنے سامنے کھڑے تھے۔
"تم نے کبھی سنا ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کسی دن اچانک سے غائب ہو جاتا ہے؟ وہ اپنے اپارٹمنٹ

سے نکلتا ہے اور پھر واپس نہیں آتا۔" ماہر فرید سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "تم کیف جمال اس جاب کو اپنی مرضی سے ختم نہیں کر سکتے۔ یہ جاب تب ختم ہو گی جب میں کہوں گا۔ اور جب تک میں نہیں کہوں گا' تمہارے اپارٹمنٹ سے بدبو بھی نہیں اٹھے گی۔ اب یہ پیکٹ اٹھاؤ' اور جا کے نئے جوتے خریدو۔"

کیف کا چند منٹ پہلے بحال ہوا اعتماد ایسے بکھر گیا جیسے ہوا سے سوکھے پتے بکھر جاتے ہیں۔ اس نے میکانکی انداز میں سر ہلا دیا۔ پیسے' مینور شپ' اپنے بزنس کا کامیاب ہو جانا' یہ سب اس کی ضروریات تھیں لیکن اس لمحے اسے احساس ہوا کہ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس نے خود کو ایک غلط آدمی کے ساتھ سودے میں پھنسا دیا ہے۔

"مزید کچھ پوچھنا ہے تو ابھی پوچھ لو۔" ماہر فرید نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "میری لندن کی فلائٹ ہے۔ مجھے واپس جانا ہے۔ زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔"

کیف جمال نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔ اسی وقت روم کا دروازہ کھٹکا۔ ایسے نہیں جیسے بیل بجاتے ہیں۔ بلکہ ایسے جیسے کوئی جوتے سے دو تین دفعہ ٹھوکر مارتا ہے۔ ماہر فرید نے کیف سے نظر ہٹائی اور مالک کو دیکھ کے ابرو سے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔

مگر مالک نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض کندھے اچکا دیے۔

"اس کے پاس کی کارڈ ہے۔ خود کھول لے گا۔"

چند لمحے بعد کارڈ سوائپ ہونے کی بیپ بجی۔ پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

"ایک دروازہ کھولنے میں کتنی محنت لگتی ہے یار۔ تم لوگ میرے ساتھ یہ جان بوجھ کے کرتے ہو۔" اندر داخل ہونے والا شخص جھنجھلا کے کہتے ہوئے رک گیا۔ کیف ابھی تک ماہر کو دیکھ رہا تھا لیکن اسے کھڑکی کے شیشے میں مدھم سا عکس دکھائی دیا۔ وہ ایک نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں پکڑی پیپر ٹرے میں ڈسپوزیبل کپ نظر آ رہے تھے۔

کیف جمال کو دیکھ کے نووارد نے نظریں جھکائیں۔ کپ گنے۔ ایک دو تین۔

پھر چہرہ اوپر اٹھا کے کمرے میں موجود افراد کی گنتی کی۔ اب کے وہ بولا تو آواز میں معذرت تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں ہم چار لوگ ہوں گے۔"

کیف کو خود نہیں معلوم تھا کہ اس روز ہوٹل سوئیٹ میں وہ تین نہیں' چار ہوں گے۔ اس نے ماہر فرید سے نظریں ہٹائیں اور گردن موڑ کے اس شخص کی طرف دیکھا۔

nemrahahmad

نووارد عمر میں چھبیس ستائیس برس کا نوجوان لگتا تھا۔ بال سیاہ گھنگریالے تھے۔ ماتھے پہ ایک طرف سے آگے کو گرتے تھے۔ کانوں کے اوپر سے استرا پھرا تھا۔ اس کا لباس بھی اس کے بالوں کی طرح casual سا تھا۔ گول گلے کی ٹی شرٹ پہ ہلکا نیلا کوٹ جس کے آستین rouched تھے۔ (کہنی کے آس پاس سلوٹیں ڈال کے اکٹھے سلے تھے تاکہ آستین اوپر چڑھانے کا تاثر ملے۔) وہ کلین شیو مسکراتے چہرے والا نوجوان پیروں میں بنا جرابوں کے اوور سائز ڈ جوگرز پہنے ہوئے تھا۔

اس نے ٹرے میز پہ رکھی۔ اپنا کپ اٹھایا اور استرا ہونٹوں میں ڈالتا ایک سنگل صوفے پہ جا بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور جوگر والا پیر جھلاتے ہوئے دلچسپی سے کیف کو دیکھا۔

''کوئی مجھے بتائے گا یہ کون ہے؟'' اس کا لہجہ کافی حد تک accented تھا۔

''یہ کیف جمال ہے۔ باڈی گارڈ کی نوکری کے لیے اسے بلایا ہے۔''

''کیف؟ یہ کیف ہے؟'' نووارد ہلکا سا ہنس دیا۔ ''اینی ویز... میں سب کا چائے قہوہ لے آیا ہوں۔ ہوٹل کچن سے خود بنوا کے۔ سوری کیف مجھے تمہاری آمد کا علم نہیں تھا۔'' معذرت کر کے استرا لبوں سے لگا لیا۔

کیف ابھی تک اچھنبے سے اس نوجوان کو دیکھ رہا تھا جو اس سارے منظر نامے میں مس فٹ تھا۔ کیف کو اپنی طرف دیکھتا پا کے اس نے استرا ہونٹوں سے ہٹایا اور دلکشی سے مسکرایا۔

''میں بیربل ہوں۔ تم مجھے بیر کہہ سکتے ہو۔ یا جیسے ماہر کہتا ہے... صرف بی۔''

اس کے کولڈ کافی کپ کے اوپر مارکر سے لکھا Birbal اسے اب نظر آیا تھا۔ بس ایک نظر اس نام کو پڑھا اور جواب دیے بنا ماہر فرید کی طرف مڑ گیا۔ اسے ان لوگوں کے ساتھ نہ مسکرانے کی ضرورت تھی نہ زیادہ گھلنے ملنے کی۔

''مزید کوئی سوال؟'' ماہر نے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

''ایک ہی دفعہ سب سوال پوچھ لو۔'' مالک اپنا کپ اٹھاتے ہوئے اب کوفت زدہ لگ رہا تھا۔ جیسے وہ جلد از جلد کیف جمال کو وہاں سے بھیجنا چاہتا ہو۔

''اگلے دو ماہ مجھ سے رابطے میں کون رہے گا؟''

''صرف مالک۔ کیونکہ میرے پاس ان چیزوں کے لیے وقت نہیں ہے۔''

ماہر نے اپنے کپ کو ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ دونوں اسی طرح آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''ٹھیک ہے۔ میں دو ماہ تک اس جاب کو کروں گا۔'' کیف سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔ اسے تمام پہلوؤں پہ غور

کرنا تھا۔ وہ بار بار پیسے اٹھا کے واپس اس سوئیٹ میں نہیں آ سکتا تھا۔ اسے اس سائیکو پیتھ سے جو منوانا تھا' ابھی منوانا تھا۔

''لیکن اگر مجھے اس لڑکی کی نوکری اچھی لگی اور دو ماہ کے بعد بھی میں اس نوکری کو کرنا چاہوں ... تو؟'' رک کے وضاحت کی۔ ''وہ ایک کامیاب ریستوران چلاتی ہے۔ میں اس کے پاس رہ کے بہت کچھ سیکھ سکتا ہوں۔''

اس بات پہ ہوٹل سوئیٹ میں سناٹا چھا گیا۔ مالک اور ماہر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور اسٹرا سے گھونٹ بھرتا بیر بل ہنس دیا۔ پھر کپ نیچے کر کے محظوظ انداز میں بولا۔

''ماہر... تم نے اس کو اصل بات نہیں بتائی؟''

''کیا؟'' کیف نے چونک کے باری باری ان کو دیکھا۔ ان تینوں نے نگاہوں میں تبادلے کیے تھے۔

''کیف جمال....'' ماہر فرید کھنکھارا۔ آواز میں قدرے نرمی تھی۔ ''تم دو ماہ سے زیادہ اس جاب کو نہیں کر سکتے۔ میرا اور تمہارا معاہدہ دو ماہ بعد ختم ہو جائے گا۔'' قدرے توقف سے بات جاری رکھی۔

''جب تم اس جاب سے انکار کر رہے تھے تو میں نے تمہیں دو باتیں کہی تھیں۔ کیا وہ تمہیں یاد ہیں؟''

بیر بل مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتا' اسٹرا سے کافی حلق میں کھینچ رہا تھا۔

''مجھے یاد ہے۔''

''یاد ہے تو میرے وہ دو فقرے دہراؤ۔''

''بہت بہتر۔ آپ نے کہا تھا کہ...'' وہ ماہر فرید کے الفاظ دہرانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پیلے رنگ کی بس تیز رفتاری سے سرمئی سڑک پہ رواں دواں تھی۔ چلی ویک کے پہاڑوں کا سلسلہ دور پیچھے رہ گیا تھا۔ اور وین کوور (Vancouver) کی اونچی عمارتوں کی اسکائی لائن نظر آنے لگی تھی۔

''وین کوور'' کینیڈا کے صوبے برٹش کولمبیا کا سب سے معروف شہر تھا۔ یہ دنیا کے مہنگے ترین شہروں میں سے ہے۔ دنیا بھر کے امراء اور روسا میں اس شہر میں گھر خریدنا ایک ٹرینڈ بن چکا ہے۔ اس گھر کو لے کر وہ چھوڑ دیتے ہیں اور وہاں صرف چھٹیوں کے چند ہفتے گزارنے آتے ہیں۔

ماہی کے شہر چلی ویک سے یہ شہر ''وین کوور'' گھنٹے بھر کی ڈرائیو پہ تھا۔ وہ امراء کی طرح یہاں سیر و تفریح کے لیے نہیں جا رہی تھی۔ وہ اپنے جواب ڈھونڈنے اس سفر پہ نکلی تھی۔

nemra

آخری سیٹ پہ بیٹھی' کھڑکی سے ماتھا ٹکائے گم صم سی ماہی باہر بھاگتے درخت دیکھ رہی تھی۔ آج سیاہ بادل کافی نیچے تک اترتے محسوس ہو رہے تھے۔ بارش کسی بھی لمحے شروع ہونے کو تھی۔

بس کے شیشے پہ اس کے سانس سے دھند سی بن گئی تھی۔ ماہی نے انگلی سے اس پہ لکیر کھینچی۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ وہ ایم لکھ رہی تھی۔

بچپن میں جب بھی وہ سردیوں میں لمبے روٹ پہ سفر کرتے' کار کے شیشوں پہ دھند جم جاتی تھی کہ کار کا ہیٹر نہیں کام کرتا تھا۔ وہ تینوں بچے اپنے اپنے شیشوں پہ ایسے ہی اپنے نام لکھا کرتے تھے۔ ماں کہتی تھیں پرے فضول حرکتیں نہ کیا کرو۔ رمضان کے دن ہوتے اور راستے میں روزہ کھل جاتا تو وہ کسی ریڑھی سے پکوڑے خرید لیتے۔ ماں پکوڑوں کا گرم اخبار والا لفافہ اپنی گود میں رکھتیں۔ اور باری باری ہر بچے کو دیتیں۔ وہ چٹنی کے پیکٹ کے کونے میں دانت سے ایک سوراخ کرتی۔ ایک پکوڑا منہ میں۔ ایک گھونٹ چٹنی کا۔

اب ہیٹر والی کار بھی تھیں۔ اب وہ بہن بھائی جہازوں میں سفر کرتے تھے۔ اعلیٰ ریستورانوں میں کھانا کھاتے تھے۔ عباد اور ماہی تو بہت ٹریول کرتے تھے۔ لیکن ساری دنیا میں ان پکوڑوں جیسا کچھ نہ تھا۔

دھند چھٹنے لگی۔ اس کا بنایا ایم مدھم پڑنے لگا۔

دھند لے شیشے کے اس پار بس اسٹاپ نظر آ رہا تھا۔ اس نے بیل بجائی۔ بس کی رفتار آہستہ ہوئی۔

وہ اسٹاپ پہ اتری تو کمر پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ دوسرے ہاتھ میں بیک پیک تھا۔ اسٹاپ پہ نصب بنچ پہ بیٹھ کے ماہی نے چند گہرے سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔ یہ سفر کرنا اس کے لیے مناسب نہ تھا لیکن اسے یہ رسک لینا تھا۔

چند لمحے وہ وہیں بیٹھی رہی۔ پھر گردن اٹھا کے سیاہ آسمان کو دیکھا۔ بارش جلد شروع ہونے والی تھی۔ تبھی اسے خیال آیا۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ چھوٹے کٹے بالوں پہ ہیئر بینڈ لگا تھا۔ اس نے گردن میں بندھا سلک تکونا اسکارف اتارا اور سر پہ لپیٹ کے گردن تلے گرہ باندھی۔ بیک پیک کندھوں پہ پہنا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ سفید جوگرز سے چلتے ہوئے وہ سائیڈ واک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کا رخ ایک دو منزلہ عمارت کی جانب تھا جو اس اسٹریٹ کے دہانے پہ بنی تھی۔

بیل بجا کے وہ انتظار کرنے لگی۔ عمارت کے داخلی دروازے میں شیشہ لگا تھا۔ اس پہ بھی دھند جمی تھی۔ وہ عادتاً اس پہ انگلی پھیر کے کچھ لکھنے لگی۔ تبھی دروازہ اندر کی طرف کھلتا گیا۔ وہ سنبھل کے سیدھی ہوئی۔

''السلام علیکم ماہ بینہ۔'' بھوری داڑھی اور ٹوپی والے ڈاکٹر رائد سامنے نظر آئے۔انہوں نے مسکرا کے اس کے لیے راستہ چھوڑا۔وہ بلیک پینٹ پہ ڈریس شرٹ پہنے ہوئے تھے اور پیروں میں جرابیں تھیں۔

''عباد نہیں آیا؟''

''نہیں۔مجھے اکیلے میں کچھ بات کرنی تھی' ڈاکٹر رائد۔'' وہ تیزی سے اندر آئی۔جھک کے جوتے اتارے اور جرابوں سے چلتی ہوئی ان کے پیچھے چلی آئی۔

کاریڈور سے گزر کے ایک ہال نما کمرہ تھا جہاں نماز کے قالین بچھے تھے۔کونوں میں چند بک ریکس تھے جن میں اسلامی کتب سجی تھیں۔دو چار افراد کہیں نہ کہیں بیٹھے کسی کتاب یا تسبیح میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔غالباً ابھی ابھی وہ لوگ ظہر کی جماعت سے فارغ ہوئے تھے۔

''میں نیچے نہیں بیٹھ سکتی۔ہم کہیں اوپر بیٹھ سکتے ہیں؟''

اس کی بات پہ ڈاکٹر رائد نے سر ہلا دیا اور ایک کونے میں چلے آئے۔وہاں ایک میز کے گرد دو کرسیاں رکھی تھیں۔ساتھ کھڑکی تھی۔اس کے شیشے پہ بھی ہلکی سے دھند جمی تھی لیکن باہر کی طرف۔وہ اس پہ لکیریں نہیں کھینچ سکتی تھی۔

''بتایئے۔کیا چیز آپ کو آج مسجد کھینچ لائی۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تو ماہی نے بیگ پیک سے اسکیچ بل نکالی۔مگر اسے کھولا نہیں۔اس نے ڈاکٹر رائد کو دیکھتے ہوئے بے بسی سے پوچھا۔

''ایک بچہ ہے۔میں اس کا گلا دبا کے اسے مارنا چاہتی ہوں۔دو دفعہ کوشش کی ہے۔لیکن وہ نہیں مرتا۔میں آپ سے پوچھنے آئی ہوں کہ میں اسے کیسے ماروں؟''اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس منظر کو یہیں روک کے ہم اپنی کہانی میں واپس جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ رمضان کی رونق اس سال گزشتہ برسوں جیسی نہیں تھی۔وہ جو اسلام آباد سے یہاں ایک شادی اٹینڈ کرنے آئی تھی' اس کی زندگی یہیں رک کے رہ گئی تھی۔جیسے پینٹ کی ٹیوب کا ڈھکن بند کرنا بھول جاؤ اور سارا پینٹ وہیں سوکھ جائے۔رنگ رہ جاتا ہے مگر وہ رنگ نہیں ہوتا۔

aemrahahma

ڈاکٹر وو ہرا کی اپائنٹمنٹ کے بعد مالا اور معید نے طے کیا تھا کہ وہ ماں کو ان کی بیماری کا علم نہیں ہونے دیں گے۔ ماں ویسے بھی مزید تھکی ہوئی اور غنودہ غنودہ دکھائی دیتی تھیں۔ فی الحال ان کو اپی وال دی گئی تھی تاکہ ان کو فٹس (دورے) نہ پڑیں اور دماغ میں ٹیومر کی سوجن کو کم کیا جا سکے۔ ماں لاؤنج میں ڈرامہ دیکھتے ہوئے سو گئی تھیں اور وہ کبیرہ تائی کے فون کے بعد بے چین سی تھی۔ ماہی کو جیسے ہی کال ملائی اس نے جھٹ فون اٹھا لیا۔

''کیا کہا ڈاکٹر وو ہرا نے؟'' ماہی اس سے زیادہ بے چین تھی۔ پاکستان سے ایک ایک فون کال کی منتظر لیکن ہر گھنٹی پہ ڈر جانے والی۔

''گلائیوما ہے۔'' اس کی آواز مدھم ہوئی۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نے اتنی دعائیں مانگی ہیں کہ یہ ٹیومر benign (بے ضرر) ہو۔ یہ پھیلنے والا نہ ہو۔ پھر کیسے؟'' وہ بے یقین تھی۔

''ماہی... کبیرہ تائی کا فون آیا تھا۔'' مالا کی سوئی کہیں اور اٹکی ہوئی تھی۔ ''ان کو معلوم ہے گلائیوما کے بارے میں۔''

''واٹ؟'' ماہی کسی خواب سے جاگی۔ ''ان کو کیسے معلوم ہوا؟''

''یہی تو میں سوچ رہی ہوں۔'' چارجنگ کم ہونے کی ٹون بجی تو مالا موبائل کان سے لگائے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ صبح اس کا چارجر بجلی کی دو لیچ اوپر نیچے ہونے سے جل گیا تھا۔ وہ اپنی الماریوں کے دراز کھول کے چیک کرنے لگی۔ ایک پرانا چارجر یہیں کہیں رکھا یاد آ رہا تھا۔

''ہمارے ملازم۔'' ماہی فوراً سے نتیجے پہ پہنچ گئی۔ ''انہوں نے ہی بتایا ہوگا۔''

''نہیں یار۔ ان کو خود نہیں معلوم۔ پھر وہ سب پرانے ملازم ہیں۔'' ایک دراز بند کرتے کرتے وہ ٹھہر گئی۔ دھیرے سے اسے واپس پورا کھولا۔

''وہ کیف... وہ تو نیا ہے۔ کیا پتہ وہی انوالوڈ ہو۔''

''اس کو میں نے خود ہائر کیا ہے ماہی۔ وہ کیسے انوالوڈ ہو سکتا ہے۔ اچھا میری چارجنگ ختم ہونے والی ہے۔''

اس نے فون رکھ دیا اور وہیں زمین پہ بیٹھ گئی۔ دراز پورا کھول لیا۔ وہاں ایک مخمل کا بیگ رکھا تھا۔

کشمالہ کی سبز آنکھوں میں مسکراہٹ اتر آئی۔ جیسے ایک پرانے دوست سے ملاقات ہوئی ہو۔ وہ جس سے عرصے سے ناراضی چل رہی ہو۔

اس نے بیگ نکالا اور دھڑکتے دل سے کھولا۔

اندر ترتیب سے آٹھ خانے بنے تھے۔ ہر خانے میں مختلف سائز کے پینٹ برش رکھے تھے۔ اس نے انگلیوں کے پوروں سے برشز کے اکڑے بالوں کو چھوا۔ وہ مضبوط مگر نرم تھے۔

برلس' اکاؤنٹس' سیلز' کسٹمرز... ان سب میں گم ہو کے اسے یہ بھول ہی گئے تھے۔ اس روز اسٹوڈیو کی صفائی کرتے وقت بہت سا سامان نکلا تھا جسے اس نے ایک کیبنٹ میں بنا کچھ محسوس کیے ڈلوا دیا تھا۔ کیونکہ ان میں موجود اس کے فیورٹ برشز اب تک خراب ہو چکے تھے۔ لیکن یہ والے برش... یہ اس نے بہت چاہ سے لیے تھے مگر کبھی استعمال نہیں کیے۔ شاید وہ برش بھی اس سے ناراض تھے۔

اور شاید وہ کبھی انہیں استعمال نہیں کر سکے گی۔ ماں کا ٹیومر پھر سے یاد آ گیا۔ اس نے دراز بند کر دیا۔

مالا نے ماہی کو کہہ دیا تھا کہ کیف ملوث نہیں ہو سکتا لیکن ماہی کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ بیڈ پہ لیٹے لیٹے چھت کو دیکھتی کچھ سوچے گئی۔

کبیرہ تائی کو کیسے معلوم ہوا؟ یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔ کوئی ہے ان کے گھر میں جو جاسوسی کر رہا ہے۔ یا پھر... وہ بچہ....

اس نے سر جھٹکا اور موبائل اسکرین روشن کی۔ پھر سلیم کو کال ملائی۔ کینیڈا آنے سے قبل اس نے سلیم کی منتوں پہ اپنا پرانا اینڈرائیڈ فون اسے دے دیا تھا۔ سلیم ٹچ موبائل پہ خوش ہو گیا تھا۔ مالا اسلام آباد ہوتی تھی تو ماہی سلیم کو واٹس ایپ کال کر کے بخت بی سے بات کرتی اور گھر کی دیکھ بھال کی ہدایات دیتی رہتی تھی۔ گھر میں کون آیا' کون گیا' ماہی کو برٹش کولمبیا میں بیٹھ کے بھی ساری خبریں مل جاتی تھیں۔

''سنو سلیم... گھر سے باہر نکل کے مجھ سے بات کر سکتے ہو؟'' راز داری سے پوچھا۔

''باجی وائی فائی ختم ہو جائے گا اور ڈیٹا میرے پاس ہے نہیں۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

''ہاں تو اپنا جیب خرچ موبائل پہ فلمیں بھروانے میں نہ ضائع کیا کرو نا۔ اچھا سنو۔'' آواز آہستہ کی۔ ''یہ کیف کیسا آدمی ہے؟ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ بتاؤ۔ تمہاری بات پسند آئی تو کیا پتہ میں تمہیں نیا فون بھجوا دوں۔''

''اور شلٹیں بھی۔''

''شلٹ نہیں ہوتا۔ شرٹ ہوتا ہے' کمبخت۔'' وہ دانت کچکچا کے بولی۔

''سوری باجی۔'' وہ ہر دفعہ ڈھٹائی سے دانت نکال کے سوری کہہ دیا کرتا تھا۔ سیکھتا نہیں تھا۔

''اچھا یہ کیف وارداتیا ہے پورا۔ اس کے بٹوے میں بڑے نوٹ ہوتے ہیں جی۔ اور یہ اپنے کمپیوٹر پہ کسی لڑکی سے باتیں کرتا ہے۔ کئی کئی گھنٹے۔''

''کہتا کیا ہے؟''

"میں نے اس کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔ آواز نہیں آتی۔ بس لڑکی کی شکل دکھائی دی تھی۔ یہ لمبے بال تھے اس کے اور..." سلیم کو تھوڑی سی شرم آئی۔ ''اور جی اس نے بغیر آستینوں والی شلٹ پہنی ہوئی تھی۔''

''شلٹ ماروں گی میں تمہارے سر پہ۔ شرٹ ہوتا ہے۔ آگے بولو۔''

''بڑی کوئی امیر سی لڑکی لگتی تھی۔ ٹی وی والیوں جیسی۔ اور ہاں۔ ہر روز ٹھیک پانچ گھنٹے کے لیے وہ غائب ہو جاتا ہے۔ مالا باجی اسے چھٹی دے دیتی ہیں دوپہر میں۔ فکس ٹائم پہ جاتا ہے۔ فکس ٹائم پہ آتا ہے۔ مجھے لگتا ہے دوسری کوئی نوکری کرتا ہے۔''

''کوئی کام کی بات بتاؤ۔''

''اور کچھ نہیں کرتا۔ نکما ہے جی۔ سارا دن بچوں کی طرح اپنی ڈرائنگ (ڈرائنگ) کی کتاب میں لکیریں چلاتا رہتا ہے۔ کبھی موٹر سائیکل بناتا ہے۔ کبھی کچھ۔ اس کے پاس لمبی لمبی پنسلیں ہیں۔''

''پنسلیں نہیں پھنسلد ہوتا ہے۔ نقل کر کے کے میٹرک کیا تھا کیا؟'' بدمزہ ہو کے کال بند کی۔ کیف اسے بے ضرر لگا تھا۔ کام سے کام رکھنے والا۔

پھر اس نے موبائل پہ ڈاکٹر رائد کی چیٹ نکالی۔ ابھی تک ان کا جواب نہیں آیا تھا۔

وہ عباد کے استاد تھے۔ عباد کم عمری میں پڑھائی کے لیے کینیڈا آیا تھا۔ اس کی فیملی پہلے لاہور اور پھر امریکہ میں سیٹل ہو گئی تھی۔ عباد کو کینیڈا پسند تھا۔ وہ اس عمر میں یہاں آیا تھا جس میں لڑکے بہت آسانی سے بھٹک جاتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کی ملاقات ڈاکٹر رائد سے ہوئی۔ وہ انہیں اپنا شیخ کہتا تھا۔ عباد نے ان سے دین اور عربی زبان سیکھی۔ ساتھ ساتھ پڑھائی جاری رکھی۔ میکاٹرونکس میں انجینئرنگ کر کے وہ پاکستان واپس چلا گیا۔ چند سال اس نے وہاں کام کیا اور پھر کینیڈا میں ایک دوست کے توسط سے اسے اچھی جاب مل گئی۔

وہ یہاں واپس آیا تو جلد ہی اس کا تبادلہ برٹش کولمبیا (کینیڈا کے ایک صوبے) میں ہو گیا۔ عباد نے کئی سال اونٹیریو (ایک دوسرے صوبہ) کے شہر ٹورنٹو میں گزارے تھے۔ یہ دونوں صوبے ایک دوسرے سے بہت دور

تھے۔ان کی زندگیاں مختلف تھیں۔اس کے لیے بی سی (برٹش کولمبیا) میں ایڈجسٹ کرنا مشکل تھا۔لیکن حال ہی میں ڈاکٹر رائد یہاں شفٹ ہو گئے تو عباد بہت خوش نظر آتا تھا۔

ماہی کی ملاقات ڈاکٹر رائد سے چند ایک دفعہ ہوئی۔اور اب وہ اپنے سوالوں کے جواب کے لیے ان سے بات کرنا چاہتی تھی۔مگر وہ آج کل مصروف تھے۔جانے کب وہ اسے وقت دیں۔

عباد کمرے میں آیا تو وہ بیڈ پہ لیٹی سوچ میں غرق تھی۔

''میں سوچ رہی ہوں ڈاکٹر رائد کے پاس جاؤں اور ان سے پوچھوں۔''

''کیا؟'' وہ الماری میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

''اس بچے کے بارے میں۔''

''ماہی یار خدا کے لیے اس بچے کا پیچھا چھوڑ دو۔'' وہ جیسے بدمزہ ہوا۔ایک شرٹ نکالی اور اسے الٹ پلٹ کے دیکھنے لگا۔''ویسے بھی بڑی بوڑھیاں کہا کرتی تھیں کہ اس حالت میں خوبصورت بچے دیکھنے چاہیے ہیں تاکہ آنے والا بچہ خوبصورت ہو۔تم اسی بچے کی تصویریں بناتی رہو گی تو مجھے ڈر ہے کہ میرا بچہ بھی اتنا بدصورت اور لمبے کانوں والا نہ پیدا ہو جائے۔'' وہ ہنس کے بولا تو ماہی نے برا سا منہ بنایا۔

''ہر بات مذاق میں...'' وہ کہتے کہتے رکی۔لمحے بھر کو اس کا سانس رک گیا۔

"میں نے اس کے کان تو کبھی نہیں بنائے۔تمہیں کیسے معلوم اس کے کان لمبے تھے؟''

دوسری شرٹ نکالتے نکالتے عباد ساکت ہو گیا۔پھر اس نے آہستہ سے الماری بند کی اور جب بولا تو ماہی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

''تم نے ہی بتایا ہو گا۔مجھے کیسے معلوم ہونا ہے؟'' اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''تم نے بھی اسے دیکھا ہے نا۔'' وہ بے یقینی سے بڑبڑائی۔لیکن عباد جا چکا تھا۔وہ ششدر سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسجد کے باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔کالے بادل ہلکی پھلکی بوندا باندی برسا رہے تھے۔قطرے کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا کے نیچے پھسلتے جا رہے تھے۔گیلے شیشے کے دوسری طرف میز کے گرد بیٹھے دو وجود دکھائی دے رہے تھے۔

ماہی دونوں ہاتھ میز پہ پڑی اسکیچ بک پہ رکھے ہوئے تھی۔وہ بار بار اضطراب سے مٹھیاں بند کرتی اور کھولتی تھی۔سامنے بیٹھے ڈاکٹر رائد اس کی بات پہ مسکرائے تھے۔

''اللہ کے گھر میں بیٹھ کے گلا دبانے کی بات؟ اونہوں ماہ بینہ۔'' انہوں نے مسکرا کے سر دائیں بائیں ہلایا۔ ''کیا پئیں گی آپ؟ روزہ نہیں ہوگا آپ کا غالباً۔''

''کافی۔'' اس نے کافی کی ٹائپ نہیں بتائی۔ اس وقت وہ کچھ بھی لے سکتی تھی۔

وہ کافی لینے اٹھ گئے تو ماہی گردن موڑ کے کھڑکی پہ گرتے قطرے دیکھنے لگی۔ وہ کرسٹل کے دانوں کی طرح سارے شیشے کو ڈھکے ہوئے تھے۔ دفعتاً ان میں سے ایک پھسلتا اور دوسرے تیسرے کو ساتھ لیے پستی کا سفر کرنے لگتا۔ وہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی۔ وہ کتنے خوبصورت تھے۔ مگر ان کی زندگی کتنی چھوٹی تھی۔ ابھی ہوا کا جھونکا آئے گا اور وہ نیچے گر کے فنا ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

معید رات میں گھر آیا تو مالا نے چھوٹتے ہی کبیرہ تائی والے معاملے کی خبر دی۔ معید عورتوں کی سیاستوں میں نہیں پڑتا تھا۔ اسے کبیرہ تائی سامنے نظر آجاتیں تو اچھے سے سلام کر کے ہٹ جاتا تھا۔ ساری بات سن کے گہری سانس لی اور سادگی سے کہا۔

''میں نے ٹیسٹ رپورٹس جواد کو بھیجی تھیں۔ وہ ہمارا کزن ہے مگر کبیرہ تائی کا بھانجا بھی ہے۔ ظاہر ہے اسی نے بتایا ہوگا۔''

کشمالہ کی پریشانی اس ایک بات سے دور ہوتی گئی۔ کوئی اس کے گھر میں ان کی جاسوسی نہیں کر رہا تھا۔ جواد نیورولوجسٹ تھا اور یہ طے تھا کہ اب ماں کی رپورٹس ایک سے دوسرے ڈاکٹر تک جانی تھیں۔ لاہور میں ان کے کئی رشتے دار تھے۔ بات نکلنی تھی۔ ضروری یہ تھا کہ بات ماں تک نہ پہنچے۔

وہ کبیرہ تائی ان کے بیٹے اور ماں کی رپورٹس کو سوچتے سوچتے سو گئی تھی جب رات کے کسی پہر اس کی آنکھ کھلی۔

ایک مردانہ آواز۔ اس کے قریب سرگوشی۔ کسی نے اس کے بالوں کو چھوا۔ پھر اس کی گردن کو۔ پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

وہ ایک جھٹکے سے گہری نیند سے جاگی۔ پھر خوف کے عالم میں دائیں بائیں دیکھا۔ وہ تنہا تھی۔ ماں سو رہی تھیں۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

اس نے آنکھوں میں خوف لیے دروازے کو دیکھا۔ وہ بند تھا لیکن اس نے واضح چرچرانے کی آواز سنی تھی۔

کوئی اس کے کمرے میں تھا۔ کوئی اس کے کمرے میں کیسے آسکتا تھا؟ شاید کوئی برا خواب تھا۔

ہر دفعہ کی طرح۔

وہ آہستہ سے بستر سے نکلی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔اس نے بنا آواز کے دروازہ کھول کے باہر جھانکا۔لاؤنج نیم اندھیر اور سنسان پڑا تھا۔وہ دروازہ بند کر کے بیڈروم کی کھڑکی تک آئی اور پردہ دو انگلیوں سے ذرا سا سرکایا۔

باہر کیف پورچ میں ٹہلتا نظر آ رہا تھا۔کانوں میں ائیر پوڈز لگے تھے اور وہ دبی دبی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔اس کے چہرے پہ برہمی تھی۔کھڑکی کے شیشے بند ہونے کی وجہ سے آواز ٹھیک سے نہیں سنائی دیتی تھی۔اسے آواز سننی بھی نہیں تھی۔وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔اپنا خواب چند لمحے کے لیے بھول گیا۔

کیف نے کان میں لگے پوڈ کو انگلی سے دبا کے غالباً کال کاٹی اور پھر دیوار کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔دونوں ہاتھ دیوار پہ رکھے۔سر جھکا دیا۔پھر زور سے دیوار کو جوگر سے ٹھڈا مارا۔وہ غصے میں تھا۔جھنجھلایا ہوا بھی لگتا تھا۔اس نے پہلی دفعہ کیف کے چہرے پہ اتنی برہمی دیکھی تھی۔

کشمالہ پردے کے سامنے سے ہٹ گئی۔یقیناً اس نے برا خواب دیکھا تھا۔

باہر گیٹ کے ساتھ کھڑے کیف نے دیوار کو ایک دو ٹھڈے مزید مارے۔پھر وہ وہاں سے ہٹنے لگا تھا جب سامنے والے گھر کی بالائی منزل پہ نظر پڑی۔وہاں سی سی ٹی وی کیمرہ لگا تھا۔اس نے چونک کے اپنے گیٹ کو دیکھا۔گیٹ اس کیمرے کے رخ پہ تھا۔

اس کے ذہن میں ایک نیا خیال سر اٹھانے لگا۔

صبح جب سامنے والے صاحب مارننگ واک پہ نکلے تو وہ ان کی تاک میں کھڑا تھا۔وہ گیٹ بند کر رہے تھے جب کیف سڑک پار کرتا ہوا ان کے قریب آیا۔

''کیسے ہیں آپ 'سر؟'' ہشاش بشاش سے کیف نے مسکرا کے سلام جھاڑا۔وہ مڑے اور اسے دیکھ کے مسکرائے۔

''میں فٹ ہوں۔تم کیسے ہو برخوردار'' سر سے پیر تک اسے دیکھا۔جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس' چھوٹی چھوٹی بڑھی شیو والے اس نوجوان کو وہ چند دن سے حورِ جہاں بیگم کے گھر کے اندر باہر جاتے دیکھ رہے تھے۔

''میں آنٹی کا دور کا بھانجا ہوں۔لاہور میں جاب لگ گئی ہے۔اس لیے ان کے پاس رہ رہا ہوں۔''

وہ دونوں ان کے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔

''کل میں نے آپ کو اپنے مالی کو ڈانٹتے ہوئے سنا۔ بہت افسوس ہوا کہ اس کی وجہ سے...'' ایک نظر گھر کے باہر لگے پودوں پہ ڈالی... ''آپ کے سارے پودے جھلس گئے۔''

ادھیڑ عمر صاحب نے زیرِ لب مالی کی شان میں کئی الفاظ کہہ دیے۔

''ویسے ہمارا مالی بہت قابل ہے۔ آنٹی نے دیکھ بھال کے رکھا ہے۔ دو دن آتا ہے لیکن کام اچھا کرتا ہے۔ آپ کو اس کا نمبر دے دیتا ہوں۔'' موبائل نکالتے ہوئے وہ خلوص سے کہہ رہا تھا۔ بات سے بات نکلتی گئی۔ چند منٹ وہ وہیں بیچ سڑک کے کھڑا ان سے گفتگو کرتا رہا۔ پھر تھوڑی پہ بڑھی شیو کو دو انگلیوں سے کھجاتے ہوئے تذبذب سے بولا۔

''کچھ دن پہلے میرا لیپ ٹاپ چوری ہو گیا تھا۔ آنٹی بیمار ہیں اس لیے کسی کو بتایا نہیں۔ صفائی والی ملازمہ پہ شک ہے مجھے۔ آپ اگر مجھے اپنے سی سی ٹی وی کی فوٹیج دیکھنے دیں تو....''

''ہاں کیوں نہیں۔ مجھے تاریخ اور وقت بتا دو۔ میں واک سے فارغ ہو کے فوٹیج ای میل کر دیتا ہوں۔'' وہ اس کے کندھے کو تھپتھپا کے آگے بڑھ گئے۔ اس سے مل کے وہ خوش ہوئے تھے۔

لاہور میں اپر مڈل کلاس والدین قابل اور ہینڈسم نوجوانوں سے مل کے ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔ ان والدین میں سے اکثر اپنی بیٹیوں کو صاف صاف کہہ دیتے تھے کہ وہ یونیورسٹی جا کے اپنا میچ خود تلاش کریں۔ لاہور کی یونیورسٹیز میں پڑھنے والی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد اسی مقصد پہ فوکس کرتی تھی۔ جیسے جیسے فائنل ائیر قریب آنے لگتا' ان لڑکیوں کی بے قراری اور desperation بڑھتی جاتی۔ گھر میں والدین اٹھتے بیٹھتے یہی بتاتے کہ زندگی کا مقصد اچھا بر تلاش کرنا ہے۔ سوشل میڈیا یہ سکھاتا کہ زندگی میں سب سے اہم اور بڑا دن شادی کا ہوتا ہے۔ اسی کے لیے خوبصورت بننا اور وزن کم کرنا ہے۔ ٹی وی ڈرامے اور بالی وڈ کی فلمیں یہ تعلیم دیتیں کہ شوہر ٹروفی ہزبنڈ ہونا چاہیے۔ خوش شکل اور پیسے والا۔

لاہور کی لڑکیوں کی اکثریت انہی تعلیمات کے ساتھ بڑی ہوتی ہے۔ زندگی میں بہت آگے جا کے کچھ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیمات غلط تھیں اور کچھ کو کبھی معلوم نہیں ہو پاتا۔

ایسے میں حورِ جہاں جیسی مائیں اب بہت کم رہ گئی تھیں جو اپنی بیٹیوں کے رشتوں کے لیے خود سے دوڑ دھوپ نہیں کرتی تھیں۔ وہ یہ معاملے اللہ پہ چھوڑ دیتی تھیں۔ وہ بیٹیوں کی تربیت پہ فوکس کرتی تھیں۔ انہیں بھلے کشمالہ اور ماہی کے پروفیشن پہ اعتراض تھا' مگر انہوں نے ہمیشہ یہ سکھایا کہ امیر مرد کی تلاش میں لگو نہ اس کے انتظار میں بیٹھی

رہو۔ یہ زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ زندگی اس سے کہیں بلند ہے۔

ماں کو کشمالہ کی شادی کی فکر ہوتی تھی۔ لیکن وہ اس بات کو سر پہ سوار کر کے بار بار نہیں دہراتی تھیں۔

کشمالہ کو شادی سے مسئلہ نہ تھا۔ وہ شادی کر لیتی اگر اسے کوئی اپنے برابر کا میچ ملتا۔

زیاد سلطان سے پہلے اسے کوئی اپنے قابل نہیں لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماں فجر کے بعد بہت مشکل سے سوئی تھیں۔ اب انھیں تو ان کا اصرار تھا کہ غسل بھی کریں گی کیونکہ انہیں روز غسل کی عادت تھی۔ وہیل چیئر کے ساتھ ان کو باتھ روم لے کر جانا اور باتھ دلوانا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ مگر بخت بی اور اسے روز اس چیلنج کی عادت پڑ گئی تھی۔ ماں باتھ روم سے وضو کیے بغیر نہیں نکلتی تھیں۔ یہ ایک ایسی عادت تھی جو اس بیماری اور نسیان میں بھی ان کو نہیں بھولی تھی۔ نماز کا وقت ہے یا نہیں، ماں باتھ روم سے نکلنے سے پہلے تازہ وضو کرتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ نماز مشکل نہیں ہوتی۔ وضو مشکل ہوتا ہے۔ وضو کر رکھا ہو تو جس وقت انسان اذان سنے، آسانی سے نماز پڑھ لے۔

وہ اب ماں کے سامنے روزے کا ذکر نہیں کر رہے تھے۔ ماں خود بھی رمضان کو بھولے ہوئے تھیں۔ اگر یاد آ جاتا تو روزہ رکھنے کی ضد کرتیں۔ معید اور کشمالہ ویسے بھی ڈائٹ فوڈ کھاتے تھے۔ ملازم روزہ نہیں رکھتے تھے۔ ہر ایک کے پاس اپنا بہانہ تھا۔ کیف البتہ افطار کے وقت گھر نہیں ہوتا تھا سو اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کھاتا ہے، کیا نہیں۔ اس کی جاب میں ہر روز چند گھنٹے کا آف شامل تھا۔ وہ ظہر سے مغرب تک غائب رہتا تھا اور مغرب کے بعد آ جاتا۔ کشمالہ کو اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک کوورکنگ اسپیس میں پانچ ہزار ماہانہ رینٹ پہ ڈیسک لے کر اپنے بزنس پلان پہ کام کرتا ہے۔ اس نے مزید نہیں کریدا۔

اشراق کے بعد اس نے بدقت ماں کو سلایا۔ اب گھر میں سکون اور سناٹا تھا۔ وہ گھر کا جائزہ لینے باہر آئی تو دیکھا، کیف کلین کچن میں سامنے اسٹول پہ بیٹھا ہے۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ رکھے وہ موبائل پہ سر جھکائے ہوئے ہے۔ ماں کو مرد ملازموں کا کلین کچن میں بیٹھنا سخت ناپسند تھا۔ لیکن کیف کا اگر موڈ ہوتا (اور ماں سامنے نہ ہوتیں) تو وہ بڑی ڈھٹائی سے وہیں بیٹھ جاتا تھا۔ کچھ نڈر سا تھا اس نوجوان میں۔

وہ ہلکا سا کھنکھاری۔

''گڈ مارننگ باس۔'' کیف نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ سنجیدگی سے وہ فون پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری جاب رات کے گارڈ کی ہے۔فون کالز کی نہیں۔ڈیوٹی آوورز میں فون کالز سے پرہیز کیا کرو۔''خفگی سے کہہ کے وہ آگے آئی اور اپنا مگ اٹھایا۔پھر یاد آیا اس کا روزہ ہے۔

''ہوں۔واٹ ایور۔''وہ ہنوز موبائل پہ جھکا تھا۔

کشمالہ کے سر پہ لگی۔تلووں پہ بجھی۔

''دوبارہ کہو؟''وہ ایڑیوں پہ گھومی اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''مجھے سی سی ٹی وی فوٹیج مل گئی ہے۔''کیف نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔''اس روز کی جب گھر پہ خون آیا تھا۔''

خالی مگ لیے کھڑی لڑکی اپنی جگہ بالکل ٹھہر گئی۔

''گھر پہ خون آیا تھا؟''

''جی۔اسی لیے میں نے کیمرے لگوائے تھے۔آپ کو بتایا نہیں تاکہ آپ پریشان نہ ہوں۔''کندھے اچکا کے واپس فون کو دیکھنے لگا۔''سامنے والوں کا سی سی ٹی وی بہت اونچا لگا ہوا تھا۔پہلے اس پہ نظر نہیں پڑی۔آج دیکھا تو ان سے فوٹیج مانگ لی۔''

اس نے مگ زور سے کاؤنٹر پہ رکھا اور تیزی سے اس کے قریب آئی۔آنکھوں میں غصہ تھا۔

''کیف... مجھے سخت ناپسند ہے کہ کوئی میری پیٹھ پیچھے کچھ کرے۔یہ باتیں تم مجھ سے نہیں چھپا سکتے۔''

کیف نے دھیرے سے سر اٹھایا۔

''آپ نے کہا تھا کشمالہ بی بی کہ آپ نے مجھے سب بتا دیا ہے۔کچھ بھی نہیں چھپایا۔''وہ اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا۔اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور درمیان میں کچن آئی لینڈ تھا۔وہ اسے غصے سے دیکھ رہی تھی اور کیف کی نظریں تفتیشی تھیں۔غور سے اس کے اندر تک جھانکتی ہوئیں۔

''یہ ہے وہ جس نے گھر کے باہر خون گرایا تھا۔''

اس نے موبائل اسکرین کشمالہ کی طرف پھیری۔کاؤنٹر کے پار کھڑی لڑکی نے غصے اور الجھن کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسکرین کو دیکھا۔

اسکرین پہ اس کے گھر کا گیٹ دکھائی دے رہا تھا۔فوٹیج اچھی کوالٹی کی تھی۔ڈرائیوے پہ گرا خون صاف نظر آتا تھا۔

کشمالہ کی نظروں نے فوٹیج میں کسی انسان کو تلاش کرنا چاہا مگر...

''یہاں تو کوئی نہیں ہے۔''

''غور سے دیکھیں۔'' کیف نے موبائل اس کے سامنے رکھ دیا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔

اس نے دوبارہ اسکرین کو دیکھا۔ گیٹ کے اوپر ایک بڑا سا پرندہ بیٹھا تھا۔

''یہ تو پرندہ ہے۔ کیا یہ زخمی تھا؟'' غصے کی جگہ اچنبھے نے لے لی۔

کیف نے جیب سے رکھی تسبیح کو انگلیوں سے محسوس کیا اور ایک دانہ گرایا۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ وہ بنا آواز کے بڑبڑایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کافی۔''

وہ ایک بھاپ اڑاتا کپ لیے میز تک واپس آئے تو ماہی نے چونک کے رخ پھیرا۔ پھر شکریہ کہتے ہوئے جلدی سے دونوں ہاتھوں میں کپ تھام لیا۔ اسے موسم گرما کے باوجود سردی لگ رہی تھی۔ بس کچھ گرم اپنے اندر انڈیلنا تھا، تیزی سے کپ کو لبوں سے لگایا۔ گرم مائع اس کی زبان جلا گیا۔

''اب بتائیے ماہ بینہ... وہ کیا چیز ہے جو آپ کو اللہ کے گھر کھینچ لائی ہے، ماہ بینہ؟''

وہ اس کے سامنے بیٹھے اب پوری طرح متوجہ تھے۔

ماہی نے کپ نیچے رکھا۔ اس کے lip tint کا گلابی نشان کپ کے دہانے پہ لگ گیا تھا۔ وہ انگلی اس نشان پہ پھیرنے لگی۔

''دو الفاظ ہیں۔ لیکن انہیں کہنا بہت مشکل ہے۔ میں کہہ نہیں سکتی۔ اس ڈر سے کہ کوئی میرا یقین نہیں کرے گا۔'' بھوری آنکھیں اٹھا کے انہیں دیکھا۔ وہ اب تک بھیگی ہوئی تھیں۔

''کیسے الفاظ؟''

وہ کپ کے دہانے پہ گولائی میں انگلی پھیر رہی تھی۔

''یہ سب پچھلے سات ماہ قبل شروع ہوا تھا۔'' ماہی نے کہنا شروع کیا۔

''میری بہن کو محسوس ہونے لگا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ رات کو نیند میں ڈر جاتی ہے۔ اسے لگتا ہے کوئی اس کے کمرے میں آیا تھا لیکن وہاں کوئی نہیں ہوتا۔ وہ باڈی گارڈز ہائر کرتی ہے لیکن اس کا تعاقب کار پیچھا نہیں

چھوڑتا۔" وہ اب چہرہ موڑ کے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔

بارش میں تیزی آ گئی تھی۔ بوندیں اب تڑتڑاتی ہوئی شیشے پہ گر رہی تھیں۔

"کیا اس نے پولیس سے رابطہ کیا؟"

"پولیس؟" وہ طنز سے ہنسی اور سر جھٹکا۔ "پولیس... باڈی گارڈز.... کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ...." ماہی نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کیونکہ میرا خیال ہے کہ جو اس کا تعاقب کر رہا ہے وہ انسان نہیں ہے۔"

چند لمحے کے لیے ساری مسجد میں سناٹا چھا گیا۔

"کبھی کوئی گھر کا شیشہ توڑ جاتا ہے۔ کبھی کتابیں ہلا دیتا ہے۔ کبھی گھر میں خون کے چھینٹے آتے ہیں کبھی پانی کے۔ اسے مسلسل محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ ان ساری باتوں کو سن کے آپ کے ذہن میں پہلا خیال کس چیز کا آتا ہے؟"

وہ دو الفاظ کہنے کی ہمت اس کے اندر نہیں تھی۔ اگر وہ کہہ دے گی تو وہ سچ ہو جائیں گے۔

"یہ سب ایک ہی چیز کی نشانی ہیں۔" ڈاکٹر رائد نے ایک افسوس بھری گہری سانس لی۔

"سحر الاسود۔"

(کالا جادو۔)

اور ماہی کو لگا وہ دو الفاظ آج امر ہو گئے ہیں۔

وہ دو الفاظ جن سے وہ ہمیشہ ڈرتی تھی۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک آنسو پلکوں کی باڑ عبور کرتا نیچے گرا اور اسکارف میں جذب ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ ایک اسٹوپڈ پرندہ ہے' کیف۔"

وہ آنکھیں چھوٹی کر کے بغور کشمالہ کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"وہ پرندہ ڈرائیوے کے اوپر سے اڑتا ہوا گیٹ پہ بیٹھا۔ اس کے بیٹھنے سے پہلے وہاں خون نہیں تھا۔"

"ہو سکتا ہے پرندہ زخمی ہو۔"

"ایسی صورت میں گیٹ پہ بھی خون ہونا چاہیے تھا۔ جبکہ گیٹ صاف تھا۔ آپ نے کبھی لاہور میں اس شکل اور

سانپ کا پرندہ دیکھا ہے؟ میں نے نہیں دیکھا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دو باتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ سامنے والوں کے کیمرے کی فوٹیج کسی نے ایڈیٹ کر دی ہے۔ اسے اندازہ ہو گا کہ ہم فوٹیج دیکھ سکتے ہیں۔ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔ یا پھر..." وہ کھنکھارا۔ "یہ پرندہ پرندہ نہیں ہے۔ کوئی اور چیز ہے۔"

"کیف۔" وہ بے یقینی اور فکرمندی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ "تم ایسی باتوں پہ یقین رکھتے ہو؟"

کیف نے ایک لمحے کے لیے جواب نہیں دیا۔ بہت سا تھوک نگلا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"ایسی باتوں پہ کون یقین رکھتا ہے؟" وہ بظاہر مسکرا دیا۔ "میں تو ویسے ہی ایک بات کہہ رہا تھا۔"

کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔

"وہی میں کہوں... تم تو ماہی کی طرح باتیں کرنے لگے ہو۔ اتنے پڑھے لکھے اور پروگریسو ہو کے۔"

"آپ کی بہن کو لگتا ہے یہ سب جادو، جنات وغیرہ ہیں؟" کیف چونکا۔ مگر انداز سرسری تھا۔

وہ کچن سنک سے ٹیک لگا کے کھڑی ہو گئی۔ بازو سینے پہ لپیٹ لیے۔ اب منی پلانٹ کی بیلوں سے ڈھکی کھڑکی اس کی پشت پہ تھی۔ اس کے ڈھیلے جوڑے سے چند لٹیں پرسوچ چہرے کے اطراف میں گر رہی تھیں۔

"میرے گارڈز اسی وجہ سے جاب چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کو لگتا ہے یہ سب جنات وغیرہ ہیں۔ حالانکہ مجھے یقین ہے یہ کوئی انسان ہے۔" وہ سادہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ نہ کوئی ڈر نہ خوف۔ "میں ان وہموں میں نہیں پڑتی۔ ہاں۔ میں مانتی ہوں جنات ہوتے ہیں۔ میں نے قرآن پڑھ رکھا ہے۔ جادو بھی ہوتا ہے۔ لیکن جنات کی الگ دنیا ہے۔ وہ ہماری دنیا میں ایسے انٹرفیئر نہیں کرتے۔ مجھے بہت برے لگتے ہیں وہ لوگ جو ہر پریشانی کو جادو یا نظر کا نام دے دیتے ہیں۔ کچھ مصیبتیں انسان لاتے ہیں۔ کچھ قسمت سے آتی ہیں۔ میرا تعاقب کار انسان ہی ہے۔ اس دن لفٹ میں جس نے مجھ پہ حملہ کیا وہ انسان تھا۔ ماہر فریدکالائٹر کوئی جادوئی چیز نہیں تھا۔"

"جی۔ آپ درست کہہ رہی ہیں۔ بہرحال اب کیمرے لگ چکے ہیں۔ دوبارہ ایسی حرکت ہوئی تو ہم اس کو پکڑ لیں گے۔"

اس کا انداز عام سا تھا۔ کشمالہ ٹیک چھوڑ کے سیدھی ہوئی اور آنکھوں میں شدید برہمی لیے کیف کو دیکھا۔

"تمہیں معلوم ہے کچھ دن سے ظہیر مجھے کال کر رہا ہے۔ اسے کسی اور کام میں میری مدد چاہیے۔ لیکن میں اس کی

کال نہیں اٹھا رہی نہ اٹھاؤں گی۔ کیونکہ میرا اعتبار کسی شخص سے ایک دفعہ اٹھ جائے تو دوبارہ نہیں بنتا۔ آئندہ مجھ سے چھپا کے تم کچھ نہیں کرو گے۔ ورنہ وہ تمہاری جاب کا آخری دن ہوگا۔"

"کچھ فیصلے آپ کا سیکیورٹی گارڈ ہونے کے ناتے میں لے سکتا ہوں۔" اس کی تقریر کے جواب میں وہ اطمینان سے بولا جیسے اسے فرق ہی نہ پڑا ہو۔

"فیصلے لو مگر مجھے بتا کے لو۔ کلیئر؟" وہ تلخی سے کہہ کے آگے بڑھنے لگی جب اس نے پیچھے سے پکارا۔

"آپ کی بہن کو کس پہ شک ہے؟"

کشمالہ کچن کی چوکھٹ پہ ٹھہر گئی۔ اور مڑ کے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"ہاں یہ سب پتھر کے زمانے کی باتیں ہیں۔ میں مانتا ہوں۔ لیکن آپ کے اردگرد کوئی تو ایسا شخص ہوگا جو ان جادو وغیرہ کے کاموں کے لیے مشہور ہوگا؟ ہر خاندان میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے۔"

"ہے۔ ایک شخص ہے۔ اس شہر کی ایک معروف انٹریپرونیر اور ڈیزائنر جو خود کو ایک آرٹسٹ کہتی ہیں۔" وہ طنز سے بولی۔

"کبیرہ تائی۔"

کیف کے لب بے اختیار گولائی میں سکڑے۔ "اوہ۔"

سارے تانے بانے اسی ایک عورت سے جا کے ملتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھڑکی پہ تڑاتڑ بارش کے قطرے گر رہے تھے۔ شاید آسمان زار و قطار رو رہا تھا۔ جانے اس کے کیا غم تھے۔

ماہی سختی سے کپ کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھی۔ کپ کے دہانے پہ لگا سرخ نشان اب مندمل ہو چکا تھا۔

"کیا جادو واقعی ہوتا ہے؟ یا میں وہم کر رہی ہوں؟" وہ متذبذب تھی۔ "لوگ یقین نہیں کرتے جادو پہ۔"

"سب یقین کرتے ہیں جادو پہ ماہ بینہ۔ لوگ صرف ظاہر نہیں کرتے۔ تاکہ ان کو کمتر نہ سمجھا جائے۔"

"مگر کیا جادو..." اس نے تھوک نگلا۔ "واقعی ہوتا ہے؟"

"آپ اکیسویں صدی میں بیٹھ کے مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ جادو واقعی ہوتا ہے؟" وہ ہلکا سا مسکرائے اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگے۔ وہ نا سمجھی سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔

nemrahahmad.com

''جادو ہزاروں برس پہلے ہوتا تھا۔ ہمیں جادو کا آخری ثبوت چودہ سو سال پہلے کی احادیث سے ملتا ہے جب رسول اللہ ﷺ پہ جادو ہوا تھا۔ لیکن...'' انہوں نے نظروں کا رخ پھیر کے ماہی کو غور سے دیکھا۔ ''کیا اب بھی جادو ہوتا ہے؟''

وہ سانس روکے جواب کی منتظر تھی۔

''چودہ سو سال پہلے اگر کسی کو خط بھیجنا ہوتا تو اس میں مہینوں لگتے تھے۔ آج کل... صرف کاغذی خط... ایک دن میں دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اگر انسان نے پوسٹ کے نظام میں اتنی ترقی کر لی ہے تو کیا جادو میں نہیں کی ہوگی؟''

وہ چونک گئی۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

''جادو پتھر کے زمانے کی بات لگتا ہے بظاہر۔ ہم کہتے ہیں ہم اکیسویں صدی میں آ گئے ہیں۔ اب جادو کی بات نہ کرو۔ لیکن وہ بھی تو ہمارے ساتھ اکیسویں صدی میں آئے ہیں۔ ہم ان کو پتھر کے زمانے میں تو نہیں چھوڑ آئے۔''

''وہ کون؟''

''شیاطین اور جنات۔ وہ جن کے ذریعے جادو کیا جاتا ہے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔''

وہ کچھ دیر کچھ بول نہیں سکی۔ پھر سر جھکا کے کپڑے مسلنے لگی۔ تکان سے آنکھیں بند کر لیں۔

''آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ جادو ہوتا ہے یا نہیں۔ جبکہ آپ کو یہ پوچھنا چاہیے ماہ بینہ کہ جادو کا ریٹ کیا چل رہا ہے؟''

اس نے کرنٹ کھا کے سر اٹھایا۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

''ریٹ؟ جادو کے ریٹ ہوتے ہیں؟''

وہ افسوس سے مسکرائے۔ ''آج کل کچھ مفت میں ملتا ہے کیا؟''

پھر انہوں نے اس کا ٹھنڈا مگ اٹھا لیا اور ہال کی جانب دیکھا۔ وہاں اب صرف اکا دکا نوجوان رہ گئے تھے۔ ڈاکٹر رائد نے ایک نوجوان کو اشارہ کیا۔

''طلاق کروانے کا ریٹ۔ کسی کا unborn baby مارنے کا ریٹ۔ کسی کو بانجھ کرنے کا ریٹ۔ کسی کا رشتہ نہ ہونے دینا۔ خاندانوں میں لڑائیاں کروانا۔ لوگوں کو اپنے تابع کرنا۔ ان سب کا الگ الگ ریٹ چل رہا ہے۔ جادو ہر دوسرے گھر میں کیا جا رہا ہے ماہ بینہ۔ جگہ جگہ جادوگروں نے اپنی دکان لگا رکھی ہے۔''

نوجوان قریب آیا تو ڈاکٹر رائد اس کو مگ لے جانے اور تازہ کافی لانے کی ہدایت کرنے لگے۔

ماہی نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ بارش مسلسل ہو رہی تھی۔ بھیگی سڑک پہ ایک گوری رنگت والا کپل ایک چھتری تلے ہنستا ہوا بھاگتا جا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بس اسٹاپ کے بنچ تک گئیں۔ وہاں بیٹھی لڑکی اپنے فون سے اپنی سیلفی کھینچ رہی تھی۔

''اٹس فنی۔'' وہ تلخی سے مسکرائی جیسے خود پہ ہنسی ہو۔ ''ہم کینیڈا میں بیٹھ کے جادو اور جنات کی بات کر رہے ہیں۔''

''اچھا آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ جادو صرف انڈیا پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہوتا ہے۔ انٹرسٹنگ۔'' انہوں نے مسکرا کے بات وہیں سے جوڑی۔ ''حالانکہ جادو ہر ملک میں ہو رہا ہے۔ انگلینڈ' امریکہ' کینیڈا' اور سارے یورپ میں اتنا جادو پھیلا ہے کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ جادو صرف ایشائی کمیونٹی نہیں کرواتی۔ گورے بھی جادو کرتے اور کرواتے ہیں۔ بلکہ یورپین پارلیمانی ممبرز جادو کرنے اور کروانے میں مشہور ہیں۔ گوروں نے ہر چیز میں مسلمانوں سے زیادہ ترقی کر لی ہے۔ ان کی مشینیں' ان کا لائف اسٹائل' ان کی مصنوعات' سب مسلمان ملکوں سے بہتر ہیں۔ آپ کو کیا لگتا ہے' انہوں نے جادو میں ترقی نہیں کی ہوگی؟''

وہ بس حق دق ان کو دیکھ رہی تھی۔

''جادوگر ہر گلی محلے میں بیٹھے ہیں۔ گورے' یہودی' عیسائی' ہندو' یہ لوگ جادو کو جادو کے نام پہ کر رہے ہیں۔ کھلم کھلا۔ لیکن مسلمان جادو کو دم اور تعویذ کے نام پہ کر رہے ہیں۔ نوے فیصد جادو دراصل دم درود کے نام پہ کیا جاتا ہے۔ عورت مولوی کے پاس جاتی ہے اور کہتی ہے۔ میری بہو بہت بولتی ہے۔ کچھ ایسا کریں کہ وہ میرے سامنے زبان نہ نکالے۔ جانتی ہیں پھر کیا ہوتا ہے؟''

''کیا؟''

''مولوی اپنے جن سے کہتا ہے' اس کی بہو کو کچھ ایسا کرو کہ وہ بولا نہ کرے۔ جن ایک حادثہ کرواتا ہے اور وہ بہو گونگی ہو جاتی ہے۔ یا وہ کوما میں چلی جاتی ہے۔ اور اس کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ساس کو خود نہیں معلوم ہوتا کہ بہو پہ جادو اس نے کروایا ہے۔''

ماہی نے بے اختیار گردن پہ ہاتھ رکھا۔ ان باتوں سے اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

''یعنی یہ عامل بابا وغیرہ واقعی جادو میں ماہر ہوتے ہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔

nemrahahma

''ہمارے ہاں فلموں اور ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے کہ اکثر عامل فراڈ ہوتے ہیں اور پیسے لے کر ڈھکوسلہ کر رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ جادو یا جادو کی کاٹ کرنے والے لوگوں کی اکثریت فراڈ نہیں ہوتی۔ وہ واقعی اس علم کو جانتے ہوتے ہیں۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ۔''

''کیا ہم کھڑکی کھول سکتے ہیں؟'' وہ بے اختیار بولی۔ یہ باتیں اس کے لیے بہت زیادہ تھیں۔ اسے کچھ دیر خاموشی سے ان باتوں کو جذب کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف سے اس گفتگو کے بعد وہ کمرے میں آئی اور ماں کے ساتھ لیٹ گئی۔ اس کو آج کل بہت نیند آ رہی تھی۔ غالباً روزے کا اثر تھا۔ جانے وہ کتنی دیر سوتی رہی۔ سورج سوا نیزے پہ چمکنے لگا جب گیٹ پہ رونے دھونے کی آوازیں سنائی دینے لگی۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھی اور کھڑکی تک آئی۔ مگر پورچ کا منظر دیکھ کے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

کل معید نے نیورو لجسٹ کزن جواد کو سختی سے تاکید کر دی تھی کہ وہ ماں کی بیماری کے بارے میں کسی کو نہ بتائے۔ مگر بھلا ہو واٹس ایپ فیملی گروپس کا۔ چارسدہ، مردان اور پشاور تک ماں کی بیماری کی خبر پھیل چکی تھی۔ ان کے زیادہ تر رشتے دار کے پی کے اور اسلام آباد میں رہتے تھے۔ لاہور میں بہت تھوڑے رشتے دار تھے جو ان کی دادی کی سائیڈ کے تھے۔ دادا پٹھان تھے۔ دادی پنجابی تھیں۔ کبیرہ تائی بھی دادی کی طرف سے ان کی رشتے دار تھیں۔

اس صبح اس نے زندگی کا ایک اور رخ دیکھا۔

ماں بیمار ہو جائے تو لوگ کیا کرتے ہیں۔

لوگ گاڑیاں بھر بھر کے آنے لگ گئے۔ یہ کیف کے غائب ہونے کا وقت تھا اس لیے وہ ڈیوٹی پہ موجود نہ تھا۔ پورچ میں آتے ہی خواتین رو رو کے کشمالہ کو ملنے لگیں۔

ہائے تمہاری امی۔ اتنی جوان تھی۔ اس کی عمر ہی کیا تھی۔

اگر ماہی ہوتی تو دو چار منہ توڑ جواب اب تک دے چکی ہوتی کہ میری ماں ابھی مری نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے۔ ابھی ماتم نہ شروع کریں۔

لیکن وہ کشمالہ تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر سب کچھ اندر ضبط کیا اور باری باری سب سے ملی۔ ان کو

ڈرائینگ روم میں بٹھایا۔اور کچن میں آئی۔

آتے ساتھ ہی بڑی بوڑھیوں نے پانی مانگ کے یہ واضح کر دیا کہ ان کا روزہ نہیں ہے۔شوگر لو ہو جاتی ہے' دوا لینی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

''باجی ان کے لیے کیا بناؤں؟'' بخت بی نے پریشانی سے پوچھا۔

''شش۔'' کشمالہ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے خاموش کرایا۔کاؤنٹر کے ساتھ کھڑے کھڑے اس نے آنکھیں بند کیں۔اسے اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا تھا۔وہ جو سمجھ رہی تھی کہ ماں کو ان کی بیماری سے لاعلم رکھا جا سکتا ہے' وہ غلط تھی۔

ایسی عورت جس کے گھر میں کوئی بڑا مسئلہ نہ چل رہا ہو۔وہ خوش خرم نظر آتی ہو۔اس کے بچے کامیاب اور پھلتے پھولتے دکھائی دیتے ہوں۔وہ لوگوں کے لیے قابلِ حسد ہوتی ہے۔جب ایسی عورت بیمار پڑ جائے تو رشتے داروں کو بہت مزہ آتا ہے۔

ایسے میں بہت کم تھے جو حورِ جہاں بیگم کے لیے افسردہ تھے۔اکثریت صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ماں کی حالت کیسی ہے۔کیا ان کا دماغ پھر گیا ہے؟ کیا ان کے بال گر گئے ہیں یا گر جائیں گے؟ اور سب سے اہم سوال جس کو جاننے کا تجسس سب کو تھا۔

وہ کتنے عرصے کی مہمان ہیں؟

وہ کنپٹیوں پہ ہاتھ رکھے آنکھ بند کیے سوچنے لگی۔اسے ان لوگوں کو ماں سے دور رکھنا تھا۔مگر کیسے؟

وہ کشمالہ مبین تھی۔وہ اکیلے اسلام آباد کا ایک ایلیٹ ریستوران چلاتی تھی۔وہاں بھی بعض اوقات گروپس کے جھگڑے ہو جاتے تھے۔بگڑے ہوئے ٹین ایجر مسئلے کھڑے کرتے تھے۔وہ ریستوران کے اندر باہر پنسل ہیلز پہ گھومتی سارے مسئلے سلجھا لیتی تھی۔وہ کشمالہ تھی۔وہ کرائسز مینیجر تھی۔

''قہوہ۔سبز قہوہ۔'' اس نے آنکھیں کھولیں اور بخت بی کو ہدایات دیں۔''سبز قہوہ اور بسکٹ۔اب جتنے مہمان آئیں گے تم ان کے لیے یہی لاؤ گی۔اولڈ بسکٹ بھی میٹھے نہیں۔گندم والے کیونکہ ان کو تو شوگر ہے نا۔اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

بخت بی نے اس حکم پہ آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔حورِ جہاں کے گھر مہمانوں کے لیے لوازمات کا ڈھیر لگا دیا جاتا تھا۔اور مالا کیا کہہ رہی تھی۔

nemrahmed

''مگر کیوں باجی؟''

''کیونکہ یہ عیادت کرنے نہیں آئے۔ یہ میری ماں کی بے بسی کا مزہ لینے آئے ہیں۔ ان رشتے داروں کو میری ماں نے ساری عمر کھلایا ہی ہے۔ چار سدہ سے آئی سوغاتیں بوریاں بھر بھر کے ان کو بھجوائی ہیں۔ ان سب کو معلوم ہے کہ ماں کو اپنی بیماری کا علم نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ پھر بھی ماں سے ملنے کی ضد کریں گے۔ ان کو ماں کی تکلیف کی فکر نہیں ہے۔ انہیں حورِ جہاں کا زوال دیکھنا ہے۔''

پھر وہ اپنے کمرے میں آئی۔ سلیپر اتارے۔ اپنے لباس کے ساتھ میچنگ نیلی ہیلد نکال کے پہنیں۔ اسٹریپس بند کیے۔ اور سوتی ماں پہ ایک نظر ڈالی۔ وہ کتنی کمزور لگ رہی تھیں۔ ان کا خوبصورت چہرہ ایک طرف سے ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ وہ جھکی اور آہستہ سے ماں کی پیشانی چومی۔

وہ اپنی ماں کا زوال کسی کو نہیں دیکھنے دے گی۔

کچن میں جا کے احتیاطاً بخت بی کو دوبارہ ہدایت دی۔

''معید کو مت بتانا کہ میں نے یہ سب کہا ہے۔ او کے؟''

بھائیوں کو عموماً معلوم نہیں ہوتا کہ رشتے داروں کے ساتھ کیسے ڈیل کرنا ہے۔ کوئی پھوپھی چاچی ان سے ہنس کے بات کر لے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ بہت مخلص ہیں۔ ان کے آگے سب بول دیتے ہیں۔ معید سے ساری دنیا کی سرجریز کروا لو لیکن اسے اتنا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کس کس نے اس پہ اپنی بیٹی کے لیے نظر رکھی ہوئی ہے۔ ماہی جب کسی آنٹی کے ساتھ معید کو ہنس کے بات کرتے دیکھتی تو سر پکڑ لیتی۔ اُف یہ کب عقل کرے گا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو سب اس کے منتظر تھے۔ ایک آنٹی اور بھی آ گئی تھیں۔

وہ ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھی اور شائستگی سے ان کے تمام سوالات کے جواب دینے لگی۔

''عزہ کی شادی پہ تو حورے آپا کہہ رہی تھیں کہ ان کے گھٹنے کا مسئلہ ہے۔ یہ ٹیومر کہاں سے نکل آیا؟''

وہ اپنے رشتے داروں کو جانتی تھی۔ وہ صاف نہیں کہہ رہے تھے لیکن ان کا مطلب یہ تھا کہ یقیناً حورِ جہاں کے بچوں کو عرصے سے ٹیومر کا علم تھا۔ بس چھپا رہے تھے۔ اب بات خود ہی نکل آئی تو چھپا نہیں سکے۔ بھئی بیٹا ڈاکٹر ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ماں کو ٹیومر ہوا سے علم نہ ہو۔

''بال گر گئے ہیں یا گر جائیں گے؟''

''باتھ روم کیسے جاتی ہیں؟''

''اگر آپریشن ہوا تو کیا یورین بیگ لگائیں گے۔''

ایک عورت کو دوسرے عورت کی بے بسی جاننے کا کتنا تجسس تھا۔ کسی عورت کے بال اور اس کا باتھ روم نہ جا سکنا' یہ اس کا وقار ہوتا ہے۔ یہ اس کا انتہائی پرسنل معاملہ ہوتا ہے۔ اور یہاں بیٹھی سب خواتین پڑھی لکھی تھیں۔ وہ چار سدہ اور مردان سے برسوں سے شفٹ ہو کے ان شہروں میں آ بسی تھیں۔ لیکن اسے یقین تھا کہ چار سدہ میں رہنے والے اس کے رشتے داروں کے میغرزان سے بہتر ہوں گے۔ وہ یوں دل نہیں دکھاتے ہوں گے۔ وہ مریض کے گھر بلا اجازت بتائے نہیں آتے ہوں گے۔ اور اگر آ گئے تو گھنٹوں نہیں بیٹھتے ہوں گے۔

''میری نند کا بھی برین میں گلائیوما تھا۔ اس کی سرجری ہوئی تھی۔ سر کاٹ کے ٹیومر نکالا تھا۔'' کسی خاتون نے رائے دی۔ تو اس کا سانس رک گیا۔ فوراً سے بولی۔

''پھر؟''

''ٹیومر تو نکل گیا لیکن آپریشن کے بعد جب ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ...'' سسپنس دینے کے لیے توقف کیا۔

''اس کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہیں۔''

کشمالہ نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

''چچ چچ.... سرجن تھک گیا ہو گا نا۔ ٹیومر نکالتے نکالتے اس کی چھری برین کی کسی شریان پہ لگ گئی ہو گی اور تمہاری نند کی آنکھیں چلی گئیں۔''

اُف۔ اس نے بدقت ضبط کیا۔ کوئی ان رشتے داروں کو یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ مریض کے پاس کبھی بات پہ فرشتے آمین کہتے ہیں اس لیے اچھی بات منہ سے نکالنی چاہیے۔

''اچھا اپنی ماں کو تو لے کر آؤ۔'' ایک آنٹی نے کوئی تیسری دفعہ کہا۔ وہ سب بار بار دروازے کی طرف دیکھتی تھیں۔ کب حورِ جہاں آئے اور کب اس کی حالت کو وہ اپنے ذہنوں میں ریکارڈ کریں اور پھر یہ سارا احوال واٹس ایپ گروپس کے ذریعے پورے پاکستان میں نشر کر سکیں۔ ان کا خیال تھا کہ ماں سے بیماری چھپانا بھی ڈرامہ ہے۔

''ماں تو نہیں ہل سکتیں۔''

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

''ماں کی سرجری ہونی ہے۔ ڈاکٹر نے ان کو سختی سے کسی سے بھی ملنے سے منع کیا گیا ہے۔ انفیکشن ہو سکتا ہے نا۔'' اسے اندازہ تھا کہ وہاں بیٹھی کسی خاتون کا میڈیکل نالج اتنا نہیں ہو گا کہ وہ اس کے بہانے کا فوری جواب دے

nemrahahmad.com

سکیں۔

اگلے دو تین دن کئی رشتے دار آئے۔ آئے اور گئے۔ کشمالہ اسی کرسی پہ بیٹھی ان سے ملے گئی۔ نرمی اور شائستگی سے وہ ماں سے ملاقات سے منع کر دیتی۔ قہوے کے پیالے آتے اور جاتے گئے۔ سوائے چند ایک مخلص لوگوں کے کوئی مہمان اس سے خوش نہیں گیا۔ سب کے منہ بنے ہوئے تھے۔

روزہ... مہمان... ماں کی بار بار کی دیکھ بھال۔ وہ تکان سے چور ہو گئی تھی۔

افطار کے بعد کچھ سکون ہوا۔ اکثر لوگ مل کے جا چکے تھے۔ اس نے ماں کو رشتے داروں کے واٹس ایپ گروپس سے نکال دیا۔ کیونکہ وہ لوگ جو مل کے جا رہے تھے اور جن کو وہ برملا بتا چکی تھی کہ ماں کو ان کی بیماری کی خبر نہیں دینی، وہ ملنے سے مایوس ہونے کے بعد افسوس بھرے آڈیو میسجز ماں کو بھیج رہے تھے۔

''آپ کے برین ٹیومر کا سن کے بہت افسوس ہوا۔''

کشمالہ کا دماغ گھومنے لگا۔ وہ کتنی دفعہ بتا چکی ہے کہ ماں کو نہیں بتانا۔ انہیں سرجری سے پہلے دل کا عارضہ نہ پیش آ جائے۔ مگر نہیں۔ لوگوں کو حورِ جہاں کو اس کا زوال دکھانا تھا۔ اس نے ماں کا فون آف کر کے دراز میں ڈال دیا۔ نہ وہ فون دیکھیں گی، نہ ان کو معلوم ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر رائد نے اٹھ کے کھڑکی کھولی تو ٹھنڈی ہوا تیزی سے اندر آئی۔ ماہی گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی خود کو نارمل کرنے لگی۔ نوجوان اس کی تازہ کافی اور ساتھ میں پانی کی بوتل لے آیا۔ اس نے تیزی سے ڈھکن گھمایا۔ کلک کی آواز کے ساتھ ڈھکن کی سیل ٹوٹی۔ بوتل کا منہ ہونٹوں سے لگایا تو اندر تک ٹھنڈا اترتی گئی۔

''ہمیں معلوم کیسے ہو گا کہ ہم پہ جادو کیا جا رہا ہے؟'' اب وہ کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

''آپ بتائیں ماہ بینہ۔ آپ کو کیسے شک ہوا کہ آپ پہ جادو کیا جا رہا ہے؟''

کھڑکی کے پاس رکھی کرسی پہ بیٹھی سلک اسکارف والی لڑکی نے سر جھکا کے آنکھیں بند کر لیں۔

''خوابوں سے۔''

''یہ ہر دوسرے گھر کی کہانی ہے، ماہ بینہ۔ گھر کے کسی ایک فرد کو اچانک سے خواب آنے لگتے ہیں جس میں انہیں اشارہ دیا جاتا ہے۔ مگر لوگوں کے ایسے خوابوں پہ دو طرح کے ردعمل ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو جادو کو روکنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو اسے وہم سمجھ کے نظر انداز کر دیتے ہیں۔''

''جادو کو رد کرنے کا اہتمام؟ مطلب؟''

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ پہلے آپ اپنے خوابوں کے بارے میں بتائیں۔''

ماہی نے اسکیچ بک ان کے سامنے رکھی اور پھر اس کے صفحے پلٹائے۔ اس بچے کی تصویر پہ وہ رک گئی۔ ڈاکٹر رائد نظریں جھکا کے اس تصویر کو دیکھنے لگے۔

''کیا آپ اس بچے کو پہچانتے ہیں؟''

انہوں نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''شاید۔'' دوبارہ سے وہ اس تصویر کو دیکھنے لگے۔

''یہ مجھے ماں اور مالا کو الگ الگ خواب میں نظر آیا ہے۔ اور شاید عباد کو بھی مگر وہ بتاتا نہیں ہے۔''

''عباد آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔ لیکن یہ اپنوں کا فرض ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے لیے پریشان ہونا۔ برا خواب نہیں بتانا چاہیے لیکن اشارہ دے دینا چاہیے تاکہ دوسرا کوئی سیلف ڈیفنس کر سکے۔ ہمیں دوسروں کے بارے میں خواب میں اشارے اسی لیے آتے ہیں تاکہ ہم ان کو خبردار کر سکیں۔ اور رہا یہ بچہ تو.....''

انہوں نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اسے قدیم داستانوں میں changelling کہا جاتا ہے۔ بڑا سر، چھوٹا جسم، لمبے کان، اور آنکھوں کی جگہ سیاہ خلاء والا یہ بچہ جس کی شیطانی شکل ہے، مختلف کلچرز میں مختلف ناموں سے آیا ہے۔''

''مگر یہ کون ہے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

افطار کے بعد وہ ماں کو لاؤنج میں لے آئی اور ڈرامہ لگا دیا۔ بخت بی بھی جڑ کے ساتھ بیٹھ گئی۔ کشمالہ نے کانوں میں ہینڈز فری لگا لیے اور صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ ماہی کی کال آ رہی تھی۔

آج ماہی اپنے کچن میں نہیں کھڑی تھی۔ نہ اس نے ایپرن پہن رکھا تھا نہ وہ ہنستی مسکراتی ملی تھی۔ آج جو چہرہ اسے دکھائی دیا، وہ ایسی لڑکی کا تھا جس کی ماں سمندر پار بیمار تھی اور وہ اس کے پاس نہیں جا سکتی تھی۔

ماہی کی آنکھیں رو رو کے سرخ ہو چکی تھیں۔

''ماں ٹھیک ہو جائیں گی ماہی۔'' وہ دبی آواز میں انگریزی میں کہہ رہی تھی۔ ماں اس سے فاصلے پہ وہیل چیئر پہ بیٹھی نقاہت سے ٹی وی کو دیکھ رہی تھیں۔

''معید ہمیشہ پڑھائی میں بزی رہتا تھا۔اور تم اپنے کاموں میں۔میں بچپن سے ماں کی بیسٹ فرینڈ تھی۔اور ماں میری بیسٹ فرینڈ تھیں۔تم دونوں کا اتنا بڑا سوشل سرکل بھی ہے۔لیکن ماہی کا عباد اور ماں کے علاوہ کوئی بیسٹ فرینڈ نہیں تھا۔مالا معید 'عباد اور ماں۔میں اس چوکور میں رہتی ہوں۔میں انہی لوگوں سے سارا دن بات کرتی ہوں۔تم لوگ اپنا فون سائیلنٹ کر کے سوتے ہو۔میں نہیں سائیلنٹ کرتی۔کیونکہ میرے واٹس ایپ پہ صرف انہی لوگوں کے میسیجز آتے ہیں۔یہاں کینیڈا میں جب کسی کی پاکستان سے کال آئے تو نمبر دیکھ کے دل ہول جاتا ہے۔اُف مالا میں ماں کے پاس کیوں نہیں ہوں؟''

''تم آ کے کیا کرو گی؟''

''تم نہیں سمجھ سکتیں۔تم اس وقت ماں کے ساتھ ہو۔تم اس اولاد کا غم نہیں سمجھ سکتی جو بیماری میں اپنے ماں باپ کے ساتھ نہ ہو۔کوئی میرا غم نہیں سمجھ سکتا۔''اس نے فون رکھ دیا۔وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

''مالا...ماہی سے کہو ملازموں کو کھانا دے دے۔''ماں کو بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی تو غنودہ سی آواز میں بولیں۔وہ پیر نیچے اتارتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں کہتی ہوں ماہی کو۔آئیں ہم کمرے میں چلتے ہیں۔''وہ ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور وہیل چیئر دھکیل کے اندر لے جانے لگی۔ماہی کہتی تھی کہ وہ خوش نصیب ہے کیونکہ وہ ماں کے پاس ہے۔مگر اس کے اپنے پچھتاوے تھے۔وہ اتنے برس ماں کے پاس نہیں تھی۔کبھی کبھی ماں سے لڑائی ہوتی تو وہ تین تین دن انہیں کال نہیں کرتی تھی۔

کیا وہیل چیئر دھکیلنے سے وہ سب مٹ جاتا ہے؟

اس نے ماں کو بیڈ پہ بٹھایا اور انہیں پانی کے ساتھ دوا کی گولیاں دینے لگی۔

کیا پانی پلا دینے سے ماں کو کہی ساری سخت باتوں پہ پانی پھر جاتا ہے؟

ماں سو گئیں تو وہ اوپر اسٹوڈیو میں آ گئی۔معید کے ساتھ ساتھ میسیجز آ رہے تھے۔وہ مختلف ڈاکٹرز کے پاس جا رہا تھا۔کہیں کسی لیب سے رپورٹس اٹھاتا' کہیں کسی سے ملتا۔وہ جب بھی معید کا میسج دیکھتی' دل میں وہی کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو جاتا۔ڈاکٹر دوہرا کا کاؤنٹ ڈاؤن۔پچھے ماہ۔

یکم مئی کو مرض کی تشخیص ہوئی تھی۔اور پچھے ماہ بعد یکم نومبر آنا تھا۔اس نے تاریخ دیکھی۔آج پچھے مئی تھی۔

پانچ ماہ اور چوبیس دن رہ گئے تھے۔

وہ اسٹوڈیو میں آئی تو وہاں اندھیرا تھا۔اس نے کھڑکی کھول دی۔بتی نہیں جلائی۔اور کھڑکی کے ساتھ بیٹھ

گئی۔ نیچے لان میں زرد روشنیاں پھیلی تھیں۔ چار دیواری کے ساتھ ٹہلتا کیف ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے کچھ پڑھ رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا جس سے وہ بار بار گھونٹ بھرتا تھا۔

اسکرین پہ لکھے الفاظ کیف کے سامنے کسی فلم کے منظر کی مانند چل رہے تھے۔

"کبیرہ سادان لاہور کے ایک معروف بزنس مین کی بیوی ہیں۔ سادان صاحب ایک لمبا عرصہ انگلینڈ اور جرمنی میں گزارنے کے بعد چند برس قبل پاکستان شفٹ ہوئے تھے۔"

(کبیرہ بیگم سنگھار میز کے سامنے اسٹول پہ بیٹھی تھیں۔ مخملیں باتھ روب میں ملبوس، وہ چہرے پہ نرمی سے کریم مل رہی تھیں۔ انگلیوں کے ناخن لمبے اور سرخ نیل پینٹ سے مزین تھے۔ بوائے کٹ بال سلیقے سے سیٹ تھے۔ پیچھے ایک ملازمہ جوس کا گلاس پکڑے کھڑی تھی۔)

"کبیرہ کی بیٹی ان کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا نام عنایہ ہے۔"

(میک اپ سے ڈھکے چہرے کے ساتھ کبیرہ بیگم باہر لاؤنج میں آئیں اور دیوار گیر آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ سیاہ بلاک ہیلو خاکی سوٹ، پھر گردن میں چنگی بھر کے رنگ کی مختلف سائز کی تین زنجیروں کو انگلیوں سے درست کیا۔ مسکرا کے خود کو داد دی۔ پھر پلٹیں تو سامنے ڈائننگ ٹیبل نظر پڑی۔ ٹیبل پہ ناشتے کے لوازمات سجے تھے اور ایک گوری سی فربہ لڑکی اونچی پونی بنائے، اپنے موبائل پہ لگی تھی۔ اسے دیکھ کے کبیرہ بیگم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔)

"عنایہ نے کئی برس پہلے انجینئرنگ کی تھی۔ لیکن وہ جاب نہیں کرتی۔ وہ ایک فوڈ بلاگر ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ایک فیمینسٹ بلاگ بھی بنا رکھا ہے جہاں وہ مردوں اور شادی کے خلاف بولتی ہے۔ اس کے کمنٹ سیکشن میں کسی کے کمنٹ سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ تیس کی ہونے والی ہے اور اس کی ماں ہر رشتے کو ٹھکرانے کی وجہ سے اس کو لٹکائے ہوئے ہے۔ اپنی اسٹوریز اور پوسٹس سے عنایہ شدید ڈپریسڈ لگتی ہے۔"

(کبیرہ بیگم نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی اور کرسی کھینچ کے بیٹھیں۔

"ویٹ لوز کرو، عنایہ۔ کتنی دفعہ کہا ہے جم جوائن کرو۔ مگر تم سنتی نہیں ہو۔"

"نو فیٹ شیمنگ، ممی۔" وہ سر جھکائے چیز آملیٹ کھاتے ہوئے فون پہ لگی رہی۔)

"کبیرہ اپنے آپ کو آرٹسٹ کہتی ہے کیونکہ اس کے بقول وہ جیولری ڈیزائن نہیں کرتی بلکہ آرٹ کی طرح اس کو تخلیق کرتی ہے۔ اس کا آؤٹ لیٹ گلبرگ میں ہے جہاں وہ محنت کش عورتوں سے ہینڈ میڈ جیولری بنوا کے مہنگے داموں فروخت کرتی ہے۔"

(یہ لاہور کے ایک بوتیک اسٹائل آؤٹ لیٹ کا منظر تھا۔ جگہ جگہ مجسموں کے سر رکھے تھے جن کی گردنوں میں قیمتی پتھروں سے مزین ہار دمک رہے تھے۔ سفید ٹائلز سے چمکتے فرش۔ تیز روشنیوں میں اصل سے زیادہ خوبصورت نظر آتے زیورات۔ کبیرہ بیگم اپنی اسسٹنٹ کے ساتھ چلتی ہوئی تمام ریکس کا جائزہ لے رہی تھیں۔)

"حقیقت یہ ہے کہ کبیرہ خود سے کچھ ڈیزائن نہیں کرتی۔ اس نے فریش گریجوئٹس اس کام کے لیے ہائر کیے ہوئے ہیں۔ وہ سوات اور دوسرے شہروں سے قیمتی پتھر منگوا کے ان کو نیکلیس میں فٹ کر کے ایک سو گنا قیمت پہ بیچتی ہے۔ وہ درست ٹیکس بھی نہیں دیتی۔ اس پہ ایک ٹیکس کا کیس بھی چل رہا ہے۔ کئی دفعہ اس کی ایمپلائی خواتین نے کم تنخواہ اور شدید مشقت کی شکایت بھی کی ہے۔"

(کبیرہ اب آؤٹ لیٹ کی بالائی منزل پہ بنے اپنے شیشوں جیسے چمکتے آفس کی پاور چیئر پہ بیٹھی تھیں۔ ٹیک لگائے فون کے بٹن دباتی 'وہ پرسوچ نظر آتی تھیں۔)

"کبیرہ کے بارے میں ایک بات بار بار سامنے آتی رہی ہے کہ وہ اپنی ایمپلائی لڑکیوں کو ٹارچر کرتی ہے۔ بیٹنگز اور بیڈ کمر پہ مارنا عام بات ہے۔ لیکن اثر و رسوخ کی وجہ سے وہ آج تک قانون کے شکنجے میں نہیں آئی۔ انگلینڈ میں کئی برس پہلے اس کی بیٹی نے بھی بیٹنگز سے پیٹے جانے کی شکایت کی تھی۔ مگر نہ جانے کیسے کبیرہ اس معاملے سے بھی نکل آئی۔"

(کبیرہ نے موبائل رکھ دیا اور کھڑکی کے باہر سوچتی نظروں سے دیکھے گئے۔ ایک منظر آنکھوں میں منجمد ہو گیا تھا۔ عزہ کی شادی کا منظر۔ جب زیاد اور کشمالہ کھڑے بات کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے۔ وہ ہنس رہے تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ منظر آنکھ کا شہتیر بن گیا تھا۔)

"اب آتے ہیں کبیرہ کے بیٹے کی طرف۔"

کیف دلچسپی سے پڑھنے لگا۔

"کبیرہ کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام عالیان تھا۔ پانچ سال کی عمر میں عالیان بیمار پڑا اور انگلینڈ میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ بھی مجھے مل گیا ہے۔ البتہ پاکستان میں موجود کبیرہ کے رشتے دار دوسری کہانی سناتے ہیں۔ ان کے مطابق کبیرہ اپنے بیٹے کو زندہ 'اور انگلینڈ میں ایک کامیاب بزنس مین کے طور پہ ظاہر کرتی ہیں۔ میں اس بات کو سمجھ نہیں سکی۔ یا تو کبیرہ کا بیٹا واقعی مر چکا ہے اور وہ لوگوں کے سامنے ایک جھوٹی کہانی سناتی ہے۔ کیونکہ کبیرہ کے سائیکی ایشوز بھی ہیں۔ یا پھر کبیرہ کا بیٹا کسی اور نام سے زندہ ہے اور وہ کسی غیر قانونی کام

کا حصہ ہے۔ ورنہ اسے اپنی شناخت چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"عالیان۔" کیف نے موبائل اسکرین بجھا دی اور چہرہ اوپر کر کے دہرایا۔ یہ نام اس کی یادداشت میں نہیں تھا۔

وہ کبیرہ سادان اور ماہر فرید کے خاندان کے درمیان لنک ڈھونڈنے کی کوشش میں شدید ناکام نظر آتا تھا۔

کبیرہ جتنا عرصہ انگلینڈ میں رہی' وہ ماہر کے شہر اور گھر سے بہت دور کی جگہوں پہ رہی تھی۔ بظاہر دونوں میں کوئی کڑی نہیں تھی۔ لیکن اس کے پاس کبیرہ بیگم کے علاوہ کوئی لیڈ (lead) نہ تھی۔ اسے اس عورت کو مزید کھوجنا تھا۔

کیف نے سر اٹھا کے دیکھا تو وہ کھڑکی میں بیٹھی تھی۔ کندھوں کے گرد دوپٹہ شال کی طرح لپیٹے۔ اس کے بھورے لمبے بال دونوں شانوں پہ آگے کو گر رہے تھے۔ وہ چہرہ اٹھائے سبز شکوہ کناں آنکھوں سے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ پینٹنگ تھی۔ کسی آرٹسٹ کا شاہکار۔

وہ چند لمحے گردن اونچی کیے اسے دیکھے گیا۔ پھر سر جھٹک دیا۔ وہ اعتبار توڑنے والوں کو دوسرا چانس نہیں دیا کرتی تھی۔ اگر اسے پہلے معلوم ہوتا کہ وہ اس جیسی لڑکی سے ملنے والا ہے تو وہ کبھی یہ جاب نہ کرتا۔ وہ اس کو ایک عام سی لڑکی سمجھا تھا۔ سطحی' کاروباری ذہن والی' اسلام آباد کا ایک ریسٹورانٹ چلانے والی لڑکی جس کی کوئی ذاتی زندگی نہ تھی۔ اسے صرف اس کے قریب رہنا تھا۔ اور اس سے "وہ" معلومات لینی تھیں۔ اس نے سوچا تھا' دو ماہ کی بات ہے۔ وہ کر لے گا۔

لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی زندگی میں شامل ہو جائے گا۔ ایک ماہ گزر چکا تھا۔ اس کے ہاتھ کچھ بھی نہیں لگا تھا۔ کیا فائدہ اس ساری مشقت کا جس میں اس نے اس لڑکی کے اعتماد کو ٹھیس بھی پہنچائی اور حاصل بھی کچھ نہ ہوا۔

وہ ہنوز کھڑکی میں بیٹھی تھی۔ بیرونی لائٹس کی زرد روشنی کھڑکی سے تکون کی صورت اندر آ رہی تھی۔ وہ اسٹوڈیو کے ایک حصے کو منور کیے ہوئے تھی۔ باقی سارا اسٹوڈیو اندھیر تھا۔ وہ اب آسمان کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کمرے کے منور حصے پہ نظریں جمائے گم صم سی بیٹھی تھی جہاں ایک خالی اسٹول رکھا تھا۔

زندگی بھی ایسی ہی چھپن چھپائی کھیل رہی تھی۔ باہر کی دنیا میں کسی کا دن چل رہا تھا اور کسی کی رات۔

دستک پہ اس نے چہرہ اٹھایا۔ دروازہ روشن تکون کے حصے میں تھا۔

''آجاؤ۔''

دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا کہ عرصے سے کسی نے اس کے قبضوں میں تیل نہیں ڈالا تھا۔سنہری تکون لمبی ہو کے چوکھٹ کو چمکانے لگی۔

چوکھٹ میں کیف کھڑا تھا۔ہاتھ میں دو مگ تھے۔

''کافی ہے یا سبز چائے؟''وہ اسے دیکھ کے اداسی سے مسکرائی۔

''سبز چائے۔لیکن میرے ابا کی ریسپی کے ساتھ۔نہ کہ بخت بی کا قہوہ جو وہ مہمانوں کو پلا رہی ہے۔''

وہ پھیکا سا ہنس دی۔کیف نے اس کا مگ اس کے ساتھ میز پہ رکھا۔اور اپنا مگ لیے اسٹول پہ بیٹھ گیا۔

''آپ میں بہت ہمت ہے۔میں اتنے مہمانوں کے ساتھ کبھی ڈیل نہ کر سکتا۔''گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے شانے اچکا کے کہا۔وہ روشنی میں بیٹھا تھا اور مالا اندھیرے میں۔

''میں صرف pretend کر رہی ہوں' کیف۔اندر سے مجھے لگتا ہے میں ہوا میں معلق ہوں۔نہ جانے کل کیا ہوگا۔''

''ہر شخص کی قسمت کا پرندہ اس کی گردن میں بندھا ہوتا ہے۔''روشنی میں بیٹھا نوجوان بولا۔

''یعنی؟''

''یعنی جو ہونا ہے' وہ ہو کے رہے گا۔''

مالا نے آنکھیں بند کیں۔بہت دیر سے اٹکا آنسو ٹوٹ کے بہہ گیا۔

''مگر میں اتنی دعا مانگتی ہوں۔اٹھتے بیٹھے۔میری دعائیں قبول ہوں گی نا؟''

''آف کورس قبول ہوں گی۔لیکن امید سے مانگا کریں۔''

اس نے آنکھیں کھولیں تو منظر دھندلایا ہوا تھا۔اور اس سنہری دھند کے پار اسٹول پہ بیٹھا شخص کہہ رہا تھا۔

''آپ فینٹیسی پہ یقین رکھتی ہیں؟''

''فینٹیسی؟''پلکیں جھپکائیں۔دھند چھٹی۔منظر واضح ہوا۔کیف نے مگ سائیڈ پہ رکھ دیا اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہنے لگا۔

''ہمارا برین حقیقت اور فینٹیسی میں فرق نہیں کر سکتا۔یعنی جو اصل میں ہو رہا ہے اور جو ہم سوچ رہے ہیں' برین کو دونوں سچ لگتے ہیں۔''

nemrahmad.com

''بہت سے لوگ کہتے ہیں یہ ایک myth ہے۔''

''نہیں۔ یہ متھ نہیں ہے۔ ریسرچز ہیں اس بارے میں۔'' وہ دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے سمجھا رہا تھا۔ ''ہمارے برین کو حقیقت اور فینٹیسی میں فرق کرنا نہیں آتا۔ فیورٹ کھانوں کے بارے میں سوچو تو موڈ بدل جاتا ہے۔ مختلف سوچیں مختلف ہارمونز ریلیز کرتی ہیں۔ اسی لیے پیٹر پین کہتا تھا۔ اچھے خیالات سوچو کیونکہ وہ تمہیں اڑنا سکھائیں گے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کی ماں ٹھیک ہو جائیں گے تو آپ کو پہلے یہ تصور کرنا ہوگا۔''

''کیا تصور کروں؟''

وہ اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک بک شیلف کے ساتھ ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔ بازو سینے پہ باندھ لیے۔ جوگرز کی قینچی بنالی۔

''یہی کہ جب ماں ٹھیک ہو جائیں گی تو آپ کی زندگی کیسی ہوگی؟''

کشمالہ نے بھیگی آنکھیں بند کیں۔ اس نے ایک تصور بنانا چاہا۔

''وہ پھر سے مسکرائیں گی۔ ان کی وہ مرضیٔ دار پرسنالٹی واپس آجائے گی۔ وہ اب بھولنے لگی ہیں اور اپنی پرسنالٹی کھو رہی ہیں۔ میں چاہتی ہوں وہ پہلے جیسی ہو جائیں اور پھر... ہم تینوں ماں کے ساتھ... موسم سرما میں ایک رضائی میں بیٹھ کے باتیں کرتے ہوئے چلغوزے کھائیں۔''

''اس میں ایک مسئلہ ہے۔''

اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔

''وہ کیا؟''

''چلغوزہ چھ ہزار روپے کلو مل رہا ہے۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے ہنس دی۔

''اچھا۔ مونگ پھلیاں کرلو۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ گال کا گڑھا گہرا ہوا۔

''اس تصور کو بار بار ذہن میں تازہ رکھیں۔ جو سوچیں گی وہی ہوگا۔''

''اور اگر ایسا نہ ہو سکا؟''

''تصور پہ یقین رکھنے والے اگر مگر نہیں سوچتے۔''

nemrahmedia

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کیف نے اپنا مگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ بنا سوچے سمجھے اسے پکار بیٹھی۔

''تم کیا تصور کرتے ہو؟''

وہ وہیں ٹھہر گیا۔ اس کی کشمالہ کی طرف پشت تھی۔

''میں؟'' وہ دھیرے سے پلٹا۔ اس کا چہرہ آدھا روشنی اور آدھا اندھیرے میں تھا۔

''تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے جسے تم تصور کرتے ہو؟''

وہ چند لمحے کھڑکی میں بیٹھی لڑکی کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا تو اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

''یہی کہ کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔''

وہ کہہ کے رکا نہیں۔ باہر نکل گیا۔ وہ وہیں بیٹھی سیڑھیوں پہ اس کے قدموں کی آواز سنتی رہی۔ وہ نیچے جا رہا تھا۔

پھر اس نے گردن لان کی طرف موڑی۔ وہ اب نیچے گیٹ کی طرف آتا دکھائی دے رہا تھا۔ کانوں میں ائیر پوڈز لگائے اور گارڈ چیئر پہ جا کے بیٹھ گیا۔ پھر لیپ ٹاپ کھول لیا۔ وہ دانستہ طور پہ اوپر نہیں دیکھ رہا تھا۔

اس نے مگ میز پر رکھ دیا۔ اندر سے ایک الارم جلنے بجھنے لگا۔ کیف کیا سوچنے لگا تھا؟

اسے کیف سے فاصلہ رکھنے کی ضرورت تھی۔

وہ نیچے واپس آئی تو ماں اسی طرح سو رہی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ لیٹ گئی اور ان کی طرف کروٹ لے کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ پھر اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن سے کیف اور اس کی باتوں کو جھٹک کے وہ اس دن میں واپس چلی گئی۔

وہ ماہی، معید اور ماں کے ساتھ ایک کمبل میں بیٹھی تھی۔ پلنگ کے درمیان میں ایک بڑے پیالے میں چلغوزے رکھے تھے۔ یہ سستے زمانے کی بات تھی۔ معید اور وہ چلغوزے نکال نکال کے کھا رہے تھے۔ اور ماں، جو سوئیٹر کے اوپر شال اوڑھے بیٹھی تھیں، بار بار معید کو ٹوک رہی تھیں۔

''چھلکے الگ شاپر میں ڈالو۔ مکس نہ کرو۔''

ماہی کے الگ مسئلے تھے۔

''ماں.... میرے بال کیوں اتنے گر رہے ہیں آج کل۔'' وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتی روہانسی ہو کے کہہ رہی تھی۔

''اسی لیے کہتی ہوں ڈائی نہ کرو۔اور زیادہ موبائل نہ استعمال کرو۔'' ماں کے نزدیک ہر مسئلے کی جڑ موبائل تھا۔

''ماں کیا ہے یار۔ایسے ہی میرے بال گرتے رہے تو میں گنجی ہو جاؤں گی۔''

''پرے بے وقوف۔کبھی کوئی گنجی عورت دیکھی ہے؟'' ماں نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ چونکی۔

''اوہ۔مطلب جتنے بال گریں' میں گنجی نہیں ہوں گی۔پھر ٹھیک ہے۔''

ماں نے معید کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔

''تمہیں ماں کی زبان سمجھ نہیں آتی؟ چھلکے الگ پیالے میں ڈالو۔''

وہ منظر مکمل تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور آنسو صاف کیے۔وہ یہ منظر دوبارہ ضرور دیکھے گی۔وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے گی۔وہ اتنی دعا مانگے گی کہ ماں کی ساری بیماری ختم ہو جائے گی۔جس نے بیماری دی ہے وہی اس کو دور کر سکتا ہے۔جس نے مصیبت بھیجی ہے صرف وہی اس کو ٹال سکتا ہے۔

وہ ماں کی طرف کروٹ لیے زیر لب دعا مانگنے لگی۔ واشف انت الشافی۔اے شفا دینے والے شفا دے دے۔

اسے نیند کب آئی اسے علم بھی نہ ہوا۔رات کے کسی پہر معید نے اسے جگایا۔آواز سے ماں بھی اٹھ گئیں۔چونک کے کشمالہ کو دیکھا اور غنودہ آواز میں بولیں۔

''معید نے کھانا کھایا؟''

''میں دیتی ہوں۔آؤ معید۔''

باہر آتے ہی معید سارے دن کی روداد سنانے لگا۔دو سرجنز کو وہ رپورٹس دکھا کے آ رہا تھا۔لیکن دونوں نے وہی کہا تھا جو ڈاکٹر وہرانے کہا تھا۔جب تک برین کھلے گا نہیں' کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ گلائیوما ہے یا منجی او ما۔اسکین پہ دونوں ایک جیسے لگتے تھے۔لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ کوئی سرجن اس کیس میں ہاتھ ڈالنے کو تیار نہ تھا۔

''میرے سینئرز نے کہا ہے کہ میں ڈاکٹر واصف نصیر سے ملوں۔'' معید سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''وہ کون ہیں؟''

''امریکن سرجن ہیں۔کئی سال امریکہ میں نیورو سرجری کی ہے۔تم نے mayo clinic کا نام پڑھا ہوگا۔اس سے بھی منسلک رہے ہیں۔بہت بہادر سرجن ہیں۔دو سال قبل پاکستان شفٹ ہوئے تھے۔یہاں بہت

بڑے بڑے کیسز انہوں نے آپریٹ کیے ہیں۔ان کو دکھاتے ہیں اسکین۔پھر دیکھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں۔''

ایک سرجن امریکہ چھوڑ کے اپنے ملک کے لوگوں کے لیے پاکستان شفٹ ہو گیا ہے۔وہ یہاں لوگوں کے ناقابلِ علاج ٹیومرز بھی نکالتا ہے۔کتنا اعلیٰ آدمی ہو گا وہ۔اس نے نام سن کے ذہن میں ان کا خاکہ بھی بنا لیا۔ایک ادھیڑ عمر سرجن۔عاجز،نرم گو۔جن کا دل انسانیت کی ہمدردی سے بھرا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی سہ پہر جب مالا اور معید اپنی باری آنے پہ ایک لمبے انتظار کے بعد ڈاکٹر واصف کے کلینک میں داخل ہوئے تو وہ بہت پرامید تھی۔ڈاکٹر واصف یقیناً ان کو تسلی دیں گے۔گلائیوما ہے تو کیا ہوا۔وہ اس کو بھی نکال لیں گے۔

ڈاکٹر واصف دراز قد کے اسمارٹ آدمی تھے۔بال قلموں سے سفید اور عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔آدھے آستین کی پولو شرٹ پہنے ہوئے تھے۔کوٹ پیچھے لٹکا تھا۔ان کو آتے دیکھ کے شناسائی سے بولے۔

''آ گئے ہو معید؟'' وہ اس سے یقیناً پہلے کہیں مل چکے تھے۔ان کی آواز رعب دار اور اونچی تھی۔ایسی آواز جو کوسوں دور سے پہچان لی جائے۔

''جی۔یہ میری سسٹر ہے۔کشمالہ۔''

''آپ بھی ڈاکٹر ہیں؟'' ساتھ ہی رپورٹس لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''نہیں لیکن بن جاؤں گی۔''

معید کے ہاتھ میں اسکین تھے۔ایم آر آئی کی رپورٹ کشمالہ کے ہاتھ میں تھی۔اس نے رپورٹ ان کی طرف بڑھا دی۔

ڈاکٹر واصف نے رپورٹ کے لفافے کو ایک نظر دیکھا' اور پھر اسے ڈسٹ بن کی طرف اچھال دیا۔

''میں نے آج تک کسی ریڈیالوجسٹ کی بنائی ہوئی رپورٹ نہیں پڑھی۔ایم آر آئی اسکین دکھاؤ۔'' انداز سنجیدہ اور قطعی تھا۔

معید جلدی جلدی اسکین دکھانے لگا۔وہ البتہ چہرے پہ ناگواری لیے پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔

ہاؤ روڈ۔(How rude)

کلینک میں دیوار پہ ایک سفید روشن چوکھٹا لگا تھا۔ڈاکٹر واصف کچھ دیر کالے ایکس رے جیسے اسکین کو وہاں لگا

nemrahahmed

کے دیکھتے رہے۔ویڈیوز بھی دیکھیں۔ان سب میں ماں کے برین کو ہرا اینگل سے دکھایا گیا تھا۔بس دو رنگ تھے۔سیاہ اور سفید۔یہ وہ رنگ تھے جنہیں صرف سرجن پڑھ سکتے تھے۔معید بہت کچھ انہیں پہلے ہی ای میل کر چکا تھا۔وہ یہ سب اب دوسرے دفعہ دیکھ رہے تھے۔

''ڈاکٹر وہرا کا کہنا ہے کہ یہ گلائیوما ہے۔''معید نے کھنکھار کے بات کا آغاز کیا۔

''ڈاکٹر وہرا بوڑھے ہو رہے ہیں۔''ڈاکٹر واصف واپس کرسی پہ آ کے بیٹھے اور عام سے انداز میں اطلاع دی۔

''یہ گلائیوما نہیں ہے۔یہ مننجی اوما ہے۔''

ان دونوں کا سانس رک گیا۔ساری دنیا ٹھہر گئی۔مننجیو ماوہ ٹیومر تھا جو قابلِ علاج تھا۔

''آر یو شیور؟''وہ بے یقینی سے بولی۔

''آف کورس۔''وہ دیوار پہ لگے اسکین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"When it looks like a duck, swims like a duck, and quacks like duck, it is a duck."

''اور اگر آپ غلط ہوئے؟ یہ duck نہ ہوئی تو؟''

معید نے میز کے نیچے سے جوتا اس کے پیر پہ مارا۔

ڈاکٹر واصف نے سنجیدگی سے اس کو دیکھا۔''اخروٹ کھاتی ہو؟''

''میرا روزہ ہے۔''

''کھلا نہیں رہا۔پوچھ رہا ہوں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور پیچھے کنسول ٹیبل تک گئے۔وہاں چائے کافی کے لوازمات کے ساتھ جار میں ڈرائی فروٹ رکھے تھے۔انہوں نے ایک ثابت اخروٹ نکالا اور واپس کرسی تک آئے۔

''یہ تمہارا سر ہے۔''اخروٹ انگوٹھے اور انگلی کے درمیان پکڑ کے اسے دکھایا۔

''اخروٹ کا چھلکا تمہاری کھوپڑی ہے۔تمہارے سر کی ہڈی۔''

پھر انہوں نے دو انگلیوں کے درمیان اخروٹ دبایا تو چھلکا ٹوٹ گیا۔وہ کاغذی اخروٹ تھا۔صفائی سے آدھا چھلکا الگ کیا کہ گری برقرار رہے۔بالکل انسانی دماغ کی شکل کی گری اخروٹ میں پوری لگی نظر آ رہی تھی۔

''یہ گری تمہارا برین ہے۔اس گری اور چھلکے کے درمیان پانی ہوتا ہے جس میں یہ گری تیر رہی ہوتی ہے۔اب یہ

nemrahahmad.co

چھلکا اٹھاؤ۔"

اس نے میز پہ رکھا آدھا خالی خول اٹھایا۔

"اس کے اندر دیکھو۔"

اس نے غور سے دیکھا۔ وہ خالی تھا۔

"اس خول کی اندرونی تہہ منجی کہلاتی ہے۔ منجی اور تمہارے برین کے درمیان میں صرف پانی ہے جس میں برین تیر رہا ہے۔ سمجھ آیا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وہ کم مغرور لگ رہے تھے۔

"اگر اس خول کو کیڑا لگ جائے... یعنی ٹیومر... تو وہ منجیوما کہلاتا ہے۔ یعنی منجی کا ٹیومر۔ یہ بڑے ہونے میں کئی سال لیتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ گری (یعنی برین) پہ پریشر ڈالتا ہے اور اسے اس کی جگہ سے سرکانے لگتا ہے۔ اس وجہ سے انسان کے دوسرے کام متاثر ہوتے ہیں۔ جیسے یادداشت وغیرہ۔"

"یعنی منجی اوما اصل میں سر کی ہڈی کا ٹیومر ہے۔ برین کا نہیں۔"

"یہی سمجھ لو۔ اور رہا گلائیوماتو..." انہوں نے دوسری طرف کا چھلکا بھی اتارا تو اخروٹ کی گول مکمل گری ہاتھ میں آ گئی۔ "یہ گری تمہارا برین ہے۔ اس گری کے اندر بننے والا ٹیومر گلائیوما کہلاتا ہے کیونکہ وہ برین سیل سے بنتا ہے۔ وہ کسی بیرونی ہڈی یا لیئر کا ٹیومر نہیں ہے بلکہ برین کے "اندر" کا ٹیومر ہے۔ اس لیے گلائیوما کا کوئی علاج نہیں ہوتا نہ اس کی سرجری کا فائدہ ہوتا ہے۔ گلائیوما کو نکالیں گے تو ساتھ برین کا کوئی حصہ بھی کٹ جائے گا۔ اس سے مریض مفلوج ہو سکتا ہے۔ اور گلائیوما مکمل نہیں نکل سکتا۔ وہ بہت تیزی سے پھیلتا ہے۔"

"لیکن ماں کو منجی اوما ہے؟" اس نے پھر سے تصدیق چاہی۔

"اصل بات تو برین کھول کے معلوم ہو گی لیکن میں منجی اوما کو پہچانتا ہوں۔ یہ گلائیوما نہیں ہے۔ ہم اس کو سرجری کر کے نکال لیں گے۔ تھوڑا سا حصہ ہمیں اندر چھوڑنا پڑے گا۔ لیکن اس کو بڑھنے میں بیس پچیس سال لگیں گے۔ ابھی پچھلے اتوار میں نے ایک سات سال کے بچے کی یہی سرجری کی ہے۔" وہ معید کو بتانے لگے۔ "اس کی ڈیورا کا کچھ حصہ ریسو کیا ہے کہ وہ ٹیومر بن چکا تھا۔ آج وہ ڈسچارج ہو کے ماشاءاللہ گھر چلا گیا ہے۔"

"پھر ہم کب کروائیں سرجری۔" معید پرامید ہو گیا۔ البتہ اس کا دل اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

"کل لے آؤ۔" وہ اسی عام انداز میں بولے۔

''کل؟''

''بلکہ نہیں۔کل مجھے ایک شادی پہ جانا ہے۔پرسوں سنڈے کو لے آؤ۔سنڈے ذرا ریلیکس ڈے ہوتا ہے۔صبح نو سے ایک بجے تک میری دو سرجریز ہیں۔ان سے فارغ ہو کے میں تمہاری امی کی سرجری کرلوں گا۔''

وہ بولتے جا رہے تھے۔کشمالہ کو ٹوکنا پڑا۔

''کیا ہم کسی ایسے دن سرجری نہیں کروا سکتے جب آپ صرف ماں کی سرجری کریں؟''

(سرجن تھک گیا ہوگا نا۔ٹیومر نکالتے نکالتے اس کی چھری برین کی کسی شریان پہ لگ گئی ہوگی اور تمہاری نند کی آنکھیں چلی گئیں۔)

ڈاکٹر واصف نے صرف ایک نظر اس پہ ڈالی اور واپس معید سے بات کرنے لگے۔وہ مزید کچھ کہتی لیکن معید نے اس کے پیر کو اپنے جوتے سے دبایا۔

''سنڈے کو انہیں لے آؤ۔صبح چھے بجے این پی او کروالینا۔پچھلے رات ذیابطیس کی دوا نہیں دینی۔نہ انسولین لگانی ہے۔'' وہ ہدایات دے رہے تھے اور مالا شدید غیر آرام دہ تھی۔کیا تھا یہ آدمی۔مطلب میری ماں کی سرجری ہے' کوئی مذاق نہیں۔آپریشن ٹیبل ہے یا قصائی کی دکان کہ ایک کے بعد ایک جانور آتا جائے گا اور میں کھٹ کھٹ اس کی سرجری کرتا جاؤں گا۔

اس نے باہر نکلتے ہی معید کو کہنی سے پکڑ کے روکا۔

''معید ہم اتنی جلدی کیوں سرجری کروا رہے ہیں؟''

''ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا رات تک فیصلہ کریں گے۔اور جلدی کرنی ہے' مالا۔ماں کے برین پہ جتنا پریشر پڑے گا' اتنا وہ اپنے اعضا کھوتی جائیں گی۔اور کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ کھوئے ہوئے اعضاء آپریشن کے بعد واپس آجائیں۔''

''مگر ڈاکٹر دو سرجریز سے تھک کے ماں کی سرجری کیسے کریں گے؟''

''یار وہ نیورو سرجن ہے۔اس سے کہیں زیادہ سرجریز ایک دن میں کر سکتے ہیں۔'' وہ دونوں کلینک کے باہر پارکنگ ایریا میں کھڑے بحث کر رہے تھے۔

''اوپر سے rude کتنے ہیں۔''

''اب تم نان ڈاکٹرز کو یہ بات بری لگے یا اچھی۔مگر یاد رکھو۔سرجن جتنا قابل ہوگا' اس میں اتنا ایٹی ٹیوڈ ہوگا۔

nemra

ایٹی ٹیوڈ سرجن کی نشانی ہوتا ہے۔'' سرجن معید گردن کڑا کے بولا تھا۔ مگر اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ ماں کو منجیو ما تھا۔

''کیا پتہ ماں کو گلائیو ما ہو۔ اور وہ آپریشن کے پیسوں کے لیے اسے منجی او ما بتا رہے ہوں۔''

''میری بہن... آپریشن کی فیس آٹھ لاکھ روپے ہے۔ اس میں سے ساڑھے پانچ لاکھ ہسپتال کو جائیں گے۔ سرجن کو صرف دو ڈھائی لاکھ جائے گا۔''

''ہاں تو ڈھائی لاکھ بڑی رقم ہے۔''

''یہ سامنے آؤڈی دیکھ رہی ہو۔'' اس نے ایک سمت میں اشارہ کیا تو مالا مڑ کے دیکھنے لگی۔ وہاں ایک چمکتی ہوئی کار کھڑی تھی۔

''یہ ڈیڑھ کروڑ کی آؤڈی ڈاکٹر واصف کی ہے۔ جس آدمی کے پاس یہ کار ہو اسے ہمارے ڈھائی لاکھ نہیں چاہیے ہیں۔ اگر واصف نصیر کہہ رہا ہے کہ یہ منجی او ما ہے تو یہ منجی او ما ہے۔'' پھر ہاتھ کو کھول بند کر کے اشارہ کیا۔ ''quack quack'' اور وہ آگے بڑھ گیا۔

ماہی اس رات سوئی نہیں تھی۔ وہ نماز کے بعد بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹہ لپیٹے وہ ہاتھ میں مسنون دعاؤں کی کتاب اٹھائے دعائیں پڑھے جا رہی تھی۔ آج مالا اور معید نے کسی امریکن سرجن کے پاس جانا تھا۔ ماہی ان کے جانے سے پہلے ہی ڈاکٹر واصف کو گوگل کر کے ان کے انٹرویوز' آرٹیکلز اور دوسری معلومات پڑھ چکی تھی۔ وہ مائیو کلینک سے منسلک رہے تھے۔ وہ عام سرجن نہیں تھے۔ اسے ان کی تشخیص کا انتظار تھا۔

ایسے میں جیسے ہی مالا کے میسج ٹون بجی اس نے بے قراری سے موبائل اٹھایا۔

''ماں کو منجیو ما ہے۔ گلائیو ما نہیں۔''

ماہی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ وہ کہتی تھی نا ماں کا علاج ہو جائے گا۔ ماں کا ٹیومر موذی نہیں ہوگا۔ اس کی دعائیں قبول ہوئی تھیں۔ یہ ایک نشانی تھی۔ اب اسے مزید دعا مانگنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھڑکی پہ گرنے والی بوندوں کی رفتار سست پڑ گئی تھی البتہ بارش ابھی تھمی نہیں تھی۔

اسکیچ بک ان کے درمیان کھلی رکھی تھی اور اس پہ موجود بچے کی تصویر مسکرا رہی تھی۔

ایسی شیطانی مسکراہٹ تم نے شاید ہی کہیں دیکھی ہو۔

''یورپین کلچرز میں اس بچے کے بارے میں مختلف کہانیاں مشہور ہیں۔''

ڈاکٹر رائد بات کو جاری رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ اور وہ غور سے سن رہی تھی۔

''لیکن ان کا لبِ لباب یہ ہے کہ پریاں ایک نئے پیدا ہونے والے بچے کو اغوا کر کے اس کی جگہ پنگھوڑے میں اس شیطانی بچے یعنی changelling کو ڈال جاتی ہیں۔ تبدیل کیا ہوا بچہ۔ مگر ہم مسلمان ہیں اور ہم پریوں پہ یقین نہیں رکھتے۔ اس لیے میرے ناقص علم کے مطابق یہ بچہ شیطان یا جن کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کا خواب میں آنے شیطانی عملیات کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے برے خواب نہیں بتانے چاہیے ہیں۔ لیکن میں اس خواب کو غلطی سے پہلے ہی بیان کر چکی ہوں۔ اس لیے آپ کو بتائے دیتی ہوں۔''

ماہی نے کھڑکی کے شیشے کو دیکھا جو پانی کے قطروں سے بھرا تھا۔ پل بھر کے لیے ان قطروں میں اس کے خوابوں کا عکس ابھرنے لگا۔

''مجھے خواب میں نظر آیا کہ یہ بچہ جس کی عمر تین چار برس سے زیادہ نہیں لگتی' ہمارے گھر کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ ہنستا جا رہا ہے۔ اس کی ہنسی.... اس کی کھوکھلی آنکھوں کی چمک.... میں یہ کبھی نہیں بھول سکتی۔''

ماہی کی آواز میں ایک دم بہت سے جذبات اکٹھے ہو گئے۔ خوف بے بسی۔ نفرت۔

''میں آگے بڑھ کے اس کو گردن سے پکڑ لیتی ہوں۔ پھر آیت الکرسی پڑھتے ہوئے اس کا گلا دبانے کی کوشش کرتی ہوں لیکن وہ نہیں مرتا۔ وہ ہنستا جاتا ہے۔ میری بہن مالا نے دیکھا کہ یہ بچہ اس کے اور ماں کے درمیان میں آ کے لیٹ جاتا ہے۔ وہ اس کا گلا دبانے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ نہیں مرتا۔ ہنستا جاتا ہے۔ ماں نے دیکھا کہ یہ بچہ ان کے تکیے کے نیچے سے کچھ چرا کے بھاگ جاتا ہے۔'' اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کے شیشے پہ بھی قطرے پھیلے تھے جن میں اس کے خواب کھڑے اس پہ ہنس رہے تھے۔

''دو ماہ قبل مجھے خواب میں یہ بچہ اپنے چار سدہ والے آبائی گھر کے صحن میں نظر آیا۔ میں اس کو پھر سے مارنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن وہ نہیں مرتا۔'' اس نے آنکھیں کھولیں۔ ''یہ خواب ہم سب کو الگ الگ آئے۔ ایک دوسرے کا سن کر نہیں۔ مالا نے مجھے اپنا خواب سنایا تو میں نے اسے اپنے خواب بتائے۔''

''لیکن پھر بھی آپ کی بہن جادو کو نہیں مانتی؟''

''نہیں۔ وہ کہتی ہے کہ خواب سے پہلے اس نے کوئی ہارر فلم دیکھی تھی۔ یقیناً اسی کا اثر تھا۔ وہ اس موضوع پہ

بات ہی نہیں کرتی۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ کوئی میری بہن پہ جادو کر رہا ہے۔ کیونکہ اسی کے ساتھ سارے واقعات ہوتے ہیں۔ خون آنا۔ کسی کا پیچھا کرنا۔" وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

"خواب سے زیادہ خواب کی وائب اہم ہوتی ہے۔ جب آپ خواب میں اس بچے کو دیکھتی ہیں تو آپ کیا محسوس کرتی ہیں؟"

ماہی نے آنکھیں بند کیں۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سارے قطرے اندر ہی اندر بہہ کے فنا ہو گئے۔

"میں خوف سے سوچتی ہوں کہ یہ بچہ میرا خاندان تباہ کر دے گا۔" اس نے بھیگی پلکیں کھولیں۔

"خاندان تباہ کرنے والا جادو۔" انہوں نے سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ ایک مشہور جادو ہے۔ مگر ضروری نہیں ہے کہ آپ کی بہن پہ جادو ہو۔ جادو کی علامات بہت واضح ہوتی ہیں۔ ہم ان سے اس مرض کی تشخیص کر سکتے ہیں۔"

"جادو مرض ہے کیا؟"

"اور نہیں تو کیا۔ یہ مرض ہی ہے۔ بس اس کا علاج خود کرنا ہوتا ہے۔ ہم علاج پہ بات کریں گے۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کی بہن کے کتنے بچے ہیں؟"

وہ چونکی۔ "نہیں۔ اس کے بچے نہیں ہیں۔ مطلب وہ غیر شادی شدہ ہے۔"

"اوہ۔" وہ خاموش ہو گئے۔ ماہی کے اندر الارم سا جلنے بجھنے لگا۔

"کیوں؟ آپ نے یہ کیوں پوچھا؟"

"آپ نے خاندان کو تباہ کرنے والے جادو کا ذکر کیا تو مجھے لگا آپ کی بہن کی اپنی فیملی ہے۔" وہ عام سے انداز میں کہہ رہے تھے جیسے ڈاکٹرز بخار کی دوا تجویز کرتے ہیں۔

"کیونکہ فیملی میجک عموماً گھر کی بیٹی سے نہیں شروع ہوتا۔"

ماہی کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔ لمحے بھر کو ساری دنیا تھم گئی۔

"وہ گھر کی ماں سے شروع ہوتا ہے۔"

ماہی بنا پلک جھپکائے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اگر بچے موتی ہیں تو ماں وہ مالا ہے جو اپنے خاندان کو جوڑ کے رکھتی ہے اور اس مالا کے ٹوٹنے پہ سارے موتی بکھر جاتے ہیں۔ جادوگر نے جب کسی خاندان کو تباہ کرنا ہو تو وہ پہلے اس کی ماں پہ حملہ کرتا ہے۔"

''کیسے؟''اس کی رنگت سفید پڑنے لگی۔

''اسے سحر المرض کہتے ہیں۔ بیماری کا جادو۔ خاندان کی ماں اچانک بیمار پڑ جاتی ہے۔اس کو کوئی ایسا موذی مرض لاحق ہو جاتا ہے جو علاج سے بھی رفع نہیں ہوتا۔ ماں دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جاتی ہے۔ یہ جادو منتقل ہونے والا جادو ہے۔ٹرانسفرایبل میجک۔ یہ ماں کے بعد اس کی اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے۔عموماً اس اولاد میں جو جسمانی طور پہ ماں کے سب سے قریب ہوتی ہے۔''

پھر وہ اس کا چہرہ دیکھ کے مسکرائے۔

''ابھی سے ڈر گئیں' ماہ بینہ؟''

''میری ماں...''اس کا سانس نہیں آ رہا تھا۔''میری ماں بیمار ہیں۔کیا یہ جادو سے ہے؟''

''شاید ہاں۔شاید نہیں۔آپ یہ وثوق سے کبھی بھی نہیں جان پائیں گی۔اسی لیے علماء جادو کے بارے میں ہر وقت بات نہیں کرتے۔جس کی بھی ماں بیمار ہو' وہ سمجھے گا کہ اس پہ جادو کیا جا رہا ہے۔ایسے میں انسان خوف اور وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔''اس کا چہرہ دیکھ کے تسلی دی۔

''ضروری نہیں ہے کہ آپ کی ماں پہ جادو ہو۔ ہر بیماری جادو سے نہیں ہوتی۔''

''مگر مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ میری ماں کی بیماری جادو سے ہے یا نہیں؟''

''اس کا اندازہ لگانے کے لیے آپ کو اپنی ماں کے مرض کی تشخیص کرنی ہو گی۔ جادو کی علامات ہوتی ہیں۔اگر وہ علامات آپ کی ماں میں نہیں ہیں تو ان کی بیماری محض ایک بیماری ہے۔اگر ہیں تو آپ کو ان کا علاج کرنا ہو گا۔جسمانی کے ساتھ ساتھ روحانی علاج بھی۔''

ماہی کو اپنی ٹانگیں کمزور پڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔کیا وہ مزید یہ سب سن سکتی تھی؟ یا وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر واصف کے کلینک سے واپسی پہ وہ گھر آئی تو کیف وہاں موجود نہیں تھا۔ یہ اس کی بریک کا وقت تھا۔ ہر روز پانچ گھنٹے کی بریک جس میں وہ نہ جانے کیا کرتا تھا۔وہ بھی اس کا آج سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔اس کی کل والی بات پہ وہ عجیب کیفیات کا شکار ہو چکی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پہ ماں اپنی وہیل چیئر کے ساتھ موجود تھیں۔ بخت بی کھانا لگا رہی تھی۔معید وہیں بیٹھ گیا اور ماں

کے لیے خود سالن نکالنے لگا۔ وہ اتنی نقاہت زدہ اور کمزور لگ رہی تھیں کہ انہوں نے اس کی آمد محسوس نہیں کی۔ وہ بھی وہاں نہیں رکی۔ موبائل لیے اوپر اسٹوڈیو میں جانے لگی۔ پھر رک گئی۔

رات اس کا کہا وہ ایک فقرہ شاید اسٹوڈیو کی دیواروں میں امر ہو گیا ہو۔ وہ وہاں جائے گی تو سنائی دے گا۔

وہ کمرے میں آ گئی اور کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کے صفورا کو کال ملائی۔

''یہ کیف کیسا آدمی ہے؟ بطور آدمی؟'' زور دے کر پوچھا۔ نظریں کھڑکی سے باہر نظر آتی گارڈ کی خالی چیئر پہ جمی تھیں۔

''لوزر ہے۔ اور کیا؟'' صفورا نے ساتھ ہونہہ بھی کیا تھا۔

''ایسے نہ کہو صفورا۔ ہم سب اس فیز سے گزرے ہیں جب ہم بزنس پلان بنا رہے ہوتے تھے۔ اس نے کافی دیر کر دی ہے لیکن وہ کوشش تو کر رہا ہے نا۔'' اسے خود بھی توقع نہیں تھی کہ وہ اس کا دفاع کرنے لگ جائے گی۔ اس نے تو کسی اور بات کے لیے فون کیا تھا۔

''یار وہ کئی سال سے بزنس پلانز ہی بنا رہا ہے۔ اس کے پلان کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ہمیشہ مقروض ہوتا ہے۔ مسئلوں میں پھنسا ہوا۔''

''میں کسی اور لحاظ سے پوچھ رہی ہوں۔''

صفورا چونکی۔ ''کیا اس نے کوئی بدتمیزی کی ہے؟ میں بات کرتی ہوں اس سے۔'' صفورا کے اندر کی فیمینسٹ بھڑک اٹھی۔

''صفورا ایسا کچھ نہیں ہے۔ اور میں اپنے لیے خود بول سکتی ہوں۔ میں اتنے سالوں سے مردوں کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے ان کے ایڈوانسز کے ساتھ کیسے ڈیل کرنا ہے۔ میں صرف یہ پوچھ رہی ہوں کہ بطور آدمی کیف کیسا ہے؟''

''کیف فلرٹ سا ہے۔ امیر لڑکیوں کے ساتھ دوستی کرنے کا شوقین۔ میں نے اس کو بہت دفعہ اسلام آباد کے ایلیٹ ریستورانوں میں لڑکیوں کے ساتھ گھومتے دیکھا ہے۔''

''وہ امیر لڑکیوں کے ساتھ دوستی کیسے افورڈ کرتا ہے؟''

''امیر لوگوں سے دوستی آسان ہوتی ہے کیونکہ ہمیشہ امیر دوست پے کرتا ہے۔ ساری دنیا کی ایلیٹ کلاس اسی ایک اصول پہ چلتی ہے۔ کوئی غریب دوست کو نہیں کہتا کہ پے کرو۔''

nemrahahmed.com

پھر صفورا کی۔ ''مجھے بتاؤ اس نے کوئی بدتمیزی کی ہے؟''

''نہیں۔ میں بس جاننا چاہتی تھی کہ اس کی بات پہ مجھے کتنا اعتبار کرنا چاہیے۔ تم اس کو کچھ مت کہنا۔'' اس نے خاص صفورا کو تاکید کی۔ لیکن دور اندر اسے معلوم تھا کہ صفورا کیف کو ضرور فون کھڑکائے گی۔ اُف یہ اس نے کیا کر دیا۔

کیف نے اسے کنفیوژ کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج صبح سے اس نے کشمالہ کا سامنا نہیں کیا تھا۔ اس کی واپسی سے پہلے ہی وہ مبین منزل سے نکل چکا تھا۔ اس کا رخ گلبرگ کی ایک لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ کی جانب تھا۔

لاہور آتے ہی مالک نے اسے اپنے ایک اپارٹمنٹ کی چابی دے دی تھی۔ وہ خالی پڑا تھا۔ مالک کبھی کبھی لاہور آتا تھا۔ کیف وہاں اپنے پلان پہ کام کر سکتا تھا۔ دو ماہ کی بات تھی۔ بظاہر وہ مبین منزل کی بیسمنٹ کے اس کولر والے کمرے میں قیام پذیر تھا لیکن درحقیقت وہ یہاں اس اپارٹمنٹ میں رہ رہا تھا۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی ریسیپشن ڈیسک کے پیچھے بیٹھی لڑکی نظر آئی جس نے مسکرا کے سر کی جنبش سے کیف کو خوش آمدید کہا۔ کیف نے مسکرا کے اسی کے انداز میں سر ہلایا اور لفٹ کی طرف آ گیا۔

والٹ سے اس نے اپارٹمنٹ کا کی کارڈ نکالا اور لفٹ میں داخل ہوتے ہی پانچ کا بٹن دبایا۔ اسی وقت فون بجنے لگا۔

اس نے فون کان سے لگا کے ہیلو کہا لیکن دوسری جانب سے کہے جانے والے الفاظ سن کے چہرے کے تاثرات سنجیدہ ہوتے گئے۔

''ہوں۔'' وہ لفٹ سے نکلا اور کارڈ ہاتھ میں لیے کاریڈور میں آگے بڑھتا گیا۔ سفید مرمریں ٹائلز سے مزین کاریڈور کی بتیاں اس کے قدموں کے ساتھ جلتی گئیں۔

''میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔'' ایک اپارٹمنٹ ڈور کے سامنے وہ رکا۔ سیاہ دروازے پہ سنہرے براس سے لکھا تھا۔

فائیو سی۔

''انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔'' اس نے ہینڈل سینسر کے ساتھ کارڈ لگایا تو ٹپ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ وہ

اندر داخل ہوا اور کارڈ ہولڈر میں لگا دیا۔ اندر ایک خوبصورت اور روشن اپارٹمنٹ اس کا منتظر تھا۔

''بہر حال میں آئندہ احتیاط کروں گا کہ ایسا کچھ نہ ہو'' وہ راہداری میں آگے آیا اور فون کان سے ہٹایا۔ پھر زور سے فون صوفے پہ دے مارا۔ فون صوفے سے ٹکرا کے زمین پہ جا گرا۔ اسکرین پروٹیکٹر کے اوپر مکڑی کے جالے جیسی دراڑیں پڑ گئیں۔

وہ راہداری عبور کر کے ایک بیڈروم میں آیا۔ وہ سرمئی رنگ سے سجا تھا۔ خوبصورت اور نفیس۔ کسی ہوٹل روم کی طرح۔

کیف سیدھا باتھ روم میں آیا اور واش بیسن کے اوپر کھڑے ہوئے اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا۔ مٹھی زور سے بند کی جیسے آئینے کو ایک گھونسے سے توڑ دینا چاہتا ہو۔ لیکن پھر آنکھیں بند کر کے چند گہرے سانس لیے۔

''مجھے وہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں اپنا فوکس لوز کر رہا ہوں۔ مجھے فوکس لوز نہیں کرنا۔''

بھوری آنکھیں کھول کے اپنا عکس دیکھا۔

''فوکس لوز نہیں کرنا۔''

اس نے نل کے نیچے ہاتھ کیے تو ٹھنڈی دھار گرنے لگی۔ تیز پریشر سے ہاتھوں پہ پانی کے بلبلے بننے لگے۔ اس نے جھک کے بہت سا پانی چہرے پہ ڈالا۔ پھر سیدھا کھڑا ہوا تو پانی تھوڑی سے نیچے بہتا ہوا گریبان میں جذب ہونے لگا۔

''فوکس لوز نہیں کرنا'' اپنی بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خود کو یاد کروایا۔ ''یہ لڑکی میری کچھ نہیں ہے۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے کام مکمل کر کے نکلنا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا۔''

تولیہ اٹھا کے چہرہ رگڑا اور پھر باہر نکلا۔ بیڈروم کی دیوار پہ ایک کیلنڈر آویزاں تھا۔ کیف کی نظریں اس کیلنڈر پہ ٹھہر گئیں۔

وہاں دو تاریخوں کے گرد دائرے بنے تھے۔ ایک تاریخ دس جون کی تھی۔ جب اس نے کشمالہ کی جاب سے استعفیٰ دینا تھا۔

دوسری تاریخ پندرہ جولائی کی تھی۔ اس کے گرد ایک بڑا سا سرخ نشان لگا تھا۔

فوکس لوز نہیں کرنا۔ اس نے تولیہ ایک طرف اچھال دیا۔ اس کا رخ لاؤنج کی جانب تھا جہاں اسے بیٹھ کے کام کرنا تھا۔ اس کا یہ نیا پروجیکٹ پلان ناکام نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اپنی پوری محنت کرے گا۔ وہ کسی کو یہ کہنے کا موقع

نہیں دے گا کہ کیف ایک failure ہے۔

کشمالہ مبین کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے وہ کچن میں نصب کافی مشین کی طرف بڑھ گیا۔اس کے پاس ساڑھے چار گھنٹے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس رات ماں کچھ بہتر محسوس کر رہی تھیں۔باتیں اسی طرح بھول رہی تھیں لیکن افطار کے بعد وہ انہیں لاؤنج میں لے کر آئی اور ٹی وی کے سامنے بٹھایا تو ماں نے غور سے اپنی بوڑھی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تمہارے دانے نکل رہے ہیں۔''

وہ چونک گئی۔کتنے دن سے آئینے میں ڈھنگ سے دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔فوراً اٹھی اور لاؤنج کی دیوار پہ لگی آرائشی آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ملگجا لباس۔بندھے بال۔چہرہ دائیں بائیں موڑا۔دو دانے۔کیا یہ وہی کشمالہ تھی؟

مگر زندگی بھی تو بدل گئی تھی۔ماں بیمار ہو جائے تو کچھ بھی ویسا نہیں رہتا۔

اس نے پلٹ کے لاؤنج پہ نظر ڈالی۔ماں وہیل چیئر پہ بیٹھی تھیں۔نقاہت سے گردن نیچے کیے۔معید صوفے پہ براجمان تھا۔موبائل پہ سر جھکائے۔گود میں ماں کی چند رپورٹس رکھے۔وہ مختلف ڈاکٹرز کو میسج اور کال کر رہا تھا۔

کبھی اس لاؤنج کی حالت مختلف ہوتی تھی۔ماں تخت پہ بیٹھی سبزی کاٹ رہی ہوتی تھیں۔مالا ایک طرف کتابیں پھیلائے ان میں سر دیے بیٹھی ہوتی۔ماہی دوسری طرف نیل پالش اٹھائے پیروں کو سجا رہی ہوتی۔یکدم گھنٹی بجتی تو ٹین ایج معید بھاگ کے باہر جاتا۔واپسی پہ اس کے ہاتھ میں خوشبو اڑاتے پلاؤ کی پلیٹ ہوتی۔ہمسائے والی دردانہ آنٹی کے پلاؤ کی خوشبو پہ سب سر اٹھاتے۔اور بھاگ کے ماں کے تخت کے گرد جمع ہو جاتے۔ماں پلاؤ کی پلیٹ درمیان میں رکھتیں۔پھر ڈھکی ہوئی پلیٹ اٹھاتیں تو بھاپ اور خوشبو ایک ساتھ باہر آتے۔وہ چاروں بسم اللہ کر کے جلدی جلدی کھانے لگتے۔اس میں ایک ہی بوٹی ہوتی اور وہ من وسلویٰ سے لذیذ ہوتی۔چاہے اس دن گھر میں ماں نے دیگچا بھر کے پلاؤ بنایا ہو جو مزہ اس ہمسائیوں کی پلیٹ کا تھا وہ کہیں اور نہیں تھا۔وہ آسان دن تھے۔تب چہرے کے دانوں اور وزن کے بارے میں فکر نہیں ہوتی تھی۔

بخت بی کی آواز پہ اس کا ارتکاز ٹوٹا۔معید بھی رپورٹس سے سر اٹھا کے دیکھنے لگا۔

''باہر آپ کی دبئی والی آنٹی آئی ہیں۔'' بخت بی مہمانوں کی کار کو پورچ کے اندر داخل ہوتے دیکھ آئی تھی۔

''اوہ ہاں۔زیاد نے مجھے کال کی تھی کہ وہ آرہے ہیں۔میں بتانا بھول گیا۔''

اُف معید۔اس نے اپنا حلیہ دیکھا۔اتنے میں بخت بی آواز دھیمی کر کے ان کے قریب آئی۔

''ان کو بھی بس قہوہ اور بسکٹ پہ ٹرخا دوں؟''

کشمالہ نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔معید نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب قہوہ بسکٹ؟ ایسے کرتے ہیں مہمانوں کے ساتھ؟ سمجھاؤ یار مالا ان کو۔ماں بیمار کیا ہوئیں' بخت بی کو سارے کام ہی بھول گئے۔'' وہ ڈپٹ کے کہتا اٹھا اور مہمانوں کے استقبال کے لیے باہر نکل گیا۔مالا نے پیر پٹخا۔

''کہا تھا نا معید کے سامنے نہیں کہنا۔اس کو نہیں معلوم کس کو کیسے ڈیل کرنا ہے۔''

''اچھا تو پھر قہوہ اور بسکٹ ہی لاؤں؟''

''اُف بخت بی۔کھانے کی تیاری کریں۔میں کچھ باہر سے بھی آرڈر کرتی ہوں۔''

وہ جھنجھلائی ہوئی کمرے میں آئی۔الماری کھولی۔ہینگرز الٹ پلٹ کیے۔(میری ماں کو برین ٹیومر ہے اور مجھے کپڑوں کی پڑی ہے) ؟لیکن ماں کو ٹیومر نہ ہوتا اور وہ ذہنی طور پہ حاضر ہوتیں تو اس کے گھڑے سے نکال کے پہنے لباس پہ اس کو سو صلواتیں سناتیں۔اپنا حلیہ درست کرنا اس کی مجبوری تھی۔

وہ باہر آئی تو لیمن گرین لمبی قمیض اور ہم رنگ دوپٹے میں ملبوس تھی۔سفید ٹراؤزرز کے ساتھ سفید ہیلز پہن رکھی تھیں۔بال کیچر میں آدھے بندھے تھے۔دو لٹیں عادتاً چہرے کے اطراف میں گرتی تھیں۔سبز آنکھیں مسکارے سے سجی تھیں۔وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو سب نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

نگینہ آنٹی نے مسکرا کے اسے دیکھا۔وہ تخت پہ ماں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔سفید چکن کاری کے دوپٹے کے ہالے میں ان کا اجلا چہرہ بہت منور لگ رہا تھا۔تسبیح پرس کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی۔ان کے گرد ایک اپنائیت کا سا ہالہ تھا جو بہت کم لوگوں کے گرد محسوس ہوتا تھا۔

زیاد ساتھ ایک کرسی پہ بیٹھا تھا۔اس نے جینز پہ آدھے آستین کی سیاہ پولو پہن رکھی تھی۔وہ سب کو سلام کہتی ان کے سامنے ایک سنگل صوفے پہ آ بیٹھی۔معید کی کال آ گئی تو وہ اٹھ کے باہر نکل گیا۔

''کیسی ہے ہماری بیٹی؟'' نگینہ آنٹی نے محبت اور اپنائیت سے اسے دیکھ کے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''مالا...'' ماں نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ایک تو ماں کی پرانی عادت تھی۔بھری محفل میں ایسے اشارہ کرتیں کہ ان کے بچوں کو کیا پورے خاندان کو سمجھ آجاتا۔''ماہی سے کہو آ بھی جائے۔آنٹی کو سلام کرے۔''

اس بات پہ سناٹا چھا گیا۔لیکن اگلے ہی لمحے نگینہ آنٹی بڑے سبھاؤ سے بولیں۔

''ماہی مجھ سے لان میں مل چکی ہے۔اب کچن میں مصروف ہوگی۔اس کو نہ بلائیں۔اچھا بھابھی آپ پھر بتا رہی تھیں اپنی کزن کے بیٹے کا۔''

''ہاں وہ جب سے پیدا ہوا ہے بیمار ہے۔کچھ دن بعد اس کا آپریشن ہونا ہے۔''ماں نے قصہ سنانا شروع کیا۔

اس قصے کو دس سال گزر چکے تھے لیکن ماں اپنے ذہن میں اسی پرانے دور میں تھیں۔جب ماہی اور مالا ٹین ایج لڑکیاں تھیں جو اگر رشتے داروں کے آنے پہ ان سے نہ ملتیں تو یہ انتہائی بدتمیزی شمار ہوتی۔کاش وہ بھی ایسے ہی گزرے وقت کو واپس لا سکتی۔اس نے یہ دس سال پڑھائی اور کیریئر میں نہ لگائے ہوتے۔وہ ماں کے پاس ہوتی۔

وہ بھیگی پلکوں سے ماں کو نگینہ آنٹی سے باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔وہ اس کے قریب کھنکھارا تو مالا نے چونک کے گردن اس طرف موڑی۔وہ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھا تھا۔دھیمی آواز میں اس کو تسلی دی۔

''کشمالہ...وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''مجھے نہیں پتہ۔''اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟''وہ کتنا خوبصورت بولتا تھا۔مدھم سا۔

''یہی کہ اتوار کی صبح سرجری کروالیں۔''

''اتنی جلدی؟''زیاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔''آپ کو سیکنڈ رائے بھی لینی چاہیے۔ڈاکٹرز کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔''

''معید کہتا ہے ایسے نہیں ہوتا۔سرجنز ایسے نہیں کرتے۔''وہ دونوں دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

''معید بھی آپ کا بھائی ہے۔آپ دونوں ہر ایک پہ بہت جلد اعتبار کر لیتے ہیں۔''

''معید کو امید ہے کہ سرجری کامیاب ہوگی۔''

زیاد سلطان ہلکا سا مسکرایا۔''ایسے فیصلے امید یا وائب پہ نہیں کرتے۔سوچ سمجھ کے کرتے ہیں۔چند دوسرے سرجنز سے مشورہ کریں۔ہو سکے تو انہیں باہر لے جائیں۔''

وہ چند لمحے یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ذہن میں ایک خیال سر اٹھانے لگا۔

nemrahahma

''کسی نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں تصور کروں کہ اچھا ہوگا تو اچھا ہی ہوگا۔''

زیاد ہلکا سا ہنس دیا۔

''اور جس کو آپ نے یہ کہتے سنا' کیا اس کے تصورات نے اس کے لیے سب اچھا کر دیا؟''

وہ کچھ بول نہ سکی۔

''تصور کرنے سے ہر چیز ٹھیک ہو جاتی تو ہم سب تصور ہی کرتے رہتے۔ تصور کرنے والے صرف تصور میں جیتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں ان لوگوں کا کوئی شیئر نہیں ہوتا۔ آپ کو سوچ سمجھ کے آنٹی کے لیے فیصلہ کرنا ہے۔''

اس کے سامنے بیٹھا شخص ایک کامیاب انسان تھا۔ معاشرے کے کامیاب مرد کے ٹائٹل پہ پورا اترتا تھا۔ یعنی اس نے تیس کا ہندسہ عبور کرنے سے پہلے اپنا گھر بنا لیا تھا۔ کیریئر سیٹ کر لیا تھا۔ شاید وہ درست کہہ رہا تھا۔ انسان تصورات کے سہارے نہیں چل سکتا۔

''کیا میں نے آپ کو پھر سے اداس کر دیا؟'' وہ نرمی سے اس کو دیکھ کے بولا تو وہ چونکی۔ پھر مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ تصورات میں جینے والے ہمیشہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ لیکن معید بھی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کو سرجنز کے بارے میں مجھ سے اور آپ سے زیادہ معلوم ہے۔'' نارمل لہجے میں اپنی بات کہہ کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں کچن دیکھ لوں۔''

سفید ہیلز سے چلتی ہوئی وہ کچن میں آئی تو وہاں سلیم برتن نکال رہا تھا۔ کام زیادہ ہونے کی وجہ سے بخت بی اس کو اندر بلا لیا کرتی تھیں۔ خود بخت بی ڈرٹی کچن میں کھڑی کچھ تلنے میں مصروف تھیں۔ مالا کی متلاشی نظریں کچن کے باہر گیلری کی طرف اٹھیں۔ سرسری سا سوال کیا۔

''کیف واپس نہیں آیا؟''

''نہیں۔'' عجیب سی بے چینی ہونے لگی۔ کہیں صفورا نے اسے کچھ کہہ نہ دیا ہو۔ اُف۔

اس کی غیر موجودگی میں ماں نگینہ بیگم سے زیاد کی منگیتر کے انتقال پہ افسوس کر رہی تھیں۔

''بس بہن کیا بتاؤں۔'' نگینہ آنٹی گہرے دکھ سے بولیں۔ ''اتنی پیاری بچی تھی وہ۔ انگلینڈ میں پڑھائی کر رہی تھی۔ اس کی سالگرہ تھی اس دن۔ بیکری سے کیک لینے جا رہی تھی کہ ایک امیر بوڑھے نے اپنی کار سے اس کی کار کو

ٹکر ماردی۔''

''چچ چچ...'' ماں نے افسوس سے انہیں دیکھا۔''اس بوڑھے پہ کیس وغیرہ نہیں چلا؟''

''کہاں؟ اس کے نفسیاتی بیٹے نے الٹا ہماری بچی پہ الزام لگایا کہ اس نے بوڑھے کو ٹکر ماری ہے۔ زیاد کا ویزہ نہیں تھا اس لیے وہ یو کے نہیں جاسکا۔ ہم سبرینہ کے گھر والوں کے لیے کچھ نہیں کر سکے۔ اس بوڑھے کے نفسیاتی خاندان نے ان لوگوں کو بہت ہراس کیا۔ تنگ آ کے وہ لوگ پاکستان واپس شفٹ ہو گئے۔''

سارے لاؤنج میں افسردہ سی خاموشی چھا گئی۔

''دیٹس سو سیڈ۔'' معید کھنکھارا۔''کتنا عرصہ ہو گیا اس بات کو؟''

''یہی ڈیڑھ پونے دو سال۔'' نگینہ آنٹی یاد کر کے کہنے لگیں۔

''دو سال تین ماہ۔'' زیاد ایک دم بولا۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ نگینہ بیگم نے افسوس سے اپنے بیٹے کو دیکھا اور گہری سانس لی۔

معید نے بات بدل دی اور تھوڑی دیر میں وہ سب اس قصے کو بھلا کے دوسری باتیں کرنے لگے۔

کشمالہ ان سے بے خبر ڈائننگ روم میں برتن سیٹ کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کے جانے کے بعد اس نے ماں کو دوا دے کر سلا دیا۔ اور پھر خود لان میں آ گئی۔ اسے کیف کا انتظار تھا۔

قریباً رات کے گیارہ بج رہے تھے جب گیٹ میں چابی لگنے کی آواز آئی۔ پھر دروازہ آہستہ سے کھلا۔ کیف نے اندر قدم رکھا اور مڑ کے آہستہ سے دروازہ بند کرنے لگا۔

''تم لیٹ ہو۔''

وہ آرام سے پلٹا اور اس طرف دیکھا۔

تاریک لان کو مصنوعی روشنیوں نے منور رکھا تھا۔ وسط میں رکھی لان چیئر پہ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی، برہمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیف نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''آپ مہمانوں میں بزی تھیں۔ وہ گئے تو میں آ گیا۔'' عام لہجے میں کہتا ہوا وہ لان کی طرف آیا۔ ساتھ ہی انگلیوں میں چابی گھما رہا تھا۔

سی سی ٹی وی کیمروں کی ایپ کی رسائی کیف کے پاس بھی تھی۔ وہ اپنے فون کے ذریعے گھر کے داخلی دروازوں

پہ نظر رکھ سکتا تھا۔

''اس بات کا لیٹ ہونے سے کیا تعلق ہے؟'' سختی سے کہتی وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے عین مقابل آ کھڑا ہوا۔ چہرہ بے تاثر تھا جیسے کل کی بات اسے یاد تک نہ ہو۔

دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ وہ دراز قد تھا۔ اسے گردن قدرے اٹھا کے کیف کو دیکھنا پڑ رہا تھا۔

''مجھے کام تھا۔'' اس کی آنکھیں کسی قسم کی معذرت سے خالی تھا۔ ''اسی لیے لیٹ ہو گیا۔''

''دوبارہ مت ہونا۔''

''ورنہ؟'' کیف نے ابرو اٹھا کے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''ورنہ میں کسی اور کو ہائر کر لوں گی جو میری بات مانتا ہو گا۔'' اسے غصہ آنے لگا اور اسے غصہ کم ہی آتا تھا۔ ''کام مشکل لگنے لگا ہے تو بتا دو۔ میں کسی کو زبردستی رکھنے کی قائل نہیں ہوں۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ گال کا گڑھا گہرا ہوا۔

''آپ مجھے نکالنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہیں؟''

''یا شاید تم جادو اور جنات سے ڈر گئے ہو۔''

طنز سے کہتے ہوئے کشمالہ نے سر جھٹکا اور مڑ کے پورچ کی طرف چل دی۔

''تین ہزار افراد کی کمپنی۔''

وہ پیچھے سے پکار کے بولا تو وہ وہیں رک گئی۔ مڑ کے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کیا؟''

''میں یہ تصور کرتا ہوں۔'' گھاس پہ کھڑا نوجوان زخمی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''کہ ایک دن میں ایک ایسی کمپنی کا سی ای او ہوں گا جس میں تین ہزار افراد کام کرتے ہوں گے۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔ کاش جب آپ مجھ سے یہ سوال پوچھتیں، میں کم از کم تیس افراد کی کمپنی کا مالک ہوتا۔ تب شاید میرا تصور سننے پہ آپ کو ہنسی نہ آتی۔ ابھی آئے گی۔''

اس کے چہرے پہ سادگی تھی۔ سچائی تھی۔ مسکراہٹ تھی۔

کشمالہ کے کندھوں سے منوں بوجھ اتر گیا۔ تو یہ مطلب تھا اس کا۔ وہ بھی کیا سوچنے لگی تھی۔ کیف ایک ڈیسنٹ انسان تھا اور اس کا ایسا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

''پھر تصور سے نکل کے کام کرنا شروع کرو۔''

''مجھے تین دن کی چھٹی چاہیے۔'' وہ تیزی سے بولا اس سے پہلے کہ وہ اندر نہ چلی جائے۔ کشمالہ کے ابرو اچھنبے سے اکٹھے ہوئے۔

''اسلام آباد جانا ہے۔ زارا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ چونکی۔ یہ نام۔

''زارا؟''

''میری بیوی۔'' وہ اسی سادگی سے مسکرا کے بولا۔

کشمالہ کے چہرے پہ چونک جانے کا تاثر بہت واضح تھا۔

''اوہ۔'' سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ شاک بہت بڑا تھا۔

''تم نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ کیا زیادہ طبیعت خراب ہے؟'' سرسری سے انداز میں پوچھنے لگی۔

''میں اس کا ذکر کسی سے نہیں کرتا کیونکہ تم نے گھر والوں کو بغیر بتائے نکاح کیا تھا۔'' وہ دونوں چند گز کے فاصلے پہ کھڑے تھے۔ اوپر آسمان تاریک تھا اور قدموں میں گھاس بھیگی تھی۔ ''دراصل میری فیملی راضی نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں یہ قدم اٹھانا پڑا۔ میرے گھر والوں کو ابھی تک نہیں معلوم۔ لیکن ہم آہستہ آہستہ ان کو منا لیں گے۔ آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کہ میں کوئی lame قسم کا بہانہ بنا کے چھٹی نہیں مانگنا چاہتا۔''

''شیور۔'' اس نے بدقت اپنے تاثرات نارمل رکھے۔ ''تم تین دن آف کر لو۔ نو پرابلم۔ ویسے بھی ماں کی سرجری ہے۔ ہم ہسپتال میں ہوں گے۔ تمہاری ضرورت نہیں ہوگی۔''

فراخ دلی سے کہہ کے لیموں رنگ کے لباس والی لڑکی مڑی اور اندر گم ہوگئی۔

کیف کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ وہ اس کے چہرے کا شاک دیکھ چکا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ کیا سوچ رہی ہوگی۔

چند لمحے وہ وہیں کھڑا اس دروازے کو دیکھتا رہا جسے وہ بند کر کے گئی تھی۔

یہ دروازہ بند رہنا چاہیے تھا۔ اسے فوکس لوز نہیں کرنا۔ اس نے اپنا سبق دہرایا۔

اندر کمرے میں آتے ہی وہ گہرے گہرے سانس لیتی بیڈ پہ بیٹھ گئی۔ اس کے لب ابھی تک بے یقینی سے کھلے تھے۔

زارا کیف۔ اس لیے اس کا نام زارا کیف تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا۔ اور وہ صرف

اپنے تصور کی بات کر رہا تھا۔ وہ بھی کیا احمقانہ باتیں سوچنے لگی تھی۔ صفور اٹھیک کہتی تھی۔ کیف کی دنیا اس سے الگ تھی۔ اور پھر اسے کیف میں دلچسپی تھی بھی نہیں۔

اس نے دہرایا۔ مجھے کیف میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو بس پتہ نہیں۔ اس نے سر جھٹک کے موبائل اٹھا لیا۔ اسے کیف جمال کو ذہن سے نکالنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سرجری کی صبح ویسی ہی طلوع ہوئی جیسی مئی کی ہر صبح ہوتی تھی۔ گرمی۔ حبس۔ نمی۔

لیکن ان کے لیے وہ صبح ہر صبح جیسی نہ تھی۔

ان کے لیے زندگی میں کبھی ایسی کوئی صبح نہیں آئی تھی۔

ماں کو صبح 3 بجے این پی او کرانا تھا۔ NPO یعنی Nil per os لاطینی زبان کی اصطلاح تھی جس کا مطلب تھا nothing by mouth۔ منہ سے کچھ نہیں دینا۔ سرجری سے کچھ گھنٹے پہلے مریض کا کھانا پینا روک دینا ہوتا ہے۔

وہ صبح تین بجے اٹھی اور ماں کو بھی جگایا۔

''ماں اٹھیں۔ میں ناشتہ لاتی ہوں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے' بیٹے۔'' انہوں نے لیٹے لیٹے آنکھیں بند کر لیں۔ مالا کے دل پہ آنسو گرنے لگے۔ وہ کیسے بتائے ماں کو کہ آپ کی اولاد نے آپ کو بغیر بتائے اتنا بڑا فیصلہ لے لیا ہے۔ ہم آپ کو آپریشن ٹیبل پہ لے کر جا رہے ہیں جہاں انجان لوگ اپنی چھریاں لیے منتظر ہوں گے۔

ذہن میں عجیب عجیب خیال آنے لگے۔ ایسے تو قربانی کے جانور کو لے کر جایا جاتا ہے۔ کیا ہم اپنی ماں کو قربان کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے کیسے اتنا بڑا فیصلہ لے لیا۔

وہ کچن میں آئی۔ چولہا جلایا۔ فرائی پان رکھا۔ ڈبل روٹی کا پیکٹ کھولا اور ایک توس نکالا تو توس نیچے جا گرا۔ وہ فرش پہ توس اٹھانے جھکی اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتی گئی۔ ساتھ ہی وہ بچوں کی طرح رونے لگ گئی۔

وہ اپنی ماں کی سرجری کروانے جا رہے تھے اور ماں کو علم ہی نہیں۔ کیا ان کو یہ حق تھا؟

وہ کیا کر رہے تھے اپنی ماں کے ساتھ؟

وہ ماں کے لیے چائے اور توس بنا کے کمرے میں لائی۔ ان کے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ ان کو بٹھانا ایک

nemrahahmad.com

کٹھن کام تھا۔اس نے ان کو بدقت سہارا دے کر بٹھایا۔ماں بیٹھے بیٹھے سر نقاہت سے جھکائے ہوئے تھیں۔

''میری ماں .... میری پیاری ماں۔''اس نے نرمی سے ان کے چہرے پہ آئے بال کان کے پیچھے اڑسے۔

ماں نے خوابیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''بیٹے' مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''شاباش۔تھوڑا سا کھالیں۔''

انہوں نے جمائی لی۔پھر بے دلی سے ٹرے کو دیکھا۔ہاتھ نہیں بڑھایا۔ماں نہیں کھانا چاہتی تھی۔مگر کچھ کھلانا ضروری تھا۔وہ کیسے اپنی ماں کو کھانے پہ راضی کرے؟ان کی صحت کا حوالہ دے کر؟لیکن ماں کے لیے اپنی صحت اہم نہیں تھی۔انہوں نے ساری عمر اپنے بچوں کے آرام کا خیال کیا تھا۔

اوہ۔وہ چونکی۔

''ماں دیکھیں۔میں آپ کی وجہ سے اٹھی بیٹھی ہوں۔پھر مجھے سونا ہے۔مجھے سارا دن بہت کام کرنے ہیں۔آپ ناشتہ کریں گی تو میں سوؤں گی نا۔''وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

گو کہ حورِ جہاں اپنے حال سے غافل کسی اور زمانے میں سفر کر رہی تھیں' لیکن اپنی بیٹی کی بے آرامی پہ وہ چونکیں۔سبز بوڑھی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔پھر نظریں جھکائیں اور چپ چاپ توس کھانے لگیں۔مالا کو لگا وہ ان کی ایک نظر وہ کبھی نہیں بھولے گی۔

کیا وہ آخری نظر تھی؟کیا وہ اپنی ماں کے ساتھ آخری دفعہ ناشتہ کر رہی تھی؟کیا وہ دونوں کبھی ساتھ بیٹھ کے چائے نہیں پی سکیں گے؟اس نے اپنی چائے کیوں نہیں بنائی؟ان دونوں کو ایک چائے ساتھ بیٹھ کے پینی چاہیئے تھی۔

ماں کو واپس سلانے کے بعد وہ ساتھ لیٹ گئی۔صبح آٹھ بجے ہسپتال جانا تھا۔نیند آنکھوں سے دور تھی۔اس نے کروٹ بدل لی۔آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔دفعتاً میسج ٹون بجی۔مالا نے چونک کے فون اٹھایا۔ماں کا میسج آیا تھا۔

why are you crying?

مالا نے حیرت سے کروٹ موڑی۔ماں لیٹے لیٹے موبائل استعمال کر رہی تھیں۔اسکرین کی روشنی نیم اندھیرے میں ان کا چہرہ چمکا رہی تھی۔مالا نے کل ان کو ان کا فون (تمام ٹاکسک رشتے داروں کو بلاک کر کے) واپس کر دیا تھا۔

اس کو اپنی طرف دیکھتے پا کے ماں نے فون رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں۔انہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ رو رہی تھی۔اور انہوں نے زبانی کیوں نہیں پوچھا؟ میسج پہ کیوں پوچھا؟ شاید وہ کبھی نہیں سمجھ پائے گی کیونکہ اس کا برین کسی بھی پریشر سے خالی تھا۔وہ ایک ٹیومرزدہ ذہن کی سوچ نہیں سمجھ سکتا تھا۔اس نے کروٹ بدل لی اور زیرلب تسبیح پڑھنے لگی۔اے شفا دینے والے شفا دے۔اے شفا دینے والے شفا دے۔

ماہی کے ہاں وہ سہ پہر کا وقت تھا۔وہ اپنے لونگ روم میں صوفے پہ بیٹھی تھی۔تسبیح ہاتھ میں لیے اسکارف سر پہ لپیٹے وہ دعائیں پڑھ رہی تھی۔آنسو بھی ساتھ ساتھ گر رہے تھے۔

وہ گزشتہ روز ڈاکٹر رائد سے مل کے آئی تھی۔اور وہ وہاں سے خالی ہاتھ نہیں آئی تھی۔وہ امید لے کر آئی تھی۔

معید باتھ روم کے آئینے کے سامنے کھڑا اپنا چہرہ دیکھ رہا تھا۔وہ سرجن تھا۔وہ اپنے گھر کا مرد تھا۔اور مرد مرد ہوتا ہے۔وہ گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔کچھ بڑے فیصلے گھر کے مرد کو لینے ہوتے ہیں۔اپنی ماں کی سرجری کا فیصلہ اس نے لیا تھا۔یہ فیصلہ اسی کو لینا تھا۔اس کو لاہور کے دو سرجن کہہ چکے تھے کہ یہ گلائیوما ہے۔دو نے کہا تھا منجی اوما ہے لیکن چاروں میں سے کوئی آپریشن کے لیے تیار نہیں تھا اور یہ باتیں اس نے مالا کو نہیں بتائی تھیں۔

صرف ایک سرجن تیار تھا۔وہ تھا واصف نصیر۔

کیا وہ درست فیصلہ کر رہا تھا؟ اگر سرجری کے دوران اس کی ماں کو کچھ ہو گیا تو اس کا ذمہ دار صرف وہی ہو گا۔ماہی اور مالا اسے کبھی معاف نہیں کریں گی۔اور معید کو ساری عمر اس فیصلے کے ساتھ جینا ہو گا۔یہ تھی اس فیصلے کی قیمت۔

لیکن اس فیصلے میں اس کو امید بھی دکھائی دے رہی تھی۔ایک امید کہ اگر سرجری ٹھیک ہو گئی تو ماں پھر سے واپس پہلے جیسی ہو سکتی تھیں۔اور اس ایک امید کے لیے اگر اسے ساری عمر ایک گلٹ کے ساتھ رہنے کا رسک لینا پڑے تو وہ لے گا۔وہ سرجن تھا۔اسے اپنا نہیں ماں کا سوچنا تھا۔

اس نے پانی کے چھینٹے منہ پہ ڈالے۔سارے منظر دھل کے واضح ہو گئے۔

وہ اپنی پوری کوشش کرے گا۔آگے اللہ کے سپرد۔

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ شدید خوف کا شکار تھے۔

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ بے حد پرامید تھے۔

صبح وہ ماں کو جب کار میں بٹھا رہے تھے تو ماں نے بخت بی کو آواز دی۔

''کریلے فرائی کر کے باہر نہ چھوڑ دینا۔ فریج میں رکھنا۔ ورنہ خراب ہو جائیں گے۔'' ان کو یاد تھا کہ رات بخت بی کریلے چھیل رہی تھی۔ اس کی بری عادت تھی کہ چیزیں فریج کے باہر چھوڑ دیتی تھی۔ بخت بھی نے آنسو صاف کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔ سلیم اور وہ دروازے سے انہیں ہاتھ ہلاتے رہے یہاں تک کہ کار باہر نکل گئی۔

کیف گزشتہ روز چلا گیا تھا۔ وہ وہاں کہیں نہیں تھا۔ نہ اس کا کوئی میسج آیا تھا۔

اگلے چند گھنٹے کسی دھندلی سی سلوموشن فلم کی طرح کٹے۔

جب ماں کو پری اوپ وارڈ سے آپریشن تھیٹر میں لے جایا جا رہا تھا' وہ نیم غنودہ سی لیٹی تھیں۔ ہسپتال کا نیلا گاؤن پہنے' اوپر کمبل لیے' وہ بس ٹکر ٹکر اپنے دونوں بچوں کو دیکھ رہی تھیں جو ان کے ساتھ کھڑے تھے۔

''ہم ہسپتال میں کیوں ہیں؟'' وہ بار بار ایک ہی سوال پوچھتیں۔

''کیونکہ آپ کا چیک اپ ہونا ہے۔'' معید نے جھک کے ان کا ماتھا چوما۔ مالا نے ان کا ہاتھ لبوں سے لگایا۔ پھر اسٹاف ان کا اسٹریچر دھکیل کے اندر لے گیا۔ وہ دونوں وہیں کھڑے انہیں دوسرے کمرے میں گم ہوتے دیکھے گئے۔

''جنت ماں کے پیروں تلے ہوتی ہے۔'' معید بند ہوتے دروازوں کو دیکھ کے بڑبڑایا۔ ''مگر وہ صرف ماں کے پیر دبانے سے نہیں ملتی۔ ماں کے پیروں کے نیچے کی زمین بننا پڑتا ہے۔ وہ زمین جو بوجھ اٹھاتی ہے۔ جو ماں کو اس کے قدموں پہ کھڑا رکھتی ہے۔''

اسلام آباد والے ماموں' امریکہ والی خالہ... اور دوسرے کئی رشتے دار فون کر رہے تھے۔ آنا چاہ رہے تھے۔ لیکن معید سب کو ہسپتال آنے سے منع کر رہا تھا۔ ایک دفعہ ماں ٹھیک ہو کے گھر شفٹ ہو جائیں' اس کے بعد آپ گھر آیئے گا۔ وہ سب کو یہی کہتا اور مالا سوچ رہی تھی کہ کیا کوئی ''بعد'' بھی ہو گا؟ کیا اس بھیانک خواب کے بعد کوئی روشن صبح بھی آئے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''آج حورے آپا کا آپریشن ہے۔''

کبیرہ بیگم کار میں بیٹھ رہی تھیں جب موبائل پہ میسج ٹون بجی۔ اندر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اپنی بھاری چادر

سنبھالی' پرس ساتھ رکھا' اور موبائل نکالا۔ ڈرائیور نے دروازہ بند کیا اور خود تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا۔

''لوکیشن بھیج دی ہے تمہیں۔ اسے گوگل پہ لگا لو۔'' تحکم سے کہہ کے وہ میسیج کھولنے لگیں۔ حورے کے آپریشن کا پڑھ کے ان کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ ابھرا۔ بس اندر ہی اندر کوئی کمینی سی خوشی محسوس ہوتی تھی۔

ڈرائیور نے لوکیشن لگائی اور کار گھر سے باہر نکالی۔ یہ لوکیشن وہ ہر دفعہ نئے سرے سے لگاتا تھا۔ بیک ویو مرر میں اس نے کبیرہ بیگم کو دیکھا جو چادر سر پہ جمائے' سن گلاسز لگائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ اس کی مالکن ایک ہی موقع پہ گھر سے چادر کر کے نکلتی تھی۔ جب انہوں نے کسی ایسی جگہ جانا ہوتا تھا۔

وہ ڈیفنس کی پوش کالونیز سے نکل کے ایک لوئر مڈل کلاس علاقے کی تنگ و تاریک گلیوں میں پہنچ چکے تھے۔ بالآخر ایک جگہ جا کے پن لوکیشن ختم ہو گئی۔ وہ ایک کچی آبادی جیسا محلہ تھا۔ کہیں کوئی ریڑھی بان صدا لگا رہا تھا۔ کہیں بچے بھاگتے پھر رہے تھے۔ ایک طرف رکشے کھڑے تھے۔ گندے پانی سے ابلتی نالیاں اور جوہڑ کھلے پڑے تھے۔ ایسے میں ڈرائیور نے بھی ناک بھوں چڑھا لی لیکن کبیرہ کے اطمینان میں فرق نہ آیا۔

ایک نیلے گیٹ کے سامنے اس نے کار روک دی۔ پھر باہر نکلا تو اے سی کی ساری ٹھنڈک بھول گئی۔ باہر مئی کا سورج آگ برسا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے کبیرہ کا دروازہ کھولا۔ وہ باریک ہیل والے جوتے کے ساتھ باہر نکلی۔ اور چادر درست کرتی' اپنا بیگ سنبھالتی اندر چلی گئی۔ ڈرائیور اندر واپس بیٹھ گیا۔ کار اسٹارٹ رکھی اور فل اے سی آن کر لیا۔ ذرا دیر میں ہی وہ پگھلنے لگا تھا۔

نیلے گیٹ کے پار ایک اور جہاں آباد تھا۔ وہ ایک خستہ حال مکان تھا۔ درمیان میں بڑا سا صحن تھا۔ ایک طرف قطار میں کمرے بنے تھے۔ پہلے کمرے کے باہر بہت سے جوتے رکھے تھے۔ کبیرہ بیگم نے وہاں سے اندر جھانکا۔ اندر بہت سی عورتیں اور بچے فرش پہ بیٹھے تھے۔

وہ آگے بڑھ گئیں۔ انداز سے لگتا تھا اس جگہ سے شناسا ہیں۔ دوسرے کمرے میں مخمل کے صوفے رکھے تھے۔ کبیرہ بیگم اندر داخل ہوئیں اور بڑے کروفر سے ایک صوفے پہ بیٹھ گئیں۔ گردن کڑائے' اب وہ اپنی کالی چمکتی آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی چوکھٹ تک آیا۔ اسے دیکھ کے سر کو جنبش دی' پھر پلٹ کے کسی سے بولا۔

''سوالیوں سے کہو ابھی انتظار کریں۔ وی آئی پی آئے ہوئے ہیں۔'' وہ چالیس پینتالیس برس کا آدمی تھا۔ کمزور سا چھوٹے قد کا وجود۔ اس نے لمبا ٹیلے رنگ کا جبہ پہن رکھا تھا۔ بال لمبے اور میلے کچیلے سے تھے۔ چہرہ

سانولا اور آنکھوں میں کاجل ڈالے ہوئے تھا۔گردن میں کالے دوپٹے کی طرح کچھ لپیٹ رکھا تھا۔کانوں میں سلور کی بالیاں اور انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں۔

اس نے دروازہ بند کیا اور اندر آیا۔وہ ننگے پیر تھا اور اس کے پیر اتنے میلے تھے کہ ناخن کالے پڑ چکے تھے۔وہ ایک صوفے پہ آ کے بیٹھا تو اس کے پاس سے بدبو کا بھبھوکا اٹھا جیسے ہفتوں سے نہایا نہ ہو۔کبیرہ اس بدبو کی عادی تھیں۔

''کیا حال ہے بی بی؟ گھر میں سب خیریت ہے؟''

عامل کی سیاہ آنکھیں کبیرہ کو گھور رہی تھیں۔

''پریشان ہوں سائیں۔'' وہ ہیروں والی انگوٹھیوں والے ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسا کے بولیں۔'' کچھ بھی مرضی کے مطابق نہیں ہو رہا۔''

''دشمن کیسے ہیں تمہارے؟'' وہ مسکرایا۔

''دشمن اپنے انجام کو پہنچ رہے ہیں۔اس عورت کا آپریشن ہے آج۔پتہ کر دیں اپنے موکل سے کہ...'' وہ ہلکا سا مسکرائیں۔''وہ بچے گی یا نہیں۔''

''کروا دیں گے پتہ۔اصل بات بتاؤ جس کے لیے آئی ہو۔'' وہ مسکرایا۔

کبیرہ قدرے آگے کو ہوئیں۔آنکھوں میں فکرمندی لیے بات کا آغاز کیا۔

''عنایہ کے لیے بڑی مشکل سے ایک گھر پسند آیا ہے۔لڑکا دبئی میں ہوتا ہے۔اچھی جاب کرتا ہے۔پیسے والا ہے۔ماں بھی بے ضرر سی لگتی ہے۔مگر ایسی قسمت ہے میری کہ جو مجھے پسند آتا ہے وہ حورِ جہاں کی بیٹیوں کی طرف چلا جاتا ہے۔پہلے عباد کو وہ چھوٹی والی لے اڑی۔اور اب زیاد۔'' وہ دبے دبے غصے سے کہہ رہی تھیں۔آنکھوں میں نفرت تھی۔حسد تھا۔ہر وہ جذبہ تھا جو انسانوں کو جادوگروں کے ٹھکانوں تک لے آتا ہے۔

''تصویریں آپ کو واٹس ایپ کر دی ہیں۔حور جہاں کی بیٹی کشمالہ۔اور نگینہ سلطان کا بیٹا زیاد۔'' وہ دانت کچکچا کے کہہ رہی تھیں۔''بس کسی بھی طرح ان کی بات نہیں بننی چاہیے۔''

''تم فکر کیوں کرتی ہو؟ ہمارے موکل آج ہی کام سے لگ جائیں گے۔جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔''

''عنایہ سے بات بنے یا نہ بنے'ان دونوں کو دور کر دیں۔ان کے بہت چکر لگ رہے ہیں میرے دشمنوں کے گھر۔کسی طرح اس لڑکے کو واپس دبئی بھجوا کے کچھ عرصے کے لیے منظر سے ہٹا دیں۔آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔چلا

nemrahahma

جائے گا تو بھول جائے گا اس لڑکی کو۔''

''واہ کبیرہ بیگم۔ تمہیں تو ڈرامہ رائٹر ہونا چاہیے تھا۔ خود ہی کہانی بنا لیتی ہو۔'' جادوگر مسکرایا۔ ''ہو جائے گا۔ لیکن چار کالے بکریں لگیں گے۔ ہماری اجرت الگ ہے۔''

''اس کی پرواہ نہ کریں۔ بس مجھ سے ان کا میل ملاپ نہیں برداشت ہو رہا۔'' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی کبیرہ اب سکون سے بولیں۔ یہ وہ ٹھکانہ تھا جہاں آ کے وہ اپنی مرضی سے کسی کی بھی قسمت کا فیصلہ کروا سکتی تھیں۔ سب ان کے ہاتھ اور پیسے میں تھا۔

''بھجوا دیں گے لڑکے کو یہاں سے۔ اور کیا کام ہے؟''

''حورِ جہاں کی بیٹیوں کا گھر بسنا مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ اس عورت نے ساری عمر مجھے دکھ دیے ہیں۔'' وہ آنکھوں میں نفرت لیے بولیں۔ ''میں عباد کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھی لیکن وقت پہ کوئی قدم نہیں اٹھایا تو آج حورِ جہاں کی بیٹی اس کے گھر میں عیش کر رہی ہے۔''

''کیا چاہتی ہو؟ عیش ختم کروا دیں اس کے؟'' عامل مسکرایا۔

''یہی چاہتی ہوں۔ بس اس کا بچہ نہیں ہونا چاہیے۔ کسی طرح اس کا بچہ ضائع کروا دیں۔ جو قیمت مانگیں گے میں دوں گی۔ اس کی تصویر اور تفصیلات بھی واٹس ایپ کر دی ہیں۔''

''پیٹ کا بچہ مارنے کے لیے ہانڈی کا جادو کرنا پڑے گا۔ اس میں وقت لگتا ہے۔ ذرا گرمی کم ہو تو شروع کرتا ہوں۔ ابھی اس دہنی والے لڑکے کا حال پتہ کرتے ہیں۔''

عامل نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے رکھے آنکھیں بند کیں۔ کبیرہ جانتی تھیں وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ کمرے میں موجود اپنے موکل جنات سے بنا آواز کے گفتگو کر رہا تھا۔

وہ دلچسپی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھے گئیں۔ اپنے پیسے سے وہ ہر کام کروا سکتی تھیں۔ جادو سے وہ تقدیر کو بھی پلٹ سکتی تھیں۔

ایک دم عامل نے آنکھیں کھولیں۔ وہ سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ غصے سے اس نے کبیرہ کو دیکھا۔

''اپنے ساتھ کس کو لائی ہے؟''

کبیرہ چونکیں۔ ''میرے ساتھ ڈرائیور ہے۔''

''شش...'' ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کروایا اور خلا میں گھورنے لگا جیسے کچھ سونگھ رہا ہو۔

کبیرہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''کوئی تمہارا پیچھا کر رہا ہے۔''

''میرا پیچھا؟ مگر کیوں؟'' وہ ششدر رہ گئیں۔ ''کیا چاہتا ہے؟''

عامل نے آنکھیں بند کر کے کچھ سونگھا۔

''وہ کسی کو ڈھونڈ رہا ہے۔'' پھر اس نے کرنٹ کھا کے آنکھیں کھولیں اور تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اٹھو تم یہاں سے۔ جاؤ۔''

''مگر.... '' وہ ہکا بکا بیٹھی رہ گئیں۔

''اٹھو بی بی۔ تم جاؤ گی تو وہ یہاں سے جائے گا۔'' جادوگر کے چہرے پہ بیک وقت بہت سے تاثرات تھے۔ خوف' غصہ' جھنجھلاہٹ۔ ''اسے لے جاؤ یہاں سے۔ میرے موکل پریشان ہو رہے ہیں۔ میں واٹس ایپ پہ رابطہ کروں گا۔ جاؤ یہاں سے۔''

کبیرہ حیران پریشان اپنی جگہ سے اٹھیں۔ ''مگر وہ کون ہے؟''

عامل گلابی آنکھوں کے ساتھ کسی سانپ کی سی سرگوشی میں بولا۔

''وہ خطرناک آدمی ہے۔ اس کی سماعت صاف ہے۔''

''کیا مطلب؟'' انہوں نے الجھ کے اسے دیکھا۔ وہ پرس اٹھا کے کھڑی ہو چکی تھیں۔

عامل نے آواز مزید آہستہ کی۔

''وہ جنات کی آوازیں سن سکتا ہے۔ اس کو یہاں سے لے کر جاؤ۔ میرا دھندہ نہ خراب کرو۔'' وہ غرایا۔

کبیرہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔ ساتھ ہی وہ ہراساں انداز میں ادھر ادھر دیکھتی جا رہی تھیں۔

عامل واپس صوفے پہ بیٹھ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ بالآخر اس کا تنفس نارمل ہوا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسے محفل میں واپس جانا تھا۔

تبھی دروازہ کھلا۔ وہ وہیں رک گیا۔ سانس بھی رک گیا۔ موبائل کی تلاش میں جیب میں ہاتھ مارا لیکن تب تک نووارد اندر داخل ہو چکا تھا۔

عامل بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹا۔ آنکھوں میں خوف در آیا۔

وہ دراز قد نوجوان تھا اور اس کی بھوری آنکھوں میں زمانوں کی سختی تھی۔ اس نے عامل کو موبائل چھونے کا موقع

emrahmed

نہیں دیا۔ بازو بڑھایا اور اسے گردن سے دبوچ لیا۔ پھر اسی طرح دبوچے ہوئے اسے صوفے تک لایا اور زور سے وہاں بٹھایا۔

''بیٹھ جاؤ' پیٹر مسیح۔ اپنا ہی گھر سمجھو۔''

عامل کا مخمی سا وجود اس کے آگے مزاحمت نہ کر سکا۔ وہ صوفے میں دھنس سا گیا۔ گردن اٹھا کے خوف سے اسے دیکھا۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو۔''

''کیوں پیٹر سائیں؟ تمہارے جنات نے اب تک خبر نہیں دی کہ میں کون ہوں اور کیا کر رہا ہوں؟'' اس کو گھورتے ہوئے وہ واپس گیا۔ اور باہر جھانک کے کسی کو آواز لگائی۔

''عامل صاحب ابھی وی آئی پی کے ساتھ مصروف ہیں۔ کوئی تنگ نہ کرے۔'' دروازہ زور سے بند کیا اور کنڈی لگائی۔ پھر واپس گھوما۔ ایک ایک قدم اٹھا کے اس کے قریب آنے لگا۔ اس کا اٹھتا ہر قدم پیٹر مسیح کو اپنے صوفے میں سکڑنے پہ مجبور کر رہا تھا۔

کیف اس کے سامنے آیا۔ میز جوگر سے پرے دھکیلی۔ پھر میز کے کونے پہ آ کے بیٹھا۔ یوں کہ وہ اب عامل کے بالکل روبرو تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔

''دیکھو میرے ساتھ بدتمیزی نہ کرنا۔ ورنہ میرے موکل تمہیں چھوڑیں گے نہیں۔'' وہ خوف اور پریشانی سے گھگھیایا۔

''تمہارے موکل تو میں ابھی نکالتا ہوں۔''

کیف نے پستول نکالا اور مہارت سے ہاتھ میں گھمایا۔

''اب جو میں پوچھنے جا رہا ہوں' تم اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو گے کیونکہ میرا دماغ آج گھوما ہوا ہے۔'' پستول کی ٹھنڈی نال اس کے گھٹنے پہ رکھی۔ ''اور ہر غلط جواب پہ میرا ہاتھ چل جائے گا۔ پھر تمہارے بزدل جنات تمہیں مجھ سے بچانے نہیں آئیں گے۔''

پیٹر مسیح نے ایک خوفزدہ نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے پستول پہ ڈالی۔ پھر اطراف میں دیکھا اور اپنی طاقت کو محسوس کرنا چاہا لیکن اس کے سارے موکل کمرے سے بھاگ چکے تھے۔ اس کی نظر کیف کے دوسرے ہاتھ پہ پڑی۔ اس کی کلائی پہ دو بل دے کر تسبیح لپٹی تھی۔

اس کا ملاقاتی تیاری سے آیا تھا۔

''پوچھو۔'' عامل نے تھوک نگلا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں نیورو اور کارڈیک سرجری وارڈ کے باہر کاریڈور کی سخت کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔انہیں چار سے پانچ گھنٹے تک آپریشن مکمل ہونے کا انتظار کرنا تھا۔اس نے ڈراموں اور فلموں میں دیکھا تھا کہ آپریشن کے وقت مریض کے گھر والے باہر انتظار کرتے ہیں۔پھر کوئی اندر سے نکل کے ان کو اطلاع دیتا ہے۔مبارک ہو آپریشن کامیاب ہو گیا۔یا وی آر سوری ہم مریض کو نہیں بچا سکے۔

وہ اس سخت کرسی پہ بیٹھی ان دو دروازوں کو دیکھے جا رہی تھی۔کب کوئی باہر نکل کے دونوں میں سے ایک بات کہے گا۔

قریباً دو گھنٹے بعد ایک اسٹاف نکلا اور معید کو بلایا۔''ڈاکٹر واصف آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔''

''کیوں؟'' اس نے پریشانی سے معید کو دیکھا۔

''ریلیکس۔یہ امریکن سرجنز کا طریقہ ہوتا ہے۔وہ سرجری کے درمیان اور بعد میں اٹینڈنٹ کو بریف کرتے ہیں۔میں ڈاکٹر ہوں اسی لیے اندر بلا رہے ہیں۔''

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو مالا نے امید اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟''

''سرجری ہو رہی ہے۔ماں کا برین کھولا ہوا تھا۔'' وہ سوچ میں گم آہستہ سے کہتا کرسی پہ آ بیٹھا۔''ٹیومر صاف کر رہے ہیں۔ابھی بریک لی ہے انہوں نے۔''

''برین کھول کے بریک لے لی؟ قصائی ہیں یا ڈاکٹر؟''

معید نے بس ایک نظر اس کو دیکھا۔اور افسوس سے سر ہلایا۔''شکر ہے تم ڈاکٹر نہیں بنیں۔''

پھر اس کا چہرہ دیکھ کے خود ہی بتانے لگا۔

''میری عمر ستائیس سال ہے۔اور ماں کے برین کے اندر موجود ٹیومر بیس سے پچیس سال پرانا ہے۔''

''واٹ؟''

''ہاں۔اس کا کچھ حصہ تو اتنا پرانا ہے کہ اب وہ کیلشیم بن کے ہڈی کا حصہ بن چکا ہے۔یعنی وہ خود ہی ختم ہو چکا

emrahahmad

ہے۔باقی کو وہ باہر نکال رہے ہیں۔اور وہ منجی اوما ہی ہے۔وہ گلائیو ما نہیں ہے۔" وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔"پھر بھی سرجری کے بعد ہم ٹیومر کی بائیوپسی کروائیں گے۔رپورٹ سے ثابت ہو جائے گا کہ ڈاکٹر واصف درست کہہ رہے تھے۔"

مگر مالا کا ذہن اس نقطے سے آگے ہی نہیں بڑھ رہا تھا۔اس کی ماں اتنے برس سے ٹیومر کے ساتھ جی رہی تھی۔اور کسی کو علم ہی نہ ہوا۔ماں ہمیشہ سر درد کی شکایت کرتی تھیں۔لیکن پھر چائے پی لیتیں تو ٹھیک ہو جاتا۔کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ چیک کروانا چاہیے۔مائیں خود کو سیریس ہی نہیں لیتیں۔

"مالا... تم گھر چلی جاؤ۔سرجری ہو جائے گی تو میں بلا لوں گا۔" اس کی شکل دیکھ کے وہ نرمی سے بولا۔"سرجری کے فوراً بعد وہ ماں سے ملنے نہیں دیں گے۔چار پانچ گھنٹے تو کہیں نہیں گئے۔بلکہ آؤ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔"

مگر وہ راضی نہیں ہوئی۔معید کو تھوڑی دیر لگی اسے راضی کرنے میں۔وہ بھی اس شرط پہ کہ جیسے ہی ماں ہوش میں آئیں گی وہ اس کو بلا لے گا۔سلیم ہسپتال میں تھا۔معید نے اسے کہا کہ مالا کو گھر چھوڑ آئے۔جاتے جاتے اس نے بہن کو روکا اور پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔

"کیا؟" اس نے نا سمجھی سے معید کو دیکھا۔اس نے جیب سے ایک پتہ نکالا اور ایک گولی نکال کے مالا کی ہتھیلی پہ رکھی۔

"مجھے پتہ ہے تمہارا سر درد کر رہا ہوگا۔بروفن ہے۔لے لو۔"

اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔رتجگا۔ٹینشن۔اس کا روزہ نہیں تھا مگر صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔اس نے چھوٹی سی بھوری گولی منہ میں رکھ کے پانی کا گھونٹ بھر لیا۔بروفن کا رنگ گلابی ہوتا ہے یا بھورا۔اور سائز؟ مگر یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔وہ ناخوش سی سلیم کے ساتھ گھر چلی آئی۔

اس وقت شام کے چار بج رہے تھے۔وہ کمرے میں آتے ہی بستر پہ لیٹ گئی۔نیند سی آ رہی تھی۔سوچا ذرا دیر کو آنکھیں بند کرے گی اور پھر.....

ایک جھٹکے سے وہ اٹھ بیٹھی۔کمرے میں تیز بتیاں ابھی تک جل رہی تھیں۔کچھ دیر تو اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے۔پھر موبائل اٹھایا۔چھے بج رہے تھے۔صبح کے چھے۔

ماں...

اس نے بے یقینی سے معید کی دو مسڈ کالز دیکھیں۔صرف دو کالز۔ماں کیسی ہیں؟ کسی نے اسے کیوں نہیں بتایا؟

nemrahahmed.net

اُف وہ کیوں سوتی رہ گئی؟

اس نے کار کی چابی اٹھائی اور کینوس جوتے پیروں میں پہنتی باہر کو بھاگی۔ اسے ہسپتال جانا تھا۔

ویٹنگ ایریا خالی پڑا تھا۔ معید وہاں نہیں تھا۔ سامنے آئی سی یو کا دروازہ تھا۔ ماں کو وہاں ہونا چاہیے تھا۔

مالا نے کپکپاتے ہاتھوں سے آئی سی یو کا پہلا دروازہ کھولا۔

آگے دوسرا دروازہ تھا۔ مالا اسے دھکیل کے اندر آئی تو وہاں جوتوں کے ریک رکھے تھے اور آگے ایک تیسرا دروازہ تھا۔ اس نے جھک کے جوتوں پہ شاپر چڑھائے۔ سر پہ جالی دار ٹوپی پہنی۔ اور دھڑکتے دل سے تیسرا دروازہ کھولا۔

معید نے صبح اس کو آئی سی یو کا وہ بیڈ دکھایا تھا جہاں ماں کو سرجری کے بعد منتقل کیا جانا تھا۔ درمیان والا بیڈ۔

کیا اس دروازے کے پار اس کی ماں ہوں گی؟

اور وہ کیسی ہوں گی؟ نالیوں اور مشینوں میں جکڑی ہوئیں؟

دنیا و مافیہا سے بے خبر؟ زندگی اور موت کی کشمکش کے درمیان جنگ لڑتی؟

وہ دروازے پہ ہاتھ رکھے بت بنی کھڑی رہی۔ کیا وہ اس دروازے کے پار نظر آتا منظر دیکھنے کی سکت رکھتی تھی؟

کشمالہ مبین نے بالآخر بھاری دروازہ دھکیلا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔

سامنے پانچ بیڈز کی قطار تھی۔ کونے والے بیڈ پہ کوئی بوڑھا مرد مریض بے ہوش نالیوں میں جکڑا ہوا لیٹا تھا۔ باقی تمام بیڈ خالی تھے۔ درمیان والا بھی خالی تھا۔

کشمالہ کو لگا وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔

اس کی ماں کا بیڈ خالی تھا۔ وہ وہاں نہیں تھیں۔

اس نے دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ہیڈ نرس نے پکار کے اس سے پوچھا کہ وہ کس کے ساتھ ہے لیکن وہ جواب نہ دے سکی۔ گردن موڑی اور دوسری جانب دیکھا۔

سامنے نظر آتا منظر اسے منجمد کر گیا۔

''ماں کا خیال آ گیا تمہیں؟ اور کہاں ہے وہ تمہارا بے غیرت بھائی؟''

باتھ روم کے دروازے کے سامنے کھڑی وہ نیلے گاؤن والی عورت اس کی ماں حورِ جہاں بیگم تھیں۔ ان کے دائیں بائیں سہارا دیے دو میل اسٹاف کھڑے تھے۔ ماں کے ماتھے پہ ایک طرف سفید بینڈ یج لگا تھا جس سے ایک

نالی نکل کے ڈرین بیگ میں جا رہی تھی۔

وہ اپنے قدموں پہ کھڑی تھیں اور اسے گھورتے ہوئے خراب گلے جیسی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

''رات سے پوچھ رہی ہوں میری بیٹی کہاں گئی۔ اور یہ کہتے ہیں آپ کی بیٹی تو ریسٹ کرنے گھر چلی گئی۔ آ میری بیٹی میرے پاس۔ میں تیرا ریسٹ نکالتی ہوں۔''

وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھا۔ سر سے پیر تک۔ پیر سے سر کی پٹی تک۔

''اور مجھے یہ بے ہودہ لباس کس نے پہنایا ہے۔'' ٹراؤزر اور لوز شرٹ کی طرف اشارہ کر کے غصے سے بولیں۔

میل اسٹاف نے بات کاٹی۔ ''آنٹی بیڈ تک چلیں۔ پھر بیٹھ کے بات....''

''چپ کرو دو منٹ۔'' سختی سے اسے ڈانٹا تو وہ خاموش ہو گیا۔ ماں اسی طرح شروع ہو گئیں۔

''خود دونوں بہنیں اپنی مرضی کے کپڑے پہنتی ہیں۔ وہ چھوٹی والی تو فیشن میں اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ میں کچھ نہیں کہتی۔ مگر چار سدہ سے لاہور تک کبھی تمہاری ماں سر ڈھکے بغیر باہر نکلی؟ ہاں بتاؤ؟''

ارد گرد کے نرسز اور اسٹاف فرز دلچسپی سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

''ماں کو یہ بے ہودہ لباس پہناتے شرم نہیں آئی؟'' وہ اپنے ازلی دبنگ انداز میں بولے جا رہی تھیں۔ ''کہاں ہے میری چادر؟ اور کہاں ہے تمہارا بے غیرت بھائی جو ماں کو ان مشٹنڈوں کے ساتھ چھوڑ کے باہر نکلا ہوا ہے۔''

''آنٹی مشٹنڈا تو نہ کہیں۔ میں بھی کسی کی اولاد ہوں۔'' ایک اسٹاف ممبر نے کہا۔

''جی آنٹی میرے بھی چھوٹے چھوٹے ماں باپ ہیں۔'' دوسرے نے دانت نکالے۔ ہیڈ نرس ہنستے ہوئے بولی۔

''کریلوں کا بھی پوچھ لیں اپنی بیٹی سے' آنٹی۔ رات سے آنٹی کو فکر ہے کہ کریلے فریج کے باہر خراب ہو گئے ہوں گے۔''

وہ جو ہکا بکا کھڑی تھی' نہ جانے کب اور کیسے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کون سے کریلے۔ کون سی چادر۔ وہ بھاگ کے گئی اور ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ گھٹنوں کے بل وہ ان کے قدموں میں بیٹھی دیوانہ وار روتے ہوئے ان کے ہاتھ چوم رہی تھی۔

اس کی جنت۔ اس کی ماں اس کو واپس دے دی گئی تھی۔

وہ رو رہی تھی۔ اور وہ ہنس رہی تھی۔

آپریشن تھیٹر کی ٹھنڈی فضا میں بھنی مونگ پھلیوں کی خوشبو آنے لگی تھی۔

اس کا تصور بالآخر سچ ہونے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش اب پوری طرح رک چکی تھی۔ دین کوور کے گیلے درخت ٹھنڈی ہوا سے اپنے پتے ہلائے جا رہے تھے۔

ماہی نے کھڑکی کے پار نظر آتے منظر کو اداسی سے دیکھا۔

''لوگ جادو کیوں کرتے ہیں؟'' وہ اس کے سامنے میز کے اس پار بیٹھے تھے اور وہ شدید تکلیف کے عالم میں ان سے پوچھ رہی تھی۔

''حسد کی وجہ سے۔''

''اور حسد کیا ہوتا ہے؟''

''جو آپ کے پاس نہیں ہے' وہ کسی دوسرے کے پاس دیکھ کے اس سے چھن جانے کی خواہش کرنا۔ یہ حسد انسان کو جادوگروں کے دروازوں تک لے جاتا ہے۔''

''آپ نے کہا اکثر جادوگروں اور عاملوں کے پاس واقعی جنات ہوتے ہیں اور وہ واقعی جادو کر سکتے ہیں۔ ایسے تو کوئی بھی ان کے پاس چلا جائے اور کسی کی طلاق کروا دے۔ کسی کو بیماری لگوا دے۔ اور کسی کا...'' اس کا ہاتھ اپنے سینے سے نیچے رینگ گیا۔ ''کسی کا بچہ مروا دے۔''

خوف نے ماہ بینہ کو اپنے وجود میں لے لیا۔ وہ ہلکا سا مسکرائے۔

''اگر یہ اتنا آسان ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا کیا کام رہ جاتا؟ یہ دنیا جادوگر ہی چلا لیتے۔ نہیں؟''

وہ چونک کے انہیں دیکھنے لگی۔ بڑھتا ہوا خوف رک گیا۔ جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آئی ہو۔

''اوہ۔'' اس نے گردن اوپر اٹھا کے دیکھا۔ ''اللہ تعالیٰ ہے نا۔''

''اللہ تعالیٰ ہی تو ہے' ماہ بینہ۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے بڑا ہے جس سے آپ ڈرتی ہیں۔ اس نے یہ فیصلے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں' جادوگروں کے منتر میں نہیں۔''

''مگر.... آپ نے کہا کہ جادوگر فراڈ نہیں ہوتے۔ وہ واقعی جنات کو قابو میں کر کے ان سے کام کرواتے ہیں۔ اس طرح تو ان کے پاس بہت طاقت ہوئی۔''

''طاقت۔'' وہ ہلکا سا ہنسے۔ ''جنات کیا ہوتے ہیں' بیٹا؟ جنات ایک مخلوق ہیں۔ اللہ کی ایک مخلوق۔ جیسے انسان

ہیں۔ جانور ہیں۔ پرندے ہیں۔ وہ بے چارے بھی ایک قوم ہیں۔ وہ انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ اور آپ انسان ہو کے ان سے ڈرتی ہیں؟ ہیچ۔''

''لوگوں کو جنات سے ڈر لگتا ہے۔ یہ حقیقت ہے۔''

''نہیں۔ لوگوں کو صرف اَن دیکھے سے ڈر لگتا ہے۔ وہ جو دکھائی نہیں دیتا۔ سنائی نہیں دیتا۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کو صرف ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ اتنے اسمارٹ نہیں ہوتے جتنے انسان ہوتے ہیں۔ وہ سادہ ہوتے ہیں۔ تھوڑے سے بے وقوف۔ وہ ہر اس انسان سے ڈرتے ہیں جو ان سے نہیں ڈرتا۔''

''کیا مطلب؟'' ماہی نے الجھ کے اسے دیکھا۔ ''کیا جنات خوف کو محسوس کر لیتے ہیں؟''

''بالکل۔ جو ان سے ڈرتا ہے وہ اسی کو ڈراتے ہیں۔ جو نہیں ڈرتا وہ اس کے قریب آتے ہی بھاگ جاتے ہیں۔ جنات سے نہ ڈرا کریں۔ نہ ہی ان سے نفرت کریں۔ ان میں سے بہت سے نیک بھی ہوتے ہیں۔ میں نے علماء سے یہ بھی سنا ہے کہ جنات عدالتیں بھی لگاتے ہیں جہاں وہ ایسے کافر جنات کو سزائیں دیتے ہیں جو جادوگروں کے ساتھ مل کے انسانوں کو اذیت دیتے ہیں۔ جنات کو اتنی کھلی چھوٹ نہیں ملی ہوئی کہ وہ انسانوں کی تقدیر کے فیصلے کر سکیں۔''

''مگر آپ نے کہا کہ جادو بہت ہو رہا ہے۔ اسے جادوگر اور جنات ہی کر رہے ہیں۔'' وہ اب دو باتوں میں کنفیوژ ڈ ہو گئی تھی۔ جادو اتنا ہو رہا ہے تو وہ کیسے جادو سے نہ ڈرے؟

''ہاں۔ بدقسمتی سے بہت سے انسانوں نے بہت سے جنات کو قید کر رکھا ہے۔ وہ جنات کو ٹارچر کرتے ہیں۔ اس کو بھوک سے ڈراتے ہیں۔ کہ وہ اس کا رزق روک دیں گے یا اس کو جلا کے مار دیں گے۔ پھر اس جن سے وہ جادو کرواتے ہیں۔ جس جن کو یقین ہوتا ہے کہ اس کا رزق اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جادوگروں کے قبضے میں نہیں آتا۔''

''لیکن جس جن کا ایمان کمزور ہوتا ہے وہ خود کو جادوگر کے حوالے کر دیتا ہے؟'' وہ اب کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔

''ایسا ہی ہے۔ جن جادوگر کا قیدی بن جاتا ہے اور پھر اس انسان کو اذیت دیتا ہے جس کا حکم اسے جادوگر دیتا ہے۔ جادو واقعی ہو رہا ہے۔ اور بہت ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔''

''اللہ کے حکم سے؟ مطلب؟''

ڈاکٹر رائد نے گہری سانس لی۔ ''اگر آپ اس ایک نقطے کو سمجھ لیں تو آپ زندگی بھر جادو اور جنات سے ڈرنا

ne ahahma

چھوڑ دیں گی۔"

وہ الجھن سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ "اللہ کے حکم سے جادو؟"

"مثلاً ایک جادوگر کو آپ کا کوئی رشتے دار پیسے دے کر کہتا ہے کہ اس شخص کو نقصان پہنچاؤ۔"

(زیاد اپنے رائٹنگ آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔ اس کی انگلیاں تیز تیز ٹائپ کر رہی تھیں۔ ساتھ کافی کا مگ رکھا تھا جس کی بھاپ اڑ اڑ کے سرمئی دیواروں میں گم ہو رہی تھی۔)

"نقصان کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے۔ جان میں، مال میں، عزت میں۔"

(موبائل تھرتھرانے لگا تو زیاد نے اسکرین سے نظر ہٹائے بغیر موبائل اٹھایا اور کان سے لگایا۔ دوسرے ہاتھ سے ٹائپنگ جاری رکھی۔ دفعتاً ٹائپ کرتا ہاتھ رک گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی پھیل گئی۔

"واٹ؟ لاکر روم میں آگ لگ گئی؟ لیکن کیسے؟ ہمارا اتنا اہم ڈیٹا..." (بے اختیار ماتھے کو چھوا۔)

"وہ نقصان کروانے کے بعد جادوگر خوش ہو جاتا ہے اور اس کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس نے کسی انسان کے نفع نقصان کا فیصلہ کیا ہے۔"

(زیاد اب لیپ ٹاپ کے سامنے دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔)

"لیکن کیا واقعی؟ یہ نقصان جادوگر نے کیا ہے؟ یا وہ ایسے ہی لکھا گیا تھا؟"

(وہ اب پھر سے کسی کو کال ملانے لگا۔ سلسلہ ملتے ہی وہ پریشانی سے بولا۔)

"امی میں رات کی فلائٹ سے دبئی جا رہا ہوں۔ جی میں نے ویسے بھی کل دبئی چلے جانا تھا۔ دوست کی شادی اچانک سے آن پڑی تھی۔ لیکن اب ایک اور مسئلہ بھی ہو گیا ہے۔ آفس کے لاکر روم میں آگ لگ گئی ہے۔ کافی نقصان ہوا ہے۔ شادی بھی نہیں اٹینڈ کر سکوں گا۔")

"وہ بیماری، وہ سفر، وہ سب جس میں جادوگر اپنے ٹارگٹ انسان کو مبتلا کرتا ہے، وہ پہلے سے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعین کر رکھا ہوتا ہے۔"

(زیاد پریشانی سے اب اپنی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ بار بار وہ ماتھے کو چھو کے سر نفی میں ہلاتا تھا۔)

"اگر جادوگر عمل نہ کرتا، تب بھی وہ سب ویسے ہی ہونا تھا۔"

"تو پھر جادوگر کا کیا قصور؟"

"اس نے اس نقصان کا گناہ اپنے سر لے لیا۔ جیسے کسی کی موت کینسر سے لکھی ہو اور مقررہ وقت پہ کوئی آدمی اس

مریض کو گولی مار دے۔ وہ نہ مارتا' تب بھی اس نے مرجانا تھا۔ جادو بھی یہی ہے۔ نظر کا دھوکہ۔ جادوگر کی اپنی نظر کا دھوکہ۔''

وہ دونوں میز کے گرد آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ڈاکٹر رائد نرمی سے اس کو سمجھا رہے تھے۔ باہر بارش اب مکمل طور پہ تھم چکی تھی۔

وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔ لیکن کچھ باتیں اس کے ذہن میں جذب نہیں ہو رہی تھیں۔

''یعنی میری ماں کی بیماری چاہے جادو سے ہوئی ہو' یا نہ ہو' یہ اسی طرح تقدیر میں لکھی تھی؟''

''بالکل۔ اللہ تعالیٰ کی لوح محفوظ میں ہم سب کی قسمت پہلے سے لکھی ہے۔ آپ کی ماں کی جتنی زندگی ہے' وہ پہلے سے متعین کردہ ہے۔ صرف ایک چیز اس کو بڑھا سکتی ہے۔ اور وہ ہے دعا۔''

ماہی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''مگر میں مزید جاننا چاہتی ہوں۔ جادو' اور جنات کے بارے میں۔''

''پھر آپ کو یہاں مزید وقت گزارنا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک طویل ڈسکشن ہے۔ کافی؟'' وہ کھڑے ہوتے ہوئے پوچھنے لگے۔ ماہی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

باہر ایک خوبصورت دن پھیلا تھا۔ بارش نے سارے گناہ اور خدشات بھی دھو ڈالے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو دن بعد جب ماں کو ڈسچارج کر کے گھر بھیجا گیا تو وہ لوگ بہت خوش تھے۔ ٹیومر کے نکل جانے سے ذہن پہ پڑا پریشر ہٹنے لگا اور ان کی شخصیت واپس آنے لگی۔ ماتھے پہ لگا ڈریسنگ اتار کے اس جگہ کو مکمل طور پہ اسٹیچ کر دیا گیا تھا۔ سرجن نے سرجری کے لیے پورا سر نہیں کھولا تھا بلکہ تین بائی تین کا انسون (کٹ) دے کر ذرا سے بال صاف کر کے اس جگہ سے سارا ٹیومر باہر کھینچ نکالا تھا۔

ماں کو جب وہ گھر لائے تو وہ کانشس تھیں۔ تکلیف میں تھیں لیکن ہلکی پھلکی بات کر رہی تھیں۔

مالا سوچ رہی تھی کہ کیسے سرجری سے پہلے ان کو یہ ڈر تھا کہ جسم کا کوئی حصہ مفلوج نہ ہو جائے۔ اور اب دیکھو۔ ان کا سارا جسم سلامت تھا۔ بس بازوؤں پہ بار بار آئی وی کی سوئیاں لگنے سے سرخ نشان پڑے تھے۔ لیکن خیر۔ نشان ہی ہیں۔ چلے جائیں گے۔ ٹانکوں کا زخم بھر جائے گا۔ اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔

چونکہ وہ ڈاکٹر نہیں تھی' اس لیے وہ سمجھتی تھی کہ کامیاب سرجری پیچ اینڈ نگ کے مترادف ہوتی ہے جس سے سارے مسئلے ختم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ سرجری تو ایک آغاز ہوتی ہے۔

صحت یابی کے ایک لمبے سفر کا پہلا پڑاؤ۔

ماں ہسپتال سے گھر شفٹ ہوئیں تو وہ پہلے دن کی طرح ایکٹو نہیں تھیں۔ بلکہ غنودگی میں تھیں۔ معید ان کو بیڈ پہ لٹا رہا تھا۔ کندھے' بازو' وہ بہت سے تکیے رکھ کے ماں کا پوسچر درست کر رہا تھا۔ وہ دو دن سے اسی ایک لباس میں تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں سرخ گلابی پڑ رہی تھیں۔

تکیے سیٹ کر کے وہ ماں کے قدموں میں بیٹھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔ معید نے دھیرے سے ان کا پائنچہ موڑا اور اسے اوپر گھٹنے تک لے گیا۔ پھر اس نے ایک پیکٹ سے لمبی سفید جرابیں نکالیں اور انہیں ماں کو پہنانے لگا۔

''یہ ڈی وی ٹی اسٹاکنگز ہیں۔ DVT سے بچاؤ کی جرابیں۔ یہ جرابیں ماں کو پہنائے رکھنی ہیں۔ اوکے؟ اوکے مالا؟'' اس نے دو دفعہ دہرایا۔ وہ جو ماں کی دوائیاں سیٹ کر رہی تھی' اس نے سر ہلا دیا۔ ساتھ ہی وہ فون دیکھ رہی تھی۔ لوگوں کی کالز۔ میسیجز۔ کچھ آنٹیاں ہر گھنٹے بعد کال کر کے پوچھتی تھیں کہ آپ کی امی کیسی ہیں۔ جیسے کوئی نیوز بلیٹن چل رہا ہو کہ گھنٹے گھنٹے کی اپ ڈیٹ ملنی چاہیے۔ ایک نے یہ بھی پوچھا کہ پھر کتنے دنوں تک امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ جیسے صحت کی کوئی ٹائم لائن ہوتی ہو۔

''مالا یہ جرابیں نہیں اتارنی ہیں۔ اور ماں کی پنڈلیاں ہر کچھ دیر بعد دبانی ہیں۔'' دونوں پنڈلیوں پہ جرابیں پہنا کے معید انگلیوں سے ان کو دبا دبا کے کہہ رہا تھا۔ وہ سرہلا کے عیادت کرنے والوں کے میسیجز پڑھنے لگی۔ اس نے معید کی بات سنی تھی لیکن وہ ذہن میں رجسٹر نہیں ہوئی تھی۔ ذہن عجیب سن سا تھا۔

کیف واپس آ گیا تھا لیکن اندر نہیں آیا تھا۔ اسے اس وقت کیف کی فکر بھی نہیں تھی۔ وہ ماں کے کاموں میں الجھی تھی۔

باہر آوازوں سے اسے کچھ اندازہ ہوا کہ بیسمنٹ میں پانی کا کوئی پائپ پھٹ گیا ہے۔ سلیم بھاگتا ہوا معید کو بلانے آیا۔ سب کمروں میں پانی جمع ہو رہا تھا۔

''پہلے کم مسئلے ہیں کیا۔'' معید بڑبڑاتا ہوا اس کے ساتھ باہر گیا۔

''کیف سے کہو اپنا سامان نکال لے۔ سب تباہ ہو جائے گا۔'' بیسمنٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے معید بولا۔

''وہ تو اس وقت چھٹی کر کے جاتا ہے۔ مغرب تک آئے گا۔''

''پھر تم اس کا سامان نکال دو۔'' وہ دونوں بیسمنٹ کی گیلری میں پہنچ چکے تھے۔ وہاں پانی بھرے جا رہا تھا۔

''وہ جی کیف نے کہا تھا اگر میں اس کے کمرے کے قریب بھی پھٹکا تو وہ میری ٹانگیں توڑ کے ہاتھ میں تھما دے گا۔''

''سلیم تم بھی پورا ڈرامہ ہو۔'' معید بڑبڑاتے ہوئے کیف جمال کے کمرے میں آیا۔ایک نظر اطراف میں ڈالی۔وہاں کولر لگا تھا۔ایک طرف میٹرس بچھا تھا جو بہتے پانی سے گیلا ہو رہا تھا۔سامنے کچھ الماریاں تھیں۔معید سلیم کو کوستے ہوئے آگے آیا اور الماریاں کھولیں۔ایک' دو تین دروازے۔سلیم بھی تجسس سے ساتھ آ گیا۔وہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ کیف کیا چھپاتا ہے۔

الماریاں اندر سے خالی تھیں۔اس نے اچنبھے سے مڑ کے سلیم کو دیکھا۔

''کیف کا سامان کہاں ہے؟''

پھر وہ تیزی سے باتھ روم کی طرف آیا۔وہ صاف ستھرا چھوٹا سا باتھ روم تھا۔صابن۔تولیہ۔سب کچھ پڑا تھا۔

لیکن ایک چیز وہاں نہیں تھی۔سب سے اہم چیز۔

''جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ تو اٹھاؤ۔'' وہ سلیم کو ہدایات دیتا باہر نکل گیا۔اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ماں کے بیڈ کے ساتھ کرسی پہ بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔ماں ہلکی سی کراہیں تو وہ ہڑبڑا کے اٹھی۔

''مالا۔'' ماں نے آنکھیں کھولیں۔پلکیں جھپکائیں۔ان سبز آنکھوں کو کھلا دیکھنے کی خواہش کے آگے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ تھیں۔وہ مسکرا کے ماں کو دیکھتے ہوئے ان کے قریب بیڈ پہ بیٹھی اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔وہ سوجا ہوا تھا۔ماں کے پیر بھی سوجن کا شکار تھے۔

''پانی لا دو مالا۔'' وہ اٹھ کے بیٹھنا چاہتی تھیں۔ان کے وزن کے باعث مالا ان کو خود نہیں بٹھا سکتی تھی۔اس نے بخت بی کو آواز دی۔

تھوڑی دیر بعد ان دونوں نے انہیں اٹھا کے بٹھایا تو مالا نے دیکھا۔ان کی گردن دائیں طرف سے پوری کالی ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ وہ نیلی سی کالک کان کی لو تک پہنچ گئی تھی۔جیسے نیل ہو۔اس کا دل گھبرانے لگا۔ماں کا چہرہ بھی سوجا سوجا محسوس ہو رہا تھا۔اس نے فوراً موبائل سے ماں کی گردن کی تصویر کھینچی اور ڈاکٹر واصف کو بھیجی۔

''پتہ نہیں ماں کو کیا ہو رہا ہے۔''

چند لمحے بعد جواب آ گیا۔

''ایڈیما ہے۔اور ابھی یہ کم ہے۔آگے اور بڑھے گا۔'' وہاں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

''میرے سر پہ پٹی کیوں ہے؟'' ماں نقاہت سے آنکھیں بند کیے سر بیڈ کراؤن سے لگائے بیٹھی وہی سوال دہرا رہی تھیں جو پچھلے دو دن سے بار بار ان کے لبوں پہ آتا تھا۔

''کیونکہ...'' وہ رک گئی۔''آپ سو جائیں۔''

وہ کچن میں آئی تو معید کسی سوچ میں ڈوبا وہاں کھڑا تھا۔وہ اس کا چہرہ دیکھ کے چونکی۔

''کیا ہوا معید؟''

''تم کیف کو کتنا جانتی ہو؟'' معید نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

''میری دوست کا کزن ہے۔کیوں کیا مسئلہ ہے؟'' اس کا لہجہ دفاعی ہو گیا۔

''وہ ہر روز چند گھنٹے کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔تمہیں معلوم ہے وہ کہاں جاتا ہے؟''

وہ دونوں کچن کی منی پلانٹ سے ڈھکی کھڑکی کے سامنے کھڑے تھے۔

''ہاں اس نے ایک جگہ ڈیسک لے کر اپنا کام شروع کیا ہوا ہے۔کیوں؟''

''اس کے کمرے میں کچھ بھی نہیں ہے۔نہ کپڑے نہ جوتے۔سب سے عجیب بات۔اس کے باتھ روم میں ٹوتھ برش تک نہیں ہے۔''

nemra.com

''ہمیں اس سے کیا معید؟'' وہ اب چڑنے لگی تھی۔

''کیف تمہیں کہتا ہے کہ اس نے کہیں ڈیسک لے رکھا ہے۔لیکن میرا خیال ہے اس نے کہیں گھر لے رکھا ہے۔کیونکہ کیف ہمارے گھر نہیں رہتا' مالا۔وہ بظاہر یہاں ہے۔لیکن وہ کہیں اور رہتا ہے۔'' معید کے اندر باہر الارم بج رہا تھا۔

''شاید کہیں کسی رشتے دار کے گھر رہتا ہو۔میں نے پوچھا نہیں۔اور یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے' معید۔''

''یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ایک آدمی ہمارے گھر میں رہتا ہے۔ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔کیا کرتا ہے۔اب تم اس سے بات کرو گی یا میں کروں؟''

معید کا لہجہ گھر کے سربراہ مرد جیسا ہو گیا تھا۔سخت۔چوکنا۔تنبیہہ کرتا ہوا۔

''میں کرتی ہوں اس سے بات۔'' وہ قدرے دھیمی پڑی۔

''دیکھو وہ اچھا ڈیسنٹ آدمی ہے اس لیے مجھے اس سے کوئی پرابلم نہیں ہے۔لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔''

معید کہہ کے باہر نکل گیا اور اس کا ذہن بری طرح الجھ گیا۔

کسی انسان کا ٹوتھ برش اس کے کہیں پڑاؤ کی پہلی نشانی ہوتا ہے۔ کیا کیف کہیں اور رہ رہا تھا؟ ایسا کیا تھا جو کیف ان سے چھپاتا تھا؟ اور کیا اس کے پوچھنے پہ کیف اسے سچ بتاتا؟ شاید نہیں۔ کیف نے پہلے خون آنے والی بات اس سے چھپائی۔ پھر ایک دم سے اپنی شادی کا ذکر کیا۔ وہ باتیں چھپانے کا عادی تھا۔

ماں اب سو چکی تھیں۔ وہ واپس ان کے پاس آ کے بیٹھی اور موبائل نکالا۔ وہ کشمالہ مبین تھی۔ وہ لوگوں پہ جلد اعتبار کر لیتی تھی اور ان کو چانس دیتی تھی۔ لیکن اگر اس کے دل میں شک آ جائے تو وہ ہر وہ شے کر سکتی تھی جس کی اس سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس کی انگلیاں تیز تیز ٹائپ کرنے لگیں۔

''فہد تم ابھی پی ٹی اے میں ہو؟'' وہ ایک پرانے کلاس فیلو کو میسج لکھ رہی تھی۔

''کیسی ہو کشمالہ؟ آنٹی کیسی ہیں؟ فیس بک پہ ان کے بارے میں پڑھا تھا۔''

''وہ اب بہتر ہیں۔ تھینکس۔'' وہ سوچتے ہوئے لکھ رہی تھی۔ ''ایک موبائل نمبر دے رہی ہوں۔ مجھے پچھلے ایک ماہ تک اس کا سگنل ٹریس کر کے دو۔ ہر روز کے مخصوص اوقات کی لوکیشن؟'' اس نے وہ وقت لکھ دیا جس میں کیف گھر سے غائب ہو جاتا تھا۔

''لنچ بریک کے بعد فوراً کر دیتا ہوں۔ کوئی اور حکم؟''

اور فہد نے ایسا ہی کیا۔ گھنٹے بھر بعد اس نے ایک پی ڈی ایف فائل کشمالہ کو واٹس ایپ کر دی۔

وہ صرف ان پانچ گھنٹوں کی لوکیشن دیکھنا چاہتی تھی جن میں کیف غیر حاضر ہوتا تھا۔ ان پانچ گھنٹوں میں آنے جانے کا وقت نکال کے اس کا سگنل ایک ہی لوکیشن پہ رک جاتا تھا۔ مگر سب سے زیادہ چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ کیف ماں کی سرجری والے دنوں میں چھٹی لے کر اسلام آباد نہیں گیا تھا۔ وہ لاہور کی اسی لوکیشن پہ موجود تھا۔

کشمالہ نے اس لوکیشن کے ہندسے گوگل میپس میں ڈالے اور سرچ کیا۔

وہ گلبرگ کی ایک لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی۔ اس کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔ وہ جگہ اتنی مہنگی تھی کہ وہ وہاں کرائے کا اپارٹمنٹ تک افورڈ نہیں کر سکتی تھی نہ ہی اس کے سوشل سرکل میں کوئی وہاں رہتا تھا۔ کیف خواب میں بھی وہ جگہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ وہاں کیسے رہتا تھا؟ کیا اس کو کسی امیر دوست نے اپنا اپارٹمنٹ رہنے کے لیے دے رکھا تھا؟ یا شاید وہ وہاں کام کرتا ہو۔ کوئی دوسری جاب؟

اب تک اس نے بہت کچھ نظر انداز کیا تھا۔ کیف کے مہنگے کپڑے، اس کی فون کالز، اس کا باتیں چھپانا۔ لیکن اب بات بڑھتی جا رہی تھی۔

اس نے آہستہ سے موبائل ایک طرف ڈال دیا۔

کیف جمال کی ایک خفیہ زندگی تھی جس سے وہ ناواقف تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف اپارٹمنٹ کے کمرے کے میٹرس پہ چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ پنکھے کے تین پر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور اس کی نظریں ان کے ساتھ گھوم رہی تھیں۔

حورِ جہاں بیگم کے آپریشن کو آج آٹھواں دن تھا۔ کل ان کی پٹی کھل گئی تھی اور وہ روبہ صحت تھیں۔ مگر اس دوران اس کی کشمالہ سے ملاقات برائے نام ہی ہوئی تھی۔ دوبارہ خون پھینکنے جیسا واقعہ بھی نہیں ہوا تو ہر طرف خاموشی تھی۔ وہ اپنے متعین کردہ گھنٹوں میں ڈیوٹی کرتا اور چلا جاتا۔ پانچ گھنٹے اپارٹمنٹ میں گزارنے کے بعد واپس آتا اور گارڈ چیئر پہ بیٹھ جاتا۔ زندگی اسی روٹین کے دائرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔

''کیا پروگریس ہے؟'' مالک کی کال پہ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اوپر سے یہ سوال۔

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ کانوں میں ائیر پوڈز لگائے، اسی طرح لیٹے لیٹے چھت کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''پروگریس نہیں ہے تو تم کیا کر رہے ہو؟'' وہ برہمی سے بولا۔ کیف کے چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔

''اس کی ماں بیمار ہے۔ میں اس سے زبردستی کوئی معلومات حاصل نہیں کر سکتا۔'' بجلی ایک جھپاکے سے چلی گئی۔ پنکھا یو پی ایس کی وجہ سے گڑگڑانے لگا۔

''اسی لیے تم نے سوچا تم اس لڑکی کو پریشان کر دو۔'' مالک کا لہجہ طنزیہ تھا۔ اس کا اشارہ مالا اور صفورا کی گفتگو کی طرف تھا۔

''میں نے اسے پریشان نہیں کیا۔ وہ ایک غلط فہمی تھی۔ میں نے اس کو...'' توقف کیا۔ ''فکس کر دیا ہے۔''

''کیسے فکس کیا ہے؟''

''جہاں اتنے جھوٹ بولے ہیں وہاں ایک اور بول دیا ہے۔ خوش؟'' وہ ایک دم فون میں غرایا۔ مالک خاموش ہو گیا جیسے اس کو اس لہجے کی توقع نہ تھی۔

''ایسا کرتے ہیں آج اس ڈیل کو ختم کرتے ہیں۔''

کیف چونک گیا۔

''ابھی دو ماہ مکمل نہیں ہوئے۔ میں یہاں دو ماہ کے لیے آیا تھا۔'' وہ ایک دم سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

''دو ماہ کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ استعفیٰ دو اور وہاں سے نکل آؤ۔ تمہیں ویسے بھی کوئی کام کی معلومات نہیں ملی۔ نہ ملے گی۔''

''مجھے اس کی زندگی سے کب نکلنا ہے' یہ میں طے کروں گا۔'' کیف دانت پہ دانت جما کے دبی آواز میں بولا۔ ''تم مجھے ڈکٹیشن دینا بند کرو۔''

دوسری جانب چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔

''پھر مجھے مت کہنا کہ تمہیں خبردار نہیں کیا۔''

کیف نے ہونہہ کر کے سر جھٹکا اور فون رکھ دیا۔ مالک اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔

مالک اس وقت کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا تھا۔ سفید بال جیل سے جمائے' بنا سلوٹ کے تھری پیس سوٹ پہنے' قیمتی گھڑی کلائی پہ باندھے' وہ کسی میٹنگ کے لیے تیار کہیں جا رہا تھا۔ لیکن صاف واضح تھا کہ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ کال بند کرتے ہی اس نے ایک نمبر ملایا مگر وہ آف تھا۔

مالک نے جھنجھلا کے ایک دوسرا نمبر ملایا۔ اور موبائل کان سے لگایا۔

''مسٹر فرید اپنے روم میں ہیں؟ ان سے بات کروائیں۔'' وہ انگریزی میں بولا۔ چند لمحے کے انتظار کے بعد وہ لائن پہ تھا۔

''کیا ہوا ہے' مالک؟''

''وہ اس لڑکی کو چھوڑنے پہ تیار نہیں ہے۔ اسے اس جاب کے لیے بھیجنا ایک غلطی تھی۔''

''کیوں؟'' وہ چونکا۔ ''کیا وجہ ہے؟''

''وجہ وہی ہے جو ایک لمبے چوڑے مرد کو گھٹنوں کے بل گرا دیتی ہے۔'' مالک تلخی سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ وہ اسے نہیں چھوڑے گا۔''

''یہ نہیں ہونا چاہیے' مالک۔ اسے دو ماہ کے اندر اندر وہاں سے نکلنا تھا۔ ہماری یہی ڈیل ہوئی تھی۔''

''تم بے فکر رہو۔ میں اس کو وہاں سے نکال لوں گا۔''

''کیسے؟'' وہ چونکا۔

''بہت آسان ہے۔'' وہ سڑک کنارے بھاگتے درخت دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہم کشمالہ مبین کو اس کے باڈی گارڈ کی حقیقت بتا دیں گے۔ وہ اسے خود ہی نکال دے گی۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ وہ صبح امید اور آسانی لیے طلوع ہوئی تھی۔

مالا کے کمرے میں ماں کا الگ بیڈ لگا تھا۔ یہ ہسپتال کا آٹومیٹک بیڈ تھا جو انہوں نے ایک ماہ کے لیے کرایے پہ لیا تھا۔ بٹن دبانے سے اس کی ٹیک اوپر اور نیچے ہو جاتی تھی۔

اس وقت حورِ جہاں بیگم ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ ابھی وہ اپنی کمر کے سہارے نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ ماتھے کی پٹی اب اتر چکی تھی اور نیلے دھاگے کے ٹانکوں کی ایک لکیر نظر آتی تھی۔ ان کے بال صرف تین انچ کے حصے سے مونڈے گئے تھے۔ وہ بھی ماتھے کے دائیں جانب سے۔ سر کے باقی تمام بال سلامت تھے۔ ٹانکوں کا دھاگہ واٹیکرل کا تھا جس نے چند دن بعد گھل کے خود ہی ختم ہو جانا تھا۔ یعنی ٹانکے اتارنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ پیچھے رہ جانا تھا ایک زخم کا معمولی نشان۔ ایک یادگار کہ کبھی حورِ جہاں کو ٹیومر ہوا تھا۔

مالا کے کمرے میں آج کل وہ سحری اور افطاری وغیرہ کرتے تھے کیونکہ ماں ابھی یہاں سے نکل نہیں سکتی تھیں۔ اس وقت مالا اپنے بیڈ پہ بیٹھی تھی اور معید ماں کے ساتھ کرسی پہ بیٹھے ان کا ہاتھ پکڑے بیٹھا تھا۔ وہ ہر صبح ماں کو خود ناشتہ کرواتا تھا۔ ابھی تک وہ جاب پہ واپس نہیں جا رہا تھا۔ جب تک ماں اپنے قدموں پہ نہیں کھڑی ہو جاتیں' اسے ان کے ساتھ سایے کی طرح رہنا تھا۔

''جب مجھے ہسپتال میں ہوش آیا تو میرا بیٹا میرے قدموں میں بیٹھا تھا۔'' ماں نے پیار سے معید کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے نا۔'' فرمانبرداری سے کہہ کے معید ناشتہ ان کی پلیٹ میں نکالنے لگا۔

''ہاں بیٹا۔ اور میرا جو تا بھی انہی قدموں تلے ہوتا ہے۔ ناں تم نے کس سے پوچھ کے میرا آپریشن کروایا؟'' ان کے تیور ایک منٹ میں بدلے تھے۔ پراٹھے کا نوالا بناتے معید کا ہاتھ ہوا میں رک گیا۔ چہرہ اٹھا کے شاک سے انہیں دیکھا۔

''اتنے دن سے تو بتا رہا ہوں ماں' آپریشن ضروری تھا۔''

ماں کا پیار اور خفگی آج کل ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ جب سے ان کی یادداشت درست کام کرنے لگی تھی' انہیں یاد

آ گیا تھا کہ ان کی اجازت کے بغیر ان کی اولاد نے اتنا بڑا قدم اٹھالیا تھا۔ وہ ایک دم بہت شکر گزار بھی ہو جاتیں کہ میرے بچے میرا کتنا خیال کر رہے ہیں۔ لیکن پھر انہیں یاد آ جاتا کہ ان سے پوچھے بغیر آپریشن کروایا ہے۔ بس وہیں کلاس شروع ہو جاتی۔

''اور تم..'' ماں نے گھور کے مالا کو دیکھا۔ وہ پرانی دبنگ سی حورِ جہاں بیگم بن چکی تھیں۔

''تم مجھے ہسپتال میں چھوڑ کے چلی گئی۔''

''ماں آئی سی یو میں نہیں رہنے دیتے رات کو۔ پھر مجھے معید نے زبردستی گھر بھیجا تھا۔'' اس نے ہنس کے وضاحت کی۔ وہ دونوں پچھلے کئی دن سے وضاحتیں دے رہے تھے مگر مجال ہے جو ماں ان کی بات مان لیں۔

ماہی تو سرے سے مکر گئی۔

''ماں' میں تو کینیڈا میں ہوں۔ مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں آپ کے آپریشن کا۔ ورنہ میں آپ کو فوراً بتا دیتی۔''

معصومیت سے کہا اور ماں نے اس کا فوراً یقین کر لیا۔ وہ بے چاری پردیس بیٹی۔ اس کو کہاں کوئی کچھ بتاتا تھا۔

''ماں ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے ٹھیک نہیں کیا۔ آپ سے پوچھے بغیر آپ کی سرجری کروا دی۔ لیکن ہمارے پاس کوئی اور چوائس نہیں تھی۔ آپ یہ خبر اس وقت برداشت نہیں کر سکتیں۔'' معید نرمی سے ان کو سمجھانے لگا۔

''ماں کو نہ سمجھا۔ ناشتہ کرنے دے مجھے۔'' انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔ وہ ہنس دیا اور ان کے لیے چائے نکالنے لگا۔ دفعتاً ماں کو اس کا خیال آیا جو مسکراتے ہوئے ماں بیٹے کی گفتگو سن رہی تھی۔

''مالا... تم کہہ رہی تھیں کہ اپنے کام کی کچھ چیزیں لینے بازار جانا ہے۔ تو جاؤ نا بیٹا۔ میں ٹھیک ہوں۔''

''جی۔ بس ابھی نکلتی ہوں۔'' اس نے معید کو دیکھا۔ ''تم اکیلے ماں کا خیال رکھ لو گے نا؟''

''جی میں تو کمپاؤڈر ہوں۔ مجھے کیا پتہ خیال کیسے رکھا جاتا ہے؟''

وہ بے اختیار ہنس دی۔ وہ کیا کرتی۔ ماں کو اتنے دن بعد تنہا چھوڑ کے جا رہی تھی۔ اسے ایک ریستوران سے کام کی آفر آئی تھی اور اس کے لیے اسے پینٹ سپلائیز خریدنے تھے۔

''جا میری بیٹی۔'' ماں نے پیار سے اس کے کندھے پہ ہاتھ پھیرا۔ ''جا... تیرا قیمتی کام ہے اتنا۔ میری وجہ سے اس کو پیچھے نہ کر۔ جا شاباش۔''

وہ جو بیڈ سے اتر کے چپل پہن رہی تھی' ایک دم رک گئی۔ سر وہیں جھکا رہا۔ گلے میں آنسوؤں کا پھندا پڑنے لگا۔ پھر اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی اور اٹھ گئی۔ باتھ روم میں آ کے اس نے آئینے میں اپنا چہرہ

دیکھا۔اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

ساری عمر ماں سے یہی شکوہ تھا کہ ان کو مالا کے کام کی سمجھ نہیں آتی۔بس ان کو ڈاکٹر بنانا تھا کشمالہ کو۔وہ نہیں بنی تو اب وہ جو بھی بن جائے ماں کے نزدیک یہ سب بے کار کام تھے۔(پرے۔فیشنی پڑھائیاں۔فیشنی نوکریاں۔پڑھائی تو یا میڈیکل ہے یا انجینئرنگ یا فوج کی نوکری۔بس)

کتنی بحثیں ہوئی تھیں ان گزرے برسوں میں ماں کو اپنا نکتہ نظر سمجھاتے ہوئے۔لیکن آج معلوم ہوا کہ ماں کو سب سمجھ میں آتا تھا۔اور ان کو قدر بھی تھی۔جیسے وہ اپنی ضد نہیں چھوڑ سکتی تھی ویسے ہی وہ بھی نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔

ان کے ایک ہی فقرے نے کشمالہ مبین کی زندگی کے ان محنتی سالوں کو معتبر کر دیا تھا۔

کیف پورچ میں کسی کام سے آیا تھا جب وہ باہر نکلی۔اس کا رخ کار کی جانب تھا۔

''باس...''

ہشاش بشاش سے انداز میں اس نے کشمالہ کو پکارا۔وہ جو کار کی طرف جا رہی تھی رک کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔وہ ہلکے سبز رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔بال ہاف کیچر میں بندھے تھے۔کہنی پہ بیگ اور پیروں میں بند جوتے تھے۔چہرہ سپاٹ تھا۔

''مارکیٹ جا رہی ہیں؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آیا اور کار کی چابی کے لیے ہاتھ بڑھایا۔''میں لے جاتا ہوں۔''

کشمالہ نے سبز آنکھوں میں سنجیدگی لیے اسے دیکھا۔دھوپ اس کے عقب میں تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کا سایہ بنا ہوا تھا۔مسکراتا ہوا۔بڑھی شیو اور ماتھے پہ بکھرے بالوں والا کیف جمال۔وہ سامنے آیا تو اس کے جھوٹ کے لیے دل خود بخود وضاحتیں دینے لگا... لیکن وہ دل کی نہیں سننا چاہتی تھی۔

اس نے ''ہوں'' کہہ کے چابی اس کی طرف بڑھا دی۔اور اس کے سایے سے نکل آئی۔پھر دھوپ میں چلتی ہوئی دوسری طرف سے پچھلی سیٹ پہ بیٹھی اور زوردار آواز سے دروازہ بند کیا۔

کیف کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے کار کو دیکھا۔وہ اسے کھینچی کھینچی لگی تھی۔شاید پریشان تھی اپنی امی کے لیے۔

''کہاں جانا ہے؟'' کار ریورس کر کے باہر نکالتے ہوئے اس نے پوچھا۔وہ کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔اسی انداز میں بولی۔

''بک اسٹور۔'' قدرے توقف سے پوچھا۔ ''تم آج کام پہ نہیں گئے؟''

''آپ کو ڈراپ کر کے وہیں چلا جاؤں گا۔'' وہ کار سڑک پہ نکالتے ہوئے اسی سادہ انداز میں بولا۔

''کیا بتایا تھا تم نے؟ کہاں جاتے ہو؟''

''گارڈن ٹاؤن میں ایک کوورکنگ اسپیس ہے۔ وہاں ڈیسک لیا ہوا ہے۔''

''کتنا کرایہ ہے ڈیسک کا؟''

''سستا ہے۔ پانچ ہزار ماہانہ۔ چائے کافی فری۔''

کار باہر سڑک پہ آ چکی تھی۔ کشمالہ نے ایک نظر اگلی دونوں نشستوں کی درمیانی جگہ کو دیکھا جہاں کیف نے عادتاً اپنا والٹ رکھا ہوا تھا۔ وہ ڈرائیو کرنے سے پہلے والٹ اور موبائل ہمیشہ وہیں رکھا کرتا تھا۔

''ایک منٹ۔ کار روکو۔ میں پانی کی بوتل کچن میں بھول آئی ہوں۔''

کیف نے تابعداری سے کار گیٹ کے باہر روک دی۔ وہ دروازہ کھولنے لگی تو کیف نے اسے روک دیا۔

''آپ بیٹھیں۔ میں لے لاتا ہوں۔'' سیٹ بیلٹ اتار کے وہ باہر نکلا اور گیٹ کی طرف بڑھا۔ کشمالہ اسے گیٹ کے اندر جاتے دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس مقام سے وہ ہی سی ٹی وی کیمرے کی نظر میں نہیں آئے گی۔

اس نے تیزی سے دونوں سیٹس کے درمیان رکھا کیف کا والٹ اٹھایا۔

(اُف مالا تم کیا کر رہی ہو؟ یہ غلط ہے) مگر اس نے اندر سے آتی آوازوں کو شش کہہ دیا۔ شک اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا۔

والٹ برانڈڈ تھا۔ اندر کیف جمال کا آئی ڈی کارڈ لگا تھا۔ ساتھ اس کا ایک بینک کارڈ تھا۔ تیسرا کارڈ کسی اور شے کا تھا۔ کیش والے خانے میں پانچ ہزار کے نئے نوٹ بھرے تھے۔ وہ اتنے زیادہ تھے کہ والٹ پھولا ہوا تھا۔

اس نے ایک نظر اوپر دیکھا۔ وہ ابھی باہر نہیں آیا تھا۔ پھر اس نے تیسرا کارڈ نکال کے بغور دیکھا۔ وہ اسی لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ کا کارڈ تھا۔ یہ غالباً چابی کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔

اوپر نمبر بھی لکھا تھا۔ فائیو سی۔ پانچویں فلور کا تیسرا اپارٹمنٹ۔

اسے ہر ایک نے کیف کے بارے میں الگ الگ خبردار کیا تھا۔ دور اندر وہ بھی جانتی تھی کہ کچھ ہے جو اسے کھٹکتا ہے۔ جس دن کیف نے پہلی دفعہ اسلام آباد میں اس کے آفس میں قدم رکھا تھا' وہ جانتی تھی کہ اس میں کچھ غلط ہے۔ لیکن اسے ہمیشہ کیف سے ایک اچھی وائب آئی تھی۔ یہ وائب اور گٹ فیلنگ پہ بھروسہ ہی تھا جو وہ ڈیڑھ ماہ

سے کیف جمال پہ اعتبار کیے ہوئے تھی۔لیکن یہ نوٹ؟

یہ نوٹ کیف کی چار پانچ ماہ کی تنخواہ سے زیادہ تھے۔وہ تنخواہ جو کشمالہ نے اس کے لیے مقرر کی تھی۔اگر وہ کیف کے والٹ میں اتنے سارے نوٹ نہ دیکھتی تو شاید کبھی وہ نہ کرتی جواب وہ کرنے جا رہی تھی۔

اس نے بنا سوچے سمجھے اپارٹمنٹ کا کارڈ نکالا اور مٹھی میں دبا لیا۔پھر والٹ واپس رکھا اور کارڈ کو اپنے پرس میں ڈال کے خاموشی سے باہر دیکھنے لگی۔دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔وہ ایماندار لڑکی تھی۔وہ نہ جھوٹ بولتی تھی نہ گیمز کھیلتی تھی۔جو اس کے دل میں ہوتا ظاہر ہو جاتا۔اسے معلوم تھا وہ غلط کر رہی ہے۔لیکن وہ ڈری ہوئی بھی تھی۔کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔اور اس کا باڈی گارڈ مشکوک لگنے لگا تھا۔

کہیں کسی نے کیف جمال کو خریدتو نہیں لیا تھا؟ ماہر فرید...اس کا تعاقب کار.....ایک امیر آدمی تھا۔کہیں اس نے کیف کی مجبوریوں کا سودا تو نہیں کر لیا تھا؟

چند ثانیے بعد کیف جمال باہر آتا دکھائی دیا۔اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔اسے بوتل تھما کے وہ سیٹ بیلٹ پہننے لگا۔

مالا نے اسے نظریں نہیں ملائیں۔وہ ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا ہشاش بشاش سا لگ رہا تھا۔اس کا چہرہ دیکھتی تو گلٹ محسوس ہونے لگتا۔نہیں۔اسے کوئی نہیں خرید سکتا تھا۔اس رقم کے پیچھے کوئی اور وجہ ہو گی۔

ابھی وہ راستے میں تھے جب کشمالہ کے فون پہ ایک غیر شناسا نمبر سے کال آنے لگی۔اس نے موبائل کان سے لگایا۔

''میں فرید ہولڈنگ سے عبدالمالک بات کر رہا ہوں۔ماہر فرید کا مینیجر۔''

اس کا سانس رک سا گیا۔چونک کے ڈرائیو کرتے کیف کو دیکھا۔وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا نہ فون کی آواز سن سکتا تھا۔

''جی بتائیں۔میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟'' کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا البتہ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''آپ بتائیں ہم آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔میرے علم میں آیا ہے کہ آپ کا اسسٹنٹ کیف جمال میرے باس کے بارے میں چند لوگوں سے پوچھ گچھ کروا رہا ہے۔میں نے سوچا کہ خود ہی آپ سے رابطہ کر لیا جائے۔''

کشمالہ نے باہر دیکھتے ہوئے بہت سا تھوک نگلا۔ایک عجیب سا خوف محسوس ہوا۔اس کا تعاقب کار سچ بن کے

سامنے آ گیا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کہے۔ مالک نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

''کیا ہم آج مل سکتے ہیں؟''

''شیور۔ آپ مجھے میسج کر دیں۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔'' کال بند کر کے وہ بدقت چہرے کے تاثرات نارمل کرتے ہوئے باہر دیکھنے لگی۔ گود میں رکھی مٹھی زور سے بھینچ رکھی تھی۔ دل ایسے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا سینہ توڑ کے باہر آ جائے گا۔

کیا وہ ماہر فرید سے ملنے جا رہی تھی؟ لیکن وہ تو انگلینڈ میں ہوتا تھا۔ کال بھی انگلینڈ کے نمبر سے واٹس ایپ پہ آئی تھی۔ شاید وہ لاہور میں تھا۔

''یہاں ڈراپ کر دوں آپ کو؟'' اس کی اندرونی کیفیت سے بے خبر کیف ایک بک اسٹور کے سامنے پارکنگ کی جگہ تلاش کر رہا تھا۔

''ہاں اور کار مجھے دے دو۔ تم کیب کر لینا۔ مجھے کچھ گھنٹے کے لیے کار چاہیے ہو گی۔''

کیف نے سنجیدگی سے پلٹ کے اسے دیکھا۔ ''آر یو شیور؟ آپ اکیلے....''

''کیف تم میرے ملازم ہو۔ میں تمہاری نہیں۔ مجھ سے بحث مت کیا کرو۔'' وہ برہمی سے کہہ کے باہر نکلی اور زور سے دروازہ بند کیا۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ کچھ تھا جو کشمالہ جبین میں بدلا بدلا سا تھا۔

''شیور باس۔'' اس نے چپ چاپ چابی اس کے حوالے کر دی اور جب وہ بک اسٹور کے اندر چلی گئی تو وہ موبائل پہ رائیڈ بک کروانے لگا۔ ذہن الجھ سا گیا تھا۔

اس نے اندر جاتے ہی ماہی کو کال ملائی۔ پینٹ برش ٹرپٹائن وہ کیا لینے آئی تھی سب بھول گیا تھا۔

''ماں ٹھیک ہیں؟'' ماہی نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔ اس کے ہاں رات تھی۔ شاید وہ سو چکی تھی۔ مالا کا نمبر دیکھتے ہی گھبرا کے پوچھا۔

''ہاں ہاں ٹھیک ہیں۔ میری بات سنو اور مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔'' وہ چند بک ریکس کے درمیان کھڑی دبی آواز میں کہنے لگی۔

''اس نے تمہیں کہاں بلایا ہے؟''

''ایک سیون اسٹار ہوٹل کی لابی میں۔''

''لابی میں درجنوں لوگ ہوں گے۔ اگر کیف پہ اعتبار نہیں ہے تو اکیلی چلی جاؤ۔ جا کے ملو اس ماہر فرید سے اور

پوچھو اس سے کہ اس کا کیا مسئلہ ہے؟'' ماہی مطمئن تھی۔

''میں کیف کو نہیں لے کر جانا چاہتی۔ مجھے اس پہ اعتبار نہیں ہے۔ معید کو لے کر گئی تو اس کو ساری کہانی بتانی پڑے گی۔ پہلے ہمارے کم مسئلے ہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میں اکیلے جانے سے نہیں ڈرتی۔ لیکن کیا اس سے ملنے کا کوئی فائدہ ہوگا۔''

''ظاہر ہے ہوگا۔ کم از کم تمہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا تعاقب کار کوئی انسان ہے یا نہیں۔''

''اوہ پلیز ماہی۔ میرا تعاقب کار انسان ہی ہے۔ کوئی دو سو سال پرانا جن نہیں ہے۔'' اس نے سر جھٹک کے کال بند کی۔ وہ تنہا جانے سے نہیں ڈرتی تھی۔ وہ کیف کو بغیر بتائے جانے سے گلٹ محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ کا پانچواں فلور اس دوپہر سفید روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ لفٹ کے دروازے کھلے اور کیف باہر نکلتا دکھائی دیا۔ والٹ کھولتے ہوئے وہ اپنے دروازے تک آیا مگر ٹھٹھک کے رک گیا۔ کی کارڈ والٹ میں نہیں تھا۔ اس نے اچھنبے سے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال کے دیکھا۔ وہ کہیں نہیں تھا۔

وہ پلٹ کے لفٹ کی طرف جانے لگا تا کہ ریسیپشن سے متبادل کارڈ لے آئے' تبھی اس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ اندر سے کھل گیا۔

چوکھٹ میں مالک کھڑا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس۔ سفید بال جیل سے جمائے۔ چہرے پہ سپاٹ سی سختی لیے۔

کیف نے الجھ کے اسے دیکھا اور اپنے والٹ کو۔

''تم نے میرا کارڈ... نیور مائنڈ۔'' سر جھٹک کے وہ اندر داخل ہوا اور آگے چلتا گیا۔ مالک دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آیا۔

''کیا حال کر دیا ہے تم نے میرے اپارٹمنٹ کا۔'' اس نے ایک افسوس بھری نظر لونگ روم کی گلاس وال پہ ڈالی جس کے اوپر جگہ جگہ کاغذ چپکے تھے۔ لونگ روم میں صوفے پیچھے ہٹا کے ایک بڑی میز رکھی گئی تھی جس کے اوپر کچھ رکھا تھا۔ کیا رکھا تھا' یہ واضح نہیں تھا کیونکہ اسے کپڑے سے ڈھکا گیا تھا۔ ایک طرف کمپیوٹر اور پرنٹرز رکھے تھے۔

''چاہو تو اپنا اپارٹمنٹ واپس لے لو۔ میں تو کسی کال کوٹھڑی میں بھی رہ سکتا تھا۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہتا اوپن کچن تک آیا اور فریج کھولا۔

''پھر تم استعفیٰ نہیں دے رہے؟'' مالک گلاس وال کے ساتھ کھڑا نیچے نظر آتی سڑک دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔ کیونکہ ابھی مجھے کچھ خاص نہیں ملا۔ اب دوبارہ دو ماہ کی ڈیل کا ذکر مت کرنا۔ یہ میری زندگی ہے۔ میں نے کس کی کتنی نوکری کرنی ہے' اس کا فیصلہ میں کروں گا۔'' اس نے فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل اور چند سبزیاں نکالیں۔ پھر بلینڈر کی طرف آیا اور سبزیوں کو علیحدہ کرنے لگا۔ وہ کوئی صحت افزاء ڈرنک بنانے جا رہا تھا۔

''تمہیں یاد ہے وہ دن جب اس ہوٹل سوئیٹ میں ہم چاروں اکٹھے ہوئے تھے؟''

دھنیے کے پتے الگ کرتے ہوئے کیف کے ہاتھ رکے۔ مڑ کے سنجیدگی سے مالک کو دیکھا۔ ''ظاہر ہے مجھے یاد ہے۔''

''تب میں نے اس ملاقات کو ویڈیو پر ریکارڈ کر لیا تھا۔''

''پھر؟'' وہ واپس اپنی سبزیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تمہاری آرٹسٹ لڑکی کو ابھی جو کال آئی تھی' وہ میں نے کی تھی۔ میں نے اسے ایک جگہ ملنے کے لیے بلایا ہے تاکہ میں اسے وہ ویڈیو دکھا سکوں۔''

کیف کے ہاتھ سے پتے گر گئے۔ ایک لمحے کے لیے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ پھر تیزی سے مالک کی طرف لپکا۔

''تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کے سامنے پہنچ کے وہ سرخ چہرے کے ساتھ غرایا۔ بمشکل مٹھیاں بھینچ کے خود کو اس پہ حملہ کرنے سے روکا۔

مالک نے چہرہ گھما کے اسے دیکھا۔

''میں نے کہا تھا نا' مجھے مت کہنا کہ میں نے تمہیں وارن نہیں کیا۔''

''مالک... مالک....''

''ہماری بات دو ماہ کی ہوئی تھی۔ تمہیں دو ماہ کے اندر اندر یہاں سے نکلنا تھا۔ اب تم زبان سے پھر رہے ہو۔''

''اس کو وہاں مت بلاؤ۔ میں سب ہینڈل کر رہا ہوں نا۔'' وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''نہیں۔ تم کچھ بھی ہینڈل نہیں کر رہے۔ تم اپنے مقصد سے ہٹ گئے ہو اور میں تمہاری لگام کھینچنے آیا ہوں۔''

''تم اس کو کوئی ویڈیو نہیں دکھاؤ گے۔'' اس کا غصہ اب بے چینی اور اضطراب میں بدل رہا تھا۔ وہ دونوں گلاس وال کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''اب تمہارے پاس دو راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ میں تمہاری لڑکی کو وہ ویڈیو دکھا دوں اور وہ خود تمہیں اپنی زندگی

سے نکال دے۔'' مالک اسی پتھر چہرے کے ساتھ آرام سے کہہ رہا تھا۔ ''یا پھر تم مجھے اپنی زبان دو کہ آج رات سے پہلے پہلے تم اپنا استعفیٰ اس کے سامنے رکھ دو گے۔ اب میں تمہیں دو ماہ کا وقت نہیں دوں گا۔ تم آج اس کی زندگی سے نکل جاؤ گے۔ آج۔''

کیف دانت پہ دانت جمائے سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ویڈیو دیکھ کے اسے سارا کھیل سمجھ آ جائے گا۔'' مالک اب نیچے سڑک پہ رواں دواں ٹریفک کو دیکھ رہا تھا۔

''میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ کیا کرے گی؟ ہمارے خلاف پولیس بلا لے گی؟'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ ''وہ ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ ہم صرف اسے ویڈیو دکھائیں گے۔ اس کے حوالے نہیں کریں گے۔ جو ہو گا تمہارے اور اس کے درمیان ہو گا۔ تم نے اس کی زندگی سے ویسے ہی نکلنا ہے۔ کم از کم عزت سے نکل جاؤ۔''

وہ ماتھے پہ بل لیے مالک کو گھورتا رہا۔ پہلو میں گرے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

مالک اس کی طرف مڑا اور سر سے پیر تک اسے افسوس سے دیکھا۔

''خود کو دیکھو۔'' اس نے کیف کو کندھے سے پکڑ کے زبردستی اس کا رخ دیوار پہ لگے آرائشی آئینے کی طرف موڑ دیا۔ کیف نے مزاحمت نہیں کی۔ بس ایک نظر اپنے عکس پہ ڈالی۔ شیو بڑھی تھی۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ اور چہرے پہ غصے اور ضبط کے ملے جلے تاثرات تھے۔

''خود کو دیکھو۔ یہ کس کا چہرہ ہے؟'' عکس میں اسے مالک اپنے کندھے کے پیچھے کھڑا دکھائی دیا۔ وہ اس سے ایک انچ لمبا تھا۔

''میں بتاؤں یہ کس کا چہرہ ہے؟'' وہ سفاکی سے اس کے قریب ہو کے بولا۔

''یہ ایک محبت میں گرفتار ہوئے مرد کا چہرہ ہے۔''

اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ اندھیرے میں کہیں دور سے مالک کی آواز آ رہی تھی۔

''محبت میں مبتلا مرد کسی کام کا نہیں رہتا۔ تم بھی نہیں رہو گے۔ یوں سمجھو میں تمہارے اوپر ایک احسان کر رہا ہوں۔ تم اور وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ تم دھوکے سے اس کی زندگی میں داخل ہوئے تھے۔ ہر دھوکے کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ خود کو اس سے دور کر لو۔''

کیف نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

''مجھے تمہارے بزنس ایڈونچرز کی پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ناکام ہی ہونے ہیں۔ لیکن....'' مالک نے میز کی طرف دیکھا جہاں کچھ کپڑے سے ڈھکا پڑا تھا۔ ''کیا تم نے اپنا پلان بنالیا؟ کیا تم پندرہ جولائی کے لیے تیار ہو؟''

وہ کچھ نہیں بولا۔ اپنا عکس دیکھتا رہا۔ وہ فوکس لوز کر چکا تھا۔

''ایک طرف تمہارا روشن مستقبل ہے۔ دوسری طرف وہ لڑکی۔ تم ایک کا انتخاب کر سکتے ہو۔'' پھر اس نے آواز دھیمی کی۔

''فیصلہ تمہارا ہے۔ کیا تم اپنے سرکل میں ہر شخص سے یہ سننے کے لیے تیار ہو کہ....'' اس کی آواز مزید مدھم ہوئی۔ ایک سرگوشی کی مانند۔ ''کہ کیف ایک فیلیئر (failure) ہے؟'

مالک یہ کہہ کے پیچھے ہٹ گیا۔ اسے معلوم تھا وہ وہاں ضرب لگا چکا ہے جہاں سب سے زیادہ درد ہوتا ہے۔

کیف نے آنکھیں بند کر لیں۔ مالک کی ساری باتیں ایک طرف۔ یہ بات ہر شے پہ بھاری تھی۔

(کیف ایک فیلیئر ہے۔)

اس نے آنکھیں کھولیں۔ اور خود کو دیکھا۔ مالک درست کہہ رہا تھا۔ محبت میں مبتلا مرد کسی کام کا نہیں رہتا۔

''میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔'' وہ اب گلاس وال کے ساتھ رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمالی اور موبائل نکال کے عینک ناک پہ لگالی۔ کیف نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''تم نے کشمالہ سے ملنے کب جانا ہے؟'' اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

مالک نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''تمہیں کیوں لگا کہ اس سے ملنے میں خود جاؤں گا؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کا وہ معروف سیون اسٹار ہوٹل سفید اور سیاہ رنگ میں ڈیزائن کیا گیا تھا۔ شطرنج کی بساط جیسا سیاہ سفید مرمریں فرش اس دوپہر چمک رہا تھا۔ لابی میں دور دور صوفوں کے گروپس بنے تھے۔ ایسے ہی ایک صوفے پہ وہ بیٹھی تھی۔

وہ گھر جا کے پھر سے اس ملاقات کے لیے تیار ہو کے آئی تھی۔ اب کے اس نے بال جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔ سیاہ سفید لمبی قمیض اور سیاہ ہیلز میں ملبوس، وہ سیاہ ٹاپس پہنے ایک صوفے پہ بیٹھی خود بھی اس منظر نامے کا حصہ لگ رہی تھی۔

لابی کے ایک کونے میں آرائشی زینے لگے تھے جن کے اوپر راہداری میں لفٹ نصب تھی۔

وہ لفٹ سے نکلا اور زینے اترتے لگا۔نظریں لابی میں کشمالہ مبین کو تلاش کر رہی تھیں۔وہ اسے جلد ہی نظر آ گئی۔لابی کے وسط میں ایک نمایاں مقام پہ صوفے پہ بیٹھی وہ دوسری طرف رخ کیے انگلی پہ اپنی ایک لٹ مروڑ رہی تھی۔کانوں کے سیاہ ٹاپس دور سے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے کشمالہ نے سر اٹھایا۔

ایک نوجوان مسکرا کے اس کو دیکھتا ہوا زینے اتر رہا تھا۔اس کا رخ کشمالہ کی جانب تھا۔وہ ٹی شرٹ کے اوپر casual کوٹ پہنے ہوئے تھا جس کے آستین کہنیوں تک اکٹھے کر کے سلے تھے۔پیروں میں بغیر جرابوں کے بھورے لوفرز تھے۔کلائی پہ قیمتی رسٹ واچ۔بال سیاہ اور گھنگریالے تھے۔ماتھے پہ ایک طرف سامنے گرتے تھے اور قلموں سے استرا پھیر کے صاف کیے گئے تھے۔فٹ بالرز جیسے۔اس کے ایک کان میں سلور بالی تھی۔

اسے نہ جانے کیوں لگا وہ اس سے پہلے مل چکی ہے۔کب کیسے؟ یاد نہ تھا۔بس ایک ہلکا سا شناسائی کا احساس تھا۔

''کشمالہ مبین؟'' وہ مسکرا کے کہتا ہوا اس کے سامنے آیا۔ہالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اپنی جگہ سے اٹھی نہیں۔

''مے آئی؟'' نوجوان نے سامنے رکھے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔اس نے پھر خاموشی سے گردن ہلائی تو وہ مسکراتے ہوئے وہاں بیٹھا۔اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی لیکن ایسے کہ جوتے کا رخ مخالف سمت تھا۔وہ دیکھنے میں مہذب اور خوش مزاج لگتا تھا۔

''میں بیربل ہوں۔فرید ہولڈنگ میں سینیئر پارٹنر اور شیئر ہولڈر۔آپ کے آنے کا شکریہ۔''

''میں کشمالہ مبین ہوں۔'' اس نے بغور اس نوجوان کو دیکھا۔وہ اپنی چمک دمک سے کسی رئیس خاندان کا سپوت لگتا تھا۔ایسے لڑکے جو منہ میں سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔اس نے اسے پہلے کہاں دیکھا تھا؟

''آپ کیا لیں گی؟'' وہ دو انگلیوں سے ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

''تھینکس۔میرا روزہ ہے۔'' وہ کھنچی کھنچی سی تھی۔

''شرمندہ کر دیا آپ نے۔اگلے سال سے میں بھی رکھوں گا۔'' ویٹر آ گیا تو وہ اپنا آرڈر لکھوانے لگا۔

''ایک آئیسڈ لاتے۔کوکونٹ ملک کے ساتھ۔کیونکہ تمہیں معلوم ہے میں lactose intolerant ہوں۔'' مسکرا کے ویٹر کو یاد کروایا۔اس نے بھی مسکرا کے سر ہلا دیا۔غالباً وہ یہاں کچھ دن سے مقیم تھا۔''شوگر بالکل

نہ ہو۔صرف دنیا اسپرپ کی ٹاپنگ ہو۔ایسپریسو کا ایکسٹرا شاٹ اور ریگولر سائز ہو۔"

ویٹر چلا گیا تو بیربل فرصت سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔چہرے پہ مسکراہٹ برقرار تھی۔

"مجھے عبدالمالک صاحب کی کال آئی تھی۔وہ خود کہاں ہیں؟" وہ مسکرا نہیں رہی تھی۔سپاٹ اور سرد رویہ اپنائے ہوئے تھی۔

"مالک اسلام آباد میں ہے۔وہ چاہتا تھا ہم آج ہی مل لیں اس لیے اس نے مجھے کہہ دیا۔" مسکراہٹ اس نوجوان کے چہرے سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔"اس نے بتایا تھا کہ آپ کے اسسٹنٹ..." جیسے نام یاد کیا۔"...کیف سمتھنگ...وہ مالک کے کسی جاننے والے سے ماہر کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔غالباً آپ ماہر سے ملنا چاہتی ہیں؟"

"جی۔اور وہ کہاں ہیں؟" وہ اب آرام دہ محسوس کر رہی تھی۔خوف' بے چینی' سب عنقا ہو گیا تھا۔

"وہ لندن میں ہوتا ہے۔اپریل میں وہ یہاں آیا تھا۔جولائی میں دوبارہ آئے گا۔آپ چاہیں تو لندن جا کے اس سے مل لیں۔یا جولائی کا انتظار کر لیں۔یا ہم اس کے ساتھ ویڈیو کانفرنس کر لیتے ہیں۔"

کشمالہ نے پہلو بدلا۔وہ کسی مافیا ٹائپ کے لوگوں کی توقع کر رہی تھی۔انٹرنیٹ پہ پڑھی باتوں سے یہی لگتا تھا۔لیکن سامنے بیٹھے نوجوان کا تعلق کارپوریٹ طبقے سے معلوم ہوتا تھا۔کچھ غلط تھا اس سب میں۔

"مجھے ماہر فرید سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔مجھے صرف اپنا جواب چاہیے۔" اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور وہ لائٹر نکال کے سامنے میز پہ رکھا۔

"چند ہفتے قبل کسی نے مجھ پہ حملہ کیا تھا اور میرے پرس میں یہ ڈالا تھا۔اس پہ ماہر فرید لکھا ہے۔کیا یہ آپ کے باس کا ہے؟"

"باس؟" بیربل کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔پھر جیسے یاد آیا۔"اوہ۔یعنی ماہر۔" اس نے جھک کے لائٹر اٹھایا اور اسے الٹ پلٹ کے دیکھا۔

"یہ ماہر کا نہیں ہو سکتا۔کیونکہ وہ سگریٹ نہیں پیتا۔" اس نے لائٹر واپس رکھ دیا۔"ویسے بھی دنیا میں صرف ایک ماہر فرید نہیں ہے۔"

اس نے غیر آرام دہ انداز میں پہلو بدلا۔

"کیا آپ کے ماہر فرید وہی ہیں جو یو کے کے ایک رئیل اسٹیٹ ڈویلپر کے بیٹے ہیں اور ان کے والد کا چند

برس قبل کار کریش میں انتقال ہوا تھا؟''

''جی۔'' بیربل ساتھ ہی کچھ کہنے لگا لیکن رک گیا۔ ویٹر کافی لے آیا تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

''اور آپ کے ماہر فرید وہی ہیں نا جو ذہنی امراض کے انسٹی ٹیوٹ میں زیر علاج رہے ہیں؟''

پہلی دفعہ بیربل کے چہرے کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔ ''جی۔''

''ایک بات پوچھوں آپ سے۔'' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی لڑکی نڈر لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''آپ ایک سائیکو پیتھ کے ساتھ کام کیوں کرتے ہیں؟''

بیربل نے موبائل پہ ایک نظر ڈالی۔ مالک کا میسج آیا ہوا تھا۔

''ویڈیو مت دکھانا۔ وہ آج استعفیٰ دینے پہ راضی ہو گیا ہے۔''

اس نے گہری سانس لی اور سر اٹھا کے کشمالہ کو اسی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔

''سوری.... کیا پوچھا آپ نے؟''

''یہی کہ آپ ایک سائیکو پیتھ کے ساتھ کام کیوں کرتے ہیں؟''

''ماہر سائیکو پیتھ نہیں ہے۔ سائیکو پیتھ ملین پاؤنڈز کی بزنس ایمپائرز نہ بنا سکتے ہیں نہ چلا سکتے ہیں۔ ماہر کوئی بہت اچھا آدمی نہیں ہے۔ مانتا ہوں کہ وہ کبھی کبھی اپنے obssession اور...'' وہ رکا۔ جیسے الفاظ تلاش کیے... ''اور اپنے ambition میں کچھ حد دو کر اس کر سکتا ہے لیکن...''

وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ کبھی بھی کسی لڑکی کا تعاقب کر کے اس کو ہراس نہیں کرے گا۔ اگر کوئی آپ کے پیچھے پڑا ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ماہر فرید نہیں ہے۔''

''میں کیسے مان لوں؟''

''کیونکہ ماہر ایک کارپوریٹ جینئس ہے۔ ایک ماسٹر بزنس مین۔'' اس کے لہجے میں فخر تھا۔ ''وہ انسان کم اور پیسہ بنانے والی مشین زیادہ ہے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس میں اسے منافع نہ ملے۔ وہ آپ کو کبھی اسٹالک نہیں کرے گا کیونکہ اس کام میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا' دنیا میں ایک ماہر فرید نہیں ہے۔''

بیربل نے کافی کپ اٹھا لیا اور اسٹرا لبوں میں ڈال کے گھونٹ بھرا۔ پھر اسے ہٹایا اور مایوسی سے سر نفی میں ہلایا۔

''منع کیا تھا۔ پھر بھی چینی ڈال دی۔''

کشمالہ نے پرس اٹھایا اور اٹھنے لگی جب.....

''میں نے سنا ہے آپ بیکری بنانا چاہتی تھیں؟''

وہ بالکل ٹھہر گئی۔

''آپ کو کیسے معلوم؟''

وہ کپ نیچے کر کے مسکرایا۔ ''مالک نے آپ کے بارے میں معلوم کروایا تھا۔ اس نے آپ سے ملنے کی بات اس لیے کی تھی کیونکہ ہم سمجھے تھے آپ بیکری میں انٹرسٹڈ ہیں۔''

''بیکری میں؟''

''میں بتانا بھول گیا۔'' وہ پورے دل سے مسکرایا۔ اس کی یہ مسکراہٹ جانے کیوں شناسا سی تھی۔ ''میں ایک پیسٹری شیف ہوں۔ اور میری ایک بوتیک بیکری ہے۔ میں سمجھا تھا آپ میرے ساتھ کام کرنا چاہتی ہیں۔ خیر اگر آپ کبھی ساتھ کام کرنا چاہیں تو مجھے خوشی ہوگی۔'' اس نے ایک کارڈ نکال کے کشمالہ کی طرف بڑھایا جسے اس نے تھام کے چہرے کے قریب کیا۔

''بیربل فرید۔'' ساتھ محض ایک فون نمبر لکھا تھا۔

''فرید؟'' وہ چونکی۔

''میں ماہر فرید کا چھوٹا بھائی ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''اوہ۔'' ایک لمحے کے لیے وہاں سناٹا چھا گیا۔ پھر وہ بیگ اٹھائے کھڑی ہوگئی۔ یونہی پوچھ لیا۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کے بیربل فرید۔ شاید مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ ویسے کہاں ہے آپ کی بیکری؟''

''اس شہر میں جس کے بارے میں نپولین نے کہا تھا کہ...'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''کہ اگر دنیا ایک ریاست ہوتی تو وہ شہر اس کا دارالحکومت ہوتا۔''

''کون سا شہر؟''

''استنبول۔'' بیربل فرید مسکرا کے بولا۔ ''میری بیکری استنبول میں ہے۔''

''Too far'' اس نے بیگ کہنی پہ ڈالا اور رسمی انداز میں اس کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گئی۔ کارڈ اس کی مٹھی میں دبا تھا۔ اسے یقین تھا اسے اس کارڈ پہ لکھے نمبر کو کبھی ڈائل نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ مزید ان لوگوں سے کوئی

nemrahahma

تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک لمحے کے لیے پانچ اپریل کی صبح میں واپس چلے چلتے ہیں۔

ہوٹل سوئیٹ میں ماہر فرید اور کیف جمال آمنے سامنے کھڑے تھے۔

بیر بل اسٹرا سے کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے دلچسپی سے ان کو گفتگو کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''جب تم اس جاب سے انکار کر رہے تھے تو میں نے تمہیں دو باتیں کہی تھیں۔ کیا وہ تمہیں یاد ہیں؟'' ماہر سپاٹ لہجے میں کیف سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے یاد ہے۔''

''یاد ہے تو میرے وہ دو فقرے دہراؤ۔''

''آپ نے کہا تھا کہ.... '' وہ ماہر فرید کیا لفاظ دہرانے لگا۔ ''کہ میں اس لڑکی کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔'' کنکھیوں سے ایک نظر میز پر رکھے البم پہ ڈالی۔

''اور دوسری بات؟''

''اور یہ کہ اس لڑکی سے آپ کو صرف ایک انفارمیشن چاہیے۔'' توقف کے بعد کیف نے اپنا سوال دہرایا۔ ''اب میرے سوال کا جواب دیں۔ کیا میں دو ماہ مکمل ہونے کے بعد بھی اس کی جاب جاری رکھ سکتا ہوں؟''

''اب میں تمہیں ایک تیسری بات بتاتا ہوں' کیف جمال۔'' ماہر فرید کی آواز میں سختی در آئی۔ ''میرا اس لڑکی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ نہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس کا دشمن کوئی اور ہے۔ وہی جو میرا بھی دشمن ہے۔ یہ معاملہ میرے لیے بہت پرسنل ہے۔ تمہارے خیال میں اتنے پرسنل اور اہم معاملے کے لیے میں تم جیسے لوزر کو کیوں ہائر کروں گا؟''

اس طرز تخاطب پہ کیف جمال کے کانوں کی لوئیں سرخ ہوئیں۔

''شاید اس لیے کہ میرے پاس کچھ ایسا ہے جو آپ کو چاہیے۔''

''درست۔'' ماہر فرید نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جانتے ہو وہ کیا ہے؟''

کیف نے سوچنے کی کوشش کی۔ وہ ایک ناکام اور مقروض انٹرپرینیئر تھا۔ ایک عام سا فوٹوگرافر جسے ہر کوئی لوزر کہتا تھا۔

اس کے پاس ایسا کیا تھا جو ماہر فرید کو چاہیے تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

emrahahmad.com

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

قسط نمبر:۴

"لوگ سمجھتے ہیں کہ تم بیمار نہیں ہو
یہاں تک کہ وہ بیماری کو تمہارے چہرے پہ نہ دیکھ لیں
ایک ایسے نقشے کی مانند
جو درد کی ہر منزل تک جاتا ہو۔
میرا بیمار دل ایک قید خانہ ہے
"کیا تم نے کوشش کی" جیسے سوالوں کا۔
کیا تم نے کوشش کی؟
خوراک بہتر کرنے کی؟
اداس نہ رہنے کی؟
بیمار نہ پڑنے کی؟
ہاں میں نے کی ہے کوشش۔
مگر میں اب بھی بیمار ہوں۔
کیونکہ کبھی کبھی آسیب اُن دیکھے ہوتے ہیں۔
اور شیاطین اندر سے حملہ آور ہوتے ہیں۔
صرف اس لیے کہ تم نہیں دیکھ سکتے
میرے شیاطین کے پنجے اور دانت'

تم نہیں جان سکتے کہ
وہ مجھے اندر سے کاٹ کے لہولہان کر رہے ہیں۔
درد محسوس کرنے کے لیے
اس کا دکھائی دینا ضروری نہیں ہوتا۔
کوشش کرنے سے بیماریاں نہیں چلی جاتیں۔
شفا کے معجزے
ایسے ہی عمل میں نہیں آجاتے۔"
ایم رائے۔ دی فرسٹ اسٹیپ۔

تاریخ تھی چار اپریل۔
شہر تھا اسلام آباد کا۔
اور یہ ان چاروں کی ہوٹل سوئیٹ میں ملاقات سے ایک رات پہلے کا وقت تھا۔
جیسے دنیا کی ہر کامیابی اور ناکامی ایک آئیڈیے سے شروع ہوتی ہے، ویسے ہی اس فریب کے کھیل کا آغاز بھی ایک آئیڈیے سے ہوا تھا۔
اور یہ آئیڈیا عبدالمالک فرید نے پیش کیا تھا۔
"باڈی گارڈ؟" ماہر نے لائٹر جیب سے نکالتے ہوئے چونک کے اسے دیکھا۔ ہوٹل سوئیٹ میں رات کی مناسبت سے زرد بتیاں جلی تھیں۔ مالک ایک صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ جیل سے جمے سفید بال، بے شکن گرے سوٹ... مالک دن ختم ہونے کے باوجود صبح کی طرح فریش اور تیار لگ رہا تھا۔
"ہاں باڈی گارڈ۔ اسے باڈی گارڈ کی ضرورت ہے اور تمہیں معلومات۔ باڈی گارڈ اپنے مالک کے سب سے قریب ہوتا ہے۔ صرف وہی اس کے دشمن کو تلاش کر سکتا ہے۔"
"انٹرسٹنگ۔" ماہر لائٹر لیے کھڑکی کے قریب آیا۔ اس کی سفید شرٹ کے کف بند تھے البتہ ٹائی ڈھیلی تھی۔ کوٹ ایک طرف اسٹینڈ پہ لٹکا تھا۔ کھڑکی کے قریب کنسول ٹیبل پہ گلاس جارز میں دو موم بتیاں رکھیں تھیں۔ اس نے لائٹر جلایا اور شعلہ ایک موم بتی کو دکھایا۔ وہ جل اٹھی۔ رات کی مصنوعی روشنیوں میں ایک کا اضافہ ہوا۔

''جس لڑکی کو تم تین ماہ سے تلاش کر رہے تھے' میں نے اسے دو دن میں ڈھونڈ لیا ہے' ماہر۔'' مالک اسی سپاٹ لہجے میں بولا اور گھٹنے پہ رکھے ٹیب کی اسکرین روشن کی۔ ''اس کا پورا نام کشمالہ مبین ہے۔ اس کی ماں کا نام حورِ جہاں ہے۔''

''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے دوسری موم بتی روشن کی۔ وہ مالک کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

''وہ ایک ریستوران مینیجر ہے۔ ریستوران اس کے کلاس فیلو کا ہے جسے اس نے اس کے ساتھ بنایا ہے۔ وہ یہاں اکیلی رہتی ہے۔ کسی رشتے دار کے گھر۔ اور....'' اس نے توقف کیا۔ ''اس نے اپنی دوست کو کال کر کے کہا ہے کہ اسے ایک باڈی گارڈ کی ضرورت ہے۔ وہ ہر چند ہفتے بعد ایک نیا گارڈ رکھتی ہے کیونکہ پرانا گارڈ جاب چھوڑ جاتا ہے۔''

ماہر نے لائٹر بجھایا اور مالک کی طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں ناگواری تھی۔

''یعنی تم نے اس کی کالز ریکارڈ کی ہیں۔ کیا اب ہم ایسے کام کریں گے' مالک؟''

''میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں تمہیں بہت سی جگہوں سے نکال کے لایا ہوں' ماہر۔ اس جنون سے بھی نکال لوں گا۔''

مالک نے ٹیب کی اسکرین پہ چہرہ جھکایا۔ اور بات جاری رکھی۔ ''اس کی ایک بہن بھی ہے۔ کینیڈا میں رہتی ہے۔ پڑھائی کے بعد اس نے جاب نہیں کی۔ پرمگنٹ ہاؤس وائف ٹائپ۔''

''وہ اہم نہیں ہے۔ اہم یہ لڑکی ہے جس کی تصویر اس البم میں ہے۔''

موم بتیاں شعلوں کی حدت سے پگھلتی جا رہی تھیں۔ ان کی موم سے لیونڈر اور موتیے کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔

''ماہر... تمہیں یقین ہے یہ لڑکی....'' مالک نے میز پہ رکھے البم کی طرف اشارہ کیا۔ ''واقعی کچھ جانتی ہے؟''

''مجھے یقین ہے۔'' وہ کنسول ٹیبل سے ٹیک لگائے سینے پہ بازو باندھے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ اور لہجہ اٹل تھا۔ ''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ... وہ جانتی ہے۔''

''یہ سب کرنے کے بجائے....'' آواز پہ ان دونوں نے چہرہ موڑ کے سامنے دیکھا جہاں ایک کاؤچ پہ پیر ہل ٹانگیں لمبی کیے موبائل ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا۔ ''just ask her nicely'' اس نے مسکرا کے سادگی سے حل بتا دیا۔

''تم یہاں کیوں ہو؟'' اب کے ماہر بولا تو آواز میں ناگواری تھی۔

''کیونکہ میں تم دونوں کو اس غلط کام سے باز رکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ عینک لگائے موبائل پہ ساتھ ساتھ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ ''اس کی زندگی میں کسی کو داخل کرنے کی بجائے اس سے ڈائیریکٹ پوچھ لو۔ بات ختم۔''

مالک نے بس افسوس سے اسے دیکھا اور ماہر... اس کے چہرے پہ سایہ سا گزرا۔

''وہ میرا یقین نہیں کرے گی' بی۔'' وہ دھیرے سے بولا اور کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔ نظریں باہر پھیلی شہر کی روشنیوں پہ جمی تھیں۔ ''ماہر فرید کا کوئی یقین نہیں کرتا۔''

''ماہر درست کہہ رہا ہے۔ میں نے اس کی کالز سنی ہیں' بیر۔ وہ ایسی باتوں پہ یقین نہیں رکھتی۔ بالفرض ماہر یہ البم لے کر اس لڑکی کے پاس جائے تو وہ کیا کرے گی؟'' مالک سمجھانے سے زیادہ ٹوکنے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''وہ ماہر فرید کو گوگل کرے گی۔ گوگل کبھی کچھ نہیں بھولتا۔ اور گوگل پہ لکھا ہے کہ ماہر فرید ایک سائیکو پیتھ ہے۔''

''تم دونوں ہی سائیکو پیتھ ہو۔'' بیر بل بڑبڑاتے ہوئے ٹائپ کر رہا تھا۔

''ایک سائیکو پیتھ آپ کی تصویر والی البم لے کر آپ کے پاس آئے اور پوچھے کہ آپ کا دشمن کون ہے یا آپ...'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''کچھ جانتی ہیں... کسی... کسی کے بارے میں....''

مالک نے تھوک نگلا۔ ماہر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک دم کمرے میں کرب سا پھیل گیا۔ بیر بل کی ٹائپ کرتی انگلیاں تھم گئیں۔

''تو کیا وہ اعتبار کرے گی؟ یا وہ ماہر فرید کو ایک تعاقب کار سمجھ کے خود سے دور رہنے کو کہے گی؟ اجنبیوں کو کوئی کچھ نہیں بتاتا۔''

سوئیٹ میں سناٹا چھا گیا۔ موم بتیوں سے اٹھتی خوشبو نے سارے کو معطر کر دیا تھا۔ بیر بل نے گہری سانس کھینچ کے یہ خوشبو اندر اتاری۔ اور پھر اپنے خیالات باہر نکالے۔

''تم لوگ اس فریب کو جسٹیفائی نہیں کر سکتے۔ یہ غلط ہے۔ اور یہ ہر لیول پہ غلط ہے۔''

''میرا مقصد اس کو نقصان پہنچانا نہیں ہے' بیر۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''باڈی گارڈ اس کی حفاظت کرے گا۔ تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ وہ خود بھی اپنے دشمن کو نہیں جانتی۔ باڈی گارڈ اس کا دشمن ڈھونڈے گا۔ اور پھر اس کی زندگی سے چلا جائے گا۔ اسے کبھی معلوم نہیں ہو گا کہ ہمارا اس میں کوئی ہاتھ ہے۔''

''پھر بھی یہ غلط ہے۔'' بیر بل نے احتجاج کیا۔

ماہر نے باہر پھیلی رات میں جھلملاتی روشنیوں کو دیکھا۔

''مجھے ایک چانس لینا ہے۔ پھر چاہے مجھے ساری عمر اس گلٹ کے ساتھ کیوں نہ رہنا پڑے۔''

''میں تمہیں ایک نصیحت کروں' ماہر؟'' بیر بل نے موبائل جیب میں ڈالا اور پیرز مین پہ اتارے۔ ''جب ہم کسی کو دھوکہ دیتے ہیں' تو ہم اسے ڈیچ (مسخ) کر دیتے ہیں۔ اگلے ملنے والے شخص کے لیے۔ کبھی نہ کبھی اس لڑکی کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ اور وہ ساری عمر اپنے مسخ ہونے کو ماہر فرید کے نام کے ساتھ جوڑے رکھے گی۔''

ماہر نے پلٹ کے اسے دیکھا اور زخمی سا مسکرایا۔

''دیکھو مجھے کون نصیحت کر رہا ہے۔ وہ آدمی جو کیک بناتا ہے۔''

بیر بل فرید کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔

''ماہر بے.... کیکس خاندانوں کو جوڑتے ہیں۔ ان کے گرد ساری فیملی اکٹھی ہوتی ہے برتھ ڈے ہو' شادی ہو یا جنازہ۔''

''جنازوں پہ کیک نہیں ہوتے' بیر بل۔''

''پانچ دس سال میں ہوں گے۔ دنیا بدل رہی۔ سب کچھ نارملائز ہو رہا ہے۔'' وہ پیرنچ کے باہر نکل گیا۔ ماہر جانتا تھا کہ اسے باہر نکالنے کا یہی طریقہ تھا۔ البتہ اس کی باتوں نے مالک پہ اثر کیا تھا۔ اس نے ٹیب کی اسکرین بجھا دی اور سنجیدگی سے کھڑکی میں کھڑے ماہر کو دیکھا۔

''شاید بیر درست کہہ رہا ہے۔ تمہیں انتقام کے اس جنون سے نکل جانا چاہیے۔ تم ساری عمر اس گلٹ کے ساتھ نہیں رہ سکو گے کہ تم نے کسی لڑکی کا دل دکھایا ہے۔''

''لڑکیوں کے دل جڑ جاتے ہیں۔ اس کی فکر مت کرو۔ تم بتاؤ... تمہیں بدلے میں مجھ سے کیا چاہیے۔''

بالآخر وہ مالک کی طرف گھوما تو اس کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''مجھے؟''

''ہاں۔ تمہیں۔ کیونکہ تمہارا ہر کام میں ایک چھپا ہوا ایجنڈا ضرور ہوتا ہے۔''

صوفے پہ بیٹھا مالک بالآخر مسکرایا۔ ''میں ایک بزنس مین ہوں' ماہر۔ میں اپنے فائدے کے بغیر کوئی کام نہیں

کرتا۔اور میرے بغیر تم اس لڑکی کی زندگی میں کسی گارڈ کو داخل نہیں کر سکتے۔"

ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔وہ بس سنجیدگی سے مالک کو دیکھ رہا تھا۔

"تم جو کہو گے ویسا ہی ہوگا۔لیکن تمہیں میرے ساتھ ایک ڈیل کرنی ہوگی ماہر۔"

مالک اپنی جگہ سے اٹھا اور قدم قدم چلتا ماہر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ان دونوں کے قد ایک برابر تھے۔اور چہرے کے نقوش بھی ملتے تھے۔البتہ مالک کے چہرے پہ نرمی تھی۔اور ماہر کے چہرے پہ شک اور بے اعتباری۔

"یعنی تمہیں میرا یقین نہیں ہے؟تم صرف اپنی بات منوانے کے لیے میری مدد کر رہے ہو۔"

"ہاں ماہر۔مجھے تمہارا یقین نہیں ہے۔لیکن میں پھر بھی تمہاری مدد کروں گا۔"اس نے ماہر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا جسے ماہر نے کندھا پیچھے کر کے جھٹک دیا۔مالک کے چہرے پہ ایک زخمی سا تاثر ابھرا لیکن وہ اسے دبا گیا۔

"ہم یہ سب دو ماہ تک کریں گے۔اگر اس کے بعد بھی ہمیں کچھ نہ ملا تو...."اس نے وقفہ دیا۔"تو تم گھر واپس آ جاؤ گے۔"

ماہر کی آنکھوں میں شک کے ساتھ ساتھ تکلیف بھی ابھری۔

"اگر یہ کھیل ناکام ہو گیا تو تم اپنی کمپنی بند کر کے ہولڈنگ میں واپس آ جاؤ گے اور اپنی سیٹ سنبھال لو گے۔"

"اگر میں ایسا نہ کروں؟"

"ٹھیک ہے۔پھر جاؤ۔اور جیسا کہ بیر نے کہا۔اس سے بات کرو۔لیکن ایک حقیقت ہم دونوں جانتے ہیں۔کہ ماہر فرید پہ کوئی یقین نہیں کیا کرتا۔"

ماہر کچھ نہیں کہہ سکا۔بس لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔پھر اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"اگر مجھے کچھ نہ ملا...تو میں واپس آ جاؤں گا۔"

مالک مسکرا دیا۔پھر اس نے ٹیب روشن کیا۔اب کے وہ بولا تو آواز سپاٹ تھی۔

"چند لوگ ہیں جن کو ہم خرید کے یہ کام کروا سکتے ہیں۔صفورا کا شوہر ایک پرائیوٹ گارڈز کی ایجنسی کے ساتھ کام کرتا ہے۔یعنی کسی کو گارڈ یا فلپینو میڈ وغیرہ چاہیے ہو تو وہ مہیا کروا دیتی ہے۔ہم اس ایجنسی کے مینیجر کو بھی خرید سکتے ہیں یا کسی گارڈ کو بھی۔ایک نوجوان ہے سفیان۔مالی کسمپرسی کا شکار ہے۔اچھا آپشن ہے۔"وہ رکا اور اگلا نام پڑھا۔

"ایک صفورا کا کزن ہے کیف جمال۔ایک اس کے شوہر کا بھائی ہے خالد وزیر....."

''کیف جمال'' وہ ایک دم بولا۔''میں اس کو ہائر کروں گا۔''

مالک نے چونک کے سر اٹھایا۔''مگر اس کی پروفائل میں کچھ بھی متاثر کن نہیں ہے۔ٹپیکل لوزر۔بے روزگار۔''

''میں قدر پہ یقین رکھتا ہوں۔قدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔اس کو کال کرو اور ہاں...'' وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرایا۔''اس سے کہنا تم میرے مینیجر ہو۔''

مالک کے کان سرخ ہوئے۔

''میں تمہارا مینیجر نہیں ہوں' ماہر بے۔''

''کیوں؟ اگر میں ہولڈنگ میں واپس آیا تو ہر کوئی اپنی اصل پوزیشن پہ آجائے گا۔میں سی ای او ہوں گا اور تم میرے ماتحت۔یہ وہ جگہیں ہیں جو میرے باپ نے طے کی تھیں۔''

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا طنزیہ مسکراہٹ سے مالک کو دیکھ رہا تھا۔مالک نے جیسے بہت ضبط کے ساتھ گہری سانس بھری۔

''ٹھیک ہے۔جو تم کہو۔میں صبح اس لڑکے کو کال کروں گا۔لیکن ہم کسی اور کو بھی ہائر کر سکتے ہیں۔''

''ہم اسی کو ہائر کریں گے۔''

لیکن مالک کو وہ نوجوان پسند نہیں آیا تھا۔اگلی صبح جب وہ ماہر سے ڈیل طے کر رہا تھا' مالک صوفے پہ بیٹھا بے زاری سے پہلو بدل رہا تھا۔کچھ ناقابلِ اعتبار سا تھا کیف جمال کے بارے میں۔وہ انہیں دھوکہ دے گا' مالک کو یقین تھا۔

جب ماہر نے کیف جمال کے تمام سوالات کا جواب دے دیا' اس کو یہ بھی بتا دیا کہ اس نے اسے کیوں ہائر کیا تھا' اور کیف جمال خاموشی سے رقم کا پیکٹ اٹھا کے وہاں سے نکل گیا' تو بیرہل اپنی جگہ سے اٹھا اور میز پہ رکھا آخری ان چھوا کافی کپ اٹھا کے ماہر کے پاس آیا۔

وہ دونوں اب کھڑکی کے سامنے کھڑے تھے۔ایک طرف سوئیٹ تھا اور دوسری طرف شیشے سے نظر آتا روشن شہر۔

موم بتیاں ابھی تک جل رہی تھیں اور لیونڈر اور موتیے کی خوشبو ویسی ہی پھیلی تھی۔گو کہ ان کی حسِ مشامہ اب سن ہو چکی تھی۔

''تمہاری کافی۔''

''آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ بیربل نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''تم ابھی سے گلٹ محسوس کر رہے ہو ماہر۔ آگے کیا کرو گے؟''

وہ خاموش رہا۔

''تم نے کیف جمال کو سب کچھ سچ سچ کیوں بتا دیا؟ کیا ضروری تھا اسے بتانا کہ ہم کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔''

ماہر نے اپنا چہرہ بیربل کی طرف موڑا اور اب کے وہ مسکرایا تو اس میں تکلیف بھی تھی اور اداسی بھی۔

''تم نے کل رات کہا تھا کہ یہ دھوکہ کبھی نہ کبھی کھل جائے گا۔ ایک دن آئے گا جب وہ کیف جمال کی اصلیت جان جائے گی اور پھر اسے کٹہرے میں کھڑا کر کے پوچھے گی کہ اس نے یہ کیوں کیا۔''

''تم چاہتے ہو اس وقت کیف جمال اسے سچ بتا دے؟ کہ ماہر فرید اس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا؟''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جو نوجوان ہم سے پیسے لے کر اپنی کزن اور اس کی دوست کو دھوکہ دے رہا ہے' وہ سچ کبھی نہیں بولے گا' ماہر۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے تمہیں ولن بنا کے پیش کرے گا۔ یہ وہ آدمی کہہ رہا ہے جو کیکس بناتا ہے۔''

''میں نے کہا نا' مجھے ایک چانس لینا ہے۔''

''مالک سمجھتا ہے تم یہ سب انتقام کے لیے کر رہے ہو۔ یا شاید اس لاحاصل تلاش کے لیے.... لیکن میں تمہیں جانتا ہوں' ماہر۔ تم یہ اس لڑکی کے لیے کر رہے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو ہماری ماں کے ساتھ ہوا تھا۔''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑکی سے باہر پھیلے روشن دان کو دیکھ رہا تھا۔

''لیکن جو تم کر رہے ہو وہ غلط ہے۔'' بیربل اس کے ساتھ کھڑا باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور ایک دن وہ لڑکی دنیا میں سب سے زیادہ نفرت ماہر فرید سے کرے گی۔''

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اب وہ فریب کے اس کھیل کو شروع کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب ہم ڈیڑھ ماہ بعد مئی کی آخری دوپہروں میں سے ایک میں واپس چلتے ہیں جب کشمالہ مبین' بیربل فرید سے ملاقات کے بعد وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ اس کا رخ لفٹ کی طرف تھا۔

وہ سیاہ ہیلز سے چلتی ہوئی راہداری میں آگے بڑھنے لگی۔ فرش سیاہ اور سفید ٹائلز سے مزین تھا۔ شطرنج کی بساط جیسا۔ وہ اس بساط پہ عین لفٹ کے سامنے آرکی۔ اسی پل لفٹ کے دھاتی دروازے سسس کی آواز کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

اندر کیف کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' لب بھینچے' وہ آنکھوں میں ایک ساتھ بہت سے تاثرات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ بالکل ششدر رہ گئی۔

کیف ویسا ہی لگ رہا تھا جیسا ہمیشہ لگتا تھا۔ سیاہ جینز پہ سفید شرٹ پہنے' ماتھے پہ آگے کو گرتے بال اور بڑھی ہوئی شیو۔ لیکن اس کے چہرے پہ کچھ ایسا تھا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔ شکوہ' بے اعتباری۔

وہ سفید جوگرز سے چلتا اس کے عین سامنے آرکا۔ وہ لفٹ میں سوار نہیں ہوئی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''یہی سوال آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

وہ دونوں راہداری میں تنہا تھے۔ شطرنج کی بساط پہ آمنے سامنے۔

''میں ماہر فرید سے ملنے آئی تھی۔ اور تم؟'' وہ سکون سے بولی۔ اس نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔

''مجھے بھی انہوں نے ہی بلایا تھا۔ لیکن صبح سے آپ کا آف موڈ دیکھ کے میں نے بات کرنے کی ہمت نہیں کی۔ لیکن ماشاءاللہ انہی لوگوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی ملاقات جاری ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے' میں آپ کا باڈی گارڈ ہوں۔'' وہ غصے میں نہیں تھا۔ وہ شاکی انداز میں ہر لفظ پہ زور دے کر کہہ رہا تھا۔

''باڈی گارڈ ہو۔ بے بی سٹر نہیں۔ اور تمہیں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کال کر لیتے۔''

''آپ یوں کیسے ان لوگوں سے ملنے آسکتی ہیں جن کو آپ اپنا تعاقب کار سمجھتی ہیں؟''

''میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔'' مالا کا لہجہ سپاٹ تھا۔ البتہ وہ اتنی پرسکون نہیں تھی جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔

''مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟'' کیف نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ سیاہ لباس والی لڑکی کے کانوں میں پہنے سیاہ پتھر چمک رہے تھے۔

''مطلب؟'' وہ مڑ کے لفٹ کا بٹن دبانے لگی۔

''آپ صبح سے مجھ سے اُکھڑی اُکھڑی سی ہیں۔''

''تم اتنے اہم نہیں ہو کیف۔ میری زندگی میں اور بہت سے مسئلے ہیں۔ مجھے کہیں پہنچنا ہے۔ اگر تم آرہے ہو تو

ٹھیک' نہیں تو میں جاؤں؟'' وہ گردن اٹھا کے ایل ای ڈی اسکرین پہ لفٹ کے فلورز دیکھنے لگی۔ چھے۔ پانچ۔ وہ نیچے آ رہی تھی۔

''کیا ملا آپ کو ماہر فرید سے مل کے؟''

''اس کا بھائی ملا تھا۔ اس کا کہنا ہے وہ میرا تعاقب کار نہیں ہے۔ نہ وہ سگریٹ پیتا ہے۔ اس کے پاس لائٹر نہیں ہوتا۔''

لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ اندر داخل ہوئی۔ کیف بھی ساتھ ہی اندر آیا۔ دونوں نے اکٹھے بٹن پہ ہاتھ رکھنا چاہا۔ ہاتھ ٹکرائے تو مالا نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور گردن اس کی طرف سے موڑ لی۔

''کیا معلوم ماہر فرید کا بھائی جھوٹ بول رہا ہو۔''

''مجھے اس لڑکے کو دیکھ کے لگا کہ ایسے لوگ میرے تعاقب کار نہیں ہو سکتے۔''

پھر کشمالہ نے چہرہ موڑ کے کیف کو غور سے دیکھا۔ ''کیا تمہیں ایسا لگتا ہے؟''

وہ دونوں لفٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ اور ان کی سواری نیچے جا رہی تھی۔

(میں اس کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔)

''مجھے نہیں معلوم۔ لیکن آپ نے انٹرنیٹ پہ پڑھا تھا کہ وہ سائیکو پیتھ ہے۔ ظاہر ہے وہی آپ کا تعاقب کار ہے۔''

(میرا اس لڑکی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ نہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔)

''اور... لوگ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اس نے اپنے باپ کو مارا ہے۔ ایسا آدمی خطرناک ہو سکتا ہے۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

(اس کا دشمن کوئی اور ہے۔ وہی جو میرا بھی دشمن ہے۔)

''آپ آئندہ ماہر فرید یا اس سے منسلک کسی شخص کے قریب نہیں جائیں گی۔ کیونکہ یہ لوگ خطرناک ہیں۔''

''میں اپنے لیے فیصلے خود لے سکتی ہوں' کیف۔'' لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ سن گلاسز پہنتی باہر نکلی۔ آگے بھی سیاہ سفید مرمریں راہداری تھی۔ لیکن یہ بالائی منزل سے زیادہ روشن تھی کیونکہ لابی کی طرف سے دھوپ آ رہی تھی۔

''یعنی اب آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔''

سیاہ بیلو شطرنج کے فرش پہ رک گئیں۔ دل بھی ایک دم تھم سا گیا۔

''آپ دن کی روشنی میں اپنے تعاقب کار سے ملنے جا سکتی ہیں۔ یعنی آپ کو اس سے ڈر نہیں لگتا۔'' وہ پیچھے کھڑا کہہ رہا تھا۔ مالا اس کی طرف پشت کیے ساکت کھڑی تھی۔ وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتی تھی۔

''اس لیے میں اس جاب سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔''

کسی نے مالا کے دل کو مٹھی میں دبا کے اتنے زور سے بھینچا کہ اسے لگا اندر ہی اندر خون نکلنے لگا ہے۔

وہ آہستہ سے کیف کی طرف پلٹی۔ وہ اس سے تین چار گز کے فاصلے پہ کھڑا تھا۔ وہ سایے میں تھا۔ شیشے کی دیوار سے آتی دھوپ مالا کی پشت پہ تھی۔

''میں مزید آپ کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔'' بڑھی شیو والا نوجوان سفید جوگرز سے قدم قدم چلتا اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دکھ۔ صرف دکھ۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم جاب چھوڑ دو۔'' مالا کی آواز دھیمی ہوئی۔

''آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔ اور اب آپ اپنے تعاقب کار سے میٹنگ بھی اکیلے کر سکتی ہیں۔ براوو (Bravo)۔''

کیا وہ مذاق کر رہا تھا؟ یا شکوہ کرتے ہوئے جتا رہا تھا؟ نہیں۔ وہ چونکی۔ وہ سنجیدہ تھا۔

''جیسے آپ اعتبار ٹوٹنے پہ لوگوں کو خود سے دور کر دیتی ہیں، ویسے ہی میری بھی ایک عادت ہے۔'' وہ اس کے عین سامنے آ رکا۔ سفید جوگرز اور سیاہ بیلو کے درمیان چند قدم کا فاصلہ تھا۔

''میں لوگوں کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ اچھی یا بری، یہ میری عادت ہے۔ جب مجھے کوئی خود سے دور کرے تو میں راستہ بدل لیتا ہوں۔ آپ مجھ پہ اعتبار نہیں کرتیں ورنہ مجھے ساتھ لے کر جاتیں۔''

اس نے تردید نہیں کی۔ بس اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ جاب چھوڑ سکتا ہے۔

''جاب چھوڑو گے تو کیا کرو گے؟''

وہ تلخی سے مسکرایا اور سر جھکایا۔ سفید جوگرز سے فرش کو مسلا۔ چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا تو آنکھوں کا وہ دکھ غصہ ہو گیا تھا۔ اب وہ نارمل تھا۔

''میں اپنا بزنس پلان بناؤں گا۔ پندرہ جولائی کو ایک کمپیٹیشن ہے۔ میں اس میں حصہ لے رہا ہوں۔ مجھے اپنے بزنس کو منوانے کے لیے اس مقابلے کو جیتنا ہے۔''

''اور اپنے قرضے کیسے اتارو گے؟''

''ابا کا ایک پلاٹ کافی عرصے سے بک نہیں رہا تھا۔ کل اسے بیچ دیا ہے۔ بیانہ مل گیا ہے۔'' اس نے جیب تھپتھپائی اور مسکرایا۔

(یعنی بٹوے میں پیسے پلاٹ کے بیانے کے تھے؟ کیا وہ سچ کہہ رہا تھا یا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے اس کا بٹوہ کھولا ہے؟) وہ فیصلہ نہیں کر سکی لیکن اس کے کندھوں سے ایک دم منوں بوجھ اتر گیا۔ اسے کیف پہ پھر سے اعتبار کرنے کے لیے ایک بہانہ چاہیے تھا۔

''اور تم روز کئی گھنٹے اپنے پلان پہ کام کر رہے تھے' اس کا کیا؟''

''میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ صفورا کی طرح مجھے لوزر سمجھیں۔ میں نے ڈیسک لینے کے باجود کام نہیں کیا۔ میں procastinate کر رہا تھا کیونکہ آپ کی جاب کی وجہ سے میں تھک جاتا تھا۔ اس لیے گھر جا کے سو جاتا تھا۔'' وہ قدرے ندامت سے بولا۔

''گھر؟''

''جی وہ... زارا کے والد کا اپارٹمنٹ ہے گلبرگ میں۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتے اس لیے... خیر...'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اُف۔ وہ اس کی بیوی کا اپارٹمنٹ تھا اور وہ اسے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ سسرال میں رہ رہا ہے؟ کتنا بہتر ہوتا کہ وہ اس سے پوچھ لیتی۔ وہ اسے صاف صاف بتا دیتا۔ اسے کیف کا بٹوہ نہیں کھولنا چاہیے تھا۔ اور... اسے یاد آیا... اس کے پاس کیف کا کی کارڈ تھا۔ وہ اسے کیسے واپس کرے؟ مالا کو شرمندگی سی ہونے لگی۔

''اگر تم اپنے بزنس کے لیے میری جاب چھوڑ رہے ہو تو مجھے کوئی شکوہ نہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ ''میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ مجھے معلوم ہے۔''

وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔ اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ شطرنج کی بساط پہ وہ دونوں تنہا تھے۔ اور کھیل ختم ہو چکا تھا۔ کس نے کس کو شہ مات کیا تھا' اسے نہیں معلوم تھا۔ خود کیف کو بھی نہیں معلوم تھا۔

''آپ کا شکریہ' کشمالہ بی بی۔ آپ نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔'' اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکا۔ بس مالا کے ایک طرف سے نکل کے آگے بڑھ گیا۔

مالا اسے دیکھنے کے لیے پوری گھوم گئی تو دوسری جانب سے آتی دھوپ تیزی سے چہرے پہ پڑی۔ اے سی کی ٹھنڈک کی وجہ سے دھوپ میں تپش نہیں تھی۔ لیکن آنکھوں کو وہ اسی طرح چندھیا گئی۔

وہ وہیں دھوپ میں نہائی سیاہ سفید راہداری میں کھڑی دور جاتے کیف کو دیکھے گئی۔

وہ پینٹ سپلائیز خرید کے گھر واپس آئی تو سلیم لان میں کیف کی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ وہ کار سے نکلی اور ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اسے دیکھا۔

"تم ادھر کیوں بیٹھے ہو؟"

سلیم نے چہرہ اٹھا کے اسی بسوری ہوئی شکل کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کیونکہ کیف نوکری چھوڑ کے چلا گیا ہے۔" ساتھ ہی وہ گردن بھی سہلا رہا تھا۔ "تمہیں کیسے معلوم۔"

"وہ اپنا سامان لینے آیا تھا۔ لے کر چلا گیا۔"

وہ چند منٹ وہیں کھڑی رہی۔ دل ایک دم خالی ہو گیا تھا۔ غائب دماغی کی کیفیت کے ساتھ وہ اندر واپس آئی۔

ماں بیڈ پہ لیٹی تھیں۔ ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ تکیوں کے سہارے بیٹھی ماہی سے ویڈیو کال کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کے چہک اٹھیں۔

"آ گئی میری بیٹی؟ اچھا یہ جرابیں تو اتار دو۔ معید بار بار پہنا دیتا ہے۔ مجھے گرمی ہو رہی ہے۔ مالا سن رہی ہو۔"

"جی۔ اتارتی ہوں۔" معید نے کچھ کہا تھا ان جرابوں کے بارے میں مگر اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ ماں کے قدموں میں بیٹھی۔ سر جھکائے اس نے پائینچے اوپر کیے۔ ٹخنے سفید جالی دار جرابیں پتہ نہیں کیوں معید ماں کو پہنا دیتا تھا۔ اس نے جرابیں اتاریں اور ان کو سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔ اگر وہ اہم ہوئیں تو معید خود ہی ان کو دوبارہ پہنا دے گا۔ جرابوں کا ماں کی سرجری سے کیا تعلق؟

وہ صوفے پہ بیٹھ کے ہیلز اتارنے لگی۔ ماں موبائل پہ ماہی سے ویڈیو کال کیے گئیں۔

اتنے میں بخت بی لانڈری والے کپڑے لیے باتھ روم سے نکلی۔ پھر ماں کے بیڈ کے ساتھ رکی، سائیڈ ٹیبل پہ رکھی جرابیں اٹھائیں اور ٹوکری میں ڈال کے باہر نکل گئی۔

اسے نہیں اندازہ تھا کہ وہ ماں کو موت کے منہ میں دھکیل رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف اپارٹمنٹ کی کھڑکی کے سامنے کرسی پہ بیٹھا تھا۔ وہی کرسی جس پہ چند گھنٹے قبل بیٹھا مالک اسے استعفیٰ دینے

کا حکم دے رہا تھا۔ اس کے ذہن کے پردے پہ وہ منظر ابھرا۔

''میں رات سے پہلے استعفیٰ دے دوں گا۔'' اس نے مالک سے وعدہ کیا تھا۔

''استعفیٰ دے کر تم اس لڑکی کی زندگی سے نکل جاؤ گے۔ تم مجھے اپنی زبان دے رہے ہو۔ کیونکہ... اس کو تم پہ شک پڑ گیا ہے۔''

وہ بری طرح چونکا اور کرسی پہ بیٹھے مالک کو دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

"پی ٹی اے میں جب کوئی ایمپلائی اپنا ایکسس کوڈ استعمال کر کے کسی کا ڈیٹا نکلواتا ہے' تو اس ایمپلائی کا کوڈ ریکارڈ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے اس نمبر کو زیر نظر رکھا ہوا تھا۔ حال ہی میں تمہارے نمبر کا ڈیٹا نکلوایا گیا ہے۔''

''اس بات کا کشمالہ سے کیا تعلق؟''

"جس آفیسر نے ڈیٹا نکالا ہے' وہ کشمالہ کا کلاس فیلو تھا۔ دونوں نے ساتھ یونیورسٹی سے گریجویٹ کیا تھا۔ اور اب..." مالک مسکرایا۔ ''تمہاری لڑکی کو معلوم ہے کہ تم اس اپارٹمنٹ میں رہتے ہو۔''

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب پہ رینگ گیا۔ مالا نے اس کو پانی لینے بھیجا اور پیچھے سے اس کا والٹ کھولا۔ اسمارٹ۔ لیکن اسے مالا کو کوئی توجیہہ تھمانی ہوگی۔ ان نوٹوں کی۔ اور اس اپارٹمنٹ کی۔ وہ عزت سے اس کی زندگی سے نکلنا چاہتا تھا۔

ہوٹل لابی میں کشمالہ سے مل کے اس نے اپنی طرف سے سارے جھول دور کر دیے تھے لیکن دل ایک دم خالی ہو گیا۔ وہ مالک کی باتوں میں کیوں آ رہا تھا؟ یہ اس کی زندگی تھی۔ وہ چاہے تو... نہیں۔ اس نے سر جھٹکا۔

یہ ایک جھوٹی زندگی تھی۔ ایک دھوکہ۔ وہ مزید اس لڑکی کے ساتھ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں کا کوئی مستقبل نہیں تھا۔ اسے اس کی زندگی سے دور جانا تھا۔ مالک ٹھیک کہہ رہا تھا۔ محبت میں گرفتار ہوا مرد کسی کام کا نہیں رہتا۔

وہ مبین منزل پہنچا تو عصر کی اذانیں ہو رہی تھیں اور آسمان پہ سیاہ بادل جمع ہو رہے تھے۔ مالا ابھی گھر نہیں آئی تھی۔ وہ پینٹ سپلائیز لینے گئی تھی۔

کیف نیچے بیسمنٹ کی گیلری تک آیا۔ سلیم اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ کیف اسے گھورتے ہوئے آگے آیا' اور اس کو گردن کے پیچھے سے دبوچ لیا۔ اس سے پہلے کہ ہکا بکا سلیم مزاحمت کرتا' وہ اسے گدی سے پکڑے دھکیل کے اندر لے گیا اور دروازہ بند کیا۔

''میری شکایتیں لگاتے رہے ہو مالا بی بی سے ہاں؟'' اس کے کان کے قریب ہو کے وہ غرایا۔ گردن ویسے ہی دبوچ رکھی تھی۔

''مجھے چھوڑو کیف بھائی۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔'' سلیم ایک دم گھبرا گیا۔

''کیا کہا ہے تم نے بی بی سے؟''

''مالا باجی سے کچھ نہیں کہا میں نے۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا تو کیف نے جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ تیزی سے کمرے کے دوسرے کونے میں جا کھڑا ہوا اور گردن سہلاتے ہوئے آنکھوں میں خوف لیے اسے دیکھا۔ اس نے کیف کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

''پھر کس سے کہا ہے؟'' کیف غراتے ہوئے قریب آ رہا تھا۔

''وہ... وہ معید بھائی آئے تھے اس دن تمہارے کمرے میں۔'' کیف رک گیا۔ ''انہوں نے جا کے اوپر مالا باجی سے کہا کہ... کہ کیف کا ٹوتھ برش بھی نہیں ہے یہاں۔ وہ یہاں نہیں رہتا۔ وہ کہاں جاتا ہے۔ اوپر کچن میں وہ بات کر رہے تھے۔ میں نے اتنا ہی سنا ہے۔''

(اُف۔ بلڈی ٹوتھ برش)

''میں پوچھ رہا ہوں تم کیا کہتے رہے ہو میرے بارے میں۔''

''کچھ نہیں کہا۔ ماہی باجی پوچھ رہی تھیں اس دن تمہارے بارے میں۔ قسم لے لو میں نے کچھ نہیں کہا۔''

''تم نے خود بتایا ہو گا۔ وہ کینیڈا میں ہوتی ہے۔ اسے کیا پتہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

سلیم نے گردن سہلاتے ہوئے اسے ناراضی سے دیکھا جیسے یہ بات بہت بری لگی ہو۔

''انہیں سات سمندر پار رہ کے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے ہر گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ ہاں جی۔''

اس سے بات کرنا فضول تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ گیلری سے اپنے کمرے کی طرف جاتے اس نے سلیم کی آواز سنی۔ ''ماہی باجی کو سب کی خبر ہوتی ہے اچھا۔''

اس کے کمرے میں کچھ تھا ہی نہیں جو اسے اٹھانا تھا۔ ایک نظر اس جگہ کو دیکھ کے وہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا آیا۔ مالا کے آنے تک اسے اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ ایک آخری دفعہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن لان میں آتے ہی وہ ایک دم ٹھٹک کے رکا۔

مالا کے کمرے کی دیوار گیر کھڑکی کھلی تھی۔ حبس کی وجہ سے ہوا کے لیے کھول دی گئی تھی۔ اندر حورِ جہاں کا بیڈ لگا

نظر آ رہا تھا۔ ساتھ کرسی پہ ایک ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی مسکراتی ہوئی ان سے محوِ گفتگو تھیں۔ وہ وہیں رک کے انہیں دیکھنے لگا۔ وہ انہیں پہچانتا تھا۔ یہ زیاد کی والدہ تھیں۔

وہ حورِ جہاں سے کوئی بات پوچھ رہی تھیں۔ دفعتاً کھڑکی پہ نظر پڑی تو اسے دیکھ کے مسکرا دیں۔

"بیٹے مجھے جائے نماز تو لا دو۔ آپ سے کہہ رہی ہوں سلیم بیٹا۔"

کیف نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر اپنی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ غالباً حورِ جہاں نے انہیں کہا تھا کہ سلیم سے کہہ دے جائے نماز لانے کو۔ معید نہ جانے کہاں تھا۔ اور سلیم نیچے اپنی گردن سہلا رہا تھا۔ کیف نے گہری سانس لی اور گھر کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ معلوم تھا اندر آنے پہ اس کی بے عزتی ہونی ہے۔ لیکن چلو۔ ایک آخری دفعہ سہی۔

لاؤنج سے اس نے جائے نماز اٹھائی اور مالا کے کمرے کی طرف آیا۔ دستک دے کر دروازہ کھولا۔

وہ دونوں خواتین کسی بات کے درمیان میں تھیں۔ حورِ جہاں مسکرا رہی تھیں اور نگینہ بیگم جوش سے کہے جا رہی تھیں۔

"بس اب میں مزید دیر نہیں کرنا چاہتی۔ آپ مالا کا ہاتھ میرے زیاد کے ہاتھ میں دے دیں۔ میرا بیٹا بہت سلجھا ہوا، بہت نیک اور تابعدار ہے۔ وہ آپ کی بیٹی کو بہت خوش رکھے گا۔" وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کہہ رہی تھیں۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ پھر کھنکھار کے آگے آیا اور جائے نماز ان کے ساتھ رکھی۔ نگینہ بیگم نے پلٹ کے اسے دیکھا اور مسکرائیں۔ "شکریہ بیٹے۔"

"سلیم مصروف تھا اس لیے میں آ گیا۔" اس نے محتاط لہجے میں کہتے ہوئے حورِ جہاں کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے نگینہ کی بات پہ غور کر رہی تھیں۔ اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ یا شاید نظر انداز کر گئیں۔ کیف واپس پلٹ گیا البتہ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

"میں مالا سے بات کروں گی، نگینہ۔ زیاد جیسے لڑکے تو پھر لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں۔" وہ خوش تھیں۔ وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔ ایک دم اس کے دل پہ کسی نے زور کا گھونسا مارا تھا۔ اتنے زور کا کہ سانس بند ہونے لگا تھا۔

وہ مالا سے ملنے آیا تھا۔ ڈھنگ سے خدا حافظ کہنے۔ لیکن اب وہ اس کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ بخت بی کو کچن میں دیکھ کے وہ رکا۔ اور دھیمی آواز میں بولا۔

''میں جا رہا ہوں۔کل سے کام پہ نہیں آؤں گا۔''

وہ ہیں ہیں کرتی رہ گئیں مگر کیف باہر نکل چکا تھا۔اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور سر درد کرنے لگا تھا۔

وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ میں واپس آیا تو ریسپشن پہ رکا۔وہاں موجود لڑکی اب بدل چکی تھی۔اسے اپنے اپارٹمنٹ کا لاک تبدیل کروانے کا کہہ کے وہ اوپر آ گیا۔

اپارٹمنٹ میں آ کے اس نے بتیاں نہیں جلائیں۔مغرب کے اترتے ہی اندر اندھیرا بڑھنے لگا تھا لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آیا۔اور وضو کر کے اسی اندھیر ماحول میں نماز ادا کی۔پھر تسبیح ہاتھ میں لیے وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی پہ جا کے بیٹھ گیا جہاں چند گھنٹے قبل مالک بیٹھا تھا۔

تب سے اب تک وہ وہیں بیٹھا تھا۔اندھیرا بڑھتے ہی سڑک پہ رواں دواں ٹریفک روشن ہونے لگی۔اس نے تسبیح کے دانے گرانے کی کوشش کی لیکن دل نہیں لگ رہا تھا۔وہ وہیں بیٹھا بس خاموشی سے نیچے گزرتے ٹریفک کو دیکھے گیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری جب صبح سے اکٹھے ہوئے سیاہ بادل بالآخر برسنے لگے۔

پانی دھاروں کی صورت اپارٹمنٹ بلڈنگ سے ٹکرانے لگا۔ایسی تیز بوچھاڑ تھی کہ خدا کی پناہ۔

وہ اپنی زار و قطار روتی ہوئی کھڑکی کو دیکھے گیا۔بالکل خاموشی سے۔اسے کچھ دیر ایک ایسے تعلق کے ٹوٹنے کا سوگ منانا تھا جو کبھی بنا ہی نہ تھا۔اور پھر.... اس نے گردن موڑ کے میز پہ بکھری چیزوں کو دیکھا۔پھر اسے اپنے کام میں مصروف ہو جانا تھا۔

آج کی رات ...سوگ کے نام۔

یہی بارش مبین منزل کی کھڑکیوں پہ بھی برس رہی تھی۔سیاہ سفید لباس والی لڑکی اسٹوڈیو کی کھڑکی میں بیٹھی' دیوار سے سر ٹکائے' شیشے پہ پڑتی پانی کی بوندوں کو دیکھ رہی تھی۔کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے جن سے ماہی کی آواز سماعتوں میں اتر رہی تھی۔

''ماں کہہ رہی تھیں آج گلینہ آنٹی آئیں اور انہوں نے تمہارا رشتہ مانگا۔''

مالا کھڑکی کے شیشے پہ لڑھکتے قطرے دیکھ رہی تھی۔جب کوئی قطرہ نیچے گر کے فنا ہو جاتا تو وہ پلکیں اٹھا کے کسی دوسرے قطرے کا تعاقب کرنے لگتی۔

''ہاں میں نے سنا تھا۔''وہ یوں بولی جیسے عام سی بات ہو۔

''تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ زیاد مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔ یہ جلد یا بدیر ہونا تھا۔''

''تم زیاد کے لیے ہاں کر دو گی؟''

''ہاں۔ کیونکہ وہ ایک قابل انسان ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔''

''لیکن؟''

''میں نے لیکن نہیں کہا۔''

''تمہاری بات لیکن کی طرف جا رہی ہے۔''

''پتہ نہیں ماہی...'' مالا نے سینے پہ مٹھی رکھی۔ ''میرا دل... ایسے لگتا ہے جیسے جل رہا ہو۔ جیسے اندر آگ سی لگ گئی ہو۔''

''اور یہ کب سے ہے؟''

''جب سے کیف نے کہا کہ وہ جاب چھوڑ کے جا رہا ہے...''

''مالا...'' ماہی حق دق رہ گئی۔ ''تمہیں کیف پسند ہے؟''

''نہیں یار۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ شادی شدہ ہے۔''

''بالکل۔ کسی شادی شدہ آدمی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ سوائے ارطغرل کے۔''

مگر مالا اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ اس کا دماغ کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔ ''میں بہت اداس ہوں۔ مجھے غصہ ہے شاید۔ اس نے کہا تھا وہ مجھے چھوڑ کے نہیں جائے گا۔ اور اب وہ ایک دم سے مجھے چھوڑ کے چلا گیا۔''

اس نے خدا حافظ کہے بنا کال کاٹ دی۔ اسٹوڈیو اندھیر تھا۔ وہ اس اندھیرے میں بیٹھی باہر گرتی بارش دیکھتی رہی۔ پھر موبائل کی اسکرین روشن کی۔ اندھیرے میں اس کا چہرہ چمکنے لگا۔

اس نے کیف کے نمبر پہ کال ملائی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کیا کہنا تھا لیکن اسے کچھ تو کہنا تھا۔

اپارٹمنٹ کی کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھے کیف نے بیل بجنے پہ چہرہ جھکا کے موبائل کو دیکھا۔

گرین آئیز کالنگ۔ وہ اداسی سے مسکرا دیا۔ وہ لوگوں کے نام اپنے فون میں ایسے ہی محفوظ کرتا تھا۔

کیف نے گھنٹی بجنے دی۔ یہاں تک کہ وہ بج بج کے خاموش ہو گئی۔ پھر اس نے پاور کا بٹن دبا کے فون آف کر دیا۔

پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک اسی رنگ اور ماڈل کا موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ مسڈ کالز، میسجز، نوٹیفیکیشنز کی بھرمار تھی۔ یہ اس کا دوسرا فون تھا جو اس کی اصل زندگی تھی۔ جو فون اس نے بند کیا تھا' اس میں صرف مالا اور اس سے جڑے لوگوں کے نمبر فیڈ تھے۔ یہ دونوں فون ہر وقت ایک ساتھ اس کے پاس ہوتے تھے۔ ان کے کور بھی ایک جیسے تھے۔

اسے مالا والا فون اب نہیں کھولنا تھا۔ اسے اس لڑکی سے دور رہنا تھا۔ وہ مزید اس کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے ماتھے کو ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا اسے بخار ہو رہا ہے۔ کچھ نہ کھانے کی وجہ سے کمزوری بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھا اور لاؤنج کے تھری سیٹر پہ جا کے لیٹ گیا۔ جوتے ابھی تک پیروں میں تھے۔ وہ جوتے اتار کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا کرتا تھا کیونکہ اسے صفائی پسند تھی۔ لیکن آج اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ وہ وہیں لیٹا بارش کی شیشے سے ٹکرانے کی آوازیں سننے لگا۔ اور ان کو سنتے سنتے کب سو گیا اسے معلوم نہ ہوا۔

مالا نے اسٹوڈیو کی بتیاں روشن کیں تو ایک دم کھڑکی اندھیر نظر آنے لگی۔ باہر کا منظر سیاہ پڑ گیا۔ اب صرف کھڑکی پہ قطرے گرتے دکھائی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ پرانے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس اسٹوڈیو کے فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ ماتھے پہ سبز سلک کا رومال لپیٹ کے گرہ لگا رکھی تھی۔ سامنے پینٹ برشز اور نیا سفید پیلیٹ رکھا تھا۔

(چار ہفتوں میں صرف پینٹنگ بنائی جا سکتی ہے۔ آرٹ نہیں۔)

مالا نے سر جھکائے ٹیوب سے سفید ایکریلک پینٹ پیلیٹ پہ نکالا۔ پھر سیاہ ٹیوب اٹھائی۔ اسے آج صرف سفید اور سیاہ کو مکس کرنا تھا۔

(آرٹ بنانے کے لیے کوئی ڈیڈ لائن نہیں رکھی جا سکتی۔)

کیف کی آنکھ کھلی تو وہ صوفے پہ اوندھا لیٹا تھا۔ ایک بازو نیچے گرا ہوا تھا۔ جسم گرم اور سر بھاری ہو رہا تھا۔ بدقت وہ اٹھا اور صوفے کا سہارا لے کر کھڑا ہوا۔

(کیونکہ آرٹ خوشی سے نہیں تخلیق کیا جا سکتا۔)

فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی لڑکی اب سیاہ پینٹ کو سفید پیلیٹ پہ نکال رہی تھی۔ پھر اس نے راؤنڈ ایج برش اٹھایا اور پینٹس کو مکس کرنے لگی۔ اس کے چہرے پہ مغموم مسکراہٹ تھی۔

(نہ ہی آرٹ پیسے کمانے کے لیے ہوتا ہے۔)

وہ بدقت کچن تک آیا۔سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔اس نے ایک مگ کافی میکر کے نیچے رکھا۔اور کیپسول اندر ڈالا۔بٹن دبایا اور خود کچن سنک کی طرف آیا۔اب وہ گردن جھکا کے چہرے پہ پانی ڈال رہا تھا۔اندر لگی آگ قدرے ٹھنڈی ہوئی۔

(آرٹ بنتا ہے درد سے...)

مالا اب کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔برش کو کنارے سے پکڑے وہ اسے نرمی سے شیشے پہ پھیر رہی تھی۔شفاف شیشے پہ سرمئی رنگ کی پہلی اسٹروک نے جلتے دل کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

(آرٹ بنتا ہے ٹوٹے دل سے...)

وہ گیلے چہرے کے ساتھ کافی مگ اٹھائے لونگ روم میں واپس آیا۔بڑی میز کے قریب اس نے مگ رکھا۔اور کپڑا اٹھا کے ایک طرف اچھال دیا۔کپڑے کے نیچے رکھی شے اس کی منتظر تھی۔

(اس کے لیے ذہن کے تخلیقی حصے کا شور سے خالی ہونا ضروری ہے۔)

وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی بہت انہماک سے شیشے پہ بارش کے قطرے بنا رہی تھی۔

اس کا ذہن ہر قسم کی آوازوں سے خالی تھا.....

کیف نے پینٹ برش اٹھایا اور سرخ رنگ کی آئل پینٹ کی ڈبی اٹھائی۔ڈھکن کھولا تو پینٹ کی بو سارے میں پھیلنے لگی۔اس نے برش اندر ڈبویا' اور پھر جھک کے میز پہ موجود شے پہ برش پھیرنے لگا۔اس چیز کا رنگ خاکی سے بدل کے سرخ ہونے لگا۔

اس کا ذہن اب ہر قسم کے شور سے خالی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح وہ اسٹوڈیو میں کھڑی مسکرا کے اپنی پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی جو اس نے کھڑکی کے شیشوں پہ بنائی تھی۔اس کے ساتھ سبحان صاحب کھڑے تحیر سے کھڑکی کے شیشوں کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا یہ الوژن ہے؟ یا یہ واقعی...'' وہ آگے بڑھے اور پینٹ شدہ شیشے کو چھوا۔وہ خشک تھا۔مالا مسکرا دی۔

کھڑکی کے شیشے پہ ایک الوژن پینٹ کیا گیا تھا۔شفاف شیشہ مکمل طور پہ دھندلایا ہوا تھا اور اس پہ بڑے چھوٹے پانی کے قطرے تھے۔ہر قطرے کے اندر باہر کا منظر یعنی نیچے کا لان اور سامنے والے گھر نظر آ رہے تھے لیکن الٹے ہو کر۔

''باہر کا منظر الٹا کیسے نظر آ رہا ہے؟'' انہوں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا دی اور شانے اچکا دیے۔

''یہ بارش کے قطرے دراصل آنسو ہیں۔ اور آنسو تب نکلتے ہیں جب ہمارا دکھ ہمیں ہماری ساری زندگی الٹا کے دکھائے۔''

''کشمالہ یہ امیزنگ آرٹ ہے۔ امیزنگ۔'' وہ خوشی سے اس کی طرف مڑے۔ ''کیا آپ یہ ہمارے ریسٹورانٹ کی گلاس وال پہ بنا سکتی ہیں؟ گلاس وال کے باہر باغیچہ ہے۔ اندر سے دیکھنے والوں کو یوں لگے گا کہ باہر بارش ہو رہی ہے۔ امیزنگ۔''

''میں بنا سکتی ہوں۔ لیکن اس میں کافی وقت لگے گا۔ میری امی بیمار ہیں تو میں صرف دن کے دو گھنٹے کام کر سکتی ہوں۔'' وہ اپنی شرائط بتا رہی تھی۔ اوشن چھوڑنے کے بعد وہ پہلا دن تھا جب مالا کو لگ رہا تھا کہ وہ پھر سے جینے لگی ہے۔ اس کی زندگی بے کار نہیں تھی۔ وہ کام کرنے لگی ہے۔ وہ پھر سے اپنا کیریئر بنا سکتی ہے۔

ماں تندرست ہو رہی تھیں اور اب سب کچھ اپنی جگہ پہ آ جائے گا۔

اس کی یہ خوشی چند گھنٹے کی مہمان رہی۔ کیونکہ دوپہر میں اسے محسوس ہوا کہ ماں کو بخار ہو رہا ہے۔ وہ سانس بھی قدرے زور سے لے رہی تھیں جیسے پھیپھڑے زور لگا رہے ہوں۔ اس نے معید کے کہنے پہ انہیں پیناڈول دے دی۔ خود وہ ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔ ماں کے ساتھ ہی سو گئی۔

مغرب کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو فوراً چونک کے سیدھی ہو بیٹھی۔ ماں بھی سو رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کے ماں کے ماتھے کو چھوا۔ وہ اب زیادہ گرم تھا۔ ایک ریفلیکس سیٹ ہو چکا تھا۔ ادھر ماں کو ذرا سا کچھ ہو۔ ادھر معید کو کال کی۔

''معید ماں کو بخار ہے۔''

وہ اپنے کمرے میں تھا۔ نیند میں بولا۔

''کتنا بخار ہے؟''

''مجھے کیا پتہ کتنا ہے۔''

''ڈاکٹر کو کبھی یہ نہیں بتاتے مالا کہ کسی کو بخار ہے۔ ہمیشہ یہ بتاتے ہیں کہ کتنا بخار ہے۔ تم تھرمامیٹر لگاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔''

وہ شاید ابھی ہسپتال سے آ کے سویا تھا۔ نیچے آیا تو اوٹی Scrubs میں ملبوس تھا (سرجنز کو نائٹ سوٹ سے زیادہ

یہ اسکربز آرام دہ لگتے ہیں۔) معید ماں کے سرہانے جھکا اور ان کے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے محسوس کیا۔

''ایک سو دو بخار۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ پینا ڈول دی تھی؟''

''ہاں اس سے کم ہوا لیکن تھوڑی دیر بعد پھر چڑھ گیا۔''

''ہوں۔'' اس نے آنکھیں ملیں اور ماں کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ان کا فربہی سفید ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ بار بار پرک کرنے سے ان کے ہاتھوں اور بازوؤں پہ نشان اب نیلے جامنی ہوتے جا رہے تھے۔ معید سوچتی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔ وہ غنودہ سی نظر آ رہی تھیں۔

انہیں کیا ہو رہا تھا؟ کل ٹیسٹ رزلٹس بھی بہتر تھے۔ انفیکشن بھی نہیں لگ رہا۔ سی ایس ایف بھی سیٹل ہو رہا ہے۔ پھر ماں کو بخار کیوں ہے؟

اور ماں کا تنفس کیوں اکھڑ رہا ہے؟

سوچتے سوچتے اس نے دوسرا ہاتھ ماں کی پنڈلیوں پہ پھیرا جو لحاف کے نیچے تھیں۔ ایک دم وہ تیزی سے جھٹکا کھا کے اٹھا۔ زور سے لحاف ہٹایا اور ماں کے پائنچے اونچے کیے۔

ان کی سفید پنڈلیاں برہنہ تھیں۔

''مالا...'' معید کا سانس رک گیا۔ ''ماں کی جرابیں کہاں ہیں؟''

''ماں تنگ ہو رہی تھیں تو میں نے اتار دیں۔''

''کب؟ کب اتاریں؟'' وہ تیزی سے پانچوں انگلیوں سے ان کی پنڈلیوں کو دبا کے کچھ محسوس کر رہا تھا۔

''دو دن پہلے۔''

معید نے چہرہ اٹھا کے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''مالا میں نے تمہیں کہا تھا وہ جرابیں نہیں اتارنی۔''

''تم نے نہیں کہا تھا۔ اور ماں کو گرمی ہو رہی تھی۔ مجھے لگا تم پہنا دو گے۔''

''مالا.. مالا...'' اس نے کراہ کے ضبط کیا۔ پھر وہ کچھ نہیں بولا۔ وہ بس وہاں سے اٹھا۔

''ان کی پنڈلیوں کو ہاتھ نہیں لگانا۔ میں آ رہا ہوں۔'' پھولتے سانس سے کہتا وہ باہر بھاگا۔

(مالا میں ماں کو یہ جرابیں پہنا رہا ہوں۔ دیکھ رہی ہو؟)

معید نے راہداری میں کھونٹی پہ لگی چابی کھینچ کے اتاری اور باہر بھاگا۔ پورچ میں کار کھڑی تھی۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کی اور فل ریس دی۔ وہ کس اسپیڈ پہ جا رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا۔

(یہ جرابیں نہیں اتارنی۔ یہ کمپریشن اسٹاکنگز (compression stockings) ہیں۔)

وہ کار کو بھگاتے ہوئے فارمیسی تک لایا۔ پھر اندھا دھند اندر داخل ہوا تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

(یہ خون کو گردش میں رکھتی ہیں۔ آپریشن کے بعد حرکت نہ کرنے سے ماں کی پنڈلیوں میں خون کا clot بننے کا خدشہ ہے۔)

"کلیگرین.... مجھے clexane چاہیے۔ ایمرجنسی ہے۔" وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا یا وہ چلا رہا تھا۔ اسے اپنی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ صرف فارماسیسٹ دکھائی دے رہا تھا جو تیزی سے اسے کچھ انجیکشن تھما رہا تھا۔

(کلاٹ ایک چھوٹا سا جما ہوا خون کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ پنڈلی میں بن جائے تو وہ کسی زہریلے جانور کی طرح آہستہ آہستہ اوپر جسم کی طرف سفر کرتا ہے۔)

گھر میں وہ بھاگتے ہوئے داخل ہوا۔ انجیکشن بنایا اور ماں کے قریب بیٹھا۔ مالا کچھ پوچھ رہی تھی لیکن اسے آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے ان کے جسم میں انجیکشن لگا رہا تھا۔

(یہ جما ہوا لوتھڑا جسم میں تین جگہوں پہ پھنس سکتا ہے۔ دل، دماغ اور پھیپھڑے۔)

"ماں کو فوراً ایمرجنسی میں لے کر جانا ہے۔ میں وہیل چیئر لاتا ہوں۔ تم ماں کو تیار کرو۔" اس نے خود کو کہتے سنا اور پھر سے باہر بھاگا۔

(یہ دل میں پھنس جائے تو دل بند ہو جاتا ہے۔ دماغ میں پھنس جائے تو دماغ مر جاتا ہے۔ اور پھیپھڑوں میں پھنس جائے تو سانس بند ہو جاتا ہے۔ تینوں صورتوں میں یہ ایک ننھا سا لوتھڑا انسان کی جان لے لیتا ہے۔)

ماں نیم بے ہوش سی وہیل چیئر پہ بیٹھی تھیں۔ گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی۔ سفید چادر سر اور کندھوں کے گرد لپٹی تھی۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ معید وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ تیز تیز ساتھ بھاگ رہی تھی۔

(اس کو ایمبولزم کہتے ہیں۔ اس سے بچانے کے لیے یہ جرابیں پہنائی جاتی ہیں۔)

وہ سی ٹی اسکین روم کے باہر کھڑے تھے۔ معید ان کو سی ٹی کے تختے پہ لٹا رہا تھا۔ اسٹاف ڈائی ڈالنے کے لیے ان کے ہاتھ کی وین کو پھر سے پرک کر رہا تھا۔ ایک اور سوئی۔ ایک اور نشان۔

(ایمبولزم ایک دفعہ بن جائے تو پھر وہ انسانوں کو چند گھنٹوں میں مار دیا کرتا ہے۔ اس لیے مالا ان کی جرابیں نہیں اتارنی۔)

معید نے یہ سب اس وقت سوچا تھا۔ بتایا نہیں تھا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا کہ اسے تفصیل سے ان جرائیوں کا مقصد سمجھانا چاہیے تھا۔

وہ دونوں سرد کاریڈور میں باہر کھڑے تھے۔ ان کے چہرے سفید اور سانسیں اٹکی ہوئی تھیں۔

''میں اتنے سال سے میو ہسپتال میں سرجری کا حصہ ہوں۔'' معید دیوار سے ٹیک لگائے چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آج تک میرے سامنے ان گنت لوگوں کو ایمبولزم ہوا ہے۔ جانتی ہو ان میں سے کتنے لوگ بچے؟''

''کتنے؟''

معید نے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''زیرو۔'' وہ بولا تو آواز آہستہ تھی۔ کشمالہ کا سانس وہیں اٹک گیا۔

''ایمبولزم سے کوئی نہیں بچتا' مالا۔''

''مگر... میں نے گوگل پہ پڑھا تھا کہ دو تہائی لوگ بچ جاتے ہیں۔''

''گوگل کی ہر بات پریکٹیکل نہیں ہوتی۔ میں تمہیں وہ بات بتا رہا ہوں جو حقیقی زندگی میں پیش آتی ہے۔ لوگ ایمبولزم سے نہیں بچتے کیونکہ ایمبولزم کی وقت پہ تشخیص نہیں ہو پاتی۔ ایمبولزم کی پہلی بڑی علامت موت ہے۔ اچانک سے سرجری کے بعد بندہ مر جاتا ہے۔ بس لوتھڑے کا پتہ ہی مرنے کے بعد چلتا ہے۔''

''ایسے مت کہو معید۔ اُف۔ میں نے کیوں ماں کی جرابیں اتاریں۔ مجھے واقعی یاد نہیں تھا کہ تم نے مجھے کچھ کہا تھا اس کے بارے میں۔''

''تمہاری غلطی نہیں ہے۔ مجھے بھی چیک کرنا چاہیے تھا۔ ہم ماں سے ایک لمحے کی بھی غفلت نہیں برت سکتے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے تین دن ماں کو آئی سی یو میں رکھا گیا۔ سی ٹی اسکین کے مطابق کلاٹ ان کے پھیپھڑوں میں جا کے پھنس گیا تھا۔ لیکن بروقت کلیگرین ملنے سے ان کا خون پتلا ہونا شروع ہوا۔ سی ٹی ہر روز نہیں کیا جا سکتا۔ درمیان میں گیپ دینا ضروری تھا۔ اس لیے چوتھے روز جب سی ٹی کیا گیا تو کلاٹ چھوٹا ہوتا دکھائی دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اب بہتر تھیں۔

سرجن کا کہنا تھا کہ اگر معید بروقت ماں کو کلیگرین کا انجیکشن نہ لگاتا تو یہ کلاٹ پھیپھڑوں میں پھنس کے ان کا سانس روک سکتا تھا۔

''جن کے بیٹے ڈاکٹر نہیں ہوتے ہوں گے وہ کیا کرتے ہوں گے معید؟''

وہ دونوں ماں کے بستر کے ساتھ بیٹھے تھے اور وہ پوچھ رہی تھی۔ ''ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ تم خود ماں کو مینج کر رہے ہو کیونکہ تم سرجن ہو۔ لیکن جن کے گھر میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوتا ہوگا وہ کتنا خوار ہوتے ہوں گے ہمارے اس ہیلتھ سسٹم میں۔''

''تم نے ابھی سرکاری ہسپتال نہیں دیکھے مالا۔ خواری جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے ہمارے ہسپتال شروع ہوتے ہیں۔ ایک واحد ہسپتال جہاں سسٹم بہترین ہے اور مریض اکیلا بھی ہے تو اس کے علاج کا پروٹوکول پورا ہوتا ہے وہ سی ایم ایچ ہے لیکن انہوں نے بھی عام عوام کے لیے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ لوگ بے چارے کہاں جائیں۔'' معید اس موضوع پہ گھنٹوں بول سکتا تھا۔ مگر مالا نے اس سے وہی سوال کیا جو وہ بار بار پوچھ رہی تھی۔

''ماں ٹھیک ہو جائیں گی نا؟''

''ہاں۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ اب سے ان شاءاللہ وہ ریکوری کی طرف ہوں گی۔ یکم مئی کو ماں کا ٹیومر ڈائیگنوز ہوا تھا اور ڈاکٹر دو ہرانے ہمیں چھے ماہ دیے تھے۔ یکم نومبر تک۔ لیکن دیکھو۔ ہمیں ڈاکٹر واصف مل گئے اور ہمیں معلوم ہوا کہ ماں کو منجیو ما ہے۔ ابھی بائیوپسی کی رپورٹ آنی ہے لیکن امید ہے کہ ڈاکٹر واصف کی بات درست نکلے گی۔ جو اللہ یہاں تک لایا ہے وہ آگے بھی لے جائے گا۔''

اور یہ ایک فقرہ اس کے ذہن میں پیوست ہو گیا۔ جو اللہ یہاں تک لایا ہے وہ آگے بھی لے جائے گا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے اور چہرہ اٹھا کے زیرِ لب دعا مانگنے لگی۔ واشف انت الشافی۔ شفا دے اے شفا دینے والے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس دفعہ جب ماں گھر آئیں تو وہ واقعی صحت کی طرف گامزن تھیں۔ جو اللہ یہاں تک لایا تھا وہی آگے بھی لے کر جا رہا تھا۔ ماں پہلے سے زیادہ ذہنی طور پہ بیدار ہو چکی تھیں۔ ان کا زخم بھر رہا تھا۔ خون کا کلاٹ اندر ہی اندر گھل کے غائب ہو چکا تھا۔ اور سب سے اچھی بات۔ ماں کے ٹیومر کی بائیوپسی رپورٹ آ چکی تھی۔

یعنی ان کے آپریشن کے وقت برین سے جو ٹیومر نکالا گیا تھا' اس کے حصے تین مختلف لیبارٹریز کو بھیجے گئے تھے۔ اور تینوں کی بائیوپسی رپورٹ ایک جیسی تھی۔

گریڈ ون منجیو ما۔ سب سے زیادہ بے ضرر منجیو ما۔

سرجن نے سرجری کے دوران ٹیومر کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ برین میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ ان جگہوں سے چپکا ہوا تھا جو جسم کے اعضاء کنٹرول کرتے ہیں۔اس کو کاٹا جاتا تو جسم مفلوج ہو جاتا۔وہ اتنا چھوٹا سا بچا ہوا ٹیومر تھا کہ اگر وہ برین میں رہتا بھی تو کوئی مسئلہ نہ تھا۔اس کو دوبارہ تکلیف دہ بننے میں بیس سے پچیس سال لگنے تھے۔

کہاں وہ ڈاکٹر دو ہرا کی چھے ماہ کی ٹائم لائن سے لڑ رہے تھے۔اور کہاں بیس سے پچیس سال کی امید ان کے لیے آبِ حیات تھی۔

اگلے دو ہفتے تک ماں اتنی بہتر ہو گئیں کہ اب وہ پرانی باتیں یاد کرنے لگی تھیں۔رمضان کب شروع ہوا؟ مالا کب لاہور واپس آئی؟ انہیں کچھ بھی یاد نہ تھا۔عید ان کی بیماری میں آئی اور گزر گئی۔مالا کو احساس ہوا کہ انہیں یہ بھی یاد نہیں تھا کہ زیاد نے اس کا رشتہ مانگا ہے۔وہ بھی خاموش رہی۔یہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا۔

وہ اپریل میں لاہور واپس آئی تھی لیکن ماں کے ذہن میں نئی یادداشتیں نہیں بن رہی تھیں۔انہیں بہت کچھ یاد نہ تھا۔ایک دن جب وہ ان کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی' ماں اس سے پوچھنے لگیں۔

''عزہ کی شادی ہو گئی؟''

''جی ماں میں اسی کے لیے تو لاہور آئی تھی۔''

''لیکن مجھے کیوں نہیں یاد؟'' وہ حیران تھیں۔

وہ ہر دفعہ اس سوال کے جواب میں کہتی کہ ''ماں... آپ کے برین پہ ٹیومر کا اتنا پریشر تھا کہ وہ یادداشت کے حصے کو متاثر کر رہا تھا۔'' لیکن اس دفعہ برش چلاتے ہوئے وہ جل کے بولی۔

''کیونکہ ان دنوں آپ ٹن (مدہوش) ہوتی تھیں۔'' کہہ کے زبان دبالی۔لیکن خلاف توقع حورِ جہاں بیگم زور سے ہنس دیں۔ایک چپت پیچھے بیٹھی مالا کے گھٹنے پہ لگائی۔

''پرے بدتمیز۔ماں کو ایسے کہتے ہیں۔'' وہ برا مان کے بھی ہنسے جا رہی تھیں۔مالا نے نرمی سے ان کے سیاہ سفید بالوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما' پھر اپنا چہرہ پیچھے سے ان کے کندھے پہ رکھا۔

''ماں آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی؟'' اس نے سوچا نہیں تھا کہ ایسا ہو گا۔لیکن ایک دم وہ زور زور سے رونے لگی تھی۔اتنے ہفتوں کی بے بسی' خوف اور امید.... سب آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے باہر نکلا تھا۔وہ اب صرف ایک لڑکی تھی جو اپنی ماں کو کھونے سے ڈرتی تھی۔

''میری بیٹی...'' ماں جو پہلے ہنس رہی تھیں' وہ اس کا سر اپنے ساتھ لگائے خود بھی رونے لگی تھیں۔وہ ایک ماں

تھیں جو اپنے بچوں کو اکیلا چھوڑ کے اگلے جہاں جانے سے ڈرتی تھیں۔ آنسو ان کی بوڑھی آنکھوں سے نکل کے جھریوں زدہ چہرے پہ نیچے بہنے لگے۔ ان کے چہرے کا ٹیڑھا پن ٹیومر کے نکلتے ہی درست ہو گیا تھا۔ جیسے استری کر دیا گیا ہو۔

مالا نے ماں کو اس بیماری میں دوسری دفعہ روتے دیکھا تھا۔ پہلی دفعہ تب جب آپریشن کے بعد بڑے ماموں اسلام آباد سے ملنے آئے اور کچھ دن یہیں رہے۔ ان کو دیکھتے ہی ماں نے پہلی دفعہ کہا۔ بھائی جان مجھے درد ہو رہا ہے۔ اور وہ سن رہ گئی۔ ماں کو درد بھی ہو رہا تھا؟

''بس میری ماں بچ جائے'' کی دعائیں کرتے کرتے یاد ہی نہ رہا تھا کہ ماں کو بھی درد ہو سکتا ہے۔ دوسری دفعہ وہ اب روئی تھیں۔ مالا کے سامنے۔

''معید تو لڑکا ہے' ماں۔ کچھ نہ کچھ کر لے گا۔ ماہی کی تو فیملی ہے۔ میرا تو آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے ماں۔ میں کیا کرتی اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔'' وہ ان کے کندھے سے سر ٹکائے روئے جا رہی تھی۔ آنسو ان کے کندھے پہ رکھے دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے۔

یہ اس لمحے تھا جب ماں نے آنسو پونچھے اور چہرہ اٹھایا۔ اس کا ماتھا چوما۔ اور انہیں جیسے یاد آیا۔ ''کچھ دن پہلے نگینہ میرے پاس آئی تھی۔''

مالا فوراً سے پیچھے ہوئی اور برش اٹھا لیا۔ گیلے چہرے کے ساتھ وہ ان کے بالوں میں برش پھیرنے لگی تاکہ پیچھے ہو جائے اور وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکیں۔

''وہ زیاد کے لیے تمہارا رشتہ مانگ رہی تھی' مالا۔''

مالا کے ہاتھ اوپر سے نیچے چلتے رہے۔ اسے اسٹوڈیو کی کھڑکی یاد آئی جو آنسوؤں سے بھری تھی۔ اسے کیف یاد آیا جو اس دن سے غائب تھا۔ دونوں میں سے کسی نے دوسرے کو کال نہیں کی تھی۔

''تم سوچنا اس بارے میں' بیٹے۔ زیاد اچھا لڑکا ہے۔ شریف ہے۔ برسرِ روزگار ہے۔'' وہ اب دھیرے دھیرے زیاد کے بارے میں بہت سی باتیں کہہ رہی تھیں۔

''میں سوچوں گی' ماں۔'' وہ بولی تو اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔ کیا وہ زیاد کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی؟ یا کسی وجہ سے وہ اس موضوع کو ٹال رہی تھی؟ کچھ تھا جو ادھورا رہ گیا تھا۔ اور اسے اس کے مکمل ہونے کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا اور ماں کا سب سے زیادہ جھگڑا میٹھا کھانے پہ رہا تھا۔ سرجری کے بعد چونکہ وہ زیادہ ہلتی جلتی نہیں تھیں اس لیے خود سے میٹھا کھا نہیں سکتی تھیں۔ ماں کو ہلانا جلانا بھی ایک الگ مسئلہ تھا۔

فزیوتھیراپسٹ روز گھر آتی اور ان کو ایکسرسائیز کرواتی۔ وہ نوجوان سی لڑکی تھی۔ چلبلی سی۔ جینز ٹاپ پہنے بلاک ہیلز سے ٹھک ٹھک چلتی ہوئی کمرے میں آتی۔ اور خوشگوار انداز میں اعلان کرتی۔

"آنٹی اٹھ جائیں۔ فزیو کا وقت ہو گیا ہے۔"

اور اپنے بیڈ پہ لیٹی ماں کی شکل سے لگتا وہ اس کو کچا چبا جائیں گی۔ ان کو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی کیونکہ وہ ان سے جسمانی مشقت کرواتی تھی۔ اس کے آنے کا ٹائم فکس تھا۔ اور آنے سے پہلے ماں کی وہ حالت ہوتی جیسے ٹیوشن ٹیچر کے آنے سے پہلے بچوں کی ہوتی ہے۔ بس کسی طرح چھٹی کا بہانہ بن جائے۔

"مالا آج تو مہمان آنے ہیں۔ تم فزیوتھیراپسٹ سے کہو کل آ جائے۔"

"میں نے مہمانوں سے بات کر لی تھی۔ وہ چھ بجے کے بعد آئیں گے۔ فزیو کی چھٹی نہیں ہونی' ماں۔"

وہ بھی حورِ جہاں کی بیٹی تھی۔ جیسے بچپن میں ماں زبردستی ٹیوشن اور قاری صاحب پہ بھیجتی تھیں' اسے بھی سارے بدلے گن گن کے لینے تھے۔ ماں پہلو بدل کے رہ جاتیں۔

"ہونہہ۔ مجھے تو وہ نقلی تھیراپسٹ لگتی ہے۔ میرے سارے جوڑ ہلا جاتی ہے۔"

اس کے جوڑ ہلانے سے یہ ہوا کہ جون کے آغاز میں ماں جو بالکل بیڈ پہ تھیں' اب اٹھ کے بیٹھنے لگ گئی تھیں۔

جون کے وسط تک وہ کھڑی ہونے لگیں۔ اور جون کے آخری دنوں میں پہلی دفعہ انہوں نے واکر کے سہارے چند قدم اٹھائے۔

جولائی شروع ہوا تو ماں با آخر واکر سے کمرے کا چکر کاٹنے لگیں۔ باتھ روم بھی اب وہ واکر سے جا رہی تھیں۔ ہر شام فزیوتھیراپسٹ ایکسرسائز کروانے آتی۔ اور آخر میں وہ ان کو کھڑا کرتی۔ وہ واکر سے چند قدم چل کے مالا کے بیڈ پہ بیٹھ جاتیں اور پھر وہیں بیٹھی رہتیں۔ فزیو کے جانے پہ وہ ایسے خوش ہوتیں جیسے بچے سکول کی چھٹی کی گھنٹی بجنے پہ ہوتے ہیں۔

یہ ان کی روز کی روٹین تھی۔ فزیو چلی جاتی۔ اور بخت بی چائے لے آتی۔ مالا اور ماں وہیں بیڈ پہ بیٹھے بیٹھے چائے پیتے۔ ساتھ ہی ماہی کو ویڈیو کال ملا لیتے۔ ماہی کی اس وقت فجر بھی نہیں ہوئی ہوتی لیکن وہ ماں کے لیے اٹھ جایا کرتی تھی۔ پھر وہ تینوں خوب باتیں کرتے۔

گئے دنوں کی باتیں کرتے۔ پرانے قصے۔ سب کچھ خواب سا لگتا تھا۔ کہاں ماں ٹیومر کی مریض تھیں۔ اور کہاں وہ دونوں اب مالا کے بیڈ پہ بیٹھ کے گپیں لگا رہے تھے۔ ماہی نے گپوں کے لیے gup کا لفظ ایجاد کیا ہوا تھا۔ وہ ہر کسی کے نام کو چھوٹا کر کے آگے ایس لگا دیتی تھی۔ یوں ان کی شامیں ایک جیسی ہوتیں۔ گپس لگاتے لگاتے کٹ جاتیں۔ پھر رات ہو جاتی اور ماں کی نائٹ روٹین شروع ہو جاتی۔ ان کا بیڈ بنانا۔ ایکسٹرا شیٹس۔ دوائیاں۔ اینٹی بائیوٹک۔

درمیان میں معید کو شک ہوا کہ ماں کو منجائٹس ہو گیا ہے کیونکہ ٹیسٹ رپورٹس میں کچھ لیولز ہائی آ رہے تھے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب دماغ کی منجی کی تہہ میں انفیکشن ہو جائے جسے منجائٹس کہتے ہیں اور یہ جان لیوا ہو سکتا تھا۔

لیکن ڈاکٹر واصف کا کہنا تھا کہ یہ منجائٹس نہیں ہے۔ وہ کہتے کہ جب وہ تندرست لگ رہی ہیں اور اس سے بہتر ہو نہیں سکتی تھیں اور ٹیومر بھی منجیو ما ہے (کیونکہ تین لیبارٹریز یہ کہہ چکی ہیں) تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ ہر چیز ٹھیک ہے۔ یہ لیولز بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اینٹی بائیوٹک آہستہ آہستہ ان کو تندرست کر دے گی۔ اور یوں معید کچھ دن کے لیے مطمئن ہو جاتا۔ پھر دوبارہ وہ ٹیسٹ کرواتا۔ بظاہر ماں تندرست تھیں لیکن وہ لیولز نیچے نہیں جا رہے تھے۔ کہاں گڑبڑ تھی جسم میں۔ یا شاید وہ وہمی ہو رہا تھا۔

اس دن معید کے ساتھ اس کا ایک دوست اینڈوکرائینولوجسٹ گھر آیا اور ماں کی شوگر وغیرہ کا فالواپ کرنے لگا۔ وہ اس وقت بیڈ پہ اٹھی بیٹھی تھیں۔ دوپٹہ سر پہ لے کر کانوں کے پیچھے اڑس رکھا تھا۔ سفید بال قلموں سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ مالا نے سوچا صبح ان کا ہیئر ڈائی لگا دے گی۔

''آہ ... میٹھا نہیں کھا سکتی۔ حسرت ہی رہے گی اب یہ۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جعفر سے کہنے لگیں۔

''کس نے کہا ہے آپ میٹھا نہیں کھا سکتیں؟ معید ...'' اس نے تحکم سے کہا۔ ''آنٹی کی شوگر چیک کرو اور گھر میں جو بھی میٹھا ہے لے آؤ۔''

''ہیں ہیں کیا مطلب؟'' وہ جو صوفے پہ بیٹھی موبائل پہ لگی تھی، ہڑبڑا کے اٹھی۔ معید بھی فکرمند ہو گیا۔

''ماں کی شوگر ہائی ہوئی تو انفیکشن ہو سکتا ہے۔''

''میں اینڈوکرائینولوجسٹ ہوں یا تم؟'' ڈاکٹر جعفر بگڑ کے بولا۔ ''میں شوگر ہائی نہیں ہونے دوں گا۔ اگر ہم ان کو میٹھا کھلا کے ساتھ ہی (اس نے انسولین کی ایک قسم کا نام لیا) لگا دیں تو شوگر ہائی نہیں ہو گی۔''

بخت بی نے انڈوں کا حلوہ بنایا تھا۔تھوڑی دیر بعد ماں مزے سے پیالے میں انڈوں کا حلوہ کھا رہی تھیں جبکہ مالا اور معید بے بسی سے انہیں گھور رہے تھے۔اس دن سے ڈاکٹر جعفر ماں کا فیورٹ ڈاکٹر بن گیا۔وہ دوپہر کے کھانے کے بعد پیالہ بھر کے انہیں میٹھا کھانے دیتا اور ساتھ ہی مالا ان کو انسولین کی وہ قسم لگا دیتی جو اس نے کہی تھی۔وہ کھانے سے پہلے کی شوگر بھی نوٹ کر کے بتاتی۔اور ساتھ یہ بھی کہ وہ کیا اور کتنا کھا رہی ہیں۔انسولین فوراً جسم میں جا کے شوگر لیول کم کر دیتی۔یہ ایک خطرناک چیز تھی لیکن چونکہ اینڈوکرائینولوجسٹ خود اس کو مانیٹر کر رہا تھا' اس لیے ماں کا شوگر لیول ٹھیک رہا۔

اور وہ ایک دم خوش رہنے لگیں۔وہ ہر روز میٹھا بنواتیں۔جعفر کا کہنا تھا کہ مریض خوش نہیں ہوگا تو صحت مند نہیں ہوگا۔جون کے مہینے میں انہوں نے بہت میٹھا کھایا۔جعفر نے جولائی میں بھی انہیں میٹھا کھانے دیا۔اس کا کہنا تھا کہ اگست میں جب زخم مکمل بھر جائے گا اور وہ چلنے پھرنے لگیں گی' تب ہم اس کو روک دیں گے۔

البتہ ماں کو سختی سے منع تھا کہ وہ جعفر کی اجازت کے بغیر میٹھا نہیں کھا سکتیں۔آہستہ آہستہ وہ میٹھے میں ایک دن کا گیپ دینے لگا۔ماں کو یہ بات پسند نہیں آئی لیکن مجبور تھیں۔

وہ بھی گیپ والا دن تھا۔لیکن مالا نے صبح دیکھا کہ بخت بی شاہی ٹکڑے بنا رہی ہیں۔اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ماں سے جا کے پوچھا تو انہوں نے سر جھکا کے معصومیت سے کہا۔''معید نے کہا تھا۔''

اس نے معید کو کال کی۔وہ ہسپتال تھا۔

''کون سے شاہی ٹکڑے؟ میں نے تو نہیں کہا۔'' مالا کو ساری بات سمجھ آ گئی۔اسے ماں کی معصومیت پہ ہنسی بھی آئی۔لیکن خیر... دوپہر میں وہ چپ چاپ شاہی ٹکڑوں کا پیالہ لیے ماں کے پاس گئی اور انہیں تھما دیا۔

''بس ایک پیالہ کھانا ہے آپ نے۔'' ماں نے چپ چاپ سر جھکا لیا۔کچھ نہیں کہا۔دوبارہ نہیں مانگا۔مالا کو لگا ماں کو بالآخر اپنی شوگر کا احساس ہونے لگا ہے۔

رات کو اس نے بخت بی اور معید کے ساتھ کچن میں میٹنگ کی۔

''اب مجھ سے پوچھے بغیر گھر میں میٹھا نہیں بنے گا۔''

معید نے سر ہلایا۔''ہاں اور مالا... اب ماں کو آج کی حرکت پہ کچھ نہ کہنا۔میں نے انہیں ایک پیالہ دے دیا ہے۔وہ مزید نہیں مانگیں گی۔''

مالا کا منہ کھل گیا۔''معید میں انہیں ایک پیالہ دے چکی تھی۔انہوں نے تم سے الگ سے مانگا ہے؟''

معید نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ اس نے کیسے ماں کی معصومیت پہ بھروسہ کر لیا؟

پھر دونوں نے ایک دم بخت بی کو دیکھا۔ وہ بھی منہ کھولے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ایک پیالہ تو باجی کو میں نے بھی دیا ہے۔''

"بختے بی۔" وہ دونوں چلائے تھے۔

اور ماں کمرے میں بیٹھیں، ہم ٹی وی کا کوئی ڈرامہ لگائے مزے سے شاہی ٹکڑے کھا رہی تھیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ ان کی بھی ماں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اندرون شہر کی گندی میلی گلیوں میں سے ایک کے اندر بنے اس گھر میں آج بھی بہت رش تھا۔ البتہ وی آئی پی کے لیے مختص قالین والے کمرے میں صوفے پہ کروفر سے بیٹھی کبیرہ بیگم تنہا تھیں۔

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے وہ مضطرب سی اپنی ہیرے کی انگوٹھیاں مروڑ رہی تھیں۔ بوائے کٹ بال ہمیشہ کی طرح سیٹ تھے۔ کانوں میں موتیوں کے ٹاپس اور آنکھوں میں برہمی تھی۔

سامنے بیٹھا بکھرے بالوں اور بدبودار لباس والا عامل پیٹر مسیح آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ کبیرہ بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''بچ کیسے گئی حورِ جہاں؟'' وہ ایک دم تڑپ کے بولیں تو عامل نے آنکھیں کھولیں۔

''جادو نے اس کے خون کو اس کے خلاف کر دیا تھا۔ خون میں شیطانی لوتھڑا بنایا گیا تھا۔ لیکن...'' عامل نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ''کیا کریں... اس کے بچوں نے علاج کروالیا۔''

''ہونہہ۔ کیا فائدہ ہوا۔'' وہ ناخوشی سے ایک انگوٹھی کو بار بار اتارتی اور واپس پہنتی۔ ''اتنے جادو کے باوجود اسے بچنا ہی تھا۔''

''جادو نے اس کے جسم کو بہت کھوکھلا کر دیا ہے۔ کبھی تو عامل کا وقت بھی آئے گا۔'' وہ زیرِ لب مسکرایا۔ کبیرہ نے ہونہہ کہہ کے سر جھٹکا۔ اور دوسرے موضوع کی طرف آئی۔

''ماہی... اس کی بیٹی کی ساس کسی کو بتا رہی تھی کہ اس کی پریگنینسی ٹھیک جا رہی ہے، ایک کام کہا تھا تمہیں۔ کہ اس کے بچہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بھی تم سے نہیں ہوا سائیں۔''

عامل نے ڈھیلے سے انداز میں کندھے اچکائے۔

''ہمارا قصور نہیں ہے۔وہ لڑکی پڑھائی بہت کرتی ہے۔صبح شام کی دعائیں۔اس سے معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ہم جادو بھیجتے ہیں لیکن وہ اثر نہیں کرتا۔''

''یعنی میں اب وہ دن دیکھوں گی جب عباد اور ماہی اپنی مکمل فیملی سیلیبریٹ کر رہے ہوں گے اور میری بیٹی گھر بیٹھی ہوگی؟ ناممکن۔'' کبیرہ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ایسے کہ ناخن ہتھیلیوں میں پیوست ہو گئے۔

عامل کاجل لگی آنکھوں سے مسکرایا۔''فکر نہ کرو۔انسان سست پڑ جاتے ہیں۔کسی نہ کسی دن وہ دعا مانگنا بھول جائے گی۔کبھی نہ کبھی وہ ناغہ کرے گی۔ہم تاک میں ہوں گے اور اسی دن حملہ کریں گے۔''

مگر کبیرہ کی تسلی نہیں ہوئی۔اسی ناخوشی سے عامل کو دیکھ کے گویا ہوئیں۔''اور وہ زیاد؟ اس کا اچھا حساب تمام کیا تم نے؟ اس کی ماں رشتہ لینے پہنچ گئی کشمالہ کے گھر۔''

''اس کی ماں کا بھی وہی مسئلہ ہے' کبیرہ بیگم۔وہ پڑھتی پڑھاتی بہت ہے۔یہ پڑھنے پڑھانے والے لوگ سارا دھندا خراب کر دیتے ہیں۔'' وہ جی بھر کے بدمزہ ہوا۔''زیاد کی ماں نے اپنی پڑھائی سے اور ماہی نے اپنی پڑھائی سے اپنی اپنی اولاد کو محفوظ کر رکھا ہے۔اب میں کہاں سے نقب لگاؤں؟''

''کس کام کے ہو پھر آپ میرے؟''

''زیاد کی ماں کا کچھ کرتا ہوں۔جب حورِ جہاں جیسی پڑھنے پڑھانے والی عورت جادو سے بیمار پڑ سکتی ہے تو زیاد کی ماں کیا چیز ہے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے کچھ بڑبڑانے لگا۔پھر اسی کیفیت میں بولا۔''زیاد کشمالہ کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہے۔تمہاری بیٹی کا معاملہ مجھے یہاں ہوتا نہیں دکھائی دے رہا۔''

''میری بیٹی کی شادی زیاد سے ہی ہوگی اور تم کرواؤ گے یہ سب۔'' کبیرہ اب بے چینی سے ناخن چبانے لگی تھیں۔یہ وہ صرف تب کرتیں جب وہ شدید بے بسی کا شکار ہوتیں۔

خاندان والوں کی باتیں... اپنی بیٹی کا بڑھتا وزن... یہ سب اسے ہراساں کرتا تھا۔اور پھر دھوم دھام سے شادی کر کے اور ایک اچھا داماد لے کر خاندان پہ دھاک بھی بٹھانی تھی۔کبیرہ کو ہمیشہ یہی فکر ہوتی تھی کہ اپنی دھاک ہر ایک پہ قائم کیسے رکھنی ہے۔

اور اگر یہ سب نہ ہو سکا.... اور اسے ماہی کا بچہ اور مالا کا بسا ہوا گھر دیکھنا پڑا... تو؟ یہ کسی بھیانک خواب سے کم نہیں ہوگا۔

''کشمالہ زیاد کو پسند نہیں کرتی۔اس کی زندگی میں کوئی اور ہے۔'' عامل ایک دم چونک کے بولا۔کبیرہ بھی اپنے

خیال سے جاگی۔ چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''واہ۔ تمہارے موکل تو بڑے کام کے ہیں۔ کون ہے اس کی زندگی میں؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''کوشش کرتا ہوں پتہ کرنے کی۔'' عامل نے بڑے جوش سے آنکھیں موندیں۔ لیکن اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ہڑبڑا کے اس نے آنکھیں کھولیں۔

''نہیں۔ کوئی نہیں۔'' ہاتھ بے اختیار گردن تک گیا۔ وہ درد کئی دن تک محسوس ہوتا رہا تھا۔

''مگر تم نے کہا...''

''کہا نا... موکل کو غلطی لگی تھی۔ کوئی نہیں ہے کشمالہ کی زندگی میں۔ میں دیکھتا ہوں اس معاملے کو۔'' وہ کھانستے ہوئے بات بدل گیا۔ ''زیادہ کی ماں کو بہت تیزی ہے نارشتہ کرنے کی۔ پہلے اس کا بندوبست کرتا ہوں۔''

اب وہ کبیرہ بیگم کو وہ فہرست تھما رہا تھا جو اسے درکار تھی۔ نقدی۔ بکرے۔ اور فیورز۔ کسی کی سفارش۔ کسی کا تبادلہ۔

اکثر لوگ سوچتے ہیں کہ جادو جنات کا کام کرنے والے اپنے لیے جنات سے کہہ کے دولت کیوں نہیں کما لیتے؟ ایسا اس لیے ہے کہ جنات انسان کو دولت نہیں لا کے دے سکتے۔ دولت انسان کو انسانوں سے کمانی ہوتی ہے۔ یہ نصیب سے ملتی ہے۔ محنت سے بڑھتی ہے۔ اور حکمت سے خرچ کرنے پہ قائم رہتی ہے۔ جنات اس معاملے میں بے بس ہوتے ہیں۔ وہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ یا کسی کا حال عامل تک پہنچا سکتے ہیں۔ عامل ان کاموں کے لیے جنات کو قید کرتے اور ان پہ ظلم کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جنات ہر کام درست کر دیں۔ یا ہر خبر سچی پہنچائیں۔ جنات جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں اور اگر انہیں جواب معلوم نہ ہو تو اپنی طرف سے گھڑ کے سنا دیتے ہیں۔ عامل اپنے کلائنٹ سے پھر بھی پیسے بٹور لیتا ہے۔ البتہ ایسے گندے میلے علاقوں میں رہنا اس کی مجبوری ہوتی ہے کیونکہ برے جنات اور شیاطین قریب تب آتے ہیں جب انسان ویرانے اور گندی جگہوں پہ رہے۔ انہیں جنات کو قابو کرنے کے لیے بہت سے غلاظت سے بھرے کام کرنے پڑتے ہیں۔

ایسے میں کچھ جنات ہوتے ہیں جو عامل کے قبضے سے چھوٹ جاتے ہیں۔ عامل ان کو مارنے یا ان کی روزی تنگ کرنے کا ڈراوا دیتا ہے۔ لیکن جس دن کسی جن کو یقین ہو جائے کہ عامل اس کی موت اور رزق پہ قادر نہیں ہے' وہ عامل کے شکنجے سے خود کو آزاد کر لیتا ہے۔

لیکن انسان آزاد نہیں ہو سکتے۔ جو انسان عامل کی چوکھٹ ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے' اور اسے اپنا کام کروانے کا چسکا

پڑ جاتا ہے وہ کبھی اس چوکھٹ سے آزاد نہیں ہوتا۔ اگر وہ توبہ بھی کر لے کہ میں اب دوبارہ یہاں نہیں آؤں گا تو عامل اپنے جنات کے ذریعے اس کو ڈراتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کے دشمن پھر سے پیچھے لگ گئے ہیں سو وہ بھاگ کے عامل کے پاس دوبارہ آتا ہے۔ اور یوں عامل اپنے کلائنٹ کبھی نہیں کھوتے۔ جنات کے ساتھ ساتھ انسان بھی اس کی قید میں ہوتے ہیں۔

کبیرہ بیگم بھی ایک قیدی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماں کے ایمبولزم والے معاملے کے بعد مالا نے ریستوران والے پراجیکٹ کو روک دیا تھا۔ لیکن جون کے آخر میں جب ماں بہتر ہونے لگیں اس نے ریستوران جوائن کر لیا۔ وہ روز ایک سے دو گھنٹے کے لیے وہاں جاتی تھی۔ اس کا ہاتھ برش اور رنگوں پہ پھر سے چلنے لگا تھا۔

ریستوران کا نام گلاس ٹاؤن تھا۔ وہاں ہر روز معمول کی گہما گہمی ہوتی۔ ریستوران کے ہال کے باہر ایک برآمدہ تھا جس کی شیشے کی دیوار نے اسے باغیچے سے الگ کر رکھا تھا۔ مالا گلاس وال کے اندر کی طرف فرش پہ بیٹھ جاتی۔ نیچے چند کشن بچھا لیتی اور پھر آلتی پالتی کیے وہ رنگ مکس کرنے لگتی۔ کانچ کی پلیٹوں کے ٹکرانے کی آواز، سلور کے چمچ کی کھٹکار، لاہور کے لوگوں کی گوسپ، موبائل کی بجتی گھنٹیاں، وہ سب سنتے ہوئے کام کرتی جاتی۔ آوازیں اچھی تھیں۔ خاموشی بری تھی۔ خاموشی ہسپتال کے آئی سی یو کی یاد دلاتی تھی جس میں صرف مشینوں کی بپ بپ کے علاوہ کوئی آواز نہ ہوتی تھی۔

ہر روز گلاس وال کے ساتھ اپنا کام پھیلانے سے پہلے وہ موبائل اسکرین پہ تاریخ دیکھتی۔ ڈاکٹر دو ہرا کی ٹائم لائن چھے ماہ کی تھی۔ یکم نومبر تک۔ وہ ٹائم لائن کبھی ذہن سے جاتی ہی نہیں تھی۔ جیسے سزائے موت کے قیدی کو سزا سنا کے آزاد کر دیا جائے تو وہ بار بار اس تاریخ کو یاد کرتا ہے جب اس کو پھانسی دی جانی تھی۔ ہر روز وہ گنتی کہ یکم نومبر آنے میں کتنے دن تھے۔

اور ہر روز وہ گنتی کہ کیف کو گئے کتنے دن بیت چکے تھے۔ یہ حساب کتاب بھی ذہن سے نہیں جاتا تھا۔

کیف گیا تو زندگی سے بھی کچھ چلا گیا۔ تعاقب ہونے کا احساس پھر سے چھانے لگا۔ لیکن اس نے پھر کوئی گارڈ نہیں رکھا۔ وہ رکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ سیکیورٹی گارڈ چیزوں کو پیچیدہ بنا دیتے تھے۔ یا شاید وہ صرف کیف تھا۔ مالا نے اس خوف کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ ماہی مسلسل اسے قرآنی آیات بھیجتی۔ ان کو پڑھا کرو مالا۔ ماں پہ جادو

ہے۔وہ ان کو پڑھتی اور پورے انہماک سے پڑھتی لیکن ماں کی صحت یابی کے لیے۔ جادو کا سوچ کے نہیں۔اسے جادو جنات پہ یقین نہیں تھا۔وہ ہوتے ہیں لیکن کسی اور کے ساتھ۔کسی اور زمانے میں۔اس کی ماں پہ کوئی جادو نہیں تھا۔ماہی وہی تھی۔

اس کے بعد گھر میں خون نہیں آیا نہ ہی کسی نے کوئی اور حرکت کی۔ہاں ایک تعاقب ہونے کا احساس تھا لیکن وہ اس کو نظر انداز کر دیتی تھی۔

وہ ریستوران پہنچتی تو ماں کا ٹیکسٹ میسج آتا۔

(پہنچ گئی ہو؟) وہ مسکرا کے جواب لکھتی۔جی ماں۔روز اس کی کوشش ہوتی کہ پہنچتے ساتھ ہی ان کو پہلے میسج کرے لیکن ان کا میسج پہلے آجاتا۔وہ منٹ گن رہی ہوتی تھیں۔وہ کام کر رہی ہوتی تو ماں کا میسج آتا۔(ساتھ ساتھ کچھ کھاتی پیتی بھی رہنا۔ان موئے ریستوران والوں سے کہو تمہیں فری میں کھانا دیا کریں۔) ماں بھی ٹپیکل ماں تھیں۔وہ ہنس کے روز انہیں میسج کرتی کہ جی وہ مجھے کافی دیتے ہیں۔

ماں کو خالی پیٹ کافی پینا پسند نہ تھا لیکن وہ عمر کے اس حصے میں تھی جب انٹرمٹنٹ فاسٹنگ ایک روٹین بن جاتی ہے۔(انٹرمٹنٹ فاسٹنگ کرنے والے لوگ رات کے کھانے اور اگلی دوپہر کے کھانے میں بارہ سے سولہ گھنٹے کا گیپ دیتے ہیں اور اس دوران سوائے پانی یا بلیک کافی کے کچھ نہیں کھاتے۔) وہ صبح صبح کافی سے زیادہ کچھ پی بھی نہیں سکتی تھی۔اور کافی سے اسے کیف یاد آتا لیکن وہ اس کو ذہن سے جھٹک دیتی۔ریستوران سے نکلنے سے پہلے ماں کا میسج آجاتا۔(نکل پڑی ہو؟) وہ کہتی (جی راستے میں ہوں) حالانکہ وہ دروازے پہ ہوتی تھی۔غرض ان دو ڈھائی گھنٹوں میں ماں کے بار بار میسج آتے۔

یکم مئی کو جب ڈاکٹر دوہرا نے وہ ڈیڈ لائن دی تھی تو مالا کو لگتا تھا اس نمبر سے اب کبھی میسج نہیں آئے گا۔لیکن ڈاکٹر دوہرا غلط تھے۔وہ بار بار دہرا کے دل کو یقین دلاتی۔ڈاکٹر دوہرا نے کہا تھا وہ گلائیوما ہے لیکن وہ منجمد نکلا۔اب میری ماں کبھی بیمار نہیں ہوں گی۔

مگر یکم نومبر کی تلوار وہن پہ لٹک رہی ہوتی۔بس یہ یکم نومبر گزر جائے پھر زندگی میں سکون آجائے گا۔

جون کے اختتام تک اس کی زیادہ سے چند ایک بار ٹیکسٹ پہ ہی بات ہوئی۔وہ ماں کی خیریت پوچھنے کے لیے میسج کرتا تھا۔ساتھ ہی وہ اپنے مسئلے بھی بیان کرتا۔جیسے اس کے آفس میں آگ لگنے سے اس کا اسٹور روم جل گیا اور ذمہ داری زیادہ پہ آگئی حالانکہ وہ چھٹی پہ تھا۔وہ اس بات سے کافی پریشان تھا۔پھر اس کے حالات بہتر ہونے

لگتو وہ کم پریشان لگنے لگا۔ البتہ رشتے والے معاملے پہ دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔

یہ گیارہ جولائی کی بات ہے۔ آج صبح تاریخ دیکھتے وقت اسے کیف کا کمپیٹیشن یاد آیا۔ کیا وہ اسے جیت جانے کے بعد مالا کو بتائے گا؟ اسے یقین سا تھا کہ وہ جیت جائے گا۔ وہ کامیاب ہو جائے گا۔ پتہ نہیں کیوں۔ اس نے فون رکھ کے پینٹ برش اٹھایا ہی تھا کہ زیاد کی کال آنے لگی۔

بنا بتائے اس نے کیسے کال کر لی؟ مالا کام کے دوران کسی کا فون نہیں اٹھاتی تھی لیکن وہ زیاد تھا۔ اس نے ہینڈز فری کانوں میں لگائے۔

''آپ نے کیسے کال کی۔ خیریت؟'' وہ برش کو پینٹ میں ڈپ کر رہی تھی۔ رف کرتا ٹراؤزر پہنے' بال پونی میں باندھے' اس نے ماتھے پہ سلک کا سبز رومال باندھ کے پیچھے گرہ لگائی ہوئی تھی۔

''کیا یہ آپ کا ورک ٹائم ہے؟''

''ہے تو سہی۔''

''لیکن میرے لیے آپ وقت نکال لیں گی۔'' وہ پراعتماد تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔ مالا نے ایک نظر اپنے بکھرے پینٹس اور برشز کو دیکھا۔ کیا اسے زیاد سے کہنا چاہیے کہ وہ ابھی مصروف ہے۔ وہ کسی اور وقت کال کر لے؟ یا شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ اس کے لیے وقت نکال سکتی تھی۔ وہ اس کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر اس نے دوبارہ کال نہ کی؟ اسے خود پہ حیرت ہوئی۔ وہ توجہ کے لیے اتنی ضرورت مند کب سے ہو گئی تھی؟ شاید اس لیے کہ وہ ایموشنل ٹراما میں تھی۔ کیا ٹراما ابھی چل رہا تھا یا گزر گیا؟ وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

''بتائیے۔''

وہ اس کو اپنی جاب کے بارے میں بتانے لگا۔ کیسے وہاں مسائل چل رہے تھے اور کیسے اس نے بمشکل خود کو ان سے نکالا ہے۔ وہ اس سے اس کی رائٹنگ کا پوچھنے لگی۔ وہ اس بارے میں کچھ دیر بولے گیا۔ وہ جانتی تھی وہ تمہید باندھ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ برش سے پینٹ مکس کر رہے تھے لیکن وہ انہیں شیشے پہ نہیں اتار رہی تھی۔ اسے زیاد کی تمہید ختم ہونے کا انتظار تھا۔

''آپ جانتی ہوں گی کہ میری امی نے کچھ دن پہلے آپ کی والدہ سے بات کی تھی۔ ہمارے بارے میں۔''

مشکل گفتگو شروع ہو چکی تھی۔ اس نے برش رکھ دیا اور سبز رومال سے ڈھکا سر جھکا دیا۔

''جی۔ مجھے معلوم ہے۔''

''کیا آپ نے اس بارے میں سوچا؟''

''دیکھیں زیاد۔'' جواب اس کے پاس تیار تھا۔ ''میری ماں بیمار ہیں۔ ان کی ریکوری میں چند ماہ لگیں گے۔ پھر ہم ان کا گھٹنے کا آپریشن کروائیں گے۔ ان کے وزن کی وجہ سے دونوں گھٹنوں کا آپریشن ایک ساتھ نہیں ہو سکتا۔ درمیان میں چھے ماہ کا گیپ دینا ہوگا۔ اگر ہم دسمبر میں ایک گھٹنے کی سرجری کرواتے ہیں تو دوسرے کی سرجری اگلے جون میں ہوگی۔ پھر اس کی ریکوری میں بھی چار پانچ ماہ لگیں گے۔ یعنی اگلے ڈیڑھ سال تک میں ماں کے علاوہ کسی اور بارے میں نہیں سوچ سکتی۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''دراصل جب امی نے یہ بات سوچی تھی' تب آنٹی صحت سے تھیں۔ ہمیں خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی بیمار پڑ جائیں گی۔'' وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "آپ کی بات درست ہے۔ آپ کو جتنا وقت چاہیے آپ لے لیں۔ آرام سے اس بارے میں سوچیں۔ لیکن وقت کی وجہ سے انکار مت کیجیے گا۔''

''آپ کو لگتا ہے میں اور آپ ایک ساتھ رہ سکتے ہیں؟'' وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائی۔

''میرے ساتھ کوئی بھی رہ سکتا ہے' کشمالہ۔ آپ اپنی بات کریں۔'' اس کا اعتماد اور مسکراہٹ وہ فون کے دوسری طرف سے بھی محسوس کر سکتی تھی۔

''میرے ساتھ ہر کوئی نہیں رہ سکتا۔ آپ کے بارے میں' میں سوچوں گی۔ لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' وہ قدرے توقف سے سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ ''آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟''

''ابھی تک؟''

''آپ غالباً اٹھائیس برس کی ہیں۔ مجھ سے دو سال چھوٹی ہیں۔ لڑکیوں کی شادیاں عموماً پچیس سال تک ہو جاتی ہیں۔ آپ نے کیوں نہیں کی؟''

وہ چپ ہو گئی۔

''آپ کو عمر کی بات بری تو نہیں لگی؟ میں دراصل ایک صاف گو انسان ہوں۔ جو دل میں ہو' کہہ دیتا ہوں۔ عمر کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں کیونکہ خوبصورت لڑکیوں کی شادیاں بہت جلد ہو جاتی ہیں۔ آپ اتنی ٹیلنٹڈ اور اتنی پرفیکٹ ہیں' اس لیے پوچھا۔'' اس نے بہت نرمی سے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"کیونکہ میرا نہیں خیال کہ شادی دنیا کا سب سے ضروری کام ہے۔ مجھے پہلے اپنا کیریئر بنانا تھا اور خود پہ فوکس کرنا تھا۔ اور آج کل لڑکیوں کی شادیاں اس سے بھی لیٹ ہوتی ہیں۔" اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔ کچھ برا لگا تھا اسے۔

"میرا خیال ہے کہ شادی کیریئر سے پہلے آتی ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کے لیے۔ کیونکہ لڑکیاں لڑکوں سے جلد اٹیچ کرتی ہیں۔ پہلے مجھے بہت حیرت ہوتی تھی یہ دیکھ کے کہ میرے اردگرد کام کرنے والی خواتین تیس کا ہندسہ عبور کرنے کے بعد اتنی چڑچڑی کیوں ہونے لگتی ہیں۔ اب خود تیس کا ہندسہ عبور کیا ہے تو اندازہ ہوا ہے کہ بوڑھے ہونے کا خوف بہت شدید ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی زندگی کو کسی بھی چیز میں لگ کے گزر نہ جانے دیں۔ بے شک میرے بارے میں مت سوچیں۔ انکار بھی کر دیں۔ لیکن... کشمالہ... اپنا وقت مزید مت ضائع کریں۔ اپنے بارے میں سوچنا شروع کریں۔" وہ بہت نرمی سے کہہ رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

"میرے مینیجر مجھے بلا رہے ہیں۔ ہم پھر بات کریں گے۔" اس نے شائستگی سے کہہ کے کال کاٹ دی۔

اس وقت اسے زیاد کی بات بری لگی تھی۔ لیکن زیا دایسا ہی تھا۔ حقیقت پسند۔ اور حقیقت ناولز اور فلموں سے دور ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہی سب ہوتا ہے۔ لوگوں کے لڑکیوں کے بارے میں یہی خیالات ہوتے ہیں۔

وہ ریستوران کے واش روم میں گئی اور سنک کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ چہرہ دائیں بائیں موڑا۔ ہر روز وہ پمپل ڈھونڈتی تھی۔ جھریاں کبھی نہیں ڈھونڈیں۔ کیا اس کی آنکھوں کے نیچے جھریاں تھیں؟ نہیں۔ اسے نظر نہیں آئیں۔ اس نے تھوڑی نیچے کر کے اپنے سر کے بال دیکھے۔ ان میں کچھ کچھ سفید تھے۔ پانچ سے چھے بال۔ یہ تو اٹھارہ سال کی عمر سے تھے۔ اسٹریس والے دنوں میں زیادہ سفید ہو جاتے اور پھر ٹھیک ہو جاتے۔ ماہی کے اس سے زیادہ سفید تھے اور وہ ڈائی کر لیتی تھی۔

کیا میں نے اوشن کے پیچھے اتنے برس اپنی زندگی ضائع کر دی؟ اور اب اوشن بھی میرے ہاتھ میں نہیں رہا۔ صرف بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوا کچھ پیسہ باقی رہا۔ کیا میں تیس کی عمر تک شادی نہیں کروں گی تو مجھ سے کوئی شادی نہیں کرے گا؟

زیاد کی باتوں نے اسے الجھا دیا تھا۔ اس نے بے اختیار کیف کی والٹس ایپ چیٹ کھولی۔ اس نے اپنا والٹس ایپ اس روز سے آف کر رکھا تھا۔ اس کا لاسٹ سین جون کی اس تاریخ کا تھا جب وہ دونوں آخری دفعہ ملے تھے۔ کیف نے نمبر کیوں آف کر دیا تھا؟ کیف کہاں چلا گیا تھا؟

وہ اسے مس کرتی تھی۔ ایک بے نام سا احساس تھا جو کیف کی غیر موجودگی میں ہوتا تھا۔ وہ تھا تو وہ ریلیکسڈ رہتی تھی۔ مسئلہ ہوتا تو اسے کہہ دیتی۔ کیف کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا تھا۔ وہ اپنے الفاظ سے اس کی زندگی میں کچھ اضافہ کرتا تھا۔ کوئی اچھی بات۔ کوئی نصیحت۔ وہ گیا تو اپنے ساتھ بہت کچھ لے گیا۔ اور پیچھے خاموشی چھوڑ گیا۔ آوازیں اچھی تھیں۔ خاموشی بری تھی۔

اپنے اپارٹمنٹ کچن میں کھڑا زیا دموبائل کان سے لگائے مالا سے بات کر رہا تھا اور نگینہ بیگم جو اس کے اپارٹمنٹ کی دیکھ بھال کے لیے آج یہاں آئی تھیں' ماتھے پہ ہاتھ رکھے سن رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ تاسف سے سر بھی ہلا رہی تھیں۔ فون بند کر کے اس نے ماں کو دیکھا جو ابھی ابھی داخل ہوئی تھیں اور انہوں نے اس کی آخری باتیں سن لی تھیں۔

''امی میں کچھ نہ کچھ کھا لیتا ہوں۔ اتنا سب نہ بنوایا کریں۔ اکیلے ہلکان ہوتی ہیں کچن میں آپ۔''

''اکیلے کہاں بیٹا۔ ملازمہ ہے میرے پاس۔ وہی کروا دیتی ہے۔ لیکن...'' انہوں نے نرمی سے اسے پکارا۔ ''بیٹے... آپ کشمالہ سے بات کر رہے تھے؟''

''جی۔'' اس نے موبائل رکھتے ہوئے فریج کھولا اور پانی کی بوتل نکالی۔ آج اس کی چھٹی تھی اور وہ گھر پہ تھا۔ اس لیے آرام دہ لباس میں ریلیکسڈ نظر آ رہا تھا۔

''آپ کو کشمالہ سے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ وہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔''

''لیکن امی وہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔'' وہ فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ ''ایسے اگر وہ خود کو پس پشت ڈالتی رہی تو وہ یہ قیمتی سال ضائع کر دے گی۔''

''ہاں بیٹے میں آپ کی بات سمجھ سکتی ہوں۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن آپ کو اسے یہ نہیں کہنا چاہیے۔'' وہ اوپری کیبنٹ سے ٹفن باکس نکالنے لگیں۔ زیا دانی جاب کی وجہ سے شہر کے دوسرے کونے میں رہتا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک دفعہ یہاں آ کے اس کا فریج بھر جاتی تھیں۔

''امی آپ مجھے جانتی ہیں۔ میں وہ کہتا ہوں جو مجھے ٹھیک لگتا ہے۔'' وہ ان کے ساتھ آ کھڑا ہوا اور اوپری کیبنٹ سے ان کو باکس نکال نکال کے دینے لگا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھے گئیں۔

''خود حورے آپا بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ وہ نہیں چاہتیں ان کی وجہ سے ان کی بیٹی اپنی زندگی ضائع کرے۔ اور اب تو وہ ٹھیک ہیں۔ معید کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ ماں کا خیال رکھ سکتا ہے۔ فوراً نہیں لیکن سال بھر میں ہم شادی

کر سکتے ہیں۔ یہ باتیں میں اس کی فیملی سے طے کر سکتی ہوں' بیٹے۔ لیکن آپ کو اس کو یہ احساس نہیں دلانا چاہیے۔ لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔ ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔"

"ہوں۔" وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے' ہتھیلیاں کاؤنٹر ٹاپ پہ جمائے کھڑا سوچنے لگا۔ "اس طرح تو میں اس سے کبھی دل کی بات نہیں کہہ سکوں گا۔ مجھے ہر بات پہ سوچنا پڑے گا کہ وہ بہت حساس ہے؟"

"نہیں بیٹے۔ ایک دفعہ شادی ہو جائے تو میاں بیوی کو ایک دوسرے کی سمجھ آ جاتی ہے کہ دوسرے کا مطلب وہ نہیں ہے۔ یوں فون پہ آپ کہو گے تو برا لگے گا۔"

وہ اب ایک باکس سے کھانا دوسرے میں پلٹ رہی تھیں۔ پھر ڈھکن بند کیا اور سنک کی طرف بڑھیں۔ نل کھول کے ہاتھ دھوتے ہوئے انہوں نے بات جاری رکھی۔

"کشمالہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اور اتنے عرصے بعد آپ کسی لڑکی کے لیے مانے ہو۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہو بیٹے کہ وہ آپ سے شادی کے لیے رضامند ہو جائے تو آپ کو اس کی حساسیت کا خیال رکھ کے اس سے بات کرنی ہوگی۔ اس کو دکھی کر کے تو نہیں مجبور کرنا شادی کے لیے۔"

"کیا میں نے اسے دکھی کر دیا؟" وہ فکرمند ہوا۔ نگینہ بیگم نے محبت سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"اس کو کال کر کے اس سے معذرت کر لینا۔ آپ نے اس کو محبت سے بیاہ کے لانا ہے۔ ایک نئی زندگی کی شروعات دل دکھانے سے نہیں ہونی چاہیے۔"

زیاد نے مسکرا کے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ "تھینکس امی۔ میں اس سے سوری کر لوں گا۔ اور آئندہ بھی خیال رکھوں گا کہ کشمالہ کا دل میری وجہ سے نہ دکھے۔ آپ بتائیں آپ کی ملازمہ ٹھیک کام کر رہی ہے؟"

"بس گزارا کر دیتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں ایک بازو میں درد رہنے لگا ہے۔" وہ بار بار اپنے ایک بازو اور گردن کو دبا کے کہہ رہی تھیں۔ زیاد چونکا۔

"اپائنٹمنٹ لوں؟"

"نہیں بیٹے۔ یہ درد مجھے بیماریوں کے ورد نہیں لگتے۔ بس ہمارے رشتے داروں کی نظریں ہیں۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مسکرا کے اب ٹفن اس کے فریج میں رکھ رہی تھیں۔

اتنے عرصے بعد بالآخر کشمالہ کی صورت میں ان کے گھر میں خوشی آنے والی تھی۔ ہر ماں کی طرح نگینہ بیگم بہت خوش تھیں۔ انہوں نے تو ابھی سے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ بری کیسے اور کب بنانی ہے۔ فنکشن کہاں رکھیں

گے۔ کس کو بلانا ہے اور کس کو نہیں۔

بس کشمالہ مان جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر آئی تو چپ چپ سی تھی۔ دل اداس تھا۔ ماں سو رہی تھیں۔ وہ ان پہ ایک نظر ڈال کے لان میں آ گئی۔ گارڈ چیئر خالی رکھی تھی۔ دل چاہا سلیم سے کہے کہ اس کرسی کو ہٹا دے۔ جب اس پہ بیٹھنے والا ہی موجود نہیں ہے تو کیا فائدہ۔ لیکن پھر نہیں کہا۔ سوچا ماہی یا صفورا کو کال ملا کے ان سے پوچھے کہ کیا وہ بوڑھی ہو رہی تھی؟ لیکن نہیں پوچھا۔

آج ماں کے سارے کام کرتے ہوئے اس نے ان سے بھی زیادہ بات نہیں کی۔ دل بہت برا ہو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ سر لپیٹ کے سونے لیٹ گئی۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وہ آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ یہ احساس کہ وہ اپنی زندگی ضائع کر رہی ہے، بہت دل ڈبو دینے والا تھا۔

صبح وہ کام پہ آئی تو اس کا چہرہ ویران تھا۔ اس نے لمبی سبز قمیض کے نیچے سفید ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ دوپٹہ گردن میں مفلر کی طرح لپیٹ کے دونوں پلو آگے ڈالے ہوئے تھے۔ بندھے ہوئے بالوں کے اوپر سلک کا سبز رومال لپٹا تھا۔ اور دائیں گال پہ ایک دانہ نکلا ہوا تھا۔

وہ ویران چہرہ لیے گلاس وال کے ساتھ فرش پہ بیٹھ گئی۔ گلاس وال کا نچلا حصہ اچھا خاصہ پینٹ ہو چکا تھا۔ وہ سر جھکا کے اپنے پینٹ نکالنے لگی۔

تبھی پلیٹوں، کانٹوں کے ٹکرانے کی آوازوں کے درمیان اسے شناسا آوازیں سنائی دیں۔ اوہ۔ اس نے ماتھے کو چھوا۔ اس کی لاہور کی دوستوں نے کہہ رکھا تھا کہ آج وہ گلاس ٹاؤن میں گیٹ ٹوگیدر کریں گے۔ انسٹا پہ انہوں نے اسے پیغام بھیجا تھا لیکن کل سے اس نے فون آف کر رکھا تھا۔ اب وہ لڑکیاں سامنے سے آتی نظر آئیں تو مالا کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔ وہ تو تیار بھی نہیں ہوئی تھی۔ صد شکر کہ وہ گلاس وال کے باہر نیچے میں بیٹھ گئی تھیں۔ وہ اندر تھی اور فرش پہ تھی۔ شیشہ دھندلایا ہوا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نہ ان کو معلوم تھا کہ وہ وہاں پینٹ کرتی ہے۔ اس نے صرف کام کا بتایا تھا۔ جب تک وہ اسے نہیں دیکھیں گی، وہ یہیں چھپی رہے گی۔ آج اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔ ان چاروں سے تو ہرگز نہیں۔

وہ چاروں اس کی کلاس فیلوز تھیں۔ اور شادیوں کے بعد سیٹل ہو چکی تھیں۔

''تم نے انسٹا پہ شہرین کی اسٹوری دیکھی؟'' ان کی گفتگو شروع ہو چکی تھی۔ ''اس نے اپنی برتھ ڈے پہ بنٹو کاظمی کا

جوڑا پہنا ہوا تھا۔ نیا نیا پیسہ آیا ہوا ہے۔"

"ہاں شہرین اپنے آن لائن بزنس سے کما رہی ہے۔ اب وہ ڈینا اور بنو پہنتی ہے۔"

"یار وہی نا۔ نیا پیسہ ہی ہے۔"

وہ بارش کے قطرے بناتے ہوئی شدید اکتا رہی تھی۔ لاہور کی سوشلائیٹس کی گفتگو انہی باتوں کے گرد گھومتی تھی۔ کسی کے پاس نیا پیسہ آ رہا ہے تو کیوں آ رہا ہے؟ کون سستے برانڈ پہنتا ہے اور کون انویسٹمنٹ پیس میں انویسٹ کرتا ہے۔ بچوں کی اسکولنگ۔ اور فلپینو ملازمائیں۔

پھر باتیں گوسپ کی طرف چلی گئیں۔ ایک لڑکی بتا رہی تھی کہ انسٹا پہ ان کے سوشل سرکل کی کس کس خاتون نے نقلی برانڈ پہن کے تصویریں کھنچوا رکھی تھیں۔

"ہونہہ۔ سینتوریني پہنچ گئی علیزے لیکن نقلی برانڈز پہننا نہیں چھوڑے اس نے۔"

جب گوسپ ختم ہوئی تو وہ ذکر شروع ہوا جو ہر ایک کی دکھتی رگ ہوتا ہے اور جس سے اکیسویں صدی میں ایک دوسرے کو نیچا دکھایا جاتا ہے۔

سفر کے قصے۔

"یار صلہ .... تم کتنے عرصے سے یہاں ہو۔ ٹریول کیوں نہیں کرتی ہو۔"

مالا نے برش پھیرتے ہوئے گہری سانس لی۔ ٹریولنگ۔ یہ وہ موضوع تھا جس پہ لاہوری سوشلائٹس گھنٹوں بول سکتی تھیں۔ جو گزشتہ ایک سال سے پاکستان سے باہر نہ گیا ہو وہ ایسے مواقع پہ سخت شرمندہ ہوتا تھا۔ اور دوسرے اپنے سفر کے قصے سنا کے اسے مزید برا محسوس کرواتے تھے۔

وہ چپ چاپ اپنی چیزیں سمیٹ کے وہاں سے کھسک آئی اور سیدھی ریستوران کے واش روم میں چلی گئی۔ آج پھر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔

وہاں جھریاں نہیں تھیں۔ سر میں پانچ چھے سفید بال البتہ ویسے ہی تھے۔ اگر وہ بھی اب تک شادی کر چکی ہوتی تو اس کی پریشانیاں یہی ہوتیں۔ فلپینو نینی۔ شوہر کا کاروبار۔ ٹریول۔ بچوں کی اسکولنگ۔ ان لڑکیوں کی زندگی مکمل تھی۔ صرف اس کی ادھوری تھی کیونکہ اس نے شادی نہیں کی تھی۔

اس کا دل مزید خراب ہونے لگا۔ زیادہ کی باتیں' ان لڑکیوں کی چمکتی دمکتی زندگیاں' ہر چیز ایک دم خود پہ حاوی ہونے لگی۔ اس نے ہاتھ دھوئے اور چہرے پہ پانی ڈال کے باہر نکل آئی۔ اپنی الجھنوں میں اس نے غور نہیں کیا کہ

بائیں گال پہ گرے پینٹ لگا ہوا ہے جو اس کے آستین کے کف کے ساتھ چہرے تک پہنچا تھا۔

گیلے چہرے اور پینٹ کے داغ سے لاعلم وہ باہر نکلی۔ ابھی وہ ریستوران کی بیرونی ایگزٹ تک پہنچی ہی تھی کہ....

"کشمالہ۔"

آواز پہ اس کا سارا وجود جیسے نمک کا مجسمہ بن گیا۔ حالانکہ ابھی تک اس نے مڑ کے نہیں دیکھا تھا۔

یہ آواز.... یہ آواز...

مالا اپنی ایڑھیوں پہ گھومی۔

سامنے... لابی کے دہانے پہ... وہ کھڑا تھا۔

کیف جمال۔

"تم؟" وہ بے یقین تھی۔

کیف مسکراتے ہوئے قدم قدم چلتا اس کے سامنے آرکا۔ بالکل سامنے۔ سیاہ جینز پہ پہنی سفید ڈریس شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے اور کالر کے نیچے دو بٹن کھلے تھے۔ شرٹ آدھی جینز میں اڑسی تھی اور آدھی باہر تھی۔ کندھوں پہ سیاہ بیگ پیل ڈالے وہ بڑھی ہوئی شیو اور بھوری آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

"جی میں۔ کیف۔"

وہ سامنے آیا تو ایک دم ساری دنیا میں روشنیاں بکھر گئیں۔ اسے معلوم ہی نہ ہوا اور کب ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

"تم یہاں کیسے؟" وہ اتنی حیران تھی کہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اتنی خوش تھی کہ اندازہ نہیں کر سکتی تھی۔

"میں لاہور چھوڑ کے جا رہا تھا۔ سوچا جاتے جاتے آپ سے اپنی آدھے مہینے کی تنخواہ لیتا جاؤں۔ گھر گیا تو معید نے بتایا کہ آپ یہاں ملیں گی۔"

"یعنی تم صرف تنخواہ لینے آئے ہو؟" وہ بھی مسکرا دی۔

"آپ کو یقین نہیں آرہا؟"

"اب تو تمہارے پاس کافی پیسے ہیں۔ میرے چند ہزار کی کیا اہمیت؟"

"کس نے کہا مجھے تنخواہ نوٹوں میں چاہیے؟"

کشمالہ مسکرادی۔

''چلو کافی پیتے ہیں۔'' اس نے پیشکش کردی لیکن پھر ہال کے دوسرے کونے کی طرف دیکھا جہاں گلاس وال کے پار بیٹھی لڑکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ چمکتی دمکتی لڑکیاں ہاتھ ہلا ہلا کے باتیں کر رہی تھیں۔ قہقہے لگا رہی تھیں۔

کیف نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ ان لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے کسی سوچ میں گم ہوگئی تھی۔

''اتنی سی زندگی ہے' کشمالہ۔ اس کو ناپسندیدہ لوگوں کو برداشت کرنے میں کیوں گزاریں؟''

وہ پورے دل سے مسکرادی۔

''پھر کہاں چلیں؟''

''جہاں لوگ سچے اور باتیں سادہ ہوں۔'' وہ مسکرایا تو گال کا گڑھا گہرا ہوا۔ ''اگر آپ مجھے ایک ایسی جگہ چائے پلادیں جہاں کی چائے میں پینا چاہتا ہوں تو سمجھیں آپ نے تنخواہ برابر کردی۔''

وہ تنخواہ اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرچکی تھی لیکن شاید کیف نے فون کے ساتھ اس اکاؤنٹ کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی اپنا بینک اکاؤنٹ نہ چیک کرے؟ خیر اسے کیا۔

اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کے گال پہ سرمئی پینٹ لگا ہے۔ بس پینٹ اسسٹیریز کا بیک پیک کندھوں پہ ڈالا اور اس کے ساتھ چلی آئی۔ کسی اور سے وہ اس حلیے میں نہیں مل سکتی تھی۔ نگینہ آنٹی اور زیادہ سے تو کبھی بھی نہیں۔ لیکن وہ کیف تھا۔ وہ مالا کی کمفرٹ زون تھا۔

قریباً پون گھنٹے بعد وہ دونوں دہلی گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ سرخ اینٹوں سے بنا بڑا سا شہر دروازہ تھا۔ دروازوں کے نام عموماً ان کے رخ کے حساب سے رکھے جاتے تھے۔ یہ دروازہ دہلی کو فیس کرتا تھا۔ اس لیے یہ دہلی دروازہ تھا۔ والڈ سٹی کے محکمے نے گزشتہ چند برسوں میں قدیم لاہور کے ان چند مقامات کو ریسٹور کیا تھا۔ یہ یورپین شہروں کے تاریخی مقامات جیسے صاف ستھرے اور چمکتے دمکتے نہیں تھے۔ لیکن پھر بھی یہ سیاحتی معیار پہ پورے اترتے تھے۔

''تم تب سے لاہور میں ہو؟ واپس نہیں گئے؟'' وہ تحیر سے کہتے ہوئے دہلی دروازے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے گردن گھما گھما کے اطراف کو دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔ مجھے اپنا پلان بنانا تھا۔ خاموشی اور تنہائی میں۔''

اندر ایک بارونق بازار تھا۔ دونوں اطراف میں دکانیں تھیں اور ہر طرف سے گلیاں نکلتی تھیں۔ مصالحوں کی خوشبو زور سے نتھنوں میں گھسی۔ مگر اچھی لگی۔

''بنالیا؟''

''جی۔ بنالیا۔'' کیف مسکرایا۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور عزم بھی اسے اچھا لگا۔

''لاہور دوبارہ آؤ گے؟'' وہ ایک بغلی گلی سے نکل کے شاہی حمام کی طرف جا رہے تھے۔ دھوپ' شور' مصالحہ جات کی خوشبو... اس سب میں اسے اونچا بولنا پڑ رہا تھا۔

''نہیں آؤں گا۔'' وہ سامنے دیکھ کے قدم اٹھا رہا تھا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ لاہور نے میرا دل توڑا ہے۔ دوبارہ دل تڑوانے نہیں آؤں گا۔'' اس نے مالا کو دیکھے بغیر کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ اس نے زارا والی بات جھوٹ میں کہی ہے۔ تاکہ وہ ''کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے'' کا اثر زائل کر سکے۔ پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ تک کیف اور کیف کے ہر قدم پہ اس نے بہت سوچا تھا۔ اس کی پراسراریت ایک طرف۔ اسے نہیں لگتا تھا وہ شادی شدہ تھا۔

وہ شاہی حمام کے داخلی برآمدے میں کھڑا تھا۔ مڑ کے اسے دیکھا جو وہیں گم صم سی کھڑی تھی اور مسکرایا۔

''آپ اپنے لاہور کا تعارف نہیں کروائیں گی مجھ سے؟'' وہ اسے آگے کا اشارہ کر رہا تھا۔ کیا باتوں کے اثر ایسے ہی زائل ہو جایا کرتے ہیں؟

''آف کورس۔ یہ شاہی حمام ہے...'' وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف آئی۔ ''اور یہ شاہجہان نے بنوایا تھا۔ علم الدین انصاری نے اس کی تعمیر کروائی تھی۔'' وہ دونوں اب داخلی برآمدے میں کھڑے تھے اور وہ گردن اٹھائے چھت کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں رنگین نقش و نگار اور پھول بوٹے بنے تھے۔

''مغل بہت صاف ستھرے لوگ تھے۔ انہوں نے شہر دروازے کے ساتھ ایک حمام اس لیے بنوایا تاکہ جو بھی لاہور آئے' پہلے غسل کرے اور صاف ستھرا ہو کے شہر میں داخل ہو۔ اگر وہ آج کے لاہور کی آلودگی دیکھ لیتے تو...'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''آپ نے کہا اسے شاہجہان اور علم الدین انصاری نے بنوایا۔'' وہ گردن اٹھائے چھت کو دیکھتے ہوئے

بولا۔ ''لیکن عمارتوں کو ان کے معمار تعمیر کرتے ہیں۔ آرکیٹیکٹ۔''

مالا نے کندھے اچکا دیے۔ ''آرکیٹیکٹ تو صرف ڈیزائن کرتے ہیں۔ پیسہ تو شاہجہان نے لگایا۔ اور سپروائز علم الدین انصاری نے کیا۔''

اس نے گردن مالا کی طرف موڑی اور ایک شکوہ بھری نظر اس پہ ڈالی۔

''بلڈنگ بنانے کے لیے سب سے اہم معمار ہوتا ہے۔ لیکن لوگ معماروں کو بھول جایا کرتے ہیں۔ اسی لیے... شاہی حمام کے معمار نے اپنی تصویر ہمیشہ کے لیے یہاں محفوظ کر دی۔'' کیف نے انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔

''کیا؟ کدھر؟'' اس نے حیرت سے سر اٹھایا۔ اسے آج تک معلوم نہیں ہوا تھا کہ شاہی حمام کی داخلی چھت پہ بنے پھول بوٹوں میں معمار نے اپنی بہت سی تصویریں بنا رکھی تھیں۔

''امید ہے اب آپ شاہی حمام کے معمار کو نہیں بھولیں گی۔''

وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو وہاں دن کے باوجود نیم اندھیرا سا تھا۔ زرد بتیوں نے خوبصورت سا سماں باندھ رکھا تھا۔ اندر ماحول ٹھنڈا سا تھا۔ جولائی کی دھوپ اور حدت یہاں کم تھی۔

''کب جانا ہے؟''

''شام چار بجے کی فلائیٹ ہے۔ اسلام آباد کی۔''

مالا نے افسوس سے سر جھٹکا پھر موبائل نکالا اور ماں کو آڈیو نوٹ بھیجنے لگی۔ ''ماں آج مجھے دیر ہو جائے گی۔'' نوٹ بھیج کے سینڈ کیا۔ وہاں سگنل کمزور تھے۔ فون رکھ کے وہ کیف کی طرف مڑی۔

''جانتے ہو شاہجہان کے زمانے میں لوگ واٹس ایپ پہ آڈیو نوٹ کیسے بھیجتے تھے؟''

کیف کی آنکھیں اچنبھے سے چھوٹی ہوئیں۔ ''کیسے؟''

مالا نے مسکراہٹ دبالی۔ اور اسے حمام کے ہال کمرے کے ایک کونے میں جانے کو کہا۔ خود وہ کافی دور دوسرے کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ لاہور آنے والے مہمانوں کو لاہوری سب سے پہلے یہ جادو کا کرتب دکھاتے تھے۔ اسے بھی کیف کو دکھانا تھا۔

اب وہ دونوں کافی دور کونوں میں کھڑے تھے۔ مالا نے دیوار کی طرف منہ کر کے سرگوشی کی۔ ہلکی سی سرگوشی۔

''فلائیٹ پہ پیسے کیوں ضائع کیے؟ بس سے چلے جاتے؟''

سرگوشی نے دیواروں میں سفر کیا اور وہ کئی فٹ دور کیف کے کان کے قریب آ کے گونجی۔ وہ چونک گیا۔ پھر مڑ کے

ستائش سے اسے دیکھا جو اپنے کونے میں اتنی خوش کھڑی تھی جیسے یہ جادوئی دیواریں اس نے بنائی ہوں۔ وہ واپس مڑا اور حمام کی دیوار کے کونے میں سرگوشی کی۔

''مجبور آدمی ہوں۔ مذاق نہ بنائیں۔''

کشمالہ بے اختیار ہنس دی۔ اس کی ہنسی بھی سرگوشی کی صورت کیف کو سنائی دی۔ دل پہ پڑا بوجھ بڑھ گیا۔

''اسی لیے کہتے ہیں کہ دیواروں کے کان ہوتے ہیں۔ شاہی حمام کی دیواروں کے کان ہوتے تھے۔'' وہ واپس ہال کے وسط میں آئی اور گردن اونچی کی۔ اوپر سے چھت میں بڑا سا سوراخ تھا۔ وہاں سے سورج کی روشنی مالا کے پینٹ لگے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''یہاں کھڑے ہو کے اگر غسل کرنے والے تولیہ مانگتے تو آواز سیدھی حمام کی ریسیپشن تک جاتی۔ یہ ان کا انٹر کام تھا۔''

''جیسا کہ میں نے کہا، یہ معمار کا کمال تھا۔ کہ اس نے ایسی دیواریں بنائیں جو آوازوں کو سفر کرنے دیتی تھیں۔''

وہ کہتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں چھت کے روشن سوراخ کے عین نیچے کھڑے تھے۔

''جب میں ریستوران آیا تو آپ پریشان لگ رہی تھیں۔ سب ٹھیک ہے؟''

مالا کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ کیف کے ساتھ وہ سب بھول گئی تھی۔ ایک دم سے تلخ حقیقت پھر سے یاد آنے لگی۔

''چلو تمہیں سرجن سنگھ اسٹریٹ دکھاتی ہوں۔ وہاں چائے پیتے ہیں۔'' وہ ٹال گئی۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اسے ڈر تھا یہ دیواریں کان رکھنے کے ساتھ ساتھ یادداشت بھی رکھتی تھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ بول بیٹھے اور الفاظ امر ہو جائیں۔

گلی سرجن سنگھ اندرون لاہور کی ان قدیم گلیوں میں سے ایک تھی جسے والڈسٹی پروجیکٹ کے تحت صاف کر کے ری اسٹور کیا گیا تھا۔ ریسٹوریشن کا مطلب تھا پینٹ کرنا اور چند گملے اور بتیاں لٹکا دینا۔ اس حصے کو ریسٹور کرنے میں والڈسٹی نے بارہ سال لگائے تھے۔ مگر یہ گلی انسٹاگرام جنریشن کے لیے بہت پرکشش شے تھی جو چند فلٹرز لگا کے اس میں تصاویر کھنچواتے تو لگتا کہ اٹلی میں کھڑے ہیں۔

وہ گلی کے دہانے پہ تھے جب کیف نے پکارا۔

''آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے؟''

مالا کے قدم وہیں پتھر ہو گئے۔ گلی کے گھروں کی بھوری اینٹوں کی طرح۔

"پریشان نہیں ہوں۔ سوچ رہی ہوں۔"

وہ قدم قدم چلتا اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ بھوری آنکھیں دھوپ سے چھوٹی کیے ہوئے تھا۔

"کسی نے کچھ کہا ہے نا؟"

سبز رومال والی لڑکی اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ وہ آج بھی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دھوپ کا راستہ روکے۔ لیکن دھوپ تو اس کی پشت پہ بھی تھی۔ دھوپ تو ہر جگہ تھی۔ وہ کہاں تک اس کی ڈھال بن سکتا تھا۔ حقیقت حقیقت تھی۔

"مجھے لگتا ہے میں نے اتنے برس اپنی زندگی ضائع کر دی۔ اور اب مجھے سمجھوتے کرنے پڑیں گے۔"

کیف نے اسے مزید غور سے دیکھا۔ "کام کے معاملے میں؟"

"شادی کے معاملے میں۔" اس پل گلی سرجن سنگھ کے دہانے پہ کھڑی لڑکی کو بھول گیا کہ وہ اس کا ڈرائیور تھا۔ اس وقت وہ صرف دھوپ سے روکنے والی ایک دیوار تھا جو سرگوشیاں سن سکتا تھا۔

"کسی نے آپ کو آپ کی عمر کا احساس دلایا ہے؟"

"یہ حقیقت ہے۔"

"حقیقت ہوتی تو آپ کو خود احساس ہوتا۔ مجھے لگتا ہے احساس دلایا گیا ہے۔"

مالا نے گہری سانس لی۔ اسے آج کیف پہ اعتبار کرنا تھا۔ اس سے بات کر کے وہ پچھتائے گی نہیں۔

"زیاد۔ اس نے مجھے پروپوز کیا ہے۔" اس کی آواز گلی سرجن سنگھ میں سرگوشی بن کے گونجی۔ "اور جب میں نے وقت مانگا تو اس نے مجھے احساس دلایا کہ میں پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکی ہوں۔" پھر اس نے جلدی سے وضاحت دی۔ "زیاد کا کوئی غلط مطلب نہیں تھا۔ اس نے بہت شائستگی سے ایک نارمل بات کہی۔ بس مجھے لگا کہ..."

"آپ مجھ پہ بھروسہ کرتی ہیں؟"

ایک دم سے ہوا چلنے لگی۔ گرم دھوپ میں ٹھنڈی ہوا۔

"ہاں۔" اس کا سر خود بخود ہلا۔ اسے کیف پہ کیے گئے تمام شکوک بھول گئے۔

کیف نے مزید کچھ نہیں کہا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے چلتی آئی۔ گلی سرجن سنگھ کے وسط میں ایک بیٹھک بنی تھی۔ اس کا نام عثمان کی بیٹھک تھا۔ وہ دراصل ایک ریستوران تھا جو قدیم طرز پہ بنایا گیا تھا۔ وہ دونوں

چند اسٹیپ چڑھ کے اندر آئے تو دیوان خانہ نظر آیا۔ وہ مختلف رنگوں سے سجا تھا۔ اینٹوں والی دیوار پہ رنگ برنگے چنگیر آویزاں تھے۔ چھت سے جھولتے فانوس کانچ کی رنگین بوتلوں سے مزین تھے۔ وہ دونوں وہیں آمنے سامنے موڑھوں پہ بیٹھ گئے۔

''لاہور آئے ہو لیکن تم نے خلیفہ کی خطائی اور فیکے کی مٹھائی نہیں کھائی ہوگی۔''

''مجھے unhygenic چیزیں کھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ صرف چائے پینی ہے۔''

مالا ہنس دی۔ ''تم اتنے نخریلے کیوں ہو؟ آج کھا کے دیکھو۔ یہ صاف ستھری ہوتی ہیں۔ نہیں ہوتے تم بیمار۔''

اس نے وہاں موجود چھوٹے لڑکے کو دو کا اشارہ کیا۔ وہ سمجھ کے باہر چلا گیا۔ وہاں خطائیاں اور کڑک چائے اکٹھی سرو کی جاتی تھی۔

''اب آپ میری بات سنیں۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ اور وہ غور سے سننے لگی۔ رنگین بوتلوں سے بنے فانوس کی مدھم روشنی کیف کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے میں اپنے ٹریک ریکارڈ سے ایک ناکام انسان لگتا ہوں۔ لیکن میں انسانوں کو جانتا ہوں۔ میں وہ چیزیں سینس کر سکتا ہوں جو عام لوگ نہیں کرتے۔ میری بات شاید آپ کو بری لگے لیکن کبھی نہ کبھی آپ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔''

''تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہم پھر کبھی نہیں ملیں گے۔''

''ہم پھر کبھی نہیں ملیں گے۔'' وہ اتنے حتمی انداز میں بولا کہ مالا کے دل کو کسی نے مٹھی میں دبایا۔

''کیوں؟''

''تعلقات میں ایک چیز ہوتی ہے ریڈ فلیگ۔'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر گیا۔ ''سرخ جھنڈے۔ جب وہ نظر آئیں تو سنبھل جانا چاہیے۔'' اس نے آواز دھیمی کی۔ ''زیا ایک ریڈ فلیگ ہے۔''

''زیا بہت اچھا انسان ہے۔''

''میں نے کب کہا وہ برا انسان ہے۔''

لڑکا مٹی کے پیالوں میں چائے اور خطائیوں کی پلیٹ لے آیا تھا۔ ان دونوں نے ساتھ ساتھ اپنے کپ اٹھائے۔ وہ میٹھا نہیں کھاتی تھی لیکن اندرونِ شہر کی خطائیوں کی الگ بات تھی۔ اس نے ایک خطائی اٹھالی اور چائے میں ڈبونے لگی۔

''یقیناً زیادا یک بہت اچھا انسان ہوگا لیکن آپ کا اس کے ساتھ گزارا نہیں ہو سکے گا۔''

اس نے مٹی کا پیالہ گھونٹ بھر کے نیچے کیا۔ چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی۔

''تم مجھے زیاد کے خلاف کیوں کر رہے ہو؟''

کیف نے گہری سانس لی۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کو ہرٹ کرے گا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی آپ کو ہرٹ کرے۔ خود میں بھی نہیں۔''

وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ عثمان کی بیٹھک میں اب صرف خاموشی تھی۔ یا خطائیوں کی خوشبو۔

دفعتاً گلی کی کسی کھلی کھڑکی سے کسی کے گانے کی آواز آنے لگی۔ ایک چھوٹی سی ڈھول نما شے گلے میں ڈالے اس کو چمچے سے پیٹتے ہوئے ایک آدمی کوئی پنجابی لوک گیت گا رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ عثمان کی بیٹھک میں سیاح آئے بیٹھے ہیں۔

''تم نے مجھے کبھی ہرٹ نہیں کیا' کیف۔ نہ کر سکتے ہو۔''

لیکن کیف نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے چہرے پہ ملال تھا۔ وہ خود کو سزا سنا چکا تھا۔

وہ آج اس کی زندگی سے نکلنے کے لیے آیا تھا۔ گزشتہ چھے ہفتے کشمالہ سے دور رہ کے وہ یہی سوچتا رہا تھا۔ کیا اسے کشمالہ کو حقیقت بتا دینی چاہیے؟ حقیقت بتانے کے بعد وہ اس سے معافی مانگ سکتا تھا۔ لیکن اگر مالا نے اسے معاف کر دیا؟ تو پھر؟ سزا تو نہ ملی۔ اور کیف کو اپنے کیے کی سزا خود کو دینی تھی۔

اس نے اس لڑکی کے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔ اس کی سزا یہی تھی کہ کشمالہ اس کو کبھی معاف نہ کرے۔ اور وہ اس گناہ کا بوجھ ساری عمر اٹھاتا رہے۔ وہ اس لڑکی کے قابل نہیں تھا۔ وہ اسے حقیقت بتا کے مزید ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کر سکتا ہوں۔'' وہ بولا تو اس کی آنکھیں زخمی تھیں۔ ''شاید کر چکا ہوں۔ کبھی آپ کو میرے بارے میں کچھ سننے کو ملے تو...'' وہ رکا۔ اس کا جرم قابل معافی نہیں تھا۔ ''تو بے شک مجھے معاف نہ کیجیے گا۔ بس اتنا یاد رکھیے گا کہ میں مجبور تھا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ شاید ہوں۔ لیکن میں نے ہمیشہ آپ کی حفاظت کرنی چاہی ہے۔ میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''کھل کے کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔ کیونکہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے کیف۔ تم جب چاہو جاب پہ واپس آ سکتے ہو۔''

وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اسے معلوم تھا وہ یہ کہے گی۔ وہ کبھی نہ کبھی یہ کہے گی اور یہ ایک فقرہ اس کے قدموں کی زنجیر بن جائے گا۔ پھر وہ خود کو سزا کیسے دے گا۔ اس نے زارا کو اپنی بیوی بتانے کا جھوٹ اسی لیے بولا تھا۔ تاکہ وہ اس تک جاتے سارے راستے بند کر دے۔ وہ پچھے ہفتے اس سے دور اسی لیے رہا تھا۔ تاکہ وہ اسے بھول جائے۔

لیکن کشمالہ مبین ایسی لڑکی نہیں تھی جو گزرے وقت کے ساتھ بھول جائے۔

''میں جاب پہ واپس نہیں آ سکتا۔'' اس نے خود پہ جبر کر کے الفاظ جوڑے۔ ''میں نے کہا نا ہم آج کے بعد نہیں ملیں گے ورنہ ہم دونوں کی زندگیاں پیچیدہ ہو جائیں گی۔''

رنگین بوتلوں سے بنا فانوس ہوا سے ذرا ذرا سا جھولنے لگا تھا۔ گانا گاتے پنجابی گویے کی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

''جہاں تک رہا زیاد... تو اس سے شادی سوچ سمجھ کے کیجئے گا۔ زیاد آپ کو ہرٹ کرے گا اور بہت ہرٹ کرے گا۔ وہ نارسیسسٹ ہے۔ پیٹر پین سنڈروم۔''

''Peter Pan Syndrome?''

اسے حیرت ہوئی۔

کیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

"All boys grow. Except Peter Pan. The boy who doesn't grow o."

(تمام لڑکے بڑے ہو جاتے ہیں سوائے پیٹر پین کے۔ یہ وہ لڑکا ہے جو کبھی بڑا نہیں ہوتا۔)

وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ اسے یقین تھا کہ کیف غلط کہہ رہا تھا۔

''کبھی بھی پیٹر پین کے لیے ویڈی مت بننا' کشمالہ۔ اور جہاں تک بات ہے عمر کی...'' کیف مسکرایا۔ اور وہ بھی اس کو دیکھ کے مسکرا دی۔ وہ مسکراتا تھا تو اس کی ساری کلفت دور ہو جاتی تھی۔ ''تو عمر صرف ایک نمبر ہے۔ سر کے بال خود سے سفید نہیں ہوتے۔ ہم سفید بال کماتے ہیں۔ چہرے پہ جھریاں خود سے نہیں آ جاتیں۔ یہ کمائی جاتی ہیں۔ یہ ہمارے تجربے اور عقل کے پختہ ہونے کی قیمت ہے۔''

پھر اس نے دل پہ انگلی رکھی۔ ''بس دل مطمئن ہونا چاہیے۔ اگر دل شادی کے بغیر خوش نہیں ہے تو شادی کر کے بھی خوش نہیں ہو گا۔ اگر آپ گلی سرجن سنگھ میں خوش نہیں ہیں تو اٹلی کی گلیوں میں بھی خوش نہیں ہوں گی۔''

مالا نے ایک نظر خطائیوں کی پلیٹ کو دیکھا۔ کیف نے ان کو چھوا تک نہیں تھا۔ اس نے ایک خطائی اٹھائی اور اس کی طرف بڑھائی۔

"کیا واقعی اب لاہور نہیں آؤ گے؟"

"نہیں آؤں گا۔" اس نے خطائی پکڑ لی لیکن کھائی نہیں۔

"اوکے۔ لیکن محنت کرنا مت چھوڑنا۔ اگر تمہارا بزنس پلان کوئی قبول نہ کرے تو وہ لوگ اس کے قابل نہیں ہوں گے۔ تم نئے لوگ ڈھونڈنا۔"

اس کی نصیحت پہ وہ مسکرایا۔ اور خطائی جیب میں ڈال لی۔

"اور آپ تعلقات میں سرخ جھنڈوں کو نظر انداز نہیں کریں گی۔"

مالا نے مسکرا کے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ اس بارے میں سوچے گی۔

"اور اگر میرے بارے میں کچھ برا سنیں تو مجھے بے شک معاف مت کیجئے گا۔ میں مجبور تھا۔"

مالا نے پھر سے سر ہلا دیا۔ کچھ تھا جو کیف جمال میں ہمیشہ پراسرار سا تھا۔ کچھ جو وہ چھپاتا تھا۔ لیکن اس نے کریدا نہیں۔ کیونکہ وہ نہیں بتائے گا۔

"میری فلائٹ کا وقت ہونے والا ہے۔"

"میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔" اس نے اٹھتے ہوئے پیشکش کی۔ کیف کے پاس کار نہیں تھی۔ وہ اس کو ایک آخری سہولت دینا چاہتی تھی۔

ائیر پورٹ کے سارے راستے وہ خاموش رہا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ وہ اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ جب ائیر پورٹ آیا تو کیف نیچے اتر گیا لیکن اسے اترنے سے منع کر دیا۔

"میں چلا جاؤں گا۔" اس کی کھڑکی کے پاس رک کے اس نے کہا۔ وہ اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ رکھے گردن اٹھائے باہر کھڑے کیف کو دیکھ رہی تھی۔ کیا واقعی وہ اب کبھی لاہور نہیں آئے گا؟

"کشمالہ..." اس نے ایک آخری نظر اس پہ ڈالی۔ اور جیب میں رکھی خطائی کے بوجھ کو محسوس کیا۔ "آئی ایم سوری۔ ہر چیز کے لیے۔"

وہ کس چیز کی معافی مانگ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکی۔ بس سر ہلا دیا۔ وہ کیوں اتنا پراسرار تھا؟

مالا کی کار آگے بڑھ گئی تو کیف جمال نے مڑ کے ائیر پورٹ کی طرف دیکھا۔ سامنے ڈومیسٹک فلائٹس کا بورڈ

نظر آ رہا تھا۔

کیف نے واپس پلٹ کے اس کی کار کو دیکھا۔

وہ دور جا رہی تھی۔

کیف نے دوبارہ بورڈ کو دیکھا۔اور پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔لیکن وہ اس طرف نہیں گیا۔وہ وہیں رکا کھڑا رہا۔اس کی نظریں مالا کی دور جاتی کار پہ جمی تھیں۔

اسے کشمالہ کے کافی دور جانے کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر واپس آئی تو اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے گال پہ پینٹ لگا ہوا ہے۔یہ تو جب ماں نے بتایا کہ چہرہ آئینے میں دیکھو تو وہ حیران سی کمرے میں آئی۔اور ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پہ نظر ڈالی تو اوسان خطا ہو گئے۔

اوہ نو۔میں اس پینٹ کے ساتھ پھرتی رہی اور کیف نے مجھے بتایا تک نہیں۔بدتمیز۔

اسے پہلے غصہ آیا اور پھر ہنسی۔چہرہ دھو کے وہ باہر آئی اور فون نکال کے آن کیا۔صفورا کے میسجز آئے ہوئے تھے۔

"کدھر غائب ہو مالا؟"

اس کا موڈ اچھا تھا۔اس نے فوراً کال ملا لی۔اور گیلا چہرہ سکھاتے ہوئے وہیں کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گئی۔

"تم آج صلہ وغیرہ کے ساتھ برنچ پہ نہیں تھیں۔میں نے ابھی انسٹا پہ ان کی اسٹوریز دیکھی ہیں۔مجھے تمہاری فکر ہونے لگی۔تم ٹھیک ہو؟امی ٹھیک ہیں؟"

"ہاں اب میں ٹھیک ہوں۔"وہ بشاشیت سے بولی۔"کیف کی کمپنی ہمیشہ مجھے ٹھیک کر دیتی ہے۔"

"کیف؟اس نے تو جاب چھوڑ دی تھی؟"

"ہاں۔لیکن وہ تب سے لاہور میں ہی تھا۔آج اسلام آباد جا رہا تھا تو مجھ سے ملنے آیا۔ہم ایک ساتھ پرانے لاہور میں گئے۔"

صفورا خاموشی سے سنتی رہی۔

"میں اسے کبھی کبھی سمجھ نہیں پاتی ہوں۔وہ کیا چاہتا ہے؟اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ اس نے خاندان والوں سے چھپ کے شادی کر رکھی ہے۔"

''ناممکن۔''

''مجھے بھی یقین نہیں آتا۔''

''مالا.... کل مجھے لاہور آنا ہے۔'' صفورا سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔ ''کیف کیا چاہتا ہے اس کو ذرا بیٹھ کے ہم ڈسکس کریں گے۔''

صفورا اس کی کوئی بہترین دوست نہیں تھی لیکن وہ سمجھدار لڑکی تھی اور ہمیشہ اچھا مشورہ دیتی تھی۔ کیف نے اسے اتنا الجھا دیا تھا کہ وہ اب واقعی صفورا کے ساتھ بیٹھ کے اس معاملے کو ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات بھر وہ کیف کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ زیاد کے لیے ہاں نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ کیف نے اسے الجھا رکھا تھا۔ کیا وہ اس میں دلچسپی رکھتا تھا؟ پھر وہ کیوں چاہتا تھا کہ خود کو مالا سے دور کر دے؟ وہ کس سے بھاگ رہا تھا؟ جب تک اس کا ذہن کلیئر نہ ہو وہ کیسے زیاد سے ایک نیا تعلق بنا سکتی تھی؟

اگلی صبح صفورا کا فون آ گیا۔ وہ لاہور آ چکی تھی اور اپنی امی کے گھر تھی۔ اس نے مالا سے وہیں آنے کو کہا۔ وہ بھی اس سے اپنے گھر نہیں ملنا چاہتی تھی۔ اسے کھل کے صفورا سے بات کرنی تھی۔ وہ کیف کی کزن تھی۔ وہ اسے مالا سے بہتر طور پہ جانتی تھی۔

وہ صفورا کے گھر پہنچی تو دوپہر روشن تھی۔ ملازم اسے سیدھا ڈرائینگ روم میں لے آیا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو صفورا وہیں بیٹھی تھی۔ مالا کو حیرت ہوئی۔ وہ اسے لینے باہر نہیں آئی۔ نہ وہ اس سے ملنے کے لیے اٹھی۔ بس اس نے سر اٹھا کے تیار سی مالا کو دیکھا جو گلابی چکن کاری کی لمبی قمیض اور دوپٹے میں ملبوس تھی۔ سفید ٹراؤزر کے ساتھ سفید ہائی ہیلز پہنے وہ بال کھولے فریش سی لگ رہی تھی۔

صفورا اس کے برعکس تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور گیلی تھیں۔

''بیٹھو مالا۔ ہمیں بات کرنی ہے۔''

کچھ غلط تھا۔ اس سارے منظر نامے میں کچھ غلط تھا۔ کچھ جو وہ نہیں جانتی تھی۔ کیا کیا ہے کیف نے؟

گلابی لباس والی لڑکی ایک صوفے پہ بیٹھ گئی۔ اس کی سبز آنکھوں میں الجھن تھی۔ اس کے بھورے بال چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے جنہیں وہ کان کے پیچھے نہیں اڑس رہی تھی۔

''صفورا تم ٹھیک ہو؟''

صفورا چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔اس نے رف سا لباس پہن رکھا تھا اور وہ بنا میک اپ کے تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔وہ ایک ویل ڈریسڈ' ہمیشہ ٹپ ٹاپ سے رہنے والی ورکنگ وومن تھی۔ہارڈ کور فیمینسٹ۔وہ اتنی بجھی بجھی کیوں تھی؟

''مالا مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔'' وہ بولنے لگی تو نظریں گود میں رکھے ہاتھوں پہ تھیں۔''مجھے کیف کو کبھی تمہارے پاس جاب نہیں دلوانی چاہیے تھی۔''

''کیا کیا ہے کیف نے؟''

''کیف نے ہم دونوں کو دھوکہ دیا ہے۔''صفورا نے گیلی آنکھیں اٹھائیں۔ان میں افسوس بھی تھا اور غصہ بھی۔

مالا ہتھیلیاں اپنے دائیں بائیں صوفے پہ رکھے کنارے پہ یوں بیٹھی تھی جیسے غیر آرام دہ ہو۔

''کیا مطلب؟ کیسا دھوکہ؟''

''کیف تین ماہ پہلے میرے پاس آیا تھا۔اس نے مجھے کہا کہ میں اسے تمہارے پاس جاب دلوادوں کیونکہ اس نے کسی سے سنا تھا کہ تمہیں گارڈ کی ضرورت ہے۔''

وہ سناٹے میں رہ گئی۔

''اس کو کیسے معلوم تھا؟''

''میں نے بھی یہی پوچھا لیکن اس نے بات گول مول کر دی۔اور مالا میں اس وقت تک اتنی تھک چکی تھی ہر دوسرے ہفتے ایک نیا گارڈ تمہارے پاس بھیج بھیج کے کہ میں نے اسے ہاں کہہ دی۔مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔آئی ایم سوسوری۔''صفورا کی آنکھ سے آنسو ٹپکا۔

وہ سانس روکے سن رہی تھی۔

''کیف کو کیسے معلوم کہ مجھے گارڈ چاہیے تھا؟''

''کیونکہ اسے کسی نے کہا تھا کہ وہ میرے ذریعے تمہارے پاس جاب حاصل کرے۔''صفورا نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔''ایک ماہر فرید نامی امیر آدمی نے۔''

اس کے دل پہ کسی نے زور سے مکا مارا۔ایسے کہ تکلیف سارے بدن کو کاٹ گئی۔مالا نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ نہیں ہوسکتا۔ماہر فرید تو میرا تعاقب کار ہے۔کیف اس کے لیے کام کرتا رہا ہے؟ نہیں۔''

''ماہر فرید نے اسے مجبور کیا کہ وہ میرے پاس آئے اور مجھے کہے کہ میں اس کی سفارش تم سے کروں۔''

مالا کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ڈرائینگ روم کی کھڑکی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہاں مخمل کے اونچے پردے نفاست سے بندھے تھے۔ باہر لان نظر آرہا تھا جس کی گھاس دھوپ میں جھلس رہی تھی۔

''یعنی تم یہ کہہ رہی ہو کہ کیف میرے پاس ماہر فرید کے کہنے پہ جاب کر رہا تھا'' اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

صفورا نے جواب نہیں دیا۔ مالا اسی طرح بے یقینی سے بولتی گئی۔

''وہ اتنا عرصہ میری جاسوسی کرتا رہا۔ وہ میرے بارے میں ماہر فرید کو رپورٹ کرتا رہا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

''نہیں مالا۔ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

وہ ایک عجیب سا لمحہ تھا۔ کشمالہ چونک کے اپنی دوست کی طرف مڑی۔

''مگر تم نے کہا کہ اس نے ماہر فرید کے کہنے پہ میرے پاس جاب کی۔''

''مالا اگر وہ ماہر فرید کے کہنے پہ تمہارے پاس نوکری کرتا اور تمہاری جاسوسی کرتا تو ہاں کبھی نہ کبھی میں اسے معاف کر دیتی۔ لیکن اس نے یہ نہیں کیا۔''

''کیا کہہ رہی ہو صفورا...''

صفورا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پہ احساسِ جرم تھا۔

''آئی ایم سوسوری مالا۔''

''کیا کیا ہے کیف نے؟''

''اس نے مجھے کہا کہ میں اس کو تمہارے پاس جاب انٹرویو کے لیے بھیجوں، میں نے بھیج دیا لیکن...''

کشمالہ کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''لیکن کیف تمہارے پاس انٹرویو کے لیے نہیں گیا۔''

اس عجیب سے لمحے میں کشمالہ مبین کی ساری دنیا تھم سی گئی۔

''میرا کزن کیف جمال تمہارے پاس کبھی نہیں آیا' مالا۔ اس نے کبھی تمہارے پاس جاب نہیں کی۔ تم کیف جمال سے کبھی نہیں ملیں۔''

صفورا ڈرائینگ روم کے دروازے تک گئی اور کسی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

کشمالہ کی نظریں چوکھٹ کی طرف اٹھ گئیں۔ وہاں ایک نوجوان چلا آرہا تھا۔ خوش شکل۔ لیکن درمیانے قد کا۔ ماتھے پہ بکھرے بال۔ چہرے پہ بڑھی شیو۔ پیروں میں مٹیالے سفید جوگرز۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"یہ میرا کزن کیف جمال ہے۔" صفورا بولی تو آواز میں غصہ بھی تھا اور دکھ بھی۔

کشمالہ نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ کیف نہیں ہے۔" وہ چند قدم پیچھے ہٹی یہاں تک کہ وہ مخمل کے پردے کے ساتھ جا لگی۔

"یہ کیف نہیں ہے۔"

اس اجنبی نوجوان نے پشیمانی سے سر اٹھایا۔ وہ اس چہرے کو نہیں جانتی تھی۔

"یہی کیف ہے۔ میرا کزن کیف۔"

"پھر وہ کون تھا؟ وہ جو ڈیڑھ ماہ میرے گھر میں رہا۔ وہ جو میرے اتنا قریب رہا۔ وہ کون تھا؟"

وہ بولی تو اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ شاک۔ خوف۔ بے یقینی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند لمحے کے لیے ہم اس ہوٹل سوئیٹ میں ہوئی ملاقات کی طرف واپس جاتے ہیں۔

"اب میں تمہیں ایک تیسری بات بتاتا ہوں' کیف جمال۔" ماہر فرید کی آواز میں سختی در آئی۔ وہ کیف کے سامنے کھڑا تھا۔

"تمہارے خیال میں اتنے پرسنل معاملے کے لیے میں تم جیسے لوزر کو کیوں ہائر کروں گا؟"

اس طرزِ تخاطب پہ کیف جمال کے کانوں کی لوئیں سرخ ہوئیں۔

"شاید اس لیے کہ میرے پاس کچھ ایسا ہے جو آپ کو چاہیے۔"

"درست۔" ماہر فرید نے اثبات میں سر ہلایا۔ "جانتے ہو وہ کیا ہے؟"

کیف نے سوچنے کی کوشش کی۔ وہ ایک ناکام اور مقروض انٹرپرونیئر تھا۔ ایک عام سا فوٹوگرافر جسے ہر کوئی لوزر کہتا تھا۔

اس کے پاس ایسا کیا تھا جو ماہر فرید کو چاہیے تھا؟

"سوچ لیا۔ نہیں سمجھ میں آیا؟ اب میں بتاتا ہوں۔" ماہر فرید بولا تو اس کی آنکھوں میں استہزاء تھا۔

''تمہارے پاس....'' وہ رکا۔توقف کیا۔'' کچھ بھی نہیں ہے۔''

صفورا کے کزن کیف جمال کا سانس جہاں تھا' وہیں رہ گیا۔

''سوائے تمہارے نام کے۔ مجھے صرف تمہارا نام چاہیے۔'' ماہر فرید بہت دیر بعد مسکرایا۔

''Lucky name۔'' اسٹرا سے کافی پیتے ہیربل نے لقمہ دیا۔

''میرا نام؟'' کیف متحیر رہ گیا۔'' مگر آپ نے کہا تھا کہ مجھے اس لڑکی کے پاس جاب کرنی ہوگی۔''

''میں نے یہ کبھی نہیں کہا۔کیا میں نے ایسا کہا مالک؟''

ماہر نے مالک کو دیکھ کے پوچھا۔اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ تم اپنی کزن سے بات کرو گے۔اسے جاب کے لیے راضی کرو گے۔ جب وہ تمہیں اس لڑکی کے پاس جانے کو کہے گی' تو تم مجھے بتاؤ گے۔اور میں تمہاری جگہ کسی اور کو وہاں بھیجوں گا۔''

بالآخر کیف جمال کی سمجھ میں سارا معاملہ آنے لگا۔ان کو صرف اس کی شناخت چاہیے تھی۔

''مجھے کیوں نہیں؟''

''کیونکہ تم ایک لوزر ہو اور رہو گے۔ میں اتنا اہم کام ایک لوزر سے نہیں کروا سکتا۔ میں کسی ایسے شخص کو وہاں بھیجوں گا جو مضبوط اعصاب کا ہوگا۔اسٹریٹ اسمارٹ۔جس کو انسانوں کے چہرے پڑھنے آتے ہوں گے۔وہ ایسی باتیں سن سکتا ہو جو کسی اور کو سنائی نہیں دیتیں۔وہ جس پہ میں اعتماد کرتا ہوں گا۔ کیونکہ اس کا اپنا بہت کچھ داؤ پہ لگا ہوگا۔اور تم کیف جمال یہ کام نہیں کر سکتے۔اس لیے گھر جاؤ۔''

اس نے اپنے بھاری ہاتھ سے کیف کا کندھا تھپکا۔

''اور دو ماہ تک میری دی گئی مراعات سے فائدہ اٹھاؤ۔'' پھر وہ قدرے توقف سے بولا۔''تم نے پوچھا تھا کہ تم دو ماہ کے بعد بھی اس لڑکی کی جاب کر سکتے ہو یا نہیں۔تو یہ میرا جواب ہے۔تم اس کی جاب نہ پہلے کرو گے نہ بعد میں۔ میں وہاں کسی اور کو بھیجوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد کیف جمال روپوں کا پیکٹ لیے وہاں سے نکلا تو اس کے کندھے ہلکے تھے۔اسے اگلے دو ماہ کچھ نہیں کرنا تھا۔صرف ماہر فرید کی دی گئی دولت انجوائے کرنی تھی۔زبردست۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انسان کا کا نام اس کی پہچان ہوتا ہے۔اس کی شخصیت نہیں۔ جو انسان ہمیں اپنا جو نام بتاتا ہے' ہم اس کو اسی نام

سے پکارتے ہیں۔

خود کو کیف جمال کہلوانے والا نوجوان اس وقت ائیر پورٹ پہ کھڑا تھا۔ اس نے کشمالہ کے جانے کا انتظار کیا اور ایک دفعہ پھر سے ڈومیسٹک فلائٹس کے بورڈ کو دیکھا۔

(میں کسی ایسے شخص کو وہاں بھیجوں گا جو مضبوط اعصاب کا مالک ہوگا۔)

پھر اس نوجوان نے سر پہ پی کیپ پہنی اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے مخالف سمت میں چلنے لگا۔ وہ ڈومیسٹک فلائٹس والے حصے کی طرف نہیں جا رہا تھا۔

(جو اسمارٹ ہوگا۔ اسٹریٹ اسمارٹ۔ جس کو انسانوں کے چہرے پڑھنے آتے ہوں گے)

پی کیپ والا نوجوان چلتے ہوئے بار بار وقت دیکھتا تھا۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔

سامنے انٹرنیشنل فلائٹس کا بورڈ چمک رہا تھا۔

(جو وہ باتیں سن سکتا ہو جو کسی اور کو سنائی نہیں دیتیں۔)

وہ سیکورٹی سے گزرنے کے بعد اب ائیر لائن کاؤنٹر کی طرف آ رہا تھا۔ مطلوبہ کاؤنٹر کے سامنے چند قطاریں بنی تھیں۔ اس نے رک کے دیکھا۔ اکانومی کلاس، بزنس کلاس۔

وہ سیدھا بزنس کلاس کی طرف بڑھ گیا۔

(وہ جس پہ میں اعتماد کرتا ہوں گا۔)

بورڈنگ پاس لے کر وہ پاسپورٹ کنٹرول تک آیا۔ اور اوورسیز پاکستانیوں (بیرون ملک مقیم پاکستانیوں) کے کاؤنٹر پہ جا کے رکا۔

اپنی باری آنے پہ اس نے ایف آئی اے کے آفیسر کی طرف اپنا نیلا پاسپورٹ بڑھایا۔

(کیونکہ اس کا اس سب میں بہت کچھ داؤ پہ لگا ہوگا۔)

آفیسر نے شیشے کی کھڑکی کے پار سے پی کیپ والے نوجوان کا چہرہ دیکھا اور پھر پاسپورٹ پکڑا (برطانوی شہری۔)

اب آفیسر روٹین کے بے کار سوالات پوچھ رہا تھا۔

"کیمرے میں دیکھیں۔"

نوجوان نے کیپ اتار دی اور ایک سنجیدہ نظر کیمرے پہ ڈالی۔

''ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتائیں۔''

وہ اسی سنجیدگی سے پلک جھپکے بنا بولا۔

''ماہر علی فرید۔''

آفیسر نے بورڈنگ پاس دیکھنے کے باوجود پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہیں؟''

''استنبول۔''

''کیوں؟''

''گھر ہے وہاں میرا۔ اب جاؤں؟'' لہجے کا اکھڑ پن واضح تھا۔ آفیسر نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی اور پاسپورٹ اسٹیمپ کر کے اس کی طرف بڑھا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ جہاز کے اندر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ جب جہاز ٹیک آف کر گیا اور نیچے پھیلا لاہور چھوٹا دکھائی دینے لگا تو ترکش ایئر ہوسٹس نے آ کے ایک دفعہ پھر پوچھا۔

''کیا میں آپ کو ویلکم ڈرنک آفر کر سکتی ہوں؟''

''پہلے ترکش قہوہ۔ پھر ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اسپریسو ڈبل شاٹ۔'' اس نے سنجیدگی سے حکم دیا اور پیر لمبے کر کے فٹ ریسٹ پہ رکھ لیے۔ پھر فولڈ ٹرے پہ لیپ ٹاپ سیٹ کیا۔ اور اسکرین روشن کی۔ سامنے یوزر اکاؤنٹ کا نام نظر آ رہا تھا۔

KAIF

کیف کو کلک کر کے کھولتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے موبائل پہ واٹس ایپ میسج ٹائپ کیا۔

''زارا... میں فلائٹ میں ہوں۔ صبح آفس میں ملاقات ہوتی ہے۔''

چند ہزار کلومیٹر دور استنبول کے ڈسٹرکٹ بیشکتاش کے ایک علاقے لیونت میں ایک عمارت کے کارنر آفس میں زارینہ فرید اپنی پاور چیئر پہ بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ سامنے کھلا تھا اور وہ ماہر کا میسج پڑھ کے مسکرا رہی تھی۔

پھر اس نے انٹر کام اٹھایا اور اپنے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے ریسیور میں بولی۔

''شبنم۔ ماہر بے واپس آ رہے ہیں۔ اسٹاف کو اطلاع کر دو۔''

اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گلابی لباس والی لڑکی سفید چہرہ لیے صوفے کے کنارے بیٹھی تھی۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

کیف جمال سامنے کرسی پہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

وہ ایک عام سا نوجوان تھا۔ ایک لوزر۔

''جو آدمی کیف بن کے آپ کے پاس آیا' وہ خود ماہر فرید تھا۔'' اس فقرے کی بازگشت ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔

''جب کل تم نے فون پہ بتایا کہ تم کیف سے ملی ہو تو میں کھٹک گئی۔ کیونکہ کل ایک فیملی فنکشن پہ کیف ہمارے ساتھ تھا۔ وہ فوٹو گرافی کر رہا تھا۔ میں اسی وقت کیف کے پاس گئی۔ اور پھر اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔'' صفورا نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اس کی آنکھوں سے بے بسی بھرے غصے کے انگارے نکل رہے تھے۔

''بتاؤ سب مالا کو۔''

وہ گم صم سی اس اصلی کیف جمال کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل بھی ''اس'' کیف جیسا نہ تھا۔

''میں ایک صبح اٹھا تو ایک آدمی میرے گھر کے باہر کھڑا تھا۔'' کیف جمال نے اپنی کہانی کا آغاز کیا۔ اس کے پاس یہ کہانی گھڑنے کے لیے تین ماہ کا وقت تھا۔ جب کبھی یہ معاملہ کھلے گا' اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کہنا ہے۔

''لمبی کالے شیشوں والی کار۔ اس نے گن پوائنٹ پہ مجھے کار میں بٹھایا اور ایک ہوٹل لے گیا۔ وہاں ایک لگژری سوئیٹ میں اس نے میری ملاقات ماہر فرید سے کروائی۔''

وہ ساکت سی سن رہی تھی۔

''ماہر فرید خطرناک آدمی تھا۔ ایک سائیکو پیتھ ہے۔ ان کے ساتھ چند اور گارڈز بھی تھے جن کے پاس پستول اور رائفلز تھیں۔ میں ڈر گیا تھا۔''

''تم ڈر گئے تھے یا تم نے ان سے پیسے لیے ہیں؟'' صفورا ابھی تک اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''آپا۔'' کیف جمال نے چہرہ اٹھا کے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''اگر میں نے پیسے لیے ہوتے تو میری حالت بدلی ہوئی نظر آتی۔''

''پھر تم نے اپنے قرضے کیسے ادا کیے؟''

''وہی بتا رہا ہوں۔ وہاں پہنچا تو اس آدمی... ماہر فرید نے کہا کہ اس نے میرے قرضے ادا کر دیے ہیں۔ بدلے

میں مجھے اس کو اپنی شناخت دینی ہوگی۔ان کے پاس guns تھیں آپا۔وہ خوفناک لوگ تھے۔میں ڈر گیا تھا۔میں کیا کرتا۔''

خوف.... ہراساں کر دینے والا احساس کشمالہ کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔وہ خطرناک آدمی اتنے دن اس کے قریب رہا۔اگر اسے کچھ ہو جاتا؟

''اس نے میرا آئی ڈی کارڈ وغیرہ لے لیا۔پھر بعد میں' میں نے آپ کو جو اپنی سی وی بھیجی تھی اس پہ تصویر نہیں تھی۔''

کشمالہ چونکی۔اسے یاد آیا اس سی وی پہ کیف جمال کی تصویر نہیں تھی۔مگر کیف... ماہر کے پاس سب کچھ تھا۔آئی ڈی کارڈ۔ہر چیز۔سب کیف کے نام پہ اس کی تصویر کے ساتھ تھا۔وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

''میں بھی تم سے ملنے نہیں آسکی اتنا عرصہ۔پہلے دبئی پھر تھائی لینڈ چلی گئی۔''صفورا افسوس سے کہہ رہی تھی۔کیف نے شرمندگی سے اسے دیکھا۔

''آپ انٹرپرونیئرز کی جن ری ٹریٹس پہ دبئی اور تھائی لینڈ گئی تھیں' ان پہ آپ کو ماہر فرید کی کمپنی نے بھیجا تھا۔''

صفورا نے چونک کے اسے دیکھا۔''کیا مطلب؟''

''اس کے سفید بالوں والے مینیجر نے مجھے بتایا تھا۔انہوں نے اپنی ایک شیل کمپنی کی طرف سے وہ ری ٹریٹس ارینج کروائی تھیں۔''

صفورا صدمے سے بیٹھی رہ گئی۔

''اور میں سمجھی میں اتنی قابل ہوں کہ مجھے خود اپروچ کیا گیا ہے۔''صفورا نے ماتھے کو چھوا۔پھر غصے سے کیف کو دیکھا۔''اور تم اتنے ذلیل انسان ہو کہ جب میں واپس آئی تم مجھے کال کر کے کہتے رہے کہ کشمالہ مہمانوں سے چڑتی ہے۔اس لیے اس کی والدہ کو دیکھنے نہ آئیں۔تم صرف مجھے مالا سے دور رکھنا چاہتے تھے تاکہ تمہارا پول نہ کھلے۔''

''انہوں نے مجھے دھمکایا تھا۔ماہر فرید نے کہا تھا وہ میری کیا میرے پورے خاندان کی جان لے لے گا۔میں کیا کرتا۔''

''تم اس کو لوزر کہتی تھیں صفورا۔''وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔''وہ کچھ بھی تھا مگر وہ لوزر نہیں تھا۔''

اور اسے ایک ایک کر کے سب یاد آنے لگا۔

''اس کے پاس برانڈڈ چیزیں ہوتی تھیں۔ہر چیز مہنگی تھی۔وہ ہر وقت ائیر پوڈز لگائے کال پہ ہوتا تھا۔وہ بہت

کام کرتا تھا۔ اور وہ بہت کم سوتا تھا۔ وہ خود کو چھپا نہیں سکتا تھا۔ مجھے شک ہوتا تھا لیکن.. وہ اتنا مہربان تھا صفورا کہ...'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ ابھی تک شاک میں تھی۔

''کہ مجھے لگا وہ برا آدمی نہیں ہے۔''

''وہ اپنا آفس ریسوٹلی مینیج کر رہا تھا۔'' کیف جمال دھیرے سے بولا۔

''اس کے پاس اتنا وقت تھا؟''

''وہ سی ای او تھا۔ سی ای او ورک ہارڈ نہیں ورک اسمارٹ کرتے ہیں۔ یعنی کم وقت میں کام کرتے ہیں۔''

''اس نے تمہیں کیوں ہائر کیا؟ تمہارے اندر کون سے سرخاب کے پر لگے تھے کیف؟'' صفورا ابھی تک غصے سے کیف کو دیکھ رہی تھی۔

کیف نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میرے نام کی وجہ سے۔ کیف۔''

''اس نام میں ایسا کیا خاص ہے؟''

''یہ اس کے باپ کا نام تھا۔''

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ بس یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں نے اسے گوگل کیا تھا۔ اس کے انٹرویوز مجھے مل گئے تھے۔ لیکن وہ اس نے بعد میں ہٹوا دیے۔ اس نے اپنا سوشل میڈیا بھی بند کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیوں۔ اب سمجھ آیا وہ خود گارڈ بننے جا رہا تھا۔''

مگر کشمالہ کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔

''کیف اس کے باپ کا نام تھا۔ وہی باپ جس کو اس نے ایکسیڈنٹ میں مار دیا؟''

''جو ایکسیڈنٹ میں مرا وہ اس کا سوتیلا باپ تھا۔ اس کا اصل باپ اس سے کئی سال پہلے برین ٹیومر سے مرا تھا۔ اس کا نام قاسم فرید تھا۔ قاسم علی امتیاز فرید۔ اس کے نام کے پہلے حروف جوڑو تو کیف بنتا تھا۔''

Kasim Ali Imtiaz Farid

KAIF

''کیف اس کی کمپنی کا نام بھی ہے۔ ماہر فرید دو سال پہلے اپنا فیملی بزنس چھوڑ کے استنبول چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں پہ کیف نامی کمپنی بنائی تھی۔ جیسے شہزادے کسی زمانے میں اپنا تخت تاج چھوڑ کے چلے جاتے تھے۔ اس کے

انٹرویو میں لکھا تھا کہ وہ تین ہزار افراد کی کمپنی بنانا چاہتا ہے۔ وہ جو اس نے خود شروع کی ہو۔ نہ کہ اس کے باپ کے پیسے سے بنی ہو۔"

وہ اس بات پہ چونکی۔ آہستہ آہستہ یقین آنے لگا تھا۔ اور اس یقین کی تکلیف بہت زیادہ تھی۔

"وہ خطرناک آدمی ہے اور آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کے پاس ایک البم تھا جس میں لڑکیوں کی زخمی تصاویر تھیں۔ میں نے کہا نا وہ ایک سائیکو ہے۔ اور...." کیف تیزی سے کہہ رہا تھا۔ "اور اس کے ہوٹل سوئیٹ کی شیشے کی کھڑکی پہ ہر طرف آپ کی تصاویر لگی تھیں۔ وہ آپ کو عرصے سے اسٹالک کر رہا تھا۔"

وہ اس کی بات سن رہی تھی۔ یا شاید نہیں سن رہی تھی۔ بس صوفے کی گدی کو مٹھیوں میں بھینچے بیٹھی رہی۔

"وہ کچھ بنا رہا تھا۔ کسی بزنس پلان پہ کام کر رہا تھا۔" اسے یاد آیا۔ "مگر نہیں۔ وہ کچھ اور بنا رہا تھا۔"

پھر وہ چونکی۔

"ماہر فرید.... وہ کیا ہے؟ وہ کام کیا کرتا ہے؟" اس کی آواز آہستہ تھی۔

"وہ آرکیٹیکٹ ہے۔ معمار۔"

اور اس ایک لمحے میں سارے پزل کے ٹکڑے ایک ساتھ فٹ بیٹھتے گئے۔

"وہ عمارتیں بناتا ہے۔ یونیک عمارتیں۔ "کیف" اس کی آرکیٹیکچرل فرم ہے۔ وہ اپنے آفس سے تین ماہ کی چھٹی پہ آیا تھا۔ کیونکہ اسے ایک خاص عمارت بنانی تھی۔ مجھے یہ اس کے مینیجر نے بتایا تھا۔"

وہ آرکیٹیکٹ تھا۔ اور ماہی کہتی تھی جنونی آرکیٹیکٹ صرف سیاہ اور سفید پہنتے ہیں۔ ان کے لیے سرمئی زون کچھ نہیں ہوتی۔

کشمالہ نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے۔

سب جھوٹ تھا۔ سب فریب تھا۔

اسے زندگی میں کسی انسان سے اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی ماہر فرید سے ہوئی تھی۔

(میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' کیف۔) اس نے دل ہی دل میں اس کیف کو پکارا جو اتنا عرصہ اس کے قریب رہا تھا۔

اور گزشتہ روز... فلائیٹ میں بیٹھے... لیپ ٹاپ پہ کام کرتے ماہر فرید نے رک کے جیب سے ٹھنڈی خطائی نکال کے دیکھی تو اس کے چہرے پہ ایک زخمی تاثر بکھر گیا۔

"میری خواہش ہے کہ تم مجھے کبھی معاف نہ کرو، مالا۔"

اس نے کناروں سے ٹوٹی ہوئی خطائی واپس جیب میں ڈال دی۔

ہر ٹوٹی چیز جڑنے کے قابل نہیں رہتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

قسط نمبر:۵

"یک طرفہ عشق کبھی نہیں مرتا۔
بس یہ شکست کھا کے چلا جاتا ہے
دل کے ایک خفیہ خانے میں
جہاں یہ چھپ کے بیٹھا رہتا ہے
سمٹ کے، زخمی وجود کی مانند
کچھ بدقسمت لوگوں کے لیے
یہ تلخ اور کم ظرف بن جاتا ہے۔
اور جو بعد میں آتے ہیں
وہ ادا کرتے ہیں قیمت
اس زخم کی
جو دیا تھا پہلے آنے والے نے۔
لیکن مجھے اعتراف کرنے دو
کہ یک طرفہ عشق بہتر ہے
ایک اصلی، دو طرفہ عشق سے۔
بلکہ یک طرفہ عشق ہی ہے
بہترین عشق

کیونکہ

جو کبھی شروع ہی نہیں ہوا۔

اس کے ختم ہونے کا

ڈر نہیں ہوتا۔"

(ایلی نیو مارک۔ سارہ ڈیسن)

وہ تینوں اس وقت بوسفورس کے کنارے بنے ایک ریستوران میں موجود تھے۔ اطراف میں استنبول کی جامنی شام پھیلی تھی۔ عبدالمالک اور زارینہ ساتھ ساتھ بیٹھے تھے جبکہ بیربل ان کے مقابل براجمان تھا۔ بائیں جانب ریستوران کی کھما گھمی تھی اور دائیں جانب بوسفورس کا اندھیر ہوتا پانی دکھائی دیتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کی آوازوں کے ساتھ چھری کانٹے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"ماہر پہنچ چکا ہوگا۔" چھری کانٹے سے کباب کا ٹکڑا توڑتی زارینہ بولی تو لہجے میں خوشی تھی۔ وہ بڑی سیاہ آنکھوں اور کندھوں تک آتے بل دار بالوں والی خوبصورت لڑکی تھی۔ کانوں میں بڑے ائیر رنگز اور گردن میں سنہرے رنگ کی تین چار مختلف سائز کی زنجیریں تھیں۔

"کیا وہ ہمیں جوائن کرے گا؟" مالک نے پلیٹ سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح تھری پیس سوٹ میں ملبوس، سفید بالوں کو جیل سے برابر کیے ہوئے تھا۔ چہرے کی پتھریلی سنجیدگی برقرار تھی۔

"جی بابا۔ میں نے اسے لوکیشن بھیج دی تھی۔" وہ ساتھ ساتھ واٹس ایپ بھی چیک کر رہی تھی۔ چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

"وہ نہیں آئے گا۔" بیربل نے لقمہ لیتے ہوئے کہا تو دونوں نے ہاتھ روک کے اسے دیکھا۔ ان کو اپنی طرف دیکھتے پا کے بیربل نے مسکرا کے شانے اچکائے۔

"کیونکہ وہ آتے ساتھ ہی تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہے گا۔" اس کا مخاطب مالک تھا جس نے بس ایک نظر بیربل کو دیکھا اور سر جھٹک کے کھانا کھانے لگا۔ زارینہ نے ایک تادیبی نظر بیربل پہ ڈالی لیکن اسے پرواہ نہ تھی۔ گھنگھریالے بالوں والا بیربل ایک کان میں بالی پہنے، جینز اور جوگرز میں ملبوس تھا۔ کلائی میں دو تین بریسلیٹ بھی تھے۔ کالے سلور۔

''زارا...'' دفعتاً وہ کھنکھارا۔ ''اگر ماہر نے تمہارے بابا سے کیا وعدہ پورا کیا' اور ان کے ساتھ واپس چلا گیا تو کیف کون سنبھالے گا؟'' وہ خلاء میں دیکھتے ہوئے انگلیوں پہ گنتا جمع تفریق کر رہا تھا۔ ''ظاہر ہے تم۔ یعنی تم دونوں ایک ملک میں نہیں رہو گے۔''

زارینہ کی رنگت بدلی۔ آنکھوں میں برہمی در آئی۔ وہ آگے کو جھکی اور حتمی انداز میں بولی۔

''جہاں ماہر ہوگا' وہیں زارا ہوگی۔''

بیربل مسکرا کے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ زارا کا موڈ خراب کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

''اس نے دو ماہ بعد آنے کا وعدہ کیا تھا۔'' مالک نے ناخوشی سے کہتے ہوئے پلیٹ پرے کھسکھائی اور نیپکن اٹھایا۔ ''اور اب تین ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ میں اس لیے خاموش رہا تاکہ وہ اپنا ڈیزائن مکمل کر لے۔'' پھر اسی سنجیدگی سے زارا کو دیکھا۔ ''کیا اس کا ڈیزائن اپروو ہو جائے گا؟''

''ماہر صرف آرکیٹیکٹ نہیں ہے بابا۔ وہ آرٹسٹ ہے۔ اس کے ڈیزائن یونیک ہوتے ہیں۔ پھر کیف کے تو آرکیٹیکٹس اس کے ساتھ اس بلڈنگ پہ کام کرتے رہے ہیں۔''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے زارا۔ میں نے پوچھا' کیا اس کا ڈیزائن اپروو ہو جائے گا۔''

زارینہ قدرے بجھ سی گئی۔ کندھے اچکا کے کھانے پہ سر جھکا لیا۔

''میں کیف کے معاملات ڈنر ٹیبل پہ شیئر نہیں کر سکتی۔''

''یعنی تمہیں اس کے ڈیزائن پہ تحفظات ہیں۔ ہوں۔'' مالک نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

بیربل نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''مالک ... تم تھکتے نہیں ہو ایک روبوٹ کی طرح زندگی گزارتے ہوئے؟''

مالک نے سفید ابرو اٹھا کیا اپنے بھتیجے کو دیکھا جو ہمیشہ اسے مایوس کرتا تھا۔

''تم نہیں تھکتے اپنے باپ کا پیسہ اڑاتے ہوئے؟''

بیربل نے ہنس کے شانے اچکا دیے۔ ''تم اور ماہر کبھی مجھ سے خوش نہیں ہو گے۔ اس لیے میں اپنی زندگی دو روبوٹس کو خوش کرنے میں نہیں گزار سکتا۔''

''بیر۔'' زارا نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھا لیکن وہ ٹیک لگائے' ایک بازو کرسی کی پشت پہ پھیلائے محظوظ سا

کہہ رہا تھا۔

''میرا باپ... میرا بھائی... اور میرے چچا...'' مالک کی طرف اشارہ کیا... ''تم سب روبوٹس ہو۔ پیسہ کماتے ہو' پیسہ گنتے ہو۔ تمہاری کوئی زندگی نہیں ہے۔'' پھر سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ ''میری ہے۔''

''ماہر ہمارے خاندان کا وارث ہے۔'' مالک سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''وہ تمہاری طرح پیسہ اور وقت ضائع نہیں کرتا۔''

(استنبول ایئر پورٹ کی ایگزٹ پہ ایک سیاہ کار موجود تھی۔ فربہ سا ڈرائیور اردل پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ پی کیپ پہنے' جوگرز سے چلتا ہوا ماہر کار کے قریب آیا' لیکن بیٹھا نہیں۔ وہ قدم قدم چلتا ڈرائیونگ ڈور تک گیا اور پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھ کے اس حصے کو غور سے دیکھنے لگا۔)

''وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ کاروبار سے محبت اس کے خون میں ہے۔''

(وہ سیدھا کھڑا ہوا اور دروازہ کھولے کھڑے اردل کے مقابل آ رکا۔ گھور کے اسے دیکھا۔

''میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ کار کہیں لگی ہے۔ میں پوچھوں گا کہ کار کس سے لگی ہے۔''

اردل نے جلدی سے نظریں جھکا دیں۔

''مجھ سے لگی ہے' ماہر بے۔ آپ میری تنخواہ سے سارا نقصان پورا کر لیجیے گا۔''

ماہر نے سمجھ کے سر ہلایا۔ ''یعنی ہیر بل سے لگی ہے۔ بیٹھو۔'')

''ہماری انویسٹمنٹ ہولڈنگ کو اس نے اپنے باپ کی طرح سنبھال رکھا تھا۔ لوگ ماہر فرید کو اپنا پیسہ دیتے تھے تاکہ وہ اس کو انویسٹ کرے۔''

(کار سرخ پل کے اوپر سے گزر رہی تھی اور وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ پی کیپ اب ساتھ والی سیٹ پہ رکھی تھی اور اس کے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ استنبول اداس لگتا تھا۔ اپنے اندر کی طرح۔)

''وہ دوسرے انسانوں کا پیسہ بھی انویسٹ کرتا ہے۔ بہترین جگہ پہ اثاثے خریدتا ہے۔ اور پھر وہ انہیں درست وقت پہ بیچتا ہے۔ ماہر کے اندر وہ Killer instinct ہے جو کاروبار کرنے کے لیے چاہیے ہوتی ہے۔''

(اپنے اپارٹمنٹ کی بیل پہ اس نے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ اسکارف اور اسکرٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر ہاؤس کیپر (فیضی) نے مسکرا کے اس کا استقبال کیا۔ ماہر نے ایک نظر اس پہ ڈالی' اور پھر مڑ کے فربہ ڈرائیور کو دیکھا جس کا کوٹ پھنسا ہوا لگ رہا تھا۔

''ماشاءاللہ تم دونوں کی صحت بتا رہی ہے کہ بیربل کی بیکری کے کیکس میرے گھر آتے رہے ہیں۔'' مسکرا کے کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا اور شوریک پہ جوتے اتارے۔ اردل اور فیضی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب کیا کریں؟)

''اور اس کا بخت بلند ہے۔ وہ جس چیز میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے سونا بنا دیتا ہے۔ پیسہ بخت سے آتا ہے بیربل۔ وہ تمہاری طرح ایک فلاپ بیکری میں پیسہ ڈبو کے قلاش نہیں ہو جاتا۔ اور نہ ہی...'' طنز سے کہا''.... اور نہ ہی ایسا ہے کہ بیکری اس کے خرچے اٹھانے کے لیے ناکافی ہو جائے اور اس کا اصل خرچہ اپنے باپ کے کاروبار سے آنے والے ماہانہ الاؤنس پہ ہو۔''

بیربل نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''کہہ لو۔ جو کہنا ہے کہہ لو۔ مجھے کون سا فرق پڑتا ہے۔''

مالک نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ زارا کھنکھاری اور باپ کی طرف چہرہ کیا۔

''بابا... اگر آپ کو ماہر کے بخت پہ اتنا بھروسہ ہے تو اسے کیف کو آگے بڑھانے دیں۔ میں مانتی ہوں کیف ایک ڈوبتی ہوئی فرم ہے۔ اور وہ کامیاب نہیں ہوا۔ وہ ایک انٹرگل کرتا ہوا انٹرپرونیئر ہے۔ لیکن ابھی دو سال ہوئے ہیں۔ اس کو وقت دیں۔''

''اس ملک میں....'' مالک نے ناپسندیدگی سے ادھر ادھر دیکھا۔ مختلف میزوں پہ ترک اور ٹورسٹ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور آواز دھیمی کی۔ ''اس غریب اور قلاش ملک میں کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ ڈالرز کی ہوس میں مبتلا لوگوں کا ملک ہے۔ یہ صرف تمہارے کزن کو لوٹ رہے ہیں۔ کیف ایک فیلینئر ہے اور رہے گا۔ اس لیے اسے چاہیے کہ واپس آ جائے۔''

زارا اب نزاکت سے ٹشو سے انگلیاں صاف کر رہی تھی۔

''میں حیران ہوں کہ ماہر نے واپس آنے کی بات کیسے مان لی۔ آپ نے اسے کیسے راضی کیا بابا؟ وہ تو لاہور اس لیے گیا تھا تاکہ اپنے ڈیزائن پہ سکون سے کام کرے۔''

بیربل کی آنکھیں چمکیں اور لب ''اوہ'' میں سکڑے۔ اس نے مسکرا کے پہلے مالک کو دیکھا اور پھر زارا کو۔ مالک نے اپنی بیٹی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ انٹرسٹنگ۔

''یہ میرا اور ماہر کا معاملہ ہے۔ تم درمیان میں نہ بولو۔'' وہ سرد لہجے میں ٹوک گیا تو زارا خاموش ہو گئی۔ بیربل

مسکرا کے اٹھ گیا اور موبائل اٹھا کے جیب میں ڈالا۔

"چونکہ میں ایک ناکام بیکر ہوں اس لیے میں بل نہیں دوں گا۔" مالک کو دیکھتے ہوئے ایک آنکھ دبائی۔ "اب چلتا ہوں۔ ماہر پہنچ گیا ہوگا۔" اور زارا کو ہاتھ ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ مالک نے ناراضی سے اسے جاتے دیکھا۔

"Disappointment۔" وہ بڑبڑایا۔

زارینہ نے مسکرا کے اسے الوداعی ہاتھ ہلایا اور پھر سوچتی نظروں سے باپ کو دیکھا۔

مالک کا چہرہ ہمیشہ کی طرح ٹھنڈا اور بے تاثر تھا۔ ماہر اور اس کے درمیان کیا معاملہ طے پایا تھا؟ وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول کو جولائی کی گرمی لاہور کی طرح بھسم نہیں کرتی تھی۔ بلکہ دھوپ اور ٹھنڈی ہوا ساتھ ساتھ رہتیں۔ سورج ڈھلتا تو دھوپ ڈوب جاتی اور سارے میں بہار جیسی ٹھنڈ پھیل جاتی۔ بوسفورس کے پانیوں سے بگلے اڑ اڑ کے استنبول کی اونچی اپارٹمنٹ بلڈنگز کے اوپر چکر کاٹتے۔

استنبول کے ضلع سریار میں سفارت خانے تھے اور وہاں غیر ملکیوں کی اکثریت رہتی تھی۔ سریار میں ترابیہ نام کا ایک بے انتہا سرسبز علاقہ تھا جو بوسفورس کے کنارے واقع تھا۔

استنبول اپارٹمنٹس کا شہر تھا۔ یہاں بوسفورس کنارے بنے اونچے محل نما "یالی" (یلی) بہت کم تھے۔ اور وہ عموماً پرانے ترک امراء یا غیر ملکی شاہی خاندانوں کے زیر استعمال ہوتے تھے۔ یا ان میں سے کچھ کرائے پہ حاصل کر کے ترکش ڈرامے شوٹ کیے جاتے تھے۔ شہر کے باقی امراء ان کو افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اگر انہیں بوسفورس کنارے رہنا ہوتا تو وہ لگژری اپارٹمنٹس کو ترجیح دیتے۔

ہم اس وقت اپنی کہانی کو ترابیہ (استنبول) کی ایک لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ تک لے کر جا رہے ہیں۔ سڑک کنارے ایک سیاہ جالی دار گیٹ تھا جس کے اندر جاؤ تو ایک باغیچے میں گھری کئی منزلہ اونچی عمارت کھڑی تھی۔ عمارت کی بالائی ترین منزل پہ ڈوپلیکس پینٹ ہاؤسز بنے تھے۔ یعنی دو منزلہ اپارٹمنٹ۔

باہر سے اپارٹمنٹ اور اندر سے جیسے دو منزلہ گھر ہو۔

ایک پینٹ ہاؤس اپارٹمنٹ کے باہر "Farid'lar" کی تختی لگی تھی۔

فریدز۔

بیربل گھر میں داخل ہوا تو ہمیشہ کی طرح سامنے ایک سفید راہداری نظر آئی جو لونگ روم تک جاتی تھی۔اس نے رک کے جوتوں کے اسٹینڈ پہ جوگرز اتارے۔اور چابیاں ہاتھ میں گھماتا ننگے پیروں سے آگے آیا۔

سامنے ایک وسیع لونگ روم تھا۔ایک طرف دو منزلہ اونچی گلاس وال تھی جس کے پردے سیاہ اور سفید تھے۔اس وقت وہ ہٹے ہوئے تھے اور ان کے پار بوسفورس کا سیاہ پانی اور کنارے پہ کھڑی کشتیاں نظر آتی تھیں۔

لونگ روم میں ہر چیز سفید اور سیاہ رنگ میں مزین کی گئی تھی۔وہاں کوئی تیسرا رنگ نہ تھا۔

ایک طرف لکڑی کا سیاہ سفید زینہ اوپر جاتا تھا جہاں ایک منی لاؤنج بنا تھا اور وہاں بیربل کا کمرہ بھی تھا۔لیکن ابھی وہ اس کمرے میں نہیں جا سکتا تھا۔اسے تفتیش کے ایک کڑے مرحلے سے گزرنا تھا۔

لونگ روم میں ایل کی شکل میں سیاہ رنگ کے طویل صوفے رکھے تھے۔سامنے ایک آتش دان تھا جس کے آگے دو سیاہ ونگ چیئرز رکھی تھیں۔

بیربل نے لونگ روم میں قدم رکھا تو سامنے ماہر فرید بیٹھا نظر آیا۔وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ننگے پیروں سے وہاں بیٹھا تھا۔پی کیپ میز پہ رکھی تھی۔اور اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔

''خوش آمدید' برو۔'' بیربل مسکرا کے قریب آیا لیکن ماہر نے وہیں سے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

وہ درمیان میں رک گیا۔بظاہر ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''میری کار پہ ایک ڈینٹ ہے... جیسے یہ کہیں لگی ہو اور بعد میں مرمت کر کے اسے مٹانے کی کوشش کی گئی ہو۔''

''چچ چچ... اردل بالکل دھیان نہیں رکھتا تمہاری کار کا۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے افسوس سے بولا۔ماہر نے ابرو اٹھائی۔

''اردل۔ہوں۔اور یہاں...'' اس نے آتش دان کی طرف اشارہ کیا۔''ایک سفید سوان رکھی تھی جو مجھے کسی نے تحفے میں دی تھی۔وہ غائب ہے۔''

پھر اس نے سامنے بنے سفید اوپن کچن کی طرف اشارہ کیا۔

''وہاں سامنے کاؤنٹر پہ میرے مگ سجے تھے جن میں سے تین غائب ہیں۔''

لونگ روم کے پردوں کی طرف اشارہ کیا۔''ادھر ایک کارنر لیمپ تھا جو اب موجود نہیں ہے۔''

''فیضی حانم....'' بیربل اسی سنجیدگی سے پریشان کھڑی ہاؤس کیپر کی طرف گھوما۔ ''ماہر کچھ پوچھ رہا ہے۔ آپ کیوں گھر کا خیال نہیں رکھتیں؟''

فیضی حانم نے بے بسی سے باری باری دونوں بھائیوں کو دیکھا۔ پھر ندامت سے سر جھکایا۔

''یہ سب مجھ سے ٹوٹا ہے' ماہر بے۔''

''یقیناً آپ سے ٹوٹا ہے فیضی حانم۔'' ماہر نے بیربل کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ''اور یقیناً میری بانیک بھی آپ ہی ہار لے کر گئی ہوں گی۔ اس کی جی پی ایس ہسٹری بتا رہی ہے کہ میرے پیچھے وہ کئی دفعہ استعمال کی گئی ہے۔''

مگر بیربل کے اطمینان میں فرق نہیں آیا۔ اس نے افسوس سے فیضی حانم کو دیکھا۔

''چچ چچ.... اس عمر میں کیا شوق پال لیے ہیں آپ نے؟....''

فیضی نے اب کی دفعہ شدید ناراضی سے بیربل کو دیکھا۔ وہ کچھ کہتیں لیکن ماہر کا اگلا سوال آ چکا تھا۔

''ونگ چیئر پہ تو کوئی نہیں بیٹھا؟''

''نہیں۔'' ان دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ سچ تھا۔ پھسل گیا۔

''ہوں۔'' ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور مڑ کے آتش دان کے ساتھ رکھی خالی چیئرز کو دیکھا۔ ان پہ بیٹھنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ یہ ماہر فرید کا ایک ایسا اصول تھا جس کی پابندی کرنا کسی کے لیے مشکل نہیں تھا۔ ونگ چیئرز ٹی وی سے بہت دور تھیں۔ کسی کو وہاں بیٹھنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ نہ ہی ماہر خود وہاں بیٹھتا تھا۔

''تفتیش مکمل ہو گئی ہو تو میں بیٹھ جاؤں؟''

ماہر نے گردن موڑی اور اس کے ننگے پیروں کو دیکھا۔ پھر طنز سے مسکرا کے بولا۔

''یقیناً مجھے دیکھ کے تم نے جوتے اتارے ہوں گے۔ مشکل پیش آ رہی ہو گی۔ ہوں؟''

مگر وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بیٹھا۔

''خوش آمدید ماہر فرید۔ ہم نے تمہیں بالکل مس نہیں کیا کیونکہ تمہاری پابندیاں زندگی کو بورنگ بنا دیتی ہیں۔ اگر ہمارے ابا نے اپنا سب کچھ تمہارے نام نہ کیا ہوتا اور تم اس اپارٹمنٹ کے مالک نہ ہوتے تو میں ان سوالوں کے کچھ اور جواب دیتا۔''

''تمہارے نام کچھ کیا ہوتا تو اب تک ہم سب سڑک پہ ہوتے۔''

''بقول مالک... تمہارا کیف جلد سڑک پہ آنے والا ہے۔ ویسے تم نے ڈنر پہ ہمیں جوائن کیوں نہیں کیا؟''

ماہر نے سر جھٹکا اور کھڑکی کی طرف چہرہ کرلیا۔ اونچی گلاس والے پہ چھت سے لٹکتے فانوس کی روشنیوں کا عکس پڑ رہا تھا۔

''میں آتے ساتھ ہی مالک کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔''

بیربل دل کھول کے ہنس دیا۔ ماہر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے مسکرا کے سر جھٹکا۔

''کچھ نہیں۔ تم بتاؤ۔ تین ماہ کی محنت کے بعد بھی تمہارے ہاتھ کچھ نہیں لگا۔'' بیربل کے لہجے میں افسوس در آیا۔ ''یعنی وہ لڑکی کچھ نہیں جانتی تھی۔''

وہ دونوں ایل شیپ سیاہ صوفے پہ ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے۔ سفید اوپن کچن میں فیضی حاتم کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اور دو منزلہ گلاس وال کے پار چھائی رات اب مزید تاریک ہوتی جا رہی تھی۔

''تم اس سے کیوں ملے تھے؟'' اب کے ماہر بولا تو آواز مدھم تھی۔

بیربل نے بغور اپنے بھائی کو دیکھا جو صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ کچھ اداس سا تھا اس کے بارے میں۔

''کیونکہ مالک نے کہا تھا کہ اس سے ملو۔ تاکہ تمہیں ویک اپ کال ملے۔ ورنہ تم کیف جمال کی شناخت میں اتنے کھو چکے تھے ماہر، کہ تمہارا فوکس ختم ہو چکا تھا۔ تم اس لڑکی سے obsessed ہو چکے تھے۔ تم ہمیشہ یہی کرتے ہو۔ ایک چیز کو لے کر obsessed ہو جاتے ہو اور اردگرد کی چیزیں فراموش کر دیتے ہو۔ ہم نے تمہارا ساتھ دیا جہاں تک دے سکتے تھے۔ لیکن ہمیں ہی تمہیں اس میس سے نکالنا تھا۔ میں بار بار وہاں تمہارے لیے آتا تھا۔''

وہ آزردگی سے مسکرایا۔ ''تمہیں بھی میرا یقین نہیں ہے۔''

''ماہر.....'' بیربل بیزار سا ہوا۔ ''تمہاری لاحاصل تلاش پہ مجھے تین ماہ پہلے تک یقین تھا۔ لیکن تم غلط تھے۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ تم نے صرف وقت ضائع کیا۔ میں اس چیز میں اب تمہاری حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔''

لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ صرف کچن سے فیضی کی کٹنگ بورڈ پہ کھٹ کھٹ کر کے سبزی کاٹنے کی آواز آنے لگی۔ ماہر کے آتے ہی اپارٹمنٹ سے تمام بیکری آئٹمز غائب ہو چکے تھے اور ان کی جگہ سبز پتوں والی سبزیوں نے لے لی تھی۔

"تمہیں اس کام میں تین ماہ نہیں ضائع کرنے چاہیے تھے۔ جب تمہیں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ لڑکی کچھ نہیں جانتی تو واپس آ جاتے۔ لیکن نہیں۔ تم یہ سب اس لڑکی کو بچانے کے لیے کر رہے تھے۔"

"یعنی تمہیں بھی مجھ پہ یقین نہیں تھا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور قدم قدم چلتا آتش دان تک آیا۔ مینٹل شیلف کے اوپر قطار میں بہت سی خوشبودار کینڈلز رکھی تھیں۔ چھوٹے بڑے گلاس جارز میں مختلف رنگوں اور خوشبوؤں سے بھری کینڈلز۔

"کیا میں غلط ہوں؟ کیا تم اس لڑکی کو بچانا نہیں چاہتے تھے؟ یا جیسے مالک کہتا ہے... کیا تم انتقام نہیں لینا چاہتے تھے؟"

"میں اسے بچانا چاہتا تھا' بی۔ اور میں انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ لوں گا۔ کبھی نہ کبھی میں انتقام لوں گا۔" اس نے جیب سے لائٹر نکالا اور اس کا شعلہ جلایا۔

"لیکن ابھی میں صرف ایک وجہ سے یہ سب کر رہا تھا۔ وہ وجہ جو تم میں سے کوئی سننا نہیں چاہتا۔" اس نے لائٹر کے شعلے سے وسط میں رکھی ایک موم بتی کے دھاگے کو سلگایا۔ دھاگے نے فوراً آگ پکڑ لی۔

"ماہر... موو آن کر لو۔ جیسے ہم نے کر لیا۔ کچھ لوگ مر جاتے ہیں۔ اور واپس نہیں آتے۔ کوئی انتقام' کوئی پلان مرے ہوؤں کو واپس نہیں لاتا۔" تلخی سے کہہ کے بیر بل اٹھا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے پیروں کی دھمک زینے پہ اوپر جاتی محسوس ہوئی اور پھر وہ اپنے کمرے میں گم ہو گیا۔

ماہر نے ایک نظر خالی ونگ چیئرز کو دیکھا اور پھر میز ھیوں کے ساتھ بنے ایک دروازے کو۔ یہ اس گھر کا تیسرا بیڈروم تھا جہاں کوئی نہیں رہتا تھا۔

موم بتی کی موم پگھل رہی تھی اور سارے میں صندل وڈ کی خوشبو پھیلنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جب سے صفورا اور اس کے کزن کیف سے مل کے آئی تھی' گم صم سی بیٹھی تھی۔ اس کو رونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ کہنے کو تو اس نے سارے کنارے ملا لیے تھے لیکن کیا اس کے دل و دماغ کو یقین بھی آ گیا تھا؟

شاید نہیں۔

ابھی وہ دکھ کے پہلے اسٹیج "شاک" میں تھی۔ دماغ شل تھا اور وہ باتیں اندر جذب نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ خالی خالی نظروں سے ماں اور معید کو دیکھ رہی تھی جو لاؤنج میں بیٹھے کسی بات پہ ہنس رہے تھے۔ معید سیب کے ٹکڑے کر

کے ماں کو کھلا رہا تھا اور بخت بی ان کی وہیل چیئر کے پیچھے کھڑی ان کے بال برش کر رہی تھیں۔

"میں کہتی تھی بختو ... میرے بالوں میں اتنی خشکی کیوں ہوگئی ہے۔ کڑوے تیل سے بھی نہیں جاتی تھی نہ دہی انڈے سے۔ مواٹیومر تھا سر میں۔"

معید نے سر پہ ہاتھ مارا۔

"ماں یار کتنی دفعہ بتاؤں... ٹیومر کا سر کی خشکی سے تعلق نہیں ہوتا۔"

"دیکھو میرے بال بھی کتنے گر رہے ہیں آج کل۔ پہلے ایسے نہیں گرتے تھے۔ یقیناً دواؤں کی گرم تاثیر کی وجہ سے۔"

وہ گرے ہوئے بال ہاتھ پہ لپیٹ کے ان کو گولا بنا رہی تھیں۔

معید ہنس دیا۔ "ماں کوئی چیز گرم یا ٹھنڈی تاثیر کی نہیں ہوتی۔ کتنی دفعہ سمجھاؤں چیزوں کی مقدار اور استعمال سے گرمائش پیدا..."

"جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ڈاکٹر بنے اور ماں کو ٹوک رہا ہے۔ ہونہہ۔" ماں نے خفگی سے سر جھٹکا۔ معید جب بھی ان کی گرم یا ٹھنڈی تاثیر کی بات کی تصحیح کرتا تو وہ اسے عاق کرنے تک پہنچ جاتی تھیں۔ معید سر جھٹک کے اٹھ کھڑا ہوا۔ تبھی ماں کو یاد آیا۔

"معید، میرے آپریشن کے دوران سرجن نے تمہیں اندر بلا کے میرا دماغ کھلے ہوئے دکھایا تھا؟"

"جی ماں۔ دکھایا تھا۔"

"اندر کیا تھا؟" ماں نے دلچسپی سے پوچھا۔ بال برش کرتی بخت بی بھی غور سے سننے لگی۔

"اندر آپ کے خیالات چل پھر رہے تھے۔" وہ جل کے بولا۔ "ایک کیڑہ کبیرہ کے نام کا تھا۔ ایک ممانی کے نام کا۔ اور بتاؤں؟"

ماں کا موڈ آف ہوگیا۔ کشن اٹھا کے اسے دے مارا۔

"پرے بدتمیز۔" معید ہنستے ہوئے ایک طرف ہوگیا اور کشن صوفے پہ بیٹھی مالا کو جا لگا۔

وہ ایک دم چونکی۔ جیسے کسی خواب سے جاگی ہو۔

پھر تیزی سے اٹھ کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ماں اور معید نے تعجب سے اسے جاتے دیکھا۔

اسے کیا ہوا؟ لیکن وہ دروازہ بند کر چکی تھی۔

اس کا دکھ شاک سے نکل کے ''انکار'' کے مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔

یہ سب جھوٹ ہے۔ صفورا اور کیف جمال جھوٹ بول رہے ہیں۔ وہ اندر الماریاں کھولتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ کیف ہی کیف ہے۔ وہ میری آنکھوں میں دیکھ کے اتنے دن جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ایک پرس کے اندر سے بالآخر اسے وہ مل گیا۔ کیف کے اپارٹمنٹ کا کارڈ۔ اس نے وقت دیکھا نہ کسی کے سوال کا جواب دیا۔ بس لاؤنج میں بیٹھے معید اور ماں کو ''کام سے جا رہی ہوں۔'' کہہ کے باہر نکل گئی۔

اپارٹمنٹ بلڈنگ کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے مالا کے چہرے پہ پریشانی تھی۔

اس کا دکھ انکار سے اگلے مرحلے ''تکلیف اور گلٹ'' میں داخل ہو چکا تھا۔

اگر وہ ماہر فرید تھا اور کیف جمال نہیں تو اس نے مالا کو کیوں نہیں بتایا؟ کیا وہ اس قابل نہیں تھی کہ کوئی اس پہ بھروسہ کرتا؟ کیا ضروری ہے ہر کوئی اس کو دھوکہ دے؟ ظہیر... کیف... سب اسے ہی کیوں توڑ کے چلے جاتے تھے؟ کیا اس کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا؟

وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ میں داخل ہوئی تو باہر شام اتر رہی تھی۔ استقبالیہ ڈیسک پہ دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ وہ اسے دیکھ کے مسکرائیں البتہ ایک کی آنکھوں میں سوالیہ نشان تھا۔ اس نے مالا کو یہاں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ وہ ان سے نظر ملائے بنا سیدھی لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ کارڈ پہ اپارٹمنٹ نمبر درج تھا۔

چند منٹ بعد وہ پانچویں فلور کے اس اپارٹمنٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ کیا کر رہی تھی؟ وہ کس سے ملنے جا رہی تھی؟ کیا وہ وہاں ہو گا؟

مالا نے شل ہوئے دماغ کے ساتھ گھنٹی بجائی۔ پھر مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایک دو تین۔

جواب نہ پا کے اس نے کارڈ اسکینر سے ٹکرایا۔ سرخ بتی جلی۔ کارڈ دروازہ کھولنے سے قاصر تھا۔

وہ بار بار کارڈ لگانے لگی لیکن سرخ بتی کے ساتھ ٹوں ہوتی۔ مسلسل انکار۔

''کیا میں آپ کی ہیلپ کر سکتی ہوں میم؟''

وہ چونک کے مڑی۔ پیچھے سے وہی ریسپشنسٹ چلتی آ رہی تھی۔ اس نے سی سی ٹی وی میں مالا کو بار بار دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے دیکھ لیا تھا۔

''دروازہ نہیں کھل رہا۔'' کشمالہ جبراً مسکرائی۔

''اوہ۔ ماہر صاحب نے چند ہفتے قبل لاک چینج کروا دیا تھا۔''

ماہر۔اس کا سانس رک گیا۔کارڈ والا ہاتھ پہلو میں آن گرا۔

چند لمحے کے لیے وہ بالکل سن رہ گئی۔پھر غصے کی ایک شدید لہر اس کے اندر اٹھی۔وہ سوائے اس کے ہر ایک کے لیے ماہر تھا۔

''اور کہاں ہے ماہر؟''

''ان کی فلائٹ تھی کل۔استنبول کی۔ان کا پرنٹر کام نہیں کر رہا تھا سو انہوں نے سفری کاغذات مجھ سے پرنٹ کروائے تھے۔'' ساتھ ہی اس نے وضاحت کی۔

''استنبول۔'' مالا نے ابرو اٹھائی۔انکار کا مرحلہ گزر چکا تھا۔بالآخر صفورا اور کیف جمال کی باتیں اندر جذب ہونے لگی تھیں۔

''کیا آپ یہ دروازہ میرے لیے کھول سکتی ہیں۔ماہر صاحب مجھے جانتے ہیں۔''

لڑکی نے شانے اچکائے۔

''میں ایسے دروازہ نہیں کھول سکتی۔یہ مالک صاحب کا اپارٹمنٹ ہے۔مجھے ماہر یا مالک سے پوچھنا پڑے گا۔اگر آپ چاہیں تو میں انہیں ابھی کال کر لیتی ہوں۔''

مالا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔پھر اسی سنجیدگی سے بولی۔

''انہیں کال ضرور کریں۔لیکن اپارٹمنٹ کھلوانے کے لیے نہیں۔میرا ایک پیغام دینے کے لیے۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر کہہ رہی تھی۔

''ماہر فرید سے کہنا' کشمالہ مبین آئی تھی۔بس اتنا کافی ہے۔''

کارڈ وہیں پھینکا اور تیز قدموں سے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ریسپشنسٹ نے آرام سے اسے جاتے دیکھا اور شانے اچکا دیے۔

امراء کے ان اپارٹمنٹس میں ایسے قصے عام تھے۔مرد اپنی گرل فرینڈز کو اپارٹمنٹ لے کر دے دیتے اور ان سے ملنے آتے رہتے۔پھر کسی دن اچانک سے بیوی آ کے اپارٹمنٹ کھلوانے اور فساد برپا کرنے کی دھمکیاں دیتی تھی۔چونکہ اس اپارٹمنٹ میں کوئی عورت نہیں رہتی تھی' اس لیے اسے کسی ہنگامے کی توقع نہیں تھی۔لیکن پھر بھی ان کا عملہ اس امر میں تربیت یافتہ تھا۔اس کے جاتے ہی ریسپشنسٹ نیچے آئی اور فون کا ریسیور اٹھایا۔

''عبدالمالک فرید کو کال ملائیں۔'' وہ عام سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

انکار کے بعد غصے کی باری تھی۔ یہ دکھ کا تیسرا اسٹیج تھا۔

گھر کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے ہاتھ غصے سے کپکپا رہے تھے۔

یہ سب کیسے ہو گیا اس کے ساتھ؟ وہ اس کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اس نے کیسے اسے اتنا بڑا دھوکہ دے دیا؟

ساتھ ہی وہ بار بار اپنا فون بھی چیک کر رہی تھی۔ شاید وہ میسج کر دے۔ شاید وہ کال کر لے اور اسے بتا دے کہ وہ سب ایک غلط فہمی ہے۔ اسے ''سودے بازی'' کا مرحلہ کہتے ہیں جو غصے کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ کچھ ایسا معجزانہ ہو جائے جو یہ ثابت کر دے کہ ماہر قرید کوئی نہیں تھا۔ وہ کیف جمال ہی تھا۔ گھنی دھوپ میں ہمیشہ اس کا سایہ بننے والا۔ نہ کہ پیروں تلے سے زمین کھینچنے والا۔

کمرے میں آ کے اس نے دروازہ بند کیا اور وہیں زمین پہ بیٹھتی گئی۔

ایک دم سے آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔ آنسوؤں کو بالآخر یقین آ گیا تھا کہ ان کی منزل باہر بہہ جانے میں تھی۔ وہ نکلے اور پھر نہیں رکے۔ وہ وہیں بیٹھ کے رونے لگی۔

انکار' غصہ' سودے بازی.... سب آنسوؤں میں بہہ گیا۔ اور اب سب سے طویل مرحلہ شروع ہونا تھا۔

ڈپریشن اور درد کا مرحلہ۔

یہ تم نے کیا کیا کیف؟ میری آنکھوں میں دیکھ کے تم اتنے عرصے تک جھوٹ بولتے رہے۔ یہ تم نے کیسے کر لیا؟ کتنا پتھر دل تھا تمہارا؟ وہ بار بار کیف کو مخاطب کر رہی تھی۔

وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

اور وہ ہر جگہ تھا۔

یہ ایسا دکھ جو اندر سے کاٹتا تھا۔ روح ایسی چھلنی ہوئی کہ اسے لگا وہ اپنے پیروں پہ کھڑی نہیں ہو سکے گی۔

جانے کب وہ روتے روتے بیڈ پہ جا کے لیٹ گئی اور منہ سر لپیٹ لیا۔

جب جاگی تو جسم بخار میں پھنک رہا تھا اور معید اسے ڈرپ لگا رہا تھا۔ وہ کینولے کی سوئی کی تکلیف سے جاگی تھی۔ سر بھاری ہو رہا تھا اور جسم میں جان نہیں تھی۔

''مالا... کیا ہوا ہے؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر بازو میں پیوست سوئی کو دیکھا اور دوسری نظر اوپر اسٹینڈ پہ لگی ڈرپ پہ ڈالی۔ آنکھیں ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ بس کروٹ کے بل لیٹے لیٹے وہ رونے لگی۔ ایک دم زور زور سے۔

ماں اس کے ساتھ لیٹی ہوئی تھیں۔ کروٹ اس کی طرف موڑے۔ وہ پیار سے اس کا کندھا تھپکنے لگیں۔

"میری پیاری بیٹی۔ میری بہادر بیٹی۔ نہ روؤ۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔"

مالا مزید اونچی آواز سے رونے لگی۔

"بیٹے میں ٹھیک ہوں اب۔" ماں کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ معید بھی یہی سمجھا کہ وہ ماں کے لیے پریشان ہے۔

"مالا! ماں ٹھیک ہیں۔ تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟"

مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اونچا اونچا رو رہی تھی۔ جیسے بچے روتے ہیں۔ اور بچے ایسے اس لیے روتے ہیں کہ وہ تکلیف کو سمجھ نہیں پاتے نہ اپنے احساسات کو۔ جب وہ کسی سچوئیشن کو ڈیل نہ کر سکیں تو رونے لگ جاتے ہیں۔ جیسے رو کے وہ اپنے مسئلے فکس کر لیں گے۔ اور پھر رو رو کے وہ سو جاتے ہیں اور جب جاگتے ہیں تو ان کو اپنا مسئلہ بھول چکا ہوتا ہے۔

لیکن وہ بچہ نہیں تھی۔ وہ رو رو کے دوبارہ سو گئی تھی۔ اور جب جاگی تو اس کو اپنا مسئلہ نہیں بھولا تھا۔ اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ اور ہونٹ خاموش تھے۔ لیکن دل... دل میں ایک کرب' ایک تکلیف کا بیج جڑ پکڑ چکا تھا۔ اور کشمالہ جانتی تھی کہ اب وہ ساری زندگی اس کرب سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گی۔ وہ کسی پہ اعتبار نہیں کر سکے گی۔ مکمل اعتبار۔ اور وہ کسی سے اتنی نفرت نہیں کر سکے گی جتنی اسے ماہر فرید سے محسوس ہوتی تھی۔

جب کوئی انسان دھوکہ کھاتا ہے' تو اس کا اعتبار صرف دھوکے باز سے نہیں ہٹ جاتا۔ بلکہ وہ اگلے ملنے والے ہر انسان کے لیے ڈیمیج (مسخ) ہو جاتا ہے۔

ماہر فرید نے اسے ڈیمیج کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر رائد کے اسلامک سینٹر میں اس روز ماہی نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سے ایک طویل گفتگو کرنے دوبارہ ضرور آئے گی۔

لیکن وہ نہیں جا سکی۔

ڈاکٹر رائد نے اسے جو مسنون دعاؤں اور کلمات کی کاپی تھمائی تھی' وہ اس کو اگلے چند دن پڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ ماں ٹھیک ہونے لگیں اور ماہ بینہ کو لگا کہ اسے جادو اور جنات کے معاملے میں مزید نہیں پڑنا چاہیے۔ اس کو اس

سب کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔ زیادہ وہم بھی اچھا نہیں ہوتا تھا۔ جتنا زیادہ وہ جادو اور جنات کے بارے میں سوچتی اتنا اسے اندھیرے سے خوف آتا۔

دوسری طرف ماں تندرست ہو رہی تھیں۔ روز ان سے ویڈیو کال ہو جاتی تھی۔ خود اس کی حالت بھی بہتر تھی۔ اور اسے لگ رہا تھا کہ اب سب ٹھیک ہو رہا ہے۔

آہستہ آہستہ وہ جو روز رقیہ شرعیہ (رسول اللہ ﷺ کا بیان کردہ مسنون دم جو قرآنی آیات کا مجموعہ ہے اور جسے منزل بھی کہتے ہیں) کا اہتمام کرتی تھی اس میں دھیرے دھیرے ناغہ ہونے لگا۔ کبھی ایک دن سستی میں چھوڑ دیا۔ اور کبھی بھول گئی۔

یہاں تک کہ جولائی کی ایک صبح ماہی اس حالت میں اٹھی کہ اس کی کمر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ وہ درد کے باوجود کوڑے کے تھیلے اٹھائے گھر سے باہر آئی تاکہ انہیں ڈمپ کر سکے کیونکہ آج کوڑے والے نے آنا تھا۔ وہ رات کوڑا باہر نہیں رکھتی تھی ورنہ رکون (ایک جانور) آ کے سارے تھیلے پھاڑ دیتے تھے۔

وہ جیسے ہی باہر نکلی' آسمان سے خون کے چند قطرے اس کے اوپر گرے۔ ماہی نے چونک کے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے' کندھوں اور بازوؤں پہ سرخ پتا کیا گیا خون جگمگا رہا تھا۔

اور گھر کے سامنے بغیر کسی قدرتی وجہ کے پانی پڑا تھا۔

''اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔'' منہ سے بے اختیار آیت الکرسی نکلی۔ قرآن کی سب سے بڑی آیت۔ اس سے بڑا کچھ نہ تھا۔ لیکن پھر بھی... خوف.... پریشانی.... اور دل ڈوبنے کا احساس اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔

کبیرہ تائی اور ان کے جادو ٹونے اس کا پیچھا نہیں چھوڑنے والے۔ اسے اس معاملے کو ہلکا نہیں لینا چاہیے۔

دو روز بعد وہ وین کوور میں ڈاکٹر رائد کے اسلامک سینٹر کے باہر موجود تھی۔ اندر بیٹھنے کی بجائے وہ باہر پارک میں ایک سنگی بنچ پہ بیٹھی تھی۔ عباد آج اس کے ساتھ آیا تھا۔ ان دونوں کے سامنے ڈاکٹر رائد بیٹھے ان کے سوالات کے جواب دے رہے تھے۔ ماہی کا سلک اسکارف میں لپٹا گول چہرہ بجھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

''کیا یہ جادو کبھی پیچھا چھوڑیں گے؟'' اس نے پارک کے گھاس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ قریب میں ایک آدمی اپنے کتے کو واک کروا رہا تھا۔ ایک طرف ایک بچہ اپنی ماں کی انگلی پکڑے چل رہا تھا۔

''پیچھا تو بیماریاں بھی نہیں چھوڑتیں۔ ہو کے رہتی ہیں۔ یہ سب نصیب کی باتیں ہیں۔''

ماہی نے الجھن سے انہیں دیکھا۔

''اتنا آسان ہے کیا کسی پہ جادو کرنا؟''

''ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان جن پیدا ہوتا ہے جو موت تک اس کے ساتھ رہتا ہے۔'' وہ اسے وہ بات بتانے لگے جو وہ پہلے سے جانتی تھی لیکن تحمل سے سنے گئی۔ عباد اس گفتگو سے ناخوش نظر آتا تھا۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ ماہی اس بارے میں کچھ زیادہ ہی وہم کرتی تھی۔

''صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیدا ہونے والا شیطان مسلمان ہو گیا تھا۔ باقی ہم سب کے ساتھ جو شیطان موجود ہے وہ کافر ہی ہے۔ وہ آپ کے دل میں منفی خیالات ڈالتا ہے۔ نماز سے توجہ بھٹکاتا ہے۔ اور وہ آپ کی ساری زندگی کی کہانی کا گواہ ہوتا ہے۔''

''شیخ....'' عباد کھنکھارا۔ ''یہ پہلے ہی ڈرتی ہے۔ آپ اسے مزید ڈرا رہے ہیں۔''

ماہی نے چہرہ موڑ کے عباد کو سر سے پیر تک گھورا۔

''ابھی وہ انسان پیدا نہیں ہوا جس سے ماہی ڈرتی ہو۔''

''میں جنات کی بات کر رہا ہوں، میڈم۔'' عباد نے جتا کے کہا تو ماہی نے نظریں پھیر لی۔

''ان کی الگ بات ہے۔ اچھا۔'' وہ دھیمی ہوئی۔

ڈاکٹر رائد مسکرا دیے اور بات جاری رکھی۔

''انسان کے ساتھ موجود جن انسان کو ہر وقت دیکھتا ہے۔ جب انسان لباس اتارتا ہے تو فرشتے حیا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ کا ہمزاد جن وہیں رہتا ہے۔ اس لیے باتھ روم میں بولنا منع ہے۔ یعنی باتھ روم میں آپ کو موبائل تک نہیں استعمال کرنا چاہیے اور جلدی باہر آنا چاہیے کیونکہ ایسی جگہوں پہ شیاطین ہوتے ہیں۔ وہ آپ کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے آپ کو معلوم نہیں ہوتا۔ جو لوگ جتنا زیادہ وقت باتھ روم میں گزارتے ہیں ان پہ اتنی جلدی جنات کے اثرات ہوتے ہیں۔''

''یعنی گندگی جادو کی طرف لے کر جاتی ہے؟'' وہ یہ سب جانتی تھی لیکن دہرا رہی تھی۔ عرصہ پہلے کی سمجھی ہوئی باتیں اب بھولنے لگی تھیں۔

''بالکل۔ جب کوئی انسان جادو سیکھتا ہے تو سب سے پہلے وہ گندگی اور بدبو کے قریب رہنے لگتا ہے۔ اسے گندے کام کرنے پڑتے ہیں تاکہ برے جنات اس کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر وہ چلے کاٹتا ہے اور ان جنات کو قابو

کرتا ہے۔ جادوگر یا عامل جنات کو دو چیزوں سے ڈراتا ہے۔ کہ وہ ان کا رزق روک دے گا۔ اور وہ ان کو مار دے گا۔ کمزور ایمان والے جنات اس کے قابو میں آجاتے ہیں۔''

''بس اتنی سی بات پہ؟''

''جنات آپ کی طرح سمجھدار اور ذہین نہیں ہوتے' ماہ بینہ۔ وہ ایک کمتر آئی کیو والی مخلوق ہیں۔ ان کے پاس انسان جیسی عقل ہے نہ وژن۔ وہ بے وقوف ہوتے ہیں۔ ڈر جاتے ہیں۔ اور عاملین کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ سوائے ان جنات کے جو مسلمان ہیں اور جن کو یہ ایمان ہے کہ ان کا رزق اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

''جیسے کچھ کمزور انسان مافیا کے ہاتھوں میں پھنس جاتے ہیں اور بلیک میل ہوتے ہیں۔'' عباد سمجھ کے کہنے لگا۔

''جی۔ اور پھر عامل اس جن سے کام لینے لگتا ہے۔ مثلاً اسے آپ پہ جادو کرنا ہے۔'' انہوں نے ماہی کی طرف اشارہ کیا۔

ماہی نے تھوک نگلا۔ (میری مثال ضرور دینی تھی۔) مگر ڈاکٹر رائد بے خبر سے کہہ رہے تھے۔

''ایسے میں عامل اپنے قیدی جن (موکل) سے کہے گا کہ ماہ بینہ کے ہمزاد جن سے پوچھو اس کے بارے میں۔ اب آپ کا ہمزاد جن اپنے جن بھائی کو ہر پوچھی گئی بات بتا دے گا۔ اور پھر موکل آپ کے ہمزاد کے ذریعے آپ کو تکلیف پہنچانا شروع کرے گا۔ اس تکلیف کو جادو کہتے ہیں۔ جادو کروانے کے لیے عامل کو کئی ماہ منتر پڑھنے پڑتے ہیں۔ اور پھر یہ موکل پہ بھی منحصر ہے کہ وہ کتنا اسمارٹ ہے۔''

''جیسے کرائے کے قاتل جتنے اسمارٹ ہوں اتنی صفائی سے کام کرتے ہیں۔'' عباد سمجھ رہا تھا۔

''بالکل۔ موکل بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کچھ بے وقوف ہوتے ہیں۔ عامل کہے کہ فلاں کی بہو بولتی بہت ہے' کچھ ایسا کرو کہ ساس کے سامنے زبان نہ چلائے تو موکل اس کا ایکسیڈنٹ کروا کے اسے گونگا کر دیتے ہیں۔ انہیں زبان نہ چلانے کا مطلب سمجھ نہیں آتا۔ لیکن کچھ بہت اسمارٹ ہوتے ہیں۔ وہ کئی سو برس سے جی رہے ہوتے ہیں۔ انہیں عامل ایک دفعہ کسی انسان کے پیچھے لگا دے تو بھلے عامل کا کلائنٹ فیس ادا کرنا چھوڑ بھی دے' وہ اسمارٹ جن اس انسان کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس پہ نئے نئے تجربے کرتا ہے۔ لیکن.....''

اور وہ سانس روکے اسی لیکن کا انتظار کر رہی تھی۔

''آپ کا ہمزاد آپ پہ جادو تب کر سکتا ہے جب آپ اس کو موقع دیں۔''

''یعنی؟''

''اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی بتائی گئی چند دعائیں پڑھ لیں۔ جیسے گھر سے نکلنے اور گھر میں داخل ہونے کی دعا' باتھ روم جانے اور نکلنے کی دعا اور میاں بیوی کی خلوت میں پڑھی جانے والی دعا' تو آپ کے ہمزاد کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی نے سی دیا ہو۔ اور وہ کسی عامل یا موکل کو آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

ماہی نے گہری سانس لی۔ گویا ایک بھاری سل سینے سے ہٹی۔ اس تاریک سرنگ کے آخر میں روشنی کی کرن تھی۔ امید تھی۔

''بس اتنی سی چیز ہمیں جادو سے محفوظ رکھ سکتی ہے؟''

''یہ اتنی سی چیز نہیں ہے۔ یہ اہم کام ہیں۔ گھر سے نکلنا' گھر میں آنا' باتھ روم سے نکلنا اور جانا' میاں بیوی کا ایک دوسرے سے ملنا' ان اہم کاموں کو کرتے وقت آپ نے اللہ کا نام لیا یعنی اللہ کی پناہ طلب کر لی۔ فجر اور مغرب کے وقت آیت الکرسی پڑھ لی۔ صبح شام کی دعائیں پڑھ لیں۔ رقیہ شرعیہ روز باقاعدگی سے پڑھ لی۔ تو سمجھیں آپ نے اللہ کی پناہ طلب کر لی۔ وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر جاندار کا دل ہے۔ جب اس کی پناہ مانگ لی تو وہ پناہ کیوں نہیں دے گا؟''

''اور نظر بد۔ وہ بھی تو لگ جاتی ہے۔ انسٹا پہ ایک تصویر پوسٹ کرو تو نظر لگ جاتی ہے۔ کیا کریں؟''

''اپنی نعمت کو دیکھ کے ماشاءاللہ لاقوۃ الا باللہ پڑھ لیں۔ نظر نہیں لگے گی۔''

''میں نے کئی دفعہ ماشاءاللہ پڑھا ہے۔ پھر بھی لگی ہے۔'' وہ مصر تھی۔ اسے نظر سے ہمیشہ خوف آتا تھا۔

''ماشاءاللہ پڑھنے کے باوجود اگر مصیبت آتی ہے تو جان لیں کہ وہ مصیبت آپ کے نصیب میں لکھ دی گئی تھی۔ اس کا وقت' جگہ' سب لکھا ہوا تھا۔ آپ نے صرف اس کا حل نکالنا ہے۔ ہر چیز کو نظر نہ سمجھا کریں۔ نظر بالکل لگتی ہے اور جادو بھی ہوتا ہے۔ لیکن نظر سب کچھ نہیں ہے۔ جادو سب کچھ نہیں ہے۔ یہ چیزیں تب اثر کرتی ہیں جب اللہ اجازت دے۔ اپنا معاملہ اللہ سے درست رکھیں تو وہ ان چیزوں کو آپ پہ اثر انداز ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔''

پارک میں ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ اس میں موسم گرما کے پھلوں کی مہک بھی تھی۔ اور امید کی خوشبو بھی۔

''اور اگر....'' ماہی نے پلکیں جھکائیں۔ ''میں دعاؤں کا ناغہ کرنے لگوں اور جادو میری زندگی میں جگہ بنانے لگے.... تو کیا کروں؟''

''ایسے میں آپ کو اپنے آپ سے جادو اتارنا ہوگا۔ اس کا علاج کرنا ہوگا۔''

''اور جادو کا علاج کیسے ہوتا ہے؟'' ماہی نے کہتے ہوئے گود میں رکھے ہاتھ کو بے اختیار اپنے معدے سے نیچے

رکھا۔

اس کے ہاتھ کے پار ایک زندگی سانس لے رہی تھی۔

یہ اس قید خانے میں سانس لینے والی پہلی زندگی نہیں تھی۔

یہ ماہی کا پہلا بچہ نہیں تھا۔

''میں اپنے اوپر سے جادو کیسے اتاروں؟''

ڈاکٹر رائد نے گہری سانس لی۔

عباد اور ماہ بینہ جواب کے منتظر تھے۔ یہ سوال ان کے لیے بہت اہم تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ سادان کے آفس میں اس وقت تناؤ پھیلا تھی۔ کبیرہ اپنی اونچی کرسی پہ بیٹھے' پین کا بٹن نیچے اوپر کر رہی تھیں۔ پین کی کلک کلک خاموشی میں دراڑ ڈال رہی تھی۔ وہ زرد رنگ کے کافتان میں ملبوس تھیں۔ بوائے کٹ بال۔ کانوں میں دمکتے موتی۔ گردن میں ہیروں کی لڑی۔ خوب کالی کر کے بنائی گئی اسموکی آئیز۔ من میں سارے زمانے کی ناراضی بھری تھی۔

کبیرہ ناخوش تھیں۔ اور برہم بھی۔

''نگینہ کی ایک رشتے دار مجھے بتا رہی تھی کہ زیاد اور کشمالہ کا رشتہ طے ہونے والا ہے۔''

میز کے اس پار بیٹھی مہمان خاتون نے افسردگی سے اطلاع دی۔ مہمان بھورے سنہرے سیدھے بالوں والی ان کی ہم عمر خاتون تھی جس نے لان کا کامدار جوڑا اور گردن میں قیمتی پتھروں کی مالا پہن رکھی تھی۔ کوچ کا برانڈ ڈ بیگ میز پہ رکھا تھا۔ ساتھ کافی اور سینڈوچ بھی رکھے تھے جنہیں دونوں خواتین نے نہیں چھوا تھا۔

''کیا کروں میں اس نگینہ کا؟ وہ پیٹر مسیح تو اب کسی کام کا نہیں رہا۔'' کبیرہ نے زور سے پین کی نب ٹیبل میٹ میں گاڑھ دی۔ آنکھوں سے شرارے چھوٹ رہے تھے۔

''زیاد کا رشتہ عنایہ سے ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں۔ جو کام کروانا چاہوں' حورِ جہاں کی بیٹیاں درمیان میں آجاتی ہیں۔ اوپر سے.... وہ تندرست ہو رہی ہے۔'' اس کی آواز آہستہ ہوئی۔

مہمان فرزین بیگم نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔ ''اتنے سخت جادو کے باوجود؟''

''وہی تو نہیں سمجھ میں آرہا۔ ماہی کا بچہ بھی ہونے والا ہے۔ ڈھائی ماہ رہ گئے ہیں۔ اب کیا خاک مس کیرج ہوگا

اس کا؟''

فرزین بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''پیٹر مسیح کے پاس کوئی تو حل ہوگا۔''

''کہتا ہے نگینہ اور ماہی دونوں پہ اس کا جادو نہیں چل رہا۔ کیونکہ وہ پڑھائی بہت کرتی ہیں۔''

''کبیرہ....'' فرزین کھنکھاریں۔ ''کیا ضروری ہے کہ تم زیاد کو ہی اپنا داماد بناؤ؟ اور بھی اچھے لڑکے....''

''مجھے زیاد ہی چاہیے۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔ حسد اور نفرت سے اس کی آنکھیں سلگنے لگیں۔ ''اب زیاد میری ضد ہے۔ ہر وہ لڑکا جس کو میں داماد بنانا چاہتی ہوں اسے حورِ جہاں کی بیٹی نہیں اڑا سکتی۔ حد ہوتی ہے ناانصافی کی۔''

خاموشی ایک دفعہ پھر سے چھا گئی۔ کبیرہ اب سامنے خلاء میں دیکھتی کچھ سوچ رہی تھیں۔

''یہ نگینہ راستے سے ہٹ جائے .... بیمار وغیرہ پڑ جائے... تو یہ معاملہ ٹل جائے گا۔''

''یہی بتانے آئی ہوں۔'' فرزین کے لہجے میں کچھ تھا۔ ''ایک راستہ ہے۔''

''کیا؟'' کبیرہ چونکیں۔

''نصرت آپا نے کچھ دن پہلے اپنے بیٹے کی طلاق کروائی ہے۔ جانتی ہو کیسے؟''

کبیرہ کی آنکھوں میں چمک اتر آئے۔ وہ سانس روکے آگے کو ہوئی۔ پین چھوڑ دیا۔

''کیسے نہیں.... کس سے؟'' وہ ہلکی سی مسکرائیں۔

فرزین بھی مسکرائیں۔

''واہگہ بارڈر کے قریب ایک عامل ہے۔ بہت پہنچا ہوا ہے۔ مسلمان ہے اور اس کی پاور بہت زیادہ ہے۔''

(پاور کا لفظ جادوگر اور عاملین اپنے جادو کی طاقت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ جتنے کامیاب جادو کرواتے ہیں مثلاً طلاقیں اتنی ان کی پاور بڑھتی ہے اور برا گلا جادو جلد اثر کرتا ہے۔)

''نصرت آپا کی بہو بھی بہت پڑھائیاں کرتی تھی۔ حافظ قرآن تھی۔ لیکن انہوں نے ایک ہفتے میں اس پہ ایسا عمل کروایا کہ بیٹے نے تین طلاقیں لکھ دیں۔ یہ پیٹر مسیح جیسے مہینوں پڑھائی کرنے والے لوگ آؤٹ ڈیٹڈ ہیں' کبیرہ۔ ان سے بہتر بندہ مل گیا ہے ہمیں۔ اس کے پاس کوئی بہت شاطر سا موکل (جن) ہے جو سینکڑوں سال سے جادو کرتا آرہا ہے۔ ہفتے میں کام کروا دیتا ہے۔''

کبیرہ کا چہرہ جوش سے تمتمانے لگا۔ ''مجھے اس کے پاس لے چلو۔''

''ایسے کیسے؟ پہلے اپائنٹمنٹ لینی پڑتی ہے۔'' فرزین نے آنکھیں گھمائیں اور موبائل نکالا۔ ''اگلے ہفتے کی لے لیتی ہوں۔ ہر ایک سے نہیں ملتا وہ۔ اور ایسے جلدی جلدی عمل کرتا ہے کہ بس۔ ہاں پیسے بہت لے گا لیکن تم اس کے پاس جاؤ اور پھر دیکھو۔ تمہاری دشمن کی دونوں بیٹیوں کو ایک ہفتے میں نہ اجاڑ دے تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔''

فرزین موبائل کے بٹن دباتی مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

وہ بریگیڈیئر کی بیوی تھی۔ اور اس کے پاس پیسے کی فراوانی تھی۔

انسان پیسہ کماتا ہے اچھا کھانے کے لیے۔

جب اچھا کھانا افورڈ کر سکے تو وہ اچھا پہننا چاہتا ہے۔

جب یہ بھی ہو جائے تو وہ اپنا فون اور پھر اپنی سواری اپ گریڈ کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ اپنی رہائش کو خوبصورت بناتا ہے۔

یہ بھی ہو جائے تو وہ دنیا گھومتا ہے۔

فرزین اور کبیرہ کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ وہ دنیا گھوم چکی تھیں۔

اس کے بعد اگلا مرحلہ ہوتا ہے طاقت حاصل کرنے کا۔

کچھ لوگ ہر شے پانے کے بعد انسانیت کو اپنی طاقت بناتے ہیں اور سوشل ورک کرنے لگتے ہیں۔ کچھ اپنی روح کو طاقتور کرنے کے لیے دین کی طرف نکل پڑتے ہیں۔ اور کچھ طاقت کے لیے سیاست کا رخ کرتے ہیں۔

جو یہ سب نہ کرنا چاہیں، وہ دوسروں کی زندگیوں کو اپنی طاقت سے کنٹرول کرنا چاہتے ہیں۔

اور عاملوں کا کاروبار یہی لوگ چمکاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ترابیہ) سریار میں واقعہ ماہر فرید کے ڈپلیکس اپارٹمنٹ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پہ بیشکتاش کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ بیشکتاش اپنے فٹبال کلب کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ لیکن استنبول کے لوگوں میں یہ اپنے کاروباری مراکز کے لیے معروف ہے۔ یہاں صبح جلد ہوتی ہے اور رات دیر سے۔

بیشکتاش میں لیونت نامی علاقہ شہر کا پریمیم بزنس ہب ہے۔ یہاں سڑک کنارے اونچی نیچی عمارتیں اور شاپنگ پلازے بنے ہیں۔ ہر کارنر پہ ایک کافی شاپ ہے جہاں سے کافی کے بھرے ہوئے کپ لیے بغیر لوگ اپنے کام کی طرف رخ نہیں کرتے۔

اس صبح بھی بہت سے لوگ بھاپ اڑاتی کافی پکڑے شاپ سے نکل رہے تھے۔ شبنم بھی ان میں سے ایک تھی۔ شبنم دبلی پتلی سی پستہ قد لڑکی تھی۔ بال کس کے جوڑے میں بندھے تھے اور آنکھوں پہ بڑا سا چشمہ لگا تھا۔ کافی کپ لیے وہ شاپ سے نکلی اور سڑک پار کرنے لگی۔ اس نے سیاہ بلاک ہیلز پہن رکھی تھیں اور کندھوں پہ بیگ پیک تھا۔

سڑک پار کر کے وہ ایک گھنے درختوں سے ڈھکی اسٹریٹ کی طرف چل دی۔ مین روڈ پہ بنے کاروباری مراکز پیچھے رک گئے۔

یہ قدرے پرسکون علاقہ تھا۔ یہاں گھنے درخت تھے اور اونچی چار دیواری میں بنے ولاز۔ یہ بظاہر رہائشی کالونی لگتی تھی لیکن دراصل یہ سب کاروباری مراکز تھے۔ ان کے مالکان نے کمرشل آفس لینے کے بجائے خاموش اور پرائیوٹ ولاز کو ترجیح دی تھی۔

چند سرسبز گلیاں عبور کر کے وہ تقریباً آٹھ منٹ میں ایک ولا کے سلاخ دار سیاہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ واچ مین نے اسے دیکھتے ہی گیٹ کا بٹن دبایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ شبنم نے ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی لیکن اس نے منہ پھیر لیا۔ اس کا موڈ اچھا نہیں تھا۔ آج کسی کا بھی نہیں ہونا تھا۔

ولا چار منزلہ تھا اور اس کے داخلی دروازے پہ بڑا بڑا ''کیف'' لکھا تھا۔ ایسے کہ انگریزی حرف اے کی درمیانی ڈنڈی غائب تھی اور وہ الٹا دی لگتا تھا۔

مستطیل سرمئی ولا کے ہر آفس میں ایک بڑی کھڑکی نظر آ رہی تھی۔ باہر اسٹریٹ سرسبز تھی لیکن ولا کی چار دیواری کے اندر نہ کوئی درخت تھا نہ پودا۔ محض سرمئی دیواریں تھیں اور سرمئی فرش۔ ٹھنڈا اور بے حس۔

شبنم مسکراتے ہوئے آفس کے داخلی دروازے تک آئی تو شیشے کے دروازے خود بخود کھل گئے۔ سامنے چمکتی ہوئی ریسپشن نظر آئی جو سفید اور سیاہ رنگ میں بنی تھی۔

مرمریں ڈیسک کے پیچھے بیٹھی لڑکی شبنم کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شبنم... میں روز ساڑھے آٹھ بجے آتی تھی۔ آج ساڑھے سات کیوں آئی ہوں؟'' ترکش ریسپشنسٹ ناخوشی سے شکایت کر رہی تھی۔

اس کے شکایتی لہجے کا چھوٹی سی شبنم پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ مسکرا کے آگے آئی اور ایک کہنی ڈیسک پہ رکھی۔ دوسرے ہاتھ میں کافی کپ تھا۔

''کیونکہ آج ہمارا باس واپس آرہا ہے' سیلین۔ تم پہلی دفعہ اس سے ملو گی۔''

سیلین کو یہ نوکری کرتے ہوئے ایک ماہ ہوا تھا۔ ابھی تک اس کی باس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

''لیونت میں ساڑھے سات بجے اپنا آفس کون کھولتا ہے شبنم؟'' وہ منہ بسورے بولی۔

''وہ فارنرز جن کے پاس ڈالرز ہوں۔'' شبنم نے یاد کروایا۔

''ہونہہ۔'' سیلین نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ترکش مڈل کلاس کی طرح فارنرز کی نوکری کی اسے بھی ضرورت تھی۔ وہ ملک میں پیسہ لاتے تھے' ترکش لوگوں سے کہیں زیادہ پروفیشنل ہوتے تھے اور بہتر تنخواہ دیتے تھے۔ ورنہ ترکی کی گرتی ہوئی اکانومی اور بڑھتی مہنگائی میں لوکل بزنس کی نوکری کرنے سے گھر نہیں چلتے تھے۔

''تم بہت خوش نظر آرہی ہو۔'' سیلین نے مشکوک نظروں سے شبنم کو دیکھا۔ ''حالانکہ باقی سب چڑچڑے اور ناخوش لگ رہے ہیں۔''

''کیونکہ ماہر بے کے آنے کے بعد سب کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔'' شبنم نے عینک کے پیچھے سے آنکھیں گھمائیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ریسپشن ڈیسک پہ سر ایک دوسرے کی طرف جھکائے کھڑی سرگوشیوں میں بات کر رہی تھیں۔

''ماہر اس شرکت (کمپنی) کا فاؤنڈنگ پارٹنر ہے نا؟''

''ہاں۔ وہ چیف آف دی ڈیزائن ہے۔ یعنی ڈیزائن پارٹنر۔ اور اس کی کزن زارینہ کمپنی کی مینیجنگ پارٹنر ہیں۔ وہ بزنس سائیڈ کو دیکھتی ہیں۔ اور ماہر ڈیزائن کو۔'' وہ اپنے باس کا ذکر بہت فخر سے کرتی تھی۔

''میں نے سنا ہے اس کے پاس بہت پیسہ ہے۔ پھر اس نے لندن چھوڑ کے اس ملک میں کمپنی کیوں بنائی جو....'' سیلین نے آنکھیں گھما کے اطراف میں دیکھا۔ ''مسلسل ڈوب رہی ہے۔''

شبنم نے شانے اچکا دیے اور کافی کا گھونٹ بھرا۔ ''یہ تو مجھے نہیں معلوم' لیکن کیف کبھی نہ کبھی اپنے پیروں پہ ضرور کھڑی ہوگا۔'' وہ فخر سے بولی۔ ''اور آج کل جس عمارت کے ڈیزائن پہ ماہر کام کر رہا ہے' وہ قطر کے ایک بینک کی عمارت ہے۔ اگر ہمیں یہ پروجیکٹ مل گیا' تو دیکھنا' کیف اٹھ جائے گا۔''

''لیکن باس تو تین مہینے سے آفس میں نہیں تھا۔ وہ کام کیسے کر رہا تھا؟''

''آہ سیلین....'' شبنم نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''اسی لیے تمہیں کوئی ریسپشنسٹ سے اوپر کی نوکری نہیں دیتا۔ آرکیٹیکٹس گرافک ٹیبلیٹس پہ کام کرتے ہیں۔ انہیں کام کرنے کے لیے ایک ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں

ہوتی۔ ماہر کے ساتھ کیف کے نو آرکیٹیکٹ ایک ہی عمارت پہ کام کر رہے تھے۔ وہ دن میں گھنٹوں زوم میٹنگز کے ذریعے ساتھ کام کرتے تھے۔ ماہر کی یہ عادت ہے۔ وہ کنٹیکسچوئل آرکیٹیکٹ ہے۔ جب اسے کوئی ماسٹر پیس بنانا ہوتا ہے تو وہ کہیں دور جا کے خاموشی سے کام کرتا ہے۔"

"تمہاری باتوں سے تو وہ محنتی سا باس لگتا ہے۔ لیکن ہر کوئی اسے ناپسند کیوں کرتا ہے؟"

"ارے نہیں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم اسے ناپسند نہیں کرتے۔" شبنم آگے ہوئی اور مسکرائی۔ "ہم سب اس سے نفرت کرتے ہیں۔"

سیلین کے لب کھل گئے۔

"کیوں؟" پھر اسے یاد آیا۔ آواز دھیمی کی۔ "کیا وہ واقعی کسی زمانے میں سائیکو پیتھ تھا؟ میں نے اسٹاف سے سنا ہے۔"

شبنم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس نے زور سے خالی کپ ڈسٹ بن کی طرف اچھالا۔ پھر آگے جھکی اور عینک کے پیچھے سے سیلین کو گھورا۔

سیلین گڑبڑا گئی۔ "میں مذاق کر رہی...."

"ہمارا باس سائیکو پیتھ تھا نہیں۔ وہ ابھی تک سائیکو پیتھ ہے۔"

سیلین کی آنکھیں تعجب سے کھل گئیں۔ اسے ماہر فرید کی سیکرٹری سے ان الفاظ کی امید نہیں تھی۔

"شرم کرو شبنم۔ وہ تمہارا باس ہے۔ اسے معلوم ہوا تم اس کے بارے میں یہ کہہ رہی ہو تو...."

"اسے پہلے سے معلوم ہے۔" شبنم نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ "وہ برا نہیں مانتا۔ ماہر کو کسی بات سے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ انسان نہیں ہے۔ وہ ایک مشین ہے۔ روبوٹ۔ اس کی کوئی زندگی نہیں ہے۔ وہ روبوٹ کی طرح فکسڈ ٹائم ٹیبل کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔"

(ڈپیکس اپارٹمنٹ کے کچن میں فیضی حاتم دو کیتلیاں ایک دوسرے کے اوپر رکھے قہوہ تیار کر رہی تھیں۔ قریب میں ایک دروازہ ادھ کھلا تھا جس سے ماہر کا بیڈروم نظر آ رہا تھا۔ سیاہ سفید سا کمرہ جس کی سنگھار میز کے سامنے وہ کھڑا تھا۔ شرٹ کے کف کھلے تھے اور ٹائی گردن میں مفلر کی طرح پڑی تھی۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے اپنی چھوٹی بڑھی شیو کو دیکھ رہا تھا۔)

"مثلاً میں دیکھے بغیر بتا سکتی ہوں کہ وہ صبح فجر کی اذان کے ساتھ جاگا ہوگا۔ اور اس نے ٹھیک سات بجے شیو بنائی

ہوگی۔"

(ماہر نے بڑھی ہوئی شیو پہ ہاتھ پھیرا۔ پھر اسے رکھنے کا ارادہ کر کے ڈریسنگ روم کی طرف آیا۔ وہاں اس کے تمام کپڑے نفاست سے آویزاں تھے۔ سوٹ۔ شرٹس۔ سب سیاہ' سفید یا سرمئی کا کوئی شیڈ لیے ہوئے تھا۔)

"وہ سیاہ یا سفید کے علاوہ کوئی رنگ نہیں پہنتا۔ زیادہ سے زیادہ سرمئی۔ کیونکہ آرکیٹیکٹس صرف سیاہ یا سفید پہننا پسند کرتے ہیں۔"

(ڈریسنگ روم میں ایک طرف شیلف پہ جوتوں کے کئی جوڑے رکھے تھے۔ دوسری طرف کچھ دراز بنے تھے۔ اس نے ایک دراز کھولا جس میں کف لنکس سجے تھے۔ تمام کف لنکس پہ ایم ایف لکھا تھا۔ صرف ایک جوڑا ایسا تھا جس پہ کے ایف لکھا تھا۔ (قاسم فرید)۔ اس نے مسکرا کے انہیں دیکھا لیکن انہیں چھوا نہیں۔ اپنے ایم ایف والے کف لنکس نکالے اور پہننے لگا۔)

"اس کی زندگی میں ہر چیز کیلکولیٹڈ ہوتی ہے۔ وہ گھر سے نکلنے سے پہلے صرف ایک کپ ترکش قہوہ پیتا ہے۔ اور کافی پینے سے آفس آنے تک ماہر کسی سے بات نہیں کرتا۔ اس کو صبح صبح عام انسانوں سے بات کر کے توانائی خرچ کرنا بھی پسند نہیں ہے۔"

(اب وہ ایش گرے سوٹ میں ملبوس' جیل سے بال سیٹ کیے' کچن کاؤنٹر کے سامنے کھڑا اپنا کافی کپ اٹھا رہا تھا۔ فیضی حانم خاموشی سے دوسرے کام کر رہی تھیں جب...

"فیضی حانم...." کپ سے گھونٹ بھرتے اور فون پہ سرسری نگاہ دوڑاتے ہوئے ماہر نے پکارا۔ وہ تحیر سے پلٹیں۔

"جی ماہر بے؟"

"آپ کو نہیں لگتا ہمارے گھر میں کسی چیز کی کمی ہے؟" اس نے خالی کپ واپس رکھا اور مسکرا کے انہیں شکریہ کہا۔ پھر جواب کا انتظار کیے بنا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تعجب سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔)

"اس کا گھر آفس سے سولہ منٹ کی ڈرائیو پہ ہے۔ وہ ٹھیک سات پینتیس پہ گھر سے نکلتا ہے۔ ڈرائیور اردل اس کے کار میں بیٹھنے سے پہلے ہی کار کا ٹمپریچر سیٹ کر رکھتا ہے۔ ایک ڈگری بھی اوپر نیچے نہیں۔"

(اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سیاہ سلاخ دار گیٹ کے ساتھ اس کی سیاہ کار تیار کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی سوٹ میں ملبوس ڈرائیور اردل نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ موبائل پہ سر جھکائے اندر بیٹھا۔)

''وہ آفس کے راستے میں کہیں نہیں رکتا۔ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔درمیانی راستے میں وہ مخصوص پوڈ کاسٹ سنتا ہے اور فنانشل ٹائمز'بلوم برگ اور اسکائی نیوز کی شہ سرخیاں دیکھ لیتا ہے۔اس کو صبح صبح تمام اسٹاک ریٹس اور قیمتیں معلوم ہوتی ہیں۔وہ ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتا۔''

(ماہر کی سیاہ کار ترائبیہ سے لیونت کی طرف سفر کر رہی تھی۔کار میں ایک پوڈ کاسٹ گونج رہی تھی۔وہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھا فون اسکرین اسکرول کرتا آج کے ریٹس دیکھ رہا تھا۔نمبرز ہی نمبرز۔

''اردل... کار روکو۔'' دفعتاً اس نے پکارا تو اردل نے تعجب سے اسے بیک ویو مرر میں دیکھا۔پھر کار روک دی۔

سامنے پھولوں اور پودوں کی ایک دکان تھی۔)

''چونکہ وہ درمیان میں کہیں نہیں رکتا'اس لیے ٹھیک سات اکاون پہ وہ یہاں ہوگا۔''

ریسپشن پہ کھڑی شبنم نے گھڑی دیکھی اور مسکرا کے دروازے کو دیکھا۔وہ بس آنے ہی والا تھا۔پھر وہ سیلین کو مزید معلومات دیتے ہوئے کہنے لگی۔

''ماہر بے کو آفس میں کوئی فالتو چیز پسند نہیں۔اسی لیے آفس میں کوئی پھول یا پودا نہیں ہے کیونکہ ان کا خیال رکھنے کے لیے مالی رکھنے پڑتے ہیں اور ماہر بیسہ اور وقت ان چیزوں پہ ضائع نہیں کرتا جن میں اسے کوئی مفاد نظر نہ آئے۔کہا تھا نا'میرا باس انسان نہیں'مشین ہے۔''

سیلین نے چیج کہتے ہوئے ایک کان کی لو کو چھوا۔

شبنم اب بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔سات باون ہو چکے تھے اور ماہر نہیں آیا تھا۔پہلی دفعہ اسے بے چینی ہوئی۔کبھی کبھی وہ پانچ منٹ جلدی آجاتا تھا لیکن دیر سے نہیں۔

آٹھ بج کے پانچ منٹ پہ شیشے کے دروازے کھلے اور وہ بالآخر اسے نظر آیا۔شبنم کا چہرہ کھل اٹھا۔

سوٹ میں ملبوس ماہر سنجیدہ چہرے کے ساتھ اندر آرہا تھا۔شبنم کو دیکھ کے مسکرایا اور ایک نظر اس کے لباس کو دیکھا۔

''یہ کلر تم پہ بالکل اچھا نہیں لگتا'شبنم۔''

''شکریہ ماہر بے۔میں سیلری ملتے ہی ایسے تین مزید ڈریسز لوں گی۔'' وہ بھی مسکرا کے بولی۔پھر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ماہر کے پیچھے آتے اردل نے ایک شے شبنم کے ہاتھوں میں تھمائی۔

وہ ایل پودہ تھا۔سفید گملے میں لگا ننھا سا کیکٹس۔ڈیسک پلانٹ۔اس نے ناسمجھی سے اردل کو دیکھا جو لاعلمی سے شانے اچکا کے پیچھے ہو گیا۔

''اس کا کیا کرنا ہے ماہر بے؟'' شبنم نے بغور ماہر کو دیکھا۔اور اس کی چند دن کی بڑھی شیو کو بھی۔

''یہ میرے آفس میں جائے گا۔'' تحکم سے کہہ کے اس نے نظریں پھیریں۔ریسپشنسٹ کے غیر شناسا چہرے کو دیکھ کے رکا۔

''تم یقیناً ویلین ہو۔نئی ریسپشنسٹ۔''

ماہر چند قدم آگے آیا اور ریسپشن ڈیسک کے سامنے رکا۔بغور سر سے پیر تک سیلین کو دیکھا۔وہ قدرے کنفیوزڈ نظر آتی تھی۔

''خوش آمدید ماہر بے۔''

''سیلین حاتم...ریسپشنسٹ کی بنیادی ڈیوٹی کیا ہوتی ہے؟''

وہ کچھ کہنے لگی لیکن وہ کہہ رہا تھا۔

''مسکرانا۔صرف مسکرانا۔ریسپشنسٹ وہ پہلا انسان ہوتی ہے جسے ہم صبح دیکھتے ہیں۔اس لیے اس کے مسکرا کے ورکرز کو خوش آمدید کہنے سے دن کا آغاز بہتر ہوتا ہے۔''

سیلین نے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ طاری کر لی۔''جی ماہر بے۔''

''میں چھوٹی چھوٹی باتوں پہ جاب سے نہیں نکالتا۔نا غے اور کام میں سستی بھی نظر انداز کر دیتا ہوں۔لیکن ایک چیز میں برداشت نہیں کرتا۔''

سیلین سانس روکے سن رہی تھی۔

''جوتے۔برے جوتے۔'' ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور اب وہ ناپسندیدگی سے سیلین کے جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔اس نے گڑبڑا کے اپنے پیروں میں موجود اسنائیکرز دیکھے۔

''میرے آفس میں کوئی اتنے غیر آرام دہ جوتے پہن کے نہیں آتا۔اگر تم دوبارہ مجھے ان جوتوں میں نظر آئیں تو دروازہ اس طرف ہے۔'' سختی سے کہا اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

عام حالات میں شبنم مسکراتی لیکن فی الحال ہاتھ میں پکڑے ننھے سے پودے نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔یہ کیا ہو گیا تھا ماہر کو؟

وہ ماہر کے پیچھے بھاگی لیکن وہ اس کا انتظار کیے بغیر اوپر جا چکا تھا۔ وہ سیڑھیوں کی طرف لپکی اور جب وہ ہانپتی ہوئی بالائی منزل پہ پہنچی تو وہ پہلے سے مین ہال میں کھڑا تھا۔

وہاں اسٹاف کے کیبن بنے تھے۔ وہ ایک کیبن کے ساتھ رکا ہوا تھا اور جھک کے کام کرتی لڑکی کے گرافک ٹیبلیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے اپنا کام دکھاتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔

''کیسا ہے یہ سر؟''

''بہت برا۔ ڈیلیٹ کر کے دوبارہ بناؤ۔'' عام سے انداز میں کہہ کے وہ سیدھا ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ لڑکی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ غصے سے مٹھی بھینچی۔

''سر آپ میری حوصلہ افزائی بھی کر سکتے تھے۔'' اس نے پیچھے سے پکارا۔

ماہر فرید سے ''کیف'' میں کوئی کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔

وہ جاتے جاتے پلٹا اور اسی ٹھنڈے انداز میں لڑکی کو دیکھا۔

''کر سکتا تھا اگر میں تمہاری ماں ہوتا۔ لیکن میں تمہارا باس ہوں۔ مجھے بہترین کام چاہیے۔ ورنہ دروازہ...'' انگلی سے اشارہ کیا۔ ''اس طرف ہے۔'' اور آگے بڑھ گیا۔

ماہر جب دروازے کا لفظ منہ سے نکالتا تھا تو اطراف میں موجود ورکرز سر جھکائے بنا آواز کے ''اس طرف ہے'' خود ہی کہہ دیتے تھے۔

شبنم پودا لیے تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی۔ وہ اپنے آفس کے دروازے پہ اپنا فنگر پرنٹ لگا رہا تھا۔ دروازہ کھلا اور وہ دونوں ساتھ ساتھ اندر آئے۔

وہ ایک نفاست سے سجا آفس تھا۔ اس میں بھی کوئی رنگ نہ تھا سوائے سیاہ اور سفید کے۔ دیواروں پہ عربی کیلیگرافیز آویزاں تھیں۔ کرسیوں کی پشت پہ کیف کا لفظ کندہ تھا۔ ایک دیوار گیر کھڑکی تھی جس سے کیف کی سرمئی چار دیواری نظر آتی تھی۔

دوسری طرف کنسول ٹیبل رکھی تھی جس پہ قطار میں چھوٹی بڑی سینڈ کینڈلز سجی تھیں۔

''اس پودے کو کہاں رکھوں، ماہر بے؟''

مگر ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ سیدھا کینڈلز والی ٹیبل تک گیا اور اس کا دراز کھولا۔ وہاں دو لائٹرز رکھے تھے۔ ماہر نے جیب سے تیسرا لائٹر نکالا اور شبنم کو دکھایا۔

''یہ لائٹر میں یہاں رکھ کے گیا تھا' شبنم۔ لیکن کسی نے اسے نکال کے....'' اس نے تھوک نگلا۔ ''کسی.. کسی عورت کے پرس میں ڈال دیا تھا۔ مجھے یہ اس عورت سے ملا ہے اور میں اسے واپس لے آیا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ میرے آفس میں میری غیر موجودگی میں کون آیا تھا؟''

''یہ سوال آپ مجھ سے پہلے بھی کر چکے ہیں۔ ہم نے سی سی ٹی وی بھی چیک کیا تھا۔ آپ کے آفس کے اندر کیمرے نہیں ہیں اس لیے کچھ کہہ نہیں کہہ سکتے۔ صفائی میں اپنے سامنے کرواتی ہوں۔ دروازہ صرف میرے اور آپ کے فنگر پرنٹ سے کھلتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم یہ کیسے ہوا۔'' شبنم نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے پودا کھڑکی میں رکھ دیا۔

ماہر اب خاموشی سے ایک کینڈل جلا رہا تھا۔ شبنم نے غور سے کینڈل کا نام پڑھا۔ واٹر للی۔ (پانی کا ایک پھول)۔ اس کی خوشبو میں ونیلا اور ہائیسنتھ (پھول) کا معمولی سا ٹریس بھی شامل تھا۔

وہ ماہر کے موڈ کو اس کی جلائی گئی موم بتیوں سے پہچان لیتی تھی۔ وہ پانی کے پھول کی یہ موم بتی تب جلاتا تھا جب اسے کام کرنا ہوتا تھا۔ ماہر کو پانی دیکھتے ہوئے کام کرنا پسند تھا۔ لیکن ان کا یہ اسٹوڈیو آفس پانی سے کافی دور تھا۔ ایسے میں پانی کے پھول کی خوشبو کافی تھی۔

''نو بجے ہم ماڈل میکرز کے ساتھ بیٹھیں گے اور نو چالیس پہ پروجیکٹ ٹیم کے ساتھ۔'' وہ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکاتے ہوئے ہدایت دے رہا تھا اور شبنم اپنے ٹیب پہ نوٹ کر رہی تھی۔ ''مجھے نو چالیس پہ کانفرنس روم میں تمام ڈرائنگز چاہیے ہیں۔ فلور پلان' سائٹ پلان' ''سیکشن' ایلی ویشن سب کچھ۔ مجھے رینڈر نگز ریوائز کرنی ہیں۔ ماڈل کو تھوڑا improvel کرنا ہے۔''

شبنم نے چونک کے اسے دیکھا۔ دو دن بعد پریزنٹیشن تھی اور وہ آج کہہ رہا تھا کہ اسے رینڈر نگز (عمارت کا ایک قسم کا تھری ڈی ماڈل) میں بہتری لانی ہے۔ ماڈل تو مکمل ہو چکا تھا۔ پھر کیا ماہر اپنے ڈیزائن کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار تھا؟

شبنم دروازے کی طرف بڑھی تو وہ اپنی کنٹرول چیئر پہ بیٹھا اور جیب میں ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو اس میں ٹوٹی ہوئی خطائی تھی جو مزید ٹوٹ چکی تھی۔

چند بھربھرے دانے جیب سے نکل کے زمین پہ گرے۔ کڑک چائے' پرانے لاہور اور عثمان کی بیٹھک کی خوشبو ایک دم سارے میں پھیل گئی۔ ایک اداس مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

اس نے دراز کھولا اور خطائی اندر رکھ دی۔ شبنم کے دروازہ بند کرنے سے پہلے ہی باہر سے آتی زارینہ نے دروازہ تھام لیا۔ ماہر نے چونک کے سر اٹھایا اور ایک دم تیزی سے دراز بند کیا۔

اندر آتی زارینہ نے اس کا دراز بند کرنا نوٹس کیا تھا' لیکن نظر انداز کر کے آگے آئی اور مسکرا کے اس کے سامنے کرسی کھینچی۔ وہ سفید بنا آستین کے ڈریس میں ملبوس تھی' پیروں میں سفید لانگ بوٹس تھے جو گھٹنوں سے ذرا نیچے تک آتے تھے۔ گردن میں لمبی چھوٹی بہت سی سنہری زنجیریں پہن رکھی تھیں۔ بل دار بال دونوں کندھوں پہ بلو ڈرائی کر کے سیٹ کیے گئے تھے۔

''ہم نے تمہیں بہت مس کیا ماہر۔'' وہ سامنے بیٹھی اور لانگ بوٹس والی ٹانگیں ایک دوسرے کے اوپر چڑھا لیں۔

''جانتا ہوں۔'' ماہر نے باکس سے نشو کھینچا اور جھک کے زمین پہ گرے ذرے صاف کیے۔ پھر نشو پیپر بن میں پھینکتے ہوئے سیدھا ہوا۔ زارینہ نے غور سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔

''لاہور میں تمہارے جیسے صفائی اور نفاست پسند آدمی نے کیسے گزارا کیا ہوگا؟''

ماہر نے کہنیاں میز پہ رکھیں اور سنجیدگی سے زارینہ کو دیکھا۔

''مجبور آدمی کہیں بھی گزارا کر سکتا ہے' زارا۔ چاہے وہ لاہور ہو۔ یا ذہنی امراض کا انسٹی ٹیوٹ۔''

کہتے ہوئے اس نے ایک نظر اپنی میز پہ ڈالی۔

میز کے کونے پہ ایک فریم الٹا رکھا تھا۔ اس فریم کو سیدھا کرنے کی اجازت کسی کو نہ تھی۔

زارینہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

''کیا تمہیں کچھ ملا؟''

ماہر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''جو معلومات میں نے تمہیں بابا سے چھپا کے دی تھیں... کیرہ ساوان کی... وہ کام آئیں؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

''اونہوں۔'' ماہر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ زارینہ نے غور سے اسے دیکھا۔ آنکھیں چھوٹی کیے۔ وہ کھڑکی میں رکھے کیکٹس کے پودے کو دیکھ رہا تھا۔ گزشتہ ایک ماہ سے وہ اس سے ایسا ہی کٹا کٹا سا تھا۔ چپ۔ بجھا ہوا۔

''کیا تم واقعی بابا کے کہنے پہ لندن واپس چلے جاؤ گے؟''

''میں نے ان سے وعدہ کیا ہے' زارا۔ اور میں اپنی زبان سے نہیں پھرتا۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بنا اپنا سسٹم

آن کر رہا تھا۔

کچھ تھا ماہر فرید میں جو بدل گیا تھا۔ کیا یہ اس کی بڑھی شیو تھی۔ یا... اس نے گردن گھمائی۔ کھڑکی میں رکھا پودا تھا؟

"تمہیں پودوں کا شوق کہاں سے ہوا؟"

"زارا... مجھے نو بجے کی میٹنگ سے پہلے کچھ کے پی آئی زدیکھنے ہیں۔ پلیز؟" دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"شیور۔ تم کام کرو۔" زارینہ نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پہ سجالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ جاتے جاتے اس نے ایک نظر اس کے دراز پہ ضرور ڈالی تھی۔ وہ جانتی تھی ماہر لاہور کیوں گیا تھا۔ وہ اس کی لاحاصل تلاش سے واقف تھی۔ لیکن ماہر نے کہا تھا کہ اس بہانے وہ دو ماہ خاموشی اور سکون سے اپنے ڈیزائن پہ کام بھی کرے گا۔ وہ ماہر کو جانتی تھی۔ وہ جہاں بھی جاتا تھا صرف کام کرتا تھا۔ لیکن لاہور میں کچھ ہوا تھا۔ کچھ ایسا جس نے اسے زارین... اپنی بہترین دوست... سے بھی دور کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جب سے ماہر فرید کے اپارٹمنٹ سے آئی تھی' اسے چپ لگ گئی تھی۔

وہ کیف جو پہلے اپنا اپنا لگتا تھا' ایک اسٹرگل کرتا انٹرپرونیئر' اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ وہ سر سے پیر تک جھوٹ کا مجسمہ تھا۔ دھوکہ۔ فریب۔

وہ اس وقت اپنے اسٹوڈیو میں زمین پہ بیٹھی تھی۔ موبائل پہ ماہی کو ویڈیو کال ملائے' وہ ایک خالی کینوس سامنے رکھے ہوئے تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"کتا کوئی کمینہ نکلا' کیف۔" ماہی نے جیسے ہی سنا' اس کا مارے شاک کے منہ کھل گیا۔ اور پھر... اسے شدید غصہ چڑھنے لگا۔ "مجھے مل جائے یہ کہیں' اس کو جان سے نہ مار ڈالوں تو میرا نام ماہ بینہ نہیں ہے۔"

سر جھکائے کینوس کو دیکھتی مالا کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔ اس کا ڈپریشن کا مرحلہ طویل ہو رہا تھا۔

"رومت' مالا۔" اسکرین پہ ماہی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ مالا کو روتے دیکھ کے وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ "کیف نے بہت برا کیا ہے۔ خود کو کیا بتاتا رہا اور نکلا کیا۔ ایک انتہائی امیر کبیر آدمی۔ ایک تو مجھے یہ سارے امیر آدمی لگتے ہی برے ہیں۔ privileged۔ باپ کے پیسے پہ عیش کرنے والے۔"

ماہی کے کمرے کے کونے میں اسٹڈی ٹیبل پہ کام کرتے عباد نے مڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

''سارے امیر آدمی' ماہی؟'' اس نے جتایا۔ تو ماہی نے ناک چڑھایا۔

''اچھا منہ سے نکل گیا تھا۔ سارے امیر آدمی مجھے برے لگتے ہیں سوائے ایک کے۔ خوش؟ اب مجھے بات کرنے دو۔''

وہ مالا کی طرف متوجہ ہوئی جو سامنے رکھے تین بٹا تین فٹ کے خالی کینوس کو بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

کیف کی ساری کہانی اس کینوس میں نظر آ رہی تھی۔

''وہ خود کو ایک اسٹرگل کرتا انٹرپرونیئر بتاتا تھا۔ مجبور۔ مقروض۔'' مالا نے ایک دم گیسو کا ڈبہ جارحانہ انداز میں کھولا اور برش سفید گیسو سے ڈبویا۔ آنسو بدستور بہہ رہے تھے۔ ''مجھے وہ اپنی طرح لگتا تھا۔ اسکریچ سے اپنا کام شروع کرنے والا، اپنی زندگی تعمیر کرنے والا۔ لیکن ایسے امیر لوگوں کو اسٹرگل کا مطلب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ منہ میں سونے کا نوالہ لیے پیدا ہوتے ہیں۔ باپ کا پیسہ ساری عمر کے لیے کافی ہوتا ہے۔ انہیں کون سا اپنا بزنس سیٹ کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ یہ کسی لڑکی کا تعاقب کرنے میں تین ماہ اور بہت سا پیسہ برباد کر سکتے ہیں۔''

وہ اب جارحانہ انداز میں گیسو کو کینوس پہ برش سے پھیلا رہی تھی۔ کینوس پہ ایک سفید سی تہہ بنتی جا رہی تھی۔

''تمہیں اس کو ڈھونڈ کے اس کا وہ حشر کرنا چاہیے کہ وہ آئندہ کسی بھی لڑکی کے ساتھ یہ کرنے سے باز رہے۔''

ماہی کو شدید غصہ آ رہا تھا۔

''کہاں سے ڈھونڈوں؟ وہ استنبول واپس چلا گیا ہے۔ اس کے پیچھے تو نہیں جا سکتی نا۔''

''میں تو کہتی ہوں انسٹاپہ اسے ڈھونڈتے ہیں۔ اور اس کے بھائی کو بھی۔ اور اس کو مسیح کرتے ہیں کہ...''

''ماہی۔'' اس نے سختی سے روکا۔ ''ہمیں ان سے دور رہنا ہے۔ وہ خطرناک لوگ ہیں۔ اسلحہ استعمال کرنے والے۔ کیف جمال نے بتایا تھا نا اس کے بارے میں۔''

''ہاں۔ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یقیناً وہ سب وہ خود ہی کر رہا تھا۔ خون کے چھینٹے' وہ لائٹر... تمہیں بس تنگ کر رہا تھا۔ اُف مجھے تو سوچ کے ہی خوف آ رہا ہے۔ ایک سائیکو پیتھ جس نے مبینہ طور پہ اپنے سوتیلے باپ کو مارا ہے' وہ ہمارے گھر میں تھا۔ تمہارے اتنے قریب۔'' ماہی نے جھرجھری لی۔

پھر چہرے پہ سوچ ابھری۔ ''لیکن اس نے کچھ کیا نہیں۔''

''اس نے میرا انسانوں سے اعتبار اٹھا دیا ہے۔ کیا یہ کم ہے؟'' وہ برش کو کینوس پہ رگڑتی جا رہی تھی۔

''ہاں مگر اس نے ڈیڑھ ماہ تمہارے پاس جاب کی۔ اس نے تمہیں ہرٹ نہیں کیا۔ پھر اس نے اچانک جاب

چھوڑ دی اور ڈیڑھ ماہ تک تمہارے سامنے نہیں آیا۔ جاتے جاتے ایک دن بس تم سے ملا۔ اس کا مقصد کیا تھا؟"

"وہ سائیکو پیتھ ہے۔ ایسے لوگ مہینوں کسی کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔"

"مگر مالا تم اس کا ذکر ہمیشہ اتنے اچھے لفظوں میں کرتی تھیں کہ میری نظر میں اس کا امیج بہت اچھا تھا۔ حالانکہ تم نے مجھے اس کی تصویر تک نہیں دکھائی کبھی۔ خیر اب مجھے شوق بھی نہیں ہے۔ مگر اس سب میں کچھ مسنگ ہے مالا؟ یاد کرو۔ وہ تم سے کیا چاہتا تھا۔ کچھ تو ہوگا۔"

"وہ بار بار پوچھتا تھا کہ میری دشمنی کس سے ہے۔" وہ اب غائب دماغی سے گیسو کی ایک اور تہہ کیوس پہ پینٹ کر رہی تھی۔ "کبیرہ تائی کے بارے میں بھی پوچھتا تھا۔ بقول کیف جمال اسے مجھ سے کوئی انفارمیشن چاہیے تھی۔ اور وہ مجھے نقصان بھی پہنچانا چاہتا تھا۔"

"کیا یہ کیف جمال سچ بول رہا ہے؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے پیسے نہ لیے ہوں۔" ماہی کا ازلی مشکوک لہجہ عود کر آ گیا۔

مالا نے ہاتھ روک کے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں برہمی تھی۔

"مجھے ماہر فرید کے مقابلے میں کسی پہ بھی اعتبار کرنا پڑے تو میں کر لوں گی۔"

"مالا اب تم منطق کے خلاف جا رہی ہو۔ تم لوگوں کو بلیک اینڈ وائٹ دیکھتی ہو۔ یا اچھے ہیں یا بہت برے ہیں۔ مجھے لگتا ہے اپنے غصے میں تم اس ساری کہانی میں کچھ مس کر رہی ہو۔"

مالا نے زور سے برش زمین پہ رکھا۔ سفید چھینٹے اڑ کے اس کے کپڑوں اور چہرے پہ جا گرے۔

"میرے ساتھ اس نے اتنا غلط کیا اور تم مجھے الزام دے رہی ہو؟"

"میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ جس آدمی کا ذکر تم اتنے اچھے لفظوں میں کرتی تھی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس میں اتنی برائیاں ہوں اور ہمیں شک بھی نہ ہوا ہو۔ اس نے کسی وجہ سے تمہیں ٹارگٹ...."

"یو نو واٹ ماہی... تمہارا ہمیشہ سے یہی مسئلہ رہا ہے۔ تمہیں ہر ایک سے زیادہ عقلمند بننے کا شوق ہوتا ہے۔ ماہی سب جانتی ہے۔ ماہی کے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔" وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔ "تم صرف مجھے غلط ثابت کرنے کے لیے بات کو دوسرے اینگل سے دیکھ رہی ہو۔ اس آدمی نے مجھے اتنا بڑا دھوکہ دیا۔ اور تم چاہتی ہو کہ میں اس سے نفرت بھی نہ کروں؟"

ماہی بھی اتنی ہی پٹھان تھی جتنی کہ مالا۔ اس کی بھی تیوری چڑھ گئی۔

''تم نے مالا کبھی زندگی میں میرا مشورہ مانا ہو تو پھر بات کرو۔ میں نے ظہیر کے بارے میں کیا کہا تھا؟ یاد کرو۔''

''تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔''

''ہاں تم رہو اپنی دنیا میں۔''

دونوں طرف سے غصے سے فون ایک ساتھ بند ہوا۔ مالا نے تیزی سے برش کو گیسو میں ڈبویا اور بار بار کینوس پہ رگڑنے لگی۔ جیسے آج سارا ڈبہ ختم کر دے گی۔ غصے سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

اپنے بیڈروم میں موجود ماہی نے بھی اتنے ہی غصے اور جھنجھلاہٹ سے فون رکھا۔

''سمجھتی کیا ہے مالا اپنے آپ کو۔'' اب وہ کڑھ رہی تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ کام کرتے عباد نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

''ماہی... تم نرمی سے بھی بات کر سکتی تھیں۔ مالا پہلے ہی پریشان ہے۔ اس کے ساتھ اتنا دھوکہ ہوا ہے۔ اس کو چاہیے کہ پولیس کال کرے۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے اس کو مشورہ دینے کی۔ وہ ہمیشہ اپنی مرضی کرتی ہے۔ اب میں اس سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ کبھی بھی نہیں۔'' وہ ہر ناراض بہن کی طرح مستقبل کی پلاننگ کر رہی تھی۔

عباد نے عینک کے پیچھے سے افسوس سے اسے دیکھا۔

''جب تمہاری مجھ سے لڑائی ہوتی ہے تب بھی تم ایسی ہی پلاننگ کرتی ہو؟''

''نہیں۔ تمہارے لیے تو میں زہر تک خرید لاتی ہوں۔'' وہ جل کے بولی تو عباد ''ٹھیک ٹھیک'' کہہ کے سمجھتے ہوئے واپس کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کینوس کو سفیدی سے ڈھکنے کے بعد مالا نے تھک کے برش رکھ دیا۔ اور گیلی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ تبھی میسج ٹون بجی۔

اس نے تیزی سے موبائل اٹھایا۔ شاید ماہی کا میسج ہو اور وہ سوری کہہ رہی ہو۔ لیکن وہاں زیاد کا میسج جگمگا رہا تھا۔

''کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟''

اس کی انگلیاں میکانکی انداز میں ٹائپ کرنے لگیں۔

''آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل بات کریں گے۔''

''اپنا خیال رکھا کریں۔ آپ بہت اہم ہیں۔''

آنسو پھر سے بہنے لگے۔ وہ کس فریبی کی باتوں میں آ کے زیاد کو غلط سمجھنے لگی تھی؟ ہاں زیاد تلخ حقائق بیان کر دیتا تھا لیکن وہ سچ بولتا تھا۔ جو تھا وہی دکھائی دیتا تھا۔ کم از کم زیاد سلطان سچا تو تھا۔ وہ ماہر فرید کی طرح گھما کے سوال نہیں پوچھتا تھا۔

اور کیا سوال پوچھا تھا ماہر فرید نے اس سے؟

"آپ کو کیسے معلوم کہ کسی آدمی کے پاس آپ کی تصویر ہے؟"

وہ ایک دم سناٹے میں رہ گئی۔ کیف جمال نے کہا تھا کہ ماہر کے پاس البم میں اس کی تصویر تھی۔

اسے آج تک دل سے یقین نہیں آیا تھا کہ کسی آدمی کے پاس واقعی اس کی تصویر تھی۔

جب اس نے کیف یعنی ماہر سے یہ بات عزہ کی شادی کے دوران کہی تھی تب بھی اسے اس بات پہ مکمل یقین نہیں تھا۔ لیکن...

اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

اگر کیف جمال نے ماہر فرید کے پاس اس کی تصویر دیکھی ہے جس کی پشت پہ حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ لکھا تھا تو وہ بات درست تھی۔ اور اگر وہ بات درست تھی.... تو اس کا مطلب تھا کہ.... ماہی کی تھیوری بھی درست تھی۔

ماں پہ واقعی جادو کیا جا رہا تھا۔

وہ ان باتوں کو نہیں مانتی تھی۔ اس کے پاس اپنی وجوہات تھیں۔ لیکن اس وقت وہ اتنی ٹوٹی ہوئی تھی کہ اسے اس سب کی ایک وضاحت نظر آنے لگی۔ ایک خوف سا محسوس ہونے لگا۔

کسی ان دیکھی طاقت سے۔ کسی غیر مرئی مخلوق سے۔ وہ جو وہاں سے اسے چھپ کے دیکھ سکتی تھی جہاں سے وہ اس کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

کیا وہ مخلوق اس کے خاندان کے پیچھے لگ چکی تھی؟

اور کون تھا جو اس کام میں انوالوڈ ہو سکتا تھا؟

پہلے ایک ہی نام ذہن میں آتا تھا۔ کبیرہ تائی۔ اور اب ایک نام کا اضافہ ہو چکا تھا۔

ماہر فرید۔ یقیناً۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے بیڈروم میں سنگھار میز کے سامنے بیٹھی کبیرہ بیگم مسکرا رہی تھیں۔ انہوں نے سلک کا نائٹ گاؤن پہن رکھا تھا

اور ہاتھ میں موبائل تھا۔ وہ موبائل پہ ایک نرانز یکشن دیکھ رہی تھیں جو انہوں نے ابھی ابھی اس نئے عامل کے اکاؤنٹ میں کی تھی۔ ایک بھاری رقم ادا کرنے کے بعد عامل نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ زیادا ور کشمالہ کے رشتے پہ عمل کرنا شروع کر دے گا۔

ان دونوں کی شادی نہیں ہوگی۔ نگینہ بیمار پڑ جائے گی اور یہ زیادا پنی ماں کی بیماری میں لگ کے رشتے کی بات پسِ پشت ڈال دے گا۔

ماہی کے ہاں کبھی اولاد نہیں ہوگی۔

اور حورِ جہاں کے بارے میں جو عامل نے بتایا تھا' اس نے کبیرہ کی روح تک پرسکون کر دی تھی۔

کبیرہ بیگم نے موبائل رکھا اور خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔ ہاتھ سے اپنے بوائے کٹ بالوں کو چھوا۔ پھر نرمی سے وگ اتاری۔ اور وگ اسٹینڈ پہ رکھ دی۔

نیچے سے اس کا سر بالوں سے صاف تھا۔ ننھے ننھے نیلاہٹ مائل بالوں کی جڑیں نظر آ رہی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ بال کسی قدرتی وجہ سے نہیں گرے بلکہ باقاعدگی سے استرے سے صاف کیے جاتے ہیں۔ اس نے ایک سیرم کی بوتل اٹھائی اور چند قطرے ہاتھوں پہ مل کے سر کی صاف جلد پہ لگانے لگیں۔

ان کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

بالآخر برسوں بعد انہیں ایک ایسا عامل ملا تھا جس سے ملتے ہی انہیں اس کے عمل کی طاقت پہ یقین آ چکا تھا۔

وہ کوئی عام عامل نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس عامل سے اب تمہارا تعارف ہونے جا رہا ہے' وہ پیٹر مسیح کی طرح نہیں ہے کہ کہیں اپنی دوکان سجا لے اور لوگ جوق در جوق اس کے پاس کام کروانے آئیں۔

نہیں۔ وہ اپنے آپ میں یکتا ہے۔

اس کی کوئی دکان نہیں ہے۔ کوئی گدی' کوئی مرکز نہیں ہے جہاں وہ عام لوگوں سے ملے۔ اس سے ملاقات کے لیے اپائنٹمنٹ لینی پڑتی ہے اور اپائنٹمنٹ ہر ایک کو نہیں ملتی۔

جن پہ عامل کو بھروسہ نہیں ہوتا' ان سے اس کا رابطہ صرف واٹس ایپ پہ ہوتا ہے۔

اس عامل کی شناخت خفیہ تھی۔ وہ کون ہے' اور کہاں مقیم ہے' یہ اس کے کلائنٹس بھی نہیں جانتے تھے۔ وہ سب اس

کو "سرکار" کہہ کے مخاطب کرتے تھے۔ عمل اور سحر کی اس دنیا میں اس کا کوئی دوسرا نام نہ تھا۔

اس وقت تم سرکار کو ایک نیم تاریک کمرے میں دیکھ سکتے ہو۔ یہ اس کے عمل کا کمرہ ہے۔ یہاں روشنی کم تھی اور گرمی کے باوجود ٹھنڈ تھی۔

کمرے کے وسط میں عامل نے زمین پہ چوکڑی مار رکھی تھی۔ اس کا لباس گدلا اور بدبودار تھا۔ سر پہ اس نے نارنجی رومال باندھ کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی اور اس رومال سے الجھے الجھے سفید بال نکل رہے تھے۔ اس نے ایک لمبا بدبودار چغہ بھی پہن رکھا تھا جس پہ مختلف بند سے اور قرآن کریم کی آیات الٹی کر کے لکھی گئی تھیں۔ یہ لباس شیاطین کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔

اس کے سیاہی مائل ہاتھوں میں بڑے بڑے دانوں والی ایک مالا تھی جو تسبیح کی طرح لگتی تھی لیکن اس پہ اللہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا بلکہ گن گن کے منتر پڑھے جاتے تھے۔

سامنے چند چیزیں زمین پہ رکھی تھیں۔ اس کمرے میں دوسرا کاٹھ کباڑ بھی تھا لیکن نیم اندھیر ہونے کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتا تھا۔

وسیع کمرے کے شمالی کونے میں پانچ چھے فٹ کی تکون لکڑی کھڑی تھی (جیسے پارٹیشن ہو)۔ اس کے پار ہلکی سی روشنی جلی تھی۔ یہاں سے وہ جگہ صاف دکھائی نہ دیتی تھی۔

فی الحال عامل کا دھیان ان اشیاء کی طرف لگا تھا جو سامنے بکھری تھیں۔

ایک پتلا۔ چند تصاویر۔ سوئیاں۔ بھوری سی روشنائی جس میں اس کا کھردرا ہاتھ قلم ڈبو ڈبو کے ایک کاغذ پہ تعویذ لکھ رہا تھا۔

اس کے سامنے بکھری تصاویر تمہاری جانی پہچانی ہیں۔

ایک سبز آنکھوں والی لڑکی کشمالہ کی تھی۔ ساتھ ایک سانولی رنگت والے مسکراتے ہوئے زیاد کی۔ تیسری تصویر میں بھوری آنکھوں اور بھرے گالوں والی ماہی تھی۔ اور چوتھی تصویر حورِ جہاں کی تھی۔

اسے ان سب لوگوں پہ عمل کا آغاز کرنا تھا۔

یہ عمل عامل سرکار کے اپنے لیے نہیں تھا۔ یہ کلائنٹ کے لیے تھا۔ لیکن آج اسے صرف ان تصاویر پہ عمل نہیں کرنا تھا۔ اسے کسی اور پہ بھی عمل کرنا تھا۔ ایک ذاتی دشمن پہ۔

اس کے جادو اکثر کامیاب ہوتے تھے چاہے سامنے والا کتنی ہی پڑھائیاں کرتا ہو۔ اس نے کئی طلاقیں کروائی

تھیں، کئی لوگوں کو بیماریاں کروا کے معذور کیا تھا۔ کچھ تو مر بھی گئے تھے۔ اس نے کئی لوگوں کی شادیوں میں بندش ڈالی تھی۔ کئی کو بے اولاد رہنے پہ مجبور کیا تھا۔ کئی کے بچے پیٹ میں مارے تھے۔ کئی مرے ہوئے لوگوں کے منہ میں تعویذ ڈال کے ان کے پیچھے رہ جانے والے خاندان اجاڑے تھے۔

اور ہر کامیاب جادو کے بعد اس کی پاور بڑھتی تھی۔

اس کے قبضے میں ایک ایسا جینئس موکل تھا جو اپنے کام کو بہت مہارت سے سرانجام دیتا تھا۔

اس کے جادو سب پہ ہی چل جاتے تھے۔

سوائے ایک انسان کے۔

اس ایک انسان سے اس کی خاموش دشمنی کئی برس پرانی تھی۔

اس ایک انسان پہ عامل سرکار کا منتر نہیں چلتا تھا۔

ان چار تصویروں کے قریب ایک لکڑی کی صندوقچی رکھی تھی۔ عامل سرکار نے آہستہ سے اس کا ڈھکن کھولا۔ اور اندر موجود کاغذوں کو الٹ پلٹ کیا یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں سے ایک تصویر ٹکرائی۔

اس نے تصویر نکالی اور اسے اپنے چہرے کے قریب کیا۔

یہ وہی انسان تھا۔ اس کا پرانا دشمن۔

تصویر میں ایک نوجوان مسکرا رہا تھا۔ مسکرانے سے اس کے گال میں گڑھا پڑتا تھا۔ اس کی آنکھیں بلکی بھوری تھیں اور بال جیل سے پیچھے کیے گئے تھے۔

عامل نے تصویر کو پلٹا تو پیچھے لکھا نظر آیا۔

''رابیل اور قاسم کا بیٹا ماہر۔''

اس کے نحوست زدہ چہرے پہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

''بہت وقت ہو گیا ہم نے تمہاری تصویر نہیں نکالی، ماہر فرید۔''

اس نے مسکرا کے تصویر کو مخاطب کیا۔

''بہت عرصے سے ہم نے تمہیں نظر انداز کیا ہے۔ کیونکہ ہمیں دوبارہ تمہارے اوپر وار کرنے کے لیے اپنی پاور بڑھانی تھی۔ اور اب ہم اس مطلوبہ پاور تک پہنچ چکے ہیں۔''

اس نے چہرہ اٹھا کے خلاء میں دیکھا۔ اسے وہ نظر آ رہا تھا جو کسی اور کو نظر نہیں آتا تھا۔

''بالآخر تمہارا نمبر ایک دفعہ پھر آ گیا ہے۔ان لوگوں کے بہانے''(سامنے رکھی تصویروں پہ نظر ڈالی۔)''تم پہ کام کرنے کا موقع بھی مل ہی گیا ہے۔لیکن....''

اس نے تصویر نیچے رکھ دی۔

''تم پہ ہم بعد میں آئیں گے۔پہلے ان کے رشتے کے معاملے کو دیکھتے ہیں۔''

اس نے مالا اور زیاد کی تصاویر کو سامنے رکھا۔دوسرے تمام کلائنٹس کے کاموں کو پس پشت ڈال کے اسے اس کام کو ترجیح دینی تھی۔اس کے بعد ماہر فرید کی باری تھی۔

اسے ماہر فرید کی باری آنے کا برسوں سے انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد گھر میں داخل ہوا تو ہر طرف خاموشی تھی۔یہ خاموشی اس کے ماں باپ کے گھر کی پہچان تھی۔وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا اندر آیا۔سامنے لونگ روم بنا تھا جس کی بتیاں مدھم تھیں اور اس میں ایک طرف آرام دہ کرسی پہ سلطان صاحب بیٹھے تھے۔سادہ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس وہ اخبار چہرے کے سامنے پھیلائے ہوئے تھے۔

آہٹ پہ اخبار کا کونا موڑا تو چہرہ نظر آیا۔عینک کے اوپر سے جھانک کے غور سے اسے دیکھا۔ان کا اکلوتا بیٹا ان کے سامنے کھڑا تھا۔سیاہ پینٹ پہ نیلی پولو شرٹ پہنے۔جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔کلین شیو دراز قد زیاد۔

''تم ہو؟''ایک نظر اسے سر سے پیر تک دیکھا اور واپس اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''جی ابو۔کیسے ہیں آپ؟''اس نے نرمی سے پوچھا۔ان کے چہرے کو دیکھتا وہ ان کی اگلی بات کا منتظر تھا۔

''اپنا بتاؤ۔جاب کیسی جا رہی ہے؟ترقی ہوئی یا نہیں؟''

زیاد کے چہرے کی جوت بجھ سی گئی۔

''ابو جاب پہ ہر مہینے تو پروموشن نہیں ملتی۔وقت لگتا ہے۔''

''ایک ہماری ہی اولاد کو وقت لگتا ہے۔ورنہ اصغر صاحب کا بیٹا بھی تمہارا کلاس فیلو تھا۔تمہارے جیسی جاب کر رہا تھا۔دیکھو کہاں پہنچ گیا ہے۔''طنز سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔نظریں اخبار پہ تھیں۔

سامنے کٹہرے میں کھڑے زیاد نے ضبط سے گہری سانس اندر کھینچی۔

''ابو...اس کی فیلڈ الگ ہے۔تنخواہ ہماری برابر ہی ہے۔اور پھر میں رائٹنگ بھی کرتا ہوں۔مجھے....''

''کیا فائدہ اس رائٹنگ کا جو چار پیسے نہ کما کے دے۔''

''پیسے کمانے کے لیے جاب ہے نا۔ لکھائی تو بس میرا شوق ہے۔''

''زیاد۔''

یہ تفتیش مزید جاری رہتی لیکن اندر سے نگینہ بیگم کی کراہتی ہوئی آواز آئی تو وہ چونکا۔ سر کے خم سے ابو کے سامنے سے ہٹنے کی اجازت چاہی جسے انہوں نے نہیں دیکھا اور پھر لمبے ڈگ بھرتا امی کے کمرے تک آیا۔ شائستگی سے دستک دی اور ادھ کھلا دروازہ پورا کھول دیا۔

وہ بستر پہ لیٹی تھیں۔ ملازمہ ساتھ کھڑی ان کے پیر دبا رہی تھی۔

''امی....'' وہ پریشان سا ہو کے ان کے ساتھ بستر پہ بیٹھا۔ وہ نحیف لگ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' زیاد نے ان کا بوڑھا ہاتھ تھاما۔ وہ گرم تھا۔

''بس بیٹے.... جسم بہت درد کر رہا ہے۔'' وہ نقاہت سے مسکرائیں۔ ''لیکن میں ٹھیک ہوں۔ فکر نہ کرو۔''

ساتھ ہی ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا۔ ''جاؤ تم دونوں کھانا کھا لو۔''

بنگالی ملازمہ عورت سر ہلا کے اٹھ گئی۔ زیاد نے اس کے جانے کا انتظار کیا اور جب وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی تو وہ ان کی طرف گھوما۔ اس کے چہرے پہ بے بسی بھرا غصہ تھا۔

''ابو کو آپ کو کوئی فکر نہیں ہے۔ آپ بیمار ہیں اور کسی نے مجھے نہیں بتایا۔''

''بیٹے تمہارے ابو کو پہلے کب فکر ہوئی ہے ہماری؟ کیوں خود کو ان کی وجہ سے اذیت دیتے ہو۔'' انہوں نے اپنے بوڑھے کپکپاتے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھاما۔ زیاد نے شکست خوردگی سے سر جھکا دیا۔ اس کی ماں بیمار نظر آ رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں۔''

''نہیں بیٹے۔ میرا اپارٹمنٹس میں دم گھٹتا ہے۔ یہ اچھا بھلا گھر چھوڑ کے کیسے چلی جاؤں۔ پھر یہاں ملازم ہیں میرے پاس۔ سارا کام کر دیتے ہیں۔'' ساتھ ہی انہوں نے تکلیف سے آنکھیں بند کیں۔ دوسرے ہاتھ سے بائیں کندھے کو مسلا۔

زیاد نے تشویش سے انہیں دیکھا۔ ''امی کیا ہوا ہے؟ ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لی؟''

''بیٹا یہ ڈاکٹر والا مسئلہ نہیں ہے۔'' انہوں نے آنکھیں کھولیں اور درد کے باوجود مسکرائیں۔ ''یہ کوئی اور ہی مسئلہ لگتا ہے۔'' ان کے دوسرے ہاتھ میں تسبیح تھی۔

''کیسا مسئلہ؟'' اس نے نرمی سے ماں کے ماتھے پہ آئے بال پیچھے کیے۔

''کوئی پیچھے پڑا ہوا ہے ہمارے۔ مجھے کچھ خواب آئے ہیں۔'' ان کی کراہتی آواز دھیمی ہوئی۔ ''لگتا ہے کوئی جادو کر رہا ہے ہم پہ۔''

زیاد جو نرمی سے ان کے بال کان کے پیچھے اڑس رہا تھا' ٹھٹھک کے رک گیا۔ اور آنکھوں میں تحیر لیے انہیں دیکھا۔

''آپ تو اتنا پڑھتی ہیں۔ آپ پہ جادو کیسے ہو سکتا ہے؟''

''بیٹے جادو ہر ایک پہ ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ کتنا نماز روزے کا پابند کیوں نہ ہو۔ لیکن....'' وہ نقاہت سے مسکرائیں۔ ''اتر بھی جائے گا۔ میں زیادہ پڑھائی کروں گی۔ اللہ خیر کرے گا۔'' انہوں نے بوڑھا ہاتھ اس کے سانولے ہاتھ کے اوپر رکھا اور مسکرائیں۔

''مگر کون ہے جو ہمارے پیچھے پڑا ہے۔''

''ہمارے خاندان میں بہت سے لوگ اس کام میں ملوث ہیں' بیٹے۔ شاید وہ تم سے اپنی بیٹیوں کا رشتہ کروانا چاہتے ہوں۔''

''مگر ہم کشمالہ کا رشتہ مانگ چکے ہیں۔ عجیب زبردستی ہے۔'' وہ جھنجھلایا۔

"مجھے معلوم ہے بیٹے۔ اس لیے ہمیں اس جادو ٹونے کے اثر کرنے سے پہلے ہی تمہارا اور کشمالہ کا رشتہ طے کرنا ہوگا۔''

''میں کشمالہ سے بات کرتا ہوں۔'' وہ سوچ کے کہنے لگا۔ ''آپ کو لگتا ہے اگر کشمالہ اور میرا رشتہ طے ہو جائے تو یہ لوگ باز آجائیں گے؟''

''جب تک شادی نہ ہو وہ اپنی کوششیں کرتے رہیں گے۔ لیکن....'' نگینہ بیگم نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی۔ ''میرا رب ہے نا۔ اس کے کلام سے ان جادوگروں کی سازشیں اور جادو ناکام ہو جائیں گے۔''

''او کے۔ میں چند دن کی چھٹی لے لیتا ہوں۔ ہم پاکستان جائیں گے اور حورِ جہاں آنٹی کے گھر جا کے باقاعدہ رشتے کی بات کریں گے۔ آپ سفر کر لیں گی؟''

نگینہ نے مسکرا کے سر ہلایا۔ ''اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے میں ضرور کروں گی۔''

وہ ہلکا سا مسکرا دیا اور نرمی سے ان کے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسا۔ پھر گردن موڑ کے بند دروازے کو دیکھا جس

کے پار لاؤنج میں ابو بیٹھے تھے۔ زیاد کے چہرے پہ اداسی اتر آئی۔

''ابو نے ساری عمر آپ پہ ظلم کیے ہیں۔ ان کے رویے کی وجہ سے میں اس گھر میں نہیں رہتا۔ لیکن آپ ہیں کہ چپ چاپ برسوں سے برداشت کرتی آ رہی ہیں۔ آپ جیسا حوصلہ اور صبر ہر ایک میں نہیں ہوتا۔''

''بیٹے عورت کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ گھر ایسے نہیں بستے۔''

زیاد نے سر ہلا دیا۔ اور نرمی سے ان کا ہاتھ تھپتھپایا۔ ''میں پھر بھی آپ کی اپائنٹمنٹ لے رہا ہوں۔ ہم ڈاکٹر کو ضرور دکھائیں گے او کے؟'' نرمی سے کہہ کے وہ جیب سے فون نکالنے لگا۔

باہر لاؤنج میں بیٹھے سلطان صاحب اسی بے حسی سے کان لپیٹے اخبار پڑھ رہے تھے۔

قریباً گھنٹے بھر بعد جب زیاد اپنے ماں باپ کے گھر سے نکلا اور گاڑی کی طرف بڑھا تو آسمان سے خون کے چند چھینٹے آ کے اس کی نیلی شرٹ پہ گرے۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا تو ایک عجیب سا پرندہ اڑتا ہوا دور جا رہا تھا۔ زیاد نے انگلیوں سے گردن کو چھوا جہاں چند قطرے گرے تھے۔ پتلا سا سرخ مائع۔

اس نے تشویش سے آسمان کو دیکھا۔ پرندہ اب بہت دور جا چکا تھا۔

کون تھا جو اس کا اور کشمالہ کا رشتہ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا؟

کون تھا جو اس کی خوشیوں کے پیچھے پڑا تھا؟

اتنے عرصے بعد اس کا دل شادی کرنے اور سیٹل ہو جانے پہ آمادہ ہوا تھا۔ ایسے میں کیوں یہ جادوگر یا عامل اس کی خوشیوں کے پیچھے پڑے تھے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دن کی روشنی اونچی کھڑکیوں سے اندر آتی اس کے سارے آفس کو منور کیے ہوئے تھی۔ وہ پین سے گرافک ٹیبلیٹ کی اسکرین پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔ کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور سفید شرٹ کے کف موڑے ہوئے تھے۔ سر جھکائے وہ کام میں منہمک تھا جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

ماہر نے اکتا کے چہرہ اٹھایا تو دیکھا' گلاس ڈور کے پار پیر بل کھڑا ہے۔ بھائی کو اپنی طرف متوجہ پا کے پیر بل نے مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔ اس کی ناگواری مزید بڑھ گئی۔ پین نیچے رکھا اور میز پہ لگا بٹن دبایا تو دروازہ کھل گیا۔

پیر بل ازلی خوشگوار موڈ میں چلتا ہوا اندر آیا۔ ایک ہاتھ میں وہ چابیوں کا گچھا عادتاً گھما رہا تھا۔ ماہر نے اونچی کرسی پہ پیچھے ٹیک لگائی اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ جینز' جوگرز اور آدھی آستین کی شرٹ پہنے' اس کے

گھنگھریالے بال تھرتھرز کی طرح سیٹ تھے۔

"جانتے ہو بزنس چلانے کے لیے سب سے اہم چیز کیا ہوتی ہے؟"

"باپ کا بہت سارا پیسہ؟" پیربل مسکرایا۔

"موجودگی۔ بزنس کے مالک کی اپنی موجودگی۔ تمہیں اس وقت اپنی بیکری میں ہونا چاہیے تھا۔"

"کوئی اور نصیحت، ماہر بے؟"

ماہر نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"آج کے دور میں اگر کسی کو پیسہ کمانے کا شوق ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ (سنگل انکم) ایک آمدنی پہ گزارا ناممکن ہو چکا ہے۔ ایک آمدنی صرف ضروریات پوری کر سکتی ہے۔ تعیشات کے لیے انسان کو آمدنی کے..." انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔ "دو ذرائع چاہئیں۔ تم ساری زندگی اپنے باپ کی کمپنی کے ماہانہ الاؤنس پہ گزارا نہیں کر سکتے پیربل۔"

"کبھی لیکچر دینے کے علاوہ اپنے چھوٹے بھائی کے لیے وقت نہیں نکال سکتے؟"

پیربل نے خفگی سے پلکیں دو تین دفعہ جھپکائیں۔ ماہر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر پین ایک طرف رکھا اور اسکرین بجھاتے ہوئے اٹھا۔

"کیوں نہیں۔ وقت ہے میرے پاس۔ چلو قہوہ پیتے ہیں۔" اس کے دوستانہ انداز پہ پیربل نے قدرے تعجب اور شک سے اسے دیکھا۔

"وائی بے... (واؤ) آج ماہر آفندی نے میرے لیے خود وقت نکالا ہے۔" (آفندی ادب کا طرز تخاطب تھا جسے پیربل الٹ معنوں میں استعمال کرتا تھا۔)

ماہر محض مسکرا دیا اور کف کے بٹن بند کرنے لگا۔ پیربل نے ہونٹ سکوڑ کے کچھ گنگناتے ہوئے گردن ادھر ادھر موڑی تو کھڑکی میں رکھا کیکٹس نظر آیا۔ اس کے ابرو اوپر اٹھے۔ تحیر سے ماہر کو دیکھا۔ وہ اب کوٹ پہن رہا تھا۔

"یہ اپنا ہم شکل پودا لینے کی کیا ضرورت پیش آئی؟"

ماہر نے کوٹ پہن کے کالر ذرا جھٹکے اور مسکرا کے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ پیربل کو یاد آیا۔ سیاہ سفید فرش پہ بیٹھی سیاہ لباس والی لڑکی جو ساتھ رکھے پودے پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

زارینہ ہال میں ایک اسٹاف کے ساتھ کھڑی چند کاغذات دیکھ رہی تھی۔ اس نے دونوں کو باہر نکلتے دیکھا تو اسٹاف سے معذرت کر کے تیزی سے اس طرف آئی۔ ایسے کہ ان دونوں کی اس جانب پشت تھی۔ ماہر کے آفس کا دروازہ ابھی واپس چوکھٹ سے نہیں لگا تھا جب زارینہ نے اسے تھام کے روک لیا۔ پھر ان کو جاتے دیکھتی رہی۔

بیر بل گزرتے ہوئے تمام اسٹاف کو مسکرا کے ہاتھ ہلا رہا تھا اور وہ اسے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً وہی جونیئر آرکیٹیکٹ ان کے قریب آئی اور ٹیبلیٹ ماہر کو دکھایا۔

''اب؟'' بہت امید سے اس نے اپنے باس کے چہرے کو دیکھا جس نے اس کے کام پہ صرف ایک نظر ڈالی تھی۔

''تمہارے فلور پلان کی سرکولیشن میں سیکیورٹی گیپ ہے۔ یہ بینک بلڈنگ ہے۔ تمہارا گھر نہیں۔'' گھور کے اسے دیکھا۔ ''دوبارہ سے بناؤ۔'

لڑکی نے خفگی سے ٹیب واپس لیا اور پیر پٹخ کے آگے بڑھ گئی۔

''وہ دل میں تمہیں سائیکو پیتھ کہہ رہی ہوگی۔'' بیر بل نے اس کے قریب سرگوشی کی۔

ماہر نے مسکرا کے سر جھٹکا۔

''سائیکو پیتھ و ڈالرز۔'' (وہ ذہنی مریض جس کے پاس ڈالرز ہیں)۔

بیر بل نے جھرجھری لی۔

''میری بیکری میں اگر کوئی میرے نام رکھتا تو اب تک میں اسے فائر کر چکا ہوتا۔''

''تمہارے خیال میں وہ تمہارے نام نہیں رکھتے ہوں گے؟'' ماہر ہلکا سا ہنسا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے لفٹ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ''ہر باس کے نام رکھے جاتے ہیں۔''

''تم نے اپنی باس کا کیا رکھا تھا؟''

وہ دونوں لفٹ کے دہانے پہ کھڑے تھے جب بیر بل نے پوچھا۔ ماہر کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''بیر۔'' اس کی آنکھوں میں تنبیہ تھی۔ بیر بل نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''تمام تمام۔ (او کے او کے) نہیں پوچھتا۔''

لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ دونوں اندر سوار ہو گئے۔ لفٹ اوپر چلی گئی تو زارینہ نے تیزی سے ماہر کے آفس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ آج وہاں صندل وڈ کی موم بتی کی خوشبو پھیلی تھی۔

وہ ماہر کی میز تک آئی اور دھڑکتے دل سے دراز کھولا۔ وہاں کچھ کاغذات کے اوپر ٹوٹی ہوئی خطائی رکھی تھی۔

زارینہ نے تعجب سے اسے دو انگلیوں میں اٹھایا۔ چند ذرے مزید بھربھرا کے نیچے گرے۔

ماہر ایسے بسکٹ یا بیکری میں بنی چیزیں نہیں کھاتا اور یہ باسی بسکٹ بیربل کی بیکری کا نہیں لگتا تھا۔ پھر؟

وہ جو بھی چیز تھی زارینہ کو پسند نہیں آئی تھی۔ اس نے بنا سوچے سمجھے خطائی کو ٹشو میں لپیٹا اور مٹھی میں دبائے باہر نکل آئی۔ پھر ہال کے دوسرے کونے میں رکھی ایک ڈسٹ بن میں اسے پھینک دیا۔

ولا کی چھت پہ ایک اوپن ائیر کیفے بنا تھا۔ استنبول پہ اترتی شام وہاں سے دکھائی دے رہی تھی۔ اطراف کی اسٹرینس کے اونچے سرسبز درخت آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے تھے۔

ماہر اور بیربل ایک میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور شبنم کافی کے دو کپ ان کے سامنے رکھ رہی تھی۔

''تمہاری پسندیدہ کافی، بیربل۔ کوکونٹ ملک کے ساتھ۔'' اس نے مسکرا کے اطلاع دی۔

بیربل نے کپ اٹھایا اور آنکھیں بند کر کے سونگھا۔ پھر داد دینے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''شبنم تم میرے پسندیدہ لوگوں کی فہرست میں دوسرے نمبر پہ آ گئی ہو۔''

''پہلے پہ کون ہے۔''

''میں خود۔'' اس نے مگ سے کافی کا کپ ہونٹوں سے لگایا۔ شبنم نے محض ''ہوں'' کر کے استہزائیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر ماہر کو آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔

''اب بتاؤ.... تم ٹھیک ہو؟'' بیربل کے چہرے پہ فکرمندی تھی۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا گردن موڑے اطراف میں رکھی کرسیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دور آسمان پہ نارنجی سورج کی آخری کرنیں بکھری تھیں۔ اس سوال پہ محض شانے اچکا دیے۔

''مجھے کیا ہونا ہے؟''

''کیا ہم نے تمہیں زبردستی اس لڑکی سے دور کر کے برا کیا ہے؟'' بیربل سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

ماہر کی بھوری آنکھیں ڈوبتے سورج پہ جمی تھیں۔

''مجھے کوئی کسی کام پہ مجبور نہیں کر سکتا۔ مالک اور تم نے مجھے صرف یاد کروایا تھا کہ میں فوکس لوز کر رہا ہوں۔ جو ہوا ٹھیک ہوا۔''

''میں تمہیں لاہور سے اس لیے نکالنا چاہتا تھا کیونکہ تم خود کو اور اس لڑکی کو ہرٹ کر رہے تھے۔ لیکن...''

بیربل نے گہری سانس لی۔ کچھ تھا ماہر کے بارے میں جو بہت اداس کر دینے والا تھا۔

''لیکن اگر تم اس سے دور رہ کے خوش نہیں ہو تو اس کے پاس واپس جاؤ' اس سے معافی مانگو اور پھر فیصلہ کرو۔''

''وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔''

''اگر تم اسے اصل بات بتا دو تو شاید...''

''میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے معاف کرے' بل۔ تم نے درست کہا تھا۔ دھوکہ انسان کو ڈیمج کر دیتا ہے۔ میں نے اسے ڈیمج کر دیا ہے اور مجھے اس بوجھ کے ساتھ رہنا ہے۔''

''ابھی اس کو معلوم نہیں ہوا ہوگا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور اسے بتائے' تم خود اسے بتا دو۔''

ماہر زخمی سا مسکرایا اور اپنا کپ اٹھایا۔ پھر اس میں رکھے ترکش قہوے کو دیکھا جس میں سورج کی نارنجی کرنوں کا عکس ابھر رہا تھا۔

''اس کے پاس میرے اپارٹمنٹ کا کارڈ تھا۔ جلد یا بدیر وہ میرے پیچھے جائے گی۔ اسے معلوم ہو جائے گا۔''

''یوک آرتک ہے۔ (no way)....'' بیربل سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''میں سمجھا تھا کہ یہ ایک Obsession ہے.... لیکن تمہیں واقعی اس لڑکی سے محبت ہو گئی ہے۔''

ماہر نے خاموشی سے قہوے کا گھونٹ بھرا۔ اندر تک کڑواہٹ گھل گئی۔

''اگر محبت ہو گئی ہے تو پھر اسے چھوڑ کے کیوں آئے ہو؟ واپس جاؤ۔ معافی مانگو۔ ورنہ موو آن کیسے کرو گے۔''

''میں معاملہ ختم کر چکا ہوں۔'' وہ سر جھکائے قہوے کی پیالی کو دیکھ رہا تھا۔

''چچ... کیا فائدہ ہوا اس لڑکی کا دل دکھانے کا۔'' بیربل افسوس سے سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں یقین تھا کہ وہ کچھ جانتی ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو تمہیں مالک کی بات نہ ماننی پڑتی۔''

''وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔'' وہ واپس گردن موڑ کے بادلوں کو دیکھنے لگا جن کے کنارے سرخ ہو رہے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ حورِ جہاں کی بیٹی جانتی ہے۔ حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ...'' اس نے تصویر پہ لکھی سطر دہرائی۔ ''شاید اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ یا شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ کہاں غلطی ہوئی ہے؟'' وہ خود سے بڑبڑایا۔ اس ساری equation میں کچھ مسنگ تھا۔

''شاید تمہیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ کوئی کچھ بھی نہیں جانتا۔ جو گزر چکا وہ گزر چکا۔ جیسے ہم نے مجھوتہ کر لیا ہے' تم بھی کر لو۔'' بیربل کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ ''تم صرف ایک کام کر سکتے ہو۔ اس لڑکی سے ملنے جاؤ۔ یا اس سے بات

کرو۔ اس کو سچ بتا دو۔''

''کیا بتاؤں۔ یہ کہ میں اپنا انتقام لینے نکلا تھا۔ یا یہ کہ میں اس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔'' ماہر نے سر جھٹکا اور قہوے کا آخری گھونٹ اندر اتارا۔ ''سچ مجھے معافی نہیں دلوائے گا' بی۔''

بیربل چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''تیسری بات بتا دو۔'' وہ بولا تو اس کی آواز مدھم تھی۔

ماہر فرید کے چہرے پہ تکلیف ابھری لیکن وہ اسے دبا گیا۔

''ہر بات ہر ایک کے لیے نہیں ہوتی۔''

''یعنی میرے یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔'' بیربل خفا ہوا۔ ''میں نے صرف ماہر فرید کا وقت ضائع کیا۔''

ماہر پہلی دفعہ مسکرایا۔

''ماہر فرید وقت اور پیسہ کسی پہ تب تک انویسٹ نہیں کرتا' جب تک اسے منافع نہ نظر آئے۔ شبنم۔'' اس نے دو انگلیوں سے دور کھڑی شبنم کو پکارا۔ وہ ناک پہ عینک درست کرتی مسکراتی ہوئی آگے آئی۔ ماہر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی کہنی اور کندھے کے درمیان تک پہنچتی شبنم اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں اس کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہوا؟'' بیربل نے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

شبنم نے مسکرا کے ایک کاغذ بیربل کے سامنے رکھا۔

''یہ ان تمام چیزوں کا بل ہے جو ماہر کے گھر میں تم نے توڑی یا خراب کی ہیں۔ یہ بل تمہیں ایک ہفتے کے اندر اندر ادا کرنا ہے ورنہ یہ تمہاری ماہانہ الاؤنس سے کٹ جائے گا جو تمہیں فرید ہولڈنگ کی طرف سے ملتی ہے۔''

بیربل نے حیرت سے کاغذ تھاما اور پھر اس پہ نظر دوڑائی۔ پہلے وہ ہنسا۔

''یوک آرنک' ماہر۔ (ہرگز نہیں' ماہر)۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ تمہاری چیز میری چیز ہے۔'' ہنس کے ماہر کو دیکھا۔ لیکن ماہر کے تاثرات نہیں بدلے تو بیربل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ پہلے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ پھر خفگی۔

''تبھی میں کہوں آج ماہر آفندی نے اپنے بھائی کے لیے وقت کیسے نکال لیا۔''

''اگلی دفعہ میرے آفس آنا تو بل ساتھ لے کر آنا۔'' ماہر نے اس کا کندھا نرمی سے تھپکا تو بیربل ناراضی سے کاغذ کو مٹھی میں مروڑتے ہوئے اٹھا۔

''شبنم... آج سے تم میری لسٹ میں سیکنڈ لاسٹ نمبر پہ ہو۔''

''لاسٹ پہ کون ہے؟'' شبنم نے مسکرا کے پلکیں جھپکیں۔

''ایک سائیکو پیتھ جس کے پاس بہت ڈالرز ہیں۔'' وہ جل کے بولا اور خفگی سے آگے بڑھ گیا۔

''ہم ہیر بل سے مذاق کر رہے ہیں نا۔'' شبنم نے مسکرا کے اس کے قریب سرگوشی کی۔ ''تاکہ وہ آئے روز یہاں آ کے ہمارا وقت ضائع نہ کرے۔ ہم اصل میں اس سے پیسے تو نہیں لیں گے نا۔''

جواب نہ پا کے شبنم نے گردن اٹھا کے اپنے باس کا چہرہ دیکھا۔ لیکن اس کے تاثرات دیکھ کے وہ گڑبڑا کے جلدی سے بولی۔

''یعنی ہم لیں گے۔ ہم اس سے پیسے لیں گے۔ سمجھ گئی۔''

وہ محض ایک تنبیہی نظر اس پہ ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ شبنم نے گہری سانس لی۔ پیسہ ماہر فرید کی واحد محبت تھا اور پیسے کے معاملے میں وہ مذاق نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نیم تاریک کمرے میں موجود عامل نے آج بھی ویسے ہی چوکڑی مار رکھی تھی اور اس کے ہاتھ کاغذ کے ایک پرچے پہ چند حروف لکھ رہے تھے۔ زعفرانی روشنائی میں قلم ڈبو ڈبو کے لکھے جانے والے الفاظ اس کے موکلوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ اس کے جھکے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اس کو اشارہ مل چکا تھا۔

عمل اثر کرنے لگا تھا۔

اور سینکڑوں میل دور اپنے کمرے میں سوئی کشمالہ مبین کی نیند ایک دم سے ٹوٹی۔

لیکن آنکھ نہیں کھلی۔

اس نے آنکھ کھولنی چاہی لیکن پلکیں بھاری تھی۔ کھلتی نہیں تھیں۔ اس نے جسم ہلانا چاہا لیکن سینے پہ بوجھ تھا۔ جیسے کوئی سینے پہ بیٹھا ہو۔ اس کی زبان ہلنے سے انکاری تھی۔ اس نے لب کھولنے چاہے لیکن وہ ہلتے نہیں تھے۔

اس نے دل ہی دل میں پڑھنے کی کوشش کی۔ اللہ لا الہ... لیکن آیت الکرسی کے پہلے الفاظ نہیں پڑھے جا رہے تھے۔

کوئی دھیرے دھیرے اس کا کمبل کھینچ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ۔ تھوڑا سا کھینچتا پھر رک جاتا۔ تنگ کرنے کا سا انداز۔ دروازہ چرچرانے کی آواز بھی آئی۔ جیسے کوئی اندر آیا ہے۔ بیڈ کے کنارے پہ بوجھ بڑھا۔ جیسے کوئی ساتھ

بیٹھا ہے۔

وہ ساکت لیٹی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ کوئی کمرے میں ہے۔ کوئی ہے جو جان بوجھ کے آوازیں نکال کے اسے تنگ کر رہا ہے۔ وہ اسے ڈرانا چاہ رہا ہے۔

اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اس نے پھر سے پڑھنا چاہا۔ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔

یکدم زبان کا تالا کھل گیا۔ وہ بنا آواز کے آیت الکرسی پڑھنے لگی۔ ایک دم سینے سے بوجھ ہٹا۔ ذہن کسی تاریک سمندر میں ڈوب کے باہر نکلا۔ کشمالہ نے چونک کے آنکھیں کھولیں اور جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

اب ہر طرف سکوت تھا۔ ماں ساتھ خاموشی سے سو رہی تھیں۔ دروازہ بھی بند تھا۔ مقفل۔ ویسے ہی جیسے وہ بند کر کے سوئی تھی۔

وہ گھبرا کے بستر سے نیچے اتری اور لائٹ جلائی۔ اس کا سانس تیز چل رہا تھا اور دل ایسے بری طرح سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کے باہر آجائے گا۔ وہ بار بار گھبراہٹ سے آیت الکرسی پڑھ رہی تھی۔

کوئی تھا۔ کوئی تھا وہاں۔ کیف باہر گارڈ ڈیوٹی پہ ہوگا۔ وہ اس سے پوچھے گی کہ...

یکدم وہ بالکل ساکت ہوگئی۔ کیف؟ کہاں سے آیا کیف؟ کیف تو اسے چھوڑ کے جا چکا تھا۔

وہ وہیں بیڈ پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی اور اپنے گرد بازو لپیٹ کے خود کو جیسے گلے سے لگا لیا۔ ایک دم سے آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔

اتنے دن بعد اتنا شدید سلیپ پیرالسز (sleep paralysis) ہوا تھا۔ اتنے دن بعد اتنا ڈر لگا تھا۔ کیا وہ اب کبھی بتی بجھا کے نہیں سو سکے گی؟

اس نے بھیگی آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔ اور کرب سے آنکھیں بند کیں۔

ایک دم ذہن میں جھماکہ ہوا۔

مالا نے آنکھیں کھولیں۔ اور حیرت سے سوچا۔ بلکہ یاد کرنا چاہا۔

ابھی وہ خواب میں کیا دیکھ رہی تھی؟

سینے پہ دباؤ بڑھنے سے پہلے وہ کیا دیکھ رہی تھی؟

اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔

اگر ابھی یاد نہ کیا تو وہ نہیں یاد کر سکے گی۔ خواب دیر ہونے پہ بھول جاتے ہیں۔

اس نے دیکھا تھا کہ ایک تاریک سا کمرہ ہے جس میں روشنی کم ہے۔ اور کمرے کے وسط میں ایک ہنڈیا رکھی ہے۔ ایک سیاہ چغے والا آدمی اس ہنڈیا کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ سیاہ ہیں اور وہ سر پہ نارنجی رومال لپیٹے ہوئے ہے۔ سر جھکائے وہ کاغذ پہ تعویذ لکھ رہا ہے۔ اس کے سامنے مالا اور زیاد کی تصویریں رکھی ہیں۔ یک دم وہ زیاد کے چہرے پہ خون ڈالنے لگتا ہے۔ قطرہ قطرہ سرخ خون۔

پھر ایک دم سے وہ جادوگر چہرہ اٹھا کے مالا کو دیکھتا ہے۔ سیدھا اس کی آنکھوں میں جیسے وہ سامنے بیٹھی ہو۔ اور وہ مسکراتا ہے۔ اس کی آنکھیں سیاہ ہیں۔ اور نارنجی رومال سے نکلتے اس کے بال بالکل سفید ہیں۔ اس کے چہرے پہ سفید داڑھی بھی ہے۔ چھوٹی سی داڑھی۔ اور اس نے نارنجی رومال کے نیچے جالی دار ٹوپی پہن رکھی ہے۔ جیسی معید مسجد پہن کے جاتا ہے۔

وہ آدمی کون تھا؟ اس کا چہرہ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ بوڑھا آدمی جس کے بال بالکل سفید تھے۔ وہ چہرہ اسے یاد رہ گیا۔ گو کہ وہ اجنبی تھا' لیکن وہ اس چہرے کو بھرے مجمع میں شناخت کر سکتی تھی۔ البتہ عجیب بات یہ تھی کہ خواب میں اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس شخص کو جانتی ہے۔ بہت اچھی طرح سے۔ ایک شناسا سا احساس تھا اس شخص کے چہرے میں۔ کیا اس کی شکل کسی سے ملتی تھی؟

وہ جو بھی تھا' اس کے پاس مالا اور زیاد کی تصویر تھی۔ کیا وہ مالا اور زیاد کے رشتے پہ جادو کرنا چاہتا تھا؟ کیا کوئی نہیں چاہتا کہ ان کا رشتہ بنے؟ لیکن ابھی تو رشتہ بنا ہی نہیں تھا۔ اُف میرے اللہ۔ میرے پیچھے کون پڑا ہے؟

اس نے موبائل اٹھایا اور لاؤنج میں آ گئی۔ ساری بتیاں جلا دیں۔ اب کچھ ڈر کم ہوا تو ماہی کو ویڈیو کال ملائی۔

ماہی کے ہاں دوپہر تھی۔ وہ اپنے لونگ روم میں لمبی لیٹی مالا کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔

(میں ساری زندگی بات نہیں کروں گی اس سے۔) وہ بھیگی آنکھوں سے بڑبڑا رہی تھی۔ سامنے کچن کاؤنٹر پہ لیپ ٹاپ رکھے' اونچے اسٹول پہ بیٹھ کے کام کرتے عباد نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''ابھی اس کی کال آئی تو تم نے سب بھلا دینا ہے۔''

''ماہی کے غصے کو ہلکا مت لو' اچھا۔'' وہ واقعتاً غصے سے بولی۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی تو ماہی نے تیزی سے میز پہ رکھا فون اٹھایا۔ مالا کا نام دیکھتے ہی جلدی سے اٹھ کے بیٹھی اور کال ریسیو کی۔

''سوری مالا۔ میں بہت غلط بول گئی۔'' وہ مالا کا چہرہ دیکھتے ہی روہانسی ہو کے بولی اور آنکھوں سے آنسو بہنے

لگے۔

''سوری ماہی۔ میں نے بھی غلط ری ایکٹ کیا۔'' مالا اداس لگتی تھی۔ اس کے کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑسے تھے اور سبز آنکھیں بے چین سی تھیں۔

عباد نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا۔

''میں اس سے ساری زندگی بات نہیں کروں گی۔'' زیرِ لب ماہی کی نقل اتاری۔

ماہی نے چہرہ اٹھا کے اسے خفگی سے دیکھا۔

''بہنوں کے درمیان نہ بولو۔ اچھا۔'' پھر وہ مالا کی طرف متوجہ ہوئی اور گیلے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔

''اور سناؤ کیسی ہو؟''

بہنوں کی ناراضی ایسی ہی ہوتی ہے۔ کوئی ایک بات کر لے تو سارے گلے شکوے بھول جاتے ہیں۔ پھر اسے خیال آیا۔ ''تمہارے ہاں تو رات ہوگی۔ کیا ہوا؟''

''مجھے بہت برا sleep paralysis ہوا ہے۔ اور ایک خواب بھی آیا ہے۔'' چونکہ وہ ایک برا خواب نہیں تھا بلکہ آگاہی دینے والا خواب تھا اس لیے وہ ماہی کو سنائے گئی۔

''میں اس آدمی کو پہچانتی تھی خواب میں۔ جیسے... اس کی شکل کسی سے ملتی ہے۔ کچھ شناسا سا تھا۔ اُف ماہی مجھے یاد کیوں نہیں آ رہا؟'' وہ بے بس نظر آ رہی تھی۔ ماہی نے غور سے اسے دیکھا۔

''اب تمہیں یقین آیا مالا کہ یہ سب جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے اس میں جادو اور جنات کا ہاتھ ہے؟''

مالا نے تکان سے اسے دیکھا اور کندھے اچکائے۔ ''شاید۔''

''شاید۔ تم اب بھی شاید کہہ رہی ہو لڑکی۔ ہوش کرو۔ کوئی ہے جو ہم پہ جادو کر رہا ہے۔ یقیناً کبیرہ تائی نے کوئی عامل ہائر کیا ہوگا۔''

''ہمیں کنفرم تھوڑی ہے کہ یہ کبیرہ ہی ہیں۔''

''وہی ہیں۔ میں بتا رہی ہوں مالا یہ وہی ہیں۔ ماں کی سب سے بڑی دشمن۔'' ماہی تیز تیز کہہ رہی تھی۔ ''ہمیں ماں کا مزید خیال کرنا ہوگا۔ صبح شام رقیہ پڑھنی ہوگی۔ ماں پہ مسلسل دم کرنا ہوگا۔ ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔''

مالا نے سر ہلا دیا۔ ''میں ماں کے ساتھ ہوں۔ وہ ٹھیک ہو رہی ہیں۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے بڑبڑا کے جیسے خود کو تسلی دی۔

''ویسے مالا' ہماری لڑائی اس کمبخت ماہر فرید کی وجہ سے ہوئی ہے۔ خود تو فارغ ہے' تمہارا تعاقب کرنے کے علاوہ اسے کوئی کام نہیں۔ ہمیں بھی ٹینشن میں ڈال دیا۔''

''فارغ تو ہے۔ لیکن باتیں کیسی بڑی بڑی کرتا تھا۔'' وہ یاد کر کے بتانے لگی۔ رات کے تین بجے کیف کی باتیں یاد کرنا بھی عجیب لگ رہا تھا۔ ''انسان پیسے سے نہیں جیت سکتا، بزنس کرنے کے لیے یہ چاہیے ہوتا ہے۔ وہ چاہیے ہوتا ہے۔ ہونہہ۔ (سر جھٹکا) ۔ اسے کیا معلوم' بزنس کی اسٹرگل کیا ہوتی ہے۔ اس کے پاس تو باپ کا پیسہ تھا۔''

''اور کیا کہتا تھا؟'' ماہی اس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ظہیر کے دھوکہ دینے پہ اتنی ڈسٹرب نہیں ہوئی تھی جتنی کیف کی وجہ سے لگ رہی تھی۔

''اسے صبح صبح گولڈ' کرنسی' اسٹاک مارکیٹ' سب کے ریٹس معلوم ہوتے تھے۔'' وہ اس کے لہجے میں بتانے لگی۔ ''میں کیف ہوں۔ مجھے پتہ ہوتا ہے۔ اور...'' اسے یاد آیا۔ ''میں وقت اور پیسہ وہاں ضائع نہیں کرتا جہاں مجھے منافع کی امید نہ ہو۔''

''یہ تو کسی فلم کا ڈائیلاگ ہے شاید۔'' ماہی کو یہ بات سنا سنا لگی۔ وہ قدرے حیران ہوئی۔ پھر کچھ سوچ کے ہنسی آئی۔ ''اتنا امیر تھا وہ۔ بخت بی اور سلیم کے ساتھ گزارا کیسے کیا ہوگا۔''

البتہ مالا نہیں ہنسی۔ وہ اداس تھی۔

''اسی لیے وہ ہمارے گھر میں نہیں رہتا تھا۔ یہاں صرف ہم پہ نظر رکھنے آتا تھا۔ اس کے اسٹینڈرڈ اونچے تھے۔ وہ ہمارے گھر سے کچھ نہیں کھاتا تھا۔ صرف کافی پیتا تھا۔'' ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ پھیل گئی۔ ''اس نے خطائی بھی نہیں کھائی تھی کیونکہ وہ بیکری آئٹمز نہیں کھاتا تھا۔ وہ اکثر سیاہ اور سفید پہنتا تھا۔''

ماہی نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔

''مجھے ایک آرکیٹیکٹ نے بتایا تھا کہ جو آرکیٹیکٹس اپنے کام سے جنون کی حد تک محبت کرتے ہیں' وہ صرف سیاہ اور سفید پہنتے ہیں۔ حالانکہ میں تو سارے کلرز پہنتی ہوں۔''

''شکر ہے تم نے یاد کروا دیا کہ تم بھی ایک آرکیٹیکٹ ہو۔ ہم تو بھول گئے تھے۔'' دور بیٹھے کام کرتے عباد نے لقمہ دیا۔ ماہی نے اسے نظر انداز کیا اور بات جاری رکھی۔

''سنو مالا... عباد کا خیال ہے کہ تمہیں پولیس کو انوالو کرنا چاہیے۔''

''یہ پاکستان ہے' ماہی۔ یہاں پولیس کچھ نہیں کرتی۔ صرف بدنامی ہوگی ہماری۔'' پھر اس نے سر جھٹکا۔ ''وہ

ایک فراڈ تھا۔ اور شکر ہے وہ میری زندگی سے نکل گیا۔" پھر خیال آیا تو تیزی سے بولی۔ "ماہی ... سوچنا بھی مت کہ تم اسے کانٹیکٹ کرو گی۔ نہ ہی تم اسے انٹرنیٹ پہ سرچ کرو گی۔ ورنہ میں بہت ناراض ہوں گی۔"

"نہیں کروں گی۔ پکا وعدہ۔" ماہی نے مسکرا کے کہا۔ "مجھے ویسے ہی سارے..." عباد کو دیکھ کے جلدی سے تصحیح کی۔ "اکثر امیر لوگ برے لگتے ہیں۔ تم سوچو بھی نہیں کہ میں اس کمبخت 'گھنیا' دھوکے باز ماہر فرید سے کبھی بات کروں گی۔"

اس نے مسکرا کے اپنی بہن کو یقین دلایا تھا۔ مالا اداسی سے مسکرا دی۔

پھر وہ اوپر اپنے اسٹوڈیو میں چلی آئی۔ وہاں ایک دراز میں اس نے کیف جمال سے منسلک چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے کاغذات۔ employment contract۔ شناختی کارڈ کی کاپی۔ سی وی۔ سب کچھ جعلی تھا۔ اس نے سب جمع کر کے ٹیبل پہ رکھا۔ اور وہیں بیٹھ کے بس اس سب کو دیکھے گئی۔

ملال۔ افسوس۔ اس شخص کی وجہ سے وہ اتنی کڑوی ہو گئی کہ اپنی بہن سے لڑ بیٹھی؟

ایسا نہیں تھا کہ ماہی اور اس کی لڑائی نہیں ہوتی تھی۔ ٹین ایج تک ہفتے میں دو لڑائیاں لازماً ہو جاتی تھی۔ لیکن جب سے ماہی کی شادی ہوئی تھی ان کی ایک لڑائی دو ماہ میں ایک دفعہ ہوتی تھی۔ فاصلے کی وجہ سے لڑائیوں میں کئی کئی ماہ کا گیپ آنے لگا۔ بہن بھائیوں کی لڑائیاں اس دنیا کی سب سے نارمل چیز ہیں۔ لیکن یہ لڑائیاں کسی تیسرے کی وجہ سے نہیں ہوتی تھیں۔ اسے کیا ہوتا جا رہا تھا؟

فجر کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئی تو ماں اٹھی بیٹھی تھیں۔ بخت بھی ساتھ بیٹھی ان کے بالوں کی چوٹی بنا رہی تھی۔

"آپ کب جاگیں؟" وہ فکرمندی سے کہتی ان کے قریب آئی اور ان کا ہاتھ تھام کے ان کے ساتھ بیٹھی۔ کتنے دن سے وہ ان کو توجہ نہیں دے رہی تھی۔ صرف کیف کی وجہ سے۔

ماں نے اپنی جھریوں زدہ بھوری آنکھوں سے اسے دیکھا اور مسکرائیں۔ پھر اس کے ہاتھ پہ اپنا بوڑھا ہاتھ رکھا۔

"تم اوپر اسٹوڈیو میں تھیں۔ یقیناً کام کر رہی ہو گی۔ اتنا قیمتی کام ہے تمہارا۔ میری وجہ تم کام بھی نہیں کر سکتیں۔" وہ ملال سے کہہ رہی تھیں۔

وہ وہیں سن بیٹھی رہ گئی۔ ماں نے اس کے کام کو قیمتی کہا تھا۔ کتنے برسوں سے وہ یہ بات سننا چاہتی تھی۔ اور کیا قیمت ادا کی تھی اس بات کی۔

''ماں...'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''مالا میں تو اب ٹھیک ہوں۔ پھر تم کیوں...'' وہ ہچکچائیں۔ جیسے الفاظ تلاش کیے۔ ''بیٹے تم اپنے آپ کو بہت محنت سے اس مقام تک لائی تھیں۔ تم نے بہت لگن سے اپنی زندگی تعمیر کی تھی۔ تم واپس کیوں بدل رہی ہو؟'' انہوں نے ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو چھوا جو الجھے ہوئے سے جوڑے میں بندھے تھے۔

''تم اتنے برسوں کی محنت کو کیسے ضائع کر سکتی ہو؟''

اور یہ وہ لمحہ تھا جب کشمالہ کسی خواب سے جاگی۔ بس ایک لمحے میں دکھ ڈپریشن کے مرحلے سے نکل کے ''قبولیت'' کے اسٹیج میں داخل ہو گیا۔

بس اس ایک لمحے میں اس نے قبول کر لیا کہ کیف اس کی زندگی سے جا چکا تھا۔

''میں واپس نہیں بدلوں گی' ماں۔'' اس نے مسکرا کے ان کا ہاتھ تھاما۔ ''میں کشمالہ ہوں۔ میں کسی کی وجہ سے بھی اپنے آپ کو نہیں بدلوں گی۔ میں آج سے کام پہ واپس جاؤں گی۔ او کے؟'' مسکرا کے نم آنکھوں سے انہیں یقین دلایا۔ ماں بھی نرمی سے مسکرا دیں۔ بخت بی پیار سے ان کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

ان کے بال آج بھی بہت زیادہ گرے تھے۔ شاید گرم دواؤں کا اثر تھا۔

شاید۔

دفعتاً فون کی ٹون بجی تو اس نے چونک کے موبائل اسکرین دیکھی۔

''امی اور میں کچھ دیر پہلے ہی پاکستان پہنچے ہیں۔'' زیاد کا میسج وہاں جگمگا رہا تھا۔ گزشتہ روز لاہور میں ان کے ایک رشتے دار کی وفات ہو گئی تھی۔ یقیناً اس وجہ سے ان کو آناً فاناً آنا پڑا۔

''میں چاہتا ہوں کہ میں اور آپ ایک دفعہ مل کے بات کر لیں۔''

''شیور۔ آج ہی ملتے ہیں۔'' اس کی انگلیاں میکانکی انداز میں جواب لکھنے لگیں۔

وہ کشمالہ تھی۔ ایک نرم خو اور مہربان لڑکی۔ وہ کیف کی نفرت میں خود کو زہر آلود نہیں ہونے دے گی۔ وہ کیف کو بھلا کے اپنی زندگی میں واپس جائے گی۔ وہ ایک برا خواب تھا جو ختم ہو چکا تھا۔ اسے زیاد کے رشتے کے متعلق سوچنا تھا۔ کام پہ فوکس کرنا تھا۔ ماں کو توجہ دینی تھی۔

اس کی زندگی میں اور بھی غم تھے۔

کیف کے سوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بطور آرٹسٹ آپ کو رنگ کیوں اچھے لگتے ہیں؟"

(مالا آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ گیلے کنڈیشنڈ بال شانوں پہ بکھرے تھے اور وہ نرمی سے ان کو برش کر رہی تھی۔ چہرہ دائیں بائیں گھما کے دیکھا۔ ایک دانہ بھی نہ تھا۔ آج بالآخر وہ فریش لگ رہی تھی۔)

"کیونکہ رنگوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ ہر رنگ بات کرتا ہے۔"

(ماہر سیاہ پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس' آئینے کے سامنے کھڑا اپنی ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ بال جیل سے پیچھے کو برش کیے گئے تھے۔ اور ہلکی ہلکی شیو موجود تھی۔ ٹائی باندھ کے اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ پندرہ جولائی۔)

"آپ کا فیورٹ رنگ کون سا ہے؟"

(مالا الماری کے سامنے کھڑی ہینگرز سے آویزاں کیے کپڑے دیکھ رہی تھی۔ چند ہینگرز آگے پیچھے کیے اور پھر ایک جوڑا نکالا۔ سفید لمبی قمیض اور ٹراؤزرز کے ساتھ آرگنزا کا سرخ دوپٹہ۔)

"سرخ۔"

(ماہر نے ڈریسنگ روم کا دراز کھولا تو نفاست سے آرگنائز کیے کف لنکس اور گھڑیاں سامنے تھیں۔ اس نے "کے ایف" والے کف لنکس نکالے اور مدھم مسکراہٹ کے ساتھ انہیں پہننے لگا۔

گڈ لک کے لیے۔)

"سرخ؟ کیوں؟"

(وہ آئینے کے سامنے کھڑی سفید پتھر والے ٹاپس پہن رہی تھی۔ لمبے بال اب خشک کر کے سیٹ کر دیے تھے اور سفید لباس کے ساتھ سرخ دوپٹہ کندھے پہ پن اپ کر دیا تھا۔ اس کا چہرہ پرسکون تھا۔)

"کیونکہ سرخ رنگ گفتگو کرتا ہے۔"

(کیفے کے کانفرنس روم میں آج میزیں مختلف طریقے سے لگائی گئی تھیں۔ کھڑکی کے ساتھ رکھی ایک اونچی میز پہ بڑا سا تھری ڈی ماڈل رکھا تھا۔ ایک سرخ رنگ کی مستطیل عمارت۔ عمارت کا سرخ خول ہموار نہ تھا۔ بلکہ وہ ٹکڑوں کی صورت میں سرخ فائبر گلاس سے بنایا گیا تھا اور ہر ٹکڑے میں سرخ کا ایک مختلف شیڈ تھا۔ کہیں نارنجی جیسا۔ کہیں انار جیسا۔ اوپر لگی مصنوعی روشنیاں حرکت کر رہی تھیں جن کے باعث وہ جھلملاتے ہوئے سرخ شیشوں

والی عمارت لگتی تھی۔)

"اور کیا کہتا ہے سرخ رنگ؟"

(کیف کے آرکیٹیکٹس اپنے قطری مہمانوں کو وہ ماڈل دکھا رہے تھے۔ بعض نے آنکھوں پہ آرٹیفیشل ریلٹی والے چشمے بھی چڑھا رکھے تھے جن کے باعث وہ خود کو عمارت کے اندر محسوس کر رہے تھے۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس ماہر فرید خاموشی سے ایک معمر قطری آدمی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا جو مسکرا کے ان کی پریزنٹیشن دیکھ رہا تھا۔ فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا۔)

"سرخ کہتا ہے کہ مجھے یاد رکھو۔"

(مالا نے الماری کھولی اور جھک کے جوتوں والا خانہ دیکھا جہاں قطار میں جوتے لگے تھے۔ دو سرخ جوتے ایک ساتھ رکھے تھے۔ سرخ فلیٹ جوتے۔ اور سرخ ہائی ہیلز۔ اس نے مسکرا کے ہائی ہیلز نکالیں۔)

"یہ رنگ توجہ کھینچتا ہے۔ یہ تاریخ میں لکھا جاتا ہے۔"

(طویل کانفرنس ٹیبل کے گرد تمام افراد بیٹھے خاموشی سے سن رہے تھے۔ اب ماڈل وسط میں رکھا تھا۔ ایک طرف بڑی اسکرین پہ پریزنٹیشن چل رہی تھی۔ ماہر فرید ہاتھ ہلاتے ہوئے وہاں چلتی سلائیڈز کی وضاحت کر رہا تھا۔ بار بار اس کی نظریں معمر قطری کی طرف اٹھتیں۔ اس کا مسکراتا چہرہ بے تاثر تھا۔)

"ریڈ رائڈنگ ہڈ کا چغہ کسی اور رنگ کا ہوتا تو یاد نہ رہتا۔"

(وہ ریستوران میں داخل ہوئی تو کافی کے روسٹ ہوئے دانوں کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی لکڑی کے زینے تک چلی آئی۔ سفید بیگ کہنی سے لٹکا تھا۔ سرخ دوپٹہ کندھے پہ سیٹ تھا۔ گردن میں ڈائمنڈ کا ننھا سا لاکٹ تھا۔ وہ امتداد سے سرخ ہیلز کے ساتھ لکڑی کے زینے پہ چھڑنے لگی۔)

"ریڈ شوز والی فیری ٹیل میں لڑکی کے جوتے سیاہ ہوتے تو بھول جاتے۔ لیکن ان کی رنگت کی سرخی نے انہیں یاد رکھوایا۔"

(ماہر ریموٹ کے بٹن دباتا سلائیڈز بدل رہا تھا۔ طویل میز پہ بیٹھے افراد اسے سن رہے تھے۔ زارینہ اور دوسرے آرکیٹیکٹس درمیان میں چند باتوں کا اضافہ کرتے تھے۔ معمر قطری اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا رہا تھا۔)

"سرخ خون کا رنگ ہے۔ اور آگ کا بھی۔"

(ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی زارینہ نے ماہر کی نگاہوں کے تعاقب میں کانفرنس ٹیبل کے ایک دہانے پہ بیٹھے

بوڑھے قطری کو دیکھا۔ اور پھر دوسرے دہانے پہ کھڑے اپنے پروجیکٹ کے بارے میں بتاتے ہوئے ماہر کو۔ وہ ماحول کا تناؤ محسوس کر سکتی تھی۔)

"جب آپ سرخ پہنتے ہیں تو آپ کے جانے کے بعد بھی آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔"

(زیاد سلطان کھڑکی کے ساتھ ایک میز پہ بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر اس پہ ڈالی۔ وہ مسکرا کے اعتماد سے چلتی اس کی طرف آ رہی تھی۔)

"مگر بہت سے لوگ سرخ سے غیر آرام دہ بھی ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سرخ ٹوچ ہے۔"

(معمر قطری مسکرا کے نوٹس لے رہا تھا۔ ماہر اب اس کی سیدھ میں کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ ہلا کے عربی میں بات کرتے ہوئے وہ اپنا مدعا بیان کر رہا تھا۔ اس کے تمام اعصاب تنے ہوئے تھے۔)

"لوگوں کے لیے تو ہر چیز ٹوچ ہوتی ہے۔ لوگوں کی سننے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ انسان کو وہ رنگ پہننا چاہیے جس کے لیے اس کا دل چاہے۔"

(زیاد اور کشمالہ ریستوران کی ٹیبل پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ویٹر کافی سرو کر رہا تھا۔)

(کیف کے کانفرنس روم میں بچھی طویل میز پہ بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ لیکن سربراہی کرسیاں صرف دو تھیں۔ ایک دوسرے کی سیدھ میں۔ ایک پہ ماہر فرید موجود تھا اور وہ سیدھ میں رکھی کرسی پہ بوڑھا قطری۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں اس پروجیکٹ کو قرمزی (سرخ) کے نام سے پکارتا ہوں۔" ماہر فرید سربراہی کرسی پہ بیٹھا اپنے بزنس فیس پہ مسکراہٹ سجائے کہہ رہا تھا۔ البتہ اس کے جسم کے تمام اعصاب اس وقت تنے ہوئے تھے۔

"دنیا کے میٹروپولیٹن شہروں میں عمارتوں کو نمایاں بنانے کے لیے انہیں اونچا بنایا جاتا ہے۔" وہ معمر قطری کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیکن میرے نزدیک یہ aesthetic آلودگی ہے۔ ساری اونچی عمارتیں ایک جیسے لگتی ہیں۔ اسی لیے ہم نے پروجیکٹ قرمزی کو بہت اونچا نہیں رکھا۔ اس کی تین منزلیں بیسمنٹ میں اور نو منزلیں زمین سے اوپر ہیں۔"

معمر قطری نے مسکرا کے سر ہلایا اور نوٹ بک میں نوٹ کیا۔

"ہم نے اسے ایک چوکور بلڈنگ کے طور پہ بنایا ہے جس کی چھت برابر نہیں ہے۔ یعنی جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں چوکور کی چار لکیریں ہوتی ہیں۔ ایک لکیر پہ ہم نے نو فلورز ڈالے ہیں۔ دوسری پہ آٹھ۔ ایک پہ گیارہ۔"

"بیوٹی فل۔" معمر قطری نے نوٹس لیتے ہوئے کہا لیکن اس کے تاثرات ویسے ہی تھے۔ سپاٹ۔

"ہم نے عمارت کی تعمیر چار دیواری سے شروع کی ہے۔ اس کا کوئی بیرونی لان نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا لان اندر رکھا ہے۔"

سب کی نظریں ماڈل کی طرف اٹھیں۔ وہ چوکور عمارت اندر سے کھوکھلی تھی یعنی اس کے اندر ایک بڑا سا چوکور احاطہ خالی تھا جس میں سبز گھاس بچھی تھی۔ اوپر سے اس احاطے کی کوئی چھت نہ تھی۔

"لوگ کارنر یا ٹاپ فلور آفس سورج کی روشنی کے لیے لیتے ہیں۔ ہم نے درمیانی احاطہ بنا کے عمارت کے ہر آفس کو بھرپور روشنی اور ویو فراہم کیا ہے۔ کیفے، ریستوران، سب اسی سبز احاطے کے اندر ہے۔"

"جیسے lego اسٹرکچر ہو۔" معمر قطری نے سر ہلا کے سمجھتے ہوئے کہا۔ وہ چوکور احاطہ بچوں کے کھیلنے والے لیگوز کی طرح تھا۔

"ہمارا کانٹرکٹ یہیں تک تھا۔" ماہر نے ریموٹ کا بٹن دبا کے پریزنٹیشن بند کی اور سنجیدگی سے اپنے بوڑھے کلائنٹ کو دیکھا۔ "آپ نے ہمیں ہائر کیا تھا کانسپٹ اور اسکیل ماڈل کے لیے۔ آپ اس کے لیے ہمیں پے کر چکے ہیں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ دوہا میں اپنے بینک کی بلڈنگ کو اس ماڈل کے مطابق بنانا چاہتے ہیں؟"

وہ بظاہر سادگی سے پوچھ رہا تھا۔ انداز میں بے پرواہی تھی۔ لیکن درحقیقت اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اگر کیف کو یہ پروجیکٹ نہ ملا تو کیا ہوگا؟

"قاسم ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔" بالآخر معمر قطری نے مسکرا کے کہنا شروع کیا۔ وہ انگلیوں میں اپنا پین گھما رہا تھا۔ نظریں ماہر کے کف لنکس پہ جمی تھیں۔

ماہر نے تھوک نگلا۔ بدقت مسکرا کے سر کو خم دیا۔ کانفرنس روم میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔

"قاسم اور میں نے کئی پروجیکٹس ایک ساتھ کیے تھے۔ خود تمہارے ساتھ ماہر..." اس نے پین والے ہاتھ سے سیدھ میں بیٹھے ماہر کی طرف اشارہ کیا۔ "... میں نے ایک لمبا عرصہ کام کیا ہے۔ اس لیے آج تمہارا یہ اسٹوڈیو دیکھ کے..." اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔ "... مجھے خوشی ہو رہی ہے۔ قاسم دیکھتا تو زیادہ خوش ہوتا۔"

ماہر نے پھر سے سر کو جنبش دی۔ بولا کچھ نہیں۔

"یہ ماڈل بہت خوبصورت ہے۔ Colossal architectural mass۔" اس نے انگریزی میں

تعریف کی۔ وہ بس اس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ قطر کے عربوں کو لمبی تمہیدوں کی عادت تھی۔

"پریکٹیکل۔ اکنامکل۔ ممتاز اور نمایاں۔ استنبول میں یہ عمارت بنی ہوتی تو اس کی قدر دانی کی جاتی...." اس نے سانس کا وقفہ لیا اور سر کو پیچھے ٹکایا' ایسے کہ تھوڑی اور ابرو دونوں اٹھی ہوئی تھیں۔ اور قطر میں اس انداز کا ایک ہی مطلب ہوتا تھا۔ (نہیں۔)

اس لمحے ماہر کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ کیا کہنے جا رہا ہے۔ اس نے دل میں ایک دعا مانگی۔ بہت شدت سے۔

"لیکن..." بوڑھا کھنکھارا۔

(آہ... یہ سارے لیکن....) ماہر نے میز پہ رکھی مٹھی بھینچ لی۔ چہرہ البتہ بے تاثر اور پروفیشنل رہا۔

"لیکن... ماہر..." بوڑھے نے شیو کھجائی۔ "یہ سرخ ہے۔"

"بالکل... یہ سرخ ہے۔" ماہر نے اٹھی گردن کے ساتھ سر کو جنبش دی۔

"اور ہم عربوں کو سرخ نہیں پسند۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "دوہا میں ہم اتنی بڑی عمارت سرخ رنگ میں نہیں بنا سکتے۔ وہاں ہمیں سرخ رنگ چاہیے ہو تو ہم مونیومنٹ بناتے ہیں' سرخ بتیوں کی روشنی ڈال کے عمارتوں کو اندر باہر سے سرخ کر لیتے ہیں۔ لیکن.... یہ سرخ بہت زیادہ ہے۔ ہم اسلامک آرکیٹیکچر کو پسند کرتے ہیں۔ خاکی اور فیروزی رنگ کو۔ خاکی... (پین سے فرش کی طرف اشارہ کیا) جو زمین کا رنگ ہے۔ اور فیروزی..." پین کو چھت کی طرف بلند کیا۔ "جو آسمان کا رنگ ہے۔ ہم ان رنگوں سے نہیں ہٹنا چاہتے۔"

پھر وہ آگے کو جھکا اور دونوں کہنیاں میز پہ رکھ کے بغور ماہر کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے یہ ماڈل منظور ہے۔ لیکن یہ رنگ نہیں۔ اس کو خاکی' نیلا' یا بھورا بھی کر دو تو میں ابھی اگلا کانٹریکٹ سائن کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

تمام نظریں ماہر کے چہرے کی طرف اٹھیں۔ وہ خاموشی سے اپنے باپ کے پرانے دوست کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی بات مکمل کر رہا تھا۔

"ہمارے کانٹریکٹ میں ایک شق یہ تھی' ماہر' کہ ہم ماڈل میں اپنی مرضی کی تبدیلی کروا کے اس کانٹریکٹ کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔"

ماہر اپنی جگہ سے اٹھا' کوٹ کا بٹن بند کیا' اور اپنے چمکتے سیاہ بوٹس سے چلتا ہوا طویل میز کے دوسرے سرے تک آیا۔ یہاں تک کہ وہ اب بوڑھے قطری کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

قطری اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اس سے قد میں چند انچ چھوٹا تھا۔

"ہمارے کانٹریکٹ میں' عبدالحمید صاحب... ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر کیف تبدیلی پہ راضی نہ ہوا تو ہم آپ کے لیے کام کرنے کے پابند نہیں ہیں۔"

"تمہیں اپنی ٹیم سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اور سوچ کے مجھے ایک ہفتے میں جواب دینا چاہیے۔" اس نے نرمی سے کہا لیکن ماہر ہلکا سا مسکرایا۔

"یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ زارا اور دوسرے آرکیٹیکٹس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ خوش نظر نہیں آ رہے تھے۔

بوڑھے نے مسکرا کے اس کے بڑھے ہاتھ کو تھاما۔ ماہر اس سے گلے ملا اور تین دفعہ اس کے دائیں رخ کو بوسہ دیا۔ پھر پورے ادب و احترام سے ان کے وفد کو لیے باہر آیا۔

اس کا برانداز کہہ رہا تھا کہ.... دروازہ اس طرف ہے۔

وہ رخصت ہو گئے اور اس کی ٹیم بجھی بجھی سی کانفرنس ہال سے نکل گئی تو وہ اپنے آفس میں چلا آیا۔ پھر خاموشی سے گلاس وال کے سامنے جا کھڑا ہوا اور باہر دیکھنے لگا۔

زارینہ اس کے پیچھے اندر آئی۔ اس کا چہرہ بھی بجھا ہوا تھا۔

"ماہر... ایک رنگ ہی تو تھا۔ ہم بدل سکتے تھے۔"

وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے گلاس وال کے ساتھ کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ چہرہ بے تاثر تھا۔

"ٹھیک ہے ہم نے پہلے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ ہم تمہارے فیصلے سے متفق ہوں گے۔ لیکن تم نے رنگ کی بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ تھوڑی سی لچک دکھا دیتے۔"

"زارا..." وہ آہستہ سے اس کی طرف گھوما۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ "کبھی کسی قطرے بوڑھے کے سامنے آئندہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے مت بیٹھنا۔ Its offensive۔"

"ماہر!" زارا کے ابرو تن گئے۔ "انہوں نے انکار میرے بیٹھنے کے طریقے کی وجہ سے نہیں' تمہاری ضد کی وجہ سے کیا ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا' ان کو رنگ کے بارے میں پہلے سے بتا دو۔ وہ سرخ رنگ پہ نہیں مانیں گے لیکن تم نے...."

"مجھے اکیلا چھوڑ دو زارا۔"

اس کے انداز میں بے زاری تھی۔ وہ کف لنکس نوچتے ہوئے اتار رہا تھا۔ زارا چند لمحے بے بسی بھرے غصے سے اسے دیکھے گئی۔ کف لنکس اتار کے وہ میز تک آیا اور دراز کھول کے انہیں اندر ڈالا۔ پھر ایک دم ٹھٹھک کے رکا۔ چہرہ اٹھایا تو چونکا ہوا لگ رہا تھا۔

''میرا دراز کس نے کھولا ہے؟ شبنم....'' انٹر کام اٹھا کے شبنم کو بلانے لگا تھا جب زارا گہری سانس لے کر بولی۔

''میں نے کھولا تھا۔ میں ایک فائل ڈھونڈ رہی تھی۔ اندر ایک ٹوٹا ہوا بسکٹ رکھا تھا۔ میں نے اٹھا کے پھینک دیا کہ تم نے دیکھ لیا تو خفا ہو گے۔ کسی اسٹاف نے صفائی کے دوران لاپرواہی سے اندر چھوڑ دیا ہو گا۔''

وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔

''اف زارا...'' کرب سے آنکھیں میچیں۔

''کیا میں نے کچھ غلط کیا؟'' زارینہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''نہیں۔'' اس نے گہری سانس لیا اور جھٹکے سے دراز بند کیا۔ ''اچھا کیا جو پھینک دیا۔ میں نے بھی یہی کرنا تھا۔''

کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔ کچھ جو ایک کیکٹس کے پودے اور ایک ٹوٹی ہوئی خطائی سے بڑھ کے تھا۔

وہ چلی گئی تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ اب صرف وہ تھا یا اس کی تنہائی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کافی شاپ میں کافی کی مخصوص خوشبو پھیلی تھی۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ پس منظر میں ہلکا سا میوزک بج رہا تھا۔ زیاد ہمیشہ کی طرح ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ نیلی پولو شرٹ پہنے اس کے بال سلیقے سے بنے تھے اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ وہ اسے اپنی ماں کی طبیعت کے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ دھیان سے سن رہی تھی۔

''معلوم نہیں انہیں کیا ہوتا جا رہا ہے کشمالہ۔'' وہ آزردہ دکھائی دیتا تھا۔ ''اب میں آپ کی کیفیت سمجھ سکتا ہوں۔ کیسے آپ اپنی امی کے لیے پریشان ہوتی تھیں۔''

اسے اپنا خواب یاد آیا۔ لیکن بولی کچھ نہیں۔

''چیک اپ کروایا؟''

''وہاں کروایا تھا۔ اب یہاں سے بھی کروائیں گے۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ کسی چیز کا اسٹریس ہے۔ بظاہر سب ٹھیک ہے لیکن وہ بہت تکلیف میں لگتی ہیں۔ جیسے....'' اس کی آواز مدھم ہوئی۔ ''کوئی ان دیکھی طاقت انہیں ہرٹ

کر رہی ہے۔''

کشمالہ سن رہ گئی۔ ساکت۔ جامد۔

''آپ ان دیکھی چیزوں پہ یقین کرتے ہیں؟''

''پہلے نہیں کرتا تھا۔ لیکن کچھ دن سے گھر میں عجیب واقعات ہو رہے ہیں۔'' وہ پریشان لگتا تھا۔ وہ بالکل ساکت سی سنے گئی۔

''کبھی گھر سے باہر نکلو تو پانی پڑا ہوتا ہے۔ کبھی خون کے چھینٹے میرے کپڑوں پہ آتے ہیں۔ امی کو بھی چند ہفتوں سے برے خواب آ رہے ہیں۔ شاید کوئی پیچھے پڑا ہے۔''

اُف۔ کیا یہ ہر گھر کی کہانی تھی؟ کیا زیاد کا بھی کوئی دشمن تھا؟ یا کیا ان دونوں کا دشمن ایک ہی تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے کوئی آپ کو کیوں نقصان پہنچانا چاہتا ہے؟''

''مجھے یہی نہیں سمجھ میں آتا۔ امی کا خیال ہے کہ...'' وہ رکا۔ آواز دھیمی ہوئی۔ ''کوئی ہمارا رشتہ ختم کروانے کے لیے یہ کر رہا ہے۔ اس سے پہلے یہ سب نہیں ہوتا تھا۔'' وہ رکا اور گہری سانس لے کر تصحیح کی۔ ''کافی عرصے سے یہ نہیں ہوا تھا۔''

''پہلے کب ہوا؟'' وہ چونکی۔

''جب سبرینہ کی ڈیتھ ہوئی۔ میری منگیتر کی۔ ان دنوں یہ واقعات ہونے لگے تھے۔ اس سے پہلے میں ان باتوں کو نہیں مانتا تھا لیکن تب ایسا بہت کچھ ہوا تھا جو پیرانارمل تھا۔''

''کیا کوئی یہ چاہتا ہے کہ آپ کی شادی نہ ہو؟'' وہ چونک گئی۔

''امی کو ایسے ہی لگتا ہے۔'' اس نے شانے اچکا دیے۔ چند لمحے کے لیے میز پہ خاموشی چھا گئی۔

''میری امی نے ایک بہت مشکل زندگی گزاری ہے کشمالہ۔ سبرینہ سے منگنی کے بعد ہمیں لگا کہ فائنلی میں ان کو ایک خوشی دینے جا رہا ہوں۔'' اس نے کافی کا گھونٹ بھرنے کے لیے کپ اٹھایا۔ ''لیکن اس کی ڈیتھ کے بعد سے امی بہت غمگین رہنے لگی تھیں۔ یہ تو آپ کی وجہ سے وہ بالآخر زندگی کی طرف لوٹ کر آئی ہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ زیاد نے بات مکمل کی۔

''اور شاید میں بھی۔'' پھر وہ کھنکھارا۔ ''آپ نے کیا سوچا؟''

''سوچ رہی ہوں ابھی۔'' وہ گہری سانس لے کر پیچھے ہوئی جیسے کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی ہو۔ ''کیا آپ اپنی منگیتر

کی موت کے غم سے نکل آئے ہیں؟''

''کسی اپنے کی موت کا ٹراما بہت شدید ہوتا ہے۔ اب میں کافی بہتر ہوں۔ لیکن میں نے یہ جان لیا ہے کہ جب تک میں آگے نہیں بڑھوں گا' اور محبت کو اپنی زندگی میں داخل نہیں ہونے دوں گا' میں heal نہیں کروں گا۔''

''آپ کو لگتا ہے محبت انسان کو heal کر سکتی ہے؟''

وہ مسکرایا اور اسی نرمی سے کہنے لگا۔ ''محبت ہی تو انسان کو heal کرتی ہے۔ محبت سب سے بڑا مرہم ہے۔ جب محبت دروازے پہ دستک دے تو اسے اندر آنے دینا چاہیے کیونکہ وہی ہمیں تندرست کر سکتی ہے۔''

وہ کتنا اچھا بولتا تھا۔ کتنی خوبصورت باتیں کرتا تھا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھے گئی۔ بہت دن بعد دل پہ پڑے بوجھ ہٹنے لگے تھے۔

''کیا آپ محبت کو اپنی زندگی میں داخل ہونے دیں گی؟''

کشمالہ نے چہرہ جھکا دیا۔ وہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

''ہمیں پہلے ایک دوسرے کو تھوڑا جان لینا چاہیے۔'' وہ سوچ سوچ کے کہنے لگی۔ ''مثلاً ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتانا چاہیے۔ جیسے ہماری زندگی میں ترجیحات کیا ہیں۔''

''میں سن رہا ہوں۔'' وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے اسے سننے لگا۔

''مجھے دیکھ کے آپ کو کیا لگتا ہے' کہ میں کیسی ہوں؟''

زیادنے مسکرا کے ایک نظر اسے دیکھا' پھر اس کے بیگ کو اور پھر نگاہ جھکا کے اس کی ہائی ہیلز کو۔

''آپ high-maintenance ہیں۔''

کشمالہ ہلکا سا ہنس دی۔ کانوں میں پہنے ڈائمنڈز چمک اٹھے۔

''میں high-maintenance ہوں۔ بالکل۔ لیکن میں نے یہ زندگی اپنے لیے خود تعمیر کی ہے۔ یہ لائف اسٹائل۔ یہ خود پہ پیسے خرچ کرنا۔ یہ سب میں نے بہت محنت سے کیا ہے۔ چاہے بیگز ہوں' کپڑے ہوں یا ہائی ہیلز.... یہ میرے لیے بہت معنی رکھتے ہیں۔''

''حالانکہ آپ دراز قد ہیں۔ آپ کو ہائی ہیلز کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ حیران ہوا۔ مالا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اسے ان ہائی ہیلز کا مطلب نہیں سمجھا سکتی تھی۔ وہ کسی ایسے شخص کو ان ہیلز کا مطلب نہیں سمجھا سکتی تھی جس نے پانچ برس پہلے کی کشمالہ کو نہ دیکھا ہو۔

''میں آپ کو نہیں سمجھا سکتی کہ میرے لیے ہائی ہیلز' میرے اپنے پیسے سے خریدی جیولری' اور میرے پودے کتنے اہم ہیں۔ میں سطحی نہیں ہوں۔ لیکن میں خود کو بہت بناسنوار کے رکھتی ہوں۔ اگر آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتے ہیں' تو آپ کو ان چیزوں کو ایسے ہی قبول کرنا ہوگا۔''

''کشمالہ کیا آپ کے لیے چیزیں اہم ہیں؟ کیونکہ میرے لیے انسان اور رشتے اہم ہیں۔'' وہ الجھ سا گیا تھا۔

''میں نے کہا نا میں آپ کو نہیں سمجھا سکتی۔ میرے لیے رشتے بہت اہم ہیں لیکن اتنا ہی اہم میرے لیے میرا کام ہے۔ میری زندگی اپنے کام کے بغیر ادھوری ہے۔ میں کام کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے کوئی میڈیوکر لائف نہیں چاہیے جس میں میں ایک گھریلو عورت بن کے صبح سے شام تک گھر صاف کرتی رہوں۔ مجھے زندگی میں کوئی مقصد چاہیے۔ کیا آپ ایک ایسی ورکنگ وومن سے شادی کرنا چاہتے ہیں جو اپنے کام پہ کبھی کمپرومائز نہ کرے؟''

وہ کوئی بیس سال کی لڑکی نہیں تھی جو سوچے سمجھے بنا ایک تعلق میں چلی جاتی۔ وہ اٹھائیس برس کی تھی۔ اسے اپنی ترجیحات اور ضروریات پہلے دن سے بیان کرنی تھیں۔

''یہ اکیسویں صدی ہے۔'' وہ صرف مسکرا دیا۔ ''عورت کے کام پہ کسے اعتراض ہوسکتا ہے۔ آپ جو کرنا چاہیں آپ کر سکتی ہیں۔ نہ کمانا چاہیں تب بھی میں اچھا کما لیتا ہوں۔ کام کرنا چاہیں تو ضرور کریں۔ میں اکیلا رہتا ہوں۔ اگر آپ مجھ سے شادی کرتی ہیں تو آپ کو نہ سسرال کی خدمت کرنی ہوگی' نہ ہی میں کسی کام کا بوجھ آپ پہ ڈالوں گا۔ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو بیوی کو کچن تک محدود کر دیتے ہیں۔ میری ماں کے گھر بھی ہیلپرز ہیں۔ میں آپ کو بھی رکھوا دوں گا۔ گھر کے کام عورت کو کرنے چاہیے لیکن اگر آپ ساتھ اپنا کام بھی کرتی ہیں تو آپ دوجگہ انرجی نہیں لگا سکتیں۔ میں اس بات کو انڈراسٹینڈ کرتا ہوں۔ بائی دی وے آپ کا اسسٹنٹ کہاں گیا؟'' زیاد کو اچانک یاد آیا۔

اس کے چہرے سے سایہ گزرا۔

''اس کو میں نے جاب سے فارغ کر دیا۔ آپ کی بات درست تھی۔ وہ کچھ ناقابل اعتبار سا تھا۔ خیر آپ... آپ اپنے بارے میں بتائیں۔'' اس نے زیاد کے تبصرے سے پہلے بات پلٹ دی۔

''میں ایک سادہ انسان ہوں۔'' وہ صاف گوئی سے کہنے لگا۔ ''میں جھوٹ کو ناپسند کرتا ہوں۔ جو ہوں وہی نظر آتا ہوں۔ مجھے سچی اور کھری بات پسند ہے۔ مجھے بیک چینلز سے کام کرنا نہیں پسند۔ ہر چیز کلیئر ہونی چاہیے۔ میں وہی کپڑے پہنتا ہوں جو افورڈ کر سکوں۔ جو بات دل میں ہو وہی زبان پہ ہوتی ہے۔ میں جھوٹی تعریف نہیں کر سکتا

کیونکہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں غلط مشورہ نہ دیتا ہوں نہ سنتا ہوں۔ میری زندگی میں ایک ہی عورت آئی تھی اور وہ تھی سبرینہ لیکن میں اگر نئے تعلق میں جاؤں گا تو کسی بددیانتی کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ بلکہ اپنے دل کو مکمل خالی کر کے نیا رشتہ بناؤں گا۔ پوری نیک نیتی کے ساتھ۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ اس نے آج تک کشمالہ سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ اتنی نازک نہیں تھی کہ کسی کی سچی بات برداشت نہ کر سکے۔ خامیاں ہر ایک میں ہوتی ہیں۔ زیاد میں اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ ایک یہی خامی تھی کہ وہ کچھ زیادہ ہی کھری بات کرتا تھا۔ یہ زندگی تھی۔ فلم نہیں۔ یہاں لوگ پرفیکٹ نہیں ہو سکتے تھے۔ کہیں نہ کہیں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ زیاد کی اس عادت کے ساتھ سمجھوتہ کر سکتی تھی۔

''میں ابھی آپ کو کوئی حتمی جواب نہیں دے رہی۔ لیکن آپ نے پہلے ہی پلان کر رکھا ہے کہ آنٹی کے ساتھ میرے گھر آئیں گے۔ تو ضرور آئیں۔ تب تک میں فیصلہ کر چکی ہوں گی۔'' بہت سوچ سمجھ کے اس نے یہی کہا اور پھر وہ مسکرا دی۔ اس کی ایک مسکراہٹ نے بالآخر زیاد سلطان کے دل میں امید جگا دی۔

سبرینہ کی موت کے بعد اسے Happy endings پہ بھروسہ نہیں رہا تھا۔ لیکن اب... اب بالآخر ایک امید بندھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس رات ماہر کے گھنٹی کرنے پہ فیضی حانم نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا تو دیکھا' وہ کوٹ ہاتھ سے پکڑے کندھے پہ ڈالے ہوئے تھا۔ شرٹ کے کف مڑے ہوئے تھے اور ٹائی ڈھیلی تھی۔

''خوش آمدید ماہر بے۔'' فیضی نے فکرمندی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا کوٹ لیا تو ماہر نے بند مٹھی بلند کی۔ فیضی نے اپنی ہتھیلی پھیلائی۔ ماہر نے مٹھی کھولی۔ کے ایف والے کف لنکس فیضی کی ہتھیلی پہ گرے۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' انہوں نے تشویش سے پوچھا۔ وہ بس اداسی سے مسکرایا اور جھک کے جوتے اتارنے لگا۔

''کچھ کھائیں گے؟'' وہ جرابوں سے چلتا ہوئے راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا جب فیضی پریشانی سے پیچھے آئیں۔

''اونہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور قدم قدم چلتا آتش دان کی طرف آیا۔ وہاں قطار میں بجی موم بتیاں اس کی منتظر تھیں۔ ایک اپنی جگہ سے دو انچ آگے رکھی تھی۔ اس نے آہستہ سے اس کو پیچھے دھکیلا۔ اب وہ برابر ہو گئیں۔ پھر اس نے جیب سے لائٹر نکالا اور اس کا شعلہ کونے میں رکھی ایک موم بتی کے قریب کیا۔

موم بتی جل اٹھی۔ وہ لائٹر رکھ کے مڑا تو سامنے کچن کاؤنٹر پہ نظر پڑی۔ وہاں بیر بل کی بیکری کے کیکس کے دو ڈبے رکھے تھے۔ اس نے سوالیہ نظروں سے فیضی حائم کو دیکھا۔

''میں نے کہا تھا نا کہ گھر میں بیکری آئٹمز ...''

''یہ بیر بل آپ کے لیے لایا تھا۔'' وہ جلدی سے بولیں۔ ماہر کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ پھر وہ سست روی سے چلتا ہوا کاؤنٹر تک آیا۔

پہلے ڈبے کے اوپر لکھا تھا۔ ''اگر پروجیکٹ اپ ہو جائے تو اس ڈبے کو کھولیں۔''

ماہر نے ڈھکن اٹھایا۔ اندر فونڈنٹ سے بنا ایک چوکور کیک رکھا تھا جو سرخ عمارت کی ہو بہو کاپی تھی۔ اس کے چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

پھر اس نے دوسرا ڈبہ دیکھا۔

''اگر پروجیکٹ مسترد ہو جائے تو اس ڈبے کو کھولیں۔''

ماہر نے ڈھکن اٹھایا تو دوسرا کیک نظر آیا۔

وہ ایک انسانی چہرے کی شکل کا کیک تھا۔ معمر قطری بینکر کا چہرہ جس کے دانت ڈریکولا جیسے بنے تھے اور آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا۔

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''ایڈیٹ۔'' اور سر جھٹک کے ڈھکن واپس گرا دیا۔

''یہ دس منٹ میں میرے گھر سے غائب ہونے چاہیے ہیں۔''

فیضی حائم کو اشارہ کر کے وہ جیب سے تھرتھراتا موبائل نکالتے ہوئے لونگ روم میں واپس آیا۔ ایل شیپ صوفے... اونچی گلاس وال کے سیاہ سفید مخملیں پردے... اور آتش دان کے قریب رکھی سیاہ ونگ چیئرز... سب اسے خاموشی سے دیکھے گئیں۔ موم بتی کی موم پگھل رہی تھی اور سارے میں کیکس فلاور اور جیڈ لیف کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ یہ نئی موم بتی تھی جو اس نے کل آرڈر کی تھی۔ اس کی خوشبو فیضی حائم کے لیے نئی تھی۔

وائٹ ہیئر کالنگ۔ وہ فون ہاتھ میں لیے صوفے پہ بیٹھا اور اس کے بج بج کے ختم ہونے کا انتظار کیا۔ مالک اسے دوپہر سے کال کر رہا تھا اور وہ اس وقت مالک سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

گھنٹی خاموش ہوئی تو مالک کا میسج موصول ہوا۔

''وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ آئی تھی۔ وہ جان گئی ہے۔'' انگریزی کے دو الفاظ نے ساری کہانی سمیٹ دی۔ ماہر نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

ذہن میں گھڑی کی ٹک ٹاک پاکستان آنے کے وقت سے بج رہی تھی۔ ابھی نقارہ بجا تو ابھی بجا۔ اور بالآخر وہ بج اٹھا تھا۔ سب کچھ جل کے راکھ ہو گیا تھا۔ یقیناً وہ اب اس سے نفرت کرتی ہو گی۔ خطائی اور کڑک چائے کی خوشبو اس نفرت کے آگے اسے بھول جائے گی۔

اس نے صوفے پہ ٹیک لگائی اور پیر لمبے کر کے میز پہ رکھ لیے۔ پھر چھت سے لٹکتے فانوس کو دیکھنے لگا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔

''پیر بل بتا رہا تھا کہ...'' فیضی حائم میز پہ پانی کا گلاس رکھتے ہوئے بولیں۔ وہ فانوس کو دیکھتے ہوئے سنے گیا۔ اس کا سارا اسٹاف پیر بل کو خبریں پہنچاتا تھا۔

''کہ اگر صرف عمارت کا رنگ بدل دیتے تو یہ پروجیکٹ آپ کو مل جاتا۔'' وہ گلاس رکھ کے سیدھی ہوئیں اور ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''ایک رنگ ہی تو تھا ماہر بے۔ آپ نے کیوں نہیں بدلا؟''

اس نے فانوس کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔ ''جس زمانے میں لیونارڈو ڈونچی نے مونا لیزا بنائی تھی' آرٹسٹ پورٹریٹس بناتے ہوئے اپنے سبجیکٹ کا چہرہ سنجیدہ بناتے تھے۔ کیونکہ ایک پورٹریٹ بنانے میں کئی ہفتے لگ سکتے تھے۔ کوئی انسان ہفتوں تک مسکرا کے آرٹسٹ کے سامنے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ لیکن ڈونچی نے لیزا نامی اپنی ماڈل کے لیے موسیقار ہائر کیے جو اسے انٹرٹین کرتے تھے۔ اور وہ مسکراتے ہوئے پوز کیے رکھتی تھی۔ یوں اس نے وہ بنایا جو اس زمانے کے لوگ نہیں بناتے تھے۔ نہ پسند کرتے تھے۔ اس نے مسکراہٹ پینٹ کی۔ اسے آرٹ کہتے ہیں۔ میں نے 'فیضی حائم' آرٹ بنایا تھا۔ میں اسے ایک بے وقوف عرب بوڑھے کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔''

''لیکن انہوں نے آپ کا ڈیزائن ریجیکٹ کر کے آپ کو افسردہ کر دیا ہے۔'' فیضی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنے مہربان مالک کے موڈ کو بہتر کریں۔ ماہر نے فانوس سے نظریں ہٹا کے اسے دیکھا۔

''تمہیں کیسے معلوم کہ میں افسردہ ہوں؟''

''کیونکہ آپ خاموش ہیں۔ آپ نے تین ماہ ضائع کیے اس ڈیزائن کے پیچھے۔''

''فیضی حائم...'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ گال میں گڑھا بنا۔ ''میں افسردہ نہیں ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں۔''

''یہی کہ کیف کو کیسے اس مسئلے سے نکالیں گے۔'' وہ واقعتاً پریشان تھیں۔

''اونہوں۔'' صوفے کی پشت سے سر ٹکائے اس نے فیضی کو دیکھا تو اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ ''وہ قطری بینکر میرے پاس اس لیے آیا تھا کیونکہ ہم استنبول والے یورپ کی دوسری آرکیٹیکچرل فرمز سے سستے ہیں۔ ہمیں بھی اس کے نام کی ضرورت تھی تاکہ ہمارا پورٹ فولیو بہتر ہو۔ لیکن...'' وہ سیدھا ہوا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ فیضی حائم سے کافی دراز قد تھا۔ وہ گردن اٹھائے اسے دیکھنے لگیں۔

''لیکن جب اس نے فیصلہ سنانے کے لیے منہ کھولا تو میں نے دعا مانگی تھی کہ وہ میرا ڈیزائن ریجیکٹ کر دے۔''

فیضی حائم کے لب حیرت سے کھل گئے۔

''کیونکہ اس نے فیصلہ سنانے سے پہلے مجھے ایک مہنگا مشورہ دے دیا تھا۔ یہ عمارت قطر میں کام نہیں کرے گی۔ لیکن...'' وہ مسکرایا۔ دل سے۔ ''یہ استنبول میں کام کرے گی۔ میں اس عمارت کو غلط جگہ کے لیے ڈیزائن کر رہا تھا۔''

''یعنی آپ اس کے انکار سے خوش ہیں؟''

ماہر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ''کیونکہ میں ایک بزنس مین ہوں۔ اور بزنس مین کا لالچ قبر میں جا کے ہی ختم ہوتا ہے' فیضی حائم۔ اور مجھے لالچ آ گیا ہے۔'' وہ مسکرایا تو گال کا گڑھا گہرا ہوا۔ ''میرے آرٹ کو قطری کیوں بنائیں؟ میں خود کیوں نہ بناؤں؟ ہوں؟''

وہ تحیر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میں نے نہ تین ماہ ضائع نہیں کیے ہیں نہ ہی ایک پیسہ۔ میں نے قطری بینک کے پیسے پہ ماڈل بنایا ہے' انہوں نے مجھے ہرگھنٹے کے لیے پے کیا ہے۔ میں نے کہا نا' میں افسردہ نہیں ہوں۔ میں صرف سوچ رہا ہوں کہ میں یہ کیسے کروں گا۔''

پھر اس نے موبائل نکالا اور ایک کال ملائی۔

''واعظ... میں نے تمہیں کرتال (استنبول کا ایک انڈسٹریل علاقہ) میں اپنا کمرشل پلاٹ بیچنے کے لیے کہا تھا۔ لیکن میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ اس پلاٹ کو مارکیٹ سے ہٹا لو۔ میرے پاس اس جگہ کو ڈیولپ کرنے کا ایک آئیڈیا ہے۔''

وہ اپنے رئیل اسٹیٹ ایجنٹ سے فون پہ بات کرتے ہوئے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ فیضی حائم گم صم سی اسے جاتے دیکھ رہی تھیں۔

اس کا مالک وقت اور پیسہ وہاں ضائع نہیں کرتا تھا جہاں سے اسے منافع کی امید نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کے گلاس ٹاؤن نامی ریستوران میں اس صبح مہمانوں کا رش معمول کی طرح لگا تھا۔ انگریزی ناشتے اور چائے کافی کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ ایسے میں لان اور برآمدے کے درمیان بنی شیشے کی دیوار کے ساتھ فرش پہ کشمالہ بیٹھی تھی۔ ماتھے پہ سبز رومال باندھے' وہ پینٹ کا سامان اطراف میں بکھرائے' برش سے شیشے پہ آنسو بنا رہی تھی۔ یا شاید وہ بارش کے قطرے تھے۔

کوئی شیشے کے دوسری طرف سے گزرتا تو شیشہ گہرا ہو جاتا۔ لمحے بھر کے لیے اسے اپنا عکس بھی دکھائی دیتا۔ سبز رومال' چہرے پہ پینٹ کے دو دھبے' وہی قمیض.... ایک دم سے ذہن میں قدیم لاہور کی وہ دوپہر تازہ ہوتی۔ گلاس ٹاؤن کے انگریزی ناشتے کی مہک پس منظر میں چلی جاتی اور اس کے دل و دماغ میں خطائی اور کڑک چائے کی خوشبو پھیل جاتی۔

اس نے کس کے آنکھیں میچیں۔ مجھے کیف کے بارے میں نہیں سوچنا۔ مجھے اپنے بارے میں سوچنا ہے۔

آنکھیں کھول کے سر جھٹکا اور برش سے سرمئی پینٹ مکس کرنے لگی۔ اس کا چہرہ پیلیٹ پہ جھکا ہوا تھا۔ برش کی نوک پہ پینٹ لگا کے سر اٹھایا تو شیشے میں اپنا عکس نظر آیا۔

اس کے پیچھے کوئی کھڑا تھا۔ سیاہ چغے میں۔ ماتھے پہ نارنجی رومال باندھے۔ اس نے اپنا گندے میلے ناخنوں والا سیاہ ہاتھ مالا کے کندھے پہ رکھا۔

وہ چیخ مار کے مڑی۔ برش ہاتھ سے گر گیا۔ گھبرا کے اس نے اطراف میں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ قریبی میزوں پہ موجود لوگ مڑ مڑ کے اسے دیکھنے لگے۔

''سوری سوری...'' وہ ہانپتے ہوئے انداز میں معذرت کرتی چیزیں اٹھانے لگی' پینٹ کے چند چھینٹے دیوار پہ جا پڑے تھے۔ وہ جلدی سے انہیں صاف کرنے لگی۔ پھر ایک دفعہ دوبارہ مڑ کے اپنے اطراف میں دیکھا۔

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ لیکن اسے کندھے پہ ہاتھ کا دباؤ واضح محسوس ہوا تھا۔

اس کا دل ابھی تک بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ بار بار گھبرا کے دائیں بائیں دیکھتی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے بہت قریب موجود ہے۔ اس پہ نظر رکھے ہوئے۔

وہ زیر لب آیت الکرسی پڑھنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ سادان اپنے مرمریں اسٹوڈیو میں کھڑے 'عینک لگائے' چند آرٹیکلز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سامنے مخملیں ڈبوں میں زیورات کے مختلف ڈیزائن رکھے تھے۔ وہ ایک ایک کو غور سے دیکھتیں اور آگے بڑھ جاتیں۔ کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے جن میں فرزین بیگم کی پریشان آواز گونج رہی تھی۔

''سنا ہے نگینہ بیماری کے باوجود زیاد کے ساتھ پاکستان آ گئی ہے۔ وہ جلد حور جہاں کے گھر جائے گی۔ مالا اور زیاد کا رشتہ طے کرنے۔ لگتا ہے یہ والا عامل بابا بھی ناکام ہو گیا۔''

''اونہوں۔'' کبیرہ نے مسکرا کے ایک زمرد کا جڑاؤ کنگن اٹھایا اور غور سے اونچا کر کے روشنیوں میں دیکھا۔ ''نہیں ہوگا۔''

''کیا نہیں ہوگا؟''

''یہ رشتہ نہیں ہوگا۔ مجھے یقین ہے۔ تم دیکھتی جاؤ۔'' وہ بہت اعتماد سے کہہ رہی تھیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح سے دوپہر تک ماہر اپنے آفس میں کام کرتے ہوئے کتنی ہی دفعہ کھڑکی میں رکھے کیکٹس کو دیکھ چکا تھا۔ وہ مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی جڑیں کمزور اور رنگ بھورا پڑ رہا تھا۔

شبنم دو دفعہ وضاحت دے چکی تھی۔ تیسری دفعہ پوچھنے پہ وہ برا مان گئی۔

''ماہر بے... مجھ سے میٹنگز فکس کروالیں' ڈنرز ارینج کروالیں' جو کہیں میں کر دوں گی لیکن میں پودوں کا خیال نہیں رکھ سکتی۔ میں نے پودے کبھی نہیں رکھے۔ آپ کے ساتھ رہ رہ کے میں بھی مشین بنتی جا رہی ہوں۔''

مالک اسے آج بھی کال کر رہا تھا لیکن وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مالک نے میسج کر کے کیف جمال کی کارگزاری ماہر کو بتا دی تھی۔ کیف کی کزن صفورا نے کیف سے مالک کا نمبر لے کر اسے کال کی تھی اور اسے بہت سنائی تھیں۔ ساتھ یہ بھی بتایا کہ انہوں نے کیف سے اسلحے کے زور پہ جو کام کروایا ہے' اس کا حساب انہیں دینا پڑے گا۔ اور یہ کہ وہ لوگ اس کی دوست کے قریب نہ آئیں تو بہتر ہوگا۔

ماہر نے مالک کو کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ اپنا کام کرتا رہا۔

''وائی وائی وائی...'' (واؤ)

آواز پہ وہ چونکا۔ بیر بل دوازہ کھول کے اندر آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ طنزیہ مسکراہٹ سے لبریز تھا۔ گنگریالے بال

ہوا سے جھول رہے تھے۔

''میں مصروف ہوں' بی۔'' کی بورڈ پہ ٹائپ کرتے ماہر نے سر اٹھا کے اسے تکان سے دیکھا۔یقیناً مالک اسے بھی کیف جمال کی کتھا سنا چکا تھا۔

''وائی بے.... کیا کہا تھا میں نے تمہیں ماہر فرید؟'' بیربل اس کے سامنے آیا اور میز پہ ہتھیلی رکھ کے اس کی طرف جھکا۔اس کی آنکھوں میں 'میں نے کہا تھا نا' والی چمک تھی۔

''بی... میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' اس نے سختی سے اپنی بات دہرائی۔

''میں نے کہا تھا کہ وہ لڑکا کیف جمال تمہیں دھوکہ دے گا۔وہ تمہیں ولن بنا کے پیش کرے گا۔لیکن تم نے کیا کہا؟''

''بیربل میرا دماغ نہ خراب کرو اس وقت...''

''تم نے کہا کہ بیربل ایک کیک بنانے والا آدمی ہے۔بیربل ایک سنگل سورس آف انکم پہ گزارا کرنے والا آدمی ہے۔'' وہ طنز سے مسکراتے ہوئے اسے اس کے الفاظ لوٹا رہا تھا۔ماہر لب بھینچے برہمی سے اسے دیکھے گیا۔

''بیربل باپ کی دولت لٹانے والا آدمی ہے۔بیربل کو تو کسی چیز کا پتہ ہی نہیں چلتا۔اس لیے بیربل کی بات کیوں سنی جائے؟ ہوں؟... پھر کون درست ثابت ہوا؟''

ماہر نے انٹر کا اٹھایا اور دبا دبا سا غرایا۔

''شبنم۔''

''نہیں نہیں ماہر بے.... میری پوری بات سنیں۔'' وہ میز پہ ہاتھ رکھے جھکا کھڑا تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔'' کیف جمال نے اسے کہا ہے کہ تم ایک گینگسٹر ہو۔تم نے اسلحے کے زور پہ اس بے چارے کو مجبور کیا تھا۔''

شبنم بھاگتی ہوئی اندر آئی اور بوکھلا کے ان دونوں کو دیکھا۔ماہر نے بازو اٹھا کے اشارہ کیا۔

''نکالو اس آدمی کو میرے آفس سے۔''

''نہیں نہیں... مجھے ذرا اپنے اسٹریٹ اسمارٹ بھائی سے حساب کتاب تو کرنے دو۔''

''بیربل... چلو یہاں سے۔ماہر کا موڈ پہلے ہی خراب ہے۔'' شبنم نے اسے بازو سے تھاما اور باہر لے جانے لگی۔

''بیربل کی نصیحت نہ سننے کا انجام دیکھ لیا؟ دیکھ لیا؟'' وہ بلند آواز میں کہتا جا رہا تھا اور شبنم اسے کھینچ کے باہر لا رہی تھی۔

ماہر نے ہاتھ جھلا کے ''جاؤ جاؤ'' کہا اور بدمزگی سے بڑبڑاتے ہوئے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''چھوڑو مجھے۔ تم ویسے بھی میری سیکنڈ لاسٹ فیورٹ ہو۔'' باہر نکل کے بیربل نے خفگی سے اپنا بازو چھڑایا۔ پھر کالر درست کیے' بالوں میں ہاتھ پھیرا اور مسکرا کے شبنم کو دیکھا۔

''کاش میرا باپ زندہ ہوتا۔ اور یہ منظر دیکھتا۔ پھر اسے احساس ہوتا کہ اس کا کون سا بیٹا زیادہ اسمارٹ ہے۔''

''تمہارا باپ زندہ ہوتا تو تمہارے کریڈٹ کارڈز کے بل بھی دیکھتا جن میں وہ تمام تحفے درج ہیں جو تم لڑکیوں کے لیے خریدتے ہو۔ وہ بھی ایک جیسے۔ کسی دن تمہاری ساری گرل فرینڈز ایک ساتھ بیٹھ گئیں نا' تو تم بچو گے نہیں۔'' شبنم نے عینک کے پیچھے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''تم کیوں جلتی ہو؟'' وہ مسکرا کے سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ شبنم پیر پٹخ کے رہ گئی۔ وہ اسٹاف کے ہال کے سامنے سے گزرا تو کئی سر اٹھے۔ کئی مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ وہ سب کو مسکرا کے سلام کہتا آگے بڑھ رہا تھا جب ایک دم رک گیا۔

لفٹ سے چند افراد نکل رہے تھے۔ ان کے پاس ایک ٹرالی تھی جس میں سرسبز پودوں والے گملے تھے۔

''پودے؟'' اس نے حیرت سے ابرو اٹھائی۔

''ہاں۔ ماہر نے سارے آفس میں پودے لگانے کا کہا ہے۔''

بیربل کے چہرے پہ پھر پور مسکراہٹ ابھر آئی۔ وہ آگے بڑھنے لگا لیکن شبنم نے اس کو کہنی سے واپس کھینچا۔

''بل ادا کرو ماہر کا۔ وہ جو تم نے اپارٹمنٹ اور کار کا نقصان کیا تھا۔''

''بل؟'' بیربل نے مسکرا کے سر ہلایا۔ ''ابھی ادا کرتا ہوں۔ سود سمیت۔'' بازو چھڑا کے وہ مسکرا کے آگے بڑھا۔ اس کا رخ کیفے ٹیریا کی انچارج خاتون کی طرف تھا جو پودے ارینج کروا رہی تھیں۔

''آبلہ جم...'' (پیاری آپا) مسکرا کے تابعداری سے انہیں روکا۔ وہ رکیں اور اسے دیکھ کے مسکرا دیں۔

''خوش آمدید بیربل بے۔'' وہ اسے سر ہلا ہلا کے دعائیں دینے لگیں۔

''ماشاءاللہ ... کیف سرسبز ہونے جا رہا ہے۔'' وہ سراہتے ہوئے کہنے لگا۔ شبنم ان دونوں کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ وہ مشکوک نظروں سے بیربل کو گھور رہی تھی۔ اس کا کوئی بھروسہ نہ تھا۔

''ہاں۔ ماہر بے نے سارے آفس میں پودے لگانے کے لیے کہا ہے۔''

''جانتی ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟''

وہ ان کی طرف جھک کے رازداری سے گویا ہوا۔ خاتون چوکنی ہوئیں۔ شبنم کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

''کیا؟''

''آپ کے ماہر فرید جہاں چھٹیاں گزارنے گئے تھے وہاں کی ایک لڑکی سے انہیں محبت ہو گئی ہے۔ وہ کسی باغبان کی بیٹی ہے۔ اسی کو خوش کرنے کے لیے ماہر یہ سب کر رہا ہے۔''

جہاں شبنم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہاں خاتون نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ایک لمحہ شاک میں گزرا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بڑی ایکسائٹمنٹ سے بولیں۔

''واقعی؟ کوئی لڑکی ہے کیا؟''

''اور نہیں تو کیا؟ عشق اور مشک چھپائے تھوڑی چھپتے ہیں۔ ورنہ..'' وہ ہنس کے بولا۔ ''اس روبوٹ کو کون بدل سکتا تھا؟''

''بیربل۔'' شبنم نے زور سے پیر پٹخا۔

بیربل مسکرا کے ہاتھ ماتھے تک لے گیا۔

''اپنے باس کو میرا سلام کہنا۔'' ایک آنکھ دبائی اور کندھے سے نادیدہ گرد جھاڑتا آگے بڑھ گیا۔ ساتھ ہی وہ زیرلب ہنستا جا رہا تھا۔

''اور مانگیں مجھ سے بل۔''

''آبلہ...'' شبنم پریشانی سے گویا ہوئی۔ ''یہ تو ایسے ہی بولتا رہتا ہے۔ جھوٹا ہے ایک نمبر کا۔ پلیز یہ بات آگے کسی کو نہ کہنا۔''

''توبہ توبہ میں کیوں کہوں گی؟ مجھے علم ہے بیربل کی عادت کا۔ تجھو اس نے بات کی اور...'' ہونٹوں پہ زپ لگانے کا اشارہ کیا۔ ''اور بات دفن ہو گئی۔'' وہ اسے یقین دلاتی آگے بڑھ گئیں۔ البتہ چہرہ ایکسائٹمنٹ سے تمتما رہا تھا۔

شام سے پہلے یہ بات سارے آفس کو معلوم ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد نے کہا تھا وہ اور نگینہ آنٹی اس کا رشتہ مانگنے آئیں گے اور وہ آ گئے تھے۔

اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے فروٹ باسکٹس اور مٹھائی کے ٹوکرے اندر جاتے دیکھے تھے۔ جیسے روایتی خاندانوں میں ہوتا ہے' سب کچھ ویسے ہی ہو رہا تھا۔ کھڑکی سے اس نے زیاد کا ہاتھ پکڑ کے اسٹک کے سہارے چلتی نگینہ آنٹی کو بھی دیکھا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت کمزور اور بیمار لگ رہی تھیں۔ مالا نے یاسیت سے سوچا... کیا ان کا دشمن ایک ہی تھا؟ وہ جس نے اس کی ماں کو بیمار کیا' وہی نگینہ آنٹی کو بیمار کر رہا تھا؟

"بیمار اللہ کرتا ہے۔ وہی ہنساتا وہی رلاتا ہے۔ جادو تو بس ایک سبب ہے۔"

ماہی نے اس کی بات سن کے فوراً سے تبصرہ کیا۔ ماہی کا چہرہ اس وقت اس کے فون کی اسکرین پہ نظر آ رہا تھا۔

سنگھار میز کے آئینے کے سامنے اس نے فون سیٹ کر رکھا تھا یوں کہ وہ ماہی کو دیکھ سکتی تھی۔ اور ماہی اسے۔ وہ اپنا عکس دیکھتے ہوئے تیار ہو رہی تھی۔ ہلکے نم بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ سبز آنکھوں پہ بھورا لائنر لگا تھا۔ دائیں بائیں گھما کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ ایک پمپل بھی نہیں تھا۔ شکر۔

"تم نے فیصلہ کر لیا؟"

"ابھی تھوڑا ہی فیصلہ سنانا ہے۔ ابھی وہ رشتہ مانگیں گے۔ پھر کچھ دن بعد ہم انہیں جواب دیں گے۔ ہماری روایات بھول گئی ہو کیا؟" مالا برش سے چہرے پہ فنشنگ پاؤڈر ہلکا ہلکا ٹیپ کر رہی تھی۔ اس نے فیروزی ڈوپٹے کے ساتھ ہم رنگ چکن کاری کی قمیض پہن رکھی تھی جس کے چوڑی دار آستین تھے۔

"مگر تم خوش ہو نا' مالا؟" ماہی سوچتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"آج خوش ہوں۔" وہ اب چہرے پہ بلش لگا رہی تھی۔ رخسار گلابی پڑنے لگے۔ جو بھی ہو رہا تھا اسے برا نہیں لگ رہا تھا۔

"مالا..." ماہی کھنکھاری۔ "تمہیں زیاد پسند تھا یا..." تھوک نگلا.. "ماہر فرید؟"

مالا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ شاکی نظروں سے اسکرین پہ نظر آتی ماہی کو دیکھا۔

"ظاہر ہے زیاد۔ کیف کے بارے میں میں ایسا نہیں سوچتی تھی۔ وہ ایک اچھا کولیگ تھا۔ ایک دوست کی طرح۔ مجھے نہیں پتہ وہ کیا تھا۔" وہ جھنجھلائی۔ "لیکن جو وہ تھا' وہ وہ نہیں تھا۔ زیاد کم از کم ایک سچا انسان ہے۔ جو نظر آتا ہے وہی ہے۔"

"تم اسے ابھی تک کیف کہتی ہو۔ حالانکہ اس کمبخت کا نام ماہر ہے۔"

مالا نے جواب نہیں دیا۔ وہ اب کانوں میں فیروزی پتھروں والے ٹاپس پہن رہی تھی۔

''ویسے وہ کمبخت مل جائے مجھے کہیں' میں نے اس کا منہ نہ توڑ دیا تو....''

''ماہی اس کا ذکر مت کیا کرو۔ وہ میری زندگی سے جا چکا ہے۔ اب میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

''لیکن تم اس سے نفرت کرتی ہو' مالا۔ اور نفرت کا تعلق اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے جتنا محبت کا۔''

ٹاپس پہنتے پہنتے اس کی انگلیاں تھم گئیں۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔

''ماہی تم اس کو نہ اسٹالک کرو گی نہ سرچ کر کے کوئی میسج کرو گی۔ اچھا۔'' اسے ماہی کی عادت کا علم تھا۔ اس لیے دوبارہ تنبیہ کی۔ ''اور اگر کبھی اس نے تم سے رابطے کی کوشش کی تو تم جواب تک نہیں دو گی۔]]

یونہی ایک ڈر سا تھا کہ وہ کسی دوسرے کے ذریعے مالا سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ یا شاید امید تھی۔

ماہی آگے سے ہنس دی۔

''مجھ سے رابطے کی اس نے کوشش کی تو ایسی طبیعت صاف کروں گی کہ یاد رکھے گا۔ امیر باپ کا بیٹا ہو گا اپنے ملک میں۔ میرے ہاتھ لگ گیا نا کسی دن....'' ماہی دانت کچکچا کے کہہ رہی تھی۔ اسے اس سائیکو پیتھ امیر آدمی پہ بہت غصہ تھا۔ سوائے ایک کے' اسے سارے امیر آدمی برے لگتے تھے۔

''لیکن مالا.... تم واقعی زیاد سے شادی کر لو گی؟'' ماہی نے پکارا۔ وہ کچھ متذبذب تھی۔ مالا جلدی جلدی بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

''میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔ ابھی مجھے مہمانوں کے پاس جانا ہے۔''

بات ادھوری رہ گئی۔ فیروزی لباس والی لڑکی نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا اور مسکرا دی۔ پھر اسے اپنی خوشی پہ حیرت ہوئی۔ وہ واقعی بہتر محسوس کر رہی تھی۔ کیف پس منظر میں چلا گیا تھا۔ اب صرف زیاد تھا اور اس کے لیے زیاد کا بڑھا ہوا ہاتھ۔

وہ سفید ہیلز سے چلتی باہر آئی تو لمبے بال کندھے پہ ایک طرف ڈالے ہوئے تھے۔

باہر لاؤنج میں سب بیٹھے تھے۔ معید اور ماں ایک تخت پہ۔ اور سامنے صوفوں پہ نگینہ آنٹی اور... زیاد۔

اسے دیکھ کے وہ ہلکا سا مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ ہمیشہ کی طرح ٹال ڈارک اور ہینڈسم۔ کلین شیو' نفاست سے کٹے بال' اور اس کے چہرے کی مسکراہٹ۔

نگینہ آنٹی بھی محبت سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا چہرہ مزید نحیف ہو گیا تھا۔ وہ تکلیف میں لگتی تھیں۔ ابھی تک

ان کی بیماری ڈائیگنوز نہیں ہوئی تھی۔

وہ ان کے سامنے ایک سنگل صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ لی۔ مالا کے آنے سے پہلے ہی نگینہ آنٹی رشتے کی بات کر چکی تھیں۔ اس سے پہلے نگینہ آنٹی نے ماں سے اس کا رشتہ عام بات چیت کے دوران مانگا تھا۔ اس بات کو کئی ہفتے بیت چکے تھے۔ اب وہ پورے چاہ سے آئی تھیں۔ اور روایتی خاندانوں کی طرح معید اور ماں نے سوچنے کا وقت لیا تھا، جب تک وہ لاؤنج میں آئی وہ سب خاندان والوں کی نارمل باتیں کر رہے تھے۔ موسم کا حال۔ کس کے ہاں کیا چل رہا ہے۔

زیادہ زیادہ تر خاموشی سے مسکراتا رہا۔ اور بھی بس نرمی سے مسکرائے گئی۔ ان دونوں کو آپس میں بات چیت کی ضرورت نہیں تھی۔ بس خاموشی باتیں کرتی رہی۔

آج بہت عرصے بعد وہ کھل کے خوش ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول کے علاقے لیونت میں بنے ''کیف'' نامی چار منزلہ ولا پہ آج کی صبح مختلف سی اتری تھی۔ ماہر فرید کی کار جب گیٹ سے اندر داخل ہوئی' اور وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا باہر نکلا' تو ویلے نے آگے بڑھ کے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''پلانٹس بہت اچھے لگ رہے ہیں آفس میں' ماہر بے۔''

ماہر محض ہوں کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ گلاس ڈور کھلے اور سامنے کیف کی ریسپشنسٹ نظر آئی۔ آج اس کی مسکراہٹ کچھ زیادہ ہی معنی خیز تھی۔

''پلانٹس سے ہمارا اسٹوڈیو آفس سج سا گیا ہے' ماہر بے۔'' اس نے مسکرا کے کہا تو ماہر نے سر کی جنبش سے تعریف وصول کی اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ یونہی اسے محسوس ہوا کہ اس کے پیچھے بیگ لے کر آتے ڈرائیور اردل اور ریسپشنسٹ کے درمیان معنی خیز مسکراہٹ کا تبادلہ کیا ہے۔

''پلانٹس بہت اچھے لگ رہے ہیں' ماہر۔''

لفٹ میں ایک آرکیٹیکٹ نے' اوپر مین ہال میں ڈیزائنرز کے گروپ نے' یہاں تک کہ صفائی کرتے خاکروب نے بھی دانت نکال کے جب کہا تو وہ ٹھٹکا۔ مڑ کے اطراف میں نظر ڈالی۔ آنکھیں سوچنے والے انداز میں چھوٹی کیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اسٹاف کی نظریں اس پہ ہیں۔ کچھ سراپا پر ہوئے۔ دبی دبی ہنسی۔

اس روز والی جونیئر آرکیٹیکٹ اسے دیکھتے ہی اپنا ٹیب لیے آ گئی۔ مسکرا کے اسے اپنا کام دکھایا۔

''اب کیسا بنا ہے؟''

ماہر نے ایک نظر اس کے ٹیبلیٹ کو دیکھا۔ ''سرکولیشن ٹھیک ہے اب لیکن...''

''کہتے ہیں تو پلانٹس ایڈ کر دوں؟'' پلکیں جھپکا کے معصومیت سے بولی تو وہ چونکا۔ ٹیب واپس تھمایا تو وہ ہنسی دبائے وہاں سے چلی گئی۔ وہ اسے سوچتی نظروں سے دیکھنے لگا۔ کوئی گڑبڑ تھی۔

اس کے آفس کے باہر شبنم کا ڈیسک رکھا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے شبنم غڑپ سے سر جھکائے کچھ تلاش کرنے لگی۔

''شبنم۔'' وہ اس کے ڈیسک کے پاس رکا۔

''جی' ماہر بے؟'' وہ تھوڑی سینے سے لگائے دراز میں ہاتھ مار رہی تھی۔

''کوئی بات ہوئی ہے کیا آفس میں؟''

''مجھے کچھ نہیں پتہ۔'' وہ اب پوری جھک کے پیپر بن میں پڑے کاغذ ادھر ادھر کر رہی تھی۔

''شبنم۔'' وہ دانت پہ دانت جما کے بولا لیکن وہ سر اٹھانے سے انکاری تھی۔ وہ آفس ڈور کی طرف بڑھا۔ اسی وقت قریبی کیبن میں موجود دو لڑکیاں' جو ایک ساتھ ایک اسکرین پہ کام کر رہی تھیں' ماہر کو دیکھ کے مسکرائیں اور سر قریب کیے آپس میں کہنے لگیں۔

''لڑکی فلورسٹ ہے۔''

''نہیں اس کا باپ باغبان ہے۔''

انہوں نے دانستہ طور پہ آواز اتنی اونچی رکھی تھی کہ وہ سن لے۔ ابھی کل ہی تو ان دونوں کو ماہر سے ڈانٹ پڑی تھی۔

''بیر بل۔'' اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ پھر تیزی سے واپس شبنم کے ڈیسک تک آیا۔ شبنم جو ابھی سیدھی ہوئی تھی' اس نے فوراً چہرے کے آگے ایک فائل پھیلا لی۔

''گارڈ کو اطلاع کر دو۔ آج سے بیر بل فرید کا ہمارے آفس میں داخلہ بند ہے۔'' وہ غصے سے غرایا اور پھر رکا نہیں۔ سیدھا اپنے آفس میں چلا گیا اور دروازہ ٹھاہ کی آواز سے بند کیا۔

شبنم نے فائل ہٹائی۔ اور بڑے ہی سکون سے ریسور اٹھا کے لائن ملائی۔

''گارڈ ... آج سے بیر بل فرید کا بارہویں دفعہ ہمارے آفس میں داخلہ بند ہے۔''

گیٹ پہ بنی کینوپی میں موجود گارڈ نے تابعداری سے اس کا فرمان سنا اور فون رکھتے ہوئے ساتھ والے گارڈ کو مخاطب کیا۔

''اچھا ہوا ماہر بے نے اس کا داخلہ بند کیا۔ کئی دن سے وہ خالی ہاتھ آ رہا تھا۔''

''ہاں۔ اس دفعہ اسے چاکلیٹ بقلاوے کے بغیر داخل نہیں ہونے دینا۔ ہر دفعہ وہ ہمیں پستہ بقلاوے سے راضی کر لیتا ہے۔'' دونوں اب سر جوڑے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوچ رہے تھے جو بیر بل کی بیکری پہ بنتی تھیں اور اس نے ابھی تک انہیں نہیں کھلائی تھیں۔

اوپر ماہر کے آفس میں شبنم نے ہدایت کے مطابق کیف جمال کو ویڈیو کال ملا دی تھی۔ ماہر سیٹ پہ ٹیک لگائے بیٹھا کمپیوٹر اسکرین پہ جاتی گھنٹی دیکھ رہا تھا۔

سلسلہ ملتے ہی کیف جمال کا چہرہ روشن ہوا۔ وہ غالباً ابھی ابھی نیند سے جاگا تھا اور ماہر فرید کی شکل دیکھ کے اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

''دیکھیں ماہر صاحب...'' وہ جلدی سے کہنے لگا لیکن ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ پیچھے ٹیک لگائے وہ اجلی سفید شرٹ اور گرے ٹائی میں ملبوس تھا۔

''تمہارا بزنس پلان کہاں تک پہنچا' کیف؟'' نرمی سے پوچھا۔ چہرے پہ مسکراہٹ بھی تھی۔

''بنا رہا ہوں۔'' کیف نے تھوک نگلا اور لہجے کو سرسری سا بنایا۔

''چچ۔'' ماہر نے سر جھٹکا۔ ''کہا تھا نا' تم کبھی کامیاب نہیں ہو گے۔ لوزر تھے اور رہو گے۔ خیر... میں نے تمہیں اس لیے فون نہیں کیا۔''

اس نے کڑک چائے کا گرما گرم مگ اٹھایا اور ایک گھونٹ بھرا۔

''جانتا ہوں آپ نے کس لیے فون کیا ہے۔'' کیف کی نیند کھل چکی تھی اور ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''آپ یقیناً یہ ویڈیو کال ریکارڈ کر رہے ہیں اور اس میں مجھ سے جھوٹ بولنے کا اعتراف کروائیں گے تاکہ اس کی کاپی صفورا اور کشمالہ کو بھجوا کے مجھے جھوٹا ثابت کر سکیں۔ لیکن میں آپ سے نہیں ڈرتا۔ میں نے انہیں کچھ غلط نہیں کہا۔ میں اپنے الفاظ پہ قائم ہوں۔''

ماہر فرید ہلکا سا ہنس دیا۔

''ہمارے ہوٹل سوئیٹ کی میٹنگ کی ویڈیو اور آڈیو میرے پاس ہے' کیف۔ تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے وہی کافی تھی۔ لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

''پھر؟ کیا چاہتے ہیں آپ؟'' کیف جمال اس کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماہر نے اسے پہلی دفعہ فون کیا تھا۔

''تم نے کشمالہ سے کہا کہ... میں نے تمہیں اسلحے کے زور پہ ڈرایا تھا۔ یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ ''میں صرف تمہاری غلطی کی تصحیح کے لیے تمہیں کال کر رہا ہوں۔''

اس نے چائے کا ایک اور گھونٹ بھرا۔ پھر اپنے کالر کی نادیدہ شکن درست کی۔

''تم مجھے سمجھ نہیں سکے' کیف۔ دیکھو...'' وہ واقعتاً سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''جو ڈیل تم نے کی تھی' وہ ایک مافیا باس یا گینگسٹر سے نہیں کی تھی۔ وہ ایک...'' سینے پہ انگلی رکھی۔ ''بزنس مین کے ساتھ کی تھی۔ میں ایک بزنس مین ہوں۔ مجھے اسلحہ پسند نہیں ہے۔ مجھے نمبرز پسند ہیں۔ نمبرز اس دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہوتے ہیں۔ ٹھہرو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔''

اس نے میز پہ رکھے کاغذات اٹھائے اور کیمرے میں لہرائے۔

''یہ تمہارے کریڈٹ کارڈ بلز ہیں۔ وہ تمام عیاشیاں جو تم نے ان تین ماہ میں میرے کھاتے سے کی ہیں۔''

کیف خاموش مگر سوچتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ ماہر کاغذ سے پڑھ کے بتا رہا تھا۔

''ریستوران کے بل۔ مہنگے گیجٹس کی چائنہ اور سنگاپور سے امپورٹ۔ دبئی کا ایک ٹور۔ ہوٹل بکنگ۔ شاپنگ۔ کھانے۔ خواتین کے استعمال کی بہت سی چیزیں جو غالباً تم نے تحفوں میں دی ہیں۔ تم نے ماشاءاللہ تین ماہ میں تین کارڈز کی لمٹس ختم کی ہیں۔''

اس نے کاغذ رکھے اور کیف جمال کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اور تین ماہ بعد تم نے ہماری ڈیل توڑ دی۔'' اس کی مسکراہٹ اب غائب تھی۔ ''تم نے کشمالہ سے جھوٹ بولا۔''

''آپ مجھ سے کسی بات کا اعتراف ویڈیو کال پہ نہیں کروا سکتے۔''

ماہر نے کاغذ رکھے اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں ایک بات کہی تھی۔''

''کیا؟''

''یہی کہ ایک ملین ڈالرز کمائے نہیں جاتے۔ کسی سے لیے جاتے ہیں۔ میں نے یہ دولت اپنے باپ سے لی تھی۔ اور مجھے اپنے باپ کی دولت کا ضیاع سخت ناپسند ہے۔ سوچو.. کیف... پھر میں وہ دولت تمہارے اوپر کیوں ضائع کروں گا؟''

''کیونکہ میں ایک امیر آدمی کا ایڈونچر تھا۔ آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ میں ایک لوزر ہوں؟'' وہ تلخ ہوا۔

''نہیں۔ کیونکہ میں ایک بزنس مین کا بیٹا ہوں۔ اور میرے باپ نے کئی سال پہلے مجھے ایک نصیحت کی تھی۔ کہ اچھا بزنس مین کبھی بھی کام مکمل ہونے سے پہلے پوری پے منٹ نہیں کرتا۔'' وہ مسکرایا اور چیچے ٹیک لگالی۔ ''میں نے بھی نہیں کی۔ میں نے صرف تمہارے قرضے ادا کیے اور تمہیں نئے جوتوں کے لیے رقم کا ایک پیکٹ دیا۔ تمہاری باقی خرچوں کے لیے مالک نے تمہیں تین کریڈٹ کارڈز بنوا کے دیے تھے۔ تمہیں کبھی کارڈز ایشو نہ ہوتے اگر مالک اپنے تعلقات استعمال نہ کرتا۔''

''پھر؟'' کیف جمال نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہم نے ان تین بینک اکاؤنٹس میں ایک خطیر رقم ڈالی تھی۔ لیکن بل کی ڈیٹ آنے سے پہلے، ہم رقم نکال لیتے تھے۔ کہانا۔ یہ میرے باپ کے پیسے ہیں۔ ہمارے نام کی وجہ سے بینکرز کو تسلی تھی کہ رقم ادا ہو جائے گی۔ تم ایک کے بعد ایک کارڈ ختم کرتے آئے اور ہم نے بینک کو تم سے کانٹیکٹ نہیں کرنے دیا۔ لیکن پھر کیف جمال.... تم نے ڈیل توڑ دی۔''

''ایک منٹ...'' وہ جیسے کسی خواب سے جاگا۔ بوکھلا کے اسے دیکھا۔ ''وہ کریڈٹ کارڈز میرے نام پہ ہیں۔ مالک کے اسسٹنٹ نے مجھے بینک لے جا کے بنوائے تھے۔ ان کے... ان کے بلز ادا نہیں ہوئے کیا؟''

''میں کام مکمل ہونے سے پہلے پوری پے منٹ نہیں کیا کرتا' کیف۔ میں ایسے شخص کے بلز کیوں ادا کروں گا جس نے اپنی طرف کی ڈیل توڑی ہے؟''

''نہیں پلیز۔ آپ ایسے نہیں کر سکتے۔'' وہ بوکھلا کے کہہ رہا تھا۔ اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔ ٹانگوں سے جان نکل رہی تھی۔ ''یہ لاکھوں کے بل ہیں۔ میرے بائیو میٹرکس اور میرے شناختی کارڈز پہ یہ کارڈز مجھے ایشو ہوئے تھے۔ میں انہیں ادا نہیں کر سکتا۔''

مگر ماہر فرید کا چہرہ سپاٹ تھا۔ سرد اور سپاٹ۔

''یہ خرچے تم نے کیے ہیں۔ ان کا بل بھی تم ہی بھرو گے۔ تم نے کہا تھا نا کشمالہ سے کہ تم نے ماہر فرید سے پیسے نہیں لیے۔ تو دیکھو۔ میں نے تمہاری بات سچ کر دی۔''

''نہیں پلیز۔ یہ نہ کریں۔ میں بینک ڈیفالٹر بن جاؤں گا۔ میں برباد ہو جاؤں گا۔''

ماہر زخمی سا مسکرایا اور آگے کو جھکا۔ ''یہ تمہیں ماہر فرید کے بارے میں جھوٹ بولنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔''

''آپ جو کہیں گے میں کروں گا۔ میں کشمالہ کو سچ بتا دوں گا۔ میں کہوں گا آپ کا کوئی قصور نہیں۔ میں سب اپنے ذمے لے لوں گا۔''

''اب دیر ہو چکی ہے' کیف۔ اب تمہاری کسی گواہی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''پلیز....'' اس کا سارا خون نچڑ چکا تھا۔ ''میرے کوئی با اثر رشتے دار بھی نہیں ہیں جو مجھے بچا سکیں۔ صفورا دیسے ہی میری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔''

''میں نے کہا نا' کیف جمال.... میں ایک بزنس مین ہوں۔ مجھے کسی کو مارنے کے لیے بندوق نہیں اٹھانی پڑتی۔ میرے لیے...'' کریڈٹ کارڈ بلز اٹھا کے دکھائے... ''نمبرز کافی ہوتے ہیں۔''

پھر اس نے بٹن دبا کے کال بند کی۔ اور انٹر کام اٹھایا۔

''مالک کے اسسٹنٹ سے کہو کہ وہ بینک مینیجرز کو ہراسٹنل دے دیں۔ ہمارا اس آدمی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنی وصولی اس سے خود کر سکتے ہیں۔'' سپاٹ لہجے میں کہہ کے اس نے ریسیور رکھا اور پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس کے چہرے پہ کسی قسم کا ترس یا رحم نہ تھا۔ ڈیل توڑنے والوں کو اس نے کبھی پوری پے منٹ نہیں کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام فیضی حاتم نے اس کے لیے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا تو ان کے چہرے پہ کچھ تھا جس کو دیکھ کے ماہر ٹھٹھک گیا۔

''مہمان آئے ہیں۔'' انہوں نے دبے لفظوں میں اشارہ کیا۔ ماہر کی نظریں جوتوں کے ریک تک گئیں۔ وہاں کسی کے جوتے نہیں تھے۔ اس نے اچنبھے سے بوٹس اتارے اور جرابوں سے چلتا ہوا آگے آیا۔ راہداری عبور کی اور سامنے لونگ روم کے دہانے پہ رکا۔

آتش دان کے ساتھ رکھی دائیں ونگ چیئر پہ عبدالمالک فرید بیٹھا تھا۔ سوٹ میں ملبوس' جیل سے سفید بال

سمیٹے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ پیروں میں چمکتے ہوئے سیاہ بوٹ پہنے ہوئے تھا۔

ماہر نے ایک نظر اس کے جوتوں کو دیکھا۔

''فیضی حاتم... پلیز میرے چچا کو کارپٹ شوز لا دیں۔'' بہت ضبط سے کہا۔ پھر قدم قدم چلتا آگے آیا۔

''تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''میں تمہیں تمہارا وعدہ یاد کروانے آیا ہوں' ماہر۔'' وہ سنجیدگی سے سامنے کھڑے ماہر کو دیکھ رہا تھا۔ اور ماہر اس کے جوتوں کو۔

''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں واپس آ جاؤں گا۔''

فیضی نے کارپٹ شوز لا کے مالک فرید کے سامنے رکھے لیکن وہ اسی طرح بوٹ والا پیر جھلاتا رہا۔

''اور کیف؟'' مالک نے ابرو اٹھائی۔

''میں اسے بھی ساتھ ساتھ مینج کروں گا۔'' ماہر اس کے زمین پہ رکھے بوٹ کو دیکھ رہا تھا۔ ''میں کیف کو بند نہیں کروں گا۔''

''کیف ایک فیلیئر ہے۔ تم اس میں اپنے باپ کی کمائی جھونک رہے ہو اور اس نے تمہیں کبھی پروفٹ نہیں دیا ماہر۔''

''میں تمہارے لیے کیف کو بند نہیں کر سکتا۔ واپس آنے کا وعدہ کیا تھا۔ آ جاؤں گا۔ جیسے لاہور تمہارے کہنے پہ چھوڑ دیا تھا۔''

مالک چند لمحے افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔

''بیر بل ٹھیک کہتا ہے۔ تمہیں فیری ٹیلو کی طرح ایک لڑکی کا سیویئر بننے کی فینٹیسی ہے۔''

''میں کسی فیری ٹیل میں نہیں جی رہا۔ کیا تم اپنے جوتے اتار سکتے ہو؟'' وہ بہت ضبط سے بولا۔ ''پلیز؟''

''اگر میں تمہیں وہاں سے نہ نکالتا تو تم واپس نہ آتے۔ تم اس لڑکی کے لیے سب چھوڑ کے وہیں رہ جاتے۔ افسوس۔''

''میں اپنی مرضی سے واپس آیا ہوں کیونکہ میں ایک مشین ہوں اور مجھے پیسہ بنانے میں زیادہ دلچسپی ہے۔''

مالک ونگ چیئر سے اٹھا۔ اور بوٹس سے چلتا ہوا اس کے عین سامنے آیا۔ ماہر نے دیکھا' اس کے بوٹ لاؤنج کے وسط میں بچھے سفید مخملیں قالین سے ایک فٹ دور تھے۔ اُف۔

''کاش تم مجھ پہ اعتبار کرنا سیکھ جاؤ۔تم مجھے اپنی بیٹیوں سے زیادہ محبوب ہو۔'' مالک اس کے چہرے کو دیکھ کے بولا تو انداز میں نرمی تھی۔

اس نے مالک کے بوٹس سے نظریں ہٹا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں ماہر ہوں۔اور ماہر فرید کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔چاہے وہ اس کا بھائی ہو یا اس کے باپ کا بھائی۔تم نے میرا ساتھ اس لیے دیا کیونکہ تم مجھے واپس لے جانا چاہتے تھے۔'' وہ اب اس کے چہرے کو دیکھ کے تکلیف سے کہہ رہا تھا۔''نہ بیربل اور نہ تم... کسی نے میرا اعتبار نہیں کیا۔کاش تم لوگ کرتے۔وہ کہتا ہے میں عشق کے روگ میں یہ کر رہا تھا۔تم کہتے ہو میں انتقام کے لیے یہ کر رہا تھا۔کسی کو میری اصل وجہ پہ یقین ہی نہیں ہے۔''

''ماہر...''

مگر وہ اسی کرب سے کہے جا رہا تھا۔

''میں یہ سب اس لڑکی یا انتقام کے لیے نہیں کر رہا تھا۔'' اس کی بھوری آنکھوں میں نمی ابھری۔

''میں صرف ایک بھائی ہوں جو اپنی بہن کو ڈھونڈ رہا ہے۔''

سیاہ سفید لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔آج وہاں کسی موم بتی کی خوشبو نہیں تھی۔

''میں صرف اپنی ہلال کو ڈھونڈ رہا ہوں۔''

مینٹل شیلف پہ وہ فریم اسی طرح الٹا رکھا تھا۔

''ماہر...'' مالک نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔''وہ مر چکی ہے۔''

اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ اٹھایا۔آنکھیں ابھی تک گیلی تھیں۔

''جس دن وہ مرے گی نا' مجھے یہاں (سینے پہ انگلی رکھی) یہاں معلوم ہو جائے گا۔''

''ہم نے تمہارا اتنا ساتھ دیا جتنا دے سکتے تھے ماہر۔'' مالک اب کے بولا تو اس کی آواز میں بھی غصہ تھا۔''اب جب سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا' جب تمہاری ماں اور ہلال کی موت کو دو برس بیت چکے تھے' تو تم ایک صبح ہم سب کی زندگیاں ڈسٹرب کر کے ہمیں وہاں لے گئے۔ایک جھوٹی امید دلا کے۔اور ہم نے تمہیں وہ سب کرنے دیا۔کیوں؟ کیونکہ ماہر فرید ہمیشہ درست ہوتا ہے۔''

''واللہ' میں ہمیشہ درست ہوتا ہوں۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولا۔

''مگر اس دفعہ تم غلط تھے۔تم نے اس جنون کے پیچھے اپنا فوکس کھو دیا۔تم نے اپنی عمارت پہ ٹھیک سے کام نہیں کیا

بلکہ ایک ایسا ماڈل بنایا جو عشق کے رنگ میں رنگا تھا۔ اس لیے اب ہمیں مزید مت آزماؤ۔ اپنے باپ کی خواہش کو پورا کرواور واپس آجاؤ۔ بیربل رہے یہاں' زارا رہے یہاں' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن تمہیں واپس آنا ہے۔''

وہ مالک کے سامنے سے ہٹ گیا اور کھڑکی کی قریب جا کھڑا ہوا۔ وہ مالک کے جوتوں کو سفید قالین پہ چلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

باہر رات کی تاریکی میں ڈوبا بوسفورس نظر آرہا تھا۔ کنارے پہ بندھی کشتیوں کے اندر لگے بلب جل رہے تھے۔ روشنی بھی تھی مگر اندھیرا بھی تھا۔

''تم لوگ میری فیملی نہیں ہو' مالک۔ میں وہاں صرف کام کرنے واپس آؤں گا۔ میری فیملی...'' حلق میں کوئی گولہ سا اٹکا۔ ''صرف بیربل اور ہلال ہیں۔''

''Narcissist۔'' مالک بڑبڑایا تھا۔ پھر اسے اپنے پیچھے جوتوں کے جانے کی آواز سنائی دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ بند ہوا۔

وہ مڑا اور فیضی حاتم کو پکارا۔

''فرش صاف کریں۔ ابھی۔ اسی وقت۔'' پھر وہ وہاں رکا نہیں۔ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

''شش...''

فیضی موپ سے فرش صاف کر رہی تھیں جب اوپر سے آواز آئی۔ انہوں نے سر اٹھا کے دیکھا۔ بیربل ریلنگ پہ جھکا مسکرا کے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''میرا مشین بھائی سامنے تو نہیں ہے؟'' آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں۔''

''اور دوسری مشین بھی واپس چلی گئی؟'' وہ دبے قدموں زینے اترنے لگا۔ فیضی نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا۔

''جی۔ ویسے وہ آپ کے چچا ہیں۔''

''چچا وہ صرف ماہر کا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں ایڈاپٹڈ ہوں۔'' پھر چہرے کے زاویے بگاڑ کے مالک کی نقل اتاری۔ ''بیربل بے شک یہاں رہے۔ زارا بے شک یہاں رہے۔ تم واپس آجاؤ' ماہر۔ ہونہہ۔ مجھے تو آج تک کسی نے واپس آنے کے لیے نہیں کہا۔''

"کیوں؟"

اب وہ فیضی کے بالکل سامنے آ چکا تھا۔ راز داری سے بتانے لگا۔

"دراصل مالک زارا اور ماہر کی شادی کروانا چاہتا ہے۔ اور میں چونکہ زارا کے قابل نہیں ہوں.. الحمدللہ (چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیرے) اس لیے مجھ سے اسے ایسی کوئی امید نہیں ہے۔"

"آپ اپنے چچا کو نام سے کیوں پکارتے ہیں؟" فیضی نے اپنی الجھن سامنے رکھی۔ بیربل جواب میں ہنس دیا۔

"گلاب کو جس نام سے پکارو وہ گلاب رہتا ہے۔ ایسے ہی مشین کو جس نام سے پکارو وہ مشین ہی رہتی ہے۔"

فیضی بھی ہنس دیں۔ پھر چہرے پہ خفگی طاری کی۔

"آپ کا بھائی آپ سے بہت ناراض ہے کیونکہ آپ نے اس کی ورک پلیس پہ فضول باتیں پھیلائی ہیں۔"

"ارے یار... یہ جو سفید بالوں والا روبوٹ ابھی آیا تھا نا' وہ اس ورک پلیس کو بند کروا کے دم لے گا۔ چند دن میں سب اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور اس بات کو بھول جائیں گے۔"

کار کا ریموٹ ہاتھ میں گھماتا وہ انہیں الوداع کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ فیضی حاتم افسوس سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔ پھر ایک نظر انہوں نے مینٹل شیلف پہ رکھی کینڈلز کے ساتھ پڑے فریم کو دیکھا۔

وہ آج بھی النار کھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلی ویک کے اس چھوٹے سے گھر میں صبح اتر رہی تھی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور ہر طرف جامنی سا اندھیرا تھا۔

ماہی لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز دوپٹہ لیے تسبیح پڑھ رہی تھی۔ اور عباد کچن میں کھڑا اپنا ناشتہ بنا رہا تھا۔ وفعتاً دانے گراتا اس کا ہاتھ رکا۔

"میں ابھی تک اس سائیکو پیتھ کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" اس کے دماغ سے ماہر فرید نہیں نکل رہا تھا۔ غصہ' بے بسی' اسے بہت کچھ ایک ساتھ محسوس ہو رہا تھا۔

"چھوڑو ماہی۔ رات گئی بات گئی۔" عباد نے کافی میکر کے نیچنگ رکھا۔ پھر اس سے پوچھا۔ "ناشتہ بنا دوں۔"

"میرے خاندان والوں نے دیکھ لیا تو کہیں گے' کتنا زن مرید شوہر ہے۔"

"جانتی ہو میں نے ایک دفعہ پرندے پالے تھے۔ آسٹریلین بر ڈز۔" وہ انڈے کو پیالے میں پھینٹتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ماہی صوفے پہ نیم دراز گور سے اس کی بات سنے گئی۔ "وہ بہت سے پرندے ایک پنجرے میں ساتھ رہتے تھے۔ سب کی اپنی ڈولیاں تھیں۔" اس نے انڈا پین میں ڈالا۔ شوشو کی آواز آئی اور انڈے کی مخصوص مہک سارے میں پھیلتی گئی۔

"جب مادہ ڈولی کے اندر انڈہ لگاتی اس کا نر باہر اس کا پہرہ دیتا۔ پھر اس کے لیے چونچ میں دانے لاتا اور اس کے منہ میں رکھتا۔ پھر اس کے سر پہ چونچ سے پیار کرتا۔" وہ ساتھ ایک توس پہ اوا کاڈو کو گودا پھیلا رہا تھا۔

"وہ تین انچ کا پرندہ اپنی بیوی کا خیال رکھتا تھا۔ بطخیں بھی ایسے ہی کرتی ہیں۔ مرغے بھی۔ کس نے سکھایا ہے ان پرندوں کو اپنی مادہ کا خیال رکھنا؟ اللہ تعالیٰ نے۔ تاکہ ان سے انسان بھی سیکھیں۔"

اس نے ٹرے میں جوس اور ناشتے کی پلیٹیں سجائیں اور پھر انہیں لیے ماہی کے قریب آیا۔

"یہ زن مریدی نہیں ہوتی۔ یہ وہ فطرت ہے جس پہ مخلوق کو پیدا کیا گیا ہے۔ صرف ہم انسان اس سے ہٹ گئے ہیں۔"

ماہی نے مسکرا کے تشکر سے اسے دیکھا۔ وہ ناشتہ اس کے سامنے رکھ کے اب اپنا فون اور بیگ اٹھا رہا تھا۔ اسے کام کے لیے نکلنا تھا۔

"جب آسٹریلین بر ڈز اپنی مادہ کا خیال رکھ سکتے ہیں...." وہ دروازے تک گیا اور باہر نکلنے سے پہلے رک کے اپنی بات مکمل کی.... "جب بطخ اپنی بطخ کا خیال رکھ سکتا ہے... تو مجھے بھی چاہیے کہ میں..." تو قف کیا....

"کہ میں بطور انسان اپنی گائے کا خیال رکھوں۔"

ماہی جو فخر سے مسکرا رہی تھی اس کی مسکراہٹ یکدم غائب ہوئی۔

"اللہ کی قسم آج میں تمہیں مار ڈالوں گی۔"

اس نے کشن اٹھا کے زور سے عباد کی طرف پھینکا۔ لیکن وہ ہنستے ہوئے باہر نکل کے دروازہ بند کر چکا تھا۔ شیشے کا دروازہ لاک کرتے ہوئے اس نے صوفے پہ بیٹھی غصے سے لال سرخ ہوتی ماہی کو دیکھا۔ وہ انگلی اٹھا کے اس کی اگلی پچھلی نسلوں کو کوئی وارننگ دے رہی تھی۔ عباد ہنستے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ سامنے اس کی کار کھڑی تھی۔

دروازہ کھولتے ہوئے وہ ٹھٹھک کے رکا۔

"کیا نام بتایا ہے ماہی نے؟ ماہر فرید؟" وہ الجھ گیا۔ "کہاں سنا ہے میں نے یہ نام؟"

پھر پلٹ کے گھر کی طرف دیکھا۔ ماہی سے پوچھے؟ لیکن نہیں۔ اس وقت وہ واپس جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ کار میں بیٹھ گیا لیکن دماغ الجھ گیا تھا۔

اس نے یہ نام کہیں سنا تھا۔ کسی اخبار میں۔ شاید انٹرنیٹ پہ۔ یا شاید کسی اور انسان سے۔

اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول کی وہ صبح جولائی کی دوسری صبحوں سے مختلف نہ تھی۔ دھوپ کی تپش اور ٹھنڈ ساتھ ساتھ تھیں۔

ماہر اس وقت کانفرنس روم میں بیٹھا تھا۔ ساتھ ایک شیشے کی پیالی میں قہوہ رکھا تھا۔ چند افراد ابھی میٹنگ سے اٹھ کے گئے تھے۔ اور وہ گراف ٹیبلیٹ پہ پین سے کچھ ڈرا کر رہا تھا۔ دفعتاً سر اٹھایا اور گردن کو دائیں بائیں اسٹریچ کیا تو شیشے کے دروازوں کے پار نظر پڑی۔

شبنم کے ڈیسک کے ساتھ بیربل کھڑا تھا۔ اس نے مسکرا کے ماہر کو ہاتھ ہلایا۔ ماہر کے لب بھنچ گئے۔

"شبنم۔" اس نے انٹر کام اٹھا کے سختی سے پوچھا۔ "اسے کس نے داخل ہونے دیا؟"

"پہلی بات۔ وہ آپ کا بھائی ہے۔ ہم اسے نہیں روک سکتے۔ یہ غیر اخلاقی حرکت ہے۔ اور دوسری بات۔ وہ بہت سارا بقلاوہ ساتھ لایا ہے۔ وہ بھی چاکلیٹ اور پستے والا۔"

"شبنم، تم اسی وقت اس نوکری سے فارغ ہو۔"

اس نے برہمی سے فون واپس پٹخا۔

شبنم نے اوکے کہہ کے ریسور رکھا اور مسکرا کے بیربل کو دیکھا۔

"کیا کہا مشین نے؟"

مجھے نوکری سے نکال دیا۔"

بیربل کا منہ کھل گیا لیکن شبنم نے عینک اتاری اور سانس کی بھاپ شیشوں پہ ڈالی۔

"اٹس اوکے۔ ماہر مجھے ہفتے میں دو تین دفعہ نوکری سے نکالتا ہے۔ تم اندر جاؤ۔" پھر رومال سے عینک صاف کرتے ہوئے بولی۔ "کیا پیو گے؟"

"میں ترکش قہوہ پیوں گا اور ماہر اپنا غصہ۔" بیربل نے ہنس کے کہتے ہوئے ٹشو باکس سے ایک ٹشو کھینچا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ کانفرنس روم میں داخل ہوا تو ماہر کرسی پہ ٹیک لگائے' ہاتھ رو کے اسی کا منتظر تھا۔ خاموش۔ سنجیدہ۔

بیربل نے سفید ٹشو لہرایا اور اس کے سامنے رکھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''صلح کا جھنڈا۔'' بیربل مسکرا کے برابر والی کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ ''تمہیں منانے آیا ہوں بھائی۔ تم مجھ سے ناراض ہونا۔ تم میرا سب سے قیمتی رشتہ ہو۔''

''اصل بات بتاؤ۔'' وہ تکان سے بولا۔ بیربل نے تھوڑی کھجائی۔

''میرے کارڈز کی limit ختم ہوگئی ہے۔ اور میرا الاؤنس آنے میں ایک ہفتہ باقی ہے۔ ایک تو میرے ابا سارے جائیداد پہ تمہیں سانپ بنا کے بٹھا گئے ہیں۔ اس لیے پلیز یہ ناراضی ختم کرو۔ تمہارے بینک اکاؤنٹ سے میری چھوٹی چھوٹی خوشیاں بندھی ہیں۔''

ماہر بے اختیار دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر جیب سے والٹ نکالا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔

''لے لو جو چاہیے۔''

''شکر ہے تمہارے اندر ابھی انسانیت باقی ہے۔'' بیربل نے مسکرا کے اس کے کارڈز دیکھے۔ پھر من پسند کارڈ نکالا اور اسے اپنے فون میں ڈالنے لگا۔

''میں ابھی تک تمہاری معذرت کا منتظر ہوں۔''

''یار...'' بیربل بدمزہ ہوا۔ کارڈ موبائل میں ڈال چکا تھا سو اس کا والٹ واپس کرتے ہوئے منہ بنایا۔ ''یہ لوگ تمہیں سائیکو پیتھ کہہ دیتے ہیں' تمہیں فرق نہیں پڑتا۔ اور اتنی سی بات پہ تم خفا ہوگئے ہو۔ ویسے بھی مالک نے یہ آفس جلد بند کروا دینا ہے۔ سب اس بات کو بھول جائیں گے۔''

ماہر سر جھٹک کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''ویسے میں تمہیں مس کروں گا۔ کاش تمہیں کشمالہ کچھ بتا دیتی تو تمہیں واپس نہ جانا پڑتا۔''

اس ذکر پہ اس نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں اور دو انگلیوں سے ناک کی ہڈی مسلنے لگا۔

''مالک ٹھیک کہتا ہے۔ میرے باپ کی جگہ مجھے ہی سنبھالنی ہے۔ اسے کوئی اور نہیں سنبھال سکتا۔ میں کب تک بھاگوں گا؟ اس شہر سے۔ اس کے لوگوں سے۔''

''مجھے تو کبھی کسی نے برائے نام بھی واپس آنے کے لیے نہیں کہا۔ اب تو میں نے جیلس ہونا بھی چھوڑ دیا

ہے۔" وہ جلے کٹے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ماہر مسکرا کے اسے دیکھا گیا۔ بیربل کا کوئی علاج نہ تھا۔

"حالانکہ میں بھی قاسم فرید کا بیٹا ہوں۔ لیکن بیربل سے کوئی پیار نہیں کرتا۔ ظاہر ہے... جب بڑا بھائی اتنا کامیاب ہو اس کا اتنا اعلیٰ کیریئر ہو تو چھوٹے بھائی کو سب نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

ماہر جو مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا اس کی بات پہ اس کی مسکراہٹ سمٹی۔ ایک دم وہ سیدھا ہو کے بیٹھا۔

"کیا کہا تم نے؟" وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

بیربل رکا اور ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"مذاق کر رہا ہوں یار۔ میں تم سے کبھی جیلیس نہیں ہوا۔"

"شش..." ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کروایا۔ اس کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔

"جب بڑا بھائی اتنا کامیاب ہو اس کا اتنا اعلیٰ کیریئر ہو تو چھوٹے بھائی کو سب نظر انداز کر دیتے ہیں۔" وہ بڑبڑایا۔

"اب تم میری فیلنگز ہرٹ کر رہے ہو ماہر۔"

(جاتے وقت سلیم کا کہا گیا فقرہ کانوں میں گونجا... "ماہی باجی سب جانتی ہوتی ہیں۔ انہیں سب کی خبر ہوتی ہے۔")

"اس کی بہن... اس کی چھوٹی بہن..." وہ بڑبڑاتے ہوئے سیدھا ہوا اور کی بورڈ پہ انگلیاں چلانے لگا۔

"کیا ہوا ماہر؟" بیربل اب فکرمند ہوا۔

"میں نے یہ سب کیوں شروع کیا تھا؟ کیونکہ "اس" نے مجھے کہا تھا کہ حورِ جہاں کی بیٹی ہلال کے بارے میں جانتی ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون ہے۔ اس نے جواب میں کہا تم اس لڑکی کو جانتے ہو۔ اور میں نے سوچا کہ میں نے حورِ جہاں کا نام کہاں سنا ہے۔" وہ یاد کرتے ہوئے کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔ "پھر مجھے یاد آیا کہ جو البم مجھے ملا تھا اس میں ایک لڑکی کی تصویر کے پیچھے حورِ جہاں کا نام لکھا تھا۔"

"ہاں۔ اسی لیے تم کشمالہ کے پیچھے گئے تھے۔"

"ہاں کیونکہ میں سمجھا وہ البم والی لڑکی کی بات کر رہا ہے۔ میں کسی دوسری حورِ جہاں کی بیٹی کو نہیں جانتا تھا۔ اس لیے جب مالک نے بتایا کہ اس کی ایک بہن بھی ہے... کینیڈا میں... تو میں نے اسے نظر انداز کیا۔ جب بڑی بہن ایک کامیاب کیریئر کی مالک ہو سامنے ہو تو دور بیٹھی چھوٹی بہن کو سب نظر انداز کر دیتے ہیں۔"

''تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''یہی کہ میں غلط نہیں تھا۔ میں صرف غلط بہن کے پیچھے گیا تھا۔'' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ''مجھے مالک نے اس کی بہن کی معلومات دی تھیں۔ یہیں کہیں کسی فولڈر میں تھیں۔ میں نے غور نہیں کیا تھا۔''

''کیونکہ ماہر فرید ایک چیز کے پیچھے Obsessed ہو کے باقی سب کو نظر انداز کر دیتا ہے۔'' بیربل جتا کے بولا۔

''یہ رہا۔'' بالآخر اس کو وہ فولڈر مل گیا۔ بیربل اس کے ساتھ جھکا اسکرین کو دیکھنے لگا۔

وہ ایک پاسپورٹ کی بلیک اینڈ وائٹ مدھم سی تصویر تھی۔ اس پہ ایک اسکارف میں ملبوس لڑکی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے شاید یہ پہلے بھی دیکھی تھی۔ لیکن لوگ اپنے پاسپورٹ کی تصویر جیسے نہیں لگتے۔ ہوتے ہیں۔ لیکن لگتے نہیں ہیں۔ اب کے اس نے غور سے نام پڑھا۔

''ماہ بینہ بیین۔ وہ سب اسے ماہی کہتے تھے۔ میں نے اس کے اصل نام پہ دھیان نہیں دیا۔'' وہ بالآخر مسکرایا۔

''حورِ جہاں کی وہ بیٹی جو ہلال کے بارے میں جانتی ہے' وہ کشمالہ نہیں تھی۔'' اس نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ یہ لڑکی تھی۔ حورِ جہاں کی دوسری بیٹی۔''

بیربل الجھن سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن... اس نے کہا تھا کہ وہ بیٹی جسے تم جانتے ہو۔ اور تم تو صرف البم والی لڑکی کے نام سے واقف تھے۔ اس لڑکی ماہ بینہ کو نہیں جانتے۔''

''کس نے کہا میں اسے نہیں جانتا۔'' اس نے مسکرا کے فون نکالا اور کانٹیکٹ لسٹ کھولی۔ اس کی انگلیاں ٹائپ کر رہی تھیں۔

''ون ان ففٹی۔'' (پچاس میں سے ایک۔)

ون ان ففٹی کے نام سے محفوظ کردہ ایک نمبر سامنے آیا۔ ماہر نے انٹر کام اٹھایا اور شبنم سے کہا کہ وہ نمبر پہ واٹس ایپ کال ملائے۔ وہ اپنے فون سے کال نہیں ملانا چاہتا تھا۔ بیربل سمجھ نہیں سکا کہ کیوں۔ وہ بس ناسمجھی سے اپنے بھائی کو دیکھے گیا جو ایک دم پرجوش ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہی کھانے کے برتن کاؤنٹر پہ لگا رہی تھی جب موبائل بجا۔ یہ عباد کے آنے کا وقت تھا۔ اس نے مصروف سے

انداز میں موبائل اسکرین دیکھی۔ کسی دوسرے ملک کا کوڈ تھا۔ اس کے ہاتھ صاف نہ تھے۔ سو احتیاط سے انگلی سے کال کنیکٹ کی اور اسپیکر آن کر دیا۔

کینیڈا میں دیسی لوگ ایسی اسپام کالز کرتے تھے۔ اسکائپ وغیرہ سے۔ اور اسکام کرنے کی کوشش کرتے۔ بینک اکاؤنٹ نمبر مانگتے۔ ٹیکنالوجی سے نابلد بوڑھے گورے گوریاں اکثر ان کے چنگل میں پھنس جاتے تھے۔

اسے ویسے ہی صبح سے عباد اور ماہر فرید پہ بہت غصہ چڑھا ہوا تھا۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ ان دونوں کا غصہ اس دیسی اسپام کالر پہ نکالے گی۔

"ہیلو؟" پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہہ کے وہ پلیٹس لگانے لگی۔

"ماہ بینہ مبین؟" مردانہ آواز اسپیکر پہ گونجی۔ اسی وقت باہر عباد کی کار رکتی دکھائی دی۔ لیکن ماہی کا اس طرف دھیان نہیں تھا۔

"یس۔ کون؟" اپنا نام لینے پہ وہ حیرت سے پلٹی۔

"میں ماہر فرید بات کر رہا ہوں۔"

وہ بے یقینی سے گھومی۔ پلیٹیں گرتے گرتے بچیں۔ منہ سے کمبخت نکلنے ہی لگا تھا۔

"واٹ؟" اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ زور سے پلیٹیں رکھیں اور گھوم کے فون تک آئی۔ اس کی اتنی مجال؟

"ہیلو ماہی؟" وہ غالباً مسکرایا تھا۔

ماہی مائی فٹ۔ اس نے دانت کچکچائے۔ چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھے کال کرو۔"

عباد گلاس ڈور کے باہر کھڑا لاک کھول رہا تھا۔ اس نے اچنبھے سے ماہی کو دیکھا جو اس کی طرف پشت کیے فون پہ کسی سے غصے میں بات کر رہی تھی۔

"مسٹر ماہر فرید... میں مالا نہیں ہوں جو چپ چاپ برداشت کروں گی۔ میں ماہی ہوں۔ اگر تم مجھے اس لیے کال کر رہے ہو کہ میں مالا سے تمہاری کوئی۔ فارش کروں تو...."

"مجھے تم سے ملنا ہے۔ میں وین کوور آؤں گا۔ تم بتاؤ کب آؤں۔" اس کا لہجہ بے تکلف تھا۔ اندر آتا عباد ٹھٹک کے رکا۔

ماہی کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کی اتنی مجال۔

''او ہیلو مسٹر... یہ پاکستان نہیں ہے جہاں میں چپ چاپ تمہیں استنبول کا ٹکٹ کٹوانے دوں گی۔ اگر تم میرے شہر میں آئے تو میں کھڑے کھڑے پولیس بلوالوں گی۔''

''لیکن جب تم میرے شہر میں آئی تھیں تو کیا میں نے ایسے تمہارا استقبال کیا تھا؟''

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ ساکت۔ متحیر۔

عباد بھی اس کے عین عقب میں رک گیا۔

''کیا؟'' ماہی نے ناسمجھی سے کہا۔ ''میں کب...''

''میں لوگوں کے نمبر ان کے نام سے محفوظ نہیں کرتا۔ اسی لیے تمہارے نمبر کا نام میں نے ''ون ان ففٹی'' رکھا ہوا ہے۔''

ماہی کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اسے لگا وہ ہل نہیں سکے گی۔ ون ان ففٹی؟

''یاد آیا میں کون ہوں؟ نہیں تو میں بتاتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اور اس کی آواز ماہی کے گھر میں گونج رہی تھی۔

''میں ماہر فرید ہوں۔ اور میں اپنا وقت اور پیسہ کبھی ایسی جگہ خرچ نہیں کرتا جہاں سے مجھے فائدے کی امید نہ ہو۔ اور تمہارے اوپر ماہ بینہ مبین میں نے بہت کچھ خرچ کیا ہے۔ اب مجھے تمہاری مدد چاہیے۔ بتاؤ۔ میں تمہارے شہر وین کو ور کب آؤں؟''

وہ بالکل سفید چہرہ لیے سن رہی تھی۔ لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ون ان ففٹی۔ ناممکن۔

پیچھے کھڑا عباد خاموشی سے آگے آیا۔ ماہی گم صم سی عباد کو دیکھے گئی۔ اس نے سنجیدگی سے فون اس کے ہاتھ سے لیا۔

''میں ماہی کا شوہر عباد بات کر رہا ہوں' ماہر فرید صاحب۔''

ماہی سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔ پلک جھپکے بنا۔

''ہم وین کو ور میں نہیں رہتے۔ ہم اس کے قریب چلی ویک میں رہتے ہیں۔ آپ جب چاہیں یہاں آسکتے ہیں۔ ہمارے گھر کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔''

''تھینک یو عباد۔'' اس نے مسکرا کے فون رکھ دیا۔

ماہی ابھی تک شل تھی۔

"تم نے اسے گھر بلالیا؟"

"مجھے یاد آ گیا تھا۔ یہ وہی آدمی ہے۔ وہ واحد امیر آدمی جس کو تم دنیا کا سب سے مہربان آدمی کہتی تھیں۔" عباد سنجیدہ تھا۔ "اور اگر یہی مالا کا کیف ہے تو مالا اس کے بارے میں غلط ہے۔ میں اپنے گھر کے دروازے اس شخص پہ نہیں بند کر سکتا جس نے میری بیوی پہ ایک دفعہ نہیں دو دفعہ احسان کیے ہوں۔ ہم اس سے ملیں گے اور اس کی بات سنیں گے۔"

وہ حتمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

کانفرنس ہال میں بیٹھے ماہر نے ریسور رکھا تو دیکھا' ہیربل کے لب ابھی تک حیرت سے کھلے تھے۔

"وائی بے.... تم اس کی بہن کو کیسے جانتے ہو؟"

"مالک کو میرا پیغام دینا۔ میں واپس نہیں جا رہا کیونکہ مجھے کچھ مل گیا ہے۔ میں اپنی بہن کو پھر سے ڈھونڈنے نکل رہا ہوں۔"

وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا تو ہیربل ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

"مگر تم اس کی بہن کو کیسے جانتے ہو؟"

ماہر ہلکا سا مسکرایا۔ بہت دن بعد وہ اپنی جون میں واپس نظر آیا تھا۔

"کیونکہ میں ایک بزنس مین ہوں۔ اور کبھی کبھی میں کچھ کریزی قسم کی investments کرتا ہوں۔ چیزوں پہ نہیں۔ انسانوں پہ۔ میرے باپ نے مجھے سکھایا تھا کہ انسان پہ کی گئی انویسٹمنٹ کبھی نہ کبھی کام آتی ہے۔" پھر اس نے اسکرین پہ کھلی پاسپورٹ پکچر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ لڑکی میری ایک انویسٹمنٹ ہے۔ اور یہ ہلال کے بارے میں جانتی ہے۔ کیسے' کیوں' مجھے نہیں معلوم۔ لیکن میں اپنی بہن کو واپس ضرور لاؤں گا۔ مالک کو بتا دینا۔"

وہ اس کا کندھا تھپک کے آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ اپنے آفس کی طرف تھا۔

اندر آتے ہی وہ سیدھا میز تک آیا اور الٹا رکھا فریم سیدھا کیا۔

وہ ایک بھوری آنکھوں والی نو سال کی لڑکی کی تصویر تھی۔ اس کے بال ہیربل کے جیسے گھنگھریالے تھے اور اس کے گال میں ایک ڈمپل پڑتا تھا۔

تصویر کے کونے میں قلم سے لکھا تھا۔

لالی۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

قسط نمبر:٦

"میرے لیے درخت ہمیشہ سے بہترین استاد رہے ہیں۔
میں ان کی عزت کرتا ہوں جب وہ رہتے ہیں جنگلوں میں
اپنے قبیلوں اور خاندانوں کے ساتھ۔
لیکن میرے دل میں ان کی عزت بڑھ جاتی ہے
جب میں دیکھتا ہوں کسی تنہا کھڑے درخت کو۔
وہ ہوتے ہیں اکیلے لوگوں کی طرح۔
عظیم' تنہا لوگ۔
ان کی بلند ترین شاخوں سے
دنیا سرسراتی ہوئی گزرتی ہے۔
اور ان کی جڑیں لامکاں میں پیوست ہوتی ہیں۔
لیکن وہ خود کو ان سب میں کھونہیں دیتے۔
وہ اپنی ساری زندگی کوشش کرتے ہیں
اپنے قوانین کے تحت چلنے کی
خود کو اپنے اصل قدم تک پہنچانے کی۔
کیا زیادہ مثالی اور مقدس ہوگا
ایک خوبصورت' مضبوط کھڑے درخت سے؟

اور جب ایسے درخت کو کاٹا جاتا ہے'
تو اس کے گول تنے میں تم اس کی تاریخ پڑھ سکتے ہو۔
اس کے سالانہ دائرے' اس کے زخم'
ساری تکلیف جو اس نے دیکھی'
اس کی بیماریاں اور خوشیاں...
سب وہاں رقم ہوتا ہے۔
تنگدست سال کے دائرے
اور خوشحال برس کے دائرے...
وہ حملے جو اس نے برداشت کیے
وہ طوفان جو اس نے جھیلے...
اور ہر کسان کو معلوم ہوتا ہے کہ
سب سے سخت اور نفیس لکڑی
ہوتی ہے اس درخت کی
جس کے دائرے سب سے تنگ ہوتے ہیں۔
اور سب سے مضبوط اور نہ تباہ ہو سکنے والے درخت
اُگتے ہیں بلند پہاڑوں اور پرخطر چوٹیوں پر۔
درخت خانقاہیں ہیں۔
جس کو ان کی زبان سننی آتی ہے'
وہ جان سکتا ہے ان کا سچ۔
وہ علم یا تصورات نہیں پڑھاتے۔
بلکہ وہ سمجھاتے ہیں زندگی کا قدیم ترین قانون۔
ایک درخت کہتا ہے تم سے
کہ میری قوت ہے میرا ایمان۔

میں نہیں جانتا اپنے باپ دادا کو۔

یا ان اولادوں کو جو ہر بہار

میرے بیج سے جنم لیں گی۔

میں صرف اس بیج کی زندگی جی رہا ہوں

جس سے میں خود نکلا ہوں۔

مجھے اس بیج کو اس کی بہترین بلندی پہ پہنچانا ہے

ایک مکمل درخت بن کے۔

مجھے اپنی جہد مقدس لگتی ہے۔

اور جب تم پریشان ہوتے ہو

تو یہ درخت تمہیں کہتے ہیں'

تم پریشان اس لیے ہو کہ تمہاری راہیں

تمہیں اپنی ماں اور اپنے گھر سے دور لے جا رہی ہیں۔

لیکن ہر وہ قدم جو تم اٹھاؤ گے'

وہ تمہیں دراصل ماں کے قریب لے جا رہا ہے۔

گھر نہ یہاں ہے' نہ وہاں ہے۔

انسان کا گھر اس کے من میں ہے۔

یا وہ کہیں نہیں ہے۔

ہر قدم گھر کی طرف ہی جاتا ہے۔

ہر قدم نیا جنم ہوتا ہے۔

ہر قدم موت ہوتا ہے۔

ہر قبر ماں ہوتی ہے۔

درخت ہم سے زیادہ عقلمند ہوتے ہیں۔

جیسے ان کی زندگیاں ہم سے لمبی ہوتی ہیں۔

جس نے بھی درختوں کی زبان کو سننا سیکھ لیا

وہ کبھی بھی درخت نہیں بننا چاہتا۔

وہ کچھ بھی نہیں بننا چاہتا

سوائے اس کے

جو وہ خود اصل میں ہے۔

یہی ہے تمہارا گھر۔

اور یہی ہے تمہاری خوشی۔"

(جرمن شاعر اور ناول نگار ہرمن ہیسے کی کتاب سے اقتباس)

نشا تاشی (استنبول) کی ایک خوبصورت اسٹریٹ کے کارنر پہ ایک بوتیک بیکری تھی جو گلابی پھولوں سے سجی تھی۔ اندر کا سارا ڈیکور بھی پیسٹل کلرز میں کیا گیا تھا۔

بیکری کے کچن میں بیربل شیف یونیفارم پہنے کھڑا تھا۔ بال جالی دار ٹوپی میں مقید تھے۔ اس کے سامنے اسٹینڈ پہ کیک رکھا تھا جس کے اوپر وہ جھک کے احتیاط سے ڈیکور کر رہا تھا۔ دفعتاً سر اٹھا کے گردن دائیں بائیں گھمائی تو نظر دیوار پہ آویزاں ٹی وی اسکرین پہ پڑی۔ وہاں سی سی ٹی وی کیمرا زکی فوٹیج نظر آ رہی تھی۔ وہ چونکا۔ بیکری کے دروازے کو کھول کے زارینہ اندر آتی دکھائی دے رہی تھی۔

بیربل کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

"ہش..." ہونٹوں سے آواز نکال کے ساتھ کام کرتے انٹرن شیف کو پکارا۔ وہ جو دونوں ہاتھوں سے ڈوہ گوندھ رہا تھا غوراً قریب کھسکا۔ "حاضر' شیف!"

"کل میں نے تمہیں ڈوہ بنانا سکھائی تھی۔ آج میں تمہیں سکھاؤں گا کہ شیطان کی انگلی لگا کے تماشہ کیسے دیکھتے ہیں۔"

دروازہ دھاڑ سے کھلا تو وہ دونوں تیزی سے دور دور ہوئے۔ زارینہ کی ناک پہ غصہ دھرا تھا اور وہ لانگ بوٹس سے ٹھک ٹھک چلتی تیزی سے ان کی طرف آ رہی تھی۔ اس نے سفید مڈی ڈریس پہن رکھا تھا' اور بل دار بال کندھوں پہ پھیلے تھے۔

''یہ تم کیا باتیں پھیلا رہے ہو؟''

وہ اس کے سر پہ پہنچی اور ہتھیلی ورک ٹیبل پہ رکھ کے آگے جھکی۔ آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

''وعلیکم السلام' زارا۔ میں خیریت سے ہوں۔ پوچھنے کے لیے شکریہ۔''

بظاہر کیک پہ جھکے بیربل نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''بیربل' مجھے غصہ نہ دلاؤ۔'' وہ اس کی طرف جھک کے غرائی۔ ''سچ سچ بتاؤ۔ ماہر کس کے ساتھ انوالوڈ ہے؟''

بیربل نے گہری سانس لی اور سیدھا ہوا۔ اب ان دونوں کے درمیان صرف ایک کیک تھا۔

''کبھی سوچا مجھے کتنا برا لگتا ہوگا جب تم ہر بات میں صرف ماہر کے لیے فکرمند ہوتی ہو۔ بیربل سے تو کوئی پیار نہیں کرتا۔''

زارا کی برداشت اب ختم ہو چکی تھی۔ اس نے ساتھ رکھی چھری اٹھائی اور کیک کے اوپر جارحانہ انداز میں لے گئی گویا اس کے اندر گاڑنے لگی ہو۔

''اچھا اچھا بتاتا ہوں.....'' بیربل نے جلدی سے دونوں ہاتھ کھڑے کیے۔ ''پوچھو... کیا پوچھنا چاہتی ہو؟''

''ماہر کیا کرتا رہا ہے اتنے مہینے۔''

''تم اس کی بیسٹ فرینڈ ہو نا۔ خود پوچھ لو۔''

وہ ایک نظر زارا کے چھری والے ہاتھ کو دیکھتا اور دوسری کیک پہ ڈالتا۔ البتہ اس کے ہاتھ تیار تھے۔ ادھر وہ حملہ کرے۔ ادھر وہ کیک نیچے سے کھینچ لے۔

''وہ بدل گیا ہے۔'' وہ غصے سے بولی لیکن آواز میں بے بسی تھی۔ ''کچھ ہوا ہے اس کو۔ وہ پہلے ہر بات مجھ سے شیئر کرتا تھا۔ اب جیسے اپنے خول میں چلا گیا ہے۔''

''تم جیلس ہو کیا؟''

بیربل کی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑی چھری پہ تھیں۔

''میں کیوں جیلس ہوں گی؟'' وہ سنبھل کے مسکرائی۔ ''میں بطور ایک دوست اس کے لیے فکرمند ہوں۔''

''ہاؤ سوئیٹ۔'' بیربل نے معنی خیز انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''پھر؟'' زارا نے سوالیہ انداز میں ابرو اٹھایا۔ ''کون ہے وہ لڑکی؟''

''پہلے چھری۔ پھر لڑکی۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا۔ زارا چند لمحے اسے گھورتی رہی' پھر زور سے چھری اسے تھمائی۔

''میں نے اسے صرف ایک دفعہ دیکھا تھا۔'' وہ ریلیکس انداز میں چھری دور رکھتے ہوئے بتانے لگا۔ ''مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ ماہر آفندی کو لڑکی پسند ہے اور لڑکی کو پودے۔ اور یہ عشق کا غم ایسا ہے کہ وہ بہت جلد اس سے نکل نہیں سکے گا۔''

زارینہ کچھ دیر کے لیے کچھ بول نہ سکی۔ بدقت الفاظ جمع کیے۔

''لیکن... ان دونوں کے درمیان جو بھی تھا' وہ ختم ہو گیا نا؟'' وہ جیسے خود کو امید دلا رہی تھی۔ ''ماہر اسے چھوڑ کے آ گیا ہے اور وہ نارمل طریقے سے کام کر رہا ہے۔ وہ اسے بھلا دے گا۔''

بیربل دھیرے سے ہنسا۔

''میں ماہر کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ اسے پہلی دفعہ محبت ہوئی ہے۔ اور وہ اسے اگلے کئی سال نہیں بھلا سکے گا۔ یہ جو اتنے دن سے وہ کیف میں روبوٹ کی طرح کام کرتا دکھائی دے رہا ہے نا' یہ سب اداکاری ہے' زارا۔ وہ لڑکی ایک دفعہ اس کے سامنے آ جائے' اس کا خول فوراً ٹوٹ جائے گا۔ ماہر اپنے محبوب لوگوں سے دستبردار نہیں ہوا کرتا۔''

بیکری کچن میں چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ صرف بیکرز کے دائیں بائیں چلنے کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

''کیسی ہے وہ؟'' وہ ایک دم بالکل سنجیدگی سے بولی۔

''خوبصورت۔ ٹیلنٹڈ۔ groomed۔''

''ماہر کو کیا پسند ہے اس میں؟''

بیربل رک گیا۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی۔ ''معلوم نہیں۔ کہتی ہو تو پوچھ کے بتا دوں؟ ویسے بھی وہ غمِ عشق کا شکار ہے۔ شاید اس کی یاد میں کوئی غزل ہی کہہ دے۔''

''بابا نے اسے کیسے راضی کیا لندن جانے کے لیے؟'' زارا نے نظر انداز کر کے اگلا سوال داغا۔

''مجھے کیا معلوم۔ جیسے تمہارا باپ مشین۔ ویسے ہی میرا بھائی مشین۔ اب دو مشینوں کی آپس کی ڈیلز وہی جانیں۔ ویسے...'' بیربل نے یاد کرنے کی اداکاری کی۔ ''تمہارے والد صاحب جانتے ہیں اس لڑکی کو۔ ساری تفصیل ہے ان کے پاس۔ انہوں نے بھی تمہیں نہیں بتایا؟ چچ...''

زارینہ چونک اٹھی۔ پہلے چہرے پہ بے یقینی ابھری اور پھر زخمی پن۔

''بابا جانتے ہیں؟''

''ہاں۔ بے شک پوچھ لو ان سے۔''

زارینہ متذبذب سی اسے گھورے گئی۔

''مجھے تمہارا یقین نہیں ہے۔ تمہارے منہ سے اکثر جھوٹ ہی نکلتے ہیں۔''

''میرا منہ جھوٹا سہی' کم از کم میرا اپنا ہے۔'' آگے جھک کے اس کے قریب سرگوشی کی۔ ''کیونکہ اس کو کسی بوٹوکس نے نہیں چھوا۔''

زارا تیزی سے پیچھے ہوئی' اس کی رنگت بدلی۔

''بدتمیز۔'' غصے سے پیر زمین پہ مارا اور مڑ گئی۔ وہ مسکرا کے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''ایسے لگاتے ہیں شیطان کی انگلی۔ اب ہوگا باپ بیٹی میں جھگڑا۔''

فخر سے ساتھ کھڑے انٹرن کو بتایا جو بہت عقیدت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن ہیر بل بے... آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''دیکھو دوست...'' اس نے انٹرن کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''ہر بات فائدے یا نقصان کے لیے نہیں کی جاتی۔ کچھ چیزیں میں اپنے اندر کے شیطان کے ہاتھوں مجبور ہو کے کرتا ہوں۔ جتنا عذاب میرا بھائی اور چچا مجھے دیتے ہیں' یہ تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ سیکھو مجھ سے۔''

''وائی بے۔ آپ بہت ذہین ہیں شیف۔'' وہ دانت نکوس کے بولا۔ ہیر بل نے مسکرا کے اسے دیکھا اور پھر اسے خیال آیا۔

''سچ سچ بتاؤ۔ تم لوگوں نے بھی میرے نام تو نہیں رکھے ہوئے؟''

''اللہ اللہ۔ آپ کوئی ماہر بے جیسے باس تھوڑی ہیں جو ہم آپ سے تنگ ہوں۔ ہم تو آپ کو صرف شیف یا patron پیترون (باس) کہہ کے پکارتے ہیں۔'' مسکرا کے بتایا تو ہیر بل کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس کی بیکری کا ماحول اتنا دوستانہ اور ہنسی مذاق والا تھا کہ اسے یقین تھا یہاں کوئی اس کا نام نہیں رکھ سکتا۔ ماہر کو بس ہر ایک پہ شک کرنے کی عادت تھی۔ ہونہہ۔ وہ سر جھٹک کے دستانے اتارنے لگا۔

''میں ذرا ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔ پیچھے کام دیکھ لینا۔'' انٹرن شیف کا کندھا تھپکا اور باہر نکل گیا۔ شیف نے اسے جاتے دیکھا اور جب وہ چلا گیا تو اس نے مسکرا کے فون نکالا اور واٹس ایپ پہ بیکری کے ورکرز کا

گروپ کھولا جس میں بیربل نہیں تھا۔اس کی انگلیاں میسیج ٹائپ کرنے لگیں۔

"pinnochio(پی نوکیو) بیکری سے چلا گیا ہے۔رات تک نہیں آئے گا۔آج کام کے بعد پارٹی کریں گے۔"

مسکرا کے فون رکھا اور کام میں مصروف ہو گیا۔

(پی نوکیو ایک فیری ٹیل کردار ہے جو جھوٹ بولنے اور مسئلے کھڑے کرنے کے لیے مشہور ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ شام اترتے ہی کچن سے کھانے کی مہک اٹھنے لگی۔جب تک ماں کھانا بناتی تھیں ایسی برکت ہوتی کہ کم نہیں پڑتا تھا،مگر جب سے کچن کا چارج بخت بی کے ہاتھ میں آیا تھا اکثر دوپہر کا سالن شام تک نہیں بچتا تھا۔ماں بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع نہیں کرتی تھیں۔ان کا کہنا تھا کہ اگر کھانے کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی جائے تو اس کھانے میں نہ بے برکتی ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں ملا ہوا زہر یا جادو اثر کرتا ہے۔لیکن بخت بی ایسی باتوں پہ کم دھیان دیتی تھی۔اسی لیے آج پھر سر شام پلاؤ بنانے شروع ہو گئی تھی۔

مالا اس وقت ماں کے ساتھ کمرے میں بیٹھی تھی۔اس کا ذہن زیاد کے رشتے والے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔دفعتاً ماں نے اسے آواز دی کہ انہیں باتھ روم لے جائے۔معید لاؤنج میں بیٹھا کانوں پہ ہینڈز فری چڑھائے یوٹیوب پہ کوئی ویڈیو دیکھ رہا تھا اور بخت بی کچن میں لگی تھی۔تبھی انہوں نے مالا کو پکارا تھا ورنہ وہ اب کوشش کرتی تھیں کہ اپنا بوجھ بخت بی پہ ڈالیں۔

مالا ان کے پکارتے ہی فوراً سے اٹھ کھڑی ہوئی۔جتنا ماں اس کو کم سے کم کام کہنے کی کوشش کرتی تھیں اتنا وہ ان کے کاموں کے لیے سب سے پہلے کھڑی ہوتی تھی۔بات صرف فرمانبرداری کی نہیں تھی۔وہ ماں کو کسی دوسرے پہ نہیں چھوڑ سکتی تھی۔جس دن سے ماں بیمار ہوئی تھیں مالا کے لاشعور میں ایک خوف سا بیٹھا تھا۔کہ کسی دن وہ اچانک سے کمرے میں داخل ہو گی اور ماں گری ہوئی ملیں گی۔ان کے سر سے خون بہہ رہا ہو گا۔یہ خوف اسے رات میں ایک دم سے جگا دیا کرتا تھا۔وہ اٹھ کے چیک کرتی۔ماں گر تو نہیں گئیں؟ حالانکہ ماں آرام سے سو رہی ہوتیں۔

انہیں باتھ روم میں چھوڑ کے وہ باہر آئی تو موبائل بج رہا تھا۔زیاد کالنگ۔

اس کے چہرے پہ ایک خوبصورت مسکراہٹ بکھر گئی۔اس نے ائیر پوڈز کانوں میں لگائے اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ماں کو ابھی باتھ روم میں کچھ وقت لگنا تھا۔اور اسے اوپر اسٹوڈیو سے کچھ سامان بھی اٹھانا تھا۔

''کچھ سوچا آپ نے؟'' تمہید کے چند فقروں کے بعد ہی وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔ وہ اس کی آواز سنتے ہوئے زینے چڑھنے لگی۔ کھلے بال شانوں پہ بکھرے تھے اور چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ بہت دن بعد خوش اور مطمئن نظر آتی تھی۔

''سوچ رہی ہوں۔'' اسٹوڈیو اندھیر پڑا تھا۔ مالا نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو سارے میں روشنیاں بکھر گئیں۔ زیاد نے اس کی زندگی میں بھی ایسے ہی روشنی کی تھی۔

''کتنا وقت لیں گی سوچنے میں؟'' وہ گہری سانس لے کر بولا جیسے تھک گیا ہو۔

وہ ہلکا سا ہنس دی۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس ماں کو ابھی اکیلا نہیں کرنا چاہتی۔''

''میں ابھی شادی کی بات کر بھی نہیں رہا۔ ہم شادی تب کریں گے جب آنٹی مکمل طور پہ صحت یاب ہو جائیں گی۔''

''ان شاءاللہ۔ آپ کی امی کیسی ہیں؟''

وہ ان کی خیریت پوچھتے ہوئے کیبنیٹس کے سامنے بیٹھی اور ان کے دروازے کھولنے لگی۔ اسے صبح ریستوران لے جانے کے لیے چند پینٹنگ ٹولز چاہیے تھے جو انہی کیبنیٹس میں رکھے تھے۔

''عجیب پراسرار سی بیماری لگ گئی ہے ان کو' کشمالہ۔'' وہ اداس ہوا۔ ''میری امی نے ایک بہت مشکل زندگی گزاری ہے۔ میرے ابو کافی...'' زیاد نے رک کے الفاظ کا چناؤ کیا۔ ''کافی سخت تھے۔ ان کو امی شروع دن سے نہیں پسند تھیں۔ کیونکہ امی خوبصورت نہیں تھیں۔''

''ارے۔ اتنی گریس فل ہیں وہ۔ ایسے نہ کہیں۔'' اسے واقعی حیرت ہوئی۔

''امی سانولی تھیں اور ابو کا رنگ گورا تھا۔ بس وہ ہماری سوسائٹی کے خوبصورتی کے معیار پہ پوری نہیں اترتی تھیں۔''

''حالانکہ سانولا رنگ تو اتنا خوبصورت ہوتا ہے۔'' اسے افسوس ہوا۔ آج کے دور میں بھی کوئی کلر شیمنگ کر سکتا تھا کیا؟ اور پھر... مائیں تو ہوتی ہی خوبصورت ہیں۔

''مگر میری ماں کو ہمیشہ سے بدصورتی کا طعنہ ملا۔ ان کی ذات بہت کمپلیکس میں چلی گئی۔ لیکن انہوں نے ابو کی ہر اچھی بری بات برداشت کی۔ میرے لیے۔ میں امی کی زندگی کی تمام خوشیوں کا محور ہوں۔ امی اور ابو کی میرڈ

لائف سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ بیوی کی عزت سب سے اوپر ہوتی ہے۔اور میں نے بہت پہلے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں اپنی بیوی پہ کبھی تنقید نہیں کروں گا۔اس کا دل نہیں دکھاؤں گا۔اس کو وہ عزت اور مرتبہ دوں گا جو اس کو ملنا چاہیے۔" وہ رکا اور ٹھہر ٹھہر کے نرمی سے بولا۔" کشمالہ میں آپ کو کبھی ہرٹ نہیں کروں گا۔"

(وہ آپ کو ہرٹ کرے گا۔وہ نارسیسٹ ہے۔پیٹر پین سنڈروم۔وہ لڑکا جو کبھی بڑا نہیں ہوتا۔)

کیبنیٹ کھولتے ہوئے وہ رکی۔ایک آواز ذہن میں گونجی تھی۔اندرونِ لاہور کی گلیاں اور ٹوٹی ہوئی خطائی کی خوشبو۔اس نے سر جھٹکا۔

"سب شادی سے پہلے کہتے ہیں کہ وہ بیوی کو ہرٹ نہیں کریں گے۔لیکن کرتے ہیں۔"

"آپ مجھے آزمالیں۔کیوں نا ہم فوراً شادی کے بجائے کچھ عرصہ ایک دوسرے کو جاننے میں گزاریں؟ کوئی انسان کتنی اداکاری کرسکتا ہے؟ میں جیسا اب ہوں ویسا ہی رہوں گا۔" پھر یاد آنے پہ بولا۔"ہاں میں تھوڑا سا تلخ ہوں۔میں چیزوں کو تنقیدی نظر سے دیکھتا ہوں۔میرے ابو کے رویے نے شاید مجھے ایسا بنا دیا ہے۔لیکن آپ نے میری اصلاح کرنی ہے۔ہمیشہ۔کبھی میری کوئی بات بری لگے تو آپ مجھے بتائیں گی۔اور میں اس عادت کو ختم کرلوں گا۔"

"مجھے سچ بولنے والے کبھی برے نہیں لگتے۔" وہ ہلکا سا مسکرائی اور بازو بڑھا کے کیبنٹ میں پیچھے پیچھے رکھا ایک باکس نکالا۔پھر اسے اپنے سامنے فرش پہ رکھ کے کھولا۔

اس کے اندر مٹیالے سفید جوگرز رکھے تھے جن کے گلابی تسمے تھے۔

مالا نے دھیرے سے انگلیاں ان جوگرز پہ پھیریں۔یہ اس کے تھے۔کسی زمانے میں۔

اس کے لبوں پہ اداس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔کہاں سے چلے تھے۔کہاں پہنچ گئے تھے۔

"آپ لوگ کل آجائیں۔ہم آپ کو اپنا جواب سنا دیں گے۔" وہ جوگر اٹھا کے الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی۔سارے فیصلے ہو چکے تھے۔زیادکی آواز ایک دم کھل اٹھی۔

"واقعی؟ میں امی کو بتاتا ہوں۔وہ بہت خوش ہوں گی۔"

اس نے فون رکھا اور پیار سے اس جوگر کو ہاتھ میں اٹھائے دیکھنے لگی۔پھر محسوس ہوا اس کے اندر کچھ ہے۔شاید جراب۔اس نے ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو ایک کھڑکھڑاتا ہوا پلاسٹک کا خالی پیکٹ تھا۔اسے یہ پیکٹ یاد تھا۔وہ مسکرا دی۔بلکہ اسے وہ دن آج بھی یاد تھا جب اس نے یہ پیکٹ اس جوگر میں ڈالا تھا۔اور پھر ماں نے اسے....

ماں...وہ کرنٹ کھا کے اٹھی۔ ماں باتھ روم میں تھیں۔ وہ انہیں بھول گئی تھی۔ اوہ خدایا۔

وہ تیزی سے باہر بھاگی۔ اندھا دھند زینے پھلانگے اور نیچے لاؤنج میں آئی۔ معید اسی طرح ہیڈ فونز چڑھائے ویڈیو میں مگن تھا۔ بخت بی کچن میں پیاز فرائی ہونے کے شور میں الجھی تھی۔

مالا بدحواسی سے دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی۔ اور تیزی سے دروازہ کھولا۔ دروازوں کے پار والے منظر اسے ہمیشہ خوفزدہ کرتے تھے۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس کا بیڈ روم نظر آیا۔ سامنے...باتھ روم کے دروازے کے سامنے....ماں فرش پہ گری ہوئی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔ شاک..خوف...وہ منجمند ہوگئی۔

ماں فرش پہ گرے گرے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ چہرے پہ شدید درد کے آثار تھے۔ اسے دیکھا تو اسی تکلیف سے بولیں۔

''مالا...بیٹے کہاں چلی گئی تھی؟ میں نے تمہیں اتنی آوازیں دیں....''

اس نے چیخ روکنے کے لیے دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لیے۔ ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ ایک لمحے کے لیے وہ بت بن گئی۔ یہ سب کیسے ہوا؟

وہ ماں کو باتھ روم میں بھول گئی تھی۔ انہوں نے اسے آوازیں دیں لیکن جب وہ نہیں آئی تو اس بوڑھی عورت نے خود باہر آنے کی کوشش کی۔ وہ وہیل چیئر پہ بیٹھیں اور اسے بدقت چلاتے ہوئے باتھ روم سے باہر آئیں۔ لیکن کمرے کے فرش پہ قالین کے مڑے ہوئے حصے کی وجہ سے ان کا پاؤں رپٹ گیا اور وہ وہیل چیئر سے اوندھے منہ نیچے گریں۔ گرتے گرتے انہوں نے ساتھ رکھے صوفے کا سہارا لیا جس سے وہ منہ کے بل گرنے سے بچ گئیں۔ اب اپنے وزن کے باعث ان سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ ان کے چہرے پہ بے بسی تھی اور تکلیف تھی۔

''ماں...میری ماں....اف...'' وہ ایک دم رونے لگی۔ پھر تیزی سے ان کے پاس آئی اور ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیا۔ کیا وہ ٹھیک تھیں؟ کیا ان کا خون نکل رہا تھا؟ وہ ان کو اٹھانے کے بجائے یہ دیکھ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

''نہ میری بیٹی...نہ روؤ۔'' ماں اسے روتے دیکھ کے پریشان ہوگئیں۔ ''تم روؤ گی تو میرا دل دکھے گا۔ تمہاری غلطی نہیں ہے۔''

مگر وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے روئے جا رہی تھی۔اس نے کندھے سے تھام کے ماں کو اوپر اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ ان کا وزن نہیں سہار سکتی تھی۔ذہن قدرے جاگا تو وہ زور سے چلاتے ہوئے معید کو آواز دینے لگی۔

''معید.... کیف... سلیم... جلدی آؤ...'' وہ گھر کے سارے مردوں کو آوازیں دے رہی تھیں۔

چند لمحے میں سب دوڑے چلے آئے۔معید۔ بخت بی۔سلیم۔سب نے بھاگ کے ماں کو سہارا دیا اور اوپر صوفے پہ بٹھایا۔معید جلدی سے ان کے پیر اور ٹانگیں چیک کرنے لگا۔معجزانہ طور پہ ان کے صرف پیر پہ موچ آئی تھی۔کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا تھا۔

لیکن وہ روئے جا رہی تھی۔مسلسل نفی میں سر ہلکاتے ہوئے۔ماں اپنی تکلیف بھول کے پریشانی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔

''میری بیٹی... تم نہ روؤ۔تمہاری غلطی نہیں ہے۔''

لیکن اسے معلوم تھا کہ یہ سب اس کی غلطی ہے۔اتنے مہینے سے ایک خوف سا دل میں بیٹھا ہوا تھا۔وہ آپریشن کے بعد ہسپتال کے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوگی تو اندر کا منظر کیسا ہوگا؟ وہ کبھی اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے داخل ہوگی تو وہ ماں کو کسی بری حالت میں دیکھے گی۔بند دروازوں کے پیچھے کے منظر اسے ہمیشہ ڈراتے تھے۔وہ ان کا سایہ بن کے ان کے ساتھ رہتی تھی۔آج وہ کیسے انہیں بھول گئی؟

''مالا تمہاری غلطی نہیں ہے۔میں بھی ہیڈ فون لگائے ہوئے تھا اور نہ سن لیتا۔میری غلطی ہے۔'' معید بھی پریشانی سے کہتا اس کو چپ کروانے لگا۔لیکن وہ ماں کے قدموں میں نیچے بیٹھی ان کا ہاتھ تھامے سر جھکائے روئے جا رہی تھی۔

''میں آپ کو دوبارہ کبھی نہیں بھولوں گی' ماں۔'' وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

''بیٹے میں ٹھیک ہوں...''

''مالا یار... شکر کرو کوئی نقصان نہیں ہوا۔صدقہ دو اور رونا بند کرو۔بس۔'' معید نے اب کے اسے ڈپٹا۔لیکن وہ سر جھکائے مسلسل رو رہی تھی۔معید نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس کا کرب کیا تھا۔اور نہ ہی ماہی۔

ماہی سمجھتی تھی کہ وہ بدنصیب ہے کیونکہ وہ ماں سے دور ہے اور ان کی بیماری میں ان کی خدمت نہیں کر پا رہی۔دنیا صرف ماں کی بیماری کے وقت اس کے پاس موجود اولاد کو دیکھتی ہے۔لیکن ماں کی صحت کے دنوں میں کون ان کے پاس تھا' اور کون انہیں چھوڑ کے چلا گیا تھا' یہ صرف اولاد کو یاد رہتا ہے۔یہ اسے یاد تھا۔ماں کو شاید بھول گیا ہو۔

مائیں بھلا دیتی ہیں۔لیکن اسے سب یاد تھا۔

اسے معلوم تھا اب اسے کیا کرنا ہے۔بند دروازے کے پیچھے نظر آنے والے اس ایک منظر نے سارے فیصلے کروا دیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار (استنبول) کی وہ اونچی اپارٹمنٹ بلڈنگ اس رات مصنوعی بتیوں سے روشن کھڑی دکھائی دیتی تھی۔ٹاپ فلور کے ڈپلیکس پینٹ ہاؤس کے اندر جھانکو تو سیاہ سفید لونگ روم میں زرد بتیاں جلی تھیں۔اوپن کچن میں فیضی حاتم کام کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔اور لونگ روم کے ایل شیپ سیاہ صوفے پہ ماہر بیٹھا تھا۔اس نے دونوں پیروں کی قینچی بنا کے میز پہ رکھی ہوئی تھی۔اور گود میں کشن کے اوپر لیپ ٹاپ رکھے ہوئے تھا۔سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔وہ کچھ دیر پہلے آفس سے آیا تھا لیکن لباس تبدیل کیے بغیر یہاں بیٹھ گیا تھا۔اسے رات کی تنہائی اور خاموشی میں یہ ویڈیو کال کرنی تھی۔

پیچھے آتش دان کے اوپر شیلف پہ رکھی ایک موم بتی جل رہی تھی۔ڈارک روسٹ کافی کی مہک والی موم بتی۔لیکن ماہر فرید اس وقت اس خوشبو سے بے نیاز اپنی ساری توجہ اسکرین پہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔وہاں ایک سفید اپارٹمنٹ کے کچن کا منظر نظر آ رہا تھا۔اور سامنے چھوٹے باب کٹ بالوں والی ماہی بیٹھی تھی۔

اس کا چہرہ بھی ویسا ہی سنجیدہ تھا۔اور ابرو خفگی سے اکٹھے تھے۔یا شاید ندامت سے۔اپنی بہن کو بتائے بغیر اس کے دشمن سے بات کرنے کی ندامت۔

''لانگ ٹائم ماہی۔''وہ نرمی سے بولا تو ماہی نے گہری سانس لی۔

''جی...لانگ ٹائم۔''پھر اسے کچھ یاد آیا۔وہ قدرے آگے جھکی اور اس کی آنکھوں میں بغور جھانکا۔

''جب ہم پہلی دفعہ ملے تھے تو آپ اکیلے نہیں تھے ماہر صاحب۔آپ کے ساتھ آپ کی محبوبہ بھی تھی۔وہ کہاں گئی؟''

ماہر کے چہرے پہ اداس سی مسکراہٹ ابھری۔

''ہمارے درمیان جدائی آ گئی۔''

''آپ نے اسے چھوڑ دیا؟ ناممکن۔''

وہ ہلکے سے شانے اچکا کے رہ گیا۔''سچ کہہ رہا ہوں۔چھوڑ دیا اسے۔''پھر توقف سے بولا۔''میں تم سے ملنے

وین کوور آؤں گا۔"

ماہی نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔"آپ کو جو پوچھنا ہے ویڈیو کال پہ پوچھ سکتے ہیں۔اتنی دور آنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں وہ باتیں سنتا ہوں جو کہی نہیں جاتیں۔اگر مجھے ویڈیو کال پہ جواب مل جاتے تو میں کشمالہ کا ڈرائیور نہ بنتا۔"

"یہ آپ نے بہت غلط کیا۔"ماہی کے ماتھے پہ بل پڑے۔ایک دم سے سب یاد آیا تھا۔"آپ نے میری بہن کو بہت بڑا دھوکہ دیا ہے۔"

"جانتا ہوں۔غلط کیا ہے۔مگر کیا کروں؟"ہلکے سے کندھے اچکائے۔"مجھے اپنی بہن کو ڈھونڈنا تھا۔"

"آپ کی بہن کے بارے میں ہم کیسے جان سکتے ہیں؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔لیکن تم جانتی ہو۔میں نے تمہیں اس کی تصویر بھیجی ہے۔وہ دو سال پہلے لاپتہ ہوئی تھی جب وہ نو سال کی تھی۔"

"میں نے آپ کی بھیجی ہوئی تصویر دیکھی ہے لیکن میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا نہ اس کا نام سنا ہے۔میں واقعی نہیں جانتی۔"

"تمہیں یاد آجائے گا۔آہستہ آہستہ۔"

"جب میں جانتی ہی نہیں تو مجھے کیسے یاد آئے گا؟"وہ متذبذب سی تھی۔اس آدمی کو بات سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی تھی۔

"ویسے..."وہ توقف سے پوچھنے لگی۔"ہلال لاپتہ کیسے ہوئی تھی؟"

ماہر کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا۔"لوگ کہتے ہیں وہ مر گئی ہے۔میرا دل نہیں مانتا۔"

"شاید لوگ درست کہتے ہوں اور آپ denial میں ہوں۔"

"وہ زندہ ہے۔اور وہ میرا انتظار کر رہی ہے۔مجھے صرف اسے ڈھونڈنا ہے۔"

وہ بہت سکون اور یقین سے کہہ رہا تھا۔وہ اب بھی ویسا ہی تھا۔وہی"مجھے سب معلوم ہوتا ہے"والا انداز۔

"آپ نے مالا سے پوچھا؟"

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ذہن چند لمحے کے لیے مبین منزل میں واپس چلا گیا۔

جس روز مالا کے اوپر لفٹ میں کسی نے حملہ کیا تھا' اس روز گھر آنے کے بعد' جب وہ شادی میں جا رہی تھی' ماہر نے اسے روکا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' کمادر لباس میں ملبوس لڑکی جھکا درست کرتے ہوئے کار میں بیٹھ رہی تھی۔ اس نے پکارا تو رک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ کسی ایسے ہی مصروف لمحے میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا جب وہ زیادہ غور نہ کر سکے۔

''یہ بچی کون ہے؟'' موبائل پہ ہلال کی تصویر دکھائی۔

''مجھے نہیں پتہ۔ کون ہے؟'' کشمالہ نے اچنبھے سے تصویر دیکھی۔

''کیا آپ نے اس کو دیکھا تھا؟ یہ سیلون میں لفٹ کے آس پاس تھی۔''

مالا نے جھک کے غور سے اس تصویر کو دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے پہ شناسائی کی کوئی رمق نہ تھی۔

''نہیں تو۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ ایسے ہی کسی کی بچی ہو گی۔ مجھ پہ حملہ کسی آدمی نے کیا تھا۔'' اور دروازہ کھول کے اندر بیٹھ گئی۔

ماہر نے آنکھیں کھولیں۔ وہ استنبول میں اپنے اپارٹمنٹ میں بیٹھا تھا اور سامنے لیپ ٹاپ پہ ماہی نظر آ رہی تھی۔

چند لمحے کے لیے بھی مبین منزل میں واپس جانا دل کو کتنا اچھا لگا تھا۔

''میں نے کشمالہ سے پوچھا تھا۔'' وہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ ''جس دن اس پہ لفٹ میں کسی نے حملہ کیا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی۔''

''کسی نے؟ وہ حملہ آپ نے نہیں کیا تھا؟ اور وہ لائٹر؟'' ماہی کا لہجہ تفتیشی تھا۔

ماہر فرید نے بہت ضبط سے گہری سانس لی۔ مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔

''میں اس پہ حملہ کر کے اپنے ہی نام کا لائٹر کیوں گراؤں گا؟ کسی نے یہ جان بوجھ کے کیا تھا تاکہ کشمالہ کو میرا نام معلوم ہو جائے اور وہ ماہر فرید کو ڈھونڈتے ہوئے کیف جمال کی اصلیت تک پہنچ جائے۔''

''یعنی آپ کے دشمن آپ پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔''

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''میرے دشمن پہلے دن سے جانتے تھے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔''

''لیکن وہ چاہتے تو مالا کو صاف صاف بتا سکتے تھے۔ لفٹ میں حملے کا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے آپ کی تصویر کے ساتھ مالا کے پتے پہ بھیج دیتے' اور وہ دیکھتے ہی آپ سے سوال کرتی اور آپ انکار نہ کر سکتے۔ ماہر فرید کا کھیل پہلے ہی دن ختم ہو جاتا۔''

''میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ واقعی میرا دشمن یہ کر سکتا تھا۔ میرے بارے میں کشمالہ کو آگاہ کر دیتا اور وہ مجھے نوکری سے نکال دیتی۔ لیکن پھر وہ یہ ضرور سوچتی کہ اسے یہ معلومات کس نے بھیجی ہیں؟ اور یوں وہ جان جاتی کہ اس کہانی میں کوئی تیسرا کردار بھی ہے۔ مگر میرا دشمن ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ہمیشہ مجھے ولن بنا کے پیش کیا ہے۔ اب بھی اس نے یہی کرنا تھا۔''

ماہی چونکی۔ ''آپ جانتے ہیں اپنے دشمن کو۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس کا نام سرکار ہے' اور وہ ایک بوڑھا عامل جادوگر ہے۔ وہ بہت عرصے سے میرے پیچھے ہے۔ لمبی کہانی ہے۔ پھر سناؤں گا۔ ابھی صرف اتنا جان لیں کہ میں برسوں سے اس سرکار کو ڈھونڈ رہا ہوں اور وہ مجھے مل نہیں رہا۔ صرف وہ ہلال کے بارے میں جانتا ہے۔ اور اس سرکار اور ہلال تک کیسے پہنچنا ہے' یہ صرف حورِ جہاں کی بیٹی جانتی ہے۔ وہ بیٹی جس کو میں جانتا ہوں۔ یعنی کہ تم۔''

''یہ سب آپ کو کسی نے بتایا تھا؟''

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جیسے اس سے زیادہ وہ نہیں بتائے گا۔ ہر بات کا اپنا ایک وقت ہوتا ہے۔

''لیکن کشمالہ ہلال کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ پھر آپ دو ماہ اس کے ساتھ کیوں رہے؟'' ماہی کی آنکھوں میں مشکوک سا تاثر ابھرا تھا۔ ماہر نے گہری سانس لی۔ اس سوال کا جواب وہ خود بھی ڈھونڈ رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔ شاید اس لیے کہ کشمالہ کے ساتھ ہونے والے واقعات جادو کی نشاندہی کرتے تھے۔ میں نے سوچا شاید اس پہ بھی وہی سرکار جادو کروا رہا ہو۔ اگر مجھے کشمالہ کا دشمن مل جائے کیونکہ دشمن ہی جادو کرواتے ہیں' تو میں اس کے ذریعے سرکار کو ڈھونڈ لوں گا۔''

''یعنی آپ کشمالہ کے ڈرائیور بنے تھے اس جادوگر کی تلاش میں جو اس پہ جادو کروا رہا تھا۔ کیونکہ آپ کا دشمن بھی وہی تھا۔'' ماہی کو بالآخر اس کا مقصد سمجھ میں آنے لگا تھا۔

''ہاں۔ مجھے کشمالہ کے دشمن کو ڈھونڈنا تھا۔ اس کی تصویر ملی تھی مجھے سرکار کے البم سے۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ سرکار کشمالہ کو جانتا ہے۔ میں اتنے ماہ اپنے اور کشمالہ کے خاندان کے درمیان کوئی لنک ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''پھر؟ کچھ ملا؟''

''کچھ خاص نہیں۔ ماہر فرید اور کشمالہ مبین کے خاندانوں میں کوئی لنک نہیں تھا۔ تمہاری کبیرہ تائی پہ مجھے شک ہوا تھا' لیکن ان کا میرے خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ البتہ...'' وہ کھنکھارا۔ ''کبیرہ بیگم نے ایک جادوگر ہائر کیا ہوا تھا تمہارے اوپر جادو کروانے کے لیے۔''

ماہی ایک دم سیدھی ہو کے بیٹھی۔ آنکھیں پوری کھل گئیں۔

''دیکھا۔ میں۔ کہتی تھی نا' کبیرہ تائی ہمارے اوپر جادو کرواتی ہیں۔ ماہی کے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔'' وہ لمحے بھر کے لیے ماہر فرید کے مالا کو دھوکہ دینے کا سارا غصہ بھول گئی۔

''لیکن یہ کوئی عام سا عامل تھا۔ پیٹر مسیح نام کا۔ یہ وہ سرکار نہیں تھا جسے میں ڈھونڈ رہا ہوں۔'' وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے اپنی کارگزاری بتا رہا تھا اور ماہی یک ٹک سنے جا رہی تھی۔

''میں پیٹر مسیح کے پاس گیا تھا۔ وہ ہلال کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ البتہ اس نے مجھے تمہاری تصویر دکھائی تھی۔ کبیرہ بیگم کافی عرصے سے تم پہ جادو کروا رہی ہیں۔ بالخصوص...'' وہ رکا۔ ''تمہارے بچے پہ۔''

ماہی کی آنکھوں میں گلابی پن ابھرا۔ دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ اس کی اس تکلیف سے واقف تھا۔ اسے یاد تھا۔ ماہی اور اس کے بچوں کی موت۔ وہ بچے جو پیدا ہونے سے پہلے مر جاتے تھے۔

''پریشان مت ہو۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''میں نے اس پیٹر مسیح کا علاج کر دیا تھا۔ وہ تمہارے اوپر جادو نہیں کرے گا۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟ آپ تو ادھر ہیں۔''

''ماہی! اس دفعہ تمہارے بچے کو کچھ نہیں ہو گا۔''

اس نے نرمی سے تسلی دی۔

ایک آنسو ماہی کی آنکھوں سے ٹپکا۔

''اور اگر کبیرہ تائی نے کسی اور کو ہائر کر لیا' کسی زیادہ خطرناک جادوگر کو' تب؟'' وہ خوفزدہ تھی۔ ''کیا معلوم کبیرہ تائی اسی سرکار کو ہائر کر لیں؟''

''ایسے اتفاق نہیں ہوا کرتے' ماہی کہ کبیرہ بیگم پیٹر مسیح سے مایوس ہو کے جس جادوگر کو ہائر کریں وہ سرکار ہی نکلے' یعنی میرا دشمن۔ اونہوں۔'' ماہر فرید نے ناک سے مکھی اڑائی۔ وہ بچگانہ بات کہہ رہی تھی۔

''لیکن وہ میرے بچے کے پیچھے پڑی ہیں۔ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کریں گی۔'' وہ بے بس تھی۔ کیا عذاب تھا

یہ۔کہاں سے آ گیا تھا یہ جادوان کی زندگیوں میں۔

وہ زخمی سا مسکرایا۔

''میں نے تم سے کئی برس پہلے کہا تھا ماہی کہ تمہارے بچے کی زندگی لکھی جا چکی ہے۔ہم عربی میں کہتے ہیں کہ...''

''مکتوب۔'' وہ بے اختیار بولی۔

''مکتوب۔'' ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔''اگر تمہارے بچے کی زندگی ہے تو کوئی جادو اس کو تم سے نہیں چھین سکتا۔اگر نہیں ہے تو تمہاری کوئی احتیاط اس کو بچا نہیں سکتی۔''

ماہی نے دھیرے سے سر ہلایا اور ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

''تھینک یو۔ ہر چیز کے لیے۔'' پھر اس نے آنکھیں صاف کیں۔''لیکن آپ نے مالا کے ساتھ بہت برا کیا۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔بس گردن موڑے کھڑکی کے سیاہ پردوں کو دیکھنے لگا۔ہر بات کا جواب نہیں ہوتا۔

''اور آپ کو تو کوئی فرق ہی نہیں پڑا۔'' اب کے ماہی کو اس پہ غصہ آیا۔''امیر آدمی ہونے کے فائدے۔آپ نے ٹکٹ لیا اور اپنی زندگی میں واپس چلے گئے۔اس سے معافی تک نہیں مانگی۔''

''کیسی ہے وہ؟'' وہ ابھی تک گردن موڑے باہر دیکھ رہا تھا۔یہ سوال پوچھنے سے ہی تکلیف ہو رہی تھی۔

''گالیاں نکال رہی تھی آپ کو۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا اور واپس اسکرین کو دیکھا۔

''اچھا؟'' جیسے محظوظ ہوا ہو۔''مثلاً کون سی گالیاں؟''

ماہی کو اس پہ مزید غصہ آیا۔اس ڈھیٹ آدمی کا خول اتنا مضبوط تھا کہ اسے فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔لیکن وہ بھی ماہی تھی۔ابھی اڑاتی ہے اس کی رنگت۔ٹھہرو ذرا۔

''ماہر صاحب... آپ نے اس کا اعتبار توڑا ہے۔اور وہ آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔''

''مجھ سے بات کرنے پہ وہ تمہیں معاف کر دے گی؟'' ماہر نے غور سے اسے دیکھا۔''یا شاید تم نے ابھی تک اسے نہیں بتایا؟''

''میں اسے بتا دوں گی اچھا۔'' ماہی کی رنگت بدلی۔تیزی سے بولی۔''یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ویسے بھی میں اس کو ان دنوں میں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی۔''

''ان دنوں؟'' وہ چونکا۔ ''کیا ہوا؟ آپ کی امی ٹھیک ہیں؟''

''ہاں وہ ٹھیک ہیں۔ اصل میں.... '' لہجہ سرسری بنایا۔ ''مالا اور زیاد کی شادی ہونے جا رہی ہے نا۔ تو میں اس کی خوشی آپ کی وجہ سے کیوں خراب کروں؟''

اس نے تیزی سے لیپ ٹاپ میز پہ رکھا اور پیر نیچے اتارے۔ پھر بے یقینی سے اسکرین کو دیکھا۔

''وہ زیاد سے شادی کر رہی ہے؟'' اس کا سانس رک گیا تھا۔

ماہی نے ہتھیلی پہ تھوڑی جما کے غور سے اسے دیکھا۔

''آپ کو کیا فرق پڑتا ہے' ماہر صاحب؟''

مگر اس کے ماتھے پہ پڑے بل بتا رہے تھے کہ اسے کیا فرق پڑتا تھا۔

''وہ اس سے شادی کیسے کر سکتی ہے؟ میں نے اسے منع کیا تھا۔ وہ آدمی... زیاد.... (جیسے منہ میں کڑواہٹ گھل گئی۔) وہ اس کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔''

''اچھا۔ اور کچھ؟'' ماہی نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔

''وہ... '' ماہر نے ایک مٹھی بھینچ لی۔ چہرے پہ شدید غصہ ابھرا۔ غصہ اور بے بسی۔

''وہ کشمالہ کے قابل نہیں ہے۔ وہ بہت.... '' اسے جیسے زیاد کی شان میں کہنے کو الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ ضبط کر کے گہری سانس لی۔ ''تم اس کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو؟''

اس کی بلند آواز پہ فیضی حاتم بھی پلٹ کے اسے دیکھنے لگیں۔ وہ اس زبان سے ناواقف تھیں جس میں وہ گفتگو کر رہے تھے لیکن وہ ماہر کا چہرہ پڑھ سکتی تھیں۔ وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ اتنے دنوں سے خود پہ طاری کیے خول میں دراڑیں پڑ رہی تھیں۔

''کیوں؟ مجھے تو بہت پسند ہے زیاد۔'' ماہی کی معصومیت ہنوز برقرار تھی۔ ''میں تو چاہتی ہوں ان دونوں کی شادی ہو جائے۔ مالا اس کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔''

ماہر نے برہمی سے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ غصے سے دہکنے لگا تھا۔ اس کے معصومانہ فقرے جیسے اس کے زخموں پہ نمک ڈال رہے تھے۔

''کتنا جانتی ہو تم اس آدمی کو؟''

''کزن ہے ہمارا۔ اور بہت اچھا ہے وہ۔'' وہ زور دے دے کر بول رہی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''اچھا ہونے اور compatible ہونے میں فرق ہوتا ہے' ماہ بینہ بی بی۔ میں نے اسے منع کیا تھا کہ وہ اس سے شادی نہ کرے۔ وہ اس کو ہرٹ کرے گا لیکن اس نے میری بات نہیں سنی۔''

''اور آپ کون تھے؟ اوہ ہاں۔ وہ آدمی جس نے اسے دھوکہ دیا۔ اور اتنا عرصہ اسے جھوٹ بولا۔ وہ آپ کی بات کیوں سنے گی؟''

''تمہاری سنے گی نا؟ تو سمجھاؤ اس کو کہ وہ اپنی زندگی خراب نہ کرے۔''

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو ماہر نے سر اٹھا کے راہداری کو دیکھا۔ پھر اسی انداز میں بولا۔

''میں چلتا ہوں۔ مجھے کچھ کام ہے۔''

اس کا سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اسکرین فولڈ کی اور پیچھے کو ٹیک لگا لی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور لبوں پہ مٹھی رکھے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ماتھے پہ ابھی تک بل پڑے تھے۔

بیربل زیر لب کچھ گنگناتے ہوئے راہداری سے آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھا تو چہرہ کھل اٹھا۔ شیطانی مسکراہٹ لبوں پہ بکھر گئی۔

''ماہر بے کا موڈ کیوں خراب ہے؟'' مسکرا کے ایل شیپ صوفے کے دوسرے کنارے پہ بیٹھا۔ ''یقیناً تمہاری محبوب چیز یعنی پیسوں کا نقصان ہوا ہوگا۔''

''بکومت۔'' وہ جھڑک کے بولا تو بیربل کے لب اوہ میں سکڑے۔ چہرے پہ ہمدردی ابھر آئی۔

''لگتا ہے نقصان لیراز میں نہیں' ڈالرز میں ہوا ہے۔''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ بس ابرو بھینچے باہر دیکھتا رہا۔ بیربل نے غور سے اسے دیکھا۔

''بات ہوئی کشمالہ کی بہن سے؟''

''ہوں۔ اسے کچھ نہیں یاد۔''

''میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ لیکن نہیں' ماہر بے کبھی غلط نہیں ہوتے۔ اور میں تو....''

''وہ زیاد سے شادی کر رہی ہے۔'' وہ ایک دم بے بسی بھرے غصے سے بولا تو بیربل ٹھٹک کے رک گیا۔ اسے سیاق و سباق سمجھنے میں چند لمحے لگے۔

''کون زیاد؟'' پھر یاد آیا۔ ''اچھا وہ۔ ٹال ڈارک اینڈ ہینڈسم؟''

''ہینڈسم نہیں ہے وہ۔''

بیر بل کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔اس نے بازوؤں کا تکیہ بنا کے پیچھے ٹیک لگائی اور فیضی حاتم کو پکارا۔

''فیضی حاتم... چولہا دیکھیں۔ کچھ جل رہا ہے۔''

ماہر نے جیسے سنا ہی نہیں۔ بڑبڑاتے ہوئے باہر دیکھتا رہا البتہ فیضی حاتم بھاگتی ہوئی آئیں اور تعجب سے بیر بل کو دیکھا۔

''میں تو کچھ نہیں پکا رہی۔آپ کو کہاں سے اسمیل آ رہی ہے۔''

بیر بل نے بدمزہ ہو کے انہیں دیکھا۔سارا ٹمپو ہی توڑ دیا تھا۔

''کاش آپ تھوڑی عقلمند ہوتیں۔لیکن پھر ہمارے پاس کیوں ہوتیں؟ جائیں کام کریں۔''اور انہیں جانے کا اشارہ کیا۔

ماہر اب اپنی جگہ سے اٹھ کے کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے'وہ شدید مضطرب نظر آ رہا تھا۔

''میں نے کیا کہا تھا ئزارا؟''بیر بل نے تصور میں اپنی کزن کو مخاطب کیا اور کالر کھڑکھڑایا۔پھر مسکرا کے اٹھا اور اپنے بھائی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

''وہ جس سے بھی شادی کرے'تمہیں کیا؟''

''وہ آدمی اس کے قابل نہیں ہے۔''وہ باہر نظر آتے سیاہ پانی اور کنارے پہ کھڑی کشتیوں کو دیکھ کے تکلیف سے کہہ رہا تھا۔

''کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟تم صرف اپنی جیلسی میں ایک آدمی کو برا ثابت کرنے پہ تلے ہو۔''

''میں جیلیس نہیں ہوں۔''اس نے سر جھٹکا۔

''نظر آ رہا ہے۔''بیر بل نے طنز سے اسے دیکھا۔''لیکن اس آدمی میں مسئلہ کیا ہے؟ کماتا نہیں ہے؟ اخلاق کا برا ہے؟ ریپوٹیشن خراب ہے؟''

''ایسا کچھ نہیں ہے۔بس...''وہ اب کے بولا تو آواز ہلکی تھی۔''بس وہ...''ماہر کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔وہ جھنجھلا سا گیا۔''بس وہ اس کے جیسا نہیں ہے۔تھوڑا تلخ ہے۔ہر چیز پہ تنقید کرتا ہے۔وہ اس کے ساتھ کیسے رہے گی؟''

''بس؟ اتنی سی بات؟''وہ سنجیدگی سے کہتا اس کے سامنے آیا۔''ہر انسان کے اپنے پرسنالٹی ایشوز ہوتے

ہیں' ماہر۔ تمہارے بھی ہیں۔ خود تمہارے ساتھ رہنا کتنا مشکل ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔ ایسے ہی اس زیاد کے اندر بھی تلخی ہوگی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ شاید گھر کا ماحول ایسا ہو یا اس نے بچپن میں بہت دکھ دیکھے ہوں جس نے اس کو تلخ بنا دیا ہو۔ بہت سے مرد تلخ ہوتے ہیں لیکن اپنی من پسند بیویوں کے ساتھ وہ سیٹ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ برسرِ روزگار ہے' شریف ہے' ہینڈسم بھی ہے...''

''ہینڈسم نہیں ہے وہ۔'' ماہر فرید نے انگلی اٹھا کے تصحیح کی تو بیربل کے چہرے پہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

''وائی بے... یہ لڑکی پہلے کیوں نہیں آئی تمہاری زندگی میں؟ میں روز تمہاری ایسی جلتی ہوئی شکل دیکھتا اور میرے دل کو سکون ملتا۔''

''بیر...'' ماہر نے گہری سانس لی۔ اب کے آواز میں بے بسی تھی۔ ''وہ اس کو ہرٹ کرے گا۔ اسے اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے۔''

''پھر کس سے کرنی چاہیے؟''

''کسی سے بھی کر لے۔'' ہاتھ جھلا کے پھر سے باہر دیکھنے لگا۔ ''بس اس سے نہ کرے۔''

''کسی سے بھی کر لے؟'' بیربل نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''اور تم کہاں ہو اس سب میں؟''

''میرا اور اس کا کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے۔ مجھ سے ویسے ہی وہ نفرت کرتی ہوگی۔ میں اس کی زندگی سے جا چکا ہوں۔ لیکن...''

''لیکن تمہیں ہر اس شخص سے مسئلہ ہوگا جو اس لڑکی کی زندگی میں آئے گا۔''

''میں نے اسے منع کیا تھا کہ....''

''منع نہ کرتے' ماہر۔ اس کا سامنا کرتے۔'' وہ تیزی سے اس کے سامنے آیا اور برہمی سے بولا۔ ''مرد بن کے اس سے معافی مانگتے اور اپنے منہ سے اس کو بتا دیتے کہ تم کیف نہیں ہو۔ تم ماہر فرید ہو۔ وہ کسی اور کے بجائے تم سے سنتی تو تمہیں معاف کر دیتی۔ اور اب بھی اگر وہ ناراض ہے تو تمہیں اس کے پیچھے جانا چاہیے تھا۔''

''میں کسی کے پیچھے نہیں جایا کرتا۔''

''واللہ ماہر فرید کسی کے پیچھے نہیں جاتا....'' بیربل نے غصے سے دونوں ہاتھ اٹھا کے نیچے گرائے۔ ''ایک زمانہ تھا جب تم اسی طرح غرور سے کہتے تھے کہ تم کسی کے پیچھے نہیں جاؤ گے۔ ماں کے بھی نہیں۔ ہلال کے بھی نہیں۔ کیونکہ تم نفرت کرتے تھے ہلال سے۔''

اس کی آواز بلند ہونے لگی۔ ماہر کے دل پہ کسی نے ہاتھ ڈالا تھا۔

وہ یک ٹک اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھے گیا جو اس کو غصے سے دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا اٹھا کے کہہ رہا تھا۔

''تم ماہر... تم نفرت کرتے تھے ہلال سے... تمہیں یاد ہے؟ نہیں؟ مگر مجھے یاد ہے۔ اور آج تم اسی ہلال کے لیے دنیا کے ایک ملک سے دوسرے کی طرف بھاگ رہے ہو۔ شاید اپنا گلٹ ختم کرنے کے لیے۔ کل کو تم یہی کشمالہ کے ساتھ بھی کرو گے۔ تم یہاں اپنے غرور میں رہنا کہ تم اس کے پیچھے نہیں جاؤ گے۔ لیکن گیس واٹ...'' اس کی آواز دھیمی ہوئی اور لہجہ مزید تلخ۔

''ہر انسان بیربل یا فیضی حاتم نہیں ہوتا ماہر جو وہ ماہر فرید کی بات ماننے کا پابند ہو۔ وہ کیوں مانے تمہاری بات؟ اسے اچھا بندہ مل رہا ہے۔ وہ کرلے گی شادی۔ اور اگر تم مرد بن کے اس کے پاس نہیں جا سکتے اور اس سے معافی مانگ کے اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم اس کے عشق میں گرفتار ہو تو پھر تمہیں اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ زیاد سے شادی کرے یا زیاد کے باپ سے... تم اپنے آپ کو اس لڑکی سے دور رکھو۔'' انگلی اٹھا کے اس نے بڑے بھائی کو تنبیہہ کی۔ ''اس کی زندگی زیاد نہیں' تم خراب کر رہے ہو۔ تم۔''

ماہر خاموشی سے سن رہا تھا۔ بیربل نے انگلی نیچے گرائی اور گہرے گہرے سانس لے کر اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

''میری بات مانو... اور اس لڑکی کو بھول جاؤ۔ تم بس مشین کی طرح کام کرو اور پیسہ بناؤ۔ پیسہ آئے گا ہمیشہ تمہارے کام۔ صرف پیسہ۔''

اس ڈھیٹ روبوٹ کو سمجھانا بے کار تھا۔ بیربل مڑا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

پھر وہ رات گئے تک اپنے کمرے سے نہیں نکلا۔ وہ ماہر سے ناراض تھا۔ اور اسے انتظار تھا کہ کب اس کا بھائی اسے منانے آئے گا۔ ماہر عموماً اس کو منانے کے لیے پیسے کا سہارا لیتا تھا۔ خاموشی سے اس کے دروازے پہ آتا اور ایک کریڈٹ کارڈ رکھ کے چلا جاتا۔ بیربل کو لاشعوری طور پہ اسی کارڈ کا انتظار تھا۔

قریباً گھنٹے بھر بعد ماہر فرید نے اس کا دروازہ بجایا۔

وہ بیڈ پہ لیٹا فون دیکھ رہا تھا' بس خفگی سے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ماہر چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کارڈ نہیں تھا البتہ کندھے پہ چھوٹا بیگ تھا۔

''میں دو دن کے لیے جا رہا ہوں۔''

''کہاں؟''

''حورِ جہاں کی بیٹی سے ملنے۔'' سادگی سے بتایا تو بیر بل نے گہری سانس لی۔یعنی اس کی تقریر کے بعد بھی وہ ہلال کی لاحاصل تلاش میں وین کوور جا رہا تھا۔وہ کشمالہ مبین سے دستبردار ہو چکا تھا۔وہ اس کو نہیں سمجھا سکتا تھا۔اس نے بس اثبات میں سر ہلا دیا اور واپس فون کو دیکھنے لگا۔ماہر باہر نکل گیا اور اپارٹمنٹ میں خاموشی چھا گئی۔

''اف بیر بل...'' اس نے اپنے سر پہ چپت رسید کی۔''کیا ضرورت تھی اتنا بولنے کی؟اب تمہاری سچائی تمہارے خرچے اٹھائے گی کیا؟۔''

اسے ماہر کے کارڈ نہ رکھنے کا غم ستا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے کمرے میں سوئی کشمالہ مبین کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی۔وہ ڈر کے ایک دم اٹھ بیٹھی۔جلدی سے ٹیبل لیمپ جلایا۔کمرے میں زرد روشنی پھیلی تو قدرے سکون آیا۔وہ تیز تیز سانس لیتی خود کو نارمل کرنے لگی۔

اس نے آج پھر ایک خواب دیکھا تھا۔حالانکہ وہ آیت الکرسی پڑھ کے سوئی تھی۔لیکن پھر بھی بہت بھیانک خواب آیا تھا۔

وہی سفید بالوں والا عجیب سا عامل زمین پہ بیٹھا تھا۔اس کے سامنے تصویریں اور پتلے رکھے تھے۔وہ ایک پتلے کے اندر سوئیاں چبھو رہا تھا۔ہر سوئی کے اندر جاتے ہی پتلے کے اندر سے خون نکلنے لگتا۔وہ عامل کے کندھے کے پیچھے سے جھک کے اس پتلے کو دیکھ رہی تھی۔یکا یک پتلے میں زیاد کی شبیہہ آنے لگی۔اس کے سامنے اب زیاد لیٹا تھا۔اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے جسم میں جگہ جگہ سے خون نکل رہا تھا۔

عامل نے قلم اٹھایا اور ایک کاغذ سامنے رکھا۔پھر قلم کی نب زیاد سلطان کے خون میں ڈبو ڈبو کے اس چوکور کاغذ پہ کچھ لکھنے لگا۔خواب میں بھی مالا کو معلوم تھا کہ وہ تعویذ لکھ رہا ہے۔مگر وہ بدحواسی سے زیاد کو دیکھ رہی تھی۔اس کا بند آنکھوں والا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور ہونٹ نیلے۔

آگے کیا ہوا اسے نہیں یاد۔لیکن وہ عامل...اس کا چہرہ اتنا شناسا کیوں لگتا تھا؟ جیسے اس کی شکل کسی سے ملتی ہو۔

اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔پھر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا گلاس اٹھایا اور غٹا غٹ پانی پی گئی۔اور تب اسے خیال آیا کہ اس نے پانی پینے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھا۔جلدی سے بسم اللہ اول آخر پڑھا لیکن دل میں کہیں ایک سوئی سی چبھی تھی۔جو کسی بھی عامل کی جادوئی سوئی سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔

اسے بیٹھے بیٹھے کچھ یاد آیا تھا۔اس نے دھیرے سے سر بیڈ کراؤن سے لگایا اور ہاتھ اٹھا کے اپنی انگلیوں کے پوروں کو دیکھا۔ایک زمانہ تھا جب وہ ان پہ تسبیح پڑھا کرتی تھی۔ماہی اور وہ ماں کے ساتھ ان کی جائے نماز پہ بیٹھ کے سروں پہ دوپٹے لپیٹ کے تسبیح پڑھتی تھیں۔وہ زمانہ کہاں کھو گیا؟ رزق کی دوڑ دھوپ نے وہ سب کیوں بھلا دیا؟

یہ تو ماں کی بیماری کے دوران ماں کو کھونے کے خوف سے شروع کی جانے والی تسبیح اور اذکار تھے۔یہ تو اضطراب کی نمازیں اور دعائیں تھیں۔وہ امن کے دنوں کی نمازیں کہاں گئیں؟ وہ خوشیوں پہ شکرانے کی تسبیحات کہاں گئیں؟

اس نے انگلی کے پوروں پہ پڑھنا چاہا لیکن عادتیں چھوٹ جائیں تو جسم غیر آرام دہ ہو جاتا ہے۔دماغ وہ کام کرنے نہیں دیتا۔اس کا دل اُچاٹ سا ہو گیا۔وہ سونے کی دعا پڑھ کے واپس لیٹ گئی۔

شاید جوگرز اور اس پلاسٹک کے خالی پیکٹ نے اسے بہت کچھ یاد دلا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح بیربل فرید نے اپنی بیکری میں ایک اسپیشل آرڈر تیار کروایا۔بہت سا چاکلیٹ اور پستہ بقلاوہ۔پھر ان کے ڈبے پیک کروا کے وہ کیفے کے دفتر چلا آیا۔ماہر کی غیر موجودگی میں وہ ایسے ہی کیفے کے اسٹاف کے ساتھ پارٹی کیا کرتا تھا۔

سب خوش اور ریلیکسڈ نظر آ رہے تھے۔مردوں نے ٹائی نہیں پہنی تھی اور عورتیں اونچی آواز میں ہنس رہی تھیں۔

وہ مسکرا کے شبنم کے ڈیسک کی طرف آیا اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔وہ البتہ اداس نظر آتی تھی۔

''اب یہ مت کہنا کہ تم میرے روبوٹ بھائی کو مس کر رہی ہو۔''

''اللہ میرے اوپر ایسا برا وقت نہ لائے۔''شبنم نے کانوں کو باری باری چھوا۔''میں تو کاموں کے لیے پریشان ہوں۔ماہر ایک دم سے چلا گیا ہے۔اتنا کام پڑا ہے۔''اس کو اپنے غم تھے۔

''میں ناراض تھا اس سے لیکن اس سے اتنا نہیں ہوا کہ مجھے منا کے جاتا۔اور نہیں تو ایک کریڈٹ کارڈ ہی چھوڑ جاتا۔لیکن نہیں۔آج کل کے بھائیوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔''بیربل نے خفگی سے سر جھٹکا پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔قدرے بے چینی ہوئی۔ناراضی اپنی جگہ لیکن اسے بھائی کی فکر تھی۔

''اب تک پہنچ گیا ہو گا وہ؟''سرسری سا پوچھا۔شبنم نے عینک کے پیچھے سے گھور کے اسے دیکھا۔

''صبح پہنچ گیا تھا۔زارا کو بتا دیا تھا اس نے۔اسی کو بتاتا ہے سب سے پہلے۔''

''ہونہہ۔'' بیربل کا دل مزید خفا ہوا۔'' کیا تھا جو مجھے بھی میسیج کر دیتا۔ ویسے کتنے گھنٹے کی فلائٹ ہوتی ہے دین کوور کی؟''

''دین کوور؟'' شبنم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔ تم نے ہی ماہر کی دین کوور کے لیے سیٹ بک کروائی ہوگی نا۔''

''نہیں۔ وہ تو لاہور گیا ہے۔''

شبنم نے جس بے نیازی سے بتایا' بیربل اتنی ہی تیزی سے سیدھا ہوا۔ لب کھل گئے۔ چند لمحے وہ کچھ بول نہیں سکا۔

''لاہور؟ حورِ جہاں کی بیٹی سے ملنے؟'' وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ ماہر نے یہ نہیں کہا تھا کون سی بیٹی۔

''وائی وائی وائی....'' وہ بے یقینی سے بڑبڑایا .....اور پھر ایک دم وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنسنے لگا۔

شبنم نے کوفت سے اسے دیکھا۔ دور بنے cabins میں کام کرتے لوگ بھی اسے دیکھنے لگے جو ہنستا چلا جا رہا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''تمہارے ماہر بے کی بڑی بے عزتی ہونے والی ہے آج۔ کاش میں ان کی ملاقات لائیو دیکھ سکتا۔''

''کس کی ملاقات؟'' شبنم الجھ کے اسے دیکھنے لگی تو وہ ہنسی دبا کے آگے جھکا اور رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی۔

''ماہر اسی لڑکی سے ملنے گیا ہے۔''

''وہ باغبان کی بیٹی؟'' شبنم کی آنکھیں کھل گئیں۔

بیربل ایک دفعہ پھر ہنس دیا۔''ہاں۔ وہی۔''

''واہ۔ کیا وہ اسے ساتھ لے آئے گا؟'' شبنم کی آنکھیں چمکیں۔ چہرے پہ ایکسائٹمنٹ پھیل گئی۔

''معلوم نہیں۔ لیکن سوچو شبنم.... کتنا مزا آئے اگر ماہر وہاں جا کے اسے کہے کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے اور وہ آگے سے کہے... (نقل اتارتے ہوئے) دروازہ اس طرف ہے!''

شبنم بے اختیار ہنس دی۔ پھر زور سے ایک فائل اٹھا کے اس کے کندھے پہ ماری۔

''تم بہت خراب ہو بیربل۔''

وہ دونوں ایک ساتھ ہنستے جا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد سلطان کے لاہور کے آبائی گھر میں اس صبح رونق لگی تھی۔ ڈرائیور مٹھائی اور فروٹ کی ٹوکریاں گاڑی میں رکھوا رہا تھا۔ نگینہ بیگم روایتی خاندانوں کی طرح خالی ہاتھ جانا گناہ سمجھتی تھیں۔ انہوں نے بہت سے دوسرے تحائف بھی بیڈ پہ سامنے بچھا رکھے تھے۔

زیاد سنگھار میز کے سامنے کھڑا تیار ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ سیاہ کرتا پہنے وہ بین گلے کے بٹن بند کر رہا تھا۔ اسے آئینے میں پیچھے بیڈ پہ بیٹھی نگینہ بیگم کا عکس نظر آ رہا تھا۔ وہ سفید نفیس لباس میں ملبوس سر پہ کلف لگا دوپٹہ لیے ہلکے میک اپ میں تیار لگ رہی تھیں۔

''تمہارے ابو کو بتا دوں۔ ہمارے ساتھ آئے نہیں تو یہ نہ کہیں کہ مجھے خبر نہیں دی۔'' وہ فون پہ نمبر ملاتے ہوئے کافی پرجوش نظر آ رہی تھیں۔ دوسری طرف گھنٹی جا رہی تھی۔ نگینہ بیگم نے فون اسپیکر پہ لگا کے بیڈ پہ رکھا اور خود زیور کے ایک ڈبے کو کھولنے لگیں۔ وہ پرفیوم کی بوتل اٹھاتے ہوئے ان کا عکس دیکھ رہا تھا۔ سماعت فون کی گھنٹی پہ لگی تھی۔

سلسلہ ملتے ہی سلطان صاحب کی بے زار آواز سنائی دی۔

''کیا بات ہے؟''

''ہم زیاد کے رشتے کے لیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے جواب کے لیے آج بلایا ہے۔'' نگینہ بیگم خوشی اور جوش سے بتانے لگیں۔

''فون پہ ہی بتا دیتے۔ تم ماں بیٹا ایسے ہی ٹکٹ بھر کے وہاں گئے۔ پہلے تمہارے بیٹے کی عام سی نوکری ہے۔ اوپر سے اتنے خرچے۔''

زیاد نے آہستہ سے پرفیوم کی بوتل کھولی۔ نگینہ بیگم نے گہری سانس لی۔ اور سبھاؤ سے بولیں۔

''ایسی باتیں فون پہ کہاں طے ہوتی ہیں۔ خود جانا پڑتا ہے۔ لڑکی والوں کی چوکھٹ پہ جوتیاں گھسانی پڑتی ہیں۔ آپ دعا کیجئے گا کہ اچھا جواب موصول ہو۔''

''بی بی اچھا جواب تو مشکل ہی ہے۔ ان کی بیٹی دیکھ رکھی ہے میں نے۔ گوری اور خوبصورت ہے۔ اور تمہارا بیٹا تمہارے جیسی رنگت لیے پیدا ہوا تھا۔ اوپر سے عام سی نوکری۔ وہ کہاں دیں گے اپنی بیٹی تمہارے بیٹے کو؟''

زیاد نے ضبط سے آنکھیں بند کیں۔ پھر گہری سانس لے کر ان کی باتوں کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی۔

''میرا بیٹا اپنے آپ میں بہت خوبصورت ہے' سلطان صاحب...'' نگینہ بیگم نے جھکی آنکھوں مگر مضبوط لہجے میں کہا۔''اللہ اس کے نصیب بھی خوبصورت کرے گا۔آپ دعا کیجئے گا۔''

سلطان صاحب نے بڑبڑا کے کال کاٹ دی تو نگینہ بیگم کتنی ہی دیر دل مسوس کے بیٹھی رہیں۔زیاد نے پرفیوم خود پہ چھڑکا تو باسی ماحول میں خوشبو سی پھیل گئی۔پھر وہ ان کے پاس آ کے بیٹھا۔نگینہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''امی... کیوں دل چھوٹا کرتی ہیں؟ وہ ایسے ہی کہتے ہیں۔ان کا اندر سے یہ مطلب نہیں ہوتا۔''

ایک آنسو نگینہ بیگم کی آنکھ سے ٹپکا اور جھریوں زدہ سانولے چہرے سے نیچے لڑھک گیا۔

''کاش ماں باپ اپنی اولاد کی رنگت کا انتخاب کر سکتے' بیٹے۔''

''امی... یہ پرانے زمانے کی باتیں ہوگئی ہیں۔اب مجھے ان سے فرق نہیں پڑتا۔آج کل کوئی کسی کو رنگت کا طعنہ بھی نہیں دے سکتا۔آپ ان باتوں کو نظرانداز کر دیا کریں۔'' پھر اسنے نرمی سے ماں کے ہاتھ تھامے۔''میرے لیے آپ اس دنیا کی سب سے خوبصورت عورت ہیں۔مجھے کسی قسم کا احساس کمتری نہیں ہے۔اور ابو بوڑھے ہیں۔ذرا چڑچڑے ہیں۔کہہ کے بھول جاتے ہوں گے۔آپ بھی بس بھول جائیں۔''

وہ زخمی سا مسکرا دیں۔پھر آنکھیں صاف کیں اور زیور کا ڈبہ اٹھا کے اسے دکھایا۔

''یہ میری والدہ کا سیٹ تھا۔اس میں فیروزے جڑے ہیں۔میری رنگت پہ تو یہ کبھی اچھا نہیں لگا۔کشمالہ پہ اچھا لگے گا۔میں سوچ رہی ہوں کہ آج بات پکی کر دیں اور میں یہی انگوٹھی کشمالہ کو پہنا دوں۔کیا کہتے ہو؟''

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔''جیسے آپ کی مرضی۔'' پھر گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔نگینہ نے مسکرا کے اپنے دراز قد بیٹے کو دیکھا۔وہ بہت عرصے بعد اتنا خوش اور مطمئن نظر آتا تھا۔

مگر کشمالہ کے گھر جاتے ہی زیاد کو احساس ہونے لگا کہ کچھ غلط تھا۔حورِ جہاں کا رویہ تو ٹھیک تھا۔انہوں نے گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا تھا۔لیکن کشمالہ کچھ بجھی بجھی سی تھی۔اس نے عام سا لباس پہن رکھا تھا اور بال بندھے ہوئے تھے۔پیروں میں فلیٹ جوتے تھے۔میک اپ بھی نہیں تھا۔

حورِ جہاں اور نگینہ بیگم تخت پہ ساتھ ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں اور وہ سامنے صوفے پہ بیٹھا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ساتھ موجود معید بھی کچھ خاموش سا تھا۔

فضا میں ایک عجیب سا تناؤ تھا جسے زیاد سلطان محسوس کر سکتا تھا۔

لنچ سے پہلے کشمالہ نے بخت بی کو آواز دی اور کہا کہ ماں کو وضو کروا کے نماز کے لیے لے جائیں۔ ماں اس بات پہ اتنی خوش نہیں نظر آتی تھیں۔ ابھی تو اذان ہوئی تھی۔ ظہر کا کافی وقت تھا۔ وہ ڈھنگ سے مہمانوں سے بات تو کر لیں لیکن کشمالہ نے بخت بی کو آنکھیں دکھائیں تو وہ وہیل چیئر پہ ماں کو اندر لے گئی۔

ان کے جاتے ہی زیاد قدرے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ سینے میں تنگی سی محسوس ہونے لگی۔ وہ بس کشمالہ کو دیکھ رہا تھا۔

''آنٹی... کشمالہ نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' معید کھنکھارا اور بات کا آغاز کیا۔ معید اور زیاد سامنے دو صوفوں پہ بیٹھے تھے۔ اور کشمالہ نگینہ بیگم کے ساتھ ماں کی جگہ پہ تخت پہ بیٹھی تھی۔ معید بولنے لگا تو اس نے نرمی سے اسے ٹوکا۔

''میں اپنا فیصلہ خود سنا سکتی ہوں' معید۔'' وہ رخ موڑ کے نگینہ بیگم کو دیکھنے لگی۔ وہ اب کے کچھ پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھیں جیسے سمجھ نہ پا رہی ہوں۔

''نگینہ آنٹی... میں معذرت کرتی ہوں کہ میں نے آپ کو یہاں بلایا۔ اور یہاں بلا کے میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ لیکن رات میں کچھ ایسا ہوا کہ...'' وہ زیاد کو دیکھے بغیر کہہ رہی تھی۔ دل میں کچھ تھا جو اسے جکڑ رہا تھا۔ یونہی ابو کی باتیں یاد آنے لگیں۔

''کہ مجھے احساس ہوا میں ابھی شادی نہیں کر سکتی۔''

''لیکن بیٹا...''

''پلیز میری بات سنیں۔'' اس نے نرمی سے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ ''میں جانتی ہوں کہ آپ جلدی شادی کے لیے اصرار بھی نہیں کر رہے۔ لیکن میں ابھی منگنی بھی نہیں کر سکتی۔ میں اپنی ماں کی طرف سے توجہ نہیں ہٹا سکتی۔ ان سب جھمیلوں میں پڑ کے میں ان کو نقصان پہنچا رہی ہوں۔''

''حالانکہ ہم ماں کا خیال رکھ سکتے ہیں۔'' معید نے اضافہ کیا۔ ''لیکن مالا بضد ہے کہ وہی ماں کا خیال رکھے گی۔'' جیسے وہ بے بس تھا۔ وہ صبح اس سے ایک لمبی بحث کر چکا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ نہیں مانے گی۔ جب وہ پانچ سال پہلے لاہور چھوڑ کے اسلام آباد گئی تھی' تب بھی اس نے معید کی نہیں مانی تھی۔ اب بھی نہیں مانے گی۔ اس کے پاس مالا کے فیصلے کا احترام کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

''میں اس وقت ذہنی طور پہ اتنی ڈسٹرب ہوں کہ میں ایک نیا رشتہ نہیں بنا سکتی۔'' اس نے پہلی دفعہ چہرہ موڑ کے زیاد کو دیکھا۔ زیاد کے چہرے پہ ایک زخمی سا تاثر تھا۔ مالا کے دل کو کچھ ہوا۔ اسے اپنا خواب یاد آیا۔

''آئی ایم سوری۔ آپ لوگ بہت اچھے ہیں اور مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ لیکن میں اس وقت شادی

کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"لیکن بیٹے..." نگینہ بیگم کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔انہوں نے فکرمندی سے اس کا ہاتھ تھاما۔"ہم بہت امید سے آئے تھے۔"

"امی..." زیاد ہلکا سا کھنکھارا۔وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔کیا وہ اس سے ناراض ہو جائے گا؟ کیا وہ اس سے نفرت کرنے لگے گا؟ کیا وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھ کے وہاں سے اٹھ جائے گا؟

دل کو کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"کشمالہ غلط نہیں کہہ رہی۔" وہ اپنے ازلی نرم انداز میں کہنے لگا۔جیسے تکلیف سے کہہ رہا ہو لیکن خود کو سنبھالے ہوئے ہو۔"اگر ایک انسان ذہنی طور پہ ڈسٹرب ہو وہ بھی ماں کی بیماری کی وجہ سے تو ہمیں اس پہ اتنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے جسے وہ اٹھا نہ سکے۔"

مالا کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔وہ کہہ رہا تھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں آپ جس کیفیت کا شکار ہیں۔جب سے امی بیمار رہنے لگی ہیں میں زیادہ بہتر طور پہ سمجھنے لگا ہوں۔آپ اپنے آپ پہ بوجھ نہ ڈالیں۔میں بھی یہیں ہوں اور آپ بھی یہیں ہیں۔پہلے آنٹی کو ٹھیک ہونے دیں۔اور ہماری طرف سے بالکل بے فکر ہو جائیں۔اب ہم اس موضوع پہ بات نہیں کریں گے۔"

"میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ لوگ میرا انتظار کریں یا..."

"کشمالہ..." زیاد نے نرمی سے ٹوکا۔"میں نے کہا نا' آپ ہماری طرف سے بے فکر ہو جائیں۔کوئی کسی کے انتظار میں نہیں رہے گا۔میں یہ کہہ کے کہ ہم آپ کا انتظار کریں گے' آپ کو بوجھل نہیں کر سکتے۔آپ آزاد ہیں۔میں آزاد ہوں۔مستقبل میں کیا ہو گا' اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔لیکن ابھی ہم آپ کے فیصلے کا احترام کریں گے۔"

اس کی آواز میں کرب تھا اور انداز میں وقار۔وہ ممنونیت سے اسے دیکھے گئی۔نگینہ آنٹی نے بھی بجھے دل سے سر ہلا دیا۔معید نے بھی ایک شاکی نظر مالا پہ ڈالی جیسے کہہ رہا ہو کہ کتنے اچھے انسان کو تم نے اپنے ہاتھ سے جانے دیا' مالا۔ہمیشہ غلط فیصلے کرتی ہو۔ہمیشہ۔

وہ سر جھکا کے آنکھیں صاف کرنے لگی۔وہ انہیں نہیں بتا سکی کہ وہ صرف ماں کی وجہ سے انکار نہیں کر رہی تھی۔اسے اس کے خواب نے بھی ڈرا دیا تھا۔وہ cursed (جادو زدہ) تھی۔اس پہ اور اس کی ماں پہ جادو تھا۔اور اس لیے بہتر تھا کہ زیاد سلطان ان کے cursed خاندان سے دور رہے۔ورنہ...ورنہ اسے ڈر تھا کہ زیاد کے

ساتھ کچھ برا ہوگا۔ کچھ ایسا برا جو.... خواب یاد آتے ہی اس نے پھر سے جھرجھری لی۔

ہر بات بتائی جانے والی نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کے جانے کے بعد وہ گھر پہ نہیں رکی۔ بس اپنا پینٹنگ کا سامان لیے ریستوران چلی آئی۔ آج صبح نہیں آسکی تھی تو سوچا ساری شام وہاں لگا دے۔ شاید ذہن بٹ جائے۔ لیکن کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ بار بار زیاد سلطان کی اداس آنکھیں سامنے آجاتی تھیں۔ البتہ اس کے دل میں زیاد کی عزت بڑھ گئی تھی۔ زیاد نے اس سب کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ اس نے شریفانہ طریقے سے بات کو ختم کر دیا تھا۔ اگر وہ کہتا کہ وہ اس کا انتظار کرے گا تو اس کے دل کا بوجھ بڑھ جاتا۔ لیکن اس نے مالا کو بوجھل ہونے نہیں دیا۔ اس نے بات صاف کی۔ جیسے وہ ہمیشہ کرتا تھا۔

اور کیف کہتا تھا' وہ اس کا دل دکھائے گا۔

اُف کیف۔ اس نے کراہ کے زور سے برش رکھا۔ وہ زمین پہ گلاس وال کے سامنے بیٹھی اس پہ آنسو پینٹ کر رہی تھی۔ یہ کیف کہاں سے آجاتا تھا بار بار؟ کسی نہ کسی خیال کی کڑی اس سے جا ملتی تھی۔ ہر چند دن بعد اسے لگتا تھا کہ وہ اسے بھول گئی ہے۔ پھر کوئی چھوٹی سی بات اس کی یاد دلا دیتی۔

آج کتنے دن ہو گئے تھے کیف کو اس کی زندگی سے نکلے؟ شاید دس۔ شاید بارہ۔ اس نے اب حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ امیر باپ کا امیر بیٹا۔ وہ اپنے ملک واپس چلا گیا تھا اور وہ اس کے فریب کا تاوان آج بھی ادا کر رہی تھی۔ ہونہہ۔

''مالا...''

وہ جو زمین پہ بیٹھی' سر جھکائے برش پہ پینٹ اٹھا رہی تھی' ایک دم ساکت ہو گئی۔

آواز عقب سے آئی تھی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔

وہ اسے لاکھوں کے مجمع میں پہچان سکتی تھی۔

پھر اس نے سر جھٹکا۔ نہیں۔ یہ وہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے وہم ہوا تھا۔ یقیناً۔ وہ پلٹی نہیں۔ سانس بھی نہیں لیا۔ بس برش کو پینٹ میں مکس کیے گئی۔ برش کے بال سرمئی رنگ سے لتھڑ چکے تھے لیکن وہ غائب دماغی سے اسے پیلیٹ پہ رگڑے جا رہی تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''کشمالہ...'' وہ آواز پھر سے آئی تھی۔ برش اس کے ہاتھ سے نیچے جا گرا۔ اس نے گردن اٹھائی۔ سامنے

گلاس وال تھی جو آدھی پینٹ ہو چکی تھی۔اس کے شیشے میں ایک عکس دکھائی دے رہا تھا۔عقب میں کھڑا ایک ہیولہ۔

دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟''اس کی آواز دھیمی تھی۔سرگوشی میں کی جانے والی درخواست۔

وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں کھڑی ہوئی۔گود میں رکھی چیزیں نیچے جا گریں۔پینٹ کی ٹیوب۔ڈسٹر۔ٹشو۔چاک۔اب وہ پورے قد سے کھڑی تھی لیکن اس کی نووارد کی طرف پشت تھی۔

کیا پیچھے مڑ کے دیکھنا چاہیے؟ کیا وہ نمک کا مجسمہ بننے کا خطرہ مول لے سکتی تھی؟

''میں جانتا ہوں تم میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتیں۔لیکن ایک دفعہ.....میری بات سن لو۔''

وہ آپ سے کب تم پہ آیا تھا؟ فراق میں؟ یا اس سے پہلے کی قربت میں؟ کون سا فاصلہ کب طے ہوا تھا۔

وہ دھیرے سے اس کی طرف پلٹی۔

وہ وہم نہیں تھا۔وہ حقیقت تھا۔وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

سیاہ پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے جس کے آستین موڑ رکھے تھے۔پیروں میں سیاہ بوٹ اور کلائی میں قیمتی گھڑی تھی۔اس کا لباس اس کیف سے کہیں زیادہ قیمتی اور برانڈڈ لگتا تھا جس کو وہ جانتی تھی۔بال جیل لگا کے پیچھے کر رکھے تھے۔چہرے کی شیو ویسی ہی بڑھی تھی۔اور اس کی بھوری آنکھیں...وہ کشمالہ پہ جمی تھیں۔

''کیسی ہو؟''

یہ اس کا کیف نہیں تھا۔یہ ماہر فرید تھا۔

لمحے بھر میں اس کی یادداشت تازہ ہوئی۔جیسے کسی نے منہ پہ طمانچہ مارا ہو۔یہ اس کا فریب کار تھا۔

وہ چند ثانیے ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھے گئی۔پھر سارا خون سمٹ کے چہرے میں آ گیا۔پہلو میں گری مٹھی بھنچ گئی۔کیا وہ کیف کو تھپڑ مار سکتی تھی؟

لیکن اطراف میں گزرتے ویٹرز۔میزوں پہ بیٹھے مہمان۔ابھی کوئی ان کی طرف متوجہ نہ تھا۔وہ ان کو متوجہ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ ایک دم پلٹی اور جھک کے زمین سے اپنی چیزیں اٹھانے لگی۔کینوس بیگ میں برشز ڈالے۔موبائل بیک پیک میں پھینکا۔

وہ بے چینی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔اپنی چیزیں اٹھا کے وہ ماہر کو دیکھے بغیر ایک طرف سے نکل گئی تو وہ بے

اختیار اس کے پیچھے گیا۔

''مالا... پلیز...''

کشمالہ کے قدم ٹھہرے۔

''میں تمہیں نہیں جانتی۔'' مڑے بغیر دبا دبا سا بولی۔ ''آئندہ میری ورک پلیس پہ مت آنا۔''

''پھر کہاں آؤں؟''

''کہانا' میں تمہیں نہیں جانتی۔ تماشہ مت بناؤ۔'' غرا کے کہا اور پھر وہ رکی نہیں۔ تیز قدموں سے ریستوران کی ایگزٹ کی طرف بڑھ گئی۔

''میں ہر چیز کی وضاحت کر سکتا ہوں۔'' وہ راہداری میں آگے چلی جا رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے چلتا اتنا آہستہ بول رہا تھا کہ صرف وہی سن سکے۔

لیکن اس نے نہیں سنا۔ سنا بھی تو رکی نہیں۔

باہر ریستوران کا پارکنگ ایریا گاڑیوں سے بھرا تھا۔ اسٹریٹ پولز اور دوسری زرد بتیاں رات کے اندھیرے کو خوبصورت بنا رہی تھیں۔

مالا نے ویلے کو اپنی کار لانے کو کہا اور اس کے ڈیسک کے ساتھ کھڑی انتظار کرنے لگی۔ دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا ہے۔ وہ اس کا پرفیوم پہچانتی تھی۔ یہ وہی تھا۔ کیف۔

''مالا...''

اس نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ یہ وہ نہیں تھا۔ یہ اس کا کیف نہیں تھا۔

''میں تمہارا تعاقب کار نہیں ہوں۔ بس یہی واضح کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کے کندھے کے قریب کھڑا وہ سامنے دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ دور سے وہ دونوں پارکنگ ایریا میں ساتھ کھڑے دو راہگیر نظر آتے تھے جو ایک دوسرے سے لاتعلق اپنی اپنی کارز کے منتظر تھے۔

''پھر میرا تعاقب مت کرو۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' راہگیر لڑکی کا چہرہ غصے اور بے بسی کی حدت سے سرخ پڑنے لگا تھا۔

''صرف ایک دفعہ مجھے بتانے دو کہ میں نے ایسے کیوں کیا۔ میں مجبور تھا' کشمالہ۔''

مرد راہگیر سامنے دیکھتے ہوئے بولا تو آواز میں منت تھی۔ اس کی کار سامنے آ چکی تھی۔ ویلے نے باہر نکل کے

چابی اسے تھمائی۔

وہ اندر بیٹھی اور بیک پیک فرنٹ سیٹ پہ ڈالا۔ پھر کھڑکی کا شیشہ نیچے گرایا اور باہر کھڑے اس راہگیر کو دیکھا جو زخمی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''دوبارہ میرے سامنے کبھی مت آنا' کیف۔'' اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ پھر اس نے کار آگے بڑھا دی۔ ماہر نے دیکھا' اس کے دوپٹے کا کنارا دروازے کے بیچ پھنسا باہر سے دکھائی دے رہا تھا۔

موبائل کی تھرتھراہٹ نے اس کی توجہ کشمالہ کی کار سے ہٹا دی۔ اس نے بے زاری سے موبائل اسکرین دیکھی۔ وہاں بیربل کا میسج جگمگا رہا تھا۔

''صرف اتنا بتا دو... تھپڑ تو نہیں پڑا؟ میری اور شبنم کی شرط لگی ہوئی ہے۔''

اس نے زیرِ لب بیربل کو بہت سے القابات سے نوازتے ہوئے موبائل واپس جیب میں ڈالا۔

''تمہیں میری بات سننی پڑے گی' کشمالہ مبین۔'' وہ دور جاتی کار کو دیکھ کے بڑبڑایا۔

''میں بھی یہیں ہوں۔ اور تم بھی یہیں ہو۔ دیکھتے ہیں پہلے کون ہار مانتا ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر آئی تو شدید ڈسٹرب لگ رہی تھی۔ ماں اور معید سے بات کیے بغیر ہی وہ کمرے میں چلی گئی۔ چند دن سے جو خود کو سنبھالنا شروع کر دیا تھا' تو یوں لگتا تھا کہ اسے کیف سے فرق نہیں پڑتا' لیکن وہ غلط تھی۔ فرق پڑتا تھا۔ کیوں؟ بس یہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک تو پہلے ہی اتنا بوجھل دن گزرا تھا۔ زیاد کو اس کے منہ پہ انکار کرنا' گزشتہ رات ماں کا گھر جانا۔ پھر آج سارا دن اس نے زیاد سے بات نہیں کی تھی حالانکہ زیاد نے ان کے گھر سے نکلتے ہی اسے میسج کیا تھا کہ وہ جانے سے پہلے اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ کچھ ایسا نہیں کہے گا جس سے کشمالہ خود کو بوجھل محسوس کرے۔

لیکن اس نے زیاد کو جواب نہیں دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ایسا کچھ کہے جس سے وہ کمزور پڑ جائے۔ اتنی ذہنی الجھنوں کے ساتھ وہ کام پہ گئی تھی' کہ شاید پینٹنگ اس کا دھیان بٹا دے۔

اور پھر ایسا دھیان بٹا تھا کہ دماغ کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

وہ باتھ روم کے آئینے کے سامنے کھڑی' جھک کے چہرے پہ پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔ شاید اپنے چہرے پہ رقم اس کی زخمی نگاہوں کا نشان دھو سکے۔ وہ اس کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے نفرت ہو گئی تھی اس آدمی سے۔ اور

اسے خوف بھی آیا تھا۔ جو کیف جمال جیسے مرد کو ڈرا دھمکا کے یہ کام کروا سکتا ہے' وہ کسی لڑکی کے ساتھ کیا نہیں کر سکتا؟ اور اوپر سے... اس کی تصویر... اور زخمی لڑکیوں کی تصویروں والا البم... اسے سب یاد تھا۔

اس نے گیلا چہرہ اٹھا کے آئینے میں خود کو دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں میں خوف نظر آیا۔ خوف نفرت سے کم تھا' لیکن موجود تھا۔ اُف خدایا۔ اس نے کیسے اس آدمی کو ڈیڑھ ماہ اپنے گھر میں رہنے دیا؟

تولیے سے چہرہ صاف کرتی وہ باہر نکلی تو دیکھا' سامنے وہ چھوٹا سا ڈبہ رکھا تھا۔ اس نے بخت بی سے کہا تھا کہ اوپر جو برشز وہ چھوڑ آئی ہے وہ یہاں لا کے رکھ دیں۔ اور چونکہ وہ اس ڈبے کو کل باہر نکال کے بھول گئی تھی' اس لیے بخت بی اسے بھی اٹھا لائی تھیں۔ شاید انہیں یہ نہیں لانا چاہیے تھا۔

مالا دھیرے سے کرسی پہ بیٹھی اور وہ ڈبہ اٹھا کے گود میں رکھا۔ اندر گلابی تسموں والے جوگرز تھے۔ ایک خالی پیکٹ تھا جس میں ایک بیج بچا ہوا تھا۔ اور چند برشز تھے۔ لمحے بھر کے لیے کیف ذہن سے نکل گیا۔ سب کچھ نکل گیا۔ یاد رہا تو بس اتنا کہ... کبھی یہ جوتے اس کے پیروں میں ہوتے تھے....

تب زندگی مختلف تھی۔

مالا کو اس کے کمرے میں...

ماہر کو ریستوران کے پارکنگ ایریا میں....

ماہی کو کینیڈا میں اپنے سفید گھر میں...

ماں کو لاؤنج میں وہیل چیئر پہ چھوڑ کے... ہم اپنی کہانی کو یہیں روک رہے ہیں....

ہاں اسی لمحے میں قید کر کے.... ہم تمہیں پانچ سال پیچھے لے چلتے ہیں'

جب ان سب کی زندگی آج سے بہت مختلف تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچ برس قبل.....

مے فیئر۔ لندن

یہ ایک آفس کا منظر ہے۔ دیواریں سرمئی ہیں اور ان پہ سنہرے وکٹورین فریمز میں کیلگرافیز آویزاں ہیں جن میں عربی آیات اور فارسی اشعار نمایاں ہیں۔ مہاگنی میز کھڑکی کے مقابل رکھی ہے۔ بلائنڈز ہٹے ہیں اور ان سے

آتی دوپہر کی روشنی سارے آفس کو جگمگا رہی ہے۔

کنٹرول چیئر پہ بیٹھا شخص ماہر فرید ہے لیکن وہ اب کے ماہر سے مختلف ہے۔ اس کا چہرہ قدرے کم عمر اور کلین شیو ہے۔ وہ سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس ہے۔ ٹائی کارننگ سرمئی ہے۔ ویسٹ' کف لنکس' بنے ہوئے بال' سب ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کام کے لیے تیار ہو کے دفتر آیا ہے۔ لیکن اس کے چہرے سے ایسا نہیں لگتا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہیں۔ ہلکی سی گیلی۔ اور ہاتھ میں ایک ادھ بجھا سگار ہے جسے وہ ایش ٹرے میں مسل رہا ہے۔ کمرے میں سگار کی میٹھی سی خوشبو پھیلی ہے۔

وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے سامنے رکھے ایک فریم کو دیکھ رہا ہے۔

فریم میں دو افراد موجود ہیں۔ ایک کرسی پہ بیٹھا وجیہہ بوڑھا آدمی جو سوٹ میں ملبوس ہے۔ اور ایک اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا ماہر۔ ماہر نے ایک ہاتھ اس کے شانے پہ رکھا ہوا ہے۔ وہ دونوں مسکرا رہے ہیں۔

وہ گیلی آنکھوں سے اس تصویر کو دیکھتا ہے۔ وہ اس کے باپ کی تصویر تھی۔

آج اس کے باپ کو اس دنیا سے گئے پانچواں دن تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کی تجوری میں سے بہت سے خانے کھلے پڑے تھے۔ جیسے ساری یادداشتیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی ہوں۔ یادداشتیں ٹکڑوں کی طرح سامنے آ رہی تھیں۔ اس نے ایک یاد کو تھامنا چاہا....

ایک کم عمر لڑکا اپنے باپ کے ساتھ گارمنٹس اسٹور پہ بیٹھا تھا۔ وہ دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ گرائے پریشانی سے باپ کو دیکھ رہا تھا جو کیش کاؤنٹر پہ براجمان' عینک ناک پہ جمائے' مسکرا کے ایک گاہک سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے گاہک کو سامان کا تھیلا پکڑایا تو بچہ چونکا۔ قدرے بے چینی سے سیدھا ہوا جیسے اسے روکنا چاہتا ہو۔ اس نے باپ کو اشارہ کیا لیکن باپ متوجہ نہیں تھا۔ اس نے مسکرا کے گاہک کو ایک بیجوں کا ننھا سا پیکٹ تھمایا۔

''ان کو میری طرف سے مٹی میں بو دینا۔'' وہ اب گاہک کو ہدایات دے رہا تھا۔ بچہ خفگی سے اسے دیکھے گیا۔

''ابا... اس نے کم پیسے دیے ہیں۔'' ان کے جاتے ہی وہ بے چینی سے بولا۔ ''اگر کوئی ایک پینی بھی زیادہ دے دے تو آپ فوراً بتا دیتے ہیں۔ کم پہ کیوں نہیں بتایا؟''

اس کے باپ نے مسکرا کے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

''اس کے پاس جتنے تھے' اس نے دے دیے۔ جو نہیں دیے' وہ اس کے اوپر میری انویسٹمنٹ ہے۔''

''اس سے کیا ہو گا؟'' وہ الجھا۔

''اب وہ میرا دوست بن گیا ہے۔اور زندگی میں انسانوں کے اوپر انویسٹمنٹ کر کے ان کو دوست بنالینا چاہیے۔دوست کام آتے ہیں۔پیسہ نہیں۔''

گارمنٹس کی دکان ماضی کے جھروکوں میں مدھم ہوگئی۔

اس کی جگہ مارکیٹ اسٹالز نے لے لی۔یہ بھی پرانے لندن کی ایک مارکیٹ تھی۔وہ نوعمر لڑکا ہاتھ میں کتاب لیے باپ کے برابر چلتا آرہا تھا۔اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی۔

''ابا میرا ایگزام ہے۔میں نے پڑھنا ہے۔میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟''

''تم یہاں انسانوں کو پڑھنا سیکھو گے۔تمہیں اپنے باپ کی طرح انسانوں کو دوست بنانا آنا چاہیے'ماہر۔''

''ابا....''اس نے اکتا کے سر جھٹکا۔''مجھے گارمنٹس کا کام نہیں کرنا۔''

''تمہیں جو بھی کرنا ہے'اس کام میں انسان تمہاری مدد کریں گے اگر وہ تم پہ بھروسہ کرتے ہوں۔تمہیں انسانوں کی سمجھ ہوگی تو ان کا بھروسہ جیتو گے نا۔''

''اور اس سے کیا ہوگا؟''

وہ دونوں مارکیٹ کے اسٹالز کے درمیان چلتے جا رہے تھے۔

''وہ تمہاری بات مانیں گے۔جو تم کہو گے وہ وہی کریں گے۔جیسے قاسم فرید کی بات کا سب اعتبار کرتے ہیں'ویسے ہی ایک دن ایسا آنا چاہیے جب اس شہر کے لوگ کہیں کہ وہ ماہر فرید کی ہر بات کا اعتبار کرتے ہیں۔''

پرانے لندن کی مارکیٹ مدھم ہو کے کہیں گم ہوئی۔ایک دوسری یاد ابھر کے آئی تو اس نے اس کا سرا کھینچا۔ایک منظر سا بنتا چلا گیا۔

وہ ایک گارمنٹ فیکٹری کے اندر کا منظر تھا۔بڑا سا ہال کمرہ۔اردگرد رکھے ورک اسٹیشنز۔ان کے درمیان وہ ٹین ایج نوجوان اپنے باپ کے ساتھ کھڑا تھا۔اس کے ایک ہاتھ میں کتاب دبی تھی۔

وہ اب بوڑھے ہو چکے تھے۔بال ہلکے ہلکے سفید تھے۔وہ ان کے کان کے پاس جھک کے کہہ رہا تھا۔

''ابا... یہ آدمی آپ سے جھوٹ بول رہا ہے۔میری بات مانیں۔اس کے ساتھ کام نہ کریں۔''

قاسم فرید نے مسکرا کے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔اب اس کا قد ان سے نکلتا ہوا تھا اور وہ ناخوش نظر آرہا تھا۔

''اور تمہیں کیسے معلوم؟''

''میں ماہر ہوں۔مجھے معلوم ہوتا ہے۔''ہلکے سے شانے اچکائے۔انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''پھر ہم وہی کریں گے جو ماہر کہتا ہے۔ کیونکہ ہم ماہر کا اعتبار کرتے ہیں۔'' انہوں نے مسکرا کے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ دونوں ایک ساتھ آگے چلنے لگے....

ماہر نے چہرہ ہتھیلیوں سے اٹھایا۔ اس کی گلابی آنکھیں اب بھی گیلی تھیں۔ نظریں سامنے بنی کھڑکی پہ جمی تھیں جہاں سے سورج کی اداس کرنیں اندر داخل ہو رہی تھیں۔

ان کے سنہرے پن میں ایک باسی منظر ابھرنے لگا۔

وہ ایک خوبصورت اور نفیس سے گھر کا لونگ روم تھا۔ نوجوان ماہر سینٹر ٹیبل پہ کاغذ پھیلائے سر جھکائے ایک اسکیچ بنا رہا تھا۔ اس نے کچن سے آتی آوازوں کی طرف سے کان لپیٹ لیے تھے۔

کچن کے سامنے وہ تینوں کھڑے تھے۔ ایک سیاہ گھنگھریالے بالوں والی خوبصورت عورت۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا گھنگریالے بالوں والا لڑکا جو منہ پھلائے کھڑا تھا۔ وہ عورت غصے سے زور زور سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے قاسم فرید سے لڑ رہی تھی۔

''یہ تمہارا بیٹا ہے' قاسم۔ تمہاری گارمنٹ فیکٹری کا ملازم نہیں جو تم ہر صبح اصرار کرنے لگ جاتے ہو کہ اسے کام پہ لے کر جاؤ گے۔ یہ ایک بچہ ہے۔''

''ماہر اس کی عمر کا تھا جب میرے ساتھ مارکیٹ اسٹالز تک جاتا تھا'' وہ نرمی سے گہری سانس لے کر کہہ رہے تھے۔

''تب تم ایک اسٹال کے مالک تھے' قاسم۔ اب تم ایک فیکٹری کے مالک ہو۔ کچھ تو اپنے اسٹیٹس کا خیال کرو۔''

''مجھے بیربل کو دنیا دکھانی اور دنیا سکھانی ہے۔ ورنہ وہ کیسے جان پائے گا کہ اس کے باپ نے یہ سفر کہاں سے شروع کیا؟''

''شش''

منہ بسورے کھڑے گھنگریالے بالوں والے لڑکے نے آواز پہ اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کے اسے اپنے پاس بلا رہا تھا۔ بیربل نے ماں باپ کو دیکھا پھر ماہر کو۔ پھر ہلکا سا مسکرایا اور دھیرے سے کھسک کے اس کے پاس چلا آیا۔ وہ دونوں ابھی تک کچن میں کھڑے بحث کر رہے تھے۔

بیربل چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا ہوا اس کے ساتھ کارپٹ پہ آ کے بیٹھ گیا۔

''مجھے فیکٹری نہیں جانا۔'' اس نے ماہر کے قریب ہو کے شکایت کی۔ اس نے گہری سانس لی۔

''بیر... تمہیں معلوم ہے... ہمارے ابا ہمیشہ سے خوشحال نہیں تھے۔'' وہ دھیرے دھیرے بتانے لگا۔ ''ساٹھ کی دہائی میں ہمارے دادا کے ساتھ وہ انگلینڈ آئے تھے اور تب سے اب تک انہوں نے بہت سی جابز کی ہیں۔ پیٹرول پمپ پہ۔ ریستوران پہ ویٹر کی۔ گارمنٹس اسٹور پہ سیلز مین کی۔ جانتے ہو ہر جاب سے انہوں نے کیا کمایا ہے؟''

''پیسے؟''

''اونہوں۔'' وہ مسکرایا اور اس کے ناک کو پین سے ہلکا سا چھوا۔ ''دوست۔ انہوں نے ہر جاب سے دوست کمائے ہیں۔ اور آج ہمارے ابا کے پاس ایک گارمنٹ فیکٹری ہے کیونکہ ان کو peoples skill آتی ہے۔ انسانوں کو مینج کرنا۔ انہوں نے اپنے سارے خاندان کو قطر اور لندن میں سیٹل کروا دیا ہے۔ کیونکہ لوگ ابا پہ بھروسہ کرتے ہیں۔ ان کے کہنے پہ لوگوں کو جاب دیتے ہیں۔ جانتے ہو ابا کے دوست چائے خانوں کے ملازموں سے لے کر قطر کی رائل فیملیز تک پھیلے ہیں۔ کیا تم ابا پہ بھروسہ کر کے ان کی بات نہیں مان سکتے؟''

''مگر میں نے نہیں جانا فیکٹری۔'' وہ منہ پھلا کے اسی طرح بولا تو ماہر نے گہری سانس لی۔ پھر ایک افسوس بھری نظر اٹھا کے کچن میں کھڑے میاں بیوی کو دیکھا۔ وہ ہنوز بحث کر رہے تھے.... اس کے سر میں درد ہونے لگا۔

منظر دھوئیں کے مرغولے میں غائب ہو گیا۔ اور جب دھند چھٹی تو اب ایک اور منظر سامنے تھا۔

وہ ایک آفس میں بیٹھا تھا۔ میز کے اس پار رابیل فرید بیٹھی تھی۔ گھنگھریالے بال جوڑے میں لپیٹے' گردن میں ہیروں کی لڑی پہنے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔

''ماہر... مجھے مجبور مت کرو۔ میں قاسم کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔''

''ماں...'' وہ کرسی سے اٹھا اور گھوم کے اس کے سامنے آیا۔ اس کے چہرے پہ بے چینی اور پریشانی تھی۔

''ماں پلیز ایسا نہ کریں۔ پلیز۔'' اس نے گھٹنوں کے بل ماں کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔ چہرے پہ منت تھی۔

''میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ مجھے نہیں رہنا اس کے ساتھ۔''

''آپ اس وقت میں ان کو کیسے چھوڑ کے جا سکتی ہیں جب ان کا برین ٹیومر ڈائیگنوز ہوا ہے؟ ان کو اس وقت آپ کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔''

''میں مزید اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔'' اس نے سختی سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

''بیربل کیا کرے گا۔وہ چھوٹا ہے۔ایسے مت کریں۔'' وہ ٹوٹے ٹوٹے الفاظ میں کہہ رہا تھا۔''ہماری فیملی ٹوٹ جائے گی۔ابا بیمار ہیں۔ان کو مت چھوڑ کے جائیں۔''

آنسو اس کے چہرے پہ پھسل رہے تھے۔لیکن وہ اسی طرح گردن کڑائے بیٹھی تھیں۔چہرے پہ افسوس تھا لیکن فیصلہ اٹل تھا....

وہ اٹھ کے چلی گئیں تو وہ کتنی ہی دیر زمین پہ بیٹھا رہا۔پھر ایک دم اٹھا اور کھڑکی تک آیا۔وہاں ایک ڈسپلے ٹیبل پہ ایک سفید عمارت کا ماڈل رکھا تھا۔اس نے پوری قوت سے ماڈل کو دھکا دیا۔ننھی سفید عمارت دھڑام سے زمین بوس ہوگئی۔سارے ٹکڑے بکھر گئے۔....

وہ منظر اس ماڈل کی کرچیوں کے عکس میں غائب ہوگیا۔

اور اب کے ایک نیا منظر سامنے آنے لگا۔

ایک اپارٹمنٹ کے اندر زرد بتیاں جلی تھیں۔ایک بڑی سی کھڑکی تھی جس کے باہر بارش تیز تیز برس رہی تھی۔ بھیگتی کھڑکی کے آگے دو لوگ کھڑے تھے۔ان کے چہرے ٹھیک سے دکھائی نہ دیتے تھے۔ایک کوٹ میں ملبوس ماہر تھا اور دوسری گھنگھریالے بالوں والی عورت۔

''تم ایک دفعہ شمس سے مل کے تو دیکھو۔''

''میں جانتا ہوں اس شمس کو اچھی طرح۔'' وہ پوری قوت سے چلا رہا تھا۔اس کا چہرہ سرخ تھا اور آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔''وہ میرے باپ کا ملازم تھا۔آپ اس کو میرے باپ کی جگہ پہ نہیں لا سکتیں۔''

''ماہر یہ میری زندگی ہے۔میں یہ فیصلہ کر سکتی ہوں۔'' وہ بھی جواباً چلائی تھی۔

''میرے باپ کی سرجری ہونی ہے monday کو۔اور آپ اسی دن شادی کرنے جا رہی ہیں؟''

''میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال دے دیے اس شخص کو۔اور کیا کروں اس کے لیے؟ خدارا مجھے اپنی مرضی سے گزارنے دو۔'' وہ بھی چیخ رہی تھی۔

''اگر آپ نے شمس الدین سے شادی کی نا تو میں آپ سے ساری عمر نہیں ملوں گا۔میں آپ کو بتا رہا ہوں۔'' اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔میز پہ رکھی ساری چیزیں نیچے گر گئیں۔ایک گلدان۔تین پھول۔دو گلاس۔

پھر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔وہ اسے پیچھے سے پکار رہی تھیں لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔

وہ باہر سڑک پہ آیا تو بارش پوری قوت سے برس رہی تھی۔

''ماہر...'' پیچھے سے بیر بل بھاگتا ہوا آیا۔اس کے گھنگریالے بال لمبے تھے اور پونی میں مقید تھے۔اس کے پیروں میں سلیپرز تھے۔وہ سنے بغیر فٹ پاتھ پہ چلنے لگا۔اس کے بال' کپڑے' سب کچھ بھیگتا گیا لیکن وہ نہیں رکا۔

''ماں کو کرنے دو شادی۔کیا فرق پڑتا ہے۔'' وہ بھاگتا ہوا اس کے کندھے کے قریب آیا۔

''تمہیں سمجھ کیوں نہیں آ رہی؟'' وہ اس کی طرف گھوما اور پوری قوت سے چلایا۔''ابا اور ماں کی ڈائیورس کو تین ماہ ہوئے ہیں۔اور وہ اگلے ہی دن شادی کرنے جا رہی ہیں۔اس کا مطلب ہے ماں ایسے ہی ابا کو الزام دیتی رہیں۔انہوں نے اس... اس شمس کی وجہ سے ابا سے طلاق لی تھی۔'' اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

''نہیں ماہر۔'' بیر بل کو اس کی بات پہ جیسے افسوس ہوا۔''شمس نے ماں کو دو ہفتے پہلے پروپوز کیا ہے۔اس سے پہلے ایسا کچھ نہیں تھا۔انہوں نے مجھے خود بتایا ہے۔''

اس نے افسوس سے بیر بل کو دیکھا۔''ماں ایک غلط فیصلہ کرنے جا رہی ہیں۔وہ آدمی جو میرے باپ کا باڈی گارڈ بن کے ہماری زندگی میں آیا تھا' وہ میری ماں کو ورغلاتا رہا ہے۔میں نے اسے نکالا تھا ملازمت سے کیونکہ میں نے اس کی چوری پکڑی تھی۔اور اس نے اس سے بڑا انتقام لگا لیا۔''

''ماہر تم ہر کسی کو غلط سمجھتے ہو۔'' وہ دونوں بارش میں کھڑے بھیگ رہے تھے۔

''میں لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا' بیر بل۔اس آدمی نے یہ پہلے دن سے پلان کر رکھا تھا۔وہ ماں سے شادی ماں کی دولت کے لیے کر رہا ہے۔وہ دولت جو ابا نے ماں کو دی ہے۔تم جاؤ کرو شادی میں شرکت۔میں نہیں آؤں گا۔میرا باپ ہسپتال میں ہے۔''

''میں نہیں کروں گا شرکت اور میں بھی ابا کے پاس ہوں گا۔مگر ماں کو ایسے نہ کہو۔''

''رہو تم اپنی دنیا میں۔'' وہ ہاتھ جھلا کے بکتا جھکتا آگے بڑھ گیا۔بیر بل برستی بارش میں تنہا کھڑا رہ گیا۔

بارش والی رات آہستہ آہستہ پانی میں گھل کے فنا ہو گئی۔اور اس کی جگہ ایک سنہرے دن کا منظر ابھرنے لگا۔

وہ ایک خوبصورت انگلش کنٹری ہاؤس کا لان تھا۔گھاس پہ دو بنچ آمنے سامنے نصب تھے۔ایک پہ ماہر بیٹھا تھا۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیچز پہ پولو شرٹ پہنے' اس کا چہرہ پہلے سے دبلا لگ رہا تھا۔اور آنکھوں تلے حلقے گہرے ہو رہے تھے۔ہاتھ میں ایک سگار تھا جو سلگ رہا تھا۔اسے لبوں میں دبا کے ایک سانس اندر کھینچا' اور آنکھیں بند کیں۔دھوئیں کے مرغولے ہوا میں بلند ہوئے۔آنکھیں کھولیں تو دیکھا ... دھوئیں کے بادلوں کے پار زارا کھڑی

تھی۔

ہینڈ بیگ کہنی سے لٹکائے وہ ہمیشہ کی طرح تجی سنوری ہوئی تھی۔ اونچی اسکرٹ لانگ بوٹس شانوں پہ پھیلے بال۔ وہ اسے افسوس سے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے قاسم تایا کو تمہاری یہ نئی ایڈکشن کتنی بری لگتی ہے۔'' وہ ناخوشی سے کہتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھی۔

ماہر نے سگار والا ہاتھ سامنے کیا اور الٹ پلٹ کے اسے دیکھا۔

''یہ میری محبوبہ ہے۔ اس کو میں ابا کے کہنے پہ بھی نہیں چھوڑ سکتا۔'' شانے اچکا کے پھر سے لبوں سے لگالیا۔

زارا نے غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے معلوم ہے تم صبح سے یہاں بیٹھے کیوں اسموکنگ کر رہے ہو۔'' وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''بیربل نے بتایا ہے مجھے۔ اب تم دونوں بھائیوں کی ایک بہن بھی دنیا میں آچکی ہے۔''

''وہ شمس کی بیٹی ہے۔ میری کچھ نہیں لگتی۔'' وہ تلخ ہوا۔ جبڑا تک بھنچ گیا۔

''تم کب سے نہیں ملے اپنی ماں سے؟''

''ملا تھا۔ چار ماہ پہلے۔ کچھ ڈاکومنٹس سائن کروانے گیا تھا۔ وہ کمپنی کی شیئر ہولڈر ہیں۔''

''ہاں لیکن ماہر... کبھی ایسے ہی مل لیا کرو۔ جیسے بیربل ملتا ہے۔ وہ تمہیں کتنا بلاتی ہیں۔ ڈنرز پہ۔ تمہاری سالگرہ پہ۔ تم نہیں جاتے۔''

''میں لوگوں کے پیچھے نہیں جایا کرتا۔ میرے سامنے ان کا ذکر مت کیا کرو۔'' وہ بھوری آنکھیں دور سبزے پہ جمائے ہوئے تھا۔

''دیکھو... قاسم انکل کا ٹیومر بھی ٹھیک ہوگیا۔ منجیو ما تھا وہ۔ اب وہ بھی سیٹ ہیں۔ وہ کہیں گے تب بھی نہیں جاؤ گے اپنی بہن کو دیکھنے؟''

''کہا نا... وہ شمس کی بیٹی ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سگار ہاتھ میں تھا۔

''اس کا نام ہلال ہے۔'' زارا نے پیچھے سے پکارا۔ وہ نہیں پلٹا۔ بس ایک نظر اٹھا کے آسمان کو دیکھا۔

ہلال۔

دو روز پہلے لندن کے آسمان پہ چاند کمان کی صورت میں ابھرا تھا۔ ہلال جیسا۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔ وہ اس کی

ماں کی بے وفائی کی نشانی تھی۔ اسے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اگر کچھ محسوس ہوا تھا تو نفرت تھی۔

سگار کا ایک اور کش بھرا تو سارا منظر اس کے دھوئیں سے دھندلا گیا۔

دھواں چھٹا تو ایک اور یاد سامنے چلنے لگی....

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ورک ٹیبل پہ لیپ ٹاپ کے سامنے تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں سگار تھا۔ دفعتاً دستک ہوئی۔ اس نے بے دھیانی میں یس کہا۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر خاموشی۔ ماہر نے گردن موڑ کے دیکھا۔

قاسم فرید چوکھٹ میں کھڑے تھے۔ ایک تاسف بھری نظر اس کے ہاتھ پہ ڈالی۔ اس نے تیزی سے سگار نیچے کیا۔ انگارے نے اس کی انگلی کے پورے کو چھوا۔ سس کی آواز لبوں سے نکلی۔ مگر تب تک وہ افسوس سے سر جھٹک کے جا چکے تھے۔ اس نے غصے سے سگار مسلا۔ مٹھی بھینچی۔ پھر تیزی سے ان کے پیچھے گیا...

کچھ دیر بعد وہ دونوں کچن میں کھڑے تھے۔ وہ برنر کے ساتھ کھڑے قہوہ بنا رہے تھے۔ اور وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''کتنی پیتے ہو ایک دن میں؟''

''دو یا تین...'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ وہ سر جھکائے پیالی میں قہوہ انڈیلنے لگے۔

''تمہیں کھا جائے گی یہ۔''

''نہیں چھوڑ سکتا ابا۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ ایسے وعدے نہیں کرتا تھا جنہیں پورا نہ کر سکے۔

''سگریٹ انسان کو...''

''سگریٹ نہیں ہے یہ۔'' اس نے بات کاٹی۔ ''مجھے بھی نفرت ہے سگریٹ سے۔ اس کے دھوئیں سے۔ یہ سگار ہے۔'' بہت دفعہ کی بتائی بات دہرائی۔ لیکن انہوں نے سر افسوس سے جھٹکا۔

''اپنی ماں سے مل لیا کرو۔ تمہاری بہن کی دوسری سالگرہ تھی۔ اس نے تمہیں بلایا۔ تم نہیں گئے۔''

''وہ میری بہن نہیں ہے۔''

قاسم فرید نے دونوں پیالیاں ٹرے میں رکھیں اور آنکھیں اٹھا کے کو دیکھا۔ پھر جھریوں زدہ چہرے کے ساتھ مسکرائے۔ اب وہ ضعیف نظر آتے تھے۔

''وہ تمہاری بہن ہے۔ ایک وقت آئے گا جب میں اس دنیا میں نہیں ہوں گا اور نہ ہی تمہاری ماں۔ ہم دونوں

کے چلے جانے سے سارے شکوے ختم ہو جائیں گے۔ پھر تمہاری بہن کو تمہاری ضرورت ہو گی۔''

''وہ میری بہن نہیں ہے۔'' اس نے ایک پیالی اٹھائی اور وہ دونوں ساتھ ساتھ لاؤنج میں آئے۔

''تم نے ارشاد کو کمپنی سے کیوں نکال دیا' ماہر؟ مجھے تمہارا یوں غصہ کرنا اچھا نہیں لگتا۔''

''وہ میرا اسٹاف ہے' ابا۔ وہ میری غیر موجودگی میں میری ماں کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔''

''ہر اسٹاف اپنے باس کی برائی کرتا ہے۔ کس کس پہ غصہ کرو گے؟ کس کس کی زبان بند کرو گے۔''

''جس جس کی کر سکا۔'' وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ جب سے ماں نے ان کو چھوڑا تھا' اس کے اندر بہت سا غصہ جمع تھا۔ وہ افسوس سے اسے جاتے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے شکر کی ڈلی پیالی میں ڈالی۔ وہ قہوے میں گھلتی چلی گئی اور سارے منظر کو اپنے ساتھ گھول کے لے گئی۔

اب کے جو منظر سامنے آیا... وہ ہسپتال کے ایک کاریڈور کا تھا۔ وہ سنگی بنچ پہ خاموش بیٹھا تھا۔ شل۔ اس کے ساتھ بیر بل بیٹھا تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال کس کے پونی میں بندھے تھے اور پیروں میں جوگرز تھے۔

''سات سال ابا ٹھیک رہے... پھر اچانک سے کیوں ان کا ٹیومر اتنا بڑھ ہو گیا.... اور ہمیں پتہ ہی نہیں چلا؟'' بیر بل شل سا سامنے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہم علاج کروائیں گے۔'' وہ نڈھال لگ رہا تھا۔ آنکھیں ضبط سے گلابی ہو رہی تھیں۔

پھر وہ اٹھا اور سامنے کاریڈور میں لگا دروازہ کھولا۔ اندر بیڈ پہ ابا لیٹے تھے۔ نحیف۔ کمزور۔ سر بالوں سے صاف تھا۔ جسم میں بہت سی نالیاں لگی تھیں۔ وہ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

وہ ان کے ساتھ بیٹھا اور ان کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔

''ماہر...'' انہوں نے مدھم آواز میں اسے پکارا، وہ مزید ان کی طرف جھکا۔

''اسموکنگ چھوڑ دو' بیٹے۔ یہ تمہیں کھا جائے گی۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنکھ سے آنسو نکلا۔

انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ نیند میں چلے گئے تھے۔ آج کل ان کی یہی کیفیت تھی۔

''تمہارے ابا کو گلائیوما ہے۔'' وہ آواز کی طرف مڑا۔ ایک میڈیکل پروفیشنل کے ساتھ مالک کھڑا تھا۔ سوٹ

میں ملبوس۔غمزدہ لگتا تھا۔اس کے بال مکمل سفید نہ تھے۔سیاہ سفید کھچڑی زدہ سے تھے۔

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ہسپتال کے گارڈن میں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''یہ ایک چھوٹا سا منجیو ماتھا۔ابا کی سرجری ہوئی۔انہوں نے سات برس بہت اچھے سے گزارے۔پھر یہ گلائیوما کیسے بنا؟''وہ الجھن سے کہہ رہا تھا۔مالک نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''اللہ کے کام ہیں۔کوئی نہیں سمجھ پا رہا۔یہ ایک ریئر کیس ہے۔''

اس نے جیب سے اسگار نکالا اور کپکپاتے ہاتھوں سے لبوں میں ڈالا اور اس کے دہانے کو نم کیا۔پھر ایک butane لائٹر نکالا۔اس پہ ماہر فرید کندہ تھا۔

مالک نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''تم نے اندرا اپنے باپ سے وعدہ کیا ہے۔''

''میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔''سگار منہ سے نکال کے وہ اس کے دوسرے کنارے کو گھماتے ہوئے لائٹر سے سلگانے لگا۔اس کے ہاتھ مہارت سے کام کر رہے تھے۔

''شمس اور رابیل ملنے آنا چاہتے ہیں۔''

اس نے کچھ نہیں کہا۔سگار لبوں میں دبائے وہ اس کا دوسرا دہانہ گھماتے ہوئے لائٹر سے اسے مزید سلگا رہا تھا یہاں تک کہ اس کا دہانہ برابر جلنے لگا۔

''ان کو منع مت کرنا۔تم چاہو تو اس وقت یہاں سے چلے جانا۔''وہ دھیرے سے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نہیں۔میں یہیں ہوں گا۔وہ آسکتے ہیں۔''اس نے کش لیتے ہوئے کہا اور پھر سگار لبوں سے نکالا۔دھواں اڑتا گیا۔

''لیکن وہ اپنی بچی کو ساتھ نہیں لائیں گے۔میں اس کو نہیں دیکھ سکتا۔''

اس کا انداز حتمی تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری جب وہ ہسپتال کے روم کے باہر کاریڈور میں کھڑا تھا۔اس کی نظریں دروازے پہ جمی تھیں۔دروازہ کھلا اور وہ دونوں باہر نکلے۔سیاہ لمبے کوٹ والی رابیل۔اور اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر مرد۔وہ مرد جو آج بھی اس کے باپ کا ملازم لگتا تھا۔دونوں کی نگاہ ملی۔ماہر نے آج نگاہ نہیں پھیری۔بس سر کو جنبش دی۔رابیل نے بھیگی آنکھوں سے سر ہلایا۔وہ اس عورت سے مختلف تھی جس نے ان کے باپ کو چھوڑا تھا۔وہ بدل گئی تھی۔نہ

جانے کس طرح۔ اس نے غور نہیں کیا۔ بس منہ پھیر لیا۔ سنکھیوں سے محسوس ہوا کہ وہ اس کی طرف آ رہے ہیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

سارے منظر دھندلا گئے۔ ساری بصارتیں تاریک ہو گئیں۔

ماہر نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔ یادوں کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ اپنے باپ کی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ خاموش۔ ویران۔ اس کا سب کچھ ختم ہو گیا تھا جیسے۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور بھاری بوٹس کے اپنی طرف آنے کی آواز سنائی دی۔ ماہر نے نظریں اٹھائیں۔ مالک اس کی میز کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ گرے سوٹ پہنے' کھچڑی بالوں کو جیل سے سمیٹے' وہ ہمیشہ کی طرح کمپوز ڈ تھا۔

''تم آفس کیوں آئے ہو؟ کچھ دن آرام کرو۔'' وہ بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے سامنے والی کرسی پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اس کا چہرہ اپنے بھائی کی بیماری سے جنازے تک ایسا ہی رہا تھا۔ روبوٹ جیسا۔

''آرام سے کیا غم کم ہو جائے گا؟'' پھر اس نے سر جھٹکا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

''ابا نے بیربل کے ساتھ اچھا نہیں کیا' مالک۔''

''میرے نزدیک اس نے بیربل کی بھلائی کے لیے فیصلہ لیا ہے۔ وہ بہت impressionable ہے۔ (جلد اثر لینے والا۔) پیسہ ضائع کرتا ہے۔ تمہارے باپ نے بہت محنت سے یہ سب بنایا ہے۔ ہمیں انگلینڈ اور قطر میں سیٹل کروایا ہے۔ بیربل کو اس کا حصہ وہ ابھی دے دیتا تو وہ بہت جلد سب اڑا کے فارغ ہو چکا ہوتا۔''

''مگر اتنی سخت شرط؟'' ماہر نے سامنے رکھا کاغذ اٹھایا اور دیکھا۔ ''بیربل کو اس کا فنڈ (حصہ) تب تک نہیں ملے گا جب تک وہ تیس برس کی عمر کو نہ پہنچ جائے اور اپنی ذاتی کمپنی کا مالک نہ بن جائے جس کا سالانہ ریونیو ابا کی مقرر کردہ ایک مخصوص رقم سے زیادہ ہو۔ تب تک اسے ہر ماہ کمپنی کی طرف سے ایک مختص کردہ جیب خرچ ملے گا جس میں سالانہ پانچ فیصد کا اضافہ کیا جائے گا۔'' اس نے بددلی سے کاغذ رکھا۔ ''بیربل کو کتنا برا لگا ہو گا۔''

''اسے جائیداد میں اپنا حصہ کمانا پڑے گا' ماہر۔ تم کسی کیڑے کو بھی وقت سے پہلے اس کے کوکون (خول) سے نکال دو تو وہ اپنی کمزوری کے باعث باہر کی دنیا میں سروائیو نہیں کر سکتا۔ بیربل پھر انسان ہے۔ تم اس پہ ترس کھا کے اسے اس کے کوکون سے نکالو گے تو وہ اڑنا کیسے سیکھے گا؟''

''انہوں نے ماں کو بھی حصہ دیا ہے۔'' وہ ناخوش نظر آتا تھا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ شمس کمپنی میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔''

''اور ہم اسے ایسا کرنے دیں گے؟ ناممکن۔'' مالک کا لہجہ اٹل تھا۔''میں نے وکیل سے بات کر لی ہے۔ قاسم نے اس کا حصہ ایسے مختص کیا ہے کہ اسے گھر بیٹھے ایک رقم ملتی رہے گی لیکن وہ کمپنی کے معاملات میں نہیں بول سکتی۔ قاسم نے یہ سب تمہیں تمہاری ماں کے ساتھ جوڑے رکھنے کے لیے کیا ہے۔''

ماہر نے منہ میں کچھ بڑبڑا کے سر جھٹکا۔ اور دراز کھول کے سگار کا پیکٹ نکالا۔ مالک نے ناپسندیدگی سے اس کو دیکھا۔

''تم نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ اسے چھوڑ دو گے۔''

''کہا نا' یہ میری محبوبہ ہے۔ اور میں اس سے وفادار ہوں۔ ہمارا ساتھ قبر تک کا ہے۔'' آزردگی سے مسکرا کے اسے لبوں سے لگا لیا۔ مالک نے گہری سانس لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس وقت مے فیئر کے اس آفس میں ماہر اور مالک' قاسم فرید کی وصیت پہ غور کر رہے تھے' ان سے چند کلومیٹر دور' ایک رہائشی علاقے میں بنے چھوٹے سے گھر کے بیڈروم میں تناؤ کا سا ماحول تھا۔

رابیل بیڈ پہ عجیب آزردہ بیٹھی تھی۔ آنکھیں گیلی تھیں۔ سر ہیڈ کراؤن سے ٹکا ہوا تھا۔ وقت نے اسے بوڑھا اور کمزور کر دیا تھا۔ خوبصورتی کملا گئی تھی اور ایک ویرانی سی تھی جو آنکھوں میں ٹھہری تھی۔

شمس سامنے کھڑا الماری میں نہ جانے کیا تلاش کر رہا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جس کی آنکھیں چھوٹی اور شاطر تھیں۔ سرمئی بال سر سے اڑے اڑے سے تھے اور پیشانی کی شکنیں اسے مزید ناپسندیدہ بنا رہے تھے۔ تلاش روک کے وہ پلٹا اور ایک طنزیہ نگاہ رابیل پہ ڈالی۔

''کب تک روؤ گی اپنے سابقہ شوہر کے لیے؟''

رابیل نے آنکھیں بند کیں۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلا اور تھوڑی سے نیچے بہتا گیا۔

''وہ ایک مہربان آدمی تھا' شمس۔ میں نے اس کو بہت دکھ دیے ہیں۔''

شمس نے زور سے مٹھی بھینچ لی۔ جیسے بہت ضبط سے خود کو روکا۔

''وہ ایک خودغرض آدمی تھا۔ پلانر تھا۔ اس نے بیربل کو تم سے ملنے کی سزا دی اور اسے جائیداد سے بے دخل کر دیا۔ اور اپنے ڈرگ ایڈیکٹ بیٹے کو ہر شے کا نگران بنا دیا۔''

''ماہر ڈرگز نہیں کرتا۔ وہ صرف سگار پیتا ہے۔'' وہ جواباً دبا دبا سا چلائی۔

''ہونہہ... تمہیں کیا معلوم۔تم سے تو وہ ملتا بھی نہیں ہے۔'' الماری کا پٹ زوردار آواز سے بند کیا اور غصے سے بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔رابیل نم آنکھوں سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔شمس کا یہ انداز اس وقت سے تھا جب سے اس کے وکیل نے اسے کال کی تھی۔

شمس گھر سے باہر نکل آیا اور کھلی فضا میں گہرے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا۔پھر موبائل پہ ایک نمبر ملاتے ہوئے وہ سڑک کنارے چلنے لگا۔

''سرکار؟'' سلسلہ ملتے ہی وہ بے بسی سے بولا جیسے کوئی بچہ فیل ہونے پہ استاد کے پاس پریشانی سے آتا ہے۔

''کیسے ہو شمس میاں؟'' ایک معنی خیز طنز میں ڈوبی آواز سنائی دی۔شمس نے بے بسی سے سڑک کنارے بنے گھروں کی قطار کو دیکھا۔

''خوش نہیں ہوں۔''

''اب بھی خوش نہیں ہو؟'' سرکار کی آواز میں تعجب تھا۔''تمہارے لیے اتنا لمبا چلا کاٹا میں نے۔آسان نہیں ہوتا ہنڈیا کا جادو کرنا۔لیکن سرکار نے کر دکھایا نا۔تمہارے رقیب کے خون میں جادو ایسا بٹھایا کہ اس امیر بڈھے کا سارا پیسہ اور بڑے بڑے ڈاکٹرز اس کو بچا نہیں سکے۔لیکن تم اب بھی خوش نہیں ہو؟''

''کیا فائدہ اس کے مرنے کا اگر میں کمپنی میں شراکت دار نہیں بن سکتا۔'' وہ بے چینی سے بولا۔''بڈھا اتنی قانونی پیچیدگیاں چھوڑ گیا ہے کہ اس کا بیٹا اور بھائی مجھے کمپنی کے دروازے سے بھی داخل نہیں ہونے دیں گے۔'' بے بسی اب غصے میں بدلنے لگی۔

''ہر کام جادو سے نہیں ہوتا شمس میاں۔کچھ اپنا بھی ذہن استعمال کرو۔اس کے بیٹے کو رام کرو۔اپنا راستہ صاف کرو۔'' سرکار کی آواز پرسکون تھی۔

''دیکھو... میں تمہیں تمہاری منہ مانگی قیمت دوں گا۔'' شمس کی آواز دھیمی ہوئی۔''تم کسی طرح ماہر کا دل میری طرح سے صاف کر دو۔ایک دفعہ وہ مجھے کمپنی میں داخل ہونے دے' آگے میں سب سنبھال لوں گا۔''

سرکار نے گہری سانس لی۔''ہم بندے کو بیمار کر سکتے ہیں اور مار بھی سکتے ہیں۔لیکن کسی کے دل سے برسوں پرانی نفرت نہیں نکال سکتے۔اب تم خود ہاتھ پیر مارو' شمس میاں۔کیا ساری عمر ہم نے تمہارے کام کر کے دینے ہیں؟''

''سرکار پلیز.... میری برسوں کی محنت رائیگاں جائے گی۔''

دوسری جانب چند لمحوں کے لیے خاموشی چھائی رہی۔ پھر سرکار کی پرسوچ آواز گونجی۔

''تمہاری بیٹی کیسی ہے؟''

شمس جہاں تھا' وہیں سن رہ گیا۔ بالکل ساکت۔ چہرہ سفید پڑا۔

''میری بیٹی کا کیا ذکر؟''

''صرف حال پوچھا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اس سے ملواؤ۔ پریشان کیوں ہو گئے ہو؟''

سرکار کی آواز میں کچھ معنی خیز تھا۔ ایسے راز جن سے جادو کرنے اور کروانے والے واقف ہوتے ہیں۔ شمس نے بدقت تھوک نگلا۔

''میری بیٹی کے بارے میں بات نہ کیا کرو' سرکار۔ وہ معصوم ہے۔ میری سیاہ کاریوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔''

''اچھا اچھا برا نہ مانو۔ ہم کچھ کرتے ہیں۔'' سرکار نے ہنس کے فون رکھ دیا۔

شمس نے فون نیچے کیا اور پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ سڑک پہ تنہا تھا۔ قریبی گھر خاموش تھے۔ کسی نے اسے یہ کال کرتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یہ بے چینی ختم نہیں ہوتی تھی۔

یہ ایک ایسی دلدل تھی جس میں پھنس کے نکلنا ناممکن تھا۔ عاملوں کی چوکھٹ پہ ایک دفعہ جو چلا جائے' وہ واپس نہیں جا سکتا تھا۔ ایک عمل کے بعد دوسرا عمل۔ ایک مشکل کے بعد دوسری۔

دوسری جانب اپنے کمرے میں موجود سرکار نے مسکرا کے موبائل رکھا۔ سرکار کا کمرہ وہی تھا جسے تم حال میں سرکار کو عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اسی طرح سامان وہاں بکھرا تھا۔ البتہ سرکار کا چہرے قدرے جوان تھا۔ جھریاں کم تھیں اور اس کے بال سیاہ سفید کھچڑی جیسے تھے۔ سر پہ نارنجی رومال باندھے اس نے پیروں کی آلتی پالتی کر رکھی تھی۔ اس کے سامنے چند کاغذ اور زائچے رکھے تھے۔

''کب تک چھپاؤ گے مجھ سے اپنی بیٹی کو' شمس؟'' اس نے مسکرا کے کہا اور ایک کاغذ اٹھا لیا۔ اس کے تعویذ لکھنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج لندن میں قاسم فرید کی رہائش گاہ پہ ان کی یاد میں ایک ڈنر منعقد کیا گیا تھا جس میں عزیز و اقارب سیاہ لباس پہنے شرکت کرنے آ رہے تھے۔ لیکن یہ سوگ صرف اس ایک گھر کا سوگ تھا۔

ان سے کئی ہزار میل دور لاہور کے ایک مبین منزل نامی گھر میں ماحول مختلف تھا۔

وہاں شادی کے فنکشن پہ جانے سے پہلے والی افراتفری مچی تھی۔

لاؤنج کے تخت پہ حورِ جہاں بیگم بیٹھی تھیں۔ وہ حال کے مقابلے میں قدرے کم فربہ تھیں اور چہرہ زیادہ تروتازہ تھا۔ کامدار کا سنی لباس پہنے' بالوں کی چوٹی بناتی' ساتھ ساتھ اونچی آواز میں ملازمہ کو ہدایات دے رہی تھیں۔

''صغریٰ... ہمیں شادی پہ دیر ہو جائے گی۔ کریلے فرائی کر کے رکھے ہیں۔ انہیں فریج میں رکھ دینا۔ اور پودوں کو پانی لازمی دینا۔''

''اُف ماں... آپ کی تقریر ختم ہو تو میں لائنر لگا لوں آپ کو؟ آنکھیں بند کریں۔'' ان کے سامنے کھڑی ماہی ڈپٹ کے بولی۔ ایک ہاتھ کمر پہ رکھے' دوسرے میں آئی لائنر پکڑے' وہ جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ انیس بیس سال کی ایک پیاری سی لڑکی تھی۔ باب کٹ بال' گردن میں بھاری چوکر' کانوں میں جھمکے۔ کامدار لباس۔ اور کلائیوں میں سونے کے بھاری کنگ اور چوڑیاں۔ پہلی نظر میں معلوم ہو جاتا تھا کہ اس کی شادی کو کچھ عرصہ ہی گزرا ہے۔

''اچھا اچھا۔'' ماں نے آنکھیں بند کیں۔ وہ جیسے ہی ان پہ جھکی' اور لائنر کی لکیر کھینچنا شروع کی' ماں نے پٹ سے آنکھیں کھولیں۔

''او ہو صغریٰ... چولہا بند کرو۔ چائے ابل گئی ہو گی۔''

ماہی کا ہاتھ پھسلا اور لائنر ان کی آنکھ کے کنارے پہ لگ گیا۔

اُف۔ وہ دانت پیستی ہوئی سیدھی ہوئی۔

''میں نہیں لگا رہی۔ آپ تقریر کر لیں پہلے۔'' کھٹاک سے لائنر کی کیپ چڑھائی اور سامنے صوفے پہ بیٹھ کے خفگی سے سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔

''اچھا اچھا میری بیٹی۔ اب نہیں بولتی۔ واپس آؤ۔'' انہوں نے پیار سے پکارا لیکن ماہی نے ہونہہ کہہ کے رخ موڑ لیا۔ اس کی ماں سے دن میں تین چار لڑائیاں ہنستے کھیلتے ہی ہو جاتی تھیں۔

''اچھا مالا کو دیکھ آؤ.. کیا وہ آئے گی؟'' ماں کو اس کی ناراضی کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ ماہی نے خفگی سے انہیں گھورا اور نہ چاہتے ہوئے اٹھی۔ مالا اپنے کمرے میں تھی اور وہ اب اس سے کوئی تیسری دفعہ پوچھنے جا رہی تھی کہ کیا وہ شادی میں شرکت کرے گی۔ یا ہمیشہ کی طرح انکار کر دے گی۔

مالا اپنے کمرے میں ہی تھی۔ بیڈ پہ بہت سے کاغذ پھیلائے' لیپ ٹاپ دو تکیوں کے اوپر رکھے' وہ سوچ سوچ کے کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ بائیس تیئیس برس کی خوبصورت لڑکی تھی۔ بال چھوٹے تھے اور بدقت کندھوں کو چھوتے تھے۔ آنکھیں حورِ جہاں جیسی سبز تھیں اور ہاں... اس کے دونوں رخساروں پہ بہت سے گلابی دانے نکلے تھے۔ اسے شدید ایکنی ہو رہی تھی۔

ماہی نے دھاڑ سے دروازہ کھولا تو وہ چونکی۔ چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''مالا تم ہمارے ساتھ چل رہی ہو یا نہیں؟''

''میں نے کیا کرنا ہے شادی میں جا کے۔ تم لوگ جاؤ۔ مزے کرو۔'' وہ اپنے ازلی ٹھنڈے انداز میں بولی اور اسکرین کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ماہی کے ابرو سوچنے والے انداز میں اکٹھے ہوئے۔ وہ اس کے بیڈ کے قریب آئی اور کندھے کے اوپر سے لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھا۔

''تم کیا کر رہی ہو؟''

''وہ میرا کلاس فیلو ہے نا' ظہیر... اس نے مجھے اپنا بزنس پلان بھیجا ہے۔''

''مگر تم نے تو اس کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔''

''ہاں بابا... میں نہیں کر رہی اس کے ساتھ کام۔ میں صرف اس کا پلان دیکھ کے سوچ رہی ہوں کہ اگر میں اس کھنڈر عمارت کی مالک ہوتی' جسے وہ ریستوران میں تبدیل کرنا چاہتا ہے' تو میں کیا کرتی۔'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے پین تھوڑی پہ رکھے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایکسائٹمنٹ بھری چمک تھی۔ ماہی ہلکی سی مسکرائی۔

''میں بتاتی ہوں۔ کیا کرو۔ اس عمارت کو نئے سرے سے رینوویٹ کرو۔ ڈیکور کرو۔ اور اس کا نقشہ ہی بدل دو۔ میں جس دن عباد کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہوئی نا' میں نے اس کے بوسیدہ اپارٹمنٹ کو تبدیل کر دینا ہے۔''

ماہی اور ماہی کے اپنا گھر سجانے کے خواب۔

''میری بہن صرف رینوویشن کرنے سے ریستوران کامیاب نہیں ہو جاتے۔ ہر تبدیلی کی کوئی کہانی ہوتی ہے۔''

''اور اگر نہ ہوئی؟''

''تو کہانی بنانی پڑتی ہے۔ اچھا بزنس مین وہ ہوتا ہے جو اس کہانی کو بیچنے کا فن جانتا ہو۔'' پھر اسکرین کو دیکھا۔ ''ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں... لیکن...''

''لیکن تم اس ظہیر کو فری میں آئیڈیا نہیں دو گی۔ مجھے ناوہ بڑا دو نمبر لگتا ہے ویسے۔''

مالا نے مسکرا کے اسے دیکھا اور افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔''تم جا کے شادی کا زردہ کھاؤ۔ جاؤ۔''

ماہی نے ہونہہ کہہ کے بال جھٹکے اور باہر نکل آئی۔

''آپ کی شہزادی کو کوئی نیا بزنس آئیڈیا سوجھا ہوا ہے' وہ نہیں آ رہی۔''ماں کے سامنے آ کے اس نے لائٹر اٹھایا اور پھر وارننگ دی۔

''اگر اب آپ نے آنکھیں کھولیں تو اللہ کی قسم چہرے پہ ایسے نقش و نگار بناؤں گی کہ کبیرہ تائی کا دل خوش ہو جائے گا۔''

ماں نے جھک کے اپنی چپل اتاری تو اس نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑا۔

''اچھا اچھا ...لگا رہی ہوں۔''

بدقت لائٹر والا مرحلہ مکمل ہوا۔ ماں نے فوراً سے آنکھیں کھول لیں اور اسے اپنے سر سے ٹلنے کا اشارہ کیا۔ پھر پرس سے اپنی اکلوتی لپ اسٹک نکالی اور چھوٹے آئینے کو ہاتھ میں پکڑے لپ اسٹک لگانے لگیں۔ حور جہاں بیگم کا میک اپ بس اتنا ہی ہوتا تھا۔

''ویسے میں اگلے ہفتے امریکہ جا رہی ہوں۔ پیچھے آپ کا مالا کے ساتھ گزارا کیسے ہوگا؟ وہ سارا دن کتابوں میں سر دیے کمرے میں بیٹھی رہے گی۔ آپ تو بور ہو جائیں گی۔''وہ واقعی فکرمند تھی۔

ماں نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''تیری ماں کو فرق نہیں پڑتا۔ شاباش میرے کانٹے لا۔''

''رکھے تو ہیں سامنے۔''

''یہ پرپل والے؟''

''اُف ماں۔ یہ پرپل نہیں ہے۔ لائی لیک (کاسنی) ہے۔ آپ مجھے آج بتا ہی دیں۔ آپ کلر بلائنڈ تو نہیں ہیں۔''ماہی نے ماتھے کو چھوا۔ ماں نے ساتھ رکھا پرس زور سے اس کی طرف دے مارا۔ اس نے بروقت سر پیچھے کر لیا اور ہنستے ہوئے بولی۔

''سوچ رہی ہوں امریکہ سے آپ کے لیے نظر تیز کرنے کی دوا لاؤں۔''

سیڑھیوں سے نیچے آتے معید نے اس کا آخری فقرہ سن لیا تھا۔

''بس ماہی کو آج کل بہانہ چاہیے بار بار ہمیں یاد کروانے کا کہ وہ امریکہ جا رہی ہے۔ پینڈو چلے ہیں نیویارک۔''

اور اس بات پہ ماہ بینہ مبین کے سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔

''اپنے سسرال میں ایک شادی اٹینڈ کرنے جا رہی ہوں۔ پہلی بہو ہوں خاندان کی۔ سب میرے آگے پیچھے ہوں گے۔''

''ہاں... جوتے لے کر۔''

وہ ہنسا تو ماہی نے غصے سے اسے دیکھا۔

''تم جیسوں کو میں نے امریکہ جا کے شاپنگ کے وقت بالکل یاد نہیں رکھنا۔''

''اوقات تو تمہاری ون ڈالر اسٹور والی ہے۔ وہیں سے دو ڈالرز کے شیمپو اٹھالاؤ گی ہمارے سارے امریکی رشتے داروں کی طرح۔'' وہ اسے چڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔ ''اور تم کوئی ساری عمر کے لیے نہیں جا رہی۔ دو ماہ کے لیے جا رہی ہو۔ واپس تمہیں ہمارے پاس ہی آنا ہے۔''

پھر اس نے غور سے ماں بہن کی تیاری دیکھی۔

''آپ دونوں دلہنیں بن کے کہاں جا رہی ہیں؟''

''بخت بی کی بیٹی کی شادی میں۔''

''چلو جی... غریب لوگوں کی شادی ہے' اتنا ڈریس اپ کیوں ہو رہی ہیں جیسے....''

لیکن حورِ جہاں اور ان کی بیٹی نے معید کو فقرہ مکمل نہیں کرنے دیا۔ دونوں کے چہرے سرخ ہوئے اور آستینیں چڑھا لی گئیں۔

''کوئی امیر غریب نہیں ہوتا۔ خوشی سب کی برابر ہوتی ہے۔''

''دل سے شرکت کرنی چاہیے۔ آئندہ یہ بات نہ کہنا۔''

دونوں ایک ساتھ اس پہ حملہ آور ہوئی تھیں۔ معید نے جلدی سے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

''اوہو... میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ جائیں جائیں فیشن شو میں۔ مجھے کیا۔''

دونوں ماں بیٹی نے ہونہہ کہہ کے اسے گھورا اور واپس اپنی تیاریوں میں مگن ہو گئیں۔ جیسے ابھی کسر رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد باہر سے آتی آوازیں بند ہو گئیں۔ ماہی اور ماں جا چکی تھیں۔ مالا نے لیپ ٹاپ رکھا اور گردن

دائیں بائیں اسٹریچ کی۔ جیسے تھک گئی ہو۔ پھر بستر سے اتری اور سلیپرز پیروں میں گھسیڑے۔ وہ سادہ لمبے کرتے اور جینز میں ملبوس تھی۔ گردن میں کسی دوسرے سوٹ کا دوپٹہ مفلر کی طرح ڈالا ہوا تھا۔ چہرہ میک اپ سے خالی تھا اور بال شاید صبح کے بعد برش نہیں کیے تھے۔ پونی اٹھاتے ہوئے وہ باہر نکلی اور چھوٹے بال دوسرے ہاتھ میں اکٹھے کیے۔ پھر پونی ان پہ کس کے لپیٹتے ہوئے کچن میں آئی۔

سنک کے اوپر بنی کھڑکی سے باہر پودوں کی کٹنگ کرتی صغریٰ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ وہیں کاؤنٹر کے ساتھ اونچے اسٹول پہ بیٹھ گئی۔ تھوڑی مٹھی پہ جمائی اور باہر نظر آتے لہلاتے پودوں کو دیکھنے لگی۔

ماں نے بھی کیا کیا شوق پال رکھے تھے۔ سارے گھر کو پودوں سے بھر رکھا تھا۔ نہ جانے انہیں کیا ملتا تھا ان کا اتنا خیال رکھ کے۔ مالا کو تو ان سب میں فرق کرنا بھی نہیں آتا تھا۔

سبزے کو دیکھتے ہوئے اس نے لمحے بھر کے لیے آنکھیں بند کیں۔ جیسے ہی بصارت اندھیر ہوئی' ذہن کے پردے پہ بہت سے واقعات ابھرنے لگے۔

ابھی کچھ دن پہلے کی ہی بات ہے۔ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے اس کے کلاس فیلوز کا گروپ لنچ پہ اکٹھا تھا۔ سب کھانا ڈالنے کے لیے اٹھ اٹھ کے بفے ٹیبل کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بھی جانے کے لیے کھڑی ہوئی لیکن ظہیر نے اسے روکا۔

''مالا... تم سے ایک بات کرنی ہے۔''

ظہیر اس زمانے میں کافی دبلا پتلا ہوا کرتا تھا۔ امیر باپ کا بیٹا تھا اور سب کو معلوم تھا کہ اس کا مستقبل روشن ہے۔ اسے دوسرے انٹرپرینیئرز کی طرح Scratch سے شروع نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ واپس اسلام آباد جائے گا اور اپنے باپ کا پھیلا ہوا کاروبار سنبھالے گا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے تعجب سے ظہیر کو دیکھا۔ ریستوران کی زرد روشنیوں میں اس کا ایکنی زدہ چہرہ گلابی لگ رہا تھا۔ وہ چھوٹے بالوں کو ہاف کیچر میں باندھے ہوئے تھی۔ اور سادہ سبز آنکھیں سوالیہ انداز میں ظہیر پہ جمی تھیں۔ جینز کے اوپر لمبا کرتا' گردن میں لپٹا رنگ برنگا اسکارف' پیروں میں پہنے فلیٹ جوتے... میک اپ یا جیولری کا نام و نشان تک نہ تھا۔

''میرے ابو نے اسلام آباد میں ایک پرانا ریستوران خریدا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں اس کو رینوویٹ کر کے چالو کروں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس پہ میرے ساتھ پارٹنر شپ کر لو۔''

''میں؟'' مالا نے اچھنبے سے سینے پہ انگلی رکھی۔ ''مگر مجھے تو ریستوران مینجمنٹ کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔''

''تم ذہین ہو۔ پھر تمہیں ہمیشہ نئے آئیڈیاز آتے ہیں۔ اتنے سال سے گروپ پراجیکٹس میں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ دبی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ساتھ ہی احتیاط سے ادھر ادھر بھی دیکھ لیتا۔ دوسرے کلاس فیلوز دور بنچ ٹیبل کے گرد کھڑے تھے۔ یقیناً ظہیر ابھی اپنے ارادے کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ابو جس طرح کا ریستوران بنانا چاہتے ہیں ایسے ریستوران اسلام آباد میں بہت ہیں۔ مجھے کچھ مختلف کرنا ہے۔ تم میرا ساتھ دو تو...''

''لیکن میں لاہور سے کیسے کام کروں گی۔''

''اسلام آباد شفٹ ہو جاؤ۔''

''نہیں ظہیر۔'' اس نے نرمی سے معذرت کی۔ ''میری ماں یہاں ہیں۔ پھر ماہی کی بھی شادی ہو چکی ہے۔ میں گھر نہیں چھوڑ سکتی...'' وہ رکی۔ کیا اسے ظہیر کو دوسری وجہ بتا دینی چاہیے۔ شاید ابھی نہیں۔

''تم مجھے اس پلان سے باہر ہی سمجھو۔'' اس کا جواب حتمی تھا۔ ظہیر کو حیرت بھی ہوئی اور مایوسی بھی۔

''سوچ کے جواب دینا یار۔ تمہارا کیریئر بن جائے گا۔''

اس نے مسکرا کے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''میرا جواب یہی رہے گا۔ میں لاہور نہیں چھوڑ سکتی۔''

وہ منظر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ مالا نے آنکھیں کھولیں۔ کھڑکی کے اس پار دکھائی دیتے پودوں کے پتے ہوا سے جھوم رہے تھے۔ وہ مسکرا دی۔ لیکن یہ مسکراہٹ کہاں سے آئی تھی؟

اس نے پھر سے آنکھیں بند کیں۔ اور اس اصل وجہ کو یاد کیا جو وہ اس دن ظہیر کو نہیں بتا سکی تھی۔

بند آنکھوں کے پیچھے ایک منظر بننے لگا۔

ماہی اور مالا بستر پہ ساتھ ساتھ پیر اوپر کیے بیٹھی تھیں اور ماں ان کے سامنے تھیں۔ ایک ٹانگ موڑے۔ ایک کو لمبی کیے۔ دوپٹہ سر پہ جما کے کانوں کے پیچھے اڑسے۔ درمیان میں مونگ پھلی کی ٹرے رکھی تھی۔ ماں مونگ پھلی کو انگوٹھے اور انگلی سے توڑتیں' اندر سے دانہ نکالتیں' ایک خود منہ میں ڈالتیں اور دوسرا بیٹیوں کو پکڑاتیں۔ حالانکہ وہ اپنی اپنی مونگ پھلی خود بھی نکال رہی تھیں۔ ماہی تو دانتوں سے توڑتی جاتی تھی۔ مالا کی رفتار البتہ سست تھی۔ وہ غور سے ماں کی بات سن رہی تھی۔

''میں نے ثمرین آپا سے سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے۔'' سر جھکا کے مونگ پھلی کو چھلکے سے علیحدہ کرتے ہوئے ماں کے چہرے پہ مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔ ''اب تم بتاؤ' مالا۔ سہیل کا اپنا بزنس ہے۔ خوش شکل ہے۔ شریف اور خاندانی بھی ہے۔''

''سب سے بڑی بات ٹریول بہت کرتا ہے۔ کبھی اس ملک جا رہا ہے اور کبھی اس ملک۔'' ماہی نے چہک کے لقمہ دیا۔ سفر کرنے کی شوقین ماہی جو پہلے ہی امریکہ جانے پہ پھولے نہیں سما رہی تھی' اس کی خوشی دوگنی ہو گئی تھی۔ مالا نے اسے کہنی ماری۔

''تم چپ کرو۔'' اسے ٹوک کے سنجیدگی سے ماں کو دیکھا۔ ''آپ نے ثمرین آنٹی کو بتایا ہے نا کہ میں شادی کے بعد بھی فری لانس آرٹسٹ کے طور پہ کام کرنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں بیٹے۔ ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ثمرین چاہتی ہے کہ سہیل کو ہمارے گھر لے آئے تاکہ ہم سب اس سے اور وہ ہم سے مل لے۔ میں نے تو اسے اس کے بچپن میں ہی آخری دفعہ دیکھا تھا۔''

''مگر میں نے اسے انسٹاگرام پہ اچھا خاصا اسٹاک کر لیا ہے۔'' ماہی نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں تو مالا بے اختیار ہنس دی۔ ماں نے بھی آہ بھر کے اسے دیکھا۔

''تم نہیں سدھرو گی۔''

''سچی بات ہے' میں تو بہت امپریسڈ ہوئی ہوں۔ اتنا امیر' اوپر سے ہینڈسم' اور پھر ملک ملک پھرنے والا بندہ مل رہا ہے۔ اور مالا کو بھی دنیا گھومنے کا شوق ہے۔ بس میری طرح وہ اس کا اعلان نہیں کرتی' ہاں۔''

ماں نے مونگ پھلی توڑ کے بڑھائی اور ماہی نے اس سے پہلے ہی اُچک لی۔ وہ ایک دفعہ پھر ہنس دی۔ اس کا جواب اس کی ہنسی میں چھپا تھا۔

''اگر آپ کو ٹھیک لگتا ہے تو آپ ان کو بلا لیں۔ ثمرین آنٹی کے بیٹے کی تصویر تو میں نے دیکھ رکھی ہے۔ اچھا ہے ملاقات بھی ہو جائے۔'' وہ بظاہر سنجیدگی سے کہہ رہی تھی لیکن چہرے پہ خوشی کی ایک انوکھی رمق تھی۔

ماں اس کو دعا دے کر اٹھ گئیں۔ کپڑے جھاڑے۔ پھر افسوس سے فرش پہ گرے چھلکوں کو دیکھا جو یقیناً ماہی کے ہاتھوں سے پھسل رہے تھے۔

''امریکہ جا کے یہ حرکتیں نہ کرنا۔ ناک کٹواؤ گی میرا۔''

اسی لمحے معید نے چوکھٹ سے اندر جھانکا۔

''اس عمر میں رائینو پلاسٹی (ناک کی سرجری) کروا کے آپ کیا کریں گی' حورِ جہاں بیگم؟''

بہت ہی افسوس سے پوچھا۔ ماں نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

''آمیر ابیٹا... ذرا اندر آ... میں تیری ڈاکٹری نکالتی ہوں۔''

''ڈاکٹری سے یاد آیا.... معید تم ڈرما (امراض جلد) میں اسپیشلائزیشن کیوں نہیں کر لیتے؟ میری ایکنی کا علاج مفت میں ہو جائے گا۔'' وہ مونگ پھلی توڑتے ہوئے مزے سے بولی تو معید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''ہاں سوچ رہا ہوں ڈرما میں چلا جاؤں۔ اس کا مریض نہ مرتا ہے نہ ٹھیک ہوتا ہے۔ پیسہ ہی پیسہ ہو گا۔''

ماں کو جوتے یا ہینگر کی تلاش میں آگے پیچھے مڑتے دیکھ کے وہ وہاں سے کھسک گیا۔ وہ اس کے پیچھے چلی گئیں۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا ماہی جھٹ سے اس کی طرف پلٹی۔ بہت سی مونگ پھلی اچھل کے لحاف پہ گری۔

''اف مالا.... وہ اتنا شاندار بندہ ہے۔ میں تو ابھی سے تمہاری شادی کے لیے ایکسائیٹڈ ہو گئی ہوں۔''

وہ جواباً دھیرے سے ہنس دی۔

''تھوڑی سی ایکسائٹڈ تو میں بھی ہوں۔''

''ہے نا۔ دیکھو کتنا اچھا ہو گیا۔ ادھر تم نے پڑھائی مکمل کی' ادھر اتنا اچھا رشتہ مل گیا۔''

''اور سب سے بڑی بات... وہ ٹریول کا شوقین ہے۔'' وہ دونوں اس بات پہ ایک ساتھ ہنس دیں۔ پھر مالا نے چہرہ موڑا تو سامنے رکھی سنگھار میز کے آئینے میں اپنا عکس نظر آیا۔

''بس اب میں اس ایکنی کا باقاعدہ علاج کرواؤں گی۔'' گردن دائیں بائیں گھما کے اپنے گال دیکھے۔ معید درست کہتا تھا۔ ڈرما کے مریض کے چکر ہر ماہ لگتے ہیں۔ اور ماں ہر ماہ ایک بڑی رقم اس کے علاج کے لیے نہیں نکال سکتی تھیں۔ شاید نکال بھی لیتیں اگر وہ اصرار کرتی۔ مگر وہ ماں پہ کبھی بوجھ نہیں ڈالتی تھی۔ البتہ اب شادی ہونی تھی تو یہ کروانا لازم تھا۔ جہیز کے دوسرے خرچوں میں ان کا خرچہ بھی نکل آئے گا۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ ابھی تک کچن کاؤنٹر پہ بیٹھی تھی اور سامنے کھڑکی کے اس پار ملازمہ پودوں کو پانی دیتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

دوسری بہت سی لڑکیوں کی طرح کشمالہ نے بھی اپنے بہت سے خواب اور نا تمام حسرتیں شادی کے لیے بچا کے رکھی ہوئی تھیں۔ شادی ہو گی تو میں یہ کروں گی۔ کیونکہ شادی خوشی کا دوسرا نام تھا۔ اور وہ واقعی خوش تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک کچا پکا سا مکان تھا جس کے کمرے ایک قطار میں بنے تھے۔ صحن میں قناتیں لگی تھیں۔ ایک کونے میں تختے رکھ کے اسٹیج بنایا گیا تھا جس پہ بھڑکیلے نارنجی اور سرخ لباس والی دلہن' پیلے سونے کا زیور پہنے بیٹھی تھی۔ دوسرے کونے میں ایک موڑھے پہ بیٹھی دبنگ سی عورت دیگ پہ جھکی' چھوٹی پلیٹ سے چاول نکال نکال کے ڈشز میں ڈال رہی تھی۔ اس کی شلوار پہ گھٹنے کے قریب دیگ کی کالک لگ چکی تھی لیکن وہ اس سے بے نیاز تھی۔ بس کھانا پورا ہو جائے۔ جیسے ہی وہ ایک ڈش بھرتی' ساتھ کھڑی کوئی لڑکی اسے اچکتی اور بھاگ کے مہمانوں کے سامنے جا کے رکھ آتی۔

یہ ایک سادہ سی شادی کا منظر تھا۔

صحن میں چارپائیاں بھی تھیں اور ٹینٹ سروس کی سرخ کرسیاں بھی۔ شادی میں شریک قریباً سب ہی عورتیں ایک جیسی تھیں۔ چم چم کرتا لباس۔ گہری لپ اسٹک اور لائنر۔ پیلا زیور۔ سوائے حورِ جہاں اور ماہی کے۔ وہی دونوں اپنے کامدار لباس اور اسٹائل کی وجہ سے ان سب سے ممتاز تھیں۔

حورِ جہاں بیگم ایک چارپائی پہ بیٹھی تھیں۔ ایک ٹانگ موڑے' ایک سیدھی لمبی کیے۔ بخت بی نے بہت کہا کہ وہ ان کے لیے ہمسائیوں کی بہو کے جہیز کا صوفہ منگوا دیتی ہے لیکن حورِ جہاں نے سختی سے منع کر دیا۔

''بس کرو بختو۔ ساری عمر چارسدہ میں چارپائیوں پہ بیٹھے ہیں ہم۔ اس میں کیا ہے۔'' اور آرام سے اسی پہ تکیے کے سہارے بیٹھ گئیں۔ ماہی بھی ساتھ ہی ٹک گئی۔ یہ بخت بی کی تیسری بیٹی کی شادی تھی اور ماہی نے ان کی ہر شادی میں شرکت کی تھی۔ اس لیے وہ سب کو پہچانتی تھی۔ سب رشتے داران ہی کے گرد جمع تھے۔

''تم بخت بی کی بھانجی ہو نا۔ زلیخا۔'' ماہی ایک ایک کو نام سے پکار کے پوچھ رہی تھی۔ ''اور یہ چھوٹی کوثر کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ اوئے... تم اسکول جاتی ہو یا سارا دن گھر میں اپنی ماں کا سر کھاتی ہو؟''

آنکھیں نکال کے اسے گھورا۔ سب نے قہقہہ لگایا۔

''اور تم نے بڑا وزن کم کیا ہوا ہے سکینہ۔ لگتا ہے تمہارے حصے کا کھانا تمہاری ساس کھا جاتی ہیں۔'' ماہی نے شرارتی آنکھوں سے دیگ سے کھانا ڈالتی عورت کی طرف اشارہ کیا تو ساری لڑکیاں کھلکھلا کے ہنس دیں۔ ماں نے اس کو چٹکی کاٹی۔

''بری بات۔ کسی کے وزن کا مذاق نہیں اڑاتے۔''

''اچھا... آپ کے وزن کا اڑا سکتے ہیں؟'' ماہی نے پلکیں جھپکائیں۔ ماں اونہوں کر کے بخت بی کی طرف

متوجہ ہوگئیں۔

''لڑکا کماتا بھی ہے یا ایسے ہی رشتہ کر دیا ہے' بختو؟''

''نہیں نہیں۔ کماتا ہے۔ اپنی موبائلوں کی دکان ہے۔ بس اللہ بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔''

''اللہ اچھے نصیب ہی بناتا ہے۔ کچھ خود بھی آواز اٹھانی پڑتی ہے۔'' ماں سنجیدگی سے بولیں۔

کسی نے ٹینٹ سروس والوں کی پلاسٹک کی پلیٹیں سامنے لا کے رکھیں۔ کوئی برف اور پانی سے بھرا اسٹیل کا جگ لے آیا۔ پھر چھوٹے سلیم نے پلاسٹک کا سفید ڈونگا سامنے لگایا۔ بہت پتلی اور خوب لمبی چوڑی روٹیاں بھی آ گئیں۔ کھانے میں مرغی کا سالن تھا جس میں بہت سا تیل تیر رہا تھا۔ مگر ماہی جانتی تھی کہ پتلی روٹی اور یہ مصالحے دار سالن بہت مزیدار ہوگا۔

''تمہاری بڑی بیٹی نہیں نظر آ رہی۔'' ماں نے غور سے اطراف میں دیکھ کے سوال کیا۔ بخت بی نے سر جھکا دیا۔

''اس کے بندے نے نہیں آنے دیا۔''

''کہا بھی تھا اس نکھٹو کو نہ دو رشتہ۔ مگر تم نے میری ایک نہیں سنی۔'' ماں سخت برہم ہوئیں۔ ''تاباں سے کہو گھر آ جائے۔ بلکہ میرے پاس آ جائے۔ اس کی ماریں نہ کھاتی رہے۔''

''وہ تاباں کو ابھی تک مارتا ہے؟'' سالن ڈالتی ماہی کا ہاتھ رک گیا۔ ''پچھلی دفعہ جب وہ منا کے اسے گھر لے کر گیا تھا تو نہ مارنے کی قسم اٹھائی تھی۔''

ماں نے گہری سانس بھری۔ ''بدزبان بیوی' اور تشدد کرنے والا شوہر.... یہ کبھی نہیں بدلتے۔ ان کو بدلنا پڑتا ہے۔''

ماہی کو بات سمجھنے میں چند منٹ لگے۔

''باجی... تین بچوں کے بعد اسے کیسے چھوڑے؟ غریب عورت کی تو قسمت میں ہی مار کھانا ہے۔''

''بیٹی غریب کی ہو یا امیر کی' جب تک اپنے لیے آواز نہیں اٹھائے گی' ماریں ہی کھائے گی۔''

''نہیں ماں۔ امیر عورت کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ وہ کھڑے کھڑے شوہر کو گھر سے نکال دیتی ہیں۔ امیروں کے سبھی مزے ہیں۔'' پھر ساتھ بیٹھی لڑکیوں کو دیکھ کے تبصرہ کیا۔ ''اسی لیے مجھے امیر لوگ زہر لگتے ہیں۔''

لڑکیاں پھر سے کھلکھلا دیں۔ ''آپ خود بھی تو امیر ہو باجی۔'' وہ سب بہت ستائش سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''دانت نہ نکالو۔ تمہارے لیے میں امیر ہوں۔ مجھ سے پوچھو...'' اس نے آہ بھری۔ ''میرے شوہر نے میرے

لیے امریکہ کا ٹکٹ بھیجا لیکن اکانومی کلاس۔یعنی... ''الفاظ تلاش کیے۔''سب سے سستی سیٹ کا ٹکٹ بھیجا۔تین جہاز بدل کے امریکہ پہنچوں گی پیسے بچانے کے لیے۔اتنا نہیں ہوا اس سے کہ مہنگی سیٹ کا ٹکٹ بھیج دیتا۔''

اسے وہی قلق کب سے کھائے جا رہا تھا۔کنجوس عباد۔اس کا تیسرا مہینہ چل رہا تھا۔کیا تھا اگر وہ بزنس کلاس کا ٹکٹ بھیج دیتا۔لیکن نہیں۔کنجوس نہ ہوتو۔

''باجی سارا جہاز ایک ساتھ ہی امریکہ جانا ہے۔سیٹ مہنگی ہو یا سستی۔''

کسی نے لقمہ دیا اور سب پھر سے ہنس دیے۔

''مالا باجی نہیں آئیں؟''سلیم نے منہ بسور کے پوچھا۔

''بیٹے ان کو کچھ کام تھا۔''ماں نے پیار سے اسے دیکھا۔وہ اس زمانے میں ایک کم عمر چھوٹا سا لڑکا ہوا کرتا تھا۔

''مالا باجی کبھی نہیں آتیں۔ان کو ہمیشہ کام ہوتا ہے۔''سلیم مزید خفا ہوا۔

کھانا کھاتے ہی ماہی چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو شاباش۔ڈھولک لاؤ۔کوئی گانا شانا گاؤ۔میں چلی گئی نا تو مجھے یاد کرو گے تم لوگ۔''

وہ ان لوگوں کی شادیوں میں ہمیشہ ڈھولک منگوا کے ان کے ساتھ ٹپے گایا کرتی تھی۔پل بھر میں نیچے سرخ قالین پہ سب کی محفل لگ گئی۔ایک لڑکی ڈھولک لے کر بیٹھ گئی۔اور ماہی خود بھی اپنے جوتے اتار کے اسی قالین پہ بیٹھ گئی جہاں ابھی بہت سے لوگ جوتوں کے ساتھ چلے تھے۔گانوں اور ٹپوں کی آوازیں گونجنے لگیں اور وہ ہنستے ہوئے ان کے ساتھ سر سے سر ملانے لگی۔غریب کے ساتھ غریب بن جانا اس نے اپنی ماں سے سیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم فرید کے گھر کا لونگ روم اس شام موم بتیوں اور فانوسوں کی زرد روشنیوں سے روشن تھا۔باوردی ملازم آگے پیچھے پھرتے سرو کرتے دکھائی دے رہے تھے۔سیاہ لباس میں موجود بہت سے مرد اور خواتین باری باری اندر آ رہے تھے۔

وہ دونوں بھائی دروازے پہ کھڑے تھے۔بیربل گھنگھریالے لمبے بالوں کی پونی بنائے'سر جھکائے افسردہ سا کھڑا تھا۔آنے والوں کو بس سر کے اثبات سے جواب دیتا۔

اس کے ساتھ کھڑے ماہر کا چہرہ بے تاثر تھا۔سفید شرٹ کے سیاہ تھری پیس پہنے'فرنٹ پاکٹ میں ننھا سفید گلاب لگائے'بال جیل سے سمیٹے وہ کسی روبوٹ کی طرح کھڑا تھا۔وہ تعزیت کرنے والوں کو محض سر کے خم سے

جواب دے رہا تھا۔

مالک البتہ جھک کے سب سے مصافحہ کرتا' ان کا شکریہ ادا کرتا اور انہیں ہاتھ کے اشارے سے اندر کی طرف بڑھ جانے کا اشارہ کرتا۔ مہمان دروازے پہ کھڑے گھر کے تین مردوں سے مل کے اندر چلے آ رہے تھے جہاں زارینہ ان کا استقبال کرتی۔

وہ سیاہ اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی۔ بال سیاہ جالی دار اسکارف سے ڈھکے تھے۔ اس کی سیاہ اسٹائیلیٹو ہیلز کی ٹھک ٹھک مہمانوں کی سرگوشیوں سے بلند تھی۔ وہ ملازمین کو ہدایات دیتے ہوئے تمام انتظامات سنبھالے ہوئے تھی۔ اس کی دونوں بڑی بہنیں بھی اپنے شوہروں کے ساتھ موجود تھیں۔

ماہر فون پہ کچھ دیکھ رہا تھا جب مالک نے قریب ہو کے سرگوشی کی۔

''ماہر... کوئی تماشہ مت کرنا۔''

ماہر چونکا۔ ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ اور پھر سامنے۔

ایک دم جسم کے سارے اعصاب تن گئے۔ موبائل والا ہاتھ پہلو میں جا گرا۔

سامنے سے وہ تینوں چلے آ رہے تھے۔ شمس' رابیل اور رابیل کی انگلی تھامے ایک چھوٹی سی بچی جس نے سر پہ سیاہ ہیٹ ترچھا کر کے رکھا ہوا تھا۔

''ماہر پلیز اپنا غصہ کنٹرول کرنا۔ اپنے باپ کی بے عزتی مت کروانا۔ آج نہیں۔'' مالک نے دبی دبی سی سرگوشی کی۔

وہ بند ہونٹوں سے سانس لیتا' گھورتی نظروں سے ان تینوں کو دیکھتا رہا۔ بچی سر جھکائے ہوئے تھی۔ ہیٹ کے باعث وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نہ وہ دیکھنا چاہتا تھا۔

اس نے کنکھیوں سے دیکھا... بیر بل کا چہرہ کھل اٹھا ہے۔ وہ تیزی سے ان کے قریب گیا۔ رک کے شمس سے ہاتھ ملایا۔ شمس اس سے افسوس کرنے لگا۔ پھر وہ اپنی ماں سے گلے ملا۔ رابیل سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ سر پہ سیاہ سلک کا اسکارف تھا۔ کانوں میں ننھے ہیرے تھے۔ بیر بل سے گلے ملتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو آنکھوں سے ٹپک ٹپک کے گرتے بیر بل کے کندھے میں جذب ہونے لگے۔ ماہر فرید کو ان آنسوؤں سے اب فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ بیر بل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ماں سے مل کے اب اس بچی کے قدموں میں جھکا بیٹھا تھا۔ اسے گلے سے لگا کے پیار کر رہا تھا۔

بس۔وہ اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔بہت سے جذبات ابل کے اندر سے باہر آنے کو بے تاب تھے۔اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ کسی پہ اٹھ جائے' وہ تیزی سے پلٹا۔اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔بہت سی گردنیں اس کی طرف مڑیں۔کسی نے آواز بھی دی۔لیکن وہ زینے پھلانگتا اوپر چلا آیا۔

اوپر خاموشی تھی۔بالائی منزل کا لونگ روم ماہر کے زیر استعمال رہتا تھا۔کھڑکی کے سامنے دو سیاہ ونگ چیئرز ایسے رکھی تھیں کہ ان کا رخ باہر کی جانب تھا۔وہ ان کے درمیان میں آ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔

ٹھنڈی ہوا تیزی سے اندر آئی۔اس نے چند گہرے سانس لیے اور پھر ونگ چیئر پہ بیٹھتے ہوئے جیب سے وائیڈ چرچل کا پیک نکالا۔اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔سگار لبوں میں دبا کے ذرا نم کیا۔پھر لائٹر جلایا۔

دفعتاً ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی۔اس نے مڑ کے نہیں دیکھا۔وہ سگار لبوں میں دبائے' گھماتے ہوئے اسے شعلہ دکھا رہا تھا۔

زارینہ آہستہ سے ساتھ والی ونگ چیئر پہ آ بیٹھی۔

''آج ان کو برداشت کر لو۔پلیز۔''

ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔جالی دار اسکارف کے ہالے میں اس کا نیو ڈمیک اپ زدہ چہرہ فکرمند لگ رہا تھا۔اس کی پلکیں آج کے مقابلے میں کافی کم اور ہونٹ بہت پتلے تھے۔

''صرف تم مجھے سمجھتی تھیں' زارا۔اب تم بھی ایسے کہو گی۔''اسے جیسے دکھ ہوا۔

''ہاں بالکل۔میں تمہیں سمجھتی ہوں۔''وہ جلدی سے بولی۔''تم اپنی جگہ بالکل درست ہو۔''

''ان کی جراءت دیکھو۔میرے باپ کے گھر میں اس آدمی اور اس کی بیٹی کو لے کر آ گئی ہیں۔''اس نے پیچھے ٹیک لگائی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔سگار کا کش بھرا۔بہت سا دھواں لبوں سے باہر نکلا۔اس کی مہک سگریٹ کے دھوئیں سے مختلف تھی۔میٹھی اور فلیورڈ سی۔

''وہ بے شرم ہیں۔اور کچھ نہیں۔لیکن ساری سوسائٹی مدعو ہے' ماہر۔بس تم آج کے دن ہلال کو برداشت کر لو۔''

''میں اس ہلال کو دیکھ نہیں سکتا اور تم کہتی ہو برداشت کرو۔''وہ غصے سے اونچی آواز میں بولا۔

''Are you talking about me?''

سگار انگلیوں میں رہ گیا۔دونوں نے چونک کے گردنیں موڑیں۔

وہ چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ماہر نے بس ایک نظر دیکھا۔جیسے سیاہ فراک میں کوئی ہیولہ سا ہو۔اور اس سے پہلے کہ

اس کی نگاہ ٹھہرتی' اس نے نگاہ ہی موڑ لی۔

''نکالو اس کو یہاں سے۔'' کوفت سے دبی آواز میں زارا کو مخاطب کیا۔

''ہلال... بچے... ماہر اَپ سیٹ ہے۔ ہم نیچے چلتے ہیں۔'' زارینہ زبردستی کی خوش اخلاقی سے کہتی اٹھی۔ ماہر کو کنکھیوں سے وہ جاتی دکھائی دی البتہ اسے دو آنکھیں اپنی پیٹھ پہ بہت واضح محسوس ہو رہی تھیں۔ سگار والا ہاتھ اب گھٹنے پہ رکھا تھا۔

''کیا آپ میرے بارے میں بات کر رہے تھے؟'' ہٹ دھرم' ناراض آواز۔ اور پھر چھوٹے قدموں کی آہٹ۔ اس نے کوفت سے پہلو بدلا۔ اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ اس طرف آ رہی تھی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا۔

اور یکا یک وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ کھڑکی اور ماہر کی آنکھوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ اس نے چہرہ موڑ لیا۔ وہ اس کو نہیں دیکھنا چاہتا۔

''کیا آپ میرے بارے میں بات کر رہے تھے؟''

''نہیں۔ تم جاؤ یہاں سے۔'' ماہر نے رخ اس کی طرف سے موڑ لیا۔ کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ ہٹ دھرمی سے وہیں کھڑی ہے۔ زارا کو اس کی بہن آوازیں دے رہی تھی۔ کسی ملازم نے کسی مہمان پہ کچھ گرا دیا تھا۔ وہ اُف کرتی فوراً نیچے بھاگی۔

لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ وہ ترچھا بیٹھا' کھڑکی سے باہر دیکھتا اس چھوٹے سے ہیولے کے جانے کا منتظر تھا۔

''کیا آپ میرے بارے میں بات کر رہے تھے؟'' اس نے چوتھی دفعہ اپنا سوال دہرایا۔

''نہیں۔ تم نیچے جاؤ۔'' وہ اب کے ضبط سے بولا اور سگار لبوں کے قریب کیا۔ کیا وہ ایک بچے کی موجودگی میں اسموک کر سکتا تھا؟ اس کے ہاتھ خود بخود نیچے گر گئے۔

''یہاں ہلال نام کا کوئی اور نہیں ہے۔'' وہ دھیرے سے ساتھ والی ونگ چیئر پہ آ بیٹھی۔ اس کے پیر زمین سے اونچے ہوا میں جھول رہے تھے۔

''کیا اس سگریٹ میں ڈرگز ہیں؟''

ماہر فرید نے چونک کے اس کی طرف چہرہ موڑا۔ بالکل ایک بے اختیار سی نظر اس پہ پڑی۔

وہ اس کو پہلی دفعہ نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔ تصویریوں میں۔ چند ایک دفعہ سامنے

بھی۔ جب وہ ماں کے پاس دستخط کروانے جاتا تھا۔ گزرتے ہوئے۔ لیکن نظر بھر کے کبھی نہ ڈالی تھی۔

دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھا تھا۔

آج وہ پہلی دفعہ نگاہ میں آئی تھی۔ اور ٹھہر سی گئی تھی۔

وہ سفید اور گلابی رنگت والی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ چھے سال کی۔ اس نے بنا آستین کے سیاہ فراک پہن رکھا تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال بہت لمبے اور شانوں پہ بکھرے تھے۔ آنکھیں بھوری تھیں اور ان کی پلکیں لانبی اور مڑی ہوئی تھیں۔ وہ انہی آنکھوں میں سوال لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ ان آنکھوں کو پہچانتا تھا۔ کئی برس سے وہ ان آنکھوں کو ہر روز آئینے میں دیکھتا تھا۔

''کیا؟'' لبوں سے آہستہ سے نکلا۔

''کیا آپ ڈرگز کرتے ہیں؟''

سگار والا ہاتھ صوفے کے ہتھے سے نیچے گر گیا۔

''نہیں... یہ... سگار ہے۔''

''پاپا کہتے ہیں' آپ ڈرگ ایڈکٹ ہے۔ کیا آپ ڈرگ ایڈکٹ ہیں؟'' اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ساتھ ہی وہ ہاتھوں سے اپنے بال بار بار پیچھے کر رہی تھی۔

ایک لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکا۔ بس یک ٹک اس کو دیکھے گیا۔ نیچے مہمانوں کی آتی آوازیں' فانوسوں کی روشنیاں' موم بتیوں کی مہک' سب غائب ہو گیا۔ بس وہ دونوں دو ونگ چیئرز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

''اور کیا کہتے ہیں تمہارے پاپا میرے بارے میں؟''

ہلال نے شانے اچکا دیے۔

''بس یہی۔'' پھر وہ رکی اور ابرو اکٹھے کر کے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''کیا آپ میرے بارے میں بات کر رہے تھے؟'' وہ اپنا سوال نہیں بھولی تھی۔

''نہیں....'' بے اختیار نکلا۔ وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابرو اکٹھے کرنے کے اس انداز کو بھی پہچانتا تھا۔

ہلال نے غور سے اسے دیکھا۔ اس دفعہ وہ اس کے نہیں سے مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر گردن دائیں بائیں گھمائی۔ دیوار پہ ایک بڑا فوٹو فریم آویزاں تھا۔ اس میں قاسم فرید مسکرا رہے تھے۔

''کیا یہ بیربل کی طرح آپ کے بھی پاپا تھے۔''

اس کے پہلو میں ایک دم بہت سی تکلیف ہوئی۔ اس نے چہرہ موڑ لیا۔ کھڑکی سے نیچے لان میں لگی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

''وہ ہمیشہ مجھے کینڈی دیتے تھے۔ جب بھی میں یہاں آتی تھی۔''

وہ ایک دم چونکا۔ بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر دماغ نے فوراً سے اس کی بات کو ڈی کوڈ کیا۔ وہ یقیناً اس کی غیر موجودگی میں بیربل کے ساتھ آتی ہوگی۔ اس کے اعلیٰ ظرف باپ نے کبھی اس کو گھر آنے سے نہیں روکا تھا۔ پہلو کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

''کیا آپ اس لیے اَپ سیٹ ہیں کیونکہ آپ کے پاپا چلے گئے ہیں؟'' وہ اب ہمدردی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ اسی طرح باہر دیکھتا رہا۔ وہ اس کو مزید نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

''جاؤ یہاں سے۔'' اب کے وہ دھیرے سے بولا۔

''مگر نیچے بیربل ہے اور وہ مجھے تنگ کرتا ہے۔'' وہ ونگ چیئر پہ پیچھے ہو کے آرام سے بیٹھی تھی۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ لیکن وہ اس کی بات سن رہا تھا۔

''وہ مجھے کہتا ہے میرے بال بہت لمبے ہیں۔ وہ انہیں کاٹ دے گا۔'' اس کا لہجہ روہانسا سا تھا۔

ماہر نے نظریں موڑیں۔ اس کے لمبے گنگریالے بالوں کو دیکھا۔ کہا کچھ نہیں۔

ہیلپر کی آواز زینوں سے اوپر آتی سنائی دی اور پھر زارا کی کوفت بھری پکار۔

''ہلال... کیوں ماہر کو تنگ کر رہی ہو؟ چلو نیچے۔'' اب کے ذرا ڈپٹ کے بولی تھی۔ ماہر نے پہلو بدلا۔ کچھ تھا جو اسے برا لگا تھا۔ لیکن اس نے لب نہیں کھولے۔

''او کے۔'' وہ بددلی سے اٹھی۔ پیر نیچے اتارے۔ ماہر نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔ اب وہ چلی جائے گی۔ لیکن اسے محسوس ہوا کہ وہ اس کے قریب آ رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا' وہ اس کے بائیں جانب آ کے رکی۔ اور آگے بڑھ کے نرمی سے اس کا گال چوما۔

''بائے۔'' ہلکا سا بولی اور پھر دروازے کی طرف بھاگ گئی۔

وہ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔ سگار والا ہاتھ ابھی تک نیچے گرا تھا۔

کوئی اتنے برس اپنی ہی آنکھوں سے کیسے نفرت کر سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ شاپنگ مال کی راہداری میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ پیروں میں گلابی تسموں والے جوگرز تھے۔ بال کسی ہوئی پونی میں بند تھے۔ لمبا ڈھیلا ڈھالا کرتا اور گردن میں لپٹا اسکارف۔ وہ چہرہ گھما گھما کے اطراف میں شاپس کو بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ شاپنگ مال کی رونق عروج پہ تھی۔ غالباً سیلز لگی ہوئی تھیں۔

وہ ظہیر سے ملنے آئی تھی۔ اسے اپنا فیصلہ سنانے۔ فون پہ صاف انکار کرنا اچھا نہیں لگا اور اسی لیے اب وہ فوڈ کورٹ جا رہی تھی۔

دفعتاً اس کے سفید جوگرز ایک شاپ کے سامنے رکے۔ شیشے کے دروازوں کے پار روشنیوں میں نہائے جوتوں کے ریکس نظر آ رہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی شیشے کی دیوار کے پاس آ رکی۔

سامنے سفید رنگ کے اسٹائیلیوزر رکھے تھے۔ چار انچ کی لمبی ہیلو والے نازک جوتے جو کسی سنڈریلا کے لیے بنے تھے۔ اس کے لبوں پہ خود بخود مسکراہٹ بکھر گئی۔ انگلیوں سے شیشے کی دیوار کو چھوا۔ ہیلو اور اس کی انگلیوں کے درمیان بس ایک انچ موٹا شیشہ تھا۔ پھر نگاہ ان کی قیمت پہ پڑی۔ اس نے گہری سانس لی۔ ہاتھ نیچے گرا دیا۔

اتنی مہنگی ہیلو وہ ابھی نہیں لے سکتی تھی۔ لیکن کبھی نہ کبھی وہ لے گی۔ جب وہ ایک بزنس مین کی بیوی ہو گی۔ وہ دنیا پھرے گی اور ہر ملک سے بہترین جوتے اکٹھے کرے گی۔ مسکرا کے خود کو تسلی دی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کا دل مطمئن تھا۔

ظہیر فوڈ کورٹ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میز پہ شاپنگ بیگز بھی تھے اور وہ اسٹرا سے کوئی ڈرنک پی رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی گرمجوشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری آفر کے بارے میں سوچا۔''

''ظہیر... پہلے میری بات تحمل سے سنو۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی سامنے بیٹھی۔ تھوڑا سا برا بھی لگ رہا تھا۔ بیچارے نے اتنے مان سے کہا تھا اور وہ اس کا مان توڑنے جا رہی تھی۔

''یہ مت کہنا کہ تم انکار کرنے جا رہی ہو۔'' ظہیر نے اسٹرا لبوں میں دباتے ہوئے غور سے اسے دیکھا۔

مالا نے تھوک نگلا۔ کسی ہوئی پونی والا سر جھکا دیا۔ انکار کرنا اس کے لیے دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

''میری شادی ہو رہی ہے۔'' چہرہ اٹھا کے سبز آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ظہیر نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''اور تم دوسری لڑکیوں کی طرح شادی کے بعد گھر بیٹھ جاؤ گی؟''

''نہیں۔ میں کام کرتی رہوں گی۔ لیکن جس سے میری شادی ہو رہی ہے وہ بہت ٹریول کرتا ہے۔ ایسے میں میں

تمہارے ساتھ کام نہیں کرسکوں گی۔"

"کون سا کل شادی ہو رہی ہے۔اور میں تمہیں پارٹنر شپ آفر کر رہا ہوں۔ایک سال کام کرلو۔پھر دیکھ لیں گے۔"

"میں ایک ایسے بزنس کا حصہ نہیں بن سکتی جو میری زندگی کے اگلے پانچ سال کے پلان میں شامل نہ ہو۔"

"مالا... تم مجھے مایوس کر رہی ہو۔لڑکیاں چاند پہ جا رہی ہیں۔تمہیں شادی کی پڑی ہے۔"

وہ مسکرادی۔

"پہلی بات... نیل آرم اسٹرانگ کے بعد کوئی آج تک چاند پہ نہیں گیا۔دوسری بات' جو چاند پہ جاتا ہے' وہ وہاں رہ نہیں جاتا۔اسے واپس گھر آنا ہوتا ہے۔"پھر وہ پیچھے ہو کے بیٹھی اور مسکرا کے شانے اچکائے۔"اور شادی سب کو کرنی ہوتی ہے۔مجھے بھی کرنی ہے۔میں کیریئر کے پیچھے اپنی فیملی لائف قربان نہیں کرسکتی۔"

ظہیر قدرے دھیما ہوا۔گلاس پرے کردیا جیسے موڈ بجھ گیا ہو۔

"میں سمجھ سکتا ہوں لیکن اگر تمہارا ارادہ بدلے تو میری آفر اب بھی ٹیبل پہ موجود ہے۔"قدرے توقف سے وہ کھنکھارا۔"ایک دوست کی حیثیت سے تم مجھے کوئی آئیڈیا دینا چاہو گی ریستوران کے لیے؟"

سبز آنکھوں والی لڑکی مسکرائی۔"تمہیں کیوں لگتا ہے میرا آئیڈیا تمہارے کام آئے گا؟"

"کیونکہ تم نئے آئیڈیاز اور بزنس پلانز بنانے میں بہت اچھی ہو۔"

"اور جس چیز میں ہم اچھے ہوں' اسے کبھی مفت میں نہیں کرنا چاہیے۔"نرمی سے اسے بہت کچھ باور کروادیا۔وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"چلو تمہیں شادی کی مبارک ہو۔میں تمہارے لیے کافی لاتا ہوں۔"وہ اٹھ کے ایک کافی شاپ کی جانب چلا گیا تو وہ گردن موڑ کے یونہی اطراف میں دیکھنے لگی۔

قریب میں ایک فربہ مائل عورت اور اس کی نوجوان بیٹی شاپنگ بیگز کے ڈھیر اٹھائے آگے جا رہی تھیں۔جس طرح وہ تھکے ماندے انداز میں بار بار ایک فہرست کو ہاتھ میں لیے چیزیں گن رہی تھیں' صاف معلوم ہوتا تھا کہ جہیز کی شاپنگ کر رہی ہیں۔کچھ دن بعد یہی اس کی بھی زندگی ہوگی اور وہ اس تبدیلی کے لیے پورے دل سے تیار تھی۔

اسے سفید اور سلور ہیلو پھر سے یاد آگئیں۔وہ مسکرادی۔

ایک دم سے دنیا زیادہ حسین لگنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک سبز گھاس سے ڈھکا وسیع قطع اراضی تھا جس میں جگہ جگہ کتبے لگے تھے۔ کچی پکی قبروں کے اوپر بھی گھاس اُگا تھا۔

گزرگاہ کے قریب ایک کچی قبر تھی جس کا کتبہ سفید رنگ کا تھا۔ اس کے اوپر قاسم فرید لکھا تھا۔

ماہر اس وقت اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس' آنکھوں پہ کالے گلاسز پہنے' وہ جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔ زارینہ اس کے عقب میں ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ وہ آج نیوڈ رنگ کے لباس پہ سفید منی کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ ہوا سے اس کے بال اڑ اڑ کے پیچھے جا رہے تھے۔ وہ ماہر کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو جیب سے باہر آئے تو ان میں ایک پلاسٹک کا پیکٹ تھا۔

''قاسم تایا کے بیج۔'' وہ مسکرا دی۔ وہ بھی آزردگی سے مسکرا دیا۔

''ابا جب بھی اپنا مالی نقصان کر کے کسی انسان کا دل خرید لیتے' اسے بیجوں کا تحفہ دیتے۔ اور کہتے... جا کے انہیں بو دو۔ یہ ہماری شناسائی کی نشانی ہیں۔''

اس نے بیج کا پیکٹ کھولا اور آہستہ آہستہ انہیں قبر کی کچی مٹی پہ چھڑکنے لگا۔

''کتنا شوق تھا تایا کو پودوں کا۔ ان کے جانے کے بعد سے تمہارے گھر کے سارے پودے مرجھا گئے ہیں۔''

ماہر نے دھیرے سے شانے اچکائے۔ ''کیا کریں' زارا۔ وقت ہی نہیں ملتا۔''

سارے بیج چھڑک کے اس نے خالی پیکٹ واپس جیب میں ڈال لیا۔ زارا نے پانی کی بوتل کا ڈھکن کھولا اور آہستہ آہستہ قبر کے اوپر پانی ڈالنے لگی۔ وہ ہاتھ سے بیجوں کو دبانے لگا۔

''تایا چاہتے تھے تم سیٹل ہو جاؤ۔ شادی کر لو۔'' زارا نے لہجہ سرسری سا بنایا۔ البتہ وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''وہی کرنے لگا ہوں۔'' وہ اسی طرح نرمی سے مٹی کو دباتا رہا۔ بیج دفن ہو رہے تھے۔ سن گلاسز کے باعث آنکھیں چھپی ہوئی تھیں۔

زارا کا پانی برساتا ہاتھ رک گیا۔ آنکھوں میں خوشگوار حیرت اتر آئی۔

''کتنی اچھی خبر سنائی ہے تم نے۔'' اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں کسی اچھی سی لڑکی سے ملوا سکتی ہوں جو...''

''بیربل نے مجھے بلوایا ہے کسی سے۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑا ہو رہا تھا۔ اس کی زارا کی طرف پشت تھی۔ وہ جہاں تھی، وہیں رہ گئی۔ گویا پتھر کا مجسمہ ہو۔

''کک... کون؟'' بدقت آواز نکلی۔

''بیربل ان کی فیملی کو جانتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ میرج میٹریل ہے۔ ہم ایک دفعہ ملے تھے ابا کی ڈیتھ سے پہلے۔ اور آج...'' اس کی طرف مڑتے ہوئے ماہر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''آج شام ہم نے ڈنر پہ جانا ہے۔'' پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تو زارا نے جلدی سے چہرے پہ مسکراہٹ سجالی۔

''میں.. میں خوش ہوں تمہارے لیے۔'' وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پتھروں کی گزرگاہ کی طرف بڑھ گئے۔

''کیسی ہے وہ؟''

''ایک ملاقات میں کہاں معلوم ہوتا ہے؟''

''کیوں؟ تمہاری people skills کے تو سب معترف ہیں۔'' زارا نے اس کی نقل اتاری۔ ''واللہ ماہر لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ ''میں واقعی غلط نہیں ہوتا۔ لیکن ایسے معاملات میں تھوڑا وقت چاہیے ہوتا ہے۔ اچھی لگی تو کرلوں گا شادی۔ نہیں لگی تو کوئی اور سہی۔'' وہ چلتے ہوئے سادگی سے کہہ رہا تھا۔ زارا خاموشی سے سنے گئی۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ ہو چکا تھا۔ بے تاثر۔

وہ دونوں روش پہ چلتے دور ہوتے گئے۔ گھاس پہ پھیلی قبریں تنہا رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل میں کھانوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی تھی۔ کچن میں بخت بی اور صغریٰ کٹنگ کر رہی تھیں۔ چولہوں پر بھی کچھ چڑھا تھا۔ ماں بیکری آئٹمز نہیں لیا کرتی تھیں۔ سب کچھ گھر میں اپنے ہاتھوں سے بنا کے رکھتی تھیں۔ کوکنگ بھی خود کرتیں۔ اور باقی سب کٹنگ وغیرہ میں ان کی مدد کرتے۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں کھڑی تھیں۔ وہاں دو بستر بچھے تھے۔ ایک ماں کا تھا اور دوسرا ان کی چھوٹی بہن کا۔ ماں لوگ تین بہنیں اور ایک بھائی تھے۔ ماموں اسلام آباد میں ہوتے تھے۔ بڑی بہن سرور جہاں امریکہ میں ہوتیں۔ ماہی انہی کی بہو بنی تھی۔ عباد اس وقت کینیڈا میں زیر تعلیم تھا۔ یہ چھوٹی بہن نورِ جہاں مبین منزل میں رہتی

تھیں۔ کب سے؟ جب سے مالا نے ہوش سنبھالا تھا۔

ماں اس وقت ان کے پیچھے کھڑی ان کے بالوں کی کنگھی کر رہی تھیں۔ وہیل چیئر پہ بیٹھی نورِ جہاں خالہ معذور تھیں اور بچپن سے ان کے پاس تھیں۔ وہ بوڑھی ہو چکی تھیں لیکن چہرہ آج تک سفید گلابی تھا۔ وہ بس مسکراتی رہتیں اور زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔ ان کا ذہنی توازن کئی برس ہوئے بگڑ چکا تھا۔ کبھی کبھی وہ رونے لگ جاتیں اور کبھی بہت چڑچڑی ہو جاتیں۔ ماں بہت صبر سے ان کے سارے ناز نخرے اٹھاتیں۔ نور خالہ کا کام انہوں نے کبھی بخت بی کے ذمے نہیں لگایا۔

ماہی اکثر کہتی کہ بخت بی کو بھی ان کا کام کرنے دیا کریں۔ آپ اکیلی تھک جاتی ہوں گی۔ لیکن حورِ جہاں بیگم کا کہنا تھا کہ ان کی بہن ان پہ بوجھ نہیں ہے۔ آج وہ اس کی خدمت کریں گی تو کل کو اللہ انہیں خود کسی بھی محتاجی سے بچائے گا۔ ماہی کو بڑا عجیب سا لگتا۔ ناقابلِ یقین سا۔ اس کی اتنی ایکٹیو' چلتی پھرتی' سب کچھ سپروائز کرنے والی ماں ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ کبھی بیمار پڑے۔

ہر اولاد کو اپنی ماں کے بارے میں یہی لگتا ہے۔

بہن کے بال بنا کے انہوں نے جھک کے اس سے سرگوشی میں کچھ کہا تو نور خالہ مسکرائیں۔ اور سر ہلا دیا۔ پھر حورِ جہاں بیگم وہاں سے ہٹیں اور تیز قدموں سے چلتی باہر آئیں۔ بخت بی اکثر انہیں اپنی بہن سے سرگوشیاں کرتے دیکھتی تھی۔ نہ جانے وہ انہیں ایسا کیا کہتی تھیں کہ وہ مسکرا دیتیں۔ نور خالہ کا دماغ بچوں کے جیسا تھا۔ یقیناً کوئی معصوم بات ہو گی۔

''بختو... تم کباب فریزر سے نکال کے رکھو۔ اور تم ادھر آؤ۔'' انہوں نے دوسری ملازمہ کو گھورا۔ ''کونے میں جالے لگے ہیں۔ مجھے نظر آ گئے۔ بی بی۔ تمہیں نہیں آئے؟ اور سلیم اٹھو پودوں کو پانی دو۔ سلیم...''

''آج کے دن بھی آج اپنے پودے نہیں بھولیں۔''

آواز پہ کچن کی چوکھٹ میں کھڑی حورِ جہاں بیگم پلٹیں۔ مالا کو اپنی طرف آتے دیکھا تو چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

وہ گلابی رنگ کی لمبی قمیض اور سفید چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی۔ کٹے ہوئے بال کندھوں سے اوپر تک آتے تھے اور کھلے تھے۔ دھلا دھلایا چہرہ اور مسکراتی سبز آنکھیں۔ وہ ان کے قریب آئی تو انہوں نے پیار سے اسے دیکھا۔

''میری بیٹی تیار ہو گئی ہے؟'' پہلے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ پھر اگلے ہی لمحے لہجے کو تحکمانہ بنا لیا۔ ''چلو

آؤ۔ کچن میں میری مدد کرواؤ۔ اور اپنی بہن کو بھی بلاؤ۔''

(مطلب میرے رشتے والے آرہے ہیں اور میں ہی کام کروں؟) وہ گہری سانس بھرتی ماہی کو بلانے چلی آئی۔

اسے خیال آیا اس نے کافی دیر سے ماہی کو نہیں دیکھا۔ ماہی اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ معید کے کمرے میں تھی۔ وہ اس وقت گھر نہیں ہوتا تھا۔

مالا اندر آئی تو دیکھا.... وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ہے۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ سوچ میں گم ہے۔

''کیا ہوا تمہیں؟''

''میری کمر میں درد ہے۔'' اس کا موڈ آف تھا۔ ''اور غلطی سے میں نے عباد کو بتایا تو اس نے خالہ کو بتا دیا۔ تمہیں پتہ ہے نا خالہ لوگ کتنے وہمی ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں امریکہ نہ جاؤں۔ کہیں بے بی کو کچھ نہ ہو جائے۔''

وہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔

''تم اپنی ڈاکٹر سے پوچھ لو۔ وہ کیا کہتی ہے۔''

''اس کے پاس سے آج ہو کے آئی ہوں نا۔ وہ کہتی ہے تم بالکل ٹھیک ہو۔ سفر کر سکتی ہو۔''

''ہاں تو کرو نا سفر۔''

''مگر...'' وہ رکی جیسے متذبذب ہو۔ ''اگر بے بی کو کچھ ہوا تو سب مجھے الزام دیں گے۔ کہ مجھے امریکہ جانے کا شوق تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ میں مری نہیں جا رہی امریکہ جانے کے لیے۔ عباد شادی کر کے خود تو واپس چلا گیا ہے۔ میں مہینوں سے یہاں بیٹھی ہوں۔ اب ایک خوشی کا موقع آیا ہے۔ میرا بھی دل چاہ رہا ہے کہ میں جاؤں۔'' اس نے گیلی آنکھیں رگڑیں۔

مالا نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے۔

''کچھ نہیں ہوگا بے بی کو۔ تم آرام سے سفر کرو اور شادی انجوائے کرو۔ خالہ کی طرح وہم مت پالو۔ اچھا اب باہر آؤ۔ ماں بلا رہی ہیں۔ وہ لوگ گھنٹے تک آجائیں گے۔ اور یہاں ابھی...'' مالا نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ لان میں سلیم پائپ پکڑے پانی لگا رہا تھا۔

''یہاں ابھی پودوں کو پانی نہیں لگا۔''

''ارے سب ہو جائے گا۔ ماہی ہے نا۔'' ماہی آنسو صاف کرتی نئی توانائی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا موڈ بہتر ہو گیا تھا۔

''دیکھتے ہیں آج تمہاری ساس تمہیں کتنی سلامی دیتی ہیں۔ اور تم اس سلامی سے ہمیں فوراً ٹریٹ دو گی۔ڈیل؟'' ماہی نے مٹھی بند کر کے چھوٹی انگلی باہر نکالی۔

''ڈیل!'' وہ ہنس پڑی اور اس کی انگلی سے اپنی انگلی جوڑ لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ریستوران میں ہلکی زرد بتیاں جلی تھیں۔پسِ منظر میں آرکسٹرا کے دھیمے سر سنائی دیتے تھے۔وہ دونوں ایسی میز پہ بیٹھے تھے جو اوپن ائیر ٹیرس کے کونے میں تھی۔ان کے درمیان کانچ کا ایک ننھا گلدان رکھا تھا جس میں ایک واحد اَدھ کھلا سرخ گلاب تھا۔ساتھ اونچی موم بتیاں جل رہی تھیں۔

ماہر اسی لباس میں تھا جس میں تم نے اسے صبح قبرستان میں دیکھا تھا۔کوٹ پیچھے سیٹ کی پشت پہ ڈالے وہ سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑے ہوئے تھا۔کافی کا بھرا کپ ساتھ رکھا تھا جس کو اس نے ابھی تک چھوا نہیں تھا۔

''کیا پڑھ رہی ہو تم؟'' اس نے دوبارہ پوچھا۔اتنے ہفتوں بعد ملاقات ہوئی تھی۔وہ اس کی ڈگری بھول گیا تھا۔

''ہسٹری اور پولوجی۔'' وہ مسکرا کے بولی۔

ماہر نے گہری سانس لی۔اس کے زمانے میں یونیورسٹی میں ایسے سبجیکٹس وہ لڑکیاں پڑھتی تھیں جو صرف پارٹی کرنے اور سوشل سرکل بنانے کے لیے کیمپس آتی تھیں۔نہ جانے آج کل کیا رواج تھا۔اس نے غور سے اس لڑکی کو دیکھا۔اس کا چہرہ بہت خوبصورت تھا۔یعنی سوسائٹی کے معیار کے مطابق خوبصورت۔وہ ایک ہی نظر میں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے بہت سی سرجریز کروا رکھی تھیں۔

اس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔(آنکھوں کو بادامی شکل دینے کی سرجری) ابرو کافی اٹھے ہوئے تھے۔(آئی برو لفٹ) گالوں میں بھرے بھرے سیب تھے جیسے۔(امپلانٹس اور شاید فلرز بھی)۔بے حد پرفیکٹ ناک۔(رائینو پلاسٹی)۔پھولے پھولے ہونٹ۔(بوٹوکس اور فلرز)۔بے حد گھنی پلکیں۔(آئی لیش ایکسٹینشن)۔

''کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟''

وہ چونکا اور جلدی سے ذہن میں چلتی گنتی روکی۔پھر کالی جینیر کی شکل کی لڑکی کو دیکھ کے مصنوعی سا مسکرایا۔

''کچھ نہیں۔'' سر جھٹکا۔پھر کھنکھارا۔''سو...ضوفشاں...''

''ضوئی...'' سیاہ بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کرتے ہوئے مسکرا کے بولی۔

''ضوئی۔۔۔'' وہ بہت ضبط کر کے مسکرایا۔ ''تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟''

''کس سینس میں؟''

یعنی... ایک دن جس کا تمہیں بہت انتظار ہے۔''

''ہوں..'' ضوئی نے انگوٹھیوں سے بھرا ہاتھ ایک گال تلے رکھا اور سوچنے لگی۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔

''مجھے نا فیری ٹیل ویڈنگ کرنے کا شوق ہے۔''

اور اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ڈنر کس طرف جا رہا ہے۔ لیکن چہرے پہ مسکراہٹ طاری کیے رکھی۔

''اور تم فیری ٹیل ویڈنگ کسے کہتی ہو؟''

اس کی مصنوعی حوصلہ افزائی پہ وہ چہک کے بتانے لگی۔

''مجھے اسپرنگ ویڈنگ کرنی ہے۔ چیری بلاسم کے trees کا ڈیکور ہوگا۔ اور مجھے انڈین فیملیز کی طرح سات فنکشن کرنے ہیں۔ میلاد، مایوں، مہندی، سنگیت، بارات، ولیمہ....''

''یہ پتھے ہوئے ہیں۔'' اس نے انگلیوں پہ گنا۔ ضوئی نے ہاتھ جھلایا۔

''واٹ ایور۔'' وہ اسی جوش سے بتانے لگی۔ ''اور میں اپنی شادی کا ہیش ٹیگ پراپر ٹرینڈ کرواؤں گی۔ انسٹاگرام میری شادی یاد رکھے گا۔ مین ایونٹ پہ میں....'' اگلے چند منٹ وہ بولتی رہی۔ وہ پیچھے ٹیک لگائے بیٹھا' کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے سنے گیا۔

''تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟'' ضوئی نے دونوں ہاتھ باہم ملا کے تھوڑی ان پہ ٹکائی اور بڑی بڑی مسکراتی آنکھیں اس پہ جما دیں۔

ماہر نے گہری سانس لے کر کپ رکھا۔

''میں ایک تین ہزار افراد کی کمپنی بنانا چاہتا ہوں۔''

''ہیں؟ مگر تمہاری پہلے ہی اتنی بڑی کمپنی ہے۔''

اصلی گلاب کے پھول کے اس پار مصنوعی چہرے پہ ناسمجھی تھی۔

''وہ میرے باپ کی ہے۔ میں اپنی کمپنی بنانا چاہتا ہوں۔ جو صرف میری ہو۔ آرکیٹیکچرل فرم۔ کیونکہ میں ایک آرکیٹیکٹ ہوں۔'' نرمی سے سمجھانے لگا۔

''تو ابھی تم کیا کام کرتے ہو۔''

ماہر نے گہری سانس لی۔ یہ مشکل ہو رہا تھا۔ (اُف بیربل)

''ہم انویسٹمنٹ مینجمنٹ کرتے ہیں۔ یعنی... ہم اچھے تعلقات بناتے ہیں۔ اور یوں لوگ ہم پہ اعتماد کرتے ہوئے ہمارے ذریعے اپنا پیسہ انویسٹ کرتے ہیں۔ ہم لندن کے لوگوں کو قطر میں پراپرٹی خرید کے دیتے ہیں۔ دراصل ہم وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے لندن اور قطر کے درمیان رئیل اسٹیٹ کا کام شروع کیا تھا۔ اب اس انڈسٹری میں بہت لوگ آ گئے ہیں۔''

وہ سر ہلا کے سن رہی تھی لیکن اسے محسوس ہوا کہ وہ سمجھ نہیں پا رہی۔ تب ہی اس کی نگاہ میز پہ رکھے پیکٹ پہ پڑی۔ اس نے لمبی انگلیوں سے اسے اٹھایا۔

''رومیو اور جولیٹ۔ وائیڈ چرچل۔'' نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''یہ تمہارا ہے؟''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں سگار پیتا بھی ہوں اور انہیں کلیکٹ بھی کرتا ہوں۔''

''مجھے سگریٹ پینے والے مرد ہمیشہ بہت پرکشش لگتے ہیں۔''

''سگار۔'' ماہر نے بہت ضبط سے گہری سانس لی۔ ''میں سگریٹ نہیں پیتا۔ سگار پیتا ہوں۔''

''دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ نہیں؟'' وہ حیران ہوئی۔

میز پہ رکھی اس کی مٹھی بھنچ گئی۔ وہ میرج میٹریل نہیں تھی۔ وہ صرف میرج میٹریل تھی۔

''دونوں ایک چیز نہیں ہیں۔'' وہ تحمل سے سمجھانے لگا۔ ''سگریٹ نکوٹین' تار اور کیمیکل سے بھری ہوتی ہے۔ مجھے اس کی مہک بھی نہیں پسند۔ سگار مختلف ہوتا ہے۔ یہ تمباکو کے پتوں سے بنتا ہے۔ سگار ایک آرٹ ہے۔''

''آرٹ؟ کیسے؟'' وہ واقعی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔ بے جان ڈنر میں پھر سے جان پڑنے لگی۔ وہ قدرے جوش سے بتانے لگا۔

''سگار کا بنانا بھی ایک آرٹ ہے۔ پتوں کی فرمنٹیشن' تمباکو اس کی رولنگ' پیکنگ' اس کے رنگز' سائز' اس کو باکس سے نکالنے کا انداز سب آرٹ ہے۔ اس کو انگلیوں میں کیسے پکڑنا ہے' ہیومیڈور میں رکھنے کا طریقہ' اس کی مہک کو سونگھنا' کٹ کرنا' سلگانا اور اسموک کرنا... یہ سب ایک پروسیس ہے۔ خالص آرٹ۔ بہت سے لوگ امیر نظر آنے یا cool لگنے کے لیے سگار اسموک کرتے ہیں۔ میں ایسا نہیں کرتا۔ میں اسے آرٹ سمجھ کے کرتا ہوں۔''

''لیکن یہ بھی صحت کے لیے اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ سگریٹ' ہے نا؟''

اس کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔ پیچھے کو ٹیک لگائی۔

''ہاں۔ یہ نقصان دہ ہے۔ لیکن یہ ایک چوائس ہے اور میں نے اسے منتخب کیا ہے۔''

''میں تمہیں جج نہیں کر رہی۔ تمہاری زندگی تمہاری مرضی۔'' وہ سگار کا پیک الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی۔

''ویسے کتنے سگریٹ پی لیتے ہو ایک دن میں؟''

ماہر نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لیا اور اسے زور سے بند کیا۔ پھر مسکرا کے اسے دیکھا۔

''بیس سگریٹ روزانہ۔ کبھی کبھی تو پچیس۔''

''واؤ۔'' اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ وہ اب اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بل منگوا رہا تھا۔ بیرا بل کو وہ گھر جا کے پوچھے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبدالمالک فرید اپنے آفس میں بیٹھا' کام میں مصروف دکھائی دیتا تھا جب دروازہ کھلا۔ اس نے الجھے انداز میں سر اٹھایا' تو دیکھا زارینہ اندر آ رہی تھی۔ وہ شدید ناخوش لگتی تھی۔

''زارا' میں بزی ہوں۔'' وہ واپس لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا۔

''اور ماہر کی فکر کون کرے گا؟'' وہ اس کے ڈیسک کے عین سامنے آ کے رکی۔ اس کے خفا لہجے پہ مالک نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ وہ غصے اور بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بالوں کو ڈھیلے کیچر میں باندھے' اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں۔ مالک نے غور سے اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے لیپ ٹاپ پرے دھکیلا اور پیچھے ٹیک لگائی۔

''ماہر کو کیا ہوا ہے؟''

''اسے بیربل نے کسی لڑکی سے ملوایا ہے۔ میرج میٹریل۔ وہ اس سے شادی کر لے گا' بابا۔''

''مجھے معلوم ہے۔ اس کا باپ یہی چاہتا تھا۔''

''اور میرا باپ میرے لیے کیا چاہتا ہے؟''

مالک نے گہری سانس لیتے ہوئے انگوٹھے سے کنپٹی کو چھوا۔ ہر کچھ دن بعد زارا یہی مسئلہ لے کر آ جاتی تھی۔ وہ اب تھک گیا تھا۔

''تم اور ماہر یہ بات ایک دفعہ کر چکے ہو۔ اس نے تمہیں صاف انکار کر دیا تھا۔ تمہارے کہنے پہ میں نے قاسم سے بھی بات کی تھی لیکن اس کا کہنا تھا کہ ماہر تمہیں اپنی بہن سمجھتا ہے۔ بہن جیسی کزن۔ بیسٹ فرینڈ۔ وہ تمہارے

بارے میں ایسے سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اور میں اس کے علاوہ کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔"

زارا نے پلکیں جھپکائیں تو آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔اس کی نگاہوں میں باپ کے لیے شکوہ تھا۔

مالک کے تاثرات بدلے۔چہرے کی لکیریں ڈھیلی ہوئیں۔

"ہم زبردستی کسی کے دل میں اپنے لیے محبت نہیں ڈال سکتے زارا۔تمہیں اچھے لڑکوں کی کمی ہے کیا؟"

"مگر مجھے وہی چاہیے۔صرف وہی۔بابا پلیز..." وہ گھوم کے میز کے پیچھے آئی اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل فرش پہ بیٹھی۔پھر اس کے ہاتھ تھام لیے۔"مجھ سے نہیں برداشت ہو رہا اس کا کسی اور لڑکی کے ساتھ ڈنر پہ جانا۔پلیز آپ اس کو اس لڑکی سے دور کر دیں۔" وہ بہت بے بس اور دکھی نظر آ رہی تھی۔

"زارا میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔"

"آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔وہ صرف آپ کی بات مانتا ہے۔"

"میں زبردستی اس سے اپنی بیٹی کے لیے..."

"نہ کہیں۔اسے میرے لیے کچھ نہ کہیں۔میں ہینڈل کر لوں گی۔آئندہ آپ کو کچھ نہیں کہوں گی۔لیکن اس دفعہ.... پلیز اس دفعہ اس کو اس ضوئی سے دور کر دیں۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑے منت کر رہی تھی۔مالک فرید نے گہری سانس لی۔پھر اس کا سر تھپکا۔

"اچھا اٹھو۔میں کچھ کرتا ہوں۔"

وہ جلدی سے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔مسکرا پھیل گیا تھا۔مگر چہرے پہ موہوم سی امید جاگ گئی تھی۔

"بیربل نے ملوایا ہے دونوں کو؟" وہ سوچتے ہوئے فون اٹھا کے دیکھنے لگا۔زارا نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔مالک کچھ دیر سوچتا رہا اور وہ اسے امید سے دیکھتی رہی۔پھر اس نے اپنا روبوٹ سا چہرہ اٹھایا اور اب کے وہ بولا تو اس کی آواز میں تنبیہہ تھی۔

"زارینہ.... مجھے ماہر بہت عزیز ہے۔یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے۔میں اس کے ساتھ بار بار یہ نہیں کر سکوں گا۔"

زارا گیلی آنکھوں سے مسکرا دی اور جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔مالک اب فون اسکرین کو دیکھنے لگا۔اس کا

دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ماہر کو کسی سے ملنے سے روکنے کے لیے وہ صرف ایک طریقہ استعمال کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کے لاؤنج میں خاموشی چھائی تھی۔ بخت بی برتن اٹھا کے ٹرے میں رکھ رہی تھی۔ کانچ کے کانچ سے ٹکرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ماں اور ماہی الگ الگ صوفوں پہ بیٹھی سوچ میں گم تھیں۔ مہمانوں کو گئے کچھ دیر ہو چکی تھی اور وہ دونوں خاموش تھیں۔

مالا تھوڑی دیر کے لیے مہمانوں کے سامنے آئی تھی اور پھر روایتی طریقے سے اندر واپس چلی گئی تھی۔ اور وقت بھی کتنا گزرا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہی وہ رخصت ہو گئے۔

وہ جیسے ہی باہر آئی' ان دونوں کو یوں بیٹھے دیکھ کے اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کیا ہوا؟ کیا انہوں نے کچھ ایسا ویسا کہا ہے؟''

کچھ واہمے تھے جو ان کو دیکھ کے اس کے دل میں آئے تھے۔ ثمرین آنٹی ان سے مالی لحاظ سے کہیں اوپر تھیں۔ دولت ایسی چیز تھی جو ان کے درمیان آ سکتی تھی۔

ماں نے جواب نہیں دیا۔ ماہی بس ماں کو دیکھنے لگی۔ وہ ماں کے اتنا قریب رہتی تھی کہ ان کی سوچ تک پڑھ سکتی تھی۔

''کیا انہوں نے کوئی شرط رکھ دی ہے؟ بھاری جہیز وغیرہ؟''

جس طرح ثمرین آنٹی چپ چپ تھیں' اسے پہلے سے ہی احساس ہو گیا تھا کہ شاید وہ کوئی شرط وغیرہ رکھیں۔ جہیز کی ڈیمانڈ وغیرہ۔ اس لیے کشمالہ نے ان سے ملنے کے بعد کمرے میں جا کے چند گہرے سانس لیے تھے اور خود کو کمپوز کر کے ہر چیز کے لیے تیار کر لیا تھا۔ وہ اس چیز میں اچھی تھی۔ جلدی خود کو سنبھال لیتی تھی۔

''جہیز دینا پڑتا ہے بیٹے۔ وہ بات نہیں ہے۔''

ماں نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ پرسکون نظر آتی تھی۔ اس کی یہی عادت ماں کو سب سے زیادہ پسند تھی۔ وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی بہت ٹھنڈے دماغ سے سوچتی تھی اور ماہی کی طرح واویلا کرنے کے بجائے خود کو فوراً سے کمپوز کر لیتی تھی۔ ماہی کو کانٹا بھی چبھ جائے تو ہر ایک کو اپنا زخم دکھا کے رونا ڈال دیتی تھی۔

''دیکھیں اگر انہوں نے کوئی ایسی بات کی ہے جو آپ کو پسند نہیں آئی تو ہم ادھر رشتہ نہیں کریں گے۔ کوئی مجبوری تو نہیں ہے نا۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ تو لڑکے کو جانتی بھی نہیں تھی۔ کون سا کوئی جذباتی وابستگی تھی۔

''بات ہی تو نہیں کی انہوں نے۔'' ماں قدرے فکرمندی سے بولیں۔ مالا چونکی۔

''حالانکہ فون پہ یہی کہا تھا کہ رشتہ مانگنے آئیں گی۔ اور یہاں آ کے ادھر ادھر کی باتیں کر کے چلی گئیں۔''

''اور ان کا بیٹا .. پرنس چارمنگ کی اولاد... کیسے اکتایا ہوا بیٹھا تھا۔ میں نوٹ کر رہی تھی۔'' ماہی دبے دبے غصے سے بڑبڑائی۔ (کمبخت)

مالا نے گہری سانس لی۔ دل کو چوٹ لگی لیکن اس نے خود کو پرسکون رکھا۔

''اس کا مطلب ہے ان کو میں پسند نہیں آئی ہوں گی۔ یا ہمارا گھر پسند نہیں آیا ہوگا۔''

''تمہارے میں کیا کمی ہے۔'' حورِ جہاں بیگم خفا ہوئیں۔ انہیں یہ بات بری لگی تھی۔ ان کی خوبصورت' دراز قد بیٹی کو کوئی ریجیکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ ''بات صرف دولت کی ہے۔ انہیں یقیناً گھر نہیں پسند آیا ہوگا۔''

''آپ نے سنا وہ کہہ رہی تھیں ہم سے پہلے کبیرہ کے گھر سے ہو کے آئی ہیں۔ ان کے میاں کبیرہ تائی کے رشتے دار ہیں نا۔'' ماہی کسی اور نہج پہ سوچ رہی تھی۔

''بس پھر کبیرہ تائی نے کہا ہوگا انہیں کہ یہاں رشتہ نہ کریں۔ سمپل۔ چھوڑیں ماں۔ ہم اپنے کام کرتے ہیں اور اپنی زندگی میں واپس جاتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہی نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ جانتی تھی اس کا دل دکھا ہے۔ لیکن وہ ظاہر نہیں کرے گی۔

''ہاں ... مالا کو رشتوں کی کمی تھوڑی ہے۔ ہر دوسرے ہفتے رشتے آتے ہیں۔ بس ہمارے معیار پہ پورے نہیں اترتے۔'' پھر بڑبڑائی۔ ''کمبخت۔''

ان دونوں کو وہیں چھوڑ کے وہ باہر آ گئی۔ چہرہ بظاہر سنبھلا ہوا تھا لیکن دل... دل پہ بوجھ تھا۔

کون کتنا امیر ہے' اس کا تعین انسان اپنے حوالے سے کرتا ہے۔ بخت بی کے رشتے دار انہیں بہت امیر کبیر سمجھتے تھے' لیکن سہیل اور ثمرین آنٹی کے لیے وہ امیر نہیں تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ان کی مالی حالت بری تھی۔ بس ان کے پاس کبیرہ تائی کی طرح پیسے کی ریل پیل نہیں تھی۔ اور بہت سے لوگوں کو یہی چاہیے ہوتی ہے۔ کوئی بات نہیں۔ اس نے آنکھ کا گیلا ہوتا کونا رگڑا اور کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گئی۔

شادی ہی تھی۔ یہاں نہ ہوئی تو کہیں اور ہو جائے گی۔ کوئی بات نہیں۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ اسے ماہی کی طرح شادی کا کریز نہیں تھا۔ لیکن اسے بھی شادی کے لیے اتنی ہی ایکسائٹمنٹ اور خوشی تھی جتنی ہر لڑکی کو ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنی عمر کی ہر لڑکی کی طرح وہ یہی سمجھتی تھی کہ شادی خوشی کا دوسرا نام ہے۔

کھڑکی کے باہر کھڑا بوگن ویلیا کا درخت اپنے جامنی پھولوں کا بوجھ اٹھائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ یہ درخت برسوں سے صبح شام اس کے کمرے میں جھانکا کرتا تھا۔ اور اس نے آج نوٹ کیا تھا کہ اس کے پھولوں میں جامنی کے دو شیڈ نظر آتے تھے۔ کبھی فرصت سے بیٹھ کے اس کو دیکھا ہی نہیں۔ نہ جانے اس کا کیا مقصد تھا؟ سایہ فراہم کرنا؟ لیکن سایے کے لیے تو فائبر گلاس کا شیڈ بھی بنوایا جا سکتا تھا۔ اس کے پھولوں کی خوشبو بھی نہیں تھی نہ ان کے گلدستے بن سکتے تھے۔

وہ گم صم سی بیٹھی اس درخت کو دیکھے گئی۔

اتنے برس سے وہ اسے خاموشی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کیونکہ ابھی اسے درختوں کی زبان نہیں آتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم فرید کے گھر کے باہر لگے پودے مرجھائے ہوئے تھے۔ ماہر جب بھی ان کے پاس سے گزرتا' انہیں دانستہ نظر انداز کر دیتا۔ اور اس دوپہر گھر میں داخل ہوتے ہوئے وہ ویسے ہی اتنی عجلت میں تھا' کہ پودوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ داخلی دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ اس کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا۔ لیکن لونگ روم میں آتی آوازوں کے باعث وہ ٹھہر گیا۔

''بیر بل...'' اسے وہ اس دن کے بعد آج نظر آیا تھا۔ تھری سیٹر صوفے پہ بیٹھا' سامنے بڑی اسکرین پہ کوئی animation دیکھتے ہوئے وہ پاپ کارن کھا رہا تھا۔ ماہر کی آواز پہ کرنٹ کھا کے اٹھا۔ جلدی سے پیالہ رکھا اور اس کے سامنے آیا۔ چہرے سے وہ ایک دم گڑبڑایا ہوا لگتا تھا۔

''تم؟'' پریشانی سے ماہر کو دیکھا جو سوٹ میں ملبوس' تیار نظر آتا تھا۔ ''میرا مطلب ہے تم نے آج دوہا (قطر) جانا تھا۔''

لونگ روم کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں اور وہاں صرف اسکرین کی نیلی روشنی تھی۔ کھڑکیوں کے بلائنڈز بھی بند تھے۔ وہ دونوں نیم اندھیرے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''ہاں ایئرپورٹ جا رہا تھا۔ گھر سے کچھ لینے آیا تھا۔ اچھا ہوا تم مل گئے۔'' ماہر کے ماتھے پہ خفگی سے بل پڑے۔ ''میرج میٹریل۔ ہوں؟''

بیر بل مسکرایا۔ ''اچھی تھی نا؟''

''کیا تم مجھے جانتے نہیں ہو؟ مجھے یہ سلیکون (silicon) والی لڑکیاں نہیں پسند۔''

''ساری لڑکیاں ایسی ہی ہیں یہاں۔ وہ تمہارے لیے پرفیکٹ تھی۔'' بیر بل نے اس سے زیادہ خفگی سے منہ بنایا۔ ماہر نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سر جھٹکا۔ پھر کچھ یاد آیا۔ وہ دھیما پڑا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' اسے اس کا حال پوچھنے کے لیے وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

بیر بل نے شانے اچکا دیے۔ زبردستی مسکرایا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ۔''

''ابا نے ایک سخت فیصلہ لیا ہے' میں جانتا ہوں۔ مجھے بھی اچھا نہیں لگا۔ اگر تم چاہو تو میں اپنے شیئر سے تمہیں...''

''میں کبھی بھی ابا کا فیورٹ چائلڈ نہیں تھا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تو ماہر چپ ہو گیا۔ ''وہ مجھے تمہارے جیسا روبوٹ بنانا چاہتے تھے۔ مجھے خوشی ہے میں نہیں بنا۔ انہوں نے مجھے اسی چیز کی سزا دی ہے۔ مجھے ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میرے لیے میرا الاؤنس کافی ہے۔ خیر تم جاؤ۔''

''بیر...'' اس نے گھڑی دیکھی۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔ ''ہم بیٹھ کے اس پہ بات کریں گے۔ تم ابا کو غلط سمجھ...'' اور اسی پل وہ ٹھٹھکا۔ کسی تیسرے فرد کی موجودگی کا احساس ہوا۔

ماہر نے گردن موڑی۔

وہ صوفے کے پیچھے سے سر نکالے دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے گھنگھریالے بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور نیلی روشنی میں بھوری آنکھیں بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

اس نے چونک کے واپس بیر بل کو دیکھا۔

''ماہر... میں سمجھا... تم چلے گئے ہو۔'' وہ ہکلایا۔

ماہر نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور پلٹ کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ بیر بل بے بسی سے شانے جھٹک کے رہ گیا۔ وہ تیزی سے زینے پھلانگتا اوپر اپنے کمرے میں آیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کی چیزیں الٹ پلٹ کیں۔ دراز کھولے۔ وارڈروب کے خانے اوپر نیچے دیکھے۔ مطلوبہ شے نہیں مل رہی تھی۔ یا شاید وہ ڈسٹرب تھا۔

''کیا میں چلی جاؤں؟''

وہ بیڈ سائیڈ ٹیبل کے دراز کھول کے چیک کر رہا تھا جب چوکھٹ سے آواز آئی۔ اس کے ہاتھ تھم گئے۔ لیکن وہ

مڑا نہیں۔

''تم یہاں رہ سکتی ہو۔ میں جا رہا ہوں۔'' سرد لہجے میں کہا اور دوسرا دراز کھولا۔

''کہاں جا رہے ہیں؟'' ننھے قدم قریب آ رہے تھے۔ اسے ایک جگہ ٹھہرے رہنے کی عادت نہیں تھی۔

''دوہا۔'' وہ جواب نہیں دینا چاہتا تھا لیکن نہ جانے کیسے پھسل گیا۔

''آپ دوہا میں کیا کرتے ہیں۔''

''دوہا بھی میرا اپنا شہر ہے۔ وہاں ہمارا دوسرا آفس ہے۔'' وہ غائب دماغی سے دراز کی چیزیں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

''پتہ ہے میں کہاں رہنا چاہتی ہوں؟'' وہ اس کے کندھے کے قریب آ رکی تھی۔ بے بی پاؤڈر کی خوشبو۔

''کہاں؟'' ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ پنجوں کے بل سائیڈ ٹیبل کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ اس کے برابر تھی۔

''استنبول۔ بیر بل کے شہر میں۔ بیر بل ترکش ہے نا۔'' وہ مسکرائی۔ اس کے ایک گال میں گڑھا سا بنا۔ وہ اس مسکراہٹ کو بھی پہچانتا تھا۔

''بیر بل ترکش نہیں ہے۔ وہ وہاں صرف پڑھنے گیا ہے۔ کیونکہ یہاں کی پڑھائی وہ کر نہیں سکتا۔'' وہ سر جھٹک کے دراز کی چیزیں نکالنے لگا۔

''بیر بل ترکش ہے۔'' وہ زور دے کر بولی۔ پھر جواب نہ پا کے پوچھا۔ ''آپ کیا ڈھونڈ رہے ہو؟''

''میرا لائٹر تھا ادھر۔''

''دوہا میں لائٹرز نہیں ہوتے کیا؟''

ماہر نے گہری سانس لی۔ وہ ان سوالوں سے تنگ نہیں ہو رہا تھا۔

''اس پہ میرا نام لکھا تھا۔ مجھے وہی چاہیے۔''

''اگر نہ ملا تو؟'' وہ کبھی ایک پیر پہ کھڑی ہوتی کبھی دوسرے پہ۔ بالوں کو مسلسل انگلیوں پہ لپیٹ رہی تھی۔

''تو میں چلا جاؤں گا۔''

''کیا آپ دوہا سے میرے لیے کچھ لاؤ گے؟''

اس نے ہلال کی طرف دیکھا۔ وہ امید سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ شفاف ترین چہروں میں سے تھا۔ پھر

جیسے وہ چونکا۔ وہ شمس کی بیٹی تھی۔ سر جھکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے جانا تھا۔

''آپ کو اوپر والے کمرے میں رہنے سے ڈر نہیں لگتا؟'' وہ چوکھٹ پہ تھا جب وہ بولی۔ ماہر کے قدم رک گئے۔

''کیوں؟'' مڑ کے تعجب سے اسے دیکھا۔

''اگر آپ صبح سیڑھیاں اترتے ہوئے گر گئے تو؟''

اس کے ابرو اچنبھے سے اکھٹے ہوئے۔ کچھ تھا ہلال کے لہجے میں جو عجیب تھا۔ دکھ۔ ویرانی۔ اس نے بغور اسے دیکھا۔

وہ چھوٹی سی بچی بیڈ کے کنارے کھڑی اس کے جواب کی منتظر تھی۔

''میں کیوں گروں گا؟''

''میری ماما کا روم بھی اوپر ہے۔ اور وہ بار بار سیڑھیوں سے گر جاتی ہیں۔''

ساری کائنات ایک پل کے لیے ساکن ہوگئی۔ اور وہ جیسے نمک کا مجسمہ بن کے رہ گیا۔ شاید اسے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔

''ماں سیڑھیوں سے گری ہیں؟ کب؟''

ہلال نے افسردگی سے شانے اچکائے۔ ''کبھی three days بعد۔ کبھی seven days بعد۔'' انگلیوں پہ گن کے دکھایا۔

اسے چند لمحے لگے تھے سمجھنے میں۔ اور واللہ ماہر فرید کے اندازے لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتے تھے۔ جیسے ہی ذہن نے اس بات کو ڈی کوڈ کیا' اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ گھٹن۔ ہر طرف گھٹن تھی۔ اس نے بے اختیار ٹائی ڈھیلی کی۔

وہ منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے لب کھولے۔ وہ کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا تھا۔ کب۔ کیسے۔ کتنی بار۔ اس نے اور کیا دیکھا۔ لیکن اس کے سامنے ایک چھے برس کی بچی تھی۔ جس کے لمبے بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔ اس کی نظریں ہلال کے بالوں پہ ٹھہر گئیں۔

''تم بال مت کٹوانا۔'' وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا' لیکن لبوں سے یہی پھسل گیا۔ الفاظ نے اپنا راستہ خود بنالیا تھا۔ پھر وہ رکا نہیں۔ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ آج سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ بھی اندر ہی اندر بہت دفعہ گرا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوہا (قطر) کا حمد انٹرنیشنل ایئر پورٹ دنیا کے سب سے خوبصورت ایئر پورٹس میں شمار ہوتا ہے۔عرب بدوؤں نے صحراؤں سے نکلنے کے بعد جس چیز میں ترقی کی ہے'وہ خوبصورت اور پرتعیش عمارتیں بنانا ہے۔لیکن ماہ مبینہ کے گرد اس وقت ایئر پورٹ کی دیواریں تنگ ہو رہی تھیں۔یوں لگتا تھا ابھی چھت بھی سر پہ آن گرے گی۔

اسے لاہور سے یہاں لینڈ کیے کچھ دیر ہی ہوئی تھی۔عباد کے پیسے بچانے اور کفایت شعور ہونے کا تمغہ حاصل کرنے کے لیے ماہی نے اپنی طرف سے بہت عقلمندی کرتے ہوئے کنیکٹنگ فلائٹس کی جگہ دو دو مختلف فلائٹس بک کروائی تھیں۔ڈائریکٹ فلائٹ بہت مہنگی تھی اور وہ بارہ چودہ گھنٹے ایک ساتھ جہاز میں بیٹھ نہیں سکتی تھی۔کنیکٹنگ فلائٹ پہلے لاہور سے دوہا جاتی'اور وہاں سے فرینکفرٹ اور پھر امریکہ۔لیکن اسے ایک دوسرا آپشن نظر آیا جو ستر ہزار روپے سستا تھا۔وہ لاہور سے دوہا جائے گی'اور وہاں سے الگ فلائٹ لے کر قاہرہ'اور قاہرہ سے نیویارک۔دوہا اور قاہرہ کی فلائٹ connected نہیں تھی۔عباد کی امی نے سنتے ہی بس اتنا تبصرہ کیا تھا کہ دھیان کرنا'بعض اوقات ایئر لائن والے سامان اگلے جہاز پہ بھیج دیتے ہیں اور اگر دوہا پہنچنے پہ تمہیں سامان موصول نہ ہوا'تو تمہاری اگلی دونوں فلائٹس ضائع ہو سکتی ہیں۔لیکن انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

ماہی پہلی دفعہ باہر کے ملک سفر کر رہی تھی اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اسے کم عقل یا کم علم سمجھے۔اپنی طرف سے اس نے بہت سستا اور پلان بنایا تھا۔

لیکن دوہا میں اترنے کے بعد جب وہ اپنا سامان لینے بیگیج ایریا میں گئی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا سامان اگلی فلائٹ سے آ رہا ہے جو کہ چھے گھنٹے بعد لینڈ کرنی ہے۔ماہی کو دو گھنٹے بعد قاہرہ کی فلائٹ پکڑنی تھی۔اگر اس نے connecting فلائٹ لی ہوتی'تو اس کا سامان فائنل منزل یعنی نیویارک ہی پہنچتا۔لیکن چونکہ اس نے خود سے الگ فلائٹ لی تھی'وہ سامان لیے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتی تھی۔

اس وقت'ایک انفارمیشن ڈیسک کے سامنے کھڑے ماہی کو احساس ہوا کہ اس نے اپنی ساس کی بات نہ مان کے کتنی بڑی غلطی کر دی ہے۔یا شاید وہ آفیسر اسے غلط بتا رہا تھا۔اس کا سامان لیٹ کیسے ہو سکتا تھا؟

''میرا سامان کب آئے گا؟''

اس نے جھک کے پھر سے پوچھا۔کندھوں پہ بیک پیک پہنے'چھوٹے بالوں کو ہیئر بینڈ سے پیچھے کیے'وہ بورڈنگ پاس اور پاسپورٹ ہاتھ میں لیے پریشان کھڑی تھی۔

''آپ کا سامان اگلی فلائٹ سے آرہا ہے۔ چھے گھنٹے بعد۔'' اب کے آفیسر نے قدرے تنگ آ کے کہا۔ لائن میں ماہی کے پیچھے دوسرے لوگ بھی کھڑے تھے اور وہ ان کا راستہ روکے ایک ہی بات بار بار پوچھے جا رہی تھی۔

''مگر میں نے دو گھنٹے میں قاہرہ کی فلائٹ لینی ہے اور وہاں سے امریکہ جانا ہے۔ میری فلائٹس نان ریفنڈ ایبل ہیں (تبدیل نہیں ہو سکتیں)۔ وہ ضائع ہو جائیں گی۔''

آفیسر نے تھک کے سے اسے دیکھا۔ ''میں آپ کو یہی سمجھا رہا ہوں۔ آپ کو connecting فلائٹ لینی چاہیے تھی۔ آپ کے ٹکٹ پہ فائنل منزل دوہا لکھی تھی۔ ایئر لائن آپ کا سامان صرف دوہا تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔''

کسی نے پیچھے سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کے پیچھے والے کو روکا۔

''ایک منٹ میں بات کر رہی ہوں۔'' اور آفیسر کی طرف جھکی ''لیکن میرا سامان اسی فلائٹ سے آنا چاہیے تھا نا۔ پلیز کچھ کریں۔''

''ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ کو چھے گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔ اور قاہرہ امریکہ واٹ ایور کے لیے نئی فلائٹ لینی ہوگی۔'' وہ اب کے تلخی سے بولا اور اسے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ پیچھے لگی قطار میں لوگ انتظار کر رہے تھے۔ کسی نے پھر سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ جھنجھلا کے پیچھے والے سے بولی۔

''دیکھ نہیں رہے میں بات کر رہی ہوں؟ دو منٹ انتظار کر لو۔''

پھر غصے سے انفارمیشن ڈیسک پہ بیٹھے آفیسر کو دیکھا۔

''آپ لوگوں کی غلط مینجمنٹ کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔ میں نا آپ کی ایئر لائن کے خلاف ٹوئیٹر پہ ٹرینڈ چلاؤں گی۔ اور....'' اس کی آواز ٹوٹی۔ اور وہ کیا کرے گی؟ پرایا ملک۔ پرائی جگہ۔ پہلی دفعہ بیرون ملک سفر کیا تھا۔ عبادکا سارا دھیال جمع ہوگا امریکہ میں۔ شادی پہ سب ماہی کو ہی گوسپ کا موضوع بنائیں گے۔

''میں بات کروں ان سے؟'' پیچھے کھڑے مرد نے آہستہ سے کہا تو وہ غصے سے پلٹی۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔

''میں اپنے حق کے لیے خود بول سکتی ہوں۔ مجھے کسی کی ہیلپ نہیں چاہیے۔''

وہ کوئی پاکستانی تھا۔ ایک تو یہ پاکستانی ایئر پورٹ پہ اکیلی پاکستانی لڑکی دیکھ کے فوراً سے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

''ٹھیک ہے۔ روتی رہو۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ کلین شیو اور دراز قد آدمی تھا۔ کوٹ بازو پہ ڈالے ٹائی ڈھیلی کیے کھڑا وہ بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ رہا تھا۔

''ہم آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔سوری۔'' آفیسر نے اب کے ضبط سے کہا تو وہ چپ چاپ ایک طرف ہوگئی۔ایک آنسو آنکھ سے ٹپکا۔ پیچھے آتی آوازوں سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ آدمی لندن جانے والی اگلی فلائٹ کا ہو چھ رہا تھا۔

وہ ان سب کی طرف پشت کیے کھڑی ہوگئی اور موبائل نکالا۔وہ اسے پہلے ہی ایئر پورٹ کے نیٹ سے connect کر چکی تھی۔مالا اور ماں کو کیا پریشان کرتی۔اسے عباد کو ہی کال ملانی تھی۔

مگر عباد کا فون آف تھا۔وہ بار بار اسے کال ملانے لگی۔عباد کام سے دوسرے شہر گیا ہوا تھا۔وہ سسرال والوں کے ساتھ نہیں تھا۔اور فی الحال وہ سسرال نہیں کال کر سکتی تھی۔خالہ بے شک خالہ تھیں لیکن اب وہ ساس بھی تھیں۔

لندن کی فلائٹ کا پوچھنے والا مرد ڈیسک سے ہٹا اور ماہی کے ساتھ سے گزر کے آگے بڑھ گیا۔وہ سر جھکائے آنسو صاف کرتے ہوئے عباد کو کال ملا رہی تھی۔

وہ چند قدم دور رکا۔جیسے ضبط سے گہرے سانس لیے۔پھر وہ واپس آیا۔اسے محسوس ہوا کہ وہ اس کے سامنے آرکا ہے۔

''رو کیوں رہی ہو؟''

ماہی نے گیلا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔وہ اتنی جلدی رونے والوں میں سے نہیں تھی لیکن پریکتسی ہارمونز۔اُف۔

''کیونکہ میں پریشان ہوں۔'' پھر غصے سے انفارمیشن ڈیسک کی طرف دیکھا۔''قطر ایئر لائن کے خلاف میں ٹویٹر پہ اتنے ٹرینڈز چلاؤں گی کہ یہ یاد رکھیں گے۔''

بازو پہ کوٹ ڈالے آدمی نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''اس سے کیا ہوگا؟''

''پتہ نہیں۔'' پھر اسے اپنے لہجے کا احساس ہوا۔''سوری میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔میں پریشان تھی۔میری جگہ آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے۔'' نشو سے سرخ ناک رگڑی۔

''میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے بالکل نہ کرتا۔''

''اچھا؟ آپ کیا کرتے؟''

وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس آدمی کو غور سے دیکھنے لگی۔وہ خوش شکل اور پراعتماد سا تھا۔قیمتی سوٹ چمکتے جوتے کلائی کی گھڑی اس کی ہر شے سے امارت جھلکتی تھی۔وہ کوئی عام سا مسافر نہیں تھا جو صرف اس سے بے تکلف

ہونا چاہتا تھا۔

''میں ایئر لائن کو ٹوئیٹر ٹرینڈ کی دھمکی نہ دیتا۔ چچ'' جیسے اس پہ افسوس کیا۔ ماہی کے ابرو ناراضی سے اکٹھے ہوئے۔ وہ کچھ کہنے لگی لیکن اس آدمی نے انگلی اٹھا کے اسے روک دیا۔ اور خود واپس انفارمیشن ڈیسک تک آیا۔ وہاں اب رش نہیں تھا۔

''اس مسافر کی اگلی دو فلائٹس قطر ایئر لائن کی نااہلی کی وجہ سے مس ہوئی ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھا۔ ''پہلے آپ لوگ صرف بیگز توڑتے تھے اب آپ سامان بھی وقت پہ نہیں پہنچاتے۔''

''سر... ان کی فائنل منزل دوہا تھی۔ ان کا سامان یہیں پہنچے گا۔ میں نے انہیں بتایا ہے۔''

''لیکن آپ نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ اگر ایئر لائن کی غلطی کی وجہ سے ان کا مالی نقصان ہوتا ہے تو ایئر لائن اس نقصان کو ادا کرے گی۔''

ماہی نے چونک کے اسے دیکھا۔ لب بے یقینی سے کھل گئے۔ (ہیں؟)

وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔ ''یہ آپ کی ویب سائٹ پہ لکھا ہے۔'' ساتھ ہی موبائل اسکرین اس کے سامنے کی۔

آفیسر کے تاثرات بدلے۔ اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''جی۔ وہ نئی فلائٹ لے کر کلیم داخل کر سکتی ہیں۔ ایئر لائن ان کو نئی فلائٹس کی قیمت ری فنڈ کر دے گی۔''

''اس نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' ماہی کا منہ کھل گیا۔ (کم بخت۔)

وہ مڑ کے اسی خفگی سے اسے دیکھنے لگا۔ ''وہ تمہیں کیوں بتائے گا۔ فلائٹ بک کرواتے وقت terms and conditions انسان نے خود پڑھنی ہوتی ہیں۔'' پھر وہ سیدھا ہوا۔ ''اب رونا بند کرو۔ اور نئی فلائٹس بک کرواؤ۔''

کہہ کے وہ رکا نہیں۔ آگے بڑھ گیا۔ وہ تیزی سے موبائل نکال کے ویب سائٹ کھولنے لگی۔ اسے اب تسلی سے تمام شرائط وضوابط پڑھنی تھیں جنہیں وہ ''آئی اگری'' کا بٹن دبا کے آگے کر دیتی تھی۔ پھر اچانک سے اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔

وہ اب وہاں کہیں نہیں تھا۔ ایئر پورٹ کے انسانوں کے ہجوم میں وہ کہیں دور چلا گیا تھا۔ نہ معلوم کون تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ کو شادیاں ہمیشہ بورنگ لگتی تھیں۔ سج سنور کے جاؤ اور ہال کی ایک میز پہ جا کے بیٹھ جاؤ۔ پھر کھانا

کھاؤ' تصاویر بنواؤ اور واپس آ جاؤ۔ اور ماہی کے بغیر تو وہ مزید بور نگ تھیں۔ لیکن کزن کا ولیمہ تھا اور ماں اکیلی نہیں جا سکتی تھیں۔ ان کو کمپنی دینے کے لیے وہ ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔ ذہن ماہی کی طرف اٹکا ہوا تھا۔ ماں بھی زیرِ لب اسی کے لیے کچھ پڑھے جا رہی تھیں۔ ان کی بیٹی پہلی دفعہ اکیلے بیرون ملک کا سفر کر رہی تھی۔ وہ بھی تین فلائٹس بدل کے۔ وہ بار بار ماں کو تسلی دیتی کہ ماہی ماہی ہے۔ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ ٹھیک رہے گی۔ لیکن ماں پریشان سی تھیں۔

ولیمے میں شرکت نے ان کا ذہن قدرے بانٹ دیا۔ آج ان کو تیار کرنے والی ماہی نہیں تھی اس لیے وہ واجبی سا تیار ہوئی تھیں۔ مالا خود بھی ہلکی پھلکی ہی تیار ہوا کرتی تھی۔ اس نے ہلکے کام والا سبز جوڑا پہن رکھا تھا۔ چھوٹے بال کھلے تھے اور کانوں میں نگینوں والے ائیر رنگز تھے۔ گالوں کے دانے آج کل ذرا زیادہ خراب ہو رہے تھے۔ اس لیے وہ میک اپ بالکل نہیں کرتی تھی۔ حتیٰ کہ سبز آنکھوں کے گرد لائنر بھی نہیں لگاتی تھی۔ الرجی سی ہونے لگتی۔ جوتے بھی فلیٹ ہی پہنتی۔ ان کے خاندان میں غیر شادی شدہ لڑکیوں کا میک اپ کرنا یا اونچی ہیلز پہننا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان سب ارمانوں کو پورا کرنے کے لیے لڑکیاں شادی کا انتظار کرتی تھیں۔

فنکشن ویسا ہی تھا جیسا لاہور کا کوئی بور نگ فنکشن ہوتا ہے۔ یہاں بخت بی کے گھر کی شادی کی طرح دیگ تھی نہ ہی ٹپے۔ بس سجے سنورے لوگ تھے۔ مصنوعی باتیں اور کھوکھلے قہقہے تھے۔

وہ بور سی ہو کے ماں کے ساتھ چل رہی تھی۔ ماں بھی ایک جگہ رک نہیں رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہر رشتے دار سے مل رہی تھیں۔ وہ بھی ساتھ ہی مسکرا کے سب سے ملتی۔

دفعتاً نگاہ سامنے ایک میز پہ جا ٹھہری۔ وہاں ثمرین آنٹی کبیرہ تائی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ کبیرہ اس زمانے میں بھی ایسی ہی تھیں۔ وہی ساڑھی پہننے کا انداز۔ وہی بوائے کٹ بال۔ وہ رخ موڑ کے بیٹھی تھیں' ایسے کہ وہ دور سے آتی حورِ جہاں اور کشمالہ کو دیکھ سکتی تھیں۔ انہیں دیکھ کے وہ رسمی سا مسکرا بھی دیں۔ ماں اور کشمالہ بھی مسکرا دیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کبیرہ سے ان کی بول چال بند نہیں ہوئی تھی۔

ثمرین آنٹی نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ ان کی اس جانب پشت تھی۔

اُف۔ اب ان سے بھی ملنا پڑے گا جنہیں امیر بہو چاہیے تھی۔ کشمالہ کا دل تھوڑا خراب ہوا لیکن خیر مجبوری تھی۔ ثمرین اور سہیل مادیت پرست تھے تو کیا ہوا۔ وہ بھی اعلیٰ ظرف تھی۔ مسکرا کے مل لے گی۔

اس نے بس ایک گہرا سانس لیا اور خود کو ٹھنڈا کر لیا۔ پھر ماں کے ساتھ ان کی طرف چل دی۔

کبیرہ کنکھیوں سے انہیں دیکھتی ہوئی ثمرین سے بات کر رہی تھیں۔ جب وہ دونوں اتنے قریب آ گئیں کہ سماعت کی حد میں تھیں تو کبیرہ نے چہرے پہ حیرت لاتے ہوئے ثمرین کو مخاطب کیا۔

''آپ سہیل کا رشتہ کر رہی تھیں ناحورے کی بیٹی سے۔ اس کا کیا بنا؟''

وہ دونوں جہاں تھیں' وہیں رک گئیں۔ ساکن۔

''بس کیا بتاؤں کبیرہ۔'' ثمرین جس طرح ایک دم پھٹ کے بولیں' مالا اور ماں وہیں رک گئے۔ ساکن۔ جامد۔ ان کے عین پیچھے۔

''میں نے تو خاندان کی وجہ سے لڑکی پسند کر لی۔ حورے کو کہہ بھی دیا۔ لیکن سہیل تو اس کو دیکھتے ہی ہتھے سے اکھڑ گیا۔ اتنا غصہ ہوا مجھ پہ کہ آپ نے لڑکی کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ دانوں سے بھرا ہوا۔ کیا ایسی لڑکی رہ گئی تھی اس کے لیے؟ اب کبیرہ انصاف کی بات کرو' میرا ایک ہی بیٹا ہے' بے انتہا خوبصورت۔ اس کے ساتھ لڑکی میچ تو کرنی چاہیے۔ اور جس لڑکی کو اپنے چہرے کا ہی خیال نہ ہو' وہ اس کے ساتھ کیسے چلے گی۔''

اسے محسوس ہوا کہ ماں نے اس کا ہاتھ زور سے تھاما ہے۔ جیسے اس کو رکنے کا اشارہ کیا ہے۔ وہ خود بالکل خاموش کھڑی تھیں۔ چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔ لیکن مالا.... اس نے فوراً بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔ ہر بچہ مشکل میں پڑنے پہ سب سے پہلے ماں کو دیکھتا ہے۔

ماں سامنے دیکھ رہی تھیں۔ مالا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ ان کا ہاتھ ٹھنڈا تھا۔ مالا کا گرم تھا۔ اس نے گرم کو ٹھنڈے سے چھڑا لیا۔ ایک دم وہ مڑی اور تیزی سے ان سب سے دور ہٹتی گئی۔ اس کا رخ میرج ہال کے واش رومز کی طرف تھا۔ دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ ابھی اس نے ثمرین کے الفاظ ٹھیک سے اندر اتارے بھی نہیں تھے۔ بس اسے اتنا معلوم تھا کہ اسے اپنا چہرہ دنیا سے چھپانا ہے۔

حورِ جہاں بیگم نہ واپس مڑیں' نہ رکیں۔ وہ قدم قدم اٹھاتیں اپنے بھاری وجود کو لیے اسی ٹیبل کے قریب آئیں۔ انہیں دیکھ کے کبیرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسکرا کے ان کا استقبال کیا۔ ثمرین آنٹی کے چہرے پہ پریشانی آئی۔ گھبراہٹ سے سلام کیا۔ لیکن حورِ جہاں اسی سنجیدگی سے ان کے سامنے کرسی پہ بیٹھیں۔ سر پہ شفون کا نیلا دوپٹہ لیے' ایک کندھے پہ شال ڈالے' کانوں اور گردن میں موتی پہنے' سبز آنکھوں والی حورِ جہاں نے بڑے وقار سے ان دونوں کے سلام کا جواب دیا۔

ثمرین گھبرا کے بار بار کبیرہ کو دیکھتیں۔لیکن کبیرہ مسکرائے جا رہی تھیں۔دل میں جیسے ٹھنڈ اتر گئی تھی۔

''کیسی ہو کبیرہ؟'' حورِ جہاں نے نرمی سے اس سے پوچھا۔

''خوش ہوں۔مزے میں ہوں۔'' کبیرہ کی اسموکی آئیز سے سجی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

''عنایہ کیسی ہے؟'' انہوں نے اگلا سوال پوچھا۔کبیرہ اسی طرح مسکرائے گئیں۔

''ٹھیک ہے۔پڑھائی میں بزی ہے۔''

''اللہ تمہاری بیٹی کو نیک بخت لگائے' کبیرہ۔بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔''

کبیرہ نے مسکرا کے آمین کہا۔حورِ جہاں کے درس ان پہ بے اثر تھے۔حورِ جہاں کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسی سنجیدگی سے کہنے لگیں۔

''ویسے بیٹے بھی سانجھے ہوتے ہیں۔ان کا غم بھی سانجھا ہوتا ہے۔تمہارے انگلینڈ میں ایک ہمسائے تھے ریٹائرڈ بریگیڈیئر محمود صاحب۔وہ معید کے ابو کے بھی دوست تھے۔ان کی ڈیتھ کے بعد بھی جب بھی پاکستان آئیں' ہماری طرف ضرور آتے ہیں۔''

کبیرہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''انہوں نے بتایا تھا تمہارے بیٹے کی موت کا کبیرہ۔مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔'' ان کی آنکھیں کبیرہ کے چہرے پہ گڑی تھیں اور آواز آہستہ تھی۔

کبیرہ کی رنگت بدلی۔ثمرین چونک کے ان دونوں کو دیکھنے لگیں۔

''لیکن میں نے کبھی افسوس نہیں کیا تم سے۔کیونکہ ہم نہ کسی کی اولاد پہ جھوٹ باندھتے ہیں' اور نہ ان کا سچ کسی کو بتاتے ہیں۔یہ میرے ماں باپ کی تربیت نہیں ہے۔'' وہ کبیرہ پہ نظریں جمائے کہہ رہی تھیں۔ان کی آواز میں ایک دھمکی تھی۔

کبیرہ سادان بالکل شل رہ گئی۔بے اختیار ادھر ادھر دیکھا۔کہیں کوئی سن نہ لے۔

''جس کو دولت چاہیے اس کو دولت ہی ملے گی۔(ایک کاٹ دار نظر ثمرین پہ ڈالی۔) جس کو صورت چاہیے' اس کو صورت ہی ملے گی۔اللہ شکر خورے کو شکر دے ہی دیتا ہے اور وہی اللہ میری بیٹی کو دوہرا بخت لگائے گا۔ایسا بخت کہ دنیا دیکھے گی۔یہ اس کی ماں کی دعا ہے۔خوش رہو تم لوگ اپنی دنیا میں۔'' وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ گئیں۔

دونوں خواتین شل بیٹھی تھیں۔ اپنے اپنے بیٹوں کی وجہ سے۔ پھر ثمرین وہاں سے اٹھ گئیں۔ جاتے جاتے انہوں نے ناپسندیدگی سے کبیرہ کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے سہیل کا رشتہ اس عورت کی بیٹی سے نہیں کر سکتی تھیں جو اپنے مرے ہوئے بیٹے کو زندہ بتاتی ہو۔

حورِ جہاں بیگم دھیرے دھیرے چلتی وہاں سے دور جا رہی تھیں۔ انہیں اپنی بیٹی کی تلاش تھی۔

اور میلے میں بچھڑ جانے والے بچے کو اس کی ماں تلاش کر ہی لیتی ہے۔ چاہے وہ جہاں بھی چھپ جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''آئی ایم سوری۔ آپ کا کارڈ کام نہیں کر رہا۔''

یہ ایک دوسرا ڈیسک تھا اور یہاں بیٹھا نوجوان کافی خوش اخلاق تھا۔ نہ اس سے آن لائن ٹکٹ بک ہو رہا تھا۔ نہ کارڈ یہاں کام کر رہا تھا۔ پاکستانی بینکوں کے مسئلے۔ اف۔ اوپر سے اس کے پاس اتنا کیش بھی نہیں تھا کہ ٹکٹ کی قیمت بھر سکتی۔ ائیر لائن تو بعد میں واپس کرے گی۔ ابھی تو لاکھوں روپے کا یہ خرچا اسے ہی کرنا تھا۔

ماہی کو ایک دفعہ پھر ائیر پورٹ کی دیواریں تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ اسٹریس۔ کچھ پریگننسی ہارمونز۔ اس کا دل دھاڑیں مار مار کے رونے کو چاہ رہا تھا۔

''ایک دفعہ پھر ٹرائی کر دیں۔'' اس نے اپنا کارڈ بڑھایا۔ نوجوان نے پھر سے اسے لگایا لیکن بے سود۔ اس نے معذرت کے ساتھ کارڈ واپس کر دیا۔

ماہی کی آنکھیں پھر سے گیلی ہوئیں۔ کمر کا درد اب شدید ہوتا جا رہا تھا۔ عباد بھی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اسے اب کہیں بیٹھنا تھا۔ قریبی ویٹنگ ایریا میں لوہے کی غیر آرام دہ کرسیاں رکھی تھیں۔ اور سب فل تھیں۔ وہ ایک راہداری میں مڑ گئی اور چھوٹے قدموں سے آگے چلنے لگی۔ عباد کا فون آف تھا۔ سسرال فون کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ عباد کے خاندان میں باتیں آگے نکل جاتی تھیں۔ سارے پاکستان کو خبر ہو جاتی اور سب کہتے کہ ماہی کی غلطی ہے۔ ساس نے کہا بھی تھا کہ کنفیکشنگ فلائٹ لو۔ سب اس کا مذاق اڑائیں گے۔ چار سدہ کی پینڈو کہیں گے اس کو۔

بیس سالہ ماہ بینہ کی آنکھیں پھر سے بھر آئیں۔ اُف وہ کیا کرے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے چند لوگوں کو روک کے پوچھا بھی کہ وہ کیا کرے۔ لیکن سب اس مرد جیسے نہ تھے۔ لوگ جلدی میں تھے۔ کسی کی فلائٹ نکلی جا رہی تھی۔ کسی کو سامان اٹھانے کی جلدی تھی۔ کسی کے پاس رک کے مشورہ دینے کے لیے وقت نہیں تھا۔ ایک راہداری میں اسموکنگ رومز بنے تھے۔

شیشے کی دیوار کے پار کچھ مرد اور عورتیں کسی ایک طرف منہ کیے اسموکنگ کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ کیا نشہ تھا یہ بھی۔ ایئر پورٹس پہ بھی ان کو چین نہیں ہے۔ ماہی نے ناپسندیدگی سے انہیں دیکھا اور سر جھٹک کے آگے بڑھنے لگی۔ اور تبھی وہ اسے دوبارہ نظر آیا۔ وہ رک گئی۔

وہ ایک کرسی پہ بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' لبوں میں سگار دبائے ہوئے تھا۔ وہ دوسرے لوگوں کی طرح موبائل استعمال نہیں کر رہا تھا۔ بس خاموشی سے چھت کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔

اس انسانوں سے بھرے ایئر پورٹ پہ ماہ بینہ مبین کو جیسے امید کی ایک کرن نظر آئی۔

وہ شیشے کی دیوار کے قریب آئی۔ اور اس کے عین سامنے آ کے دستک دی۔

وہ اسی طرح اوپر دیکھتا رہا۔ آواز اس تک نہیں پہنچی تھی۔ شاید وہ کسی خیال میں گم تھا۔ کچھ اداس سا تھا اس کے بارے میں۔

ماہی نے جھنجھلا کے زور سے شیشہ بجایا۔ چند لوگ ادھر دیکھنے لگے۔ کسی نے اسے بتایا کہ دروازہ باہر سے کھل سکتا ہے۔ وہ سمجھے وہ اندر آنا چاہ رہی ہے۔ کسی نے اس آدمی کو پکارا۔ کوئی اسے بلا رہا ہے۔

وہ چونکا۔ نگاہ شیشے کے پار کھڑی اس لڑکی پہ پڑی تو اس نے گہری سانس لی۔

(ناٹ اگین۔) ماہر فرید نے اکتا کے سوچا۔ پھر کندھے اچکا کے پوچھا۔ (کیا ہے؟)

''باہر آئیں۔'' وہ پریشانی سے اسے باہر بلا رہی تھی۔ صرف وہی تھا جو اسے درست مشورہ دے گا۔

''تم اندر آ جاؤ'' وہ ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ بس دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ یہاں سے آواز نہیں جاتی تھی۔ اس کے اشارے پہ وہ جھنجھلا گئی۔

''پلیز باہر آئیں۔''

ماہر قدرے اکتا کے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر آیا۔ سگار ہاتھ میں تھا۔ شیشے کا دروازہ ذرا سا کھول کے باہر دیکھا۔ بہت سا دھواں بھی باہر آیا

''اندر آ جاؤ۔ میں باہر نہیں آ سکتا۔ میں سگار کے درمیان میں ہوں۔''

''میں اس کے دھوئیں کے قریب نہیں جا سکتی۔'' جھنجھلا کے بولی۔ اب اس کو کیا کہے۔ ''آپ پہلے میری بات سن لیں۔ پھر سگریٹ پی لینا۔''

ماہر فرید کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''یہ سگریٹ نہیں' سگار ہے۔'' انگلیوں میں پھنسا سگار اٹھا کے دکھایا۔

''ہاں تو ایک ہی بات ہے۔ وہ بھی زہر۔ یہ بھی زہر۔ اچھا باہر آئیں میری بات سنیں۔''

وہ یوں دروازہ کھول کے نہیں کھڑا ہو سکتا تھا۔ بددلی سے سگار بن میں اچھال دیا اور باہر آ گیا۔

''اب کیا ہوا ہے؟'' گہری سانس لے کر پوچھا۔ چہرے پہ کوفت تھی۔

''میرا شوہر میرا فون نہیں اٹھا رہا۔ اور میرا کارڈ کام نہیں کر رہا۔ میں کیا کروں؟''

ماہر نے گہری سانس لی۔ اُف۔

''تمہارے پاس پانچ چھے گھنٹے ہیں نا۔ بار بار کال کرو۔ اٹھا لے گا۔''

''اگر نہ اٹھایا تو میں کیا کروں گی؟'' وہ پریشان تھی۔ رونے والی۔ چڑچڑی سی۔

''وہ سیڑھیاں دیکھ رہی ہو۔'' اس نے بازو لمبا کر کے ایک طرف اشارہ کیا۔ ''اوپر جاؤ۔ اور جا کے کسی پبلک لاؤنج میں بیٹھ جاؤ۔ اور انتظار کرو۔''

ماہی نے اس طرف دیکھا۔ برقی سیڑھیاں جام تھیں۔

''لفٹ نہیں ہے؟ میں سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی۔''

وہ چونکا۔ سگریٹ کے دھوئیں سے بچنا۔ سڑھیاں نہیں چڑھ سکتی۔ بات بات پہ رونا۔ اوہ۔ اس کے کندھے ڈھیلے ہوئے تاثرات بدلے۔

''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ چپ چاپ اس کے پیچھے چل دی۔ ماہی دوست نہیں بنایا کرتی تھی۔ وہ ہر ایک پہ شک کرتی تھی۔ لیکن کچھ تھا مقناطیسی سا اس آدمی کے بارے میں۔ کچھ ایسا جو دل کو غیر آرام دہ نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس وقت وہ ایک غیر ملک میں اکیلی تھی اور سب نے کہا تھا کہ کسی اجنبی بالخصوص پاکستانیوں پہ بھروسہ نہ کرنا۔ لیکن ماہ بینہ مبین نے اس پہ بھروسہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ اسے کچھ دیر اپنے پیچھے چلاتا گیا۔ پھر ایک ایکسیلیٹر کے دہانے رکا۔ وہاں باوردی سیکیورٹی گارڈ کھڑا تھا۔ ماہر نے اپنا فون نکالا اور اس میں موجود کارڈ اسکین کیا۔ پھر اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میری گیسٹ ہے۔''

سیڑھیاں انہیں اوپر لے گئیں جہاں المرجان لاؤنج بنا تھا۔ دنیا کے بہترین ائیر پورٹ کا بہترین فرسٹ کلاس لاؤنج۔ رنگوں اور روشنیوں کی ایک الگ دنیا۔

وہ بے اختیار گردن اوپر نیچے موڑ کے اطراف کو دیکھنے لگی۔ چند لمحوں کے لیے وہ اپنی ساری پریشانی بھول گئی تھی۔

ایک بڑے سے ہال میں جگہ جگہ آرام دہ صوفے رکھے تھے۔ زرد خوابیدہ سی بتیاں جل رہی تھیں۔ کچھ لوگ آرام کر رہے تھے۔ کچھ اپنے فونز اور لیپ ٹاپس پہ لگے تھے۔ ایک طرف وسیع و عریض تالاب بنا تھا۔ تالاب کے اوپر کی چھت چمکدار تھی۔ اس کی روشنی کے عکس سے تالاب کا پانی جھلملا رہا تھا۔

یہ کوئی اور دنیا تھی۔ اکانومی کلاس میں سفر کرنے والوں کو لوہے کی کرسیاں ملتی تھیں۔ یہ فرسٹ اور بزنس کلاس میں سفر کرنے والے امراء کا لاؤنج تھا۔

ماہر نے پانی کے قریب رکھے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ ٹانگوں اور کمر کو سکون آیا۔ بیک پیک میز پہ رکھ دیا۔

''اب تم یہاں آرام سے انتظار کرو۔ اوپر ریستوران میں بفے لگا ہوا گا۔ وہاں جا کے کھانا کھاؤ اور مسئلے کا کوئی حل نکالو۔'' وہ ہدایات دیتا بس جانے لگا تھا۔

''آپ کہاں جائیں گے؟'' وہ تیزی سے بولی۔ دل ایک دم گھبرا گیا۔

''میں یہیں کہیں بیٹھ جاؤں گا۔ میرا سگار ٹائم تو تم نے خراب کر ہی دیا ہے۔''

''اگر خراب ہو ہی گیا ہے تو آپ یہیں بیٹھ جائیں۔ بس میرا شوہر فون اٹھا لے تو آپ چلے جایئے گا۔'' اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیسے روکے۔ ''سوچیں آپ کی بہن مشکل میں ہوتی تو آپ کیا کرتے؟''

اپنی طرف سے ماہی نے ٹپیکل پاکستانیوں والا حربہ استعمال کیا تھا۔

ماہر کے سارے اعصاب تن گئے۔ اس بات کی چوٹ الگ سی تھی۔ اس نے کچھ کہا نہیں۔ خاموشی سے اس کے سامنے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

''تھینک یو۔'' وہ ممنون ہوئی۔ دل کو سکون آیا۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ ''اور سوری۔ آپ کا سگریٹ ٹائم خراب کرنے کے لیے۔''

''سگار۔'' آج اس نے غصے سے تصحیح نہیں کی۔ بس تالاب کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''ایک ہی بات ہے۔ نہیں؟''

''ایک بات نہیں ہے۔ سگریٹ زہر ہے۔'' وہ پانی پہ رقص کرتی روشنیاں دیکھ رہا تھا۔

''اور سگار کیا ہے؟''

''میری محبوبہ۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا تو ماہی ایک دم ہنس پڑی۔

''سگار آپ کی ایڈکشن ہے۔ محبوبہ وغیرہ نہیں۔'' اپنے ازلی انداز میں بولی۔ پھر احساس ہوا کہ اپنی مدد کرنے والے آدمی کو ناراض کرنا دانشمندی نہیں تھی۔ جلدی سے مسکراہٹ روکی۔ ''سوری میں...''

''کیا پوگی؟ میں کافی لینے جا رہا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تھینک یو۔ میں کیفین سے پرہیز کر رہی ہوں۔''

ماہر فرید نے گہری سانس لی۔ کم عمری کی شادی۔ پہلا بچہ۔ یہ کوئی وہمی لڑکی تھی۔ پر یہ نتھنی کھونے سے ڈرنے والی۔ ورنہ اب اتنا کیا پرہیز... خیر۔

وہ عباد کو پھر سے کال ملانے کی کوشش کرنے لگی۔ بے سود۔ تھک کے اس نے ماں اور مالا کو کال کی۔ دونوں فون نہیں اٹھا رہے تھے۔ شاید ابھی ولیمے سے واپس نہیں آئے تھے۔ المرجان لاؤنج کے ماحول نے اس کے اعصاب کو ریلیکس کر دیا تھا۔ خیر ہے اس کے پاس بہت وقت ہے۔ وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

گرین ٹی کا کپ اس کے سامنے میز پر رکھا گیا تو وہ چونکی۔ پھر فون رکھ دیا۔ وہ اپنا کافی کپ لیے سامنے بیٹھ رہا تھا۔

''آپ کہاں سے آ رہے تھے؟'' اسے پہلی دفعہ اس اجنبی میں دلچسپی ہوئی۔

''لندن سے۔'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے تالاب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے برطانوی لہجے سے پہچان چکی تھی۔

''اور کہاں جا رہے ہیں؟''

''واپس لندن۔''

وہ چونکی۔ ''آپ آتے ساتھ ہی واپس جا رہے ہیں۔ خیریت ہے؟''

''ہاں۔'' وہ زیادہ بولنا نہیں چاہ رہا تھا۔

''پھر آپ کے آنے کا کیا فائدہ؟ ٹکٹ ہی ضائع کر دیے۔ امیر لوگوں کے بھی مزے ہیں۔'' کپ اٹھاتے ہوئے اس نے کہہ ڈالا۔ اب اس سے زیادہ ماہ بینا اپنی زبان کنٹرول نہیں کر سکتی تھی۔

''اچھا... اور کیا مزے ہیں امیر لوگوں کے؟'' وہ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا اسے دیکھنے لگا۔

''وہ کسی بھی وقت مرضی کی فلائٹ لے سکتے ہیں۔میری طرح ائیر پورٹس پہ خوار نہیں ہوتے۔''

''تم اپنے شوہر کے گھر والوں کو کال کر سکتی ہو۔''

''ہرگز نہیں۔میرا سارا سسرال نیویارک میں اکٹھا ہے۔ان کو بتا دیا تو وہاں جو میرے ساتھ ہوگا نا' وہ بس مجھے پتہ ہے۔''جھرجھری لی۔

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔جیسے تشویش ہوئی ہو۔

''کیا وہ تم پہ ہاتھ اٹھائیں گے؟''

ماہی کا چہرہ گلابی ہوا۔

''کوئی ہاتھ اٹھائے تو سہی۔میں ہاتھ توڑ کے رکھ دوں گی۔میری ماں نے مجھے کمزور عورت نہیں بنایا۔ہاں۔''اس کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔''مجھے صرف گوسپ کا موضوع بننے سے ڈر لگتا ہے۔کوئی مجھے بے وقوف نہ کہے۔ہاتھ اٹھائیں تو سہی۔''منہ میں ہی بڑبڑانے لگی۔

''کیا ہر عورت ہاتھ اٹھانے والے شوہر کا ہاتھ توڑ سکتی ہے۔''وہ تھوڑی پہ انگلیاں رکھے سوچتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

''بالکل توڑ سکتی ہے۔اگر وہ پڑھی لکھی ہو'اور بالخصوص امیر ہو۔اب میری ملازمہ کی بیٹی کو دیکھ لیں۔''وہ کپ میں ٹی بیگ اوپر نیچے کر رہی تھی۔''روز پٹتی ہے اپنے شوہر سے۔مگر اسے نہیں چھوڑتی۔اس دن بازو ٹوٹا ہوا تھا اس کا۔میں نے پوچھا کیا ہوا ہے تو کہتی سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔''

ماہر ایک دم چہرہ موڑ کے تالاب کو دیکھنے لگا۔مٹھی بھینچ لی۔اتنے زور سے کہ ناخن ہتھیلی میں پیوست ہو گئے۔

''اب مجھے بتائیں ... سیڑھیوں سے کوئی روز روز گر سکتا ہے کیا؟ مگر نہیں۔ایک ہی بہانہ ہے سب بے چاری عورتوں کے پاس۔''پھر تصحیح کی۔''غریب اور مڈل کلاس عورتوں کے پاس کیونکہ وہی پٹتی ہیں۔امیر ہوتیں تو کوئی ہاتھ نہ لگا سکتا۔''

''امیر عورتوں پہ بھی تشدد ہوتا ہے۔''وہ پانی کو دیکھتے ہوئے بولا تو آواز بہت آہستہ تھی۔

ماہی نے ناک سے مکھی اڑائی۔اب وہ ریلیکس لگتی تھی۔

''نہیں ہوتا۔اب آپ کے لندن میں کسی عورت کو کوئی انگلی سے بھی چھو لے تو وہ پولیس بلا لے گی اور...''

''لندن میں ہر سال اٹھانوے ہزار عورتیں اپنے شوہر یا بوائے فرینڈ کے تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔''

ماہی کے لب کھل گئے۔

''کیا؟'' اسے یقین نہیں آیا۔ ''لیکن وہاں تو آپ پولیس بلا سکتے ہیں۔''

بچپن سے ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں یہی دیکھا تھا کہ باہر کے ملکوں میں نہ کوئی بچے کو مار سکتا ہے نہ بیوی کو۔

''یہ اٹھانوے ہزار وہ عورتیں ہیں جو پولیس کو بلاتی ہیں۔ پھر چند دن کی دوری اور ذرا سا جرمانہ بھرنے کے بعد ان کا آدمی ان کو منا لیتا ہے اور وہ واپس اسی ناکسک رشتے میں چلی جاتی ہیں۔ لاکھوں عورتیں وہ ہیں جو پولیس نہیں بلاتیں۔ اور وہ عموماً...'' اس نے تھوک نگلا... ''پڑھی لکھی اور... اور امیر عورتیں ہوتی ہیں۔''

ماہی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ ''پڑھی لکھی امیر عورتیں کیوں شوہر کا تشدد برداشت کرتی ہیں؟''

سامنے بیٹھے مرد کی بھوری آنکھوں میں تالاب کے پانی کا عکس ابھرا۔

''شاید ان کے بیٹوں نے ان کو چھوڑ دیا ہوتا ہے۔''

ماہی نے الجھ کے اسے دیکھا۔ ''ہیں؟ بیٹے کہاں سے آ گئے؟''

ماہر نے سر جھٹکا۔ اور ہلکے سے کنپٹی کو چھوا۔ جب سے ہلال نے وہ بات کہی تھی اس کا سر درد سے پھٹے جا رہا تھا۔

''نہیں اٹھایا تمہارے شوہر نے فون؟''

''اس کو تو میں امریکہ جا کے پوچھوں گی۔ کمبخت۔'' اس نے دانت کچکچائے۔ پھر گھڑی دیکھی۔ ابھی کافی وقت تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ویسے سے وہ جلد واپس آ گئی تھیں۔ واپسی کا سارا راستہ اس نے ماں سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ بس کھڑکی کے پار دیکھتی رہی۔ ماں نے بیچ راستے میں اس کا ہاتھ تھاما۔ ان کا ہاتھ اب بھی ٹھنڈا تھا۔

''چھوٹے لوگوں کی چھوٹی باتوں کا برا نہیں مناتے۔''

لیکن اس نے ہاتھ چھڑا لیا۔ بس خشک آنکھوں سے باہر دیکھے گئی۔

گھر آ کے وہ اوپر اسٹوڈیو میں چلی گئی اور دروازہ لاک کر لیا۔ مالا یہی کیا کرتی تھی۔ اسے جب بھی کوئی صدمہ ملتا' وہ خود کو ہر چیز سے الگ کر لیتی۔ دور چلی جاتی۔ سب کو چھوڑ دیتی۔ یہ اس کا سیلف ڈیفنس میکنزم تھا۔

ماں نے دو تین دفعہ بخت بی کے ہاتھ پیغام بھیج کے اسے بلایا لیکن وہ نہیں آئی۔

''ابھی تک دروازہ نہیں کھولا؟'' ماں کچن کاؤنٹر کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی تھیں جب بخت بی ٹرے واپس لائیں۔

چہرے پہ مایوسی تھی۔حور جہاں بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔پھر وہ اٹھیں اور کھانے کی ٹرے اٹھالی۔ان کے گھٹنے اب پہلے جیسے نہیں تھے۔ گھر میں وہ سارا دن چلتی پھرتی تھیں۔لیکن سیڑھیاں چڑھنا دشوار تھا۔ ہفتے بعد جا کے اوپر صفائی کا جائزہ لیتیں۔

البتہ آج وہ خود ٹرے اٹھائے سنبھل سنبھل کے سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔اسٹوڈیو کی طرف جاتے زینے بیرونی تھے۔لوہے کیے زینے جن کے درمیان خلاء تھا۔ماں اوپر آئیں تو انہیں سانس چڑھ چکا تھا۔چند لمحے گہرے گہرے سانس لے کر تنفس ہموار کیا۔پھر اپنے بھاری ہاتھ سے دروازہ بجایا۔کلائی میں پڑے سونے کے کنگن چھنک اٹھے۔

''بیٹے کھانا کھالو۔کھانے سے کیا ناراضی۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے' ماں۔آپ جائیں۔''وہ بس ہلکا سا اتنا ہی بولی۔وہ اسٹوڈیو کے فرش کے وسط میں بیٹھی تھی۔گھٹنے سینے سے لگا کے ان پر تھوڑی ٹکا رکھی تھی۔آنسو آنکھوں سے نکل کے چہرے کے دانوں پر سے پھسلتے جا رہے تھے۔

''مالا...میری بیٹی...''انہوں نے اپنے ٹھنڈے ہاتھ سے پھر دستک دی۔مگر وہ نہیں ہلی۔پھر آہستہ سے جھکیں۔ٹرے چوکھٹ پہ رکھی۔ایک ہاتھ سے ریلنگ کا سہارا لیا اور دوسرا گھٹنے پہ رکھے وہیں اوپری زینے پہ بیٹھ گئیں۔دوپٹے کے پلو سے گردن کا پسینہ تھپتھپا کے خشک کیا۔

یہ اوپن ائیر زینے تھے۔یہاں سے بیٹھ کے دیکھو تو ساری کالونی اور اس کے لہلہاتے درخت نظر آتے تھے۔ہر گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا سبز قطعہ اس گھر کے مالی کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

''تم پوچھتی تھیں کہ میں پودے کیوں اگاتی ہوں؟''

ہوا سے ان کا دوپٹہ اڑنے لگا تو اسے سر پہ ٹکا کے کانوں کے پیچھے اڑس لیا۔نگاہیں ان درختوں پہ جمی تھی جو قطار کی صورت میں سڑک کنارے اگے تھے۔ہر گھر کا اپنا درخت تھا۔

وہ گھٹنوں سے سر اٹھا کے غور سے سننے لگی۔

''اور میں کہتی تھی کہ پودے آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں۔''

وہ نیم اندھیرا اسٹوڈیو میں بیٹھی خاموشی سے سنے گئی۔

''لیکن اصل بات یہ نہیں تھی' بیٹے۔مجھے میرے پودے اس لیے اچھے لگتے ہیں کیونکہ یہ میری طرح تنہا تھے۔تمہارے ابو تمہارے بچپن میں مجھ سے جدا ہو گئے تھے۔''

وہ دھیرے سے اٹھی اور بنا چاپ کے چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ پھر اس کے ساتھ بیٹھی' یوں کہ پشت دروازے سے لگالی۔

''اگر میں لوگوں کی باتوں کو دل پہ لگائے بیٹھی رہتی تو میں زندگی کا یہ سفر کیسے طے کرتی؟ اپنے بچوں کو اکیلے کیسے پالتی؟''

مالا نے سر دروازے سے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ آنسو زاروقطار بہنے لگے۔

باہر ماں بھی ایسے بیٹھی تھیں کہ اس طرف پشت تھی۔ دونوں کے درمیان ایک بند دروازہ حائل تھا۔

''ہر پودا تنہا ہوتا ہے کیونکہ وہ اردگرد کے پودوں کو نہیں دیکھتا۔ اس کی جڑ زمین میں ہوتی ہے اور شاخیں آسمان میں۔ وہ اپنے رب کی طرف جانے کے لیے اپنا قد بڑا کرتا ہے۔''

وہ بے آواز رو رہی تھی۔ ساری عمر سنا تھا کہ وہ خوبصورت شکل کی ہے۔ کبھی اپنے بارے میں کوئی ان سیکیورٹی نہیں پالی۔ جب اسے لگا کہ وہ لوگ ان کی مالی حیثیت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے ہیں تو اسے اتنا برا نہیں لگا تھا۔ لیکن آج کیسے دو عورتوں نے مل کے اس کی ساری ذات کو زمین بوس کر دیا تھا۔ وہ الفاظ'' کیا آپ نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟ داغوں سے بھرا ہوا۔'' اس کے دل میں ایسے گڑھے تھے کہ اب نکل نہیں پا رہے تھے۔

چہرے کے چند نشان' سانولی رنگت' چھوٹا قد' موٹاپا.... کیا انسان خوبصورتی کے ان پیمانوں کو آنکھوں میں لیے پیدا ہوا تھا یا یہ معاشرے نے اس کے ذہن میں فٹ کیے تھے؟

ماں کہہ رہی تھیں۔

''پودے کو نہیں پرواہ ہوتی کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ کس کے پھل اس سے زیادہ ہیں اور کس کا پھول اس سے خوشنما ہے۔ وہ بس اپنے بیج کا وفادار ہوتا ہے۔ وہ بیج جس نے اسے جنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی ساری توانائی اس بیج کو درخت جتنے قد تک پہنچانے میں صرف کرتا ہے۔''

اس نے آنکھیں کھولیں۔ اسٹوڈیو تاریک اور خاموش تھا۔ اور دھندلا بھی۔ آنسو آنکھوں سے گرنا رک گئے تھے۔

ماں اب گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے کھڑی ہو رہی تھیں۔

''سب لوگ ایک جیسے ناقدرے نہیں ہوتے۔ کسی ایک کی وجہ سے ہر نئی دستک کا راستہ بند نہیں کرنا چاہیے۔''

وہ چونک گئی۔ ماں کو معلوم تھا وہ کیا سوچ رہی تھی۔ وہ اس کی ماں تھیں۔

اب زینے اترنے کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

اس نے آنکھیں رگڑیں اور موبائل نکالا۔ پھر دھندلی بصارت کے ساتھ ظہیر کو کال کی۔

''ظہیر... میں پارٹنر شپ کے لیے تیار ہوں۔'' اس کی آواز گیلی تھی۔

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

''مالا... ایسا ہے کہ اب میں تمہیں پارٹنر شپ آفر نہیں کر سکتا۔ سیلری پہ مینیجمنٹ پوزیشن دے سکتا ہوں۔''

''مگر تم نے پارٹنر شپ کہا تھا۔''

''ہاں لیکن ابو کا کہنا ہے کہ بغیر انویسٹمنٹ کے مجھے کسی کو پارٹنر نہیں بنانا چاہیے۔ اگر تم انویسٹ کر سکو تو ہم اس بارے میں بات کر سکتے ہیں۔''

وہ ظہیر کو جانتی تھی۔ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا رشتہ نہیں ہو رہا اور وہ مجبور ہو کے اس کے پاس آئی ہے۔ وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ مالا انویسٹ نہیں کر سکتی۔ ماں نے ماہی کی شادی ابھی چند ماہ پہلے ہی کی تھی۔ ایسے میں وہ ایک خطیر رقم مانگ کے ان کی کمر نہیں توڑ سکتی تھی۔

کیا اسے ایسے شخص کے ساتھ کام کرنا چاہیے جو آفر دے کر پیچھے ہٹ گیا تھا؟ جو اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ کیا ایسا شخص ایک ریڈ فلیگ (سرخ جھنڈا) تھا یا ایک اچھا کولیگ؟

لیکن اس وقت اس کے پاس دوسرا کوئی آپشن نہیں تھا جو اسے جلد سے جلد گھر کے اس ماحول اور خاندان والوں سے دور کر دے۔

''ٹھیک ہے مجھے قبول ہے۔''

اس نے فون رکھ دیا۔ یہ قبول ہے کہنا بہتر تھا اس قبول ہے کہنے سے جس کے خواب ہر لڑکی کی طرح اس نے ساری عمر دیکھے تھے۔ لیکن کشمالہ مبین وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں بنے گی جو بار بار چائے کی ٹرالی لائیں اور ریجیکٹ ہوں۔ کیا فائدہ اس شادی کا جس میں دوسرے کے معیار کے مطابق خود کو ایک سانچے میں ڈھالنا پڑے۔

اس نے بھی ہر لڑکی کی طرح سوچا تھا کہ شادی اسے خوشی دے گی۔ لیکن آج اسے علم ہوا تھا کہ شادی خوشی کا دوسرا نام نہیں تھی۔ شادی خوشی کے لیے نہیں کی جاتی۔ کس لیے کی جاتی ہے؟ یا خوشی ہوتی کیا ہے؟ یہ اسے ابھی نہیں معلوم تھا۔ شادی مشکل ہے۔ اکیلے رہنا بھی مشکل ہے۔ اس نے اکیلے رہنے کا انتخاب کر لیا تھا۔

اس نے آنسو صاف کیے اور وہاں سے اٹھی۔ اسے نیچے جا کے ماں کو اپنا فیصلہ سنانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

المرجان لاؤنج کی بالائی منزل پہ ایک پرتعیش اور وسیع و عریض ریستوران بنا تھا۔ وہ اپنا کھانا ڈال کے لایا تو دیکھا' وہ میز پہ ویسے ہی بیٹھی مسلسل کالز کیے جا رہی ہے۔

''کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو؟'' وہ اسے تھوڑی دیر پہلے اپنے ہمراہ اوپر لایا تھا تاکہ وہ کھانا کھا سکیں۔ اب دیکھا تو وہ ایسے ہی بیٹھی تھی۔ قدرے شرمندہ سی۔

''میں پے کیے بغیر کھا نہیں سکتی۔''

''یہ فری ہے۔ تم میری گیسٹ ہو۔ جاؤ شاباش۔ کھانا کھاؤ۔'' وہ نرمی سے کہہ کے سامنے بیٹھا۔ وہ اب بھی نہیں اٹھی تو ماہر نے گہری سانس لی۔

''کیا تم قطر ائیر لائن سے بدلہ نہیں لینا چاہتیں؟ تم جتنا کھانا کھاؤ گی' ان کو اتنا ہی کھانا اور بنانا پڑے گا۔ نقصان ہی نقصان۔''

تھوڑی دیر بعد ماہ بینہ مبین پلیٹ بھرے اس کے سامنے بیٹھی مزے سے کھا رہی تھی۔ دو تین ڈرنکس اور جوسز بھی ساتھ رکھے تھے۔ ایک تو بھوک اتنی لگی تھی۔ اوپر سے فلائٹ کا کھانا اچھا نہیں لگا تھا۔ اور یہاں تو انواع و اقسام کے کھانے دستیاب تھے۔

کھانا اندر گیا تو دماغ کچھ سوچنے کے قابل ہوا۔ نہ ماں یا مالا نے اس کی کال اٹھائی تھی۔ نہ عبادنے۔ سب ٹھیک تو تھے نا؟ اور اس سے پہلے کہ وہ ان کے بارے میں سوچتی' اس کا خیال اس آدمی کی طرف چلا گیا جو پچھلے دو گھنٹے سے اس کے ساتھ موجود تھا۔ ماہی نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ تھوڑا سا کھانا ڈالے غائب دماغی سے کھا رہا تھا۔ اس نے سوائے کارڈ اسکین کرنے کے' اپنا موبائل نہیں نکالا تھا۔ وہ ایک ورکنگ پروفیشنل لگتا تھا۔ کیا اس کے کام نہیں ہوں گے؟ یہاں ہر کوئی فون پہ لگا تھا۔ وہ کیوں دنیا سے کٹا ہوا تھا؟

''آپ میری مدد کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ ہاتھ روک کے بغور اسے دیکھنے لگی۔ ماہر نے جھکا سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ناسمجھی تھی۔

''میں نے تمہارے لیے ایک پیسہ نہیں خرچ کیا۔ اس لاؤنج میں میرے کارڈ پہ کوئی بھی گیسٹ فری میں آ سکتا ہے۔''

''آپ مجھے وقت دے رہے ہیں۔''

''نہیں۔ میں اپنا کھانا کھا رہا ہوں۔ میں اپنا وقت اور پیسہ کبھی ایسی جگہ نہیں لگاتا جہاں سے مجھے منافع نہ آئے۔''

اور اس لمحے ماہی کو خیال آیا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے بتایا ہی نہیں۔''

''تم نے پوچھا نہیں۔'' کہہ کے واپس کھانا کھانے لگا۔ ماہی نے چند ثانیے انتظار کیا۔

''آپ کون ہیں؟'' شائستگی سے دہرایا۔

''معمار۔''

''یہ آپ کا نام ہے یا آپ آرکیٹیکٹ ہیں؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

اور اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔

''میرا نام ماہ بینہ ہے۔'' خود سے بولی۔ ''اور میرے شوہر کا نام عباد ہے۔''

''کہاں سے ڈھونڈا تھا تم نے ایسا لاپرواہ شوہر' بینہ؟'' وہ سر جھکائے چھری کانٹے سے اسٹیک کاٹ رہا تھا۔ ماہی نے گہری سانس لی۔ لوگ اکثر اس کے مشکل نام کو چھوٹا کر کے بینہ بنا دیتے تھے۔

''وہ ایسے کبھی نہیں کرتا۔ پتہ نہیں وہ ٹھیک ہے بھی یا نہیں۔'' وہ فکرمند ہوئی۔ ''وہ میرا واحد دوست ہے۔ میں اس کو جانتی ہوں۔''

''واحد دوست؟'' ماہر نے چہرہ اٹھا کے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''تم تو بہت غریب نکلیں۔''

''مجھے دوست بنانے کا شوق نہیں ہے۔ ویسے دوست سے یاد آیا' آپ کو دن ان فنفٹی کا فلسفہ معلوم ہے؟''

''تم ہی بتا دو۔''

اور وہ واقعی جوش سے بتانے لگی۔ ''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایک ریسرچ کے مطابق ائیر پورٹ پہ ملنے والے ہر پچاس لوگوں میں سے ایک شخص سے ہم دوبارہ زندگی میں ضرور ملتے ہیں۔''

''مطلب؟''

''مطلب اگر میں ائیر پورٹ پہ پچاس لوگوں کو دوست بناؤں تو ان میں سے کسی ایک سے میں زندگی میں دوبارہ ضرور ملوں گی۔''

''پچاس میں سے ایک۔ بہت دلچسپ۔'' وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔ اس کے گال میں گڑھا سا بنا۔

تبھی ماہی کا فون بجنے لگا۔ اس نے جلدی سے کانٹا رکھا ایسے کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ بے اختیار اسکرین دیکھی۔ ماں کالنگ۔ جھٹ فون کان سے لگایا۔

''کدھر تھیں آپ؟ کب سے کال کر رہی ہوں۔'' وہ چھوٹتے ہی بولی۔ پھر رک کے سننے لگی۔ ''کیوں؟ کیا ہوا؟''

وہ دھیرے سے وہاں سے اٹھا اور دور کافی بار کی طرف چلا گیا۔ باریستا کو اپنی کافی کا آرڈر نوٹ کروایا۔ اور پلٹ کے اس کی طرف دیکھا۔ وہ انیس بیس سال کی لڑکی سرخ چہرہ لیے غصے سے فون پہ کچھ کہہ رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ماہر نے افسوس سے سر جھٹکا۔ امیر ہو یا مڈل کلاس۔ سب کے اپنے فیملی ایشوز تھے۔

پھر وہ بار کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا کافی کے سپ لیتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کال سے فارغ ہوگئی۔ تب وہ واپس آیا تو دیکھا۔ وہ کھانا چھوڑے بیٹھی ہے۔ اور چہرہ ابھی تک سرخ ہے۔

''انشاءاللہ تمہاری فلائٹ کا انتظام ہو گیا ہوگا؟'' کھنکھار کے کہتا سامنے بیٹھا۔

''نہیں۔ میری امی کا فون تھا۔ وہ پہلے ہی پریشان تھیں۔ میں ان کو مزید کیا پریشان کرتی۔ ویسے بھی ان کے پاس کریڈٹ کارڈ نہیں ہے۔ بہن کا کارڈ بھی نہیں چلے گا۔ بس میرا شوہر فون اٹھا لے۔'' وہ فرسٹریشن سے عباد کو پھر سے کال ملانے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی اب غصے اور بے بسی کا شکار نظر آ رہی تھی۔ یقیناً اس کی ماں نے اسے کچھ ایسا کہا تھا۔

''ابھی تک فون آف ہے اس کا۔''

''کیا کرتا ہے تمہارا شوہر؟'' وہ اس کا دھیان بٹانے کے لیے بولا اور ٹیک لگائی۔

''وہ بائیس سال کا ہے۔ اسٹوڈنٹ ہے۔''

''اوہ۔ اتنی جلدی شادی کر لی تم دونوں نے۔''

"اوہ۔ اتنی جلدی شادی کر لی تم دونوں نے۔"

"نہیں کرنی چاہیے تھی شاید۔ کیا فائدہ ہوتا ہے شادی کا۔ دوسروں کی مرضی اور معیار کے مطابق زندگی گزارو۔" وہ جیسے سوچ کچھ اور رہی تھی' بول کچھ اور رہی تھی۔ تلخی ہی تلخی۔

وہ ٹیک لگائے بیٹھا' ایک ہاتھ گال تلے رکھے' بغور اس لڑکی کو دیکھے گیا جس کا چہرہ کسی بھی قسم کی سرجری یا بوٹوکس

سے پاک تھا۔

"تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟"

ماہی نے بھیگی نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔(سہیل اور ثمرین آنٹی کو الٹا ٹانگ دینا۔ بلکہ اللہ کرے دونوں کو چکن پاکس نکل آئیں۔ بڑا مزہ آئے گا۔)

لیکن جب بولی تو سنجیدگی سے بس اتنا ہی۔

"ہم مڈل کلاس لڑکیوں کی سب سے بڑی فینٹسی شادی ہوتی ہے۔ آپ کی کلاس کی لڑکیوں کی کچھ اور ہوتی ہوگی۔"

وہ ایک دم ہنس دیا۔ زور سے۔ وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ پہلی دفعہ ہنسا تھا۔ مختلف سا لگا۔

"یقین کرو میری سوسائٹی کی لڑکیوں کی سب سے بڑی فینٹسی بھی شادی کرنا ہے۔" وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ کافی کا خالی کپ ہاتھ میں گھما بھی رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کو سگار کی طلب ہو رہی تھی۔ "لیکن کیا تم شادی کر کے پچھتا رہی ہو؟"

"پتہ نہیں۔ شاید مجھے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" ایک اجنبی ملک کے ایئر پورٹ پہ سو مسئلوں میں گھری ماہ بینہ کو ایک اجنبی کے سامنے دل ہلکا کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ وہ اجنبی تھا ہی ایسا۔

"شاید میں نے غلط کیا۔ میری پڑھائی ادھوری رہ گئی۔ مجھے شوق نہیں ہے کیریئر بنانے کا۔ میری بہن کو بہت شوق ہے۔ اور".. اس کی آواز بھیگی۔ "مجھے نہیں لگتا اب وہ کبھی شادی کرے گی۔ وہ کیریئر بنائے گی۔ شاید وہ ٹھیک کہتی ہے۔ کیا رکھا ہے شادی میں؟ بہتر ہے لڑکیاں اپنا کیریئر بنائیں تاکہ جب وہ ٹریول کریں تو ان کے پاس ان کے اپنے کارڈز ہوں۔" بے بسی سے آنسو آنکھ سے ٹپکا۔

"تمہاری بہن درست کہتی ہے۔ لڑکیوں کو مالی طور پہ خود انحصار ہونا چاہیے۔"

ماہ بینہ مبین کے دل کو دھکا سا لگا۔

"مگر میں گھر بنانا چاہتی تھی۔ ایک خوبصورت گھر۔ جہاں میرا شوہر میرے لیے کمائے۔ اور میں ہمارے بچے پالوں جیسے ہماری ماں نے ہمیں پالا۔ کیا میں غلط ہوں۔"

"نہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا اور کپ نیچے رکھا۔ "تم بھی درست ہو۔ گھر بنانا تو سب سے ضروری ہے۔ تمہیں بنانا چاہیے۔ اور تمہارے شوہر کو تمہارے لیے کمانا چاہیے۔"

وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔آنسو پلکوں کی باڑ پہ رک گئے۔

"میں بھی درست ہوں اور میری بہن بھی؟ دونوں ایک وقت میں کیسے درست ہو سکتی ہیں؟"

"جیسے رات اور دن ایک ساتھ رہتے ہیں۔جیسے اس دنیا میں بہت سی متضاد حقیقتیں ایک ساتھ موجود ہیں۔ایسے ہی تم بھی درست ہو بینہ اور تمہاری بہن بھی درست ہے۔" وہ آگے کو جھکا اور نرمی سے اس کو دیکھا۔

"تمہیں وہ کرنا چاہیے جو تم کرنا چاہتی ہو۔گھر بنانا چاہتی ہو۔گھر بناؤ۔کام کرنا چاہتی ہو۔کام کرو۔دونوں کرنا چاہتی ہو۔دونوں کرو۔" پھر وہ دائیں جانب شیشے کی دیوار کو دیکھنے لگا جس کے پار دور تک پھیلے جہاز دکھائی دے رہے تھے۔

"اور اگر شوہر سے نہیں بنتی اور اس کو چھوڑ کے کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہو"...اس کی آواز کانپی۔"تو تمہیں اس کا حق ہے۔تمہارے بیٹے بھی تمہیں اس کام سے نہیں روک سکتے۔" آخری فقرہ زیر لب کہا تھا۔

"اب اس کے فون نہ اٹھانے پہ میں اسے چھوڑ تھوڑی دوں گی۔" ماہی نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ایک دم اس کا دل مطمئن ہو گیا تھا۔ہر کسی نے شادی کے وقت کہا تھا کہ اس کی عمر چھوٹی ہے۔کیوں کر رہی ہے شادی۔لیکن اس کی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا۔اور یہ وہ پہلا پڑھا لکھا آدمی تھا جس نے اس کے خیالات کی تصدیق کر دی تھی۔

"لیکن تمہیں اپنی پڑھائی مکمل کرنی چاہیے۔"

"کروں گی۔لیکن مجھے پڑھائی سے زیادہ پرانے گھروں کو رینوویٹ کر کے بالکل نیا کرنے کا شوق ہے۔"

"میں یہی کام کرتا ہوں۔ہم قطر میں پرانی اپارٹمنٹ بلڈنگز کو رینوویٹ کر کے تبدیل کر دیتے ہیں۔اور پھر اسے بیچتے ہیں۔" وہ بے اختیار بولا۔یہ وہ پہلی بات تھی جو اس اجنبی نے اپنے بارے میں بتائی تھی۔

"اور کیا ہر تبدیلی کی اپنی کہانی ہوتی ہے؟"

"کہانی؟" وہ سمجھا نہیں۔

"میری بہن کہتی ہے کہ آپ کسی جگہ کو ایسے ہی تبدیل نہیں کر سکتے۔ہر تبدیلی کی اپنی ایک کہانی ہوتی ہے۔اور ایک اچھے بزنس مین کو اس کہانی کو بیچنا آنا چاہیے۔"

ماہر نے کچھ نہیں کہا۔بس لبوں پہ مٹھی جمائے اسے دیکھے گیا۔وہ کھانا کھاتے ہوئے ساتھ ساتھ کسی ریستوران کے بارے میں بتا رہی تھی جس کو اس کی بہن رینوویٹ کرنا چاہتی تھی اور وہ اس کی مدد کر سکتی تھی۔لیکن وہ سن نہیں رہا تھا۔اس کا دماغ کہیں اور تھا۔

"اٹھو۔تمہاری فلائٹ بک کرتے ہیں۔"وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ حیرت سے اسے دیکھے گئی۔

"مگر عباد نے فون نہیں اٹھایا۔"

"میری فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔میں تمہیں یہاں چھوڑ کے نہیں جا سکتا۔ابھی میں تمہیں ٹکٹ لے دیتا ہوں۔ تم بعد میں مجھے پیسے واپس کر دینا۔"

"نہیں۔ہرگز نہیں۔"وہ فوراً سے انکاری ہوئی۔"میں آپ سے پیسے نہیں لے سکتی۔میں نے اس لیے آپ کو اپنے ساتھ بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔مجھے صرف panic ہو رہا تھا۔ورنہ"....اس کے رخسار سرخ ہوئے۔

"میں تمہیں پیسے نہیں دے رہا۔ایئر لائن کو دے رہا ہوں۔جب وہ تمہیں واپس کریں تو تم مجھے واپس کر دینا۔بات ختم۔اٹھو۔"اس نے موبائل نکال لیا اور اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ بیک پیک اٹھائے متذبذب سی کھڑی ہو گئی۔اف عباد۔

اس سارے پراسیس میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔بورڈنگ پاس ہاتھ میں آتے ہی اس نے ممنونیت سے اس اجنبی کو دیکھا تھا۔

"تھینک یو۔لیکن میں یہ پیسے واپس کروں گی۔مجھے کوئی اکاؤنٹ نمبر یا اپنا کارڈ دے دیں۔"

ماہر نے اس کا بیک پیک اٹھایا اور جیب سے پین نکالا۔وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔وہ بیک پیک کے اسٹریپ پہ پین سے ایک فون نمبر لکھ رہا تھا۔ماہی کے لب کھل گئے۔ابھی دوہا ایئر پورٹ پہ لینڈ کرتے ہی اس نے harrods سے یہ بیک پیک لیا تھا۔زندگی کا سب سے مہنگا بیک پیک۔اور کمبخت نے اس کو داغدار کر دیا تھا۔لیکن وہ احتجاج کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔بیک پیک واپس رکھ کے ماہر فرید نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"دوہا میرا ہی شہر ہے۔یہاں اگر کوئی مدد چاہیے ہو تو اس نمبر پہ کال کر دینا۔ون ان ففٹی۔"پھر جیب سے کچھ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کچھ بیج ہیں۔اگر وقت ملے تو ان کو اگا دینا۔"

ماہی نے اس کے ہاتھ سے وہ پلاسٹک کا ننھا پیکٹ تھام لیا جو بیجوں سے بھرا تھا۔

وہ دور چلا گیا۔اور وہ اس اجنبی کو دور جاتے دیکھتی رہی۔یہاں تک کہ وہ انسانوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔

پھر اس نے اپنا گیٹ معلوم کرنے کے لیے بورڈنگ پاس دیکھا تو وہ چونکی۔لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔

اس آدمی نے ماہی کو بزنس کلاس ٹکٹ لے دیا تھا۔یقیناً اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ پریگننٹ ہے۔اور وہ چاہتا

تھا کہ وہ آرام سے سفر کرے۔لیکن کیا ایئر لائن بزنس کلاس کا لاکھوں کا ٹکٹ ری فنڈ کرے گی؟ شاید نہیں۔

اس نے پریشانی سے سر اٹھا کے اسے ڈھونڈنا چاہا لیکن وہ اب کہیں نہیں تھا۔

ایئر لائن واپس کرے یا نہیں وہ اس کے پیسے اس کو ضرور واپس کرے گی۔ چاہے اسے زیور ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔ پتا نہیں کون تھا۔ چار گھنٹے اس کے ساتھ بیٹھا رہا اور اس کی اتنی مدد کی۔ شاید وہ اس سے زندگی میں کبھی دوبارہ نہیں ملے گی۔

ضروری نہیں ہے کہ وہی اس کا پچاس میں سے ایک ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ ایک عجب سی سوگواریت چھائی تھی۔ مالا جا رہی تھی اور معید اس سے بحث کر کر کے تھک چکا تھا۔ ماں نے بحث نہیں کی تھی۔انہوں نے اسے اجازت دے دی تھی۔لیکن وہ دکھی تھیں۔

اس وقت وہ کشمالہ کے بیڈ کے کنارے بیٹھی تھیں۔اس کا بیگ بیڈ پہ رکھا تھا اور وہ اس میں آخری چند چیزیں ڈال رہی تھی۔سر جھکا تھا اور بال کس کے پونی میں باندھے ہوئے تھے۔

"تم واقعی اسلام آباد جا رہی ہو بیٹے؟" ان کی آواز میں ٹوٹی امید کی کرچیاں تھیں۔

"ماں میں فیصلہ نہیں بدلوں گی۔آپ نے مجھے ایموشنلی بلیک میل نہیں کرنا۔" وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے زپ چڑھا رہی تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔" کم از کم ظہیر کے ریستوران میں مجھے میرے کام سے پہچانا جائے گا نہ کہ میرے چہرے کے دانوں سے۔"

"وہ ایک چھوٹی عورت کی چھوٹی بات تھی۔اس کی وجہ سے تم ہر کسی کو رد کر دو گی کیا؟ اب تمہارے ابو کی کزن رشیدہ نے بھی تمہارا رشتہ مانگا ہے۔ان کا بیٹا بہت اچھا"...

"ماں پلیز"... اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔اس نے ہاتھ اٹھا کے ان کو دیکھا تو آنکھیں گیلی تھیں

"اب آپ مجھے کسی کا رشتہ نہیں بتائیں گی۔کم از کم کچھ عرصے تک نہیں۔ میں نے نہیں کرنی شادی۔"

چند لمحے کے لیے دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ پھر مالا نے بیگ رکھا اور ان کے ساتھ بیڈ پہ آ کے بیٹھی۔ دونوں کے پاؤں زمین کو چھو رہے تھے اور رخ دیوار کی طرف تھا۔

"آپ نے کہا تھا پودا اپنے بیج کا وفادار ہوتا ہے۔اسے پورے قد کا درخت بننا ہوتا ہے۔ مجھے بھی بننا ہے ماں۔ مجھے اپنے آپ پہ کام کرنا ہے پہلے۔ اپنے کمپلیکسز پہ۔ اپنی خواہشات پہ۔ جن کو میں نے شادی کے لیے چھوڑ رکھا

تھا۔"

پھر اس نے پیچھے رکھے سامان میں سے ایک ڈبہ اٹھایا اور ان کے سامنے کیا۔ ماں نے ڈبے کا ڈھکن ہٹایا تو اندر سفید اور سلور ہیلز تھیں۔ وہ ناسمجھی سے اسے دیکھے گئیں۔

"ظہیر نے مجھے ایڈوانس سیلری دی ہے اور یہ میں نے اس سے خریدی ہیں۔ میں اپنی اسکن کی ٹریٹمنٹ بھی شروع کروں گی لیکن اس کمائی سے جو میں خود کماؤں گی۔ میں نے اپنی خواہشات شادی کے لیے چھوڑ رکھے تھے۔ جب شادی ہوگی تو میں یہ کروں گی۔ وہ کروں گی۔ لیکن نہیں ماں۔ شادی خواب پورے کرنے کے لیے نہیں کی جاتی۔ مجھے جو کرنا ہے خود کرنا ہے۔ اپنے لیے کرنا ہے۔"

ماں نے تعجب سے اس ہیلز کو دیکھا۔

"یہ صرف جوتے ہیں مالا۔ یہ انسان کبھی بھی خرید سکتا ہے۔"

"نہیں ماں۔ یہ صرف جوتے نہیں ہیں۔ یہ میری بہت سی خواہشات کی علامت ہیں جن کو میں نے کسی دوسرے انسان کے لیے چھوڑ رکھا تھا۔ وہ آئے گا تو یہ پوری ہوں گی۔ اور اسی لیے مجھے دکھ زیادہ ہوا ہے۔ میں نے اب کسی انسان سے یہ توقع نہیں لگانی کہ وہ میری خواہشات پوری کرے گا۔ میں خود اپنے لیے کافی بننا چاہتی ہوں۔ اس لیے مجھے مت روکیں۔"

اس نے گیلی آنکھوں سے ساتھ کہتے ہوئے ماں کا ہاتھ تھاما۔ آج ان کا ہاتھ گرم تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹے۔ جیسے تمہاری مرضی۔" انہوں نے ہلکی آواز میں کہا۔ ان کے کندھے جھکے ہوئے اور آواز پست تھی۔ پھر وہ گھٹنے پہ ہاتھ رکھے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "میں ساتھ لے جانے کے لیے لنچ پیک کرواتی ہوں۔ ماموں سے بات ہوگئی تھی۔ انہوں نے تمہارے لیے اوپر والا کمرہ صاف کروا دیا ہے۔"

انہوں نے اپنا گرم ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال لیا تھا۔ اس کا دل کٹ کے رہ گیا۔ ان کا ہاتھ کیوں گرم تھا؟ کیا ان کو بخار تھا؟ کیا اسے پوچھنا چاہیے؟

کیا اسے مڑ کے دیکھنا چاہیے؟

کیا وہ نمک کا مجسمہ بننے کا خطرہ مول لے سکتی تھی؟

شاید نہیں۔ اس نے گرم ہاتھوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اس وقت اسے خود کو سب سے اوپر رکھنا تھا۔ وہ واپس بیگ کی طرف آئی اور اپنی چیزیں اندر ڈالنے لگی۔ اس

وقت اپنے لیے اسے دل سخت کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک چھوٹے باغیچے والا سرمئی گھر تھا جس کا دروازہ سیاہ تھا۔اس کے آگے تین زینے بنے تھے۔ماہر فرید اس وقت اس سیاہ دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔اس نے وہی لباس پہن رکھا تھا جو قطر جاتے اور واپس آتے وقت پہنا تھا۔صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ ائیر پورٹ سے سیدھا یہیں آیا ہے۔

بدقت اس نے دروازے پہ لگی گھنٹی بجائی۔پھر ہاتھ نیچے گرا دیا۔حلق میں آنسوؤں کا گولا سا ابھرا جسے اس نے نیچے دھکیل دیا۔پھر مڑ کے چھوٹے سے لان کو دیکھنے لگا۔اس کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔پودے اجڑے پڑے تھے۔باڑ ٹوٹی ہوئی تھی۔

مالی حالات برے تھے یا مالک مکان کو گھر کا خیال نہیں تھا؟

دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔وہ آہستہ سے پلٹا۔اسے پہلے رابیل کے جوتے نظر آئے۔

پھر اس نے نگاہ اٹھائی۔

وہ گھنگھریالے بالوں والی عورت اس کے سامنے کھڑی تھی۔اس کی ماں۔

رابیل کے چہرے پہ شاک ابھرا۔پھر لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔بے یقینی۔خوشی۔

"ماہر"... وہ کمزور ہوگئی تھیں۔آنکھوں تلے حلقے تھے۔اور جیسے گڑھے بھی۔میک اپ سے بے ریا چہرہ۔بندھے بال۔ملگجا لباس۔وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔اس کے باپ کے ساتھ جب وہ ہوتی تھیں تو ساری سوسائٹی ان پہ رشک کرتی تھی۔وہ پانچ پانچ کیرٹ کی انگوٹھیاں پہنتی تھیں۔ڈیزائنر وئیر۔اور خوبصورت جوتے۔اسے جوتوں کا شوق اپنی ماں سے ملا تھا۔اور اب یہ عورت کون تھی؟ اس کی پرچھائیں۔

"میں ہلال سے ملنے آیا ہوں۔" وہ بائیں طرف چہرہ موڑ کے دیکھنے لگا۔

ابھی اس کے زخم نہیں بھرے تھے۔ابھی ماں کو دیکھنا بہت مشکل تھا۔

مگر رابیل کا جوش ماند نہیں پڑا۔انہوں نے مسکرا کے سر ہلایا۔

"اندر آؤ۔"

"نہیں۔میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

رابیل کے چہرے کی جوت مدھم ہوئی۔لیکن مسکراہٹ برقرار تھی۔

"میں ہلال کو بھیجتی ہوں۔" وہ اندر غائب ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھاگتی ہوئی چوکھٹ میں آئی۔ اس نے جینز پہ سفید ٹاپ پہن رکھا تھا اور لمبے بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ بھوری آنکھوں میں حیرت سے زیادہ خوشی تھی۔

"آپ؟"

وہ دھیرے سے پنجوں کے بل بیٹھا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وہ ہنس کے ایک دم اس کے گلے لگ گئی۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ آہ۔ آکورڈ۔ پھر اس نے آہستہ سے وہ ہلال کی کمر پہ رکھے اور اسے ہولے سے تھپکا۔

اس کی زندگی ایک لمحے میں مکمل ہو گئی تھی۔

وہ مسکرا کے اس سے الگ ہوئی۔ "آپ ایک دن میں واپس آ گئے؟"

"میری مرضی۔" وہ بھی مسکرایا۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کے کچھ نکالا۔

"یہ میں تمہارے لیے لایا تھا۔"

وہ چھوٹی سی ڈبیا تھی جس پہ ربن بندھا تھا۔ ہلال نے اسے اس کے ہاتھ سے جھپٹا اور تیزی سے ربن کی گرہ کھولی۔ کاغذ کی پیکنگ نیچے گر گئی۔ اندر ایک شیشے کے جار والی سینٹڈ کینڈل تھی۔

"بیر بل نے کہا تھا کہ تمہیں سینٹڈ کینڈلز پسند ہیں۔"

ہلال نے ڈھکن کھول کے اسے سونگھا۔ "اسٹرابری۔ آئی لوٹ۔" پھر رک کے پوچھنے لگی۔ "کیا آپ کو بھی سینٹڈ کینڈلز پسند ہیں؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اسے صرف سگار کے فلیورز کی خوشبوؤں کی پہچان تھی۔

"میں سوچ رہا تھا کل میں تمہیں اسکول سے پک کر لوں اور ہم لنچ کرنے چلیں؟" یہ آسان نہیں تھا۔ مشکل تھا۔ لیکن اسے کہیں سے ابتدا کرنی تھی۔

"مگر میں اسکول نہیں جاتی۔"

وہ چونکا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔ "ابھی تک؟"

"میرے پاپا مجھے ہوم اسکولنگ کرواتے ہیں۔"

وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ کچھ بہت عجیب تھا اس بات میں۔ کچھ چونکا دینے والا۔

"تمہارے پاس کوئی فون یا آئی پیڈ وغیرہ ہے جہاں میں تم سے بات کرسکوں؟" اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا البتہ چھٹی حس کوئی الارم دے رہی تھی۔

ہلال نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"میرے پاپا مجھے کوئی ڈیوائس استعمال نہیں کرنے دیتے۔"

"تمہیں فون استعمال کرنا نہیں آتا؟" وہ بے یقین تھا۔لندن کے بچے تو بڑوں سے زیادہ ماہر ہوتے تھے۔پھر ہلال کا باپ یہ پابندیاں کیوں لگا رہا تھا؟

"نہیں۔" ہلال نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر تم کبھی کھو گئیں تو کسی کو کال کیسے کرو گی؟"

"ماہر"... آواز پہ وہ چونکا۔پھر ایک دم سارے جسم کے اعصاب تن گئے۔شمس اندر سے چلا آرہا تھا۔

ماہر اٹھ کھڑا ہوا۔دھیرے سے ہلال کا سر تھپکا۔

"تم اندر جاؤ۔میں کل تمہیں گھر سے پک کرلوں گا۔"

وہ اندر بھاگ گئی اور شمس باہر آیا۔وہ ماہر کو دیکھ کے حیران بھی ہوا تھا اور خوش بھی۔

"ماہر...اندر آؤ نا۔بہت اچھا لگا تمہیں دیکھ کے۔"

شمس نیچے اتر آیا۔اب وہ دونوں زینوں کے سامنے کھڑے تھے۔ماہر نے ہاتھ بڑھا کے دروازہ بند کردیا۔تاکہ اندر جاتی آوازوں کا راستہ رک جائے۔

"ماہر مجھے واقعی بہت اچھا لگا کہ"...وہ کہنے لگا لیکن ماہر فرید اس کے سامنے آیا اور اس کی بات کاٹی۔

"اب میری بات غور سے سنو شمس"...وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

"واللہ تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔واللہ۔کب؟ کیسے۔مجھے نہیں معلوم۔لیکن اگر تم نے دوبارہ میری ماں پہ ہاتھ اٹھایا تو تمہاری موت کا دن بہت قریب آجائے گا۔یاد رکھنا۔"

شمس کے چہرے پہ شاک ابھرا۔لمحے بھر کے لیے وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا۔

"ما...ماہر...تمہیں"...وہ ہکلایا۔"کسی نے غلط بتایا ہے...ایسا"....

"میں ہیربل نہیں ہوں جسے تم شیشے میں اتار سکتے ہو۔میں ماہر ہوں اور اب میں تمہارے بہت قریب ہوں۔" انگلی اٹھا کے وہ اسے تنبیہہ کررہا تھا۔"اس لیے یہ مت بھولنا کہ میں تمہارے اوپر نظر رکھے ہوئے ہوں۔" اس نے

انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ شمس جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

ماہر فرید مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ اسے کہیں سے تو ابتدا کرنی تھی۔

.....

عباد اور ماہی کے بیڈروم کی ہتی مدھم تھی۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں رونے کے باعث گلابی ہو رہی تھیں۔ اور وہ ٹشو سے بار بار ناک رگڑ رہی تھی۔ عباد بیڈ کے کنارے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے ایک بازو پہ پلستر بندھا تھا۔

"یہ سب اس منحوس ائیر پورٹ کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں وہاں اتنی دیر نہ رکتی' اتنا اسٹریس نہ لیتی' تو میرا بچہ نہ کھوتا۔"

"شاید اس سب میں میرا قصور ہے۔" وہ سر جھکائے شکست خوردہ سا لگ رہا تھا۔ "میرا اس دن ایکسیڈنٹ نہ ہوتا اور میں تم سے رابطہ نہ کھوتا تو تم اتنا اسٹریس نہ لیتی۔"

ماہی نے گھٹنوں پہ سر رکھ دیا۔ ابھی انہوں نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ ماں اور مالا کو بھی نہیں۔

"اب دیکھنا سب کہیں گے' ماہی کو اس کنڈیشن میں کیا ضرورت تھی سفر کرنے کی۔ سب مجھے الزام دیں گے۔ کوئی نہیں مانے گا کہ ڈاکٹر نے مجھے اجازت دی تھی۔"

دفعتاً وہ چونکی۔ کچھ یاد آیا۔ وہ سیدھی ہوئی اور آنسو صاف کیے۔

"عباد... اس آدمی کو کال کی تھی؟ میں نے اسے میسج چھوڑا تھا۔ اس نے جواب ہی نہیں دیا۔"

"ہاں میں نے کی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ ائیر لائن سے ری فنڈ کروا لے گا۔"

"اس کو ائیر لائن کیسے ری فنڈ کرے گی۔ اس کو تو میرا سیٹ نمبر یا پاسپورٹ نمبر بھی نہیں معلوم۔ اس نے کچھ بھی دیکھے بغیر صرف پے منٹ کی تھی۔ اور کچھ نہیں کہا اس نے؟"

"کہا تھا۔ یہی کہ جب تمہاری بیوی ٹریول کر رہی ہو تو تم اپنا فون آن رکھا کرو۔" عباد سخت بدمزہ ہوا۔ وہ جو آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھی تھی' ہلکا سا مسکرائی۔

"تم نے اسے بتایا نہیں کہ تمہارا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟"

"اس نے موقع ہی نہیں دیا۔ مجھے لاپرواہی کا طعنہ دے کر فون بند کر دیا۔ شاید وہ پیسے لینا نہیں چاہتا۔ عجیب آدمی تھا۔"

"مہربان آدمی تھا۔" ماہی نے تصحیح کی۔ وہ دن ان فینٹی نہیں تھا کیونکہ وہ ان سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اسے اس روز یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس سے پھر کبھی نہیں ملے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم فرید کی آفس ٹیبل پہ بہت سے کاغذ بکھرے تھے۔ کافی کے چند خالی کپ بھی رکھے تھے۔ وہ ٹائی ڈھیلی کیے' آستین اوپر چڑھائے' کام میں غرق دکھائی دیتا تھا۔

ہلکی سی دستک کے بعد مالک اندر داخل ہوا تو اسے تعجب سے دیکھا۔

"تم کسی نئے آئیڈیا پہ کام کر رہے ہو؟" وہ سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ ماہر نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔ مالک اس مسکراہٹ کو پہچانتا تھا۔

"تمہیں یاد ہے ہم نے یہ بزنس ایمپائر کیسے کھڑی کی تھی؟"

"تمہارے ابا اور میں نے قطر کی رئیل اسٹیٹ بیرون ملک بیچنا شروع کی تھی۔"

"ہاں اور اس وقت کی ٹائمنگ نے ہماری مدد کی تھی۔ ہم نے ایک اپارٹمنٹ سے شروع کر کے ایک ایک وقت میں پوری پوری عمارتیں مہنگے داموں بیچی تھیں۔ لیکن آج یہ اتنی بڑی انڈسٹری بن چکی ہے کہ ہمارا کام بہت سست ہو چکا ہے۔ کسی نے ڈائریکٹ انویسٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ کوئی خود بروکر بن چکا ہے۔ اس لیے میں اس کام کو بند کرنا چاہتا ہوں۔"

مالک کے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہم کب تک لندن کے لوگوں کو قطر کی رئیل اسٹیٹ بیچتے رہیں گے؟ کیوں نا ہم اس کے الٹ کریں؟ یعنی ہم قطر کے لوگوں کو لندن کی رئیل اسٹیٹ بیچیں۔"

مالک کو چند لمحے لگے شاک سے باہر آنے میں۔

"لندن کی رئیل اسٹیٹ بہت مہنگی ہے۔ ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتے ہیں۔ میں بتاتا ہوں کیسے۔" اس نے ایک نقشہ اس کے سامنے رکھا۔ پھر قلم سے ایک جگہ اشارہ کیا۔

"میں ویسٹ اینڈ' مے فیئر' نائٹس برج اور belgravia کی پرانی اور تھکی ہوئی پراپرٹیز کی bidding میں حصہ لے کر انہیں خریدوں گا۔ یہ 1800 سے 2000 پاؤنڈز فی مربع میٹر کے حساب مل جائیں گی۔" وہ اس کو سمجھا رہا تھا۔ "میں ہر گھر پہ فی مربع میٹر 200 سے 300 سو پاؤنڈز کا خرچہ کر کے اس کو رینوویٹ کروں گا۔"

مالک نے ذہن میں جمع تفریق کی۔ "یعنی تمہیں پراپرٹی 2200 سے 2300 سو پاؤنڈز فی مربع میٹر کے پڑے گی۔"

"اور یہ قریبا 3000 پاؤنڈز پہ فروخت ہو جائے گی۔"

"لیکن لوگ ہم سے کیوں خریدیں گے؟"

"کیونکہ لندن کی ہائی اینڈ پراپرٹیز اس وقت 3200 سو پاؤنڈز فی مربع میٹر پہ فروخت ہو رہی ہیں۔ ہم مارکیٹ سے دو سو پاؤنڈز سستے میں فروخت کریں گے تاکہ ہمارے قطری کلائنٹس بھی خوش ہوں اور ہم بھی پیسہ بنائیں۔"

مالک چند لمحے اس کی بات پہ غور کرتا رہا لیکن وہ متاثر نہیں نظر آتا تھا۔

"یہ پراپرٹیز بہت پرانی ہیں۔ تم ان میں ایسا کیا کرو گے جو یہ مہنگے داموں فروخت ہو جائیں؟"

وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"اس روز مجھے ائیر پورٹ پہ ایک لڑکی ملی۔ اس نے مجھے ایک بات کہی تھی۔ ہر تبدیلی کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔ میں ہر پرانے گھر کی کہانی نکالوں گا۔ اور پھر اس گھر کو اس میں رہنے والی قدیم انگلش فیملی کی روایات اور اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے رینوویٹ کیا جائے گا۔ مجھے صرف وہ کہانی بیچنی ہے جو اس گھر کے ساتھ جڑی ہو گی۔"

"ہم اس بارے میں مزید بات کریں گے۔" وہ قدرے غیر مطمئن نظر آتا تھا۔ پھر اس نے پہلو بدلا۔

"ویسے تم کس لڑکی کے ساتھ آج کل ڈنرز پہ جاتے ہو۔"

وہ چونکا۔ اور نا سمجھی سے مالک کو دیکھا۔

"لڑکی؟ اچھا وہ... (اسے تو وہ بھول ہی گیا تھا۔) مجھے بیربل نے کسی سے ملوایا تھا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔ اس کو شمس نے ہی اس سے ملوایا ہو گا۔" مالک نے لہجہ سرسری بنا لیا۔ "میں صرف جاننا چاہتا ہوں کہ اگر تم اس سے شادی کرنا چاہے ہو تو"....

"ایک منٹ ایک منٹ"..... وہ چونکا۔ ساری رئیل اسٹیٹ سارے نقشے اسے بھول گئے۔

"شمس؟ شمس کہاں سے آ گیا درمیان میں۔" اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"اوہ".. مالک نے حیرت سے اسے دیکھا، "تمہیں بیربل نے نہیں بتایا کہ وہ لڑکی شمس کے فیملی فرینڈز میں سے ہے اور"...

وہ ایک دم اٹھا۔ سارا خون چہرے میں سمٹ آیا تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملاتے ہوئے تیزی سے بالکونی کی طرف چلا گیا۔ شیشے کا دروازہ بند کر دیا۔ اب وہ فون کان سے لگائے غصے سے بات کر رہا تھا۔ وہ یقیناً بیربل کو کھری کھری سنا رہا تھا۔ اور بیربل آگے سے اس بات سے انکاری ہوگا۔ کیونکہ یہ سچ نہیں تھا۔ لیکن مالک نے کہہ دیا تھا تو ماہر نے مان لیا تھا۔ وہ اپنے باپ کے بھائی پہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔

مالک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پہ تکلیف تھی۔ اس کی مٹھی بھنچی ہوئی تھی۔

(یہ آخری بار ہے۔ میں اسے دوبارہ دھوکہ نہیں دوں گا۔) اس نے ماہر کو دیکھتے ہوئے خود سے کیا وعدہ دہرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے چند دن شمس پہ بہت بھاری گزرے تھے۔ وہ ماہر کا سامنا نہیں کر رہا تھا۔ جب وہ ہلال کو لینے آتا تو وہ کہیں غائب ہو جاتا۔ سرکار سے رابطہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ آج جیسے ہی رابطہ ہوا شمس فوراً سے فون لیے گھر سے باہر آ گیا۔

"کیا فائدہ ہوا مجھے اس سب کا سرکار؟ ماہر میرے بہت قریب آ گیا ہے۔"

شمس سڑک کنارے ایک سنگی بنچ پہ بیٹھا ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔

"یہی تو تم چاہتے تھے۔ کہ وہ تم لوگوں سے تعلقات درست کر لے۔ اب کیا مسئلہ ہے شمس؟" سرکار نے اکتا کے پوچھا۔

"مجھے کمپنی میں شراکت داری چاہیے نہ کہ ماہر کی اپنے گھر میں مداخلت۔ میں اس کو ہینڈل نہیں کر سکوں گا۔"

"چھوٹے بھائی کو جیسے رام کیا ہے اسے بھی کر لو۔"

"وہ تو باپ کی توجہ سے محروم بے وقوف لڑکا ہے۔ ماہر ایسا نہیں ہے۔ اسی نے مجھے برسوں پہلے ملازمت سے نکالا تھا۔ وہ پھر سے میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔" شمس کی حالت کسی ایسے نشئی کے جیسی ہو رہی تھی جسے اپنے نشے کی ڈوز نہ مل رہی ہو۔ بے چین۔ مضطرب۔

"ہوں۔" سرکار نے ہنکارا بھرا۔ "مجھے کچھ اور بتاؤ اس ماہر کے بارے میں۔"

"کیا بتاؤں؟" شمس چڑ گیا۔ "ماں دادا دادی سب کا نام تو دے دیا۔ سارا شجرہ ہے تمہارے پاس۔ اپنے موکلات سے پتہ کروا لو۔"

"ان موکلوں کو اتنی عقل ہوتی تو یہ انسان نہ بن جاتے؟" سرکار نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔ "انسانوں والی بات بتاؤ شمس۔ ماہر فرید کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے۔"

شمس ٹھہر گیا۔اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔

"اس کا غصہ۔وہ بہت جلدی بھڑک اٹھتا ہے۔جب سے اس کی ماں نے اسے چھوڑا ہے' یہ تب سے ہے۔"

"بہت خوب۔اور اس کی سب سے بڑی طاقت کیا ہے؟"

"اس کا پیسہ۔بلکہ نہیں۔اعتبار۔"اس نے طنز سے ماہر کے الفاظ دہرائے۔"واللہ ماہر فرید پہ ہر کوئی اعتبار کرتا ہے۔"

"یہ ہوئی نا بات۔"سرکار کی آنکھیں چمکیں۔"اور اگر سب ماہر فرید پہ اعتبار کرنا چھوڑ دیں؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" شمس ہکا بکا رہ گیا۔

"ہم اس پہ یہیں سے حملہ کریں گے۔کچھ عرصے کی بات ہے....اور پھر ماہر فرید پہ کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔بس تم دیکھتے جاؤ۔"

شمس ٹھہر کے سننے لگا۔اس کی آنکھیں خوشگوار حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کے اس کھنڈر جیسے ریستوران میں اس وقت رینوویشن کا کام جاری تھا۔ہر طرف مٹی اور سیمنٹ کے ڈھیر تھے۔کہیں پینٹ والے لگے تھے۔کہیں بجلی کا کام ہو رہا تھا۔ریستوران کے ہر حصے کو اکھاڑا ہوا تھا۔

ایسے میں ایک چھوٹے سے کمرے میں اس نے اپنی میز کرسی بچھائی ہوئی تھی۔اور اس وقت وہ ایک امریکی پوسٹل سروس کا پارسل کھول رہی تھی جو اسے ماہی نے بھیجا تھا۔اندر ایک نوٹ بھی تھا۔نہ جانے ماہی نے اسے میسج یا ای میل کرنے کی بجائے نوٹ کیوں بھیجا تھا؟وہ تعجب سے اسے پڑھنے لگی۔

(مالا میں تمہارے لیے خوش ہوں کیونکہ تم نے اپنی زندگی خود بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔میں یہ نہیں کہوں گی کہ تم غلط ہو۔)

ماہی کا خط پڑھ کے اس نے پارسل میں موجود دوسری چیز نکالی۔وہ ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا جو ببل ریپ میں لپٹا تھا۔

(لیکن غلط میں بھی نہیں ہوں۔میں اپنی پڑھائی جاری رکھوں گی۔لیکن میں کیریئر نہیں بناؤں گی کیونکہ مجھے اس کا شوق نہیں ہے۔)

مالا قینچی سے ببل ریپ کو کاٹنے لگی۔

(میں اپنا گھر بناؤں گی۔ایک بچہ کھو دیا تو کیا ہوا۔ میں دوبارہ کوشش کروں گی۔ مجھے گھر اور بچوں کا شوق ہے۔اور میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہتا ہے۔)

ببل ریپ الگ ہوا تو اندر سے ایک پیکٹ نکلا۔ بیجوں کا پیکٹ۔ مالا نے اچھنبے سے انہیں اوپر اٹھا کے دیکھا۔

(ہم دونوں غلط نہیں ہیں۔ شادی کرنا اور نہ کرنا عورت کی اپنی چوائس ہونی چاہیے۔تمہیں وہ کرنا ہے جو تمہارا دل چاہے۔لیکن اس سب میں تمہیں ماں کو نہیں بھولنا چاہیے۔)

وہ پیکٹ کو اوپر اٹھائے دیکھ رہی تھی۔ کھڑکی سے آتی سورج کی روشنی اس میں سے منعکس ہو رہی تھی۔ مالا مسکرا دی۔

(جب تم وہاں سے آئی تھیں تو انہیں تین چار دن بخار رہا تھا لیکن انہوں نے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا۔اب وہ ٹھیک ہیں۔لیکن تمہاری کمی کوئی بھی پوری نہیں کر سکتا۔)

وہ اب باہر کھڑی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا گملہ تھا جس کی مٹی کو وہ چمچ سے اوپر نیچے کر رہی تھی۔

(تمہارے آنے کے چھے دن بعد ماں کی برتھ ڈے تھی۔تم نے ان کو ایک ہفتے بعد وش کیا۔ جانتی ہوں تم مصروف ہو۔لیکن امید کرتی ہوں کہ تم اس سب میں خود کو کھو نہیں دو گی۔ بلکہ ایک بہتر انسان بن کے نکلو گی۔)

مٹی نرم ہو چکی تھی۔وہ بیجوں کو مٹی میں چھڑکنے لگی۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

(میں تمہیں ایک تحفہ بھیج رہی ہوں۔ یہ بیج مجھے ائیر پورٹ پہ ملنے والے ایک مہربان انسان نے دیے تھے۔یاد ہے میں نے تمہیں بتایا تھا نا' وہ امیر آدمی جس نے میرا ٹکٹ پے کیا تھا۔)

مالا اب مسکراتے ہوئے بیجوں کے اوپر مٹی ڈال رہی تھی۔وہ دھیرے دھیرے چھپتے جا رہے تھے۔

(تمہارے جانے کے بعد ماں نے چند نئے پودے لگائے ہیں۔میں جانتی ہوں' وہ ان پودوں میں تمہیں ڈھونڈیں گی۔)

اس نے بوتل سے ذرا سا پانی مٹی پہ ڈالا اور اس کو ہلکا سا نم کیا۔

(تم بھی ان بیجوں کو بو دینا۔اور ان میں اپنا آپ ڈھونڈنا۔)

اس نے گملے کو اپنے آفس کی کھڑکی میں رکھ دیا۔وہ ہر صبح اس میں سے اگنے والی کونپلوں کا انتظار کرے گی۔پھر اس نے سوچا کہ ماں کو کال کرے۔نہ جانے اس وقت ان کے ہاتھ گرم ہوں گے یا ٹھنڈے۔لیکن اسی وقت کنٹریکٹر اسے باہر بلانے لگا۔وہ فون گملے کے پاس چھوڑ کے باہر چلی گئی۔

دفعتاً اس کا فون تھرتھرانے لگا۔ ماں کالنگ۔

لیکن وہ دور جا چکی تھی۔

گملے کے اندر دفن بیج خاموشی سے فون کی تھرتھراہٹ سننے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچ سال بعد۔

موجودہ دن۔

کشمالہ نے آنکھیں کھولیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ جوگرز والا باکس اس کی گود میں تھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک گیلا تھا۔ البتہ اس کی جلد بے داغ تھی۔ اور بال لمبے تھے۔

پانچ برس گزر چکے تھے۔ زندگی آگے بڑھ گئی تھی۔ اور بہت کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ باہر نکلی تو ماں لاؤنج میں اکیلی بیٹھی تھیں۔ وہیل چیئر پہ بیٹھے بیٹھے وہ اونگھنے لگی تھیں۔ وہ چپ چاپ ان کے ساتھ جا کے بیٹھ گئی۔ اور دھیرے سے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

وہ ٹھنڈے تھے۔

"میری پیاری ماں"... وہ گیلی آنکھوں سے انہیں دیکھے گئی۔ "میں اب کبھی آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گی۔ میں نے بہت سال ضائع کر دیے۔ اب نہیں۔"

وہ ان کو دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ وہ گردن ترچھی کیے سو رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالک کا لاہور والا اپارٹمنٹ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ وہ اس میں داخل ہوا تو اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔ ماہر نے بتی نہیں جلائی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی تک آیا۔ وہاں سے روشنیوں سے جگمگاتا سارا شہر نظر آتا تھا۔

اس نے جیب سے لائٹر نکالا اور کھڑکی کنارے رکھی ایک موم بتی کے دھاگے کو شعلہ دکھایا۔ اسٹرابری۔ ہلال کی پسندیدہ۔

پھر اس نے پیر چھوٹی میز پہ رکھ لیے اور ٹیک لگائے باہر دیکھنے لگا۔ کھڑکی کے شیشے پہ اس کا عکس بھی دکھائی دے رہا تھا۔ ہلکی بڑھی شیو والا مرد۔ کیا وہ وہی تھا جو پانچ برس پہلے ہوتا تھا؟ یا وہ بدل گیا تھا؟

ہر تبدیلی کی ایک کہانی ہوتی ہے۔تب ماہر فرید کا سب اعتبار کرتے تھے۔اور اب..وہ تلخی سے مسکرایا۔اب ماہر فرید کا کوئی اعتبار نہیں کرتا تھا۔کشمالہ مبین بھی نہیں۔

تبھی اس کا موبائل بجنے لگا۔اسے کوفت ہوئی۔وہ اس وقت بیربل کی بکواس نہیں سن سکتا تھا۔اکتا کے موبائل نکالا تو تاثرات بدلے۔ون ان ففٹی کالنگ۔

اس نے کال موصول کی۔ماہی کا چہرہ اسکرین پہ ابھرا۔یہ اس لڑکی سے کہیں میچور اور سمجھدار لڑکی کا چہرہ تھا جو اسے پانچ برس پہلے دوہا کے ائیر پورٹ پہ ملی تھی۔

اور اس کے بعد بھی وہ ایک دفعہ اس سے ملا تھا۔اسے ماہی اور اپنی دوسری ملاقات بھی یاد تھی۔

"آپ نے مسیج کیا تھا کہ آپ مالا سے ملنے پاکستان آئے ہیں۔"وہ تشویش سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔میں ملا تھا تمہاری بہن سے۔اور"...اس نے الفاظ ڈھونڈنے چاہے۔لیکن وہ ہمیشہ کی طرح تیزی سے بات کاٹ کے بولی۔

"تبھی اس نے زیاد سے شادی سے انکار کیا ہے۔میں کہوں اسے ایک دم کیا ہو گیا ہے۔"

ماہر فرید تیزی سے سیدھا ہوا۔"اس نے زیاد سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی اگلے ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

قسط نمبر: ۷

ایک دن ہمارے مورچے پہ
آئی ایک گولی اڑتی ہوئی
اور جان لے گئی میرے ایک سپاہی کی
اس کی موت کے غم نے
میرے دل کو ڈبو دیا جیسے۔
میں نے کھودا اس جگہ کو
جہاں گرا تھا وہ
اور ڈھونڈا اس ٹکڑے کو
جو نہ تھا میرے انگوٹھے سے بڑا
گرم دھات سے بنا گولی کا ایک خول۔
میں نے پگھلایا اس کو اور بنایا ایک سانچا
اور اس میں ڈالا ابلتے خول کو
اور ڈھال دیا اس کو ایک انگوٹھی کی صورت میں۔
اور جب میری انگوٹھی ہو گئی ٹھنڈی اور ہموار
میں نے ایک الجیرین سپاہی سے
لکھوایا یہ لفظ اس پر عربی میں

''مکتوب۔''

یعنی ... یہ لکھا جا چکا تھا۔

کیونکہ تقدیر کی کتاب میں

جس کے صفحے ہیں زمان

اور سرورق ہے مکاں۔

اس کتاب میں سب پہلے سے درج شدہ ہے۔

جس دن تم اپنا وجود کھو دو گے'

وہ گھڑی' وہ جگہ' وہ وجہ

سب اس کتاب میں نشان زدہ ہے۔

اور تمہیں نہ خیال سے نہ عقل سے

اس تقدیر کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بس ڈر کو دل سے بھگانا سیکھ لو۔

اگر ایک دن مرنا ہی ہے

تو جان لو اے انسان

کہ یہ حصہ ہے ایک بڑے مکتوب منصوبے کا

جس سے تم بچ نہیں سکتے۔

سو تم ایسے مرو کہ جیسے تمہارا جنازہ

تمہیں ان شاہانہ دروازوں کی طرف لے گیا ہے

جن کے اس پار منتظر ہیں

بہت سے عظیم لوگ۔

فرق بس اتنا ہے کہ وہ تمہارا استقبال کرتے ہیں

یا ملامت سے تمہیں خود سے الگ کر دیتے ہیں۔

ساری بات اتنی سی ہے کہ

تم آقا بن کے جاتے ہو اس دنیا میں
یا غلام بن کے۔
اس لیے جب جنگ میں حکم آتا ہے کہ حملہ کرو
اور دل کانپتا ہے یاد کر کے
زندگی کے پرلطف ماہ و سال
تو اس جنگی شور اور افراتفری میں
کچھ سپاہی دھیان بٹانے کو
صاف کرتے ہیں اپنی بندوقیں
کچھ گنگناتے ہیں جنگی نغمے
اور کچھ اپنی سرنگیں کھودتے جاتے ہیں۔
ایسے میں
میں دیکھتا ہوں اپنی انگوٹھی کو
اور میرے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔
اور موت کا فرشتہ خاموشی سے قریب آ جاتا ہے
اور میں سوچتا ہوں اس دوسری دنیا کے بارے میں
ان شاہانہ دروازوں کے بارے میں
اور اس شور میں یہ خیال
کسی مرہم کی طرح راحت لے آتا ہے۔
میرے دل کی پھڑ پھڑاہٹ
خاموش ہو جاتی ہے۔
اور ہر طرف چھا جاتا ہے
ہتھیار ڈالنے کا احساس۔
سکینت۔

اور مشرق کی دانائی۔

(ایلین سیگر کی نظم مکتوب سے اقتباس)

''اس نے زیاد سے شادی سے انکار کر دیا ہے؟'' وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ نیم اندھیرا اپارٹمنٹ میں کھڑکی کے ساتھ کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اطراف کو خوشبودار موم بتی کی خوشبو نے معطر کر رکھا تھا۔

''آپ کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے؟'' ماہی چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں گرائے بغور اسے دیکھے گئی۔

ماہر نے غائب دماغی سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر اس کی نگاہوں کے احساس سے چونکا۔ سنبھل کے سر جھٹک دیا۔

''مجھے پرسوں استنبول واپس پہنچنا ہے۔'' لہجے کو سرسری بنالیا۔ ''کچھ دن تک تم سے ملنے آؤں گا۔''

''اتنی دور آ کے کیا کریں گے؟ جو پوچھنا تھا وڈیو چیٹ پہ پوچھ لیا۔ میں آپ کی بہن کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

ماہر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔ پھر ناخنوں سے بڑھی شیو مسلی۔ اس کے انداز میں اضطراب تھا۔

''تم سے ملے بغیر میری تسلی نہیں ہوگی۔''

ماہی نے ترحم سے اسے دیکھا۔ یہ ایک ایسے شخص کا چہرہ تھا جو اپنی بہن کے زندہ ہونے کی امید کھونا نہیں چاہتا تھا۔ یقیناً وہ مر چکی تھی اور وہ denial (جھٹلانے کی نفسیاتی کیفیت) میں تھا۔

''کیا آپ نے کبھی اس سرکار کو دیکھا ہے؟'' اس کا نام لینا بھی عجیب لگ رہا تھا۔

ماہر نے نفی میں گردن دائیں بائیں ہلائی۔

''مالا نے دیکھا ہے۔''

وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ سانس تک رک گیا۔

''مالا نے کچھ روز قبل خواب میں ایک بوڑھا جادوگر دیکھا ہے جس کے سر پہ نارنجی رومال بندھا تھا اور وہ مالا اور زیاد کی تصاویر پہ جادو کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ان کا رشتہ ختم کروانا چاہتا ہے۔ اور دیکھیں، ہو بھی گیا۔''

''کیا مالا نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟'' ماہر اب سامنے جلتی موم بتی کے شعلے کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔

''ہاں۔وہ اس چہرے کو جانتی ہے۔بس شناخت نہیں کر پا رہی۔''

''اپنی بہن سے کہو اس آدمی کا اسکیچ بنائے۔پھر وہ اسکیچ مجھے دو۔ہم اس اسکیچ سے اس کو ڈھونڈیں گے۔کیا معلوم میں اسے پہچان لوں۔شاید ہمارے راستے کبھی ٹکرائے ہوں۔شاید وہ میرے قریب ہو۔یاد ہے مجھے کشمالہ کی تصویر سرکار کے البم سے ملی تھی۔''

''آپ کو وہ البم کیسے ملا تھا؟''اسکرین پہ نظر آتی ماہی آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

ماہر کچھ کہنے لگا' پھر رک گیا۔

''بس اتنا جان لو کہ وہ آدمی میرا دشمن ہے۔اس کو میرے سوتیلے باپ نے میرے خلاف ہائر کیا تھا۔میں اس تک کبھی پہنچ نہیں سکا البتہ میرے ہاتھ اس کی کچھ چیزیں لگی تھیں۔ان میں یہ البم بھی تھا۔وہ ایک لمبے عرصے سے کشمالہ کے پیچھے پڑا ہے۔کیوں؟ میں نہیں جانتا''اس نے شانے اچکائے۔

''شاید اس کی تمہارے خاندان سے کوئی ذاتی دشمنی ہو۔''

''ہم کون سا نیوکلیئر بم بنا رہے ہیں جو ہمارے اتنے دشمن ہوں گے۔''وہ برا مان گئی۔''ایک کبیرہ تائی ہی ہیں ہماری دشمن۔''پھر ایک دم اسے خیال آیا۔وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

''آپ کے کہنے پہ پیٹر میسج نے کبیرہ تائی کا مزید کام کرنے سے انکار کر دیا تھا نا۔''

''ہاں۔لیکن وہ کسی اور عامل کو ہائر کر چکی ہوں گی۔''

''ہو سکتا ہے وہ نیا عامل سرکار ہی ہو۔وہی سرکار جو کسی وجہ سے برسوں سے مالا کے پیچھے لگا ہو۔اتفاق سے اب اس کی نئی کلائنٹ کبیرہ بیگم بھی مالا اور ماں کی تصویر لے کر اس کے پاس آ گئی ہوں۔''ماہی چمکتی آنکھوں سے تیز تیز کہہ رہی تھی۔

ماہر چند لمحے کاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔پھر کھنکھارا۔

''تم جاب وغیرہ نہیں کرتیں؟ سارا دن گھر بیٹھ کے یہی اسٹار پلس سوچتی رہتی ہو؟''

ماہی کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ابرو بھنچ گئے۔

''ماہی کے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔میں بتا رہی ہوں کبیرہ تائی کا نیا عامل یہی سرکار ہو گا۔وہی چاہتی ہیں کہ مالا اور زیاد کی شادی نہ ہو تا کہ ان کی بیٹی سے زیاد کی شادی ہو جائے۔''

ماہر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور بولا تو آواز میں اکتاہٹ تھی۔

''کیا بچگانہ باتیں کرتی ہو تم۔ ایسے اتفاق کہاں ہوتے ہیں۔ اور یہ عامل صرف اپنی طاقت بڑھانے کے لیے بھی کسی پہ جادو کرتے ہیں۔ ان کے جنات...''

''ایک منٹ ایک منٹ۔ جنات کی باتیں نہ کریں۔ مجھے رات کو لائٹ آن کر کے سونا پڑتا ہے۔''

ماہی نے ہاتھ اکٹھے کر کے اسے دکھائے۔ وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ سارے دن میں وہ پہلی دفعہ ہنسا تھا۔

''تم ڈرتی ہو ان چیزوں سے؟''

''آپ بھی ڈرتے تھے جب ہم آخری دفعہ ملے تھے۔'' وہ برا مان کے بولی۔ وہ اپنی اور ماہر فرید کی دوسری ملاقات کی بات کر رہی تھی۔ ''اب آپ بدل گئے ہیں۔ تب آپ خوفزدہ تھے۔'' پھر غور سے اس کا چہرہ اسکرین پہ دیکھا۔ ''آنکھوں تلے حلقے تھے۔ اور آپ کی گلابی اردو میں بہت گاڑھا انگریزی لہجہ تھا۔ ہاتھ میں سگار ہوتا تھا۔ آپ کوئی دوا بھی کھاتے تھے۔ مجھے یاد ہے۔ پھر یہ تبدیلی کیسے آئی؟ آپ نے اپنا لہجہ' اپنے خوف اور اپنے سگار کہاں کھوئے؟''

''بس کھو دیے۔'' وہ مدھم سا مسکرایا۔ ''یہ میرے حصے کی کہانی ہے۔ تم سے مل کے سناؤں گا۔ تم اس آدمی کا ایکسچینج حاصل کر کے مجھے بھیجو۔''

''مگر...'' وہ کچھ کہنے لگی تھی لیکن ماہر نے بٹن دبا کے کال کاٹ دی۔ وہ مزید بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

فوراً سے فون بجنے لگا۔ بیربل کا نام جگمگا رہا تھا۔ اب اس کی بک بک سنو۔

''پیسے ختم ہو گئے؟'' اس نے آڈیو کال کا اسپیکر آن کر دیا۔ اسے بیربل کی تقریر یاد تھی۔

''کیا میں اپنے بھائی کو پیسوں کے علاوہ فون نہیں کر سکتا؟''

''نہیں۔''

بیربل آگے سے ہنس دیا۔ ''لگتا ہے باغبان لڑکی نے دروازہ دکھا دیا ہے۔''

''صرف مجھے نہیں۔ اس ٹال اور ڈارک کو بھی۔'' اس کی نظریں کینڈل کے شعلے پہ جمی تھیں۔

''وائی بے۔ چلو وہ تو راستے سے ہٹا۔'' بیربل کی آواز میں جوش در آیا۔ ''تم پیچھے مت ہٹنا۔ دوبارہ جاؤ اس کے پاس۔ پھر سے معافی مانگو۔''

''میں اس آدمی سے مشورے نہیں لیتا جو صرف کیکس بناتا ہے۔ اپنی بیکری پہ دھیان دو۔''

اس نے فون آف کر دیا۔ اب وہ تنہا تھا۔ نیم اندھیرا اپارٹمنٹ تھا۔ اسٹرابری کی خوشبو تھی اور ایک ٹمٹماتا ہوا شعلہ۔

دوسری جانب فون کاٹ دینے پہ بیربل فرید نے برا سا منہ بنا کے موبائل کو دیکھا۔ ''وہ آدمی جو صرف کیکس بناتا ہے۔ ہونہہ۔ مشین۔'' آواز بھاری کر کے نقل اتاری اور سر جھٹک دیا۔

وہ اس وقت اپنے گھر کے سیاہ سفید لونگ روم میں بڑے صوفے پہ ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا تھا۔ جوتے بے پرواہی سے کارپٹ پہ رکھے تھے۔

''کیا کروں؟'' وہ موبائل لبوں پہ رکھے سوچنے لگا۔ دفعتاً آنکھیں چمکیں۔

''شبنم!'' کال ملاتے ہی وہ چہکا۔

''بات مت کرو مجھ سے۔ اپنی بیکری پہ نیا ڈیزرٹ لانچ کیا ہے اور مجھے نہیں کھلایا؟''

''تمہارا معدہ صرف قبر کی مٹی سے بھرے گا۔'' وہ بھی جواباً خفا ہوا۔ پھر اونہوں کر کے سر جھٹکا۔ ''ماہر اپنے دوستوں میں سب سے زیادہ کس کے قریب ہے؟''

''زارا۔''

بیربل نے موبائل کان سے ہٹا کے اسے گھورا۔

''اللہ کا خوف کرو۔ کسی مرد کا بتاؤ۔'' (منہ بگاڑ کے نقل اتاری۔ زارا۔ ہونہہ)

''ماہر کے بہت سے دوست ہیں۔ یونیورسٹی کے۔ بزنس کے۔ سفر کے۔'' وہ واقعی مصروف لگ رہی تھی۔ ''اور ہر وقت انسان کے دوست ایک جیسے نہیں رہتے۔ کچھ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کچھ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ دوست وہی ہوتا ہے جو ہمارے موجودہ حال کو سمجھتا ہو۔ جس سے ہم آج کے دن بات کر سکیں۔''

''ہوں۔ ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھو۔''

''ناشتے میں کوئی فلسفے کی کتاب تو نہیں کھائی تھی؟''

''میں فون رکھ رہی ہوں، بیربل۔'' وہ غرائی۔

''اچھا اچھا ایک منٹ۔'' جلدی سے لہجے کو خوش آمدی بنایا۔ ''ماہر کا ایسا کون سا دوست ہے جو اسے درست مشورہ دے سکے؟''

''ڈاکٹر کنعان۔''

شبنم نے سوچنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں لیا۔ لیکن بیربل کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔

''جواسے درست مشورہ دے اور ماہر اس کی بات مان لے...''

''اچھا پھر آرکیٹیکٹ انیس۔ وہ اس کے مشورے مان لیتا ہے۔''

''جواسے درست مشورہ دے' ماہر اس کی بات مان لے.... اور...'' اس نے بال کھجائے۔ ''اور اس کو ماہر کی ذاتی زندگی میں انوالوڈ کرنے پہ وہ میرے کریڈٹ کارڈز کینسل نہ کر دے۔''

شبنم نے گہری سانس لی۔

''ایسا دوست تو صرف چنگیز ہے۔ پولیس کمشنر۔ وہ اس سے مہینے میں ایک دفعہ ضرور ملتا ہے۔ وہ ہلال کے بارے میں بھی سب جانتا ہے۔''

''آف کورس۔'' بیربل نے ماتھے کو چھوا۔ ''مجھے پہلے کیوں خیال نہیں آیا۔''

''میرا ڈیزرٹ صبح مجھے آفس بھجوا دینا' اور....''

''بائی بائی۔'' اس نے مسکرا کے سنے بغیر فون رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لونگ روم میں ٹہل ٹہل کے فون پہ چنگیز سے بات کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ان میں بہت سی شرارت چھپی تھی۔ بات مکمل کر کے وہ فون پہ میسجز دیکھتے ہوئے آتش دان کے پاس رکھی ونگ چیئر تک گیا اور ایک پہ مزے سے ڈھیر ہو گیا۔ پیر اوتومن اسٹول پہ رکھ لیے۔ وہ بہت آرام دہ تھی۔

کچن میں کام کرتی فیضی حاتم نے پلٹ کے اسے گھورا۔

''بیربل بے۔''

لیکن وہ ڈھٹائی سے مسکراتا رہا۔

''ماہر بے نہیں دیکھ رہے۔'' پھر ونگ چیئر کے بازو تھپتھپائے۔ ''پتہ نہیں ماہر اتنی آرام دہ چیئر پہ بیٹھنے سے منع کیوں کرتا ہے۔''

''اس نے تمہیں نہیں بتایا؟'' وہ پلٹ کے حیرت سے پوچھنے لگیں۔ بیربل نے چونک کے انہیں دیکھا۔ پھر گردن دائیں بائیں ہلی۔

''وہ ہر دفعہ ٹال دیتا ہے۔ میں خود بھی نہیں پوچھتا۔ وہ تھوڑا (کنپٹی پہ انگلی سے اشارہ کیا) سائیکو ہے نا۔''

''دراصل جب ماہر نے استنبول میں یہ اپارٹمنٹ لیا تھا تو اس سے پہلے سے یہاں رہتے تھے۔''

''کون؟''

''ایک بیوہ جننی اپنے دو بچوں کے ساتھ یہاں رہتی ہے۔ وہ ماہر کو شروع میں تنگ کرتے تھے۔ پھر اس نے ان کے ساتھ ڈیل کر لی کہ وہ انہیں اس ونگ چیئر کے پیچھے رہنے دے گا اور گھر میں موسیقی نہیں چلائے گا۔ اور جواباً وہ اس کو کام کرتے وقت ڈسٹرب نہیں کریں گے۔''

بیر بل زور سے ہنس دیا۔ ''اس نے کہا اور آپ نے یقین کر لیا؟''

فیضی حاتم نے پیچھے مڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں واقعی نہیں معلوم؟ تم نے کبھی نوٹس نہیں کیا کہ یہ جگہ بغیر آگ جلائے بھی گرم کیوں ہوتی ہے؟''

بیر بل نے ونگ چیئر کے بازوؤں کو دوبارہ چھوا۔ وہ واقعی گرم تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ کرنٹ کھا کے وہاں سے اٹھا۔

''اللہ اللہ۔'' وہ تیزی سے لونگ روم کے دوسرے دہانے پہ آ رکا اور پیچھے مڑ کے آتش دان کو دیکھا۔ آنکھیں پھیل چکی تھیں۔ اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔

وہ دونوں ونگ چیئرز خاموش پڑی تھیں۔

''وہ دو سو سال سے یہاں رہ رہے ہیں۔ ماہر کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور۔''

''اف۔ بند کریں اپنا نیوز بلیٹن۔ مجھے ساری رات نیند نہیں آنی۔'' اس نے دونوں ہاتھ ان کے سامنے جوڑے۔ پھر پلٹ کے گھبراہٹ سے آتش دان کی طرف دیکھا۔

''پہلے میں ایک سائیکو مشین کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اب اس گھر میں جن بھی ہیں۔ اللہ اللہ۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ جلدی سے بند کیا۔ فیضی حاتم مسکرا کے واپس اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انہیں یقین تھا بیر بل فرید آج نماز پڑھ کے سوئے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ نے مُیالے سفید جوگرز کو واپس باکس میں ڈالا۔ بچوں کا خالی پیکٹ ان کے ساتھ رکھا۔ پھر باکس کو بند کیا۔ اس باکس نے ماضی کے سفر پہ روانہ کر دیا تھا اور اب اسے واپس حال میں پلٹنا تھا۔

وہ باکس لیے اوپر اسٹوڈیو میں چلی آئی۔ مطلوبہ کیبنیٹ کھولی اور باکس کو اندر کر کے رکھ دیا۔ وہ چیزیں ماضی کی کشمالہ کے ساتھ وہیں دفن ہو گئیں۔ وہ سیدھی ہوئی ہی تھی کہ ماہی کی کال آنے لگی۔

''میں ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔'' اس نے مسکرا کے فون کان سے لگایا۔

''میری عمر لمبی ہے یا میں شیطان ہوں؟''

مالا ہنس دی۔'' آج مجھے اتنے برس بعد وہ بیجوں کا پیکٹ نظر آیا جو تم نے مجھے امریکہ سے بھیجا تھا۔'' مالا یاد کر کے کہہ رہی تھی۔'' جو تمہیں ایئر پورٹ پہ کسی مہربان آدمی نے دیا تھا۔ وہ جس نے تمہارا ٹکٹ بھی پے کیا تھا۔''

اوہ۔ ماہی ایک لمحے کے لیے سانس نہیں لے سکی۔ وہ اس بات کو بھول چکی تھی۔ اسے اہم تفصیلات یاد تھیں۔ لیکن وہ پیکٹ ذہن سے فراموش ہو چکا تھا۔

''تم اس سے دوبارہ بھی ملی تھیں نا۔ اسی ایئر پورٹ پہ جب...'' مالا عام سے انداز میں ایک پرانی بات یاد کر رہی تھی۔

''مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' ماہی جلدی سے بولی۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ مالا سے باتیں چھپایا نہیں کرتی تھی لیکن اب یہ بات کیسے بتائے۔ وہ ماہر فرید کے ساتھ اس سرکار کو ڈھونڈنا چاہتی تھی' اس کو اپنے خاندان پہ جادو کرنے سے باز رکھنا چاہتی تھی۔ ماہر کے علاوہ کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اور مالا اسے ایسا کبھی نہیں کرنے دے گی۔

''کیا تم اس جادوگر کا اسکیچ بنا سکتی ہو جسے تم نے خواب میں دیکھا تھا؟''

''اسکیچ سے کیا ہوگا؟'' مالا کو حیرت ہوئی۔

''شاید میں اسے پہچان لوں۔ میں ویسے بھی خاندان میں سب کو جانتی ہوتی ہوں۔''

کشمالہ کو آئیڈیا برا نہیں لگا۔ شاید اس طرح اسے معلوم ہو جائے گا کہ کون حور جہاں بیگم اور شاید خود اس پر بھی جادو کر رہا ہے۔

فون بند کر کے اس نے اسٹوڈیو کی ساری بتیاں روشن کیں۔ پھر بال گول مول جوڑے میں باندھے اور ان میں برش اٹکا دیا۔ اب وہ اسٹول پہ بیٹھی اور سامنے اسٹینڈ پہ کورا صفحہ لگایا۔ پھر پنسل اٹھائی اور اس کو تراشا۔ وہ تیار تھی۔

کورے صفحے کو دیکھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں۔ اس کو وہ چہرہ پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھا۔ اس کی جھریاں۔ سفید بال۔ سر پہ بندھا نارنجی رومال۔ وہ آنکھیں۔ کہاں دیکھا تھا اس نے اسے پہلے؟ یاد کیوں نہیں آ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور پورے انہماک سے ایک لکیر کھینچنے لگی۔ دفعتاً ایک جھٹکے سے پنسل کا سکہ ٹوٹ گیا۔ ساتھ ہی زور سے ہوا چلی۔ کھڑکی کا پٹ پوری قوت سے کھل کے بند ہوا۔

وہ ایک دم سیدھی ہو کے بیٹھی۔ اطراف میں دیکھا۔ تمام بتیاں روشن تھیں۔ وہ اکیلی تھی اور باہر رات پھیلی تھی۔

اس نے سر جھٹکا اور پنسل دوبارہ تراشنے لگی۔ پھر سے کاغذ پہ لکیر کھینچی۔

اوپری شیلف میں رکھا پینٹ کا ایک کارٹن ٹھک سے نیچے گرا۔ سارا پینٹ فرش پہ بہہ گیا۔

وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھوک نگلا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا لیکن کوئی تھا۔

اس نے جلدی سے پنسل رکھ دی۔ پھر آیت الکرسی پڑھتے ہوئے سر پہ دوپٹہ لیا اور تیزی سے باہر نکلی۔

سیڑھیاں ویران تھیں۔ باہر کے نائٹ بلب جل رہے تھے لیکن لان کے تمام درخت خاموش کھڑے تھے۔ وہ کسی بھی طرف دیکھے بنا تیز قدموں سے قریباً بھاگتی ہوئی سیدھی اندر آئی اور اپنے کمرے میں جا کے دم لیا۔ دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ وہ اس کا چہرہ دیکھ چکی ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کو اسکیچ کرے۔ کیوں؟ وہ خوفزدہ تھا اور اسے خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔

میں صبح کے وقت جاؤں گی اور اس اسکیچ کو ضرور مکمل کروں گی۔ اس نے دل ہی دل میں عزم دہرایا۔ دل ابھی تک زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ شاید دیر تک جاگتی رہی تھی۔ جب سوئی تو وہی خواب پھر سے آیا۔ وہ منحوس شکل کا بچہ مسکرا کے اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ بھاگ رہی ہے اور وہ اس کے تعاقب میں ہے۔ فجر کے قریب وہ سوئی تو اب جاگی۔ بستر سے نکلنے سے پہلے عادتاً موبائل اٹھایا تو زیادکا میسج جگمگا رہا تھا۔

''آج میں آپ کو سرپرائز وزٹ کروں گا۔''

وہ نیند سے بھری آنکھوں سے مسکرا دی۔ اس کا میسج کرنا' یا اس سے ملنے آنا' اسے کچھ بھی برا نہیں لگا تھا۔ زیادکا ظرف بڑا تھا۔ اور اس نے کیا کیا تھا۔ اس کو قریباً ہاں کہہ کے گھر بلا کے ناں کہہ دی۔ پھر بھی زیاد اس بات کو درمیان میں لائے بغیر اس سے اسی احترام سے بات کرتا تھا۔

اس نے کہا تھا وہ جانے سے پہلے ایک دفعہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ شاید وہ آج ریستوران آئے۔ وہ پیروں کو سلیپرز میں گھسیڑتی بستر سے اٹھی اور بالوں کو گول مول جوڑے میں باندھ لیا۔

ابھی وہ کمرے سے نکلی ہی تھی کہ بخت بی ماں کی وہیل چیئر ڈرائینگ روم سے باہر لاتی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے

ہی ڈرائینگ روم کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کے مہمان آئے ہیں۔'' بخت بی کے دانت نکل رہے تھے۔

''زیادہ آیا ہے؟'' وہ مسکرادی۔(اتنی جلدی سر پرائز دے دیا؟) اور ڈرائینگ روم کی طرف چہرہ موڑا۔ دروازہ نیم وا تھا۔ بڑے صوفے پہ بیٹھا شخص یہاں سے دکھائی دیتا تھا۔

کشمالہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھا شخص اپنے موبائل کی طرف متوجہ تھا۔ سیاہ پینٹ پہ سفید ڈریس شرٹ پہنے بال جیل سے جمائے بڑھی شیو اور چمکتے سیاہ بوٹس والا آدمی زیادہ نہیں تھا۔

''نہیں بیٹے۔ کیف آیا ہے۔ کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔''

وہ تیزی سے ماں کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی اور بے چینی سے ان کا چہرہ دیکھا۔

''کچھ کہا ہے اس نے آپ کو؟'' اس کی آواز سے جھلکتا خوف چھپ نہیں سکا تھا۔

''ہاں بیٹے۔ اپنی کہانی سنا رہا تھا۔''

''کیسی کہانی؟'' اس نے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ اتنی دیر تک اس سانیکو پیتھ اور خطرناک آدمی کے ساتھ ڈرائینگ روم میں بیٹھی رہی تھیں۔ اسے کیوں معلوم نہ ہو سکا؟

''بتا رہا تھا کہ چچا سے ناراضی تھی۔ لندن میں خاندانی بزنس چھوڑ کے الگ ہو گیا تھا۔ وقت گزارنے کے لیے تمہاری نوکری کر رہا تھا۔ اب صلح ہو گئی ہے چچا سے تو جلد ہی لندن واپس چلا جائے گا۔ معذرت کر رہا تھا کہ پہلے نہیں بتا سکا۔''

وہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔ ماہر فرید کیسے جھوٹے انداز میں سچ بول لیتا تھا۔ اور ماں... وہ ایسے بتا رہی تھیں جیسے انہیں اس بات سے فرق ہی نہ پڑا ہو۔

''بڑی بی بی پہلے ہی کہتی تھیں۔ یہ کسی اچھے گھر کا لگتا ہے۔'' بخت بی کے چہرے کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ اس نے ایک کاٹ دار نظر ان پہ ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا رخ ڈرائینگ روم کی طرف تھا۔

آہٹ پہ اس نے نظریں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کے ہلکا سا مسکرایا۔ یہ وہ مسکراہٹ تھی جو وہ ڈیڑھ ماہ تک ہر صبح گھر سے نکلتے ہی اپنی کار کے آس پاس دیکھا کرتی تھی۔ دل کو کچھ ہوا۔

''تم یہاں کیوں آئے ہو؟'' وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں غصہ اور آواز میں بے بسی تھی۔

''کہا تھا نا۔ بات کرنی ہے۔ تم نے اپنی ورک پلیس پہ آنے سے منع کیا تھا۔ اور کہاں آتا؟'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا۔ میز پہ چائے کے برتن رکھے تھے اور سارے میں کڑک چائے اور الائچی کی خوشبو پھیلی تھی۔

کشمالہ نے مٹھی بھینچ لی۔ پھر پلٹ کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔ بخت بی ماں کو واش روم لے کر گئی تھی۔ وہ ابھی واپس آتی ہی ہوں گی۔ اسے ان کی واپسی سے پہلے اس آدمی کو اپنے گھر سے نکالنا تھا۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔''

''کیا یہ تمہارا ڈیفنس میکنزم ہے؟ سامنا کرنے کے بجائے فرار اختیار کرنا؟ لڑنے کے بجائے کہیں دور چلے جانا؟'' وہ بغور اس کو دیکھ رہا تھا جیسے اس کا مطالعہ کر رہا ہو۔

کشمالہ نے ایک گہری سانس لی۔ اندر ابلتے غصے کو نیچے دھکیلا۔ پھر اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھی۔

''مجھے لڑنا آتا ہے' کیف۔ لیکن میں اپنی لڑائیاں سوچ سمجھ کے منتخب کرتی ہوں۔''

''پھر لڑو مجھ سے۔ حساب مانگو۔ میں حساب دوں گا۔ لیکن وہ نہ کرو جو ظہیر کے ساتھ کیا تھا۔ بغیر سنے یا کہے لڑائی چھوڑ کے مت جاؤ۔''

''ظہیر کو درمیان میں مت لاؤ۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔'' اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہ کی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو ماہر چونکا۔ پھر سر جھٹکا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور قدرے آگے ہوا۔

''میں صرف تم سے ایک دفعہ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔

''اس کے بعد کیا ہوگا؟''

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''جو تم کہو گی وہی ہوگا۔ لیکن میری بات سننے کے بعد۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں میز پہ رکھی ٹھنڈی چائے اور الائچی کی خوشبو حائل تھی۔

''میں کہوں میری زندگی سے چلے جاؤ تو ایسا کرو گے؟''

''ایک لمحے کی دیر کیے بغیر چلا جاؤں گا۔''

وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔ وہ اسی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں' کشمالہ بی بی۔ نہ میں بار بار صفائیاں دیتا ہوں۔ لیکن ایک

دفعہ... ''انگشت شہادت اٹھا کے دکھائی۔ ''ایک دفعہ میں اپنی صفائی ضرور دوں گا۔ کب اور کہاں' یہ تم طے کرو گی۔''

وہیل چیئر کے پہیوں کی آواز پہ ماہر نے چہرے پہ مسکراہٹ طاری کر لی اور پیچھے ہو کے بیٹھ گیا۔ بخت بی ماں کی وہیل چیئر دھکیلتی اندر آ رہی تھیں۔

''آپ کے گھر میں فیملی فوٹوز نہیں لگے ہوئے۔'' وہ چہرہ دائیں بائیں گھماتے ہوئے سرسری انداز میں بولا۔ غالباً ان کے جانے سے پہلے گفتگو کا سلسلہ یہیں سے ٹوٹا تھا۔

''ماں کو پسند نہیں ہے۔ کہتی ہیں تصویریں لگانے سے گھر میں فرشتے نہیں آتے... لیکن...'' وہ انہی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''شیاطین پھر بھی آ جاتے ہیں۔''

''شیاطین ہر جگہ ہیں' کشمالہ بی بی۔ بس پہچاننے میں وقت لگتا ہے۔''

وہ مسکرایا۔ انداز میں ڈھٹائی تھی۔ اس کو ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

کشمالہ نے ایک گہری سانس اندر کھینچی' پھر اسی کے انداز میں پیچھے ہو کے بیٹھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''ماں بتا رہی تھیں کہ تم انہیں اپنی فیملی کے بارے میں بتا رہے تھے۔'' اب کے وہ بولی تو آواز ٹھنڈی تھی۔ ''تمہارے والد کی ڈیتھ کا سن کے مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔''

''ہاں بیٹے۔ اللہ ان کو جنت نصیب کرے۔'' ماں نے خلوص دل سے دعا دی۔

ماہر نے سر کو ہلکا سا خم دیا' جیسے تعزیت وصول کی ہو۔

''لیکن تمہارے ایک دوسرے فادر بھی تو تھے نا۔'' سادگی سے پلکیں جھپکا کے پوچھا۔

کچھ تھا جو ماہر فرید کے چہرے میں پل بھر میں بدل گیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں بہت کچھ ابھر کے ڈوبا۔

''سنا ہے وہ بہت اچھے انسان تھے۔ تم دونوں بھائیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔'' وہ جوڑے سے نکلی ایک لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ ''ان کی بھی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی نا۔ تم ان کو بہت مس کرتے ہو گے۔''

''بہت زیادہ۔'' وہ دبی آواز میں بڑبڑایا۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایک دم کمرے میں گھٹن بڑھ گئی تھی۔ اسے ہوا چاہیے تھی۔

ماں نے چہرہ موڑ کے کشمالہ کو تابی نظروں سے گھورا۔ لیکن وہ کہے جا رہی تھی۔

''سنا ہے تمہارے اسٹیپ فادر...''

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''میں تم سے ملنے ریستوران آؤں گا۔ دوپہر میں۔ او کے؟'' ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی۔ وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائی۔ بیٹھے بیٹھے کندھے اچکائے۔

''شیور۔'' پھر زیر لب بڑبڑائی۔ ''پچھتاؤ گے۔''

وہ جو ماں کو جھک کے خدا حافظ کہہ رہا تھا' پھر سے چونکا۔ ایک نظر اسے دیکھا۔ چھٹی حس نے سرخ بتی جلائی اور بجھائی۔ کچھ تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

''بیٹے آتے جاتے رہا کرو۔ یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔'' ماں اس کو اپنے ازلی مہمان نواز انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''خدا حافظ کیف۔'' وہ پیچھے سے پکار کے بولی۔ پھر رکی۔ ''یا ماہر... جو بھی نام تم آج کل استعمال کر رہے ہو۔''

اس نے جاتے جاتے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور باہر نکل گیا۔ حور جہاں بیگم نے خفگی سے اپنی بیٹی کو دیکھا جو سینے پہ بازو لپیٹے بیٹھی ان سے زیادہ خفا لگ رہی تھی۔ مسکراہٹ اب غائب ہو گئی تھی۔

''اس کے سوتیلے باپ کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کس کو پسند ہوتا ہے یہ رشتہ؟''

''اور آپ کو کیا ضرورت تھی اس کی اتنی خاطر کرنے کی؟ میں نے اسے کسی وجہ سے نوکری سے نکالا تھا۔''

''تم تو کہہ رہی تھیں اس نے خود استعفیٰ دیا تھا۔''

''میرے الفاظ نہ پکڑیں۔'' وہ جھنجھلا کے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ صبح ہی صبح سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد کا سرپرائز ریستوران میں موجود تھا۔ وہ جیسے ہی مین ہال میں داخل ہوئی' لبوں پہ خود بخود مسکراہٹ بکھر گئی۔ ماہر فرید سے ملاقات کی ساری کلفت دور ہونے لگی۔

آنسوؤں سے لبریز شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک میز پہ چار افراد بیٹھے تھے۔ ان میں ایک زیاد بھی تھا۔ وہ چاروں اپنے سامنے کافی' چند کاغذ اور لیپ ٹاپس کھولے بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔ یقیناً زیاد کی کوئی ورک میٹنگ چل رہی تھی جسے اس نے مالا کے ریستوران میں منعقد کیا تھا۔

وہ اسی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے جسے وہ پینٹ کر رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے آئی اور دیوار کے ساتھ اپنا میٹ بچھایا۔ پھر زمین پہ بیٹھی اور اپنے رنگ سامنے پھیلا لیے۔ سر پہ سبز سلک کا رومال باندھے' وہ مسکرا کے چہرہ جھکائے اپنے رنگ مکس کرنے لگی۔ پھر نگاہیں اٹھائیں تو شیشے کی دیوار میں پیچھے بیٹھے زیاد کا عکس دکھائی دیا۔

وہ کریم کلر کی پولو شرٹ میں ملبوس' اسے ہمیشہ کی طرح ہینڈسم لگ رہا تھا۔ دونوں ہاتھ اٹھا کے وہ بریفنگ دے رہا تھا جب نظر کشمالہ کی پشت پہ پڑی۔ وہ ان کے سامنے ہی زمین پہ بیٹھی تھی۔ زیاد کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری جسے اس نے فوراً سے سنجیدگی میں بدل دیا۔

اب اس کے سامنے بیٹھا آدمی کچھ کہہ رہا تھا۔ بظاہر اس کی بات دھیان سے سنتے ہوئے زیاد سلطان نے موبائل اٹھایا اور چند بٹن دبائے۔ وہ جو پیلیٹ پہ رنگ ڈال رہی تھی' موبائل کی تھرتھراہٹ پہ مسکرا دی۔ جانتی تھی کس کا میسج ہو سکتا ہے۔

''ایک پوٹینشل کلائنٹ سے میٹنگ میں ہوں۔ دعا کیجئے گا یہ ہماری کمپنی کو اپنی کیمپئین کے لیے ہائر کر لیں۔''

کشمالہ کی انگلیاں کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔

''اور اتفاق سے آپ کے کلائنٹس نے آپ کو میری ورک پلیس پہ مدعو کر لیا۔''

''نہیں۔ میں نے خود یہاں میٹنگ رکھی تھی تاکہ آپ سے ملاقات بھی ہو جائے۔''

زیاد سلطان کا جواب ہمیشہ کی طرح سچا اور صاف تھا۔ کوئی ٹیڑھ نہیں۔ کوئی کہانی نہیں۔ اس نے مسکرا کے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اب ان افراد کے سامنے ایک آئیڈیا پچ کر رہا تھا۔ گاہے بگاہے میز پہ رکھی موبائل اسکرین پہ بھی نظر ڈال لیتا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے زمین پہ بیٹھی اپنے رنگوں میں مصروف تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ آپس میں بات کر رہے ہیں۔

''ڈیجیٹل میڈیا کیمپئین کے لیے آپ کی اسٹریٹجی میں ایسا کیا ہوگا جو دوسری پی آر کمپنیز سے مختلف ہوگا؟'' اس کا مہمان سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ ''کیونکہ انعم میڈم موسم بہار کی کلیکشن کو لے کر بہت touchy ہیں۔ وہ عام کپڑا نہیں بناتیں۔ وہ بہترین لگژری ایڈٹ لا رہی ہیں۔ اس لیے انہیں کسی کا آئیڈیا پسند نہیں آ رہا۔''

(ابھی گرمیاں ختم نہیں ہوئیں اور کپڑوں کے برانڈز اگلی موسم بہار کی تیاری کر رہے ہیں۔ کمپیٹیشن۔) کشمالہ نے مسکرا کے سر جھٹکا اور برش کے بالوں میں پینٹ چھنسایا۔ دفعتاً وہ چونکی۔ (انعم؟) پھر پلٹ کے ان افراد کو غور سے دیکھا۔

''کیا یہ انعم پرویز کا clothing برانڈ ہے؟'' اس کی انگلیوں نے تیزی سے موبائل پہ پیغام لکھا۔ زیاد کی اسکرین چمکی تو اس نے ایک نظر پیغام کو دیکھا۔ پھر ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سامنے شیشے کی دیوار میں اس کا عکس دیکھ سکتی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے برش رکھ دیا اور تیزی سے ٹائپ کرنے لگی۔

ادھر زیاد کہہ رہا تھا۔

''ڈیجیٹل میڈیا کیمپئین دو طرح سے چلائی جاتی ہے۔ایک influencer مارکیٹنگ اور دوسری...'' موبائل کی اسکرین دوبارہ روشن ہوئی تو اس نے گفتگو کی رفتار سست کرتے ہوئے اسکرین کو دیکھا۔پھر ہلکا سا چونکا۔جیسے متذبذب ہوا ہو۔

''یونو واٹ... میرا خیال ہے آپ کی باس... انعم میڈم... تمام آئیڈیاز کو اس لیے ریجیکٹ کر رہی ہیں کیونکہ وہ بتا نہیں رہیں کہ انہیں کیا چاہیے۔'' وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔کنکھیوں سے اسکرین پہ کھلے ایک ایک سطر کے نئے میسیجز کو بھی دیکھ رہا تھا۔

کشمالہ چہرہ جھکائے مسکراتے ہوئے ٹائپ کر رہی تھی۔

''کیا مطلب؟'' سامنے بیٹھے آدمی نے پہلو بدلا۔

''میں اپنا ہوم ورک کر کے آیا ہوں۔آج سے چار سال پہلے انعم نے ووگ ٹاورز میں ایک شاپ کھولی تھی۔اس میں وہ ایلان اور ثانیہ مسکاٹیہ کے کپڑے اسٹاک کرتی تھیں۔اصل برانڈ پہ آرٹیکلز ختم ہو جاتے لیکن انعم کے پاس دستیاب ہوتے۔یہ کپڑے لاہور کی ایلیٹ میں ہاتھوں ہاتھ بک جاتے تھے۔انعم ایڈوانس پے منٹ لیتی تھیں۔لیکن ان کا بزنس ماڈل sustainable نہیں تھا۔اس لیے دو سال بعد ایک اسکینڈل بنا تھا۔''

ایک غیر آرام دہ سی کیفیت اس ٹیبل پہ چھاتی گئی۔

''یہ تب ہوا جب انعم نے بہت سے آرٹیکلز انڈیا بھیجنا شروع کر دیے۔تھینک یو۔'' اس نے رک کے ویٹر سے کہا جواب تازہ کافی کپ ان کے سامنے رکھ رہا تھا۔

''لاہور کی بہت سی ''آنٹیز'' (زیاد نے دو انگلیوں سے کوٹ ان کوٹ کا اشارہ کیا) کو پے منٹ کرنے کے باوجود جب کپڑے نہیں ملے تو انہوں نے ایک دن انعم کی شاپ پہ حملہ کیا۔بہت گالم گلوچ اور لڑائی ہوئی۔''

ان افراد نے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔خاموشی سے کافی کے کپ اپنی طرف کھسکائے۔چمچوں کے کانچ سے ٹکرانے کی آوازیں آئیں۔

''آخر میں انعم نے سب کے پیسے واپس کیے۔آرٹیکلز وہ پہلے ہی دگنی پرائس پہ انڈیا بیچ چکی تھیں۔اس حملے کی ویڈیو کہیں لیک نہیں ہوئی کیونکہ انعم کے والد ایک بااثر آدمی ہیں۔لیکن اس واقعے نے انعم کی کریڈیبلٹی بہت خراب کی۔''

''ہم نے سب کے پیسے واپس کر دیے تھے۔ سارا مسکلہ ری اسٹاک کا تھا۔ برانڈز ہمیشہ ...''

''میں ان کو جج نہیں کر رہا۔ اپنے آئیڈیے کی بنیاد بتا رہا ہوں۔'' زیاد سلطان نے نرمی سے ان کی بات کاٹی۔ پھر نظر اسکرین پہ ڈالی۔ اس پہ ایک کے ایک بعد ایک میسج ابھر رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

''انعم نے اس کے بعد دو دفعہ اپنی لان لانچ کی ہے۔ دونوں دفعہ انہوں نے سارا اسٹاک بیچ لیا لیکن لاہور کی آسٹیز اپنی کٹی پارٹیز میں آج بھی انعم کو گوسپ کا موضوع بناتی ہیں۔ انعم کو کوئی آئیڈیا اس لیے نہیں پسند آ رہا کیونکہ وہ اپنی کلیکشن صرف بیچنا نہیں چاہتیں۔ ان کو اپنی کھوئی ہوئی credibility واپس چاہیے۔''

''اور آپ کے پاس اس کے لیے کیا پلان ہے؟''

زیاد سلطان نے ایک منٹ کہہ کے اپنا فون اٹھایا۔ سامنے موجود چیٹ کھولی۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہاں لکھی چند سطور پڑھیں۔ پھر اپنے لیپ ٹاپ کو دیکھا۔ وہاں ایک پریزنٹیشن اس کی منتظر تھی۔ کنکھیوں سے اس نے شیشے کی دیوار کو دیکھا۔ وہ اس کے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بنا آواز کے حرکت کیے۔

''ٹرسٹ می۔''

اور زیاد سلطان نے کشمالہ مبین پہ اعتماد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کر دی اور سنجیدگی سے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہم اس کیمپئین کے لیے خوبصورت چہروں اور گوری رنگت والی ماڈلز نہیں لیں گے۔ ہم inclusivity پہ مبنی کیمپئین چلائیں گے۔ ہماری ماڈلز عام لڑکیاں ہوں گی جن کی رنگت (اس نے تھوک نگلا) سانولی ہوگی۔ ان کے فگرز پرفیکٹ نہیں ہوں گے۔ وہ دبلی بھی ہوں گی اور فربہ بھی۔ ان کے چہرے صاف بھی ہوں گے اور ان چہروں پہ ایکنی بھی ہوگی۔ تاکہ ہر وہ لڑکی جو خود کو نامکمل سمجھتی ہے اس کو لگے کہ انعم کے بنائے کپڑے اس کے لیے ہیں۔ وہ ان کو پہن کے خوبصورت دکھ سکتی ہے۔''

کشمالہ نے مسکرا کے فون واپس رکھ دیا۔ اس کی بے توجہی کے باعث برش کے بالوں میں پھنسا رنگ جم رہا تھا۔ اس نے برش کو پانی کے پیالے میں ڈبویا۔ رنگ گھلنے لگا۔ بال نرم ہوئے۔ وہ پھر سے نیا رنگ بنانے لگی۔ لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

دارچینی اور کافی کی مہک دھیرے دھیرے ختم ہوتی گئی۔ گفتگو دم توڑ گئی اور وہ لوگ اٹھ گئے۔ اسے اپنے قریب آتے قدم سنائی دیے۔ پھر دو جوتے نظر آئے۔

وہ مگن انداز میں پینٹ کیے گئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھا۔

''کہاں سے آتے ہیں آپ کو ایسے آئیڈیاز؟'' وہ ستائشی انداز میں پوچھ رہا تھا۔ کشمالہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ گلاس وال سے آتی دھوپ میں وہ اس کے ساتھ بیٹھا بہت ممنون لگ رہا تھا۔

''آئیڈیاز ہی ہیں میرے پاس۔ ان پہ عمل کرنے کے لیے بہت سا پیسا نہیں ہے۔''

''آپ انعم کو کیسے جانتی ہیں؟''

''لاہور کے Entrepreneurs ایک دوسرے کو جانتے ہوتے ہیں۔ انعم کی کہانی سب کو معلوم ہے۔'' اس نے مسکرا کے شانے اچکا دیے۔

''میرے باس بہت خوش ہوں گے۔'' وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھا تھا۔ چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ وہ بھی پورے دل سے مسکرا دی۔ پھر ایک چبھن سی محسوس ہوئی۔ ایک پھانس کے نہ نکلنے کی چبھن۔

''آئی ایم سوری۔''

زیاد کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

''کس چیز کے لیے؟''

''آپ کو معلوم ہے کس چیز کے لیے۔''

وہ دھیما سا مسکرایا۔ ''کیا میں بغض پالنے والوں میں سے لگتا ہوں؟''

سبز رومال والی لڑکی نے مسکرا کے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ دھوپ سے اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

''جو بات شروع ہی نہیں ہوئی' اس کے ختم ہونے کا کیا افسوس کرنا۔ ہم کزنز تو ہیں ہی۔ اچھے دوستوں بھی بن سکتے ہیں۔''

اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ ''جی۔ ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔''

(مرد اور عورت کبھی دوست نہیں بن سکتے۔) ماں کی آواز کسی نشتر کی طرح دماغ میں چبھی۔ لیکن کشمالہ نے اسے جھٹک دیا۔ پرانے زمانے کی باتیں۔

''ارے ہاں۔ کل میں ریستوران آیا تھا بکنگ کروانے تو اسٹاف نے بتایا کہ آج آپ کی سالگرہ ہے۔ میں آپ کے لیے کچھ لایا تھا۔'' وہ یاد کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ہلکا سا ہنس دی اور اسے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔ وہ واپس اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھا اور بیگ درمیان

میں رکھا۔

''آپ نے بتایا تھا کہ آپ کو اچھے جوتے پسند ہیں۔ مجھے یہ اچھے لگے۔ کچھ دن پہلے لیے تھے۔ آج دینے کا موقع بن گیا۔''

کشمالہ نے مسکرا کے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ اندر چاکلیٹس کا ایک باکس تھا اور ساتھ ایک جوتوں کا ڈبہ۔

سیاہ کھسے۔ سادہ مگر بہت خوبصورت۔

''میں کھسے نہیں پہنتی لیکن یہ ضرور پہنوں گی۔ تھینک یو۔ لیکن...'' اس نے مسکراہٹ دبائی۔ ''آج میری سالگرہ نہیں ہے۔''

زیاد نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''اسٹاف نے بتایا تھا کہ آپ کے ڈاکومنٹس کے مطابق آج آپ کی سالگرہ ہے۔''

''میرے ڈکومنٹس پہ میری سالگرہ غلط لکھی ہے۔ برتھ سرٹیفکیٹ پہ غلط درج ہوگئی تھی اور پھر اولیولز تک بدلی نہیں جاسکی۔ بعد میں سارے ڈاکومنٹس اسی تاریخ کے ساتھ بنتے گئے۔ اب کیا تبدیل کرواتی۔''

''یعنی اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہوا؟''

زیاد نے افسوس سے اس کے ہاتھ میں پکڑے جوتوں کو دیکھا۔

''تاریخ سے کیا ہوتا ہے؟ سالگرہ کسی بھی دن منائی جاسکتی ہے۔ اور یہ جوتے بہت خوبصورت ہیں۔ سیاہ رنگ ویسے ہی مجھے پسند ہے۔''

''ہر ایک کو نہیں ہوتا۔''

وہ اداسی سے مسکرایا۔

وہ دونوں شیشے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے۔ دھوپ سیدھا ان کے اوپر پڑ رہی تھی لیکن اے سی کی ٹھنڈ کے باعث وہ بے ضرر لگ رہی تھی۔

''آپ کو دور اندر اب بھی اپنی رنگت کا کمپلیکس ہے' زیاد۔'' وہ جوتے واپس پیک کرنے لگی۔ انداز سادہ تھا۔ زیاد کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''شاید۔''

''ایک زمانے میں مجھے بھی اپنے چہرے کا کمپلیکس تھا۔''

اب کی دفعہ حیران ہونے کی باری زیاد سلطان کی تھی۔ اس نے بے یقینی سے کشمالہ مبین کے خوبصورت' سپید چہرے کو دیکھا۔

''ناممکن۔''

''میرے چہرے پہ بہت ایکنی تھی۔ اور میں نے اس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔'' اس نے سر جھکایا۔ لہجے میں کرچیاں سی ابھریں۔ ''لیکن پھر میں نے خود کو اس کمپلیکس سے نکالا۔ ایکنی کا علاج کروایا۔ کہیں دور اندر میں اب بھی خوفزدہ ہوں کہ وہ واپس نہ آجائے۔ میں ہر صبح اٹھ کے اپنا چہرہ دیکھتی ہوں۔''

''میں پوری طرح خود کو اپنی رنگت کے کمپلیکس سے نہیں نکال پایا۔ حالانکہ اب میں اس بارے میں زیادہ نہیں سوچتا۔ لیکن میرے ابو...'' وہ سر جھکائے یہ سب کہتے ہوئے ایک عام انسان لگا تھا۔ اس کے اپنے جیسا۔

''میری ماں کی رنگت کے باعث ان کو ساری عمر میرے والد سے باتیں سننی پڑی تھیں۔ ابو خوبصورت تھے۔ گورے اور خوبصورت۔ امی سے ان کی شادی زبردستی ہوئی تھی۔ امی نے اپنے رنگ کی وجہ سے بہت تکلیف سہی ہے۔'' وہ اب سامنے شیشے کی دیوار پہ پینٹ ہوئے آنسو دیکھ رہا تھا۔

''میری ماں بہت صابر اور سمجھدار عورت ہے' کشمالہ۔ ان کی ساری زندگی کا محور میں ہی ہوں۔ وہ اپنے لیے نہیں میرے لیے جیتی ہیں۔ میں ایک زمانے میں خود کو بدصورت سمجھتا تھا۔ پوری طرح نہ سہی' لیکن جتنا بھی میں اس کمپلیکس سے نکلا ہوں' امی کی وجہ سے نکلا ہوں۔ انہوں نے ہی میری شخصیت بنائی ہے۔''

وہ تحیر سے اسے دیکھے گئی۔ کیا اتنے پرکشش آدمی کو بھی اپنی شخصیت کا کمپلیکس ہو سکتا تھا؟

''کیسی ہیں آنٹی؟''

زیاد نے ایک ٹھنڈی سانس باہر خارج کی۔

''کوئی عجیب سی بیماری ان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ ایسے لگتا ہے کوئی curse ہے جو ہمارے خاندان کا پیچھا کر رہی ہے۔''

''شاید وہ curse میں ہوں۔ میری وجہ سے آپ کے اوپر کوئی جادو کر رہا ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔ کہا نہیں۔

وہ زیاد کو بتانا چاہتی تھی کہ اس نے خواب میں زیاد کی تصویر پہ بھی خون دیکھا تھا۔ اس کے انکار کی وجہ صرف ماں کی صحت نہیں تھی۔ وہ جادو بھی تھا جو کشمالہ سے جڑے ہر انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس کے قریب رہ کے

زیاد سلطان کو صرف نقصان ہوگا۔ نگینہ بیگم کی طبیعت تب سے خراب رہنے لگی تھی جب سے انہوں نے زیاد اور مالا کے رشتے کا سوچا تھا۔

لیکن وہ یہ سب بتا کے اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''آپ واپس کب جا رہے ہیں؟'' سوال ابھی لبوں میں ہی تھا جب اسے ایک احساس ہوا۔

ایک احساس جو پہلے سے ہو جاتا ہے۔ کسی کے اندر آنے سے پہلے۔ کسی کے آپ کو دیکھنے سے پہلے۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں کشمالہ نے چہرہ مین ہال کے داخلی حصے کی طرف موڑا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

زیاد کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ سن نہیں رہی تھی۔ وہ وہیں دیکھتی رہی۔ ایک سیکنڈ۔ دو سیکنڈ۔

گھڑی کی ٹک ٹک...

اور پھر وہ اندر داخل ہوا۔ موبائل پہ بٹن دباتے' وہ متلاشی نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اس کو۔

دفعتاً ماہر کے قدم زنجیر ہوئے۔ نظریں شیشے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے دو چہروں پہ جا رکیں۔

ایک زخمی سا تاثر بھوری آنکھوں میں ابھرا۔ جسم کے سارے اعصاب تن گئے۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر الٹے قدموں پلٹ گیا۔ جیسے کوئی فلم ریوائنڈ ہو جاتی ہے۔ جیسے وہ وہاں آیا ہی نہیں تھا۔

موبائل کی تھرتھراہٹ پہ وہ چونکی۔ زیاد اب بھی کچھ بتا رہا تھا۔ مگر اس کا ذہن ہٹ چکا تھا۔

''میں سامنے ایک کیفے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

یہ ایک نیا نمبر تھا۔ انگلینڈ کے ۴۴ کوڈ والا واٹس ایپ نمبر۔ یقیناً ماہر فرید کا اصل نمبر۔

وہ بات کرنا چاہتا تھا۔ اور بات تو اسے بھی کرنی تھی۔

''زیاد مجھے کہیں پہنچنا تھا۔ بس ایک چھوٹا سا کام ہے۔''

''اوہ۔ میں ڈراپ کر دوں؟ میرے پاس کمپنی کی کار ہے۔'' وہ وقت دیکھتے ہوئے زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ لباس کی ندیدہ گرد جھاڑی۔

''نہیں۔ مجھے یہ خود ہی کرنا ہوگا۔'' اس نے زیاد کی دی چاکلیٹس اور جوتے وہیں اپنے سامان کے ساتھ رکھ دیے۔ اسے ماہر فرید سے ملاقات میں زیادہ دیر نہیں لگنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس ریستوران میں وہ اس کا انتظار کر رہا تھا وہ ایک چھوٹا سا بریک فاسٹ کیفے تھا۔ اونچی چھت سے فانوس

لٹک رہے تھے۔ دیواروں پہ ماڈرن graffitis بنی تھیں۔ اور سارے میں انگریزی ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ یہاں ابھی ناشتہ اور برنچ چل رہا تھا۔

سبز رومال اور ڈھیلے ڈھالے کرتے ٹراؤزر والی لڑکی سنجیدہ چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور سیدھی لکڑی کے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دوپٹہ گردن میں مفلر کی طرح لے رکھا تھا اور پرس کا اسٹریپ ایک کندھے سے گزار کے دوسرے پہ لٹکا رکھا تھا۔ وہ آج غصے میں نہیں تھی۔ وہ پرسکون تھی۔

بالائی منزل کی روشنیاں مزید مدھم تھیں۔ خوابناک سا ماحول بنا ہوا تھا۔ وہ ایک کونے والی میز پہ بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ گلاس وال تھی جہاں سے نیچے سڑک اور سامنے ریستورانوں کی قطار نظر آتی تھی۔ اسے دور سے آتے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چلتی ہوئی اس کے عین سامنے آ رکی۔ اب ان دونوں کے درمیان صرف لکڑی کی ایک میز تھی۔

وہ دونوں کتنے عرصے بعد یوں آمنے سامنے تھے۔ مالا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

کیا یہ وہی شخص تھا جو اس کے ہینڈ بیگز اٹھا لیتا تھا؟ اس کے لیے کار کا دروازہ کھولتا تھا؟ بیٹھنے سے پہلے اس کے لیے کرسی کھینچتا تھا؟ شاید نہیں۔ یہ کوئی اور تھا۔ اس کا لباس بھی الگ تھا اور کلاس بھی۔

''یہاں بیٹھو اور تحمل سے میری بات سنو۔'' ماہر آگے بڑھا اور ایک کرسی کھینچی۔ پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مالا نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا جو کرسی کے دہانے پہ جمے تھے۔ (شاید یہ وہی تھا۔)

''میں معافی مانگنے نہیں آیا۔ جانتا ہوں تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز کے وسط میں ایک ادھ پئے کافی کپ کے ساتھ ایک مصنوعی پودا رکھا تھا۔ زرد روشنی میں اس کے پتے بھورے لگ رہے تھے۔

''میں صرف صفائی دینے آیا ہوں۔ کیا تم میری صفائی سن سکتی ہو؟''

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی نظریں پودے کے پتوں پہ تھی۔ ان پہ ہلکی ہلکی سی گرد جمع تھی۔

''میری ایک بہن ہے۔ ہلال شمس۔ وہ لاپتہ ہے۔ میں اس کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ یاد ہے میں نے تمہیں اس کی تصویر دکھائی تھی؟''

وہ اگلے چند منٹ بولتا رہا۔ مختصر فقرے۔ تکلیف سے لیا گیا نام۔ ہلال اس کے لیے کیا تھی اور وہ کیسے کھوئی تھی۔

وہ چہرے پہ ایک ہی جیسے تاثرات لیے سنے گئی۔

''میرا دشمن بہت حساس ہے۔ وہ میری ہر حرکت سے آگاہ ہوتا ہے۔ میں نے وہ لائٹر تمہارے پرس میں نہیں رکھا

تھا۔ یہ اس نے کیا ہے۔ میری بہن اس کے پاس ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ میں اس تک پہنچوں۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ پودے سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں میں نے جھوٹ بولے ہیں۔ لیکن میں نے ہمیشہ تمہاری حفاظت کی ہے۔ میں نے کبھی تمہیں نقصان نہیں پہنچایا۔ میں تمہارا تعاقب کار نہیں ہوں۔ کوئی اور ہے جو...''

وہ بولتے ہوئے اس کے تاثرات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ ٹیک لگائے' سینے پہ بازو لپیٹے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں میرا یقین نہیں آیا نا۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''کسی کو ماہر فرید کا یقین نہیں آتا۔''

''تم نے مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچایا؟'' وہ پہلی دفعہ بولی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے۔ کچھ تھا وہاں جو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''ہاں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''کیا تم نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''نہیں' کشمالہ۔''

کچھ تھا جو کشمالہ مبین کی آنکھوں میں چھن سے ٹوٹا تھا۔

''میں نے تمہیں سچ بولنے کا دوسرا موقع دیا تھا' کیف۔ اس لیے نہیں کہ تمہیں معاف کر دوں۔ بلکہ اس لیے کہ شاید میرے دل میں تمہاری نفرت کچھ کم ہو سکے۔ لیکن نہیں۔'' وہ تاسف سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

وہ چونکا۔ کچھ تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''تم نے میرا ریستوران کیوں خریدا؟'' وہ دبا دبا سا غرائی۔

وہ سناٹے میں رہ گیا۔

''اوشن؟ میں نے اسے نہیں....''

''میں نے کہا تھا ظہیر کو درمیان میں مت لاؤ۔ پچھتاؤ گے۔'' ماہر پہ جمی اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ ''تمہارے جانے کے بعد میں نے ظہیر سے بات کی تھی۔ اتنے ماہ بعد میں نے سوچا کہ میں اس سے پوچھوں تو سہی کہ اس نے اوشن... میرا اوشن کیوں بیچا؟'' میرا کہتے ہوئے اس نے سینے پہ انگلی رکھی۔ آنکھوں کے کنارے

یہ آنسو اٹکے تھے۔

''اور جانتے ہو مجھے کیا معلوم ہوا؟ کہ وہ اوشن جس کو میں نے اپنی زندگی کے پانچ سال دیئے' اسے تمہاری انویسٹمنٹ ہولڈنگ کمپنی نے ایک لبنانی فوڈ چین کو بیچ کے دیا تھا۔''

وہ بالکل ساکت بیٹھا تھا۔(مالک...)

''اور پھر مجھے سمجھ میں آیا کہ تمہارے چچا عبدالمالک فرید اس روز مجھ سے خود کیوں نہیں ملے تھے۔انہوں نے تمہارے بھائی کو مجھ سے ملنے کیوں بھیجا تھا۔تاکہ میں انہیں پہچان نہ جاؤں۔وہ اس لبنانی گروپ کے ساتھ اوشن میں آتے رہتے تھے۔یہ سب تمہارا پلان تھا۔مجھے جاب لیس کرنے کا۔''

''میں فرید ہولڈنگ نہیں چلاتا۔''وہ آگے ہوا اور تیز لہجے میں بولا۔''وہ کمپنی مالک چلاتا ہے۔''

''میں نے اس بارے میں بھی معلوم کروایا ہے۔اس کمپنی کے سی ای او تم ہو' کیف۔صرف تم۔''

''ہماری کمپنی ساری دنیا میں انویسٹمنٹس کرتی ہے۔میں اوشن کی ڈیل کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''میز پہ رکھی اس کی مٹھیاں بھنچ چکی تھیں۔آواز میں بے بسی تھی۔غصہ تھا۔

''تمہارے دستخط ظہیر کے اس کانٹریکٹ پہ موجود ہیں۔''

''مالک مجھ سے ہر مہینے دو سو کاغذ سائن کرواتا ہوں' کشمالہ۔میں ہر کاغذ نہیں پڑھتا۔یہ پرانی بات ہوگی۔''اس کا دماغ چکرا رہا تھا لیکن بظاہر اس نے آواز ہموار رکھی۔

اس نے افسوس سے اس کو دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔

''تم جانتے ہو وہ ریستوران میرے لیے کیا تھا؟ وہ میری پوری ورک لائف تھا۔وہ میرا خواب تھا۔تم نے اسے مجھ سے چھین لیا کیف۔تمہارے دھوکے نے مجھے غصہ دلایا تھا۔لیکن اس بات نے مجھے تم سے نفرت کرنے پہ مجبور کر دیا ہے۔اب تم مجھے یہاں آ کے اپنی بہن کی کہانی سنا کے سمجھتے ہو کہ میں پھر سے بے وقوف بن جاؤں گی؟نہیں کیف۔تم نے مجھ سے اوشن بھی چھینا ہے اور میرا انسانوں پر سے اعتبار بھی۔''

''تمہیں نوکری سے ظہیر نے نکالا تھا۔میں نے نہیں۔شاید تمہیں جاب کرنے سے پہلے ایک کانٹریکٹ سائن کرنا چاہیے تھا۔اپنی بے وقوفی پہ میری کمپنی کو الزام مت دو۔ظہیر نے اپنی مرضی سے ریستوران بیچا ہے۔گن پوائنٹ پہ نہیں۔''

کشمالہ کا چہرہ سرخ ہوا۔لیکن اس نے لب بھینچ لیے۔

یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ جانتا تھا وہ حالات کو کس طرف لے کر جا رہا ہے۔ لیکن کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ اب اس کا یقین نہیں کرے گی۔ کیا نیا تھا اس میں۔

''تم نے کہا تھا اگر میں کہوں کہ میری زندگی سے چلے جاؤ تو ایسا ہی کرو گے۔'' وہ پرس کی اسٹریپ کندھے پہ پہننے لگی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''تم واقعی یہی چاہتی ہو؟''

اس نے ان بھوری آنکھوں میں دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

''میں یہی چاہتی ہوں۔ تم میری زندگی سے چلے جاؤ۔ اتنی دور کہ.....''

''کہ؟''

''کہ ہمارے راستے کبھی نہ ٹکرائیں۔''

وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔ سبز آنکھوں والی لڑکی کے ہر انداز میں بے اعتباری تھی۔ (مالک... یہ تم نے کیا کیا؟)

''میں اوشن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا' مالا۔'' اب کے اس کی آواز دھیمی تھی۔

''اب آسمان سے فرشتے اتر کے گواہی دیں' تب بھی میں تمہارا اعتبار نہیں کروں گی' ماہر۔ تم میری نظر میں ایک برے انسان تھے اور رہو گے۔ اور یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''میں نے تمہیں بہت دفعہ کہا تھا کہ میرا اعتبار مت توڑنا کیونکہ مجھے معاف کرنا نہیں آتا۔'' ایک آنسو پلک سے ٹپکا اور گال پہ لڑھک گیا۔ ''یہی ہے میرا defense mechanism۔ میں لڑائی کر کے صلح نہیں کیا کرتی۔ میں ایسے لوگوں کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے دور کر دیتی ہوں جو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ ختم۔ delete۔''

''ڈیلیٹ؟''

''ڈیلیٹ۔'' اس نے اثبات میں ہلایا۔ پھر ہتھیلی کی پشت سے رخسار رگڑا۔

''تمہاری بدگمانی کی دیوار بہت اونچی ہو گئی ہے' مالا۔ اب میرا کوئی سچ اس کو پھلانگ نہیں سکتا۔ لیکن....'' اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ وہ اسے سن رہی تھی۔

''میں لوگوں کے پیچھے نہیں بھاگا کرتا' مالا۔ میں چلا گیا تو واپس نہیں آؤں گا۔ کیا تم واقعی ایسا چاہتی ہو؟''

''ہر چیز سے زیادہ۔'' اس کی آواز میں دبی دبی سی بے بسی تھی۔ منت تھی۔ غصہ تھا۔

''او کے۔ تمام۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''تمام۔'' عربی میں دہراتے ہوئے اس نے میز سے اپنا موبائل اٹھایا۔ پھر والٹ سے چند نوٹ نکال کے ادھ پیئے کافی کپ کے ساتھ رکھے۔ والٹ جیب میں رکھا۔ جیسے غائب دماغی سے یہ کر رہا ہو۔

وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوئے۔ وہ اس کے ساتھ سے گزر کے آگے بڑھا لیکن قدم زنجیر ہو گئے۔ وہ اب اس کے کندھے کے برابر کھڑا تھا۔ وہ دونوں مخالف سمتوں میں دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے جانے کی منتظر تھی۔ اور وہ اس کے روکنے کا۔

''زندگی میں کبھی ضرورت پڑے...''

''نہیں پڑے گی۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''... تو تم مجھے پکار سکتی ہو۔ میں آ جاؤں گا۔'' ذرا دیر کو ٹھہرا۔ ''لیکن تمہارے پکارے بغیر میں کبھی نہیں آؤں گا۔''

اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ بہت سے فاصلے خود بخود عبور ہو گئے۔ کشمالہ نے رکی ہوئی سانس بحال کی۔ وہ اب دور جا رہا تھا۔ وہ اس کے قدم سن سکتی تھی۔ اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ دل اس کے ہر قدم کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔

ایک۔ دو۔ تین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ریستوران کی لکڑی کی سیڑھیاں اترنا ماہر فرید کے لیے سب سے تکلیف دہ کام تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کی سماعتیں اوپر کھڑی کشمالہ مبین پہ لگی تھیں۔ شاید وہ اسے پکارے۔ شاید ایک دفعہ۔

لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس کے بھاری بوٹ نیچے اترتے گئے۔

ایک زینہ۔ دوسرا زینہ۔ پاتال تک کا سفر تھا۔ بدقت کٹ ہی گیا۔

وہ ریستوران کے سامنے باہر نکل آیا۔ باہر تیز دھوپ تھی۔ سورج عین سر پہ چمک رہا تھا۔ اس نے کالر کا اوپری بٹن کھول دیا۔ گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔

''م.... مجھے آج کی کوئی فلائٹ بک کروا دو۔ کمرشل۔ اکانومی۔ واٹ ایور۔ مجھے واپس پہنچنا ہے۔'' وہ فون پہ کہہ رہا تھا۔ انگلیوں بے چین تھیں۔ بہت عرصے بعد شدت سے محسوس ہوا تھا کہ اس کے ہاتھوں کو سگار چاہیے۔ لیکن اس نے سگار چھوڑ دیا تھا۔

اور جسے چھوڑ دیا' اسے چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کے بعد وہ ریستوران واپس جا کے رنگوں کو ہاتھ نہیں لگا سکی۔ بس جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹیں۔ جوتوں کا ڈبہ اور چاکلیٹس اٹھائیں۔ ٹپ ٹپ بہت سے قطرے چاکلیٹس کے ڈبے پہ گرنے لگے۔ اس نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی اور آنکھیں رگڑتی ہوئی باہر نکل آئی۔

وہ ایک دھوکے باز آدمی تھا۔ میں چند دن میں اس کو بھول جاؤں گی۔

وہ بے توجہی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں۔

کاش تم نے مجھ سے پہلے دن سے سچ بولا ہوتا' کیف۔ آدھے جھوٹ۔ ادھورے سچ۔

کار گھر کے قریب ایک سگنل پہ رکی ہوئی تھی اور وہ آنکھیں بند کیے سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے ہوئے تھی۔ آنسو ٹپ ٹپ گرتے جا رہے تھے۔

کھڑکی کا شیشہ بجا تو وہ ایک دم سے ڈر گئی۔

باہر ایک بچہ کھڑا تھا۔ مالا کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ بٹن دبایا۔ شیشہ نیچے ہوتا گیا۔

''آپ مالا باجی ہیں نا۔'' وہ مسکرایا۔ وہ پٹھان بچہ تھا۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں۔ ایسی سبز آنکھیں جو مغربی فوٹو گرافرز اپنا کیریئر بنانے کے لیے شوٹ کرتے ہیں۔

''ہاں۔ اور تم؟'' اس نے جلدی سے گیلے رخسار رگڑے۔

''میری امی آپ کے سامنے والے گھر میں کام کرتی ہے۔ میں یہ بناتا ہوں۔'' اس نے موتیے کے بنے گجرے سامنے کیے۔

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

''میری ماں کے لیے۔'' اس نے پیسے دیے اور گجرے تھام لیے۔ آنکھیں بند کر کے ان کی خوشبو کو سونگھا۔ اندر تک جیسے ایک تازگی سی اترتی گئی۔

''مالا باجی آپ پینٹنگ کرتی ہیں؟''

بتی ابھی سرخ تھی اور وہ کھڑکی سے لٹک کے اندر جھانک رہا تھا۔

''ہاں کیوں؟ تمہیں رنگ اچھے لگتے ہیں؟'' اس نے گجرے فرنٹ سیٹ پہ رکھے۔ ساتھ ہی چاکلیٹس کا باکس رکھا نظر آ رہا تھا۔ بچے کی نظر چاکلیٹس پہ گئی اور پھر واپس اس تک۔

''جی۔ آپ کے پاس فالتو رنگ ہوں تو مجھے دے دینا۔'' بتی زرد ہو گئی۔

''یہ بھی فالتو ہیں۔ لے جاؤ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے چاکلیٹس کا باکس اٹھایا اور اسے تھما دیا۔ بچے کے چہرے پہ پہلے شاک ابھرا اور پھر.. لامحدود خوشی۔ اس نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ چاکلیٹس نہیں کھاتی تھی۔ اور آج تو شاید وہ کچھ نہیں کھا سکے گی۔ طبیعت عجیب مکدر ہو رہی تھی۔

میں اسے بھول جاؤں گی۔ بس چند دن کی بات ہے۔ مجھے اپنے کام پہ فوکس کرنا ہے۔ ماں کو توجہ دینی ہے۔

وہ زیر لب بار بار دہرا رہی تھی۔

''کیا وہ میرا تعاقب چھوڑ دے گا؟'' دل سے ایک ڈری سہمی آواز سنائی دی۔

''ہاں۔ وہ کسی اور لڑکی کی طرف بڑھ جائے گا۔'' دماغ نے سمجھایا۔ ''اس کے پاس لڑکیوں کا پورا البم تھا۔''

اور یہ آواز دل کا بوجھ سرکانے لگی۔ اس نے زور سے آنسو رگڑے۔

وہ کس آدمی کا غم لے رہی تھی؟ ماہر فرید کی دنیا الگ تھی۔ وہ پرفیکٹ زندگی سے اٹھ کے آیا تھا۔ اس کو کیا معلوم کہ چہروں کی رنگت اور داغوں والے نامکمل لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ کیسے وہ اپنے وجود کے سارے حصوں کو جوڑ کے بدقت خود کو اس مقام تک لاتے ہیں۔ اس کے کشمالہ مبین اور زیاد سلطان جیسے کمپلیکسز کہاں ہوں گے۔

امیر لوگ۔ الگ دنیا۔ انہیں ہائی ہیلز کا ایک جوڑا لینے کے لیے بڑے بڑے فیصلے نہیں کرنے پڑتے۔

اس نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ اسے بھول جائے گی۔ بس چند دن لگیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند دن بعد...

سریار (استنبول) کی اس اونچی عمارت کا ٹاپ فلور روشن تھا۔ اپارٹمنٹ کی اونچی کھڑکیوں کے باہر ایک ٹیرس بنا تھا جس کے چھجے سے برقی قمقمے لہروں کی صورت لٹک رہے تھے۔

ٹیرس پہ ایک کاؤچ رکھا تھا جس پہ ماہر بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ پیر لمبے کر کے قیمتی صورت سامنے اسٹول پہ جمار کھے تھے۔ اور وہ خاموشی سے نیچے نظر آتی سڑک اور اس کے پار بہتے بوسفورس کو دیکھ رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں بوسفورس کنارے کھڑکی کشتیوں کی بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ کہیں سے ہلکی سی موسیقی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس پرسکون ماحول میں خلل دستک نے ڈالا۔ اس نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ٹیرس سے اندر کھلتے دروازے کی چوکھٹ میں بیربل کھڑا تھا۔ ٹی شرٹ ٹراؤزر پہنے' گھنگھریالے بال ماتھے پہ بکھیرے وہ تازہ دم سا نظر آ رہا تھا۔

''جب سے واپس آئے ہو اسی طرح خاموش ہو۔ لیکن آج نہیں رہو گے۔'' وہ مسکرایا اور اندر لاؤنج کی طرف

اشارہ کیا۔

''چنگیز تم سے ملنے آیا ہے۔''

ماہر کے ابرو اکٹھے ہوئے۔''اسے اس وقت کس نے بلایا ہے؟''

''میں تو اسے جانتا ہی نہیں ہوں۔ پتہ نہیں کون ہے۔ خود ہی اندر گھس آیا۔'' بیربل تیزی سے ایک طرف ہوا اور نووارد کو راستہ دیا۔

''ماہر آفندی... کہاں گم ہو؟'' بھاری آواز میں اس کا احوال پوچھتا ایک آدمی ٹیرس پہ آیا۔ اس نے کالر والی شرٹ پہن رکھی تھی جس کے اوپری بٹن کھلے تھے اور گردن میں جھولتی سلور چین جھانک رہی تھی۔ انگلیوں میں بھی دو تین سلور انگوٹھیاں تھیں۔ وہ چوڑے کندھوں والا اونچا لمبا سا مرد تھا جس کو دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا وقت تھانے سے زیادہ جم میں گزرتا ہے۔ چہرے پہ تراشیدہ مونچھیں اور ایک بے تکلفانہ مسکراہٹ تھی۔

ماہر نے پہلے اسے دیکھا۔ پھر ایک تیز نظر ریلنگ کے ساتھ کھڑے بیربل پہ ڈالی۔ اس نے فوراً لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔

''واللہ میں اس آدمی کو پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔''

چنگیز نے ہاتھ جھلا کے اسے ہٹنے کا اشارہ کیا اور کاؤچ کے دوسرے کنارے پہ جا بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمالی اور بغور اپنے بائیں ہاتھ بیٹھے ماہر کو دیکھا جس کے چہرے پہ اب صرف اکتاہٹ تھی۔

''کیسی محبت تھی تمہاری؟ لڑکی کے پیچھے گئے مگر خالی ہاتھ آ گئے۔ چچ۔'' مایوسی بھری خفگی سے شکوہ کیا۔ بیربل نے بے اختیار ماتھا چھوا۔ ماہر کے دوست بھی اس جیسے تھے۔

''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ آواز ہلکی تھی۔

''لیکن ہم کرنا چاہتے ہیں۔'' چنگیز کا لہجہ خفا خفا سا تھا۔''بلکہ پہلے بتاؤ اپنے اس روبوٹ چچا کی خبر لی جس نے اس کا ریستوران بکوایا تھا؟''

ماہر نے جواباً تیز نظروں سے بیربل کو گھورا۔ وہ بہت مصروف سا اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔

''مالک نے کسی وجہ سے یہ بات مجھ سے چھپائی ہے۔ اس سے پوچھنے کا فائدہ نہیں ہے۔ میں اب صرف اس پہ خاموشی سے نظر رکھے ہوئے ہوں۔ مجھے اس کے خود سے بولنے کا انتظار ہے۔''

''تمہارا چچا مجھے مشکوک لگتا ہے' ماہر۔''

''تمہیں تو ہر آدمی مشکوک لگتا ہے۔'' بیربل بدمزہ ہوا۔ ''مانا کہ وہ روبوٹ ہے' بیٹری سے چلتا ہے' لیکن وہ ماہر سے واقعی محبت کرتا ہے۔ وہ اس کو ایسے دھوکہ نہیں دے گا۔ کوئی وجہ ہوگی۔''

چنگیز نے گھور کے ریلنگ کے ساتھ کھڑے بیربل کو دیکھا۔

''میں ہومی سائیڈ (قتل) ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا ہوں' بیربل۔ ستر فیصد قتل کیسز میں قاتل قریبی فرد نکلتا ہے۔''

''اور باقی چالیس فیصد تم سے حل نہیں ہوتے ہوں گے۔''

''جاؤ یار... کوئی چائے قہوہ پلاؤ۔'' اس نے ہاتھ جھلا کے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ماہر کو تشویش سے دیکھا۔ وہ اسی انداز میں بیٹھا نیچے بوسفورس کے سیاہ پانیوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اور تم مجھے یہ سمجھاؤ کہ کون سا مرد صرف ایک دفعہ کہنے پہ کسی عورت کو چھوڑ سکتا ہے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کون سا مرد کسی عورت کے کہنے پہ اسے چھوڑ کے چلا جاتا ہے' مالا۔'' موسیقی کے شور میں صفورا اس کے کان کے قریب زور سے بولی تھی۔ ''عورت چھوڑ سکتی ہے۔ لیکن مرد اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتے۔''

وہ دونوں اس وقت مہندی کے ایک فنکشن میں موجود تھیں۔ لاہور شہر سے ذرا باہر ایک فارم ہاؤس پہ مالا کی ایک کلاس فیلو کی مہندی منعقد کی گئی تھی۔ اونچے مارکی کی چھت فانوسوں اور گیندے کے پھولوں سے ڈھکی تھی۔ ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ روشنیاں۔ رنگ۔ چمکتے دمکتے لوگ۔

کشمالہ بڑے دن بعد ماں کو بخت بی اور معید کے پاس چھوڑ کے کسی فنکشن میں آئی تھی۔ مغرب ڈھل کے رات میں بدل چکی تھی۔ مہندی کا فنکشن لاہور کی دوسری مہندیوں سے مختلف نہ تھا۔ خواتین ہوں یا مرد' سب کا فوکس ایک ہی تھا۔

تصاویر اچھی آنی چاہیے ہیں۔

چاہے حقیقت جیسی بھی ہو' سب کو تصاویر میں پرفیکٹ نظر آنا تھا۔ بڑی بڑی فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی کمپنیز ہائر کی گئی تھیں جو اس فنکشن کی عکس بندی کر رہی تھیں۔ لائٹنگ سے لے کر ہیش ٹیگ تک' سب کچھ انسٹاگرام پہ اپ لوڈنگ کے لحاظ سے تیار کیا جا رہا تھا۔

لاہور کی اپر مڈل اور اپر کلاس کے ہاں اب شادیوں پہ انڈین ڈیزائنرز کو پہننے کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ہر دوسری دلہن سابیا ساچی' ابھینو مشرا اور منیش ملہوترا وغیرہ کی لہنگا چولی پہنتی نظر آتی تھی۔ یہ ملبوسات بھاری کسٹم ڈیوٹی ادا

کر کے بذریعہ وہی منگوائے جاتے تھے۔

پھر ہر مہندی یا شیندی پہ رقص کے مقابلے ہوتے تھے۔ وہ زمانے گئے جب لاہور کی مہندیوں پہ ڈانس ویڈیوز بنانے سے منع کیا جاتا تھا۔ اب نہیں کیا جاتا۔ اب لاہور ہو یا استنبول' انسانوں کی اکثریت کو مشہور ہونے کا شوق ہو چلا تھا۔ شادی کتنے دن تک سوشل میڈیا پہ ٹرینڈ کرے گی' کس کی ویڈیو وائرل ہو جائے گی' اب ایک مقابلہ تھا۔

ایسے میں وہ دونوں تصاویر اور برانڈز کی اس مقابلے بازی سے دور ایک اونچی میز کے گرد بیٹھی تھیں۔ صفورا نے ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اور وہ آج اپنے باس گرل حلیے سے مختلف نظر آ رہی تھی۔ مالا البتہ سادگی سے تیار ہوئی تھی اور اس چیز نے صفورا کو چونکایا تھا۔ اس کے لمبے بال ایک شانے پہ آگے کو سمیٹے ہوئے تھے۔ کانوں میں جھمکے تھے اور لباس آنکھوں جیسے سبز رنگ کا تھا۔ صرف مقیش کے جھلملاتے ہوئے سبز دوپٹے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مہندی کے فنکشن میں آئی ہے۔ ورنہ چہرے پہ میک اپ نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک اداسی سی تھی جو اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

''میں بتائے دے رہی ہوں' مالا۔ وہ سائیکو ہے۔ اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑے گا تمہارا۔''

موسیقی کے بے ہنگم شور پہ صفورا اس کے کان کے قریب زور سے بولی۔

کشمالہ چہرہ اٹھا کے چھت سے لٹکتے گیندے کے پھول دیکھنے لگی۔ دونوں ہاتھ باہم پھنسائے' وہ انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ صفورا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا تم پچھتا رہی ہو؟''

''میں نے غلط تو نہیں کر دیا؟''

''دماغ درست ہے تمہارا؟'' صفورا نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ''وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ اس نے تمہارا ریستوران چھینا' کیف کو ڈرایا دھمکایا' پھر تمہاری زندگی میں داخل ہو کے تمہیں دھوکہ دیا۔ تمہیں تو اس کو پولیس کے حوالے کرنا چاہیے تھا۔ بہت سستے میں چھوڑ دیا۔''

مالا نے نظریں فانوسوں سے ہٹا کے صفورا کے چہرے پہ مرکوز کیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک تذبذب سا تھا۔

''کیا معلوم اس کی بہن واقعی لاپتہ ہو۔ اور وہ یہ سب اس کو ڈھونڈنے کے لیے کر رہا ہو۔'' وہ ایک انگلی گردن میں جھولتی چین پہ پھیر رہی تھی۔

''بہن لاپتہ ہے تو پولیس سے بات کرے نا۔ تم پولیس ہو کیا؟ اف کشمالہ۔'' صفورا نے ماتھے کو چھوا پھر فکرمندی

سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''وہ تمہارے ذہن کو چکر دے رہا ہے۔ ایسے لوگ بہت شاطر ہوتے ہیں۔ تم نے اس کی کہانی میں نہیں آنا۔ سب جھوٹ ہے۔ ہمدردی لینے کے بہانے ہیں۔''

''لیکن اگر اس کی بہن واقعی کسی مصیبت میں ہوئی؟'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''وہ ایک گیارہ سال کی بچی ہے۔ اگر میں اس کی مدد نہ کر سکی تو میں خود کو کیسے معاف کروں گی؟''

''میں نے معلوم کروایا ہے یار۔ اس کی بہن مر چکی ہے۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کا جنازہ بھی ہوا تھا اور قبر بھی موجود ہے۔''

وہ خاموشی سے سر جھکائے لب کاٹنے لگی۔ صفورا نے گہری سانس لی اور اس کی طرف جھکی۔

''تم اس کی بہن کو جانتی ہو؟ یا اس کے اغوا کار کو؟''

اس نے جھکے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

''پھر تم کچھ نہیں کر سکتی۔ بالفرض یہ سچ ہو تب بھی یہ ماہر فرید کا اپنا مسئلہ ہے۔ تمہیں اس آدمی کو اپنے ذہن سے نکالنا ہے۔'' صفورا نے توقف کیا۔

''اور دل سے بھی۔''

کشمالہ نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ پھر اس کے چہرے پہ برہمی ابھری۔

''کتنی دفعہ بتاؤں، مجھے اس سے کوئی محبت وغیرہ نہیں ہے۔''

''پھر کیا ہے جو تمہیں اتنا بے چین رکھے ہوئے ہے؟ وہ جب سے گیا ہے تم ڈسٹرب ہو۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم جب سے آئے ہو ڈسٹرب ہو۔ ہم سے بات کرو یار۔''

ٹیرس کی خاموشی میں چنگیز کی فکرمند آواز گونجی۔

''کیوں بات کروں؟'' کاؤچ پہ نیم دراز ماہر ہنوز بوسفورس کے کنارے کھڑی چھوٹی کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔

''تاکہ تمہارا دل ہلکا ہو۔''

''ہاں اور آدھے شہر کو خبر ہو جائے۔'' ایک گھورتی ہوئی نظر سامنے قہوے کی ٹرے رکھتے بیربل پہ ڈالی۔

''وہ تمہارے لیے پریشان ہے، ماہر۔''

اور پریشان ڈھٹائی سے دانت نکالتے ہوئے اسٹول پہ بیٹھ گیا۔ ایسے کہ اس کی ریلنگ کی طرف پشت تھی اور وہ

دونوں اس کے سامنے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں۔ کام کر رہا ہوں۔ روز آفس جاتا ہوں۔ اور کیا کروں؟''

''کیا تم دوبارہ اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟'' چنگیز آگے بڑھا اور مٹھی میں شکر کی دو ڈلیاں اٹھائیں۔

''وہ میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔ اور وہ اس کے ساتھ خوش تھی۔''

شکر کی ڈلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے سرخ چائے میں جا گری۔ چنگیز کے ساتھ ساتھ بیربل بھی چونکا۔

''وہ کون؟ زیاد؟''

ماہر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''وہ پھر سے درمیان میں آ گیا؟'' بیربل کو جیسے بہت برا لگا تھا۔

''وہ درمیان سے کبھی نہیں جائے گا۔'' کچھ تھا اس کی آواز میں۔ شکست خوردہ سا۔ ٹوٹا ہوا۔

بیربل اور چنگیز نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر اسے۔

''کیا وہ اس کو پسند کرتی ہے؟''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ نیچے دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں کا محور بنی کشتی میں دو لوگ بیٹھے کچھ گنگنا رہے تھے۔ ان کے لوک گیت کی آواز خاموش رات میں ترنم بکھیر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''پھر تم کسے پسند کرتی ہو؟ زیاد کو؟'' موسیقی کا بے ہنگم شور مزید بلند ہو رہا تھا۔ صفورا کو اپنی کرسی اس کے قریب کھینچنی پڑی۔

''ہاں۔ شاید۔ زیاد بہت سچا اور سادہ انسان ہے۔'' وہ سوچ کے بتا رہی تھی۔ ''میں اس کے لیے وہی کشش محسوس کرتی ہوں جو کوئی بھی لڑکی ایسے مرد کے لیے کرتی ہے جس کے ساتھ وہ واقعی شادی کرنا چاہتی ہو۔ اس کا مجھ سے ملنا' بات کرنا' مجھے سب اچھا لگتا ہے۔''

''اور اس سائیکو پیتھ کے لیے کیا محسوس کرتی ہو؟''

گردن میں پڑی چین پہ چلتی اس کی انگلی رک گئی۔ آنکھوں میں کچھ ابھر کے ڈوب گیا۔

''وہ میرا دوست تھا۔ محافظ تھا۔ اس کے ساتھ کشش والا احساس نہیں تھا۔ بس کچھ مختلف تھا۔ میں اس پہ اعتبار

کرتی تھی اور وہ میری حفاظت کرتا تھا۔ اور پھر نہ اعتبار رہا نہ حفاظت۔'' اس شام پہلی دفعہ صفورا کو اس کے چہرے پہ سرخی نظر آئی۔ بے بسی۔ غصہ۔ ''اس نے میرے ساتھ بہت غلط کیا۔ وہ وہ تھا ہی نہیں جو میں اسے سمجھتی تھی۔''

''وہ نہ تمہاری حفاظت کر رہا تھا نہ اعتبار کے قابل تھا' مالا۔'' صفورا اسے سمجھا رہی تھی۔ ''میں اس وقت تمہیں اس سے نہیں بچا سکی لیکن اب میں بچانا چاہتی ہوں۔ ایسے مرد بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ اس نے پہلے تمہارا اعتماد جیتا۔ پھر وہ تمہارے گھر میں رہنے لگا۔ پھر تمہیں اپنا عادی بنا کے وہ جان بوجھ کے چند دن کے لیے غائب ہو گیا تاکہ تم اس کو مس کرو۔ آخر میں بھی اس نے جھوٹ بولا کہ کراچی جا رہا ہے۔''

''اگر اس روز میں تم سے بات نہ کرتی تو ہم اس کی حقیقت کبھی نہ جان سکتے۔'' اسے یاد آیا۔ ماتھے پہ لکیریں ابھریں۔

''یہی میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس نے تمہیں اپنی حقیقت نہیں بتائی۔ تم نے اس کا جھوٹ خود پکڑا تھا۔ اب وہ اعتراف کرے' معافی مانگے یا اپنی بہن کی کوئی کہانی سنائے' کیا فائدہ؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''اگر تم اسے اپنے منہ سے اپنی حقیقت بتا دیتے تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا۔'' چنگیز افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایک کیک بنانے والے آدمی نے کہا تھا کہ ایسا نہ کرو۔ لیکن نہیں۔'' بیربل کی زبان پھسلی۔ چنگیز نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ وہ خاموش ہو گیا۔

''میں کب انکار کر رہا ہوں کہ میں نے غلط نہیں کیا۔ مجھے اپنی غلطیاں درست کرنی نہیں آتیں اور اسے معاف کرنا نہیں آتا۔''

''محبت میں انسان سب کچھ کر لیتا ہے' ماہر۔ مجھے سمجھاؤ کہ تم اسے چھوڑ کے کیوں آ گئے؟''

ماہر فرید نے پہلی دفعہ چہرہ موڑ کے قریب بیٹھے چنگیز کو دیکھا۔ پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟''

''یہ تمہاری جگہ ہوتا تو زیادہ کسی مقدمے میں اندر کروا چکا ہوتا۔'' بیربل زور سے ہنسا۔

ان دونوں نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے چہرے کے زاویے سیدھے کیے۔

''اوکے اوکے میں چپ ہوں۔'' ہونٹوں پہ زپ کی لکیر کھنچی۔

''میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس لڑکی سے معافی مانگتا۔ بار بار اس کے پیچھے جاتا۔ اس کا دل جیتنے کی کوشش کرتا۔ اظہارِ محبت کرتا۔ کوئی تحفہ دیتا۔'' پھر سر کو اعترافی انداز میں خم دیا۔ ''اور زیادہ کوئی مقدمے میں اندر کروا دیتا۔''

''یہ ہوتی ہے محبت۔'' بیربل نے ہاتھ ماتھے پہ لے جا کے سلیوٹ کا اشارہ کیا۔ ماہر نے بغور اسے دیکھا۔

''یقیناً تم بھی یہی کرتے۔ اس کے پیچھے پڑے رہتے یہاں تک کہ اس کی ناں ہاں میں بدل جائے۔''

''لڑکیوں کی ناں کا مطلب ہوتا ہے کہ کچھ دن میرے پیچھے بھاگو اور پھر میں مان جاؤں گی۔'' چنگیز نے شانے اچکائے اور پیالی سے گھونٹ بھرا۔ بیربل نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

اس نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

''کس نے سکھایا ہے تمہیں یہ؟''

''کیا؟''

''یہی کہ ناں کا مطلب ناں نہیں ہوتا؟ فلموں نے؟ کہانیوں نے؟ ہوں؟'' ماہر نے پیر نیچے اتارے اور ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔ پھر شیشے کی کیتلی سے سرخ چائے اپنی پیالی میں ڈالنے لگا۔

''میں نے ہر جگہ یہی ہوتے دیکھا ہے' دوست۔ شروع میں لڑکیاں نخرے کرتی ہیں۔ پھر مان جاتی ہیں۔''

''تمہارے پولیس اسٹیشن میں ہومی سائیڈ (قتل) ڈیپارٹمنٹ کس فلور پہ ہے؟''

''چوتھے۔''

''کبھی دو فلورز نیچے جاؤ۔ اسالٹ اور بیٹری (مار پیٹ) ڈیپارٹمنٹ میں۔ تمہیں وہاں بہت سے ایسے ٹاکسک بوائے فرینڈز اور شوہر قید ملیں گے جنہیں ناں کو ہاں میں بدلنے کا خبط تھا۔'' وہ چائے کی دھار پیالی میں انڈیل رہا تھا۔ وہ دونوں بالکل خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

''جو مرد عورت کے ناں کہنے کے باوجود اس کو ہاں میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں' وہی ٹاکسک پارٹنرز بنتے ہیں۔'' اس نے گرم پیالی اٹھائی اور پیچھے ہو کے بیٹھا۔ پھر ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ ''اور میں ایسے مردوں میں سے نہیں ہوں۔''

''لیکن اپنی محبت کے لیے کوشش تو کرنی چاہیے۔''

''کوشش کرنے ہی واپس گیا تھا۔ کوشش ایک دفعہ ہوتی ہے۔ یا دو دفعہ۔ بار بار تعاقب ہوتا ہے' بیربل آفندی۔'' اس نے رک کے گرم چائے کا گھونٹ بھرا۔ وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔

''ایک مرد کو عورت کے انکار کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر وہ کہے اس کی زندگی سے نکل جاؤ' تو نکل جانا چاہیے۔''

''لیکن ہو سکتا ہے وہ لڑکی ناں کہہ کے اپنا نقصان کر رہی ہو۔ تم اس کے لیے بہترین انتخاب ہو۔ پھر؟'' بیربل کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

''مرد عورت کی طرف سے فیصلہ نہیں لے سکتا۔ وہ اپنے ساتھ بھلائی کرے یا نقصان' یہ فیصلہ اس عورت کا ہونا چاہیے۔ کسی مرد کو کسی عورت کے انکار کو اقرار میں بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کم از کم ماہر فرید ایسا مرد نہیں بن سکتا۔''

''بالفرض...'' چنگیز کھنکھارا۔ ''وہ کسی غلط آدمی سے شادی کر لیتی ہے اور کئی برس بعد اسے احساس ہوتا ہے کہ اس نے غلط کیا۔ تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا۔''

''ہم سب اپنے حصے کی غلطیاں کرتے ہیں' کومسار بے۔ یہ اس کے حصے کی غلطی ہو گی۔ میں نے جسے چھوڑ دیا۔ اسے چھوڑ دیا۔'' وہ پھر سے نیچے کشتیوں کو دیکھنے لگا تھا۔ ان میں لگے رنگ برنگے قمقمے روشن تھے۔

چنگیز اور بیربل نے افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر اس کو۔ نیم روشن میرس میں اس کے چہرے کی تکلیف واضح تھی۔

''لیکن تم دکھی ہو۔''

''ظاہر ہے میں دکھی ہوں۔ یہ میرے حصے کا دکھ ہے۔ مجھے کاٹنا ہے۔'' اس نے چائے کا ایک اور گھونٹ بھرا۔ آواز آہستہ تھی۔

''کیا معلوم وہ پچھتا رہی ہو۔'' بیربل سے اس محبت کی کہانی کا یہ انجام برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ ''اتنے دن ہو گئے ہیں۔ کال کر کے اس کی خیریت ہی پوچھ لو۔''

ماہر نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ لبوں پہ وہی اداس مسکراہٹ تھی۔

''پچھتائے گی تو خود کال کرے گی۔ میں پیچھے جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

اور اسی لمحے جیب میں رکھے فون میں تھرتھراہٹ ہوئی۔ ماہر فرید نے عام سے انداز میں موبائل نکالا۔

گرین آئیز کالنگ۔

اسکرین پہ یہ الفاظ چمک رہے تھے۔

لمحے بھر کے لیے بوسفورس کے کنارے پھیلی ساری دنیا رک گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ہاں۔اب کیا فائدہ۔'' وہ مہندی کی رونق پہ نظریں جمائے بڑبڑائی۔''خود سے اس نے کبھی سچ نہیں بولا۔ ہمیشہ جھوٹ کہا۔ باتیں چھپائیں۔ میں بھی کس کا غم لیے بیٹھی ہوں۔''

''غم کے ساتھ غصہ بھی ہے۔ تمہیں اس غصے کو باہر نکالنا ہے تاکہ تمہیں closure ملے۔''

''کیسے؟'' وہ اس کی طرف جھک کے اونچی آواز میں بولی۔

''اسے کال ملاؤ۔ ابھی۔ اور اس کو بہت سی گالیاں دو۔''

اسی پل میوزک بند ہو گیا۔ صفورا نے جلدی سے آواز نیچے کی۔ گالیوں کے لفظ پہ ساتھ سے گزرتے چند افراد نے مڑ کے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں اس کو مر کے بھی کال نہیں کروں گی۔'' وہ تیزی سے بولی۔ چہرے کی رنگت سرخ ہوئی۔

''پھر اس کو ذہن سے نکال دو۔ کھرچ دو۔''

مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ صفورا کی بات اس کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

''جو شخص اتنے جھوٹ بول سکتا ہے' وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اور مجھے انسانوں کی پہچان کہاں ہے۔''

اس سے پہلے کہ صفورا جواب دیتی' اس کے بچوں کی مینی اسے بلانے چلی آئی۔ اس کی بیٹی رو رہی تھی۔ صفورا اپنا کاؤنسلنگ سیشن بھول کے ساڑھی سنبھالتی فوراً اس طرف لپکی۔ مالا نے سر دائیں سے بائیں ہلایا۔ بچوں کی مائیں۔ اُف۔

''کشمالہ...'' چوڑیوں کی کھنک۔ جھمکوں کی چھنکار۔ چہکتی آواز۔ وہ اس طرف پلٹی اور مسکرا دی۔

سامنے رامین کھڑی تھی۔ اس کی سب سے خوبصورت کلاس فیلو۔ وہ یونیورسٹی میں سب سے زیادہ تیار ہو کے آتی تھی۔ کلاس فیلو سے شادی ہوئی اور آج تک وہ ویسی ہی نک سک سے تیار ہوتی تھی۔ انسٹاگرام پہ ان کا پرفیکٹ کپل گاہے بگاہے نظر آ جاتا تھا۔

''مالا... مجھے بہت افسوس ہوا سن کے...'' رامین حال احوال کے بعد کہنے لگی۔

''اب ماں بہت بہتر...''

''تمہاری جاب اور کیریئر ... سب ختم ہو گیا۔ سو سوری۔ ظہیر نے بالکل اچھا نہیں کیا۔'' اسی پل کسی نے میوزک پھر سے آن کر دیا تھا۔ کانوں کے پردے پھاڑتی آواز کے باوجود رامین کی ''چیچ'' دب نہ سکی۔

کشمالہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ لب کھولے لیکن پھر گہری سانس لی۔ بہت سے الفاظ روک لیے۔ وہ ماہی نہیں تھی جو منہ توڑ جواب دے دیتی۔ وہ مالا تھی۔

''تھینک یو۔ ایکسکیوزمی۔'' وہ پرس اور موبائل اٹھائے آگے بڑھ گئی۔ ایک دم تنفس بے ربط سا ہو گیا تھا۔ بال کی دیواریں تنگ ہو گئی تھیں اور آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

(کیا یہ تمہارا defense mechanism ہے؟ سامنا کرنے کی بجائے فرار اختیار کرنا؟)

خاموش ہو جاؤ۔ اس نے ذہن میں ابھرتی آوازوں کو ڈپٹا۔ ذرا دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر دل نے سرگوشی کی۔

کیا واقعی یہ تمہارا defense mechanism ہے؟ کیا اسی لیے تم ماں کو چھوڑ کے اسلام آباد چلی گئی تھیں؟

وہ پینسل ہیلز سے چلتی ہوئی مارکی کے واش رومز کی طرف آ گئی۔

پہلے ایک بڑا سا Powder Room بنا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ سنک کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور دیوار گیر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

(میں بھی کس کا غم لے رہی ہوں۔ ایسے شخص کا جس نے مجھے جاب لیس کیا۔ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔)

کم مائیگی کا احساس' رامین کی نظریں' سب جیسے دل میں گڑ گیا تھا۔ اس نے نل کھولا اور ہاتھ نیچے کیے ہی تھے کہ ایک دم کسی نے اس کو گردن سے دبوچ لیا۔

چیخ کشمالہ کے حلق میں رہ گئی۔ اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ گردن پہ رکھے۔ وہ ایک بوڑھا ہاتھ تھا جس کی نسیں ابھری ہوئی تھیں۔ اور وہ اس کی گردن کو زور سے دبا رہا تھا۔ لیکن وہ ہاتھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے چیخنا چاہا' اس ہاتھ کو اپنے گردن سے کھینچنا چاہا' لیکن ساری ہمت ختم ہو چکی تھی۔

ایک جھٹکے سے نادیدہ ہاتھ نے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ زور سے اوندھے منہ نیچے جا گری۔ سر دیوار سے لگا اور لمحے بھر کے لیے ساری دنیا گول گول گھوم گئی۔

''ماں... ماں...'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں لیے دیوار کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔ تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔ اس نے گردن پہ ہاتھ رکھا۔ کچھ گیلا سا محسوس ہوا تھا۔ مالا نے ہاتھ اوپر کر کے چہرے کے سامنے کیے۔ بصارت دھندلی ہو رہی تھی کہ سر ابھی تک چکرا رہا تھا۔

اس کے ہاتھ پہ خون کا ننھا سا قطرہ تھا۔

وہ بدقت اٹھی اور سلیب کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔ جو کندھا دیوار سے لگا تھا وہ شدید درد کر رہا تھا۔ سر کے پیچھے بھی گومڑ سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں اور آئینے میں خود کو دیکھا۔

اس کی گردن سرخ ہو رہی تھی۔ اس پہ باقاعدہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کا نشان تھا۔ اور اس پہ کچھ اور بھی تھا۔ درمیان میں ایک جگہ ننھا سا کٹ جس سے دو تین قطرے خون بہا تھا۔ اس نے یاد کرنا چاہا۔ کچھ نوکیلا سا چبھا تھا اس کو۔ نہ جانے کیا تھا۔

مالا نے نل کھولا اور پانی ہاتھوں میں بھرا۔ پھر اسے چہرے پہ ڈالا۔ جلتی آنکھوں کو قدرے سکون ملا۔ پھر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ لیکن کوئی تھا۔

وہ تیزی سے دروازے تک آئی۔ ہینڈل گھمایا۔

وہ لاک تھا۔

کشمالہ مبین کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ اس نے زور سے ناب گھمایا۔ وہ جامد رہا۔

''کوئی ہے؟ ہیلو؟'' وہ زور زور سے دروازہ بجانے لگی۔ Powder Room کی دیواریں تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ گرمی۔ حبس۔ گھٹن۔

اتنے شور کے باوجود کسی کو اس کی آواز سن لینی چاہیے تھی۔ لیکن کوئی اس طرف نہیں آیا۔

اس نے اطراف میں دیکھا۔ دائیں بائیں۔ اپنے پیچھے۔ چہرے کی رنگت آہستہ آہستہ نچڑنے لگی۔

سلیب پہ اس کا پرس رکھا تھا۔ اس نے جلدی سے موبائل نکالا۔ سامنے واٹس ایپ انباکس کھلا تھا۔ اس کی انگلیوں نے دماغ سے رابطہ چھوڑ دیا۔ وہ خود بخود اسکرین پہ چلنے لگیں۔ ماہر فرید کے نمبر پہ وہ رکیں اور اسے کلک کیا۔ دوسری جانب گھنٹی جانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ موبائل اسکرین کو بجتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ دونوں اسے۔

''ایکسکیوزمی۔'' وہ تیزی سے موبائل لیے اٹھا اور اندر لاؤنج میں آیا۔

اسی پل موبائل خاموش ہو گیا۔ محض دو گھنٹیاں ہی ہوئی تھیں۔

اس کی انگلیوں نے بنا سوچے سمجھے کال بیک کا بٹن دبایا اور فون کان سے لگا لیا۔ ساری دنیا ساکت ہو چکی تھی۔ اس کو صرف اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز آ رہی تھی۔

کال آگے سے کاٹ دی گئی تھی۔ بے رحم سی ٹوں ٹوں بجنے لگی۔

ماہر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے ہاتھ نیچے گرا دیا۔

''خیریت؟'' اسے خاموش چہرے کے ساتھ باہر آتے دیکھ کے چنگیز نے پوچھا۔ ماہر نے سر جھٹکا۔

''شبنم تھی۔ شاید غلطی سے کال کی تھی۔'' اس کی آواز پست تھی۔ ان کو دیکھے بنا وہ واپس اپنی کرسی پہ بیٹھا۔ چائے کی پیالی کو دوبارہ نہیں چھوا۔ وہ دونوں آپس میں کوئی اور بات کرنے لگے۔ ماہر خاموشی سے موبائل اسکرین کو دیکھے گیا۔

وہ ننھا سا آلہ اب خاموش تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ میں کیا کر رہی ہوں؟ ابھی دو گھنٹیاں ہی گئی تھیں کہ اس نے جلدی سے کال کاٹ دی۔ پھر گھبراہٹ سے ماتھے کو چھوا۔ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا؟

ایک دم فون جگمگانے لگا۔ اسی نمبر سے کال آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اسے کاٹ دیا۔

کیا سوچتا ہو گا وہ؟ اتنے دھڑلے سے کہا تھا اسے نہیں بلاؤں گی۔ پھر؟ اُف مالا۔ اُف۔

اس کے اوسان اب بحال ہو رہے تھے۔ اس نے جلدی سے صفورا کو کال ملائی۔ طویل گھنٹیاں جانے لگیں۔ لیکن جواب ندارد۔

وہ ایک دفعہ پھر دروازے تک آئی اور زور سے اس کو بجایا۔ ہتھیلیاں اب سرخ پڑ کے درد کرنے لگی تھیں۔

کوئی کیوں نہیں آ رہا تھا؟ یا شاید... اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ گردن کی سرخی ہنوز برقرار تھی۔ شاید کوئی اس کی آواز کو دبا رہا تھا۔

کوئی ابھی بھی اس کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

اس نے جلدی سے سر پہ دوپٹہ لیا اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کے تیز تیز آیت الکرسی پڑھنے لگی۔ خوف' بے بسی' الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

کلک کی آواز آئی اور دروازہ کھلا۔ ایک لڑکی اپنا بچہ لیے مصروف سے انداز میں اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے دیکھتی کشمالہ اپنا پرس اٹھائے تیزی سے باہر لپکی۔

ہال میں آ کے اس نے چند گہرے گہرے سانس لیے۔ اردگرد بہت سے لوگ تھے۔ کیمروں کے فلیش لائٹ۔

ہنسی کی آوازیں۔وہ اپنے پیروں پہ گول گول گھومی۔

وہ اب بھی اس کے تعاقب میں تھا۔وہ شخص جس کے پاس اس کی تصویر تھی۔

''ماہر فرید کے پاس ایک البم تھا۔اس میں آپ کی تصویر تھی۔'' کیف جمال کا کہا گیا فقرہ ذہن میں گونجا۔

میں جس آدمی کا غم لیے بیٹھی ہوں' وہ اس عامل کے ساتھ ملوث ہے۔وہ زیرِلب بڑبڑائی۔بار بار اس کے جرائم یاد کرنے پڑتے تھے ورنہ دل ان کو بھلا دینے کے لیے تیار تھا۔

وہ تیز قدموں سے خارجی راستے کی طرف بڑھ گئی۔اسے گھر جانا تھا۔اور اسے معلوم تھا اسے گھر جا کے کیا کرنا ہے۔عامل اسے ڈرا کے کیا پیغام دینا چاہ رہا تھا' کشمالہ مبین کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بوسفورس کنارے ایک کشتی کے اندر دو لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔جیسے فوج کے بچھڑے دوست کافی عرصے بعد ملے ہوں۔ایک ترکش لوک گیت گنگنانے لگا اور دوسرے اس کو سن رہے تھے۔ان کی آوازیں چند منزلیں اوپر اس نیم روشن ٹیرس تک سنائی دے رہی تھیں۔

''وہ سمجھتی ہے تم اس عامل کے ساتھ ملوث ہو جس کو وہ خواب میں دیکھتی ہے؟'' چنگیز سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ترکش لوگوں کی مڈل کلاس کی اکثریت جادو' جنات اور نظر کو مانتی تھی۔اور وہاں جگہ جگہ ایسے hodja (مولوی) بیٹھے تھے جو جادو کا علاج کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔

''میں نے اسے بتایا ہے کہ وہ ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔لیکن وہ میرا یقین نہیں کرتی۔'' ماہر نے کافی دیر بعد فون اسکرین سے نگاہیں ہٹائیں۔شاید اب اس اسکرین کو روشن نہیں ہونا تھا۔

''تمہیں پہلے اس عامل کو ڈھونڈنا چاہیے تاکہ اسے بطور ثبوت اس کے سامنے پیش کر سکو اور....''

''چنگیز...'' ماہر نے آہستہ سے کہا۔''مجھے پہلے ہلال کو ڈھونڈنا ہے۔''

چنگیز اور بیربل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔پھر اس نے ہلکے سے سر جھٹکا۔

''آف کورس۔''

ٹیرس پہ خاموشی چھا گئی۔اوپر لٹکے قمقمے چپ چاپ اپنے نیچے بیٹھے تین نوجوانوں کے تاثرات پڑھ رہے تھے۔

''کیا اس نے واقعی زیاد کو اپنی زندگی سے نکال دیا ہے؟'' چنگیز نے پھر سے کوشش کی۔

''نہیں۔وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش نظر آ رہے تھے۔'' وہ موبائل کی بجھی ہوئی اسکرین دیکھ رہا تھا۔

''اپنی رقابت ایک طرف رکھ کے بتاؤ۔ وہ....(چنگیز نے بیر بل کو دیکھ کے دہرایا) ٹال' ڈارک اور ہینڈسم کیسا آدمی ہے؟''

''ہینڈسم نہیں ہے وہ۔'' ماہر نے زور سے موبائل میز پہ رکھا۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ بیر بل نے مسکراہٹ روکنے کے لیے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''اس کے علاوہ کوئی بری بات؟''

ماہر نے نیچے کھڑی کشتی کو دیکھا۔ وہ کنارے پہ پانی کے ساتھ ہلکا ہلکا سا جھول رہی تھی۔

''بس وہ مجھے نہیں پسند۔''

''ہو سکتا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوں' ماہر۔'' بیر بل کھنکھارا۔ ''شاید تمہیں ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے۔''

کچھ تھا بیر بل کے انداز میں کہ ماہر چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ ''دیکھو اگر دو لوگ آپس میں محبت کرتے ہوں تو ان کے درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

''اچھا' بیر بل آفندی؟'' وہ بغور اپنے بھائی کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''دو محبت کرنے والوں کو شادی کرنے کی مکمل آزادی ہونی چاہیے۔''

ماہر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھے گیا۔ بیر بل نظر ملائے بغیر کہے جا رہا تھا۔

''یہ ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنا لائف پارٹنر اپنی مرضی سے منتخب کرے۔''

چنگیز نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو ہو بیٹھا۔

''کھل کے بات کرو۔''

بیر بل نے تھوک نگلا۔ پھر مسکرا کے ان دونوں کو دیکھا۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

چنگیز کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ وہ حیران نہیں ہوا تھا۔ اس نے پیچھے کو ٹیک لگائی' سینے پہ بازو لپیٹے اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''اس دفعہ تم کس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟''

زور اس دفعہ پہ تھا۔

''اس کا نام حازان ہے۔ وہ میری بیکری سے صبح کافی لینے آتی ہے۔ ہم پہلے اچھے دوست بنے اور اب ہم شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ دونوں خاموشی سے سن رہے تھے۔ بیر بل کی آواز پر اعتماد ہونے لگی۔

''وہ خوبصورت ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔ (وہ کہہ رہا تھا اور ماہر انگلیوں پہ گن رہا تھا۔) اس نے لٹریچر میں ماسٹرز کیا ہے۔ اور...''

''اور لالچی ہے۔'' ماہر نے کھلے ہاتھ کی ایک انگلی بند کی۔

''اور چالاک بھی۔'' چنگیز نے اپنے ہاتھ کا انگوٹھا موڑا۔

''تمہاری دولت کے پیچھے ہے۔'' ماہر نے آخری انگلی مٹھی میں بند کی۔

''بلکہ تمہارے جیسے تین چار پھنسا رکھے ہوں گے۔ تم جلدی شادی پہ مان گئے۔ وہ مان نہیں رہے ہوں گے۔''

چنگیز نے ماہر کو دیکھا اور وہ دونوں بے اختیار ہنس دیے۔

بیر بل چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکا۔ پھر اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

''تم لوگ...'' اس نے مٹھی بھینچی۔ ''تم اس کو جانتے بھی نہیں اور...''

''وہ تمہیں جانتی ہے' بی؟'' ماہر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پیر جھلا رہا تھا۔ ''کیا اسے معلوم ہے کہ تمہارے پاس تمہارے باپ کی دولت اگلے چار سال تک نہیں آئے گی؟''

''اس کو اس سے فرق نہیں پڑتا۔''

''کیا وہ جانتی ہے؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''میں اسے بتا دوں گا۔'' بیر بل نے تھوک نگلا۔

''بتا دوں گا..'' ماہر ہلکا سا ہنسا۔ چنگیز نے بھی ہنس کے سر جھٹکا۔

''آہ بیر بل... تم کب سمجھو گے۔''

بیر بل نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ لب ایک دوسرے میں پیوست کیے۔

''تم لوگ بغیر کسی کو جانے یا سمجھے اس کے بارے میں اتنی گھٹیا سوچ کیسے رکھ سکتے ہو؟''

''چلو... جان لیتے ہیں۔'' ماہر مسکراہٹ دبا کے سیدھا ہوا۔ ''آج ہی اس کو اپنی حقیقت بتاؤ۔ پھر دیکھو وہ کیا کرتی ہے۔''

''میں بتاتا ہوں وہ کیا کرے گی۔'' چنگیز نے ہنستے ہوئے کیتلی اپنی پیالی میں پھر سے انڈیلی۔ سرخ دھار پیالی

میں گرنے لگی۔

''پہلے وہ کہے گی' مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' بیر بل...'' آواز باریک کرتے ہوئے شکردان کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''غم ہو یا خوشی' میں تمہارے ساتھ ہوں بیر بل۔'' ماہر نے شکردان اس کے سامنے کیا۔

''پھر وہ تمہارا فون اٹھانا کم کردے گی...'' چنگیز نے شکر کی دو ڈلیاں چائے میں گرائیں۔

''اس کے بعد ملنا کم کردے گی۔'' ماہر اب اسے چمچ اٹھا کے دے رہا تھا۔

''پھر کچھ دن بعد وہ کہے گی' اٹس ناٹ یو' اٹس می بیر بل۔ ہم اچھے دوست بن کے الگ ہو جاتے ہیں۔'' چنگیز آواز کو باریک کر کے کہہ رہا تھا۔ ماہر بے اختیار ہنس دیا۔

''اور اس کے بعد میرے یار...'' چنگیز نے اپنے بھاری ہاتھ سے سامنے بیٹھے بیر بل کا کندھا تھپکا۔ ''تم اگلی لڑکی کی طرف چلے جاؤ گے اور وہ اگلے شکار کی طرف۔''

بیر بل نے غصے سے اپنا کندھا پیچھے کیا۔ اس کا چہرہ لال بھوکا ہو رہا تھا۔

''تم دونوں...'' اس نے دانت کچکچائے۔ چنگیز چائے میں شکر مکس کر رہا تھا۔ اور ماہر... وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستا جا رہا تھا۔

''میں جس سے شادی کی بات کرتا ہوں' تم اس کے بارے میں یہی کہتے ہو ماہر۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولا۔

''کیا میں کبھی غلط ہوا ہوں؟'' ماہر نے انگلی کی نوک سے آنکھ میں آیا پانی صاف کیا۔

''اس دفعہ تم غلط ہو۔ میں ثابت کر کے دکھاؤں گا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ سب سے مختلف۔''

''مختلف۔'' میز پہ پھر سے ایک قہقہہ گونجا۔ بیر بل پیر پٹخ کے کھڑا ہوا۔

''تم دونوں مجھ سے اپنے الفاظ کے لیے معافی مانگو گے۔''

''دیکھتے ہیں۔'' ماہر نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ بیر بل چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔

''اللہ کرے' کشمالہ اس ہینڈسم زیادے سے شادی کر لے۔''

ماہر کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ بیر بل نے بے بسی سے چنگیز کو دیکھا۔

''اور اللہ کرے تمہاری بیوی کسی کے ساتھ بھاگ جائے۔''

چنگیز زور سے ہنسا۔ ''میری تو کوئی بیوی ہی نہیں ہے۔''

'' کیونکہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ چکی ہے۔'' وہ چلا کے بولا اور دھاڑ سے دروازہ کھول کے اندر چلا گیا۔ ان دونوں کا قہقہہ پھر سے گونجا تھا۔

فیضی حانم کچن فریج میں کچھ رکھ رہی تھیں۔ بیر بل گلابی چہرہ لیے ان کے سامنے رکا۔

''اگر صبح میں اپنے کمرے میں مردہ پایا جاؤں تو ان دونوں کو میرے جنازے پہ مت آنے دینا۔''

فیضی حانم نے چہرہ اٹھا کے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''مگر کل تو میری چھٹی ہے۔''

''اف...'' وہ پیر پٹخ کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دھاڑ سے دروازہ بند ہونے کی آواز باہر ٹیرس تک سنائی دی۔

چنگیز کی مسکراہٹ اب کم ہو چکی تھی۔ وہ پرسوچ نظروں سے ٹیرس کی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''چار سال بعد اس کو اپنی دولت مل جائے گی' ماہر۔ تب یہ ان لالچی عورتوں سے کیسے بچے گا؟''

چار سال بعد بیر بل نے تیس سال کا ہو جانا تھا۔ ان کے باپ کی وصیت کے مطابق' اگر وہ اپنی کمپنی کو ان کے مختص کیے گئے معیار تک نہیں لے جا سکتا' تب بھی تیس برس کی عمر میں اس کو اس کا ٹرسٹ فنڈ مل جائے گا۔

''تب کی تب دیکھیں گے۔'' وہ باہر پھیلی رات کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ہنسی اب غائب تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورچ میں کار کھڑی کر کے وہ تیزی سے باہر نکلی۔ لوہے کے بیرونی زینے سامنے تھے۔ وہ سیاہ سے بدقت زینے پھلانگتی اوپر آئی۔

اسٹوڈیو کا دروازہ کھولا تو وہ خاموش پڑا تھا۔ سامنے ایک اسٹینڈ رکھا تھا جس پہ اسکیچ کرنے کے لیے کاغذ آویزاں تھا۔ مالا قدم قدم چلتی اس کاغذ کے قریب آئی۔ پھر بے اختیار گردن پہ ہاتھ رکھا۔ اس وقت کوئی اس کا گلا نہیں دبا رہا تھا۔ لیکن گلا دبانے کی وہ تکلیف اسے یاد تھی۔

''مجھے تمہارا پیغام مل گیا ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ آگے بڑھی اور اسکیچ بک کا صفحہ پھاڑ دیا۔

''میں تمہارا اسکیچ نہیں بناؤں گی۔'' وہ اس صفحے کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔

''تنگ آ گئی ہوں میں تم سے۔ اور اس انسان سے جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔'' اس نے ٹکڑے زور

سے اچھالے۔ وہ اوپر تک گئے اور پھر تیزی سے اس کے اطراف میں گرتے چلے گئے۔

''چھوڑ دو تم میرا پیچھا۔ بس کر دو۔ تم یہی چاہتے تھے کہ میں زیاد سے شادی نہ کروں۔ نہیں کر رہی میں اس سے شادی۔'' وہ ایڑھیوں پہ گھومتی اطراف میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ بظاہر وہاں کوئی نہیں تھا۔

''میں صرف اپنی ماں کے ساتھ خوش رہنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ دائیں دیکھا۔ پھر بائیں۔ وہاں خاموشی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی اس کا پیغام عامل تک پہنچ جائے گا۔

اس نے گردن پہ ہاتھ رکھا۔ وہاں مٹر کے آدھے دانے جتنا سرخ نشان موجود تھا۔ خون کے تین چار قطرے نکل کے جم گئے تھے۔ لیکن وہ قطرے کشمالہ مبین کو ہلا دینے کے لیے کافی تھے۔ وہ جتنا اس عامل کا تعاقب کرے گی' اتنا ہی وہ اسے ڈرائے گا۔ اسے اب اپنے تعاقب کار کو نظر انداز کر کے اپنی زندگی میں واپس جانا ہوگا۔

جس وقت وہ اسٹوڈیو کی سیڑھیاں اتر کے واپس نیچے جا رہی تھی' ہر طرف خاموشی اور سکوت تھا۔ نہ کوئی آواز تھی نہ کھڑک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنی کال کوٹھڑی میں موجود سرکار نے اپنے سامنے زمین پہ رکھی تصویریں دیکھیں۔ ایک مسکراہٹ اس کے بوڑھے چہرے پہ بکھر گئی۔ اس کی سماعت میں کسی نادیدہ مخلوق کی آواز گونج رہی تھی۔ پھر اس نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے۔ ہم اسے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں گے۔''

اس نے سامنے رکھی کشمالہ اور زیاد کی تصاویر ایک طرف کیں۔ پھر ایک اور تصویر نکال کے اپنے چہرے کے قریب کی۔

وہ بھوری آنکھوں والی مسکراتی ہوئی ماہ بینہ کا چہرہ تھا۔

''ایک ماہ بعد اس کا بچہ ہونا ہے۔ لیکن نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کے اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے نادیدہ موکلات کو دیکھا۔

''اگر ہم یہ بچہ مارنے میں کامیاب ہو گئے تو ہماری پاور کئی گنا بڑھ جائے گی۔ ہمارے جادو جلد اثر کریں گے۔ ہم جو چاہے کر سکیں گے۔''

اس نے قریب رکھی ایک صندوقچی کھولی۔ اندر سے ایک ننھا سا گڈا نکالا۔ یہ بازار سے خریدا گیا کوئی سستا سا

بے بی ٹوائے تھا۔

''یہ بچہ اس دنیا میں نہیں آنا چاہیے۔'' عامل کے ہاتھ اس بے بی کے کپڑے اتار رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ برہنہ ہوگیا۔ پھر اس نے ساتھ رکھی سوئیوں میں سے ایک سوئی نکالی اور اسے گڈے کے دل کے مقام پہ اندر گھسا دیا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلی ویک کے اس سفید گھر کے لاؤنج میں ماہی بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹہ لپیٹے' وہ تسبیح ہاتھ میں لیے ہوئے تھی۔ دوسرے ہاتھ سے موبائل سامنے کر رکھا تھا۔ وہ نماز پڑھ کے ہٹی ہی تھی کہ ماں کی کال آگئی۔ وہ خود اب صحت مند اور ہشاش بشاش لگتی تھیں۔ البتہ اسے دیکھ کے فکرمند ہوگئی تھیں۔

''پاکستان آجاؤ ماہی۔ وہاں اکیلے کیسے ڈلیوری کرواؤ گی؟''

''جیسے گوریاں بچے پیدا کرتی ہیں' ماں۔ یہاں بہت ہیلپ مل جاتی ہے۔ سب ہوجائے گا۔''

''نہیں بیٹے۔ پاکستان آجاؤ۔ میں ہوں گی یہاں۔ مالا ہے۔ بختو ہے۔ بیٹے یہ بڑا مشکل وقت ہوتا ہے۔''

عباد کمرے سے نکل کے کچن کی طرف آرہا تھا۔ اس بات پہ چہرہ گھما کے ماہی کو دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ خاموشی سے کچن کیبنیٹ کا دروازہ کھولا اور کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''میں ڈلیوری کے فوراً بعد آجاؤں گی۔ پکا پرامس۔''

جیسے ہی ماہی فون بند کر کے دوبارہ تسبیح اٹھائی' عباد کیبنٹ بند کر کے اس کی طرف گھوما۔

''تم کہو تو ہم پاکستان چلے جاتے ہیں۔ بزنس کلاس۔ ڈائریکٹ فلائٹ۔ تم آرام سے سفر کرلو گی۔''

''اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں' عباد۔ اسی مہینے کے آخر میں ڈلیوری ہے۔ اور پھر..'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''پچھلی دو دفعہ بھی سفر کرنے کی غلطی کی تھی۔ ہر دفعہ اسی کمبخت دوہا ائیرپورٹ پہ کچھ نہ کچھ ہوجاتا تھا۔ میں اس دفعہ رسک نہیں لے سکتی۔''

''لیکن ڈاکٹر نے کہا ہے تم سفر کرسکتی ہو۔ فی الحال سب کچھ ٹھیک ہے۔''

ماہی نے بھوری آنکھیں اٹھا کے عباد کو دیکھا تو وہ بھیگی ہوئی تھیں۔

''تم مانو یا نہ مانو' کبیرہ تائی کی ہمارے بچے سے پرانی دشمنی ہے۔ وہ اس بچے کو دنیا میں نہیں آنے دینا چاہتیں۔ میری بے احتیاطی ان کو راستہ دے گی۔'' اس نے تسبیح پھر سے اٹھالی۔

''یار کس کے پاس اتنا ٹائم ہوتا ہے کہ کسی کے بچے پہ جادو کروائے۔ میں مانتا ہوں ان باتوں کو لیکن اب تم کچھ زیادہ ہی وہم کرنے لگی ہو۔'' وہ سر جھٹک کے کیلنڈر سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''میں تم سے زیادہ پاکستان جانے کی خواہش رکھتی ہوں۔ میرے دل سے پوچھو۔ ماں جب سے بیمار ہوئی ہیں' میں ان سے نہیں ملی۔ ان کی خدمت کا موقع مجھے نہیں ملا۔ مالا اور معید کو ملا ہے۔ لیکن جیسے ہی بے بی پیدا ہوگا...'' دھڑکتے دل سے کہا' ''ان شاءاللہ ہم پہلی فلائٹ سے پاکستان جائیں گے۔''

''فوراً نہیں جاسکیں گے' ماہی۔ پہلے بے بی کا NICOP (شناختی کارڈ) بنے گا۔ تیس پینتیس دن لگیں گے۔''

''ہم نائیکو بنتے ہی چلے جائیں گے نا۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔ ''ویسے بھی ماں اب ٹھیک ہیں۔ تب تک وہ مزید بہتر ہو جائیں گی۔''

عباد اپنی مطلوبہ چیز تلاش کر کے وہاں سے چلا گیا اور ماہی خاموشی سے تسبیح پڑھتی رہی۔ دفعتاً فون پھر سے بجا۔ نمبر دیکھ کے اس نے گہری سانس لی۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''میں کئی دن سے آپ کو میسج کر رہی ہوں۔ آپ کہاں تھے' ماہر بے؟''

''بزی تھا۔ آج وقت ملا ہے۔ خیریت؟''

''مجھے مالا نے بتایا ہے کہ آپ نے اس کا ریستوران خریدا تھا۔ آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا۔'' اس کی آواز میں خفگی تھی۔

وہ دھیرے سے ہنسا۔ ''تم بھی اپنی بہن کی طرح مجھ پہ شک کر رہی ہو؟''

''شک نہیں کر رہی۔'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''لیکن سوال کرنا میرا حق بنتا ہے۔''

''مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا' ماہ بینہ۔ میں وہ کمپنی نہیں چلاتا۔ مالک چلاتا ہے۔''

''مالک کون؟'' ماہی کے ابرو مشکوک انداز میں اکٹھے ہوئے۔ فون اسپیکر پہ کر کے اس نے انسٹاگرام کھولا۔

''میرا چچا۔ اس نے ایک لبنانی گروپ کو اوشن خرید کے دیا ہے۔ ہماری کمپنی ہر روز ایسی خرید و فروخت کرتی ہے۔''

''کیا آپ نے مالک سے پوچھا کہ اس نے یہ کیوں کیا؟'' اس کا انگوٹھا اسکرین کو اسکرول کر رہا تھا۔

''نہیں۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔''

''یہ سفید بالوں والا ہے مالک؟''

''تمہیں کیسے معلوم؟'' وہ حیران ہوا۔

''آپ نے اسے انسٹاپہ فالو کیا ہوا ہے۔ دنیا بہت چھوٹی ہے ماہر بے اور یہ انگلیوں میں سما جاتی ہے۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''جاب کرلو لڑکی۔ ورنہ سارا دن گھر میں فارغ یہی کام کرتی رہو گی۔''

''مجھے شوق نہیں ہے جاب کا۔ میں اپنی گھر داری میں خوش ہوں اچھا۔'' تڑخ کے بولی۔ وہ خاموش رہا تو اس نے آواز دھیمی کی۔

''مالک نے مالا کا ریستوران کیوں بکوایا؟''

''اس سوال کا جواب وہی دے گا۔ میں نے جب اسے البم کی تصاویر دکھائی تھیں اور بتایا تھا کہ میں اس لڑکی کو ڈھونڈ رہا ہوں تو اس نے تین دن میں مجھے مالا کی معلومات لا دی تھیں۔ میں سمجھا اس کے پاس بہت کام کے بندے ہیں۔ لیکن نہیں۔ مالک مالا کو پہلے جانتا تھا۔ وہ اس سے مل چکا تھا۔ کب کہاں مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اس نے ہوٹل میں مالا سے ملنے کے لیے ہیر بل کو بھیجا۔ خود نہیں گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مالا اس کو پہچانے۔''

''یعنی عبدالمالک فرید کچھ چھپا رہے ہیں۔'' پھر اس کو یاد آیا۔ ''کبیرہ تائی کے نئے عامل کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

ماہر نے بے زاری بھری سانس خارج کی۔

''اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کتنے عاملوں کو پکڑیں گے؟ تم اپنا ایمان مضبوط رکھو۔ کچھ نہیں ہوگا تمہارے بچے کو۔''

ماہی کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''مجھے پھر سے برے خواب آنے لگ گئے ہیں۔''

''ہر چیز مکتوب ہے' ماہ بینہ۔ مکتوب۔ لکھی ہوئی۔ تمہارے بچے کی زندگی بھی۔ اور موت بھی۔ وہ اپنے وقت پہ آتی ہے۔ ایک دن اوپر۔ نہ ایک دن نیچے۔ کوئی جادو' کوئی جن اس کو اوپر نیچے نہیں کر سکتا۔''

ماہی کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے اور آنکھوں سے ایک آنسو ٹپکا۔

''مکتوب۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اگر میرے بچے کی زندگی اللہ نے لکھی ہوئی ہے تو اسے کوئی مار نہیں سکتا۔''

''اسے کوئی مار نہیں سکتا۔'' اس نے نرمی سے دہرایا۔

ماہی پورے دل سے مسکرا دی۔فون بند کیا ہی تھا کہ عباد باہر آتا دکھائی دیا۔اس کے چہرے پہ خفگی تھی۔

''تم یہ ٹھیک نہیں کر رہیں۔'' وہ صوفے پہ اس کے پیچھے جھک کے کھڑا ہوا اور اس کے کندھے کے قریب کہنے لگا۔''تم مالا کے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو۔اس کو معلوم ہوا کہ تم ماہر سے بات کرتی ہو تو وہ بہت ناراض ہو گی۔''

''میں اسے بتا دوں گی۔جب پاکستان جاؤں گی۔ابھی مجھے اسٹریس مت دو۔''

عباد افسوس سے سر جھٹک کے سیدھا ہوا اور واپس پلٹ گیا۔ماہی کے آگے بین بجانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

وہ پھر سے تسبیح پڑھنے لگی تھی۔

اگر اس کی اولاد مکتوب تھی تو دنیا کے سارے جادوگر اکٹھے ہو کے بھی اس کے بچے کو موت نہیں دے سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس تاریک کوٹھڑی میں زمین پہ چوکڑی مارے عامل سرکار کے سامنے آج بھی بہت سی تصاویر رکھی تھیں۔دھاگے۔مختلف اقسام کی روشنائیاں لیکن فی الحال اس کی توجہ ہاتھ میں پکڑے گڈے پہ تھی۔اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔انگلی میں ایک لمبی نوکیلی سوئی تھی۔

سرکار کے ہاتھ اس کی نوک کو سرخ روشنائی میں ڈبو ڈبو کے گڈے پہ لگا رہے تھے۔پہلے اس کے سینے کے درمیان صلیب کا نشان بنایا۔پھر باری باری ہر عضو پہ اس کا نوکیلا قلم کا نٹے لگاتا گیا۔

''ماں کے پیٹ میں بچے کا ایک ایک عضو آہستہ آہستہ ضائع ہو جائے گا۔'' سرکار کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔''یہاں تک کہ جب بچہ پیدا ہو گا' وہ مرا ہوا ہو گا۔'' اس کی آواز میں جوش تھا۔

بچوں پہ کیے جانے والے جادو سرکار کو سب سے زیادہ پسند تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد کو کمپنی کی وجہ سے کچھ دن لاہور میں رکنا پڑ گیا۔دبئی جانے سے پہلے وہ ان سے ملنے مبین منزل آیا تھا۔معید اس کا پہلے ہی معترف تھا' اب اس کی نظروں میں زیاد کی عزت مزید بڑھ گئی تھی۔

بخت بی چائے لے آئیں۔ماں نے اپنے زمانے کا کوئی قصہ شروع کر دیا۔زیاد دھیمی آواز میں مسکرا مسکرا کے ان کے قصوں میں اضافہ کیے گیا۔ماہی کی طرح اسے بھی سب رشتے داروں کا علم تھا۔مالا اور معید ہنستے ہوئے سنتے گئے۔وہ دونوں رشتے داروں کی خبر رکھنے کے معاملے میں ایک جیسے تھے۔

''اب میں اجازت چاہوں گا۔'' اس کی فلائٹ کا وقت قریب تھا۔وہ گھڑی دیکھتے ہوئے اٹھا تو نہ جانے کیوں

اس کا دل اداس ہوا۔

''جب بھی آیا کرو' ہم سے ضرور ملا کرو۔'' وہ ماں کے سامنے جھکا تو وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے تاکید کرنے لگیں۔

''اپنی امی کو سلام دینا۔''

''امی کے لیے دعا کیجئے گا۔ ان کے کچھ ٹیسٹ کروائے ہیں۔ رپورٹ کا انتظار ہے۔'' کچھ تھا اس کے لہجے میں۔ کچھ اداس۔ کچھ پریشان۔ کشمالہ چونکی۔ دل بری طرح دھڑکا۔ ایک اور ماں؟ نہیں۔

''تمہاری ماں بہت نیک ہے' زیاد۔ اس نے اپنے سسرال اور خاندان' سب کی بہت خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف نہیں دے گا۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

''ماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم آنٹی کے لیے دعا کریں گے۔''

وہ اسے چھوڑنے پورچ تک آئی۔ وہ کچھ مضطرب لگ رہا تھا۔

''زیاد وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' اس نے اس کا چہرہ دیکھ کے تسلی دی۔ وہ دونوں پورچ کی دھوپ میں کھڑے تھے۔ کمپنی کی کار ساتھ کھڑی ان کی منتظر تھی۔

''وہ ٹھیک نہیں ہوں گی۔'' زیاد نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھ کا کنارہ بھیگا ہوا تھا۔ ''ڈاکٹرز کو بلڈ کینسر کا شبہ ہے۔''

اس نے بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا۔ ایک اور ماں؟

''ان کو شاید خود بھی علم ہے کہ ان کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ وہ جلد از جلد میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔'' وہ دھوپ میں آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کار کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ماؤں کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے' زیاد۔ ان کی بات مان لیں۔ کوئی اچھی لڑکی ملے تو شادی کر لیں۔''

وہ زخمی سا مسکرا دیا۔

''میں عام سا انسان ہوں' کشمالہ۔ مجھے عام سی لڑکی ہی ملے گی۔''

''مل جائے تو اس کو کھونا مت۔'' حلق میں کچھ پھنس سا گیا۔ کیا اس نے غلطی کر دی تھی؟

زیاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ چلا گیا اور وہ کتنی دیر اس جگہ کو دیکھتی رہی۔

سلیم گیٹ بند کرنے لگا جب اسے ''مالا باجی'' کی آواز آئی۔ اس نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھا۔

''تم اتنی دھوپ میں یہاں کیا کر رہے ہو؟''

شلوار قمیض والا پٹھان بچہ کمر پہ ہاتھ رکھے شرماتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہی مسکرا کے اسے آتے دیکھے گئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آ گیا۔

''کیا چھپا رکھا ہے؟''

اس نے دونوں ہاتھ آگے کیے۔ ان میں موتیوں کے گجرے تھے۔

''آپ کی امی کے لیے۔'' وہ ہنس دی۔ پھر اس کی ہتھیلیوں سے گجرے اٹھائے اور ناک کے قریب لے جا کے سونگھا۔ خوشبو نے دھوپ اور گرمی کا احساس غائب کر دیا۔

''آپ نے کہا تھا مجھے فالتو رنگ دے دیں گی۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ دفعتاً اس کی نگاہ لان پہ پڑی۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔ لب بے یقینی سے کھل گئے۔

''آپ کے گھر میں موتیے کا پودا لگا ہوا ہے باجی؟'' اس نے شاک کے عالم میں کشمالہ کو دیکھا۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

''ہاں۔ لیکن تم پھر بھی مجھے روز گجرے لا کے دو گے۔''

بچے نے ایک مایوس نظر اپنے گجرے پہ ڈالی۔ ''لیکن...''

''میں تمہیں فالتو رنگ نہیں دوں گی۔ بلکہ میں تمہیں پینٹ کرنا سکھاؤں گی۔ سیکھو گے؟''

اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ شرما کے سر ہلا دیا۔

''اس کو اوپر میرے اسٹوڈیو میں لے جاؤ۔ میں آتی ہوں۔''

اس نے سلیم کو اشارہ کیا جو مشکوک نظروں سے اس پٹھان بچے کو گھور رہا تھا۔

''اور ان سب کا کیا؟'' اس کی شرماتی آواز پہ وہ چونکی۔ گیٹ کی طرف دیکھا۔ وہاں اس کی شکل والے چار اور بچے دانت نکالتے جھانک رہے تھے۔ ان کے لباس بے ترتیب اور ملگجے تھے۔ لیکن چہروں پہ انوکھی رونق تھی۔

کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔ ''ان کو بھی اوپر لے جاؤ۔'' وہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔

''یہ پلٹون کہاں سے جمع کر لی؟''

وہ ماں کے پاس واپس آئی تو دیکھا۔ وہ ڈرائینگ روم کی کھڑکی سے باہر جمع ہوئے نمونوں کو دیکھ کے ماتھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھیں۔ دھڑ دھڑ کی آوازوں کے ساتھ وہ اوپری زینوں پہ بھاگ رہے تھے۔

''ریستوران والا پروجیکٹ ختم ہو چکا ہے' ماں۔ نیا کام ملنے سے پہلے کچھ دن میں گھر پہ ہوں گی۔ اچھا ہے ان بچوں کو کچھ سکھا دوں گی۔'' وہ ان کے قدموں میں بیٹھی اور ان کے نرم بھری بھری کلائیوں میں کجرے پہنانے لگی۔

ماں نے مسکرا کے ان پھولوں کو دیکھا پھر اپنی بیٹی کے جھکے سر کو۔ وہ انہماک سے کجرے کی پک بند کر رہی تھی۔

''ماہی سے کہو پاکستان آ جائے۔ وہ وہاں اکیلے کیسے ڈلیوری کروائے گی۔'' ان کی ہر روز یہی تکرار ہوتی تھی۔

''وہ سفر کرنے سے ڈرتی ہے' ماں۔ ویسے بھی ستمبر کے آخر میں ڈلیوری ہو گی اور بے بی کا نائیکوپ اکتوبر کے آخر تک بن جائے گا۔ یکم نومبر کو وہ آپ کے پاس ہو گی۔''

مسکرا کے انگلیوں پہ تاریخیں گن کے بتائیں۔ پھر ایک دم وہ ٹھہر گئی۔ بالکل ساکت۔

(آپ کی ماں کے پاس چھے ماہ ہیں۔ آپریشن کروائیں یا نہ کروائیں۔)

ڈاکٹر دوہرا کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔ (آج یکم مئی ہے۔ چھے ماہ بعد یکم نومبر ہو گی۔ ڈاکٹر دوہرا کی ڈیڈ لائن۔)

اُف۔ اس نے سر جھٹکا۔ چہرے کی رنگت یکدم پیلی ہوئی۔ پھر ماں کو دیکھا۔ اب وہ تندرست ہو رہی تھیں۔ کل ہی ایم آر آئی کروایا تھا۔ مغنجو مادو بارہ نہیں بڑھا تھا نہ اگلے دس پندرہ برس تک بڑھنے کا امکان تھا۔

ڈاکٹر دوہرا کی ٹائم لائن جھوٹی تھی۔ یکم نومبر آ کے گزر جائے گا۔ اور کچھ بھی نہیں ہو گا۔ وہ اب کوئی وہم نہیں پالے گی۔ نہ وہ اس عامل کو ڈھونڈے گی۔ نہ ہی وہ ان چکروں میں پڑے گی۔

اسے صرف ماں پہ فوکس کرنا تھا۔ ماں اور بچوں پہ۔ رنگوں اور پھولوں کے کجروں پہ۔

زیاد سلطان' ماہر فرید' عامل اور ڈاکٹر دوہرا کی ٹائم لائن... اسے ہر شے کو دماغ سے جھٹکنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ہر چیز قلم سے شروع ہوتی ہے۔''

(کشمالہ کے اسٹوڈیو کے بلائنڈز بند ہوئے ہوئے تھے۔ فرش پہ بچے نیم دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے۔ سب کے سامنے اسکیچ بکس تھیں اور وہ ان سب کو ایک ایک پنسل پکڑا رہی تھی۔ اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور سر پہ سبز رومال بندھا تھا۔)

''سب سے پہلے قلم کو بنایا گیا تھا۔''

(استنبول میں کیف کے کانفرنس روم میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ ان کے سامنے درجنوں نقشے پھیلے تھے۔ وہ

سر براہی جگہ پہ کھڑا' جھک کے قلم سے نقشے پہ ایک جگہ دستک دے رہا تھا۔ سامنے بیٹھے افراد خاموشی سے سر ہلاتے اس کو سن رہے تھے۔)

"پھر قلم سے ایک کتاب لکھوائی گئی تھی۔ لوح محفوظ۔"

(کبیرہ بیگم اپنے بیڈروم میں کھڑی تھیں۔ دو ملازمائیں ایک لمبے بیگ میں مقید ڈریس سامنے لٹکا رہی تھیں۔ کبیرہ کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ سے بیگ کی زپ نیچے کی۔ اندر ایک سیاہ لباس جھانک رہا تھا۔ نیا ڈیزائنر وئیر۔ کبیرہ اپنے پسندیدہ جنازوں کے لیے نئے لباس اور نئی جیولری بنوایا کرتی تھی۔ یہ لباس ماہی کے بچے کی موت کے لیے تھا۔

جب کینیڈا سے خبر آئے گی تو وہ یہی لباس پہن کے حورِ جہاں سے ملنے جائیں گی۔

کبیرہ نے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھی چیک بک کھولی۔ اور ایک قلم اٹھایا۔ پھر چیک پہ ایک رقم لکھ کے سائن کی۔ یہ اس عامل کے لیے تھی۔ جتنی رقم۔ اتنا مضبوط کام۔)

"اس کتاب لوح محفوظ میں ہم سب کی قسمتیں مکتوب کر کے بند کر دی گئی تھیں۔"

(ایک کوورکنگ اسپیس کی اونچی خالی دیوار کے ساتھ کشمالہ مبین بیٹھی تھی۔ اس کی گرفائٹ پینسل دیوار پہ اسکیچ بنا رہی تھی۔ ارد گرد گزرتے لوگ رک رک کے ستائش سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی' کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے اور وہ بہت مہارت سے اپنا کام کر رہی تھی۔)

"قلم نے اس دنیا کی ہر چیز کو تخلیق میں آنے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔"

(ماہر کے آفس میں نیم اندھیرا سا تھا۔ کھڑکی کے ساتھ ایک بڑی میز کا اضافہ کر دیا گیا تھا جہاں ایک سرخ عمارت کے تین طرح کے ماڈل رکھے تھے۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سامنے ایک گرافک ٹیبلیٹ رکھا تھا جس پہ وہ مہارت سے ڈیجیٹل پین کے ذریعے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکا۔ ساتھ رکھا موبائل اٹھا کے دیکھا۔ گرین آئیز کی چیٹ کھولی۔ کوئی میسج نہیں۔ کوئی پکار نہیں۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ دل میں اٹھتے درد کو محسوس کیا۔

ایک لمحہ تھا۔ ماہر فرید نے اسے جی لیا۔ پھر آنکھیں کھولیں اور سپاٹ چہرے کے ساتھ پین پھر سے اٹھا لیا۔)

"اور اس قلم کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔"

(ماہی ہسپتال کے کمرے میں لیٹی تھی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ جسم کی کئی ہڈیوں کو توڑ دینے والی جیسی تکلیف

کے بعد وہ نڈھال تھی۔عباداس کے ساتھ کھڑا تھا اور مسکرا کے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔نرس نے کمبل میں لپٹا ایک ننھا سا وجود اس کے سامنے کیا۔

''بے بی گرل ہے۔اور بہت صحت مند ہے۔''

مکتوب۔وہ بڑبڑائی۔پھر وہ ایک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے رونے لگ گئی۔وہ ہنس بھی رہی تھی۔اور وہ رو بھی رہی تھی۔)

''انسان کو قلم بہت دیر سے ملا تھا۔اسے ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے استعمال کرنا شروع کیا تھا۔''

(عامل سرکار کے ہاتھ زعفرانی سیاہی میں ڈوبے قلم کو غصے سے اس گندے پہ رگڑ رہے تھے۔بے جان گندا ساکت تھا۔پھر اس نے زور سے قلم کو دو حصوں میں توڑ دیا۔اس کا چہرہ سرخ بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''دفعہ ہو جاؤ تم سب۔ایک کام نہیں کر سکے تم۔ایک بچہ نہیں مار سکے۔''

اس نے گندا اٹھایا اور پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا۔

عامل نے چہرے پہ آیا پسینہ آستین سے صاف کیا۔پھر اپنے بوڑھے جھریوں زدہ ہاتھوں کو دیکھا۔اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

ایک بچہ ہم نہیں مار سکے۔ایک کمزور بچہ؟اس کا سر شکست خوردگی سے دائیں بائیں ہل رہا تھا۔)

''بہت سے انسانوں نے قلم کے لکھے کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔لیکن آج تک کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔''

(ماں صوفے پہ بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔ساتھ موجود مالا نے موبائل ان کے سامنے پکڑ رکھا تھا۔اسکرین پہ ماہی اور عباد نظر آ رہے تھے۔ماہی ہنستے ہوئے گلابی کمبل میں لپٹی ننھی سی بے بی ان کو دکھا رہی تھی۔

''ہم نے اس کا نام حورِ عین رکھا ہے۔حور جیسی آنکھوں والی۔''

''حورعین۔''ماں مسکراتے ہوئے بچی کی سبز آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں۔وہ ان کا عکس تھی۔

ان کے ہاتھ میں دو نوکیلی سلائیاں تھیں جن پہ وہ مہارت سے انگلیاں چلاتے ہوئے اون کا گولہ بن رہی تھیں۔ماہی کی بیٹی کی گلابی سوئیٹر کے گھر ایک کے بعد ایک چڑھ رہے تھے۔)

''قلم کے لکھے کو ''قدر'' کہتے ہیں۔اور قدر کو کوئی شے نہیں بدل سکتی۔نہ کوشش۔نہ جادو۔نہ بد دعا۔''

(''دفعہ ہو جاؤ تم۔ناکام عامل۔فراڈ۔میں تمہیں اتنا پیسہ کھلاتی رہی اور تم ایک بچے کو نہیں مار سکے۔''کبیرہ فون پہ چیختے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''بی بی ہم نے چالیس دن تک چلا کاٹا لیکن...''

کبیرہ نے زور سے موبائل دیوار پہ دے مارا۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے فرش پہ بیٹھی تھی۔ مسلسل رونے کے باعث ان کی آنکھوں کا سارا کاجل بہہ گیا تھا۔ اور اب وہ سیاہ اور متورم ہو رہی تھیں۔ انہوں نے ایک نظر وارڈ روب کے ساتھ آویزاں ڈیزائنر ڈریس پہ ڈالی۔ پھر گھٹنوں پہ رکھا ایک فوٹو فریم دیکھا جسے وہ کافی دیر سے پکڑے ہوئے تھیں۔

اس میں ایک چھوٹے بچے کی تصویر مسکرا رہی تھی۔ گورا چٹا' خوبصورت بچہ۔ کبیرہ نے تصویر کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ آنسو پھر سے بہنے لگے۔)

''قدر کو صرف ایک شے تبدیل کر سکتی ہے۔ وہ ہے دعا۔''

(زیادا ایک ڈاکٹرز کلینک میں بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ زرد اور جھکا ہوا تھا۔ ڈاکٹر میکانکی انداز میں قلم سے پیڈ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھا کے زیاد کو دیکھا اور افسوس سے نفی میں سر ہلا لیا۔

''زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے ان کے پاس۔''

ایک آنسو زیاد کی آنکھ سے نکلا اور اس کے سانولے چہرے پہ گرتا گیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ایک سال۔'' وہ بڑبڑایا۔)

''دعا نیچے سے اوپر جاتی ہے۔ اور قدر اوپر سے نیچے آتی ہے۔ جو زیادہ طاقتور ہو' فتح اس کی ہوتی ہے۔''

(کشمالہ نرمی سے ماں کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔ وہ سہج سہج کے قدم اٹھا رہی تھیں۔ وہ مسکرا کے انہیں اگلا قدم رکھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ماں نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔ اب آپ خود چلیں گی۔ بغیر سہارے کے۔'' وہ چند قدم پیچھے ہٹی۔ ماں نے جھجکتے ہوئے ایک قدم رکھا۔ پھر دوسرا۔ بنا سہارے کے وہ دھیرے دھیرے اپنے پیروں پہ چلنے لگی تھیں۔

مالا مسکراتے ہوئے انہیں اپنے قریب آتے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور لب مسکرا رہے تھے۔)

''قلم کے لکھے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اس وقت سے نہ پہلے کچھ ملتا ہے نہ بعد میں۔ ہر انسان کو اپنا وقت پورا کرنا ہوتا ہے۔''

(ماہی اور عباد کے سفید لاؤنج میں ایک کاٹ رکھا تھا جس میں کمبل میں لپٹی ننھی گڑیا سو رہی تھی۔ ماہی کچن سنک

پہ نل کھولے کھڑی پانی سے برتن گزار رہی تھی جب گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ پونچھے اور پردہ ہٹا کے گلاس ڈور کھولا۔ سردی کی ایک لہر اندر آئی۔

کوریئر بوائے نے ایک قلم اس کی طرف دستخط کے لیے بڑھایا۔ اس نے ناسمجھی سے اس کے ٹیب پہ دستخط کیے۔ پھر اپنے نام آیا لفافہ لیے اندر آئی۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اسے چاک کیا۔

اندر ایک نائیکوپ تھا۔ حورِ عین عباد کا نائیکوپ۔

ماہی نے بے اختیار چیخ روکنے کے لیے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''حور... حور...'' وہ بھاگتی ہوئی کاٹ میں لیٹی بچی تک آئی۔

''تمہارا نائیکوپ آ گیا۔ بے بی۔ اب ہم پاکستان جا سکتے ہیں۔ اوہ میرے اللہ۔ ہم ماں کے پاس جا سکتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہہ رہے تھے۔

اس نے ایک نظر دیوار پہ لگے کیلنڈر کو دیکھا۔ آج اٹھائیس اکتوبر تھی۔ اس نے پہلے سے انتیس کی شام کی فلائٹ بک کر رکھی تھی۔ کینیڈا سے جرمنی۔ جرمنی سے قطر۔ اور قطر سے پاکستان۔ پھر وہی دو ہائیر پورٹ آئے گا درمیان میں۔ لیکن خیر۔ یکم نومبر کی صبح وہ پاکستان میں ہو گی۔

وہ ایک سال سے ماں سے نہیں ملی تھی۔ لیکن ان کی بیماری کے یہ آخری چھے ماہ چھے سال پہ محیط تھے۔ اب بالآخر تکلیف ختم ہونے والی تھی۔

وہ اپنی ماں سے ملنے جا رہی تھی۔)

''ہر انسان اس قلم کے لکھے کا پابند ہے۔ اسے اپنا مکتوب وقت پورا کرنا ہی ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یکم نومبر کی صبح ایک خوبصورت خواب سے ہوئی تھی۔

کشمالہ کی آنکھ آہستہ سے کھلی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ آج بند آنکھوں کے دوسری طرف کوئی ڈراؤنا خواب نہیں آیا تھا۔ آج اس نے ایک خوبصورت ایک پیارا خواب دیکھا تھا۔ وہ چند لمحے اپنے خواب کو سوچتی رہی۔ نہ جانے اس کا کیا مطلب تھا۔

پھر فجر کی اذان پہ اس کی توجہ بھٹکی۔ بیڈ پہ حرکت ہوئی تو اس نے کہنی کے بل پہلو بدلا۔ ماں پیر بستر سے اتارتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی وہ سو کے اٹھنے کی دعا پڑھ رہی تھیں۔

''جاگ گئیں؟'' اس نے مسکرا کے ان کی پشت کو دیکھ کے پوچھا۔ وہ سائیڈ ٹیبل کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہاں۔ لیکن آج میں فجر کے بعد سوؤں گی۔'' انہوں نے گھڑی دیکھی۔

مالا مسکرا دی۔ ماں فجر کے بعد نہیں سوتی تھیں لیکن آج صبح ماہی نے پہنچنا تھا۔ وہ اس کے استقبال کے لیے پوری طرح سے تازہ دم ہونا چاہتی تھیں۔

''سوچ رہی ہوں اب تمہارا کمرہ چھوڑ کے اپنے کمرے میں منتقل ہو جاؤں۔'' جب وہ باتھ روم سے وضو کر کے نکلیں تو یونہی کہنے لگیں۔ ''کیوں؟''

تم ڈسٹرب ہوتی ہو گی نا' بیٹے۔'' وہ گیلے آستین نیچے کر رہی تھیں۔

وہ بے اختیار ہنس دی۔ ''مجھے ماہ بعد خیال آیا کہ میں ڈسٹرب ہوتی ہوں گی۔ صاف صاف کہیں۔ آپ کی فیورٹ بیٹی آ رہی ہے اور آپ اس کے کمرے میں شفٹ ہونا چاہتی ہیں۔'' مالا جانتی تھی ماہی کے سامنے معید اور وہ بہت پیچھے چلے جائیں گے۔ وہ ایسی ہی تھی۔ آئے گی اور چھا جائے گی۔

وہ محض مسکرا دیں۔ پھر سفید دوپٹہ سر پہ لپیٹا۔ اور بیڈ کے کنارے پہ بیٹھیں۔ دوپٹہ کانوں کے پیچھے اڑسا۔ چند سفید بال باہر کو جھانکنے لگے۔ مالا نے ان کے بالوں کی سفیدی کو دیکھتے ہوئے ''اوہ'' میں لب گول کیے۔

''ماہی کے آنے سے پہلے آپ کا ہیئر ڈائی لگا دوں گی۔ ورنہ وہ بہت بولے گی۔'' کانوں کو باری باری چھوا۔ ماں نے ہلکے سے ہنس کے سر جھٹک دیا۔

ان کو نماز پڑھتے چھوڑ کے وہ باہر چلی گئی۔ باہر ابھی اندھیرا تھا۔ جب وہ واپس آئی تو ہاتھ میں موتیے کے پھولوں کی ٹوکری تھی۔ ماں نے سلام پھیرا اور چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں ان کی سبز آنکھوں کے گرد جھریاں صاف دکھائی دیتی تھیں۔

''ماہی وہاں پہنچ گئی ہو گی۔'' وہ ساتھ ساتھ زیر لب اذکار پڑھ رہی تھیں۔

''جی۔ کہہ رہی تھی بہت کوشش کی کہ کہیں اور سے اچھی فلائٹ مل جائے لیکن اس کا ناپسندیدہ ائیر پورٹ پھر سے آ گیا درمیان میں۔'' مالا نے موتیے کے پھول ان کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھے۔

''میں اب سوؤں گی' بیٹے۔'' وہ سیدھی ہونے لگی تھی جب ماں نے اپنا بھاری جھریوں زدہ ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ اس نے مسکرا کے انہیں دیکھا۔ وہ بھی مسکرائیں۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن پھر خاموش رہیں۔ اور

اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔ نہ جانے کیا کہنے لگی تھیں۔ یونہی اپنا خواب یاد آیا۔

''آپ آرام کریں۔ میں آج آپ کے نئے کپڑے نکلواتی ہوں۔ ماہی کو اپنی ماں ٹپ ٹاپ پسند ہے۔ ہیئر ڈائی بھی کیجئے گا اور میک اپ بھی۔''

وہ الماری کی طرف آئی اور اس کو کھول کے ان کے کپڑے دیکھنے لگی۔ جب سے ماں بیمار ہوئی تھیں' معید اور مالا کی ساری توجہ ان کی صحت پہ تھی۔ خوراک۔ دوائیں۔ ان کے نئے کپڑے بہت بنوائے تھے۔ خیر۔ ماہی آ رہی ہے نا۔ وہی کرے گی یہ کام۔

''ماں آپ کے لیے چائے بنوا دوں؟''

''میں سوؤں گی' بیٹے۔'' انہوں نے بازو ماتھے پہ رکھے رکھے کہا۔ وہ نیند میں جا رہی تھیں۔ ساتھ ہی وہ زیرِ لب کوئی اذکار پڑھ رہی تھیں۔ مالا جانتی تھی وہ ماہی کے آنے سے پہلے کا وقت جلد از جلد کاٹنا چاہتی تھیں۔

وہ سو گئیں اور ان کے سانس کی آواز کمرے میں گونجنے لگی تو وہ باہر چلی آئی۔

باہر ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔ آج یکم نومبر تھی۔ اور ہر چیز ٹھیک تھی۔

اس کے سارے خوف' سارے واہمے پیچھے رہ گئے تھے۔

اس کی زندگی کی کہانی بالآخر مکمل تھی۔ کیا تھا جو اس میں ایک مرد نہیں تھا۔ اسے مرد نہیں چاہیے تھا۔ اسے اپنی ماں چاہیے تھی۔

وہ موتیے کے پودے تک آئی اور چند پھول اتارنے لگی۔ ماہی کو بھی پھول پسند تھے۔ سوچا لاؤنج میں بھی رکھ دے گی تاکہ اس کے آتے ہی سارے گھر میں سے خوشبو محسوس ہو۔ ماہی کی عادت تھی کہ گھر میں داخل ہوتے ہی ہر جگہ نقص نکالے گی۔ فلاں چیز ٹھیک نہیں۔ یہ جگہ پہ نہیں۔ ہونہہ۔ ماہی نہیں تھی تو کسی نے گھر کا خیال نہیں رکھا۔ اور واقعی وہ آتے ہی گھر کا سارا بگڑا حلیہ درست کر دیا کرتی تھی۔

پھول توڑتے ہوئے اپنے خواب کے بارے میں سوچنے لگی۔ ابھی کیا دیکھا تھا اس نے؟

مالا نے آنکھیں بند کیں۔ ایک منظر نظروں کے سامنے بنتا گیا۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ سامنے ماں وہیل چیئر پہ بیٹھی ہیں۔ اس کے کمرے کی چوکھٹ پہ۔ پیچھے کوئی چھوٹے قد کی عورت وہیل چیئر تھامے ہوئے ہے۔ وہ ماں کو دیکھ کے مسکراتی ہے۔ وہ بھی چہرہ اٹھا کے اسے دیکھتی ہیں۔ پھر مسکراتی ہیں۔

وہ ان کے قدموں میں بیٹھ کے ان کے ہاتھ تھام لیتی ہے۔

''آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟ میں آپ کو چھوڑ کے چلی گئی تھی ایک دفعہ۔''

''نہیں بیٹے۔ میں نے تو ساری باتیں بھلا دی ہیں۔ میں ناراض نہیں ہوں۔'' وہ بھی مسکراتی ہیں۔ ان کی آنکھیں بہت چھوٹی ہیں۔ حقیقت سے بھی چھوٹی۔ پھر وہ آگے بڑھتی ہے اور ان سے گلے ملتی ہے۔ اس کے سیاہ اسکارف کی نرمی اسے محسوس ہوتی ہے...

پھول توڑتا اس کا ہاتھ رک گیا۔ سیاہ اسکارف؟ وہ چونکی۔ ماں نے خواب میں اسکارف لے رکھا تھا۔ کالا سیاہ اسکارف جس سے صرف چہرہ نظر آتا تھا۔ ایسا اسکارف انہوں نے پہلے کب لیا تھا؟

ہاں۔ اسے یاد آیا۔

احرام کا سیاہ اسکارف۔ جب وہ حج کرنے گئی تھیں۔

اللہ کے گھر۔

کسی کانٹے سے انگلی ٹکرائی۔ خون کی بوند ٹپکی۔ پھول ہاتھ سے گرے۔ وہ ایک دم اندر بھاگی۔

''ماں... ماں...''

وہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اسی طرح کروٹ لیے سو رہی تھیں۔ وہ ان کے سرہانے جھکی اور تیزی سے ان کو جھنجھوڑا۔

''ماں۔ ماں...''

ان کی رنگت سفید تھی۔ اور بند ہوئی آنکھیں بہت چھوٹی لگ رہی تھیں۔

مالا نے کپکپاتے ہاتھ سے ان کا ماتھا چھوا۔

وہ ٹھنڈا تھا۔ برف جیسا ٹھنڈا۔

''ماں۔ میری ماں۔'' وہ چیختے ہوئے ان کا چہرہ تھپتھپا رہی تھی۔

وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ صرف سناٹا تھا۔

اور سفید چہرے پہ ایک پرسکون سی مسکراہٹ تھی۔ ایک آواز تھی جو ہر طرف سنائی دے رہی تھی۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

''میں نے ساری باتیں بھلا دی ہیں۔''

ہر چیز سلوموشن فلم کی طرح ہو رہی تھی۔ ایسی فلم جس میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی پیچھے ہٹتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی کمر کھڑکی سے جا لگی۔

اس نے بھاگتے ہوئے معید کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ بخت بی اونچا اونچا رو رہی تھیں۔

معید ان کی کلائی پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ پھر گردن پہ۔ وہ کچھ پکار پکار کے کہہ رہا تھا۔

اسے صرف لب ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ معید ان کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیر کے انہیں بند کر رہا تھا۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

کوئی آواز نہیں تھی۔ کوئی صدا نہیں تھی۔ معید زمین پہ بیٹھے اپنا سر بیڈ سے لگائے رو رہا تھا۔ بخت بی روتے ہوئے ان کے چہرے کے گرد کپڑا لپیٹ رہی تھی۔

اور وہ ساکت سی کھڑکی سے کمر ٹکائے کھڑی تھی۔ جامد۔ مبہوت۔ لب کپکپا رہے تھے۔ آنکھوں سے بے آواز آنسو گر رہے تھے۔ لیکن آنکھیں اسی طرح شاک کے عالم میں کھلی تھیں۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہ بینہ فرید حمد انٹرنیشنل ایئر پورٹ (دوہا) کے ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس نے لمبا کوٹ پہن رکھا تھا اور اسکارف سر پہ لپیٹے ہوئے تھی۔ اسے آج کچھ زیادہ ہی ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ ساتھ اسٹرولر میں لیٹی ننھی حور خاموشی سے سو رہی تھی۔

بالآخر گیٹ کھلنے کی اناؤنسمنٹ سنائی دینے لگی۔ وہ بالآخر مسکرا دی۔ اور کاٹ میں لیٹی سوتی ہوئی بچی کو دیکھا۔

''حور... بس پانچ گھنٹے بعد ہم لاہور میں ہوں گے۔ ماں کے پاس۔''

وہ اسٹرولر دھکیلتے ہوئے اٹھی ہی تھی کہ اس کا فون بجا۔ اس نے نکال کے دیکھا۔ واٹس ایپ پہ سلیم کی کال آ رہی تھی۔ اُف۔ جب سے اس نے سلیم سے کہا تھا کہ اسے گھر میں ہونے والی ہر بات کی اطلاع کرتا رہے' اس کی ہر روز ہی کال آتی تھی۔ اس نے عجلت میں فون کان سے لگایا۔

''کتنی دفعہ بتاؤں' تمہاری شلٹیں لا رہی ہوں۔''

''ماہی باجی... ماہی باجی...''

ماہی کو پہلے تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ رو رہا ہے یا ہنس رہا ہے۔

''کیا ہوا سلیم؟ او نچا بولو۔'' اردگرد دانا ؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ اس نے دوسرے کان پہ ہاتھ رکھ کے سننا چاہا۔ وہ کہیں راستے کے بیچ کھڑی تھی۔

''ماہی باجی آپ کہاں ہیں؟'' وہ او نچا او نچا رو رہا تھا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا۔

''کیا ہوا ہے؟ بولو نا۔''

''بڑی بی بی فوت ہو گئی ہیں۔''

اس کے کانوں میں سلیم کی آواز گونجی۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ کون تھا؟ بڑی بی بی کون تھی؟

''کیا مذاق ہے' سلیم؟ کیا کہہ رہے ہو؟'' اس کو اپنی آواز چلاتی ہوئی سنائی دی۔

وہ کون تھی؟ اسٹرولر میں لیٹی بچی کون تھی؟

''ان کا ہارٹ فیل ہوا ہے۔ سوتے میں۔'' وہ روتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''ماہی باجی.... بڑی بی بی فوت ہو گئی ہیں۔''

سینے میں کچھ زور سے آ کے لگا۔ جیسے دور سے اڑتا ہوا کوئی تیر ہو۔ ماہی کو لگا اس کے سینے سے خون ابلنے لگا ہے۔

''بکواس کر رہے ہو تم۔ یہ مذاق ہے کوئی ہاں؟ میں ائیر پورٹ پہ ہوں۔ ائیر پورٹ پہ۔'' وہ چلائی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''ماہی باجی بڑی بی بی چلی گئیں۔''

''سلیم اس کو کیوں کال کر رہے ہو؟ ڈفر۔ جاہل۔'' پیچھے سے معید کی چلاتی آواز آئی۔ کسی نے فون کھینچا۔

''ماہی...''

''معید... معید...'' وہ ایک ہاتھ سین ے پہ رکھے او نچا او نچا چلا رہی تھی۔ اردگرد لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔

''معید مجھے سچ بتاؤ۔ میری ماں ٹھیک ہے؟''

''ماہی...'' وہ بھی ایک دم بچوں کی طرح رونے لگا۔

''ماہی تم کیوں نہیں آئیں؟''

''معید میری ماں کہاں ہے؟'' وہ چیخی۔

''ماں چلی گئیں۔''

فون پھسل کے نیچے جا گرا۔اس نے دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ لیے۔چہرہ آنسوؤں سے یوں تر تھا جیسے بارش سے گیلا ہو۔وہ اونچا اونچا رو رہی تھی۔

''میری ماں... میری ماں...''

لوگ بھاگتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔اسے دھندلی آنکھوں اور اپنی چیخوں کے درمیان میں کہیں سیکیورٹی گارڈ نظر آیا۔کسی نے پانی کی بوتل بڑھائی۔ایک بچے کی رونے کی آواز۔

''یہ بچہ کس کا ہے؟''

''میم... آپ نے بورڈنگ کرنی ہے؟ گیٹ کلوز ہونے والا ہے۔''

مگر وہ کوٹ والی لڑکی زمین پہ بیٹھے اونچا اونچا رو رہی تھی۔

''میری ماں نے میرا انتظار نہیں کیا۔کیوں؟ کیوں؟'' وہ اوپر دیکھتے ہوئے روتے ہوئے کسی سے پوچھ رہی تھی۔

بچی کے حلق پھاڑ کے رونے کی آواز بھی ساتھ شامل ہو گئی تھی۔کوئی اسے کندھے سے جھنجھوڑ رہا تھا۔

''کیوں؟ کیوں؟'' وہ گردن اٹھائے اوپر کسی سے پوچھ رہی تھی۔

''میں آ رہی تھی۔میں راستے میں تھی۔کیوں میری ماں چلی گئی؟ کیوں؟''

کسی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا۔ماہی نے سر اٹھا کے اپنے اردگرد دیکھا۔بھانت بھانت کی بولیاں۔مختلف ملکوں کے لوگ۔کسی نے اسٹرولر اس کی طرف بڑھایا۔

ہر روتا بچہ ماں کو دیا جاتا ہے۔کیونکہ اسے صرف اس کی ماں سنبھال سکتی ہے۔

وہ کس کے پاس جائے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ہمسائیوں سے لوگ آنے لگے تھے۔کچھ لوگ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔کچھ عورتیں اندر مالا کے کمرے میں۔کسی نے ششدر سی مالا کو ماں کے ساتھ کرسی پہ بٹھا دیا تھا۔

وہ بس گم صم تھی۔اس کے کھلے بال چہرے کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔وہ وہ گردن ترچھی کیے ماں کے سوتے وجود کو دیکھ رہی تھی۔آنسو آنکھوں سے گر رہے تھے۔لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔

''بیٹا رو لو۔ او نچا او نچا رو لو۔ اندر سے غم نکالو۔'' کسی رشتے دار خاتون نے کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ او نچا رونے کے لیے آواز چاہیے ہوتی ہے۔ آج ساری آوازیں دم توڑ گئی تھیں۔

کوئی اس کے ساتھ آ کے بیٹھا۔ اس نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ پھر سوچنے کی کوشش کی کہ وہ کون تھیں۔ ہاں۔ اسے یاد آیا۔ اس پٹھان بچے کی ماں انہی کے گھر کام کرتی تھی۔ یہ ان کے ہمسائے سے آئی تھیں۔ ڈاکٹر سلیمہ۔ ادھیڑ عمر خاتون۔ فٹ اور اسمارٹ سی۔ باب کٹ بال۔ وہ دنیا گھومتی تھیں۔ سوشل ورک کرتی تھیں۔ ان کے بچے ڈاکٹرز تھے اور شادی شدہ تھے۔ ماں کی دوست تھیں۔ پہلے بھی آتی تھیں۔

وہ اس کے ساتھ بیٹھ کے افسوس کرنے لگیں۔ اس نے چہرہ پھیر لیا۔ اس وقت اسے کچھ نہیں سننا تھا۔

''ماہی سے بات ہو گئی ہے۔ اس نے فلائٹ لے لی ہے۔ وہ جنازے سے پہلے پہنچ جائے گی۔''

معید نے اندر داخل ہوتے ہوئے بتایا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور گیلی تھیں اور وہ نڈھال لگتا تھا۔ مالا نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ ابھی تک نائٹ سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ کسی نے اسے دوپٹہ دیا جو اس نے میکانکی انداز میں کندھوں پہ لپیٹ لیا تھا۔ نیچے سے بال دوپٹے میں چھپ گئے۔ چہرے کے اطراف میں اسی طرح الجھے ہوئے سے گر رہے تھے۔

بخت بی اندر آئی اور ایک دفعہ پھر ہائے میری باجی کہہ کے ماں کا چہرہ دیکھ کے او نچا او نچا رونے لگی۔

''کوئی میری ماں کی موت پہ بین نہیں ڈالے گا۔'' معید ایک دم اونچی آواز میں غرایا۔ بخت بی کو چپ لگ گئی۔

''میری ماں نے ساری عمر اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ آپ کے بین سے ان کو تکلیف ہو گی۔ میں بتائے دے رہا ہوں۔'' اس نے سب خواتین کو دیکھ کے انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ ''کوئی ماتم نہیں کرے گا نہ بین ڈالے گا۔ جس نے رونا ہے (آواز کانپی) ہلکی آواز میں روئے۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کے گر رہے تھے۔ یہ کہہ کے اس نے کرسی کھینچی اور ساتھ بیٹھ گیا۔ ایک دم خاموشی چھا گئی۔ پھر کسی نے ہمت کر کے اسے کہا۔

''بیٹا باہر قناتوں کا انتظام کروایا ہے۔''

''مجھے نہیں پتہ۔'' معید نے ہاتھ جھلا کے سر جھٹکا۔ اور جھک کے ماں کا ٹھنڈا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اس پہ اپنا چہرہ رکھا اور بے آواز رونے لگا۔

وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی نے اسے پکارا لیکن وہ نہیں رکی۔ ننگے پیروں سے چلتی کچن تک آئی۔

''میں فجر کے بعد سوؤں گی۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

کچن میں خاموشی تھی۔ لاؤنج والی خواتین بھی اندر جا چکی تھیں۔ ابھی صبح کے سات بجے تھے۔ ہر گزرتی گھڑی کے ساتھ رش بڑھتا جائے گا۔ اسے کچھ دیر کے لیے تنہائی چاہیے تھی۔

وہ خالی کچن کاؤنٹر پہ آ بیٹھی۔ چپ۔ گم صم۔ آنسو اسی طرح بہہ رہے تھے۔ اس نے چاہا کہ کھل کے رو لے۔ اونچا اونچا۔ بھلے بین ہی ہو۔ ماتم ہی ہو۔ لیکن آواز نہیں نکلی۔ لب کھولے ہی تھے کہ

''ہے اے شاک' کشمالہ۔'' ہیل کی ٹک ٹک کی آواز پہ وہ چونکی۔ چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ڈاکٹر سلیمہ وہیں چلی آ رہی تھیں۔ ان کے باب کٹ بھورے بال بلو ڈرائی سے سیٹ تھے۔ کلف لگا دوپٹہ سر پہ تھا۔

مالا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ اس وقت اکیلے ہونا چاہتی تھی۔

''میں کچھ دیر میں جانے والی ہوں۔ میری نیویارک کی فلائٹ ہے۔'' انہوں نے اپنی ایپ واچ دیکھی۔ پھر اس کو دیکھا جو لاتعلق سی کھڑی تھی۔

''تم ابھی شاک میں ہو۔ یہ grief کی پہلی اسٹیج ہوتی ہے۔''

''مجھے grief کی ساری اسٹیجز معلوم ہیں' آنٹی۔ ساری اسٹیجز ختم ہو گئی ہیں۔'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''میری ماں کے ساتھ سب ختم ہو گیا ہے۔''

''کیا واقعی؟'' وہ اس کے عین سامنے آ رکیں۔ کمان جیسے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

کشمالہ نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔

''آج میری اور میری ماں کی کہانی ختم ہو گئی۔'' گرم گرم پانی آنکھوں سے گرنے لگا۔

''کشمالہ...''

''میں وہیں آ رہی ہوں۔ آپ بیٹھیں۔'' اس نے رخ پھیر لیا۔ وہ یہاں اکیلے ہونا چاہتی تھی۔ یہ پیچھے کیوں آ گئی تھیں؟

''میری ماں کی ڈیتھ کو چالیس سال ہو گئے ہیں۔ تب میں شاید اکیس برس کی تھی...''

''آپ کو پانی دوں؟'' وہ چہرہ موڑ کے گلاس الٹ پلٹ کرنے لگی۔

شاید پانی لبوں سے لگے تو وہ خاموش ہو جائیں۔ اسے خاموشی چاہیے تھی۔

''میں اس وقت تم سے چھوٹی تھی...'' وہ کاؤنٹر کے ساتھ کہنی رکھ کے کھڑی کہہ رہی تھیں۔ اس نے بے چینی

سے پہلو بدلا۔ وہ اپنی ماں کی موت کا بتا رہی تھیں۔ کینسر ہوا تھا انہیں۔ مالا ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اکیلے ہونا چاہتی تھی۔ ہر چیز سے دور۔ فرار۔ یہی اس کا ڈیفنس میکنزم تھا۔

''میری ماں کی موت کے بعد میری ایک سرجری تھی۔ میرے ہارٹ میں ایشو تھا۔''

''میں ذرا کسی کو کال کر لوں۔ قناتوں کے لیے...'' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ موبائل کہاں تھا۔ اُف وہ انہیں یہاں سے کیسے ہٹائے۔

''سرجری سے پہلے جب انہوں نے مجھے اوٹی میں لٹایا تو...''

جیب میں۔ موبائل نائٹ سوٹ کی جیب میں تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل نکالا اور کسی کو کال ملانے لگی۔ کس کو۔ اسے خود نہیں معلوم تھا۔ بس وہ چاہتی تھی کہ وہ خاموش ہو جائیں۔ شاید انہیں احساس ہو جائے کہ وہ نہیں سن رہی۔

وہ ابھی تک کچھ کہہ رہی تھی۔ مالا کپکپاتی انگلیوں سے نمبر ملانے لگی۔ اسکرین پہ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

دوسری طرف رنگ ٹون جا رہی تھی۔ ڈاکٹر سلیمہ اور رنگ ٹون کی آواز آپس میں گڈمڈ ہونے لگی۔

''اس روز مجھے ایک راز معلوم ہوا۔''

کسی خواب کی سی کیفیت میں کشمالہ نے چہرہ اٹھایا۔ فون والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ رنگ ٹون سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بس ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ حیران' عجیب آنکھوں سے۔

وہ کچھ کہہ رہی تھیں۔ کچھ جو اسے سننا تھا۔

''کیا؟''

وہ دو قدم قریب آئیں۔ اور مسکرائیں۔ ان کے چہرے پہ مدھم سی جھریاں پڑ گئیں۔

''ہر وہ بچہ جس کی ماں مر جاتی ہے' اس کو ایک راز تھمایا جاتا ہے۔ ایک ایسا راز جس سے وہ لوگ واقف نہیں ہیں جن کی مائیں زندہ ہیں۔''

وہ ساکت سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ آنسو رک گئے تھے۔

''کچھ بچے اس راز پہ کان لپیٹ لیتے ہیں۔ اور کچھ... کچھ اسے سنتے ہیں۔ غور سے....''

وہ بنا پلک جھپکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ راز ان بہت سے لوگوں کو معلوم ہے جن کی مائیں ان کی زندگیوں سے چلی گئی ہیں۔ لیکن ان بچوں نے دنیا

والوں کے ساتھ ایک بہت بڑی زیادتی کی۔ انہوں نے اس راز کو خود تک روک لیا۔" انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ "میں نہیں روکنا چاہتی۔ چالیس سال پہلے میری ماں مری تھی۔ آج تمہاری ماں مری ہے۔ اس لیے میں تمہیں ایک راز بتانا چاہتی ہوں۔"

"اس سے کیا فرق پڑے گا؟ میری اور میری ماں کی کہانی تو ختم ہو گئی۔"

"اور اگر میں تم سے یہ کہوں کشمالہ..." ان کی آواز مدھم ہوئی اور آنکھیں بھیگ گئیں۔

"کہ تمہاری اور تمہاری ماں کی اصل کہانی اب شروع ہوئی ہے.... تو؟"

وہ جہاں تھی ساکت رہ گئی۔ ساری دنیا تھم گئی۔

"کیسے؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قریباً گھنٹے بھر بعد کشمالہ مبین اپنے کمرے میں واپس داخل ہوئی تو اس کا چہرہ وہ نہیں تھا۔ کچھ تھا جو وہاں بدل گیا تھا۔ کچھ خواتین خود ہی ماں کی میت کو لاؤنج میں منتقل کروا رہی تھیں کہ اب وہاں رش بڑھ گیا تھا۔ ایسے میں وہ الماری تک آئی اور اندر سے ایک فیروزی لباس نکال کے بخت بی کی طرف بڑھایا۔

"استری کر دیں۔" اس کا چہرہ اور آنکھیں خشک تھیں۔ بخت بی جو خود رو رو کے نڈھال سی بیٹھی تھی، چونک کے اسے دیکھنے لگیں۔ لیکن کشمالہ کے چہرے پہ صرف سنجیدگی تھی۔ انہوں نے ہچکچاتے ہوئے سوٹ تھام لیا۔

"اپنی ساری بیٹیوں کو کال کریں۔ ان سے کہیں کہ فوراً یہاں پہنچیں۔ جنازے اور اس کے بعد کے سارے معاملات ان کو سنبھالنے ہوں گے۔" وہ سنجیدگی سے ہدایات دے رہی تھی۔

"بانو سے کہنا لازمی آئے۔ بانو کو بچوں کا تجربہ ہے۔ ماہی کی بچی کو سنبھالنا ہو گا۔ اور سلیم سے کہیں، مہمانوں کے لیے چائے بنائے اور سب سے ناشتے کا پوچھے۔"

وہ تاکید کر کے آگے بڑھ گئی۔ بخت بی عجیب نظروں سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

باتھ روم میں آتے ہی اسے زور کا چکر آیا۔ اس نے دیوار کو تھام لیا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔ بہت سے آنسو روکے۔

(تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔)

اس نے اپنے زرد پڑتے چہرے پہ بہت سا پانی ڈالا۔ جلتے انگاروں کو ٹھنڈک ملی۔

میری اور میری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

تھوڑی دیر بعد وہ تیار نظر آ رہی تھی۔ گیلے بالوں کو اونچی پونی میں باندھا۔ دوپٹہ سر پہ لیا۔ اور پیروں میں سیاہ کھسے پہنے۔ اسے اپنی ماں کے جنازے کے انتظامات کرنے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ چند افراد کے ساتھ کھڑی ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔

''ہاں مجھے معلوم ہے اب گرمی نہیں ہے۔ یہ نومبر ہے لیکن جب لوگ زیادہ ہوں گے تو گرمی ہو جائے گی' جاوید۔'' وہ ڈپٹ کے کہہ رہی تھی۔ ''ایک پنکھا مجھے وہاں چاہیے۔ ایک اس طرف۔'' انگلی اٹھا اٹھا کے وہ مختلف جگہوں کی نشاندہی کر رہی تھی۔ لان میں کرسیاں لگوائی جا رہی تھیں۔ سڑک کے باہر گاڑیاں کھڑی تھیں۔ چند لوگ قناتیں نصب کر رہے تھے۔

''مجھے کفن کا کپڑا چاہیے۔ ابھی۔'' وہ اب موبائل کان سے لگائے کسی سے کہہ رہی تھی۔ ''نہیں غسل کا مسئلہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب کی بیوی آ جائے گی۔ میں اور میری بہن اس کے ساتھ مل کے غسل دیں گے۔''

اس کی آنکھیں خشک تھیں اور انداز مصروف۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے دس بجے تھے جب ماموں کی کار گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ وہ اسلام آباد سے پہنچتے ہی پہلے ائیر پورٹ گئے تھے۔ اور اب واپس آئے تو لان خواتین سے بھرا ہوا تھا۔

پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور سیاہ کوٹ والی لڑکی باہر نکلی۔ اس کا ریشمی اسکارف ڈھلک کے پیچھے جا گرا تھا۔ الجھے الجھے بال۔ گیلا چہرہ۔ اس کی نظریں لان تک گئیں اور پلٹنا بھول گئیں۔

میت اب لان میں رکھی تھی اور اس کے گرد عورتیں بیٹھی تھیں۔

ماہی نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔ اس کے رونے کی بلند آواز نے سب کے سر موڑ دیے۔ کچھ عورتیں اس کی طرف بھاگیں۔

''ماہی تیری ماں نے تیرا انتظار نہیں کیا...''

''ماہی بیٹا تو نے بہت دیر کر دی....''

''ہائے حورِ جہاں کی بدقسمت بیٹی....''

''پردیس والوں کے مسئلے....''

''شکر ہے میت کے منہ پہ پہنچ گئی۔''

ہر طرف سے آوازیں تھیں۔افسوس تھے۔اور وہ اس سب سے بے نیاز اونچا اونچا رو ئے جا رہی تھی۔

عورتیں اسے سہارا دے کر میت کی چارپائی تک لے آئیں۔کوئی اسے کہہ رہا تھا کہ ماں کا چہرہ دیکھو۔دیکھو کیسی جنتی اور پرنور لگ رہی ہے۔

لیکن ماہ بینا اپنی ماں کا چہرہ دیکھنے نہیں آئی تھی۔

وہ اپنی ماں کے پیروں تک گئی اور دونوں ہاتھوں سے کفن میں لپٹے پیر تھام لیے۔

''ماں میں راستے میں تھی۔ماں مجھ سے ناراض نہ ہونا۔''وہ ان پیروں پہ سر رکھے بلند آواز میں روئے جا رہی تھی۔''میری ماں مجھ سے ناراض نہ ہونا۔میں بہت مجبور تھی۔ماں مجھے معاف کر دیں۔مجھے معاف کر دیں۔''

اس کی حالت دیکھ کے ہر کوئی رو رہا تھا۔مرد حضرات کی بھی آنکھیں اشکبار تھیں۔اگر کوئی نہیں رو رہا تھا تو وہ کشمالہ مبین تھی۔جہاں سب ماہی کی طرف متوجہ تھے وہاں کشمالہ بانو کے ساتھ کار میں رکھا کاٹ نکال رہی تھی۔اس کے اندر لیٹی بچی اپنی سبز آنکھیں جھپک جھپک کے دنیا کو دیکھ رہی تھی۔حیران اور خوبصورت آنکھیں۔

کشمالہ نے نرمی سے اس کو اپنے دونوں بازوؤں میں اٹھایا اور مسکرا کے اس کا چہرہ دیکھا۔

''میری اور میری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔''

پھر اس نے بچی کو اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''اس کو ٹھنڈ لگ جائے گی۔اسے اندر ہیٹر پہ لے کر بیٹھ جاؤ۔''اس نے بچی بانو کو تھمائی۔بانو نے سمجھداری سے بچی اٹھائی اور اندر لے گئی۔

پھر وہ رش میں سے راستہ بناتے ہوئے ماہی کی طرف آئی۔وہ ماں کے قدموں میں بیٹھی اب رو رو کے نڈھال ہو چکی تھی۔مالا نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

''مالا....ماں نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟''وہ بچوں کی طرح بلک بلک کے رو رہی تھی۔

وہ کچھ نہیں بولی۔بے آواز آنسو اس کی آنکھوں سے بھی گرنے لگے۔

''ماموں آ گئے ہیں۔ماہی آ گئی ہے۔''کسی عورت نے سمجھداری سے اس کے قریب سرگوشی کی۔''سب آ گئے ہیں۔اب جنازے میں دیر نہ کرنا۔میت کو تکلیف ہوتی ہے۔''

مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔سب آ گئے تھے۔اب دیر نہیں ہو گی۔

اور اسی لمحے اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

ایک شخصیت تھی جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ جو اپنے پسندیدہ جنازوں پہ نیا لباس اور نیا زیور پہن کے آتی تھی۔

وہ بالکل ساکت رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ بیگم اس صبح دیر سے جاگی تھیں۔ فون رات سے بند تھا۔ ناشتے کی میز پہ ملازم نے ڈرتے ڈرتے اطلاع دی کہ بہت سے لوگ فون کر چکے ہیں۔ کسی کا انتقال ہو گیا ہے۔

''کون مر گیا ہے؟''

انہوں نے بے زاری سے فون آن کیا۔ بہت سی میسج ٹونز ایک ساتھ بجی۔ اگلے ہی لمحے کبیرہ سادان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کرسی دھکیلتی وہ ایک دم کھڑی ہوئیں۔

''آفس فون کر کے آج کی ساری میٹنگز کینسل کر دو۔ میں کسی کی کال تک اٹینڈ نہیں کروں گی۔'' ملازمہ کو ہدایات دیتی وہ اپنے کمرے کی طرف مڑ گئیں۔

''آج مجھے ایک جنازہ اٹینڈ کرنا ہے۔''

کبیرہ سادان کو تیاری میں کافی دیر لگی تھی۔ بین گلے اور پوری آستین والا سیاہ لباس بہت خوبصورت اور با وقار تھا۔ کف پہ سیاہ موتیوں کا کام کیا گیا تھا۔ وہ اپنے خوبصورت چہرے پہ ایک مطمئن نظر ڈال کے لائنر لگانے لگیں۔ پھر لبوں کو لپ اسٹک سے گلابی کیا۔

بالآخر انہوں نے اپنا جیولری باکس کھولا۔ نئے ڈائمنڈز۔ نئے پرلز۔ pearls۔ ہر شے جو انہوں نے ماہی کے بچے کی موت کے لیے سنبھال رکھی تھی، آج کام آنی تھی۔

آج ان کی سب سے بڑی دشمن کی موت واقع ہوئی تھی۔ آج عالیان کی موت کا بدلہ پورا ہوا تھا۔

''قسمت۔'' وہ اپنا عکس دیکھ کے مسکرائیں۔ ''جیسے میں اپنے عالیان کو ایک لمبے عرصے تک نہیں دیکھ سکی تھی۔ ویسے ہی تم بھی اپنی نواسی کو نہیں دیکھ سکیں۔''

وہ مسکراتے ہوئے ایک ایک انگلی میں انگوٹھیاں پہننے لگیں۔ پھر موتیوں کی ایک لڑی گردن میں ڈالی۔ کانوں میں ننھے ٹاپس پہنے۔ وہ مکمل طور پہ تیار تھیں۔ چہرے پہ افسوس طاری کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن وہ ایک اچھی

اداکارہ تھیں۔ وہ وہاں پہنچنے پہنچنے تک اپنے چہرے کو ہمدردی اور افسوس سے بھر لیں گی۔

انہیں جنازے سے عین آدھا گھنٹا پہلے پہنچنا تھا۔ یہ میت کے گھر والوں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ وقت ہوتا ہے۔ اور اس وقت انہیں سب سے زیادہ سکون ملے گا۔

انہوں نے عامل کے نمبر پہ کال ملائی اور فون کان سے لگالیا۔

''مجھے ایک تعویذ چاہیے۔ ابھی۔ اسی وقت۔'' وہ ہدایات دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ اپنے کمرے میں فون کان سے لگائے دائیں سے بائیں ٹہل رہی تھی۔

''کھانا کم نہیں پڑنا چاہیے۔ اوکے؟'' سختی سے کہہ کے اس نے فون رکھا۔ ماہی' جو بیڈ پہ بیٹھی اپنی بچی کو فیڈ کروا رہی تھی' بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہماری ماں مرگئی ہے اور تمہیں جنازے کی دیگوں کی پڑی ہے؟''

''مجھے اس لیے پڑی ہے کیونکہ ہماری ماں مرگئی ہے۔ وہ ہوتیں تو یہ انتظام خود کرتیں۔ انہوں نے ہمارے گھر سے کبھی کسی کو کھانا کھلائے بغیر نہیں بھیجا۔'' وہ اسی تیزی سے بولی تو ماہی خاموش ہوگئی۔

''عجیب رواج ہیں اس ملک کے۔ موت بھی ہمارے گھر ہوئی ہے۔ کھانا بھی ہم کھلائیں۔''

باہر سے گزرتی بخت بی نے رک کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔ اسے یاد تھا۔ بڑی بی بی کی بیماری کے دنوں میں مالا مہمانوں سے کتنا چڑتی تھی۔ ان کو صرف قہوہ اور بسکٹ دیتی تھی تاکہ وہ جلدی جائیں۔ لیکن آج یہ وہ مالا نہیں لگ رہی تھی۔ اسے کچھ ہوگیا تھا۔

''جنازے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔'' مالا اب کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ نظریں باہر جمع ہوئی عورتوں پہ تھیں۔

''جنازہ.... '' ماہی کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ اب تو رونے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔

''ہاں ماہی۔ جنازہ ہوگا ابھی اور کبیرہ بیگم آنے کی تیاری کر رہی ہوں گی۔''

ماہی بری طرح چونکی۔ اس سارے میں اسے کبیرہ تائی بالکل ہی فراموش ہوگئی تھیں۔

''وہ بھی آئیں گی؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔ اور پھر اسے یاد آیا۔ ''جیسے نورِ جہاں خالہ کی ڈیتھ پہ آئی تھیں۔ نیا جوڑا۔ نئی جیولری۔'' اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ ''نہیں۔ اگر وہ آئیں تو میں ان کا منہ نوچ لوں گی۔ میں ان کو جان سے مار ڈالوں گی۔ ان کے جادوؤں نے میری ماں کو مار دیا۔''

''کسی کے جادو نے ہماری ماں کو نہیں مارا' ماہی۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ فیروزی دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ پرسوچ لگ رہا تھا۔ ''ان کا جادو ٹوٹ چکا تھا۔ ہماری دعا سے۔ ہماری پڑھائیوں سے۔ ٹیومر ختم ہو گیا تھا۔ ان کی موت ہارٹ فیل سے ہوئی ہے۔ وہ ایسے ہی لکھی تھی۔ یکم نومبر کو۔ وہ مکتوب تھی۔ ٹیومر ہوتا یا نہ ہوتا۔''

''مگر انہوں نے جادو کیے تھے۔ اپنی کوشش کی تھی۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی ایف آئی آر بھی نہیں کروا سکتے ہم۔'' اس نے گود میں لیٹی حور کو دیکھا۔ وہ اب سو چکی تھی۔ ''ہم کتنے بے بس ہیں' مالا۔ ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اب وہ ہمارے سامنے آئیں گی۔ روتا چہرہ بنا کے ہم سے ہماری ماں کا افسوس کریں گی۔ میری بیٹی کی مبارکباد دیں گی۔''

وہ تنفر سے کہہ رہی تھی جب مالا دھیرے سے بولی۔

''اور وہ تعویذ ڈالیں گی۔''

ماہی دھک سے رہ گئی۔ ''تعویذ؟''

''جیسے نور جہاں خالہ کی ڈیتھ پہ انہوں نے کیا تھا۔'' اس نے پلٹ کے ماہی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر سا تھا۔ ''بھول گئیں؟ میں نہیں بھولی۔''

''کفن میں تعویذ ڈالنے والا جادو۔'' ماہی بڑبڑائی۔ ''تاکہ مردے کے پیچھے اس کا سارا خاندان تباہ ہو جائے۔''

ماہی نے بے بسی سے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

''لیکن ہم کیا کریں؟ ان کو آنے سے روکا تو وہ سارے خاندان میں مشہور کر دیں گی۔ سب ہمیں برا بھلا کہیں گے۔ ہماری ماں کی تربیت پہ انگلی اٹھے گی۔ ہم ان کو اپنے گھر میں آنے سے نہیں روک سکتے۔''

''میں روکوں گی۔'' کشمالہ نے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ ''وہ عورت میرے گھر میں داخل نہیں ہو گی۔''

''کیسے روکو گی؟ پولیس کھڑی کرو گی باہر؟ تماشہ ہو گا مالا۔ تم تماشے کے بغیر ان کو نہیں روک سکتی۔ سارا خاندان ہم پہ تھوتھو کرے گا کہ ایسے موقع پہ ہم نے کم ظرفی دکھائی۔''

''میں روک سکتی ہوں اور میں روکوں گی۔'' وہ اطمینان سے نمبر ملا رہی تھی۔ ماہی دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ بیگم کانوں میں ائیر رنگز پہن رہی تھیں جب فون بجنے لگا۔

کشمالہ۔ وہ مسکرا دیں۔ کال اسپیکر پہ لی اور ائیر رنگ کا اسٹاپر بند کرتے ہوئے آواز روہانسی کر لی۔

''ہائے کشمالہ... تمہاری ماں کا ابھی پتہ چلا' بیٹا۔ میرا تو دل ہی ڈوب گیا ہے جیسے۔ میں...''

''آپ میری ماں کے جنازے پہ نہیں آئیں گی۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جاڑے کی نرم دھوپ سے اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

''چ... کشمالہ بیٹا... ایسے موقعوں پہ پرانی نفرتیں بھلا دیتے ہیں۔ ایسے نہیں کرتے' بیٹا۔''

''میں نے کہا نا' آپ میرے گھر میں قدم بھی نہیں رکھیں گی۔'' اس کا لہجہ کسی قسم کے جذبے سے عاری تھا۔

''اور خاندان والے کیا کہیں گے جب انہیں معلوم ہوگا؟'' کبیرہ مسکرائیں۔ ''سب تم بہن بھائیوں کو ہی برا کہیں گے۔ تمہاری ماں کی تربیت پہ بات آئے گی۔''

''میں آپ کو اپنے گھر میں تعویذ نہیں ڈالنے دوں گی' کبیرہ بیگم۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔

کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ انہوں نے میز پہ رکھے پیکٹ کو دیکھا جس میں ابھی ابھی عامل کی طرف سے تعویذ موصول ہوا تھا۔

''اور تم مجھے کیسے روکو گی۔'' وہ غرائیں۔

''مالا نہیں کرو۔'' ماہی نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ پریشان لگ رہی تھی۔ ''وہ ہمیں سارے خاندان میں بدنام کر دیں گی۔''

لیکن مالا اس طرف متوجہ نہیں تھی۔

''اگر آپ میرے گھر آئیں تو...''

''تو کیا؟ پولیس بلا کے مجھے گرفتار کرواؤ گی؟ کسی کے جنازے پہ آنا جرم ہے کیا؟''

کشمالہ مبین نے گہری سانس لی۔

''میں معید نہیں ہوں۔ وہ بھی بات بات پہ پولیس کی باتیں کرتا ہے۔ اور رہی ماہی... تو وہ غصے کی تیز ہے۔'' ایک نظر بیڈ پہ فکرمند بیٹھی ماہی کو دیکھا۔ ''آپ کو دیکھ کے شاید وہ آپ پہ حملہ کر دے۔ لیکن کبیرہ بیگم... میں ماہی نہیں ہوں۔ میں مالا ہوں۔ مجھے صرف ایک کام کرنا آتا ہے۔''

کبیرہ غور سے اس کو سن رہی تھیں۔

''اور وہ ہے رنگ کرنا۔ میرے سب سے اچھے دوست رنگ ہیں۔''

''یعنی؟''

''میرے گھر کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔اور ان کھلے دروازوں پہ کچھ بچے کھڑے ہیں۔یہ وہ بچے ہیں جن کو میں اپنے فالتو رنگ دے دیتی ہوں۔''اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ایک سرگوشی ہو جیسے۔

''یہ بچے آپ کو پہچانتے ہیں۔اور آپ کو پسند نہیں کرتے۔اور وہ کیا ہے کہ جب بچوں کو کوئی پسند نہیں ہوتا تو وہ معصوم شرارتیں کر جاتے ہیں۔''

وہ کہتے ہوئے پونی سے نکلی ایک لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

''ان کے ہاتھوں میں میرے دیے گئے رنگ ہیں جسے وہ کسی کے لباس... نئے لباس... پہ گرا سکتے ہیں۔بھرے مجمع میں ہر طرف سے وہ کسی پہ رنگوں کی ہولی کھیل سکتے ہیں۔کسی پہ حملہ بھی کر سکتے ہیں۔اور ایسا کر کے وہ بھاگ جایا کرتے ہیں۔بچے ہیں نا۔کوئی انہیں پکڑ بھی نہیں سکتا۔''

کبیرہ سادان سانس روکے سن رہی تھیں۔

''وہ کسی کا پرس بھی چھین سکتے ہیں۔کسی کا موبائل بھی۔اور ایک منٹ میں...''اس نے چٹکی بجائی۔''وہ بھاگ کے نظروں سے اوجھل بھی ہو سکتے ہیں۔بچوں کو کوئی الزام نہیں دیتا۔لیکن...''اس کی آواز مزید دھیمی ہوئی۔

''لیکن اس عورت کا کیا ہوگا جو دن میں کئی بار اپنے ہاتھ دھوتی ہے؟ جو اپنی شخصیت پہ ایک داغ برداشت نہیں کرتی؟ جس کا لباس بے شکن ہوتا ہے؟ اگر ایسی کسی عورت پہ کسی بچے نے غلطی سے کچھ گرا دیا تو وہ کیا کرے گی؟ کیا وہ بھرے خاندان کے سامنے یہ ہزیمت برداشت کرے گی؟''

دوسری جانب بالکل خاموشی تھی۔

''اور جس وقت یہ ہوگا' ہم تین بہن بھائی اپنے ماں کا جنازہ اٹھا رہے ہوں گے۔کون ہمیں الزام دے گا؟ بلکہ ہم تو ہر رشتے دار سے کہیں گے کہ پلیز کبیرہ تائی کو کال کریں۔ان سے کہیں کہ جنازے پہ ضرور آئیں۔کوئی ہم پہ شک نہیں کرے گا۔نہ کوئی ان بھاگ جانے والے بچوں کو پکڑے گا۔فیصلہ آپ کا ہے۔''

کال منقطع ہو گئی۔ماہی کے لب ابھی تک کھلے ہوئے تھے۔

''کبیرہ تائی کو اوسی ڈی ہے۔''وہ اس کی طرف مڑی اور سپاٹ انداز میں بتانے لگی۔''وہ اپنے اوپر ایک چھینٹ بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔وہ نہیں آئیں گی۔میں نے کہا تھا نا' میں انہیں روک سکتی ہوں۔''

ماہی نے میکانکی انداز میں سر ہلا دیا۔

''کیا تم نے واقعی بچوں کو اس کام پہ کھڑا کیا ہے؟''

مالا نے جواباً کھڑکی کی جانب اشارہ کیا۔ ماہی کی نظریں اس طرف اٹھیں۔ گیٹ کے ساتھ مرد حضرات کے آگے پیچھے چند بچے ٹہل رہے تھے۔

''مالا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''

وہ باہر جا رہی تھی جب ماہی نے اسے پکارا۔ وہ چوکھٹ سے پلٹی اور اس کا چہرہ دیکھا۔

''جب ماں مر جاتی ہے تو کچھ بچے ڈھے جاتے ہیں۔ اور کچھ.... ''اس نے بہت سے آنسو اندر ہی اندر اتار دیے۔'' کچھ بڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنی ماں جتنے بڑے۔''

یہ کہہ کے وہ رکی نہیں۔ دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ نومبر کے ابتدائی دنوں کی ایک صبح تھی جو استنبول پہ خزاں کی ٹھنڈی ہوا لیے اتری تھی۔ اس کے آفس کی کھڑکی میں رکھا کیکٹس کا پودا اب سبز نظر آ رہا تھا۔ اسے جاڑا راس آ گیا تھا۔

''یہ کب ہوا؟'' بیربل نے دھیرے سے پوچھا۔ وہ ماہر کے سامنے بیٹھا تھا۔ چہرے پہ افسوس تھا۔

''ایک ہفتہ پہلے۔'' وہ خاموشی سے کھڑکی میں رکھے پودے کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پہ تکان تھی۔

''تمہیں کس نے بتایا؟'' وہ بغور ماہر کا چہرہ دیکھ رہا تھا جس پہ ایک مانوس سی سوگواریت تھی۔ قاسم فرید کے جنازے والے دن جیسی۔

''اس کی بہن نے۔''

ایک خزاں آلود خاموشی پھر سے چھا گئی۔

''کیا اس کی ماں کا انتقال جادو سے ہوا ہے؟''

''معلوم نہیں۔'' وہ لبوں پہ مٹھی رکھے ہلکے سے شانے اچکا کے رہ گیا۔'' لیکن موت مکتوب ہوتی ہے بیربل بے۔''

''یعنی جس کو دنیا میں آنا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جس کو جانا ہے اسے بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ پھر ہمارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' عجیب بے زاریت سی محسوس ہوئی۔ بے بسی بھری بے زاریت۔

''بس اتنا کہ ہم اپنے ساتھ کیا لے کر جاتے ہیں۔'' وہ آزردگی سے مسکرایا۔

''اسے کال نہیں کرو گے؟''

''معید کو کال کی ہے۔اپنے حصے کی تعزیت کر لی ہے میں نے۔''

''ماہر...'' بیر بل نے ماتھے کو چھوا۔''چھوڑ دو اپنی انا۔اس کو کال کر لو۔وہ تکلیف میں ہو گی۔''

دروازہ دستک سے کھلا اور زارینہ اندر آتی دکھائی دی۔اس نے لمبے سفید بوٹ پہن رکھے تھے۔مڈی ڈریس میں کمر کے گرد بیلٹ بندھی تھی۔کھلے بال شانوں پہ لہرا رہے تھے۔وہ ٹھک ٹھک کی آواز سے چلتی ان کے سامنے آئی۔باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

''تم لوگوں کو کیا ہوا ہے؟'' پھر ایک ٹیبلیٹ ماہر کے سامنے رکھا۔

''کچھ نہیں۔'' ماہر نے سر جھٹکا۔''میں اسے بعد میں دیکھ لوں گا۔ابھی میرے سر میں درد ہے۔''

زارینہ نے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھا۔''کوئی میڈیسن لا دوں؟''

''کچھ ایسا لا دو جو جمے ہوئے دل کو پگھلا دے۔''

''بیر بل۔'' اس نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا تو وہ منہ میں بڑبڑا کے رہ گیا۔

زارا نے باری باری ان دونوں کو دیکھا' پھر سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''اتنے بڑے استنبول میں زارا کو تمہارے علاوہ کوئی کیوں نہیں نظر آتا؟'' بیر بل اس کے جاتے ہی افسوس سے بولا تو ماہر نے بغور اسے دیکھا۔

''اس لڑکی کا کیا ہوا؟ وہ جو مختلف تھی؟''

''وہ ٹھیک ہے۔'' بیر بل دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

''اس کی طبیعت نہیں پوچھ رہا۔ردعمل پوچھ رہا ہوں۔'' وہ بغور بیر بل کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

بیر بل نے ایک لمبی' ٹھنڈی آہ بھری۔

''پہلے اس نے ملنا کم کیا۔پھر کال اٹھانی چھوڑی۔پھر اس نے کہا'' یہ تم نہیں ہو' یہ میں ہوں'' (منہ بگاڑ کے نقل اتاری) پھر اس نے مجھے بالکل چھوڑ دیا۔اور آج مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے ہی ایک دوست کے ساتھ شاپنگ کرتی دکھائی دی ہے۔اب تم جی بھر کے ہنس لو۔''

لیکن وہ نہیں ہنسا۔کندھے اچکا دیے۔''آئی ایم سوری۔''

''تمہیں کیسے ہر دفعہ علم ہو جاتا ہے؟ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم میری جاسوسی کرواتے ہو' اور ان لڑکیوں کو مجھے

چھوڑنے کے لیے پیسے دیتے ہو۔''

''میں ایسی عورتوں پہ پیسہ ضائع نہیں کرتا۔'' ماہر نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''پھر کیسے تمہارا اندازہ ہر دفعہ درست ہو جاتا ہے؟ تم ان میں سے ایک لڑکی سے بھی آج تک نہیں ملے۔ نہ تم انہیں جانتے ہو۔''

''کیونکہ میں تمہیں جانتا ہوں' بی۔'' وہ آگے بڑھا اور نرمی سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

''کیا مطلب؟'' بیر بل کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔

''خود سوچو' بی۔ ہمیشہ تمہیں ہی ٹاکسک لڑکیاں کیوں ملتی ہیں؟''

''کیا میں ٹاکسک ہوں؟''

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم ایک اچھے انسان ہو۔ لیکن تمہیں ایک جیسی لڑکیاں کیوں ملتی ہیں' اس کسوٹی کو تمہیں خود ہی حل کرنا ہے۔''

تھوڑی دیر کے لیے ایک الجھن بھری خاموشی چھا گئی۔ پھر بیر بل اٹھ کھڑا ہوا۔

''اسے کال کر لو' ماہر۔'' موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے اس نے تاکید کی۔

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ بیر بل کے جانے کے بہت دیر بعد اس نے انٹر کام اٹھایا۔

''م... میرے لیے اس ویک اینڈ پہ لاہور کی فلائٹ بک کروا دو۔'' وہ اب میز پہ رکھی ایک scented کینڈل کے گرد انگلی پھیر رہا تھا۔ نظریں اس کے جلے کے سیاہ ہوئے دھاگے پہ جمی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کی خاموشی ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس رات وہ گم صم سی صوفے پہ بیٹھی تھی۔ آج اس نے گلابی لباس پہ سفید دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔ آنکھیں آج بھی خشک تھیں اور وہ گود میں رکھے موبائل پہ جمی تھیں۔ ماں کی تصویر اس نے وال پیپر پہ لگا رکھی تھی۔ اور اب دھیرے دھیرے اپنی انگلی ان کے چہرے پہ پھیر رہی تھی۔

''کیا مصیبت ہے؟ اس کو burp کیوں نہیں آتا؟'' سامنے کمرے میں نہلاتی ماہی ننھی حور کو کندھے سے لگائے جھنجھلا کے کہہ رہی تھی۔

''ایک گھٹنے سے کمر پہ ہاتھ پھیر رہی ہوں۔ برپ ہی نہیں آ رہا۔'' چڑچڑے انداز میں اس کا ہاتھ بچی کی کمر پہ تیزی سے چلنے لگا۔ تھپ تھپ۔

مالا نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر واپس فون کو دیکھنے لگی۔

''برپ (ڈکار) نہیں آئے گا تو پھر سے دودھ نکال دے گی۔ اچھا عذاب ہے۔'' ماہی نے تیزی سے بچی کو نیچے لٹایا۔ اور اس کے اوپر جھکی۔

''مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ کیوں نہیں آتا تمہیں برپ؟ نوکر ہوں میں تمہاری جو سارا دن تمہیں تھپکتی رہوں؟'' اس نے دونوں ہاتھوں سے بچی کو جھنجھوڑا۔ بچی کے ہونٹ رونے کی صورت میں بنے۔ ماہ بینہ کی تیوریاں مزید چڑھ گئیں۔

''آواز نہ آئے مجھے تمہاری۔'' اس نے کھینچ کے ایک تھپڑ اس کے کندھے پہ مارا۔ بچی ایک دم اونچی آواز میں رونے لگی۔

''اف۔ رونا بند کرو۔'' اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھائے کہ اس کو جھنجھوڑ دے لیکن اس کی کلائی راستے میں زور سے کسی نے پکڑ لی۔

ماہی نے چونک کے سر اٹھایا۔

مالا اس کا ہاتھ جکڑے اس کے سر پہ کھڑی تھی۔

''میری بات کان کھول کے سنو' ماہ بینہ مبین۔ اگر تمہارا ہاتھ دوبارہ اس بچی پہ چلا تو میں اس کو یہاں سے لے کر چلی جاؤں گی اور تم اس کی شکل دیکھنے کے لیے بھی ترسو گی۔ آئی سمجھ؟''

ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑی۔

ماہی کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

بچی اب حلق پھاڑ کے رونے لگی تھی۔

''میں کیا کروں؟ اس کو برپ نہیں آ رہا۔''

وہ اپنی سرخ کلائی سہلا رہی تھی۔ مالا دھیرے سے اس کے سامنے بیٹھی۔ اس کے بھرے بھرے چہرے پہ رتجگے کی تھکاوٹ تھی۔

''تم بے بی کو قصوروار سمجھتی ہو۔ تمہیں لگتا ہے سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔''

ماہی نے گلابی پڑتی آنکھیں اٹھائیں۔

''سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس دن کے لیے لوگ اولاد مانگتے ہیں کیا؟ اس... اس...'' تنفر بھری آنکھوں

سے روتی ہوئی بچی کو دیکھا۔ ''اس کی وجہ سے میں اپنی ماں سے نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ سے....''

بانو بھاگتی ہوئی آئی اور روتی ہوئی بچی کو اٹھالیا۔

''ماں کی زندگی اتنی ہی لکھی تھی۔''

''مگر میں نہیں آئی۔ مالا میں کیوں نہیں آئی؟ اس کی وجہ سے۔'' وہ روتے ہوئے بانو کے ہاتھ میں موجود بچی کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

''میں نے اس کو اپنی ماں کے اوپر ترجیح دی۔ اس کی وجہ سے ہوا ہے سب۔ مل گئی مجھے اولاد۔ یہی چاہیے تھا مجھے۔ میری ماں چلی گئی۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

''سب کہتے ہیں ماہی بدنصیب ہے۔ ماں کی خدمت نہیں کر سکی۔ جو آتا ہے یہی کہتا ہے۔ کیا میں بدنصیب ہوں مالا؟''

مالا نے نرمی سے اس کی سرخ کلائی تھامی۔ پھر اس کا ہاتھ سہلایا۔

''جو بچے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ماں باپ کے آخری وقت میں ان کے ساتھ نہیں ہوتے' وہ بدنصیب نہیں ہوتے' ماہی۔ بس یہ ان کے نصیب میں نہیں ہوتا۔''

اس نے نرمی سے ماہی کے چہرے پہ آئے آنسو پونچھے۔

''ماہی باجی جب میرا شوہر میرے اوپر ہاتھ اٹھاتا تھا تو آپ کتنا برا مانتی تھیں۔'' بانو روتی ہوئی بچی کو چپ کرواتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''وہ اپنا غصہ میرے پہ نکالتا تھا۔ اور آپ اس بچی پہ نکال رہی ہیں۔ یہ کوئی بات ہے بھلا؟'' بانو باقاعدہ برا مان کے بچی کو لیے باہر چلی گئی۔

''مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کو کیسے سنبھالوں۔ کوئی کہتا ہے سر بٹھاؤ۔ کوئی کہتا ہے ایسے اٹھاؤ۔ ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔''

''صرف اتنا کرو کہ حور کو تصور وار سمجھنا چھوڑ دو۔ تم ایسے اللہ کی ناشکری کر رہی ہو۔ ماں یہ کبھی برداشت نہ کرتیں۔'' وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ ماہی نے بھیگی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا جیسے کچھ ٹٹول رہی ہو۔

''تم اتنی کمپوزڈ کیسے ہو؟''

''کیونکہ میں کچھ ایسا جانتی ہوں جو تم نہیں جانتیں۔''

ماہی کے آنسو ٹھہر گئے۔ ''تم مجھ سے شیئر نہیں کرو گی؟''

''کروں گی۔ جب تمہارے آنسو رکیں گے اور تمہاری نظر دیکھنے کے قابل ہو گی۔''

ماہی ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ دونوں کب سے ایک دوسرے کے ساتھ راز رکھنے لگ گئی تھیں؟

''مالا باجی...'' بانو کی چھوٹی بہن نے اندر جھانکا۔ ''مہمان آئے ہیں۔ وہ... وہ جو باہر کے ملک میں رہتے ہیں....''

مالا کی گردن تیزی سے مڑی۔ ''کون کیف؟''

''نن نہیں.. وہ زیاد صاحب کی امی۔''

اس کی انکی سانس جاری ہوئی۔ کندھے ڈھلک گئے۔ وہ ماہی کو دیکھے بنا اٹھ کھڑی ہوئی جو بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیف؟ تم نے کہا کیف؟''

مالا اس کی طرف نہیں پلٹی۔

''منہ سے نکلا تھا۔''

''مگر ذہن سے نہیں نکلا۔''

مالا نے جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔

زیاد اسے روز ہی میسج کرتا تھا۔ وہ آ نہیں سکا تھا لیکن اس نے کہا تھا کہ امی کچھ دن بعد آئیں گی۔ مالا نے منع بھی کیا کہ ان کو سفر نہ کرنے دے لیکن اس نے بتایا کہ جب سے انہوں نے حور آنٹی کی ڈیتھ کی خبر سنی ہے وہ بہت غمگین رہنے لگی ہیں۔

نگینہ بیگم کو دیکھ کے اسے دھچکا سا لگا۔ وہ بہت کمزور اور بیمار لگ رہی تھیں۔ چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ ہاتھ میں اسٹک تھی جس کے سہارے چلتی تھیں۔ سفید براق دوپٹہ چہرے کے گرد پھیلائے وہ اسے دیکھ کے مسکرائیں۔ ان کا چہرہ آج بھی مالا کو ہمیشہ جیسا پرنور لگا تھا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

کچھ دیر بعد وہ دونوں بہنیں ان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ماہی بھی انہیں دیکھ کے فکرمند ہوئی تھی۔

''بس بیٹا، اب تو اگلے سفر کی تیاری ہے۔'' انہوں نے مسکرا کے اسے دیکھا تو وہ ایک دم اندر تک ہل گئی۔ ماہی بھی جلدی سے بولی۔

''اللہ نہ کرے۔اللہ آپ کو سلامت رکھے۔''

وہ اب بانو کو دیکھ رہی تھیں جو حور کو اٹھائے ہیٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔

''اس کو گھٹی دی ہے؟''

ماہی نے لب کاٹے۔

''نہیں۔عباد کو پسند نہیں تھا کہ کوئی اس کے منہ میں ہاتھ دے۔لیکن میں نے سوچا تھا پاکستان آ کے ماں کے ہاتھوں سے...''اس کی آواز بھیگ گئی۔سر جھکا لیا۔

''بچی کو مجھے دو۔اور جاؤ تم شہد لے کر آؤ۔''

بانو نے حور کو ان کے نحیف بازوؤں میں دیا۔انہوں نے اسے اٹھایا اور کندھے سے لگایا۔ایک دم بچی کو ڈکار آ گیا۔ماہی نے بے یقینی سے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔(وہ بھی ایسے ہی کر رہی تھی۔مگر یہ کیسے....؟)

پھر انہوں نے پیار سے اس بچی کو اپنے گھٹنے پہ بٹھا لیا۔ننھی حور عین کا رونا بالکل ختم ہو گیا۔وہ ایک دم پرسکون ہو گئی۔

بانو شہد لے آئی تھی۔انہوں نے اپنے انگوٹھے سے ذرا سا شہد لے کر چٹایا۔بچی نے مزے سے وہ کھا لیا۔ماہی کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔

''تمہاری ماں نہیں ہے تو کیا ہوا بیٹا۔مائیں بھی سانجھی ہوتی ہیں۔اب میری بات سنو...''وہ پیار سے ماہی کو دیکھ کے اسے سمجھانے لگیں۔''اس کا سر یوں کندھے سے لگاؤ گی اور ایسے کمر پہ ہاتھ پھیرو گی تو اسے ڈکار آئے گا۔اور جب اس کو سلایا کرو تو کپڑے سے باندھا کرو۔''

''مجھے لگتا ہے اس پہ ظلم ہو رہا ہے۔کیسے باندھوں۔''

''نہیں بیٹا۔ظلم نہیں ہے۔ورنہ بچہ نیند میں اٹھ کے ڈر جاتا ہے...ایسے کرو ململ کا دوپٹہ لو اور....''

ماہی ان کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی تھی اور وہ اس کو سمجھا رہی تھیں۔وہ آہستہ آہستہ بولتی تھیں۔تھوڑی تھوڑی دیر بعد سانس چڑھ جاتا تھا۔وہ ٹھیک نہیں تھیں۔مالا اپنی سیٹ پہ بیٹھی خاموشی سے ان کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

کیا نگینہ بیگم اس عامل کا اگلا شکار تھیں؟یہ کیسا کھیل تھا جس میں ماؤں کی قربانی دینا لازم تھی؟

کیا زیاد بھی اپنی ماں کو کھو دے گا؟

''آپ پاکستان خیریت سے آئی ہیں؟''اس کی توجہ ان کی باتوں کی طرف مبذول ہوئی۔ماہی ان سے کچھ

پوچھ رہی تھی۔

''بس بیٹا۔ زیاد کی پھپھو کے ہاں اس کی بات پکی کرنے لگی ہوں۔ وہ بمشکل مانا ہے۔ میری زندگی کا اب کوئی بھروسہ نہیں۔ سوچ رہی ہوں اگلے ماہ شادی کر دوں اس کی۔''

کشمالہ نے پوری بات غور سے سنی۔ پھر پیروں میں پہنے سیاہ کھسے دیکھے۔ دل کو ٹٹولا۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔ کوئی شاک' کوئی صدمہ' کوئی دکھ نہ تھا۔

ماہی صحیح کہتی تھی۔ وہ بدل گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سرکار کی آنکھیں بند تھیں۔ اور جسم چوکڑی کی صورت میں ساکت نظر آ رہا تھا۔ اس کا سر اثبات میں ہل رہا تھا۔ جیسے اس کے کان کسی کی بات سن رہے ہوں۔ ایک دم اس نے آنکھیں کھولیں۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔ اور پھر بے یقینی۔

''نہیں۔ اسے پاکستان نہیں آنا چاہیے۔'' اس کی آنکھوں میں خوف نظر آیا۔ اس کا سر دائیں بائیں نفی میں ہل رہا تھا۔

''ماہر فرید کو پاکستان نہیں آنا چاہیے۔ ماہ بینہ وہاں موجود ہے۔ وہ اس سے مل لے گا اور... نہیں...''

اس نے بے اختیار سر ہاتھوں میں گرا لیا اور نارنجی رومال نوچ لیا۔ اس کا دماغ جیسے درد سے پھٹنے کو تھا۔

''اگر وہ اس سے ملا اور اس نے اپنی کہانی سنا ڈالی تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔ وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔ صرف ماہی جانتی ہے۔ وہ اس کی مدد سے مجھے پہچان لے گا۔ نہیں۔'' اس نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔

''اس کو روکنا ہو گا۔''

جواب میں اسے کچھ کہا گیا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کے طنز سے ان سب کو دیکھا جو وہاں مودب کھڑے تھے۔ وہ سب جو تمہیں نہیں نظر آ رہے لیکن سرکار کی نگاہ ان کو دیکھ سکتی تھی۔

''تم؟ تم روکو گے اس کو؟ ہونہہ۔ تم زخمی ہوا بھی۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہاری پاور ٹوٹ چکی ہے۔''

(جب کسی عامل کا جادو ناکام ہوتا ہے تو اکثر وہ اس پہ اور اس کے جنات پہ پلٹ آتا ہے۔ یہ چیز اس کے جنات کو کمزور کر دیتی ہے اور وہ اگلے کئی ماہ کسی پہ جادو کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ انہیں اپنی پاور مجتمع کرنے کے لیے چند ہفتے یا مہینے لگتے ہیں۔ پاور کا لفظ پاکستان اور انڈیا کے جادوگر اپنی روحانی طاقت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔)

''ماہ بینہ کی بیٹی نے تمہاری پاور توڑ دی تھی۔ ہمیں یہ کام کسی انسان سے کروانا ہوگا۔''

سرکار نے اپنا اسمارٹ فون نکالا اور اسکرین روشن کی۔ اس کا انگوٹھا کانٹیکٹ لسٹ نیچے کرتا گیا۔ وہاں کئی ملکوں کے لوگوں کے نمبران کے شہر کے نام کے ساتھ محفوظ تھے۔ یہ سب اس کے کلائنٹس تھے۔

اس نے استنبول کی لسٹ نکالی۔ کئی ناموں پہ انگلی روکی۔ لیکن پھر نفی میں سر ہلایا۔ بالآخر ایک نام پہ اس کی آنکھیں چمکیں۔

اس نے کال ملائی اور فون کان سے لگایا۔

''مجھے تم سے کام ہے۔'' اس کی آواز سرگوشی جیسے تھی۔

''حکم کریں سرکار۔''

''ایک آدمی کو مارنا ہے۔ لیکن ایکسیڈنٹ سے۔ اسے بچنا نہیں چاہیے۔ اور یہ کام آج ہی ہونا چاہیے۔ اس کا نام ماہر فرید ہے۔ ہم تمہیں اس کی تفصیلات بھیج رہے ہیں۔''

اس نے موبائل رکھا اور مطمئن نگاہوں سے ان سب کو دیکھا جنہیں صرف اس کی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔

''کہا نا' یہ انسان کے کرنے کا کام ہے۔'' طمانیت کی ایک لہر اس کے سارے وجود پہ پھیلتی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ رات اتری تو لان کی بتیاں روشن ہونے لگیں۔ اب کوئی نہیں تھا جو پوچھتا کہ پودوں کو پانی لگایا نہیں۔ یا ہر نماز پہ آواز دے کر کہتا کہ نماز پڑھ لو۔ گھر میں بہت سے لوگ تھے اور پھر بھی خاموشی تھی۔

ماہی بیرونی زینے چڑھتی اوپر آئی تو اسٹوڈیو کے بند دروازے کے نیچے سے روشنی جھلک رہی تھی۔ اس نے دروازے پہ دستک دی۔ پھر اسے کھولا۔

سامنے مالا فرش پہ بیٹھی تھی۔ اس کے بالوں کا ملگجا سا جوڑا بندھا تھا۔ اور اس کے گرد بہت سے کاغذ بکھرے تھے۔ ماہی تحیر سے یہ سب دیکھتی اندر آئی۔

''معید نے کھانا کھالیا؟'' وہ سر جھکائے ایک کاغذ پہ تیز تیز پنسل پھیر رہی تھی۔

''بچہ نہیں ہے، کھالے گا خود ہی۔'' ماہی کی متعجب نظریں دیواروں کا سفر کر رہی تھیں۔ وہاں بھی چند کاغذ چسپاں تھے۔

''ماں کو اس کے کھانے کی ہمیشہ فکر ہوتی تھی۔ ہمیں بھی کرنی ہے' ماہی۔''

''تم کیا کر رہی ہو؟'' ماہی دائیں بائیں گھوم کے اس سب کو دیکھ رہی تھی۔ ان کاغذوں پہ الفاظ تحریر تھے۔ اس کے خواب۔ خوابوں میں نظر آنے والی علامتیں۔ وہ جیسے گزشتہ چند ماہ میں ہونے والے واقعات کا ایک نقشہ تھا۔ تاریخوں کے ساتھ۔

''میں نقطے ملا رہی ہوں۔'' وہ سر جھکائے کاغذ پہ پنسل رگڑ رہی تھی۔ ''جب آخری دفعہ میں نے اس عامل کا اسکیچ بنانے کی کوشش کی تھی تو اس نے مجھے ڈرایا تھا۔ اور میں ڈر گئی۔ اب نہیں ڈروں گی۔'' وہ بالکل پرسکون تھی۔

ماہی دھیرے سے اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھی۔ کشن کا سہارا لیا۔

''مگر مالا تم کہتی ہو کہ ماں جادو سے نہیں.....'' آواز بھیگ گئی۔

''میری ماں جادو سے نہیں مری۔ ہاں۔ ان کی موت لکھی تھی۔ جیسے قتل ہونے والوں کی لکھی ہوتی ہے۔ لیکن قاتل کو معافی نہیں ملتی۔'' اس نے چہرہ اٹھا کے ماہی کو دیکھا تو اس پہ کچھ ایسا تھا جو اتنے دنوں میں پہلی دفعہ اسے نظر آیا تھا۔ ''اس عامل کے جادوؤں نے میری ماں کو چھے ماہ بہت تکلیف دی ہے۔ مجھے کئی ماہ ہراساں رکھا۔ اب اور نہیں۔''

اس نے دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔

''میں اس عامل کو ڈھونڈوں گی۔ اور اس کو ہائر کرنے والے کو بھی۔ اور پھر میں اس سے اپنی ماں کی ہر تکلیف کا انتقام لوں گی۔''

''لیکن ہم اسے کیسے ڈھونڈیں گے؟ ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔''

''دو باتیں ہم جانتے ہیں۔'' اس نے انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔ ''جب اس نے مہندی کے فنکشن میں مجھ پہ حملہ کیا تھا تو میری گردن سے خون نکلا تھا۔ مجھے اس کے ہاتھ سے کچھ چبھا تھا۔''

''یعنی؟''

''یعنی وہ عامل ایک خاص قسم کی انگوٹھی پہنتا ہے جس کا پتھر نوکیلا ہے اور وہ اسے اندر کی طرف موڑے رکھتا ہے۔ یوں اگر وہ کسی کا گلا دبائے گا تو اس سے خون نکلے گا۔''

''کیا وہ ہاتھ اسی کا تھا؟ کیا معلوم کسی جن کا ہو۔'' ماہی نے کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ انسان کا ہاتھ تھا۔ اس نے جادو کے ذریعے یہ کیسے کیا' مجھے نہیں معلوم۔ لیکن یہ اسی کا ہاتھ تھا۔'' وہ پر یقین تھی۔

''اور دوسری بات؟''

مالا نے جواب دینے کے بجائے ایک کاغذ اس کے سامنے کیا۔ ماہی نے حیرت سے اسے تھاما۔ پھر زمین پہ بکھرے دوسرے کاغذوں کو دیکھا۔

ان سب پہ ایک آدمی کے چہرے کے مختلف زاویے بنے تھے۔ دائیں۔ بائیں۔ سامنے سے۔ اس کے سامنے سے بال جھلک رہے تھے اور سر پہ نارنجی رومال بندھا تھا۔ وہ رنگین تصاویر تھیں سو سفید بال صاف واضح تھے۔

''یہ ہے وہ عامل جس نے میری ماں پہ جادو کیا تھا۔ اور مجھے یقین ہے وہ اب بھی میرے پیچھے ہے۔''

ماہی بنا پلک جھپکے ان تصاویر کو دیکھ رہی تھی۔

''پتہ نہیں کیسے کہاں مگر میں نے اسے دیکھ رکھا ہے' ماہی۔''

''میں نے بھی... '' وہ بڑبڑائی۔ مالا چونکی۔ پھر تیزی سے آگے ہوئی۔

''تم اس کو پہچانتی ہو؟''

ماہ بینہ مبین نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بالکل شل تھی۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ ناممکن۔'' ماہی بے یقینی سے کبھی اسکیچ والے آدمی کو دیکھتی' کبھی چہرہ اٹھا کے مالا کو۔

''یہ... ''

ماہی کے حلق سے نکلنے والے اگلے الفاظ پہ کشمالہ ایک پیچھے ہٹی۔

ایک جھماکے سے اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ اس شخص کو کیسے جانتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار میں بنی اپارٹمنٹ بلڈنگز کے سامنے لمبی سڑک تھی جس کے پار بوسفورس کا پرسکون کنارہ تھا۔ کارنش پہ فٹ پاتھ بنا تھا جہاں فاصلے فاصلے پہ بنچ رکھے تھے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ کچھ لوگ بینچوں پہ بیٹھے تھے۔ کچھ ساتھ ٹہل رہے تھے۔ کچھ سودے سلف کے شاپر اٹھائے تیز تیز چلتے جا رہے تھے۔

ایسے میں ماہر سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کا ذہن کہیں الجھا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور شیو آج زیادہ ہی بڑھی ہوئی تھی۔

وہ جب سے آفس سے آیا تھا' طبیعت مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اپارٹمنٹ میں گھٹن ہونے لگی تو وہ نیچے آ گیا۔ سامنے کہیں کشتیاں کھڑی تھیں۔ اور کہیں موسیقی گونج رہی تھی۔

دفعتاً وہ رکا۔ موبائل روشن کیا۔ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑنے لگی۔

اس نے مطلوبہ چیٹ کھولی۔ ایک چیٹ جسے وہ کئی دفعہ کھول چکا تھا۔

جسے وہ کئی دفعہ کھول کے بند کر چکا تھا۔

کی پیڈ پہ انگلیاں چلنے لگیں۔ چند الفاظ لکھے۔ پھر مٹا دیے۔ سر جھٹک دیا۔

وہ مالا سے نہیں، ماہ بینہ سے ملنے جا رہا تھا۔ کیا کرے گی وہ زیادہ سے زیادہ؟ غصہ کرے گی؟ چلائے گی؟ دیکھتے ہیں۔

بڑبڑاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

اس کی اپارٹمنٹ بلڈنگ سڑک کے سامنے تھی۔ سڑک پار کرنے سے پہلے عادتاً دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی کار اس وقت نہیں گزر رہی تھی۔ قریب میں ایک سیاہ رنگ کی ایس یو وی کھڑی تھی۔ وہ سڑک پہ آگے بڑھا۔

ایسے ہی ذہن کے کسی خانے میں ایک خیال ابھرا۔ وہ ایک ڈیڑھ میل کی واک کے بعد اپارٹمنٹ واپس آیا تھا۔ یہ ایس یو وی کافی دیر سے اس کے قریب نظر آ رہی تھی۔ اس کی لائٹس بجھی ہوئی تھیں۔ لیکن انجن آن تھا۔

اس نے قدم آگے بڑھائے۔ پھر جو ہوا وہ تین سیکنڈ کے اندر اندر ہوا۔

ایک دم سیاہ ایس یو وی کے ٹائر چرچرائے۔ وہ پوری رفتار سے آئی۔ ماہر فرید نے گردن اس طرف گھمائی۔ قدموں نے حرکت کی۔ لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ سیاہ کار پوری وقت سے اس سے ٹکرائی۔ اور زن سے آگے نکل گئی۔

آس پاس شور بلند ہوا۔ بہت سے لوگ اس طرف بھاگے جہاں سڑک کنارے ایک آدمی اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ ساتھ اس کا موبائل چکنا چور ہوا پڑا تھا۔ اور خون کا ایک تالاب تھا جو اس کے گرد جمع ہو رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اگلے ماہ آپ مالا کے دوسرے باب ''مکہ'' کی پہلی قسط پڑھ سکیں گے۔)

مالا (نمرہ احمد)

باب دوم "مکہ"

قسط نمبر:۸

ہمارے خواب ہمیں لے جاتے ہیں
مزید نئے خوابوں کی طرف
اور اس سراب کا کوئی اختتام نہیں ہوتا۔
زندگی ایک ریل گاڑی ہے بدلتے مزاج کی
جیسے ہو موتیوں کی ایک مالا
اور جیسے جیسے ہم ہر ایک موتی سے گزرتے ہیں
ہم دیکھتے ہیں کہ سارے موتی
دراصل مختلف رنگوں کے عدسے ہیں
وہ دنیا کو اپنے رنگ میں دکھاتے ہیں
اور ہر عدسہ وہی دکھاتا ہے
جو اس کی نظر کے سامنے ہوتا ہے۔
پہاڑ سے ہم صرف پہاڑ دیکھ سکتے ہیں۔
ہم اسی کی تصویر بناتے ہیں جس کی بنا سکتے ہیں
اور ہم وہی دیکھتے ہیں جسے ہم نے خود بنایا ہوتا ہے۔
فطرت اور کتابوں کو کیسے پڑھنا ہے'
یہ مرضی ہے دیکھنے والی آنکھ کی۔

انسان کیا دیکھے گا آسمان پہ؟

ڈوبتا سورج؟

یا کوئی نظم؟

یہ منحصر ہے اس کی فطرت پہ۔

ڈوبتے سورج ہر روز ہوتے ہیں

اور نظموں کو لکھنے کی عقل بھی

ہمیشہ ساتھ ہوتی ہے۔

لیکن ان دونوں کو دیکھنے کے لیے

بس چند گھڑیاں ہی ہوتی ہیں۔

اور پھر یہ ڈوب جاتے ہیں۔

انسان کی فطرت وہ لوہے کی تار ہے

جس پہ موتیوں کی یہ مالا پروئی ہوتی ہے۔

کیا فائدہ صلاحیت یا خوش قسمتی کا

اگر فطرت ہی سرد اور مسخ شدہ ہو؟

کیا فائدہ عقل کا

اگر اس کا عدسہ اتنا موٹا ہو

کہ انسان اپنی زندگی کا آسمان نہ دیکھ سکے؟

کیا فائدہ نئے وعدے کرنے کا

اگر نبھانے والا ہی قانون ممکن ہو؟

ہم دیکھتے ہیں نوجوانوں کو

جو ہم سے ایک نئی دنیا کا وعدہ کرتے ہیں

وہ اس کا سراب دکھاتے ہیں

اسے بہت شاندار بنا کے

لیکن وہ اس قرض کو کبھی ادا نہیں کر پاتے

وہ جلد مر جاتے ہیں

اور حساب سے بچ جاتے ہیں۔

یا اگر وہ رہیں زندہ تو

وہ دنیا کی بھیڑ میں کھو جاتے ہیں۔

(ریلف ویلڈو ایمرسن کے مضمون ''تجربے'' سے ماخوذ)

ریستوران کی چھت سے کرسٹل بالز کی شکل کے بلب لٹک رہے تھے۔ سارے کو ہلکے نیلے اور سفید رنگ سے سجایا گیا تھا۔ میزوں پہ اجلے سفید رومال بچھے تھے۔ مرکزی دیوار کے ساتھ ایک بے نیاز آرٹسٹ بیٹھا وائلن بجا رہا تھا۔ اس کی آواز میں ویٹرز کی چاپ' کٹلری کی چھنک' مدھم سرگوشیوں اور ہلکے قہقہوں کی آمیزش بھی سنائی دیتی تھی۔

ایسی ہی ایک میز پہ بیربل فرید براجمان تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال جیل سے پیچھے جمے تھے۔ بناٹائی کے سیاہ سوٹ پہنے' وہ ٹیک لگا کے بیٹھا' انگلیوں میں کرسٹل کی سجاوٹی گیند کو گھماتے ہوئے اداسی سے کہہ رہا تھا۔

''اور پھر میرے فادر کی ڈیتھ ہو گئی۔ چونکہ میں اکلوتا بیٹا تھا' اس لیے وہ ساری ذمہ داری میرے کندھوں پہ ڈال کے چلے گئے۔'' کہتے ہوئے اس نے پلکیں جھکا لیں۔

''چچ....'' سامنے بیٹھی لڑکی نے فکرمندی سے پہلو بدلا۔ اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور دو لٹیں سامنے گرتی تھیں۔ لمبی گردن میں نیکلیس تھا اور خوبصورت آنکھوں میں بے پناہ ہمدردی۔

''تم کتنے اکیلے ہو گے۔'' اس نے انگوٹھیوں والا مرمریں ہاتھ بڑھا کے اس کے ہاتھ پہ رکھا۔

بیربل نے پلکیں اٹھائیں۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پھر وہ افسوس سے کندھے اچکا کے رہ گیا۔

''اکیلا کہاں ہوں؟ اتنا بڑا کاروبار اور اس کے مسئلے میرے ساتھ ہیں۔'' گہری ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ''صبح اپنی آرکیٹیکچرل فرم دیکھتا ہوں۔ شام میں بیکری۔ پھر لندن کے کاروبار کے مسئلے۔ اُف۔'' جھرجھری لی۔

''کیا کرتے تھے تمہارے فادر؟'' لڑکی نے اپنا ہاتھ نامحسوس انداز میں واپس کھینچا اور سفید اور نیلی پلیٹ قریب کھسکائی جس میں ڈیزرٹ رکھا تھا۔

''ہماری انویسٹمنٹ مینجمنٹ فرم ہے۔انہوں نے اسے لندن اور قطر میں شروع کیا تھا اور....'' گردن قدرے کڑائی۔''میں اسے یہاں استنبول لایا ہوں۔''

''واؤ۔''لڑکی نے سلور کے چمچ سے ڈیزرٹ ذرا سا اٹھایا اور منہ میں رکھا۔نظریں اسی پہ جمی تھیں۔

''اور کیا ہابیز ہیں تمہاری؟''

بیربل عاجزانہ انداز میں مسکرایا۔

''ان سب جھمیلوں میں اپنے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ایک سگار کا شوق تھا۔لیکن میرے والد کو پسند نہیں تھا۔ان کے لیے وہ بھی چھوڑ دیا۔''

''تمہارے والد کو تم پہ فخر ہوگا۔''وہ بہت اپنائیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔''اور کس چیز کا شوق ہے؟''

اوپر سے لٹکتی کرسٹل بالز میں ان کی میز کا عکس الٹا ہو کے دکھائی دے رہا تھا۔

''بائیکس کا شوق تھا مجھے۔لیکن پھر (ٹھنڈی سانس) ایک ایکسیڈنٹ میں میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔''

''چچ....''اس نے فکرمندی سے چمچ نیچے رکھا۔''رائٹ یا لیفٹ؟''

''کیا؟''

''رائٹ ٹانگ ٹوٹی یا لیفٹ؟''

''را...رائٹ۔''وہ سنبھل کے مسکرایا۔''بس اس کے بعد سے بائیکس کو ہاتھ نہیں لگایا۔حالانکہ وہ آج بھی میرے گیراج میں کھڑی ہیں۔''

سفید میز پوش پہ رکھا اس کا فون ایک دم زوں زوں کرنے لگا۔ماحول کا سارا فسوں ٹوٹ گیا۔بیربل نے نظر جھکا کے دیکھا۔فیضی حاتم کالنگ۔اس نے پاور بٹن کو دو دفعہ دبایا۔کال کٹ گئی اور فون خاموش ہو گیا۔

''ویک اینڈ پہ بھی میری سیکرٹری چین نہیں لینے دیتی۔''وہ پھر سے مسکرا کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔لڑکی نے مسکرا کے سر جھٹکا۔

''تمہارے جیسے آدمی کے یہی مسئلے ہوتے ہیں۔''

''تم اپنے بارے میں بتاؤ۔تم یہاں....''

فون پھر سے وائبریٹ کرنے لگا۔اس نے ضبط سے پہلو بدلا۔

''ایکسکیوزمی۔''پھر موبائل کان سے لگاتے ساتھ ہی بولا۔

''فیضی حاتم ... میری آج کی ساری میٹنگز کینسل کر دیں۔ میں ایک بہت اہم ڈنر پہ ہوں۔ (مسکرا کے اسے دیکھا۔ وہ بھی پلکیں جھپکا کے مسکرائی۔) اور اب آپ مجھے تنگ نہیں....''

الفاظ اس کے لبوں میں رہ گئے۔ دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا۔

''واٹ؟ کیا ہوا ماہر کو؟'' اس کی رنگت فق ہوئی۔ وہ دبا دبا سا چلایا۔

''کہاں ہے وہ؟'' رک کے سنا۔ ''ہاں ہاں میں پہنچ رہا ہوں۔''

تیزی سے فون رکھا اور جلدی جلدی والٹ کھولنے لگا۔ لڑکی نے تشویش سے اسے دیکھا۔

''ماہر کون؟''

''میرا بڑا بھائی۔'' اس نے چند نوٹ نکال کے میز پہ رکھے۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

''بھائی؟'' سارا سحر چھن سے ٹوٹا۔

''تم نے کہا تم اکلوتے ہو۔'' اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

بیربل نوٹ رکھتے ہوئے اٹھا اور کچھ کہے سنے بغیر تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔

''بیربل... تم مجھے یوں چھوڑ کے نہیں جا سکتے۔ بیربل۔'' وہ اپنی جگہ پہ کھڑی دبی آواز میں غرائی تھی لیکن وہ دوڑتے قدموں سے باہر جا رہا تھا۔ اردگرد کے لوگ مڑ مڑ کے دیکھنے لگے تھے۔

وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ واپس بیٹھی۔

سفید اور نیلی پلیٹ میں بچا ہوا ڈیزرٹ اس کو دیکھ کے مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ کا ٹیرس تھا۔

یہاں سے ہمسایہ اپارٹمنٹ بلڈنگز کی چھتیں صاف دکھائی دیتی تھیں۔ ٹیرس پہ ایک سادہ سا جھولا رکھا تھا جس کی لکڑی پہ فیری لائٹس لگی تھیں۔ جھولے پہ آرام دہ کشن رکھے تھے اور سامنے میز پہ لیپ ٹاپ اسکرین پہ نیٹ فلکس کا سرخ این رکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ساتھ ہی کیریمل پاپ کارن کا بھرا ہوا پیالہ دھرا تھا جن سے خوشبو اٹھ رہی تھی۔

ٹیرس پہ بنا یہ چھوٹا مگر آرام دہ سا سیٹ اپ دیکھ اینڈ کا اعلان کر رہا تھا۔

دفعتاً اندرونی دروازے سے شبنم آتی دکھائی دی۔ پیروں میں کپڑے کے چپل پہنے' بالوں کو تولیے کی پگڑی میں لپیٹے وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھی۔ ایک فخریہ نظر اس نے اپنے جگمگاتے ہوئے جھولے پہ ڈالی اور پھر سر اٹھا کے سیاہ

آسمان کو دیکھا جہاں چند تارے دکھائی دے رہے تھے۔

''سارا ہفتہ مجھے اس رات کا انتظار رہتا ہے۔ بالآخر آج مجھے ماہر بے نامی بلا تنگ نہیں کرے گی۔''

وہ لاہور جا رہا تھا اور ویسے بھی وہ ویک اینڈ پہ اس کو کم ہی تنگ کرتا تھا۔ وہ مسکرا کے جھولے پہ یوں بیٹھی کہ کشن میں دھنس سی گئی اور پیر میز پہ رکھ لیے۔ پھر لیپ ٹاپ گود میں رکھا اور ائیر فونز کانوں میں گھسائے۔

''ڈھائی گھنٹے کی قسط دیکھنے کے لیے پاپ کارن بناتی ہوں اور وہ ڈھائی منٹ میں ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن خیر۔'' اس نے سر جھٹکا اور خوب سیٹ ہو کے بیٹھنے کے بعد اسکرین آن کی۔

جہاں سے سلسلہ پچھلے ویک اینڈ پہ ٹوٹا تھا' وہاں سے جوڑا۔

ٹرٹون... فون ایک دم سے چیخا تو ہاتھ سے پاپ کارن کے ٹکڑے دور جا گرے۔ شبنم نے بدمزہ ہو کے موبائل اٹھایا۔

بیر بل کالنگ۔

اس وقت؟ میں نہیں اٹھا رہی۔ جتنی مرضی کال کر لے۔

موبائل سائیلنٹ کر کے اس نے واپس اسکرین کو دیکھا لیکن ارتکاز ٹوٹ چکا تھا۔

کال پھر سے آنے لگی تو شبنم نے ''اف اللہ میاں'' کہتے ہوئے فون جھپٹ کے اٹھایا۔

''نے بیر بل؟ نے؟ نے؟'' وہ زور سے غرائی۔ (کیا بیرل؟ کیا؟ کیا؟)

دوسری طرف کہے جانے والے الفاظ سن کے شبنم کے چہرے کی بے زاری عنقا ہوئی اور دھیرے دھیرے اس کی رنگت بدلنے لگی۔ آنکھیں پھیل گئیں اور لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔

اگلے ہی لمحے اس نے تیزی سے ٹانگیں نیچے اتاریں' لیپ ٹاپ میز پہ رکھا' جلدی سے پیر سلیپرز میں گھسیڑے اور اٹھ کے اندر بھاگی۔

فیری لائٹس سے سجا جھولا' کیریمل سے سجے پاپ کارن اور ساکن ہوئی اسکرین مایوسی سے اسے دور جاتے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار پولیس اسٹیشن کے باہر جلتی بجھتی بتیوں والی کارز آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ پولیس اسٹیشن کئی منزلہ تھا اور اس کا ہر فلور مختلف جرائم کے لیے مختص تھا۔ ہومی سائیڈ فلور پہ ایک بڑا سا ہال بنا تھا جس میں جگہ جگہ ڈیسک لگے

تھے۔ کچھ لوگ فائل لیے ادھر ادھر جا رہے تھے۔ کچھ کمپیوٹرز کے سامنے جھکے تھے۔

ایسے میں کونے میں ایک آفس تھا جس کے سلائیڈنگ ڈور کھلے تھے۔ باہر ''باش کومسر'' (چیف انسپکٹر) کی تختی لگی تھی۔ اندر ایک بڑی میز کے پیچھے براجمان چنگیز فون کا ریسیور کان سے لگائے یوں بیٹھا تھا کہ بوٹ میز پہ رکھے تھے۔ گریبان کے دو بٹن کھلے تھے اور ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔

کال ختم ہوئی تو اس نے ریسیور رکھا اور سگریٹ کی راکھ کو ایش ٹرے میں جھٹکا۔ پھر کھلے دروازوں کے پار ہال کمرے کو دیکھا جس کی ایک دیوار پہ اونچا گھڑیال نصب تھا۔

وقت کی سوئیاں دیکھ کے چنگیز نے بے زاری سے منہ پہ ہاتھ رکھ کے جمائی روکی۔ پھر ایک اسسٹنٹ فائل لیے اندر آتا دکھائی دیا تو اس نے بوٹ نیچے اتارے۔

''باش کومسر بے ایک بات پوچھوں؟'' اسسٹنٹ نے فائل اس کے سامنے رکھ کے کھولی اور ساتھ ہی دانت نکال کے مخاطب کیا تو چنگیز سستی سے سیدھا ہوا اور قلم نکالا۔

''پوچھو۔''

''لوگ مرنے کے لیے ویک اینڈ کا انتخاب کیوں کرتے ہیں؟''

چنگیز نے اسی بے زاری سے سر جھٹکا۔

''کیونکہ استنبول والوں کے پاس سارا ہفتہ مرنے کے لے وقت نہیں ہوتا۔ ویک اینڈ پہ وہ اپنی بورنگ زندگی سے فرار کے لیے یہ خوب الکحل پیتے ہیں۔ پھر کسی بار میں آپس میں لڑ پڑتے ہیں یا سڑکوں پہ نکل جاتے ہیں۔ کوئی کسی گاڑی کے نیچے آ جاتا ہے اور کوئی غصے میں دوسرے کو مار دیتا ہے۔''

سائن کر کے فائل پرے دھکیلی تو میز پہ رکھا موبائل بجنے لگا۔

''ابھی دیکھنا رات دو بجے کے بعد ایسے ایسے ایکسیڈنٹ کیسز آنے لگیں گے جیسے بارش کے بعد کیڑے نکل آتے ہیں۔'' اکتاہٹ سے کہتے ہوئے اس نے موبائل اٹھایا۔ نام پڑھ کے تیوریاں مزید چڑھ گئیں۔ فون کان سے لگاتے ہی وہ شروع ہو گیا۔

''بیربل میں تمہیں آخری دفعہ بتا رہا ہوں۔ میں تمہارے لیے کسی لڑکی کا بیک گراؤنڈ چیک نہیں کروا رہا۔ ہر ہفتے تم نئی لڑکی کا نام دے دیتے ہو۔ میں....''

اگلے الفاظ سن کے اس کی بولتی زبان رک گئی۔وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

''کون سا ہسپتال؟ میں آرہا ہوں۔'' چابی اور جیکٹ اٹھائے وہ تیزی سے میز کے پیچھے سے نکلا۔سگریٹ نیچے گر گئی۔اگلے ہی لمحے اس کا بوٹ سگریٹ کے ٹکڑے کو روند کے آگے بڑھ گیا۔

''کیا ہوا' کومسار بے؟'' اسسٹنٹ نے پیچھے سے پکارا۔

''میرے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔میں وہیں جارہا ہوں۔تم لوگ پیچھے سے سنبھال لینا۔'' آواز لگاتا وہ دوڑتے قدموں سے لفٹ کی طرف جارہا تھا۔

ڈیسک پہ کام کرتے ایک آفیسر نے مڑ کے اسے جاتے دیکھا۔پھر افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''ویک اینڈ نائٹ۔''

ساتھ بیٹھی لڑکی نے بھی چچ کی آواز کے ساتھ شانے اچکائے۔مڑے سر واپس گھوم گئے اور سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیلون کے اس فیشل روم کی چھت تیز سفید بتیوں سے روشن تھی۔سفید بیڈ پہ زارینہ لمبی لیٹی تھی۔اس نے سیلون کا گاؤن پہنا ہوا تھا اور ماتھے پہ مخملیں بینڈ چڑھا کے بالوں کو چہرے پہ آنے سے روک رکھا تھا۔دونوں دائیں بائیں پھیلا رکھے تھے اور دو لڑکیاں بہت مہارت سے ان کا مساج کر رہی تھیں۔

خود وہ گردن پیچھے کو پھینکے آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔سر کے پیچھے کھڑی ایک سفید کوٹ والی لڑکی اس کے چہرے پہ سنہری پیسٹ لگا رہی تھی۔

''ہوں....'' ٹھنڈا پیسٹ چہرے پہ لگا تو زارینہ نے نزاکت سے سسکاری بھری۔''یہ ٹھنڈا ہے۔''

''ہمارا ۲۴ کیرٹ گولڈ فیشل آپ کو اتنا پسند آئے گا کہ آپ بار بار آئیں گی۔''

''دیکھتے ہیں۔'' زارینہ نے بند آنکھوں سے شانے اچکائے۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو سفید کوٹ والی لڑکی نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

دروازہ کھلا۔پھر ایک گردن نے اندر جھانکا۔

''زارینہ حاتم کے لیے ریسیپشن پہ کال آئی ہے۔''

زارینہ کی آنکھیں بند رہیں لیکن پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''اپنے اسٹاف کو سمجھاؤ ملیسا۔کلائنٹ اپنا فون اس لیے آف کرتا ہے تاکہ سروسز کے دوران اس کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔''

سفید کوٹ والی لڑکی نے چوکھٹ والے لڑکے کو آنکھیں دکھائیں اور جانے کا اشارہ کیا۔لیکن وہ ڈھٹائی سے جما رہا۔

''کسی شبنم کی کال ہے۔وہ کہہ رہی ہے کہ ماہر بے کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔''

اس نے تیزی سے آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو کے بیٹھی۔دونوں ہاتھ لڑکیوں کی گرفت سے کھینچ کے چھڑائے۔لب شاک کے عالم میں کھلے کے کھلے رہ گئے تھے اور آنکھوں میں ایک دم بہت سے جذبات ابھر کے آئے۔

پھر سامنے آئینے پہ نگاہ پڑی تو چونکی۔دائیں گال پہ سنہرا پیسٹ لگا تھا۔بہت سا پیسٹ ابھی پیچھے کھڑی لڑکی کے پیالے میں تھا۔

''صاف کرواس کو۔جلدی۔جلدی۔''وہ چلائی۔بنا فیشل کے بھی اس کی رنگت گلابی پڑ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ دوہا کے ایک بلند وبالا ہوٹل کی لابی تھی۔رات کا وقت تھا اور زرد بتیوں نے ماحول کو خوابناک بنا رکھا تھا۔

ہوٹل کے داخلی دروازوں سے چار افراد اندر آتے دکھائی دے رہے تھے۔ان میں سب سے آگے عبدالمالک فرید تھے۔گرے سوٹ پہنے'سفید براق بال جیل سے پیچھے کی طرف جمائے'ہمیشہ کی طرح بے تاثر چہرہ لیے۔

وہ ان تین افراد کے ہمراہ چلتے ہوئے لابی میں رکھے صوفوں کی طرف آئے۔نظر اٹھا کے دیوار پہ نصب گھڑیال کو دیکھا۔

بڑی سوئی گیارہ سے ذرا پیچھے تھی۔وہ وقت کی جمع تفریق کرتے ہوئے بڑے صوفے پہ بیٹھے اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔چمکتے بوٹس میں فانوس کا عکس دکھائی دیتا تھا۔

''سر... میٹنگ میں بس پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔''ساتھ کھڑا سوٹ والا نوجوان جھک کے پوچھنے لگا۔''آپ ڈنر ہال میں انتظار کرنا چاہیں گے؟''

''میں اسی وقت پہ ہال میں جاؤں گا جو طے ہوا تھا۔''وہ آرام سے بیٹھے رہے۔انگلیاں صوفے کے ہتھ پہ عادتاً چل رہی تھیں جیسے نادیدہ پیانو بجا رہی ہوں۔ان کے ایک ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی تھی جس میں سفید پتھر جڑا تھا۔

اسی پل ہوٹل کے داخلی دروازے سے کوئی بھاگتا ہوا اندر آتا دکھائی دیا۔ اس نے شوفر کا یونیفارم پہن رکھا تھا اور سانس پھولا ہوا تھا۔ پہلے اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جیسے ہی نگاہ لابی میں بیٹھے مالک پہ پڑی' وہ تیزی سے ان کی طرف لپکا۔

''سر... سر....'' ان کے سر پہ پہنچ کے ہانپتے ہوئے کہے گیا۔

''آپ کا فون آف تھا۔ زارینہ میڈم نے مجھے کال کی ہے۔''

مالک نے گردن اٹھا کے ایک خشمگیں نظر اس پہ ڈالی اور دوسری گھڑیال پہ۔

''میری میٹنگ میں تین منٹ رہتے ہیں۔ جلدی بولو۔''

''سر وہ....'' وہ ہکلایا۔ رک کے سانس لیا۔

''ماہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس کو ایمرجنسی میں ہسپتال لے گئے ہیں۔''

صوفے کے ہتھ پہ نادیدہ پیانو بجاتی انگلیاں تھم گئیں۔ چند لمحے کے لیے مالک فرید بنا پلک جھپکے اس کو دیکھے گئے۔

''کہاں؟'' الفاظ دھیرے سے نکلے۔

''استنبول۔ اس کے گھر کے سامنے۔ hit and run۔''

عبدالمالک خاموشی سے اپنے چمکتے جوتے کو دیکھنے لگے جو ٹانگ پہ ٹانگ جمانے کے باعث اوپر اٹھا ہوا تھا۔ ان کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

''سر میں میٹنگ کینسل کر دیتا ہوں۔'' سیکرٹری پریشانی سے کہتا جگہ سے اٹھا۔ ''اور مجموعہ الفردان کے نمائندے سے کہہ دیتا ہوں کہ ہم چند دن بعد میٹنگ رکھ لیں گے۔''

وہ خاموشی سے اپنے بوٹ کو دیکھے گئے۔

سیکرٹری اب موبائل روشن کر کے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''دوہا سے استنبول کے لیے پہلی فلائٹ رات گیارہ بجے نکلے گی۔ سیٹ بک کروا دوں؟''

''نہیں۔'' ان کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔ سیکرٹری رک کے انہیں دیکھنے لگا۔

''سر' میٹنگ کے ساتھ ڈنر بھی ہے۔ تین گھنٹے لگ جائیں گے۔ فلائٹ مس ہو گئی تو اگلی فلائٹ کل دوپہر کی ہو گی اور....''

''تم نے وہ کتاب پڑھی ہے Rich Dad, Poor Dad؟'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھے اور سیکرٹری کو بغور دیکھا۔ اس کا سر نفی میں ہل گیا۔

''جانتا تھا۔ اسی لیے تم ساری عمر ایک سیکرٹری رہو گے' عمار۔ کیونکہ تمہارے پاس میرے بھائی جیسا کوئی باپ نہیں تھا جو تمہیں یہ سمجھاتا کہ الفردان گروپ کے ساتھ مہینوں پہلے طے کی گئی میٹنگ کینسل کرنا حماقت سے کم نہیں ہوتا۔''

''لیکن سر.. ماہر ہسپتال میں ہے....''

''اگر میں نے یہ میٹنگ چھوڑی تو ماہر مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ہم کل دوپہر کی فلائٹ لے لیں گے۔'' وہ دو قدم آگے بڑھے۔ پھر ہاتھ صوفے کی پشت پہ رکھا۔ جیسے چکر سا آیا ہو اور بروقت سہارا لیا ہو۔ لمحے بھر کے لیے کرب سے آنکھیں بند کیں اور گہری سانس اندر کھینچی۔

پھر آنکھیں کھولیں تو چہرہ واپس روبوٹ بن چکا تھا۔ البتہ ہاتھوں میں معمولی سی کپکپاہٹ تھی۔ وہ آگے بڑھ گئے۔ اور سیکرٹری ہکا بکا سا پیچھے بھاگا۔

شوفر ملامتی نظروں سے ان کو جاتے دیکھتا رہا۔

ایسی بھی کیا پیسے سے محبت۔ ہونہہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کی بالائی منزل پہ بنے اسٹوڈیو میں پرانے پینٹ اور روغن کی مدھم خوشبو پھیلی تھی۔ شیلف میں اوپر تلے رکھے خالی ڈبے' اور دیواروں پہ چسپاں کاغذ خاموشی سے ان دونوں بہنوں کو دیکھ رہے تھے جو وسط کمرے میں موجود تھیں۔

مالا زمین پہ بیٹھی' گردن اٹھائے ماہی کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو ایک کاغذ ہاتھ میں لیے بے یقین سی کھڑی تھی۔

''تم اس کو پہچانتی ہو؟''

ماہی نے سفید بالوں والے آدمی کے چہرے سے نظریں ہٹا کے مالا کو دیکھا۔

''سو فیصد۔ تمہیں نہیں یاد؟''

''نہیں۔ کون ہے یہ؟'' وہ تیزی سے اٹھی یہاں تک کہ وہ اس کے برابر کھڑی ہو گئی اور بے چین نظروں سے اس

کا چہرہ ٹٹولا۔

''یہ شکور ہے۔ ہمارے اسکول کا چپڑاسی۔''

''واٹ؟ ناممکن۔'' وہ بدک کے پیچھے ہٹی۔ پھر تیزی سے کاغذ کھینچا اور غور سے اسکیچ کو دیکھا۔

''ارے ہاں۔ یہ تو شکور ہے۔'' اس نے تعجب سے چہرہ اٹھایا۔ ''یہ عامل نہیں ہو سکتا۔''

''شاید بن گیا ہو۔ انسان کس وقت کس راستے پہ چل نکلے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔''

مالا لب کاٹتے ہوئے اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن کے پردے پہ ایک دم بہت سے پرانے دن لہرانے لگے۔ وہ سارے دن جو یادداشت کے صندوق میں محفوظ کر کے ایسے پکے تالے لگائے تھے کہ کبھی کھل نہ سکیں۔ اور اب ایک زوردار آواز کے ساتھ پہلا تالا چٹخا تھا۔

''لیکن شکور تمہیں نقصان کیوں پہنچانا چاہے گا؟'' ماہی کی سوچ میں ابھری آواز گونجی تو وہ چونکی۔ شانے اچکا دیے۔

''ایک وجہ ہے اس کے پاس۔'' وہ بڑبڑائی۔ ماہی نے چونک کے اسے دیکھا۔ اس کی رنگت سفید ہو رہی تھی۔

''کیسی وجہ؟ ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتی؟'' اس نے مالا کے چہرے کو کھوجتی نظروں سے دیکھا لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔ بس کاغذ تہہ کرنے لگی۔ دوہرا کر کے تہہ لگائی۔ پھر دوسری تہہ۔

''تم پراسرار ہوتی جا رہی ہو مالا۔ تم نے مجھے وہ راز بھی نہیں بتایا جو تمہیں ماں کی ڈیتھ پہ معلوم ہوا تھا، اور جس کے باعث تم اتنی پرسکون تھیں۔''

وہ کاغذ کو ایک کے بعد ایک تہہ لگا رہی تھی۔ اب وہ موٹا ہوتا جا رہا تھا سو اسے موڑنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

''اب ہم شکور کو کیسے ڈھونڈیں گے؟'' ماہی کھنکھاری۔

مالا غائب دماغی سے کاغذ کو دوہرا کر رہی تھی۔ ماہی نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا تو وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا کہا تم نے؟''

''تم ایک کاغذ کو سات دفعہ سے زیادہ فولڈ نہیں کر سکتیں۔''

کشمالہ مبین نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔

''ورلڈ ریکارڈ ۱۲ دفعہ کا ہے۔''

اور وہ دونوں دھیرے سے ہنس دیں۔ ماحول میں چھائی سوگواریت کم ہوئی۔

''شکور عامل ہوگا لیکن وہ کسی کلائنٹ کے کہنے پہ ہمارے اوپر عمل کر رہا تھا۔ اس کا کلائنٹ کون ہوسکتا ہے؟'' ماہی نے گال پہ انگلی رکھی۔ پھر خود ہی جواب دیا۔ ''یقیناً کبیرہ تائی۔''

''ہم نے کبیرہ تائی کا کیا بگاڑا ہے؟'' مالا افسوس سے دیوار پہ لگے کاغذوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ماں اور میں نے ان کا بہت کچھ بگاڑا ہے۔ اسی لیے میری بیٹی کے پیچھے پڑی تھیں۔ ہمارے اوپر جادو کروانے والے عموماً قریبی رشتے دار ہی نکلتے ہیں۔'' پھر وہ چونکی۔ جیسے کچھ یاد آیا۔

''ماہر کا قریبی چچا....'' گڑبڑا کے تصحیح کی۔ ''ماہر فرید کا چچا جس نے اوشن خریدا تھا....''

''اسی کے کہنے پہ خریدا ہوگا۔'' وہ تلخی سے بڑبڑائی۔

''اس نے تمہیں کال کی تھی لیکن خود ملنے نہیں آیا تھا۔ اپنے بھتیجے کو بھیج دیا۔ وہ تمہارا سامنا کرنے سے احتراز کیوں کر رہا تھا؟''

''معلوم نہیں۔'' کشمالہ نے لاعلمی سے شانے اچکائے۔ ''یقیناً وہ اوشن آتا رہتا ہوگا۔ میرا اور اس کا سامنا ہوا ہوگا۔ اور وہ دوبارہ نہیں ملنا چاہتا ہوگا۔''

''کیا تمہیں اس سے ملاقات یاد ہے؟''

''نہیں۔ شاید اس نے اپنا نام نہ بتایا ہو۔''

''ہوسکتا ہے اس نے ماہر فرید کو بتائے بغیر...''

''میں اس کو یا اس کے خاندان کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ ایک دم بے زار ہوئی۔ ''اور تمہیں میں نے منع کیا تھا۔ اس کے خاندان کو انٹرنیٹ پہ اسٹالک مت کرنا۔ دور رہو میرے مسئلوں سے۔''

اس کے بدلتے تیور دیکھ کے ماہی نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ماہی لاکھ منہ پھٹ سہی، وہ اس کی بڑی بہن تھی۔

پل بھر کے لیے اسٹوڈیو میں غیر آرام دہ سی خاموشی چھا گئی۔ پھر ماہ بینہ کھنکھاری۔

''نگینہ آنٹی اس روز بتا رہی تھیں کہ اگلے ہفتے زیاد آئے گا۔ تعزیت کے لیے... اور اپنی منگنی کے لیے۔''

''معلوم ہے۔ تمہاری بھی اس سے ملاقات ہو جائے گی۔'' مالا پلٹ کے تہہ شدہ کاغذ کو ایک فولڈر میں ڈالنے لگی۔

''میں زیادسے مل چکی ہوں۔''

''کب؟''

مالا نے تعجب سے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''سہیل کی شادی پہ۔ ہم دونوں اس سے ملے تھے۔ یاد نہیں؟''

''تب میں اوشن کی مینیجر تھی۔ میرا دماغ کام میں اتنا مصروف ہوتا تھا کہ یادداشتیں نہیں بنتی تھیں۔'' کشمالہ نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔ اس میں تلخی بھی تھی اور ماضی کا ناسٹیلجیا بھی۔

''جس دن میں نے کیف کو نوکری دی تھی' اسی روز مجھے اوشن سے نکالا گیا تھا (پھر سے ٹھنڈی سانس) اور اس رات زیاد اور نگینہ آنٹی اسلام آباد آئے تھے۔'' کچھ یاد کر کے وہ مسکرائی۔ ''اور وہ براؤنیز لائے تھے۔ ممانی نے میرا حصہ نکال کے اوپر بھجوا دیا تھا۔''

ایک منظر ذہن کے پردے پہ لہرایا۔

گیلے ٹیرس پہ کھڑی براؤنی کھاتی لڑکی اور نیچے پورچ میں کھڑا زیاد سلطان جس نے سر اٹھا کے اوپر دیکھا تھا۔

''کیا تم اس کی منگنی پہ افسردہ ہو؟'' ماہی نے غور سے اس کی مسکراہٹ کو موہوم ہوتے دیکھا۔

''میں بس اس عامل کو ڈھونڈنا چاہتی ہوں۔ اور اس سے اپنی ماں کو دی گئی ہر تکلیف کا حساب لینا چاہتی ہوں۔'' وہ فولڈر میں رکھے کاغذات کو ترتیب دے رہی تھی۔

ماہی خاموش ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کشمالہ اپنے گرد کھینچی اونچی دیواروں کو اتنی جلدی نیچے نہیں کرتی۔ وہ اس وقت نہ زیاد سلطان کی بات کرنا چاہتی تھی' اور نہ ہی اس انسان کی جسے وہ کیف کہتی تھی۔

(ویسے وہ کہاں رہ گیا؟ دو دن پہلے کہہ رہا تھا کہ تعزیت کرنے ہمارے گھر آئے گا۔) وہ سیڑھیاں نیچے اترتے ہوئے فون پہ ماہر کی چیٹ دیکھ رہی تھی۔ اس کی جانب خاموشی چھائی تھی۔ نہ کوئی پیغام۔ نہ کال۔

(کم بخت۔) وہ خفگی سے بڑبڑا کے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کی راہداری سرد اور سفید تھی اور اس میں کسی disinfectant کی بو پھیلی تھی۔ ایک سائیڈ پہ رکھے بنچ پہ وہ چند افراد بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ زارینہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی' اضطرابی کیفیت میں لمبے بالوں کو مسلسل انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ قریبی بنچ پہ شبنم بیٹھی تھی۔ آج اس کے سر پہ اسکارف تھا اور وہ دونوں ہاتھ باہم پھنسائے زیرِ لب

کچھ بڑبڑا رہی تھی۔اس کی آنکھیں کسی پنڈولم کی طرح سامنے دائیں سے بائیں ٹہلتے بیربل پہ جمی تھیں۔

وہ ایک ہاتھ سر پہ رکھے سفید پڑے چہرے کے ساتھ کبھی ایک کونے میں جاتا کبھی دوسرے میں۔

''بیربل بیٹھ جاؤ۔تم مجھے اری ٹیٹ کر رہے ہو۔''زارینہ نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے جوتا زمین پہ زور سے رکھا تو وہ رکا۔چند لمحے ضبط سے اسے گھورتا رہا'پھر شبنم کے دوسری جانب دھپ سے آ کے بیٹھا۔

''تم کہاں سے تھے ویسے؟''

سوال پہ اس نے چونک کے شبنم دیکھا۔وہ دعا روک کے اس کے نئے سوٹ کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ایک ورک میٹنگ میں تھا۔''

''ورک میٹنگ نے کس رنگ کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی؟''اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

اس نے جواباً تیز نظروں سے شبنم کو گھورا۔

''کم از کم میری کوئی لائف تو ہے۔تمہاری طرح ویک اینڈ پہ نیٹ فلکس کے ساتھ پاپ کارن نہیں کھاتا۔یہی کر رہی ہو گی نا تم اس وقت؟''

شبنم کا چہرہ سرخ ہوا۔ہونہہ کہہ کے رخ اس کی طرف سے موڑ کے دوبارہ سے ہاتھ جوڑ لیے اور زیرِ لب کچھ پڑھنے لگی۔

تیز قدموں کی آواز پہ بیربل جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔سامنے سے چنگیز چلتا آ رہا تھا۔

''کچھ معلوم ہوا؟''وہ قریباً دوڑ کے اس کی طرف لپکا۔

''سی سی ٹی وی فوٹیج کے مطابق حملہ آور ایس یو وی اس کے انتظار میں رکی کھڑی تھی۔اس کو سڑک کراس کرتے دیکھ کے آگے بڑھی اور ٹکر مار کے نکل گئی۔''

''یعنی یہ سراسر قاتلانہ حملہ تھا؟''اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔چنگیز نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس کی نمبر پلیٹ غائب تھی اور چند گلیوں کے بعد وہ ایک ایسی اسٹریٹ میں مڑ گئی ہے جہاں کیمرے نہیں تھے اور وہیں سے اس کا سراغ کھو گیا ہے۔لیکن فکر مت کرو۔ہم اس کو تلاش کر لیں گے۔''اس نے دھیرے سے بیربل کا کندھا تھپکا۔

''کوئی ماہر کو کیوں مارنا چاہتا ہے؟''اس نے کندھا ہلکا سا پیچھے کیا۔اس کا دبلا پتلا کندھا چنگیز کے بھاری ہاتھ کی گرفت میں دبوچا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

''ماہر کے اندر ایک مقناطیس لگا ہے جو مصیبت کو اپنی جانب کھینچتا ہے میرے دوست۔'' چنگیز کے چہرے پہ افسوس بھی تھا اور تکان بھی۔ پھر اس نے بند دروازوں کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں؟''

''سرجری ہو رہی ہے۔ اس کی بائیں ٹانگ بری طرح متاثر ہوئی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ماہر بہت سخت جان ہے۔''

''اس کا ایک دفعہ پہلے بھی بائیک ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تب اس کی رائٹ ٹانگ زخمی ہوئی تھی۔''

''رائٹ نہیں 'لیفٹ'۔'' زارا نے اسے گھورا۔ ''تب بھی اس کی لیفٹ ٹانگ ہی زخمی ہوئی تھی۔''

''اوہ۔'' بیربل کے لبوں سے ایک طویل اوہ خارج ہوئی۔

چنگیز نے ایک گہری نظر بنچ پہ بے زار سی بیٹھی زارینہ پہ ڈالی' پھر اسے کہنی سے تھام کے ذرا فاصلے پہ لے گیا۔

''یہ اسی سفید بالوں والے مشکوک آدمی کی بیٹی ہے نا؟'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''وہ مشکوک آدمی نہیں' میرا چچا ہے۔'' وہ برا مان گیا تھا۔ ''وہ ماہر سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ کبھی ماہر کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

''اور کہاں ہے وہ اس وقت؟'' چنگیز نے معنی خیز انداز میں ادھر ادھر دیکھا جیسے اسے تلاش کر رہا ہو۔

بیربل ایک لمحے کو چپ ہوا۔ ''زارا کہہ رہی تھی اس کی کوئی بہت اہم میٹنگ تھی۔ ویسے بھی ہم سب یہاں ہیں۔ اس نے آ کے کیا کر لینا تھا؟''

شبنم مشکوک نظروں سے ان دونوں کو دور کھڑے سرگوشی میں باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔

''ایسے ویسے تمہارے چچا کا ایک پیر جہاز میں ہوتا ہے۔ کبھی لندن تو کبھی استنبول۔ لیکن آج ویک اینڈ نائٹ پہ وہ مصروف تھا۔ اللہ اللہ۔'' چنگیز نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''مالک کبھی ماہر کو ہرٹ نہیں کر سکتا۔ ہاں وہ اس سے باتیں چھپا سکتا ہے۔ وہ اس کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک روبوٹ ہے۔ نہ کہ کوئی ولن۔''

اس کا انداز اتنا یقینی تھا کہ چنگیز ایک گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

''تم بہتر جانتے ہو گے۔ تمام۔''

''تم لوگ آپس میں کیا بات کر رہے ہو؟'' شبنم کی آواز پہ وہ دونوں چونک کے پلٹے۔

''تمہیں ڈسکس کر رہے تھے۔تم آ گئی ہو اس لیے چپ کر گئے ہیں۔'' بیربل جل کے بولا۔شبنم نے خفگی سے اسے دیکھا۔پھر ہتھیلی پھیلا کے چنگیز کے سامنے کی۔

''ماہر بے کا فون کہاں ہے؟''

''اوہ ہاں۔ یہ رہا۔'' چنگیز نے ماتھے کو چھوا۔پھر دوسرے ہاتھ سے جیکٹ کی جیب سے ایک زپ لاک بیگ نکال کے اس کی طرف بڑھایا جس کے اندر ایک ٹوٹی اسکرین والا موبائل تھا۔)

''یہ تباہ ہو چکا ہے۔''

''ایپل کے فون اتنی جلدی تباہ نہیں ہوتے۔صرف اسکرین ٹوٹی ہے۔'' شبنم فون کو نکال کے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

ذرا دیر بعد اسکرین روشن ہو گئی تو وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا دی۔''ایپل فار لائف۔'' جگمگاتی اسکرین ان کو دکھائی۔

''کیا کسی کو ماہر کا پاس کوڈ معلوم ہے؟''

''نہیں لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم سب قریبی لوگوں کو اطلاع کر چکے ہیں۔''

''اور وہ باغباں کی بیٹی؟''

بیربل جہاں تھا' وہیں رہ گیا۔اسے تو وہ بھول ہی گیا تھا۔

''تمہیں اسے بتانا چاہیے۔'' چنگیز تیزی سے بولا۔''وہ یقیناً آ جائے گی اور شاید دونوں کے سارے مسئلے حل ہو جائیں۔''

''لیکن میرے پاس اس کا نمبر نہیں ہے۔میں اسے کیسے اطلاع کروں؟'' پھر کچھ سوچ کے اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میرا نہیں خیال وہ ماہر کے لیے اتنی دور استنبول آنا چاہے گی۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم استنبول جانا چاہتی ہو؟''

مالا کمرے میں آئی تو خالی بیڈ اس کا منتظر تھا۔چادر بے شکن تھی۔اور دوائیاں سائیڈ ٹیبل سے ہٹا دی گئی تھیں۔وہ چپ چاپ بیڈ کے کنارے پہ بیٹھی اور چادر پہ ہاتھ پھیرا۔

''ماں کے ہوتے ہوئے اس کمرے میں کچھ مختلف سا تھا۔''معید چوکھٹ میں آ کھڑا ہوا۔وہ بھی وہی دیکھ رہا تھا جو اس کی نظروں میں تھا۔

''وہ ماں کی رونق تھی۔بڑوں کی اپنی رونق ہوتی ہے۔''وہ سر جھکائے انگلیاں چادر پہ پھیرتے ہوئے کچھ محسوس کر رہی تھی۔''ہر کونے سے ان کی آواز آتی ہے۔کمرے کا دروازہ کھولتی ہوں تو لگتا ہے وہ سامنے بیڈ پہ بیٹھی ہوں گی۔ٹانگیں نیچے لٹکائے' گود میں دواؤں کا باکس رکھے' سر جھکائے الجھی سی کچھ تلاش کر رہی ہوں گی۔''

''ہم اپنی ماؤں کو ہمیشہ کاموں میں پھنسا' الجھا الجھا سا ہی دیکھتے ہیں۔جب ان کی خدمت کروانے کی عمر آتی ہے تو وہ چلی جاتی ہیں۔''وہ چوکھٹ سے سر ٹکائے اداس نظر آ رہا تھا۔کھڑکی کے باہر پھیلی تاریک رات ان کو اسی اداسی سے دیکھ رہی تھی۔

''کیسے نکلیں گے ہم اس فیز سے؟''مالا نے پرامید نظروں سے اسے دیکھا۔

''کمرے کی سیٹنگ بدل دو۔''

پھر وہ کھنکھارا۔جیسے ہمت مجتمع کی ہو۔

''تم استنبول جانا چاہتی ہو؟''

مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔آنکھیں اچھنبے سے اکٹھی ہوئیں۔

''میں کئی دفعہ استنبول جا چکی ہوں۔لیکن تم اس حالت میں Vacation کا سوچ رہے ہو؟''اسے جیسے برا لگا تھا۔

''نہیں۔میں استنبول منتقل ہونے کی بات کر رہا ہوں۔مجھے ترکی میں ایک فیلوشپ کرنی ہے۔ماں کی وجہ سے ہر سال چھوڑتا رہا۔اب جا سکتا ہوں لیکن تمہیں چھوڑ کے نہیں۔تم ساتھ چلنے کی ہامی بھرو تو میں اپلائی کروں گا۔''

''تم ماں کے غم سے فرار چاہتے ہو؟ حالانکہ اس غم سے کبھی فرار نہیں ملتا۔''

''میں بس لاہور میں نہیں رہنا چاہتا۔''

''لیکن مجھے ابھی یہاں رہنا ہے۔چند کام ہیں جو مجھے کرنے ہیں۔''وہ بولی تو چہرہ ایک دم سپاٹ ہو گیا۔کچھ تلخ سا تھا جو کمرے کی خاموشی میں گھلتا چلا گیا۔

''سوچ لو۔یہاں رہ کے صرف تم اپنی مینٹل ہیلتھ خراب کرو گی۔''وہ نرمی سے زور دیتے ہوئے پلٹ گیا۔پھر کچھ یاد آنے پہ واپس پلٹا۔

''کیف کا فون آیا تھا جنازے والے دن۔تعزیت کے لئے۔''

وہ ایک دم چونکی۔دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔وہ بہن بھائی آج کل ایک دوسرے کو بتاتے رہتے تھے کہ فلاں کا فون آیا' یا فلاں کا نہیں آیا۔کس نے جنازے میں شرکت کی' کس نے نہیں کی۔ہر پاکستانی گھرانے کی طرح ان کو بھی ہر اس شخص کو یاد رکھنا تھا جو ان کے برے وقت میں ساتھ تھا۔اور جس نے پلٹ کے پوچھا بھی نہیں۔

معید اطلاع دے کر آگے بڑھ گیا اور وہ جہاں تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

''وہ معید کو کال کر سکتا تھا تو ایک کال مجھے بھی کر سکتا تھا۔لیکن نہیں۔نہ کال کی۔نہ خود آیا۔''وہ خود سے بڑبڑا رہی تھی۔آنکھیں بھیگنے لگیں۔کچھ تھا جو بہت برا لگا تھا۔اسے نہ جانے کیوں یقین سا تھا کہ وہ آئے گا۔کال نہیں کرے گا لیکن ایک دن وہ اچانک سے ڈور بیل بجنے پہ دروازہ کھولے گی تو وہ سامنے کھڑا ہوگا۔لیکن وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی کیف کے بارے میں غلط تھی۔

ایک دم تیز پانی کے گرنے کی آواز نے اس کا ارتکاز توڑا۔مالا نے چونک کے باتھ روم کی سمت دیکھا۔وہاں کوئی نہیں تھا پھر؟

وہ دھیرے سے اٹھی اور قدم قدم چلتی باتھ روم تک آئی۔نیم وا دروازہ پورا دھکیلا۔

سنک کا نل کھلا تھا اور پانی تیز دھار سے نیچے گر رہا تھا۔وہ آگے بڑھی اور سختی سے نل بند کیا۔پھر پلٹی ہی تھی کہ ٹونٹی کے گھومنے کی آواز آئی اور نل دوبارہ چل پڑا۔

ایک گہری سانس لے کر کشمالہ مبین واپس پلٹی۔چہرے پہ نہ کوئی خوف تھا' نہ کوئی پریشانی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے تم مجھے ڈرا سکتے ہو؟وہ بھی پانی کے ایک نل سے؟ہونہہ۔''وہ آگے بڑھی اور ٹونٹی زور سے گھمائی لیکن مخالف سمت۔ایسے کہ نل پورا کھل گیا۔پانی کی دھار مزید تیز ہوگئی۔

''لو۔کھل گیا نل۔مزید کیا کرنا ہے؟میرے گھر کے شیشے توڑنے ہیں؟توڑو نا۔توڑو۔''وہ دائیں بائیں خالی باتھ روم میں دیکھتے ہوئے زور سے غرائی۔

''کیا کر سکتے ہو تم؟مجھے ڈرانا چاہتے ہو؟ڈراؤ نا۔آؤ۔پھر سے پکڑو میری گردن۔''وہ اطراف میں دیکھتے ہوئے گول گول ایڑیوں پہ گھوم رہی تھی۔

''تم ایک بے وقوف اور ڈرپوک مخلوق ہو۔میں نہیں ڈرتی تم سے۔وہ عامل جس کے تم غلام ہو اور جس کے کہنے پہ تم نے میری ماں کو اذیت دی تھی' جا کے اس کو میرا ایک پیغام دینا۔''اس کی غراہٹ بلند ہو رہی تھی۔

''اسے وہ کہنا وہ تیار رہے۔ مجھے اس کا چہرہ معلوم ہے۔اور میں اسے ڈھونڈ نکالوں گی۔وہ جسے آج تک کوئی نہیں ڈھونڈ سکا' اسے میں ڈھونڈوں گی۔'' چہرہ گلابی ہو کے تمتما رہا تھا۔ایک جھٹکے سے نل بند کیا اور دھاڑ سے باتھ روم کا دروازہ مارتی وہ کمرے میں واپس آئی۔

نل دوبارہ نہیں کھلا۔اب ہر طرف خاموشی تھی۔کوئی آہٹ نہیں۔کوئی چاپ نہیں۔

''بزدل۔'' وہ بستر پہ بیٹھی تو چھن سے ایک منظر آنکھوں کے سامنے آیا۔

وہ دنوں کافی شاپ میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔بھوری آنکھوں والا مرد اسے اپنی کہانی سنا رہا تھا اور وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اس کا نام سرکار ہے۔یعنی اس کے کلائنٹس اسے سرکار کے نام سے جانتے ہیں۔میرا سوتیلا باپ اس کا کلائنٹ تھا۔لیکن وہ بھی اس کی اصل شناخت سے واقف نہیں تھا۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک بوڑھا جادوگر ہے۔اس کے بال سفید' اور رنگت سیاہی مائل ہے۔اور وہ سر پہ ایک نارنجی رومال لپیٹتا ہے۔اس نے بہت سے خاندان توڑے ہیں۔بہت لوگوں کو اذیت دی ہے۔لیکن اسے آج تک کوئی نہیں ڈھونڈ سکا۔میں بھی نہیں۔''

کافی شاپ میں بیٹھی لڑکی اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

لیکن اس وقت اپنے بیڈ پہ بیٹھی لڑکی کی آنکھوں میں شک نہیں تھا۔صرف چبھن تھی۔

''کیا وہ سچ کہہ رہا تھا؟ کیا وہ خود اس عامل کا کلائنٹ نہیں تھا؟ کیا وہ خود البم میں موجود لڑکیوں پہ ظلم کرنے والا نہیں تھا؟'' اس نے سر جھٹکا۔''شاید وہ سچ کہہ رہا ہو لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔اس نے مجھے دھوکہ دیا۔کئی ماہ مجھ سے جھوٹ بولا۔میرا ریستوران چھینا۔اپنے اور سرکار کے کھیل میں مجھے کیوں شامل کیا؟ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' کیف۔''

پھر اطراف میں دیکھا۔اس کا کمرہ خالی تھا لیکن وہ جانتی تھی سرکار نامی اس عامل کے چیلے اس پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔

''وہ جسے کوئی نہیں ڈھونڈ سکا' اسے میں ڈھونڈوں گی۔'' وہ لیٹ گئی اور ماتھے پہ بازو رکھ کے آنکھیں موند لیں۔

وہ اب خوفزدہ نہیں تھی۔اس کی ماں چلی گئی تھی۔اب کھونے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔

بصارت اندھیر ہوئی تو ایک منظر ذہن کے پردے پہ چلنے لگا۔

اندر کمرے میں ماں کی میت رکھی تھی اور وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس کچن کاؤنٹ کے پاس کھڑی تھی۔اس کے

سامنے کٹے ہوئے بالوں والی مسکراتی ہوئی ڈاکٹر سلیمہ کھڑی تھیں۔ان کے لب دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔

''کیا میں تمہیں ایک ایسا راز بتاؤں جو ان بچوں کو معلوم ہوتا ہے جن کے ماں باپ ان کے سامنے مر جاتے ہیں؟''

''میرے والد کی ڈیتھ اس وقت ہوئی جب میں بہت چھوٹی تھی' سلیمہ آنٹی۔تب تو مجھے ایسا کوئی راز معلوم نہیں ہوا۔''

کچن کاؤنٹر کا منظر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ایک آنسو آنکھ سے نکلا اور گردن پہ لڑھکتا چلا گیا۔اس آنسو کا رنگ شفاف پانی جیسا تھا۔اور اس شفاف پانی میں دھنک کے ساتوں رنگ مقید تھے۔

ان رنگوں کے اندر ایک اور منظر جنم لینے لگا۔

عورتوں اور مردوں کا ایک ہجوم.... وسط صحن میں رکھی چارپائی... اجلے سفید کفن میں لپٹا ایک بند آنکھوں والا مردانہ چہرہ۔چارپائی کی پائنتی کے ساتھ بیٹھی ایک فربہ سی لڑکی جس کی آنکھیں سبز تھیں اور کلائیوں میں سونے کے کنگن تھے۔وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں روئے جا رہی تھی....

صحن کے دوسرے کونے پہ وہ کھڑی تھی۔ایک چھوٹی سی سبز آنکھوں والی لڑکی جس نے بالوں کی اونچی پونی بنا رکھی تھی۔اس کے کندھے کے ساتھ ایک لڑکا کھڑا تھا جو قد میں اس سے چند انچ چھوٹا تھا۔ساتھ بچھی چارپائی پہ ایک اور ننھی لڑکی سو رہی تھی جو کافی صحت مند اور بھرے بھرے گالوں والی تھی۔

''تم بڑی ہو' کشمالہ۔''ایک بوڑھی خاتون جو اس چارپائی پہ پیر لٹکائے بیٹھی تھیں' اس کا ہاتھ تھام کے محبت سے کہنے لگیں۔

''بڑی؟''وہ جو بھیگی آنکھوں سے دور صحن میں رکھی میت کو دیکھ رہی تھی' چونک کے انہیں دیکھنے لگی۔

''ہاں۔تم بڑی ہو اور یہ چھوٹی۔بڑا بہن بھائی باپ کی جگہ ہوتا ہے۔اب یہ دونوں نہ صرف تمہاری ماں بلکہ تمہاری بھی ذمہ داری ہیں۔''

اس نے ناسمجھی سے سر ہلا دیا اور آنکھ سے نکلا آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑ دیا۔

''دیکھو بیٹا ...اب تمہارا باپ نہیں رہا۔اب تم لوگوں کو قدم پھونک پھونک کے رکھنا ہوگا۔''کسی دوسری خاتون نے سرگوشی کی۔وہ چونک کے ان کو دیکھنے لگی۔

''اب تم لوگ اپنے کزنز سے کبھی مت لڑنا۔بالخصوص اپنے ماموؤں اور ان کے بچوں سے بنا کے رکھنا۔پہلے

مبین تمہارے سر پہ تھا۔اب وہ نہیں ہے۔اسی لیے نہ دھیان میں کسی کو شکایت کا موقع دینا ہے نہ خیال میں۔"

"ہاں بیٹا۔تم نے اپنے بہن بھائیوں کا خیال رکھنا ہے۔اپنے خاندان کے ساتھ جڑے رہو گے تو سب ٹھیک رہے گا۔کسی سے نہیں لڑنا۔"

"کسی سے نہیں لڑنا۔"اس نے زیرِ لب دہرایا۔

کشمالہ نے آنکھیں کھولیں۔ایک اور آنسو گال سے لڑھک کے نیچے جا گرا۔

چارسدہ کا صحن غائب ہو گیا۔وہ لاہور میں اپنے کمرے میں لیٹی تھی۔اس کے اور اس کی کم علم اور تنگ ذہن رشتے دار خواتین کے درمیان بہت سے فاصلے تھے۔کئی برس کی تعلیم اور ایک طویل عرصے تک ورکنگ وومن ہونے کا فاصلہ۔ہائی سوسائٹی کے exposure اور دنیا گھومنے کا فاصلہ۔وہ ان سے بہت دور جا چکی تھی۔

لیکن کیا واقعی؟

کیا واقعی کچی عمر میں ذہن پہ لگی پکی لکیریں تعلیم اور تجربے سے مٹ جاتی ہیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ہسپتال کا ایک مختلف کاریڈور تھا۔یہاں پرائیوٹ رومز کے دروازوں کی قطار نظر آ رہی تھی۔ہر کمرے کے باہر آرام دہ صوفوں کا ایل بنا تھا اور سامنے رکھی میز پہ تازہ پھول سجے تھے۔کونے میں ایک ریسیپشن تھی جہاں پہ بیٹھی خوبصورت لڑکی سے عیادت کے لیے آنے والے مہمان اپنے مریض کا روم نمبر پوچھتے اور مطلوبہ کمرے تک چلے آتے۔اگر مریض کے مہمان زیادہ ہو جاتے تو کچھ لوگوں کو کمرے کے باہر ایل شیپ صوفوں پہ بٹھا دیا جاتا۔لیکن چونکہ یہ امراء کا پرائیوٹ ایریا تھا اس لیے یہاں داخل مہمانوں کی عیادت کرنے والے جس تیزی سے آتے اسی تیزی سے واپس پلٹ جاتے تھے۔اکثر کمروں میں امراء کے بوڑھے والدین داخل تھے جن کے بچوں نے ان کے لیے تنخواہ دار اٹینڈنٹ رکھے ہوئے تھے۔خود وہ کم کم ہی چکر لگاتے۔کیونکہ جب وہ چھوٹے تھے ان کے والدین کے پاس ان کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا۔آج ان کے پاس اسی وقت کی کمی تھی۔ایسے میں کسی بھی کمرے کے سامنے بنے سٹنگ ایریا پہ رش نہ لگا تھا۔

سوائے روم نمبر ۵۵۵ کے۔یہ صوفے گزشتہ تین دن سے خالی نہیں ہوئے تھے۔

میز پہ رکھے گلدستے کے ساتھ کافی کے خالی کپ رکھے تھے۔ایک صوفے پہ بیربل براجمان تھا۔رف ٹی شرٹ اور جینز پہنے گھنگھریالے بال الجھے الجھے سے لگ رہے تھے۔جیکٹ ساتھ رکھی تھی۔آنکھوں سے لگتا تھا وہ کئی دن

سے نہیں سویا۔صوفے کے دوسرے کنارے پہ شبنم بیٹھی ٹوٹی اسکرین والے فون کو ہاتھ میں گھما رہی تھی۔بیر بل کے برعکس وہ ہر روز کی طرح صاف ستھرے لباس میں تازہ دم نظر آتی تھی۔

دفعتاً روم ۵۵۵ کا دروازہ کھلا اور چنگیز باہر آتا دکھائی دیا۔وہ سر جھکائے' احتیاط سے فرش پہ رکھی ایک تار کو عبور کر رہا تھا۔وہ ایک کارنر لیمپ کی تار تھی جس کے قریب کوئی سوئچ نہ تھا۔سو اس کو چوکھٹ کے اوپر دیوار سے گزارا گیا تھا۔لیکن گزشتہ روز وہ نیچے گر پڑی تھی اور تب سے چوکھٹ پہ پڑی تھی۔

''جو بھی اندر جائے' دھیان سے جائے۔ورنہ لیمپ کی تار سے اڑ کے گر سکتا ہے۔''اس نے کوفت بھرے انداز میں باہر آ کے اطلاع دی۔

''میں ایک بار گر چکا ہوں۔''بیر بل نے ایک ہاتھ بلند کیا۔

''میں بھی۔''شبنم نے محض ایک انگلی بلند کی۔

''تم دو دفعہ گری ہو۔اور میں نے دونوں دفعہ دیکھا تھا۔''

شبنم نے خفگی سے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا اور چنگیز کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا ماہر بے اس کنڈیشن میں ہیں کہ ہم ان سے بات کر سکیں؟''

چنگیز جواب دیے بنا ریسیپشن تک گیا اور کہنیوں کے بل کاؤنٹر پہ جھکا۔

''کیا کوئی روم نمبر ۵۵۵ کے کارنر لیمپ کی تار فکس کر سکتا ہے؟وہ کل سے راستے میں پڑی ہے۔کوئی اس سے اڑ کے زخمی ہو سکتا ہے۔اللہ اللہ....''دونوں ہاتھ اٹھا کے اکتا کے کہا اور سر جھٹکتا پلٹ گیا۔لڑکی نے سر ہلا کے فوراً سے ریسیور کان سے لگا لیا۔

''فلموں میں تو ایسے نہیں ہوتا۔''چنگیز واپس ایل شیپ صوفوں تک آیا تو شبنم ناراض نظر آ رہی تھی۔

''کیا ہوتا ہے فلموں میں؟''

''مریض کو جیسے ہی ہوش آتا ہے' اس کے قریبی لوگ اس سے ملتے ہیں۔اور وہ آہستہ سے آنکھیں کھول کے ان کو دیکھتا ہے۔چند اپنائیت بھری باتوں کے تبادلے ہوتے ہیں۔''وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔''اور یہاں جب سے سرجری کے بعد ماہر کو ہوش آیا ہے' اس نے ایک دفعہ بھی ہم میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔اور صرف درد سے چلائے جا رہا ہے۔''

''کیونکہ اس کو درد ہو رہا ہے' شبنم خانم۔''وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہنے لگا۔''تمہاری

فلموں میں ہر زخم کے ساتھ ہیرو کی برداشت بڑھتی جاتی ہے لیکن حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا۔انسان کی درد برداشت کرنے کی ہمت ہر نئی تکلیف پہ کم ہو جاتی ہے۔یہ ماہر کا پہلا ایکسیڈنٹ نہیں ہے۔اس لیے اس کی تکلیف بہت زیادہ ہے۔اس لیے اسے دواؤں کے زیر اثر سلائے رکھنے میں ہی بہتری ہے۔''

''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ماہر درد سے اتنا چلا سکتا ہے۔چچ۔''شبنم نے دونوں کانوں کو چھوا۔

تھوڑی دیر کے لیے سٹنگ ایریا میں خاموشی چھا گئی۔وہ دونوں اپنے اپنے فون پہ لگے تھے۔دفعتاً شبنم کھنکھاری۔

''ہم تینوں باری باری یہاں آ کے ڈیوٹی دیتے ہیں۔ہسپتال والے بھی سوچتے ہوں گے کہ ہماری کوئی لائف نہیں ہے۔''

''اپنی بات کرو۔میری لائف ہے۔''بیر بل نے فون اسکرول کرتے ہوئے سر جھٹکا۔

''اچھا؟ جب ماہر کے ایکسیڈنٹ کی خبر آئی تو تم کیا کر رہے تھے؟''

''میں ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ ڈنر کر رہا تھا۔''اس نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں تو شبنم بھی مسکرائی۔

''اور تب سے اس خوبصورت لڑکی نے تمہیں ایک کال نہیں کی۔''

بیر بل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔منہ میں کچھ بڑبڑا کے واپس فون پہ جھک گیا۔

''جب سے ماہر کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے'ہم سب کی زندگیاں رک گئی ہیں۔''چنگیز بھی فون پہ لگا تھا۔وہ خود سے بولنے لگی۔''زارینہ حاتم کو دیکھ لو۔صرف دو دفعہ آئی ہیں۔کیونکہ اس کی لائف ہے۔پھر وہ کیف سنبھال رہی ہے۔مالک اپنا کاروبار سنبھال رہا ہے۔سب کی لائف ہے سوائے ہم تینوں کے۔کیونکہ شاید ہماری زندگیاں صرف ماہر کے گرد گھومتی تھیں۔''

''تمہارے خاموش ہونے کی کوئی ٹائمنگ ہے یا مرضی سے ہوتی ہو؟''بیر بل فون پہ چہرہ جھکائے بولا تو شبنم کا چہرہ سرخ ہوا۔لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی'بھاری جوتوں کی آواز سنائی دی۔

ان تینوں نے سر اٹھا کے اس طرف دیکھا۔

عبدالمالک فرید سامنے سے چلے آ رہے تھے۔ان کا سوٹ آج بھی بے شکن تھا۔سفید بال جیل سے جمے تھے۔اور چہرہ بے تاثر تھا۔شبنم اور بیر بل بے اختیار کھڑے ہو گئے۔چنگیز نہیں اٹھا۔وہ اپنی جگہ پہ بیٹھا' آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے انہیں آتے دیکھے گیا۔

''ماہر کیسا ہے؟'' مالک ایک صوفے پہ بیٹھے اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''اس کی حالت اسٹیبل ہے۔ لیکن سرجری کے بعد سے اس کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اس لیے اسے زیادہ وقت sedated رکھتے ہیں۔'' بیربل واپس بیٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں بتانے لگا۔ چنگیز بغور ان دونوں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔

''یہ وہی ٹانگ ہے؟'' مالک کا لہجہ خشک تھا۔

بیربل نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''تم اس سے مل سکتے ہو۔''

''جب وہ ہوش میں آئے گا' تب مل لوں گا۔ مجھے اس کو چیختے چلاتے دیکھنا پسند نہیں ہے۔''

مالک دوٹوک انداز میں کہہ کے بند دروازے کو دیکھنے لگے۔ نظریں دروازے پہ لکھے نمبر پہ تھیں۔

''۵۵۵۔ ماہر کا لکی نمبر ۵۔ یہ کمرہ کس نے منتخب کیا تھا؟''

شبنم نے ایک ہاتھ اونچا کیا۔ مالک نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور واپس دروازے کو دیکھنے لگے۔

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ پھر بیربل کھنکھارا۔

''مجھے لگتا ہے ماہر کو کسی نے مارنے کی کوشش کی ہے۔''

''یقیناً اس مصیبت کو بھی خود اسی نے دعوت دی ہو گی۔'' ان کا لہجہ سرد اور بے تاثر تھا۔ جذبات سے مکمل عاری۔

''آپ اتنے دن سے کہاں تھے؟'' چنگیز کی نظریں ان پہ جمی تھیں۔

مالک نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''اور تم کون ہو؟''

''باش کومسر چنگیز۔ (چیف انسپکٹر چنگیز)'' اس نے والٹ کھول کے اپنا بیج دکھایا۔ گردن خود بخود اکڑ گئی۔

''میں ضرور بتاؤں گا کہ میں اتنے دن سے کہاں تھا' چنگیز آفندی۔ لیکن میں ابھی فلائٹ سے آیا ہوں اور میں تھکا ہوا ہوں۔'' مالک فرید کی چبھتی نظریں اس پہ جمی تھیں اور لب میکانکی انداز میں ہل رہے تھے۔

''پہلے میں زارا کے اپارٹمنٹ جاؤں گا۔ وہاں فریش ہوں گا۔ پھر میں ڈی جی ایمنیت گنال مدرلو (ترکش پولیس سروس) کے ساتھ شہر سے باہر جنگل میں شوٹنگ کے لیے جاؤں گا۔ (چنگیز کی کمر سیدھی ہوئی۔) ہم کچھ دیر کے لیے ٹیکٹیکل شوٹنگ کریں گے۔ اور پھر میں اس سے پوچھوں گا کہ سر یار کا باش کومسر میرے بھتیجے کے ایکسیڈنٹ کی تفتیش

کرنے کے بجائے ہسپتال میں بیٹھا کیا کر رہا تھا؟"

"میں... ابھی آیا تھا۔" چنگیز تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا' رنگت بدلی تھی۔ "ہم اس کار کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"مجھے تمہاری پروگریس رپورٹ تمہاری باس سے مل جائے گی' باش کو مسرے۔" ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے مالک نے کندھے اچکا دیے۔ اس کی برفیلی نظریں چنگیز کے وجود میں پیوست ہو رہی تھیں۔

بیربل فرید کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔

"میں چند ضروری کام نپٹا کے آتا ہوں۔" چنگیز نے سر کو خم دیا اور ان دونوں سے نگاہ ملائے بغیر تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"مالک بے...." شبنم کھنکھاری۔ "وہ ماہر کا بہت اچھا دوست اور...."

"کیا میں نے تم سے پوچھا ہے' شبنم؟" وہ اب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ماہر کو دیکھتی ہوں۔" وہ جلدی سے ۵۵۵ کا دروازہ کھول کے اندر غائب ہوئی۔ دروازہ بند ہوتے ہی مالک نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے' لیکن بیربل نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔

"ایک منٹ...." وہ غور سے کچھ سن رہا تھا۔

لمحے بھر بعد اندر سے ٹھڈے کی آواز آئی۔ اور پھر شبنم کا "آؤچ"۔

"اور یہ ہوئی ہیٹرک۔" بیربل نے مطمئن سی سانس خارج کی اور پھر مالک کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے؟"

"کیا اس کی ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی؟" وہ بغور بیربل کو دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں کی برف ویسی ہی تھی۔

"یہ گزشتہ ایکسیڈنٹ سے بدتر تھا۔ لیکن ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں۔ وہ چند ماہ میں اپنے قدموں پہ کھڑا ہو جائے گا۔"

"چند ماہ۔" وہ اب بیربل کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ چہرہ موڑے مخالف سمت میں کمروں کی قطار کے سامنے رکھے خالی صوفوں کو دیکھ رہے تھے۔

"مالک... وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ پریشان مت ہو۔" بیربل بغور ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔ انہوں نے بس سر کو جنبش دی۔

''تمہارے پاس اس لڑکی کا نمبر ہے؟''

مالک نے چونک کے اسے دیکھا۔

''کون سی لڑکی؟''

''وہی جس کو ماہر نے تمہارے کہنے پہ چھوڑ دیا تھا۔کشمالہ۔''اس کی آنکھوں میں کچھ جتاتا ہوا تھا۔

''ہاں ہے۔کیوں؟''مالک کا چہرہ ویسا ہی تھا۔

''اس کو کال کر کے بتا دو کہ ماہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔شاید وہ آنا چاہے؟''

''اب تم اپنے بھائی کے لیے ہمدردی طلب کرو گے؟''بیربل پہ جمی ان کی آنکھوں میں ملامت ابھری تو اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''کیا تم اسے کال کر سکتے ہو؟''

"نہیں۔کیونکہ ماہر ایسا کبھی نہیں چاہے گا کہ وہ اسے اس حالت میں دیکھے۔میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں'بی۔''

''یا شاید تم اسے بتانا نہیں چاہتے۔''بیربل کی آنکھوں میں جھنجھلاہٹ ابھری۔''اور ہاں...ماہر کو معلوم ہے کہ تم نے اس لڑکی کا ریستوران بکوایا تھا۔''

''اسے بہت پہلے معلوم ہو جانا چاہیے تھا۔اس نے کاغذات پہ خود دستخط کیے تھے۔''عبدالمالک فرید اسی طرح پرسکون بیٹھے رہے۔ان کے ہاتھ صوفے کے ہتھ پہ نادیدہ پیانو بجا رہے تھے۔

''اس کے آنے سے شاید وہ جلد تندرست ہو جائے۔کیا تم ایسا نہیں چاہتے؟''اب کے بیربل نے لہجے کو بدل کے کہا۔

''کوئی لڑکی کسی مرد کو تندرست نہیں کر سکتی۔بہتر ہو گا تم اپنی توانائی اپنے بھائی کا خیال رکھنے پہ صرف کرو۔''اسی لہجے میں کہہ کے مالک نے اپنا موبائل نکالا اور عینک ناک پہ لگاتے ہوئے چہرہ اسکرین پہ جھکا دیا۔بیربل بڑبڑاتے ہوئے رخ موڑ کے بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کے ڈرائینگ روم کی کھڑکی کے آگے سے آدھا پردہ ہٹا تھا اور سرما کی دھوپ اندر آ رہی تھی۔خزاں نے بہت سے پتوں کو خشک کر کے گرا دیا تھا۔لیکن ماں کے سدا بہار پودے ویسے ہی کھڑے تھے۔فضا میں دھوئیں

جیسی اسموگ کی ملاوٹ بھی شروع ہو چکی تھی۔ ایسے میں ڈرائینگ روم کی خاموشی کو باہر سے آتی کسی پرندے کی سیٹی چیر رہی تھی۔ غوں غوں ں ں ں۔ ایک غوں چھوٹا اور ایک بہت طویل۔

آواز میں وقفہ آیا تو صوفے پہ بیٹھی کشمالہ نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

سامنے بڑے صوفے کے کنارے پہ زیاد سلطان بیٹھا تھا۔ پولو شرٹ کے اوپر پوری آستین کا سوئیٹر پہنے' سر جھکائے وہ آگے ہو کے بیٹھا تھا۔

''جب سے میری امی بیمار ہوئی ہیں' میں آپ کی کیفیت سمجھ سکتا ہوں۔ عجیب بے بسی ہے۔ کروں تو کیا کروں؟'' اس نے چہرہ اٹھا کے کشمالہ کو دیکھا تو آنکھوں میں اداسی تھی۔ وہ اس اداسی کو پہچانتی تھی۔

''علاج کروا رہے ہیں؟'' وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا گلابی سپید چہرہ میک اپ سے پاک تھا۔ بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور پیروں میں عام سلیپرز تھے۔ سادہ شلوار قمیض کے اوپر وہ کندھوں پہ شال لپیٹے ہوئے تھی۔ سرما ابھی ٹھیک سے شروع نہیں ہوا تھا اور گھر کے اندر ہیٹر کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

''سب کر رہا ہوں کشمالہ۔ لیکن وہ تندرست نہیں ہیں۔ اور میرا خوف ہر دن بڑھتا جا رہا ہے۔''

اسے لگا اس کے سامنے زیاد سلطان نہیں' اس کا اپنا وجود بیٹھا ہے۔ چھے ماہ پہلے کا وجود۔ ڈاکٹر وہرا کے کلینک میں بیٹھی ڈری سہمی لڑکی۔

''وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں دعا کروں گی۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔

وہ بھی مسکرا دیا۔ پھر غور سے اسے دیکھا۔

''آپ کیسی ہیں؟''

کھڑکی کے پار پرندے کی لمبی سی غوں پھر سے سنائی دی تھی۔ وہ کہیں قریب ہی تھا۔ لیکن پردہ آدھا برابر ہونے کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ چند گھنٹے ٹھیک گزرتے ہیں۔ ماں یاد سے نکل جاتی ہیں۔ پھر اچانک یاد آتا ہے کہ ماں چلی گئی ہیں۔ اور یہ حقیقت کسی ہتھوڑے کی مانند سر پہ لگتی ہے۔ ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ لگتا ہے دل پھٹ جائے گا۔ ایسی گھٹن کہ دل چاہتا ہے زور زور سے چیخوں۔ اور پھر چند گھنٹے کے لیے وہ بھول جاتی ہیں۔ اور میں اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ یوں یہ سائیکل چلتا رہا ہے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کس کیفیت سے گزر رہی ہیں۔'' اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جیسے کہ وہ کیا کہے۔ وہ بھیگی

آنکھوں سے مسکرادی۔

''اکثر میں بھول جاتی ہوں کہ وہ اب نہیں ہیں۔گھر میں داخل ہوتی ہوں تو پہلا خیال ان کے پاس جا کے انہیں سلام کہنے کا آتا ہے۔شام کی چائے میں ان کا ایک کپ زیادہ بنا دیتی ہوں۔رات کو ان کی انسولین نکالنے کے لیے فریج کھولتی ہوں تو یاد آتا ہے کہ اب کسی دوا کی ضرورت نہیں رہی۔''

''آپ ٹھیک نہیں ہیں۔''وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں میں ٹھیک نہیں ہوں۔لیکن میں خود کو ٹھیک کرلوں گی۔''اس نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔''کیونکہ میرے پاس اب ایک مقصد ہے۔''

پرندے کا غوں زور سے بلند ہوا اور پھر خاموشی چھا گئی۔زیادنا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیسا مقصد؟''

''میں اس عامل کو ڈھونڈوں گی جو اتنے عرصے سے میرے پیچھے پڑا ہے۔پہلے وہ صرف مجھے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔پھر اس نے میری ماں پہ بھی جادو کیا۔انہیں تکلیف دی۔''حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکنے لگا لیکن وہ بہت ضبط سے اسے نیچے دھکیل گئی۔

''آپ اسے کیسے ڈھونڈیں گی؟''وہ حیران تھا۔

''بتایا تو آپ مجھے منع کریں گے۔کہیں گے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔ان سے دور رہنے میں بھلائی ہے۔ہے نا؟''

وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''نہیں۔میں آپ کو منع نہیں کروں گا۔آپ سمجھدار ہیں۔اور اپنی حفاظت خود کرسکتی ہیں۔آپ جو بھی کرنا چاہیں گی،مجھے اپنے ساتھ کھڑا پائیں گی۔''

وہ ٹھوس لہجے میں نرمی سے کہہ رہا تھا۔وہ گیلی آنکھوں سے مسکرائی۔کیا تھا اس شخص میں کہ جب وہ قریب ہوتا تھا تو دل خود اس کی طرف کھنچتا تھا؟

''تھینک یو زیاد۔''

''لیکن مجھے آپ کی حفاظت کی فکر ہے۔آپ کسی عامل کے ٹھکانے پہ بغیر سیکیورٹی کے تنہا نہیں جائیں گی۔''وہ تشویش سے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن قدموں کی آواز پہ خاموش ہوگیا۔

ماہی اندر چلی آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے مسکرائی اور سر کے خم سے سلام کیا۔ وہ بھی مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''زیادیہ ماہی ہے۔ میری بہن۔''

زیاد نے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''آف کورس میں جانتا ہوں۔ ہم سہیل کی شادی پہ ملے تھے نا۔''

''مالا اس وقت اپنے ریستوران میں اتنی الجھی ہوتی تھی کہ اسے ہم عام لوگ یاد نہیں رہتے تھے۔'' ماہی ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے آگے آئی تو وہ دونوں دھیرے سے ہنس دیے۔ پھر زیاد نے میز پہ رکھے شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

''امی نے آپ کے بے بی کا بتایا تھا۔ سمجھ نہیں آیا کیا لے کر آؤں۔ ائیر پورٹ سے چاکلیٹس اٹھا لیں۔'' پھر ایک گلہ آمیز نظر کشمالہ پہ ڈالی۔ ''ان کو چاکلیٹس نہیں پسند۔ سو یہ آپ کی ہیں۔''

''تھینک یو۔ مجھے بہت پسند ہیں چاکلیٹس۔'' ماہی پورے دل سے مسکرا دی۔ چھوٹے بالوں پہ ہیئر بینڈ پیچھے کر کے لگائے' لمبا سا سوئیٹر پہنے' ماہی آج ہشاش بشاش لگ رہی تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ حور سو رہی تھی۔

''نگینہ آنٹی بتا رہی تھیں کہ آپ کی منگنی ہونے جا رہی ہے۔''

مالا نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا لیکن وہ ماہی تھی۔ مزے سے کہتے ہوئے سامنے والے صوفے پہ بیٹھی۔

زیاد سلطان کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا۔ لیکن وہ پھیکا سا مسکرایا۔

''امی بیمار ہیں اور ابو کی خواہش ہے کہ....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

ڈرائینگ روم میں ایک تناؤ بھری خاموشی چھائی ہی تھی کہ باہر سے آتی غٹرغوں نے سے ایک دفعہ پھر توڑ دیا۔

''چلیں مبارک ہو۔ ویسے آپ کی اگلی کتاب کہاں پہنچی؟'' مالا کی نگاہیں پڑھ کے اس نے خوشگوار انداز میں موضوع بدل دیا۔

''لکھ رہا ہوں۔'' وہ جیسے ایک دم بہتر محسوس کرنے لگا۔

''میں نے آپ کی پہلی کتاب کتنی دفعہ خریدنے کی کوشش کی۔ لیکن میرا کارڈ آپ کی ویب سائٹ پہ کام نہیں کر رہا تھا۔''

''میں آپ کو ایک کاپی بھیج دوں گا۔'' وہ مسکرا دیا۔

''لیکن آٹوگراف کے ساتھ۔ او کے؟'' ماہی مسکرا کے مزید کچھ کہتی لیکن دور کہیں سے ننھی حور کے رونے کی آواز آئی۔ اس کے چہرے کی ساری خوشگواریت ہوا ہو گئی۔ جھنجھلا کے وہ اٹھی۔

''ماں اتنی تکلیف برداشت کر کے بچے کو دنیا میں لاتی ہے'اوپر سے اس کی شکل باپ پہ چلی جاتی ہے۔اچھا مذاق ہے۔''

مالا ہنس دی۔زور سے کھلکھلا کے۔ ہنسنے سے اس کا چہرہ مزید گلابی ہوا۔وہ مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔

''اصل میں حور کی آنکھیں ماں جیسی ہیں لیکن نقش عباد کے جیسے ہیں۔اور ماہی سے یہ ہضم نہیں ہو رہا حالانکہ اکثر بچے باپ پہ ہی جاتے ہیں۔''

وہ جو اسے دیکھ کے مسکرا رہا تھا'اس بات پہ مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔

''لیکن میں نہیں گیا۔'' کچھ تھا اس کے لہجے میں جو اداس کر دینے والا تھا۔

''میرے ابا بہت گورے اور خوبصورت تھے۔اور امی سے ان کی شادی زبردستی ہوئی تھی۔انہیں امی کا رنگ پسند نہیں تھا۔میری رنگت بھی امی پہ چلی گئی اسی لیے ان کو....''اس نے ایک دفعہ پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''زیاد....''

''چھوڑیں میرے کمپلیکسز کو۔''وہ زخمی سا مسکرایا۔''آپ اس عامل کو ڈھونڈنے کی بات کر رہی تھیں۔''

''میں نے اس کو خواب میں دیکھا تھا۔اس کا اسکیچ بنایا تو یاد آیا یہ میرے اسکول کا چپڑاسی ہے۔''

''ایک اسکول چپڑاسی آپ کو کیوں نقصان پہنچانا چاہے گا؟''

کشمالہ نے جواب نہیں دیا۔وہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔غٹرغوں کی آواز اب دھیمی ہو چکی تھی لیکن مسلسل گفتگو میں خلل ڈال رہی تھی۔

''اب وہ کہاں ہے؟''

''اسی شہر میں ہوگا۔کل اسکول جا کے اس کا پتہ معلوم کروں گی۔''

''لیکن آپ تنہا نہیں جائیں گی اس کے پاس۔ایسے لوگ خطرناک ہو سکتے ہیں۔معید کو ساتھ لے کر جایئے گا۔''وہ تشویش سے کہہ رہا تھا۔

''معید کو جادو اور جنات کی باتوں سے چڑ ہے۔پہلے مجھے بھی تھی۔اور ماہی اپنی بیٹی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔''پھر ایک دم وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔''آپ چلیں گے میرے ساتھ؟''

وہ ایک دم خاموش ہوا تو اسے اپنی جلد بازی کا احساس ہوا۔

''سوری۔آپ یہاں پہ اپنی لان برانڈ کی کمپینن کے لیے آئے ہیں اور....(تھوک نگلا) اپنی منگنی کے لیے اور

ایسے میں میں آپ کو اپنے کاموں میں الجھا لوں تو اچھا نہیں لگے گا۔ ویسے بھی مجھے ڈر نہیں لگتا۔ میں کہیں بھی اکیلے جا سکتی ہوں اور....''

''میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔'' وہ مسکرا کے بولا تو وہ جو تیزی سے وضاحت دے رہی تھی رک گئی۔ ایک دم بہت سا بوجھ کندھوں سے اتر گیا۔

''اتنا وقت کیسے نکالیں گے؟''

''آپ کے لیے وقت نکل آئے گا۔'' زیاد کی نظریں اس پہ جمی تھیں اور آواز میں کرچیاں سی تھیں۔ لمحے بھر کے لیے وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ پھر جیسے وہ سنبھلا۔

''ویسے بھی اگر یہ وہی عامل ہے جو میری ماں پہ جادو کر رہا ہے' تو میں اسے ضرور ڈھونڈنا چاہوں گا۔''

اس کی بات نے ماحول میں ایک دم سے بھرتے تناؤ کو تحلیل کر دیا۔ کشمالہ نے گہری سانس لی۔

''مجھے یقین ہے کہ یہ وہی ہے۔ نہ صرف آپ کی امی بلکہ مجھ سے جڑے ہر انسان پہ جادو میں یہی شخص ملوث ہے۔ میں cursed ہوں' زیاد۔ اور جب کوئی انسان ایک دفعہ cursed ہو جائے تو اس کے قریب آنے والے ہر انسان کو وہ جادو چھونے لگتا ہے۔''

''اسی لیے آپ نے شادی سے انکار کیا تھا۔ آپ نہیں چاہتی تھیں کہ آپ کے وجود سے لپٹا جادو مجھے چھوئے۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میرے قریب جو بھی آئے گا' یہ جادو اس کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ مجھے نہیں معلوم ایسا کیوں ہے' لیکن یہ میرا دل کہتا ہے۔ میں اس جادو کا مرکز ہوں۔ وہ عامل صرف مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ میں اپنی وجہ سے مزید کسی کو ہرٹ نہیں ہونے دینا چاہتی۔''

''کاش آپ مجھے یہ پہلے بتا دیتیں۔ جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں' وہ آپ کو آپ کی ہر curse کے ساتھ قبول کرتے ہیں' کشمالہ۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' اس نے تیزی سے بات بدل دی۔

''بہر حال وہ سب ماضی میں ہے۔ اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔ اور اس عامل کو روکنے کا۔'' وہ گھڑی دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آپ کو جب میری ضرورت ہوگی' میں ایک کال کے فاصلے پہ ہوں گا۔'' وہ متانت سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

''تھینک یو' زیاد۔ آپ کا کہنا ہی کافی تھا۔'' وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ زیاد کا فون تھرتھرانے لگا۔

''آفس سے کال آرہی ہے۔میں چلتا ہوں۔''

ٹھک ٹھک...اب غٹرغوں کے ساتھ شیشہ بھی بجنے لگا۔

''یہاں کچھ ہے۔''وہ چونکا۔مالا تیزی سے کھڑکی تک آئی اور پردہ کھینچ کے ایک طرف کیا۔پھر متلاشی نظروں سے لان کو دیکھا۔دائیں بائیں۔اور تب ہی اس کی نگاہ کھڑکی کے نچلے حصے پہ پڑی۔

وہاں منڈیر پہ ایک فاختہ نڈھال پڑی اپنی چونچ سے شیشے کو مسلسل بجا رہی تھی۔اس نے جلدی سے شیشے کا پٹ سلائیڈ کیا تو ایک دم ٹھنڈی ہوا اندر آئی۔وہ نیچے جھکی اور دونوں ہاتھوں میں فاختہ کو اٹھا کے اونچا کیا۔

اس کا ایک پر زخمی تھا اور اس پہ خون جما تھا۔

''چچ میرے اللہ...''اس نے جلدی سے سلائیڈنگ ڈور بند کیا اور مڑی تو دیکھا' وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ زخمی ہے؟''

''یہ اتنی دیر سے ہمیں بلا رہی تھی اور ہم سمجھ ہی نہیں سکے۔''وہ صوفے پہ بیٹھ گئی اور اسے گود میں لٹا دیا۔پھر اس کا پر احتیاط سے اونچا کر کے دیکھا۔وہاں کٹ سا لگا ہوا تھا جس پہ خون جما تھا۔اس کی نظریں فاختہ کے پنجوں تک گئیں۔ان میں ایک ٹہنی پھنسی تھی۔

''یہ اپنے گھونسلے کے لیے ٹہنی لے کر جا رہی تھی۔یہ ایک ماں ہے اور اس کے بچے اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔''وہ سر جھکائے اس کے پر کا معائنہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔زیادسلطان اداس مسکراہٹ کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی لڑکی کو دیکھے گیا جس کی ساری توجہ زخمی پرندے کی طرف تھی۔

اس کا فون پھر سے تھرتھرانے لگا۔

''میں چلتا ہوں۔مجھے اس کی خیریت کی خبر دیجیے گا۔''

اس نے سر اٹھائے بغیر گردن ہلا دی۔اب وہ بخت بی کو آواز دے کر معید کا فرسٹ ایڈ باکس مانگ رہی تھی۔اس کا دھیان بٹ چکا تھا۔گود میں رکھی فاختہ درد سے ہلکا ہلکا چلا رہی تھی۔

زیاد مزید کچھ کہے بنا باہر نکل گیا۔

لاؤنج میں حور کافیڈر ہاتھ میں لیے فارمولا مکس کرتی ماہی نے خاموش نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔اور پھر اپنے موبائل کو۔

(کم بخت) کسی کی شان میں بڑبڑا کے اس نے فیڈر بچی کے منہ میں ڈال دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرہ نمبر ۵۵۵ کے سامنے رکھے صوفے رات کے اس پہر خالی تھے۔ شبنم نے آنے کا کہا تھا لیکن ابھی تک پہنچی نہیں تھی۔ بیر بل کچھ دیر اس کا انتظار کرتا رہا' پھر دروازہ کھول کے کمرے کے اندر چلا آیا۔

کمرے میں نائٹ بلب جلا تھا۔ اندر دوسرا قدم رکھتے ہی اس کا پیر تار سے الجھا اور اسے زور کا ٹھڈا آیا۔ بدقت دیوار کا سہارا لے کر وہ گرتے گرتے بچا۔ زیرِ لب ہسپتال والوں کے لیے چند کلمات کہہ کے اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ اور پھر اس پرتعیش کمرے کو دیکھا جس میں اس کا بھائی گزشتہ چند روز سے مقید تھا۔

کمرے کے دو حصے تھے۔ آغاز میں ایک بڑا سا سٹنگ ایریا بنا تھا جس میں چند صوفے رکھے تھے۔ وسط میں رکھی میز گلدستوں سے بھری تھی۔ ان کے پیچھے آدھی دیوار بنی تھی اور آدھی جگہ خالی تھی۔ خالی حصے سے کمرے کا دوسرا حصہ دکھائی دیتا تھا جہاں مریض کا بیڈ رکھا تھا۔ آدھی دیوار کے باعث بیڈ یہاں سے آدھا دکھائی دیتا تھا۔

بیر بل چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا آگے آیا۔ یہاں تک کہ وہ بیڈ کی پائنتی کے ساتھ آ رکا۔

اس حصے میں ایک طرف بیڈ رکھا تھا۔ سامنے ایک صاف دیوار تھی جس پہ اونچائی وی نصب تھا۔ ٹی وی کے عین نیچے اسٹڈی ٹیبل اور چیئر رکھی تھی۔ بیڈ کے دائیں طرف ایک دیوار گیر فرنچ کھڑکی تھی جس کے پار دور تک پھیلا استنبول دکھائی دیتا تھا۔ کھڑکی کے مکمل عرض جتنا ایک طویل کاؤچ اس کے ساتھ لگا تھا۔ کونوں میں زرد کارنر لیمپس جل رہے تھے اور سارے کمرے سے تازہ پھولوں کی خوشبو آ رہی تھی۔

بیڈ پہ ماہر ایسے لیٹا تھا کہ گردن پہ کالر چڑھا تھا اور چہرے پہ لگے نیل اور کٹ واضح دکھائی دیتے تھے۔ سب سے نمایاں کٹ دائیں گال کے وسط سے کان تک جاتا تھا۔ اس کی ایک ٹانگ پٹیوں اور پلستر میں جکڑی تھی اور اس کو سپورٹ دے کر ایک خاص زاویے پہ قدرے اٹھایا گیا تھا۔ ہونٹ خشک اور آنکھیں بند تھیں۔ ہاتھوں میں مختلف تاریں اور نالیاں لگی تھیں۔ کسی مشین سے مسلسل پ۔پ۔پ کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

''ماہر....'' وہ سٹنگ ایریا سے ایک کرسی اٹھا لایا اور اس کے سرہانے کے قریب رکھ کے بیٹھا۔ ماہر کی آنکھیں بند رہیں۔ بیر بل کی نظریں اس کی ڈرپ تک گئیں۔ پین کلر دی جا چکی تھی۔ یقیناً وہ نیند میں تھا۔

''ماہر....'' وہ پھر سے کھنکھارا۔ جواب ندارد۔

کھڑکی سے باہر نظر آتا استنبول بھی خاموش تھا۔ سوائے مشین کے پ۔پ۔پ کے ہر طرف خاموشی تھی۔

''ایک بات کہوں، ماہر؟'' وہ زخمی سا مسکرایا۔

''تم سے جیلیس ہونے کے لیے میرے پاس بہت سی وجوہات تھیں۔'' اس کی آواز بہت ہلکی تھی جیسے کسی سمندر کی تہہ سے آ رہی ہو۔

''تم ہمیشہ مجھ سے بہتر تھے اور میں سب کی سیکنڈ چوائس ہوتا تھا۔'' وہ اداسی سے مسکرا کے کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔

''میں کبھی بھی ماہر فرید کے سامنے کچھ نہیں تھا۔ کس کے گریڈز زیادہ اچھے ہیں؟ ماہر کے۔ کون ابا کی طرح بزنس کر سکتا ہے؟ ماہر۔ کون لوگوں سے تعلقات بنانے میں کامیاب ہوگا؟ ظاہر ہے ماہر۔''

کھڑکی کے شیشے پہ سر جھکائے بیٹھے گھنگھریالے بالوں والے نوجوان کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

''لڑکیاں کس کی طرف مائل ہوتی ہیں؟ ماہر کی طرف۔ کس نے ابا اور مالک کی ذہانت لی ہے؟ ماہر نے۔ بہت سے لوگ آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ قاسم فرید کا ایک ہی بیٹا ہے۔ اور مجھے وہ مالک کا بیٹا سمجھتے ہیں۔'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ ''اور اسی لیے مالک کو میں شدید ناپسند ہوں کیونکہ میری شکل اس سے ملتی ہے۔ اور کچھ عادتیں بھی۔ میں بھی اس کی طرح لیکٹوز انٹولیرنٹ ہوں۔ وہ زیادہ فخر کرتا اگر لوگ ماہر کو اس کا بیٹا کہتے لیکن بے چارہ مالک۔'' وہ پھر سے ہنسا۔ اس کی ہنسی فضا میں گونجی اور پھر معدوم ہوگئی یہاں تک کہ پیچھے صرف ایک اداسی رہ گئی۔

''لوگ تمہیں قاسم فرید کا واحد بیٹا اسی لیے سمجھتے ہیں کیونکہ وہ صرف تمہیں جانتے ہیں۔ بیربل کو کوئی نہیں جانتا۔ بیربل کی کسی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کہا نا... میرے پاس تم سے جیلیس ہونے کی بہت سی وجوہات تھیں۔ لیکن....''

اس نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔

''لیکن میں کبھی تم سے کبھی جیلیس نہیں ہو سکا۔''

ماہر کا وجود آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت لیٹا تھا۔

''میں نے کوشش کر کے بھی دیکھ لیا۔'' اس نے پلکیں جھپکائیں تو چند گرم آنسو چہرے پہ جا گرے۔ ''جب لوگ ہم دونوں بھائیوں کا موازنہ کرتے تھے، میں نے چاہا کہ میں اس موازنے کا الزام تمہیں دوں... لیکن میں نہیں دے سکا۔ ابا کو دیا۔ ہمیشہ دیا۔ انہوں نے ہمیشہ ہم میں فرق کیا تھا۔'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

''تم نہیں مانتے اور نہیں مانو گے کیونکہ تم اچھے بیٹے ہو لیکن انہوں نے ایسا کیا تھا۔ انہوں نے میرے اوپر جلد بار

مان لی۔ کیا میں کام نہ سیکھتا اگر وہ مجھ پہ زیادہ محنت کرتے؟ اگر وہ مجھے زیادہ وقت دیتے؟ ابا نے میرے اوپر وہی طریقہ اپلائی کرنا چاہا جو وہ تم پہ کرتے تھے۔ ہر بچہ ماہر نہیں ہوتا جو ایک دفعہ کی سنی ہوئی بات کو سیکھ لے۔ ہر بچہ مختلف ہوتا ہے۔''

مشین کی پ پ مسلسل جاری تھی۔

''لیکن میں کبھی بھی تمہیں الزام نہیں دے سکا۔ جب تم ماں کے خلاف ہو گئے' تب بھی نہیں۔ مجھے اپنی ماں بہت عزیز تھی' ماہر۔'' اس کے گرتے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی۔ ''میری ماں سے غلطی ہوئی تھی بس۔ میں نے انہیں بہت شروع میں معاف کر دیا تھا۔ اس کا الزام بھی میں شمس کو دیتا ہوں۔ ماں یا تمہیں میں کبھی غلط نہیں سمجھ سکا۔ یہ بیربل کی مجبوری ہے۔''

اس نے سر اٹھا کے سیاہ شیشے میں اپنا عکس دیکھا اور دونوں ہتھیلیوں سے چہرہ رگڑا۔

''میں تمہیں پیسہ بنانے کی مشین نہیں سمجھتا۔ مجھے تم سے پیسے بھی نہیں چاہیے ہوتے ہیں۔ شاید تم مجھے spoil کرنا چھوڑ دو تو میں اپنے پیروں پہ کھڑا ہو سکوں۔ تم بھی مجھے اسپائل کرتے ہو' ماہر۔ ابا کی شرط تھی کہ میں کسی کی مدد کے بغیر اپنا کاروبار سیٹ کروں گا لیکن...'' وہ تلخی سے دھیرے سے ہنسا۔ ''میری بیکری ایک فلاپ بیکری ہے۔ لیکن جب کوئی بڑا آرڈر اچانک سے آتا ہے' میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ تمہارا کوئی کارپوریٹ سیکٹر کا دوست ہے جس سے تم نے میری بیکری کی سفارش کی ہے۔ مجھے سب سمجھ میں آتا ہے' ماہر۔ میں بس کہتا نہیں ہوں۔ اور جو میں کہتا ہوں' وہ دل سے نہیں کہتا۔''

وہ اب ماہر کی بند آنکھوں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ہلکی بڑھی شیو۔ نیل۔ زخم کے نشان۔ اس کے سانس لینے کی ہلکی ہلکی آواز۔

''میں وہ سب اس لیے کہتا ہوں کیونکہ مجھے تم پہ غصہ آتا ہے جب تم ہلال کو زندہ ڈھونڈنے کی بات کرتے ہو۔ وہ نہیں ہے ماہر۔ وہ نہیں ملے گی۔ مجھے تب بھی غصہ آتا ہے جب تم کشمالہ اور اس کے مسئلوں کے پیچھے بھاگتے ہو۔ کیونکہ میں مالک کی طرح خودغرض ہوں۔'' آنسو پھر سے آنکھوں میں جمع ہونے لگے۔ ''ہم دونوں تمہیں صرف اپنے لیے چاہتے ہیں۔ جیسے مالک چاہتا ہے کہ تم لندن چلے جاؤ' ویسے ہی میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ استنبول رہو۔ میرے ساتھ۔''

اس نے پھر سے سر جھکا لیا۔ آنسو اب زاروقطار گر رہے تھے۔

''ابا... ماں.... ہلال۔ میری ساری فیملی ختم ہو چکی ہے۔اوپر سے تمہارا ایکسیڈنٹ۔ میں تین دن سے نہیں سو سکا یہ سوچ کے کہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا؟''

اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔خوف تھا

''اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا' ماہر؟''

''کیا کرتے؟ ساری جائیداد اپنے نام کروا لیتے اور کیا کرتے۔'' وہ بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

بیربل فرید نے کرنٹ کھا کے گردن سیدھی کی۔آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''تت... تم... مجھے سن سکتے ہو؟''

''کوما میں نہیں ہوں۔زندہ ہوں۔سونے کی کوشش کر رہا تھا۔اور تم بولے جا رہے ہو۔بولے جا رہے ہو۔''

وہ بند آنکھوں سے برہمی سے کہہ رہا تھا۔

بیربل کا منہ کھل گیا۔چند لمحے لگے اسے سمجھنے میں اور پھر اس نے جلدی سے چہرہ صاف کیا۔

''میں یہ سب ایسے ہی....''

''نرس کو بلاؤ... مجھے کچھ چاہیے... پین کلر.. نیند کی دوا....'' اس کی اکتاہٹ بھری آواز میں کراہ در آئی تھی۔

بیربل کے ابرو خفگی سے اکٹھے ہوئے۔پیر پٹخ کے اٹھا۔

''زہر کے بارے میں کیا خیال ہے۔تھوڑا سا لا دوں؟''

ماہر نے آنکھیں کھولیں۔ان میں سارے زمانے کی بے زاری تھی۔ بدقت اس نے آئی وی لائن لگا ایک ہاتھ اٹھایا۔بیربل اس کے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔

ماہر نے انگشت شہادت بلند کی۔اشارہ دروازے کی طرف تھا۔

بیربل ہونہہ میں سر جھٹکتا پلٹ گیا اور دروازے تک آیا۔احتیاط سے تار عبور کی۔لیکن دروازہ نہیں کھولا۔ پہلے آنکھیں صاف کیں۔ پھر کھنکھار کے اپنی آواز درست کی۔اس کے بعد چہرے پہ نارمل مسکراتا ہوا تاثر لایا اور دروازہ کھولا۔

باہر کان لگائے کھڑی شبنم بے اختیار گرتے گرتے بچی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا۔

شبنم نے بدقت دیوار کا سہارا لیا' پھر عینک کے پیچھے سے اسے ناراضی سے گھورا۔

''میں تین دن سے نہیں سویا۔'' منہ بگاڑ کے بیربل کی آواز نکالی۔ ''اس لمبے کاؤچ پہ لگاتار چھے چھے گھنٹے کون سوتا رہا ہے، ہاں؟''

''تم سب ایک جیسے ہو۔ میں کسی سے بات نہیں کروں گا اب۔''

وہ خفا خفا سا بڑبڑاتا ہوا کاریڈور میں آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ کے کمرے کے ایک کونے میں ہیٹر دہک رہا تھا۔ اس کے سامنے بچھے کمبل پہ زخمی فاختہ لیٹی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی فکرمندی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ معید ساتھ بیٹھا اس کی پٹی کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھایا تو وہ امید سے اسے دیکھنے لگی۔

''اس کو ویٹ کے پاس لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ راستے میں ہی مر جائے گی۔''

''ایسے نہ کہو۔''

''اس کو بس گرم رکھو۔ شاید یہ آنکھیں کھول دے۔'' اب وہ نرمی سے بولا تو مالا نے چہرہ جھکا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ اب وہ آوازیں نہیں نکال رہی تھی۔ بس یونہی لیٹی تھی۔

''تم نے کچھ سوچا؟''

''میں ابھی لاہور چھوڑنا نہیں چاہتی، معید۔''

''تم بہتر محسوس کرو گی۔ سوچ کے تو دیکھو۔ آرام سے۔ کوئی پریشر نہیں ہے۔''

وہ پھیکا سا مسکرا دی اور سر ہلا دیا۔ معید کے جانے کے بعد دروازہ ہلکا سا بجا تو اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔ ماہی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔

''حور سو گئی؟''

ماہی جھرجھری لیتی اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں چاکلیٹس تھیں۔

''کبیرہ تائی کے سارے جن ایک طرف اور یہ ایک جن دوسری طرف۔'' باری باری دونوں کانوں کو چھوا۔ ''مجھ سے ایک نہیں سنبھلتی اور ماں نے نہ جانے کیسے ہم تین پالے ہوں گے۔''

وہ کھڑکی کے ساتھ رکھے کاؤچ پہ تکان سے ڈھیر ہو گئی اور چاکلیٹ گود میں رکھ کے کھولنے لگی۔

''کیا یہ زندہ ہے؟'' ترحم سے کمبل پہ لیٹی فاختہ کو دیکھا جو ادھ کھلی آنکھوں سے اسی طرف دیکھ رہی تھی جہاں ماہی

بیٹھی تھی۔ مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے چہرے پہ اداسی تھی۔

''زیاد کل تمہارے ساتھ اسکول جائے گا؟''

''وعدہ کر کے گیا ہے۔'' پھر اس نے بظاہر لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔ ''نہ بھی گیا تو میں اکیلی چلی جاؤں گی۔''

''ویسے اچھا ہے زیاد۔ نرم مزاج اور بات ماننے والا۔'' وہ چاکلیٹ دانت سے کترتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''سچ بتاؤں تو پہلے مجھے اتنا پسند نہیں تھا وہ۔ لیکن اتنے عرصے بعد اسے دیکھا ہے تو اچھا لگا ہے۔''

وہ چہرہ جھکائے زخمی فاختہ کے پر پہ دو انگلیاں پھیرتی رہی۔ ماہی بغور اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''تم اس کو انکار کر کے پچھتا رہی ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے گہری سانس لے کر سر نفی میں ہلایا۔ ''زیاد میری قسمت میں نہیں لکھا تھا۔ وہ اپنی پھپھو کی بیٹی کا مقدر تھا۔ اسی کو ملے گا۔''

''مجھے لگتا ہے وہ یہ شاید اپنے ابو کی وجہ سے کر رہا ہے ورنہ وہ اب بھی تمہیں پسند کرتا ہے۔'' ماہی سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔ ''ورنہ وہ کیوں تمہارے ساتھ اسکول جا رہا ہے؟ شاید وہ تمہارے قریب رہنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔''

''وہ ایک اچھا دوست ہے۔ اور کچھ نہیں۔'' پھر اس نے ماہی کی گود میں رکھی چاکلیٹس کو دیکھا اور مسکرا دی۔ ''زیاد کی لائی ہوئی چاکلیٹس اچھی لگی ہیں تمہیں۔''

''ماہی نے کبھی چاکلیٹس اور گوسپ کو انکار نہیں کیا۔'' وہ مزے سے مسکرائی۔ پھر ایک اس کی طرف بڑھائی۔ ''کھالو۔ میرا تو صرف بہانہ ہے۔ اصل میں وہ تمہارے لیے ہی لایا ہوگا۔''

اس نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے نہیں پسند چاکلیٹس۔ اور تم بھی کم کھاؤ۔ اتنا وزن کیسے کم کرو گی؟''

''وزن نہ یاد دلایا کرو یار۔'' ماہی نے برا منہ بنایا اور چاکلیٹ نیچے کر لی۔ چند لمحے کے لیے سوچتی رہی۔

''نہ کسی کی شادی قریب آ رہی ہے۔ نہ ہی کسی نے اب مجھے پسند کرنا ہے۔ چھوڑو وزن کو۔'' دوبارہ سے چاکلیٹ اٹھالی اور بڑی سی بائٹ لی۔ ''بس دانے نہ نکلیں، باقی خیر ہے۔'' وہ مزے سے چاکلیٹ کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

(بس دانے نہ نکلیں۔) فاختہ کے پروں پہ حرکت کرتا اس کا ہاتھ تھم گیا۔ البتہ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ بس اس ننھے پرندے کے سرمئی وجود کو دیکھے گئی۔

(بس دانے نہ نکلیں۔)

فاختہ کے سرمئی پروں کے درمیان سفیدی تھی۔ وہ سفید دھیرے دھیرے سارے منظر نامے پہ غالب آنے لگی یہاں تک کہ اردگرد سب کچھ سفید ہو گیا۔

پھر اس سفیدی میں چند بھورے بلاکس ابھرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ چند ڈیسک بن گئے جو قطار میں رکھے تھے۔ ایک ڈیسک کے پیچھے بنچ پہ اسکول یونیفارم پہنے' اونچی پونی بنائے' ایک لڑکی بیٹھی کاپی پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ اس کی جھکی آنکھیں سبز تھیں اور سپید گلابی چہرے پہ بہت سے دانے نکلے تھے۔

دفعتاً اسے محسوس ہوا کہ کوئی قریب آیا ہے۔ نظر اٹھا کے دیکھا تو ایک لڑکی اپنا بیگ لیے اس طرف آ رہی تھی۔

سبز آنکھوں والی لڑکی مسکرا کے ایک طرف کھسک گئی اور ساتھ جگہ بنا دی۔ اب وہ امید سے نئی بچی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی قریب پہنچی سی تھی کہ اگلی نشست پہ بیٹھی لڑکی ایک دم پلٹی۔ اس کے بالوں پہ گلابی ہیئر بینڈ لگا تھا' اور اس کی آنکھوں میں ایک مختلف سی چمک تھی۔ اس کے پلٹتے ہی سبز آنکھوں والی لڑکی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرے پہ خوف سا ابھرا۔

''تم یہاں بیٹھو گی؟ کشمالہ کے ساتھ؟'' گلابی ہیئر بینڈ والی لڑکی چمکیلی آنکھوں سے مسکرائی۔ وہ سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں۔ کیوں؟''

''سوچ لو۔ پھر تمہیں بھی ایسے دانے نکل آئیں گے۔''

ایک قہقہہ ساتھ ہی گونجا۔ سبز آنکھوں والی لڑکی کا سر مزید جھک گیا۔ کاپی پہ رنگ بھرتی پنسل میں تیزی آ گئی۔

''تم میرے ساتھ وین کوور چلو۔'' آواز پہ وہ چونکی۔ ذہن کسی گہری کھائی سے نکلا تھا۔

صوفے پہ پیر اوپر کیے بیٹھی ماہی چاکلیٹ کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''معید کہتا ہے استنبول چلو۔ تم کہتی ہو وین کوور چلو۔ کیا میری اپنی کوئی زندگی نہیں ہے؟ مجھے اپنی زندگی سیٹ کرنے دو یار۔'' وہ ایک دم چڑ چڑے پن سے کہہ کے وہاں سے اٹھ گئی۔ ماہی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اسے ایک دم سے کیا ہوا۔'' پھر کندھے اچکا کے چاکلیٹ دانت سے کترنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح روم نمبر ۵۵۵ کے باہر لگے کاؤچ پہ بیربل فرید خاموشی سے بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا جب بلاک ہیلپر کی آواز سنائی دی۔ اس نے سر مزید جھکا لیا۔

''تمہاری اسپینش لاتے' کوکونٹ ملک کے ساتھ۔'' شبنم نے مسکرا کے دو کپ سامنے رکھے۔ بیربل نے سر نہیں اٹھایا تو اس نے ایک کپ اس کی طرف دھکیلا۔

''وہ تکلیف میں ہے' بیربل۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں کہنے لگی۔ ''اسی لیے چڑچڑا ہو رہا ہے۔ ورنہ اسے تمہارے جذبات کی قدر ہے۔''

بیربل نے رخ مزید پھیر لیا اور انگلیاں کی پیڈ پہ تیزی سے چلنے لگیں۔

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔'' وہ اس کا چہرہ بغور پڑھ رہی تھی۔ وہاں کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا۔

''اس لڑکی کو کال کرنے کے لیے۔'' اس نے بات مکمل کی ہی تھی کہ بیربل نے تیزی سے گردن موڑی۔

''کیسے؟''

شبنم نے مسکرا کے کوٹ کی جیب سے ٹوٹی اسکرین والا فون نکال کے سامنے لہرایا۔

''ہمیں ماہر کا پاس کوڈ معلوم نہیں ہے۔ نہ وہ ہمیں اپنا فون کھولنے دے گا۔''

''جانتی ہوں۔ لیکن siri یہ نہیں جانتی۔'' شبنم کی آنکھیں چمکیں۔ ''سری ملتی جلتی ایک ہی صنف کی آواز کو اپنے مالک کی آواز ہی سمجھتی ہے۔''

اس نے فون بیربل کی طرف بڑھایا تو وہ چونکا۔ پھر فون تھام کے چہرے کے قریب کیا۔

''ہے سری؟'' آواز کو قدرے گھمبیر کر کے بولا تو فوراً جواب آیا۔

''یس؟''

وہ دونوں مسکرا دیے۔

''اب اس لڑکی کا نام لو اور اسے کال کرو۔''

بیربل کی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔ ''ماہر اپنے فون میں نمبرز اصل نام سے محفوظ نہیں کرتا۔ مجھے نہیں معلوم اس نے اس کا کیا نام رکھا ہوا ہے۔''

''اوہ۔'' شبنم کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''لیکن....'' وہ ایک دم سیدھا ہوا۔ دماغ تیزی سے چلنے لگا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ ماہر نے اس کی بہن کا نمبر کس نام سے محفوظ کیا تھا۔'' اس کا چہرہ چمک اٹھا۔

''ہے سری....'' موبائل ہونٹوں کے قریب کر کے بولا۔ ''کال دن ان ففٹی۔''

''کالنگ دن ان ففٹی۔'' فوراً سے تعمیل ہوئی۔ بیر بل نے مسکرا کے اسپیکر آن کیا اور پیچھے ہو کے بیٹھتے ہوئے کافی اٹھالی۔ وہ بھی پرجوش سی ہو بیٹھی تھی۔

چند لمحے وہ دونوں طویل گھنٹی سنتے رہے۔ پھر... دوسری جانب سے کال کاٹ دی گئی۔

مسکراہٹ ان دونوں کے چہروں سے غائب ہوگئی۔ شبنم کے ماتھے پہ بل پڑے اور اس نے تیزی سے اس کے ہاتھ سے فون لیا۔

''لگتا ہے ماہر بے کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ ہونہہ۔'' برے موڈ سے کہتے ہوئے اس نے اپنی کافی اٹھالی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''میں دس منٹ تک آپ کے گھر کے باہر ہوں گا۔''

جس وقت زیاد کا میسج آیا' وہ آئینے کے سامنے کھڑی' لمبے بالوں کو اونچی پونی میں باندھ رہی تھی۔ تبھی نگاہ دائیں گال پہ پڑی۔ وہاں ایک سرخ گلابی سا دانہ نکل رہا تھا۔ اوہ نو۔ اس نے کوفت سے سنگھار میز کا دراز کھولا۔ ایک پیکٹ باہر نکالا جس میں بہت سے پمپل اسٹکرز رکھے تھے۔ ایک ننھا سا گول اسٹکر اتار کے دانے پہ چسپاں کیا اور پھر گہری سانس لی۔

دل کی دھڑکن جو چند لمحے کے لیے بے ترتیب ہوئی تھی' اب نارمل ہونے لگی۔ اس نے تنقیدی نظروں سے گال پہ لگے اسکن کلر کے اسٹکر کو دیکھا۔ وہ اتنا ہی برا لگ رہا تھا جتنا کہ دانہ۔ لیکن بس چند گھنٹے کی بات ہے اور پھر یہ غائب ہو جائے گا۔ دوبارہ نہیں۔ پلیز اللہ تعالیٰ۔ دوبارہ نہیں۔

خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے سن گلاسز ماتھے پہ اٹکائے اور ایک آخری نظر خود پہ ڈالی۔ وہ سیاہ شارٹ شرٹ اور سیاہ کھلے ٹراؤزرس میں ملبوس تھی۔ سفید دوپٹے کو گردن کے گرد لپیٹ کے اس کے دونوں پلو سامنے گرا رکھے تھے۔

وہ تیار تھی۔ اپنے پرانے اسکول جانے کے لیے مکمل تیار۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کندھا چوکھٹ سے ٹکرایا تو وہ رکی۔ تکلیف سے آنکھیں بند کیں۔

بند آنکھوں کے پار ایک دھندلی سی راہداری دکھائی دی۔ اونچی پونی والی لڑکی سر جھکائے' کندھے پہ بیگ لٹکائے چلتی جا رہی تھی کہ کسی کا کندھا اس سے زور سے ٹکرایا۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ ساتھ سے گزرتی گلابی ہیئر بینڈ والی لڑکی دھیرے سے بولی تھی۔

''pimples'' اور ہنس کے آگے بڑھ گئی۔ اس کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

فون کی تیز گھنٹی نے اسے جیسے کسی خواب سے جگایا۔ ذہن سے تمام یادوں کو جھٹکتی' کشمالہ باہر نکلی تو دیکھا' آواز کچن سے آ رہی تھی۔ یہ ماہی کے موبائل کی اولڈ فون رنگ ٹون تھی۔

''ماہی... تمہارا فون بج رہا ہے۔'' وہ اطلاع دے کر خارجی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ زیادہ پہنچنے والا تھا۔

''مالا یار دیکھ لو کس کا فون ہے۔ عباد کا ہوگا۔'' ماہی نے اپنے کمرے کے کھلے دروازے سے سر نکال کے کہا۔ اس کا لہجہ چڑ چڑا اور حلیہ اول جلول سا تھا۔ پسِ منظر میں حور کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

مالا نے ایک ترحم بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور قدموں کا رخ کچن کی طرف موڑ لیا۔ کاؤنٹر پہ رکھا فون مسلسل چنگھاڑ رہا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کے فون اٹھایا اور اسے لیے آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ نگاہ اسکرین پہ پڑی۔

ماہر فرید کالنگ۔

ساری دنیا لمحے بھر کے لیے رک سی گئی۔ حور کا بلک بلک کے رونا... فون کی مسلسل بجتی گھنٹی... ماہی کے چلانے کی آواز (یار کوئی مجھے میرا فون لا دے۔ یا اس کو سائیلنٹ کر دے)... اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

صرف تین الفاظ اسکرین پہ جگمگا رہے تھے۔

''ماہر فرید کالنگ....''

''کیا مصیبت ہے۔'' ماہی اکتائی ہوئی سی کچن تک آئی۔ پھر مالا کو دیکھ کے اس کے تاثرات بدلے۔ وہ فون ہاتھ میں لیے شل سی کھڑی تھی۔ ماہ بینہ مبین کا ماتھا ٹھنکا۔

''کس کا فون ہے؟''

مالا نے آنکھیں اٹھائیں تو اس کی نظروں میں کچھ تھا۔ کچھ ایسا جو ماہی نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے کچھ کہے بنا اسکرین سامنے کی۔

ماہی کے ماتھے سے شکنیں غائب ہوئیں۔ سانس رک سا گیا۔

''اس کا نمبر تمہارے فون میں کیوں ہے؟'' وہ آنکھوں میں بے یقینی لیے پوچھ رہی تھی۔

ماہی نے تیزی سے اس کے ہاتھ سے فون لیا اور زور سے کال کاٹی۔

''ماہی میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

''کیوں پوچھ رہی ہو؟'' وہ ایک دم چیخ کے بولی۔ ''میں آزاد انسان ہوں۔ مجھے کسی سے بات کرنے کے لیے

تمہاری اجازت نہیں چاہیے۔"

وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔ چہرے پہ بس ایک ششدر سا تاثر رقم تھا۔

"تم اس سے رابطے میں ہو؟"

"اگر ہوں تو... تو اس میں کیا غلط ہے؟" وہ قدرے پھیکی پڑی لیکن لہجے کی تیزی برقرار رہی۔

مالا کے تاثرات شاک سے دکھ میں بدلتے گئے۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم اس آدمی یا اس کے خاندان سے دور رہو گی۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ (سینے پہ انگلی سے دستک دی۔) میرا ریستوران مجھ سے چھینا۔ میں نے اسے اپنی زندگی سے نکال دیا۔ اور میری بہن اس سے رابطے میں ہے۔"

وہ بے یقینی سے ماہی کو دیکھتے ہوئے چند قدم پیچھے ہٹی۔

"یہ وفاداری ہے تمہاری میرے ساتھ؟" ملامتی نظریں اس پہ جمائے سر نفی میں ہلایا اور تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گئی۔ ماہی نے اسے پکارنے کے لیے لب کھولے' لیکن پھر زور سے پیر پٹخا۔

"اُف... اب کیا کروں؟" اس نے پریشانی سے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ "سب کچھ خراب ہو گیا۔ اُف۔"

حور کے رونے کی آواز سنائی دی تو وہ ایک غصیلی نظر فون پہ ڈال کے اس طرف بھاگی۔

(اس کمبخت کو تو میں بعد میں پوچھوں گی۔ کہاں اتنے دن سے رابطہ نہیں کیا۔ اور کہاں بن بتائے کال کر لی۔)

وہ باہر نکلی تو نومبر کی سرد ہوا ناک سے ٹکرائی۔ اس نے جیکٹ نہیں پہنی تھی کہ ابھی اتنی سردی نہیں تھی۔ اور ماہی سے بات کر کے ویسے ہی جسم ابل رہا تھا۔

زیاد ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

"آپ کو بہت زحمت دی میں نے۔" رسماً کہتے ہوئے وہ سر جھکائے سیٹ بیلٹ باندھنے لگی۔

"نہیں میں لنچ بریک تک فارغ تھا اور...." زیاد نے مسکرا کے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو چونکا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" تشویش سے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

''ماں یاد آرہی ہیں؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔اس نے باہر دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''آپ اگر یوں اپ سیٹ ہوں گی تو آپ کے بہن بھائیوں کو ہمت کون دلائے گا۔آپ تو اتنی بہادر ہیں کہ....''

''میں کیوں بنوں بہادر؟'' وہ ایک دم سے پھٹ پڑی۔''سب کہتے ہیں تم بہادر ہو۔کوئی مجھ سے کیوں نہیں پوچھتا کہ میں بہادر بننا چاہتی بھی ہوں یا نہیں؟'' وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

''ماں کی بیماری پہ سب نے کہا ... تم بڑی بہن ہو۔تمہیں سب کو جوڑ کے رکھنا ہے۔یہی کہا تھا سب نے جب میرے ابو کی ڈیتھ ہوئی تھی۔کشمالہ تم بڑی ہو۔تم نے سب کو سنبھالنا ہے۔کیوں؟ میں نے اپنے لیے بڑی بہن کا رول نہیں چنا تھا۔کوئی اپنی مرضی سے بڑا نہیں بنتا۔سب ہمیں زبردستی بہادر بناتے ہیں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے بھیگی آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔

وہ تحمل سے اسے سن رہا تھا۔

''معید صرف اپنا سوچ رہا ہے۔لڑکا ہے نا۔جہاں دل چاہا منہ اٹھا کے چلا گیا۔اور ماہی....'' اس کا لہجہ رندھنے لگا۔''جب ذمہ داری کی بات ہو تو میں بڑی بہن بن جاتی ہوں۔لیکن جب میری بات کا مان رکھنے کا معاملہ ہو تو وہ اپنی مرضی کرتی ہے۔سب یہاں اپنی مرضی کرتے ہیں۔'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

''لڑائی ہوئی ہے بہن سے؟''

''یہ دونوں سب فیصلے اپنی بہتری سوچ کے لیتے ہیں۔میری نہیں۔میں ان کے لیے کیا کیا کرتی ہوں' کسی کو احساس نہیں ہے۔''

بول بول کے اس کا گلا خشک ہونے لگا۔آنسو لڑھک کے گال پہ لگے پمپل اسٹکر کو بھگونے لگے۔

''وہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔اور مجھے یقین ہے کہ یہ صرف کوئی غلط فہمی ہوگی جو جلد دور ہو جائے گی۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔وہ چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔پھر ٹشو سے آنکھیں صاف کیں۔

''سوری میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔'' اب جا کے احساس ہوا۔

''آپ چاہیں تو ہم پھر کسی دن بھی جا سکتے ہیں۔'' اس نے فراخ دلی سے پیشکش کی لیکن کشمالہ نے سختی سے سر نفی میں ہلایا۔

''نہیں۔مجھے اور دیر نہیں کرنی۔میں تنگ آ گئی ہوں ان اَن دیکھی چیزوں سے۔مجھے جلد از جلد اس سب سے نکلنا ہے۔اور شکور میرا واحد کلیو ہے۔''

زیاد نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کار ریورس کرنے لگا۔

(ہر کچھ دن بعد ماہر فرید کا ایک نیا کارنامہ معلوم ہوتا ہے۔) وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے الجھی الجھی سی سوچ رہی تھی۔ (اسے تو فن آتا ہے ذہنوں کو manipulate کرنے کا۔ نہ جانے ماہی سے کیا کہتا ہوگا اور وہ اس کی باتوں پہ یقین کر لیتی ہوگی۔ اُف۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسکول بلڈنگ سرخ اینٹوں سے بنی تھی اور اس کے چاروں اطراف میں سرسبز کھلے لان تھے۔ سرد ہوا سے اس کی اونچی پونی دائیں بائیں جھول رہی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ زیاد کچھ کہہ رہا تھا لیکن اس کی سماعت کام نہیں کر رہی تھی۔ ذہن میں بہت سا شور تھا۔ اور نگاہوں کے سامنے بہت سے مناظر کسی فلم کی طرح چل رہے تھے۔

دفعتاً وہ چلتے چلتے رکی۔ اردگرد اسکول یونیفارم میں لڑکیاں چلی جا رہی تھیں۔ وہ رک کے ایک اونچی پونی والی لڑکی کو دیکھنے لگی جو ساتھ سے گزر کے لان کی طرف جا رہی تھی۔ وہ مڑی تو کشمالہ بھی مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ اس لڑکی کا دانوں سے بھرا چہرہ جھکا تھا اور ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جسے لیے وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔ اس سے چند قدم آگے ایک سفاری سوٹ میں ملبوس صاحب چل رہے تھے۔

''سر ستار....'' لڑکی نے جھجکتے ہوئے پکارا۔

وہ رکے۔ اور اس کی طرف پلٹے۔ کمر پہ ہاتھ باندھے وہ مونچھوں اور بارعب چہرے والے استاد تھے۔

''سر میں آپ کو کچھ دکھا سکتی ہوں؟'' کم عمر لڑکی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے جلدی سے کاغذ ان کی طرف بڑھا دیا۔

''یہ میں نے بنایا ہے۔'' امید سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔

انہوں نے کاغذ تھاما اور اسے اونچا کیا۔ اس پہ سرخ اینٹوں والی عمارت بنی تھی۔ ستار صاحب نے نگاہ اٹھا کے سامنے نظر آتی اسکول کی عمارت کو دیکھا۔ پھر واپس کاغذ کو۔ وہ ہو بہو اس کا عکس تھی۔

اب کے انہوں نے اس کم عمر لڑکی کو دیکھا جو سانس روکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کے مڈ ٹرمز میں چند ہفتے رہ گئے ہیں' کشمالہ۔ اگر آپ اپنا قیمتی وقت ان بے کار پینٹنگز میں لگائیں گی تو امتحان کی تیاری کون کرے گا۔ یہ فارغ دنوں میں کرنے والے کام ہوتے ہیں۔'' سختی سے کہہ کے کاغذ واپس

تھمایا۔اس کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔سفاری سوٹ والے صاحب آگے بڑھ گئے۔وہ سر جھکائے وہیں کھڑی رہ گئی۔

''کشمالہ....'' وہ اس کے قریب بولا تو وہ چونکی۔منظر فضا میں تحلیل ہو گیا۔آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔وہ دونوں تنہا اسکول کی عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔

''آپ کو اپنا اسکول پسند تھا؟'' وہ راہداری میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے جب زیاد نے پوچھا۔

''کسی کو اپنا اسکول دل سے پسند نہیں ہوتا' زیاد۔ ہر اسکول کے ساتھ تکلیف دہ یادیں جڑی ہوتی ہیں۔''

''کیسی تکلیف؟ آپ تو ہمیشہ سے اچھی اسٹوڈنٹ رہی ہیں۔'' زیاد نے تعجب سے اسے دیکھا۔وہ اس سے دراز قد تھا۔اس کے کندھے کے برابر چلتے ہوئے بھی مالا کو چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنا پڑتا تھا۔

''تکلیف گریڈز سے نہیں ہوتی۔ان لوگوں کے رویے سے ہوتی ہے جن کے ہاتھوں میں والدین اپنے بچے دیتے ہیں تاکہ وہ ان کی شخصیت سازی کریں۔لیکن....'' ایک تلخ مسکراہٹ چہرے پہ در آئی۔''ان میں سے اکثر استادوں کو خود تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ان کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ بچے کی کچی شخصیت کو کیسے ڈیمج کر رہے ہیں۔''

''استاد ایک کم تنخواہ دار طبقہ ہوتا ہے۔اپنے گھر کی فرسٹریشن' اپنی محرومِ زندگی کا غصہ کسی پہ تو نکالنا ہوتا ہے انہیں۔''

مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔''کوئی بھی چیز ایسے استاد کو جسٹفائی نہیں کر سکتی جو چالیس پچاس سال کی عمر میں ایک ٹین ایج بچے سے مقابلے کرے اور مہربانی سے پیش نہ آئے۔''

کاریڈور میں کچھ اسٹوڈنٹس بھی آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ایسے میں کسی کونے سے کھلکھلاہٹ گونجی۔کہیں سے سرگوشی۔وہ پلٹ کے نہیں دیکھنا چاہتی تھی لیکن وہ منظر کسی سیاہ دھوئیں کی طرح آس پاس چھانے لگا۔یہاں تک کہ اس کا وجود اس کے اندر ہر طرف سے گھر گیا۔

سامنے ایک خالی کلاس روم بنا تھا جس میں ایک سرمئی سفاری سوٹ والے صاحب کرسی پہ بیٹھے تھے۔وہ چند کاغذات الٹ پلٹ کر رہے تھے جب دو جھجکتے قدم ان کی طرف آتے دکھائی دیے۔انہوں نے چونک کے سر اٹھایا۔

''سر ... یہ میرا مڈٹرمز کا رزلٹ ہے۔'' اس نے ہلکی آواز میں کہتے ہوئے ایک کارڈ انہیں تھمایا۔انہوں نے ایک

نظر اسے دیکھا اور دوسری نظر کارڈ پہ ڈالی۔ پھر ہاتھ بڑھا کے کارڈ تھاما۔ ان کی کلائی میں ایک چمکتی ہوئی سنہری گھڑی تھی جس پہ ننھے ہیرے جڑے تھے۔ وہ بنا پلک جھپکے ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''95%؟ چچ....'' انہوں نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ جیسی اسٹوڈنٹ کے 98% سے کم نہیں آنے چاہیے تھے۔ آپ اس سے زیادہ محنت کر سکتی تھیں۔'' اور مصروف سے انداز میں کارڈ واپس تھما دیا۔

اس کے چمکتے چہرے پہ کچھ بجھ سا گیا۔

''اگلی دفعہ زیادہ محنت کرنا۔'' اس نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کارڈ کمر کے پیچھے کر لیا۔ ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

''سب کو ایسے ہی استاد ملتے ہیں' کشمالہ۔'' اس کی آواز اسے واپس حال میں کھینچ کے لائی۔ وہ دونوں خالی کاریڈور میں کھڑے تھے اور زیاد کہہ رہا تھا۔

''لیکن کچھ لوگ ایسے ٹاکسک استادوں کے باوجود شخصیت پہ کوئی دھبہ لیے بغیر زندگی میں آگے نکل جاتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا یا شاید خود سے۔

''کیونکہ وہ ہماری طرح اس استاد میں کسی اور کو نہیں تلاش کر رہے ہوتے۔'' وہ سرگوشی میں بولی تھی۔

زیاد نے چونک کے اسے دیکھا۔ مگر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کا رخ ایک آفس کی جانب سے تھا۔

''شکور کو اس سکول سے گئے کئی برس بیت چکے ہیں۔''

وہ دونوں ایک آفس میں بیٹھے تھے۔ دو لکڑی کی کرسیوں پہ ساتھ ساتھ۔ میز کے اس پار عینک لگائے بیٹھی تھیں۔ ان کے پیچھے بک شیلف اور اوپن کیبنٹس میں فائلز رکھی نظر آ رہی تھیں۔

''آپ کو معلوم ہے وہ اب کہاں ہوگا؟''

چائے کے کپ آگے رکھے تھے۔ لیکن ان دونوں نے ان کو نہیں چھوا تھا۔

''میرے پاس اس کے گھر کا پرانا پتہ ہے۔ معلوم نہیں وہ وہاں ہوگا یا نہیں۔'' وہ چند کاغذات ادھر ادھر کرنے لگیں۔ پھر عینک کے پیچھے سے انہیں دیکھا۔ ''ابھی ڈھونڈنا مشکل ہوگا۔ میں آپ کو بعد میں معلوم کر کے میسج کر دوں گی۔''

انہوں نے فائل بند کی اور پھر باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

''آپ نے جب کال کی تو میں نے مس ثمرین سے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ آپ

اسی اسکول سے پڑھی ہیں اور اب اسلام آباد میں ایک کامیاب ریستوران چلا رہی ہیں۔ ہمارے اسکول کو آپ جیسے اسٹوڈنٹس پہ بہت فخر ہے۔''

''اور مجھے اس بات پہ فخر ہے کہ میری کامیابی میں میرے اسکول کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔'' وہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ ان کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں ناسمجھی ابھری۔

''شکور نے جاب کیوں چھوڑی تھی؟'' زیاد نے جلدی سے بات سنبھالی۔ وہ جو اس کی بات پہ سوچنے لگ گئی تھیں' اب کے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

''اس نے ستار صاحب کی ڈائمنڈ واچ چرائی تھی۔ اسی لیے اسے جاب سے نکالا گیا تھا۔''

''ستار صاحب کون؟''

''اسکول کے پرنسپل۔'' جواب مالا کی طرف سے آیا۔ اس کے لہجے میں بہت سے گلے تھے۔

''بہت ہی قابل استاد تھے وہ۔'' خاتون کے چہرے پہ فخریہ مسکراہٹ در آئی۔

''انتہائی غیر مہربان اور....'' وہ جو تیزی سے کہنے لگی تھی' اپنے جوتے سے اس کا جوتا ٹکرانے پہ خاموش ہو گئی۔ زیاد نے اس پہ ایک تنبیہی نظر ڈالی اور پھر واپس خاتون کی طرف متوجہ ہوا۔

''یعنی شکور ایک چور تھا؟''

''بہت پرانی بات ہے۔ اب ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔ ویسے وہ ایماندار آدمی تھا۔ شاید سر ستار غصے میں تھے۔'' انہوں نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔ ان کے انداز میں اب کشمالہ کے لیے ناپسندیدگی سی تھی۔ ''میں ایڈریس ڈھونڈ کے میسج کر دوں گی۔''

''آج آپ کا موڈ کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔'' واپسی پہ کاریڈور میں چلتے ہوئے زیاد سلطان کھنکھارا۔ وہ خاموشی سے سینے پہ بازو لپیٹے آگے بڑھتی گئی۔

''میں آپ کو اس لیے ٹوک رہا تھا کیونکہ اس رویے پہ وہ ہمیں کبھی بھی شکور کا ایڈریس نہیں دیں گی۔'' وہ نرمی سے کہنے لگا۔ لیکن وہ خاموش رہی۔

''ویسے شکور کیسا آدمی تھا؟ کیا واقعی اس نے چوری کی تھی یا الزام لگا تھا؟'' کچھ دیر بعد زیاد نے بات کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

''الزام لگا تھا۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

کشمالہ کے قدم تھمے۔ پھر وہ گہری سانس لے کر زیاد کی طرف پلٹی تو اس کی آنکھوں میں جواب کے ساتھ اور بھی بہت کچھ تھا۔

''کیونکہ میں اس الزام کا حصہ تھی۔ اس کی جاب جانے اور اس کی زندگی خراب کرنے والوں میں ایک میں بھی تھی۔''

وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔

''ناممکن۔'' زیاد نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ ایسا کچھ نہیں کر سکتیں۔''

''اپنا اسکول کسی کو دل سے پسند نہیں ہوتا زیاد۔ کیونکہ اس کے ساتھ تکلیف دہ یادیں جڑی ہوتی ہیں۔''

وہ اداسی سے مسکرائی اور وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ استنبول کی ایک سرد شام تھی۔ چنگیز ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوا تو اس نے جیکٹ پہن رکھی تھی اور سردی سے ناک سرخ ہو رہی تھی۔ وہ مطلوبہ فلور پہ جیسے ہی لفٹ سے اترا' سامنے روم ۵۵۵ کے باہر صوفے پہ تنہا بیٹھا بیربل نظر آیا۔ اس کے تاثرات بگڑے بگڑے سے تھے۔

''یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اندر آدھے شہر کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔'' وہ تعجب سے اسے دیکھتا قریب آیا تو بیربل نے ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی۔

''پھول اکٹھے کرتے کرتے تھک گیا تھا۔''

''کیسے پھول؟''

''وہی جو ماہر بے کے منہ سے جھڑ رہے ہیں۔'' ساتھ ہی ابرو سے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

چنگیز سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ دروازہ کھولا تو دیکھا' وہ تار آج بھی راستے میں تھی۔ اسے احتیاط سے عبور کیا اور اندر آیا۔

پہلے سٹنگ روم بنا تھا جس کی میز پھولوں سے بھر چکی تھی۔ آگے کمرے کا دوسرا حصہ تھا جس پہ ماہر کا بیڈ رکھا تھا۔ ساتھ کاؤچ پہ زارا بیٹھی تھی۔ پیچھے کھڑکی کے بلائنڈز ہٹے تھے اور ایک نیلگوں شام پھیلی دکھائی دیتی تھی۔ یہ ہسپتال کے کمرے سے زیادہ ہوٹل سوئیٹ لگتا تھا۔

ماہر بیڈ پہ سرہانوں سے ٹیک لگائے ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا تھا۔اس کی ایک ٹانگ ہنوز پلستر اور پٹیوں میں جکڑی تھی۔چہرے پہ زمانے بھر کی بے زاری اور ماتھے پہ بل تھے۔ایک طرف شبنم کھڑی تھی اور دوسری طرف کاؤچ پہ بیٹھی زارا نرمی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ ممکن نہیں ہے' ماہر۔تمہیں مجھ پہ بھروسہ کرنا ہوگا۔''

چنگیز خاموشی سے قدم اٹھاتا بیڈ کی پائینتی تک آرکا۔بیربل بھی اس کے پیچھے تھا۔

''میں تمام کام مکمل ذمہ داری سے سنبھال رہی ہوں۔''

''پھر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''وہ ابرو اکٹھے کیے برہمی سے بولا۔چنگیز نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔وہ چڑچڑا سا لگ رہا تھا۔بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور چہرے کے نیل اب بھورے ہو چکے تھے۔

''میں آفس سے واپسی پہ تمہاری خیریت معلوم کرنے آئی ہوں۔''زارا نے بدقت لہجے کی نرمی برقرار رکھی۔پھر اسے نووارد کی موجودگی کا احساس ہوا تو نظریں موڑیں۔پائنتی کے ساتھ کھڑے چنگیز کو دیکھا جس نے عام سی شرٹ پہن رکھی تھی اور گردن میں پولیس بیج چین کے ساتھ لٹک رہا تھا۔اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیلی۔ہلکا سا کھنکھاری۔

''کمرے میں اتنا رش نہیں ہونا چاہیے۔''

''بالکل' زارا۔تم چلی کیوں نہیں جاتیں؟''

بیربل مسکرا کے بولا تو زارا کے ماتھے پہ بل پڑے۔وہ پرس اور سفید کوٹ اٹھا کے اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک آخری نظر ماہر پہ ڈالی۔

''تمہاری غیر موجودگی میں کیف میری ذمہ داری ہے۔او کے؟ بھروسہ کرو مجھ پہ۔''مسکرا کے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ان دونوں نے ایک طرف ہٹ کے اسے راستہ دیا۔وہ ایک گھورتی نظر ان پہ ڈال کے آگے بڑھ گئی۔بیربل نے گردن موڑ کے اسے جاتے دیکھا اور پھر چوکھٹ پہ رکھی تار کو۔زارا نے احتیاط سے اپنے لانگ بوٹس سے اس کو عبور کیا اور باہر نکل گئی۔بیربل کے چہرے پہ مایوسی پھیل گئی۔

''تم اپنے ڈیوٹی آوورز میں یہاں کیا کر رہے ہو؟''ماہر فرید کی توجہ کا مرکز اب چنگیز تھا۔

''تمہاری خیریت پوچھنے آیا ہوں۔''

''فون پہ پوچھ سکتے تھے۔آنے کی کیا ضرورت تھی؟ گورنمنٹ تمہیں ہر گھنٹے کی تنخواہ دیتی ہے۔''اسی خراب موڈ

سے کہہ کے اس نے سر جھٹکا۔

''یہ رہے تمہارے حصے کے پھول۔'' بیر بل نے مسکرا کے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''اور تمہیں کچھ کہا ہے میں نے۔'' وہ اب شبنم سے مخاطب تھا جو بیڈ کے دوسری جانب کھڑی تھی۔

شبنم نے ایک نظر بیر بل کو دیکھا (جس نے خفیف انداز میں گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔) پھر واپس ماہر کو۔

''میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔''

ماہر چند لمحے اسے گھورتا رہا۔

''جانتی ہو نئی سیکرٹری ڈھونڈنے میں کتنی دیر لگتی ہے؟''

''اس کے لیے پہلے ہسپتال سے ڈسچارج ہونا ضروری ہے۔'' شبنم نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

''مسئلہ کیا ہے؟ ماہر کو کیا چاہیے؟'' اب کے چنگیز اکتا سا گیا تھا۔

''ماہر اپنا لیپ ٹاپ اور گرافک ٹیبلیٹ مانگ رہا ہے کیونکہ اسے کام کرنا ہے۔'' بیر بل گہری سانس لے کر بتانے لگا۔ ''اور ہم اتنی دیر سے ماہر کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ ڈاکٹر نے ان کو مکمل ریسٹ کا کہا ہے۔ کام کرنا ان کی صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔''

''اور ماہر بے ہماری اور ڈاکٹرز کی بات نہیں مان رہے۔'' شبنم نے بے بسی سے چنگیز کو دیکھا۔ ''آپ ان کو کچھ سمجھائیں؟''

''لڑکی تم ماہر کے لیے کام کرتی ہو یا ڈاکٹر کے لیے؟'' وہ جو لاپروا سے گھور کے کہنے لگا تو شبنم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ بیر بل بھی چونکا۔

''میرا دوست تمہیں کہہ رہا ہے کہ اسے اس کا لیپ ٹاپ چاہیے اور تم آگے سے انکار کر رہی ہو؟''

پہلی دفعہ ماہر کے ماتھے کے بل کم ہوئے۔ اس نے قدرے آرام دہ انداز میں پیچھے تکیے پہ سر ٹکا دیا۔

''چنگیز کیا کہہ رہے ہو....'' بیر بل نے اس کی کہنی ہلائی لیکن وہ شبنم سے مخاطب تھا۔

''تم انہی قدموں پہ آفس واپس جاؤ اور جو وہ مانگ رہا ہے اسے لا کر دو۔ یا میں پولیس اسٹیشن سے کچھ بندے بھیجوں؟''

''او کے۔'' شبنم کا چہرہ اتر گیا۔ چنگیز کو کینہ پرور نظروں سے گھورتے ہوئے واپس مڑ گئی۔

''تم اس کے دوست ہو یا دشمن؟'' بیر بل اس پہ خفا ہوا۔ ''اس کی صحت کے لیے اچھا نہیں ہے کہ....''

(پسِ منظر میں شبنم کے آوچ کی آواز سنائی دی لیکن اب وہ دونوں متوجہ نہیں تھے۔)

''اس کی ٹانگ ٹوٹی ہے۔ ہاتھ سلامت ہیں اور دماغ بھی۔ وہ کام کرنا چاہتا ہے' کوئی نیا ڈیزائن بنانا چاہتا ہے تو تم لوگ کون ہو اس کو روکنے والے؟''

''وہ بیمار ہے چنگیز۔ وہ کیسے....''

وہ جو خاموشی سے ان کی بحث دیکھ رہا تھا' اب کے بے زاری سے مداخلت کی۔

''اپنے مسئلے باہر جا کے حل کرو۔'' دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔ پیشانی پہ بل اور چہرے پہ شدید اکتاہٹ تھی۔

''جاؤ۔'' دوبارہ بلند آواز سے کہا تو وہ دونوں فوراً دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

''تم کس کی سائیڈ پہ ہو؟'' باہر آتے ہی بیر بل بگڑ کے بولا۔

''چپ چاپ وہ کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ میں تمہیں اس کی وجہ بعد میں بتاؤں گا۔'' اس نے بیر بل کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے دبایا تو اس نے اکتا کے اپنا کندھا چھڑایا۔

''میں تمہیں ابھی اسی وقت عاق کرتا ہوں۔''

چنگیز دھیرے سے ہنس دیا اور وہ خفگی سے بڑبڑاتا ہوا صوفے پہ دھپ سے بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر واپس آئی تو مبین منزل میں خاموشی تھی۔ حور سو چکی تھی اور ماہی لاؤنج میں آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ بخت بی اس کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں۔ آہٹ پہ آنکھیں کھولیں تو دیکھا' مالا اسے دیکھے بنا سیدھی اپنے کمرے کی طرف جا رہی ہے۔ ماہی کے چہرے پہ ڈھیر سارا ملال اتر آیا۔

''مالا مجھ سے ناراض ہے' بخت بی۔''

''بہن بھائیوں کی ناراضیاں ختم ہو جاتی ہیں ماہ بی بی۔ تم چھوٹی ہو تم معافی مانگ لو۔''

''لیکن میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

''پھر بھی معافی مانگ لو۔ بڑا بڑا ہوتا ہے اور چھوٹا چھوٹا۔ تمہارے کنیڈا میں شاید سکھاتے ہوں کہ بڑا چھوٹا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن ہوتا ہے۔'' وہ اب اس کے سر پہ زور زور سے مالش کر رہی تھی۔ ماہی چپ چاپ بیٹھی رہی۔

بخت بی نے اس کے چھوٹے بالوں کو بمشکل فرنچ چوٹی میں باندھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ موبائل اٹھا کے عباد کو

کال کرنے لگی تو احساس ہوا کہ بالوں کی چکنائی ہاتھوں سے ہوتی ہوئی اسکرین پہ لگ گئی ہے۔ لیکن اس وقت اسے پرواہ نہ تھی۔

موبائل کان سے لگایا اور باہر لان میں چلی آئی۔ وہاں شام اتر رہی تھی اور ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔

اسے جاتے دیکھ کے بخت بی نے بے اختیار سر کو ہاتھ مارا۔

''کتنا منع کیا تھا' شام کو تیل نہیں لگاتے۔ اوپر سے بی بی باہر چلی گئی ہے۔ ٹھنڈ لگ جائے گی۔'' لیکن سامنے بھی ماہی تھی۔ اسے اپنی مرضی کرنی ہوتی تھی۔

''یار ہماری ابھی صبح نہیں ہوئی۔'' عباد کی ناراض آواز فون میں گونجی۔

''لیکن تم اٹھے ہوئے ہونا۔ یہی کافی ہے۔'' پھر کھنکھاری۔

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔''

''مسئلے کو فیڈ ردے دو۔ خود ہی سو جائے گی۔''

''عباد میں سیریس ہوں۔'' وہ چیخی۔ پھر آواز دھیمی کی۔'' مالا کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں ماہر فرید سے رابطے میں تھی۔ اب وہ مجھ سے ناراض ہے۔ میں کیا کروں؟''

عباد نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔''میں نے تمہیں کہا تھا کہ اسے وقت سے بتا دو لیکن نہیں۔ ماہی کو اللہ تعالیٰ نے کان سننے کے لیے نہیں' ایک سے سن کے دوسرے سے نکال دینے کے لیے دیے ہیں۔''

''لیکن اس نے ناراضی میں مجھے بہت سخت بات کہی ہے۔ یہ کہ میری اس کے ساتھ کوئی وفاداری نہیں ہے۔ ایسا کیا کیا ہے میں نے؟'' دبے دبے غصے سے کہتے ہوئے ایک نظر اس کھڑکی کی طرف ڈالی جو مالا کے کمرے میں کھلتی تھی۔

وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

''مالا جب بھی لڑتی ہے یہی کہتی ہے۔ کہ وہ ہمارے لیے سب کچھ کرتی ہے اور ہم صرف اپنا سوچتے ہیں۔ بڑی بہن ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم نے تو نہیں کہا تھا کہ بڑی بہن بنو۔ یہ تو قدرت کا کام ہے۔''

''تمہیں وہ وقت یاد ہے جب خالو یعنی تمہارے ابو کی ڈیتھ ہوئی تھی؟'' وہ سوچ سوچ کے کہنے لگا۔

''نہیں یار۔ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔''

''اور اسی لیے تمہیں وہ وقت نہیں یاد کیونکہ وہ بڑی بہن تھی۔ تم نہیں۔ مالا کو وہ سب یاد ہو گا جیسے مجھے یاد ہے۔''

''ابو کہاں سے آ گئے درمیان میں؟ ماں نے ہمیں ماں اور باپ دونوں بن کے پالا ہے۔'' وہ بے زار ہوئی۔

''کوئی ماں باپ نہیں بن سکتی ہے۔ نہ کوئی باپ ماں بن سکتا ہے۔ پیرنٹس ایک دوسرے کی کمی چاہ کے بھی پوری نہیں کر سکتے۔''

(کشمالہ اندر داخل ہوئی تو کمرہ گرم تھا۔ وہ تیزی سے کاؤچ تک آئی جہاں کمبل پہ فاختہ لیٹی تھی۔ وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی۔)

''جن بچوں کے باپ جلدی مر جاتے ہیں ان میں بہت سی کمیاں رہ جاتی ہیں۔ بالخصوص بڑے بچے میں۔''

''مالا میں کوئی کمی نہیں ہے' عباد۔ وہ groomed ہے۔ high achiever ہے۔ کانفیڈنٹ ہے۔ مالا پرفیکٹ ہے یار۔''

(اس نے نرمی سے فاختہ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔ وہ بالکل ٹھنڈی تھی۔ کشمالہ کی سبز آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔)

''نہیں ماہی۔ ایسے بچے بڑے ہو کے پرفیکٹ نہیں بنتے۔ وہ fixer بن جاتے ہیں۔ جانتی ہو fixer کیا ہوتا ہے؟''

''نہیں۔''

(وہ نرمی سے اس بے جان ٹھنڈی فاختہ کے پروں پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ آنسو تواتر سے آنکھوں سے گر رہے تھے۔)

''فکسر وہ بڑے بچے ہوتے ہیں جنہیں بچپن سے یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں بڑا بننا ہے۔ ذمہ دار بننا ہے اور اپنے سے چھوٹوں کو تکلیف سے بچانا ہے۔''

(اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور دھیرے دھیرے فاختہ کے بازو کی پٹی کھولنے لگی۔)

''ان کو دنیا والے کہتے ہیں کہ انہیں اب دوسروں کو خوش کر کے جینا ہے ورنہ خاندان میں ان کی بقا ممکن نہیں ہے۔ سو ایسے بچے بچپن سے people pleasers بن جاتے ہیں۔''

(پٹی علیحدہ ہوئی تو اس نے دیکھا۔ اندر موجود زخم سوکھ چکا تھا۔ اس نے فاختہ کو واپس لٹایا اور الماری تک آئی۔ اب وہ دراز کھولے کچھ تلاش کر رہی تھی۔)

''فکسر یا people pleaser بچے ہر فادر figure میں اپنا باپ ڈھونڈتے ہیں۔ وہ اپنی ہر پسندیدہ

شخصیت کو خوش کرنا چاہتے ہیں چاہے وہ انہیں کتنی ہی اذیت دیں۔"

(اس نے دراز سے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے اندر ایک سلک کا سبز رومال تھا۔)

"فکسر بچوں کے بڑے ان کی یہ کہہ کے حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ اچھے بچے ہیں۔سمجھدار اور ذمہ دار ہیں۔اور وہ بچے اس کو اپنا reward جان لیتے ہیں۔انہیں لگتا ہے کہ ان کی قدر و منزلت ہر کسی کو فکس کرنے سے بڑھتی جائے گی۔"

(وہ اب دھیرے دھیرے فاختہ کو سبز رومال میں لپیٹ رہی تھی۔اس کی آنکھیں ابھی تک گیلی تھیں۔)

"ایسے لوگوں کی بچپن سے کوئی boundaries (حدود) نہیں ہوتیں۔وہ اسکول میں bully ہونے کے باوجود اپنے لیے آواز نہیں اٹھانا چاہتے کیونکہ وہ conflict سے ڈرتے ہیں۔انہیں اچھے بچے کا خطاب ہر وقت چاہیے ہوتا ہے۔ایسے میں وہ کسی کو ناراض نہیں کر سکتے۔اذیت دینے والے انسان کو بھی نہیں۔"

(وہ سبز رومال کی ننھی سی گٹھڑی کو تھامے گھر کے پچھلے صحن میں آئی جہاں ایک کچن گارڈن بنا تھا جو عدم توجہی کے باعث سوکھ چکا تھا۔وہ پنجوں کے بل وہاں بیٹھی اور سلور کے چمچ سے مٹی کھودنا شروع کی۔)

"ایسے بچے کو ذرا سی ناکامی پہ بھی یہ ڈر ہوتا ہے کہ اس سے پیار اور توجہ چھن جائے گی۔اسی لیے وہ اپنے ساتھ بے تحاشا کامیابیوں کے تمغے لگانا چاہتے ہیں تاکہ انہیں کسی بڑے کا پردول ہمیشہ ملتا رہے۔"

(کچن گارڈن پہ جامنی سی شام اتر رہی تھی۔چمچ سے نرم مٹی میں کھودا جانے والا گڑھا اب کافی گہرا ہو چکا تھا۔اس نے رک کے سانس لیا اور پھر رومال میں لپٹے پرندے کو اٹھایا۔)

"ہمیشہ سمجھدار بنے رہنے کی چاہ ان بچوں کو بہت ٹھنڈے مزاج کا بنا دیتی ہے۔ان میں بہت برداشت ہوتی ہے۔وہ مہربان ہوتے ہیں۔اپنی پرواہ نہیں کرتے۔اور خود کو نظر انداز کر کے اپنے سے چھوٹوں کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں۔وہ ان کے لیے ہمیشہ لڑتے ہیں۔لیکن اپنے لیے نہیں۔"

(اس نے احتیاط سے فاختہ کو رومال سمیت گڑھے میں ڈالا۔پھر ایک ٹھنڈی اور گہری سانس خارج کی۔لبوں سے دھواں سا نکلا۔اب وہ ہاتھوں سے مٹی اس پہ ڈالنے لگی۔)

"مالا ہمیشہ سے ایک فکسر رہی ہے۔معید پڑھائی میں اچھا نہیں تھا۔وہ کبھی اس کے ٹیچرز کے پاس جاتی تو کبھی ٹیوشن اکیڈمی۔وہ سب کو مجبور کرتی تھی کہ وہ معید کو توجہ دیں۔اور رہی تم۔تو بچپن سے اب تک تمہاری لڑائیاں ختم نہیں ہوتی تھیں۔"

ماہی کی آنکھیں جھک گئیں۔

''کبھی تم کسی کا سر پھاڑ آتی تھیں۔کبھی کسی کلاس فیلو کی چوٹی کاٹ دیتی تھیں۔وہ تمہاری ہر لڑائی میں تمہیں بچانے ساتھ آ کھڑی ہوتی تھی۔''

''لیکن عباد.. ہمارے ہاں سارے بڑے بہن بھائی ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

''نہیں ہونا چاہیے ایسے ماہی۔ہمیں کسی بڑے بہن بھائی کو یہ نہیں سکھانا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو نظر انداز کر کے دوسرے کا خیال رکھے۔یہ چیز انسان کو بڑے ہو کے ڈیج کر دیتی ہے۔انسان کو سب سے اوپر اپنا آپ رکھنا ہوتا ہے۔''

''یہ خود غرضی نہیں ہوگی؟''

''نہیں۔اسے خود سے محبت کہتے ہیں۔اور مالا کو خود سے محبت نہیں ہے۔وہ دوسروں کو فکس کرنے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔اور وہ اپنی طرف آئی ہر ناکامی کو قبول کر کے اپنے حق سے پیچھے ہٹ جاتی ہے۔تمہارے خیال میں وہ ظہیر سے کیوں نہیں لڑی؟ شکست قبول کر کے اسلام آباد چھوڑ کیوں آئی؟''

ماہی خاموش رہی۔اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

''کیونکہ اندر سے مالا کو ہمیشہ سے معلوم تھا کہ ظہیر ایک دن یہ کرے گا۔مالا میری کزن ہے اور میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے ظہیر سے بحث کی تو وہ اسے کوئی نئی آفر دے دے گا۔اور وہ ایک دفعہ پھر اس کی باتوں میں آجائے گی۔اس لیے خود کو مزید ہرٹ سے بچانے کے لیے اس نے جگہ چھوڑ دی۔''

''اسی لیے اس نے ماہر کی کوئی بات نہیں سنی۔''

''نہیں کیونکہ اسے ڈر ہے کہ وہ دوبارہ اس پہ بھروسہ کرے گی اور وہ پھر سے اسے دھوکہ دے گا۔فکسر اور people pleaser بچوں کو ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ لوگ ان سے ان کی ذات کے لیے محبت کریں۔انہیں اپنے ساتھ تمغے لگانے ہوتے ہیں۔کامیابیاں۔تاکہ دوسرے ان کو کسی قابل سمجھیں۔''

''اور جب انہیں کوئی چوٹ لگے؟''

''تب وہ اپنے گرد کھڑی دیواریں مزید اونچی کر دیتے ہیں تاکہ کوئی ان کو پھلانگ نہ سکے۔بظاہر وہ سب کے دوست ہوتے ہیں کیونکہ وہ کسی کو ناراض نہیں کرتے۔جیسے مالا کا سوشل سرکل بہت وسیع ہے۔ذرا کوئی مسئلہ ہو تو اس کا کوئی یونیورسٹی فیلو کہیں سے نکل آتا ہے۔لیکن اصل میں ایسے بچے ہمیشہ سے اکیلے ہوتے ہیں۔ان کا کوئی دوست

نہیں ہوتا۔"

"میری زندگی میں بھی باپ کی کمی ہے۔لیکن میں ایسی نہیں ہوں۔"

"کیونکہ تمہارے ساتھ ہمیشہ تمہاری بڑی بہن کھڑی تھی۔ ماں معید 'مالا۔ سب نے تمہیں محبت دی۔لیکن تم نے کبھی سوچا کہ تمہارا شدید غصہ اور جذباتی پن دراصل اندر سے کسی نفسیاتی...."

"ایک منٹ ایک منٹ ماہر نفسیات...." اس کے تو سر پہ لگی "تلووں پہ بجھی۔"تم اپنا تجزیہ اپنے پاس رکھو۔اور جاب پہ جانے کی تیاری کرو۔" کھٹ سے فون رکھا۔چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"نکالتی ہوں میں اس کی ساری نفسیات کی کتابیں گھر سے۔"

پھر گردن موڑ کے مالا کے کمرے کی کھڑکی کو دیکھا۔اور ایک گہری سانس خارج کی۔عباد درست کہتا تھا۔ان بہنوں کا تعلق کسی کم بخت کی وجہ سے خراب نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اس نے دھیرے سے دروازے پہ دستک دی۔ جواب نہیں آیا تو ماہی نے دروازہ دھکیلا۔وہ کمرے کی کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔بازوؤں کو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ باہر دیکھ رہی تھی۔کاؤچ خالی تھا۔فاختہ اب وہاں نہیں تھی۔

"مالا...."

وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے ساتھ بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھی۔

"تمہیں وہ امیر آدمی یاد ہے جس نے ایک دفعہ دوہا ائیر پورٹ پر مجھے ٹکٹ لے کر دیا تھا...."

"وہ ماہر فرید تھا۔ہے نا؟" وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی تو ماہی کے لب کھل گئی۔ لمحے بھر کے لیے وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"تم گزشتہ چند ہفتوں میں کئی بار اس آدمی کا ذکر کرتے کرتے چپ ہو جاتی تھیں۔دیر سے سہی لیکن آج جب بیٹھ کے سوچا تو مجھے سمجھ میں آ گیا کہ تم اس کو کیسے جانتی ہو گی۔"

"اس نے مجھے خود کال کی تھی۔وہ اپنی بہن کو ڈھونڈ رہا تھا۔اسے میری مدد چاہیے تھی۔اس کا احسان تھا میرے اوپر۔میں کیا کرتی۔" وہ پشیمانی سے کہہ رہی تھی۔

"تم مجھے بتا سکتی تھیں۔تم نے نہیں بتایا۔" اس کی آواز دھیمی تھی اور نظریں کھڑکی کے پار ڈوبتی شام پہ جمی تھیں۔دونوں کے درمیان ایک اَن دیکھی سی دیوار حائل تھی۔یہ ان کی تمام گزشتہ لڑائیوں سے مختلف تھی۔ماہی کو لگا وہ اس دیوار کو کبھی پار نہیں کر سکے گی۔

''مجھے ڈر تھا کہ تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔

''مالا... آئی ایم سوری۔ مگر مجھے وہ برا نہیں لگتا۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔''

''اچھے انسان دھوکے سے کسی کی زندگی میں داخل نہیں ہوتے۔''

''لیکن وہ اتنا....''

مالا نے چہر موڑ کے اسے دیکھا تو ماہی کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ اس کی نظروں میں کچھ تھا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔

''مجھے ماہر فرید کی کہانی نہیں سننی۔ وہ مجھے یہ کہانی سنا چکا ہے۔ مجھے اس آدمی پہ بالکل بھی اعتبار نہیں ہے۔ نہ کبھی آئے گا۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''مالا تم اس بات کو ڈسکس کر کے کلیئر بھی نہیں کرنا چاہتیں؟''

''نہیں۔ مجھے اس بارے میں بات ہی نہیں کرنی۔ اور اگر تم چاہتی ہو کہ ہم اس بات کو یہیں دفن کر دیں تو ہم کبھی ماہر فرید کی بات نہیں کریں گے۔''

ماہی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''تم کہتی ہو تو میں آئندہ اس سے بات نہیں کروں گی۔''

مالا نے کندھے اچکائے۔ ''تم آزاد انسان ہو۔ جس سے چاہو بات کرو۔ لیکن مجھ سے تم اس کا ذکر نہیں کرو گی۔''

''او کے۔'' چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ پھر ماہی نے ہمت کی۔

''تم ابھی تک مجھ سے ناراض ہو؟''

''نہیں۔'' وہ پھر سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

یہ ان کی گزشتہ لڑائیوں جیسی نہیں تھی۔ پہلی دفعہ ماہی کو احساس ہوا کہ اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روم نمبر ۵۵۵ زرد بتیوں سے روشن تھا۔ پھولوں کی تیز خوشبو ہر طرف بکھری تھی۔ وہ بیڈ پہ پیچھے تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سامنے بیڈ ٹرے پہ شبنم اس کی اشیاء سیٹ کر رہی تھی۔ اور چنگیز خاموشی سے دوسری طرف کھڑا تھا۔

''آپ کا لیپ ٹاپ۔ گرافک ٹیبلیٹ۔ آپ کا پین۔''

ماہر کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔ چپ چاپ اسے چیزیں رکھتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''یہ رہی ڈاکٹر کی approve شدہ کافی۔'' اس نے مسکرا کے ایک کپ ساتھ رکھا۔ ''اب مجھے اجازت۔''

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے جاتے ہی چنگیز کھنکھارا۔

''اس کو فون نہیں کیا؟'' ابرو سے سائیڈ ٹیبل پہ دھرے ٹوٹی اسکرین والے موبائل کی طرف اشارہ کیا۔ ماہر نے شانے اچکا دیے۔

''مجھے اس کی ہمدردی نہیں چاہیے۔''

''تم اس سے ملنے جا رہے تھے۔ کم از کم اسے بتا دو کہ کیوں نہیں آئے۔''

''وہ میرا انتظار نہیں کر رہی تھی۔'' اس نے میک بک اسکرین کھولی۔ فنگر پرنٹ اسکینر پہ انگوٹھا رکھا۔ وہ مکمل طور پہ کام کی طرف متوجہ تھا۔

چنگیز باہر آیا تو وہ دونوں بیرونی سٹنگ ایریا میں اس کے منتظر تھے' سینے پہ بازو لپیٹے' کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''مجھے لگتا ہے تم سرکار سے ملے ہوئے ہو۔'' بیر بل نے دانت پیسے۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔'' شبنم بھی اسے گھور رہی تھی۔ بیر بل نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''تمہیں کیسے معلوم سرکار کون ہے؟''

''کیونکہ مجھے تم لوگوں کی ساری آوازیں سنائی دیتی ہیں۔'' عینک ناک پہ پیچھے کو دھکیلی۔ ''آفس میں' ہسپتال میں' میں ہر جگہ تم لوگوں کے ساتھ ہوتی ہوں۔''

بیر بل نے ذہن میں جمع تفریق کی۔ ''اسی لیے ماہر تمہیں فائر نہیں کرتا۔''

شبنم نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔ پھر تاثرات بدلے۔ خفگی سے چنگیز کو دیکھا۔

''ماہر بے کو آرام کی ضرورت تھی اور آپ نے کیا کیا؟''

''تمہیں اندازہ ہے اس کے لیے کام کا اسٹریس کتنا خطرناک ہو سکتا ہے؟'' وہ بھی اس پہ غصہ ہوا۔

چنگیز جو صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا' دھیرے سے ہنس دیا۔

''تم جیسے نازک مزاج شہزادے کبھی کبھی ہسپتال کا رخ کرتے ہیں' میرے دوست۔ میں ان ہسپتالوں میں ہر

روز لوگوں کو آتے جاتے دیکھتا ہوں۔"

(اب کمرے میں خاموشی تھی۔سکون تھا۔وہ اسکرین کو روشن ہوتے دیکھ رہا تھا۔لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔)

"ہم سب ماہر کو ایک عرصے سے جانتے ہیں۔وہ کسی بھی حالت میں کام کرنا ترک نہیں کرتا۔جب وہ اس لڑکی کا گارڈ تھا تب بھی وہ کام کرتا تھا۔"

(اسکرین کی تیز روشنی اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔اس نے کی بورڈ پہ برائٹ نیس کم کرنے کا بٹن دھیرے سے دبایا تو محسوس ہوا کہ ہاتھ میں لرزش ہے۔)

"ماہر فرید کی آئیڈیل لائف کیا ہے؟ ایک پرسکون خاموش کمرہ۔اس کا گرافک ٹیبلیٹ۔ایک ہاتھ میں کافی۔دوسرے میں پین۔اور وہ بیٹھ کے سکون سے ایک نئی عمارت بنائے۔میں نے اس کو گزشتہ ڈھائی برس میں کام کرتے ہی دیکھا ہے۔"

وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔چنگیز اب ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے اٹھا اور ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"کیا تم نے کبھی ماہر کو کام نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟"

بیربل نے نفی میں سر ہلا دیا۔"گزشتہ ڈھائی برس میں بالکل نہیں۔"

"کام کا ایک نشہ ہوتا ہے میرے بھائی۔کام کا سوچ کے اس کو ڈوپامین ملتی ہے۔اسے لگتا ہے اسے ہسپتال میں مرضی کا ماحول ملے گا تو وہ کام کرلے گا۔لیکن...."

"لیکن؟"

(روشنی کم ہوئی تو اس نے پلکیں زور سے جھپکائیں۔پھر براؤزر کھولا۔انگلیوں میں کپکپاہٹ تھی۔اس نے ای میل باکس کو کلک کیا۔ایک دم اسکرین دھندلا سی گئی۔زور سے چکر آیا۔)

"لیکن وہ کام نہیں کرے گا۔کر ہی نہیں سکے گا۔"

"کیوں؟"

(ماہر نے آنکھیں زور سے میچیں۔پھر انہیں کھولا تو منظر صاف تھا۔اس نے نئی ای میلز کے سبجیکٹس پڑھنے چاہے لیکن الفاظ گڈمڈ ہونے لگے۔)

''کیونکہ سارے کام صحت کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔''

(نہیں۔میں ٹھیک ہوں۔اس نے زور سے آنکھیں مسلیں۔پھر میک بک اسکرین فولڈ کی۔اور گرافک ٹیبلٹ اٹھایا۔اسکرین روشن کی۔تیز روشنی آنکھوں کو چندھیا گئی۔)

''سرجری کی تکلیف'پین کلرز کا اثر'بیماری کا چڑچڑاپن۔یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ فوکس ہو کے کام کر سکے۔ہم اس کو جتنا منع کریں گے'وہ اتنا ہی چڑ جائے گا۔''

(اس نے پین سے اسکرین پہ لکیر کھینچنی چاہی لیکن ہاتھ کانپ گیا۔سر کے سامنے والے حصے میں شدید درد اٹھنے لگا۔)

''اس لیے ماہر کو چند منٹ اپنی محبوب چیزوں کے ساتھ گزارنے دو۔خود ہی باز آجائے گا۔''

وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

(اس کی آنکھیں سرخ گلابی ہو رہی تھیں۔چند لمحے وہ اسکرین کو دیکھتا رہا۔پھر سے پین اسکرین پہ پھیرنا چاہا لیکن دماغ خالی تھا۔کوئی آئیڈیا'کوئی اسکیچ' کچھ بھی نہ تھا۔اس نے دھیرے سے پین پرے رکھنا چاہا۔وہ لڑھک کے نیچے جا گرا۔

''آہ....''سر میں اٹھتا درد ناقابل برداشت تھا۔اس نے کراہتے ہوئے سر پیچھے ٹکا دیا۔اور آنکھیں بند کر دیں۔)

''ابھی کچھ دیر میں وہ تمہیں بلائے گا اور یہ چیزیں لے جانے کے لیے کہے گا۔''وہ اب شبنم کو سمجھا رہا تھا۔''تم چپ چاپ وہ چیزیں وہاں سے ہٹا دو گی۔''

(وہ آنکھیں بند کیے زور زور سے گہرے سانس لے رہا تھا۔پھر اس نے ہاتھ بڑھا کے گھنٹی بجائی۔)

''یہ تو بہت افسوس ناک صورتحال ہے'چنگیز۔''بیربل کے چہرے پہ فکرمندی ابھری۔''ماہر فارغ نہیں بیٹھ سکتا۔ایسے تو وہ پاگل ہو جائے گا۔''

''اسی لیے تمہیں چاہیے کہ اس لڑکی کو یہاں بلا لو۔''

''تاکہ وہ مجھے سچ مچ میں عاق کر دے؟ ہرگز نہیں۔''وہ جھرجھری لے کر ایک طرف ہو گیا۔

''پھر اس کا برا موڈ برداشت کرو۔''چنگیز نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔''کچھ ہفتے۔شاید کچھ مہینے۔''

''نہیں۔ہمیں کچھ برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''بیربل کی آنکھیں ایک دم چمکیں۔

''یعنی؟'' اب حیران ہونے کی باری چنگیز کی تھی۔

''اسے کام کرنے کا شوق ہے نا۔ ہم اسے ایک کام تھما دیتے ہیں۔ اس کی زندگی کا سب سے اہم کام۔'' وہ اپنی مخصوص شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ اسی وقت گھنٹی کی آواز آئی تو شبنم تیزی سے اندر بھاگی۔ اگلے ہی لمحے ایک ٹھڈے کی آواز آئی۔

''اتنا بڑا ہسپتال ہے اور ایک تار آپ سے فکس نہیں ہو رہی۔'' چنگیز ماتھے پہ بل لیے ریسیپشن ڈیسک کی طرف لپکا۔ ''اگر کوئی گر کے زخمی ہو گیا تو ہسپتال پہ مقدمہ ہو سکتا ہے۔''

''میں چار دفعہ یہ تار فکس کروا چکی ہوں' باش کو مسرے۔ نہ جانے کون اسے بار بار گرا دیتا ہے۔'' وہ اب کے روہانسی ہو کے بولی۔ چنگیز نے چونک کے بیربل کی جانب دیکھا۔ پھر اس کی تیوری چڑھ گئی۔ جارحانہ انداز میں واپس اس کے سر پہ پہنچا۔

''یہ تم کرتے ہو نا۔ اس کو گرانے کے لیے۔ اگر وہ سچ مچ زخمی ہو گئی تو؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ ہسپتال والے خود نااہل ہیں۔ اللہ اللہ....'' باری باری دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا اور شدید افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے ایک میگزین اٹھا کے چہرے کے سامنے کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل میں ناشتے کی میز سجی تھی۔ چائے اور پراٹھوں کی خوشبو کے ساتھ فضا میں ایک تناؤ بھی پھیلا تھا۔ مالا خاموشی سے سر جھکائے اپنی کافی پی رہی تھی۔ اور ماہی گاہے بگاہے ایک نگاہ اس پہ ڈالتی تھی۔

وہ بظاہر باہر جانے کے لیے تیار لگ رہی تھی۔ سامنے سے کھلا' لمبا سا سوئیٹر پہنے' بال آدھے کیچر میں باندھے' کانوں میں ٹاپس اور چہرے پہ ہلکا سا میک اپ۔ لیکن وہ کہاں جا رہی تھی۔ اس نے ابھی تک ذکر نہیں کیا تھا۔

''کہیں جا رہی ہو؟'' وہ سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

''ہوں۔'' وہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔ ماحول کا تناؤ بڑھنے لگا۔ ماہی نے پہلو بدلا۔

''شکور کا ایڈریس ملا؟''

''ہوں۔''

''مالا تم ابھی تک ناراض ہو؟''

''نہیں۔''اس نے پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔سبز آنکھوں میں کچھ نہیں تھا۔نہ ناراضی نہ گلہ۔

''اگر ناراض نہیں ہو تو مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔جو بھی تمہیں بوجھل کیے ہوئے ہے۔''

''میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ یہ سب ختم ہو جائے۔میری زندگی اس عامل کی قید سے آزاد ہو جائے۔زیادکی امی ٹھیک ہو جائیں۔اور ہم سب نارمل ہو جائیں۔''

ماہی نے سر ہلا دیا۔''ہماری ماں تو چلی گئی۔کاش اس کی ماں بچ جائے۔''اس نے دل سے دعا کی تھی کہ مائیں سانجھی ہوتی ہیں۔

''مالا باجی... آج میں نے بڑی بی بی کو خواب میں دیکھا۔''

بخت بی نے ڈائینگ ہال میں داخل ہوتے ہی چہک کے بتایا۔

''کیا واقعی؟''ماہی کا چہرہ کھل اٹھا۔لیکن وہ جہاں تھی وہیں رہ گئی۔جیسے سانس لینا بھول گئی ہو۔

بخت بی اب جوش سے اپنا خواب سنا رہی تھی۔لیکن کشمالہ مبین ششدر بیٹھی تھی۔

(تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔)

وقت تھم گیا۔ڈائینگ روم کا منظر وہیں جم گیا۔گھڑیال کی سوئیاں بھی رک گئیں۔

اور پھر سوئیاں پیچھے کی طرف چلنے لگیں۔

کھڑکیوں کے باہر پھیلی صبح پچھلی رات میں بدلی۔پھر روشنی۔پھر اندھیرا۔یہاں تک کہ وقت چند ہفتے پیچھے جا کے رک گیا۔

اب کھڑکیوں کے باہر صبح کی جامنی سی روشنی پھیلی تھی۔

اندر کمرے سے عورتوں کے رونے اور افسوس کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔حورِ جہاں کی میت کی خوشبو ابھی فضا میں تازہ تھی۔اور وہ کچن کاؤنٹر کے سامنے پانی کا گلاس لیے گم صم سی کھڑی تھی۔نائٹ سوٹ پہنے' کھلے بالوں کے ساتھ کشمالہ کسی اور جہاں میں تھی۔

سامنے ڈاکٹر سلیمہ کھڑی تھیں۔کٹے بالوں اور ماتھے پہ سن گلاسز چڑھائے' وہ کچھ کہہ رہی تھیں۔

''میری ماں کی ڈیتھ کے چند ماہ بعد میری سرجری ہوئی۔جب مجھے آپریشن ٹیبل پہ لٹایا گیا تو....''

مالا نے بے توجہی سے ادھر ادھر دیکھا۔وہ چاہتی تھی کہ چلی جائیں۔یا چپ کر جائیں۔اسے ان کے قصے میں دلچسپی نہیں تھی۔

لیکن اسی پل انہوں نے کچھ کہا۔ کچھ ایسا کہ وہ چونک کے انہیں دیکھنے لگی۔

''....تو آپریشن ٹیبل پہ میرے کانوں میں ایک آواز گونجی۔''

وہ بالکل ٹھہر کے انہیں دیکھنے لگی۔ ساکت، جامد۔

''اس آواز کے بارے میں میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم مجھے ایک سوال کا جواب دو۔''

وہ مزید قریب آئیں۔

وہ یک ٹک ان کو دیکھ رہی تھی۔ سارے آنسو اندر ہی اندر دم توڑ گئے تھے۔

''اگر ایک ماں سے میلے میں اپنے چھوٹے بچے کی انگلی چھوٹ جائے ... اور وہ دونوں بچھڑ جائیں تو پہلے کون دوسرے کو ڈھونڈ لے گا؟''

''ماں بچے کو ڈھونڈ لے گی۔'' اس کے لب میکانکی انداز میں حرکت کیے۔

''درست۔'' سلیمہ نے مسکرا کے سر اثبات میں ہلایا۔

''لیکن اگر کوئی وہیل چیئر پہ موجود معذور بوڑھی ماں اپنی صحت مند' جوان بیٹی کے ساتھ میلے میں جائے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کو کھو دیں... تو پہلے کون دوسرے کو ڈھونڈے گا؟''

''بیٹی ماں کو ڈھونڈ لے گی۔''

''غلط۔ بالکل غلط' کشمالہ۔'' ان کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''تب بھی ماں پہلے اپنی بیٹی کو ڈھونڈ لے گی۔''

''کیسے؟ ماں معذور ہے۔ بوڑھی ہے۔''

''کیونکہ ماں ہمیشہ اپنے بچے کو ڈھونڈ لیتی ہے۔''

وہ بنا پلک جھپکے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھیں؟

''جن بچوں کی مائیں مر جاتی ہیں' ان کو ایک راز تھمایا جاتا ہے۔ سب اس راز کو نہیں پا سکتے۔ کچھ اپنی ماں کے لیے اتنا روتے رہتے ہیں کہ ان کے آنسو ان کے اور اس راز کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ لیکن کچھ ہوتے ہیں.....میری طرح کے....جن کو وہ راز سمجھ میں آ جاتا ہے۔''

''کیسا راز؟''

''یہی کہ ماں اپنے بچے کو ہمیشہ ڈھونڈ لیتی ہے۔''

''مگر....'' اس کے لب پھر پھڑائے۔ ''میری ماں مر چکی ہے۔ میری اور میری ماں کی کہانی ختم ہو چکی ہے۔''

''اور اگر میں تمہیں کہوں کہ تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے ....تو؟''

اس کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔ ساری آوازیں خاموش ہو گئیں۔

''اب تک تم دونوں نے زندگی کا ایک حصہ ساتھ گزارا ہے۔ ماں سے شکوے بھی ہوں گے۔ لڑائیاں بھی ہوئی ہوں گی۔ ان کی فکر بھی کی ہوگی اور ان کے لیے دکھ بھی اٹھائے ہوں گے لیکن ان کی موت کے ساتھ سب ختم ہو گیا۔''

وہ سانس روکے سن رہی تھی۔

''مگر تم دونوں کی کہانی ختم نہیں ہوئی۔ تمہاری اور تمہاری ماں کی غیر مشروط محبت کی کہانی اب شروع ہوگی۔''

''کیسے؟'' ایک آنسو آنکھ سے ٹپکا اور بے داغ چہرے پہ پھسل گیا۔ ڈاکٹر سلیمہ سمیت سارا منظر دھندلا گیا۔

''انسان کی ایک طویل عمر ہے۔ جس کا ایک چھوٹا سا حصہ وہ اس دنیا میں گزارتا ہے۔ پھر وہ ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ان دو دنیاؤں کے درمیان ایک پردہ ہے۔''

''جانتی ہوں۔ اور روحیں ادھر سے ادھر نہیں آ سکتیں۔''

''ہم روح کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ ہاں روحیں نہیں آتیں۔ لیکن پیغام آتے ہیں۔''

''پیغام؟''

''میں نے کہا نا' کشمالہ۔ ماں بچے کو نہیں بھولتی۔ وہ اپنے بچے کے ساتھ ساری عمر رہتی ہے۔ تمہاری ماں کہیں نہیں گئی۔ وہ اب بھی تمہارے ساتھ ہے۔ اب بھی اسے تمہاری فکر ہوگی۔ وہ تمہیں ضرور پیغام بھیجے گی۔ اور تمہیں اس کے بھیجے سارے پیغام ملیں گے۔ کبھی اپنے خواب کی صورت میں۔ کبھی کسی دوسرے تیسرے انسان کے خواب کی صورت میں۔ جب جب تمہیں ان کی ضرورت ہوگی' وہ تمہارے لیے کچھ بھیجیں گی۔''

''کیا وہ میری ماں ہوگی؟ یا وہ کسی کے ذہن کا تصور ہوگا جو خواب کی صورت میں آئے گا؟''

''تمہیں ان دونوں میں فرق کرنا خود آ جائے گا۔ ہمارے دین میں اس کو مبشرات کہتے ہیں جو ایمان رکھنے والوں کو دی جاتی ہیں خواب کی صورت میں۔ مبشرات یعنی اچھی خبریں۔ تمہاری ماں سے تمہارا تعلق ختم نہیں ہوا۔ اس کی اچھی خبریں تمہیں ملا کریں گی۔ اس کے پیغام بھی۔ دوسری دنیا میں آنے والی ہر نئی روح سے وہ تمہارا احوال دریافت کریں گی۔ اور چونکہ وہ ایک نیک عورت تھیں' اس لیے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیغام اور ان کی اچھی خبر تم تک ضرور پہنچائے گا۔''

اس نے بھیگا چہرہ اٹھا کے اوپر چھت کو دیکھا۔

''کیا واقعی؟ کیا ماں باپ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھنا ذہن کی اختراع نہیں ہوتی؟ کیا اس کا کوئی مطلب ہوتا ہے؟''

''آف کورس ہوتا ہے۔ خواب کا فرشتہ کسی وجہ سے وہ خواب تمہارے ذہن میں لاتا ہے۔ ہر شخص کی وجہ مختلف ہوتی ہے۔ کسی کے خواب میں ماں باپ کا آنا صرف اس لیے ہوتا ہے تاکہ وہ خواب کو اہم جانے۔ کسی کے لیے اس میں نصیحت ہوتی ہے۔''

''کیا یہ بات میرا غم کم کر سکتی ہے؟''

''نہیں۔ یہ غم ساری عمر کا ہے۔ لیکن اتنا جان لو کہ تمہاری ماں زندہ ہے۔ مگر کسی اور دنیا میں۔ تم دونوں اس درمیان کے پردے کو نہیں توڑ سکتیں۔ لیکن خواب اس پردے کے درمیان سے گزرتے ہیں۔ تمہاری ماں انہی خوابوں کے ذریعے ہمیشہ تمہاری خبر گیری کرے گی۔ وہ عام خواب نہیں ہوں گے۔ وہ خیالات کا ہجوم نہیں ہوں گے۔ وہ نشانیاں ہوں گی۔ مائیں ساری عمر راستہ دکھاتی ہیں۔ چاہے اس دنیا میں ہوں۔ چاہے دوسرے دنیا میں۔''

''کیا ہر ایک کو اس کی ماں مرنے کے بعد خواب میں آتی ہے؟''

''ہر ایک کو نہیں آتی۔ صرف ان کو آتی ہے جو اپنی آنکھ کو صاف رکھتے ہیں۔ اتنا نہیں روتے کہ نظر دھندلا جائے۔ گناہوں سے اس کو دھندلا نہیں کرتے۔ وہ جو سچے ہوتے ہیں۔ انہی کو سچے خواب آتے ہیں۔''

''میری اور میری ماں کی کہانی ختم نہیں ہوئی...'' وہ بڑبڑائی۔ ''ماں مجھے دوبارہ ملیں گی۔'' پھر اسے کچھ یاد آیا۔

''آپ کو ہاسپٹل بیڈ پہ کیا آواز آئی تھی؟''

''مجھے میرے کان میں میری ماں کی آواز آئی تھی کہ آیت کریمہ پڑھو۔ میں بالکل بھی مذہبی نہیں تھی لیکن میں نے اسے پڑھنا شروع کیا اور اس روز میری جان جاتے جاتے بچی۔ شاید وہ آواز کسی فرشتے نے اختیار کی تھی یا کسی نیک جن نے۔ میں نہیں جانتی۔ لیکن میرے لیے وہ میری ماں کا پیغام تھا جو اللہ کے حکم سے میری طرف آیا تھا۔''

وہ آنسوؤں سے تر چہرہ لیے سن رہی تھی۔

''اب جاؤ اور اپنی ماں کو بہترین انداز میں دفن کرو۔ کیونکہ تمہارے گھر کا احوال ان کو کچھ عرصے بعد ہی لیکن کسی نئی روح کے ذریعے مل ہی جائے گا۔ اگر تم روتی رہو گی تو ان کو تکلیف ہو گی۔''

کشمالہ نے گردن کو اثبات میں جنبش دی۔ پھر ٹشو رول سے ٹشو کھینچ کے پھاڑا اور آنکھیں صاف کیں۔

کچھ تھا جو اس کے چہرے پہ بدل گیا تھا۔

''میں نے خواب میں دیکھا کہ....''

گھڑیال کی سوئیاں تیزی سے واپس اپنی جگہ پہ آئیں تو مبین منزل کا جما ہوا ڈائینگ روم پگھل گیا۔ مالا نے چونک کے بخت بی کو دیکھا جو جوش سے اپنا خواب سنا رہی تھی۔

''میں نے دیکھا اور اللہ گواہ ہے کہ میں جھوٹ نہیں کہہ رہی' بے شک قسم لے لو....''

''اُف بخت بی۔ یہ ڈرامے نہ کرو۔'' ماہی بدمزہ ہوئی۔ ''ہمیں تمہارا یقین ہے۔ جلدی بتاؤ۔''

بخت بی ایموشنل ہونے کا موقع نہ پاتے ہوئے اس سے زیادہ بدمزہ ہوئی۔ پھر جلدی جلدی اپنا خواب سنانے لگی۔

وہ ایک نیم اندھیر سا منظر تھا۔ بخت بی چلتی ہوئی لاؤنج عبور کر کے گھر کا بیرونی دروازہ کھولتی ہے تو کیا دیکھتی ہے کہ لان میں حورِ جہاں کھڑی ہیں۔ صحت مند۔ تر و تازہ۔ انہوں نے سفید شلوار قمیض پہن رکھی ہے اور ان کے شانوں پہ گلابی اور سرمئی رنگ کی شال ہے۔ بال چوٹی میں بندھے ہیں اور کلائیوں میں ان کے جڑاؤ کنگن جگمگا رہے ہیں۔

''بی بی جی آپ تو فوت ہو گئی تھیں۔ آپ کہاں سے آ گئیں؟'' وہ حیرت سے ان کے قریب جاتی ہے۔

لان میں کھڑی حورِ جہاں نظر اٹھا کے اسے دیکھتی ہیں تو ان کی آنکھوں میں فکرمندی ہلکورے لے رہی ہے۔

''ماہی سے کہو.... گھر کی صفائی کرے۔''

''صفائی؟'' ماہی نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ اور پھر مالا کو۔ وہ بھی متعجب بیٹھی تھی۔

''صفائی تو روز ہوتی ہے۔''

''ماں کا خواب ہمیشہ ایک پیغام ہو گا۔ کوئی راستہ دکھاتا ہوا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''لیکن کہاں کی صفائی؟'' ماہی الجھی ہوئی تھی۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر لہرایا۔

وہ دونوں کافی شاپ میں بیٹھے تھے۔ وہ چبھتی ہوئی خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ سامنے بیٹھا اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

''میں نے آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ ہمیشہ آپ کی حفاظت کی۔ کچھ باتیں آپ کو نہیں بتائیں۔ صرف اس لیے تاکہ آپ پریشان نہ ہوں۔ جیسے اس روز جب ہم نے اسٹوڈیو کی صفائی مل کے کی تھی۔''

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''تب مجھے صفائی کے دوران ایک تعویذ ملا تھا۔ اس پہ چند ہندسے لکھے تھے۔ وہ سرکار کی لکھائی تھی۔ میں اس لکھائی کو پہچانتا ہوں۔ اس کے علاوہ....'' اس کی آواز مدھم ہونے لگی۔ منظر دھندلا گیا۔

''کیف کو اسٹوڈیو کی صفائی کے دوران ایک تعویذ ملا تھا۔'' وہ دھیرے سے بولی تو ماہی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''تعویذ؟ کیا اس عامل نے ہمارے گھر کے اندر تعویذ پھینک رکھے ہیں۔'' اس نے بے اختیار اپنے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ پھر تیزی سے گردن گھما کے قریب کاٹ میں سوتی حور کو دیکھا۔ ''ہم کہاں جائیں یار؟''

''جب میں اسلام آباد سے واپس آئی تو ماں بیمار ہو گئیں۔ مجھے کبھی گھر کی دیکھ بھال کا موقع نہیں ملا۔ ہمیں اپنے گھر کو ایک دفعہ مکمل صاف کرنا ہوگا۔ فرنیچر ہٹا کے۔ ایک ایک چیز ہٹا کے۔ یقیناً ہمارے گھر میں ایک عرصے سے بہت کچھ جمع ہوتا رہا ہے جو ہمیں نظر نہیں آیا۔ بلکہ ایسا کریں' بخت بی۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔ ''ایک دفعہ سارے گھر کا فرنیچر نکال کے گھر کو دھو دیں۔ جادو گندگی میں رہتا ہے۔ گندگی میں نشوونما پاتا ہے۔ صفائی اس کو کم کرتی ہے۔ ہمیں ہر وہ چیز ڈھونڈنی ہوگی جو جادو کی نشانی ہے۔''

باہر کار کا ہارن ہوا تو وہ چونکی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ زیادہ پہنچ گیا تھا۔

''تم جاؤ۔ میں صفائی کروا دوں گی۔'' ماہی آستینیں چڑھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ فضا کا تناؤ خود بخود تحلیل ہو گیا تھا۔

''بڑا آرام کر لیا آپ نے۔ اب اپنی ساری بیٹیوں کو بلائیں۔ آج ہم اس گھر کو اوپر سے نیچے تک صاف کریں گے۔''

بخت بی کا چہرہ اتر گیا۔ جی بی بی کہہ کے آگے بڑھ گئیں۔ کچن میں آئیں اور ایک ایک چیز اٹھا اٹھا کے پٹخنے لگیں۔

اسٹریلائزر میں حور کے فیڈرز ڈالتی ہوئی بانو نے پلٹ کے انہیں دیکھا۔

''کیا ہوا اماں؟''

''مرے ہوئے کا خواب سناؤ تو اولاد انعام دیتی ہے۔ یہاں کام مل گیا۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہی تھیں۔

''تم نے واقعی بڑی بی بی کو خواب میں دیکھا تھا یا انعام کے لیے کہانی بنا دی؟'' بانو مشکوک نظروں سے انہیں

دیکھتی ان کے قریب آئی۔

''کہانی کیوں بناؤں گی؟ اللہ قسم میں نے خواب دیکھا ہے۔'' پھر دائیں بائیں دیکھا۔ اور آواز دھیمی کی۔ ''بڑی بی بی نے مجھے ایک بات اور بھی کہی تھی۔ لیکن میں نے نہیں بتائی۔''

''کیا بات؟'' بانو نے تجسس سے چہرہ قریب کیا۔ بخت بی سرگوشی میں بتانے لگیں۔ بانو کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''خدا کو مانو اماں۔ یہ بات نہ کہہ دینا ماہی باجی سے۔ الٹا ٹانگ دیں گی تمہیں۔''

''ہاں ہاں اسی لیے نہیں بتایا۔'' وہ پلٹ کے برتنوں والے سنک کی طرف بڑھ گئیں۔ ''پہلے کم کام ہیں جو اوپر سے سارا گھر صاف کریں۔ ہونہہ۔''

زیاد کی کار پورچ میں کھڑی تھی اور مالا اس کی طرف بڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ زیاد نے مسکرا کے اسے ہاتھ ہلایا تو وہ بھی مسکرا دی۔

اندر لاؤنج کی کھڑکی میں کھڑی ماہی نے یہ منظر بغور دیکھا تھا' یونہی کوئی کمبخت یاد آیا تھا۔

اس نے موبائل نکالا اور اس کا نمبر ملانے لگی۔ ریسیور کان سے لگایا ہی تھا کہ اس کا گھمبیر ہیلو سنائی دیا۔

''کیسی ہو بینہ؟'' کچھ بدلا ہوا سا تھا اس کی آواز میں۔

''کیسی ہو سکتی ہوں؟ آپ کی وجہ سے میری اپنی بہن سے لڑائی ہو گئی۔'' وہ چھوٹتے ہی خفگی سے بولی۔ جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

''اچھا۔'' اور ایک گہری سانس۔

''آپ نے اس دن کال کی تھی۔ اور مالا نے دیکھ لیا۔''

''میں نے کال نہیں کی۔'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ''شاید کی ہو۔ یاد نہیں۔''

''آپ سو رہے تھے کیا؟ یا طبیعت خراب ہے؟'' ماہی کی نظریں گیٹ پہ جمی تھیں۔ زیاد کی کار باہر نکل رہی تھی۔

''کام کر رہا تھا۔ بتاؤ خیریت سے فون کیا ہے؟'' وہ اکتایا ہوا سا لگتا تھا۔

''آپ نے کہا تھا آپ پاکستان آئیں گے ... ماں کے افسوس کے لیے۔ آپ نہیں آئے۔ اور ہم دونوں نے مل کے اس پزل کو حل کرنا تھا۔'' اس کے انداز پہ ماہی کا لہجہ بھی قدرے رسمی ہو گیا۔

''ابھی نہیں آسکوں گا۔ کچھ ضروری کام کرنے ہیں۔''

''اتنا ضروری کام ہے کہ آپ اپنی زندگی کی سب سے بڑی مسٹری حل کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکے؟ اور آپ نے کبیرہ تائی کی طرف بھی توجہ نہیں دی ہوگی۔ میں بتا رہی ہوں انہوں نے ہی سرکار کو ہائر کیا ہے۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ فی الحال میں کافی پھنسا ہوا ہوں۔ ان باتوں کے لیے وقت نہیں نکال سکتا۔''

''اچھی بات ہے۔ آپ اپنے کام کریں' اور یہاں وہ میری بہن کا دل جیت لے گا۔'' وہ اب جھنجھلا سی گئی تھی۔

''کون؟'' وہ چونکا۔

''میرا ہونے والا بہنوئی اور کون۔'' وہ خفگی سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

''اچھا وہ۔ ٹال' ڈارک اور ہینڈسم۔''

''ویسے وہ آدمی برا نہیں ہے۔ اچھا ہے۔ ڈیسنٹ ہے۔ اس کی شادی کسی اور سے ہو رہی ہے۔ اور مجھے لگتا ہے مالا اب اس کو انکار کر کے پچھتا رہی ہے۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''آپ....'' ماہی نے ضبط سے دانت پیسے۔ ''آپ اپنے کام کریں۔ او کے بائے۔''

بڑبڑا کے فون رکھ دیا اور بخت بی کو آوازیں دینے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روم ۵۵۵ کے اندر سے سارے پھول اس صبح ماہر فرید کے حکم پہ غائب کر دیے گئے تھے۔ جس وقت بیربل فرید اندر داخل ہوا' خالی کمرے نے اس کا استقبال کیا۔ آج لیمپ کی تار فرش پہ نہیں گری تھی بلکہ دیوار پہ نفاست سے چپکائی گئی تھی۔

ماہر اونچے تکیوں پہ سر رکھے لیٹے ہوئے چھت کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔

''کتنی عمارتیں ڈیزائن کر لیں تم نے؟'' بیربل قریب آیا اور ہاتھ میں پکڑا ایک پلندہ میز پہ رکھا۔ اس نے جواباً ایک اکتائی ہوئی نظر بیربل پہ ڈالی اور کچھ تلخ سا کہنے لگا جب چونکا۔ نظریں اس پلندے پہ جا ٹھہریں۔

''یہ تم کہاں سے لائے ہو؟'' چونک کے بیربل کو دیکھا۔ پھر میز کو۔ وہاں پرانی نوٹ بکس کا ایک ڈھیر رکھا تھا۔

''تمہارے لاکر سے۔'' بیربل مسکرا کے اسٹول کھینچ کے سامنے بیٹھا۔

''میرے لاکر کا پاسورڈ کیسے معلوم ہوا؟''

''تمہارے سارے پاسورڈ ہلال کی برتھ ڈے ہوتے ہیں۔'' ساتھ ہی زیرِلب بڑبڑایا۔''سوائے تمہارے فون کے۔''

''اور میرے لاکر سے کتنے پیسے نکالے ہیں؟'' وہ مشکوک نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''توبہ توبہ....'' بیربل کے چہرے پہ صدمہ ابھرا۔''تم مجھے اتنا گھٹیا سمجھتے ہو کہ تم یہاں بیمار پڑے ہو گے اور میں تمہارا لاکر صاف کر دوں گا؟''

''کتنے پیسے نکالے ہیں؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

بیربل نے سر کھجایا۔

''تھوڑے سے....''

''تھوڑے سے نکالے ہیں؟''

''نہیں۔تھوڑے سے پیچھے چھوڑے ہیں۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

ماہر نے تکان سے پیشانی کو چھوا اور آنکھیں بند کیں۔

''کیوں صبح صبح میرا دماغ خراب کرتے ہو بی؟''

''ایک آئیڈیا لایا ہوں۔'' وہ آگے کو ہو کے بیٹھا جوش سے کہنے لگا۔''تم کبھی بھی اتنے بدمزاج نہیں رہے جتنے آج کل ہو گئے ہو۔کیونکہ تم زندگی میں پہلی دفعہ اتنے فارغ ہو کہ تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم کیا کرو۔''

وہ کوفت بھری آنکھوں سے بیربل کو دیکھے گیا۔

''تم کام کا اسٹریس نہیں لے سکتے۔لیکن تم ایک ایسا کام کر سکتے ہو جو تم کئی برس سے کرنا چاہتے تھے۔''

''تمہارا قتل؟''

''نہیں۔'' وہ براما نے بغیر ڈھٹائی سے مسکرایا۔''سرکار کی تلاش۔''

''میں ہسپتال کے کمرے میں قید ہو کے اسے کیسے تلاش کر سکتا ہوں؟''

''تم تین ملکوں میں پھر کے بھی اسے تلاش نہیں کر سکے۔شاید تمہیں اس کو اسی بند کمرے میں تلاش کرنا ہے لیکن اپنے دماغ کے ساتھ۔'' اس نے کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی۔''تمہارا دماغ بہترین دماغ ہے ماہر۔پھر بھی تم اسے تلاش نہیں کر سکے۔کیوں؟''

اب کے وہ قدرے چونک کے بیربل کو دیکھنے لگا۔ماتھے کے بل ڈھیلے ہوتے گئے۔

''کیونکہ تم ہمیشہ اپنا کام ساتھ ساتھ کر رہے ہوتے ہو۔تمہارا دماغ بٹا ہوا ہوتا ہے۔لیکن اب ایسا نہیں ہے۔اب تم فارغ ہو۔بالکل فارغ۔تم اس مسٹری کو حل کر سکتے ہو۔''

ماہر نے ایک نظر میز پہ رکھے پلندے کو دیکھا۔دوسری اس پہ ڈالی۔

''میں اتنے برس سے نہیں جان سکا کہ وہ کون ہے۔اب کیسے جان پاؤں گا؟''

''کیونکہ تم ہمیشہ اسے کہیں دور تلاش کر رہے تھے۔کیا معلوم وہ تمہارے بالکل قریب ہو۔''

(ہسپتال کی مین اینٹرنس سے عبدالمالک فرید داخل ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔سرمئی سوٹ پہنے،جیل لگے براق سفید بالوں اور بے تاثر چہرہ لیے وہ سیدھے لفٹ کی طرف آئے۔)

''کوئی ایسا انسان جو تمہیں بھی جانتا ہو اور کشمالہ کو بھی۔کوئی جو تم دونوں کی زندگیوں میں مشترک ہے،ماہر۔''

(مالک نے جیب سے ٹشو نکالا اور لفٹ کا بٹن پریس کیا۔پھر بند دھاتی دروازوں میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے انتظار کرنے لگے۔لفٹ نیچے آ رہی تھی۔)

''اس نے پہلے ہماری فیملی کو نقصان پہنچایا اور اب وہ کشمالہ کے پیچھے پڑا ہے۔''

(ماہی آستینیں چڑھائے ناک پہ کپڑا لپیٹے اسٹور روم کے باہر کھڑی تھی۔بخت بی،سلیم اور بانو مل کے اس میں سے سامان نکالتے دکھائی دے رہے تھے۔دفعتاً بخت بی کی چیخ بلند ہوئی۔ماہی تیزی سے اندر آئی۔

ایک پرانے کیبنیٹ کے اندر بکرے کا سر رکھا نظر آ رہا تھا جس کی آنکھیں غائب تھیں۔ماہی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھا۔اسے زور کی ابکائی آئی۔)

''سر کار کسی وجہ سے تم سے نفرت کرتا ہے،ماہر۔اسی نے تمہارا ایکسیڈنٹ کروایا ہے۔وہ ایک بہت طاقتور انسان ہے۔اس کے کلائنٹس ساری دنیا میں پھیلے ہیں۔عامل سے عقیدت مرید کے ایمان کا حصہ ہوتی ہے۔وہ اپنے عامل کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔''

(مالک لفٹ میں سوار ہوئے اور ٹشو سے بٹن دبایا۔دروازے بند ہوئے اور لفٹ اوپر جانے لگی۔وہ ہاتھ باندھے کھڑے اسکرین پہ بدلتے نمبرز دیکھنے لگے۔)

''شاید وہ کشمالہ سے بھی نفرت کرتا ہے۔اسی لیے اسے بھی نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔''

(کشمالہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی،ہاتھ میں موبائل پکڑے راستہ بتا رہی تھی۔زیادہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی ہدایت کے مطابق کار کا موڑ کاٹ رہا تھا۔)

''لیکن کیوں؟ وہ تمہارا اور کشمالہ کا دشمن کیوں ہے؟ ہم اب تک نہیں جان پائے۔''

(ماہی لان میں افسردہ سی بیٹھی تھی۔ اس کے قدموں میں ایک چادر بچھی تھی جس کے اوپر چند چیزیں رکھی تھیں۔ بکرے کی سری۔ چند تعویذ۔ ایک گڑیا جس میں سوئیاں چبھی تھیں۔ چند رسیاں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔)

''سر کار ایسا دشمن ہے جو نظر نہیں آتا۔ ہم اس کو کسی پولیس' کسی ٹیکنالوجی کے ذریعے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ ہم اس کو صرف ایک چیز سے ڈھونڈ سکتے ہیں۔ تمہارے دماغ سے' ماہر۔''

(زیاد اور کشمالہ ایک گھر کے باہر کھڑے تھے۔ ساتھ ساتھ بنے ان چھوٹے مکانوں کے گیٹ لوہے کے تھے۔ گلی کچی پکی تھی جس کے کنارے بنی نالیوں سے گٹر کا پانی ابل رہا تھا۔ کشمالہ نے بیل پہ انگلی رکھی۔)

''وہ صرف تم سے ڈرتا ہے کیونکہ صرف تم ہو جو اس کو تلاش کر سکتے ہو۔''

(لفٹ کے دروازے کھلے اور مالک باہر نکلتے ہوئے دکھائی دیے۔ ریسپشنسٹ نے مسکرا کے سلام کیا۔ انہوں نے سر کی جنبش سے جواب دیا۔ چہرہ بے تاثر تھا۔)

''کیسے ڈھونڈوں اس دشمن کو جو نظر نہیں آتا؟'' وہ تلخ ہوا۔ ''کیسے تلاش کروں اس مجرم کو جو جرم کا کوئی سراغ نہیں چھوڑتا؟''

بیر بل نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن اسی وقت دروازہ بنا دستک کے کھلا۔

دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

عبدالمالک فرید چوکھٹ میں کھڑے تھے۔ بیر بل فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ایک طرف ہو کے راستہ دیا۔ مالک اسے دیکھے بنا آگے بڑھے۔ بیڈ کے قریب سے گزرے۔ اور کاؤچ پہ جا بیٹھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ چمکتے سیاہ بوٹ میں کھڑکی سے آتی روشنی کا عکس تھا۔

''کیسے ہو؟'' اس کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تو چہرہ بے تاثر تھا۔

''کیسا لگ رہا ہوں؟'' ماہر نے شانے اچکائے۔

''دو مشینوں کے درمیان میرا کیا کام۔ میں باہر ہوں۔ تمام۔'' وہ کھنکھار کے کہتے ہوئے خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کسی نے اس کو جواب نہیں دیا۔

''ٹھیک لگ رہے ہو۔'' مالک نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ ''ٹانگ ہی ٹوٹی ہے۔ ٹانگیں ٹوٹتی رہتی ہیں۔''

ماہر چند لمحے اس کا برف چہرہ دیکھتا رہا' پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔

''ابا ہوتے تو یہی کہتے۔ ٹانگیں ٹوٹتی رہتی ہیں' ماہر۔''

مالک کے لبوں پہ بھی ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔

''میں پہلے روز نہیں آ سکا کیونکہ مجموعہ الفردان کے ساتھ میٹنگ تھی۔ کئی ماہ کی محنت کے بعد وقت ملا تھا۔''

ماہر نے سمجھنے والے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

''اگر تم وہ میٹنگ چھوڑتے تو میں تمہیں کبھی معاف نہ کرتا۔''

''جانتا ہوں۔'' مالک نے ابرو اچکائے۔ ''قاسم نے بہت محنت کی تھی۔ میں اس کی محنت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔''

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ پھر وہ دھیرے سے بولا۔

''تم نے اس کا ریستوران کیوں بکوایا؟'' اب کے اس نے مالک کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شکوہ تھا۔

''وہ ایک بزنس ڈیل تھی۔ تم نے خود سائن کی تھی۔'' وہاں ہنوز اطمینان تھا۔

''لیکن تم نے مجھے نہیں بتایا کہ یہ اسی کا ریستوران تھا۔ تم نے پوری کوشش کی کہ میں یہ بات نہ جانوں۔''

''ہاں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔'' عبدالمالک فرید نے اسی لاپرواہ انداز میں شانے اچکائے۔

''کیوں؟ میں تمہیں الزام نہیں دے رہا۔ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اس کی جاب کرتے ہوئے جذبات کو درمیان میں لاؤ۔ اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ ہم نے اس کا ریستوران بیچا ہے تو تم گلٹی فیل کرتے۔ جذبات درمیان میں آ جاتے اور جذبات بہت ظالم چیز ہوتے ہیں۔ سب خراب کرتے ہیں۔ لیکن....'' مالک نے ایک افسوس بھری سانس کھینچی۔

''لیکن تم پھر بھی جذبات کو درمیان میں لے آئے۔ اسی لیے تم آج تک یہ مسٹری حل نہیں کر سکے۔'' انہوں نے میز کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کی پرانی نوٹ بکس رکھی تھیں۔

وہ سنجیدگی سے مالک کو دیکھے گیا۔

''تم کشمالہ کو کیسے جانتے تھے؟ یہ مت کہنا تم اسے نہیں جانتے تھے۔ تم اس روز اس سے خود ملنے نہیں گئے۔ بیربل کو بھیجا۔ کیونکہ....'' وہ بغور مالک کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''کیونکہ تم اس سے مل چکے تھے۔ تم نہیں چاہتے تھے کہ وہ تمہیں ماہر فرید کے حوالے سے جانے۔'' وہ یاد کر رہا تھا۔ مالک خاموشی سے اسے سنے گئے۔

''جب میں نے البم تمہیں دکھائی تھی' تم نے خود آفر کی کہ تم اس لڑکی کو ڈھونڈ دو گے۔ اور پھر تین دن میں تم نے

اس کو ڈھونڈ نکالا۔تم اسے پہلے سے جانتے تھے نا۔ مجھے اس وقت کیوں نہیں بتایا؟''

''جیسا کہ میں نے کہا ... میں جذبات کو درمیان میں نہیں لانا چاہتا تھا۔''

''کس کے جذبات' مالک؟ میرے یا تمہارے؟'' وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اس کی سرد آنکھیں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مالک نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔''تم آرام کرو، میں زارا کی طرف جا رہا ہوں۔'' پھر رک کے پوچھا۔''کیا وہ تم سے ملنے آتی رہتی ہے؟''

''ہوں۔'' وہ کسی اور دھیان میں تھا۔اس کے لہجے پہ غور نہیں کیا۔ مالک دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ناب گھما کے کھولا۔ پھر وہیں رکے۔

ایک لمحہ ایسے ہی گزرا۔

''یہ وہ ہوتا ہے جسے جرم کا سب سے زیادہ فائدہ ہو۔''

''ہوں؟ کیا؟'' ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔

ڈور ناب پکڑے مالک فرید نے مڑ کے اسے دیکھا۔

''میں اندر آیا تو تم بیربل سے پوچھ رہے تھے کہ ایسے مجرم کو کیسے تلاش کیا جائے جو جرم کا ثبوت نہیں چھوڑتا؟''

انہوں نے وقفہ دیا۔

''یہ وہ ہوتا ہے ماہر' جس کو جرم کا سب سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔تمہارا دشمن وہ ہے جس کو....'' اس کی پلستر لگی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔''اس کا سب سے زیادہ فائدہ ہوا ہے۔''

وہ یہ کہہ کے رکے نہیں۔باہر نکلے اور اپنے پیچھے دروازہ آہستہ سے بند کر دیا۔

وہ الجھ کے اس کی بات پہ غور کرنے لگا۔اسی پل دروازہ دوبارہ کھلا اور سسٹر ایک ٹرالی لیے اندر آئی۔

''آپ کے انجیکشن کا وقت ہو گیا ہے۔'' وہ مسکرا کے کہتی آگے آئی۔ پھر مڑ کے اس لیمپ کو دیکھا۔

''تار دوبارہ نیچے گرا دوں؟'' اس نے مسکرا کے سرگوشی کی۔

''کیا فائدہ؟ یہ لوگ پھر بھی آتے رہیں گے۔'' تلخی سے سر جھٹکا۔ پھر میز پہ رکھی نوٹ بکس کو دیکھنے لگا۔اس کی آنکھوں میں سوچ کی لکیریں ابھر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکور کا گھر ایک تنگ گلی میں تھا۔ کئی جگہوں سے نالیاں ٹوٹی ہوئی تھیں اور گٹر کا پانی باہر ابل رہا تھا۔ زیاد احتیاط سے کار آگے بڑھا رہا تھا۔ وہ کبھی کچے پکے راستے کو دیکھتی' کبھی اس کے چہرے کو۔

''سوری۔ میری وجہ سے آپ کو کیسی کیسی جگہوں پہ جانا پڑ رہا ہے۔''

''کیا میں آپ کو اتنا نازک لگتا ہوں کہ ایسی جگہوں پہ جانے سے ناک بھوں چڑھاؤں گا؟'' اس نے خفگی سے مالا کو دیکھا۔ ''میں صرف آپ کے لیے فکرمند ہوں۔ آپ ایسی جگہوں پہ تنہا آتیں تو مجھے پریشانی رہتی۔''

''میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔'' وہ زیرِلب مسکرائی لیکن بظاہر لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''میری ماں بھی ہر وقت یہی کہتی ہیں۔ مانتا ہوں آپ خواتین بہت بہادر اور خودمختار ہیں لیکن ہر جگہ عورتوں کے اکیلے جانے والی نہیں ہوتی۔'' اس نے کار ایک سبز گیٹ کے سامنے روکی۔

''کیا آپ کو شکور سے ملنے میں کوئی فائدہ نظر آ رہا ہے؟'' وہ بغور اس کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''میں اس سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ وہ یہ کیوں کر رہا ہے؟''

''اول تو وہ مانے گا نہیں۔ اور اگر مان بھی گیا تو رکے گا نہیں۔ کہیں آپ کسی نئے خطرے میں نہ پڑ جائیں۔''

''اب پیچھے مڑنے کا وقت نہیں ہے۔'' وہ سیٹ بیلٹ کھولنے لگی۔ نظریں سبز گیٹ پہ جمی تھی۔

''اپنی لوکیشن ماہی اور معید کو بھیج دیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں۔'' وہ احتیاطاً بولا تو وہ بے اختیار مسکرا دی۔

''آپ کی حفاظت کے پیشِ نظر کہہ رہا ہوں۔''

''جانتی ہوں۔'' وہ اسے سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ یونہی زبان سے پھسلا۔

''شادی کی تیاریاں کہاں پہنچیں؟'' لہجے کو سرسری بنایا۔

''پھپھو نے کچھ شرائط رکھی ہوئی ہیں۔ پہلے وہ پوری ہوں گی۔ پھر معاملہ آگے بڑھے گا۔'' اس کے لہجے میں تلخی سی تھی۔ مالا نے بغور اسے دیکھا۔

''کیا آپ خوش ہیں اس شادی سے؟''

زیاد سلطان نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور زخمی سا مسکرایا۔

''خوش تو میں صرف ایک انسان کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ اب تو بس زندگی گزارنی ہے۔ اپنے ماں باپ کی خوشی کے لیے۔'' کچھ تھا اس کی آواز میں جو دل کو اداس کر دینے والا تھا۔ پھر وہ کہہ کے رکا نہیں۔ دروازہ کھول کے باہر نکل

گیا۔

گیٹ دوسری گھنٹی پہ ہی کھل گیا۔ایک مخنی سے نوجوان نے باہر جھانکا۔اس کی سیاہ مونچھیں تھیں اور وہ زرد شلوار میں ملبوس تھا۔

''کیا یہ شکور کا گھر ہے؟'' وہ جلدی سے بولی۔

وہ چند لمحے تعجب سے اسے دیکھتا رہا۔''میں شکور کا بیٹا ہوں۔''

''ہم اندر آ کے کچھ بات کر سکتے ہیں؟''

اس نے تحیر سے ان دونوں کو دیکھا۔ایک سوئیٹر میں ملبوس لڑکی جس کے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے اور اس کے ساتھ کھڑا دراز قد آدمی۔وہ دونوں منتظر سے اسے دیکھ رہے تھے۔نوجوان نے ایک طرف ہٹ کے راستہ چھوڑ دیا۔

وہ اپنی نیوڈ ہیلز سے احتیاط سے اونچے نیچے فرش پہ قدم رکھتی آگے چلتی آئی۔اسمیل بہت شدید آ رہی تھی لیکن وہ ناک پہ ہاتھ رکھ کے بدتہذیبی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔

سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا اور اس کے آگے کمرے بنے تھے۔باہر ایک طرف سنک لگا تھا جس کے نیچے بہت سا گٹر کا پانی کھڑا تھا۔غالباً پیچھے کوئی باتھ روم تھا جس کا ڈرین ایج سسٹم بند پڑا تھا۔اسے متلی سی ہونے لگی۔

نوجوان ان کو ایک بیٹھک نما کمرے میں لے آیا جہاں میلے کور والے صوفے رکھے تھے اور ساتھ ایک چارپائی بچھی تھی۔

زیاد اس کے برعکس آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے جانچتی نظروں سے اس نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا بات کرنی ہے آپ کو؟''

کمرہ قدرے تاریک تھا۔وہ دونوں سنگل صوفوں پہ ساتھ ساتھ بیٹھ گئے اور وہ ان کے سامنے چارپائی کے کنارے پہ بیٹھا۔

''شکور کہاں ہے؟'' زیاد ہنوز مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

نوجوان نے ایک دفعہ پھر باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

''میرا باپ شکور؟'' تعجب سے پوچھا۔

''ہاں۔اس کو بلاؤ۔کہو اس کے اسکول سے کچھ لوگ ملنے آئے ہیں۔''

''اس کو تو مرے ہوئے سات آٹھ سال ہو گئے ہیں' صاب جی۔''

وہ دونوں جہاں تھے' وہیں رہ گئے۔ ساکت۔ ششدر۔

''شکور مر چکا ہے؟'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

''کب کا۔ تسی لیٹ ہو گئے او۔'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ ایسی ہنسی جس میں تمسخر تھا۔ تلخی تھی۔

''شکور کی موت کیسے ہوئی؟'' پھر وہ جلدی سے بولی۔ ''بہت.. بہت افسوس ہوا۔''

''اصل میں جب میرے ابو کو اسکول کی جاب سے نکالا گیا تو...''

''تو وہ مڈل ایسٹ چلا گیا تھا اور وہاں نوکری کرتا تھا۔ معلوم ہے۔'' کشمالہ نے جلدی سے اس کا فقرہ مکمل کیا۔ لمحے بھر کو چہرہ پھیکا پڑا تھا۔

زیاد نے نگاہوں میں اس کو ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا۔ ادھر نوجوان کہے جا رہا تھا۔

''جی۔ اس کی اسکول والی نوکری کے جانے کے بعد ہمارے حالات بہت خراب...''

''وہ سب مجھے معلوم ہے۔'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس واقعے کا دوبارہ ذکر کرے۔

''اس کی موت کیسے ہوئی؟''

''ہارٹ اٹیک ہوا تھا جی۔ لیکن آپ کیوں آئے ہو؟''

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ سارے سوال اور جواب ختم ہو گئے تھے۔

''میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔'' نوجوان خود ہی باہر نکل گیا۔

''اگر شکور مر چکا ہے تو...'' اس کے جاتے ہی زیاد کے لب حرکت کیے۔

''تو وہ عامل نہیں ہے۔ لیکن پھر مجھے اس کا چہرہ کیوں دکھائی دیا؟''

''شاید وہ آپ کا گلٹی کانشنس ہے؟''

کشمالہ کی نظریں جھک گئیں۔ سینے میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔

نوجوان واپس آ کے بیٹھا تو ہاتھ میں چائے کی پیالیاں تھیں۔ ایک پیالی کا ہینڈل ٹوٹا ہوا تھا۔ اس نے ٹرے سامنے رکھی تو وہ بے اختیار چائے کو دیکھنے لگی۔ یہ کڑک چائے نہیں تھی۔ نہ ہی ساتھ نان خطائی تھی۔ پھر بھی چارپائی' گاؤ تکیے' اور اندرونِ لاہور نے ایک ساتھ کچھ یاد کروایا تھا۔

''میں اسکول کی طرف سے ایک رپورٹ لکھ رہی ہوں تو مجھے تمہاری مدد چاہیے۔''اس نے سوئیٹر کی جیب سے ننھی سی نوٹ بک اور پین نکالا اور سرسری سا سوال کیا۔

''کیا شکور کوئی اور کام بھی کرتا تھا؟ یعنی دم درود ... تعویذ والا کام۔''

''نہ جی۔میرا باپ بڑا نیک تھا۔''لڑکا بدک کے بولا۔''پانچ وقت کا نمازی تھا۔اور یہ دم درود تو سراسر جادو ہوتا ہے۔''اسے جیسے یہ بات بری لگی تھی۔

''تمہیں کیا معلوم؟ تم پردیس میں اس کے ساتھ ہوتے تھے کیا؟''زیادنے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تو نوجوان کے ماتھے کی تیوری چڑھ گئی۔

''وہ ہمیشہ اللہ رسول کا نام لیتا تھا۔میرا باپ ایسے کاموں میں ملوث نہیں تھا۔اور نہ وہ چور تھا۔اس کو کسی نے غلط الزام میں اسکول سے نکلوایا تھا۔''

نوجوان اب تیز تیز بول رہا تھا۔دکھ سے۔احساس محرومی سے۔وہ شکور کے ماضی کے بارے میں چند باتیں بتا رہا تھا۔وہ سر جھکائے غائب دماغی سے انہیں لکھتی گئی۔ناک ابھی تک بو کی عادی نہیں ہو پا رہی تھی۔

''تم کیا کرتے ہو؟''زیاد کی مشتبہ نظریں نوجوان پہ جمی تھیں۔دونوں نے چائے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''محلے میں کریانے کی دکان پہ بیٹھتا ہوں۔کسی سے بھی پوچھ لو۔''

اسی وقت باہر سے کسی نے آواز دی۔''کمیٹی والے گٹر صاف کرنے آئے ہیں۔''نوجوان کے اٹھنے سے پہلے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلیں یہاں سے۔شکور وہ آدمی نہیں ہے۔''بدبو ایک دم شدید ہو گئی تھی۔اس نے ناک پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''چند سوال اور پوچھ لیتے ہیں۔''زیاد ابھی تفتیش جاری رکھنا چاہتا تھا لیکن اس کو ابکائی سی آنے لگی۔

''کوئی فائدہ نہیں۔میرا خواب جھوٹا تھا۔''اس نے تلخی سے کہتے ہوئے ڈائری اسی صفحے سے موڑ کے جیب میں گھسا دی۔ڈائری جیب سے بڑی تھی۔اس کا کونا باہر سے جھلکنے لگا۔وہاں مالا کی لکھائی میں شکور کے بیٹے کی کہی بات دکھائی دے رہی تھی۔

''خاندان والے ہمیشہ میرے باپ کا مذاق اڑاتے تھے کیونکہ...''اگلے الفاظ جیب کے اندر آنے کے باعث چھپ گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیر بل فرید مسکراتے ہوئے ہسپتال کاریڈور میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ہاتھ میں ایک پھولوں کا گلدستہ تھا۔ چوکھٹ پہ رک کے اس نے چہرہ جھکا کے گلدستہ سونگھا۔ پھر مسکرا کے دروازہ کھولا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آج اس کی وجہ وہ تار نہیں تھی۔

کمرے کی وہ دیوار جو ماہر کے بیڈ کے سامنے تھی' اور شیشے کی اونچی کھڑکی' دونوں اس وقت کاغذوں سے بھری نظر آرہی تھیں۔ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھا ماہر فرید کئی روز بعد ہشاش بشاش نظر آیا تھا۔ اس کی نوٹ بکس پھیلی تھیں اور وہ صفحے پھاڑ پھاڑ کے شبنم کو پکڑا رہا تھا۔

''اس کو وہاں لگاؤ۔ نہیں اس کے اوپر۔ ہاں ادھر۔'' وہ اس کی ہدایت کے مطابق صفحات چسپاں کر رہی تھی۔

بیر بل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ چھوٹے قدموں سے چلتے ہوئے وہ آگے آیا۔ گردن دائیں بائیں موڑ کے ایک ایک کاغذ کو دیکھا۔ پھر اسے جو اب ایک دوسری نوٹ بک کھول رہا تھا۔

''یہ کیا ہے' ماہر؟''

ماہر نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ ہسپتال کی سفید اور نیلی شرٹ پہنے' بال ماتھے پہ بکھیرے' بڑھی شیو والا آدمی مسکرایا۔ گال پہ لگے زخم کا نشان ویسا ہی تھا۔ البتہ آنکھوں کے گرد نیل مندمل ہو رہے تھے۔

''وہی جو تم نے کہا تھا۔''

''میں نے کہا تھا مسٹری حل کرو۔ یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہسپتال کا کمرہ خراب کر دو۔ جرمانہ کر دیں گے وہ۔'' اس نے پھول میز پہ رکھے اور خفگی سے کہتا بیڈ کی پائنتی کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''کیا میں نے تم سے رائے مانگی ہے؟'' وہ اب قلم سے ایک نوٹ بک پہ نشان لگا رہا تھا۔

''مانگی ہوتی تو آج یہ حال نہ ہوتا۔'' بیر بل نے پریشانی سے اسے دیکھا اور پھر دیوار پہ لگے کاغذوں کو۔

''ماہر تم ٹھیک ہو؟''

جواباً شبنم نے گھور کے اسے دیکھا۔ ''ماہر بے ٹھیک ہیں۔ بس میری ہمت جواب دینے والی ہے۔''

''جانتی ہو نئی سیکرٹری ڈھونڈنا کتنا آسان ہوتا ہے؟'' سر جھکائے بولا تو شبنم نے ناک سکوڑا۔

''آج آپ ڈھونڈ ہی لیں نئی سیکرٹری۔ کیونکہ میں استعفیٰ دے رہی ہوں۔''

''تمہارے کانٹریکٹ کے مطابق تم دو ماہ کا نوٹس دیے بغیر استعفیٰ نہیں دے سکتیں۔ اس لیے یہ لو..'' ایک اور کاغذ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھایا۔ ''اور اسے اوپر لگاؤ۔ ہاں شاباش۔''

''یہ سب ہے کیا؟'' بیربل نے اس کے قریب اسٹول کھینچا اور اس پہ بیٹھتے ہوئے ناسمجھی سے ان کاغذوں کو دیکھا۔

''یہ ایک اسٹوری map ہے۔ ہر وہ پیرانارمل ایکٹیویٹی جو آج تک میرے ساتھ ہوئی ہے وہ میں نے ان نوٹ بکس میں لکھ کے رکھی تھی۔'' کمر تکیوں سے لگائے وہ ان کاغذوں سے بھری دیواروں کو دیکھتے ہوئے بتا رہا تھا۔انداز بالکل نارمل تھا۔

''میں ان سب کو اپنے سامنے رکھ کے وہ ڈھونڈنا چاہ رہا ہوں جو ہمیشہ نگاہ سے اوجھل ہوتا رہا ہے۔''

''مجھے بھی سناؤ یہ اسٹوری۔اور شبنم...'' بیربل پیچھے ہو کے بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔''میری ریگولر کافی پلیز۔''

اس نے خلافِ توقع جلدی سے ''تمام تمام'' کہا' کاغذ اور ٹیپ رکھی۔اور پرس اٹھائے باہر کی طرف بھاگی۔

''کشمالہ اور میری کہانی اوشن کی فروخت سے ایک ہفتہ پہلے شروع ہوئی تھی۔ جب ہم چاروں اس ہوٹل سویٹ میں اکٹھے ہوئے تھے۔اس وقت میں اس عامل کو ڈھونڈ رہا تھا جو کشمالہ کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔''

اس نے دیوار پہ سب سے اوپر کر کے لگائے گئے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔

''پھر؟''

''لیکن سرکار بہت شاطر تھا۔وہ پہلے دن سے میری ہر حرکت سے آگاہ تھا۔اس نے کشمالہ پہ لفٹ میں حملہ کروایا اور میرا ایکسیڈنٹ کروایا۔تاکہ وہ ماہر فرید تک پہنچ جائے اور یوں وہ مجھے اپنی زندگی سے نکال دے۔وہ ہمیشہ سے مجھے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔''

''ہوں... آگے؟'' اب کے بیربل نے جمائی روکی۔وہ یہ سب پہلے سے جانتا تھا۔

''میں کشمالہ کے قریب کسی ایسے شخص کو ڈھونڈ رہا تھا جو جادو میں ملوث ہو۔اور تب مجھے کبیرہ سادان کے بارے میں علم ہوا۔''

''اور پھر تم اس کے عامل سے ملے' اور اسے کہا کہ اب وہ کبیرہ کے لیے کسی پہ جادو نہیں کرے گا۔'' بیربل نے جلدی سے بات مکمل کی۔پھر وہ چونکا۔''لیکن یقیناً وہ کسی نئے عامل کے پاس چلی گئی ہوگی۔مارکیٹ میں عامل کم ہیں کیا؟''

''ہاں۔وہ واحد بارڈر کے پاس ایک عامل کے پاس جاتی ہے۔'' وہ کاغذوں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم؟''

ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بے نیازی تھی۔

''کیونکہ اسے اس نئے عامل کے پاس میں نے بھیجا تھا۔''

بیربل فرید کے چہرے پہ حیرت بھری مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک در آئی۔

''ایک منٹ ایک منٹ... یہ تم نے کیسے کیا؟'' وہ بالکل سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔ ساری بوریت غائب ہو گئی۔

ماہر نے گہری سانس لی۔ اور ہلکے سے شانے اچکائے۔

''میں اس کے عامل پیٹر مسیح سے ملا اور...''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''دیکھو میرے ساتھ بدتمیزی مت کرنا۔ ورنہ میرے موکل...''

پیٹر مسیح نے ایک خوفزدہ نظر اس شخص پہ ڈالی جو خود کو کیف کہلاتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ میز کے کونے پہ آگے ہو کے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں تم سے جو پوچھنے جا رہا ہوں' اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دینا۔'' وہ پستول ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔ اس کا ملاقاتی تیاری سے آیا تھا۔

''پپ .... پوچھو..''

ماہر نے موبائل اسکرین اس کے سامنے کی۔ اس پہ ایک گھنگھریالے بالوں والی بچی مسکرا رہی تھی۔

''یہ کہاں ہے؟''

پیٹر مسیح کی نظریں بچی پہ جھکیں۔ پھر اس نے واپس ماہر کو دیکھا تو آنکھوں میں لاعلمی تھی۔

''میں اسے نہیں جانتا۔''

وہ چند لمحے بالکل خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھے گیا۔

''میں واقعی نہیں جانتا۔ مجھ سے قسم لے لو یا...''

''تم واقعی نہیں جانتے۔'' اس کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔ وہ جانتا تھا وہ سچ کہہ رہا ہے۔

''تم اسے ڈھونڈ رہے ہو؟'' صوفے میں دھنسے بیٹھے پیٹر مسیح نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''اگر تم کہو تو میں...'' آواز دھیمی کی... ''اس کا پتہ کروا سکتا ہوں۔''

''مجھے اپنے کاموں کے لیے تمہارے جنات کی ضرورت نہیں ہے۔''اس نے پستول پیٹر کے گھٹنے پہ رکھا۔اس کے آگے سائلنسر لگا ہوا تھا۔

''کیا... کیا کر رہے ہو؟''

''میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔صرف گھٹنوں میں گولی ماروں گا۔تم زخمی ہو گے۔اور چند ماہ ہسپتال میں رہو گے۔''وہ اس کے اوپر جھک کے دھیرے سے بولا۔''اور زخمی عامل کسی کام کا نہیں رہتا۔کوئی جادو ٹوٹی ہڈی نہیں جوڑ سکتا۔نہ جادوگر اپنا دھندا چلا سکتا ہے۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟''اس نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔

''کبیرہ تمہارے پاس کیوں آتی ہے؟''

''ایسے پوچھو نا۔''پیٹر نے چند گہرے گہرے سانس لیے۔''اس کو اپنی بیٹی کا رشتہ ایک زیادنام کے لڑکے سے کروانا ہے۔اور اسے اپنی ایک رشتے دار کی بیٹی ماہ بینہ کا بچہ ضائع کروانا ہے۔''

''اور؟''

''اور ہاں...''وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔''ماہ بینہ کی ماں حورِ جہاں کی حالت کا بھی پوچھتی ہے کہ ٹیومر کتنا پھیل گیا ہے۔وہ بیمار ہے نا تو....''

ماہر کے ابرو اچھنبے سے اکٹھے ہوئے۔

''پوچھتی ہے؟''

''ہاں۔وہ جاننا چاہتی ہے کہ وہ بچے گی یا نہیں۔''اس نے آواز مزید دھیمی کی۔''کسی نے حورِ جہاں پہ بہت سخت جادو کر رکھا ہے۔''

وہ دھیرے سے پیچھے ہوا۔آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں۔

''کسی نے؟ کیا کبیرہ تمہارے پاس حورِ جہاں پہ جادو کروانے نہیں آتی؟''

پیٹر مسیح نے پہلے ناسمجھی سے اسے دیکھا'پھر تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں نہیں۔حورِ جہاں کو میں نے بیمار نہیں کیا۔نہ ہی کبیرہ نے ایسا کروایا ہے۔اسے کسی اور نے بیمار کیا ہے۔ناسود کا سخت ترین جادو ہے۔وہ نہیں بچ پائے گی۔کبیرہ تو بس اس کی حالت پوچھ کے مزہ لیتی ہے۔''

''اور کشمالہ؟''اس نے بغور اس کو دیکھا۔''اس پہ کون عمل کر رہا ہے۔''

''ہم نہیں کر رہے۔کوئی اور کر رہا ہے۔ہم دوسرے کے کام میں مداخلت نہیں کرتے ورنہ ہم پہ اثر آ سکتا ہے۔دیکھو جو میں کرتا ہوں وہ بتا دیا ہے۔جو نہیں کرتا اس کا الزام مجھے نہ دو۔وہ صرف ماہ بینہ کے بچے اور اپنی بیٹی کے رشتے کا جادو چاہتی ہے۔''

''انٹرسٹنگ۔یعنی کبیرہ وہ نہیں ہے جو ہم سمجھ رہے تھے۔''وہ بڑبڑایا۔پھر سر جھٹک کے مایوسی سے اسے دیکھا۔''تم سرکار نہیں ہو۔اینی ویز...''اس نے اگلا لائحہ عمل بتانا شروع کیا۔

''تم اب کبیرہ کے کہنے پہ کسی پہ جادو نہیں کرو گے۔''

''اس سے کیا ہوگا؟وہ مجھے چھوڑ کے کسی اور کے پاس چلی جائے گی۔''

''ہاں۔اور اس کسی اور کے پاس اسے تم بھیجو گے۔''وہ اب دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔''تم یقیناً اس کی کسی دوست یا قریبی شخص سے واقف ہو گے۔''

''ہاں ہاں۔اس کا آدھا سوشل سرکل میرے پاس آتا ہے۔''پیٹر مسیح نے پہلی دفعہ دانت نکالے۔پھر اس کے تاثرات دیکھ کے اندر کر لیے۔

''تم کسی کے ذریعے اس تک ایک کہانی پہنچواؤ گے۔واہگہ بارڈر پہ بیٹھے ایک بہت شاطر عامل کی کہانی جس کا کوئی عمل ناکام نہیں ہوتا۔''

''واہگہ بارڈر پہ کون بیٹھا ہے؟''وہ چونکا۔

''جو بیٹھا ہے وہ جادوگر نہیں ہے۔میرا دوست ہے۔اور تم کبیرہ کو اسی کے پاس بھیجو گے۔میں تمہیں اس کے لیے پیسے بھی دوں گا۔اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو...''اس نے پستول کی نال اس کے گھٹنے پہ دبائی۔پیٹر مسیح نے ہاتھ جلدی سے اٹھا دیے۔

''میں ایسا ہی کروں گا۔لیکن اگر وہ جادوگر نہیں ہے تو وہ چند ماہ میں اسے چھوڑ کے کسی اصلی عامل کے پاس چلی جائے گی۔''

''مجھے بس چند ماہ تک اسے مصروف رکھنا ہے۔سمجھ گئے؟''

پیٹر مسیح نے سر ہلا دیا۔پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا۔

''میں اس لڑکی کو ڈھونڈ سکتا ہوں۔اگر تم چاہو تو۔''

''کہا نا۔مجھے تمہارے جنات سے کام نہیں کروانے۔میں اسے خود ڈھونڈ لوں گا۔''وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم کہہ رہے ہو کہ کبیرہ ہماری ولن نہیں ہے؟ No way۔'' بیربل بدمزہ ہو کے پیچھے ہو بیٹھا۔

''وہ ایک گناہگار عورت ہے۔ لوگوں پہ جادو کرواتی ہے۔ لیکن یہ جادو اس نے نہیں کیا۔ یہ سرکار نے کیا ہے۔'' وہ پھر سے سر اٹھا کے اپنے کاغذوں کو دیکھنے لگا۔

''تم نے یہ بات کسی اور کو بتائی ہے؟''

''نہیں۔ اس کی بہن ہمیشہ کبیرہ پہ شک کرتی ہے۔ لیکن وہ جذباتی سی لڑکی ہے۔ میں ایسی بات اس کو نہیں بتا سکتا تھا۔''

''لیکن تم نے مجھے بتا دیا۔'' بیربل فرید طمانیت سے مسکرایا۔ ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیونکہ مجھے اس وقت صرف تم دستیاب ہو۔''

لیکن بیربل کی مسکراہٹ کم نہیں ہوئی۔ وہ دلچسپی سے اب دیوار پہ لگے کاغذوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر کبیرہ سرکار کی کلائنٹ نہیں ہے تو پھر وہ یہ کیوں کر رہا ہے؟''

''یہی میں نہیں سمجھ پایا۔ وہ کشمالہ کو کیوں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔''

''تم مزید کیا جانتے ہو سرکار کے بارے میں؟''

''یہی کہ وہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔'' وہ سوچ سوچ کے بتانے لگا۔ ''سر پہ نارنجی رومال پہنتا ہے۔ اور اس کے بازو پہ ایک نشان ہے۔''

ماہر نے اپنے بازو پہ کہنی سے اوپر انگلی رکھی۔ ''اس جگہ پہ۔''

''مزید کچھ؟''

''یہ کہ وہ بہت طاقتور ہے۔ بہت اثر و رسوخ ہے اس کے پاس۔ کسی وجہ سے وہ اپنی شناخت چھپاتا ہے۔ جیسے اپنے سامنے آنے پہ اس کو بہت کچھ کھونے کا ڈر ہو۔''

اتنے دن سے چھائی اکتاہٹ اور بےزاری اب عنقا ہو چکی تھی۔ وہ بس خاموشی سے سامنے لگے کاغذوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان پہ مختلف تاریخیں اور الفاظ لکھے تھے۔ جیسے نوٹس لیے گئے ہوں۔ عربی اور انگریزی کے ملے جلے الفاظ جنہیں صرف وہی سمجھ سکتا تھا۔

''تم اسے ڈھونڈ لو گے، ماہر۔ صرف تم ہو جو اسے ڈھونڈ سکتے ہو۔'' بیربل نے بہت مان سے کہا تو وہ ہلکا سا

مسکرایا۔

''تمہیں لگتا ہے میں اسے ڈھونڈ لوں گا؟''

''نہیں۔صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے کہہ رہا ہوں تا کہ کمرے کا ماحول اچھا رہے۔''

وہ دھیرے سے ہنسا تو بیربل بھی ہنس دیا۔

''میں نے اس دن سنا تھا جو تم کہہ رہے تھے۔'' چند ثانیے بعد وہ بولا تو آواز ہلکی اور نظریں کھڑکی پہ تھیں۔''میں جانتا ہوں تم مجھ سے کبھی جیلیس نہیں ہو سکتے۔لیکن میں نے کبھی تمہاری بیکری کے لیے کوئی بڑا آرڈر نہیں بھیجا نہ کسی کارپوریٹ دوست سے تمہاری سفارش کی ہے۔تم ایک اچھے بیکر ہو۔اگر تمہیں کوئی آرڈر ملتا ہے تو تمہارے اپنے ٹیلنٹ کی وجہ سے ملتا ہے۔''

بیربل مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔

''او کے۔کرلیا میں نے یقین۔'' ساتھ ہی ہنس کے سر جھٹکا۔جیسے وہ ماہر کو جانتا نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کے سارے کمرے دھلے دھلائے لگ رہے تھے۔کئی جگہوں پہ گیلا پانی نظر آرہا تھا جو سردی کے باعث سوکھا نہیں تھا۔

آج گھاس پہ ہلکی سی دھوپ نکلی تھی اور ماہی اس دھوپ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تین روز سے جاری صفائی مہم کا اختتام کر رہی تھی۔

وہ باہر آئی تو لان میں چیئر پہ بیٹھی، زیرلب مسلسل لاحول پڑھتی ماہی نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔پھر اس کا چہرہ روہانسا ہو گیا۔

''اتنے عرصے سے ہم ان چیزوں کے ساتھ رہ رہے تھے۔دیکھو ذرا۔''

ماہی کے قدموں کے پاس ایک شیٹ بچھی تھی، جس پہ بخت بی اور بانو چند چیزیں رکھ رہی تھیں۔وہ انہیں ڈر ڈر کے کپڑے سے ہاتھ لگا رہی تھیں جیسے ان میں چھوت کا مرض ہو۔

بکرے کا سر۔کسی جانور کے کٹے ہوئے سینگ۔مرا ہوا الو۔چند تعویذ۔ایک گڑیا۔یہ چیزیں ایسی جگہوں سے ملی تھیں جہاں سے روز صفائی ہوتی تھی۔

''باجی یہ جنات ڈال جاتے ہیں۔یہ نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔'' بخت بی نے اپنا حصہ ڈالا۔

''آپ نے کبھی ڈھنگ سے صفائی کی ہوتی تو پہلے نظر آ جاتیں۔ ماں بیمار کیا ہوئیں' آپ بھی ست ہو گئیں۔''

بخت بی کو تین دن سے ماہی سے ڈانٹ ہی پڑ رہی تھی۔ وہ پہلو بدل کے رہ گئیں۔ اندر ہی اندر اپنا خواب سنانے پہ شدید پچھتا رہی تھیں۔ شکر ہے وہ دوسری بات نہیں بتا دی۔ ماہی نے تو اس کی جان نکال دینی تھی۔

''ان کا اب کیا کریں بی بی؟'' ایک طرف کھڑے سلیم نے خائف انداز میں پوچھا۔

''ان کو پانی میں ڈالنا ہوگا۔'' وہ لان کی گھاس پہ چلتی ہوئی آگے آئی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا اور آنکھوں میں جیسے مایوسی سی تھی۔

''پانی میں؟'' ماہی نے ابرو اٹھایا۔

''ہاں۔ کیونکہ جادوئی چیزیں آگ کی تاثیر رکھتی ہیں۔ ان کو ہمیشہ پانی میں ڈال کے ٹھنڈا کرتے ہیں تاکہ ان کا اثر ختم ہو جائے۔ اور پھر بہا دیتے ہیں۔ یہ بے اثر ہو جائیں گی۔''

وہ اس کے ساتھ ایک لان چیئر پہ بیٹھی۔ چہرے پہ تفکر تھا اور آنکھیں دھوپ کے باعث چندھیا رکھی تھیں۔

''کچھ معلوم ہوا؟'' ماہی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ زندگی ایک دفعہ پھر بند گلی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

''باجی ...وہ ویسے ہمارے علاقے میں ایک بابا رہتا ہے۔ بابا چھڑی والا۔ اس سے پوچھو تو چند منٹوں میں بتا دیتا ہے کہ جادو کب اور کس نے کیا۔ اگر آپ کہیں تو میں اس سے بات کروں؟'' بانو نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

ماہی نے ایک بے بسی بھری نظر ان چیزوں پہ ڈالی۔ اور مالا کو دیکھا۔

''کیا ہم کسی سے پتہ نہیں کروا سکتے کہ یہ جادو کون کر رہا ہے؟''

''ہمیں ہماری ماں نے یہ نہیں سکھایا' ماہی۔'' وہ اس کو نرمی سے دیکھ رہی تھی۔ ''ہمیں انہوں نے دین اور دنیا کی سمجھ اس لیے نہیں دی تھی کہ ہم کسی عامل کی چوکھٹ پہ چلے جائیں۔''

''لیکن مالا...'' وہ ہچکچائی۔ ''ہمیں اپنے دشمن کو کسی طرح تو ڈھونڈنا ہے نا۔ سخت مجبوری میں اگر ہم کسی عامل کے پاس چلے جائیں اور اس سے صرف اتنا پوچھ لیں کہ... یہ کس نے کیا ہے تو کیا برائی ہے؟ ہم اپنے دشمن پہ جادو نہیں کروا رہے۔ صرف اس کا پوچھ رہے ہیں۔''

''عامل کیسے معلوم کرے گا؟ جادو کے ذریعے۔ اور یوں ہم اس جادو کا حصہ بن جائیں گے۔''

''لیکن...''

''تمہارے خیال میں کبیرہ تائی ان کاموں میں کیسے پڑی ہوں گی؟''

ماہی ایک دم چپ ہو گئی۔

''کیا وہ پہلے دن ہی کسی عامل کے پاس گئی ہوں گی اور کہا ہوگا کہ ماہ بینہ کے بچے پہ جادو کر دو؟ نہیں ماہی۔ یہ سب ایسے شروع نہیں ہوتا۔'' وہ اب خفگی سے اسے دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

''یہ سب شروع ہوتا ہے سوالوں سے۔ کسی کے بارے میں کچھ ذرا سا معلوم کروانے سے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بے ضرر سا سوال ان کا ایمان خراب نہیں کرے گا۔ لیکن یہ آغاز ہوتا ہے۔ عاملوں کے دروازے پہ جانے والے قدم پھر کبھی واپس نہیں پلٹ سکتے۔ ہم وہ نہیں کریں گے جو کبیرہ تائی نے کیا۔ ہم اسے اپنی عقل سے ڈھونڈیں گے۔'' سختی سے کہہ کے وہ اٹھ گئی۔ ماہی نے سر جھکا دیا لیکن وہ مطمئن نہیں لگ رہی تھی۔

وہ اسے وہیں چھوڑ کے گھر کے پچھلے حصے میں آ گئی۔ وہاں اجڑے ہوئے کچن گارڈن میں وہ قطع صاف دکھائی دیتا تھا جہاں سے گھاس ہٹا کے فاختہ کو دفن کیا گیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس بے نام قبر تک آئی اور یونہی گردن جھکائے اسے دیکھے گئی۔

کچن گارڈن میں اُگی خودرو جڑی بوٹیاں دھوپ میں سنہری لگ رہی تھیں۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کا رنگ بدلنے لگا۔ یہاں تک کہ بہار کی گھاس بن گئیں اور اس گھاس کے پیچھے ایک سرخ اینٹوں والی عمارت دکھائی دینے لگی۔

اونچی پونی والی لڑکی تیز تیز قدموں سے چلتی ایک راہداری کا موڑ مڑ رہی تھی۔ آگے ایک دروازہ تھا جسے کھول کے وہ اندر آئی تو سامنے باتھ رومز کی قطار نظر آئی۔ ایک طرف بڑا سا آئینہ بھی لگا تھا جس کے سامنے سنگ بنے تھے۔

دفعتاً مالا ٹھہری۔ سنک کی طرف دیکھا جہاں گلابی ہیئر بینڈ والی لڑکی کھڑی تھی۔ آہٹ پہ وہ ایک دم ڈر کے مڑی۔ ہاتھ سے کچھ نیچے گرا۔ مالا کی نظریں جھکیں۔

اس کے پیروں کے قریب ایک سنہری گھڑی گری پڑی تھی۔ اس میں لگے ننھے ڈائمنڈ دور سے چمکتے دکھائی دیتے تھے۔

''یہ تو سرستار کی گھڑی ہے۔'' وہ چونکی۔ گلابی ہیئر بینڈ والی لڑکی جلدی سے جھکی اور گھڑی مٹھی میں دباتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

''ہاں ہے۔ پھر؟'' اس کو دیکھ کے کندھے جھٹکے۔

''سر ستار صبح سے اسے سارے اسکول میں ڈھونڈ رہے ہیں۔''اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔''یہ تمہارے پاس کیوں ہے؟''

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ پہلے واچ بیگ میں ڈالی اور زپ زور سے بند کی۔ پھر سینے پہ بازو لپیٹے اور کندھے دوبارہ اچکائے۔

''کیونکہ اب یہ میری ہے۔''

''ایسے مت کرو۔ وہ پریشان ہیں۔ ان کو واپس کر دو۔''

''ورنہ تم کیا کرو گی؟ ان کو جا کے بتاؤ گی؟''وہ ہلکا سا ہنسی۔ پھر سر دائیں بائیں ہلایا۔

''سر ستار کی اگلے ماہ پوسٹنگ ہو رہی ہے لیکن میں اگلے کئی سال تمہارے ساتھ اسی اسکول میں رہوں گی۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ ویسے بھی کوئی تمہاری بات کا یقین نہیں کرے گا. pimples۔''اسی بے پرواہی سے ابرو اچکائے۔''اور اگر کسی نے میری تلاشی لینے کی کوشش کی تو میرے پاپا اس اسکول کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔''

وہ چند قدم آگے آئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے چہرے کے بالکل قریب تھی۔

''تمہیں کیا معلوم کسی کے پاپا کیا ہوتے ہیں؟''اور اس کے کندھے سے زور سے کندھا ٹکرا کے آگے بڑھ گئی۔

اس کا سارا وجود ہل کے رہ گیا۔ اس نے بے اختیار مڑ کے اسے جاتے دیکھا۔ پہلو میں گرے ہاتھ کی مٹھی بھینچ رکھی تھی اور کنپٹی کی نس ابھری ہوئی تھی۔

''تمہیں کیا معلوم کسی کے پاپا کیا ہوتے ہیں؟''اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

منظر بدلا اور اس کے چلتے ہوئے قدم ایک دوسری راہداری کے سامنے سے گزرے۔ سر ستار آفس کے باہر کھڑے زور زور سے چلا رہے تھے۔

''وہ ڈائمنڈ واچ تھی۔ میرے مرحوم بھائی کا گفٹ۔ اور تمہارے علاوہ اسے کوئی نہیں اٹھا سکتا' شکور۔''

سفید بالوں اور پکی رنگت والا شکور نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

''نہیں سر....''

''میں نے اسے وضو کے لیے اتارا تھا۔ میری غیر موجودگی میں صرف تم میرے آفس میں آئے تھے۔''

''سر جی قسم لے لیں' میں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔''اس نے ہاتھ جوڑے۔

''تم لوگ اور تمہاری جھوٹی قسمیں...''

کاریڈور کے ستون سے سر نکال کے وہ منظر دیکھتی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔شکور اب ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔تھوڑی سے گرتے آنسو قمیص کے گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔

منظر بدلا اور وہ اب اپنا بیگ کندھے پہ ڈالے روش پہ چلتی جا رہی تھی۔سامنے سیدھ میں ایک گیٹ بنا تھا۔اسے دیکھ کے وہ رکی۔شکور اپنی سائیکل کو ہینڈل سے پکڑے گیٹ سے باہر نکال رہا تھا۔ساتھ ہی وہ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ قمیص کے دامن سے صاف کر رہا تھا۔وہ تیز قدموں سے دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

''شکور چاچا...''

اس نے پلٹ کے سامنے اسے آتی لڑکی کو دیکھا۔

''مجھے پتہ ہے آپ نے چوری نہیں کی۔کسی اور نے کی ہے۔''اس نے پھولی سانسوں کے درمیان خود کو کہتے سنا۔

شکور آنسوؤں بھری آنکھیں لیے اسے دیکھتا رہا۔

''میں آپ کو اس کا نام بتا سکتی ہوں۔آپ سر ستار سے کہیں کہ اس کا بیگ چیک کروالیں لیکن میرا نام مت لیجئے گا۔''

''جانتا ہوں... تمہاری کلاس کی لڑکی نے چوری کی ہے۔وہی لڑکیاں دفتر آئی تھیں۔لیکن کسی نے میری ایک نہیں سنی۔غریب کی کوئی نہیں سنتا۔''وہ غصے میں ایک دم غرایا تو وہ ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹی۔آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تم سب امیر لڑکیاں آپس میں ملی ہوئی ہو۔اللہ عذاب نازل کرے گا تم سب پہ۔''

''مم میں نے چوری نہیں کی۔میں صرف...''

''تم سب ایک جیسے ہو۔ہمیشہ میرا مذاق اڑاتے تھے۔آج مجھے چور بھی بنا دیا۔تم سب سے اللہ پوچھے گا۔''نفرت سے پھنکارتا ہوا وہ انگلی اٹھا کے کہہ رہا تھا۔''میں لعنت بھیجتا ہوں اس اسکول اور اس کی نوکری پہ۔''سرخ چہرے کے ساتھ کہتے ہوئے اس نے سائیکل باہر نکال لیا۔وہ بالکل ساکت ہوئی اسے دور جاتے دیکھ رہی تھی۔

اس کے قدموں میں بچھی بے نام قبر سرما کی دھوپ میں روشن دکھائی دیتی تھی۔مالا جھکی اور پنجوں کے بل وہاں بیٹھ گئی۔نرمی سے مٹی پہ ہاتھ پھیرا۔

''تمہیں ایک بات بتاؤں؟''وہ اداس مسکراہٹ سے کہہ رہی تھی۔''اسی لیے مجھے معاف کرنا نہیں آتا۔کیونکہ

مجھے بھی کسی نے معاف نہیں کیا تھا۔"

اس کا مرمریں ہاتھ دھوپ سے گرم ہوئی مٹی پہ برابر چل رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کسی سے اپنے اوپر جادو کروانے والے کا معلوم کروانا گناہ کیوں ہے؟"

اس شام چڑچڑی سی ہوئی ماہی لیپ ٹاپ اسکرین کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسکرین پہ ڈاکٹر رائد نظر آ رہے تھے جو غالباً اپنے آفس کی کرسی پہ بیٹھے تھے۔

"آپ پریشان لگ رہی ہیں۔" اس سوال پہ گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

"میرے گھر سے اتنی جادوئی چیزیں نکلی ہیں کہ میں بتا نہیں سکتی۔ میں صرف جاننا چاہتی ہوں کہ یہ عامل کون ہے؟"

"آپ کو یہ جان کہ کیا ملے گا کہ جادو کون کروا رہا ہے؟"

"ہم اپنے دشمن سے دور رہیں گے۔"

"وہ پھر بھی جادو کرتا رہے گا۔ اس کو کیا فرق پڑے گا؟ البتہ آپ کا ایمان چلا جائے گا۔ ہم مسلمانوں کے پاس ایمان کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے؟"

وہ خاموش ہوگئی۔ تھوڑی ندامت سے جھک گئی۔

"سوری۔ مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ مگر... ہم اس عامل کو ڈھونڈنے کے بہت قریب تھے۔ میری بہن کو خواب میں ایک چہرہ نظر آیا لیکن وہ جس آدمی کا تھا وہ کئی برس پہلے مر چکا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟"

"اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ انسانی دماغ خواب میں کوئی ایسا چہرہ نہیں دیکھ سکتا جو اس نے حقیقت میں نہ دیکھ رکھا ہو۔ یہاں تک کہ شیاطین بھی جب خواب میں ڈرانے آتے ہیں تو وہ کوئی ایسا چہرہ بنا کے آتے ہیں جو ہم نے حقیقت میں دیکھ رکھا ہو۔"

"کیا واقعی؟" اس کا منہ کھل گیا۔ "لیکن جو لوگ خواب میں انبیاء کو دیکھتے ہیں، ان کا کیا؟"

"چونکہ آج کے لوگوں نے انبیاء کو نہیں دیکھ رکھا اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ ایسے خوابوں پہ یقین نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ البتہ یہ ایک روحانی پہلو ہے۔ میں سائنسی پہلو کی بات کر رہا ہوں۔"

"یعنی اگر میں نے کسی کا اصلی چہرہ نہیں دیکھا تو وہ خواب میں کبھی دکھائی نہیں دے گا۔"

''بالکل۔انسانی دماغ کے لیے نیا چہرہ دیکھنا ناممکن ہے۔''

وہ چند لمحے کے لیے بالکل حیرت زدہ سی بیٹھی رہ گئی۔

''مطلب ...وہ عامل نہیں تھا۔عامل کوئی اور ہے... لیکن پھر وہ خواب میں کیوں نظر آیا؟''

''کیونکہ دوسری وجہ یہ ہے کہ عامل کبھی خوابوں میں نظر نہیں آتے۔میں اپنی بات دہراتا ہوں آپ پہ جادو کرنے والا کبھی خوابوں میں نظر نہیں آئے گا۔یہ قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔اللہ تعالیٰ خود عامل کا ہ پردہ رکھتا ہے تا کہ انسان آپس میں فساد نہ کریں۔''

''یعنی شکور والا خواب بے معنی ہے؟''

''نہیں۔خواب صرف نشانیاں ہوتے ہیں۔ہنٹ۔اشارے۔وہ کبھی پیس آف کیک نہیں ہوتے کہ آپ دیکھتے ہی جان لیں کہ آپ کا مجرم کون ہے۔وہ آدمی کسی اشارے کے طور پہ نظر آیا ہوگا۔''

''ایسے خواب جس میں جادو کرنے والے کی طرف اشارہ ہو یا کوئی چہرہ نظر آئے اس پہ فوراً یقین نہیں کرنا چاہیے؟''

''بالکل نہیں کرنا چاہیے۔کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ ایسی چیزوں میں شیاطین کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔خود عاملوں کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کس پہ کون جادو کر رہا ہے۔اسی لیے ان چیزوں کے بارے میں کسی سے نہیں پوچھنا چاہیے کیونکہ جنات جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں۔کسی غلط بندے کا نام بھی لے سکتے ہیں۔''

''اور اسی طرح خاندانی دشمنی اور فساد شروع ہوتا ہے۔''اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''اگر ہم خوابوں سے جاننے لگیں کہ ہم پہ جادو کون کروا رہا ہے تو ہم اپنے قریبی لوگوں کی جان ہی لے لیں۔''

''مجھے معلوم ہے میری ایک آنٹی ہم پہ جادو کرواتی ہیں۔لیکن کس سے کرواتی ہیں۔میں یہ جاننا چاہتی ہوں۔''

''پھر آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ اس کا چہرہ سامنے لے آئے۔اگر آپ کی دعا اس کے جادو سے بڑی ہوئی تو وہ ضرور سامنے آجائے گا۔لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جادوگر کے تجسس میں نہیں رہنا چاہیے۔اپنا دفاع مضبوط کرنا چاہیے۔''

ماہی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اس کا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔اس نے لیپ ٹاپ فولڈ کر کے رکھ دیا۔

اس کے سر پہ بنی چھت کے اوپر مالا کا اسٹوڈیو تھا۔وہ وہاں تنہا کھڑی بڑبڑاتے ہوئے دیواروں پہ لگے کاغذ اتار رہی تھی۔

''میرے خواب جھوٹے تھے۔ سب جھوٹ تھا۔'' وہ بے بسی سے ایک ایک کاغذ کو نوچ کے اتار رہی تھی۔ سامنے ایک کھلا کارٹن رکھا تھا جس کے اندر ان کاغذوں کا ڈھیر لگتا جا رہا تھا۔

اس سے اوپر اس کی وہ چھوٹی نوٹ بک تھی جسے وہ شکور کے گھر لے کر گئی تھی۔ اس پہ لکھی تحریر واضح نظر آ رہی تھی۔

''خاندان والے ہمیشہ میرے باپ کا مذاق اڑاتے تھے کیونکہ...''

مالا نے ٹھک سے کارٹن بند کر دیا۔ اس کی تلاش ناکام گئی تھی۔ شکور اسکا مجرم نہیں تھا۔ وہ صرف اس کے ضمیر کی ایک پھانس تھا۔

دفعتاً فون کی ٹون بجی تو اس نے اسی بے زاری سے موبائل نکالا۔ پھر زیاد کا نام پڑھ کے ماتھے کی شکنیں سیدھی ہونے لگیں۔ لبوں پہ ایک مسکراہٹ خود بخود اترنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد اسے میسج بھیجنے سے چند منٹ قبل اپنے آفس میں بیٹھا' لیپ ٹاپ پہ کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پہ چل رہی تھیں اور آنکھوں پہ اسکرین گلاسز لگے تھے۔ ساتھ ایک گرم کافی مگ رکھا تھا جس سے اڑتی بھاپ آفس کیبن کی دھندھلی دیواروں تک کا سفر کر رہی تھی۔

دفعتاً ساتھ رکھا موبائل زوں زوں کرنے لگا۔ اس نے اسکرین سے نگاہیں ہٹا کے دیکھا۔ نام دیکھ کے انگلیاں ٹھہر گئیں۔

ابو کالنگ۔

ایک گہری سانس لے کر زیاد نے عینک اتاری۔ تھوڑی کھجائی۔ جیسے ہمت مجتمع کی ہو۔ پھر فون کان سے لگایا۔

''جی ابو۔۔'' بشاشت سے پوچھا لیکن دوسری طرف کہے جانے والے الفاظ سن کے اس کی تھوڑی جھک گئی۔ چند لمحے وہ سنتا رہا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''جی ابو ... میں ابھی تک پھپھو سے ملنے نہیں جا سکا۔ جب سے آیا ہوں مصروف رہا ہوں۔ کبھی امی کو ہسپتال لے کر جاتا ہوں۔ کبھی آفس کے کام دیکھتا ہوں۔'' وہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

دوسری جانب کچھ سخت کہا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی تھکاوٹ بڑھنے لگی۔

''ابو میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا تھا۔'' اس نے بدقت کہنا شروع کیا۔

''اور میں اب جو کہنے جا رہا ہوں وہ آپ کو دکھ دے گا۔ لیکن...'' ناک کی ہڈی کو انگلیوں میں مسلتے ہوئے

آنکھیں بند کیں۔ ''ابو میں علیشبہ سے شادی نہیں کرسکتا کیونکہ میں یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس کو کبھی خوش نہیں رکھ سکوں گا۔''

دوسری جانب سناٹا چھا گیا۔ وہ ہمت کر کے کہتا گیا۔

''میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں ابو..'' اس کی آواز بھیگ گئی اور سر جھک گیا۔ ''اور میں ساری عمر آپ کا دل جیتنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب میں تھک گیا ہوں۔ میں مجبور ہوں۔ میں کسی لڑکی کی زندگی نہیں خراب کرسکتا۔ میرے دل میں کوئی اور ہے۔''

دوسری طرف سے ایک دم زور زور سے کچھ کہا جانے لگا۔ زیاد نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

''آپ جو بھی کہیں ابو۔ میں صرف آپ کو خوش کرنے کے لیے یہ شادی نہیں کرسکتا۔ میں بچپن سے آپ کو ہی خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن میں بھی انسان ہوں۔ میں اس سے زیادہ نہیں کرسکتا۔'' اس نے رک کے سنا۔ چہرے پہ تکلیف پھیلی۔

''امی کو بیچ میں مت لائیں ابو۔ ان کا کیا قصور ہے؟ یہ میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے کہہ رہا ہوں۔''

لیکن اس کے الفاظ درمیان میں ٹوٹ گئے۔ دوسری جانب سے مسلسل ابو کی تیز آواز گونجتی سنائی دے رہی تھی۔

''جی۔ میں جانتا ہوں' کشمالہ نے انکار کر دیا تھا لیکن میں ایک دفعہ پھر اس سے بات کروں گا۔ کیا معلوم اب کی دفعہ وہ مان جائے۔ بالفرض وہ نہ مانی تب بھی میں علیشبہ سے شادی نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں آپ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔''

موبائل میں سلطان صاحب کے زور زور سے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ''تم تمہاری ماں'' کے الفاظ سب سے واضح تھے۔

وہ تحمل لیکن کرب سے سنے گیا یہاں تک کہ وہ خاموش ہوئے تو وہ دھیرے سے بولا۔

''امی کو آپ پہ مسلط کیا گیا تھا اور آپ کبھی خوش نہیں رہے۔ میں علیشبہ کے ساتھ وہ سب نہیں کرنا چاہتا جو میری ماں کے ساتھ ہوا۔ سوری ابو۔ میں دبئی آ کے آپ سے پھر سے معافی مانگوں گا۔ لیکن ابھی مجھے اپنے لیے فیصلہ کرنا ہے۔'' اس نے فون رکھ دیا۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی جسے اس نے ہتھیلی کی پشت سے رگڑا۔

پھر موبائل پہ میسج ٹائپ کرنے لگا۔

''کشمالہ... کیا ہم کل مل سکتے ہیں؟ مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' میسج بھیج کے اس نے گہری سانس

لی۔ہونٹوں پہ بالآخر ایک امید بھری مسکراہٹ ابھری۔اس نے فون رکھ کے واپس عینک لگائی اور انگلیاں کی بورڈ پہ جما دیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''شکور کے معاملے میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا' کشمالہ۔''

''You were just a little girl.''

وہ گلابی اور سفید رنگ سے سجی ایک بوتیک بیکری تھی جس کے ایک کونے میں ریستوران ایریا بنایا گیا تھا۔چھت سے اونچے نیچے سفید رنگ کے سجاوٹی پرندے لٹک رہے تھے۔دوسرے کونے میں گلابی چیری بلاسم کا نقلی درخت کھڑا تھا۔غرض وہ ایک فیری ٹیل سی بیکری تھی۔

''کیا واقعی میرا قصور نہیں تھا؟'' وہ قائل نہیں ہو رہی تھی۔

وہ دونوں ایک کونے والی میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔درمیان میں کافی کے دو کپ رکھے تھے۔زیاد کے قریب ایک پلیٹ میں براؤنیز نظر آ رہی تھیں۔

''پہلے بتائیں ... آپ واقعی براؤنیز نہیں کھانا چاہتیں؟'' زیاد نے چمچ سے ٹکڑا توڑتے ہوئے اسے دیکھا۔وہ دھیرے سے مسکرادی اور سر نفی میں ہلایا۔اس کے کھلے بال ہوئے چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے اور اس نے سفید ہائی نیک سوئیٹر پہن رکھا تھا جس کے گریبان پہ ایک لمبا سنہرا لاکٹ جھول رہا تھا۔اس پہ سیاہ رنگ کی فاختہ بنی تھی۔

''میں میٹھا نہیں کھاتی۔'' مسکرا کے یاد دلایا۔البتہ اس کی آواز اداس تھی۔

''کشمالہ آپ ایک چھوٹی سی بچی تھیں جب آپ نے وہ کیا۔'' وہ آگے ہو کے بیٹھا اور فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''آپ آج جیسی پراعتماد ورکنگ وومن نہیں تھیں۔آپ کلاس میں bully ہوتی تھیں اور آپ کی ذات میں باپ کی محرومی کا ایک خلاء تھا جس کی وجہ سے آپ کسی کو ناراض کرنے سے ڈرتی تھیں۔الزام آپ نے نہیں لگایا تھا۔آپ بس خاموش رہی تھیں۔بچپن میں بہت سے بچے ایسے کرتے ہیں۔''

''ٹین ایج میں۔'' اس نے تصحیح کی۔

''ٹین ایج میں بھی کرتے ہیں۔شکور کی نوکری آپ کی وجہ سے نہیں' سر ستار کی وجہ سے گئی تھی۔کیا اتنا عرصہ اس نے اپنی ایمانداری ثابت نہیں کی ہوگی کہ انہوں نے یوں اس پہ الزام لگا دیا؟ سر ستار بڑے تھے،ان کو اس پہ بھروسہ

ہونا چاہیے تھا۔"

"میں اس واقعے کو جسٹیفائی نہیں کر سکتی۔ میں نے غلط کیا تھا۔ اور میں اس غلط کو ٹھیک نہیں کر سکی۔ میں نے اسے ذہن کے کسی کونے میں دھکیل کے بھلا دیا۔"

"اور پھر؟"

"پھر میں نے اپنا سیکشن بدلوالیا۔ میں اپنے لیے کھڑی نہیں ہوتی لیکن میں اس جگہ سے خود کو remove کر لیتی ہوں۔ یہی میرا ڈیفنس میکنزم ہے۔ شاید اس لیے کہ میرا باپ نہیں تھا۔" اس نے کافی کا کپ اٹھا کے لبوں سے لگایا۔ وہ کچھ زیادہ ہی کڑوی تھی۔

"باپ کے ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ ہم میں سے کچھ ساری عمر باپ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ خوش نہیں ہوتے۔" اس نے چونک کے زیاد کو دیکھا۔ اس کے چہرے پہ زمانے بھر کی اداسی تھی۔

"آپ کے ابو..."

"میں نے علیشبہ سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ اور وہ اب سخت ناراض ہیں۔ لیکن میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا تھا۔ میں تھک گیا تھا۔"

اوپر سے لٹکتے سفید پرندے ہلکے ہلکے جھول رہے تھے۔ ان کی کانچ کی بنی آنکھیں ان دونوں پہ جمی تھیں۔

"میں بھی تھک گئی ہوں۔" مالا نے کپ رکھا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ "ان جادوؤں سے۔ ان تعویذوں سے۔"

"کیا آپ مزید اس عامل کو نہیں ڈھونڈنا چاہتیں؟"

اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے بنا نفی میں سر ہلایا۔

"میں اب لاہور میں نہیں رہنا چاہتی۔ میں اس سب سے دور جانا چاہتی ہوں۔"

"پھر وہ کریں جو آپ کا دل کہتا ہے۔ چلی جائیں اس سب سے دور۔" وہ رکا اور پھر جیسے ہمت مجتمع کر کے کھنکھارا۔

"میں بھی اس سب سے دور جانا چاہتا ہوں۔ میں بھی زخمی ہوں اور اپنی healing ڈھونڈ رہا ہوں۔ مجھے بھی اپنی ذات کو تندرست کرنا ہے۔ اور آپ کو بھی۔"

اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کے ناسمجھی سے زیاد کو دیکھا۔ لیکن وہ سمجھ رہی تھی۔

''کیا آپ چاہتی ہیں کہ ہم ایک ساتھ خود کو heal کریں؟''

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ ایسے ہی اس پل کوئی یاد آیا تھا۔ لیکن اس نے حلق میں آئے بہت سے آنسو نیچے دھکیلے۔ اس کو زیادہ سے اس سوال کی توقع تھی۔

''کیا آپ اپنے والد کو ناراض کر کے خوش رہ سکیں گے؟''

''وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن آپ بتائیں... آپ کیا چاہتی ہیں؟''

ساتھ ہی اس نے جیب سے کچھ نکالا تو وہ چونکی۔ وہ ایک مخملیں ڈبی تھی۔

''میں آج آپ سے ایک دفعہ پھر پوچھ رہا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ دنیا کے کسی دوسرے کونے میں جا کے اپنی نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہیں؟''

زیادہ پہ جمی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''مجھے نہیں معلوم زیاد۔ میں بس اس سب سے دور جانا چاہتی ہوں۔''

''تو میرے ساتھ چلیں۔ میں اور آپ مل کے ایک دوسرے کو heal کر سکتے ہیں۔ ہم دونوں اپنی اپنی ذات کے کمپلیکسز سے لڑتے ہوئے لوگ ہیں۔ ہم پرفیکٹ نہیں ہیں۔ ہم دونوں کو اپنے اپنے باپ کی طرف سے چوٹ لگی ہے۔ لیکن جانتی ہیں... محبت سب سے بڑا مرہم ہوتی ہے۔''

وہ کہہ رہا تھا اور وہ اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ کی محبت میرے زخموں کو بھرے اور میں آپ کو آپ کے ٹراما سے نکالوں۔ کیونکہ محبت سب سے بڑا مرہم ہے اور یہی heal کر سکتی ہے۔''

وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ پھر اس نے ڈبی اٹھا کے کھولی۔ اس کے اندر ایک ہیرے کی انگوٹھی تھی۔

مالا نے دھیرے سے ڈبی بند کی۔ زیاد سلطان کا سانس رک گیا۔

اس نے ڈبی اس کی طرف واپس دھکیلی۔ اور نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

''ہمارے ہاں منگنیاں ایسے نہیں ہوتیں۔ آپ کو اسے لے کر میرے گھر آنا ہوگا۔ وہ بھی اپنے والد کے ساتھ۔ میں کسی کو ناراض کر کے نیا رشتہ نہیں بنا سکتی۔'' وہ مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ میں تکان بھی تھی اور امید تھی۔

''میرے دل میں آپ کی عزت اس بات سے مزید بڑھ گئی ہے۔ میں ابو کو لے کر آؤں گا۔''

پھر پلیٹ کی طرف دیکھ کے پوچھا۔ ''شیور آپ براؤنیز نہیں کھانا چاہتیں؟''

اس نے مسکرا کے نفی میں سر ہلا دیا اور کافی کا مگ اٹھا لیا۔ اوپر جھولتے نازک پرندے خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیند میں اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا تو وہ ہڑبڑا کے اٹھا۔ چند لمحے کے لیے بیربل کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ پھر پلکیں جھپکائیں تو منظر قدرے واضح ہوا۔

سامنے بستر پہ ماہر لیٹا تھا۔ تکیے اوپر کر کے رکھنے کی وجہ سے اس کا سر قدرے اونچا تھا۔ وہ خاموشی سے سامنے والی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ بیربل نے آنکھیں مسلیں اور اٹھ کے بیٹھا۔ وہ کب کاؤچ پہ بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا' اسے یاد نہ تھا۔ وال کلاک پہ نظر پڑی تو دیکھا' رات کے پونے تین بج رہے تھے۔

''ماہر... ابھی تک جاگ رہے ہو؟''

اس نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ہوں؟'' وہ دور خلاء میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' وہ اٹھا اور روم فریج کی طرف آیا۔ ''پتہ نہیں کب ڈسچارج کریں گے یہ لوگ تمہیں۔'' بڑبڑاتے ہوئے فریج کا دروازہ کھولا۔ پھر پانی نکال کے پلٹا تو دیکھا' وہ اسی طرح کہیں دور دیکھ رہا تھا۔

''اس کو کال کر لو یار۔'' وہ جیسے تھک ہار کے کہتا واپس کاؤچ پہ بیٹھا تو ماہر چونکا۔

''کیا؟''

''اس کو کال کر لو۔ دوبارہ سے معافی مانگ لو۔ وہ تمہیں معاف کر دے گی۔''

ماہر دھیرے سے مسکرایا۔ ''میں اس کے پیچھے نہیں جاؤں گا۔''

''تم ایکسیڈنٹ سے پہلے اسی سے ملنے جا رہے تھے۔''

''وہ اور معاملہ تھا۔ میں اس کی ماں کا افسوس...''

''تو اسی کے لیے کال کر لو۔ ورنہ چند دن بعد معلوم ہو گا کہ اس نے کسی اور سے شادی کر لی ہے۔ کتنا انتظار کرے گی وہ تمہارا؟''

وہ ہلکے سے ہنس دیا اور سر جھٹکا۔

''کم از کم اس ٹال اور ڈارک سے نہیں کرے گی۔ وہ اپنی کسی کزن سے شادی کر رہا ہے۔'' ماہی کی بتائی بات کو

بہت سکون سے آگے بتایا۔ بیر بل نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''کیا وہ واقعی ہینڈسم نہیں ہے یا تم صرف اپنے جذبات کی وجہ سے کہتے ہو۔''

''واقعی نہیں ہے۔''

''وہ ہینڈسم ہو یا نہ ہو اسے وہ ہینڈسم لگتا ہے اور تم اسے کچھ نہیں لگتے۔''

بیر بل تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو ماہر نے بڑبڑا کے رہ گیا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہوا اس سب کا؟'' وہ چند ثانیے خاموش رہ کے تھک گیا تو دوبارہ اسے مخاطب کیا۔ اشارہ دیوار پہ لگے کاغذوں کی طرف تھا۔

ماہر نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی تھی۔

''میں اسے کبھی نہیں ڈھونڈ سکوں گا۔ نہ تین ملکوں میں۔ نہ اپنے دماغ سے ایک کمرے میں۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ چالاک ہے۔''

''پھر ان کاغذوں کو اتار دیتے ہیں، ماہر۔ یہ تمہیں صرف ڈسٹرب کر رہے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماہر نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بھی جیسے تنگ آ گیا تھا۔

بیر بل دیوار تک گیا اور آہستہ آہستہ پیپر ٹیپ سے چپکے کاغذ اتارنے لگا۔

''شکر کرو میں نے زارا کو یہاں نہیں آنے دیا۔ وہ یہ کاغذ دیکھ لیتی تو اس کے سوال کبھی ختم نہ ہوتے۔'' وہ ایک ایک کاغذ کھینچ رہا تھا۔ ''ویسے مالک نے اسے کبھی تمہارے اور کشمالہ کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟''

''مالک اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس کے ہر کام کی کوئی پیچیدہ سی وجہ ہوتی ہے۔'' اس نے بے زاری سے شانے اچکائے۔ پھر ایک دم وہ ٹھہر گیا۔

''مالک...''

''کیا؟'' بیر بل نے پلٹ کے اسے دیکھا۔ ہاتھ میں کاغذوں کا پلندہ تھا۔

''مالک...'' ماہر نے لیٹے لیٹے بیڈ کے ریموٹ کا بٹن دبایا۔ بیڈ سرہانے والی طرف سے اوپر اٹھنے لگا۔

''تم نے اس دن کہا تھا کہ میں سرکار کو اس لیے نہیں ڈھونڈ سکا کیونکہ میں اسے بہت دور ڈھونڈ رہا تھا۔ کیا معلوم وہ بہت قریب ہو؟'' خودکار بیڈ ایک طرف سے اونچا ہو گیا تو وہ اب بیٹھا ہوا نظر آنے لگا۔ اس کے چہرے پہ چونک جانے کا تاثر تھا۔

''ہمارے قریب ایسا کون ہے؟'' بیربل نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

وہ بڑبڑایا۔ ''مالک...''

''مالک؟'' بیربل کے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ ''ہرگز نہیں۔تمہارا دماغ خراب ہے؟ وہ ایسا کچھ نہیں کرسکتا۔وہ تم سے بہت محبت....''

''مالک نے کہا تھا کہ مجرم وہ ہوتا ہے جس کو جرم کا سب سے زیادہ فائدہ ہو۔'' اس نے تیزی سے بات کاٹی۔بیربل جوش سے بولتے بولتے رک گیا۔

''مالک نے کہا تھا کہ میں اس کو اس لیے نہیں ڈھونڈ سکا کیونکہ میرے جذبات درمیان میں آگئے۔مالک ٹھیک کہہ رہا تھا۔'' وہ بے یقینی سے جیسے خود سے بول رہا تھا۔

بیربل آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھتا جیسے سمجھنے کی کوشش کررہا تھا۔

''ماہر... کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں درست تھا لیکن میں خود بھی یہ سمجھنے لگا کہ میں اپنے جذبات کی وجہ سے ایسے کہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''یہ کہ زیادسلطان ہینڈسم نہیں ہے۔'' وہ جیسے خود بھی چونک گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے بیربل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''تم...چنگیز... تم سب میرا مذاق اڑاتے تھے۔تم سمجھتے تھے کہ میں جیلسی میں ایسا کہہ رہا ہوں۔لیکن نہیں،بیربل۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ بالکل بھی ہینڈسم نہیں ہے۔مگر کشمالہ کو وہ ہینڈسم کیوں لگتا ہے؟''

بیربل نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

''رات کے تین بج رہے ہیں ماہر.... تمہیں اب سو جانا چاہیے۔''

''شمس بھی ہینڈسم نہیں تھا۔''

بیربل فرید جہاں تھا،وہیں رک گیا۔ساکت۔جامد۔

''لیکن ہماری خوبصورت ماں نے ہمارے وجیہہ باپ کو چھوڑ کے اس سے شادی کی۔یاد ہے وہ کیسے کہتی تھیں کہ شمس بہت خوبصورت انسان ہے؟ اور ہم حیران ہوتے تھے؟''

کاغذ بیربل کے ہاتھ سے نیچے پھسل گئے۔

''شمس سرکار کا کلائنٹ تھا۔ ہم سمجھتے رہے کہ اس نے ابا پہ جادو کیا ہے۔ ان کو بیمار کیا ہے۔ لیکن نہیں۔ شمس نے ہماری ماں پہ جادو کیا تھا۔ ابا کی بیماری اس جادو کا نتیجہ تھی۔''

''جیسے کشمالہ کی ماں کی بیماری۔'' بیربل یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے کہا بیربل کہ وہ کشمالہ کو ہینڈسم لگتا ہے۔ ایسا صرف دو صورتوں میں ہوتا ہے۔'' اس نے نوٹ بک اٹھائی اور تیزی سے صفحے پلٹنے لگا۔ ''پہلی صورت محبت ہے۔ اور کشمالہ کو اس سے محبت نہیں ہے۔ اور دوسری صورت....''

ایک صفحہ کھول کے اس نے سامنے کیا۔

''سحر عشق....''

چند ثانیے کے لیے روم نمبر ۵۵۵ میں موت کا سناٹا چھا گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''سرکار زیاد اور کشمالہ کی تصویروں پہ جادو ان کو جدا کرنے کے لیے نہیں کر رہا تھا۔ وہ ان کو ملانے کا جادو کر رہا تھا۔ کشمالہ نے اپنی ماں کی وجہ سے زیاد سے شادی سے انکار کیا تھا۔ اس کی ماں کی موت کا فائدہ صرف زیاد کو ہوتا ہے۔ وہ پاکستان اپنی کزن سے شادی کے لیے نہیں' کشمالہ کے لیے گیا ہے۔''

اس نے نوٹ بک بیربل کی طرف بڑھائی۔ وہ بالکل گنگ ہو گیا تھا۔

''سرکار کا کلائنٹ کوئی اور نہیں ... زیاد سلطان ہے۔''

اس کو اپنی آواز دور کسی کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''وہ ایک طویل عرصے سے سحر عشق کر رہا تھا۔''

بیربل نے نوٹ بک پہ چہرہ جھکایا۔

''سحر عشق کیا ہوتا ہے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(سحر عشق کی ابتدا کب ہوئی' کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اس کی انتہا ہزاروں سال قبل سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہوئی تھی۔)

زیاد سلطان باتھ روم سے نکلا تو گیلے تولیا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اپنے بال رگڑتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

(دور سلیمان میں عموماً یہود کے جادوگر اس جادو میں ملوث ہوتے تھے۔ لیکن دھیرے دھیرے یہ جادو اتنا عام

ہوتا گیا کہ کہ بہت سے مردوں نے اسے سیکھ لیا تھا۔)

زیاد نے پولو شرٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

(ہم عموماً سمجھتے ہیں کہ جادو عورتیں کرتی ہیں۔لیکن سحر عشق وہ جادو ہے جسے تاریخ میں سب سے زیادہ مردوں نے استعمال کیا ہے۔)

اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرایا۔

(یہ جادو عموماً وہ مرد کرتے تھے جو شکل وصورت میں بہت عام یا بدصورت ہوتے تھے۔اور جب ان کا دل کسی ایسی خوبصورت عورت پہ آجاتا جس کو وہ کسی جائز طریقے سے پا نہیں سکتے تھے تو یہ اس عورت کے اوپر سحر عشق شروع کر دیتے تھے۔)

اس کا عکس واپس اس کی طرف جھانک رہا تھا۔

وہ ایک ایسا چہرہ تھا جو معاشرے کے خوبصورتی کے معیار کے پہ پورا نہیں اترتا تھا۔وجہ اس کی رنگت نہیں اس کے بے کشش نقوش تھے۔چہرے پہ چھائی سنجیدگی اور کرختگی اس کو مزید ناپسندیدہ صورت بناتی تھی۔

(سحر عشق ہمیشہ حسین اور شادی شدہ عورتوں پہ کیا جاتا تھا۔حسین عورتیں زیادہ دیر تنہا نہیں رہتیں۔ان کی شادیاں جلد ہو جاتی ہیں۔ایسے میں یہ سحر عشق کی ابتدا اپنی محبوب عورت کو کسی میٹھے کھانے کا تحفہ بھیج کے کرتے تھے جس میں جادو ملا ہوتا تھا۔)

ٹیرس پہ کھڑی لڑکی نے براؤنی کھاتے ہوئے نیچے دیکھا۔اور پورچ میں کھڑے دراز قد آدمی نے سر اٹھایا۔

(جادو کا پہلا اثر عورت اور اس کے شوہر کے تعلق پہ پڑتا تھا۔عورت کو اپنا شوہر یا محبوب بدصورت یا جانور نما نظر آنے لگتا۔)

اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے زیاد نے پرفیوم اٹھایا اور خود پہ چھڑکا۔

(عموماً ایسے مرد یہ جادو کرتے تھے جو اس حسین عورت کے ہاتھوں مسترد ہو چکے ہوتے تھے۔ایسے میں ان کا دوسرا قدم اس عورت کے ذہن سے جادو کے ذریعے اپنا پرانا تاثر مٹانا ہوتا تھا۔)

''ہم سہیل کی شادی پہ ملے تھے نا زیاد سے۔'' ماہی کہہ رہی تھی۔مالا نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''اچھا؟ مجھے یاد نہیں۔''

(جادو کا اثر ہونے کے کچھ دن بعد سحر کرنے والا جب محبوب عورت سے ملتا تو وہ اس عورت کو دنیا کا حسین ترین

مرد دکھائی دیتا۔ جسے وہ کشش سمجھتی وہ دراصل جادو کا اثر ہوتا تھا۔ یوں وہ مسلسل میٹھے تحفے دے کر اس جادو کو مزید راسخ کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔)

''شیور آپ براؤنیز نہیں کھانا چاہتیں؟''

''میں آپ کے لیے چاکلیٹس لایا تھا۔''

''میں نے خواب میں دیکھا کہ...'' بخت بی بانو کو کان میں بتا رہی تھی۔ ''بڑی بی بی جی مجھے ایک دوسری بات بھی کہتی ہیں۔ کہ ماہی سے کہو اپنا خیال کرے۔ اتنا میٹھا نہ کھایا کرے۔''

''توبہ یہ بات نہ بتانا ماہی بی بی کو۔ پہلے ہی وہ اپنے بڑھتے وزن کے بارے میں پریشان ہیں۔ اس بات پہ خوب برا منائیں گی۔''

زیاد نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے پرفیوم کی ڈبی واپس رکھی۔

سنگھار میز پہ رکھا اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھا اور فون کان سے لگایا۔

''جی سرکار..'' اس کا لہجہ کسی مرید کی طرح معتقد سا تھا۔

''کیا وہ مان گئی؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا

''جی سرکار۔ بالکل ایسا ہوا جیسا آپ نے کہا تھا۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

(لیکن سحر عشق کرنے والے جادوگر کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ بہت بھاری قیمت۔)

زیاد سلطان نے موبائل رکھا اور سنگھار میز پہ رکھے کاغذ اٹھائے۔ وہ نگینہ بیگم کی رپورٹس تھیں۔

''قیمت تو میں ادا کر رہا ہوں۔'' وہ خود سے بڑبڑایا۔ ''لیکن کشمالہ مبین کے لیے کچھ بھی۔''

اس نے رپورٹس دراز میں ڈال دیں۔ اور خودکار کی چابی اٹھائے باہر نکل گیا۔

مالا کے اسٹوڈیو میں رکھے ادھ کھلے کارٹن کے اوپر رکھی نوٹ بک کچھ کہہ رہی تھی۔

''سب میرے باپ کا مذاق اڑاتے تھے۔'' شکور کے بیٹے کے الفاظ وہاں خاموشی سے رقم کیے گئے تھے۔ ''میرے باپ کا رنگ بہت کالا تھا۔ اور اسی وجہ سے سب اس کو بدصورت کہتے تھے۔ نوکری جانے کے بعد وہ دبتی چلا گیا اور سب رشتے داروں سے کٹتا گیا...''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس اندھیر کمرے میں چوکڑی مارے بیٹھے جادوگر نے موبائل نیچے رکھا اور زیاد نام کی کال بند کی۔ پھر اپنے

سامنے رکھی چیزوں کو دیکھا۔گڑیا۔تعویذ۔زعفرانی روشنائی۔اس نے مسکرا کے ان چیزوں کو ایک طرف کیا۔اور پھر اپنی ٹانگیں دھیرے سے سیدھی کیں۔اب اٹھنے کا وقت تھا۔

اس کے بوڑھے ہاتھوں نے کھڑے ہوتے ہوئے سر سے نارنجی رومال اتارا اور اسے ایک طرف ڈال دیا۔پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتے ہوئے اس نے کمرہ عبور کیا۔ایک کونے میں کھونٹی لگی تھی جہاں ایک سفید لباس لٹکتا دکھائی دے رہا تھا۔

سرکار نے اپنے بوڑھے ہاتھوں سے دھیرے دھیرے اپنا میلا' گدلا لباس اتارا اور وہ براق سفید لباس پہنا۔پھر لمبے سفید بالوں کو آہستہ آہستہ چوٹی میں گوندھنے لگی۔جب چوٹی بن گئی تو اس نے سفید دوپٹہ اٹھا کے سر پہ لپیٹا' تسبیح ہاتھ میں پکڑی اور دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔یہاں تک کہ سیڑھیوں کا اختتام ایک دروازے پہ ہوا۔

سرکار عرف نگینہ بیگم نے دروازہ کھولا تو باہر سے ڈھیر ساری روشنی اندر آئی۔انہوں نے مسکرا کے دروازہ بند کیا اور اوپر آئیں۔

وہاں ایک صاف ستھرا سا لاؤنج بنا تھا۔ایک کونے میں سلطان صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔عینک کے پیچھے سے انہیں آتے دیکھا۔آنکھوں میں تنفر ابھر آیا۔

''اپنے کالے کاموں سے فرصت لے کر آ گئی ہو' نگینہ بیگم؟''

وہ صرف مسکرائیں۔کہا کچھ نہیں۔اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔وہاں بنگالی ملازمہ کھڑی ان کی منتظر تھی۔

وہ سنک تک آئیں تو زور کی کھانسی آئی۔سر جھکا کے سنک میں کھانسیں تو خون کے چند قطرے نیچے گرے۔

انہوں نے نل کھول لیا اور منہ پہ چند چھینٹے مارے۔

''زیادہ کے لیے کچھ بھی...'' وہ بڑبڑائیں اور آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول شہر سے ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو پہ وہ ایک جنگل نما علاقہ تھا۔صبح کا وقت تھا اور ابھی روشنی ہوئے زیادہ دیر نہیں بیتی تھی۔

درختوں کے درمیان ایک طرف چند نوجوان باربی کیو کرتے دکھائی دے رہے تھے۔دوسری طرف دو افراد بندوقیں اٹھائے باری باری اڑتے ہوئے مٹی کے کبوتروں کا نشانہ لے رہے تھے۔

ان میں سے ایک مالک فرید بھی تھے۔

گولی کی آواز کے ساتھ ہی ایک کبوتر چھناکے سے ٹوٹا تو مالک نے بندوق نیچے کی۔اور ساتھ کھڑے ادھیڑ عمر آدمی کو دیکھا جو اپنی بندوق کی نال سے ایک آنکھ بند کیے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''میرے بھتیجے پہ حملہ کرنے والی کار کا سراغ ابھی تک نہیں ملا۔''انہوں نے ناخوشی سے اپنی بات دہرائی۔

''ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ میں تمہیں جلد اچھی خبر سناؤں گا۔''اس نے بندوق نیچے کی اور مالک کے کندھے کو دھیرے سے تھپکا۔

''میں خود باش کو مسار چنگیز سے رپورٹ لے رہا ہوں۔ ہم حملہ آور کو جلد پکڑ لیں گے۔''وہ دونوں اب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔بار بی کیو اسٹینڈ سے اٹھتی دھوئیں کی خوشبو سردی کا لطف دوبالا کر رہی تھی۔

''ہاں وہ ماہر کا دوست ہے۔اس کے لیے پوری کوشش کر رہا ہے۔''مالک کے تاثرات ہمیشہ کی طرح برف تھے۔''لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس معاملے کو حل کرنے میں اس سے بھی زیادہ قوت صرف کرو۔''

''میں نے کہا نا' ہم تم جلد اچھی خبر سنائیں گے۔''وہ تسلی دے رہا تھا۔ان کے جوگر زخزاں رسیدہ پتوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

''تم بتا رہے تھے تمہاری بیٹی کی سالگرہ ہے؟''

''ہاں۔اگلے ہفتے۔تم آسکو گے؟''ڈی جی صاحب نے مسکرا کے پوچھا۔

''نہیں۔میں لندن واپس جا رہا ہوں۔زارا ضرور آئے گی۔''وہ رکے اور آواز کو مزید سرسری بنایا۔''لیکن اگر تم نے کیک آرڈر نہیں کیا تو نشاستاشی میں ایک بیکری ہے۔میرے بھتیجے کی۔تم اس کو ٹرائی کر سکتے ہو۔''

''اچھا؟''ڈی جی صاحب نے مسکرا کے انہیں دیکھا۔

''یعنی تمہاری مرضی ہے۔آزما کے دیکھ لو۔لیکن میرا نام مت لینا۔وہ سمجھے گا کہ میں....''

وہ دونوں اب خشک پتوں پہ چلتے دور جا رہے تھے۔آوازیں مدھم ہو گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

باب دوم "مکہ"

قسط نمبر:۹

ہر سانس کے ساتھ
کھو جاتا ہے گزرا ہوا لمحہ۔
اور شروع ہوتا ہے ایک نیا لمحہ۔
ہم سانس اندر کھینچتے ہیں۔
اور اسے باہر خارج کر کے
ماضی کے لمحے کو چھوڑ دیتے ہیں۔
اب وہ ہمارے لیے فنا ہو چکا ہے۔
اور یہ کرتے ہوئے
ہم فنا کر دیتے ہیں
اس انسان کو
جو ہم ایک لمحہ پہلے تھے۔
ہم سانس اندر کھینچ کے'
نئے لمحے میں سانس لے کر'
اس شخص کا استقبال کرتے ہیں
جو ہم بننے جا رہے ہیں۔
اور یوں ہم

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

اسی عمل کو دہراتے رہتے ہیں۔

یہی مراقبہ ہے۔

یہی تجدید ہے۔

یہی زندگی ہے۔

(لاماسوریا داس)

مبین منزل میں بنے بیڈرومز میں واحد ماہی کا کمرہ تھا جس کی کھڑکی عقبی صحن میں کچن گارڈن کی طرف کھلتی تھی۔ چند روز قبل وداع ہوئی فاختہ کی قبر بھی وہیں تھی۔ اس کی مٹی کا رنگ اطراف جیسا ہو گیا تھا اور اس پہ ننھی ننھی سی گھاس اُگ رہی تھی۔ مالا کھڑکی سے نظر آتی اس قبر کو دیکھ رہی تھی جب معید کھنکھارا۔

''تم نے فیصلہ کر لیا ہے؟''

اس نے چہرہ موڑ کے اپنے بھائی کو دیکھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ ساتھ براجمان ماہی' گود میں رکھی چاولوں کی پلیٹ میں سے کھاتے ہوئے ان کی طرف متوجہ تھی۔ وہ تینوں اس وقت ماہی کے کمرے میں تھے جس میں جگہ جگہ بے بی فیڈرز' فارمولا ملک کے ٹن' اور ایسی دیگر اشیاء بکھری تھیں۔

''زیاد اور میں نے مل کر فیصلہ کیا ہے۔ ہم دونوں کو اپنی آئندہ زندگی کے لیے یہ بہترین لگا ہے۔'' وہ پراعتماد تھی۔ معید نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

''مجھے زیاد ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔ ویل مینرڈ۔ اچھی جاب کرتا ہے۔ ڈیسنٹ ہے۔''

''ڈیسنٹ ہے لیکن.....'' ماہی نے ساتھ پہ چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا۔ وہ دونوں اس کے لیکن پہ چونک کے اسے دیکھنے لگے۔ وہ گڑبڑا گئی اور جلدی جلدی چاولوں کو حلق سے نیچے اتارا۔ پھر پانی کا گھونٹ بھرا اور کھنکھاری۔

''لیکن تمہیں زیاد سے بہتر بھی کوئی مل سکتا ہے۔''

''تمہیں زیاد میں کیا برائی نظر آتی ہے؟'' وہ چونکی۔ ماتھے پہ لکیریں ابھریں۔ اسے ماہی کا انداز پسند نہیں آیا تھا۔

''زیاد ذرا....'' ماہی الجھ کے رک گئی۔ جیسے کچھ حلق میں اٹک جاتا تھا۔ جیسے کوئی سوچ جکڑ لیتی تھی۔ ''مجھے نہیں معلوم۔ بس سوچ لو۔''

''تم بھی سوچ لو ماہی۔ سفید چاول کھائے جا رہی ہو۔ جانتی ہو یہ صحت کے لیے کتنے نقصان دہ ہوتے ہیں؟''

معید نے اس کی پلیٹ کو افسوس سے دیکھا۔ ماہی کے ماتھے پہ بل پڑے۔ زور سے چمچ پلیٹ میں رکھا۔

''سب میرے کھانے کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟'' وہ مزید کچھ کہتی لیکن فون بجنے لگا۔ ایک خفا نظر دونوں پہ ڈال کے پلیٹ اور فون اٹھائے وہ وہاں سے اٹھ آئی۔

''خالہ کی کال ہے۔ میں سن کے آتی ہوں۔'' جاتے جاتے بھی معید کو شدید بری طرح گھورا تھا۔

''کون سی خالہ؟'' معید نے غائب دماغی سے پوچھا۔ مالا نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''ہماری کتنی خالائیں ہیں معید؟ ایک ہی تو ہیں۔ ماں اور نورِ جہاں خالہ کی سب سے بڑی بہن۔ ثمر جہاں۔''

''ایسے کہو ثمر خالہ۔ ماہی کی ساس۔ تم لوگ بھی ہر پڑوسن کو خالہ بنالیتی ہو۔ مجھے کیا پتہ۔'' وہ ہنس دیا اور مالا افسوس سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''خالہ کا طرز تخاطب ہم صرف ثمر خالہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تمہیں سگی خالہ اور پڑوسنوں میں فرق معلوم ہونا چاہیے۔ رشتے داریاں یاد رکھنا صرف لڑکیوں کا فرض نہیں ہوتا۔''

وہ دونوں اب آپس میں الجھ رہے تھے۔

اور کچن میں کھڑی ماہی موبائل کان سے لگائے سادگی سے اپنی ساس کو بریفنگ دے رہی تھی۔

''ابھی نگینہ آنٹی نے صرف فون پہ معید اور مجھ سے بات کی ہے۔ اگلے ہفتے وہ انکل کے ساتھ پاکستان آئیں گی تو ہم بات پکی کریں گے۔''

''نگینہ کے گھر رشتہ کیوں کر رہے ہو تم لوگ؟'' خالہ جھنجھلائیں۔ ماہی چونکی۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟''

''وہ لوگ مالا کے قابل نہیں ہیں۔ اتنی جلدی مت کرو۔''

''مگر خالہ... زیادہ میں کیا برائی ہے؟'' ماہی الجھ سی گئی۔

''مالا کو اس سے بہتر بر مل سکتا تھا۔'' وہ افسوس سے بولیں۔ ماہی نے بے اختیار لاؤنج کے پار اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ ابھی یہی تو اس نے بھی کہا تھا۔

''آپ مالا سے بات کر کے دیکھیں۔''

''میں خود آ کے اس سے بات کروں گی۔''

''مگر آپ نے دو ماہ بعد آنا ہے۔ فون پہ بات کر لیں۔'' وہ بے چین ہوئی۔

www.facebook.com/nemrahm

''یہ باتیں فون پہ نہیں ہوتیں۔اور تم لوگ فوراً جواب نہ دو۔تھوڑا وقت مانگو۔دو تین ماہ تو لڑکی والوں کی چوکھٹ پہ لوگ جوتے گھساتے ہی ہیں۔'' وہ آرام سے بولیں۔ ماہی نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

وہ واپس آئی تو قدرے غائب دماغ سی لگ رہی تھی۔

''خالہ کیا کہہ رہی تھیں؟'' مالا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔وہ سوچ میں گم دھپ سے صوفے پہ بیٹھی۔

''خالہ چاہتی ہیں کہ ہم ان کے آنے کا انتظار کریں اور رشتہ ان کی موجودگی میں طے ہو۔ ہماری طرف سے کسی بڑے کا ہونا بھی ضروری ہے۔'' اس نے الفاظ جوڑے۔

''میں ہوں نا۔'' معید کو کچھ برا لگا۔''اور ماموں بھی آجائیں گے۔مسئلہ کیا ہے؟''

''خالہ ابھی لمبا سفر نہیں کرسکتیں۔ان کے گھٹنے کی سرجری ہوئی ہے نا۔ماں کی ڈیتھ پہ بھی اسی لیے نہیں آسکیں۔ہم ان کا انتظار کرسکتے ہیں۔جنوری کے آخر تک وہ آجائیں گی اور میں تو مارچ تک یہیں ہوں۔'' بظاہر اس نے بے پرواہی سے شانے اچکائے البتہ کمرے میں پھیلا تناؤ سب محسوس کرسکتے تھے۔

''نگینہ آنٹی کینسر پیشنٹ ہیں۔ان کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔وہ دو ماہ میں شادی کی بات کررہی تھیں۔اور تم کہہ رہی ہو ہم رشتہ تک طے نہ کریں؟'' معید خفا ہوا۔ماہی نے شانے اچکا دیے۔

''ٹھیک ہے۔جیسے تم لوگ کہو۔'' کمرے میں چند لمحے کے لیے تناؤ بھری خاموشی چھا گئی۔پھر ماہی کو جیسے کچھ یاد آیا۔

''ویسے نگینہ آنٹی چند دن پہلے پاکستان تھیں نا۔جب انہوں نے حور کو گھٹی دی تھی۔پھر واپس کیوں چلی گئیں؟''

''وہ ہر مہینے صرف پانچ دن کے لیے پاکستان آتی ہیں۔یہ ان کی پرانی روٹین ہے۔''

''تھکتی نہیں ہیں اتنے ٹریول سے؟ بیمار بھی ہیں۔''

''میں نے بھی زیادہ سے یہی پوچھا تھا۔لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ تین گھنٹے کی تو فلائٹ ہے۔اور نگینہ آنٹی کو اپنا لاہور والا گھر بہت عزیز ہے۔ یہاں آکے وہ بہتر محسوس کرتی ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور نرمی سے ماہی کو دیکھا۔

''خالہ جب بھی آئیں، موسٹ ویلکم۔لیکن میں اپنی زندگی کے فیصلے اپنے رشتے داروں کے فلائٹ شیڈیول کے مطابق نہیں کرسکتی، ماہی۔ میں فیصلہ کرچکی ہوں۔'' اس کا انداز نرم مگر دوٹوک تھا۔ماہی کا سر اثبات میں ہل گیا۔ جب مالا فیصلہ کرلے تو کوئی چیز اس کو اس فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.iqbalkalmati.blogspot.com/nemrahmed

''کیا میں نے درست فیصلہ کیا ہے؟''

اس دوپہر صفورا اور وہ ایک ریستوران میں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ ان کے اوپر شیشے کی چھت بنی تھی جس پہ جگہ جگہ بوگن ویلیا کے گلابی پھول نظر آ رہے تھے۔ دیواریں بھی شیشے کی تھیں جو کہیں سے اونچے پودوں سے ڈھکی تھیں۔ اور کہیں سے سرما کی نرم دھوپ کو اندر آنے کا راستہ دے رہی تھیں۔

اس نے صفورا سے یہ سوال اپنے لنچ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جو اس کے سامنے اَن چھوا رکھا تھا۔

صفورا اپنے لنچ کی تصویر کھینچ رہی تھی کیونکہ وہ اپنا کھانا انسٹاگرام کے اجنبیوں کو دکھانا فرض سمجھتی تھی۔ اس سوال پہ چونک کے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ مالا کی آنکھیں پلیٹ پہ جھکی تھیں۔ سیاہ بال چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے۔ سبز کارڈیگن کے اندر جھانکتے سفید کرتے کے گریبان پہ سیاہ فاختہ والا لاکٹ جگمگا رہا تھا۔ کچھ تھا کشمالہ کے چہرے پہ جو اداس کر دینے والا تھا۔

''بہترین فیصلہ ہے۔ زیاد کے بارے میں جتنا میں نے تم سے سنا ہے، وہ ایک شاندار انتخاب ہے۔ اپنے فیصلے پہ شک کیوں کر رہی ہو؟'' صفورا نے چھری کانٹا پلیٹ میں چلانا شروع کر دیا۔

''کہیں میں جلد بازی سے کام تو نہیں لے رہی؟ یعنی دو ماہ میں شادی۔'' اس نے نگاہ اٹھا کے صفورا کو دیکھا۔ وہ کانٹے کو چکن فلے میں گاڑے، چھری سے ایک ٹکڑا کاٹ رہی تھی۔

''انتظار کس کا کرنا ہے؟ امی رہیں نہیں۔ یہاں رہ کے کیا کرو گی؟ واپس جاؤ اور نئی زندگی شروع کرو۔'' پھر اس کا چہرہ دیکھ کے صفورا نے ہاتھ روکا اور ایک گہری سانس لی۔

''تم بتاؤ، مالا۔ تم جلد بازی کیوں کر رہی ہو؟''

اور وہ جیسے ایک دم سے بولنے لگی۔

''کیونکہ میں لاہور میں مزید نہیں رہنا چاہتی۔ یہاں ہر طرف ماں کی یادیں ہیں۔ ڈپریشن ہے۔ ایک طویل عرصے سے کوئی میرا تعاقب کرتا آیا ہے۔ میں اس سب سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں۔''

''اب تو وہ تعاقب نہیں کر رہا نا؟'' صفورا نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''نہیں۔ کیونکہ میں نے اس کا تعاقب چھوڑ دیا ہے۔''

ذہن کے پردے پہ باتھ روم کے نل والا واقعہ لہرایا۔ اور اسٹوڈیو میں پڑا کارٹن جس میں اس نے عامل کے متعلق جمع کی گئی معلومات کو سیل بند کر دیا تھا۔ وہ باب ختم ہو چکا تھا۔

www.facebook.com

''میں نے دبئی میں کچھ جگہوں پہ جاب کے لیے اپلائی بھی کیا ہے۔''اس نے بالآخر چھری کانٹا اٹھایا۔

''پھر مسئلہ کیا ہے؟''

''کچھ ہے میرے اندر جو مجھے کہتا ہے کہ زیادمیرے لیے بہترین چوائس نہیں ہے۔''وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

''کیا تمہیں زیاد سے محبت ہے؟''

''کیا مجھے زیاد سے محبت ہے؟''اس نے الٹا سوال کیا۔

''نہیں ہے؟''صفورا نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''پتہ نہیں۔''اس نے بال کان کے پیچھے اڑسے۔سبز آنکھوں میں اداسی سی تھی۔

''مجھے اس کے لیے ایک بے چین کردینے والی کشش محسوس ہوتی ہے۔جیسے کچھ کھینچتا ہو اس کی طرف۔وہ سامنے ہوتو سب سے اہم وہی لگتا ہے۔اسے دیکھتے ہی خواہش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد میں کوئی فیصلہ کروں ورنہ میں اسے کھودوں گی۔''

''شروع شروع میں محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔''اس نے بے پرواہی سے اسٹیک کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔

''واقعی؟''وہ دھیرے سے ہنسی۔''پھر سمجھی محبت مختلف محسوس ہوگی۔''

''مختلف کیسے؟''

مالا نے تھوڑی پہ ہاتھ رکھا اور نظریں اٹھا کے چھت سے لٹکتی بوگن ویلیا کی بیلوں کو دیکھا۔

''میں سمجھتی تھی کہ محبت بے چین اور جلد بازی کروانے والی نہیں ہوگی۔''

''پھر کیسی ہوگی؟''

''بے چینی'سکون کا الٹ ہے۔کھودینے کا ڈر'تحفظ کا الٹ ہے۔میں سمجھتی تھی محبت میں کھودینے کا ڈر نہیں ہوگا۔سکون ہوگا۔تحفظ ہوگا۔''

(وہ کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔اور کیف خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔کھڑکی کے باہر کنال کے ساتھ لگے درخت بھاگتے دکھائی دے رہے تھے۔ہر طرف خاموشی تھی۔)

''میں سمجھتی تھی محبت کمفرٹیبل کردینے والی ہوگی۔آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جیسے۔تحفظ کا احساس۔''

(وہ کار کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔اور وہ دھوپ میں کھڑی تھی۔قریب آئی تو دھوپ کا راستہ رک گیا۔ہر طرف چھایا تھی۔)

www.facebook.com/mahnoorahmed.writer

''میں سمجھتی تھی کہ میں اپنی محبت کے ساتھ جہاں بھی ہوں گی' خوش ہوں گی۔ مجھے خوشی کی تلاش میں ایک نئے شہر جا کے نئی زندگی نہیں بسانی پڑے گی۔''

(وہ دونوں عثمان کی بیٹھک میں موڑھوں پہ بیٹھے تھے۔ سامنے مٹی کے پیالوں میں مہک اڑاتی چائے اور نان خطائیاں رکھی تھیں۔ وہ چائے سے اٹھتے دھوئیں کو دیکھتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ مسکرا کے اسے سن رہی تھی۔)

''دیکھو میری ارینج میرج ہوئی تھی۔ میرا تجربہ مختلف تھا۔'' صفورا کے چھری کانٹا چلانے کی آواز سے کوئی فسوں سا ٹوٹا۔ وہ چونک کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''یہ بے چینی وغیرہ شادی سے پہلے ہوتی ہے۔ شادی کے بعد زندگی میں ٹھہراؤ آ جاتا ہے۔ ایک ہی انسان سے روز لڑائی اور روز صلح ہوتی ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ تمہیں خوش رہے گا۔ ویسے بھی مرد کی شکل کون دیکھتا ہے۔''

''شکل؟'' وہ ایک دم چونکی۔ ''زیاد کی شکل کو کیا ہوا؟''

''نہیں دراصل....'' صفورا گڑبڑا گئی۔ ''میرا مطلب تھا' تمہارے مقابلے میں بہت پرنس چارمنگ نہیں ہے لیکن اچھا ہے۔ ڈیسنٹ ہے۔ اور شکلیں کہاں میٹر کرتی ہیں یار۔ اخلاق اچھا ہونا چاہیے۔''

''یعنی تمہیں وہ نارمل لگتا ہے؟'' وہ قدرے خفا ہوئی اور اپنے کھانے پہ جھک گئی۔ ''مجھے تو وہ بہت ہینڈسم لگتا ہے۔''

''یہی تو محبت ہے۔ نارمل انسان بھی بہت اچھا لگتا ہے۔'' صفورا نے سمجھا دی تو وہ بھی مسکرا دی۔

''زیاد تھوڑا تلخ ہے۔ اس کی منگیتر کی موت کا ٹراما ابھی تک تازہ ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ محبت سے اس کو فکس کر لوں گی۔''

اس بات پہ صفورا چونکی۔ پھر کھنکھاری۔ ''مالا... کوئی عورت کسی مرد کو جوڑ نہیں سکتی۔ نہ heal کر سکتی ہے۔ نہ فکس کر سکتی ہے۔ شادی کے بعد وہ بدلے گا نہیں۔ تھوڑا بہت تمہارے طریقے پہ ڈھل جائے گا۔''

ویٹر ڈرنکس کی ٹرے اٹھائے ان کے قریب آیا اور ادب سے ایک گلاس صفورا کے سامنے رکھا۔

''غلط۔ محبت انسان کو بدل بھی سکتی ہے اور فکس بھی کر سکتی ہے۔ محبت ہی تو heal کرتی ہے۔ یہ سب سے بڑا مرہم ہوتی ہے۔'' وہ مسکرا کے اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔ صفورا کچھ کہنے لگی تھی لیکن اسی وقت ویٹر دوسرا گلاس رکھنے جھکا ہی تھا کہ گلاس ہاتھ سے سلپ ہوا۔ بہت سا منٹ مارگریٹا کشمالہ کے کندھے پہ جا گرا۔

''اندھے ہو کیا؟ دیکھ نہیں رہے؟'' صفورا ایک دم غرائی۔

www.pakistanipoint.com
mrah.ahm@gmail.com

''صفورا... اٹس او کے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر نیپکن اٹھایا اور پرسکون انداز میں اپنا کندھا صاف کیا۔

''سوری میم۔ رئیلی سوری۔'' کمزور سا ویٹر گھبرا کے جلدی جلدی معذرت کرنے لگا۔

''کوئی بات نہیں۔ دوسری ڈرنک لے آئیں۔ میں اسے واش کر لیتی ہوں۔'' وہ نرمی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ ریسٹ روم سے واپس آئی تو دیکھا' صفورا کے پاس مینیجر اور ویٹر کھڑے معذرت کر رہے تھے۔ اور وہ خفگی سے ان کو ڈانٹ رہی تھی۔

''اٹس او کے' صفورا۔ جانے دو۔'' وہ واپس بیٹھی اور ان کو جانے کا اشارہ کر دیا۔ صاف نیپکن گود میں بچھایا۔ پھر محسوس ہوا' صفورا اسے ناراضی سے گھور رہی تھی۔

''اسے سزا ملنی چاہیے تھی' مالا۔ ورنہ سیکھے گا کیسے؟''

''اس نے میرا کارڈیگن خراب کیا۔ اور تمہاری ڈانٹ نے اس کا پورا دن خراب کر دیا۔ حساب برابر۔ اب اپنی انا کے پیچھے میں کسی غریب کو اس کی نوکری سے نہیں نکلوا سکتی۔''

وہ پلیٹ اپنی طرف کھسکائے' کھانا وہیں سے شروع کر چکی تھی۔

''انا کہاں سے آ گئی درمیان میں؟'' صفورا خود بھی ریستوران مینیجر تھی۔ اس کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

وہ جواباً دھیرے سے ہنس دی۔

''ہنسی کیوں؟''

''کچھ نہیں۔ کچھ یاد آ گیا تھا۔'' وہ مسکراہٹ دبائے سر جھکا کر کھانے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس کا دل اب ہلکا پھلکا تھا۔ وہ درست فیصلہ کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ناممکن۔ ایک دم ناممکن۔''

روم نمبر ۵۵۵ کی کھڑکی کا بلائنڈ اوپر اٹھا تھا جس کے باعث بظاہر تیز لیکن درحقیقت ٹھنڈی دھوپ اندر داخل ہونے کا راستہ بنا چکی تھی۔ سورج کسی ہمسایہ عمارت کی اوٹ میں تھا' اس لیے دھوپ کا رخ ترچھا تھا۔ وہ صرف کھڑکی کے ساتھ رکھے کاؤچ تک پہنچ پا رہی تھی جس پہ بیربل فرید چپ چاپ' گہری سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا۔

دیوار پہ لگے کاغذ' میزوں پہ بکھرے دستے' سب کچھ ایسے صفائی سے سمیٹا جا چکا تھا کہ جیسے کچھ پھیلایا ہی نہ

www.facebook.com/nemrahmed

ہو۔ ماہر بیڈ کی ٹیک سے کمر ٹکائے' ٹانگیں لمبی کیے نیم دراز تھا۔ سر پیچھے تکیے پہ تھا اور آنکھیں دائیں بائیں ٹہلتے چنگیز پہ جمی تھیں۔

''ناممکن۔ کوئی کسی پہ محبت کا جادو کیسے کر سکتا ہے؟'' چنگیز جھنجھلا گیا تھا۔

''جیسے شمس نے میری ماں پہ کروایا تھا۔''

''ہو سکتا ہے تمہاری ماں کو شمس کی کوئی خوبی اچھی لگی ہو۔''

''شمس میں کوئی خوبی نہیں تھی۔'' وہ سپاٹ نظروں سے چنگیز کو دیکھ رہا تھا۔ ''سرکار اس جادو میں ماہر ہے۔ وہ کسی پہ بھی سحرِ عشق کروا سکتا ہے۔''

''سرکار کا کوئی ای میل ایڈریس نہیں مل سکتا؟ میرے تو سارے مسئلے حل ہو جائیں۔'' سوچ میں ڈوبا بیربل کھنکھارا۔

لیکن کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم سرکار اس جادو میں ماہر ہے؟'' چنگیز اب مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماہر نے شانے اچکائے۔

''میں نے دو جمع دو چار کیا ہے۔ اس البم میں میری ماں کی تصویر بھی تھی' اور کشمالہ کی بھی۔ میں سمجھتا تھا کہ البم والی عورتوں کو سرکار نے مروا دیا ہے یا مروانا ہے۔ اس لیے میں کشمالہ کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو میری ماں کے ساتھ ہوا تھا۔ لیکن میں غلط تھا۔'' اس نے بیچ کی آواز نکالی گویا خود پہ افسوس کیا۔

''یعنی البم والی عورتوں پہ دراصل سرکار نے جادو کیا تھا؟''

''بالکل۔ اس نے مختلف کلائنٹس کے لیے مختلف عورتوں پہ سحرِ عشق کیا تھا۔ سرکار ایک ٹروفی کلیکٹر بھی ہے۔ اپنے ہر شکار کا حساب رکھتا ہے۔''

''میں نہیں مانتا۔ کوئی کسی کے دل میں اپنی محبت جادو کے ذریعے نہیں پیدا کر سکتا۔'' چنگیز نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''درست۔'' اس نے سر تائید میں ہلایا تو وہ دونوں چونک کے اسے دیکھنے لگے۔

''کیا مطلب؟''

''سحرِ عشق کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ کوئی انسان جادو کے ذریعے کسی کے دل میں اپنی محبت پیدا نہیں

www.facebook.com/mahir.ahmed.official

کر سکتا۔" وہ ٹیک لگائے سنجیدگی سے ان سوالات کے جواب دے رہا تھا۔

"لیکن تم نے کہا سحرِ عشق اثر کرتا ہے۔" سب سے زیادہ مایوسی بیربل فرید کو ہوئی تھی۔

"سحرِ عشق، عشق نہیں ہوتا۔ سحر ہوتا ہے۔ ایک الوژن۔ محبت کا ایک سراب۔ ایک مصنوعی احساس جو ساحر محبوب کے دل میں جگاتا ہے۔ محبوب اس کو محبت سمجھتا ہے اور...." اس نے تھوک نگلا۔ "اور اپنے ساحر کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا ہے۔ جیسے ہماری ماں نے کیا۔"

"ایک ہی بات ہے۔ محبت ہو یا اس کا احساس۔"

"ایک بات نہیں ہے، بیربل۔ محبت ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے۔ سحر الوژن ہے۔ دور سے لگتا ہے سڑک پہ پانی پڑا ہے۔ لیکن قریب آؤ تو پانی نہیں ہوتا۔ صرف دھوپ کا الوژن ہوتا ہے۔"

"یعنی سحرِ عشق جلدی ٹوٹ جاتا ہے۔"

"میں نہیں مانتا۔" چنگیز نفی میں سر ہلاتے ہوئے کرسی پہ بیٹھا۔ "تم صرف زیاد سلطان سے جیلیس ہو۔ اور ہسپتال کے اس بند کمرے کی قید نے تمہارے ذہن پہ برا اثر ڈالا ہے۔"

"ایسے مت کہو، چنگیز۔" بیربل برا مان گیا۔ "اس کے ذہن پہ اثر بہت پہلے سے ہے۔ ہسپتال کے کمرے کا کیا قصور؟"

ماہر نے جواباً بس ایک نظر اسے دیکھا اور کندھے اچکا دیے۔

"واللہ ماہر فرید کبھی غلط نہیں ہوتا۔"

"تم یہ ثابت کر سکتے ہو؟" چنگیز نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ کہنے لگا لیکن چنگیز نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ "اور یہ مت کہنا کہ وہ ہینڈسم نہیں ہے۔ جب کسی لڑکی کو کسی آدمی سے محبت ہو جائے تو وہ اس کو ہینڈسم ہی لگتا ہے۔ میں نے اس کی تصویر دیکھی ہے۔ وہ بدصورت نہیں ہے۔"

"میں نے کب کہا بدصورت ہے۔ صرف ہینڈسم نہیں ہے۔ وہ خود کو بدصورت سمجھتا ہے اسی لیے اس نے جادو کا سہارا لیا ہے۔"

"کیا تم یہ ثابت کر سکتے ہو؟" اس نے چبا چبا کے اپنی بات دہرائی۔ "کیونکہ اگر وہ واقعی جادو کروا رہا ہے تو تمہیں اس لڑکی کو بچانا ہوگا۔ کیا کہہ کے بچاؤ گے؟ کہ واللہ ماہر فرید کبھی غلط نہیں ہوتا؟"

"میں ثابت کر سکتا ہوں۔" اس کا انداز اٹل تھا۔

https://facebook.com/nemrah.ahmed.official

''کیسے؟''

''نمبرز سے۔ سارے کھیل نمبرز کے ہیں۔'' وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرایا۔ اس کے گال پہ لگے کٹ کا نشان ویسا ہی تھا البتہ چہرے کے نیل قدرے مندمل ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

''یعنی؟''

''میں اتنا جانتا ہوں کہ سرکار ایک ہائی پروفائل جادوگر ہے۔ اس کے کلائنٹس پوری دنیا میں پھیلے ہیں۔ اور وہ بااثر لوگ ہیں۔ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' اس نے ابرو سے پلستر میں لپٹی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیونکہ وہ امیر لوگ ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ سرکار اپنے کام کی بھاری فیس لیتا ہے۔ زیاد نے بھی دی ہوگی۔ ہے نا؟''

''زیاد کی بینک اسٹیٹ منٹ۔'' چنگیز نے چونکا۔ ''یقیناً کوئی منی ٹریل ہوگا۔''

''جادوگروں کو عموماً ماہانہ پے منٹ کی جاتی ہے۔ زیاد کے اکاؤنٹ سے ہر مہینے ایک خاص رقم کی ٹرانزیکشن کی جاتی رہی ہوگی۔ مجھے صرف اس اکاؤنٹ کو ڈھونڈنا ہے جہاں وہ رقم جاتی ہوگی۔''

''کیا معلوم وہ کیش دیتا ہو؟''

''ہاں ہو سکتا ہے۔ لیکن تب بھی ہر ماہ اکاؤنٹ سے رقم نکلوانے کا اندراج ہوگا۔ یوں میری بات ثابت ہو جائے گی۔''

''اس کے بینک اکاؤنٹس دبئی اور پاکستان دونوں ملکوں میں ہوں گے۔ اسٹیٹمنٹ کیسے نکلواؤ گے؟'' چنگیز اب اس کی بات پہ سوچنے لگ گیا تھا۔

''اس کی فکر مت کرو۔'' بیربل ہنسا۔ ''ہمارے پاس ایک ایسا انسان ہے جو کسی کے بارے کچھ بھی معلوم کر کے دے سکتا ہے کیونکہ اس کے براہم ملک کے براہم عہدوں پہ دوست موجود ہوتے ہیں۔''

''کون؟'' چنگیز چونکا۔

''زارا۔'' وہ اب سر جھکائے زارا کو میسج لکھ رہا تھا۔

چنگیز بڑبڑا کے رہ گیا۔

''ویسے جنرل نالج کے لیے پوچھ رہا ہوں....'' بیربل سرسری سے انداز میں کھنکھارا۔ ''سرکار کی فیس کتنی ہوگی؟''

''بیربل۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ بیربل نے فوراً سے ہاتھ اٹھا دیے۔

''مذاق کر رہا تھا یار۔'' پھر کسی خیال سے چونکا۔ ''تم نے کہا سحرِ عشق کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے؟ مگر کیسے۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

ماہر فرید نے ایک گہری سانس کھینچی۔ اور پھر وہ کہنا شروع ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کی دلاآنما عمارت کے اندر لہلاتے سرسبز پودے خاموشی سے ورکرز کو کام کرتے دیکھ رہے تھے۔ شبنم اپنے ڈیسک کے ساتھ کھڑی کاغذات کے ایک پلندے پہ سر جھکائے ہوئے تھی جب قریب آتے قدموں کی آہٹ پہ چونکی۔ سر اٹھا کے دیکھا تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

عبدالمالک فرید لفٹ سے باہر آتے دکھائی دے رہے تھے۔ گرے سوٹ' سفید شرٹ' ڈائمنڈ ٹائی پن' اور سلور بالوں کو جیل سے جمائے' ان کا چہرہ ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا۔ شبنم ایک دم سیدھی ہوئی۔ نگاہوں نے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ وہ سیدھا زارا کے آفس کی طرف بڑھ گئے۔

شبنم اب کے قدرے تجسس سے اس سمت میں دیکھنے لگی۔ مالک بے ''کیف'' کو اس قابل سمجھیں کہ خود وہاں تشریف لائیں' یہ ہر روز نہیں ہوتا تھا۔ کچھ تو تھا۔

انہوں نے شیشے کا دروازہ دستک کے ساتھ کھولا تو اپنی کرسی پہ بیٹھی زارا جھنجھلائی ہوئی ساتھ کھڑے ملازم سے کہہ رہی تھی۔

''ایک ڈھنگ کا قہوہ نہیں بنا سکتے تم لوگ؟ لے جاؤ اس کو۔'' انگلیوں سے ننھی سی پیالی پرے دھکیلی۔ ملازم معذرت کرتا ہوا جلدی سے کپ اٹھانے لگا۔ قہوے کے چند قطرے چھلک گئے۔ زارا نے ان کو آتے دیکھا تو خاموش ہوئی۔ لگتا تھا جیسے کافی دیر سے اس کی کلاس لی جا رہی ہو۔

وہ بغور اس کی پیشانی کے بل دیکھتے ہوئے سامنے آئے اور کرسی کھینچی۔

''اپنی shallow ego کی وجہ سے اس کو نوکری سے نکالو گی کیا؟'' ساتھ ہی ملازم کو ابرو سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی جلدی ٹرے سمیٹتا باہر کو لپکا۔

''آپ کیسے آئے' بابا؟''

اس کے کھلے بال دونوں کندھوں پہ curls میں سیٹ تھے۔ بنا آستین کے سفید بلاؤز پہنے' جس کے گریبان پہ سنہری زنجیر جھول رہی تھی' اکیرلک ناخنوں کو سبز نیل پالش سے رنگے' وہ گھنی مصنوعی پلکیں جھکائے باپ کو دیکھنے کی بجائے کاغذات الٹا پلٹا رہی تھی۔ ماتھے کے بل ہنوز قائم تھے۔

''کیونکہ فون پہ لگا تم اپ سیٹ ہو۔'' ان کی آنکھیں کسی بھی تاثر سے عاری تھیں۔ جیسے برف کی ایک جھیل ہو۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

زارا نے آنکھیں اٹھا کے انہیں شکایتی نظروں سے دیکھا۔

''ماہر سے ملے آپ؟ اس کے دوستوں نے میرا داخلہ بند کر رکھا ہے۔ عجیب لوگ۔'' ناپسندیدگی سے جھرجھری لی۔

''کیوں رہ رہی ہو ان عجیب لوگوں میں؟ واپس آ جاؤ۔'' وہ بغور اس کو دیکھ رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ اس نے ٹھنڈے انداز میں ہنس کے ان کی بات ہوا میں نہیں اڑائی۔

اس نے فائل بند کی اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔ چہرہ ناراض ناراض سا تھا۔

''میں یہاں خوش ہوں۔''

''اس کی زندگی میں تم کہیں نہیں ہو زارا۔'' پہلی دفعہ ان کی آواز میں دکھ سا ابھرا۔ جیسے برف کی جھیل میں شگاف ظاہر ہوا ہو اور ایک پتا اوپر تیرنے لگے۔

''میں اس کی بیسٹ فرینڈ ہوں۔''

''تم اس کی زندگی میں کہیں نہیں ہو۔'' وہ آگے کو جھکے اور بات دہرائی۔

زارا کی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔

''آپ غلط ہیں۔ وہ آخر میں میرے پاس ہی آئے گا۔''

''تم اپنی زندگی ضائع کر رہی ہو۔ میرے ساتھ واپس چلو۔''

"تاکہ اپنی بہنوں کی طرح شادی اور بچوں میں زندگی ضائع کروں؟ کیوں بابا؟ آپ کو تو اپنے جیسی بیٹی چاہیے تھی۔''

''تمہیں اب تک معلوم نہیں ہوا کہ مجھے کیسی بیٹی چاہیے تھی۔'' وہ دھیرے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ برف واپس جم گئی۔ پتا کہیں نیچے منجمد ہو گیا۔

وہ ابھی دروازے تک پہنچے تھے جب زارا نے لب کھولے۔

''اس نے مجھے ایک آدمی کی بینک اسٹیٹ منٹ نکلوانے کے لیے کہا ہے۔ زیاد سلطان۔''

وہ ہینڈل پہ ہاتھ رکھے رکھے مڑے۔

''کیا پوچھنا چاہتی ہو؟''

''کیا ماہر یہ سب کسی لڑکی کی وجہ سے کر رہا ہے؟'' وہ بنا پلک جھپکائے باپ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہاں

www.facebook.com/nemrahahmed

صرف برف تھی۔

''ہاں۔اور اس لڑکی کا نام ہلال ہے۔'' ذرا سے شانے اچکائے۔

''وہ ہلال کے لیے یہ سب نہیں کر رہا۔'' وہ ایک دم درشتی سے بولی۔گلا رندھ گیا۔''کوئی لڑکی بھی ہے جس سے وہ لاہور میں ملا تھا۔اور آپ جانتے ہیں اسے۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئے۔ہاتھ ابھی تک ہینڈل پہ تھا۔

''سوال یہ ہے کہ آپ اس لڑکی کو protect کیوں کر رہے ہیں؟'' اس کی گیلی آواز بلند ہوئی۔

''ڈی جی صاحب کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ضرور جانا ورنہ وہ برا مانے گا۔'' ایک ایک لفظ چبا چبا کے کہا اور دروازہ کھول کے باہر نکل گئے۔شبنم جو تجسس سے اس طرف دیکھ رہی تھی' جلدی سے فائل میں چہرہ چھپائے رخ موڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے پرائیوٹ روم نمبر ۵۵۵ میں اس صبح خاموشی پھیلی تھی۔نہ کسی مشین کی آواز تھی' نہ انسان کی۔وہاں کوئی موجود نہ تھا سوائے بستر پہ ٹیک لگائے نیم دراز مریض کے۔گال پہ زخم کا نشان ویسا ہی تھا۔آنکھ تلے نیل بھی جامنی پڑ چکے تھے۔وہ موبائل اسپیکر پہ لگائے' دوسری جانب جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔اسکرین پہ ''ون ان فنٹی'' جگمگا رہا تھا۔

وہ چند لمحے ان الفاظ کو دیکھے گیا۔اسکرین دھیرے دھیرے پگھلنے لگی۔یہاں تک کہ وہ پگھلی چاندی کی طرح سارے پہ چھا گئی۔اس منظر نامے سے دھوئیں کا ایک مرغولہ اٹھا۔سفید آسمان میں سیاہ دھواں۔اور وہ وہیں رقم ہو گیا۔

یہ منظر اس پینٹنگ میں پینٹ کیا گیا تھا جو برسوں پہلے اس روز رابیل کے اپارٹمنٹ کی دیوار پہ دکھائی دے رہی تھی۔

رابیل اس پینٹنگ تلے بچھی کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' کانوں میں ننھے ہیرے پہنے' ان کا چہرہ سپاٹ اور سرد تھا۔

''ماں پلیز... میں پھر سے آیا ہوں۔آپ کی منت کرنے۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھا تھا۔کلین شیو اور کم عمر چہرہ۔ماتھے پہ بکھرے بال۔آنکھوں تلے حلقے۔

''شمس سے شادی نہ کریں۔وہ آپ کو ہرٹ کر دے گا۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed

اس نے دونوں ہاتھوں سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ لہجے میں لجاجت تھی۔ بے چین نگاہیں ان کی سرد آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''تمہیں کیسے معلوم؟'' لہجہ سرد تھا۔

''میں لوگوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں ہوتا۔ شمس سب کچھ پلاننگ کے تحت کر رہا ہے۔ وہ صرف آپ کی دولت کی وجہ سے آپ کے ساتھ ہے۔''

''یعنی تمہیں اپنی ماں اتنی ارزاں لگتی ہے کہ کوئی اس کا ساتھ اس کے اپنے لیے نہیں چاہ سکتا؟''

''جو چاہتا تھا' اسے آپ نے چھوڑ دیا۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''اور وہی تمہیں یہ سب سکھا کے یہاں بھیجتا ہے۔ ہے نا؟'' انہوں نے بے رخی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ انہیں دیکھ کے رہ گیا۔

''میرے بیمار باپ کے پاس سکھانے کے لیے وقت نہیں ہے۔''

''تم مجھے شمس کے خلاف کیوں کر رہے ہو؟ تم اس کو جانتے تک نہیں ہو۔''

''ہر کوئی ماہر فرید کی بات کا اعتبار کرتا ہے۔ آپ کیوں نہیں کرتیں؟''

دیوار پہ لگی پینٹنگ کا رنگ سنہری پڑنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ سونے کی طرح پگھلنے لگی۔

اس پگھلے سونے میں ایک دھوپ سے بھری صبح ابھرنے لگی۔

وہ دونوں دہلی گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ مجھ پہ بھروسہ کرتی ہیں؟''

''ہاں۔''

''وہ آپ کو ہرٹ کرے گا۔''

''تم مجھے زیاد کے خلاف کیوں کر رہے ہو؟'' سبز آنکھوں میں شک تھا۔ ''تم اس کو جانتے تک نہیں ہو۔''

دھوپ ٹھنڈی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی۔

ماہر نے آنکھیں کھولیں۔ وہ روم نمبر ۵۵۵ میں لیٹا تھا۔ اور اسپیکر فون پہ ماہ بینہ مبین ہیلو کہہ رہی تھی۔

''ماہر فرید کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ لیکن ایک کوشش کرنا چاہتا تھا۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔

''کیسی کوشش؟'' وہ اس اچانک سی فون کال پہ حیران ہوئی تھی۔

www.paksociety.com/nemrahmed

''اگر میں تمہیں کہوں کہ میں جانتا ہوں کہ تمہاری ماں اور بہن پہ جادو کروانے والا سرکار کا کلائنٹ کون ہے.... تو؟''

''کبیرہ تائی ہیں۔ مجھے معلوم ہے۔''

ماہر فرید نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''تم کئی برس سے انہی کو اپنا دشمن گردانتی آئی ہو۔ اگر میں کسی اور کا نام لوں تو مان لو گی؟''

''مجھے ثبوت چاہیے ہوگا۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔ ماہر کے لب ''اوہ'' میں سکڑے۔

''یعنی تمہیں میرا اعتبار نہیں ہے؟''

''ہمارے اوپر جادو کروانے والی' میری ماں کی سب سے بڑی دشمن کبیرہ تائی ہی ہیں۔ میں کیسے یقین کرلوں کہ کوئی اور یہ کرسکتا ہے۔ ناممکن۔''

''زیاد... زیاد سلطان۔'' وہ ایک دم بولا۔ ''اگر میں کہوں کہ وہ تمہاری فیملی کا سب سے بڑا دشمن ہے' تب؟''

چند لمحے کے لیے لائن خاموش ہوگئی۔

''پھر سے سگار پینے لگے ہیں؟

''مذاق نہیں کررہا۔ سچ کہہ رہا ہوں۔ زیاد سلطان سرکار کا کلائنٹ ہے۔''

''ماہر صاحب... میری بات سنیں۔'' اس کی آواز سے چھلکتا غصہ بات سمندر پار بھی اپنی حدت سے سارے کمرے کو دہکا گیا تھا۔ ''آپ نے مالا کو دھوکہ دیا' میں نے اس بات کو جانے دیا کیونکہ مجھے آپ کی نیت پہ کبھی شک نہیں ہوا تھا۔ آپ کی وجہ سے مالا اور میری لڑائی ہوئی۔ اس بات کو بھی میں نے جانے دیا۔ لیکن اب آپ زیادتی کررہے ہیں۔ آپ اس شخص پہ الزام لگا رہے ہیں جس سے میری بہن شادی کرنے جارہی ہے۔''

غصہ۔ دکھ۔ حیرت۔ اس کے لہجے میں کیا نہیں تھا۔

''میں غلط نہیں ہوں۔ زیاد تمہاری کہانی کا ولن ہے۔'' وہاں صرف ہٹ دھرمی تھی۔

''آپ یہ سب مالا اور زیاد کی شادی روکنے کے لیے کررہے ہیں نا؟''

''مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ اپنی زندگی میں کیا کرتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس شخص سے شادی کرتی ہے جو میرے دشمن کا کلائنٹ ہے' تو میرا فرض ہے کہ میں اسے یہ غلطی کرنے سے روکوں۔''

''مالا اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔ آپ کو میرے یا اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ایک منٹ فون مت رکھنا۔'' وہ واقعی فون رکھنے والی تھی جب وہ تیزی سے بولا۔

''کیا زیادہ تمہارے لیے کچھ لاتا ہے؟ کچھ میٹھا؟ ہر دفعہ ایک ہی چیز؟'' وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ ''چاکلیٹس... یقیناً چاکلیٹس....''

اب کے خاموش ہونے کی باری ماہی کی تھی۔

''آپ کو کیسے معلوم؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''اسی لیے تم اس کا دفاع کر رہی ہو کیونکہ وہ ان چاکلیٹس کے ذریعے تمہاری مخالفت کو پہلے ہی حمایت میں بدل چکا ہے۔ میں مزید کوشش نہیں کروں گا۔ لیکن اگر میں تمہارے پاس ثبوت لے کر آؤں تو مان جاؤ گی؟''

لائن خاموش ہو گئی۔ جیسے وہ خود بھی مخمصے میں پڑ گئی ہو۔

''جب ثبوت ہو گا' تب بات کریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ تب تک اس کی لائی ہوئی چاکلیٹس مت کھانا۔ ان میں جادو ملا ہوتا ہے۔''

''اُف....'' ماہی نے زور سے بٹن دبا کے کال کاٹی۔

''اس نے تمہارا یقین نہیں کیا؟'' بیربل ابھی ابھی کمرے میں آیا تھا۔ فریج سے ایک کین نکالا اور اس کے سامنے بیٹھا۔

''مجھے معلوم تھا وہ یقین نہیں کرے گی۔ وہ اس کا ہونے والا بھائی ہے۔ وہ اس کے مقابلے میں میری کیوں سنے گی؟''

''پھر اسے یہ سب کیوں بتایا؟''

''تاکہ اس کے دل میں شک کا بیج ڈال سکوں۔ اور....'' لاپرواہی سے شانے اچکائے۔ ''وہ یہ نہ کہہ سکے کہ میں نے اسے وارن نہیں کیا تھا۔''

اس نے موبائل ایک طرف ڈال دیا۔ بیربل جو کین لبوں تک لے جا رہا تھا' رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''بس؟ تم مزید کچھ نہیں کرو گے؟''

''نہیں۔ اب جو کرنا ہے انہوں نے خود کرنا ہے۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھی ایک کتاب اٹھالی اور بک مارک لگا صفحہ کھولا۔

''وہ لڑکی ایک ٹال' ڈارک اور ناٹ سو ہینڈسم ولن سے شادی کرنے جا رہی ہے۔ تم اس کو بچاؤ گے نہیں؟''

www.facebook.com/mrah.ahmed

''کوئی انسان کسی کو نہیں بچا سکتا۔ اسے اپنے آپ کو بچانا ہے اور مجھے اپنی بہن کو ڈھونڈنا ہے۔ مالک درست کہتا تھا۔ میرے جذبات درمیان میں نہیں آنے چاہیے تھے۔ ویسے بھی سحرِ عشق کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔'' وہ کتاب کھول کے چہرے کے سامنے کر چکا تھا۔ بیربل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟ تم نے خود کہا تھا کہ جادوگر کسی پر بھی سحرِ عشق کروا سکتے ہیں۔''

''ہاں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کامیاب ہوتا ہے۔ بلکہ....'' اس نے پڑھتے ہوئے صفحہ پلٹایا۔ ''سحرِ عشق کا انجام وہ نہیں ہوتا جو تم سوچ رہے ہو۔''

اس کے لب ہل رہے تھے اور نیل زدہ آنکھیں صفحے پہ جمی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو ماہ بعد۔

وہ ایک سرد اور تاریک کمرہ تھا۔ اس میں کوئی فرنیچر نہ تھا سوائے ایک پلنگ کے۔ مالا اس پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ گھٹنے سینے سے لگائے' خوف سے چوکھٹ کو دیکھتی ہوئی۔

چوکھٹ پہ دروازے کی جگہ ایک پردہ لٹکا تھا۔ پردہ دھیرے دھیرے ہوا سے لہرا رہا تھا۔

اس کی خوفزدہ آنکھیں پردے پہ جمی تھیں۔

دفعتاً پردے کے پیچھے سے ایک ہاتھ نکلا۔ مخملی سا بوڑھا ہاتھ۔ اس نے پردہ مٹھی میں دبایا۔ وہ اس کے سیاہ لمبے ناخن دیکھ سکتی تھی۔ اس نے گھٹنے مزید سینے سے لگائے۔ خود کو اپنے ہی بازوؤں میں لپیٹا۔

ہاتھ اب پردہ سرکا رہا تھا۔ ایک ایک انچ۔ ایک ایک سانس۔

پھر اس نے سر نکال کے اندر جھانکا۔

یہ وہی بچہ تھا۔ وہی منحوس صورت بچہ جس کے کان لمبے' سر بڑا اور گول چہرہ تھا۔ بال غائب اور آنکھوں کی جگہ سیاہ گڑھے تھے۔

وہ اس کو دیکھ کے مسکرایا۔ کھوکھلی آنکھیں چمکنے لگیں۔

ایک چیخ کے ساتھ وہ جاگی۔

وہ اپنے بیڈروم میں تھی۔ بھاری کمبل اوپر ڈالے' نیم گرم کمرے میں' کسی دوسرے کی موجودگی کے بغیر۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed

اس نے کمبل اوپر سے ہٹایا۔اپنی گردن کو چھوا۔سارا وجود پسینے میں تر تھا۔

اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔دل زور سے دھڑک رہا تھا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔سب کچھ نارمل تھا۔سوائے اس کے۔

اس نے پیر نیچے اتارے اور آگے بڑھ کے بتی روشن کی۔ایک دم سارے میں روشنیاں سی پھیل گئیں۔

کمرے کے ایک کونے میں شاپنگ بیگز کا ڈھیر لگا تھا۔گو کہ وہ سلیقے سے رکھے تھے لیکن بہت جگہ لے رہے تھے۔وہ ننگے پیر چلتی سنگھار میز تک آئی۔اپنا عکس دیکھا۔اس کا چہرہ بے داغ تھا۔سپید اور خوبصورت۔سبز آنکھیں البتہ خوف سے بھری تھیں۔

آئینے کے کونے میں چند اسکی نوٹس لگے تھے۔ان پہ کرنے کے کام لکھے تھے۔

چند کاموں کو لائن لگا کے کاٹ دیا گیا تھا۔باقی ویسے ہی تھے۔

نکاح کا جوڑا پک کرنا ہے۔

ویڈنگ رنگ خریدنی ہے۔

اس سے مزید کام نہیں پڑھے گئے۔نظریں نیچے پھسل گئیں۔میز پہ سامنے نکاح کا کارڈ رکھا تھا۔سفید کارڈ پہ سنہری رنگ سے عبارتیں لکھی تھیں۔کارڈ کے اوپری حصے پہ ایک بے بی پھول چسپاں تھا۔ننھا سا پھول۔اس نے انگلیاں پھول پہ پھیریں۔نیچے نکاح کی تاریخ نظر آ رہی تھی۔

آج سے ٹھیک دس دن بعد زیاد اور اس کی شادی تھی۔صرف نکاح کا فنکشن ہونا تھا۔اور اسی شام رخصتی۔گزشتہ دو ماہ سے شادی کی تیاریوں کے لیے بازاروں کے چکر لگاتے لگاتے اس کے ذہن نے وہ سب فراموش کر دیا تھا۔وہ احساس کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے۔کوئی اس کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔وہ سب اسے بھول گیا تھا۔

وہ واقعات ہونے بھی ختم ہو گئے تھے۔اب نہ کوئی خون کے چھینٹے تھے۔نہ کھلتے بند ہوتے پانی کے نل۔زندگی سکون میں تھی۔اس نے بوڑھے جادوگر کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔اور یقیناً اس نے بھی مالا کا پیچھا ترک کر دیا ہو گا۔

لیکن آج کچھ نیا ہوا تھا۔

کئی ماہ بعد وہ خواب پھر سے دکھائی دیا تھا۔وہی منحوس بچہ۔Changeling

لیکن وہ اس کے قریب نہیں آ رہا تھا۔جیسے فاصلے پہ گھات میں بیٹھا ہو۔کسی شے کا منتظر۔

اپنے عکس کو دیکھتی اس کی نظریں گردن میں جھولتی چین پہ ٹھہر گئیں جس میں سیاہ فاختہ پروئی ہوئی تھی۔اس نے دو

انگلیوں سے فاختہ کو تھاما اور آنکھیں بند کر کے گہری سانس اندر کھینچی۔

پھر جب وہ سانس باہر خارج ہوئی تو اس کا خوف کم ہونے لگا تھا۔

صرف تین سانسیں کشمالہ مبین کو پرسکون کر سکتی تھی۔

چند لمحوں بعد وہ بیڈ پہ بیٹھی، فون کان سے لگائے زیاد کو اپنا خواب سنا رہی تھی۔ زیاد اسے ہمیشہ کہتا تھا کہ اگر اسے دوبارہ برے خواب آنے لگیں تو وہ اس سے شیئر ضرور کرے۔ شاید وہ دونوں مل کے اس کا کوئی مطلب نکال سکیں۔

''یقیناً کبیرہ آنٹی پھر سے شروع ہو گئی ہیں۔'' زیاد نے سنتے ہی تبصرہ کیا۔ ''ہمارے خاندان میں جادو کے لیے وہی مشہور ہیں۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کروانا چاہتی تھیں۔ ایسا نہیں ہو سکا۔ اس لیے اب وہ میرا اور آپ کا رشتہ ختم کروانے کے لیے پورا زور لگائیں گی۔ نکاح میں دس دن رہ گئے ہیں۔ ایک دفعہ نکاح ہو جائے تو ان کے جادو نہیں چل سکیں گے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ زیاد درست کہہ رہا تھا۔ یہ سب کبیرہ تائی کر رہی تھیں۔ اور اگلے دس روز تک کرتی رہیں گی۔ اسے تیار رہنا تھا۔

اس نے ایک نظر کمرے میں رکھے شاپنگ بیگز کو دیکھا۔ سب کچھ پرفیکٹ تھا۔ سوائے... چہرہ موڑ کے بیڈ کی دوسری سائیڈ کو دیکھا جو خالی تھی... سوائے اس ایک کمی کے جواب ابد تک پوری نہیں ہو گی۔ ماں نہیں تھیں۔ لیکن نگینہ آنٹی تو تھیں نا۔ وہ بھی ماں کی طرح بیمار تھیں۔ وہ ان کی خدمت کر کے ان میں اپنی ماں ڈھونڈ سکتی تھی۔ وہ اداسی سے مسکرا دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کے آسمان پر پھیلی گدلی اسموگ نے مبین منزل کی کھڑکیوں کو دھندلا دیا تھا۔

آنسوؤں سے بھی اسٹوڈیو کی کھڑکی کے اندر شام کی مناسبت سے سفید بتیاں جلی تھیں اور چند نفوس اندر کام کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ایک چوکی پہ مالا بیٹھی ایک بڑے سے چوکور فریم پہ سر جھکائے ہوئے تھی جس کے اوپر ایک ریشمی کپڑا کھینچ کے لگایا گیا تھا۔ اس پہ جگہ جگہ سفید آؤٹ لائن سے کچھ پھول بنائے گئے تھے۔ وہ چھوٹا برش انگلیوں میں تھامے، احتیاط سے پھولوں میں رنگ بھر رہی تھی۔

فریم کے اس پار وہی پٹھان بچہ بیٹھا تھا۔ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے، وہ ناخوشی سے ریشم پہ ابھرتے پھولوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہر پھول کے آدھے حصے میں سفید رنگ بھرا تھا اور باقی آدھا خالی تھا۔

www.facebook.com/mahnoorahmed.official

''یہ اچھے نہیں لگ رہے، مالا باجی۔ کوئی مسئلہ ہے۔''

مالا نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرائی۔ ماتھے پہ سبز ریشمی رومال باندھے وہ بالوں کو جوڑے میں لپیٹے ہوئے تھی۔ حسبِ معمول ایک گال پہ پینٹ کا دھبہ تھا اور انگلیاں بھی رنگین ہو رہی تھیں۔

''رنگ سارے مسئلے حل کر سکتے ہیں، طوطی۔''

اس نے دوسرا برش اٹھایا اور سرخ پینٹ میں ڈبو کے پھول کے خالی حصے کو بھرنا شروع کیا۔

اس بچے کا اصل نام نہ جانے کیا تھا لیکن وہ خود کو طوطی خان کہتا تھا۔ اور اس وقت اس کی آنکھیں تحیر سے طوطے کی طرح پھیل گئیں۔

''واہ۔'' سبز ساڑھی کے کپڑے پہ سرخ اور سفید پھول بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

(سرخ رنگ یاد رہ جانے والا رنگ ہے۔) وہ برش کو پھر سے سرخ رنگ سے رگڑ رہی تھی جب دور کہیں یا دوں میں سے ایک آواز ابھری۔ اس کے ہاتھ سست ہوئے۔ لیکن اس نے سر جھٹک دیا۔ اسے اب سر جھٹکنے کی عادت ہو چکی تھی۔

نئی ای میل کی ٹون نے اسے متوجہ کیا تو اس نے برش رکھا اور فون اٹھاتے ہوئے گال پہ آئی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔ سرخ دھبہ کان کے قریب لگ گیا لیکن اسے پروا نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں ای میل پڑھتے ہوئے بے یقینی اور خوشی سے چمکنے لگی تھیں۔

''مالا.. تمہیں خالہ بلا رہی ہیں۔ کوئی بات کرنی ہے۔'' ماہی نے چوکھٹ میں آ کے دروازہ بجایا تو اس نے خوشی سے تمتماتا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''مجھے دبئی میں جاب مل گئی ہے۔'' اس کے گال گلابی ہو رہے تھے۔ ''ایک دوست کے کزن کا ریستوران رینوویٹ ہو رہا ہے۔ میں ایک ماہ بعد جوائن کر سکتی ہوں۔''

''مبارک ہو۔'' ماہی سوچ سوچ کے کہنے لگی۔ ''لیکن اتنی جلدی؟ ابھی شادی بھی نہیں ہوئی اور جاب؟''

بچہ باری باری دونوں کے چہرے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''میں شادی اسی لیے کر رہی ہوں تاکہ ایک نئے شہر میں نئی زندگی شروع کر سکوں۔ اور جاب اس زندگی میں میرے لیے بہت ضروری ہے۔ خالہ سے کہو میں آ رہی ہوں۔'' وہ مطمئن تھی۔

نیچے آئی تو ثمر جہاں خالہ لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ وہ حورِ جہاں جیسی ہی دکھتی تھیں۔ سبز آنکھیں۔ سرخ و سفید

www.paksociety.com/nemrahmed/

رنگت۔ البتہ جسم متوازن تھا۔ موٹاپہ نہیں چڑھا تھا۔ امریکہ میں رہ کے خود کو فٹ اور جوان رکھے ہوئے تھیں۔ باب کٹ بال ہیئر بینڈ سے پیچھے کر رکھے تھے۔

وہ بڑے صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی تھیں۔ مالا آ کے دوسرے کنارے پہ بیٹھی اور نرمی سے پوچھنے لگی۔

''آپ نے بلایا تھا خالہ؟'' ثمر جہاں نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ سیاہ ٹراؤزر اور لمبی قمیض پہ ڈھیلا ڈھالا کارڈیگن پہنے' جوڑا بنائے' ماتھے پہ سبز رومال لپیٹے بیٹھی سادگی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ثمر جہاں دو روز پہلے امریکہ سے آئی تھیں اور جیٹ لیگ کی وجہ سے زیادہ وقت آرام کرتی رہی تھیں۔ کھل کے بات کرنے کا موقع آج ملا تھا۔

''مالا تم اس رشتے سے خوش ہو؟'' انہوں نے الفاظ جوڑے۔ ماہی بھی خاموشی سے سامنے والے صوفے پہ آ کے بیٹھ گئی۔

''ظاہر ہے میں خوش ہوں۔ کیوں؟'' اس نے چونک کے انہیں دیکھا۔ پھر ماہی کو۔

''مالا... بیٹے... میرا نہیں خیال زیاد تمہارے لیے ایک اچھی چوائس ہے.....'' وہ اس کی طرف پہلو موڑ کے بیٹھیں۔ چہرے پہ تفکر تھا۔ ''ان کی فیملی ہم سے بہت مختلف ہے۔ اور یہ نگینہ....'' ان کے لہجے میں ناپسندیدگی ابھر آئی۔ ''وہ مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہی۔''

ماہی نے گردن بالکل جھکا دی۔ وہ اس وقت مالا کو کوئی نئی لڑائی افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

''نگینہ آنٹی بہت اچھی اور نیک خاتون ہیں۔'' اس کو بہت برا لگا تھا۔ لڑکی کی طرح اپنے ہونے والے سسرال کی برائی اسے اپنی برائی لگی تھی۔

''اللہ معاف کرے لیکن لوگ جیسے نظر آتے ہیں' ویسے ہوتے نہیں ہیں۔'' خالہ نے ناک سکیڑ کے کہا۔

''نگینہ آنٹی آپ کو کیوں نہیں پسند؟'' وہ بغور خالہ کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''کیونکہ وہ بہت چالاک عورت ہے۔ ہم ایک زمانے سے اس کو جانتے ہیں۔ وہ تمہاری ماں کو بھی پسند نہیں تھی۔''

''نہیں تو۔ وہ اتنے مہینے سے ہمارے گھر آ جا رہی ہیں۔ ماں نے ہمیشہ ان کو ویلکم کیا ہے۔'' اس کا لہجہ دفاعی تھا۔

''نہیں مالا۔ خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ماں کو پہلے نگینہ آنٹی پسند نہیں تھیں۔ یہ تبدیلی عزہ کی شادی سے آئی ہے۔'' ماہی کھنکھاری۔

عزہ اس کی وہ کزن تھی جس کی شادی اٹینڈ کرنے وہ کیف کے ساتھ اسلام آباد سے لاہور آئی تھی اور پھر لاہور

www.facebook.com/nemra.ahmed.official

سے نکل نہیں سکی۔ اسی شادی پہ وہ براہ راست پہلی دفعہ زیاد اور نگینہ آنٹی سے ملی تھی۔ اس سے پہلے ماموں کے ٹیرس سے اس نے براؤنی کھاتے ہوئے ان کو صرف دیکھا تھا۔

ادھر ماہی کہہ رہی تھی۔

''عزہ کی شادی پہ نگینہ آنٹی ایک لمبے عرصے بعد ماں سے ملی تھیں اور انہوں نے سب کے سامنے کبیرہ تائی سے ملنے سے انکار کر دیا۔ اس وجہ سے ماں کا دل ان کی طرف سے نرم ہوا۔ اور پھر ماں برین ٹیومر کی مریضہ تھیں۔ ان کا دماغ ٹھیک سے فیصلے نہیں کر پا رہا تھا۔ ورنہ انہوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مجھے ہمیشہ یہی بتایا تھا کہ انہیں نگینہ آنٹی نہیں پسند۔''

''مجھے ایسا کچھ یاد نہیں۔'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ گفتگو مشکل ہوتی جا رہی تھی۔

" کیونکہ تمہاری ماں کی غیبت کی عادت نہیں تھی۔ اس کو کوئی پسند نہ ہوتا تو اس سے دور ہو جاتی تھی۔ خاموشی سے۔ تمہاری طرح۔'' خالہ نے بغور اسے دیکھا۔ اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ اسے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''ویسے نگینہ آنٹی ہیں تو اچھی۔'' ماہی سوچ کے بولی۔ ''ہماری ماؤں کو بہت سے لوگوں سے مسئلے ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ لوگ برے ہوں۔ نگینہ آنٹی نے حور کو اتنا پیار کیا تھا' پھر اسے گھڑی بھی دی۔''

''ہم نگینہ آنٹی کو کیوں ڈسکس کر رہے ہیں؟ میری شادی زیاد سے ہو رہی ہے۔'' اس نے زور دے کر یاد دلایا۔

''زیاد ایک بہت عام سا انسان ہے' بیٹا۔ اس میں کوئی ایسے ہیرے نہیں جڑے ہیں کہ تم اس کے بارے میں سوچو بھی۔ اوپر سے اس کے ماں باپ کا عجیب ٹاکسک سا رشتہ ہے۔ شادی سے پہلے ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ مرد کن حالات میں بڑا ہوا ہے۔ ٹاکسک حالات میں بڑے ہونے والے مرد ٹاکسک ہوتے ہیں۔ عباد کو دیکھو۔ اگر آج وہ ماہی کے ساتھ اچھا ہے تو اس لیے کہ اس کے گھر کا ماحول صحت مند تھا۔''

''ہر انسان کے اندر بچپن کا ٹراما ہوتا ہے' خالہ۔ ہم بھی تو بغیر باپ کے بڑے ہوئے ہیں۔ کیا ہم ٹاکسک ہیں؟ شادی کے بعد دو لوگ ایک دوسرے کی محرومیوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے ماں باپ کی سزا اس کو کیوں دیں؟'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''بیٹے تمہیں زیاد سے اچھا رشتہ مل سکتا ہے۔''

''اچھا ... کون؟'' وہ چونکی۔ پہلی دفعہ اسے خالہ کی بات سمجھ میں آنے لگی۔

انہوں نے گہری سانس لی۔ چند لمحے کا وقفہ کیا۔ اب کے ماہی بھی چونکی۔ کچھ تھا جو وہ نہیں جانتی تھی۔

''میرے جیٹھ کا بیٹا ہے۔ فائق۔ عباد کا فرسٹ کزن۔ امریکہ میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ہے۔ اس کی ماں نے مجھے تمہارے لیے کہا ہے۔ وہ بہت اچھا' بہت قابل لڑکا ہے۔''

''فائق کی تو پچھلے سال ڈائیورس ہوئی ہے خالہ۔'' ماہی بے یقینی سے بولی۔

''ڈائیورس کا کیا ہے۔ ہوتی رہتی ہیں۔ مرد پہ کوئی دھبہ تھوڑی لگ جاتا ہے۔'' خالہ نے اسے گھورا۔

وہ اپنی جگہ بالکل شل ہوگئی۔ خالہ اس کو زیاد کے مقابلے میں ایک طلاق شدہ آدمی کا رشتہ قبول کرنے کے لیے کہہ رہی تھیں؟ وہ بھی اس کی شادی سے دس دن پہلے؟

''طلاق کو لوگوں نے taboo بنالیا ہے۔ ایسی بری چیز نہیں ہوتی طلاق۔ ٹاکسک رشتے میں رہنے سے بہتر ہے بندہ طلاق لے کر الگ ہو جائے۔ اور فائق کی بیوی ہی کوئی سائیکو تھی۔ شکر ہے اس نے جان چھڑالی۔ وہ ہر لحاظ سے زیاد سے بہتر ہے۔ تم اس سے بات کر کے تو دیکھو۔'' خالہ اسے پھر سے سمجھانے لگیں۔

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔ بہت کچھ اندر ایک دم سے ابلنے لگا تھا۔ لیکن پھر... اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس ایک گہری سانس ناک سے اندر کھینچی اور لبوں سے خارج کر دی۔ سینے میں ابلتا لاوا ٹھنڈا ہو گیا۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ میری بھلائی چاہتی ہیں خالہ۔'' اس نے نرمی سے ان کے ہاتھ تھامے۔ ''آپ سے پہلے مجھے کئی کزنز نے بھی یہی کہا ہے۔ کہ زیاد اور میرا جوڑ نہیں ہے۔ لیکن میرے نزدیک وہ ایک اچھا انسان ہے۔ پھر شادی ایسا جوا ہے جسے میں اپنی مرضی سے کھیلنا چاہتی ہوں۔ اگر زیاد ایک غلطی ہے تو یہ میری غلطی ہونی چاہیے۔ کسی انسان کی گارنٹی نہیں ہوتی۔ کوئی شادی کے بعد کچھ بھی نکل سکتا ہے۔''

''زندگی اتنی قیمتی ہے کہ اس میں تجربے نہیں کرنے چاہئیں' مالا۔'' خالہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''میں نہیں سمجھتی کہ میں غلطی کر رہی ہوں۔ لیکن اگر آپ کو لگتا ہے کہ یہ ایک غلطی ہے تو کم از کم یہ میری غلطی ہوگی۔'' اس نے اسی نرمی سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے علیحدہ کر لیا۔ اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ خالہ یاسیت سے اسے دیکھے گئیں۔

''ماں نگینہ آنٹی کو کیوں پسند نہیں کرتی تھیں؟'' مالا کے جانے کے بعد ماہی سوچ میں گم بولی۔

''کیونکہ تمہاری ماں اللہ کا بہت ذکر کرتی تھی۔ اور جو بہت ذکر کرنے والے لوگ ہوتے ہیں نا' انہیں اشارے مل جاتے ہیں۔ انگریزی میں جسے تم vibes کہتی ہو۔'' پھر کچھ یاد آنے پہ خفگی سے ماہی کو گھورا۔

''اور تم نے بھی پکڑ کے اسی عورت سے بیٹی کو گھٹی دلوا دی۔''

''وہ... انہوں نے خود کہا تھا۔'' وہ گڑبڑا کے کھڑی ہوئی۔

حور کا فیڈر لینے وہ کچن تک آئی تو دیکھا' کاؤنٹر پہ زیادہ کی لائی چاکلیٹس کا ایک باکس ادھ کھلا رکھا تھا۔ ذہن میں ماہر کا کہا فقرہ گونجا لیکن اس نے سر جھٹکا اور ایک چاکلیٹ نکال کے ریپر اتارنے لگی۔

''خوامخواہ جیلس ہے وہ۔ ہونہہ۔'' ریپر ڈسٹ بن میں اچھالا اور چاکلیٹ منہ میں رکھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کیف'' کی بالائی منزل پہ بنے آفس کیبن اس صبح خالی تھے کیونکہ سارا عملہ لفٹ کے سامنے ہجوم کی صورت کھڑا تھا۔ اشتیاق بھری نظریں دھاتی دروازوں پہ جمی تھیں۔ اسی لمحے لفٹ کی گھنٹی بجی۔ دروازے الگ ہوئے اور ماہر فرید نظر آیا۔

سیاہ سوٹ کے اندر سفید شرٹ پہنے' گیلے بال پیچھے کو جمائے' وہ ویسا ہی تھا۔ سوائے رخسار پہ لگے زخم کے نشان کے۔ یا پھر کہنی کے ساتھ لگی بیساکھیوں کے۔

''خوش آمدید ماہر بے۔'' پرجوش استقبال۔ آفس واپسی کی مبارک۔ صحت یابی کی دعائیں۔ ایک ساتھ بہت کچھ اس کی طرف آیا۔ ماہر نے بدقت مسکرا کے سر کو خم دیا۔ پھر نگاہ میں کچھ اٹکا۔ مین ہال کی دیوار کے ساتھ پھولوں کی سجاوٹ کی گئی تھی۔ ساتھ ہی کچھ سوئیٹس رکھی تھیں۔

''یہ سب کس نے کیا ہے؟'' اس نے شبنم کی طرف دیکھا جو سب سے آگے کھڑی مسکرا کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

''میں نے۔''

''گڈ۔ یہ فضول خرچی تمہاری تنخواہ سے کٹے گی۔'' ایک برہم نظر اس پہ ڈال کے وہ بیساکھی کے سہارے آگے بڑھا۔

''اور آپ سب اپنی نشستوں پہ جائیں۔ آپ کو کمپنی اس وقت کے لیے پے کرتی ہے۔''

وہ سب مسکراہٹیں دبائے ادھر ادھر بکھر گئے۔ درمیان میں راستہ چھوڑ دیا۔ وہ آگے بڑھا اور شبنم مسکرا کے اسے آفس تک جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ اندر چلا گیا تو وہ اسٹاف کی طرف پلٹی اور ہتھیلی پھیلائی۔

''میں شرط جیت گئی۔ ماہر بے کو ایکسیڈنٹ بھی مشین سے انسان نہیں بنا سکا۔ میرے پیسے!'' مسکرا کے آنکھیں گھمائیں۔ اور بہت سے ہاتھ بے اختیار جیبوں کی طرف بڑھ گئے۔

www.facebook.com/nemrahmed

وہ آفس میں داخل ہوا تو زارا پہلے سے اندر موجود تھی۔ وزیٹرز چیئر پہ بیٹھی وہ اسی کی منتظر تھی۔

''کیا تمہیں اتنی جلدی آفس جوائن کرنا چاہیے تھا؟'' وہ خفگی سے کہتی کھڑی ہوئی۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ بیساکھی سے لنگڑا کے چلتا کنسول ٹیبل تک آیا جو کہ کھڑکی کے قریب تھی۔ کھڑکی میں رکھا کیکٹس کا پودا سوکھ سڑ چکا تھا۔ ماہر نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ سر جھائے دراز کھول رہا تھا۔ بیساکھی پہ گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ پھسل کے نیچے جا گری۔

''مجھے میرا جواب مل گیا ہے۔'' وہ قریب آئی اور جھک کے بیساکھی اٹھائی۔ پھر سیدھے ہوتے ہوئے ناراضی سے اسی دیکھا۔

''تم ورک فرام ہوم بھی کر سکتے تھے۔ میں تمہیں ہر چیز گھر پہ مہیا کر دیتی۔''

''اور ڈوپامین؟ اس کا کیا؟'' وہ مسکرا کے دراز سے لائٹر نکال رہا تھا۔ زارا اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''جو ڈوپامین رش مجھے چاہیے وہ گھر بیٹھے نہیں مل سکتا۔'' اس نے لائٹر جلایا اور قطار میں رکھی کینڈلز میں سے ایک کا ڈھکن اٹھایا۔ صندل وڈ۔

''(ڈوپامین انسانی دماغ میں پیدا ہونے والا ایک کیمیکل ہے جو انسان کو اچھا محسوس کرواتا ہے۔ اور اپنے پسندیدہ کاموں کے درمیان میں ریلیز ہوتا ہے۔)

لائٹر کے شعلے نے موم بتی کے دھاگے کو چھوا اور اس نے آگ پکڑ لی۔ پل بھر میں موم پگھلنے لگی۔

''تم ہمارے بارے میں سوچتے ہو کبھی؟''

وہ میز تک آ رہا تھا جب زارا دھیرے سے بولی۔ وہ چونکا۔ بیساکھیاں کوٹ اسٹینڈ کے ساتھ رکھیں (ایک پھر سے پھسل گئی) اور ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

وہ ابھی تک دور کنسول ٹیبل کے ساتھ کھڑی تھی۔ بل دار بال دونوں شانوں پہ گر رہے تھے۔ براق سفید مڈی ڈریس میں ملبوس، گریبان پہ جھولتی سنہری زنجیریں، ناخنوں پر فیروزی نیل پالش اور سفید لانگ بوٹس پہنے، وہ بظاہر ہمیشہ جیسی ہی تھی لیکن کچھ تھا جو بدلا ہوا لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ملال تھا۔ یا شاید گلہ۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔

''کیا مطلب؟''

''کبھی تم ہمارے بارے میں سوچتے ہو، ماہر؟'' وہ قدم قدم چلتی آگے آ رہی تھی۔ صندل وڈ کی خوشبو موم کی قید سے آزاد ہو کے سارے میں پھیلنے لگی۔ وہ ٹیک لگائے، آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے غور سے اسے دیکھے گیا۔

https://www.facebook.com/mirah.ahmed.official

''میں جو لندن سے آئی ہوں اس کمپنی کے لیے۔ اور یہ لوگ جو (دروازے کی طرف اشارہ کیا) دن رات اس کمپنی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اگر کیف ڈوبا تو ہم سب کے کیریئرز کا کیا بنے گا؟''

''تم کافی دن سے مجھے اپ سیٹ لگ رہی ہو۔ کیا ہوا ہے؟'' وہ قدرے حیران تھا۔

''کیونکہ تم اس کمپنی کو وقت نہیں دے رہے۔''

''وقت دینے ہی آفس آیا ہوں۔ اور...'' وہ متعجب ہوا۔ ''ابھی تم کہہ رہی تھیں مجھے گھر پہ ہونا چاہیے تھا۔''

''تم کیف پہ کام کرنے آفس نہیں آئے۔ مجھ سے یہ پوچھنے آئے ہو کہ مجھے زیاد سلطان کی بینک اسٹیٹمنٹ میں کیا ملا؟''

وہ میز کے کناروں پہ ہاتھ رکھے کھڑی بہت بے بسی بھری برہمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے ''اوہ'' کہہ کے ایک گہری سانس خارج کی۔

''کیا ملا؟'' مسکرا کے سامنے رکھا لیپ ٹاپ کھولا۔ دوسرا ہاتھ بڑھا کے ڈیسک ٹاپ آن کیا۔ بیک وقت بہت سی اسکرینز جل اٹھیں۔

''تمہیں اپنے اس جنون کے علاوہ کسی کی فکر نہیں ہے' ماہر۔''

''وہ جنون نہیں ہے۔ وہ میری بہن ہے۔'' وہ ایک دم درشتی سے بولا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی اور ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''وہ بہن جو مر چکی ہے۔ اس کی تلاش میں ہم سب تمہارے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ رہی زارا تو زارا کا کیا۔ زارا اسی چیز میں تو اچھی ہے۔ ایک کال کرو اور زارا کام کر دے گی۔ فلاں کا پتہ کرواؤ۔ فلاں کی بینک اسٹیٹمنٹ نکلواؤ۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی۔

''تمہیں آلہ کار بننے سے منع کر دینا چاہیے تھا۔ میں کسی اور سے کہہ دیتا۔'' وہ بے نیازی سے اب کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''بابا ٹھیک کہتے ہیں۔ تمہیں میری پرواہ نہیں ہے۔''

''زارا کیوں صبح صبح مجھ سے لڑ رہی ہو؟'' اس نے کراہ کے اسکرین فولڈ کی۔ پھر بے بسی سے اسے دیکھا۔ سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''تم میں اور کبیرہ سادان میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ماہر فرید کے چہرے پہ ناگواری بکھری۔ جیسے کچھ کڑوا مشروب پی لیا ہو۔

''مجھے اس سے کیوں ملا رہی ہو؟''

" کیونکہ اسی سے سب شروع ہوا تھا۔ تم نے اس کے بارے میں مجھے معلومات لینے کے لیے کہا۔ اور میں نے تمہاری مدد کر کے تمہیں مزید اس جنون کی دلدل میں دھکیل دیا۔ اسی کی وجہ سے تم بار بار لاہور جاتے ہو۔ اور تمہارے ساتھ یہ سب (بیساکھی کی طرف اشارہ کیا) ہو رہا ہے۔''

''زارینہ فرید....'' اس نے آنکھیں بند کر کے کنپٹیوں کو سہلایا۔ ''میں کبیرہ کے لیے لاہور نہیں جاتا۔ میں اس کے بارے میں صرف اس لیے جاننا چاہتا تھا تاکہ دیکھ سکوں کہ اس کے اور میرے خاندان کے درمیان کوئی مشترک کڑی ہے یا نہیں۔ اور یقین کرو ہمارے درمیان کچھ مشترک نہیں ہے۔ میں اپنے جس دشمن کو ڈھونڈ رہا تھا' اس کا کبیرہ سے تعلق نہیں ہے۔''

''جھوٹ مت بولو۔ تم میں اور اس عورت میں بہت کچھ مشترک ہے۔ لیکن خیر... مجھے کیا۔'' اس نے میز پہ رکھے کاغذات کا ایک پلندہ اس کی طرف دھکیلا۔

''زیاد سلطان کی بینک اسٹیٹمنٹس۔ میں نے پوچھا کہ مجھے کیسے ملیں۔ بہت وقت لگا۔ لیکن مل گئیں۔'' لہجہ جتاتا ہوا تھا۔ ''اور ان میں ایسا کچھ نہیں ہے جو مشکوک ہو۔ وہ کسی کو ایک مخصوص رقم نہیں بھیجتا۔ بلکہ وہ زیادہ پیسے خرچ نہیں کرتا۔ کنجوس ہے۔''

ماہر نے تیزی سے پلندہ اٹھایا اور نگاہ پہلے صفحے پہ دوڑائی۔

''کوئی بڑی رقم جو اس نے نکلوائی ہو؟'' وہ صفحات پلٹا رہا تھا۔ زارا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''کہا نا۔ کنجوس ہے۔ زیادہ پیسے خرچ نہیں کرتا۔''

''یہ ایک اکاؤنٹ سے اسے ہر ماہ ایک بڑی رقم بھیجی جا رہی ہے۔'' اس نے پین سے ایک جگہ اشارہ کیا۔

''یہ اس کی ماں کا اکاؤنٹ ہے۔ ماما زبوائے۔ ابھی تک اپنی ماں سے خرچہ لیتا ہے۔'' زارا نے کندھے اچکائے۔ وہ ابھی تک خفا خفا سی تھی لیکن وہ جیسے اسٹیٹمنٹ کی طرف متوجہ تھا۔

''بہت پیسہ ہے اس کی ماں کے پاس۔'' وہ بڑبڑایا۔ یونہی چہرہ اٹھا کے کچھ سوچنے لگا۔ نگاہیں کنسول ٹیبل پہ جلتی صندل وڈ کی موم بتی پہ جمی تھیں۔

''کیا ہوا؟''

https://www.facebook.com/nemrahahmed

''اس کی ماں....'' اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ''اس کی ماں سے میں ملا تھا۔ کب؟''

اور اگلے ہی لمحے اسے یاد آیا۔ وہ باہر لان میں تھا۔ وہ دن جب وہ کشمالہ مبین کی نوکری چھوڑ رہا تھا۔ وہ اسے کھڑکی سے اندر بیٹھی دکھائی دی تھیں۔ سفید دوپٹے والی باوقار سی عورت۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پھر انہوں نے اسے بلایا تھا۔ کیوں؟ کچھ منگوایا تھا انہوں نے۔ ہاں۔ اسے یاد آیا۔ جائے نماز۔ وہ جائے نماز لے کر اندر آیا۔ انہوں نے شکریہ کہا۔ اس نے جائے نماز ساتھ رکھی۔ اور واپس مڑا۔ انہوں نے اسی وقت جائے نماز اٹھائی۔ ان کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ٹکرایا تھا۔ ہلکا سا لمس۔ جیسے راہ چلتے بہت سے لوگوں کے ہاتھ ٹکرا جاتے ہیں۔ اور وہ باہر نکل آیا تھا۔ وہ زیاد اور مالا کے رشتے کی بات کر رہی تھیں۔ اور اس کے دل پہ جیسے گھونسا سا لگا تھا۔ اسے وہ گھونسا ابھی تک یاد تھا۔ جیسے کوئی جسمانی تکلیف ہو۔ اسی رات وہ اپارٹمنٹ جا کے شدید بخار میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''اس کی ماں کے پاس زمینوں سے ٹھیکوں کی آمدنی آتی ہے۔ کہو تو اس کو چیک کروں؟'' وہ قدرے طنز سے بولی۔ ماہر فرید نے سر جھٹکا۔

''اونہوں۔ اس کی ماں بے ضرر سی گھریلو عورت ہے۔ رہنے دو۔'' وہ اسٹیٹمنٹ کے صفحے پلٹا رہا تھا۔ اسے جیسے شدید مایوسی ہوئی تھی۔

''آخر زیاد کیسے سرکار کی فیس ادا کرتا ہوگا؟ کوئی حساب ہونا چاہیے تھا' نمبرز کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ شاید وہ کسی اور صورت میں پے منٹ کرتا ہو۔'' وہ خود سے بڑبڑا رہا تھا۔ سر اٹھایا تو دیکھا' وہ ابھی تک خفا نظر آ رہی تھی۔ ماہر کی پیشانی کے بل ڈھیلے ہوئے۔

''زارا....'' وہ نرمی سے گویا ہوا۔ ''میں نے تمہیں کبھی اس شہر میں آنے کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔ تم جب بھی واپس جانا چاہو' جا سکتی ہو۔ میں اتنا خودغرض نہیں ہوں کہ اپنی نئی کمپنی کی وجہ سے تمہارے کیریئر کے اہم سال ضائع کرواؤں۔ میں تمہیں نہیں روکوں گا۔ میں کسی کو بھی نہیں روکا کرتا۔''

''اور یہی تمہارا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ تم کسی کو نہیں روکتے۔ اور اسی وجہ سے ایک دن تم اکیلے رہ جاؤ گے۔''

وہ جیسے ایک دم پھٹ پڑی۔ پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

کاغذ اس کے ہاتھ میں رہ گئے۔ وہ جہاں بیٹھا تھا' وہیں سن ہو گیا۔

زارا کی چند لمحے پہلے کہی بات نے ایک دم اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

وہ درست کہہ رہی تھی۔ اسے پہلے کیوں اندازہ نہیں ہوا؟

ahmed.official
facebook.com

اس نے کاغذات کا پلندہ پرے کیا اور تیزی سے انٹر کام کا ریسور اٹھایا۔

''شبنم... مجھے ایک کیئر ٹیکر چاہیے۔ پروفیشنل نرس۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح اپنے کمرے سے نکلنے سے پہلے کشمالہ مبین نے مسکرا کے آئینے پہ چسپاں فہرست کی ایک سطر کاٹی تھی۔

ویڈنگ رنگ کی خریداری۔

جیولرز کی سفید محل جیسی عمارت سڑک پہ دور سے ممتاز دکھائی دے رہی تھی۔ سامنے پارکنگ لاٹ تھا جس کے اندر کار کھڑی کر کے وہ چند منٹ سے داخلی دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی۔ دھند اور سردی بڑھ گئی تھی۔ وہ سادہ سبز لباس پہ بھوری لیدر جیکٹ پہنے کھڑی' ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رہی تھی۔ قمیض کے گریبان پہ فاختہ والا لاکٹ جگمگا رہا تھا۔ کھلے بال ٹھنڈی ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے اور متلاشی نظریں پارکنگ لاٹ پہ جمی تھیں۔

تب ہی وہ اسے نظر آیا۔ چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

''میں لیٹ ہو گیا۔'' زیاد سلطان مسکراتے ہوئے اس کی طرف آ رہا تھا۔ خالہ کی باتیں اور سارے خدشے ہوا ہونے لگے۔

''نہیں۔ مجھے جلدی پہنچنے کی عادت ہے۔'' کہتے ہوئے لبوں سے دھواں سا نکلا۔

''ویڈنگ رنگ آپ اپنی پسند سے بھی لے سکتے تھے۔''

وہ دونوں عمارت میں ساتھ ساتھ داخل ہوئے۔

''آپ کا تحفہ۔ آپ کی پسند۔'' وہ مسکرا کے بولا۔ ٹرٹل نیک سوئیٹر کے اوپر اس نے کوٹ پہن رکھا تھا جو سامنے سے کھلا تھا۔ وہ اسے آج بھی ہمیشہ کی طرح اچھا ہی لگا تھا۔

''آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں۔'' آگے بڑھتے ہوئے اس نے چہرہ اس کی طرف جھکا کے دھیرے سے کہا۔ ''لیکن مجھے زیادہ خوبصورت تب لگتے ہیں جب آپ اونچی پونی بناتی ہیں۔''

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ ''وہ تو محض کام کرتے ہوئے بناتی ہوں۔ ورنہ مجھے اونچی پونی نہیں پسند۔''

جیولرز کی عمارت اندر سے روشنیوں سے منور تھی۔ ٹائلز سے سجی دیواریں' سیاہ اور سنہرے رنگ کے امتزاج کا ڈیکور' باوردی سیلز مین' عود کی خوشبو۔ ہر شے اعصاب پہ رعب طاری کرتی تھی۔

www.facebook.com/mrah.ahm

''ہیلو کشمالہ میم۔''

''میم بہت عرصے بعد آئیں۔''

اسے ہر طرف سے سلام کیا جا رہا تھا۔ بوڑھا چوکیدار، ویلکم ڈیسک پہ بیٹھی لڑکی، سیلز مین، سب کے سر جھکا کے استقبال کرنے کے انداز میں شناسائی تھی۔ وہ مسکرا کے سب کو سر کے خم سے جواب دے رہی تھی۔

زیاد سامنے ہال کی طرف بڑھنے لگا جہاں طویل شوکیسز بنے تھے لیکن اس نے روک دیا۔

''یہ گولڈ سیکشن ہے۔ ہم اوپر ڈائمنڈ سیکشن میں جائیں گے۔'' وہ مسکرا کے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ زیاد کی مسکراہٹ قدرے پھیکی ہوئی۔ البتہ سر ہلا دیا اور اس کے پیچھے ہو لیا۔

''آپ ان کی پرانی کلائنٹ ہیں غالباً۔'' گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے وہ سرسری سا بولا۔ جیسے بالکل بھی متاثر نہ ہوا ہو۔

''کہتے ہیں کسی کے خاندانی ہونے کا پتہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ملازم اور اس کا جیولر کتنا پرانا ہے۔'' کشمالہ مبین نے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔ لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ اسی اعتماد سے آگے بڑھ گئی۔ اسے معلوم تھا اسے کہاں جانا ہے۔ اس کے چہرے پہ پھیلا غیر آرام دہ سا تاثر نہیں دیکھ سکی تھی۔

بالائی منزل سلور اور نیلے رنگ سے سجی تھی۔ یہاں ہر طرف ہیرے کے زیورات شوکیسز میں دکھائی دے رہے تھے۔ ہال کے وسط میں نیلے مخملیں صوفوں سے بنا ایک سٹنگ ایریا تھا۔ وہ دوسرے کسٹمرز کی طرح شوکیسز کی طرف نہیں گئی۔ سیدھا سٹنگ ایریا تک آئی اور ایک صوفے پہ بیٹھ کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

شوکیسز کے پیچھے ایک سینئر جیولر ایک کسٹمر کو کچھ دکھا رہے تھے۔ اس پہ نظر پڑی تو مسکرا کے سر کو خم دیا۔ پھر اپنے کسٹمر کو دوسرے جیولر کے حوالے کر کے شائستگی سے معذرت کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ آئے۔

''کشمالہ جی۔ کیسی ہیں آپ؟''

وہ ان کے سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھے۔ وہ پرسکون نظر آ رہی تھی۔ البتہ زیاد قدرے تکلف سے بیٹھا تھا۔ نگاہیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''آپ کی والدہ کا بہت افسوس ہوا۔'' جیولر اس سے تعزیت کر رہے تھے۔ مالا نے تھوڑی قدرے جھکا دی۔ اس ذکر سے ملنے والی تکلیف کبھی پرانی نہیں ہو سکتی تھی۔

''بہت نیک خاتون تھیں۔ بہت اچھی۔ جب بھی آپ کے ساتھ آئیں، ایک خوشگوار تاثر چھوڑ کے گئیں۔ ان کی

موت پہ ایک دنیا روئی ہوگی۔"

زیاد سلطان کے چہرے پر سے سایہ سا گزرا۔ اس نے ٹائی ڈھیلی کرنے کے لیے گردن کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن احساس ہوا کہ بنا ٹائی کے ہی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔

"آپ اپنے ڈائمنڈز یہیں سے خریدتی ہیں؟" اس نے مداخلت کی۔ وہ جو تعزیت کے جواب میں ماں کے لیے کچھ کہنے والی تھی' زیاد کو دیکھ کے جواب دینے لگی۔

"جی۔ کیونکہ ڈائمنڈ جیولری ایک اچھی انویسٹمنٹ ہوتی ہے اگر جیولر اچھا ہو۔ یہی ڈائمنڈز امریکہ اور کینیڈا سے آدھی قیمت پہ سیل میں بھی مل جاتے ہیں لیکن میں ان کو بیچ نہیں سکتی۔ اس کے برعکس' لاہور کے تمام بڑے جیولرز ڈائمنڈ جیولری ایک سال بعد اسی قیمت پہ واپس لے لیتے ہیں یا ہم اس کی جگہ کچھ اور خرید سکتے ہیں۔ جب دل بھر گیا تو واپس کر کے کچھ اور لے لیا۔"

"امریکہ کینیڈا کے سیل والے ڈائمنڈز کا ذکر نہ ہی کریں۔" سوٹ میں ملبوس سینئر جیولر نے منہ بنایا۔ "ان کو اس کے نیچے رکھو (ایک عدسہ اٹھا کے لہرایا) تو دوبارہ دیکھنے کا جی نہیں کرتا۔ خیر... کیا دیکھنا چاہیں گی آپ؟"

نگاہیں گھما کے باری باری دونوں کو دیکھا۔ ایک تمکنت سے بیٹھی سبز آنکھوں والی لڑکی جس کے لمبے بال چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے' اور ساتھ غیر آرام دہ سا بیٹھا بے کشش چہرے والا نوجوان۔

"ویڈنگ رنگ۔" وہ کھنکھارا۔ ایک ملازم ان کے سامنے بھانپ اڑاتے کافی کپ رکھ رہا تھا۔ کشمالہ نے شائستگی سے معذرت کر لی۔

"میں باہر کسی کو کافی کا کہہ آئی ہوں۔ تھینکس۔"

"ون کیرٹ؟ ٹو کیرٹ؟" جیولر کی بظاہر مسکراتی لیکن اندر تک ایکس رے کرتی نظریں زیاد سلطان پہ جمی تھیں۔

"جو بہترین ہو۔" زیاد نے جواباً مسکرا کے مالا کی طرف دیکھا۔ اس کا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

"بہترین۔ اوکے۔"

تھوڑی دیر بعد نیلے مخمل کے ڈسپلے کیس ان کے سامنے میز پہ رکھے تھے جن میں درجنوں انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ چھت پہ نصب روشنیوں نے ہیروں کی چمک کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ زیاد نے دیکھا' مالا کے ہاتھوں میں پہلے سے چار انگوٹھیاں' کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس اور کلائی میں ہیروں سے جگمگاتا نازک سا بریسلیٹ موجود تھا۔ ان سب

www.facebook.com/mallahmad

کی چمک اسے مزید غیر آرام دہ کر رہی تھی۔

''ویڈنگ رنگ صرف ایک solitaire کی ہونی چاہیے۔اس کیس میں صرف سولیٹئرز ہیں۔اور یہ آپ کو پسند آئے گا۔''

جیولر نے ایک انگوٹھی اٹھائی اور اس کی طرف بڑھائی۔

''ون کیرٹ۔بلیو ڈائمنڈ۔یہ ابھی حال ہی میں امپورٹ میں آیا ہے۔''

ان دونوں کی نگاہیں اس کی طرف بلند ہوئیں۔وہ ایک نیلی چمک والا چوکور solitaire تھا جو انگوٹھی میں مرصع تھا۔

''بہت خوبصورت۔''وہ زیرِلب بڑبڑائی۔

''کیا قیمت ہوگی اس کی؟''زیاد انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

''آپ کے لیے...''جیولر نے کیلکولیٹر اٹھایا۔چند کیز دبائیں۔پھر سر اٹھا کے عام سے انداز میں بولا۔

''گیارہ لاکھ۔اور یہ تھرٹی پرسنٹ ڈسکاؤنٹ کے بعد کی قیمت ہے۔''

زیاد سلطان کے ابرو استعجاب سے اٹھ گئے۔البتہ وہ ہلکا سا ہنس دی۔

''یہ بہترین ہے'تنویر بھائی۔لیکن مجھے بہترین نہیں چاہیے۔ایسی انگوٹھی کی توقع میں اپنے فیانسی سے نہیں کرتی۔اپنی کمائی سے کرتی ہوں۔اب آپ مجھے وہ دکھائیں جو مجھے پسند آئے گا۔''

جیولر مسکرا کے اب اس کو کچھ دوسری انگوٹھیاں دکھا رہا تھا۔گاہے بگاہے کنکھیوں سے وہ زیاد کو بھی دیکھ لیتا جو ہنوز اسی چوکور ہیرے والی انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ بہترین تھی۔''زیاد سرگوشی میں بولا۔

''نہیں۔وہ بہت مہنگی ہے۔گیارہ لاکھ میں ہم ہنی مون ٹرپ پلان کر سکتے ہیں۔''

مالا نے ایک انگوٹھی ڈسپلے کیس سے نکالی اور انگلی میں پہن کے ہاتھ اونچا اٹھا کے دیکھا۔

اس کے وسط میں ایک سادہ سفید موتی لگا تھا۔اور دائیں بائیں دو ننھے ننھے ہیرے۔

''یہ کیسی ہے؟''وہ قدرے پرجوش سی ہوئی۔

''یہ تو موتی ہے۔''

''مجھے دکھاوے کے لیے ایک کیرٹ نہیں لینا۔وہ لینا ہے جو منفرد اور خوبصورت ہو۔آرٹسٹک ہو۔ایسا ڈیزائن جو

www.pakistanipoint.com

گفتگو کرتا ہو۔"

"نہیں۔امی کو اچھا نہیں لگے گا اگر میں آپ کو موتی کی رنگ دوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا اور جیولر کی طرف متوجہ ہوا۔وہ خاموش ہوگئی۔

"میں امی کے ساتھ دوبارہ آؤں گا اور ہم وہی بہترین والا ون کیرٹ خریدیں گے۔"

جیولر نے مسکرا کے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"ویسے آپ کے ڈائمنڈز اصلی ہوتے ہیں نا؟ یونو ... پاکستان میں کسی چیز کا بھروسہ نہیں ہوتا۔"

وہ جو موتی والی انگوٹھی واپس رکھ رہی تھی، چونک کے اسے دیکھنے لگی۔اس کی ٹون میں ہلکا سا طنز تھا۔

"ڈونٹ وری۔آپ کو ڈائمنڈ کا GIA سرٹیفکیٹ ساتھ ملے گا۔یوں سمجھ لیں کہ ہر ڈائمنڈ کے اوپر لیزر کی مدد سے اس کا نمبر لکھا ہوتا ہے۔آپ اس ڈائمنڈ کو دنیا میں کہیں بھی لے جا کے چیک کروا سکتے ہیں۔"

زیاد سلطان نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔کہا کچھ نہیں۔کچھ تھا جو کشمالہ مبین کو غیر آرام دہ کرنے لگا۔

"وہ بہت مہنگی ہے زیاد۔"

"شادی ایک ہی دفعہ ہوتی ہے اور شادی کا تحفہ ایک ہی دفعہ دیا جاتا ہے۔" وہ دونوں لفٹ کی طرف جا رہے تھے اور ان کی سرگوشیاں جیولر صاحب یہاں سے سن سکتے تھے۔جونیئر جیولر اب ڈسپلے باکس اٹھا رہا تھا۔دفعتاً ٹھہر کے کہنے لگا۔

"سر اس چوکور ڈائمنڈ کا مسز عبدالباری بھی پوچھ رہی تھیں۔ان کو کیا کہوں؟"

"یہی کہ دستیاب ہے۔" وہ ان کو لفٹ کے اندر جاتے دیکھ رہے تھے۔

"لیکن زیاد صاحب اسے خریدنے کا کہہ رہے تھے۔"

"بیٹے...." انہوں نے اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا۔"ڈائمنڈ خریدنے والے ڈائمنڈ خرید کے ہی جاتے ہیں۔"

وہ دونوں باہر نکلے تو آسمان پہ ہلکی سی دھوپ نکلی تھی۔دھندقدرے کم محسوس ہو رہی تھی۔

"ہم امی کو شادی کی شاپنگ میں شامل نہیں کر سکے۔اس لیے سوچا کہ انگوٹھی انہی کے ساتھ خرید لوں۔" وہ پارکنگ ایریا کی طرف جاتے ہوئے وضاحت کر رہا تھا۔

"شیور۔جیسے آپ کو بہتر لگے۔کیسی طبیعت ہے ان کی؟"

زیاد نے گردن جھکا دی۔"وہ ٹھیک نہیں ہیں۔" گھٹن پھر سے بڑھنے لگی تھی۔

www.facebook.com/nemrahmed

''میں بہت دعا کرتی ہوں ان کے لیے۔وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔وہ جواباً کچھ کہنے لگا جب....

''مالا باجی۔''

زیاد سلطان چونک کے گھوما۔سامنے پارکنگ لاٹ میں ایک پٹھان بچہ بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں کافی کا ڈسپوزیبل گلاس تھا۔زیاد نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''زیاد... یہ طوطی ہے۔میرا بہت اچھا ہیلپر۔'' اس نے مسکرا کے کافی اس کے ہاتھ سے لی اور پیار سے اس کے بال بکھیرے۔''اس نے شادی کی بہت سی شاپنگ میرے ساتھ کروائی ہے۔آتے ہوئے میں اسے ایک فرینڈ کے ریستوران میں چھوڑ آئی تھی جہاں یہ میری مرضی کی کافی بنوا رہا تھا۔اور ہاں یہ میری ایک ساڑھی بھی میرے ساتھ پینٹ کروا رہا ہے۔''

طوطی جھینپ کے مسکرا دیا اور گردن اونچی کر کے دراز قد سے زیاد کو دیکھا۔وہ اتنا پرجوش دکھائی نہیں دیتا تھا۔

''یہ وہ چاکلیٹس والے زیاد بھائی ہیں نا؟''

''چاکلیٹس؟'' زیاد چونکا۔وہ تینوں پارکنگ ایریا میں دم توڑتی دھند کے درمیان کھڑے تھے۔

''ہاں جی۔آپ کی لائی ساری چاکلیٹس میں ہی تو کھاتا ہوں۔'' طوطی نے دانت نکالے۔مالا دھیرے سے ہنس دی۔

''کیا مطلب؟'' وہ مسکرا نہیں سکا۔سانس تک رک گیا۔

''میں چاکلیٹس نہیں کھاتی نا۔تو آپ کی چاکلیٹس یہی کھاتا ہے۔یا اس کے بھائی۔اور بدلے میں اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ دوبارہ اسکول جانا شروع کرے گا۔'' وہ ہنس کے بولی۔پھر زیاد کا چہرہ دیکھا۔کچھ تھا اس کے چہرے پہ جو کشمالہ مبین کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔اس نے کافی طوطی کو تھمائی اور اسے کار میں بیٹھنے کے لیے کہا۔وہ سر ہلا کے کار کی طرف بھاگ گیا۔

''کیا ہوا زیاد؟''

''یعنی وہ تحفہ جو میں آپ کے لیے لاتا ہوں' وہ آپ اس... اس بچے کو دے دیتی ہیں؟'' بازو لمبا کر کے اس طرف اشارہ کیا جہاں کار کھڑی تھی۔اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا اور ماتھے پہ لکیریں تھیں۔

''میں چاکلیٹس نہیں کھاتی۔اس لیے....''

www.facebook.com/nemrahmed

''آپ کے نزدیک میرے تحفے کی یہ قدر ہے؟ پسند نہیں آیا تو خیرات کر دیا؟ ہیرے کی انگوٹھی پسند نہ آئی تو اسی کو دے دیجئے گا۔''

بے بسی بھرے غصے سے اس کی آواز اونچی ہو گئی۔

وہ چند لمحے کے لیے جیسے ششدر رہ گئی۔ گھڑیال نے بارہ بجا دیے تھے اور فیری ٹیل جیسے ٹوٹنے کو تھی۔

''زیاد آپ کو معلوم ہے کہ میں میٹھا نہیں کھاتی۔ سوائے چاکلیٹس کے میں آپ کے تمام تحفے استعمال کرتی ہوں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ....'' وہ بہت حیرت اور الجھن سے اس کو دیکھتی کہہ رہی تھی جب اس لمحے کچھ ہوا۔

کچھ ایسا جو اس نے توقع نہیں کیا تھا۔

(''سحرِ عشق کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔'' وہ کتاب کھول کے چہرے کے سامنے کر چکا تھا۔

ہیر بل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟ تم نے خود کہا تھا کہ جادوگر کسی پر بھی سحرِ عشق کروا سکتے ہیں۔''

''ہاں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ....'' اس نے پڑھتے ہوئے صفحہ پلٹایا۔

''سحرِ عشق کا انجام وہ نہیں ہوتا جو تم سوچ رہے ہو۔ یہ سحر کروانے والے کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔''

''کیسی قیمت؟'')

وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ اس کی نظریں زیاد شیطان کے چہرے پہ تھیں اور اس لمحے کچھ ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے زیاد کا چہرہ بدل گیا۔ وہ ایک بھیڑیے کا چہرہ بن گیا جس کے منہ پہ خون لگا ہوا تھا۔

کشمالہ بدک کے دو قدم پیچھے ہٹی۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

(''سحرِ عشق کروانے والا ایک شیطان سے مدد لیتا ہے۔ اس کے ذریعے خود کو محبوب کی نظروں میں خوبصورت دکھاتا ہے۔ اور یوں وہ اپنا کنٹرول شیطان کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ شیطان کو سب سے زیادہ جو چیز پسند ہے وہ کنٹرول ہے۔ کسی انسان کی زندگی کو کنٹرول کرنا۔)

اگلے ہی لمحے اس کا چہرہ بدل گیا۔ واپس نارمل۔ کشمالہ نے پلکیں جھپکائیں۔ زیاد جھنجھلا کے کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ سفید چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

(اور شیطان صرف وہ نہیں کرتا جو ساحر اسے کہے۔ وہ اپنی شرارت کا اضافہ بھی کرتا ہے۔ وہ ساحر اور اس کے

محبوب، دونوں کی زندگیوں کو کنٹرول کرنے لگتا ہے۔ وہ ان کو اپنی مرضی سے کچھ بھی دکھا سکتا ہے۔ ان کو ڈسٹرب کر سکتا ہے۔ خود جادو کروانے والے کو بھی۔)

''زیاد میں گھر جا رہی ہوں۔'' وہ اس کو دیکھے بنا تیزی سے کار کی طرف بڑھی۔ اسے سانس نہیں آ رہا تھا جیسے۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔

''کشمالہ سوری۔۔ میری بات سنیں....''

(اکثر اوقات شیاطین سحرِ عشق کو الٹا دیتے ہیں۔ جسے وہ خوبصورت بنا کے دکھا رہے تھے، اس کو کچھ اور بنا کے دکھاتے ہیں۔

''مثلاً کیا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ مختلف لوگوں کے مختلف تجربات ہوتے ہیں۔ شیطان کا مقصد صرف ان کی زندگیاں ڈسٹرب کرنا ہوتا ہے، اسی لیے سحرِ عشق کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ شیطان جس رشتے میں داخل ہو جائے، اس میں برکت نہیں رہتی۔)

''پلیز اسٹاپ....'' زیاد اس کے پیچھے آ رہا تھا جب اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ وہ ناسمجھی سے چند قدم کے فاصلے پہ رک گیا۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتی خوف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں گھر جا رہی ہوں۔ ہم بعد میں بات کریں گے۔'' اس نے کار کا دروازہ کھولا تو ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

(جب انسان اپنے محبوب کو پانے کے لیے شیاطین کے پاس جائے تو وہ خود کو شیطان کے ہاتھ میں ایک کھلونا بنا دیتا ہے۔ وہ جو چاہے اس کے ساتھ کرے۔)

''مالا باجی کیا ہوا؟'' فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا طوطی ہکا بکا رہ گیا۔ وہ لرزتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کر رہی تھی۔ زیاد کار کے قریب آیا۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ معذرت۔ سوری۔ لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔

(''جادو ایک سراب ہے۔ ایک الوژن۔ کوئی انسان کسی کے دل میں جادو سے اپنی محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ صرف اس کو ایک الوژن میں رکھ سکتا ہے۔ اور الوژن کا سارا مسئلہ یہ ہی ہے کہ وہ جتنا قریب آئے اتنا ہی جلدی کھل جاتا ہے۔''

''پھر ہماری ماں اتنے برس تک شمس کے ساتھ کیوں رہیں؟''

''اس کا جواب میں تمہیں پھر کسی وقت دوں گا۔'' ماہر نے کتاب چہرے کے سامنے کر لی۔)

وہ تیزی سے کاریڈور عبور کر رہی تھی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہاتھوں میں ہنوز لرزش تھی اور چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔

اس نے دیکھا تھا جو اس نے دیکھا تھا۔ اور کوئی بھی چیز اس منظر کو اس کے ذہن سے کھرچ نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازہ زوردار آواز سے بند ہوا تو نگینہ بیگم نے چہرہ اٹھایا۔

وہ اس وقت اپنے لاہور کے گھر کے ماسٹر بیڈروم میں بیٹھی تھیں۔ بستر پہ چند زیورات اور کف لنکس کے ڈبے پھیلے تھے۔ ساتھ کھڑی بنگالی ملازمہ مزید ڈبے کھول کھول کے سامنے رکھ رہی تھی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا جس کے باعث باہر سے آتے قدموں کی آواز واضح سنائی دی۔

ملازمہ نامحسوس طریقے سے کمرے سے نکل گئی۔ نگینہ بیگم بھی مخملیں ڈبے کی طرف متوجہ ہوئیں جس میں سجا سیٹ آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ انہوں نے دو انگلیوں سے اس کا ائیر رنگ اٹھایا۔

تیز قدم چوکھٹ پہ رکے۔ پھر زیاد کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کچھ بھی ٹھیک سے کام نہیں کر رہا۔''

''کر رہا ہے۔ اگلے ہفتے تمہارا اور کشمالہ کا نکاح ہے۔'' انہوں نے ائیر رنگ روشنی کی طرف اونچا کیا۔ پھر اسے الٹایا۔ اس کا سہارا ٹوٹا ہوا تھا۔

''وہ میری دی گئی چاکلیٹس نہیں کھاتی 'امی۔'' وہ شکست خوردہ سا ان کے قدموں میں فرش پہ بیٹھا اور ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔ اس کے چہرے پہ زمانے بھر کی بے بسی رقم تھی۔

''پہلے اس کی ڈیٹ آف برتھ غلط تھی۔ اب وہ چاکلیٹس نہیں کھاتی۔ ہر کچھ دن بعد ایک نئی رکاوٹ آجاتی ہے۔'' وہ دونوں مٹھیاں بھینچے تکلیف سے کہہ رہا تھا۔

''نیا سہارا لگے گا۔'' انہوں نے افسوس سے سر ہلایا اور ائیر رنگ کو واپس ڈبے میں ڈالا۔

''امی کچھ کریں۔ ورنہ سب کچھ خراب ہو جائے گا۔''

''اگلے ہفتے نکاح ہے زیاد۔'' انہوں نے اب کے دوسرا ائیر رنگ اٹھایا تو ہاتھوں میں ذرا سی لرزش تھی۔

''آپ نے سنا نہیں؟ وہ میٹھا نہیں کھاتی 'امی۔ اور اسی بات پہ ہمارا جھگڑا ہو گیا ہے۔''

''میں جانتی ہوں وہ میٹھا نہیں کھاتی۔ سب کچھ میٹھے میں نہیں ہوتا۔ اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔'' وہ اب دوسرا

ائیر نگ الٹا پلٹا کے دیکھ رہی تھیں۔ وہ درست حالت میں تھا۔

''امی کچھ کریں۔ کوئی دم' کوئی وظیفہ' کوئی دعا۔ لیکن اب کچھ خراب نہیں ہونا چاہیے۔''

''نہیں ہوگا۔ خراب کرنے والے کو منظر سے ہٹا دیا ہے نا۔'' وہ اب زیور واپس رکھ کے ڈبہ بند کر رہی تھیں۔ زیاد نے چونک کے انہیں دیکھا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ لب بھنچ گئے۔

''وہ نہیں آئے گا نا؟''

''نہیں آئے گا۔'' انہوں نے ایک دوسرا ڈبہ اٹھایا۔ وہ بالکل پرسکون تھیں۔

زیاد نے گہری سانس خارج کی۔ اس کی رنگت بحال ہونے لگی۔ پھر ان کے بوڑھے ہاتھوں کی لرزش دیکھی۔ چہرے پہ سایہ سا گزرا۔ کندھے ڈھیلے ہوئے۔

''دوا لی آپ نے؟'' اس نے ان کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے۔

''میرا مسئلہ دوا سے حل نہیں ہوگا۔'' انہوں نے ڈبہ رکھا اور اس کو پہلی بار فرصت سے دیکھا۔ پھر مسکرائیں اور اس کے شانے پہ اپنا بوڑھا' جھریوں زدہ ہاتھ رکھا۔

''میرا وقت قریب ہے' زیاد۔ مجھے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ لیکن میں اپنے بیٹے کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی دے کر جاؤں گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔

زیاد کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے ان کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور آنکھوں سے لگایا۔

''سرکار۔'' اس کے لبوں سے عقیدت سے نکلا تھا۔ پھر نظریں اٹھا کے انہیں دیکھا۔

''ہم نے کچھ غلط تو نہیں کیا نا' امی۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ طمانیت سے مسکرائیں۔ "محبت پیدا کرنا غلط تھوڑا ہی ہے۔ ہم محبت پھیلاتے ہیں۔ نفرت نہیں۔ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔'' انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا اور اس کے سر پہ رکھا۔

''لیکن آپ کو میں نے پہلے بھی کہا تھا' زیاد۔ آپ کو اسے ناراض نہیں کرنا۔ اس طرح آپ اس کو خود سے متنفر کر دیں گے۔''

زیاد نے پشیمانی سے آنکھیں بند کیں۔

''اس کو کال کریں۔ معافی مانگیں۔ اور معاملہ درست کر لیں۔ یاد رکھیں۔ ہم محبت بانٹتے ہیں۔ صرف محبت۔''

زیاد سلطان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''ہم محبت بانٹتے ہیں۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed

وہ مسکرائیں اور نرمی سے اس کے گال پہ ہاتھ رکھا۔ پھر بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ نے دوا لے لی' زیاد؟''

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ وہاں کوئی آواز نہ تھی۔ صرف نگینہ بیگم کی نظریں تھیں جو اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔ بنا کسی سحر کے وہ ان کی نگاہوں میں دنیا کا سب سے خوبصورت نوجوان تھا۔

زیاد نے نفی میں سر ہلایا۔ اور گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب لوں گا۔''

''آپ کو خوشی چاہیے۔ آپ شادی کے بعد ہی خوش ہوں گے اور خوش رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ دوا نہ چھوڑیں۔''

اس کے جانے کے بعد انہوں نے دھیرے سے سامنے رکھا ڈبہ بند کیا۔ چہرے پہ چھایا سکون اور اطمینان اب رفتہ رفتہ غائب ہونے لگا تھا۔ انہوں نے اوپر چھت کی طرف دیکھا اور زیر لب بڑبڑائیں۔

''وہ نہیں آئے گا۔ نہیں آئے گا۔'' چہرے پہ تفکر بھری لکیریں ابھرنے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر واپس آئی تو اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور ٹانگوں میں گویا جان نہیں تھی۔ تیزی سے لاؤنج عبور کر کے اپنے کمرے کے دروازے تک آئی اور ہینڈل پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ عقب سے کسی نے پکارا۔

''مالا؟''

وہ بدک کے مڑی۔ سانس گویا رک گیا۔

''کیا ہوا؟'' ماہی چند کپڑے اٹھائے کھڑی تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ماہی تھی۔ صرف ماہی۔ کوئی اور نہیں تھا۔ کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔

''تم نے مجھے ڈرا دیا۔''

''تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں۔ مجھے کیا ہونا ہے؟'' وہ زبردستی مسکرائی۔ اسی لمحے کہیں پسِ منظر میں موسیقی گونجی۔ ایک مانوس سی دھن۔ پپی برتھ ڈے ٹو یو۔ نہ آواز نہ گانا۔ صرف موسیقی کی دھن۔

وہ چونکی۔

www.facebook.com/nemrahmed.official

''یہ میوزک کہاں بج رہا ہے؟''

''میوزک؟'' ماہی نے تعجب سے اسے دیکھا اور پھر دائیں بائیں۔ ''کون سا میوزک؟''

''نہیں۔ کچھ نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا اور تیزی سے اندر جا کے دروازہ بند کر لیا۔

میوزک کی آواز اب بند ہو چکی تھی۔ اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ لیا اور وہیں زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ دل ہنوز زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''یہ کیا دیکھا تھا میں نے؟'' بے یقینی سے خود سے سوال کیا۔ کمرے نے جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

بیڈ کا دوسرا کنارہ خالی تھا۔ وہاں اب ماں نہیں تھیں۔ وہ ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔ وہ ہوتیں تو زندگی مختلف ہوتی۔

اس نے دھیرے سے اپنے دونوں گالوں کو چھوا۔ آنکھیں بند کیں۔ گہرے گہرے سانس کھینچے۔ لیکن آج وہ سانس اسے ریلیکس کرنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ آج وہ کھلتے بند ہوتے نل کے پاس جا کے چلا بھی نہیں سکتی تھی کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ آج کچھ نیا ہوا تھا۔

پہلے الجھن ہوتی تھی۔ پریشانی۔ عدم تحفظ کا احساس۔ ایک کے بعد ایک گارڈ رکھا۔ پھر پرواہ کرنی چھوڑ دی۔ ماں کو کھو دیا۔ اب کیا کھونا رہ گیا تھا۔ پہلے جو تھا وہ خوابوں میں تھا۔ یا خیال کے چھینٹوں کی صورت نظر آتا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ نظر آئے لیکن وجود نہ رکھے۔ اگر جادوگر نے اس کی گردن دبوچی تھی تو خون نکلا تھا۔ وہ حقیقت تھا۔

لیکن جو آج ہوا تھا' ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

کیا یہ اس کا وہم تھا یا حقیقت؟

کھڑکی پہ دھیرے سے دستک ہوئی۔ دو دفعہ۔ پھر وقفہ۔ پھر تین دفعہ۔ وہ چونکی۔ کھڑکی کون کھٹکھٹا سکتا تھا؟ پھر دھیرے سے اٹھی اور چھوٹے قدموں سے چلتی کھڑکی تک آئی۔ پردے پہ ہاتھ رکھا۔ اسے ہٹا دے؟ یا نہ ہٹائے؟

دل بری طرح دھڑکا۔ ٹانگیں کمزور ہوئیں۔ لرزتی انگلیوں سے پردہ سرکایا۔ چہرہ شیشے کے قریب کیا۔ باہر پھیلا لان دھوپ سے چمک رہا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ کیا واقعی کسی نے دستک دی تھی یا اس کا ذہن اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا تھا؟

پہلے اس اَن دیکھی مخلوق سے خوف آتا تھا۔ آج اس سے خوف نہیں آ رہا تھا۔ اپنے آپ سے آ رہا تھا۔

کھڑکی کو پھر سے کوئی بجانے لگا۔ پپی برتھ ڈے ٹویو کی طرز پہ۔

''کیا میں یہ سب تصور کر رہی ہوں؟ اسٹریس؟ پیرانویا؟'' اب کہ وہ پردہ ہٹانے نہیں اٹھی۔ بیڈ کے کنارے پہ لیٹ گئی اور کشن کانوں پہ رکھ لیا۔ وہ تھکی ہوئی تھی۔ اسٹریس میں تھی۔ اسے سو جانا چاہیے۔ جب وہ آنکھیں کھولے گی تو یہ سب ایک برے خواب کی طرح فضا میں تحلیل ہو چکا ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ سفید اپارٹمنٹ میں مدھم زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ سیاہ پردے ہٹے ہوئے تھے اور دور تک پھیلی شہر کی بتیاں اور بوسفورس کنارے بندھی کشتیاں دکھائی دیتی تھیں۔ بیربل ایک صوفے پہ لمبا لیٹا تھا۔ سینے کے اوپر دونوں ہاتھوں میں موبائل پکڑے وہ مسکرا کے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

بیساکھیوں کی ٹک ٹک کی آواز پہ فیضی حاتم نے چونک کے پیچھے دیکھا۔ ماہر اپنے کمرے سے نکل کے آتا دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں بیساکھیوں اور درست ٹانگ کے سہارے' دوسرے پاؤں کو قدرے ہوا میں اٹھائے' وہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا' بھورے بالوں پہ بال بکھرے تھے اور چہرہ پہلے سے کمزور دکھائی دیتا تھا۔ وہ فکرمندی سے آگے بڑھیں۔

''آپ خود کیوں آئے؟ مجھے آواز دے دی ہوتی۔''

''آواز دیتا تو یہ سب کیسے دیکھتا؟'' اس نے ایک تیز نگاہ کچن کاؤنٹر پہ ڈالی۔

فیضی حاتم نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں دیکھا۔ کاؤنٹر پہ بیکری کا کھلا باکس رکھا تھا جس میں چند پیسٹریز دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ شرمندگی سے آگے بڑھیں اور جلدی سے اسے بند کر دیا۔

''میرے گھر میں یہ پروسیسڈ شوگر اور میدے سے بنی چیزیں کیوں موجود ہیں؟'' وہ برہمی سے کہتا بیساکھی کے سہارے آگے بڑھا تو ایک دوسری ڈش دکھائی دی جس میں چند ادھ کھائے بقلاوے رکھے تھے۔

''بقلاوے؟ سیریئسلی؟ بقلاوے؟'' اس نے گھور کے انہیں دیکھا۔ ''کبھی Turks کو کھاتے دیکھا ہے بقلاوے؟ نہیں۔ کیونکہ کوئی ترکی میں بقلاوے نہیں کھاتا سوائے سیاحوں کے۔ آپ کو اپنی صحت کا خیال ہے؟''

''وہ آدمی کہہ رہا ہے جو اپنی صحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آج آفس گیا تھا۔'' بیربل نے مسکراتے ہوئے موبائل سے نظر اٹھائے بغیر کہا۔ فیضی حاتم سر جھکائے اب وہ چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔

''تمہیں اس وقت اپنی بیکری میں ہونا چاہیے تھا' بی۔'' وہ اب سہاروں سے چلتا' آتش دان کی طرف جا رہا تھا۔

لکڑی کے فرش پہ بیساکھیوں کی ٹک ٹک سیدھی سر پہ جا کے بجتی تھی۔

''ایک روبوٹ کافی ہے نا اس گھر میں' برو۔'' وہ ٹائپ کرتے ہوئے مسلسل مسکرا رہا تھا۔ ماہر آتش دان تک پہنچا' اور لائٹر اٹھایا۔ ایک بیساکھی پھسل کے نیچے جا گری۔ اس نے کوفت سے اسے دیکھا۔ پھر دور صوفے پہ لیٹے بیر بل کو۔

''اس کے نام کا پہلا حرف کیا ہے؟''

''کس کا؟'' بیر بل ہنوز ٹائپ کر رہا تھا۔

''جس لڑکی کے ساتھ لگے ہوئے ہو۔''

بیر بل فرید کے ہاتھوں سے فون گرتے گرتے بچا۔ گڑبڑا کے ایک دم اٹھ بیٹھا۔ گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ آتش دان کے ساتھ کھڑا تھا اور ایک بیساکھی قدموں میں گری تھی۔

''کون... لڑکی؟ میں کسی لڑکی سے بات نہیں کر رہا۔ تمہاری نصیحت پہ عمل کرتے ہوئے آج کل صرف خود پہ فوکس کر رہا ہوں۔'' بظاہر سرسری انداز میں کہتا وہ اس کے پاس آیا اور جھک کے بیساکھی اٹھائی۔

''یہ تو میں اپنے کیک اور میکرونز کی تصویریں دیکھ کے خوش ہو رہا تھا۔ آج ہم نے ایک بہت بڑی پارٹی کے لیے کیکس ڈلیور کیے ہیں۔'' بیساکھی اسے تھماتے ہوئے وہ انجل کے مسکرایا اور موبائل اسکرین اس کی طرف لہرائی۔

''کچھ لوگ اپنے گھر میں میرے کیکس پسند نہیں کرتے' لیکن دوسروں کو میری بیکری کا نام ضرور تجویز کرتے ہیں۔'' شرارت سے مسکرایا۔ انداز معنی خیز تھا۔

''میں کسی کو تمہاری بیکری تجویز نہیں کرتا۔ مجھے دوسرے انسانوں کی صحت کا خیال ہے۔'' وہ لائٹر سے اب موم بتی سلگا رہا تھا۔ آتش دان کے شیلف پہ بنی ہلال کی تصویر مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

بیر بل جواباً ہنس دیا جیسے یقین نہ آیا ہو۔ پھر ایک خیال سے اس کی آنکھیں چمکیں۔

''اس ایونٹ کی تصویریں مالک کو بھیجتا ہوں۔ وہ سمجھتا ہے میری بیکری فلاپ ہے۔''

''تمہاری بیکری فلاپ ہے۔ کیونکہ تم توجہ' محنت اور روٹین سے کام نہیں کرتے۔'' وہ قدم قدم لنگڑاتے ہوئے چلتا ایل شیپ صوفے تک آیا۔ بیر بل برا مانے بغیر مسکرا کے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔

''دیکھنا۔ جل جائے گا روبوٹ۔''

''مالک تمہاری پرواہ کرتا ہے' اسی لیے تمہیں ڈانٹتا ہے۔'' وہ سامنے صوفے پہ بیٹھا۔ ٹانگ مڑی تو لبوں سے کراہ

نکلی۔ چہرے پہ تکلیف کے آثار مرتب ہوئے۔ بیساکھیاں پھر سے نیچے جا گریں۔

''مالک سوائے ماہر کے نہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ پیار۔'' اس نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ پھر ایک دم وہ چونک کے ماہر کو دیکھنے لگا۔

''ایک منٹ ایک منٹ... ماہر بے کے پاس آج میرے ساتھ بیٹھنے کے لیے وقت کہاں سے آ گیا؟ پچھلے دو ماہ سے تم یا کتابیں پڑھتے تھے یا کمرے میں بند رہتے تھے۔''

ماہر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ بیر بل کی آنکھوں میں شرارتی چمک ابھری۔

''تمہیں مجھ سے کچھ چاہیے' ہے نا؟''

''کیا تم....'' ماہر کھنکھارا۔ بیر بل مسکراہٹ دبائے سانس روکے اس کا منتظر تھا۔

''کیا تم چند دن کے لیے میری وہیل چیئر چلا سکتے ہو؟''

بیر بل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ کندھے ڈھلک گئے۔

''کیوں؟'' خفگی سے پوچھتا کچن کی طرف بڑھا۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔

''ڈاکٹر نے تمہیں بیساکھی استعمال کرنے کے لیے کہا ہے۔'' وہ فریج تک گیا اور دروازہ کھول کے اندر جھکا۔

''وہیل چیئر تمہیں سست کر دے گی۔'' ایک ٹین نکال کے اس کا ڈھکن کھولا اور فریج کا دروازہ کھلا چھوڑ کے لاؤنج کی طرف واپس آیا۔ فیضی حاتم نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے دروازہ بند کیا۔

''بس چند دن کے لیے۔''

''کیوں؟ کہیں جانا ہے کیا؟'' اس نے کھڑے کھڑے سوڈا کا کین لبوں سے لگایا۔

''ہاں۔ لاہور۔''

سوڈا فوارے کی صورت اس کے لبوں سے باہر نکلا۔ کین ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ وہ دوہرا ہو کے کھانسا۔

''کیا؟ لاہور؟'' وہ دوبارہ کھانسا۔ سوڈا کپڑوں اور فرش دونوں پر گرا تھا۔ فیضی حاتم اُف اللہ میاں کہتی تیزی سے آگے آئیں اور کین اس کے ہاتھ سے لیا۔

''ہاں۔ لاہور۔'' وہ بہت ضبط سے اس کی اوورا ایکٹنگ دیکھ رہا تھا۔

''اچھا وہ کیوں؟'' بیر بل کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

''کام ہے۔'' ماہر نے ہاتھ بڑھا کے سائیڈ ٹیبل سے پیپر ٹاول اٹھایا اور اس کی طرف بڑھایا۔

www.facebook.com/groups/mirchikalan

''اس کام کے نام کا پہلا حرف کیا ہے؟'' وہ مسکرا کے پیپر ٹاول سے شرٹ کا گریبان رگڑنے لگا۔ ماہر کہنی صوفے کے ہتھ پہ رکھے' انگلیاں گال تلے جمائے' ماتھے پر بل لیے اسے دیکھے گیا۔

''ایم۔ ہے نا؟'' بیربل ہنس کے اپنے سوال کا جواب دیتا سامنے بیٹھا اور پیپر ٹاول بھینچ کے فیضی حاتم کی طرف اچھالا۔

''K.'' وہ دھیرے سے بولا تو بیربل نے ماتھے کو چھوا۔

''اوہ ہاں۔ K۔'' پھر ٹیک لگا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اور سوچنے والے انداز میں گال تلے ہاتھ رکھے۔

''لیکن میں نہیں آسکتا۔''

''اور وہ کیوں؟''

''مجھے توجہ' محنت اور روٹین سے اپنی فلاپ بیکری پہ کام کرنا چاہیے۔''

''بیربل....!'' اس کی آواز جیسے ہی سخت اور بلند ہوئی' وہ اسی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''آرہا ہوں۔ آرہا ہوں۔ کب چلنا ہے؟'' خفگی سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ ''ویسے تمہیں کیئر ٹیکر نرس کا بندوبست کرنا چاہیے تھا۔'' برامان کے بولا' پھر ماہر کا چہرہ دیکھ کے ٹھٹھکا۔

''اوہ۔ یقیناً پہلے تم نے نرس کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ لیکن خرچہ بہت آرہا ہوگا۔ پھر تم نے سوچا' بیربل سے وہی کام مفت میں کروالوں۔''

''Precisely.'' ماہر فرید نے سر کو خم دیا۔ بیربل نے افسوس سے اس کو دیکھا۔

''ویسے تم کئی ہفتے پہلے بھی پاکستان جاسکتے تھے۔ میں نے کتنا کہا۔ تم نہیں گئے۔ اب کیوں جارہے ہو؟''

''کیونکہ زارا نے آج ایک ایسی بات کہی جو میرے ذہن سے نکل نہیں پارہی۔'' اس کی آواز اب دھیمی تھی۔ شکست خوردہ سی۔

''لیکن اگر اس جادوگر نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو؟ اس نے یہ ایکسیڈنٹ تمہیں روکنے کے لیے کروایا تھا۔'' اس کی آواز میں تشویش تھی۔

ماہر نے فرش پہ رکھی بیساکھیاں اٹھائیں' اور ان کو کہنیوں سے لگاتا اٹھا۔ چہرے پہ تکلیف ابھر کے معدوم ہوئی۔

''ماہر فرید کسی سے نہیں ڈرتا۔ نہ کسی انسان سے۔ نہ کسی شیطان سے۔'' اس کی آنکھوں میں جھانک کے ایک ایک لفظ ادا کیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بیساکھیوں کی ٹک ٹک اور موم بتی کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔

دفعتاً بیربل کے ہاتھ میں پکڑا موبائل تھرتھرایا تو وہ چونکا۔ مالک کا میسج آیا تھا۔

''ایک پارٹی سے فلاپ بیکری ''برانڈ'' نہیں بن جاتی۔''

گو کہ الفاظ ٹائپ شدہ تھے' لیکن وہ ان کو مالک کی آواز میں اپنے کانوں میں سن سکتا تھا۔ اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''جل گیا روبوٹ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسٹوڈیو کی کھڑکی سے آتی تیز روشنی میں چوکور فریم پہ تانا گیا ریشمی کپڑا چمک رہا تھا۔ فریم کے گرد دو اسٹولز رکھے تھے جن میں سے ایک پہ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ بال فرنچ چوٹی میں بندھے تھے اور وہ گم صم سی ہاتھ میں پکڑے برش کو دیکھ رہی تھی۔

''مالا باجی آپ پریشان ہیں؟'' طوطی دوسری جانب بیٹھا' دونوں گالوں کو ہتھیلیوں پہ گرائے اسے تشویش سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ پھر اسے دیکھ کے مسکرائی اور برش نیچے رکھ دیا۔

''کچھ سوچ رہی تھی۔''

''آپ کا فون کافی دیر سے بج رہا ہے۔''

مالا نے ایک نظر قریب رکھے فون کو دیکھا جو بنا آواز کے تھرتھرا رہا تھا۔ پھر بے دلی سے واپس برش کو دیکھنے لگی۔ وہ اس سے ابھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اسے کسی سے تو بات کرنا تھی۔ ایک دم اس نے برش رکھا اور موبائل اٹھایا۔

پھر کانٹیکٹ لسٹ کھولی۔

ایم سے ماہی۔ ماہی نیچے گھر میں ہی موجود تھی۔ اس کے سامان کی پیکنگ وغیرہ کروا رہی تھی۔ لیکن وہ ماہی سے کیا کہتی؟ زیاد نے مجھ سے عجیب طریقے سے بات کی ہے؟ ماہی کو ہر ایک پہ شک کرنے کی عادت تھی۔ وہ فوراً سے خالہ کی بات پہ غور کرنے لگ جائے گی۔ اونہوں۔

اس نے لسٹ نیچے کی۔ صفورا؟ لیکن نہیں۔ زیاد کی اتنی تعریفیں کرنے کے بعد اس سے کیا کہوں؟

''مالا باجی آپ پینٹ کیوں نہیں کر رہیں؟'' طوطی ریشم پہ بنے ادھورے پھول کو فکرمندی سے دیکھ رہا تھا۔

''میں اپنے دوستوں کے نام دیکھ رہی ہوں۔'' وہ ابھی تک لسٹ اوپر نیچے کر رہی تھی۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''آپ کے تو بہت دوست ہیں باجی۔ جب بھی آپ کو کوئی کام ہوتا ہے' کہتی ہیں فلاں کلاس فیلو کے بوتیک پہ چلتے ہیں۔فلاں کلاس فیلو کا ریستوران ہے۔'' وہ اس کے انداز میں نقل اتار کے بولا تو وہ ہنس دی۔

''کیونکہ میں نے ایک prestigious یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا ہے' لڑکے۔میرے کلاس فیلوز اپنی اپنی زندگیوں میں کامیاب ہیں۔اور تم نے درست کہا۔میرے بہت دوست ہیں کیونکہ میں کسی کو دشمن نہیں بناتی نہ لوگوں کو ناراض کرتی ہوں۔لیکن....'' اس کی فون پہ جھکی نظروں میں اداسی بھر گئی۔''لیکن اب جب مجھے بات کرنی ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دوست اصلی نہیں ہے۔سب بس کام تک محدود ہیں۔یہ فیور چاہیے۔وہ کام کروانا ہے۔''

طوطی اب بور ہو کے چاک سے اسکیچ پہ لکیریں کھینچنے لگا۔وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔وہ شاید خود کلامی کر رہی تھی۔

دفعتاً اس کا انگوٹھا ایک نام پہ رکا۔ماہر فرید۔ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پہ در آئی۔باقی سب دوست تھے۔وہ کیا تھا؟ دوست تو ہرگز نہ تھا۔اس سے تو غصے اور نفرت کا تعلق تھا۔اس کو نہیں پکارنا۔اس نے خود سے بہت پہلے وعدہ کیا تھا۔

''کیا واقعی غصے اور نفرت کا تعلق قائم تھا؟'' اس نے دل کو ٹٹول کے دیکھا۔وہاں کچھ بھی نہ تھا۔نہ نفرت۔نہ غصہ۔بس دکھ تھا۔دھوکے کا زخم تھا۔لیکن معافی بھی نہیں تھی۔بیچ کا راستہ بھی نہ تھا۔

''ہائے اللہ....'' طوطی کی چیخ پہ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔وہ خوفزدہ نگاہوں سے ریشم کو دیکھ رہا تھا جہاں ایک جگہ اس سے غلطی سے پینٹ کا چھینٹا پڑ گیا تھا۔

''میں نے آپ کی ساڑھی خراب کر دی....'' اس نے بے یقینی سے مالا کو دیکھا۔مالا نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔'' اس نے آرام سے ایک کاٹن بڈ اٹھایا اور اس دھبے سے پینٹ اتارنے لگی۔گیلا پینٹ سرعت سے صاف ہونے لگا۔طوطی کی رنگت ہنوز اڑی ہوئی تھی۔

''جانتے ہو خوشی یا پریشانی میں سب سے پہلے انسان میں کیا بدلتا ہے؟''

طوطی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔پھر سوچا۔

''کپڑے؟''

''نہیں۔انسان کا سانس۔ہر جذبہ انسان کا سانس بدلتا ہے۔چاہے خوشی ہو۔چاہے خوف۔اگر ہم اپنا سانس کنٹرول کرنا سیکھ جائیں تو ہم سب کچھ کنٹرول کر سکتے ہیں۔اپنی زندگی بھی۔اور اپنے ذہن کو بھی۔میری ساڑھی

www.facebook.com/nemrahmed

خراب نہیں ہوئی۔اور ذرا سے دھبے کی وجہ سے تمہیں اپنا سانس خراب نہیں کرنا چاہیے۔'' کارٹن بند رکھا اور اسے دیکھ کے نرمی سے مسکرائی۔طوطی نے ایک گہری سانس خارج کی اور پورے دل سے مسکرا دیا۔

''طوطی... طوطی....'' نیچے سے ماہی آوازیں دے رہی تھی۔طوطی خان کے چہرے کے زاویے بگڑے۔سر جھٹکتا اٹھا اور دروازہ کھول کے دھپ دھپ سیڑھیاں اترتا نیچے چلا گیا۔

''کیا ہے ماہی باجی؟'' بے زاری سے طوطی کی آواز آئی۔

''نکمے لڑکے... چلو یہ کارٹن اوپر لے کر جاؤ۔'' وہ تحکم سے کہہ رہی تھی۔

''ماہی باجی .... آپ نے کبھی چائلڈ لیبر کے قوانین پڑھے ہیں؟''

''ابھی کان کے نیچے دوں گی تو سارے قوانین بھول جائیں گے۔پورا دن تمہیں چاکلیٹس کھلاتی ہوں۔تھوڑا سا کام بھی کرواؤ ساتھ۔''

وہ بڑبڑاتا ہوا کارٹن اٹھائے اوپر آیا۔

''قسم کھا رہا ہوں' مالا باجی۔ یہ آپ کی سوتیلی بہن ہے۔'' دھپ سے کارٹن ایک کونے میں رکھا جہاں اور بھی بہت سے کارٹن رکھے تھے۔وہ جواباً کچھ کہنے لگی جب سماعتوں میں کچھ گونجا۔وہ ایک دم ٹھہر گئی۔

پپی برتھ ڈے ٹو یو۔ یہ گانا یا الفاظ نہیں تھے۔صرف موسیقی تھی۔جیسے کوئی اس طرز پہ کوئی آلہ موسیقی بجا رہا ہو۔صرف ایک دھن۔

''تم نے یہ آواز سنی؟ کہیں میوزک بج رہا ہے۔'' وہ چونکے انداز میں دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

طوطی نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''نہیں باجی۔آپ کے کان بج رہے ہیں۔'' اور حیرانی سے سر جھٹکتا واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ابھی اسے ماہی کے کئی دوسرے کام بھی کرنے تھے۔

وہ جہاں تھی' وہیں بیٹھی رہ گئی۔موسیقی کی آواز اسے ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔یہ پپی برتھ ڈے ٹو یو والا میوزک ہی تھا۔وہ اسے پہچانتی تھی۔بے اختیار اس کی انگلیوں نے سیاہ فاختہ والے لاکٹ کو چھوا۔

نظریں فون پہ جھکیں' تو دیکھا... وہاں کانٹیکٹ لسٹ میں ماہر فرید کا نام ہنوز جگمگا رہا تھا۔

لیکن یہ طے تھا کہ وہ اسے کال نہیں کرے گی۔

وہ کیا جانے کہ اَن دیکھی آوازیں اور وجود نہ رکھنے والے چہرے کیا ہوتے ہیں؟

www.paksociety.com/nemrahahmed

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سلطان صاحب کے گھر کے لاؤنج میں نیم اندھیرا سا تھا۔ بنگالی ملازمہ پانی کا گلاس اٹھائے تخت تک آئی۔ وہاں نگینہ بیگم براجمان تھیں۔ گاؤ تکیے کا سہارا لیے' وہ ایک پہلو کے بل نیم دراز' آنکھیں موندے تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

ملازمہ کھنکھاری۔

''آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے' بی بی۔''

انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ چہرہ نحیف اور کمزور لگتا تھا۔ سر پہ پہنا سفید دوپٹہ' کلائیوں میں سونے کے کنگن' اور کندھوں کے گرد بھوری شال۔ وہ بیماری میں بھی لباس کا خیال رکھتی تھیں۔ ہلکا سا مسکرائیں اور دھیرے سے کہنی کے سہارے سیدھی ہو بیٹھیں۔ ملازمہ ادب سے قریبی موڑھے پہ بیٹھی۔ پانی کا گلاس انہیں تھمایا اور باکس سے گولیاں نکالیں۔

''زیادہ صاحب بہت پریشان لگ رہے ہیں۔ کیا زیادہ جھگڑا ہوا ہے مالا بی بی کے ساتھ؟'' سپاٹ انداز میں پوچھتے ہوئے ایک گولی نگینہ بی کی ہتھیلی پہ رکھی۔

''ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی حل نکال لیں گے۔'' انہوں نے گولی پھانکی۔ اور پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

''آپ کی طبیعت کیسے سنبھلے گی؟''

''آخری حملہ شدید تھا۔ عمل الٹا پڑ گیا۔ ایسا کبھی کبھار ہو جاتا ہے۔''

انہوں نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ پھر دوسری گولی اس کی ہتھیلی سے اٹھائی۔

''لیکن اس بات کو تین مہینے سے اوپر ہو گئے ہیں۔ اب تک موکلوں کی طاقت بحال ہو جانی چاہیے۔''

انہوں نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا اور مسکرائیں۔

''وہ بہتر ہو رہے ہیں۔''

ان کی آواز سرد سرگوشی جیسی تھی۔ ایسی سرگوشی جو طوفانی ہوائیں کرتی ہیں۔ البتہ بنگالی ملازمہ کے چہرے پہ کوئی خوف تھا' نہ پریشانی۔ بس ایک عقیدت مندی تھی۔ اور بہت سا ادب۔

''تمہارے گھر میں سب خیریت ہے؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔ وہ بھی مسکرائی۔ اس کے

www.facebook.com/nemrahahmed

ہونٹ موٹے اور آنکھیں گہری تھیں۔

''آپ کی دعا سے سب خیر ہے۔''ان بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں معنی خیز تاثر تھا۔

تبھی موبائل بجنے لگا تو اس نے جلدی سے باقی دوائیں نگینہ بیگم کی ہتھیلی پہ رکھیں اور بھاگ کے اندر کمرے میں گئی۔واپس آئی تو ایک سیاہ اسمارٹ فون ہاتھ میں تھا۔

''تم سنو۔''انہوں نے اکتاہٹ سے ہاتھ جھلا دیا۔''اور کہو کہ آج کل سرکار کوئی عمل نہیں کر رہیں۔''

اس نے سر اثبات میں ہلایا اور فون کان سے لگایا۔دوسری طرف کی بات سن کے اس نے فون نیچے کیا اور دھیرے سے بولی۔

''ائیر پورٹ والے اے ایس ایف کے افسر کا فون ہے۔''

نگینہ بیگم چونکیں۔تیزی سے کپکپاتا ہاتھ بڑھایا اور فون اس سے کھینچنے والے انداز میں لیا۔

''کیا بات ہے قریشی؟''ان کا لہجہ چوکنا تھا۔

''سرکار... آپ کو ڈسٹرب کرنے کی معذرت۔''وہ بہت عقیدت سے بولا۔''آپ نے کہا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں اگر وہ آدمی...''رک کر نام پڑھا''ماہر فرید اس ملک میں داخل ہو۔''

وہ سانس روکے سن رہی تھیں۔

''وہ آج صبح پہنچنے والی فلائٹ میں اپنے بھائی کے ساتھ موجود تھا۔میں نے پاسپورٹ کنٹرول ڈیسک کی لسٹ میں اس کا نام دیکھا تو...''

نگینہ بیگم کی رنگت سیاہ پڑنے لگی۔ایسے جیسے بہت سا زہر پی لیا ہو۔انہوں نے فون پرے ڈال دیا۔''وہ کیسے آ گیا؟وہ چل نہیں سکتا تھا۔''وہ بڑبڑائیں۔چہرے پہ شدید بے بسی اور تکلیف ابھری۔

''موکلوں نے خبر نہیں دی؟''ملازمہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔انہوں نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''''موکلوں کے بس میں سب کچھ نہیں ہوتا۔ان کی ہر خبر درست نہیں ہوتی۔میں نے بھی کئی دن سے اس کی خبر نہیں لی تھی۔سوچا تھا مسئلہ نہیں کرے گا۔''

''پریشان نہ ہوں بی بی۔وہ کیا کر لے گا؟''اس نے نرمی سے ایک اور گولی سامنے کی۔

''وہ سب خراب کر دے گا اندرانی۔''انہوں نے دو انگلیوں کے پوروں سے گولی پکڑی۔اور اسے بنا پانی کے پھانک لیا۔آنکھوں میں پریشانی بھی تھی اور خوف بھی۔

www.facebook.com/mrah.ahmed.official

''وہ سب خراب کر دے گا۔ وہ مجھے ڈھونڈ لے گا۔'' پھر ایک تاسف بھری نظر زیاد کے کمرے کے بند دروازے پہ ڈالی۔

''وہ میرے بیٹے کا گھر نہیں بسنے دے گا۔ اسے خوش نہیں ہونے دے گا۔ سب خراب کر دے گا۔''

''اب آپ کیا کریں گی؟'' اندرانی نامی ملازمہ فکرمندی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''میں وہ کروں گی جو پہلے نہیں ہو سکا۔'' وہ سیدھی ہو کے بیٹھیں اور کپکپاتے ہاتھوں سے تکیے کے ساتھ رکھا دوسرا فون اٹھایا' جو ان کے عام استعمال میں تھا۔

''جب کینچوہ کنڈی میں ڈال کے پانی میں پھینکا جائے اور مچھلی اس کو نہ پکڑے تو کیا کرنا چاہیے؟''

''کیا؟''

''کنڈی دوبارہ سے پانی میں ڈالنی چاہیے۔ ایک کینچوہ میرے پاس ابھی ہے جسے اس دفعہ وہ ضرور پکڑے گی۔'' ان کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔ انہوں نے کانٹیکٹ لسٹ کھولی اور کشمالہ کے نمبر پہ انگلی رکھی۔

''ہیلو بیٹا... کیسی ہو؟'' ان کی آواز نرم اور میٹھی ہو گئی۔ جیسے شہد ہو۔ جیسے ملائی ہو۔ ''مجھے تم سے ایک کام تھا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈرائیور سفید ایس یو وی خاموشی سے چلا رہا تھا۔ کار میں ہیٹر کی گرمائش تھی۔ البتہ باہر آج زیادہ سردی نہ تھی۔ گدلی دھند نے سردی کا تاثر دے رکھا تھا۔

وہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھا' باہر بھاگتے درختوں کے جھروکوں سے نظر آتی نہر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے سفید شرٹ کے ساتھ سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا۔ بال ماتھے سے پیچھے کو جمائے گئے تھے اور رخسار کا نشان دیدنی تھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ساتھ بیٹھا بیربل کھنکھارا۔

''اس سے ملنے جس کے لیے میں آیا ہوں....'' ماہر ہنوز باہر دیکھتا رہا۔

بیربل اپنے بھائی کے حلیے کے برعکس جینز شرٹ کے اوپر جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ گھنگریالے بال' ایک کان میں بالی۔ کلائی میں بہت سے بینڈز۔ اور لبوں پہ بکھری معنی خیز مسکراہٹ۔

''اس کے گھر یا ورک پلیس؟'' احتیاط سے پوچھا۔

''ورک پلیس۔'' جواب سپاٹ اور سنجیدہ تھے۔ بیربل نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

''اکیلے چلے جاتے۔ میری کیا ضرورت تھی؟''

''تم میرے نرس ہو۔'' وہ ابھی تک شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا۔

''تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ تم مجھے مورل سپورٹ کے لیے ساتھ لے کر جا رہے ہو۔لیکن نہیں۔'' بیر بل بدمزہ ہوا اور سر جھٹک کے باہر دیکھنے لگا۔اب منظر بدل چکا تھا۔بائیں طرف بہت سی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔

''ویسے ماہر....'' وہ کچھ یاد کر کے کہنے لگا۔''تم اور میں کبھی ویکیشن پر نہیں گئے' جیسے دوسرے بہن بھائی جاتے ہیں۔میں پاکستان ہمیشہ اکیلا آتا تھا یا پھر .... (منہ کڑوا ہوا) مالک کے ساتھ زبردستی آنا پڑتا تھا۔''

''تم مالک کے ساتھ ویکیشن پہ کب گئے؟'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

''جب میں اپنی بیکری شروع کرنے جا رہا تھا' اور مجھے پیسے چاہیے تھے لیکن تم ساری جائیداد پہ سانپ بن کے بیٹھے تھے۔تب تم نے شرط رکھی تھی کہ اگر میں نے مالک کو اپنے بزنس پلان پہ راضی کر لیا تو تم مجھے سرمایہ دے دو گے۔'' کچھ یاد کر کے مسکرایا۔''مالک نہیں چاہتا تھا کہ میں استنبول میں بیکری بناؤں۔اس لیے وہ مجھے کئی جگہوں پہ لے کر گیا۔کہ شاید میں استنبول کو بھلا دوں۔''

''ہاں اور تم نے اسے بہت گھمانے کے بعد بھی اپنی ضد جاری رکھی۔اس کی بات مان لیتے تو آج تمہاری بیکری کامیاب ہوتی۔'' وہ افسوس سے سر ہلا کے پھر سے باہر دیکھنے لگ گیا۔

چند لمحے خاموشی سے کٹے۔پھر بیر بل کی زبان پہ کھجلی ہوئی۔

''اس کا ردعمل کیا ہوگا تمہیں دیکھ کے؟''

''کیا فرق پڑتا ہے؟ میں ہلال کے لیے اس سے ملنے جا رہا ہوں۔'' بے نیازی سے شانے اچکائے۔بیر بل اسے دیکھ کے رہ گیا۔

''اس کی ورک پلیس تو کافی خوبصورت ہے۔''

چند منٹ بعد وہ دونوں کار سے باہر تھے۔بیر بل اس کی وہیل چیئر دھکیل رہا تھا۔ساتھ ہی گردن موڑے ستائش سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک مرمریں فرش والی عمارت میں داخل ہوئے۔اس کی ہدایت کے مطابق وہ وہیل چیئر سیدھا لفٹ کی طرف لے آیا۔

''اس کا ٹیسٹ کافی اچھا ہے۔آرٹسٹک۔''

''کیونکہ وہ آرٹسٹ ہے۔'' ماہر کا لہجہ سپاٹ تھا۔کوئی تاثر نہیں۔کوئی جذبہ نہیں۔

www.facebook.com/nemrahahmed

لفٹ کے دروازے ایک مرمریں سٹنگ روم کے دہانے پہ کھلے۔ بیربل وہیل چیئر آگے لے آیا۔ سامنے انٹر کام پہ بیٹھی لڑکی نے ان کو دیکھ کے شناسائی سے سر ہلایا اور فون اٹھا کے کچھ کہنے لگی۔

بیربل ابھی تک ستائش سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ خوبصورت ڈیکور۔ قیمتی پینٹنگز۔ تب ہی وہ چونکا۔ ایک دم دائیں بائیں دیکھا۔

''یہاں پودے نہیں ہیں۔'' بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ وہ سامنے آفس کے بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

بیربل کے ذہن میں الارم سا بجا۔

''ایک منٹ... ایک منٹ....'' وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

''ہم کس سے ملنے آئے ہیں؟''

ماہر فرید نے جواب نہیں دیا۔ سامنے دیکھتا رہا۔

تب ہی آفس کا دروازہ کھلا اور ہیل کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ بیربل فرید کی نگاہیں اوپر اٹھیں۔

سامنے ایک سفید کافتان پہنے بھوائے کٹ بالوں والی دراز قد عورت چلتی آ رہی تھی۔ اس کی چمکدار آنکھیں اسموکی میک اپ سے سجی تھیں۔

''K for Kabeerah'' بیربل فرید کے لبوں سے بے یقینی سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ماہر نے چہرہ اس کی طرف جھکایا۔

''زارا نے مجھے احساس دلایا کہ میرے اور کبیرہ سادان کے درمیان ایک چیز مشترک ہے۔ میں اسی کا کھوج لگانے آیا ہوں۔''

''خوش آمدید مسٹر ماہر فرید۔ پلیز اندر آئیں۔'' ان کے استقبال کے لیے باہر آئی کبیرہ بیگم اب ان کے قریب آ چکی تھیں۔

بہت سی کڑواہٹ بیربل کے حلق میں گھل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گدلی دھند میں ڈوبی شام سارے لاہور کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

مبین منزل کے پیچھے بنے کچن گارڈن میں بھی وہی دھند پھیلی تھی۔ وہاں زیادہ دور تک دیکھنا ممکن نہ تھا۔ لیکن اگر تم دیکھو تو وہ گھاس پہ بیٹھی تھی۔ ڈھیلا ڈھالا سا سوئیٹر پہنے، پیروں کی آلتی پالتی کیے۔ اس کی نظریں فاختہ کی قبر پہ جھکی

تھیں جہاں تازہ گھاس اگا تھا۔گود میں رکھا موبائل آج خاموش تھا۔زیادنے کالز اور میسجز کرنا بند کر دیے تھے۔اور اسے یہی خاموشی چاہیے تھی۔

وہ اپنی غلطیوں کی ذمہ داری لیا کرتی تھی۔اور دوسروں کی غلطیاں جلدی معاف نہیں کرتی تھی۔کیا اسے اپنا برسوں پرانا طرز زندگی بدلنے کی ضرورت تھی؟

وہ دھیرے دھیرے سر تنکوں پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ذہن دور کہیں پیچھے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۴ سال پہلے

یہ ان دنوں کی بات ہے جب اسے اوشن (Ocean) ریستوران کے لیے لاہور سے اسلام آباد آئے ایک سال ہو چکا تھا۔

اسے ریستوران کی رینویشن میں چند ماہ لگے تھے اور اب وہ مکمل طور پہ چالو ہو چکا تھا۔البتہ ابھی تک وہ ایک کامیاب ریستوران نہیں بنا تھا۔ظہیر کے لیے وہ ایک ایسا کنواں تھا جو پیسے کھا رہا تھا' لیکن پیسے واپس نہیں آ رہے تھے۔

وہ ان دنوں ماموں کے گھر کی بالائی منزل پہ بطور پیئنگ گیسٹ رہتی تھی۔ماموں پہلے اس سے کرایہ لینے پہ راضی نہیں تھے لیکن وہ بنا کرایے کے رہنا نہیں چاہتی تھی سو بہت بحث و تمحیص کے بعد بالآخر وہ راضی ہو گئے تھے۔اس کی ان سے ملاقات کم ہی ہوتی۔وہ صبح سے رات تک ریستوران میں ہوا کرتی تھی۔اور گھر بس سونے کے لیے آتی۔

ایک ایسی ہی رات وہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا۔

وہ موبائل سائیلینٹ کر کے نہیں سوتی تھی۔اس کا موبائل ایک دن میں کئی دفعہ بجتا تھا۔کبھی کنسٹرکشن کا کوئی نیا مسئلہ۔کبھی فوڈ اسپلائی میں گڑبڑ۔جب وہ ریستوران سے باہر ہوتی' اس کے فون پہ موجود سی ٹی وی کیمروں کی ایپ اس کی توجہ اوشن سے بھٹکنے نہیں دیتی تھی۔

تیز گھنٹی نے اسے جگا دیا۔ساڑھے گیارہ کا وقت ہوا تھا اور ریستوران کے ہیڈ شیف کی کال آ رہی تھی۔

''میم... آپ کہاں ہیں؟'' وہ جیسے چلا رہا تھا۔

www.pklibrary.blogspot.com

''کیا ہوا؟''اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''ریستوران کے کچن میں آگ لگ گئی ہے۔ہم نے فائر بریگیڈ کو بلوالیا ہے۔آپ جلدی پہنچیں۔''

کشمالہ مبین کو بات سمجھنے میں چند لمحے لگے اور پھر وہ بجلی کی سی تیزی سے بستر سے نکلی۔

اوشن جس کو اس نے بہت محنت سے بنایا اور سجایا تھا' اس میں آگ لگی تھی۔ایک سال کی محنت جل رہی تھی۔اور تب ہی اسے کچھ یاد آیا۔

''اور میرا آفس؟ کیا وہ محفوظ ہے؟''

''ابھی وہاں آگ نہیں پہنچی۔لیکن کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''اوہ نو۔'' تیزی سے جوتے پہنے' دوپٹا اٹھایا اور پرس لیے باہر بھاگی۔

اس کے آفس میں اس کا لاکر تھا جو اس کے فنگر پرنٹ سے کھلتا تھا۔وہ وہاں نصب کیا گیا تھا اور اسے اس وقت نکالا نہیں جا سکتا تھا۔اس میں بہت کچھ تھا۔اس کی سیونگز۔اہم ڈاکومنٹس۔بہت سا کیش۔وہ سارا وقت ریستوران میں ہوتی تھی۔اور ہر ریستوران اونر کی طرح وہ اپنے آفس کو محفوظ ترین جگہ تصور کرتی تھی۔

''لاکر فائر پروف نہیں تھا۔اف اللہ''

وہ تیزی سے ڈرائیو کرتی بار بار اپنے فون کو دیکھ رہی تھی۔سانس پھولا ہوا تھا۔چہرے پر اب بھی ایکنی تھی۔البتہ پہلے سے کافی کم۔بال کندھوں تک آتے تھے اور ماتھے پر بینگز کی صورت میں کٹے تھے۔اسٹیئرنگ وہیل پہ رکھے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔وہ بار بار ایکسلیٹر پہ پاؤں رکھتی۔اسپیڈ تیز تھی۔

اسی لمحے اس کی کار کے سامنے کوئی تیزی سے آیا۔

بس ایک لمحہ اور اس نے زور سے بریک پہ پیر رکھا۔ٹائر چرچرائے۔کار جھٹکے سے رکی۔اس کا اپنا سر زور سے اوپر جا لگا۔ائیر بیگز کھل گئے۔

ایک لمحے کے لیے ساری دنیا گھوم گئی۔اگلے ہی لمحے وہ ائیر بیگز اور سیٹ بیلٹ سے خود کو آزاد کرتی تیزی سے باہر بھاگی۔جھٹکا کھانے سے قبل وہ دیکھ چکی تھی کہ اس کی کار نے کسی کو ٹکر ماری تھی۔

وہ ایک آدمی تھا۔لباس سے مفلوک الحال لگتا تھا۔وہ کار سے ٹکرا کے دور جا گرا تھا۔خون کا فوارا اس کے سر سے بہہ رہا تھا۔ایک عورت اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔وہ اونچی آواز میں چلاتے ہوئے اس کو روک رہی تھی۔قریب آئی تو سارا منظر دکھائی دیا۔خون میں لت پت آدمی۔ایک رکی ہوئی کار جس کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں

www.facebook.com/groups/

اور ڈرائیونگ دور کھلا تھا۔ اور ایک پریشان سی لڑکی جو زخمی آدمی پہ جھکی ہوئی تھی۔

وہ چیخیں مارتی ہوئی اس کی طرف بھاگی۔

''یہ کیا کیا؟ میرے بندے کو مار دیا تم نے....'' اس نے کندھوں سے پکڑ کے کشمالہ کو پرے ہٹایا۔

''آئی... آئی ایم سوری....'' کشمالہ مبین کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ ہاتھ پیروں میں جان نہیں تھی۔ آدمی سر پہ ہاتھ رکھے کراہ رہا تھا۔

''کمال... کمال....'' وہ عورت اس پہ جھکی چیخ رہی تھی۔

''سر پھٹا ہے اس کا۔ زیادہ گہری چوٹ نہیں ہے۔ اس جگہ اپنا دوپٹہ رکھو۔ جلدی رکھو۔'' چالا کے ہدایت دی۔ عورت جلدی جلدی دوپٹے کا گولہ بنا کے اس کے سر پہ رکھنے لگی۔

کشمالہ نے سر اٹھا کے سڑک کو دیکھا۔ قریب میں چند دکانیں تھیں۔ لوگ بھاگتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے۔ اس کا حواس بحال ہونے لگے۔ یہاں تھوڑی دیر میں لوگ جمع ہو جائیں گے۔ رات کے وقت وہ ایک ہجوم کے گھیرے میں؟ ہرگز نہیں۔

''اس کو ہسپتال لے جاؤ۔ قریب ہی ہسپتال ہے۔ اور وہاں جا کے مجھے کال کرو۔'' وہ تیزی سے اٹھ کے کار تک گئی۔

''تم... تم بھاگ رہی ہو؟'' عورت نے غصے سے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''بھاگ نہیں رہی۔ میرا آفس میں آگ لگی ہے۔ مجھے جلدی پہنچنا ہے۔'' وہ بھاگتے ہوئے واپس آئی۔ پرس سے چند نوٹ اور اپنا کارڈ زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

''اس کا زخم گہرا نہیں ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن میرا بہت نقصان ہو جائے گا۔'' نگاہ اٹھا کے دیکھا۔ چند لوگ اس طرف آ رہے تھے۔ وہ پنجوں کے بل سڑک پہ بیٹھی جلدی جلدی بولنے لگی۔ ''یہاں کوئی بھی اس کو ہسپتال لے جائے گا۔ پلیز میری بات سمجھو۔ وہاں جا کے مجھے کال کر دینا۔ اس پہ میرا نمبر لکھا ہے اور پتہ بھی۔ مری کار کا نمبر تم دیکھ چکی ہو۔ میں بھاگ نہیں رہی۔ میں ایک گھنٹے تک سیدھی ہسپتال پہنچ جاؤں گی۔''

اگلے لمحے وہ تیزی سے واپس آئی۔ ہجوم اکٹھا ہونے لگا تھا۔ لوگ اس کی طرف اشارہ کر کے اونچی آواز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ اس نے دروازے بند کر لیے۔ کسی نے اس کا شیشہ کھٹکھٹایا۔ لیکن اس کا ایک ہاتھ گیئر پہ تھا اور پیر ایکسلیٹر پہ۔ تیزی سے کار کو یورس کیا اور زن سے آگے بھگا لے گئی۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

پھر بیک ویو مرر میں دیکھا۔کوئی اس کے پیچھے نہیں آ رہا تھا۔اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی اور سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

(تمہیں اس کو ہسپتال لے جانا چاہیے تھا۔) کسی نے اندر ہی اندر اسے ملامت کیا۔لیکن اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اوشن زیادہ اہم ہے۔میرے ڈاکومنٹس۔پیسے۔قیمتی چیزیں۔اور پھر وہاں بہت لوگ جمع ہیں۔ساتھ ہی ہسپتال ہے۔اسے کوئی ہسپتال لے جائے گا۔اس کا سر پھٹا تھا۔وہ بچ جائے گا۔وہ بچ جائے گا۔وہ بچ جائے گا۔وہ خود سے بڑبڑا رہی تھی۔

مطلوبہ اسٹریٹ میں کار موڑتے ہی اس کی اوشن کی طرف بلند ہوئی۔وہ چار دیواری میں بنا ایک اطالوی بنگلے کی طرز کا ریستوران تھا جو کہ درختوں کے پیچھے چھپا تھا۔وہاں چند کارز کھڑی تھیں۔لیکن کوئی دھواں نہ تھا۔نہ آگ کے شعلے۔نہ فائر بریگیڈ۔اس کے چہرے پہ اچنبھا ابھرا۔

وہ کار کھڑی کر کے بھاگتی ہوئی اندر آئی۔اندر مین ہال اندھیر تھا۔

"ظہیر۔عباس۔لالک۔" اس نے ڈولتے ڈرتے پکارا۔

تب ہی فضا میں موسیقی سی بج اٹھی۔اندھیرے میں ایک دھن۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

اسی لمحے ساری بتیاں جل اٹھیں۔شور سا بلند ہوا۔وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔شاک سے آنکھیں اور لب پتھر ہو گئے۔

سامنے ایک بڑی ٹیبل پہ کیک رکھا تھا۔اور اس کے اردگرد ریستوران کے تمام ویٹرز اور اس کے چند دوست کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ان میں ظہیر اور اس کی بیوی بھی شامل تھے۔وہ سب ہنس رہے تھے۔میوزک بج رہا تھا۔تالیاں بجا کے اس کا استقبال کر رہے تھے۔

وہ وہیں چوکھٹ میں کھڑی تھی۔شاکڈ۔ششدر۔نگاہیں گھما کے اطراف میں دیکھا۔اوشن ٹھیک تھا۔اوپر بنا اس کا آفس بھی ٹھیک تھا۔سب کچھ ٹھیک تھا۔

"سرپرائز..." اس کی اسسٹنٹ صاعقہ ہنستے ہوئے کیک پر موم بتیاں جلا رہی تھیں۔اس کی نظریں گھڑی کی طرف اٹھیں۔بارہ بج چکے تھے۔

www.facebook.com/nemrahmed

''یہ پرینک تھا؟''اس کو اپنی آواز کنویں سے آتی سنائی دی۔جواب میں ایک قہقہہ سنائی دیا۔

''آپ سارا دن ہمارے اوراوشن کے لیے کام کرتی ہیں میم۔ہم آپ کے لیے کچھ اسپیشل کرنا چاہتے تھے۔''

وہ سب مسکراتے ہوئے اس کو دیکھ رہے تھے۔

''تھینک... تھینک یو۔''وہ بدقت مسکرائی۔پھیکی،خوفزدہ سی مسکراہٹ۔

''آپ کے ہاتھ پر خون لگا ہے۔''ایک دم صاعقہ نے کہا تو سب چونکے۔اس نے بے اختیار اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔دائیں ہاتھ پہ زخمی راہگیر کا خون واضح نظر آرہا تھا۔اس نے چہرہ اٹھایا۔تمام نظریں اس پہ تھیں۔سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

''اوہ نہیں۔یہ تو.... دراصل....'' اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔''راستے میں سڑک پہ ایک...ایک فاختہ مری پڑی تھی۔اس کا...اس کا خون ہے۔''وہ جلدی سے مسکرا کے کہتے ہوئے آگے آئی۔

''تھینک یو اس سب کے لیے۔تھینک یو گائز۔میں ہاتھ صاف کرلوں۔''اس نے اپنا بزنس فیس آن کرلیا۔سب کی سانس میں سانس آئی۔میوزک پھر سے بجنے لگا۔

وہ تیزی سے ریسٹ روم کی طرف آئی اور اسے اندر سے بند کرلیا۔پھر ہاتھ اوپر اٹھا کے دیکھا۔تازہ خون۔خوف،بے یقینی آنکھوں میں بھر گئی۔

''یہ کیا ہوگیا؟'' اس نے دہل کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔''اگر وہ مر گیا تو؟''

پسِ منظر میں وہی میوزک سنائی دے رہا تھا۔پپی برتھ ڈے ٹو یو۔پپی برتھ ڈے ٹو یو۔

وہ تیزی سے تل تلے ہاتھ کیے خون کو رگڑ رہی تھی۔گلابی پانی بہہ کے سنک کے سوراخ سے نیچے جاتا زمین میں جذب ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ قاسم فرید کے آفس کا منظر تھا جو ایک برس قبل ان کی وفات کے وقت سے ماہر کے زیرِ استعمال تھا۔اس شام وہ مینیجر ٹیبل کی بجائے کھڑکی کے قریب بچھی ورک ٹیبل پہ موجود نظر آرہا تھا۔سفید شرٹ کے آستین موڑے،سامنے رکھے ماڈل پہ چہرہ جھکائے وہ احتیاط سے ایک ٹکڑا جوڑ رہا تھا۔یہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کا ایک ماڈل تھا۔ہر چند لمحے بعد وہ رکتا،نفی میں سر ہلاتا اور پھر سے کچھ تبدیل کرتا۔

آفس میں مسلسل کرسی کے ٹائرز کی چیں چیں سنائی دے رہی تھی۔یہ مینیجر ٹیبل کے پیچھے رکھی اونچی کنٹرول چیئر

سے آرہی تھی جس پہ بیٹھی ہلال اس مسلسل دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔نظریں ماہر کے چہرے پہ جمی تھیں جو متوجہ نہیں ہو رہا تھا۔میز پہ اس کا گلابی بیگ پیک رکھا تھا۔

جس روز وہ قطر سے اس کے لیے اسٹرابری والی کینڈل لیے اپنی ماں اور شمس کی دہلیز پہ گیا تھا'اس واقعے کو قریبا ایک سال گزر چکا تھا۔

''آپ بار بار قطر کیوں چلے جاتے ہو'ماہر بھائی؟''اس نے پکارا۔وہ کام کے دوران اسے بار بار پکارتی تھی۔وہ بیربل کو اس کے نام سے پکارتی تھی لیکن اسے بھائی کہتی تھی۔

''کیونکہ میں وہاں کام کرتا ہوں۔اور مجھے قطر اچھا لگتا ہے۔''وہ سر جھکائے ایک کاغذ سے کچھ پڑھ رہا تھا۔

''آپ اس دفعہ قطر سے میرے لیے کچھ نہیں لائے؟''اس نے پھر سے سوال پوچھا۔وہ جیسے بور ہو رہی تھی۔

''لایا ہوں۔دینا بھول گیا۔دوسرے نمبر کا دراز کھولو۔''وہ ماڈل پہ جھکا تھا۔

ہلال کی آنکھیں چمکیں۔تیزی سے پیر نیچے کیے اور مطلوبہ دراز کھولا۔اندر ایک سفید ڈبہ رکھا تھا۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ امڈ آئی۔جلدی سے ڈبے کا ربن اتارا۔پھر احتیاط سے ڈھکن ہٹایا۔اندر جھانکا۔اگلے ہی لمحے اس کا چہرہ اتر گیا۔

''پھر وہی؟سینٹڈ کینڈل؟''اس نے کینڈل جار نما ڈبے سے میز پہ رکھا۔شیشے کے لکڑی سے ٹکرانے کی آواز آئی تو ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔وہ بہت خفگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اس میں چاکلیٹ اور کافی کی خوشبو ہے۔تمہیں اچھی لگے گی۔''اس کا چہرہ دیکھ کے وہ مسکرایا۔

''قطر میں کینڈلز کے علاوہ کچھ نہیں ملتا؟''ہلال سست روی سے اسے واپس ڈالتے بولی۔اس نے اسے سونگھا تک نہیں تھا۔''آپ نے مجھے اب تک آٹھ کینڈلز دی ہیں۔میں اتنی ساری کینڈلز کا کیا کروں؟آپ کے آفس یا گھر میں ایک بھی کینڈل نہیں ہے۔خود نہیں استعمال کرتے۔بس میرے لیے لاتے ہو۔''

وہ بڑبڑاتے ہوئے ربن واپس باندھ رہی تھی۔

ماہر دھیرے سے ہنس دیا۔اور کاغذ ایک طرف رکھ کے پیچھے ٹیک لگائی۔

''جب تک تم خوشبو دار کینڈل جلاؤ گی نہیں'اس کی قدر نہیں کر سکو گی۔''

''بیربل میرے لیے چاکلیٹس لاتا ہے۔ٹوائز لاتا ہے۔اسٹوری بکس لاتا ہے۔آپ صرف کینڈلز لاتے ہو۔''

''کہا نا'ایک دن تم ان کینڈلز کو پسند کرنے لگو گی۔''

ہلال نے چہرہ دونوں ہتھیلیوں پہ گرا دیا اور خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''پاپا کہہ رہے تھے ہم شاید پاکستان شفٹ ہو جائیں۔'' تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے بولی تو وہ چونکا۔ آنکھوں میں اچنبھا در آیا۔

''کیوں؟''

''پتہ نہیں۔ لیکن اگر ہم پاکستان چلے گئے تو میں آپ سے کیسے ملوں گی؟''

ماہر کے لب بھنچ گئے۔ ماتھے پہ تفکر کی لکیریں ابھریں۔ لیکن پھر وہ زبردستی مسکرایا۔

''ڈونٹ وری۔ میں ان سے بات کروں گا۔''

تبھی دروازے پہ دستک ہوئی۔ انگوٹھی سے دی جانے والی دستک۔ وہ اس کو پہچانتا تھا۔ ہلال بھی اسے پہچانتی تھی۔ اسی لیے فوراً سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا گلابی بیک پیک اٹھا لیا۔

''میں ہلال کو پک کرنے آئی تھی۔'' چند لمحے بعد وہ ان کے سامنے کھڑی تھیں۔ ہلال بھاگتی ہوئی گئی اور ان کی ٹانگوں سے لگ گئی۔ انہوں نے نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ ماں کو دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' چند لمحے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ ان سے اس سے زیادہ بات نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن آج اسے کرنی تھی۔

''شمس پاکستان کیوں شفٹ ہونا چاہتا ہے؟'' یہ نام لیتے ہوئے بھی اس خلش کا کانٹا چبھ جاتا تھا۔

رابیل نے گہری سانس لی۔

''اس کی جاب چلی گئی ہے۔ اس کو پاکستان میں ایک اچھی جاب کی آفر ہوئی ہے۔ اس کا بزنس مائنڈ سیٹ نہیں ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ وہ اس آفر کو قبول کر لے اور ہم پاکستان چلے جائیں۔''

''بس؟'' ماہر بغور ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ رابیل نے جیسے تھوک نگلا۔

''ہاں بس۔''

''نہیں۔ شمس نے کچھ اور بھی کہا ہوگا۔'' وہ بنا پلک جھپکے ان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ ''کہ میں پاکستان والی آفر نہیں لوں گا اگر.... اگر...؟'' اس نے ابرو اٹھایا۔

رابیل کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔

www.facebook.com/nemrahahmed

''اگر اس کو... یہاں کوئی اچھی جاب مل جائے۔ یہیں مے فیئر میں کہیں۔'' انہوں نے نگاہیں جھکا دیں۔

ماہر نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور کنپٹی مسلی۔ وہ اس کی ماں نہیں تھی۔ وہ شمس کی بیوی تھی۔ وہ اس کا مدعا لے کر سامنے آئی تھی۔ واللہ وہ لوگوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں ہوتا تھا۔

''شمس چاہتا ہے کہ میں اسے اپنی کمپنی میں جگہ دوں ورنہ وہ ہلال اور آپ کو یہاں سے لے کر چلا جائے گا۔'' بہت سا غصہ اندر ابلنے لگا۔ وہ مزید کچھ کہتا لیکن...

''آپ پاپا کو یہاں جاب دے دو گے' تو ہم یہاں سے نہیں جائیں گے؟'' ہلال ایک دم چہکی۔ وہ چونکا۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ یہاں کھڑی تھی۔ ایک دم اسے احساس ہوا کہ اس کے پیروں میں نادیدہ زنجیریں پڑ چکی ہیں۔

وہ بدقت مسکرایا۔'' آف کورس۔ میں شمس کو اپنے قریب جاب دلوادوں گا۔ آپ لوگ پاکستان نہیں جائیں گے۔ شمس سے کہیے گا کہ مجھ سے ملے۔''

''تھینک یو' ماہر۔'' ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو ہلال آگے بھاگ گئی۔ وہ بھی آگے بڑھنے لگیں لیکن ماہر ان کے قریب آیا اور پیچھے سے ان کے کان کے قریب جھکا۔

''آپ کے شوہر کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ کب' کہاں' میں نہیں جانتا۔ لیکن واللہ وہ میرے ہاتھ سے ہی مرے گا۔'' سرگوشی میں کہا اور واپس پلٹ گیا۔ مٹھیاں غصے سے بھینچ رکھی تھیں اور چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

رابیل چونک کے اسے دیکھنے لگیں لیکن اب اس کی ان کی طرف پشت تھی۔ کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ وہ ہلال کے پیچھے چل دیں۔

ماہر نے موبائل اٹھایا۔ پھر رکھ دیا۔ مالک یہاں تھا نہیں۔ وہ آج کل بیر بل کو مختلف سائٹس وزٹ کروانے ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ بیر بل کو بیکری کا بخار چڑھا تھا اور ماہر نے شرط رکھی تھی کہ اگر وہ مالک کو کنوینس کر لے' تو وہ اسے پیسے دے دے گا۔ مالک کی غیر موجودگی میں اس کے قریب کوئی ایسا قابل اعتماد انسان نہ تھا جس سے وہ مشورہ کر سکے۔

شمس کے ہاتھ بالآخر اس کی کمزوری آ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نرم دھوپ اوشن کے برآمدے میں چھن چھن کے آ رہی تھی۔ برآمدے سے باہر نکلو اور دائیں طرف مڑ جاؤ تو ایک چھجا سا بنا تھا جس ساتھ بوگن ویلیا کا درخت کھڑا تھا۔ اس کے نیچے ایک کرسی میز بچھی تھی۔ یہاں بیٹھو تو سرما

کی دھوپ بہت اچھی لگتی۔ نہ بہت سیدھی۔ نہ بہت ٹھنڈی۔ سردیوں میں وہ اس جگہ پہ بیٹھا کرتی تھی۔ یہاں اسے دن کی روشنی کے باوجود قدرے پرائیویسی مل جاتی کیونکہ یہاں سے ریستوران کا اکثر حصہ دکھائی نہ دیتا۔ سو وہ سکون سے اپنا کام کرتی رہتی۔

البتہ آج وہ کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ وہیں بیٹھی اضطراب سے انگلیوں مروڑ رہی تھی۔ گزشتہ دو راتوں سے وہ ٹھیک سے سوئی نہیں تھی۔ بار بار سے موبائل کی بجھی اسکرین کو دیکھتی۔ اس نے اس عورت کو اپنا کارڈ دیا تھا۔ پھر وہ کال کیوں نہیں کر رہی تھی؟ کال آئے' وہ علاج کا خرچہ مانگے' اور یہ معاملہ ختم ہو۔

اسی لمحے گھنٹی بجی۔ اس نے تیزی سے فون اٹھایا۔ اگلے ہی لمحے جوش ماند پڑا۔

ماں کی کال آ رہی تھی۔

''کیسی ہو بیٹے؟'' ان کی آواز سے لگ رہا تھا کہ فون گاؤ تکیے پہ اسپیکر پہ رکھے خود تخت پہ بیٹھی ساتھ ساتھ کوئی سبزی چھیل رہی تھیں۔ یہ ان کا سبزی کاٹنے کا وقت ہوتا تھا۔ اور اس وقت وہ ہر روز اسے کال کیا کرتی تھیں۔ وہ ماں کو کم ہی کال کرتی تھی۔ اسے بھول جاتا۔ یا وہ مصروف ہو جاتی۔ ویسے بھی ماں خود کال کر لیتی تھیں۔ اسے کم ہی ضرورت پڑتی۔

''ٹھیک ہوں' ماں۔'' وہ پھیکا سا مسکرائی۔ یہاں سے برآمدے کا جو حصہ اسے دکھائی دیتا تھا' وہ خالی تھا۔ دور باغیچے میں بھی اکا دکا لوگ تھے جو ناشتے کر رہے تھے۔

''آواز سے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ پریشان ہو لیکن ہمیشہ کی طرح بتاؤ گی نہیں۔'' ان کا انداز سادہ تھا۔ پرسکون۔

مالا کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ کیسے پتہ چل جاتا تھا انہیں ہر دفعہ؟

''مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے' ماں۔'' اس کا گلا رندھنے لگا۔

''جان بوجھ کے کی تھی؟'' ان کا انداز نرم تھا۔

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔ جو بھی ہوا' غلطی سے ہوا تھا۔'' اس نے پلکیں جھپکائیں۔ ایک آنسو ٹوٹ کے گال پہ لڑھک گیا۔

''پھر اس کو سدھار لو۔''

''کیسے؟'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا۔ ایک ہچکی سی آئی۔ سانس بے ترتیب ہونے لگا۔

''اس دنیا میں غلطی کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ جب غلطی سامنے آئے تو اس پہ اصرار نہ کرنا۔ معافی مانگ کے اس کو

www.jadeed.com/nemrahmed.official

سدھار لینا۔''

''او کے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نظریں اپنے پیروں پہ جمی تھیں جو اس نے میز رکھے ہوئے تھے۔ ان پہ سیدھی دھوپ پڑ رہی تھی۔

حورِ جہاں بیگم اپنے تخت پہ براجمان تھیں۔ اسپیکر فون بند کیا تو گیلی انگلی سے پانی کا دھبہ فون اسکرین پہ لگ گیا۔ وہ پرواہ کیے بنا واپس آلوؤں کے تھال کی طرف متوجہ ہوئیں جن کو کاٹ کاٹ کے پانی کے برتن میں ڈال رہی تھیں۔

''دھیان سے۔ گر جاؤ گے۔'' بخت بی پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔ حور جہاں نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ وہ اپنے نواسے کے پیچھے بھاگ بھاگ کے ہلکان ہو رہی تھیں جو لاؤنج میں بھاگتا جا رہا تھا۔ کبھی کسی میز سے ٹکرانے لگتا تو کبھی اسے ٹھڈا آنے کے قریب ہوتا۔ ہر دفعہ بخت بی اسے گرنے سے بچا لیتیں۔

''اسے ایک دفعہ گرنے دو، بختو۔''

بخت بی نے پلٹ کے خفگی سے انہیں دیکھا۔

''اسے چوٹ لگ گئی تو؟''

''بچے جب بڑے ہونے لگیں تو انہیں ان کے حصے کی غلطیاں کرنے دینی چاہئیں۔ گرے گا نہیں تو اسے گرنے کی تکلیف کیسے معلوم ہوگی؟'' انہوں نے کہتے ہوئے ایک نظر گاؤ تکیے پہ رکھے موبائل کو دیکھا جس کی اسکرین پہ پانی کا قطرہ ابھی تک ٹھہرا تھا۔ اور واپس سبزی کاٹنے لگیں۔

وہ ابھی تک اپنے دھوپ سے سنہری ہوتے پیروں کو دیکھ رہی تھی۔ سانس ہنوز بے ترتیب تھا جب ہی کانچ کے اسٹیل سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی تو چونکی۔ گردن موڑ کے دیکھا۔

ستون کی اوٹ میں برآمدے کا جو حصہ دکھائی دے رہا تھا وہاں ایک ویٹر کھڑا جھک کے ایک میز پہ کافی رکھ رہا تھا۔ یہ میز اسے آدھی دکھائی دے رہی تھی۔ تب ہی اس نے سمجھا کہ خالی ہے۔ مگر... اس نے گردن کھینچی۔ نگاہ کا راستہ صاف ہوا۔ وہاں کوئی بیٹھا تھا۔

بجلی کی تیزی سے مالا نے پیر نیچے کیے۔ جوتے پہنے۔ اور ٹھیک سے بیٹھی۔ لباس کی نادیدہ شکنیں درست کیں۔ وہ یہاں بیٹھ کے ذاتی کالز اٹینڈ نہیں کرتی تھی۔ صرف اس صورت میں کرتی جب قریب میں کوئی نہ ہوتا۔ یونہی شرمندگی سی ہوئی۔ اس آدمی کو ساری آوازیں جاتی رہی ہوں گی۔

www.facebook.com/ahmed.offical

اور اس کی آواز بھی یہاں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ چونکی۔ وہ آدمی ویٹر سے شکایتی لہجے میں کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ تیزی سے اٹھی اور ستون کی اوٹ سے نکلی۔ پھر دو اسٹیپ چڑھ کے برآمدے میں آئی۔ یہاں چھاؤں تھی۔

اب اسے کونے والی میز پہ بیٹھا شخص صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر آدمی تھا جس کے بال براق سفید تھے۔

''یہ اوٹ ملک oat milk نہیں ہے۔'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کافی کا کپ واپس رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''سر یہ اوٹ ملک کی کافی ہی ہے۔'' ویٹر منمنایا۔

''سر میں مینیجر ہوں۔ کوئی ایشو ہے کیا؟'' وہ بہت شائستگی سے کہتے ہوئے ان کے سامنے آئی۔ ویٹر ادب سے دو قدم ایک طرف ہوا۔ سلور بالوں والے آدمی نے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان کا چہرہ ایسے تھا جیسے برف کا بنا ہو۔

''میں lactose intolerant ہوں۔ آپ کے ویٹر کو میں نے اپنی کیپچینو میں اوٹ ملک ڈالنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن اس نے میری کافی ڈیری ملک سے بنائی ہے۔''

(لیکٹوز انٹولرنٹ لوگ وہ ہوتے ہیں جو ڈیری ملک یا اس سے بنی چیزیں استعمال نہیں کر سکتے۔)

''لالک؟'' اس نے نگاہیں اٹھا کے لالک نامی ویٹر کو دیکھا۔ وہ خود باریستا بھی تھا اور بہت اچھی کافی بناتا تھا۔

''میں نے اوٹ ملک ہی ڈالا ہے۔'' اس نے بات دہرائی۔

''سر آپ مجھے دو منٹ دیں گے؟ میں آپ کی کافی دوبارہ بھجواتی ہوں۔'' مسکرا کے انہیں کہا۔ ساتھ ہی آنکھوں سے لالک کو اشارہ کیا۔ اس نے جلدی سے وہ کپ اٹھا لیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

''ایویں نخرے کر رہا ہے۔ یہ باہر سے آئے لوگ یہاں آ کے زیادہ نخرے شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے اوٹ ملک سے ہی کافی بنائی تھی۔'' کچن میں آ کے لالک خفگی سے شروع ہو گیا۔ اس آدمی کے انگریزی لب و لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ برطانیہ سے آیا ہے یا کافی عرصہ وہاں رہا ہے۔

مالا نے ایک نظر چھت کو دیکھا۔ پھر فریج کے دروازے کو۔ یہاں کیمرہ نہیں لگا تھا۔ یہ سی سی ٹی کا بلائنڈ سپاٹ تھا۔ کچھ دن پہلے فریج یہاں موو کیا گیا تھا۔ کسی نہ کسی وجہ سے کیمرہ لگنا رہ جاتا تھا۔

''تم نے اوٹ ملک ڈالا تھا؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے سختی سے پوچھا۔

''قسم لے لیں میں نے ڈالا تھا۔''

''اس کا خالی ڈبا کہاں ہے؟''

''ڈبہ؟'' وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''اس دن میری سالگرہ پہ سب پزا کھا رہے تھے سوائے تمہارے۔تم نے کہا تمہیں پزا پسند نہیں ہے۔لیکن میرا خیال ہے لالک' تم خود لیکٹوز انٹولرنٹ ہو۔اور تم کسٹمرز کی کافی میں عام دودھ ڈالتے ہو اور اوٹ ملک اور کوکونٹ ملک کے کارٹن چھپا کے گھر لے جاتے ہو یا اپنی کافی میں استعمال کرتے ہو۔''

''نن نہیں میم....''

''ظہیر یہ دودھ بہت مہنگے امپورٹ کرواتا ہے' بہت کم لوگ ہیں جو ان کا تقاضا کرتے ہیں۔یہ تمہارے اوپر یہ امانت ہوتے ہیں۔اور تم نے مجھے ایک کسٹمر کے سامنے شرمندہ کروایا ہے۔فی الحال میں اس معاملے کو فکس کر رہی ہوں۔اس کے بعد تم میرے آفس میں آؤ گے۔اور ہم اس بارے میں بات کریں گے۔''

تھوڑی دیر بعد وہ باہر آئی تو اس کے ساتھ لالک سر جھکائے کافی کا تازہ کپ پکڑے ہوئے تھا۔وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے آئے۔اس نے کپ میز پہ رکھا تو مالا نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

سفید بالوں والے آدمی کا چہرہ سپاٹ تھا۔جیسے برف ہو۔

''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔میرے باریستا کی غلطی تھی۔اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی' سر۔''

''آپ نے اپنے باریستا کو برطرف نہیں کیا؟'' انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں۔'' مالا کا لہجہ مطمئن تھا۔

عبدالمالک فرید نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''اس نے میرا بہت قیمتی وقت برباد کیا ہے۔آپ کو اسے برطرف کر دینا چاہیے تھا۔''

''نہیں سر۔ذرا سا لیکٹوز آپ کا کچھ خاص نہیں بگاڑ سکتا۔لیکن اس کی برطرفی اس کی زندگی خراب کر سکتی ہے۔نوکری کا چلے جانا کسی کی بھی زندگی خراب کر سکتا ہے۔میں آپ کی shallow ego کی وجہ سے ایک غریب کو برطرف نہیں کر سکتی۔''

''shallow ego'' وہ مسکرائے۔جیسے اس کی بات دلچسپ لگی ہو۔

''جی۔لیکن غلطی ہماری ہے اور میں اس غلطی کا مداوا کرنا چاہتی ہوں۔''

''وہ کیسے؟'' وہ مسکرا رہے تھے البتہ آنکھیں برف تھیں۔

www.facebook.com/nemrahahmed

کشمالہ مبین نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''کوئی دوسرا کسٹمر ہوتا تو میں اس کو ڈسکاؤنٹ واؤچر دے دیتی اور کافی کا بل نہ لیتی۔لیکن آپ کو اس سب کی ضرورت نہیں ہے۔آپ نے شکایت ذرا سے پیسے بچانے کے لیے نہیں کی۔نہ آپ کو لیکچوز سے اتنا فرق پڑتا ہوگا کیونکہ پاکستان میں بہت کم جگہوں پہ اوٹ ملک دستیاب ہوتا ہے۔آپ کو اکثر جگہوں پہ ڈیری والی کافی پینی پڑتی ہوگی۔''وہ مسکرائی۔وہ اسی دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''پھر میں نے شکایت کیوں کی؟''

''کیونکہ آپ کی بات نہ مان کے آپ کی توہین کی گئی تھی۔میں اس توہین کا مداوا کرنے کے لیے آپ کی کافی خود بنا کے لائی ہوں۔اور میں کسی کے لیے کافی نہیں بنایا کرتی۔ایک دفعہ پھر میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔''بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔

ان کے برفیلے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔اور پھر معدوم ہوگئی۔وہ اپنی میز کی طرف بڑھ گئی۔

''آپ ایک اچھی مینیجر ہیں۔لیکن....''انہوں نے دو انگلیوں سے کپ کا ہینڈل سے اٹھایا۔پھر ایک گھونٹ بھرا۔

''لیکن؟''وہ برآمدے کے اسٹیپ پہ تھی۔پلٹ کے اچھنبے سے انہیں دیکھا۔

''لیکن آپ کو اپنے سانس پہ کنٹرول نہیں ہے۔''

''سوری سر؟''وہ بوگن ویلیا کے درخت کے ساتھ کھڑی تھی۔ان کے سر کے اوپر گلابی ٹہنیاں لٹک رہی تھیں۔

''جانتی ہیں خوشی یا خوف میں سب سے پہلے کیا خراب ہوتا ہے؟''ان کی نگاہیں اپنے کپ پہ جمی تھیں۔

''کیا؟''

''سانس۔''

اسی پل سورج کے سامنے سے بادل ہٹے۔دھوپ نے بوگن ویلیا کی ٹہنیوں کے درمیان سے راستہ بنایا اور برآمدے کے فرش پہ اپنی چند شعائیں پھینکیں۔

''اگر انسان اپنے سانس کو قابو کرنا سیکھ لے تو وہ اپنا ذہن قابو کر سکتا ہے۔ذہن قابو کر لے تو وہ ہر قسم کے حالات کو قابو کر سکتا ہے۔سب کچھ سانس سے شروع اور سانس پہ ختم ہوتا ہے۔''

وہ اب سامنے دیکھتے ہوئے کافی کے گھونٹ بھر رہے تھے۔جیسے خود سے بات کر رہے ہوں۔

مالا نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔اور پلٹ کے نیچے اتر گئی۔اب اس کا وجود دھوپ میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اندر ہال میں عباس کے ساتھ کھڑی تھی۔شیشے کی دیوار کے پار برآمدہ دکھائی دے رہا تھا جہاں سفید بالوں والا شخص بیٹھا کافی پیتے ہوئے موبائل دیکھ رہا تھا۔

''یہ آدمی کون ہے؟''اس کی مشکوک نظریں ان پہ جمی تھیں۔

''بس اتنا معلوم ہے کہ لندن سے آیا ہے۔انویسٹمنٹ مینیجر ہیں۔مختلف ریستورانوں کا دورہ کر رہا ہے۔اسے غالباً اپنے لیے ایک ریستوران خریدنا ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ اگر اسے ریستوران خریدنا ہے تو یہ اوشن میں کیا کر رہا ہے؟''

پہلو میں گری اس کی مٹھی بھنچ گئی۔نظریں اٹھا کے سیڑھیوں کی طرف دیکھا جہاں اوپر کہیں ظہیر کا آفس تھا۔سانس پھر سے چڑھنے لگا تھا۔

اسی پل فون بجنے لگا۔غیر شناسا نمبر۔بالآخر۔اس نے فون کان سے لگایا۔

''جی جی.....میں کشمالہ ہوں۔آپ نے کال ہی نہیں کیا۔''چھوٹتے ہی بے چینی سے پوچھا۔''آپ کے شوہر کی طبیعت کیسی ہے؟''

''طبیعت؟''وہ عورت روتے ہوئے چلائی۔''وہ مر گیا ہے۔تم نے میرا بندہ مار دیا ہے۔''

لمحے بھر کے لیے سارے دنیا تھم گئی۔اس کو لگا اس کا سانس جیسے بند ہو گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم فرید کے آفس میں اس وقت تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ایک سرد سا تناؤ جو وہاں بیٹھے دونوں فریقین کے درمیان حائل تھا۔جو نظر نہیں آتا تھا لیکن گھٹن پیدا کر رہا تھا۔

کھڑکی میں رکھے اس کے باپ کے پودے عدم توجہی کے باعث سوکھ چکے تھے۔کمرے میں عود کی خوشبو پھیلی تھی جس میں سگار کی مہک بھی شامل تھی۔

''مجھے بلانے کے لیے شکریہ ماہر۔''

کوٹ ٹائی میں ملبوس شمس اس وقت ماہر کے سامنے بیٹھا تھا۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔وہ البتہ نہیں مسکرا رہا تھا۔بس پتلیاں سکوڑے اس کو دیکھ رہا تھا۔جیسے اس کو اندر تک پڑھ رہا ہو۔

''ماں نے بتایا کہ تم ہلال اور ماں کے ساتھ پاکستان شفٹ ہونا چاہتے ہو۔''

شمس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''تم جانتے ہو میری جاب چلی گئی ہے۔ پاکستان میں میرے کزن نے ایک جاب آفر کی ہے۔ وہاں میری فیملی ہے۔ ان کے پاس چلا جاؤں گا۔ ہلال اور رابیل بھی وہیں رہیں گی جہاں میں رہوں گا۔'' اس کی چھوٹی چھوٹی چمک دار آنکھیں ماہر پہ جمی تھیں۔

اس نے بہت کچھ حلق سے نیچے اتارا۔ اسے ضبط کرنا تھا۔ ہلال کے لیے۔ ماں کے لیے۔

''ہاں اگر مجھے یہاں کوئی اچھی جاب مل جاتی تو شاید میں نہ جاتا۔'' اس نے شیو کھجائی۔ ماہر نے ایک نظر دیوار گیر بک شیلف کو دیکھا جہاں بہت سی کتابیں' فریم اور شیلڈز رکھی تھیں۔ ان میں ایک تصویر اس کے پاس کی بھی تھی۔ وہ ان کے پیچھے کھڑا' ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ وہ دونوں کیمرے میں دیکھ کے مسکرا رہے تھے۔ اس نے واپس شمس کو دیکھا۔ اس کے باپ کے باڈی گارڈ کی نوکری سے شروع ہونے والا شمس الدین آج انہی کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''اگر تمہیں یہیں کہیں جاب مل جائے تو نہیں جاؤ گے؟'' اس نے دراز کھولا اور ایک باکس نکالا۔

''ہاں۔ اگر تمہارے آس پاس کوئی جاب ہو تو میں یہیں رہ جاؤں گا۔''

''جاب بنائی جا سکتی ہے۔'' ماہر نے باکس سے ایک سگار نکالا۔ پھر میز پہ رکھا چاقو اٹھایا۔

''تمہارا شکریہ۔ میرے لیے اتنا سوچنے کا۔''

''سوال یہ ہے کہ...'' وہ چاقو سے سگار کاٹنے لگا۔ ''کیا تم میری بنائی گئی جاب قبول کر لو گے؟'' شمس کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ جمی تھیں جو مہارت سے سگار کو چھیل رہے تھے۔

''شیور۔ کس قسم کی جاب ہے؟''

''فنانس ڈیپارٹمنٹ میں۔ ایک بہت اچھی سیلری اور انشورنسز کے ساتھ۔'' اس سگار انگلیوں میں دبایا اور لائٹر اٹھایا۔

''بہترین۔'' شمس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ آنکھیں چمکیں۔ بالآخر وہ قاسم فرید کی کمپنی میں داخل ہونے جا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ کل صبح اس آدمی سے مل لو۔ یہ تمہیں ہائر کر لے گا۔''

اس نے ایک کارڈ شمس کی طرف بڑھایا۔ شمس نے مسکرا کے کارڈ اٹھایا۔ اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چونک کے ماہر کو دیکھا۔ وہ ٹیک لگائے بیٹھا' سگار سلگا رہا تھا۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''لیکن ماہر.... یہ تمہاری کمپنی تو نہیں ہے۔''

''میری کمپنی درمیان میں کہاں سے آ گئی؟ تمہیں مے فیئر میں جاب چاہیے تھی نا۔ میرے آس پاس۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔ ''ان کا آفس ہمارے قریب ہی ہے۔ پانچ منٹ کی واک پہ۔''

شمس کی مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔ چند لمحے کے لیے اسے سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔

''مجھے لگا...''

''تمہیں لگا کہ میں تمہیں اس کمپنی میں کام کرنے دوں گا جہاں ایک زمانے میں تم میرے باپ کی کار کا دروازہ کھولتے تھے۔ چچ چچ۔ تم مجھے ٹھیک سے سمجھے نہیں ہو شمس۔'' افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر سگار کا کش بھرا' بہت سا دھواں لبوں سے نکلا۔ اس نے سگار جھٹکا اور آگے کو جھک کے شمس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔

''ماہر فرید کو کوئی ایموشنلی بلیک میل نہیں کر سکتا۔ میں نے ہلال سے وعدہ کیا تھا تمہیں اپنے قریب جاب دلوانے کا۔ اپنا وعدہ پورا کر رہا ہوں۔ چاہو تو میری آفر قبول کرو۔ چاہو تو ماں اور ہلال کو لے کر پاکستان شفٹ ہو جاؤ۔ تمہاری مرضی۔'' اس نے واپس ٹیک لگا لی۔

شمس پھیکا سا مسکرایا۔

''مجھے منظور ہے۔ کم از کم میں تمہارے قریب رہوں گا۔'' پھر کرسی پر رکھا ایک باکس اٹھایا جو وہ ساتھ لایا تھا۔

''تم مجھے پسند نہیں کرتے لیکن بہر حال میں تمہارے آفس کے لیے ایک تحفہ لایا تھا۔ اس کو اپنے آفس میں جگہ دو گے تو مجھے خوشی ہو گی۔''

اس نے باکس کا ڈھکن اٹھایا تو ماہر نے عدم دلچسپی سے دیکھا۔ وہ ایک شطرنج کے گھوڑے کی شکل کا بک ہولڈر تھا۔

''ہوں۔ شکریہ۔'' بے دلی سے کہا اور سگار ہونٹوں سے لگایا۔

''ہلال نے اسے پسند کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ تمہارے بک شیلف میں اچھا رہے گا۔ کیا میں اسے یہاں رکھ دوں۔''

اس گھوڑے کا رنگ سیاہ تھا۔ ماہر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''شیور۔'' وہ ہلال کی پسند تھا۔ اور اگر نہ ہوتا.... تب بھی ایک گھوڑا اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟

www.facebook.com/nemrah.ahmed

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے آفس میں کھڑی تھی۔ میز پہ اپنے سامنے اس نے چند چیزیں اکٹھی کر رکھی تھیں۔ فائلز۔ ڈاکومنٹس۔ ایک پودا۔ چند فریمز۔

''مجھے ایک ایسا باکس لا کر دو جس میں یہ سب پورا آ جائے۔'' حیران سی کھڑی اپنی اسسٹنٹ صاعقہ کو حکم دیا۔ وہ سر ہلا کے باکس ڈھونڈنے چلی گئی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ مالا میڈم صبح ہی صبح اپنا سامان کیوں اکٹھا کرنے لگ گئی ہیں۔

موبائل بجنے لگا تو مالا نے گہری سانس لینی چاہی لیکن تنفس پھر سے بے ترتیب ہونے لگا۔ وہ عورت باہر آ چکی تھی۔ اسے ایک مشکل ملاقات کرنی تھی۔ اس نے دیوار پہ لگے آئینے میں ایک دفعہ خود کو دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال۔ اونچی کس کے بنائی پونی۔ کان' گردن اور ہاتھ کسی قسم کے زیور سے بے نیاز تھے۔ چہرے کی سرخ گلابی ایکنی چمک رہی تھی۔ پیروں میں ہائی ہیلز تھیں۔

وہ باہر آئی تو مین ہال میں بجتا میوزک ایک دم بدلا۔ پہی برتھ ڈے ٹو یو کی دھن سنائی دینے لگی۔ وہ چونکی۔ کونے میں کمپیوٹر پہ بیٹھا آپریٹر کی بورڈ پہ جھکا تھا۔ مالا کے ماتھے پہ بل پڑے۔ تیزی سے اس کی طرف لپکی۔

''مجھے یہ میوزک اب نہ سنائی دے۔'' اس کے سر پہ پہنچ کے وہ ایک دم غرائی۔ وہ گڑبڑا گیا۔

''سوری میم۔ میں پلے لسٹ چیک کر رہا تھا۔ اس دن آپ کی سالگرہ پہ یہ لگایا تھا تو خود ہی پلے ہو گیا۔''

''کہا نا۔ یہ میوزک مجھے اس ریستوران میں نہ سنائی دے۔ کچھ اور لگا لو۔'' اختیار اپنے ہاتھ دیکھے۔ آج وہ سرخ نہیں تھے۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔

آج بھی برآمدے کے کونے والی میز پہ وہی صاحب بیٹھے تھے۔ لیپ ٹاپ سامنے رکھے' وہ اس پہ کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ ان سے نگاہ ملائے بغیر آگے آئی۔ برآمدے کے اسٹیپ اتر کے نیچے آئی تو دیکھا۔ اس کی میز سیاہ چادر میں وہی عورت بیٹھی تھی۔ مالا کو دیکھ کے وہ کھڑی نہیں ہوئی۔ بس اسے گھورے گئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''عاصمہ بی۔ ہم اندر میرے آفس میں چل کے بات کرتے ہیں۔'' وہ نرمی سے کہتی ان کے قریب آئی۔

''مجھے اندر نہیں جانا۔ یہیں سب کے سامنے بات کرنی ہے۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔

مالا نے گردن موڑ کے دیکھا۔ سوائے سفید بالوں والے آدمی کے' قریب میں کوئی نہ تھا۔ اس نے کرسی کھینچی۔

''ٹھیک ہے لیکن آرام سے بات کریں۔'' نرمی سے تنبیہہ کر کے وہ ان کے سامنے بیٹھی اور ٹانگ پہ ٹانگ

جمالی۔

''میں اس واقعے کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔''

عورت نے اس کی معذرت کو نظر انداز کر کے نگاہیں گھما کے اطراف میں دیکھا۔

''تم تو کہہ رہی تھی تمہارے آفس میں آگ لگ گئی تھی۔ کدھر ہے آگ؟''

کشمالہ نے ناک کے ذریعے سانس اندر کھینچا۔ پھر دھیرے سے خارج کیا۔ تنفس قدرے بہتر ہوا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں۔ آئی ایم سوسوری۔ میں ہر قسم کا مداوا کرنے پہ تیار ہوں۔''

''اب کیسا مداوا' بی بی؟ تم نے میرا بندہ مار دیا ہے۔'' وہ روتے ہوئے غصے سے بولی۔

بوگن ویلیا کے پھولوں میں ہوا سے سرسراہٹ ہوئی۔ پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ عبدالمالک فرید نے لیپ ٹاپ سے نگاہیں اٹھا کے اس طرف دیکھا جہاں درخت کی چھاؤں میں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ پھر انہوں نے واپس نگاہیں جھکا دیں۔

''عاصمہ بی...''

''اس کا خون بہت بہہ گیا تھا۔ کوئی اسے ہسپتال لے جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ بڑی مشکل سے ہم ہسپتال پہنچے۔ وہاں جاتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔ تم بڑے لوگ گاڑی چلاتے دائیں بائیں کیوں نہیں دیکھتے؟'' اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور آواز کپکپا رہی تھی۔

کشمالہ مبین نے ایک گہری سانس اندر کھینچی۔ پھر اسے دھیرے سے خارج کیا۔ اب اس کو سانس نہیں چڑھ رہا تھا۔

''وہ کرا سنگ نہیں تھی۔ وہ اچانک سے میرے سامنے آیا تھا۔ غالباً وہ خودکشی کرنے جا رہا تھا کیونکہ آپ اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اسے روک رہی تھیں۔ ٹیکنکلی یہ میری غلطی نہیں تھی۔''

''یہ بات پولیس کے سامنے کہنا یا عدالت میں۔'' وہ دبا دبا سا غرائیں۔

''اگر آپ نے پولیس کے پاس جانے ہوتا تو آپ وہاں جاتیں۔ یہاں نہ آتیں۔ چاہیں تو مجھے لے جائیں پولیس کے سامنے۔ میں ڈرتی نہیں ہوں۔'' وہ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پرسکون سی بیٹھی تھی۔ ''لیکن میں پھر بھی آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ مجھے اس کو خود ہسپتال لے جانا چاہیے تھا۔ انسانی جان ہر قسم کے کام سے اوپر ہوتی ہے۔'' چہرہ اٹھا کے ریستوران کی عمارت کو ایک نظر دیکھا۔

www.pakistanipoint.com/nemrahmed

''اب میں کیا کروں گی۔ وہ میرے بچوں کا واحد سہارا تھا۔ اس کی تنخواہ کے بغیر ہمارا گزارا کیسے ہوگا؟''

''میں کہہ رہی ہوں نا' میں آپ لوگوں کا خیال رکھوں گی۔ یہ کچھ رقم ہے۔'' اس نے پرس سے ایک چیک نکالا اور ان کے سامنے رکھا۔

''یہ رکھ لیں۔ دوبارہ بھی چاہیے ہوں تو میرا پتہ آپ کو معلوم ہے۔ میں آپ کو کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاؤں گی۔'' وہ اسی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ دھوپ سے اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

وہ عورت چیک چادر میں دبائے وہاں سے اٹھ کے چلی گئی۔ تو اس نے آنکھیں بند کیں۔ ایک سانس ناک سے کھینچی۔ اندر تک اس کو روک دیا۔ پھر ایک دو تین چار پانچ گنا۔ پھر اس کو لبوں سے خارج کر دیا۔ بہت سا بوجھ سینے سے ہٹ گیا۔

''وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ اس کا شوہر نہیں مرا۔''

وہ لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے بولے تو مالا نے چونک کے انہیں دیکھا۔ پھر اداسی سے مسکرائی اور اٹھ کے برآمدے تک آئی۔

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''اس کی آواز' آنکھیں' سب بتا رہی تھیں کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ اداکاری کر رہی ہے۔'' انہوں نے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان کا چہرہ آج بھی برف جیسا تھا۔

''جانتی ہوں۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''جب اس نے مجھے کال کی تو میں نے اس کے نمبر سے اس کے گھر کا ایڈریس نکلوا لیا۔ میری اسسٹنٹ اس کے محلے میں جا کے چیک بھی کر آئی تھی۔ اس کے شوہر کا زخم گہرا نہیں تھا۔ وہ ٹھیک ہے۔ اگر اسے کچھ ہوا ہوتا تو وہ مجھے اپنے گھر بلاتی۔ یہاں نہ آتی۔''

''پھر آپ نے اسے پیسے کیوں دیے؟''

''کیونکہ غلطی میری ہی تھی اور میں اپنی غلطیوں کی ذمہ داری لیا کرتی ہوں۔'' اس کا انداز سادہ تھا۔ ''مجھے اس کو خود ہسپتال لے جانا چاہیے تھا لیکن میں نہیں لے کر گئی۔ مجھے یہ ریستوران زیادہ عزیز تھا۔ اور سنا ہے آپ اس کو خریدنے کی بات کر رہے ہیں۔'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''کیا اس ریستوران کو بک نہیں جانا چاہیے؟ یہاں رش نہیں ہوتا۔''

''پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

https://www.facebook.com/nemrahmed.official

''کیونکہ یہاں رش نہیں ہوتا۔''انہوں نے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔''یہاں میں سکون سے اپنا کام کر سکتا ہوں۔''

''یہ ریستوران فار سیل نہیں ہے۔آپ کہیں اور جا کے ونڈو شاپنگ کریں'سر۔''مسکرا کے سرد لہجے میں کہا اور واپس اپنی میز کی طرف چلی گئی۔اپنا لیپ ٹاپ کھولا تو دھوپ سے چمکتی اسکرین میں اپنا چہرہ دکھائی دیا جس پہ زمانے بھر کی خفگی تھی۔اور اضطراب بھی۔

(اگر اس آدمی نے اوشن خرید لیا تو؟)وہ عدم توجہی سے کام کر رہی تھی۔ذہن بہت سے مسئلوں میں الجھا تھا جب سلور بالوں والے آدمی کی میز سے آتی آوازوں نے اسے چونکایا۔

''اس ریستوران میں کیا برائی ہے؟''وہ اسی سپاٹ انداز میں پوچھ رہے تھے۔ان کی میز پہ کوئی اور بھی آ کے بیٹھ چکا تھا۔

''مجھے یہاں کام نہیں کرنا۔''جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔''اور مجھے تم لوگوں کے مشورے بھی نہیں چاہئیں۔مجھے معلوم ہے مجھے کیا کرنا ہے اور کہاں کرنا ہے۔''کہاں پہ زور دے کر بولا۔

''اس ریستوران میں کیا برائی ہے؟''انہوں نے تحمل سے سوال دہرایا۔کشمالہ مبین کے ماتھے پہ بل پڑے۔کان کھڑے ہو گئے۔اس کے ریستوران میں کیا برائی تھی؟ذرا وہ بھی تو سنے۔

''تم دونوں روبوٹس جان بوجھ کے میرے ساتھ یہ کر رہے ہو۔تم لوگ میرے اوپر بھروسہ ہی نہیں کرتے۔تمہیں لگتا ہے کہ میں پیسے ڈبو دوں گا۔''

''مجھے لگتا نہیں ہے۔یقین ہے۔''

مالا نے گردن ترچھی کر کے دیکھا۔

اس کے سامنے ایک نوجوان بیٹھا تھا جس کے گھنگھریالے بال پونی میں بندھے تھے۔کان میں بالی۔کلائیوں میں بہت سے بینڈز'انگلیوں میں سلور انگوٹھیاں۔گھٹنوں سے پھٹی جینز اور اوپر جیکٹ۔یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔

(ہوں۔درست لگتا ہے۔)اس نے گردن واپس موڑی اور لیپ ٹاپ پہ جھکی۔

''یار پلیز میری بات سمجھو۔مجھے تمہارے ساتھ ہر روز ایک نئے ریستوران کا دورہ نہیں کرنا۔مجھے کچھ اور بنانا ہے۔''

www.facebook.com/nemrahmed

''کیا؟''

''بیکری۔ایک بوتیک بیکری۔''

''بیکری کا کیا فائدہ؟''انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی گفتگو سنتے ہوئے ٹائپ کر رہی تھی۔

''کیونکہ بیکری میں کیکس بنتے ہیں اور کیک کے گرد ساری دنیا گھومتی ہے۔کیکس خاندان کو جوڑتے ہیں۔یہ اپنے آگے پیچھے ہر ایک کو اکٹھا کر لیتے ہیں۔یہ ہر تہوار'ہر موقعے کی ضرورت ہیں۔مجھے کیکس بنانے ہیں'یار۔مجھے کیکس بنانے دو۔''

''بیکری۔''اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ایک خیال ذہن کے پردے پہ لہرایا۔پھر اس نے جلدی سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور پچھلی گلی کی طرف بڑھ گئی جہاں سے ایک بیرونی زینہ اوپر آفس تک جاتا تھا۔

آفس ٹیبل پہ ایک سرمئی رنگ کا باکس رکھا تھا جس میں اس کی تمام چیزیں پوری آ چکی تھیں۔ننھا سا پودا سب سے اوپر رکھا تھا۔

اس نے ایک لفافے میں بند انتقی پودے کے ساتھ رکھا اور مسکرا کے گہرا سانس لیا۔اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شمس ائیر فونز کانوں میں لگائے'سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا۔چہرے پہ جھنجلاہٹ تھی اور سردی سے ناک سرخ پڑ رہی تھی۔دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں کے اندر تھے۔

''ایک سال سے انتظار کر رہا ہوں'سرکار۔اور کتنا انتظار کروں؟''

دوسری طرف نگینہ بیگم کی ہنسی گونجی۔

''تمہارا لالچ اور بے صبری۔چچ۔''

اس نے مجھے کمپنی میں گھسنے تک نہیں دیا۔اس کی آفر نہ مانتا تو بیوی کے سامنے برا بنتا۔''وہ بری طرح سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

''تم اس کمپنی میں ضرور گھسو گے اور ایک دن اس کے مالک بنو گے۔طاقت ور عمل شروع ہونے میں وقت لیتا ہے۔''

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

''ایک سال سے آپ وقت ہی لے رہی ہیں۔عمل کب شروع ہوگا؟''

''عمل تو شروع ہو چکا۔کیا تم نے وہ پتھر کا گھوڑا اس کے آفس میں رکھ دیا تھا۔''

''جی۔ایسی جگہ پہ رکھا ہے کہ دن میں کئی دفعہ اس کی نگاہ پڑے۔''وہ قدرے ٹھنڈا ہوا۔''لیکن اس سے کیا ہوگا؟ میری بھیجی گئی کھانے کی چیزیں وہ کبھی نہیں کھاتا کہ میں نے زہر نہ ملا دیا ہو۔''

''سارے جادو کھانے کی چیزوں میں نہیں ہوتے۔اصل جادو آنکھ سے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔''

وہ کہہ رہی تھیں اور وہ ٹھہر کے پوری عقیدت سے سن رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اصل جادو آنکھ سے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔)

کانفرنس روم کی دیوار پہ لگی بڑی اسکرین اس وقت روشن تھی۔اس پہ کچھ اسکیچ ابھر رہے تھے۔طویل میز کے گرد قطاروں میں لگی کرسیوں پہ بیٹھا افراد انہماک سے ان کو دیکھ رہے تھے۔کچھ نوٹس لے رہے تھے۔کچھ محض سر ہلاتے ہوئے ماہر کو سن رہے تھے۔

وہ سربراہی کرسی پہ بیٹھا' جھک کے ایک پین سے اسکرین پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔اس کی اسکرین کا عکس دیوار پہ لگی ایل ای ڈی میں بڑا ہو کے دکھائی دے رہا تھا۔

اور یہ اسی وقت تھا جب اس کو اپنی گردن پہ کسی شے کی موجودگی کا احساس ہوا۔ جیسے کچھ رینگ رہا ہو۔

www.facebook.com/nemrahmed.official

(نظر میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔آنکھ روح کا دروازہ ہوتی ہے۔یہ جو دیکھتی ہے اس کو روح میں اتار لیتی ہے۔)

ماہر کا ہاتھ تیزی سے گردن کے پیچھے گیا۔کوئی کیڑا تھا شاید۔وہ بات روک کے ایک دم اسے جھاڑنے لگا۔وہ ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔اس نے گردن دائیں جانب موڑی۔ایک بچھو سفید شرٹ کے کالر پہ چلتا ہوا کندھے تک رینگ رہا تھا۔وہ تیزی سے کھڑا ہوا اور زور سے کندھا جھاڑنے لگا۔وہ اتر کے ہی نہیں دے رہا تھا۔دفعتاً وہ کہنی تک

گیا اور پھر غائب ہو گیا۔

''سر' آپ ٹھیک ہیں؟'' آواز پہ وہ چونکا۔ کانفرنس روم میں بیٹھے افراد تحیر سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک دم سنبھلا۔

''کوئی چیز چبھ رہی تھی۔ اینی ویز...'' اس نے سلسلہ وہیں سے جوڑتے ہوئے گرافک ٹیبلیٹ پہ نظریں جھکائیں۔

شاید اس کا وہم تھا۔

(وہ ہر روز دن میں کئی دفعہ اس سحر زدہ مجسمے پہ نظر ڈالے گا۔ ہر نظر جادو کو اس کے جسم میں اتارتی جائے گی۔)

وہ کافی شاپ کی قطار میں کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں رول ہوا اخبار تھامے' کوٹ میں ملبوس' آفس کے لیے تیار۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا۔ وہ ذہن میں وہ ان تمام پوائنٹس کو دہرا رہا تھا جو ابھی آفس پہنچتے ہی اس نے پہلی میٹنگ میں اپنی ٹیم کے سامنے رکھنے تھے۔

دفعتاً کسی نے اسے پکارا۔

''ماہر...''

وہ چونک کے مڑا۔ دائیں بائیں دیکھا۔

وہاں کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

آواز پھر سے سنائی دی۔

''ماہر...''

(جادو اس کے جسم میں اس حد تک داخل ہو جائے گا کہ اسے وہ نظر آنے لگے گا جو موجود نہ ہو۔ وہ سنائی دے گا جو کسی نے کہا نہ ہو۔)

''ماہر...'' یہ ایک بھاری مردانہ آواز تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا۔ حیران نگاہیں اطراف میں دوڑائیں۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed

کافی شاپ میں لوگ آجا رہے تھے۔گلاس ڈور کے باہر اسٹریٹ دکھائی دے رہی تھی۔وہاں کوئی کھڑا دروازے سے چہرہ ٹکائے اندر جھانک رہا تھا۔ایک چھوٹے قد کا بچہ جس کا سر گنجا اور چہرہ سیاہ تھا۔اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ مسکرا رہا تھا۔

''آپ کی باری آگئی ہے۔'' کسی نے اس کے کندھے پہ دستک دی تو وہ چونکا۔اس سے اگلا کسٹمر اپنی کافی لیے جا چکا تھا اور باریستا منتظر سی اس کو دیکھ رہی تھی۔ماہر نے بے اختیار پلٹ کے دیکھا۔

گلاس ڈور کے پار اب کوئی نہیں تھا۔

(''اور اس سب سے کیا ہوگا؟''

''اس کو بہت ناز ہے نا کہ سب اس کا اعتبار کرتے ہیں۔اب حالات بدل جائیں گے۔کیونکہ سب سے پہلے اس کا خود اپنے اوپر سے اعتبار ختم ہوگا۔)

وہ اپنے بیڈروم میں سنگھار میز کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا۔دفعتاً تھوڑی اونچی کر کے دیکھا۔شیو کے دوران گردن پہ کٹ لگ گیا تھا۔ننھا سا کٹ۔اس نے اس پہ انگلی رکھی۔خون کا ایک قطرہ انگلی کے پورے کو چھو گیا۔ماہر نے افسوس سے سر جھٹکا۔اور سیدھا باتھ روم تک آیا۔سنک کے نیچے ہاتھ کیے۔پانی کی دھار انگلی پہ پڑی اور ایک دم وہ دھار شفاف پانی کی بجائے خون میں بدلتی گئی۔سارا سنک سرخ خون سے بھر گیا۔

(پہلے وہ اس سب کو نظر انداز کرے گا۔لیکن اس کے بعد وہ خوف میں مبتلا ہونے لگے گا۔اور خوف ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔)

وہ جھٹکے سے پیچھے ہوا۔خوف سے سامنے لگے آئینے میں دیکھا۔اس کی گردن اور کالر پہ بے تحاشا خون لگا تھا۔ساتھ ہی گردن میں زور کی تکلیف اٹھی۔جیسے کوئی گہرا گھاؤ ہو۔وہ تیزی سے آگے آیا اور نل کھول کے جلدی جلدی پانی چہرے پہ ڈالنے لگا۔پھر نگاہ اٹھائی۔

آئینے میں اس کا عکس صاف تھا۔کوئی خون' کوئی نشان نہ تھا۔بس پانی سے اس کا چہرہ اور گریبان بھیگا ہوا تھا۔

اس کی رنگت سفید پڑنے لگی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ گردن کا درد اب ختم ہو چکا تھا۔

(خوف سحر کو پختہ کرتا ہے۔ جو جتنا ڈرتا ہے اس پہ اتنی جلدی جادو اثر کرتا ہے۔)

یہ چھٹی کے دن کی ایک خوبصورت صبح تھی۔ وہ کلب کے لاؤنج میں صوفوں پہ بیٹھا تھا۔ گھٹنے پہ ایک کتاب رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں سگار دبا تھا۔ وہ اسموکنگ زون تھی اور آس پاس بہت سے لوگ اسموکنگ کر رہے تھے۔ وہ انہماک سے مطالعے میں مصروف تھا جب ورق کے کونے پہ ننھی سیاہ ٹانگیں دکھائی دیں۔ پھر ایک بچھو رینگتا ہوا اوپر آیا۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔ کتاب جھاڑی۔ اپنے کپڑے جھاڑے۔

اب بچھو کہیں نہیں تھا۔ اس کا سانس پھولنے لگا۔ انگلیاں کپکپانے لگیں۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ لوگ اس کی طرف متوجہ تھے۔ اس نے کتاب رکھ دی۔ کسی سے نگاہ ملائے بغیر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

(تم اس کمپنی میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے، شمس، جب تک وہ اس کا مالک ہے۔ ہمیں اسے وہاں سے نکالنا ہوگا۔)

Pakistanipoint.com/nemrah.ah

عمارت کا اکثر حصہ تاریکی میں ڈوبا تھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ ورک ٹیبل پہ اپنے سامنے ایک ماڈل سجائے، وہ بہت دھیان سے اس کے ٹکڑے جوڑ رہا تھا جب دروازے کے چرچرانے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کے رخ موڑا۔

آفس کا دروازہ دھیرے سے کھلا تھا اور کھلتا چلا گیا۔

''کون ہے؟'' اس نے پکارا۔ آواز میں چوکنا پن بھی تھا اور خوف بھی۔

دروازہ دھیرے سے واپس بند ہو گیا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور جا کے دروازہ کھولا۔ انگلیوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

باہر مین ہال میں اکا دکا بتیاں جل رہی تھیں۔ سب جا چکے تھے۔

وہ واپس اپنی میز تک آیا اور اسکرین روشن کی۔ پھر سی سی ٹی وی کیمروں کی ونڈو کھولی۔ وہاں اس کے آفس کا

منظر دکھائی دے رہا تھا۔اس نے چند منٹ پہلے کی فوٹیج ریوائنڈ کی۔

اس کا رواں رواں آنکھ بن کے اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔وہ بالآخر دیکھ لے گا کہ کون اسے یوں ڈرا رہا تھا۔یقیناً یہ کوئی انسان ہے جو اس کو تنگ کر رہا ہے۔

فوٹیج میں ماہر فرید کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔دروازہ بند تھا۔یکدم اس نے دیکھا کہ وہ اٹھا ہے' جا کے دروازہ کھول کے باہر جھانکا ہے اور واپس میز تک آیا ہے۔

وہ سن رہ گیا۔ششدر۔ساکت۔یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے خود دیکھا تھا۔دروازہ کسی نے کھولا تھا۔آواز آئی تھی۔لیکن کیمرے جھوٹ نہیں بولتے۔کیمرے کہہ رہے تھے کہ دروازہ بند ہی تھا۔اسے وہم ہوا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ؟'' اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

بک شیلف پہ رکھا سیاہ گھوڑے کی شکل کا بک ہولڈر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(اور جو انسان خود پہ بھروسہ کرنا چھوڑ دے' اس پہ کوئی دوسرا بھروسہ نہیں کرتا۔''

نگینہ بیگم نے مسکرا کے وقفہ دیا۔

''ہلال کیسی ہے؟''

سڑک کنارے چلتے شمس کا سانس رک سا گیا۔اس نے تھوک نگلا۔

''مجھ سے ہلال کے بارے نہ پوچھا کریں سرکار۔'' اس نے تلخی سے بات کاٹی۔ جواب میں ہلکی سی ہنسی گونجی۔اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔شمس کا چہرہ اب کے سفید پڑ رہا تھا۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ظہیر اپنے آفس میں بیٹھا' بہت سے کاموں میں الجھا ہوا تھا جب اس نے دھپ سے کچھ میز پہ رکھا۔آواز سے وہ ایک دم چونکا۔پرنٹ آؤٹس ہاتھ سے گر گئے۔سر اٹھایا تو وہ سامنے کھڑی اس کو شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ظہیر نے پہلے تعجب سے اس کے تاثرات دیکھے اور پھر میز پہ رکھے باکس کو۔چند فائلز' فریمز' ایک پودا اور سب سے اوپر ایک لفافہ جس پر جلی حروف میں استعفیٰ لکھا تھا۔

''یہ سب کیا ہے' مالا؟''

''میں استعفیٰ دینا چاہتی ہوں۔''

''کیا؟'' وہ حیران ہوا۔ پرنٹ آؤٹ سمیٹ کے پرے رکھے اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''تم اوشن کو بیچ رہے ہو؟'' وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا؟''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ کیا تم اوشن کو بیچ رہے ہو؟'' اس نے دبی دبی آواز میں سوال تلخی سے غصے سے دہرایا۔ اس کی کٹے ہوئے بالوں میں چھپی پیشانی پہ بل وہ دیکھ سکتا تھا۔

''میں اوشن کو کیوں بیچوں گا؟''

''یہ بھی میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''

ظہیر نے گہری سانس لی۔ پیچھے ہو کے بیٹھا اور کندھے اچکائے۔

''نہیں۔ ایک آدمی خریدنا چاہتا تھا لیکن پیچھے ہٹ گیا۔']

''یعنی تم اس کو بیچنے کے لیے تیار تھے؟''

''مجھے ڈیڈی کو پیسے لوٹانے ہیں اور اوشن اب تک نقصان میں جا رہا ہے۔ ہمیں کچھ ریٹرن نہیں آ رہا۔'' اس نے شیو کھجائی اور بات شروع کی۔ ''لیکن میں اس کو نہیں بیچ رہا۔''

''کیونکہ تمہارے پاس کوئی آفر نہیں ہے۔ آفر ہوتی تو بیچ دیتے۔ مگر یہ سوچا ہے کہ میں کہاں جاؤں گی؟ میں نے اس ریستوران کو ایک سال دیا ہے۔''

''اور وہ سال ضائع گیا ہے۔ ہم چاہیں تو ابھی بھی اس میس سے نکل سکتے ہیں۔ میں کچھ بونس دے کر سب کو فارغ کر سکتا ہوں۔'' وہ جیسے اب تھک چکا تھا۔ ''مزید وقت ضائع کرنے سے بہتر نہیں ہے کہ ہم اس سے نکل جائیں؟''

''اگر تم نے اوشن کو بیچنا ہے تو ابھی فیصلہ کرو۔ میں استعفیٰ دے دیتی ہوں۔'' اس نے لفافہ باکس سے نکال کے سامنے رکھا۔

''ابھی فوراً تو نہیں...'' وہ گڑبڑا گیا۔ پھر لہجہ بدلا۔ ''دیکھو ہم کچھ عرصہ اس کو چلا کے دیکھ لیتے ہیں۔ اگر...''

''نہیں ظہیر۔ میں اپنا کیریئر مفروضوں پہ نہیں بنا سکتی۔ میرا ایک سال پہلے ہی ضائع ہو چکا ہے۔ تم میرا استعفیٰ قبول کر کے میرا مزید وقت ضائع نہ کرواؤ۔ یا پھر تم اوشن کو بیچنے کا خیال ذہن سے نکال دو اور مجھے اس کو چلانے دو۔''

ظہیر نے ایک نظر اس کے باکس کو دیکھا۔

''کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ اوشن کامیاب ہوگا؟''

''اوشن ضرور کامیاب ہوگا اگر تم اس کو وقت دو۔ ہر بزنس کو سیٹ ہونے میں وقت لگتا ہے۔'' اس کا لہجہ نرم ہوگیا۔ ''اگر اس وقت تم اس کو بیچ دیتے ہو تو سمجھو ہمارا ایک سال ضائع گیا۔ میں اپنا سال ضائع نہیں ہونے دوں گی۔ میں اس کو کامیاب بناؤں گی۔ لیکن تم مجھ سے پوچھے بغیر اس کو نہیں بیچو گے۔''

''نہیں بیچوں گا یار۔ تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔'' ظہیر نے آواز نرم کر کے بہت اپنائیت سے اسے دیکھا۔ ''ہم لوگ اب تک ایک فیملی کی طرح کام کرتے آئے ہیں۔ میں کیوں تمہیں بتائے بغیر ریستوران بیچوں گا؟ ہرگز نہیں۔ کانٹرکٹ سائن کروالو بے شک۔ لیکن کاغذ کی وہ حیثیت نہیں ہے جو میرے الفاظ کی ہے۔''

''کانٹرکٹ کرنا ہوتا تو کر چکے ہوتے۔'' اس کا لہجہ شکایتی تھا البتہ پیشانی کے بل نرم پڑ چکے تھے۔ ''فی الحال مجھ پہ بھروسہ کر کے دیکھو۔ مجھے ایک سال دو۔ میں نہ صرف اس ریستوران کو کامیاب کر کے دکھاؤں گی بلکہ ہم ایک سال بعد expansion کر رہے ہوں گے۔''

''expansion؟'' ظہیر نے کچھ سمجھی سے اسے دیکھا۔ ''کیسے؟''

''بیکری سے۔ ہم ریستوران میں ایک بوتیک بیکری کا اضافہ کریں گے۔ کیونکہ کیکس خاندانوں کو جوڑتے ہیں۔ لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کر لیتے ہیں۔''

''بہت دلچسپ۔'' وہ مسکرایا۔

''میں اپنا استعفیٰ واپس لے رہی ہوں لیکن اس وعدے پہ کہ تم اوشن کو نہیں بیچو گے اور مجھے ایک نئے بزنس پلان پہ کام کرنے دو گے۔ اگلے سال ہم بیکری بنائیں گے۔''

''میم یہ باکس پھینک دوں؟'' صاعقہ اس کی چیزیں واپس میز پہ سیٹ کر چکی تو خالی باکس کو دیکھ کے سوال پوچھا۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھی کسی سوچ میں گم دکھائی دیتی تھی۔

''نہیں۔ اس کو میری کیبنٹ میں رکھ دو۔''

''اب تو آپ استعفیٰ نہیں دے رہیں۔ اب اس کی کیا ضرورت؟'' وہ حیران ہوئی۔

مالا نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی۔ سرمئی باکس بھی اس کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

''ہونا چاہیے۔ باکس ہمیشہ ساتھ ہونا چاہیے۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب کشمالہ مبین کو احساس ہو چکا

facebook.com/nemrahmed

تھا کہ ایک دن ظہیر اس کو بتائے بغیر اوشن بیچ دے گا اور اسے اپنا سامان اسی باکس میں ڈال کے یہ جاب چھوڑنی پڑے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لونگ روم کے وسط میں رکھی سینٹر ٹیبل پہ وہی کینڈل رکھی تھی جو اس روز ماہر نے اسے دی تھی۔ ہلال کہنیاں میز پہ بچھائے خفگی سے اس کینڈل کو دیکھ رہی تھی۔ شمس پیچھے صوفے پہ براجمان مسکراتے ہوئے موبائل پہ لگا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھایا اور محظوظ سے انداز میں رابیل کو مخاطب کیا جو اسی وقت کچن سے کافی کا مگ اٹھائے آتی دکھائی دے رہی تھیں۔

''ماہر آج کل کچھ اپ سیٹ لگ رہا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟''

''ہلال کو آج اس کے آفس سے لینے گیا تو دیکھا۔ چڑچڑا سا۔ جیسے خوفزدہ ہو۔'' اس نے مسکراہٹ دبا کے بظاہر چہرے پہ حیرت طاری کر لی۔

''کام کا اسٹریس ہو گا شاید۔'' رابیل کے چہرے پہ ابھرنے والی حیرت اصلی تھی۔ اور پھر وہ فکرمندی میں بدل گئی۔

''میں اس سے ملنے جاؤں گی۔''

''تمہیں بتائے گا وہ؟ ہونہہ۔'' شمس ہلکے سے ہنسا اور اٹھ گیا۔ اس کے انداز میں استہزاء تھا۔ رابیل چپ ہو گئیں۔ سر جھکا لیا۔ پھر ایک دم چونکیں۔ ہلال مڑ کے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے گھنگھریالے بال کمر پہ پھیلے تھے۔ اور آنکھوں میں اچنبھا تھا۔

''ماہر بھائی کو کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔ دکھاؤ یہ کیا ہے؟'' انہوں نے جلدی سے مسکرا کے تاثرات تبدیل کیے۔ ہلال کا چہرہ قدرے بجھ گیا۔

''ماہر بھائی ہمیشہ مجھے کینڈل گفٹ کرتا ہے۔ مجھے نہیں چاہیے ہیں اتنی ساری کینڈلز۔'' وہ خفا خفا سی تھی۔ رابیل مسکرا دیں۔

''پھر تمہیں کیا چاہیے؟''

ہلال کی آنکھوں میں ایک چمک سی عود آئی۔

''نیل پالشز۔ڈولز۔چاکلیٹس۔یونی کورن۔لاکٹ۔رنگز۔بینگلز۔''وہ ایک ہی سانس میں انگلیوں پہ گنتی جا رہی تھی اور وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھے گئیں۔

''لیکن ماہر بھائی مجھے صرف کینڈلز دیتا ہے۔میں کیا کروں ان کا؟''

''مجھے دکھاؤ۔''انہوں نے ہاتھ بڑھایا اوگ پرے رکھ دیا۔ہلال نے بجھے دل کے ساتھ کینڈل ان کی طرف بڑھائی۔

انہوں نے ڈھکن کھولا تو موم کی خوشبو بنا چاپ کے باہر نکلی اور پھیلتی چلی گئی۔

رابیل نے ایک نظر اسے دیکھا اور دوسری نظر جار میں جمی موم کو جس کے اندر تین سیاہ دھاگے فاصلے فاصلے پہ لگے تھے۔

''کیا تم اب تک نہیں سمجھی ہو کہ وہ تمہیں صرف کینڈلز کیوں دیتا ہے؟''

ہلال کی آنکھیں ایک دم چمکیں۔اس نے چونک کے ان کو دیکھا۔

''اوہ...''اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حالیہ دن۔

زیاد کے والدین کا لاہور میں واقع گھر قدرے پرانے طرز بنا بنگلہ تھا جس کو مرمت وغیرہ کروا کے کافی حد تک مین ٹین رکھا گیا تھا۔وہ کار سے باہر نکلی اور ایک نظر اس بنگلے پہ ڈالی تو ایک عجیب پراسراریت کا احساس ہوا۔کچھ تھا وہاں جو عام گھروں سے مختلف تھا۔

نگینہ بیگم نے اسے بہت محبت سے گھر بلایا تھا۔زیاد اسلام آباد گیا ہوا تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ مالا ان کے ساتھ تھوڑی ہیلپ کروا دے۔نگینہ آنٹی ویسے بھی اتنی شفیق اور محبت کرنے والی تھیں کہ وہ ان کو ناں نہیں کہہ سکتی تھی' گو کہ زیاد سے اسکی بول چال بند تھی۔

اس گھر میں عجیب سی خاموشی تھی۔پرندوں کی آوازیں تک نہ تھیں۔وہ پہلے ایک ہی دفعہ یہاں آئی تھی وہ بھی باہر باہر سے چلی گئی تھی۔پہلی بار اندر آ رہی تھی۔کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

http://www.facebook.com/nemrahahmed

لان خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں درخت نہیں تھے نہ پودے۔ اس نے غور کیا تو احساس ہوا کہ گھاس بھی مصنوعی تھا۔ کوئی گملہ تک نہ تھا۔ صرف ایک درخت تھا جو سوکھ گیا تھا۔ جیسے کچھ تھا فضا میں جو اسے پھلنے پھولنے نہیں دیتا تھا۔

ظاہر ہے۔ وہ لوگ دبئی چلے جاتے ہیں۔ نگینہ بیگم مہینے میں ایک چکر لگاتی ہیں۔ ایسے میں پودوں کا خیال کون رکھے گا۔ بات سمجھ میں آنے والی تھی۔

اس نے لکڑی کے مین ڈور پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ ایک دم کھل گیا۔ وہ ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

سامنے سیاہ فام سی بنگالی ملازمہ کھڑی تھی۔ اس کی گھورتی ہوئی نظریں اس کے وجود کے آر پار ہوئیں۔

''بی بی آپ کی منتظر ہیں۔'' وہ اس کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ تھا اس کی نظروں میں جو کشمالہ مبین کو غیر آرام دہ کرنے لگا۔ البتہ وہ عادتاً مسکرا دی۔

اندر آئی تو دیکھا لاؤنج میں تاریکی سی تھی۔ بتیاں بہت مدھم تھیں۔ اور کھڑکیوں کے آگے بھاری پردے تھے جنہوں نے روشنی کا ہر راستہ روک رکھا تھا۔ نگینہ آنٹی لاؤنج کے تخت پہ بیٹھی تھیں۔ بیمار، نحیف۔ ہمیشہ کی طرح باوقار سا سفید لباس پہنے۔ سر پہ سفید شال اوڑھے۔ ان کے قریب ہیٹر جل رہا تھا۔ شاید انور ٹر بھی آن تھا کیونکہ وہ گھر اندر سے بہت گرم تھا۔ جیسے دہک رہا ہو۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میری بیٹی میرے گھر آئی ہے۔'' وہ بدقت اٹھ کے اس سے ملیں۔ وہ مسکرا دی اور ان کے پاس وہیں تخت پہ بیٹھ گئی۔ پھر دائیں بائیں دیکھا۔

''آپ نے لائٹس نہیں جلا رکھیں؟'' آج باہر دھند نہیں تھی۔ میٹھی سی دھوپ نکلی تھی۔ لیکن اس گھر کے اندر نیم تاریک سا ماحول تھا۔ اندھیرا اور گرمائش۔

''جلا رکھی ہیں۔ مجھے ایسے ہی پسند ہے۔'' وہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھے بیٹھے مسکرائیں۔ وہ بھی مسکرا دی۔ البتہ کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر گیا تھا۔ شاید اسے ماں کی طرح روشنی کی عادت تھی۔ گھروں کو روشن اور ہوادار رکھنا۔ کھڑکیاں کھولنا۔ اور پودے۔ وہ چونکی۔ یہاں اندر بھی پودے نہیں تھے۔ اچھا خیر۔ اسے کیا۔

''زیادے سے بات ہوئی۔ اسے بتایا کہ آج کشمالہ آ رہی ہے تو اندازہ ہوا کہ اسے معلوم نہیں۔'' انہوں نے نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیا کوئی لڑائی ہوئی ہے تم دونوں کی؟''

''نہیں تو۔'' وہ سنبھل کے مسکرائی۔ ہر نئے کپل کی طرح یہ اس کا ڈیفنس میکنزم تھا۔ کوئی دوسرا نہ جان پائے کہ

http://facebook.com/nemrah.ahmed

دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے۔

''اس نے بھی یہی کہا۔'' وہ دھیرے سے مسکرائیں۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ اپنے بوڑھے ہاتھوں میں تھامے۔ کشمالہ نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا۔ انہوں نے چاندی کی انگوٹھی پہن رکھی تھی جو پلین تھی۔ سادہ۔ بالکل سادہ۔

''زیاد کو سبرینہ... اس کی پہلی منگیتر... کی موت نے بہت ڈپریسڈ کر دیا تھا۔ اس کا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا۔ بہت عرصے بعد وہ سنبھلا ہے اور زندگی کی طرف واپس آیا ہے۔ وہ بھی تمہاری وجہ سے' کشمالہ۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بہت اپنائیت سے کہہ رہی تھیں۔ مالا نے سنتے ہوئے سر ہلایا۔ اسے احساس ہوا کہ اندرانی نامی ملازمہ تخت کے کنارے پہ آ کھڑی ہوئی ہے اور اسے گھور رہی ہے۔

''صرف تمہاری وجہ سے اس کی زندگی کی رونق واپس آئی ہے۔ محبت یہ ہوتی ہے۔ جو ٹوٹے دل کو جوڑ دے۔ ایک اچھی عورت اپنی محبت سے اپنے شوہر کے دل کو جوڑ سکتی ہے۔ اس کو اس کے سب مسئلوں سے نکال سکتی ہے۔ اپنی محبت سے اس کی ذات کی ہر کمی کو پورا کر سکتی ہے۔''

اس نے پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک ان کے ہاتھوں میں تھا۔

''زیاد کی بھی کچھ بری عادات ہیں۔ غصے کا تیز ہے۔ کبھی کبھی تلخ ہو جاتا ہے لیکن دل کا بہت اچھا ہے۔ لیکن تم دیکھنا۔ شادی ہوتے ہی وہ اپنی اس کمی پہ بھی قابو پا لے گا۔ سمجھدار عورت بہت صبر سے اپنے شوہر کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔''

کچھ غیر آرام دہ سا اندر سر اٹھانے لگا۔ اس نے لب کھولے۔ الفاظ ذہن میں جمع ہونے لگے۔ کیا عورت یہ سب کر سکتی ہے؟ کیا وہ کوئی بری عادات کے چھڑوانے کا اسکول ہے؟ لیکن وہ کہے جا رہی تھیں۔

''شروع شروع میں لڑکیوں کو ذرا صبر کرنا پڑتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسئلوں کو اگنور کرنا پڑتا ہے اور پھر آگے بڑے بڑے سکھ مقدر کا حصہ بنتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی اپنی سمجھداری سے زیاد کو ہینڈل کر لو گی۔''

اس کے سارے اعتراض دم توڑ گئے۔ وہ درست کہہ رہی تھیں۔ عورت کو ہی گھر بنانا ہوتا ہے۔ عورت کو ہی گھر کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور نرمی سے مسکرائی۔

''میں سمجھ گئی ہوں۔'' ذہن نے ایک ریمائنڈر اپنے اندر محفوظ کیا۔ آج وہ زیاد کے میسج کا جواب دے گی۔ اسے اب ناراضی ختم کر دینی چاہیے۔

www.facebook.com/nemrahmed

اندرانی ابھی تک وہیں کھڑی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''میرے ساتھ اس کے کچھ ڈاکومنٹس سنبھال دو۔اندرانی کی سمجھ میں نہیں آتے۔میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے۔جو چیز فالتو ہے اسے ہم پھینک دیں گے۔اور کام کی چیز رکھ لیں گے۔''

بنگالی ملازمہ نے سہارا دے کر انہیں وہیل چیئر پہ بٹھایا اور وہ دونوں اب ایک لائبریری نما کمرے میں آ گئے۔یہ زیادسلطان کا اسٹڈی روم تھا۔کتابوں کے دیوار گیر شیلف۔فائلز کے ڈھیر۔

''زیاد دبئی میں اکیلا رہتا ہے۔لیکن شادی کے بعد تم دونوں ہمارے ساتھ رہو گے۔تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' بنگالی عورت خاموشی سے اس کو کاغذات پکڑا رہی تھی جنہیں وہ الگ الگ کیے جا رہی تھی جب نگینہ بیگم نے ایک دم سوال کیا۔

''ہرگز نہیں۔بلکہ ہمیں تو آپ کے ساتھ ہی رہنا چاہیے۔ورنہ آپ کا خیال کون رکھے گا۔''اس نے مسکراتے ہوئے ایک فائل کو کھول کے سرسری سا دیکھا۔''یہ کام کی ہے۔پلاٹ کے کاغذات ہیں۔اس کو اس طرف رکھ دیں،بوا۔''

بنگالی عورت نے ایک خاموش کھوجتی نظر اس پہ ڈالی اور فائل ایک ڈھیر میں رکھ دی۔پھر اس نے ایک دوسری فائل اسے تھمائی۔اور ایک نگینہ بیگم کو۔

''زیاد کو اکثر ڈاکومنٹس کا مسئلہ ہوتا رہتا ہے۔میں چاہتی ہوں وہ تمام اہم ڈاکومنٹس اپنے ساتھ دبئی لے جائے۔اب میری صحت ایسی نہیں رہی کہ بار بار پاکستان آ سکوں۔''وہ کپکپاتے ہاتھوں سے ایک فائل کھولے اب عینک سے پڑھ رہی تھیں۔

وہ جواب میں کچھ کہنے لگی۔تب ہی ایک دم رکی۔جس فائل کو اس نے اب کھولا تھا اس کے اندر چند کاغذات لگے تھے۔سب سے اوپر ایک تصویر تھی۔کسی لڑکی کی جس نے بالوں کی اونچی پونی باندھ رکھی تھی۔اور اس کی آنکھ کے نیچے تل کا نشان تھا۔

اس نے دو انگلیوں سے تصویر نکال کے پلٹائی۔سبرینہ۔

اس کے اعصاب تن گئے۔ایک ناپسندیدہ سا احساس اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔

''یہ فائل کہاں سے آ گئی؟''نگینہ بیگم نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔''میں تو سمجھی تھی کہ اسے عرصہ پہلے پھینک چکی ہوں۔''انہوں نے ماتھے کو چھوا۔پھر کھانسیں۔بنگالی عورت خاموشی سے مالا کو دیکھ رہی تھی جس کی نظریں

www.facebook.com/mrah.ahmed

فائل پہ جھکی تھیں۔

''یہ کس چیز کے کاغذات ہیں؟''

''یہ سبرینہ کی موت کے بعد اس کی فیملی نے ہمیں دیے تھے۔ دیکھ لو کوئی عدالتی کاغذ ہیں شاید۔'' انہوں نے لاعلمی ظاہر کردی۔

مالا کی نظریں کاغذ پہ دوڑ گئیں۔

وہ ایک injunction آرڈر (دور رہنے کا عدالتی حکم نامہ) تھا جو سبرینہ کی بہن اور ماں باپ نے عدالت سے حاصل کیا تھا۔

ایک ماہر علی فرید کے خلاف۔

ساری دنیا تھم گئی۔ اس کی پلکیں ساکت تھیں۔

ان الفاظ کی سیاہی ان مٹ تھی۔

ساتھ ہی ایک N16A فارم کی کاپی بھی لگی تھی جسے پُر کر کے انہوں نے عدالت میں جمع کروا کے یہ حکم نامہ حاصل کیا تھا۔

''ماہر علی فرید۔'' لب بڑبڑائے۔ اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''سبرینہ کے والدین نے اس آدمی کے خلاف انجنکشن لی تھی؟

''ارے میں نے تمہیں بتایا تھا نا پہلے بھی۔ جب سبرینہ کی موت ہوئی تو... انہوں نے عینک اتاری اور اسے فولڈ کرنے لگیں۔ ''اس ایکسیڈنٹ میں ایک امیر بوڑھا بھی مارا گیا تھا۔ اس کا ایک نفسیاتی سا بیٹا تھا۔ کچھ عرصہ کسی نفسیاتی امراض کے ہسپتال میں بھی رہا تھا۔ اندرانی میری چائے لے آؤ۔'' ساتھ ہی ملازمہ کو عام سے انداز میں اشارہ کیا۔

''صبح سے چائے نہیں پی۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔'' پھر اس کا چہرہ دیکھ کے ماتھے کو چھوا۔

''میں بھی دیکھو بات درمیان میں بھول جاتی ہوں۔ کیا کہہ رہی تھی میں؟''

وہ سانس روکے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''وہ جو نفسیاتی آدمی تھا نا ... پتہ نہیں کیا نام تھا۔ خیر... فائل میں درج ہوگا....''

(ماہر علی فرید) اس کے لبوں نے بنا آواز کے حرکت کی۔

''وہ آدمی سبرینہ کے پیچھے پڑا تھا۔ کہتے ہیں ایکسیڈنٹ بھی اسی نے کروایا تھا اپنے سوتیلے باپ کو مارنے کے لیے۔ وہ کئی برس سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی دھمکیاں بھی دیتا آیا تھا۔ سبرینہ کی موت کے بعد وہ اس کی فیملی کے پیچھے پڑ گیا۔ ان کا تعاقب کرنا۔ ان کو ہراس کرنا۔ وہ لوگ اس سے سخت خوفزدہ تھے۔ اس لیے عدالت چلے گئے۔ اور یوں عدالت نے اس کے خلاف نوٹس دیا۔ تب بھی اس نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ بالآخر انہوں نے ملک ہی چھوڑ دیا۔''

''زیاد... زیاد کو معلوم ہے یہ؟'' اس کی آواز ہلکی تھی اور نظریں اس آرڈر پہ جمی تھیں۔

''ہاں۔ لیکن میں نے زیاد کو خود ہی روک دیا ان لوگوں کے مسئلوں میں پڑنے سے۔ ہمیں سبرینہ عزیز تھی۔ لیکن اس کی موت کے بعد میں تو ڈر گئی۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اور ایسے نفسیاتی انسان کا بھروسہ نہیں ہوتا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے بیٹے کے پیچھے نہ پڑ جائے یا اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔''

''کس نے مارا تھا اس کے باپ کو؟ کیا کبھی معلوم ہو سکا؟''

''نہیں بیٹا۔ ہم نے اس کیس کے بارے میں خبر رکھنا چھوڑ دی تھی۔ اس فائل کو بھی پھینک دو' کشمالہ۔ زیاد دیکھے گا تو اس کا دل برا ہوگا۔''

لیکن اس نے فائل نہیں پھینکی۔ آہستہ سے اسے گھٹنے کے قریب رکھ لیا۔ اس کا چہرہ بالکل سفید تھا۔ اور آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

(وہ سبرینہ کے پیچھے پڑا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے بیٹے کے پیچھے نہ پڑ جائے)

ایک فقرہ بار بار ذہن پہ دستک دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ سادان کے آفس میں اس وقت بیربل فرید منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ گاہے بگاہے وہ اپنے بھائی کو بھی گھور لیتا جو اپنا اور اپنے کام کا تعارف کروا رہا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور میز کی دوسری طرف کبیرہ بیگم بیٹھی تھیں۔

''ان کا تعارف نہیں کروایا۔'' انہوں نے مسکرا کے بیربل کو دیکھا۔

''میں...'' بیربل نے لب کھولے جب...

''یہ میرا نرس ہے۔ کیئر ٹیکر نرس۔''

بیربل کا منہ کھل گیا۔ بے یقینی سے اسے دیکھا جو اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ پھر خفگی سے لب بھینچے اور پیچھے ہو کے

www.facebook.com/nemrahmed.official

سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔

''اچھا لگا آپ سے مل کے ماہر۔ بتائیے میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟'' انہوں نے کھنکھار کے بالآخر اس کی آمد کا مدعا پوچھا۔ ساتھ ہی وہ مسلسل گردن میں جھولتی سنہری زنجیر کو انگلی پہ لپیٹ رہی تھیں۔

''میں آپ کے پاس بزنس کے لیے نہیں آیا۔ کچھ پوچھنے آیا ہوں۔ آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں۔''

''مثلاً؟'' کبیرہ کے چہرے پہ تحیر ابھرا۔ قدرے پیچھے ہو کے بیٹھیں۔ پانی کا گلاس اٹھا کے لبوں سے لگایا۔

''پیٹر مسیح یاد ہے آپ کو؟''

کبیرہ نے آہستہ سے گلاس نیچے رکھا۔ ٹشو پیپر ڈبے سے نکالا اور گلاس سے ہاتھوں پہ لگنے والی نمی صاف کی۔

''کون پیٹر مسیح؟''

ماہر فرید دھیرے سے مسکرایا۔ ''میں آپ کو جج نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ پیٹر مسیح کی کلائنٹ رہی ہیں۔ میں یہ بات کئی ماہ سے جانتا ہوں لیکن میں نے آپ کو نظر انداز کر دیا تھا کیونکہ مجھے لگا کہ آپ میں اور مجھ میں کچھ مشترک نہیں ہے۔''

وہ بالکل خاموشی سے اسے سن رہی تھیں۔ چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔ ہیر بل کو پہلی دفعہ گفتگو میں دلچسپی محسوس ہوئی۔

''کون ہو تم؟'' وہ آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو گھور رہی تھیں۔

''میں ماہر فرید ہوں۔ ہلال کا بھائی۔'' اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک تصویر نکال کے میز پہ رکھی۔ کبیرہ نے دو انگلیوں سے تصویر اٹھا کے دیکھی۔ پھر ماہر کا چہرہ۔

''یہ میری بہن ہے اور یہ دو سال پہلے کھو گئی تھی۔''

''پھر.... میں کیا کروں؟'' انہوں نے تصویر میز پہ ڈال دی۔ اور ایک نیا ٹشو نکالا۔

''اس روز مجھے کسی نے احساس دلایا کہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔ میں سمجھاتا ہوں کیسے۔'' اس کی مسکراہٹ برقرار تھی۔

''آپ کا ایک بیٹا تھا۔ وہ مر گیا تھا۔ سارا خاندان جانتا ہے کہ وہ مر گیا تھا۔ لیکن آپ کہتی ہیں کہ وہ زندہ ہے۔'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''جیسے میں کہتا ہوں کہ میری بہن زندہ ہے۔''

ہیر بل فرید نے بری طرح چونک کے اسے دیکھا۔ اس کا سانس تک رک گیا۔

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

''میں سمجھتا تھا کہ آپ denial میں ہیں۔ یا لوگوں کے سامنے اپنا مان رکھنے کے لیے اپنے بیٹے کو زندہ بتاتی ہیں۔ آپ نہیں چاہتیں کہ کوئی آپ پہ ترس کھائے۔ آپ سے ہمدردی کرے۔ لیکن اس روز مجھے احساس ہوا کہ....''

وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''کیا معلوم آپ برسوں سے سچ کہہ رہی ہوں؟'' وہ ہر لفظ توڑ توڑ کے کہہ رہا تھا اور وہ بل نہیں پا رہی تھیں۔

''کیا معلوم آپ کا بیٹا بھی ویسے ہی کھویا ہو جیسے ہلال کھوئی تھی؟ اور جیسے کوئی میرا اعتبار نہیں کرتا' ویسے ہی آپ پہ اعتبار بھی نہیں کیا جاتا۔''

''تمہیں مجھ سے کیا چاہیے؟'' ان کی آنکھوں میں تپش سی تھی۔ غصہ۔ بے بسی۔

''مجھے آپ کی طرف کی کہانی سننی ہے۔ کچھ ایسا جو ہلال کو ڈھونڈنے میں میری مدد کر سکے۔''

''اور میں تمہاری مدد کیوں کروں گی؟ میرا بیٹا مرا ہے یا نہیں' یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

ان کا انداز بے لچک تھا۔

ماہر نے جیب سے ایک کارڈ نکالا اور میز پہ رکھا۔

''میں اس ہوٹل کے روم نمبر ۵۵۵ میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اگلے تین دن میں یہی ہوں گا۔ آپ جب بھی جواب دینے کے لیے تیار ہوں' وہاں آ جایئے گا۔'' اس نے بیربل کو اشارہ کیا جو فوراً سے اٹھا اور اس کی وہیل چیئر تھام لی۔ وہ جس طرح کی کھا جانے والی نظروں ان کو دیکھ رہی تھی' قوی امکان تھا کہ وہ جلد ہی کہہ دے' دروازہ اس طرف ہے۔

''یہ ٹشو پیپر سے ہاتھ کیوں صاف کر رہی تھی؟ کیا اس کو او سی ڈی ہے؟'' لفٹ کی طرف جاتے ہوئے بیربل نے سوال کیا۔

''نہیں۔ یہ او سی ڈی نہیں ہے۔ وہ ظاہر کرتی ہے کہ اسے او سی ڈی ہے۔ درحقیقت انسان جب بہت سے لوگوں پہ جادو کروا چکا ہو تو اس کو خود پہ جادو ہونے سے خوف آنے لگتا ہے۔ وہ کسی کا دیا تحفہ قبول نہیں کرتا۔ کسی سے لے کر کچھ نہیں کھاتا۔ ہر چیز بار بار صاف کرتا ہے کہ کہیں کسی نے پھونک نہ ماردی ہو۔ ایک بال بھی گر جائے تو اس کو خوف آتا ہے کہ کوئی اس پہ جادو کر دے گا۔ جادو کروانے والے ساری عمر اپنے اسی خوف میں رہتے ہیں۔''

''کیا وہ اپنی کہانی سنانے آئے گی؟'' بیربل کو اچنبھا ہوا۔ اسے ماہر سے اتنی جلدی وہاں سے چلے آنے کی توقع

نہیں تھی۔

''وہ ضرور آئے گی۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟''

''کیونکہ آج تک ہر کوئی سمجھتا آیا ہے کہ کبیرہ اپنے بیٹے کے زندہ ہونے کے بارے میں جھوٹ بولتی ہے۔ میں وہ واحد انسان ہوں جس نے اس کی بات پہ اعتبار کیا ہے۔ وہ مجھ سے ملنے ضرور آئے گی۔''

''اور تم بس اسی کے لیے اس شہر میں ٹھہرے ہوئے ہو؟ اور کوئی کام نہیں ہے تمہیں؟'' وہ اس کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے ناراضی سے بولا تھا۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔

''کبیرہ بیگم سے ملنے میں سارے کام چھوڑ کے آیا تھا؟ ہونہہ۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''تم کام بھی کرتے ہو؟'' وہاں سدا کی بے نیازی چھائی تھی۔ اور اس لمحے بیربل فرید نے تہیہ کیا کہ وہ اپنے بھائی سے مزید کلام نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ برابر کا بدلہ لے گا۔

اور اس وقت وہ اس سے صرف ایک طریقے سے بدلہ لے سکتا تھا۔ کچھ سوچ کے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

واپسی پہ سارا راستہ ماہر خاموش تھا۔ البتہ بیربل مسکراہٹ دبائے موبائل پہ جھکا تھا۔ اس نے انسٹاگرام کھول رکھا تھا۔ سامنے کشمالہ مبین کی آئی ڈی کھلی تھی۔ مسکراتے ہوئے اس نے میسیج کا بٹن دبایا۔

''میرا بھائی اس وقت لاہور کے اس ہوٹل میں رہائش پذیر ہے۔'' ہوٹل کا نام لکھ کے وہ ٹائپ کر رہا تھا۔ ''وہ آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہے۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو کچھ دیر کے لیے اس کی بات سن لیں۔''

میسیج بھیج کے اس نے اسکرین شاٹ لیا اور اپنے پاس محفوظ کر لیا۔ وہ جانتا تھا کشمالہ اس کا میسیج نہیں دیکھے گی۔ نہ اسے جواب دے گی۔ نہ وہ ماہر سے ملنے آئے گی۔ لیکن اس اسکرین شاٹ کو دیکھ کے ماہر کے تاثرات کیا ہوں گے۔ اسے سوچ کے مزہ آنے لگا۔ لیکن ابھی نہیں۔ وہ استنبول جا کے ہی اس کو یہ دکھائے گا تاکہ فوراً سے گھر سے غائب ہو سکے اور....

میسیج ٹون نے اسے چونکایا۔ اسکرین کو دیکھا تو لب بے یقینی سے کھل گئے۔ وہاں کشمالہ مبین لکھا نظر آ رہا تھا۔ بیربل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس کو اندازہ نہ تھا کہ وہ اس کی میسیج ریکویسٹ اتنی جلدی دیکھ لے گی۔

''کیا تمہارا بھائی شام سات بجے کے بعد وہیں ہوگا؟''

اس نے گڑبڑا کے ماہر کو دیکھا جو بے خبر سا باہر دیکھ رہا تھا۔ پھر اسکرین کو۔

''یس۔'' اب وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔ بے اختیار ناخنوں سے دانت کترنے لگا۔

یہ اس نے کیا کیا؟ ماہر اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اوہ نو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''آئی ایم سوری۔'' زیاد کی آواز سماعتوں میں سنائی دی اور اس کا سارا غصہ دھیرے دھیرے غائب ہونے لگا۔ وہ نگینہ آنٹی کے گھر سے واپسی پہ ابھی ٹریفک کے رش میں تھی جب زیاد کا میسج آیا۔ بہت دنوں بعد وہ کھل کے مسکرائی۔ تبھی اس کی کال بھی آنے لگی۔ اس نے کار فون کا اسپیکر آن کر دیا۔

''مجھے تم پہ غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم چاکلیٹس نہیں کھاتیں۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی۔''

''مجھے بھی آپ کا تحفہ اتنی لاپرواہی سے کسی اور کو نہیں دینا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری ٹو۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔

موڈ ایک دم بہتر ہو گیا تھا۔ اتنے دن سے جو واہمے دل کو ستانے لگے تھے وہ ایک دم سے غائب ہو گئے تھے۔

''ہم چند دن بعد ایک ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہے ہیں۔ ہمیں ان چھوٹی چھوٹی باتوں پہ موڈ نہیں خراب کرنے چاہیے۔''

''آپ کو بھی چاہیے کہ آپ ہمیشہ مجھ سے عزت سے بات کریں۔ عزت محبت سے زیادہ ضروری ہوتی ہے۔''

''محبت میں نا کوئی انا' کوئی سیلف رسپیکٹ' کوئی باؤنڈری فیل ہوتی' کشمالہ۔ میاں بیوی کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ اہم یہ ہے کہ ہم ہر دفعہ ایک دوسرے کو منا لیا کریں۔''

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے' پھر فون وائبریٹ ہوا تو اس کی توجہ بھٹکی۔ موبائل اٹھا کے دیکھا تو بیربل فرید لکھا آ رہا تھا۔

''میں آپ کو گھر پہنچ کے کال کرتی ہوں۔'' اس نے کال بند کی۔ چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ وہ لب بھینچے' شکن آلود پیشانی کے ساتھ تیز تیز ٹائپ کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل کی لابی سیاہ سفید ٹائلز سے مزین تھی۔ فاصلے فاصلے پہ مخملیں صوفے رکھ کے چھوٹے چھوٹے سٹنگ ایریاز بنائے گئے تھے۔ اس شام وہاں اتنا رش نہ تھا۔ کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ کچھ اٹھ کے جا رہے تھے۔

ماہر بھی ایسے ہی ایک صوفے پہ براجمان تھا۔ سفید ڈریس شرٹ پہنے' کف موڑے' وہ پیر لمبے کر کے

مخملیں اوتومن پہ رکھے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں کتاب تھی جسے وہ اونچا اٹھائے پڑھنے میں مصروف تھا۔ دفعتاً اسے محسوس ہوا کہ بیربل دائیں بائیں ٹہل رہا ہے۔ کبھی بیٹھ جاتا۔ کبھی اٹھ کے چلنے لگتا۔

''اتنے بے چین کیوں ہو؟'' ماہر نے کتاب کا کونا موڑا اور ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔

''نہیں تو۔'' وہ فوراً سے قریب میں بیٹھ گیا۔

''پیسے چاہیے ہیں؟'' غور سے اسے دیکھا۔

''دنیا پیسے سے شروع ہو کے پیسے پہ ختم نہیں ہو جاتی' ماہر بے۔'' وہ چڑ گیا۔

''تمہاری ہو جاتی ہے۔'' بے نیازی سے واپس کتاب پڑھنے لگا۔

اور یہ وہی لمحہ تھا جب ایک احساس نے دستک دی۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ دور سے۔ ماہر فرید نے کتاب نیچے کی۔

سیاہ سفید شطرنج کی بساط جیسے فرش پہ دور سے وہ چلی آ رہی تھی۔

وہ جسے وہ لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔

کتاب خود بخود نیچے ہوتی ہوئی صوفے پہ جا ٹھہری۔ اس نے تیزی سے پیر نیچے کیے۔ بیساکھیاں قدموں میں رکھی تھیں۔ نامحسوس انداز میں ماہر نے پیر سے انہیں صوفے کے نیچے دھکیلا۔ اور بدقت اپنے قدموں پہ کھڑا ہوا۔ نگاہیں اس پہ جمی تھیں۔

وہ میرون لمبی قمیض پہ بھوری لیدر جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ دوپٹہ گردن میں لپٹا تھا۔ کے دونوں پلو سامنے گرائے ہوئے تھی۔ بال آدھے دائیں کندھے پر اور باقی آدھے پیچھے گر رہے تھے۔

وہ اسی کو دیکھتی اس طرف آ رہی تھی۔ کسی غلطی سے نہیں۔ اتفاق سے نہیں۔ اس کی آنکھوں سے لگتا تھا کہ وہ اسی سے ملنے آئی ہے۔

مگر کیوں؟ کیسے؟

ماہر نے چونک کے بیربل کو دیکھا۔ ذہن نے دو جمع دو کیے۔

''کیا کیا ہے تم نے؟'' وہ دبی آواز میں غرایا۔ بیربل مزید فاصلے پہ سرک گیا اور چہرہ ایسے موڑ لیا جیسے اسے پہچانتا تک نہ ہو۔

وہ اب تک قریب آ چکی تھی۔

www.facebook.com/nemrahahmed

''کشمالہ...'' اس نے تھوک نگلا۔

''کیف...'' وہ سپاٹ سی لگ رہی تھی۔ اس کے عین مقابل آ کے رکی۔

''بیٹھو۔'' اس نے سامنے رکھے سنگل صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹانگ پہ زور ڈالے ہوئے تکلیف شروع ہونے لگی تھی۔

''میں زیادہ دیر بیٹھنے نہیں....''

''بیٹھو۔'' وہ قدرے زور سے بولا۔ ضبط سے مٹھی بھینچ لی۔ چہرے پہ تکلیف تھی۔ وہ زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا اور اس کے بیٹھنے سے پہلے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔

''تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے؟'' وہ سنجیدگی سے کہتی سامنے بیٹھی۔ ماہر نے واپس بیٹھتے ہوئے فرصت سے بیربل کو دیکھا۔

''یقیناً میرے بھائی نے....''

''اوہ میں اس کا بھائی نہیں ہوں۔ میں ایک کیئر ٹیکر نرس ہوں۔ صرف نرس۔'' وہ طنز سے کہتا ایک دم اٹھا اور ہونہہ میں سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔ ماہر نے بہت ضبط سے اسے دور جاتے دیکھا۔ اس کی خبر وہ بعد میں لے گا۔ اب وہ اس کی طرف متوجہ ہوا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

کہاں سے بات شروع کرے؟

بات ختم کہاں ہوئی تھی؟

''تمہاری امی کے لیے...'' الفاظ ادھورے چھوڑ دیے۔ ''آئی ایم سوری۔''

''شکریہ۔ تین ماہ ہو گئے اس بات کو۔'' اس کے انداز میں کچھ جتاتا ہوا سا تھا۔

''میں آنا چاہتا تھا لیکن....'' اس کی نظریں اپنے قدموں پہ جھکی۔ نامحسوس انداز میں بیساکھی مزید پیچھے دھکیلی۔ ''لیکن کچھ کام میں پھنس گیا تھا۔''

''آنا چاہیے تھا۔ ماں سے اتنا تعلق تو تھا تمہارا۔'' اس کی آواز میں گلہ تھا۔ غصہ بھی۔

ماہر نے استعجابیہ ابرو اٹھائے۔

''اوہ۔ یعنی تم نے میرا انتظار کیا۔''

''میں کیوں انتظار کروں گی؟ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن معید اور ماہی سے تو تمہارے اچھے تعلقات ہیں۔'' اچھے

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

پہ زور دیا۔

ماہر نے کندھے اچکائے۔

''کیونکہ وہ دونوں سینس ایبل ہیں۔ دل سے نہیں دماغ سے سوچتے ہیں۔ جلد معاف کر دیتے ہیں۔''

وہ چند لمحے اسے گھورتی رہی۔ آنکھیں چھوٹی کر کے جیسے اس کی روح کے اندر اترنا چاہ رہی ہو۔ کچھ تھا جو اس کے انداز میں نیا تھا۔ جیسے کسی بات کا نیا غصہ ہو۔

''میں نے بھی کوشش کی۔ تمہیں معاف کرنے کی۔ تمہارا یقین کرنے کی لیکن ہر دفعہ تمہارا ایک اور فریب سامنے آجاتا ہے۔ ماہر فرید کی ذات کا ایک اور خفیہ پہلو۔ اور بس۔ سب ختم ہو جاتا ہے۔''

''ویری انٹرسٹنگ۔ یعنی تم میرا یقین کرنے کی کوشش کرتی ہو؟'' اس نے گزرتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں صرف بات کرنے آئی ہوں۔'' وہ فوراً سے بولی۔

''جانتا ہوں۔ اپنے لیے منگوا رہا ہوں۔'' بے نیازی سے قریب آئے ویٹر کو دیکھا۔

''میری ریگولر کافی۔'' اس کا انداز اب سپاٹ ہو چکا تھا۔ وہ بھانپ چکا تھا کہ وہ ایک دفعہ پھر کوئی نئی فرد جرم لے کر آئی ہے۔

''اس دفعہ کیا کیا ہے میں نے' کشمالہ بی بی؟'' پیچھے کو ٹیک لگا لی اور ایک بازو صوفے کی ٹیک پہ پھیلا لیا۔ ایک ٹانگ دوسری پہ جمالی۔ یہ کم تکلیف دہ پوسچر تھا۔

''تم نے کہا تم اپنی بہن کو ڈھونڈنے کے لیے میری زندگی میں آئے تھے۔ اور کل اس بات پہ یقین کرنے لگی تھی کہ...'' اس نے ایک کاغذ جیکٹ کی جیب سے نکال کے اس کے سامنے کیا۔

ماہر نے ہاتھ بڑھا کے کاغذ لیا اور اس کی تہیں کھول کے دیکھا۔

''یاد ہے یہ کیا ہے؟''

''injunction'' وہ ایک دم ہنس پڑا اور کندھے اچکائے۔ ''ایک طرح کا restraining آرڈر۔ یہ جس زمانے کا ہے' تب بہت سے لوگوں نے میرے خلاف ایسے کورٹ آرڈرز لیے تھے۔''

مگر وہ نہیں ہنسی۔ وہ اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ سبرینہ کی فیملی نے لیا ہے۔ وہ لڑکی جو تمہارے سوتیلے باپ کے ساتھ ایکسیڈنٹ میں ماری گئی تھی۔''

''ہاں۔ ان دنوں بہت سے لوگوں کو مجھ سے خطرہ تھا۔'' وہ پھر سے ہنس دیا۔ ''کیا تم نہیں جانتیں؟ میں ایک

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

سائیکو پیتھ مشہور ہوں۔استنبول' دوہا' لندن.... جہاں جہاں میں رہا ہوں' وہاں سب جانتے ہیں۔۔''اس کے انداز میں ڈھٹائی تھی۔

''تم اس لڑکی کے گھر والوں کو ہراس کر رہے تھے؟''

''ویل... ''اس نے کندھے اچکائے۔''میں اس کو ہراس منٹ نہیں کہوں گا۔ میں صرف.. ''کھنکھارا۔''کچھ سوالات پوچھنا چاہتا تھا۔وہ برا مان گئے۔کسی کے خلاف injunction لینا لندن میں عام سی بات ہے۔''مسکرا کے کاغذ میز پہ رکھا۔

''اس میں فریب کیا ہے؟''

''سبرینہ زیادکی منگیتر تھی۔اور تم اس کا تعاقب کر رہے تھے جیسے میرا تعاقب کرتے تھے۔''

چند لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکا۔پھر ایک دم بازو نیچے کیا اور ٹانگ ٹانگ سے ہٹا کے سیدھا ہو بیٹھا۔ کاغذ دوبارہ کھول کے دیکھا۔اس کی رنگت بدلنے لگی۔

''تم کچھ بھی اپنی بہن کے لیے نہیں کر رہے تھے۔تم یہ سب زیاد کی وجہ سے کر رہے تھے۔تم ہمیشہ مجھے زیاد کے خلاف کرتے تھے۔تمہیں اس سے شاید کوئی ذاتی مسئلہ ہے' کیف۔ میں سمجھ ہی نہیں سکی۔تم میری زندگی میں تب آئے جب زیاد میری زندگی میں آیا۔تم زیاد سے جڑی ہر لڑکی کا پیچھا کرتے ہو۔یہ ہے تمہارا اور میرا کنکشن جسے میں پہلے سمجھ نہیں سکی۔''

وہ ابھی تک اس کاغذ کو پڑھ رہا تھا۔پھر اس نے چونک جانے والے انداز میں سر اٹھایا۔

''نہیں۔''

''کیا تم...''

''نہیں۔سبرینہ زیاد کی منگیتر نہیں تھی۔''وہ تیزی سے بولا۔

مالا نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہو کے بیٹھی۔بازو سینے پہ لپیٹ لیے۔آنکھوں میں بس افسوس تھا۔

''ہر دفعہ یہی ہوتا ہے۔تمہارا ایک نیا فریب کھلتا ہے اور میں اسے تمہارے سامنے رکھتی ہوں تو تم نہ جاننے کی اداکاری کرتے ہو۔جیسے تم نے میرا ریستوران نہیں خریدا۔جیسے تم نے کیف کو دھمکایا نہیں۔جیسے تم جانتے ہی نہیں کہ سبرینہ زیاد کی منگیتر ہے۔''

''سبرینہ کی کسی سے منگنی نہیں ہوئی تھی۔اگر زیاد اس کو اپنی منگیتر کہتا ہے تو وہ جھوٹ بول رہا ہے۔''اس کا انداز

www.facebook.com/nemrahahmed.official

قطعی تھا۔

''تم ہمیشہ مجھے زیاد کے خلاف کرنے کی کوشش کرتے ہو۔تم میری ماں کی موت پہ نہیں آئے لیکن تم زیاد اور میری شادی سے چند دن پہلے یہاں آ گئے ہو۔تم زیاد سے کسی چیز کا انتقام لے رہے ہو شاید۔کیا مسئلہ ہے تم دونوں کا؟''

''اوہ.... ''اس کے لب اوہ میں سکڑ۔ایک افسوس بھری سانس خارج ہوئی۔

''اسی لیے تم یہاں آئی ہو۔تمہیں ڈر ہے کہ میں تمہاری شادی نہیں ہونے دوں گا۔یا کوئی مسئلہ پیدا کروں گا۔''اب کے وہ مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ میں اذیت تھی۔اداسی تھی۔

''تم واقعی مجھے نہیں جانتیں۔چچ۔''افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ... ''

''اب تک میں تمہاری سنتا آیا ہوں۔اب میری سنو۔''وہ آگے کو جھکا اور غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں نے تمہیں یہاں نہیں بلایا۔تم خود آئی ہو۔کیونکہ تم مجھ سے خوفزدہ ہو۔حالانکہ تمہیں اس شخص سے خوفزدہ ہونا چاہیے جس سے تم شادی کرنے جا رہی ہو۔وہ ایک نارسیسٹ' فریب کار اور جھوٹا انسان ہے۔وہ تمہیں ہرٹ کرے گا' کشمالہ۔اور وہ تمہیں بہت ہرٹ کرے گا۔''

وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا اور وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''لیکن میں تمہیں اس سے شادی سے منع نہیں کروں گا۔یہ تمہاری غلطی ہے تو تمہیں تمہاری حصے کی غلطی کرنے دوں گا۔کیونکہ یہ میرا مقام نہیں ہے کہ میں کسی کے فیصلے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کروں۔تم جس سے بھی شادی کرو' مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔اور میں تمہیں سمجھاؤں گا بھی نہیں۔کیونکہ ابھی تم کچھ نہیں سمجھو گی۔تمہارے اوپر زیاد سلطان کا spell (جادو) چڑھا ہوا ہے۔''وہ تلخی سے مسکرایا۔

''محبت جادو نہیں ہوتی۔''اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

'' curse کہہ لو۔اور یہ curse تمہیں کچھ سننے نہیں دے گی۔اس لیے میں تمہیں نہیں روکوں گا۔لیکن.... ''اس نے مٹھی بند کی اور انگوٹھا نکال کے اوپر کیا۔

''پہلی بات... سبرینہ زیاد کی منگیتر نہیں تھی۔زیاد نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔''

''وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولتا۔سارا خاندان جانتا ہے وہ اس کی منگیتر تھی۔''

''دوسری بات...'' اس نے زور دے کر کہا جیسے اس کی بات سنی نہ ہو۔ اور ایک انگلی مزید بند مٹھی سے نکالی۔

''میں تمہاری زندگی میں اپنی بہن کے لیے آیا تھا۔ غلط کیا۔ بہت غلط کیا اور یہی میری سزا ہے۔ لیکن میں اپنی بہن کے لیے ہی آیا تھا۔ اور گو کہ میں جانتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ بلکہ ماہ بینہ کچھ جانتی ہے جو میری مدد کرے گا۔ اسے خود بھی نہیں معلوم کہ کیا ... لیکن وہ کچھ جانتی ہے۔ اور یہ الگ ہے۔ وہ میری مدد شاید کر سکے۔ شاید نہ کر سکے۔ لیکن...''

اس کی آواز مدھم ہوئی۔ ایک سرگوشی کے جیسی۔

''ایک بات میں جانتا ہوں۔ پہلے دن سے ... جب میں نے تمہاری نوکری کی تھی۔ اور میں نے آج تک کسی انسان کی نوکری نہیں کی' کشمالہ۔ صرف تمہاری کی۔ میں نے کسی کی گاڑی کے دروازے نہیں کھولے۔ سوائے اپنے باپ کے۔ لیکن تمہارے لیے میں نے سب کچھ کیا۔''

''Mighty Mahir Farid'' وہ بڑبڑائی۔

''کیونکہ میں پہلے دن سے جانتا تھا کہ تم میری بہن کو ڈھونڈ سکتی ہو۔ صرف تم۔ میں کبھی انسانوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔ اس کو وائب کہو یا وجدان۔ میں تب بھی جانتا تھا اور اب بھی۔ تم میری بہن کو بچا سکتی ہو۔''

وہ جہاں تھی' وہیں ٹھہر گئی۔ آنکھیں حیرت سے پھوٹی پڑ رہی تھیں۔ اسے اس بات کی توقع نہیں تھی۔

''تم ہلال کو نہیں جانتیں۔ لیکن پھر بھی تم اس کو ڈھونڈ سکتی ہو۔ صرف تم۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ پہلی دفعہ اسے لگا ماہر کی بھوری آنکھوں میں کچھ گلابی سا ابھرا تھا۔

گلابی نمی۔

وہ پلک نہیں جھپکا سکی۔ ویٹر نے کب کافی لا کے سامنے رکھی' ان دونوں کو علم نہ ہو سکا۔

''ہلال اس اکتوبر گیارہ سال کی ہوئی ہوگی۔ وہ بہت... بہت پیاری ہے۔ بہت اسمارٹ۔''

وہ ابھی تک اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ہاں وہ نمی تھی۔ اس کی آواز میں بھی وہی نمی تھی۔ گیلا سا کچھ۔

''تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ جانتا ہوں۔ کرتی رہو۔ ساری عمر کرتی رہو۔ لیکن تم ہلال کو نہیں جانتیں۔ وہ بہت پیاری ہے۔ وہ میری زندگی میں آنے والی سب سے بڑی خوشی ہے۔ اور وہ مجھ سے کھو گئی ہے۔ کیونکہ میں اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکا تھا۔ میں نے خوف کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ تم نہیں جانتیں کشمالہ مبین' کہ وہ وقت کیسا ہوتا ہے جب انسان کو وہ آوازیں سنائی دیں جو ہوتی نہیں ہیں۔ وہ چہرے دکھائی دیں جو وجود نہیں رکھتے۔''

مالا لمحے بھر کے لیے پلک جھپکنا بھول گئی۔

''وہ میری وجہ سے کھوئی تھی۔ لیکن وہ مری نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے۔ اور وہ کہیں چھپی ہوئی ہے۔ وہ اکیلی ہے۔ میں یہاں محسوس کر سکتا ہوں۔'' اس نے سینے پہ انگلی رکھی۔ پانی ابھی تک اس کی آنکھوں میں تھا۔

وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''اس کو مدد چاہیے۔ میری مدد۔ تمہاری مدد۔ وہ اکیلی ہے۔ لیکن وہ خوفزدہ نہیں ہے۔ وہ بہت بہادر ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ ہلال اور میں ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن...'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ ''لیکن میں تم سے صرف ایک بات چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں منت تھی۔ وہ واقعی پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''صرف ایک بات۔ تمہیں جب بھی موقع ملے، جب بھی...'' اس نے زور دیا۔ پھر سے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ ''تو تم ہلال کی مدد ضرور کرو گی۔ ہلال وہ فاختہ ہے جس میں میری جان ہے اور تم اس کو اس جادوگر کی قید سے ضرور نکالو گی۔ میرے کیے کی سزا تم ہلال کو نہیں دو گی۔ کیا تم میرے لیے صرف اتنا کر سکتی ہو؟''

وہ خاموش ہوا۔ پھر گہرے سانس لیتا بائیں طرف دیکھنے لگا۔ آنکھیں جھپکائیں جیسے نمی کو گرنے سے پہلے واپس اندر کھینچنا چاہتا ہو۔

''میں نے تمہارے کیے کی سزا تمہیں نہیں دی تو اس کو کیا دوں گی؟'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ وہ ابھی تک اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کیف کی آنکھوں کو ایسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''اگر تم مجھے ہلال سے ملا سکو تو میں بدلے میں تمہارے لیے وہ کروں گا جو تم چاہتی ہو۔''

مالا کے ابرو اچھنبے سے بھنچے۔ کوئی فسوں سا ٹوٹا۔

''مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔''

''ناں ناں کشمالہ بی بی۔ ناں۔'' اس نے ایک دم ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ ''ہم انسان ہیں۔ ہم سب کو ایک دوسرے سے کوئی کام پڑ سکتا ہے۔ کبھی نہ کبھی۔ زندگی میں تمہیں مجھ سے کچھ چاہیے ہو گا۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم جو کہو گی، میں وہ کروں گا۔ کوئی بھی ایسا کام جو ممکن یا ناممکن ہو، پیسے سے ہو یا ہاتھوں کی کوشش سے، میں اسے کروں گا چاہے اس کے لیے مجھے کوئی بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی ہو۔''

''مجھے کبھی تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔'' وہ دھیرے سے کہتے ہوئے اٹھی۔ بیگ اٹھا کے کہنی پہ رکھ لیا۔ ایک

www.facebook.com/mrah.ahmed

آخری نظر اس پہ ڈالی۔

''میں زیاد کے ساتھ خوش ہوں۔ اور صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم مجھے سکون سے میری نئی زندگی شروع کرنے دو۔''

ماہر نے سر کو اثبات میں خم دیا۔ ملاقات ختم ہو چکی تھی۔ وہ پلٹی اور آگے بڑھ گئی۔ تبھی وہ پیچھے سے بولا۔

''سبرینہ زیاد کی منگیتر نہیں تھی۔ چاہو تو سبرینہ کی فیملی سے پوچھ لو۔'' اس نے عقب سے پکارا اور کتاب اٹھا لی۔ مالا کے قدم لمحے بھر کے لیے زنجیر ہوئے لیکن پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ اسے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھنا تھا۔ وہ نمک کا مجسمہ بننے کا خطرہ نہیں مول لے سکتی تھی۔

لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ اندر داخل ہی ہوئی تھی کہ کوئی اس کے ساتھ سوار ہوا۔ اس نے مال کے فلور کا بٹن دبایا اور گردن موڑی۔ بیربل فرید ساتھ کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کے مسکرایا۔

''ہیلو۔''

اس نے سر کو اثبات میں خم دیا اور سینے پہ بازو لپیٹے سامنے دیکھنے لگی۔ دھاتی دروازوں میں ان دونوں کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

''ماہر نے آپ کو یہاں نہیں بلایا تھا۔ میں نے بلایا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ لوگ مل کے بات کر لیں۔''

''جانتی ہوں۔'' اس نے کنکھیوں سے اس کا عکس دیکھا۔ اس نے اس نوجوان کو کہیں دیکھ رکھا تھا۔ پچھلی دفعہ بھی یہی لگا تھا۔ شاید گزرے برسوں میں کہیں دیکھا ہو۔ اسے یاد نہ تھا۔

''آپ کو شادی کی مبارک ہو۔ اور ہماری پرواہ مت کریں۔ ہم دونوں بس اپنی بہن کو ڈھونڈ رہے ہیں۔''

اس نے کچھ نہیں کہا۔ لفٹ اوپر جا رہی تھی۔ چند لمحے خاموشی سے کٹے۔

''کیا وہ بیمار ہے؟''

بیربل چونکا۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

''بیمار؟''

''وہ تکلیف میں لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ زخم کا نشان بھی تھا۔ کچھ ہوا ہے کیا؟''

اس کی آواز دھیمی تھی۔

''اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ آپ کی امی کی ڈیتھ کے دنوں میں۔ وہ پاکستان آنا چاہتا تھا لیکن آ نہیں سکا۔ اس کی

nemrahmed.official
facebook.com/nemrahmed.official

ٹانگ بہت بری طرح ٹوٹ گئی ہے۔اب بھی وہ ہلال کی وجہ سے یہاں آیا ہے۔کسی... کسی سے ملنا تھا ہمیں۔''

مالا نے بس سر ہلا دیا۔کہا کچھ نہیں۔لفٹ کے دروازے کھلے۔

''لیکن وہ تکلیف میں نہیں ہے۔'' وہ باہر نکل رہی تھی جب بیربل پیچھے سے بولا۔

اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ تکلیف میں ہونے کے لیے انسان کے سینے میں دل کا ہونا ضروری ہے۔اور ماہر بے ایک روبوٹ ہے۔دل وغیرہ نہیں ہے اس کا۔'' بیربل نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

اور وہ ایک دم ہنس دی۔پھر کچھ کہے بنا آگے بڑھ گئی۔

وہ اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔

اگلے چند گھنٹے کے لیے اسے غائب ہو جانا چاہیے تھا۔فی الحال وہ ماہر کا سامنا کرنے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر آئی تو خاموش خاموش سی تھی۔طبیعت پہ عجیب سا بوجھل پن تھا۔

(وہ ایک نارسیسٹ ہے۔فریب کار اور جھوٹا شخص۔وہ آپ کو ہرٹ کرے گا اور وہ آپ کو بہت ہرٹ کرے گا۔)

(وہ ایک نفسیاتی مریض تھا جو سبرینہ کے پیچھے پڑا تھا۔)

(محبت میں کوئی سیلف رسپیکٹ کوئی باؤنڈری نہیں ہوتی۔)

(ہلال وہ فاختہ ہے جس میں میری جان ہے۔اور تم اسے اس جادوگر کی قید سے ضرور نکالو گی۔)

اس کے ذہن میں بہت سا شور تھا۔وہ چپ چاپ کمرے میں آئی اور اپنے کھلے ہوئے بیگز کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''دو دن رہ گئے ہیں نکاح میں۔اور ابھی تک اتنا کچھ رہتا ہے سمیٹنے والا۔'' ماہی بہت سے شاپنگ بیگز لیے کمرے میں داخل ہوئی تو اسے یونہی بیٹھے دیکھ کے ٹھٹھک گئی۔

''تمہیں کیا ہوا؟''

''ماہی میں ٹھیک کر رہی ہوں؟ زیادے شادی کر کے؟'' اس نے عجیب الجھن سے سوال کیا۔

''یار... یہ نکاح یہ پہلے کا ڈپریشن نا سب لڑکیوں کو ہوتا ہے۔رونا بھی آتا ہے۔اور خوف بھی۔تم بالکل ٹھیک کر رہی ہو۔خالہ کی باتوں کو بھول جاؤ۔وہ امریکہ رہتی ہیں۔ان کو کیا پتہ۔'' وہ بیڈ کے کنارے پہ بیٹھی اور سمجھانے

facebook.com/nemrah.ahm

والے انداز میں بولی۔ ''زیادہ میں کوئی برائی نہیں ہے۔ ویسے بھی جب بھی کسی کا کسی سے رشتہ ہو' آدھا خاندان خلاف ہی ہوتا ہے۔''

مالا نے ایک نظر اپنے خالی بیڈ کو دیکھا۔

''ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔''

ایک ہوک سی دل سے نکلی۔

''ماں نگینہ آنٹی کو پسند کرتی ہوں یا نہ کرتی ہوں' وہ زیادہ اور تمہارے رشتے پہ خوش تھیں۔ یاد ہے نا؟''

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ سر اثبات میں ہلا دیا۔

''ہاں۔ وہ خوش تھیں۔''

''پھر ماں پہ بھروسہ کر کے شادی کر لو۔''

وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

''چلو پیکنگ کرتے ہیں۔'' اس کا دل ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔ ساری کلفت' بوجھل پن' سب ہوا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بہت سلیقے سے تمام اشیاء بیگز اور کارٹنز میں رکھتی نظر آ رہی تھیں۔ تبھی وہ ایک خیال کے تحت اٹھی اور الماری سے ایک باکس نکال کے لائی۔ کشمالہ نے حیرت سے اس سرمئی خالی باکس کو دیکھا۔

''خالی باکس کیوں رکھ رہی ہو؟''

کشمالہ مبین نے آنکھیں اٹھا کے اپنی بہن کو دیکھا۔ پھر جب وہ بولی تو اس کی آواز میں بہت سے قصے دفن تھے۔

''ہونا چاہیے۔ خالی باکس ہمیشہ ساتھ ہونا چاہیے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل کے ڈائننگ ایریا میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ سن روف سے آتی روشنی نے سارے کو منور کر رکھا تھا۔ فاصلے فاصلے پہ رکھی میز کرسیوں پہ بیٹھے مہمان ناشتے میں مصروف تھے۔ وہ دونوں بھی ایک میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ رات جب ڈھیر ساری آوارہ گردی کے بعد بیربل واپس آیا' تو خلاف توقع ماہر نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ نہ کوئی سوال۔ نہ کوئی حساب۔

''کل اس کی شادی ہے۔'' بیربل اپنی پلیٹ پہ جھکا دھیرے سے بولا۔ ''میں تمہاری جگہ ہوتا تو...''

www.facebook.com/nemrahahmed

ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''کیا کرتے؟''

''جس لڑکی سے محبت کرتا' اس کی شادی روکنے کے لیے جنگ برپا کر دیتا۔''

''یعنی تمہیں ہر تیسرے مہینے ایک جنگ برپا کرنی پڑتی۔''

بیربل نے خفگی سے نظریں اٹھائیں۔

''ابھی تک مجھے کسی سے ٹھیک سے محبت نہیں ہوئی۔ جب ہوگی تو سارے زمانے کو پتہ چل جائے گا۔''

''جو محبتیں تمہیں ابھی تک ہوئی ہیں' ان کا پتہ میرے بینک بیلنس کو لگ چکا ہے'' ایک برہم نظر اس پہ ڈال کے وہ اپنی کافی میں دودھ انڈیلنے لگا۔ سفید دھار سیاہ مائع میں انڈیلی جا رہی تھی۔ دھواں سا نکل کے اوپر اٹھ رہا تھا۔

''حیرت ہے تم مجھ سے خفا نہیں ہوئے۔'' بالآخر وہ کہہ اٹھا۔ ماہر کل شام کے بارے میں کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ اسے اب بے چینی ہونے لگی تھی۔

''تم آزاد انسان ہو۔ اپنے فیصلے خود لے سکتے ہو۔ تم نے اسے بلایا۔ تمہاری مرضی۔'' اس نے بے نیازی سے کافی کا کپ لبوں سے لگایا۔ بیربل نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اسی طرح میں بھی ایک آزاد انسان ہوں' بیربل۔ میں اپنے فیصلے خود لے سکتا ہوں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارے ماہانہ الاؤنس (جیب خرچ) کا نصف حصہ چیریٹی میں جانا چاہیے۔'' نگاہیں اٹھا کے اسے گھورا۔

''Effective immediately'' اور ٹھک سے چینی دان میز پہ رکھا۔

بیربل فرید کے ہاتھوں کے طوطے ایک ہی جست میں اڑ گئے۔

''نہیں نہیں۔ پلیز۔'' اس کی رنگت فق ہوئی۔ ''میں معافی مانگتا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کے نہیں کیا۔ میں نے اسے بھی بتا دیا تھا۔ سوری ماہر۔ پلیز۔'' اسے ناشتہ' کافی سب بھول گیا تھا۔

تب ہی موبائل بجنے لگا۔ اس نے بے زاری سے دیکھا۔

''تم نے اپنا موبائل آف کر رکھا ہے اور مالک صبح سے مجھے کالز کیے جا رہا ہے۔ کن روبوٹس میں پھنس گیا ہوں میں؟''

''میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے اسے زیاد سلطان کے بارے میں معلومات لینے کے لیے کہا تھا۔ اگر وہ واقعی سبرینہ کا منگیتر تھا تو مالک کو معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ تلخی سے کہتے

www.facebook.com/nemrahmed

ہوئے گھونٹ بھرنے لگا۔

''کیا ہے' مالک؟'' بیربل نے برا سا منہ بنا کے کال اٹھائی۔

اگلے ہی لمحے اس کے تاثرات بدلے۔ کانٹا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''کیا ہوا؟'' ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ کچھ تھا جو فضا میں ساکن ہو گیا تھا۔

بیربل نے دھیرے سے فون نیچے کیا۔

''ہمیں اسلام آباد جانا ہوگا۔'' اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

''کیوں؟''

''تمہیں یاد ہے.... اسلام آباد پولیس کے پاس ہلال کا کیس تھا پچھلے دو سال سے۔ انہیں کچھ ملا ہے۔''

''کیا؟'' اس کا سانس رک گیا۔

''ہلال کی لاش۔''

ماہر فرید تیزی سے اٹھا۔ کافی کا کپ نیچے گرا۔ کانچ کے ٹکڑے اور گرم مائع دور تک بکھرتے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ہر سانس کے ساتھ کھو جاتا ہے گزرا ہوا لمحہ)

سبز گھاس پہ ہر طرف سفید پھولوں کے ستون بنے تھے۔ ان کے درمیان چھوٹا سا اسٹیج تھا اور آس پاس کرسیوں کے پھول بچھے تھے۔ اسٹیج ابھی خالی تھا۔ ہر طرف مہمان نظر آ رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا اور سرما کی میٹھی دھوپ سارے میں پھیلی تھی۔ کامدار لباس میں مسکرا مسکرا کے چلتی ہوئی ماہی ہر ایک سے مل رہی تھی۔ مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔

(اور شروع ہوتا ہے ایک نیا لمحہ۔)

کاریڈور میں بیساکھی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ وہ سفید چہرے کے ساتھ لنگڑا کے چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بیربل بھی شل سا اس کے ساتھ تھا۔ ساتھ موجود چلتا ہوا آفیسر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

https://www.facebook.com/nemrah.ahmed.official/

''یہ ایک جلی ہوئی لاش تھی جو دو برس پہلے ملی تھی۔ انہی تاریخوں میں جب ہلال کھوئی تھی۔ ہم نے پہلے اس پہ نظر نہیں کی لیکن ایک آفیسر اس دن آرکائیوز میں کچھ تلاش کر رہا تھا جب اسے لاش کے ساتھ ملنے والی چیزیں دکھائی دیں۔ ہم ان کی تصاویر مالک صاحب کو بھیجیں تو انہوں نے ان کو پہچان لیا۔ بچی کی عمر نو سال کے لگ بھگ تھی۔''

''آج وہ گیارہ سال کی ہوتی۔'' وہ بڑبڑایا۔

(ہم سانس اندر کھینچتے ہیں۔
اور اسے باہر خارج کر کے
ماضی کے لمحے کو چھوڑ دیتے ہیں)

اب وہ دونوں اسٹیج پہ بیٹھے تھے۔ اس نے سفید پشواز کے اوپر سفید کامدار دوپٹہ لے رکھا تھا۔ چوڑی دار بازوؤں کے آگے ہاتھوں پہ مہندی لگی تھی۔ اس کے کانوں اور گردن میں نازک ہیرے پروئے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے ہیرے کی انگوٹھیوں سے سجے ہاتھ سے ایک کاغذ پہ دستخط کر رہی تھی۔ چہرے پہ اطمینان تھا۔ زیاد نے دستخط کیے۔ اور ہر طرف مبارک بادیں گونجیں۔ دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھے۔

(اب وہ گزرا لمحہ ہمارے لیے فنا ہو چکا ہے۔)

''میں نہیں مانتا۔'' بیربل دبا دبا سا چلایا تھا۔ وہ تینوں اس وقت ایک آفس میں بیٹھے تھے۔

''جلی ہوئی لاش کا مطلب ہے کسی نے ہلال کے اغوا کو کور اپ کیا ہے۔ ہم قبر کی کھدوائی کروائیں گے۔ ڈی این کروائیں گے۔ وہ ہلال نہیں ہوگی۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''ہے نا ماہر؟'' اس نے گردن موڑ کے اسے دیکھا جو سر جھکائے کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں زپ لاک بیگ پہ جمی تھیں جس میں مختلف اشیاء تھیں۔

''ہے نا ماہر؟''

''its her'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ بیربل کا سانس رکنے لگا۔

www.facebook.com/nemrahmed

(اور یہ کرتے ہوئے
ہم فنا کر دیتے ہیں
اس انسان کو
جو ہم ایک لمحہ پہلے تھے۔)

وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ زیاد سلطان سیاہ لباس میں تھا اور وہ سفید میں۔ وہ دونوں کیمرا زکو دیکھ کے مسکرا رہے تھے۔ سامنے کھڑی ماہی ان کی تصاویر کھینچ رہی تھی۔ ایک طرف وہیل چیئر پہ بیٹھی نگینہ بیگم بھی مسکرا کے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ زیر لب وہ کچھ پڑھ بھی رہی تھیں۔ ہاتھ میں تسبیح تھی۔

(ہم سانس اندر کھینچ کے
نئے لمحے میں سانس لے کر
اس شخص کا استقبال کرتے ہیں
جو ہم بننے جا رہے ہیں۔)

ماہر نے بے جان ہاتھوں سے زپ لاک بیگ اٹھایا۔ اس کے اندر کچھ چیزیں تھیں۔ دو سال پہلے ایوی ڈنس ملنے کی تاریخیں بھی لکھی تھیں۔ ان پہ گرد بھی تھی جیسے وہ پرانے باکس سے نکالی گئی ہوں۔ ایک بلیسلیٹ۔ لباس کے جلے ہوئے ٹکڑے۔ ننھا سا پرس۔
اور ایک سینٹڈ کینڈل۔
اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے کینڈل کا جار نکالا۔ اسٹرابری۔
اس نے ڈھکن کھولا۔ ایک اداس سی خوشبو سفید موم سے نکل کے سارے میں پھیلنے لگی۔
''یہ ہلال ہے۔'' اس کی آواز شکست خوردہ تھی۔

(اور یوں ہم تمام عمر

www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

اسی عمل کو دہراتے رہتے ہیں۔)

زیاد اس کا ہاتھ تھامے اسے لاؤنج سے کمرے تک لا رہا تھا۔ لاؤنج میں آج پھر بہت ہلکی روشنی تھی۔ گھر میں کوئی بتیاں بھی نہیں جلائی گئی تھیں۔ اس نے مسکرا کے سر جھٹکا۔ اسے اس سب کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

کمرہ اندر پھولوں سے سجا تھا۔

سفید اور سرخ پھول۔

ہر طرف خوبصورتی تھی۔ اور ایک نئے مستقبل کا آغاز۔

(یہی مراقبہ ہے۔)

''آپ چاہیں تو ہم قبر کھدوا سکتے ہیں۔ لاش کے دانتوں سے ہم....''

''ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہلال ہے۔'' اس نے کینڈل کا ڈھکن بند کیا۔

''یہ اسی کی چیزیں ہیں۔'' اس نے چہرہ اٹھایا تو وہ بلوں کا بیمار لگتا تھا۔

''ماہر ہمیں ڈی این اے تو کروانا چاہیے۔'' بیربل نے بے بسی سے اس کی کہنی جھنجھوڑی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ روم ۵۵۵ میں بھی ایسا بیمار نہیں لگا تھا جیسے آج لگ رہا تھا۔

ایسے جیسے شاک میں ہو۔

''ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کی قبر کے ساتھ یہ بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا۔ اٹھو۔ ہم استنبول واپس جا رہے ہیں۔'' اس نے زپ لاک میں چیزیں واپس ڈالیں اور اسے اتنی سختی سے پکڑا کہ ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں۔

''میری تلاش ختم ہوئی۔''

(یہی تجدید ہے۔)

وہ اس کے سامنے بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا تھا۔

www.facebook.com/groups/umeehar

مالا نے مسکرا کے ہاتھ آگے کیا۔ اور اس نے مخملیں ڈبیا سے ایک انگوٹھی نکالی۔ چوکور چمکتا ہوا نگینہ چمکا۔

''یہ وہی ڈائمنڈ رنگ ہے۔ میں نے اسے آپ کے لیے خرید لیا تھا۔ کیونکہ یہ بہترین تھی۔''

اس نے انگوٹھی مالا کی انگلی میں پہنائی۔ مالا نے مسکرا کے ہاتھ اونچا کر کے روشنی میں انگوٹھی کو دیکھا۔

اگلے ہی لمحے کشمالہ مبین کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ اس نے چونک کے زیاد کو دیکھا۔ پھر انگوٹھی کو۔ زیاد مسکرا کے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔ ایک نئی زندگی کے خواب۔ مستقبل کی باتیں۔ لیکن وہ صرف انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔

کمرے کی مدھم روشنیوں میں بھی وہ بتا سکتی تھی کہ....

یہ ہو بہو اس چوکور ہیرے جیسا نگینہ زرقون تھا۔ ہیرا نہیں۔

یہ انگوٹھی نقلی تھی۔

(یہی زندگی ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیڈروم میں لگے پھولوں کی پتیاں مرجھا گئی تھیں اور خوشبو باسی ہو گئی تھی۔ دروازہ نیم وا تھا اور لاؤنج سے خوش گپیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ماہی کا قہقہہ سب سے اونچا تھا۔

عباد اور ماہی ان کا ناشتہ لائے تھے۔ معید کی حسب توقع کال تھی اور وہ شادی کے لیے اتنی چھٹی لے چکا تھا کہ اب اسے وارڈ میں واپس پہنچنے کی جلدی تھی۔ سو فی الحال وہی دونوں اس کے میکے کی نمائندگی کر رہے تھے۔ نگینہ بیگم بھی باہر ہی بیٹھی خوشگوار محفل کا حصہ بنی ہوئی تھیں۔ زیاد کی بھی ہنس کے کوئی قصہ سناتی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

صرف وہی تھی جو اندر تھی۔

سنگھار میز کے سامنے بیٹھی، وہ آئینے میں جھلکتے اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کمرے میں کچھ لینے آئی تھی۔ پھر یہیں بیٹھ گئی۔ اس نے جھیل کے رنگ کی سبز کامدار لمبی قمیض پہن رکھی تھی۔ کندھے پہ دوپٹہ تھا۔ کانوں میں سونے کے ننھے سے ٹاپس تھے۔ اور چہرے پہ ایسی سوچ تھی جس نے لباس کی چمک کو گہنا دیا تھا۔

''کیا اسے زیاد سے پوچھنا چاہیے؟'' اس نے ہاتھ اٹھا کے اونچا کیا۔ تیز روشنیوں میں انگوٹھی کا نگینہ چمکا۔ ہیرے جیسا۔ لیکن وہ ہیرا نہیں تھا۔ وہ زرقون تھا۔ اس کی چمک ہوا لگتے ہی ماند پڑنے لگی تھی۔

''شاید زیاد کے ساتھ کوئی دھوکہ ہوگیا؟ شاید کسی دوسرے جیولر نے اس سے ڈائمنڈ کی قیمت لے کر زرقون بیچ دیا ہو؟ اونہوں''۔اس نے سر جھٹکا۔اس کے جیولر سے زیاد نے جتنے سوالات پوچھے تھے' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس نے بنا سرٹیفکیٹ کے ڈائمنڈ خرید لیا ہو۔وہ بھی اتنا مہنگا؟

''کہاں رہ گئی ہو؟'' ماہی مسکراتی ہوئی چوکھٹ میں آئی تو وہ چونکی۔پھر جلدی سے مسکراہٹ چہرے پہ طاری کی اور برش اٹھالیا۔

''بس آرہی ہوں۔'' آئینے میں دیکھتے ہوئے وہ برش جلدی جلدی پھیرنے لگی۔حالانکہ بال پہلے ہی بلو ڈرائی سے سیٹ تھے۔

''ارے واہ۔یہ زیاد نے دی ہے انگوٹھی؟'' نگینے کا سائز دور سے ہی ماہی کی آنکھوں میں چمکا۔وہ چھک کے قریب آئی۔مالا نے بجلی کی تیزی سے ہاتھ نیچے کیا لیکن ماہی لپک کے آئی اور اسکا ہاتھ تھام لیا۔

پھر مسکراہٹ غائب ہوئی۔چونک کے مالا کو دیکھا۔

''یہ تو زرقون ہے۔'' وہ الجھ گئی۔''ڈائمنڈ رنگ نہیں دی؟ تم لوگوں نے تو کوئی ون کیرٹ پسند کیا تھا۔نہیں؟''

مالا نے تیزی سے ہاتھ چھڑایا۔

''ہاں لیکن میں اتنی مہنگی انگوٹھی کے حق میں نہیں تھی۔میں نے خود زیاد سے کہا کہ زرقون لے لیں۔ڈائمنڈ پہ اتنے پیسے کون خرچ کرے۔''

''مگر وہ ڈنگ رنگ روز روز تو نہیں بنتی۔اور نگینہ آنٹی نے خالہ کو بھی سیٹ دیا ہے ہونے کا۔اور مجھے ٹاپس۔وہاں پیسے خرچ نہ کرتے۔انگوٹھی تو ڈائمنڈ کی لے لیتے۔'' ماہی خود سے بول رہی تھی جیسے اسے کچھ اچھا نہ لگا ہو۔پھر ایک دم اسے دیکھا۔جیسے چونکی ہو۔

''زیاد نے تمہیں بتا کے ہی زرقون رنگ دی ہے نا؟ کہیں ڈائمنڈ کہہ کے زرقون تو نہیں تھما دیا؟''

برش کرتا اس کا ہاتھ سست ہوا۔

(زیاد سلطان مجھ سے جھوٹ نہیں بولتا۔) ایک آواز کانوں میں گونجی۔

''آف کورس۔ہم نے خود پسند کی تھی نا۔'' اس نے جی کڑا کے کہا۔اسے اپنے شوہر کا دفاع کرنا تھا۔ہر قیمت پر۔

''اچھا میرا گفٹ کھول کے دیکھا؟'' ماہی نے بغور اسے دیکھتے ہوئے بات بدل دی۔

''اتنے گفٹس دیے ہیں تم نے۔کون کون سا کھولوں؟''

''آخری والا سب سے بیسٹ تھا۔وائٹ اور بلیک باکس میں۔آرام سے کھول لینا۔آجاؤ سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

اس کے جانے کے بعد مالا نے چہرے پہ مسکراہٹ سجائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ شادی کے بعد اسے بہت سی مسکراہٹیں چہرے پہ زبردستی سجانی پڑیں گی۔

گھڑیال بارہ بجانے کے قریب تھا۔اور کوئی سحر تھا جو ٹوٹنے والا تھا۔اسے اپنے کانچ کے جوتے سنبھالنے تھے۔

(شاید زیاد کے پاس پیسے نہ ہوں۔میں اس سے پوچھ گچھ کروں تو اس کو برا لگے۔اس کا دل دکھے۔اونہوں۔)

''انکل کہاں ہیں؟''

جب وہ لوگ ماہی اور عباد کو چھوڑنے دروازے تک آئے تو ماہی نے پھر سے پوچھا۔وہ یہ سوال کئی دفعہ پوچھ چکی تھی۔

''ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔وہ لیٹے ہوئے ہیں۔''

''وہ فنکشن میں بھی تھوڑی دیر کے لیے آئے پھر چلے گئے۔''اس نے اب کے غور سے ان دونوں کو دیکھا۔

زیاد اور مالا ڈرائیوے میں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔دھوپ ان کے اوپر سیدھی پڑ رہی تھی۔مالا مسکرا رہی تھی لیکن اس کی مسکراہٹ میں کچھ تھا۔کچھ غیر آرام دہ سا۔وہ البتہ مطمئن اور اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

''ان کی نیچر ہی ایسی ہے۔زیادہ گھلتے ملتے نہیں ہیں۔''زیاد سلطان نے اسی مسکراہٹ سے جواب دیا۔اس کے سکون میں ذرا فرق نہیں آیا۔

بنگالی ملازمہ خاموشی سے ان کی کار میں سوئیٹس اور چاکلیٹس رکھوا رہی تھی۔ماہی بظاہر مسکراتے ہوئے کار میں بیٹھی۔عباد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار ریورس کرنے لگا۔مالا اور زیاد ان کے جانے تک وہیں کھڑے رہے۔

جیسے ہی کار سڑک پہ نکلی ماہی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔اس کے چہرے پہ ایک پرسوچ جنم لینے لگی۔

''ایک چاکلیٹ پکڑانا۔لمبی ڈرائیو ہے گھر تک۔''عباد نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھامے دوسرا ہاتھ پیچھے رکھے سوئیٹس کے تھال کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ ماہی نے زور سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

''ایک چاکلیٹ ہی مانگی ہے یار۔''

''رہنے دو۔نری کیلوریز ہیں۔''اس نے ہاتھ بڑھا کے ڈبہ بیک سیٹ پہ مزید پرے دھکیل دیا۔اب وہ عباد کی پہنچ سے باہر تھا۔

''عجیب جیلس عورت ہو تم۔''عباد بڑبڑا کے رہ گیا جیسے حیرت ہوئی ہو۔

ماہی نے جواب نہیں دیا۔وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔اس کی پیشانی پہ بل تھے۔

وہ دونوں واپس لاؤنج میں آئے تو بنگالی ملازمہ نے بتیاں ایک دفعہ پھر سے ہلکی کر دیں۔مالا نے سب کے آنے پہ بتیاں تیز کی تھیں۔پردے کھولے تھے۔لیکن پل بھر میں ملازمہ نے سب واپس پہلے جیسا کر دیا تھا۔اندھیر اور خاموش۔اسے الجھن ہونے لگی۔بیٹھنے سے پہلے سوئچ پہ ہاتھ مارا اور بتیاں روشن کر دیں۔

نگینہ بیگم اپنے تخت پہ نیم دراز تھیں۔کمبل اوڑھے۔گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے۔تیز روشنی پہ چونک کے اسے دیکھا۔

وہ بس مسکرا کے اپنی کرسی تک آئی۔اور وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ بتی ایک دم ہلکی ہو گئی۔

مالا نے بے یقینی سے گردن موڑی۔بنگالی ملازمہ سوئچ کے ساتھ کھڑی جتاتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس نے فوراً سے ان دونوں کو دیکھا لیکن وہ اس طرف دانستہ طور پہ متوجہ نہیں تھے۔شاید انہیں بھی اندھیروں میں رہنے کی عادت تھی۔اور وہ روشنیوں سے آئی لڑکی تھی۔

اس نے پہلو بدلا۔کہا کچھ نہیں۔

''بس اب تو میں منتظر ہوں کہ کب ہم سب واپس دبئی جائیں اور ایک گھر میں ایک ساتھ رہیں۔''

نگینہ بیگم محبت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔مالا بھی مسکرا دی۔کلفت دور ہونے لگی۔

''ہم آپ کے ساتھ نہیں رہیں گے۔''

زیادتا ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا بہت سنجیدگی سے بولا۔

جہاں نگینہ بیگم چونکیں وہاں مالا نے بھی تعجب سے اسے دیکھا۔

''لیکن نگینہ آنٹی کا خیال کون رکھے گا؟''

''اندرانی ہے نا۔وہ رکھ لے گی۔''

www.facebook.com/groups/nemrahmed

نگینہ بیگم سانس روکے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ انہیں جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ن... زیاد .... تم نے کہا تھا کہ ہم ساتھ رہیں گے۔''

''ہاں اور اب میں کہہ رہا ہوں کہ ہم ساتھ نہیں رہیں گے۔'' وہ بس اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔ دو ٹوک، قطعی انداز۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

''لیکن زیاد... ایک شہر میں رہتے ہوئے ہم الگ رہیں؟ اچھا لگتا ہے کیا؟'' اس نے نرمی سے کہنا چاہا۔

''کس نے کہا ہم ایک شہر میں رہیں گے؟''

اس نے پہلے بیوی اور پھر ماں کو دیکھا۔ انداز بالکل پرسکون تھا۔

''کیا مطلب؟''

''میں اور کشمالہ مکہ شفٹ ہو رہے ہیں۔ آپ ذہنی طور پہ خود کو تیار کر لیں۔''

نگینہ بیگم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبا لیا۔

''مکہ؟'' وہ حیران رہ گئی۔ ''مکہ کہاں سے آ گیا؟ آپ نے تو کہا تھا کہ ہم...''

اور اس لمحے اسے احساس ہوا کہ سلطان نے ہمیشہ ایک نئے شہر جا کے نئی زندگی شروع کرنے کی بات کہی تھی۔ اس نے کبھی اس شہر کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ہمیشہ کہتا رہا ہی کہ وہ دبئی میں جاب ڈھونڈ رہی ہے، دبئی میں یہ اور یہ کرے گی۔ وہ آگے سے ہوں ہاں کرتا رہتا تھا۔

''لیکن زیاد... میں مکہ میں کیا کروں گی؟ مجھے دبئی میں جاب مل گئی ہے۔ آنٹی کو چھوڑ کے ہم...'' اسے شدید صدمہ لگا تھا۔ بات مکمل ہی نہیں ہو پائی۔

''زیاد... ایسے کیسے بیٹا....'' نگینہ بیگم ہنوز بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''مجھے آفس نے مکہ ٹرانسفر کر دیا ہے۔ میں وہیں سے کام کروں گا۔ اور تم وہاں کوئی جاب ڈھونڈ لینا۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ فون بجنے لگا۔ خالہ کی کال آ رہی تھی۔ وہ ماہی اور عباد کا پوچھنا چاہتی ہوں گی۔ وہ ایکسکیوزمی کہہ کے اٹھ گئی۔ کچھ مضمحل کچھ غائب دماغ سی وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

زیاد نے اسے جاتے دیکھا۔ جب وہ باہر نکل گئی تو وہ ماں کی طرف مڑا۔

وہ ابھی تک بے یقینی سے جیسے دل تھام کے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تم مجھ سے دور چلے جاؤ گے؟''

www.facebook.com/nemrahmed

''پھر کیا کروں؟ اس کو آپ کے ساتھ ایک گھر میں رکھوں تا کہ ابو اس کو دو دن میں آپ کی اصلیت بتا دیں؟'' وہ قریب ہو کے دبا دبا سا غرایا۔

''میں سنبھال لیتی۔''

''ہرگز نہیں۔ میں اپنی شادی قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں آپ کے قریب نہیں رہنا چاہتا۔''

''تمہاری شادی میں نے کروائی ہے۔ میں نے۔'' انہوں نے کپکپاتی بوڑھی انگلی اپنے سینے پہ رکھی۔ آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''اور میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ لیکن میں اسے آپ کے قریب نہیں رکھوں گا۔''

''مکہ؟ مکہ کیوں؟'' وہ اسے دیکھ کے رہ گئیں۔ انگلی نیچے گر گئی۔

''میری اپنی وجوہات ہیں۔'' وہ پیچھے ہو کے بیٹھ گیا۔

اس نے خالہ سے بدقت بات کی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ نقلی انگوٹھی انگلی کاٹ رہی تھی۔ پھر وہ کمرے سے نکلی۔ زیادلاؤنج میں نہیں تھا۔ گلبینہ بیگم گم صم سی اپنی جگہ بیٹھی تھیں۔ وہ اس وقت ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ابھی واپس پلٹنے ہی لگی تھی کہ.....

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو....

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو.....

موسیقی کی دھن سماعتوں میں گونجنے لگی۔ وہ جہاں تھی، وہیں سن رہ گئی۔ پھر بے اختیار آواز کی سمت دیکھا۔ وہ راہداری کے سرے پہ نصب ایک دروازے کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ اسے اتنا معلوم تھا کہ یہ دروازہ بیسمنٹ کی طرف کھلتا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو....

موسیقی کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

https://www.facebook.com/nemrah.ahmed.official

اپارٹمنٹ کے دروازے کے باہر فرید الار کی تختی لگی تھی۔ آج اس تختی نے خاموشی سے ان دونوں کو یکے بعد دیگرے اندر آتے دیکھا۔ بیربل بالکل نڈھال تھا۔ اور ماہر خاموش۔ جیسے شل ہو۔ کسی اور دنیا میں گم ہو۔ وہ بیساکھی سے چل رہا تھا۔ وہیل چیئر نہ جانے کہاں رہ گئی تھی۔

بیربل اندر آیا اور جوتوں سمیت آگے بڑھتا گیا۔ لونگ روم خالی تھا۔ فیضی حاتم کو اس نے واپس آنے کی اطلاع نہیں کی تھی۔ شاید ماہر نے بھی نہیں بتایا تھا کیونکہ وہ گھر پہ نہیں تھیں۔ ماہر نے سارا راستہ اس سے بات بھی نہیں کی تھی۔ ویٹنگ لاؤنج۔ ائیر پورٹ۔ فلائٹ۔ ایگزٹ۔ وہ خاموش رہا تھا۔ جیسے ابھی تک شاک میں ہو۔

سیاہ سفید لونگ روم خاموش پڑا تھا۔ بیربل آگے بڑھا اور آہستہ سے ایل شیپ سیاہ صوفے پہ گر سا گیا۔ ایک بازو نیچے جھول گیا۔ انگلیاں قالین کو چھونے لگیں اور نظریں چھت کے فانوس پہ تھیں۔

ماہر نے دھیرے سے دروازہ بند کیا۔ زیر لب اعوذ باللہ پڑھا۔ لاک کرنے کی آواز آئی۔ پھر اس نے جھک کے جوتے اتارے۔ پھر بیساکی کی ٹک ٹک سنائی دی۔

وہ لنگڑا کے قدم قدم چلتا سامنے آیا۔ بیساکھی ہاتھ سے پھسل گئی۔ اس نے جھک کے میز پہ اسٹرابری والی کینڈل کا جار رکھا۔ وہ سارا راستہ اسے تھامے رہا تھا۔

''دو سال سے تم کہہ رہے تھے کہ وہ زندہ ہے۔ اور آج دیکھو۔''

بیربل چھت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز گیلی تھی۔ آنکھیں نم تھیں۔ غم۔ گلہ۔ کیا نہیں تھا اس کی آواز میں۔

اس کی امید ٹوٹی تھی۔ وہ جھوٹی امید جو ماہر نے اسے تھمائی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے اعتراف کیا۔ بیربل کو اس کی امید نہیں تھی۔ لیکن وہ شاک میں لگتا تھا۔

''ہاں۔ دو سال سے میں کہہ رہا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ اور آج دیکھو۔''

وہ جھکا اور بیساکھی اٹھائی۔ پھر لنگڑاتا ہوا آتش دان کی طرف بڑھنے لگا۔

''میں نے کہا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ سب کہتے تھے باز آجاؤ۔ لیکن میں تمہیں اور مالک کو لیے ایک ملک سے دوسرے ملک پھرتا رہا۔ میں نے دو سال تک تم لوگوں کو امید دلائی۔ کیونکہ میرا دل کہتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔''

آتش دان تک وہ رکا اور لائٹر اٹھایا۔ بیساکھی پھر سے لڑھک گئی۔ ماہر نے تکلیف سے اسے دیکھا۔ پھر بیربل کو۔ وہ دور تھا۔ قریب ہوتا' تب بھی آج وہ بیساکھی اٹھانے نہ کھڑا ہوتا۔

''کوئی میرا یقین نہیں کرتا تھا۔ اور میں کہتا تھا کہ میں تم سب کو ثابت کر کے دکھاؤں گا۔'' وہ خود سے بول رہا

www.facebook.com/nemrahmed

تھا۔لائٹر لیے اس نے چلنے کی کوشش کی۔میز تک کافی فاصلہ تھا۔ ٹانگ پہ زور دے کر ایک قدم اٹھایا۔دوسرا۔اور تیسرے سے پہلے وہ ایک دم لڑھک کے گرا۔

''تمہارا جنون... جھوٹی امید کے سوا کچھ نہیں تھا۔''بیر بل نے بس ایک نظر اسے دیکھا۔وہ پہلو کے بل قالین پہ گرا تھا۔شاید کراہا بھی تھا۔لیکن بیر بل نہیں اٹھا۔اس نے اسے گرے رہنے دیا۔

''میں نے تم سب کا بہت وقت لیا۔اور اپنا بھی۔کیونکہ...''

وہ ہتھیلیوں کے بل سیدھا ہوا۔پھر سے کراہا۔صوفے کا سہارا لے کر سیدھا ہوا اور خود کو گویا گھسیٹتے ہوئے میز تک لایا۔

''کیونکہ میرا دل نہیں مانتا تھا۔اور دیکھو....''

وہ نڈھال سا وہیں میز کے ساتھ بیٹھ گیا۔ٹانگ میں درد کی شدید لہریں اٹھنے لگی تھیں۔

''اور دیکھو۔آج تم غلط نکلے۔''بیر بل نے بے بسی بھرے غصے سے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

ماہر فرید نے لائٹر کے لیور پہ انگوٹھا زور سے رگڑا۔شعلہ جل اٹھا۔

''میں یہ نہیں کہنے جا رہا تھا۔''

اس نے شعلہ موم بتی کے قریب کیا۔وہ اس کے جلے ہوئے دھاگوں سے ذرا دور تھا۔

''میں کہنے جا رہا تھا کہ... دیکھو .... آج میں درست ثابت ہوا۔''

اس نے شعلہ دھاگے سے ٹکرایا۔اس نے فوراً سے آگ پکڑ لی۔

بیر بل فرید تیزی سے سیدھا ہوا۔ایک الارم سا اس کے کانوں میں بجنے لگا تھا۔

''کیسے؟''

''ہلال کی تمام چیزوں پہ گرد تھی۔زپ لاک کھلے ہوئے تھے۔گرد کا ہونا فطری بات ہے۔لیکن....''اس نے اسٹرابری کینڈل کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کی موم سفید اور صاف تھی۔خوشبو بھی برقرار ہے جب کہ اس کا ڈھکن کھلا ہوا تھا۔دو سال تک کینڈل ڈھکن کے بغیر رہے تو اس کی خوشبو ضائع ہو جاتی ہے۔''

وہ قالین پہ بیٹھا جلتے ہوئے شعلے کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''کیا مطلب؟''

www.facebook.com/nemrahmed.official

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کیا تم اب تک نہیں سمجھی ہو کہ ماہر تمہیں کینڈلز کیوں دیتا ہے؟''

ہلال کی آنکھیں چمکیں۔اس نے تیزی سے کینڈل اٹھا کے دیکھی۔

اس کے دھاگے سیاہ تھے۔

وہ ایک دم کمرے میں بھاگی۔رابیل مسکرا کے اسے دیکھنے لگیں۔

وہ واپس آئی تو اس کے بازوؤں میں بہت سی چھوٹی بڑی کینڈلز تھیں۔اس نے سارے جارز جلدی جلدی میز پہ سیٹ کیے۔

''سب کے دھاگے جلے ہوئے ہیں۔لیکن موم کم نہیں ہے۔یعنی ماہر بھائی گفٹ دینے سے پہلے نئی کینڈل کو ایک دفعہ ضرور جلاتا ہے۔لیکن کیوں؟'' وہ جوش سے ماں کو سمجھا رہی تھی۔

پھر اس نے لائٹر لیا اور باری باری موم بتیوں کے دھاگے جلانے لگی۔دھیرے دھیرے ساری موم بتیاں آگ پکڑنے لگیں۔

''بہت دیر سے سمجھ میں آیا تمہیں۔''

رابیل مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھیں۔اور وہ بہت خوشی سے جلتی کینڈلز کو۔

پہلی کینڈل کی موم پگھلنے لگی۔یہاں تک کہ وہ پوری پگھل گئی۔ہلال نے دھڑکتے دل سے ٹوئیزر اٹھایا اور اسے پگھلی موم کے اندر ڈالا۔جب اسے واپس اوپر نکالا تو اس کے دانتوں میں ایک سلور لاکٹ تھا۔

''ماما ماما...'' اس نے جوش سے چیخ ماری۔اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''ماہر بھائی مجھے کینڈل میں گفٹ چھپا کے دیتا تھا۔''

موم پگھل رہی تھی۔خوشبوئیں ایک دوسرے میں مکس ہو کے سارے کو معطر کر رہی تھیں۔اور وہ ایک کے بعد ایک موم بتی سے کچھ نکال رہی تھی۔نیل پالش۔ہیئر پن۔کینڈی بار۔کچھ پلاسٹک میں لپٹا تھا اور کچھ بغیر پلاسٹک کے۔

''اتنی دیر لگی تمہیں اپنے بھائی کو سمجھنے میں۔'' رابیل مسکرا کے اس کو دیکھ رہی تھیں۔میز موم سے لتھڑی چیزوں سے بھر گئی تھی جن کا موم باہر آتے ہی جمنے لگا تھا۔وہ اب ہنستے ہوئے اپنے تحفوں پہ جمی موم ناخنوں سے کھرچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسٹرابری کی مہک والی کینڈل پگھل رہی تھی اور بیربل فرید سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یعنی ہماری بہن زندہ ہے۔اور...''

ماہر نے سر جھکا کے موم بتی کے جار کے اندر جھانکا۔

اس کے چہرے پہ بالآخر ایک مسکراہٹ ابھری۔ایک مکمل مسکراہٹ۔

''اور اس نے مجھے ایک پیغام بھیجا ہے۔''اس نے ٹوئیزر اٹھایا اور پگھلی موم میں ڈال دیا۔ بیربل بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

ٹوئیزر موم کے اندر ڈوب گیا۔

اور جب ماہر کی انگلیوں نے اسے باہر نکالا تو اس کے دانتوں میں کچھ تھا۔

''Smart kid, isn't she?''وہ موم میں لتھڑی شے کو دیکھ کے فخر سے مسکرایا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

www.facebook.com/nemrahahmed.official

Rhian J Martin

سیاہ سفید اپارٹمنٹ میں اسٹرابری کی مہک پھیلی تھی اور اونچے درو دیوار خاموشی سے لونگ روم میں بیٹھے دو نفوس کو دیکھ رہے تھے۔ بیر بل سانس روکے ماہر کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا جو احتیاط سے ٹوئیزر کی مدد سے کینڈل جار کے اندر سے کچھ نکال رہے تھے۔

ٹوئیزر اوپر اٹھا۔ بیر بل کی نظریں بھی اوپر کو اٹھیں۔

ایک موم میں لتھڑی شے برآمد ہوئی۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ میز پہ جھکا۔

''ہاتھ نہیں لگانا۔'' ماہر نے ایک دم روکا تو وہ جیسے منجمند ہو گیا۔ پھر ناسمجھی سے اس شے کو دیکھا جس کی گرم موم میز پہ رکھتے ہی جمنے لگی تھی۔

ماہر ٹوئیزر کی نوک سے اس ننھی شے کے اوپر سے موم ہٹانے لگا۔ موم کے دانے دانے الگ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ وہ صاف ہو گئی۔

وہ ایک موٹے کاغذ کا ٹکڑا تھا۔ آدھے انگوٹھے جتنا۔ ایک طرف بھوری تھی۔ دوسری طرف سرخ۔ ٹکڑا تکون صورت تھا۔ ایسے کہ دو اطراف بالکل برابر تھیں اور تیسری قدرے ٹیڑھی تھی۔ جیسے کسی نے ہاتھ سے پھاڑی ہو۔ بھوری سائیڈ تو گتے جیسی تھی اور سرخ سائیڈ پر نقش تھی۔ سرخ تکون کے اوپر ایک ڈیزائن بنا تھا۔ پیلے، سبز اور نیلے رنگ کے ایک پھول کی پتی ہو جیسے۔ وہ پھول کی پتی کا ٹکڑا تھا جیسے باقی آدھا پھاڑنے کی وجہ سے کٹ گیا ہو۔

''یہ کسی اپنے سے بڑے کاغذ کا حصہ ہے جس کو کسی نے ہاتھ سے پھاڑا ہے۔'' ماہر اس کو ٹوئیزر سے اٹھائے الٹا پلٹا کے بغور دیکھ رہا تھا۔ ''اس کاغذ کا دوسرا حصہ بھی ہونا چاہیے تھا۔'' قدرے الجھ کے اس نے کینڈل جار میں جھانکا۔ موم پگھل کے شفاف نظر آ رہی تھی۔ سرے سے پیندے تک دوسری کوئی شے وہاں موجود نہ تھی۔

''یہ تو ایک ننھا سا کاغذ کا ٹکڑا ہے جو کسی نے غلطی سے پھاڑ کے موم بتی میں گرا دیا ہے۔ اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ہلال زندہ ہے؟'' بیر بل کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔ وہ پیچھے ہو کے بیٹھا۔

''ہلال زندہ ہے۔ اور یہ اسی نے ڈالا ہے۔ مجھے کچن سے ایک زپ لاک بیگ لا کر دو۔'' تحکم سے اشارہ کیا۔

بیر بل نے ایک نظر اس کی گری ہوئی بیساکھی کو دیکھا۔ پھر منہ میں کچھ بڑبڑا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ کچن میں جا کے دو

مالا (نمرہ احمد)

باب دوم "مکہ"

قسط نمبر: ۱۰

انسان ہوتے ہیں
سیپ میں بند کیڑوں کے جیسے
اگر تم ڈالو چند ایک سیپ
کھولتے پانی کے برتن میں
تو بہت سے سیپ
ایک دم پھٹ کے
کھل جائیں گے۔
اور چند ایک
تیرتے رہیں گے کچھ دیر
گرم پانی کی سطح پہ
اور پھر وہ دھیرے دھیرے
اپنے آپ کو کھول دیں گے۔
لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں
جو کبھی نہیں کھلتے
چاہے وہ کیسے ہی گرم پانیوں کا
شکار کیوں نہ ہو جائیں۔

تین کینیٹس کھولیں۔ایک ننھا زپ لاک بیگ نکالا اور کیبنٹ کے دروازے بند کیے بنا واپس آیا۔انداز ناراض ناراض سا تھا۔

''بالفرض یہ ہلال کی طرف سے ہے اور وہ زندہ ہے۔تب بھی تم نے یہ بات مجھے پاکستان میں کیوں نہیں بتائی؟ ہم واپس کیوں آ گئے؟''وہ واپس صوفے پہ بیٹھے ہوئے قدرے جھنجھلا گیا تھا۔

ماہر جواب دیے بنا ٹوئیزر سے اس کاغذ کے ٹکڑے کو شفاف زپ لاک بیگ میں مقید کرنے لگا۔اس نے ابھی تک اسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''کیونکہ سرکار نے ہلال کی نقلی موت کا ثبوت مجھے بہت جلدی میں بھجوایا ہے۔وہ مجھے لاہور سے بھیجنا چاہتا تھا۔اسے کسی چیز کی جلدی تھی۔''اس نے چہرہ کینڈل پہ جھکا کے آنکھیں بند کیں۔پھر ایک سانس اندر کھینچی۔وہ جیسے ہلال کی خوشبو تھی۔اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔گال میں گڑھا سا بنا۔

''ہم ہلال کو ڈھونڈے بنا واپس کیوں آ گئے ماہر؟''

''کیونکہ وہ زندہ ہے اور وہ ٹھیک ہے۔''

''تم اتنے پر یقین کیسے ہو؟''وہ اب اکتا گیا تھا۔

''ہلال زندہ ہے۔اور وہ سرکار کے پاس ہے۔''اب وہ زپ لاک بیگ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''سرکار نے اگر اس کو مار دیا ہوتا تو وہ اتنے جوکھم کر کے اس کی نقلی موت ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتا۔اسے ہلال زندہ چاہیے۔اس نے اسے کہیں چھپا رکھا ہے۔لیکن برے حال میں نہیں۔اچھے حال میں۔''وہ جیسے سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

''اور یہ تمہیں کیسے معلوم؟''

''کیونکہ ہلال کی جو چیزیں پولیس نے ہمیں دی ہیں اس کا بیگ وغیرہ وہ بہت تھوڑی سی چیزیں ہیں۔اس کی گمشدگی کے وقت اس کے پاس بہت سی چیزیں تھیں جو کبھی نہیں ملیں۔اس کی بہت سی کینڈلز۔کتابیں۔اسکیچ بکس۔رنگین پنسلز۔بوتل۔کپڑے۔ہلال کے ساتھ اس کی چیزیں بھی کھو گئی تھیں۔کوئی اس کی چیزیں کیوں چرائے گا؟''

''تاکہ وہ چیزیں اس کو مہیا کر کے اس کو خوش رکھ سکے۔''بیربل کا ذہن کام کرنے لگ گیا۔ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بالکل۔اس نے ہلال کو کہیں بہت آرام سے رکھا ہوا ہے۔اس کے پاس اس کی تمام چیزیں ہیں۔لیکن اس کی

نقلی موت دکھانے کے لیے سرکار نے ہلال کی کچھ چیزیں اس سے لے لی ہوں گی۔"

"اور ہلال کو اندازہ ہوگا کہ یہ ہم تک پہنچائی جائیں گی اس لیے اس نے کاغذ کا ٹکڑا کینڈل میں ڈال دیا۔ سرکار کو اس کا علم نہیں ہو سکا ہوگا۔" بیربل نے سمجھ کے سر ہلایا۔ پھر رک گیا۔ "لیکن ہلال نے خالی کاغذ کیوں بھیجا؟ یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے؟"

"شاید وہ خود نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے۔" وہ دور خلاء میں دیکھ رہا تھا۔

"ہمیں وہاں رہ کے اسے ڈھونڈنا چاہیے تھا۔" بیربل شدید بے زار ہوا۔

"سرکار میرے ساتھ عرصے سے ایک گیم کھیل رہا ہے۔ وہ ہمیشہ مجھ سے دو قدم آگے رہتا ہے۔ میں اس کا مقابلہ نہیں کر پاتا کیونکہ میں اس کی بنائی ہوئی گیم کھیل رہا ہوں۔" زمین پہ بیٹھے ماہر فرید کے چہرے پہ یہ کہتے ہوئے زمانے بھر کا اطمینان تھا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ ہمیشہ جیتتا رہے گا اور میں اس کی لاحاصل تلاش میں ہمیشہ ناکام رہوں گا کیونکہ یہ کھیل اس کا بنایا ہوا ہے۔ لیکن میں اب اس کا کھیل نہیں کھیلوں گا۔ میں سرکار کو نہیں ڈھونڈوں گا۔ اس طرح مجھے ہلال کبھی نہیں ملے گی۔"

"پھر کیسے ملے گی؟"

"اب میں اپنا کھیل ترتیب دوں گا۔ ہم واپس اس لیے آ گئے تاکہ وہ یہ یقین کر لے کہ میں ہلال کی موت کو تسلیم کر چکا ہوں۔ اور وہ ریلیکس ہو جائے۔ جب وہ ریلیکس ہوگا تو وہ کوئی غلطی کرے گا۔"

"اور اگر اس کے جنات نے اس کو بتا دیا؟" بیربل نے آنکھیں گھمائیں۔

ماہر دھیرے سے مسکرایا۔

"کیا تم نے دیکھا نہیں تھا کہ میں نے گھر کا دروازہ بند کرتے ہوئے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھا تھا؟"

"تاکہ یہاں کہی جانے والی باتیں جنات آگے نہ بتا سکیں؟" وہ چونکا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ویسے بھی جنات سب کچھ نہیں جانتے۔ نہ سب کچھ بتا سکتے ہیں۔ اسی لیے وہ چھپی چیزوں کی لوکیشن کبھی ٹھیک سے نہیں بتا سکتے۔ بہر حال ہم دوبارہ اس بات کا ذکر نہیں کریں گے۔ ہم یہی ظاہر کریں گے کہ ہلال مر چکی ہے۔ مالک، چنگیز، شبنم، سب کے سامنے۔ تب تک میں یہ جاننے کی کوشش کروں گا کہ اس کاغذ کا کیا مطلب ہے۔"

وہ زپ لاک بیگ میں مقید سرخ کاغذ کو دیکھ رہا تھا۔

''اور اگر اس نے ہلال کو نقصان پہنچایا؟''

''نہیں۔اس نے کسی وجہ سے ہلال کو زندہ رکھا ہوا ہے۔اگر مارنا ہوتا تو اس کی اصلی لاش بھیج دیتا۔''

''سرکار۔کتنا عجیب نام ہے یہ۔'' بیربل ماتھے پہ بل ڈالے بڑبڑایا۔''نہ جانے وہ خود کیسا ہوگا۔''

''وہ بوڑھا ہے۔اور اس کے سفید بال ہیں۔یہ میں جانتا ہوں۔عمر یقیناً پچاس سے ساٹھ برس کے درمیان ہوگی۔'' وہ موم بتی کے جلتے شعلے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

(زیاد اور مالا ابھی ابھی سامنے سے ہٹے تھے۔اور نگینہ بیگم اسی طرح شل سی تخت پہ بیٹھی تھیں۔ان کا زرد چہرہ کمزور تھا اور آنکھوں تلے ہلکے تھے۔پلکیں گیلی تھیں اور جھریوں زدہ بوڑھے ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی۔)

''چونکہ وہ بہت سخت جادو کرتا ہے'اس لیے اس نے اپنی صحت کا خاص دھیان رکھا ہوگا۔اس عمر میں بھی وہ فٹ ہوگا۔ورزش کرتا ہوگا۔اچھی غذا کھاتا ہوگا۔کالا جادو بہت سی جسمانی توانائی مانگتا ہے۔''

(آنسو نگینہ بیگم کی آنکھوں سے بہنے لگے۔بے اختیار کھانسی آئی۔اگل دان پہ چہرہ جھکایا تو خون کے قطرے تھوک کے ساتھ نکلے۔)

''اس کی کوئی فیملی نہیں ہوگی کیونکہ ایسے انسان کا دل سخت ہوتا ہے۔جو دوسروں کے بچوں اور ماؤں کو مار سکتا ہے'اس کو کسی سے محبت نہیں ہوتی۔کسی سائیکو پیتھ سیریل کلر کی طرح وہ اکیلا رہتا ہوگا۔''

(وہ کھانس کے سیدھی ہوئیں۔نڈھال چہرے سے لاؤنج کے دروازے کو دیکھا جہاں سے زیاد گیا تھا۔آنسو تواتر سے بہنے لگے۔)

''اس کے پاس بہت پیسہ ہے۔اس کے کلائنٹ اس کے مرید ہیں۔اور اعلیٰ عہدوں پہ ہیں۔یقیناً اس نے کہیں نہ کہیں کوئی بڑا سا آستانہ بنا رکھا ہوگا جہاں اس کے آگے پیچھے ملازم پھرتے ہوں گے۔''

(''اندرانی...اندرانی...'' نگینہ بیگم کمزور آواز میں پکارنے لگیں۔ان کو سانس چڑھ رہا تھا۔)

''اس نے اپنے قریبی انسانوں کو اپنے تابع کر رکھا ہوگا۔وہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے ہوں گے۔اس کا جادو ان پہ مکمل طور پہ چھایا ہوگا۔''

(وہ کھانس کھانس کے دوہری ہو رہی تھیں۔زیاد کے کمرے کے دروازے سے کھانسنے کی آواز اندر جا رہی تھی لیکن کوئی باہر نہیں نکلا۔سیڑھیوں کے اوپر ریلنگ سے سلطان صاحب نے جھانکا۔نیچے تخت پہ بیٹھی نگینہ بیگم کا کھانسی

سے برا حال تھا۔انہوں نے ہونہہ میں سر جھٹکا اور واپس اندر چلے گئے۔)

''یقیناً اس کا بچپن اور جوانی بہت کٹھن گزری ہوگی جس نے اس کے دل کو پتھر جیسا کر دیا ہوگا۔اس کے اندر جذبات نہیں ہوں گے۔نہ اسے کسی سے محبت ہوگی۔کیونکہ اتنا ظلم کوئی ایسا انسان ہی کر سکتا ہے جس کو صرف پیسے کی ہوس ہو یا جادو کی طاقت کا نشہ۔''

''تمہارا تجزیہ اچھا ہے۔سیریل کلرز بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔اکیلے'سائیکو پیتھ'پتھر دل۔'' بیربل کھنکھارا۔''لیکن شاید اس کی کوئی فیملی ہو۔ہر ولن کی فیملی ہوتی ہے'ماہر۔''

ماہر نے''کک'' کی آواز کے ساتھ سر جھٹکا نفی میں ہلایا۔جیسے اس کی بات رد کی ہو۔بیربل نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کا فون بجنے لگا۔اس نے جلتی بجھتی اسکرین دیکھی تو لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

اس کی یہ مسکراہٹ ماہر فرید نے غور سے دیکھی۔

''کون ہے؟''ابرو اٹھایا۔

''لاہور کے اس ہوٹل کی خوبصورت مینیجر جہاں ہم ٹھہرے تھے۔''اسے جیسے مزہ آ رہا تھا۔"جاتے ہوئے اس نے میرا پرسنل نمبر لیا تھا۔وہ مجھے پسند کرتی ہے۔''

''فون اٹھاؤ۔''

''ایسے کیسے؟دو تین دن فون کرنے دو'پھر میسیج کروں گا کہ....''

''اٹھاؤ۔''وہ دبا دبا سا غرایا۔بیربل کے ہاتھ سے فون گرتے گرتے بچا۔جلدی سے اسے کان سے لگایا۔

''ہیلو۔''ساتھ ہی خفگی سے گھور کے ماہر کو دیکھا۔اس کا بھائی اس کی love life کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

''جی جی۔میں پہچان گیا۔اچھا...واقعی؟''مسکراہٹ غائب ہوئی۔قدرے چونکا۔

''ہمارے جانے کے بعد کبیرہ سادان ہوٹل آئی تھیں۔تم سے ملنے۔''فون رکھتے ہی وہ بے یقینی سے بولا۔

''کہا تھا نا'وہ آئے گی۔''وہ ہلکا سا مسکرایا۔''واللہ ماہر فرید کبھی غلط نہیں ہوتا۔''

بیربل نے محض آنکھیں گھما کے ابرو اچکا دیے۔ماہر اب صوفے کا سہارا لیے خود کو گھسیٹتے ہوئے بیساکھی کی طرف جا رہا تھا۔اسے کبیرہ سادان کو کال ملانی تھی۔اسے اپنے ایک واہمے کی تصدیق چاہیے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو....

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو....

دھن اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ کسی سحر کے زیرِ اثر وہ کھنچتی ہوئی بیسمنٹ کے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

آواز پہ کوئی فسوں سا ٹوٹا۔ کشمالہ مبین چونک کے مڑی۔

پیچھے اندرانی کھڑی تھی۔ اس کی گھورتی نگاہیں ہمیشہ خاموش مگر کچھ کہتی ہوئی ہوتی تھیں۔ کشمالہ کے ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس نے ابرو اٹھا کے پوچھا۔ انداز سخت تھا۔

موسیقی کی آواز اب بند ہو چکی تھی۔

''بیسمنٹ سے کیا چاہیے آپ کو؟'' اندرانی گھوم کے سامنے آئی اور دروازے کے سامنے جم کے کھڑی ہو گئی۔

''تم کچن میں جاؤ اور اپنا کام کرو۔''

مگر اندرانی نہیں ہلی۔ ڈھٹائی سے دیوار بن کے کھڑی رہی۔

''جاؤ۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''کشمالہ....'' زیادنے راہداری کے دوسرے سرے سے اس کو پکارا۔

''زیاد ادھر آئیں۔'' اس نے بنا مڑے آواز دی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''میں بیسمنٹ دیکھنا چاہتی ہوں اور یہ راستہ روک کے کھڑی ہو گئی ہے۔ کیا یہ نہیں جانتی کہ میں اس گھر کی بہو ہوں؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی بہت سکون سے زیاد سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا تم نہیں جانتیں کہ کشمالہ اس گھر کی بہو ہے؟'' زیادنے گھور کے اسے دیکھا۔ اندرانی کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔

''میں ان سے پوچھ رہی تھی کہ....''

''جیسا وہ کہہ رہی ہیں ویسے کرو۔'' وہ برہمی سے بولا تو اندرانی نے سر کو خم دیا۔ پھر اسے گھورتے ہوئے سامنے سے ہٹ گئی۔

''بیسمنٹ میں کاٹھ کباڑ رکھا ہوتا ہے۔ یا پرانا سامان۔'' وہ دونوں ساتھ ساتھ سیڑھیاں اترنے لگے۔

''آپ نے اتنا بڑا فیصلہ مجھے اعتماد میں لیے بغیر کیسے کرلیا؟'' وہ جھنجھلائی ہوئی نہیں تھی۔ بس کچھ خفا خفا سا تھا اس کے انداز میں۔

''تم امی کی وجہ سے یہ کہہ رہی ہو؟'' زیاد نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو مدھم بتیاں جل اٹھیں۔ نیچے ایک لونگ روم تھا۔ اور سامنے چند کمرے۔ کچھ پرانا فرنیچر رکھا تھا جو کپڑوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہر طرف گرد کی مہک تھی۔

''اور اپنی وجہ سے بھی۔ مجھے دبئی میں جاب مل گئی ہے۔ پھر آپ کی امی بیمار ہیں۔ کینسر کے آخری اسٹیج پہ ہیں۔ آپ ان کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟''

رہ رہ کے ہسپتال کے وہ دن یاد آنے لگے جو معید اور اس نے بڑی مشکل سے کاٹے تھے۔ ماں کے سرہانے سے ایک پل کے لیے نہیں ہٹتے تھے۔

''میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑ رہا ان کے پاس نرسنگ اسٹاف ہوگا۔ ابو ہوں گے۔ ملازمائیں ہوں گی۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے دروازے کھول کھول کے اسے کمرے دکھا رہا تھا۔ نیچے بھی اوپر جیسا ایک پورشن بنا تھا جو خالی تھا۔ سوائے لاؤنج کے فرنیچر کے اس میں کچھ خاص نہ تھا۔

''آپ کو ڈر نہیں لگتا کہ آنکھ ذرا اوجھل ہو اور وہ گر جائیں؟''

''امی اپنا خیال رکھ سکتی ہیں۔ رہی تمہاری بات تو تمہیں ویسے بھی ایک نئے شہر جا کے آباد ہونا ہی ہے۔ کیا دبئی اور کیا مکہ۔ اور ہم دبئی آتے جاتے رہیں گے۔ ساتھ ہی تو ہے۔''

''لیکن آپ نے فیصلہ لینے سے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

اس نے آگے جاتے زیاد کی کہنی تھام کے اسے روکا۔ وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف مڑا۔ اب وہ دونوں گرد سے اَٹے لاؤنج میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''کچھ فیصلے گھر کے مرد نے لینے ہوتے ہیں' کشمالہ۔ کیونکہ مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ مجھے ہی لینا تھا۔''

''نہیں' زیاد۔ شادی شدہ لوگ فیصلے مل کر لیتے ہیں۔ ایک ساتھ۔''

زیاد نے دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامے اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آئی ایم سوری۔ مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔ میں خوفزدہ تھا کہ تم انکار نہ کردو۔ لیکن میں تمہیں مکہ میں بہت خوش رکھوں گا۔ تم پریشان نہ ہو۔''

''لیکن مکہ ہی کیوں؟ وہاں اتنا اہم کیا ہے؟'' وہ الجھ کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

زیاد سلطان نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''میں ایک گناہگار انسان ہوں' کشمالہ۔ میں نے زندگی میں بہت سے ایسے گناہ کیے ہیں جو میں بتا نہیں سکتا۔ لیکن وہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان ہیں۔ (بہت سا پانی اس کے حلق میں جمع ہونے لگا۔ اس نے بدقت تھوک نگلا۔) اور جب میں نے تم سے شادی کرنے کا سوچا تھا تو مجھے لگتا تھا کہ تم مجھے قبول نہیں کرو گی کیونکہ میں تمہارے قابل نہیں تھا۔ تب میں نے امی سے کہا تھا کہ... (پھر سے تھوک نگلا) کہ وہ دعا مانگیں۔ اور ان کی دعا سے تم مجھے ملی ہو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور میں نے خود سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر تم میری زندگی میں شامل ہو گئیں تو میں اپنے آپ کو بہتر بناؤں گا۔ میں نیک نہیں ہوں لیکن گناہگار بھی نہیں رہوں گا۔ اس لیے میں مکہ جا کے اپنی نئی زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں اللہ کا گھر ہے۔ میں چاہتا ہوں میں وہاں جا کے اللہ تعالیٰ سے زندگی میں کیے تمام گناہوں کی معافی مانگوں اور ہم کورے کاغذ جیسی نئی زندگی کا آغاز کریں۔''

اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑ چکے تھے۔ اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ زیاد نے ابھی تک اس کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ اس کا انگوٹھا زرقون کی رِنگ کو چھو رہا تھا۔ مالا نے چہرہ جھکا کے چمکتے ہوئے زرقون کو دیکھا۔ اور پھر اس کو۔

اب وہ وقت تھا بات کرنے کا۔ اب نہیں تو کبھی نہیں۔

''یہ رِنگ کہاں سے لی تھی آپ نے؟'' غور سے اس کو دیکھا۔

زیاد خاموش ہو گیا۔ پھر سر جھکا دیا۔

''مجھے ایک اور بات بھی بتانی تھی تمہیں۔ یہ رِنگ ڈائمنڈ کی نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں پشیمانی تھی۔

کشمالہ کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ ایک گہری سانس لبوں سے خارج ہوئی۔

''آئی ایم سوری میں نے تم سے جھوٹ بولا۔ میں اتنا نہیں کماتا کہ وہ انگوٹھی افورڈ کر سکتا۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں کوئی عام انگوٹھی دوں۔ مجھے ڈر تھا کہ تم ہیرے سے کم کسی بھی چیز پہ برا مناؤ گی۔ اس لیے میں نے زرقون کی انگوٹھی کو ہیرا کہہ کے تمہیں دے دیا۔''

''زیاد مجھے ہیروں سے زیادہ جو چیز پسند ہے وہ سچ بولنا اور سچ سننا ہے۔ مجھے جھوٹ نہیں پسند۔ مجھے دھوکہ نہیں

پسند۔ ویسے بھی مجھے وہ موتی والی انگوٹھی زیادہ آرٹسٹک لگی تھی۔'' وہ اس کا پشیمان چہرہ دیکھ کے نرمی سے کہہ رہی تھی۔ ''آپ کو سوچنا چاہیے تھا کہ میں ہیرے کی چمک پہچانتی ہوں۔'' قدرے جتا کے بولی۔ زیاد نے سر اثبات میں ہلایا۔

''میں بس تمہیں خوش کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کل تمہارا چہرہ دیکھ کے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تمہیں ہیرے خوش نہیں کر سکتے۔ اسی لیے....'' اس نے اس کے ہاتھ چھوڑے۔ مالا نے ہاتھ پلو میں گرا دیے۔ زیاد جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔

''میں صبح تمہارے لیے یہ لایا تھا۔ پھر ماہی اور عباد آ گئے تو مجھے دینے کا وقت نہیں ملا۔'' اس نے ایک سیاہ مخملیں ڈبیا نکال کے کھولی۔ مالا نے چونک کے اس کو دیکھا۔

ڈبیا کے اندر وہی موتی والی انگوٹھی جگمگا رہی تھی' موتی کے دونوں طرف دو ننھے ننھے ہیرے لگے تھے۔

''آئی ایم سوری۔ ایک دفعہ پھر۔'' وہ بہت فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔

''میں آپ کی معذرت قبول کر رہی ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ آپ دوبارہ کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔''

وہ بھی مسکرا دیا۔ ''کبھی بھی نہیں۔'' اب وہ اسے انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ زرقون کی انگوٹھی اس نے اتار دی تھی۔

''آخری کمرہ رہ گیا ہے دیکھنے والا۔'' اس نے مسکرا کے انگلی میں پروئے موتی کو دیکھا۔ پھر یاد آیا۔ زیاد آگے بڑھا اور آخری کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس میں ایک ورک ٹیبل رکھی تھی۔ اور میز پہ بہت سے چارٹ نما کاغذ رول ہوئے رکھے تھے۔ ایک طرف بک شیلف بنا تھا وہاں بھی بہت سے ایسے لمبے لمبے رول رکھے تھے۔

وہ قدرے اچنبھے سے اس سب کو دیکھتی اندر داخل ہوئی۔ وہاں گرد کی مہک بہت شدید تھی۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ نقشے ہیں۔ میں ایک زمانے میں نقشے جمع کرتا تھا۔ مجھے جیوگرافی پسند تھی۔''

''بہت دلچسپ۔'' گرد سے وہاں کھڑے ہونا مشکل تھا۔ وہ بس مسکرا کے ایک نظر دیکھتی باہر نکل آئی۔

''اور تم امی کے لیے پریشان نہ ہونا۔ ہماری ابھی نئی شادی ہوئی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے وقت چاہیے۔ اور میرے امی ابو کا رشتہ بہت ٹاکسک ہے۔ ان کے ساتھ رہیں گے تو وہ مداخلت کرتے رہیں گے۔ میں اسی لیے ان سے دور جانا چاہتا ہوں تاکہ ان کی وجہ سے میری ذات میں جو کمپلیکسز رہ گئے ہیں' ان کو دور کر سکوں۔''

''میں سمجھ سکتی ہوں۔ میرے بھی کمپلیکسز رہے ہوئے ہیں۔''

''تمہیں کیا کمپلیکس تھا؟'' وہ حیران ہوا۔ پھر یاد آیا۔ ''ارے ہاں۔ تمہاری ایکنی۔'' دھیرے سے ہنس دیا۔ وہ دونوں اب سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھیں۔

''مجھے ڈر تھا تم انگوٹھی کی حقیقت جاننے پہ بہت ناراض ہوگی۔ لیکن تم بہت اچھی ہو کشمالہ۔ ایک اچھی بیوی تمہارے جیسی ہوتی ہے۔ جو اپنے شوہر کی اصلاح کرے اور اس کا ساتھ دے۔''

''اب آپ اپنی اچھی بیوی کو یہ بتائیں گے کہ ہم ہنی مون پہ کہاں جا رہے ہیں؟''

''ایک ہی جگہ ہے جہاں سب جاتے ہیں۔ مالدیپ۔'' وہ اوپر چلے گئے اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔ بیسمنٹ میں خاموشی چھا گئی۔ آخری کمرے میں رکھے رول شدہ نقشے اسی طرح مقید پڑے رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاؤنج کے ایک صوفے پہ بانو حور کو لیے بیٹھی کچھ کھلا رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ ایک نظر ماہی پہ بھی ڈال لیتی جو بالکل گم صم سی پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔ ٹی وی پوری آواز سے چل رہا تھا اور ریموٹ ماہی کے ہاتھ میں تھا لیکن وہ آواز دھیمی نہیں کر رہی تھی۔ وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔ اس کا ذہن کہیں دور بھٹک رہا تھا۔

پارک میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور اس میں موسم گرما کے پھلوں کی مہک تھی۔ عباد اور ماہی ایک بنچ پہ ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور ڈاکٹر رائدان کے سامنے براجمان تھے۔

''اور جادو کا علاج کیسے ہوتا ہے؟'' ماہی نے کہتے ہوئے گود میں رکھے ہاتھ کو بے اختیار معدے سے نیچے رکھا۔ اس کے ہاتھ کے پار ایک زندگی سانس لے رہی تھی۔

''میں اپنے اوپر سے جادو کیسے اتاروں؟''

ڈاکٹر رائد نے گہری سانس لی۔

''جادو اتارنے کا پہلا قدم ایک حقیقت کو قبول کرنا ہے۔''

''کیسی حقیقت؟'' وہ حیران ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کہیں گے فلاں آیت پڑھو فلاں وظیفہ کرو صدقہ دو وغیرہ وغیرہ۔ لیکن وہ کچھ اور کہہ رہے تھے۔

''یہ حقیقت کہ جادو تب تک اثر نہیں کرتا جب تک تمہارا دل اس کی مدد نہ کرے۔''

''یعنی؟'' ماہی اور عباد نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''یعنی جادو مریض پہ تب اثر کرتا ہے جب اس کے دل کے اندر کچھ ایسا ہوتا ہے جو اس جادو کی مدد کرے۔ جادو

خود سے کچھ تخلیق نہیں کر سکتا۔ جادو صرف پہلے سے موجود شے کو ٹارگٹ کرتا ہے۔ پھر اس کو بڑھا دیتا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"آپ کے دل میں موجود خوف' insecurities اور کمپلیکسز کو جادو ٹارگٹ کرتا ہے۔ ایسے ہی بیماری کو بھی جادو بڑھا سکتا ہے۔"

"یعنی میری ماں کا ٹیومر جادو نے تخلیق نہیں کیا۔ بلکہ جادو نے اس ڈپریشن کو ٹارگٹ کیا جو میری ماں کو نورِ جہاں خالہ کی ڈیتھ کے بعد ہونے لگا تھا۔ وہ بہت اداس رہنے لگی تھیں۔"

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور ہم سب جانتے ہیں کہ ڈپریشن اور اسٹریس ایک مقناطیس ہے جو کینسرز اور ٹیومرز کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور انسان کی قوت مدافعت بہت کم کر دیتا ہے۔ اسی لیے ہمیں اپنے بڑوں کو ڈپریشن سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ان کو ان موذی مرائض سے بچایا جا سکے۔"

"لیکن اس حقیقت کو قبول کرنے سے جادو کے علاج میں مدد کیسے ملے گی؟" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ اسے بس کوئی تیز قسم کا فارمولا چاہیے تھا جسے وہ اپلائی کرے اور جادو اتر جائے۔

"کیونکہ جادو آپ کے دل پہ حملہ کرتا ہے۔ آپ کو کسی پوائنٹ پہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ پہ کوئی جادو کر رہا ہے۔ اور آپ ایک دم خوف کا شکار ہوتے ہیں پھر آپ ہر شے کو جادو سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن سب کچھ جادو نہیں ہوتا۔ بہت کچھ آپ خود ہوتے ہیں۔ جادو تو محض ایک عدسہ ہے جو چیزوں کو بڑھا چڑھا کے دکھا رہا ہے۔ ایک الوژن۔ ایک سراب۔"

"اور دوسرا اسٹیپ کیا ہے؟"

حور کی قلقاری سے اس کا ارتکاز ٹوٹا۔ اس نے چونک کے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا۔ ڈاکٹر رائد کی کال آ رہی تھی۔ وہ ایک دم پیر نیچے کر کے سیدھی ہو کے بیٹھی۔

"آپ کو کال کرنے کا وقت اب ملا ہے۔ جی بتائیے ماہ بینہ۔ سب خیریت ہے؟"

وہ کسی لیکچر کے بعد اب جیسے فارغ ہوئے تھے۔ وہ جلدی سے کھنکھاری اور فون لیے کمرے کی طرف آ گئی۔

"آپ سے اتنے عرصے سے بات نہیں ہو سکی۔ جادو اتارنے کے لیے جو چند اسٹیپ آپ نے مجھے بتائے تھے' وہ میں نے اپلائی کیے تھے۔ اور...."

''اور آپ نے وہی کیا جو جادو کے اکثر مریض کرتے ہیں۔ چند دن قران دعائیں پڑھتے ہیں اور سب ٹھیک ہوتا نظر آتا ہے تو وہ بے فکر ہو کے اس بات کو بھول بھال جاتے ہیں۔''

اس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

''کوئی نیا معاملہ ہوا ہے کیا؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

''مجھے شک ہے کہ میری بہن پہ کسی نے سحرِ عشق کیا ہے اور وہ اس آدمی سے شادی کر چکی ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟''

''ممکن تو ہے۔ کیونکہ سحرِ عشق آج کل سب سے زیادہ کیے جانے والا جادو ہے۔''

اس کے دل کی دھڑکن مس ہوئی۔

''آپ نے کہا تھا کہ جادو کچھ تخلیق نہیں کر سکتا۔ یہ تب اثر کرتا ہے جب دل میں پہلے سے اس کی مدد کرنے والے لوازمات موجود ہوں۔ کیا سحرِ عشق بھی ان لوازمات کے بغیر اثر نہیں کرتا؟''

''بالکل۔ کوئی جادو آپ پہ اثر نہیں کرتا اگر آپ جادو کی خود مدد نہ کریں۔ جادو آپ کے اندر چھپے خوف، اِن سیکیورٹی اور کمپلیکسز کو ٹارگٹ کرتا ہے۔''

''یعنی میری بہن پہ سحرِ عشق اس لیے اثر کر رہا ہے کیونکہ اس کے اندر پہلے سے اِن سیکیورٹیز اور کمپلیکسز موجود ہیں؟''

''سحرِ عشق ان لوگوں پہ جلدی اثر کرتا ہے جن کے اندر ایک حسرت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ محبت کیے جانے کی حسرت۔ چاہے جانے کی چاہ۔ اور سچ بات ہے ماہ بینہ کہ یہ ہم سب کے اندر ہیں۔ ہم سب ہر وقت محبت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ہمیں کوئی انسان چاہیے ہوتا ہے جو ہم سے محبت کرے۔''

''یعنی صرف سحرِ عشق کی وجہ سے آپ غلط انسان سے شادی نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے اندر کی حسرت کی وجہ سے بھی ایسا کرتے ہیں؟''

''بالکل۔ یہ خوف کہ ہم تنہا نہ رہ جائیں۔ اس شخص کو ٹھکرا دیا تو کوئی ہم سے محبت نہیں کرے گا۔ ایسے میں کچھ لوگوں کو یہ خوف دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے۔ سحرِ عشق اس خوف کو بڑھا دیتا ہے۔ اور وہ محبت سے بڑھنے والا پہلا ہاتھ تھام لیتے ہیں۔ بھلے کو کسی ساحر کا ہاتھ ہی کیوں نہ ہو۔''

ماہی نے بے بسی سے لب کاٹے۔

''میں اپنی بہن کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟''

''آپ جادو کے مریض کے لیے کچھ نہیں کر سکتیں سوائے دعا کے۔ جو کرنا ہے اسے خود کرنا ہے۔کوئی انسان جادو سے نکل نہیں سکتا جب تک وہ خود نہ چاہے۔اور پہلا اسٹیپ ہے....''

''اس حقیقت کو قبول کرنا کہ جادو سب کچھ نہیں ہوتا۔ بہت کچھ ہمارے اندر پہلے سے موجود ہوتا ہے۔''اس نے چند ماہ پہلے کہی گئی ان کی بات دہرائی۔

کال بند ہوئی تو اس کی نگاہیں بے اختیار کانٹیکٹ لسٹ پہ دوڑ گئیں۔ ماہر فرید کے نام پہ انگلی ٹھہر گئی۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔وہ چیزوں کو مزید پیچیدہ نہیں کر سکتی تھی۔

فیملی گروپ پہ اسی لمحے کشمالہ کا میسج آیا تھا۔زیاد اور وہ مالدیپ میں تھے اور مالا نے اپنی تصاویر بھیجی تھیں۔ وہ خوش اور مطمئن لگ رہی تھی۔ ماہی نے دھیرے سے سر جھٹکا۔شاید یہ سب اس کا وہم ہو۔یا ماہر کی غلط فہمی۔یقیناً ایسا ہی ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک ماہ بعد۔

یہ مارچ کی ایک ٹھنڈی سی شام تھی۔ یہ ہوٹل کا ایک شاہانہ طرز کا ہال تھا جسے سیاہ اور سفید رنگ سے سجایا گیا تھا۔ ہر طرف سیاہ گلابوں کے گلدستے تھے جو یقیناً اسپرے پینٹ کیے گئے تھے۔مہمان گول میزوں کے گرد رکھی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔کسی نے سیاہ یا سفید کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ نہیں پہنا تھا۔کونے میں ایک پیانو رکھا تھا جس پہ بیٹھا پیانسٹ مگن سا کوئی دھن بجا رہا تھا۔قریبی میز پہ ہلال کا ایک پورٹریٹ رکھا تھا جس کے ساتھ موم بتیاں جل رہی تھیں۔مہمان باری باری آتے'اور موم بتیوں کے ساتھ اپنے حصے کے پھول رکھ کے آگے بڑھ جاتے۔

یہ ہلال شمس الدین کی وفات کا اعلان کرنے کے لیے اس کی یاد میں منعقد کیا گیا میموریل ڈنر تھا۔

زارینہ موم بتیوں والی میز کے قریب کھڑی مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ بنا آستین کے سیاہ مڈی ڈریس پہنے' گردن میں بہت سی سنہری زنجیریں ڈالے'وہ تحکم سے ویٹرز کو ہدایات دے رہی تھی۔کھانا کھلنے میں ابھی وقت تھا۔اسٹیج پہ مختلف لوگ ہلال کے لیے نیک تمنات کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ مہمان سن رہے تھے۔ کچھ آپس میں سرگوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ان میں شبنم اور بیربل بھی تھے جو ایک ستون کے ساتھ کھڑے تھے۔

''سب مہمان آئے ہیں نا؟'' بیربل نے سرگوشی میں پوچھا۔

''جی ہاں۔گزشتہ تین برس سے استنبول میں بنایا گیا تم دونوں کا حلقہ احباب یہاں موجود ہے۔''

''ماہر کا حلقہ احباب۔'' اس نے کھنکھار کے تصحیح کی۔''میں استنبول میں بہت پہلے سے ہوں۔تین سال پہلے ماہر میرے کہنے پہ میرے لیے استنبول شفٹ ہوا تھا۔'' اس نے بہت دفعہ کی یاددلائی بات پھر سے دہرائی۔آواز میں فخر سا تھا۔استنبول منتقل ہونے کی بات وہ واحد بات تھی جو ماہر نے بنا چوں چرا کیے مان لی تھی۔

''اچھا جو بھی ہے۔'' شبنم نے ناک سکوڑی۔پھر اسٹیج پہ جاتے ماہر کو دیکھ کے جیسے بدمزہ ہوئی۔''ماہر بے کو بیساکھی کے ساتھ دیکھنے کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اب اس کے بغیر وہ ادھورا لگ رہا ہے۔'' اسے ماہر کا اپنے پیروں پہ چلنا پسند نہیں آیا تھا۔

بیربل بے اختیار نگاہ اٹھا کے اسٹیج کی طرف دیکھنے لگا جہاں وہ کھڑا تھا۔بیربل کے لاپرواہ حلیے کے برعکس وہ بہت دل سے تیار ہوا تھا۔سیاہ شرٹ' ویسٹ اور کوٹ پہنے' فرنٹ پاکٹ میں ایک ننھا سفید گلاب اٹکائے' بال جیل سے پیچھے کیے وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ سر جھکا کے مائیک میں کھنکھارا تھا۔مہمان پوری طرح سے اس طرف متوجہ ہوئے۔

''یک شام لار...'' (شام بخیر)۔اس نے آغاز کیا۔ہال میں خاموشی چھانے لگی۔یہ آج شام کی آخری تقریر تھی۔بیربل نے البتہ تقریر سے معذرت کرلی تھی۔اس سے اس سے زیادہ اداکاری نہیں ہوتی تھی۔

''کتنے افسوس کی بات ہے۔ماہر دو سال سے ہلال کو ڈھونڈ رہا تھا۔اور آخر میں سب بے کار گیا۔'' شبنم نے افسوس سے چچ کیا۔بیربل نے بمشکل تھوک نگلا۔

''ہوں۔'' اس نے چہرے پہ سوگواریت طاری کرنے کی کوشش کی۔شکر کہ شبنم اس طرف نہیں دیکھ رہی تھی ورنہ اس کو شک ہو جاتا۔

''تم لوگوں کو یقین ہے کہ وہ لاش اسی کی تھی؟'' سرگوشی پہ وہ چونکا۔عبدالمالک فرید اس کے ساتھ آ کھڑے ہوئے تھے۔ان کا سوٹ بھی سیاہ تھا۔ہاتھ جیبوں میں تھے اور پتھریلے چہرے پہ ایک غیر آرام دہ سا تاثر تھا۔

''ظاہر ہے اسی کی ہے۔'' بیربل سامنے دیکھنے لگا۔

''مجھے یقین نہیں ہے۔تمہیں قبر کی کھدوائی کروانی چاہیے تھی۔ڈی این اے کروانا تھا۔بے شک میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ وہ مرچکی ہوگی لیکن یہ سب کچھ shady سا لگ رہا ہے۔'' وہ بڑبڑائے۔بیربل نے گردن موڑ کے برہمی

سے انہیں دیکھا۔

''کیا چاہتے ہو تم؟ اس نے اتنی مشکل سے ہلال کے مرنے پہ یقین کیا ہے۔ تم اس کو واپس اسی اسکوائر وبن پہ لانا چاہتے ہو؟ اس کو موو آن کرنے دو مالک۔''

مالک کے ماتھے کی لکیریں ڈھیلی پڑیں۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب دونوں خاموشی سے اسٹیج پہ کھڑے ماہر کو دیکھنے لگے۔ وہ مائیک میں کہہ رہا تھا۔

''فیری ٹیلز میں کہتے تھے کہ ہر دیو کی جان ایک فاختہ میں بند ہوتی ہے۔'' وہ اداسی سے مسکرایا۔ ''میری جان ہلال میں بند تھی۔ وہ چلی گئی ہے تو اب زندگی میں کچھ بھی ویسا نہیں رہے گا۔'' اس نے اس میز کو دیکھا جہاں ہلال کا بڑا سا پورٹریٹ رکھا تھا۔

''ہلال جہاں بھی ہوگی، مجھے یقین ہے کہ وہ آرام سے ہوگی۔ ایک بہتر جگہ پہ۔ اس کی نینی اس کی ایسے ہی حفاظت کرے گی جیسے وہ دنیا میں کرتی تھی۔'' سوگواریت سے کہتے ہوئے وہ رکا۔ اور جیسے وضاحت کی۔ ''ہلال کی نینی بھی ہلال کے ساتھ کھو گئی تھی۔ اس کی لاش بھی نہیں مل سکی۔ امید ہے کہ وہ ہلال کے ساتھ ہوگی۔''

''نینی؟'' مالک فرید نے چونک کے بیربل کو دیکھا۔ ''کون سی نینی؟''

''ہلال کی نینی۔ جو ہر وقت ہلال کے ساتھ ہوتی تھی۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوگا؟ تم نے میری ماں کا ساتھ دینے سے انکار جو کر دیا تھا۔'' بیربل ایک دم بگڑ کے بولا۔ مالک خاموش ہو گئے اور سامنے دیکھنے لگے۔

''گزشتہ اکتوبر ہلال نے گیارہ سال کا ہونا تھا۔ میں اسے کچھ گفٹ کرنا چاہتا تھا۔ کچھ سرخ رنگ میں کیونکہ یہ اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔ اسی لیے میں کرتال میں جو عمارت بنانے جا رہا ہوں، وہ....'' وہ اٹکا۔ اس کی نگاہوں میں چونک جانے کا تاثر تھا۔ جیسے ہال کے سرے پہ کچھ دیکھا ہو۔

''وہ... وہ سرخ رنگ کی ہے۔'' ماہر فرید کی رنگت بدلی۔ ایک لمحے کے لیے تمام الفاظ گم ہو گئے۔ اگلے ہی لمحے وہ سنبھل گیا لیکن نگاہیں وہیں جمی تھیں۔

زارا جو توجہ سے ماہر کی تقریر سن رہی تھی، اس کے انداز پہ چونکی۔ تیزی سے گردن موڑ کے ماہر کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ ماہر نے ایسا کیا دیکھا تھا۔ وہ اب اپنی تقریر قدرے عجلت میں مکمل کرتا بار بار اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ داخلی دروازے کی طرف جہاں سے کوئی داخل ہوا تھا۔

زارا نے گردن اونچی کی۔ بہت سے مہمانوں کے سروں کے درمیان سے اسے بالآخر نووارد کا چہرہ دکھائی دیا۔

وہ داخلی دروازے کے قریب کھڑی تھی جیسے ابھی ابھی آئی ہو۔تمام مہمانوں کے برعکس اس نے ہائی ویسٹ خاکی پینٹ پہ کھلا سا سفید بلاؤز پہن رکھا تھا۔کندھوں پہ جینز کی نیلی جیکٹ تھی۔گردن میں پہنی چین میں پرویا بڑا سا صلیب سینے پہ جھول رہا تھا۔زارا پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھتی چند قدم آگے آئی۔یہاں تک کہ اس کا چہرہ واضح ہوا۔وہ ماہر کی سمت دیکھ رہی تھی۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔وہ زارا کی عمر کی ہوگی یا اس سے چند سال بڑی۔وہ اندازہ نہیں کر سکی۔اس کے سنہرے بال کندھوں تک کٹے ہوئے تھے۔سفید گلابی سا بیضوی چہرہ۔اور بڑی بڑی نیلی آنکھیں۔وہ ایک ہینڈ بیگ دونوں ہاتھوں میں سامنے کو پکڑے ہوئے تھی ایسے کہ وہ اس کے گھٹنوں کو چھو رہا تھا۔

''ہلال ہماری دعاؤں میں ہمیشہ رہے گی...'' ماہر جلدی جلدی بات سمیٹ رہا تھا۔اس کی نگاہیں اس نووارد عورت سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔اور چہرے پہ ایک ایسا تاثر تھا جو آج شام اسے پہلی دفعہ دکھائی دیا تھا۔

خوشگوار حیرت۔

اپنی تقریر مکمل کر کے وہ نیچے اترا۔مہمان تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔سب اس سے مل کے اس کو تسلی اور دعا دینا چاہتے تھے۔وہ عجلت میں سر کے خم سے تعزیت وصول کرتا تیزی سے ان کے درمیان سے گزرتا آگے بڑھ رہا تھا۔چند لوگ سامنے آ گئے۔نگاہ کا راستہ رک گیا۔وہ بے چینی سے معذرت کرتا آگے بڑھتا گیا۔

بالآخر وہ پھر سے دکھائی دی۔وہ وہیں کھڑی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ قریب آیا۔

''یاسمین....''

وہ چند قدم کے فاصلے پہ رک گیا۔

سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔مسکرانے سے اس کی آنکھوں کے گرد لکیریں سی پڑتی تھیں۔

''میں نے ٹوئیٹر پہ دیکھا تھا کہ آج یہاں ہلال کا میموریل ڈنر ہو رہا ہے۔میں یہاں ایک سیمینار میں آئی تھی۔سوچا ایک دفعہ تم سے مل لوں۔مجھے بہت افسوس ہوا ہے ہلال کا۔''

وہ صاف انگریزی بولتی تھی۔اس کا لہجہ امریکی تھا۔آنکھیں شفاف اور ماہر کے چہرے پہ جمی تھیں۔وہ گردن سیدھی رکھے کھڑی تھی۔اپنی جگہ سے ایک قدم نہ آگے ہوئی نہ پیچھے۔

''تھینک یو یاسمین۔مجھے اچھا لگا کہ تم آئی ہو۔''

''مگر تم نہیں آئے۔'' یاسمین نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''پچھلے مارچ سے تم نہیں آئے جب سے تم لاہور گئے تھے۔فون بھی نہیں کیا۔اب اگلا مارچ آپہنچا ہے۔'' نہ شکایت نہ جتانا۔وہ بس نرمی سے یاد دلا رہی تھی۔

اس نے مسکرا کے سر جھکا دیا۔

''لاہور گئے تھے تو کہا تھا فون کرتا رہوں گا۔لیکن نہیں کیا۔مجھ سے بھاگ رہے ہو ماہر؟''

ماہر نے سر اٹھایا۔پھر مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

''بھاگ کے کہاں جاؤں گا؟''

''یہی میں پوچھ رہی ہوں۔مجھ سے بھاگ کے کہاں جاؤ گے؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔پھر یاسمین کے لب حرکت کیے۔

''تم ٹھیک ہو؟'' ابرو اٹھا کے یقین دہانی چاہی۔

''ٹھیک ہوں۔'' ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تمہارے ایکسیڈنٹ کا بھی سنا تھا میں نے۔سوچا تم خود کال کرو گے۔مگر نہیں کی۔''

"تم کر لیتیں۔" اس کے انداز میں گلہ تھا۔

''میں کبھی کال نہیں کرتی 'ماہر۔کال کرنا تمہارا کام ہے۔'' وہ مسکرائی۔پھر گھڑی دیکھی۔''مجھے ابھی جانا ہے۔لیکن میں تمہاری کال کا انتظار کروں گی۔''

''ماہر....'' زارا سے مزید دور رہنا برداشت نہ ہوا۔وہ تیزی سے ان کے قریب آئی۔ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

وہ مسکرا رہا تھا۔

وہ ہلال کے میموریل ڈنر پہ مسکرا رہا تھا۔

''یہ....'' وہ تعارف کروانے لگا لیکن یاسمین نے الفاظ اچک لیے۔

''یہ یقیناً زارا ہے۔تمہاری کزن۔''

زارا نے کچھ کہا نہیں۔بس ماہر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہ یاسمین ہے۔'' اس نے تعارف مکمل کیا۔وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''میں چلتی ہوں لیکن....'' یاسمین نے ایک ہاتھ بیگ سے ہٹایا اور نرمی سے اس کی کہنی کو چھوا۔''مجھے کال کرنا۔''

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہیں کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

دروازے تک پہنچ کے وہ مڑی۔ پھر ہاتھ گال تک لے گئی۔ درمیانی تین انگلیاں موڑ کے فون کا اشارہ کیا اور بنا آواز کے ہونٹ ہلائے۔ (کال می۔)

ماہر نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ زارا مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ کون تھی؟''

''یاسمین۔'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ اب وہ چنگیز کی طرف جا رہا تھا۔ یاسمین کے جاتے ہی چہرے کے تاثرات واپس ویسے ہی ہو گئے تھے۔ روبوٹ کے جیسے۔

''یہ عورت کون تھی ماہر کے ساتھ؟''

زارا تیزی سے بیربل کے پاس گئی اور چھوٹتے ہی پوچھا۔ وہ جو شبنم سے کسی بات میں الجھا تھا' کندھے اچکا کے رہ گیا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ ماہر کی کوئی دوست ہو گی۔''

زارا نے شبنم کو دیکھا۔ اس نے بھی لاعلمی سے شانے اچکا کے نگاہیں چرا لیں۔ زارا نے اس کا نگاہیں چرانا غور سے دیکھا تھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ البتہ اس کا سارا موڈ برباد ہو چکا تھا۔

''کون ہو سکتی ہے؟''

''ماہر کی زندگی کے بہت سے پہلو ہیں' زارینہ خانم' جن سے ہم واقف نہیں ہیں۔ اس لیے میں تجسس نہیں رکھتا۔''

''کیا یہ وہی لڑکی ہے جس کے پیچھے وہ لاہور جاتا ہے؟''

''نہیں۔'' بیربل اور شبنم یک زبان ہو کے بولے۔ اور پھر ایک دم چپ ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سوال پوچھتی' وہ دونوں دائیں بائیں ہو گئے۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں کہ وہ کاغذ کا ٹکڑا کیا تھا؟''

چنگیز نے تعزیت کرنے کے بعد بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ماہر نے سوالیہ ابرو اچکائے۔

''کیسا ٹکڑا؟''

''سرخ کاغذ کا ٹکڑا جو تم نے مجھے فارنزک معائنے کے لیے دیا تھا اور جس پہ ہمیں کسی قسم کا ڈی این اے یا

فنگر پرنٹ نہیں ملا تھا۔" اس نے جتانے والے انداز میں یاد دلایا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ ہلال نہیں رہی۔ اب کچھ بھی اہم نہیں ہے۔" اس کا چہرہ پھر سے بے تاثر ہو گیا تھا۔ اسی پل بیربل قریب آ کے کھنکھارا۔

"یہ عورت کون تھی، ماہر؟"

"یاسمین۔" وہ موبائل نکال کے اسکرین پہ انگوٹھا چلا رہا تھا۔

"ہاں مگر کون تھی؟" بیربل کو بے چینی ہوئی۔

"یاسمین تھی۔" وہ موبائل دیکھتا آگے بڑھ گیا۔ بیربل نے مشکوک نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کے واپس اسی مقام تک آیا جہاں ناخوش سے مالک کھڑے تھے۔ اگر کوئی جانتا تھا تو وہ مالک تھا۔ وہ عموماً سب کچھ جانتا ہوتا تھا۔

"یہ سنہرے بالوں اور روسی خدوخال والی عورت کون تھی جو ابھی ماہر کے ساتھ کھڑی تھی؟"

مالک فرید نے ایک سنجیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔

"وہ یاسمین تھی۔"

اپنا اندازہ درست ہونے پہ بیربل کے ابرو استعجاب میں اٹھے۔

"کون یاسمین؟"

"وہ عورت جس کے لیے ماہر لندن چھوڑ کے استنبول آیا تھا۔"

بیربل فرید پلک جھپکنا بھول گیا۔

"ما... ماہر میرے لیے یہاں شفٹ ہوا تھا۔ میرے مشورے پر۔ تاکہ ہم بھائی ساتھ رہیں۔"

مالک فرید پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائے۔ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تھپکا۔ اور چہرہ اس کے کان کے قریب لے گئے۔

"کیا وہ ایسے آدمی کا مشورہ مان سکتا ہے جو کیک بناتا ہو؟" انداز محظوظ ہونے والا تھا۔ کہہ کے آگے بڑھ گئے اور بیربل کا چہرہ خفگی سے سرخ پڑنے لگا۔ غصے سے دور کھڑے ماہر کو دیکھا جو فون میں الجھا تھا۔

"قیامت کے دن ان روبوٹس کا الگ سے حساب ہوگا۔ ان شاءاللہ۔" پورے عزم سے خود کو یقین دلایا۔

وہ اسی طرح اپنے فون کی کانٹیکٹ لسٹ کھولے دیکھ رہا تھا۔

(مجھے کال کرنا۔) انگوٹھا ایک نام پہ ٹھہر گیا۔

Angel (فرشتہ)

لیکن اس نے کال کا بٹن نہیں دبایا۔ اس کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی۔ اس نے فون واپس جیب میں ڈال دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''مالدیپ کیسا تھا؟''

مبین منزل میں ڈائننگ ہال پہ انواع و اقسام کے کھانے چنے تھے۔ گفتگو کے ساتھ چمچ کانٹے چلانے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وسط میز پہ اونچا سا کینڈل اسٹینڈ رکھا تھا۔ اور ٹیبل رنر پہ ترتیب سے بہت سے پلیٹرز۔ سربراہی کرسی خالی تھی۔ اور وہ چاروں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ایسے کہ ماہی اور معید ایک طرف تھے اور مالا زیاد دوسری جانب۔

''بہت اچھا۔'' وہ مسکرا کے چاولوں میں چمچ چلاتے ہوئے بولی۔ اس نے لمبے بال آدھے باندھ رکھے تھے۔ ہلکے میک اپ اور کامدار لباس میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ ساتھ بیٹھا زیاد بھی کرتے شلوار میں ملبوس بہت پرسکون سا بیٹھا اپنی پلیٹ میں باربی کیو نکال رہا تھا۔

''آپ ابھی تک یہیں ہیں؟'' زیاد نے برائے بات پوچھا۔ ماہی نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''میرے سسرال میں دو شادیاں تھیں۔ اس لیے رک گئی۔ ورنہ عبادتو آپ کے مالدیپ جانے سے اگلے دن واپس چلا گیا تھا۔ حور اور میں اس ہفتے جائیں گے۔'' ایک گہری نگاہ زیاد پہ ڈالی جو عام سے انداز میں کھانا کھا رہا تھا۔ پھر ساتھ بیٹھے معید کی طرف دیکھا۔

''اور معید بھی منگل کو جا رہا ہے۔''

''کہاں؟'' زیاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''معید استنبول جا رہا ہے نا۔ ایک فیلوشپ کے لیے۔ چند ماہ بعد واپس آ جائے گا۔'' مالا بتانے لگی۔ ساتھ ہی اس نے پلیٹر اٹھا کے زیاد کی پلیٹ میں سیخ کباب ڈالنا چاہا۔ چوڑیوں والے ہاتھ چھنکے۔

''میں لے چکا ہوں، بیگم صاحبہ۔'' وہ مسکرا کے بولا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''تھوڑا سا اور لے لیں۔ آپ کو یہ پسند ہیں۔''

ماہی نے بہت غور سے ان دونوں کو دیکھا۔ اندر سر اٹھاتے خدشات نیچے بیٹھنے لگے۔ وہ ہر طرح سے اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ اس سے نرمی سے بات کر رہا تھا۔ کچھ تلخ قسم کے مرد شادی کے بعد بیویوں کے رنگ میں ڈھل ہی جاتے ہیں۔ وہ ایسے ہی ماہر فرید کی بات کو سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔

''استنبول پہلے کبھی گئے ہو؟'' زیاد نے نوالہ لیتے ہوئے معید کو مخاطب کیا جواب تک اپنے فون اور کھانے کے درمیان مصروف تھا۔ پکارے جانے پہ جلدی سے فون رکھا اور مسکرا کے بتانے لگا۔

''ایک دفعہ دوستوں کے ساتھ ٹرپ پہ گیا تھا۔''

''وہاں کوئی دوست وغیرہ ہے؟''

''نہیں۔ وہاں تو کسی کو نہیں جانتا۔''

ماہی کے لب ہلکے سے کھلے پھر بند ہو گئے۔ اس نے بغور مالا کا چہرہ دیکھا۔ وہ معید کی طرف دیکھتے ہوئے عام سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اپنی صحت کا خیال رکھنا۔ کھانے پینے کا۔ اور اکیلے ہی واپس آنا۔ لڑکی مت لے آنا ساتھ۔'' انداز میں نرم سی تنبیہہ تھی۔ ماہی نے آہستہ سے گلاس اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔ وہ شاید اسے بھول چکی تھی۔ اسے بھی بھلا دینا چاہیے۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' معید جھینپ کے مسکرا دیا۔ پھر ایک خیال سے چونکا۔

''ایک شخص کو جانتا ہوں میں استنبول میں۔'' ہاتھ اٹھا کے جیسے ان سب کو یاد دلایا۔

''کیف ہے نا۔''

لمحے بھر کے لیے ڈائننگ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ پھر زیاد نے الجھ کے مالا کو دیکھا۔

''کیف؟ تمہارا ڈرائیور؟''

کشمالہ مبین نے آہستہ سے چمچ پلیٹ میں رکھا۔

''جی۔ وہ ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ ایک امیر آدمی تھا جو غریب بنا ہوا تھا۔ لانگ اسٹوری۔'' اس کا انداز قدرے تلخ ہوا۔

زیاد نے چونک کے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔

''یعنی وہ فراڈ تھا؟ میں نے تمہیں کہا تھا نا وہ مشکوک لگا تھا۔''

''فراڈ نہیں تھا وہ۔'' ماہی ایک دم چیخ کے بولی۔ ''فراڈ وہ ہوتے ہیں جو غریب ہوتے ہوئے امارت کا ڈھونگ

رچاتے ہیں۔ مالا کو معلوم نہیں تھا لیکن وہ ماہر فرید ہے۔ میرا اور عباد کا فیملی فرینڈ۔ اور اس نے قطر میں کئی دفعہ میری مدد کی ہے۔''

''او کے۔ Cool۔'' زیاد نے دھیرے سے شانے اچکائے اور معید کی طرف متوجہ ہوا۔

''اپنی بہن کی بات یاد رکھنا۔ اکیلے ہی واپس آنا۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ معید پھر سے توبہ توبہ کرتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

کشمالہ نے واپس چمچ کانٹا اٹھالیا البتہ اس کے ہاتھ قدرے سست تھے۔ جیسے کسی خیال نے اس کے ذہن کو بھٹکا دیا تھا۔ ماہی نے بغور اس کو دیکھا' پھر کھنکھار کے زیاد کو مخاطب کیا۔

''ویسے آپ مالا کو مکہ جیسے شہر میں کیوں لے جا رہے ہیں؟''

''ہم مکہ شہر نہیں' مکہ صوبے میں منتقل ہو رہے ہیں۔ منطقہ مکہ۔ اس کا ایک شہر ہے مکہ المکرمہ جہاں خانہ کعبہ ہے۔ ہم اسی صوبے کے ایک دوسرے شہر جدہ میں رہیں گے۔''

''لیکن سعودی عرب ہی کیوں؟ کہیں اس لیے تو نہیں کہ وہاں آپ کی بیوی آپ کی مرضی کی پابند ہوتی ہے؟ وہ سعودی عرب چھوڑ کے نہیں جا سکتی جب تک آپ کے دستخط سے ری انٹری نہ لگ جائے؟''

مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ زیاد کو دیکھتے ہوئے بہت چبھتے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ معید بھی ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگا۔

زیاد کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اس نے دھیرے سے نیپکن رکھا اور جب بولا تو آواز ہموار تھی۔

''میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جن کو اپنی بیوی کو قید کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ مالا جہاں آنا جانا چاہے' وہ آزاد ہے۔'' پھر مسکرا کے اسے دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔ ساتھ ہی ایک گھورتی ہوئی نظر ماہی پہ ڈالی۔ ماہی جبراً مسکرائی اور شانے اچکائے۔

''میں تو مذاق کر رہی تھی۔''

''لیکن میں مذاق نہیں کر رہا۔ اور ہم مکہ اس لیے شفٹ ہو رہے ہیں کیونکہ وہاں اللہ کا گھر ہے۔ وہ بابرکت زمین ہے۔ وہاں جا کے شاید میں ایک نیک انسان بن جاؤں۔'' مسکرا کے سادگی سے بتایا اور پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

''نگینہ آنٹی کیسی ہیں؟ ابھی تک یہیں ہیں؟'' معید نے موضوع بدلا۔

''جی۔ ابو اور امی اب پاکستان میں رہیں گے۔ وہ دبئی نہیں جانا چاہتے۔ ویسے بھی امی کے ٹیسٹ رزلٹ بہتر

ہو رہے ہیں۔"

"ان شاءاللہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

بظاہر بات ختم ہو گئی لیکن ایک تناؤ سا تھا جو سارے ڈائننگ ہال کو اپنی لپیٹ میں لے گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

واپسی پہ زیاد ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی سر جھکائے موبائل پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ سڑک ویران تھی اور اندھیرے کی وجہ سے موبائل کی نیلی روشنی مالا کے چہرے پہ پڑھ رہی تھی۔ کندھوں کے گرد شال لپیٹے، وہ مسکارے والی آنکھیں فون پہ جھکائے ہوئے تھی۔ کانوں میں پہنے ٹاپس دمک رہے تھے۔

"ماہی قدرے negative سوچتی ہے۔" زیاد کھنکھارا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی نظریں سامنے سڑک پہ تھیں۔

"ارے نہیں۔ اس کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔ آپ کو اس کی جلد سمجھ آ جائے گی۔" اس نے بظاہر لہجہ ہلکا پھلکا رکھا۔ البتہ ایک بے چینی سی سر اٹھانے لگی۔

"تم نے مجھے کبھی کیف کے بارے میں تفصیل سے نہیں بتایا۔ بس اتنا کہا کہ وہ ناقابلِ اعتبار سا ہے۔"

"میں نے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ کیا جاننا چاہتے ہیں آپ؟" وہ آرام سے پوچھ رہی تھی۔

"اس نے اپنا نام غلط بتایا۔ یہ identity fraud کہلاتا ہے۔ ایسے آدمی سے معید کو دور رہنا چاہیے۔"

"معید اپنا اچھا برا سمجھتا ہے۔ ڈونٹ وری۔"

"ماہر فرید...." وہ سڑک کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "میں نے یہ نام پہلے بھی سن رکھا ہے کہیں۔" جیسے ذہن پہ زور دیا۔

"میں نے آپ کے گھر کورٹ کے کاغذات دیکھے تھے جن میں سبرینہ کے والدین نے ماہر فرید کے خلاف رسٹرینگ آڈر لیا تھا۔ آپ نے اس کا نام وہیں سنا ہوگا۔"

زیاد نے چونک کے اسے دیکھا۔ "اوہ یس۔ یہ وہی ماہر فرید ہے۔" بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ "لیکن وہ تو نفسیاتی مریض تھا۔ پاگل خانے میں داخل رہا تھا شاید۔ کیا وہ کیف تھا؟" وہ جیسے الجھ سا گیا تھا۔

کار کو وہی تناؤ اپنی لپیٹ میں لینے لگا تو مالا نے پہلو بدلا۔ زیاد کہہ رہا تھا۔

"وہ آدمی اتنا عرصہ تم لوگوں کے گھر میں رہتا رہا۔ ایسا آدمی انتہائی خطرناک...."

''سبرینہ کی ڈیتھ کیسے ہوئی تھی؟'' اور نتیجہ اس کی توقع کے مطابق تھا۔ زیاد سلطان ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پہ ایک سوگوار سا تاثر ابھرا۔

''کیا تم انڈر اسٹینڈ کرو گی اگر میں کہوں کہ میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا؟ یہ ایک تکلیف دہ ٹاپک ہے۔''

''شیور۔'' وہ مسکرا دی اور باہر دیکھنے لگی۔ پھر خیال آیا۔

''آنٹی کی دوا لینی تھی۔ آپ فارمیسی پہ رک کے لے سکیں گے؟''

فارمیسی کے باہر کار روک کے زیاد نے والٹ سے کارڈ نکالا اور باہر نکل گیا۔ مالا نے ایک نظر دونوں نشستوں کے درمیان رکھی اس کی چیزوں کو دیکھا۔ والٹ۔ موبائل۔ وہ سب یہیں چھوڑ گیا تھا۔

یونہی کچھ یاد آیا تھا۔ ایک دفعہ پہلے بھی اس نے کسی کے والٹ کی تلاشی لی تھی۔

(لیکن سعودی عرب ہی کیوں؟ کہیں اس لیے تو نہیں کہ وہاں آپ کی بیوی آپ کی مرضی کی پابند ہوتی ہے؟)

اس نے ایک نظر فارمیسی کے شیشے کے بند دروازوں کو دیکھا اور دوسری نظر والٹ پہ ڈالی۔

(اور وہ شوہر کی اجازت کے بغیر ملک نہیں چھوڑ سکتی؟)

اس نے فون اٹھا کے روشن کیا۔ وہ لاکڈ تھا۔ اس نے دھیرے سے والٹ اٹھایا۔ اور کھولا۔

اندر چند نوٹ رکھے تھے۔ زیاد کیش بہت کم رکھتا تھا۔ تین چار بینک کارڈز تھے۔ اور اس کے شناختی کارڈز۔

اُف مالا۔ کیا کر رہی ہو؟

خود کو کوستے ہوئے اس نے والٹ واپس رکھا۔ اور ہاتھ گود میں رکھ لیے۔ اسے زیاد پہ اعتبار کرنا چاہیے۔

ایک شخص کے دھوکے نے اسے ایسے damage کیا تھا کہ اسے لگتا تھا ہر انسان دھوکہ دے گا۔ لیکن زیاد ایسا نہیں ہے۔ وہ اس کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہے۔ اسے اس پہ شک نہیں کرنا چاہیے۔ ویسے بھی اب وہ آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں۔ مالدیپ جانے سے لے کر اب تک' ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ اسے زیاد کی محبت پہ اعتبار کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نگینہ بیگم تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ چہرہ نحیف اور وجود لاغر ہو چکا تھا۔ سفید دوپٹہ سر پہ تھا اور تسبیح کے دانے گراتے ہوئے لب ہلا رہی تھیں۔

''آپ واقعی جا رہے ہو زیاد؟'' وہ اب اداس نہیں تھیں۔ بلکہ عینک کے پیچھے سے زیاد کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ مالا کسی کام سے گھر سے باہر تھی اور وہ دونوں ان کے کمرے میں تنہا تھے۔

''امی مجھے مت روکیے گا۔ میں جانا چاہتا ہوں۔'' وہ ان کے قریب کرسی پہ آگے کو ہو کے بیٹھا' سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

نگینہ بیگم نے پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔ وہ اس کے آر پار جھانک سکتی تھیں۔

''یہ وہ پہلا راز نہیں ہے جو آپ نے مجھ سے رکھا ہے' بیٹا۔''

وہ ہلکا سا چونکا۔ وہ زخمی سا مسکرائیں۔

''کچھ عرصہ قبل تمہارے اوپر خون کے چھینٹے آتے تھے۔ کبیرہ بیگم کے جادو۔'' وہ مسکرائیں۔ ''اور تم مجھے بتاتے نہیں تھے۔''

''میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ پریشان ہوں۔''

''غلط۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ میں اپنی ساری توانائیاں کبیرہ پہ صرف کر دوں۔ اور آپ کا کام بھول جاؤں۔''

زیاد کے چہرے پر سایہ سا گزرا۔ اس نے آواز نیچی کی۔

''میں نے کہا تھا کہ آپ اپنی دعا اور دم سے اس کو میرا بنا دیں۔ اس کی ماں کے ساتھ کچھ کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔''

''اس کی ماں اگر اپنے حواس میں ہوتی تو یہ شادی کبھی نہ ہوتی' بیٹا۔'' وہ تنفر سے مسکرائیں۔

''اس کی ماں کے ساتھ جو ہوا' اس میں میرا قصور نہیں ہے' امی۔'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''میں جاننا بھی نہیں چاہتا کہ آپ نے وہ سب کیسے کیا۔''

وہ جواباً کچھ نہیں بولیں۔ بس اس کو دیکھے گئیں۔ زیاد نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''میں اور کشمالا مکہ جا رہے ہیں۔ وہاں اللہ کا گھر ہے۔ میں ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گا۔ مجھے بہت اچھی بیوی ملی ہے اور میں اس کی قدر کروں گا۔ ہم خوش رہیں گے۔''

''جیسے آپ کے ابو اور میں خوش ہیں۔'' ان کے انداز میں طنز تھا۔

"میں اور کشمالا' ابو اور آپ کے جیسے نہیں ہیں۔ نہ بنیں گے۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اور میں اپنے گناہ چھوڑ چکا ہوں۔ اسی لیے میں ''آپ'' کو چھوڑ رہا ہوں۔''

''اس پیسے کے بغیر رہ لو گے بیٹا' جو آپ کو میرے توسط سے ملتا ہے؟''

زیاد سلطان نے مٹھی بھینچ لی۔ جیسے بہت ضبط کیا ہو۔

''رہ لوں گا۔ مجھے آپ کے بھیجے گئے پیسے مزید نہیں چاہیے ہیں۔ میں حلال کی آمدن پہ کام شروع کروں گا۔ کشمالا اور میں گزارا کر لیں گے۔''

''جس عورت کے لیے آپ مجھے چھوڑ رہے ہو وہ ایک دن آپ کو چھوڑ دے گی۔'' وہ بنا پلک جھپکائے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھیں۔ لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

زیاد سلطان کو جیسے کسی نے الٹی چھری سے ذبح کر دیا۔ اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔

''وہ مجھے نہیں چھوڑے گی۔ وہ میری تاریک زندگی میں آئی روشنی کی کرن ہے۔ وہ نہ رہی تو میں بھی نہیں رہ سکوں گا۔ پلیز....'' اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ اس کے لہجے میں منت تھی۔ ''میں معافی مانگتا ہوں آپ سے سرکار۔ آپ کا دل دکھانے کے لیے۔ آپ کو چھوڑ کے جانے کے لیے۔ گناہ کی زندگی چھوڑنے کے لیے۔ لیکن پلیز کچھ ایسا نہ کریں جس سے میں رک جاؤں۔ ہمیں جانے دیں۔''

''ہونہہ۔'' نگینہ بیگم نے مسکرا کے سر جھٹکا اور اس کے ہاتھوں سے اپنا جھریوں زدہ ہاتھ علیحدہ کیا۔ پھر اسے زیاد کے سر پہ رکھا۔

''جیسے آپ کی خوشی' بیٹا۔''

زیاد نے چہرہ اٹھا کے انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ''وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی۔''

''اور اگر وہ اس کی زندگی میں واپس آ گیا؟''

الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ جو کسی نے اس کے کانوں میں انڈیلا تھا۔

زیاد دھیرے سے سیدھا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا ابھرا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔

''وہ اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ نہ پہلے۔ نہ اب۔ وہ اس کے لیے مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی۔ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نگینہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان کی انگلیاں تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں اور لب حرکت کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زارینہ فرید کے آفس کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ کام کرتے ہوئے گاہے بگاہے باہر نظر ڈالتی۔ اسے ہال میں کام کرتے افراد کے سر کیبن زسے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ سوچ کے وہ اٹھی اور کافی کا مگ ہاتھ میں لیے باہر نکل آئی۔ اس کا رخ شبنم کے ڈیسک کی جانب تھا۔

شبنم نے اس کے جوتوں کی آواز سنی لیکن بظاہر کام میں مصروف رہی' یہاں تک کہ زارینہ اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ایسے کہ اس کے ڈیسک پہ سایہ سا ہو گیا۔ تب اس نے چہرہ اٹھایا اور عینک کے پیچھے سے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''جی زارینہ جانم؟'' وہ کی بورڈ پہ انگلیاں جمائے ایسے پوچھ رہی تھی جیسے بس ایک لمحے کے لیے ٹائپنگ روکی ہو اور زارینہ جائے تو واپس شروع ہو جائے۔

''تم نے اس روز میرے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔'' زارا میز کے کونے پہ بیٹھی اور ٹانگیں ایک دوسرے پہ جما دیں۔ پھر کافی کا گھونٹ بھرا۔ شبنم نے ستائش سے اس کو دیکھا جو بنا کسی سہارے کے کمر سیدھی رکھے وہاں بیٹھی تھی۔ اس کا فگر پرفیکٹ تھا۔ جیسے کوئی خوبصورت مجسمہ ہو۔

''کون سا سوال؟'' البتہ پوچھا تو آواز کسی بھی قسم کی مرعوبیت سے پاک تھی۔

''وہ یاسمین نامی عورت کون تھی؟'' زارا کی تیز نظریں اس پہ جمی تھیں۔

شبنم نے گہری سانس لی۔

''آپ ماہر بے سے پوچھ لیں۔''

''شبنم جم....'' وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے اس کی طرف جھکی۔ اور ٹھک سے کافی کپ میز پہ رکھا۔ چند قطرے باہر کو چھلکے۔

''میں ماہر کی کزن ہوں اور تم ایک سیکرٹری ہو۔ اس اکانومی میں تمہارے لیے ایسی جاب بہت ضروری ہے جو تمہیں ڈالرز میں پے کرتی ہو۔ لیکن میرے کہنے پہ ماہر تمہیں ایک منٹ میں دروازہ دکھا سکتا ہے۔ ایک منٹ میں۔'' لمبے ناخنوں والے ہاتھ سے چٹکی بجا کے دکھائی۔

''آپ ان کی کزن ہیں۔ ان سے خود پوچھ سکتی ہیں۔ میں سیکرٹری ہوں۔ ان کی باتیں میرے پاس امانت ہوتی ہیں۔ خیانت نہیں کر سکتی۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ واپس سیدھی ہوئی اور مسکرا کے کھڑی ہوگئی۔

اس کی مسکراہٹ میں کچھ تھا جو شبنم کو غیر آرام دہ کر گیا۔ اس نے پہلو بدلا۔ زارا اب اپنے آفس کی طرف جا رہی تھی۔ شبنم سر جھٹک کے کام کرنے لگی۔ زارا اس کا کیا بگاڑ لے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم کبھی مجھے چھوڑ کے تو نہیں چلی جاؤ گی؟''

وہ جہاز کی کھڑکی سے باہر پھیلے بادل دیکھ رہی تھی۔ سفید کاٹن کینڈی جیسے بادل جو چھوتے ہی ہتھیلی پہ گھل جائیں۔ اس کے سوال پہ وہ چونکی۔ چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ زیادہ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے' اداسی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس کے انداز میں بچوں کی سی بے بسی تھی۔ خوف تھا۔ امید تھی۔

مالا مسکرا دی۔

''یہ کیسا سوال ہے؟"

"بتاؤ نا۔ تم مجھے چھوڑو گی تو نہیں؟''

''میں اتنی آسانی سے کسی کو نہیں چھوڑتی۔ نہ میں دشمن بناتی ہوں۔ لیکن اگر بنالوں' تو پھر اس دشمنی کو آخری حد تک پہنچاتی ہوں۔''

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''یعنی تمہیں ناراض کرنا بھی مشکل ہے اور منانا بھی۔ ویسے کس بات پہ تم دوستی کو دشمنی میں بدلتی ہو؟''

''آپ جان جائیں گے۔'' وہ مسکرا کے باہر دیکھنے لگی۔ اس نے کس کے اونچی پونی باندھ رکھی تھی جو چہرہ موڑنے سے دائیں بائیں جھولتی تھی۔

''تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''آپ کا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''یہی کہ میری ایک بیوی ہو۔'' مسکرا کے محبت سے اسے دیکھا۔ ''ایسی بیوی جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ جس کے آنے سے میری زندگی بدل جائے۔ اور میں ایک اچھا انسان بن جاؤں۔ یہ میرا سب سے بڑا خواب ہے۔ اور تمہارا؟''

وہ مسکرا دی۔ اسے سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔

''یہی کہ میں دنیا بھر کا سفر کروں۔ایک بیک پیک ہو کندھے پہ۔ نہ کوئی کام ہو نہ کوئی فکر۔ میں جو گرز کے تسمے کسوں اور اپنے قدموں پہ چلتے ہوئے دنیا کو ایکسپلور کروں۔ایک ملک سے دوسرے ملک۔'' وہ باہر پھیلے روئی کے گالوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''پھر کسی خوبصورت مقام پہ پہنچوں تو کندھے سے بیک پیک اتاروں' وہاں اپنا ایزل کینوس سیٹ کروں۔اور ساتھ گرما گرم کافی مل جائے۔پھر میں وہیں بیٹھ کے ڈھلتے سورج کے ساتھ اس منظر کو پینٹ کروں۔وہ منظر کوئی بھی ہو سکتا ہے۔کوئی پر رونق اسٹریٹ۔کسی پہاڑ کی چوٹی۔بس مجھے دنیا گھومنے کا شوق ہے۔ نئے نئے شہر دیکھنے کا۔'' اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔اور ایک لٹ پونی سے نکل کے گال کو چھو رہی تھی۔اسے یاد آیا کہ کیسے وہ ایک آدمی کا رشتہ صرف اس لیے قبول کرنے کو تیار تھی کہ وہ بہت سے ملکوں کا سفر کرتا ہے۔حالانکہ وہ ایسا گھنیا آدمی تھا جس نے اس کے چہرے کے دانوں کو نشانہ بنایا تھا۔ایسے آدمی کے ساتھ تو وہ ایک منٹ نہ رہ سکتی۔کجا کہ دنیا گھومنا۔

وہ مسکرا کے باہر دیکھنے لگی۔اسے دنیا گھومنے کا شوق تھا اور سعودیہ سے وہ سفر شروع ہو رہا تھا۔اس کے ساتھ اس کا شوہر تھا جو اس کا من پسند تھا۔اور وہ اپنے شوہر کی محبت تھی۔وہ خود مختار تھی۔زندگی کے تمام ٹرامازپیچھے کہیں رہ گئے تھے۔وہ بالآخر ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی تھی جو....

''ویسے تمہارے چہرے پہ پمپل نکل رہے ہیں۔'' اس کی آواز نے کشمالہ مبین کے خیالوں کا ارتکاز توڑا۔

اس نے چونک کے زیادکو دیکھا۔پھر سامنے سیٹ کی پشت سے لگی بجھی ہوئی اسکرین کو جس میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔دائیں گال پہ ننھے ننھے سے دو دانے نئے نکلے ہوئے تھے۔

اس کی رنگت میں کچھ بدلا تھا جو زیاد ایک دم سنبھلا۔

''سوری میرا مطلب تمہارا دل دکھانا نہیں تھا۔میں اس لیے بتا رہا ہوں تا کہ تم ان کو ٹریٹ کر لو اور یہ بڑھ نہ جائیں۔کیونکہ یہ تمہارا کمپلیکس رہے ہیں۔اگر یہ دوبارہ نکل آئے تو تمہاری شخصیت ڈینج ہو جائے گی۔'' اس نے سادگی سے کہتے ہوئے ایک میگزین اٹھالیا۔

''دانے تو نکلتے رہتے ہیں۔میں ان سے پریشان نہیں ہوتی۔'' لیکن اس کی آواز کمزور تھی۔اس میں خوف کا عنصر غالب تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔بس تم میری اصلاح کرتی رہنا۔جہاں میں غلط ہوں مجھے محبت سے بدلنے کی کوشش کرنا۔میری تلخ کلامی کی عادت تمہاری محبت سے دور ہو جائے گی۔کیونکہ محبت ہی انسان کو

heal کرتی ہے۔"

وہ دھیرے سے مسکرا دی لیکن اس دفعہ اس کی مسکراہٹ قدرے پھیکی تھی۔اس نے پھر سے سیاہ اسکرین میں اپنا عکس دیکھا۔ایک خوف سا حلق میں گرہیں لگانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شبنم اپنے ڈیسک پہ بیٹھی کی بورڈ پہ کھٹا کھٹ ٹائپ کر رہی تھی جب انٹر کام بجا۔

"اندر آؤ۔" ماہر کی رکھائی بھری آواز سنائی دی۔وہ چونکی۔اسے ماہر کی روزمرہ کی ڈانٹ اور اصل ڈانٹ کا فرق معلوم تھا۔اس نے ایسا کیا کیا تھا؟وہ الجھتی ہوئی کھڑی ہوئی۔اور ذہن میں آج کے کرنے کے تمام کاموں کی فہرست کو دہراتے ہوئے کانفرنس روم کے دروازے تک آئی۔دروازہ کھولا تو ٹھٹھک گئی۔

زارا اس کے ساتھ کانفرنس ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔شبنم کا ماتھا ٹھنکا۔

"شبنم... تم نے مجھے وہ اسکیچز کیوں نہیں دکھائے جو زارا نے تمہیں دیے تھے؟"

"کون سے اسکیچز؟"

"تمہاری یادداشت کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟وہی اسکیچز جو ہمارے سینئر associates نے میرے فیڈ بیک کے لیے زارا کو بھیجے تھے۔زارا نے تمہیں یہ اسکیچز تین دن پہلے دیے تھے۔" بگڑے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ایک فائل سامنے پٹخی۔"آج میرے پوچھنے پہ زارا ان کو دوبارہ پرنٹ کر کے لائی ہے کیونکہ تم مجھے بھول گئی تھیں۔"

شبنم نے چونک کے زارا کو دیکھا۔

"مگر زارا حانم نے...."

"اٹس اوکے ماہر۔شاید میں اسے ای میل کرنا بھول گئی ہوں گی۔" وہ ایک دم ہمدردی سے بولی جیسے اس کے ڈانٹنے پہ پریشان ہو گئی ہو۔اور اب اسے ڈانٹ سے بچانا چاہتی ہو۔

"تم کیسے بھول سکتی ہو؟تم آج تک کچھ بھولی ہو؟" وہ الٹا اس پہ خفا ہوا۔پھر شبنم کو گھور کے دیکھا۔"کیا میں نہیں جانتا شبنم کو؟باتیں کروا لو بس۔نقصان تو میرا ہو رہا ہے نا۔یہ تمہاری دوسری اسٹرائک ہے۔تیسری پہ تم جانتی ہو کہ دروازہ کس طرف ہوتا ہے۔"

"سوری سر۔غلطی میری ہے۔زارینہ حانم نے مجھے بتایا تھا۔میں ہی بھول گئی۔" اس نے سر جھکا کے کہا۔چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔پھر ایک خاموش مگر ملامتی نظر زارا پہ ڈالی اور چپ چاپ وہاں سے چلی آئی۔

چند گھنٹے گزرے اور کھڑکیوں کے باہر پھیلے استنبول پہ شام اتر آئی تو زارا کے دروازے پہ دستک ہوئی۔ اس نے لیپ ٹاپ سے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ پھر چوکھٹ میں کھڑی شبنم کو دیکھ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ زارا نے پیچھے کو ٹیک لگا لی اور اسے آنے کا اشارہ کیا۔

''اس کا نام یاسمین ہے۔ وہ ہاف امریکن' ہاف روسی ہے۔'' وہ قدم قدم چلتی سامنے آئی تو چہرے پہ ندامت تھی۔ اور دل پہ بوجھ۔

''رسکی۔ (روسی)۔ بہت دلچسپ۔ آگے؟'' زارا باہم انگلیاں پھنسائے' کرسی کو ہلکا ہلکا سا دائیں بائیں جھلا رہی تھی۔

''میں نہیں جانتی وہ ان کی کیا لگتی ہے۔ لیکن پچھلے سال مارچ سے اب تک وہ اس سے نہیں ملے۔ یعنی جب سے وہ لاہور گئے ہیں۔''

''پہلے کتنا ملتا تھا اس سے؟''

''ہر جمعے کو۔''

''ہر جمعے کو؟'' زارا نے استعجاب سے ابرو اٹھائے۔ شبنم نے سر اثبات میں ہلایا۔

''ہر جمعے کی شام وہ اپنا سارا شیڈیول خالی کر دیتے تھے۔ ڈرائیور کو بھیج کے خود ڈرائیو کر کے اس سے ملنے جاتے تھے۔''

''فرائیڈے نائٹ ڈنر۔'' زارا کے چہرے پہ تکلیف ابھری۔ ''کس ریستوران میں ریزرویشن کرواتا تھا؟''

''ریزرویشن کبھی نہیں کروائی۔ میں نہیں جانتی وہ اس سے کہاں ملتے ہیں۔ لیکن وہ موبائل بھی چھوڑ کے جاتے تھے تاکہ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔ اور....'' وہ اٹکی۔ ''وہ ہمیشہ یاسمین سے ملنے سے پہلے لباس تبدیل کرتے تھے۔''

''لباس؟ کیوں؟'' زارا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''معلوم نہیں۔ سوٹ کی جگہ casual جینز شرٹ اور جوگرز پہنتے تھے۔ اور....'' اس نے تھوک نگلا۔ ''وہ بہت سا کیش ساتھ لے کر جاتے تھے۔''

''کیش؟ کتنا کیش؟'' زارا تیزی سے سیدھی ہوئی۔

''تقریباً تین سو ڈالرز۔''

زارا فرید کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

''وہ ہر ہفتے اس عورت پہ تین سو ڈالرز خرچ کرتا ہے؟ ناممکن۔ ماہر کسی پہ خرچ نہیں کرتا۔ وہ کسی عورت کو ہر ہفتے تین سو ڈالر کی شاپنگ نہیں کروا سکتا۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ جو معلوم ہے وہ بتا رہی ہوں۔''

زارا کے چہرے پہ کئی رنگ آجا رہے تھے۔

''اس کا پورا نام کیا ہے؟'' وہ بہت اچھی تھی لوگوں کے بارے میں معلوم کروانے میں۔ وہ اس عورت کو کھوج نکالے گی۔

''میں نہیں جانتی۔'' شبنم نے سر جھکا دیا۔ انداز میں ندامت تھی۔

زارا نے سینے میں دبی سانس خارج کی۔

''تھینک یو شبنم۔ تم جاؤ۔'' انداز میں نرمی تھی۔ وہ سر جھکا کے واپس مڑ گئی۔

وہ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی رہی۔ لیپ ٹاپ کی بجھی اسکرین میں اس کو اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ بظاہر اس کے بل دار بال بہت نفاست سے بلو ڈرائی کر کے کندھوں پہ سیٹ کیے گئے تھے۔ لیکن وہ دیکھ سکتی تھی کہ چند ایک بال جڑوں سے سفید ہو رہے تھے۔

پھر اس نے موبائل اٹھایا اور بابا کے نام کو دبایا۔ دوسری طرف گھنٹی جانے لگی۔

''بابا....'' اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔

''میں تھک گئی ہوں۔ واپس آنا چاہتی ہوں۔ کیا فرید ہولڈنگ میں میرے لیے جگہ ہوگی؟''

ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کے گرا اور چہرے پہ لڑھک گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مکہ سعودی عرب کا ایک بہت وسیع و عریض صوبہ تھا جس کو منطقہ مکہ کہتے تھے۔ اس کا capital شہر مکہ المکرمہ تھا جو خانہ کعبہ یعنی مسجد الحرام کی وجہ سے تمام مسلمانوں کے لیے ایک الگ مقام رکھتا تھا۔ منطقہ مکہ کا دوسرا اہم شہر جدہ تھا جو اس ملک کا کمرشل سینٹر تھا۔ اس پورے علاقے کو حجاز بھی کہا جاتا تھا۔

جدہ، حجاز کا ایک نسبتاً ماڈرن شہر تھا جو اپنی خوبصورت مساجد، بوتیک کیفے ز اور واٹر فرنٹس کے لیے جانا جاتا تھا۔ یہاں اکثریت غیر ملکیوں کی تھی۔

وہ ایک اونچی اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی جس کے ایک کارنر اپارٹمنٹ میں اس وقت ہماری کہانی تمہیں لے کر جا رہی ہے۔ ایک کھلی کھڑکی سے جھانکو تو باہر کی گرم ہوا کے نسبت اندر اے سی کی ٹھنڈک تھی۔ اپارٹمنٹ خالی خالی سا تھا۔ کھڑکیوں کے آگے پردے یا بلائنڈز نہ تھے۔ فریج اور الیکٹرونکس موجود تھیں اور تھوڑا بہت فرنیچر بھی۔ باقی بہت کچھ باکسز میں پیک تھا۔ کچھ بیگز کھلے رکھے تھے۔ باکسز کو دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ ان میں موجود سامان ابھی اسی شہر سے خریدا گیا ہے جبکہ بیگز والا سامان پاکستان سے آیا تھا۔

''اس قیمت پہ ایسا اپارٹمنٹ ہمیں پورے جدہ میں نہ ملتا۔ اچھی جگہ ڈھونڈی ہے تم نے۔'' زیاد لونگ روم کی گلاس وال کے سامنے کرسی ڈالے بیٹھا' عینک لگائے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ دفعتاً ہاتھ روک کے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا جو کچن کاؤنٹر ٹاپ پہ ایک باکس رکھ رہی تھی۔

''صرف تعریف مت کریں۔ میرے ساتھ کام بھی کروائیں۔'' وہ بالوں کی اونچی پونی باندھے' ٹراؤزر پہ کھلی ٹی شرٹ پہنے کام میں مصروف دکھائی دے رہی تھی۔ رخسار کے دانے قریباً غائب ہو چکے تھے۔

''یہ عورتوں کے کرنے کے کام ہیں۔'' وہ مسکرا کے لیپ ٹاپ پہ جھک گیا۔

''یہ میاں بیوی کے ساتھ کرنے کے کام ہوتے ہیں۔'' خفگی سے اونچی آواز میں کہا تو زیاد نے گہری سانس لے کر لیپ ٹاپ رکھ دیا۔ پھر قدم قدم چلتا کچن تک آیا۔

''بتائے بیگم صاحبہ کیا کام ہے آپ کو۔'' مالا نے پلٹ کے دیکھا۔ وہ ہارمان کے آکھڑا ہوا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''میرے ساتھ کچن کی سیٹنگ کروائیں۔'' پھر اسے کچھ یاد آیا۔

''آج ہم نے اپارٹمنٹ کا اگلے چھے ماہ کا کرایہ جمع کروانا تھا۔'' انہوں نے اپارٹمنٹ سیکیورٹی اور ایک ماہ کا کرایہ ادا کر دیا تھا۔ مزید کے لیے زیاد نے وقت مانگ لیا تھا۔

''ہاں میں ارینج کر لوں گا۔''

زیاد کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔ وہ پھیکا سا مسکرایا۔

باکس سے ببل ریپ میں لپٹے برتن نکالتے ہوئے مالا نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''میرے پاس میری سیونگز ہیں۔ ڈالرز۔ ڈائمنڈز۔ ہم اس میں سے....''

''نہیں کشمالہ۔'' اس نے سختی سے روک دیا۔ ''میں گھر کا مرد ہوں۔ یہ میرے کرنے کے کام ہیں۔ میں کرایہ پے کر دوں گا۔''

''میاں بیوی کا پیسہ سانجھا ہوتا ہے۔ بعد میں آپ مجھے واپس کر دینا۔''

''نہیں۔ میں ان مردوں میں سے نہیں بننا چاہتا جو بیویوں سے پیسے لیتے ہیں۔'' نرمی سے مسکرا کے بولا اور اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ وہ بیل ریپ میں لپٹے برتن کاؤنٹر ٹاپ پہ رکھ رہی تھی۔ وہ ایک ایک کے بیل ریپ احتیاط سے اتارنے لگا۔

''پتہ ہے ماں کہتی تھیں کہ برتن کے اوپر....'' مالا مسکراتے ہوئے اسے کوئی پرانی بات بتا رہی تھی۔ آخر میں وہ خود سے ہنس دی۔ جب وہ ہنسی تو وہ محویت سے اسے دیکھے گیا۔ وہ ہنستے ہوئے سر جھکا کے لبوں پہ مٹھی رکھتی تھی۔ یہ اس کا اپنا ایک انداز تھا۔

''تم کتنی اچھی ہو کشمالہ...'' اس کی آواز میں یاسیت تھی۔ ''مجھے لگتا ہے میں تمہارے قابل نہیں تھا۔ ابھی تک میں نے تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔''

''ایسے کیوں کہہ رہے ہیں؟'' اس نے حیرت سے زیاد کو دیکھا۔ پھر سنک تک آئی اور نل کھولا۔

زیاد نے بے چارگی سے کندھے اچکائے۔

''مجھے ماہی کی بات یاد آ رہی ہے۔ میں تمہیں تمہارے گھر والوں سے دور لے آیا ہوں۔ ایسے بیابان میں جہاں تمہارا کوئی رشتے دار' کوئی دوست نہیں ہے۔ تم میری مرضی کے بنا اس ملک سے نکل نہیں سکتیں۔ تمہیں اپنا آپ میرے ساتھ قید تو محسوس نہیں ہوتا؟''

وہ جیسے پریشان تھا۔ نادم تھا۔ بہت سا گلٹ تھا جو بار بار کندھوں پہ حاوی ہونے لگتا تھا۔

''نہیں زیاد۔ ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ نرمی سے کہتے ہوئے نل کی دھار سے بوتل دھو رہی تھی۔

''یعنی تمہیں میری نیت پہ شک نہیں ہے کہ میں جان بوجھ کے تمہیں ایسی جگہ لے آیا ہوں جہاں تمہارا اپنا کوئی بھی نہیں ہے۔''

''یہ سچ نہیں ہے۔''

''کیا؟ کہ تمہیں میری نیت پہ شک نہیں ہے؟'' بغور اسے دیکھ کے اپنا سوال دہرایا۔ مالا دھیرے سے ہنس دی۔

''نہیں۔ یہ سچ نہیں ہے کہ یہاں کوئی میرا اپنا نہیں ہے۔''

زیاد جو فریج کی طرف بڑھ رہا تھا' ایک دم ٹھہر گیا۔ قدم پتھر ہو گئے۔ ساری دنیا ٹھہر گئی۔ اس نے پلٹ کے اسے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟ اس ملک میں تمہارا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔''

''رشتے دار نہیں ہے لیکن جیسے طوطی خان کہتا تھا....'' وہ یاد کر کے ہنسی۔ ''ابھی دنیا کا ایسا کوئی شہر نہیں بنا جہاں مالا باجی کا کوئی دوست نہ نکل آئے۔''

''دوست؟'' اس کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ ''تم... تمہارے یہاں دوست ہیں؟''

''مالا کے دوست ہر جگہ ہوتے ہیں کیونکہ میں دوستوں کو ناراض نہیں کرتی اور دشمن نہیں بناتی۔ یہ پلیٹ پکڑائیں۔'' مسکرا کے کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ زیاد نے سست روی سے پلیٹ اسے تھمائی۔

''جدہ میں میری ایک بہت اچھی فرینڈ رہتی ہے۔'' اب وہ تمام پلیٹس ریک میں سیٹ کر رہی تھی۔ زیاد جبراً مسکرایا۔

''تم نے پہلے نہیں بتایا؟''

''نہیں بتایا؟ بھول گیا ہوگا۔''

''خیر.. تمہیں کہاں وقت ملے گا اس کے پاس جانے کا۔ یہاں فاصلے ہی اتنے ہیں۔'' اس نے جیسے مالا سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

''ارے یہی تو مزے کی بات ہے۔ میں نے اس اپارٹمنٹ کا انتخاب اسی کے کہنے پہ کیا تھا کیونکہ وہ اسی بلڈنگ میں رہتی ہے۔ میں جب چاہوں اس سے مل سکتی ہوں۔ اس کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی ہے اور آپ مصروف ہوں تو ہم باہر بھی جا سکتے ہیں۔'' اس نے مسکراہٹ دبا کے زیاد کا چہرہ دیکھا۔ ''آپ جیلس ہو رہے ہیں نا؟''

''ارے نہیں۔'' وہ پھیکا سا ہنس دیا۔

''کرایہ یاد سے جمع کروا دینا۔''

زیاد نے ہوں کر کے سر ہلا دیا۔ اس کا ذہن الجھا ہوا سا تھا۔ اس نے موبائل نکالا اور امی کے نمبر پہ ہاتھ رکھا۔ اسے پیسے چاہیے تھے۔ لیکن کیا وہ سرکار سے مزید پیسے لینا افورڈ کر سکتا تھا؟

ہرگز نہیں۔

''اس ویک اینڈ پہ ہم عمرہ کرنے چلیں گے زیاد۔'' وہ کچن سے آتی دکھائی دے رہی تھی۔ زیاد نے ابھی تک عمرے کی ہمت نہیں کی تھی۔ وہ اسے ٹالے جا رہا تھا۔ اس بات پہ بس سر ہلا دیا۔

وہ مصنوعی آتش دان تک آئی اور ایک چھوٹا سا باکس اس کے اوپر رکھا۔ یہ ماہی کا آخری گفٹ تھا جو اس نے

شادی سے پہلے مالا کو دیا تھا۔وہ ماہی کے سارے گفٹ کھول چکی تھی۔سوائے اس ایک کے۔

اس نے ٹیپ اتاری اور وہ نفیس سا سیاہ سفید باکس کھولا۔پھر اندر موجود شے نکالی۔

وہ Jo Malone کی ایک scented کینڈل تھی جو شیشے کے جار میں قید تھی۔English Peer & Freesia کا فلیور اوپر درج تھا۔اس نے سلور ڈھکن اٹھایا اور سفید موم کو سونگھا۔اسے scented کینڈلز کا اتنا تجربہ نہ تھا۔بہر حال خوشبو اچھی تھی۔وہ ڈھکن واپس بند کرنے والی تھی جس پہ کچھ نظر آیا۔

ایک چھوٹا سا اسٹکی نوٹ ڈھکن کے اندر کی طرف لگا تھا۔

"Burn it when you feel alone."

M-

اس نے پتلیاں سکوڑ کے اس تحریر کو پڑھا۔کیا یہ ماہی کی لکھائی تھی؟ لیکن اسے یاد نہ آیا۔سیل فون کے دور میں وہ ایک دوسرے کو تحریری نوٹ کم ہی لکھتے تھے۔خیر۔وہ مزید کچھ سوچتی لیکن تب اسے احساس ہوا کہ کینڈل کے تینوں دھاگے سیاہ ہیں۔ماہی نے اسے یقیناً ایک دفعہ جلایا تھا۔اتنی مہنگی کینڈل کا تحفہ لے ہی لیا تھا تو اسے جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ ماہی شاید اس کی خوشبو ٹیسٹ کرنا چاہ رہی ہوگی۔اس نے مسکرا کے اس کا ڈھکن بند کیا۔اور اسے آتش دان پہ سجا دیا۔

فی الحال وہ تنہا نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔خلافِ معمول اس نے کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ نہیں لٹکا رکھا تھا۔بلکہ اسے پہنے ہوئے تھا۔آج میز پہ کوئی کھلا لیپ ٹاپ' کوئی فائلز وغیرہ دکھائی نہ دیتی تھیں۔وہ کبھی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتا۔کبھی دروازے کو۔پھر اضطرابی انداز میں انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیتا۔

دفعتاً دروازہ دستک کے ساتھ کھلا۔وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔اگلے ہی لمحے اس کا جوش ماند پڑ گیا۔

بیربل فرید اندر داخل ہو رہا تھا۔

"ہیلو برادر۔" ایک کان میں بالی' کلائیوں میں بینڈز اور گھٹنوں سے پھٹی ہوئی جینز پہ جیکٹ پہنے' وہ چیونگم چباتے ہوئے مسکرا کے آگے آیا اور کرسی کھینچی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ بے زاری سے واپس بیٹھا۔

''اپنے بھائی کی محبت میں اس سے ملنے آیا ہوں۔''

ماہر نے زور دار آواز سے دراز کھولا اور محبت نامی چیک بک نکال کے سامنے رکھی۔تیزی سے ایک رقم گھسیڑی' دستخط کیےاور شڑپ سے چیک کاٹ کے اس کی طرف بڑھایا۔

''اب جاؤ۔''

''وائی بے... آج مجھے بھائی کی محبت اتنی آسانی سے کیسے مل گئی؟'' چیک تھامتے ہوئے وہ حیران ہوا۔پھر ایک دم چونکا۔پہلے ماہر کو دیکھا۔اور پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دروازے کو۔

''تم کسی کا انتظار کر رہے تھے؟''

''ایک میٹنگ ہے میری۔'' بیر بل نے چیک کو چوما' پھر اسے تبرک کی طرح طے کر کے جیب میں رکھا۔پھر پیچھے کو ٹیک لگائی اور مسکرا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

''کسی لڑکی نے آنا ہے نا؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''اپنے پیروں پہ جاؤ گے یا سیکیورٹی بلواؤں؟''

''کون ہے وہ؟'' اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔اس کے انداز سے نہیں لگتا تھا کہ اس کا اٹھنے کا کوئی ارادہ ہے۔اسی پل انٹر کام بجا۔ماہر نے تیزی سے اسے کان سے لگایا۔پھر ''انہیں بھیجو'' کہہ کے ریسیور رکھا۔

''کون ہے یار؟'' بیر بل کی آنکھیں تجسس سے چمک رہی تھیں۔

''کبیرہ سادان۔''

بیر بل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ماتھے پہ بل پڑے۔

''وہ یہاں کیا کر رہی ہے؟''

ماہر نے گہری سانس لی اور دھیرے سے کندھے اچکائے۔

''اس کو ایک کاسمیٹک سرجن کی اپائنٹمنٹ چاہیے تھی جس کے لیے ایک سال کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔میں نے اسے وہ اپائنٹمنٹ ایک ماہ میں دلوادی۔وہ اپنے پروسیجر کے لیے آئی تھی اور وعدے کے مطابق پروسیجر کروا کے اس نے مجھ سے ملنا تھا۔'' ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔دروازہ اسی پل کھلا اور کبیرہ سادان اندر داخل ہوئیں۔

''ہیلو ماہر۔'' وہ مسکرا کے بولیں۔بیر بل نے بیٹھے بیٹھے گردن موڑی۔

سیاہ جمپ سوٹ پہ لمبا اونٹ کے رنگ کا کوٹ پہنے' سن گلاسز ماتھے پہ چڑھائے' کبیرہ بیگم ان کے سامنے کھڑی

تھیں۔انہوں نے میک اپ نہیں کر رکھا تھا۔اور ان کے چہرے پہ کچھ مختلف تھا۔ایک نظر میں بیربل اندازہ نہیں کر سکا۔

''تھینک یو تمہاری مدد کے لیے۔''وہ مسکرا کے سامنے آئیں اور کرسی پہ بیٹھیں۔کوٹ نہیں اتارا حالانکہ آفس اندر سے کافی گرم تھا۔

''ویلکم۔''ماہر نے سر کو خم دیا۔''اس ملک نے ایک ہی چیز میں ترقی کی ہے اور وہ ہے کاسمیٹک سرجری۔کیا لیں گی آپ؟''اس نے بیٹھے ہوئے انٹر کام اٹھایا۔اس دوران بیربل پتلیاں سکوڑے مشکوک نظروں سے کبیرہ بیگم کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ان کا خوبصورت گورا چہرہ بے داغ تھا۔کیا مختلف تھا اس میں؟

''میں صرف اس لیے آئی ہوں کیونکہ تم نے میری بات کا اعتبار کیا تھا۔اب بتاؤ۔کیا پوچھنا چاہتے تھے تم عالیان کے بارے میں؟''وہ اپنی چمک دار آنکھوں کو چھوٹا کر کے ماہر کو دیکھ رہی تھیں۔بیربل کو انہوں نے جیسے دیکھا ہی نہیں تھا۔

''کیسے ڈیتھ ہوئی تھی عالیان کی؟''

''آگ سے۔کسی نے اسے جلا دیا تھا۔وہ چند دن ہسپتال میں داخل رہا۔پھر اس کی موت واقع ہوگئی۔''ان کا چہرہ بے تاثر تھا اور آواز ہموار۔

''پھر آپ کیوں کہتی ہیں کہ عالیان زندہ ہے؟''وہ آگے کو ہو کے بیٹھا'ہاتھ باہم پھنسائے بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ وہ عالیان نہیں تھا۔''ان کے چہرے پہ ہلکی سی سوگواریت ابھر کے معدوم ہوئی۔

''عالیان اس واقعے سے چند روز پہلے کھو گیا تھا۔پولیس نے بہت تلاش کیا۔لیکن وہ نہیں ملا۔اور پھر ایک دن ہمیں عالیان کے ملنے کی اطلاع دی گئی۔''ان کی آنکھوں میں چنگاریاں سی تھیں جیسے اس واقعے کی فلم وہاں چل رہی ہو۔

''کسی جلتی ہوئی عمارت سے اسے نکالا گیا تھا۔اس کی پہچان اس کی چیزوں سے کی گئی کیونکہ اس کا چہرہ جل چکا تھا۔میں نے اسے دیکھا تو اس کا پورا وجود پٹیوں میں بندھا تھا۔آنکھیں بھی بند تھیں۔وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔اس حالت میں وہ کچھ دن بیمار رہا۔پھر چل بسا۔لیکن وہ عالیان نہیں تھا۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''ماں اپنے بچے کو پہچانتی ہے۔ جو جلتا ہوا بچہ عمارت سے ملا تھا' وہ عالیان نہیں تھا۔ اس کا قد کاٹھ اسی کے جیسا تھا لیکن وہ میرا بیٹا نہیں تھا۔ کسی نے اس نامعلوم بچے کو جلا کے اس کی لاش کے ساتھ عالیان کی چیزیں پلانٹ کی تھیں۔''

''اور ڈی این اے ٹیسٹ؟''

''ہوا تھا۔ سب ہوا تھا۔ لیبارٹریز کہتی تھیں کہ وہ عالیان ہی ہے۔ جس نے بھی یہ کیا اس کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔ انہوں نے ہر چیز تیار کرلی۔ سادان....'' آنکھوں میں کرب ابھرا۔ ''سادان بھی مان گیا کہ یہ عالیان ہے۔ لیکن....'' وہ توڑ توڑ کے بولیں۔ ''وہ.... عالیان..... نہیں تھا۔'' ان کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

''آپ کی کسی سے دشمنی تھی؟''

''صرف ایک عورت سے۔'' وہ زخمی سا مسکرائیں۔ ''حورِ جہاں۔''

''ان کا اس سے کیا تعلق؟''

حورِ جہاں نے میرے بیٹے پہ جادو کیا تھا۔ یہ سب اسی وجہ سے ہوا۔'' انہوں نے پیچھے کو ٹیک لگائی۔ اب کہ ان کی آواز میں سپاٹ تھی۔

''حورِ جہاں ایک مکھی بھی نہیں مار سکتی تھیں مسز کبیرہ۔ خیر یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

کبیرہ نے شانے اچکائے۔ ''یہ سب تم مجھ سے فون پہ بھی پوچھ سکتے تھے۔ مجھے یہاں لانے کے لیے اتنا تردد کیوں کیا؟''

''میں فون پہ بات نہیں کرتا۔ آمنے سامنے بات کرتا ہوں۔'' وہ بہت غور سے ان کو دیکھ رہا تھا جیسے ان کا چہرہ پڑھ رہا ہو۔

بیر بل بھی بہت غور سے گردن موڑے ان کا چہرہ ہی پڑھ رہا تھا لیکن مختلف انداز میں۔

''تمہاری بہن کے بارے میں ٹوئیٹر پہ پڑھا تھا میں نے۔ اس کی بھی لاش مل گئی ہے۔ بہت افسوس ہوا۔'' ان کا لہجہ میکانکی سا تھا۔ ماہر نے بھی سپاٹ سے انداز میں تھینکس کہہ دیا۔ پھر کہنے لگا۔

''آپ نے وہ کہانی سنی ہے....''

''ناک۔'' بیر بل نے چٹکی بجائی۔ ''آپ کی ناک بدلی ہوئی ہے۔'' جوش سے بولا۔ دونوں نے چہرہ موڑ کے اسے گھورا۔ وہ ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا۔

''سوری۔''

ماہر واپس ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''قدیم متھالوجی میں ایک کہانی ہے۔ changeling کی کہانی۔ جب پریاں کسی ماں کا بچہ چراتی تھیں تو وہ پنگھوڑے میں ایک شیطانی بچے کو چھوڑ جاتی تھیں۔ اس بدلے ہوئے بچے کو چینجلنگ کہا جاتا تھا۔''

''اس بات کا عالیان یا تمہاری بہن سے کیا تعلق؟''

''عالیان کا اغوا کار کوئی ایسا گینگ نہیں تھا جو روٹین میں بچے اغوا کرتے ہیں۔ ان کو صرف ایک بچہ نہیں چاہیے تھا۔ ان کو عالیان ہی چاہیے تھا۔ انہوں نے عالیان کی جگہ ایک بچے کی لاش بھیج کے معاملہ دبانے کی کوشش کی۔ کیونکہ انہیں عالیان زندہ چاہیے تھا۔ اگر مارنا ہوتا تو اسی کی لاش بھیجتے۔''

وہ اب چونک کے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''عالیان اور ہلال کا اغوا کار ایک ہی ہے۔ اس کو ہلال بھی زندہ چاہیے تھی۔''

''پھر اس نے ہلال کو کیوں مارا؟''

ماہر ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔ ''معلوم نہیں۔ شاید ہلال سے ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔''

کبیرہ بیگم نے پہلو بدلا۔ ''اب ان باتوں کا کیا فائدہ؟'' پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ان کو اب جانا تھا۔

''اب میں آپ سے ایک ایسا سوال پوچھنے جا رہا ہوں جس کے لیے میں نے آپ کو یہاں بلایا ہے۔''

''تاکہ تم میرے چہرے پہ سچ اور جھوٹ پڑھ سکو؟''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ کبیرہ بیگم مسکرا دیں۔

''پوچھو۔''

''سادان صاحب کیسے ہیں؟''

کبیرہ کو اس سوال کی توقع نہ تھی۔ حیرت سے ابرو اٹھایا۔

''اس بات کا مطلب؟''

''جب میں آپ کے آفس آیا تھا تو میں نے وہاں آپ کے بچوں کی تصاویر دیکھی تھیں۔ لیکن سادان صاحب ان تصاویر میں نہیں تھے۔ آپ کے خاندان والے کہتے ہیں کہ وہ بہت ٹریول کرتے ہیں اس لیے آپ کے ساتھ نظر نہیں آتے۔ آپ کی اسسٹنٹ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ انگلینڈ میں ہوتے ہیں۔ لیکن وہ کہاں ہیں؟''

کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ اب عنقا ہو چکی تھی۔ وہ تیز نظروں سے بس اسے گھورے جا رہی تھیں۔

''میں آپ کو بتاتا ہوں۔ آپ کو نہیں معلوم کہ سادان صاحب کیسے ہیں کیونکہ....'' وہ ٹیک لگائے بیٹھا بغور اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔

'' کیونکہ انہوں نے آپ کو طلاق دے دی ہے۔ اور ابھی تک خاندان والے واقف نہیں ہیں۔ وہ یقیناً دوسری شادی بھی کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کی بیٹی کے مستقبل کی وجہ سے آپ لوگوں نے اس بات کا اعلان نہیں کیا۔ میں نے ان کے بارے میں کچھ جانچ پڑتال کروائی تھی۔'' وہ کہتے ہوئے نیچے جھکا اور ایک دراز سے ایک فائل نکال کے سامنے رکھی۔ پھر فائل کو کھولا۔

''سادان اور آپ کی انگلش ڈائیورس ہو چکی ہے۔ وہ اب انگلینڈ میں ہوتے ہیں اور بہت کم پاکستان آتے ہیں۔ وہاں ان کی ایک دوسری فیملی بھی ہے۔ لیکن یہ وہ سب سے دلچسپ چیز نہیں ہے جو مجھے سادان صاحب کے بارے میں معلوم ہوئی تھی۔''

وہ فائل کے صفحے پلٹاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

کبیرہ بیگم کے چہرے کا رنگ نچڑ گیا۔ وہ لب بھینچے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

بیربل اب پیچھے ہو کے بیٹھا بہت ہی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اور وہ دلچسپ چیز ہے نمبرز۔ نمبرز کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔'' اس نے ایک صفحہ پلٹایا اور بھوری آنکھیں اٹھا کے انہیں دیکھا۔ وہ دم سادھے بیٹھی تھیں۔

''نمبرز کہتے ہیں کہ آپ شادی سے پہلے ایک بہت متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ سادان آپ کے رشتے دار تھے لیکن وہ بہت امیر تھے۔ ان کے اور آپ کے والد کے مالی حالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ آپ دونوں کے فنانشل ریکارڈز بہت مختلف تھے۔ آپ کی ایک شادی پہلے بھی ہوئی تھی جس سے آپ کی بیٹی عنایہ تھی۔ آپ مطلقہ تھیں۔ ایک بیٹی کی ماں تھیں۔ سادان نے آپ سے شادی کر کے آپ کی بیٹی کو بھی اپنا نام دیا۔ کیوں؟''

وہ خاموش رہیں۔ بس تیز نظریں اس پہ جمی رہیں۔

''میں بتاتا ہوں۔ ایک امیر آدمی ایک عام گھرانے کی لڑکی سے کیوں شادی کرے گا؟ کیا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے؟ میرا نہیں خیال۔ اس کو آپ سے بہتر امیر لڑکی مل سکتی تھی۔ کیا آپ کے اخلاق کی وجہ سے؟ اونہوں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔ پھر آپ کی شادی کیسے ہوئی؟''

چند لمحے کے لیے آفس میں خاموشی چھا گئی۔

''کیونکہ آپ نے ان پہ سحرِ عشق کروایا تھا۔''

''نہیں۔'' ان کے لب ہلے۔ انداز دوٹوک تھا۔

''کروایا تھا۔ اور یقیناً اسی جادوگر سے کروایا تھا جس سے ہلال کے باپ نے میری ماں پہ سحرِ عشق کروایا تھا۔''

''نہیں۔''

لیکن ماہر سنے بغیر کہہ رہا تھا۔

''اور یہ اس جادوگر کی فیس ہے۔ وہ آپ سے اس جادو کے پیسے نہیں لیتا۔ وہ آپ کا بچہ لے لیتا ہے۔ سحرِ عشق سے پیدا ہونے والا بچہ اس کو چاہیے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بچہ کسی وجہ سے خاص ہوتا ہے۔ اسے اس بچے سے کوئی کام لینا ہوتا ہے۔ اسی نے عالیان کو اغوا کیا ہے۔ اسی نے ہلال کو ہم سے چھینا ہے۔ یہ ہے میری اور آپ کی کہانی میں مشترک چیز جسے میں اتنے مہینے سے ڈھونڈ نہیں سکا تھا کیونکہ....'' ایک نظر بیربل پہ ڈالی۔ ''میں بھٹک گیا تھا۔''

برف کا مجسمہ چٹخا۔ کبیرہ بیگم نے ابرو اچکائے۔ گہری سانس لی۔

''انٹرسٹنگ کہانی ہے۔ لیکن میں نے سادان پہ جادو نہیں کروایا تھا۔'' ان کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا۔ ''میں نے بہت جادو کیے اور کروائے ہیں لیکن ہماری شادی جادو سے نہیں ہوئی تھی۔''

کچھ تھا ان کے لہجے میں جو اٹل تھا۔

''پھر کیسے ہوئی تھی؟'' وہ چونک کے انہیں دیکھنے لگا۔

''دعا سے۔ میں نے دعا کروائی تھی۔''

''کس سے؟'' وہ تیزی سے آگے ہوا۔

''ایک نیک بزرگ سے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

وہاں چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''میں نہیں مانتا۔ آپ کی شادی سحرِ عشق سے ہوئی تھی۔'' اس نے زور دیا۔ کبیرہ نے شانے اچکا دیے۔

''نہ مانو۔ لیکن میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ اب میں چلوں گی۔''

''کیا آپ نے کبھی عالیان کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی؟'' بیربل کھنکھارا۔ انہوں نے رخ موڑ کے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''کی تھی۔ بہت کی تھی۔لیکن وہ نہیں ملا۔''

''اور اب چاہتی ہیں کہ دنیا کی ہر ماں سے اس کا بچہ چھن جائے۔آپ ایک sadistic انسان ہیں۔ socioopath۔اور ایک دن آپ اپنی لگائی ہوئی آگ میں جل جائیں گی۔''ماہر سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اور یہ پتلی silicon کی ناک آپ پہ بالکل سوٹ نہیں کر رہی۔''بیربل فرید نے لقمہ دیا۔

کبیرہ بیگم نے ہونہہ کہہ کے بیگ اٹھایا اور ان دونوں پہ ایک اچٹتی نظر ڈال کے دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

''کیا واقعی اس نے دعا کروائی ہوگی؟''

''میں سمجھ نہیں سکا۔اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ سچ بول رہی ہے۔لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ہلال اور عالیان میں ایک یہی مماثلت ہے۔کچھ ہے جو میں مس کر رہا ہوں۔''وہ گہری سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔بیربل نے بند دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے کبیرہ بیگم گئی تھیں۔

''یہ کیوں چاہتی ہے کہ ہر ماہ اپنا بچہ کھودے؟''

''کیونکہ غم ہر انسان کو مختلف طریقے سے چھوتا ہے۔کسی کا بچہ کھو جائے تو وہ چاہتا ہے کہ ساری دنیا کی مائیں بانجھ ہو جائیں۔اور کسی کا دل چاہتا ہے کہ وہ اس جادوگر کو ایسی سزا دے کہ وہ کسی بھائی کی بہن نہ چھین سکے۔غم انسان کے اندر کا شر یا خیر باہر لے آتا ہے۔''

وہ ابھی تک اس بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ایسا کیا تھا جو وہ مس کر رہا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپارٹمنٹ کے کچن میں بیک ہوئے لزانیہ کی خوشبو پھیلی تھی۔کشمالہ نے احتیاط سے بیکنگ ڈش اوون سے نکالی۔ اسے سلیب پہ رکھا۔پھر داستانے والے ہاتھ سے فوائل اتار کے اس کی شکل دیکھی۔وہ اچھا لگ رہا تھا۔چہرے پہ مسکراہٹ اتر آئی۔

پھر اس نے بال درست کیے۔فاختہ والا لاکٹ جو لباس میں چھپ جاتا تھا' گریبان سے نکال کے سامنے کیا۔خود پہ ایک آخری تنقیدی نظر ڈال کے وہ لزانیہ کی ڈش لیے باہر آ گئی۔

اس کا رخ اپنے سے اوپر والے فلور کی جانب تھا۔مطلوبہ اپارٹمنٹ کے سامنے رک کے اس نے بیل بجائی۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

چند لمحے بعد ہی دروازہ کھل گیا۔وہ جیسے اس کے انتظار میں تھی۔

''کشمالہ مبین کو جدہ آنے کے بعد بالآخر مجھ سے ملنے کا وقت مل ہی گیا۔''

وہ ایک کیوٹ سی چھوٹے بالوں والی لڑکی تھی۔اسے دیکھتے ہی گرمجوشی سے آگے بڑھی' لیکن پھر گرم ڈش کی وجہ سے ٹھہر گئی۔ گلے ملنے کا ارادہ موقوف کیا اور پہلے ڈش اس کے ہاتھ سے لی۔اب وہ دونوں اندر۔پھر علیحدہ ہو کے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''میں اتنی خوش ہوں کہ....'' کچھ کہنے کے لیے لب کھولے جب نگاہ اس کے گریبان پہ جھولتی سیاہ فاختہ پہ پڑی۔لڑکی کے ابرو خوشگوار حیرت سے اٹھے۔

''یعنی تم نے اس کو پہننے کا فیصلہ کرلیا۔''

کشمالہ نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ دونوں وہیں چوکھٹ میں کھڑی تھیں اور وقت یوں تھم گیا جیسے جم گیا ہو۔

جیسے اس گرم شہر کو برف نے جما دیا ہو۔

ریت کے ذرے بھی برف ہو گئے ہوں...

اور اس جمے ہوئے وقت کو یہیں روک کے ہم تمہیں چند برس پیچھے لے جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہماری کہانی شروع ہونے سے ساڑھے تین سال پہلے۔

اوشن پہ اترنے والی وہ ایک ٹھنڈی سہ پہر تھی۔ نیلے اور سبز رنگوں سے سجا اوشن مہمانوں سے بھرا تھا۔

یہ کشمالہ کی سرپرائز برتھ ڈے (جس میں اس کو اوشن میں آگ لگنے کا بتایا گیا تھا) سے قریبا چھے ماہ بعد کا وقت تھا۔اب اوشن پہلے سے زیادہ پرہجوم ہوتا تھا۔البتہ اس کی میز کرسی وہیں ہوتی تھی۔

بوگن ویلیا کی چھاؤں میں دیوار کی اوٹ میں رکھی میز جس پہ بیٹھ کے وہ خوشگوار موسم میں کام کیا کرتی تھی۔اس کے چہرے کے دانے اب بہت کم ہو چکے تھے۔اس کے بال قدرے لمبے تھے جن کو اس نے فرنچ چوٹی میں باندھ رکھا تھا اور ایک لٹ گال سے ٹکرا رہی تھی۔سبز آنکھیں دھوپ سے سنہری لگ رہی تھیں۔کان' گردن اور انگلیاں کسی قسم کے زیور سے خالی تھیں۔

لیپ ٹاپ اسکرین پہ اس کے سامنے ایک بزنس پلان کھلا تھا۔بوتیک بیکری کا پلان۔وہ بار بار کچھ ٹائپ کر کے مٹا دیتی۔

دفعتاً اس نے گردن موڑ کے برآمدے میں رکھی اس میز کو دیکھا جو فی الوقت خالی تھی اور اس پہ ریزروڈ کا سائن رکھا تھا۔ چھے ماہ پہلے اسی میز پہ بیٹھے ایک گھنگریالے بالوں والے نوجوان اور سفید بالوں والے بوڑھے آدمی کی بات سے اس کو بیکری کا آئیڈیا آیا تھا۔

''آج یہ صاحب نہیں آئے؟'' اس نے پاس سے گزرتے ایک ویٹر کو پکارا۔ ویٹر نے ایک نظر خالی میز کو دیکھا' پھر حیرت سے کندھے اچکا دیے۔

''پتہ نہیں۔ ویسے ملک صاحب ہر روز اس وقت تک آجاتے ہیں۔ شاید واپس قطر چلے گئے ہوں۔'' پھر اس نے خود ہی اپنی نفی کی۔ ''نہیں۔ انہوں نے پورے ایک ہفتے کے لیے یہ میز بک کروائی تھی۔ ابھی ان کے جانے میں دو دن ہیں۔''

اس سفید بالوں والے آدمی کا نام مالک تھا۔ لیکن انگریزی میں ان کا نام لکھے جانے کے باعث وہاں کے لوگ ان کو ملک اور مالک دونوں کہتے تھے۔ ان سب کو بس اتنا معلوم تھا کہ وہ قطر کا ایک امیر بوڑھا ہے جس کا رئیل اسٹیٹ کا کاروبار بہت سے ملکوں میں پھیلا ہے۔ وہ ہر چند ماہ بعد اسلام آباد آتا تھا اور یہاں لازمی آتا۔ وہ کسی سے مخاطب نہیں ہوتا تھا۔ بس ایک روبوٹ کی طرح بیٹھ کے لیپ ٹاپ پہ کام کرتا' کوکونٹ ملک کی کافی پیتا اور بھاری ٹپ دے کر چلا جاتا۔

آج نہ جانے ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا؟

پھر اس کی نگاہ برآمدے کے دوسرے سرے پہ رکھی میز تک گئی۔ وہاں ایک چھوٹے بالوں والی لڑکی بیٹھی کھٹا کھٹ لیپ ٹاپ پہ ٹائپ کیے جا رہی تھی۔

''رامین کی کافی اس کو پہنچاتے رہنا۔'' اس نے ویٹر کو ہدایت دی۔ وہ مسکرا دیا۔

''جی میم۔ اب تک سب جان چکے ہیں کہ ہماری رائٹر صاحبہ (لڑکی کی طرف اشارہ کیا) آپ کے والد کے دوست کی بیٹی ہیں اور جب تک ان کی کتاب ختم نہیں ہوگی' ان کی ٹائپنگ کی کھٹ کھٹ ہمیں سننی پڑے گی۔''

''رائٹر نہیں ہوں میں۔ شاعرہ ہوں۔ شاعرہ۔'' لڑکی نے سر لیپ ٹاپ سے اٹھائے بغیر پکار کے کہا۔ ویٹر نے گڑبڑا کے اس طرف دیکھا۔ پھر جلدی سے وہاں سے غائب ہوگیا۔ مالا البتہ ہنس دی۔

''کیسی ہیں ہماری شاعرہ؟'' وہ اٹھ کے اس کے پاس چلی آئی۔

رامین نے انگلیاں باہم پھنسا کے بازو لمبے کیے۔ جوڑوں سے کڑاکے نکلنے کی آواز آئی۔ پھر چہرہ اٹھا کے

بے بسی سے اسے دیکھا۔

''بالکل اچھا نہیں لکھا جا رہا۔ کیا کروں؟''

''ہم تو بس تمہیں فری کافی زدے سکتے ہیں۔ لکھنا تمہارا اپنا کام ہے۔'' مسکرا کے کندھے اچکائے۔

''ویسے مالا... اگر اوشن جیسا پرسکون ریستوران نہ ہوتا' اور آپ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی آفر نہ کرتیں تو میں اپنی خالہ کے گھر رہ کے بالکل کام نہ کر سکتی۔ پندرہ بچے ہیں اس گھر میں۔ پندرہ۔''

''پہلے تم نے پانچ بتائے تھے۔''

''ہر بچہ تین کے برابر ہے نا۔'' اس نے آنکھیں گھمائیں۔ وہ ہنس دی۔

''ریلیکس۔ تم اپنی کتاب مکمل کر لوگی۔ ڈونٹ وری۔'' نرمی سے اس کا کندھا تھپکا۔ ''مزید کافی بھجواؤں؟'' بہت خیال سے پوچھا۔

رامین نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

''اب تو مجھے بھی لگنے لگ گیا ہے کہ میں فری کافی کے لیے یہاں آتی ہوں۔ ویسے آپ کتنی اچھی اور مہربان ہیں۔''

''پہلے کپ کا بل ہم تم سے ہمیشہ وصول کرتے رہیں گے۔ تمہارے اس مکھن کے باوجود۔ اس کے بعد کے سارے کپ فری ہیں۔''

رامین ہنس دی۔ پھر گردن اونچی کر کے خالی میز کو دیکھا۔

''وہ سڑے ہوئے صاحب آج نہیں آئے؟ اس وقت تک آ جاتے ہیں۔''

مالا نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔ غیر شعوری طور پہ اسے بھی انہی کا انتظار تھا۔ ایک عادت سی ہو گئی تھی۔

''Hello, pimples!!'' ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ ایڑھیوں پہ گھومی۔ پھر سامنے سے آتی لڑکی کو دیکھ کے مبہوت رک گئی۔

وہ مسکراتی ہوئی لڑکی... اگر اس کے چہرے کو کم عمر کر دو' بالوں کو سیاہ کر کے ایک گلابی ہیئر بینڈ لگا دو اور اسکول یونیفارم پہنا دو تو وہ ... ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا اس کو پہچاننے میں۔

''ہیلو علیزہ...'' وہ اسی سنجیدگی سے بولی۔ علیزہ نامی لڑکی نے سلک کا لمبا گاؤن پہن رکھا تھا۔ ہائی ہیلز۔ کلائیوں' کانوں اور انگلیوں میں دمکتے ہیرے۔ وہ اچھے حال میں لگتی تھی۔

''میرے ہزبینڈ نے اس ریستوران کی بہت تعریف کی تھی۔لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ تمہارا ہوگا۔کیسی ہو؟''

وہ عین مالا کے سامنے آرکی۔رامین اپنے لیپ ٹاپ سے چہرہ اٹھائے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''اچھی ہوں۔'' مالا مسکرائی تک نہیں۔

علیزہ نے اس کے چہرے کے دانوں کو دیکھا۔تقریباً پہلے جیسی ہو۔تھوڑے سے دانے کم ہوئے ہیں۔''

رامین کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''یہ کون ہے' مالا؟''تیز نظروں سے اسے گھور کے پوچھا۔

''یہ ایک واچ تھیف (گھڑی چور) ہے۔اس نے میرے اسکول میں سر ستار کی گھڑی چرائی تھی۔میں جانتی تھی لیکن اس وقت میں کسی کو بتا نہیں سکی۔نتیجتاً ایک گیٹ کیپر شکور کو نکال دیا گیا....'' کشمالہ مبین بس سنجیدگی سے بولی تھی۔البتہ علیزہ کی رنگت بدلی۔ماتھے پہ سلوٹیں ابھریں۔

''ہاؤ ڈیئر یو....''

''بیٹھو علیزہ اور کچھ کھاؤ پیو۔'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گئی۔علیزہ جو غصے سے بہت کچھ کہنے والی تھی' رک گئی۔ادھر ادھر دیکھا۔پھر مسکرا کے گہری سانس لی۔خود کو نارمل کیا اور لان کی ایک مرکزی کرسی میز پہ جا کے بیٹھ گئی۔

وہ اندر آئی تو قدرے پریشان لگتی تھی۔فرنٹ ڈیسک کے پاس رکی۔وہاں موجود نوجوان نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''خیریت' میم؟''

''ایک مشکل مہمان ہمارے ریستوران میں اس وقت موجود ہے۔ایسے مہمان اپنے ساتھ مشکلیں لاتے ہیں۔'' پھر اس نے اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑیں۔اسی پل رامین اندر آتی دکھائی دی۔اس کے ابرو خفگی سے تنے ہوئے تھے۔

''آپ نے اس کو اپنے چہرے کے بارے میں یہ کہنے کی اجازت کیسے دی مالا؟ ایک لگا دیتیں رکھ کے۔''

''تم نے اس کی حالت نہیں دیکھی؟ مزید کیا برا کروں اس کے ساتھ؟''

رامین نے حیرت سے گلاس وال کے باہر دیکھا جہاں وہ لان میں بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔قیمتی لباس' برانڈڈ بیگ' ہیرے اور نگینے پہنے وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔

''اچھی بھلی حالت ہے اس کی۔''

''قابلِ ترس ہے وہ' رامین۔ گریجویشن کے دوران اس نے ایک شادی شدہ امیر آدمی کی طلاق کروا کے اس سے شادی کی۔ ڈگری مکمل نہیں کی۔ بلکہ اپنی ساری توانائی اس آدمی کا دل جیتنے پہ لگا دی۔ پھر اس نے اپنے جسم کو ان چیزوں سے سجانا شروع کیا جو اس کے شوہر کی وجہ سے اسے ملی ہیں۔ اس کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔''

رامین منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ خبر نامہ پڑھنے کے انداز میں بتا رہی تھی۔

''اور شوہر بھی ایسا جو اس کو اپنے ساتھ ڈرگز کرنے پہ مجبور کرتا ہے۔ نہ کرے تو اس کو مارتا ہے۔ پھر وہ اس کے پیروں میں گر کے معافی مانگتی ہے۔ پھر دونوں کی صلح ہو جاتی ہے۔ اور یہ سائیکل کبھی ختم نہیں ہوتا۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''فیس بک۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''پہلے وہ اس کے ساتھ ڈرگز کرنے کی ویڈیوز لگاتی تھی۔ پھر شوہر اس کو مارتے ہوئے اس کی ویڈیو بنا کے لگاتا تھا۔ صلح کے بعد دونوں ویڈیوز ڈیلیٹ کر دیتے ہیں۔ اور یوں دونوں میاں بیوی اس شہر کی ایلیٹ کے لیے ایک ہاٹ گوسپ ہیں۔ اس کی ہمیشہ سے یہی فینٹیسی تھی کہ کوئی مرد اس کے لیے ہیرے لائے۔ تو اس کو وہ مل گیا۔ میں اس سے کیا لڑوں۔ اس کی حالت پہلے ہی قابلِ ترس ہے۔'' مالا نے ایک دفعہ پھر گلاس وال کے پار دیکھا۔ اس کے انداز میں ہلکا سا اضطراب تھا۔

''پھر آپ پریشان کیوں ہیں؟''

''کیونکہ مشکل مہمان اپنے ساتھ بہت سی مشکلات لاتے ہیں۔''

برآمدے میں رکھی ریزروڈ میز ابھی تک خالی تھی۔ نہ جانے وہ صاحب آج کیوں نہیں آئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبدالمالک فرید اپنے ہوٹل سوئیٹ کے لونگ روم میں بیٹھے تھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے ان کے چہرے پہ ناپسندیدگی تھی۔ ایک ہاتھ میں پہنی انگوٹھی دمک رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں موبائل تھا جس پر واٹس ایپ کا انباکس کھلا تھا۔ وہاں سامنے تین چیٹس جگمگا رہی تھیں۔

عشاء فرید۔ انہوں نے چیٹ کھولی اور تازہ ترین آڈیو میسج کھولا۔

''بابا .... میں تنگ آ گئی ہوں پرویز کے گھر والوں سے۔ ہر وقت مجھے....'' آگے طویل شکایتیں تھیں۔ انہوں نے افسوس سے سر جھٹکا اور دوسری چیٹ کھولی جس پہ فاریہ لکھا تھا۔

''بابا آپ نے جواب نہیں دیا۔ عذیر مزید اسکاٹ لینڈ یارڈ کی نوکری نہیں کر سکتا۔ اس کو اپنا کچھ کرنا ہے۔ کیا

آپ اس کے لیے فرید ہولڈنگ میں کوئی جگہ نہیں بنا سکتے؟''

مالک فرید کے ماتھے پہ بل پڑے' انہوں نے جواب دیے بنا اگلی چیٹ کھولی۔

زارا۔

''بابا... پلیز ماہر سے بات کریں....'' اس کی آواز روتی ہوئی تھی۔ ''وہ آج کل مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کرتا۔ ملتا بھی نہیں ہے۔ وہ عجیب سا ہو گیا ہے۔ بابا مجھے لگتا ہے وہ کسی سے ملنے جاتا....'' انہوں نے اکتا کے چیٹ بند کی۔ وہ اس پیغام کو پورا سننا نہیں چاہتے تھے۔

چند لمحے وہ افسوس بھری نظروں سے ان تینوں چیٹس کو دیکھتے رہے۔

دفعتاً دروازہ کھٹکا۔ وہ گہری سانس لے کر اٹھے اور دروازے تک گئے۔ پھر جیسے بہت برداشت کر کے اسے کھولا۔

چوکھٹ پہ رابیل کھڑی تھیں۔ پرس کہنی پہ ڈالے' اٹھی گردن مگر ویران چہرے والی رابیل۔ مالک کو دیکھ کے سوگواریت سے مسکرائیں۔

انہوں نے راستہ چھوڑ دیا۔

''تم یہاں کیوں آئی ہو رابیل؟'' وہ واپس اپنے صوفے پہ بیٹھ گئے اور رابیل سامنے رکھی اونچی کرسی پہ براجمان ہو گئیں۔ وہ آنکھیں چھوٹی کیے ان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''میں شمس اور ہلال کے ساتھ پاکستان آئی تھی۔ شمس کے رشتے داروں سے ملنے۔ کل ہماری واپسی ہے۔''

''تم یہاں میرے پاس کیوں آئی ہو؟'' وہ میرے پاس پہ زور دے کر بولے۔

''تم مجھ سے نفرت کرتے ہو' ہے نا؟''

رابیل کی آنکھوں میں نمی ابھری۔

''میں تم سے نفرت نہیں کرتا' مجھے تم پہ ترس آتا ہے۔ تم نے میرے بھائی کو بہت دکھ دیے اور اب اپنی زندگی دیکھو۔ کیا رہ گیا تمہارے پاس؟ خیر... یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ مدعے پہ آؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔'' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ان کے ہر انداز سے اکتاہٹ ٹپکتی تھی۔

''مجھے تمہاری مدد چاہیے' مالک۔'' ان کے انداز میں لجاجت تھی۔

''اور میں کیوں کروں گا تمہاری مدد؟ میں ماہر نہیں ہوں جو ہلال کی وجہ سے پگھل جاؤں گا اور وہ سب بھلا دوں گا

جو تم نے میرے بھائی کے ساتھ کیا۔"

"مت بھلاؤ۔ لیکن اگر قاسم زندہ ہوتا تو وہ میری مدد کرتا۔"

چند لمحے کے لیے وہاں خاموشی چھا گئی۔ پھر مالک نے گہری سانس لی۔

"کیا چاہتی ہو؟"

"میں شمس کو اپنی زندگی سے نکالنا چاہتی ہوں۔ میں واپس آنا چاہتی ہوں۔ ماہر' بیربل اور ہلال کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔" ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا۔

مالک کا چہرہ ویسا ہی رہا۔ سپاٹ۔ برف سا۔

"تو عدالت جاؤ۔ انگلش ڈائیورس آسانی سے مل جاتی ہے۔"

"شمس خطرناک آدمی ہے۔ جب تک تم لوگ مجھے سپورٹ نہ کرو' میں اس کے خلاف اسٹینڈ نہیں لے سکتی۔"

"ماہر سے بات کی؟"

"اس سے کیا بات کروں؟ وہ تو آج کل اپنے حواسوں میں نہیں لگتا۔ عجیب سا رویہ ہو گیا ہے۔" وہ تلخ ہوئیں۔

"میں شمس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہیں جو کرنا ہے خود کرو۔ جیسے قاسم سے الگ ہو کے خود اس سے شادی کی تھی۔"

"مالک' پلیز...." ان کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کے گرا۔ "میں مشکل میں ہوں۔ ایک جہنم بھری زندگی گزار رہی ہوں۔ میں نہیں اس سے اکیلے لڑ سکتی۔"

مالک فرید نے ایک نظر اپنے موبائل پہ ڈالی۔ وہ تین چیٹس اب بھی سامنے تھیں۔ پھر سامنے صوفے پہ بیٹھی عورت کو دیکھا۔ ان کی برف جیسی آنکھوں میں افسوس ابھرا۔

"میری ماں جیسی بہادر عورتیں اب اس دنیا سے ختم ہوتی جا رہی ہیں' رابیل۔ تم سب عورتیں مردوں کے ہاتھوں manipulate ہو رہی ہو۔ کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا جب تک کہ تم خود اپنی مدد نہ کرو۔"

"تم میری مدد نہیں کرو گے؟"

رابیل نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

"نہیں۔ کیونکہ میں تمہارا اعتبار نہیں کرتا۔ یہ بھی شمس اور تمہاری کوئی چال ہو گی۔"

"تمہیں یقین دلانے کے لیے میں کچھ لائی ہوں۔" انہوں نے جھک کے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈالا اور جب

اسے باہر نکالا تو اس میں ایک سفید مخملیں ڈبیا تھی۔ مالک فرید چونکے۔

''یہ تمہارے والد نے تمہاری ماں کو دیا تھا۔''

''میری ماں ایک بہادر عورت تھی۔'' وہ بڑبڑائے۔نظریں ڈبی پہ تھیں۔

''اور قاسم نے یہ مجھے دیا تھا۔''

''لیکن تم اس کے قابل نہیں تھیں۔''

''ہاں۔ میں اس کے قابل نہیں تھیں۔ جب میں نے شمس سے شادی کی تو تم نے مجھ سے ایک چیز واپس مانگی تھی۔تمہاری ماں کی نشانی۔'' انہوں نے ڈبیا سامنے کی۔

''اور تم نے بہت غرور سے کہا تھا کہ جو تمہارا ہے وہ تم واپس نہیں کرو گی۔اور تم بہت سے نگینے اور ہیرے سمیٹ کے لے گئی تھیں۔'' وہ ابھی تک اسی ڈبیا کو دیکھ رہے تھے۔

''اور آج میں تمہیں یہ واپس کرنے آئی ہوں۔ اپنے غرور پہ پیر رکھ کے۔شاید میرے اس عمل سے تمہیں میرا اعتبار آجائے۔'' انہوں نے ڈبیا سامنے میز پہ رکھ دی۔

''زارا کی خواہش تھی کہ یہ اسے ملے۔ اب تم یہ اس کو دے سکتے ہو۔'' رابیل ملتجی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ مالک فرید چند لمحے اس ڈبی کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے دھیرے سے شانے اچکائے۔

''میرے لیے اب یہ بروچ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب میں اسے اپنی بیٹیوں کو دینا چاہتا تھا تب....'' وہ رکے اور بات ادھوری چھوڑ دی۔ رابیل نے غور سے انہیں دیکھا۔

''تم اپنی بیٹیوں سے مایوس ہو؟''

وہ کھنکھارے۔ ''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔اسے واپس لے جاؤ۔ مجھے یہ نہیں چاہیے۔''

''غرور پہ پیر رکھ کے آئی ہوں۔اب پیر نہیں اٹھا سکتی۔ یہ تمہاری ماں کا تھا۔آج تمہاری امانت میں نے واپس کی۔''

وہ اٹھیں اور پرس اٹھا کے ایک نظر انہیں دیکھا۔وہ وہیں بیٹھے رہے۔کسی برف کے مجسمے کی طرح۔

وہ کچھ کہے بنا دروازے کی طرف چل دیں۔ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو مالک فرید دھیرے سے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔آگے جھکے اور سفید مخملیں ڈبی اٹھائی۔

برف جیسے چہرے پہ بہت سے جذبات ابھرے۔انہوں نے ڈبی کو انگلیوں سے چھوا۔پھر گہری سانس ناک

سے کھینچی جیسے ماں کی خوشبو کو محسوس کیا ہوا۔ ڈبی کھولتے ہوئے ان کی انگلیوں میں لرزش تھی۔

اندر ایک چھوٹا سا بروچ دمک رہا تھا۔

سونے کی بنی فاختہ جو سیاہ نگینوں سے ڈھکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک سرمئی رنگوں میں سجا آفس تھا۔ بڑی میز کے پیچھے خالی کرسی رکھی تھی۔ میز کے سامنے ایک سٹنگ ایریا بنا تھا جہاں ایک لمبا سا کاؤچ رکھا تھا اور اس کے مقابل ایک کرسی پڑی تھی۔ یہ سائیکو تھیراپسٹ کی کرسی تھی۔ اور اس وقت ایک ادھیڑ عمر تھیراپسٹ اس کرسی پر بیٹھا تھا۔ گھٹنوں پہ نوٹ بک رکھے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ عینک کے پار سے سامنے کاؤچ کو دیکھ رہا تھا۔

ماہر اس کاؤچ پہ بیٹھا تھا۔ یوں کہ کنارے پہ تھا۔ قدرے غیر آرام دہ سا۔ اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑتا۔

''آپ کاؤچ پہ لیٹ سکتے ہیں۔''

''میں کسی کے آفس میں جا کے کاؤچ پہ کیسے لیٹ سکتا ہوں؟ نو تھینکس۔'' قدرے نخوت سے کہا۔ ساتھ ہی غیر آرام دہ انداز میں اطراف میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں تلے حلقے تھے اور چہرہ مزید دبلا ہو گیا تھا۔

''آپ نے کہا آپ کو کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں؟'' تھیراپسٹ نے تحمل سے بات کا آغاز کیا۔

''آوازیں اور شکلیں جن کا وجود نہیں ہوتا۔''

''کیا ان شکلوں کو describe کر سکتے ہیں؟''

''بچھو۔ سانپ۔ اور ہاں۔ مجھے خواب میں میں سیاہ رنگ کا گھوڑا نظر آتا ہے جس کے منہ پہ خون لگا ہے۔''

''کیا آپ بچھو سے ڈرتے ہیں؟''

ماہر نے پہلو بدلا۔ چہرے پہ ناگواری ابھری۔

''میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ سوائے اس چیز کے کہ میرا ذہن میرے ساتھ ایسے کھیل کیوں کھیل رہا ہے۔''

''مجھے اپنے بچپن کے بارے میں بتائیں۔ آپ کا بچپن کیسا تھا؟''

''میرے بچپن کا اس سے کیا تعلق؟'' اس نے کوفت سے ابرو اٹھائے۔ یہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ اسے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔

''انسان کے بہت سے ٹراماز کا تعلق اس کے بچپن....''

''ڑاما نہیں ہے مجھے' ڈاکٹر۔ مجھے چیزیں نظر آتی ہیں جو وجود نہیں رکھتیں۔'' وہ زور دے کر بولا۔ ''ایسی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو کسی نے کہی نہیں ہوتیں۔ مجھے کوئی دوا دیں جس سے یہ سب بند ہو جائے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں۔'' اس نے نرمی سے سر ہلا دیا۔ ''جب آپ شدید خوفزدہ ہوتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟''

''میں بائیک لے کر نکل جاتا ہوں۔ لمبی ڈرائیو پہ۔ اس سے میں ریلیکس ہو جاتا ہوں۔'' اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ تھیراپسٹ کے آفس کی سرمئی دیواریں گھٹن کا احساس دلا رہی تھیں۔

''آپ کا اپنی ماں سے تعلق کیسا ہے؟''

''ماں کہاں سے آ گئی درمیان میں؟'' وہ ایک دم ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے چلایا۔ چہرہ سرخ ہوا۔

''میں اپنے مسئلے کے لیے آیا ہوں۔ ماں کے لیے نہیں۔''

''میں اس مسئلے کی جڑ تک پہنچنا چاہ رہا ہوں تاکہ....''

''یو نو واٹ... آپ کو خود ایک تھیراپسٹ کی ضرورت ہے۔''

ڈاکٹر نے نرمی سے اسے روکنا چاہا لیکن وہ باہر نکل گیا۔ لفٹ کی طرف جاتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔

''تھیراپسٹ کے نام پہ scammers بیٹھے ہیں یہاں۔ پیسے دو اور بات کروان سے۔ اس سے بہتر انسان کسی دوست سے بات کر لے۔''

ہیلمٹ لیے وہ باہر نکل آیا۔ پارکنگ ایریا میں ایک سیاہ اور سلور رنگوں سے مزین harley davidson ہیوی بائیک اس کی منتظر تھی۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے ہیلمٹ چڑھایا' پھر گلوز پہنے اور سن گلاسز آنکھوں پہ لگائے۔ پھر بائیک کے ہینڈلز پہ ہاتھ رکھے۔ اب وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر تازہ ہوا کو اندر اتارا اور بائیک آگے بڑھا دی۔

بائیکنگ بہتر تھی تھیراپی سے۔

البتہ آج بائیکنگ بھی اس کا خراب موڈ بحال نہیں کر سکی تھی۔ جب وہ آفس میں داخل ہوا تو ماتھے کے بل ہنوز برقرار تھے۔ اندر آتے ہی ہیلمٹ اور گلوز ایک نوجوان اسسٹنٹ کی طرف قریباً اچھالے جس نے انہیں جلدی سے تھام کے گرنے سے بچایا۔ پھر ایک نظر لابی کے صوفوں پہ ڈالی جہاں چند لڑکیاں قطار میں بیٹھی تھیں۔

''سر... آپ کی سیکرٹری کی پوزیشن کے لیے چند امیدوار آئے ہیں۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ....'' نوجوان گڑبڑایا اور آواز دھیمی کی۔ ''کیونکہ گزشتہ ہفتے آپ نے غصے میں اپنے سیکرٹری کو فائر کر دیا تھا۔''

ماہر فرید نے کوفت سے اس طرف دیکھا۔ ایک نئی مصیبت۔

وہاں چار لڑکیاں قریب قریب بیٹھی تھیں۔ ہاتھوں میں فائلز' فولڈرز پکڑے وہ اسی کو دیکھ رہی تھیں۔ کچھ نروس۔ کچھ امید سے۔ اس کی نگاہوں نے چند سیکنڈ میں ان سب کو اسکین کیا۔ ایک سے دوسری' دوسری سے تیسری۔

پھر واپس اسسٹنٹ کی طرف مڑا۔

''باقی سب کو گھر بھیج دو اور پونی والی کو میرے آفس میں۔''

اسسٹنٹ نے چونک کے تیسرے نمبر پہ بیٹھی اونچی پونی والی لڑکی کو دیکھا جس کی سیاہ آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ وہ بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

''آپ نے اتنی جلدی فیصلہ کر لیا؟'' وہ پریشان ہوا۔

"اس کے جوتے دیکھو۔ اسے نئے جوتے خریدے عرصہ ہو گیا ہے۔ اسے جاب چاہیے۔ وہ ٹک کے کام کرے گی اور نخرے نہیں کرے گی۔ اور مجھے اس پہ کم سے کم غصہ آئے گا۔'' پھر رک کے اسسٹنٹ سے پوچھا۔

''اس کا نام کیا ہے؟''

اشارہ پونی والی کی طرف تھا۔

''سبرینہ۔'' اس نے فائل سے دیکھ کے سرگوشی میں بتایا۔ وہ سر ہلا کے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ اگلی سہ پہر کا ذکر ہے۔

اوشن کے کچن میں اس وقت بہت سی خوشبوئیں اور دھوئیں بکھرے تھے۔ وہ سر پہ کیپ باندھے' کمر پہ ہاتھ باندھے کاؤنٹر کے پیچھے سے گزر رہی تھی۔ گردن ترچھی کیے نظریں کام کرتے شیفز کے ہاتھوں پہ جمی تھیں۔ وہ خاموشی اور مہارت سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ کہیں چھرے سے کچھ کٹ رہا تھا، کہیں بلینڈر چل رہا تھا۔

''مالا...'' کچن کا دروازے سے رامین کے ہیئر بینڈ والے سر نے اندر جھانکا۔

وہ چونکی۔ پھر تیزی سے اس طرف آئی۔

''کچھ چاہیے تھا رامین؟'' وہ کبھی یوں کچن میں داخل نہیں ہوتی تھی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''مجھے نہیں لیکن آپ کی بیسٹ فرینڈ کو ضرور کچھ چاہیے۔''

''کیا؟''

''تھوڑی سی sanity'' اس نے کنپٹی کے قریب انگلی لے جا کے دائرہ بنایا۔ وہ لپک کے باہر آئی۔ ہال عبور کر کے گلاس ڈور کھولا تو برآمدے میں آنے سے پہلے ہی ساری کہانی سمجھ میں آ گئی۔

آج علیزے کے ساتھ ایک دوسری لڑکی بھی موجود تھی۔ سامنے ایک ویٹر سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اور وہ ہاتھ اٹھا کے اونچا اونچا کہہ رہی تھی۔

''اندھے ہو کیا؟ میرا ڈریس برباد کر دیا ہے۔''

لان میں بیٹھے مہمان گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھنے لگے۔ کشمالہ قریب آ کے کھنکھاری۔ پھر ایک نظر علیزے کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

''کیا ہوا علیزے؟'' نرمی سے پکارا اور بیرے کو جانے کا اشارہ کیا۔

''ایک منٹ ... یہ کہاں جا رہا ہے؟ اس سے کہو مجھ سے معافی مانگے۔'' وہ آج گلابی رنگ کا سلکی گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ گردن میں موتیوں کی چند مالائیں تھیں اور میک اپ سے لبریز چہرہ جو سرخ پڑ رہا تھا۔ اسے ہلکا ہلکا پسینہ بھی آ رہا تھا اور تنفس بے ترتیب تھا۔ اس تنفس سے اٹھتی مخصوص مہک وہ سونگھ سکتی تھی۔

''مجھے تمہارا ڈریس خراب نہیں ہوا۔ مجھے ایک بھی داغ نظر نہیں آ رہا۔ میں دوبارہ کافی بھجوا دیتی ہوں۔'' تحمل سے کہہ کے وہ واپس برآمدے تک آئی۔ علیزے پیچھے سے زور سے چلائی تھی۔ لیکن اس نے نظر انداز کیا۔

آج سفید بالوں والے صاحب اپنی مخصوص کرسی پہ بیٹھے تھے۔ سامنے لیپ ٹاپ رکھا تھا اور نظریں اسکرین پہ نہیں تھیں۔ ہاتھ میں ایک سفید ڈبیا پکڑے وہ کچھ سوچ رہے تھے وہ قریب سے گزری تو وہ دھیرے سے بولے۔

''آپ اس کی shallow ego کی تشفی کے لیے خود کافی نہیں بنائیں گی؟''

آواز پہ وہ ان کی جانب گھومی۔ وہ ڈبیا رکھ کے اب ایک کتاب اٹھا رہے تھے۔

''آپ نے ابھی تک میری اس بات کو معاف نہیں کیا۔'' پھر مسکرا کے سر ہلایا۔ جیسے شکست تسلیم کی ہو۔

''چلیں میں معافی مانگتی ہوں۔ مجھے اس روز یہ بات آپ سے نہیں کہنی چاہیے تھی۔''

''آپ نے چھے ماہ بعد تسلیم کر کے میری shallow ego کی تسکین کر دی۔'' وہ مسکرائے نہیں بس کتاب پہ نظریں جمائے رکھیں۔ وہ اوشن ریلیکس ہونے آتے تھے۔ چند کالز کیں۔ تھوڑا سا کام کیا۔ لیکن آج وہ ریلیکسڈ

نہیں لگ رہے تھے۔ کچھ مختلف تھا۔

''یہ لو... اب ہو گیا میرا ڈریس تباہ۔'' علیزے کی آواز نے اسے چونکایا۔ وہ تیزی سے ایڑیوں پہ گھومی۔ علیزے نے کافی کا آدھا کپ اپنی قمیض کے دامن پہ الٹ دیا تھا۔ جہاں بہت سے لوگوں کے منہ کھل گئے وہاں وہ بھی شل رہ گئی۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ جیسے ہوش میں آئی۔

''تم لوگ مجھے بے عزت کر رہے ہو۔ اب دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔'' علیزے اب اونچا اونچا چلاتی فون پہ بٹن دبانے لگی۔ لوگ کھانا چھوڑ کے تماشا دیکھنے لگے تھے۔

''اس کو روکیں مالا۔ سیکیورٹی سے کہہ کے اس کو نکالیں ریستوران سے۔'' رامین دبا دبا سا بولی۔ لیکن وہ برآمدے کے دہانے پہ آئی اور سکون سے بلند آواز میں سب کو مخاطب کیا۔

''آپ سب نے دیکھا ہے کہ ہم نے علیزے میڈم کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ جو کیا ہے انہوں نے خود کیا ہے۔ آپ سب سے میری درخواست ہے کہ آپ سکون سے کھانا ختم کریں۔ مجھے امید ہے کہ علیزے جلد کول ڈاؤن ہو جائیں گی۔''

پھر وہ اندر آئی۔ فرنٹ ڈیسک پہ اسٹاف کے لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ جونیئر مینیجر سامنے آیا اور پریشانی سے اس کو مخاطب کیا۔

''یہ ہمارے مہمانوں کو بھگا دے گی۔ اس کو باہر نکلوائیں۔''

''ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ high ہے۔ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب اس شہر کے کسی ریستوران میں ایسا ہوا ہوگا۔ یہ ٹرینڈ بنتا جا رہا ہے۔'' اس نے مضطرب انداز میں گلاس وال کے پار دیکھا۔ وہ اب فون پہ اونچا اونچا چلاتی کچھ کہہ رہی تھی۔

''پچھلے ایک سال میں دو ریستوران اور ایک سیلون اسی طرح بند ہوئے ہیں۔ سوشلائیٹس ہائی ہو کے آتی ہیں اور تماشہ کرتی ہیں۔ اگر ہم نے اس کو ہاتھ لگایا تو پولیس کیس بنے گا۔ جب تک ہم اس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے ہم بے قصور رہیں گے۔'' وہ سمجھا رہی تھی۔

''ہمارے ریستوران پہ ایک برا وقت آ چکا ہے۔ یہ ایک امیر اور بااثر آدمی کی بہو ہے۔ ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہمیں صرف پرسکون رہنا ہے۔ یہ تھک کے خود ہی چلی جائے گی۔''

''یا یہ پولیس بلا لے گی۔'' مینیجر بے چینی سے بولا۔

کشمالہ نے گہری سانس اندر کھینچی۔ اسے بھی اسی بات کا ڈر تھا۔

''کہانا۔ جب تک ہم اس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے' پولیس کیس نہیں بنے گا۔ اس لیے کوئی اس کے قریب نہیں جائے گا۔''

وہ باہر آئی اور برآمدے میں ایک مرکزی مقام پہ کرسی رکھ کے بیٹھ گئی۔ اب یہاں سے وہ لان میں ہونے والا تماشہ دیکھ سکتی تھی۔ اردگرد کے لوگ بل منگوا رہے تھے۔ جلدی جلدی کھانا ختم کر رہے تھے۔ کوئی بھی تماشے کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا۔

''وہ اپنے شوہر کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کر رہی ہے۔'' مالک فرید نے کتاب سے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا۔

ادھر علیزے اب فون پہ اونچا اونچا کہہ رہی تھی۔ ''فائز ... پلیز آپ ادھر آئیں... یہ دیکھیں ریستوران والے میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔''

''جانتی ہوں۔ عورتوں کی بدترین قسم۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے بیٹھی سامنے دیکھ رہی تھی۔

''آج آپ کے کیریئر کا اہم ترین دن ہے۔'' وہ کتاب کا صفحہ پلٹ رہے تھے۔ ''آج شام ہونے سے پہلے ریستوران اونر آپ کو جاب سے نکال دے گا یا آپ پولیس اسٹیشن میں بیٹھی ہوں گی۔''

''میں تیار ہوں۔'' وہ مسکرائی۔ گردن سیدھی رکھے وہ پرسکون تھی۔ ''میں نے اسکول میں ایک لمبا عرصہ اس کی bullying برداشت کی ہے۔ میں اس کو مزید خود کو نقصان نہیں پہنچانے دوں گی۔'' رامین بھی دیگر مہمانوں کی طرح ہاتھ روکے بیٹھی علیزے کو گھور رہی تھی۔

''مالا آپ مجھے اجازت دیں۔ میں اس کو کان سے پکڑ کے اوشن سے باہر پھینک آؤں۔''

''نہیں رامین۔ بس خاموش رہو۔''

وہ ابھی تک اپنے شوہر کے ساتھ فون پہ لگی تھی۔ پھر اس نے موبائل رکھا اور فخریہ ان سب کو دیکھا۔

''میرا شوہر پولیس لے کر آ رہا ہے۔'' ساتھ ہی اس نے سیل فون کیمرہ آن کر لیا۔ ''اب میں تم سب کو پوری دنیا میں بدنام کروں گی۔'' اس نے ویڈیو کیمرہ آن کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے چند منٹ میں اوشن خالی ہو چکا تھا۔ سوائے اسٹاف کے جو برآمدے میں قطار میں کھڑا تھا۔ رامین اور مالک صاحب کے سوا' سب جا چکے تھے۔ علیزے اب لان میں چکر کاٹ رہی تھی۔ اس کا شوہر ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ کسی

نے ظہیر کو اطلاع کر دی تھی۔ وہ امریکہ گیا ہوا تھا۔ اوقات میں دن رات کا فرق تھا۔ پھر بھی وہ مسلسل کالز کیے جا رہا تھا۔ لیکن مالا اب اس کی کال نہیں اٹھا رہی تھی۔ ظہیر کو گراؤنڈ پہ ہونے والی سچوئیشن کا اندازہ نہیں تھا۔ اس وقت جو فیصلہ کرنا تھا' اسے کرنا تھا۔

''آپ پھنس چکی ہیں۔''

سفید بالوں والے صاحب اب اپنی کتاب رکھ کے اس کی طرف متوجہ ہوئے جو اسی طرح بیٹھی تھی۔

''جانتی ہوں لیکن میں اس کو تھکانا چاہتی ہوں۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے اس طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ ہر چند منٹ ایک گہری سانس اندر کھینچ کے باہر نکالتی اور اعصاب ڈھیلے ہونے لگتے۔

''وہ نہیں تھکے گی۔'' انہوں نے تبصرہ کیا۔

دفعتاً علیزے دوڑ کے دروازے کی طرف گئی۔ اس کا شوہر اندر داخل ہو رہا تھا۔ فون ہاتھ میں لیے وہ حیران پریشان بھی تھا اور غصے میں بھی۔

''میں ان سے بات کرتا ہوں۔'' وہ اٹھنے لگے تو مالا نے چونک کے گردن اٹھائی۔

''میں اپنی لڑائی خود لڑ سکتی ہوں' آپ کو درمیان میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ فائن ہے۔ میں اس کی فیملی کو جانتا ہوں۔ یہ میری بات سن لے گا۔''

زینے اتر کے وہ لان تک گئے۔ رامین تیزی سے اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ زیرِ لب علیزے کو بہت سے القابات سے بھی نواز رہی تھی۔

سفید بالوں والے صاحب اب علیزے کے شوہر سے بات کر رہے تھے۔ وہ روتی ہوئی علیزے کو کندھے سے لگائے مسلسل نفی میں سر ہلاتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔

''میں یہاں سب کو دیکھ لوں گا۔''

کچھ دیر بعد وہ اپنی بیوی کو لے جاتے ہوئے انگلی اٹھا کے اونچا سا بولا۔ وہ دونوں دروازے سے باہر نکل گئے تو کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا۔

''وہ پولیس کو بلا چکے ہیں۔ وہ اسے گھر لے کر جا رہا ہے اور پولیس پہنچنے والی ہے۔'' مالک فرید واپس آتے دکھائی دیے۔ ان کا چہرہ ویسا ہی تھا۔ بے تاثر۔

''آپ نے تو کہا تھا آپ اس کی فیملی کو جانتے ہیں۔'' رامین خفگی سے بولی۔ انہوں نے ایک نظر اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا' پھر شانے اچکا دیے۔

''میرا بھتیجا اس کو جانتا ہے۔ میں اس سے بات کروں گا۔ لیکن فی الوقت پولیس آ رہی ہے۔ آپ دونوں....'' رامین کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہاں سے نکل جائیں۔ اپنے گھر مت جائیں۔ وہ وہیں سب سے پہلے جائیں گے۔''

''میں اوشن کو چھوڑ کے نہیں بھاگوں گی۔ میں پولیس سے بات کروں گی۔'' اس کا لہجہ اٹل تھا۔ رامین نے دہل کے دیکھا۔

''مالا... پلیز... ہم پولیس اسٹیشن نہیں جا سکتے۔ میرے اماں ابا مجھے مار ڈالیں گے۔''

''تم ایسا کرو' تم اپنی خالہ کے پاس جاؤ۔ میں....''

''میں آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گی۔ ہم ساتھ جائیں گے۔''

''چھوٹی لڑکی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپ کچھ وقت کے لیے غائب ہو جائیں۔ معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو واپس آ جایئے گا۔ ورنہ آج رات آپ کی تھانے میں کٹے گی۔''

''میں نہیں بھاگوں گی۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں عدالت تک اس کا مقابلہ کروں گی۔ میں دشمن نہیں بناتی لیکن اگر بنا لوں تو ان کو آخری حد تک لے کر جاتی ہوں۔ ہم اسکول میں نہیں ہیں۔ اور میں کمزور نہیں ہوں۔''

انہوں نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور گہری سانس لے کر افسوس سے اسے دیکھا۔

''اگر ایک دفعہ آپ پولیس اسٹیشن چلی گئیں تو زندگی اس معاشرے میں بہت مشکل ہو جائے گی۔''

اس بات پہ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

''مالا وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چلو نکلو۔''

''کہاں جائیں گے ہم اس وقت؟'' وہ جھلائی۔ اضطراب اب اعصاب پہ چھانے لگا تھا۔

''یہ میرے ہوٹل کا سوئیٹ ہے۔'' مالک فرید نے جیب سے ایک کارڈ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ ''آپ وہاں میرا انتظار کریں۔ میں پولیس سے بات کر کے وہیں آ جاؤں گا۔'' پھر بغور اسے دیکھا جو شش و پنج میں لگ رہی تھی۔

''بہادری اچھی چیز ہے لیکن عقلمندی اس سے بھی اچھی چیز ہے۔''

رامین نے اس سے پہلے کارڈ پکڑ لیا۔

''چلو مالا....''

وہ دونوں ایک ساتھ اندر ہال کی طرف بڑھیں۔ مالا نے ایک نظر پلٹ کے انہیں دیکھا۔ وہ اب واپس کرسی پہ بیٹھ رہے تھے۔ ٹیک لگا کے کتاب اٹھالی۔ پسِ منظر میں دور پولیس کے سائرن سنائی دے رہے تھے۔ اور وہ بالکل پرسکون تھے۔

''تھینک یو۔'' وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ آج اسے سمجھ میں آیا تھا کہ ان کو کوکونٹ ملک کیوں پسند تھا۔

وہ دونوں اب عقبی دروازے سے باہر کی طرف جا رہی تھیں۔

''ایک منٹ.... انہوں نے مجھے چھوٹی لڑکی میرے قد کی وجہ سے کہا؟'' آدھے راستے میں رامین کو یاد آیا۔ وہ اس کی کہنی کھینچ کے آگے لے گئی۔

''چلو خاموشی سے۔'' وہ برے موڈ میں تھی۔ وہ بھاگنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن ابا کے دوست کی یہ بیٹی اس کے پیر کی زنجیر بن گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل سوئیٹ میں جاسمین کی خوشبو پھیلی تھی۔ یہ خوشبو ہوٹل کی لابی سے لفٹ اور لفٹ سے پانچویں فلور کے اس سوئیٹ تک پہنچتے ہوئے ان کو محسوس ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت ان کی توجہ خوشبو پہ نہیں تھی۔ سوئیٹ خالی تھا۔ ایک طرف بیڈروم کو کھلتا دروازہ تھا جو بند پڑا تھا۔ یہاں ایک سٹنگ روم بنا تھا جس کی دیوار گیر کھڑکی کے سامنے پردے ہٹے تھے اور نیچے سڑک پہ گزرتا ٹریفک دکھائی دیتا تھا۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ رامین ایک کرسی پہ بیٹھی ناخن چبا رہی تھی۔

''بڑا امیر بندہ ہے یہ۔'' اس کی نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''ہم نے یہاں آ کے غلطی تو نہیں کر دی؟''

رامین نے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

''آپ کو زیادہ شوق ہے تھانے جانے کا؟''

''میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اتنے سال علیزہ سے ڈر کے زندگی گزاری ہے۔ اب مجھے اس کا مقابلہ...''

دفعتاً دروازہ ہپ کی آواز سے کھلا۔ دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ سفید بالوں والے صاحب اندر

داخل ہو رہے تھے۔ مالا کے لبوں سے ایک گہری سانس برآمد ہوئی۔ اس کے تنے اعصاب ان کے آنے سے ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے مخصوص صوفے پہ بیٹھے تھے۔ اور مالا سامنے اسی اونچی کرسی پہ جہاں ایک روز پہلے رابیل بیٹھی تھیں۔

''علیزے اور اس کا شوہر پولیس کیس کرنے جا رہے ہیں۔ میں نے ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ راضی نہیں ہوئے۔'' انہوں نے ایک لمحہ توقف دیا۔ مالا نے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔

''لیکن؟'' اسے معلوم تھا ایک ''لیکن'' آ رہا ہے۔

''لیکن علیزے کا کہنا ہے کہ اگر آپ اس کے گھر جا کے اس سے معافی مانگ لیں تو وہ اس بات کو ختم کر دے گی۔''

رامین کے دونوں ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

''اوہ ہیلو... معافی کس چیز کی؟ ہنگامہ آرائی اس نے کی۔ کپ اس نے توڑا۔ پندرہ سو کا کپ ہو گا وہ اور...''

انہوں نے کوفت سے اسے دیکھا جو مالا کے پیچھے کھڑی بولتی جا رہی تھی۔ ان کے دیکھنے پہ خاموش ہوئی۔

''کیا آپ اس سے معافی مانگ سکتی ہیں؟''

''میں دوست بنایا کرتی ہوں اور اپنے دوستوں کو کسی قیمت پہ ناراض نہیں کرتی۔ لیکن اگر میں دوست کو دشمن بنا لوں تو اس کو آخری حد تک لے کر جاتی ہوں۔ میں عدالت جاؤں گی اور کیس لڑوں گی۔ اس کو جو کرنا ہے وہ کر لے۔ اور میں نے اپنی وکیل کو کال کر کے اپنی ضمانت کا کہہ دیا ہے۔''

انہوں نے پیچھے ٹیک لگا لی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بہت سکون سے اسے دیکھا۔

''میں اپنے بھتیجے سے بات کر سکتا ہوں۔ وہ اس کو سمجھا سکتا ہے۔''

اسلام آباد گویا ایک چھوٹا سا ایلیٹ محلہ تھا جہاں اکثر لوگ اکثر لوگوں کو جانتے ہوتے تھے۔

''آپ کا بھتیجا ایسا کیا کرے گا جو آپ نہیں کر سکے؟'' رامین مشکوک نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

مالک فرید نے شانے اچکائے۔

''وہ لوگوں سے ڈیل کرنے کے معاملے میں مجھ سے بہت اچھا ہے۔ مجھے لوگ زیادہ پسند نہیں کرتے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں عدالت میں پیش ہوں گی اور اپنا کیس لڑوں گی۔ اس نے یہ سب صرف

میرے ریستوران کو بدنام کرنے کے لیے کیا ہے۔"

"وہ آپ کا ریستوران نہیں ہے۔ آپ اس کی مینیجر ہیں۔ اس کا مالک کسی بھی وقت آپ کو وہاں سے نکال سکتا ہے۔"

مالا ایک لمحے کے لیے چپ ہوگئی۔ البتہ اس صاف گوئی پہ رامین نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

"No wonder لوگ آپ کو پسند نہیں کرتے۔"

"میں کڑوا سچ بولتا ہوں۔ آپ کو اچھا لگے یا برا۔" وہاں سکون ہی سکون تھا۔ "آپ خود کو اگر ریستوران سے علیحدہ کر لیں تو اس معاملے سے نکل سکتی ہیں۔ وہاں کے اسٹاف کو ڈیل کرنے دیں۔"

"جانتی ہوں وہ میرا ریستوران نہیں ہے۔ لیکن میں اپنی ورک پلیس سے وفاداری نبھانے کی قائل ہوں۔ وہ ریستوران میرے پاس ظہیر کی امانت ہے۔ میں اس پہ آنچ تک نہیں آنے دوں گی۔"

وہ اٹھی گردن کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئے۔

"آپ کا شکریہ۔ اس سب کے لیے جو آپ نے ہمارے لیے کیا۔ یقیناً آپ کے پاس کرنے کے لیے زیادہ اہم کام ہوں گے۔" پھر اس نے پرس اٹھایا۔ اور رامین کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ؟" وہ بھی ساتھ ہی اٹھے۔

"علیزے کے بنائے گئے میس کو فیس کرنے۔"

"ایک منٹ۔" انہوں نے جیب سے کچھ نکالا۔

"میں کل دوہا واپس جا رہا ہوں۔ نہیں جانتا آپ سے دوبارہ کب ملاقات ہوگی۔ لیکن یہ میں آپ کو دینا چاہتا تھا۔" انہوں نے وہ ڈبی اس کی طرف بڑھا دی۔ مالا نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔ پھر ڈبیا تھام کے کھولی۔

اندر سفید مخمل پہ ایک سیاہ رنگ کی فاختہ جگمگا رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ ایک آدمی نے ایک بہادر عورت کو دیا تھا۔ اور ساتھ میں کہا تھا کہ طوفان سے لڑتی فاختہ اس عقاب سے زیادہ جلدی مضبوط ہو جاتی ہے جو اچھے موسم میں پرواز کا عادی ہو۔"

"آپ یہ مجھے کیوں دے رہے ہیں؟"

"کیونکہ آپ بہادر ہیں۔ بہت اسمارٹ نہیں ہیں لیکن بہادر ہیں۔ اور آپ جب بھی اس کو دیکھیں گی، آپ کو

آج کا دن یاد آئے گا۔ جب آپ نے عقلمندی اور بہادری میں سے بہادری کو چنا تھا۔"

"کیا آپ کے پاس کوئی اور نہیں ہے جس کو یہ دے سکیں؟" وہ قدرے الجھی۔

انہوں نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

"نہیں۔ میرے اردگرد کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کا اہل ہو۔" پہلی دفعہ اسے برف کے مجسمے میں ذرا سی تکلیف ابھرتی دکھائی دی۔ پھر وہ غائب ہوگئی۔ جیسے گلیشیئر میں کچھ دب کے دفن ہو جاتا ہے۔

"تھینک یو۔ میں آپ کے خلوص کی قدر کرتی ہوں لیکن میں یہ نہیں رکھ سکتی۔ میں اجنبیوں سے تحفے نہیں لیتی۔" اس نے نرمی سے کہہ کے ڈبیا واپس میز پہ رکھ دی۔

وہ ہوٹل کاریڈور میں چلتے ہوئے وکیل سے فون پہ بات کر رہی تھی جب احساس ہوا کہ رامین پیچھے رہ گئی ہے۔ پلٹ کے دیکھا تو وہ تیز قدموں سے چلتی اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ دونوں لفٹ تک پہنچیں تھیں جب مالا نے موبائل رکھا۔

"یہ لو... آپ کا تحفہ۔" رامین نے سفید ڈبیا اس کے ہاتھ میں تھمائی۔ وہ چونک گئی۔ پھر اس پہ شدید غصہ آیا۔

"یہ کیوں لیا تم نے ان سے؟"

"کیونکہ کسی کے خلوص کو ناں نہیں کرتے۔ اسپیشلی اگر اس خلوص پر گولڈ لگا ہوا ہو۔"

لفٹ نیچے جا رہی تھی۔ اس نے بے چارگی سے ہاتھ میں پکڑی ڈبیا کو دیکھا اور پھر رامین کو۔

"لیکن فاختہ ہی کیوں؟" وہ ڈبیا کھول کے بڑبڑائی۔

"فاختہ محبت کی نشانی ہوتی ہے۔ امن اور دل کے سکون کی علامت۔ فاختہ گھر بنانے والا پرندہ ہے۔ وہ لڑائیاں نہیں کرتی۔ امن رکھنا چاہتی ہے۔"

"لیکن سیاہ کیوں؟ فاختہ تو سفید یا سرمئی ہوتی ہے۔"

"کیونکہ ہر فاختہ اپنے حصے کی غلطی کرتی ہے۔ لیکن اپنی سیاہی کے باوجود وہ چمکتی ہے۔"

مالا نے گھور کے اسے دیکھا۔

"یہ سب تم نے ابھی ابھی گھڑا ہے۔"

رامین ہنس دی۔ "سمجھو اگلی نظم کا عنوان مل گیا ہے مجھے۔"

"لیکن میں اس کا کیا کروں گی؟ مجھے جیولری کا شوق نہیں ہے۔"

لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ دونوں باہر نکلیں۔

''آپ اس کو اس دن پہننا جب آپ کو محبت مل جائے۔ اور دل میں سکون ہو۔''

وہ دونوں اب ہوٹل لابی عبور کر رہی تھیں۔

اپنے کمرے میں بیٹھے مالک فرید اب فون اٹھائے آڈیو میسجز ریکارڈ کر رہے تھے۔

''فاریہ میں تمہارے سسرال کے مسئلے حل نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلے تمہیں خود حل کرنے ہیں۔ تم جو بھی فیصلہ کرو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

پھر اگلی چیٹ کھولی اور موبائل چہرے کے قریب کیے کہنے لگے۔

''میں تمہارے شوہر کے اچھے کیریئر کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتا ہوں۔ لیکن فریڈ ہولڈنگ کے لیے وہ غیر موزوں ہے۔ اس سلسلے میں تم ماہر سے بات کرو۔''

پھر تیسری چیٹ کو دبایا۔

''زارا میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ماہر کے معاملے میں میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ کی تھی۔ اب بس مزید نہیں۔ اس مسئلے کو خود حل کرو۔ مجھے رونے دھونے والی کمزور لڑکیاں نہیں پسند۔'' ایک نظر خالی کرسی پر ڈالی۔ ''میری بیٹی کو کم از کم اتنا مضبوط ہونا چاہیے جتنی میری ماں تھی۔''

اگلا میسج انہوں نے رابیل کے لیے ریکارڈ کیا۔ الفاظ واضح اور صاف تھے۔

''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں تم پر اعتبار نہیں کرتا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید کے آفس میں ہیٹر نے ماحول کو گرم بنا رکھا تھا۔ باہر آج ٹھنڈ پہلے سے زیادہ تھی۔ ایسے میں وہ اپنی مرکزی کرسی پہ بیٹھا، گرافک ٹیبلیٹ پر پین کی مدد سے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں تلے حلقے تھے۔ اور بال قدرے بکھرے ہوئے تھے۔ گاہے بگاہے وہ ایک نگاہ ہلال پہ بھی ڈال لیتا تھا۔ وہ دو روز قبل پاکستان سے آئی تھی۔ اور آج صبح سے اس کے آفس میں موجود تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اسے کام کرنا ہے تو ہلال بھی اپنی اسکیچ بک ساتھ لے آئی تھی اور اب سامنے کاؤچ پہ ٹیک لگائے بیٹھی، پنسل سے کچھ بنا رہی تھی۔ لمبے گھنگریالے بال کندھوں پہ آبشار کی طرح گر رہے تھے۔

''ماہر...''

مردانہ آواز میں کسی نے دھیرے سے پکارا۔اس نے چونک کے اطراف میں دیکھا۔وہاں کوئی نہیں تھا۔لیکن آواز موجود تھی۔اس آواز میں طنز تھا۔شرارت تھی۔

اس نے بہت سا تھوک نگلا اور سر جھٹک دیا۔اس نے کچھ نہیں سنا۔یہ اس کا دماغ ہے جو اس کے ساتھ گیم کھیل رہا ہے۔یہ سب اس کا وہم ہے۔

''سر' میں آ جاؤں؟''

دروازہ دستک سے کھلا اور اونچی پونی ٹیل والی لڑکی نے اندر جھانکا۔

''تم آ چکی ہو' سبرینہ۔''

وہ مسکرا کے اندر آئی جیسے اس کے لہجے کی تلخی کا اثر نہ لیا ہو۔ہاتھ میں کچھ کاغذ تھے جو اس نے سامنے میز پہ رکھے اور پین اس کی طرف بڑھایا۔

ہلال نے ابھی تک چہرہ نہیں اٹھایا تھا۔سر جھکائے پنسل کاغذ پہ رگڑ رہی تھی۔

''مالک سر کی کال آئی ہے کئی دفعہ۔ایک عدالتی مسئلہ ہے اور آپ فریق کو جانتے ہیں۔وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان سے بات کر لیں۔''

''کیا یہ کمپنی کا مسئلہ ہے؟''

''نہیں۔ان کی کسی جاننے والی لڑکی کا معاملہ ہے۔''

''پھر میرے پاس وقت نہیں ہے۔مالک صاحب سے کہو مجھے تنگ نہ کریں۔'' وہ عجیب چڑچڑا سا لگ رہا تھا۔دھڑا دھڑ سائن کیے اور کاغذ اس کی طرف بڑھائے۔سبرینہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔وہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

''سر آپ کو سچائی پسند ہے نا؟ ایک سچی بات کہوں؟ برا تو نہیں مانیں گے؟''

''اگر مان لیا تو تمہاری نوکری ختم۔'' اس کی نظریں اسکرین پہ تھیں۔وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''میرے اندر بہت حوصلہ ہے۔میری نوکری آپ ختم کر ہی نہیں سکتے۔'' ہنستے ہوئے سر جھلایا۔پونی دائیں بائیں ہلی۔

''کہو۔'' وہ ہاتھ روک کے اسے سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔

سبرینہ نے بند مٹھی سامنے کی اور اس کی میز پہ کچھ رکھا۔مٹھی اٹھائی تو وہ چونکا۔وہ ایک چھوٹی سی تسبیح تھی جس کے

دانے نیلے پتھروں سے بنے تھے۔ ماہر نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''میں جب سے آئی ہوں' آپ کو پریشان اور اسٹریس میں دیکھا ہے۔ اس لیے یہ آپ کی میز پہ چھوڑ رہی ہوں۔ میری دادی نے مجھے بہت بچپن سے تسبیح کی عادت ڈالی تھی۔ تسبیح زندگی کے ہر مسئلے سے آپ کو نکال لیتی ہے۔ تسبیح ہماری زندگیوں کا ایک بہت بڑا تحفہ ہے۔ اس لیے آپ بھی اس کو ٹرائی کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کی مدد کرے گی۔''

اس نے ایک سنجیدہ نظر تسبیح پہ ڈالی اور دوسری اس پر۔ جیسے کہہ رہا ہو... رئیلی؟

''اگر آپ اس کو ہٹا دیں گے تو میں دوسری رکھ دوں گی۔ بے شک مت پڑھیں لیکن اس کو یہاں رہنے دیں۔ کبھی نہ کبھی آپ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وہ نرمی سے بولی۔ اس کا چہرہ شفاف تھا۔ آنکھیں بڑی اور تاثرات شفاف۔ جیسے پانی ہو۔

کوئی اور ہوتا تو اسے ایک آدھ تھپڑ لگ چکا ہوتا لیکن کچھ تھا سبرینہ میں جو دوسروں میں نہیں تھا۔

ماہر فرید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کہا کچھ نہیں۔ اور واپس ٹیبلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

''ماہر...'' وہی طنزیہ چھیڑتی سرگوشی قریب میں سنائی دی۔ سبرینہ اب جا چکی تھی۔ اور کمرے میں خاموشی تھی۔ صرف ہلال کی پنسل کی آواز آ رہی تھی۔

''ماہر...'' دوبارہ سے آواز سنائی دی۔ اس کی انگلیوں میں کپکپاہٹ در آئی لیکن اس نے چہرہ نہیں اٹھایا۔ یہ کچھ نہیں تھا۔ اس کا وہم تھا۔ وہ کسی بہتر تھیراپسٹ کے پاس جا کے دوا لے گا جس سے اس کو یہ آوازیں نہیں آئیں گی۔

اس کی رنگت بدل رہی تھی اور انگلیوں پر پسینہ آ رہا تھا لیکن وہ سر جھکائے لکیریں کھینچتا رہا۔

''You should answer him۔''

صوفے پہ سر جھکائے بیٹھی ہلال دھیرے سے بولی۔

ماہر فرید کی انگلیاں تھم گئیں۔ ایک لمحے کے لیے ساری دنیا رک گئی۔

اس نے بے یقینی سے چہرہ اٹھایا۔

وہ اسی طرح گردن ترچھی کیے رنگ بھر رہی تھی۔

''کیا؟'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے جو سنا' وہ ٹھیک تھا یا نہیں۔

''میں نے کہا کہ اس کو جواب دے دیں۔ وہ آپ کو تین دفعہ پکار چکا ہے۔'' ہلال نے چہرہ اٹھا کے اسے

دیکھا۔ساڑھے سات سالہ ہلال کی بھوری آنکھوں میں زمانے بھر کی سادگی تھی۔

وہ اگلا سانس نہیں لے سکا۔ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔جیسے پتھر کا مجسمہ ہو۔

''تت... تم وہ آواز سن سکتی ہو؟''

ہلال نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ کرنٹ کھا کے اٹھا اور دوڑتے قدموں سے صوفے تک آیا۔ پھر اس کے قریب زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھا اور بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''ہلال ... تم یہ آوازیں سن سکتی ہوں جو مجھے سنائی دیتی ہیں؟''

وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہا تھا۔

''ہوں۔''اس نے آنکھیں جھپکائیں۔

''تمہیں خوف نہیں آتا ؟ان آوازوں سے جن کو بولنے والا دکھائی نہیں دیتا؟''اس کی رنگت خوف سے سفید پڑ رہی تھی۔

''نہیں۔''ہلال نے آرام سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔

''کیونکہ وہ مجھے نظر آرہا ہے۔''

وہ ہل نہیں سکا۔

ہلال نے چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔اور جب بولی تو آواز سرگوشی میں تھی۔

''وہ بک شیلف پہ رکھے سیاہ گھوڑے میں چھپا ہوا ہے۔وہ وہاں سے آپ کو ہر وقت دیکھتا ہے۔''

وہ کرنٹ کھا کے پلٹا۔ بک شیلف میں رکھا سیاہ شطرنج کے گھوڑے کا مجسمہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں... نہیں... یہ کیسے... ''اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔

''کیا میں اس سے بات کروں؟''وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

وہ وہیں زمین پہ بیٹھ گیا۔ گھٹنے سینے سے لگا لیے۔گردن خود بخود اثبات میں ہلی۔

''کیا تم اس سے بات کر سکتی ہو؟''

ہلال نے سر اوپر نیچے ہلایا۔

''وہ مجھ سے ڈرتا ہے۔وہ سب مجھ سے ڈرتے ہیں۔''

پھر اس نے چہرہ اوپر کیا اور بک شیلف کی طرف دیکھا۔اس کی نظریں کسی نادیدہ شے پہ مرکوز تھیں۔

''جاؤ یہاں سے۔میرے بھائی کو تنگ مت کرو۔Go away''نرمی سے پکارا۔پھر چہرہ اس کی طرف واپس موڑا۔جو سینے سے گھٹنے لگائے'خوفزدہ سا بیٹھا تھا۔

''وہ چلا گیا ہے۔آپ اس گھوڑے کو پانی میں پھینک دو۔''اس نے واپس کلرنگ بک اٹھالی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ وہ گرم ہے۔پانی میں ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

وہ اب سر جھکائے رنگ بھر رہی تھی۔اسکیچ بک پہ ایک ٹاور بنا تھا جس کے اوپر کھڑکی میں رلپنزل کھڑی تھی اور اس کے لمبے بال ٹاور سے نیچے لٹک رہے تھے۔

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہے ہلال؟''وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔رنگت بدستور اڑی ہوئی تھی۔

ہلال شمس نے بھوری آنکھیں نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔پھر وہ دھیرے سے مسکرائی اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''آئی ڈونٹ نو۔''چہرہ جھکا کے وہ اب رلپنزل کے بالوں میں رنگ بھرنے لگی۔

اس نے راپنزل کے بال گھنگھریالے بنائے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ حال۔

جدہ۔منطقہ مکہ۔

اپارٹمنٹ کے لونگ روم میں ٹی وی خاموش آواز کے ساتھ چل رہا تھا۔بڑے صوفے پہ وہ دونوں بیٹھی تھیں۔درمیان میں پیالے میں ڈرائی فروٹ رکھے وہ پیر اوپر کیے ہوئے تھیں۔مالا نے ایک بازو کشن پہ پھیلا رکھا تھا اور مسکرا کے اس سے پوچھ رہی تھی۔

''تم شادی کے بعد جدہ شفٹ ہوئی تھیں نا۔کیسا ہے تمہارا شوہر؟''

''بس ٹھیک ہی ہے۔''رامین نے بدمزگی سے چائے کا کپ منہ سے لگایا۔''بس میرا پاکستان میں جو سسرال ہے

نا' اس کو خوش کرنے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ میری نند ہر وقت اس کوشش میں ہوتی ہے کہ میرا ہر دن اسپائل کر سکے۔ ہر وہ چیز جو مجھے خوش کرے' اس کو لوگ خراب کر دیتے ہیں۔ اوپر سے سارا سسرال ناراض ہے کہ میں یہاں کیوں رہتی ہوں۔ پاکستان میں کیوں نہیں۔ بھئی میری شادی میرے شوہر سے ہوئی ہے یا اس کے گھر والوں سے۔''

''چچ... اور تمہاری شاعری؟''

''ختم ہو گئی سب شاعری واعری۔ سب شادی سے پہلے کے چونچلے ہوتے ہیں۔ ایک کتاب سیلف پبلیش کی تھی۔ آگے کسی نے کچھ نہیں کرنے دیا۔''

''کیا پابندی لگائی ہے؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''نہیں یار۔ بظاہر سب کہتے ہیں کہ ہاں کر لو جو کرنا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ ڈال دیتے ہیں کہ انسان کوئی کام ہی نہ کر سکے۔ پھر میرا سسرال انٹرفیئر بہت کرتا ہے۔ ہارون ویسے ٹھیک رہتا ہے لیکن ماں بہن کی کال آ جائے تو بس موڈ آف کر لیتا ہے۔ میرے اندر کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کے بالکل مختلف انسان لگتا ہے۔ آپ بتاؤ آپ کے husband کیسے ہیں؟''

''زیاد بہت اچھا ہے۔ ہر چیز کو بیلنس رکھتا ہے۔'' وہ مسکرا کے بولی۔ ''ہمارے ایک دو ایشوز ہوئے تھے شروع میں۔'' نگاہ انگلی میں پہنی موتی کی انگوٹھی پہ جا ٹھہری۔ ''لیکن اس نے ان کو حل کر لیا۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ مجھے تکلیف نہ ہو۔ وہ مجھے کمفرٹیبل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس کے گھر کا ماحول ٹاکسک تھا۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ ہم میرے ساس سسر سے دور رہیں۔ اب ہم یہاں آ کے ایک نئی دنیا بسا رہے ہیں۔''

''آپ کے سسرال والے انٹرفیئر نہیں کرتے؟'' رامین کو حیرت ہوئی۔

''نہیں۔'' اس نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔ ''انہوں نے زیاد کے فیصلے کو قبول کر لیا ہے۔''

''خوش قسمت ہو آپ۔ ایسا سسرال کم لوگوں کو ملتا ہے۔'' پھر اس کی گردن میں پہنی فاختہ کو دیکھا۔ ''یہ کب پہننا شروع کی؟''

''جس دن زیاد نے مجھے خاص بات کرنے کے لیے ریستوران میں بلایا کے پرپوز کیا۔ یہ میں نے اسی دن پہنی تھی۔ یہ میرا گڈ لک چارم ہے۔''

رامین مسکرائی پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

''آپ کبھی ان سے دوبارہ ملیں؟ کیا نام تھا ان کا؟''

''ملک یا مالک کر کے کچھ تھا۔'' اس نے سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور نہیں۔ وہ دوبارہ کبھی نہیں آئے۔ نہ کبھی ان کا ذکر سنا۔ شاید سنا ہو لیکن دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ اس نام کے بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔''

''ویسے وہ دوبارہ کیوں نہیں آئے؟''

''کیونکہ وہ گلٹی تھے۔'' اس نے مسکرا کے کپ لبوں سے لگایا۔ رامین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''گلٹی کیوں؟''

''یہ ان کی ماں کا تھا۔ ایک مرد صرف اپنی ماں کو ہی بہادر عورت کہہ سکتا ہے۔'' اس نے سیاہ فاختہ کو دو انگلیوں سے چھوا۔ ''اور انہوں نے اس کو ایک اجنبی لڑکی کو تھما دیا حالانکہ یہ ان کی بیٹی کو ملنا چاہیے تھا۔ وہ اپنی بیٹی سے شرمندہ ہوں گے۔ یا بہن سے۔ یا کسی ایسی لڑکی سے جو اس کی حقدار تھی۔''

''لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس بروچ کا لاکٹ بنا لیا۔'' وہ مسکرائی۔ ''میں تو محبت کا انتظار کرتی رہی۔ ایک اچھا آپشن ملا لیکن وہاں شادی نہیں ہو سکی۔'' وہ اداس ہوئی۔ ''شادی جس سے ہوئی وہ ویسا نہیں ہے جیسا سوچا تھا۔ نہ پھول لاتا ہے نہ ایسے محبت کا اظہار کرتا ہے جیسے انسٹاگرام پہ کپلز کرتے ہیں۔''

چند لمحے کے لیے لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ دونوں گونگے ٹی وی پہ نظر آتے مناظر دیکھنے لگیں۔

''ویسے مالا .... کیا اتنے برس میں زیاد کے سوا آپ کی زندگی میں دوسرا کوئی آپشن نہیں آیا؟ کوئی ایسا جس کے لیے دل نے ہاں کی ہو لیکن قسمت نے ناں کر دی ہو؟''

وہ اس بات پہ چونکی۔ چائے کا گرم گھونٹ اندر تک کچھ جلا گیا۔

پھر دھیرے سے اس نے کپ رکھا۔

''آیا تھا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شبنم لفٹ کے قریب کھڑی تھی جب اس نے دور سے آفس سے ماہر کو نکلتے دیکھا۔ آج جمعے کی شام تھی اور وہ بدلے ہوئے لباس میں نظر آ رہا تھا۔ یہ وہ لباس نہیں تھا جس میں وہ صبح آفس آیا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا اور اس کا انتظار کرنے لگی۔

ماہر کے قدم قریب آئے۔ یہاں تک کے اس کو جوگرز دکھائی دیے۔ شبنم نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ جینز اور

شرٹ میں ملبوس تھا۔شرٹ کے بٹن سامنے سے بند تھے اور آستین پورے تھے۔ بازو پہ جیکٹ لپیٹ رکھی تھی۔مسکرا کے ہاتھ بڑھایا۔شبنم نے کار کی چابی اور کیش کا لفافہ اسے تھمایا۔

''تم اتنی اداس کیوں ہو؟'' وہ لفٹ کال کر رہی تھی جب ماہر نے دونوں چیزیں جیب میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

شبنم نے بس ایک ناراض سی نظر اس پہ ڈالی۔

''آپ یاسمین سے ملنے جا رہے ہیں نا۔''

''ہاں اور میرا فون تم رکھو گی۔اردل کو دے دینا۔وہ گھر لے جائے گا۔''

لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ دونوں اندر سوار ہوئے۔ ماہر نے پھر سے بغور اس کا چہرہ دیکھا جو بجھا ہوا تھا۔

''کس بات پہ غمزدہ ہو؟''

''زارا حاتم نے مجھ سے یاسمین کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''اور تم نے کیا کہا؟''

وہ سامنے دھاتی دروازے میں دونوں کا عکس دیکھ رہا تھا۔لفٹ نیچے جا رہی تھی۔

''وہی جو آپ نے کہنے کے لیے کہا تھا۔''

''اور وہ سچ تھا۔اس میں کچھ بھی جھوٹ نہیں تھا۔''اس نے شانے اچکائے۔شبنم انہی خفا نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پورا سچ نہیں تھا۔آپ نے مجھے یہ بتانے سے منع کیا تھا کہ آپ کا یاسمین سے کیا تعلق ہے۔''

''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ زارا واپس چلی جائے اور اپنی زندگی شروع کرے۔وہ دوسرے کسی طریقے سے نہیں جائے گی۔تم نے جو کیا اس نے زارا کی مدد کی ہوگی۔''

لفٹ کے دروازے کھلے۔وہ باہر نکل گیا۔شبنم خفگی سے اسے دیکھے گئی۔وہ اب گلاس ڈورز سے باہر نکلتے ہوئے جیکٹ پہن رہا تھا۔ریسپشنسٹ نے اسے 'نیک شام لارڈ' کہہ کے شام بخیر کہا۔ڈرائیور ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔اس نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ ڈور کی طرف بڑھ گیا۔

قریباً گیارہ ماہ بعد وہ یاسمین سے ملنے جا رہا تھا۔

شبنم نے گہری سانس لی اور اپنا ٹیبلیٹ نکالا جس پہ ماہر کا شیڈیول لکھا تھا۔

آج شام کے شیڈیول میں ایک ہی سطر درج تھی۔

سائیکوتھیراپسٹ ڈاکٹر یاسمین کے ساتھ سیشن۔شام پانچ بجے۔

اس نے انگلی پھیر کے اس سطر کو کاٹ کر دیا۔آج کے دن کا کام تمام ہوا۔اب وہ سوموار تک فارغ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر یاسمین پیتروودا کا کلینک اس کے گھر کے آدھے حصے پہ بنا تھا۔وہ ایک شاہانہ طرز کا بنگلہ تھا جس کے تین طرف لان تھا اور سامنے ڈرائیووے۔

''یاسمین خانم آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''اندر بنے غیر رسمی سے استقبالیہ پہ بیٹھی لڑکی نے مسکرا کے کہا۔اس نے جیکٹ وہیں اسٹینڈ پہ لٹکا دی اور پھر جیسے گہری سانس لے کر بہت سی ہمت مجتمع کی۔

دروازہ کھولا تو ایک نیا منظر کھلتا چلا گیا۔

وہ ایک طویل اسٹڈی روم تھا جس کی چھت دو منزلہ اونچی تھی۔ایک طرف دیوار گیر بک ریک تھا جو کتابوں سے بھرا تھا۔البتہ ان کے رکھنے کے انداز میں سلیقہ تھا۔دوسری دیوار جو بیک یارڈ کی طرف کھلتی تھی،چھت تک شیشے سے ڈھکی تھی اور ڈوبتی شام کی روشنی اندر آ رہی تھی۔

سامنے ایک لمبا سا لیدر کاؤچ رکھا تھا جس کے مقابل ترچھی کر کے ایک آرام دہ چیئر پڑی تھی۔یاسمین اس وقت اسی چیئر پہ بیٹھی تھی۔اس نے سنہرے بالوں کی فرنچ چوٹی میں باندھ رکھا تھا اور روسی نیلی آنکھیں جھکائے وہ کچھ کاغذات کو کلپ کر رہی تھی۔نظر اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''خوش آمدید۔''پھر کاؤچ کی طرف ابرو سے اشارہ کیا۔

وہ خاموشی سے چلتا ہوا لیدر کاؤچ تک آیا۔تھوڑی جھکی ہوئی تھی۔ایسے اسٹوڈنٹ کی طرح جو ٹیسٹ کے دن چھٹی کر کے کئی دن بعد اسکول آتا ہے۔

وہ کاؤچ پہ چپ چاپ لیٹ گیا۔جوگرز کاؤچ کے ایک ہتھ پہ رکھے اور سر دوسرے ہتھ پہ۔اب چت لیٹے وہ چھت کو دیکھ سکتا تھا۔

چھت صاف تھی۔کسی روشنی کے بغیر۔روشنیاں دیواروں پہ تھیں۔آنکھوں پہ زور نہیں پڑھتا تھا۔

''گزشتہ ایک سال میں تم نے کیا کیا؟''یاسمین نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور گھٹنے پر ایک نوٹ بک رکھ لی۔دوسرے ہاتھ میں پین تھا۔اب وہ بغور اس کو دیکھ رہی تھی۔

''سب سے پہلے تو میں شرمندہ ہوں کہ اتنا عرصہ...''

''نہیں تم شرمندہ نہیں ہو۔تم صرف مجھ سے بھاگ رہے ہو یعنی خود سے بھاگ رہے ہو۔لیکن کیوں؟''

وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔پھر دھیرے سے آنکھیں بند کیں۔

''مجھے کسی سے محبت ہوگئی تھی' یاسمین۔اور پھر میں نے اسے کھودیا۔''

''میں سن رہی ہوں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''واؤ.. دلچسپ آدمی ہے یہ کیف۔کاش میری زندگی بھی اتنی تھرلنگ ہوتی۔''رامین نے جھرجھری لی۔وہ تازہ چائے کے کپ لے آئی تھی اور ٹرے دونوں کے درمیان کاؤچ پہ رکھی تھی۔

''میں نے جب بھی اس کو معاف کرنا چاہا' میرے سامنے اس کا ایک اور جھوٹ کھل کے سامنے آیا۔مجھے ابھی تک انسانوں پہ اعتبار کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔کبھی کبھی زیادہ بھی۔''

''لیکن کیا وہ آپ کے لیے کوئی جذبات رکھتا تھا؟''

اس نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔

''واقعی؟اس نے ایسا کہا؟''

''نہیں لیکن میں جانتی ہوں۔ہم بچے نہیں ہیں' رامین۔ہم adults ہیں۔اسی لیے وہ بار بار میرے پیچھے آتا تھا۔''

''لیکن پھر آپ کو اس سے محبت کیوں نہیں ہوئی؟''

''ہماری اچھی دوست تھی۔انڈر اسٹینڈنگ تھی۔لیکن کچھ تھا جو ہمیشہ ہمیں آپس میں ملنے سے روک دیتا تھا۔کبھی شکوک شبہات آجاتے۔کبھی اس کے جھوٹ۔بس ہر دفعہ کچھ نہ کچھ ہوتا گیا یہاں تک کہ میرے دل میں موجود اس کی پسندیدگی بے زاری میں بدل گئی۔میں اس سے نفرت نہیں کرتی۔لیکن میں اس کے ذکر سے بے زار ہوں۔''

ٹی وی اب بھی خاموشی سے چل رہا تھا لیکن دونوں میں سے کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔وہ دیوار کو دیکھتی گم صم سی کہہ رہی تھی۔ ماہی اور صفورا سے یہ سب کہنا مشکل تھا۔رامین سے کہہ دینا آسان تھا۔ایک دوسرے ملک میں' ایک پرانی دوست سے مل کے یہ بات کرتے ہوئے لگتا تھا کہ وہ کسی اور کی کہانی سنا رہی ہے۔

''کیا کبھی پچھتاوا ہوا کہ اس کو چھوڑ کے زیادہ سے شادی کیوں کی؟''

''کبھی نہیں۔''اس نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔''کیونکہ ماہر فرید کبھی میرے لیے ایک آپشن نہیں تھا۔''

''لیکن وہ آپ کو پسند کرتا تھا۔''

''ہاں لیکن اس نے ایسا کبھی کہا نہیں۔ ہمارے درمیان حالات کبھی ایسے نہیں ہوئے کہ بات یہاں تک پہنچتی۔''

''کیا اس نے آپ کی شادی رو کنے کی کوشش نہیں کی؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کرتا تو بہت برا ہوتا۔ لیکن اس نے مجھے پانے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی۔ جب میں اس کی حقیقت سے واقف نہیں تھی' تب بھی وہ مجھے چھوڑ کے استنبول واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ ہر دفعہ آتا' اپنی صفائی دیتا' اور واپس چلا جاتا۔ میں اسے کہتی کہ وہ چلا جائے اور وہ چلا جاتا۔ اس کے لیے مالا کو چھوڑ دینا بہت آسان تھا۔''

''اگر وہ کہتا کہ زیاد سے شادی نہ کرو۔ مجھ سے کرلو۔ تو کیا کرتیں؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ شاید میں سوچتی۔ شاید نہ سوچتی۔ مجھے وہ بے زار کرتا تھا اور میں کہتی تھی کہ وہ چلا جائے اور وہ بس ایک منٹ میں (چٹکی بجائی) چلا جاتا تھا۔''

''کیا اس نے آپ کی زندگی میں شامل ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی؟'' وہ حیران ہوئی۔ مالا نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں۔ اس نے بس ایک ہی دفعہ کہا تھا کہ کاش ہم کسی اور حالات میں ملے ہوتے۔ اور کچھ نہیں۔ اسے صرف اپنی بہن کو ڈھونڈنا تھا۔ اپنی ماں کی ڈیتھ کے وقت میں اکیلی تھی۔ مجھے اس کی ضرورت تھی۔ لیکن وہ نہیں آیا۔ نہ اس نے کال کی۔ اس وقت زیاد میرے ساتھ تھا۔ کہانا' مجھے چھوڑ دینا ماہر فرید کے لیے سب سے زیادہ آسان ہوتا تھا۔'' تلخی سے کہتے ہوئے اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''میں اکثر سوچتا ہوں کہ اس نے میرے اوپر زیاد کو ترجیح کیوں دی؟ میں کسی بھی لحاظ سے اس سے کم نہیں تھا۔'' اس کا انداز تلخ تھا۔ وہ چت لیٹا چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یاسمین ساتھ ساتھ پیڈ پہ کچھ لکھتی جا رہی تھی۔ وہ خاموش ہوا تو اس کی آواز گونجی۔

''اب میں کچھ کہنے جا رہی ہوں۔ جہاں غلط لگوں' بتا دینا۔'' وہ پیڈ پہ لکھے پوائنٹس دیکھ کے کہنے لگی۔

''تم نے اسے اپنا نام اور کہانی جھوٹی بتائی۔ تمہاری مجبوری تھی۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن پھر تم اپنے منہ سے اپنا سچ بتائے بغیر اسے چھوڑ کے استنبول آ گئے۔ اس کو کسی اور سے تمہارا سچ معلوم ہوا اور وہ تم سے نفرت کرنے لگی۔''

''تم ایسے کہہ رہی ہو جیسے ...'' وہ تیزی سے بولا۔ پھر رکا۔ ''ہاں۔ یہ درست ہے۔''

''پھر تم کئی دفعہ اس کے پاس گئے۔ لیکن ہر دفعہ اس کے پاس تمہارے لیے ایک نیا الزام ہوتا۔ جس میں کچھ حقیقت بھی ہوتی۔ اور ہر ملاقات کے آخر پہ وہ تمہیں جانے کے لیے کہتی اور تم چلے جاتے۔''

''درست۔''

''تم نے اس کو زیاد سے شادی کرنے سے نہیں روکا۔ نہ تم نے اس کو زیاد کی حقیقت بتائی۔'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ یقین نہ کرتی۔''

''درست یا غلط؟'' یاسمین نے ابرو اٹھایا۔

''درست۔'' اس نے جیسے کڑوا گھونٹ بھرا۔

''تم نے کسی بھی موقع پہ اس سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ تم نے اس کو اپنانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ تمہارے لیے اس کو چھوڑ کے جانا بہت آسان تھا۔''

''درست۔ لیکن میں اس پہ اپنا فیصلہ تھوپ دیتا اور زبردستی اس کی شادی نہ ہونے دیتا تو کیا میں خود کو آئینے میں فیس کر سکتا؟'' اس نے آنکھیں کھولیں۔ اب وہ چھت سے ملحقہ شیشے کی دیوار کو دیکھ رہا تھا جس کے پار سبزہ زار دکھائی دے رہا تھا۔

''ماہر، یہ دو الگ باتیں ہیں۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ تم نے کسی لڑکی کے اوپر اپنی مرضی مسلط نہیں کی بلکہ اسے اپنا فیصلہ کرنے دیا اور تم اس کو چھوڑ کے آ گئے۔ اس بات کو الگ رکھو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم اس کو تب بھی چھوڑ کے آ گئے تھے جب زیاد اس کی زندگی میں نہیں تھا۔''

وہ خاموش رہا۔

''تم اپنا سچ سنائے بغیر اس کو چھوڑ کے آ گئے تھے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''درست۔'' وہ جیسے تذبذب سے رکا۔

''کیا تم نے کبھی خود کو ایک آپشن کے طور پہ پیش کیا؟ یعنی تم نے کبھی اظہارِ محبت کیا؟''

''میں اپنی بہن...''

''ماہر میں آج تک کسی ایسے مرد سے نہیں ملی جو کسی عورت سے محبت کرے اور اس کے پیچھے نہ بھاگے۔ اگر کسی

مرد کو کسی عورت سے محبت ہو تو وہ اسے فوراً اپنانا چاہتا ہے۔ مرد کو ہمیشہ جلدی ہوتی ہے۔" یاسمین نے رک کے غور اسے دیکھا۔

"سوائے ایسے مرد کے جو اسے اپنانا ہی نہیں چاہتا۔"

وہ خاموشی سے چت لیٹا چھت کو دیکھے گیا۔ وہ صاف تھی۔ کورے کاغذ جیسی۔ یاسمین کی آواز اس کاغذ پہ تحریری لکھ رہی تھی۔

"اب میں تمہیں اپنا تجزیہ دوں گی۔ شاید وہ تمہیں پسند نہ آئے لیکن تم میرے پاس اسی لیے آتے ہو کیونکہ میں تمہیں ناپسندیدہ حقیقتیں بتاتی ہوں۔" وہ اسی پروفیشنل لیکن نرم انداز میں کہہ رہی تھی۔

"تم اس کو تب بھی چھوڑ کے چلے گئے تھے جب اس کی زندگی میں زیادہ نہیں تھا۔ تم کئی ماہ اس کی نوکری کرتے رہے لیکن تم نے اس سے کسی قسم کا تعلق استوار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تم نے جان بوجھ کے کبھی اس سے اظہارِ محبت نہیں کیا۔ تم مسلسل اس سے دور بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

ماہر فرید خاموش رہا۔ اسی لیے وہ ایک سال سے اس کے پاس نہیں آیا تھا۔ اسے یاسمین سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

"اس کے بعد تمہارے پاس کئی مواقع آئے جب تم اس کے لیے کوشش کر سکتے تھے لیکن تم نے نہیں کی۔ میں نہیں کہہ رہی کہ اس کی شادی رکوتے۔ لیکن تم نے اس سے شادی کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ تم کبھی بھی اس کو اپنانا نہیں چاہتے تھے ماہر۔ کیا میں درست ہوں؟"

اس نے بہت سا تھوک نگلا۔ مگر جواب نہیں دیا۔ بس چھت کو دیکھے گیا۔

"میں نے تمہیں ہمیشہ سکھایا ہے کہ انسانوں کو ان کے فریم میں رکھ کے دیکھو۔ اگر تم اس لڑکی کے جوتوں میں خود کو رکھ کے دیکھو تو اس نے تمہیں کئی موقعے دیے لیکن تمہارا کوئی نہ کوئی جھوٹ یا فریب اس کے سامنے آتا رہا۔ تم نے کبھی معافی نہیں مانگی۔ تم چاہتے تھے وہ تمہیں کبھی معاف نہ کرے تاکہ تمہیں اس کو بتانا نہ پڑے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ کیونکہ اگر بات یہاں تک آئی تو تمہیں اس لڑکی سے شادی کرنی پڑے گی اور تم یہ نہیں چاہتے تھے۔"

اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بس چاہتا تھا کہ یاسمین خاموش ہو جائے۔

"اس نے زیاد کو تم پہ ترجیح نہیں دی۔ تم کبھی اس کا آپشن ہی نہیں تھے۔ کیونکہ لڑکیاں کمٹمنٹ مانگتی ہیں اور تم ہر دفعہ اس کو چھوڑ کے فرار ہو جاتے تھے۔ ایسے شخص پہ کوئی لڑکی بھروسہ نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس زیاد نے بے شک

بہت چالیں چلیں لیکن اس نے اپنی محبوب لڑکی کے لیے کوشش کی۔ اس نے اس کو پرپوز کیا۔ اس کو انگوٹھی پہنائی۔ اس نے کمٹمنٹ ظاہر کی۔ تم نے نہیں کی۔ میرا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس لڑکی نے جس سے شادی کی وہ کتنا برا یا اچھا انسان ہے۔ وہ لڑکی میری کلائنٹ نہیں ہے۔ تم میرے کلائنٹ ہو۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں پہلی دفعہ کوئی لڑکی ملی جو تمہیں اتنی اچھی لگی۔ پھر بھی تم اس سے بھاگتے رہے۔ کیوں؟''

''تم خود بتا دو۔ تم مجھے پڑھنے میں اچھی ہو۔'' اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ صرف یاسمین کی آواز گونج رہی تھی۔

''کیونکہ تم نے اپنی ماں کو دل سے کبھی معاف نہیں کیا۔ تمہاری ماں نے تمہیں ایک بہت بڑے ایموشنل ٹراما سے گزارا ہے۔ ہمارے ماں باپ بعض اوقات ہمارے اندر ایسے ٹراما چھوڑ جاتے ہیں جن کے آسیب ہمیں ساری عمر ڈراتے ہیں۔ رابیل نے جو کیا' اس کے بعد سے تمہارا شادی اور محبت سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ پھر شمس نے جیسے تمہیں ایک سائیکو پیشنٹ قرار دیا' اور تم نے دیکھا کہ کوئی تمہارا اعتبار نہیں کرتا' سو تم نے اپنا اعتبار کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اسی لیے تم نے کشمالہ کو اپنانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ ایک ایک کر کے سارے رشتے تم سے کھو گئے اور تمہیں لگتا ہے کہ...''

''کہ جو بھی میری زندگی میں آئے گا میں اس کھو دوں گا۔'' وہ بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

''بالکل۔ اور چونکہ تم اپنا اعتبار نہیں کرتے' اس لیے تمہیں لگتا ہے تم پہ کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔ اور تم جس سے بھی شادی کرو گے وہ تمہارے ساتھ نہیں رہ پائے گی۔ وہ تمہاری ماں جیسی بن جائے گی۔ یا تم اس کے لیے شمس بن جاؤ گے۔ کیا میں درست کہہ رہی ہوں؟''

بند آنکھوں سے چہرے کو اثبات میں جنبش دی۔

''تم میرا ذہن کیسے پڑھ لیتی ہو یاسمین؟''

وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''اس کاؤچ پہ ہر روز میرے سامنے تمہارے جیسے بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں ماہر۔ میں تمہیں اندر باہر سے دیکھ سکتی ہوں۔ جب تک تم اپنی ماں کو معاف نہیں کرو گے' تم کسی لڑکی کو اپنے قریب نہیں آنے دو گے۔''

اس نے آنکھیں کھولیں۔ اور چھت کو دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی۔

''میں اس کو مس کرتا ہوں۔'' جیسے اعتراف کیا۔ ''دور اندر میری خواہش ہے کہ اس کی اپنے شوہر سے نہ

بنے۔اور وہ اپنی غلطی پہ نادم ہو کے میرے پاس واپس آ جائے۔''

''نہیں ماہر۔تم اندر سے یہ نہیں چاہتے کہ اس کا گھر خراب ہو۔''

''میں واقعی یہی چاہتا ہوں۔غلط بات ہے لیکن ایسا ہی ہے۔''

''نہیں۔تم سمجھتے ہو کہ تم یہ چاہتے ہو۔لیکن وقت ثابت کرے گا کہ تم نہیں چاہتے کہ وہ دونوں الگ ہوں۔کیونکہ اس کے شوہر میں جتنی برائیاں ہوں'اس نے اپنی محبت کو پانے کے لیے کوشش کی ہے جو تم نے نہیں کی۔وہ دونوں ایک ساتھ خوش رہیں گے۔تم ان کی ایکویشن سے باہر ہو۔اور تمہیں اس حقیقت کو قبول کرنا ہو گا۔''

''پتہ نہیں۔''اس نے گہری سانس لی۔پھر چہرہ قدرے موڑ کے اسے دیکھا۔وہ گھٹنوں پہ نوٹ بک رکھے ہوئے تھی۔اس کے ناخن پالش والے ناخن نوٹ بک کا کنارہ مروڑ رہے تھے۔

''میں کیا کروں یاسمین؟''

''خود سے سچ بولو۔اور اس لڑکی کو اپنے ہاتھ سے جانے دو۔''

''وہ پہلے ہی چلی گئی ہے۔''وہ اداسی سے مسکرایا۔نظریں یاسمین کے ناخنوں پہ تھیں۔اس نے سرخ نیل پالش لگا رکھی تھی۔

''لیکن تم نے اس بات کو قبول نہیں کیا کہ ضروری نہیں ہے کہ اچھے لوگوں کو محبت بھی اچھے لوگوں سے ہو۔''

''لیکن وہ ہینڈسم نہیں ہے۔''وہ ماتھے پہ بل لیے بڑبڑایا۔یاسمین کو سنائی نہیں دیا۔چہرہ آگے کیا۔

''کیا؟''

ماہر نے سر جھٹکا۔

''کچھ نہیں وہ...''

دفعتاً وہ ٹھہرا۔نگاہیں اس کے ناخنوں پہ جم گئیں جو نوٹ بک کے سرورق کا کونا مروڑ رہی تھیں۔

اگلے ہی لمحے وہ بجلی کی تیزی سے سیدھا ہوا۔جوتے فرش کو چھونے لگے۔

''کتاب... کتاب کا سرورق۔''

''کیا؟''وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''وہ سرخ ٹکڑا کسی باریک کتاب کے سرورق کا کونا ہے۔''پھر جلدی جلدی وضاحت کی۔''ہلال نے مجھے کچھ بھیجا تھا۔وہ کسی کتاب کا حصہ ہے۔مجھے وہ کتاب تلاش کرنی ہے۔مجھے جانا ہے۔سوری۔''وہ تیزی سے اٹھ کھڑا

ہوا۔

یاسمین نے مسکرا کے نوٹ بک بند کی۔اور اثبات میں سر ہلایا۔

''امید ہے تم مجھے کال کرو گے اور ہر ہفتے میرے پاس آؤ گے۔غائب نہیں ہو جاؤ گے۔''

''تمام تمام۔''وہ تشکر سے کہتا تیزی سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اسے اب وہ کتاب ڈھونڈنی تھی جس کے سرورق کا وہ ٹکڑا تھا۔

اگر وہ اس کتاب کو تلاش کر لے تو وہ ہلال تک پہنچ جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''یعنی تمہارے کوئی پچھتاوے نہیں ہیں؟''

وہ دونوں ابھی تک لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھیں۔کھڑکیوں کے باہر شام اتر رہی تھی۔زیاد کے آنے کا وقت ہونے والا تھا۔رامین کے شوہر کی واپسی بھی متوقع تھی۔

''نہیں۔زیاد ایک اچھا شوہر ہے۔ہاں وہ انسٹاگرام والے کپلز کی طرح نہیں ہے۔وہ میرے لیے ہر روز پھول نہیں لا سکتا۔اس کا موڈ خراب بھی ہوتا ہے اور ہماری کھٹ پٹ بھی ہو جاتی ہے۔''

''یعنی وہ نارمل شوہر ہے۔حقیقی شوہر۔جیسے شوہر ہوتے ہیں۔''رامین ہنس کے بولی تو وہ بھی مسکرا دی۔

''ہاں۔ہم ایک نارمل کپل ہیں۔اور مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔میں نے اپنی ماں کی بیماری اور ڈیتھ کا دورانیہ بہت دقت سے کاٹا ہے۔اور اب میں سب کو... اس جادوگر اور تعاقب کار ... سب کو پیچھے چھوڑ کے آگے بڑھ گئی ہوں۔میں نے نئی زندگی شروع کر لی ہے۔''

''ویسے زیاد سے ماہر فرید کو کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟''رامین کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''معلوم نہیں۔لیکن اس کی منگیتر کے گھر والوں نے اس کے خلاف انجنکشن آرڈر لیا تھا۔یعنی وہ لوگ چاہتے تھے کہ قانون ان کو ماہر فرید سے تحفظ دے۔''

''تم نے کبھی زیاد کی منگیتر کے گھر والوں سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی؟ آخر ان کی کیا کہانی تھی؟''اسے تجسس ہوا۔

''نہیں رامین۔یہ غیر اخلاقی حرکت ہے کہ میں زیاد کی پیٹھ پیچھے اس کی پرانی منگیتر کو کھوجوں۔زیاد کو جو بتانا ہوگا

خود بتادے گا۔ پھر وہ زیادہ کا ماضی تھا۔ مجھے اس کا تجسس نہیں کرنا چاہیے۔ اور کیف.. ''رک کے تصحیح کی...

''یعنی ماہر... تو میں نے اسے معاف نہیں کیا لیکن میرا دل اس کی طرف سے بیزار ہے۔ ویسے بھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ استنبول میں رہتا ہے۔ ہم دو مختلف ممالک میں رہنے والے لوگ ہیں۔ سمندروں کا فاصلہ ہے ہمارے درمیان۔ میرا نہیں خیال کہ اب ہمارا زندگی میں کبھی سامنا ہوگا۔''

فون بجنے لگا تو اس نے چائے کا کپ رکھا اور موبائل نکالا۔ معید کی کال آرہی تھی۔ اس نے فون سائلنٹ کر کے ایک طرف ڈال دیا۔ وہ دوست کے گھر آئی تھی۔ معید سے بعد میں بات کر لے گی۔ واپس رامین کی طرف توجہ ہوئی کہ سلسلہ وہیں سے شروع کرے جب میسج ٹون سنائی دی۔

معید کا ایک میسج آیا تھا۔

''کیا تم اور ماہی اگلے ماہ کے وسط تک استنبول آسکتی ہو؟''

وہ حیران رہ گئی۔

''کیوں؟ کیا ایمرجنسی ہے؟'' انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

''میں شادی کر رہا ہوں۔''

اس کے ابرو استعجاب میں اٹھے اور لب کھل گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اگلے الفاظ ٹائپ کرتی' سماعتوں میں وہی آواز گونجی۔ بنا نغمے کے میوزک۔

وہی ایک دھن۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

وہ چونک کے دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ رامین اس آواز سے بے خبر چائے کے برتن اٹھا رہی تھی۔

یہ آواز قریباً پانچ ہفتوں بعد سنائی دی تھی۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کمرہ سفید دیواروں سی بنا تھا۔ اس میں ایک کین کے کراؤن والا سنگل بیڈ رکھا تھا۔ سامنے ایک چھوٹی سی الماری اور اسٹڈی ٹیبل بنی تھی۔ اس کا رنگ گلابی اور ہلکا جامنی تھا۔ بک شیلف کے خانے خالی تھے۔ سوائے چند کتابوں کے وہاں کچھ نہ تھا۔ دیواریں بھی کسی قسم کے ڈیکور سے خالی تھیں۔ تین دیواروں میں کوئی کھڑکی' کوئی

روشن دان نہ تھا۔ چوتھی دیوار میں ایک دروازہ تھا جس کے اندر کی طرف کوئی چٹخنی نہ تھی۔ چٹخنی کا نشان البتہ موجود تھا جیسے اسے نکال دیا گیا ہو۔ صرف ایک ہینڈل لاک تھا جو باہر سے بند ہوتا تھا۔

بیڈ اس وقت نفاست سے بنا تھا۔ اور خالی تھا۔ سامنے اسٹڈی ٹیبل کی کرسی البتہ خالی نہیں تھی۔

اس پہ وہ بیٹھی تھی۔

اس نے دونوں کہنیاں میز پہ رکھی تھیں اور اس کا چہرہ کسی شے پہ ہلکا سا جھکا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کچھ کر رہی تھی۔

اس کی جسامت کافی دبلی پتلی تھی۔ اور لمبے گھنگریالے بال کمر سے نیچے تک آتے تھے۔ بالوں میں کوئی پن نہیں تھی۔ کوئی بینڈ نہیں تھا۔ وہ بس کھلے تھے۔

اس کی عمر گیارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ اور اس نے ٹائٹس کے اوپر ٹاپ پہن رکھا تھا۔ جو اس پہ قدرے ڈھیلا تھا۔

دفعتاً وہ گہری سانس لے کر سیدھی ہوئی۔ گردن دائیں طرف موڑی جہاں دروازہ تھا۔ اس کا چہرہ واضح ہوا۔

اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ اور پلکیں لمبی اور مڑی ہوئی۔ تھوڑی پہ زخم کا ایک نشان تھا جو اب مندمل ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نظر بند دروازے کو دیکھا۔ باہر سے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ دم سادھے سنے گئی۔ یہاں تک کہ آواز دور چلی گئی۔ وہ پیچھے کو ہو بیٹھی۔

اب اس کے سامنے میز پہ رکھی شے واضح ہوئی۔

وہ ایک ننھا سا میوزک باکس تھا جس کا ڈھکن کھلا تھا۔ اس کی چابی ٹوٹ گئی تھی لیکن پانچ ہفتے کی محنت کے بعد ہلال شمس نے اسے جوڑ لیا تھا۔

اس نے ایک نظر دروازے کو دیکھا۔ پھر دھیرے سے چابی گھمائی۔

میوزک باکس میں ایک چھوٹا سا ٹاور بنا تھا جس کے اوپر رلپنزل اپنے بال لٹکائے بیٹھی تھی۔ چابی چھوڑتے ہی ٹاور گول گول گھومنے لگا۔ اور دھن بجنے لگی۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

وہ پیچھے کو ہو بیٹھی اور سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔ اب وہ آرام سے بیٹھی رلپنزل کو گول گول گھومتے دیکھ رہی تھی۔

اسٹڈی ٹیبل پہ دیوار کے ساتھ چند سینٹڈ کینڈلز رکھی تھیں۔ان کی موم کافی نیچے تک جا چکی تھی۔ساتھ کاپیز اور رنگین پنسلز بھی موجود تھیں۔

اوپر بنے شیلف میں چند بے ترتیب کتابوں کے ساتھ ایک سرخ رنگ کی پتلی سی کتاب رکھی تھی جس کے سرورق پہ بہت سے پھول بوٹے بنے تھے۔

اس کے سرورق کا کونا پھٹا ہوا تھا۔

وہ بچوں کا نورانی قاعدہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ دوم "مکہ"

قسط نمبر:11

"شک عموماً پہنچتا ہے تبدیلی سے ذرا پہلے

جب ہر شے تباہ ہو رہی ہوتی ہے

اور دنیا عجیب ویران سی لگنے لگتی ہے۔

شک تمہیں آدھی رات کو جگا دیتا ہے۔

شک تمہیں تب تک جھنجوڑتا ہے

جب تک تم جان نہ پاؤ کہ کیا غلط ہے۔

شک ایک آواز ہے

سرد اور سفاک۔

منطق کے ذریعے تمہارا مذاق اڑاتی ہوئی

تمہیں خود کو نادان محسوس کرواتی ہوئی۔

شک کو پرواہ نہیں ہوتی کہ

وہ کب اور کہاں ضرب لگاتا ہے۔

الفاظ ہتھیار بن جاتے ہیں

اور خیالات نیزے

شک تمہارا دل توڑ دیتا ہے

اور تمہارا سانس روک دیتا ہے

اور تم کہتے ہو کہ

www.facebook.com/nemrah.ahmed

مجھے نہ بتاؤ معجزوں کے بارے میں
میں یقین نہیں کر سکتا
جب تک میری آنکھیں دیکھ نہ لیں۔
(نامعلوم)

کئی برس پہلے...ایک دفعہ کا ذکر ہے...

وہ سرما کی ایک یخ بستہ رات تھی۔ کنٹری سائیڈ کے درخت برف باری کے باعث سفید ہو رہے تھے۔ ان کے درمیان میں ایک لکڑی کا کاٹیج (چھوٹا سا گھر) دکھائی دیتا تھا جس کی کھڑکیاں روشن تھیں اور چمنی سے دھواں نکل رہا تھا۔

اس کی کھڑکی سے اندر جھانکو تو سٹنگ روم میں ایک بڑا سا آتش دان بنا تھا جس میں آگ جل رہی تھی۔ لکڑیوں کے سلگنے کی بو میں براؤنیز کے گیلے آمیزے کی مہک بھی شامل ہو گئی تھی۔ آتش دان کے قریب ایک کارنر لیمپ جلا تھا جس کے ساتھ ایک سیاہ ونگ چیئر رکھی تھی۔ ماہر اس پہ یوں بیٹھا تھا کہ پیر لمبے کر کے اوٹومن پہ رکھے ہوئے تھے۔ گھٹنوں پہ کمبل ڈال رکھا تھا اور ہاتھ میں ایک دبیز کتاب تھی۔ اس کے سگار کا باکس قریبی میز پہ رکھا تھا۔

دفعتاً اس نے کتاب چہرے کے آگے سے ہٹائی۔ نگاہیں کچن کاؤنٹر کی طرف بلند ہوئیں۔

''میں نے تمہاری نینی کا بندوبست کر لیا ہے لالی۔''

کچن کاؤنٹر پہ بیٹھی ہلال کی اس طرف پشت تھی۔ لمبے گھنگھریالے بال کھلے تھے۔ وہ گود میں رکھے ایک باکس کا گفٹ ریپر اتار رہی تھی۔ اس بات پہ چونک کے گردن موڑی۔ بھوری آنکھوں میں حیرت در آئی۔

''نینی؟ لیکن ماما اور پاپا نے منع کر دیا تھا۔'' وہ اداس ہوئی۔ ریپر علیحدہ کرتے ہاتھ سست ہوئے۔

''ہلال کا نام لالی کب سے ہوا اور اس کو نینی کیوں چاہیے؟''

ایپرن پہنے، پونی بنائے، جھک کے براؤنیز کا آمیزہ مکس کرتا بیربل پلٹا اور اچھنبے سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''پارک میں سب بچوں کے نک نیم ہیں اور سب کے پاس نینی ہوتی ہے۔ مجھے بھی چاہیے۔'' وہ ابرو اکٹھی کر کے خفگی سے کہتی واپس اپنا گفٹ کھولنے لگی۔ بیربل نے ماہر کو دیکھا۔ اس نے کندھے اچکا دیے۔

''ہلال کو جو چاہیے، وہ ہم اس کو لے دیں گے۔'' واپس کتاب چہرے کے سامنے کر دی۔

''اگر میں نے یہ فرمائش کی ہوتی تو ماہر فرید کا جواب ہوتا کہ اپنا پارک بدل لو۔'' وہ جل کے کہتا اوون کی طرف بڑھ گیا۔ کچن میں بنی چوڑی کھڑکی کے باہر سفید رات پھیلی تھی۔ برف کے ننھے ننھے گالے گرتے دکھائی دے رہے تھے۔ اور آس پاس بھی دور تک برف پڑی تھی۔ یہ شہر سے دور مضافات میں بنا ایک چھوٹا سا لکڑی کا ویکیشن ہاؤس تھا۔

''یہ کیا ہے' ماہر بھائی؟'' آرائشی کاغذ اتار کے اس نے اندر موجود ڈبا نکالا اور ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''پہلی دفعہ ماہر آفندی نے اپنی بہن کو کینڈل کے علاوہ کچھ دیا ہے۔ ہم بھی دیکھیں۔'' وہ شدید جلا کٹا لگ رہا تھا۔ ایک افسوس بھری نظر اپنے گفٹ پہ ڈالی جو ایک طرف رکھا تھا۔ ایک بہت خوبصورت اور قیمتی ڈول۔ ہلال نے اسے دیکھ کے ٹھنڈی سانس بھری اور ملامتی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''ہلال اب ڈولز سے نہیں کھیلتی۔ ہلال بڑی ہوگئی ہے۔''

تب سے بیر بل فرید کا صدمہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

ہلال سر جھکائے اب باکس کھول رہی تھی۔ کاؤنٹر سے اس کے پیر نیچے لٹک رہے تھے اور بال چہرے کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔

''میوزک باکس۔'' اس کی آنکھیں چمکیں۔

وہ ایک میوزک باکس تھا۔ ٹاور کے اوپر ایک سنہری چوٹی والی لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کے بال ٹاور کی بنیاد کو چھو رہے تھے۔ ہلال نے انگلی اس کے بالوں پہ پھیری۔ آنکھوں میں چمک در آئی۔ پھر اس نے چابی گھمائی کے چھوڑی۔

''پیپی برتھ ڈے ٹو یو...''

ٹاور گول گول گھومنے لگا اور دھن سنائی دینے لگی۔ اس نے مڑی ہوئی پلکوں والا چہرہ اٹھا کے ونگ چیئر پہ نیم دراز کتاب پڑھتے ماہر کو دیکھا۔

''یہ راپنزل ہے نا؟''

کتاب پڑھتے ہوئے جھکی آنکھوں سے ماہر نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''ٹیکنکلی یہ بھی ایک ڈول ہے۔'' بیر بل جتا کے پیر پٹختا آگے بڑھ گیا۔

''کیا آپ مجھے راپنزل کی کہانی سناؤ گے؟'' وہ اب کاؤنٹر پہ رخ موڑ کے بیٹھی ماہر کو دیکھ رہی تھی۔

''Just watch Tangled'' بیر بل کی جلی کٹی بڑبڑاہٹ اونچی تھی۔

''وہ ڈزنی ورژن ہے۔ میں تمہیں اصل ورژن سنا سکتا ہوں۔''اس نے کتاب لہرائی۔ہلال کی آنکھیں چمکیں۔اس نے میوزک باکس کاؤنٹر پہ رکھا اور جست لگا کے نیچے اتری۔ پھر بھاگ کے اس کی ونگ چیئر تک آئی۔ ماہر نے کمبل ہٹایا۔اس کے لیے جگہ بنائی۔وہ صوفے کے بازو اور اس کے کندھے کے درمیان فٹ ہو کے بیٹھ گئی اور سر اس کے کندھے پہ رکھ لیا۔

''برادرز Grimm کا ورژن قدرے تلخ ہے۔سنو گی؟''اس نے کتاب دونوں ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی ایسے کہ ایک بازو ہلال کے گرد سے گزار رکھا تھا۔اس نے جھٹ سر اوپر نیچے ہلایا۔

''کئی برس پہلے...ایک دفعہ کا ذکر ہے...''

''ساری کہانیاں ایسے کیوں شروع ہوتی ہیں؟''

''کیونکہ رائٹر ہمیں یہ نہیں بتانا چاہتے کہ وہ واقعہ کب پیش آیا۔''اس نے کتاب کا صفحہ پلٹایا۔''راپنزل کی کہانی شروع ہوئی تھی خواہش سے...''

''رئیلی، ماہر فرید؟؟؟ امیزہ مکس کرتے بیربل نے سر اٹھا کے اسے گھورا۔لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔وہ کتاب سے پڑھ کے سنا رہا تھا اور ہلال انگلی پہ گھنگریالی لٹ لپیٹتی چھت کو دیکھ رہی تھی جہاں آتش دان سے جلتی آگ کا سایہ پڑ رہا تھا۔

''ایک عورت اور اس کے شوہر کو ایک بچے کی خواہش تھی۔لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو رہی تھی۔''

''اس جنگل بیابان میں سالگرہ منانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں بیکنگ کا مکمل سامان تک نہیں ہے۔''اب وہ بڑبڑاتے ہوئے کیبنیٹس کھول بند کر رہا تھا۔

''ان کے گھر کی عقبی کھڑکی سے ایک باغیچہ دکھائی دیتا تھا جو خوبصورت پھولوں اور جڑی بوٹیوں سے بھرا تھا۔وہ ایک جادوگرنی کا باغ تھا۔''

''جادوگرنی کیا ہوتی ہے؟''

''ایک ایسی عورت جو جادو کر کے لوگوں کی زندگیاں خراب کرتی ہو۔''

''کیا جادو واقعی ہوتا ہے؟''اس نے ماہر کو دیکھتے ہوئے پلکیں جھپکائیں۔

''نہیں۔صرف کہانیوں میں ہوتا ہے۔''وہ دھیرے سے ہنس دیا۔یہ سیاہ گھوڑے کے مجسمے سے بہت پہلے کی بات تھی۔

''ایک روز اس عورت نے دیکھا کہ جادوگرنی کے باغ میں ایک خوبصورت رلپنزل اگا ہے۔رلپنزل ایک پودے کا نام تھا۔اس کے اندر اس ممنوعہ پودے کو کھانے کی خواہش بیدار ہوئی اور اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ اگر اسے رلپنزل کھانے کو نہ ملا تو وہ مر جائے گی۔''

''کیا وہ واقعی مر جاتی ؟''وہ اس کے کندھے پہ سر رکھے نگاہیں چھت پہ ناچتے سایے پہ جمائے ہوئے تھی۔

''نہیں۔انسان کسی کے لیے نہیں مر سکتا۔بس اس کی خواہش جب حد سے بڑھ جائے تو وہ بڑی ہو کے دکھائی دینے لگتی ہے۔''

بیر بل نے آمیزہ بیکنگ ڈش میں انڈیلتے ہوئے ایک افسوس بھری نگاہ اس پہ ڈالی۔

''اور برادر آف دی ائیر کا ایوارڈ ماہر فرید کے نام ہوا۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''شوہر نے جادوگرنی کے باغ سے رلپنزل توڑ کے اسے لا دیا۔کچھ دن بعد اسنے پھر وہی خواہش کی۔اس دفعہ شوہر باغ میں دیوار پھاند کے گیا تو سامنے جادوگرنی کھڑی تھی۔''

''وہ پکڑا گیا؟''ہلال نے افسوس سے دائیں بائیں سر ہلایا۔وہ اب بھی چھت کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''اس نے جادوگرنی کی منت کی کہ رلپنزل کے بغیر اس کی بیوی مر جائے گی۔اس پہ جادوگرنی نے کہا کہ وہ جتنے چاہے رلپنزل توڑ کے کھالے بدلے میں انہیں اپنا بچہ اس کو دینا ہوگا۔اپنی جان بچانے کے لیے اس نے جادوگرنی سے ڈیل کر لی۔''

''ڈزنی ورژن میں بچی اغوا ہوئی تھی...''بیر بل کھنکھارا لیکن وہ دونوں اس کی طرف متوجہ نہ تھے۔

''جب ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی تو جادوگرنی اس کو لینے آ پہنچی اور ان میاں بیوی نے خود اپنی بچی اس کو دے دی۔''

بیر بل پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑا افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بچوں کو برادرز Grimm کا ورژن کون سناتا ہے؟''

''جادوگرنی نے اس کا نام رلپنزل رکھا۔وہ سورج تلے رہنے والی لڑکیوں میں سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔''وہ کتاب سے پڑھ رہا تھا۔ہلال کی آنکھیں کاؤنٹر ٹاپ پہ رکھے میوزک باکس پہ جمی تھیں۔''اس نے رلپنزل کو ایک ٹاور میں قید کر دیا جس کی کوئی سیڑھی یا دروازہ نہ تھا۔صرف ایک کھڑکی تھی۔''

''رلپنزل ٹاور میں قید کیا کرتی تھی؟''

''وہ پینٹ کرتی تھی اور کھڑکی میں بیٹھ کے گنگناتی تھی۔''

''کیونکہ وہ بور ہوتی تھی اور اس کے پاس انٹرنیٹ نہیں تھا۔'' بیربل کا کیک اوون میں تھا اور وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا کینہ توز نظروں سے ماہر کو دیکھ رہا تھا۔

ہلال نے پہلی دفعہ نظروں کا رخ موڑ کے بیربل کو دیکھا۔

''وہ بور نہیں ہوتی تھی۔ وہ گنگنا کے اپنی ماں کو بلا رہی تھی۔''

ماہر نے کتاب کے صفحے پلٹائے۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں۔ کہانی میں اس کی ماں کا ذکر نہیں ہے۔''

''وہ اپنی ماں کو بلا رہی تھی۔'' وہ زور دے کر بولی۔ کچھ تھا اس کے انداز میں جو ماہر چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

''ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟''

ہلال اپنی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں سے چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''میری نینی کون ہے؟'' اس کا سوال غیر متوقع تھا۔ ماہر نے کتاب کا صفحہ موڑا اور گہری سانس لی۔

''وہ جھیل کے کنارے ایک چھوٹے سے گھر میں مقیم ہے۔ اس شہر میں جہاں میں رہتا ہوں۔ وہ تمہارے سب کاموں کی ذمہ دار ہو گی...''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن۔

سفید اور گلابی کمرے کی دیواریں خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اسٹڈی چیئر پہ بیٹھی' میوزک باکس پہ سر جھکائے' رلپنزل کے بالوں پہ انگلی پھیر رہی تھی۔ دفعتاً قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہیل چیئر کے پہیے ۔ مانوس خوشبو۔ اس نے رخ پورا موڑ لیا۔ اب اس کی دروازے کی طرف پشت تھی اور میوزک باکس ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔

لاک کھلنے کا کلک سنائی دیا۔ پھر دروازہ پورا کھلتا چلا گیا۔

''کیسی ہو ہلال؟'' چوکھٹ سے نگینہ بیگم کی وہیل چیئر اندر آتی دکھائی دی۔ اندرانی اسے دھکیل رہی تھی۔ ساتھ ایک شلوار قمیض اور واسکٹ والا آدمی تھا جس کی سیاہ مونچھیں تھیں اور گال پہ ایک موٹا سا تل تھا۔ جب وہ تینوں اندر

داخل ہو گئے تو آدمی نے دروازہ بند کر دیا۔

''میوزک کیوں بجاتی ہو؟'' نگینہ بیگم سر پہ سفید دوپٹہ لیے، تسبیح ہاتھ میں تھامے، مسکرا کے نرمی سے پوچھ رہی تھیں۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے رلپنزل کی لمبی چوٹی انگلی پہ لپیٹے گئی۔

''کتنے اچھے طریقے سے رہتی ہو۔'' نگینہ بیگم نے اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔ ''کتنی اچھی بیٹی ہو۔ اتنی صاف ستھری۔ اتنی پیاری۔ میوزک کیوں بجاتی ہو؟'' ہلال نے میوزک باکس گود میں رکھ لیا اور بازو سینے پہ لپیٹ لیے۔ اس کی آنکھیں باکس پہ جھکی تھیں۔

''مجھے یہ باکس مشکوک لگتا ہے، سرکار۔ یہ کچھ غلط کر رہی ہے۔''

تل والا آدمی ناپسندیدگی سے اس کی کرسی کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ اپنی ماں کو بلا رہی ہے۔'' نگینہ بیگم نے وہیل چیئر کا بٹن دبایا۔ وہ چند قدم آگے سرک آئی۔ اندرانی نے چیئر کے ہینڈل کو چھوڑ دیا۔

''لیکن تمہاری ماں تو مر چکی ہے، ہلال۔ کیا فائدہ میوزک بجانے کا؟'' انہوں نے نرمی سے اس کے گھنگریالے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔

''اور رہے تمہارے بھائی تو وہ بھی تمہیں بھلا کے اپنی زندگیوں میں مصروف ہو چکے ہیں۔''

ہلال خاموشی سے اب دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔

''لیکن ایک بات تم نے مجھے کبھی نہیں بتائی۔'' وہ اس کی گھنگریالی لٹوں کو ہاتھ میں لیے دیکھ رہی تھیں۔ ''تمہاری نینی کون تھی؟''

ہلال کی بھوری آنکھیں دیوار پہ جمی تھیں۔ ان میں کوئی جذبہ نہ تھا۔

''وہ تمہارے ساتھ کھوئی تھی۔ یہ تمہارے بھائی نے کہا ہے۔ لیکن مجھے اس کے الفاظ کا بھروسہ نہیں ہے۔''

وہ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھیں۔ اندرانی اور وہ آدمی ناگواری سے کرسی پہ رخ موڑے بیٹھی ہلال کو دیکھ رہے تھے۔

''تمہاری نینی کے ساتھ ہم نے کچھ نہیں کیا۔ پھر وہ کہاں گئی۔ میرے اندازے کے مطابق اس کو تمہارے بھائی نے چھپا رکھا ہے۔ کہاں؟ یہ تم مجھے بتاؤ گی۔''

تل والے آدمی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''آپ نرمی کر رہی ہیں۔سختی سے کام لیں تو یہ ایک منٹ میں...''

''نہیں' ولایت۔''

''سب سے پہلے ریش rash شروع ہوئی تھی۔'' دیوار کو دیکھتی ہلال کے لب پھڑ پھڑائے۔وہ تینوں چونک کے اسے دیکھنے لگے۔

''پھر بازوؤں پہ نیل کے نشان ابھرنے لگے۔ lumps۔سوجن۔''

اندرانی اور ولایت نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔لیکن نگینہ بیگم کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ان کا بایاں ہاتھ بے اختیار اپنے دائیں بازو پہ رینگ گیا۔

''پھر تم راتوں میں اچانک بیدار ہونے لگی...ایسے کہ تم پسینے میں نہائی ہوتی تھیں۔تمہیں سانس چڑھنے لگا اور ہر وقت جسم پہ خارش رہنے لگی۔'' اس کے لب ہل رہے تھے۔آنکھیں خلاء میں کچھ دیکھ رہی تھیں۔

''تمہاری ہڈیوں میں درد رہنے لگا۔کیونکہ وہ تمہاری ہڈیوں کے اندر تھا۔'' اس نے گردن ذرا سی موڑی۔ایسے کہ نگینہ بیگم اس کا نیم رخ دیکھ سکتی تھیں۔

''کینسر...''

اندرانی نے برہمی سے اسے گھورا لیکن وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں۔

''وہ اب بھی تمہاری ہڈیوں میں ہے اور وہ بڑھتا جائے گا۔تمہارا جسم ٹھنڈا پڑنے لگے گا۔ہر وقت خارش ہوگی۔بھوک نہیں لگے گی۔تمہارا سانس مشکل ہو جائے گا۔اور پھر...اسی طرح تم مر جاؤ گی۔''

اس کے لہجے کا سرد پن نگینہ بیگم کے خون کو منجمد کر رہا تھا۔

''تمہاری نینی کہاں ہے' ہلال؟'' وہ بولیں تو آواز کپکپائی تھی۔

ہلال نے چہرہ واپس دیوار کی طرف موڑ لیا۔اب اس کے لب بند تھے۔

''یہ ماہر فرید کی کوئی چال ہو سکتی ہے۔ہو سکتا ہے وہ نینی مر چکی ہو۔'' ولایت نے سر جھکا کے ناپسندیدگی لیکن تعظیم سے کہا۔

''موکل کیا کہتے ہیں' سرکار؟'' اندرانی نے سوال داغا۔نگینہ بیگم نے گہری سانس لی۔

''اگر وہ کم عقل اس قابل ہوتے تو آج ساری دنیا پہ ہماری حکومت ہوتی۔'' انداز میں افسوس تھا۔''وہ اتنا بتاتے ہیں جتنی ان کی عقل اور سمجھ ہوتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ ہلال کے پاس ایک نینی تھی۔وہ کون ہے' کہاں ہے' وہ نہیں

جانتے۔صرف ہلال جانتی ہے یا ماہر۔اس کا پورا نام جانے بغیر وہ کچھ نہیں بتا سکتے۔"

پھر انہوں نے ہلال کے سر کی پشت کو دیکھا۔"ہلال...صرف تم میری مدد کر سکتی ہو۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔"

کمرے میں سرد سی خاموشی چھائی رہی۔ چند لمحے یونہی گزر گئے۔صرف ان چار افراد کے تنفس کی آواز سنائی دیتی رہی۔ پھر نگینہ بیگم نے اندرانی کو اشارہ کیا۔وہ ان کی وہیل چیئر موڑنے لگی۔

"وہ اس شہر میں رہتی ہے جہاں میرا بھائی رہتا ہے۔"

وہیل چیئر چلاتی اندرانی رک گئی۔ولایت نے بھی چونک کے دیکھا۔

"جھیل کے قریب ایک چھوٹے سے گھر میں۔اکیلی۔تنہا۔"وہ اب کرسی کو موڑ کے اسٹڈی ٹیبل تک لے آئی۔اور میوزک باکس میز پہ رکھا۔اس نے ابھی تک آنکھوں کا رخ ان کی طرف نہیں کیا تھا۔

نگینہ بیگم کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں اسے ڈھونڈ لوں گی۔ولایت..."تحکم سے آواز دی۔وہ فوراً جھکا۔

"جی سرکار۔"

"ہلال سچ بول رہی ہے۔اس لیے آج سے تم ہلال کا دروازہ لاک نہیں کرو گے۔اگر وہ ان لوگوں کے پاس واپس جانا چاہے جو اس کو بھلا چکے ہیں تو اس کی مرضی ہے۔ہلال آزاد ہے۔"

ہلال اب سر جھکائے میوزک باکس کے ٹاور پہ انگلی پھیر رہی تھی۔

"اگر وہ بھاگ گئی تو؟"

دروازہ باہر سے بند کرتے ہوئے ولایت کا ہاتھ لاک تک گیا۔پھر اس نے ہاتھ نیچے گرا دیا۔انداز میں فکرمندی تھی۔

"بے فکر رہو۔ہلال کبھی نہیں بھاگے گی۔"

نگینہ بیگم مسکرا کے بولیں۔وہ مطمئن تھیں۔

اندر سے ایک دفعہ پھر سے میوزک کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔اندرانی ان کی وہیل چیئر دھکیلتی اب دور جا رہی تھی۔اور ولایت تشویش سے کھڑا ان کو جاتے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پپی برتھ ڈے ٹو یو کی ٹون اب دم توڑ چکی تھی۔ البتہ موبائل اسکرین پہ معید کا میسج ہنوز جگمگا رہا تھا۔

''یہ اچانک سے شادی کا کیا قصہ ہے' معید ؟''

گھر واپس آتے ہی معید کو کال کرنے سے پہلے اس نے تین گہرے سانس لیے تھے۔ اس وقت معید پہ بے انتہا غصہ آ رہا تھا لیکن سانسوں نے غصے کو دبا دیا۔ جب مالا نے اسے کال ملائی تو لہجہ نرم اور پرسکون تھا۔

''وہ میری کلاس فیلو ہے' شفق۔ ماں کی ڈیتھ پہ بھی گھر آئی تھی۔'' وہ قدرے کھسیایا ہوا سا تھا۔

''تم نے ملوایا ہوتا تو مجھے یاد ہوتا۔''

''وہ ہمارے گروپ کے ساتھ فیلوشپ کے لیے استنبول آئی تھی۔ اب اس کے دادا بہت بیمار ہو گئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ اس کی شادی ہو جائے۔ ایمرجنسی میں سب کچھ ہو رہا ہے۔ اس کی فیملی یہیں آ رہی ہے نکاح کے لیے ۔''

''تم لوگ پاکستان کیوں نہیں جا رہے؟ وہ یہاں کیوں آ رہے ہیں؟''

''یار ہمارا سنگل انٹری ویزہ ہے۔ فیلوشپ درمیان میں نہیں چھوڑ سکتے۔'' وہ قدرے زچ ہوا۔ ''اس کی فیملی کو یہی بہتر لگا تھا۔''

''اور تمہاری فیملی ؟ ان کو بلانا ہے یا ان کے بغیر ہو جائے گا نکاح ؟'' اس کی آواز میں درشتی در آئی۔

''مالا یار کیوں اتنی ٹپیکل ہو رہی ہو؟'' وہ جھلا گیا۔ ''خود تم اور ماہی اپنی زندگیوں میں سیٹ ہو۔ تم دونوں نے اپنی مرضی سے شادی کی۔ اب تمہیں مجھے سپورٹ کرنا چاہیے۔''

''معید ہماری شادیاں ہمارے کلچر کو سامنے رکھ کے ہوئی تھیں۔ ایسے نہیں کہ فون پہ اطلاع دے دی۔ ہم سپورٹ تب کریں جب تم ہمیں کچھ بتاؤ تو سہی۔ تم نے ہمیں اعتماد میں لیے بغیر سب طے کر لیا۔''

''یار بتا رہا ہوں نا۔ مجبوری ہے۔'' وہ دھیما پڑا۔ ''ماہی غصہ کرے گی۔ جانتا ہوں۔ لیکن مجھے تمہاری سپورٹ چاہیے۔''

مالا نے گہری سانس لی۔ بہت سا غصہ سانس کے ساتھ فضا میں غائب ہوا۔

''میرے پاس تمہاری سپورٹ کے سوا کیا آپشن ہے' معید ؟''

''یعنی تم آؤ گی؟'' وہ جیسے خوش ہوا۔

''ظاہر ہے ہم آئیں گے۔ اب تم ماہی سے بات کرو۔'' تاکید کر کے اس نے فون رکھ دیا۔ سر میں درد ہونے لگا تھا۔

اپارٹمنٹ میں خاموشی چھائی تھی۔ زیاد ابھی گھر نہیں آیا تھا۔ وہ وہیں لاؤنج میں بے چینی سے چکر کاٹنے لگی۔

معید آج سے بیس دن بعد کی تاریخ کا کہہ رہا تھا۔ شکر ہے کہ اس کے پاس امریکی ویزہ تھا جس کی بنا پہ وہ ترکی کا ای ویزہ آدھے گھنٹے میں لے سکتی تھی۔ لیکن زیاد کو ویزہ اپلائی کرنا ہوگا۔ اسے یاد تھا کہ جب ماں کی زندگی میں نگینہ آنٹی ان کے گھر آئی تھیں، تو انہوں نے باتوں باتوں میں زیاد کی منگیتر سبرینہ کی موت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ زیاد اس وقت یو کے نہیں جا سکا تھا کیونکہ اس کے پاس یو کے کا ویزہ نہیں تھا۔ وہ اس وقت ڈائننگ روم میں کھانا لگاتے ہوئے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ یہ بات ذہن میں رہ گئی تھی۔ ترکی کا ویزہ لگنے میں دو ہفتے لگ ہی جاتے ہیں۔ اگر زیاد کا ویزہ نہ آیا تو؟

وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گئی۔ اس کا امریکی ویزہ کئی برس پہلے لگا تھا۔ وہ پانچ سال کا ویزہ تھا۔ اس کی ایکسپائری ڈیٹ آنے میں چھے ماہ سے کم عرصہ ہوا تو اس کا ترکش ویزہ نہیں لگ سکے گا۔

وہ تیزی سے کمرے میں آئی اور الماری کھولی۔ اندر ایک لاکر نصب تھا جس میں زیاد اور وہ اپنے پاسپورٹ رکھتے تھے۔ پاسورڈ اسے معلوم تھا۔ اس نے جلدی سے ہندسے دبا کے لاکر کھولا۔

اس کا سبز پاسپورٹ پتلا سا تھا۔ زیاد کے تین نئے پرانے پاسپورٹ ایک ساتھ اٹیچ تھے۔ اس نے تیزی سے اپنا پاسپورٹ نکالا اور صفحے پلٹائے۔ امریکی ویزے کی میعاد دیکھی۔ پھر گہری سانس کھینچی۔ اس کی ایکسپائری میں ابھی بہت وقت تھا۔

مالا نے ایک صفحہ پلٹایا۔ اس کا غیر استعمال شدہ کینیڈین ویزہ وہاں موجود تھا۔ لبوں پہ اداس مسکراہٹ در آئی۔ ماں اور اس نے ماہی کے بچے کی پیدائش پہ وین کوور جانے کے لیے یہ ویزہ لگوایا تھا۔ لیکن نہ جانے اب وہ اسے کبھی استعمال بھی کر سکے گی یا نہیں۔

اس نے اپنا دبلا پتلا پاسپورٹ واپس رکھا۔ پھر نظر زیاد کے پاسپورٹس پہ پڑی۔ تین پاسپورٹ ایک ساتھ اٹیچ تھے۔ غالباً وہ بہت ٹریول کرتا تھا یا اس کے ایکسپائرڈ پاسپورٹس میں کچھ طویل دورانیے کے ویزے ہوں گے۔ اس نے یونہی وہ پاسپورٹ اٹھائے اور صفحے پلٹانے لگی۔ شاید زیاد کے پاس امریکی یا شینجن ویزہ ہو جس کی بنا پہ وہ ترکی کا

ای ویزہ فوراً حاصل کر سکے۔

اگلے ہی لمحے اس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔اس نے صفحات آگے پیچھے الٹائے۔

زیاد کے پاس امریکی ویزہ تھا۔

اس کے پاس شینجن ویزہ بھی تھا۔

اور اس کے پاس دس سال کا یو کے کا ویزہ بھی تھا۔ جو چھے برس پہلے لگا تھا۔

وہ ایک ایک کر کے صفحات پلٹاتی گئی۔ بہت سے ممالک میں دخول اور خروج کے وقت کی لگی مہریں اپنی تاریخوں کے ساتھ رقم تھیں۔زیاد اتنا سفر کرتا ہے' اسے معلوم نہ تھا۔لیکن یہ بات اتنی قابل حیرت نہ تھی۔وہ یو کے انٹری اور ایگزٹ کی مختلف تاریخیں دیکھ رہی تھی۔

سبرینہ کی موت جس سال ہوئی تھی' اس سال زیاد تین دفعہ یو کے گیا تھا۔

وہ اچھنبے سے پاسپورٹ دیکھ رہی تھی۔اس نے مالدیپ یا سعودیہ کی فلائٹس کے دوران کبھی زیاد کا پاسپورٹ اندر سے نہیں دیکھا تھا۔کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔نہ کبھی زیاد نے اس کے سامنے پاسپورٹ کھولا تھا۔

بیرونی دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی تو وہ چونکی۔پھر تیزی سے پاسپورٹ واپس رکھے۔جلدی جلدی لاکر بند کیا۔دل ایک دم زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔وہ آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور یونہی بالوں میں برش پھیرنے لگی۔بدقت مسکرانے کی کوشش کی لیکن چہرے پہ چھائی تشویش کم نہیں ہو رہی تھی۔

''السلام علیکم...'' وہ ہشاش بشاش لہجے میں کہتا اندر داخل ہوا۔اس کے کندھے پہ لیپ ٹاپ بیگ اسٹریپ سے لٹکا تھا۔آنکھوں پہ گلاسز تھے۔وہ اسے دیکھ کے زبردستی مسکرائی۔

''کیا ہوا؟ پریشان لگ رہی ہو۔'' وہ بغور اس کو دیکھتا آگے بڑھ گیا۔

وہ آئینے میں اپنا عکس دیکھنے لگی۔برش ابھی تک ہاتھ میں تھا۔

(بنا اجازت کسی کا پاسپورٹ کھول کے دیکھنا ایک غیر اخلاقی حرکت ہے' کشمالہ مبین۔) اس کے دل نے ملامت کیا۔

(شاید نگینہ بیگم کو غلط فہمی ہوئی ہو۔بوڑھی' بیمار عورت ایسی تفصیلات بھول سکتی ہے۔)

لیکن دماغ نے سرگوشی کی۔(وہ دن یاد ہے جب تم نے کیف کے کار سے نکلنے کے بعد اس کا والٹ کھولا تھا؟ دل نے تب بھی ملامت کیا تھا اور تم نے تب بھی درست کیا تھا۔)

(اوہ کیف)...اس کے دل نے تھک کے جیسے ہاتھ جوڑے۔(تم نے میرے اعتبار کو damage کر دیا ہے ۔میں اب کسی پہ کبھی بھی اعتبار نہیں کر سکوں گی۔)

وہ ایسے نہیں کیا کرتی تھی۔اوشن میں کسی ملازم پہ شک ہوتا کہ وہ بے ایمانی کر رہا ہے' تو وہ اس کی جاسوسی نہیں کرواتی تھی۔پیٹھ پیچھے اس کے بارے میں انکوائری نہیں کرتی تھی۔وہ اس کو اپنے آفس میں بلوا کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بات کرتی تھی۔پھر اس کو چھٹی پہ بھیج کے اس کی مکمل انکوائری کرتی تھی۔اگر وہ سچا ثابت ہوا تو کام پہ واپس آ سکتا تھا۔نہیں تو اس کو نوکری سے برخاست کر دیا جاتا تھا۔اس سے یہ خفیہ کھیل نہیں کھیلے جاتے تھے۔

لیکن اس ایک شخص نے اعتبار ایسا توڑا تھا کہ سب کچھ بدل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''استنبول میں شادی؟وہ بھی بیس دن بعد؟اچھا مذاق ہے بھئی۔''زیاد کا سنتے ہی موڈ ایک دم آف ہوا۔

''بھائی ہے میرا۔مجھے جانا ہی ہوگا۔''

وہ چار افراد کی ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھے تھے جو کچن میں رکھی تھی۔ان کے سامنے ٹیک آؤٹ کے باکسز میں کھسہ (چاول مرغی کا ایک پکوان) سجا تھا اور ساتھ چھوٹی ڈبیوں میں طحینہ اور سلطہ حارتہ sauces رکھی تھیں۔وہ چاولوں اور روسٹ چکن سے اٹھتی مہک سے بے نیاز بغور زیاد کے چہرے کے بگڑتے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''مجھے چھٹی نہیں ملے گی۔پہلے ہی اتنے دن مالدیپ میں ضائع ہو گئے۔''زیاد نے چمچ نیچے رکھ دیا۔

''ویک اینڈ پہ ہے شادی۔''

''عربوں کا ویک اینڈ جمعہ ہفتہ ہوتا ہے۔شادی اتوار کو ہے۔''

''ہم جمعرات کی رات جا کے اتوار کی رات آ جائیں گے۔ایک اتوار کی چھٹی تو مل جائے گی۔ویسے بھی آپ زیادہ تر ورک فرام ہوم کرتے ہیں۔''وہ چہرہ جھکائے چاولوں کے کنارے پہ سفید طحینہ ڈال رہی تھی۔زیاد نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''معید کو سمجھنا چاہیے کہ ہر کوئی اتنی ایمرجنسی میں نہیں آ سکتا۔''

''میں جا سکتی ہوں۔میری کوئی جاب ہے نہ مجبوری۔جدہ سے استنبول تین گھنٹے کی فلائٹ ہے بس۔امریکی ویزہ

کی وجہ سے مجھے ای ویزہ بھی مل جائے گا۔البتہ آپ کو شاید ویزہ اپلائی کرنا پڑے۔"اس نے آنکھیں اٹھا کے بغور زیادکو دیکھا۔وہ سر جھٹک کے چاولوں میں چمچ چلانے لگا۔

"ویزہ آنے میں بھی دو ہفتے لگ جاتے ہیں۔"خفگی سے بڑبڑایا۔مالا رک کے اسے دیکھنے لگی۔وہ ایک frequent traveller تھا۔کیا اسے معلوم نہ تھا کہ ترکی کے فوری ای ویزہ کے لیے جو تین بڑے ویزے چاہیے تھے وہ اس کے پاسپورٹس پہ موجود تھے۔کیا اسے زیاد سے پوچھنا چاہیے؟ انگوٹھی والے واقعے کی طرح وہ پوچھنے پہ ایک صفائی دے دے گا اور وہ مطمئن ہو جائے گی۔نہیں۔اسے خاموشی سے انتظار کرنا چاہیے۔

"آپ چھٹی اپلائی تو کریں۔"اس نے سرخ ٹماٹو پیسٹ سے بنی سلطہ حارتہ ساس کی ڈبی اس کی طرف بڑھائی۔زیاد نے اسے نہیں چھوا۔وہ بنا کسی ساس کے اپنے بھورے چاول کھاتا رہا۔اس کا ذہن جیسے ہٹ چکا تھا۔

"آپ جانتے ہیں کہ مجھے ٹریول کا کتنا شوق ہے۔اس بہانے ہم استنبول بھی دیکھ لیں گے۔"

"میرے مالی حالات ایسے نہیں ہیں کہ میں ہر مہینے تمہیں ایک انٹرنیشنل ٹرپ پہ لے کر جاؤں۔ہم ابھی مالدیپ سے ہو کے آئے ہیں۔پھر ایک نیا انٹرنیشنل ٹرپ؟"وہ ناگواری سے بولا۔مالا چونک کے اسے دیکھنے لگی۔اس کے پاسپورٹس کے مطابق وہ ہر ایک دو ماہ بعد کسی دوسرے ملک جاتا تھا۔وہ افورڈ کر سکتا تھا۔پھر ایسے کیوں کہہ رہا تھا؟

"ہماری ماں نہیں ہے' زیاد اور اب میں اس کی ماں کی جگہ پہ ہوں۔"

"ماں کی جگہ پہ ہوتیں تو وہ پہلے بتاتا۔اسے تمہاری کوئی خاص پرواہ نہیں ہے۔"وہ ایک دم تلخ ہوا۔

"وہ مجھے کیا اور کتنا بتاتا ہے' یہ ہم بہن بھائی کا معاملہ ہے۔آپ کو اس کے بارے میں ایسے بات نہیں کرنی چاہیے۔"اس نے چاولوں کی پلیٹ پرے کھسکا دی۔اس کا چہرہ بھی بجھ گیا تھا۔

ہنی مون ختم ہو چکا تھا اور حقیقی زندگی شروع ہو چکی تھی۔

"آئی ایم سوری۔مجھے یوں نہیں کہنا چاہیے تھا۔"وہ دھیما پڑا۔"جانتا ہوں تم اپنے بہن بھائی کو مس کرتی ہو۔یہاں اکیلی ہو' گھر میں بور ہوتی ہو' اس لیے..."

"میں زیادہ دن بور نہیں ہوں گی۔ڈونٹ وری۔"اس نے اسی انداز میں پلیٹ دوبارہ قریب کی اور سرخ ساس زور سے پلیٹ پہ انڈیلی۔ٹھک ٹھک۔ڈبی جھٹکی۔ساس چاولوں پہ منتقل ہو گئی۔وہ جھکی آنکھوں سے اب چمچ چلا رہی تھی اور وہ چونک کے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

''وہی کروں گی جو ہمیشہ سے کرتی آئی ہوں۔'' مالا نے چمچ منہ میں رکھنے سے پہلے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''کام۔'' زور دے کر بولی۔

زیاد سلطان کے چہرے پہ سایہ سا گزرا۔ کندھے ڈھیلے ہوئے۔

''کام؟ یہاں؟'' تھوک نگلا۔

''میں ایک کیریئر وومن ہوں زیاد۔'' وہ چکن کا پیس توڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''اتنے سال اتنی محنت سے اپنا کیریئر بنایا تھا۔ ظہیر نے مجھ سے اوجھل کیا ہے۔ میرا تجربہ نہیں۔ ماں کی بیماری کے ٹراما اور پھر شادی کی مصروفیت میں میں اپنے کام پہ دھیان نہیں دے سکی۔ لیکن اب مجھے واپس اپنی اصل ڈائریکشن میں جانا ہے۔ مجھے اپنا کیریئر پھر سے تعمیر کرنا ہے۔''

''تم جاب کرنا چاہتی ہو؟'' اس نے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

''جاب یا اپنا اسٹارٹ اپ۔ میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔''

زیاد نے پانی کا گھونٹ بھرا۔ پھر کھنکھارا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ تم جو چاہو کر سکتی ہو۔ لیکن...'' اس نے لہجے کو سرسری بنایا۔ جیسے الفاظ تلاش کیے ہوں۔

''تم ایک خارجی ہو۔ سعودی نہیں۔ تمہارا اقامہ بطور میری بیوی کا ہے۔ اس پہ تم جاب نہیں کر سکتی۔ رہا بزنس تو وہ بطور ایک خارجی (فارنر) کے تم شروع نہیں کر سکتیں۔''

مالا نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسے دیکھتی توجہ سے سن رہی تھی۔

''ایک خارجی کا کاروبار شروع کرنے کے لیے SAGIA کا لائسنس چاہیے ہوتا ہے جس کی رجسٹریشن بہت مہنگی ہے۔ بہت مہنگی۔'' اپنی بات دہرائی۔ اب وہ بہتر محسوس کر رہا تھا۔

''پھر خارجی یہاں بزنس کیسے کرتے ہیں؟"

''وہ کسی سعودی کو اپنا پارٹنر بناتے ہیں اور اس کے نام پہ کمپنی رجسٹر کراتے ہیں۔ وہ ان کا کفیل ہوتا ہے۔ ایک پاکستان سے ابھی ابھی آئی لڑکی کی کفالت کوئی سعودی نہیں کرے گا۔ اور اگر کر بھی لے تو وہ کمپنی اس کی ہوگی۔ پیسہ تم لگاؤ گی۔ اور وہ جب چاہے تمہیں اس کمپنی سے نکال دے۔ اس کو قانوناً اس بات کا حق حاصل ہے۔'' اس کی بھوک واپس آ گئی تھی۔ اب وہ کبسہ چاول شوق سے کھا رہا تھا۔

''آئی ایم سوری کشمالہ۔ میری جاب کی وجہ سے تمہیں یہاں سیٹل ہونا پڑ رہا ہے۔ لیکن تم بے فکر رہو۔ میں تمہیں

اتنا اچھا لائف اسٹائل دوں گا کہ...''

''آپ سوری کیوں کہہ رہے ہیں؟'' وہ بھی واپس چکن پیس توڑنے لگی۔ زیاد نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''کیونکہ میں نے تمہیں بتایا ہے کہ تم یہاں کام نہیں کر سکتیں۔''

''آپ نے مجھے دو مسئلے بتائے ہیں' زیاد۔'' وہ نرمی سے مسکرائی۔ ''میں اس اقامے پہ جاب نہیں کر سکتی۔ یعنی اقامہ ٹرانسفر کروانا ہوگا۔ اور میں اپنی کمپنی خود نہیں بنا سکتی۔ یعنی مجھے ایک کفیل ڈھونڈنا ہے۔ اور اب تک آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ کشمالہ مبین ہمیشہ کوئی حل نکال لیتی ہے۔''

زیاد سلطان کی بھوک دوسری دفعہ مر سی گئی۔ چاولوں کا ذائقہ حلق کو کڑوا گیا۔ وہ بے دلی سے پانی گلاس میں انڈیلنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کے مرکزی ہال کا منظر آج قدرے مختلف تھا۔ ایک کونے میں ورکرز اور الیکٹریشن اکھاڑ پچھاڑ میں مصروف تھے۔ اونچی سیڑھی۔ تاریں۔ نئے بلب۔ پینٹ کا سامان۔ سب کچھ ایک ساتھ ہی ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ رینوویشن کے باعث اس کونے میں موجود ڈیسک ہٹا دیے گئے تھے۔ اور ان کو ہال کے دیگر کونوں میں فٹ کر دیا گیا تھا جس سے جگہ تنگ اور نا خوشگوار ہو گئی تھی۔ شبنم کا ڈیسک بھی زد میں آ گیا تھا۔

اس کو لفٹ کے قریب جگہ ملی تھی۔ اب وہ ماہر کے آفس سے کافی دور ہو گئی تھی۔ اس کی نئی سیٹ کے قریب ایک لکڑی کا زینہ تھا جو اوپر بنے ماہر کے اسٹڈی نما میٹنگ روم میں جاتا تھا۔ اپنے آفس کے قریب شور کے باعث وہ اوپر بیٹھنے پہ مجبور تھا۔ شبنم کو بار بار سیڑھیاں چڑھ کے اوپر جانا پڑتا کیونکہ اسٹڈی روم اسی فلور کی ایکسٹینشن تھا۔ وہاں لفٹ نہیں جاتی تھی۔ اور اس ورزش نے اسے سخت کبیدہ خاطر کر رکھا تھا۔

جس وقت بیربل لفٹ سے باہر نکلا' شبنم بہت برے موڈ میں بیٹھی تھی۔

''مجھے اپنا جیب خرچ پورا چاہیے۔'' اس نے کرسی کھینچتے ہوئے بنا سلام کے کہا۔ شبنم نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

''ماہر بے نے میرے ایک جرم کی پاداش میں اسے آدھا کر دیا تھا۔'' وضاحت دی۔

''اور تم اسی آدھے جیب خرچ پہ دو ماہ سے گزارا کر رہے تھے۔'' اس نے ڈیسک کیلینڈر کو دیکھا۔ ''اور ابھی مہینے کا دوسرا ہفتہ بھی شروع نہیں ہوا۔''

''میرے خرچے بڑھ گئے ہیں۔'' وہ اسی ڈھٹائی سے مسکراتا رہا۔ شبنم نے عینک کے پیچھے سے مشکوک نظروں سے اسے گھورا جو ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا' بے پرواہ سا لگ رہا تھا۔

''ماہر بے نے منع کیا ہے۔ میں کچھ نہیں کر سکتی۔'' اس کا انکار دوٹوک اور صفا چٹ تھا۔

بیر بل نے گردن موڑ کے اطراف پہ طائرانہ نگاہ ڈالی۔

''یہ رینوویشن پہ ایکسٹرا خرچ نہیں ہو رہا؟''

''بارش کا پانی اندر آ گیا تھا۔ دیوار خراب ہو گئی تھی۔ مجبوری ہے۔''

''ہوں۔ معلوم نہیں کس آرکیٹیکچرل فرم نے اس آفس کو ڈیزائن کیا تھا۔'' اس نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔

''ہم نے نہیں کیا تھا۔ ہمیں یہ جگہ ایسے ہی ملی تھی۔ اب میں کام کر لوں؟'' چیلنج کے جواب دیا اور اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''یعنی مجھے خود ہی کچھ کرنا ہو گا۔'' اس نے افسوس سے گہری سانس خارج کی۔ شبنم نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''تم کیا کرو گے؟''

جواباً بیر بل فرید جگہ سے اٹھا اور مسکرا کے کنپٹی پہ دستک دی۔

''اس شیطانی دماغ میں آئیڈیاز کی ایک زرخیز زمین ہے' شبنم جم۔'' معنی خیز انداز میں مسکرا کے وہ لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

''کبھی وہ آئیڈیا زا اپنی بیکری کی ترقی پر بھی خرچ کر لیا کرو۔'' اس نے پیچھے سے پکارا۔ بیر بل ہنستے ہوئے سر جھٹکتا لفٹ میں قدم رکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے موبائل نکالا اور اس کی طرف پلٹا۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسکرا کے ایک آنکھ بند کی اور موبائل پہ چہرہ جھکا دیا۔ لفٹ کے دروازے بند ہو گئے۔

''کشمالہ مبین۔'' بیر بل فرید کی نظریں موبائل اسکرین پہ جھکی تھیں جہاں کشمالہ کا پرائیوٹ انسٹاگرام اکاؤنٹ کھلا تھا۔ یہ وہی اکاؤنٹ تھا جس پہ ان دونوں کی لاہور میں بات ہوئی تھی۔ اور اس کی پاداش میں وہ اپنے آدھے جیب خرچ سے گیا تھا۔

اس نے فالو کا بٹن دبایا۔ ریکوئیسٹ روانہ ہو گئی۔ بیر بل نے مسکرا کے موبائل جیب میں ڈالا۔

جدہ میں واقع اپارٹمنٹ میں اس وقت خاموشی تھی۔شام کا وقت تھا اور زیادہ گھر پہ نہیں تھا۔دونوں کے درمیان اس کے بعد کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔وہ اس وقت لونگ روم میں ٹی وی کے سامنے یوگا میٹ بچھائے بیٹھی تھی۔آلتی پالتی کیے' دونوں بازو آسمان کی طرف بلند کیے' وہ دائیں گال کو دائیں پہلو پہ جھکا رہی تھی۔نتیجتاً دونوں بازو بھی اسی سمت جھک رہے تھے۔چہرہ پسینے سے تر تھا اور ایسی ہی بوندیں میٹ کے کنارے رکھی پانی کی بوتل پہ بھی تھیں۔

دفعتاً وہ سیدھی ہوئی۔گہری سانس کھینچی اور ساتھ رکھا موبائل اٹھایا۔اسکرین دیکھ کے اس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

بیربل فرید نے اسے فالو ریکوئیسٹ بھیجی تھی۔اس کا انگوٹھا خود بخود مسترد کرنے کے بٹن کی طرف بڑھ گیا۔لیکن پھر وہ رک گئی۔چند لمحے لب کاٹتے ہوئے سوچتی رہی۔پھر قبول کا بٹن دبایا اور ساتھ ہی فالو بیک پہ کلک کیا۔موبائل واپس رکھا اور ہلکے سے کندھے اچکا دیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...''

وہ گہری نیند میں تھی جب ایک دھن کانوں سے ٹکرائی۔اس کا ذہن بیدار ہونے میں چند لمحے لگے۔پھر وہ ایک دم تیزی سے اٹھ بیٹھی۔دائیں بائیں دیکھا۔ڈیجیٹل کلاک سائیڈ ٹیبل پہ رکھا تھا۔اس پہ موٹے موٹے عدد جگمگا رہے تھے۔

03:09 AM

تین بج کر نو منٹ۔اس نے اچنبھے سے وقت دیکھا۔وہ آواز اب دم توڑ گئی تھی۔لیکن وہ خواب نہیں تھی۔وہ خواب سے جگانے والی تھی۔

وہ وہیں بیٹھے بیٹھے چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔اب ہر طرف خاموشی تھی۔

زیادہ کروٹ لیے بے خبر سو رہا تھا۔شاید پوری اپارٹمنٹ بلڈنگ سو رہی تھی۔ابھی فجر ہونے میں بھی دو' سوا دو گھنٹے رہتے تھے۔لیکن اب اس کی نیند اڑ چکی تھی۔

اس نے نگاہ اٹھا کے ڈریسنگ روم کی الماری کو دیکھا جس کے اندر وہ لاکر نصب تھا۔اس لاکر میں ان گنت

کہانیاں دفن تھیں جن کو وہ پڑھ نہیں پا رہی تھی۔ کیا کرے؟ کہاں جائے؟

وہ واپس لیٹی اور زیادہ کی جانب سے کروٹ بدل لی۔ وہ ناراض نہیں تھی۔ وہ الجھن میں تھی۔ عادتاً موبائل اٹھایا اور نوٹیفیکیشنز دیکھنے لگی۔ بیربل فرید نے اس کی ریکویسٹ قبول کر لی تھی۔

اس نے بیربل کی پروفائل کھولی۔ یہ پرائیوٹ اکاؤنٹ تھا۔ فرینڈز اور فیملی تک محدود۔ وہاں اس کی تصاویر تھیں۔ کہیں وہ کسی دوسرے ملک کا سفر کر رہا ہے۔ کہیں وہ اپنی بیکری میں کوئی نیا کیک بنا رہا ہے۔ کہیں وہ کسی برانڈڈ اسٹور پہ شاپنگ کر رہا ہے۔ ایک ایک تصویر سے اس کی امارت کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہ بنا متاثر ہوئے تصاویر نیچے کرنے لگی۔ چند ایک تصاویر میں اسے ماہر کی جھلک نظر آئی تھی لیکن مالا نے ان کو نہیں کھولا۔ اسے دلچسپی نہیں تھی۔ اس کا انگوٹھا نیچے کا سفر کرتا گیا۔

یہاں تک کہ وہ خود بخود ٹھہر گیا۔

وہ ایک چند برس پرانی ویڈیو تھی۔ کسی لکڑی کے گھر کا چھوٹا سا کچن۔ بیربل ایک ڈش میں تازہ بیک ہوئی براؤنیز اٹھائے کھڑا تھا۔ ساتھ ہی وہ کچھ کہہ رہا تھا لیکن اس کے فون کی آواز بند تھی۔ وہ اس کی آواز نہیں سن سکتی تھی۔ اس کو دیکھ کے ہمیشہ یہ لگتا تھا کہ وہ اس شخص سے پہلے مل چکی ہے۔ کہاں؟ اسے یاد نہ تھا۔

عقب میں کچن کاؤنٹر پہ ایک میوزک باکس رکھا تھا جس کے ساتھ ایک لڑکی کھڑی تھی۔ اس کے گھنگریالے بال کمر سے نیچے تک گرتے تھے۔ اور وہ کہنیاں کاؤنٹر پہ جمائے ایک ہاتھ سے مسکراتے ہوئے میوزک باکس کی چابی گھما رہی تھی۔ وہ اس کو پہچانتی تھی۔ ماہر نے اسے اسی لڑکی کی تصویر دکھائی تھی۔ ہلال۔

میوزک باکس میں بنا ٹاور گول گول گھومنے لگا۔ آواز ہنوز بند تھی۔ اسی پل لڑکی نے نگاہیں اٹھائیں۔ اور کیمرے میں دیکھا۔ ایسے لگا وہ اسے دیکھ رہی ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

پھر اس نے مڑی ہوئی پلکیں جھکا لیں۔ کیمرہ واپس بیربل پہ چلا گیا جو خفگی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اسی پل وہ چونکی۔

وہ آج کے بیربل سے مختلف تھا۔ اس کے بال لمبے تھے جن کو پونی میں باندھ رکھا تھا۔ اس کا لباس زیادہ لاپرواہ تھا۔ کان کی بالی۔ گردن کی چین۔ ایک جھماکے کی صورت میں اسے کچھ یاد آیا۔

یہ وہی تھا۔ جو اوشن ریستوران آیا تھا۔ اس سفید بالوں والے بوڑھے کے ساتھ۔ وہ بیکری بنانے کا کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نیند اڑ چکی تھی۔ یہ وہی تھا۔

اس کی انگلیاں تیزی سے ٹائپ کرنے لگیں۔

''مجھے اپنا نمبر بھیجیں۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔'' میسج بھیج کے بیک کیا تو وہی ویڈیو دوبارہ کھل گئی۔ اب پس منظر میں آتش دان کے ساتھ ونگ چیئر پہ نیم دراز ماہر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ مالا نے انسٹاگرام بند کر دیا۔ اسے ان کی ویڈیو دیکھنے میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سڑک کے ایک طرف اپارٹمنٹ بلڈنگز کی قطار تھی۔ اور دوسری جانب بوسفورس کا پانی تھا۔ سڑک کنارے بنے ٹریک پہ اس صبح بہت سے لوگ خود بھاگتے یا اپنے کتوں کو بھگاتے دکھائی دیتے تھے۔ آسمان ابھی ہلکا جامنی تھا اور سورج ٹھنڈا۔ البتہ عمارتوں کے کنارے نارنجی پڑنے لگے تھے۔ ایسے میں ماہر ٹریک پر تیز قدموں سے چلتا آ رہا تھا۔ کانوں میں ایئر پوڈز لگے تھے اور وہ کلائی پہ بندھی گھڑی پہ اپنے قدم گن رہا تھا۔ چہرہ پسینے سے تر تھا اور سانس تیز۔ ایک نظر اپنی ٹانگ کو دیکھا جس میں درد کی ٹیسیں اب بھی اٹھتی تھیں۔ پھر سر جھٹک دیا۔

چنگیز کی کال آ رہی ہے۔ کان میں سری نے اطلاع دی۔

''آنسر۔'' اس نے اتھل پتھل ہوئی سانسوں کے درمیان کہا۔ ٹریک پہ سامنے ایک لڑکی بھاگتی آ رہی تھی۔ بھاگنے سے اس کی اونچی پونی دائیں بائیں جھولتی تھی۔ وہ اسکی طرف ایک مسکراہٹ اچھال کے آگے بڑھ گئی۔ لیکن وہ نہیں مسکرایا۔ چہرہ سنجیدہ رکھے، چنگیز کو سنتے ہوئے وہ سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

''آج پولیس اسٹیشن کا چکر لگا لو۔ تمہارے لیے ایک خوشخبری ہے۔''

''مجھے مایوس مت کرنا۔'' تنبیہہ کرتے ہوئے وہ سڑک کنارے رکا۔ ٹریفک معمولی تھا۔ البتہ ہر روز یہ سڑک عبور کرنے سے پہلے قدم خود بخود رک جاتے۔ جھجک جاتے۔ وہ سیاہ SUV ایس یو وی یاد آ جاتی۔

جب وہ اوپر اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو اوپن کچن میں بیربل فرید منہ بسورے بیٹھا تھا۔ نیند میں ڈوبی آنکھیں۔ بار بار جمائی روکتا۔

''آج ہماری سلیپنگ بیوٹی اتنی جلدی کیسے اٹھ گئی؟'' اس پہ ایک گہری نظر ڈال کے وہ فریج کی طرف بڑھا۔

''میں تو ایک آرڈر کے لیے اٹھا ہوں جسے صبح میں ڈلیور کرنا ہے۔ تم بتاؤ۔ تمہاری چار جنگ مکمل ہو گئی؟'' تراخ سے جواب آیا۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔ فریج سے ایک سبز پانی والی بوتل نکالی اور لونگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

''مجھے اپنا جیب خرچ پورا چاہیے۔''اس نے پیچھے سے پکارا۔

''اگلے چار سال تک تم اسی پہ گزارا کرو گے۔''

''اور اگر میں انکار کر دوں؟''

''تو چار سال تک اپنا حصہ ملنے کا انتظار کرو۔''وہاں بے نیازی ہی بے نیازی تھی۔بیربل نے کینہ توز نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا۔وہ اب لونگ روم کے صوفے پہ جا بیٹھا تھا اور گلاس میں اپنا مشروب انڈیل رہا تھا۔

''آج شام کا سورج غروب ہونے سے پہلے تم اپنے ہاتھوں سے میرا جیب خرچ بڑھاؤ گے۔''

ماہر نے مڑے بغیر ہاتھ جھلا کے اسے جانے کا اشارہ کیا اور اپنے مشروب کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کیک فائنل کر کے ڈلیوری ٹیم کے حوالے کرنے کے بعد بیربل فرید بیکری سے باہر نکل آیا۔صبح ابھی دوپہر میں نہیں بدلی تھی۔سڑک کنارے بچھی کرسیوں پہ بیٹھے لوگ ناشتے اور قہوے سے لطف اندوز ہوتے دکھائی دیتے تھے ۔ترکش کافی کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔وہ ایسے ہی ایک ریستوران کے باہر بنے چھجے تلے بچھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔اور مسکرا کے موبائل کان سے لگایا۔

''آخری دفعہ آپ سے بات کرنے پہ جیب خرچ آدھا ہو گیا تھا۔اس دفعہ آپ مجھے کنگال کروائیں گی۔''

مصنوعی اداسی سے بات کا آغاز کیا۔

''آپ ابھی تک جیب خرچ پہ گزارا کرتے ہیں؟''وہ حیرت سے بولی۔بیربل گڑبڑا گیا۔

''نن...نہیں۔میرا اپنا بزنس ہے۔لیکن...''اس نے شیو کھجائی۔''آسانی سے آیا پیسہ کسے برا لگتا ہے؟ آپ میری جگہ ہوتیں تو کیا کرتیں؟''

''میں باقی کا جیب خرچ لینے سے بھی انکار کر دیتی اور خود کما کے کھاتی۔''

بیربل فرید نے موبائل کان سے ہٹا کے گھورا۔

''شکر ہے میں اپنی زندگی کے مشورے آپ سے نہیں لیتا۔خیر بتائیے۔آپ کو کیا بات کرنی تھی۔''

اور اس نے بنا تمہید کے پوچھ لیا۔

''مالک صاحب آپ کے کیا لگتے ہیں؟''

بیربل نے گہری سانس بھری۔

''کچھ نہ لگتے اگر ابا کی پیدائش کے بعد دادا دادی کی طلاق ہو جاتی۔''

''یعنی...وہ آپ کے چچا ہیں۔''

''دراصل ہمارے اگلے پچھلے گناہوں کی سزا قدرت نے ہمیں اسی دنیا میں مالک کی صورت میں دے دی ہے۔'' وہ سڑک کنارے کرسی پہ بیٹھا' آتے جاتے لوگوں کو دیکھتے ہوئے مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

''بیر بل...'' وہ خفا ہوئی۔ ''میں سنجیدہ ہوں۔''

''آپ مالک کو کیسے جانتی ہیں؟''

''آپ ان کے ساتھ بہت پہلے میرے ریستوران آئے تھے۔''

''اچھا؟'' وہ حیران ہوا۔ اسے یاد نہیں تھا۔

''مجھے آپ کو پہچاننے میں بہت دیر لگی۔''

''ہوں...آپ کو پہچان کرنے میں دیر ہی لگتی ہے۔''

لیکن وہ سنے بغیر کہہ رہی تھی۔

''مالک صاحب سے میں کئی برس پہلے ملی تھی۔ پھر وہ غائب ہو گئے۔ میں ان کا پورا نام نہیں جانتی تھی۔ لیکن جب میں اور آپ ہوٹل میں ملے تھے' تب وہاں مجھے مالک صاحب نے ہی کال کر کے بلایا تھا۔ تب میں نہیں جانتی تھی کہ کیف کون ہے۔'' رک کے تصحیح کی۔ ''یعنی کہ آپ کا manipulative اور جھوٹا بھائی کون ہے...''

''آہ...یہ الفاظ میرے کانوں میں خوبصورت موسیقی کی طرح گونج رہے ہیں۔'' وہ ہنسا۔

''مالک صاحب کی کال کے باوجود میں ان کو پہچان نہیں سکی۔ مالک ایک کامن نام ہے۔ میں نہیں جانتی تھی کہ یہ وہی مالک صاحب ہوں گے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ میں وہی کشمالہ ہوں۔ پھر بھی وہ خود سامنے نہیں آئے۔ آپ کو بھیج دیا۔ کیوں؟''

''مالک کا دماغ کیسے کام کرتا ہے' ابھی سائنسدان اس پر تحقیق کر رہے ہیں۔ جیسے ہی کوئی اسٹڈی سامنے آئے گی' میں آپ کو اطلاع کر دوں گا۔''

''بیر بل!'' اس کی آواز میں برہمی در آئی۔

''تمام تمام...'' وہ سنجیدہ ہوا۔ پھر شیو کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔

''مالک کافی پیچیدہ انسان ہے۔ وہ کوئی کام کیوں کرتا ہے' میں نہیں جانتا۔ ماہر بھی نہیں جانتا۔ لیکن وہ بغیر وجہ کے کچھ نہیں کرتا۔''

''کیف نے کہا تھا کہ میرا ریستوران اس نے نہیں' مالک صاحب نے بکوایا تھا۔ کیا واقعی؟'' وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔

''کیف میرا باپ تھا' مالا۔ قاسم علی امتیاز فرید۔'' وہ خفگی سے گویا ہوا۔ ''وہ جو روبوٹ نامی بھائی ہے میرا' اس کا نام ماہر ہے۔''

''ہاں وہی۔'' ناپسندیدگی سے جواب آیا۔

''میرا بھائی ایک manipulative اور دھوکے باز انسان ہے۔'' پھر جیسے یاد آیا۔ ''اور کنجوس بھی۔ (دل کو ٹھنڈک ملی)۔ لیکن وہ سچ کہہ رہا تھا۔ آپ کا ریستوران بکوانے میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ آپ چاہیں تو ہم مل کے ایک ماہر فرید hate club بنا سکتے ہیں۔ لیکن شاید آپ کو مجھ سے کوئی اور کام بھی تھا؟'' ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''مجھے مالک صاحب سے بات کرنی ہے۔'' اس کا انداز سنجیدہ اور دوٹوک تھا۔ جیسے وہ یہ پہلے سے طے کر چکی تھی۔

''پوچھ سکتا ہوں' کیوں؟''

''نہیں۔''

بیربل کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

''میں آپ کو اس روبوٹ کا نمبر دے سکتا ہوں۔ مگر دھیان سے بات کیجیے گا۔ کہیں کرنٹ نہ لگ جائے۔''

''تھینک یو۔''

''ویسے مالا...'' وہ لہجے کو بہت پرخلوص بنا کے بولا۔ ''آپ مجھ پہ بھروسہ کر سکتی ہیں۔ میں اس گفتگو کے بارے میں ماہر کو نہیں بتاؤں گا۔''

''آپ پانچ منٹ کے اندر اس کو بتا دیں گے۔ لیکن مجھے فرق نہیں پڑتا۔'' بے نیازی سے کہہ کے کال کاٹ دی۔ بیربل فرید کی شیطانی مسکراہٹ اس کے چہرے پہ واپس آ چکی تھی۔

''ماہر... مجھے کشمالہ کا فون آیا تھا۔'' اس کی انگلیاں ٹائپ کر رہی تھیں۔ ''وہ بہت پریشان لگ رہی تھی۔ اور اس کو میری مدد چاہیے۔ اگر تم اس بارے میں مزید جاننا چاہتے ہو تو ہم سورج غروب ہونے کے بعد بات کر سکتے ہیں۔''

موبائل رکھ کے اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔ مسکراہٹ لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

جب تک ویٹر اس کا قہوہ لے کر آیا' اس کے فون پہ بینک کا میسج آ چکا تھا۔

اس کا بقایا جیب خرچ اس کے اکاؤنٹ میں جمع کروا دیا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار کا پولیس اسٹیشن ایسا ہی تھا جیسا کوئی سرکاری دفتر ہوتا ہے۔ میزوں پہ بکھرے کاغذ۔ ٹائپنگ کی آواز۔ اپنے ڈیسک پہ جھکے' ریسور اٹھا اٹھا کے ہدایات دیتے آفیسرز۔

مین ہال کے سلائیڈنگ ڈور کو کھول کے وہ اندر داخل ہوا تو چنگیز کا چہرہ دکھائی دیا۔ لبوں میں سگریٹ دبائے' وہ لائٹر سے اسے سلگا رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے مسکرا کے کھڑا ہوا۔

''خوشخبری یہ ہے کہ ہم تمہارے ایک تعاقب کار کے قریب پہنچ گئے ہیں۔''

ماہر نے یہ بات سنجیدگی سے سنی' کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار لگ رہا تھا۔ سوٹ میں ملبوس۔ جیل سے سمٹے بال۔

''تم چند برس پہلے ہلال اور بیربل کے ساتھ چھٹیاں گزارنے استنبول آئے تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب تم لوگ لندن میں رہتے تھے۔ تم تین افراد آئے تھے۔ لیکن واپسی پہ تم چار تھے۔ تمہارے ساتھ ایک عورت بھی یہاں سے گئی تھی جس کو تم نے ہلال کی منگنی کے طور پہ ہائر کیا تھا۔''

وہ خاموشی سے سنے گیا۔

''کسی نے پولیس ڈیٹا بیس کے ذریعے اس عورت کی تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی ہیں جو تمہارے ساتھ لندن گئی تھی۔ لیکن انٹیریئر منسٹری کے ریکارڈز میں اس عورت کی معلومات سیل شدہ ہیں۔ یعنی کوئی بھی ان کو ہائیر سیکیورٹی کلیئرنس یا کورٹ آرڈر کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔''

''اچھا۔'' اس نے لاعلمی سے شانے اچکائے۔ چنگیز نے سلگتے سگریٹ کو ایش ٹرے کے کنارے جھٹکا۔ راکھ کے چند ٹکڑے نیچے جا گرے۔

''دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر وہ ہلال کے ساتھ کھو گئی تھی تو تم نے اس کا ریکارڈ کیوں سیل کروایا؟'' وہ غور سے

اپنے دوست کو دیکھ رہا تھا۔

''میرے پاس ضائع کرنے کے لیے بہت پیسہ ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''یا شاید وہ کھوئی نہیں تھی اور تم نے خود اس کو کہیں چھپا رکھا ہے؟'' چنگیز اس کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''شاید وہ کچھ جانتی ہے۔ یا تمہیں ڈر ہے کہ تمہارے دشمن اس کو نقصان پہنچائیں گے؟''

''کیا تم اس شخص کو ڈھونڈ پائے ہو جو میری معلومات لینے کی کوشش کر رہا تھا؟''

چنگیز نے گہری سانس لی اور ایک پرنٹ آؤٹ سامنے رکھا۔

''انٹیریئر منسٹری کے ڈیٹا بیس میں کچھ سرچ کرنے کے لیے سرکاری افسر کو اپنا بیج نمبر یا یوزر آئی ڈی استعمال کرنی پڑتی ہے۔ یعنی میں دیکھ سکتا ہوں کہ...''

''آگے؟'' اس نے ہاتھ گھما کے گفتگو کی رفتار تیز کرنے کا اشارہ کیا۔ ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

چنگیز نے قدرے ناگواری سے اسے دیکھا لیکن ضبط کر گیا۔

''یہ ہے وہ پولیس آفیسر جس نے اس عورت کو کھوجنے کی کوشش کی ہے۔'' اس نے پرنٹ آؤٹ سامنے لہرایا۔ وہاں ایک بھورے بالوں والی خوبصورت سی پولیس آفیسر نظر آ رہی تھی۔

''لیکن جس وقت یہ سرچ کی گئی...'' چنگیز نے تجسس کے لیے وقفہ دیا۔

''اس وقت وہ کچھ اور کر رہی تھی؟''

چنگیز کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

''ہاں۔ سرچ کے وقت وہ ایک سیمینار سے خطاب کر رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے وہ سرچ اس نے خود نہیں کی۔ تمہیں کیسے معلوم؟''

ماہر نے شانے اچکائے۔

''کیونکہ سرکار کا کلائنٹ کبھی بھی اپنی اصل شناخت سے سرچ نہیں کرے گا۔ وہ کسی اور کی آئی ڈی استعمال کرے گا۔ کیا یہ شادی شدہ ہے؟'' وہ سپاٹ سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

چنگیز نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''اتنی خوبصورت عورت اکیلی نہیں ہوتی۔ کوئی منگیتر؟ بوائے فرینڈ؟''

چنگیز نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے پہلو بدلا۔

''میں کومسار ہوں' ماہر بے۔ مجھے میری جاب مت سکھاؤ۔ میں یہ سب چیک کر چکا ہوں۔اس عورت کا ایک بوائے فرینڈ ہے... جواس کے ساتھ رہتا ہے اور...'' چنگیز کی آنکھیں پھر سے چمکیں۔تجسس کے لیے وقفہ دیا۔

''اور وہ ایک پاکستانی ہے؟'' ماہر نے گھڑی کو دیکھتے ہوئے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

چنگیز کے کندھے نیچے گر گئے۔چہرے کے زاویے بگڑے۔

''ہاں۔اس کا نام غالب نواز ہے۔وہ فاتح میں رہتا ہے۔اپنا ہوٹل بزنس ہے۔''

''بس؟'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں اس کو تفتیش کے لیے بلا سکتا ہوں۔لیکن وہ ایک گھنٹے میں باہر ہوگا۔اس کی گرل فرینڈ پولیس آفیسر ہے ۔وہ کہہ دے گی کہ یہ سرچ اس نے کی ہے۔سیمینار میں بریک کے دوران۔یا ایسا کچھ۔میرے پاس اس کو پکڑنے کے لیے کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔''

''اور تم نے یہ سب بتانے کے لئے مجھے بلایا ہے؟''

''میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ پولیس اپنا کام کر رہی ہے۔کوئی بھی تمہارے بارے میں سرچ کرے گا' تو وہ ہمارے ریڈار پہ ہوگا۔'' وہ بھی ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''اور کیا پولیس نے چیک کیا ہے کہ اس ہوٹل اونر کے پاس کوئی سیاہ SUV ہے؟''

چنگیز بری طرح چونکا۔

''اوہ...'' وہ تیزی سے کی بورڈ پہ جھکا۔کھٹ کھٹ کچھ ٹائپ کیا۔نگاہیں اسکرین پہ دوڑائیں۔پھر اس کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔

''غالب کے نام پہ دو گاڑیاں رجسٹرڈ ہیں جن میں سے ایک سیاہ ایس یو وی ہے لیکن...''

''لیکن یقیناً میرے ایکسیڈنٹ سے پہلے وہ چوری ہوگئی ہوگی؟''

چنگیز نے اسکرین کو دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''تمہارے ایکسیڈنٹ سے ایک رات قبل اس نے ایس یو وی چوری ہونے کی رپورٹ درج کروائی تھی۔ کچھ دن بعد اس کی کار استنبول سے چند میل دور سے ملی تھی۔اس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔پولیس نے قیاس کیا کہ شرارتی لڑکے اسے لے گئے تھے اور چند دن غل گپاڑہ کرنے کے بعد واپس چھوڑ گئے تھے۔استنبول میں ایسا ہوتا رہتا ہے ۔''

چنگیز نے بازو لمبا کر کے ریسیور اٹھایا۔لیکن ماہر نے فوراً سے کریڈل پہ ہاتھ رکھ دیا۔اس نے چونک کے اسے دیکھا۔

''ابھی اسے گرفتار مت کرو۔وہ ایک گھنٹے میں باہر نکل آئے گا۔اس پہ چند دن نظر رکھو۔اگر اس نے دوبارہ میرے بارے میں کچھ سرچ کرنے کی کوشش کی تو اسے تھانے لے آنا۔''

''میں کار کا وارنٹ نکلوا کے اس کا فارنزک کروا سکتا ہوں۔میں اس کو چارج بھی کر سکتا ہوں۔''چنگیز نے ریسیور واپس رکھا لیکن اس کے انداز میں کچھ غیر آرام دہ سا تھا۔

''کچھ دن ٹھہر جاؤ۔مجھے انقرہ جانا ہے۔میں وہاں سے واپس آجاؤں' پھر ہم اس معاملے کو دیکھیں گے۔''

چنگیز نے ریسیور واپس رکھ دیا اور آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے اسے دیکھنے لگا جو اب دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

''ماہر بے...''اس کی آواز سنجیدہ تھا۔

ماہر چوکھٹ سے پلٹا۔سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائے۔

''اس تھانے کے باہر میں تمہارا دوست ہوں۔لیکن یہاں میں پولیس کو مسار ہوں۔یہ آخری دفعہ تھا جب تم نے مجھے بتایا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''اس کے انداز میں تنبیہ تھی۔

ماہر نے سر کو خم دیا۔

''کومسار بے ...'' وہ نرمی سے مسکرایا۔''میری درخواست ہے کہ آپ اگلے جمعرات تک اس کو گرفتار نہ کریں۔اگر میں تب تک انقرہ سے واپس نہ آیا تو بے شک اس کو گرفتار کر لینا۔''

''تب تک میں اس پہ نظر رکھوں گا۔اگر کوئی ٹھوس وجہ مل گئی تو میں اس کو گرفتار کر لوں گا۔''وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولا۔ماہر مسکرا دیا۔کہا کچھ نہیں۔

''اور ہلال کی نینی کو پولیس کی حفاظت درکار ہو گی تا کہ وہ لوگ اس کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔''

''میں اس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔تم اپنا کام کرو۔میں اپنا کروں گا۔''

اس نے سلائیڈنگ ڈور کھولا اور باہر نکل گیا۔چنگیز نے فون ریسیور کو دیکھا۔پھر مٹھی بھینچ لی۔اور کیلنڈر دیکھا۔

اگلے جمعرات کے آنے میں ابھی تیرہ دن پڑے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیڑھیاں تاریک تھیں اور ہر طرف جالے تھے۔ گرد تھی۔ وہ قدم قدم چلتی نیچے جا رہی تھی۔ دفعتاً اسے کھانسی آئی۔ اس نے لبوں پہ ہاتھ رکھا۔ پھر چونکی۔ سیڑھیوں کے اختتام پہ نیچے ایک ہال کمرہ تھا۔ وہاں کوئی کھڑا تھا۔ کندھوں پہ شال لیے۔ کلائیوں میں سونے کے کنگن۔

''ماں...'' اس کی آنکھیں خوشی سے پھیلیں۔ تیزی سے چند زینے عبور کیے۔

وہ ایک دروازے کے پاس کھڑی تھیں۔ ان کی شال سفید تھی۔ پشمینہ کی نئی نکور شال۔ اور ان کا جسم فربہ نہیں تھا۔ وہ پتلی تھیں۔ جیسے جوانی میں ہوتی تھیں۔ ان کا رخ دوسری جانب تھا۔ آہٹ پہ وہ پلٹیں۔ اس کو دیکھا۔ ان کا چہرہ مدھم روشنی میں واضح ہوا۔ وہ بھی جوان تھا۔ سپید اور خوبصورت۔ لیکن وہ مسکرا نہیں رہی تھیں۔ وہ بس اس کو دیکھ رہی تھیں۔

''ماں.. آپ زندہ ہیں؟'' وہ تیزی سے ان کے قریب آئی۔ ان کا ہاتھ تھاما۔ وہ گرم تھا۔ اس پہ جھریاں نہیں تھیں۔

ماں نے جواب نہیں دیا۔ بس دوسرا ہاتھ بڑھایا اور دروازے کا ناب گھمایا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ مالا نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

وہ ایک کمرہ تھا۔ اس میں اوپر نیچے بہت سے رول شدہ نقشے بھرے تھے۔ میز پر۔ شیلف پر۔ ہر طرف۔ جالوں اور گرد سے اٹے ہوئے نقشے۔

ماں نے چہرہ اس کے قریب کیا۔ دھیرے سے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''فلیش لائٹ ڈھونڈو...''

''فلیش لائٹ؟ کیا مطلب؟'' اس نے اچنبھے سے انہیں دیکھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اسی پل کانوں میں تیز آواز گونجی۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...

یک دم اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ نظر الارم کلاک پہ پڑی۔

03:08 AM

تین بج کے آٹھ منٹ۔

وہ چند لمحے بیٹھ کے گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ ماں کو اس نے ان کی وفات کے بعد پہلی دفعہ ایسے خواب میں دیکھا تھا کہ حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ ماں کے خواب اس کو اکثر آتے تھے۔ پرانے دنوں کا ری پلے۔ ان کی موت سے پہلے کا کوئی اچھا دن۔ وہ سب خیالات کا ہجوم ہوتے تھے۔ لیکن یہ خواب۔ یہ ایسا تھا جیسے وہ ماں سے ان کے مرنے کے بعد پہلی دفعہ ملی ہو۔ اسے سلیمہ آنٹی کی باتیں یاد آئیں جو انہوں نے ماں کے جنازے والے دن کچن میں کھڑے اس کو کہی تھیں۔

اس نے سر جھٹکا اور موبائل اٹھایا۔ نوٹس کھولے اور ٹائپ کرنے لگی۔

03:09 AM

03:08 AM

آج کی تاریخ ڈالی اور فون رکھ دیا۔ آدھی رات کو یہ آواز ایک ہی وقت پہ کیوں آتی تھی؟ اس کا دماغ سمجھنے سے قاصر تھا۔

زیاد کہاں گیا؟ دفعتاً خیال آیا تو چونک کے دیکھا۔ زیاد کے حصے کا بیڈ خالی تھا۔ اس نے پیروں میں سلیپرز پہنے اور کمرے سے باہر آئی۔

گھر کے دوسرے بیڈروم کو زیاد نے اپنا ہوم آفس بنا رکھا تھا۔ اس کا دروازہ بند تھا اور درز سے روشنی کی لکیر جھانک رہی تھی۔ یقیناً وہ لکھنے میں مصروف تھا۔ کیا اسے دروازہ کھٹکھٹانا چاہیے؟ یا باہر رک کے سننا چاہیے؟ اف مالا۔ اس نے خود کو ڈانٹا۔ اسے تجسس میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اسے زیاد کی جاسوسی نہیں کرنی چاہیے۔

وہ واپس کمرے میں آ گئی اور بستر پہ لیٹ گئی۔ نیند پھر سے غالب آنے لگی۔

زیاد سلطان کے ہوم آفس میں کارپٹ بچھا تھا اور ایک ورک ٹیبل رکھی تھی جس پہ اس کا لیپ ٹاپ کھلا تھا۔ اور وہ عینک لگائے' اسکرین کو بے توجہی سے دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں ایک زرد ٹیبل لیمپ جل رہا تھا جس نے سارے میں روشنی بکھیر رکھی تھی۔ دفعتاً فون زوں زوں ہونے لگا۔ اس نے ناپسندیدگی سے اسکرین کو دیکھا۔ نگینہ بیگم کی کال آ رہی تھی۔

''جی امی؟'' گہری سانس لے کر کال اٹھائی۔

''تم تو ماں کو ایسے بھولے ہو جیسے تمہیں کبھی اس کی ضرورت دوبارہ نہیں پڑے گی۔'' وہ جیسے مسکرا کے کہہ رہی

تھیں۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' اس نے سر جھکا دیا۔ ''بس میں ایک نئی زندگی شروع...''

''ہلال کی ایک نیٹی ہے' زیاد۔ مجھے اس کو تلاش کرنا ہے۔''

وہ چونکا۔ بے اختیار دروازے کو دیکھا۔ پھر آواز مزید دھیمی کی۔

''امی میں ان معاملوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔''

''غالب اس کو تلاش کرنے میں ناکام رہا ہے۔''

''غالب کون؟''

''میرا کلائنٹ۔ استنبول میں ہوتا ہے۔''

''ہوں۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟''

''ہلال کہتی ہے کہ وہ جھیل کنارے ایک گھر میں مقیم ہے۔ اس شہر میں جہاں ماہر فرید رہتا ہے۔''

زیاد نے سامنے رکھے کاغذ کو مٹھی میں بھینچ لیا۔ کرب سے آنکھیں بند کیں۔

''میں اس شخص کا نام نہیں سننا چاہتا۔ اور آپ...''

''اس نے اس کے تمام ٹریول ریکارڈز سیل کروا رکھے ہیں۔''

''آپ کے موکل کیا کہتے ہیں؟''

''وہ اس کا نام جانے بغیر اس کو نہیں ڈھونڈ سکتے۔ اس لیے مجھے تمہاری مدد چاہیے۔ اگر تمہیں اس کو ڈھونڈنا ہوتا تو کیسے ڈھونڈتے؟''

وہ چند لمحے اسکرین کو سوچتی نظروں سے دیکھے گیا۔ فون کان سے لگا تھا۔

''آپ کو یقین ہے کہ اس نے اسے چھپا رکھا ہے؟'' وہ احتیاطاً نام لیے بغیر دروازے پہ بار بار ایک نظر ڈال لیتا تھا۔

''مجھے یقین ہے۔''

''اس عورت کا نام جاننے کا فائدہ نہیں ہے۔ اس نے اسے جس گھر میں چھپایا ہے' وہ اس عورت کے نام پہ نہیں ہوگا۔ وہ اس کے اپنے نام پہ ہوگا۔ کرایے کے گھر کا وہ رسک نہیں لے گا۔ غالب سے کہیں کہ اس کے' بلکہ اس کے پورے خاندان کی پراپرٹی کا ریکارڈ چیک کرے۔ اسے آسانی سے پولیس ڈیٹا بیس میں یہ سب مل جائے گا۔ کوئی

ایسا گھر جو کسی واٹر باڈی (سمندر، جھیل، تالاب) کے قریب ہو، جو اس نے خرید رکھا ہو یا لیز کیا ہو، وہ اس گھر میں ہوگی۔"

وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ کال بند کر کے وہ باہر نکلا اور دبے قدموں کمرے میں واپس آیا۔ وہ تب تک سو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"زیاد بھائی استنبول کیوں نہیں جانا چاہتے؟"

رامین اور اس کے شوہر نے ان دونوں کو لنچ پہ بلایا تھا۔ سمندر کنارے کورنش پہ بنے ایک اوپن ایئر ریستوران میں وہ چاروں اس وقت موجود تھے۔ سہ پہر کا وقت تھا اور سورج قدرے ٹھنڈا تھا۔ ایک طرف سمندر تھا اور دوسرے طرف ریت پہ دور دور تک بنچ اور میزیں لگی تھیں۔

وہ دونوں اس وقت بفے ٹیبل کے ساتھ کھڑی اپنی اپنی پلیٹس اٹھا رہی تھیں۔ زیاد اور طیفور (رامین کا شوہر) ابھی پیچھے بنچ پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ دونوں موبائلز پہ لگے تھے۔ البتہ وہ کھانا نکالنے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"اس کو چھٹی نہیں مل رہی۔ یا شاید استنبول کا نام سن کے ہی وہ چڑچڑا ہونے لگتا ہے۔"

وہ قدرے اداس لگ رہی تھی۔ اس نے اسکن کلر کے عبایے پہ ہم رنگ اسٹول یوں اوڑھ رکھا تھا کہ سامنے کے بال اور کانوں کے ٹاپس دکھائی دے رہے تھے۔ آنکھوں پہ سیاہ گلاسز تھے۔

اس کا عبایہ پہننے کا اپنا اسٹائل تھا۔ وہ نیچے سے کھلا ٹراؤزر شرٹ پہن کے اوپر عبایا cape کی طرح پہنتی جو سامنے سے کھلا ہوتا۔ آستین پیچھے موڑ لیتی۔ کلائی میں گھڑی، بریسلیٹ اور انگلیوں میں انگوٹھیاں دمکتی رہتیں۔

سعودی عرب سخت شریعت کے دور سے نکل کے آہستہ آہستہ ماڈرنائز ہو رہا تھا۔ یہ محمد بن سلمان کا دور تھا اور اب عبایا یا اسکارف نہ اوڑھنے پہ کوئی کسی عورت کو کچھ نہ کہتا تھا۔ جدہ میں ویسے بھی خارجیوں کی کثیر تعداد تھی۔ خارجی عورتیں جو اپنے ملکوں میں عبایا نہیں پہنتی تھیں، وہ کلچر کا احترام کرتے ہوئے سعودی عرب میں اس کو اوڑھ لیتی تھیں۔ اب بہت سی سعودی عورتیں بھی صرف سامنے سے کھلا عبایا پہن کر، سر ڈھکے بنا باہر نکلتی تھیں۔ اکثر کے بوائے کٹ بال کٹے ہوتے تھے کیونکہ بہت سی سعودی عورتیں لمبے بال پسند نہیں کرتی تھیں۔ البتہ اسکن دکھانا یعنی بنا

آستین کے لباس پہننا وہاں آج بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور سعودی عورتوں کی اکثریت اپنا سیاہ عبایا اور نقاب اسی طرح کرتی آ رہی تھی۔

''آپ لوگوں نے عمرہ بھی نہیں کیا ابھی تک۔'' رامین نے جیسے یاد دلایا۔

''زیاد ہی راضی نہیں ہے۔ کب سے کہہ رہی ہوں کہ عمرہ کریں۔ کبھی آج کبھی کل پہ ٹال دیتا ہے۔'' وہ اکھڑے اکھڑے انداز میں پلیٹ میں مندی کے چاول ڈال رہی تھی۔ مندی سعودیوں کی پسندیدہ ڈش تھی۔ سفید' زرد چاولوں کے اوپر ریزن' خشک میوے وغیرہ کے ساتھ روسٹ ہوئے دنبے کے پیس پڑے ہوتے تھے۔ اس ریستوران نے مندی کے ساتھ جرجر کے پتے بھی سرو کر رکھے تھے۔ البتہ اس کا کچھ کھانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''آپ زیاد بھائی سے خفا ہیں؟'' رامین نے غور سے اسے دیکھا۔

''اس نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔ یا شاید اس کی ماں نے۔''

''کیا وہ سبرینہ کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے؟''

''میں نے ایک دو دفعہ ذکر چھیڑا تھا۔ اس نے سختی سے کہہ دیا کہ وہ اس بارے میں بات نہیں کرے گا۔''

''پھر آپ کو سبرینہ کے گھر والوں سے بات کرنی چاہیے۔ وہی اصل کہانی بتا سکیں گے۔'' وہ سرخ ساس اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے سرگوشی میں بولی۔ مالا کے اندر کسی غیر آرام دہ احساس نے پہلو بدلا۔

''میں اپنے شوہر کی پیٹھ پیچھے اس کی جاسوسی نہیں کر سکتی' رامین۔''

''جاسوسی کی نیت سے نہ کریں۔ یہ سوچیں کہ حقیقت معلوم ہونے پہ آپ دونوں کے تعلقات بہتر ہو جائیں گے اور آپ اس شک سے نجات حاصل کر لیں گی۔'' پھر وہ کچھ سوچنے لگی۔

''زیاد بھائی استنبول کے نام سے چڑنے کیوں لگے ہیں؟''

''شاید اسے استنبول پسند نہیں ہے۔''

''یا شاید وہاں کوئی پسند نہیں ہے۔'' اس نے زور دیا۔ مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر سر جھٹک دیا۔

''اگر تم کیف کی بات کر رہی ہو تو زیاد اس کو ٹھیک سے جانتا تک نہیں تھا۔ نہ وہ اس کے ذہن میں کہیں ہوگا۔ وہ صرف میرا ڈرائیور تھا۔ اور کچھ نہیں۔ اس لیے زیاد کو اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔''

''ہوں۔ یقیناً۔ اوہ آپ کی لپ اسٹک مٹ گئی ہے۔'' اس نے اب نوٹ کیا تھا۔

مالا کے چہرے پہ سایہ سا گزرا۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔ ''اچھا۔ کوئی بات نہیں۔''

وہ دونوں اب بفے ٹیبل پہ کافی آگے پہنچ چکی تھیں۔ مالا نے پلٹ کے ایک نظر ٹیبل کے دہانے کو دیکھا۔ زیاد اور ہارون بھی اب اپنی پلیٹس اٹھا رہے تھے۔ زیاد چپ چپ سا تھا۔ وہ یہاں آنا ہی نہیں چاہتا تھا لیکن اس نے مالا کو انکار نہیں کیا تھا۔

ہارون بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ جواباً ہوں ہاں کر رہا تھا۔

(یہاں آنے سے پہلے جب تیار ہو کے وہ آئینے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی تو وہ اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔ وہ نہیں مسکرایا۔

''اتنی ڈارک لپ اسٹک لگا رہی ہو۔'' اس کے لہجے میں ناپسندیدگی تھی۔ مالا چونکی۔ لپ اسٹک والا ہاتھ نیچے کیا۔

''یہ نیوڈ شیڈ ہے۔ اس عبایے کے ساتھ یہی جاتی ہے۔''

''تمہیں اپنی اسکن کا خیال رکھنا چاہیے۔'' جتا کے کہتے ہوئے وہ پیچھے سے ہٹ گیا۔ اس نے چونک کے آئینے میں دیکھا۔ ہونٹ تلے ایک دانہ نکل رہا تھا۔ یہ صبح تک یہاں نہیں تھا۔ تازہ تازہ پھوٹا تھا۔ اس نے دھیرے سے لپ اسٹک رکھ دی۔ پھر ٹشو پیپر سے ہونٹ رگڑ دیے۔ لپ اسٹک بہت مدھم ہو گئی۔ جب شوہر کہہ دے کہ اسے بیوی پہ کوئی چیز اچھی نہیں لگ رہی، تو پھر ساری دنیا بھی اس کو اچھا کہہ دے، وہ بیوی کے دل سے اتر جاتی ہے۔)

رامین کا شوہر ہارون اس کی تمام برائیوں اور شکایتوں کے برعکس کافی خوش مزاج اور باتونی سا انسان لگتا تھا۔ جب وہ چاروں اپنا کھانا لے کر آمنے سامنے آ بیٹھے تو ہارون خوش مزاجی سے کہنے لگا۔

''بھابھی آپ کا ذکر میں کافی عرصے سے رامین سے سن رہا ہوں۔ یہ آپ کے ریستوران کی بہت تعریف کرتی تھی۔ کتنے بڑے بڑے کرائسز آئے، لیکن آپ نے اس ریستوران کو ایک دن کے لیے بھی بند نہیں ہونے دیا۔''

وہ مسکرا دی اور عادتاً زیاد کو دیکھا۔ ان چاروں نے اب سن گلاسز اتار دیے تھے۔ ایسے میں زیاد کی آنکھیں بالکل سپاٹ سی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ سر جھکائے اپنے ہریسہ (سوپ) میں چمچ ہلا رہا تھا۔ مالا کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ ادھر ہارون نوٹس کیے بنا بولے جا رہا تھا۔

''مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسی کام کرنے والی لڑکی ابھی تک جدہ میں فارغ کیوں ہے؟ آپ کو تو کچھ کرنا چاہیے۔''

اب کی بار زیاد سلطان نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ رامین خاموشی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔

''جی ہارون بھائی۔ دراصل میں اپنے اقامہ پہ جاب نہیں کر سکتی۔''

''تو اقامہ ٹرانسفر کروالیں نا۔ جہاں بھی آپ جاب شروع کریں گی' آپ کا ایمپلائر آپ کے اقامے کو اپنے ساتھ ٹرانسفر کروا دے گا۔'' وہ مزے سے بولا۔

''جی' میں جانتی ہوں۔'' انتاریسرچ تو وہ اب تک کر چکی تھی۔

''اگر آپ کو کفیل چاہیے تو میں...''

زیاد نے بہت ضبط سے چمچ نیچے رکھا۔ پھر چہرہ اٹھا کے ہارون کو دیکھا اور جبراً مسکراتے ہوئے بات کاٹی۔

''ایک دفعہ کشمالہ کو جاب مل جائے تو میں اس کا اقامے کا مسئلہ حل کروا دوں گا۔'' اس کا انداز دفاعی تھا۔ بات کاٹ جانے پہ ہارون ایک دم چپ ہوا۔ پھر پوری توجہ سے زیاد کو دیکھا۔

''آپ کہاں جاب کرتے ہیں؟'' ہارون نے ایک دم سے سوالات کا رخ اس کی طرف موڑ دیا۔ رامین نے ٹیبل کے نیچے سے اس کو پیر مارا لیکن وہ پوری طرح سے زیاد کی طرف متوجہ تھا۔

''میں ٹی ایم اے میں کام کرتا ہوں۔ ایڈورٹائزنگ فرم ہے۔ میں مارکیٹنگ مینیجر ہوں۔''

''جس کا کنٹری ہیڈ طائف ال غریر ہے؟''

ہریسے سے بھرا چمچ لبوں تک لے جاتے ہوئے چھلک پڑا۔ وہ چونک کے ہارون کو دیکھنے لگا۔

''جی۔ طائف میرا باس ہے۔'' اس نے تھوک نگلا۔

''انٹرسٹنگ۔ طائف کے والد میرے کفیل ہیں۔ ال غریر فیملی سے ہمارے دہائیوں پرانے تعلقات ہیں۔ آپ کو کوئی بھی کام ہو تو مجھے بلا جھجک کہیے گا۔''

مالا نے بے اختیار اسے دیکھا۔ اس کے لبوں تک چند الفاظ آئے۔ (معید کی شادی کے لیے چھٹی؟) لیکن...

''تھینک یو۔ میرا نہیں خیال مجھے کوئی ایسا کام ہوگا۔'' زیاد اسی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ واپس ہریسہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مالا کے الفاظ حلق میں دم توڑ گئے۔

''رامین بتا رہی تھی کہ آپ کے ریستوران پہ ایک دفعہ پولیس آ گئی تھی؟'' ہارون نے واپس بات وہیں سے شروع کی۔ اس کے انداز میں کشمالہ کے لیے بہت عزت اور مرعوب ہونے کا احساس تھا۔

''اور میں نے کہا تھا کہ بھاگ چلتے ہیں۔'' رامین شرمندہ سی ہنس دی۔ ''میں مسئلوں کے حل نکال لیتی ہوں۔'' سادگی سے مسکرا کے بس اتنا سا کہا۔ انگلیوں نے گردن میں پہنی فاختہ کو چھوا۔

''کچھ وقت کے لیے ہم دونوں ریستوران سے غائب ہو گئے۔لیکن پھر مالا واپس گئی۔پولیس اسٹیشن۔اور اس نے اپنا بیان ریکارڈ کروایا۔اور پھر اس نے کئی مہینے وہ کیس لڑا۔مالا ایک دفعہ کسی کو دشمن بنا لے تو اس کو قبر تک پہنچاتی ہے۔''رامین ستائش سے کہہ رہی تھی۔زیاد کا حلق خشک ہونے لگا۔اس نے تیزی سے پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹا غٹ پی گیا۔

''رامین خود بھی کسی سے کم نہیں ہے۔شاعرہ تھی یہ۔''

''مالا بھابی' میں تو کہتا ہوں کہ لکھتی رہے۔لیکن ان کو نیٹ فلکس سے فرصت ملے تو۔''ہارون نے مصنوعی افسوس سے رامین کو دیکھا۔وہ ہنس پڑی۔

''باتیں ہیں بس سب۔''وہ تینوں اب مسکرا رہے تھے۔البتہ زیاد سلطان نے بہت چونک کے پہلے ہارون اور پھر مالا کو دیکھا تھا۔کچھ کہتے کہتے وہ رک گیا اور واپس کھانے کی طرف سر جھکا دیا۔البتہ اس کے چہرے پہ واضح ناپسندیدگی تھی۔

''مالا بھابھی؟''ہارون اور رامین اٹھ کے بفے ٹیبل تک گئے تو زیاد نے ایک دم جتانے والے انداز میں دہرایا۔وہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارا نام کشمالہ ہے۔یوں ایک اجنبی کو تمہیں بنک نیم سے نہیں پکارنا چاہیے۔''

اس کی آنکھیں میں الجھنا ابھرا،جیسے اسے سمجھ ہی نہ آیا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''رامین مجھے مالا کہتی ہے تو ان کو یہی لگا ہوگا کہ یہ میرا نام ہے۔''

''میں نے کبھی تمہیں مالا نہیں کہا۔میں تمہارا پورا نام لیتا ہوں۔مجھے ویسے بھی یہ نک نیم نہیں پسند۔''

زیاد کے چہرے پہ دبی دبی سی برہمی تھی۔

''مجھے سب مالا کہتے ہیں۔بخت بی اور سلیم تک۔اٹس او کے' زیاد۔''وہ قدرے حیرت سے اس کا بدلتا موڈ دیکھ رہی تھی۔

زیاد کچھ کہنے لگا۔اسی پل وہ دونوں میاں بیوی آتے دکھائی دیے۔وہ خاموش ہو گیا۔

البتہ کشمالہ مبین کی بھوک مر چکی تھی۔

باقی سارا وقت وہ قدرے خاموش رہی۔رامین اسی طرح مالا کی تعریفیں کرتی رہی اور ہارون ہر تعریف پہ حوصلہ افزائی کرتا رہا۔وہ دونوں کشمالہ کے بارے میں بات کرنے پہ مجبور تھے کیونکہ زیاد ہوں ہاں سے زیادہ کچھ نہیں کہہ

رہا تھا۔ وہ اپنی ہر تعریف پہ زیاد کا چہرہ دیکھتی۔ وہاں کچھ نہ تھا۔

''سوری میں تھوڑا سا پوزیسیو ہو گیا تھا۔'' واپسی پہ ڈرائیو کرتے ہوئے زیاد کھنکھارا۔ وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ سن گلاسز اب آنکھوں پہ لگا رکھے تھے۔

''دراصل تم میرے لیے بہت خاص ہو' کشمالہ۔ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تمہیں میرے سوا نہ کوئی دیکھے' نہ کوئی تم سے بے تکلف ہو۔ محبت میں انسان ایسا ہی پوزیسیو ہوتا ہے۔''

شدید گھٹن کے احساس نے اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جیسے اس کا سانس تنگ ہو رہا ہو۔ بے اختیار اس نے ناک سے لمبا سانس اندر کھینچا۔ اب کے وہ بولی تو آواز پرسکون تھی۔

''مالا میرا نام ہے۔ میں انتیس سال سے اس کو سن رہی ہوں۔ یہ میری پہچان ہے۔ میں اس کو بدل نہیں سکتی۔''

''لیکن ایک اجنبی کو تمہیں تمہارے نک نیم سے نہیں پکارنا چاہیے۔ تمہیں یہ سوچنا چاہیے کہ تمہارے شوہر کو برا لگے گا۔''

اس نے سائیڈ مرر میں اپنی مٹی ہوئی لپ اسٹک اور دانے کو دیکھا۔

''کل کو آپ کو میرا چہرہ برا لگنے لگ جائے تو کیا اسے بھی بدل لوں؟''

''یار پلیز میں...''

''آپ نے چھٹی اپلائی کر دی؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''میں اپلائی کروں گا لیکن وہ ریجیکٹ ہو جائے گی۔ پتہ نہیں تمہیں ایک دفعہ میں بات کیوں نہیں سمجھ آتی؟'' وہ بڑبڑاتے ہوئے ڈرائیو کر رہا تھا۔ مالا خاموشی سے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

اسے معلوم تھا کہ اسے اب کیا کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کی عمارت کے اس مصروف فلور پہ رینوویشن کا عملہ سی طرح کام میں جتا تھا۔ ان کی وجہ سے لفٹ کے قریب کرسی میز ڈالے بیٹھی شبنم اس وقت فون پہ لگی تھی جب لفٹ کے دروازے کھلے اور ڈاکٹر معید مبین باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننھا سا سفید چوکور باکس تھا۔

''شش...'' وہ اطراف میں متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا جب شبنم نے چٹکی بجا کے اسے متوجہ کیا۔

''ماہر بے...'' ایک کان سے فون لگائے' اس نے بازو لمبا کر کے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ معید سر کو خم دے کر اس طرف بڑھ گیا۔

زینہ تنگ سا تھا۔ دس بارہ سیڑھیاں چڑھ کے موڑ آجاتا تھا۔ اس موڑ پہ دیوار پہ ایک آئینہ آویزاں تھا جس سے اوپر اسٹڈی نما آفس کی شیشے کی دیوار دکھائی دیتی تھی جس کے آگے میرون مخملیں پردہ گرا تھا۔ وہ چند زینے عبور کر کے شیشے کے دروازے تک آیا اور دروازے کا پردہ ہٹایا۔

وہ ایک تنگ سا آفس تھا۔ اندر تین دیواریں کتابوں کے ریکس سے بھری تھیں۔ تمام ریکس کے نیچے ایک سرخ رنگ کی ایل ای ڈی والی روپ لائٹ لکیر کی صورت میں گزرتی تھی جو کمرے کی روشنی کو مدھم سا سرخ تاثر دیے ہوئے تھی۔ ان چار دیواروں کے درمیان بس اتنی سی جگہ تھی کہ ایک لمبی مستطیل کانفرنس ٹیبل سما سکے۔

اس ٹیبل کے سرے پہ اس وقت ماہر فرید بیٹھا تھا۔ سوٹ میں ملبوس' گال تلے دو انگلیاں رکھے ٹیک لگائے' کسی گہری سوچ میں گم۔ سامنے چند کاغذ پھیلے تھے۔ اور میز کے وسط میں ایک سرخ عمارت کا ماڈل رکھا تھا۔

''کیف؟''

آواز پہ نگاہ اٹھائی۔ پھر مسکرا کے کھڑا ہوا۔

''آؤ معید۔ کل تمہارا میسج دیکھ کے مجھے اچھا لگا۔ تمہیں بہت پہلے میرے پاس آنا چاہیے تھا۔''

معید نے اس سے مصافحہ کر کے اس کے دائیں ہاتھ کرسی کھینچی۔ پھر ستائش سے اطراف میں دیکھا۔

''کون یقین کرے گا کہ کبھی تم ہمارے ڈرائیور تھے؟''

ماہر دھیرے سے ہنس دیا۔ اس کی ہنسی میں تلخی تھی۔ معید کے چہرے پہ ایک دم معذرت خواہانہ سا تاثر ابھرا۔

''میرا مطلب تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا۔ ہم سب اپنے حصے کے جھوٹ بولتے ہیں۔''

''لیکن میرے جھوٹ جلد میرے سامنے آگئے۔ خیر... میں اتنا امیر نہیں ہوں جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میرا باپ امیر تھا۔ لندن میں ہم امیر ہوتے تھے۔'' ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ''استنبول میں میں وہی ہوں جو میں نے تمہیں اور... (تھوک نگلا) مالا کو بتایا تھا۔ ایک اسٹرگل کرتا انٹرپرینیور۔ اس ایک عمارت کے لیے...'' سرخ عمارت کے ماڈل کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں کتنا خوار ہو رہا ہوں' تم اندازہ نہیں کر سکتے۔''

معید نے ایک نظر اس ماڈل کو دیکھا۔

''کیا تم کامیاب ہو جاؤ گے؟''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں۔ کیونکہ میں انسانوں کے معاملے میں اچھا ہوں۔''

''کیسے؟'' معید کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔

''تم بتاؤ.. استنبول تمہیں کیسا ٹریٹ کر رہا ہے؟'' وہ ٹیک لگائے' کرسی کا رخ اس کی طرف گھمائے مسکرا کے پوچھنے لگا۔

''ٹوئیٹر پہ تمہاری بہن کے میموریل ڈنر کے بارے میں دیکھا۔ آئی ایم سوری فار دیٹ۔''

ماہر نے سر کو خم دیا۔ جیسے اس کی تعزیت وصول کی ہو۔

''استنبول مجھے ایسے ہی ٹریٹ کر رہا ہے جیسے ہر سیاح کو کرتا ہے۔ خوبصورت۔ فینٹسی سے بھری دنیا۔ مجھے آئے کچھ عرصہ ہو گیا ہے لیکن تم سے مل نہیں سکا۔ آج سوچا مل بھی لوں اور اس بہانے یہ بھی دے دوں۔''

اس نے ایک چوکور سفید باکس ماہر کی طرف بڑھایا۔ ماہر نے مسکرا کے باکس اٹھایا۔ وہ ایک کارڈ تھا جو باکس کی شکل میں تھا۔ اور اسے سلور ربن سے بند کیا گیا تھا۔ ماہر نے ربن کی گرہ کھولی۔ فینسی سا کارڈ کتاب کی طرح کھلا۔ اندر وینیو اور نکاح کا وقت لکھا تھا۔ ساتھ ایک بے بی بریتھ پھول چپکا تھا۔ کارڈ سینڈل تھا۔ اس کی خوشبو کھلتے ہی سارے میں پھیل گئی۔

''میرا نکاح ایمرجنسی میں ہو رہا ہے۔ میری فیانسی کے دادا بیمار ہیں۔ میری بہنیں الگ ناراض ہیں کہ اتنی جلدی کیا ہے۔ میں کچھ پریشان ہوں ان کی وجہ سے۔ لیکن اگر تم اپنی فیملی کے ساتھ آؤ تو مجھے خوشی ہو گی۔''

ماہر نے کارڈ کو دیکھا۔ پھر معید کو۔ پھر دوبارہ کارڈ کو۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''ہم سب اپنے حصے کے جھوٹ بولتے ہیں۔ لیکن تم مجھ سے سچ بول سکتے ہو۔''

معید چونکا۔ ''سوری؟''

''یہ ایمرجنسی ویڈنگ نہیں ہے' معید۔ یہ destination wedding ہے۔'' اس نے مسکرا کے کارڈ سامنے رکھا۔

''اس طرح کا کارڈ استنبول میں چھپوانے کے لیے کئی ہفتے لگتے ہیں اور یہ وینیو بک کرنے کے لیے کئی مہینے۔ تم جس فیلوشپ پہ آئے ہو اس کا کوئی خاص اسکوپ نہیں ہے۔ لیکن تم دونوں نے وہ فیلوشپ اس لیے منتخب کی کیونکہ تم

موسم بہار میں اپنی ڈیسٹینیشن ویڈنگ کرنا چاہتے تھے۔لیکن تمہارے رشتے دار ترکی میں آ کے شادی کرنے پہ بہت برا مناتے۔بالخصوص تمہاری بہنیں۔اس لیے تم دونوں نے دادا کی بیماری والا بہانہ بنایا۔بلکہ...'' وہ بغور معید کے چہرے کو پڑھ رہا تھا۔

''دونوں نے نہیں۔صرف تم نے۔کیونکہ تمہاری فیانسی تمہیں کافی عرصے سے کہہ رہی ہے کہ اپنی بہنوں کو بتا دو۔لیکن تم آخری وقت تک ڈرتے رہے۔یہاں تک کہ شادی کا وقت آن پہنچا۔اب تم پریشان ہو کیونکہ تمہاری بہنیں یہاں آ کر ایک پرتعیش شادی دیکھ کر سب سمجھ جائیں گی اور تم چاہتے ہو کہ میں شادی پہ آؤں تاکہ میں ان کو سمجھا سکوں۔اب مجھے بتاؤ' میں غلط ہوں یا درست؟''

معید مبین کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔اس نے گہری سانس لی اور پیچھے ہو کے بیٹھا۔

''آئی ایم سوری میں نے جھوٹ بولا۔'' اس نے شکست خوردگی سے کندھے اچکائے۔''میں بری طرح پھنس چکا ہوں۔''

''سوری کس بات کا؟ تمہاری زندگی ہے۔جو چاہے کرو۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' پھر کارڈ کی طرف دیکھا۔''اور مبارک ہو۔''

معید نے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے تکلیف سے آنکھیں بند کیں۔چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔

''وہ مجھے مار دیں گی۔ماہی میری بوٹیاں کر دے گی۔بوٹیاں۔'' وہ کراہا۔ماہر ہنس دیا۔گال کا گڑھا واضح ہوا۔

''میری بہنیں بہت ہیڈ اسٹرانگ ہیں۔مالا مجھے معاف نہیں کرے گی۔وہ ماہی کے سامنے میری سائیڈ لے گی لیکن وہ اندر سے مجھے معاف نہیں کرے گی۔''

''وہ معاف کرنے میں اچھی نہیں ہے۔'' اس کے لبوں پہ سوگوار سی مسکراہٹ بکھری۔

''اور اگر میں یہ ڈیسٹینیشن ویڈنگ نہیں کرتا تو فروہ کو کھو دوں گا۔پتہ نہیں کیا آبسیشن ہے لڑکیوں کو فیری ٹیل ویڈنگز کے ساتھ؟ میں اس شادی کے خرچے اٹھا اٹھا کے کنگال ہو چکا ہوں۔'' اس نے تھکان سے ماہر کو دیکھا۔

''اگر تم شادی پہ آؤ تو شاید میری بہنیں میرا لحاظ کر لیں۔''

''تمہاری دونوں بہنیں آ رہی ہیں؟'' وہ معید کو دیکھے بنا سامنے رکھے کاغذ ارینج کرنے لگا۔

''مالا اور زیاد آئیں گے۔اس نے وعدہ کیا ہے۔ماہی ناراض ہے۔شاید نہ آئے۔''

''معید...'' وہ کھنکھارا۔ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔''میرا نہیں خیال مالا یا اس کا شوہر مجھے دیکھ کے خوش ہوں گے

۔وہ دونوں مجھے پسند نہیں کرتے۔''

''کم آن...وہ پرانی بات ہوگئی ہے۔اور زیادہ تو تمہیں اتنا خاص نہیں جانتا۔''

ماہر فرید تلخی سے مسکرایا۔

''وہ مجھے بہت اچھی طرح جانتا ہے۔'' زیرلب کہا۔پھر سر جھٹکا۔''میں کوشش کروں گا۔لیکن وعدہ نہیں کرسکتا۔وعدہ کیا تو نبھانا پڑے گا۔''

''نکاح سے پچھلی رات ہم ایک فیملی ڈنر کررہے ہیں۔تم اس میں شرکت کرسکتے ہو۔''معید اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔ماہر نے گہری سانس خارج کی۔(Out of the frypan) منہ میں بڑبڑایا۔پھر کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا۔

''تم نے ویڈنگ کیک آرڈر کردیا؟''

معید نے ماتھے کو چھوا۔''اف...بہت سے کاموں میں بھول گیا۔''

''وہ میرا گفٹ ہوگا۔اسے میرے اوپر چھوڑ دو۔''پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کے نرمی سے کہا۔''اور اپنی بہنوں کو وقت سے پہلے سب بتادو۔''

''کوشش کروں گا۔''اس کے انداز میں تکان تھی۔

معید چلا گیا تو شبنم وارد ہوئی۔ساتھ ہی چند پرنٹ آؤٹس میز پہ رکھے جن پہ وہی سرخ ٹکڑا اسکین کرکے چھپا دکھائی دے رہا تھا۔

''میں نے اس سرخ موٹف کو مختلف سرچ انجنز میں ڈالا ہے۔مجھے اس سے ملتا جلتا کوئی سرورق نہیں ملا۔لیکن...''اس کی آنکھوں میں چمک در آئی۔''یہ persian آرٹ ورک ہے۔''

وہ تیزی سے سیدھا ہوا اور پرنٹ آؤٹس اونچے کرکے روشنی میں دیکھنے لگا۔

''اور یہ جائے نمازوں' ایرانی قالینوں' اور مذہبی کتابوں کے سرورق پہ استعمال ہوتا ہے۔''

''مذہبی کتابیں۔''وہ تیزی سے بولا۔''وہ کوئی مذہبی کتاب ہے۔''

''مسلم دنیا میں مذہبی کتابوں پہ بننے والا آرٹ ورک عموماً اورینٹل یا پرشین ہی ہوتا ہے اس لیے ہم یہ ٹھیک سے نہیں بتا سکتے کہ یہ ٹکڑا کس کتاب کا ہے۔اس سے ملتے جلتے بہت سے ڈیزائن مجھے مل گئے ہیں۔لیکن بالخصوص یہی ڈیزائن کہیں نہیں ملا۔'' آخر میں قدرے مایوسی سے کندھے اچکائے۔

''تم جتنا کر سکتی تھیں، تم نے کر لیا۔'' ماہر نے تمام پرنٹ آؤٹس سمیٹ کے اکٹھے کیے اور انہیں اس سرخ ماڈل کے ساتھ رکھ دیا۔ یوں کہ کاغذوں کے کونے ماڈل کے نیچے آ گئے اور اب وہ ہوا سے اڑ نہیں سکتے تھے۔

''یعنی میں آپ کی بیسٹ سیکرٹری ہوں؟'' وہ عینک کے پیچھے سے مسکرائی۔

''سیکنڈ بیسٹ۔'' وہ واپس اپنی کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ شبنم کے ماتھے پہ سلوٹیں ابھریں۔

''میں بیسٹ ہوں، ماہر بے۔ اتنے طویل عرصے تک آپ کے پاس کوئی سیکرٹری نہیں ٹھہری۔''

''سبرینہ بیسٹ تھی۔'' وہ اب کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''اچھا؟ کیا کرتی تھی وہ؟'' وہ ناپسندیدگی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

ٹائپ کرتے ہوئے وہ مدھم سا مسکرایا۔ جیسے لمحے بھر کو کسی اور زمانے میں جا پہنچا ہو۔

''وہ صرف کام پر نہیں، بلکہ میرے دوستوں اور دشمنوں پر بھی نظر رکھتی تھی۔''

شبنم نے ہونہہ کر کے ناک سکوڑی اور ٹھک ٹھک کرتی پردہ ہٹا کے باہر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

nemrah.ahmed

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...

وہ گہری نیند سے ہڑبڑا کے جاگی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ نہ جانے خواب میں کیا دیکھ رہی تھی۔ سانپ۔ بچھو۔ دھن کی آواز پہ سب بھول گیا۔ سینے پہ ہاتھ رکھے بے اختیار الارم کلاک کو دیکھا۔

03:07AM

تین بج کر سات منٹ۔

کسی میکانکی عمل کے تحت اس نے موبائل اٹھایا اور نوٹس کھول کے آج کی تاریخ کے ساتھ وقت تحریر کیا۔

پھر گردن موڑ کے دیکھا۔ زیاد کروٹ لیے گہری نیند سو رہا تھا۔ کبھی وہ رات میں جاگتا تھا، کبھی نہیں۔ وہ ہر دوسرے میاں بیوی کی طرح شام تک ادھر ادھر کی باتیں کر کے اپنے درمیان آئی سرد دیوار کو پگھلانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ البتہ پاسپورٹ کے بارے میں نہ اس نے سوال پوچھا تھا، نہ زیاد نے چھٹی اپلائی کرنے کا ذکر دوبارہ کیا تھا۔

دھن خاموش ہو چکی تھی۔ وہ کانوں پہ تکیہ رکھ کے پھر سے لیٹ گئی۔ وہ آواز اب اسے ڈرانے لگی تھی۔

''مالا ایک بات کہوں؟ مجھے زیاد بھائی آپ کے کھینچے گئے نقشے سے مختلف لگے ہیں۔''

اس صبح جب سورج اپنے جوبن پہ چمک رہا تھا' وہ دونوں کار پارک کر کے باہر نکل رہی تھیں۔ رامین نے بھورے رنگ کا عبایا پہن رکھا تھا اور اس نے ہلکا سرمئی۔ سر پہ اسٹول تھا جس سے کانوں کے ٹاپس دکھائی دیتے تھے۔ اور آستین موڑ کے کہنیوں تک چڑھا رکھے تھے۔ آنکھوں پہ سیاہ سن گلاسز تھے۔

ان کے سامنے ایک کئی منزلہ اونچی عمارت کھڑی تھی جس کی دیواریں شیشے سے ڈھکی تھیں۔

''اور تمہارا شوہر اتنا برا نہیں ہے جتنا تم بتاتی ہو۔'' اس نے بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔ جیسے وہ اس ذکر سے بچنا چاہ رہی ہو۔ مگر وہ بھی رامین تھی۔ ماہی کی طرح وہ بات کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔

''ہارون کے گھر والوں کی وجہ سے ہمارے درمیان مسئلے ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ہارون میری چھوٹی سے چھوٹی کامیابی کو بہت بڑھا چڑھا کے بتاتے ہیں۔ اور اگر آج بھی میری کوئی پرانی شاعری سامنے آجائے تو وہ بہت فخر سے اس کو سب کو دکھاتے ہیں۔ لیکن مجھے لگا کہ زیاد بھائی آپ کی کامیابی پہ ان سیکیور ہو رہے تھے۔ یہ کوئی اچھا سائن نہیں ہے۔'' رامین کی زبان پر کوئی فلٹر نہ تھا۔ اور مالا کی آنکھوں پہ سن گلاسز چڑھے تھے۔ ورنہ وہ ان میں چھاتی بے چینی دیکھ لیتی۔

''زیاد کا کل ذرا موڈ خراب تھا، ورنہ وہ مجھے بہت اپریشیٹ کرتا ہے۔'' وہ پھیکا سا بولی۔ جیسے اسے اپنی بات کا بھی یقین نہ ہو۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ عمارت کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

''اگر بیوی شوہر سے زیادہ کماتی ہو' یا اس کی تعریف کی جا رہی ہو' اور شوہر اس سے غیر آرام دہ ہونے لگے تو یہ چیز میاں بیوی کے رشتے کو کھا جاتی ہے۔ بند کمرے میں بیوی کو سراہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جو مرد اپنی بیوی پر بھری محفل میں فخر کر سکے' وہ سیکیور مرد ہوتا ہے۔ جو یہ نہ کر سکے' وہ ان سیکیور ہوتا ہے۔ آپ دونوں کو اس چیز پہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔''

''زیاد...'' الفاظ ختم ہو گئے۔ شک کا بیج دل کے کسی کونے میں سر اٹھانے لگا تھا۔

''ان سیکیور مرد کو خود پہ بھروسہ نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہ اپنی بیوی کو ساری دنیا سے کاٹ کے رکھنا چاہتا ہے۔ بیوی میکے والوں سے ملے تو اس کو مسئلہ ہوتا ہے۔ بیوی کو کامیابی ملے تو اس کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ یہ محبت یا پوزیسیو نیس نہیں ہے۔ یہ unhealthy behaviour ہے جس کو شادی کے شروع میں ہی فکس کرنا ضروری ہے

۔میاں بیوی ایک ٹیم ہوتے ہیں۔اگر وہ آپس میں مقابلہ کرنے لگ جائیں تو دنیا سے نہیں لڑ سکتے۔''

چھوٹی سی رامین بہت سمجھداری سے کہتی عمارت کی بیرونی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔یہ جدہ کی ایک معروف کوورکنگ اسپیس تھی۔

''میں اس کو فکس کرلوں گی۔وہ ٹھیک ہوجائے گا۔''اس نے گلاس ڈور سے اندر داخل ہوتے ہوئے گلاسز ماتھے پہ ٹکائے۔آنکھیں واضح ہوئیں۔وہ اداس تھیں۔الجھن میں تھیں۔رامین نے اس بات پہ افسوس سے اسے دیکھا اور سر جھٹکا۔

''وہ آپ سے جھوٹ بھی بول رہے ہیں۔اور یہ سب وارننگ سائن ہیں۔آپ کو ان کا ماضی کھوجنا چاہیے۔کچھ ہے جو ہم نہیں جانتے۔کوئی راز۔''

''میں بھی اس سے راز رکھنے لگی ہوں۔میں بھی اچھی بیوی نہیں ہوں۔''اس کے انداز میں کچھ زخمی سا تھا۔رامین نے الجھ کے اسے دیکھا۔

''کیسا راز؟''

مالا نے جواب نہیں دیا۔وہ اب ریسپشن کے قریب آچکے تھے۔اس کے بعد کے مراحل بہت آسان تھے۔چند منٹ بعد وہ دوسری منزل پہ بنے ایک کوورکنگ ایریا میں کھڑی تھیں جہاں قطار میں ڈیسک لگے تھے۔چند خالی تھے۔اور چند پہ فری لانسرز بیٹھے اپنے کاموں میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔

''ہارون بھائی کو میرا شکریہ کہنا۔ان کی وجہ سے مجھے اتنی آسانی سے یہاں ڈیسک مل گیا ہے۔''

''آپ نے مجھے اس وقت آسانی دی تھی جب مجھے اپنی کتاب لکھنی تھی۔ہم کسی کے لیے آسانی پیدا کریں یا مشکل' وہ ایک نہ ایک دن ہمیں واپس ضرور ملتی ہے۔''رامین کھلے دل سے مسکرائی۔''ہارون نے نورہ سے بات کرلی تھی۔وہ کافی سخت قسم کی خاتون ہیں۔آپ کی کفالت پہ اتنی آسانی سے راضی نہیں ہوں گی۔ان کو منانا اب آپ کا کام ہے۔''

نورہ عبدالحمید اسی کوورکنگ اسپیس میں ایک کارنر آفس میں بیٹھتی تھیں۔ان کا آفس اس ہال سے چند گز کے فاصلے پہ تھا۔شیشے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے ایک سرد سا''یس'' سنائی دیا۔وہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

اندر چلتا اے سی ہال کی نسبت زیادہ سرد تھا۔آفس کی ایک دیوار شیشے کی تھی جس سے سمندر دکھائی دیتا تھا۔اس کا

نیلا پانی سنہری دھوپ سے جھلس رہا تھا۔

''مجھے تمہارے بارے میں بتایا گیا تھا۔'' نورہ نے ایک نظر اٹھا کے سرمئی عبایا والی لڑکی کو دیکھا جس کی سبز آنکھیں بہت امید سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ پھر چہرہ واپس جھکا لیا۔وہ پینتالیس' چھیالیس برس کی خاتون تھیں۔سیاہ عبایا پہ ڈھیلا سا اسٹول کر رکھا تھا۔ان کے آئی بروعرب عورتوں کی طرح موٹی سیاہ کمانوں کی صورت بنے تھے۔آنکھیں کاجل یا لائنر سے خوب کالی کی گئی تھیں۔چہرے پہ تل تھا اور جب وہ بولتی تھیں تو آواز میں کرختگی ہوتی۔

''میں کشمالہ ہوں اور...''

''میں نے ہارون کو بتا دیا تھا کہ نہ مجھے کسی کی کفالت کرنی ہے' نہ اپنے کیفے کے لیے کسی کو ہائر کرنا ہے۔تم جا سکتی ہو۔''

وہ رکھائی سے کہہ کے چہرہ جھکائے آئی پیڈ پہ پنسل سے کچھ لکھ رہی تھیں۔

''میں سمجھ سکتی ہوں۔لیکن آپ نیا کیفے بنا رہی ہیں۔اگر آپ میرا پروپوزل سن لیں تو...''

نورہ نے آنکھیں اٹھا کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''تم جا سکتی ہو۔''

اس نے سر کو خم دیا۔اور پلٹ گئی۔پھر جاتے جاتے وہ مڑی۔ایک نظر نورہ کی میز کو دیکھا۔وہاں ایپل کے تمام جدید گیجٹس رکھے تھے۔Hermes کا birkin بیگ۔نورہ کی انگلی میں چمکتا پانچ کیرٹ کا ہیرہ۔اس کی نگاہوں نے اس آفس کے حدود اربع کو اسکین کیا۔ایک خاموش نظر بے زار سی نورہ پہ ڈالی اور باہر نکل آئی۔

(اس شہر میں کوئی ایک خارجی لڑکی کی کفالت کرنے پہ راضی نہیں ہوگا۔) زیاد کی طنزیہ آواز پس منظر میں گونجی تھی۔اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا۔

وہ اپنی کرسی پہ بیٹھی۔اور اپنی چیزیں اس ڈیسک پہ سجانے لگی۔ماں کی تصویر والا فریم سامنے رکھا۔اپنا کافی مگ۔آئی پیڈ۔لیپ ٹاپ۔اپنے پودے۔مرجھایا ہوا شیلڈن جسے وہ ساتھ لائی تھی۔ایک نیا زبرینہ جو اس نے کل ہی خریدا تھا۔

پھر وہیں بیٹھی ماں کی تصویر کو دیکھنے لگی۔وہ مسکرا رہی تھیں۔ان کی سبز آنکھوں میں زمانے بھر کی ٹھنڈک تھی۔

اگر ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔

(کیسا راز؟ رامین کی آواز کانوں میں سنائی دی۔) اس نے پرس سے ایک خاکی پیکٹ نکالا اور دراز میں رکھ کے لاک کر دیا۔ یہ ایک ایسی شے تھی جسے وہ گھر میں رکھنے کا خطرہ نہیں مول لے سکتی تھی۔

اگر ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام گھر جانے سے پہلے ماہر بیکری پہ رکا تھا۔

کچن میں انڈوں اور میدے کے ساتھ دارچینی کی مہک بھی پھیلی تھی۔ اس نے اندر جھانکا تو بیربل فرید سفید کوٹ پہنے، سر پہ جالی دار ٹوپی لپیٹے، جھک کے فونڈنٹ سے ایک ڈیزائن کاٹ رہا تھا۔ ساتھ ہی زیر لب کچھ گنگنا رہا تھا۔

''بی؟'' آواز پہ اس نے نگاہیں اٹھا کے دیکھا۔ پھر پورے دل سے مسکراتے ہوئے سیدھا ہوا۔

''ہیلو برو...'' چھک سے کہتے ہوئے سانچے سے فونڈنٹ کا ٹکڑا علیحدہ کیا۔ سر دوبارہ جھک گیا۔ البتہ ماہر کے ابرو پرسوچ انداز میں اکٹھے ہوئے۔

''معید کی شادی کا کیک تم بناؤ گے۔ میں وقت اور تاریخ میسیج کر دوں گا۔''

وہ بغور بیربل کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اوہ نائس... کشمالہ کا بھائی...'' وہ اب فریج کی طرف آیا اور دروازہ کھول کے اسٹرابری کا پیالہ نکالا۔

''فلیور اس کو ٹیسٹ کروا دینا۔''

''جو حکم، برو۔'' بیربل نے مسکراتے ہوئے ایک اسٹرابری ہوا میں اچھالی پھر تیزی سے آگے ہو کے اسے منہ میں کیچ کر لیا۔

''بیربل...'' وہ اس سے نگاہیں نہیں ہٹا رہا تھا۔ ''اس نے مالک کے نمبر کے علاوہ کچھ نہیں کہا؟'' آواز دھیمی ہوئی۔

''nopes'' وہ واپس گنگنانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے کام کر رہے تھے۔ ماہر چند لمحے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھتا رہا۔ پھر کوٹ کی جیب سے موبائل نکالتے ہوئے باہر آیا۔

''شبنم...'' بیکری سے نکلتے ہوئے فون کان سے لگائے وہ بہت تشویش سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے بیربل کی پچھلے دو

ماہ کی کریڈٹ کارڈ اسٹیٹمنٹس چاہیے۔ ہر وہ ٹرانزیکشن جو اس نے کی ہے۔۔"

"خیریت؟"

"وہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ پریشان تھا۔

"کیا وہ اپ سیٹ ہے؟"

"نہیں۔ وہ ضرورت سے زیادہ خوش ہے۔ اور یہ اچھی نشانی نہیں ہے۔" فکرمندی سے کہتے ہوئے وہ کار کا دروازہ کھول رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر واپسی پہ وہ فارمز پہ رکی اور کچھ ضروری گروسری خریدی۔ ذہن عجیب بٹا ہوا سا تھا۔ جسم میں تکان الگ تھی۔ فارمز نامی سپر مارکیٹ اس کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے قریب ہی تھی۔ چند منٹ کی واک تھی۔ لیکن چند منٹ کے اس راستے کے دوران اسے وہ عجیب سا احساس پھر سے ہونے لگا۔ کوئی تھا جو اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ کوئی جو اس کے بہت قریب تھا۔ جو نظر نہیں آتا تھا۔ وہ زیر لب آیت الکرسی پڑھنے لگی۔

کبھی محسوس ہوتا تھا کہ وہ چیزیں اب پیچھا چھوڑ چکی ہیں۔ اور کبھی وہ بہت قوت سے اپنی موجودگی کا احساس دلاتی تھیں۔

اپارٹمنٹ لفٹ کے دروازے بند ہوئے تو اپنا عکس دکھائی دیا۔ اس عکس سے کچھ یاد آیا۔ خواب والا بوڑھا جادوگر۔ وہ جس کی انگلی میں انگوٹھی تھی اور ایک دفعہ اس نے مالا کی گردن دبوچی تھی۔ اسے آج بھی اپنی گردن پہ انگوٹھی کے نوکیلے نگینے کی چبھن یاد تھی۔ لیکن وہ تو اس کا پیچھا چھوڑ چکی تھی۔ وہ دنیا کے ایک دوسرے شہر میں آ بسی تھی ایک نئی زندگی کی شروعات کرنے۔ پھر وہ میوزک' وہ تعاقب کا احساس... وہ سب واپس کیوں آ رہا تھا؟

لفٹ کے دروازے تیسری منزل پہ کھلے تو وہ عادتاً ذرا اسمٹ کے کھڑی ہوئی۔ پھر نووارد کو دیکھ کے لبوں پہ مسکراہٹ آئی۔ وہ ہارون تھا۔ رامین کا شوہر۔

"السلام علیکم بھابھی۔ کیسی ہیں آپ؟ نورہ کے ساتھ میٹنگ کیسی رہی؟" اس نے خوشدلی سے کہتے ہوئے مطلوبہ فلور دبایا۔

مالا نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

''میں کوئی نہ کوئی حل نکال لوں گی۔'' پھر قدرے ٹھہر کے کھنکھاری۔ ''ہارون بھائی... مجھے آپ سے ایک کام ہے۔''

''بلا جھجک بتایئے۔''

''آپ کے کفیل زیاد کے باس ہیں۔ زیاد نے چھٹی اپلائی کی ہوئی ہے۔ ہمیں استنبول جانا ہے۔ میرے بھائی کا نکاح ہے۔ لیکن زیاد کو لگتا ہے کہ چھٹی ریجیکٹ ہو جائے گی۔''

''یہ بھی کوئی مسئلہ ہے؟ میں آج ہی ان سے بات کرتا ہوں۔''

''تھینک یو۔'' اس نے ممنونیت سے کہا۔ ''اور میں نے زیاد سے نہیں کہا کہ میں آپ سے...''

''میں سمجھ گیا ہوں۔ یہ میرے اور آپ کے درمیان ہے۔'' اس کا فلور آ چکا تھا۔ لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ اسے خدا حافظ کہہ کے باہر نکل گیا۔ وہ واپس اپنے فلور تک آئی تو موبائل وقفے وقفے سے بجنے لگا۔ سلیم کی کالز آ رہی تھیں۔

''اتنی مسڈ کالز مت کیا کرو، سلیم۔ یہاں واٹس ایپ نہیں چلتا۔ وی پی این آن کرنا پڑتا ہے پہلے۔ آڈیو میسج بھیجا کرو بس۔'' وہ لاک کھولتے ہوئے جھنجھلا کے میسج ریکارڈ کر رہی تھی۔

لونگ روم میں زیاد بڑے صوفے پہ بیٹھا تھا یوں کہ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھے ہوئے تھے۔ وہ اندر داخل ہوئی اور چہرے پہ مسکراہٹ لے آئی۔

''آپ کا دن کیسا گزرا؟'' عبایا اتار کے کھونٹی پہ ٹانگتے ہوئے پوچھا۔

''بہت اچھا۔ اور تمہارا؟'' وہ اچھے موڈ میں تھا۔ اسے دیکھتے ہی مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''مجھے کفیل نہیں مل سکا۔ لیکن میں ہمت نہیں ہاروں گی۔'' وہ تکان سے مسکرائی۔

''اٹس اوکے۔ تم بہت ٹیلنٹڈ ہو۔ کچھ نہ کچھ مینیج کر لو گی۔ آج کہیں باہر ڈنر کرتے ہیں۔ ٹھیک؟''

وہ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ دونوں کے درمیان چھائی سرد دیوار پگھلنے لگی۔ اسے آفس ڈیسک میں لاک کیا گیا بھورا پیکٹ یاد آیا۔ اسے پاسپورٹ کھولنا یاد آیا۔ اسے سبرینہ کو گوگل پہ سرچ کرنا یاد آیا۔ اسے مالک کا نمبر کھوجنا یاد آیا۔ ایک عجیب سا گلٹ ہونے لگا۔ وہ بھی کن باتوں کو اپنے اور زیاد کے رشتے کے درمیان لا رہی تھی۔ وہ اس کو فکس کر لے گی۔ وہ مالا تھی۔ وہ ہمیشہ سے سب کو فکس کر لیا کرتی تھی۔ حالات کو۔ اپنے بہن بھائی

کو۔ بزنس کو۔

''او کے۔ میں تیار ہو جاتی ہوں۔'' وہ خوشگوار انداز میں بولی تو زیاد بھی مسکرا دیا۔ وہ تیار لگ رہا تھا۔ یقیناً وہ نادم بھی تھا۔

اسی پل سلیم کے آڈیو میسج آنے لگے۔ اس نے جلدی سے پہلا آڈیو کھولا۔

''دیوار کو سیم لگ رہی ہے' باجی۔ پیسے بھیجیں تو میں ٹھیک کروا دوں۔''

''اف سلیم... تم بھی نہ بہانے بہانے سے پیسے مانگتے ہو۔ ابھی میں مصروف ہوں۔ تین چار دن بعد یاد کروانا۔ بھیج دوں گی۔'' وہ تیار ہونے کمرے میں چلی گئی۔ سلیم کے بھی بہانے ختم نہیں ہوتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جدہ کی ایک سنہری صبح تھی۔ سورج کی تپش اور سمندر کی نمی اس کو ورکنگ اسپیس کے اندر داخل ہونے سے قاصر تھی جس کو اے سی کی ٹھنڈک نے خوشگوار ماحول عطا کر رکھا تھا۔

مالا اپنے ڈیسک پہ بیٹھی خاموشی اور سست روی سے کچھ ٹائپ کر رہی تھی جب ایک دم ٹھٹھک کے رکی۔ دائیں بائیں دیکھا۔ کاغذ اٹھائے۔ فریم کے پیچھے جھانکا۔ بیگ کھول کے چیزیں الٹ پلٹ کیں۔ چہرے پہ پریشانی در آئی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور راہداری کی طرف بڑھی۔ متلاشی نگاہیں اطراف میں دیکھ رہی تھیں۔

ہال کے سرے پر کافی بار بنا تھا۔ وہاں کافی مشین اور ویٹنگ مشین اور ریفریجریٹر رکھے تھے۔

''میرا فون یہاں رہ گیا ہے شاید۔'' وہ پریشانی سے بڑبڑاتے ہوئے اس طرف آئی۔ کپ ہٹائے۔ اِدھر اُدھر جھانکا۔

''یہ سعودی عربیہ ہے۔ یہاں کوئی تمہارا فون نہیں چرائے گا۔ وہیں سے ملے گا جہاں اسے کھویا تھا۔'' کافی مشین کے سامنے اپنا کپ رکھتی ہوئی سیاہ عبایا والی نورہ نے ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی اور واپس مشین کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ مالا نے گہری سانس خارج کی۔ لیکن فکرمندی کم نہیں ہوئی۔ وہ لاہور سے آئی تھی۔ فکر کرنا اس کی عادت میں شامل تھا۔

''شاید باتھ روم میں چھوڑ دیا ہو۔'' خود سے بڑبڑاتی آگے بڑھنے لگی۔ پھر رکی۔ نظر نورہ کے دوسرے ہاتھ میں

پکڑے کاغذوں پہ پڑی۔وہ پرنٹ آؤٹس تھے جو وہاں رکھی کاپی مشین سے انہوں نے ابھی ابھی پرنٹ کیے تھے ۔مالا نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔پھر خود کو روک لیا اور دوسری طرف پلٹ گئی۔

''Say it'' وہ نظریں کپ پہ جمائے بولیں۔کپ میں بھورے مائع کی دھار گرتی جا رہی تھی۔

وہ دھیرے سے پلٹی۔

''یہ آپ کے کیفے کا تھیم ہے؟''

انہوں نے جواب نہیں دیا۔سپاٹ چہرے کے ساتھ بھرتے کپ کو دیکھے گئیں۔

''اتنے گہرے رنگ افسردہ کرنے کے ساتھ ساتھ نیند بھی طاری کرتے ہیں۔لوگ کیفے میں کافی کے لیے آتے ہیں تاکہ جاگ سکیں۔ویسے بھی دنیا اب گہرے رنگوں سے دور جا رہی ہے۔اب Bohemian ڈیکور کا زمانہ ہے۔خاکی فرش' ہلکی دیواریں' rugs' ہاتھ سے بنی ٹوکریاں... اور بہت سے پودے۔'' آخر میں وہ مسکرائی۔

نورہ نے ایک نظر اٹھا کے اس کا چہرہ دیکھا۔پھر کمان جیسے سیاہ ابرو اچکائے۔کپ اٹھایا اور آگے بڑھ گئیں۔اس نے افسوس سے انہیں جاتے دیکھا۔

موبائل باتھ روم میں ہی رکھا تھا۔بالکل وہاں جہاں اس نے چھوڑا تھا۔اور وہ بج رہا تھا۔ہارون کی کال آ رہی تھی۔وہ صبح سے اس کو دو کالز کر چکی تھی۔اسی لیے وہ کال بیک کر رہا تھا۔

''آپ نے اپنے کفیل سے بات کی؟''اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

دوسری طرف خاموشی کا ایک طویل وقفہ چھا گیا۔پھر وہ دھیرے سے کھنکھارا۔

''میں نے بات کی تھی۔'' لیکن یہ سعودی تھوڑے وہ جیسے الفاظ تلاش کر رہا تھا۔''اصولوں کے پابند ہوتے ہیں۔وہ سفارش پسند نہیں کرتا۔اس لیے میں نے اصرار نہیں کیا۔''اس کا انداز محتاط سا تھا۔

''اوکے۔نو پرابلم۔''اس کے اندر کچھ بجھ سا گیا۔''زیاد کو مت بتائیے گا کہ میں نے اپنے کفیل سے بات کی تھی۔اس کو برا لگے گا۔'' کچھ بے چین سا تھا اس کی آواز میں جو اسے کھٹکا۔شاید اس کا وہم تھا۔بہرحال اس نے ہارون کو تسلی دی کہ وہ زیاد کو کچھ نہیں بتائے گی۔لیکن کال بند ہونے کے بعد وہ کتنی ہی دیر اپنی کرسی پہ الجھی الجھی سی بیٹھی رہی۔

کیا کرے؟ بیربل کی چیٹ میں مالک فرید کا نمبر کئی دن سے آیا رکھا تھا۔اس نے ایک دفعہ بھی اس نمبر پہ کال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔دراز میں بھورا پیکٹ بھی موجود تھا۔اس نے اسے بھی کھولنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج وہ گھر آئی تو اداس سی تھی۔زیاد کو دوپہر میں میسیج کر کے چھٹی کا پوچھا تھا۔اس نے میسیج دیکھنے کے باوجود جواب نہیں دیا تھا۔مالا کا دل مزید خراب ہوا تھا۔اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا تو وہ سامنے اوپن کچن میں بیٹھا دکھائی دیا۔لیپ ٹاپ کاؤنٹر ٹیبل پہ رکھے وہ عینک لگائے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ایک نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔آج چہرے پہ مسکراہٹ نہیں آئی۔آج ماتھے پہ بل برقرار رہے۔

''میں نے سوچا تھا میری شادی ہوگی تو گھر آنے پہ میری بیوی میرا کھانے پہ انتظار کرتے ہوئے ملے گی۔اور ہم ایک خوشگوار ماحول میں ڈنر کیا کریں گے۔'' واپس اسکرین پہ نگاہیں جمائے کہتے ہوئے اس کی آواز میں ناپسندیدگی سی تھی۔

''آپ کو یہ نہیں سوچنا چاہیے تھا کیونکہ آپ ایک کیریئر اورینٹڈ لڑکی سے شادی کر رہے تھے۔'' اندر آتے ہوئے انگلی سے اسٹول اتارا اور کیمونو کھونٹی پہ لٹکایا۔پھر کرسی پہ بیٹھ کے جھک کے جوتے اتارنے لگی۔انداز میں تھکان تھی۔

''یا آپ کو ایسی لڑکی سے شادی کرنی چاہیے تھی جس کو کیریئر بنانے میں دلچسپی نہ ہو۔اور وہ گھر پہ رہنا چاہتی ہو۔''

زیاد نے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''اتنی تلخ کیوں ہو رہی ہو؟ کیا گھر میں رہنا بری بات ہے؟''

''میں نے کب کہا بری بات ہے؟ میری اپنی بہن ہاؤس وائف ہے۔یہ اس کی چوائس ہے۔لیکن اگر آپ کو ہاؤس وائف چاہیے تھی تو کیریئر وومن سے شادی نہیں کرنی تھی نا۔'' وہ خفگی سے کہتی ہوئی کچن کی طرف آئی اور فریج کھولا۔باہر شدید گرمی تھی اور اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔اسے اس وقت صرف ٹھنڈا پانی چاہیے تھا۔

''تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے تمہارا کوئی کیریئر ہے۔'' اس نے ہے پہ زور دیا۔''ایک کو ورکنگ اسپیس میں جاتی ہو اے سی میں بیٹھتی ہو پلان بناتی ہو کافی پیتی ہو اور واپس آجاتی ہو۔کیا فائدہ اس سب کا؟''

اس کے دل پہ جیسے کوئی پیر رکھ کے گزر گیا تھا۔وہ تڑپ کے مڑی اور تکلیف سے اسے دیکھا۔

''اگر آپ نے دبئی سے اپنے ٹرانسفر کروانے کی کوشش کی ہوتی تو میرا کیریئر پھر سے شروع ہو چکا ہوتا۔دبئی میں

مجھے جاب مل گئی تھی۔اور یہاں بھی میں فارغ نہیں ہوں۔اپنا اسٹارٹ اپ شروع کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

اسے جلد غصہ نہیں آتا تھا لیکن اس وقت آ رہا تھا۔گال گلابی ہو رہے تھے اور آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

''میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہا۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہوا۔

''شادی سے پہلے آپ نے یہ واضح کیا تھا کہ آپ کو میرے کام کرنے پہ اعتراض نہیں ہوگا تو اب بھی نہیں ہونا چاہیے۔''

''اعتراض نہیں کر رہا۔لیکن تم فضول میں وقت اور پیسہ ضائع کر رہی ہو۔''

وہ پانی کی ٹھنڈی بوتل ہاتھ میں لیے کتنی ہی دیر وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔اس کا چہرہ گرم ہو کے دہک رہا تھا۔

''آپ نے چھٹی اپلائی کی؟''

اور زیاد سلطان کے جیسے زخم پہ کسی نے نمک چھڑک دیا ہو۔

''کشمالہ...'' اس نے تڑپ کے اسکرین فولڈ کی اور عینک اتار کے برہمی سے اسے دیکھا۔

''میں نے بتایا ہے' ہم نہیں جا سکتے۔''

''ہم نہیں جا سکتے ہیں' تو میں جا سکتی ہوں۔اور میں جاؤں گی۔وہ میرا بھائی ہے۔میں اس سے تعلق ختم نہیں کر سکتی۔اگر آپ کو میری پرواہ ہے تو آپ اپنی سیٹ بک کروائیں۔نہیں تو میں اکیلے جا سکتی ہوں۔'' اس نے جیسے فیصلہ سنایا اور بوتل تھامے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

زیاد سوچتی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھنے لگا۔

''تمہیں سعودی عرب سے نکلنے کے لیے ری انٹری چاہیے۔اور میری اجازت کے بغیر وہ تمہیں نہیں ملے گی۔''

کمرے تک جاتے اس کے قدم ٹھہرے۔وہ دھیرے سے مڑی۔سبز آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے زیاد سلطان کو دیکھا۔وہ پرسکون سا سینے پہ بازو لپیٹے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور مجھے یقین ہے کہ آپ میری ری انٹری سائن کر دیں گے۔اور ماہی کی پیش گوئی کو درست ثابت نہیں ہونے دیں گے۔میں فریش ہو کے آتی ہوں' پھر ڈنر کریں گے۔میں صبح کھانا بنا کے گئی تھی۔ہر روز کی طرح۔''

اس کے لہجے میں کچھ سخت تھا۔کچھ مختلف۔

زیاد نے پہلو بدلا۔سر کو خم دیا۔چہرے کے تنے تاثرات ڈھیلے ہوئے۔

''میں باس سے چھٹی کے لیے دوبارہ بات کروں گا۔ڈونٹ وری۔'' انداز نرم تھا۔مالا نے بس ایک نظر اسے

دیکھا' سر کو جنبش دی اور آگے بڑھ گئی۔

اب ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح جب وہ کوورکنگ اسپیس آئی' اس کا موڈ کافی خوشگوار تھا۔زیاد نے ناشتے پہ اسے یقین دلایا تھا کہ وہ چھٹی کے لیے دوبارہ بات کرے گا۔

''فلائٹس بک کروادوں؟'' اس نے خوشی سے پوچھا تھا۔

''پہلے چھٹی اپروو ہو جائے' پھر فلائٹس بک کروا دینا۔''

''شادی سر پہ آئی کھڑی ہے۔جتنی دیر سے فلائٹس بک کریں گے' اتنی مہنگی ہوگی۔'' اسے فکرمندی ہونے لگی۔لیکن فی الحال یہی کافی تھا کہ وہ مان گیا تھا۔اسی لیے آج اس نے زیادہ کام نہیں کیا۔موسم بھی خلاف توقع خوشگوار تھا۔اس نے سلیپرز بدلے اور عمارت کی عقبی طرف ساحل پہ آ گئی۔اسکن کلر کا کیمونو پہنے' سر پہ اسٹول جما کے گردن تلے اڑسے' سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے' وہ سلیپرز ہاتھ میں لیے ننگے پیر ریت پہ چلنے لگی۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی اور دل میں امید۔

بالآخر وہ استنبول جا رہی تھی۔سیاحوں کی جنت۔

''تم آ رہی ہو؟'' پہلی کال اس نے ماہی کو ملائی۔

''ایسے کیسے آ سکتی ہوں؟ معید کو میرا خیال ہوتا تو شادی کی ڈیٹ آگے کر دیتا۔'' وہ حسب عادت ناراض تھی۔

چند منٹ تک وہ اس کو سمجھاتی رہی۔ماہی آگے سے ہوں ہاں کرتی رہی۔اس کا اصرار قائم تھا۔شادی کی ڈیٹ دو ہفتے آگے کرو۔

سورج دھیرے دھیرے تیز ہونے لگا تو وہ ساحل پہ بنی ایک چھتری کے سایے میں آ بیٹھی۔اسے ایک کال مزید کرنی تھی۔پہلے اس نے میسج بھیجا۔اور جب اجازت موصول ہوئی تو کال ملائی۔

ہوا مسلسل اس کے عبایا کو اڑا رہی تھی۔اسٹول بھی سر سے پھسل چکا تھا۔لیکن وہ سانس روکے دوسری طرف جاتی گھنٹی سن رہی تھی۔

''ہیلو؟'' ایک مشینی سا لہجہ سنائی دیا جو جدہ کے ساحل کے برعکس بہت سرد تھا۔

''مالک صاحب'' اس نے تھوک نگلا۔ ''میں کشمالہ مبین بات کر رہی ہوں۔''

''بات کیجیے۔'' ایک لمحے کے توقف کے بغیر جواب آیا۔ کشمالہ کے ابرو تعجب سے اٹھے۔ شاید وہ اسے پہچانے نہیں تھے۔

''ہم اسلام آباد میں میرے ریستوران اوشن میں ملے تھے۔ آپ کو یاد ہوگا' آپ نے مجھے فاختہ والا...''

''یاد ہے۔ آگے؟''

اس نے سن گلاسز اتارے۔ آنکھوں میں خفگی لیے موبائل اسکرین کو دیکھا۔ کیا اس نے درست نمبر ملایا تھا؟

''قریباً ایک برس پہلے آپ نے مجھے کال کی تھی' فرید ہولڈنگ کے مینیجر کی حیثیت سے۔ پھر مجھے ملنے کے لیے بلایا لیکن اپنی جگہ بیربل کو بھیج دیا۔''

''آگے؟''

ایک لمحے کے لیے اسے پچھتاوا ہونے لگا۔ اسے کیا ضرورت تھی انہیں کال کرنے کی؟

اس نے گہری سانس لی اور بدقت لہجے کو۔ ''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔''

''کیوں؟''

''ایک کام ہے جو فون پہ نہیں بتا سکتی۔ کیا ہم مل سکتے ہیں؟''

پہلی دفعہ لمحے بھر کی خاموشی چھائی۔ یعنی وہ سوچتے بھی تھے۔

''آپ اس وقت کہاں ہیں؟''

''جدہ۔ لیکن اس مہینے کی پندرہ تاریخ کو میں استنبول میں ہوں گی۔ کیا آپ وہاں ہوں گے؟''

''ہوں گا۔ پہنچ کے مجھے ٹیکسٹ کر دینا۔'' اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

مالا کے ماتھے پہ بل در آئے۔ ہوا سے اڑتے بال بے رحمی سے کان کے پیچھے اڑسے اور وہاں سے اٹھ آئی۔ یہ انسان تھا یا روبوٹ؟ اپنی ماں کا لاکٹ مجھے دے دیا۔ لیکن انداز میں کوئی مانوسیت' کوئی اپنائیت ہی نہیں تھی۔ شاید انہیں اس سے ملنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ شاید وہ اسے ٹھیک سے پہچانے ہی نہیں تھے۔ استنبول جا کے شاید وہ ملنے سے ہی انکاری ہو جائیں۔ کیا ضرورت تھی انہیں کال کرنے کی؟

خود کو کوستی وہ ریت پہ چلتی عمارت کی طرف جا رہی تھی۔

کئی ہزار میل دور' اپنے آفس میں بیٹھے عبدالمالک فرید نے موبائل رکھا اور انٹر کام دبایا۔ اگلے ہی لمحے ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان جھٹ سے اندر داخل ہوا۔

''ہم استنبول کن دنوں میں ہوں گے؟''

''بارہ سے چودہ تاریخ تک۔'' اس نے آئی پیڈ سے دیکھ کے بتایا۔ ''کیونکہ چودہ کو زارا نے ریپ اپ کر کے ہمارے ساتھ واپس آنا ہے۔''

''ہم سولہ تاریخ کو واپس آئیں گے۔ زارا کو بتا دو اور فلائٹس بدلوا دو۔'' وہ واپس اپنی کمپیوٹر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''مگر سر... پندرہ کو ہمیں دوہا میں ہونا چاہیے۔ آپ کی بہت سی میٹنگز ہیں۔'' وہ پریشانی سے بولا تو مالک فرید نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔

''تم میرے باس ہو یا میں تمہارا؟''

نوجوان نے نگاہیں جھکا دیں اور جھرجھری لے کر واپس پلٹ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ واپس عمارت میں آئی تو اس کے سلیپرز اور عبایے کے دامن پہ ریت لگی تھی۔ سوچا آج مزید کچھ کرنے کی بجائے گھر چلی جائے گی۔ اسے پیکنگ بھی کرنی تھی۔ لیکن اپنے ڈیسک کو دیکھ کے وہ ٹھہر گئی۔

رامین وہاں بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھی۔

''تم کب آئیں؟'' وہ حیرت سے کہتی اس کی طرف آئی اور ساتھ والے ڈیسک کی کرسی کھینچ کے اس کے مقابل رکھی۔ خوشگوار موسم کے باعث آج ہال خالی تھا۔ دیگر فلورز پر بھی چند لوگ ہی دکھائی دیے تھے۔

''یونہی سوچا آپ کا حال احوال پوچھ لوں۔ کام کیسا جا رہا ہے؟'' رامین قدرے پھیکا سا مسکرائی۔

''کام؟'' مالا اداسی سے مسکرائی۔ ''میں خود کو کیف کی طرح محسوس کر رہی ہوں۔ وہ ایسے ہی سارا دن کرسی پہ بیٹھا اپنا بزنس پلان بناتا رہتا تھا۔ کرتا کچھ نہیں تھا۔ میں بھی وہی کر رہی ہوں۔ ایک پلان ہے میرے پاس لیکن نہ کفیل ہے' نہ سرمایہ ہے' اور نہ ہی کوئی جاب۔'' ہنس کے شانے اچکائے اور اس کے سامنے بیٹھی۔ دونوں کے درمیان اب

میز پہ اس کا فولڈ ہوا لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ ساتھ مرجھایا ہوا شیلڈن (کیکٹس) تھا اور اس کی ٹہنی پہ پھوٹتی ایک نئی کونپل۔

''استنبول کے پلان کا کیا بنا؟''

''بس زیاد کی چھٹی کنفرم ہو جائے تو فلائٹس بک کرواؤں گی۔''

''ہوں۔'' رامین خاموش ہوگئی۔ اس کے چہرے پہ ایک رسمی سی مسکراہٹ تھی جو بار بار مدھم ہو جاتی لیکن وہ اس کو زبردستی سجا لیتی۔

''رامین... کیا بات ہے؟'' اب کے مالا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے لیکن ہارون کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔ پلیز۔'' ایک دم سے وہ سنجیدہ ہوگئی۔ بار بار اطراف میں دیکھتی۔ کچھ تھا اس کے انداز میں۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کھل کے کہو۔''

''ہارون نے اپنے کفیل سے بات کی تھی جو زیاد بھائی کی کمپنی کا کنٹری ہیڈ ہے۔''

''اس نے چھٹی دینے سے انکار کر دیا؟''

''نہیں۔''

''یعنی اس نے چھٹی اپروو کر دی؟'' اس کا چہرہ چمکا۔

''نہیں۔''

اب کے اس نے اچھنبے سے رامین کو دیکھا۔

''مالا' وہ زیاد بھائی کو چھٹی نہیں دے سکتا کیونکہ...''

کسی نے پہلے ہی اس کا دل مٹھی میں پکڑ لیا۔

جیسے کسی انہونی کا خدشہ مجسم صورت میں سامنے آنے والا ہو۔

''کیونکہ زیاد سلطان نامی کوئی آدمی ان کی کمپنی میں کام نہیں کرتا۔''

اسے لگا' دور نیچے بہتے سمندر کی ایک تیز لہر آئی ہے اور اسے روند کے چلی گئی ہے۔

''ہارون کو لگا' اسے کوئی غلطی فہمی ہوئی ہے۔ لیکن کفیل نے چیک کروایا ہے۔ زیاد بھائی دبئی میں اسی کمپنی میں کام کرتے تھے لیکن انہوں نے جنوری میں استعفیٰ دے دیا تھا۔ شادی سے پہلے۔''

ایک دم جیسے بہت ٹھنڈ ہوگئی تھی اور پانی سے بھیگا اس کا وجود یخ بستہ ہو رہا تھا۔

''زیاد بھائی کو کمپنی نے مکہ ٹرانسفر نہیں کیا۔ وہ خود آئے ہیں۔''

وہ بنا پلک جھپکے رامین کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ... یہ نہیں ہوسکتا۔ ہمارے گھر اسٹیشنری تک اسی کمپنی کی استعمال ہو رہی ہے۔ زیاد وہاں جاب کرتا ہے۔''

''اسی لیے ہارون نے آپ کو نہیں بتایا اور مجھے بھی کہا کہ میں میاں بیوی کے معاملے سے دور رہوں۔ لیکن میں رہ نہیں سکی۔ آئی ایم سوری۔'' وہ پریشان بھی تھی اور پشیمان بھی۔

مالا نے گردن جھکائی۔ پانی کہیں نہیں تھا۔ وہ خشک تھی۔ اس نے گہری سانس اندر کھینچی۔ پھر دھیرے سے اسے خارج کیا۔

اب کے اس نے چہرہ اٹھایا تو وہ شاک کا تاثر کم ہو چکا تھا۔

''اس کو'' الفاظ مرتب کیے۔ ''اس کو لکھنے کے لیے وقت چاہیے۔ اور ذہنی سکون بھی۔ اسی لیے اس نے جاب چھوڑی ہوگی۔ اور مجھے اس لیے نہیں بتایا ہوگا کہ میں پریشان نہ ہوں۔''

رامین کے تنے اعصاب بھی ڈھیلے پڑنے لگے۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''شاید مجھے یہ نہیں بتانا چاہیے تھا۔ پلیز آپ زیاد بھائی کو مت بتائیے گا کہ''

''میں نہیں بتاؤں گی۔'' اس کے چہرے کے پٹھوں کو بہت وقت سے خود کو مسکراہٹ میں ڈھالنا پڑا۔ ''زیاد ایسا نہیں ہے کہ اتنا بڑا جھوٹ بولے۔ وہ بس مجھے پریشان نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔''

رامین معذرت کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ تب تک وہاں بیٹھی رہی جب تک کہ وہ لفٹ کے پیچھے غائب نہ ہوگئی۔

اس کے جاتے ہی مالا کے تاثرات بدلے۔ ایک قید سانس آزاد ہوئی۔ اس نے بند گلے کی قمیض پہن رکھی تھی۔ بے اختیار کالر کا بٹن کھولا۔ اس کی گردن دب رہی تھی۔ سانس نہیں آ رہا تھا۔ چہرہ سفید پڑنے لگا تھا۔

پھر اس نے کپکپاتی انگلیوں سے موبائل اٹھایا۔

جنوری کی جو تاریخ رامین بتا رہی تھی' کیا ہوا تھا اس تاریخ کو؟

اس نے زیاد کی چیٹ کھولی۔ اسے اوپر کیا۔ بہت اوپر۔ اس تاریخ سے ایک دن پہلے... اس نے زیاد کو میسج کیا تھا۔

''مجھے دبئی میں جاب مل گئی ہے۔''

فون اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔اب وہ شیلڈن کے قدموں تلے پڑا تھا۔اس کا سانس اکھڑا اکھڑ کے آرہا تھا۔

وہ تیزی سے اٹھی اور باتھ روم کی طرف آئی۔وہاں تیز سفید بتیاں روشن تھیں۔ایک دیوار گیر آئینے کے سامنے فاصلے فاصلے پہ تین سنک لگے تھے۔وہ وسطی سنک کے سامنے کھڑی ہوئی اور آئینے میں خود کو دیکھا۔

اس کی آنکھیں ابھی تک حیرت سے کھلی تھیں۔بے یقینی۔تعجب۔اور عجیب سا خوف۔اس کے علاوہ ایک شے اور بھی تھی وہاں۔نمی۔اسے اندازہ ہی نہیں ہوا اور آنکھوں سے آنسو پھسلنے لگے۔لیکن بے یقینی ہنوز موجود تھی۔

اس نے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو دیکھا۔پھر ایک دم اسے نوچ کے اتارا اور دیوار پہ دے مارا۔اسی پل دروازہ کھلا۔

وہ تیزی سے سنک پہ جھک گئی۔نل کے نیچے ہاتھوں کا کٹورا بنایا اور پانی بھر کے چہرے پہ ڈالا۔مسکارا اور رائنر جھٹ سے بہہ گیا۔

نورہ اندر داخل ہو رہی تھیں۔انگوٹھی دیوار سے ٹکرا کے فرش پہ جا گری تھی۔نورہ خاموشی سے جھکیں' انگوٹھی اٹھائی اور سنک تک آئیں۔اپنی میک اپ کٹ ایک طرف رکھی اور انگوٹھی اس کے سامنے۔

''اس نے دوسری شادی کرلی ہے یا صرف cheat کر رہا ہے؟'' وہ سر جھکائے میک اپ کٹ کھول رہی تھیں۔مالا نے گیلا چہرہ موڑ کے انہیں دیکھا۔

''دھوکہ' دھوکہ ہوتا ہے۔جیسا بھی ہو۔'' آنسو پھر سے بہنے لگا۔

''ریڈ فلیگز ہمیشہ ہوتے ہیں۔'' وہ اب آگے جھکے' آئینے میں دیکھتی' ہونٹوں پہ تازہ لپ اسٹک رگڑ رہی تھیں۔''جب وہ گھر آتا ہوگا' تو فون سمیت باتھ روم جاتا ہوگا۔دوسری عورت کے پرفیوم کا اثر زائل کرنے۔رات کو چھپ کے کالز کرتا ہوگا۔راز رکھتا ہوگا۔تمہیں اندازہ نہیں ہوا؟''

اس نے اپنے عکس کو دیکھا۔مسکارا بہہ جانے سے آنکھیں سیاہ ہو رہی تھیں۔

''مجھے اس پہ اعتبار تھا۔'' آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔''کم از کم وہ مجھے دھوکہ نہیں دے گا۔''

''سارے مرد جھوٹے ہوتے ہیں۔ان پہ اعتبار کرنا چھوڑ دو۔'' وہ اب برش سے گالوں پہ برونزر لگا رہی تھیں۔گال کی ہڈی مزید واضح ہونے لگی۔

وہ چند لمحے خود کو دیکھتی رہی۔آنسو رک گئے۔آنکھوں میں غصہ آنے لگا۔اس نے پیپر ٹاول کھینچا اور زور سے

آنکھیں رگڑیں۔ پھر ان کی طرف مڑی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' نورہ ایک دم بے زاری سے بولیں۔

''یہ مت سمجھنا اب میں ہمدردی میں تمہاری کفالت پہ راضی ہو جاؤں گی۔''

''جانتی ہیں میں آپ کے پاس کیوں آئی تھی؟'' وہ بولی تو آواز میں سارے زمانے کا غصہ تھا۔ ''کیونکہ آپ ایک عورت تھیں۔ اور مجھے کسی مرد پہ اعتبار نہیں تھا۔ آپ کو بھی نہیں ہے۔''

''میں...''

''آپ الھاجری فیملی سے ہیں۔ آپ کی فیملی کے پاس صوبے کی حکومتی اسٹیمپ ہے۔ آپ کے محل کے ہاتھ رومز اس آفس سے بڑے ہوں گے جس میں آپ کام کرتی ہیں۔ کیا آپ کی فیکٹریز اور کمپنیز کی عمارتوں میں آپ کے لیے جگہ نہیں تھی جو آپ اس کوورکنگ اسپیس میں کام کر رہی ہیں؟'' وہ تکلیف سے ایک ایک لفظ کہہ رہی تھی۔ نورہ نے میک اپ کٹ کی زپ بند کی اور چہرہ اس کی طرف موڑا۔ وہ اسی طرح سپاٹ تھا۔ اور قدرے بے زار بھی۔

''میں بتاؤں کیوں؟ کیونکہ آپ کی فیملی کے مرد آپ کے کام کرنے سے خوش نہیں ہیں۔ اور آپ کام کر کے ان کو غلط ثابت کرنا چاہتی ہیں۔ آپ کی کافی شاپ کی مہینے کی آمدن اس بیگ کی قیمت سے کم ہوگی جو آپ اٹھاتی ہیں۔ لیکن آپ یہ پیسے کے لیے نہیں کر رہیں۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے پھر سے گرنے لگے۔ دل جل رہا تھا۔

''آپ یہ اپنے لیے کر رہی ہیں کیونکہ ہر عورت کو اپنی sanity برقرار رکھنے کے لیے اپنا بھی کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ یہ ہماری اپنی چوائس ہونی چاہیے۔ لیکن ہمارے گھر کے مرد ہماری آزادی کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ہم کام کر سکتے ہیں یا نہیں' کس سے شادی کر سکتے ہیں اور کس سے نہیں' وہ ہمارے لیے ہمارے فیصلے کرتے ہیں۔ اپنی زندگیاں وہ اپنی مرضی سے گزارتے ہیں لیکن ہماری زندگیاں وہ ڈیفائن کرتے ہیں۔'' سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ آنسو بدستور بہہ رہے تھے۔

نورہ نے خاموشی سے اسے دیکھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کے ٹشو پیپر نکالا اور اس کے سامنے رکھا۔ پھر اپنی کٹ اٹھائے باہر نکل گئیں۔

وہ وہیں دیوار کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔ وہاں نہ نورہ تھیں نہ رامین۔ اب اسے نہ کسی کے سامنے زیادکا دفاع کرنا تھا نہ کسی پہ اپنا غصہ نکالنا تھا۔ اب وہ اکیلی تھی۔ وہ گھٹنوں پہ سر رکھے بچوں کی طرح رونے لگی۔

ظہیر اور کیف کے بعد کتنی مشکل سے اس نے ایک مرد پہ اعتبار کیا تھا۔ لیکن وہ اسے جاب کرنے سے روکنے کے

لیے اس کو اتنا بڑا دھوکہ دے چکا تھا۔ اگر وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کام کرے تو پہلے بتا دیتا۔ وہ اسی لحاظ سے فیصلہ کرتی۔ اس طرح جھوٹ تو نہ بولتا۔

اف اللہ... اب وہ کیا کرے گی؟

ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔

اور سارا مسئلہ یہی تھا کہ ماں نہیں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپارٹمنٹ کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور شام کی نیلگوں روشنی اندر جھانک رہی تھی۔ مالا نے دروازہ کھولا تو وہ لاؤنج کے ایک صوفے پہ بیٹھا نظر آیا۔ وہ نیم اندھیرے میں بیٹھا تھا۔ گود میں رکھے لیپ ٹاپ اسکرین کی روشنی اس کی گلاسز میں چمک رہی تھی۔ آہٹ پہ نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ چہرہ دھلا دھلایا بنا میک اپ کے تھا۔ اور آنکھیں ویران۔

دھیرے سے سوئچ بٹن دبایا۔ ایک دم سارے میں روشنی پھیل گئی۔ زیاد ہلکا سا مسکرایا۔

''بتی ہلکی کر سکتی ہو؟ مجھے ایسے اچھا لگ رہا تھا۔''

''آپ کو اندھیرے اچھے لگتے ہیں۔'' مالا نے اس سے نگاہ ہٹائے بغیر سوئچ بٹن کو دبایا۔ ایک بتی جلتی رہی باقی بجھا دیں۔ لاؤنج پھر سے نیم اندھیر ہو گیا لیکن پہلے سے بہتر تھا۔

''آپ آفس سے کب آئے؟'' وہ سرسری انداز میں کہتی بیگ لیے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ وہ روز ساتھ ہی نکلتے تھے۔ وہ پہلے اسے ڈراپ کرتا تھا۔ پھر وہ آفس جاتا تھا۔ یا شاید کہیں اور۔ وہ ہر شے کے بارے میں بے یقین تھی۔

''ابھی گھنٹہ پہلے۔'' وہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''کیسا جا رہا ہے آفس؟'' وہ سنک تک آئی اور نل کھولا۔ ہاتھ پانی کی دھار تلے رکھے۔ وہ گھر آتے ہی سب سے پہلے ہاتھ دھوتی تھی لیکن آج اسے ہینڈواش لگانا بھول گیا تھا۔ بس پانی بہتے دیکھتی رہی۔

''بہترین۔'' زیاد نے لیپ ٹاپ سے نگاہ اٹھا کے اسے بغور دیکھا۔ ''کیوں؟''

''اتنا کام کرواتے ہیں لیکن چھٹی نہیں دیتے۔'' پیپر ٹاول سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہ اپنے بیگ کو دیکھ رہی

تھی۔اس کے اندر ایک پرنٹ آؤٹ تہہ کیا رکھا تھا۔یہ اس کا ٹکٹ تھا۔

''میں نے بات کی تھی۔جمعے تک وہ فائنل بتا دیں گے۔''

وہ اب انگلی میں پہنی موتی والی انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔

کیا یہی اس کا پلان تھا؟ آخری وقت تک اسے کنفیوز رکھنا اور اتنی دیر سے بتانا جب وہ جا ہی نہ سکے؟

''میرے بھائی کی شادی ہے زیاد۔''

''وہ بھائی جس نے عین وقت پہ بتایا ہے۔نہ مشورہ۔نہ رائے۔یہ اہمیت ہے تمہاری۔''

اس کی نظریں ٹینس بال کی طرح ایک ان دونوں چیزوں پہ جا کے پلٹ رہی تھیں۔استنبول کے ٹکٹ کا پرنٹ آؤٹ۔انگوٹھی۔ٹکٹ۔انگوٹھی۔

اسے ایک کو چننا تھا۔اسے یہاں رہ کے زیاد کی حقیقت جاننی تھی' اس کا جھوٹ اس کے سامنے رکھنا تھا' اس سے جواب مانگنا تھا۔

یا اسے اپنے بھائی کو اس موقع پہ اکیلا نہیں کرنا تھا۔ماں نہیں تھیں۔اور اسے وہی کرنا تھا جو مائیں کیا کرتی ہیں۔وہ اپنی فیملی کی فکسر تھی۔وہ مالا تھی۔

''ٹھیک ہے۔آپ جمعے کو آ جانا۔میں اپنی فلائٹ بک کروا چکی ہوں۔'' وہ کاغذ لیے اس کے سامنے آئی اور پہلی دفعہ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔''آپ کو اپنی البشر ایپ سے میری ری انٹری جنریٹ کرنی ہوگی۔''

زیاد سلطان کے چہرے پہ پہلے ناسمجھی ابھری۔پھر اس کی جگہ برہمی نے لے لی۔

''میرے بغیر جاؤ گی؟ جانتی ہو نا' شادی کے بعد میاں بیوی کو ہر جگہ ایک ساتھ جانا چاہیے۔''

''میاں بیوی کو ہر جگہ ایک ساتھ جانا چاہیے؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے دہرایا۔

''ہاں کیونکہ بیوی اکیلی جائے تو لوگ عزت نہیں کرتے۔'' اس کے انداز میں کچھ جتاتا ہوا تھا۔کچھ ہٹ دھرم سا۔کہ یہی معاشرے کا طور تھا۔

''ٹھیک ہے۔پھر ہم ایک ساتھ جائیں گے۔لیکن استنبول نہیں۔آپ کے آفس۔'' اس نے پیپر سامنے میز پہ رکھا۔

زیاد کو اس حملے کی توقع نہیں تھی۔وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔

''واٹ؟'' گردن اٹھائے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔وہ اس کے مقابل کھڑی تھی۔اس نے ابھی تک عبایا نہیں

اتارا تھا۔

''میں صبح آپ کے ساتھ آپ کے آفس جاؤں گی اور آپ کے باس سے خود بات کروں گی۔''

اسے جیسے کرنٹ سا لگا۔ تیزی سے لیپ ٹاپ پرے رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔

''نووے۔'' اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

''اکیلی نہیں جاؤں گی۔ آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ اپنے شوہر کے ساتھ عزت سے۔ اور آپ کے باس سے ریکویسٹ کرلوں گی کہ میرے بھائی کی شادی ہے' اس لیے میرے شوہر کو چھٹی دے دیں۔'' اس کی آواز بلند نہیں ہوئی۔ وہ آہستہ تھی۔ البتہ اس کی آنکھوں میں بہت کچھ ایک ساتھ تھا۔ ملامت۔ دکھ۔ کرچیاں۔

''بچوں والی باتیں مت کرو' کشمالہ۔ کون اپنی بیوی کو لاتا ہے سفارش کروانے؟ اتنی بے عزتی ہوگی میری۔''

''اور اگر میں اپنے بھائی کی شادی پہ نہیں گئی تو میری بے عزتی ہوگی۔ اس وقت میرا سب سے بڑا دشمن آپ کا باس ہے۔ اگر اس کی وجہ سے میں معید کی شادی پہ نہ جا سکی تو آپ مجھے اپنے آفس میں آنے سے روک نہیں سکیں گے۔''

وہ تیار تھی۔ اس کے غصے کے لیے۔ اس کے چلانے کے لیے۔ اور جیسے ہر دوسری فلم' ڈرامے میں ہوتا تھا۔ وہ شاید اس پہ ہاتھ بھی اٹھا دے۔ اس کے بعد کیا ہوگا' وہ نہیں جانتی تھی۔ لیکن وہ تیار تھی۔

لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ زیاد سلطان چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ ماتھے کی شکنیں ختم ہوگئیں۔ اس نے موبائل نکالا۔ چند بٹن دبائے۔ اور پھر اسکرین اس کو دکھائی۔ اس نے البشر سے مالا کی ری انٹری جنریٹ کر دی تھی۔

''جاؤ۔ جو مرضی کرو۔ تمہیں میری پرواہ کب ہے۔'' وہ جیسے دکھی تھا۔ ناراض تھا۔ اور بے بس بھی۔

''میں کل صبح کی فلائٹ سے جا رہی ہوں۔ رامین مجھے ایئر پورٹ ڈراپ کر دے گی۔ کیونکہ آپ کو مجھے ایئر پورٹ چھوڑنے کے لیے بھی چھٹی نہیں ملے گی نا۔'' وہ اس کو دیکھے بنا کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ مزید اس کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کو دکھی دیکھ کے اسے خود دکھ ہوگا۔ گلٹ محسوس ہوگا۔ وہ کمزور پڑ جائے گی۔

اس نے مالا سے جھوٹ بولا تھا۔ لیکن وہ اس کا شوہر تھا۔ وہ اس کی اتنی ناراضی دیکھے گی' جتنی برداشت کر سکے۔ زیادہ دیکھ لی تو وہ ضبط کھو دے گی۔ اور اس سے جواب مانگنے لگے گی۔ اس سے کیا ہوگا؟ لڑائی۔ جھگڑا۔ ہنگامہ۔ اور وہ سکون سے معید کی شادی میں اس کے ساتھ نہیں کھڑی ہو سکے گی۔

ایک دفعہ شادی ہو جائے۔ پھر وہ استنبول سے واپس آ کے زیاد سے اپنے تمام جواب مانگے گی۔ ابھی اسے یہاں سے جانا تھا۔ وہ مزید اس کے ساتھ ایک چھت تلے نہیں رہ سکتی تھی۔

(یہ آپ کا ڈیفنس میکنزم ہے؟ سامنا کرنے کے بجائے فرار حاصل کرو؟)

ذہن کے کسی تاریک گوشے سے ایک سرگوشی سنائی دی۔ کشمالہ نے سر جھٹک دیا۔ اسے اس آواز کو نہیں سننا تھا۔ اس کو تین گہرے سانس لے کر فی الحال زیاد سے دور جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد اس رات کمرے میں نہیں آیا۔ اس کی رات بھی آنکھوں میں کٹی۔ ڈاکومنٹس۔ کپڑے۔ جوتے۔ سب کچھ پیک کر کے وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی رہی۔ گھڑی کی سوئی آگے بڑھتی گئی۔ لیکن وہ نہیں سوئی۔ نہ ہی لیٹی۔ زیاد ناراض تھا اور شاید وہ چاہتا تھا کہ اس کی ناراضی دیکھ کے وہ جانے کا فیصلہ بدل لے۔ لیکن وہ بار بار خود کو یاد کروا رہی تھی۔ آج کمزور نہیں پڑنا۔ ابھی اسے نہیں بتانا کہ وہ اس کی جاب کا سچ جانتی ہے۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...''

دو بج کر پچپن منٹ پہ اسی دھن سے اس کی آنکھ کھلی۔ وہ چونک کے اٹھی۔ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کب آنکھ لگی' اسے علم نہیں ہو سکا تھا۔ ہیپی برتھ ڈے کا میوزک اسی طرح بج رہا تھا۔ اس نے کانوں پہ دونوں ہاتھ رکھ لیے لیکن وہ آواز کہیں نہیں جا رہی تھی۔ البتہ آج وہ پہلی کی طرح پھر سے سو بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے خود کو مصروف کرنا تھا۔

''سلیم میں نے تمہیں پیسے بھیج دیے تھے۔ جب صبح اٹھو تو کنفرم کر دینا کہ ملے یا نہیں۔'' سلیم کو ایک آڈیو نوٹ ریکارڈ کر کے بھیجا۔ پس منظر میں بجتا میوزک اب خاموش ہو چکا تھا۔

''میں تو اٹھا ہوا ہوں باجی۔'' سلیم کا اگلے ہی لمحے آڈیو میسج آیا تھا۔ اس کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''اس وقت تم کیا کر رہے ہو؟''

''لو باجی... اتنے سال بڑی بی بی کے پاس رہا ہوں۔ کیا فجر کی اذان سن کے بھی سوتا رہوں گا؟''

ایک دم سے وہ سیدھی ہو کے بیٹھی۔ پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔

''فجر کی اذان؟ لاہور میں اس وقت فجر کی اذان ہو رہی ہے؟''

اس نے تیزی سے موبائل پہ وی نوٹ کھولا جس میں وہ ہر صبح اس آواز کے سننے کا وقت لکھتی آ رہی تھی۔ دنیا کی ہر شے جھوٹ بول سکتی ہے۔ سوائے نمبرز کے۔

وہاں ایک قطار میں اوقات لکھے آ رہے تھے۔ سعودیہ کے وقت کے مطابق۔

قریباً ہر روز دھن کا وقت ایک منٹ پیچھے ہو رہا تھا۔

سعودی عرب میں رات کے تین بجے کچھ خاص نہیں ہوتا تھا۔ لیکن عین اسی وقت لاہور میں صبح کے پانچ بجے کا وقت ہوتا تھا۔

اور وہ کیا ہے جو مارچ کے مہینے میں ہر روز ایک منٹ پیچھے جاتا ہے؟

فجر کی اذان کا وقت۔

نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی۔ وہ اب گوگل پہ لاہور کی فجر کی ٹائمنگ چیک کر رہی تھی۔ وہ عین وہی اوقات تھے جو اس نے نوٹس میں لکھ رکھے تھے۔ مالا نے بے یقینی سے چہرہ اٹھایا۔

یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ یہ اس کی اوشن کی ایک پرانی بری یادداشت نہیں تھی۔

یہ ماضی نہیں تھا۔

یہ حال تھا۔

کوئی ہر صبح فجر کے وقت یہ دھن بجاتا تھا۔ مگر کیوں؟

الجھن، خوف، گھبراہٹ... اس نے جلدی سے نوٹس بند کر دیے۔ آج کا وقت بھی تحریر نہیں کیا۔ اسے اپنا دھیان بٹانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نپولین کہتا تھا، اگر دنیا ایک ریاست ہوتی، تو اس کا دارالحکومت استنبول ہوتا۔ شاید اس لیے کہ اس شہر میں بہت سے رنگ ایک ساتھ تھے۔

ہر سفر کرنے کے خواہشمند انسان کی طرح استنبول جانا اس کا بھی خواب تھا۔ لیکن یہ خواب پورا ہوا تو ایسے کہ وہ سارا راستہ اداس رہی۔ دل الگ بوجھل تھا۔ کبھی اندر سے کوئی ملامت کرتا۔ وہ شوہر تھا۔ اس کو ناراض کر کے آئی

ہو۔ پھر کوئی اس کی تصحیح کرتا۔ اگر وہاں رہتی تو حالات زیادہ خراب ہو جاتے۔ اسے سوچنے کے لیے وقت چاہیے تھا۔

جانے سے پہلے زیاد اس سے نہیں ملا تھا۔ وہ صبح ناشتہ کیے بغیر گھر سے چلا گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔ شاید وہ رک جائے۔ لیکن وہ اسے نظر انداز کر رہی تھی۔ ایئر پورٹ پہ اقامہ دکھاتے ہوئے اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کہیں زیاد نے اس کی ری انٹری منسوخ نہ کر دی ہو۔ لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔

استنبول اور سعودیہ کا وقت ایک جیسا تھا۔ جس وقت وہ پاسپورٹ کنٹرول سے گزر کے بیگج کلیم تک آئی، صبح کے دس بج رہے تھے۔ انٹرنیٹ کنیکٹ کرتے ہی اس کی پہلی نظر واٹس ایپ پہ گئی۔ زیاد کا کوئی میسج نہیں آیا تھا۔ اس کا دل مزید بھاری ہونے لگا۔

''میں استنبول میں ہوں۔ کیا ہم آج شام مل سکتے ہیں؟'' اس نے پہلا میسج مالک فرید کو بھیجا تھا۔

اگلے ہی منٹ ان کی کال آنے لگی۔ اس نے کوفت سے فون کو دیکھا۔ لوگ میسج کے جواب میں کال کیوں کرتے ہیں؟

''جی، مالک صاحب۔''

''آپ کہاں ملنا چاہتی ہیں؟'' نہ سلام۔ نہ دعا۔ نہ سفر کا احوال۔ سیدھا سوال۔

''کسی ایسی جگہ جہاں میں خود کو محفوظ سمجھوں۔''

''نشانشی میں ایک ریستوران ہے جہاں میں...''

''نہیں۔ ریستوران میں نہیں۔ میں پبلک پلیس پہ نہیں ملنا چاہتی۔'' اس نے جلدی سے بات کاٹی۔

دوسری طرف چند لمحے کے لیے خاموشی چھائی رہی۔

''مجھے آپ سے ایک خاص بات کرنی ہے۔ کیا میں آپ کے آفس آسکتی ہوں؟''

''استنبول میں میرا کوئی آفس نہیں ہے۔ میں فرید ہولڈنگ کی میٹنگز کیف کے آفس میں رکھتا ہوں۔ ہم چار بجے وہاں مل سکتے ہیں۔''

''کیف؟'' اور یہ وہ لمحہ تھا جب اسے یاد آیا کہ اس شہر میں کون رہتا تھا۔

''کیف ماہر کی کمپنی کا نام ہے۔ وہ اسی بلڈنگ میں ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اس سے کوئی مسئلہ ہے تو...''

''مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ آپ مجھے لوکیشن پن بھیجیں۔ میں آجاؤں گی۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ اس کی زندگی میں ماہر فرید سے بڑے مسائل تھے۔

''آر یو شیور؟'' مالک فرید نے محتاط انداز میں پوچھا تھا۔

''پازیٹیو۔'' وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

معید اس کو لینے بروقت پہنچا تھا۔ اس کو وزیٹر ایریا میں دیکھا تو دور سے ہاتھ ہلایا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ کشمالہ مبین کے کندھوں سے سارے بوجھ اترنے لگے۔ وہ بھی مسکرا دی۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ تیزی سے اس کے قریب آئی اور معید نے اسے گلے سے لگا لیا۔

بھائی کیا ہوتے ہیں' شادی کے بعد احساس ہوتا ہے۔

''میں بہت خوش ہوں کہ تم آئی ہو مالا۔'' وہ واقعی خوش تھا۔

''ماہی بھی آئے گی۔ فکر مت کرو۔'' وہ مسکرا کے علیحدہ ہوئی۔ پھر لہجہ بدلا۔ ''تم نے کوئی اتنی قابل فخر حرکت نہیں کی۔ لیکن پھر بھی ہمیں شامل ہونا چاہیے۔''

''مالا یار...'' اس نے ماتھے کو چھوا۔ ''اس کے دادا بیمار ہیں اور...''

''ہاں ہاں... واٹ ایور۔'' اس نے ہاتھ جھلا کے کہا۔ وہ ٹرالی دھکیلتا سر جھٹک کے رہ گیا۔

''تیاریاں ہو گئیں؟'' وہ دونوں ساتھ ساتھ ائیر پورٹ سے باہر آئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑے نے اس کا استقبال کیا تھا۔ جدہ کی گرمی سے استنبول کی ٹھنڈی بہار۔ تبدیلی خوشگوار تھی۔

''بس کیک ٹیسٹنگ کے لیے شام میں بیکری جانا ہے۔''

''مجھے شام میں چار بجے کسی سے ملنا ہے۔ اس کے بعد چلیں گے۔ ویسے ایمرجنسی ویڈنگ میں بھی تمہیں کیک یاد رہا ہے۔'' ایک گھورتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی۔

معید نے ٹرالی ایک ہاتھ سے دھکیلتے دوسرے سے بال کھجائے۔

''وہ... ماہر گفٹ کر رہا ہے۔ اپنے بھائی کی بیکری سے...''

''واٹ؟'' وہ ایڑیوں پہ گھومی۔

''تم نے اسے بھی شادی پہ بلایا ہے؟'' پوری آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔

''ہاں کیونکہ مجھے یقین نہیں تھا کہ میری بہنیں آئیں گی۔ کوئی تو ہونا چاہیے نا میری طرف سے۔'' وہ بھی چمک کے بولا۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے چند لمحے اسے گھورتی رہی۔

''یار انس او کے مالا۔اس نے اپنا نام جھوٹ بتایا تھا۔ ہر انسان جھوٹ بولتا ہے۔ہاں اگر وہ جھوٹ میں خود کو امیر کہتا اور غریب نکلتا تو زیادہ بری بات ہوتی۔''

''لیکن وہ امیر ہے تو اس کی دولت کی چکاچوند نے تمہیں اس کے گناہ بھلوا دیے ہیں۔آفرین۔''بڑبڑا کے سر جھٹکتی وہ آگے بڑھنے لگی۔

''اگر تمہیں اس سے مسئلہ ہے تو...''

''سب کو یہ کیوں لگتا ہے کہ مجھے اس سے مسئلہ ہے؟ ہم آٹھویں کلاس میں نہیں ہیں۔تمہاری مرضی جس کو بھی بلاؤ شادی پہ۔ماہی کی مرضی وہ جس سے بھی بات کرے۔ مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔میری زندگی میں اور بہت سے مسئلے ہیں۔''

معید نے چونک کے اسے دیکھا۔''زیادہ کیوں نہیں آیا؟''

اس نے فوراً سے چہرے کے تاثرات ٹھیک کیے۔

''وہ نکاح والے دن پہنچ جائے گا۔آفس میں کچھ کام تھا۔اس کا باس بہت کھڑوس ہے۔''وہ مسکرا کے بولی۔وہ ایک مشرقی لڑکی تھی۔اسے ساری دنیا کے سامنے اپنے شوہر کا دفاع کرنا تھا۔معید نے بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''تم خوش ہو نا' مالا؟''

''ظاہر ہے۔تب ہی تو تمہارے سامنے کھڑی ہوں۔اور زیاد بھی پہنچ جائے گا۔ڈونٹ وری۔''نرمی سے مسکرا کے اس کی کہنی تھپکی۔معید نے گہری سانس خارج کی اور مسکرا دیا۔مالا کہہ رہی تھی کہ وہ خوش تھی تو وہ خوش تھی۔وہ مطمئن ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کیف'' کی دلانما عمارت پہ سہ پہر اتر رہی تھی۔ماہر فرید اپنے آفس میں واپس آ چکا تھا اور شبنم کاڈیسک اس کی پرانی جگہ پہ پہنچ چکا تھا۔رینوویشن کا کام مکمل ہو چکا تھا اور اس سے سب سے زیادہ خوش شبنم تھی۔

اس وقت وہ کیف کی لابی میں ریسپشنسٹ سیلین کے ساتھ کھڑی حال احوال میں مصروف تھی جب گلاس ڈور

کھلے۔شبنم نے گردن موڑ کے دیکھا۔آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔

نووارد ایک خوبصورت لڑکی تھی۔اس نے سفید ٹراؤزرز پہ گرے ہائی نیک سوئیٹر پہن رکھا تھا اور سفید گرم اسکارف مفلر کی طرح گردن کے گرد یوں لپیٹ رکھا تھا کہ لمبے کھلے بال اس کی قید میں آ گئے تھے اور ہوا سے اڑنے سے قاصر تھے۔اس کے کندھوں پہ ایک چھوٹا سا سفید بیک پیک تھا۔اور ہاتھ میں موبائل جس پہ یقیناً گوگل میپس کھلے تھے۔وہ متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھتی اندر داخل ہو رہی تھی۔ٹھنڈ سے اس کی ناک اور گال گلابی ہو رہے تھے۔

''خوش آمدید۔''سیلین فوراً مسکرا کے متوجہ ہوئی۔

''مجھے مالک فرید سے ملنا ہے۔چار بجے کی اپائنٹمنٹ ہے۔''

''ماہر فرید سے؟''شبنم کو لگا اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔

سبز آنکھوں والی لڑکی نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔آنکھوں میں ہلکا سا غصہ تھا۔

''میں نے مالک فرید کہا ہے۔ماہر نہیں۔''دانت پہ دانت جما کے تصحیح کی اور واپس ریسپشنسٹ کو دیکھنے لگی۔

شبنم کو قدرے حیرت ہوئی۔

(اس میں غصے والی کیا بات تھی؟ ملتے جلتے نام ہیں۔ہونہہ۔)

''مالک بے اوپر اسٹڈی میں ہیں۔وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔شبنم وہیں جا رہی ہے۔''سیلین نے اسے اشارہ کیا۔شبنم نے بہانہ گھڑنے کے لیے لب کھولے جب...

(سبرینہ صرف کام پہ نہیں' بلکہ میرے دوستوں اور دشمنوں دونوں پہ نظر رکھتی تھی۔)

ایک معنی خیز مسکراہٹ شبنم کے لبوں پہ در آئی۔

''میں آپ کو وہیں لے چلتی ہوں۔آیئے۔''

''اوکے۔''لڑکی نے کندھے اچکا دیے۔وہ دونوں ساتھ ساتھ لفٹ میں سوار ہوئی تھیں۔شبنم نے اپنا کارڈ سوائپ کیا۔سبز بتی بجی۔تو اس نے مطلوبہ فلور کا بٹن دبایا۔لفٹ اوپر جانے لگی۔

''میں نے آپ کو پہلے یہاں نہیں دیکھا۔''

''کیونکہ میں یہاں پہلے کبھی آئی نہیں۔''وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

''یہ ماہر بے کا آفس ہے۔مالک بے تو بس ایک مہمان ہیں۔کبھی کبھی آتے ہیں۔''اس نے پھر سے کوشش

کی۔ البتہ اس نے محسوس کیا کہ ماہر کے نام پہ اس نے آنکھیں گھمائیں تھیں۔ جیسے کچھ بہت ناپسندیدہ سا ہو۔

لفٹ کے دروازے کھلے تو سامنے روشنیوں سے چکاچوند مرکزی ہال دکھائی دیا۔ شبنم نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''مالک بےاوپر اسٹڈی میں ہیں۔''

''شکریہ شبنم۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ شبنم ٹھہر گئی۔ سیلین نے ایک دفعہ اس کا نام لیا تھا۔ لیکن اسے یاد ہو گیا تھا۔ اس نے اسے اس کے نام سے پکارا تھا۔ وہ ہلکے سے مسکرا دی۔ پھر ایک نظر دور کونے میں بنے ماہر کے آفس کو دیکھا۔ پیٹ میں مروڑ پڑنے لگے۔ ماہر کو گوسپ نہیں پسند تھی۔ اسے ہر چھوٹی بڑی بات ماہر کو نہیں بتانی چاہیے۔ بدقت اس اجنبی لڑکی سے ملاقات کو پیٹ میں دبائے وہ اپنے ڈیسک تک واپس آ گئی۔

مگر جو سرینہ کرتی تھی، وہ گوسپ کے زمرے میں آتا تھا یا نہیں؟

وہ ماہر کے آفس کے بند دروازے کو دیکھ کے سوچنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسٹڈی کے دروازے کے سامنے مخملیں پردہ گرا تھا۔ مالا نے پردہ ہٹایا تو اندر کا منظر واضح ہوا۔

ایک تنگ سی اسٹڈی جس کی تین دیواریں کتابوں سے بھری تھیں۔ اس میں رکھی ایک کانفرنس ٹیبل جس کے دہانے پہ عبدالمالک فرید بیٹھے موبائل دیکھ رہے تھے۔ میز کے وسط میں ایک سرخ عمارت کا ماڈل رکھا تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔ موبائل رکھ دیا۔ وال پیپر لمحے بھر کو جل کے بجھ گیا۔ اس پہ تین لڑکیوں کی ایک ساتھ تصویر دکھائی دی تھی۔

''یہاں آنے میں کوئی دقت تو نہیں ہوئی؟'' وہ بنا مسکرائے پوچھ رہے تھے۔

''ہوتی بھی تو میں آ جاتی۔ مجھے آپ سے کام تھا۔'' بیگ پیک میز پہ رکھا اور ان کے دائیں ہاتھ پہلی کرسی پہ بیٹھی۔

''کہیے۔'' وہ واپس بیٹھے اور ٹیک لگا لی۔ سوٹ میں ملبوس، سفید بال جیل سے سمیٹے، وہ بے تاثر چہرہ لیے ہوئے تھے۔

کشمالہ کے دونوں ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''آپ مجھے کافی نہیں پوچھیں گے؟''

''نہیں۔ مجھے ترکش کافی نہیں پسند۔''

اس نے گہری سانس لی اور چہرے پہ آئے بال کان کے پیچھے اڑسے۔

''شروع سے شروع کرتے ہیں۔'' وہ بہت کچھ سوچ کے آئی تھی۔ ''آپ نے مجھے کال کی تھی لیکن یہ نہیں بتایا کہ آپ وہی مالک فرید ہیں' یا یہ کہ آپ ماہر کے چچا ہیں۔''

''کیا ہم یہاں ماہر کے بارے میں بات کرنے اکٹھے ہوئے ہیں؟'' ان کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔

''مجھے کچھ سوالوں کے جواب چاہیے ہیں تاکہ میں فیصلہ کرسکوں کہ میں آپ پہ بھروسہ کرسکتی ہوں یا نہیں۔'' وہ نرم مگر ٹھوس لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''ہوں۔ پہلا سوال کیا ہے؟'' وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''آپ نے اس دن مجھ سے ملنے بیربل کو کیوں بھیجا؟ خود کیوں نہیں آئے؟''

''ضرورت محسوس نہیں کی۔''

''یا شاید آپ نہیں چاہتے تھے کہ میں آپ کو پہچان جاؤں؟'' وہ بغور ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''میں نے اپنا نام بتایا تھا۔ آپ کو پہچان جانا چاہیے تھا۔''

''مالک نام کے بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔ اور مجھے نام کچھ دیر کے لیے ہی یاد رہتے ہیں۔''

مالک فرید نے گہری سانس لی۔

''کیونکہ میں جانتا تھا کہ جلد یا بدیر آپ ماہر کی اصلیت جان لیں گی۔ اور اس کے حوالے سے مجھ سے بھی نفرت کریں گی۔''

''ایسا نہ ہوتا۔ میں بیربل سے بھی نفرت نہیں کرتی۔''

''بیربل سے کون نفرت کرسکتا ہے؟'' انہوں نے شانے اچکائے۔ ''نیکسٹ؟''

''میرا ریستوران ماہر نے نہیں' بلکہ آپ نے خریدا تھا؟ کیا یہ درست ہے؟'' وہ ان پہ نگاہیں جمائے ہوئے تھی۔

''نہیں۔ کیونکہ وہ آپ کا ریستوران نہیں تھا۔ وہ ظہیر کا تھا۔ اسے میں نے خریدا تھا اور ماہر نے تفصیل میں گئے بغیر دستخط کیے تھے۔ یہ ہمارا روٹین کا کام ہے۔''

ان کے الفاظ بے رحم تھے۔اس کے اندر کچھ چھلنی سا ہو گیا۔

''بیر بل نے مجھے بتایا تھا کہ آپ نے ماہر کو میرا باڈی گارڈ بننے کے لیے کہا تھا۔''

''کہا تھا۔ کیونکہ میں چاہتا تھا کہ وہ آپ کی حفاظت کرے۔''

''لیکن پھر آپ نے اسے لاہور چھوڑنے کے لیے بھی کہا۔''

''ہاں۔ کیونکہ ماہر کبھی کبھی نہ چاہتے ہوئے بھی (موبائل اسکرین کے وال پیپر کو دیکھا۔)انسانوں کو ہرٹ کر جاتا ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ آپ کو ہرٹ کرے۔''

''مالک صاحب۔''وہ آگے کو ہوئی اور ان کی آنکھوں میں دیکھا۔''میری زندگی کے ہر بڑے ایونٹ میں آپ کا ہاتھ کیوں ہوتا ہے؟''

انہوں نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''تصادف۔''

وہ چند لمحے انہیں دیکھے گئی۔اس کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔شک اعتبار الجھن۔ جب خاموشی طویل ہوئی تو وہ کھنکھارے۔

''ماہر کو کوئی انسان کچھ بھی کرنے پہ مجبور نہیں کر سکتا جب تک وہ خود نہ چاہے۔وہ میرے بھائی کا بیٹا ہے۔اس کی زندگی میرے لیے سب سے اوپر ہے۔اور اس سب سے اس کی زندگی متاثر ہو رہی تھی۔اس لیے میں نے اسے وہاں سے نکلنے کے لیے کہا تھا۔اس کا ہر عمل اس کی چوائس تھا۔جیسے آپ کا یہاں آنا آپ کی چوائس ہے۔اب آپ بتائیے... آپ یہاں کیوں آئی ہیں؟''

کشمالہ مبین نے گہری سانس لی۔وہ سانس جسے کنٹرول کرنا اسے اسی شخص نے سکھایا تھا۔اس پہ اعتبار کر کے اس نے کبھی دھوکہ نہیں کھایا تھا۔

''مجھے آپ سے ایک کام ہے۔لیکن کسی کو اس کے بارے میں علم نہیں ہونا چاہیے۔''

''میں سن رہا ہوں۔''وہ سنجیدگی سے متوجہ تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شبنم نے دستک دے کر دروازہ کھولا تو ماہر کرسی موڑ کے بیٹھا تھا۔ اس کا رخ پرنٹر کی طرف تھا۔ زوں زوں کی آواز کے ساتھ کچھ کاغذ پرنٹ ہو کے نکل رہے تھے جن کو وہ ایک ایک کر کے اٹھاتا جاتا تھا۔

''آپ نے بیر بل کے کارڈز کی اسٹیٹمنٹ مانگی تھی۔'' شبنم کھنکھارتی ہوئی سامنے آئی۔

''اور وہ تم گزشتہ ہفتے مجھے دے چکی ہو۔'' وہ اپنے کاغذات کی طرف متوجہ تھا۔ شرٹ کے آستین موڑ رکھے تھے اور کوٹ پیچھے ہینگر پہ لٹکا تھا۔

''آپ کو اسٹیٹمنٹ سے کیا اندازہ ہوا؟'' وہ بات کو طول دیتی میز کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ پیٹ میں پڑتے مروڑ شدت اختیار کر چکے تھے۔

''یہی کہ وہ ڈیزائنر اسٹورز سے مہنگے پراڈکٹس لے کر کسی دولت کی لالچی لڑکی کو دے رہا ہے۔''

''بیر بل اپنی مرضی سے تحفے خریدتا ہے۔ کیا پتہ وہ خود بھی امیر ہو کیونکہ امیر لوگ بھی انہی ڈیزائنرز کو پہنتے ہیں۔''

ماہر نے قدرے اکتا کے اسے دیکھا۔ وہ اس کا وقت ضائع کر رہی تھی۔

''ڈیزائنر ویئر دو طرح کا ہوتا ہے' شبنم خانم۔ ایک وہ جو مہنگا ہوتا ہے اور اس پہ بڑا بڑا کر کے ڈیزائنر لوگو لگا ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو زیادہ مہنگا ہوتا ہے لیکن اس پہ لوگو بہت چھوٹا ہوتا ہے۔ Old money رکھنے والے امیر لوگ دوسری طرح کا ڈیزائنر ویئر خریدتے ہیں۔ کیونکہ انہیں وہ چیزیں ان کی کوالٹی کی وجہ سے درکار ہوتی ہیں۔ لیکن نئے پیسے والے یا امیر دکھنے کے شوقین لوگ پہلی طرح کا مال خریدتے ہیں۔ تاکہ وہ دنیا کو اپنی امارت دکھا سکیں۔ ہر وہ چیز جو بیر بل لے رہا ہے' وہ اس لڑکی کی پسند سے لے رہا ہے۔ اور ان سب پراڈکٹس کو گوگل کرو تو تمہیں اس کا ٹیسٹ سمجھ میں آ جائے گا۔ اب میں کام کر لوں؟''

''شیور۔'' شبنم قدرے دھیمی پڑی۔ اور پیٹ میں پڑتے مروڑ دباتی دروازے تک چلی آئی۔ لیکن پھر... اس سے رہا نہیں گیا۔

بے اختیار واپس پلٹی۔

''مالک بے اوپر اسٹڈی میں کسی سے مل رہے ہیں۔'' تیزی سے اس کی میز تک آئی۔

''پھر؟'' وہ کاغذات کو اب فائل میں لگا رہا تھا۔ ''مالک اکثر فرید ہولڈنگ کی میٹنگز وہیں کرتا ہے۔''

''بزنس میٹنگ نہیں ہے۔ ذاتی میٹنگ ہے۔ انہوں نے کافی تک نہیں منگوائی تاکہ کوئی اوپر نہ آئے۔ نہ ہی اس

کا نام ریسپشن پہ لکھوایا۔"

"مالک کا ہر کام فرید ہولڈنگ کے فائدے کے لیے ہوتا ہے۔اور اس کمپنی کا سی ای او کون ہے؟" اس نے رک کے جیسے سوچا۔"ارے ہاں۔وہ تو میں ہوں۔" مصنوعی حیرت سے اسے دیکھا۔"پھر مجھے اس سے کیوں مسئلہ ہوگا؟"

"ان کی مہمان ایک خوبصورت لڑکی ہے۔" شبنم نے جھک کے راز داری سے سرگوشی کی۔دل کا بوجھ بالآخر ہلکا ہوا۔

ان کی بار ماہر نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"شبنم۔" اس نے شبنم کے انداز میں آواز دھیمی کی۔"یعنی تمہیں مالک پسند ہے اور تم جیلیس ہو رہی ہو؟ ویسے وہ عمر میں کافی بڑا ہے۔بال بالکل سفید ہیں' لیکن پیسہ بہت ہے اس کے پاس۔"

"اللہ اللہ.." وہ پیر پٹخ کے سیدھی ہوئی۔سرخ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔"آپ سے بات کرنا ہی فضول ہے۔میں صرف آپ کے انکل پہ نظر رکھ رہی تھی۔کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے' آپ ان پہ اعتبار نہیں کرتے تھے۔"

"میں تو تم پہ بھی اعتبار نہیں کرتا۔اب میں کام کرلوں؟" اس نے جیسے تھک کے اسے دیکھا۔شبنم نے ناک سکوڑی اور ہونہہ کر کے سر جھٹکتی باہر نکل گئی۔بیربل ہوتا تو پوری توجہ سے اس کی بات سنتا اور اب تک اس لڑکی کا سارا بائیوڈیٹا معلوم کر چکا ہوتا۔ہونہہ۔

شبنم کے جانے کے بعد اس نے پیپر کلپ اٹھانے کے لیے چہرہ اٹھایا تو نگاہ ڈیسک کیلنڈر پہ پڑی۔اتوار کے گرد گول دائرہ لگا تھا۔معید کا نکاح۔

(ان کی مہمان ایک خوبصورت لڑکی ہے۔)

(مالا نے مجھے کال کر کے مالک کا نمبر مانگا تھا۔)

پرنٹر ہنوز چل رہا تھا اور کاغذ پرنٹ ہو کے باہر نکل رہے تھے لیکن اسے سب بھول چکا تھا۔وہ تیزی سے باہر آیا۔شبنم نے چونک کے اسے آفس سے نکلتے دیکھا۔اور بے اختیار مسکرا دی۔

ابھی وہ زینوں کے وسط میں تھا جب وہ شبنم کے ڈیسک کے قریب سے گزرا تو وہ بے اختیار مسکرا دی۔اس کا رخ سیڑھیوں کی جانب تھا۔

وہ ابھی زینوں کے وسط میں تھا جب درمیان میں لگے آئینے پہ نگاہ پڑی۔ماہر کے قدم وہیں جم گئے۔

اسٹڈی کا پردہ ہٹا تھا۔ اندر کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

مالک سر براہی کرسی پہ بیٹھا تھا اور توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔ وہ اس کے دائیں ہاتھ بیٹھی ہاتھ اٹھا کے ہلاتی ہوئی اس کو اپنی بات سمجھا رہی تھی۔ ساؤنڈ پروف دروازوں سے آواز نہیں آتی تھی۔ اسے آواز سنی بھی نہیں تھی۔ وہ بس مبہوت سا اسے دیکھ رہا تھا۔

گردن میں ہائی نیک پہنے۔ بنا میک اپ کے شفاف چہرہ۔ بات کرتے ہوئے وہ بال کان کے پیچھے اڑس رہی تھی۔ انگلی میں موتی والی انگوٹھی چمکی تھی۔

اس کا وجود وہیں زنجیر ہو گیا۔ وقت بھی جیسے تھم گیا۔

کاش وہ مختلف حالات میں ملے ہوتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''سبرینہ... میں سبرینہ کے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔''

مالک فرید نے قدرے چونک کے اسے دیکھا۔

''ماہر کی سیکرٹری سبرینہ؟ اس کے بارے میں آپ کو ماہر سے بات کرنی چاہیے۔''

''آپ فرید ہولڈنگ کے ایکٹنگ سی ای او ہیں۔ میں نے ویب سائٹ پہ پڑھا تھا۔ وہ اس کمپنی کو چھوڑ چکا ہے اور میرا نہیں خیال کہ میں اس سے کوئی بھی بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''میں سبرینہ کو نہیں جانتا۔''

''لیکن کمپنی میں اس کے ریکارڈز ہوں گے۔ مجھے اس کی فائل چاہیے۔ اس کے بارے میں ہر وہ معلومات جو کمپنی کے پاس ہوں۔ وہ کیا کرتی تھی۔ کہاں رہتی تھی۔ اور اب اس کی فیملی کہاں ہے۔''

''لیکن کیوں؟''

اس نے اضطرابی انداز میں کان کے پیچھے بال اڑسے۔

''سبرینہ میرے شوہر کی منگیتر تھی۔''

مالک فرید نے چونک کے اسے دیکھا۔ ماتھے پہ لکیریں ابھریں۔

''نہیں۔سبرینہ کا کوئی منگیتر یا بوائے فرینڈ نہیں تھا۔وہ اکیلی تھی۔''

مالا نے میز پہ رکھی مٹھی بھینچ لی۔

''وہ زیاد کی منگیتر تھی۔''اس نے زور دے کر کہا جیسے خود کو یقین دلایا ہو۔

''میں اس کو زیادہ نہیں جانتا۔لیکن اتنا مجھے یاد ہے کہ اس کا کوئی منگیتر نہیں تھا۔''

''میرا شوہر اسکو اپنی منگیتر بتاتا ہے۔میں سچ جاننا چاہتی ہوں۔''

''نہیں۔آپ اپنے شوہر کی جاسوسی کر رہی ہیں۔اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔شک رشتوں کو کھا جاتا ہے۔ویسے بھی وہ لڑکی مر چکی ہے۔وہ اس کی زندگی میں نہیں ہے۔یعنی وہ آپ کی زندگی متاثر نہیں کر سکتی۔''

''بات کسی دوسری عورت کی نہیں، سچ اور جھوٹ کی ہے۔میں جاننا چاہتی ہوں کہ میرا شوہر مجھ سے کیا کیا چھپاتا رہا ہے۔''

مالک فرید نے گہری سانس لے کر ٹیک لگائی۔ان کا چہرہ ہنوز بے تاثر تھا۔

''اسی لیے آپ پبلک پلیس پہ نہیں ملنا چاہتی تھیں۔کیونکہ آپ کو خود بھی معلوم ہے کہ آپ غلط کر رہی ہیں۔''

''میں نہیں چاہتی کہ زیاد کو معلوم ہو کہ میں سبرینہ کو کھوج رہی ہوں۔''

''شک شادی کو تباہ کر دیتا ہے۔رشتوں کو نگل لیتا ہے۔کیا آپ واقعی اپنے شوہر سے بات کرنے کی بجائے اس طرح کا قدم اٹھانا چاہتی ہیں؟''

کرسی پہ بیٹھی لڑکی چند لمحے انہیں دیکھتی رہی۔

''کیا آپ میری مدد کریں گے؟''

''آپ بیک ڈور سے کام کرنے والوں میں سے نہیں تھیں۔آپ پولیس اسٹیشن جا کے مقابلہ کرنے والوں میں سے تھیں۔''

''اور آپ نے کہا تھا کہ وہ بہادری مگر بے وقوفی تھی۔''

مالک فرید پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائے۔پھر سر کو جنبش دی۔

''اوکے۔میں اس عقلمندی میں آپ کا ساتھ دوں گا۔''

''تھینک یو۔شاید آپ کو لگے کہ میں غلط کر رہی ہوں۔لیکن ماں نہیں ہیں۔وہ ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔''

اسٹڈی کی تین دیواریں خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔چند ثانیے خاموشی کی نذر ہوئے۔پھر وہ

دھیرے سے آگے ہوئے اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''ماں مر جائے' تب بھی ہر انسان جانتا ہے کہ وہ اس وقت ہوتی تو کیا کہتی۔''

وہ ایک لمحے کے لیے منجمند ہو گئی۔ ساکت۔ ٹھنڈی۔

''کل اسی وقت اسی جگہ پہ آ جایئے گا۔ میں سبرینہ کی مکمل فائل آپ کے حوالے کر دوں گا۔''

ان کا لہجہ پہلے جیسا ہو گیا۔ بے تاثر۔ مالا نے سر ہلا دیا۔

''ایک آخری سوال۔'' اس کی آواز نڈھال سی تھی۔ بے چینی سے بال کان کے پیچھے کیے۔

''سبرینہ کی موت کیسے ہوئی تھی؟'' اس کے لبوں سے سوال اور دروازے کے پٹ ایک ساتھ جدا ہوئے تھے۔

''اسے میں نے مارا تھا۔ اور اپنے سوتیلے باپ کو بھی۔ آپ نے سوشل میڈیا پہ پڑھا تو ہو گا۔''

کشمالہ نے چونک کے چہرہ موڑا۔ وہ ہشاش بشاش سے انداز میں کہتا' اندر داخل ہو رہا تھا۔ سفید شرٹ کے آستین موڑے' جیل سے بال پیچھے جمائے' سوگوار سی مسکراہٹ چہرے پہ لیے وہ ان دونوں کے سامنے آیا۔

''ویلکم ٹو استنبول۔'' کشمالہ کو دیکھ کے سر کو خم دیا۔ اب وہ بازو بڑھا کے میز سے چند کاغذات اکٹھے کر رہا تھا۔

''کیا تمہیں کسی نے دستک دینا نہیں سکھایا؟'' مالک فرید انتہائی ناگواری سے بولے تو وہ چونکی۔ وہ ابھی تک خاموش تھی۔ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔ اسے توقع تھی کہ شاید کسی کاریڈور میں وہ دکھائی دے دے گا۔ لیکن وہ اس طرح آ جائے گا' یہ اس کے لیے شاکنگ تھا۔

''میں ایک manipulative liar ہوں۔ مجھ سے آپ کو ایسے کاموں کی توقع ہونی چاہیے۔'' طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے اس نے تمام کاغذ سمیٹے اور سیدھا ہوا۔ مالا نے مٹھی بھینچی۔ (اف ہیر بل)

''آپ اپنی سیکرٹ میٹنگ جاری رکھیے۔ میں بس اپنے آفس سے اپنے ہی کاغذ لینے آیا تھا۔'' اپنے پہ زور دے کر کہا۔ کچھ بہت خفا اور ناراض سا تھا اس کے لہجے میں۔ ایک گھورنے والی نظر مالک پہ ڈالی۔ اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

وہ ابھی تک ششدر بیٹھی تھی۔ کچھ بول ہی نہ سکی۔ نہ جانے کتنا سنا ہو گا اس نے؟

''اس نے کچھ نہیں سنا۔ وہ چند سیکنڈ پہلے آیا ہے۔ میں اسے دیکھ رہا تھا۔'' وہ اس کا چہرہ پڑھ رہے تھے۔

''میں چلتی ہوں۔'' وہ بیگ اٹھا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ نیچے آیا تو اس کا موڈ خراب لگتا تھا۔ شبنم نے فوراً گردن جھکا لی۔ یقیناً مالک بے کی مہمان اس کو پسند نہیں آئی تھی۔ اس نے آفس میں آ کے پرنٹر بند کیا۔ ذہن ایک دم ہٹ چکا تھا۔ وہ مزید کام نہیں کر سکتا تھا۔ بریف کیس اٹھایا، کوٹ بازو پہ ڈالا اور دوسرے ہاتھ میں وہی کاغذ لیے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس سے دوبارہ سامنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ آج بھی اس پہ ویسا ہی اثر رکھتی تھی۔ اور اسے لگا تھا کہ وہ اسے بھولنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسے مالک سے زیادہ خود پہ غصہ آ رہا تھا۔

گراؤنڈ فلور پہ وہ لفٹ سے نکلا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ ریسپشنسٹ سیلین نے اسے روکا۔ وہ کراہ کے پلٹا۔ چیک آؤٹ ٹائم پنچ کرنا بھی اسی کا اصول تھا۔ اس کے ہاتھ سے پنسل لی اور تیزی سے ٹیبلیٹ پہ سائن کیے۔ پھر فنگر پرنٹ لگایا۔

اسی پل لفٹ کے دروازے دوبارہ کھلے۔ وہ کنکھیوں سے اسے باہر آتے دیکھ سکتا تھا۔ کیا وہ ریسپشن سے دروازے تک کا سفر اسے نظر انداز کر کے عبور کر سکتا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ موبائل پہ گوگل میپس کھولے چہرہ جھکائے لفٹ سے نکلی تھی۔ لابی میں قدم رکھتے ہوئے سر اٹھایا۔ اور تب وہ اسے نظر آیا۔

وہ غالباً کام مکمل کر کے گھر جا رہا تھا۔ بریف کیس ایک باوردی ڈرائیور کو تھماتے ہوئے وہ اسے کچھ کہہ رہا تھا۔ کوٹ بازو پہ ڈالا تھا اور شرٹ کے آستین موڑ رکھے تھے۔ وہ کاغذ بھی ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے جو وہ اوپر لینے آیا تھا۔

کیا وہ لفٹ سے دروازے تک کا فاصلہ اسے نظر انداز کر کے عبور کر سکتی تھی؟

وہ ناک کی سیدھ میں دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"کیسی ہو؟" ڈورناب پہ اس کا ہاتھ رکا۔ گردن موڑ کے دیکھا۔ وہ ریسپشنسٹ کے ٹیبلیٹ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ لبوں پہ اداس سی مسکراہٹ تھی۔ یہ طے تھا کہ وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

مالا مکمل اس کی طرف گھومی اور سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔ لاکٹ ہائی نیک میں چھپا ہوا تھا۔

''میں ویسی ہوں جیسی لاہور میں تھی۔ تم البتہ مختلف لگ رہے ہو۔ شاید اس لیے کہ ڈرائیور کے حلیے میں نہیں ہو۔''

اس کی آنکھوں میں سادہ سا طنز تھا۔

ماہر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ پین رسپشنسٹ کو تھمایا' پھر اسے مقامی زبان میں کچھ کہا اور بالآخر اس کی طرف مڑا۔

وہ اس سے چند فٹ فاصلے پہ یوں کھڑی تھی کہ وہ اس کے عقب میں شیشے کا دروازہ اور اس کے پار آسمان پہ اکٹھے ہوتے سیاہ بادل دیکھ سکتا تھا۔

''تم مالک کو کیسے جانتی ہو؟'' وہ بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''میں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔'' اس کا انداز ہنوز تھا۔

''یعنی کشمالہ بی بی میرے خاندان میں میرے سوا سب پہ بھروسہ کرتی ہیں۔''

''تم پہ بھروسہ کرنے کے لیے میرے بہن بھائی ہیں نا۔'' اس کے انداز میں غصہ نہ تھا۔ بس سرد مہری تھی۔ اور بے زاری۔

وہ ہلکا سا ہنسا۔ اور سر جھکایا۔ جوتے سے فرش کو مسلا۔ دروازے پہ بوندیں گرنے کی آواز آنے لگی تھی۔

''معید کی شادی کی مبارک ہو۔''

''تھینک یو۔'' کشمالہ نے سر کو خم دیا۔ وہ اس بات کا جواب طنز سے نہیں دے سکتی تھی۔

''واپس کیسے جاؤ گی؟'' اس نے بھیگتی ہوئی کھڑکیوں کو دیکھا۔

''جیسے آئی تھی۔''

''بارش ہو رہی ہے۔'' اس نے ابرو اٹھایا۔

''سنا ہے یہاں اکثر ہوتی ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ میں پکڑے کاغذ دیکھ رہی تھی۔

استنبول میں ٹیکسی نہیں ملتی۔ بارش میں تو بالکل بھی نہیں۔ استنبول 101۔ اب کے وہ نرمی سے بولا۔ ریسپشنسٹ سیلین خاموشی سے باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ان کی زبان نہیں سمجھتی تھی لیکن پھر بھی یہ ملاقات دیکھنا کافی دلچسپ تھا۔

''تمہیں یقیناً سلطان احمت یا فاتح جانا ہوگا۔اس وقت کوئی ٹیکسی تمہیں وہاں نہیں لے جائے گی۔میرا ڈرائیور تمہیں ڈراپ کردے گا۔''

''میں سلطان احمت نہیں جارہی۔اور تمہیں زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''وہ اب بیگ پیک کندھوں سے اتار رہی تھی۔

''میں زحمت نہیں کررہا۔ڈرائیور کرے گا۔وہ فارغ کھڑا ہے۔''وہ موبائل جیب سے نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں بس لے لوں گی۔''

''بس کے لیے استنبول کارڈ چاہیے۔''

''تمہارا مطلب ہے یہ؟'' بیگ سے کارڈ نکال کے لہرایا۔ماہر نے گہری سانس لی۔پھر ایک نظر تڑاتڑ گرتے قطروں کو دیکھا جن کو شیشے کا دروازہ اندر پہنچنے سے روکے ہوئے تھا۔

''سیلین...''وہ ریسپشنسٹ کی طرف مڑا۔''ان کو ایک چھتری....''

وہ کہتے کہتے رک گیا۔وہ اپنے بیگ پیک سے ایک فولڈیبل چھتری نکال رہی تھی جو فولڈ ہو کے ہاتھ جتنی چھوٹی ہو جاتی تھی۔

مالا نے نظریں اٹھائیں تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''ٹورسٹ 101۔''وہ فاتحانہ انداز میں مسکرائی اور پلٹ گئی۔

''تم نشانہ شی جارہی ہو؟ کیک ٹیسٹنگ کے لیے؟''وہ موبائل پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ تم پہ بھروسہ کرنے کے لیے میرے بہن بھائی ہیں نا۔''بڑبڑاتے ہوئے آگے بڑھی۔دروازے خود بخود کھل گئے۔ٹھنڈی ہوا اور بارش کا شور ایک دم اندر آیا۔

''تم معید سے کہہ دو...وہ کسی اور بیکری سے کیک بنوا لے۔''

کشمالہ مبین نے بہت کوشش کی تھی کہ اس شخص کو دیکھ کے اسے غصہ نہ آئے۔وہ جذبات نہ دکھائے لیکن یہ ایک بات اس کے سر پہ لگی،تلووں پہ بجھی۔وہ تیورا کے گھومی۔

''کیا میں اتنی petty حرکت کروں گی؟ میرے بہن بھائی جس سے بھی ملیں، مجھے ...مسئلہ...نہیں ہے ،کیف۔''ہر لفظ توڑ توڑ کے کہا۔وہ موبائل اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔میں کہہ رہا ہوں کہ ...معید سے کہو کسی اور بیکر کا بندوبست کرلے۔کیونکہ...''اس نے چہرہ اٹھایا۔اس

کی آنکھوں میں کچھ تھا جو پہلے نہ تھا۔

''کیونکہ بیر بل چلا گیا ہے۔''

اس کے ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔ آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔

''کیا مطلب؟ کہاں چلا گیا ہے؟'' وہ چند قدم آگے بڑھی۔ کھلا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ سرد ہوا کا راستہ رک گیا۔

ماہر نے آنکھیں بند کر کے کنپٹی کو مسلا۔ پھر افسوس سے نفی میں سر جھٹکا۔

''کسی نے اسے دھوکہ دیا ہے۔'' اس کی آواز دھیمی اور تکلیف سے پُر تھی۔

ماحول ایک دم بدل گیا تھا۔ ان کے درمیان چھایا تناؤ بارش میں بہہ گیا تھا۔ وہ ناسمجھی سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

''ایسے میں اس نے وہی کیا ہے جو بیر بل جیسے لوگ کرتے ہیں۔ فیس کرنے کی بجائے سب کچھ چھوڑ کے بھاگ جاتے ہیں۔''

کسی نے جیسے اس کے دل پہ پیر رکھ دیا۔ اس نے بہت سا تھوک نگلا۔

''مگر وہ اب کیسے ملے گا؟''

''جیسے ہمیشہ ملتا ہے۔ میں اب ان تمام جگہوں پہ جاؤں گا جہاں وہ ہو سکتا ہے۔ امید ہے کہ پوری رات کی تلاش کے بعد وہ مل جائے گا۔ اور پھر میں اسے زبردستی گھر واپس لاؤں گا۔ ایسے مت دیکھو مجھے۔ چھوٹے بہن بھائی یونہی ہاتھ چھڑا لیتے ہیں۔ اور بڑے کو تمام عمر ان کے ہاتھ واپس پکڑنے ہوتے ہیں۔''

کچھ جم سا گیا تھا اس لمحے میں۔ شاید بارش کے قطرے دیوار پہ گرتے جم گئے تھے۔ یا شاید وقت تھم گیا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ کیا اسے تسلی کا کوئی ایک بول بولنا چاہیے؟ نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کیا کرتا ہے' مالا کو اس کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے تھی۔ وہ الگ راستوں کے مسافر تھے۔

وہ باہر آئی اور چھتری اوپر اٹھا کے پلی لیور اونچا کیا۔ چھاتا کھل کے سر پہ تن گیا۔ وہ سیاہ گیٹ کی طرف بڑھی۔ کنکھیوں سے وہ اسے کار میں بیٹھتے دیکھ سکتی تھی۔ وہ ڈرائیور کو نکال کے خود ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ رہا تھا۔ مالا کے قدم سیاہ گیٹ سے نکل کے دائیں جانب اٹھ گئے۔ چند لمحے بعد اس کی کار باہر نکلی اور زن سے بائیں جانب بڑھ گئی۔

وہ الگ راستوں کے مسافر تھے۔

بس اسٹاپ بارش سے بھیگ رہا تھا جب وہ شیڈ تلے بنچ پہ آ بیٹھی۔اس کی پیلی اوتو بس آنے میں ابھی نو منٹ تھے ۔اسے معلوم تھا کہ اسے ان نو منٹوں میں کیا کرنا ہے۔

''تم نے بلیو والے سوٹ کیس کا کیا کیا؟'' کال ملاتے ہی اس نے سوال پوچھا تھا۔

''کون سا سوٹ کیس؟'' ماہی شاید سو رہی تھی۔اس کی سمجھ میں ہی نہ آیا کہ وہ کیا پوچھ رہی ہے۔

''جس میں ماں کے کامدار جوڑے تھے۔جب ہم نے ان کی وفات کے بعد ان کے کپڑے بانٹے تھے' تو تم نے وہ سارے خود رکھ لیے تھے۔''

''ہاں کیونکہ...''

''اور تم نے ماں کے آدھے سے زیادہ جوتے بھی لے لیے تھے۔کیوں؟'' اس کے سر کے اوپر ٹین شیڈ کے لوہے پہ تڑاتڑ بوندیں گر رہی تھیں۔

''کیونکہ وہ ماں کی نشانی تھے۔''

''ماں کی نشانی معید ہے' ماہی۔ان کے جوتے یا کپڑے نہیں۔نشانیاں چیزیں نہیں انسان ہوتے ہیں۔اگر ماں زندہ ہوتیں تو کیا تم معید کی خوشی میں اس کا ساتھ دینے سے انکار کر سکتیں؟'' وہ بولی تو آواز برہمی سے اونچی تھی۔''تم ابھی اپنی فلائٹ بک کرواؤ گی۔اور تم شادی والے دن یہاں پہنچو گی۔چاہے تمہیں جیسے بھی آنا پڑے۔''

''اوکے۔'' ماہی کی آواز دھیمی تھی۔اس نے موبائل نیچے کیا تو دیکھا۔سڑک پہ گرتی بوندوں کی رفتار اب مدھم پڑ چکی تھی۔

(ہر انسان جانتا ہے کہ اس کی ماں اس وقت ہوتی تو کیا کہتی۔)

اس کی بس آ چکی تھی لیکن مالا اس میں سوار نہیں ہوئی۔ہر چند منٹ بعد اس کے روٹ پہ جانے والی بس آنی تھی۔وہ بس خاموشی سے بیٹھی بارش میں بھیگتی پیلی بس کو دیکھنے لگی جس میں مسافر سوار ہو رہے تھے۔

(وہ لاہور میں تھی۔مبین منزل کے لاؤنج میں تخت پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔اس کے سیاہ لمبے بال کندھوں پہ بکھرے تھے اور ماں پیچھے بیٹھی' ان میں تیل لگا رہی تھیں۔وہ ہاتھ میں پکڑے موبائل پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔اوشن کی سی سی ٹی وی فوٹیج۔اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔پس منظر میں وہ دو انسانوں کی گفتگو سن سکتی تھی۔

''تم بھی کمال کرتی ہو' بختو۔'' ماں کی انگلیاں اس کے سر پہ چل رہی تھیں اور زبان بخت بی پہ برہم ہو رہی تھی۔

''بانو کو اتنا تو سکھانا تھا کہ جب شادی کے پہلے دن سے ہی گالم گلوچ اور مار پیٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا تو کیا ضرورت تھی اسے بچوں کی لائن لگانے کی؟ جو آدمی اس کی عزت نہیں کر سکتا' اس کے بچے پیدا کرنے سے پہلے اسے سوچنا چاہیے تھا۔ بچے ایک بہت بڑی ذمہ داری ہوتے ہیں۔'')

پبلی بس آگے بڑھ چکی تھی۔ کشمالہ کے ہاتھ بیگ کے اندر گئے اور بھورا پیکٹ باہر آیا۔ دو انگلیوں سے پیکٹ کے اندر سے گولیوں کا پتا نکالا۔ وہ چند لمحے ان کو دیکھتی رہی۔ وہ برتھ کنٹرول pills تھیں۔

وہ ابھی تک پریگننٹ نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ وہ درست وقت تھا جب اسے یہ شروع کر دینی چاہیے تھیں۔ ماں نہیں تھیں لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ ہوتیں تو کیا کہتیں۔ وہ جب تک سبرینہ کی حقیقت اور زیاد کا سچ نہیں جان لے گی' وہ اپنے پیروں میں کوئی زنجیر نہیں پڑنے دے گی۔

اس نے پہلی گولی نکالی اور پھانک لی۔ پھر پیکٹ احتیاط سے بیگ میں واپس رکھا۔ اس کے چہرے پہ اطمینان تھا۔

اس کی مطلوبہ بس پہنچ چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جدہ میں بنی اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں اندھیرا چھایا تھا۔ پردے بند تھے۔ کوئی ایک بتی بھی روشن نہیں تھی۔ لمبے صوفے پہ زیاد سلطان پیر لمبے کر کے لیٹا تھا۔ شیوا ایک دو دن کی بڑھی ہوئی تھی اور وہ خلاء میں گھور رہا تھا جب میز پہ رکھا موبائل تھرتھرایا۔

زیاد اٹھا نہیں۔ بس پہلو کے بل کروٹ لی۔ اور بازو لمبا کر کے بٹن سلائیڈ کیا۔ پھر اسپیکر کو چھوا۔

''کیسے ہو بیٹے؟''

نگینہ بیگم کی آواز سارے میں گونجنے لگی۔ وہ چلی گئی تھی۔ اب کس کا خوف تھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ واپس چت لیٹ گیا اور چھت کو دیکھنے لگا۔

''اکیلے بھیج دیا اس کو؟''

وہ چونکا۔ لب ہلے۔ لیکن پھر ٹھہر گیا۔ ظاہر ہے ان کو خبر ہو جانی تھی۔

''کیا کرتا۔اس کے بھائی کی شادی تھی۔اس کو دکھ نہیں دے سکتا تھا۔''

''ڈر گئے تھے کہ وہ آپ کو چھوڑ دے گی؟'' وہ مسکرائی تھیں جیسے۔

''جی۔ڈر گیا تھا۔''

''میں نے آپ کو بہت دفعہ سمجھایا تھا بیٹا کہ آپ کو اگر اس کے ساتھ ایک لمبی اور کامیاب زندگی گزارنی ہے تو اس کو بہت طریقے سے ہینڈل کرنا ہوگا۔اور آپ نے اس کو ناراض کر کے بھیج دیا۔''

''میں کرلوں گا ہینڈل۔وہ چند دن میں واپس آجائے گی۔'' اس کی آواز میں کڑواہٹ تھی۔

''اسی لیے وہ ماہر فرید سے ملی ہے؟''

زیاد سلطان کرنٹ کھا کے سیدھا ہو بیٹھا۔پیر نیچے اتارے۔فون جھپٹ کے اٹھایا۔

''نہیں۔وہ اس سے کیوں ملے گی؟ وہ معید کی شادی کے لیے گئی ہے۔''

''کیوں کا جواب نہیں معلوم۔کیا بات ہوئی' یہ مجھے نہیں معلوم۔ان کمبختوں کو ہر بات کی سمجھ نہیں آتی نا۔''

''آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔'' موبائل جکڑے اس کے ہاتھ کپکپائے۔''میں...میں کشمالہ کو جانتا ہوں۔وہ ایسی نہیں ہے۔''

''لیکن وہ اس سے ملی ہے۔کیونکہ آپ نے اپنی ماں کو ناراض کر دیا تھا بیٹا۔اور آپ کی ماں آپ کے لیے کوئی وظیفہ' کوئی دم نہیں کرتی۔''

زیاد نے بے اختیار مٹھی بھینچ لی۔شدت ضبط سے چہرے کی نسیں ابھرنے لگیں۔

''میں...وہ میرے ساتھ ایسے نہیں...'' اس کا سانس پھول گیا۔

''اگر اس کو ہاتھ میں رکھنا ہے تو آپ کو میرا ایک کام کرنا ہوگا۔'' وہ رک رک کے کہہ رہی تھیں۔انہیں سانس چڑھ رہا تھا۔

''آپ دیکھ نہیں رہیں کہ میں کیا چاہتا ہوں' امی؟'' وہ دبا دبا سا چیخا۔''میں وہ زندگی چھوڑ چکا ہوں۔میں ایک نیا ورق پلٹ رہا ہوں۔ایمانداری سے' سچائی سے۔آپ مجھے پھر اس زندگی میں دھکیل رہی ہیں۔''

''آپ وہی کرو گے جو میں کہہ رہی ہوں ورنہ آپ کشمالہ کو کھو دو گے۔اب میری بات دھیان سے سنو۔'' نگہ بیگم کی آواز کی تکلیف برقرار تھی لیکن لہجہ ایک دم بدلا۔اس میں کرختگی در آئی۔اور رعب بھی۔

زیاد سلطان یہ لہجہ پہنچانتا تھا۔اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔چہرے پہ ہلکا سا خوف ظاہر ہوا۔ایسا خوف

جس میں تعظیم بھی تھی۔

''جی سرکار۔'' وہ بولا تو آواز دھیمی تھی۔ وہ اپنی ماں کی طاقت سے واقف تھا۔

''آپ استنبول جاؤ گے۔ پہلی دستیاب فلائٹ سے۔ اور وہاں آپ کو کسی کو تلاش کر کے زندہ میرے پاس لانا ہے۔ میں اس کام کے لیے آپ کے علاوہ کسی پہ بھروسہ نہیں کر سکتی۔''

''کس کو؟'' وہ چونکا۔

''ہلال کی نینی کو۔''

''اور یہ کام آپ کا استنبول والا کلائنٹ کیوں نہیں کر سکتا؟'' وہ مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔ بس چونک گیا تھا۔

''اسے پولیس نے گرفتار کر لیا۔''

''اور کیا اس نے ماہر فرید کے نام پہ پراپرٹی کو سرچ کیا تھا؟'' زیاد سلطان کا چہرہ اب سپاٹ ہو چکا تھا۔ چند لمحے پہلے والا شخص اب غائب تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور اپنے ہوم آفس میں آیا۔

''ہاں۔ اس نے تمام ایڈریسز ولایت کو بھیجے ہیں۔ لیکن وہ ان گھروں کو چیک کرنے سے پہلے گرفتار ہو چکا تھا۔''

فون بند کر کے وہ میز تک آیا اور دراز کھولا۔ وہ اس کے فنگر پرنٹ سے کھلتا تھا۔ اندر ایک نارنجی ڈبی رکھی تھی جس میں سفید گولیاں تھیں۔ اس نے چند گولیاں پھانکیں۔ اور ڈبی جیب میں رکھ لی۔ پھر دراز میں ادھر ادھر ہاتھ مارا۔ اس کے پاسپورٹس وہاں نہیں تھے۔

زیاد سلطان نے اچنبھے سے چہرہ اٹھایا۔ اس نے جدہ آنے کے بعد اپنے پاسپورٹ یہیں رکھے تھے۔ پھر وہ کہاں گئے؟

ایک خدشہ سا سر اٹھانے لگا۔ وہ تیزی سے اپنے بیڈروم کی طرف آیا۔ کمرہ نفاست سے بنا تھا۔ وہ جانے سے پہلے سب جوڑ کے گئی تھی۔ دھڑکتے دل سے اس نے الماری میں بنا لاکر کھولا جس میں وہ عام چیزیں رکھتا تھا۔ پیسے۔ کاغذات۔ یہاں باقی چیزیں مالا کی ہوتی تھیں۔

اس کے پاسپورٹس وہاں رکھے تھے۔ بالکل سامنے۔

زیاد سلطان کے چہرے کا رنگ بگڑنے لگا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے انہیں اٹھایا۔ پھر اطراف میں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ لیکن وہ وہیں تھے۔ یہ انہوں نے ہی کیا تھا۔

''سرکار۔''اس کے لب کپکپائے۔

اس نے کیسے سوچ لیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کو ان سے علیحدہ کر سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مودا کے ساحل پہ دیوہیکل پتھروں کی قطاریں سجی تھیں۔ یہ ایسا ساحل نہ تھا جس پر پانی اور ریت ایک دوسرے میں مل جاتے ہیں۔ بلکہ پتھروں سے آگے سیدھا کئی فٹ گہرا پانی شروع ہو جاتا تھا۔ یہ مرمرا کا سمندر تھا۔

ساحل سے پیچھے دیکھو تو ایک بڑا سا سرسبز پارک تھا۔ پارک اور ساحل کے پتھروں کے درمیان ایک سڑک تھی جو جاگنگ کرنے والوں کا ٹریک تھی۔ البتہ اندھیرا ہونے کے بعد یہاں بہت کم لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ گھاس پہ بنے بنچ بھی خالی تھی۔ دور مودا کی عمارتوں کی اسکائی لائن دکھائی دے رہی تھی۔

ایسے میں ایک بڑے پتھر پہ بیربل بیٹھا تھا۔ ایک گھٹنا آسمان کی طرف کھڑا کیے' ایک ٹانگ سیدھی کیے۔ وہ سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ہاتھ میں پکڑی بریڈ کے ٹکڑے توڑ توڑ کے دور اچھال رہا تھا۔ چند بگلے اڑتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے۔

دفعتاً قدموں کی آواز آئی تو وہ غیر آرام دہ ہوا۔ ماتھے پہ تیوریاں چڑھائے پلٹ کے دیکھا۔ آنے والے کا چہرہ دیکھ کے گنگ رہ گیا۔

''تم یہاں کیسے؟'' شاک کے بعد چہرے پہ ناراضی در آئی۔ غصے سے بریڈ پانی کی طرف اچھال دی۔

''تم موبائل بیکری میں چھوڑ کے چلے گئے تھے۔ تمہاری کار کو ٹریس کرنا پڑا۔ ٹیکسی لیتے تو میں اتنی جلدی تمہیں نہ ڈھونڈ سکتا۔'' ماہر ہاتھ میں جوتے اٹھائے' پتھروں پہ احتیاط سے ننگے پیر چلتا اس کے قریب آ رہا تھا۔ سفید شرٹ کے آستین پیچھے مڑے تھے اور ٹائی ڈھیلی تھی۔

''مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' بیربل اکتاہٹ سے سیاہ پانی کے پار روشن عمارتوں کی اسکائی لائن دیکھ رہا تھا۔ وہ رات کے اندھیرے میں دمک رہی تھیں۔

''چھوڑ دوں گا۔ تھوڑی دیر تمہارے ساتھ بیٹھنے آیا ہوں۔''

وہ اس کے قریب ایک بڑے پتھر پہ بیٹھا۔

چند لمحے خاموشی سے کٹے۔صرف بہتی لہروں کا شور سنائی دیتا رہا۔

''اس نے تمہیں چھوڑا یا تم نے اسے؟''تھوڑی دیر بعد اس نے آغاز کیا۔بیربل نے کراہ کے آنکھیں میچیں۔لیکن جواب دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

''اس نے چھوڑا۔اسے کوئی بہتر مل گیا تھا۔''

''ہر دفعہ کی طرح۔''ماہر نے جیسے سمجھ کے سر ہلایا۔

بیربل نے چہرہ موڑ کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ دوسری لڑکیوں کی طرح نہیں تھی۔''

''تمہاری کریڈٹ کارڈ ہسٹری کچھ اور کہہ رہی ہے۔''

''وہ سب شاپنگ میں نے اسے خود کروائی تھی یار۔اس نے کچھ نہیں مانگا تھا۔''وہ جیسے چڑ گیا۔

''اور کیا اس نے وہ چیزیں واپس کیں؟''

وہ ایک لمحے کے لیے لاجواب رہ گیا۔پھر ایک کنکر اٹھایا اور زور سے پانی کی طرف اچھالا۔

''سب لڑکیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔جھوٹی اور دھوکے باز۔''کنکر نے سیاہ پانی میں غوطہ کھایا اور ایک دائرہ بناتا گیا۔

''سب لڑکیاں جو تمہیں ملتی ہیں وہ ایک جیسی ہوتی ہیں۔''بہت سکون سے تصحیح کی۔

''یعنی میری قسمت خراب ہے؟ مجھے کبھی محبت نہیں ملے گی۔''

ماہر دھیرے سے ہنسا۔پھر نفی میں سر ہلایا۔

''میرا جواب تمہیں پسند نہیں آئے گا۔''ہلکے سے کندھے اچکائے۔وہ بھی پانی کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے تم بھی پسند نہیں ہو۔اس لیے کھل کے کہو۔''

''او کے۔تم اس سے پہلی دفعہ کہاں ملے تھے؟''

بیربل کچھ کہنے لگا لیکن اس سے پہلے وہ بول اٹھا۔

''مجھے گیس کرنے دو۔کسی ایلیٹ پارٹی میں۔کسی فینسی ریستوران میں۔ڈاؤن ٹاؤن کی کسی مہنگی کافی شاپ میں۔''

''کافی شاپ میں۔''اس کی آواز دھیمی ہوئی۔''ہم دونوں ایک ساتھ قطار میں لگے تھے۔میں نے بات کا آغاز

کیا۔اور یوں ہماری دوستی ہوگئی۔"

"اس نے ساری قطار میں سے تم سے کیوں بات کی؟"

"کیونکہ تمہارے برعکس اسے میری شخصیت میں کچھ اچھا لگا ہوگا؟" دانت کچکچا کے بولا۔

"کافی شاپ کی قطار میں کھڑے ہو کے ایک سولیرا کی کافی خریدنے والے کی شخصیت نہیں' امارت ٹٹولی جا سکتی ہے۔تم نے ہر وہ شے پہن رکھی ہوگی جس کا برانڈ دیکھنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے۔فون' جوتے' کپڑے' واچ۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"اگر تم ایک فینسی جگہ پہ خود کو برانڈز میں لپیٹ کے جاؤ گے تو ایسے ہی لوگ تمہارے قریب آئیں گے جو ان چیزوں سے متاثر ہوتے ہیں۔کبھی کسی تنگ تاریک بازار میں سادہ کپڑوں میں جاؤ۔کسی لائبریری میں بیٹھ کے کتاب پڑھو۔پبلک بس میں بیٹھو۔تب تم ان لوگوں کو اپنی طرف کھینچو گے جو خالص ہوتے ہیں۔جنہیں امیر دکھائی دینے کا شوق نہیں ہوتا۔"

"یعنی ہر چیز میں میرا قصور ہے۔" اس نے پھر سے ایک کنکر پانی میں اچھالا۔وہ کہیں پتھروں میں ہی الجھ کے گر پڑا۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

"ٹھیک ہے۔وہ لالچی تھی۔لیکن میں اس کا لالچ کیوں نہیں پرکھ سکا؟"

"کیونکہ تم اور مالا ایک جیسے ہو۔"

اس کی نگاہیں پانی پہ جمی تھیں۔

"مالا؟" وہ چونکا۔"اس کا کیا ذکر؟"

"آج میں اس سے ملا تھا۔"

"اوہ رومیو... میں یہ داستان ابھی نہیں سننا چاہتا۔" وہ شدید اکتا گیا۔

"وہ خوش نہیں تھی۔وہ اداس تھی۔اور پریشان بھی۔مجھے معلوم تھا وہ اسے ہرٹ کرے گا۔" وہ سیاہ پانی پہ چمکتے عمارتوں کے عکس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ناٹ انٹرسٹڈ۔" بیر بل نے اعلان لاتعلقی کیا۔

"مجھے کسی نے کہا تھا کہ اس نے مجھے اس لیے نہیں چنا کیونکہ میں کبھی اس کے لیے ایک آپشن نہیں تھا۔"

''درست۔تم بزدل تھے۔''

''اور یہ بھی کہ اس نے زیادکو اس لیے چنا کیونکہ وہ اس کے لیے ایک بہترین آپشن تھا۔غلط۔اس نے زیادکو اس لیے چنا کیونکہ وہ اس کے پاس پہلا دستیاب آپشن تھا۔تم اور مالا ایک جیسے ہو۔''

''کیسے؟'' بیربل چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

(ایک ہوٹل کے باہر دو پولیس اہلکار کھڑے تھے۔ایک اس آدمی کو ٹھکڑی لگا رہا تھا اور دوسرا اسے اس کے حقوق پڑھ کے سنا رہا تھا۔چنگیز خاموشی سے کھڑا یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔)

''جب انسان شدید بھوکا ہو' در گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہو' تو وہ پہلی دستیاب شے کھالیتا ہے۔چاہے وہ جنک فوڈ ہو یا غیر صحت مندانہ غذا۔''

(وہ ہوٹل کے کمرے میں تنہا بیٹھی تھی۔بیڈ خالی تھا اور وہ اداسی سے واٹس ایپ چیٹ دیکھ رہی تھی۔زیاد نے اسے ابھی تک کوئی میسج نہیں کیا تھا۔)

''لیکن اگر تمہارے گھر میں پہلے سے خالص اور اچھی خوراک رکھی ہو تو تم اس جنک فوڈ کو قبول نہیں کرو گے۔تم صرف بہترین خوراک کو قبول کرو گے بطور ایک بونس کے۔کیونکہ تمہیں بھوکا مرنے کا خوف نہیں ہوگا۔''

(زیاد سلطان تیزی سے کپڑے ایک چھوٹے سے ہینڈ کیری میں ڈال رہا تھا۔ساتھ ہی ائیر فونز کانوں میں لگائے وہ مسلسل کسی سے بات کر رہا تھا۔)

''جیسے بھوکا انسان ہر قسم کا کھانا قبول کر لیتا ہے' اسی طرح ہم ہر وہ محبت قبول کر لیتے ہیں جس کا ہم خود کو اہل سمجھتے ہیں۔''

(مالا صوفے پہ بیٹھی آئی پیڈ پہ بے توجہی سے انگلی پھیر رہی تھی۔دفعتاً وہ بیربل کی فیڈ پہ ٹھہری۔نہ جانے وہ ملا یا نہیں۔اسے فکر ہوئی۔پھر اس کی پروفائل کو کلک کیا۔اس کی ویڈیوز کھلتی چلی گئیں۔)

''جس کے اندر اکیلے رہ جانے کا خوف ہوتا ہے' محبت نہ حاصل کرنے کی پریشانی ہوتی ہے' وہ ہر دستیاب محبت قبول کر لیتا ہے۔اس کے تمام ریڈ فلیگز نظر انداز کر کے۔کیونکہ اس کو ڈر ہوتا ہے کہ اس کے بعد اسے محبت نہیں ملے گی۔وہ بھوکا رہ جائے گا۔''

(اس کی انگلی اس پرانی ویڈیو پہ ٹھہر گئی۔ہلال کچن کاؤنٹر ٹاپ پہ بیٹھی تھی۔اس کے ہاتھ میوزک باکس کی کنجی گھما رہے تھے۔آواز اونچی تھی۔یک دم سارے میں ایک دھن بجنے لگی۔

وہی مانوس دھن۔

کشمالہ مبین ایک جھٹکے سے سیدھی ہو کے بیٹھی۔اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔)

"لیکن جو خود میں سیر ہوتا ہے' اسے اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے۔پھر اسے یہ خوف نہیں ہوتا کہ اس کو اس کے معیار کے مطابق کوئی نہیں ملے گا' یا وہ تنہا رہ جائے گا۔اس کے اعصاب مضبوط ہوتے ہیں۔وہ پہلے ریڈ فلیگ پہ ہی راستہ بدل لیتا ہے۔"

(زیادا ئیر پورٹ امیگریشن کاؤنٹر پہ کھڑا تھا۔آفیسر اس کے پاسپورٹ پہ اسٹیمپ لگا رہا تھا۔پھر اس نے سر کو خم دیتے ہوئے پاسپورٹ واپس کیا۔زیادا سے جیب میں ڈالتا آگے بڑھ گیا۔اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔)

"کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ جنک فوڈ... یہ جنک انسان مجھے ہرٹ کرے گا اور میں خود کو اذیت سے نہیں گزاروں گا۔میں اسی لیے اس کو چھوڑ کے لاہور سے چلا آیا تھا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں بہت سے ٹراما سے گزرا ہوں۔میں کسی کے ساتھ رشتہ قائم نہیں کر سکتا۔اس لیے بہتر ہے کہ راستہ بدل لوں۔ مجھے یہ ان سیکیورٹی نہیں تھی کہ مجھے کبھی کوئی نہیں ملے گا۔میں ماہر فرید ہوں۔میں نے خود کو خود اس پاگل خانے سے نکالا تھا' بیر بل۔میری اپنی نظر میں میری ذات بہت قیمتی ہے۔اسی لیے راستہ بدلنا میرے لیے آسان تھا۔"

(وہ بار بار اسی ویڈیو کو ری پلے کر رہی تھی۔اس کی رنگت خوف سے سفید پڑ رہی تھی۔)

"تم اور کشمالہ ایک جیسے ہو۔تم دونوں کو باپ کی محبت نہیں ملی۔اس کا باپ کم عمری میں مر گیا۔اور تمہارے باپ نے تمہارے لیے جو پیمانہ سیٹ کیا تھا' تم اس پہ پورے نہیں اتر سکے۔اس لیے تم دونوں کو جہاں سے جتنی بھی محبت ملے گی' تم اس کو قبول کر لو گے کیونکہ تم لوگ خود کو اتنی سی محبت کا ہی اہل سمجھتے ہو۔تمہیں قطار میں کھڑی لڑکی سے توجہ ملے گی تو تم لے لو گے۔اس کو اپنے کزن کا رشتہ ملا۔اس نے لے لیا۔کیونکہ اس کو اکیلے رہ جانے کا خوف تھا۔تمہیں بھی ہے۔"

(یہ ایک تاریک سا ہوٹل روم تھا جس میں زیادبیٹھا تھا۔اس کے سامنے چند کاغذ بکھرے تھے۔وہ ٹیبلیٹ پہ کچھ دیکھتا پنسل سے کانٹے لگا رہا تھا۔پھر بالآخر ایک نقطے کے گرد اس نے دائرہ کھینچا۔لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

"ماہر فرید کے بھائی بیر بل فرید کے نام پر ایک کاٹیج ہے جو استنبول کی ایک مصنوعی جھیل کے ساتھ واقع ہے۔وہ یہیں ملے گی۔")

"اور محبت ایسے لوگوں کو نہیں ملا کرتی جن کو اکیلے رہ جانے کا خوف ہوتا ہے۔ایسے لوگوں کو صرف ٹاکسک پارٹنر

ملتے ہیں۔ کیونکہ ان کی یہ بے تابی ان کے پاس ایسے ہی لوگ کھینچ کے لاتی ہے جو انہی کی طرح بے تاب ہوتے ہیں۔ ان سیکیور۔ کسی مقصد کو چھپائے ہوئے۔ پھر چاہے وہ سحر عشق کریں یا دولت کے لالچی ہوں۔"

(وہ اب بیربل کی پرانی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ ایک ایک تصویر۔ ایک ایک ویڈیو۔ ہلال کا میوزک باکس کہیں نہیں تھا۔)

"پھر اعلیٰ معیار کا شخص کیسے ملتا ہے؟"

"اس کے لیے ہر دستک پہ دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ بلکہ اپنا معیار بلند کیا جاتا ہے۔ جو محبت کے پیچھے بھاگتے ہیں' محبت ان سے دور بھاگتی ہے۔ یہ صرف ان کے نصیب میں آتی ہے' جو ٹھہر جاتے ہیں۔ خود پہ محنت کرتے ہیں۔ اپنی ذات کو قابل محبت بناتے ہیں۔ جس کے دل میں اتنا سا بھی (انگلی اور انگوٹھے کو قریب کر کے دکھایا) ڈر ہوتا ہے کہ وہ تنہا رہ جائے گا' تو وہ تنہا ہی رہ جاتا ہے۔"

بیربل نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ اسے ماہر کی کوئی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"اب اٹھو۔ اور گھر چلو۔ تم نے معید کی شادی کا کیک بنانا ہے۔"

"اس سے کہو کسی دوسری بیکری سے کیک بنوا لے۔"

"اگر تم کام پہ واپس نہ گئے تو میں کیف میں سب کو بتا دوں گا کہ تمہارا دل کیسے ٹوٹا ہے۔ اور اگلی دفعہ جب تم میرے آفس میں داخل ہو گے تو ہر طرف سے "کافی کی قطار والی لڑکی" کی آوازیں تم پر کسی جائیں گی اور..."

"تمام تمام..." وہ کپڑے جھاڑتا تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"دوسروں کے لیے ماہر بے کو سب پتہ ہے محبت کے بارے میں۔ لیکن خود پھر بھی اکیلا ہے۔" بڑبڑاتے ہوئے وہ اس کے پیچھے پتھروں سے اتر رہا تھا۔

اسی پل اس کا فون بجنے لگا۔ ماہر نے قدرے اکتاہٹ سے جیب سے موبائل نکالا۔ پھر نام دیکھ کے ٹھہر گیا۔ ساری دنیا ایک لمحے کے لیے رک گئی۔

"مالا؟" اس نے بے یقینی سے فون کان سے لگایا۔ بیربل بھی ٹھہر گیا۔

"میں بیربل کو کال کر رہی تھی۔ لیکن اس کا نمبر آف ہے۔" وہ بے چینی سے بولی۔ اس کا جیسے سانس پھولا ہوا تھا۔

وہ کچھ کہنے لگا لیکن...

''تم نے کہا تھا کہ اگر میں ہلال کی مدد کرسکوں تو انکار نہ کروں۔''وہ تیز سانسوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔''لیکن میں نے ہلال کے میموریل ڈنر کے بارے میں پڑھا ہے۔کیا تم واقعی سمجھتے ہو کہ وہ مر چکی ہے؟''

اس نے ماتھے کو چھوا۔سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔

''وہ...''

''اس کا میوزک باکس کہاں ہے؟''

مودا کے ساحل پہ کھڑا ماہر فرید وہیں ٹھہر گیا۔لہروں کا شور لمحے بھر کو تھم گیا۔

''وہ اس کے پاس تھا۔اس کے ساتھ ہی کھو گیا تھا۔''

''یعنی وہ اب بھی اس کے پاس ہے؟''چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

''کیف...'' وہ بولی تو اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی۔''وہ لاہور میں ہے۔یا اس کے بالکل قریب کسی شہر میں۔وہ کسی مسجد کے پاس رہتی ہے۔اتنا پاس کہ ہر صبح فجر کی اذان پہ وہ جاگ جاتی ہے۔اور اپنا میوزک باکس بجاتی ہے۔وہ کسی کو بلا رہی ہے۔''

اس کی آواز میں کچھ نہ تھا۔گئے زمانوں کے گلے شکوے۔طنز۔سب غائب تھا۔وہ پریشان تھی۔وہ فکرمند تھی۔

''تم... کیسے جانتی ہو یہ سب؟''وہ متعجب تھا۔

''پتہ نہیں۔''اس نے کال کاٹ دی۔ماہر نے تیزی سے فون نیچے کیا اور کال بیک کا بٹن دبایا۔اور تب ہی اس کی نظر نئے میسج پہ پڑی۔

''اوہ نو چنگیز... یہ تم نے کیا کیا؟''وہ تیزی سے پارکنگ لاٹ کی طرف بھاگا۔بیربل نے افسوس سے اسے دیکھ کے سر جھٹکا۔

اسے تنہا ہی واپس جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تمہیں اس کو جمعرات کو گرفتار کرنا تھا۔آج بدھ ہے۔''

وہ ایک نیم اندھیر کمرہ تھا جس کی ایک دیوار آدھی شیشے کی بنی تھی۔اس کے پار ایک دوسرے روشن کمرے کا منظر

نظر آ رہا تھا۔ وہاں ایک میز رکھی تھی اور دو کرسیاں۔ سامنے ایک آدمی بیٹھا تھا جس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی تھی۔ اس کی فرنچ کٹ تھی اور وہ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے سر پہ ایک بلب جھول رہا تھا جس کی روشنی سارے کمرے کو روشن کیے ہوئے تھی۔

وہ دونوں نیم اندھیر کمرے میں کھڑے اسے کھڑکی سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن وہ انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''اس نے دوبارہ سے اپنی گرل فرینڈ کے کریڈنشلز استعمال کر کے تمہارے بارے میں معلومات نکلوائی ہیں۔ اس لیے مجھے اسے فوری گرفتار کرنا تھا۔''

''تم ایک دن مزید انتظار نہیں کر سکتے تھے؟'' وہ برہم ہوا۔

''تاکہ تم انقرہ سے واپس آ جاؤ؟'' چنگیز نے غور سے اسے دیکھا۔ ''لیکن تم تو انقرہ گئے ہی نہیں۔ پھر تم نے جمعرات کا ذکر کیوں کیا؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔ ماتھے پہ بل لیے ناخوشی سے سامنے دیکھنے لگا۔ فرنچ کٹ والے آدمی کے لیے شیشے کی کھڑکی آئینہ تھی۔ وہ اس میں اپنا عکس دیکھتا بال درست کر رہا تھا۔

''میں نے اس کی کار کا وارنٹ نکلوا کے اسے فارنزک میں بھیج دیا ہے۔ تمہارے ایکسیڈنٹ کے دن وہ اپنے گھر میں سو رہا تھا۔ کسی نے اسے نہیں دیکھا۔ یہ ایک کمزور alibi ہے۔ وہ تمہارا حملہ آور ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ اعتراف جرم نہیں کر رہا۔ اگر تم اس سے بات کرنا چاہو تو کر سکتے ہو۔''

ماہر نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ منہ میں کچھ بڑبڑایا۔

''میں اسے ۲۴ گھنٹے سے زیادہ اپنی تحویل میں نہیں رکھ سکتا۔ یا مجھے اس کو چارج کرنا پڑے گا یا چھوڑنا پڑے گا۔''

''اگر تم اس کو کل گرفتار کرتے تو...''

''تو میں اس کو سوموار تک تحویل میں رکھ سکتا تھا۔ کیونکہ اس جمعے کو عدالتوں کی چھٹی ہے۔'' اس نے تیزی سے بات مکمل کی۔ ''یہ تین دن کا طویل ترین ویک اینڈ تھا۔ ہے نا؟'' اس کی آواز غصے بھرے طنز سے بلند ہوئی۔

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ ابرو بھینچے شیشے کے پار بیٹھے شخص کو گھورے گیا۔ اس کی گردن میں پہنا سیاہ تعویذ واضح تھا۔

''تم انقرہ نہیں جا رہے تھے۔ تم صرف تین دن تک اس آدمی کو حراست میں رکھوانا چاہتے تھے۔ میں تمہارا دوست تھا، ماہر۔ لیکن تم نے مجھے بھی استعمال کیا۔''

''تمہیں اس کو گرفتار کر کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔'' ماہر فرید کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ وہ کیا سوچ رہا تھا' چنگیز نہیں پڑھ سکتا تھا۔

''لیکن میں نے وہی کیا جو اسٹینڈرڈ پروسیجر ہے۔ قانون ہے۔ میں اپنی جاب کر رہا ہوں' ماہر بے۔''

''تمہارے پاس اس کے خلاف کچھ نہیں ہے۔ اس لیے تمہیں اس کو صبح سے پہلے چھوڑنا پڑے گا۔'' وہ ابھی تک کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر تم اس سے صبح تک اعتراف کروالو تو میں اس کو چارج کر کے جیل بھیج دوں گا۔''

''اعتراف کی کیا ضرورت ہے؟ میری گواہی ہے نا۔'' اس نے سکون سے چہرہ چنگیز کی طرف موڑا۔ ''میں اس کو پہچان گیا ہوں۔ یہ وہی آدمی ہے جس نے ایس یو وی سے مجھے ٹکر ماری تھی۔''

چنگیز نے اسے ایسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

''لیکن تم نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ تم نے حملہ آور کو نہیں دیکھا۔''

''اس وقت میں ٹوٹی ٹانگ کے ساتھ ہسپتال میں تھا۔ نشہ آور ادویات کے زیر اثر تھا۔ یادداشت کام نہیں کر رہی تھی۔ لیکن اب...'' اس نے کنپٹی کو دو انگلیوں سے چھوا۔ ''سب واپس آ گیا ہے۔'' وہ مسکرا کے اس کی طرف گھوما اور انگلی سے شیشے کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ یہی آدمی تھا۔ شکریہ میرے دوست۔'' اس کا کندھا تھپکا۔

چنگیز نے تیزی سے کندھا پیچھے کیا اور غصے سے اسے دیکھا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہیں اپنا حملہ آور یاد نہیں تھا۔''

''میرا بیان لکھو۔ اسٹینڈرڈ پروسیجر' کو مسار بے۔'' اس نے ٹائی کی ڈھیلی ناٹ کو اوپر کسا۔

''ماہر۔ یہ کوئی گیم نہیں ہے۔ تمہیں عدالت میں پیش ہو کے گواہی دینی ہوگی۔ اگر تم نے جھوٹی گواہی دی تو تم جیل چلے جاؤ گے۔'' وہ اب جیسے پریشان ہوا۔

''میرا بیان لکھواؤ' کو مسار بے۔'' وہ زور دے کر بولا۔

''تم قانون کو مذاق سمجھتے ہو؟''

''نہیں۔ میں قانون کو بہت سیریسلی لیتا ہوں۔ اسی لیے میں ہر تین ماہ بعد پولیس ڈنرز میں شرکت کرتا ہوں۔''

''اور ان ڈنرز میں دی گئی تمہاری ساری ڈونیشن کے باوجود اگر تمہاری گواہی جھوٹی ہوئی تو میں تمہیں جیل بھیج دوں گا۔'' اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہ کی۔ ماہر دھیرے سے مسکرایا۔ اس کا کندھا تھپکا اور آگے بڑھ کے دروازہ

کھولا۔پھر چنگیز کو ''پہلے آپ'' کا اشارہ کیا۔وہ اسے گھورتا ہوا باہر آیا۔

''کتنی دیر لگے گی بیان ریکارڈ کروانے میں؟'' وہ گھڑی دیکھتا اس کے پیچھے باہر آیا تھا۔اس کا انداز بالکل پرسکون تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مصنوعی جھیل اس رات ویران پڑی تھی۔دور دور تک جنگل نما علاقہ بنا تھا۔اونچے درخت۔اور فاصلے فاصلے پہ بنے کاٹیج۔

ایسے ہی ایک کاٹیج کی ایک کھڑکی روشن تھی۔

زیاد سلطان درختوں کی اوٹ میں کھڑا اس کاٹیج کو دیکھ رہا تھا۔وہ پچھلے ایک گھنٹے سے یہاں کھڑا تھا۔کوئی آمد و رفت نہیں ہوئی تھی۔بالآخر وہ آگے بڑھا۔کچن کے عقبی دروازے کی طرف آیا۔اس نے سر پہ پی کیپ اور چہرے پہ سرجیکل ماسک پہن رکھا تھا۔دو پنز لاک میں گھسائیں۔چند لمحے بعد لاک کھل گیا۔ناب گھمایا تو دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ چوکھٹ سے علیحدہ ہوا۔

وہ احتیاط سے اندر داخل ہوا۔

گھر خالی تھا۔وہاں کوئی نہ تھا۔بیڈروم کی الماری میں کسی عورت کے ٹیلے اور سرمئی رنگ کے کپڑے کھڑے تھے۔لونگ روم میں آتش دان کے ساتھ ونگ چیئر رکھی تھی جس پہ ایک کتاب الٹی رکھی تھی جیسے کوئی اس کو پڑھ رہا ہو۔اور یونہی چھوڑ گیا ہو۔کچن کاؤنٹر پہ سبزیاں رکھی تھیں جو تازہ تھیں۔اس نے ایک ایک کمرے کا دروازہ کھولا۔الماریاں چیک کیں۔گھر صاف ستھرا تھا۔اس کی صفائی روز کی جاتی تھی۔وہ عورت یقیناً اس گھر میں رہ رہی تھی۔لیکن فی الحال وہاں موجود نہیں تھی۔

اس نے بتیاں بجھا دیں اور کچن کاؤنٹر کی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ایک بریٹا پستول انگلیوں میں گھماتا' اب وہ خاموشی سے گھڑی کی ٹک ٹک سن رہا تھا۔

رات سفر کرتی رہی۔سیاہی میں سے سیاہی نکلتی رہی۔یہاں تک کہ تیسرا پہر آن پہنچا۔دفعتاً دروازے کے باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔زیاد تیزی سے سیدھا ہوا۔بریٹا ہاتھ میں لیے وہ دروازے کی اوٹ میں ہو گیا۔

دروازہ کھلا اور نووارد کے قدم اندر داخل ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کئی برس پہلے...ایک دفعہ کا ذکر ہے...

کاٹیج کے باہر برف کے گالے گر رہے تھے۔اور اس کے ساتھ ونگ چیئر پہ بیٹھی ہلال اپنی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میری نینی کون ہے؟''اس کا سوال غیر متوقع تھا۔ماہر نے کتاب کا صفحہ موڑا اور گہری سانس لی۔

''وہ جھیل کے کنارے ایک چھوٹے سے گھر میں مقیم ہے۔اس شہر میں جہاں میں رہتا ہوں۔وہ تمہارے سب کاموں کی ذمہ دار ہو گی...''

''مگر وہ کہاں ہے؟''

''وہ تمہارا خیال رکھے گی۔تمہیں نیل پینٹ لگائے گی۔''اس کے ناخنوں کی طرف اشارہ کیا جن پہ سرخ نیل پالش لگی تھی۔''اور جب تم بور ہو گی تو تمہیں کہانی سنائے گی۔''آخر میں وہ مسکرایا اور کتاب کی طرف اشارہ کیا۔

ہلال ایک دم ہنس پڑی۔گال کا گڑھا واضح ہوا۔

''پھر کیا ہوا؟''اس نے واپس اس کے کندھے پہ سر رکھ لیا اور ماہر نے کتاب کھول لی۔

کاؤنٹر پہ کھڑی بیر بل نے ناسمجھی سے ان دونوں کو دیکھا۔

''ایک منٹ...ایک منٹ...ہلال کی نینی کون ہے؟''

ہلال کی آنکھیں شرارت سے چمکیں۔

''جس نے مجھے یہ نیل پینٹ لگایا ہے۔''فخر سے ہاتھ اونچا کر کے دکھایا۔جب وہ اسی طرح الجھن سے اسے دیکھتا رہا تو اس نے تھک کے گہری سانس لی۔

''ماہر بھائی!''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا (نمرہ احمد)

حصہ دوم "مکہ"

قسط نمبر:۱۴

"مجھ کچھ کہنا ہے
خوف کے بارے میں
یہ ہے زندگی کا سب سے بڑا حریف۔
صرف خوف شکست دے سکتا ہے زندگی کو۔
یہ ہے شاطر' غدار دشمن۔
کتنے اچھے سے میں اس سے واقف ہوں۔
اس میں نہیں ہے کوئی شائستگی۔
نہ اصولوں کا احترام۔
نہ اقدار کی عزت۔
یہ رحم نہیں دکھاتا۔
سیدھا حملہ کرتا ہے
تمہارے سب سے کمزور حصے پر۔
جس کو یہ با آسانی بھانپ لیتا ہے۔
یہ ہمیشہ شروعات کرتا ہے
تمہارے ذہن سے۔
سو تمہیں بہت جراءت کر کے'

خود سے جنگ لڑ کے
اسے عیاں کرنا ہوگا
اپنے الفاظ کی روشنی سے۔
کیونکہ اگر تم ایسا نہ کر سکو
اور اس کا سامنا نہ کرتے ہوئے
اس سے دور بھاگتے رہو
تو یہ ایک لافانی اندھیرا بن جائے گا'
جس سے تم نظریں چراتے رہو گے۔
شاید تم اسے بھلا بھی دو۔
اور یوں اس خوف کو
خود پر حملہ کرنے کے
مزید راستے تھما دو گے۔
کیونکہ تم نے دراصل
کبھی مقابلہ ہی نہیں کیا تھا
اپنے اس حریف کا
جس نے تمہیں ہرا دیا تھا۔"

(Yann Martel کے ناول "لائف آف پائی" سے اقتباس)

بارش تڑاتڑ برس رہی تھی۔ بھیگی سڑک کے اس طرف ایک گیٹ تھا جس سے نکلتی روش ایک پتھروں کے گھر تک جاتی تھی۔ چوکھٹ تین زینے اوپر تھی اور ان زینوں پہ اس وقت ماہر فرید کھڑا تھا۔ انگلی گھنٹی پہ جمی تھی۔
دفعتاً لکڑی کا دروازہ کھلا۔ سامنے ایک عورت دکھائی دی۔ گرے شال لپیٹے' سنہری چوٹی شانے پہ آگے ڈالے' اس نے تعجب سے پہلے ماہر کو دیکھا' اور پھر اس کے پیچھے پھیلی رات کو۔
"تم؟ اس وقت؟"

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ابھی۔" اس کے بال اور سوٹ' دونوں گیلے تھے۔جیسے وہ بنا چھتری کے کار سے دروازے تک آیا تھا۔ٹائی ندارد تھی اور چہرے پہ اضطراب تھا۔

"تمہیں معلوم ہے آج میری چھٹی ہوتی ہے۔تم بغیر اپائنٹمنٹ کے...." یاسمین کہتے کہتے رکی۔پھر گہری سانس لی اور راستہ چھوڑ دیا۔

"اندر آؤ۔تمہیں ٹھنڈ لگ جائے گی۔"

یاسمین کا اونچی چھت والا آفس نیم اندھیر لیکن گرم تھا۔اس نے اندر داخل ہوتے ہی کارنر لیمپ جلایا تو ہلکی زرد روشنی سارے میں پھیل گئی۔

ماہر سیدھا اپنے کاؤچ کی طرف آیا۔یاسمین نے صوفے کے ہتھے سے کروشیہ کا بنا سفید throw اٹھایا اور اس کی طرف بڑھایا۔ماہر نے بنا کسی تردد کے اسے تھام لیا لیکن خود پہ لپیٹا نہیں۔بس اسے لیے کاؤچ پہ بیٹھ گیا۔وہ جیسے کہیں اور تھا۔

"کافی بناؤں؟"

"نہیں۔"

"بناتی ہوں۔"

یاسمین ڈیسک تک آئی اور کافی مشین کا بٹن دبایا۔کپ نیچے رکھا۔پھر نیلی آنکھیں اٹھا کے اس کو دیکھا۔وہ صوفے پہ بیٹھا' گھٹنوں پہ تھرو (پتلا کمبل) رکھے' سامنے دیکھ رہا تھا۔گیلے بال ماتھے سے چپکے تھے۔

"تم جانتے ہو آج کا دن میری فیملی کے نام ہوتا ہے۔میرے شوہر اور میرے تین بچوں کے نام۔اور تم یوں بنا بتائے میرے پاس نہیں آسکتے۔آج خیر ہے۔آئندہ کے لیے بتا رہی ہوں۔" وہ بنا ناراضی کے یاد دلا رہی تھی۔مشین سے بھوری دھار نکل کے کپ میں گر رہی تھی۔

"مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔" اس نے چہرہ پھیر کے یاسمین کو دیکھا تو آنکھوں میں ویرانی سی تھی۔

"اور؟" وہ جانتی تھی اس کی بات مکمل نہیں ہوئی۔

"اور میں نے کچھ دیکھا ہے جسے میں اَن دیکھا نہیں کر سکتا۔"

وہ دو گرم کپ لیے اس کی طرف آئی۔ایک اس کی جانب بڑھایا جسے اس نے تھینک یو کہتے ہوئے تھام لیا۔پھر اپنا کپ لیے وہ سامنے کرسی پہ بیٹھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

"مالا کے بھائی کی شادی تھی نا کچھ دن پہلے۔ کیا وہ واپس چلی گئی؟" یاسمین اسے بغور دیکھتی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

ماہر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ چلی گئی۔"

"اور؟ کیا ہوا اس دوران؟"

"کہاں سے شروع کروں؟" اس نے بھوری آنکھیں اٹھا کے یاسیت سے اسے دیکھا۔

"جہاں سے شروع کرنا چاہو۔"

کھڑکی پہ بارش کے قطرے آنسو بن کے مسلسل گر رہے تھے۔ رات گہری ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جدہ (صوبہ مکہ)

رامین لفٹ سے نکلی اور سیدھی مطلوبہ اپارٹمنٹ کے دروازے تک آئی۔ عبایا اسکارف لپیٹے' کہنی پہ بیگ اٹھائے' اس نے پرجوش انداز میں بیل پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ تیزی سے کھلا۔

"اندر آؤ۔" مالا نے کہنی سے اسے تھام کے اندر کھینچا اور تیزی سے دروازہ بند کیا۔ وہ قدرے حیران ہوتی اس کی طرف گھومی۔

"السلام علیکم۔ کیا ہوا؟" مالا کو دیکھ کے وہ ٹھہر گئی۔

وہ ٹراؤزرز پہ ٹی شرٹ پہنے' بالوں کا گول مول جوڑا بنائے' بنا میک اپ کے سامنے کھڑی تھی۔ رامین کی نظروں نے اپارٹمنٹ کے لونگ روم کا سفر کیا۔

وہاں ہر طرف پھیلاوا تھا۔ سینٹر ٹیبل کے اوپر لیپ ٹاپ۔ ساتھ بہت سے کاغذ۔ کونے میں سفری بیگ جس کی زپ کھلی تھی۔ جیسے ابھی تک سامان واپس الماریوں میں ڈالنے کی بجائے اسی سے نکالا جاتا رہا تھا۔ کچن کاؤنٹر پہ ٹیک اوے کے باکسز۔

"مالا... آپ ٹھیک ہیں؟" رامین نے آہستہ سے بیگ صوفے پہ رکھا۔ بیگ کے لیے کوئی دوسری جگہ خالی نہیں بچی تھی۔ کاغذ ہر جگہ پہ قبضہ جمائے ہوئے تھے۔

"نہیں۔ میں ٹھیک نہیں ہوں۔" وہ کارپٹ پہ بیٹھ گئی اور پیر آلتی پالتی کر لیے۔ جوڑا ڈھیلا ہو کے کمر پہ جھولنے لگا۔ اس کی آنکھوں تلے سوزش تھی۔ کیا وہ روئی تھی؟ یا سوئی نہ تھی؟

"معید کی شادی کیسی رہی؟ آپ نے کوئی تصویر ہی نہیں بھیجی۔" رامین نے تشویش سے کہتے ہوئے اسکارف اتارا۔ پھر چونک کے اطراف میں دیکھا۔

"زیاد بھائی کہاں ہیں؟"

"یہاں نہیں ہیں۔" وہ صوفے پہ بیٹھی تھی اور مالا سامنے کارپٹ پہ۔ اس سے نیچے۔ سو گردن اٹھائے رامین کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں ایک ساتھ بہت کچھ تھا۔ ہیجان۔ خوف۔

"مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے' رامین۔" اس نے تھوک نگلا۔

"اور؟" اسے لگا اس کا فقرہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔

"اور میں نے کچھ دیکھا ہے جسے میں اَن دیکھا نہیں کر سکتی۔"

رامین کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہے۔

"مالا...." وہ اس کے ساتھ نیچے کارپٹ پہ آ بیٹھی اور اس کے ہاتھ تھامے۔ وہ گرمی کے باوجود ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ اب دونوں برابر تھیں۔ آمنے سامنے۔

"شروع سے بتائیں۔ کیا ہوا ہے؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یاسمین نے کافی کا کپ ایک طرف رکھ دیا تھا اور اب نوٹ پیڈ گھٹنوں پہ رکھے بیٹھی تھی۔ نگاہیں ماہر پہ جمی تھیں اور ناخن عادتاً نوٹ پیڈ کے کنارے کو مسل رہے تھے۔ ماہر کی نظریں اس کے ناخنوں پہ جمی تھیں۔

"کہاں سے شروع کروں؟" وہ جیسے خود سے پوچھ رہا تھا۔

"اس رات سے جب تم اور (نگاہ جھکا کے نوٹ پیڈ سے نام پڑھا) زیاد اس کاٹیج میں ملے تھے۔"

ماہر فرید نے کپ ہونٹوں سے لگایا۔ تلخ گھونٹ اندر انڈیلا۔ پھر کپ نیچے کر کے دیوار گیر کھڑکی کو دیکھا جس پہ بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔

"اس رات کیا ہوا تھا' ماہر؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش سے بھیگتی استنبول کی رات دیکھتے ہی دیکھتے خشک ہوتی گئی۔ وقت پیچھے جانے لگا۔ چند ڈوبتے سورج اُفق سے واپس ابھرے۔ چند صبحیں رات کی طرف لوٹ گئیں۔ کیلنڈر کے صفحات اُلٹے رخ پلٹتے گئے۔

یہاں تک کہ وقت ہمیں اس مصنوعی جھیل کے قریب بنے کاٹیج تک لے آیا جس کی کھڑکیاں اندھیر رات میں روشن دکھائی دیتی تھیں۔

لونگ روم میں آتش دان کے اندر لگا ہیٹر سلگ رہا تھا۔ ماہر فریدونگ چیئر پہ بیٹھا' پیروں کی قینچی بنا کے اوتومن پہ رکھے ہوئے تھا۔ اور اس کے سامنے زیاد سلطان کھڑا تھا۔ بریتا پہلو میں گرے ہاتھ میں تھا اور سپاٹ آنکھیں ماہر پہ جمی تھیں۔

"بیٹھ جاؤ' زیاد سلطان۔ مجھے اور تمہیں کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

ہیٹر کے سلگنے کی سرگوشی' جانوروں کے بولنے کی آوازیں اور ان دونوں کی ایک دوسرے پہ جمی آنکھوں کی تپش خاموشی میں بھی سنائی دے رہی تھی۔

"بیٹھ جاؤ۔" ماہر نے جیب سے ہاتھ نکالا تو اس میں ایک لائٹر تھا۔ لیور انگوٹھے سے دبایا۔ شعلہ جل اٹھا۔ اس نے بیٹھے بیٹھے بازو لمبا کیا اور سائیڈ ٹیبل پہ رکھی سینٹڈ کینڈل کے جار میں لگے دھاگے کو سلگایا۔ شعلہ جل اٹھا۔

لائٹر سائیڈ پہ رکھتے ہوئے رخ واپس زیاد کی طرف پھیرا تو وہ ہنوز آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھ رہا تھا۔

" کیا تم پہلے چائے پینا چاہتے ہو؟" اس کی آواز میں طنز تھا۔ پھر نظر زیاد کے موجود پستول پہ ڈالی۔ "یا شاید مجھے مارنے کا ارادہ ہے؟"

"میں تمہیں کیوں ماروں گا؟ وہ بھی آن کیمرہ؟" زیاد نے چہرہ اٹھا کے ایک پینٹنگ کی طرف دیکھا۔ پھر واپس ماہر فرید کو جس کی مسکراہٹ دھیمی پڑ گئی تھی۔

"چچ ماہر بے...." اس نے افسوس سے سر ہلایا۔ "تم مجھے ابھی نہیں جانتے۔"

وہ قدم قدم چلتا اس پینٹنگ کے قریب آیا۔ اور گردن اونچی کر کے اسے دیکھنے لگا۔

"اس کاٹیج میں صرف ایک کیمرہ ہے جو اس پینٹنگ میں نصب ہے۔ اس کے علاوہ یہاں کوئی سگنل نہیں ہے۔" پھر پلٹ کے حیرت سے ماہر کو دیکھا۔ "کیا تمہیں واقعی لگا تھا کہ میں یہاں تمہاری خود ساختہ نیبی کے لیے آیا ہوں؟ اونہوں۔ میں یہاں تم سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے پستول جیب میں ڈالا اور اس کی طرف مکمل گھوم گیا۔ اس کا چہرہ کسی روبوٹ کی طرح سپاٹ تھا۔ اور ماہر کے جسم کے تمام اعصاب تن چکے تھے۔

"تم مجھے شاید اس کیمرہ کے ذریعے خوفزدہ کرنا چاہتے تھے۔ یقیناً اس کی لائیو فوٹیج تمہارے وکیل یا بھائی کو جا رہی ہوگی۔ لیکن تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ میں تمہیں مارنے نہیں آیا۔ صرف بات کرنے آیا ہوں۔"

وہ جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا بہت اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ ماہر نے پیر اوتومن سے ہٹا لیے اور کمر سیدھی کر کے بیٹھا۔ کچھ غیر آرام دہ سا احساس ہوا تھا۔ یہ اس کی توقع کے برعکس تھا۔

"تمہاری طرح مجھے بھی امید نہیں تھی کہ تمہیں مجھ سے ملنے کی اتنی جلدی ہوگی۔ میں سمجھا تم پہلے پولیس کو بھیجو گے۔ لیکن اچھا ہوا کہ تم خود آئے۔ اب ہم آرام سے بات کر سکیں گے۔"

وہ فریج کی طرف گیا اور جھک کے دروازہ کھولا۔ ماہر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ اس نے جھک کے سوڈا کے دو کین نکالے اور واپس آیا۔ ایک اس کی طرف بڑھایا۔

"بہت شکریہ۔" اس نے طنز سے کہتے ہوئے کین تھاما اور ساتھ والی میز پہ رکھ دیا۔

"لیکن ہم بات تب کریں گے جب تمہارا کیمرہ آف ہوگا۔" اس نے اپنا کین کھولا اور لبوں سے لگا لیا۔ پھر گھونٹ بھر کے کین نیچے کیا۔ ماہر ابھی تک آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور ہاں... تم اب تک کی بنی فوٹیج (ایک نظر رخ پھیر کے پینٹنگ کو دیکھا) کے ذریعے مجھے بلیک میل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو ہلال کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔"

ماہر فرید تیزی سے کھڑا ہوا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدلی۔ ماتھے کی نسیں ابھر آئیں۔ خود اس کا نام لینا عام بات تھی۔ کسی دوسرے کے منہ سے سننا عام بات نہیں تھی۔

"ہلال کے بارے میں...." اس نے پہلو میں گرے ہاتھ کی مٹھی بھینچ لی۔ بہت سے الفاظ زبان تک روک لیے۔

"ٹھیک ہے۔ تم کیمرہ سے ڈرتے ہو لیکن میں تم سے نہیں ڈرتا۔" سپاٹ انداز میں دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"باہر چلو۔ کھل کے بات کرتے ہیں۔"

زیاد نے ایک اور گھونٹ بھرا اور کندھے اچکا کے آگے بڑھ گیا۔ اس کے انداز میں ایک نڈر پن تھا جس سے وہ پہلی دفعہ روشناس ہو رہا تھا۔

"تم نے یہ کاٹیج دو ماہ پہلے خریدا تھا۔ یہ وہ کاٹیج نہیں ہے جس میں تم ہلال کے ساتھ آتے تھے۔ وہ کاٹیج اسکاٹ لینڈ میں تھا۔ لیکن تم نے اس سے ملتا جلتا کاٹیج یہاں ترتیب دیا۔" وہ دونوں اندھیرے میں جھیل کی طرف چلتے جا

رہے تھے اور زیادہ سلطان محظوظ انداز میں کہہ رہا تھا۔

"جنات دھوکہ کھا سکتے ہیں' ماہر بے۔لیکن میں نہیں۔ میں جانتا تھا ہلال کی کوئی بہنی نہیں ہے۔اور یہ بھی کہ تم ہم میں سے کسی ایک فرد سے ملنا چاہتے ہو۔اسی لیے میں آیا ہوں۔کیونکہ...." وہ جھیل کے کنارے رکا اور ماہر کی طرف مڑا۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

" کیونکہ تمہیں اور مجھے بہت سی باتیں کرنی ہیں' ماہر فرید۔"

اس کی یہ مسکراہٹ ماہر فرید نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔نہ اصل میں۔نہ تصاویر میں۔

"میں درست تھا۔تم مجھے بہت اچھے سے جانتے ہو۔"

" آف کورس میں تمہیں جانتا ہوں۔" وہ دونوں جھیل کنارے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"تم سے میرا پہلا تعارف سبرینہ کی وجہ سے ہوا تھا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چار سال قبل

(ماہر فرید کے کشمالہ مبین کے ڈرائیور بننے سے تین برس قبل)

قاسم فرید کے آفس میں نیم تاریکی تھی۔ماہر اضطراب کے عالم میں دائیں بائیں ٹہل رہا تھا۔بار بار دروازے کو دیکھتا۔پھر گھڑی کو۔دفعتاً دروازہ کھٹکا۔وہ چونک کے پلٹا۔چہرے پہ خوف ابھرا۔پھر چوکھٹ میں موجود سبرینہ کو دیکھ کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ایک منٹ... ایک منٹ"... یاسمین نے ہاتھ اٹھا کے روکا۔"ہم چار سال پیچھے کیوں جا رہے ہیں؟"

کھڑکیوں پہ بارش آنسوؤں کی صورت ہنوز گر رہی تھی۔ماہر سر جھکائے' ٹھنڈی ہوتی کافی کا کپ پکڑے بیٹھا تھا۔سوال پہ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"اس نے سبرینہ کا ذکر کیا۔اس سے مجھے اس کا خیال آیا۔پتہ نہیں۔" وہ الجھا ہوا لگ رہا تھا۔

"تمام.....تمام..." یاسمین کی آواز نرم ہو گئی۔"تم جس ترتیب سے بتانا چاہو' میں سن رہی ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چوکھٹ میں موجود سبرینہ کو دیکھ کے اس کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔

اس نے سر کے خم سے اشارہ کیا۔ وہ قدم قدم چلتی سامنے آ کھڑی ہوئی۔ سیاہ بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے' بڑی بڑی آنکھوں والی سبرینہ کے چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

"دونوں کام ہو گئے ہیں' سر۔ سیاہ گھوڑے کو میں نے خود پانی میں پھینک دیا ہے اور۔۔۔"

"پانی میں کیوں؟" اس کی رنگت ابھی تک فق تھی۔

"شیطان آگ سے بنا ہے۔ اور شیطانی چیزوں میں آگ کی گرمائش ہوتی ہے۔ ان کو ٹھنڈا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور دوسری چیز... ہلال اب آپ کے آفس نہیں آئے گی۔ میں نے اسے گھر ڈراپ کر دیا ہے۔"

ماہر نے سر اثبات میں ہلایا۔ "میں نہیں چاہتا اسے میری وجہ سے کچھ ہو۔"

سبرینہ نے سوچتی نظروں سے بک شیلف کی طرف دیکھا۔ وہ خانہ اب خالی تھا۔

"یہ گھوڑا کس نے دیا تھا آپ کو؟"

"شمس نے۔" اس نے آنکھیں بند کر کے کنپٹی کو سہلایا۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

"ہمیں شمس سے احتیاط کرنا ہوگی۔"

"ایک گھوڑا میرا کیا بگاڑ سکتا ہے' سبرینہ۔" وہ تیزی سے میز کے پیچھے آیا اور اپنی چیزوں میں نہ جانے کیا تلاش کرنے لگا۔ "شمس بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں ماہر فرید ہوں۔" لہجہ بظاہر مضبوط بنا کے کہنا چاہا۔

"ماہر..." وہ نرمی سے کہتی دو قدم مزید آگے آئی یہاں تک کہ میز کے کنارے کو اس کی انگلیاں ٹکرانے لگیں۔

"اس دنیا میں بہت سی مخلوقات ایک ساتھ رہ رہی ہیں۔ جیسے چیونٹیاں۔ وہ اس دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ ہیں۔ لیکن میں اور آپ ان کی پرواہ نہیں کرتے تب تک....." رک کے وقفہ دیا۔ وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگا۔

"جب تک کوئی چیونٹی آپ کے پیر پہ کاٹ نہ لے۔"

اسے دیکھتے ہوئے ماہر نے بہت سا تھوک نگلا۔ وہ جانتا تھا وہ کیا کہنے جا رہی ہے۔

"ہم دوسری مخلوق کی موجودگی پہ اس وقت چونکتے ہیں جب وہ ہماری زندگی کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ ایسے ہی ایک مخلوق ہے جو ہمیں دکھائی نہیں دیتی۔ ان کو جنات کہتے ہیں۔"

بہت سا خوف رینگ کے جیسے آفس میں داخل ہوا اور ماہر فرید کے کندھوں پہ بوجھ کی طرح وارد ہونے لگا۔

"جنات وغیرہ کچھ نہیں ہوتے۔ سب ذہنی بیماریاں ہوتی ہیں۔ یہ ہلال والا... محض ایک اتفاق تھا۔" اس نے

نگاہیں چراتے ہوئے فولڈ ہوئی لیپ ٹاپ اسکرین اونچی کی۔ پیشانی پہ بکھرے بال پسینے سے گیلے ہو رہے تھے۔

"اگر ہلال بھی اسے سن سکتی ہے تو وہ کوئی انسان نہیں ہے۔ وہ ایک جن ہے اور وہ آپ کے پیچھے پڑ چکا ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ کھڑے کھڑے آدھا جھکا اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ کی بورڈ پہ ہاتھ رکھے تو انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔

"اس کا حل ہے، ماہر۔" وہ نرمی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے کوئی حل نہیں چاہیے۔" اس نے آواز کو سخت بنانا چاہا لیکن حلق خشک ہو چکا تھا۔

"آپ نے معدے کی دوا کی prescription کیوں ری فل کروائی تھی؟"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ سبرینہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"معدے کی دوا؟" اسے یاد آیا۔ "مجھے... کبھی کبھی معدے میں درد ہوتا ہے۔"

"اور کیا وہ درد آپ کے گلے تک پہنچ چکا ہے؟"

وہ جہاں تھا، وہیں ٹھہر گیا۔

"ہاں۔ پہلے سینے تک۔ پھر گلے تک۔" الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ بے اختیار گردن پہ ہاتھ رکھا۔

"جیسے تمام امراض معدے سے جڑ پکڑتے ہیں، ویسے ہی جب جادوگر کسی جن کو انسان کے پیچھے لگاتے ہیں تو وہ سب سے پہلے اس کے معدے میں جا کے چھپتا ہے۔ اور وہاں سے وہ اس کے تمام اعضاء کو متاثر کرنے لگتا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ آپ کے دماغ تک پہنچے، آپ کو اس کے بارے میں کچھ کرنا ہوگا۔"

وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔ پھر چہرہ سرخ ہوا۔ غصے سے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی۔

"تم پاگل ہو؟" اس کی آواز بلند ہوئی۔ "تم کس شہر میں کھڑی ہو کے کیسی بات کر رہی ہو؟"

"اس شہر میں ہر تیسری گلی میں ایک جادوگر بیٹھا ہے۔ مسلمان، ہندو، یہودی اور عیسائی۔ ہر دین کا جادوگر الگ ہے۔ کبھی چلیں میرے ساتھ۔ دکھاؤں گی آپ کو۔"

وہ مسکرائی۔ اس کے گال کی ہڈی کافی اونچی تھی۔ مسکرانے سے آنکھیں لانبی ہو جاتی۔ ان میں ایک چمک تھی۔ کچھ شفاف سا۔ ماہر کے ماتھے کی لکیریں ڈھیلی ہوتی گئیں۔

"تم... تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ میرے معدے کا ان آوازوں سے کیا تعلق؟"

"یہ possession کا پہلا سائن ہے۔"

''Possession?''اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔

" آپ کے گرد ایک..."اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "ایک تاریک سی انرجی ہے۔ایک سایہ سا جو آپ کے جسم میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔وہ آپ کے دل و دماغ کا کنٹرول حاصل کرنا چاہتا ہے۔اگر آپ اپنا کنٹرول واپس نہیں لیں گے تو وہ ہر چیز پہ قابض ہو جائے گا۔وہ آپ سے اپنی مرضی کے فیصلے کروائے گا۔میں آپ کی مدد کرنا چاہتی ہوں سر۔"وہ قطعی انداز میں کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔''کیا آپ مجھے اپنی مدد کرنے دیں گے؟"

اس نے اپنے سر کو اثبات میں ہلتے ہوئے محسوس کیا۔اس کا ذہن یقین اور بے یقینی کے درمیان الجھا تھا۔

"تم یہ سب کیسے جانتی ہو؟"اسے اپنی آواز سنائی دی۔

"میری وجہ سے ایک انسانی جان ایک جن کے حوالے ہوگئی تھی۔میں یہ دوبارہ نہیں ہونے دوں گی۔"اس کی آنکھوں میں گلابی سی نمی تیرنے لگی۔

"اس اتوار آپ میرے ساتھ کہیں چلیں گے۔اور جو میں کہوں گی وہی کریں گے۔"

ماہر کا سر پھر سے اثبات میں ہلا۔اس کے سارے جسم پہ ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاٹیج کے باہر بنی جھیل تاریکی میں ڈوبی تھی۔اس کے کنارے کھڑے دو سایے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

" کچھ کہو گے نہیں؟"زیاد سلطان نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا جو خاموشی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔''یا شاید تم سمجھ رہے ہو کہ میں باہر لا کے تم پہ گولی چلا سکتا ہوں؟"

"میں کسی سے نہیں ڈرتا زیاد۔نہ انسان سے۔نہ جن سے۔"وہ بولا تو اس کی آنکھوں کی پتلیاں ہنوز سکڑی ہوئی تھیں مگر آواز ہموار تھی۔

"میں وقت سے پہلے کوئی کام نہیں کرتا۔جیسے تمہاری زندگی میرے ہاتھوں ہی ختم ہوگی ماہر فرید۔لیکن ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔اسی لیے آج رات میں تمہیں زندہ رہنے دوں گا۔"

جیبوں میں ہاتھ ڈالے زیاد اس کی طرف رخ موڑے کھڑا کہہ رہا تھا۔

ماہر نے دھیرے سے ہنس کے سر جھٹکا اور پانی کو دیکھنے لگا۔

"موت اور زندگی مکتوب ہوتی ہے زیاد۔تم مجھے میری موت سے پہلے مار نہیں سکتے۔اور جس دن میری گھڑی آ

پہنچے گی اس کے بعد کوئی مجھے زندہ رکھ نہیں سکے گا۔ میں صرف تمہارا یہ نیا رخ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تم مجھے تب بھی جانتے تھے جب میں کشمالہ کا ڈرائیور بن کے تم سے ملا۔ لیکن تم نے ظاہر نہیں کیا۔ میں تمہیں بہت کچھ سمجھتا تھا' سوائے ایک اداکار کے۔ لیکن....." گہری سانس لے کر تحسین سے کندھے اچکائے۔ زیاد کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ پانی کو دیکھ رہا تھا اور زیاد اسے۔

" آہستہ آہستہ تم میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف ہو جاؤ گے۔"

"وہ تم تھے۔ ہمیشہ سے۔" وہ پانی کو دیکھتے ہوئے جیسے یاد کر کے کہہ رہا تھا۔

"لفٹ میں کشمالہ پہ حملہ تم نے کروایا تھا۔ وہ جب اٹھی تو سر پہ ہاتھ رکھ کے درد سے کراہ رہی تھی۔ یعنی حملہ آور نے اس کے چند بال توڑے تھے۔ تمہیں سحرِ عشق کے لیے اس کے بال چاہیے تھے۔"

زیاد نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"تم جانتے تھے میں کیف نہیں' ماہر فرید ہوں۔ لیکن تم نے کشمالہ کو نہیں بتایا۔ ورنہ وہ پوچھتی کہ تم مجھے کیسے جانتے ہو۔ اور اس سوال سے تم ڈرتے تھے۔" ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ زیاد سلطان کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔

"تم سبرینہ کو اپنی منگیتر کہتے ہو حالانکہ اس کا کوئی منگیتر نہیں تھا۔ میں ابھی تک اس فریب کی وجہ نہیں سمجھ سکا۔"

زیاد دھیرے سے مسکرایا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں تپش تھی۔

"سبرینہ تمہاری وجہ سے موت کے منہ میں گئی تھی' ماہر فرید۔ تم ایک سائیکو پیتھ ہو۔ اور یہ تمہارا طریقہ واردات ہے۔ تم پہلے عورتوں کو خود سے محبت میں مبتلا کرتے ہو۔ پھر ان کو زمانے کے حوالے کر کے چھوڑ دیتے ہو۔ تم نے سبرینہ کے ساتھ یہ کیا' اور اپنی کزن زارا کے ساتھ بھی۔"

وہ چونکا۔ ابرو استعجاب سے اٹھے۔

"واللہ' زیاد سلطان مجھ سے اچھی طرح واقف ہیں۔" آواز میں طنز در آیا۔

"اور اب تم کشمالہ کے ساتھ بھی یہی کر رہے ہو۔" زیاد کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ اس ملاقات میں پہلی دفعہ اس کے چہرے پہ ایک ایسا جذبہ ابھرا تھا جسے وہ قابو نہیں کر سکا تھا۔ بے بسی بھرا طیش۔ ماہر فرید نے غور سے اسے دیکھا۔

" کیا تم اپنی بیوی پہ شک کر رہے ہو؟"

"نہیں۔" اس نے گہری سانس لی۔ "میں جانتا ہوں کل تم اس سے ملے تھے۔ کیوں ملے تھے' مجھے اس سے سروکار نہیں ہے۔ آئندہ بھی ملو گے' کیونکہ یقیناً تم شادی پہ مدعو ہو گے۔ اور میں تمہیں اس سے ملنے سے نہیں روکوں گا۔"

"اچھا۔ پھر کس چیز سے روکو گے؟" وہ جیسے زیادکا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پی کیپ اس کے چہرے پہ سایہ کیے ہوئے تھی۔ یا شاید وہ جھیل کنارے پھیلی تاریکی تھی۔ وہ اس کو پڑھنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

"تم ایک اچھے بزنس مین ہو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ میں اور تم ایک ڈیل کر لیں۔"

مصنوعی جھیل کے کنارے ایک لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(چار سال قبل)

وہ ایک طویل سڑک تھی جس پہ کار دوڑتی جا رہی تھی۔ آسمان سرمئی بادلوں سے بوجھل تھا جو پانی کے وزن تلے مسلسل رِس رہے تھے۔ یہ پانی کار کی کھڑکیوں سے ٹکراتا نیچے بہہ رہا تھا۔ ماہر شیشے سے سر ٹکائے باہر بھاگتے سبزہ زار کو دیکھ رہا تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"آپ دیکھ لیں گے۔"

ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھی سبرینہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا اور پھر واپس سامنے دیکھنے لگی۔ اونچی پونی بار بار جھولتی تھی۔ وہ اسی طرح باہر دیکھے گیا۔ آنکھوں تلے حلقے' اور کمزور ویران چہرہ اسے مہینوں کا بیمار ظاہر کرتا تھا۔

ایک چھوٹے سے ٹاؤن میں ایک جگہ سبرینہ نے کار روکی۔ پتھروں سے بنی سڑک کے دونوں اطراف مخروطی چھتوں والے گھر تھے جو کئی منزلہ اونچے تھے۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ ایک گھر میں داخل ہوئے۔

اندر اندھیرا سا تھا۔ آج بادلوں نے سورج کو کھل کے چمکنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ ایک سنگی زینہ گول گول اوپر جاتا تھا۔ وہ آگے تھی اور وہ کسی معمول کی طرح پیچھے زینے چڑھ رہا تھا۔ وہ ایسے چل رہی تھی جیسے در و دیوار سے مانوس ہو۔ البتہ ہر اٹھتے قدم کے ساتھ ماہر کا دل تنگ ہو رہا تھا۔ جیسے صبح کا ناشتہ ہضم ہوئے بغیر اوپر گلے تک آ رہا ہو۔ جیسے وہ ابکائی کو دبا رہا ہو۔

آگے ایک راہداری تھی جس میں لیمپ جلے تھے۔ سبرینہ ایک دروازے کے باہر جا کھڑی ہوئی۔ جوتوں کے ریک میں جاتے اتار کے رکھے۔ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے جوتے اتارنے لگا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ سیاہ رنگ کا ہائی نیک سوئیٹر پہن رکھا تھا۔ آج اسے سردی نہیں لگ رہی تھی۔ سبرینہ البتہ کوٹ اور مفلر اوڑھے ہوئے تھی۔ سر پہ اسکارف تھا جس کے نیچے پونی پھنس سی گئی تھی۔

وہ اس کے پیچھے جھجکتا ہوا اندر داخل ہوا۔

اندر ایک طویل سا ہال تھا جس کی اونچی کھڑکیوں پہ پانی کی بوندیں جمی تھیں۔ ہال میں بہت سی کرسیاں لگی تھیں اور کئی لوگ وہاں بیٹھے تھے۔ ایک طرف عورتیں۔ دوسری جانب مرد۔ ہال کے سرے پہ ایک مرکزی کرسی پہ ایک باریش آدمی بیٹھا تھا۔ وہ سر جھکائے تلاوت کر رہا تھا۔ خاموشی میں اس کی مدھم سی آواز سنائی دیتی تھی۔

"سبرینہ..." اس نے بے چینی سے سرگوشی کی۔ "مجھے کسی دینی اسکالر کا لیکچر نہیں سننا۔"

"شش۔" اس نے چپ کروایا۔ اور متلاشی نظروں سے اطراف میں دیکھنے لگی۔ وہ کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ یک دم اس کی آنکھیں چمکیں۔ وہ آخری قطار تک آئی۔ وہ کسی مقناطیس کی طرح اس کے پیچھے چلتا آ رہا تھا۔

وہاں ایک کم عمر لڑکا بیٹھا تھا۔ بارہ چودہ برس کا۔ اس نے نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ گول ہیری پوٹر فریم۔ لیکن فریم کا رنگ سفید تھا۔ سبرینہ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اس نے چہرہ اٹھایا۔ پھر واپس نیچے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ماہر ابھی تک کھڑا تھا۔

کچھ عجیب سا تھا اس جگہ کے بارے میں۔ ابکائی پھر سے اوپر آنے لگی۔

"بیٹھ جائیں، سر۔" اس نے اشارہ کیا۔ لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں بیٹھا۔ وہ اگلی قطار میں بیٹھ گیا۔ قطاریں نیم دائرے کے رخ پہ تھیں۔ اسے یہاں سے سبرینہ اور اس لڑکے کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہاں موجود سب افراد خاموشی سے اس آدمی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے حلیے سے بتا سکتا تھا کہ وہ کوئی دینی اسکالر ہے۔ کیا وہ لیکچر دینے لگا ہے؟ وہ لیکچر نہیں سننا چاہتا تھا۔ کچھ تھا اس جگہ کے بارے میں جو دل تنگ کرتا تھا۔ خوف سا آتا تھا۔ اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ فانوس جل رہے تھے۔ خوشبو پھیلی تھی۔ صاف ستھرا سا ہال۔ پھر بھی کچھ عجیب تھا وہاں۔

"بسم اللہ ارقبک...." باریش شیخ کی آواز آہستہ آہستہ بلند ہونے لگی۔

دفعتاً اسے دائیں جانب حرکت کا احساس ہوا۔

اس سے ایک نشست چھوڑ کے ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا۔وہ گردن کو دائیں طرف گھما رہا تھا۔ پہلے دایاں کان کندھے کے قریب کان لے گیا۔ پھر بایاں کان دوسرے کندھے کے قریب۔ ماہر نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ایک دم وہ چونکا۔ ہال میں موجود بہت سے سر ہلنے لگے تھے۔کوئی کندھوں کے قریب کان لے جا رہا تھا۔کوئی درد سے کراہتا شانے پہ ہاتھ رکھ رہا تھا۔کسی نے سر پکڑ لیا تھا۔

باریش آدمی کی تلاوت اونچی ہونے لگی۔ویسے ہی سسکیاں بلند ہوئیں۔آہیں۔دبی دبی چیخیں۔

"بس کرو..." ایک عورت چہرہ اٹھا کے پنجابی میں غرائی۔اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔"میں نہیں جاؤں گا۔"

ماہر ایک دم کرنٹ کھا کے کھڑا ہوا۔آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

قاری کی آواز بلند ہو رہی تھی۔وہ سکون سے رقیہ کی تلاوت کر رہا تھا۔

ہال میں اب شور بلند ہو رہا تھا۔وہاں بیٹھے تمام انسان ایک سے نہیں تھے۔کچھ تھے جو تکلیف سے جسم کے کسی عضو کو پکڑے ہوئے تھے۔کچھ عجیب غراہٹ کے ساتھ دبا دبا سا چلا رہے تھے۔اور کچھ تھے جو بالکل ٹھیک تھے۔وہ ان لوگوں کے ساتھ آئے ہوئے تھے اور اپنے پیاروں کے چہرے فکرمندی اور بے بسی سے دیکھ رہے تھے۔

سبرینہ بھی اس لڑکے کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔اس نے اپنا کوئی عضو دوسروں کی مانند پکڑ نہیں رکھا تھا۔

ماہر کی نگاہ اس پہ ٹک گئی۔

وہ لڑکا گردن سیدھی رکھے' آنکھیں میچے' بس رو رہا تھا۔رونے سے چہرہ گلابی ہو رہا تھا اور آنسو زاروقطار عینک کے نیچے سے بہہ رہے تھے۔

وہ بنا پلک جھپکے اس لڑکے کو دیکھ رہا تھا۔وہ تکلیف میں تھا لیکن وہ چیخ نہیں رہا تھا۔نہ کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ صرف بنا آواز کے رو رہا تھا۔

اور سبرینہ آنکھوں میں نمی لیے اسے یاسیت سے دیکھ رہی تھی۔

اس کے معدے کا درد پھر سے اٹھ رہا تھا۔اسے لگا اسے ابکائی آجائے گی۔وہ ایک دم دروازے کی طرف بھاگا۔

"ماہر۔رکو۔" سبرینہ بے اختیار اس کے پیچھے لپکی۔انہیں کسی نے نہیں روکا۔وہاں سب کے اپنے غم تھے۔

"ماہر...ماہر....." وہ اسے پکار رہی تھی لیکن وہ نہیں رکا۔تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔چہرہ خوف سے

سفید پڑ رہا تھا۔

"پلیز میری بات سنیں...." وہ دروازے سے نکل رہا تھا جب سبرینہ نے اسے کہنی سے تھام کے روکنا چاہا۔

وہ کرنٹ کھا کے پلٹا۔ غصے سے بازو چھڑایا۔

"تم پاگل ہو' سبرینہ۔" وہ چلایا۔ "تم مجھے کیسی جگہ لے آئی ہو۔ یہ سب فراڈ ہے ۔ وہ آدمی اسکامر (scammer) ہے۔اور یہ سب لوگ..." اس نے بازو لمبا کر کے اوپر سیڑھیاں کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ سب ذہنی طور پہ بیمار لوگ ہیں۔ یا پھر اداکار۔ یہ... یہ ڈرامہ کر رہے ہیں۔ وہ بچہ بھی جو رو رہا تھا..."

"وہ میرا بھائی ہے' ماہر۔" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ "وہ possessed ہے۔ اس کا علاج..."

لیکن اس نے نہیں سنا۔ اس نے کار کی چابی چھینتے ہوئے اس سے کھینچی اور دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔ بارش اب تیز ہو چکی تھی۔ ڈرائیونگ ڈور تک جاتے ہوئے وہ بھیگ چکا تھا۔ وہ وہیں چوکھٹ میں کھڑی دکھی دل سے اسے دیکھے گئی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے دروازہ کھول رہا تھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک سفید تھا۔

اس چھوٹے شہر کی فضا میں خوف اور وحشت نے بادلوں کی طرح اندھیرا کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بادل سامنے سے ہٹے اور چاند کو راستہ دیا تو جھیل کا پانی چمکنے لگا۔

وہ دونوں ہیولے ہنوز آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایک طرف جھیل اور دوسری طرف کاٹیج تھا۔

"تم میرے ساتھ ڈیل کرنا چاہتے ہو یا تمہارا (ماہر نے دونوں ہاتھوں سے quote unquote کا نشان بنایا) سرکار؟"

"سرکار کو ہماری ملاقات کے بارے میں علم نہیں ہے۔"

زیاد سلطان مسکرایا۔ اور ماہر کے لبوں سے ایک گہری سانس خارج ہوئی۔

کسی دوسرے کے منہ سے سرکار کا نام سن کے ایک بہت بڑا بوجھ کندھوں سے اتر گیا تھا۔ سرکار اس کے ذہن کی اختراع نہیں تھا۔ سرکار واقعی وجود رکھتا تھا۔

"یعنی تم اپنے سرکار کو بھی دھوکہ دے رہے ہو۔" وہ بہت دیر بعد مسکرایا۔ "تمہیں اس نے ہلال کی نینی کو تلاش کرنے بھیجا تھا لیکن تم یہاں اپنے مقصد کے تحت آئے ہو۔"

"کہانا' آہستہ آہستہ تم میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف ہو جاؤ گے۔" زیاد تاریکی میں تھا۔ وہ دو قدم

آگے آیا تو چہرہ روشنی میں آیا۔مدھم چاندنی میں وہ اس کی آنکھوں میں آئی چمک دیکھ سکتا تھا۔وہ پوری تیاری سے آیا تھا۔

"میں سن رہا ہوں۔" ماہر اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا رہا تھا۔

"میں اپنی بیوی پہ شک نہیں کرتا۔"

"غلط۔تمہارا شک تمہیں یہاں تک لایا ہے۔لیکن کہو۔" ہاتھ گھما کے بات جاری رکھنے کا اشارہ کیا۔

"میں اپنی بیوی پہ شک نہیں کرتا۔" اس نے زور دے کر دہرایا۔"لیکن میں تم پہ بھی اعتبار نہیں کرتا۔تمہیں جب موقع ملے گا' تم میری اور اس کی شادی توڑنے کی کوشش کرو گے۔"

"یعنی میں اس کو تمہاری اصلیت بتا سکتا ہوں۔اور تمہیں یہ خوف ہے کہ وہ اس پہ یقین کر لے گی۔"

زیاد سلطان ایک لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکا۔صرف لب بھینچ لیے۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"سرکار جو بات نہیں سمجھ سکا' وہ میں سمجھ گیا ہوں۔ہم تم سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔اس لیے ہم دونوں ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔جس کے بعد ہمارے راستے الگ ہوں گے۔" اس نے وقفہ دیا۔

تمہیں ہلال یا کشمالہ میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔"

زیاد اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔وہ دونوں جھیل کنارے آمنے سامنے کھڑے تھے، جیسے چاندی کا لبادہ اوڑھے دو سایے ہوں۔

"ہلال کہاں ہے' میں جانتا ہوں۔اسے سرکار کی قید سے کیسے نکالنا ہے' یہ میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔صرف میں ہوں جو تمہیں تمہاری بہن سے واپس ملا سکتا ہوں۔"

ماہر کے جسم کے تمام اعصاب کان بن گئے۔سانس تک رک گیا۔

"اگر تم کشمالہ کو چنتے ہو' تو تم کاٹیج میں بنی ہماری ویڈیو بھی اس کو دکھا سکتے ہو اور میرے بارے میں اپنی تھیوریز بھی اس کے ساتھ شیئر کر سکتے ہو۔جیسے چاہو میری اور اس کی شادی خراب کر سکتے ہو۔"

وہ بنا پلک جھپکے زیاد کو دیکھ رہا تھا۔

"لیکن اگر تم ہلال کو چنتے ہو' تو تمہیں میری بیوی سے دور رہنا ہوگا۔اور بدلے میں' میں تمہاری بہن کو تمہارے پاس واپس لے آؤں گا۔خود سرکار بھی مجھے نہیں روک سکے گا۔"

میں کیسے مان لوں کہ تم سچ کہہ رہے ہو؟"

"کیا تمہارے پاس کوئی دوسرا آپشن ہے؟" زیاد سلطان مسکرایا۔ ماہر اب نہیں مسکرا رہا تھا۔اس کے چہرے کی رنگت بدل چکی تھی۔

"وہ جہاں ہے' اسے وہاں سے میرے علاوہ کوئی نہیں نکال سکتا' ماہر بے۔" وہ تو ڑتو ڑ کے الفاظ ادا کر رہا تھا۔

"میں ہلال کو تمہیں واپس لا دوں گا۔تم اپنی زندگی میں خوش۔اور ہم اپنی زندگی میں۔ بتاؤ۔کیا تمہیں میری ڈیل منظور ہے؟"

کاٹیج' جھیل کا پانی اور چاند کی مدھم روشنی' سب خاموش گواہ بنے انہیں دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"زیاد کو تمہارے ساتھ معاہدہ کرنے کے لیے کس چیز نے مجبور کیا؟اس کے شک نے؟یا خوف نے؟" یاسمین قلم لبوں میں دبائے سوچتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

ماہر نے چہرہ اٹھایا۔پھر ٹھنڈا کپ ایک طرف رکھا۔آفس میں ہیٹر کی گرمائش پھیلی تھی۔پھر بھی اس کے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے۔اس نے ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھے throw کے اندر کر لیں۔ایک دم جیسے ٹکور سی ملی۔

"شاید دونوں نے۔مگر وہ میری توقع سے زیادہ مجھے جانتا تھا۔"اس نے جیسے جھرجھری لے کر اعتراف کیا۔

"جب تم کاٹیج سے واپس آئے تو کیا ہوا؟"

"میں گھر پہنچا ہی تھا کہ مجھے ماہ بینہ کا میسج موصول ہوا۔وہ اپنے بھائی کی شادی کے لیے استنبول آ رہی تھی اور مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ ہماری ملاقات بہت عرصے سے طے تھی لیکن ہو نہیں پا رہی تھی۔"

یاسمین کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔اس نے رک کے اپنے نوٹس دیکھے۔

"مجھے پھر سے یاد کرواؤ کہ تم مالا کی بہن کو کیسے جانتے تھے؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چار سال قبل۔

وہ اس روز سبرینہ کو اس چھوٹے شہر میں چھوڑ کے خود لندن واپس آ گیا تھا۔وہ بارش میں واپس کیسے آئی ہو گی' اسے نہیں معلوم تھا۔نہ وہ پوچھنا چاہتا تھا۔اس نے سبرینہ کا سامنا نہیں کیا۔وہ اس سے ناراض تھا یا شاید اسے اس پر

غصہ تھا۔

اگلے روز اسے دوہا جانا تھا۔ وہ آفس گئے بغیر چلا گیا۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ چند دن لندن سے دور رہے گا۔ ہلال سے دور۔ شمس سے دور۔ اپنے معدے کی دواؤں کے ساتھ۔ دوہا کے اپارٹمنٹ میں قید ہو کے۔

(''میں سبرینہ سے ناراض تھا۔ شاید وہ بھی مجھ سے ناراض تھی۔ اسے ہونا بھی چاہیے تھا۔ میں نے اس کے بھائی کے رونے کو اداکاری کہا تھا۔''

اس نے آنکھیں بند کیں۔ ایک کرب سا چہرے پہ پھیل گیا۔

''لیکن میں نے اس سے معذرت نہیں کی۔ ان دنوں میرے غصے کے آگے کچھ نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ مجھے معذرت کرنی چاہیے تھی۔ لیکن میں نہیں کرسکا۔ وہ ہمیشہ میرے مسئلے حل کرتی تھی۔ میں خود نہیں جانتا کہ وہ میری پیٹھ پیچھے میرے لیے کتنی جنگیں لڑتی ہوگی۔'')

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شمس کار ڈرائیو کرتے ہوئے موڑ کاٹ رہا تھا۔ ناک پہ غصہ تھا اور آنکھوں میں بے بسی۔ کار فون آن تھا اور اس سے نگینہ بیگم کی آواز گونج رہی تھی۔

''یہ کیسے ہوا، شمس؟'' ان کا لہجہ تیز تھا۔

''نہیں معلوم۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ ماہر نے وہ گھوڑا پھینک دیا ہے۔ اس لیے اب آپ کا بھیجا نیا تحفہ...'' ایک نظر فرنٹ سیٹ پہ ڈالی جہاں چھوٹا سا پیکٹ رکھا تھا... ''اس کے آفس میں رکھنے جا رہا ہوں۔''

کار سگنل پہ رکی۔ اس نے جھنجھلا کے خوامخواہ ہارن دیا۔ اردگرد کے لوگ ناگواری سے پلٹ کے اسے دیکھنے لگے۔

''وہ تمہیں یہ کرنے دے گا؟''

''وہ قطر میں ہے۔ اسے معلوم نہیں ہوگا۔''

''میرا سوال وہیں ہے۔ یہ سب کیسے ہوا؟'' نگینہ بیگم کی آواز میں غراہٹ تھی۔ شمس چونکا۔

''سرکار... ایک گھوڑا ہی تھا۔ اس نے پھینک دیا۔ ہم اگلا ہتھیار رکھ دیں گے اور...'' سگنل کھل گیا۔ اس نے کار آگے بڑھائی۔

"کم عقل انسان' بات ایک گھوڑے کی نہیں ہے۔" وہ اتنی برہمی سے بولیں کہ شمس گڑبڑا کے چپ ہو گیا۔

"جانتے ہو اس گھوڑے میں کون چھپا ہوا تھا؟"

شمس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے۔ وہ ان چیزوں کے بارے میں موٹا موٹا علم رکھتا تھا۔ باریک بینیوں سے واقف نہ تھا۔

"آپ... آپ کا کوئی موکل؟"

"وہ آصف تھا۔ اور آصف کوئی عام موکل نہیں تھا۔" ان کی آواز میں اب ملال در آیا۔ "اس کی عمر ڈیڑھ سو برس سے اوپر تھی۔ جانتے ہو ایک موکل قابو کرنے میں کتنا وقت اور توانائی لگتی ہے؟ کئی ہفتے خود کو گندا میلا رکھنا ہوتا ہے۔ نجاست سے بھرکے۔ قبرستان میں قبروں کے درمیان بیٹھ کے راتیں گزارنی ہوتی ہیں۔ اور پھر ایسے جنات قریب آتے ہیں جو شدید نجاست کو پسند کرتے ہوں۔ ایک دفعہ وہ قبضے میں آجائیں تو ہم انہیں خود سے باندھ لیتے ہیں۔"

"کیسے؟"

"خوف سے۔ خوف اس دنیا کا سب سے قدیم ترین ہتھیار ہے۔ ہم جن کو ڈراتے ہیں کہ اگر اس نے ہم سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی تو ہم اس کا رزق روک دیں گے اور اس کی جان لے لیں گے۔ موکل سمجھتا ہے کہ عامل اس کی جان اور اس کے رزق کا مالک ہے۔ اس خوف کے تحت وہ برسوں ہماری خدمت کرتا ہے۔"

شمس کی کار سست ہو چکی تھی۔ وہ سانس روکے سن رہا تھا۔

"آصف برسوں سے ہمارے ساتھ تھا۔ وہ مسلمان تھا۔ تمہارے جتنا مسلمان۔" ان کے لہجے میں طنز تھا۔ "مسلمان موکل کو آزاد کروانا آسان نہیں ہوتا۔ جب سحر کے مریض روحانی معالجوں اور علماء کے پاس لے جائے جاتے ہیں تو وہ ان پہ قرآن پڑھتے ہیں۔ قرآن جن کو ظاہر کر دیتا ہے۔ معالج عالم اس کو کہتا ہے کہ مریض کا پیچھا چھوڑ دو۔ جن نہیں مانتا۔ لیکن معالج ہر چند دن بعد مریض پہ قرآن کی تلاوت کر کے جن کو کمزور کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ کئی ہفتوں یا مہینوں کی محنت کے بعد جب جن کو یقین آجاتا ہے کہ اس کے رزق اور جان کا مالک صرف اللہ ہے' تو وہ جادوگر کی قید سے خود کو آزاد کر لیتا ہے۔ لیکن جانتے ہو اس دن کیا ہوا؟"

"کیا؟"

"کسی نے آصف کو آزاد کر دیا۔ ایک ہی گھڑی میں آصف صرف گھوڑے سے ہی نہیں نکلا' بلکہ میری قید سے بھی

رہا ہو گیا۔ کسی نے اسے آزاد کیا ہے' شمس۔" ان کی آواز میں غیض و غضب سے کانپ رہی تھی۔

"شاید ماہر نے؟" شمس الجھ گیا۔

" آصف جا چکا ہے۔ اور ہمارے پاس جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مگر اس روز کیا ہوا تھا' یہ تم معلوم کر کے دو گے۔ اب یہ معاملہ ہمارے لیے تمہارا کام نہیں رہا۔ اب یہ ہماری اَنا کا مسئلہ ہے۔ ہمارا برسوں پرانا موکل جس کی وجہ سے ایک لمحے میں ہمیں چھوڑ کے گیا ہے' وہ شخص حساب دے گا۔"

شمس نے الجھ کے فون رکھا۔ پھر سر جھٹکا۔ وہ یہ بات کس سے معلوم کرے گا؟

ماہر کے آفس میں معمول کے کام جاری تھے۔ شمس کو ہال میں داخل ہوتے بہت سے لوگوں نے دیکھا' لیکن کوئی ردعمل نہیں دیا۔ وہ ماہر فرید کا سوتیلا باپ تھا۔ وہ یہاں جب مرضی چاہے آ سکتا تھا۔

شمس تیز قدموں سے ناک کی سیدھ میں دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں پیکٹ تھام رکھا تھا۔ ماہر کے آفس کا دروازہ کھولا تو اندر اندھیرا تھا۔

شمس کے لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ اطمینان سے اندر داخل ہو کے اس نے احتیاط سے دروازہ بند کیا۔ پھر بتی جلائی۔ کمرہ روشن ہوا۔

اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"ہیلو شمس صاحب۔" ماہر کی کرسی پہ ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ سیاہ بالوں کی اونچی پونی بنائی' تھوڑی تلے ہاتھ رکھے۔ وہ مسکرا کے شمس کو دیکھ رہی تھی۔

"تم کون؟" شمس نے بدقت تاثرات نارمل کیے۔ حالانکہ وہ اس کو پہچان گیا تھا۔ یہ ماہر کی نئی سیکرٹری تھی۔

"سبرینہ۔ اور آپ یقیناً شمس ہیں۔"

"ہوں۔ تم جاؤ۔ میرے لیے کافی لاؤ۔ مجھے کچھ کام ہے۔" وہ عام سے انداز میں کہتا آگے بڑھا اور کوٹ اتارنے لگا جیسے یہاں بیٹھ کے کام کرنے کا ارادہ ہو۔

"ہاتھ میں کیا ہے؟" وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی مسکراہٹ اب غائب تھی۔

"یہ ماہر کی ماں نے اس کے لیے بھیجا ہے۔" اس نے پورے اعتماد سے وہ پیکٹ میز پہ رکھا۔ "یہ pre-embargo کیوبن سگارز ہیں جو اسے تحفے میں..."

"embargo سے پہلے کے سگار ہوں یا تیسری جنگ عظیم کے بعد کے' جن ہاتھوں سے آپ انہیں یہاں

لائے ہیں' انہی سے واپس لے جائیں۔"

اس نے چٹکی بجا کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ شمس الدین کا چہرہ سرخ ہوا۔

"لڑکی... تم ہوش میں ہو؟ میں ماہر کا سوتیلا باپ ہوں۔"

"سگے ہوتے تب بھی میرا یہی جواب ہوتا۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹے کسی دیوار کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"جو گھوڑا آپ نے رکھا تھا' وہ ہم پھینک چکے ہیں۔ اب آپ یہاں کوئی چیز لا کے نہیں رکھ سکتے۔ جا کے اپنے جادوگر کو کہہ دیں کہ وہ کسی دوسرے گھر کا رخ کر لے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے تنذر انداز میں کہہ رہی تھی۔ "جادو کی جس نجاست میں آپ پھنسے ہوئے ہیں' وہ آپ کی قبر کو انگاروں سے بھر ہی رہی ہے' لیکن دنیا میں بھی آپ کو رسوا کرے گی۔ میں نے آج تک جادو کرنے اور کروانے والوں کو عزت کی موت مرتے نہیں دیکھا۔"

"کیا بکواس ہے یہ؟ تم مجھ پہ الزام لگا رہی ہو۔" شمس کا سارا جسم غصے سے کانپنے لگا تھا۔

"آپ کا داخلہ آج سے اس عمارت میں بند ہے۔ آپ کا سیکیورٹی کارڈ میں بلاک کر رہی ہوں۔ آپ آئندہ یہاں قدم نہیں رکھ سکتے۔"

شمس چند لمحے اسے دیکھے گیا۔ پھر کیوبن سگارز کا باکس اٹھایا' اور زہر خند انداز میں مسکرایا۔

"تم بھول رہی ہو کہ میں ہلال کا باپ ہوں۔ اسے ڈراپ کرنے اور واپس لینے کسی بھی وقت یہاں آ سکتا ہوں۔"

"سوری میں بتانا بھول گئی۔ ہلال کا داخلہ بھی یہاں بند ہے۔" اس نے شانے اچکائے۔

شمس چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔

"اس لیے نہیں کہ وہ آپ کی بیٹی ہے۔ آپ کو ہم تب بھی روک سکتے ہیں۔ بلکہ اس لیے کہ ماہر نہیں چاہتا کہ آپ کے ان جادوئی کرتبوں کی وجہ سے اسے نقصان پہنچے۔"

کچھ تھا اس کی آواز میں کہ شمس جہاں تھا وہیں رک گیا۔

"ہلال کا اس سب سے کیا تعلق؟" چہرہ سفید پڑنے لگا۔

"کیا اس نے آپ کو نہیں بتایا؟" سبرینہ نے غور سے اسے دیکھا۔ "وہی تو تھی جس نے گھوڑے میں اسے دیکھ لیا تھا جسے ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اسی کے کہنے پہ وہ چلا گیا تھا۔"

شمس کے قدموں تلے سے زمین سرکنے لگی۔ وہ بہت کچھ کہہ سکتا تھا۔ غصہ۔ دھمکیاں۔

لیکن تمام الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

اس نے دھیرے سے کوٹ واپس پہنا۔ ہاتھوں میں جان نہیں رہی تھی۔ کار میں واپس پہنچ کے اس نے وہ پیکٹ فرنٹ سیٹ پہ ڈال دیا۔ وہ اس کی پریشانیوں کی فہرست میں بہت نیچے تھا۔

ذہن ایک ہی لمحے میں بہت پیچھے چلا گیا۔

ایک سیاہ سفید سا منظر۔ کئی برس پرانا قدرے جوان شمس فون پہ اضطرابی انداز میں کہہ رہا تھا۔

"سرکار... مجھے ایک دوست نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ آپ ناممکن کو ممکن کر سکتی ہیں۔"

"تمہارا ناممکن کیا ہے؟" ایک رعب دار نسوانی آواز سنائی دی۔

"میں قاسم فرید کا باڈی گارڈ ہوں۔"

"وہ کون ہے؟"

"ایک امیر آدمی۔ جس سے مجھے نفرت ہے۔ شدید نفرت۔"

"یہ نفرت نہیں، حسد ہے۔" وہ طنزیہ ہنسیں۔

"مجھے ہر وہ چیز چاہیے جو اس کے پاس ہے۔" اس کی آنکھوں میں تپش سی ابھرنے لگی۔ "اس کی دولت، معاشرے میں مقام، اور اس کی بیوی۔"

بیوی کے ذریعے سب کچھ ہو جائے گا، شمس الدین۔"

"کیسے؟" اس کے چہرے پہ رونق ابھری۔

"قاسم فرید پہ سحرِ المرض کرنا پڑے گا۔ اور اس کی بیوی پہ سحرِ عشق۔"

"فیس کیا ہو گی؟"

"سحرِ المرض کی فیس یوروز میں ہو گی۔ تمہاری توقع سے زیادہ۔ لیکن سحرِ عشق کی کوئی فیس چند برس بعد ہم تم سے لیں گے۔"

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوا۔

"سحرِ عشق کی شادی سے پیدا ہونے والا پہلا بچہ سرکار کا ہوتا ہے۔ کیا تم مجھے اپنا بچہ دو گے؟"

شمس کو سوچنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا۔ ویسے بھی رابیل قاسم فرید ایک بڑھتی عمر کی عورت تھی۔ یقیناً وہ بچے پیدا کرنے کی عمر سے باہر نکل چکی تھی۔

"مجھے منظور ہے سرکار۔"

منظر بدلا۔ وقت برس آگے سرک آیا۔ شمس ہسپتال کے کمرے میں شل سا بیٹھا تھا۔ نرس نے ایک کمبل میں لپٹی بچی اس کی گود میں ڈالی تھی۔ وہ چند لمحے گم صم سا اسے دیکھے گیا۔ پھر تیزی سے اسے واپس تھمایا اور باہر کو بھاگا۔

"سرکار... مجھ سے منہ مانگی فیس لے لیں۔" وہ پارکنگ ایریا میں چلتے ہوئے بھیگی آواز سے کہہ رہا تھا۔ "لیکن میں اپنی بیٹی آپ کو نہیں دے سکتا۔ ایک ہی نظر میں میرا دل اس کی محبت سے بھر گیا ہے، سرکار۔" آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔ "میں یہ نہیں کر سکتا۔ میں کسی سے اس دنیا میں محبت نہیں کرتا۔ میرا کوئی اپنا نہیں ہے۔ سوائے اس کے۔ مجھ سے میری بیٹی مت چھینیں۔"

دوسری جانب ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

"جاؤ شمس۔ تمہیں معاف کیا۔" اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ وہ آنسوؤں بھرا چہرہ لیے حیرت سے فون کو دیکھنے لگا۔ کیا واقعی سرکار نے اسے معاف کر دیا تھا؟ یا ٹال دیا تھا؟

اور اتنے برسوں میں سرکار نے جب جب اس سے ہلال کا حال پوچھا، اس کا ماتھا ٹھنک جاتا۔ ریڑھ کی ہڈی میں ایک برقی لہر دوڑ جاتی۔ وہ سرکار کو جھڑک دیتا۔ کبھی موضوع بدل دیتا۔ اس نے ہلال کو اسکول میں داخل کروانے کی بجائے ہوم اسکولنگ شروع کروائی۔ اس نے اس کے ہاتھ میں کبھی موبائل اور آئی پیڈز نہیں دیے۔ وہ اسے ساری دنیا سے چھپا کے رکھنا چاہتا تھا اور اب ماہر کی سیکرٹری کہہ رہی تھی کہ ہلال نے وہ دیکھا جو وہ نہیں دیکھ سکے۔

"سرکار...."

بالآخر اس نے کار فون پہ چند بٹن دبائے۔ رابطہ ملتے ہی نگینہ بیگم کا منتظر ہیلو سنائی دیا۔

"میں نے معلوم کر لیا ہے کہ آصف کو کس نے رہا کروایا ہے۔"

"کس نے؟" نگینہ بیگم جاننے کے لیے بے تاب تھیں۔

"سبرینہ..." شمس نے خشک ہوتے حلق کے ساتھ الفاظ جوڑے۔

"کون ہے وہ؟" وہ چونکیں۔

"ماہر کی نئی سیکرٹری۔ اس نے گھوڑے میں موجود شے کو دیکھ لیا تھا۔ اسی نے گھوڑا پھینکوایا ہے۔ اسی نے مجھے دوبارہ آفس میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اس کی انگلی پہ ڈیجیٹل تسبیح بندھی تھی۔ وہ ذکر اذکار کرنے والی لڑکی ہے۔ وہی آپ کی دشمن ہے، سرکار۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ ہاتھ بھی کانپ رہے تھے۔

"تمہیں یقین ہے؟" سرکار کا لہجہ مشکوک تھا۔

"سو فیصد۔"

"ہوں۔" وہ سوچنے لگیں۔ "ماہر اس وقت کہاں ہوگا؟"

"دوہا میں۔ کیوں؟" وہ اس سوال پہ چونکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوہا گرم تھا۔ وہاں آ کے دل پہ جمی برف پگھلنے لگی۔ لیکن سگارز کی تعداد میں اضافہ ہو گیا۔ معدے کا درد گلے تک پہنچ کے اب کندھوں کو متاثر کرنے لگا تھا۔ یہ درد بعض دفعہ سونے نہیں دیتا تھا۔

اس روز وہ ایم آر آئی کروا کے گھر آیا تو کندھے ہنوز بوجھل تھے۔ اسپیشلسٹ کے مطابق یہ صرف ڈی ہائیڈریشن تھی۔ اس کے درد کی ٹھوس وجہ کسی کو نہیں ملتی تھی۔ سبرینہ کی بتائی وجہ بار بار ذہن میں آتی۔ لیکن اس نے اپنا ذہن اس طرف سے بند کر لیا تھا۔ اس صبح بھی نیند کی چند دوائیں پھانکیں اور اپارٹمنٹ کے پردے گرا کے بستر پہ لیٹ گیا۔

بہت دن بعد اسے اتنی اچھی نیند آئی تھی۔

چند گھنٹے گزرے تھے یا چند سال' اس کا ذہن فرق نہیں کر سکا۔ کیونکہ وہ گھنٹی کی تیز آواز تھی جس نے اسے جگایا۔ ماہر چونک کے اٹھ بیٹھا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ بتیاں گل تھیں۔ ایسے میں فون چمک چمک کے تھرتھرا رہا تھا۔ غیر شناسا سا لوکل نمبر۔ اس کا سر بھاری تھا اور آنکھیں بوجھل۔ بدقت موبائل کان سے لگایا۔

"ہیلو؟" غنودہ سی آواز حلق سے نکلی۔

"ہیلو؟" جواب میں ایک پریشان سا نسوانی ہیلو سنائی دیا۔ پھر ایک وقفہ۔

"کون؟"

"مع... معمار...؟"

"کیا؟" اس کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کون تھی اور کیا پوچھ رہی تھی۔

"میں ماہ بینہ ہوں۔ ہم ائیر پورٹ پہ ملے تھے۔" وہ جلدی جلدی بول رہی تھی۔

اس کے سوئے ذہن میں ایک کوندہ سا لپکا۔ اس نے خود کو کہتے سنا۔

"ون اِن ففٹی؟" شاید ذہن کو یاد آ گیا تھا۔ لیکن ذہن اسے بتا نہیں رہا تھا۔ وہ کون تھی؟ اور ون اِن ففٹی کا کیا

مطلب تھا؟

"آپ نے کہا تھا کہ اگر میں آپ کے شہر میں آؤں تو بتاؤں۔" وہ پریشانی سے تیز تیز بول رہی تھی۔ "میں ایک مسئلے میں ہوں۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"وہ ائیر پورٹ پہ تھی۔ اور اسے میری مدد چاہیے تھی۔" کھڑکی پہ گرتی بارش کی بوندیں اب سست ہو چکی تھیں۔ یاسمین سامنے بیٹھی، خاموشی سے سن رہی تھی۔ وہ اب کاؤچ کی ٹیک سے سر ٹکائے، یاد کر کے کہہ رہا تھا۔

"میں سبرینہ سے ناراض تھا۔ لیکن اس کے باوجود میں نے اسے ہی کال کی۔ اور اپنے لیے ایک فلائٹ بک کروانے کو کہا۔ تاکہ میں بورڈنگ لاؤنج تک رسائی حاصل کر سکوں۔"

"تم ایک اجنبی کی مدد کرنے کیوں گئے؟"

"میں نہیں جانتا۔ میں اس وقت بھی نیند کی دوا کے زیرِ اثر تھا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حمد انٹرنیشنل ائیر پورٹ (دوہا) کے وسط میں ایک بڑا سا زرد رنگ کا بھالو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے سر پہ ایک ڈیسک لیمپ جل رہا تھا۔ یوں جیسے اس کا سر لیمپ میں پھنسا ہوا ہو۔ یہ تیئس فٹ اونچا کانسی کا بنا بھالو دنیا بھر کے ملکوں سے دوہا کے ائیر پورٹ پہ آنے والے مسافروں کے لیے ناسٹیلجیا کا کام کرتا تھا۔ وہ انہیں اپنے بچپن کے بیڈروم کی اسٹڈی ٹیبل پہ ڈیسک لیمپ کے ساتھ رکھے کسی بھولے بسرے بھالو کی یاد دلاتا تھا۔

اس وقت بہت سے لوگ بھالو کے قدموں میں کھڑے تصویریں کھنچوا رہے تھے۔ اس کی ہدایت کے مطابق وہ وہیں کھڑی تھی۔ ایک کندھے پہ سفید بیک پیک ڈالے، وہ چھوٹے بالوں والی لڑکی خوفزدہ، پریشان نگاہوں سے اطراف میں دیکھ رہی تھی۔

"ون اِن ففٹی؟"

وہ چونک کے پلٹی۔ نگاہیں اس سے ملیں۔ اس کی آنکھوں پہ نیلا مسکارا لگا تھا۔ البتہ لپ اسٹک مدھم ہو چکی تھی اور چہرے کی رنگت سفید سی تھی۔ ماہر کو دیکھ کے ایک تھکان بھری سانس خارج کی۔

"تھینک یو... آپ کے آنے کے لیے۔" وہ رو نہیں رہی تھی۔ لیکن رو دینے کے قریب تھی۔

"کیا ہوا؟" وہ خراب گلے جیسی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

"میرا..." وہ قدرے جھجکی۔ لمحے بھر کو غور سے اس اجنبی معمار کو دیکھا۔

یہ آدمی ویسا تازہ دم اور پر اعتماد نہ لگتا تھا جیسے دو برس پہلے تھا۔ اس کے لیے قطر ائیر ویز کے اسٹاف کو ڈانٹ دینے والا۔ اسے اپنے ساتھ المرجان لاؤنج میں لانے والا۔ اسے ڈنر کرنے پہ مجبور کرنے والا۔

یہ قدرے مختلف سا تھا۔ اس کا لباس ملگجا اور آنکھیں متورم تھیں۔ جیسے نیند سے جاگا ہو۔ یا جیسے کئی راتوں سے سویا نہ ہو۔ بڑھی شیو۔ گہرے حلقے۔ کمزور چہرہ۔

"میرا... والٹ کھو گیا ہے۔" اس نے پلکیں جھپکائیں۔ آنسو اندر ہی اتار لیے۔ یہ طے تھا کہ ماہ بینہ مبین آج نہیں روئے گی۔

" کیا تھا والٹ میں؟"

" پیسے۔ کارڈز۔ پاسپورٹ۔ بورڈنگ پاس۔ موبائل۔ سب کچھ۔" پھر اضافہ کیا۔ "موبائل کی بیٹری بھی ختم تھی۔"

وہ چند لمحے ناسمجھی سے اسے دیکھتا رہا۔ "تم نے مجھے کال کیسے کی؟"

"ایک مسافر کے فون سے۔ آپ نے اپنا نمبر میرے بیگ پہ لکھا تھا۔" ماہی نے سفید بیک پیک کا اسٹریپ دکھایا۔ وہاں permanent مارکر سے سیاہ رنگ میں اس کا فون نمبر لکھا تھا جو بہت دفعہ صاف کرنے کے باوجود نہیں مٹا تھا۔

" مجھے اپنے گھر کے لینڈ لائن کے علاوہ کوئی نمبر زبانی یاد نہیں ہے۔ سمجھ نہیں آیا کس کو کال کروں۔ میں لاہور سے کینیڈا جا رہی تھی۔" وہ تیز تیز بتا رہی تھی۔ "صبح ساڑھے دس بجے میں یہاں اس ائیر پورٹ پہ اتری ہوں۔ ۹ گھنٹے کا ٹرانزٹ تھا۔ ابھی گھنٹہ پہلے میں ایک جگہ سو گئی۔ جب اٹھی تو میرا والٹ غائب تھا۔ یقیناً کسی نے میرا والٹ چرا لیا ہے۔"

وہ بنا کچھ کہے اسے دیکھے گیا۔

"میں نے سیکیورٹی سے بات کی ہے۔ اپنے قدموں پہ واپس ہر اس جگہ گئی جہاں سے میرا گزر ہوا ہو۔ مگر بے سود۔ اب میں ائیر پورٹ پہ پھنس گئی ہوں۔ بورڈنگ پاس اور پاسپورٹ کے بغیر میں فرینکفرٹ کی فلائٹ بورڈ نہیں کر سکتی۔ یہ مجھے واپس پاکستان ڈی پورٹ کر دیں گے۔ اسی لیے آپ کو کال کی۔" وہ بہت دقت سے خود کو رونے سے باز رکھے ہوئے تھی۔

" کیا میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں؟"

"جی؟" وہ سانس روکے سن رہی تھی۔

" کیا تم نے کچھ کھایا ہے؟"

ماہی نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"لنچ جلدی کر لیا تھا۔ لیکن والٹ کھونے کے بعد کچھ نہیں کھایا۔ میں بنا بورڈنگ پاس کے ائیر پورٹ سے کچھ نہیں خرید سکتی۔"

"پہلے کچھ کھاتے ہیں۔ پھر تم مجھے دوبارہ سے ساری کہانی بتانا۔ واللہ مجھے ایک لفظ نہیں سمجھ آیا۔" وہ جھرجھری لے کر آگے بڑھ گیا۔

ماہی کے کندھے ڈھلک گئے۔ شاید اس نے اسے کال کر کے غلطی کی تھی۔ وہ نیند میں تھا۔ یا کیا معلوم بیمار ہو۔

ایک بیمار آدمی اس کی کیا مدد کرے گا؟ وہ بے دلی سے اس کے پیچھے چل پڑی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زرد بھالو سے چند میٹر دور ہیرڈز (Harrods) ٹی روم بنا تھا۔ اس کے ایک دروازے کے باہر سبز یونیفارم پہنے ایک بھالو کھڑا تھا۔ ساتھ دیوار میں بنی کھڑکی تھی جس سے ٹی روم کے اندر کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ لیکن وہ دونوں اندر بیٹھنے کی بجائے کھڑکی کے باہر رکھی میز کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ ارد گرد دوسری شاپس اور بیگز اٹھائے آتے جاتے مسافر دکھائی دیتے تھے۔ دوسرے حصوں کی نسبت یہ ائیر پورٹ کا قدرے خاموش کونا تھا۔

ماہی اس آدمی کو وہاں بلانے پر پچھتا رہی تھی۔ اسے عباد سے رابطہ کرنا چاہیے۔ وہ اس کے فون سے یا ائیر پورٹ کے کمپیوٹرز سے عباد سے انسٹاگرام پہ رابطہ کر سکتی تھی۔ لیکن کیا کہے گی وہ؟ ایک دفعہ پھر ائیر پورٹ پہ اس نے اپنا تماشہ بنایا تھا۔ اُف۔ پچھلی دفعہ بچت ہو گئی تھی۔ تب اس کا پہلا انٹرنیشنل ٹرپ تھا۔ لیکن گزشتہ دو برس میں اس نے عباد کے ساتھ کئی سفر کیے تھے۔ وہ اب انیس سالہ ماہی نہیں تھی۔

لیکن اسے آج اپنا آپ پھر سے انیس سالہ ماہی کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔

"میں سو رہا تھا جب تمہاری کال آئی۔ میں کافی کے بغیر فنکشن نہیں کر سکتا۔"

وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ ماہی چونک کے سیدھی ہوئی۔ وہ کافی کا گھونٹ بھر رہا تھا۔ یہ اس کا دوسرا کپ تھا۔ اس کا چہرہ گیلا اور سامنے کے بال نم تھے۔ وہ ابھی منہ دھو کے فریش ہو کے آیا تھا۔ اب وہ بہتر لگ رہا تھا۔

"اب بتاؤ... میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟"

" آپ کسی طرح مجھے میری فرینکفرٹ کی فلائٹ پہ بورڈ کروا سکتے ہیں؟" وہ پریشان تھی۔اس نے کہا تھا دوہا اس کا شہر ہے۔وہ اسے ایک بااثر آدمی لگا تھا۔شاید وہ اتھارٹیز سے بات کر سکے۔کوئی اثر ورسوخ استعمال کر سکے اور وہ جادو سے کینیڈا پہنچ جائے۔

"بغیر بورڈنگ پاس اور پاسپورٹ کے تم کہیں نہیں جا سکتیں۔البتہ ہم تمہارا والٹ ڈھونڈ سکتے ہیں۔" وہ سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ تھا۔

"میرا والٹ چوری ہوا ہے۔اب کیسے ملے گا؟"

"یہ دنیا کا بہترین ایئر پورٹ کسی وجہ سے ہے۔کیونکہ یہاں ایسے جرائم نہیں ہوتے۔" اس نے جیب سے قلم نکالا اور ایک ٹشو پیپر سامنے کیا۔

"اگر تم نے اپنی سیونگز ایک مہنگے بیگ کی بجائے (تنقیدی نظروں سے اس کے بیک پیک کو دیکھا) ایک ایئر ٹیگ یا آئی فون میں انویسٹ کی ہوتیں تو آج تم فائنڈ مائی آئی فون سے اپنا فون ڈھونڈ سکتی تھیں۔"

"میں android یوزر ہوں۔اور مجھے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ہے۔" اس نے آنکھیں گھمائیں۔ایک تو یہ کمبخت apple users خوامخواہ کا احساس برتری۔ہونہہ۔

"تم کہاں سوئی تھیں جب تمہارا والٹ کھویا؟"

"پریئر ایریا میں۔مجھے ایسے مت دیکھیں۔ہم جیسے لوگوں کے پاس بزنس کلاس لاؤنج کی رسائی نہیں ہوتی۔ہم ایئر پورٹس پہ نماز کی جگہوں پہ ہی سوتے ہیں۔"

وہ سر جھکائے ٹشو پہ کچھ لکھ رہا تھا۔

"اور تمہاری فلائٹ میں کتنا وقت رہ گیا ہے؟"

" تین گھنٹے بعد بورڈنگ اسٹارٹ ہو جائے گی۔"

"یعنی ہمارے پاس تمہارا والٹ ڈھونڈنے کے لیے تین گھنٹے ہیں۔" ماہر نے اپنے فون پہ ٹائمر سیٹ کیا اور اسے درمیان میں رکھا۔ماہی نے الجھ کے اسے دیکھا۔وہاں تین گھنٹے کا وقت سیٹ تھا اور ہر سیکنڈ کے ساتھ وقت گھٹتا جا رہا تھا۔

" آپ کسی سے میرے لیے بات نہیں کریں گے؟ ایئر پورٹ اسٹاف سے؟ کسی سے؟" اس نے بے چینی سے

یاد دلایا۔جس مقصد کے لیے اس نے اسے بلایا تھا' وہ اس کو سن ہی نہیں رہا تھا۔

"نہیں کیونکہ ہم تمہارا والٹ ڈھونڈ لیں گے۔تم نے کہیں گرایا ہوگا۔"

"اب تک اسے کوئی چرا کے جا چکا ہوگا۔وہ نہیں ملے گا۔آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

اس اجنبی نے آنکھیں اٹھا کے ایک نظر اس پہ ڈالی تو ماہی قدرے دھیمی پڑی۔

"ہم اسے کیسے ڈھونڈیں گے؟"

"چیزیں وہیں سے ملتی ہیں جہاں سے ان کو کھویا ہوتا ہے۔"

"میں ہر اس جگہ گئی ہوں جہاں میں گئی تھی۔ہر راستے کو دیکھا ہے۔واش روم۔لفٹ۔سیڑھیاں۔وہ کہیں نہیں ہے۔"ایک دفعہ پھر اس نے آنسوؤں کو پیچھے دھکیلا۔وہ روئے گی نہیں۔

ماہر نے پیچھے ٹیک لگائی اور بغور چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"اسکول میں maths پڑھی تھی؟"

"اسکول کی میتھس کا عملی زندگی میں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔تھیورم' فارمولے' الجبرا۔ایویں پڑھاتے تھے اسکول میں۔"اس نے ناک چڑھائی۔

"یعنی تم نے اب تک نہیں سیکھا کہ دنیا میں ہر شے ریاضی کی محتاج ہے۔"

اب کے ماہی کو اس پر غصہ آنے لگا۔اس نے پیچھے ٹیک لگا لی اور بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

"کیسے؟"

"میتھس دنیا کی سب سے بڑی پرابلم سولور (problem solver) ہے۔میتھس کے تھیورپ اور فارمولے تمہیں اس لیے پڑھائے جاتے ہیں تا کہ تم بڑے ہو کر عملی زندگی میں ان کے ذریعے اپنے مسئلے حل کر سکو۔"

"میں اپنا والٹ میتھس کے ذریعے نہیں ڈھونڈ سکتی' معمار صاحب۔"اس نے خفگی سے ماہر کو دیکھا۔کسی کو نیند سے کبھی نہیں جگانا چاہیے۔وہ یقیناً اسی چیز کا بدلہ لے رہا تھا۔

"ڈھونڈ سکتی ہو۔کیونکہ میتھس ہمیں سکھاتی ہے کہ دنیا کی ہر چیز نمبرز میں بیان کی جا سکتی ہے اور نمبرز کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔"وہ اب ٹشو پہ چند لکیریں کھینچ رہا تھا۔

"تم لاہور سے دوبا کس وقت پہنچیں؟"

"قریباً ساڑھے دس بجے۔"

"یعنی ساڑھے دس بجے تمہارا والٹ تمہارے پاس تھا۔"

اس نے سب سے اوپر لکھا 10:30 AM

"اور کس وقت تم نے دیکھا کہ والٹ غائب ہے؟"

"پورے دو بجے۔ اسے یاد آیا۔ جب والٹ چوری ہوا تو میں نے وقت دیکھا تھا کیونکہ میں سو کر اٹھی..."

"تمہارا والٹ دو بجے چوری نہیں ہوا۔" اس نے تیزی سے ٹوکا۔ "دو بجے تمہیں "معلوم" ہوا کہ وہ کھو گیا ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔"

"ایک بات نہیں ہے۔ تمہیں مجھے نمبرز میں بتانا ہوگا کہ تم ساڑھے دس بجے سے دو بجے تک کیا کرتی رہی ہو۔ ایک ٹرانزٹ کرنے والا مسافر بار بار گھڑی دیکھتا ہے۔ نمبرز مجھے بتائیں گے کہ تمہارا والٹ کہاں ہے۔"

ماہی کے چہرے پہ چھائی پریشانی اب الجھن میں بدل چکی تھی۔ اس کا دماغ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ یہاں بیٹھے بیٹھے اس کا والٹ کیسے ڈھونڈ لے گا۔ لیکن اس کے پاس اس شخص کے سوا کوئی نہ تھا۔

"ائیر پورٹ پر آتے ہی تم نے پہلا کام کیا کیا؟"

"میں نے اپنی بہن کو کال کی تھی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح ۱۰ بج کر پینتیس منٹ۔

وہ ایک خوشگوار سی صبح تھی۔ ہوائی سفر کا مخصوص جوش لیے وہ ٹرانزٹ مسافروں کے ساتھ جب ائیر پورٹ کے بارونق ایریا میں داخل ہوئی تو آنکھیں بند کر کے سانس اندر کھینچا۔ اس ائیر پورٹ پہ دو سال قبل اس کے ساتھ اچھا تجربہ پیش نہیں آیا تھا۔ لیکن اس دفعہ وہ ان یادوں کو اچھی یادوں سے تبدیل کرے گی۔ اس کا ٹرانزٹ نو گھنٹے کا تھا۔ وہ کھائے پیے گی' انجوائے کرے گی' شاپنگ کرے گی۔ نو گھنٹے بعد اس کی فرینکفرٹ کی فلائٹ تھی اور وہاں سے وین کو ور۔

ہر چیز بہتر طریقے سے ہو رہی تھی۔

ماہی نے سفید بیک پیک سے سرخ رنگ کا والٹ نکالا۔ اور اس کی زپ کھولی۔ یہ ٹریول والٹ تھا جو اتنا بڑا تھا کہ اس کے اندر کرنسی' کارڈز' پاسپورٹ' بورڈنگ پاس غرض ہر ضروری سفری شے رکھنے کی گنجائش تھی۔ اور بیرونی

خانے میں موبائل فٹ آجاتا تھا۔ اس نے موبائل نکالا اور والٹ واپس احتیاط سے بیگ میں ڈالا۔ وائی فائی connect کرکے سب سے پہلے اس نے ماں کو کال ملائی۔ انہوں نے فون نہیں اٹھایا تو اس نے مالا کا نمبر ملایا۔

"دوبا پہنچ گئی ہوں۔ وی پی این آن کرلیا ہے۔ بیٹری لو ہے۔ کہیں آرام سے چارج کروں گی۔ تم کیسی ہو؟"

وہ ایک ہی سانس میں بولتی گئی۔ سامنے زرد بھالو اپنی لیمپ میں سر پھنسانے کے بعد شرمندگی سے گردن جھکائے ہوئے بیٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"فاسٹ فارورڈ...'' ماہر نے ہاتھ سے اون لپیٹنے کا اشارہ کیا۔ وہ اس کی تفصیلات سے اکتا گیا تھا۔

وہ دونوں ہیر ڈز ٹی روم کی کھڑکی کے باہر بیٹھے تھے۔ اور کافی کے کپ ان کے درمیان رکھے تھے۔ ماہی نے ناراضی سے اسے دیکھا اور سر جھٹکا۔

"میں کال کرکے واش روم گئی۔ مگر میں نے وضو نہیں کیا کیونکہ کسی نماز کا وقت نہیں تھا۔"

"تم نے والٹ واش روم میں نہیں گرایا؟" اس نے مشکوک نظروں سے ماہی کو دیکھا۔

"نہیں معمار صاحب۔" ماہی نے دانت پہ دانت جما کے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔ "کیونکہ وہاں سے میں اسی ٹی روم تک آئی تھی اور میں نے کافی اور ڈیزرٹ کھایا تھا۔ اور بل دیتے وقت بورڈنگ پاس دکھایا تھا۔ یعنی اس وقت والٹ میرے پاس تھا۔"

"پھر؟"

"پھر یہیں اندر مجھے نگینہ آنٹی مل گئیں..."

"ایں؟" ماہر فرید نے الجھ کے اسے دیکھا۔ "نگینہ آنٹی کون ہیں؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوا گیارہ بجے کے قریب۔

ماہ بینہ مبین اس وقت ہیر ڈز ٹی روم میں بیٹھی تھی۔ سرخ والٹ میز پہ رکھا تھا اور سفید بیک پیک ایک خالی کرسی پر۔ ویٹر نے جیسے ہی اس کی کافی اور تراميسو سامنے رکھا' اس نے جھٹ موبائل نکال کے تصویر کھینچی اور فیملی گروپ پر بھیج دی۔ بیٹری کم تھی۔ چلو کہیں چارج کرے گی۔ پہلے کافی پی لے۔

موبائل رکھا ہی تھا کہ سامنے والی میز پہ نظر پڑی۔ وہ چونکی۔ آنکھیں چھوٹی کیں۔ پھر چہرے پہ شناسائی دوڑی۔

"نگینہ آنٹی؟" قدرے اونچی آواز میں پکارا۔

اس میز پہ بیٹھی خاتون نے چونک کے گردن موڑی۔

نگینہ بیگم آج سے بہت مختلف تھیں۔ چاق و چوبند۔ دراز قد۔ ان کے کندھے ابھی ڈھلکے نہیں تھے۔ بال سیاہ ڈائی کیے ہوئے تھے۔ عینک ندارد۔ دبلی پتلی سمارٹ سی۔ سر پہ دوپٹہ لیے' ایک کندھے سے دوپٹہ کندھے تک اٹھائے' جس سے ایک آستین دکھائی دیتی۔ گریس فل سی شلوار قمیض پہنے' ہاتھ میں تسبیح' سانولا چہرہ فریش اور پرکشش تھا۔ آنکھوں پہ کاجل اور ہلکی لپ اسٹک۔

وہ ایسی خاتون تھیں جنہوں نے بڑھتی عمر کے باوجود خود کو فٹ رکھا ہوا تھا۔

ماہی کو دیکھ کے ہلکا سا حیران ہوئیں۔ پھر لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ اپنی جگہ سے اٹھیں اور اس کے سامنے آئیں۔

"میں ماہی ہوں۔ حورِ جہاں کی بیٹی۔" وہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔

"بالکل۔ میں پہچان گئی ہوں' بیٹا۔ بہت عرصے بعد دیکھا ہے۔" وہ تمکنت سے مسکراتیں اس کے سامنے بیٹھیں۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ ہاتھوں میں ہیرے کی انگوٹھیاں تھیں۔

"آپ یہاں کیسے؟ آپ تو دبئی ہوتی تھیں نا۔"

"ساتھ ہی تو ہے دبئی۔ ایک فیملی فرینڈ سے ملنے دوہا آئی تھی۔ شارٹ ٹرپ۔" وہ گہری نظروں سے ماہی کو دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔ "ماشاءاللہ کون سا month ہے؟"

ماہی کے گال ہلکے سے سرخ ہوئے۔ وہ جھینپ کے مسکرا دی۔

"چوتھا۔" البتہ اس کی مسکراہٹ میں حیرت بھی تھی۔ اس نے بہت کھلا سا لمبا فراک پہن رکھا تھا۔ اور وہ ابھی تک کافی اسمارٹ تھی۔ پاکستان میں دو مہینے رہی تھی۔ پچھلے ہفتے ایک شادی اٹینڈ کی۔ کسی کو شک بھی نہ ہوا کہ وہ امید سے تھی۔ دوسری دفعہ تھی اور نظرِ بد کے ڈر سے ماں نے اسے کسی کو بھی بتانے سے منع کیا تھا۔ پھر بھی نگینہ آنٹی نے بھانپ لیا تھا۔

"مبارک ہو۔" وہ بہت غور سے ماہی کو دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کیسی ہیں؟ آپ کا بیٹا رائٹر بن گیا ہے نا؟ میں اسے انسٹا پہ فالو کرتی ہوں۔"

"ہاں بس آج کل اس کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہوں۔ تم بتاؤ' امی کیسی ہیں؟" پھر یاد آیا۔

''تمہاری بڑی بہن کیسی ہے؟اس کی کہیں بات وغیرہ....''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یعنی چند منٹ تم نے ایک random رشتے دار آنٹی سے گوسپ کی۔آگے؟" اس نے پھر سے ہاتھ کو گھمایا۔(فاسٹ فارورڈ پلیز۔)

ماہی نے گہری سانس لی۔اس کی کمر اب درد کر رہی تھی۔اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔

"مجھے پانی چاہیے۔"اس نے تھکان سے پیچھے کو ٹیک لگائی۔

"نگینہ بیگم سے ہونے والی ساری گفتگو وہ اس کٹھور آدمی کو نہیں سنا سکتی تھی۔شاید اس کے نزدیک چھوٹی تفصیلات وقت کا ضیان تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کشمالہ ٹھیک ہے۔"وہ مختصراً بولی۔کچھ محتاط سا ہو گیا اس کے لہجے میں۔اسے یاد آیا ماں نگینہ آنٹی کو خاص پسند نہیں کرتی تھیں۔نہ جانے کیوں۔(ان کو اپنے بیٹے کے لیے کہیں مالا کا خیال تو نہیں آ رہا؟)

"رشتہ وغیرہ ہوا اس کا؟"

"ابھی وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہتی۔اس کو چند سال اپنا کیریئر بنانا ہے۔" نگاہیں چرا کے اس نے ویٹر کو اشارہ کیا۔

"ایک کافی مزید۔"پھر انہیں دیکھا۔وہ مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھ رہی تھیں جیسے ان کی نگاہیں ماہی کے اندر تک جا رہی ہوں۔

"اور تم خوش ہو ماہی؟"

"جی۔اللہ کا شکر ہے۔"وہ پھیکا سا مسکرائی۔کچھ غیر آرام دہ سا احساس ہونے لگا تھا۔اس حالت میں رشتے دار عموماً نظر لگا دیتے تھے۔اس کے اندر خوف اٹھنے لگا۔کہیں اسے نظر نہ لگ جائے۔یہ دوسری دفعہ تھا جب اس کو اپنی فیملی ہونے کی امید ہوئی تھی۔اس دفعہ کچھ برا نہیں ہونا چاہیے۔

"آپ اکیلی آئی ہیں؟"اس نے اب کے نگینہ بیگم کو غور سے دیکھا۔وہ برانڈڈ بیگ لیے،ہاتھ میں تسبیح اور پیروں میں جوگرز پہنے ہوئے تھیں۔وہ عام سی دیسی خاتون تھیں۔مانا کہ دبئی میں رہتی تھیں لیکن کیا وہ ائیر پورٹ سے دوہا کسی کے گھر یوں ہی اکیلی چلی جائیں گی؟اس نے دیسی آنٹیز کو کم ہی اتنا پر اعتماد اور ایکٹیو دیکھا تھا۔

"بیٹے اور شوہر کی اپنی اپنی زندگی ہے۔ میں ان کو زیادہ تنگ نہیں کرتی۔" بات کرتے کرتے نگینہ بیگم کی نظر اس کے بیک پیک پہ پڑی۔ گردن ترچھی کر کے اسٹریپ پہ لکھا نمبر پڑھا۔ پھر چونک کے ماہی کو دیکھا۔

"تم نے اپنا بیگ خراب کر دیا ہے۔" وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے جیسے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"یہ عباد کے کام ہیں۔ کسی کا نمبر لکھ رہا تھا۔ پیپر نہیں ملا تو میرا بیگ تباہ کر دیا۔" اس نے خفت سے بیگ کا رخ الٹا دیا۔ نمبر چھپ گیا۔ ماحول میں ایک عجیب سا تناؤ آ گیا تھا۔ مالا ٹھیک کرتی تھی۔ پبلک پلیس پہ اتفاق سے ملنے والے رشتے داروں کو نظر انداز کر کے گزر جاتی تھی۔ اسے خوامخواہ ان سے علیک سلیک نہیں کرنی چاہیے تھی۔ عجیب آکورڈ سا محسوس ہو رہا تھا۔

"کافی آ گئی۔" ویٹر کو کافی لاتے دیکھ کے اسے سکون آیا۔ ویٹر جھک کے کافی رکھنے لگا۔ اور وہ شرمندگی سے اپنے بیک پیک کا ہینڈل درست کرنے لگی۔ اسی پل ویٹر کا ہاتھ پھسلا۔ ماہی کی چیخ بلند ہوئی۔

اور کافی کا گرما گرم کپ نیچے گر گیا۔

عین نگینہ بیگم کی آستین پر جو دوپٹے سے باہر تھی۔

"او گاڈ..." ماہی نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

لیکن نگینہ بیگم جگہ سے نہیں ہلیں۔ گیلے بازو کو قدرے بلند کر کے افسوس سے دیکھا اور ویٹر کی طرف محض ایک گھورتی ہوئی نگاہ اچھالی۔ وہ بوکھلا کے معذرت کرنے لگا۔

"اٹس او کے...." وہ بڑبڑائیں لیکن ان سے پہلے ہی ماہی تیزی سے اٹھی۔ پریشانی سے بہت سے ٹشو اٹھائے اور ان کے قریب آئی۔

"میں صاف کرتی ہوں آنٹی۔" وہ جلدی جلدی ان کی آستین موڑنے لگی۔

"نہیں... کوئی بات نہیں..." وہ ایک دم گھبرائیں۔ رنگت فق ہوئی۔ لیکن وہ ماہی تھی۔ حورِ جہاں کی بیٹی۔ اس کے سامنے اس کی ایک بزرگ آنٹی کے اوپر چائے گر گئی تھی۔ وہ اسی وقت ان کے کپڑے بھی دھو کے استری کر دینے کو تیار تھی۔

"آنٹی آپ بالکل ٹھہر جائیں۔ میں صاف کر رہی ہوں۔" ڈپٹ کے ان کو روکا۔ پھر احتیاط سے آستین اوپر فولڈ کی۔ ٹشو سے گیلا بازو صاف کیا اور اسی پل وہ ٹھہری۔

بازو کی سرخ پڑتی جلد پر ایک نشان تھا۔صلیب کی شکل کا سیاہ نشان جس کے گرد دو نقطے لگے تھے۔جیسے جلا ہوا ہو۔جیسے کوئی ٹیٹو ہو۔وہ ایک لمحے کے لیے ہی اس نشان کو دیکھ پائی تھی کہ...

نگینہ بیگم نے کھینچ کے آستین نیچے کی۔رنگت قدرے متغیر ہوگئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں۔بیٹا۔میں چلتی ہوں۔مجھے دیر ہو رہی ہے۔"ویٹر اپنے باس کو لے آیا تھا معذرت کے لیے لیکن وہ پرس اٹھا کے تیزی سے باہر نکل گئیں۔ماہی تحیر سے انہیں جاتے دیکھتی رہی۔پھر سر جھٹک کے ویٹر کو بل لانے کے لیے کہا۔کچھ دیر بعد بل ادا کرتے ہوئے اس کو اچھی طرح سے یاد تھا کہ سرخ والٹ اس کے پاس تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"گوسپ کے بعد وہ آنٹی چلی گئیں۔ہاں ان پر کافی گرگئی تھی۔لیکن چھوٹی تفصیلات آپ کے لیے اہم نہیں ہیں۔"رودادسناتے ہوئے وہ جل کے بولی۔(حالانکہ devil is in the detail)ویٹر اس کے لیے پانی لا چکا تھا۔پہلے اس نے تیزی سے چند گھونٹ بھرے۔پھر سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا۔

"میں کافی دیر وہیں بیٹھی رہی۔پھر میرے موبائل پہ ظہر کی اذان کا وقت ہوا تو میں سستی سے اٹھی اور واش روم گئی۔پھر وضو کیا۔اور پرئیر ایریا میں جا کے نماز پڑھی۔اس وقت ساڑھے بارہ ہو رہے تھے شاید۔"

"نماز کے بعد والٹ تمہارے پاس تھا؟"وہ سر جھکائے ٹشو پیپر پہ اوقات نوٹ کرتا جا رہا تھا۔

"جی کیونکہ نماز کے بعد میں زرد بھالو تک واپس آئی۔ایک قریبی ریستوران سے کھانا کھایا۔اور پھر ڈیوٹی فری سے چاکلیٹس لیں۔"اس نے تمام رسیدیں نکال کے سامنے رکھیں جنہیں وہ عادتاً بیک پیک میں چاکلیٹس کے ساتھ ٹھونستی آئی تھی۔

"چاکلیٹس خریدنے کے لیے میں نے بورڈنگ پاس دکھایا تھا۔یعنی اس وقت والٹ میرے پاس تھا۔"

وہ رسیدوں سے وقت دیکھتا ٹشو پہ رقم کر رہا تھا۔

"پھر میں پرئیر ایریا میں واپس آئی۔مجھے بہت نیند آ رہی تھی۔میں وہیں سو گئی۔آدھے گھنٹے بعد میں اٹھی تو دو بج رہے تھے۔اور میں نے فون نکالنے کے لیے بیک پیک میں ہاتھ ڈالا تو والٹ میرے پاس نہیں تھا۔"

"چاکلیٹس تم نے ایک بج کے بیس منٹ پہ خریدیں۔اور والٹ کی گمشدگی کا تمہیں دو بجے علم ہوا۔اس چالیس منٹ کی ونڈو میں تمہارا والٹ کھویا ہے۔"

"یہی بات میں نے آدھا گھنٹہ پہلے آپ کو بتائی تھی۔لیکن آپ نے پوری میتھس استعمال کی جس کا کوئی فائدہ

نہیں ہوا۔"

"چالکلیٹس شاپ سے پریئر ایریا تک دس منٹ کی واک ہے' مادام۔ اس دس منٹ میں تم جس جس جگہ سے گزری ہو' ہم اس جگہ دوبارہ جائیں گے اور تمہارا والٹ ڈھونڈیں گے۔ اٹھو۔" وہ ایک دم ٹشو لپیٹتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کسی سے کہہ کے کیمرہ فوٹیج نہیں نکلوا سکتے؟" اس نے تکان سے ماہر کو دیکھا۔ اس کی کمر مزید درد کرنے لگی تھی۔

"فوٹیج نکلوانے تک تمہاری فلائٹ کا وقت ہو جائے گا۔ پہلے ہم خود ڈھونڈ کے دیکھتے ہیں۔"

عجیب ڈھیٹ آدمی تھا۔ دو کپ کافی پی کر وہ اب فریش تھا اور وہ تھک چکی تھی۔ وہ اس کا وقت ضائع کر رہا تھا۔ کم بخت نہ ہو تو۔

اس نے بیگ پیک کندھوں پہ پہنا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ چند قدم چل کے ہی وہ ہانپنے لگی تھی۔

"اگر والٹ نہ ملا تو یہ لوگ مجھے ڈی پورٹ کر دیں گے۔ اتنی مشکل سے کینیڈا کا ویزہ آیا تھا۔ پھر سے نیا پاسپورٹ بنواؤں گی۔ اور..."

"نہیں ضائع ہوتا تمہارا ویزہ۔" وہ اس سے تیز قدموں سے چل رہا تھا۔

وہ اس کے ہر قدم کو ٹریس کرتے گئے لیکن والٹ کو نہیں ملنا تھا' نہ ملا۔ اب تک ماہی کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ یہاں کوئی اثر و رسوخ' کوئی سفارش کام نہیں کرنی تھی۔ اس کے پاس پاکستان واپس جانے کے سوا کوئی آپشن نہیں تھا۔ اور یہ آپشن شدید شرمندگی لیے ہوئے تھا۔ سارے سسرال کو معلوم تھا کہ وہ کینیڈا جا رہی ہے۔ رشتے داروں کی ہی نظر لگی ہو گی یقیناً۔

"مجھے اپنے شوہر کو کال کرنی ہے۔" وہ بھالو کے قریب بنی ایک چوکی پہ بیٹھ گئی۔

"کرو کال۔" ماہر نے فون اس کی طرف بڑھایا۔

ماہی اس کے بڑھے ہاتھ کو دیکھے گئی۔ اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ ماہر نے موبائل واپس جیب میں ڈال لیا۔

"دنیا میں دو سب سے بڑی قوتیں جو انسان سے کچھ کروا سکتی ہیں' ان میں سے ایک خوف ہے۔ اور سب سے بدترین خوف انجان شے کا ہوتا ہے۔ Fear of unknown"

ماہی نے سر جھکا لیا۔ کیا بتائے گی وہ عباد کو؟ کہ وہ اتنی لاپرواہ تھی کہ کسی نے اس کا والٹ چرا لیا اور اسے معلوم ہی نہ ہو سکا؟

"تم دنیا میں سب سے زیادہ کس چیز سے ڈرتی ہو؟"

وہ دونوں اب ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور ان کے سامنے ائیر پورٹ پہ بہت سے لوگ آ جا رہے تھے۔ ٹہلتے' بھاگتے 'تصویریں لیتے' کافی کے کپ اٹھائے' موبائلز پہ سر جھکائے۔ سب کی دنیا الگ تھی۔

"ایک دفعہ پھر اپنا بچہ کھونے سے۔" اس نے سوچا لیکن کہا نہیں۔ بس اسے دیکھے گئی۔

"اور دوسری بڑی قوت کیا ہے؟"

"محبت۔" وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟"

"سگار سے۔"

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"اور آپ کا سب سے بڑا خوف؟"

ماہر چند لمحے کچھ کہہ نہیں سکا۔ آنکھوں کے سامنے ایک چہرہ لہرایا۔

گول عینک والا بچہ آنکھیں میچ میچ کے رو رہا تھا۔

اس نے تھوک نگلا۔

"میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔" آواز کپکپائی تھی۔ کچھ تھا جو اس کے چہرے میں بدلا تھا۔ ماہی نے غور سے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔ چند لمحے کے لیے وہ اپنا غم بھول گئی۔

"آپ ڈرتے ہیں۔ بلکہ...." وہ چونکی۔ "آپ ڈرے ہوئے ہیں۔"

اور اب اسے سمجھ میں آیا تھا کہ اس شخص میں کیا بدلا تھا۔ خوف۔ یہ خوف تھا جو اس کی شخصیت میں جمع ہو گیا تھا۔ اور اس نے سب بدل کے رکھ دیا تھا۔

"میں.... میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ چاہے وہ نظر آئے ... چاہے نہ نظر آئے۔" وہ سر جھٹک کے سامنے دیکھنے لگا۔

"نہ نظر آئے؟" ماہی نے بغور اسے دیکھا۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ سامنے دیکھے گیا۔ تب اسے احساس ہوا کہ وہ زیادہ ہی پرسنل ہو گئی تھی۔ اسے ایسا کمنٹ نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"سوری میرا مطلب..."

"تم نہ نظر آنے والی مخلوق پہ یقین رکھتی ہو؟ جیسے..." اس کی نظریں سامنے آتے جاتے لوگوں کے ہجوم پہ جمی تھیں۔

"جیسے جنات؟"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہاں۔ آپ نہیں کرتے۔"

"پتہ نہیں۔ لیکن میں ایک ایسی جگہ گیا جہاں انسانوں کے اندر جنات بول رہے تھے۔ وہ لوگ cursed تھے یا ناٹک کر رہے تھے، میں سمجھ نہیں سکا۔"

"ایسے لوگ cursed ہوتے ہیں نہ اداکار۔"

"پھر کیا ہوتے ہیں؟"

"بیمار۔ وہ صرف بیمار ہوتے ہیں۔"

وہ جہاں تھا، وہیں رہ گیا۔ اس کی سانس اٹک گئی۔

"وہ بیمار تھا۔" ہونٹ پھڑپھڑائے۔ آنکھوں کے آگے ایک چہرہ لہرایا۔ وہ بچہ۔ گیلی عینک۔ آنکھیں میچ کے روتا۔ وہ خوفزدہ کرنے والا نہیں تھا۔ وہ تو صرف بیمار تھا۔

"میں نے ایک خواب دیکھا کچھ دن پہلے۔"

چند لمحوں بعد اسے احساس ہوا کہ وہ نڈھال سی بیٹھی لڑکی کچھ کہہ رہی ہے۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

"کہ میں کسی سفر پہ ہوں۔ اور راستے میں مجھے ایک عجیب سا سایہ ملتا ہے۔ جیسے کوئی جادوگر یا شیطان ہو۔ وہ میرے اوپر پھونک مارتا ہے۔ اور جب میں واپس پہنچتی ہوں... یعنی اس جگہ جہاں میں جا رہی تھی... تو میں اپنا بچہ کھو دیتی ہوں۔ پتہ نہیں اس کا کیا مطلب ہے۔ لیکن برا خواب بتانا نہیں چاہیے۔ میں نے غلطی سے ماں کو بتا دیا تھا۔"

بورڈنگ کی کال اسپیکرز پہ سنائی دینے لگی۔ ماہ بینہ مبین کی رہی سہی امید بھی بجھنے لگی۔

ماہی نے مایوسی سے گھڑی دیکھی۔ "بورڈنگ آدھے گھنٹے بعد بند ہو جائے گی۔ اور میری فلائٹ مس ہو جائے گی۔ شاید میرا خواب سچا تھا۔ مجھے کوئی جادوگر تو نہیں ملا، لیکن یوں لگتا ہے گھر واپسی پہ کوئی آفت میری منتظر ہو گی۔"

اس نے جھرجھری لی۔

''عربی میں ہم کہتے ہیں مکتوب.....لکھا ہوا۔''

"مکتوب؟"

"لکھا ہوا۔ جو ہونا ہے۔ اور جو نہیں ہونا۔ سب لکھا جا چکا ہے۔ تمہارے بچے کی زندگی بھی۔ موت بھی۔ پھر خوف کس چیز کا؟"

اور وہ جو اتنی دیر سے آنسو قابو میں رکھے ہوئے تھی' ایک دم جیسے آنکھوں کے بند ٹوٹ پڑے۔ آنسو زار و قطار بہنے لگے۔

"میں اتنی لاپرواہ کیسے ہو سکتی ہوں؟" وہ ایک دم بچوں کی طرح رونے لگی۔

ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ اس چوکی پہ بیٹھے تھے اور وہ چہرے کو ہاتھوں میں چھپائے روئے جا رہی تھی۔

"آنکھیں صاف کرو' لڑکی۔" اس نے لکھا ہوا ٹشو اس کی طرف بڑھایا۔

"کیوں؟ روتی ہوئی عورت آپ لوگوں کو کمزور لگتی ہے؟" اس نے بھیگا چہرہ اٹھا کے غصے سے اسے دیکھا۔ اس شخص نے اس کا اتنا وقت ضائع کروایا تھا۔

"کمزور نہیں۔ صرف بھیانک۔" اس نے شانے اچکائے۔

ماہی چونکی۔ پھر تیزی سے ٹشو پکڑا اور آنکھیں رگڑیں۔ ٹشو کو واپس دیکھا تو اس پہ نیلاہٹ لگی تھی۔ رونے سے یقیناً سارا مسکارا بہہ گیا تھا۔ ایک دم ڈھیروں شرمندگی چہرے پہ دوڑ گئی۔

"سوری۔" اس نے زکام زدہ سی سانس کھینچی۔ اُف۔ اردگرد لوگ دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ کتنی بھیانک لگ رہی ہو گی۔ آئینہ بھی نہیں تھا کہ خود کو دیکھ پاتی۔ موبائل میں سیلفی کیم سے دیکھ سکتی تھی۔ وہ کم بخت بھی کھو گیا تھا۔

"تمہارا مسکارا بہہ گیا ہے۔" وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ماہی نے برا مان کے اسے دیکھا۔ ''اس وقت میری زندگی میں اس سے بڑے مسائل ہیں۔''

"تم نے ایک بجے وضو کیا تھا۔" ماہر نے ٹشو واپس لیا اور اوقات کار کی فہرست پڑھی۔ ''وضو سے تمہارا میک اپ دھل گیا ہو گا۔ پھر دوبارہ میک اپ کب کیا تھا؟"

ماہی نے بھیگی آنکھوں میں ناسمجھی لیے اسے دیکھا۔

"میک اپ نہیں' صرف مسکارا ٹرائی کیا تھا۔"

اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔لب بھنچ گئے۔

"میں نے کہا تھا' مجھے اپنے ایک ایک قدم کے بارے میں بتانا۔تم نے مسکارا کب ٹرائی کیا؟"

"چاکلیٹس لینے کے بعد شاید۔"وہ خود بھی کنفیوذڈ ہوگئی۔"میں ڈیوٹی فری پہ میک اپ ٹیسٹر دیکھ رہی تھی' وہیں سے مسکارا اٹھا کر لگالیا۔اس سے کیا ہوتا ہے؟ فری کا میک اپ انسان ٹرائی کر ہی لیتا ہے۔"

"تم نے وہ مسکارا خریدا؟"

"نہیں۔لیکن..."

"میں میک اپ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ..."وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔"کہ مسکارا دونوں ہاتھوں سے لگایا جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔وہ اسے اس میک اپ اسٹال تک واپس لایا جہاں سے اس نے مسکارا ٹرائی کیا تھا۔

"تم چاکلیٹس لے کر یہاں سے آئی تھیں۔تمہارا والٹ ہاتھ میں تھا کیونکہ تم نے ابھی ابھی پے منٹ کی ہوگی۔"

وہ اب میک اپ اسٹال کی طرف رخ کیے کھڑی تھی اور وہ اس کے پیچھے تھا۔

"تم نے دوسرے ہاتھ سے مسکارے کی ڈبی اٹھائی ہوگی۔"

اس نے اشارہ کیا۔ماہی نے ایک مسکارا اٹھایا۔

"لیکن مسکارے کی وانڈ نکالنے کے لیے تمہیں والٹ والا ہاتھ استعمال کرنا تھا۔سو تم نے والٹ..."ماہر نے دائیں ہاتھ بنے شیلف پہ ہاتھ رکھا۔"یہاں رکھا ہوگا۔"

"شاید...."ماہی نے وانڈ باہر نکالی۔پھر اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ایک میں ڈبی تھی۔دوسرے میں مسکارا وانڈ تھی۔اس کے دونوں ہاتھ مصروف تھے۔اوہ نو...وہ چونکی۔

وہ شیلف کی چیزیں ٹٹول رہا تھا۔ایک سیلز گرل ساتھ آ کھڑی ہوئی لیکن وہ دونوں اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔

"کیا معلوم کسی نے اٹھالیا ہو۔"

"پھر وہی بات؟ یہاں کوئی تمہارا پاسپورٹ نہیں چرائے گا'لڑکی۔"

"پھر کسی کو ملا کیوں نہیں؟"اس نے پریشانی سے دور نظر آتی اسکرین کو دیکھا۔اس کا بورڈنگ گیٹ کھل چکا تھا۔اس کے ساتھی مسافر جہاز میں بیٹھتے جارہے ہوں گے۔

"کسی کو ملنا چاہیے تھا۔" وہ بڑبڑایا۔ "سوائے اس صورت میں کہ وہ...." ماہر کی انگلیاں شیلف کے عقب تک گئیں۔ وہاں درز سی بنی تھی۔

"کہ وہ پھسل کے پیچھے جا گرا ہو۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ پھر سیدھا ہوا اور اسٹال اٹھا کے ایک طرف کیا۔ اس سے پہلے کہ سیلز گرل روکتی، ماہی کی چیخ نکلی۔

اسٹال کے پیچھے پھنسا ہوا سرخ والٹ دھڑام سے زمین پہ جا گرا تھا۔

ایک لمحے کے لیے اسے لگا وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ اگلے پل وہ جھکا اور والٹ اٹھا کے سیدھا ہوا۔

"کہا تھا نا، نمبرز کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔"

اس نے جھپٹ کے والٹ کھولا۔ اندر سب کچھ تھا۔ ڈیڈ موبائل۔ پاسپورٹ۔ بورڈنگ پاس۔ پیسے۔ کارڈز۔

"یہ اسٹینڈز کے درمیان میں پھنسا نہ ہوتا تو کسی کو مل جاتا اور تم اتنی پریشان نہ ہوتیں۔ اور اگر تم مجھے پہلے بتا دیتیں کہ تم نے میک اپ ٹرائی کیا ہے تو میں اسی وقت بتا دیتا کہ مسکارا...."

"دو ہاتھوں سے لگایا جاتا ہے۔" وہ روتے روتے ہنس دی۔ پھر آنکھیں رگڑیں۔ یقیناً اب وہ پہلے سے زیادہ بھیانک لگ رہی تھی لیکن اسے پرواہ نہ تھی۔

"تھینک یو۔ آپ کی وجہ سے...."

"نہیں۔ میں نہ ہوتا تب بھی چند گھنٹوں بعد یہ کسی نہ کسی کو مل جاتا۔ اور تم تک پہنچ جاتا۔"

وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ سیاہ نیلے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے دھندلی بصارت کے پار اسے دیکھا۔

"تھینک یو...."

"تمہاری لاسٹ بورڈنگ کال سنائی دے رہی ہے۔ جاؤ۔ ہیو اے سیف فلائٹ۔" وہ مسکرایا تھا۔ وہ مزید وہاں رکنا چاہتی تھی۔ وہ اس کا شکریہ کہنا چاہتی تھی۔ لیکن وقت نہیں تھا۔

وہ آگے بڑھ گئی۔ پھر واپس اس کی طرف پلٹی۔

"میں آپ کو کال کروں گی۔"

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ جیسے کہہ رہا ہو اس کی ضرورت نہیں۔ وہ اسے ایک دن میں بھلا دے گا۔

"تھینک یو...."

دونوں کے درمیان بہت سے لوگ آ گئے۔ یہاں تک کہ وہ اب اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ انسانوں کے ہجوم میں

گم ہو گئی۔

ایئر پورٹ سے نکلتے ہوئے اس نے پہلی کال سبر ینہ کو ملائی تھی۔

"فلائٹ ری فنڈ کروا دوں؟"

"ہوں۔" وہ کھنکھارا۔ "تمہارا بھائی کیسا ہے؟"

وہاں ایک لمحے کے لیے ناراض سی خاموشی چھا گئی۔

"ویسا ہی ہے۔ اداکار۔"

ماہر نے چہرہ جھکا دیا۔ چند لمحے وہ کچھ نہیں بولا۔

"جب میں واپس آؤں گا تو مجھے دوبارہ وہاں لے چلنا۔ تمہارا بھائی بیمار ہے۔ اور میں بھی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یاسمین نے گہری سانس کھینچی۔

"یہ ایک بے حد طویل واقعہ تھا جو تم نے سنایا۔ کیوں؟"

وہ نوٹ پیڈ اور قلم رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہر نے گردن اونچی کر کے اسے دیکھا۔

"کیونکہ یہ دن مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔ اس روز میں سرکار سے پہلی دفعہ واقف ہوا تھا۔"

"اس سب سے میں واقف ہوں۔ میں ہم دونوں کے لیے سینڈوچز لاتی ہوں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"مجھے ہے' ماہر۔ کیا تم بھول گئے آج میرا فیملی ڈے تھا؟" مسکرا کے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دیا۔ وہ دروازے کے پیچھے غائب ہو گئی۔

ماہر نے گھٹنوں پہ رکھا تھرو اٹھایا اور اس کی تہیں کھولیں۔ اسے سردی لگ رہی تھی۔ اس نے اسے شال کی طرح کندھوں پہ لپیٹ لیا اور خاموشی سے گھڑی کی ٹک ٹک سننے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہ بینہ کو ایئر پورٹ پہ الوداع کہہ کے وہ باہر نکلا تو رات اندھیر ہو رہی تھی۔ اس کی ہیوی بائیک وہیں اس کی منتظر تھی۔ اپارٹمنٹ بلڈنگ تک واپسی کا سفر زیادہ طویل نہ تھا یا شاید وہ تیز بائیک چلا رہا تھا۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی لابی سامنے نظر آئی۔عربوں کے مخصوص آرکیٹیکچر کی نمائندہ کرتی' اونچی مرمریں محرابی چھت۔ بلند ستون۔ پھولوں کی دل فریب خوشبو۔ وہ دستانے اتارتا' ہیلمٹ پہلو میں اٹھائے' سیدھا لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

ایک عورت لفٹ کے دروازے کے آگے کھڑی تھی۔ یوں کہ اس کی ماہر کی طرف پشت تھی۔ سفید دوپٹہ۔ نیچے شلوار قمیض۔ اس کے ہاتھ میں بہت سے شاپنگ بیگز تھے۔ وہ جھک کے کچھ کر رہی تھی۔ جیسے ہی لفٹ کے دروازے کھلے وہ اندر داخل ہوا۔ عورت ساتھ میں داخل ہوئی۔ بیگز ماہر سے ٹکرائے۔ عورت کا توازن برقرار نہ رہ سکا۔ وہ لڑکھڑائی۔ بروقت دیوار کا سہارا لیا۔

"سوری... سوری..." وہ چونک کے اس کی طرف بڑھا۔ ہیلمیٹ رکھ دیا۔ پھر جھک کے بیگز سمیٹے۔ ایک بیگ۔ دوسرا۔ تیسرا۔ ہینڈلز سے پکڑ کے ان کو اکٹھا کیا۔ عورت نے تسبیح والا ہاتھ بڑھایا۔

"شکریہ..." اس نے بیگز پکڑاتے ہوئے نگاہ اٹھائی۔

عورت نے آنکھوں پہ سن گلاسز چڑھا رکھے تھے حالانکہ وہ لفٹ میں تھے۔ اس کی رنگت سانولی تھی۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ہونٹوں کے گرد لکیریں سی بنیں۔ ماہر نے تین سیکنڈ کے لیے اس کا چہرہ دیکھا اور شکریہ سر کے خم سے قبول کرتا سیدھا ہو گیا۔ اس کا ذہن کہیں اور تھا۔

اس نے نہیں دیکھا کہ عورت نے مسکراتے ہوئے ہونٹ گول کیے ہیں۔

پھر ہونٹ کھولے ہیں۔

ایک پھونک ہونٹوں سے نکلی۔

اور ہوا کے دوش پہ اڑتی ہوئی اس کے چہرے تک گئی۔

عورت نے چہرہ موڑ لیا۔ لفٹ اوپر جا رہی تھی۔ وہ مطلوبہ فلور پہ سامنے دیکھتے ہوئے اترا۔

سن گلاسز والی عورت اس کے ذہن سے محو ہو چکی تھی۔ ویسے بھی ایک انسانی ذہن کو کسی اجنبی کا چہرہ یاد رکھنے کے لیے اس کی آنکھیں دیکھنا ضروری ہے۔

"اتنی دور خود جانے کی کیا ضرورت تھی' سرکار؟"

"ایک گھنٹے کی فلائٹ تھی' شمس۔ دس گھنٹے کی ہوتی تب بھی ہم چلے جاتے۔" رات کی تاریکی میں ٹیکسی ائیرپورٹ کی طرف رواں دواں تھی۔ پچھلی سیٹ پہ بیٹھی نگینہ بیگم ائیرفونز کانوں میں لگائے کہہ رہی تھیں۔

" آصف اس کے معدے میں شیاطین کو داخل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن چونکہ وہ خود آزاد ہو چکا ہے' اس لیے وہ شیاطین چند دنوں میں ہی کمزور پڑ جاتے ۔اور وہ واپس بہ رو بہ صحت ہو جاتا ۔اس لیے پھونک مارنا ضروری تھا۔ جو پھونک براہ راست ماری جائے' اس کا توڑ آسانی سے نہیں کیا جا سکتا' شمس ۔" وہ مسکراتے ہوئے شیشے کے پار روشن گاڑیوں کو دیکھ رہی تھیں ۔سیاہ فام ڈرائیور لاتعلقی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"پھونک کتنی جلدی اثر کرتی ہے؟"

"جتنی جلدی وہ ہماری مدد کرے گا۔ وہ خود میری پھونک کو مضبوط بنائے گا۔"

" کیا مطلب؟"

(ماہر ہیلمیٹ اٹھائے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہو رہا تھا۔)

"جب وہ اللہ کا نام لیے بغیر گھر میں داخل ہو گا تو پھونک اس کے اوپر ثبت ہو جائے گی۔"

(وہ موبائل فون میں الجھا ہوا اندر آیا اور سیدھا کافی میکر کی طرف گیا۔اب وہ فریش تھا۔اسے بیٹھ کے کچھ کام کر لینا چاہیے۔)

"لیکن وہ پھونک اس کے اندر کیسے اترے گی؟"

"جادوگر کی پھونک اس کے اندر داخل ہونے کا انتظار کرے گی یہاں تک کہ وہ خود اس کو راستہ فراہم کر دے۔"

(ماہر نے کافی میکر کا بٹن دبایا۔بھوری گرم دھار کپ میں گرنے لگی۔خوشبو دار دھواں اٹھنے لگا۔)

"جب وہ اللہ کا نام لیے بغیر کچھ کھائے یا پیئے گا تو شیطان یعنی جن جو اس پھونک میں چھپا ہے' اس شے کے ذریعے اس کے جسم کے اندر داخل ہو جائے گا۔"

(اس نے عادتاً بے توجہی سے کافی کا مگ لبوں سے لگایا۔سیاہ مائع اندر اترنے لگا۔)

"اس کے گھر میں بہت سی چیزیں اس پھونک کو مدد فراہم کریں گی۔ جیسے موسیقی۔"

(وہ ورک ٹیبل پہ آن بیٹھا۔کانوں میں ایئر پوڈز گھسائے' اپنا پسندیدہ ورک میوزک لگایا اور گرافک ٹیبلیٹ سامنے کھول لیا۔)

"ہر نظر انداز کی گئی اذان کے ساتھ پھونک اندر پختہ ہو جائے گی۔"

(وہ اب پوری توجہ سے ٹیبلیٹ پہ پین سے لکیریں کھینچ رہا تھا۔باہر دور کہیں عشاء کی اذان ہو رہی تھی لیکن وہ اس کی سماعتوں سے بہت دور تھی۔)

"اور یوں آہستہ آہستہ پھونک اس کے خون کا حصہ بن جائے گی۔"

(رات گزرتی رہی۔کافی کے دور چلتے رہے۔بالآخر ایک خاکہ سا ٹیبلیٹ پہ ابھرنے لگا۔ماہر فرید نے ہاتھ روک کے اسے دیکھا۔)

"اور سب سے پہلے وہ دماغ پہ حملہ کرے گی۔"

(لاؤنج میں اندھیرا تھا۔صرف ٹیبلیٹ کی روشنی تھی جو ماہر کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔اس نے کئی گھنٹوں کی محنت سے بنائے خاکے کو ناپسندیدگی اور مایوسی سے دیکھا۔پھر ڈیلیٹ کا بٹن دبایا۔چہرے پہ بے بسی بھرا غصہ تھا۔)

"اور پھر وہ اندر چھپے خوف سامنے لائے گی۔خوف ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔"

(وہ کتنی ہی دیر خالی صفحے کو دیکھتا رہا۔دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔آئیڈیاز جیسے بند ہو گئے تھے۔اس نے بے بسی سے ٹیبلیٹ بجھا دیا۔پھر لیپ ٹاپ اسکرین روشن کی۔کیلنڈر دیکھا۔اپائنٹمنٹس۔میٹنگز۔ٹو ڈولسٹ۔ہر جگہ طویل فہرستیں تھیں جنہیں وہ اتنے دن سے نظر انداز کیے ہوئے تھا۔کتنے ایسے کام تھے جو وہ نہیں کر سکا تھا۔بوجھ۔اسٹریس۔پریشر۔

اس نے کنپٹیاں انگلیوں سے دبائیں۔

(اسے لگا اسے بخار ہو رہا ہے۔)

"اور خوف کے دریا کو پار کرنا آسان نہیں ہوتا' شمس۔" نگینہ بیگم ایئر پورٹ کی عمارت کو باہر دیکھ کے مسکرائی تھیں۔وہ ایک کامیاب مشن کے بعد واپس جا رہی تھیں۔

"وہ مذہبی انسان نہیں ہے۔وہ بہت جلد آپ کی پھونک کو اپنے جسم میں خود داخل کر لے گا۔لیکن..." شمس سوچتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔"لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ...اس سب کے باوجود پھونک کام نہ کرے؟"

ٹیکسی سے نکلتے ہوئے نگینہ بیگم نے ایک گہری سانس کھینچی۔

"ہاں۔" پھر آسمان کی طرف دیکھا۔"اگر اللہ چاہے۔"

اور کندھے اچکا کے موبائل کان سے ہٹا لیا۔پرس کہنی پہ اٹھائے' وہ اب پر اعتماد قدموں سے ایئر پورٹ کی طرف جا رہی تھیں۔

ادھر اپنے اندھیرا اپارٹمنٹ میں بیٹھا ماہر خوف اور بے بسی سے لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

ایک زمانہ تھا جب اس نے قطر اور لندن کے درمیان رئیل اسٹیٹ کا کام شروع کیا تھا۔دو سال انہوں نے اس

کام میں بہت نفع حاصل کیا تھا۔لیکن اب کئی نئے اسٹارٹ اپس وہی کام کرنے لگے تھے۔اس کے ذہن میں خدشے ابھرنے لگے وہ سب آگے نکل جائیں گے اور وہ پیچھے رہ جائے گا۔وہ ناکام رہ جائے گا۔سب اس کے کنٹرول سے نکلتا جا رہا تھا۔

وہ وہیں صوفے پہ لیٹ گیا۔اس کا جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔آنکھیں بوجھ تلے بند ہو رہی تھیں۔

کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا تھا۔اس کے پار سے اونچی روشن عمارتوں کی روشنی لکیر کی صورت میں سینٹر ٹیبل پہ گرتی تھی۔باقی سب اندھیر تھا۔

وہ سویا نہیں تھا۔اس کا دماغ جاگ رہا تھا۔بس آنکھوں پہ بوجھ تھا۔

"اس نے تم پہ پھونک ماری ہے۔"

کسی نے اس کے قریب سرگوشی کی تھی۔ماہر نے آنکھیں کھولنی چاہیں لیکن ان پہ بوجھ تھا۔جیسے کسی نے ٹیپ لگا کے انہیں بند کر دیا ہو۔

"ماہر..."وہ اس سرگوشی کو پہچانتا تھا۔

اس کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے۔لیکن سارا جسم مفلوج تھا۔وہ ہل نہیں سکتا تھا۔

"ماہر...." کوئی تھا جو سینٹر ٹیبل پہ آ بیٹھا۔ایسے کہ روشنی کی لکیر کا راستہ رک گیا۔

ماہر کی آنکھ کی ہلکی سی جھری کھلی تھی۔وہ دھندلا سا منظر دیکھ سکتا تھا۔

میز پہ بیٹھے وجود کا اسے گھٹنوں سے نیچے کا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔کھلے سیاہ ٹراؤزرز۔پیروں میں بند جوتے۔اس کے ہاتھ گھٹنوں پہ تھے۔وہ سفید رنگ کے بوڑھے ہاتھ تھے۔ایک انگلی میں سبز نگینے والی انگوٹھی تھی۔

"اس کا نام سرکار ہے۔"وہ اس کی طرف جھک کے کہہ رہا تھا۔

"اس نے تم پہ پھونک ماری ہے۔تم بیمار پڑ چکے ہو۔تمہیں علاج چاہیے۔یہ ایک طویل علاج ہوگا۔"

خوف اس کے سارے جسم کو اپنی جکڑ میں لے چکا تھا۔اس نے پورا زور لگانا چاہا۔لیکن وہ ایک انچ حرکت نہ کر سکا۔

"تمہاری بہن نے مجھے اس کی قید سے آزاد کروایا ہے۔اس لیے میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں کے سامنے ایک منظر ابھرنے لگا۔وہ خواب تھا جیسے۔یا کوئی سراب۔

وہ ایک تاریک کمرہ تھا۔وسط میں روشنی کا ہالہ جو سیدھا اس پہ پڑ رہا تھا۔

ایک چغہ پہنے بیٹھا شخص۔ لمبے سفید بال۔ نارنجی رومال سر پہ باندھے۔ وہ اس کی جانب پشت کیے بیٹھا تھا۔

"یہ سرکار ہے..." سرگوشی اسے بتا رہی تھی۔ جیسے کوئی ہاتھ سے پکڑ کے اسے قدم قدم اس منظر میں آگے چلا رہا ہو۔

وہ دھیرے دھیرے چلتا اس کے قریب آیا۔ زمین پہ بیٹھے شخص کا سر جھکا تھا۔ دبلا پتلا سا وجود۔ چہرہ واضح نہ تھا۔ آستین اوپر چڑھے تھے۔

ایک بازو پہ ماہر کی نگاہ ٹھہر گئی۔ اس پہ سیاہ رنگ کا صلیب سے ملتا جلتا نشان بنا تھا جس کے گرد نقطے لگے تھے۔

"کون ہو تم؟" اس نے خود کو کہتے سنا۔

نارنجی رومال والا جھکا سر دھیرے سے اٹھا۔ اس کا چہرہ سامنے آیا۔ وہ ایک بوڑھا مرد تھا جس کی سفید داڑھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا تھا۔ ماہر کو دیکھ کے وہ مسکرایا اور واپس سر جھکا لیا۔ اس کے جھریوں زدہ ہاتھ کسی دھاگے کو لپیٹ رہے تھے۔

"یہ کون ہے؟" وہ اب اردگرد اندھیرے میں دیکھتا پوچھ رہا تھا۔

"حورِ جہاں کی بیٹی سے پوچھو۔ وہ اس کو پہچانتی ہے۔"

"یہ کون ہے؟" وہ گول گول گھومتا اس سرگوشی کو تلاش کر رہا تھا۔

"تم بیمار ہو..." الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔ منظر دھندلانے لگا۔

ایک دم کوئی فسوں سا ٹوٹا۔

ماہر فرید جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔

لاؤنج اندھیر تھا۔ اس نے تیزی سے بتیاں آن کیں۔ اس کا تنفس بے ترتیب تھا اور جسم پسینے میں بھیگا تھا۔

وہاں اب کوئی نہیں تھا۔ جیسے کوئی ابھی اٹھ کے گیا تھا۔ اس کی موجودگی کا احساس ہنوز فضا میں قائم تھا۔

وہ کانپ رہا تھا۔ خوف سے۔ بے یقینی سے۔

اس نے گھٹنے سینے سے لگا کے ان کے گرد بازو لپیٹ لیے۔ ہراساں نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں اب کوئی نہیں تھا۔ لیکن ماہر فرید جانتا تھا کہ زندگی اب پہلے جیسی نہیں رہے گی۔

اس کے معدے کا درد پھر سے اٹھنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن

جدہ (صوبہ مکہ)

" کیا دیکھا آپ نے؟"

اپارٹمنٹ کی خاموشی کو رامین کی آواز نے توڑا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے کارپٹ پہ بیٹھی تھیں۔ رامین نے اس کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ وہ پریشان نظر آ رہی تھی۔ اور خوفزدہ بھی۔

" کہاں سے شروع کروں؟"

"جب آپ نے ماہر کو ہلال کے بارے میں فون کیا... اس سے اگلی صبح کیا ہوا؟"

کشمالہ مبین نے گہری سانس لی۔ دھیرے سے اپنے ہاتھ الگ کیے۔ ڈھیلا جوڑا کمر پہ گرا تھا اور چند لٹیں ویران چہرے کا ہالہ کیے ہوئے تھیں۔ اس نے بے رحمی سے بال کان کے پیچھے اڑسے اور کہنا شروع کیا۔

"فلیش لائٹس..."

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح۔

وہ استنبول کی ایک خوبصورت گلی تھی۔ سڑک کنارے بہت سے کیفے بنے تھے جن کے چھجوں سے سفید پھولوں کی بیلیں لٹک رہی تھیں۔ سفید پھول اور سبز ٹہنیاں۔ وہاں دوسرا کوئی رنگ نہ تھا۔ گول پتھروں سے بنی گلی میں کشمالہ قدم قدم چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔

تمام کیفے خالی تھے۔ گو کہ ان میں ناشتے کی مہک تھی۔ چائے کی دو بڑی کیتلیاں چولہوں پہ چڑھی تھیں۔ ان سے بھاپ نکلتی دکھائی دیتی تھی۔ لیکن وہاں کوئی انسان نہ تھا۔

کیفے ز کے باہر رکھی کرسیاں میزیں بھی خالی تھیں۔ سب کہاں چلے گئے؟ وہ الجھی الجھی سی قدم اٹھا رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکی۔

ایک کیفے کے سامنے بچھی کرسی پہ....

ماں بیٹھی تھیں۔

سفید دوپٹہ سر پہ ڈال کے کانوں کے پیچھے اڑسے، وہ سونے کے کنگن والے بازوؤں سے تھال میں رکھے پھول

چن رہی تھیں۔ ٹہنیاں علیحدہ۔ پتیاں علیحدہ۔

"ماں...." کسی معمول کی سی کیفیت میں وہ قریب آئی۔

انہوں نے سبز آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا پھر مسکرائیں۔

"مالا... کیا تم نے فلیش لائٹس تلاش کیں؟"

"کیوں؟" اس نے تعجب سے روشن گلی کو دیکھا۔ پھر آسمان پہ چمکتی صبح کو۔

"یہاں تو روشنی ہے۔ آپ کو فلیش لائٹس سے کیا دیکھنا ہے؟"

وہ جواب میں کچھ کہہ رہی تھیں۔ کچھ ایسا جو وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ منظر دھندلا ہو رہا تھا۔ دور کہیں دستک ہو رہی تھی۔

وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ آنکھیں جھپکائیں۔ کھڑکی کے باہر نگاہ دوڑائی۔ فجر کی اذان سماعتوں سے ٹکرائی۔ اس نے موبائل اٹھا کے کھولا۔ زیاد کی چیٹ ہنوز خاموش تھی۔ کوئی میسج نہیں۔ دل کو دھکا سا لگا۔

اذان میں دستک کی آواز شامل ہو گئی تھی۔ کوئی کافی دیر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ شاید اسی دستک نے خواب میں مخل ہوئی تھی۔

"کون؟"

"کون ہو سکتا ہے؟" تھکا ہارا لہجہ۔

وہ جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی۔ بے یقین۔ ساکت۔ پھر تیزی سے دروازہ کھولا۔

زیاد سلطان سامنے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کے اداسی سے مسکرایا۔

"آئی ایم سوری۔"

اس کے چہرہ خود بخود ایک حیرت بھری خوبصورت مسکراہٹ میں ڈھلتا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"زیاد بھائی کو وہاں دیکھ کے آپ کو کیسا محسوس ہوا؟"

وہ دونوں قالین پہ بیٹھی تھیں اور رامین پوچھ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی، بیل بجی۔ مالا بری طرح چونکی۔

"ریلیکس۔ میں نے ناشتہ نہیں کیا۔ آپ نے اتنی جلدی میں بلایا۔ آنے سے پہلے کھانا آرڈر کیا تھا۔"

رامین اٹھ کے دروازے تک گئی۔وہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔رامین نے دروازہ کھولا۔سامنے ہنگر اسٹیشن کا رائیڈر کھانے کا پیکٹ لیے کھڑا تھا۔مالا کی رکی سانس خارج ہوئی۔

"ظاہر ہے میں خوش ہوئی تھی۔اس کے وہاں نہ ہونے سے میں بہت اداس تھی۔وہ آیا تو لگا' میرا سفر مکمل ہو گیا ہے۔"

رامین پیکٹ لیے قالین پہ آ بیٹھی اور اسے کھولا۔مناقیش کی خوشبو سارے میں پھیل گئی۔وہ چھوٹی گول روٹیوں جیسی تھیں جو پنیر' زعتر' لحم (گوشت) اور لبنہ سے بھری تھیں۔

"مگر تم لوگ ناراض تھے؟"

"یہی تو مسئلہ ہے میاں بیوی کے رشتے کا۔ایک ذرا سی کوشش سے ناراضی ختم ہو جاتی ہے۔وہ میرے لیے استنبول آیا تھا۔وہ معذرت کر رہا تھا۔میں کیسے ناراض رہ سکتی تھی؟"

اس نے انگلی اور انگوٹھے سے منؤشہ کی سطح سے پنیر میں لتھڑا زعتر توڑا اور منہ میں رکھا۔

"پھر کیا ہوا؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس وقت زیاد سلطان اور کشمالہ مبین ناشتے کی میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے' پاکستان میں صبح روشن ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔وقت یہاں دو گھنٹے آگے تھا۔پرندے چہچہاتے ہوئے درختوں کی ڈالیوں سے اڑ چکے تھے۔

لاہور سے دور ایک پسماندہ قصبے میں درختوں سے گھرے ایک مکان کا صحن اس وقت آباد تھا۔وہاں طرح طرح کے لوگ جھولیاں پھیلائے بیٹھے تھے۔ایک کمرہ وی آئی پی زکے لیے خاص تھا۔ہر دوسرے آستانے کی طرح یہاں بھی پیسے والے لوگوں کو الگ کمرہ ملتا تھا۔

یہ آستانہ پیٹر مسیح کے آستانے سے مختلف نہ تھا۔البتہ جادوگر مسلمان تھا۔عموماً لاہور اور گردونواح میں کام کرنے والے جادوگر مسلمان ہوتے تھے لیکن اپنے نام کے ساتھ مسیح یا پنڈت لگا کے خود کو غیر مسلم ظاہر کرتے تھے۔یوں مسلمان کلائنٹس کو گلٹ کا احساس کم ہو جاتا تھا۔

اس جادوگر کا نام سائل فقیر تھا۔اس کا جسم بھاری بھرکم تھا اور بال گھنگھریالے تھے۔آنکھوں میں سرمہ ڈالے' گندا میلا چغہ پہنے' وہ گردن میں ہڈیوں کا ہار ڈالے ہوئے تھا۔اسے نجاست بھرا حلیہ جنات کو قابو کرنے کے لیے اپنانا ہوتا تھا۔عام دنوں میں وہ صاف ستھرے حلیے میں بھی رہ سکتا تھا۔لیکن ایسے حلیے کلائنٹس کو مزید مرعوب

کرتے تھے۔اور اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی کبیرہ بیگم بھی اس وقت شدید مرعوب نظر آ رہی تھیں۔

" آپ کو تصاویر واٹس ایپ کی ہیں۔"

سر پہ بوائے کٹ بال سیٹ کیے' کانوں میں ہیرے پہنے' سادہ لباس' ایک کندھے پہ شال' وہ انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ ہلاتے ہوئے یاد دلا رہی تھیں۔

"دیکھی ہیں۔تمہاری بیٹی اور زیاد سلطان کی۔" سائل فقیر نے ناپسندیدہ سی آواز نکالی۔

"وزن کم کر لے تو اس آدمی سے شکل میں کافی بہتر ہے تمہاری بیٹی۔" اس کو واضح طور پہ زیاد سلطان پسند نہیں آیا تھا۔بات رنگت کی نہیں تھی۔زیاد سلطان کی تصویر میں کوئی کشش نہ تھی۔

" کیا بہت پیسے والا ہے؟" عامل اب فون پہ زوم کر کے زیاد کی تصویر دیکھ رہا تھا۔

"اس کی شکل یا امارت میرے لیے اہم نہیں ہے' بابا جی۔ مجھے اپنی بیٹی کی شادی اسی آدمی سے کرنی ہے۔" وہ زور دے کر بولیں۔

"ہوں۔مگر وہ شادی شدہ ہے۔"

وہ دھیرے سے مسکرائیں۔

"اسی لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔"

سائل فقیر معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

" جانتی ہو بی بی... سب سے مشکل جادو طلاق کا ہوتا ہے۔"

" لیکن عامل کو سب سے زیادہ پاور طلاق کروا کے ہی ملتی ہے۔" وہ انہی عاملوں کی مشہور اصطلاح "پاور" کا لفظ جتاتے ہوئے بول رہی تھیں۔عامل کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔اس کی کلائنٹ اس دنیا کے رموز سے واقف تھی۔

" جو مانگیں گے دوں گی۔مجھ بس زیاد اور کشمالہ کی طلاق کروانی ہے۔"

"کروا دیں گے۔" وہ مسکرایا۔پھر آنکھیں بند کیں۔زیرِ لب کچھ پڑھنے لگا۔

"اس لڑکی کا کوئی نک نیم بھی ہے شاید؟" چونک کے عامل نے آنکھیں کھولیں۔

کبیرہ بیگم مسکرا دیں۔نیا عامل ان کے امتحان میں پاس ہوا تھا۔صرف ایک اصلی عامل ہی جان سکتا تھا کہ وہ لوگ جن کے نک نیم ہوتے ہیں' ان پہ جادو کرتے وقت ان کے دونوں نام بتانا ضروری ہوتے ہیں۔

" مالا... اس کا نک نیم مالا ہے۔حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ مبین عرف مالا۔"

"پھر سنو بی بی..." اس نے پین اٹھایا اور ہوا میں کاٹنا لگایا۔

"مالا اور زیاد کی طلاق ہم نے لکھ دی ہے۔ ہو جائے گی۔ بس پیسہ لگے گا۔"

"عمل کب سے شروع ہوگا؟" وہ بے تابی سے بولیں۔ چہرہ جوش سے چمک رہا تھا۔

"ابھی اسی وقت سے شروع کر دیں گے۔ اب وہ زمانے گئے جب عمل کو میچور ہونے میں کئی ہفتے لگتے تھے۔ صرف یہ بتاؤ کہ اس وقت وہ دونوں کہاں ہیں؟ ہمارے موکل ان کو فوراً تلاش کر لیں گے۔"

"اس کے بھائی کی شادی ہے استنبول میں۔ یقیناً وہیں ہوں گے۔ اگر وہاں نہ ہوئے تو جدہ میں ہوں گے۔"

سائل فقیر نے آنکھیں بند کر کے زیر لب کچھ کہا۔ جیسے کسی کو ہدایت دی ہو۔ پھر چہرہ موڑ کے سوچتی نظروں سے کبیرہ بیگم کو دیکھا۔

"تمہاری بیٹی کو اس سے بہتر آدمی مل سکتا ہے۔ پھر یہی کیوں؟"

"ہے کوئی وجہ۔ بتا نہیں سکتی۔" وہ ہنوز مسکرا رہی تھیں۔ عامل نے شانے اچکا دیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کی عمارت میں معمول کے مطابق کام جاری تھے جب لفٹ کے دروازے کھلے اور عبدالمالک فرید اندر آتے دکھائی دیے۔ انہوں نے گہرا نیلا سوٹ پہن رکھا تھا اور سفید بال گیلے کر کے جمائے گئے تھے جیسے سلور ہوں۔ بے تاثر چہرے پہ ہلکے سے طیش کی رمق دکھائی دیتی تھی۔ وہ سیدھا ہال کے دوسرے سرے پہ بنے آفس تک آئے اور بنا دستک کے دروازہ کھولا۔

اپنی ورک ٹیبل کے پیچھے کاغذوں میں الجھی بیٹھی زارا نے چہرہ اٹھا کے انہیں دیکھا۔

"میں تمہاری پیکنگ کا جائزہ لینے تمہارے گھر آیا تو معلوم ہوا کہ تم آفس میں ہو۔" انہوں نے تنے ابرو کے ساتھ بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر اطراف میں زارا کے آفس کو۔ سب کچھ ہمیشہ کی طرح سیٹ تھا۔ اپنی جگہ پر۔

"تم نے پیکنگ نہیں کی؟ ہمیں آج واپس جانا تھا۔"

"میں نہیں جا رہی، بابا۔"

زارا نے مسکرا کے محض کندھے اچکائے۔

وہ چند لمحے بہت ضبط سے اسے دیکھتے رہے۔

وہ سیاہ کوٹ کے ساتھ کانوں میں سنہری تتلی والے ائیر رنگز پہنے، بل دار بالوں کو کندھوں پر سامنے ڈالے، آفس

کے نئے دن کے لیے تیار تھی۔ نہ کہ ائیر پورٹ کے لیے۔

"مجھے خود پر اعتماد کرنا چاہیے تھا' بابا۔ لیکن میں نے نہیں کیا۔"

وہ آنکھیں چھوٹی کر کے خاموشی سے اسے دیکھے گئے۔ وہ ریوالونگ چیئر پہ ٹیک لگائے بیٹھی' ہاتھ باہم پھنسائے بہت سکون سے کہہ رہی تھی جو اسے کہنا تھا۔

"جانتے ہیں سب میرے پاس کب آتے ہیں؟ ماہر۔ آپ۔ دوسرے دوست۔ جب کسی کو کسی کے بارے میں معلومات چاہیے ہوں۔ کیونکہ کسی کے بارے میں معلوم کرنے میں سب سے اچھی زارا ہے۔ زارا لوگوں کو جانتی ہے۔ زارا کے دوست ہر جگہ ہوتے ہیں۔" اس کی آواز طنز سے بلند ہونے لگی۔

"زارا..."

"لیکن جب مجھے خود معلومات چاہیے تھیں تو میں نے اس اسٹوپڈ شبنم پہ بھروسہ کیا۔ میں خود اپنے پاس نہیں گئی۔" وہ افسوس سے کہہ رہی تھی۔

"کیا بدلا ہے' زارا؟" ان کی آواز پست ہوئی۔

"وہ اس کی تھیراپسٹ ہے' بابا۔"

مالک فرید نے ایک گہری سانس لبوں سے خارج کی۔ ایک دم کندھوں پہ بہت سے بوجھ آن گرے تھے۔

"وہ... اس کی... تھیراپسٹ ہے۔" ایک ایک لفظ توڑ توڑ کے ادا کیا۔

"یاسمین؟"

"اور میں کیا کیا سمجھنے لگی تھی۔ مگر نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "میں یہاں سے نہیں جاؤں گی بابا۔ میں ماہر پہ upgive نہیں کروں گی۔"

"باوجود اس کے کہ تم اس کی زندگی میں کہیں نہیں ہو؟" عبدالمالک فرید کے تاثرات پل بھر میں واپس برف بن گئے۔ ان کا سوال کسی بھی جذبے سے عاری تھا۔

"یہ میری زندگی ہے۔ اور یہ میرا فیصلہ ہے۔ میں یہیں رہوں گی۔ ماہر کے لیے۔ کیف کے لیے۔ میں اس کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گی۔ وہ میرا سب سے اچھا دوست ہے۔" کہتے کہتے وہ رکی۔ ایک دم آنکھوں میں خوف سا ابھرا۔ وہ تیزی سے آگے ہوئی۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں؟" وہ پریشان نظروں سے ان کا چہرہ ٹٹولنے لگی۔ "آپ ماہر کے پاس جا کے اس کو کہنا

چاہتے ہیں کہ وہ مجھے یہاں سے جانے کے لیے مجبور..."

"تمہیں کوئی کچھ کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا' زارا کیونکہ تمہیں کسی نے اس گڑھے میں نہیں ڈالا۔تم خود اس میں کودی ہو۔تمہیں اس سے تمہارے سوا کوئی نہیں نکال سکتا۔خود میں بھی نہیں۔ جو دل چاہے کرو۔" ہلکے سے کندھے اچکا دیے۔وہ وہاں سے پلٹے تو چہرہ اسی طرح سرد تھا۔البتہ چال دھیمی تھی۔

"ہم آج رات واپس جا رہے ہیں۔زارا نہیں جائے گی۔" سامنے سے آتے اسسٹنٹ کو دھیمی آواز میں اطلاع دی۔اس کے ہونٹ اوہ میں سکڑے۔

"آپ نے آج چار بجے کی میٹنگ کے لیے یہ فائل مانگی تھی۔"ان باپ بیٹی کے مسئلے پہ تبصرہ کیے بغیر اسسٹنٹ نے ایک فلیش ڈرائیو مالک کی طرف بڑھائی۔"وہ میٹنگ کنفرمڈ ہے نا'سر؟"

"یہ تو چار بجے ہی معلوم ہوگا۔"انہوں نے فلیش ڈرائیو کو اوپر اٹھا کے دیکھا۔

بنا عینک کے بھی وہ اس پہ لکھا"سبرینہ"پڑھ سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آئی ایم سوری' کشمالہ۔"

وہ دونوں ایک کیفے کے چھجے تلے بچھی کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ویٹران کے سامنے قہوے (کافی) کے کپ رکھ رہا تھا جب زیاد کھنکھارا۔مالا نے نگاہ اٹھائی۔اس نے سفید ہائی نیک پہن رکھی تھی۔آنکھوں پہ گلاسز تھے اور ملال بھی۔

اس کے خواب کے برعکس استنبول کی اس گلی میں بنے کیفے بارونق اور رنگین تھے۔ترکش قہوے اور خستہ سمت (simit) کی خوشبو۔دکانوں کے چھجوں سے لٹکتے رنگین پھول۔صبح کی بارش کے بعد کی گیلی سڑک۔

آج طلوع ہونے والی صبح میں امید بھی تھی اور ابہام بھی۔

"کس کس بات کے لیے سوری' زیاد؟"اس کی سبز آنکھوں میں خفگی اتر آئی۔وہ سیاہ ڈھیلا ڈھالا سا کارڈیگن پہنے ہوئے تھی جس کے گریبان پہ سیاہ فاختہ کے نگینے دمک رہے تھے۔بال اونچے کر کے سبز رومال میں باندھ رکھے تھے۔چہرے پہ خفگی بھی تھی اور ایک اطمینان بھی۔وہ اس کے لیے آ گیا تھا۔

"تمہارے لیے تمہارے بھائی کی شادی کو اٹینڈ کرنا میں نے اتنا پیچیدہ بنا دیا۔مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ان دونوں کے درمیان بھاپ اڑاتی کافی کے کپ تھے جو بار باران کا منظر دھندلا دیتے۔

"اسی لیے میں یہاں آیا ہوں۔ کیونکہ میں تمہیں مزید ناراض نہیں کر سکتا۔"

"ویزہ مل گیا اتنی جلدی؟" اس کی آنکھوں میں اگلا جذبہ شکایت کا ابھرا۔ زیاد سلطان نے تھوڑی جھکا دی۔

"میرے پاس یو کے کا ویزہ ہے۔ امی ویزہ اپلائی کرنا مشکل نہیں تھا۔ لیکن میں اس شادی پہ نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے یہ بات چھپالی۔"

"آپ اس شادی پہ کیوں نہیں آنا چاہتے تھے؟" وہ بھاپ کے پار نظر آتا زیاد سلطان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیونکہ میں ایک اینٹی سوشل انسان ہوں۔" اس نے بے بسی سے مالا کو دیکھا۔ "ایک introvert۔ مجھے لوگوں سے گھلنا ملنا پسند نہیں ہے۔ یہ میری ذات کی کمزوری ہے۔ اور اسی لیے جب میں نے تم سے شادی کی تو میں مطمئن تھا کیونکہ تم بہت سوشل ہو۔ تم میری اس کمزوری کو دور کرنے میں مدد کرو گی۔ میں ہمیشہ یہی کرتا ہوں۔ امی مجھے شادیوں پہ جانے کے لیے مجبور کرتی ہیں اور میں نہیں جاتا۔"

"آپ عزہ کی شادی پر بھی آئے تھے۔ ماں کی بیماری تشخیص ہونے سے چند دن پہلے جب میں لاہور آئی تھی۔" وہ یاد کر رہی تھی۔ "اور اس سے ڈیڑھ سال پہلے آپ سہیل کی شادی پہ بھی آئے تھے۔"

اور یہ وہ ملاقات تھی جو اسے یاد نہیں تھی۔ جیسے وہ یادداشت سے محو ہو گئی ہو۔

"ہاں۔ گزشتہ تین سال میں ہمارے خاندان میں آٹھ دس شادیاں ہوئی ہیں اور میں نے صرف دو اٹینڈ کی ہیں۔ کہا نا۔ میں اس چیز میں اچھا نہیں ہوں۔ مگر میں اس عادت کو بدلنا چاہتا ہوں۔"

"آپ کو یہ تب سوچنا چاہیے تھا جب میں دو ہفتے تک آپ کی منت کرتی رہی تھی۔" وہ دکھی انداز میں یاد دلا رہی تھی۔

"میں خوفزدہ تھا۔" زیاد نے پھر سے چہرہ جھکا دیا۔

"کس سے؟"

زیاد نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں شرمندگی تھی۔

"یہی کہ یہاں سب مجھ سے پوچھیں گے کہ میری جاب کیسی جا رہی ہے اور مجھے جھوٹ بولنا پڑے گا۔"

"جاب؟"

اس کا سانس تک رک گیا۔

"میں نے تمہیں ایک بات نہیں بتائی۔" اس نے تھوک نگلا۔جیسے یہ بتانا اس کے لیے کسی بوجھ سے کم نہ تھا۔"میری جاب چلی گئی ہے۔"

وہ ساکت بیٹھی اسے دیکھے گئی۔جیسے معلوم نہ ہو کہ کیا ردعمل دینا چاہیے۔

"دراصل میں نے خود ہی نوکری چھوڑ دی تھی۔ مجھے مکہ کی ایک کمپنی کی طرف سے بہتر جاب کے لیے گرین سگنل مل گیا تھا۔وہ میرے دوست کی کمپنی تھی۔میں نے ایک غلط فیصلہ کیا اور لالچ میں اپنی پرانی جاب چھوڑ دی۔میں تمہارے لونگ اسٹینڈرڈ کو maintain کرنا چاہتا تھا۔تاکہ میں تمہیں اصلی ہیرے گفٹ کرسکوں۔"

"مگر آپ نے کہا تھا کہ آپ کو کمپنی نے ٹرانسفر..."

"جھوٹ بولا تھا تاکہ تم مجھ پہ غصہ نہ کرو۔سوچا جب اچھی جاب مل جائے گی تو سرپرائز دوں گا لیکن مکہ آ کے..." اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔"میرا اس دوست کے ساتھ معاملہ خراب ہوگیا۔میرے غصے کی وجہ سے..." اس نے بہت تکلیف سے ماتھے کو چھوا جیسے خود پر غصہ آرہا ہو۔"اس نے میری بنی بنائی بات خراب کردی۔اور میں تب سے بہت اسٹریس میں تھا۔اسی لیے میں تم سے بھی کھنچا کھنچا رہنے لگا۔اور ٹریول بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ورنہ میں ٹریول پسند کرتا ہوں۔مجھے خود شوق ہے۔"

وہ الجھن سے اسے دیکھے گئی۔کیا وہ کہانی بنا رہا تھا؟ یا وہ جانتا تھا وہ اس کا پاسپورٹ دیکھ چکی تھی؟ لیکن پاسپورٹ اس نے خود ایسی جگہ رکھا تھا جہاں سے وہ دیکھ سکے۔چھپانا ہوتا تو چھپا لیتا۔وہ ان تمام باتوں کا اعتراف کررہا تھا جو ان دونوں کے درمیان حائل ہوگئی تھیں۔

"زیاد میں نے آپ سے کتنی دفعہ کہا تھا کہ مجھ سے سچ اور صاف بات کیا کریں۔مجھے نہیں چاہئیں luxuries۔میں اپنی luxuries کما سکتی ہوں۔مجھے صرف سچا رشتہ چاہیے۔authentic تعلق۔اگر جاب کا پرابلم تھا تو مجھ سے شیئر کرتے۔میں آپ کا دکھ بانٹتی۔میاں بیوی اور کس لیے ہوتے ہیں؟ لیکن آپ مجھ سے جھوٹ بولتے رہے۔ہر صبح آپ یہ کہہ کر گھر سے نکلتے تھے کہ میں کام پہ جارہا ہوں۔"

"وہ جھوٹ نہیں تھا۔کیونکہ میں مختلف کیفے زجا کے اپنی کتاب لکھتا تھا۔میں بہت پریشر میں تھا۔کہانا۔یہ میری ذات کے مسئلے ہیں۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بہت بے بسی سے کہہ رہا تھا۔"ہر شادی میں مسئلے ہوتے ہیں لیکن ہمیں ان کو مل کے حل کرنا ہوتا ہے۔ایک دوسرے کو چھوڑ کے نہیں چلے جانا ہوتا۔مجھے جب یہ احساس ہوا تو فوراً یہاں آ گیا۔"

وہ کیف جمال نہیں تھا جو اگر اس سے جھوٹ بولتا تو وہ اس سے منہ موڑ لیتی یا اس کو زندگی سے نکال دیتی۔ وہ اس کا شوہر تھا۔ وہ اس کو منانے اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ کتنے ہی دن سے اس کے ایک میسج کے انتظار میں تھی۔

اس کے کندھے ڈھیلے پڑنے لگے۔ پیشانی کی لکیریں مٹنے لگیں۔

"ہمارے درمیان اتنے فاصلے کیسے آ گئے ہیں' زیاد؟" کپ اٹھائے' پتھروں سے بنی سڑک پہ چلتے قدموں کو دیکھتے ہوئے وہ ملال سے بولی۔ ایسی شادی اس نے تصور نہیں کی تھی۔

اسی پل کچھ عجیب سا ہوا۔ اچانک جیسے اوپر سے بارش ہوئی۔ وہ دونوں چونکے۔

نہ جانے کہاں سے چند قطرے زیاد کی سفید سوئیٹر پہ آن گرے۔ وہ پانی کے قطرے نہیں تھے۔ وہ خون کے تھے۔

مالا نے بے اختیار گردن اٹھائی۔ اوپر کچھ بھی نہ تھا سوائے آسمان یا چند seagulls کے جو یونہی استنبول کی گلیوں کا چکر لگا کے سمندر تک چلے جاتے تھے۔

"شاید... یہ ہے ہمارے درمیان فاصلوں کی وجہ۔" زیاد نے ٹشو اٹھایا اور دھیرے دھیرے وہ قطرے صاف کرنے لگا۔ وہ جیسے شل سی بیٹھی تھی۔

"کبیرہ تائی؟" ذہن کے پسِ منظر میں ایک الارم سا بجا۔

"وہی ہو سکتی ہیں۔ امی نے مجھے ان کے بارے میں وارن کیا تھا۔ امی بہت نیک خاتون ہیں۔ ان کو سچے خواب آتے ہیں۔ انہوں نے خواب میں کچھ دیکھا تھا۔ کبیرہ تائی ہماری شادی کی سب سے بڑی مخالف تھیں۔ وہ جادو میں بھی مشہور ہیں۔ اور جادو کے بارے میں' میں زیادہ نہیں جانتا سوائے اس کے کہ سب سے خطرناک جادو..."

"میاں بیوی کو جدا کرنے والا جادو ہوتا ہے...." کسی میکانکی عمل کے تحت اس نے زیاد کا فقرہ مکمل کیا۔ "خود سوچو' کشمالہ۔ ہم نے پسند کی شادی کی تھی۔ پھر ایسا کیا ہوا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے اتنے ناراض رہنے لگے؟ میں تم سے باتیں چھپانے لگا اور تم مجھے چھوڑ کے یہاں آ گئی؟" وہ اب ٹشو بھگو کے اپنا سوئیٹر صاف کر رہا تھا۔ سرخ دھبے مزید پھیل گئے تھے۔

وہ پلک تک نہیں جھپک سکی۔ چہرہ سفید پڑنے لگا۔

"جادو؟" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔ وہ سمجھی تھی یہ چیزیں اس کا پیچھا چھوڑ چکی ہیں۔ لیکن میوزک باکس کی آواز۔ ماں کا خواب۔ وہ سب ویسا ہی تھا۔

"ہوسکتا ہے ہمیں ایک دوسرے سے دور کرنے میں اس جادو کا ہاتھ ہو۔"

"یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" اس کا دماغ ایک دم بہت سے حصوں میں بٹ گیا۔

کافی ٹھنڈی ہو رہی تھی لیکن اسے پرواہ نہ تھی۔

جدہ میں گزرے وہ آخری تکلیف دہ دن... کوورکنگ اسپیس کے باتھ روم میں بیٹھ کے رونا... اکیلے پیکنگ کرنا اور زیاد کا کمرے میں نہ آنا... وہ تمام شکوک جو زیاد کے لیے اس کے دل میں در آئے تھے... زیاد کا خراب موڈ' گھر کا تلخ ہوتا ماحول.... کیا معلوم وہ سب جادو ہو؟

ورنہ زیاد تو ایسا نہ تھا۔ وہ تو خود جاب کے لیے پریشان تھا۔ وہ اس سے جان بوجھ کے کچھ نہیں چھپا رہا تھا۔ وہ صرف اس کو ایک بہتر طرزِ زندگی فراہم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کیسے اتنی سی بات کو اپنے اور اس کے درمیان آنے دیا؟ بہت سے مردوں کی جاب چلی جاتی ہے۔ وہ شرمندگی سے گھر میں نہیں بتاتے۔ بہت سے مرد بیویوں کے خاندان کی شادیاں اٹینڈ نہیں کرنا چاہتے۔ یہ روٹین میں ہوتا تھا۔ اس نے اس بات کو اتنا کیسے بڑھا دیا کہ وہ اپنی زندگی زیاد سے الگ کرنے کا سوچنے لگی تھی؟ اس نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا۔

"آئی ایم سوری' زیاد۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ "شاید میرے اوپر بھی جادو اثر کر رہا تھا۔ وہ چھوٹی باتوں کو کسی عدسے سے بڑا بنا کے دکھا رہا تھا۔" وہ ابھی تک بے یقین سی تھی۔

"جو ہوا سو ہوا۔ اب ہم مزید ان چیزوں کو اپنے درمیان نہیں آنے دیں گے۔" اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما اور بہت وثوق سے اس کو یقین دلایا۔ مالا نے گم صم سے انداز میں سر ہلایا۔

"لیکن آپ مجھ سے ہمیشہ سچ بولیں گے۔" ایک واہمہ سا ابھی تک اندر سر اٹھا رہا تھا۔ لیکن اس نے اسے دبا دیا۔

"ہمیشہ۔" وہ مسکرایا۔ بہت دیر بعد وہ بھی بالآخر مسکرا دی۔

دونوں نے اپنی اپنی کافی اٹھالی۔ گھونٹ بھرتے ہوئے مالا نے ایک نظر گھڑی کو دیکھا۔

"آج ماہی اور حور آ رہے ہیں۔ میں حور سے ملنے کے لیے بہت ایکسائٹڈ ہوں۔" بہت سا بوجھ کندھوں سے اتر چکا تھا۔ وہ ایک دم خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ یہ سب جادو ہی تھا۔ وہ ایسے ہی اتنی پریشان رہی۔

"حور؟ اچھا ماہی کی بیٹی۔"

"ہاں۔ وہ مجھے بہت پیاری ہے۔" پھر ایک گلٹ سا دل میں سر اٹھانے لگا۔ "آپ کو بچے پسند ہیں' زیاد؟"

"سب کو ہوتے ہیں۔" وہ مسکرایا۔

"آپ میرے اور اپنے لیے کیا سوچتے ہیں؟ یعنی... ہمارے بچے...؟"

"مجھے بچے نہیں چاہیے ہیں۔" وہ ایک دم اتنی تیزی سے بولا کہ وہ جہاں تھی' وہیں رہ گئی۔

"جی؟"

"مطلب ...ابھی نہیں چاہیے ہیں۔" زیاد سلطان سنبھل گیا۔" کچھ سال ہمیں اپنے رشتے کو دینے چاہئیں۔ بچے پیدا کرنے کے لیے ایک عمر پڑی ہے۔"

اس کے کندھوں سے گرا بوجھ ایک دفعہ پھر دھیرے دھیرے واپس آنے لگا۔ مالا نے سر ہلا دیا اور کافی کا ایک اور گھونٹ بھرا۔ پھر منہ بنایا۔

"انہوں نے میرے منع کرنے کے باوجود کافی میں اتنی چینی ڈال دی ہے۔ میں بھی کب سے پیے جا رہی ہوں۔ مجھے شوگر سے دانے نکلتے ہیں۔"

"آج پی لو۔ کچھ نہیں ہوتا۔" وہ مسکرا کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ وہ پہلے ویٹر کو آواز دینے لگی پھر رک گئی۔ اس کا دماغ کہیں اور الجھ گیا تھا۔

زیاد نے نامحسوس انداز میں ایک کاغذ کے خالی ریپر کو گول مول کر کے جیب میں ڈالا۔ اس کی جیب میں چند شوگر کیوبز تھے جو ایسے ہی کاغذوں میں لپٹے تھے۔

(تمہارے سامان کے ساتھ میں نے چند شوگر کیوبز بھیجے تھے' بیٹے۔ جانتی تھی ایسا وقت آئے گا جب میرا کیا ہوا دم کمزور پڑنے لگے گا اور تمہیں ان کیوبز کی ضرورت ہوگی۔ تمہیں اپنی ماں کی ضرورت ہمیشہ رہے گی۔ استنبول جاتے ہوئے ان کو ساتھ لے جانا۔ تمہاری بیوی پھر کبھی تم پر شک نہیں کرے گی۔)

وہ مسکرا کے خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا جو الجھی الجھی سی کافی پی رہی تھی۔ پھر رک کے جیسے یاد آیا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں کس ہوٹل میں ہوں؟"

"صبح لینڈ کرتے ہی میں نے معید کو کال کی تھی۔ اس نے سرپرائز رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"اوہ معید...' اس نے ماتھے کو چھوا۔" مجھے ویڈنگ کیک کے لیے بیکری جانا تھا۔ آپ آئیں گے۔"

"نہیں۔ میں تھکا ہوا ہوں۔ ویسے بھی کپڑے بدلنے پڑیں گے۔" اس نے ایک افسوس بھری نظر سفید سوئیٹر پہ پڑے داغوں پہ ڈالی۔" میں دوپہر تک سوؤں گا۔ تم اکیلی چلو جاؤ گی نا؟" وہ بہت اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

اس نے سر ہلا دیا۔ دماغ کہیں اور پھنس چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ کا دماغ کہاں پھنسا تھا؟"

رامین اب صوفے پہ بیٹھی زعفران سے بھری منقوشہ دانتوں سے کترتے ہوئے اس کو دیکھ رہی تھی جو سامنے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔

"زیاد نے کہا کہ وہ اگلے چند سال تک بچوں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"یعنی اب آپ کنٹراسپشن لینے پہ گلٹی محسوس نہیں کریں گی۔ مسئلہ ہی ختم۔"

"مسئلہ ختم نہیں ہوا رامین۔ اسے بچے کیوں نہیں چاہیے تھے؟" مالا نے برا مان کر اسے دیکھا۔

رامین نے مناقیش کا باکس ایک طرف رکھا اور سوچنے لگی۔

"کیا فرق پڑتا ہے؟ آپ خود بچے نہیں چاہتیں۔ سو اگر..."

"میں ابھی نہیں چاہتی۔ لیکن چند ماہ بعد... یا اگلے سال تک میں چاہوں گی کہ ہمارے بچے ہوں۔ لیکن وہ ایسا بالکل نہیں چاہتا۔ کیوں؟"

رامین نے ایک الجھی ہوئی نگاہ میز پہ الٹے سیدھے رکھے کاغذوں پر ڈالی۔

"کیا اس بات کا ان کاغذوں سے کوئی تعلق ہے؟"

دائیں بائیں چکر کاٹتی مالا ٹھٹھک کے رکی۔ اس کے چہرے کی رنگت بدلی۔ تھوک نگلا۔

"نہیں۔ ان کے بارے میں میں تمہیں بتاؤں گی۔"

"کب؟" وہ سسپنس سے اب بور ہونے لگی تھی۔ مالا شش و پنج میں کھڑی انگلیاں مروڑتی رہی۔ وہ جیسے کسی کنفیوژن کا شکار تھی۔ وہ کچھ بتانا چاہتی تھی لیکن... کچھ تھا جو اس کی زبان پکڑ لیتا تھا۔

"کیا آپ بیکری گئیں؟" رامین نے مایوس سی ہو کر کوک کا کین اٹھایا اور اسے کھولنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نشان تشی میں بنی اس بیکری کے اندر کافی بینز کی خوشبو پھیلی تھی۔

مالا اندر داخل ہوئی تو گلابی اور سفید رنگوں سے سجا ایک سٹنگ ایریا دکھائی دیا۔ اس کی متلاشی نگاہیں اطراف میں دوڑ گئیں۔ پھر وہ شناسائی سے مسکرائی۔

بیر بل سٹنگ ایریا میں استون کے ساتھ تنہا بیٹھا تھا۔ سر جھکائے۔ سامنے اَن چھوا کافی کپ رکھا تھا۔ ملگجا

لباس۔کان میں بالی۔اداس چہرہ۔زیرِلب وہ کچھ بول رہا تھا۔

"بیر بل؟" وہ کھنکھاری۔

بیر بل نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔کچھ بولتے بولتے رکا۔

کشمالہ مبین سامنے کھڑی تھی۔سیاہ کارڈیگن پہ زرد مفلر دوبل دے کر گردن میں لپیٹا ہوا تھا جس سے فاختہ والا لاکٹ چھپ گیا تھا۔اور کھلے بال مفلر کی گرفت میں مقید ہو گئے تھے۔دائیں کندھے سے گزار کے بائیں پہلو میں کراس باڈی بیگ تھا اور سبز آنکھیں اسے دیکھ کے دوستانہ انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

"مالا؟"

وہ چند قدم آگے آئی۔اگلے ہی پل مسکراہٹ غائب ہوئی۔

ستون کی اوٹ میں کوئی کھڑا تھا۔وہ جو دروازے سے دکھائی نہیں دیا تھا۔وہ جس سے بیر بل بات کر رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں چائے کی پیالی تھی اور بظاہر وہ ایک نئے دن کے لیے تیار سوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا۔آہٹ پہ وہ پلٹا۔ایک نظر اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں قدرے سرخ تھیں۔جیسے رات بھر جاگتا رہا ہو۔

پھر اس نے چہرے کا رخ موڑ کے پیالی سے گھونٹ بھرا۔

"خوش آمدید۔آیئے۔" بیر بل فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔مالا نے پھر سے ماہر کو دیکھا۔وہ کچھ نہیں بولا تھا۔وہ وہاں اس کی موجودگی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔لیکن وہ اس کی خاموشی کی توقع بھی نہیں کر رہی تھی۔

"میں معید کے ویڈنگ کیک کے لیے آئی تھی۔" وہ چہرے پہ پھر سے مسکراہٹ لاتے ہوئے آگے آئی اور پرس کندھے سے آزاد کرتے ہوئے صوفے پہ بیٹھی۔اسی پل ایک عینک والی پستہ قد لڑکی کچن سے آتی دکھائی دی۔مالا کو دیکھ کے وہ ٹھہری۔آنکھیں مشکوک انداز میں چھوٹی ہوئیں۔باری باری سب کے چہرے کے تاثرات دیکھے۔

"شبنم..." بیر بل نے اسے اشارہ کیا۔" کچن میں کشمالہ حانم کے لیے کافی آرڈر کر دو پلیز۔"

شبنم کا منہ کھل گیا۔

"وہ باغبان کی بیٹی؟"

"باغبان؟" وہ چونکی۔

"کک... کچھ نہیں..." بیر بل گڑبڑا کے تیزی سے شبنم کی طرف لپکا۔وہ یہاں سے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ جلد ہی حیران پریشان کھڑی شبنم کو زبردستی کچن کی طرف لے جاتا دکھائی دیا۔

ستون کے ساتھ کھڑا شخص بالکل خاموشی سے اپنی چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔

مالا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ پھر چہرہ اٹھا کے سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

" کل رات میں نے تمہیں کال کی تھی کیونکہ...."

"Not interested۔" اس نے نگاہ ملائے بغیر ایک اور گھونٹ بھرا۔ کشمالہ کے چہرے پہ پہلے الجھن ابھری، پھر ناگواری۔

" تم نے خود کہا تھا اگر ہلال کے...."

" کشمالہ بی بی...." اس نے پیالی زور سے میز پہ رکھی۔ " مجھے آپ کی مدد نہیں چاہیے۔ میں اپنی بہن کو خود ڈھونڈ سکتا ہوں۔"

وہ واپس سیدھا کھڑا ہوا۔ وہ اب بھی اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ کشمالہ کا چہرہ ہلکا گلابی ہوا۔

"فائن بائی می۔" وہ چہرہ موڑ کے کچن کے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ اسی پل بیر بل آتا دکھائی دیا۔

"سوری، شبنم کے لیے۔" وہ شرمندہ لگ رہا تھا۔ " دراصل اس کا قصور نہیں ہے۔ بچپن میں وہ اپنی ماں کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔ ایسی چوٹ لگی کہ....." اس نے کنپٹی تک انگلی لے جا کر دائرہ بنایا۔ وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

" تم کیسے ہو؟"

"جس کا میرے جیسا بھائی ہو، اسے ٹھیک ہو کے صبح کام پہ آنا ہی پڑتا ہے۔" بیر بل نے ایک شاکی نظر اس شخص پہ ڈالی جو کیتلی سے اپنی پیالی میں مزید چائے انڈیل رہا تھا۔

"اگر تم ٹھیک نہیں ہو تو ہم کہیں اور سے کیک لے لیتے ہیں۔ یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔"

"توبہ توبہ۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ " یہ کیک ماہر بے کا تحفہ ہے۔ اگر میں نے نہ بنایا تو وہ آپ کے بھائی کو کسی عمارت کا ماڈل گفٹ کر دے گا۔ اس کو کاٹ کے کیسے کھائیں گے؟"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دی۔ کنکھیوں سے وہ اس شخص کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔ وہ اسی طرح کھڑا تھا۔ کیا اسے چائے پینی تھی؟ یا وہ دونوں بھائی کسی بات کے درمیان میں تھے جسے اس نے مخل کر دیا تھا؟

"میں نے تمام فلیورز منگوائے ہیں۔ آپ ٹیسٹ کر کے بتا دیں۔ ویسے آپ اپنے ہزبنڈ کو ساتھ نہیں لائیں؟ سنا ہے کل رات وہ بھی استنبول پہنچ گئے ہیں۔"

جہاں وہ بری طرح چونکی، وہاں ماہر فرید نے تیزی سے پیالی نیچے کی اور اسے آنکھوں سے جیسے کوئی اشارہ کیا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" اس نے براہِ راست ماہر کو دیکھا۔

"معید سے سنا تھا۔" اس نے شانے اچکائے۔ وہ ہنوز اس کی طرف نیم رخ کیے کھڑا تھا۔

"معید سے؟" کچھ تھا جو اسے برا لگا تھا۔ معید کا زیاد کے بارے میں ان کو بتانا؟ یا بیر بل کا "کل رات" کہنا۔ وہ صبح آیا تھا۔ پھر اس نے کل رات کیوں کہا؟

وہ پوچھنا چاہتی تھی لیکن ویٹر ٹرے لیے آ گیا۔ پھر چند پلیٹس میز پہ رکھیں۔ ہر پلیٹ میں ایک کیک سلائس اور ایک چمچ رکھا تھا۔ یہ کیک ٹیسٹنگ (cake tasting) تھی جو کیک کا آرڈر دینے سے قبل ہونا ضروری تھی۔ تمام سلائسز کے رنگ اور شکلیں مختلف تھیں۔

"یہ ہمارے سگنیچر فلیورز ہیں۔ آپ ایک ایک کر کے سب ٹرائی کریں۔" بیر بل کا موڈ قدرے بہتر تھا لیکن انداز میں بے دلی اور سستی تھی۔ جیسے وہ اپنے بھائی کے مجبور کرنے پہ یہاں آیا ہو۔

وہ خاموشی سے کیک سلائسز کو دیکھے گئی۔ اس نے کل رات کیوں کہا؟

ویٹر سامنے سے ہٹا تو مالا نے چہرہ اس کی طرف اٹھایا۔

"تم نے..."

"شبنم... ہم آفس واپس جا رہے ہیں۔" ماہر نے بلند آواز میں اپنی سیکرٹری کو پکارا۔

سوال کشمالہ مبین کے حلق میں دم توڑ گیا۔ بیر بل نے اسے گھورا لیکن وہ ان کی طرف دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔

شبنم فوراً ہی کچن سے نکل کے آئی۔

"شیور ماہر بے۔" وہ خوامخواہ ہی مسکرائے جا رہی تھی۔

ماہر نے جھک کے پیالی رکھی۔ اور اسی لمحے مالا نے سر جھکا کے چمچ سے کیک کا ٹکڑا توڑا۔

کچھ تھا جو نگاہوں میں چمکا تھا۔ وہ چونک کے سیدھا ہوا۔ نظر اس کے کارڈیگن پہ ٹھہر گئی۔

"یہ لاکٹ...." وہ بنا پلک جھپکائے مفلر میں الجھی سیاہ فاختہ کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تمہارے پاس کیسے آیا؟"

"میں بتانے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" وہ اب ایک ایک کیک سلائس چکھ رہی تھی۔ اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

وہ ہنوز بے یقینی اور الجھن سے اس لاکٹ کو دیکھ رہا تھا جب شبنم کھنکھاری۔

"ماہر بے... دروازہ اس طرف ہے۔" مسکرا کے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔

ماہر نے بس ایک گھورتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ وہ اسی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اس کے پیچھے لپکی۔ بیربل نے افسوس سے اسے جاتے دیکھا۔

"میں اپنے بھائی کی طرف سے معذرت خواہ ہوں۔ اس کے جسم سے انسانی روح نکلے برسوں بیت چکے۔ کھانا پینا تو صرف دکھاوا ہے۔ اصل میں چارجنگ سے چلتا ہے۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

"ایسے پیس نایاب ہوتے ہیں۔ لیکن ماشاءاللہ ہمارے خاندان میں ایسے دو ہیں۔" انگلیوں کی وکٹری بنا کے دکھائی۔ "یہ لاکٹ میری ماں کا تھا۔ یقیناً آپ کو دوسرے روبوٹ نے دیا ہوگا؟" وہ عام سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"تمہیں یقیناً برا لگا ہوگا کہ تمہاری ماں کی چیز کسی اور کو دے دی گئی۔" اس کا دل یونہی برا ہوا۔

"مجھ غریب کی ساری پراپرٹی اٹھا کے کسی اور کو دے دی گئی ہے۔ میں کس کس چیز کا غم مناؤں؟" وہ ہنس دیا تو وہ بھی مسکرا دی۔ پھر ایک نظر دروازے کو دیکھا جہاں سے وہ گیا تھا۔

کل آفس میں جو شخص اس سے ملا تھا' جو اس کو کار میں ڈراپ کروانے کی پیشکش کر رہا تھا' وہ کوئی اور تھا۔ کچھ بدل گیا تھا اس میں۔ اس نے اپنی انا' اپنے اور کیف کے تمام مسئلے پسِ پشت ڈال کے اسے ہلال کے لیے فون کال کی تھی' اسے لگا تھا وہ مزید جاننا چاہے گا' گو کہ اس کے پاس بتانے کو کچھ نہیں تھا۔ یا شاید وہ شکر گزار ہوگا۔ لیکن یہاں... وہ جیسے اس سے احتراز برت رہا تھا۔

"کیک؟" بیربل نے یاد دلایا۔ "ویڈنگ کیک کے تین tiers (منزلیں) ہوں گے۔ سب سے نچلے tier کو..."

"سب سے بھاری ہونا چاہیے۔ جیسا کہ ریڈ ویلویٹ۔" ایک پلیٹ اس کی طرف کھسکائی۔ بیربل کے الفاظ منہ میں رہ گئے۔ وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

"لیکن اس میں مجھے کریم چیز فلنگ چاہیے۔ دوسرا..." tier اس نے چمچ سے ایک دوسری پلیٹ پہ دستک دی۔

"چاکلیٹ فج کیک کا ہونا چاہیے۔ اس میں بیلجین چاکلیٹ ganache ہوگی۔"

پھر ایک پلیٹ اٹھا کے درمیان میں رکھی۔

"اور سب سے ہلکا کیک یعنی کوکونٹ کیک ٹاپ ٹیئر ہوگا۔ تم اس کو لیمن کرڈ فلنگ کے ساتھ بنا سکتے ہو؟"

"آف کورس۔" وہ کھلے دل سے مسکرایا۔ "آپ کو کیکس پسند ہیں؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔بس مسکرا کے اطراف میں دیکھا۔

" کیسی جا رہی ہے آپ کی بیکری ؟"انداز سرسری تھا۔

"بہت کامیاب۔"

"اسی لیے ایک بھی گاہک نہیں ہے۔"اس نے غور سے بیربل کو دیکھا۔

"پھر بھی آپ یہاں بیٹھی ہیں۔"وہ ڈھٹائی سے مسکرایا تو وہ ہنس دی۔

"امید ہے کیک اچھا ہوگا۔"وہ پرس اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔وہ بھی ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

"ہمارے کیک جیسا ذائقہ فلیش لائٹ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔"

اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"فلیش لائٹ ؟"وہ جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی۔

"محاورہ بول رہا ہوں۔جیسے۔"بیربل نے ناخن سے شیو کھجائی۔"جیسے لیمپ لے کر کچھ ڈھونڈنا... علامتی طور پہ..."

"علامت۔فلیش لائٹ ایک علامت ہے۔"وہ جیسے خود سے بولی۔"لیکن کس چیز کی؟"

" کیا مطلب؟"وہ حیران ہوا۔لیکن وہ کچھ کہے بنا تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ اچھنبے سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔پھر افسوس سے بڑبڑایا۔

"شاید یہ بھی بچپن میں گری ہو۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیربل کی بیکری سے نکل کے وہ اسٹریٹ میں یونہی چلتی رہی۔ذہن کسی دوسرے نقطے پہ الجھا تھا۔اطراف میں چلتے سیاح، کیفے ز، شاپس، کچھ بھی اس کے لیے پرکشش نہیں تھا۔اس نے سوچا تھا استنبول آئے گی تو خوب گھومے پھرے گی۔کسی سیاح کی طرح۔اس سے پہلے وہ دفعہ اس شہر میں آئی تھی۔ایک دو دن کے لیے، کسی گروپ کے ساتھ، کسی کانفرنس کے لیے۔اکیلے اپنے قدموں پہ شہر دیکھنے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔

لیکن اس بار وہ زیاد کے ساتھ اس شہر کو ضرور ایکسپلور کرے گی۔

اور زیاد کے خیال سے کچھ اور یاد آیا۔

"میں چار بجے نہیں آسکوں گی، مالک صاحب۔"وہ ایک دکان کے فرنٹ پہ بنے زینوں پہ بیٹھ گئی اور ان کو میسج

لکھنے لگی۔ میسج بھیجا ہی تھا کہ ان کی کال آنے لگی۔ اُف۔

" کیوں؟ آپ کی فائل تیار ہے۔"

اس کے ساتھ ایک سمت (ترکش بیگل) بیچنے والا اپنا سرخ کارٹ لیے آن کھڑا ہوا تھا۔ گول، خستہ سمت کی خوشبو اس تک اپنا راستہ بنانے لگی۔

" آپ نے درست کہا تھا۔ مجھے اس سے بات کرنی چاہیے تھی۔ ہم نے بات چیت کے ذریعے اپنا مسئلہ حل کرلیا ہے۔"

"میں نے کہا تھا اس سے بات کریں۔ یہ نہیں کہ اس کی ہر بات کا یقین کریں۔ اس نے کوئی کہانی سنائی اور آپ نے مان لی؟"

"میں ایک مری ہوئی عورت کی وجہ سے اپنا گھر نہیں خراب کرنا چاہتی۔" کارٹ والے نے ایک گول سمت پکڑ کے اس کی طرف بڑھائی۔ اس نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔ صبح ہی صبح اتنے کاربز۔ کبھی نہیں۔

"اور اپنے شوہر کی جاسوسی کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور اس پہ یقین کرنا چاہتی ہوں۔"

" یہ محبت ہے نہ یقین۔ یہ خوف ہے۔"

مالک فرید اس وقت کیف کے آفس کی بالکونی میں بیٹھے تھے۔ یہاں سے ان کو زارا کے آفس کی کھڑکی دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ کرسی پہ براجمان، کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ چہرہ مطمئن تھا۔

" جانتی ہیں لوگ مجھے ناپسند کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ میں ناپسندیدہ سچ بولنے کا عادی ہوں۔ یہ خوف ہے، کشمالہ۔" وہ زارا کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اب ریسیور اٹھائے مسکرا کے کسی سے بات کر رہی تھی۔

" کس چیز کا خوف؟"

"جب عمر کا تیسواں سال قریب آتا ہے اور آنکھوں کے گرد جھریاں آنے لگتی ہیں تو ہر عورت کی طرح آپ بھی خوف کا شکار ہو رہی ہیں۔ اکیلے رہ جانے کے خوف کا۔"

(ہوٹل کی لابی میں ماہی کے بیگز اور اسٹرالر کھڑا تھا۔ وہ مالا سے گلے مل رہی تھی اور معید مسکرا کے انہیں دیکھ رہا تھا۔ زیاد بھی ساتھ کھڑا تھا اور اس کے ہونٹوں پہ بھی مسکراہٹ تھی۔ وہ ایک نارمل فیملی لگ رہے تھے۔)

''اس نے آپ کو ایک کہانی سنائی' اور آپ نے یقین کر لیا؟ نہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ مگر آپ کو ایک بہانہ چاہیے تھا اس کو معاف کرنے کا۔ کیونکہ تنہا رہ جانے کا خوف جان لیوا ہوتا ہے۔''

(منظر بدل چکا تھا۔ اسی لابی میں اب مالا اور ماہی صوفوں پہ منتظر سی بیٹھی تھیں۔ دفعتاً معید اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ایک دبلی پتلی اسٹیپ کٹنگ والی لڑکی تھی۔ مالا مسکرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ البتہ ماہی نے ناک سکوڑا۔
''ہونہہ۔ پلاسٹک کی گڑیا۔ ماں ہوتیں تو اسے کبھی...'' مالا نے اس کا ہاتھ دبایا۔ وہ خاموش ہوئی۔)

'' کل تک آپ اس کو چھوڑنا چاہتی تھیں لیکن آئینہ آپ کو متنبہ کرتا ہے کہ یہ جوانی اور خوبصورتی ہمیشہ نہیں رہے گی۔ اس کو چھوڑ دیا تو اب دوسرا کوئی نہیں ملے گا۔''

(وہ دونوں اسٹریٹ کارنر پہ آئسکریم کی دکان کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ ہنستے ہوئے ہاتھ بڑھائے کون پکڑے کھڑی تھی۔ زیاد مسکراتے ہوئے موبائل پہ اس کی فلم بنا رہا تھا۔ آئسکریم والا بار بار سلاخ سے چپکی آئسکریم اس کی طرف بڑھاتا۔ پھر اسے کھینچ لیتا۔ وہ ہنستی جا رہی تھی۔)

''اس کے لیے آپ اپنے تمام اسٹینڈرڈز ایک ایک کر کے نیچے کرتی جائیں گی۔ آپ اسے ہر دفعہ معاف کر دیں گی۔''

(فرنچ کٹ والا آدمی پولیس اسٹیشن کے ایک کاؤنٹر پہ کھڑا تھا۔ ایک آفیسر اسے گرفتاری کے وقت ضبط کی گئی تمام اشیاء واپس کر رہا تھا۔ اس کا فون۔ سیاہ تعویذ۔
''غالب نواز۔ تم جا سکتے ہو۔'' قریب کھڑے چنگیز نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے اطلاع دی۔ اس نے تعویذ اٹھا کے گردن میں پہنا اور مسکرا کے آگے بڑھ گیا۔)

'' آپ جب بھی اس کے جھوٹ پہ اسے چھوڑنے کا سوچیں گی' آپ کو وہ گزرے ہوئے ماہ و سال یاد آئیں گے

جو آپ نے اس شخص پہ لگائے تھے۔ چاہے وہ ایک سال ہو۔ (یا سیت سے زارا کو دیکھا) یا کئی برس۔ اب اس شخص کو چھوڑ دینا ایسے ہے جیسے وہ سال ضائع گئے۔"

(غالب نواز کے پولیس اسٹیشن سے نکلتے ہی ایک چھوٹی، نیلی کار جس کی چھت سفید تھی، سست روی سے اس کے پیچھے ہولی۔ اس میں ڈرائیونگ سیٹ پہ ایک بھاری بھرکم آفیسر بیٹھا جس کے ایک ہاتھ میں سینڈوچ تھا۔ وہ بار بار ڈرائیو کرتے ہوئے سینڈوچ کا ایک لقمہ دانتوں سے توڑتا۔)

"اس کو چھوڑ دینا ایسے ہے جیسے اتنا عرصہ اس شخص پہ کی گئی جذباتی انویسٹمنٹ غلط تھی۔ جیسے آپ غلط تھیں۔ اور اگر یہ مان لیا کہ آپ غلط تھیں تو خود کا سامنا کرتے ہوئے خوف آئے گا۔"

(ایک کئی کنال کے خالی پلاٹ کے سامنے اس وقت بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ کیمرہ کریو۔ ورکرز۔ سفید ہیلمیٹ پہنے بہت سے افراد۔ ایک طرف ایک بڑے اسٹینڈ پہ فلیکس لگا تھا جس پہ ایک سرخ عمارت کا ماڈل چھپا تھا۔ سامنے ماہر کھڑا تھا۔ سفید انجینئر ہیلمیٹ پہنے، وہ مسکرا کے کدال کے ذریعے زمین پہ ضرب لگا رہا تھا۔ گراؤنڈ بریکنگ تقریب میں آئے افراد نے بے اختیار تالیاں بجائیں۔ مبارک سلامت کی آوازیں گونجیں۔ تالیاں بجانے والوں میں زارا بھی تھی۔)

"اور خوف ایک ایسا ہما ہے جو بار بار جلتا ہے۔ لیکن ہر دفعہ اپنی راکھ سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔"

"(معید ..." زیاد اور ماہی بفے ٹیبل سے کھانا ڈالنے گئے تھے جب مالا نے معید کے قریب جھک کے پوچھا۔
"تم نے زیاد کے آنے کے بارے میں ماہر کو بتایا تھا؟"
"نہیں۔ میں کیوں بتاؤں گا؟" وہ حیران ہوا تھا۔ وہ خاموش ہوگئی۔)

یہ یہیں ختم نہیں ہوگا۔ یہ اس کا آخری جھوٹ نہیں ہوگا۔ نہ یہ آخری دفعہ ہوگا جب آپ اس کا سچ جاننے کی کوشش

کریں گی۔لیکن انجام ہر دفعہ یہی ہوگا۔

(''آپ نے چینج نہیں کیا؟ہم واک پہ جا رہے تھے۔''وہ باتھ روم سے نکلی تو اسے کھڑکی کے ساتھ صوفے پہ بیٹھے 'لیپ ٹاپ پہ مصروف دیکھ کے ٹھٹھک گئی۔زیاد نے چہرہ اٹھا کے بے چارگی سے اسے دیکھا۔

''سوری۔میں آج شام لکھنا چاہتا ہوں۔بہت مشکل سے ذہن بن رہا ہے۔تم خود چلی جاؤ۔یا ماہی کو ساتھ لے جاؤ۔''واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔

اب وہ جھکے کندھوں اور اداس چہرے کے ساتھ باہر اسٹریٹ میں چل رہی تھی۔ہر شے بے رونق تھی۔)

''میں سمجھا تھا آپ مختلف ہیں۔زیادہ بہادر۔کم عقلمند۔لیکن آپ کے خوف بھی دوسری لڑکیوں جیسے ہیں۔(وہ زارا کو دیکھ کے کہہ رہے تھے۔) آپ اکیلے رہ جانے سے خوفزدہ ہیں۔''

'' کیا میں غلط انتخاب کر رہی ہوں؟''وہ سمت کے سرخ کارٹ کے ساتھ بیٹھی 'فون کان سے لگائے 'اداسی سے پوچھ رہی تھی۔

''زندگی میں ہر انتخاب غلط یا درست نہیں ہوتا۔لیکن نتیجہ ہر انتخاب کا ہوتا ہے۔سزا یا جزا۔اس نتیجے کے ساتھ آپ کو تمام عمر رہنا ہوگا۔آپ کو جب بھی سبرینہ کی فائل چاہیے ہوگی 'میں ایک فون کال کے فاصلے پر ہوں گا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''استنبول جیسا خوبصورت شہر بھی آپ نے انجوائے نہیں کیا؟''

رامین اب کچن کاؤنٹر کے سامنے کھڑی برتن سمیٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

'' کیسے کرتی؟سوائے ایک آئسکریم دلانے کے 'زیاد کہیں بھی میرے ساتھ باہر نہیں گیا۔مجھے ٹریول کرنے کا شوق ہے۔اپنے قدموں پہ کسی انجان شہر میں کئی میل چلنے کا۔لیکن کوئی ساتھ تو ہو۔اکیلے کہاں مزہ آتا ہے۔''

وہ کاؤنٹر کے پیچھے رکھے اسٹول پہ بیٹھی اداسی سے کہہ رہی تھی۔

رامین نے اختلاف کے لیے لب کھولے 'پھر ارادہ تبدیل کر کے کیبنٹ کھولنے لگی۔

''میں چائے بنا رہی ہوں۔آپ بتائیں 'پھر آگے کیا ہوا؟''

''لڑائی۔''

رامین نے چونک کے اسے دیکھا۔

" کس کی لڑائی؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تمہارے خیال میں فلیش لائٹ کس چیز کی علامت ہے؟"

ریستوران ایریا میں اس صبح بفے بریک فاسٹ زور وشور سے جاری تھا۔ انڈوں' ترکش بیگل (سمت) اور کافی کی ملی جلی مہک نے سارے کو معطر کر رکھا تھا۔ ایک طرف آملیٹ سیکشن تھا جہاں شیف تازہ آملیٹ بنا رہا تھا۔ معید اپنا ناشتہ لیے میز تک پہنچ چکا تھا جبکہ وہ دونوں آملیٹ کے انتظار میں پلیٹیں لیے شیف کے سامنے کھڑی تھیں۔ وہ ابھی ماہی کا آملیٹ تیار کر رہا تھا۔

"فلیش لائٹ؟" ماہی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"میں نے ماں کو خواب میں دیکھا۔ دو دفعہ۔ انہوں نے مجھے فلیش لائٹ ڈھونڈنے کے لیے کہا۔ خواب میں دکھائی دینے والی چیزیں عموماً علامت ہوتی ہیں۔"

ماہی سوچ میں پڑ گئی۔ اسی لمحے شیف نے اشارہ کیا۔ اس نے جلدی سے اپنی پلیٹ آگے کی۔

"فلیش لائٹ روشنی کی علامت ہے۔ ایسی چیز جو اندھیرے میں دیکھنے کے لیے استعمال کی جائے۔"

شیف اب گیلا گیلا سا زرد آملیٹ اس کی پلیٹ میں انڈیل رہا تھا۔ ترک اس کو سادے آملیٹ (سادہ آملیٹ) کہتے تھے۔

"مشروم چیز آملیٹ۔" اپنا آرڈر نوٹ کروا کے اس نے تعجب سے ماہی کو دیکھا۔ ''ماں کو روشنی کیوں چاہیے؟"

"شاید تمہیں چاہیے؟"

وہ گم صم سی آملیٹ بار میں بنے مختلف خانے دیکھے گئی۔ وہاں ہر رنگ کی شے موجود تھی۔ کٹی سبزیاں۔ پنیر۔ مشروم۔

اسے روشنی کیوں چاہیے تھی؟

"مجھے خوشی ہے کہ تم آئی ہو' ماہی۔" وہ تینوں واپس اپنی میز پہ بیٹھے تھے جب معید نے نرمی سے بات کا آغاز کیا۔ ساتھ رکھے اسٹرولر میں حورعین سو رہی تھی۔ ماہی مسکرا دی۔ پھر ایک تنقیدی نظر معید کی پلیٹ پہ ڈالی جو آملیٹ' سلامی' ساسیجز اور کئی طرح کے پنیر سے بھری ہوئی تھی۔

"کل نکاح ہے تمہارا۔تمہیں ڈائیٹنگ پہ ہونا چاہیے۔"

"میں تھک چکا ہوں تیاری کرتے کرتے۔"

"ہوں۔کافی لمبے عرصے سے تیاریاں چل رہی تھیں غالباً۔"ماہی کی نظروں میں خفگی ابھری۔معید نے سر جھکائے، چھری کانٹے سے آملیٹ توڑتے ہوئے محض کندھے اچکا دیے۔وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ تردید بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

"میں نے انسٹا پہ اس venue کو دیکھا ہے جو تم نے سلیکٹ کیا ہے 'معید۔"مالا نے اسے باز رہنے کا اشارہ کیا لیکن وہ ماہی تھی۔"اتنے پیسے کہاں سے آئے اس ایمرجنسی نکاح کے لیے؟"

"باغ سے اور کہاں سے۔"معید کا موڈ اب خراب ہو رہا تھا۔

"ہونہہ۔خوامخواہ کی فضول خرچی۔"ماہی منہ بنا کے پلیٹ پہ جھک گئی۔

البتہ کشمالہ چونکی۔ہاتھ روک کے اسے دیکھا۔

"باغ کے ٹھیکے سے؟وہ تو چند ہزار سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔"

ایک سرخ بتی ذہن میں جلنے بجھنے لگی۔

معید نے پانی کا گھونٹ بھرا۔پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"میں نے باغ بیچ دیا ہے۔"

"معید!"وہ دونوں ایک ساتھ چیخی تھیں۔

"تم نے شادی کے لیے باغ بیچ دیا؟"

"اس فضول خرچی کی کیا ضرورت تھی؟"ماہی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"فضول خرچی کا مسئلہ نہیں ہے 'ماہی۔"مالا ایک دم غرائی۔اتنی زور سے کہ ماہی بھی چپ ہو گئی۔

"اس باغ میں میرا اور ماہی کا بھی حصہ تھا۔"

"یار مجھے پیسے چاہیے تھے۔میں کہاں سے پورا کرتا۔"وہ جیسے اکتا گیا۔

"جہاں سے بھی کرتے مگر میری اور ماہی کے حصے کی زمین نہ بیچتے۔ہم نے تمہیں پاور آف آٹارنی اس لیے دیا تھا کہ ہم پاکستان میں نہیں تھے۔اس باغ میں تمہاری بہنوں کا شرعی حق تھا۔"اس نے زور سے مٹھی بھینچ کے میز پہ رکھی۔ایک کانٹا اچھل کے نیچے جا گرا۔

"بس کر دو' یار۔" معید نے غصے سے پلیٹ پرے کی۔ "ماں نے تم لوگوں کو شادیوں پہ اتنا گولڈ اور جہیز بھی دیا تھا۔ مالا کی شادی کا اماؤنٹ بھی انہوں نے الگ سے مختص کیا تھا۔"

"جہیز الگ چیز ہوتی ہے' معید۔ جیسے ہمیں جہیز دیا ویسے ہی تمہارے فارن ٹرپس اور پڑھائی پہ بھی بہت خرچ کیا ہے ماں نے۔ جہیز دینے سے جائیداد کا حصہ ختم نہیں ہو جاتا۔ تم سے آدھا سہی لیکن وہ ہمارا حصہ تھا۔"

"یار وہ اتنا مہنگا باغ نہیں تھا۔ چھوٹا اور سستا سا تھا۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ مجھے پیسے چاہیے تھے۔"

"تمہیں اندازہ بھی ہے کہ تم نے کیا کیا ہے؟" وہ دبا دبا سا چلائی۔ اردگرد لوگ مڑ کے انہیں دیکھنے لگے۔

"میں نے ظہیر کے ساتھ پارٹنر شپ نہیں کی کیونکہ میں ماں سے پیسے نہیں لینا چاہتی تھی۔ کیونکہ ماں کے پاس جو بھی تھا اس میں تم دونوں کا بھی حق تھا۔ اور اسی لیے ظہیر نے مجھے ایک منٹ میں آؤٹ کر دیا۔ میں اپنی لگژریز تک اپنی سیونگز سے کرتی ہوں' معید۔ تمہاری شادی کا یہ اسٹوپڈ ٹرپ بھی۔" اس نے نیپکن اٹھا کے پرے پھینکا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ تمتما رہا تھا۔ مالا کو غصہ کم ہی آتا تھا۔ اب آیا تو ماہی تک چپ ہو گئی۔

"مجھے لگا تم دونوں کو وہ نہیں چاہیے ہو گا۔ تم دونوں کے husbands اچھا خاصا کماتے ہیں۔"

"پھر وہی بات؟ میرا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ وہ باغ سستا تھا یا تم نے فضول خرچی کی۔ بات حق کی ہے۔ تم نے ایک دفعہ بھی ہم سے نہیں پوچھا۔"

"تم لوگوں سے بات کرنا ہی فضول ہے۔ تم لوگ دراصل میری خوشی میں خوش ہی نہیں ہو۔ ماں ہوتیں تو...." وہ غصے سے کرسی دھکیل کے اٹھا۔

"ماں کے نام پہ بلیک میلنگ نہ کرو۔ ماں ہوتیں تو میں دیکھتی کیسے تم اس پلاسٹک کی گڑیا کی انگلی کے ساتھ بندھے ہو۔" ماہی چمک کے بولی۔

معید بکتا جھکتا باہر نکل گیا۔ ماہی نے ایک نظر اسٹرولر میں سوتی حور کو دیکھا جو صدشکر ابھی تک نہیں جاگی تھی۔ پھر ماتھے کو چھوا۔

"اس نے صرف شادی کے لیے فضول خرچی...."

"پھر تم فضول خرچی کی بات لے کر بیٹھ گئی ہو۔" وہ اس پہ غصہ ہوئی۔ "وہ کرے فضول خرچی۔ شوق سے کرے لیکن اپنے پیسے سے کرے۔ وہ یوں ہمارا حق نہیں بیچ سکتا۔ بہنوں کا جائیداد میں حق ہوتا ہے جو جہیز دینے سے سلب نہیں ہو جاتا۔ جہیز گفٹ ہوتا ہے۔ جیسے بیٹی کو دیا جاتا ہے' ویسے ہی بیٹوں کے نخرے ساری زندگی اٹھائے جاتے

ہیں۔وہ گفٹس ہوتے ہیں۔حق نہیں۔ گفٹ دیں یا نہ دیں۔اس کی پوچھ نہیں ہے۔حق کی ہے۔معید نے ہمارا حق مارا ہے۔"اس نے گلاس اٹھایا اور ایک ہی گھونٹ میں سارا پانی غٹا غٹ پی گئی۔چہرہ ابھی تک سرخ تھا۔

"میں تو آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔تم نے مجھے ایموشنل کر دیا تھا۔"ماہی کو بالآخر موقع مل گیا تھا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔وہ اگلا گلاس پینے لگی۔اسے سانس لینے تھے۔اسے خود کو پرسکون کرنا تھا۔

لیکن....

کنکھیوں سے اسے دکھائی دیا۔ہال کے داخلی حصے سے کوئی چلا آ رہا تھا۔وہ اس کو بنا دیکھے بھی پہچانتی تھی۔مانوس قدموں کی چاپ۔مانوس پرفیوم۔مانوس آواز۔

(اف...ابھی نہیں۔آج صبح نہیں۔)

وہ ان کی میز کے قریب رکا۔

"ہیلو ون اِن ففٹی....."

ماہی بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماہر...."

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یاسمین کے آفس کی کھڑکی کے باہر برستی بارش اب رک چکی تھی۔شیشے ہنوز گیلے تھے۔وہ تھرو کوشال کی طرح لپیٹے اسی طرح کاؤچ پہ بیٹھا تھا۔سامنے میز پہ ان چھوا سینڈوچ رکھا تھا۔

"تم اس سے ملنے کیوں گئے؟"وہ کرسی پہ بیٹھی' نوٹ بک گھٹنے پہ رکھے' اپنا سینڈوچ دانتوں سے کتر رہی تھی۔

"کہا نا۔مجھے ماہ بینہ نے بلایا تھا۔ہماری ملاقات ایک عرصے سے pending تھی۔لیکن میں وہاں پہنچا تو..."اس نے گہری سانس کھینچی۔

"یوں لگتا تھا دونوں کی کسی بات پہ لڑائی ہوئی تھی۔وہ غصے میں تھی اور میں نے اسے غصے میں بہت کم دیکھا ہے۔"

اس نے رک کے تصحیح کی۔"بلکہ جب بھی دیکھا ہے' مجھ پہ ہی غصہ ہوتے دیکھا ہے..."

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ہوٹل کی لابی سے گزر کے بریک فاسٹ روم تک آیا ہی تھا کہ وہ دونوں سامنے نظر آ گئیں۔ایک میز پہ آمنے سامنے بیٹھی دونوں لڑکیوں کے چہرے گلابی پڑ رہے تھے۔تیسری کرسی پیچھے دھکیلی گئی تھی جیسے ابھی ابھی کوئی اٹھ کے

گیا ہوا۔ مالا گردن پیچھے پھینکے' پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگائے ہوئے تھی۔ جب تک اس نے گلاس نیچے کیا' وہ قریب پہنچ چکا تھا۔

"ہیلو ون اِن ففٹی۔" مسکرا کے اس نے صرف اسے مخاطب کیا جس سے وہ ملنے آیا تھا۔ کنکھیوں سے وہ مالا کو چونکتے' اور پھر ناپسندیدگی سے گہری سانس بھرتے دیکھ سکتا تھا۔

"ماہر بے..." ماہی سنبھل کے بدقت مسکراتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "آپ عین مقرر کردہ وقت پہ پہنچے ہیں۔ حالانکہ اس شہر کے لوگ وقت کے پابند نہیں ہیں۔"

"شکر ہے میں اس شہر کا نہیں ہوں۔" وہ مسکرایا۔ پھر ماہی کی پلیٹ کو دیکھا۔ "تم ناشتہ شروع کر چکیں؟ میرا خیال تھا ہم نشاستشی میں کہیں اس سے بہت بہتر ناشتہ کر سکتے ہیں۔"

"حورا بھی اٹھ جائے گی اور تنگ کرے گی۔ سو ہمیں یہیں رہنا ہوگا۔" ماہی نے بے بسی سے اسٹرولر میں سوئی بچی کو دیکھا۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ خفا چہرے والی لڑکی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اپنے بیگ اٹھاتے ہوئے اس نے سپاٹ انداز میں اطلاع دی۔ "میں باہر جا رہی ہوں" اور اس کو دیکھے بنا ساتھ سے گزر کے نکل گئی۔

(زبردستی کا فیملی فرینڈ۔ ہونہہ۔) وہ زیرِ لب بڑبڑاتے ہوئے گزری تھی۔

ماہر نے چہرہ اٹھایا۔ سامنے شیشے کی دیوار میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ وہ باہر جا رہی تھی۔ چہرہ ہنوز غصے سے گلابی تھا۔ اور ماتھے پہ بل تھے۔ کشمالہ مبین کو اس نے غصے میں بہت کم دیکھا تھا۔

وہ معید کی کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ انگلی سے ویٹر کو اشارہ کیا۔

"ترکش قہوہ۔" پھر بغور ماہی کو دیکھا۔ وہ سوچتی نظروں سے مالا کو جاتے دیکھ رہی تھی۔

"تم دونوں کی لڑائی ہوئی ہے کیا؟"

"نہیں۔ ہم فلیش لائٹس کو ڈسکس کر رہے تھے۔" وہ جل کے بولی۔

"فلیش لائٹس؟"

"جی۔ فلیش لائٹس۔ آپ کے خیال میں فلیش لائٹس کس چیز کی علامت ہوتی ہیں؟"

ماہر فرید نے لاعلمی سے شانے اچکائے۔

"مصنوعی روشنی۔ یہ تب جلائی جاتی ہے جب سارے روشنیاں ختم ہو جائیں اور..."

"آپ نے مالا کو ہیلو تک نہیں بولا۔ کیوں؟" اسے بیک وقت جیسے سب پہ غصہ آ رہا تھا۔

"روز بولتا ہوں۔کل ہم بیر بل کی بیکری پہ ملے تھے۔پرسوں میرے آفس میں۔"

"اور یہ سن کے مجھے لگا تھا آپ دونوں کے مسئلے ختم ہو گئے ہیں۔لیکن پھر وہی آکورڈنیس۔" ماہی جیسے اکتا گئی تھی۔

"میں صرف...." وہ کھنکھارا جیسے الفاظ تلاش کیے۔"اس کو avoid کرتا ہوں۔"

"avoid؟" ماہی کی اسکین کرتی نظریں جیسے اس کے اندر اتر رہی تھیں۔

ماہر ہلکا سا مسکرایا۔اس کے گال پہ زخم کا نشان تھا جو اب مستقل ہو چکا تھا۔

"اس کا شوہر اس شہر میں ہے۔میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے ان دونوں کے درمیان کوئی مسئلہ ہو۔"

"میرا شوہر اس شہر میں نہیں ہے مگر آپ کی وجہ سے ہم دونوں کے درمیان کبھی مسئلہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس کو مجھ پہ اعتبار ہے۔آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ زیاد کو مالا پہ اعتبار نہیں ہے؟ یعنی آپ ابھی تک زیاد کو ناپسند کرتے ہیں؟"

ماہر فرید نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"واللہ زیاد کے بارے میں میری رائے بدل چکی ہے۔"

اس کا انداز الجھا دینے والا تھا۔لیکن خیر۔ماہی نے سر جھٹکا۔

"چھوڑیں۔ہم بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے۔میں تو آج تک آپ کا ٹھیک سے شکریہ بھی نہیں ادا کر سکی۔"

"فون پہ کئی دفعہ کر چکی ہو۔ان formalities کی ضرورت نہیں ہے' لڑکی۔" وہ مسکرایا۔

ویٹر اب اس کے قہوے کا ننھا سا کپ سامنے رکھ رہا تھا۔

"آخری دفعہ جب ہم ملے...اس روز جب میرا سرخ والٹ کھویا تھا... تب آپ مختلف تھے؟"

"میں خوفزدہ تھا۔اب نہیں ہوں۔میں نے خوف کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔اور تم نے؟" اس نے بھاپ اڑاتا کپ اٹھایا۔بھاپ کے پیچھے ماہی کا چھوٹے بالوں والا چہرہ دھندلا سا گیا۔

"میرے خوف اب بھی وہی ہیں۔" ماہی اسٹرولر کو دیکھ رہی تھی۔ماہر کی نگاہوں نے اس کا تعاقب کیا۔

"اس کا خیال رکھنا' بینہ۔میں ہلال کا نہیں رکھ سکا۔" کوئی اداس سا نغمہ جیسے فضا میں گھل سا گیا۔ماہی نے سر ہلا دیا۔پھر یاد آیا۔

"آپ مجھ سے ملنا چاہتے تھے۔لیکن پھر ہم اتنے مہینوں سے نہیں مل سکے۔آپ نے کہا تھا' آپ مل کے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"مجھے کسی نے کہا تھا کہ تم جانتی ہو کچھ۔" ماہر نے پیالی نیچے رکھ دی۔

"کس نے؟" اس نے بہت دفعہ کا پوچھا سوال دہرایا۔

"ایک بوڑھے دوست نے۔" وہ مبہم سا مسکرایا۔

"لیکن میں آپ کو فون پہ بتا چکی ہوں کہ میں سرکار نامی کسی آدمی کو نہیں جانتی نہ میں نے زندگی میں کوئی اصل جادوگر دیکھا ہے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے بوڑھے دوست نے آپ سے پورا سچ بولا تھا؟"

"مجھے یقین ہے۔" اس کا لہجہ کسی قسم کے شک سے پاک تھا۔

ماہی نے الجھ کے اس کو دیکھا۔ سوٹ اور ویسٹ میں ملبوس، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا وہ پراعتماد سا آدمی، انگوٹھے اور انگلی سے پیالی پکڑے، بہت غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"تم نے ایئرپورٹ پہ بتایا تھا کہ تم کسی سفر پہ جا رہی تھیں۔ راستے میں تمہیں کوئی ملا۔ کوئی سایہ۔ کوئی جادوگر۔ اس نے تم پہ پھونک ماری اور...."

"یاد ہے۔" ماہی نے جلدی سے بات کاٹی۔ وہ اس تکلیف دہ قصے کو مزید لمبا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ "شاید وہ وہی سفر تھا جس میں ہم ملے تھے کیونکہ کینیڈا پہنچنے کے کچھ دن بعد میرا مس کیرج ہو گیا تھا۔"

"کیا مجھ سے ملنے سے پہلے یا بعد میں تم کسی ایسے انسان سے ملیں جو سحر کے کاموں میں ملوث ہو سکتا تھا؟"

"نہیں۔" وہ پورے وثوق سے کہہ رہی تھی۔ "میں کسی creepy قسم کے بوڑھے آدمی سے نہیں ملی جو سر پہ نارنجی رومال باندھتا ہو۔"

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ جیسے وہ جانتا ہے کہ تم کچھ جانتی ہو۔ اسی لیے وہ تمہیں اور مجھے ملنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ تم سے ملنے لاہور آ رہا تھا لیکن پھر میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ بعد میں میں جب آیا تو ہمیں ہلال کی لاش دکھائی گئی۔ میں تم سے ملے بغیر چلا گیا۔"

"لیکن میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ بتائیں آپ کیا جانتے ہیں اس کے بارے میں؟" اس نے سینے پہ بازو لپیٹ لیے اور پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔ جیسے وہ مسلسل ماہر فرید کے کٹہرے میں کھڑے ہو کے تنگ آ گئی تھی۔

"میں نے اس کو ایک دفعہ دیکھا تھا۔ خواب میں۔ وہ بوڑھا ہے۔ اس کے لمبے سفید بال ہیں۔ دبلا پتلا۔ سانولا رنگ۔ نقوش ہلکے ہلکے سے یاد ہیں۔ سر پہ نارنجی رومال باندھتا ہے۔ اور...." اس نے یاد کیا۔ "ہاں... اس کے بازو پہ...."

حور نے ایک دم زور سے رونا شروع کیا۔اتنی زور سے جیسے کچھ کاٹ گیا ہو۔ ماہی کرنٹ کھا کے اٹھی اور پریشانی سے اسے اسٹرولر سے نکالا۔وہ زور زور سے روئے جا رہی تھی۔

"قسم سے کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے اس کو واپس کر آؤں۔"وہ بے بسی سے اب اسے کندھے سے لگائے چپ کروا رہی تھی۔ ماہر کو بھول گیا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔شاید کوئی چھوٹی تفصیل بتا رہا تھا۔لیکن خیر۔چھوٹی تفصیلات اہم نہیں تھیں۔

"میں واقعی ایسے کسی آدمی کو نہیں جانتی' معمار بے۔اگر کچھ یاد آیا تو ضرور بتاؤں گی۔"حور کے رونے نے اس کی توجہ بانٹ لی تھی۔

ماہر مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی جس پہ ایک میسج موصول ہوا تھا۔

" مجھے بھی کہیں پہنچنا ہے۔"

" آپ رات ڈنر پہ آئیں گے؟"حور ابھی تک روئے جا رہی تھی اور ماہی کو اونچا بولنا پڑ رہا تھا۔

"اوہ۔آج فیملی ڈنر ہے۔"اسے یاد آیا۔"معید کو اس ملک کے لوگوں کا کلچر بہت پسند آ گیا ہے غالباً۔"وہ ماہی کا سوال نظر انداز کر گیا تھا۔اسے دیر ہو رہی تھی۔اسے کہیں پہنچنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک متوسط طبقے کی اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی۔ سامنے پارک بنا تھا۔اور دوسری طرف دکانیں اور ریستوران تھے۔

سڑک کنارے ایک سفید چھت والی نیلی کار کھڑی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا فربہی سا آدمی cheetos کا بڑا سا پیکٹ کھول رہا تھا۔دفعتاً فرنٹ ڈور کھلا۔آدمی کا ہاتھ فوراً جیب کی طرف گیا۔لیکن پھر کندھے ڈھیلے ہوئے۔برا سا منہ بنا کے ماہر کو دیکھا جو اندر بیٹھ رہا تھا۔

"اگر کومسار چنگیز نے ہم دونوں کو ساتھ دیکھ لیا تو وہ کیا سوچے گا' ماہر بے؟"

" یہی کہ میں اپنا پیسہ تم جیسے آدمی کو اس لیے دیتا ہوں تا کہ تم مجھے پولیس اسٹیشن کے اندر ہونے والے معاملات سے باخبر رکھو۔لیکن تم....." ناپسندیدگی سے پیکٹ کو دیکھا جس سے وہ تین انگلیوں میں بہت سے cheetos بھر کے نکال رہا تھا۔بے پرواہی سے شانے اچکائے۔

" کم از کم میں نے آپ کو بروقت اطلاع کر دی۔چنگیز بے نے ابھی تک نہیں بتایا؟"

ماہر جواب دیے بنا سوچتی نظروں سے اپارٹمنٹ بلڈنگ کو دیکھے گیا۔

"غالب نواز یہاں رہتا ہے؟"

"عمارت میں داخلے کا ایک ہی راستہ ہے۔ وہ تھانے سے سیدھا گھر آیا ہے۔ اور کل سے باہر نہیں نکلا۔"

"وہ خوفزدہ ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "اگر میرے دوست نے اسے رہا نہ کیا ہوتا تو ہم اس کے بارے میں مزید جان سکتے تھے۔"

"آپ کا دوست آپ کو جھوٹی گواہی کے اثرات سے بچا رہا تھا' ماہر بے۔"

"اور تم؟ تم نے کیا کچھ معلوم کیا ہے اب تک؟" اس نے ناپسندیدگی سے اس آفیسر کو دیکھا جو سادہ حلیے میں بھی پہچانا جا رہا تھا۔

"پولیس ڈیوٹی میں سب سے بورنگ کام اسٹیک آؤٹ ہوتا ہے۔" وہ منہ بسور کے بتانے لگا۔ "اس کی پولیس آفیسر گرل فرینڈ ملک سے باہر ہے۔ تین دن بعد آئے گی۔ وہ دونوں جلد شادی کرنے والے ہیں۔ اور..." سسپنس بھرا وقفہ دیا۔

"اور... وہ کیٹو ڈائٹ پہ ہے۔"

پھر پرجوش انداز میں سامنے ایک اسٹور کی طرف اشارہ کیا۔

"دن میں دو دفعہ اس آرگینک فوڈ اسٹور سے اس کے کیٹو لنچ باکسز اس عمارت میں ڈلیور ہوتے ہیں۔"

"اور تمہیں کیسے معلوم وہ شادی کرنے والا ہے؟"

"کیونکہ اس نے جس دن ڈائیٹ شروع کی تھی' اس سے ایک رات پہلے اس کے کریڈٹ کارڈ بل میں "اور تکائے" کے ایک فینسی ریستوران کے ڈنر کا بل بھی تھا۔ یقیناً اس ڈنر پہ اس نے لڑکی کو پرپوز کیا ہوگا۔ تبھی اگلی صبح سے ڈائیٹ اسٹارٹ کی۔ آپ کے خیال میں کیٹو ڈائیٹ کام کرتی ہے؟"

ماہر فرید نے بہت ضبط سے اسے دیکھا جو کڑچ کڑچ کر کے چیوز چبا رہا تھا۔

"کیا کوئی اس سے ملنے آیا ہے؟"

"ابھی تک تو نہیں۔" آفیسر نے ایک ٹیبلیٹ اسکرین کی طرف اشارہ کیا جہاں ایک اپارٹمنٹ کے دروازے کے باہر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ دروازہ بند تھا۔

"شاباش۔ تم ٹی وی دیکھو۔" اس نے طنز سے اس کا کندھا تھپکا اور باہر نکل گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے روک

پاتا' ماہر فرید اپارٹمنٹ بلڈنگ کے اندر داخل ہو چکا تھا۔

لفٹ سے وہ مطلوبہ فلور پہ اترا تو غالب نواز کے اپارٹمنٹ کے باہر ایک ڈلیوری بوائے جھک کے لنچ باکس رکھ رہا تھا۔ ماہر ستون کی اوٹ میں ہو گیا۔ ڈلیوری بوائے نے گھنٹی بجائی اور خود آگے بڑھ گیا۔

دفعتاً دروازہ کھلا۔ غالب نواز نے احتیاط سے سر نکالا۔ دائیں بائیں دیکھا۔ گردن میں تعویذ کا سیاہ دھاگہ دکھائی دیا تھا۔

پھر دروازہ مکمل کھولا اور جھک کے لنچ باکس اٹھایا۔ دو بوٹ قریب آتے دکھائی دیے۔

وہ چونک کے سیدھا ہوا۔ سامنے ماہر فرید کھڑا تھا۔

اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"میں تمہیں نہیں جانتا نہ میں نے تمہیں ٹکر ماری تھی۔ اگر تم مجھے یوں ہراس کرو گے تو میں تمہارے خلاف پولیس میں شکایت کروں گا۔" غصے سے اس نے دروازہ بند کرنے کی کوشش کی لیکن ماہر نے تیزی سے اپنا بوٹ درمیان میں دے دیا۔

" کیا دروازہ توڑو گے؟"

"توڑ دیتا اگر میری ٹانگ مکمل طور پہ صحت یاب ہو چکی ہوتی۔" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے' بوٹ دروازے میں پھنسائے کھڑا تھا۔ بالکل پرسکون۔ آواز بھی نارمل تھی۔

" کیا چاہتے ہو؟" وہ بھی دروازہ اسی طرح پکڑے کھڑا تھا۔ ادھر ماہر بوٹ نکالے اور ادھر وہ دروازہ بند کرے۔

"تم خوفزدہ ہو۔ کیونکہ تم نے اس شہر میں ایک زندگی تعمیر کی ہے۔ لیکن تمہارا سرکار تمہیں ایسا نہیں کرنے دے گا۔" وہ مسکرایا۔

"وہ تمہیں یہ ملک چھوڑ کے کہیں گم ہو جانے کے لیے کہے گا۔ شاید کہہ چکا ہے۔ اور اس کی اندھی عقیدت میں تم ایسا ہی کرو گے۔ لیکن کیا تم اس ملک سے دور جا کے خوش رہو گے؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"میں تمہیں جیل میں نہیں ڈالنا چاہتا' غالب نواز۔ میں صرف چاہتا ہوں کہ تم سچ بولو۔ مجھے صرف اس کا نام بتا دو۔ اپنی لڑائی میں خود لڑ لوں گا۔"

غالب نواز آنکھوں میں بہت سی تپش لیے اسے دیکھے گیا۔ بولا کچھ نہیں۔

"وہ ایک عام سا جادوگر ہے۔اس کے پاس جنات ہیں' انسان نہیں۔انسان زیادہ خوفزدہ کرنے والی مخلوق ہے۔اس کے جنات سے ڈرنا چھوڑ دو۔مجھ سے سچ بول دو۔میں تمہیں سرکار سے بچا سکتا ہوں۔" اس نے اپنا بوٹ پیچھے کرلیا۔اب وہ درد کرنے لگا تھا۔

" کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا' ماہر بے۔"وہ چبا چبا کے بولا اور دروازہ زور سے بند کر دیا۔ پہلے لاک لگایا۔پھر ڈبل بولٹ۔پھر چٹخنی۔

وہ سوگواریت سے مسکرادیا۔

وہ جنات سے خوفزدہ تھا۔اس نے افسوس سے سر جھٹکا اور لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"معید نے بہت مایوس کیا ہے' مالا۔" رامین افسوس سے کہہ رہی تھی۔وہ دونوں واپس صوفوں پہ آن بیٹھی تھیں۔اور چائے کے مگ ہاتھوں میں پکڑ رکھے تھے۔

" خود میرے اپنے ماموں نے ہماری امی کا حق...."اس کی زبان کو بریک لگے۔مالا کا چہرہ دیکھ کر سنبھلی۔

"سوری۔ہم آپ کی کہانی سننے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔"

وہ اب مزید ان کاغذوں کے بارے میں نہیں پوچھ رہی تھی جو لاؤنج کی میز پہ بکھرے ہوئے تھے۔وہ مالا کے بتانے کی منتظر تھی۔

کیا معید کی اس حرکت کے بعد آپ نے شادی اٹینڈ کی؟"

کشمالہ صوفے پہ پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔اس سوال پہ مگ رکھنے کو جھکی تو ڈھیلا جوڑا کھل گیا۔

"تمہارے خیال میں مالا نے کیا کیا ہوگا؟"اس نے دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹا اور بے رحمی سے کس کے پونی میں باندھا۔انداز میں گلہ سا تھا۔یا اپنے لیے طنز۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرے کی کھڑکیوں سے باہر اترتی شام دکھائی دے رہی تھی۔ مالا پہلی ہی دستک پہ اٹھ کھڑی ہوئی جبکہ ماہی ڈھٹائی سے بیٹھی رہی۔وہ جانتی تھی باہر کون ہوگا۔

"سوری۔"چوکھٹ میں کھڑے معید نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔پھر پیچھے بیٹھی ماہی کو۔

"میں نے غلط کیا باغ بیچ کر۔مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔آئی ایم سوری۔"

مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں کچھ ہی عرصے میں تم لوگوں کے حصے کی رقم تمہیں لوٹا دوں گا۔اب تم دونوں نیچے آجاؤ۔پلیز میرے لیے۔فیملی ڈنر ہے اور سب پہنچ چکے ہیں۔" آخر میں اضافہ کیا۔"تقریباً۔"

"تمہارے خیال میں وہ سچ میں شرمندہ ہے؟" اس کے جاتے ہی ماہی شروع ہوگئی۔

"نہیں۔اور نہ ہی وہ کبھی شرمندہ ہوگا۔لیکن اس وقت ہمارے پاس اس کو معاف کرنے کے سوا کوئی آپشن بھی نہیں ہے۔بہنوں کے پاس ہوتا بھی نہیں ہے۔ان کو ساری عمر بھائیوں کی ضرورت رہتی ہے۔سو اپنا موڈ درست کرو اور نیچے چلو۔زیاد کو نہیں پتہ چلنا چاہیے کہ ہم بہن بھائی کے درمیان کیا چل رہا ہے۔"

ان کے ہوٹل سے ایک گلی چھوڑ کے ایک فائن ڈائن بنا تھا جس کے ایک ہال کمرے میں ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔میز پہ اونچی موم بتیاں جل رہی تھیں۔ایک طرف معید اور شفق ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ماہی نے اسے دیکھتے ہی زیرِلب "کمبخت پلاسٹک" کہا تھا کہ مالا نے جوتے سے اس کا پیر دبایا۔

زیاد خاموشی سے اپنی جگہ براجمان تھا۔اسے دیکھ کے اٹھا نہیں۔بس شکایتی انداز میں گھڑی کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو' اتنی دیر لگا دی۔دو دن کی خوش خلقی کے بعد زیاد سلطان کی ازلی تلخی اور بوریت واپس آچکی تھی۔اس کے دل کو دھکا سا لگا۔کیا یہ اس کی فطرت تھی یا کبیرہ تائی کے جادو تھے؟

ماہی نے سب سے پہلے سربراہی کرسی پہ قبضہ جمایا۔اب وہ یوں بیٹھی تھی کہ ایک ہاتھ پہ مالا اور زیاد تھے اور دوسرے پہ معید اور شفق۔یہ چھے افراد کی ڈائننگ ٹیبل تھی۔اور ماہی کی سیدھ کی دوسری سربراہی کرسی ہنوز خالی تھی۔معید نے کہا تھا سب پہنچ گئے تھے۔تقریباً۔

وہ مینو کارڈ پہ سر جھکائے ہوئے تھی جب تقریباً کی چاپ سنائی دی۔۔اسے معلوم تھا وہ مدعو تھا۔یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ آجائے گا۔نگاہ اٹھا کے دیکھا اور حلق میں کڑواہٹ گھل گئی۔

ماہر فرید سامنے سے چلا آرہا تھا۔سفید شرٹ پہ بھوری ڈنر جیکٹ' جینز اور سفید جوگرز۔مسکرا کے معید سے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا جو اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے لگا تم نہیں آؤ گے۔" معید واقعی اس کا ممنون تھا۔

"فیملی ڈنر میں کیسے مس کر سکتا ہوں۔بالخصوص زیاد صاحب سے ملاقات کا موقع۔" وہ خوشگوار انداز میں کہتا زیاد کی طرف پلٹا۔کشمالہ کا سانس تک رک گیا۔ماہر اس کا کوئی ex نہیں تھا جو وہ گلٹی محسوس کرتی لیکن وہ اپنے شوہر کو

جانتی تھی۔وہ رامین کے شوہر کی اس کے لیے کی گئی تعریف برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ماہر کی موجودگی اس کو کتنا غیر آرام دہ کر دے گی۔اُف۔

اس نے فکرمندی سے زیاد کا چہرہ دیکھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باہر سرد رات گہری ہو رہی تھی۔لیکن آفس میں جلتے زرد لیمپ اور ہیٹر کی گرمائش ماحول کو آرام دہ بنا رہے تھے۔اس کا سینڈوچ ابھی تک میز پہ اَن چھوا رکھا تھا۔

"اس لیے تم اس جمعے تھیراپی پہ نہیں آئے؟تم اس ڈنر پر چلے گئے جہاں جانا ہی نہیں چاہتے تھے۔کیوں؟"وہ نوٹ پیڈ پہ کچھ لکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے غصہ تھا۔زیاد پر۔کشمالہ پر۔خود اپنے آپ پر۔یا شاید میں اپنے دشمن کے قریب رہنا چاہتا تھا۔"اس نے سر جھکا کے انگلیاں بالوں میں پھنسا لیں۔

"اور قریب رہ کے تمہیں کیا معلوم ہوا؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیف...رائٹ؟"زیاد سلطان خوشگوار حیرت سے کھڑا ہوا۔کشمالہ کی ساری فکرمندی ایک دم الجھن میں بدل گئی۔

"تم یہاں کیسے؟"وہ ماہر فرید کو دیکھ کے جیسے بہت حیران ہوا تھا۔

ماہر دھیرے سے ہنس دیا۔

"شکر ہے میں تمہیں یاد ہوں۔"

دونوں میں سے کسی نے مصافحے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا۔ماہر نے دوسری سربراہی کرسی کھینچی اور اپنے مخصوص انداز میں بیٹھا تو وہ معید اور زیاد واپس بیٹھے۔

"کیا مالا نے میرا تعارف نہیں کروایا؟"اس نے پہلی دفعہ اسے دیکھا۔

وہ بند گلے والی سبز لمبی قمیض پہنے ہوئے تھی اور ایک کندھے پہ کامدار شال تھی۔کانوں میں جھمکے تھے۔پکارے جانے پہ شکایتی نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"یہ کیف نہیں،ماہر فرید ہے۔"وہ جیسے جبراً بولی تھی۔ایک اَن دیکھا سا احساس تھا جو فضا میں تناؤ پیدا کر رہا تھا۔یا

شاید یہ اسے محسوس ہو رہا تھا۔ ''بتایا تھا نا' یہ ایک بزنس مین ہیں اور کسی وجہ سے میری ملازمت کرتے تھے۔''

''بہت دلچسپ۔ تمہیں یاد ہوگا میں نے کہا تھا' کہ کیف وہ نہیں جو نظر آتا ہے۔'' زیاد محظوظ ہوا تھا۔ اور جیسے حیران بھی۔ مالا نے پہلو بدلا۔ زیاد کا غیر آرام دہ نہ ہونا اس کو مزید غیر آرام دہ کر رہا تھا۔

'' کاش میں بھی تمہارے بارے میں سرِ محفل یہ کہہ سکوں' زیاد۔'' وہ مسکرایا تھا۔

معید اور شفق آپس میں مینیو ڈسکس کرنے لگے۔ مالا نے بھی خود کو مکمل طور پہ مینیو کی کتاب میں گم کر لیا تھا البتہ ماہی بغور زیاد سلطان اور ماہر فرید کے چہروں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بظاہر مسکرا رہے تھے لیکن کچھ تھا جو غلط تھا۔

''سو... کس قسم کا کاروبار ہے تمہارا؟'' زیاد کے انداز میں تجسس تھا۔ ماہر کی کرسی اس کی کرسی سے نوے درجے کے اینگل پہ تھی۔ وہ اس کے بالکل قریب تھا۔ پھر بھی اس نے کرسی کا رخ مزید ماہر کی طرف موڑ لیا جیسے اسے صرف اس سے بات کرنے میں دلچسپی ہو۔

''میں آرکیٹیکٹ ہوں۔'' وہ بہت ضبط سے مسکرایا۔

''میں نے تمہارا انسٹا دیکھا تھا' شفق۔ بہت پیاری فیڈ تھی تمہاری۔'' ماہی کھنکھاری تو سب اس طرف متوجہ ہوئے۔ مالا نے سکون کی سانس خارج کی۔ کچھ تھا اس کے اندر جو نہیں چاہتا تھا کہ زیاد اور ماہر آپس میں بات کریں۔ یا کسی بھی وجہ سے زیاد کا موڈ خراب ہو۔

''تھینک یو۔'' شفق مسکرائی۔ اس کا انگریزی کا لہجہ برطانوی تھا۔

''دنیا کتنی چھوٹی ہے۔ تمہارے اور میرے فالوورز میں ایک مشترکہ دوست نکل آئی۔ مالا کی ایک کلاس فیلو۔''

شفق کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔ ''اچھا؟''

''اتفاق سے آج میری اس سے بات ہوئی۔ وہ مجھے بتا رہی تھی کہ تم لوگ اندرونِ لاہور کے علاقے کرشن نگر سے ہو۔ تمہارا بچپن وہیں گزرا ہے۔ اسکولنگ بھی وہیں ہوئی۔''

شفق کی رنگت ایسے فق ہوئی جیسے اس نے کوئی جن دیکھ لیا ہو۔ ''نن نہیں... وہاں تو میرا ددھیال رہتا تھا۔ ہم تو ڈیفنس...''

''ہاں یاد آیا۔ ڈیفنس میں تم لوگ دو سال پہلے شفٹ ہوئے ہو۔ اس سے پہلے اچھرہ میں کافی سال رہے ہو۔ انگلینڈ تم ایک ایکسچینج پروگرام پہ دو ہفتے کے لیے گئی تھیں، مگر accent اچھا ہے تمہارا۔'' ماہی بہت معصومیت سے تعریف کر رہی تھی۔ ''پتہ نہیں آپ کس فرینڈ کی بات کر رہی ہیں۔'' شفق نے جیسے جھرجھری لی۔

"اور وہ یہ بھی کہہ رہی تھی کہ تمہارے دادا کو فوت ہوئے تین چار سال ہو گئے ہیں۔تمہارے گھر والے ترکی پہنچ گئے یا ابھی دادا کی برسی پہ ہیں؟"

معید نے بے بسی سے ماہی کو گھورا۔اس نے مسکرا کے شانے اچکا دیے۔

"اصل میں یہ مینیو دیکھ کے مجھے اپنا چارسدہ والا باغ یاد آ رہا تھا۔"

شفق بدقت مسکرائی اور اور ایک دم چہرے کا رخ ماہر کی طرف موڑ دیا۔

" آپ کی کیا کہانی ہے؟معید بتا رہے تھے کہ آپ ان کے ڈرائیور تھے۔"

ایک دم سب کی توجہ اس طرف مبذول ہو گئی۔ماہی کے ماتھے کے بل واپس آنے لگے۔

"تھا نہیں۔بنا ہوا تھا۔"معید ایک دم جیسے بہت شرمندہ ہوا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"ماہر نے بھی رخ اس کی طرف موڑا۔اس کے انداز میں نرمی تھی۔

"فروہ شفق۔عموماً سب مجھے شفق کہتے ہیں۔"

"میرے دادا بھی کرشن نگر سے تھے' شفق۔بہت غریب تھے۔اندرونِ لاہور میں پلے بڑھے۔"وہ ٹیک لگائے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا کہہ رہا تھا۔''چند دہائیاں قبل وہ انگلینڈ آئے تھے اور یہاں کپڑے کا کاروبار شروع کیا تھا۔ایک اسٹال سے۔میرے والد نے اس اسٹال کو آگے بڑھایا۔میرا بچپن انگلینڈ کی مارکیٹس میں کپڑا بیچتے گزرا ہے۔"وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ایک دم ڈائننگ ٹیبل پہ سناٹا چھا گیا۔وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی اور وہ شفق کی طرف دیکھ رہا تھا۔چہرے پہ ایک اداس سی مسکراہٹ تھی۔وہ اس کے گال پہ ثبت زخم کا نشان دیکھ سکتی تھی۔

"پھر میرے والد نے ترقی کی۔کیونکہ لوگ ان کا اعتبار کرتے تھے۔ان کے پاس امانتیں رکھواتے تھے۔پیسے۔بانڈز۔زیور۔ان کے سچ پہ کوئی شک نہیں کر سکتا تھا۔انہوں نے ایک اسٹال سے دکان اور دکان سے ویئر ہاؤس بنایا۔اور پھر ہم رئیل اسٹیٹ کے بزنس میں آ گئے اور اس بزنس سے ہم نے ترقی کی۔تین سال پہلے میں یو کے چھوڑ کے استنبول آ گیا تھا۔تب سے یہیں ہوں۔"

ٹیبل پہ سناٹا چھا گیا۔سب خاموش تھے۔

تب ہی زیاد کھنکھارا۔

"وہ اس حصے کے بارے میں پوچھ رہی جب تم دھوکہ دہی سے کشمالہ کے ڈرائیور بنے ہوئے تھے۔"

ماہر نے بے اختیار زیاد کو دیکھا۔وہ مسکرا رہا تھا۔بہت سادگی سے۔

"میری ایک بہن تھی۔"

شفق خود سے توجہ ہٹنے پہ خوش تھی' بہت توجہ سے بظاہر سننے لگی۔

"اس کا نام ہلال ہے۔وہ کھوگئی تھی۔کسی نے مجھے کہا کہ اگر میں لاہور چلا جاؤں تو شاید اسے ڈھونڈ لوں۔مجھے ایک cover چاہیے تھا۔سو میں ان کے گھر کا ڈرائیور بن گیا۔"

"چچ... کیسے کھوئی تھی وہ؟" زیاد سلطان نے افسوس سے پوچھا۔ماہر فرید نے بہت ضبط سے گہری سانس اندر کھینچی۔

"یونہی۔اچانک۔ایک دن وہ غائب ہوگئی۔" اس کی مسکراہٹ اب غائب ہوچکی تھی۔وہ اس سے زیادہ مسکرانے کی اداکاری نہیں کرسکتا تھا۔

"اور اس وقت تم کہاں تھے؟" زیاد کی آنکھوں میں ایک اکساہٹ بھری مسکراہٹ تھی۔

ماہر فرید نے تھوک نگلا۔گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"میں ذہنی امراض کے ہسپتال میں داخل تھا۔"

ایک تناؤ بھرا سناٹا سارے پہ چھا گیا۔وہ گم صم سی ماہر کو دیکھ رہی تھی اور وہ زیاد کو۔

"یعنی تمہاری بہن اس لیے کھوئی کیونکہ... تم نے اسے اکیلا چھوڑ دیا تھا؟"

"زیاد۔" مالا اتنی تیزی سے بولی کہ زیاد نے چونک کے اس کی طرف گردن موڑی۔وہ تادیبی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ایسے مت کہو۔اس کا کیا قصور؟" اس نے خود کو کہتے سنا۔

زیاد لمحے بھر کے لیے کچھ کہہ نہ سکا۔

ماہر فرید بھی اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔

"سوری میرا یہ مطلب..."

"نہیں تم درست کہہ رہے ہو۔اس میں میرا ہی قصور تھا اور میں اس کی سزا بھگت رہا ہوں۔" وہ سنبھل کے پھیکا سا مسکرایا۔

"آئی ایم سوری۔" زیاد جیسے پشیمان ہوا۔مالا سر جھٹک کے مینیو کارڈ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

معید کھنکھارا۔لیکن کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ویٹرز بار بار چکر لگا رہے تھے۔اس سے پہلے کہ معید آرڈر

دینے کا کہتا' زیاد پھر سے کھنکھارا۔

" کس نے اغوا کیا تھا تمہاری بہن کو؟" انداز میں تشویش تھی۔اور آنکھوں میں مسکراتا ہوا چیلنج تھا۔

ماہر فرید کی میز پہ رکھی مٹھی بھنچ گئی۔ مالا نے ناخوشی سے پہلو بدلا جیسے یہ گفتگو اس کے اعصاب کو بوجھل کیے ہوئے تھی۔

"ایک جادوگر نے۔"

معید مینیو کارڈ لیے اٹھ کے کاؤنٹر تک چلا گیا۔ یہ طے تھا کہ اسے خود ہی آرڈر کرنا تھا۔

" جادوگر؟" زیاد نے ابرو تعجب سے اٹھائے۔ ''تم اس دور میں بھی جادو پہ یقین رکھتے ہو؟"

شفق قدرے متحیر نظر آئی۔ البتہ مالا نے برہمی سے زیاد کو دیکھا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر بھینچ لیے۔ وہ دوسری دفعہ اپنے شوہر کے سامنے اس کی حمایت نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"ہاں۔ کیا تم نہیں رکھتے ؟"

"رکھتا ہوں لیکن جادوگر لوگوں کو اغوا تو نہیں کرتے۔" اس نے جیسے جھرجھری لی۔

" جادو بہت سی اقسام کے ہوتے ہیں' زیاد بے۔" وہ ہاتھ باہم پھنسائے آگے ہوا اور غور سے زیاد کا چہرہ دیکھا۔

''سحر مرض... سحر اسود... سحر عشق..." بہت طنز سے آخری لفظ بولا۔

"سحرِ عشق؟" کشمالہ مبین کی آنکھوں میں ناسمجھی ابھری۔ لیکن ماہر اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ زیاد کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے کے اطمینان میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا تھا۔

"انٹرسٹنگ۔ سحرِ عشق کیا ہوتا ہے؟" زیاد نے مالا کے جیسے تعجب سے پوچھا۔ ساتھ کچھ اور بھی تھا اس کی آنکھوں میں۔ کچھ مذاق اڑاتا ہوا۔ کچھ ایسا جسے صرف ماہر سمجھ سکتا تھا۔

" جب مرد کسی عورت کو حاصل نہیں کر سکتے تو وہ اس پر سحرِ عشق کرتے ہیں۔ عموماً یہ وہ مرد کرتے ہیں جن کو اپنی شکل وصورت کا کمپلیکس ہوتا ہے۔ سحرِ عشق کے ذریعے وہ اپنی محبوبہ کو خوبصورت نظر آتے ہیں۔" وہ چبا چبا کے ایک ایک لفظ کہہ رہا تھا۔ وہ ابرو اکٹھے کیے اچھنبے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

" کیا واقعی ایسے کوئی کسی کو اپنا سکتا ہے؟" زیاد سلطان سب سے زیادہ حیران تھا۔

"ہمیشہ کے لیے نہیں۔ کیونکہ جب سحر اترتا ہے تو اسی عورت کو وہ شخص بھیڑیا یا کسی بدشکل جانور کے روپ میں نظر آتا ہے۔" کہتے ہوئے اس نے مینیو اٹھا لیا۔ یہ طے تھا کہ وہ زیاد کے اطمینان میں ہلکا سا بھی فرق ڈالنے سے قاصر

تھا۔اس نے نہیں دیکھا کہ کشمالہ مبین یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ بے یقینی سے۔ بنا پلک جھپکائے۔اس کے لب آدھے کھلے تھے۔جیسے کوئی مجسمہ ہو۔معید واپس آ چکا تھا اور اس نے بھیڑیے کا لفظ سن لیا تھا۔

" کیا ہم کسی اچھے موضوع پہ بات کر سکتے ہیں؟" اس نے اکتا کے استدعا کی۔

"جیسے کہ اسلام میں بہنوں کے حقوق۔" ماہی نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

مالا نے سر جھٹکا۔کوئی ٹرانس سا ٹوٹا۔کیا وہ ماہر کو نہیں جانتی؟ وہ اس کے دماغ میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔اونہہ۔

"یہ موضوع بھی کم دلچسپ نہیں تھا۔" زیاد سلطان اس موضوع کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔"میں اس جادوگر کے بارے میں سننا چاہوں گا۔"

"رئیلی؟" ماہر نے ابرو اٹھا کے سخت نظر اس پہ ڈالی۔"کیا سننا چاہو گے؟"

"یہی کہ ایسا دلچسپ جادوگر کہاں پایا جاتا ہے؟ شاید ذہنی امراض کے ہسپتال میں۔" وہ مسکرایا۔کچھ تھا اس کے انداز میں جو شفق نے چونک کے ماہر کو دیکھا۔پھر ہلکا سا سمٹ گئی۔پھر معید کو سوالیہ نظروں سے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو۔"کیا یہ واقعی ذہنی مریض تھا؟"

"وہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔تجربہ کار جادوگر۔" وہ مینو دیکھتے ہوئے جیسے خبریں پڑھ رہا تھا۔وہ جانتا تھا زیاد اسے اکسا رہا ہے لیکن وہ اس کو کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

"اس کی ایک کثیر cult following ہے۔اس کے کلائنٹ بہت پہنچے ہوئے لوگ ہیں۔لیکن اس کا کوئی آستانہ نہیں ہے۔وہ اپنے کلائنٹس کو اپنا چہرہ نہیں دکھاتا۔اپنی شناخت خفیہ رکھتا ہے۔سب کچھ آن لائن ہے۔اس لیے وہ کبھی پکڑا نہیں گیا۔اور ہاں... وہ واقعی چھوٹے بچوں کو اغوا کرتا ہے..."

"پھر وہی کہانی۔" کشمالہ جھرجھری لے کر بڑبڑائی تھی۔جیسے انداز میں افسوس ہو۔البتہ ماہر نے سن لیا تھا۔

" کیوں کشمالہ بی بی؟ آپ کو یہ سب کہانی لگتا ہے؟" اس نے دوسری دفعہ اسے مخاطب کیا ایسے کہ مسکراہٹ غائب تھی اور چہرے پہ دبا دبا سا غصہ تھا۔

مالا نے مینیو کارڈز ورسے بند کیا اور چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں افسوس بھی تھا اور بے بسی بھرا غصہ بھی۔

"یہ جو بھی ہے، مجھے اس پہ یقین نہیں ہے۔"

"تمہیں ابھی تک جادو پہ یقین نہیں ہے یا میری بہن کے کھونے پہ؟"

"دونوں پہ ہے۔صرف تمہاری اس کہانی پہ نہیں ہے۔یا تو تم بے وقوف ہو یا ہمیں بنا رہے ہو۔" لمحے بھر کو میز پہ بیٹھے تمام افراد ان کے لیے غائب ہو گئے۔صرف وہ دونوں وہاں تھے۔

"اور وہ کیسے؟"

"تم واقعی سمجھتے ہو کہ تمہاری یہ تھیوری قابلِ یقین ہے؟" وہ کہنیاں میز پہ جمائے پوری طرح اس کی طرف گھوم چکی تھی۔ بہت دنوں کا بہت سا غصہ ایک ساتھ نکلا تھا۔

''ایک آدمی... تمہارا جادوگر ولن... جس کے کلائنٹس ساری دنیا میں ہیں... جو بچوں کے اغوا کا نیٹ ورک چلا رہا ہے...اس کا کوئی آستانہ نہیں ہے؟ اس کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا سوائے اس کے بہت قریبی لوگوں کے؟" وہ طنز اور افسوس سے کہہ رہی تھی۔زیادسلطان پیچھے ہو کے محظوظ سا یہ گفتگو سن رہا تھا۔

"تمہارے خیال میں کوئی جادوگر اتنا طاقتور نہیں ہو سکتا؟"

وہ اسی طرح افسوس سے اسے دیکھے گئی۔

"جانتے ہو دنیا کے سب سے بڑے cult لیڈرز کی پہچان کیا ہوتی ہے؟" اب کے وہ بولی تو اس کا لہجہ دھیما تھا۔''وہ سب نارسیسٹ مرد ہوتے ہیں جن کی انا ان کو اکساتی ہے کہ وہ اپنے گرد اپنے فالوورز اکٹھے کریں۔ایک جادوگر جو اتنا طاقتور ہو' یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی آستانہ نہ ہو جہاں وہ اپنے فالوورز کو اکٹھا کر کے' ان کی عقیدت دیکھ کر' اپنی ego کو ایندھن نہ فراہم کرتا ہو۔مردوں کی انا ان کو گمنام لیڈر بننے کی اجازت نہیں دیتی۔میں نے آج تک ایسا آدمی نہیں دیکھا جو اتنا طاقتور ہو کے بھی خود کو چھپائے رکھے۔"

کہتے ہوئے مالا نے بوتل کا ڈھکن کھولا اور اسے گلاس میں انڈیلا۔

"''اس لیے یا تو تم ہمیں بے وقوف سمجھ کے ایک ہی کہانی دہراتے رہتے ہو۔یا پھر...."

گلاس اٹھا کے شانے چکائے۔

''تمہارا جادوگر کوئی عورت ہے۔"

ایک لمحے کے لیے میز پہ سناٹا چھا گیا۔

"کیونکہ کوئی مرد اتنا بڑا cult leader ہو کے گمنام نہیں رہ سکتا۔عورت رہ سکتی ہے۔عورت کو اتنی پذیرائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔اس کی انا جلد سیر ہو جاتی ہے۔"

زیاد سلطان کی رنگت ایسے سفید ہوئی جیسے لٹھے کی چادر ہوتی ہو۔ وہ لمحے بھر کے لیے بالکل گنگ رہ گیا۔

لیکن وہ دونوں اس کی طرف متوجہ نہ تھے۔ وہ پانی پی رہی تھی اور ماہر الجھن سے اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کا دماغ الجھ گیا ہو۔ پھر اس نے وثوق سے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ مرد ہے، میں جانتا ہوں۔ سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔"

مالا نے بے پرواہی سے شانے اچکا دیے۔

"میں ایک کال لے لوں۔" زیاد تیزی سے موبائل پہ بٹن دباتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اسے دیکھتا وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ اس کی رنگت فق ہو رہی تھی اور جیسے دم گھٹ رہا تھا۔

وہ باہر گلی کے کنارے آ کھڑا ہوا۔ گریبان کا بٹن کھولا۔ چند گہرے سانس لیے۔ تھوڑی دیر وہیں کھڑا رہا۔ پھر ایک اسٹال کے کنارے رکا۔ وہاں نقشے رکھے تھے۔ وہ استنبول کے مختلف حصوں کے نقشے تھے۔ وہ ایک ایک کو کھول کے دیکھنے لگا۔ پھر ایک نقشہ چنا۔ اب اس کا چہرہ بہتر تھا۔ پیسے ادا کیے اور جھک کے قلم سے اس پہ تاریخ لکھی۔

"غلط تاریخ ڈال دی آپ نے۔" آواز پہ وہ کرنٹ کھا کے پلٹا۔ پیچھے مالا کھڑی تھی۔ شال کندھوں پہ لپیٹے وہ مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ زیاد پھیکا سا مسکرایا۔

"سوری؟"

"آپ نے آج کی بجائے آنے والے کل کی تاریخ ڈال دی ہے.."

"اچھا سوری۔ یاد نہیں رہا۔" اس نے تیزی سے نقشہ جیکٹ کی جیب میں ٹھونسا۔ "تم یہاں کیوں آ گئیں؟"

"آپ کو بلانے۔ کوئی آرڈر ہی نہیں دے رہا اور معید کا پارہ ہائی ہونے والا ہے۔ چلیں؟" وہ مسکرا کے پوچھ رہی تھی۔ زیاد پھیکا سا مسکرا دیا۔

"آئی تھنک ... ہم سب کو ان کے steak ٹرائی کرنے چاہیے۔ میں سب کے لیے آرڈر کرتا ہوں۔ تم بیٹھو۔"

وہ دونوں اب ساتھ ساتھ واپس آ رہے تھے۔ ڈنر ٹیبل پہ بیٹھا ماہر فرید اب قدرے گم صم سا تھا۔ کچھ تھا جو اسے الجھا گیا تھا۔ اس نے ایک نظر ان دونوں کو ساتھ اندر آتے دیکھا اور پھر معید کی طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ طے تھا کہ اب ان تینوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کرنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ زیاد کے پیچھے کیوں گئیں؟"

رامین چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرائے اسے دیکھ رہی تھی جو کسی پنڈولم کی طرح دائیں بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔

" کیونکہ میں ماہر کے ساتھ ایک میز پہ غیر آرام دہ تھی۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ ہونا چاہتی تھی لیکن یوں لگتا تھا اس روز زیاد کا ذہن کہیں اور تھا۔ اس نے نقشے پہ ایک ایسی تاریخ لکھی جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئی تھی۔ کچھ تھا جو مجھے زیاد کے بارے میں کھٹک رہا تھا۔"

رامین نے ایک نظر میز پہ بکھرے کاغذوں کو دیکھا۔

"سو اس لیے آپ نے کبھی ماہر کی بات کا یقین نہیں کیا؟ کیونکہ آپ کے خیال میں اس کا جادوگر کوئی عورت ہے؟"

" نہیں یار۔ میں تو ویسے ہی ایک منطقی بات کہہ رہی تھی۔ مجھے ویسے ہی اس کی کسی بات کا یقین نہیں ہوتا۔" وہ جیسے چڑ گئی تھی۔

"اور پھر اس رات ایک اور واقعہ ہوا جس نے مجھے زیاد کی طرف سے کنفیوژڈ کر دیا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ نکاح کے فنکشن کے لیے استری کیے ہوئے کپڑے ہوٹل روم کی الماری میں ہینگ کر رہی تھی۔ سامنے کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا زیاد لیپ ٹاپ گود میں رکھے کام کر رہا تھا۔ اس کی ریڈنگ گلاسز میں اسکرین کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

" کچھ لکھا آپ نے؟"

"تھوڑا بہت۔" اس نے نظر اٹھا کے مالا کو دیکھا۔ پھر کھلی الماری سے دکھائی دیتے اس کے کامدار جوڑے کو۔

"مجھ سے ناراض ہو کے آ رہی تھیں تم استنبول۔ لیکن تیاری تم نے پوری کی ہے۔" اس کے لہجے میں طنز تھا۔

وہ چند منٹ کی خوشگوار بیت جو اس کے انداز میں ماہر فرید کو دیکھ کے در آئی تھی، وہ اب عنقا ہو چکی تھی۔ وہ پہلے جیسا زیاد بن چکا تھا۔ مالا نے افسوس سے سر جھٹکا۔ کچھ چیزیں کبھی نہیں بدل سکتیں۔ اسے اس کے ساتھ گزارا کرنا ہی ہوگا۔

وہ زیاد سے اس کے کپڑوں کا پوچھنا چاہتی تھی لیکن اس کی بات نے اتنا بدمزہ کر دیا کہ اس نے ارادہ بدل دیا۔ خود ہی ڈریسنگ روم میں آئی اور اس کا بیگ کھولا۔ اس کے کپڑے نکالے اور سیدھی ہوئی کہ...

ایک ننھا سا کاغذ کا ٹکڑا فرش پہ گرا۔ اس نے جھک کے اسے اٹھایا۔

وہ ترکش ایئر لائن کے بورڈنگ پاس کا وہ حصہ تھا جو مسافر اپنے پاس رکھتا ہے۔ اس کے مطابق زیاد سلطان کی فلائیٹ بدھ کی رات نو بجے استنبول پہنچ چکی تھی۔ لیکن زیاد نے تو اسے کہا تھا کہ وہ جمعرات کی صبح پہنچا تھا اور سیدھا اس کے پاس آیا تھا۔ بورڈنگ پاس ایک دوسری کہانی سنا رہا تھا۔

پھر وہ اس رات کہاں رہا تھا؟

"سنا ہے کل رات آپ کے ہز بنڈ بھی استنبول پہنچ چکے ہیں۔" بیربل کا کہا فقرہ ذہن میں گونجا۔

اس نے بورڈنگ پاس مٹھی میں دبا لیا اور اپنا موبائل اٹھایا۔

مالک فرید کے نام پہ اس کی انگلی رکی۔ لیکن پھر اس نے اسکرین بجھا دی۔

اسے فضول کے واہمے نہیں پالنے تھے۔ اسے اپنے شوہر پہ بھروسہ کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا یہ ممکن ہے کہ مالا کی تھیوری درست ہو؟"

یاسمین نے سوچتے ہوئے انداز میں پوچھا تھا۔

وہ اب کاؤچ کے ایک بازو کو سرہانہ بنا کے لیٹا تھا اور دوسرے بازو پہ جوتوں کی قینچی بنا کے رکھی تھی۔ اس بات پہ نفی میں چہرہ ہلایا۔

"مجھے اپنے بوڑھے دوست پر یقین ہے۔ اس نے مجھے جس کا چہرہ دکھایا تھا وہ مرد تھا۔ وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولے گا۔"

"جنات اتنے قابلِ اعتبار نہیں ہوتے، ماہر۔ جتنا میں جانتی ہوں، وہ مکمل سچ کبھی نہیں بولتے۔"

"وہ صرف مجھے نیچا دکھانے کے لیے کہہ رہی تھی۔" اس نے سر جھٹکا۔ وہ اب چھت کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے ارادہ کیا تھا کہ اگلے روز نکاح پہ نہیں جاؤں گا۔ میں ان دونوں کو ساتھ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔"

"لیکن تم گئے۔"

"لیکن میں گیا۔" اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نکاح کا فنکشن ایک آؤٹ ڈور ایونٹ تھا۔ آج اچھی دھوپ نکلی تھی۔ سبز گھاس پہ جگہ جگہ سفید اور گلابی پھولوں کی سجاوٹ کی گئی تھی۔ بیربل اور ماہر ایک ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔

"تم نے کہا تھا ہم فنکشن پہ نہیں جائیں گے۔ پھر ہم یہاں کیوں ہیں؟" بیربل اس کے کان کے قریب کھنکھارا۔

"میری اپنی وجوہات ہیں۔"

"وہ ناٹ سو ہینڈسم ولن بھی یہاں موجود ہوگا؟" بیربل کی متلاشی نگاہیں سبزہ زار پہ بکھرے انسانوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"وہ ہوگا لیکن کوئی ایسی لڑکی نہیں ہوگی جس کی امید پہ تم آئے ہو۔" ماہر نے جیسے تنبیہہ کی۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" وہ تیز چل رہا تھا۔ بیربل خفگی سے قدم اٹھاتا اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ''میں سنگل ہوں اور بہت خوش ہوں۔ میں اب محبت کی تلاش میں نہیں ہوں۔"

"اچھا؟" بیربل کے برعکس اس کی متلاشی نگاہیں کسی اور کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"ہاں۔ میرا ارادہ ہے کہ اگلے دو سال تک میں سنگل ہی رہوں۔"

"آمین۔"

"ایسے نہ کہو۔" بیربل گڑبڑا گیا۔ ''فرشتے سیریس ہو جائیں گے۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

اور تب ہی اسے وہ دکھائی دی۔ وہ دلہا دلہن کے پلیٹ فارم سے دور کھڑی' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس نے بال گھنگھریالے کر کے چہرے کے ایک طرف ڈالے ہوئے تھے۔ سفید پشواز پہنے' کامدانی دوپٹہ کندھے پہ ڈالے' کانوں میں بڑے بڑے ائیر رنگز پہنے' وہ بار بار اینٹرنس کو دیکھتی۔ آنکھوں میں پریشانی تھی۔ سن گلاسز ماتھے پہ تھے۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے مالا نے اس طرف دیکھا۔ تو اس نے چہرہ موڑ لیا حالانکہ وہ سن گلاسز پہنے ہوئے تھا۔ وہ اس کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھی اور اسے خوف تھا کہ کہیں دیکھ نہ لے۔

سارا فنکشن اس کی توجہ کشمالہ مبین کی طرف رہی۔ اس لیے نہیں کہ وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ بلکہ اس لیے کہ وہ بھی اسی کی منتظر تھی جس کا منتظر وہ خود تھا۔

زیاد سلطان ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔

کیک کٹنے کے بعد اس نے دیکھا' زیاد اندر داخل ہو رہا تھا۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ؟ اتنی دیر سے سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ خفگی سے کہتی سامنے آئی۔

"تم جانتی ہو مجھے یہ گیدرنگز نہیں پسند۔ ایک دوست سے ملنے پل کی دوسری طرف چلا گیا تھا۔ ٹیکسی نے ٹریفک

میں پھنسا دیا۔شکر کرو اب بھی پہنچ گیا ہوں۔" زیاد بھی دھوپ کے باعث سن گلاسز پہنے ہوئے تھا پھر بھی وہ اس کی آنکھوں کی بے زاری محسوس کر سکتی تھی۔

" کون سا دوست؟"

" کیا صرف تمہاری فیملی کے دوست ہو سکتے ہیں استنبول میں؟" اس کے انداز میں کچھ جتاتا ہوا تھا۔مالا نے جواب نہیں دیا۔مشرقی عورتوں کو کچھ چیزوں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔تلخ شوہر کے ساتھ بھی۔بس وہ چاہتی تھی کسی طرح زیاد کا موڈ نہ خراب ہو۔شکر ہے وہ اب بھی پہنچ گیا تھا۔

کھانے کے دوران زیاد بفے ٹیبل کے پاس کھڑا تھا جب قدموں کی آہٹ پہ دھیرے سے گردن موڑی۔ماہر فرید سامنے کھڑا تھا۔زیاد سلطان مسکرایا اور سن گلاسز اتارے۔ماہر نے نہیں اتارے۔

" خوش آمدید ماہر بے۔" اس کا انداز خوشگوار ہو گیا تھا۔

" مجھے ابھی پولیس ڈیپارٹمنٹ سے فون آیا تھا۔"

" سن رہا ہوں۔" زیاد اپنی پلیٹ میں پرانز نکال رہا تھا۔

"غالب نواز آج صبح اپارٹمنٹ سے باہر آیا تھا اور سیدھا ائیر پورٹ کی طرف گیا۔وہاں جا کے وہ ہجوم میں کھو گیا۔لیکن ائیر پورٹ ڈیٹا کے مطابق اس نے کوئی فلائٹ نہیں لی۔"

"اور تم مجھے یہ کیوں بتا رہے ہو؟"

ماہر اس کے قریب ہوا اور آواز سرگوشی میں بدل دی۔

" کیونکہ میری تھیوری یہ ہے کہ تم اس سے ائیر پورٹ پہ ملے تھے۔لیکن کیوں؟" رک کے جیسے سوچا۔" شاید ایک نیا پاسپورٹ دینے کے لیے۔شاید پیسے بھی۔"

زیاد ہلکا سا ہنس دیا۔

"میں جانتا ہوں زیاد... کہ اسے تم نے کسی دوسرے پاسپورٹ سے اس ملک سے بھیج دیا ہے۔عقیدت یا خوف کے ہاتھوں مجبور ہو کے اس نے اس ملک کو چھوڑ دیا ہے جہاں وہ اپنی زندگی بنا چکا تھا۔" اس کے انداز میں ملامت تھی۔

زیاد سلطان پرانز ڈال کے اس کی طرف گھوما اور مسکرایا۔

" مجھے کچھ معلوم نہیں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔لیکن کسی سے بات کرنا جرم نہیں ہے۔کسی کو ایک اچھی آفر دینا بھی جرم

نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی بھلائی دیکھتا ہے۔ سمپل۔" اس نے مسکرا کے شانے اچکائے۔

ماہر نے سن گلاسز اتارے۔ سورج اس کے رخ تھا۔ اس کی آنکھیں دھوپ سے چھوٹی ہو گئیں۔

"تمہاری موت میرے ہاتھوں آئے گی' زیاد سلطان۔"

"نہیں ماہر بے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ "ابھی تم میرے کام کرنے کے طریقے کو سمجھے نہیں ہو۔ میں اور کشمالہ اپنی زندگی جئیں گے اور تم اپنی بہن کی یاد میں خوش بودار موم بتیاں جلاتے رہو گے۔"

وہ کہہ کے آگے بڑھا ہی تھا کہ کسی نے اس کی کہنی تھامی۔ زیاد تیزی سے گھوما۔ لمحے بھر کے لیے وہ ساکت رہ گیا۔

کشمالہ مبین سامنے کھڑی تھی۔ ابرو بھینچے' دھوپ سے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھتی۔

"کیا ہوا ہے' زیاد؟"

اس نے شاید کچھ سنا تھا' شاید نہیں۔ زیاد فیصلہ نہ کر سکا۔ لیکن ایک ہی لمحے میں وہ سنبھل گیا۔

"میں ماہر بے سے کہہ رہا تھا کہ اس کی بہن اس کی وجہ سے کھوئی ہے اور اب اس کے پاس اس کی یاد میں خوشبودار موم بتیاں جلانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔" اس کے انداز میں تلخی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وہ ماہر کی شکل دیکھ کے بتا سکتی تھی کہ وہ کوئی خوشگوار بات نہیں کر رہے۔ اتنا کہہ کے وہ رکا نہیں' آگے بڑھ گیا۔

"سنو..." زیاد وہاں سے ہٹا تو وہ بھی پلٹ گیا۔ تب ہی مالا نے پکارا۔

وہ تیزی سے قریب آئی۔ گھنگریالے بال ایک شانے پر تھے اور کامدانی دوپٹہ دوسرے پر۔ آنکھوں میں غصہ تھا۔

"تمہارے اور زیاد کے درمیان کیا معاملہ ہے؟" وہ اس کے عین مقابل آ کے رک گئی۔ دھوپ اس کے رخ تھی۔ اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ آج وہ ایک طرف نہیں ہوا۔ جہاں تھا کھڑا رہا۔ اسے اس کی چھاؤں کی ضرورت نہ تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو' مجھے ہمیشہ سے یہ لگتا تھا۔ لیکن تم دونوں اس بات کو چھپا کیوں رہے ہو' میں نہیں جانتی۔ تم سبرینہ کے باس تھے اور وہ سبرینہ کا منگیتر۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھے گیا۔ پھر بے نیازی سے شانے اچکا دیے۔

"کہا نا، مجھے نہیں معلوم تم کیا کہہ رہی ہو۔"

''تم چاہتے کیا ہو؟'' وہ جیسے زچ ہوئی۔ ماہر نے گہری سانس لی۔

" کیا یہ ایسا ہی وقت ہے جب تم مجھے اپنی زندگی سے جانے کو کہو گی اور میں...."

" تمہیں کہیں نہیں جانا۔ میں جا رہی ہوں۔ اس شہر سے۔ اور میں شاید تمہیں کبھی دوبارہ نہ دیکھوں۔" وہ تیز تیز کہہ رہی تھی۔ دھوپ سے اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔

" لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ تم کچھ جانتے ہو۔ یہ اتنے دن تم بار بار میرے راستے میں اس لیے آتے تھے کیونکہ تم مجھے کچھ بتانا چاہتے تھے۔" پھر افسوس سے اسے دیکھا۔ ''اس لیے میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ تم کیا بتانا چاہتے ہو؟"

ماہر فرید نے بہت سا تھوک نگلا۔ پھر ایک نظر دور پیچھے معید کے ساتھ کھڑے زیاد کو دیکھا۔ وہ ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔

" تم زیاد کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔ ہے نا؟" ماہر کو دیکھتی اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ وہ غصے میں نہیں تھی۔ وہ خوفزدہ تھی۔

اس کی گردن خود بخود نفی میں ہل گئی۔

" مجھے کچھ نہیں کہنا۔"

"میں نے سب کچھ بھلا کے تمہیں ہلال کے لیے فون کیا تھا۔ اگر تم مجھے کچھ بتانا چاہتے ہو تو بتاؤ۔ میں سن رہی ہوں۔" آنسو اس کی پلکوں پہ اٹکے ہوئے تھے۔

" نہیں۔ مجھے کچھ نہیں کہنا۔" اس نے بے تاثر چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ ''میں صرف اپنے بارے میں سوچتا ہوں۔ اپنے اور ہلال کے بارے میں۔ تم اور زیاد میرے ذہن میں کہیں نہیں ہو۔"

ایک آنسو کشمالہ کی آنکھ سے ٹوٹا اور گال پہ پھسل گیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ وہاں سے پلٹ گئی۔ اسٹیج پہ فیملی گروپ فوٹو ہو رہا تھا۔ اس نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا اور ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ زیاد اور وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

"اس نے اتنے ماہ میری نوکری کی۔ کبھی خوشبودار موم بتی نہیں جلائی۔" وہ صوفے پہ بیٹھی، گھٹنوں کو سینے سے لگائے، سر جھکائے انگلی سے صوفے پہ لکیریں بنا رہی تھی۔ ''میں اس کے آفس گئی تو دیکھا وہاں جگہ جگہ سینٹڈ کینڈلز

رکھی ہیں۔ مجھے تب بھی خیال نہیں آیا کہ وہ ماہر کی ہوں گی۔ پھر زیاد کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ خوشبو دار موم بتیاں جلاتا ہے؟" اس نے جھرجھری لی۔ "کچھ تھا ان کے درمیان۔ کچھ ایسا جو راز تھا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم نے مالا کو سچ کیوں نہیں بتایا؟ کیا اس لیے کہ تم نے زیاد سے ڈیل کی تھی؟"

یاسمین پوچھ رہی تھی۔

ماہر دھیرے سے ہنس دیا اور لیٹے لیٹے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

"یاسمین حاتم... کیا تم واقعی سمجھتی ہو کہ میں ایسا انسان ہوں جو زیاد سلطان کے ساتھ کوئی ڈیل کر سکتا ہے؟"

یاسمین کے لب اوہ میں سکڑے۔

"اس رات اور کیا ہوا تھا؟ تم نے مجھے ساری بات نہیں بتائی تھی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاٹیج کے باہر سرد رات میں جھیل کنارے دو ہیولے کھڑے تھے۔

"کیا تمہیں یہ ڈیل منظور ہے؟" زیاد سلطان نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

وہ چند لمحے اس کا بڑھا ہاتھ دیکھتا رہا۔ پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔

"جو واحد ڈیل میں تمہارے ساتھ کروں گا زیاد سلطان... وہ یہ ہوگی کہ۔" وہ چند قدم قریب آیا یہاں تک کہ اس کی سرگوشی بھی زیاد کو سنائی دینے لگی۔

"کہ تمہاری موت میرے ہاتھوں سے آئے گی۔" کہہ کے وہ پیچھے ہوا۔ زیاد کا ہاتھ فضا میں گر گیا۔ چہرہ سپاٹ ہو گیا۔

"میں تمہارے ساتھ کوئی ڈیل نہیں کرنی۔ مجھے تصدیق چاہیے تھی، وہ مل گئی ہے۔ ہلال زندہ ہے۔ اور مجھے اس کو تلاش کرنے کے لیے تمہاری مدد نہیں چاہیے۔ میں اسے خود ڈھونڈ سکتا ہوں۔ اور رہی کشمالہ...."

زیاد نے تھوک نگلا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"تو بے فکر رہو۔ میں اس کو کچھ نہیں بتاؤں گا نہ بتانے والا تھا کیونکہ مجھے تم دونوں کی اتنی سی بھی (انگلی اور انگوٹھے کے درمیان خلا بنا کے دکھایا) پرواہ نہیں ہے۔ مجھے صرف ہلال کو ڈھونڈنا ہے۔ میں تمہاری زندگی میں مداخلت نہیں کروں گا۔"

"اس ڈیل میں ترمیم کرلو۔" زیاد بالآخر مسکرایا۔ "تمہاری جان میرے ہاتھوں جائے گی' ماہر فرید۔" کین سے ایک آخری گھونٹ بھرا' اسے جھیل کی طرف اچھالا اور پی کیپ درست کرتا وہ آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"او کے۔تم نے اس کے ساتھ ڈیل نہیں کی۔ پھر تم نے مالا کو اس کے شوہر کی اصلیت کیوں نہیں بتائی؟" وہ زور دے کر پوچھ رہی تھی۔

" کیا بتاتا؟ کوئی ثبوت نہیں تھا میرے پاس۔ اور وہ کبھی یقین نہ کرتی۔ کوئی بھی ماہر فرید کا یقین نہیں کرتا۔"

" کیا یہ واحد وجہ ہے؟"

ماہر نے آنکھیں بند کرلیں۔ وہ دونوں چند لمحے آفس میں چھائی خاموشی سنتے رہے۔

"میں غلط تھا جب میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس کو چھوڑ کے میرے پاس واپس آجائے۔ میں غلط تھا' یاسمین۔ میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ ڈنر پہ۔ اس کی آنکھیں اپنے شوہر کو دیکھ کے چمکتی تھیں۔ یہ سحر نہیں ہے۔ کوئی سحر ایسا نہیں کرسکتا۔ وہ خوشی کی خواہش تھی۔ وہ اس کے ساتھ خوش رہنا چاہتی تھی۔ میں اس کی زندگی خراب نہیں کرسکتا۔ میں نے اسے نہیں روکا۔ جانے دیا۔ وہ اسی رات زیاد کے ساتھ واپس جدہ چلی گئی۔"

"تم نے اچھا کیا۔ تم نے کسی عورت کا گھر خراب نہیں کیا۔"

"نہیں۔ میں نے غلطی کی۔" اس نے آنکھیں کھولیں اور سفید چھت کو دیکھا۔

یاسمین نے الجھ کے اسے دیکھا۔

"تم پچھتا رہے ہو؟"

"ہاں... کیونکہ تب تک ایک دوسرا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔"

" کیسا واقعہ؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"استنبول سے واپس آنے کے بعد کیا ہوا؟" رامین اب قدرے بور ہو رہی تھی۔ وہ ان کاغذوں کی حقیقت جاننا چاہتی تھی لیکن مالا اسی مضطرب انداز میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔

"میں ائیر پورٹ پہ تھی جب مجھے نورہ کی ای میل موصول ہوئی۔"

(وہ ہینڈ کیری لیے آگے بڑھ رہی تھی جب موبائل تھرتھرایا۔ اس نے اسکرین روشن کی۔ پہلے آنکھوں میں حیرت

اور پھر مسکراہٹ دوڑ گئی۔وہ پر جوش انداز میں ساتھ کھڑے 'بورڈنگ پاس چیک کرتے زیاد کو ای میل پڑھ کے سنانے لگی۔اس نے صرف ہونہہ میں سر جھٹکا تھا۔پھر تلخی سے کچھ کہا۔مالا کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔دھیرے سے اس نے موبائل واپس رکھ دیا۔

"نورہ مجھے ایک چانس دینا چاہتی تھی۔اس نے مجھے ایک ڈیزائن لے آؤٹ بھیجا اور کہا کہ میں اس پر کام کروں۔بنا تنخواہ کے صرف ۱۵ دن کا کام۔اگر اسے میرا کام اچھا لگا تو وہ مجھے ہائر کر لے گی۔وہ خود بھی ایک بندگلی میں پھنس چکی تھی اور بہت فرسٹریٹڈ لگ رہی تھی۔زیاد نے حسبِ معمول وہی کہا جو وہ ہمیشہ کہتا تھا۔چھوٹا سا طنز جو بیوی کا سارا جوش بجھا دے۔)

"پھر؟"

"اسی دن زیاد کی امی کی طبیعت خراب ہوگئی۔وہ جلدی میں پاکستان چلا گیا۔میں نے چلنے کے لیے کہا لیکن وہ مجھے ساتھ نہیں لے کر گیا۔میں پیچھے اکیلی تھی۔مس نورہ کے پروجیکٹ پہ کام کرتی رہی۔"

(اس نے آفس کا دروازہ دھکیلا تو نورہ اپنی سیٹ پہ بیٹھی دکھائی دیں۔وہ کھنکھارتی ہوئی اندر آئی۔اور آئی پیڈ اس کے سامنے رکھا۔نورہ نے عینک کے پیچھے سے ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈالی۔

"تمہاری پریزنٹیشن مکمل ہے؟"

"جی۔آپ نے مجھے جو concept دیا تھا' میں نے اس پہ پانچ مختلف ڈیزائن بنائے ہیں۔"

نورہ کے کندھے کے ساتھ جھک کے کھڑی وہ پر جوش انداز میں ایک ایک سلائیڈ آگے کر کے دکھا رہی تھی۔

چوتھی سلائیڈ پہ نورہ نے آئی پیڈ پرے دھکیلا۔

"یہ کیا ہے کشمالہ؟" وہ اکتا گئی تھی۔

"جو ڈیزائن آپ نے کہا تھا اس پر..." وہ ہکلائی۔

"میں نے ایک ڈیزائن کہا تھا۔ایک سادہ ڈیزائن۔سادہ ترین جواب بہترین جواب ہوتا ہے' کشمالہ۔تم چیزوں کو پیچیدہ کیوں بنا دیتی ہو؟"

نورہ اسی تلخی سے کہہ رہی تھیں۔

"تم اور میں ایک ساتھ نہیں چل سکیں گے۔تم خوامخواہ کی باریکیوں میں پڑ جاتی ہو۔" اس نے ماتھے کو چھوا۔پھر اس کا بجھتا ہوا چہرہ دیکھ کے آواز دھیمی کی۔"اگر مجھے کل تک ایک سادہ ڈیزائن دے سکتی ہو تو ٹھیک ہے۔ورنہ..." اس نے کندھے اچکا دیے۔

"سادہ جواب۔" وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔"میں چیزوں کی تفصیل میں جا کے ان کو پیچیدہ بنا دیتی ہوں۔" اس نے خود سے دہرایا۔سب سے سادہ جواب کیا تھا؟

"اگر تمہیں برا لگا ہے تو..."

"نہیں۔" وہ تیزی سے باہر نکلی۔

استنبول کی سفید پھولوں والی گلی میں وہ کھڑی تھی۔

ماں سامنے بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔

ان کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔

"فلیش لائٹس ڈھونڈو، مالا۔"

فلیش لائٹس کا مطلب اندھیرے دور کرنا نہیں تھا۔وہ کسی چیز کی علامت نہیں تھیں۔اس سوال کا جواب سب سے سادہ تھا۔

"ماں کی فلیش لائٹس..." وہ کاریڈور میں کھڑی تیزی سے فون پہ نمبر ملا رہی تھی۔

"ہیلو باجی؟" سلیم کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔

"ماں کی فلیش لائٹس ہوتی تھیں، سلیم۔یاد ہے؟" وہ بے ترتیب سانسوں کے درمیان پوچھ رہی تھی۔"وہ ایک ساتھ بہت سی فلیش لائٹس رکھا کرتی تھیں تاکہ بجلی جائے تو کام آ سکیں۔"

"جی۔وہ اسٹور میں رکھی تھیں..."

"ان کو ڈھونڈو۔"

"مالا باجی...وہ..." سلیم گڑبڑایا۔"مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔فلیش لائٹس کا شاپر میں نے غلطی سے آپ کے جہیز کے سامان کے ساتھ آپ کے سسرال بھیج دیا تھا۔"

"واٹ؟" اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"سوری باجی۔میں واپس لینے گیا تھا کیونکہ ماہی باجی بڑی باجی کی چیزوں کے بارے میں بہت خبر گیری کرتی

ہیں۔لیکن آپ کی بنگالی ملازمہ نے بتایا کہ اس نے تو وہ شاپر زیاد صاحب کے سامان کے ساتھ بھیج دیا تھا۔"

" کہاں بھیج دیا تھا؟ کون سا سامان؟"

"سعودی عرب بھیجا تھا شپ سے۔اب تو اس بات کو کئی ہفتے گزر چکے۔"

اس نے دھیرے سے فون رکھا۔وہ ایک دم بالکل گم صم ہو گئی تھی۔

زیاد نے اپنا کون سا سامان منگوایا تھا پاکستان سے؟ اس کو کیوں نہیں معلوم ہوا؟

اور منگوا کے کہاں رکھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اسٹوریج یونٹ۔" رامین جوش سے چلائی۔"زیاد بھائی نے اسٹوریج یونٹ لیا تھا۔"

"ہاں۔ مجھے کچھ دیر بعد یاد آ گیا تھا۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے کے چند دن بعد زیاد نے اپارٹمنٹ بلڈنگ کی بیسمنٹ میں بنے اسٹوریج یونٹس میں سے ایک کرایے پہ لے لیا تھا۔رامین لوگوں نے بھی یونٹ لے رکھا تھا۔اور ایک ڈنر پہ رامین کے شوہر ہارون نے یونہی اس کا ذکر کر دیا تو اسے معلوم ہوا کہ ان کا بھی یونٹ ہے۔

"چونکہ اپارٹمنٹ کے کرایے داروں میں میرا نام بھی تھا' سو مجھے اسٹوریج یونٹ کا نیا کارڈ بنوانے میں زیادہ مسئلہ نہیں ہوا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسٹوریج یونٹس بلڈنگ کی بیسمنٹ میں بنے تھے۔ایک طویل راہداری کے دونوں اطراف گیراج نما کمرے جن کے شٹر ڈاؤن تھے۔وہ مطلوبہ شٹر تک پہنچی اور کارڈ فلیش کیا۔شٹر خود بخود اٹھتا چلا گیا۔اندر اندھیرا تھا۔مالا نے کپکپاتے ہاتھوں سے بتی جلائی۔

اسٹوریج یونٹ روشن ہو گیا۔وہاں ہر طرف کارٹن ہی کارٹن تھے۔چند سے کتابیں ابل رہی تھیں۔چند میں صرف کاغذات تھے۔کچھ گھر کا پرانا فرنیچر تھا۔

سامنے پہلے کارٹن کے اوپر سے ایک شاپر جھلک رہا تھا۔فلیش لائٹس۔

وہ بھاگ کے اس کے قریب آئی۔

شاپر کے اندر بہت سی فلیش لائٹس جھانک رہی تھیں۔ماں کی فلیش لائٹس۔اس کی سگھڑ ماں کی چیزیں۔اس کی

آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس نے وہ شاپر اٹھایا اور اسے سینے سے لگا لیا۔ایک آنسو ٹوٹ کے گرا اور گردن پہ پھسل گیا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھی۔پھر واپس پلٹی۔فلیش لائٹس کے قریب رکھے کارٹن کو دیکھا۔

"کل رات آپ کے ہزبنڈ بھی آ گئے ہیں۔"

"سبرینہ کا کوئی منگیتر نہیں تھا۔"

"تم مجھے کچھ بتانا چاہتے ہو' ماہر۔"

"تم ہلال کی یاد میں خوشبودار موم بتیاں جلاتے رہو گے۔"

"یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب آپ اس کا سچ جاننے کی کوشش کریں گی۔"

بہت سی آوازوں نے ایک ساتھ حملہ کیا۔

کشمالہ مبین چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔

پھر اس نے فلیش لائٹس ایک طرف رکھیں۔

اور آگے بڑھی۔

آج یا کبھی نہیں۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے وہ کارٹن کھولا۔

اندر بہت سے رول شدہ نقشے تھے۔سب سے اوپر وہی نقشہ تھا جو زیادسلطان نے ڈنر والی رات خریدا تھا۔

مالا نے نقشہ کھولا۔

وہ استنبول کے علاقے بیشکتاش کا نقشہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح بیشکتاش میں بنی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے قدموں میں کھڑے ایک کار ٹ سے وہ فربہ پولیس آفیسر کافی خرید رہا تھا جب اس کے چہرے کے زاویے بگڑے۔سامنے سے ماہر فرید آتا دکھائی دے رہا تھا۔

"تم ابھی تک اس کے گھر کے باہر کیا کر رہے ہو؟"

"کومسار بے کا حکم ہے۔شاید وہ واپس آئے۔" آفیسر نے دوسرے ہاتھ میں پکڑے ڈونٹ سے ایک بائٹ لی۔

"پولیس والے اور ان کے ڈونٹس۔" ماہر نے افسوس سے اسے دیکھا۔ "وہ اب تک ملک کیا' اس براعظم سے بھی دور جا چکا ہوگا۔ کومسار بے سے کہو اس کے گھر کی تلاشی لیں۔"

"ناں ناں ماہر بے۔ میں بناوارنٹ کے کسی کے گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔" اپنی موٹی گردن دائیں بائیں ہلائی اور کار کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے آیا۔ کار میں بیٹھتے ہوئے آفیسر کہہ رہا تھا۔

"میں یہاں صرف کارروائی پوری کر رہا ہوں۔ آج میں رپورٹ لکھوں گا کہ غالب نواز غائب ہو چکا ہے اور بس۔" اس نے ڈونٹ کا برا سا لقمہ دانتوں سے توڑا۔ پھر اسے چبانے لگا۔ ماہر نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا اور کار میں رکھا ایک ٹشو نکال کے بڑھایا۔

"اس سے کوئی ملنے بھی نہیں آیا؟"

"اونہوں۔" اس نے کار اسکرین کی طرف اشارہ کیا جس پہ غالب نواز کے اپارٹمنٹ کے دروازے کے باہر کا سی سی ٹی وی منظر دکھائی دے رہا تھا۔

"اور تمہیں یقین ہے کسی نے اس فوٹیج کو لوپ پہ نہیں رکھا ہوا؟" کچھ تھا جو اسے کھٹک رہا تھا۔

"نہیں' ماہر بے۔ اتنا ہائی وڈنہ دیکھا کرو۔ میں نے خود اسے باہر نکلتے دیکھا ہے۔"

"یہ کیا ہے؟" وہ جھک کے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

دروازے کے قریب چند باکسز رکھے تھے۔

"اس کا کیٹو لنچ۔ ویسے کیا واقعی کیٹو اثر کرتی ہے؟" اس نے آج دوبارہ پوچھا۔ ماہر نے ایک نظر اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"تمہارے اوپر زہر بھی اثر نہیں کرے گا۔" پھر واپس اسکرین کو دیکھا۔

"اگر میں ملک سے غائب ہونا چاہوں تو کیا میں یہ چاہوں گا کہ میرے دروازے پہ کھانے کے ڈبوں کا ڈھیر ہو؟ جس سے سب کو معلوم ہو کہ میں گھر پہ نہیں ہوں؟ یا میں خاموشی سے بھاگوں گا؟"

ڈونٹ کا ٹکڑا آفیسر کے حلق میں اٹک گیا۔

"وہ کہیں نہیں گیا۔ وہ اندر ہی ہے۔"

وہ دونوں ایک ساتھ دروازے کھول کے تیزی سے باہر نکلے۔ اپارٹمنٹ کی لفٹ سے اوپری منزل تک کا سفر چند ساعتوں میں ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے دروازے کے باہر آن پہنچے۔ وہاں لنچ باکسز ویسے ہی رکھے تھے۔

ماہر نے بے چینی سے گھنٹی پہ ہاتھ رکھا۔اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

جواب ندارد۔اس نے دروازہ دھڑ دھڑایا۔خاموشی۔

"دروازہ توڑو۔"اس نے آفیسر کو حکم دیا۔

"میں؟"

"ہاں کیونکہ میری ٹانگ خراب ہے۔"وہ چلایا۔"اور پولیس آفیسر تم ہو۔"

لاک اس کے ایک ہی دھکے سے ٹوٹ گیا۔دروازہ اکھڑ کے پیچھے جا لگا۔

وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔

لاؤنج کے وسط میں کوئی گرا ہوا تھا۔صوفے کے اس طرف سے اس کے پیر دکھائی دے رہے تھے۔ماہر فرید سانس روکے آگے بڑھا۔اور پھر وہ وہیں ٹھہر گیا۔

اس نے توقع کی تھی کہ اس کی نگاہ ترتیب سے سفر کرے گی۔قدموں سے نگاہ اوپر ٹانگوں پھر سینے اور کندھوں تک جائے گی۔

اور اس کے بعد وہ اس کا سر دیکھے گا۔

لیکن سر وہاں نہیں تھا۔

لاش کا سر کٹا ہوا تھا۔اور جسم پہ مار پیٹ کے نشانات تھے۔

وہ پلک نہیں جھپک سکا۔

پھر گردن موڑی۔

کچن کاؤنٹر پہ غالب نواز کا سر رکھا تھا۔آنکھیں ادھ کھلی تھیں اور چہرے پہ نیل اور کٹ لگے تھے۔

ہکا بکا سا آفیسر اونچی آواز میں چلاتا فون پہ بیک اپ کال کر رہا تھا۔

وہ ابھی تک شل کھڑا تھا۔

(ابھی تم میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف نہیں ہو' ماہر بے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اسٹاپ"...یامین نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔"میں نہیں سن سکتی۔"

"اس لاش کا سر نہیں تھا۔"

چند لمحے شاکڈ سی خاموشی میں گزر گئے۔

"میں اس منظر کو ان دیکھا نہیں کر سکتا۔" وہ چت لیٹا چھت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں زمانے بھر کی ویرانی تھی۔

یاسمین نے جھرجھری سی لی۔

"یہ کس نے کیا ہوگا؟"

"اس شخص نے جس کے ساتھ میں نے مالا کو واپس جانے دیا۔ اس شخص نے جس کی اصلیت میں نے اس لڑکی کو نہیں بتائی جو اس کے سب سے قریب ہے۔ جو سب سے زیادہ خطرے میں ہے۔"

یاسمین نے نوٹ بک ایک طرف رکھ دی اور دونوں ہاتھوں سے کنپٹی پکڑ لی۔

"تم سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے' ماہر۔ تمہیں اس کو بتا دینا چاہیے تھا۔"

"مجھے اس کو بتا دینا چاہیے تھا۔"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ جیب میں رکھا فون تھرتھرانے لگا۔ یہ مخصوص رنگ ٹون چنگیز کی تھی۔ اس نے فون نہیں اٹھایا۔ اس وقت وہ اس بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتا تھا۔

"تم اب بھی اس کو کال کر سکتے ہو۔" یاسمین کی آواز کسی کنویں سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(کشمالہ نے دوسرا نقشہ اٹھایا۔ اس پہ چند ہفتے قبل کی تاریخ تھی۔ تیسرا نقشہ۔ دو ماہ پہلے کی۔ کارٹن کے آخری نقشے پہ پانچ سال پہلے کی تاریخ درج تھی۔)

رامین تحیر سے اپنے سامنے پھیلے کاغذ دیکھ رہی تھی۔

"زیاد بھائی نقشے کیوں اکٹھے کرتے ہیں؟"

"میں پوری رات یہی سوچتی رہی۔ پھر مجھے یاد آیا۔ ایک دفعہ کیف نے مجھے کہا تھا کہ نمبرز جھوٹ نہیں بولتے۔"

"نمبرز؟"

"تاریخیں۔" وہ ایک ایک کر کے کاغذ اس کو دکھانے لگی۔ "ہر نقشے پہ ایک تاریخ ہے۔ میں نے ان تاریخوں کو سرچ کرنا شروع کیا۔"

(لاؤنج اندھیر تھا اور وہ لیپ ٹاپ گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ ارد گرد کاغذ بکھرے ہوئے تھے اور وہ ایک ایک سے تاریخ پڑھتی کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ چہرے پہ بار بار مایوسی پھیلتی۔)

"شروع میں کچھ بھی نہیں ملا۔ ان تاریخوں میں کچھ بھی مشترک چیز نہیں ہوئی تھی۔ پھر..."

(وہ بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی جب فون بجا۔ مالا چونک کے سیدھی ہوئی۔ لاؤنج اندھیر تھا اور اس کے گرد کاغذ پھیلے تھے۔ اس نے نیند سے بھری آنکھوں سے موبائل دیکھا۔ اگلے ہی لمحے آنکھیں پوری کھل گئیں۔)

"میں نے بیشکتاش کے علاقے کی تمام نیوز کو گوگل الرٹ پہ لگا رکھا تھا۔ صبح مجھے ایک ایسی نیوز ملی جو میں بتا نہیں سکتی۔ صرف دکھا سکتی ہوں۔"

اس نے آئی پیڈ رامین کے سامنے کیا۔ اگلے ہی لمحے رامین تیزی سے اچھلی۔

وہاں ایک سر کٹی لاش کی تصویر تھی۔

"اس تاریخ پہ بیشکتاش میں ایک غالب نواز آدمی کا قتل ہوا تھا۔ اپنے اپارٹمنٹ میں۔ اس کا سر تن سے جدا تھا۔ اور اس پہ تشدد کیا گیا تھا۔ خبر میں یہ بھی لکھا تھا کہ یہ آدمی ماہر فرید نامی آرکیٹیکٹ پہ قاتلانہ حملے کے لیے زیرِ تفتیش تھا۔"

وہ رامین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔

"مالا..." رامین کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "لیکن قتل تو ہر روز کہیں بھی ہو سکتے ہیں۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن زیادہ کو ایک دن پہلے سے وہ تاریخ معلوم تھی جس پہ کسی نے اس انداز میں قتل ہونا تھا۔" اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

"میں نے ان تمام تاریخوں کو دوبارہ سرچ کیا۔ وہ بارہ تاریخیں تھیں۔ یورپ' اور مڈل ایسٹ کے مختلف شہروں کے نقشوں پہ لکھی بارہ تاریخیں۔ لیکن اس دفعہ میں نے تاریخوں کے ساتھ قتل کا لفظ بھی لکھا۔"

رامین کا سانس رک گیا۔

"ہر تاریخ پہ ایک قتل ہوا تھا۔ ایسے کہ لاش کا سر تن سے جدا تھا۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور رامین کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔

"سادہ جواب سب سے درست جواب ہوتا ہے' رامین۔ زیاد نے جاب اس لیے چھوڑی کیونکہ جاب اس کا صرف ایک کور تھا۔ وہ رائٹر بھی نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم کیوں لیکن مجھے لگتا ہے وہ کچھ بھی نہیں لکھتا۔ رائٹرز کو ویزے آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اسی لیے اس نے اپنی جعلی شناخت بنا رکھی ہے۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ..."

"زیاد... میرا شوہر زیاد... ایک assasin ہے۔ ایک کرایے کا قاتل۔"

اس نے انگلی سے سینے پہ دستک دی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"میں نے ایک قاتل سے شادی کی ہے' رامین۔ ایک سائیکو پیتھ قاتل سے۔"

اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ خوف تھا۔ اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔

"میں نے جس شخص سے شادی کی ہے' وہ ایک قاتل ہے۔"

رامین بالکل گنگ تھی۔

"میں اس دنیا کی سب سے بے وقوف عورت ہوں۔" اس نے بال دونوں ہاتھوں میں پکڑ کے سر نیچے گرا دیا۔

اسی لمحے باہر گھنٹی بجی۔ پھر دروازہ کھٹکا۔

"کشمالہ... دروازہ کھولو...." زیاد سلطان کی آواز سنائی دی۔

وہ دونوں کرنٹ کھا کے اٹھیں۔ رامین کی گود سے سارے نقشے گر گئے۔

مالا نے خوف سے دروازے کو دیکھا۔

پھر لاؤنج میں پھیلائے پلندے کو۔

"کشمالا..." وہ دروازہ بجا رہا تھا۔

اور کشمالہ مبین کا سانس رکنے لگا۔

اسے پہلی دفعہ معلوم ہوا تھا کہ خوف کیا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چار سال قبل۔

شمس ایک بنچ پہ بیٹھا تھا اور سامنے چلتی ٹریفک دیکھ رہا تھا۔ کچھ سوچ کے اس نے موبائل کان سے لگایا۔

"سبرینہ نے میرے ماہر کے گھر جانے پہ بھی پابندی لگادی ہے۔ وہ اس کو کسی عالم کے پاس لے کر جاتی ہے جو اس کا علاج کر رہا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو میں کبھی اس کاروبار پہ قبضہ نہیں کر سکوں گا۔"

"یہ وہی لڑکی ہے نا جس نے آصف کو آزاد کروایا تھا؟"

"جی سرکار۔" وہ ہچکچایا۔ "آپ نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ آپ کے پاس صرف جنات نہیں، انسان بھی ہوتے ہیں۔ ایسے کرائے کے قاتل جو دنیا میں کہیں بھی کسی کو بھی جا کے مار سکتے ہیں۔" شمس نے کہنا شروع کیا۔

"ہوں۔ ہم کچھ کرتے ہیں۔"

"میں اس کام کی منہ مانگی قیمت دوں گا۔"

نگینہ بیگم نے مسکرا کے فون رکھا اور دوسرا موبائل اٹھا کے کال ملائی۔

"جی امی؟" زیاد کا مصروف سا جواب سنائی دیا۔

"میرے پاس تمہارے لیے ایک کام ہے۔"

"شیور۔ نام، ایڈریس اور تصویر۔" تین لفظ کہہ کے اس نے کال کاٹ دی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں نہیں جانتا میں خود کو کیسے معاف کروں گا۔ میرے پاس موقع تھا۔ میں اسے بتا سکتا تھا۔" وہ چت لیٹا چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں معید یا ماہی کو بتا سکتا تھا۔ لیکن میں نے سوچا سحرِ عشق ہی سہی، وہ اتنا برا نہیں ہوگا۔ کچھ تو اچھا ہوگا اس میں۔ وہ اس سے محبت کرتا ہوگا۔ شاید وہ اس کو خوش رکھ سکے۔ میں نے اسے جانے دیا۔ میں نے اسے اپنے سامنے ایک قاتل کے ساتھ جانے دیا۔"

یاسمین اب خاموشی سے نوٹس لکھ رہی تھی۔

"وہ استنبول نینی کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ وہ غالب نواز کو مارنے آیا تھا۔ وہ ہر سراغ بند کرنے آیا تھا۔ وہ سرکار کا صرف کلائنٹ نہیں ہے۔ وہ اس کا ذاتی assasin ہے جو اس کے کہنے پہ لوگوں کو مار دیتا ہے۔ جو کام جو وہ جنات سے نہیں کروا سکتا وہ اس انسان سے کرواتا ہے۔"

"ایک بات میں سمجھ نہیں سکی۔" یاسمین کی سوچتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تمہاری ساری کتھا میں زیاد سلطان سب سے پرسکون نظر آیا ہے۔ حالانکہ اس کو وہ نہیں ملا جس کے لیے وہ اس کاٹیج پہ آیا تھا؟"

" کیا؟"

"تمہارے ساتھ ڈیل۔ وہ اس ڈیل کے لیے آیا تھا۔لیکن جب تم نے اسے انکار کردیا تو بھی وہ پرسکون تھا۔کیوں؟"

اسی پل ڈوربیل کی آواز نے یاسمین کو چونکا دیا۔

"ایکسکیوزمی۔"وہ قدرے حیرت سے اٹھی۔ماہر نے برا نہیں منایا۔وہ اسی طرح چت لیٹا رہا۔

یاسمین باہر چلی گئی۔اس کی واپسی چند لمحوں بعد ہی ہوگئی۔

"ماہر...."چنگیز کی آواز پہ وہ چونکا۔پھر تیزی سے سیدھا ہو کے بیٹھا۔چہرے پہ ناگواری دوڑی۔

"تم یہاں کیوں؟"

"تم میری کال اٹینڈ نہیں کررہے تھے۔"اس کے چہرے پہ کچھ تھا جو نارمل نہیں تھا۔لہجے کی تکان۔آنکھوں کا شکوہ۔ماہر کی نظر پیچھے گئی۔اس کے ساتھ دو پولیس اہلکار بھی تھے۔

"زیاد سلطان کا غالب نواز کے اپارٹمنٹ میں جانے کا کوئی ٹریس نہیں ملا البتہ..."چنگیز ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

ماہر بے اختیار کھڑا ہوا۔

(تم ابھی میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف نہیں ہو۔)

"البتہ اس کے اپارٹمنٹ میں کچھ چیزیں ملی ہیں جن پہ تمہارے فنگر پرنٹس ہیں' ماہر۔"

چنگیز پڑھ کے سنا رہا تھا۔

"ایک سوڈا کا کین...

(کانیج میں زیاد نے دستانے والے ہاتھ سے سوڈا کا کین اس کی طرف اچھالا۔اس نے تھام کے ساتھ رکھ دیا۔)

"ایک لائٹر...

(مجھے اور تمہیں چند باتیں کرنی ہیں' زیاد سلطان۔وہ کہتے ہوئے موم بتی جلا رہا تھا۔پھر اس نے لائٹر ایک طرف ڈال دیا۔)

"ایک اسٹیک کاٹنے والی چھری جس پہ مقتول کا خون ہے...

(ہمیں اس ریستوران کی steaks ٹرائی کرنی چاہیے۔ میں آرڈر کرتا ہوں۔)

"اور ایک نیپکن جس پہ تمہارا ڈی این اے ہے۔"

(وہ ڈنر کے بعد نیپکن سے لب تھپتھپا کے اٹھا اور معید اور شفق کو الوداع کہنے لگا۔)

"اس کے علاوہ سی سی ٹی فوٹیج کے مطابق تم غالب نواز کے اپارٹمنٹ گئے تھے اور دروازے میں اپنا بوٹ اڑا کے تم نے زبردستی اس سے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"واٹ؟" یاسمین نے بے یقینی سے چنگیز کو دیکھا۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

(تم ابھی میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف نہیں ہو' ماہر بے۔)

"ماہر علی فرید... تمہیں ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔ تمہارے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔" وہ افسوس سے کنپٹی مسلتا آفیسرز کو اشارہ کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھے۔ ایک کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی۔

"جو کچھ بھی تم اس وقت کہو گے' وہ تمہارے خلاف قانون کی عدالت میں پیش کیا جا سکتا ہے..." ایک آفیسر اس کے حقوق پڑھ کے سنا رہا تھا۔ دوسرے نے اسے ہاتھ پیچھے باندھنے کا اشارہ کیا۔

(تم ابھی میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف نہیں ہو' ماہر بے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ۔)

اگلی قسط آپ ان شاءاللہ ۵ فروری کو پڑھ سکیں گے

نووارد نے بتی جلائی اور سیدھا آتش دان کی طرف بڑھ گیا۔ کاٹیج پل بھر میں روشن ہوگیا۔ اور زیاد سلطان کا پستول والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ اس کا سارا وجود ساکت رہ گیا۔

''استنبول میں خوش آمدید۔'' ماہر فرید نے آتش دان میں لگے ہیٹر کا بٹن گھمایا۔ پھر اس کی طرف گھوما۔ اور سادگی سے مسکرایا۔

''میں اس ملاقات کی توقع ویک اینڈ پہ کر رہا تھا۔ لیکن تم لوگوں کو بہت جلدی تھی۔'' وہ ونگ چیئر پہ بیٹھا اور جوتوں سمیت پیر اوٹومن پہ رکھ لیے۔ اب وہ بہت فرصت سے مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

زیاد قدم قدم چلتا سامنے آیا۔ اس کے چہرے سے شاک کا تاثر غائب ہو چکا تھا۔ وہ اب بالکل سپاٹ تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''یہ میرا گھر ہے۔ اور یہاں کوئی اور نہیں رہتا۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھے؟ میں سمجھاتا ہوں۔'' وہ گردن اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے کھڑا تھا۔

''ہلال کی کوئی نیٹی نہیں تھی۔ ہم نے کبھی ہائر ہی نہیں کی۔ یہ صرف ایک مذاق تھا جو ہم آپس میں کرتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر غالب نواز چند دن کے لیے مقید ہو جائے تو سرکار اس گمشدہ عورت کے پیچھے کسی کو ضرور بھیجے گا۔ اپنے سب سے قابل بھروسہ مرید کو۔ لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ تم ہو گے زیاد سلطان۔''

زیاد نے کچھ نہیں کہا۔ وہ آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے اسے دیکھے گیا۔

''اس جگہ کے بارے میں صرف تمہیں ایک انسان بتا سکتا تھا۔ اور وہ خود ہلال ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ زندہ ہے۔ لیکن میں اب اس کے پیچھے نہیں بھاگ رہا۔ اب تم لوگ خود میرے پاس آؤ گے۔ بیٹھو زیاد سلطان۔ مجھے ایسے مت دیکھو۔ تم مجھے اچھے سے جانتے ہو۔'' اس نے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھ جاؤ۔ مجھے اور تمہیں چند باتیں کرنی ہیں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ان شاءاللہ)

(مالا کی اگلی قسط پچیس دسمبر ۲۰۲۲ کے بعد اپ لوڈ کی جائے گی۔

مالا (نمرہ احمد)

حصہ دوم "مکہ"

قسط نمبر:۱۳

"اس روز کے بعد میں نے جانا
ایک اَن مٹ سچ...
میں نے جانا کہ محبت ہر چیز نہیں ہوتی۔
یہ ایک جذبہ ہے جس کو
بنا کسی درد کے محسوس کرنے کی نعمت
ہر ایک کے پاس نہیں ہوتی۔
اکثر لوگ کہتے ہیں کہ
محبت تمہیں آزاد کر دے گی
لیکن نہیں۔
محبت ایک پنجرہ ہے۔
ایک اذیت سے بھرا پنجرہ۔
اس کی طلائی سلاخیں بنی ہیں
تڑپ، دردِ دل اور ادھورے خوابوں سے
اور جس لمحے مجھے احساس ہوا
کہ کسی کی بقا کے لیے
محبت لازم نہیں ہے

تو اس دن میں نے خود کو آزاد کرلیا۔
اب کسی کے پاس طاقت نہیں ہوگی
مجھے دکھ پہنچانے کی۔
(میا الیشر)

یہ وہ رات تھی جب پولیس کمشنر چنگیز نے پہلی دفعہ ماہر فرید کی آنکھوں میں خوف دیکھا تھا۔ایک آفیسر ہتھکڑیاں لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور ماہر کی نظریں ان کے چمکتے لوہے پہ جم سی گئی تھیں۔

"ماہر جیل نہیں جائے گا۔" ماہر کے لب پھڑپھڑائے۔

یاسمین پیتروو اکے گھر کے باہر بارش رک چکی تھی۔اب وہاں بس سیاہ گیلی رات تھی جو دم سادھے کھڑکی کے اندر جھانک رہی تھی جہاں زرد روشنی سے منور اسٹڈی روم میں وہ سب کھڑے تھے۔

"تمہیں خاموش رہنے کا حق ہے۔" چنگیز نے کھنکھار کے یاد دلایا۔"اس وقت تمہاری کہی کوئی بات تمہارے خلاف عدالت میں پیش کی جاسکتی ہے...."

"ماہر جیل نہیں جائے گا۔" اس کی نظریں ابھی تک ہتھکڑیوں پہ جمی تھیں۔آفیسر اب رک کے سوالیہ نظروں سے چنگیز کو دیکھنے لگا۔

"کیا تمہارے پاس اریسٹ وارنٹ ہے؟" یاسمین نے تشویش سے مداخلت کی۔چنگیز نے ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔

"جی۔اور میں اسے آپ کو دکھانے کا پابند نہیں ہوں۔آپ ایک طرف ہو جائیں۔"

یاسمین کے قدم خود بخود پیچھے ہو گئے۔وہ کارنر لیمپ کے قریب جا کھڑی ہوئی اور بے بسی سے ماہر کو دیکھا۔

"ماہر... ابھی خاموشی سے گرفتاری دے دو۔پھر بعد میں....."

"مجھے گرفتاری دینے سے پہلے تم سے بات کرنی ہے، چنگیز۔ضروری بات۔"

چنگیز نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔وہ ابھی تک ہتھکڑیاں دیکھ رہا تھا۔

"اس وقت تمہاری کہی کوئی بات..."

"پلیز..." اس نے نگاہ اٹھا کے چنگیز کو دیکھا تو آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔کچھ تھا ان میں۔منت۔اصرار۔بے

بسی۔

چنگیز کے کندھے ڈھیلے پڑے۔اس نے سر کو خم دیا۔پھر آفیسرز کو اشارہ کیا۔ان دونوں نے ناپسندیدگی سے کومسار بے کو دیکھا لیکن پھر یاسمین کی معیت میں چلتے ہوئے وہ اسٹڈی سے باہر چلے گئے۔

اب وہ دونوں تنہا تھے۔چنگیز تیوری چڑھائے اس کی طرف پلٹا۔

"مجھے دوستی کا واسطہ دے کر..."

"تم مجھے ہتھکڑی نہیں لگاؤ گے۔"وہ سفید پڑتی رنگت کے ساتھ بہت ضبط سے کہہ کر رہا تھا۔چنگیز چونکا۔

"تم جنایت (homicide) کیس کے مشتبہ ہو۔مجھے ہتھکڑی نہ لگانے پہ سزا ہو سکتی ہے۔"

"میں phobic ہوں۔"اس کی پیشانی پہ پسینہ تھا۔بہت سا تھوک نگلا۔یہ اعتراف کرنا جیسے اس کے لیے بہت مشکل تھا۔

"تم میرے ماضی سے واقف ہو۔جب میں ذہنی امراض کے وارڈ میں داخل تھا..."اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ایک تکلیف دہ خاموشی ہر طرف چھا گئی۔

پھر ماہر نے آنکھیں کھولیں۔گہری سانس خارج کی۔

"مجھے ہتھکڑی کا فوبیا ہے۔تم میری تھیراپسٹ سے پوچھ سکتے ہو۔اگر تم نے مجھے ہتھکڑی لگائی، تو مجھ سے کوئی ایسا غلط ردعمل سرزد ہو جائے گا جو میرا کیس خراب کرے گا۔پلیز، چنگیز۔"

چنگیز چند لمحے بے بسی بھری تلخی سے اسے دیکھے گیا۔

"اور میں سمجھتا تھا ماہر فرید کسی چیز سے نہیں ڈرتا؟"اس کے انداز میں طنز تھا۔وہ خاموشی سے کھڑا لب کاٹ گیا۔

"یہ آخری فیور ہے ماہر بے، جو میں تمہیں دے رہا ہوں۔اب مجھے میری جاب کرنے دو۔"

دروازہ کھولا اور اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ماہر فرید نے تھر وصوفے پہ ڈال دیا۔کوٹ کے بٹن بند کیے۔اور اٹھی گردن کے ساتھ باہر آیا۔اس کا چہرہ اب بے تاثر ہو چکا تھا۔البتہ رنگت بحال نہیں ہوئی تھی۔

ہتھکڑیوں والا آفیسر تیزی سے آگے بڑھا لیکن چنگیز نے اسے اشارہ کیا۔اس نے ناگواری سے چنگیز کو دیکھا۔اور پھر بہت ضبط سے ہتھکڑیاں جیب میں واپس ڈال لیں۔

وہ ان تین افراد کے ہمراہ آگے بڑھا۔وہ دونوں اس کے دائیں بائیں تھے اور چنگیز پیچھے۔سامنے راہداری تھی جس کے اختتام پہ دروازہ تھا۔چند گز کا سفر تھا لیکن اس کے قدم بھاری ہو رہے تھے۔ہر چیز جیسے سلو موشن میں

ہو رہی تھی۔

"میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہو؟"

ماہر کے قدم رکے۔ وہ تینوں بھی ساتھ ہی رک گئے۔

اس نے گردن موڑی۔ وہ راہداری میں پیچھے ایک ستون کے ساتھ کھڑی، بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ کچھ کہنے لگا، پھر نظر میں کچھ اٹکا۔ ایک طرف لکڑی کا زینہ اوپر جا رہا تھا۔ زینے کے ساتھ دیوار پہ کچھ چسپاں تھا۔

اوپر سے نیچے آتے سیاہ رنگ کے اسٹکرز۔ moon phases۔ سیاہ کاغذ کے بنے چاند کے مختلف ادوار۔ ہلال سے بدر۔ اور بدر سے ہلال۔ وہ چند لمحے ان کو دیکھے گیا۔

"شبنم سے کہو، ایڈووکیٹ ایاز بے کو پولیس اسٹیشن بھیجے۔"

وہ مون فیئرز کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یاسمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اس نے چہرہ موڑ لیا۔ دروازہ قریب تھا۔

پولیس کارز باہر کھڑی تھیں جن کی نیلی اور سرخ بتیاں جل بجھ رہی تھیں۔ بارش رکے مدت بیت چکی تھی لیکن ساری دنیا بھیگ چکی تھی۔ جیسے کوئی سیلاب آ گیا ہو۔ ماہر نے کار میں بیٹھنے سے پہلے پلٹ کے ایک ملامتی نظر چنگیز پہ ڈالی۔

"میں درست تھا۔ ماہر فرید کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔" کہتے ہوئے وہ اندر بیٹھ گیا۔

"Nothing personal" چنگیز نے شانے اچکا دیے اور اس کے آگے دروازہ بند کر دیا۔ کار کے شیشوں پہ ابھی تک بارش کے قطرے جمے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کشمالہ...." زیاد سلطان باہر کھڑا اسے پکار رہا تھا۔

وہ دونوں جہاں تھیں، وہیں کھڑی رہ گئیں۔ ایک دم شل۔ ساکت۔

"کشمالہ؟" اس نے دوبارہ گھنٹی پہ ہاتھ رکھا۔

مالا نے بے یقینی سے دروازے کو دیکھا۔ وہ تو پاکستان گیا تھا۔ اتنی جلدی واپس کیسے آ گیا؟ اور پھر لاؤنج میں بکھرے پھیلاوے کو۔ اس کے جسم سے جان آہستہ آہستہ نکلنے لگی۔

"ایک منٹ... زیاد بھائی..." رامین نے تیزی سے پکارا۔ "مالا باتھ روم میں ہے۔ آ رہی ہے بس۔" دستک رک گئی۔

رامین اب تیزی سے لاؤنج میں بکھرے کاغذ سمیٹ رہی تھی۔ وہ جو شل کھڑی تھی، جیسے ہوش میں آئی۔

جسم کا فائٹ یا فلائٹ رسپانس خود بخود حرکت میں آیا۔ نہ جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی۔ اس نے خود کو رامین کے ساتھ آگے بڑھتے دیکھا۔ پھر تیز تیز ہاتھ چلنے لگے۔ لیپ ٹاپ بند کیا۔ آئی پیڈ بجھایا۔ جلدی جلدی کاغذ اور نقشے سمیٹ کے کارٹن میں ڈالے اور کارٹن صوفے کے ایک طرف رکھا۔ رامین بھاگ کے کسی باتھ روم سے تولیے اٹھا لائی جو اس نے کارٹن پہ یوں ڈال دیے جیسے لانڈری ہو۔

دستک اب بند ہو چکی تھی۔ زیاد جیسے انتظار کر رہا تھا۔

"کھولیں۔" رامین نے سرگوشی میں کہا۔ مالا ہراساں نگاہوں سے دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

"مالا دروازہ کھولیں۔" اس نے مالا کا بازو جھنجھوڑا۔ مالا نے بہت سا تھوک نگلا۔ پھر دروازے کی طرف قدم اٹھائے۔ ہر شے جیسے سلوموشن میں ہو رہی تھی۔ ہر قدم بوجھل تھا۔ ہر سانس دشوار تھی۔

اس نے بولٹ کھولا۔ پھر چٹخنی۔ پھر لاک۔ دروازہ کھولا تو سامنے زیاد کھڑا تھا۔ ایک کان سے فون لگائے، ایک ہاتھ میں ٹرالی بیگ پکڑے، وہ فون پہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اسے دیکھ کے موبائل کندھے سے لگایا اور خفگی سے بولا۔

"اتنی دیر لگا دی۔ مجھے جلدی تھی۔" فون واپس کان سے لگاتے ہوئے تیزی سے اندر آیا۔ پھر رامین کو دیکھ کے رکا۔

"سوری زیاد بھائی۔ ہم مووی دیکھ رہے تھے ہیڈ فونز لگا کے۔ آپ کا گھر بھی اتنا گندا کر دیا میں نے۔" وہ بظاہر مسکراتے ہوئے تیز تیز کہہ رہی تھی۔

"نو پرابلم۔ کیری آن۔ مجھے چیک بک چاہیے تھی۔ پھر میں جا رہا ہوں۔" وہ عجلت میں اپنے ہوم آفس کی جانب بڑھ گیا۔ کمرے کا لاک کھولا اور فون پہ عربی میں کچھ کہتے ہوئے اندر چلا گیا۔ دروازہ بند ہوا تو کشمالہ مبین کی سینے میں اٹکی سانس بحال ہوئی۔ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے...

"شش..." رامین نے اس کا بازو دبایا۔ وہ دونوں صوفے کے ساتھ کھڑی تھیں۔ رامین کی پنڈلیوں کے پیچھے تولیوں سے ڈھکا کارٹن رکھا تھا۔ ہوم آفس سے کھٹ پٹ کی آواز آ رہی تھی۔

دفعتاً زیاد سلطان باہر نکلا۔ ٹرالی بیگ وہ یقیناً اندر چھوڑ آیا تھا اور اب ہاتھ میں ایک چیک بک اور ایک فولڈر تھا۔

"زیاد بھائی آپ بیٹھیں۔ میں بس جانے والی تھی۔"

"نہیں آپ بیٹھیں۔ مجھے کام کے سلسلے میں ریاض پہنچنا ہے۔ کل تک واپسی ہوگی۔" اس کا دماغ کہیں اور الجھا تھا۔

"کھانا نہیں کھائیں گے؟" زیاد دروازے تک گیا ہی تھا جب کشمالہ مبین نے خود کو کہتے سنا۔ زیاد چونک کے پلٹا۔ وہ جبراً مسکرائی تو وہ ہلکا سا مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں مجھے جلدی ہے۔ کال پہ بتاؤں گا۔" وہ واقعی جلدی میں تھا۔ اس نے شاید مالا کی رنگت دھیان سے نہیں دیکھی تھی۔ لیکن کچھ اور تھا جو اس کی نگاہ میں اٹکا تھا۔ وہ واپس مڑتے مڑتے ٹھہر گیا۔ نگاہ صوفے کے دوسرے حصے تک گئی۔ مالا کی نگاہوں نے تعاقب کیا۔ اور پھر جیسے اس کا سانس رک گیا۔

صوفے کے کشن کے ساتھ ایک رول ہوا کاغذ دکھائی دے رہا تھا۔ اُف... یہ کیسے یہاں رہ گیا؟

"یہ کیا ہے؟"

"وہ... ہم اپنا اپارٹمنٹ رینوویٹ کر رہے ہیں تو میں مالا کو اس کا ڈیزائن لے آؤٹ دکھانے آئی تھی۔ آپ کو دکھاؤں۔" رامین تیز تیز کہتی اس کاغذ تک گئی۔ اسے جھپٹ کے اٹھایا۔

"پھر کبھی سہی۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" زیاد اسی عجلت میں باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوا تو کشمالہ نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ ایک مقید سانس بحال ہوئی۔ وہ بے اختیار وہیں کارپٹ پہ بیٹھتی چلی گئی۔ اس کا سارا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

رامین نے کھٹا کھٹ لاک واپس بند کیے۔ پھر اس کی طرف لپک کے آئی۔

"میں اس سے کھانے کا پوچھ رہی تھی۔" اس نے بے یقینی سے رامین کو دیکھا جیسے خود پہ حیرانی ہو۔ "میں اس سے کھانے کا کیسے پوچھ سکتی ہوں؟ وہ ایک قاتل ہے...."

"وہ قاتل نہیں ہے۔ ریلیکس۔ ریلیکس۔" اس نے مالا کو دونوں کندھوں سے تھام کے چہرہ اپنے سامنے کیا۔

"سانس لیں۔ گہرے سانس۔ جیسے آپ نے مجھے سکھایا تھا۔"

اس نے آنکھیں بند کیں۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ پھر روشنی ہوئی۔ اب وہ اوشن میں تھی۔ سرما کی دھوپ میں درخت تلے کرسی ڈالے بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' نیلی ہائی ہیلز پہنے ہوئے تھی۔ لیپ ٹاپ سامنے کھلا تھا اور وہ مسکرا کے آنکھیں بند کیے گہری سانس لے رہی تھی۔ تازہ روسٹ ہوئے کافی بینز کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔

ایک۔ دو۔ تین۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ اپنے فلیٹ میں تھی۔ رامین اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ اب اس کا جسم کانپ نہیں رہا تھا۔

"میں اس سے کھانے کا کیسے پوچھ سکتی ہوں' رامین؟" اب بے یقینی غائب تھی۔ صرف حیرت تھی۔

رامین نے دھیرے سے ہاتھ نیچے گرا دیے۔

"یہ آپ کا ریفلیکس تھا' مالا۔ کیونکہ ہم لڑکیوں کو ایسے ہی بڑا کیا جاتا ہے۔ ہمیں اپنے گھر کے مردوں کے موڈ کے مطابق اپنا موڈ درست کرنے کی پریکٹس بچپن سے ہو جاتی ہے۔ ہم لڑکیاں ساری عمر اداکاری کرتی ہیں۔"

اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ خوف' بے یقینی' حیرت۔ سب ایک ساتھ حملہ آور ہوا تھا۔

"میں اس دنیا کی سب سے بے وقوف عورت ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک نیم تاریک کمرہ تھا۔ ایک دیوار آئینے کی بنی تھی جو چھت پہ جلتی ٹیوب لائٹ کی روشنی میں دمک رہی تھی۔ وسط میں ایک بڑی میز تھی جس کے ایک طرف چنگیز بیٹھا تھا اور دوسری جانب ماہر۔

ماہر کے ساتھ کرسی خالی تھی۔ اور اس کا چہرہ بھی کسی قسم کے تاثرات سے خالی تھا۔ بس ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ خاموش بیٹھا تھا۔ ہلکی بڑھی شیو۔ قدرے باسی ہوئے بال۔ اور آنکھوں میں بہت سی چبھن لیے وہ چنگیز کو دیکھ رہا تھا۔

"۱۹ تاریخ کی صبح تم کہاں تھے؟" چنگیز آگے ہو کے بیٹھا' ایک فائل کے صفحے پلٹاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ اس کی خاموشی میں ڈھٹائی تھی۔ یاسمین کے گھر سے گرفتار ہونے والا چہرہ اب بدل چکا تھا۔

"ہمارے پاس بہت کچھ ایسا ہے جو تمہارے خلاف جاتا ہے۔" چنگیز سر جھکائے صفحے پلٹا رہا تھا۔ "چھری اور کین پہ تمہاری انگلیوں کے نشان۔ نیپکن پر تمہارا ڈی این اے۔ تمہارا لائٹر۔"

اس نے نگاہیں اٹھا کے افسوس سے ماہر کو دیکھا۔

"میرے منع کرنے کے باوجود تم غالب نواز کے اپارٹمنٹ گئے تھے۔سی سی ٹی وی فوٹیج کے مطابق دروازے پر تمہاری تلخ کلامی ہوئی تھی۔تم اندر گھسنا چاہتے تھے۔وہ تمہیں آنے نہیں دے رہا تھا۔تم نے جوتے سے اس کا دروازہ بند ہونے سے روکا تھا۔"

وہ آنکھیں چھوٹی کیے خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"تم غالب نواز کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے اسٹیک آؤٹ پہ بیٹھے میرے پولیس اہلکار سے بھی تین دفعہ ملے ہو۔اس کا بھی کیمرا ز میں ریکارڈ ہے۔اہلکار کے بیان کے مطابق تم اس سے پوچھ تاچھ کرتے رہے تھے۔اس کا کہنا ہے کہ اس نے تمہیں کچھ نہیں بتایا۔لیکن مجھے یقین ہے تم نے اسے پیسے دیے ہوں گے۔"

اس نے فائل بند کی اور پیچھے ہو کے افسوس سے ملامتی نظروں سے ماہر کو دیکھا۔

"تم نے میری بات مانی ہوتی تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔لیکن شاید تم سمجھتے ہو کہ اب بھی اپنے پیسے کے بل بوتے پہ تم اس مشکل سے نکل آؤ گے۔"

ماہر نے سامنے رکھا پانی کا گلاس اٹھایا اور ایک گھونٹ بھرا۔پھر اسے واپس رکھ دیا۔

"تم خاموش رہ کے اپنے لیے اچھا نہیں کر رہے۔تمہاری ریپوٹیشن سب جانتے ہیں' ماہر۔"اب کے چنگیز کا لہجہ نرم ہوا۔

"یہاں سب تمہیں ایک امیر آدمی کی حیثیت سے جانتے ہیں جو ہر کسی کو manipulate کرتا ہے۔تم نے مجھے بھی استعمال کر کے غالب نواز کو لاک اپ میں رکھوانا چاہا تھا۔"اس کی آواز میں ڈھیروں شکوے تھے۔

"لیکن جس مشکل میں تم پھنس چکے ہو' وہاں سے تمہیں نہ تمہاری دولت بچائے گی نہ ہی تمہاری manipulating skills۔اس لیے بہتر ہے کہ تم اپنی طرف کی کہانی سناؤ۔ورنہ تمام ثبوت تمہارے خلاف جاتے ہیں۔تم ایک psychiatric وارڈ میں رہ چکے ہو۔اور یہ سر کاٹنا کسی... کسی سائیکو پیتھ کا کام ہے۔میں کہاں کہاں سے تمہیں دفاع کروں ماہر؟"

"تمہاری تقریر ختم ہو جائے تو میرے وکیل کا پتہ کر دو۔اسے اب تک پہنچ جانا چاہیے تھا۔"وہ اسی ڈھٹائی سے چنگیز کو دیکھ رہا تھا۔

"وکیل کا انتظار وہ کرتے ہیں جنہیں اپنا جرم چھپانا ہوتا ہے۔بے گناہ لوگ ایسے نہیں کرتے۔وہ سچی اور صاف بات کرتے ہیں۔بہر حال... تمہارے وکلا کب کے پہنچ چکے ہیں۔ان کے آپس کے مسئلے ہی نہیں ختم ہو رہے۔"

چنگیز تلخی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ فائل ہاتھ میں لیے وہ باہر آیا تو نیم تاریک کمرے کے برعکس راہداریاں روشن تھیں۔ ایک موڑ مڑ کے وہ ایک دوسری راہداری میں پہنچا تو سامنے وہی مچھلی منڈی لگی تھی جسے وہ چند منٹ پہلے یہاں چھوڑ کے آیا تھا۔

"وائی بے ... کومسار صاحب خود تشریف لا رہے ہیں۔" بیربل گلابی چہرہ اور غصے سے بھری آنکھیں اس پہ جمائے بیچ سے اٹھا۔ ''بس ماہر فرید کو مجرم ثابت کر دیں' پھر آپ کی ترقی پکی ہے۔" دیوار پہ ایک ہاتھ مارا۔

"بیربل!" ساتھ کھڑی شبنم نے خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ عینک لگائے الجھے بالوں کا جوڑا بنائے' پریشان سی کھڑی تھی۔ لیکن چنگیز کی توجہ کا مرکز وہ دونوں نہیں تھے۔

" آپ کا مسئلہ حل ہوا؟" اس نے سوٹ میں ملبوس' بریف کیس اٹھائے' ناخوش سے کھڑے ایاز بے کو دیکھ کے پوچھا۔

" مسئلہ ہے ہی نہیں۔ میں ماہر بے کا وکیل ہوں۔ مجھے اندر جانا ہے۔ انہوں نے "مجھے" بلایا ہے۔"

"غلط۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔ ان کی وکیل میں ہوں۔" لوہے کی کرسی پہ بیٹھی وہ لڑکی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان سب نے متفقہ ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

وہ سفید یوگا پینٹس اور بلیک ٹاپ پہ تنگ سا خاکی کوٹ پہنے' ایک درمیانے قد کی دبلی پتلی لڑکی تھی۔ رنگت زرد سفید سی' اور آنکھیں بھوری تھیں۔ ماتھے پہ بال بینگ کی صورت کٹے تھے اور باقی بال کندھوں سے اوپر ختم ہو جاتے تھے۔ پیروں میں سفید جوگرز' اور کہنی پہ قدرے بڑے سائز کا ہینڈ بیگ لیے' وہ انگلیوں اور کلائیوں میں بہت سے سنہرے بریسلیٹ اور انگوٹھیاں پہنے ہوئے تھی۔

"اور تم ہو کون؟" شبنم نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"سوزین۔ میں ماہر فرید کی وکیل ہوں۔ انہوں نے مجھے بلایا ہے۔ یقین نہیں آتا تو ان سے پوچھ لیں۔" اعتماد سے کہتی وہ چنگیز کی طرف گھومی۔ ''کیا میں ان سے مل سکتی ہوں تاکہ ان سب کی تسلی ہو جائے؟"

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ ویسا ہی نیم تاریک تھا جیسا چنگیز چھوڑ کے گیا تھا۔ سوزین نے دروازہ بند کیا اور جوگرز سے چلتی اس کے سامنے آ رکی۔ ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

" تم کون ہو اور ایاز بے کہاں ہیں؟"

"میں سوزی ہوں۔" رک کے تصحیح کی۔ ''سوزین۔ میں ایاز بے کی فرم میں جونیئر پارٹنر ہوں۔ دراصل....'' اس

کے چہرے پہ افسوس ابھرا۔ ''ایاز بے کی طبیعت بہت خراب ہے۔ان کا اپنی بیوی سے بہت برا جھگڑا ہوا ہے۔وہ اس ذہنی حالت میں نہیں ہیں کہ آپ کا کیس دیکھ سکیں۔اس لیے وہ مجھے ساتھ لائے ہیں۔اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان کو گھر بھیج دیں؟''

ماہر نے آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو سر سے پیر تک دیکھا۔اس کا بیگ۔کوٹ۔جوتے۔

''مجھے کل کی پیشی پہ ضمانت چاہیے۔کیا تم میری ضمانت منظور کروا سکتی ہو؟''

''میں کل کی پیشی پہ آپ کو ضمانت پہ رہا کروا دوں گی' ماہر بے۔میں آپ کو اپنی زبان دے رہی ہوں۔'' وہ پورے وثوق سے کہہ رہی تھی۔اس نے سر کو خم دیا۔

وہ ''ایک منٹ'' کہہ کے باہر نکل گئی۔

راہداری میں کھڑے لوگ اسی طرح وہاں موجود تھے۔چنگیز البتہ اب وہاں نہیں تھا۔

'' کیا کہا تھا میں نے ؟'' اس نے جتاتی ہوئی نظر ان سب پہ ڈالی۔'' ماہر بے کہہ رہے ہیں کہ آپ....'' ایاز صاحب کی طرف اشارہ کیا'' ....واپس جا سکتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں۔سوری ... آپ کا سارا تجربہ ایک طرف' لیکن ان کو میرے جیسی ایک litigator کی ضرورت ہے۔'' پھر شبنم اور بیربل کو دیکھا۔

''اور آپ دونوں کے لیے انہوں نے کہا ہے کہ دروازہ اس طرف ہے۔'' راہداری کے اختتام کی طرف اشارہ کیا جہاں سڑک کی طرف دروازہ کھلتا تھا۔ایاز صاحب نے زور سے پیر پٹخا اور بڑبڑاتے ہوئے بریف کیس لیے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔شبنم نے افسوس سے انہیں جاتے دیکھا۔

''مجھے اس سے ملنا ہے۔'' بیربل کا چہرہ سرخ ہوا۔

''وہ اس وقت کسی سے نہیں ملنا چاہتے۔آپ کی ان کو کہی کوئی بھی بات انہیں خطرے میں ڈال سکتی ہے کیونکہ چنگیز کے minions ہر طرف سے کان لگائے بیٹھے ہیں۔''

بیربل کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔سر کو خم دیا۔وہ واپس مڑ گئی اور اسی اعتماد سے ماہر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

چنگیز اور وہ فربہ پولیس اہلکار اس وقت ایک دوسرے تاریک کمرے میں کھڑے تھے جس میں ایک شیشے کی دیوار بنی تھی۔اس کے پار ماہر تنہا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔دفعتاً سوزین اندر داخل ہوتی دکھائی دی۔

''یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے۔ہمیں ماہر کو بتانا چاہیے یا....'' کافی کا گھونٹ بھرتا اہلکار کھنکھارا۔

''یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔'' چنگیز نے ناک سے مکھی اڑائی۔

" کیا معلوم اسے اصلی قاتل نے بھیجا ہو ماہر کو مزید پھنسانے کے لیے؟"

چنگیز نے گھور کے اسے دیکھا تو اہلکار نے شانے اچکائے۔

" کم آن کومسار بے ... آپ کو خود بھی یقین نہیں ہے کہ ماہر فرید ایسے کسی کو مار سکتا ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔"

"اگر تم غالب نواز کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی نگرانی حاضر دماغی سے کرتے تو یہ نہ ہوتا۔"

"میرا کیا قصور؟" اس نے دوسرے ہاتھ میں پکڑا ڈونٹ دانتوں سے کاٹا۔ پھر اسے چباتے ہوئے بھرے منہ کے ساتھ کہنے لگا۔ ''میں نے اس صبح ایک دراز قد آدمی کو چہرے پہ ماسک چڑھائے بلڈنگ سے نکلتے دیکھا تھا۔ اس نے غالب نواز کا کوٹ اور مفلر پہن رکھا تھا۔ میں اسے غالب نواز سمجھا۔ ائیر پورٹ تک جا کے اس نے مجھے چکما دیا اور کہیں غائب ہو گیا۔ یقیناً وہی اصل قاتل تھا۔ اب اس نے اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سی سی ٹی وی کیمرے ٹیمپر کر دیے تو میرا کیا قصور؟"

" کومسار بے..." وہ لڑکی اب شیشے کی دیوار پہ دستک دے رہی تھی۔ یہاں سے وہ دیوار کے پار کھڑے چنگیز اور فربہ اہلکار کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

'' آپ کی جاسوسی مکمل ہو گئی ہو تو واپس آئیں۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ جمائے وہ ٹٹولتی نظروں سے آئینے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پیچھے ماہر خاموشی سے اسی طرح بیٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" آپ زیاد بھائی کے بارے میں غلط سوچ رہی ہیں۔"

زیاد کو گئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ مگر وہ دونوں اسی طرح ایل شیپ صوفے پہ بیٹھی تھیں۔ مالا کشن گود میں رکھے چہرہ ہاتھوں میں گرائے ہوئے تھی اور رامین ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے سوچ میں گم تبصرہ کر رہی تھی۔

"میں غلط نہیں ہوں۔" مالا نے برہمی سے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اس کے نقشوں پہ رقم ہر تاریخ پہ اس شہر میں ایک ایسا ہی حیوانی قتل ہوا تھا۔ زیاد کو یہ تاریخیں پہلے سے کیسے معلوم ہوئیں؟"

"ان تاریخوں میں انہی شہروں میں ایک جیسی چوریاں بھی ہوئی ہوں گی۔ تو کیا زیاد بھائی چور بھی ہوئے؟"

مالا نے سینے پہ بازو لپیٹ لیے' اور پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پہ زخمی سا تاثر تھا۔

" کوئی میری بات پہ یقین نہیں کرے گا' ہے نا؟"

"زیاد بھائی ایک ڈیسنٹ انسان ہیں۔ان میں لاکھ عیوب ہوں' لیکن قتل... نہیں۔مالا یہ نہیں ہوسکتا۔آپ غلط سوچ رہی ہیں۔"

"اس نے میرے سامنے تاریخ لکھی تھی۔اس کو ایک دن پہلے کیسے معلوم ہوا کہ اس تاریخ کو قتل ہونا تھا؟"

اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں اور چہرہ زرد۔

" کیا اس روز ان کے کسی انداز سے آپ کو لگا تھا کہ وہ قتل کر کے آئے ہوں؟"

مالا نے واپس صوفے سے ٹیک لگائی اور نگاہیں آتش دان کے اوپر بنے مینٹل شیلف تک چلی گئیں۔وہاں چند پودے' کتابیں اور ایک کینڈل رکھی تھی۔

''وہ نکاح کی صبح دوپہر دیر سے پہنچا تھا۔پھر وہ میرے سامنے ماہر سے ملا۔اس نے ماہر کو دھمکی دی۔میں نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔اس کا انداز بہت سرد تھا۔خطرناک سا۔"وہ پودے کے پتے دیکھتے ہوئے یاد کر رہی تھی۔''میں نے زیاد کو ایسے بولتے کبھی نہیں سنا تھا۔وہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔میں نے ماہر سے پوچھا اس کے بارے میں۔لیکن....''

گہری سانس لے کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا؟"رامین غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔کشمالہ مبین کے چہرے پہ بہت سی تلخی ابھری۔

"نہیں۔ہمارے درمیان اعتبار کا رشتہ ختم ہوئے عرصہ بیت چکا ہے۔"

"ماہر کو دھمکی دینے یا ان بے ضرر سے نقشوں سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ زیاد ایک قاتل ہے؟میں جتنا اس بارے میں سوچوں' مجھے آپ کا اندازہ ایک اوورری ایکشن لگتا ہے۔زیاد ایک رائٹر ہے جو....''

"وہ رائٹر نہیں ہے۔"اس نے اپنی بات دوبارہ دہرائی۔اتنے وثوق سے کہ رامین چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ اندازہ ہے یا یقین؟"

اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی' موبائل تھرتھرایا۔مالا نے بے توجہی سے اسے اٹھایا۔لیکن اسکرین پہ نظر پڑتے ہی اس کی آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔غالب نواز کے نام کا لگایا گوگل الرٹ اسے ایک نئی خبر سے آگاہ کر رہا تھا جو ابھی ابھی ایک ٹیبلوئیڈ پہ ریلیز ہوئی تھی۔

"ماہر... پولیس نے ماہر کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا ہے۔"اس نے بے یقینی سے رامین کو دیکھا۔

زیاد سلطان کی آواز سماعتوں میں گونجی تھی۔

(نہیں' ماہر بے۔ابھی تم میرے کام کرنے کے طریقے کو سمجھے نہیں ہو۔ میں اور کشمالہ اپنی زندگی جئیں گے اور تم اپنی بہن کی یاد میں خوشبودار موم بتیاں جلاتے رہو گے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیم روشن کمرے کی واحد ٹیوب لائٹ ان تینوں کے سروں پہ روشن تھی۔اس کی روشنی ایسی تیز تھی کہ سر میں درد ہونے لگتا تھا۔وہ دونوں چنگیز کے مقابل ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔

"آپ نے میرے کلائنٹ کو ابھی تک چارج نہیں کیا۔" وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔"اگر چارج کرنے کا ارادہ نہیں ہے تو میں اپنے کلائنٹ کو لے کر جا رہی ہوں۔" وہ کرسی پہ آگے ہوئی جیسے اٹھنے لگی ہو۔

"میں ماہر فرید کو چارج کرنے لگا ہوں۔" چنگیز نے ناگواری سے اس لڑکی کو دیکھا۔بطور ایک پولیس کمشنر' دفاعی وکیل اس کی ناپسندیدہ ترین مخلوق تھے۔

"تمام۔پھر آپ کو صبح میرے کلائنٹ کو عدالت میں پیش کرنا ہو گا جہاں میں ان کی ضمانت کروالوں گی۔" واپس پیچھے ہو کے بیٹھی اور مسکرائی۔

چنگیز نے ایک نظر خاموش بیٹھے ماہر کو دیکھا۔"یہ عام قتل کیس نہیں ہے۔ یہ ایک ہائی پروفائل کیس بن چکا ہے۔جج ضمانت منظور نہیں کرے گا۔اس لیے آپ کے کلائنٹ کے لیے بہتر ہے کہ وہ ہمارے سوالات کے جواب دے۔"

"سوال پوچھیں۔" وہ دونوں اب چنگیز کو دیکھ رہے تھے۔

"آپ انیس تاریخ کی صبح کہاں تھے؟" چنگیز نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ خاموش رہیں گے' ماہر بے۔" سوزی کی آواز بلند تھی۔

ماہر نے کچھ نہیں کہا۔وہ اسی ڈھٹائی بھری خاموشی سے چنگیز کو دیکھے گیا۔

"آپ قتل سے پہلے تین دفعہ غالب نواز کی بلڈنگ میں کیوں گئے تھے؟"

"آپ جواب نہیں دیں گے۔"

"آپ کی غالب نواز سے کیا گفتگو ہوئی تھی؟"

"آپ جواب نہیں دیں گے۔"

چنگیز نے دانت پہ دانت جما کے اسے دیکھا۔

" آپ اپنے کلائنٹ کی مدد نہیں کر رہی ہیں۔اس کا کیس خراب کر رہی ہیں۔"

" آپ جا کے میرے کلائنٹ کو چارج کریں۔ مجھے اب ان سے پرائیوٹ میں بات کرنی ہے۔وکیل اور کلائنٹ کے پریویلیج کے تحت آپ کو ہمیں ایک ایسا کمرہ فراہم کرنا ہے جہاں...." آگے کو جھک کے سرگوشی کی" ....آپ کے ریکارڈنگ ڈیوائس نہ لگے ہوں۔" مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے۔ یہ نارمل طریقے سے روشن تھا۔میز کرسیاں لگی تھیں۔اور دیواروں میں کوئی شیشہ نہ تھا۔

"پولیس صبح آپ کو عدالت میں پیش کرے گی۔اس سے پہلے آپ کو دو اہم فیصلے کرنے ہیں۔"

" کیا؟" وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔درمیان میں میز تھی۔

"پہلا فیصلہ یہ ہے کہ...." اس نے غور سے ماہر کو دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کے الفاظ ادا کیے۔

" آپ کو شیو کرنی چاہیے۔"

"شیو؟" اس نے بے اختیار بڑھی ہوئی شیو کو چھوا۔

"جج کلین شیو' صاف ستھرے ملزم کو پسند کرتے ہیں۔" وہ کندھے اچکا کے پیچھے ہو کے بیٹھی۔

"تو تھینکس۔میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔دوسرا فیصلہ؟"

"یہ کہ آپ کیا پہنیں گے؟" وہ قلم انگلیوں میں گھماتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔" آپ کو جج کے سامنے خود کو ایک سلجھا ہوا آرکیٹیکٹ ظاہر کرنا ہے۔" قلم لبوں پہ رکھ کے سوچا۔

"ڈارک سوٹ۔ویسٹ۔ٹائی۔کف لنکس۔آپ کو مکمل تیار ہونا چاہیے۔"

"میرے پاس بہت سے ڈارک سوٹس ہیں' سوزین حاتم۔" وہ بھی اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھ رہا تھا۔

"لیکن کل والا سوٹ مہنگا ہونا چاہیے۔آپ کی ضمانت اس سوٹ پہ منحصر ہوگی۔افورڈ کر لیں گے' ماہر بے؟" وہ آخر میں مسکرائی۔

" آف کورس۔ جتنا مہنگا ہو جائے' مجھے پرواہ نہیں۔شبنم سے کہو' وہ ارینج کروا دے گی۔ مجھے صرف رہائی چاہیے کیونکہ...." وہ آگے کو جھکا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے چبا چبا کے الفاظ ادا کیے۔" ماہر فرید....جیل...نہیں جائے گا۔"

وہ مسکرا کے جگہ سے اٹھی اور بیگ لیے باہر کی طرف بڑھ گئی۔اس کے بیگ پہ ایک سرخ اسٹکر لگا تھا جو آدھا پھٹا

ہوا تھا۔ ماہر خاموشی سے اس اسٹکر کو دیکھے گیا یہاں تک کہ دروازے کے پار گم ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"آپ کو یقین کیسے ہے کہ زیاد رائٹر نہیں ہے؟"

رات اپارٹمنٹ کی کھڑکیوں کے باہر دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی۔ وہ دونوں کافی دیر ماہر فرید کی گرفتاری کی خبر پہ خاموش بیٹھی رہی تھیں۔ ایک عجیب سی فکرمندی تھی جس نے کشمالہ مبین کو گھیر لیا تھا۔ اس شخص سے ساری شکوے، ساری بے اعتباری ایک طرف ہو گئی تھی۔ یاد تھا تو صرف زیاد کا وہ لہجہ جس میں اس نے کہا تھا... تم ساری عمر خوشبودار موم بتیاں جلاتے رہو گے۔ وہ جیل جانے کی بات کر رہا تھا۔ وہ ماہر کو ساری عمر جیل میں رکھنا چاہتا تھا۔ یہ سب اس نے کیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ یا کم از کم زیاد ماہر کو جانتا تھا۔ وہ سبرینہ کا باس تھا اور زیاد کا سبرینہ سے کوئی ایسا تعلق تھا جسے وہ کور کرنے کے لیے منگیتر کا لفظ استعمال کرتا تھا۔ یقیناً دونوں کی کوئی...

"مالا؟" رامین نے اسے سوچوں کے سمندر سے نکالا۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی تو رامین نے سوال دہرایا۔

"مجھے ہمیشہ سے اس کا رائٹر ہونا کھٹکتا تھا۔ کیونکہ میں نے اسے کبھی اپنی نئی کتاب کے بارے میں بات کرتے نہیں دیکھا تھا۔ تم شاعری لکھتی تھیں، تم ہمیشہ اپنی کتاب کے بارے میں بات کرتی تھیں۔ جوش سے۔ خوف سے۔ جب تم سے لکھا نہ جا رہا ہوتا، اور تم رائٹرز بلاک کا شکار ہو جاتیں۔ زیاد ایسا نہیں تھا۔ اس نے بہت شروع میں ایک دو دفعہ کے بعد اپنے کام کے حوالے سے بات نہیں کی۔ مارکیٹنگ ایجنسی کے بارے میں وہ بات کرتا تھا۔ لیکن کتابیں؟ وہ یہ ذکر گول کر جاتا۔"

"شاید وہ شائے ہو۔ کچھ رائٹرز...."

"وہ رائٹر نہیں ہے، رامین۔" اس کا لہجہ قطعی تھا۔ "اس نے ایک ہی کتاب لکھی تھی۔ لیکن وہ کتاب کہاں ہے؟ میں نے اس کی ایک کاپی اس فلیٹ میں نہیں دیکھی۔ لاہور والے گھر میں بھی نہیں۔ سامان میں بھی نہیں۔ کتاب آرڈر کرنے کا لنک انسٹاگرام پہ موجود ہے۔ ماہی نے آرڈر کرنی چاہی۔ لیکن لنک ہمیشہ بروکن ہوتا ہے۔ لوگ ایک دو دفعہ ٹرائی کر کے اپنے انٹرنیٹ کا قصور سمجھ کے چھوڑ دیتے ہیں۔ میرے اصرار پہ زیاد نے مجھے کتاب کا پی ڈی ایف بھیجا۔ میں نے چند چیپٹرز پڑھے تھے۔ لیکن...." وہ جیسے اپنی بات واضح نہیں کر پا رہی تھی۔

"وہ الفاظ زیاد کے نہیں تھے۔ زیاد تلخ ہے۔ pessimist۔ وہ تاریک پہلو دیکھتا ہے۔ اور وہ ایک نان فکشن کتاب تھی جو کسی optimist نے لکھی تھی۔ مجھے لگتا ہے اس نے کسی اور سے کتاب لکھوائی تھی۔"

رامین کا منہ کھل گیا۔ "لوگ پیسے دے کر رائٹر بھی بن سکتے ہیں؟"

"پیسے سے دنیا کے اکثر مسائل حل ہو جاتے ہیں' رامین۔ اس کا رائٹر ہونا صرف ایک کور ہے۔ تاکہ اس کے پاس ٹریولنگ کا بہانہ ہو۔ کیونکہ رائٹرز کو ویزے آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اس نے اپنی ویب سائٹ' بلاگ' کتاب کی تصویریں ہر جگہ لگا رکھی ہیں۔ کوئی بھی اس کی پروفائل سرچ کرے تو بظاہر وہ ایک کامیاب رائٹر دکھائی دیتا ہے جس کے بہت سے فالوورز ہیں۔ نیو یارک ٹائمز کا ریویو بھی اس کی پروفائل کو چار چاند لگاتا ہے۔ میں بھی اس کے فالوورز کی طرح اسی ریویو سے متاثر ہوئی تھی۔ لیکن.... شاید وہ بھی اس نے پیسے دے کر لکھوایا ہو۔"

چند لمحے کے لیے اپارٹمنٹ کے لونگ روم میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔

"میں نے اتنا عرصہ زیاد کے تمام ریڈ فلیگز نظر انداز کیے۔ اس کی تلخی۔ اس کا طنز۔ اس کا مجھے میری اسکن اور عمر کا احساس دلانا۔ میں نے سوچا' ہر شادی ایسی ہوتی ہے۔ عورتیں رہتی ہیں اس سب کے ساتھ۔ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ مرد بعد میں ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ لیکن نہیں۔ زیاد کی ہر بات میں کھوٹ ہے۔ وہ استنبول آیا تو مجھ سے جھوٹ بولا۔ اس نے جاب کے بارے میں جھوٹ بولا۔ جھوٹ اس کی ہر بات میں شامل ہے۔ میں اپنی ساری عمر اس کا سچ کھوجنے میں نہیں لگا سکتی۔" ایک دم جیسے سارے فیصلے ہو گئے۔

"میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔ میں پاکستان واپس جا رہی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے وہی کرنا تھا جو وہ ہمیشہ کرتی آئی تھی۔ فرار۔ اس کا coping میکنزم۔ ایک دفعہ وہ لاہور چھوڑ کے سعودی عرب آئی تھی تاکہ جادو اور جادوگروں کی باتیں پیچھے رہ جائیں۔ اس دفعہ اسے زیاد کو چھوڑ کے واپس لاہور جانا تھا۔

مالا نے تیزی سے اپنا بیگ اٹھایا جو اتنے دن سے سامنے پڑا تھا اور جس کی کھلی زپ سے کپڑے ابلتے دکھائی دے رہے تھے۔

"لیکن آپ زیاد کی اجازت کے بغیر ملک نہیں چھوڑ سکتیں' مالا۔"

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ لب بے یقینی سے کھل گئے۔

"ری انٹری..." تمام الفاظ ختم ہو گئے۔ اسے زیاد کی ابشر ایپ سے ری انٹری بنوانی تھی۔ اس کے بغیر وہ اس ملک سے نہیں جا سکتی تھی۔

"اگر وہ واقعی ایسا ہے جیسا ہم سوچ رہے ہیں تو کیا وہ آپ کو پاکستان واپس جانے دے گا؟"

اس نے بے اختیار سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ایک دم ساری دنیا گول گول گھومنے لگی۔

وہ ایک قیدی تھی۔وہ اپنی مرضی سے کہیں نہیں جا سکتی تھی۔

"اب؟اب میں کیا کروں؟" زندگی ایک ہولناک سوال پوچھ رہی تھی۔

"اداکاری...." رامین سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔

"اگر آپ اس سے دور جانا چاہتی ہیں تو آپ کو تھوڑی سی اداکاری کرنی ہوگی۔جیسا کہ میں نے کہا... ہم لڑکیاں اداکاری کرتے کرتے بڑی ہوتی ہیں۔" رامین کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"سب سے پہلے..."

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"سب سے پہلے زیاد کو معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اس کی اصلیت جانتی ہیں...."

(مالا احتیاط سے نقشے اسی انداز میں رول کر کے کارٹن میں واپس ڈال رہی تھی۔فلیش لائٹس کا شاپر بھی اندر رکھ دیا۔قریب میں رامین فرش پہ ویکیوم لگا رہی تھی۔)

"آپ خود کو نارمل ظاہر کریں گی... جیسے آج کا دن کبھی آیا ہی نہ تھا۔"

(اپارٹمنٹ اب اپنی پرانی حالت پہ واپس آ چکا تھا۔صبح کی کرنیں کھڑکی سے جھانک رہی تھیں۔صاف ستھرا لونگ روم۔دھلا دھلایا کچن۔خاموشی اور سکون۔)

"زیاد اگر واقعی ایک قاتل ہے، تو وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔"

(وہ بیڈروم میں سنگھار میز کے سامنے کھڑی تھی۔بے تاثر آنکھوں سے خود کو دیکھتے ہوئے برش سے چہرے پہ سیٹنگ پاؤڈر لگا رہی تھی۔)

"اور خطرناک آدمی کو کنفرنٹ کرنا زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔"

(وہ نورہ کے آفس کی طرف جا رہی تھی۔سرمئی عبایا پہنے، ہاتھ میں چند کاغذ پکڑے جب موبائل تھرتھرایا۔اس

نے رک کے فون نکالا۔زیاد کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"میں کل شام تک پہنچ جاؤں گا۔"

"او کے۔" انگلیاں میکانکی انداز میں چلنے لگیں۔

"اور تم کیسی ہو؟")

" آپ کو چند دن تک اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا ہوگا۔اور اپنا مقصد نہیں بھلانا۔آپ کا مقصد خیر خیریت سے اپنے بھائی کے پاس پاکستان پہنچنا ہے۔اور اس کے لیے زیاد کی اجازت چاہیے۔"

(اس کے چہرے پہ سرخی سی ابھرنے لگی۔بے بسی۔ایک عجیب سا خوف۔لیکن اس نے آنکھیں بند کیں۔ایک سانس کھینچ کے نکالا۔دوسرا۔تیسرا۔پھر آنکھیں کھولیں تو چہرہ سپاٹ اور قدرے پرسکون تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" کسی روبوٹ کی طرح جواب لکھ کے بھیج ڈالا۔)

"زیاد کی واپسی تک خود کو کمپوز ڈ رکھنے کے لیے آپ کسی دوسرے کام پہ دھیان دیں۔جیسے نورہ کا پروجیکٹ۔"

(نورہ کرسی پہ بیٹھی تھیں اور مالا ساتھ جھک کے کھڑی تھی۔عبایا کے آستین کہنیوں تک چڑھائے' انگوٹھیوں والے ہاتھ سے وہ اسکرین کی طرف اشارہ کرتی کچھ سمجھا رہی تھی۔چہرہ بالکل سنجیدہ تھا۔کسی بھی مسکراہٹ سے بے نیاز۔نورہ عینک لگائے ساتھ بیٹھی توجہ سے سن رہی تھیں۔پھر آخر میں وہ مسکرائیں۔اور سر اثبات میں ہلایا۔)

"اس دوران آپ کو زیاد کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

(وہ اپنے ڈیسک پہ بیٹھی تھی۔سامنے زیاد کی کتاب کے پرنٹ آؤٹس رکھے تھے۔شیلڈن مرجھایا ہوا سا اسے دیکھ رہا تھا جو بے توجہی سے کتاب کے صفحے پلٹا رہی تھی۔پھر اس نے موبائل اٹھایا اور عبدالمالک فرید کی چیٹ کھولی۔

"میں غلط تھی۔مجھے سبرینہ کی فائل کی ضرورت ہے۔" سینڈ کا بٹن دباتے ہوئے اس کے ہاتھ ذرا برابر نہ کپکپائے۔)

"آپ کو کسی بھی تعصب سے پاک ہو کے زیاد سلطان کی ایک نئی پروفائل اپنے ذہن میں بنانی ہے۔ وہ کون ہے؟ وہ کیا کرتا ہے؟"

(وہ آفس ڈیسک پہ بیٹھی تھی۔ سامنے اسکرین پہ ایک سر کٹی لاش کی تصویر تھی۔ وہ اردن کا ایک مشہور عرب رائٹر تھا۔ دوسری ٹیب میں اس رائٹر کی بیٹی کا انسٹاگرام کھلا تھا جہاں وہ اپنے باپ کی تیسری برسی پہ اس کی ادھوری کتاب سے ایک اقتباس پڑھ کے سنا رہی تھی جو اس کے باپ نے کئی برس پہلے اسے سنایا تھا۔

"میرے بابا کی موت کے وقت ان کے چوری ہونے والے مسودے کی ایک جھلک۔"

مالا اس کے الفاظ سنتے ہوئے تیزی سے زیاد کی کتاب کے پرنٹ آؤٹس کے صفحات پلٹ رہی تھی۔ پھر ایک صفحے پہ وہ رکی۔ ویڈیو ریوائنڈ کی۔ ایک ایک لفظ سنا۔ پھر ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ پھیل گئی۔

زیاد نے کتاب پیسے دے کر نہیں لکھوائی تھی۔ اس نے کتاب چوری کی تھی۔ وہ درست تھی۔ وہ رائٹر نہیں تھا۔)

"آپ نے زیاد کے تمام جھوٹ کھوجنے ہیں۔"

(وہ ساحل کے کنارے ننگی پاؤں چل رہی تھی۔ ہوا سے عبایا اڑ اڑ کے پیچھے جا رہا تھا۔ کانوں میں ائیر پوڈز لگے تھے۔

"نیویارک ٹائمز کے آرٹیکل کا وہ اسکرین شاٹ جو زیاد نے کسی تمغے کی طرح پوسٹ کر رکھا ہے، وہ اس تاریخ کے اصل اخبار میں موجود ہی نہیں ہے۔ لوگ اسکرین شاٹ سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ برسوں پہلے کے اخبار کا جریدہ ڈاؤن لوڈ کر کے کراس چیک کرے۔" وہ تلخی سے رامین سے کہہ رہی تھی۔ "اس کے انسٹاگرام فالوورز بھی fake ہیں۔ خریدے ہوئے۔ سب کچھ جعلی ہے۔ اس کا کام بھی۔ اس کی شخصیت بھی۔")

"آپ کو سبرینہ والے کیس کو بھی ایک نئی نظر سے دیکھنا ہے۔"

(وہ اپارٹمنٹ کے اندھیرا لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ ایک مدھم لیمپ جل رہا تھا۔ لیپ ٹاپ گھٹنوں پہ رکھے وہ غور سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ ایک کے بعد ایک صفحہ آگے جا رہا تھا۔ ایک سیاہ بالوں اور اونچی پونی والی مسکراتی ہوئی لڑکی۔

"مجھے تم اونچی پونی میں اچھی لگتی ہو۔" زیاد نے کئی دفعہ کہا تھا۔ وہ اس کے اندر کس کا عکس ڈھونڈ رہا تھا؟

وہ فرید ہولڈنگ میں کام کرنے والی ایک سیکرٹری تھی۔ غیر شادی شدہ۔ اس کے قتل کے بعد پولیس کو دیے گئے اس کے خاندان کے بیانات اور اس کے کولیگز کے بیانات میں کسی منگیتر کا ذکر نہیں تھا۔)

"آپ کو ماہی کو کال کر کے اسے اعتماد میں لینا ہوگا۔ اس وقت آپ کو اس کی ضرورت ہے۔"

(وہ سمندر کے کنارے بیٹھی تھی۔ ریت پہ آلتی پالتی کیے۔ ہوا سے پھڑ پھڑاتا اسکارف بدقت گردن تلے اڑس رکھا تھا۔ سن گلاسز آنکھوں پہ تھے اور فون کان سے لگا تھا۔

"کیسی ہو ماہی؟" اس کی آواز بھیگ گئی۔

"عجیب ہیں یہ عباد کے گھر والے۔ امریکہ میں کوئی فوتگی ہوئی ہے۔ مجھے حکم آ گیا ہے کہ جا کے اٹینڈ کروں۔ مطلب عباد خود تو کہیں جاتا نہیں۔ ہر وقت جاب کا بہانہ۔ کہ چھٹی نہیں ملتی۔ اس کی جگہ یہ سب مجھے بھگتانا پڑتا ہے۔ کیسے میں اتنے چھوٹے بچے کے ساتھ جاؤں؟ کوئی میرا کیوں نہیں سوچتا؟"

"ماہی...."

"اب میں نہ گئی تو سب کہیں گے کہ اپنے بھائی کی شادی کے لیے یورپ چلی گئی۔ ساتھ ہی تو تھا امریکہ۔ ماہی آ سکتی تھی۔ لیکن نہیں آئی۔" وہ تلخی سے بولے جا رہی تھی۔ "یہ سب اس لیے میرے ساتھ یہ کرتے ہیں کیونکہ میں جاب نہیں کرتی۔ ان کو میں ایک فارغ ہاؤس وائف لگتی ہوں۔ حالانکہ...."

اس نے دھیرے سے فون بند کر دیا۔ پھر سر گھٹنوں میں دے دیا۔)

"آپ کو معید کو بھی اعتماد میں لینا ہوگا۔ وہ آپ کا بھائی ہے۔ اس وقت وہ آپ کی سب سے بڑی سپورٹ بنے گا۔"

(وہ "ڈوز" کافی شاپ میں بیٹھی تھی۔ میز پہ کافی کا بھرا ہوا اَن چھوا کپ رکھا تھا۔ اور وہ ائیر پوڈز کانوں میں لگائے خاموشی سے سن رہی تھی۔

"ماہی کو سمجھاؤ یار۔" معید ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔ "میں ہنی مون پہ ہوں۔ کچھ دن ریلیکس کرنا چاہتا ہوں۔ مگر جب میں نے فیملی گروپ میں تصویریں بھیجیں تو وہ وہی بات کرنے لگ گئی۔ باغ باغ۔ یار ایک باغ ہی تو تھا۔ دے

دوں گا پیسے۔میری زندگی کی پہلی خوشی ہے۔اس میں ضروری ہے کہ وہ مجھے ٹینشن دے؟اوپر سے وہ شفق کے ساتھ بھی ایسے بی ہیو کرتی ہے کہ....''

اس نے ائیر پوڈ کان سے نکال کے میز پہ رکھ دیا۔اس میں معید کی آواز ہنوز ابھر رہی تھی لیکن اب وہ نہیں سن رہی تھی۔

دور دور تک میزوں پہ چند لوگ بیٹھے تھے۔شارٹس میں ملبوس آدمی اپنے اپنے لیپ ٹاپ پہ کام کر رہے تھے۔کہیں کوئی گروپ بیٹھا کسی بحث میں مشغول تھا۔کہیں آئی پیڈ اٹھائے سیاہ عبایوں والی لڑکیاں تھیں جو اپنی کافی کی تصویر کھینچ رہی تھیں۔سب کی اپنی دنیا تھی۔

اور وہ اپنی دنیا میں اکیلی تھی۔)

''زیاد کی واپسی پہ آپ خود کو بالکل نارمل ظاہر کریں گی۔ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔''

(وہ میرون چوڑی دار آستین والی لمبی قمیض' ٹراؤزر میں ملبوس' ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے' کچن میں کھڑی تھی۔بال ایک طرف ڈال رکھے تھے چہرہ ہلکے میک اپ سے سجا تھا۔البتہ آنکھیں اسی طرح سپاٹ تھیں۔)

''آپ اس کا ویسے ہی استقبال کریں گی جیسے پہلے کرتی تھیں۔''

(مالا نے پین کا ڈھکن اٹھا کے دیکھا۔اندر سے خوشبو دار بھاپ نکل کے چہرے پہ آئی۔بھاپ چھٹی تو چاؤمن کی شکل دکھائی دی۔اس نے ڈھکن بند کیا اور چولہا آف کر دیا۔باہر بیل ہوئی تھی۔وہ پہنچ چکا تھا۔)

''اگر اس کو آپ کے موڈ کو دیکھ کے کوئی شک ہوگا تو آپ طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنائیں گی۔''

(زیاد سلطان اور مالا کچن ٹیبل پہ آمنے سامنے بیٹھے خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔چاپ اسٹکس کے پلیٹ سے ٹکرانے کی آواز ہر شے پہ غالب تھی۔دونوں کے درمیان گلدان میں پھول رکھے تھے اور موم بتیاں جل رہی تھیں۔

''تم چپ چپ ہو؟''

مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر زبردستی ہلکا سا مسکرائی۔

" کچھ نہیں۔ بس ذرا سر میں درد ہے۔ اور کمر میں بھی۔ " نگاہیں جھکا کے پلیٹ پہ مرکوز کر دیں۔)

"جب زیاد آپ کی طرف سے مطمئن ہو جائے تو آپ پاکستان جانے کا کوئی بہانہ بنائیں گی۔ کسی کی شادی۔ کسی کی فوتگی۔ کچھ بھی۔"

("نگینہ آنٹی کی طبیعت کیسی تھی؟ آپ بہت جلد واپس آ گئے؟"

"اب ٹھیک تھیں۔ سرجری ہونی تھی۔ وہ ہو گئی تو آ گیا۔" زیاد مطمئن نہیں ہوا تھا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہم نے ان کو یوں اکیلا چھوڑ دیا ہے۔" وہ چاپ اسٹکس چلاتے ہوئے چہرہ جھکائے کہہ رہی تھی۔ "میں سوچ رہی تھی مجھے ان کے پاس چند دن گزارنے چاہئیں۔ وہ کیا سوچیں گی کہ میں ان کے پاس بالکل نہیں رہی۔"

زیاد نے آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔ البتہ پلیٹ سے ہاتھ کھینچ لیا۔)

"آپ اسے بالکل بھی شک نہیں ہونے دیں گی کہ آپ کو اس پہ شک ہے۔ آپ اوشن میں ہر کرائسز بہت اچھے سے ہینڈل کر لیتی تھیں، مالا۔ چند دن کی اداکاری ہی تو ہے۔ آپ کر لیں گی۔"

"اور سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے رامین کہ میں اداکاری کرنے میں بالکل اچھی نہیں ہوں۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(مالا کچھ بھی ہو جائے، آپ اس سے اس کے کسی جھوٹ کے بارے میں نہیں پوچھیں گی۔)

"وہ کیا سوچیں گی کہ میں ان کے پاس بالکل نہیں رہی۔ ان کی کوئی خدمت نہیں کی۔" وہ پلیٹ پہ چہرہ جھکائے کہہ رہی تھی۔

"امی کے پاس ملازم اور ابو دونوں ہیں۔" زیاد کی نظریں مالا کے ہاتھوں پہ تھیں۔ وہ پلیٹ میں چاپ اسٹکس گھما رہی تھی۔ کھا نہیں رہی تھی۔

"ہاں لیکن مجھے بھی وہاں ہونا چاہیے تھا۔"

زیاد اس کو گہری نظروں سے دیکھتا پیچھے ہو کے بیٹھا۔

"تم پاکستان جانا چاہتی ہو؟"

مالا نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ان کی نظریں ملیں۔کچھ تھا اس کی آنکھوں میں۔

(مالا کچھ بھی ہو جائے' آپ اس سے اس کے کسی جھوٹ کے بارے میں نہیں پوچھیں گی۔)

"ہاں۔کچھ دن کے لیے۔نگینہ آنٹی کے پاس کچھ دن رہوں گی۔ماں سے بھی ملوں گی۔شاید میں ماں کے لیے اداس ہوں۔"

"تمہاری ماں کون سا وہاں موجود ہے۔ایک قبر ہی ہے۔"زیاد سلطان کے چہرے پہ زمانے بھر کی تلخی در آئی۔

"زیاد....'اس نے چاپ اسٹکس زور سے پلیٹ میں رکھی۔آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا۔

"ماں کی قبر میرے لیے میری ماں کا گھر ہے۔"

"ابھی تو تم ٹریول کر کے آئی ہو۔پھر ایک نیا خرچہ۔"زیاد نے سر جھٹک کے وسط میں رکھی بروسٹ کی ڈش سامنے کی اور اسٹیک کاٹنے والی چھری اٹھائی۔

(مالا کچھ بھی ہو جائے' آپ اس سے اس کے کسی جھوٹ کے بارے میں نہیں پوچھیں گی۔)

"خرچہ اپنے پیسوں سے کروں گی۔آپ سے تھوڑا ہی مانگ رہی ہوں۔"مالا کی نظریں اس کے ہاتھ پہ جم گئیں۔چمکتی ہوئی چھری اس نے مٹھی میں دبا رکھی تھی۔اس کے دل کے اندر بہت کچھ ڈوب کے ابھرا۔غالب نواز کی سرکٹی لاش۔

"یہ اپنا تمہارانہ کیا کرو۔عجیب ہو تم۔"زیاد کا موڈ جیسے خراب ہو چکا تھا۔وہ بروسٹ کا ٹکڑا کاٹنے کی بجائے بگڑ کے اسے دیکھ رہا تھا۔اور وہ اس کے ہاتھ کو۔

"میں اتنا کہہ رہی ہوں کہ میں آپ کا خرچہ نہیں کرواؤں گی۔"اس کا ہاتھ نامحسوس انداز میں پلیٹ کے ساتھ رکھی دوسری اسٹیک نائف تک بڑھا۔

"بات خرچے کی نہیں ہے۔تمہیں ہر کچھ دن بعد کہیں جانا کیوں ہوتا ہے؟"

مالا کے ہاتھ نے ٹھنڈی چھری مٹھی میں بھینچ لی۔ایسے زور سے کہ ہاتھ کی نسیں ابھرنے لگیں۔

"مجھے ماں یاد آ رہی ہیں۔ بس۔" چھری والا ہاتھ گود میں چلا گیا۔ گرفت مزید مضبوط ہو گئی۔ دل البتہ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

(مالا کچھ بھی ہو جائے' آپ اس سے اس کے کسی جھوٹ کے بارے میں نہیں پوچھیں گی۔)

''فی الحال تم کہیں نہیں جا رہی ہو۔ آرام سے بیٹھ کے اپنا گھر بساؤ جیسے دوسری لڑکیاں بساتی ہیں۔" زیاد نے چھری بے زاری سے رکھی اور پلیٹ پرے دھکیل دی۔ اس کی بھوک جیسے ختم ہو گئی تھی۔

"دوسری لڑکیاں؟" اس کی رکی سانس بحال ہوئی۔ چھری اب زیاد سے دور تھی اور وہ نیپکن بھی مروڑ کے پرے پھینک رہا تھا۔

"ہاں دوسری لڑکیاں۔ عام لڑکیاں۔" وہ طنز سے کہتے ہوئے کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تم اپنے آپ کو خاص لڑکی سمجھنا چھوڑ دو۔ اپنے گھر پہ توجہ دو۔ میں تمہارے tantrums اب مزید برداشت نہیں کر سکتا۔"

(مالا کچھ بھی ہو جائے' آپ اس سے اس کے کسی جھوٹ کے بارے میں نہیں پوچھیں گی۔)

کشمالہ مبین نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

"آپ استنبول ایک رات پہلے کیوں آئے تھے؟" سارے ضبط' سارے بند' زبان کے آگے کھڑی کی ہر رکاوٹ کھل گئی۔

زیاد کمرے کی طرف جاتے ہوئے ٹھہر گیا۔ چونک کے اسے دیکھا۔

"کیا؟" زیاد سلطان کی ساری حسیات جاگ گئیں۔

"آپ نے مجھے کہا تھا کہ آپ صبح میں پہنچے ہیں۔ حالانکہ آپ پچھلی رات آئے تھے۔" وہ پیچھے کو ٹیک لگا کے بیٹھی اور گردن اٹھا کے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

"میں نے آپ کا بورڈنگ پاس دیکھا تھا۔" اس کی آواز دھیرے دھیرے بلند ہو رہی تھی۔

زیاد چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر چھوٹے قدم اٹھاتا واپس میز تک آیا۔ اپنی کرسی کے کنارے کھڑا ہوا۔

"آپ نے ہمیشہ کی طرح مجھ سے ایک اور جھوٹ بولا....''۔

زیاد نے میز سے پلیٹ اٹھائی۔

اور پھر پوری قوت سے اسے دور کچن کی دیوار پہ دے مارا۔ وہ چھناکے سے چکنا چور ہو گئی۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟" وہ پوری قوت سے چلایا تھا۔

وہ جہاں تھی وہیں ساکت رہ گئی۔ آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔

"ہر کچھ دن بعد تم مجھے کٹہرے میں کھڑا کر دیتی ہو جیسے میں کوئی مجرم ہوں۔" وہ زور سے چلا رہا تھا۔ "میں تنگ آ گیا ہوں تمہیں صفائیاں دیتے دیتے۔"

"زیاد...." اس کا شل ہوا جسم جیسے جاگا۔ وہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"مجھ سے اس ٹون میں بات مت کریں۔" اس کی آواز دھیمی لیکن انل تھی۔

"تمہیں یہی ٹون سمجھ میں آتی ہے' کشمالہ۔" وہ اسی طرح چلایا۔ پھر گھوم کے اس کی طرف آیا۔

کوئی ریفلیکس ایکشن تھا یا جسم کا اپنا مدافعتی نظام... وہ بے اختیار الٹے قدموں پیچھے ہٹتی گئی۔

"تمہیں میری کوئی بات ایسے سمجھ ہی نہیں آتی۔" وہ اس کی طرف بڑھ رہا تھا اور وہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔ ٹانگوں میں جیسے جان نہیں رہی تھی۔

تم اس قابل نہیں ہو کہ میں تمہیں صفائیاں دوں۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ دھاڑتے ہوئے قریب آ رہا تھا۔

مالا پیچھے ہٹ رہی تھی۔ پھر اس کے کندھے دیوار سے ٹکرائے۔ پیچھے راستہ بند تھا۔ بالوں کی پشت دیوار سے جا لگی۔

سارے راستے مسدود تھے۔ اس کا سانس رکنے لگا۔ چہرہ سفید پڑتا گیا۔ مٹھی میں بھنچی چھری پہ گرفت مضبوط ہو گئی۔

"تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟ میں کیوں دوں تمہیں صفائیاں؟" وہ اس کے سامنے آیا اور ایک دم زور سے اسے کندھوں سے پکڑ کے جھنجھوڑا۔ اس کی گرفت کسی لوہے کے پنجے جیسی تھی۔

"تم کس حیثیت سے مجھ سے سوال کرتی ہو؟ تم میرے سامنے کچھ بھی نہیں ہو' کشمالہ۔" اس کے اوپری بازوؤں سے اسے جکڑے وہ سرخ چہرے سے غرا رہا تھا۔ وہ بنا پلک جھپکائے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ آدمی نہیں تھا جس سے اس نے شادی کی تھی۔

"تم ایک ناکام عورت ہو۔ تمہارے پاس نہ کیریئر ہے' نہ باپ کی چھوڑی ہوئی دولت۔ سوائے ایک شکل کے

تمہارے پاس کچھ نہیں ہے' کشمالہ مبین۔تم ایسی نہیں تھیں کہ تمہیں مجھ سے بہتر کوئی رشتہ ملتا۔"وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہر لفظ چبا چبا کے ادا کر رہا تھا۔"تم تیس سال کی ہونے والی ہو۔تمہارے سر پہ نہ ماں باپ ہیں' اور نہ ہی تمہارے بھائی کو تمہاری پرواہ ہے۔اس گھر کے علاوہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔اس لیے اب تم وہی کرو گی جو میں کہوں گا۔"

اس کا چھری والا ہاتھ پہلو میں گرا ہوا تھا۔وہ ہاتھ بہت بھاری تھا۔اس میں اٹھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔

"تم آج سے مجھے اپنے شوہر کی طرح ٹریٹ کرو گی۔میں تمہیں اب کوئی صفائی نہیں دوں گا۔میں کیا کرتا ہوں' کہاں جاتا ہوں' تم اب مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گی۔"اس نے جھٹکا دے کے اس کے کندھوں کو چھوڑا۔وہ ابھی تک شل سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور پاکستان جانے کا خیال... بلکہ اس گھر سے نکلنے کا خیال بھی اپنے اس چھوٹے سے دماغ سے نکال دو۔"

ایک انگلی سے اس کی کنپٹی کو زور سے دبایا اور پھر غصیلی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

وہ بالکل ساکت سی زیاد سلطان کو جاتے دیکھ رہی تھی۔وہ بکتا جھکتا' اسے بہت سے القابات سے نوازتا اپنے ہوم آفس کی طرف بڑھ رہا تھا۔اندر جاتے ہی اس نے دروازہ دھاڑ سے بند کیا۔

اب ہر طرف خاموشی تھی۔میز پہ رکھی موم بتیاں پگھل پگھل کے ختم ہو رہی تھیں۔پھولوں کی خوشبو باسی ہو چکی تھی۔

وہ دھیرے دھیرے وہیں دیوار کے ساتھ بیٹھتی گئی۔اس کا سارا جسم کپکپا رہا تھا اور چہرہ خوف سے سفید پڑ رہا تھا۔

سارے راستے مسدود تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عدالتی کمرے میں اس وقت سب سے ناگوار آواز اسٹینوگرافر کی ٹائپنگ کی تھی جو وہاں بولے جانا والا ہر حرف ٹائپ کر رہا تھا۔اسٹینوگرافر عدالتی کارروائی کا ایک ایسا ایکسٹرا کردار تھا جو سب کے سامنے ہوتے ہوئے بھی سب کی نگاہوں سے اوجھل رہتا تھا۔اگر تم اسٹینوگرافر کے کندھے کے پیچھے سے جھانک کے اس کے سامنے لکھی تحریر پڑھو تو وہ کچھ یوں نظر آتی تھی۔

سوزین (وکیل دفاع):"ماہر فرید ایک معزز آرکیٹیکٹ ہے جس کے اس شہر میں بیسیوں کلائنٹس موجود ہیں۔کیا

ماہر فرید جیسا شخص ایک فلائٹ رسک ہے؟ کیا وہ ملک چھوڑ کے بھاگ سکتا ہے؟ نہیں۔ ایسے میں معزز عدالت کو اس کی ضمانت منظور کرنے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے؟"

اسٹینوگرافر کی انگلیاں کھٹ کھٹ چل رہی تھیں۔ اس کی مشین سے نگاہ اوپر اٹھاؤ تو عدالتی کمرے کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

جج صاحب اپنے روسٹرم پہ بیٹھے تھے۔ گاؤن پہنے' عینک لگائے' وہ ہاتھ میں پکڑے کاغذوں کا مطالعہ کر رہے تھے۔

یہ ضمانت کی سماعت تھی۔ اس لیے کمرہ چھوٹا تھا اور اس میں زیادہ رش نہ تھا۔ صرف پراسیکیوٹر اور وکیل دفاع اپنے ایسوسی ایٹس کے ساتھ موجود تھے۔ تماش بینوں کی عقبی کرسیوں پہ بیربل فرید اور شبنم براجمان تھے۔ استغاثہ کی طرف کی کرسیاں خالی تھیں۔ غالب نواز کی پولیس آفیسر منگیتر ملک میں نہیں تھی اور اس کی ہنوز واپسی نہیں ہوئی تھی۔

ماہر دفاعی ڈیسک پہ بیٹھا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو کا نفاست سے خط بنائے' گیلے بال پیچھے کو جمائے' وہ گہرے گرے سوٹ میں ملبوس' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' سکون سے کارروائی دیکھ رہا تھا۔ اس کے بوٹ' کف لنکس' ٹائی پن' ر شے دمک رہی تھی۔ وہ اسٹک بھی جو اس کے ساتھ رکھی تھی۔

"عزم مآب..." سوزین اپنی تقریر جاری رکھے ہوئے تھی۔ وہ جج کے سامنے بنے پلیٹ فارم پہ کھڑی تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال۔ اور اونچا جوڑا بنائے' آج اس نے سفید سوٹ پر سیاہ گاؤن پہن رکھا تھا۔ اور (... ماہر کی نظریں سوزی کے ٹخنوں تک گئیں...) پیروں میں سیاہ اونچی ہیل والے اسٹائیلیٹوز تھے۔

"میرے کلائنٹ نے حال ہی میں کارتال میں اپنی نئی عمارت کا آغاز کیا ہے۔ یہ عمارت میرے کلائنٹ کی کیریئر کا ایک اہم سنگِ میل ہے۔ اس عمارت کو چھوڑ کے بھاگنے کا مطلب ہے کیریئر کی خودکشی۔ کیا ماہر فرید جیسا workaholic شخص ایسا کر سکتا ہے؟" چہرہ موڑ کے طنز سے پراسیکیوٹر صاحب کو دیکھا۔

"پراسیکیوٹر صاحب کی تقریر کے برعکس' ماہر فرید کے پاس لوگوں کو قتل کرنے کا وقت نہیں ہے۔ وہ اس وقت کوئی بھی ایسا کام نہیں کر سکتا تھا جس سے "کیف" کو نقصان پہنچے۔ اور نہ ہی وہ بھاگ کے اپنی کریڈیبلٹی خراب کرے گا۔ آپ سب بار بار یہ بھول جاتے ہیں کہ میرا کلائنٹ اس سارے قصے میں اصل وکٹم ہے۔" بازو بڑھا کے ماہر کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ابھی تک ٹھیک سے چل نہیں سکتا۔"

جج سمیت سب کی نگاہیں ماہر فرید تک اٹھیں۔وہ جوٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا' چہرے پہ بہت سی بے چارگی لیے کندھے افسوس سے اچکا دیے۔اور ایک ہاتھ سے واکنگ اسٹک مزید اپنے قریب کر لی۔

" آپ کا کلائنٹ چند دن پہلے تک دوڑ بھی رہا تھا۔آج اس کی اسٹک نکل آئی ہے۔" پراسیکیوٹر صاحب نے تلخی سے لقمہ دیا۔سوزی نے پلٹ کے انہیں بہت افسوس سے دیکھا۔

" آپ ایک disabled شخص کی جسمانی تکلیف کا مذاق اڑا رہے ہیں؟ چچ... افسوس۔میں اس کمنٹ پہ آبجیکشن کرنا بھی اپنے کلائنٹ کی توہین سمجھتی ہوں۔" پھر واپس جج کی طرف مڑی۔

" ہماری دوسری استدعا یہ ہے کہ...." کھنکھار کے گلا صاف کیا۔

"باش کو مسار چنگیز کو اس کیس کی تفتیش سے ہٹا دیا جائے۔"

عقبی کرسیوں پہ بیٹھا چنگیز اپنا نام لیے جانے پہ بری طرح چونکا۔گردن اونچی کر کے دیکھا۔یہاں سے اگلی نشست پہ بیٹھے ماہر کے سر کی پشت دکھائی دیتی تھی۔ماہر نے پلٹ کے نہیں دیکھا۔سو وہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ سکتا تھا۔

" آپ کو تفتیشی افسر پہ اعتراض کیوں ہے؟" جج صاحب نے عینک ناک پہ پیچھے کو دھکیلی۔

"میں چنگیز کو کٹہرے میں بلا کے چند سوالات پوچھنا چاہتی ہوں۔اپنا اعتراض میں ان سوالات میں واضح کر دوں گی۔"

چند منٹ کی بحث و تمحیص کے بعد بعد چنگیز کٹہرے میں کھڑا حلف لے رہا تھا۔اس کے انداز میں کچھ غیر آرام سا تھا۔وہ بار بار سامنے مطمئن سے بیٹھے ماہر کو دیکھتا تھا جو اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ اپنی وکیل کو دیکھ رہا تھا جو نازک ہیل سے چلتی ہوئی اب چنگیز کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

" کیا یہ درست ہے کہ آپ ماہر فرید کے دوست تھے؟"

"اس کا میری جاب سے...."

"ہاں یا ناں' کو مسار بے؟"

"ہاں۔" اس نے گہری سانس لی۔" لیکن اس دوستی کا میری جاب سے کوئی تعلق نہیں۔"

" آپ کی دوستی کتنی پرانی ہے؟"

"ڈھائی تین برس پرانی۔" وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ جواب دینے لگا۔

" آپ اور ماہر یقیناً دوستوں کی طرح اکٹھے لنچ یا ڈنر کرتے ہوں گے؟"

" کرتے تھے۔" اس نے ماضی کے صیغے پہ زور دیا۔ ''جیسے عام دوست کرتے ہیں۔ لیکن جب سے ماہر نے غالب نواز کے کیس..."

"عام دوست ایک دوسرے کے ساتھ سینتوریني بھی جاتے ہیں کیا؟" وہ سینے پہ بازو لپیٹے مسکرا کے پوچھ رہی تھی۔

چنگیز بری طرح چونکا۔ بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ وہ اب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرد اور خاموش تھا۔

"میں ایک دفعہ...."

" آپ ماہر اور اس کے بھائی بیربل کے ساتھ سینتوریني گئے تھے نا ویکیشن پہ؟"

"جی لیکن اس کا..."

"اس ویکیشن کے تمام بلز کس نے ادا کیے تھے؟ یعنی ہوٹل' ایئر ٹکٹ وغیرہ؟"

چنگیز نے تھوک نگلا۔

''ماہر نے کیونکہ...''

" کیونکہ امیر دوست ہمیشہ خود بل ادا کرتے ہیں۔ کاش میرے بھی ایسے امیر دوست ہوتے۔" مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔

" آبجیکشن۔" پراسیکیوٹر نے برہمی سے پکارا۔

"اعتراض برقرار ہے۔" جج صاحب بھی تنبیہی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"تمام... تمام... سوری۔" اس نے مسکرا کے ہاتھ اٹھا دیے۔ اور واپس گواہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میرے کلائنٹ کو آپ کی جانبداری پہ اعتراض ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ آپ اس سے' اور اس کی دولت سے جیلیس ہیں۔ اور ہر وقت اس کو manipulate کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کیس میں بھی آپ یہی کریں گے۔"

" آبجیکشن... وکیلِ دفاع حقائق سے دور جا رہی ہیں۔ وہ کومسار بے کی جانبداری ثابت نہیں کر سکتیں۔"

"میں اسی طرف آ رہی ہوں۔" وہ مسکرا کے چند قدم اور پر کھڑے چنگیز کو دیکھ رہی تھی۔

" کیا یہ درست ہے کہ گرفتاری کے وقت آپ نے ماہر فرید کو ہتھکڑی نہیں لگائی تھی؟"

چنگیز بری طرح چونکا۔ بے اختیار پیچھے بیٹھے ماہر کو دیکھا۔

ماہر پہلی دفعہ مسکرایا۔اس کی آنکھوں میں دیکھ کے۔ایک پرسکون مسکراہٹ۔

"نہیں کیونکہ...." چنگیز ہکلایا۔

"قانوناً آپ کو جنایت (قتل) کے ملزم کو ہتھکڑی لگانی چاہیے تھی۔"

"ماہر phobic ہے اس لیے...." اس کی پیشانی پہ پسینہ آنے لگا۔بے اختیار ماہر کو دیکھا۔پھر جج کو۔"وہ ہتھکڑی سے ڈرتا تھا اس لیے...."

ماہر فرید کھنکھارا۔قدرے آگے ہوا اور مسکرا کے چنگیز کا چہرہ دیکھا۔

"ماہر فرید کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔تم میری تھیراپسٹ سے پوچھ سکتے ہو۔"

اگلے چند لمحے اسٹینوگرافر اس ڈانٹ کو ٹائپ کرتا رہا جو جواباً جج صاحب نے ملزم کو عدالتی کارروائی کے درمیان میں بولنے پہ پلائی تھی۔

"اس نے درخواست کی تھی کہ اسے ہتھکڑی نہ لگائی جائے۔کیونکہ وہ phobic ہے۔" چنگیز پھیکے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"گرفتاری کے وقت کہی ہر بات ریکارڈ پر ہونی چاہیے۔آپ کے ساتھ اس وقت دو پولیس اہلکار بھی تھے۔کیا کسی نے ان کی یہ درخواست سنی تھی؟"

"نہیں۔" چنگیز نے ایک زخمی نظر اس پہ ڈالی۔وہ ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

"آپ نے اپنے دوست کے لیے نرم رویہ رکھا۔یا آپ اس کو ایک رعایت دے کر اپنے تابع کرنا چاہتے تھے۔دونوں صورتوں میں میرے کلائنٹ کو آپ کی جانبداری پہ شک ہے' چنگیز بے۔" وہ جج کی طرف بہت ادب سے متوجہ ہوئی۔"ماہر فرید قانون کی پاسداری کرنے والا شہری ہے۔وہ نہیں چاہتا کہ وہ کسی کے ہاتھوں میں استعمال ہو۔اس لیے ہماری عدالت سے استدعا ہے کہ نہ صرف ماہر کی ضمانت منظور کی جائے بلکہ ایک ایسے افسر کو اس کیس پہ تعینات کیا جائے جو اپنا کام ایمانداری اور...."

اسٹینوگرافر کی کھٹ کھٹ میں اس کی آواز مدھم ہوتی گئی۔

کمرہ عدالت سے سب سے پہلے سرخ چہرے کے ساتھ نکلنے والا شخص چنگیز تھا۔باہر بنچ پہ بیٹھا فربہ پولیس آفیسر اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ایک ہاتھ میں کافی کا کپ اور دوسرے میں گرم گرم ہاٹ ڈاگ تھا۔

"سوری سر۔ہمیں خبر مل گئی ہے۔" اس نے افسوس سے چنگیز کو دیکھا۔"عدالت نے ماہر کو ضمانت پہ رہا کر دیا ہے

کیونکہ....''

" کیونکہ؟" چنگیز جو آگے بڑھ رہا تھا' تیورا کے گھوما اور گھور کے اسے دیکھا۔

" کک ..... کیونکہ...." اس نے تھوک نگلا۔ " آپ نے اس کو ہتھکڑی نہیں لگائی تھی۔"

چنگیز چند لمحے کھڑا اسے گھورتا رہا۔

" تم واقعی اتنے بے وقوف ہو یا بنتے ہو؟"

" مطلب؟"

" تمہیں واقعی سمجھ نہیں آیا کہ جج نے ضمانت کیوں منظور کی ہے؟"

" کیونکہ آپ کی credibility مشکوک ہوگئی تھی؟" اس نے ناسمجھی سے پوچھا۔

چنگیز نے پیر زور سے زمین پہ مارا اور آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پولیس اسٹیشن کے اندر ایک طویل راہداری بنی تھی جہاں مختلف کاؤنٹرز نصب تھے۔ ہر کاؤنٹر کے آگے ایک کھڑکی تھی۔ ماہر فرید بھی ایک ایسے ہی کاؤنٹر کے سامنے کھڑا تھا۔ کھڑکی کے پار بیٹھے آفیسر نے ایک باکس اس کی طرف بڑھایا۔ اس میں اس کی تمام اشیاء تھیں۔ گھڑی۔ موبائل۔ چابیاں۔ والٹ۔

"شکریہ۔" اس نے مسکرا کے آفیسر کو دیکھا اور باری باری تمام چیزیں اٹھانے لگا۔ تبھی قدموں کی آہٹ پہ سر اٹھایا۔

چنگیز سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک سرخ تھا اور ماتھے پہ بل تھے۔

" تم نے اچھا نہیں کیا۔" جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ اس کے عین سامنے آ رکا۔ ''تم نے جان بوجھ کے مجھے ہتھکڑی سے منع کیا تھا۔ تاکہ بعد میں تم اس چیز کو میرے خلاف استعمال کر سکو۔"

" تمہیں مجھے ہتھکڑی لگانی چاہیے تھی۔" وہ مسکرا کے گھڑی پہن رہا تھا۔ اسٹک ساتھ کھڑی کر رکھی تھی۔

"ہمیشہ کی طرح ماہر فرید نے اب بھی حالات کو اپنی مرضی سے manipulate کیا۔" چنگیز کے چہرے پہ زخمی تاثر تھا۔'' کاش تم مجھ پہ بھروسہ کرتے۔ میں اس کیس کی تفتیش کر رہا تھا۔ تم بے گناہ تھے تو میں تمہیں بے گناہ ثابت کرتا۔"

ماہر نے گھڑی بند کی اور مسکرا کے کو دیکھا۔

"یہ تمہیں مجھے ہتھکڑی لگاتے ہوئے سوچنا چاہیے تھا۔اوہ سوری...(ماتھے کو چھوا۔)وہ تو تم نے لگائی ہی نہیں تھی۔" پھر دھیرے سے اس کے کندھے کو تھپکا۔

''Nothing personal''اور والٹ جیب میں ڈالتے ہوئے'اسٹک کی مدد سے لنگڑا کے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جج نے تمہیں کیوں رہا کیا ہے۔"

ماہر کے قدم زنجیر ہوئے۔گہری سانس لے کر وہ چنگیز کی طرف پلٹا۔

" کیونکہ تم نے اپنی جاب ٹھیک سے نہیں کی تھی' کومسار بے۔"

لیکن چنگیز نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

" نہیں بلکہ اس لیے کہ...." وہ قدم قدم چلتا ماہر کے عین سامنے آرکا۔وہ دونوں تھانے کے سرمئی کاریڈور میں اب ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔

" کہ تم نے جج کو خرید لیا تھا۔"

"واٹ؟" ماہر فرید کے ابرو تعجب سے اٹھے۔

"جج نے ضمانت میری غلطی کی وجہ سے منظور نہیں کی۔ بلکہ اس لیے کی کہ تم پہلے ہی جج کو پیسے کھلا چکے تھے۔میری کریڈیبلٹی خراب کرنا صرف ایک ڈرامہ تھا تا کہ کسی کو شک نہ ہو۔"

ماہر کے ماتھے کی رگیں تن گئیں۔آنکھیں میں بھرے استعجاب کی جگہ ڈھیروں افسوس نے لے لی۔

"تم...." وہ جیسے صدمے سے کچھ بول نہ سکا۔

"میں تمہیں دوست سمجھتا تھا اور تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ بس ایک بگڑا ہوا امیر زادہ جو ہر مسئلے کو پیسے سے حل کرتا ہے؟ یہ ہوں میں تمہاری نظر میں چنگیز؟ واللہ مجھے تمہاری دوستی کی ضرورت نہیں ہے۔" ملامتی نظروں سے اسے دیکھتا' وہ آگے بڑھ گیا۔اسٹک کی ٹک ٹک راہداری میں گونجتی رہی۔

پولیس اسٹیشن کے باہر سبزہ زار بنا تھا۔ بہت سی دھوپ اس کی طرف لپک کے آئی یہاں تک کہ اس کا سارا منظر منور ہوگیا۔وہ گیٹ سے نکلا تو دو گاڑیاں اس کی منتظر تھیں۔شبنم اور بیربل پیچھے ایک گاڑی کے ساتھ کھڑے تھے۔اور سوزین ان سے دور بالکل سامنے کھڑی تھی۔ ماتھے پہ گلاسز اٹکائے'وہ دھوپ سے آنکھیں چھوٹی کیے مسکرا کے اس کو قریب آتے دیکھ رہی تھی۔

"مبارک ہو ماہر بے۔آپ آزاد ہیں۔"

وہ بھی ہلکا سا مسکرایا اور اس کے قریب آیا۔

"جج نے کتنے پیسے لیے؟" دھیمی آواز میں پوچھا۔

"اتنے۔" اس نے موبائل اسکرین پہ لکھا ایک نمبر اس کے سامنے کیا۔

"شبنم نے ارینج کیے اور میں نے پہنچوا دیے۔"

"اتنے زیادہ؟"

عدد دیکھ کے ماہر کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔

"جیسا کہ آپ نے کہا تھا' جتنا مہنگا ہو جائے' پرواہ نہیں۔" وہ مسکرائی۔"البتہ جج صاحب کا اصرار تھا کہ میں ایک اچھا آرگومنٹ پیش کروں تا کہ ان کے ضمانت دینے پر کسی کو شک نہ ہو۔سو مجھے چنگیز کی قربانی دینی پڑی۔" ہلکے سے شانے اچکائے۔

پسِ منظر میں وہ بیربل اور شبنم کو قریب آتے دیکھ سکتا تھا۔البتہ وہ اس وقت سوزی کی طرف متوجہ تھا۔

"اب تم مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

سوزین چونکی۔"میں...."

"تم ایازبے کے ساتھ کام نہیں کرتیں۔تم کل ائیر پورٹ سے آ رہی تھیں۔"

"اچھا؟ آپ کو کیسے معلوم؟" وہ اسی چیلنج کرنے والے انداز میں مسکرائی۔

"تمہاری جیولری سے ظاہر ہوتا تھا کہ تم money old فیملی سے تعلق رکھتی ہو۔(اس کی کلائیوں میں پہنے بریسلیٹ اور انگوٹھیوں کی طرف اشارہ کیا) لیکن تمہارا کوٹ cheap تھا۔ چیپ اور تنگ۔ جسے تم نے خود کو پروفیشنل ظاہر کرنے کے لیے جلدی میں خریدا تھا۔یقیناً ائیر پورٹ پہ بنے کسی سستے برانڈ سے۔تمہارا بیگ بھی نیا تھا۔اس پہ ڈیوٹی فری کا اسٹکر تھا۔کسی نے تمہیں بہت جلدی میں میرے پاس بھیجا تھا سو تمہیں لباس بدلنے کا وقت نہیں ملا تھا۔اب تم مجھے بتاؤ کہ تمہیں کس نے بھیجا تھا؟"

"وہ جو یہ جانتا ہے کہ آپ جیل نہیں جا سکتے۔" وہ مسکرائی۔"اس لیے نہیں کہ جانا نہیں چاہتے۔ بلکہ اس لیے کہ... جا... نہیں... سکتے۔" توڑ توڑ کے الفاظ ادا کیے۔

"مالک...." ایک سوگوار مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔"تمہیں مالک نے بھیجا تھا۔"

سوزی نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔اسی اثناء میں شبنم اور بیربل قریب پہنچ چکے تھے۔وہ چاروں اب پارکنگ لاٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے اور ہر گزرتے پل دھوپ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

"مالک بے میرے بابا کے دوست ہیں۔یاسمین نے انہیں کال کی۔اور انہوں نے مجھے۔میں دوستوں کے ساتھ تعطیلات پہ جا رہی تھی۔لیکن مالک بے نے مجھے واپس آنے کے لیے کہا۔"

"اور یقیناً وہ تمہاری تعطیلات ری فنڈ کروا دیں گے۔واللہ تمہارے پاس بھی چنگیز کی طرح امیر دوستوں کی کمی نہیں ہے۔"

بیربل فرید نے اسے گھور کے دیکھا۔وہ شدید جلا کٹا دکھائی دے رہا تھا' لیکن وہاں جیسے کسی نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"تم مجھے یہ بات کل بھی بتا سکتی تھیں۔جھوٹ کیوں بولا؟" ماہر خفا نہیں تھا۔وہ جیسے محظوظ ہوا تھا۔

"جھوٹ نہ بولتی تو وکیل کیسے ہوتی' ماہر بے۔اور مجھے یقین ہے کہ آپ اندر سے جانتے تھے کہ مجھے کس نے بھیجا ہے۔"

"میں ماہر کی جگہ ہوتا تو مالک کی تجویز کردہ وکیل کو کبھی ہائر نہ کرتا۔" بیربل اسی طرح بگڑ کے بولا تو سوزی نے فرصت سے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

"لیکن میں نے تو مالک کے تجویز کرنے پہ تمہاری بیکری سے اپنی سالگرہ کا کیک بنوایا تھا۔"

بیربل کا منہ کھل گیا۔

"مالک نے.....میری بیکری...."

"اور میٹھا کم ڈالا کرو۔" سن گلاسز آنکھوں پہ واپس لگاتے ہوئے مسکرا کے بیربل کو دیکھا۔"ذیابطیس ہو گئی تو اپنی فلاپ بیکری کیسے چلاؤ گے؟"

وہ پھر ماہر کو ہاتھ ہلا کے آگے بڑھ گئی' اور بیربل ہکا بکا وہیں کھڑا اسے دیکھے گیا۔

"اب گھر چلو' بیربل۔مجھے اس اسٹک سے آزادی چاہیے۔" ناگواری سے چھڑی کو دیکھتے ہوئے وہ اس کے سہارے چلتا کار کی طرف بڑھ گیا۔بیربل فرید ابھی تک ششدر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دیوار سے لگی' فرش پہ بیٹھی تھی۔اس کا دماغ شل تھا۔اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔وہ کون تھی' وہ کہاں تھی' وہ

آدمی جو ابھی ابھی غصے سے چلاتا' اس کے بازوؤں کو جھنجھوڑتا ایک کمرے میں غائب ہوا تھا' وہ کون تھا؟ کیا وہ سب حقیقت تھی؟ یا وہ کسی اسٹیج ڈرامے کا حصہ تھی؟ ابھی کوئی "سین" پکارے گا اور سب ختم ہو جائے گا۔

ایسے میں صرف ایک شے حقیقی معلوم ہوتی تھی۔

اس کے اوپری بازوؤں پہ آہنی گرفت کا نشان۔ وہ اتنا تکلیف دہ تھا جیسے اسے کسی نے اندر تک سلاخوں سے داغ دیا ہو۔

جانے کتنی دیر گزری جب اس کے ہاتھ پہ کچھ گیلا سا گرا۔ وہ چونکی۔ گردن جھکائی۔ پانی کے قطرے۔ پھر انگلیوں سے چہرے کو چھوا۔ اس کی آنکھوں سے گرم قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

ان قطروں نے جیسے اسے کسی خواب سے جگایا۔ اس کے دماغ کو نہیں۔ دماغ ہنوز ماؤف تھا۔ محض اس کے جسم کو۔ اور جسم کو معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

آگے سب کچھ کسی سلو موشن فلم کی طرح ہونے لگا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ آنکھیں رگڑ رہے تھے۔ پھر پیروں نے سہارا دیا۔ وہ اٹھی اور کسی روبوٹ کی طرح چلتی ہوئی ایک کمرے تک آئی۔ یہ بیڈروم تھا۔ کس کا بیڈروم؟ کس کا گھر؟ دماغ بالکل گم صم تھا۔ لیکن پیر خود بخود جسم کو راستہ دکھا رہے تھے۔ ہاتھوں نے الماری کھولی۔ چہرے پہ گرم قطرے ویسے ہی گر رہے تھے۔ پھر گھٹنے موڑ کے' نیچے دوہرے کر کے وہ نیچے بیٹھی اور جھک کے الماری کے زیریں خانے سے وہ سرمئی باکس نکالا۔

اس کے اندر بہت کچھ تھا۔ کاغذات۔ ڈگریز۔ نکاح نامہ۔ چیک بک۔ پھر اس نے لاکر کھولا اور چند دوسری دستاویزات اس میں ڈالتی گئی۔ کارڈز۔ پاسپورٹ۔ جیولری۔ پھر ٹرالی بیگ بیڈ پہ لا کے رکھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے اور کیوں کر رہی ہے۔ لیکن جسم کو معلوم تھا۔

ہاتھ میکانکی انداز میں چل رہے تھے۔ کپڑے۔ لیپ ٹاپ۔ آئی پیڈ۔ میک اپ پاؤچ۔ ہائی ہیلز۔ مینٹل شیلف پہ رکھے پودے۔ اور ماہی کی دی ہوئی کینڈل۔ اس نے کسی خودکار مشین کی طرح سب کچھ اندر بھرنا شروع کیا۔ زپ بند کی اور کھونٹی سے عبایا اتارا لیکن پہنا نہیں۔ اسے بازو پہ لپیٹ کے وہ اس کمرے کے باہر رکی جہاں وہ مرد اندر گم ہوا تھا۔ اندر سے ٹی وی چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ یا شاید وہ اس کا کمپیوٹر تھا۔

پانی ہنوز آنکھوں سے گرتا تھوڑی سے نیچے ٹپک رہا تھا۔ اس نے ہونٹ کھولے' لیکن الفاظ ختم ہو گئے۔ بازوؤں کا درد سوا ہو گیا۔ وہ خاموشی سے باہر نکلی۔

مالا کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ لیکن جسم کو معلوم تھا۔

اس نے خود کو لفٹ میں داخل ہوتے دیکھا۔

پھر لفٹ سے نکلتے ہوئے۔

پھر ایک شناسا دروازے کے سامنے رکتے ہوئے۔

انگلی گھنٹی پہ رکھی۔ آنکھیں گیلی تھیں اور دماغ یہ یاد کرنے سے قاصر تھا کہ یہ کس کا فلیٹ تھا۔

دروازہ کھلا اور ایک مرد کا چہرہ دکھائی دیا۔ یہ کون تھا؟

"رامین... رامین کو بلا دیں' ہارون بھائی' پلیز۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ رامین کون تھی؟

"رامین تو پاکستان چلی گئی ہے۔" اس کا لہجہ روکھا سا تھا۔

مالا ناسمجھی سے اسے دیکھے گئی۔ دماغ نے اسے جھنجھوڑا۔ رامین کون تھی اور وہ یہاں اس وقت اس کے گھر کے سامنے کیوں کھڑی تھی؟

"کیوں؟" بدقت حلق سے نکلا۔

"اس کی فیملی میں ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ میں بھی صبح چلا جاؤں گا۔" وہ دروازے پہ یوں ہاتھ رکھے کھڑا تھا جیسے اسے بند کرنے کی جلدی ہو۔ چہرے پہ رکھائی بھرا تاثر تھا۔ مالا کی نگاہیں جھکیں۔ دروازے کی اوٹ سے شوریک دکھائی دے رہا تھا۔ ترتیب سے قطار میں لگے جوتے۔ رامین کے زرد کوٹ شوز۔ ساتھ ایک جامنی پرس۔ اس نے اس مرد کو دیکھا' پھر جوتوں کو۔ پھر بدقت جسم نے چہرے پہ مسکراہٹ طاری کی۔

"شیور۔ کوئی مسئلہ نہیں۔ میں اسے کال کر لوں گی۔"

دماغ ہنوز پوچھ رہا تھا کہ رامین کون ہے' زیاد کون ہے' لیکن جسم نے چہرے پہ ایک مسکراہٹ طاری کر دی اور خود کو وہاں سے پلٹا لیا۔ البتہ اس کا ہاتھ فون تک نہیں گیا۔ جسم جانتا تھا نہ اسے کال کرنی تھی نہ رامین نے کال اٹھانی تھی۔

وہ ٹرالی بیگ ہینڈل سے پکڑ کے چلاتے ہوئے اب لفٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عبایا فولڈ کر کے بازو پہ اٹھا رکھا تھا۔ کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑسے ہوئے تھے۔

وہ بس چلتی جا رہی تھی۔ قدم اپنی مرضی سے اسے کسی سمت میں لے کر جا رہے تھے۔ وہ مزاحمت نہیں کر رہی تھی۔ وہ جسم کے تابع تھی۔

لفٹ ایک فلور پہ اتری تو وہ باہر نکلی۔ یہ لابی نہیں تھی۔ یہ بیسمنٹ تھی۔ وہ یہاں کیا کر رہی تھی؟ اس نے جسم سے پوچھا۔ لیکن جواب موصول نہیں ہوا۔ قدم خود بخود ایک سمت میں اٹھنے لگے۔

وہ ایک نیم تاریک راہداری تھی۔ دونوں اطراف میں بڑے بڑے اسٹوریج یونٹ بنے تھے جن کے لوہے کے دروازے بند تھے۔ وہ ایک دروازے کے سامنے رکی۔ کارڈ فلیش کیا۔ دروزہ کھلتا چلا گیا۔

اندر کارٹن ایک دوسرے کے اوپر ویسے ہی رکھے تھے۔ کیا وہ کبھی پہلے اس جگہ آئی تھی؟ دماغ کو یاد نہ تھا۔ قدموں کو تھا۔ وہ خود ہی ایک سمت میں اٹھے۔ ہاتھوں میں کندھوں کے درد کے باوجود بہت سی توانائی بھر آئی۔ انہوں نے ایک کارٹن کے اوپر رکھا فلیش لائٹس والا شاپر اٹھالیا۔ یہ کس کی فلیش لائٹس تھیں؟ اسے یاد نہ تھا۔ صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ اسے عزیز تھیں۔

اس کے قدم اب اس کو اپارٹمنٹ کی لابی میں لے آئے۔ وہ ایک صوفے پہ بیٹھی، اور موبائل کھول کے میکانکی انداز میں انگلیاں چلانے لگی۔ ایک نیلے رنگ کی ایپ۔ بکنگ ڈاٹ کام۔ پھر سیاہ سفید اوبر ایپ۔ اس کی انگلیاں میکانکی انداز میں بہت کچھ بک کر رہی تھیں۔ پھر اس نے خود کو اٹھتے دیکھا۔

باہر ایک اوبر (ٹیکسی) اس کی منتظر تھی۔ وہ خاموشی سے اس کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی، اور ڈرائیور سے لوکیشن کے بارے میں سوال کرنے لگی۔ کیا اس کو لوکیشن مل چکی تھی؟ ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کار روانہ ہوگئی۔

رات کا اندھیرا اجدہ پہ پھیل رہا تھا۔ اونچی عمارتوں کی ساری بتیاں جل اٹھی تھیں۔ ایسے میں وہ ٹیکسی خاموشی سے کسی نئے راستے پر گامزن تھی۔

دماغ نے دھیرے سے پوچھا، ہم کہاں جا رہے ہیں؟

لیکن جسم خاموش تھا۔ خاموش اور دکھی۔ اسے آج دماغ کے غلط فیصلوں کی وجہ سے درد ملا تھا۔ اسے آج جیسی تکلیف پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ آج سارے فیصلے خود کرنے جا رہا تھا۔ اسے نہ دماغ کی پرواہ تھی، نہ دل کی۔ اسے بس اپنے آپ کو بچانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہارون دروازہ بند کر کے واپس لاؤنج میں آیا تو صوفے پر بیٹھی رامین شا کی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں اس سے کیوں نہیں مل سکتی، ہارون؟" وہ دکھی تھی۔

"تمہارا دماغ درست ہے؟" وہ آنکھیں نکال کے اسے دیکھتا سامنے آیا۔

"میں اپنی دوست کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔" وہ منمنائی لیکن ہارون کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ تم ایک انتہائی پیٹ کی ہلکی عورت ہو' رامین۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ میاں بیوی کے معاملے میں مت پڑو۔ لیکن پہلے تم نے اسے زیادکی جاب کا بتایا تو اسے شک ہوا۔ پھر تم اس کی تفتیش میں حصہ ڈالنے پہنچ گئیں۔" وہ اس پہ گرج برس رہا تھا۔ رامین نے شرمندگی سے سر جھکا دیا۔

"اس کا بندہ ایک قاتل ہے۔ اگر اسے شک ہو گیا کہ ہم کچھ جانتے ہیں تو وہ ہمیں مار دے گا۔"

"وہ اس کو بھی مار سکتا ہے۔" رامین نے شکوہ کناں نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"یہ مالا کا اپنا مسئلہ ہے۔ ہمارا نہیں۔ ہم صبح ہوتے ہی کچھ دن کے لیے تبوک جا رہے ہیں۔"

"مگر ہارون...." اس نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ "مالا نے مجھے کبھی اکیلا نہیں چھوڑا۔ اس نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔"

"اپنے ریستوران میں بیٹھنے کی جگہ دینا اور فری کافی فراہم کرنا الگ بات ہے' رامین۔ ہم اس کے کسی پلان کا حصہ نہیں بنیں گے۔ وہ اپنے ساتھ ہمیں بھی مروائے گی۔ یہ اسے ایک قاتل سے شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔ سوری لیکن میں تمہاری طرح جذباتی ہو کے اپنی فیملی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" ہارون غصے سے کمرے میں دائیں بائیں ٹہل رہا تھا۔ بار بار ماتھے کو چھوتا جیسے اسے رامین سے اس سب کی توقع نہ تھی۔

"ہم پولیس کو...."

"نام بھی مت لینا پولیس کا۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ بندہ قاتل ہے؟ چند نقشے؟ وہ سائیکو پیتھ اتنا پاگل نہیں کہ ثبوت چھوڑ کے بیٹھا ہو گا۔ الٹا ہم بہتان بازی کے کیس میں اتنی بری طرح پھنسیں گے کہ حد نہیں۔"

"مالا ٹرالی بیگ کے ساتھ آئی تھی۔ اس نے گھر چھوڑ دیا ہو گا۔ وہ کہاں جائے گی؟ وہ اکیلی ہے اس شہر میں۔" رامین کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"اس کا بھائی زندہ ہے نا؟ اس کو بلائے۔ ہم اس کے ذمے دار نہیں ہیں۔ ویسے بھی وہ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ ایسی لڑکیاں بہت اسٹرانگ اور بہادر ہوتی ہیں۔ ان کو کوئی abuse نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے مسئلے خود حل کر لے گی۔ لیکن اگر تم درمیان میں پڑیں....." اس نے انگشتِ شہادت اٹھا کے تنبیہ دی۔ "تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا' رامین۔ اب جاؤ' پلیز... کھانا لگاؤ۔ پہلے ہی میرا اتنا دماغ خراب کر دیا ہے تم نے۔" وہ ڈسپنسر کے سامنے کھڑا اب پانی گلاس میں ڈال رہا تھا۔ اس کو رہ رہ کے رامین پہ غصہ آ رہا تھا۔

اور شوہر کے غصے کے آگے رامین کی ساری دلیری جھاگ بن کے بیٹھ گئی تھی۔ وہ اس کا شوہر تھا۔ اور ہر عورت اتنی ہی آزاد ہوتی ہے جتنی آزادی کی اجازت اس کے گھر کا سربراہ مرد اس کو دے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرید لارنامی اپارٹمنٹ کے لونگ روم کے سیاہ پردے ہٹے تھے اور دور نیچے بہتے باسفورس کا کارنش صاف دکھائی دے رہا تھا۔ پانی کے کنارے بندھی کشتیاں' اور ان کی جگمگاتی بتیاں رات کے اس پہر بہت حسین دکھائی دے رہی تھیں۔

ماہر اونچی کھڑکی کے سامنے کھڑا نیچے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ پینٹ پہ سیاہ شرٹ پہنے' آستین کہنیوں تک چڑھائے' وہ ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے ہوئے تھا۔ وقفے وقفے سے وہ ایک نمبر ملاتا۔ پھر خود کار پیغام سن کے سر جھٹک دیتا۔

چند ثانیے گزرے ہی تھے کہ اس نے پھر سے موبائل سامنے کیا۔

اور تبھی کسی نے زور سے اسے کھینچا۔

وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ چونک کے سر اٹھایا۔

بیربل اس کا موبائل پکڑے' برہمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جانتا ہوں تم کس کو بار بار کال کر رہے ہو۔"

ماہر کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ وہ خاموشی سے باہر دیکھنے لگا۔

"نہیں اٹھا رہی نا وہ فون؟" بیربل کی آواز میں خفگی سے زیادہ طنز تھا۔

"میرے پاس اس کا سعودی عرب کا لوکل نمبر نہیں ہے۔ صرف واٹس ایپ ہے جو اس نے صبح سے نہیں دیکھا۔"

اس کی آنکھوں کے کنارے پہ فکرمندی سے لکیریں پڑیں۔

"کیونکہ اس نے اپنا نمبر بدل لیا ہوگا' ماہر بے۔"

"کیا پتہ وہ کسی مشکل میں ہو۔" اس کی نظریں دور نیچے دکھائی دیتی کشتیوں پہ جمی تھیں۔

"اچھی بات ہے۔ ہونے دو اس کو مشکل میں۔"

"بیربل...."

"ڈونٹ بیربل می۔" اس کی آواز بلند اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "یہ مالا کی اپنی لڑائی ہے۔ اس نے خود غلط فیصلے کر کے اپنی زندگی خراب کی ہے۔ اب اسے اس کا انجام خود بھگتنے دو۔ تم اپنی اور میری زندگی اس کی وجہ سے خراب

کرنا بند کردو۔ میں تھک گیا ہوں تمہارے پیچھے ہسپتالوں اور تھانوں کے کاریڈورز میں رات گزارتے ہوئے' ماہر۔"

ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا اور آنکھیں گلابی۔

"میں اسے نہیں بتا سکا زیاد کے بارے میں۔ مجھے بتانا چاہیے تھا۔"

"تم اسے زیاد کے بارے میں بہت دفعہ بتا چکے تھے۔اس نے تمہاری بات نہیں مانی۔"

"اس دفعہ وہ ماننا چاہتی تھی۔لیکن میں پیچھے ہٹ گیا۔اگر زیاد نے اسے کوئی نقصان...."

"ہر فیصلے کا ایک نتیجہ ہوتا ہے' ماہر آفندی۔اور وہ ہر انسان کو بھگتنا پڑتا ہے۔"اس نے ماہر کا فون زور سے صوفے پہ پھینکا۔"تم مالا کو اس کے حال پہ چھوڑو اور اپنی فکر کرو۔تمہیں اس قتل کیس سے نکلنا ہے۔کیونکہ اب میرے اندر حوصلہ نہیں ہے کہ میں اس سب کو دوبارہ دیکھ سکوں جو چار سال پہلے ہوا تھا۔"

"میں جیل نہیں جاؤں گا' بی۔"وہ بیربل کے تمتماتے ہوئے چہرے کو دیکھ کے نرمی سے بولا۔

"مجھے یقین نہیں ہے۔"وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گیا اور اپنے کمرے میں جا کے زور سے دروازہ بند کر دیا۔

"میں جیل نہیں جاؤں گا' بیربل آفندی۔"اس نے بند دروازے کو دیکھتے ہوئے زور سے پکارا۔لیکن دوسری جانب خاموشی تھی۔

ماہر نے صوفے پہ گرا موبائل اٹھایا اور ایک دفعہ پھر اسی نمبر پہ انگلی رکھی۔

پھر گہری سانس لی۔اور میسیج کا بٹن دبایا۔چند لمحے وہ کی پیڈ کو دیکھتا رہا۔پھر انگلیاں حرکت کرنے لگیں۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟ میں تمہیں زیاد کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"

پیغام لکھ کے بھیج دیا۔پھر آتش دان کے ساتھ رکھی ونگ چیئر پہ آ بیٹھا اور پیر اوتومن پہ رکھ کے آنکھیں موند لیں۔موبائل سائیڈ ٹیبل پہ رکھا تھا۔اور اسے اس کے تھرتھرانے کا انتظار تھا۔

اندر کمرے میں بیربل فرید اسی غصے اور بے بسی سے دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔پھر اس نے موبائل نکالا اور انسٹاگرام کھولا۔اندر مالا کا چند گھنٹے پہلے کا آیا میسیج جگمگا رہا تھا۔

"میں نے نیوز میں دیکھا کہ پولیس نے ماہر کو گرفتار کر لیا ہے۔مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کہوں۔آئی ایم سو سوری فار ایوری تھنگ۔مجھے یقین ہے کہ یہ ایک الزام ہے۔کیا میں تم لوگوں کے لیے کچھ کر سکتی ہوں؟"

وہ اس میسج کو ان چند گھنٹوں میں کئی دفعہ پڑھ چکا تھا۔اس دفعہ پڑھتے ہوئے ماتھے پہ لکیریں ابھرنے لگیں۔اس نے وائس میسج ریکارڈ کرنے کا بٹن دبایا۔

"آپ نے اور آپ کے شوہر نے میرے بھائی کو جتنا نقصان پہنچانا تھا' پہنچا لیا۔اب آپ ہمارے لیے بس اتنا کریں کہ ہم سے دور رہیں۔آپ کی وجہ سے میرا بھائی اگر جیل گیا' تو میں آپ کو معاف نہیں کروں گا۔پلیز مجھے دوبارہ میسج مت کیجئے گا۔" سینڈ کا بٹن دبایا اور ساتھ ہی اسی تیزی سے مالک کی طرف ایک دوسرا پیغام بھیجنے لگا۔

"مالا کی وجہ سے میرا بھائی ایک دفعہ پھر جیل چلا جائے گا۔میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔اگر تمہیں میرا اور ماہر کا ذرا سا بھی احساس ہے' تو تم مالا سے ہر قسم کا رابطہ ختم کر دو گے۔ورنہ زیادہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔" تلخی سے کہہ کے اس نے فون اٹھا کے زور سے بیڈ پہ دے مارا۔

"تم نے درست کیا' بیر بل۔تم ماہر کو دوبارہ جیل نہیں جانے دو گے۔" اس کا دماغ اس کو تسلی دے رہا تھا لیکن دل...وہ بس خفگی سے چہرہ موڑ کے بیٹھ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ہوٹل کے زرد روشنیوں سے منور کمرے میں تھی جب اسے بیر بل کا میسج موصول ہوا۔

نائٹ سوٹ پہنے' گیلے بال تولیے میں لپیٹے' وہ کافی بار کے سامنے کھڑی کیتلی سے گرم پانی کپ میں انڈیل رہی تھی۔ہوٹل روم نفاست سے سجا تھا۔صاف ستھرا بیڈ' جس کا لحاف پائینتی سے ایسے پھنسایا گیا تھا کہ نکالنے کے لیے بہت قوت چاہیے تھی۔ایک طرف اسٹڈی ٹیبل۔اونچے پردے اور بالکونی۔

مالا نے موبائل اسکرین کو چھوا اور کافی سائٹ کھولا۔بیر بل کی آواز خاموش کمرے میں گونجنے لگی۔

پیغام مکمل ہونے تک کافی گھل گئی تھی اور اس کا دل زخمی ہو چکا تھا۔اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔بس خاموشی سے بالکونی کی شیشے کی دیوار تک آئی۔

باہر رات پھیلی تھی اور قریبی عمارتوں کی روشنیاں اس شیشے کی دیوار پہ پڑ رہی تھیں' ایسے کہ مالا کو اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔گیلا تولیہ اب سر سے نیچے پھسل چکا تھا۔وہ کمزور لگ رہی تھی۔آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔دماغ اور جسم کا تعلق بحال ہو چکا تھا اور دونوں جانتے تھے کہ وہ کہاں ہے اور کیوں ہے۔کندھے میں اب درد نہیں ہو رہا تھا لیکن زیادہ کی انگلیوں کے نشان وہاں ثبت ہو چکے تھے۔

یہ پہلی دفعہ تھا جب کسی انسان' مرد یا عورت نے کشمالہ مبین پہ ہاتھ اٹھایا تھا۔لیکن نہیں...اس کا ہاتھ بے اختیار

گردن تک گیا۔نہیں۔ یہ دوسری دفعہ تھا۔اس سے پہلے اس جادوگر نے اس کی گردن بھی دبوچی تھی۔لیکن اس کی تکلیف ایسی نہ تھی جیسی آج محسوس ہوئی تھی۔

مالا نے بالکونی کا دروازہ کھولا تو گرم ہوا اندر آئی۔کمرہ اے سی نے ٹھنڈا کر رکھا تھا۔باہر موسم گرم تھا۔وہ شاور سلیپرز سے چلتی ہوئی باہر آئی۔

یہاں سے ہوٹل کا عقبی حصہ دکھائی دیتا تھا جو رات کے باعث مصنوعی بتیوں سے روشن تھا۔کئی منزلیں نیچے ایک وسیع وعریض سا پول بنا تھا جس کا نیلا پانی چمک رہا تھا۔

وہ پول کے پانی کو دیکھے گئی۔چمکتی ہوئی نیلاہٹ ہر طرف چھانے لگی۔

یہاں تک کہ وہ ایک نیلے لباس میں بدل گئی۔

مالا نے آنکھیں بند کر لیں۔

بانو....

نیلے پھولوں والا لباس پہنے' تخت کے کنارے بیٹھی بانو سر جھکائے رو رہی تھی۔

وہ مبین منزل کا لاؤنج تھا۔

تخت پہ ماں براجمان تھیں۔ایک ٹانگ سیدھی رکھے۔ایک موڑے۔درمیان میں پراندہ رکھے' وہ ساگ کے پتے چن رہی تھیں۔ساتھ ہی افسوس سے بخت بی کو دیکھا جو بانو کا کندھا سہلا رہی تھی۔

"اس نے تمہیں تھپڑ مارا اور تم چپ کر کے گھر چھوڑ کے آ گئیں؟"

کافی کا کپ پکڑے وہ کچن سے کمرے تک جا رہی تھی جب راستے میں ان کو دیکھ کے رکی۔چند فقروں میں بخت بی نے سارا قصہ سنا دیا تو کشمالہ مبین نے اُف کر کے ماتھے کو چھوا۔

"اور کیا کرتی؟" بانو نے سرخ آنکھیں اٹھائیں۔

"واپس ایک تھپڑ لگا دیتیں۔شور مچاتیں۔ہنگامہ کرتیں۔تاکہ آئندہ اس کی جراءت نہ ہوتی تمہیں مارنے کی۔"

"شوہر ہے میرا۔کیسے مارتی؟"

بات ایسی تھی' سب خاموش ہو گئے۔

"ہاں ٹھیک ہے۔شوہر کا ایک رتبہ ہوتا ہے۔مار نہیں سکتی تھیں تو آواز تو نکالتیں۔یہ کیا کہ چپ کر کے سامان اٹھایا اور آ گئیں؟"

"میں اس سے ڈر گئی تھی' باجی۔ جب شوہر پہلی دفعہ ہاتھ اٹھاتا ہے نا' تو کافی دیر تک کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ لگتا ہے دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ کبھی امید ہی نہیں کی تھی کہ وہ ایسے غصہ کرے گا۔ اس کی وہی شکل جو اچھی لگتی تھی' غصہ کرتے وقت ایسے بگڑ گئی کہ لگتا اس سے بدصورت کوئی نہیں ہو گا۔"

"اس سے ناراض ہو کے اکیلے بیٹھ جانے سے کیا ہو گا' بانو۔ تمہیں یہ سب اس کو communicate کرنا چاہیے تھا۔ پہلے دن سے healthy boundaries سیٹ کرنی چاہیے تھیں تا کہ اس کو تمہیں مارنے کے نتائج معلوم ہوں۔" اس نے افسوس سے ماتھے کو چھوا۔ اسے بانو پہ غصہ آ رہا تھا۔ غریب اَن پڑھی لڑکیاں کتنی کمزور ہوتی ہیں۔ شوہر کے ہاتھوں پٹ کے یوں بھاگ آتی ہیں۔ پہلے دن سے حدود کا تعین کیوں نہیں کرتیں؟ کاش وہ پڑھی لکھی ہوتی تو اس کے ساتھ یہ نہ ہوتا۔

"اس نے ٹھیک کیا جو اس کا گھر چھوڑ دیا۔" ماں نے اپنے ازلی انداز میں مالا کو گھورا تھا۔ "تشدد کرنے والے شوہر کا پہلا حربہ بیوی کو تنہا کرنا ہوتا ہے۔ اسے اس کے رشتوں سے کاٹ کے دور لے جانا۔ نہ کوئی قریب ہو' نہ کوئی اس سے حساب مانگے۔ اگر یہ وہاں رہتی' تو روز پٹتی اور روز اسے معاف بھی کر دیتی۔ گھر چھوڑنا غلط نہیں ہے' مالا۔" پھر وہ بانو کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "اب تم نے اکیلے میں بیٹھ کے بنا کسی دباؤ کے یہ سوچنا ہے کہ کیا تم اس زندگی میں واپس جاؤ گی؟ اگر ہاں' تو کن شرائط پہ؟"

"پیپی برتھ ڈے ٹو یو...."

وہ بالکونی میں بیٹھی بیٹھی جانے کب سو گئی تھی' اسے پتہ بھی نہیں چلا۔

لیکن اس مانوس آواز نے اسے نیند سے جھنجھوڑ دیا۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ دائیں بائیں دیکھا۔ کپ ہنوز ہاتھ میں تھا۔

موسیقی کی مدھم' پراسرار آواز سنائی دے رہی تھی۔

"بس کر دو' ہلال۔" کشمالہ نے زور سے کافی کا کپ رکھا۔ ذرا سی کافی میز پہ چھلک گئی۔

"مجھے مت پکارو۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔" وہ بے بسی سے چلائی۔ "میری زندگی میں اور بھی مسئلے ہیں۔"

آواز ایک دم رک گئی۔ ایسے جیسے دھن مکمل ہوئے بغیر ہی کسی نے اسے خاموش کروا دیا ہو۔ ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ ایک دفعہ وہ آواز سنائی دیتی تو نغمے کی دھن آخر تک جاتی تھی۔ اسے کانوں پہ تکیے رکھنے پڑتے۔

لیکن آج... وہ دھن خاموش ہو گئی تھی۔

اب ہر طرف خاموشی تھی۔

کافی اب ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے کچھ سوچ کے فون اٹھایا اور واٹس ایپ کھولا۔ اس نے کل سے واٹس ایپ کی نوٹیفیکیشن آف کر رکھی تھیں۔ اب کھولا تو خلاف توقع ماہی یا معید کی طرف سے کوئی پیغام موصول نہیں ہوا تھا۔ معید نے فیملی گروپ پہ تصویریں بھیجنا بھی چھوڑ دی تھیں اور ماہی فوتگی کی وجہ سے امریکہ جا رہی تھی۔ وہ دونوں مصروف تھے۔

زیاد کی طرف سے بھی کوئی میسج یا کال نہیں موصول ہوئی تھی۔ اسے گھر چھوڑے چند گھنٹے بیت چکے تھے۔ کیا زیاد نے اس کے پیچھے آنے کی یا اسے تلاش کرنے کی کوشش تک نہ کی تھی؟

صرف ایک نمبر تھا جو اسے کئی میسجز اور کالز کر چکا تھا۔ وہ اس کو زیاد کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا تھا۔ لیکن کیا تھا جو وہ نہیں جانتی تھی؟ جو اہم تھا' وہ اسے معلوم تھا۔

اس نے ماہر کے میسج دیکھ لیے۔ پڑھ بھی لیے۔ سن بھی لیے۔

پھر ریپلائی کے خانے پہ انگلی رکھی تو بیربل فرید کے الفاظ کان میں گونجے۔

"آپ نے اور آپ کے شوہر نے میرے بھائی کو جتنا نقصان پہنچانا تھا' پہنچا لیا۔ اب آپ ہمارے لیے بس اتنا کریں کہ ہم سے دور رہیں۔ آپ کی وجہ سے میرا بھائی اگر جیل گیا' تو میں آپ کو معاف نہیں کروں گا۔"

مالا نے چیٹ ڈیلیٹ کر دی۔ اسے اس خاندان سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہیے تھا۔

وہ فون واپس رکھنے ہی لگی تھی کہ وہ بجنے لگا۔

مالا ایک دم ڈر سی گئی۔ جیسے جھٹکا سا لگا ہو۔ فون کی گھنٹی ہی تو تھی۔ لیکن وہ ڈری کیوں؟ اسے خود پہ حیرت ہوئی۔ اس کا دماغ نہیں ڈرا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ فون ایسے ہی تیزی سے بجتا ہے۔ پھر جسم کیوں ڈرا؟ کیا جسم کچھ ایسا جانتا تھا جس سے دماغ واقف نہ تھا؟

"آپ مجھے کیوں فون کر رہے ہیں؟" اس کے لہجے میں کوئی خفگی' کوئی اعتراض نہ تھا۔ بس اداسی تھی۔

"کیونکہ مجھے ابھی بیربل کا میسج ملا ہے جس میں اس نے مجھے آپ سے رابطہ رکھنے سے منع کیا ہے۔" مالک فرید

کی بے تاثر، مشینی سی آواز گونجی۔ ''اور میں آپ سے بات کر کے اس کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میرے نزدیک اس کی بات کی کتنی اہمیت ہے۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ ''اس نے مجھے بھی میسج کیا ہے۔اور یہ کہا ہے کہ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔''

''وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔''ان کی صاف گوئی ہمیشہ کی طرح برقرار تھی۔

''اور وہ یہ چاہتا ہے کہ میں آپ لوگوں سے رابطہ نہ رکھوں۔''

''ہر انسان اپنے فیصلے کرنے کے لیے آزاد ہے، مالا۔ ہر فیصلہ درست یا غلط نہیں ہوتا۔بس اس کا....''

''نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔''وہ تلخی سے بولی۔ مالک فرید نے گہری سانس لی۔

''آپ نے سبرینہ کی فائل پڑھ لی؟''

''جی۔اس فائل میں نہ زیاد کا ذکر تھا، نہ کسی منگیتر کا۔''

''پھر؟''

''پھر میں نے زیاد کا گھر چھوڑ دیا۔''

''لڑائی کر کے یا اس کے بغیر؟''

''لڑائی کر کے۔''وہ یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ زیاد نے اس پہ ہاتھ اٹھایا تھا۔کسی عورت کے لیے یہ اعتراف کرنا کہ اس کے شوہر نے اس پہ ہاتھ اٹھایا ہے، اتنا آسان نہیں ہوتا تھا جتنا وہ سمجھتی تھی۔

''آپ کے بہن بھائی کی کیا رائے ہے؟''وہاں کوئی جذبہ نہیں تھا۔وہ کسی روبوٹ کے انداز میں سوال پہ سوال کر رہے تھے۔

''ان دونوں کے پاس میرے مسئلوں کے لیے وقت نہیں ہے۔''

''یہ ایک بہانہ ہے۔آپ ان کو خود ہی انوالو نہیں کرنا چاہتیں، ورنہ اگر آپ انہیں بتاتیں، تو وہ وقت نکال لیتے۔''

مالا نے گہری سانس لی، اور گردن پہ پڑا تولیہ کھینچ کے اتارا۔

''زیاد سے شادی کرنا میری غلطی تھی۔ماہی نے مجھے منع کیا تھا۔''تولیہ ریلنگ پہ ڈال کے وہ گیلے بالوں کو انگلیوں سے سلجھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔''اب میں کیسے اس کے پاس جاؤں اور کہوں کہ مجھے اس کی مدد چاہیے؟اور کوئی میرا اعتبار نہیں کرے گا۔میرا شوہر....''اس نے الفاظ ادھورے چھوڑ دیے۔

"ایک قاتل ہے۔"

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ "آپ جانتے ہیں؟"

"یہ ماہر کی تھیوری ہے۔ کیا آپ کو اس پر یقین ہے؟"

فون کان سے لگائے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ لیکن بولی کچھ نہیں۔

"زیادہ جس رات استنبول آیا تھا' وہ ماہر سے ملا تھا۔ ماہر کے پاس اس ملاقات کی ویڈیو ہے۔ اس نے ماہر کے کاٹیج سے اس کے فنگر پرنٹ والی چند چیزیں اٹھا کے جائے وقوعہ پہ چھوڑ دی تھیں۔ صاف ظاہر ہے یہ اس نے خود کیا ہے' اور وہ ماہر کو پھنسا رہا ہے۔" ان کا لہجہ کسی قسم کے تفکر سے خالی تھا۔

"اب اس کا کیا ہوگا؟" اس نے بے بسی سے لب کاٹے۔

"ماہر کو عدالت میں خود کو بے گناہ ثابت کرنا ہوگا۔ سمپل۔"

"قتل کی صبح وہ معید کی شادی پہ تھا۔ اگر عدالت کو میری گواہی چاہیے تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ ماہر نے یہ قتل نہیں کیا۔"

کہتے ہوئے اسے چند منٹ پہلے اپنی بینکنگ ایپ میں موجود عدد یاد آیا۔ یہ عدد اب اتنا زیادہ نہیں رہا تھا جتنا مکہ آنے سے پہلے تھا۔ کوورکنگ اسپیس کا کرایا' مہنگی کافیز' استنبول ٹرپ کا خرچ... وہ نمبر ہر روز گھٹ رہا تھا۔

"آپ کو گواہی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ماہر کو کچھ عرصہ اس کیس میں پھنسے رہنا چاہیے۔ اس کی انا کے لیے یہ ایک اچھا سبق ہوگا۔"

مالا نے فون کان سے ہٹا کے اسے گھورا۔

"آپ اس کے سگے چچا ہیں نا؟"

"قسمت سے۔" وہاں اطمینان تھا۔ مالا نے سر جھٹکا۔ وہ کیا سوچ رہی تھی؟ اسے بیربل کی بات یاد آئی۔ اسے ان لوگوں سے دور رہنا چاہیے تھا۔ ویسے بھی اس کا بینک اکاؤنٹ مزید کسی خرچے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

"آپ کے بینک اکاؤنٹ کے کیا حالات ہیں؟" ان کے اگلے سوال پہ وہ بری طرح چونکی۔

"ٹھیک.... ٹھیک ہے۔ میرے پاس سیونگز ہیں کافی۔" لہجے کو سرسری بنا لیا۔

"آر یو شیور؟" اسے پہلے دفعہ ان کے لہجے میں کچھ محسوس ہوا۔ ایک ہلکی سی فکرمندی۔ یا شاید اس کا وہم تھا۔

"مجھے پیسوں کا مسئلہ نہیں ہے۔ میں ایک ہوٹل میں ہوں اور یہاں کئی ہفتے بھی قیام کر سکتی ہوں۔" تھوک نگل

کے بظاہر جی کڑا کے کہا۔ ''مجھے صرف....''

اور یہاں آ کے بہت سے سوالیہ نشان سامنے لہرانے لگتے تھے۔

"صرف کیا؟"

"مجھے صرف یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں۔" ایک دم ڈھیروں شرمندگی اور بے بسی نے اسے گھیر لیا۔ ''وہ مجھ پہ چیخا' چلایا اور میں بس چپ کر کے وہاں سے نکل آئی۔ ایسے تو بانو کرتی تھی۔"

"بانو کون؟"

"میری ہاؤس ہیلپ کی بیٹی۔ وہ پڑھی لکھی نہیں تھی۔ غریب تھی۔ میری طرح کیریئر وومن نہیں تھی۔ یونیورسٹی نہیں گئی تھی۔ اس نے violence against women کے سیمینارز اٹینڈ نہیں کیے تھے۔ لیکن پھر بھی میں نے وہی کیا جو وہ کرتی تھی۔ مجھ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں رہا۔ میں ایک لفظ نہیں بولی۔ کیوں؟" اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اور چہرہ احساسِ توہین سے سرخ ہونے لگا۔

"میرے ہاتھ میں چھری تھی۔ لیکن ہاتھ ہی نہیں اٹھا۔ کیوں؟"

"کوئی عورت نہیں بول سکتی جب تک وہ محبت کو اس equation سے مائینس نہیں کر دیتی۔"

"مجھے نہیں لگتا کہ مجھے اس سے محبت تھی۔ اس نے اپنی تلخ طبیعت کے باعث کبھی محبت ہونے ہی نہیں دی۔"

"میں اس محبت کی بات کر رہا ہوں جو آپ کو شادی شدہ رہنے کے آئیڈیے سے ہے۔ اس تصور سے محبت کہ کوئی ہماری زندگی کا ساتھی ہو۔ ہم اکیلے نہ ہوں۔ ہم دنیا کو دکھا سکیں کہ ہمارے پاس ایک پارٹنر ہے۔ کیونکہ شادی اور بچوں کے بغیر آپ دنیا کی نظر میں کامیاب نہیں ہوتے۔"

"اس میں غلط کیا ہے؟"

"اگر شوہر اچھا ہے تو اس میں کچھ غلط نہیں۔ آپ خود کو اور دنیا کو اس دھوکے میں رکھ سکتے ہیں کہ آپ کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ لیکن آپ کا شوہر زیادہ سلطان ہے۔"

"اور میں بانو ہوں۔" اس کا انداز ملامتی تھا۔ انہوں نے جواباً گہری سانس بھری۔

"آپ بانو نہیں ہیں۔ دنیا کی ساری عورتیں پہلی دفعہ ذہنی یا جسمانی تشدد پہ دو قسم کے قدم اٹھاتی ہیں۔ یا وہ اپنے abuser کو معاف کر کے موو آن کر جاتی ہیں۔ یا وہ خاموشی سے اس کے گھر سے دور چلی جاتی ہیں۔ اس پہلے قدم کا ان کی تعلیم یا woke ہونے سے تعلق نہیں ہوتا' کشمالہ۔ دوسرے کا ہوتا ہے۔ بانو اور آپ میں فرق آپ کا

دوسرا قدم کرے گا۔"

"دوسرا قدم؟" اسے پہلے حیرت ہوئی' لیکن پھر اگلے ہی لمحے جیسے کسی نے اس کا سانس روک دیا ہو۔ دماغ اور جسم' سب ایک ساتھ چونک گئے۔

وہ جانتی تھی وہ کیا کہنے جا رہے ہیں۔

وہ انہیں روکنا چاہتی تھی۔

وہ چاہتی تھی کہ وہ اگلا لفظ منہ سے نہ نکالیں۔ وہ چپ رہیں۔ چپ رہنا اچھا تھا اس ایک لفظ سے جس سے وہ ساری عمر ڈرتی آئی تھی۔

"یہی کہ آپ اس سے جتنی جلدی طلاق لیتی ہیں۔"

"طلاق؟" اس کے لب پھڑپھڑائے۔ آنکھیں جھپکنا بھول گئیں۔ ایک عجیب سا خوف پنڈلیوں سے ہوتا اوپر سینے تک پہنچا اور دل کو جکڑ لیا۔ کندھے کا درد اس خوف کے سامنے بالکل ہیچ ہو گیا۔

"میں زیادہ سے طلاق نہیں لے سکتی۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ دماغ اور جسم ایک ساتھ بولے تھے۔ یہاں کوئی اختلاف نہ تھا۔

"طلاق کے بغیر یہ چیز کہاں ختم ہو گی؟"

"میں... میں پاکستان واپس چلی جاؤں گی۔ اور... پتہ نہیں۔ لیکن میں طلاق... نہیں..." الفاظ ٹوٹ سے گئے۔ ماتھے پہ پسینے کے قطرے ابھرے۔

"کیا آپ اس کے ساتھ واپس رہنا چاہتی ہیں؟"

"نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔ "میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔"

"پھر طلاق میں کیا مسئلہ ہے؟"

"کیا مسئلہ ہے؟" وہ جیسے بے یقین تھی۔ وہ اتنی آسانی سے یہ سوال کیسے پوچھ سکتے تھے؟

"آپ کو معلوم ہے یہ کتنا بڑا لفظ ہے؟ یہ کتنا بھاری ہے؟ ہمارے گھروں میں اس لفظ کو استعمال نہیں کیا جاتا' مالک صاحب۔" آنکھوں سے گرم گرم آنسو گرنے لگے۔ "میری شادی تین ماہ پہلے ہوئی ہے۔ ہم نکاح نامے پہ حق مہر لکھواتے وقت آواز اونچی نہیں کرتے کیونکہ ہم اس لفظ سے ڈرتے ہیں۔ یہ لفظ میرے جیسی لڑکیوں اور ان کی ماؤں کو ساری عمر خوفزدہ رکھتا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں اس میں کیا مسئلہ ہے؟"

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

"میں کوئی راستہ ڈھونڈ لوں گی۔ میں ہمیشہ راستہ ڈھونڈ لیتی ہوں۔ لیکن یہ ایک لفظ.... یہ میری ساری زندگی تباہ کر دے گا۔" اس نے خفگی سے کال کاٹ دی۔ اور زور سے پاور کا بٹن دبایا۔

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

وہ کیسے اتنی آسانی سے طلاق کا لفظ بول سکتے تھے؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ اس معاشرے میں جب کسی عورت کی طلاق کی خبر موصول ہوتی ہے تو ہر سننے والے کے چہرے پہ ایک ایسا افسوس ابھرتا ہے جو یہ بتاتا ہے کہ اب اس کی زندگی ختم ہو چکی۔ اب وہ ایک بے چاری لڑکی ہے جس کی ذات پہ طلاق نے ایک دھبہ لگا دیا ہے۔ وہ اب داغدار ہے۔ ایک برتی ہوئی عورت جس کو اب کوئی اپنانا نہیں چاہے گا۔ وہ ساری عمر اکیلی رہ جائے گی اور وہ ایسے ہی بوڑھی ہو گی۔ اکیلے۔ اس کی عمر بڑھتی جائے گی۔ جھریاں آ جائیں گی۔ اس کے بہن بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ زندگی میں آگے بڑھتے جائیں گے اور وہ گھر میں قید ہو کے تنہا رہ جائے گی۔ ماں باپ پہ بوجھ۔ ان کے بعد بھائی بھابھی پہ بوجھ۔ ایک شرمندگی۔

لوگ طلاق پہ کہانی نہیں پوچھتے۔ وجہ پوچھتے ہیں۔ غلطی کس کی تھی؟ کیوں طلاق ہوئی؟ کسی کی طلاق ایک مسٹری ہوتی ہے۔ اور سب کو وجہ جاننے کی جلدی ہوتی ہے۔

پھر وجہ جاننے کے بعد اس عورت کی زندگی ایک تبصرہ بن جاتی ہے۔

گزارہ کر لیتی۔ اتنی جلدی اتنا بڑا فیصلہ لے لیا۔ تھپڑ تو نہیں مارا تھا۔ کندھے ہی جھنجھوڑے تھے۔ اتنی بڑی بات نہ تھی۔ بہت سی عورتیں اس سے برے حالات میں بھی رہتی ہیں۔ مرد وقت گزرنے کے ساتھ ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ ذرا سا صبر، تھوڑا سا کمپرومائز اور گھر بس جاتا ہے۔ گھر بسانے کے لیے قربانیاں تو دینی پڑتی ہیں نا۔ ہم سب نے بھی دیں۔ وہ کیوں نہیں دے سکی؟

طلاق لینے والی لڑکی کون ہوتی ہے؟

ایک ناکام لڑکی جو اپنا گھر نہیں بسا سکی۔ کیا فائدہ اتنی ڈگریز کا، کیریئر کی کامیابی کا اگر وہ اپنا گھر نہیں بسا سکی؟

گھر بسانا اس معاشرے کی سب سے بڑی کامیابی تھا اور جو عورت گھر نہ بسا سکے، وہ ایک ناکام عورت ہوتی ہے۔ طلاق ایک ناکامی تھی۔ اور سمجھوتہ کامیابی۔ اس نے اپنی ساری عمر ایک کامیاب عورت بننے میں صرف کی تھی۔ یونیورسٹی سے ادشن کے پانچ سال.... جو کیا، کامیاب کہلائے جانے کے لیے کیا۔

مالک فرید کیوں نہیں سمجھ رہے تھے کہ وہ کیسے خود پہ ناکامی کا ٹھپہ لگا سکتی تھی؟
وہ کیسے اپنے خاندان والوں کو یہ کہنے کا موقع دے سکتی تھی کہ حور جہاں کی بیٹی اپنا گھر نہیں بسا سکی؟
وہ کیسے طلاق جیسے بھاری لفظ کو اپنی زندگی کو داغدار کرنے دے سکتی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ونگ چیئر پہ بیٹھے ماہر نے آنکھیں کھولیں۔ایک نظر خاموش رکھے فون کو دیکھا۔پھر جھک کے اسے اٹھالیا۔
اسکرین روشن کی تو چند نیلے ٹک اس کا منہ چڑا رہے تھے۔
وہ زیاد کے بارے میں کچھ نہیں سننا چاہتی تھی۔وہ اس کی بات کا جواب بھی نہیں دینا چاہتی تھی۔بیربل درست کہتا تھا۔اسے کشمالہ مبین کو ایک طرف رکھ کے اپنے کیس کے اوپر کام کرنا تھا۔آزادی اس کے لیے کشمالہ مبین سے زیادہ ضروری تھی۔
وہ ایک دفعہ پھر قید میں نہیں جا سکتا تھا۔
اس نے گرین آئیز نامی چیٹ انگوٹھے سے سلائیڈ کی اور اسے archive میں ڈال دیا۔ایک طرح سے اسے ذہن کے کسی عقبی خانے میں بند کر دیا۔پھر سوزین کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔
"صبح مجھ سے ملو۔ہمیں اگلی ساعت کی تیاری کرنی ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح موسم پہلے سے کئی گنا گرم تھا۔عجیب سی حدت تھی جو سارے جدہ کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔
"تمہارا فون آف تھا؟" نورہ نے اسے اپنے آفس میں داخل ہوتے دیکھا تو فوراً تنبیہہ کی۔
"ابھی تک آف ہے۔" وہ سنجیدہ چہرے کے ساتھ قدم قدم چلتی اندر آئی۔نورہ نے عینک کے اوپر سے بغور اسے دیکھا۔سرمئی عبایے میں ملبوس، آستین کہنیوں تک چڑھائے، اسکارف سر پہ لپیٹ کے گردن تلے اڑسے، وہ بنا میک اپ کے سنجیدہ سی لگ رہی تھی۔سامنے سے کھلے عبایے سے ہائی ویسٹ ٹراؤزر اور سفید ٹاپ نظر آتا تھا جس کے گریبان پہ داغ لگا تھا۔آج وہ جیسے ڈھنگ سے تیار نہیں ہوئی تھی۔
"آپ کی کہی گئی improvisation کے بعد کی فائل۔" اس نے ایک فلیش ڈرائیو سامنے رکھی اور کھڑے کھڑے بتانے لگی۔
اس کے چہرے پہ دائیں طرف دو نئے دانے ابھر رہے تھے۔

"تم جلدی میں ہو؟"

"میں پاکستان واپس جا رہی ہوں۔ مزید کام نہیں کر سکوں گی۔"

"چچ... ایسے تو تم کبھی اپنا کیریئر سیٹ نہیں کر سکو گی۔"

"کیریئر؟" اس کے ہونٹوں پہ ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔ "میری زندگی میں کیریئر سے بڑے مسائل ہیں، نورہ۔" پھر کھنکھاری۔

"میں جانتی ہوں میں نے کہا تھا کہ میں آپ سے کسی قسم کی پے منٹ نہیں مانگوں گی، لیکن... مجھے پیسوں کی ضرورت ہے۔" انداز میں شرمندگی در آئی۔

"میں جانتی تھی تم آخر میں یہی کہو گی۔ پاکستانیز۔" نورہ نے مسکرا کے جیسے طنزیہ سر جھٹکا۔ وہ بہت سی تلخی کھارے پانی کے گھونٹ کی طرح پی گئی۔ چہرہ سنجیدہ رکھا۔ ڈھیٹ اور سنجیدہ۔

"صبح تمہارا شوہر آیا تھا۔" چیک کاٹتے ہوئے وہ سرسری انداز میں کہنے لگیں۔

وہ جہاں تھی، وہیں رہ گئی۔ ساکت۔ جامد۔

"پھر؟" سانس تک رک گیا۔

"وہ تمہیں تلاش کر رہا تھا۔ پریشان لگ رہا تھا۔ میں نے بتا دیا کہ تم یہاں نہیں ہو۔" وہ قلم کو ہاتھ میں گھماتے ہوئے بغور اسے دیکھ کے کہہ رہی تھیں۔

"کہاں رہ رہی ہو؟" مالا نے چیک اٹھا کے دیکھا۔ وہ اس کی توقع سے کم تھا۔ لیکن غنیمت تھا۔

"جگہ ہے میرے پاس۔" وہ زبردستی مسکرائی۔ ظاہر ہے وہ اس کے پیچھے آیا ہوگا۔ اس نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ نہیں آئے گا۔

"تمہارے حقوق ہیں اس ملک میں۔ یہ مت بھولنا۔ اگر کوئی مسئلہ ہو تو حکومت تمہیں بچا سکتی ہے۔"

"کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔" وہ اس دفعہ مسکرائی تو اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔

"مزید پیسے چاہئیں؟" ان کی آنکھوں میں کچھ تھا۔ ایک نرم سا تاثر جو اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ آنسوؤں کا ایک گولا حلق سے اوپر آنے لگا لیکن اس نے اسے نیچے دھکیل دیا۔ وہ حورِ جہاں کی بیٹی تھی۔ اٹھی گردن سے مسکرائی اور نفی میں سر ہلا دیا۔

"صرف اپنی محنت کے چاہیے تھے۔ وہ مل گئے۔ بہت ہیں۔"

وہ واپس دروازے تک جا رہی تھی جب ان کی آواز سنائی دی۔

"وہ نہیں بدلے گا۔کوئی کسی کے لیے نہیں بدلتا۔"

وہ مڑی نہیں۔بس دروازہ کھول کے آگے بڑھ گئی۔کیا نورہ کو لگتا تھا کہ وہ اب تک اتنا نہیں سمجھ سکی؟

اپنے ڈیسک پہ جا کے اس نے ایک باکس اٹھایا۔اس کا رنگ خاکی تھا۔اب وہ اپنی چیزیں باری باری اس میں بھرنے لگی۔ماں کی تصویر کا فریم۔کاغذ۔چارجرز۔اور اس کے پودے۔ننھے ننھے ہاتھ جتنے سفید گملے۔شیلڈن سب سے اوپر تھا۔

ذہن کے سامنے ایک منظر لہرایا۔

وہ اوشن میں کھڑی تھی اور سرمئی باکس میں اپنا سامان ڈال رہی تھی۔آنکھیں بار بار بھر رہی تھیں۔شیلڈن کو سب سے اوپر رکھا اور باہر نکلی۔

کیف سامنے کھڑا تھا۔وہ دیوار پہ بنی الوژن پینٹنگ کو دیکھ رہا تھا۔اسے آتے دیکھ کے پلٹا۔اس کو دیکھا اور مسکرایا۔گال میں گڑھا سا بنا۔

"چلیں باس؟"

مالا نے گیلی آنکھیں کھولیں۔اوشن کہیں نہیں تھا۔وہ خاکی باکس لیے جدہ کے اس آفس میں کھڑی تھی۔صرف باکس کا رنگ بدلا تھا یا زندگی بدل گئی تھی؟وہ ایک سال پہلے اپریل کے مہینے میں اوشن سے یونہی نکلی تھی۔آج ایک سال بعد مارچ کے مہینے میں وہ جدہ کی اس کوورکنگ اسپیس کو چھوڑ رہی تھی۔

اس کا کیریئر اب کبھی دوبارہ نہیں بن سکے گا۔

کشمالہ مبین کیریئر کے حوالے سے ایک ناکام عورت تھی۔

اور مالک صاحب کہتے تھے کہ وہ ذاتی زندگی میں بھی ناکام ہو جائے؟

اس نے آخری دفعہ اس مین ہال کو دیکھا۔اپنے ڈیسک کو۔کھڑکی سے دکھائی دیتے منظر نامے کو۔یہاں بیٹھ کے کام کرنے کی خواہش، یہاں سے اپنے ایک نئے کیریئر کی ابتدا کرنے کی تمنا۔سب خاکی باکس کے ساتھ خاک ہوا تھا۔

وہ باکس لیے لفٹ میں سوار ہوئی تو ایک ایک قدم بھاری تھا۔

ایک ایک قدم ہلکا تھا۔

لفٹ کے دروازے بلڈنگ کی لابی میں کھلے۔ سامنے شیشے کی دیواریں نظر آئیں جن کے پار سڑک دکھائی دے رہی تھی۔ وہ کسی کو دیکھے بنا ناک کی سیدھ میں چلتی آگے آئی جب...

"کشمالہ...."

اس کے قدم زنجیر ہوئے۔

اسے سب مالا کہتے تھے۔ اس کے بہن بھائی بھی۔ صفورا بھی۔ ماہر بھی۔ مالک بھی۔ بیربل بھی۔ یہاں تک کہ نورہ بھی۔

اسے کشمالہ صرف ایک شخص کہتا تھا۔

وہ جس نے اسے کبھی مالا کہہ کے نہیں پکارا تھا۔

دھیرے سے وہ پلٹی۔

زیاد سلطان سامنے کھڑا تھا۔

ان دونوں کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ تھا۔ وہ ایک صوفے کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے کل رات والا لباس پہن رکھا تھا جو اب ملگجا سا ہو چکا تھا۔ بال ماتھے پہ بے ترتیبی سے بکھرے تھے اور آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ فکرمندی۔ زمانے بھر کی شکستگی۔

وہ چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں خالی تھیں۔

"کیا ہم بیٹھ کے کچھ دیر بات کر سکتے ہیں؟"

وہ کہنا چاہتی تھی کہ نہیں۔ وہ اس کے ساتھ چند منٹ بھی نہیں گزار سکتی تھی۔ وہ راستہ بدلنا چاہتی تھی۔

لیکن پھر منظر بدلا۔

وہ سفید کامدار دوپٹہ سر پہ پہنے، انگوٹھیوں اور مہندی سے بھری ہاتھ سے مسکرا کے سر جھکائے ایک کاغذ پہ دستخط کر رہی تھی۔ مولوی صاحب اس سے کچھ پوچھ رہے تھے۔ شیروانی میں ملبوس زیاد ساتھ تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے۔

وہ دعا عام دعا نہیں ہوتی۔ وہ دو انسانوں کو باندھ دیتی ہے۔ ایسے کہ وہ اتنے آرام سے رستہ نہیں بدل سکتے۔

مالا نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔

منظر پھر سے بدلا۔

وہ مالدیپ کے ایک ساحل پہ چل رہے تھے۔اس نے سر پہ ہیٹ پہن رکھا تھا۔وہ اسے کوئی قصہ سنا رہا تھا۔وہ ہنس رہی تھی۔

ہر دفعہ قدم پیچھے کرتے وقت بہت سی یادیں سامنے آجاتیں۔

برے دنوں کی اچھی یادیں۔

وہ اس کا شوہر تھا۔وہ ایسے راستہ نہیں بدل سکتی تھی۔

"میرے پاس دس منٹ ہیں۔"اس نے خود کو کہتے سنا۔دماغ اور جسم ساتھ ساتھ تھے۔دل خاموش تھا۔

وہ دونوں لابی میں رکھے صوفوں کی طرف ایک ساتھ بڑھے۔

وہ اس کے سامنے ایک صوفے پہ بیٹھی۔ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

وہ سامنے بیٹھا تو ٹانگ پہ ٹانگ نہیں جمائی۔آگے کو ہوئے' صوفے کے کنارے بے چین سا بیٹھا۔ہاتھ باہم پھنسائے' ملتجی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں تمہارے لیے اتنا پریشان رہا کہ تم کہاں چلی گئی ہو۔میں رات سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔"

"یہ آپ کو میرے اوپر ہاتھ اٹھانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا' زیاد۔"ایک دم ساری یادیں پیچھے چلی گئیں۔جیسے کسی نے انہیں کنویں میں دھکیل کے اوپر سے بہت سا پانی گرا دیا ہو۔

اب صرف اوپری بازوؤں پہ گرم سلاخوں جیسا درد رہ گیا تھا۔

"کشمالہ آئی ایم سوری۔آئی ایم سو سوری۔میں غصے میں آ گیا تھا۔کیا تم وہ سب بھول سکتی ہو؟ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔"وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے نہ کبھی تمہیں تھپڑ وغیرہ مارا ہے' نہ سوچ سکتا ہوں۔وہ تو بس غصے میں...."

"manhandling کہتے ہیں اس کو زیاد۔"اس نے اپنے کندھے کو چھو کے یاد دلایا۔زیاد پہ جمی اس کی آنکھوں میں غصہ بھی تھا اور نمی بھی۔وہ نمی جانے کیوں پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔

"آئی ایم سوری۔میرا یہی غصہ ہمیشہ مجھے خسارے میں لا کھڑا کرتا ہے۔تم ایک ہی ہفتے میں دوسری دفعہ ملک سے باہر جانے کا کہہ رہی تھیں۔"

"کبھی اپنے باس پہ ایسا غصہ کیا؟اگر وہ ایک ہی ہفتے میں دو انٹرنیشنل ٹرپس کا کہتا؟کبھی باس کے بازوؤں کو ایسے جھنجھوڑا کہ اس پہ نیل پڑ جائیں؟نہیں نا؟کیوں؟"

وہ خاموش ہو گیا البتہ اس کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

"میں بتاتی ہوں کیوں نہیں' زیاد سلطان۔ کیونکہ آپ کے غصے کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر باس پہ ہاتھ اٹھایا تو وہ جواباً مار مار کے لہولہان کر دے گا۔ وہ مرد ہے۔ آپ کا رزق اس سے بندھا ہوا ہے۔ اس لیے اس کے سامنے آپ کو اپنا غصہ دبانا پڑتا ہے۔ لیکن بیوی پہ ہاتھ اٹھایا جا سکتا ہے کیونکہ وہ جواب نہیں دے سکتی۔ چاہے وہ حورِ جہاں کی بیٹی ہو یا بخت بی کی۔ وہ ڈر جاتی ہے۔" تیز تیز بولتے اس کا سانس پھولنے لگا۔

" آئی ایم سوری۔ میں وعدہ کرتا ہوں یہ آئندہ نہیں ہو گا۔ مجھے خود احساس ہے کہ یہ بہت غلط ہوا۔"

" آئندہ؟" وہ گہرے گہرے سانس لیتے اسے دیکھتی رہی۔ ابھی آئندہ بھی آنا تھا؟

"پلیز میرے ساتھ گھر چلو۔ تم جیسے کہو گی ہم ویسے کریں گے۔ ہم پاکستان چلے جائیں گے۔ یا جہاں تم کہو۔ سمجھو وہ سب ہوا ہی نہیں۔"

وہ آگے کو ہو کے بیٹھا' منت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے گنگ ہو گئی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ وہ زیاد سے لڑنے' اس پہ چلانے کے لیے تیار تھی۔ لیکن وہ اس کی منت کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس کے معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

دل کے کنویں سے پھر وہی اچھی یادیں ہاتھ باہر نکالنے لگیں۔ آنسو آنکھوں میں بھر گئے۔

وہ دونوں چند لمحے خاموشی سے اس لابی میں بیٹھے رہے۔ صوفوں پہ آمنے سامنے۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی۔" وہ بخت بی کی بیٹی نہیں تھی۔ اس کا دوسرا قدم اس سے مختلف ہو گا۔

"یہ میں تمہارے لیے لایا تھا۔" زیاد نے جیسے سنا ہی نہیں۔ اس نے صوفے پہ ساتھ رکھا ایک چھوٹا سا گفٹ بیگ اٹھایا۔ مالا کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ زیاد نے ہاتھ ڈال کے اندر سے ایک ڈبی نکالی۔ پھر اس کو کھولا۔

"میں اپنے رویے کی تلافی کرنا چاہتا تھا۔ یہ صرف ایک gesture ہے کہ میں شرمندہ ہوں اور آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔"

ڈبی میں ایک ننھا سا نازک ہیرے کا لاکٹ جگمگا رہا تھا۔

وہ چند لمحے ساکت سی اس لاکٹ میں چمکتے ہیرے کو دیکھے گئی۔ وہ دو کیرٹ کا ڈائمنڈ تھا۔

" کشمالہ پلیز... مجھ سے لڑو' جو کہو' بلکہ تم بھی مجھے مار لو... میں...."

"میں کیوں مار لوں؟" وہ دبا دبا سا چلائی۔ " مجھے ایسے بڑا نہیں کیا گیا زیاد۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"میرا غصہ بھی میری محبت کا حصہ ہے' کشمالہ۔ ہم غصہ بھی اپنوں پہ کرتے ہیں۔ اور اگر ان کا دل دکھا دیں تو اس کی تلافی بھی کرتے ہیں۔ میں تلافی کرنا چاہ رہا ہوں۔ بھول جاؤ اس رات کو۔ ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔" وہ ڈبی ہاتھ میں لیے بیٹھا اسے دیکھے گیا۔

"میں بتاؤں محبت کیا ہوتی ہے؟" وہ گلابی چہرے اور نم آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔ "ماں بچپن میں ہمیں بھی مار دیتی تھیں۔ جب ہم بہت چھوٹے تھے۔ کبھی جوتا۔ کبھی ہینگر۔ لیکن بڑے ہونے کے بعد انہوں نے کبھی ہم پہ ہاتھ نہیں اٹھایا۔ سوائے معید کے' جب وہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ نماز کے علاوہ ماں ہمیں نہیں مارتی تھیں۔ اگر انہیں غصہ آتا تو وہ ناراض ہو جاتی تھیں۔ بالکل خاموش۔ اور وہ اتنا بولنے والی خاتون جس دن خاموش ہوتیں ہمیں معلوم ہو جاتا کہ وہ ناراض ہیں۔ وہ بات کیے بنا چپ چاپ اپنے کام کرتیں۔ سلائی مشین لے کر بیٹھ جاتیں۔ خوامخواہ کے ٹانکے لگاتیں۔ اور ہم تینوں ان کے ارد گرد منڈلاتے۔" اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

"ہم سہم جاتے۔ پریشان ہو جاتے۔ پھر ایک دوسرے سے پوچھتے کہ وہ کیوں ناراض ہیں۔ پھر ان کے پاس جاتے' ان سے معذرت کرتے۔ ان کے گرد منڈلاتے رہتے یہاں تک کہ وہ مسکرا دیتیں۔ ان کی اس پہلی مسکراہٹ کا ہم انتظار کرتے تھے۔ اور تب ہمیں معلوم ہوتا کہ اب وہ ناراض نہیں ہیں۔ یہ ہوتی ہے محبت۔ محبت میں ناراضی دکھانے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھایا جاتا۔ مجھے ہیرے نہیں چاہیے ہیں۔ مجھے وہ عزت چاہیے تھی جس کی میں مستحق تھی۔"

وہ خاکی باکس لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زیاد نے ڈبی بند کی۔ اور ساتھ ہی اٹھا۔

"تم جو کہو گی ہم وہ کر لیں گے۔" وہ ملتجی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اب دیر ہو چکی ہے۔ مجھے کچھ وقت چاہیے۔"

"کتنا وقت؟" اس کی امید جاگی۔

"مجھے نہیں معلوم۔ لیکن کچھ وقت چاہیے۔ چند دن۔ چند ہفتے۔ آپ مجھے کال نہیں کریں گے۔ میں ابھی بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔۔ جب ہوں گی تو میں خود آپ کو بتا دوں گی۔"

زیاد نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"آپ میرے پیچھے نہیں آئیں گے۔ میں کہاں رہ رہی ہوں' کیا کر رہی ہوں' آپ اس کی کھوج میں نہیں

پڑیں گے۔آپ مجھے کچھ دن کے لیے تنہا چھوڑ دیں گے۔"

زیاد نے جیب میں ڈبی واپس رکھی اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔وہ اسے جاتے دیکھتی رہی۔

اس نے نہیں پوچھا تھا کہ اسے پیسے چاہئیں یا نہیں۔وہ اتنے دن اس کے بغیر کیسے رہے گی۔

اس کے نکلنے کے چند منٹ بعد تک وہ وہیں بیٹھی رہی۔گہرے سانس لیتی رہی۔پھر ٹیکسی کال کرنے لگی۔

باہر سڑک کے کنارے ایک کار میں بیٹھے زیاد سلطان نے اسے ٹیکسی میں سوار ہوتے دیکھا۔پھر گلاسز آنکھوں پہ چڑھا لیے اور کار اس کی ٹیکسی کے پیچھے لگا دی۔درمیان میں ایک محتاط سا فاصلہ برقرار تھا۔

ٹیکسی ایک ہوٹل کے سامنے رکی تو زیاد نے چند گز دور اپنی کار روک لی۔وہ خاموشی سے اسے ٹیکسی سے نکلتے دیکھے گیا۔وہ باکس لیے اندر جا رہی تھی۔اس کا عبایا ہوا سے پیچھے کو اڑ رہا تھا۔

زیاد نے وہ سیاہ مخملیں ڈبی اٹھائی اور اسے کھولا۔اندر جگمگاتے ہیرے کی چمک دوپہر کی روشنی میں آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

اس چمک میں ایک دم سارے مناظر دھندھلا گئے۔

چمکیلی دھند چھٹی تو وہ ایک نیم تاریک سا لونگ روم تھا جہاں صوفوں پہ کپڑے چڑھے تھے۔

مرکزی صوفے پہ ایک گورا چٹا دراز قد آدمی بیٹھا تھا۔

سامنے ایک کم عمر سانولے رنگ کا لڑکا کھڑا تھا۔اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے ایک رپورٹ کارڈ پکڑ رکھا تھا۔اس پہ بڑا بڑا زیاد سلطان لکھا تھا۔آنکھوں پہ عینک لگی تھی اور پلکیں گیلی تھیں۔

کچن کے دروازے کے ساتھ ایک سفید دوپٹے والی دبلی پتلی سی عورت کھڑی تھی۔اس کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے اور اس نے چوکھٹ کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

"ادھر دکھاؤ...." آدمی نے کارڈ کھینچ لیا۔پھر اسے کھول کے دیکھا۔اس کی سرخ آنکھیں لڑکے کی طرف اٹھیں۔

لڑکے کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا اور چہرہ سفید ہو رہا تھا۔

آدمی نے کارڈ ایک طرف پھینکا۔پھر وہ کھڑا ہوا۔لڑکا جانتا تھا اب کیا ہونے جا رہا تھا۔وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہوا۔آدمی نے پینٹ میں لگی بیلٹ کا بکل کھولا۔

لڑکے کی رنگت اب نچڑ چکی تھی۔وہ ایک قدم مزید پیچھے ہوا۔

ان کے ہاتھ نے بیلٹ پوری کھینچ لی۔پھر اسے اشارہ کیا۔

لڑکے نے پلٹ کے ماں کو دیکھا۔وہ خاموش کھڑی تھیں۔آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

لڑکے کے قدم خود بخود ایک دروازے کی طرف اٹھنے لگے۔وہ اس کمرے میں چلا گیا اور آدمی بیلٹ لیے اس کے پیچھے داخل ہوا۔پھر اس نے دروازہ بند کر دیا۔

اب وہ عورت بھیگی آنکھوں سے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

منظر بدلا۔

وہی لونگ روم تھا لیکن رات کھڑکیوں کے پردوں کے پیچھے اتری دکھائی دیتی تھی۔عورت نے اس کمرے کا دروازہ کھولا۔کم عمر لڑکا تنہا بیڈ پہ بیٹھا سر جھکائے ہوئے تھا۔آہٹ پہ چہرہ اٹھایا۔ایک آنکھ کے ساتھ نیل تھا۔بازوؤں پہ بیلٹ کے نشان تھے۔اور بہت سے آنسو آنکھ میں اٹکے تھے۔

"باہر آجاؤ۔تمہارے ابو آفس سے آگئے ہیں۔وہ تمہارا فیورٹ فرائیڈ چکن لائے ہیں۔وہ کھانے پہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"وہ پیار سے اس کے بال سہلاتی کہہ رہی تھی۔اس نے شکوہ کناں نظروں سے عورت کو دیکھا۔

"ان کو احساس ہے کہ انہوں نے غلط کیا۔وہ اسی لیے چکن لائے ہیں۔وہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں' بیٹا۔یہ ان کی محبت ہی ہے۔غصہ بھی محبت کا حصہ ہوتا ہے۔اب باہر آجاؤ اور جو ہوا اسے بھول جاؤ۔جیسے وہ ہوا ہی نہیں۔"

آنسو اس کے چہرے پہ لڑھکتے گئے۔لیکن اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔پھر وہ کھڑا ہو گیا اور ماں کا ہاتھ پکڑ لیا۔زبردستی چہرے پہ ایک مسکراہٹ سجائی اور ان کے ساتھ چلتا باہر آیا۔ابو ڈائیننگ ٹیبل پہ بیٹھے تھے۔وہ مسکرا رہے تھے۔

جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

زیاد سلطان ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا زخمی نظروں سے اس جگمگاتے ہوئے ہیرے کو دیکھ رہا تھا۔

وہ اس کی پسندیدہ شے لایا تھا۔ہیرا۔دو کیرٹ کا ہیرا۔

یہ ہیرا کافی کیوں نہیں تھا کشمالہ مبین کو یہ محسوس کروانے کے لیے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرید لارنامی اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کے بیربل فرید اندر داخل ہوا تو پہلی نظر جوتوں کے ریک پہ پڑی۔ماہر کے جوتوں کے ساتھ ایک اسٹائیلیٹو بھی رکھے تھے۔لونگ روم سے آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ناچاہتے

ہوئے اس نے جوتے اتارے' اور چابیوں کا گچھا انگلیوں میں گھماتا راہداری عبور کر کے آگے آیا تو چہرے پہ بہت سی کڑواہٹ پھیل گئی۔

سوزی (Suzi) ایک صوفے کے ہتھ پہ ایسے بیٹھی تھی کہ ٹانگ پہ ٹانگ جمار کھی تھی۔ ہاتھ میں کاغذوں کا ایک پلندہ تھا۔ سامنے ماہر کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے' بازو سینے پہ لپیٹے' پیروں کی قینچی بنائے۔ وہ ٹراؤزرز اور ٹی شرٹ میں ملبوس تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی۔ یقیناً وہ آفس نہیں گیا تھا۔

''وقوعے کی صبح آپ...'' سوزی ماہر کو دیکھ کے کچھ پوچھ رہی تھی۔ ماتھے پہ کٹے بینگز' اور بقیہ بالوں کی چھوٹی سی اونچی پونی بنائے' اس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

''مجھے یاد کرواؤ کہ تم کون ہو۔'' بیربل فرید چیونگم چباتا ہوا سامنے آیا اور اسے دیکھ کے جیسے سوچنے لگا۔

''اوہ ہاں۔'' ماتھے کو ہاتھ مارا۔ ''تم وہ ہو جس نے دھوکے سے خود کو ماہر کی وکیل ظاہر کر کے مجھے تھانے سے بھیج دیا تھا۔''

''نہیں' بیربل۔ میں وہ ہوں جس نے تمہیں چند فقروں میں ایسے کنونس کیا تھا کہ تم اپنے سگے بھائی کو تھانے میں تنہا چھوڑ کے چلے آئے تھے۔ چچ...'' سوزی نے افسوس سے پلکیں جھپکائیں۔

بیربل کا چہرہ سرخ ہوا۔ پہلے بے بسی سے ماہر کو دیکھا جو اب موبائل کی طرف متوجہ تھا۔ اور پھر اسے۔

''سنو... میرے ساتھ گیمز نہ کھیلو۔ میں یہ تب سے کھیل رہا ہوں جب سے...'' بہت ضبط سے خود کو روکا۔

''جب سے؟'' سوزی مسکرائی اور اس کی مسکراہٹ بیربل کو تپانے کے لیے کافی تھی۔

''Sen portakalda vitaminken'' چبا چبا کے بولا۔ (جب تم ایک مالٹے کا وٹامن تھی۔)

(ایک ترکش محاورہ جس کا معنی ہے... جب تم پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔)

''بیربل...'' اس نے فون سے چہرہ اٹھا کے اسے گھورا۔ بیربل نے کندھے اُچکائے (ہونہہ) اور ایل شیپ صوفے کے کنارے پہ آ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور اب کے قدرے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''آپ جاری رکھیں۔''

سوزی ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈال کے واپس ماہر کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ ہنوز صوفے کے ہتھ پہ بیٹھی تھی اور وہ سامنے کھڑا تھا۔

''ماہر بے... آپ وقوعے کی صبح...''

''ویسے تمہارے بابا مالک کے دوست کیسے بنے؟ روبوٹس کے دوست بھی ہوتے ہیں کیا؟'' اب کے وہ شیو کھجاتے ہوئے قدرے سادگی سے پوچھ رہا تھا۔ سوزی نے ضبط سے خودکورو کا اور ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

''مالک بے دوستوں کے دوست ہیں۔ انہوں نے مجھے صرف ماہر کی ضمانت کروانے کے لیے کہا تھا لیکن ماہر چاہتا ہے کہ میں آگے بھی اس کی نمائندگی کروں۔ اس لیے میں یہاں موجود ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض ہے؟''

''نہیں پلیز... کیری آن....''

''ماہر بے...'' اب کے اس نے آواز اونچی کی اور لہجہ تیز۔ اس سے پہلے کہ بیربل دوبارہ مداخلت کرے۔ ''جج کے ضمانت منظور کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آپ کو رہا کر دے گا۔ آپ اس کیس میں بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ آپ کا ہر جواب آپ کو مزید پھنسائے گا۔''

''میں نے غالب نواز کا قتل نہیں کیا۔ میں اس وقت میں معید کی شادی میں تھا۔'' وہ دھیمی آواز میں کہتا کھڑکی سے ہٹا اور بیربل کے بائیں جانب آ بیٹھا۔ موبائل اس نے کہیں پیچھے رکھ دیا تھا۔ وہ اب پوری طرح سوزی کی طرف متوجہ تھا۔

''شادی کا فنکشن صبح گیارہ بجے شروع ہوا تھا۔ آپ وہاں ساڑھے گیارہ پہنچے تھے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق قتل صبح آٹھ بجے ہوا تھا۔ آپ قتل کرنے کے بعد با آسانی لباس تبدیل کر کے وینیو پہ پہنچ سکتے تھے۔''

''صبح آٹھ بجے میں گھر پہ تھا۔'' ایک نظر بیربل کو دیکھا۔ ''اپنے بھائی کے ساتھ۔''

''بھائی کی گواہی کو جج پھونک مار کے اڑا دیتے ہیں، ماہر بے۔ آپ کا ایلی بائی بہت کمزور ہے۔''

''فیضی حاتم بھی گھر پہ تھیں۔ میری ہاؤس ہیلپ۔''

''ملازم اور بھائی.... دونوں جھوٹ بول سکتے ہیں۔ بے کار۔'' اس نے شانے اچکائے۔ بیربل فرید نے مٹھی بھینچ کے جیسے بہت مشکل سے ضبط کیا۔

''اور یہ ویڈیو؟'' ماہر نے میز پہ رکھے ٹیب کی اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''میں اس ویڈیو میں زیا دسلطان کے ساتھ اس کاٹیج میں کھڑا نظر آ رہا ہوں۔ یہ رہا وہ کین اور یہ رہا وہ لائٹر۔''

سوزی نے ایک نظر ویڈیو کو دیکھا اور پھر سنجیدگی سے ماہر کو۔

''اول تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ وہی کین اور وہی لائٹر ہے۔ اور اگر ہے بھی تو ویڈیو میں آپ نے دونوں چیزوں کو چھوا ہے۔ یعنی جائے وقوعہ پہ ملنے والی چیزوں پہ آپ کے فنگر پرنٹ اصلی ہیں۔ اس ویڈیو سے کہیں ثابت نہیں

ہوتا کہ زیاد نے یہ چیزیں اٹھا کے کرائم سین پہ رکھی تھیں۔''

ماہر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''اسٹیک نائف سے کسی کی گردن نہیں کاٹی جاسکتی' سوزی۔''

''گردن نہیں کاٹی جاسکتی۔لیکن شہہ رگ کاٹی جاسکتی ہے۔پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق شہہ رگ اسٹیک نائف سے کاٹی گئی اور گردن اتارنے کے لیے بون سا(bone saw)استعمال کی گئی جو کہ سرجن استعمال کرتے ہیں۔وہ اصل آلہ قتل ہے۔آپ اسے جیکٹ میں چھپا کے لے گئے ہوں گے۔غلطی سے چھری وہیں بھول گئے۔''

''اور غلطی سے نیپکن بھی چھوڑ دیا؟''

''حقیقی زندگی میں ۹۹ فیصد قتل کیسز ایسے ہی ہوتے ہیں۔کوئی قتل فلموں کی طرح پلان نہیں ہوتا کہ سب پرفیکٹ ہو۔قاتل اپنا ڈی این اے' فنگر پرنٹ' آلہ قتل تک چھوڑ جاتے ہیں۔''

وہ دونوں دوبدو بول رہے تھے اور بیر بل کی آنکھیں ایک سے دوسرے تک کا سفر ایسے کر رہی تھیں جیسے ٹینس کورٹ میں گیند کا پیچھا کر رہی ہوں۔

''ہم ڈنر پہ گئے تھے۔میں نے وہ نیپکن وہیں استعمال کیا تھا۔زیاد نے اسے اٹھالیا ہوگا۔''

''اتفاق سے اس ریستوران کا کیمرہ کام نہیں کر رہا تھا۔''اس نے شانے اچکائے۔''شاید آپ نے نیپکین خود جیب میں ڈال دیا ہو اور قتل کے وقت غلطی سے وہاں گر گیا ہو۔''

اس سے پہلے کہ ماہر جواب دیتا' بیر بل کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''آپ کس کی سائیڈ پہ ہیں؟ پہلے یہ فیصلہ کر لیں۔''

سوزی نے اب کے بہت خفگی سے بیر بل کو دیکھا۔

''میں صرف یہ بتا رہی ہوں کہ پراسیکیوٹر کیسے اس کیس کے بخیے ادھیڑے گا۔''

''حالانکہ میں سچ بول رہا ہوں۔''ماہر تلخ ہوا۔وہ شدید ناخوش دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ کے سچ پہ آپ کے دوست تک نے یقین نہیں کیا۔عدالت کیوں کرے گی؟ آپ کی ریپوٹیشن ایک manipulator کی ہے۔آپ لوگوں اور حالات کو اپنی مرضی سے استعمال کرتے ہیں۔اور سچ کو توڑ مروڑ دیتے ہیں۔آپ اس کیس سے زیاد سلطان کا نام لے کر نہیں بچ سکتے۔عدالت کیوں یقین کرے گی کہ اپنے سالے کی شادی میں آیا ایک ٹورسٹ آپ کو پھنسانے کے لیے اتنی بڑی سازش کرے گا؟ سوائے اس صورت میں

کہ ....'' سوزی نے وقفہ دیا۔ وہ دونوں بے اختیار اسے دیکھنے لگے۔

''کہ آپ عدالت کو وہ وجہ فراہم کریں جو زیاد سلطان کے پاس ہے۔''

ماہر کی گردن میں ایک گلٹی سی ڈوب کے ابھری۔

''زیاد سلطان اور آپ کے درمیان کیا دشمنی ہے؟''

ماہر خاموش رہا۔ بیربل کے تنے تاثرات بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ لونگ روم میں ایک تناؤ بھری خاموشی چھا گئی۔

''ماہر بے ...'' اب کے وہ نرمی سے بولی۔

''ہم نے یہ ثابت نہیں کرنا کہ زیاد نے یہ قتل کیا ہے۔ ہم نے صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ آپ نے قتل نہیں کیا۔ ہم نے جج کے ذہن میں اتنا سا (انگلی اور انگوٹھے سے ایک انچ کا خلا بنا کے دکھایا) شک ڈال دینا ہے کہ آپ کو پھنسایا جا رہا ہے اور وہ آپ کو رہا کر دے گا۔ لیکن اس کے لیے آپ کو مجھ سے سچ بولنا ہو گا۔''

اس نے کاغذ ایک طرف رکھے اور ٹیب اٹھا کے اسکرین روشن کی۔ پھر پنسل انگلیوں میں پکڑی جیسے لکھنے کے لیے تیار ہو۔

''مجھے جج کے سامنے زیاد سلطان کا ایک ایسا امیج پینٹ کرنا ہے جس سے اس کو خود بخود یقین آ جائے کہ وہ ایسی سازش کر سکتا ہے۔'' وہ اسکرین پہ کچھ لکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''آپ زیاد سلطان کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟''

''سب سے پہلے تو وہ ہینڈسم نہیں ہے۔'' بیربل سے رہا نہیں گیا۔

''بیربل ...'' ماہر نے گھور کے اسے دیکھا۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ (تمام تمام۔ سوری)

ماہر واپس اس کی طرف متوجہ ہوا۔ بہت سے الفاظ جوڑے۔

''زیاد اور میری دشمنی کافی پرانی ہے۔''

''وجہ؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے تھوک نگلا۔

''اس نے ... مجھے شک ہے کہ اس نے میری بہن کو اغوا کیا ہے۔''

''لیکن آپ کی بہن تو مر چکی ہے۔ آپ نے اس کے میموریل ڈنر پہ خود اعلان کیا تھا۔ پراسیکیوٹر وہ ٹویٹ دکھا کے آپ کی اس وجہ کو ایک منٹ میں ہوا میں اڑا دے گا۔''

ماہر فرید نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ ماضی کے بہت سے جھوٹ اس کو گھیر چکے تھے۔

''میں تصحیح کرتا ہوں...'' کھنکھار کے پھر سے الفاظ جوڑے۔''مجھے شک ہے کہ اس نے میری بہن کو مروایا ہے۔''

''کیا آپ کبھی پولیس میں اس کے خلاف گئے؟ کوئی رپورٹ درج کروائی؟ کوئی ریکارڈ؟''

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ وجہ کمزور ہے۔آپ کے درمیان کچھ اور بھی ہوا ہوگا؟'' وہ غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''زیاد میری سیکرٹری کا....'' ماہر انگلیاں باہم پھنسائے سوچ سوچ کے کہنے لگا تھا جب....

''ماہر کو جس لڑکی سے محبت تھی زیاد نے اس سے شادی کر لی۔قصہ ختم۔''

''بیر بل!'' جہاں ماہر فرید نے بے یقینی اور غصے سے اسے دیکھا وہیں سوزی کا منہ کھل گیا۔

''اللہ اللہ ماہر بے...'' اس نے ایک ہاتھ گال پہ رکھا اور پلکیں دو تین دفعہ جھپکائیں۔پھر اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ میں تمہارا وقت بچا رہا ہوں۔یہ فی گھنٹہ کے حساب سے چارج کرتی ہے۔'' وہ ڈھٹائی سے کندھے اچکا کے بولا۔ماہر لب بھینچے چند لمحے اسے گھورتا رہا۔پھر واپس سوزی کو دیکھا تو وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آپ اگلی ساعت پہ رہا ہو جائیں گے کیونکہ ہم ترکش لوگ رقابت کو بہت سیریسلی لیتے ہیں۔'' وہ ایک دم جوش سے کہنے لگی۔

''کیسے؟'' بیر بل چونکا۔البتہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔اس کا موڈ سخت خراب ہو چکا تھا۔

''دو مردوں میں مسائل تین وجوہات کی بنا پہ ہوتے ہیں۔'' سوزی نے بند مٹھی سے ایک انگلی نکالی۔''پیسہ..'' (دوسری انگلی نکالی) ''اتھارٹی...'' (آخری انگلی...) ''اور عورت۔''

ماہر کھڑکی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔بے اختیار پٹ کھول دیے۔تازہ ہوا اندر آنے لگی۔اسے گھٹن سی ہو رہی تھی۔

''ہم عدالت کو یہ بتا سکتے ہیں کہ زیاد ایک جیلیس شوہر تھا۔ترکش زبان میں ہم اسے رقیب کہتے ہیں۔اس کو معلوم ہو گیا کہ آپ کا اس کی بیوی کے ساتھ افیئر تھا۔اس لیے اس نے رقابت میں ایسا کیا۔''

''نہیں۔'' اس نے پلٹ کے ان دونوں کو دیکھا تو اس کے ماتھے پہ بل تھے اور جبڑے کی رگیں تنی ہوئی تھیں۔''میں ایسا کچھ نہیں کروں گا کیونکہ میرا افیئر نہیں تھا۔''

''بے شک نہ ہو۔ مگر آپ کو عدالت کو یہ کہنا پڑے گا۔ اگر آپ کو آزادی چاہیے تو آپ کو ایک ذرا سے جھوٹ سے خود کو محفوظ بنانا ہوگا۔ میں ہر روز عدالت میں رقابت کے کیسز دیکھتی ہوں' ماہر بے۔ ججز افیئرز کو پسند نہیں کرتے لیکن وہ آپ کی بے گناہی پہ یقین کر لیں گے۔ رقابت ایک بہت بڑا فیکٹر ہے جو...''

''اللہ اللہ' او کات حاتم...'' بیر بل نے ماتھے کو چھوا۔ ''کبھی honour کا لفظ سنا ہے؟ میرا بھائی بھلے جتنا پیسے کا لالچی' جھوٹا' اور دھوکے باز ہو جائے' وہ اس طرح کی نیچ حرکت نہیں کرے گا۔''

سوزی نے شانے اچکائے۔

''آپ کے پاس دو آپشن ہیں۔ یا آپ اپنی زندگی بچائیں۔ یا اپنا honour۔ صبح آفس میں ملیں گے۔'' اس نے ٹیبلیٹ اٹھایا اور بیگ میں ڈالنے لگی۔

''اور اب تم جا کے اپنے مالک بے کو ساری رپورٹ دو گی' ہے نا؟'' بیر بل اسے جانے کی تیاری کرتے دیکھ کے طنز سے بولا۔ سوزی نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''میں وکیل اور کلائنٹ کی رازداری کے پریویلیج کو ایسے توڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔''

پھر بیگ اٹھایا اور الوداع کہتی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''میں بتا رہا ہوں' اس لڑکی کو یہاں بھیجنے میں بھی مالک کا کوئی ایجنڈا چھپا ہوا ہے۔'' وہ دروازے تک جا رہی تھی جب بیر بل نے بلند آواز میں پیچھے سے کہا۔

''بس کرو' بی۔'' وہ بے زار ہو گیا تھا۔ موبائل اٹھایا اور پھر بے دلی سے واپس پھینک دیا۔

بیر بل نے غور سے اس کی یہ حرکت دیکھی۔

''مالا نے جواب نہیں دیا؟'' اس نے پیر لمبے کر کے صوفے پہ رکھ دیے اور دوسرے ہتھ پہ سر جما لیا۔

''اسے اپنے شوہر کا سچ نہیں سننا۔'' اس نے شانے اچکا دیے۔

بہت سے گلٹ نے بیر بل کے دل کو دبوچ لیا۔ لیکن پھر اس نے سر جھٹک دیا۔ مالا اگر جواب نہیں دے رہی تو یہ اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ اس کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔

''اس لڑکی پہ زیادہ اعتبار نہ کرو' ماہر۔ یہ ابھی لفٹ میں پہنچتے ہی مالک کو کال کرے گی۔''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ شدید برے موڈ میں دکھائی دے رہا تھا۔ بس سر جھٹک کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

باہر اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے سوزی فون کان سے لگائے کہہ رہی تھی۔

''اس نے مجھے زیاد کی بیوی کے بارے میں بتایا ہے۔ حالانکہ آپ کو بتانا چاہیے تھا۔'' وہ جیسے خفا ہوئی۔

''تو تم نے اسے کیا کہا؟''

''یہی کہ اس کے پاس دو آپشن ہیں۔'' وہ اپنی بات دہرانے لگی۔ لفٹ نیچے جا رہی تھی اور اس کے دھاتی دروازے میں سوزی کو اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

''کیا تم نے اسے تیسرا آپشن بتایا ہے؟'' ان کی سرد آواز گونجی۔

سوزی ہلکا سا مسکرائی۔ اس کی کنچوں جیسی آنکھیں چمکیں۔

''اتنی جلدی نہیں۔ ورنہ وہ مجھ پہ اعتبار نہیں کرے گا۔ پہلے اعتبار قائم ہونے دیں۔ پھر میں تیسرا آپشن اس کے سامنے رکھوں گی۔'' وہ لفٹ سے باہر نکلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ دور جاتے ہوئے اس کی آواز مدھم پڑ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا نے ہاتھ بڑھا کے دروازہ دھکیلا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ لاکڈ نہیں تھا۔ اسے جیسے حیرت ہوئی۔

(یہ لاکڈ کیوں نہیں تھا؟)

وہ ایک سفید سا ہال تھا۔ بہت سی فرشی میزیں اور کشن رکھے تھے۔ لیکن وہ خالی تھا۔ وہاں کوئی ذی نفس نہ تھا۔ ہال میں کوئی کھڑکی تھی نہ کوئی دروازہ۔ محض وہ دروازہ کھلا تھا جس سے وہ داخل ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ دن کی روشنی بھی اندر آئی تھی۔

اس کا رخ ایک دوسرے دروازے کی جانب تھا۔ اسے جیسے معلوم تھا کہ اسے یہیں جانا ہے۔ وہ قدم قدم چلتی اس دروازے تک آئی۔ ہینڈل پہ ہاتھ رکھا تو پھر سے حیرت ہوئی۔ وہ بھی لاکڈ نہیں تھا۔ مالا نے اسے دھکیلا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔

اندر کمرہ خالی تھا۔ سوائے دیوار سے لگی ایک اسٹڈی ٹیبل کے۔ اس ٹیبل پہ کچھ بھی نہ تھا۔ وہ کسی کینوس کی طرح کوری تھی۔

وہ اس کے ساتھ رکھی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اس نے لمبا سفید نائٹ گاؤن پہن رکھا تھا جس کے گریبان پہ فرل تھی۔ لمبے گھنگریالے بال کمر پہ گر رہے تھے۔

''ہلال...'' آہٹ پہ اس نے چہرہ موڑ کے دیکھا۔ مالا کو آتے دیکھ کے وہ مسکرائی۔ اس کے گال میں ڈمپل سا

پڑتا تھا۔ وہ اس ڈمپل کو پہچانتی تھی۔ وہ ان بھوری آنکھوں اور بے تحاشا مڑی ہوئی پلکوں کو بھی پہچانتی تھی۔

''دروازہ کھلا تھا۔'' وہ تحیر سے کہتی اندر آئی۔ ہلال مسکرا کے اسے دیکھے گئی۔

مالا اس کے سامنے زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھی۔ ایسے کہ اب دونوں کے چہرے آمنے سامنے تھے۔

''دروازہ لاکڈ نہیں ہے' ہلال۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ مسکرائی۔ اس کے ہونٹ نہیں ہل رہے تھے لیکن وہ اس کی آواز سن سکتی تھی۔

''پھر تم خود کیوں نہیں یہاں سے نکل جاتیں؟'' اس کی آواز میں نرمی تھی۔ پھر اس نے دھیرے سے ہلال کے ہاتھ تھامے۔ وہ سرد تھے۔

''پلیز' مجھے پکارنا چھوڑ دو۔'' اس نے اس کے ہاتھ دبائے۔ اس کی آنکھوں میں منت بھی تھی اور آنسو بھی۔ ''میری اپنی زندگی اس وقت بہت messed up ہے' ہلال۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ تمہیں خود کو خود بچانا ہے۔'' پھر اس نے دوبارہ اچھنبے سے دروازے کو دیکھا۔

''دروازہ کھلا ہے۔ تم جب چاہو بھاگ سکتی ہو۔''

''مالا...'' وہ ہنوز مسکرا رہی تھی۔ ''میں تمہیں نہیں پکار رہی۔''

''پھر کس کو؟'' اسے الجھن ہوئی۔ ''اپنی ماں کو شاید؟'' اس نے سوچا۔ کہا نہیں۔

''میں انتظار کر رہی ہوں۔'' ہلال کے ہونٹ اب بھی نہیں ہلے۔

''کس کا؟''

''میں انتظار کر رہی ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بنا ہونٹ ہلائے کہہ رہی تھی۔

اس کی آواز میں ایک دوسری آواز مخل ہوئی۔ چائم۔ ایک۔ دو۔ تین۔

مالا نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ پھر تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

وہ اپنے ہوٹل روم میں تھی اور کمرے میں صرف ایک لیمپ جل رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھوں کو چھوا۔ وہ ابھی تک نم تھیں۔ اس نے کراہ کے کنپٹیاں تھامیں۔

اوہ.. ہلال.... میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ میری اپنی زندگی میں بہت مسئلے ہیں۔

آنکھیں کھولیں تو دھیان اس چائم کی آواز تک گیا۔ اس کی ای میل ٹون۔ دل بھاری ہوا۔ کیا زیاد اسے ای میل کر رہا تھا؟

موبائل اٹھا کے روشن کیا تو لمحے بھر کے لیے وہ جہاں تھی وہیں رہ گئی۔

ظہیر۔

''میں اسلام آباد میں ایک نیا ریستوران کھول رہا ہوں۔ ساتھ میں ایک بوتیک بیکری بھی۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کام کرو۔ اس دفعہ میں تمہیں پارٹنر شپ سے کم کچھ نہیں آفر کروں گا' مالا۔ کوئی چھپی ہوئی ٹرمز نہیں۔ مجھے کشمالہ مبین جیسی پارٹنر نہیں ملے گی۔ مجھے نہیں معلوم تم شادی کے بعد کہاں گئی ہو' لیکن مجھے امید ہے تم ضرور آؤ گی۔''

اس کی پلکوں کے کنارے ایک دفعہ پھر سے بھیگنے لگے۔ لمحے بھر کے لیے وہ دن یاد آیا۔ جب وہ باکس میں سامان ڈال کے اوشن سے نکلی تھی۔

ایک راستہ کھل گیا تھا۔

وہ اسلام آباد واپس جا سکتی تھی۔

وہ ایک نئی زندگی شروع کر سکتی تھی۔

وہ بستر سے اٹھی اور پردے کھول دیے۔ نیچے نیلا تالاب دکھائی دے رہا تھا۔ عصر کی روشنی سارے میں پھیلی تھی۔ وہ جانے کس وقت آ کے سوئی تھی۔ وقت کا دھیان ہی نہیں رہا تھا۔ لیکن اس وقت ایک خیال سب پہ حاوی تھا۔

وہ اسلام آباد واپس جا سکتی تھی۔

اسے اس ملک سے نکلنا تھا۔ اسے کوئی فیصلہ لینا تھا۔

ذہن میں بہت سے سوالیہ نشان کھڑے ہو گئے۔ اور صرف ایک شخص تھا جس سے اسے صاف گو جوابات کی امید تھی۔

''مجھے آپ کی مدد چاہیے۔''

وہ کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی' پیر میز پہ رکھے فون کان سے لگائے ہوئے تھی۔ نگاہیں کھڑکی میں رکھے پودے پہ جمی تھیں جس کے کنارے ڈوبتے سورج کی گلابی روشنی میں دمک رہے تھے۔

''پیسے چاہئیں؟'' مالک فرید کی برف جیسی آواز گونجی۔

''نہیں۔''

''چاہئیں نہیں؟ یا مانگیں گی نہیں؟''

''دونوں۔'' اس نے بے پروائی سے کندھے اچکائے۔

''مجھے اس ملک سے نکلنا ہے۔ اور اس کے لیے مجھے زیاد کے ابشر سے ری انٹری نکالنی ہے۔ کیا کوئی طریقہ ہے جو...''

''زیاد سے طلاق لے لیں۔ اور چلی جائیں۔ سمپل۔''

اس کے اندر ایک ناخوشگوار سی لہر اٹھی۔ اُف نہیں۔

''یہ لفظ... آپ اتنی آسانی سے یہ لفظ نہیں بول سکتے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ...'' وہ جیسے خود بھی الجھ گئی۔ وہ کچھ اور پوچھ رہی تھی۔ وہ کچھ اور کہہ رہے تھے۔

''کیونکہ یہ ایک taboo ہے' مالک صاحب۔ میں کیسے اس کے بارے میں سوچ سکتی ہوں؟ دنیا کی سب سے پڑھی لکھی اور امیر عورت کے لیے بھی یہ اتنا ہی بھیانک لفظ ہے جتنا ایک غریب اور اَن پڑھی عورت کے لیے۔''

''کیوں؟'' انہوں نے دہرایا۔

''کیونکہ اس لفظ کے ساتھ ساری عمر رہنا پڑتا ہے۔ یہ ایک لفظ میری پوری ذات کو ڈیفائن کرنے لگے گا۔'' اسے جھرجھری سی آئی۔

''آپ کو یاد ہے نا کہ آپ کا شوہر ایک کرائے کا قاتل ہے؟''

اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''جانتی ہوں۔''

''آپ صرف سچ جانتی ہی۔ سچ کی پیروی کا حوصلہ نہیں ہے آپ میں۔''

''سچ کی پیروی؟'' اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔

''خود کو سچ کے حوالے کر دینا اور یہ دیکھنا کہ سچ آپ کو ہاتھ سے تھام کے کس راستے پہ لے کر جا رہا ہے۔''

''میں زیاد سے طلاق نہیں لے سکتی۔ میری ساری زندگی تباہ ہو جائے گی۔''

وہ چند لمحے کے لیے خاموش رہے۔

''پھر کیا پلان ہے آپ کا؟''

''میں...'' وہ کھنکھاری۔الفاظ جوڑے۔''میں پاکستان جاؤں گی۔زندگی دوبارہ شروع کروں گی۔لیکن میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی۔جیسے بہت سی عورتیں رہتی ہیں۔ہماری فیملی میں بہت سی عورتیں ایسی ہیں جنہوں نے طلاق نہیں لی اور الگ ہو گئیں۔''

''شاید اس لیے کہ ان کے بچے تھے۔آپ کے نہیں ہیں۔''

ایک تشکر بھری سانس اس کے لبوں سے خارج ہوئی۔

''شکر ہے ہوں گے بھی نہیں۔'' اس نے سوچا۔کہا نہیں۔وہ ایک فیصلہ اس کے سارے غلط فیصلوں پہ بھاری تھا۔

''اور زیاد آپ کو ایسے الگ رہنے دے گا؟''

''جب میں اس کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہوں گی تو وہ مجھے زبردستی کیوں رکھے گا؟''

''اسے معلوم ہے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں؟''

''نہیں۔''

''یعنی آپ کو یہ غلط فہمی ہے کہ اس نے آپ کا پیچھا نہیں کیا ہو گا؟''

''مالک صاحب...'' اس کی آواز میں بے زاری در آئی۔''وہ کوئی creepy سا آدمی نہیں ہے جو میرا پیچھا کرے گا۔''

''آف کورس وہ creepy نہیں ہے۔وہ صرف ایک قاتل ہے۔''

''اس کے جرائم ایک طرف' میرے ساتھ اس کا رشتہ الگ ہے۔وہ مجھے استنبول جانے سے نہیں روک سکا تھا۔وہ میرے ساتھ کسی قسم کی زبردستی نہیں کر سکتا۔میں اپنے حقوق جانتی ہوں۔'' وہ تلخ ہوئی۔وہ کیا پوچھ رہی تھی اور وہ بات کو کہاں سے کہاں لے گئے تھے۔

''شاید ماہر ٹھیک کہتا تھا۔''

''کس بارے میں؟''

''یہی کہ زیاد نے آپ پہ سحرِ عشق کیا تھا۔''

وہ جہاں تھی' وہیں ٹھہر گئی۔فون کان سے ہٹا کے اسے گھورا۔پھر واپس کان سے لگایا۔

''واٹ؟'' اس کی حیرت بے زاری میں بدل گئی۔

''اوہ۔ ماہر نے یہ تھیوری آپ سے شیئر نہیں کی تھی؟'' انہیں جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''یہ دنیا کی سب سے بچگانہ بات ہے۔'' اس کا چہرہ گلابی پڑنے لگا۔ ''وہ یہ سمجھتا ہے کہ زیاد نے مجھ پہ کوئی جادو.... واٹ نان سینس.... اُف...'' شدتِ غیض سے اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ ''یو نو واٹ... آپ سب ایک جیسے ہیں۔ آپ سب یہ سمجھتے ہیں کہ ہر چیز میں میرا قصور ہے۔ مجھے آپ کی کوئی مدد نہیں چاہیے۔ مجھے واقعی آپ کی فیملی سے دور رہنا چاہیے۔''

اس نے غصے سے فون بند کیا۔ اور پاور کا بٹن دبا دیا۔ مالک صاحب اپنی ایمانداری اپنے پاس رکھیں۔ اسے ان کی ضرورت نہ تھی۔

ڈوبتے سورج کو دیکھتے ہوئے وہ گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اسے فیملی ڈنر یاد آیا۔ ماہر سحرِ عشق کے بارے میں کچھ بتا رہا تھا۔ وہ اسے سنوار رہا تھا۔ وہ زیاد کو سنوار رہا تھا۔ اُف۔ وہ اسے کیا سمجھتا تھا؟ اس کی کوئی مرضی نہیں تھی؟ وہ کوئی گڑیا تھی جسے کوئی جادوگر اپنی مرضی سے جس جانب چاہے موڑ دے؟

اچھی بات ہے۔ پڑا رہے وہ جیل میں۔ اپنی تھیوریز کے ساتھ۔ اسے اب ماہر فرید کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اندرانی نے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔

اس کے کمرے میں مالا کے خواب کے برعکس نفیس سا سنگل بیڈ اور گلابی و سفید اسٹڈی ٹیبل رکھی تھی جس میں بک شیلف بنا تھا۔ وہ اسی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ سامنے میوزک باکس رکھا تھا لیکن ہلال کے ہاتھ اس سے دور تھے۔

"اب تم میوزک باکس نہیں بجاتیں؟" اندرانی نے دودھ کا گلاس اس کے ساتھ رکھا اور بغور اس کو دیکھا۔

ہلال نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسی طرح آنکھیں میوزک باکس پہ جمائے بیٹھی تھی۔ جیسے کچھ سوچ رہی ہو۔

"دروازہ کھلا ہے، ہلال۔ تم جب چاہے یہاں سے جا سکتی ہو۔" اندرانی نے طنز سے یاد دلایا۔

"مجھے معلوم ہے۔"

"پھر چلی جاؤ۔ میوزک باکس بجانے سے کون آئے گا تمہاری مدد کے لیے؟"

ہلال نے قریب رکھا ہیئر برش اٹھایا اور اسے سر پہ رکھ کے نرمی سے نیچے لے جانے لگی۔

"اگر نہیں بھاگنا یہاں سے تو سرکار کی بات مان لو۔"

پھر وہ اس کے کان کے قریب جھکی اور آواز سرگوشی میں تبدیل کی۔

"تم سمجھتی ہو تم بہت اچھی ہو۔ اس لیے تم سرکار کی بات نہیں مانتیں۔ لیکن میں تمہیں بتاؤں؟ تمہارے اندر بہت سا شر چھپا ہے' ہلال۔ اسی لیے تم یہاں سے نہیں بھاگتیں۔ کیونکہ دور اندر تم سرکار کے ساتھ رہنا چاہتی ہو۔"

"میں انتظار کر رہی ہوں' اندرانی۔" وہ گھنگھریالے بالوں کو آہستگی سے برش کرتے ہوئے بولی۔

اندرانی چونک کے پیچھے ہوئی۔ ابرو مشکوک انداز میں اکٹھے کیے۔

"کس کا؟"

"میں انتظار کر رہی ہوں۔" وہ اب بائیں جانب کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔ اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا۔

"اپنے بھائی کا؟"

اندرانی حیرت سے اسے دیکھے گئی۔ یہ اس کے لیے ایک نئی بات تھی۔

ہلال نے برش رکھا اور ہاتھ آگے بڑھا کے کپ میں کھڑی رنگین پنسلز نکالیں۔ پھر نوٹ بک سامنے کی اور صفحہ پلٹایا۔ اب ایک کورہ صفحہ سامنے تھا۔

اس کی انگلیاں تیزی سے اس صفحے پہ رنگ بھرنے لگیں۔ اندرانی نے غور سے اس صفحے کو دیکھا۔ اسے کبھی سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا بناتی تھی۔ لکیریں۔ رنگ۔ عجیب سی شکلیں۔ اندرانی کو خوف سا محسوس ہوا۔ وہ چپ چاپ وہاں سے چلی آئی۔

دودھ کا گلاس ویسے ہی پڑا رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بظاہر ایک عام سا گرم دن تھا۔ لیکن اس دن کا اختتام اس کی سوچ سے برعکس ہونے والا تھا۔

وہ جبل عمر میں بنی کافی شاپ کی قطار میں کھڑی تھی۔ سامنے سے بند سفید عبایا پہنے' میک اپ سے خالی چہرے کے گرد اسکارف لپیٹے' ماتھے پہ سن گلاسز ٹکائے' وہ کارڈ سوائپ کر رہی تھی۔ باریستا نے ٹھنڈی کافی کا بڑا سا کپ اسے تھمایا۔ اس نے کارڈ واپس رکھا اور اسٹرا ہونٹوں سے لگائے گھونٹ بھرتے باہر نکلی۔ وہ بقایا بیلنس دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ عدد مزید گھٹتا جا رہا تھا۔ جب ختم ہو گا تب کی تب دیکھی جائے گی۔

باہر دن روشن تھا۔ یہاں سے سیڑھیاں نیچے جاتی تھیں اور ان کے دہانے سے حرم کی حدود شروع ہوتی تھی۔ وہ

سیڑھیوں پہ کھڑی چند لمحے ان اونچے دیوہیکل دروازوں کو دیکھے گئی جو انسانوں اور اللہ کے گھر کے راستے میں بنے تھے۔

ماں آج سے کئی برس پہلے حرم گئی تھیں۔ حج انہوں نے ابا کی زندگی میں کرلیا تھا۔ پھر کئی برس پہلے اپنی بہن اور بھائی کے ساتھ عمرہ کیا۔ ان تینوں بہن بھائی میں سے کوئی ان کے ساتھ نہ تھا۔

ماں جب واپس آئیں تو دن رات حرم کے قصے سناتی تھیں۔ حرم شریف ایسا ہے۔ کعبہ ایسا ہے۔ یوں اس کے گیٹ ہوتے ہیں۔ یوں ہم کنگ فہد گیٹ سے داخل ہوتے تھے۔ لیکن اسے کبھی سمجھ میں نہ آیا کہ ان باتوں کا کیا مطلب ہے۔ کعبہ کے گیٹ کیسے اور کہاں ہوتے ہیں؟ ٹی وی میں جس کعبہ کو اس نے دیکھ رکھا تھا' وہ ایک سفید صحن میں بنا بلیک باکس سا تھا جس کے گرد لوگ گھوم کے طواف کر رہے ہوتے تھے۔ گیٹ والی بات اسے کبھی سمجھ میں نہ آئی۔

حتیٰ کہ جب اس نے خود زندگی کا پہلا عمرہ کیا۔

چار سال قبل ماں' اور معید کے ساتھ۔

وہ اس کا ماں کے ساتھ پہلا اور آخری عمرہ تھا۔ ان دنوں ماہی کا تازہ تازہ مس کیرج ہوا تھا۔ اور ماہی اس کا قصور وار دوہا کے ایئرپورٹ کو ٹھہراتی تھی جس میں اس کا سرخ والٹ کھو گیا تھا اور اس نے اسی مہربان اجنبی سے مدد لی تھی۔ ماہی کا کہنا تھا کہ یہ اسٹریس کی وجہ سے ہوا۔ اس کے کچھ دن بعد وہ لوگ عمرے پہ آئے تھے۔ ماہی کینیڈا میں تھی اور ماں ان دنوں اس کے لیے بہت پریشان رہتی تھیں۔ اس عمرے میں اسے پہلی دفعہ کعبہ کا نقشہ سمجھ میں آیا۔ ایسا کہ پھر بھولا ہی نہیں۔

شادی کے بعد زیاد کے ساتھ جدہ آنے سے اب تک' زیاد عمرہ کرنے پہ راضی نہ ہوا تھا۔ وہ جتنا کہتا کہ اس کا بہت دل ہے کہ وہ دونوں ایک ساتھ عمرہ کریں' وہ وقت نہیں نکالتا تھا۔ استنبول جانے سے پہلے اس نے بہت چاہا کہ وہ اور رامین ہی عمرہ کر آئیں لیکن پلان ہی نہ بن سکا۔

البتہ اب زیاد اس کی کسی مجبوری کا حصہ نہ تھا۔ اور اسے اپنی ماں کا عمرہ بھی کرنا تھا۔ یہ وہ تحفے تھے جو وہ ان کو بھیج سکتی تھی۔

اس صبح وہ فجر کے بعد حرم آئی تھی۔ حرم شریف ویسا ہی تھا جیسا چند برس پہلے تھا۔ شاید کچھ بدلا تھا۔ شاید نہیں۔ گزشتہ دفعہ وہ بہت مصروف تھی۔ اوشن کو ریموٹلی مانیٹر کرنا ساتھ ساتھ جاری تھا۔ اس دفعہ اس کے پاس وقت

ہی وقت تھا۔عمرہ کرنا اتنا طویل اور مشکل عمل نہیں ہے جتنا سمجھا جاتا ہے۔طواف آسان تھا۔سعی قدرے پر مشقت۔البتہ دس ہزار قدم سے کم میں ایک عمرہ آرام سے ہو جاتا ہے۔

اس نے اپنے لیے کوئی دعا نہیں مانگی تھی۔صرف ماں کے لیے مانگا' جو بھی مانگا۔پھر فارغ ہو کے باہر آ گئی۔جبل عمر سے کافی لی' اور اب وہ ان سیڑھیوں کے دہانے پہ کھڑی' حرم کے عالیشان ابواب کو دیکھ رہی تھی۔

کیا وہ واپس جدہ چلی جائے؟

یا اپنے لیے حرم میں جا کے دعا مانگے؟

وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔پھر کافی کا ٹھنڈا کپ لیے سیڑھیاں اترنے لگی۔

تبھی کوئی پیچھے سے تیزی سے آتا اس کے قریب سے گزرا' ایسے کہ اس کے کندھے کو ہلکی سی ٹکر لگی۔مالا نے چونک کے دیکھا۔وہ ایک سبز یونیفارم میں ملبوس خاکروب تھا۔ٹکرا کے وہ رکا نہیں۔تیزی سے سیڑھیاں اترتا گیا۔وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔اس نے سر پہ کیپ پہن رکھی تھی۔لیکن اس کے ابرو ناخوشی سے بھنچ گئے۔کہنی سہلا کے سر جھٹکا۔یہ حرم شریف کی حدود تھی۔یہاں انسانوں سے لے کر چیونٹیوں تک کو امان حاصل تھی۔یہاں کسی کا دل نہیں دکھایا جاتا۔یہاں کسی کو ٹوکا نہیں جاتا۔وہ نظر انداز کر کے زینے اترنے لگی۔

حرم کی حدود میں سبز' نیلے' میرون' یونیفارمز میں مختلف ورکرز کام کر رہے ہوتے تھے۔سب سے نچلے طبقے کی نوکری بنگالی اور پاکستانی کرتے تھے۔اعلیٰ عہدوں پہ صرف عرب فائز ہوتے تھے۔

وہ کنگ فہد گیٹ کی طرف جا رہی تھی' کہ اسے اپنے لیے ایک دعا مانگنی تھی۔تب ہی راستے میں ایک جوڑے نے اسے روکا۔

"آپ پاکستانی ہیں؟" ایک پریشان شکل بنائے عورت اور ساتھ مرد۔مالا نے گہری سانس لے کر انہیں دیکھا۔

"جی۔اور یقیناً آپ کا والٹ کھو گیا ہے' جس میں آپ کے سارے پیسے اور پاسپورٹ تھے؟" اس نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے آنکھیں چھوٹی کر کے انہیں دیکھا۔

"جج... جی... ہمیں...."

"حرم میں ایک lost and found کا سیکشن ہے جہاں کھوئی ہوئی چیزیں مل جاتی ہیں۔آپ جا کر کسی شرطی (پولیس مین) سے بات کریں۔نہیں تو میں کسی کو بلاؤں؟" وہ کہہ کے آگے بڑھ گئی۔جانتی تھی ان پہ اثر نہیں ہوگا۔یہ اس کو آج صبح سے ملنے والا تیسرا جوڑا تھا۔

حرم کی حدود میں پاکستانی اسکامرز بھرے پڑے تھے جو کعبہ کے اتنے قریب ہو کے بھی دیگر پاکستانیوں کو لوٹنے سے باز نہیں آتے تھے۔ بہت سے لوگ ان کو پیسے دے دیتے۔ بہت سے ان کو جھاڑ پلاتے۔ ان کا ایک ہی حل تھا۔ ان کو شرطی کے حوالے کرنا۔ شرطی کو دیکھتے ہی وہ بھاگ جاتے۔

وہ اب باب الملک فہد (۷۹) کے سامنے کھڑی تھی۔ مسکرا کے چہرہ اٹھا کے اس عالیشان سے گیٹ کو دیکھا۔ بے اختیار ماں یاد آئی تھیں۔

خانہ کعبہ ایسا نہیں ہے کہ سڑک سے نظر آ جائے۔ اس تک جانے کے لیے ایک اونچی چار دیواری بنی ہے۔ اس چار دیواری میں چند دروازے ہیں جن سے گزر کے خانہ کعبہ تک پہنچا جاتا ہے۔ ان دروازوں کے اوپر اونچے مینار بنے ہیں۔

اس گیٹ میں تین دروازے تھے۔ انہیں عبور کرو تو چھت سے ڈھکا مسجد کا ہال شروع ہو جاتا تھا۔

اس طویل ہال کے آگے زینے جو نیچے اس سفید صحن تک لے جاتے تھے جو کعبہ کا صحن تھا اور جسے سب پہچانتے ہیں۔ اس کو مطاف کہتے ہیں۔ لیکن کعبہ اس صحن تک پہنچنے سے پہلے ہی دکھائی دے دیتا ہے۔ کسی ستون کی اوٹ سے ایک دم سے کعبہ نظر آ جاتا ہے۔ پورا نہیں۔ بس کوئی ایک سیاہ کونا جس پہ سنہری دھاگوں کا کام ہوتا ہے۔

وہ ایک نظر..... وہ ایک پہلی نظر سب سے قیمتی ہوتی ہے۔ اس ایک نظر کی تیاری پہلے سے کی جانی چاہیے۔ اس ایک نظر میں جو مانگا جائے وہ ملتا ہے۔ چاہے دنیا مانگو' چاہے آخرت۔ چاہے دونوں۔

صبح جب وہ اندر داخل ہوئی تھی تو اس نے اپنی ماں کے لیے دعا مانگی تھی۔

لیکن اسے خود کیا چاہیے تھا؟

وہ ابھی تک باب الملک فہد کے بار کھڑی تھی۔

اس اونچے سنہری سفید دروازے کے باہر کھڑے کشمالہ مبین نے دل پہ ہاتھ رکھ کے سوچا۔

کیا اسے سچ کی پیروی کرنے سے خوف آتا تھا؟

کیا اسے آزادی چاہیے تھی؟

ہاں۔ اسے اس ملک سے آزادی چاہیے تھی۔ اور اسے سچ کی پیروی کرنی تھی۔

وہ ننگے پیر چلتی اندر داخل ہوئی۔ ہر قدم پہ دل دھڑک رہا تھا۔ ابھی کہیں کسی کونے سے کعبہ کی جھلک نظر آ جائے گی۔ بس وہ لمحہ ضائع نہیں کرنا۔ کیونکہ اکثر لوگ وہ لمحہ ضائع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ ابھی تک ٹی وی پہ کعبہ کو دیکھتے

آئے ہوتے ہیں۔انہوں نے حقیقت میں اسے نہیں دیکھا ہوتا تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک چوکور سیاہ عمارت ہے۔ہاں ٹھیک ہے۔ بہت خوبصورت ہے۔لیکن ایک عمارت ہی ہے'اور سارا مسئلہ یہی ہے کہ وہ کیمرے کی آنکھ سے اس عمارت کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔نظر اور کعبہ کے درمیان کیمرے کا شیشہ آجاتا ہے اور اس شے کا راستہ رک جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اَزل سے ابد تک کے لیے خانہ کعبہ میں رکھ دی ہے۔

محبت۔

اور یوں بہت سے لوگ جو کعبہ کے سامنے پہنچتے ہیں' جب وہ پہلی نظر اٹھا کے اسے دیکھتے ہیں'تو وہ مبہوت رہ جاتے ہیں۔حالانکہ بچپن سے وہ ٹی وی اور انٹرنیٹ پہ کعبہ کو دیکھتے آئے ہیں۔لیکن جب وہ اسے حقیقت میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ...

یہ وہ نہیں ہے جسے وہ دیکھتے آئے تھے۔یہ تو کچھ اور ہے۔

خوبصورت۔ایک بہت عالیشان اور خوبصورت گھر جس میں اللہ نے ایسی محبت اور کشش رکھی ہے کہ اس سے نگاہ نہیں ہٹتی۔

اور لوگ دم سادھے وہیں کھڑے رہ جاتے ہیں۔بالکل دم بخود۔

کیونکہ وہ کعبہ آئے تھے دعائیں قبول کروانے۔بخشش کروانے۔عمرے اور حج کے نفل اور فرض پورے کرنے۔

وہ محبت کے لیے تیار نہیں ہوتے۔وہ اس خوبصورتی کے لیے تیار نہیں ہوتے جو اس گھر کو چاروں طرف سے لپیٹے ہوئے ہے۔وہ اپنا سوچ کے آئے تھے۔عبادت کریں گے۔نمازیں پڑھیں گے۔دعائیں مانگیں گے۔لیکن اس سیاہ گھر کی خوبصورتی ان کو جکڑ لیتی ہے۔

کعبہ پر ڈالی جانے والی ہر نظر کا ثواب ہے۔اور جب نظر اس سیاہ غلاف پہ ٹکتی ہے تو انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ساری زندگی اس ایک گھر کے گرد گھوم رہی تھی۔یہ وہ مدار تھا جس کی طرف اس کو واپس آنا تھا۔وہ تمام عمر اس ایک گھر کی طرف سفر کرتے ہوئے بھٹک رہا تھا۔

اور جب وہ گھر سامنے آتا ہے تو انسان کو اس سے پہلی نظر میں محبت ہو جاتی ہے۔پھر وہاں سے جانے کا دل نہیں چاہتا۔پہلی دفعہ جانے والے سوچتے ہیں کہ ایک فرض یا نفل ہی ہے۔اسے مکمل کر کے وہ واپس آجائیں گے۔لیکن وہ اس محبت کو تب تک نہیں سمجھ سکتے جب تک وہ اس گھر کو دیکھ نہ لیں۔

حرم شریف میں پہنچ کر....انہیں اس گھر سے ایسی محبت ہو جاتی ہے کہ واپس آ کے وہ ایک ہی دعا مانگتے رہتے

ہیں۔ کہ اللہ انہیں پھر سے بلا لے۔ انہیں واپس آنا ہوتا ہے۔ بار بار آنا ہوتا ہے۔ نیک ہو یا بد' دیندار ہو یا گناہگار' اللہ کے سارے بندوں کو اس گھر سے محبت پہلی نظر میں ہو جاتی ہے۔ وہ واپس جا کے اپنے اعمال درست کریں یا نہ کریں' وہ محبت ختم نہیں ہوتی۔

وہ نیچے مطاف میں ایک ستون کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ یاسیت سے اس سیاہ غلاف سے لپٹے گھر کو دیکھا۔ ایک ہاتھ سینے پہ رکھ لیا۔ اسے کیا مانگنا تھا؟ آزادی؟ سچ کی پیروی؟ ہاں۔ اسے یہی مانگنا چاہیے۔ اسے پاکستان واپس جانا تھا۔ سارے الفاظ تیار تھے۔ سفید اسکارف پہنے لڑکی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"مجھے زیاد سلطان کی حقیقت دیکھنی ہے۔"

جو الفاظ ہونٹوں سے نکلے' یہ وہ نہیں تھے جو کشمالہ نے سوچے تھے۔ وہ کچھ اور مانگنا چاہتی تھی۔ آزادی۔ اس ملک سے نکلنا۔ اسے زیاد سلطان کی حقیقت نہیں دیکھنی تھی۔ مزید نہیں۔ پہلے جو دیکھ لیا وہی بہت تھا۔ دور اندر وہ جانتی تھی کہ وہ اس تکلیف سے نہیں گزر سکتی۔

لیکن ہونٹوں نے ساتھ نہیں تھا۔ الفاظ نے اپنی مرضی سے بغاوت کر دی۔

"مجھے زیاد سلطان کا اصل چہرہ دیکھنا ہے۔"

اس نے خود کو زیرِ لب بڑبڑاتے سنا۔ آج جسم نے پھر سے دماغ سے بغاوت کر دی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر گم صم سی وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کا جسم کیوں چاہتا تھا زیاد کا اصل چہرہ دیکھنا؟ اس کا دماغ ایک نئے صدمے کا متحمل نہ تھا۔ پھر کیوں؟

اس کی کہنی سے پھر سے کچھ ٹکرایا۔ مالا نے چونک کے دیکھا۔ ایک سبز لباس والا خاکروب' سر جھکائے فرش پہ موپ لگا رہا تھا۔ کیا یہ وہی تھا؟ اس کے ابرو ناگواری سے تن گئے۔ سر جھٹکا اور واپس اپنی توجہ اس سیاہ گھر کی طرف مبذول کر دی۔

وہ سیاہ گھر اپنے پورے جلال کے ساتھ صدیوں سے وہیں کھڑا تھا۔ آپ ہمیشہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہو کے دعا نہیں مانگتے۔ کبھی کبھی آپ اسے بس دیکھتے جاتے ہیں۔ وہ اتنا خوبصورت' اتنا شان و شوکت والا ہے کہ آپ کا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا تھم جائے اور آپ وہیں کسی ستون سے سر ٹکائے اس ایک گھر کو دیکھتے جائیں۔ یہ وہ گھر تھا جہاں پہنچ کے سارے غم ختم ہو جاتے تھے۔ ساری پریشانیاں بے معنی ہو جاتی تھیں۔ اس گھر میں ہر ایک کو پناہ ملتی تھی۔ سب کفن جیسا لباس پہن کے سر جھکائے یہاں آتے تھے۔ کیا امیر اور کیا غریب۔ کیا نیک اور کیا گناہگار۔

اس نے پھر سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔اسے اب اپنے بہن بھائی کے لیے دعا مانگنی تھی۔تبھی کچھ پھر سے ٹکرایا۔وہ تیورا کے گھومی۔

وہی سبز لباس والا خاکروب اس کے ساتھ سے گزر کے تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔اس نے ضبط کا گھونٹ بھرا۔وہ ان پاکستانیوں میں سے نہ تھی جو حرم شریف پہنچ کے پولیس والوں اور اسٹاف سے لڑنا شروع کر دیتے ہیں۔یہ صبر اور امن کی جگہ تھی۔وہ اس کو ٹوکنا نہیں چاہتی تھی۔لیکن یہ تیسری دفعہ تھا۔وہ خفگی سے کچھ کہنے لگی۔پھر رک گئی۔

اس کی نظریں اس کے موپ پکڑے ہاتھوں پہ ٹھہر گئیں۔

وہ ہاتھ... کشمالہ مبین کا سانس رک گیا۔

"سنو...." اور پھر ایک دم وہ اس کے پیچھے بھاگی۔وہاں ہجوم تھا۔حاجی آ جا رہے تھے۔وہ ان کے درمیان چلتا تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔پھر وہ ہجوم میں نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ بھاگتے قدموں سے اس کے پیچھے لپکی۔کسی سے ٹکرائی۔کسی سے معذرت کی۔یہاں تک کہ وہ آبِ زم زم کے کولرز کے پاس نظر آیا۔

وہ سر جھکائے جھک کے کپ میں آبِ زم ڈال ڈال رہا تھا۔وہ بنا پلک جھپکے کسی ٹرانس میں چلتی ہوئی اس تک آئی۔اس کی نظریں اس خاکروب کے بوڑھے ہاتھوں پہ جمی تھیں جس سے وہ گلاس اٹھائے ہوئے تھا۔وہ ابھی تک اس کا چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی لیکن وہ ان ہاتھوں کو پہچانتی تھی۔

وہ ان میں پہنی سبز نگینے والی انگوٹھی کو پہچانتی تھی۔

"آصف؟" خشک حلق سے اس نے آواز دی۔

بوڑھے جن نے چہرہ اس کی طرف موڑا تو اس کے جھریوں زدہ چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کی عمارت پہ اس صبح سوگوار سی خاموشی چھائی تھی۔حتیٰ کہ شبنم کی توانائی بھی آج کم تھی۔وہ گاہے بگاہے فکرمندی سے ماہر کے آفس کے بند دروازے کو دیکھتی تھی۔پھر آس پاس کام کرتے ورکرز کو۔ماہر گرفتاری کے بعد پہلی دفعہ آفس آیا تھا اور تب سے ماحول ایسا ہی تھا۔عجیب غیر یقینی اور عدم تحفظ کی فضا قائم تھی۔

"تم گرفتار کیسے ہو سکتے تھے، ماہر؟" آفس کے اندر زارا دیوار سے لگے کاؤچ پہ بیٹھی تھی۔چہرے پہ بے بسی بھرا

غصہ بھی تھا' اور ناگواری بھی۔ لمبے بال شانوں پہ سیٹ تھے اور آنکھوں میں شدید خفگی تھی۔

"ماہر اپنی مرضی سے گرفتار نہیں ہوا۔" بیربل بے زار سا ہوا۔ وہ کاؤچ کے دوسرے سرے پہ بیٹھا تھا۔

اور خاموش سا ماہر ان کے سامنے اپنی پاور چیئر پہ۔ آج اس کا کمپیوٹر' ٹیبلیٹ' سب آف تھا۔ ساری اسکرینز بجھی تھیں۔ کوٹ اور ٹائی پہنے وہ بظاہر ایک نئے دن کے لیے تیار تھا لیکن وہ کام نہیں کر سکا تھا۔

"ہم نے ابھی ابھی نیا پروجیکٹ شروع کیا ہے۔ ہمارے انویسٹرز ایک ہفتے میں بھاگ جائیں گے۔ اوپر سے کسی نے مجھے بتایا ہی نہیں۔ میں ویک اینڈ پہ دوست کی شادی کے لیے انقرہ تک گئی تھی۔ کال تو کر سکتے تھے تم لوگ۔"

"سوری ہم بھول گئے تھے کہ تم ایک وکیل بھی ہو۔" بیربل سے رہا نہ گیا۔ زارا نے بگڑ کے اسے دیکھا۔

"وکیل نہیں ہوں' لیکن کم از کم ماہر کے ساتھ تو ہوتی۔"

"اور کیا کر لیتیں تم؟"

"زارا...." وہ بالآخر نرمی سے کھنکھارا۔ دونوں بے اختیار اس کو دیکھنے لگے۔

"تم اس وقت میری اتنی مدد کر سکتی ہو کہ کیف کو سنبھالے رکھو۔ اور انویسٹرز سے رابطے میں رہو۔ یہ ایک جھوٹا کیس ہے جو جلد اپنی موت مر جائے گا۔"

زارا نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں' ماہر۔ تم ایک دفعہ پھر قید میں چلے جاؤ گے۔ میں ایک دفعہ پھر اس اذیت سے نہیں گزروں گی۔"

وہ جیسے فیصلہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بیربل نے چونک کے اسے دیکھا۔

"تم....."

"مجھے گزشتہ ہفتے بابا کے ساتھ لندن واپس جانا تھا۔ میں نے آخری لمحے اپنا پلان بدل دیا۔ میں تمہارے ساتھ اس پروجیکٹ کو آخر تک پہنچانا چاہتی تھی۔ لیکن میں غلط تھی۔" وہ آنکھوں میں کرچیاں لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ "تم ہر دفعہ یہی کرو گے۔ تم خود کو کسی قید میں ڈال دو گے' اور مجھ سے یہ توقع کرو گے کہ میں باہر رہ کے تمہاری کاروباری پوزیشن کو برقرار رکھوں۔ نہیں ماہر۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں پھر سے اس اذیت سے نہیں گزر سکتی۔"

"تم اس حالت میں کیف کو چھوڑ کے جا رہی ہو جب اسے تمہاری واقعی ضرورت ہے؟" بیربل کی آنکھیں حیرت سے پوری کھل گئیں۔

"بابا درست کہتے ہیں۔ یہ سب بے معنی ہے۔ میں پھر سے وہی ٹراما... نہیں۔" اس نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا اور تیز قدموں سے چلتی باہر نکل گئی۔

اپنے آفس میں آتے ہی اس نے موبائل اسکرین کو انگوٹھے سے زور سے دباتے ہوئے ایک کال ملائی۔

"سوری بابا..... "وہ بھیگی آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔ "میں یہ مزید نہیں کر سکتی۔ میں واپس آ جاؤں گی۔ میں ماہر کے ساتھ کئی برس کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن میں ایک دفعہ پھر وہ سب ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو پھسل رہے تھے۔ اسے سب یاد تھا۔

" گڈ۔" مالک فرید نے ایک لفظ کہہ کے فون رکھ دیا۔

"تم اسے روکو گے نہیں؟ اس وقت تمہیں اس کی ضرورت ہے' ماہر۔" اندر آفس میں بیربل پریشانی سے اس کی طرف گھوما۔ وہ اپنی سیٹ پہ ٹیک لگائے' خاموش چہرہ لیے بیٹھا تھا۔ اس بات پہ ہلکے سے شانے اچکائے۔

"میں کسی کے پیچھے نہیں جاتا۔"

"اس وقت تمہیں زارا....."

"جو مجھ سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا' میں اس کے پیچھے بھاگ کے خود کو اپنی نظروں میں بے توقیر نہیں کر سکتا۔ ایسے تو ایسے سہی۔"

کچھ حوصلہ شکن سا تھا اس کے انداز میں۔ کچھ زخمی سا۔

بیربل نے تھوک نگلا۔

"شاید... مالا تم سے کچھ عرصہ دور رہنا چاہتی ہو تاکہ... تاکہ تم کسی مصیبت میں نہ پڑو۔" گلٹ کا کانٹا سینے میں چبھنے لگا۔ وہ اسے دوبارہ کسی قید میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ زارا کی طرح اسے سب یاد تھا۔

"ایسے تو ایسے سہی۔" وہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا۔

"ماہر...." اس کے سینے میں پیوست ہوتے کانٹے کی جڑیں مضبوط تھیں۔ اس نے الفاظ جوڑنے چاہے۔

"میں تمہیں کچھ بتانا....."

دروازہ ہلکی سی دستک سے کھلا اور سوزی کے مسکراتے چہرے نے اندر جھانکا۔

"صبح بخیر۔" وہ بیگ اور فائلز لیے اندر داخل ہوئی۔ بیربل فرید کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"آ گیا مالٹے کا وٹامن...." اس کی بڑبڑاہٹ اتنی اونچی تھی کہ کمرے میں رکھے ہر مرجھائے ہوئے پودے تک

نے سن لیا۔

سوزین پہ اثر نہیں ہوا۔ کندھوں تک آتے بالوں پہ ہیئر بینڈ لگائے' چھوٹے سیاہ کوٹ اور ہائی ویسٹ پینٹ والا سوٹ پہنے' وہ مسکراتی ہوئی آگے آئی اور بیربل کو مخاطب کیا۔

"مجھے اپنے کلائنٹ سے بات کرنی ہے۔" جتاتے ہوئے انداز میں کھلے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"شیور۔" بیربل تابعداری سے اٹھا۔ دروازے تک گیا۔ اسے بند کیا۔ اور واپس اپنی جگہ پہ آ کے بیٹھا۔

"کریں بات۔" ٹانگ پہ ٹانگ جما کے اطمینان سے سوزی کو دیکھا۔ اس کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔ شکایتی نظروں سے ماہر کو دیکھا جو ابھی تک کھڑکی میں رکھے پودے کو دیکھ رہا تھا۔ پھر واپس اسے۔

"وکیل اور کلائنٹ کی confidentiality (راز داری) بھی کوئی چیز ہوتی ہے' بیربل بے۔"

"اور وہ چیز مالک بے کو رپورٹس دیتے ہوئے قبر میں چلی جاتی ہے۔" ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"ماہر بے۔" سوزی نے شاکی لہجے میں اسے پکارا۔

ماہر نے باری باری دونوں کو دیکھا' پھر اسی لاتعلقی سے شانے اچکا دیے۔

"ہم اپنی فیملی خود choose نہیں کرتے' سوزی۔ بیٹھو۔ اور پوچھو کیا پوچھنا ہے۔" وہ کف کے بٹن کھولتے ہوئے آستین پیچھے موڑنے لگا۔ سوزی نے ایک کینہ توز نظر بیربل پہ ڈالی جو اسی ڈھٹائی سے وہاں جما تھا۔ پھر ماہر کے سامنے والی کرسی کھینچی اور فائلز میز پہ رکھیں۔

"پراسیکیوٹر آپ کے Psychiatric وارڈ میں ایڈمٹ رہنے کی ہسٹری کو آپ کے خلاف استعمال کرے گی۔"

"وہ پوچھو جو تم پوچھنا چاہتی ہو۔" وہ ٹیک لگائے' سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"کیا آپ واقعی ذہنی مریض تھے؟"

"آپ کو ابھی شک ہے؟" بیربل بڑبڑایا۔ لیکن دونوں میں سے کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

"نہیں۔ میں صرف بیمار تھا۔ ایک غلط فہمی کی بنا پہ کچھ عرصہ ایک Psychiatric وارڈ میں داخل رہا۔ لیکن پھر مجھے ڈاکٹرز نے فٹ قرار دے کر وہاں سے خارج کر دیا تھا۔"

"ڈاکٹرز بھی ترکی کے ججوں کی طرح رشوت لیتے ہوں گے۔" اس کی بڑبڑاہٹیں ختم نہیں ہو رہی تھیں۔

"آپ کو آفس کے لوگ سائیکو پیتھ و ڈالرز کیوں کہتے ہیں؟ ان میں کس نے مشہور کیا کہ آپ ایک سائیکو پیتھ

ہیں؟"

"میں نے خود۔ میرے پاس اس کی وجوہات تھیں۔"

سوزی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ پوچھتی، بیر بل کی زبان پہ کھجلی ہوئی۔

"مالک تمہیں اس کام کے بدلے میں کیا دے رہا ہے؟"

سوزی نے ضبط سے گہری سانس لی اور گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

"مالک بے ایک مہربان انسان ہیں جو...."

"مالک کو مہربان کے اسپیلنگ بھی نہیں آتے ہوں گے۔" بیر بل نے ناک سے مکھی اڑائی۔ لیکن اس نے بات جاری رکھی۔

"جو چاہتے ہیں کہ ماہر جلد از جلد رہا ہو جائے اور...."

"مالک ایسا نہیں چاہتا۔" ماہر نے جس تیزی سے کہا، وہ دونوں چونک کے اسے دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب؟"

"مالک چاہتا ہے کہ ابھی میں کچھ عرصہ اس کیس میں پھنسا رہوں تاکہ میری انا کو کچھ اسباق مل سکیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"آپ کیسے...." وہ اپنی حیرت پہ قابو نہیں رکھ سکی۔

"میں مالک کو بہت اچھے سے جانتا ہوں۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔

"نہیں۔ آئی ایم شیور وہ ایسا نہیں چاہتے ہوں گے۔ آپ کو ان پہ بھروسہ کرنا چاہیے۔" وہ بدقت مسکرائی۔

"میں مالک پہ بھروسہ نہیں کرتا۔"

"ایک زمانے میں آپ کرتے تھے۔ آپ نے Psychiatric وارڈ میں داخل ہونے سے قبل اپنا پاور آف اٹارنی مالک فرید کو منتقل کر دیا تھا۔"

"وہ زمانہ بیتے صدیاں گزر گئیں، اوکات حاتم۔"

آفس میں ایک سوگوار سی خاموشی چھا گئی۔ پھر سوزی نے ایک فائل کھولی اور ایک صفحہ سامنے کیا۔

"کیا آپ نے واقعی اپنی سیکرٹری سبرینہ پہ قاتلانہ حملہ کیا تھا؟"

"کیا تھا۔" اس نے سر کو خم دیا۔ بیر بل کے چہرے پہ سایہ سا گزرا۔ وہ دھیرے سے اٹھا اور کمرے سے باہر نکل

گیا۔

" کیوں؟" وہ الجھن سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ماہر نے جیب سے ایک لائٹر نکالا اور سامنے رکھی موم بتی کا جار قریب کھسکایا۔ سوزین اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہی تھی۔ اس نے جار کا ڈھکن اٹھایا اور لائٹر سلگایا۔

"تم نے کبھی اس وقت کے بارے میں سنا ہے جو آ کے گزر جاتا ہے لیکن جس پہ گزرتا ہے' اس کی یادداشت میں رقم نہیں ہوتا؟" وہ لائٹر کے شعلے سے موم بتی کے سیاہ دھاگے کو سلگا رہا تھا۔

"Missing time?"

"ہاں... مسنگ ٹائم... ایک بلیک آؤٹ سا جو سارے پہ چھا جاتا ہے...."

دھاگے نے آگ پکڑ لی تھی۔ سنہری شعلے نے پل بھر کے لیے سارے کو منور کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"چار سال قبل...."

"میں تم سے زیادہ کسی پر اعتبار نہیں کرتا' مالک۔"

وہ اس کے گھر کی دوسری منزل پہ بنے لونگ روم کا منظر تھا۔ کھڑکی کے سامنے دو ونگ چیئرز رکھی تھیں۔ یہاں بیٹھنے والے کو باہر کا منظر صاف دکھائی دیتا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں وہ ہلال سے پہلی دفعہ ملا تھا۔

آج اس کے ملاقاتی عبدالمالک فرید تھے۔

دونوں کے درمیان ایک چھوٹی میز پہ ایک فائل کھلی تھی۔ اور وہ قلم ہاتھ میں لیے آگے کو ہو کے بیٹھا بہت سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"میں تم سے زیادہ کسی پر اعتبار نہیں کرتا' مالک۔" اس کے لہجے میں منت تھی۔ "یہ تمہیں میرے لیے کرنا ہے۔"

مالک فرید ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے تھے۔ سفید، سلور بال جیل سے جمے تھے اور روبوٹ جیسا چہرہ سپاٹ تھا۔

"لیکن کیوں؟"

"میں کچھ ہفتے کے لیے یہاں سے دور جانا چاہتا ہوں۔ میں خود کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔"

"نان سینس۔" انہوں نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ "اس بیوقوفانہ حرکت کی وجہ کچھ اور ہے۔"

ماہر نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور لباس ملگجا سا تھا۔ آنکھوں تلے حلقے گہرے تھے اور جسم ہر گزرتے دن سکڑتا جا رہا تھا۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں۔ میرا دماغ الجھا ہوا ہے۔ مجھے کچھ....(اس نے جیسے لفظ تلاش کیے) کچھ مینٹل ایشوز ہیں۔"

"کیسے ایشوز؟"

وہ چند لمحے اسے دیکھے گیا۔ کیا یہ دن بھی آنا تھا کہ اپنا سچ بتانے سے قبل اسے یہ معلوم تھا کہ کوئی اس پہ یقین نہیں کرے گا؟"

"کچھ ... ڈپریشن اور anxiety...."

"تھیراپی میں جاؤ۔ ٹھیک ہو جاؤ گے۔" ایک نظر ان کاغذوں کو دیکھا۔ "یہ سب چھوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"تھیراپی ہی شروع کرنے لگا ہوں۔ اور یہ سب چھوڑ نہیں رہا۔ وقتی طور پہ تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ یہ میری امانت ہے۔ یہ سب میرے باپ نے تعمیر کیا ہے۔ صرف تم اس امانت کو سنبھال سکتے ہو' مالک۔ تمہیں کبھی میرے باپ کی دولت کا لالچ نہیں تھا۔ انہوں نے جو مقام تمہیں دیا' تم اس سے زیادہ نہیں چاہتے تھے۔ تم ہمیشہ سے مجھے ہی سی ای او دیکھنا چاہتے تھے۔ میں واپس آؤں گا۔ بس کچھ عرصہ تمہیں ایکٹنگ سی ای او کے طور پہ کام کرنا ہوگا۔"

اس نے قلم پھر سے مالک کی طرف بڑھایا۔ مالک فرید نے ناخوشی سے اسے دیکھتے ہوئے قلم تھام لیا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں مالک کہ کچھ عرصہ تم میرا اعتبار کرو۔ کچھ بھی ہو جائے' تم مجھ پہ اعتبار کرنا نہیں چھوڑو گے۔ اور تم کبھی بھی شمس اور میری ماں کے ہاتھوں ایکسپلائیٹ نہیں ہو گے۔" وہ انگلی اٹھا کے تنبیہہ کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

مالک فرید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب وہ جھک کے کاغذ پہ سائن کر رہے تھے۔

باہر کھڑکی سے پھیلی رات میں گھروں کی روشن چھتیں اور اکا دکا بتیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

ساری دنیا جیسے سو گئی تھی۔

ایک تاریکی سی سارے منظر پہ چھانے لگی.....

اس تاریکی کے چھٹتے ہی ایک نئے دن کا منظر طلوع ہوا۔ وہ دیوار گیر کھڑکیوں اور پتھروں سے بنی اونچی چھت

والی عمارت کے ہال میں بیٹھا تھا۔ آج وہاں رش نہ تھا۔ نہ لوگ۔ نہ عینک والا لڑکا۔ سبرینہ اور وہ دوزانو ہو کے قالین پہ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے شیخ بھی انہی کے انداز میں براجمان تھے۔ ان کے ہاتھ میں کاغذات کا ایک ہینڈ آؤٹ تھا جو وہ اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھے۔ ماہر نے پہلے الجھن سے سبرینہ کو دیکھا۔ اونچی پونی بنائے سیاہ آنکھوں والی لڑکی نے سر کو اثبات میں خم دیا۔

"یہ کیا ہے؟" ماہر نے تامل سے اسے تھام لیا۔

"جو میں نے ابھی بتایا ہے۔" انہوں نے دہرایا۔ "یہ رقیہ شرعیہ ہے۔ قرآن کی مخصوص آیات کا مجموعہ جس کو جادو اور ایسے مسائل کے لیے پڑھنے کی تاکید اللہ کے رسولؐ نے فرمائی ہے۔"

اس نے سر جھکا کے کاغذ دیکھے۔ وہ سورۃ فاتحہ سے شروع ہو کے والناس تک جاتے تھے۔ پھر چہرہ اٹھایا تو وہی الجھن برقرار تھی۔

"اور آخر میں چند مسنون دعائیں ہیں۔ پھر جادو کے مریضوں کے لیے غسل کا مسنون طریقہ ہے جو بیری کے پتوں سے کیا جاتا ہے۔ یہ تمام اعمال آپ کو کرنے ہیں۔"

"مجھے؟" اس نے کاغذ رکھ دیے۔ ایک دم دل جیسے بے زار ہو گیا تھا۔

"آپ کیا توقع کر رہے تھے؟"

ماہر نے ایک شکایتی نظر سبرینہ پہ ڈالی اور پھر شیخ کو دیکھا جو تحمل سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"آپ کو میرا علاج کرنا تھا۔ جیسے اس دن آپ کے کچھ.... کچھ پڑھنے سے سب کے اوپر... کچھ ظاہر ہو رہا تھا۔"

"اس کو حاضری کہتے ہیں۔ جب جن مریض کے اوپر ظاہر ہو جاتا ہے۔ حاضری ہو جانا علاج نہیں ہوتا۔ وہ ایک ڈائیگنوسس ہے۔ ہم رقیہ پڑھتے ہیں جس سے مریض کا جن ظاہر ہو جاتا ہے۔ کچھ جنات ہماری بات مان کے مریض کو چھوڑ دیتے ہیں، کچھ نہیں چھوڑتے۔ آپ کا جن اتنی آسانی سے نہیں چھوڑے گا۔"

"لیکن یہ سب "آپ" کو کرنا تھا۔ میں اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں۔ سب کچھ چھوڑ کے۔" اس نے بے چینی سے سبرینہ کو دیکھا۔ وہ بھی جیسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ لیکن شیخ سمجھ گئے تھے۔

"ماہر..." انہوں نے نرمی سے پکارا۔ "جادو اور جنات کے علاج دو طریقے سے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ اس میں آپ کو اپنا علاج خود کرنا ہوتا ہے۔ مسلسل پڑھائی۔ جتنی قوت ہے اس سے زیادہ

پڑھائی۔گناہوں سے اجتناب۔اور متواتر صدقات۔اور دوسرا....''انہوں نے گہری سانس لی۔

"دوسرا؟"وہ منتظر تھا۔

"یہ کہ آپ کسی جادوگر سے رابطہ کریں۔اس میں آپ کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا سوائے پیسہ خرچ کرنے کے۔اپنی محنت نہیں ہوگی۔ جادوگر آپ کے اوپر عمل کرے گا۔اور یوں وہ آپ کا جن کسی طرح قابو میں کر لے گا۔لیکن اس صورت میں آپ اپنے آپ کو اس جادوگر کے حوالے کر دیں گے۔ دم اور تعویذ کے نام پہ بہت سے جادوگر یہی کر رہے ہیں۔وہ جادو کا علاج ایسے ہی کرتے ہیں۔آپ جب جادوگر کے پاس جائیں گے تو خود کو اللہ کی پناہ سے نکال دیں گے۔کیا آپ ایسا چاہتے ہیں؟"

اس نے سر جھکا دیا۔پھر بے چینی سے وہ کاغذ اٹھائے۔

"یہ سب بہت مشکل ہے۔میں یہ کیسے کروں گا۔"اس نے سے سر ینہ کو دیکھا۔''مجھے ان تسبیحات کی عادت نہیں ہے۔کام کرنے والے مرد کے لیے یہ مشکل ہوتا ہے۔"

"جادو کا علاج انسان کو خود کرنا ہوتا ہے۔میں سارا دن بھی بیٹھ کے یہ رقیہ آپ پر دم کرتا رہوں' تب بھی آپ کو وہ فائدہ نہیں ہوگا جو خود اپنے کرنے سے ہوگا۔اور اس سب سے پہلے آپ کو اپنے لیے دعا مانگنی ہوگی۔جادو کو کوئی بھی شے توڑ سکتی ہے۔کوئی دعا' کوئی نیک عمل... اور ایسے اچانک سے توڑتی ہے کہ نہ کرنے والے کو علم ہوتا ہے اور نہ اس کو جس پہ جادو کیا گیا ہو۔یہ اللہ کا نظام ہے۔آپ کے نیک اعمال اکٹھے ہوتے رہتے ہیں۔اور وہ جادو اور جنات کے راستے میں حائل ہو جاتے ہیں۔"

"مگر میں چاہتا تھا کہ آپ علاج کریں۔"اسے یہ سب پسند نہیں آ رہا تھا۔

وہ مسکرائے۔

''آپ یقیناً جم جاتے ہوں گے۔جم ٹریننگ ایکسر سائیز سمجھانے میں آپ کی مدد کر سکتا ہے۔لیکن کیا وہ آپ کی جگہ ایکسر سائز کرے تو آپ فٹ ہو جائیں گے؟ڈاکٹر آپ کی جگہ دوا لے تو آپ صحت یاب ہو جائیں گے؟"

"لیکن سرجری تو ڈاکٹر کو خود کرنی پڑتی ہے۔"

"ابھی آپ کی سرجری کی نوبت نہیں آئی۔وہ شدید حالتوں میں ہوتی ہے جب انسان پہ جن اس قدر حاوی ہو جاتا ہے کہ پھر روحانی معالج کو اس کا علاج کرنا پڑتا ہے۔اکثر کیسز میں ایسا نہیں ہوتا۔اگر آپ آج سے یہ اذکار شروع کر دیں گے تو ان شاءاللہ سرجری کی نوبت نہیں آئے گی۔"

اس نے بے دلی سے کاغذ تھام لے۔ پھر ایک شاکی نظر سبرینہ پہ ڈالی۔ وہ قدرے پریشان نظر آ رہی تھی۔

اونچی پتھر کی دیواروں کا سرمئی پن دھیرے دھیرے سیاہ میں بدلتا گیا یہاں تک کہ ہر طرف سیاہی چھا گئی۔ پھر اس میں سے قاسم فرید کا سابقہ آفس نمایاں ہوا جس میں نیم روشنی سی تھی۔ ماہر عام لباس میں موجود تھا۔ خاموشی سے وہ ایک باکس میں چند چیزیں ڈال رہا تھا۔ اس کا چہرہ پہلے سے کمزور اور آنکھوں تلے حلقے گہرے تھے۔ آہٹ کے بعد دروازہ کھلا اور اونچی پونی والی سبرینہ اندر داخل ہوئی۔

"ماہر...." اس نے فکرمندی سے پکارا۔

ماہر نے پلٹ کے اسے دیکھا اور پھر خاموشی سے باکس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سبرینہ قدم قدم چلتی قریب آئی۔ نگاہیں میز پہ رکھی نیلے دانوں والی تسبیح تک گئیں جو عرصے سے اَن چھوئی رکھی تھی۔

"اتنے دن گزر گئے... آپ نے اذکار نہیں پڑھے؟"

"اگر سب کچھ میں نے ہی کرنا تھا تو تمہارے روحانی معالج کا کیا فائدہ؟" وہ تلخی سے کہتا اب بک شیلف سے چند کتابیں اٹھا رہا تھا۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔ ویکیشن پہ۔ بیربل کے پاس۔ استنبول۔"

"لیکن آپ کو اپنا علاج کرنا ہے۔ بے شک وہاں جائیں لیکن ویکیشن کو ڈسٹریکشن کے طور پہ استعمال نہ کریں۔ مسئلے سے توجہ نہ ہٹائیں۔"

وہ ابھی تک بک شیلف کے سامنے کھڑا تھا۔ آنکھیں اس میں رکھی کتابوں پہ جمی تھیں۔ اسے غصہ سا آنے لگا۔ جسم گرم ہونے لگا۔ اسے غصہ کیوں آ رہا تھا؟ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ لیکن اسے احساس ہوا کہ اس کا جسم وہاں سے ہلا ہے۔ شاید قدم بھی پیچھے گئے تھے۔ لیکن ذہن وہیں مرکوز تھا۔ نگاہیں مرکوز تھیں۔ وہ صرف بک شیلف کو دیکھ رہا تھا۔ باقی ہر جگہ تاریکی تھی۔ بلیک آؤٹ... کتابیں تاریکی میں ڈوب گئیں...

پھر دھیرے دھیرے بک شیلف کے اردگرد روشنی واپس آنے لگی۔ اس نے ہاتھ اٹھا کے سامنے کیے۔ اس کے ہاتھوں پہ کرچیاں تھیں۔ خون سے بھرے کٹ لگے تھے۔ وہ بے یقینی سے واپس پلٹا۔

وہ وہیں آفس میں کھڑا تھا جہاں چند منٹ پہلے تک کھڑا تھا لیکن آفس کا حلیہ بگڑ چکا تھا۔ ہر طرف چکنا چور ہوئے شیشے کی کرچیاں تھیں۔ اور بہت سے لوگ بھی۔ چیختے چلاتے لوگ۔ اسے دیکھتے ہوئے وہ کچھ کہہ رہے تھے۔

اور ایک کونے میں سبرینہ بیٹھی تھی۔ گردن پہ ہاتھ رکھے وہ بری طرح کھانس رہی تھی۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور گردن پہ سرخ انگلیوں کے نشان تھے۔

دیوار پہ ایک جگہ خون لگا تھا۔ جیسے کسی نے اس کو گردن سے دبوچ کے اس کا سر دیوار سے مارا ہو۔

ماہر فرید نے بے یقینی سے اس منظر کو دیکھا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو۔ پھر اس کو۔ خون۔ کرچیاں۔

ایک ورکر غصے سے اس کو کچھ کہتا فون پہ کال ملا رہا تھا۔ کوئی پولیس کو بلا رہا تھا۔ سبرینہ کھانستے ہوئے چلا رہی تھی۔ وہ ان کو روک رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس میں ماہر کا قصور نہیں تھا۔ وہ ایک حادثہ تھا۔ کسی نے اسے کہنی سے تھامنا چاہا لیکن وہ ایک دم باہر نکل گیا۔ اس کا دماغ کسی تاریک سمندر میں غوطے لے رہا تھا.....

وہ ایک سیاہ سڑک تھی جس کے کناروں پہ اونچے زرد لیمپ پوسٹ بنے تھے۔ وہ سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں پہ لگے کٹ اب مندمل ہو چکے تھے۔ شاید کچھ دن گزر گئے تھے۔ لیکن وہ دن کہاں گئے۔ اس کو معلوم نہ تھا۔ وہ وہیں سڑک کنارے بیٹھ گیا۔ سر ہاتھوں میں گرا دیا۔ اسے جاگنا تھا۔ یہ کوئی خواب تھا۔ کوئی اس کے ذہن کو سلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے جاگنا تھا.... لیکن ہر طرف اندھیرا چھا رہا تھا....

وہ نیند سے جاگا تو ہر طرف دھوئیں کی مہک تھی۔ چونک کے ہاتھوں کو دیکھا۔ کٹ اب پرانے ہو گئے تھے۔ اتنی جلدی؟ کیسے؟ کتنے دن گزر گئے؟

پھر اس نے چونک کے اطراف میں دیکھا۔ وہ اپنے لان میں بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں سگار تھا اور اس کا دھواں اڑتا جا رہا تھا۔ کوئی کچھ کہہ رہا تھا، اس نے نگاہ اٹھا کے دیکھا۔ اس کی معمر ہاؤس ہیلپ سامنے کھڑی تھی۔ اس کے سر پہ بینڈ تیج لگا تھا اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے کہہ رہی تھی۔

"میں مزید آپ کے گھر کام نہیں کر سکتی۔ آپ کو ہیلپ کی ضرورت ہے۔" وہ اس کے گرتے آنسو دیکھ رہا تھا۔ وہ کیوں رو رہی تھی؟ اس نے کیا کیا تھا؟

ہر طرف پھر سے اندھیرا چھانے لگا۔

تیز روشنیوں نے اس اندھیرے کو توڑ دیا۔

وہ آفس کی راہداری کی چھت میں لگی تیز بتیاں تھیں۔

اس کے چہرے پہ غصہ تھا۔ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا تیزی سے قدم اٹھا رہا تھا۔ ہاتھوں کے کٹ اب مندمل ہو چکے تھے۔ ایسے جیسے وہ تھے ہی نہیں۔

وہ غصے میں تھا۔ وہ غصے میں کیوں تھا اسے معلوم نہ تھا۔ وہ یہاں کیوں آیا۔ اس نے یہ لباس کب پہنا۔ وہ تو اپنے لان میں تھا۔ وہ تو سگار پی رہا تھا اور اس کی ہاؤس کیپر کچھ کہہ رہی تھی۔ تب سے اب تک کتنے دن بیت چکے تھے؟

اس نے خود کو کانفرنس ہال کا دروازہ کھولتے دیکھا۔ طویل میز کے گرد بیٹھے افراد ایک دم چونکے۔

"تم یہاں مدعو نہیں ہو ماہر۔" سربراہی کرسی پہ بیٹھے مالک فرید کے چہرے پہ ناگواری در آئی۔

وہ غصے میں میز کے دہانے تک آیا۔ وہ غصے میں کیوں تھا؟ دماغ کو معلوم نہیں تھا۔ لیکن جسم کو معلوم تھا۔

"میں نے تمہیں امانت سونپی تھی۔ امانت۔" وہ میز کے سرے پہ مٹھی رکھے جھکا اور جب بولا تو آواز غصے سے کپکپا رہی تھی۔

"ماہر....."

"اور تم لوگ یہاں بیٹھ کے مجھے ووٹ آؤٹ کر رہے ہو؟ تم لوگ مجھے بورڈ سے بے دخل کر رہے ہو؟" اس کی آنکھوں میں سرخ سی نمی ابھری۔ "واللہ... مالک فرید... امانت کے ساتھ ایسے کرتا ہے کوئی؟"

"بورڈ کو ووٹ کا حق ہے، مسٹر فرید۔" کوئی برہمی سے بولا تھا۔ "اور یہ بات آپ کو کمپنی کو پبلک کرنے سے پہلے سوچنی چاہیے تھی۔"

اس نے کمپنی کو پبلک کرنے سے پہلے کیا سوچا تھا؟ اسے یاد تھا۔ اس نے ایک برس پہلے کمپنی پبلک کی تھی۔ جب اسے ائیر پورٹ والی لڑکی نے آئیڈیا تھا۔ پرانے گھروں کو نیا کر کے بیچنے کا۔

"...اور اب آپ بورڈ کے سامنے جواب دہ ہیں۔"

"یہ میری کمپنی ہے۔ یہ میرے باپ کی کمپنی ہے...." اس نے زور سے مٹھی میز پہ ماری۔ بہت سی پانی کی بوتلیں گر گئیں۔

"ماہر... پلیز...." مالک کی آنکھوں میں تکلیف ابھری۔

"تم لوگ مجھے میرے باپ کی کمپنی سے نہیں نکال سکتے۔"

"آپ میڈیکلی فٹ نہیں ہیں۔ آپ کا رویہ گھر اور آفس میں سب دیکھ چکے ہیں۔ وہ تو شکر ہے آپ کی سیکرٹری نے چارجز پریس نہیں کیے ورنہ...."

بہت سے لوگ ایک ساتھ بول رہے تھے۔ مگر وہ صرف مالک کو دیکھ رہا تھا۔ اور پھر وہ چونکا۔

مالک کے دائیں ہاتھ رابیل بیٹھی تھیں۔ اس کی ماں۔ وہ بھی اسی افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے واپس

مالک کو دیکھا۔ دماغ میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ تم اس عورت اور اس کے شوہر کے ہاتھوں استعمال نہیں ہو گے۔" اس کی آنکھوں میں بے یقینی بھرا دکھ ابھر آیا۔ مالک خاموشی سے اسے دیکھے گئے۔

"تم لوگ اس عورت کو منتخب کرنے کے لیے مجھے بے دخل کر رہے ہو؟"

"ہم آپ کو بے دخل کر چکے ہیں۔ آپ کا اب اس کمپنی سے تعلق نہیں ہے۔ آپ کے آئے دن کے بریک ڈاؤن زاور توڑ پھوڑ سے کمپنی کی ساکھ متاثر ہو رہی ہے۔" وہی ممبر تلخی سے کہہ رہا تھا۔ "کمپنی کو اپنے کلائنٹس کو برقرار رکھنے کے لیے آپ سے لاتعلقی ظاہر کرنی ہے۔"

"مالک؟" اس نے پھر سے پکارا۔ وہ سب اپنی جگہ بیٹھے تھے اور وہ میز کے دہانے پہ کھڑا تھا۔

"شو آف ہینڈز سے تمام ممبرز بتائیں گے کہ...." ایک ایگزیکٹو عینک لگائے کاغذ سے پڑھ رہا تھا۔ "کون کون رابیل شمس الدین کو ایکٹنگ سی ای او منتخب کرنے کے حق میں ہے؟"

ایک ایک کر کے ہاتھ اٹھنے لگے۔ وہ کسی ہاتھ کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ صرف مالک کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ تمام ہاتھ اٹھ چکے تھے۔ صرف مالک کا ہاتھ نیچے تھا۔

"مالک.... نہیں..." اس نے بے بسی سے لب ہلائے بغیر چہرہ دائیں بائیں نفی میں ہلکایا۔ اب اس کے چہرے پہ غصہ نہیں تھا۔ اب وہاں خوف تھا۔ بے بسی تھی۔ کسی بچے جیسی بے بسی۔

وہ سب منتظر سے مالک فرید کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"یہ ان دونوں کی چال ہے۔ یہ سب شمس نے کیا ہے میرے ساتھ۔" وہ کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز میں منت تھی۔ "میں ٹھیک ہوں۔ پلیز میرا اعتبار کرو۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ یہ سب شمس کر رہا ہے۔"

مالک فرید نے دھیرے سے ہاتھ اٹھا دیا۔ ان کے چہرے پہ ڈھیروں ملال تھا۔

ماہر کے کندھے ڈھلک گئے۔ وہ مٹھیاں میز سے ہٹا کے سیدھا ہوا۔ آنکھوں میں گلابی نمی تھی۔

"میں نے تم پہ اعتبار کیا تھا۔" وہ دو قدم پیچھے ہوا۔ نفی میں سر ہلایا۔ دو بار۔ تین بار۔

"واللہ میں جب تک زندہ ہوں، میں تم پہ دوبارہ اعتبار نہیں کروں گا۔"

پھر وہ الٹے قدموں باہر نکلا۔ دھاڑ سے دروازہ کھولا۔ سامنے شمس کھڑا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے سینے پہ بازو لپیٹے۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اپنی ماں کو مبارک نہیں دو گے، ماہر؟" اس کے لہجے میں کچھ تھا۔ چیلنج۔ کچھ اکساتا ہوا۔

"ماہر..." سبرینہ کہیں سے بھاگتی ہوئی سامنے آئی۔ اس نے ماہر کی کہنی تھامی۔

''اس کو اگنور کریں۔ یہ آپ کو اکسا رہا ہے۔"

اس نے اپنی کہنی چھڑائی۔ چہرہ سرخ ہوا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

"ماہر اس کو جانے دو۔ یہ جان بوجھ کے کر رہا ہے۔" وہ چلائی تھی۔ ''پلیز اپنا غصہ کنٹرول کرو۔ پلیز۔"

اس کی آواز پسِ منظر میں چلی گئی۔ اس نے خود کو آگے بڑھتے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں پہ لگے کٹ اب وہاں نہیں تھے۔ ہلکی بھوری لکیریں تھیں۔ اس کے ہاتھ آگے بڑھے۔ اس نے زور سے شمس کے منہ پہ مکا دے مارا۔ وہ تیورا کے نیچے گرا۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ اس کے ناک سے خون نکلنے لگا۔ خون والا چہرہ اٹھا کے اس نے مسکرا کے ماہر کو دیکھا۔

"اپنی ماں کو مبارک نہیں دو گے؟" اس کی آواز دھیمی تھی۔ وہاں اکٹھے ہوتے لوگ اسے نہیں سن سکتے تھے۔ لیکن وہ سن سکتا تھا۔ اس کا سارا خون ان ہاتھوں میں آ گیا تھا۔ ایسے کہ لگتا تھا مندمل ہوئے کٹ اب پھٹ پڑیں گے۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے شمس کا سر پکڑا اور اسے پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا۔ شمس کے سر سے خون کا پھوارا نکلا۔

لیکن اسے آواز نہیں سنائی دی۔ وہاں اب کوئی آواز نہیں تھی۔ وہاں اب کوئی منظر نہ تھا۔ سارا منظر بلیک آؤٹ کی زد میں چلا گیا.....

وہ چھٹا تو دھیرے دھیرے روشنی آنے لگی۔

کارنر لیمپ کی زرد روشنی لونگ روم میں پھیلی تھی۔ وہ کاؤچ پہ بیٹھا تھا۔ اس کے کندھوں کے گرد صوفہ تھرو کسی شال کی طرح لپٹا تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اسے شدید سردی لگ رہی تھی۔

وہ کہاں تھا؟ اس نے چونک کے اطراف میں دیکھا۔ وہ لونگ روم دیکھا دیکھا تھا۔ کوئی اس کے ساتھ بیٹھا تو وہ ایک دم بدک کے ایک طرف ہوا۔ وہ رابیل تھیں۔ ان کے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا۔ انہوں نے وہ اس کے ہاتھوں میں تھمایا۔ ماہر نے کپ تھام لیا۔

"مالک اور میں نے جو کیا تمہاری بھلائی کے لیے کیا۔ یہ کچھ عرصے کے لیے ہے۔" وہ فکرمندی سے اسے دیکھتی کہہ رہی تھیں۔ اسے یاد نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔ مالک اور انہوں نے کیا کیا؟

"شمس تمہاری وجہ سے ہسپتال میں پڑا ہے۔شکر کرو، وہ بچ گیا ہے۔اور وہ چارجز پریس نہیں کرے گا۔اسے تمہاری حالت کا اندازہ ہے۔"

"شمس؟" شمس کون تھا۔

"جج کا کہنا ہے کہ تمہیں تندرست ہونے کی ضرورت ہے۔"

"جج؟" کون سا جج؟ کیا وہ گرفتار ہوا تھا؟ کیا وہ کسی عدالت گیا تھا؟ اسے کیوں یاد نہیں؟

اس نے سر جھٹکا۔پھر نگاہ ٹھہر گئی۔دیوار پہ کچھ آویزاں تھا۔

ایک لڑی میں پروئے ہوئے.... moon phases۔بدر سے ہلال۔ہلال سے بدر تک کے چاند۔سیاہ رنگ کے چاند۔اس کی نظر ایک چاند سے ہوتی ہوئی آخر تک گئی۔پھر وہ چونکا۔سامنے والے صوفے پہ کوئی بیٹھا تھا۔

سفید بالوں والا آدمی جو افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ کچھ عرصے کے لیے ہے، ماہر۔" وہ آدمی کہہ رہا تھا۔کیا وہ اس آدمی کو جانتا تھا؟

"تمہیں ان کے ساتھ جانا ہوگا۔" وہ چونکا۔

کیا وہاں کوئی اور بھی تھا؟

ماہر فرید نے گردن موڑی۔راہداری میں کوئی کھڑا تھا۔تین افراد۔ان کے ہاتھ میں کچھ کاغذ تھے۔انہوں نے وہ رابیل کی طرف بڑھائے۔وہ ان پہ دستخط کر رہی تھیں۔ایک دم بہت سے خوف نے اسے جکڑ لیا۔لیکن وہ جگہ سے ہل نہ سکا۔نہ وہ بھاگ سکا۔وہ سامنے کھڑے تھے۔بھاگنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے۔

"ماہر فرید....عدالت کے حکم کے مطابق اور آپ کی ماں کی اجازت سے حکومت آپ کو Psychiatric وارڈ میں منتقل کر رہی ہے۔گزشتہ دو ماہ میں آپ نے پانچ مختلف شہریوں پہ سائیکوسس کے باعث قاتلانہ حملہ کیا ہے۔"

وہ کاغذ سے پڑھ کے روبوٹ کی طرح سنا رہا تھا۔

وہ بدک کے کھڑا ہوا۔بے یقینی اور خوف سے ان اہلکاروں کو دیکھا۔ان کے ساتھ ایک سیکیورٹی اہلکار بھی تھا۔اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی تھی۔

"مالک...." اس نے بے اختیار مالک کو دیکھا۔اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"میں ... میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔یہ مجھے جیل میں ڈال دیں گے۔میں قید نہیں ہوں گا۔" اس کا سارا جسم کانپ رہا تھا۔اسے سردی لگ رہی تھی۔تھرو نیچے گر گیا تھا۔

مالک کچھ کہہ رہا تھا۔لیکن وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"اگر میں گیا... اگر آج تم نے مجھے جانے دیا تو واللہ میں اس گھر میں واپس نہیں آؤں گا۔"اس نے خود کو کہتے سنا۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔بال پسینے سے تر تھے۔

اسے سردی لگ رہی تھی اور اسے گرمی لگ رہی تھی۔

مالک نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔رابیل کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"مالک...." پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے میں زور سے سوئی چبھوئی۔وہ مزاحمت نہیں کر سکا۔اس کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہو گئے۔دو لوگوں نے اس کو دائیں بائیں بازوؤں سے تھاما۔

وہ اب سے باہر لے جا رہے تھے لیکن وہ کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔اس کی اَدھ کھلی آنکھیں چاند کے ادوار پہ جمی تھیں۔

خاکی چاند کے ادوار جو ایک طویل لڑی میں پروئے دیوار پہ چسپاں تھے۔

وہ گم صم سا راہداری میں ان کے ساتھ کھنچا چلا آ رہا تھا جب وہ سامنے آئی۔ماہر کے قدم رک گئے۔

ہلال سامنے کھڑی گردن اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کے گھنگھریالے بال کندھوں پہ بکھرے تھے۔

وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتا گیا۔خالی خالی سی نظریں ہلال کے چہرے پہ جمی تھیں۔

ہلال نے ہاتھ اس کے رخسار پہ پھیرا۔انگلیوں سے نمی صاف کی۔وہ دونوں اب برابر تھے۔

وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔لیکن دوا کا اثر بہت شدید تھا۔جسم جیسے مفلوج ہو رہا تھا۔

"ماہر بھائی..."ہلال جیسے پرسکون سی کھڑی تھی۔''جب تک آپ واپس آؤ گے' میں یہاں نہیں ہوں گی۔"اس نے اپنی ننھی انگلیوں سے ماہر کے گال پہ لڑھکتے قطرے کو اٹھایا۔

"تم کب آؤ گی؟"

ہلال نے نفی میں سر ہلایا۔

"کس کا؟"اس کی مفلوج ہوتی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

ہلال اس کے کان کے قریب جھکی' اور سرگوشی میں ایک نام لیا۔

اس کے سمندر میں ڈوبتے ذہن پہ وہ نام ایسے ثبت ہو گیا جیسے کسی نے پتھر پہ نوکیلے خنجر سے لکھ دیا ہو۔

پھر وہ سامنے سے ہٹ گئی۔وہ اسے آگے لے گئے۔اس نے ایک نظر پلٹ کے دیکھا۔

دیوار پہ آویزاں چاند کے ادوار ابھی تک دکھائی دے رہے تھے۔

اور ہلال بھی۔ وہ اسے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

یہ وہ آخری دفعہ تھا جب اس نے ہلال کو دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نگینہ بیگم نے مسکرا کے موبائل فون کان سے ہٹایا اور اسے چارجنگ پورٹ سے کنیکٹ کرنے لگیں۔ وہ اس وقت کچن کے دہانے پہ کھڑی تھیں۔ سنک میں چند ایک میلے کپ رکھے تھے۔ باقی کچن صاف ستھرا سا تھا۔

کاؤنٹر ٹیبل کے ساتھ اونچے اسٹول پہ زیاد بیٹھا تھا۔ عینک لگائے' وہ لیپ ٹاپ کھولے' کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔

"میں اس روز ائیر پورٹ پہ ماہی سے ملی۔" وہ سنک تک آئیں اور نل کھول دیا۔ پھر اسفنج اٹھایا۔ بالوں کا جوڑا باندھے' قمیص کے آستین پیچھے کو چڑھائے وہ ایک جوان اور توانا خاتون لگتی تھیں۔ کانوں میں ٹاپس اور انگلیوں میں انگوٹھیوں نے ان کی شخصیت کو مزید نکھار بخش دیا تھا۔

"ماہی کون؟" زیاد نے بے توجہی سے جواب دیا۔ کھڑکی کیز کی آواز دونوں کی گفتگو کے درمیانی وقفوں میں سنائی دیتی تھی۔

"حورِ جہاں کی بیٹی۔ رشتے میں تمہاری سیکنڈ کزن لگتی ہے بلکہ...."

"ہاں سمجھ گیا۔ کیا ہوا اسے؟"

"اسے نہیں۔ اس کی ایک بہن ہے۔ مجھے تمہارے لیے پسند آ گئی ہے۔" وہ کپ کو پانی سے گزارتے ہوئے کہہ رہ تھیں۔ "اس کا نام کشمالہ ہے۔ خوبصورت ہے' کیریئر بھی ہے' سب سے بڑھ کے اپنے خاندان کی ہے۔ میں پھر سے اپنا اصرار دہرا رہی ہوں' زیاد۔ یہی عمر ہے تمہاری شادی کرنے کی۔"

کپ اسٹینڈ پہ الٹا لٹکایا اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ پھر نرمی سے اس کو کہنی سے تھاما۔ ان کے ہاتھ گیلے تھے۔ زیاد کی شرٹ کا آستین بھیگنے لگا۔

"جب شادی کرنی ہوگی' بتا دوں گا امی۔" وہ بے زار نہیں ہوا۔ بس سادگی سے کندھے اچکا دیے۔

"شادی کے لیے اچھی جاب کا ہونا ضروری ہے۔" آواز پہ وہ دونوں چونکے۔ نظر اٹھا کے دیکھا۔ لاؤنج میں بیٹھے سلطان صاحب چہرے سے کتاب ہٹا کے طنزیہ بولے تھے۔ ان کی موجودگی سے وہ دونوں اکثر یونہی لاتعلق

ہو جاتے تھے۔

"میری جاب اچھی ہے ابو۔" زیاد کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ کی بورڈ پہ جمی انگلیاں نیچے گر گئیں۔

"مارکیٹنگ ایجنسی کی چند درہم کی جاب۔ ہونہہ۔ کون اپنی کیریئر oriented بیٹی دے گا تمہیں۔ ڈاکٹر ہوتے' انجینئر ہوتے تو کوئی بات بھی تھی۔"

ان کا فون بجنے لگا تو وہ تلخی سے سر جھٹکتے باہر نکل گئے۔ زیاد سلطان کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ بے بسی سے انہیں جاتے دیکھا۔ تبھی ایک گیلا ہاتھ اس کے کندھے پہ آ رکا تو وہ چونکا۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی محبت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ان کو اگنور کرو بیٹے۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ بس وہ آپ کی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہیں۔"

زیاد نے گہری سانس لی۔ لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی اور پھر سنجیدگی سے انہیں دیکھا۔

"کبھی کبھی مجھے ان کی محبت پہ شک ہونے لگتا ہے۔"

"چھوڑو ان کو۔ اچھا یہ دیکھو۔ یہ تصویر شمس نے بھیجی ہے۔" انہوں نے چارجنگ پہ لگا موبائل اٹھایا۔ وہ تار سمیت کھنچتا ہوا سامنے آیا۔ اور گیلی انگلی سے اسکرین چھوئی۔ سامنے ایک تصویر کھل گئی۔

"سبرینہ۔ اس کا پتہ بھیج رہی ہوں۔ ایکسیڈنٹ لگنا چاہیے۔" تاکید کرتے ہوئے چند بٹن دبائے۔

زیاد نے سر ہلا دیا اور اپنی اسکرین واپس کھولی۔ اب وہ تصویر وہاں منتقل ہو چکی تھی۔ وہ زیرِ لب بڑبڑاتے ہوئے اس کا پتہ پڑھنے لگا۔ پھر ماں کو دیکھا تو چونک گیا۔

وہ اب اپنے موبائل پہ اسے کچھ دکھا رہی تھیں۔

ایک چہرہ۔ معاشرے کے خوبصورتی کے معیار کے مطابق پرفیکٹ چہرہ۔ گوری اسپیدر نگت۔ گلابی رنگت۔ سبز آنکھیں۔ پرکشش مسکراہٹ۔

"یہ کشمالہ ہے۔ جس کا میں ابھی ذکر کر رہی تھی۔"

زیاد سلطان کے چہرے پہ کچھ بجھ سا گیا۔

"یہ مجھے پسند نہیں کرے گی امی۔"

"آپ ایک دفعہ ہاں کر دیں بیٹا۔ آپ کی ماں کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔" مسکرا کے معنی خیز انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے موبائل اسکرین بجھا دی۔

زیاد نے سر جھٹکا۔

"میں اس طرح شادی نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے کوئی وظیفہ' کوئی دم' کوئی جادو نہیں کروانا اس پہ 'امی۔ اگر کسی کو میری زندگی میں آنا ہے تو اسے مجھے خود سے پسند کر کے آنا ہوگا۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔

"شیور۔" وہ مسکرا کے وہاں سے ہٹ گئیں۔

زیاد کے جانے کے بعد انہوں نے بیسمنٹ کا دروازہ کھولا اور پھر اسے اندر سے لاک کیا۔ پھر تیز تو انا قدموں سے چلتی نیچے آئیں۔ بیسمنٹ میں سب کچھ تیار تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔ ایک بغلی کمرے میں انہوں نے لباس بدلا۔ بال بکھیرے۔ ایک خون کے پیالے سے اپنے ہاتھ رنگے۔ کچھ گدلا سا جسم پہ لگایا۔ ہر طرف بدبو سی پھیلنے لگی۔

پھر وہ اپنی جگہ پہ چوکڑی مار کے بیٹھیں۔ ان کا چہرہ مطمئن اور پرسکون تھا۔ سامنے ایک پرنٹ شدہ تصویر رکھی تھی جس میں وہی سبز آنکھوں والی لڑکی مسکرا رہی تھی۔

نگینہ بیگم عرف سرکار نے مسکرا کے اس تصویر کو دیکھا۔ پھر ایک باکس میں ہاتھ ڈالا۔ جب ہاتھ باہر نکالا تو اس میں ایک گڑیا کا پتلا سا تھا۔ اس کی آنکھیں نہیں تھیں۔ انہوں نے سبز مارکر اٹھایا اور آنکھوں کی جگہ پہ نقطے لگائے۔ پھر مسکرا کے اسے دیکھا اور زیر لب کچھ بڑبڑانے لگیں۔ پتلا دھیرے دھیرے گرم ہونے لگا۔

پھر انہوں نے اسی طرح کچھ پڑھتے ہوئے ایک سوئی اٹھائی' اور عین پتلے کے سینے میں گاڑھ دی۔

سینکڑوں میل دور..... کشمالہ مبین چلتے چلتے ایک دم رکی۔ بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھ کے دوہری ہوئی۔

ایک دم ایسی تکلیف اٹھی تھی کہ لگتا تھا کسی نے دل میں خنجر گھونپ دیا ہو۔

"کیا ہوا مالا؟"

معید رک گیا۔ وہ ماں کی وہیل چیئر دھکیل رہا تھا۔

وہ سب ابراہیم خلیل روڈ (مکہ) کے کنارے چل رہے تھے۔ ان کا رخ حرم کی طرف تھا۔ ظہر کی نماز کا وقت ہوا چاہتا تھا۔ بس جگہ مل جائے۔ ان تینوں کو جلدی تھی۔ اور اب جب وہ دوہری ہوئے راستے میں کھڑی ہوگئی' تو پیچھے سے آنے والے معتمرین اور حاجیوں کا راستہ رک گیا۔

"کچھ نہیں۔ ایک دم درد ہوا تھا۔" تکلیف اسی طرح غائب ہوگئی جیسے کبھی پہنچی ہی نہ ہو۔ وہ سر جھٹک کے سیدھی ہوئی۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ تینوں اکٹھے عمرہ کرنے آئے تھے۔

"مالا...ٹھیک ہو بیٹے؟" ماں پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔انہوں نے سیاہ اسکارف اور عبایا پہن رکھا تھا۔مالا کا عبایا بھی انہی کے جیسا تھا۔لیکن گہرا بھورا۔

"جی جی... چلیں۔"وہ موبائل پہ چہرہ جھکائے پھر سے چلنے لگی۔

"بیٹے کچھ دیر کے لیے اس فون کو رکھ دو۔ہم عبادت کرنے آئے ہیں۔دنیا کے کام کہیں نہیں جاتے۔"ماں نے قدرے خفگی سے اسے ٹوکا۔معید نے وہیل چیئر دھکیلنا شروع کر دی۔ماں ویسے تو اناتھیں' چل پھر سکتی تھیں لیکن ان کو ہوٹل دور ملا تھا تو ان کے فربہی وجود کے لیے روزانہ اتنا چلنا مشکل تھا۔

"جی بس رکھتی ہوں۔"وہ اسکرین میں الجھی ہوئی تھی۔''ایک مسئلہ ہو گیا ہے اوشن میں۔وہی حل کر رہی ہوں۔"

وہ اب حرم کے سفید فرش تک پہنچ چکے تھے۔کنگ فہد گیٹ سامنے تھا۔اور وہ تب بھی فون ہونٹوں کے قریب کیے آڈیو میسج بھیج کے ورکرز کو کچھ سمجھا رہی تھی۔معید نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"مالا یار کبھی کام سے آف بھی لیا کرو۔''

"اچھا بابا۔ایک منٹ نا۔"وہ کچھ پریشان تھی۔سینے کا درد اب عنقا ہو چکا تھا لیکن کام کے مسئلے تھے کہ ختم ہی نہیں ہوتے تھے۔

"آپ لوگ چلیں' میں آتی ہوں۔"

معید ماں کو لے کر آگے بڑھ گیا۔وہ وہیں باہر ایک جگہ زمین پہ بیٹھ گئی۔ابھی اذان نہیں ہوئی تھی۔اسے جلدی جلدی اپنے ورکرز کو چند ہدایات آڈیو کے ذریعے بھیجنی تھیں۔پھر وہ فون آف کر دے گی۔

"مالا....."ایک سرگوشی سی سنائی دی۔مالا نے چونک کے گردن اٹھائی۔دائیں بائیں دیکھا۔کوئی اس کے قریب سے اٹھ کے گیا تھا۔نیلے یونیفارم والا شاید وہ کوئی خاکروب تھا۔کیا اس نے اسے پکارا؟

اس نے فون رکھ دیا اور الجھن سے کھڑی ہوئی۔وہ کنگ فہد گیٹ کی دیوار کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔

"سنو...."اس نے پکارا۔کچھ تھا اس میں۔کوئی کشش۔وہ ابرو بھینچے' الجھن سے اس کو دیکھتی اس کے پیچھے چلتی گئی۔یہاں تک کے وہ اس کے بالکل قریب پہنچ گئی۔

"سنو...."

وہ ایک دم پلٹا۔

اور اگلے ہی لمحے اسے کہنی سے تھام کے دیوار کی طرف دھکیلا۔ ایسے کہ اس کی کمر دیوار سے جا لگی اور آنکھوں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"کک کون ہو تم؟"

"آصف...."

وہ ایک خاکروب تھا۔ نیلا ٹراؤزر شرٹ پہنے۔ سر پہ ٹوپی۔ اس کا چہرہ معمر تھا۔ اور داڑھی سفید تھی۔ بوڑھے ہاتھوں کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ ایک انگلی میں سبز نگینے والی انگوٹھی تھی۔ وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی لیکن آواز حلق میں دب گئی۔

"جو سینے کا درد تمہیں ابھی ہوا ہے... وہ ایک سوئی کا ہے..."

اس کے اگلے الفاظ نے اسے ساکت کر دیا۔ سینے کا درد؟ اسے کیسے...؟

"اس نے تمہارے سینے میں سوئی چبھوئی ہے۔" وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

ایک دم بہت سا خوف مالا کو گھیرنے لگا۔ لیکن اس کی گرفت بھاری تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔

"ایک آدمی ہے۔ اس کے پاس تمہاری تصویر ہے۔ وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ تمہیں خود کو بچانا ہے۔"

"تت... تم کون؟" الفاظ حلق سے نکل نہیں پا رہے تھے۔

بوڑھے خاکروب نے اس کی کہنی چھوڑی۔

"ایک آدمی ہے۔ اس کے پاس تمہاری تصویر ہے۔" وہ اپنی بات دہرا رہا تھا۔

وہ گہرے گہرے سانس لیتی اسے دیکھے گئی۔

"کیا ہوا؟" قریب میں کسی عورت نے اسے پکارا۔ وہ ڈر کے اس طرف مڑی۔

"یہ آدمی...." واپس دیکھا۔ وہ اب وہاں نہیں تھا۔ وہاں آس پاس دور دور تک نیلے یونیفارم میں کوئی نہیں تھا۔

"یہاں ایک آدمی تھا...."

"نہیں بیٹا۔" معمر خاتون نے سیالکوٹی لہجے میں کہتے ہوئے ترحم سے اسے دیکھا۔ "تم خود سے بات کر رہی تھی۔ طبیعت ٹھیک ہے؟" وہ عورت کیا کہہ رہی تھی اس نے نہیں سنا۔ وہ تیزی سے آگے گئی۔ چند لوگوں کو ہٹایا۔ اذان کی آواز بلند ہونے لگی۔ سب کو جماعت میں جگہ لینے کی فکر تھی۔ حرم شریف میں یہی سب سے بڑی فکر ہوتی ہے۔ وہاں کسی کو اس کی پرواہ نہ تھی۔ وہ کتنی ہی دیر اسے تلاش کرتی رہی۔ لیکن وہ وہاں نہیں تھا۔

البتہ اس کی کہنی پہ اس کے ہاتھ کا دباؤ ہنوز محسوس کیا جا سکتا تھا۔

وہ خواب نہیں تھا۔ وہ حقیقت تھی۔

جب تک وہ ماں کے پاس آئی' اس کا جسم بخار کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ اس نے بس بیگ نیچے رکھا اور وہیں سبز قالین پہ ان کے ساتھ دوہری ہو کے لیٹ گئی۔ فون اب بھی زوں زوں کر رہا تھا لیکن اس کا سر بھاری ہو رہا تھا۔

"مالا... بیٹے کیا ہوا؟" ماں نے پیار سے جھک کے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اسے عبادت کرنی تھی۔ اسے دعا مانگنی تھی۔ لیکن اسے شدید نیند آ رہی تھی۔

نیند۔ مایوسی۔ بے چینی۔ ان تمام جذبوں نے ایک ساتھ حملہ کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سٹنگ روم میں شام کی مناسبت سے زرد لیمپ جلے تھے۔

وِنگ چیئر پہ بیٹھے مالک فرید کا چہرہ ہمیشہ کی طرح جذبات سے عاری تھا۔ سامنے کاؤچ پہ بیر بل بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے۔ گھنگھریالے بال پونی میں باندھے۔ کونے میں رابیل شمس براجمان تھیں۔ کھلے بال' کانوں میں ائیر رنگز پہنے' گردن میں موتیوں کی لڑی۔ ان کے بلیزر کو دیکھ کے یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ابھی آفس سے آئی ہوں۔

"اتنا سب کچھ ہو گیا اور کسی نے مجھے بتایا ہی نہیں۔" بہت دیر بعد بیر بل نے چہرہ اٹھایا تو اس کی نگاہیں شکوے سے بھری تھیں۔

"کیوں؟ تم آ کے کیا کر لیتے؟" مالک فرید کا لہجہ سرد تھا۔

"وہ میرا بھائی ہے' مالک۔ میں اس کو سمجھاتا۔"

"تم نے وہ نہیں دیکھا جو ہم نے دیکھا ہے۔" کھڑکی کے ساتھ کھڑی زارا نے جھرجھری لی۔ اس کے چہرے پہ تلخی تھی۔

"ماہر ہمیشہ سے غصے والا....."

"وہ غصہ نہیں تھا۔ وہ سائیکوسس کی ایک اپی سوڈ تھی۔ بلکہ کئی اپی سوڈز۔ اس نے اپنی ہاؤس ہیلپ کو بھی مارنے کی کوشش کی۔ میں بیچ میں نہ آتی تو وہ اسے قتل کر دیتا۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ بیر بل نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"تم صرف اچھے دنوں میں ماہر کا ساتھ دیتی ہو۔ جیسے ہی اس پہ مشکل وقت آئے، تم یہی کرتی ہو۔"

جواباً زارا تیزی سے کچھ کہنے لگی۔ دونوں کی بحث کسی جنگ کی طرح چھڑ گئی۔ تب ہی مالک فرید کا موبائل بجا۔ وہ اٹھ کے باہر آ گئے۔

"ہیلو؟"

"مسٹر فرید...." پھولے سانس کے دوران بولنے والی آواز کسی لڑکی کی تھی۔ "کیا ہم مل سکتے ہیں؟ مجھے ماہر کے بارے میں بات کرنی ہے۔"

"اور تم کون ہو؟" وہ باغیچے میں کھڑے کھڑے بات کر رہے تھے۔

"سبرینہ۔ ماہر کی سیکرٹری۔"

"لڑکی اگر رابیل نے تمہیں نوکری سے نکال دیا ہے تو میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔"

"مجھے ماہر کے بارے میں بات کرنی ہے۔ وہ سائیکوسس کا شکار نہیں ہے۔"

"او کے ڈاکٹر سبرینہ۔ آپ کے خیال میں اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟" طنز سے پوچھا۔

"وہ possessed ہے۔"

مالک فرید کے ابرو تن گئے۔ چہرے پہ بہت سی ناگواری پھیلی۔

"اسٹوپڈ عورت.... ایسی کوئی چیز وجود نہیں رکھتی۔ اب مجھے فون مت کرنا۔" موبائل رکھ کے انہوں نے سر جھٹکا۔ وہ باغیچے میں تنہا کھڑے تھے۔ ہیربل اور زارا کی بحث کی آوازیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔ مالک کے ماتھے کی تیوریاں مزید چڑھ گئیں۔ تیز قدموں سے واپس اندر گئے۔

"تم کیا پوچھ رہے تھے؟" ان کی گرج دار آواز پہ لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔

"یہ کہ میں نے اسے کمپنی بورڈ سے ہٹا کے سائیکٹرک وارڈ میں کیوں ایڈمٹ کروایا؟"

وہ وہیں کھڑے کھڑے درشتی سے پوچھ رہے تھے۔ کوئی کچھ نہ بولا۔

"مجھے تمہاری ماں کے ساتھ (ایک ناپسندیدہ نظر رابیل پہ ڈالی) ٹیم اپ ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں نے یہ سب ماہر کی بھلائی کے لیے کیا ہے۔ تم یہاں نہیں تھے بی، جب ماہر نے سارے آفس کے سامنے اپنی سیکرٹری کو مارنے کی کوشش کی تھی یا شمس کا سر پھاڑا تھا۔"

"مگر یوں اسے....."

"اس کو ہیلپ چاہیے۔" مالک فرید کی غصے سے کانپتی آواز بلند ہوئی۔ "یہ سائیکوسس ہے۔اسے hallucinations ہو رہی ہیں۔آوازیں سنائی دیتی ہیں۔سارا آفس اس کا گواہ ہے۔اس کو وہ سب شاید یاد بھی نہ ہو۔لیکن زارا اور میں پچھلے دو ماہ سے اس کے گھر میں رہ رہے ہیں۔وہ نیند میں چلاتا ہے۔چیخیں مارتا ہے۔اس کو دورے پڑ رہے تھے۔"

بیربل نے لب آپس میں پیوست کر لیے۔وہ کچھ نہیں بول سکتا تھا۔

"میں قاسم کے بعد اس فیملی کا سربراہ ہوں' چاہے تم دونوں مجھے میرے نام سے پکارو یا مجھے چچا کہو۔کچھ فیصلے ہیں جو میں اس خاندان کے لیے کروں گا' بی۔اور کمپنی کے لیے بھی۔"

ان کا چہرہ شدتِ غیض سے سرخ تھا اور وہ بلند آواز میں کہہ رہے تھے۔

"ہمارا بزنس اعتبار پہ قائم ہے۔ایک دنیا قاسم فرید کی زبان پہ اعتبار کرتی تھی۔لیکن ماہر نے سب برباد کر دیا۔اس نے ایک کلائنٹ پہ حملہ کیا۔ہماری ساکھ تباہ ہوگئی۔اگر ماہر کمپنی میں رہتا تو کوئی ہمارے ساتھ کام کرنے کو تیار نہ ہوتا۔اس کو وارڈ میں داخل کروانے کا مقصد یہ ہے کہ جب وہ تندرستی کا سرٹیفکیٹ لے کر باہر آئے' تو دنیا اس پہ پھر سے اعتبار کرنے لگ جائے۔"

"کیا وہ واقعی باہر آسکے گا؟" بیربل کی آنکھوں میں موہوم سی امید ابھری۔

"اگر ہم اسے وارڈ میں داخل نہ کرواتے تو مختلف لوگ اس کے خلاف چارجز فائل کر کے اسے جیل بھیج دیتے۔تمہارے لیے کیا زیادہ قابلِ قبول ہے؟ سائیکٹرک وارڈ یا جیل؟" وہ اسی غصے سے پوچھ رہے تھے۔بیربل نے سر جھکا دیا۔

"جیل میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد یہ معلوم ہوتا کہ وہ سائیکوسس کا شکار ہے' تب بھی اسے عدالت کہاں بھیجتی؟ ظاہر ہے ذہنی امراض کے ہسپتال میں۔میں نے اسی کام کو تیز کیا ہے۔"

"مالک میں...." بیربل کی آواز دھیمی تھی لیکن وہ اسے نہیں سن رہے تھے۔

"اور دوسری وجہ تمہاری ماں کو عارضی سی ای او منتخب کروانے کی یہ ہے کہ...." اب اسی ناپسندیدگی سے رابیل کو دیکھا۔" تاکہ ماہر کو یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے فرید ہولڈنگ پہ قبضہ نہیں کرنا۔میں جی ایم تھا۔ہوں اور رہوں گا۔یہ عہدہ مجھے میرے بھائی نے دیا تھا۔مجھے اس سے اوپر کی خواہش ہے نہ کوئی مجھے اس سے نیچے لے جا سکتا ہے۔میں نے رابیل کو ماہر کی سیٹ اس لیے دی کیونکہ...." اب وہ رابیل کو دیکھ رہے تھے۔" کیونکہ تمہاری ماں میرے پاس

مدد کے لیے آئی تھی۔"

"مالک!" رابیل کی آواز غصے سے کانپی۔ چہرہ احساسِ توہین سے سرخ ہوا۔

"مالک فرید سچ بات کہنے سے نہیں ڈرتا۔" ان کی گرج دار آواز مزید بلند ہوئی۔ "تم میرے پاس آئی تھیں اپنے شوہر کے خلاف مدد مانگنے۔ لیکن اس نے ایک دفعہ پھر تمہیں اپنی باتوں کے جال میں پھنسالیا۔ اس کے باوجود میں تمہاری مدد کررہا ہوں۔ اس سیٹ کو حاصل کرنے کے بعد تمہیں اپنے شوہر کا اصلی چہرہ دکھائی دے گا جب وہ leech بہانے بہانے سے تم سے مختلف کاغذات پہ دستخط کروائے گا۔"

رابیل کے چہرے پہ بہت سے رنگ ابھرے۔ "تم ہمیشہ شمس کو غلط...."

"میں تمہارے اوپر ایک احسان کررہا ہوں' رابیل۔ میں تمہیں ہاتھ سے پکڑ کے اس ٹاکسک شادی سے نہیں نکال سکتا۔ کوئی کسی عورت کو اس کی ٹاکسک زندگی سے نہیں نکال سکتا جب تک کہ وہ خود اپنی لڑائی نہ لڑے۔ یہ تمہاری لڑائی ہے۔ اسے تم نے خود لڑنا ہے۔ میں صرف تمہیں شمس کی اصلیت دکھا سکتا ہوں۔ اس کے تمام ٹارچر کے باوجود جسے تم میک اپ سے کور کرتی ہو' تمہیں یہ غلط فہمی ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ بالآخر تم خود دیکھ لوگی کہ اس نے تم سے صرف قاسم فرید کی دولت کے لیے شادی کی تھی۔" وہ ابھی تک چوکھٹ میں کھڑے برس رہے تھے۔ اور رابیل کی آنکھیں شدت توہین سے بھیگ چکی تھیں۔

"رہا شمس... تو میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اس کے ہاتھ کچھ لگنے دوں گا۔ تمہارے اختیارات بہت محدود ہیں' رابیل۔"

"اور تم' مالک؟ ماہر تمہیں معاف کردے گا؟"

زارا اور بیربل بے اختیار انہیں دیکھنے لگے۔

مالک کے برف جیسے چہرے پہ ایک سایہ سا گزرا۔

"وہ مجھے معاف کردے گا۔" ان کی آواز قدرے پست تھی۔

"اس نے آج تک اپنی ماں کو معاف نہیں کیا۔ تمہیں کیسے کرے گا۔" رابیل کے چہرے پہ زخمی سا طنز ابھرا۔ انگوٹھیوں والے ہاتھ سے آنسو صاف کیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتی' بابا۔ مجھے کچھ دن کا بریک چاہیے۔" زارا بھی سر جھٹک کے تیزی سے باہر نکل گئی۔ بیربل نے بس ایک زخمی نظر باہر جاتی زارا پہ ڈالی اور اس کے پیچھے لپکا۔

"تم ہمیشہ یہی کرتی ہو' زارا۔تم بچپن سے اب تک..." وہ اس کے پیچھے جاتے غصے سے کہہ رہا تھا۔آوازیں مدھم ہوتی گئیں۔

اب وہ تنہا کھڑے تھے۔چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ونگ چیئر تک آئے۔اور اس پہ گر سے گئے۔چند گہرے سانس لیے۔آنکھوں میں بہت سی سوچیں' اور بہت سا تفکر ایک ساتھ ابھرا تھا۔

دھیرے سے آہٹ ہوئی۔مالک نے چونک کے چہرہ اس طرف موڑا۔

وہ چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ان کے گھٹنے تک آتی۔لمبے گھنگریالے بالوں اور ماہر جیسی آنکھوں والی لڑکی۔اس کے ہاتھ میں ایک میوزک باکس تھا۔ان کے چہرے پہ اکتاہٹ پھیل گئی۔انہیں شمس کی بیٹی کبھی پسند نہیں تھی۔

"آپ کو اس کی بات سننی چاہیے تھی۔" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔کچھ تھا اس کی آواز میں۔کچھ ایسا جس میں بچپنا نہ تھا۔کچھ پراسرار سا۔

"میں نے ماہر کی ہر بات...." وہ تلخی سے گویا ہوئے لیکن.....

"اس لڑکی کی بات جس نے ابھی آپ کو فون کیا تھا۔وہ ماہر سے ملنے ہسپتال گئی تھی۔انہوں نے اسے اندر نہیں آنے دیا۔وہ ان سے لڑ رہی تھی۔اسی لیے اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔" ہلال پلک تک نہیں جھپک رہی تھی۔

ایک سرد سی لہر مالک فرید کی ریڑھ کی ہڈی سے گزر گئی۔ایک لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہ سکے۔ان کا فون اسپیکر پہ نہیں تھا۔وہ باغیچے میں تنہا تھے۔پھر اسے کیسے.....

"اور وہ میرا لاکٹ تھا۔آپ نے اس کو کیوں دیا؟"

اب کے ہلال کی آنکھوں میں کچھ جتاتا ہوا تھا۔

"کس کو؟" وہ جہاں تھے' وہیں ساکت رہ گئے۔

ہلال نے جواب نہیں دیا۔بس انہی نظروں سے انہیں دیکھتی پلٹ گئی۔

وہ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھے رہے۔پھر موبائل کی اسکرین روشن کی۔سامنے اوپر اوپر ماہر کی سیکرٹری کا نمبر جگمگا رہا تھا۔انہوں نے اس پہ ہاتھ رکھا۔پھر فون رکھ دیا۔نہیں۔وہ ایسی غیر منطقی باتوں پہ یقین نہیں رکھتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن...

" آصف؟" سفید عبایا والی لڑکی ششدر کھڑی تھی۔ وہ اس چہرے کو پہچانتی تھی۔ وہ اسے لاکھوں کے مجمعے میں پہچان سکتی تھی۔ یہ وہی تھا جو برسوں پہلے حرم میں اسے ملا تھا۔ وہ جسے کوئی دوسرا دیکھ نہیں سکتا تھا۔

آصف نے مسکرا کے اسے دیکھا لیکن اس کی مسکراہٹ میں کچھ اور بھی تھا۔ افسوس۔

" گھر واپس مت جاؤ۔ جاؤ گی تو پھنس جاؤ گی۔ گھر محفوظ نہیں ہے۔ وہ گھر میں تمہارا منتظر ہوگا۔ گھات لگائے۔"

"میں گھر نہیں جا رہی۔ میں ہوٹل میں ہوں۔ تم... تم کیا جانتے ہو؟" وہ ٹٹولتی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"وہ گھر میں تمہارا منتظر ہوگا۔ گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔"

" آصف تم اور کیا جانتے ہو؟ وہ کون تھا جس کے پاس میری تصویر تھی؟"

"وہ گھر میں تمہارا منتظر ہوگا۔ گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔" وہ ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

" کیا زیاد کے پاس میری تصویر تھی؟" اس نے زور سے پوچھا۔

" تمہیں پناہ ڈھونڈنی ہے۔"

" کیا زیاد کے پاس..."

" تمہیں پناہ ڈھونڈنی ہے۔" اس نے کہنی چھڑائی۔ اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے بھاگی لیکن سامنے چند لوگ آ گئے۔ وہ مجمعے میں گم ہو گیا۔ جیسے کبھی وہاں تھا ہی نہیں۔

وہ وہیں ایک دیوار کے ساتھ بیٹھ گئی۔ جانتی تھی شرطہ اسے اٹھا دے گا۔ لیکن اس کا دماغ جیسے ماؤف ہو چکا تھا۔

زیاد کے پاس اس کی تصویر تھی کیا؟ کیا ماہر درست کہتا تھا؟ کیا یہ سب ایک جادو تھا؟ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

"وہ گھر میں گھات لگائے منتظر ہوگا۔"

وہ جدہ کے اپارٹمنٹ میں واپس نہیں جا رہی تھی، یہ طے تھا۔ لیکن آصف کے الفاظ اس کو خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھے۔ اسے مالک فرید کی بات یاد آئی۔ کیا یہ ممکن تھا کہ زیاد اس کا تعاقب کر رہا ہو۔

اس نے خوف سے اطراف میں دیکھا۔ یہ حرم تھا۔ امن کی جگہ۔ کیا یہاں بھی اسے امان نہ تھی؟

" سسٹر...." کسی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا تو وہ بدک کے دور ہٹی۔

سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی۔ بمشکل چودہ پندرہ برس کی۔ سانولی رنگت۔ خوبصورت بنگالی نقوش۔ البتہ آنکھوں میں ہراساں سا تاثر تھا۔ مالا نے بدقت چہرے پہ مسکراہٹ طاری کی۔ (وہ ایسے کیوں بدی؟ وہ اتنی edgy کیوں ہوگئی تھی؟ وہ پہلے تو ایسی نہ تھی۔)

"ہمارے گھر والے کھو گئے ہیں۔" وہ اردو اور بنگلہ کے درمیان کی زبان بول رہی تھی۔ عبایا' اسکارف لپیٹے' ایک پرس بھینچ کے سینے سے لگائے۔ وہ لڑکی خوفزدہ دکھائی دیتی تھی۔

"میں... مجھے جانا ہے۔ سوری۔" وہ گھڑی پہ وقت دیکھتی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے حرم میں بیٹھے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اسے اندھیرا ہونے سے پہلے جدہ واپس پہنچنا تھا۔ گو کہ یہ ایک محفوظ ترین شہر تھا' لیکن اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ آصف کے الفاظ ذہن میں گونج رہے تھے۔

وہ واپس جانے والے راستے کی طرف بڑھی۔

لیکن پھر.....

ایک منظر ذہن کے چوباروں سے باہر آیا اور حواسوں پہ چھانے لگا۔

ڈیسک پہ بیٹھی گھنگریالے بالوں والی لڑکی... چہرہ اٹھا کے امید سے اسے دیکھ رہی تھی۔

مالا رک گئی۔ پلٹ کے اس بنگالی لڑکی کو دیکھا۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے اطراف میں انسانوں کے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ اس کو یہاں چھوڑ کے جا سکتی تھی؟

(ہلال... میرا پیچھا چھوڑ دو۔ پلیز۔) یہ کہنا آسان تھا۔ لیکن کیا پیچھا چھڑوانا اتنا آسان تھا؟

اس کے قدم واپس اٹھنے لگے۔ دماغ اور جسم دونوں نے مخالفت کی۔ لیکن آج دل کی مرضی چلنی تھی۔ اور جب دل اپنی کرنے پہ آ جائے تو وہ کسی کی نہیں سنتا۔

وہ اس لڑکی تک آئی اور نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے۔

"اٹس اوکے۔ ریلیکس... کچھ نہیں ہوتا۔ تمہارے پاس فون ہے؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ آنسو گرنے لگے۔

"صرف یہ۔" لڑکی نے ایک کارڈ نکال کے دکھایا۔ وہ ایک ہوٹل کارڈ تھا۔ اکثر گروپ میں آئے لوگ ایسے ہی کارڈ رکھتے تھے۔ لڑکی کی گردن میں ڈوری سے اس کا اپنا کارڈ بھی لٹک تھا جس پہ اس کی تصویری شناخت اور عمرہ گروپ کا نام لکھا تھا۔

"کتنی دیر ہوئی ہے؟"

"ایک گھنٹہ شاید۔" پھر وہ کچھ اور کہنے لگی لیکن اس کی زبان مالا کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ دماغ نے اندر سے جھنجھوڑا۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔ مالا چلو یہاں سے۔ لیکن.....

"میں تمہیں پولیس والے شرطہ کے حوالے کرتی ہوں۔ وہ تمہیں ہوٹل پہنچا دے گا۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے ایک طرف لے آئی۔

(مالا تمہیں یہاں سے نکلنا ہے۔ اگر زیاد تمہارا پیچھا کر رہا ہوا تو....؟)

شرطہ کا مسئلہ وہی تھا جو حرم میں تعینات عربوں کا عمومی مسئلہ تھا۔ وہ انگریزی سے نابلد تھا۔ وہ ہر بات پہ جاؤ' مود' یلا (yallah) کہہ دیتا۔ وہ اس کو وہاں نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

(مالا... تمہیں دیر ہو رہی ہے۔)

وہ اس کا ہاتھ تھامے اب بیرونی گیٹ کی طرف جا رہی تھی۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ نہیں چھوڑا یہاں تک کہ وہ پندرہ منٹ کی واک کے بعد ابراہیم خلیل روڈ پہ بنے ایک ہوٹل تک پہنچے۔

"یہی ہے۔ یہی ہے۔" لڑکی چہکی۔ وہ اس کے ساتھ لابی تک آئی۔ باہر مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ خیر ہے۔ اندھیرا ہو بھی گیا تو کیا تھا۔ یہ مکہ تھا۔ یہاں کوئی کسی عورت کو ہراس نہیں کر سکتا تھا۔

"تم یہاں اپنے گھر والوں کا انتظار کرو۔" نماز کے بعد اس نے بچی کو صوفے پہ بٹھایا۔ اب اسے جانا تھا۔ لیکن اس کے اٹھتے ہی بچی فوراً پریشانی سے کھڑی ہو گئی اور اس کا ہاتھ جکڑ لیا۔

"نہیں جاؤ۔"

"پلیز... مجھے جانا ہے۔" اس نے بدقت اصرار کیا لیکن وہ انہی بھیگی بنگالی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ مالا نے گہری سانس لی۔ یہ طے تھا کہ وہ اس کو تنہا چھوڑ کے نہیں جا سکتی تھی۔

"او کے... تمام... میں تمہارے ساتھ ہوں۔" وہ وہیں صوفے پہ بیٹھ گئی۔

ہوٹل میں لوگ آ جا رہے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھتی گئیں اور باہر پھیلتا اندھیرا گہرا ہوتا گیا۔ لیکن مکہ کی رونق اندھیرے کے بعد بھی ویسی ہی تھی۔ یہ شہر ساری رات جاگتا تھا۔

یکدم لڑکی چہک کے اٹھی۔ مالا نے چونک کے دیکھا۔ پھر گہری سانس لبوں سے نکلی۔ داخلی دروازے سے ایک گروپ داخل ہوا تھا۔ اس میں سب سے آگے ایک روتی ہوئی بنگالی عورت تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی آئی اور اس لڑکی سے

لپٹ گئی۔

ساتھ کھڑا مرد ماتھے پہ ہاتھ رکھے بنگلہ میں کچھ کہہ رہا تھا۔ شاید یہ کہ یہ کوئی اتنا مسئلہ نہیں تھا جو وہ اتنی پریشان ہو رہی تھی۔ یہ حرم تھا۔ یہاں لوگ کھوئی ہوئی چیزیں ہی تو تلاش کرنے آتے تھے۔ یہاں خدا بھی مل جاتا تھا تو انسان کیسے کھو سکتا تھا؟

جب تک اس کی ماں نے چہرہ اٹھایا' وہ لڑکی جس نے اس کی بیٹی کو یہاں تک پہنچایا تھا' ہوٹل کا دروازہ کھول کے باہر نکل چکی تھی۔

بنگالی عورت نے ممنون نظروں سے دروازے کو دیکھا اور اس کی آنکھ سے پانی کا ایک موٹا سا قطرہ نیچے گرا۔

وہ قطرہ زمین پہ گرتے ہی اس میں جذب ہو گیا۔

لیکن وہ مرا نہیں۔

وہ زمین کے اندر تیرنے لگا۔ کسی مرکری کی گیند کی طرح وہ زمین کی مختلف تہوں میں سفر کرتا گیا۔

اس نے بہت سے صحرا عبور کیے لیکن وہ سوکھا نہیں۔

اس نے بہت سے سمندر عبور کیے لیکن وہ فنا نہیں ہوا۔

وہ بادلوں پہ اڑا اور جنگلوں میں جست لگا کے دوڑتا گیا۔

یہاں تک کہ وہ لاہور کے ایک پرانے بنے رہائشی بنگلے تک آن پہنچا۔

اس بنگلے کے لاؤنج میں تخت پہ نگینہ بیگم ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ ان کو بخار آ رہا تھا اور اندرانی ان کے سرہانے بیٹھی ان کو دوا دے رہی تھی۔

ان دونوں سے چھپ کے وہ قطرہ زمین پہ رینگتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ نگینہ بیگم کے کمرے کے دروازے کی درز کے نیچے سے اندر داخل ہوا۔ دبئی کے فلیٹ کے برعکس (جہاں ان کا آستانہ بیسمنٹ میں تھا) اس گھر میں ان کا سب کچھ ان کے کمرے میں تھا۔

قطرہ قدم قدم چلتا ان کے کمرے میں داخل ہوا اور سیدھا ایک الماری کے کی ہول سے اندر داخل ہوا۔

اندر اندھیرے میں ایک باکس رکھا تھا۔ اس کے تالے کے سوراخ سے قطرہ اندر سرایت کر گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس میں رکھی ایک گڑیا تک پہنچ گیا۔

اس گڑیا کے دل میں ایک ساتھ کئی سوئیاں پیوست تھیں۔ ہر گزرتے مہینے ان سوئیوں میں اضافہ ہوتا گیا

تھا۔اس کے سارے وجود کے گرد دھاگے لپٹے تھے۔اور ان سیاہ دھاگوں میں موٹی موٹی گرہیں لگی تھیں۔وہ چار سال کی مسلسل محنت اور عمل کے بعد میچور ہونے والا جادو تھا۔

لیکن وہ قطرہ ایک ایک کر کے ان سوئیوں پہ چلنے لگا۔ایسے کہ وہ سوئیاں اس کے ساتھ گھلتی گئیں۔جیسے سیسہ پگھلتا ہے۔باری باری سوئیاں پگھلتی گئیں۔اور دھاگوں کی گرہیں ایسے جل کے بھسم ہو گئیں جیسے وہ تیزاب کا قطرہ ہو۔

بالآخر گڑیا آزاد ہو گئی۔

اور تب.....وہ قطرہ فنا ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جدہ جانے والی بس میں سوار تھی۔سر شیشے سے ٹکائے'اس نے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔شاید وہ سو گئی تھی۔بس کو جیسے جھٹکا آیا۔وہ ایک دم چونک کے جاگی۔بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا۔کچھ تھا۔کچھ محسوس ہوا تھا۔کچھ گیلا تھا۔جیسے کسی نے کچھ گرم گرم انڈیلا ہو۔

لیکن وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔مالا نے سر جھٹک دیا۔ایک سانس۔دو سانسیں۔تین۔

ایسے لگا جیسے برسوں بعد کندھوں کا بوجھ ہلکا ہوا ہو۔اسے جیسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

اسے زیاد کو کال کرنی تھی۔اسے زیاد سے بات کرنی تھی۔اسے کوئی فیصلہ کرنا تھا۔وہ اب مزید اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔

بس اس کے ہوٹل سے چند منٹ کی واک پہ رکی۔وہ نیچے اتری۔ہوٹل سامنے تھا۔اسٹریٹ کے کنارے پہ۔

چند قدموں کا سفر تھا۔چند زن سے گزرتی گاڑیوں کے سوا ہر طرف رات کی تنہائی تھی۔جدہ مکہ کی طرح نہ تھا۔یہاں رات ایسے نہیں جاگتی تھی البتہ وہ اب خود کو غیر محفوظ تصور نہیں کر رہی تھی۔وہ پر سکون تھی۔

اور اسی پل کسی نے پیچھے سے اس کے سر پہ کچھ دے مارا۔درد کی ایک شدید لہر اٹھی۔اس کے لبوں سے کراہ بھی نہ نکل سکی۔

ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نشا نتاشی کی اس بیکری کے باہر رات پھیلی تھی۔اسٹریٹ پہ ہنستے مسکراتے سیاحوں اور شہریوں کا رش دونوں

سمتوں میں بہہ رہا تھا۔شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک میز پہ بیربل فرید بیٹھا تھا۔سامنے چائے کی پیالی رکھی تھی اور وہ اس کو دیکھتا کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

پھر اس نے موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔

"بولو؟" مالک کی اکتاہٹ بھری آواز گونجی۔

"مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔" پشیمانی سے اس نے چہرہ جھکا دیا۔

"صرف ایک؟"

"اس روز جو میں نے تمہیں کہا...." اس نے اضطرابی انداز میں بالوں میں انگلیاں چلائیں۔"کہ مالا سے رابطہ ختم کردو۔ مجھے یہ کہنے کا حق نہیں تھا۔"

"قطعاً نہیں تھا۔"

"کیا تم نے بھی اس سے رابطہ ختم کردیا؟"

"میں نے زندگی میں پہلے کبھی تمہاری بات مانی ہے' بی؟"

بیربل بے ساختہ مسکرا دیا۔ بہت سا بوجھ کندھوں سے ہٹا۔

"ہمیں اس کو اکیلے نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔کیا وہ ٹھیک ہے؟"

"شاید۔"

بیربل کی مسکراہٹ ہلکی ہوئی۔اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"کیا مطلب شاید؟"

"اسے میری صاف گوئی پسند نہیں آئی۔وہ ابھی اپنے شوہر سے علیحدہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

"کیا اس کی عقل ابھی تک واپس نہیں آئی؟" بیربل کو غصہ آنے لگا۔"اس کا شوہر ایک سرٹیفائیڈ قاتل ہے۔وہ اسے بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

"تو میں اور تم کیا کرلیں گے؟"

بیربل نے حیرت سے فون کو گھورا۔

"ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے۔میرا خیال تھا تمہیں اپنے روبوٹ دل کے باوجود مالا کی پرواہ ہے۔"

"تم فلمیں دیکھنے کے شوقین ہو بیربل اور میں فلمیں نہیں دیکھتا۔میں تمہیں اب وہ سچائی بتاتا ہوں جو اس دنیا میں

ازل سے ابد تک رہے گی۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم فلمیں دیکھنے کے شوقین ہو بیربل اور میں فلمیں نہیں دیکھتا۔"

(اس کی آنکھیں بہت بوجھل تھیں جیسے ان پہ منوں وزن ہوں۔ مالا نے پلکیں جھپکائیں۔ ایک نیم تاریک چھت دکھائی دی۔ فالس سیلنگ۔ سپاٹ لائٹس جو بجھی ہوئی تھیں۔ منظر دھندلا سا تھا۔)

"میں تمہیں اب وہ سچائی بتاتا ہوں جو اس دنیا میں ازل سے ابد تک رہے گی۔"

(وہ کہنی کا سہارا لیے اٹھی۔ لبوں سے کراہ نکلی۔ وہ کسی سخت شے کے اوپر لیٹی تھی۔ یا شاید بیٹھی تھی۔ اس نے ہاتھ سے ٹٹولا۔ آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ شاید کسی دوا کا اثر تھا۔
وہ کہاں تھی؟)

"اور وہ سچائی یہ ہے کہ کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔ ہر انسان نے خود کو خود بچانا ہوتا ہے۔"

(اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ گردن موڑنے سے درد کرتی تھی۔ اس کے نیچے قالین تھا اور وہ دیوار کے کونے میں بیٹھی تھی۔ شاید جیسے گری ہوئی تھی۔ بدقت وہ سیدھی ہوئی۔ گہرے گہرے سانس لیے۔)

"تم اس کو نہیں بچا سکتے۔ نہ میں اس کو بچا سکتا ہوں۔"

(یہ کون سی جگہ تھی؟ وہ اس قالین کو پہچانتی تھی۔ وہ اس فالس سیلنگ والی چھت کو پہچانتی تھی۔
یہ اس کا اپارٹمنٹ تھا۔ جدہ والا اپارٹمنٹ۔)

"ہمارے غلط فیصلے اور ہر بار ریڈ فلیگز نظر انداز کرنا بعض دفعہ ہمیں ایسے گڑھے میں گرا دیتا ہے جس سے کوئی رہائی نہیں ہوتی۔"

(کشمالہ مبین چونک کے سیدھی ہوئی۔ دھندلی بصارت کے پار دیکھا۔
یہ کمرہ.... یہ زیاد کا ہوم آفس تھا۔ وہ کمرہ جس میں زیاد سلطان اسے کبھی داخل نہیں ہونے دیتا تھا۔)

"وہ لڑائی ہر انسان کی اپنی لڑائی ہوتی ہے۔ اس گڑھے سے اسے خود نکلنا ہوتا ہے۔"

(وہاں ایک کونے میں بک شیلف رکھا تھا۔ سامنے ایک اسٹڈی ٹیبل اور اس کے ایک طرف کرسی۔ وہ اس کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ مالا کے حلق میں کچھ اٹکا۔)

"آپ کسی عورت کو اس کی ناکس شادی سے نہیں نکال سکتے جب تک کہ وہ خود اس سے نہ نکلنا چاہے۔"

(اس نے پلکیں جھپکائیں۔ منظر مزید واضح ہوا۔
وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ ویسا ہی تھا۔ لیکن آج کچھ بدلا ہوا تھا اس میں۔)

"آپ کسی مظلوم کو ظلم سے نہیں بچا سکتے جب تک وہ خود ظالم کا ہاتھ نہ روکے۔"

(وہ چہرہ آج خوبصورت نہیں تھا۔
وہ ایک عام سے انسان کا عام سا چہرہ تھا۔
ایک غصے بھرا چہرہ۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
اس کا دماغ دھیرے دھیرے جاگنے لگا۔)

"یہ اس دنیا کی تلخ سچائی ہے۔ یہاں کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔"

"(زیاد؟" حلق سے خراب گلے جیسی آواز نکلی۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔

ایک خوف سا مالا کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔)

"میں تمہاری ماں کی لڑائی اس کے لیے نہیں لڑ سکتا تھا۔ نہ تم یا میں مالا کی لڑائی اس کے لیے لڑ سکتے ہیں۔"

("آپ... آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں؟" اس نے بے یقینی سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ کمرے کے کونے میں گٹھڑی کی مانند بیٹھی تھی۔ بال چہرے کے گرد بکھرے تھے۔ سر کے پچھلے حصے میں گومڑ سا بن گیا تھا جو مسلسل درد کر رہا تھا۔

" گیس کرو مجھے کیا معلوم ہوا؟" زیاد کی تیز نظریں اس کے اندر تک اتر رہی تھیں۔ اس کی آواز بھی اس کے چہرے جیسی بدلی ہوئی تھی۔)

"اس کے پاس بہت سے مواقع تھے اس گڑھے سے نکلنے کے لیے لیکن....(مالک نے افسوس سے گہری سانس خارج کی) یہ اس کی اپنی چوائسز ہیں۔"

" کیا تم اس کی مدد بھی نہیں کرو گے، مالک؟" بیر بل کو جیسے شکوہ سا ہوا۔

("میں نیچے اسٹور تیج لا کر روم تک گیا۔ کچھ سامان اٹھانے.... جانتی ہو میں نے وہاں کیا دیکھا؟"

ایک سرد لہر کشمالہ کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ اس کا سانس رکنے لگا۔)

" کروں گا، لیکن تب جب وہ اپنی مدد خود کرے گی۔"

("میں نے دیکھا کشمالہ، کہ وہاں سے ایک شاپر غائب ہے۔ تمہاری ماں کی فلیش لائٹس والا شاپر۔" وہ

دھیرے سے اٹھا۔ وہ بے اختیار پیچھے ہونے لگی۔ آنکھوں میں خوف در آیا۔ ایک ایسا خوف جو قدرت نے ہر انسان' چرند پرند' حیوان کے اندر رکھا ہے۔ جب وہ کسی predator کو دیکھتا ہے تو ایسے ہی پیچھے کی طرف سمٹتا ہے۔

"اس کا ایک ہی مطلب ہے۔ کہ کوئی وہاں آیا تھا۔" وہ قدم قدم چلتا قریب آ رہا تھا۔ مالا کا چہرہ خوف سے سفید پڑنے لگا۔)

"جو شخص خود اپنی مدد نہ کرے' اس کی مدد خدا بھی نہیں کرتا۔ میں تو پھر ایک انسان ہوں۔"

ہیربل فرید خاموشی سے سنتا رہا۔

"تمہاری فلموں میں ایسا ہوتا ہے ہیربل' کہ مظلوم کو بچانے کے لیے اس کی پرواہ کرنے والے سارے لوگ پہنچ جاتے ہیں۔ حقیقت میں ایسا ہوتا تو دنیا کی کوئی عورت femicide (عورتوں کے قتل) کا شکار ہو کے ماری نہ جاتی۔"

" کیا غلط آدمی سے شادی کرنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی ایسی بھیانک سزا ملے' مالک؟"

"میں نے کہا نا' ہر فیصلہ مکمل درست یا مکمل غلط نہیں ہوتا۔ مگر ہر فیصلے کے ساتھ نتائج جڑے ہوتے ہیں۔ اور ان نتائج کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ قسمت۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اس کا ایک ہی مطلب ہے۔ کہ کوئی وہاں آیا تھا۔" وہ قدم قدم چلتا قریب آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑنے لگا۔

"زز... زیادمیں..." آواز لڑکھڑا گئی۔ جسم ایسے مفلوج تھا جیسے کبھی ہل نہ سکے گا۔

"تم نے واقعی سوچا تھا کشمالہ مبین کہ تم میری جاسوسی کرو گی اور مجھے معلوم نہیں ہو گا؟"

وہ عین اس کے سامنے آ رکا۔ وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

" کیا معلوم ہوا تمہیں اس سب سے؟" اس کی آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔

" کک... کچھ نہیں۔ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" وہ ہکلائی۔ زیاد نے آنکھیں بند کر کے ماتھے کو چھوا۔

وہ جان گیا تھا کہ وہ جان گئی ہے۔

"زیاد مجھے کچھ نہیں معلوم...." خوف اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ

کیا کہہ رہی ہے۔

"میں نے تمہارے لیے کیا نہیں کیا۔" وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔اس کے چہرے پہ غصہ بھی تھا اور ملال بھی۔ یہ وہ آدمی نہیں تھا جس سے اس نے شادی کی تھی۔ یہ کوئی اور تھا۔

"میں نے ہر نعمت تمہارے سامنے رکھی۔تمہیں کام کرنے کی آزادی دی۔تمہارے اوپر گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈالا۔ میں اچھا شوہر بننا چاہتا تھا لیکن تم..." وہ غرارہا تھا۔"تم نے میری قدر نہیں کی۔"

وہ بس ساکت سی اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

یہ وہ چہرہ نہیں تھا جس کو وہ جانتی تھی۔

"میں تمہارے لیے اپنے ماں باپ سے دور آن بسا۔تمہارے لیے میں نے سب کچھ چھوڑنا چاہا۔لیکن تم... تم نے میرے ساتھ کیا کیا؟"

اس نے ایک دم پیچھے سے اس کی گردن دبوچ لی۔ مالا کے لبوں سے چیخ نکلی لیکن چیخ کا گلا گھٹ گیا۔اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے زیاد کا ہاتھ پکڑنا چاہا لیکن اس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت نہیں تھی۔مرد اور عورت برابر پیدا نہیں کیے گئے۔

"تمہاری ہر خواہش کے آگے میں نے سر جھکایا لیکن تم نے کیا کیا؟" وہ اس کی گردن پیچھے سے دبوچے کہہ رہا تھا۔گردن کے ساتھ بال بھی اس کی مٹھی کی گرفت میں تھے۔

"زیاد... چھوڑو.... مجھے تکلیف ہو رہی ہے...." وہ کھانسی۔اس کو سانس نہیں آرہا تھا۔

"تم نے سب کچھ بگاڑ دیا۔تمہارے ذرا سے تجسس نے ہم دونوں کی زندگی برباد کر دی۔"

"زز.... یاد...." اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔زیاد نے جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔

سانس کا راستہ بحال ہوا۔وہ ایک ہاتھ دیوار پہ رکھے' دوہری ہوئی گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

"تم اب وہی کرو گی جو میں کہوں گا۔"

وہ وہاں سے اٹھا اور واپس کرسی کی طرف بڑھا۔

وہ ابھی تک تیز تیز سانس لے رہی تھی۔آج جسم سہم گیا تھا۔اس میں اٹھ کے بھاگنے کی ہمت نہ تھی۔ دماغ بھی اس کو تھم جانے کا مشورہ دے رہا تھا۔لیکن دل آزاد تھا۔

"تم ایک قاتل ہو...."

زیاد سلطان کے قدم وہیں رک گئے۔ وہ واپس اس کی طرف گھوما۔

وہ گردن پہ ہاتھ رکھے، چہرہ اٹھائے اسے گلابی پڑتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ اب خوف نہیں تھا۔ وہاں نفرت تھی۔ غصہ تھا۔

یہ وہ چہرہ نہیں تھا جس سے زیاد نے شادی کی تھی۔

"کیا کہا تم نے؟" اس کا چہرہ غضب سے سیاہ ہونے لگا۔

"تم...." اس کا تنفس ابھی تک تیز تھا۔ "تم... ایک... قاتل ہو...." وہ خراب گلے جیسی آواز سے غرائی۔

زیاد سلطان جہاں تھا وہیں جم گیا۔

"اور تم نے میرے اوپر سحرِ عشق کیا تھا۔" مالا کی آنکھوں میں تپش تھی۔ تنفر تھا۔

"سحرِ عشق...." اس کے ہونٹ دھیرے سے ہلے۔

"وہ تم تھے جو میرا پیچھا کرتے تھے۔ یا تمہارے جنات۔ وہ تم تھے جس کے پاس میری تصویر تھی۔ تم نے کچھ کیا تھا میرے اوپر۔" اس نے خود کو کسی زخمی پرندے کی طرح چلاتے سنا۔

"مجھے سب نے کہا زیاد تمہارے قابل نہیں۔ لیکن تم...."

وہ اسے تم کہہ رہی تھی۔ وہ اسے کبھی تم نہیں کہتی تھی۔ وہ ساکت و جامد کھڑا تھا جیسے نمک کا مجسمہ ہو۔

"تم نے مجھے ٹریپ کیا تھا۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میں نے تمہیں انکار کر دیا تھا۔ تم نے سارا کھیل ترتیب دیا۔ تم نے جھوٹ بولا کہ تم اپنی کسی کزن سے شادی کر رہے تھے۔"

اسے کھانسی آئی۔ تنفس اب قدرے بہتر ہوا۔ مگر آنکھوں کی نفرت ہر پل بڑھ رہی تھی۔

"سب تمہارا ڈرامہ تھا۔ تم نے میری اِن سیکیورٹیز کو نشانہ بنایا۔ تم نے مجھے خوف کا شکار کیا۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ میں ثمر خالہ کی بات نہ مانوں۔ میں ماہی کی بات نہ سنوں۔ میں اتنی بے وقوف نہیں تھی، زیاد۔" وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتی، نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ ہاتھ سرخ پڑتی گردن پہ تھا۔

"مجھے تم سے کبھی محبت نہیں تھی، زیاد۔ لیکن...." اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"تم سے زیادہ مجھے کسی انسان سے نفرت بھی نہیں ہوئی۔"

زیاد کا چہرہ سیاہ پڑتا گیا۔ وہ ابھی تک ہل نہیں سکا تھا۔

"تم ایک ہارے ہوئے انسان ہو، زیاد سلطان۔ تمہاری ساری زندگی ایک فریب ہے۔ تم صرف ایک

سائیکو پیتھ قاتل ہو۔"

زیاد نے بے اختیار کرسی کے ساتھ رکھا کچھ اٹھایا۔ وہ اس شے کو پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ وہ جانتی تھی وہ کیا ہے۔

وہ ایک بھوری چمڑے کی بیلٹ تھی۔

لیکن ابھی وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ زیاد کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"مجھے مارنا چاہتے ہو تو مار دو۔ لیکن اگر میں زندہ رہی تو نہ میں اس گھر میں رہوں گی' نہ تمہاری زندگی میں۔"

وہ سرخ بھبھوکا چہرہ لیے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مالا نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور دونوں کہنیاں ایکس کی صورت میں اپنے چہرے کے سامنے کر لیں۔ سارے خوف دم توڑ گئے تھے۔ اس کا دل آزاد تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کے کانفرنس روم کی کھڑکی میں رکھے پودے عدم توجہی کے باعث مرجھائے ہوئے لگ رہے تھے۔ یا شاید وہ اس گفتگو کو سن رہے تھے جو طویل میز کے کنارے بیٹھے تین افراد میں ہو رہی تھی۔

ماہر سربراہی کرسی پہ براجمان' سامنے رکھے کاغذات دیکھتا مسلسل دو انگلیوں سے دھنی کنپٹی مسل رہا تھا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ اور خاموش۔ دائیں ہاتھ بیٹھی شبنم دونوں ہاتھ ہلاتی ناخوشی سے کچھ بتا رہی تھی۔ (انویسٹرز پیسہ کھینچ رہے ہیں.... ڈیڈ لائن تک پروجیکٹ کیسے....) ماہر فرید جیسے اس کو نہیں سن رہا تھا۔ کاغذوں پہ لکھے نمبرز اپنی کہانی آپ بتا رہے تھے۔

"کیا ہوا اگر پروجیکٹ فلاپ ہو گیا تو؟" بیربل بے زاری سے اونچا سا بولا تو دونوں نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ ایک کرسی پہ بیٹھا' اسے دائیں بائیں گھماتا' ہاتھ میں پکڑے گیند کو اوپر نیچے اچھال رہا تھا۔

"بیربل تمہاری ایک بیکری بھی ہے نا جسے تمہیں چلانے کی ضرورت ہے؟" شبنم نے بہت ضبط سے اسے مخاطب کیا۔

"تم چاہتی ہو کہ میں اپنے کرائسز میں گھرے بھائی کو چھوڑ کے بیکری پہ چلا جاؤں؟" اس نے بہت افسوس سے شبنم کو دیکھا۔ "میں صرف سست اور کاہل ہوں۔ خودغرض نہیں۔"

ہونہہ میں سر جھٹکا۔ پھر گیند اوپر اچھالی۔ وہ جیسے ہی نیچے آئی' بیربل کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ اس نے شیشے کے پار کسی کو دیکھ لیا تھا۔

"آ گئی وٹامن۔"

''آپ کو اس کیس سے جلد از جلد نکلنا ہے' ماہر بے۔ ورنہ بمشکل اپنے پیروں پہ کھڑا ہونے والا کیف پھر سے ڈھے جائے گا۔'' شبنم اپنی چیزیں اٹھاتے ہوئے تشویش سے کہہ رہی تھی۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح بیٹھا رہا۔ شبنم باہر نکلی تو وہ اندر آئی۔ ماتھے پہ سن گلاسز ٹکائے' اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ لیدر بریف کیس میز پہ رکھا اور جب بولی تو چہرے پہ زمانے بھر کی فکرمندی تھی۔

''ماہر بے... بری خبر ہے۔''

''آپ کبھی اچھی خبر کے ساتھ آئی ہیں' وٹامن حانم؟'' وہ پھر سے گیند اوپر نیچے اچھالنے لگا تھا۔ سوزی نے بگڑ کے اسے دیکھا۔

''پلیز اس man-child سے کہیں' یہ یہاں سے چلا جائے۔ میرا موڈ پہلے ہی خراب ہے۔''

بیر بل فرید کے سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔ گیند دبوچ کے وہ تیزی سے کھڑا ہوا۔

''مین واٹ؟ کیا کہا؟'' اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ بے بسی سے ماہر کو دیکھا جو ابھی تک ان دونوں سے بے نیاز تھا۔

''مین چائلڈ۔ میں نے کہا مین چائلڈ۔'' وہ چبا چبا کے کہتی بریف کیس کھول رہی تھی۔ وہ ابھی تک کھڑی تھی۔

''میں بتا رہا ہوں' ماہر آفندی۔ یہ لڑکی مالک کے کہنے پہ کسی خفیہ ایجنڈے پہ یہاں آئی ہے۔''

پھر اس نے پیر پٹخا اور تن فن کرتا باہر نکل گیا۔

سوزی نے افسوس سے اسے جاتے دیکھا۔

''آپ کو بھی یہ لگتا ہے کہ میں یہاں خفیہ ایجنڈے پہ آئی ہوں؟''

''نہیں۔'' ماہر فرید نے نرمی سے کہتے ہوئے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔'' مجھے ایسا لگتا نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے۔''

سوزین ایک لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔

''میں...''

''تم نے مجھے کہا تھا کہ میری پاس دو آپشن ہیں۔ لیکن نہیں۔ ایک تیسرا آپشن بھی ہے جو مالک نے تمہیں بتانے کے لیے کہا ہوگا لیکن اتنے دن سے تم اس بات کا ذکر نہیں کر رہیں کیونکہ تم چاہتی ہو کہ....'' وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ سوزین نے بہت سا تھوک نگلا۔

''کہ پہلے میں تم پہ اعتبار کروں۔ وہ میں نہیں کروں گا۔ اس لیے تم مجھے تیسرا آپشن بتا سکتی ہو۔''

''پہلے یہ دیکھیں۔'' اس نے گہری سانس لی اور چند پرنٹ آؤٹس بیگ سے نکال کے سامنے رکھے۔ ماہر کی نظر

ان پہ پڑی تو وہ چونکا۔

''پولیس کمشنر کو نیا evidence ملا ہے۔''

وہ تیزی سے سیدھا ہوا اور کاغذ اٹھائے۔

''میرے پولیس سورس کے مطابق غالب نواز کے ناخنوں کی نیچے سے ڈی این اے دریافت ہوا ہے۔''

''اس کی لاش ابھی تک مورگ میں ہے؟'' وہ حیران ہوا۔پھر چونک کے اسے دیکھا۔''یہ ڈی این اے قاتل کا ہوسکتا ہے۔''

''اگر قاتل کا ہوتا تو پہلے مل جاتا۔اتنے دن بعد ملنے کا یہی مطلب ہے کہ کسی نے اسے وہاں پلانٹ کیا ہے۔''

ماہر کے لبوں سے گہری سانس خارج ہوئی۔اس نے کاغذ بے دلی سے پرے ڈال دیے۔

''ہم نے جج کو خریدا اور انہوں نے لیب کے فارنزک اینالسٹ کو۔''

''ڈی این اے کا رزلٹ چوبیس سے بہتر گھنٹے گھنٹے میں آجائے گا۔''

''اتنا وقت کیوں لگے گا؟ نوے منٹ میں آجانا چاہیے۔''

''یہ ترکی ہے۔کرائم لیب والے کافی سست ہیں۔وہ جان بوجھ کے رزلٹ میں تاخیر کریں گے اور اصل قاتل سے زیادہ پیسے ہتھیائیں گے۔لیکن ٹیسٹ رزلٹ آتے ہی وہ ضمانت کو منسوخ کروانے کے لیے جج کے پاس جائیں گے۔اگر ڈی این اے آپ کا نکلا تو ضمانت منسوخ ہو جائے گی۔''

''میں جیل نہیں جاؤں گا۔''اس کے چہرے پہ برہمی در آئی۔

''ضمانت منسوخ ہونے کے بعد ہمیں پہلی تاریخ چھے ماہ بعد کی ملے گی۔ہم چھے ماہ میں ہم بھرپور محنت کر کے اس کیس کا رخ بدل سکتے ہیں۔ہم تمام ملوث ارکان کی گواہیوں کو ڈس کریڈٹ کر سکتے ہیں۔چھے ماہ بہت ہوتے ہیں تمام ثبوت اپنے حق میں کرنے کے لیے۔عدالتی کارروائیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔لیکن....''

''لیکن ضمانت منسوخ ہونے کی صورت میں مجھے چھے ماہ تک جیل میں رہنا ہوگا؟''اس کے سارے اعصاب تن گئے۔

''یہ آپ کا پہلا آپشن ہے۔''

''اور میرا آخری آپشن کیا ہے'اوکات حانم؟''

وہ ٹیک لگائے بیٹھا'بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''یہ وہ آپشن ہے جو مالک بے نے دیا تھا۔لیکن میں جانتی ہوں کہ اس وقت یہی بہترین آپشن ہے۔''

سوزین نے الفاظ جوڑے لیکن اس سے پہلے ہی وہ بول پڑا۔

''یہی کہ میں واپس لندن چلا جاؤں؟''اس کے ہونٹوں پہ ایک آزردہ سی مسکراہٹ بکھر گئی۔سوزی نے گہری سانس لی اور اثبات میں سر ہلایا۔

''ضمانت منسوخ ہونے سے پہلے آپ ملک سے نکل جائیں۔اور اگلے پانچ چھے ماہ لندن میں گزاریں۔ہم آپ کی بیماری کا ریکارڈ داخل کروادیں گے۔اگلی پیشی پہ آپ واپس آسکتے ہیں۔تب تک ہم کیس کا رخ اپنے حق میں بدل چکے ہوں گے۔یہ ترکی ہے۔یہاں ایسے ہی ہوتا ہے۔''

اس نے گہری سانس لی اور سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا۔پھر کمر پہ زور دے کر سیٹ کو پیچھے کیا۔پھر آگے۔پھر پیچھے۔نگاہیں چھت پہ تھیں اور کرسی اوپر نیچے جھول رہی تھی۔

''میں نے برسوں پہلے مالک سے کہا تھا کہ میں اس شہر میں واپس نہیں جاؤں گا جہاں سے مجھے نکالا گیا تھا۔''

''آپ نے وہ شہر خود چھوڑا تھا۔''

''کیونکہ وہاں کے لوگوں نے مجھ پہ اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا۔''

''آپ کو سائیکوسس کے دورے پڑتے تھے۔مالک بے نے وہی کیا جو آپ کے حق میں بہتر تھا۔ٹھیک ہے ان کا پلان بہت پیچیدہ تھا۔وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہ رہے تھے۔لیکن وہ صرف آپ کی بھلائی چاہتے تھے۔''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ ہنوز چھت کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا آپ انہیں معاف کر سکتے ہیں؟''

''میں نے اسے برسوں پہلے معاف کر دیا تھا۔لیکن میں اس پہ اعتبار نہیں کر سکتا۔''

''آپ کو اپنا سوچنا ہے۔ان کا نہیں۔اس وقت بہتری اسی میں ہے کہ آپ اس ملک سے غائب ہو جائیں۔آپ کا نام ابھی کسی واچ لسٹ میں نہیں ہے۔آپ آرام سے پہلی فلائٹ پکڑ کے یہاں سے نکل سکتے ہیں۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔وہ خاموشی سے چھت کو دیکھتا رہا۔

''میں مالک سے کیا کہوں؟''وہ ہر روز مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ماہر راضی ہوا یا نہیں۔''وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ اس کا گلٹی کانشنس ہے جو مجھے واپس لانا چاہتا ہے۔''

''اپنا سوچیں' ماہر بے۔آپ کو اس ملک سے آزادی چاہیے۔آپ کا پروجیکٹ آپ کے پیچھے بھی چلتا رہے گا۔''

''میں سوچوں گا۔''

ایک سوگوار مسکراہٹ سوزی کے لبوں پہ بکھر گئی۔

''ویسے اگر آپ مالک پہ اعتبار نہیں کرتے تو مجھے ہائر کیوں کیا؟''

''کیونکہ میں جانتا ہوں' وہ کسی نااہل وکیل کو میرے پاس نہیں بھیجے گا۔''

باہر شبنم کے ڈیسک پہ بیٹھا بیربل اسی طرح گیند ہوا میں اچھال کے کیچ کر رہا تھا۔شبنم نے کمپیوٹر سے نظریں اٹھا کے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''تمہارے برعکس دوسرے لوگوں کو کام کرنے ہوتے ہیں۔''

''حالانکہ تمہیں اپنے باس پہ نظر رکھنی چاہیے۔''

شبنم نے آنکھیں چھوٹی کیں اور کانفرنس روم کی طرف دیکھا۔سوزی دروازے سے نکل رہی تھی۔

''تمہارا اور اس وکیل کا بہت اچھا کپل بنے گا۔چیک کر لینا کہ وہ کہیں committed تو نہیں۔ورنہ تم تو ہمیشہ ہی available ہوتے ہو۔''

بیربل کا چہرہ گلابی ہوا۔پیر پٹخ کے اٹھا اور کانفرنس روم کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا کہہ رہی تھی وٹامن حاتم؟'' تجسس سے اس کا برا حال تھا۔تیزی سے کرسی کھینچی۔

''بیربل فرید!'' ماہر نے غور سے اس کو دیکھا۔''اس لڑکی کے بارے میں سوچنا بھی مت۔وہ تمہاری ٹائپ نہیں ہے۔''

بیربل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''واٹ؟تم....''

''کہا نا' سوچنا بھی مت۔''اس کے انداز میں واضح تنبیہ تھی۔

''تمام تمام۔میں سمجھ سکتا ہوں۔'' بیربل نے ہاتھ اٹھا دیے۔''بطور میرے بھائی تم مجھے کسی لڑکی سے دور رہنے کے لیے کہہ رہے ہو' کیونکہ تم جانتے ہو وہ میرے حق میں اچھی ثابت نہیں ہوگی۔'' وہ سرسری سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

''ہاں۔اور اس لیے بھی کہ تم اسٹوپڈ ہو۔''

اس سے پہلے کہ بیربل خفا ہوتا' اس کا موبائل تھرتھرایا۔میسج دیکھتے ہی ایک گہری سانس لبوں سے خارج ہوئی۔

''وہ ٹھیک ہے۔''اس نے جیسے سکون کا سانس لیا۔

''کون؟''ماہر نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''مالا۔ مجھے اس کی فکر تھی۔''وہ واپس موبائل جیب میں ڈال رہا تھا۔''میں نے اسے صبح کال کی تھی لیکن اس نے نہیں اٹھائی۔ابھی اس نے مجھے میسج کیا ہے کہ وہ ٹھیک ہے۔وہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رہ رہی۔کسی ہوٹل میں ہے۔اور یہ بھی کہ ابھی وہ کچھ دن اکیلے رہنا چاہتی ہے۔یعنی میں اسے تنگ نہ کروں۔''

بیربل کے جانے کے بعد ماہر نے فون اٹھایا۔اسکرین روشن کی۔وہاں کوئی کال یا میسج نہ تھا۔اس نے مالا کی چیٹ کھولی۔اب وہ اسکی پروفائل پکچر نہیں دیکھ سکتا تھا۔کیا اس نے اسے بلاک کر دیا تھا؟

اس نے ماہر کو تب بھی بلاک نہیں کیا تھا جب اسے معلوم ہوا تھا کہ وہ کیف نہیں' ماہر ہے۔کیا اس کی بے زاری اس حد تک بڑھ چکی تھی؟

اس نے سوزی کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔

''تم درست کہہ رہی تھیں۔ مجھے اپنے لیے کوئی فیصلہ لینا ہے۔''اس نے خود کہتے سنا۔''مالک سے کہو' میں اس کی ملکہ کے ملک واپس آنے کے لیے تیار ہوں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپارٹمنٹ کے لونگ روم میں بیٹھا زیاد سلطان عینک لگائے کشمالہ مبین کا موبائل اٹھائے باری باری تمام چیٹس کو رپلائی کر رہا تھا۔بیربل کو جواب دے کر اس نے فیملی گروپ کھولا جہاں خاموشی تھی۔

''میں کچھ دن کے لیے ڈیجیٹل ڈی ٹوکس پہ جا رہی ہوں۔فون آف کر کے کام پہ فوکس کروں۔''پیغام لکھ کے بھیج دیا۔وہ احتیاط سے ٹائپ کر رہا تھا۔ایک ایک اسپیلنگ مالا کے انداز میں۔مالا اکثر ایسے کرتی تھی۔کام پہ توجہ دینی ہوتی تو ڈیجیٹل ڈی ٹوکس پہ چلی جاتی اور ساری سوشل میڈیا ایپس بند کر دیتی۔

''آر یو او کے؟''عبدالمالک فرید کی چیٹ میں تازہ پیغام جگمگا رہا تھا۔پیچھے سے چیٹ خالی تھی۔یقیناً مالا نے ڈیلیٹ کر دی تھی۔زیاد کے ابرو بھنچ گئے۔پھر وہ جواب لکھنے لگا۔وہ ٹھیک ہے اور کچھ دن کی تنہائی چاہتی ہے۔

پھر اس نے ماہر فرید کی چیٹ ڈھونڈی۔وہاں ماہر کے نام سے ایک ہی نمبر محفوظ تھا۔برطانیہ کے کوڈ والا نمبر جو

برسوں سے ماہر کی ملکیت تھا۔لیکن اس کی چیٹ ڈیلیٹ شدہ تھی۔زیاد نے نمبر بلاک کر دیا۔

اندر زیاد کے ہوم آفس کے باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا۔

وہ سنک پہ ہاتھ رکھے آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔بال الجھے ہوئے دائیں بائیں بکھرے تھے۔گردن پہ لکیروں کی صورت میں نیل پڑے تھے۔ایک آنکھ بری طرح سوجی ہوئی تھی اور اس کے نیچے سرخی مائل نیلاہٹ تھی۔ناک کے وسط میں سیاہی مائل نشان۔ہونٹوں پہ جما خون۔

پھر اس نے دھیرے سے کندھے سے شرٹ دھکیلی۔وہاں بہت سے نشان تھے۔کندھے۔کمر۔اس کا سارا جسم درد کر رہا تھا۔مگر یہ ایسے نشان جو لباس میں چھپ جایا کرتے ہیں۔

وہ چند لمحے وہیں کھڑی خود کو دیکھتی رہی۔پھر نل کھولا۔ہتھیلیوں میں پانی بھر کے چہرے پہ ڈالا۔جلتی آنکھوں کو ٹھنڈک ملی۔ٹھنڈے زخموں کو جلن پہنچی۔

پھر دیوار کا سہارا لیا۔اس کا سارا جسم درد سے ٹوٹ رہا تھا۔بدقت وہ باہر آئی۔

کمرے کا دروازہ باہر سے بند تھا۔وہ دروازے تک آئی اور اسے کھٹکھٹایا۔ایک دفعہ۔دو دفعہ۔اتنی دفعہ کہ بازو درد کرنے لگے۔اس نے نڈھال سے انداز میں گہرے گہرے سانس لیے۔

وہ قدم قدم چلتی دیوار کو پکڑے اپنے اسی کونے میں آ گئی۔پھر وہ نیچے بیٹھتی گئی۔سر درد سے پھٹ رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔اور چہرہ سپاٹ تھا۔

جھک کے ٹرے مالا کے سامنے فرش پہ رکھی۔اس میں چاول تھے۔اوپر چکن پیس۔یہ اس کا سعودی عرب میں فیورٹ کھانا تھا۔زیاد سلطان نے اس کا فیورٹ کھانا آرڈر کیا تھا۔البتہ ساتھ نہ کانٹا تھا نہ چمچ۔وہ اس وقت کوئی ہتھیار اس کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا تھا۔

وہ خاموشی سے کھانے کو دیکھتی رہی۔

(وقت پیچھے چلا گیا تھا۔وہ ایک شادی سے لوٹی تھی۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔وہاں اس کے چہرے کی ایکنی کو نشانہ بنایا گیا تھا۔اسی لیے اس کے لیے ان آنٹی نے رشتہ نہیں بھیجا تھا۔اس کی ساری ذات سوالیہ نشان بن گئی تھی۔وہ اوپر اسٹوڈیو میں بند ہو گئی تھی۔بخت بی کھانے کے لیے بلاتی رہی لیکن وہ نہیں آئی۔پھر ماں نے خود ٹرے تھامی اور سچ سچ کے زینے چڑھتیں' دیوار کا سہارا لیتیں' اوپر آئیں۔دروازے کے باہر ٹرے رکھی۔خود بھی

بدقت وہاں اوپری زینے پہ بیٹھ گئیں۔

"کھانا کھالو بیٹے۔کھانے سے کیا ناراضی؟")

وہ گھٹنے زمین سے لگائے' جدہ کے اپارٹمنٹ کے اس قید خانے میں بیٹھی' کھانے کی ٹرے کو دیکھ رہی تھی۔

"تم سہیل کی شادی پہ تھے۔" اس کی نظریں بھورے چاولوں پہ جمی تھیں۔زیاد اب اپنی کرسی پہ بیٹھ چکا تھا۔

"لیکن مجھے یاد نہیں۔ماہی کہتی ہے کیوں یاد نہیں۔تم نے کچھ کیا تھا میرے اوپر۔کسی وجہ سے تم نے مجھے وہ واقعہ بھلوا دیا۔ماں کہتی تھیں' شیاطین چیزیں بھلوا دیتے ہیں۔"

وہ گیلی آواز میں بول رہی تھی۔تھوڑی گھٹنے پہ ٹکائے' نظریں پلیٹ پہ مرکوز تھیں۔

"سبرینہ تمہاری منگیتر نہیں تھی۔وہ ایک جھوٹ تھا جو تم برسوں سے بولتے آئے تھے۔ایک sob story تاکہ میں تم پہ ترس کھاؤں۔مجھے چیزوں کو' انسانوں کو' اپنے بہن بھائی کو' سب کو فکس کرنے کی عادت تھی۔میں نے ماں کو بھی فکس کرنا چاہا۔میں اپنے گھر کا فکسر تھی۔تم چاہتے تھے کہ میں تمہیں بھی فکس کروں۔لیکن..." پھر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن کوئی عورت کسی مرد کو فکس نہیں کر سکتی۔کوئی انسان بدل نہیں سکتا۔جو بدلتے ہیں وہ اپنے لیے بدلتے ہیں۔"

"تمہارے پاس موقع تھا۔" وہ بولا تو اس کے انداز میں شکوہ تھا۔"تم محبت سے میری اصلاح کر سکتی تھی۔تم مجھے بدل سکتی تھیں۔لیکن تمہیں میری پرواہ ہی نہیں تھی' کشمالہ۔تمہیں اپنے بہن بھائی' استنبول ٹرپس' اپنے کام کی پرواہ تھی۔اور ان کی جنہیں تم فیملی فرینڈز کہتی ہو۔" انداز میں طنز در آیا۔مالا نے گیلی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"وہ سب تم سے بہتر تھے' زیاد۔وہ سب ٹھیک تھے۔میں غلط تھی۔"

زیاد سلطان کے ماتھے کی رگیں بھنچ گئیں۔چہرہ سرخ پڑنے لگا۔مگر وہ نڈر سی کہہ رہی تھی۔

"ماہر بھی ٹھیک کہتا تھا۔تم مجھے ہرٹ کرو گے۔اور تم مجھے بری طرح ہرٹ کرو گے۔"

"دیکھا تھا میں نے۔وہ تمہیں کالز کر رہا ہے کئی دن سے۔"

مالا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

"تمہیں لگتا ہے میں نے تمہارے ساتھ بے وفائی کی ہے؟" وہ اب خوفزدہ نہ تھی۔اس کے چہرے پہ صرف

افسوس تھا۔

''میں نے ماہر فرید کو اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ ایسا کچھ سوچ سکے۔'' آخر میں وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تم نے اسے اس کیس میں پھنسایا ہے نا؟'' وہ اسی تاسف سے اسے دیکھ رہی تھی۔ آواز ہلکی تھی۔

''Guilty as charged'' زیاد سلطان نے سر کو خم دیا۔ وہ بالکل سنجیدہ تھا۔

''اور مجھے یہاں قید کر کے کیا کرو گے؟ میری یادداشت مٹا دو گے؟ یا مجھے خود سے محبت کرنے پہ مجبور کر دو گے؟'' پھر افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''میں تم سے طلاق لوں گی' زیاد۔ میں .. تم سے .... طلاق ... لوں گی۔'' ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔

''طلاق ایک بہت بڑا لفظ ہے' کشمالا۔ ٹھہرو ... میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اس لفظ کا مطلب کیا ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے کمرے میں ٹہلنے لگا۔

''طلاق لے کر تم کہاں جاؤ گی؟ اپنے گھر؟ وہ معید ایسے بیچ دے گا جیسے اس نے باغ بیچا تھا۔ تمہارے خیال میں' میں نہیں جانتا؟'' وہ طنز سے ہنسا۔

''معید کے گھر میں تمہارے لیے اب جگہ نہیں ہوگی کیونکہ اب وہاں تمہاری بھابھی ہے۔ اور وہ مجھے عورت ایسی نہیں لگی مجھے جو تمہیں برداشت کرے گی۔ تمہارے پاس پاکستان میں نہ کوئی گھر ہوگا نہ کیریئر۔ اور طلاق یافتہ عورت کا اکیلے رہنا.... اونہوں۔ تم معاشرے کی باتیں سن نہیں سکو گی۔''

وہ گھٹنے سینے سے لگائے دیوار سے لگی بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم لوگوں سے نہیں ملو گی تو وہ تمہارے بارے میں باتیں کریں گے۔ ملو گی' تب اور زیادہ باتیں کریں گے۔ وہ کہیں گے کہ سسرال کے بغیر independent گھر ملا تھا کشمالہ کو۔ باہر کا ملک تھا۔ پھر بھی کشمالہ نہیں رہ سکی۔ گھر نہ بسا سکنا ایک بہت بڑا فیلیئر ہے۔ اور تم سارے خاندان میں ایک فیلیئر بن جاؤ گی۔''

وہ دائیں سے بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ مالا کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''تمہارے گھر کے ملازم تک تمہیں ترس سے دیکھیں گے۔ ایک ایسی عورت جس کے شوہر نے اسے چھوڑ دیا۔ کوئی نہیں یقین کرے گا کہ تم نے مجھے چھوڑا۔ سب کہیں گے میں نے تمہیں طلاق دی۔''

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ گرم آنسو گال پہ گرنے لگے۔

''تم تیس کی عمر کو تم پہنچ رہی ہو۔ طلاق کے بعد خوبصورت سے خوبصورت عورت کو بھی سارے مرد دستیاب سمجھتے

لگتے ہیں۔ جیسے اب وہ اس کے قابل ہو گئے ہیں۔ موٹے بھدے مرد۔ بدصورت مرد۔ شادی شدہ مرد۔ کنگال مرد۔ کوئی اس عورت کی عزت نہیں کرتا جسے اس کے شوہر نے چھوڑ دیا ہو۔''

اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے لیکن زیاد کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ اس آواز کا گلا نہیں گھونٹ سکتی تھی۔

''تم سے کوئی شادی نہیں کرے گا۔ طلاق یافتہ عورتوں سے کوئی شادی نہیں کرتا۔ کرتا بھی ہے تو ساری عمر جوتے کی نوک پہ رکھتا ہے۔ پچھلے مرد کے طعنے دیتا ہے۔ زیاد سلطان کے نام کا دھبہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا۔''

''اسٹاپ اٹ....'' وہ زور سے چلائی لیکن وہ کہہ رہا تھا۔

''تم اپنی کہانی جس کو بھی سناؤ گی' وہ یقین نہیں کرے گا۔ تمہاری بات پہ کوئی پاکستان میں کیا' یہاں بھی یقین نہیں کرے گا۔ کیونکہ عورتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔ جھوٹ موٹ کے زخم بنا لیتی ہیں۔ ان کی ساری عمر اداکاری کرتے گزرتی ہے۔ طلاق ایک بہت بھاری لفظ ہے' کشمالہ مبین۔''

اس کا لہجہ طنز سے بھرا تھا۔

''اس لیے اب تم یہاں بیٹھ کے سوچو کہ کس میں خسارہ کم ہے۔ طلاق جیسا بھاری لفظ اپنا کے ایک خوفزدہ' برتی ہوئی عورت کی طرح زندگی گزارنا۔ یا اپنے شوہر کے ساتھ عزت سے زندگی گزارنا۔ چاہے تمہیں وہ شوہر کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو۔''

اس نے زور سے دروازہ بند کیا اور باہر نکل گیا۔

مالا نے سر گھٹنوں پہ رکھ دیا۔ ہر طرف اب اندھیرا تھا۔ ساری آوازیں خاموش ہو گئی تھیں۔ ساری جنگیں دم توڑ گئی تھیں۔

جسم کی۔ دماغ کی۔ دل کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد سلطان دوبارہ کمرے میں آیا تو وہ اسی طرح کونے میں بیٹھی تھی البتہ اب اس کی آنکھیں خشک تھیں۔ اس نے سامنے رکھی ٹرے دیکھی۔ وہ خالی تھی۔ وہ کھانا کھا چکی تھی۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب اس نے قید میں کھانا کھایا تھا۔

وہ واپس اپنی کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''کیا فیصلہ کیا؟'' اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

اس نے زخمی چہرہ اٹھا کے زیاد کو دیکھا۔

''میں طلاق نہیں لوں گی۔'' وہ سارے فیصلے کر چکی تھی۔

زیاد سلطان کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''لیکن ہم پاکستان واپس جائیں گے۔ میں تمہارے ماں باپ کے ساتھ تمہارے گھر میں رہوں گی۔ تاکہ وہ گواہ رہیں۔ اور تم مجھ پہ کبھی ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔''

وہ مسکرا دیا۔

پھر اس کے چہرے پہ ایک تاثر ابھرا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔ ڈھیروں پشیمانی کا تاثر۔

''آئی ایم سوری۔ میں غصے میں آ گیا تھا۔'' اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔

''مجھے پاکستان واپس جانا ہے۔ یہ گارنٹی تم مجھے دو گے۔''

''تم جو گارنٹی مانگو گی میں تمہیں دوں گا۔ میں اپنا گھر نہیں توڑنا چاہتا۔''

''گھر۔ ہونہہ۔'' سلگتی آنکھوں سے زیاد کو دیکھتی وہ دیوار کا سہارا لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور بے فکر رہو۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔'' ایک زخمی' جتاتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی۔ پھر دیوار کو ٹٹول کے تھامے' قدم قدم باتھ روم کے دروازے تک بڑھنے لگی۔ دروازے تک پہنچ کے وہ رکی۔ جیسے چکر سا آیا۔ زیاد بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟''

''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ پھنکاری۔ پھر دروازے کا سہارا لیے اندر داخل ہوئی۔ سامنے واش بیسن پہ لگا آئینہ اس کا عکس دکھا رہا تھا۔ پیچھے چوکنے سے کھڑے زیاد کا عکس بھی نمایاں تھا۔

وہ سنک پہ دونوں ہاتھ رکھے جھکی' اور آنکھیں بند کر لیں۔

''کشمالا...'' وہ چونک کے اس کے پیچھے آیا۔ وہ اسی طرح دہری ہوئی کھڑی تھی۔ آنکھیں سختی سے میچ رکھی تھیں۔

''کشمالہ؟'' وہ جیسے ہی قریب آیا' وہ ایک دم پلٹی اور کچھ زور سے اس کے سر پہ دے مارا۔

وہ ہینڈ ٹاول کا لوہے کا رنگ تھا۔

زیاد سلطان اس حملے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ ایک دم بوکھلا کے پیچھے ہٹا۔ لیکن دیوار کا سہارا لیتے لیتے بھی وہ نیچے گر گیا۔

اگلے ہی لمحے وہ باہر بھاگی۔ چوکھٹ ایک جست میں عبور کی۔ جسم کی ساری توانائی ٹانگوں اور ہاتھوں میں سما گئی تھی۔

زیاد ماتھے پہ ہاتھ رکھے نیچے گرا ہوا تھا۔ کہنی کا سہارا لے کر وہ چلاتا ہوا اٹھنے لگا لیکن....

وہ بک شیلف کے قریب آئی۔ آئیکیا کا بنا بک شیلف اتنا بھاری نہ تھا جتنا دیکھنے میں لگتا تھا۔ اس نے پوری قوت سے اونچے شیلف کو دھکا دیا۔ اس سے پہلے کہ زیاد اٹھتا' بک شیلف دھڑام سے اس کے اوپر آن گرا۔ شیشے کے چھناکے سے ٹوٹنے کی آواز آئی۔ بہت سی کتابیں دھڑا دھڑ اس پہ جا گریں۔ ہلکی لکڑی کے چند تختے ٹوٹ گئے اور وہ اس کے بوجھ تلے ڈھے گیا۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔'' وہ حلق کے بل چلائی اور لکڑی کا ایک ٹوٹا ہوا تختہ اٹھایا۔

''ساری عورتیں اداکارائیں ہوتی ہیں۔ جھوٹی اداکارائیں۔''

وہ زیاد سلطان کے سر کے قریب رکی۔ اس کے ماتھے سے خون بہہ رہا تھا اور وہ چلا رہا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ بک شیلف کے نیچے پھنس چکا تھا۔

''اور تم نے ٹھیک کہا تھا۔ عورتیں جھوٹ موٹ کے زخم بنا لیتی ہیں۔'' پوری قوت سے اس نے لکڑی کا تختہ زیاد کے سر پہ دے مارا۔ وہ زور سے چیخا۔

''کشمالہ... مجھے... نکالو...'' خون اس کی کنپٹی سے نیچے گر رہا تھا۔ مگر بکھرے بالوں اور نیلگوں چہرے والی لڑکی نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر زور سے تختہ دوبارہ اس کے سر پہ دے مارا۔ وہ جو ہاتھوں سے اپنے اوپر سے ٹوٹا شیلف ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا' واپس ڈھے گیا۔ تختہ بھی ٹوٹ گیا۔

''اور تم نے درست کہا تھا۔ طلاق ایک بہت بھاری لفظ ہے۔'' وہ پنجوں کے بل نیچے جھکی۔ اس کے زخمی چہرے کے قریب۔ پھر دھیرے سے سرگوشی کی۔

''لیکن ایک لفظ ہی تو ہے۔''

زیاد نے آنکھیں کھولیں۔ بے بسی اور غصے سے اسے دیکھا۔ اس کی ٹانگ پھنس چکی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کے اس کی گردن دبوچنی چاہی لیکن وہ تیزی سے پیچھے ہو گئی۔ اگلے ہی لمحے وہ باہر کی طرف بھاگی تھی۔

''میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔'' وہ پیچھے سے چلا رہا تھا۔ اس نے دروازہ بند کیا۔ جلدی سے اسے لاک کیا۔ لونگ روم میں رکھا پرس' اور موبائل اٹھایا۔ سر چکرا رہا تھا۔ بار بار آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ لیکن

آج اسے نہیں گرنا تھا۔ آج اسے ہمت کرنی تھی۔

وہ تیزی سے لفٹ کی طرف بھاگی۔ لابی کا بٹن دبایا تو دیکھا ہاتھوں پہ خون لگا تھا۔ لفٹ کے آئینے میں اپنا چہرہ دکھائی دیا۔ خون وہاں بھی تھا۔ لیکن اس وقت اسے پرواہ نہ تھی۔

ریسپشن پہ بیٹھا نوجوان اسے دیکھ کے بوکھلا کے اٹھا۔

''ون نائن ون نائن کو کال کرو۔'' وہ حلق کے بل چلائی۔ چند لوگوں نے مڑ کے اسے دیکھا اور وہ جہاں تھے وہیں رہ گئے۔

''کوئی ون نائن ون نائن کو کال کر سکتا ہے کیا؟'' لمبے بالوں والی لڑکی جس کی ٹی شرٹ آدھی خون سے بھری تھی' اور چہرہ نیلوں نیل تھا' حلق کے بل چلا کے کہہ رہی تھی۔ ایک ساتھ بہت سے موبائلز پہ نمبر ملکب ے لگا۔

ون نائن ون نائن ڈومیسٹک ابیوز کی ہیلپ لائن تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سفید دیواروں اور چمکتے ٹائلز والے فرش کا آفس تھا۔ وہ ایک کرسی پہ بیٹھی تھی۔ کندھوں کے گرد شال لپیٹے' آئس پیک ایک ہاتھ میں پکڑے چہرے کے ایک حصے پہ بار بار لگا رہی تھی۔ آنکھ نیچے سے سوجی ہوئی اور نیل کا رنگ اب جامنی پڑ چکا تھا۔ بال پونی میں بندھے تھے۔ ماتھے اور تھوڑی پہ ٹانکے لگے تھا۔ ہاتھ پہ بھی پٹی تھی۔

دروازہ کھلا تو وہ بری طرح چونکی۔ آئس پیک ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ پھر سنبھل گئی۔

ایک وردی میں ملبوس آفیسر اندر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اسکارف والی خاتون آفیسر بھی تھی۔ مالا نے سر کو سلام میں جنبش دی۔ مرد آفیسر سامنے اپنی چیئر پہ بیٹھا اور خاتون مالا کے دائیں ہاتھ خالی کرسی پہ۔

''کیسی ہیں آپ اب؟'' وہ شائستگی سے انگریزی میں گویا ہوا۔

''بہتر ہوں۔'' اس نے سپاٹ چہرے سے سر کو جنبش دی۔

''ایک دفعہ پھر آئی ایم سوری... اس سب کے لیے جو آپ کے ساتھ ہوا۔'' وہ ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہوا۔ ''سعودی حکومت گھریلو تشدد کو بہت سنجیدگی سے لیتی ہے۔ ایسے شوہر کو نہ صرف جرمانہ یا جاتا ہے بلکہ جیل بھی جانا پڑتا ہے۔''

''کیا پولیس کو میرا شوہر ملا؟'' وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں۔ جب تک پولیس وہاں پہنچی' آپ کا شوہر اپارٹمنٹ میں نہیں تھا۔ آئیکیا کا بک شیلف ایک مرد کو زیادہ

دیر تک گرائے نہیں رکھ سکتا۔"

"اور اسٹور تیج یونٹ؟" وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ بھی خالی تھا۔" آفیسر نے کندھے اچکائے۔ "زیاد سلطان اپنے سامان سمیت غائب ہو چکا ہے۔ اس نے اپنے کریڈٹ کارڈز تک کہیں استعمال نہیں کیے نہ ہی اس نے اپنے پاسپورٹ پہ کوئی سفر کیا ہے۔ وہ اگر اس شہر میں بھی ہے تو کہیں چھپا ہوا ہے۔"

مالا نے آئس پیک رکھ دیا۔ تکلیف جیسے بڑھ گئی تھی۔

"آپ کا سامان ہم نے ہوٹل سے pick کروالیا تھا۔" خاتون آفیسر نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ وہ ایک دم ڈر کے چونکی۔ پھر تیزی سے سنبھلی اور نامحسوس انداز میں اپنا کندھا پیچھے کیا۔ آفیسر نے ہاتھ نیچے گرا دیا۔

"اب آپ کیا کرنا چاہتی ہیں؟"

اس نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

"میرے پاس کیا آپشن ہے؟"

"آپ کے پاس دو آپشن ہیں۔ پہلا یہ کہ آپ زیاد سلطان پہ مقدمہ کریں۔ اب آپ الیکٹرونک کیس بھی فائل کر سکتی ہیں۔ اور گھر بیٹھے اس کیس کو فالو کر سکتی ہیں۔ ہم آپ کو ڈومیسٹک ابیوز کے شیلٹر ہوم میں بھیج دیں گے۔ سعودی حکومت آپ کا خرچہ اٹھائے گی۔ آپ جب تک چاہیں وہاں رہ سکتی ہیں۔"

"کیس سے کیا ہوگا؟"

"آپ کے شوہر کو سزا ہوگی۔ اور اگر آپ طلاق لینا چاہیں تو..." اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

"اگر نہیں۔ میں نے اس سے ہر صورت میں طلاق لینی ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔

"بالکل۔" وہ جلدی سے بولا۔ "دراصل گھریلو تشدد کے نوے فیصد کیسز میں فریقین اپنا گھر بچانے کے لیے صلح کر لیتے ہیں۔"

"میں ان دس فیصد میں سے ہوں جن کے لیے گھر سے زیادہ ان کی dignity اہم ہے۔"

"تمام... تمام..." اس نے صلح جو انداز میں ہاتھ اٹھائے جیسے وہ بہت احتیاط سے بات کر رہا تھا۔

باہر کہیں کسی کمرے کا دروازہ زور سے بند ہوا تھا۔ وہ پھر ڈر کے چونکی۔ جسم کو جھٹکا لگا۔

''اٹس اوکے۔اب آپ محفوظ ہیں۔''خاتون آفیسر نے غور سے اسے دیکھا۔

''سوری۔''وہ شرمندہ ہوئی۔وہ خوفزدہ نہیں تھی۔وہ جانتی تھی اب وہ محفوظ ہے۔پھر جسم ابھی تک کیوں خوفزدہ تھا؟

''کیس میں کیا ہوگا؟''

''آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ آپ کے شوہر نے ہی آپ کو مارا تھا۔''

''کیا میرے چہرے سے یہ نہیں لگتا؟''اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔پھر خاتون آفیسر کو۔''اور میڈیکولیگل رپورٹ سے؟''

''آف کورس۔لیکن کیس پیچیدہ اور لمبے ہو جاتے ہیں۔''آفیسر نے بے چارگی سے شانے اچکائے۔''عدالت زیادہ سلطان کو بلائے گی۔شاید وہ آئے۔شاید وہ نہ آئے۔آیا تو وہ تشدد کرنے سے مکر جائے گا۔وہ آپ پہ اثیر ہونے کا الزام لگائے گا۔ڈومیسٹک ابیوز ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔''

''پھر؟''

''ایسے کیسز میں عموماً عورتیں دوسرا آپشن لیتی ہیں کیونکہ یہ کیسز بہت لمبے لٹک جاتے ہیں۔ایک حد تک حکومت آپ کی کفالت کرے گی۔لیکن آپ خارجی ہیں۔خارجیوں کے حقوق ایسے نہیں ہیں کہ...''اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''دوسرا آپشن کیا ہے؟''اس نے تیزی سے بات کاٹی۔

''وہ یہ کہ حکومت آپ کو واپس بھیج دے۔''

ایک گہری سانس اس کے سینے سے خارج ہوئی۔

''اور مجھے اس کے لیے ری انٹری نہیں چاہیے۔''

''نہیں۔اس سلسلے میں قوانین موجود ہیں۔آپ پولیس کے پاس آ چکی ہیں۔اب آپ کو واپس بھیجنا ہمارا کام ہے۔''

ایک سکون سا اس کے اندر اترنے لگا۔

''میں پانچ چھے ماہ ایک شیلٹر ہوم میں نہیں رہ سکتی۔مجھے آزادی چاہیے۔میں واپس جانا چاہوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔حکومت آپ کو اپنے خرچے پہ سعودی ایئر لائن کی پہلی فلائٹ سے آپ کو پاکستان بھیج دے گی۔''

''یہ زیادہ بہتر ہے۔'' خاتون آفیسر اٹھتے ہوئے بولی۔''کہ آپ گھر چلی جائیں ورنہ ایسے کیسز ...''

''گھر؟'' وہ بری طرح چونکی۔ باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

''گھر۔ یعنی آپ کا ملک پاکستان۔ وہاں گھر ہوگا نا آپ کا۔''

وہ برف کا مجسمہ بن گئی۔ ساکت۔ جامد۔

(گھر واپس مت جاؤ۔ جاؤ گی تو پھنس جاؤ گی۔)

''نہیں۔'' اس نے ہراساں نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ وہ جدہ کے اپارٹمنٹ کو گھر نہیں کہہ رہا تھا۔ وہ پاکستان کی بات کر رہا تھا۔

''میں گھر واپس نہیں جا سکتی۔ میں وہاں پھنس جاؤں گی۔''

(گھر محفوظ نہیں ہے۔)

''پاکستان محفوظ نہیں ہے۔'' وہ کسی ٹرانس کے عالم میں کہہ رہی تھی۔

(وہ گھر میں تمہارا منتظر ہوگا۔ گھات لگائے بیٹھا ہوگا۔)

''وہ پاکستان جائے گا۔ وہ وہاں میرا منتظر ہوگا۔''

(تمہیں پناہ ڈھونڈنی ہے۔)

''مجھے پناہ چاہیے ...'' اس نے بہت منت سے ان کے چہرے دیکھے۔''مجھے asylum چاہیئے۔''

ان دونوں نے خاموش نگاہوں کا تبادلہ کیا۔

''سعودی حکومت آپ کو asylum (پناہ) نہیں دے گی۔ ہم صرف شیلٹر ہوم ...''

''لیکن ایک ملک ہے جو مجھے پناہ دے گا۔ وہ جو ہر ایک کو پناہ دیتا ہے۔ وہ جو ساری دنیا سے آئے لوگوں کو پناہ دیتا ہے۔'' اس نے تیزی سے پرس کھولا اور کچھ باہر نکالا۔ سبز پاسپورٹ۔ مالا نے سرعت سے صفحے پلٹائے۔ پھر وہ ایک صفحے پہ رکی۔ اس پر ایک چمکتا ہوا سرخی مائل اسٹکر چھپا تھا۔

اس نے وہ صفحہ سامنے رکھا اور آفیسر کی آنکھوں میں دیکھا۔

''مجھے کینیڈا جانا ہے۔ وین کوور' کینیڈا۔'' وہ انگلی اس اسٹکر پہ رکھے حتمی انداز میں کہہ رہی تھی۔

آفیسر نے پاسپورٹ اٹھایا اور ایک نظر ویزہ کے اسٹکر کو دیکھا۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔

''جہاں آپ کی مرضی۔'' اور اس کا پاسپورٹ اٹھا لیا۔

ایک خارجی کا بوجھ کم ہو جائے۔اس سے زیادہ وہ کیا چاہتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''شام بخیر' مالک بے۔''سوزی شاپنگ مال کی راہداری میں چلتی جا رہی تھی۔کہنی پہ چند بیگز تھے'اور ائیر پوڈز کانوں میں لگے تھے۔مسکرا کے کال پہ بات کرتی 'وہ ایک دکان میں داخل ہوئی۔

''کیا آپ ڈیٹ ہے'سوزی؟''

''ماہر کا کیس بری طرح پھنسا ہوا ہے۔لیکن ان شاءاللہ ہم چھے ماہ میں اس کو اس کیس سے نکال لیں گے۔ہم نے صرف عدالت کے لیے ایک reasonable doubt کری ایٹ کرنا ہے۔''وہ ایک کپڑوں کے ریک کی طرف بڑھی اور ہینگرز الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی۔

''وہ مجرم نہیں ہے۔اس لیے جلد یا بدیر اس کیس سے نکل آئے گا۔یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

(ماہر اپنے اپارٹمنٹ کے کمرے میں الماری کے سامنے کھڑا تھا۔بیڈ پہ ایک بیگ کھلا تھا جس میں وہ کپڑے تہہ کر کے تیزی سے ڈال رہا تھا۔)

''میرا مسئلہ ماہر ہے۔کیا وہ واپس آنے کی بات سننے کے لیے راضی ہوا ہے؟''

(ٹرالی بیگ اپنے ساتھ دھکیلتے ہوئے وہ بیرہل کے کمرے کے باہر رکا۔دروازہ کھول کے اندر جھانکا۔وہ اوندھے منہ لیٹا سو رہا تھا۔ماہر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔پھر سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔)

''صرف بات سننے کے لیے؟''وہ ہنسی۔''مالک بے...وہ واپس آن کے لیے راضی ہو گیا ہے۔''

(وہ سر جھکائے' پی کیپ پہنے ائیر پورٹ پہ تیز قدموں سے چلتا جا رہا تھا۔اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔اور ٹرالی بیگ ساتھ تھا۔)

''تمہیں یقین ہے؟'' مالک فرید کی آواز میں اچنبھا ابھرا۔

(وہ جدہ ائیر پورٹ پہ دو آفیسرز کے درمیان چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔اس نے سن گلاسز پہن رکھے تھے۔عبایا کے اوپر اسکارف تھا جو ہوا سے پیچھے کو اڑ رہا تھا۔چہرے پہ ایک سرجیکل ماسک بھی پہنا ہوا تھا۔وہ بار بار دائیں بائیں دیکھتی۔یوں لگتا کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ساتھ چلتے آفیسر نے اسے ریلیکس ہونے کے لیے کہا۔)

''آف کورس۔ماہر نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو بتا دوں کہ وہ واپس آ رہا ہے۔''

(مالا بورڈنگ پاس اب کاؤنٹر پہ دکھا رہی تھی۔آفیسر نے اسے اسکین کیا اور اندر سرنگ میں جانے کا اشارہ کیا۔یہ سرنگ جہاز تک لے جاتی تھی۔
اس نے ایک نظر پلٹ کے پیچھے دیکھا۔اس کے ساتھ آئے آفیسر دور کھڑے دکھائی دیتے تھے۔وہ زخمی چہرے کے ساتھ مسکرائی۔اور ان کو ہاتھ ہلایا،انہوں نے سر کے خم سے جواب دیا۔
گزرتے ہوئے اس کے چہرے کو رک رک کے دیکھ رہے تھے۔اس نے گلاسز واپس لگا لیے۔ماسک اونچا کرلیا۔)

''کیا ماہر نے تمہیں کہا ہے کہ وہ یو کے آ رہا ہے؟'' مالک فرید نے اپنی بات دہرائی۔

(ماہر استنبول ائیر پورٹ پہ ایگا پاس کے فاسٹ ٹریک کاؤنٹر پہ کھڑا تھا۔قطار خالی تھی۔اس نے گہرا نیلا پاسپورٹ سامنے بڑھایا۔آفیسر نے اسے دیکھ کے عادتاً ایک غیر ضروری سوال لیا۔
''ماہر علی فرید... آپ کہاں جا رہے ہیں؟'')

''اس نے کہا تھا کہ وہ آپ کی ملکہ کے ملک واپس آنے کے لیے راضی ہے۔''
''تم نے اسکول میں جغرافیہ نہیں پڑھا تھا سوزی؟''

''پڑھا تھا۔ کیوں؟''

''ملکہ برطانیہ صرف برطانیہ کی ملکہ نہیں ہے۔ وہ دوسرے چند ممالک کی ملکہ بھی ہے۔'' مالک کی آواز میں بہت سارنج اتر آیا۔ رنج اور تکان۔

''ماہر واپس نہیں آرہا۔ وہ کسی اور ملک جارہا ہے۔''

''کہاں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''وہ ملک جہاں صدیوں سے یورپ میں جرائم کر کے بھاگنے والے لوگ پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

(''ماہر علی فرید... آپ کہاں جارہے ہیں۔؟'' کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھا ترک آفیسر اس سے مخاطب تھا۔
وہ ہلکا سا مسکرایا اور پی کیپ اتار کے چہرہ کیمرے کے سامنے کیا۔
''کینیڈا۔''
آفیسر نے پاسپورٹ واپس کیا اور آگے جانے کا اشارہ کیا۔ اس نے پی کیپ واپس پہنی اور آگے بڑھ گیا۔)

''کینیڈا؟'' وہ فون میں چلائی۔ ''وہ کینیڈا کیوں جارہا ہے؟ وہاں کیا رکھا ہے؟'' شاپ میں لوگ مڑ مڑ کے اسے دیکھنے لگے۔

''اسے امید ہے کہ ایک لڑکی وہاں اس کی منتظر ہوگی۔''

''اللہ اللہ...'' سوزی نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ اس کی ساری شاپنگ کا مزہ کرکرا ہو چکا تھا۔

(وہ جہاز کی کھڑکی سے نیچے جدہ کا سمندر دیکھ رہی تھی۔
''الوداع جدہ۔ میں اس شہر میں اب کبھی واپس نہیں آؤں گی۔'')

(وہ ٹانگیں لمبی کیے' سینے پہ بازو لپیٹے' آرام دہ سیٹ پہ بیٹھا کھڑکی سے نیچے استنبول کی اسکائی لائن اور مسجدوں کے مینار دیکھ رہا تھا۔
''الوداع استنبول... میں واپس ضرور آؤں گا۔'')

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تصور پہ یقین رکھنے والے اگر مگر نہیں سوچتے۔''

وہ مبین منزل کے اوپر بنی اسٹڈی میں کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔اس کے پینٹس' اور برشز آس پاس بکھرے تھے۔

کیف اپنا مگ اٹھائے دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا جب بنا سوچے سمجھے مالا نے اسے پکارا تھا۔

''تم کیا تصور کرتے ہو؟''

وہ وہیں ٹھہر گیا۔کشمالہ کی طرف اس کی پشت تھی۔

''میں؟'' وہ دھیرے سے پلٹا۔

اس کا چہرہ آدھا روشنی اور آدھا اندھیرے میں تھا۔

''تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے' کیف' جسے تم تصور کرتے ہو؟''

وہ چند لمحے کھڑکی میں بیٹھی لڑکی کو دیکھتا رہا۔

''یہی کہ....''

جب وہ بولا تو آواز بہت آہستہ تھی۔

''کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔''

(اختتام حصہ دوم: مکہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(مالا کے تیسرا حصہ ''وین کوور'' کی پہلی قسط ان شاءاللہ اپریل 2023 کے مہینے میں شائع کی جائے گی۔)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ سوم "وین کوور"

قسط نمبر:۱۴

"بھاگو اس چنگھاڑتی آواز کی طرف۔"

یہ نصیحت کرتے تھے بوڑھے دانا لوگ

نوجوانوں کو۔

کہ جب سامنا ہو کسی عظیم خطرے کا

اور لوگ بوکھلا جائیں

اور پریشانی سے

کسی جعلی پناہ گاہ کی طرف دوڑیں۔

تب تم بھاگو

اس چنگھاڑتی خوفناک آواز کی طرف۔

بھاگو اس سمت میں

جہاں جانے سے تمہیں ڈر لگتا ہے۔

کیونکہ صرف اپنے خوف کا سامنا کر کے ہی

تم پا سکو گے حقیقی پناہ۔

اور ایک راستہ نجات کا۔

جب ساری دنیا کسی زلزلے کی طرح کھڑکنے لگے،

اور قیامت قریب دکھائی دینے لگے،

تب بھاگو اس چنگھاڑتی آواز کی طرف۔

Michael Meade,

(Why the World Doesn't End: Tales of Renewal in Times of Loss)

"میں زیاد سے طلاق نہیں لے رہی۔" یہ وہ پہلی بات تھی جو اس نے کہی تھی۔

وہ کھڑکی کی طرف چہرہ موڑے کھڑی تھی۔ ماہی کو یہاں سے اس کی پشت اور ڈھیلا جوڑا دکھائی دے رہا تھا۔

ان الفاظ پہ وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

" کیا تم نے وہی کہا جو میں نے سنا ہے؟"

وہ بے یقینی سے اٹھ کے اس کے سامنے آئی۔

مالا اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ بہار کی دھوپ میں چمکتی اس کی آنکھیں باہر پھیلے سبزے پہ جمی تھیں۔ چہرے پر زخموں کے نشان ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے۔

"میں زیاد سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔ یہ وہ پہلی بات تھی جو تم نے چھے ہفتے پہلے اس وقت کہی تھی جب تم کینیڈا آئی تھیں۔" ماہی نے اس کو کندھے سے ہلکا سا جھنجھوڑا۔

" تمہیں لگتا ہے وہ بدل جائے گا؟ تمہارے لیے اپنی سیاہ کاریاں چھوڑ دے گا؟"

اس کی آنکھیں باہر اُگے درخت پہ جمی تھیں۔ یہ ماہی کے کورٹ یارڈ کا واحد درخت تھا جو ہر موسم میں سبز رہتا تھا۔

"وہ پھر سے تم پہ کوئی جادو کر رہا ہے نا؟ وہ....اف...." ماہی نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ وہ کچھ اور بھی کہتی لیکن مالا کا فون تھرتھرانے لگا۔

" کہو؟" مالا نے نمبر دیکھ کے بے دلی سے فون کان سے لگایا۔

" کیا تم آج سہ پہر میں فارغ ہو؟" دوسری طرف سے آتی آواز نے اسے چونکا دیا۔

" کیوں؟"

" کوئی ہے جو تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

" یہاں کون...." اس کے ابرو الجھن سے اکٹھے ہوئے۔

"وہ دین کو در صرف تمہارے لیے آیا ہے۔ اسے تم سے ملنا ہے۔ معافی مانگنی ہے یا کیا' مجھے نہیں معلوم۔ لیکن کیا تم

میرے لیے اس سے مل سکتی ہو؟"

اور ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ بوجھ سکتی تھی کہ وہ کون ہے۔

بہت سے جذبات ایک ساتھ حلق سے زبان تک آئے۔غصہ۔ بے بسی۔فریب دیے جانے کا احساس لیکن... لیکن جب ہونٹ کھولے تو بس لبوں سے اتنا سا نکلا۔

"وقت اور لوکیشن بھیج رہی ہوں۔اس سے کہنا آ جائے۔"

موبائل نیچے کیا تو ماہی انہی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے' مالا؟"

اس نے چہرہ موڑ لیا اور پرس پہ سر جھکا کے کچھ تلاش کرنے لگی۔

"یہ تلاش کر رہی ہو؟"

مالا نے چونک کے سر اٹھایا۔ماہی ایک ننھی سی ڈبی اٹھائے ہوئے تھی۔

"تمہارا کنسیلر (concealer) جو تمہارے چہرے کے نشان چھپا لیتا ہے۔کیا تم ان نشانوں کی وجہ بھول گئی ہو؟" ماہی کی آنکھوں میں بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔اس نے جواب نہیں دیا۔ڈبی اس کے ہاتھ سے لی اور پاؤڈر روم کی طرف آ گئی۔

دروازہ بند کیا اور چند گہرے سانس لیے۔پھر سنک کے ساتھ ٹھہر کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

وہ ماہی کی باتوں کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔اس کا دماغ اس فون کال میں الجھا تھا۔

وہ اس ملاقات کے لیے کیوں راضی ہوئی؟ اور وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ ان کے درمیان ایسا تھا ہی کیا جس کے بارے میں بیٹھ کے بات کی جائے؟ اور اس کی معافی کا اب وہ کیا کرے؟

اس کا ذہن بہت سے سوالیہ نشان کھڑے کر رہا تھا اور انگلی مہارت سے کنسیلر چہرے کے ہر اس حصے پہ لگا رہی تھی جہاں ابھی بھی کوئی نشان باقی تھا۔

بس۔چند لمحوں کی بات تھی۔اس کا چہرہ بے داغ ہو چکا تھا۔

وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ ذہن نے پھر سے پوچھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر ایک سیاہ سفید اپارٹمنٹ کی راہداری میں کھڑا تھا۔دیوار گیر آئینے میں اس کا عکس واضح تھا۔سفید شرٹ اور

سیاہ جینز پہنے' بال معمول کے مطابق ماتھے سے جیل لگا کے پیچھے کیے' ہلکی بڑھی شیو کے ساتھ خود کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ کلائی میں گھڑی باندھ رہا تھا۔

وہ اس سے ملنے جا رہا تھا۔ وہ جس سے ملنے وہ وین کو ورآیا تھا۔

نہیں۔ میں پولیس سے بچنے کے لیے یہاں آیا تھا۔

اس نے اپنی تصحیح کی۔ ذہن نے بہت سے دوسرے نکات پیش کرنے چاہے لیکن اس نے ان کو جھٹک دیا۔ اور اسٹینڈ پہ لٹکے ہینگر سے کوٹ اتارا۔

کیا اس سے ملنے جانے کا فیصلہ درست تھا؟ کہیں وہ اس کو کسی خطرے سے دوچار تو نہیں کر دے گا؟

کوٹ پہنتے ہوئے اس نے اپنا عکس دیکھا۔ اس کے چہرے پہ تفکر بھری لکیریں تھیں۔

وہ کہاں رہ رہی ہے' زیاد سلطان اس سے واقف نہ تھا۔ لیکن اگر ماہر کے اس کو ملنے سے اس کی زندگی کسی خطرے سے دوچار ہوئی..... یا اگر زیاد نے ماہر کی وجہ سے اس کو ڈھونڈ لیا تو....؟

اس نے سر جھٹکا۔ زیاد سلطان یہاں نہیں تھا۔ پھر وہ اس کی فکر کیوں کر رہا ہے؟ اسے صرف اس ملاقات پہ فوکس کرنا تھا۔ اسے ہلال کو ڈھونڈنا تھا۔ سب کچھ اس لڑکی کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔ اس البم کی تصویر سے۔ اسے اس سے ملنا تھا تاکہ وہ اس کہانی کو انجام دے سکے۔

اس نے چابیاں اٹھائیں اور راہداری عبور کرتا دروازے تک آیا۔ پھر ٹھٹھک کے رکا۔

دروازے کے پاس خون کے تازہ قطرے گرے تھے۔

ماہر فرید نے بے تاثر چہرے کے ساتھ ان قطروں کو دیکھا۔ پھر واپس کچن تک گیا۔ پیپر ٹاول کے چند ٹکڑے لیے چوکھٹ تک آیا اور جھک کے خون کو صاف کیا۔

سرکار کے موکل اس کے پیچھے وہاں پہنچ چکے تھے۔ ان کو وہ بعد میں دیکھے گا۔ اس نے خون میں لتھڑے پیپر ٹاولز اپارٹمنٹ کے باہر والے گاربیج بن میں پھینکے' ہاتھ ایک دفعہ پھر دھوئے اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

اس کا چہرہ ہنوز بے تاثر تھا، کوئی خوف نہیں۔ کوئی بے چینی نہیں۔

ماہر فرید ان چیزوں سے بہت آگے بڑھ چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ملاقات کا مقررہ وقت آن پہنچا تھا اور وہ چند منٹ تاخیر سے وہاں آئی تھی۔ شاید اس نے یہ تاخیر جان بوجھ کے کی

تھی۔شاید وہ تامل کا شکار تھی۔کیا وہ درست کر رہی ہے؟ دور اندر وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا۔دور اندر وہ اس فریبی انسان کے سارے مقاصد سے واقف تھی۔لیکن پھر بھی.....ایک ملاقات میں کیا حرج ہے۔

جہاں اتنے فریب کھائے' وہاں ایک اور سہی۔

آج ہوا تیز تھی اور سورج بادلوں کے پیچھے چھپا تھا۔وہ تیز قدموں سے سڑک کنارے چلتی جا رہی تھی۔اس نے ہلکا سا کوٹ پہن رکھا تھا اور ہاتھ جیبوں میں تھے۔کھلے بال پیچھے کو اڑ رہے تھے۔اور چہرہ.....وہ بالکل بے تاثر تھا۔ہر قسم کے جذبات سے عاری۔

سڑک وین کوور ہاربر کے واٹر فرنٹ تک جاتی تھی۔اس شہر کو مختلف دریا' جھیلیں اور سمندر چھوتے تھے۔یہ کنونشن سینٹر کی عمارت تھی جو پانی کے دہانے پہ بنی تھی۔عمارت اور پانی کے درمیان ایک عرشہ سا بنا تھا جس کی ریلنگ کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔

وہ دور پیچھے کھڑی چند لمحے اسے مشتبہ نگاہوں سے دیکھے گئی۔یہاں سے اس کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔وہ ریلنگ پہ کہنیاں رکھے' جھک کے نیچے بہتے پانی کو دیکھ رہا تھا۔یہ پانی کا کچھ حصہ تھا جو شہر کے درمیان سے گزرتا تھا۔اس کے دوسرے پار وہ خشکی پہ بنی اونچی عمارتوں کی اسکائی لائن دیکھ سکتی تھی۔

کیا وہ آگے بڑھے؟ یا واپس پلٹ جائے؟

لیکن اب فیصلہ بدلنے میں بہت دیر ہو چکی تھی۔

کسی احساس کے تحت وہ پلٹا۔ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔پھر اس پہ نگاہ پڑی تو ٹھہر گیا۔

کیا اسے واپس پلٹ جانا چاہیے؟ کیا اسے اس ملاقات کو ناں کہہ دینا چاہیے؟

لیکن یہ طے تھا کہ کشمالہ مبین کو ناں کرنا نہیں آتا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ پچھتائے گی۔وہ اس سے ملاقات کر کے' اس کو دوبارہ اپنی زندگی میں شامل کر کے پچھتائے گی۔لیکن جہاں اتنے غلط فیصلے کیے' وہاں ایک اور سہی۔

جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی سپاٹ چہرے والی لڑکی نے قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔وہ بالکل سانس روکے کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا۔" کیف...." وہ عین اس کے سامنے آ کے رکی۔یہ نام لینا بھی تکلیف دہ تھا۔لیکن اس کو یہ تکلیف اٹھانی تھی۔

" کشمالہ...." اس کی آنکھوں میں کشمالہ کو دیکھ کے بہت سے جذبات اترے تھے۔وہ ان کو پہچانتی تھی۔لیکن وہ

اس کے کسی جذبے پہ یقین نہیں کرے گی۔

وہ یہ فیصلہ کر کے یہاں آئی تھی۔

کوئی بھی چیز اسے اس فریبی انسان پہ اعتبار کرنے پہ مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

کوئی بھی چیز اب اس کی زخمی روح کا فیصلہ نہیں بدل سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک ماہ پہلے۔

اسے آج کینیڈا میں آئے دو ہفتے مکمل ہو چکے تھے۔

ان دو ہفتوں میں چلی ویک کے چھوٹے سے شہر کے باسیوں نے بہت کچھ دیکھا۔اور کچھ بھی نہیں دیکھا۔

ماہی کا گھر دو منزلہ تھا۔بالائی منزل پہ مالک مکان اپنی بیوی اور چھے سالہ بیٹے کے ساتھ رہتا تھا۔اس کی بیوی بلجیت کور ایک سانولی رنگت کی خوبصورت مگر انتہائی دبلی پتلی عورت تھی۔

موسمِ بہار کی ایک صبح بلجیت نے اپنے لونگ روم کی کھڑکی سے نیچے جھانکا تو ڈرائیوے میں اس کی پاکستانی کرائے دار ماہی کار پارک کرتی دکھائی دی۔بلجیت کی آنکھوں میں تجسس سا ابھرا۔ماہی کی کار کی فرنٹ سیٹ پہ کوئی اور بھی تھا۔ایک نیا چہرہ۔ایک غیر شناسا لڑکی۔اس نے پتلا سا کوٹ پہن رکھا تھا۔بال جوڑے میں الجھے الجھے سے تھے۔چہرے پہ نشان تھے۔نیل۔زخم۔کٹ۔ہاتھ پہ پٹی۔بلجیت کا منہ کھل گیا۔پھر نگاہ نے کار سے نکلتی لڑکی کی انگلیوں تک کا سفر کیا۔بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں انگوٹھی موجود تھی۔بلجیت کا منہ بند ہو گیا۔ظاہر ہے۔اس نے ہلکے سے شانے جھٹکے۔

وہ لڑکی قدرے سن سی تھی۔اس کی سبز آنکھوں میں خوف تھا۔وہ بار بار پیچھے دیکھتی تھی۔وہ سامان لینے بھی نہیں رکی۔تیزی سے اندر غائب ہو گئی۔گو کہ اسے معلوم نہ تھا کہ اندر جاتا دروازہ کون سا تھا۔مگر اسے اندر گم ہونے کی جلدی تھی۔

بلجیت اپنے کمرے میں چلی گئی۔وہ جلد ساری کتھا جان جائے گی۔

ان کاغذ کی جیسی دیواروں والے گھروں میں آوازیں اور انڈین مصالحوں کی خوشبوئیں بنا روک ٹوک کے دوسری

طرف چلی جایا کرتی تھیں۔

پریتی نے بھی بہت کچھ دیکھا۔اور کچھ بھی نہیں دیکھا۔

چلی ویک ایک چھوٹا سا شہر تھا۔مکان بھی بہت بڑے نہ تھے لیکن ان کو گھیرے سبزہ زار کافی وسیع تھے۔ ماہی کے گھر کے سامنے طویل سڑک کے گرد قطار در قطار گھر بنے تھے۔اس قطار کو عبور کر کے سڑک پار کرو اور چند کوس چلتے جاؤ تو ایک ٹم ہارٹنز بنا تھا۔ یہ ان کی لوکل اور سستی کافی شاپ تھی۔ پریتی اس ٹمز میں باریستا تھی۔چھوٹے قد اور موٹے ہونٹوں والی سکھ لڑکی جس کے ہاتھ مشین کی طرح چلتے کھٹا کھٹ کافی بناتے تھے۔

پریتی ہر روز اس سبز آنکھوں والی لڑکی کو شاپ میں آتے دیکھتی تھی۔ وہ ڈھیلا ڈھالا سا کارڈیگن پہنے ' بالوں کو پونی میں باندھے ' میک اپ سے عاری چہرہ لیے ہوتی تھی۔البتہ اس کی آنکھوں تلے بہت سا کنسیلر لگا ہوتا تھا جس سے وہ یقیناً کوئی نیل چھپاتی تھی۔ وہ آرڈر دینے کے بعد پک اپ کاؤنٹر پہ کھڑی گم صم سی کھڑی ہو جاتی۔ جب پریتی کافی کا کپ اس کے سامنے رکھتی ' تو وہ چونک جاتی۔

"ٹرے چاہیئے دی اے؟" (ٹرے چاہیے؟) پریتی کو دو دفعہ پوچھنا پڑتا۔

وہ جلدی سے سنبھل کے اثبات میں سر ہلا دیتی۔ پھر وہ کپ اٹھاتی اور دائیں بائیں دیکھتی۔۔ جیسے وہ ایک نئی ڈرائیور ہو اور اس کو تینوں مررز میں دیکھنے کی عادت ہو۔اس کے ہاتھ میں کوئی انگوٹھی نہیں تھی۔ لیکن انگوٹھی کی تین لائن ضرور تھیں۔شاید اس نے حال ہی میں انگوٹھی اتاری تھی۔ پریتی اس کے نیل ' زخم کے کٹ اور ہراساں انداز سے سمجھ سکتی تھی کہ معاملہ کیا ہے۔بوائے فرینڈ۔منگیتر۔یا شاید شوہر۔

عورتوں کو خوفزدہ کر کے رکھنے والے مرد ان کے اپنے ہی ہوتے ہیں۔

چلی ویک کے اسلامک سینٹر میں کام کرنے والے حارث نے بھی بہت کچھ دیکھا۔اور کچھ بھی نہ دیکھا۔

سینٹر کے اندر ایک چھوٹا سا ہال تھا جہاں کتب کے چند ریکس رکھے تھے۔وہ لڑکی قریباً ہر روز فجر کے بعد وہاں آتی تھی۔اس کا لباس ملگجا ہوتا تھا۔ کھلے سوئیٹ پینٹس اور کسی مٹیالے رنگ کا لمبا کارڈیگن۔سر پہ اسکارف جس کو لپیٹ کے تھوڑی تلے اڑس رکھا ہوتا۔وہ کتابوں کے ریک کے درمیان قالین پہ یوں بیٹھ جاتی کہ گھٹنے سینے سے لگے ہوتے اور سر ان کے اوپر۔اس کے چہرے کے زخم اب بھر رہے تھے۔لیکن نشان موجود تھے۔وہ کبھی کافی مشین سے

کافی بناتی۔کبھی باکس میں چندے کے سکے ڈال دیتی۔لیکن وہ کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔وہ چپ چاپ گم صم سی ایسے کونے میں بیٹھتی جہاں سے وہ کسی کو دکھائی نہ دیتی تھی۔اکثر حارث بھول جاتا کہ وہ مسجد میں بیٹھی ہے۔

البتہ جب وہ مسجد کا گلاس ڈور کھول کے باہر نکلتی تو وہ اسے ضرور نوٹس کرتا تھا۔کیونکہ وہ باہر نکلنے سے پہلے بہت دفعہ جھانکتی تھی۔دائیں بائیں۔چوکنے انداز میں۔

گیس ٹاؤن کے اس دھواں اڑاتے اسٹیم کلاک نے بھی بہت کچھ دیکھا اور کچھ بھی نہ دیکھا۔

وہ وین کوور کی ایک مصروف شاہراہ پہ بنا ایک کلاک ٹاور تھا جس سے ہمہ وقت دھواں نکلتا رہتا تھا۔اس سے چند گز کے فاصلے پہ رکھے بنچ پہ وہ لڑکی اکثر آ کے بیٹھا کرتی۔دھواں خاموشی سے اس کو دیکھتا رہتا۔اور وہ اسی خاموشی سے قریب سے گزرتے لوگوں کو دیکھ رہی ہوتی تھی۔پھر کسی کے ہنسنے کی آواز پہ وہ چہرہ موڑتی۔دھواں بھی اس سمت میں دیکھتا۔کوئی ہنستا ہوا نوجوان کسی لڑکی کا ہاتھ تھامے چلا آ رہا ہوتا۔سبز آنکھوں والی لڑکی پتلیاں سکوڑ کے انہیں دیکھتی رہتی یہاں تک کہ وہ اس کے قریب سے گزر کے آگے بڑھ جاتے۔دھواں بھی بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتا۔اسے وہاں بہت کچھ دکھائی دیتا۔شک۔افسوس۔حسد۔وہ ان کپلز کو ایسے دیکھتی جیسے لوہے کا مجسمہ سونے کے مجسمے کو دیکھ کے قیاس کرتا ہے کہ وہ پیتل سے بنا ہے۔

چلی ویک کے درختوں نے بھی بہت کچھ دیکھا۔اور کچھ بھی نہ دیکھا۔

مغرب ہوتے ہی جب ان کے گرد اندھیرے اتر آتے 'اور شہر کے مکین گھروں کے اندر باہر کی بتیاں بجھا کے سارے کو تاریک کر دیتے تو درخت خاموشی سے پلکیں جھپکا جھپکا کے اداس سڑکوں کو دیکھتے رہتے۔تب وہ باہر نکلتی اور سڑک کنارے بنے بنچ پہ بیٹھ جاتی جو بس اسٹاپ کے لیے مختص تھا لیکن اسے کوئی بس نہیں پکڑنی ہوتی تھی۔وہ خاموشی سے وہاں بیٹھی اِکا دُکا گاڑیوں کو گزرتے دیکھتی رہتی۔اب اس کے ہاتھ کی پٹی کھل چکی تھی اور چہرے کے زخم مندمل ہو رہے تھے۔لیکن آنکھوں کا گم صم سا پن ہنوز موجود تھا۔

وہ شاید جیسے ابھی تک شاک میں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''مجھے زیاد سے طلاق لینی ہے۔''

ماہی کے لونگ روم میں بنا اوپن کچن اس وقت دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ وہ ایک طرف ناشتہ بنا رہی تھی۔ دوسری طرف بلجیت کور کے اس گھر کو بالخصوص اور کینیڈا کے تمام گھروں کو بالعموم کوس رہی تھی جن کے وینٹیلیشن سسٹم دیسی کھانوں کے دشمن تھے۔ ذرا سا مصالحہ فرائی کیا کرلو' اس کی بو گھر کے پردوں' تولیے اور کوٹ سوئیٹرز تک میں گھس جاتی تھی۔ کمبخت سسٹم۔ کباب کو توے پہ پلٹاتے ہوئے وہ بڑبڑائی۔ اسی وقت پیچھے سے مالا کی آواز سنائی دی۔

وہ چونک کے پلٹی۔ پھر پیچھے کھڑی مالا کو دیکھ کے ایک دم ٹھہر گئی۔ توے پہ پکتا کباب بھول گیا۔

"مالا....."

مالا ابھی ابھی تیار ہو کے کمرے سے نکلی تھی۔ ایسے کہ بال کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ سبز آنکھوں پہ بھورا مسکارا۔ ہونٹوں پہ لپ اسٹک۔ کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس۔ گہرے نیلے ٹاپ اور سفید ٹراؤزرز کے ساتھ بازوؤں پہ دوہرا کر کے رکھا ہلکا سا سفید سوئیٹر۔ کنسیلر نے چہرے کے داغوں کو پوری طرح چھپا لیا تھا اور وہ بہت دن بعد تازہ دم سی دکھائی دی تھی۔

"اچھا لگا تمہیں یوں دیکھ کے۔" ماہی مسکرائی۔ پھر اوہ کر کے گھومی۔ کباب زیادہ ہی پک گیا تھا۔

"کہیں جا رہی ہو؟" وہ جلدی جلدی کباب پلیٹ میں نکالنے لگی۔ کبابوں کے پکنے کی اسمیل ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی۔

"دو کام کرنے ہیں۔" مالا کراس باڈی بیگ کا اسٹریپ کندھے پہ پہنتے ہوئے بولی تو آواز کسی قسم کے جذبے سے عاری تھی۔

"مجھے زیادے سے طلاق لینی ہے۔" سن گلاسز نکال کے گریبان پہ اٹکائے۔

"اور مجھے اپنی جگہ دیکھنے جانا ہے۔"

"اپنی جگہ؟" ماہی بری طرح چونکی۔ پہلی بات تو اس نے سنی نہیں۔ وہ تو ایک طے شدہ بات تھی کہ وہ زیادے سے طلاق لے گی۔ وہ اس بات کو کئی دفعہ دہرا چکی تھی۔ کوئی بھی چیز اب مالا کا فیصلہ نہیں بدل سکتی تھی۔ لیکن.....اپنی جگہ؟

"یہاں کوئی پرابلم ہے کیا؟" ماہی کا دل بجھ سا گیا۔

"پلیز ایموشنل مت ہونا' ماہی۔ مجھے تمہارے گھر میں بہت آرام حاصل ہے۔ لیکن اب مجھے یہاں آئے دو ہفتے گزر چکے ہیں۔ مجھے اپنی اسپیس چاہیے ہے۔" وہ فیصلہ کر چکی تھی۔

"مالا تم ہمارے اوپر کسی قسم کا بوجھ نہیں ہو۔ اگر تم یہ اخراجات کی وجہ سے کہہ رہی ہو تو....."

''میں کئی برس سے اکیلے رہتی آئی ہوں' ماہی۔ ماں کے لیے لاہور آنے اور زیاد سے شادی سے پہلے' میں اکیلی ہی رہتی تھی۔ مجھے اپنی زندگی پھر سے واپس شروع کرنی ہے۔" وہ نرمی سے جیسے اسے سمجھا رہی تھی۔

ماہی نے بے دلی سے برنر آف کیا۔ پھر آگے بڑھ کے کھڑکیاں کھولنے لگی۔ یہ مہک اب کپڑوں تک میں گھس جائے گی اور عباد آتے ساتھ ہی شور مچا دے گا۔

''صرف ایک غلط فیصلے کی وجہ سے .... یہ سب ہو رہا ہے' مالا۔'' ماہی اداس تھی۔ اور جیسے اس کے لہجے میں شکایت بھی تھی۔ وہ اس شکایت کو سمجھتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے بہن بھائی اس کو جتنا سپورٹ کر لیں' لیکن وہ ساری عمر اس کو وہ غلط فیصلہ یاد کروائیں گے۔ وہ فیصلہ زندگی کے ہر موڑ پہ موازنے کا پیمانہ بنے گا۔

صرف ایک غلط فیصلہ.....

''زیاد نے کوئی رابطہ کرنے کی کوشش کی؟'' وہ کافی مشین میں کے کپ ڈال رہی تھی جب ماہی پیچھے سے پکار اٹھی۔ ان دو ہفتوں میں انہوں نے شروع کے چند دنوں کے بعد زیاد کا ذکر کرنا ختم کر دیا تھا۔ اس ذکر سے تکلیف ہوتی تھی۔ آج نہیں ہوئی تھی۔

''نہیں۔ وہ سعودی عرب میں ہوگا۔ شاید پاکستان چلا گیا ہو۔ میرا نہیں خیال پولیس اسے اتنے آسانی سے نکلنے دے گی۔'' اس نے سر جھکائے بٹن دبایا۔ کافی مشین سے گڑگڑاہٹ بلند ہوئی۔

"اور خلع کے کیس کا کیا بنا؟"

کافی کی بھوری دھار تیزی سے کپ میں گر رہی تھی۔ روسٹ ہوئے بینز کی مہک سارے میں پھیلنے لگی لیکن کبابوں کی مہک کا اثر توڑنے میں وہ ناکام معلوم ہوتی تھی۔

"میں آج وکیل سے ملوں گی۔ پھر ہی کچھ معلوم ہوگا۔ فی الحال اتنا بہت ہے کہ کوئی نہیں جانتا میں کہاں ہوں۔"

اپنا کافی سے بھرا کپ ایک طرف کیا اور دوسرا کپ مشین تلے رکھا۔

"زیاد کے پاس جنات ہیں۔" ماہی سوچتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے' کافی کپ کی طرف متوجہ تھی۔ بال کان کے پیچھے اڑسے ہوئے تھے اور ڈائمنڈ کا ٹاپس کان کی لو میں چمک رہا تھا۔

"یقیناً زیاد خود ہی جادو کرتا ہوگا۔ اگر اس نے جنات کے ذریعے تمہارے نئے گھر کیا لوکیشن معلوم کر لی تو؟"

"میرا نہیں خیال جنات اتنے ایڈوانس ہوں گے کہ اسے میری پن لوکیشن بتا سکیں۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔ پھر اس کا کافی کپ اس کے سامنے رکھا۔ ماہی نے مسکرا کے موبائل اٹھایا اور اپنا کپ اس کے کپ کے قریب لے گئی۔ پھر

ایک پانچ سیکنڈ کی ویڈیو بنائی۔اور گانا لگا کے ایک ہی کلک میں پوسٹ کر دی۔

"زیادہ یہ ٹک ٹاک دیکھ سکتا ہے' ماہی۔وہ کسی فیک آئی ڈی سے تمہیں فالو کر رہا ہوگا۔"وہ خفا ہوئی۔ماہی کو آج کل ہر چیز کلک کر کے ٹک ٹاک پہ ڈالنے کا شوق تھا۔کافی کی ویڈیو بنانے کے بعد ہی وہ اس کے حلق سے نیچے اترتی تھی۔

"اس میں صرف تمہارے ہاتھ کا انگوٹھا دکھائی دے رہا ہے۔تم میرے گھر ہو' اتنا تو اس کو اس کے جنات بتا چکے ہوں گے۔"ماہی نے ناک سے مکھی اڑائی۔وہ خفا بھی تھی اور اداس بھی۔لیکن وہ مالا کو جانتی تھی۔اسے اس کے غلط یا درست فیصلوں پہ عمل کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

جب عباد گھر آیا تو مالا گھر دیکھنے جا چکی تھی۔ماہی نے بجھے چہرے کے ساتھ اسے پہلی بات یہی بتائی۔

" کیا ہم مالا کا خیال نہیں رکھ سکے' عباد؟وہ اپنی جگہ لینے کی بات کر رہی تھی۔"

" کیوں؟"

ماہی نے اداسی سے شانے اچکا دیے۔

"اس کو اپنی پرائیویسی چاہیے۔اکیلے رہنے کی عادت ہے وغیرہ وغیرہ۔"

"Understandable" عباد نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ماہی نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

"تم اس کو روکو گے نہیں؟وہ صرف میری بہن نہیں' تمہاری کزن بھی ہے۔"

"اسی لیے نہیں روکوں گا۔کیونکہ وہ کبھی بھی وہ نہیں کہتی جو وہ سوچتی ہے۔"

" کیا مطلب؟"

"اس کو اپنی اسپیس اس لیے نہیں چاہیے کہ اس کو پرائیویسی درکار ہے۔بلکہ اسے وہ آزادی چاہیے جو ہر طلاق لینے والی لڑکی کو چاہیے ہوتی ہے۔اگر وہ اکیلے رہنا اب نہیں سیکھے گی تو کب سیکھے گی؟اگر وہ ہمارے اوپر انحصار کرے گی تو اس کی زندگی بہت آرام دہ ہو جائے گی۔اور آرام دہ زندگی انسان کو کوڑھ زدہ شخص کی طرح گلانے سڑانے لگتی ہے۔اسی لیے اس کو مشکل فیصلے کرنے دو۔اور میں نے ہزار دفعہ کہا ہے کہ دیسیوں کی طرح کے کھانے مت بنایا کرو۔میرے سارے coats میں تمہارے انڈین مصالحے گھس گئے ہوں گے۔"وہ خفگی سے کہتے ہوئے اپنی کوٹ وارڈروب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ماہی کا خراب موڈ مزید خراب ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول۔

بیکری کے کونے میں مخملیں گلابی صوفے سجے تھے۔ان میں سے ایک پہ بیر بل فرید نیم دراز تھا۔پیر لمبے کر کے اوتومن پہ رکھے ' دونوں ہاتھوں میں موبائل پکڑے ' تیزی سے کیز دباتے وہ گردن دائیں بائیں جھکا رہا تھا۔موبائل سے گولیاں چلنے کی مدھم آواز آ رہی تھی۔

اس آواز میں ہیلز کی ٹک ٹک مخل ہوئی تو وہ چونکا۔دو چمکدار اسٹائیلیوز اس کے قریب آ کے رکے۔بیر بل نے چہرہ اٹھایا۔پھر گڑبڑا کے سیدھا ہوا۔جلدی سے موبائل بجھا کے جیب میں رکھا۔

"وٹامن حانم... خوش آمدید۔"استقبالیہ انداز میں مسکرا کے اٹھا۔

لیکن سوزی نہیں مسکرائی۔وہ ماتھے پہ بل لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔بیج رنگ کا سوٹ پہنے ' ماتھے پہ گلاسز ٹکائے ' کہنی پہ بیگ اٹکائے وہ ناخوش سی نظر آ رہی تھی۔بال جوڑے میں بندھے تھے اور چند گھنگریالی لٹیں خفا چہرے کے دائیں بائیں جھول رہی تھیں۔

"تمہارا بھائی کہاں ہے؟"

"میں بھی آج کل اسے ہی ڈھونڈ رہا ہوں۔تمہیں مل جائے تو مجھے بھی بتا دینا۔"

وہ مسکراتے ہوئے واپس بیٹھ گیا تو سوزین کی پیشانی کے بلوں میں اضافہ ہوا۔

"وہ دو ہفتے سے لاپتہ ہے۔کالز ' میسیجز ' کسی کا جواب نہیں دے رہا۔ایسے کون کرتا ہے؟"وہ فکرمندی سے کہتی سامنے بیٹھی۔

" کلاسک ماہر فرید۔" بیر بل نے سراہنے والے انداز میں انگلی اور انگوٹھے کا سکہ بنا کے تین انگلیاں بلند کیں۔

"وہ اکثر ایسے کرتا ہے۔تمہیں آہستہ آہستہ معلوم ہو جائے گا۔"سوزین کو دیکھ کے موڈ ایک دم خوشگوار ہو گیا تھا۔

" تمہیں اپنے بھائی کی فکر نہیں ہے؟"

"میرا بھائی ایک اے ٹی ایم مشین ہے۔جب تک میرا کارڈ چل رہا ہے ' مجھے فکر کیوں ہو گی؟"وہ ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

"وہ میرا کلائنٹ ہے۔ میں اگلی ساعت کی تیاری کر رہی ہوں۔ مجھے اس سے مسلسل رابطے میں رہنا چاہیے۔ اور وہ ہے کہ...."

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ بیربل موبائل پہ ایک کال ملا رہا تھا۔ پھر اس نے فون دونوں کے درمیان میز پہ رکھ دیا۔

"تم کس کو کال کر رہے ہو؟" اسپیکر سے گھنٹی کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"ایک روبوٹ کے بارے میں معلومات کسی دوسرے روبوٹ سے ہی لی جا سکتی ہیں۔" وہ اسی انداز میں مسکرایا۔

گھنٹی ٹوٹ گئی۔ کال وصول کر لی گئی۔

"صبح صبح کیوں ڈسٹرب کر رہے ہو' بی؟" مالک فرید کی بے زار سی آواز سنائی دی۔ سوزی نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"کسی زمانے میں تمہارا ایک نا خلف بھتیجا ہوا کرتا تھا جو تمہارے تخت و تاج کو چھوڑ کے اپنے بھائی کی محبت میں....."

"تمہارا اے ٹی ایم کارڈ چل رہا ہے؟"

بیربل دل کھول کے ہنس دیا۔ پھر کندھے اچکا کے سوزی کو دیکھا۔

"مجھے پرواہ نہیں ہے۔ لیکن سوزین حاتم کو اس سے رابطہ کرنا ہے۔"

"اس کو فیس نہیں مل رہی؟" مالک کی آواز اب ایک سرد سی غراہٹ میں بدل چکی تھی۔

"مل رہی ہے لیکن میں....." کھنکھارتے ہوئے اس نے چہرہ فون کی طرف جھکایا۔ مگر مالک نے بات کاٹ دی۔

"پھر اس فیس کو حلال کرو کیونکہ ماہر پیسے یوں ضائع نہیں کرتا۔ تم اپنا کام کرو' اس کو لاپتہ رہنے دو۔"

"کیا آپ اس سے اتنا کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس لڑکی کا پیچھا کرنے سے وقت نکال کے مجھ سے بات کر لے؟"

"لڑکی؟" بیربل چونکا۔

"کیوں؟ تمہیں نہیں معلوم تمہارا بھائی ایک لڑکی کے پیچھے کینیڈا گیا ہے؟" سوزی نے طنز سے اسپیکر پہ لگے فون کی طرف اشارہ کیا۔ بیربل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ایک دم سیدھا ہو کے بیٹھا۔

"وائی بے...." اس نے بے اختیار اپنے گھٹنے پہ ہاتھ مارا۔ "کون سی لڑکی؟"

"کیا یہ تمہارا مسئلہ ہے، بی؟" مالک فرید جیسے اکتا گئے۔ پھر توقف سے بولے۔ "اس کی کوئی پرانی دوست ہے۔"

بیر بل کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ ساری ایکسائٹمنٹ ہوا ہو گئی۔

"آج تم ہمیں بتا ہی دو کہ ماہر فرید کی زندگی میں کتنی لڑکیاں ہیں؟"

لیکن دوسری طرف سے کال کاٹی جا چکی تھی۔

سوزی بڑبڑا کے اٹھ گئی۔ ابھی وہ پلٹی ہی تھی کہ بیر بل فرید کی زبان پھسلی۔

"وٹامن حاتم... آپ اس ویک اینڈ پہ کیا کر رہی ہیں؟"

وہ گہری سانس لے کر گھومی۔ اور انہی تیوری چڑھی نظروں سے بیر بل کو دیکھا۔

"میں ان لڑکوں کے ساتھ ڈنر پہ نہیں جاتی بیر بل فرید جو اپنے بھائی کی اے ٹی ایم مشین پہ انحصار کرتے ہیں۔ یہ سوال مجھ سے تب پوچھنا جب تم اپنے پیروں پہ کھڑے ہو۔" پھر اس نے نگاہ گھما کے چاروں اطراف میں دیکھا۔ "اور generational wealth سے بیکری یا کیفے بنا کے آج تک کوئی اپنے پیروں پہ نہیں کھڑا ہوا۔" ایک جتاتی نظر اس پہ ڈال کے وہ پلٹی اور ٹھک ٹھک چلتی آگے بڑھ گئی۔

وہ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔ چہرہ قدرے گلابی ہوا۔ لب بھنچ گئے۔ (تین سال۔ نہیں۔ ساڑھے تین سال رہ گئے تھے۔ پھر ماہر فرید اس کے حصے کی وراثت اس کے حوالے کرنے کا پابند ہو گا۔ پھر اس کو کوئی یہ طعنہ نہیں دے سکے گا۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وین کوور۔

حدِ نگاہ تک سبزہ پھیلا تھا۔ اونچے نیچے سبز ٹیلے۔ نشیب میں پرسکون پانی جو کسی ایسی بنا سلوٹ کے چادر جیسا تھا۔ سبزہ زار پہ فاصلے فاصلے پہ درخت اگے تھے۔ اور ایسے ہی ایک درخت تلے وہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ ٹراؤزرز پہ آدھے آستین کی شرٹ پہنے۔ بال ماتھے پہ بکھیرے۔ بڑھی شیو اور جھکا چہرہ۔ گھٹنوں پہ رکھے ٹیبلیٹ پہ تیزی سے چلتی

انگلیاں۔وہ کچھ بنا رہا تھا۔عمارت۔تصویر۔یا کوئی چہرہ۔یہاں سے واضح نہ تھا۔

دفعتاً ماہر نے گردن اٹھائی۔آنکھیں بند کر کے اسے باری باری دونوں کندھوں سے لگایا۔پھر چہرہ سیدھا کیا۔

فون وائبریٹ کرنے لگا تو ماہر کے چہرے پہ بے زاری ابھری۔جیب سے اسے نکال کے دیکھا۔بے زاری کم نہیں ہوئی۔

"بولو۔"

"بیربل کو معلوم ہے تم کس کے لیے اس ملک آئے ہو؟" مالک فرید کی آواز سرد اور بے تاثر تھی۔

ماہر نے گہری سانس کھینچی۔

"میں یہاں صرف اس مقدمے سے بچنے آیا ہوں۔کسی سے ملنے نہیں۔" وہ اب دائیں بائیں چلتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

"یعنی ابھی تک تم نے اس سے ملنے کا فیصلہ نہیں کیا۔انٹرسٹنگ۔" وہ رکے۔جیسے کسی گرم مشروب کا گھونٹ بھرا۔

"ایک اچھی خبر ہے۔اور ایک بری۔پہلے کون سی سناؤں؟"

"بری۔" اس کا سانس رک گیا۔ذہن سے اردگرد ٹہلتے لوگ'ان کے کتے اور پانی پہ اڑتے بگلے محو ہو گئے۔

"وہ سرخ ٹکڑا ایک نورانی قاعدے کے سرورق کا کنارہ تھا۔ہم اس قاعدے کی پبلیشنگ کمپنی تک پہنچ چکے ہیں۔"

"اچھی خبر کیا ہے؟"

"یہ اچھی خبر تھی۔" مالک فرید نے گہری سانس لی۔"بری خبر یہ ہے کہ وہ قاعدہ انہوں نے تین سو اکیس 321 مدرسوں کو فراہم کیا ہے۔وہ سرخ ٹکڑا اس ایڈیشن کا حصہ تھا جو خاص طور پہ مدرسوں کے لیے بلک (bulk) میں بنایا جاتا ہے۔

"تین سو اکیس مدرسے؟" اس کا دل ڈوبا۔

"تم یہ تلاش یہاں بھی جاری رکھ سکتے تھے'ماہر۔اپنے گھر۔اپنے شہر میں۔" ان کی آواز میں تاسف کی جھلک تھی۔

"ان میں سے کتنے مدرسے لاہور یا اس کے قریب ہیں؟" اس نے ہمیشہ کی طرح اس تاسف کو نظر انداز کیا۔

"یہ 321 مدارس لاہور اور اس کے مضافات میں ہی ہیں۔"

ایک لہر سی اس کی ریڑھ کی ہڈی سے رینگتی ہوئی پیروں تک سفر کر گئی۔ ایسی لہر جو چلتے پھرتے انسان کو مفلوج کر دے۔

ناامیدی کی لہر۔

"ہمارے ساتھ بھلے شہر بھر کی پولیس ہو، ہم تین سو مدرسوں پہ ریڈ نہیں کر سکتے، ماہر۔"

اس نے انگلیاں اضطرابی انداز میں بالوں میں پھیریں۔ خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ گردن دائیں بائیں گھمائی۔ الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"اس سے ملنے مت جانا۔ تم اس کو خطرے میں ڈالو گے۔"

"میں اس کے لیے یہاں نہیں آیا۔" وہ تلخ ہوا۔ قریب میں جھنکار سنائی دی۔ ماہر نے چہرہ اس طرف موڑا۔ ایک ادھیڑ عمر عورت ایک پنجے کے بل بیٹھی تسمہ باندھ رہی تھی۔ ساتھ کتا تابعداری سے کھڑا تھا۔ اس کا لمبا سا پٹا عورت کے ہاتھ سے بندھا تھا۔ اس میں کہیں جنگل بیل لگی تھی جو بار بار چھنک اٹھتی تھی۔ وہ اس پٹے کو دیکھے گیا۔ اس کے کالر پہ ایک نمبر لکھا تھا۔ طویل نمبر۔

"نمبرز۔" اس کی نگاہیں پٹے پہ جمی تھیں۔ "نمبرز جھوٹ نہیں بولتے۔"

"کیسے نمبرز؟"

"ہمیں تین سو مدرسوں پہ ریڈ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں صرف ہر مدرسے کے نمبرز اور فنگرز چیک کرنے ہیں۔ ان کے اخراجات۔ انکم ٹیکس فائلنگ۔ کس مدرسے کے پاس اسٹیٹ آف دی آرٹ ٹیکنالوجی ہے۔ الیکٹرک واٹر کولرز۔ سولر پینلز۔ ہمارا مدرسہ وہ ہے جس کے در و دیوار سے امارت ٹپکتی ہو۔"

دوسری طرف چند ثانیے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"اور اگر ایسا کوئی مدرسہ نہ ملا؟" وہ لہر اس کے پیروں میں سوئیاں چبھونے لگی۔ ہر سوئی نشتر کے جیسی تھی۔

"میری بہن زندہ ہے، مالک۔ جس دن وہ مرے گی، میں اس کی تلاش ختم کر کے گھر واپس آ جاؤں گا۔" اس نے موبائل نیچے رکھ دیا۔ وہ عورت اور اس کا کتا اب گزرگاہ پہ چلتے دور جا رہے تھے۔ ذہن پھر سے اس کی طرف بھٹکا۔

کیا ماہر کو اس سے ملنا چاہیے؟

وہ جس سے ملنے وہ اس شہر آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"اب تم کیا کرو گی مالا؟" صفورا نے اس روز کال کرتے ہی پہلی بات یہی پوچھی تھی۔ گزشتہ رات ان کی تفصیل سے بات ہوئی تھی اور وہ تب سے اب تک مسلسل میسجز کر رہی تھی۔ اتنا کچھ ہو گیا' تم نے مجھے نہیں بتایا وغیرہ وغیرہ۔ نہ جانے کیوں دوست سمجھتے ہیں کہ اگر ان کو ہمارے حالات معلوم ہوتے تو وہ انہیں بدل دیتے۔

"میں اپنی نئی زندگی شروع کروں گی۔" اس نے اسی پرسکون انداز میں بتایا تھا جس میں اس نے ماہی کے سامنے علیحدہ رہنے کا اعلان کیا تھا۔

(وہ ماہی کے گھر کے کمرے میں سے اپنا سامان اکٹھا کر رہی تھی۔ قریب ہی باکسز رکھے تھے۔ ایک باکس کے اوپر رکھا سفید گملا اور ایک خوشبودار کینڈل خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔)

" کہاں رہو گی؟"

"ایک اپارٹمنٹ تلاش کر لیا ہے۔ اسے ایک کالج اسٹوڈنٹ سب لیٹ (sublet) کر رہی ہے۔"

(وہ ایک اسٹوڈیو اپارٹمنٹ میں کھڑی تھی۔ ایک باتھ روم۔ ایک بیڈ روم۔ کونے میں کچن۔ فاصلے فاصلے پہ بچھے دو ہلکے سے سنگل بیڈ۔ دوسرے کونے میں کاؤچ۔

کاؤچ پہ ایک لڑکی ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ بال چھوٹے اور رنگت سانولی تھی۔ دونوں کانوں میں سات سات سوراخ تھے جن میں بہت سی بالیاں تھیں۔ وہ انگلی کے اشارے سے دائیں بائیں ہر شے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ مالا نے کھڑکی کو دیکھا۔ اس کے بلائنڈز کھلے تھے۔ کھڑکی اس کے بیڈ کے قریب تھی۔ اس نے آگے بڑھ کے انہیں برابر کر دیا۔

"یہ بند رہیں گے۔"

آدیا نامی لڑکی نے کندھے اچکا دیے۔)

"اور خرچے؟ اس ملک کے خرچے کیسے پورے کرو گی؟"

" کام کروں گی' صفورا۔ عارضی ورک پرمٹ اپلائی کر دیا ہے۔ میں کام سے کبھی کترائی ہوں کیا؟"

" مگر کیسا کام؟ میرا نہیں خیال تمہاری ڈگری کسی کام آئے گی۔"

"سروس بزنس۔ میں سروس بزنس شروع کی۔ میں مارکیٹنگ میں ہمیشہ سے اچھی تھی۔ میں ہر اس جاب کے لیے اپلائی کروں گی جس کا اشتہار مجھے دکھائی دے گا۔"

(وہ اس اسٹوڈیو بیڈروم میں فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ گود میں تھا اور اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ وہ کھٹا کھٹ ٹائپ کیے جا رہی تھی۔)

"اور اگر کسی کو تمہاری مارکیٹنگ سروسز نہ چاہیے ہوں؟ تب کیا کرو گی؟"

(اس اسٹوڈیو اپارٹمنٹ میں اب رات پھیلی تھی۔ وہ فرش پہ بیٹھی' دیوار سے ٹیک لگائے' گھٹنوں پہ ایک گال رکھے بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں پانی تیر رہا تھا۔ قریب کھلے لیپ ٹاپ کی اسکرین بے رونق تھی۔)

"کوئی minimum wage جاب کرلوں گی۔ وہ تو مل ہی جاتی ہے۔"

(وہ ایک کافی شاپ تھی میں کھڑی تھی۔ یہ شاپ مال کے دہانے پہ تھی اور اس کا کوئی دروازہ نہ تھا۔ بس ایک چوکور کارنر بنا تھا جو دو اطراف سے کسٹمرز کے لیے کھلا تھا۔ چند لڑکیاں کام کر رہی تھیں۔ ایک ساڑھے چھے فٹ کا فربہ لڑکا' کان پہ ہینڈز فری چڑھائے تیزی سے کافی بنا رہا تھا۔ گاہے بگاہے اس نئی لڑکی کو بھی دیکھتا جس کو ایک ادھیڑ عمر سکھ عورت ایپرن تھما رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ ہاتھ کے اشاروں سے اس کو کام سمجھا رہی تھی۔ سبز آنکھوں والی لڑکی کی آنکھوں میں پانی تھا۔ اس نے ایپرن تھاما تو انگلیوں میں کپکپاہٹ بھی تھی۔ اب وہ سر جھکائے سیاہ سبز ایپرن باندھنے لگی۔ آنسو حلق میں اکٹھے ہو رہے تھے۔)

"تم minimum wage جاب کرلوگی' مالا؟ تم اپنے ملک میں ریستوران چلاتی تھیں۔ تمہارے نیچے بیسیوں لوگ کام کرتے تھے۔"

"میں سب کچھ کرلوں گی۔ مجھے صرف سروائیو کرنا ہے۔"

(رات تاریک ہو رہی تھی۔ مال کی بتیاں بجھ رہی تھیں۔ اور وہ اپنے کارنر میں کھڑی' کمر پہ ہاتھ رکھے' فرش کو دیکھ رہی تھی۔ کافی شاپ کی حدود میں شامل علاقے پہ رکھی کرسیوں پہ ایک گاہک نے ابھی ابھی قے کی تھی۔ وہ شاید تفریحی ڈرگز (جو اب کینیڈا میں لیگل قرار دی جا چکی تھیں) کے ساتھ کافی کو ملانا چاہ رہا تھا۔ اور اس کی بدبودار ناکامی مائع حالت میں میز سے ہوتی فرش پہ ٹپک رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ گہری سانس لی۔ اور دستانے چڑھانے لگی۔ یہ اس کی شفٹ تھی۔ یہ اسے ہی صاف کرنا تھا۔)

"اور زیاد؟"

"میں اس سے طلاق لوں گی۔"

"مگر کیسے؟"

(وہ ایک چھوٹے اور تنگ سے آفس میں بیٹھی تھی۔ سامنے ایک سوٹ میں ملبوس ہندوستانی خدوخال کا آدمی بیٹھا تھا۔

"کینیڈا میں طلاق لینے کے لیے ضروری نہیں کہ آپ یا آپ کا شوہر اس ملک کے شہری ہوں یا شادی اس ملک میں ہوئی ہو۔ آپ کی شادی جہاں بھی ہوئی ہو' آپ جس ملک کی بھی شہری ہوں' آپ برٹش کولمبیا (کینیڈا کا صوبہ) کی عدالت میں ڈائیورس فائل کر سکتی ہیں لیکن...."

"لیکن؟" اس کا سانس رک گیا۔

"لیکن ایک شرط ہے۔"

وکیل نے توقف کیا۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

"طلاق فائل تب ہو گی جب آپ کو کینیڈا میں رہتے ہوئے ایک برس کا عرصہ گزر گیا ہو۔"

اس کے چہرے پر تاریک سایے آن ٹھہرے۔

"یعنی ایک سال سے پہلے میں کینیڈین عدالت کے ذریعے طلاق نہیں لے سکتی۔")

"پھر کیا کرو گی؟"

"میں نے طلاق کا فیصلہ کرلیا ہے مصفورا۔ میں اسے پاکستانی عدالت سے لے لوں گی۔"

(وہ موبائل اسکرین چہرے کے سامنے کیے بس سے اتر رہی تھی۔ سن گلاسز آنکھوں پر تھے اور کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے۔ اسکرین پہ معید کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ اور اس چہرے پہ ایک ساتھ بہت سے تاثرات تھے۔

تمہیں ایمبیسی کے ذریعے یہاں مجھے پاور آف اٹارنی بھجوانا ہوگا۔ پھر میں تمہاری طرف سے یہاں خلع کا کیس فائل کردوں گا۔ تمہیں آنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔" وہ وکیل سے بات کرچکا تھا۔

"میں واپس آؤں گی بھی نہیں' معید۔ وہ مجھے جان سے مار دے گا۔" وہ دائیں بائیں دیکھتی سڑک عبور کررہی تھی۔ مال کی عمارت سامنے تھی۔

"مالا... تم مجھے پہلے بتاتیں تو...." وہ افسوس سے کہہ رہا تھا۔

"میرے پاس پچھتاووں کا وقت نہیں ہے' معید۔" وہ مزید اپنے بہن بھائی اور دوستوں سے یہ بات نہیں سن سکتی تھی۔

"مجھے بتاؤ مجھے کب تک خلع مل سکے گی؟"

"خلع کا فیصلہ عموماً تین ماہ میں آجاتا ہے۔ اس سے دیر بھی ہوسکتی ہے اگر وہ کیس کا بھرپور مقابلہ کرے۔ لیکن چونکہ وہ سعودی عرب میں مفرور ہے اور میرا نہیں خیال وہ آسانی سے پاکستان واپس پہنچ سکے گا' اس لیے امید ہے ایک ماہ میں فیصلہ آجائے گا۔")

"میں ان باتوں پہ زیادہ یقین نہیں کرتی لیکن زیاد کے جادو کا کیا کرو گی؟"

(وہ اس اونچی دیواروں والے ہال میں سبز قالین پہ دوزانو بیٹھی تھی۔ درمیان میں ایک لکڑی کی ننھی سی میز تھی اور دوسری جانب ڈاکٹر رائد بیٹھے تھے۔

"میں وہ تسبیحات پڑھ رہی ہوں جو آپ نے بتائی تھیں۔" وہ چڑچڑی نظر آرہی تھی۔ "میں دعائیں بھی مانگ رہی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میرا دماغ جیسے آزاد ہوگیا ہے۔ لیکن میرا خوف نہیں جاتا۔ ہر وقت لگتا ہے کہ کوئی پیچھا کررہا

ہے۔"

وہ جواب میں کچھ کہنے لگے لیکن وہ ان سے پہلے تیزی سے بولی۔ "میں بہت مذہبی نہیں ہوں۔ میں حجاب نہیں لیتی۔ میں فرض نمازیں پڑھ کے اٹھ جاتی ہوں۔ کیا یہ میری ساتھ اس لیے ہو رہا ہے؟"

وہ ہلکا سا مسکرائے اور سر جھٹکا۔ "جادو کے ہونے کا تعلق کسی عورت کے سر ڈھانکنے یا نہ ڈھانکنے سے نہیں ہوتا۔ ہم سب گناہگار ہیں۔ ہم سب work in progress ہیں۔ سب مسلمان عورتوں کو سر ڈھانکنا چاہیے۔ لیکن وہ ان کو اپنے رب کی رضا کے لیے کرنا چاہیے۔ جادو اتارنے کے لیے۔ جادو اترتا ہے رقیہ شرعیہ سے۔ اذکار سے۔ اور سب سے بڑھ کے دعا سے۔"

"اور میرا خوف؟ جادو اتر جائے تب بھی اس خوف کا کیا کروں؟" اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ وہ جواب میں کچھ کہہ رہے تھے۔)

"اب تم کہاں رہ رہی ہو؟" صفورا نے رک کے اضافہ کیا۔ "کہیں زیاد اپنے جنات سے تمہاری رہائش گاہ کا پتہ معلوم نہ کر لے۔" اسے خدشہ ہوا۔

"کسی کو نہیں معلوم کہ میں کہاں ہوں۔ میں نے نمبر بدل لیا ہے۔ میں صبح شام کی دعائیں پڑھ کے گھر سے نکلوں گی۔ ڈاکٹر رائد کہتے ہیں کہ جو اذکار پڑھتا ہے اس کے بارے میں جنات اپنے جادوگر کو خبریں نہیں دے سکتے۔"

وہ رکی اور طمانیت سے مسکرائی۔

"کوئی جن اس کو نہیں بتا سکے گا کہ میں کہاں رہتی ہوں۔"

(وہ اس صبح باتھ روم کے آئینے کے سامنے کھڑی بال پونی میں باندھ رہی تھی۔ گال پہ نیا دانہ چمک رہا تھا۔ پیروں میں بند فلیٹ جوتے تھے۔ وہ آئینے میں دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

اسے جاب کرتے ہوئی ڈیڑھ ہفتہ ہونے کو آیا تھا۔ اب وہ سڑک پار کرتے ہوئے بار بار دائیں بائیں نہیں دیکھتی تھی۔

"کوئی نہیں جانتا کہ مالا کہاں ہے۔" آئینے میں دیکھتے ہوئے وہ مسکرائی۔ "میں زیاد سے بہت دور آ چکی

ہوں۔ میں اس بڑے سے ملک میں بہتے انسانوں کے سمندر میں گم ہو جاؤں گی۔ وہ مجھے کبھی نہیں ڈھونڈ سکے گا۔ وہ کبھی میرے پیچھے نہیں آ سکے گا۔"

اس نے کراس باڈی بیگ ایک کندھے سے گزار کے دوسرے پہلو پہ لٹکایا اور اسکارف گردن میں لپیٹی دروازے تک آئی۔

" کوئی نہیں جانتا کہ میں کہاں ہوں۔ زیاد سلطان اب مجھے کبھی نہیں ڈھونڈ سکے گا۔"

وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کے دروازے سے باہر نکلی تو بہار کی خوشگوار ہوا نے استقبال کی۔ دعا پڑھتے ہوئے اس نے باہر پھیلے روشن دن کو دیکھا اور زینے اترنے لگے۔

(اب وہ اپنے ماضی کا زیاد سلطان نامی باب بند کر کے ایک نئی زندگی شروع کرے گی۔)

وہ آخری زینے پہ تھی جب قدم زنجیر ہو گئے۔

اس کے سامنے.... عین سامنے.... نگینہ بیگم کھڑی تھیں۔

کشمالہ مبین کی ساری دنیا ایک لمحے میں الٹ کے رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ مبین اور نگینہ سلطان کو وہیں چھوڑ کے.... اس علاقے سے چند میل دور آؤ تو وین کوور کا ڈاؤن ٹاؤن شروع ہوتا ہے۔ ڈاؤن ٹاؤن کسی شہر کا دل ہوتا ہے۔ اس کا سب سے بارونق اور خاص علاقہ۔ وہاں اونچی عمارتیں بنی ہیں۔ ان میں دفاتر بھی ہیں اور اپارٹمنٹ بلڈنگز بھی۔

وین کوور دنیا کے مہنگے ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ یہ کینیڈا کے جس صوبے میں واقع ہے وہ صوبہ یعنی برٹش کولمبیا اپنے پہاڑوں اور خوبصورت مناظر کے لیے مشہور ہے۔ یہاں ہر صوبے کی کارز کی نمبر پلیٹس پہ اس صوبے کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھا ہوتا ہے۔ اسی طرح بی سی کی گاڑیوں کی نمبر پلیٹس پہ نمبر کے نیچے Beautiful British Columbia لکھا ہوتا ہے۔ اس صوبے کے باسی اپنی علاقائی خوبصورتی پہ ساری دنیا میں اتراتے پھرتے ہیں۔ وین کوور کی خوبصورتی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ دنیا بھر کے امراء بالخصوص ایشین امراء اپنے

بچوں کے لیے وین کوور میں ویکیشن اپارٹمنٹ ضرور لیتے ہیں جو سارا سال خالی رہنے کے بعد موسم گرما میں بھر جاتے ہیں۔

کینیڈا ایک مختلف قوموں سے بنا خطہ ہے۔ اس ملک کے اپنے باسی natives جن کو aboriginal people بھی کہا جاتا ہے اب وہاں بہت کم رہ گئے ہیں۔ یہ سرخ جلد اور چھوٹی آنکھوں والے وہ لوگ تھے جب کے قبائل اس خطے میں صدیوں سے آباد تھے۔ پھر اس ملک پہ برطانیہ اور فرانس نے کئی جنگیں لڑیں۔ یہاں یورپ سے بہت سے سفید چمڑی والے آ کے آباد ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بڑی تعداد جرائم پیشہ لوگوں کی تھی جو اپنی سزا سے بھاگ کے یہاں آ چھپتے تھے۔ فرانسیسی تسلط کے باعث یہاں انگریزی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی زبان رائج ہے۔

زمانہ بدلا اور کینیڈا برطانوی بادشاہت کے زیر تسلط آ گیا۔ پھر وہاں ہجرت کر کے آنے والوں کے چہرے بھی بدل گئے۔ اس ملک کا ویزہ دنیا کے مشکل ترین ویزوں میں شمار ہوتا ہے کیونکہ اس کے قانون میں اسائلم (پناہ) لینا قدرے آسان ہے۔ ایک دفعہ کینیڈا میں آنے والا اگر پناہ مانگ لے تو اسے وہاں سے کوئی نہیں نکال سکتا۔ یوں ایشائی، انڈین اور مختلف قومیتوں کے مسلمان اپنے ممالک کے حالات سے تنگ آ کے یہاں بسنے لگے۔ اور یوں یہ ملک diverse ہوتا گیا۔ مسی ساگا نامی علاقے میں اتنے مسلمان آ بسے کہ اسے مسلم ساگا کہا جانے لگا۔ البتہ جس صوبے BC (برٹش کولمبیا) کی کہانی ہم تم کو سنا رہے ہیں، وہاں گورے اتنے نہیں ہیں جتنے انڈین سکھ بستے ہیں۔ سکھوں کے ساتھ ایشائی قومیں بالخصوص چائنیز یہاں کثیر تعداد میں رہائش پذیر ہیں۔

اور اس رنگ برنگی شناختوں سے بنے اس شہر وین کوور کے ڈاؤن ٹاؤن میں واقع ایک اپارٹمنٹ بلڈنگ ایسی بھی تھی جس میں بنا اپارٹمنٹ نمبر ۵۵۵ کسی بھی قسم کے رنگ سے خالی تھا۔ سوائے دو رنگوں کے۔

سیاہ اور سفید۔

اپارٹمنٹ کی ایک دیوار پر بڑا سا پیگ بورڈ آویزاں تھا۔ اس پہ بہت سے کاغذ چسپاں تھے۔ نوٹس۔ نقشے۔ تصاویر۔ دوسرے کونے میں سفید ورک ٹیبل رکھی تھی جس پہ تین بڑی ڈسپلے اسکرینز، لیپ ٹاپ اور گرافک ٹیبلیٹس رکھے تھے۔ ساتھ ایک سرخ عمارت کا تھری ڈی ماڈل بھی کھڑا تھا۔

ماہر اس وقت کرسی پہ بیٹھا، آگے کو جھکا، گرافک ٹیبلیٹ پہ پنسل سے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ ٹیبلیٹ پہ ابھرتی لکیریں

سامنے رکھی ڈسپلے اسکرینز پہ مرر ہو کے دکھائی دے رہی تھیں۔

"ٹرن ٹرن...."

موبائل کی رنگ ٹون بجی تو اس نے بنا سر اٹھائے کان پہ لگے ایئر پوڈ کو دبایا۔

"آج سورج کہاں سے نکلا ہے جو ماہر آفندی نے میری کال اٹھالی؟" رابطہ جڑتے ہی بیربل کی ہشاش بشاش آواز سنائی دی۔

"کیوں صبح سے کالز کر رہے ہو؟"

"یہ تم سب میری کالز سے اکتا کیوں جاتے ہو؟" وہ خفا ہوا۔ "جس دن بیربل نہ رہا' اس دن کیا کرو گے؟"

"سکون سے کام کروں گا۔"

جواب میں بیربل نے ناراضی سے ہنکارا بھرا۔ وہ خاموشی سے پنسل اسکرین سے رگڑتا رہا۔

"تمہاری وٹامن حاتم کی کال آئی تھی۔" بالآخر وہ مدعے پہ آیا۔ "اس کی کال اٹھالو۔ اسے اگلی پیشی کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے۔"

"میں ابھی یہاں سکون سے کام کر رہا ہوں۔ جب سکون خراب کرنا ہوگا' اس سے بات کرلوں گا۔"

"اور میں؟ تم مجھ سے ملے بغیر گئے ہو۔ یہ نہیں سوچا کہ اگر میں ناراض ہوگیا تو...؟"

"پلیز ناراض ہو جاؤ تاکہ میرے کریڈٹ کارڈ کا بل کم آئے۔"

بیربل جواباً خفگی سے کچھ بڑبڑایا۔ پھر لہجہ سرسری بنایا۔

"کینیڈا میں کسی سے ملاقات ہوئی؟"

"میرا یہاں کوئی دوست نہیں ہے۔" وہ اب دو انگلیوں سے زوم کر کے اسکرین کو بڑا کر کے دیکھ رہا تھا۔ پھر پنسل سے ایک جگہ نشان لگایا۔

"مالا ہے۔"

اس کے انگلیاں ٹھہر گئیں۔ پنسل پہ گرفت ڈھیلی ہوگئی۔

"مالا؟"

"اس کی بہن نے آج ایک ٹک ٹاک پوسٹ کی ہے۔ کافی کے دو کپس۔ وہ کسی کے ساتھ کافی پی رہی تھی۔"

"تم کیوں اس کو stalk کر رہے ہو؟"

" کیونکہ میرا خیال ہے وہ دوسرا ہاتھ مالا کا تھا۔"

ماہر فرید نے پنسل ایک دم رکھ دی۔

" کیا وہ کینیڈا میں ہے؟" اس کی ساری حسیات جاگ اٹھی تھیں۔

" مجھے کیا معلوم۔ میں کوئی stalker ہوں کیا؟ ہونہہ۔"

"بی...." لیکن بیربل اس کو سنے بغیر فون بند کر چکا تھا۔

(وہ مالا سے بات کر لے گا اور اس کے کہے الفاظ کا بوجھ کم ہو جائے گا۔ وہ دونوں ملیں یا نہ ملیں، کم از کم بیربل اس گلٹ سے آزاد ہو جائے گا کہ اس نے ان کو دور رکھنے کی کوشش کی تھی۔)

ماہر نے پنسل رکھ دی۔ دل جیسے اچاٹ ہو گیا تھا۔ وہ اٹھا اور کھڑکی تک آ رکا۔ نیچے دور دور تک پھیلا ڈاؤن ٹاؤن دکھائی دے رہا تھا۔ یہ شہر صبح سویرے ساتھ ہی جاگ اٹھتا تھا۔ اور اندھیرا ہوتے ہی سو جاتا۔ وہ چند لمحے سڑکوں کے کنارے چلتے لوگوں کو دیکھتا رہا۔

پھر ہاتھ خود بخود موبائل تک رینگ گیا۔ اور اگلے ہی لمحے وہ اس کی واٹس ایپ چیٹ کھول رہا تھا۔ وہاں ڈسپلے فوٹو نہیں لگی تھی۔ کیا وہ ابھی تک بلاکڈ تھا؟ یا اس نے اپنا اکاؤنٹ مٹا دیا تھا؟

وہ کیسے معلوم کرے؟

"ون ان ففٹی...." اس کے انگوٹھے نے اس شناسا نمبر پہ ہاتھ رکھا۔ کال کرے یا....؟

اس نے سر جھٹکا۔ اسے مالا پہ دھیان نہیں دینا تھا۔ اسے اپنی بہن کو ڈھونڈنا تھا۔

وقت پیچھے چلا گیا۔ سیکیورٹی والے اسے لینے آئے کھڑے تھے۔ دیوار پہ مون فیئرز لڑی میں پروئے آویزاں تھے۔ وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہلال اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ایک کونے میں اس کی ماں تھی۔ لونگ روم میں مالک بیٹھا تھا۔ وہ اسے ذہنی امراض کے ہسپتال بھیج رہے تھے۔ اور وہ بیچ راہداری میں ذرا دیر کو رکا تھا۔ ہلال سے ملنے۔

وہ اس کے سامنے آ رکی تھی۔

وہ ہلال سے پوچھ رہا تھا کہ وہ واپس آئے گا تو وہ وہاں کیوں نہیں ہو گی؟

ہلال آگے بڑھی اور اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔ وہ چونکا۔ اچنبھے سے اسے دیکھا۔

اس وقت سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ کس کا نام لے رہی ہے۔ اب بھی نہیں آیا تھا۔ وہ بس سمجھنا چاہتا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔

اس کا کام اس کا منتظر تھا۔

وہ واپس بیٹھا ہی تھا کہ فون پھر سے بجنے لگا۔نمبر دیکھ کے وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

"مالک صاحب چاہتے تھے کہ میں آپ سے خود بات کروں۔"

فیس ٹائم آن تھا اور اسکرین پہ ایک درمیانی عمر کا آدمی دکھائی دے رہا تھا جو ڈریس شرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔

"ہاں اس نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کو ایک مدرسے کا سراغ ملا ہے۔"وہ تیزی سے بولا۔

"ہم نے آج اس مدرسے پہ ریڈ کیا ہے۔"

"پھر؟"اس کا دل زور سے دھڑکا۔

"یہ مدرسہ آپ کی بتائی ہوئی نشانیوں پہ پورا اترتا تھا۔تین سو مدارس میں صرف ۷ مدرسے پرائیوٹ تھے۔اور ان میں سے صرف ایک مدرسے میں سولر پلیٹس پینلز لگے ہوئے تھے۔جنریٹرز۔کمپیوٹرز۔بہترین ٹیکنالوجی سے لیس یہ مدرسہ....."

"پھر؟"اس نے بات کاٹی۔

"یہ لاہور اور شیخوپورہ کے درمیان واقع ایک اسلامک سینٹر ہے جہاں ریسرچ کا کام ہوتا ہے۔ان کی باقاعدہ ایک ویب سائٹ ہے۔اور....."

"کیا تم وہاں گئے؟"اس کا سانس رک گیا تھا۔ساری دنیا رک گئی تھی۔

"یہ مدرسہ Delware میں بنی ایک LLC کی ملکیت ہے۔یعنی ایک شیل کمپنی۔ہم اس کے مالک کا نام تلاش نہیں کر سکتے۔"

وہ اس کے سوالات سنے بغیر اپنی کارروائی بتا رہا تھا۔اُف یہ بیوروکریسی۔وہ ضبط سے سنتا ناخن دانت سے کترنے لگا۔اسے نہیں یاد آخری دفعہ اس نے یہ کب کیا تھا۔

"یونو...امریکہ میں LLC کوئی بھی شہری دنیا میں کہیں سے بھی بنا سکتا ہے۔یہ کب بنی ہے' کس نے بنائی ہے' ہم...."

اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔

"تم وہاں گئے؟" اونچی آواز میں پوچھا۔

"میں یہیں کھڑا ہوں' ماہر صاحب۔"

وہ جواب دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا' ایک دم ساکن ہو گیا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے۔"

ساری دنیا برف کی بن گئی۔ ٹھنڈی۔ مردہ

"ہم دیر سے پہنچے ہیں۔ وہ لوگ... یہاں کام کرنے والے لوگ... وہ سب جا چکے ہیں۔"

امیر خاکوانی نامی وہ پولیس آفیسر اس وقت ایک بڑے سے ہال میں کھڑا تھا۔ اس میں جگہ جگہ چھوٹے ڈیسک لگے تھے۔ دیواروں میں بک شیلف تھے جہاں کتابوں کے ریک تھے۔ سینٹرل اے سی کے وینٹ۔ الیکٹرک واٹر کولرز۔ اس وقت بھی اے سی چلے تھے۔ چند پولیس اہلکار دائیں بائیں ٹہل رہے تھے۔ چند تصاویر بنا رہے تھے۔ وہ جگہ ایک جائے وقوعہ تھا۔

"شواہد کہتے ہیں کہ یہاں صرف آپ کی بہن نہیں تھی۔ یہاں اور بھی بچے تھے۔"

وہ نڈھال سا صوفے پہ گرنے کے انداز میں بیٹھا۔ پھر بند گلی۔ ایک دفعہ پھر سرکار اس سے دو قدم آگے تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ پولیس ان کو سونگھ رہی ہے۔ جب تک پولیس وہاں پہنچی' وہ نکل چکا تھا۔

"یہ ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی ہے اور یہاں کلاس روم بھی بنے ہیں۔ بچوں کے کمرے بھی۔ الماریوں میں کپڑے بھی رکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بچے کم عمر ہیں۔ اسکول کٹن میں گروسری بھی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جلدی میں ان لوگوں نے اس جگہ کو چھوڑا ہے۔"

اس نے زور سے مٹھی بھینچ لی۔ آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

"اور کیا ہے وہاں؟" اس کی آواز شکست خوردہ تھی۔

امیر ایک دروازے کے قریب گیا اور اس کا ہینڈل گھمایا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر ایک سفید گلابی سا کمرہ تھا۔ سنگل بیڈ۔ اسٹڈی ٹیبل۔ اس میں کتابیں اور اسکیچ بکس رکھی تھیں۔

"کیا ہلال اسکیچنگ کرتی تھی؟" امیر خاکوانی اب وہاں رکھے چند پیپرز دیکھ رہا تھا۔ ماہر نے تیزی سے سر اٹھایا۔

"کیا یہ ہلال کا کمرہ ہے؟"

امیر نے داستانہ پہنی انگلیوں سے شیلف سے سرخ نورانی قاعدہ نکالا۔ اس کے سرورق کا کونا پھٹا ہوا تھا۔

"وہ یہیں تھی۔"

ماہر فرید کے لیے سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔اس نے گریبان کا بٹن کھولا۔گردن کو مسلا۔حلق میں اٹکا آنسوؤں کا گولا اس کا تنفس بند کر رہا تھا۔

"اور کیا ہے یہاں؟"

وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا اس کمرے میں ہلال کی خوشبو ہے؟ کیا وہاں اس کی موجودگی کا کوئی نقش چھپا ہے؟ اس نے کچھ تو چھوڑا ہوگا ماہر کے لیے۔اسے یقین ہوگا کہ وہ اس کے لیے آئے گا۔

" کچھ خاص نہیں۔صرف کتابیں۔اور چند ڈرائینگز۔" وہ اب الماریاں کھول کے دیکھ رہا تھا۔وہ خالی تھیں۔ہلال کا سامان وہاں نہیں تھا۔

"اس کے اسکیچز میں کیا ہے؟" اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں پونچھیں اور جب بولا تو آواز سنجیدہ مگر گیلی تھی۔

امیر ایک ایک کر کے اسکیچز سامنے رکھتا گیا۔اس کی آنکھوں میں اچنبھا تھا۔اس نے بیک کیمرہ آن کیا تو ماہر کو اسکیچز دکھائی دیے۔تمام صفحات پر ایک ہی اسکیچ بار بار بنایا گیا تھا۔

مون فیزز۔

چاند کے ادوار۔

ہلال سے بدر۔اور بدر سے ہلال تک کے چاند کا سفر۔

"غالباً ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ ہم ان کے قریب پہنچ چکے ہیں۔" امیر مایوسی سے کہہ رہا تھا۔

"اسی لیے انہوں نے مجھے استنبول میں اس کیس میں پھنسایا تھا۔" وہ بڑبڑایا۔"وہ جان گئے تھے کہ مالا جانتی ہے ہلال کسی مسجد یا مدرسے کے قریب ہے۔انہوں نے مجھے وہاں مصروف کر دیا۔میرا دماغ بٹ گیا۔مجھے اس مدرسے کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اتنا وقت لگ گیا۔ان کو ہلال کو وہاں سے لے جانے کے لیے یہی وقت درکار تھا۔"

''کیا؟'' وہ اس کی بڑبڑاہٹ سن نہیں سکا تھا۔

''کچھ نہیں۔تم بتاؤ' یہاں اور کیا ہے؟''

''کیا آپ کی بہن اسمارٹ ہے؟'' امیر کچھ دیکھتے ہوئے جیسے اونچا سوچ رہا تھا۔وہ چونکا۔

''وہ اپنی عمر کے بچوں سے زیادہ اسمارٹ ہے۔وہ.....اسپیشل ہے۔'' ماہر فرید الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کیا ہے۔

''اس کے کمرے کے دروازے پہ کوئی لاک نہیں ہے۔عمارت میں دوسری جگہوں پہ لاکس ہیں۔لیکن یہاں صرف ایک چابی والا لاک ہے جس پہ کبھی کسی نے زور آزمائی تک نہیں کی۔'' وہ اب پنجوں کے بل بیٹھا دروازے کے لاک کا معائنہ کر رہا تھا۔

''وہ لاک کیسے توڑ سکتی تھی؟'' اسے جیسے برا لگا۔جواب میں چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''وہ باتھ روم سے بھاگ سکتی تھی۔'' وہ اب باتھ روم میں کھڑا تھا۔اس کی چھت نیچی تھی۔

''کموڈ پہ کھڑے ہو کے وہ با آسانی روشن دان تک پہنچ سکتی تھی۔یہ شیشے کا ہے۔وہ اسے توڑ سکتی تھی۔'' وہ اب پیر اونچے کیے باہر جھانک رہا تھا۔''باہر ایک پائپ لگا ہے۔وہ اس سے اتر کے نیچے جا سکتی تھی۔اور وہاں سے سڑک پہ۔عمارت کے اس طرف کوئی سیکیورٹی نہیں ہے۔''

''تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔'' کہ وہ بھاگ سکتی تھی لیکن نہیں بھاگی؟ کہ وہ اپنی مرضی سے یہاں رہ رہی تھی؟''

''میرا مطلب.....''

''وہ گیارہ سال کی بچی ہے۔وہ کیسے بھاگ سکتی تھی؟'' وہ برہمی سے بولا۔امیر خاموش ہو گیا۔

''مجھے دوسرے بچوں کے بارے میں بتاؤ۔''

امیر اب کاریڈور میں آگے چلتا جا رہا تھا۔ساتھ ساتھ وہ اسے چند کمرے دکھا رہا تھا۔پھر وہ چھت کے صحن پہ نکل آیا۔دائیں بائیں دیکھا۔یہ ایک تنہا عمارت تھی اور دور دور تک ویرانہ پھیلا تھا۔مین روڈ بھی یہاں سے کافی دور تھی۔

وہ پلٹنے لگا جب ٹھٹھک کے رکا۔نگاہ میں کچھ چمکا تھا۔

''یہاں ایک الگ سا بنا کمرہ ہے۔'' وہ تیزی سے اس طرف آیا۔وہ ایک کھڑکی تھی جس کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔امیر

نے اس کے اندر جھانکا۔ پھر بیک کیمرہ آن کیا۔

اس کمرے کے باہر تالا لگا تھا۔ پرانا تالا۔ جیسے کسی نے اسے برسوں سے نہ کھولا ہو۔ چند منٹ بعد امیر اور اس کے اہلکار تالا توڑ کے اندر داخل ہوئے تو اسے موبائل اسکرین پہ وہ کمرہ واضح دکھائی دیا۔

وہ گرد اور مٹی سے اَٹا ہوا تھا۔ اس کی کھڑکی کے آگے کوئی سلاخ نہ تھی۔ اور شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ کرچیاں ابھی تک اندر گری تھیں۔ امیر نے الماری کے دروازے کھولے تو ہینگرز پہ لٹکے کپڑے دکھائی دیے۔

وہ کسی کم عمر لڑکے کے کپڑے تھے۔

''یہاں کوئی لڑکا قید تھا۔ عمر چودہ پندرہ برس ہوگی۔ اس کو یہاں سے کافی عرصہ پہلے نکالا گیا تھا۔ یا شاید.....'' امیر نے ٹوٹے شیشے کی کرچیوں کو دیکھا۔ ''شاید وہ بھاگ گیا تھا۔''

وہ فون ہاتھ میں لیے ساکت بیٹھا رہ گیا۔ ذہن ایک دم بہت پیچھے چلا گیا تھا۔

وہ اسے ذہنی امراض کے ہسپتال لے جانے آئے کھڑے تھے۔

وہ راہداری کے بیچ پنجوں کے بل بیٹھا تھا

ہلال اس کے سامنے کھڑی تھی۔

''میں انتظار کروں گی۔'' اس کی باریک سی آواز اسے آج بھی یاد تھی۔

''کس کا؟''

''وہ میرا دوست ہے۔ وہ مجھے بچانے آئے گا۔''

''کون؟''

''بدر۔'' اس نے دھیرے سے وہ نام لیا۔ ''وہ میرے ساتھ قید ہوگا۔ لیکن وہ مجھے بچا لے گا۔ ہم ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔''

''کون بدر؟''

''معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا بھی یہاں قید تھا۔ کتنا عرصہ قید رہا، معلوم نہیں۔'' امیر کی آواز نے اسے ماضی سے نکالا۔

''کیا آپ کسی ایسے لڑکے کو جانتے ہیں جو بچپن میں کھو گیا ہو؟ ہلال کی طرح؟''

''نہیں۔'' اس نے کال بند کر دی۔ پھر وہ کافی دیر وہیں بیٹھا رہا۔ خاموش۔ کسی سوچ میں گم۔

''بدر کون ہے؟ وہ ہلال کے ساتھ کیوں قید تھا؟ اس نے کیوں کہا تھا کہ وہ اس کو بچا لے گا؟''

کچھ سوچ کے اس نے موبائل اٹھایا۔

''تم نے مجھے کبیرہ سادان کے بارے میں معلومات فراہم کی تھیں' زارا۔'' اس کی انگلیاں ٹائپ کر رہی تھیں۔ ''کیا تم مجھے یہ معلوم کر کے دے سکتی ہو کہ کبیرہ کے بیٹے عالیان کا پورا نام کیا تھا؟''

عالیان وہ ٹکڑا تھا جو اس پزل کے کسی ایک خانے میں فٹ بیٹھتا تھا۔

لیکن کس خانے میں؟

اسے یہی معلوم کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح نگینہ بیگم کو اپنے اپارٹمنٹ کے باہر دیکھنے سے چند ساعتیں قبل وہ اسلامک سینٹر سے لوٹی تھی۔

اس کی شفٹ گیارہ بجے شروع ہونی تھی اور وہ عادتاً جلدی جاگ گئی تھی۔ معید کو کال کی اور خلع کے کیس کی پیش رفت کا پوچھا تو جواب میں وہ کچھ چڑچڑا سا محسوس ہوا۔

''مالا تم اتنی جلدی فیصلہ کیوں کر رہی ہو؟ تھوڑا سوچ لو۔''

''میں فیصلہ کر چکی ہوں' معید۔ مجھے طلاق لینی ہے۔''

''دیکھو' اللہ تعالیٰ کو طلاق لینے والی عورتیں نہیں پسند۔ تم کینیڈا میں جا کے وہاں کے لوگوں کی طرح مت سوچو' بلکہ اپنے مشرقی معاشرے کی طرح سوچو۔''

''تمہیں پاور آف اٹارنی مل جائے تو وکیل سے بات کر لینا ورنہ میں صفورا سے کہہ دوں گی۔'' اس نے خشک لہجے میں کہہ کے کال بند کر دی۔ لیکن دل ایسا برا خراب ہوا کہ اس کے جسم کی ساری توانائی نچوڑ گیا۔

''کیا طلاق لینے والی عورتیں اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں؟''

وہ شیخ رائد کے سامنے بیٹھی تھی۔ درمیان میں لکڑی کی ننھی میز تھی۔ اس کے پیچھے ہال میں دور دور تک لوگ گروہوں کی صورت دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں کسی ایونٹ کی تیاری ہو رہی تھی۔ اسپیکرز لگائے جا رہے تھے۔ لیکن اسے کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے دل کا شور کافی تھا۔

''یہ آپ سے کس نے کہا؟''

''طلاق اللہ تعالیٰ کا ناپسندیدہ عمل ہے۔''

''لیکن یہ عمل اسی نے بنایا ہے۔اس عمل کو حلال بھی اسی نے کیا ہے۔اسلامی شریعت سے پہلے طلاق لینا ایسا آسان نہ تھا۔جس سے شادی ہوئی' اس کے ظلم وستم کے باوجود اس کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔لوگ طلاق دیتے اور پھر بیوی کو واپس لے لیتے۔اسلامی شریعت نے جو طلاق ہمیں تھمائی ہے' وہ آسان ہے۔وہ ایک راستہ ہے۔آزادی کا راستہ۔نجات کا راستہ۔اس کو taboo ہندو معاشرے نے بنایا ہے۔''

''لوگ طلاق لینے والی عورت کو پسند نہیں کرتے۔''اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔''میرا شوہر ایک قاتل ہے۔نہ ہوتا تب بھی وہ میرے اوپر تشدد کرتا رہا ہے۔میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔لیکن کوئی میرا یقین نہیں کرے گا۔لوگ کہیں گے مجھے مغربی عورت کی طرح آزادی چاہیے تھی اسی لیے میں نے اسے چھوڑا۔لوگ میرے کردار پہ بات کریں گے۔''

''طلاق بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ناپسندیدہ عمل ہے کیونکہ یہ ایک تکلیف دہ چیز ہے۔یہ گھر توڑتی ہے۔یہ دل توڑتی ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے خود ہمیں تھمایا ہے۔کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس نے کیسے کیسے انسان تخلیق کیے ہیں۔اس سے بہتر کون جانتا ہوگا کہ کچھ انسان کیسے اپنے لائف پارٹنر کی زندگی مشکل کردیں گے۔ان کی نجات کے لیے اس نے طلاق کا راستہ رکھا ہے۔لیکن بدقسمتی سے جنوبی ایشیاء کے اسکالرز اس ایک حدیث کو استعمال کر کے طلاق لینے والے مرد اور عورتوں کو گلٹ میں مبتلا کردیتے ہیں۔''

''شاید اس لیے کہ ہم جنوبی ایشیا کے لوگ اپنے فیملی یونٹ پہ فخر کرتے ہیں اور طلاق اس کو توڑ دیتی ہے۔''اس نے ہتھیلی کی پشت سے گال پونچھے۔

شیخ رائد نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''فیملی یونٹ انسان کی اپنی ذات سے بڑا نہیں ہوتا۔آپ نے فیملی یونٹ قائم رکھ کے کوئی ایوارڈ نہیں جیتنا۔اللہ تعالیٰ کو کمزور مومن کے مقابلے میں قوی مومن پسند ہے۔جو رشتہ آپ کی ذات کو توڑ کے رکھ دے' اس سے نجات کا راستہ اختیار کرلینا چاہیے۔''

انہوں نے رک کے پانی کا گلاس اٹھایا۔گھونٹ بھرا۔اور پھر گویا ہوئے۔

''مسلمان ایک بات نہیں سمجھتے۔کہ شادیاں اور طلاقیں چوائسز ہوتی ہیں۔چوائسز۔''

''یعنی؟''

''یعنی کسی سے شادی کرنے یا نہ کرنے سے اللہ ناراض نہیں ہوتا۔نہ کسی سے طلاق لینے یا نہ لینے پر وہ خفا ہوتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے پاس بہت سے لوگ کئی موقعوں پہ طلاق کے لیے بھی آئے اور نکاح کے لیے بھی۔ رسول اللہؐ نے کبھی کسی کو اس کے نکاح یا طلاق کے ارادے کو rationalise کرنے کے لیے نہیں فرمایا۔"

"مطلب؟"

"مطلب وجہ سن کے یہ نہیں فرمایا کہ اس کو جسٹفائی کرو۔ اس کو ثابت کرو۔ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اس عورت کو بھی طلاق لینے کی اجازت دے دی جس کو اپنے شوہر کی شکل پسند نہیں تھی۔ کیونکہ بات شکل کی نہیں تھی۔ بات یہ تھی کہ دو انسانوں کی آپس میں نہیں بن رہی۔ چاہے وجہ کوئی بھی ہو۔ اگر دو انسان الگ ہونا چاہتے ہیں تو ان کو الگ ہونے سے دین نہیں روکتا۔ یہ انسان کا اپنا فیصلہ ہے۔ اور اس فیصلے کے نتائج ہوتے ہیں۔ اور اسے ان کو ذہن میں رکھ کے یہ فیصلہ لینا چاہیے۔"

"اور ان گھر بسانے کی ساری باتوں کا کیا جو بچپن سے ہم لڑکیوں کو پڑھائی جاتی ہیں؟"

"کہتے ہیں کہ شادی مشکل ہے۔ اور طلاق بھی۔ کسی کے ساتھ رہنا مشکل ہے اور تنہا زندگی گزارنا بھی۔ بے اولادی مشکل ہے اور اولاد کو پالنا بھی۔ آپ نے صرف اپنی مرضی کی مشکل چننی ہے۔ آپ کس مشکل کے ساتھ رہ سکتی ہیں؟ ایک پرتشدد شوہر کے ساتھ؟ یا تنہا لوگوں کی باتوں اور الزاموں کے ساتھ۔"

اس نے محض سر ہلا دیا۔ اسے معلوم تھا وہ کس مشکل کے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔

"لیکن میں خوفزدہ ہوں۔"

"اپنے شوہر سے؟"

"اپنے آپ سے۔ اس نے میرے اوپر سحرِ عشق کیا تھا۔ اگر اس نے دوبارہ ایسا کیا' اور میرا دل پھر سے اس کے بہکاوے میں آ گیا تو؟" وہ واقعی خائف لگ رہی تھی۔

شیخ رائد نے گہری سانس لی۔

"انسانی جسم کی یادداشت دماغ کی یادداشت سے زیادہ اچھی ہوتی ہے۔ گلا خراب ہو جائے تو تندرست ہونے کے بعد بھی ہم کئی دن ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔ کسی سوئچ سے کرنٹ لگے تو کئی ہفتے ہاتھ اس سوئچ کے قریب نہیں جاتا۔ دماغ بھول جائے' جسم نہیں بھولتا۔ ایسے ہی جادو کے مریض کا جادو ایک دفعہ اتر جائے تو جسم کو معلوم ہو جاتا ہے۔"

"ہمارا جسم زیادہ حساس ہو جاتا ہے۔" وہ سمجھ رہی تھی۔

"جی ہاں۔ جسم جادو کو پہچاننے لگتا ہے۔ کیونکہ جادو اسی کے راستے انسان کے اندر داخل ہوا تھا۔ جسم جادو کو

پہچانتا ہے۔وہ جب بھی جادو کے شر کے قریب جائے گا'وہ الرٹ ہو جائے گا۔چونک جائے گا۔وہ آپ کی عقل کو اشارہ دے گا۔اس کو انگریزی میں ہم vibe محسوس کرنا بھی کہتے ہیں۔یہ وائب دراصل جسم کا اشارہ ہوتا ہے۔''

''مجھے اپنے جسم کے اشارے سمجھنے ہیں۔''

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''لوگ جادو کی قید سے دو طرح سے نکلتے ہیں۔یا وہ اللہ سے رجوع کرتے ہیں' ذکر اور دعا میں کثرت کرتے ہیں تو جادو ٹوٹ جاتا ہے۔یا پھر ان سے کوئی ایسی نیکی سرزد ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اتنی پسند آتی ہے کہ وہ ان کے اوپر بندھا جادو کھول دیتا ہے۔دونوں صورتوں میں انسان کی حسیات تیز ہو جاتی ہیں۔یہ وہ محسوس کر لیتے ہیں جو دوسرے نہیں کر سکتے۔وہ دیکھ سکتے ہیں جو کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ایسی آوزیں سن سکتے ہیں جو بولی نہیں گئی ہوتیں۔''

''کیا جادو سے گزرنے والے ہر شخص کی حسیات تیز ہو جاتی ہیں؟''

''نہیں۔جو جسم کے اشارے نظر انداز کرتے ہیں' ان کی حسیات کند چھری کی طرح زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔اور جو اللہ کا ذکر نہیں ترک کرتے' ان کی مزید تیز ہو جاتی ہیں۔انہیں دھوکے باز کا دھوکہ اس کے قدموں سے پہلے اندر آتا دکھائی دیتا ہے۔وہ وہ جادو کو اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے سونگھ لیتے ہیں۔''

''لیکن وہ لوگ ہوتے ہیں ڈاکٹر رائد' جو جادو سے ڈرتے نہیں ہیں۔میں ڈرتی ہوں۔جادو سے۔اپنے شوہر سے۔''اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ٹوٹا بک شیلف۔زخمی پڑا زیاد۔اس کی کنپٹی سے نکلتا خون۔اسے سب یاد آنے لگا تھا۔

''خوف جادو کی خوراک ہے۔جادو کو مارنے کے لیے اس کو بھوکا رکھنا پڑتا۔اسے خوف نہیں ملے گا تو وہ خود مر جائے گا۔''

''اور خوف کیسے ختم ہوتا ہے؟''

''انسان ہر اس چیز سے ڈرتا ہے جس کو وہ سمجھ نہیں سکتا۔''

وہ وہاں سے اٹھ آئی لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ انسان خوف کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔خوف تو خوف ہوتا ہے۔ہر وقت پیچھا کرتا رہتا ہے۔

وہ اپارٹمنٹ میں واپس گئی اور کام پہ جانے کے لیے تیار ہونے لگی۔

اب وہ خوفزدہ نہیں ہوگی۔کوئی نہیں جانتا وہ کہاں ہے۔وہ نئی زندگی شروع کرے گی۔وہ بار بار خود کو یقین

دلاتے ہوئے دہرا رہی تھی۔

اپارٹمنٹ سے نکلتے ہوئے اسے بالآخر یقین آنے لگا تھا۔

اور سامنے نگینہ بیگم موجود تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ وین کوور کی ایک ٹھنڈی سی صبح تھی۔

اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے نگینہ بیگم کی وہیل چیئر کھڑی تھی جسے اندرانی نے پیچھے سے تھام رکھا تھا۔

چند لمحے کے لیے کشمالہ مبین کچھ بول نہ سکی۔ گنگ' بالکل گنگ۔

"ہمیں اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی' بیٹی؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے نرمی سے مسکرائیں۔

اس نے اپنا سر خود بخود اثبات میں ہلتے دیکھا۔

پھر اس نے اپنے قدموں کو آگے بڑھتے دیکھا۔ اندرانی پیچھے ہٹ گئی۔ وہ خود ان کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اندر لائی۔ لفٹ کا بٹن دبایا تو انگلی کپکپائی تھی۔ لیکن وہ ان کو منع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ زیاد کی ماں تھیں۔ ایک بوڑھی اور بے ضرر سی خاتون جنہوں نے کبھی اس کا دل نہیں دکھایا تھا۔ وہ تو شاید اپنے بیٹے کی سیاہ کاریوں سے واقف بھی نہیں ہوں گی۔ اور اس کی ماں نے اسے ہر ماں کا احترام کرنا سکھایا تھا۔

اندرانی اپارٹمنٹ کے اندر نہیں آئی۔ باہر کھڑی رہی۔ وہ ان کی وہیل چیئر اپنے کمرے کے واحد کاؤچ کے سامنے لے آئی۔ ''آپ کو میرا ایڈریس کہاں سے ملا؟''

خاموش کمرے میں اب وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔

"زیاد نے بتایا تھا۔"

کشمالہ پلک جھپکنا بھول گئی۔

"زیاد... جانتا ہے میں کہاں ہوں؟" اس کی رنگت سفید پڑنے لگی۔

"ڈرو نہیں' کشمالہ۔ اس کی ندامت کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ آپ کا پتہ معلوم ہونے کے باوجود اس نے آپ سے رابطے کی کوشش نہیں کی۔"

''زیاد جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں؟''

اسے اپنی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی۔ وہ یک ٹک ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

کچھ تھا جو اس کے اسٹوڈیو اپارٹمنٹ میں بدل گیا تھا۔

کچھ ایسا جو پہلے وہاں نہ تھا۔

چند منٹ پہلے جب وہ یہاں سے باہر نکلی تھی تو وہ ایک روشن اور ہوادار کمرہ تھا لیکن اب کچھ بدل گیا تھا۔

کچھ تھا جو رینگ کے اس کمرے کے اندر آ گیا تھا۔

کچھ ایسا جس نے تاریکی کر دی تھی۔

بتیوں کے باجود دسایہ سا تھا۔

"زیادا پنے کیے پہ بہت زیادہ شرمندہ ہے۔ وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔ اس نے بہت دکھ دیکھے ہیں۔" وہ بولنے لگیں تو آواز نم ہو گئی۔ آنکھیں بھیگ گئیں۔ "اس کی زندگی میں آپ سب سے قیمتی اور اہم ہو۔ اس کے باپ نے ہمیشہ اس کو تشدد کا نشانہ بنایا۔ اس کی ذات ادھوری رہ گئی۔ صرف آپ تھیں جو اس کو مکمل کر سکتی تھیں۔"

"زیاد جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں؟"

وہ بالکل شل بیٹھی تھی۔ اپارٹمنٹ سے مال کی کافی شاپ۔ وہاں سے جم۔ وہاں سے گروسری۔ پھر واپس اپارٹمنٹ۔ وہ اپنا مخصوص روٹ ذہن میں دہرا رہی تھی۔ کیا زیاد اس شہر میں تھا؟ کیا وہ سارا وقت اس کے تعاقب میں رہتا تھا؟

"آپ اس کو ایک موقع اور دے کر دیکھو' بیٹے۔ اچھی بیٹیاں اپنے گھر بساتی ہیں۔ توڑتی نہیں ہیں۔ آپ بڑے پن کا ثبوت دو۔ اس کو معاف کر دو۔ وہ خود کو بدل لے گا۔ آپ کو اس کی ہر وہ بات جو نہیں پسند' وہ اس کو بدل لے گا۔"

"وہ جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں؟"

"ہاں۔ وہ جانتا ہے۔ لیکن میں اس شہر میں ہوں۔" انہوں نے آگے بڑھ کے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ لیکن مالا کا ہاتھ ایک دم بدک کے پیچھے ہٹا جیسے کرنٹ چھو گیا ہو۔ خود وہ بھی حیران رہ گئی۔ نگینہ بیگم نے قدرے نا سمجھی سے اپنا ہاتھ واپس کھینچا۔ وہ جیسے ہرٹ ہوئی تھیں۔ مالا قدرے شرمندہ ہو گئی۔

"سوری۔ میں بہت edgy ہو گئی ہوں۔" وہ کہنا چاہتی تھی کہ اپنے گھر کے سربراہ مرد کا تھپڑ کھانے والی لڑکی ایک طویل عرصہ تک edgy رہتی ہے۔ ہر آواز پہ ڈرنے والی۔ ہر پکار پر چونکنے والی۔ ہر حرکت پہ جھٹکا کھانے والی۔ لیکن زبان نے ساتھ نہیں دیا۔ زبان نے بس وہی بات دہرائی۔

''زیاد جانتا ہے کہ میں کہاں ہوں؟''

''کیا آپ اس کو ایک چانس مزید دے سکتی ہو؟''

وہ گم صم سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ اپارٹمنٹ میں رکھے اس کے پودے ایک دم جیسے مرجھا گئے تھے۔ کوئی عجیب سی تاریکی تھی جو ہر طرف چھائی تھی۔ اسے جیسے گھٹن ہونے لگی۔

"اس کو ایک ماہ دے کر دیکھو۔ صرف ایک ماہ کے لیے واپس آجاؤ۔ میرے ساتھ۔ میرے گھر میں۔ ہم نے یہاں آپ کے لیے ایک گھر رینٹ کیا ہے۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔ میری موجودگی اس بات کو یقینی بنائے گی کہ وہ آپ کو کوئی دکھ نہیں دے سکے گا۔ اگر ایک ماہ تک اس نے خود کو ایک بدلا ہوا انسان ثابت نہ کیا، تو جو آپ کہو گی وہی ہوگا۔ کیس کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔ میں اس کو کہوں گی، وہ اپنے ہاتھوں سے طلاق لکھ کے دے دے گا۔ صرف ایک ماہ، کشمالہ۔'' وہ بوڑھی عورت آنکھوں میں پانی لیے اس کی منت کر رہی تھیں۔ اسے ایک دم ان پہ ڈھیر سارا ترس آیا۔ وہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ اس کی سیاہ کاریوں سے واقف نہیں ہیں۔ آپ نہیں جانتی کہ وہ کیا کیا کر سکتا ہے۔ لیکن ہونٹ کھلے تو بس یہی نکلا۔

''وہ جانتا ہے میں کہاں ہوں؟''

"کشمالہ..... صرف ایک ماہ۔''

وہ دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جیسے ذہن پہ چھائی دھند چھٹی ہو۔ جیسے دل کو یقین آ گیا ہو کہ وہ جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔

" نگینہ آنٹی میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں۔ اس سب میں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن میں اپنی زندگی کسی تجربے کی نذر نہیں کر سکتی۔ زیاد سلطان انسان نہیں ایک حیوان ہے۔ بلکہ نہیں۔ وہ شیطان ہے۔ اس نے مجھ سے دھوکے سے شادی کی۔ اس نے میرے اوپر...(الفاظ لبوں میں روک لیے۔ یہ ایسا جرم تھا جس کا کوئی ثبوت تھا نہ کوئی گواہ۔ نگینہ بیگم کیسے یقین کریں گی کہ ان کا بیٹا جادو کر سکتا ہے۔) اس نے میرے اوپر بہت ظلم کیے ہیں۔ اب معافی کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ میں آپ کو بہت احترام سے واپس جانے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

اس نے آگے بڑھ کے دروزہ کھولا۔ ایک دم تازہ ہوا اندر آئی۔ لیکن اب بھی اندر گھٹن تھی۔ سیاہ گھٹن۔ وہ جیسے باہر نہیں نکلی۔

نگینہ بیگم نے شکستگی سے اندرانی کو اشارہ کیا۔ وہ اس کو گھورتے ہوئے اندر آئی اور ان کی وہیل چیئر تھام لی۔

"ایک دفعہ سوچ لو۔"

نگینہ بیگم بہت افسوس اور امید سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس کا دماغ دھیرے دھیرے مکمل طور پہ بیدار ہوتا گیا۔ اس نے اندر آتی اندرانی کو دیکھا۔ یہ ان کی پرانی بنگالی ملازمہ تھی۔ یہ وین کوور کیسے پہنچ گئی؟

وہ ان کو باہر لے جانے لگی جب اس نے خود کو کہتے سنا۔

"آپ کینیڈا میں کیسے...؟ میرا مطلب ہے ویزہ...؟" اسے یاد تھا کہ اس کا ویزہ کتنی مشکل سے پروسیس ہوا تھا۔ کینیڈا کا ویزہ دنیا کے مشکل ترین ویزوں میں سے ایک تھا اور اس کے اپلی کیشن فارم کا سوال نامہ اتنا لمبا تھا جتنی کوئی کتاب ہوتی ہے۔ پھر یہ اتنی آسانی سے کیسے یہاں پہنچ گئیں؟

نگینہ بیگم نے عینک کے پیچھے سے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"میڈیکل ایمرجنسی۔ میں مریض ہوں اور یہ میری کیئر ٹیکر۔ ویزہ تو تین دن میں لگ جاتا ہے۔ ویسے میں علاج کے لیے یہاں آئی ہوں۔ لیکن اصل مقصد تم سے ملنا تھا۔ شاید میری درخواست تمہارا دل نرم کر دے۔"

''میرا دل سخت نہیں ہے نہ میں سختی دکھا رہی ہوں۔ میں صرف اپنا راستہ علیحدہ کر رہی ہوں کیونکہ مجھے زیاد سلطان کے ساتھ نہیں رہنا۔''

وہ دروازے میں تب تک کھڑی رہی جب تک وہ دونوں لفٹ کے پار غائب نہ ہو گئیں۔

پھر وہ تیزی سے اندر آئی۔ دروازہ بند کیا۔ بولٹ چڑھایا۔ ڈبل لاک کیا۔ کھڑکی تک آئی اور احتیاط سے باہر جھانکا۔ یہاں سے اپارٹمنٹ کا فرنٹ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ کس کے ساتھ آئیں اور گئیں، کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ البتہ سانس بحال ہو چکا تھا۔ اور وہ گھٹن.... وہ ایک دم سے رخصت ہو گئی تھی۔

ایک دم جیسے اپارٹمنٹ میں کچھ ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا۔ اس نے گردن دائیں بائیں موڑ کے محسوس کرنا چاہا۔ اس کا جسم جیسے کھل کے سانس لے رہا تھا۔ مالا نے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اپنی دھڑکن محسوس کرنی چاہی۔

یہ کیسا احساس تھا؟

نگینہ بیگم جیسی بے ضرر خاتون کے قریب آتے ہی اس کا جسم یہ کیسی چیزیں محسوس کرنے لگا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ Surrey (وین کوور کے قریبی شہر) میں بنے کئی دو منزلہ گھروں میں سے ایک تھا۔ وہ سرسبز لان سے گھرا تھا

جس کے چاروں اطراف میں سفید باڑ لگی تھی۔

اندر لونگ روم میں ٹی وی چلا تھا۔ ایک ایل شیپ صوفے پہ سامنے زیاد سلطان بیٹھا تھا۔ آنکھ تلے زخم کا نشان تھا اور سر پہ بینڈ تیج ابھی تک لگا تھا۔ وہ کشن گود میں رکھے ٹانگیں لمبی کیے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ دروازہ کھلا تو بہت سی روشنی اس تاریک گھر کے اندر داخل ہوئی۔

اندرانی نگینہ بیگم کی وہیل چیئر دھکیلتی آ رہی تھی۔

" کیا کہا اس نے؟" زیاد نے پیر نیچے اتارے اور سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"ابھی شاک میں ہے۔ اسے ہمارے یہاں آنے کی امید نہیں تھی۔" وہ بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے اپنا پرس ایک طرف رکھ رہی تھیں۔

" مجھے بھی آپ کے یہاں آنے کی امید نہیں تھی۔" وہ بے زاری سے پیچھے کو ہوا۔ انداز میں طنز تھا یا صرف شکایت۔

نگینہ بیگم نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"میں اس کو اور تمہیں واپس جوڑنے آئی ہوں۔" ان کی آنکھوں میں چمک تھی۔

"اس خراب طبیعت کے ساتھ آپ کو اتنا سفر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اور نہ.... ان کو ساتھ لانے کی۔" اس نے ایک گھورتی ہوئی نظر اندرانی پہ ڈالی وہ جواباً انہی نظروں سے اسے گھورتی رہی۔

اور پھر.... زیاد نے دوسری نظر ہال کے سرے پہ بنے دروازے پہ ڈالی۔

وہ بیسمنٹ کا دروازہ تھا۔

"اب پاکستان میں رہنا ممکن نہ تھا۔ ہمارے مدرسے پہ ریڈ ہونے جا رہا تھا۔" نگینہ بیگم نے وہیل چیئر کا بٹن دبایا اور اسے خود چلاتے ہوئے صوفے کے قریب لائیں۔ اندرانی زینے چڑھتی ہوئی اوپر بنے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

" آپ دبئی بھی جا سکتی تھیں۔ یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ناخوش تھا۔ بے چین تھا۔ بے زار تھا۔

"میرا وقت کم رہ گیا ہے، بیٹے۔" وہ اب اس کے صوفے کے عین سامنے بیٹھی تھیں۔ مسکراتی آنکھیں زیاد پہ جمی تھیں۔

"اور مجھے جلد از جلد تمہارا گھر پھر سے جوڑنا ہے۔"

زیاد کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔ چہرے پہ سایہ لہرایا۔

"جدہ میں جو کچھ ہوا' اس کے بعد وہ کبھی نہیں مانے گی' امی۔" اس کا لہجہ شکست خوردہ تھا۔سر جھکا کے ہاتھ بالوں میں پھنسا دیے۔

" کس سے کب کیا منوانا ہے' یہ سرکار سے بہتر کوئی نہیں جانتا۔" وہ مسکرائیں۔

زیاد نے چونک کے انہیں دیکھا۔چہرے پہ حیرت پھیل گئی۔

" آپ کو اتنا یقین کیسے ہے کہ وہ مان جائے گی؟"

انہوں نے آنکھیں بند کیں۔اور مسکرائیں۔ان کا چہرہ مزید نحیف اور لاغر ہو چکا تھا لیکن آنکھوں کی چمک کو کوئی شے شکست نہیں دے سکتی تھی۔

''ابھی ایک پتا میرے ہاتھ میں ہے۔''

" آپ کے موکلوں کی خبریں۔" زیاد جیسے اکتا گیا۔ریموٹ واپس اٹھالیا۔

"میرے موکل وہ جانتے ہیں جو دوسرے نہیں جانتے۔" وہ مسکرائیں۔زیاد نے اسی ناگواری سے انہیں دیکھا۔

"اس کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ جہاں سارے بچے چھوڑ دیے' وہاں اس کو بھی کسی ٹھکانے لگا دیتیں۔"

اب کے اس کے لہجے میں شکایت کے ساتھ ساتھ فکرمندی بھی تھی۔

نگینہ بیگم نے جواب نہیں دیا۔وہ مسکرا کے وہیل چیئر کو بٹن سے چلاتیں' اس دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔دروازے تک وہیل چیئر روکی' پھر دیوار کا سہارا لے کر اٹھیں۔ایسا نہیں تھا کہ وہ چل نہیں سکتی تھیں۔اور یہ چند زینے تو وہ اتر سکتی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریک زینوں کے نیچے ایک ہال کمرہ تھا۔دور دور تک کاٹھ کباڑ رکھا تھا۔ایک کونے میں ایک گٹھڑی سی پڑی تھی۔نگینہ بیگم لکڑی کے ستونوں کا سہارا لیے اس گٹھڑی کے قریب آئیں۔پھر گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے سامنے ایک کرسی پہ بیٹھ گئیں۔

پھر ستون پہ ہاتھ مارا۔ایک مدھم بتی جل اٹھی۔

گٹھڑی اسی طرح ساکت رہی۔وہ سر گھٹنوں میں دیے ایک ننھی سی لڑکی تھی۔اس کے گھنگریالے بال کمر پہ بکھرے تھے۔آہٹ کے باوجود اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔نگینہ بیگم کی نگاہ اس کی کلائی تک پھسل گئی۔وہاں ایک ہتھکڑی بندھی تھی جس سے ننھی زنجیر ایک قریبی ستون سے جڑی تھی۔اس کے ٹخنے کے گرد بھی ایسی ہی ایک زنجیر

بندھی تھی۔ زنجیر اتنی لمبی تھی کہ وہ چند فٹ تک کمرے میں چل سکتی تھی۔ کونے میں بنے باتھ روم تک جا سکتی تھی۔ زینوں کے دہانے تک بھی پہنچ سکتی تھی۔

البتہ وہ چل نہیں رہی تھی۔ وہ وہیں کسی مجسمے کی طرح بیٹھی تھی۔

"تم کتنی اچھی لڑکی ہو' ہلال۔" انہوں نے مسکرا کے نرمی سے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ "تم نے سفر کے دوران کسی بھی موقعے پہ مجھے تنگ نہیں کیا۔ نہ تم نے بھاگنے کی کوشش کی۔"

ہلال نے جواب نہیں دیا۔ نہ سر اٹھایا۔ وہ مسکرائیں۔ ان کے بااثر کلائنٹس نے ان کی بہت مدد کی تھی۔ پاکستان میں کینیڈا کے ویزے ابوظہبی ایمبیسی سے ایشو ہوتے تھے۔ وہاں کام کرنے والے ان کے ایک کلائنٹ نے چوبیس گھنٹے میں ان کے ویزے کلیئر کروائے اور ایف آئی اے کے کلائنٹس نے ان کو با آسانی ملک سے نکلوایا۔ ہلال زیادہ وقت دوا کے زیر اثر تھی۔ ایک مریض جس کا کینیڈا پہنچنا ضروری تھا۔ انہیں خوف تھا کہ اگر وہ ہوش میں آئی تو چلانا نہ شروع کر دے۔ لیکن وہ خاموش رہی تھی۔ بالکل خاموش۔

"تم کبھی بھی بھاگنے کی کوشش نہیں کرتیں۔ کتنی اچھی بیٹی ہو۔"

ہلال انہیں نہیں دیکھ رہی تھی۔ ایک گال گھٹنے پہ رکھے' وہ ان کی طرف سے رخ موڑے ہوئے تھی۔ اس کا چہرہ پہلے سے کمزور تھا۔ کنپٹی اور تھوڑی پہ زخموں کے مندمل نشان ویسے ہی تھے۔

"مجھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔"

اب کے نگینہ بیگم کے چہرے پہ اچنبھا ابھرا۔

"کیسا انتظار؟"

"میں انتظار کر رہی ہوں۔" اس نے دہرایا۔ وہ دیوار کو دیکھ رہی تھی۔ یا شاید وہ کچھ نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کسی سوچ میں تھی۔ وہ چند لمحے وہیں بیٹھی رہیں۔

"کیا تم وہ کرو گی جو میں چاہتی ہوں' ہلال؟"

"You're dying" اس نے زیر لب دہرایا۔

نگینہ بیگم کو چہرے پہ نمی محسوس ہوئی۔ انگلیوں سے ناک کو چھوا۔ نتھنوں سے خون کے قطرے نکل رہے تھے۔ انہوں نے گہری سانس کھینچی۔

"میرا وقت کم رہ گیا ہے۔ لیکن میں مرنے سے پہلے اس کام کو مکمل کر جاؤں گی' ہلال۔"

"میں انتظار کر رہی ہوں۔" وہ چہرہ موڑے اسی طرح بولی۔

"کس کا؟" انہیں جیسے غصہ آنے لگا۔ رومال ناک پہ رکھ لیا۔ وہ خاموشی سے بھیگتا گیا۔

"وہ مجھے بچانے آئے گا۔" وہ اب آنکھیں بند کیے بڑبڑا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سارا دن' ساری رات اپارٹمنٹ سے نہیں نکلی۔ ماہی کو نہیں بتایا کہ وہ پریشان ہوتی۔ اور پھر کہتی کہ واپس چلی ویک آجاؤ۔ شام میں اس نے معید کو دوبارہ کال کی۔ وہ اس کے صبح کے رویے کی وجہ جاننا چاہتی تھی۔ معید تو اب تک اس کو سپورٹ کرتا آیا تھا۔ پھر ایک دم سے اسے کیا ہو گیا تھا؟

"یہاں پاکستان میں سب کو معلوم ہو گیا ہے مالا کینیڈا چلی گئی ہے۔ کل شام سے بہت رشتے داروں کی کالز آئی ہیں۔ مجھے۔" معید عجیب اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ جب مالا کینیڈا آئی تھی اور اس کی معید سے پہلی دفعہ بات ہوئی تھی تو وہ اس کی داستان سن کے رو دیا تھا۔

"تم مجھے بتاتیں' مالا۔ میں خود تمہیں سعودیہ سے لے کر لاہور آجاتا۔ تم نے کیسے اتنا عرصہ برداشت کیا۔ ہم یہاں اپنی زندگی میں مصروف رہے اور میری بہن پہ اتنا سب کچھ بیت گیا۔"

لیکن آج اس کے انداز میں کچھ چڑچڑا پن سا تھا۔

اپنے بیڈ پہ بیٹھے' آئی پیڈ کی اسکرین پہ دکھائی دیتے معید کا چہرہ اس نے بہت غور سے دیکھا۔

"زیاد کی ماں آج آئی تھیں۔ یقیناً زیاد نے یہ باتیں رشتے داروں میں پھیلائی ہوں گی۔"

"تم تو کینیڈا میں ہو نا۔ یہاں سب کچھ تو ہم نے فیس کرنا ہے نا۔"

"جب بہن بھائیوں میں سے کوئی ایک طلاق لیتا ہے تو باقی سب پہ بھی اثر پڑتا ہے۔ جانتی ہوں۔ اپنے رشتے دار سے طلاق لینا زیادہ مشکل ہوتا ہے کیونکہ پورا خاندان انوالوڈ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی جانتی ہوں۔ اسی لیے کزن میرج اگر ٹاکسک ہو جائے تب بھی برسوں تک میاں بیوی ایک دوسرے کو نہیں چھوڑتے کہ جس نے پہل کی' سارا خاندان اس کو قصوروار ٹھہرائے گا۔ لیکن میں لوگوں کی باتوں کی وجہ سے اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی۔"

"میں نہیں کہہ رہا کہ فیصلہ بدلو۔ لیکن...." وہ کھنکھارا۔ "مجھے نگینہ آنٹی کی کال آئی تھی۔ وہ کینیڈا آئی ہیں اس عمر میں اتنی بیماری کے باوجود صرف تمہیں منانے۔ تم ایک دفعہ ان کی بات سن لو۔"

"معید میں ان کی بہت عزت کرتی ہوں لیکن ان کی وجہ سے میں زیاد کے ساتھ اس جہنم میں دوبارہ نہیں جاؤں

گی۔"

"مالا تم ہمیشہ ایکسٹریم پہ چلی جاتی ہو۔کوئی برا ہے تو بہت برا۔اچھا ہے تو بہت اچھا۔تم ان کے ساتھ بیٹھ کے ایک دفعہ مسائل حل کرنے کی...."

"کون سا مسئلہ معید؟" اس کی آواز بلند ہونے لگی۔"سارے مسئلے ختم ہو چکے ہیں۔وہ آدمی ایک سائیکو پیتھ' ایک قاتل ہے جس نے مجھ پہ تشدد کیا ہے۔"

"دیکھو جب میاں بیوی کی لڑائی ہوتی ہے تو دوسرا شخص وقتی طور پہ اتنا برا لگتا ہے کہ بس۔لیکن پھر جب صلح ہو جائے تو..."

"میں اس کو غصے میں قاتل نہیں کہہ رہی۔" وہ بے بسی سے چلائی تھی۔"وہ ایک پروفیشنل assasin ہے' معید۔کرایے کا قاتل۔"

وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

"مالا خاندان میں بہت بدنامی ہو گی یار۔تھوڑا بہت تو عورتوں کو گزارا کرنا ہوتا ہے۔"

"مجھے گزارا نہیں کرنا۔مجھے زیاد سلطان سے طلاق لینی ہے۔" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے کہہ رہی تھی۔

"اور ہماری عزت؟ ہمارے خاندان میں کسی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی۔لوگ کہیں گے تم نے کینیڈین نیشنلٹی کے لیے یہ کیا ہے۔"

"مجھے ان لوگوں کی پرواہ نہیں کرنی جنہوں نے میری زندگی نہیں گزارنی۔"

اب کے معید کو بھی غصہ آ گیا۔

"تم ہمیشہ من مانی کرتی ہو اور نقصان اٹھاتی ہو۔تم اسی طرح ماں کو چھوڑ کے اسلام آباد گئی تھیں۔ماں نے زیاد سے بہتر رشتے دکھائے تھے لیکن تم نے ان کی نہیں سنی۔"

"اور اگر مالا نے اپنی ماں کی نہیں سنی تھی' تو وہ تمہاری کیوں سنے گی؟" وہ اتنی درشتی سے بولی کہ معید چپ ہو گیا۔

"اگر تم مجھے سپورٹ نہیں کر سکتے تو مجھے بد دل بھی مت کرو۔جیسے تم اپنے کام میں مصروف رہ کے خاندان والوں کی غمی خوشی پہ ان کو فون تک کرنا بھول جاتے ہو' ویسے ہی اب ان کے فون نہ اٹھاؤ۔اور اپنی بیوی سے کہو جو اسپیکر پہ سن رہی ہے کہ میرے معاملات سے دور رہے۔" اور کھٹ سے فون بند کر دیا۔

معید نے بڑبڑا کے موبائل نیچے کیا اور سامنے لونگ روم کے دوسرے صوفے پہ بیٹھی شفق کو دیکھا۔وہ ٹانگ پہ

ٹانگ جمائے چائے کا کپ ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔ ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"اتنی بدنامی ہوگی طلاق سے۔ مجھے کیا۔ لیکن تم بھائی ہو۔ اور خاندان کے درمیان میں رہ رہے ہو۔ تمہیں ساری دنیا کو فیس کرنا ہے۔ میاں بیوی میں سو مسئلے ہو جاتے ہیں۔ ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے مالا کی شادی کو؟ اتنی جلدی عدالت تک کون پہنچ جاتا ہے؟ چچ۔" اس نے سر جھٹکا اور چائے لبوں سے لگالی۔

"اس کی مرضی وہ جو بھی کرے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے پہلو بدل کے رہ گیا۔

معید کا فون رکھنے کے بعد سے اب تک وہ باتھ روم کے سنک کے سامنے کھڑی تھی۔ معید کو جو کہنا تھا کہہ دیا لیکن اب آنسو ابل ابل کے آنکھوں سے گر رہے تھے۔

اس نے سوچا تھا وہ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ وہ بہادر ہے۔ وہ سمجھدار ہے۔ وہ لوگوں کی پرواہ نہیں کرے گی۔ وہ کسی کی باتوں سے نہیں ڈرے گی۔ لیکن ایک فون کال نے اس کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا تھا۔ ساری عمر ایک ہی چیز سے خوف آیا تھا کہ لوگ اس کی ذاتی زندگی کو ڈسکس نہ کریں۔ کوئی اس پہ انگلی نہ اٹھائے۔ اور اب.... سب کو معلوم ہو گیا تھا۔

کیا پاکستان میں ہر رشتے دار کے گھر میں اس وقت کشمالہ اور زیاد کی طلاق کو ڈسکس کیا جا رہا ہوگا؟

کیا وہ گوسپ کا مرکز بن گئی تھی؟

کیا لوگ اس پہ انگلیاں اٹھا رہے ہوں گے؟

سر افسوس سے جھٹکتے ہوئے، چچ کہتے ہوئے وہ تبصرہ کر رہے ہوں گے کہ لڑکی کو ہی سمجھوتہ کرنا ہوتا ہے۔

طنز کر رہے ہوں گے کہ اس نے کینیڈین پی آر کے لیے اپنے شوہر پہ الزام لگایا ہے؟

کیا چارسدہ سے لاہور تک، خاندان کی ہر بیٹی جو پڑھنے جائے گی، اپنا کیریئر بنانا چاہے گی، اسے مالا کی مثال دی جائے گی؟

کہ دیکھو کیسے کامیاب عورتیں، پڑھی لکھی independent عورتیں اپنے گھر نہیں بسا سکتیں۔

کیا وہ ایک مثال تھی؟ ایک تبصرہ؟

اس نے جھک کے چہرے پہ پانی ڈالا۔ پھر خود کو آئینے میں دیکھا۔

اس کی ناک گلابی پڑ رہی تھی۔ اس نے گیلی آنکھیں بند کیں۔ اور گہرے سانس لیے۔ ایک۔ دو۔ تین۔

ایک طرف یہ سب تھا۔ اور دوسری طرف زیاد سلطان تھا۔

وہ لوگوں کی ان باتوں کے ساتھ رہ سکتی تھی یا نہیں' وہ زیادہ سلطان کے ساتھ کسی قیمت پہ نہیں رہ سکتی تھی۔

''میں یہ سروائیو کرلوں گی۔'' اس نے خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے دہرایا۔ ''مالا یہ سب سروائیو کرلے گی۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح بس اسٹاپ تک جاتے ہوئے' مال میں داخل ہونے تک' پھر اپنی شفٹ ختم ہونے کے بعد واپسی پہ ٹمز کے پاس رکتے ہوئے' کئی دفعہ اس نے مڑ کے دیکھا۔ دائیں۔ بائیں۔ گردن گھما کے پیچھے۔ کہیں بھی کوئی نہیں تھا۔ لیکن وہ احساس واپس آچکا تھا۔ وہ احساس جو ڈیڑھ برس پہلے شروع ہوا اور اس نے ایک کے بعد ایک باڈی گارڈ رکھنا شروع کیا تھا۔ اور پھر کیف آیا زندگی میں اور... مالا نے زور سے سر جھٹکا۔ وہ کہاں سے یاد آگیا؟

وہ واپسی پہ ہمیشہ ٹمز پہ رکتی تھی۔ اسے اپنی کافی شاپ کی کافی اتنی پسند نہیں تھی۔ شاید اسے آئندہ یہاں نہیں رکنا چاہیے۔ مال سے گھر اور گھر سے مال۔

اپنی باری آنے پہ اس نے باریستا کو اپنا آرڈر سمجھایا ہی تھا جب شوکیس میں رکھے رنگ برنگے میٹھے لوازمات پہ نظر پڑی۔ ٹم ہارٹنز اور جسٹن بیبر کے کولیب سے بنائے گئے biebs۔ رنگ برنگے۔ میٹھے۔ اشتہا انگیز۔ باریستا نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

"آپ biebs ایڈ کرنا چاہیں گی؟"

"نو تھینکس۔" وہ جبراً مسکرائی۔ بال کانوں کے پیچھے خوامخواہ اڑسے۔ "شوگر میری اسکن خراب کرتی ہے۔"

وہ سلپ لے کر پک اپ لائن کی طرف چلی گئی۔ نگاہوں کے سامنے بہت کچھ لہرایا۔ ماں کے ساتھ وہ اس شادی ہال میں آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں ایک میز پہ آن رکی تھیں۔ وہاں وہ خاتون بیٹھی کبیرہ تائی سے کہہ رہی تھیں۔

"میرے بیٹے نے کہا' آپ نے مالا کا چہرہ نہیں دیکھا؟ اتنی ایکنی...."

وہ جہاز میں بیٹھی تھی۔ ساتھ والی سیٹ پہ بیٹھا زیاد جھکا۔

''تمہارے دانے نکل رہے ہیں۔'' اس کے انداز میں کوفت تھی۔

اس نے کراہ کے آنکھیں بند کیں۔ جس شخص سے تعلق ٹوٹ گیا' اس کی آراء کیوں ہر پل سنائی دیتی ہیں؟ وہ ہوتا تو یہ کہتا۔ وہ ہوتا تو یہ سوچتا۔ اور پھر اندر غصہ اٹھتا۔ نفرت۔ طیش۔ کسی طرح وہ اس کو بتا سکے کہ وہ غلط تھا۔ اس کی ہر رائے' ہر خیال غلط تھا۔ اس کی اچھی باتیں بھی بری تھیں۔ اس کے ساتھ گزری اچھی یادیں بھی تکلیف دہ تھیں۔ شاید معید درست کہتا تھا۔ اس کے لیے لوگ دو انتہاؤں پہ ہوتے تھے۔

اس نے کپ تھامتے ہوئے شوکیس کے آئینے میں خود کو دیکھا۔ بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔

''تم اپنے بال اونچے پونی میں بنایا کرو۔ مجھے اچھے لگتے ہیں۔'' زیاد نے کئی دفعہ اسے کہا تھا۔ اس کے بالوں کا رنگ گہرا بھورا تھا۔ وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ ان کو رات کی طرح سیاہ ڈائی کر لے۔

مالا نے نوچنے والے انداز میں پونی کھینچی۔ سر دائیں بائیں جھٹکا۔ بال کھل گئے۔

وہ کافی لیے باہر نکل رہی تھی جب فون بجنے لگا۔ نمبر دیکھ کے گہری سانس لی۔ ثمر خالہ۔ ماہی کی ساس۔ جانتی تھی کہ پاکستان میں خبر پھیل چکی ہوگی۔ اب سب اس کو کال کر کے کہیں گے کہ صلح کر لو۔ اب زیاد خاندان والوں کے ذریعے اس پہ پریشر ڈالے گا۔

"مالا مجھے ابھی معلوم ہوا۔ بہت افسوس ہوا۔" وہ فون کان سے لگائے سائیڈ واک پہ چلتی جا رہی تھی۔

''تھینک یو' خالہ۔'' اس لا لہجہ قدرے بے زار تھا۔ کیا وہ اس پہ دباؤ ڈالیں گی؟

"مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ نگینہ کینیڈا آ گئی ہے۔ تمہیں منانے۔ اب تم دھیان سے سنو۔"

وہ چلتے چلتے سڑک کنارے بنی ایک شاپ کے سامنے رکی۔ وہ ایک بیکری تھی۔ گلابی اور پستہ رنگ کی بیکری۔ سنہری ایکسیٹ لیے۔ اس نے شیشے پہ ہاتھ رکھا۔

"خالہ اگر آپ مجھے صلح کرنے کے لیے کہیں گی تو میں۔" الفاظ گیلے ہو کے فضا میں غائب ہو گئے۔ وجہ الفاظ نہیں تھے۔ وجہ وہ بیکری تھی۔ اس کی نگاہیں شیشے کے پار جمی تھیں۔ وہاں ایک لڑکی ایپرن پہنے کھڑی' چند ورکرز کو ہدایات دے رہی تھی۔ اسے بہت کچھ یاد آیا۔ اپنی پریزنٹیشن۔ اور وہ دن جب وہ ظہیر کے پاس پریزنٹیشن لے کر گئی تھی۔ وہ دن جب کیف اس کی زندگی میں آیا تھا۔ اُف۔ اس نے سر جھٹکا۔

خالہ کچھ کہہ رہی تھیں۔

"تم طلاق لو۔ اور ضرور لو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

وہ ابھی تک بیکری کے اندر سجے رنگ برنگے بیکڈ آئٹمز کو دیکھ رہی تھی۔

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ زیاد تمہارے قابل نہیں ہے۔'' خالہ نے اب دوسرا گیان شروع کیا۔ اف۔ اس نے ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ سب یہ بات دہراتے تھے جیسے وہ سب جانتے تھے۔ وہ باہر سے سچوئیشن کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اس سچوئیشن کے اندر تھی۔ سب مالا کو الزام دے رہے تھے۔ سب طلاق لینے والی لڑکی کو ہی الزام دیتے ہیں۔ وہ جلدی کیوں نہیں اس کو چھوڑ آئی؟ وہ اتنا عرصہ ساتھ کیوں رہی؟ اس نے آنکھوں سے پٹی جلد کیوں نہیں

اتاری؟ حالانکہ زیادہ بڑا قصور تشدد کرنے والے شوہر کا تھا۔لوگ کسی کی طلاق کی خبر سنتے ہی پہلا تبصرہ اس مرد کی مذمت میں کیوں نہیں کرتے؟وہ اس مرد کو برا بھلا کیوں نہیں کہتے؟

''اور تم کسی بھی طرح اس کی باتوں میں نہیں آؤ گی۔'' خالہ دوٹوک کہہ رہی تھیں۔

''ڈونٹ وری' خالہ۔میں اپنا فیصلہ کبھی نہیں بدلوں گی۔جیسے اس سے شادی کرتے وقت میں نے کسی کی نہیں سنی' ویسے ہی اس سے طلاق لیتے وقت بھی میں کسی کی نہیں سنوں گی۔''

خالہ ٹھہریں۔گویا الفاظ تلاش کیے۔

''مالا...تم میرے پاس امریکہ آجاؤ۔تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں عباد کے کزن کے رشتے کا بتایا تھا جو طلاق یافتہ تھا....''

وہ ایک دم ہنس پڑی۔

''خالہ....آپ بھی کمال کرتی ہیں۔'' وہ گردن پیچھے پھینکے ہنستی گئی۔یہاں تک کہ آنکھوں میں پانی آگیا۔

''آپ کو لگتا ہے کہ مالا کو اب دوبارہ کبھی شادی کرنی ہے؟یا کبھی وہ کسی انسان پہ بھروسہ کر سکے گی؟کمال کرتی ہیں آپ۔''اس نے ہنستے ہوئے سر جھٹکا اور کال کاٹ دی۔

نگاہیں ابھی تک بیکری پہ جمی تھیں۔پھر اپنا بینک بیلنس یاد آیا۔اپارٹمنٹ کا کرایہ۔گروسری کے بلز۔وین کوور جیسے مہنگے شہر میں رہنے کے خرچے۔بیکری بنانا تو دور کی بات' وہ اس بیکری پہ کوئی اچھی مینجمنٹ پوزیشن بھی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

وہ بس اسٹاپ پہ رکی بس کا انتظار کرنے لگی۔لیکن بس کے آنے میں ابھی تاخیر تھی۔یونہی پھر سے وہی احساس ہونے لگا۔

کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ مال کے اندر واپس آگئی۔اسے گھر جانے کے خیال سے خوف آنے لگا تھا۔

مال بند ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔وہ اس وقت کو کاٹنے کے لیے مال کے جم چلی آئی۔

ایسے لگتا تھا کوئی بم ہے جو گرنے کا منتظر ہے۔وہ چاہتی تھی کہ وہ سرِ عام سب کے سامنے گر جائے۔

اگر وہ کہیں سایے میں' ستونوں اور دیواروں کے پیچھے سے اس کو تاک رہا ہے' تو سب کے سامنے آجائے۔

اگر وہ اس کو مارنا چاہتا ہے' تو سرِ عام ایسا کرے۔اس کے اپارٹمنٹ کی تاریکی میں نہیں جہاں لاش چند دن گلتی

سڑتی رہے۔

جو ہونا ہے دنیا کے سامنے ہو۔

" آپ ممبر شپ لینا چاہیں گی؟" وہ اپنے دھیان میں ریسپشن پہ کھڑی تھی جب ریسپشنسٹ نے دوسری دفعہ پوچھا۔

مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔وہ کھڑے کھڑے زون آؤٹ ہوگئی تھی۔جلدی سے سنبھل کے مسکرائی۔

جم کی ریسپشن کے سامنے ایک سٹنگ ایریا بنا تھا جو خالی تھا۔اس میں صوفے رکھے تھے اور چند پودے۔ پیچھے ایک بڑا سا بینر لگا تھا۔

ٹرانسفارمیشن کے تین Cs۔وہاں انگریزی حرف c سے بنے تین الفاظ لکھے نظر آرہے تھے۔

Coach. Consistency. Community.

کوچ، کنسسٹنسی۔کمیونٹی۔

" مجھے پیکجز دکھائیں پلیز۔" وہ ذہن سے زیادہ سلطان کو جھٹک کے بدقت مسکرائی۔ریسپشنسٹ نے مسکرا کے بروشر اسے تھمایا اور سادگی سے پوچھا۔

" آپ دونوں ساتھ ہیں؟"

کشمالہ مبین نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اپنے پیچھے دیکھا۔

اور پھر وہ جامد ہوگئی۔

زیادسلطان جم کی چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔

سفید شرٹ۔خاکی پینٹ۔جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔وہ بس اس کو دیکھ رہا تھا۔

اس کا سارا وجود حرکت کرنا بھول گیا۔

وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ساکت۔جامد۔

وہ آگے بڑھا۔اس کا رخ ریسپشنسٹ کی جانب تھا۔

" جی۔ہم ساتھ ہیں۔ہمیں تھوڑا وقت دیں۔ہم ڈسکس کر کے بتائیں گے۔"

ریسپشنسٹ نے سر کو خم دیا۔اور ریسور اٹھا کے کسی کو کال ملانے لگی۔

اب کے زیاد اس کی طرف پلٹا۔وہ اس سے تین فٹ دور تھا۔

وہ اس کے تین فٹ قریب تھا۔

اس کی آنکھیں ساکت تھیں۔وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

"بیٹھو کشمالہ۔ہمیں بات کرنی ہے۔"اس نے اردو میں کہتے ہوئے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔وہ سنجیدہ تھا۔بے تاثر۔

اس نے یہ منظر کئی دفعہ تصور کیا تھا۔کسی دن کسی تاریک گلی میں زیاد سلطان اچانک سے اس کو پکارے گا۔اس وقت اسے کیا کرنا ہے؟

اس نے ہمیشہ فرار اور مدد کے راستے سوچے تھے۔پولیس ہیلپ لائن کو کال۔چیخنا۔چلانا۔مدد کے لیے کیسے پکارنا۔وہ پیروں میں جم trainers پہن کے گھر سے نکلتی تھی۔اسے معلوم تھا کسی دن اسے اپنی جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑے گا۔وہ لباس کے اندر کی طرف ایک باڈی بیگ پہنتی تھی جس کی جیبوں میں کرنسی اور کارڈز تھے۔بھاگتے ہوئے پرس جائے تب بھی اس کے پاس کچھ نہ کچھ ہوگا۔وہ پرس میں مرچوں کا اسپرے بھی رکھتی تھی اور ایک ننھا چاقو بھی۔اگر وہ قریب آیا تو اسے اپنا بچاؤ کیسے کرنا تھا۔

لیکن اب جب وہ لمحہ آیا تو وہ ہل نہیں سکی۔زیاد صوفے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔

اس نے خود کو قدم اٹھاتے دیکھا۔کسی معمول کی طرح چلتی ہوئی وہ صوفے کے ایک کونے پہ بیٹھ گئی۔نگاہیں زیاد پہ تھیں۔اس کی نگاہوں میں خوف تھا۔

وہ اس آدمی سے کبھی نہیں بھاگ سکے گی۔

وہ اس بینر کے عین سامنے بیٹھا تھا۔اس کے کندھے کے پیچھے وہ بینر پہ چھپی عبارت پڑھ سکتی تھی۔ٹرانسفارمیشن کے تین C's۔

"کشمالہ....''وہ اس کو یاسیت سے دیکھ رہا تھا۔

وہ دم سادھے بیٹھی تھی۔مٹھیوں میں پرس بھینچ رکھا تھا۔

پرس کے اندر سے اسپرے نکالنے میں زیادہ وقت لگے گا یا ساتھ رکھا گلدان اٹھانے میں؟دروازہ کتنے فٹ دور تھا؟وہ کتنی جلدی وہاں سے بھاگ سکتی تھی؟

وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔اور دماغ اپنی جمع تفریق کر رہا تھا۔

''کشمالہ....''زیاد رکا۔وہ کیا کہنے جا رہا تھا؟وہ اس کے اوپر بک شیلف گرا کے وہاں سے نکلی تھی۔کیا وہ اسے

ڈرائے گا؟ دھمکائے گا؟

"کشمالہ مجھے معاف کر دو۔" دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

کشمالہ نے دھیرے سے پلکیں جھپکائیں۔ پرس پہ گرفت ڈھیلی ہوئی۔

"میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا۔ میں وہی بنتا گیا جو میرا باپ تھا۔" اس نے دونوں مٹھیاں باہم ملا کے اس کے سامنے باندھ لی تھیں۔ وہ اس سے معافی مانگ رہا تھا۔

"مجھے ہیلپ کی ضرورت ہے۔ مجھے سائیکولوجکل ہیلپ چاہیے۔ مجھے تھیراپی میں جانا چاہیے۔ لیکن میں اپنا سکون دوسری چیزوں میں ڈھونڈتا رہا۔ میں اپنے باپ کے جیسا بن گیا۔"

اس نے سر جھکا دیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے گرتے تھوڑی سے نیچے لڑھک رہے تھے۔

"میں نے کتنے انسان اپنے انہی ہاتھوں سے مارے ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھ پھیلا کے انہیں دیکھا۔ "لیکن آج بھی اپنے باپ کو دیکھ کے میرا دل کانپ جاتا ہے۔ وہ ساری عمر اپنا غصہ مجھ پہ نکالتے رہے۔ وہ مجھے ہر اس چیز سے مارتے تھے جو ان کے ہاتھ میں آتی تھی۔ اور میں نے.... میں نے وہی تمہارے ساتھ کیا۔ آئی ایم سو سوری۔"

وہ یک ٹک اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جس پہ آنسو گر رہے تھے۔ کیا وہ تنہا آیا تھا؟ یا اس کے جنات موکل اس کے ساتھ آئے تھے؟ کیا وہ جادو پہ عبور رکھتا تھا؟ کیا وہ جنات کو یہاں بلا سکتا تھا؟

"تمہیں مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے آنکھیں پونچھیں اور بھاری آواز میں بولا۔ "میں جانتا تھا کہ تم کہاں ہو لیکن میں تمہارے گھر نہیں آیا۔ تاکہ تم خوفزدہ نہ ہو۔"

وہ یک ٹک اس کو دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہارا تعاقب بھی نہیں کروں گا۔ میں تم سے فاصلہ رکھوں گا۔ تم اس شہر میں سکون سے رہو۔ جو کرنا چاہتی ہو کرو۔ لیکن پلیز.... طلاق مت لو۔"

آنسو اس کی آنکھوں سے پھر سے بہنے لگے۔ ہاتھ نیچے گرا دیے اور گردن جھکا لی۔

"میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں یہ سب کچھ تمہیں دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ہی کر رہا ہوں۔ پھر میں کیوں تمہیں ہرٹ کروں گا؟ تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس لمحے زیاد سلطان کے چہرے پہ اتنا دکھ اور بے بسی پھیلی تھی کہ شاید اس نے یہ دو جذبے پہلے کہیں ایک ساتھ اتنی شدت سے نہیں دیکھے تھے۔

"مجھے سائیکی ایشوز ہیں۔ میں ٹراما کا شکار ہوں۔ میں نے تم سے محبت کی لیکن درست طریقے سے نہیں کی۔ میں چاہتا تھا کہ تم مجھے heal کرو۔ ہم دونوں مل کے ایک دوسرے کو heal کریں۔ تم مجھے فکس کر سکتی تھیں۔ لیکن میں نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔ اب میں کیا کروں کہ ہم پھر سے ایک ساتھ ہو سکیں؟"

وہ اب زیاد کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں زیاد کے کندھے سے پیچھے بینر پہ جمی تھیں۔ ٹرانسفارمیشن کے تینوں C's اسی طرح چمک رہے تھے۔

"میں اس دفعہ اپنے الفاظ سے نہیں' اپنے اعمال سے تمہیں اپنے بدلنے کا یقین دلاؤں گا۔ میں جرم کی زندگی چھوڑ چکا ہوں۔ میں نے ڈارک ویب پہ اپنا اکاؤنٹ بند کر دیا ہے۔ میں اب کسی کے لیے کام نہیں کرتا۔ میں صرف اپنا راستہ درست کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے صرف ایک چانس دے سکتی ہو؟"

اس کی آنکھیں واپس زیاد کی بھیگی آنکھوں پہ جم گئیں۔

"میں نے تم پہ ہاتھ اٹھایا۔ لیکن وہ آخری دفعہ تھا۔ اب ایسا نہیں ہوگا۔ تم نے بھی مجھ پہ ہاتھ اٹھایا۔ لیکن وہ میری سزا تھی۔ ہمارا معاملہ برابر ہو گیا۔ تم مزید جو سزا مجھے دینا چاہو' دے لو۔ میں تم سے صرف ایک چانس مانگنا چاہتا ہوں۔" اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھے۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں تمہارا تعاقب نہیں کروں گا۔ یہ میرا نمبر ہے۔" ایک پرچی اس کے سامنے رکھی۔

"تم جب چاہے مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔ چاہو تو پولیس کو میرے بارے میں بتا دو۔ میں مزاحمت نہیں کروں گا۔ لیکن جس دن تمہیں عدالت سے خلع مل گئی' میں اس دن اپنی زندگی ختم کر لوں گا۔"

مالا نے چونک کے سر اٹھایا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرایا۔

"میرے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ ان کی سزا صرف میری موت ہے۔ جس زندگی میں تم نہیں' اس کا فائدہ نہیں۔"

وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تمہیں ایموشنل بلیک میل نہیں کر رہا۔" اس نے پھر سے آنکھیں رگڑیں۔ "میں اگر تمہیں ہار گیا تو اسی مال کی چھت سے کود جاؤں گا۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر جیسے سرگوشی میں بولی۔

"ابھی کود جاؤ۔"

اور وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کے تین الفاظ نے زیاد سلطان کو جیسے توڑ کے رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے

لگیں۔لیکن وہ آگے بڑھ گیا۔دروازہ کھولا اور باہر راہداری میں غائب ہوگیا۔

یہ پہلے ہو چکا تھا۔

جدہ میں کوورکنگ اسپیس کی لابی میں وہ آیا تھا۔اس کی منت کی تھی۔پھر کچھ دن بعد اس نے اسے اغوا کرلیا۔

یہ پہلے ہو چکا تھا۔

"ممبر شپ؟" ریسپشنسٹ نے یاد دلایا۔وہ اپنی فون کال سے فارغ ہو چکی تھی۔

مالا نے ہاتھ میں پکڑے بروشر کو دیکھا۔اس پہ تین سی جگمگا رہے تھے۔

''تھری سی 'ز۔'' وہ بڑبڑائی۔

"ٹرانسفارمیشن کے تین C۔" ریسپشنسٹ پروفیشنل انداز میں وضاحت کرنے لگی۔

''کوچ۔کمیونٹی۔اور consistency (تسلسل)۔کوئی انسان تنہا نہیں بدل سکتا۔نہ خود سے کچھ سیکھ سکتا ہے۔اس کو کوچ چاہیے جو اس کو سکھائے۔اس کو اپنے کام میں تسلسل چاہیے۔یعنی وہ ایک کام کو بار بار دہرائے۔اور اس کو کمیونٹی چاہیے۔اپنے جیسے لوگوں کی کمیونٹی جن کا ایک ہدف ہوتا کہ وہ خود کو تنہا محسوس نہ کرے۔اور ہمارے جم میں آپ کو یہ تینوں ملیں گے۔" اس کی چلتی زبان رک گئی۔مالا بروشر اٹھائے تیزی سے باہر نکل چکی تھی۔

یہ وہ دن تھا جب اسے یقین آ گیا تھا کہ زیاد سلطان کبھی بھی اسے نہیں مارے گا۔وہ اس شہر میں تھا۔لیکن وہ اس کی جان نہیں لے گا۔وہ سب کچھ اس کو پانے کے لیے کر رہا تھا۔وہ اس کے لیے کسی اور کی جان لے سکتا تھا۔لیکن اس کی نہیں۔

وہ بس اسٹاپ تک جانے سے پہلے ٹم ہارٹنز پہ رکی۔

"مجھے biebs چاہئیں۔اور ڈونٹس بھی۔'' مسکرا کے باریستا کو اپنا آرڈر لکھوایا۔وہ بھی مسکرا دی۔

دانے نکلتے ہیں تو نکلیں۔جلد خراب ہوتی ہے تو ہو۔اس وقت کشمالہ مبین کو کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

"ہم اس سے ڈرتے ہیں جس کو سمجھ نہیں سکتے۔"

حسبِ عادت روم میٹ آج رات بھی کمرے میں نہیں تھی۔وہ تنہا تھی۔فرش پہ بیٹھے ' سامنے رکھے آئی پیڈ پہ دکھائی دیتے صفورا کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔

" کیا مطلب؟"

"میں زیاد سلطان اور اس کی اَن دیکھی طاقتوں سے ڈرتی تھی۔ اتنے ہفتوں سے میں اس خوف کا شکار تھی کہ وہ مجھے اپنے جنات سے نقصان پہنچائے گا۔ لیکن میں غلط تھی۔"

"غلط کیسے؟ یاد رکھو۔ وہ جادو وغیرہ کرتا ہے۔ اس کے پاس جنات بھی ہوں گے۔"

"ٹرانسفارمیشن کے تین C's ۔" وہ کھلے ہوئے ڈبے سے ڈونٹ نکال رہی تھی۔

"کوچ۔ کنسسٹنسی۔ کمیونٹی۔ کیونکہ کوئی بھی اکیلا ایک نئے سفر پہ نہیں چل سکتا۔ اور نہ کامیاب ہوسکتا ہے۔"

"یعنی؟"

"نہ وہ خود جادو کرتا ہے۔ نہ وہ جنات کو لے کر گھوم رہا ہے۔ وہ ایک عام سا انسان ہے۔ اسے میرا ایڈریس میرے کریڈٹ کارڈ کی اسٹیٹمنٹ سے ملا ہوگا۔ جنات سے نہیں۔"

وہ قدرے جوش سے کہہ رہی تھی۔ صفورا اچنبھے سے اسے دیکھے گئی۔

"وہ اکیلا بھی نہیں ہے۔ کوئی شخص تنہا کچھ achieve نہیں کرسکتا۔ کوچ۔" اس نے انگلیوں پہ گنا۔ "اس کے پاس کوچ ہے۔ کوئی ایسا جادوگر جو اپنے کام میں بہت آگے ہے۔ ماہر ٹھیک کہتا تھا۔ وہ ایک نامور جادوگر کا کلائنٹ ہے۔"

"ماہر کہاں سے آگیا؟" صفورا کا حلق تک کڑوا ہوگیا۔ لیکن اس نے جیسے سنا نہیں۔ رک کے ڈونٹ کی ایک اور بائٹ لی۔

"کنسسٹنسی۔ وہ تسلسل سے لڑکیوں پہ جادو کرواتا آیا ہے۔ میں وہ پہلی لڑکی نہیں ہوں۔ نہ میں آخری ہوں گی۔ اس کے ماضی میں بہت کچھ ایسا ہے جس سے ہم واقف نہیں۔

"اور کمیونٹی۔" صفورا اب کے سمجھ رہی تھی۔ "اس کے اردگرد ایسے لوگ ہیں جو اس کی جادو میں مدد کر رہے ہیں۔"

"بالکل۔" وہ قدرے پرجوش تھی۔ "اور اگر میں ان لوگوں کو ڈھونڈ لوں تو میں جادو کے اس سائیکل کو توڑ سکتی ہوں۔ میں زیاد سلطان سے آزاد ہوسکتی ہوں۔"

اور پھر جیسے اسے یاد آیا۔ ایک بھولی بسری آواز۔

"اور شاید میں ہلال کو بھی بچا سکوں۔"

"ہلال تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" صفورا کو جیسے کوفت ہوئی۔ "تمہیں صرف زیاد سے چھٹکارا چاہیے۔ ایسا چھٹکارا کہ

وہ کبھی تمہارے اوپر جادو نہ کر سکے۔"

"میں اب اس سے نہیں ڈروں گی کیونکہ انسان اسی سے ڈرتا ہے جسے وہ سمجھ نہیں سکتا۔ میں نے اسے سمجھ لیا ہے۔ وہ ایک عام انسان ہے۔ اس کی طاقت اس کا جادوگر ہے۔ اور وہ انسان جن کو وہ اپنے کاموں کے لیے ہائر کرتا ہے۔"

کال بند ہوئی تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ لیکن اب اس خاموشی میں خوف نہیں تھا۔

"میں اب نہیں ڈروں گی۔ نہ زیادے۔ نہ خوبصورتی کو کھونے سے۔" اس نے آخری ڈونٹ اٹھا کے دانت اس میں گاڑھے۔ "اور نہ ہی لوگوں کی باتوں سے۔"

ڈونٹ ختم ہو گئے لیکن اس کا جیسے دل نہیں بھرا تھا۔ بہت عرصے بعد اتنا سارا میٹھا ایک ساتھ کھایا تھا۔ شوگر رش نے چند منٹ کے لیے بہت سی توانائی دے دی۔ لیکن پھر جیسے فرسٹریشن ہونے لگی۔ اسے مزید ڈونٹس چاہیے تھے۔ دانے نکلتے ہیں تو نکلیں۔ اسے کسی کے سامنے خوبصورت نہیں لگنا تھا۔ وہ آزاد تھی۔ اسے مزید ڈونٹس کھانے تھے۔ لیکن اسے تو ڈونٹس پسند بھی نہیں تھے۔

آخری نوالہ حلق میں رہ گیا۔ جیسے اٹک گیا ہو۔ وہ ہلک جھپکنا بھول گئی۔

اوہ نو۔ اس نے جیسے زہر کی طرح ڈونٹ منہ سے اگلا۔ پھر تیزی سے پرس اٹھایا۔ جوتے پیروں میں گھسیڑے۔ اور باہر کی طرف بھاگی۔

نہیں۔ پلیز نہیں۔ کسی صورت نہیں۔ ناممکن۔

اس کی رنگت سفید ہو رہی تھی۔ اور قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ شاپرز ڈرگ مارٹ کے کاؤنٹر پہ کھڑی تھی۔ فارماسیسٹ نے کینیڈین خوش اخلاقی سے اس کا حال احوال دریافت کرنے کے بعد پوچھا۔

"آپ کو کیا چاہیے؟"

کشمالہ مبین نے تھوک نگلا۔ خشک لبوں پہ زبان پھیری۔

"پریگننسی ٹیسٹ کٹ۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس گھر میں نیم اندھیرا سا تھا۔ جیسے اَن دیکھا دھواں بھرا ہو۔ ہال وے کے اختتام پہ تم چلتے ہوئے اس وسیع

کمرے تک آؤ تو وہاں چند صوفے رکھے دیکھو گے۔

ایک پر نگینہ بیگم لیٹی تھیں، سر پہ دوپٹہ تھا اور پیر لمبے کر کے صوفے کے ایل پہ رکھے تھے۔ چہرہ پہلے سے کہیں نحیف اور سفید تھا۔ ہاتھ میں پکڑی تسبیح کے دانے گراتے ہوئے وہ غور سے زیاد کو دیکھ رہی تھیں جو قالین پہ بیٹھا تھا۔ پشت ان کے پیروں کے قریب صوفے سے لگا رکھی تھی۔

"وہ نہیں مانی؟"

وہ دور کہیں خلا میں دیکھ رہا تھا۔ اس سوال پہ شکستگی سے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ اب کبھی نہیں مانے گی۔"

"اسے ماننا ہوگا۔" انہوں نے نرمی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔

زیاد نے آنکھیں بند کر کے انگلی سے کنپٹی مسلی۔ اس کے جیسے سر میں درد ہو رہا تھا۔

"میں اس کے بغیر کیا کروں گا' امی؟" اس کی آواز رندھنے لگی۔ ''میں اس کے بغیر زندگی کا تصور کرتا ہوں تو لگتا ہے کسی نے میرے جسم کا کوئی ٹکڑا کاٹ دیا ہے۔"

"وہ مان جائے گی۔" وہ اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے ڈھارس دے رہی تھیں۔

"اسے آزادی چاہیے۔ اسے خودمختار عورت بننا ہے۔" وہ تلخ ہوا۔

"تو آپ اس کو یہ دکھا دیں کہ خودمختاری میں نقصان ہے اور آپ کے ساتھ رہنے میں فائدہ ہے؟"

زیاد سلطان نے چونک کے انہیں دیکھا۔ آنکھیں اچنبھے سے چھوٹی ہوئیں۔

"وہ میری کوئی بات سننے کو تیار نہیں ہے۔"

"بات کرنے کو کون کہہ رہا ہے؟"

"آپ سمجھ نہیں رہیں۔ یہ کینیڈا ہے۔ اس کے پاس یہاں حقوق ہیں۔ اس کا اسائلم کا کیس مضبوط ہے۔ کل کو اسے کوئی اچھی نوکری بھی مل جائے گی۔ وہ ٹیلنٹڈ ہے۔ یہاں اس کے پاس تمام راستے کھلے ہیں۔"

"اگر ہر راستہ بند گلی میں کھلتا ہو تو وہ واپس کس کے پاس جائے گی؟"

زیاد چونکا۔ دھیرے سے سیدھا ہوا۔ لب اوہ میں سکڑے۔ نگینہ بیگم اس کے تاثرات دیکھ کے مسکرائیں۔ وہ ان کی بات سمجھ چکا تھا۔ پھر وہ رکا نہیں۔ تیزی سے اٹھا اور اس نادیدہ دھوئیں سے بھرے گھر سے باہر چلا گیا۔

پیچھے سناٹا چھا گیا۔ دفعتاً قدموں کی چاپ سنائی دی۔

"آپ نے اسے کیوں نہیں بتایا کہ اب یہ شادی ختم کرنا آسان نہیں ہے؟"

اندرانی دھیرے سے قریب آئی۔اس کے انداز میں الجھن تھی۔

"اسے بچے نہیں چاہئیں۔ابھی اسے اس بارے میں بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔" ان کے چہرے پہ سنجیدگی تھی۔تسبیح کے دانے پھر سے گرنے لگے۔

"اور مالا؟ وہ کیسے مانے گی۔" مگر وہ نہیں سن رہی تھیں۔وہ دور خلا میں دیکھ رہی تھیں۔

"وہ بیٹی ہے۔کشمالا اور زیاد کی بیٹی۔اور وہ ہمیں ہر قیمت پہ چاہیے۔"

"آپ کشمالا پہ کوئی عمل کریں۔ایسے کہ وہ پھر سے راضی ہو جائے۔یا یہ چند ماہ سکون سے گزر جائیں۔" اندرانی بے چین ہوئی۔

"نہیں۔ہم اس بچی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے جس کا ہم نے برسوں انتظار کیا ہے۔"

وہ ہلکا سا مسکرائیں۔آنکھیں چمکنے لگیں۔

"ہر جادو ہمارے جسم سے جان نچوڑنے لگتا ہے۔اب وقت کم ہے۔توانائی بھی کم ہے۔" انہوں نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

"اب بس.....ایک آخری عمل کرنا ہے۔"

اندرانی نے چونک کے انہیں دیکھا۔

"کس پر؟"

نگینہ بیگم کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔جواب نہیں دیا۔اندرانی کے لب "اوہ" میں سکڑے۔

وہ جانتی تھی وہ کس کی بات کر رہی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بورڈنگ پاس ہاتھ میں لیے ایئر پورٹ کے فرش پہ تیز تیز چلتا جا رہا تھا۔کندھے پہ ایک بیک پیک لاپرواہی سے ڈالے، پی کیپ پہنے ماہر فرید کی نظریں اپنا گیٹ تلاش کر رہی تھیں۔

دفعتاً وہ ایک گیٹ کے سامنے رکا۔بورڈنگ پاس سے نمبر میچ کیا۔نمبر دھندلا تھا۔لیکن اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ یہی اس کا گیٹ ہے۔

وہ لبوں میں کچھ چباتے ہوئے وہاں بنے ویٹنگ لاؤنج کی طرف بڑھ گیا۔وہ کیا چبا رہا تھا؟ اسٹرابری جیسا

کچھ۔شاید چیونگم۔

لاؤنج میں لوہے کی کرسیوں پہ بیٹھنے کے بعد اس نے بیگ قدموں کے ساتھ رکھ دیا۔پھر سے اپنا بورڈنگ پاس دیکھا۔

وہ کہاں جارہا تھا؟ ملک کا نام مٹا مٹا سا تھا۔شاید وہ پڑھ نہیں پارہا تھا۔پھر اس نے سر اٹھا کے گیٹ کو دیکھا۔وہ اکانومی میں سفر کیوں کررہا تھا؟ اس نے ائیرلائن کا دھندلا سا لوگو دیکھا۔اس ائیرلائن کا تو وہ ممبر تھا؟ اور وہ کیا چبارہا تھا؟ اسٹرابری؟ رس بھری؟

دفعتاً کوئی اس کے قریب آتا محسوس ہوا۔وہ چار لوگ تھے۔وہ باری باری آئے اور اس کے دائیں بائیں خالی کرسیوں پہ بیٹھتے گئے۔

کسی احساس کے تحت اس نے سر اٹھایا۔

وہ چھوٹے چھوٹے قد کے آدمی تھے۔دو مرد۔ایک عورت' ایک بچہ۔وہ چاروں گردن اس کی طرف موڑے اسے دیکھ رہے تھے۔اس نے سر گھما کے ان سب کو دیکھا۔وہ ان کے درمیان میں تھا۔اور وہ....وہ بنا پلک جھپکائے ان کو دیکھ رہے تھے۔منہ میں اسٹرابری کا ذائقہ بڑھتا جارہا تھا۔

دفعتاً وہ چونکا۔اس بچے کے سر سے خون نکل رہا تھا۔اس نے چونک کے باقیوں کے چہرے دیکھے۔ان سب کے کانوں کے قریب سے خون کے قطرے گر رہے تھے۔

اس نے سامنے دیکھا۔اب ائیرپورٹ خالی تھا۔سب مسافر غائب ہو چکے تھے۔گیٹ پہ لگی اسکرین پہ ایک شہر کا نام جگمگا رہا تھا۔یہ کس شہر کا کوڈ تھا؟ لندن کا۔وہ لندن جارہا تھا۔لیکن کیوں؟

ذہن میں گھنٹیاں بجنے لگیں۔

جیسے کسی شہر کا گھڑیال جنگ سے پہلے نقارہ بجارہا ہو۔

ماہر کرنٹ کھا کے اٹھ بیٹھا۔

ہر طرف اندھیرا تھا۔وہ اپنے بیڈروم میں تھا۔اس کا لباس پسینے میں بھیگا تھا۔سائیڈ ٹیبل پہ ہاتھ مارا۔لیمپ جلایا۔پھر موبائل اٹھا کے دیکھا۔پریئر ایپ پہ فجر کی اذان ہونے والی تھی۔

اس نے ساری بتیاں روشن کردیں۔پھر دائیں بائیں دیکھا۔

وہاں کوئی نہ تھا۔اس نے پسینے سے تربالوں میں ہاتھ پھیرا۔

سب کچھ ویسا ہی تھا جیسا اس کے سونے سے پہلے تھا۔

وہ رات اپنا کام مکمل کر کے سویا تھا۔ رات تک اس کے اپارٹمنٹ میں سکون تھا۔ امن تھا۔

لیکن اب سب ویسا نہ تھا۔

کچھ بدل چکا تھا۔

فضا میں کچھ تھا جسے وہ محسوس کر سکتا تھا۔

اس کی گردن کے بال کھڑے ہونے لگے۔ چوکنی نگاہوں سے دائیں بائیں گردن گھمائی۔

وہاں خاموشی اور سناٹا تھا۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔

وہ آ گئے تھے۔

وہ اس کے لیے بھیجے گئے تھے۔

اور اس دفعہ وہ پوری قوت کے ساتھ آئے تھے۔

برسوں بعد سرکار نے ایک دفعہ پھر اس کی طرف اپنا جادو پھینکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یہ کیسے ممکن ہے، مالا؟" صفورا سنتے ہی چلائی تھی۔ "تم pill پہ تھیں۔"

اس نے صفورا کو یہ خبر دینے میں ایک ہفتہ لگایا تھا۔ اس ایک ہفتے میں اس نے دھیان سے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ وہ بس روئی تھی۔ بہت روئی تھی۔ ہر اٹھتا قدم خلاء میں اٹھتا۔ زندگی ایک دم تاریک ہو گئی تھی۔ وہ بند گلی میں تھی اور سارے راستے بند ہو گئے تھے۔

"برتھ کنٹرول ہزار وجوہات کے باعث ناکام ہو سکتا ہے، صفورا۔ شاید ایک دو دفعہ دوا دیر سے لی تھی۔ اسی کی سزا ہے۔" وہ کافی شاپ کے کاؤنٹر پہ کھڑی تھی۔ اس وقت وہاں گاہک نہیں تھے۔ وہ کھل کے بات کر سکتی تھی۔

"آر یو شیور؟" صفورا کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

لیکن اسے یقین آ چکا تھا۔ وہ ڈاکٹر کے پاس سے جا کے لوٹ آئی تھی۔

"دس ہفتے ہو چکے ہیں۔ جب میں زیاد کے اوپر بک شیلف گرا کے وہاں سے آئی تھی، تب بھی میں پریگننٹ تھی۔ لیکن میرے ذہن میں اتنا کچھ چل رہا تھا کہ اس طرف دھیان ہی نہیں گیا۔" پھر اسے یاد آیا۔ "سعودیہ میں بھی مجھے صرف فرسٹ ایڈ دی گئی تھی۔ بلڈ ٹیسٹ نہیں کیا گیا۔ مجھے معلوم ہی نہ ہو سکا۔ اُف میں اس بچے کا کیا کروں گی،

صفورا۔"

"بچہ نہیں ہے یہ۔" صفورا جلدی سے بولی۔ "اس کو صرف ایک fetus سمجھو۔"

وہ جانتی تھی صفورا کیا کہہ رہی تھی۔

"یہ گناہ ہے۔"

"مالا میری بات سنو۔" صفورا تیزی سے کہہ رہی تھی۔ "تمہاری حالت میں تمہیں کوئی بھی اسکالر فتویٰ دے دے گا۔ تم اس بچے کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤ گی۔ کینیڈا میں ابارشن لیگل ہے۔ تم چپ چاپ کسی ابارشن کلینک میں جاؤ گی اور اس بچے کو ابارٹ کروا دو گی۔ تم کسی قاتل کا بچہ اس دنیا میں نہیں لاؤ گی۔" پھر وہ رکی۔ "اور اگر وہ بیٹی ہوئی تو اور بھی برا ہے۔ پرتشدد باپ کی بیٹیاں آگے جا کے بھی ابیوز ہوتی ہیں۔"

"بیٹی؟" اس کے دل کو دھکا سا لگا۔

"دیکھو تمہارے آگے تمہاری ساری زندگی پڑی ہے۔ پلیز اس بچے کو ابارٹ کر دو۔ ابھی دس ہفتے ہوئے ہیں۔ ابھی روح نہیں داخل ہوئی۔ روح داخل ہو جائے تو پھر یہ قتل ہو گا۔"

"گناہ گناہ ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں...." لیکن صفورا نہیں سن رہی تھی۔

"اگر یہ بچی دنیا میں آ گئی تو تم ساری عمر کے لیے اپنے پیروں میں زنجیر پال لو گی۔" صفورا نے خود سے فرض کر لیا تھا کہ وہ بچی تھی۔ "تم کبھی زیاد سے پیچھا نہیں چھڑا سکو گی۔"

"اُف صفورا...." اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔ "اب میں زیاد سے طلاق کیسے لوں گی؟"

"طلاق تم اب بھی لے سکتی ہو۔ طلاق پریگننسی میں بھی ہو جاتی ہے۔ بس اس کی عدت بچہ پیدا ہونے یا پریگننسی ضائع ہونے تک ہوتی ہے۔ بس تم زیاد کو اس بارے میں نہیں بتاؤ گی۔"

"اس کو بچے نہیں چاہئے تھے۔" دل کو تکلیف ہوئی۔

"مسئلہ ہی ختم۔ نہ اس کو چاہئیں نہ تمہیں۔ بس تم اس بچے کو اس دنیا میں نہیں لاؤ گی، مالا۔" صفورا زور دے کر کہہ رہی تھی۔ مالا نے سر ہلا دیا۔ اس کا دماغ ابھی تک سائیں سائیں کر رہا تھا۔

"کشمالا۔" وہ بری طرح چونکی۔ جے پربت اس کے سر پہ کھڑی تھی۔ اس نے جلدی سے فون رکھا اور اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سٹنگ ایریا میں کسی نے کافی گرا دی ہے۔ سارا فرش چپ چپ ہو رہا ہے۔ جاؤ موپ لگا دو۔"

جے پر یت اس فرنچائز کی مالکن تھی۔ درمیانی عمر کی سکھ عورت۔ اس کو سب جے پی کہتے تھے۔

''شیور۔'' وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔ یہ اس کی ڈیوٹی نہیں تھی۔ جے پی کسی اور کو بھی کہہ سکتی تھی لیکن وہ ایسے کام اسی کو کہا کرتی تھی۔ خیر۔ وہ کر لے گی۔

کوئی ابھی ابھی وہاں کافی گرا گیا تھا۔ وہ احتیاط سے جگہ صاف کرنے لگی۔ پھر موپ لگانے سے پہلے بغل میں بنے اسٹور روم تک آئی۔ کسی شے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔

''کشمالہ جلدی کرو یار۔'' جے پی اکھڑی اکھڑی سی پکار رہی تھی۔ اس کا دماغ آج کل آدھا کام کر رہا تھا۔ آدھا پیچھے کہیں الجھا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ فرش کو اسٹیم موپ کر کے فارغ ہوئی۔ اب وہ صاف تھا۔ اس کی کمر میں درد اٹھنے لگا تھا۔ وہ موپ اسٹور روم میں واپس رکھنے گئی ہی تھی کہ.....

باہر سے چیخ سنائی دی۔ اس کا دل ایک دم اچھل کے حلق میں آ گیا۔

یا اللہ خیر۔

وہ دوڑتے قدموں سے باہر گئی۔

اگلے چند لمحے کسی فلم کی طرح گزرے۔ سلو موشن فلم۔

ایک درمیانی عمر کی عورت فرش پہ گری چلا رہی تھی۔ ورکرز اس کے گرد اکٹھے ہو رہے تھے۔ جے پی ہاتھ جوڑتے ہوئے پریشانی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ وہ گم صم سی کرسی کے کنارے بیٹھ گئی۔

ایمبولینس کا سائرن.... بھاگتے ہوئے اہلکار جو اسٹریچر لا رہے تھے.....جے پی کی گھورتی نظریں....وہ عورت ابھی تک درد سے چلا رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ انگلی اٹھا اٹھا کے جے پی سے کچھ کہہ رہی تھی۔

وہ سر دونوں ہاتھوں میں گرائے وہیں بیٹھی تھی جب مجمع چھٹا۔ اور شور کم ہوا۔

''تم نے caution board کیوں نہیں رکھا تھا موپ لگانے سے پہلے؟'' وہ کرسی پہ بیٹھی تھی اور جے پی اس کے سر پہ کھڑی چلا رہی تھی۔

''میں اسٹور میں گئی تھی۔ وہ وہاں نہیں رکھا تھا۔ میں تم سے پوچھنے آ رہی تھی....''

''پھر؟ پوچھا کیوں نہیں؟''

''میں بھول گئی تھی۔'' اس نے سر پھر سے دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

''تمہیں اندازہ ہے کہ تم نے کیا کیا ہے؟'' جے پی کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ''تم نے wet floor کا بورڈ نہیں رکھا۔ ایک عورت تمہاری وجہ سے گیلے فرش پہ پھسل گئی۔ اگر اس کی کوئی ہڈی ٹوٹ گئی تو اس کے میڈیکل بلز کون بھرے گا؟ تمہارے پاس انشورنس ہے؟''

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ نفی میں سر ہلایا۔ اس کی انشورنس تو اتنی بھی نہیں تھی کہ اس عورت کی مرہم پٹی کروا سکتی۔ کہاں ہاسپٹل بلز۔

''اور اگر سرجری ہوئی تو ہزاروں ڈالرز کا خرچ ہوگا۔ کون ادا کرے گا؟''

''میں سچ کہہ رہی ہوں بورڈ وہاں نہیں پڑا تھا۔'' اسے بار بار رونا آ رہا تھا۔ خلع کا کیس۔ پریگننسی ٹیسٹ۔ اور یہ مسئلہ۔

''سب کچھ ریکارڈ ہو چکا ہے۔'' جے پی نے فکرمندی سے دیوار پہ لگے کیمرے کو دیکھا۔ ''ہمیں تمام ثبوت محفوظ رکھنے ہوں گے۔ میں اپنے وکیل کو کال کرتی ہوں۔'' اس پہ ایک گھورتی نظر ڈال کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اگر اس عورت کو کچھ ہوا تو تم اس کے ہاسپٹل بلز کا ایک ایک سینٹ ادا کرو گی' کشمالہ۔'' وہ پھنکارتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی رہی۔ پھر ایک دم اٹھی اور تیزی سے اسٹور روم تک آئی۔ دروازہ کھولا۔

پیلے رنگ کا بورڈ سامنے ہی رکھا تھا۔

اس کا دماغ گھوم گیا۔ اسے یہ پہلے کیوں نہیں نظر آیا؟ اس نے کیسے بورڈ رکھے بغیر موپ کر دیا؟

اسے زور کا چکر آیا تھا۔ ایک دم کسی نے پیچھے سے اسے تھام لیا۔ چند لمحے ہر جگہ تاریکی چھا گئی۔

پھر اس نے پلکیں جھپکائیں۔ وہ دیوار کا سہارا لیے کھڑی تھی۔ اور اس کو سیاہ مضبوط ہاتھ نے تھام رکھا تھا۔

مالا نے پلٹ کے دھندلی نگاہوں سے دیکھا۔

وہ پیٹریشیا تھی۔ اس سے چند برس بڑی سیاہ فام عورت جو اس کے ساتھ اسی شاپ پہ کام کرتی تھی۔ سب اسے پیٹ کہتے تھے۔

''Pat...Thank you.'' وہ پھیکا سا مسکرائی۔ پیٹریشیا اسے سہارا دے کر باہر کرسیوں کی طرف لائی۔ وہاں واپس بٹھایا۔ پانی کا گلاس ایک ہاتھ میں تھمایا اور دوسرے میں اسٹرا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں' وہ بورڈ اس وقت وہاں نہیں تھا۔''

''سنو مالا....'' گھنگریالے بالوں کا کس کے جوڑا بنائے' ایپرن پہنے' سنجیدہ سیاہ فام چہرے والی پیٹ بولی۔

''بورڈ وہاں تھا یا نہیں' غلطی تمہاری ہے۔لیکن جے پی اس معاملے کو سنبھال لے گی۔تم وہی کرو جو وہ کہتی ہے۔''

''مگر....''

''تمہارا اسائلم کیس چل رہا ہے نا؟''

اور اس کا سانس رک گیا۔اوہ نو۔

''تمہیں ہر صورت اس معاملے کو عدالت کے باہر حل کرنا ہے۔تمہارے خلاف اگر کسی قسم کے چارجز فائل ہوئے تو حکومت تمہیں اسائلم نہیں دے گی۔تمہیں اپنا ریکارڈ کلین رکھنا ہے۔''

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ پیٹ نے اس کے کندھے کو تھپتھپایا اور واپس کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔ کچھ دیر تک شاپ عارضی طور پہ بند رہی تھی۔اب اسے دوبارہ کھول دیا گیا تھا۔اس میں اب واپس جانے کی سکت نہیں تھی۔

''میرا وکیل اس سے بات کرنے کی کوشش کرے گا۔'' جے پی واپس اس کے پاس آئی۔وہ بس گردن اٹھا کے خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

''صبح تک معلوم ہوگا کہ کیا ہوتا ہے۔لیکن...'' اس نے انگلی اٹھا کے گھورتی نگاہوں سے تنبیہہ کی۔''تم اس کے علاج کا خرچہ اٹھاؤ گی' کشمالہ۔''

اس نے بھیگی آنکھوں سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زخمی ہونے والی عورت کے وکیل نے اگلے دن جے پی سے رابطہ کرلیا تھا۔اس نے ان کو ویڈیو شواہد سنبھال کے رکھنے کے لیے کہا تھا۔عورت کا ایم آر آئی ہوا تھا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی متاثر ہوئی تھی۔ جے پی نے اسے فوراً ایک مناسب رقم کی پیشکش کی۔لیکن وکیل نے اسے ٹھکرا دیا۔اس نے کہا کہ وہ اپنے جواب سے کچھ دن میں آگاہ کرے گا۔

''اس نے وقت کیوں مانگا؟'' اس نے تعجب سے پیٹ سے پوچھا تھا۔

وہ دونوں کاؤنٹر کے پیچھے ساتھ ساتھ کھڑی تھیں۔ پیٹ ایک خالی کپ میں ونیلا سیرپ کے پمپ ڈال رہی تھی۔ ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''وہ انجری لائر ہے۔اور ایسے وکیل فوراً سے کسی کو sue نہیں کرتے۔ وہ وقت لیتے ہیں۔کیونکہ ایسی injuries فوراً ٹھیک سے نہیں ہوتیں۔اگر اسے محسوس ہوگا کہ یہ چند ہفتوں میں ٹھیک ہوجائے گی،تو وہ معاملہ سیٹل کر کے رقم لے لے گا۔اور اگر اس یہ انجری مزید خراب ہوتی گئی اور سرجری کروانی پڑی،تو اس صورت میں وہ sue کرے گا۔''

''یعنی لوگ اپنی انجریز مزید خراب ہونے کا انتظار کرتے ہیں تا کہ انہیں زیادہ پیسے مل سکیں؟''

وہ آج کل کی نسبت بہتر لگ رہی تھی۔خاموش۔کمپوزڈ۔ایپرن اور سیاہ پی کیپ پہنے' کاؤنٹر سے ٹیک لگائے۔

پیٹریشیا نے گہری سانس لی۔اور کپ کونائٹرو مشین کے نیچے لے گئی۔

''میرا شوہر بھی انجری لائیر تھا۔'' کچھ دیر بعد وہ بولی۔

وہ بری طرح چونک کے اسے دیکھنے لگی۔وہ خاموش گو تھی۔لیکن جب بولتی تو اپنی نسل کے لوگوں کی طرح نڈر ہو کے بولتی۔سیاہ فام قوم کسی سے نہیں ڈرتی تھی۔سامنے بڑا ہو یا چھوٹا' امیر ن ہو یا غریب' اگر کوئی انہیں چھیڑ دے تو بس۔وہ اسے فوراً آڑوں ہاتھوں لیتے تھے۔

''تھا؟''اس نے غور سے پیٹ کو دیکھا۔

''وکیل اب بھی ہے۔بس میرا شوہر نہیں ہے۔''وہ اب سر جھکائے کپ میں برف ڈال رہی تھی۔ مالا دونوں ہتھیلیاں اپنے دائیں بائیں کاؤنٹر پہ جمائے' غور سے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوا تھا؟''

''Kardashians ہوئی تھیں۔''وہ تلخی سے مسکرائی۔

''مطلب؟''

وہ کپ دوسرے اسوشیٹ کو تھما کے واپس اس تک آئی اور اسی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''شمالی امریکہ کی زمین ہمیشہ سے ہمارے لیے تنگ تھی۔صدیوں سے سفید فاموں نے سیاہ چمڑی والوں کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔پھر وقت بدلا۔ ہمارے لوگوں نے ترقی کی۔دنیا میں آگاہی پھیلی۔ بلیک لائیوز میٹر' یونو۔''

وہ غور سے اسے سن رہی تھی۔

''لیکن پھر....ان پانچ عورتوں نے ہماری زندگیاں برباد کر دیں۔''

''کیسے؟''

''وہ سفید عورتیں تھیں۔ان کی جلد میں ہمارے سے کہیں کم melanin تھا۔انہوں نے پہلے ہمارے چند نقش و نگار چرائے۔ہمارے رنگ کی جھلک۔ہمارے ہونٹ۔ہماری پلکیں۔اور ہمارے مرد۔''

وہ خاموشی سے سنے گئی۔

''کارڈیشینز نے صدیوں پرانے رواج کو تازہ کیا جب ایک سفید فام عورت ایک سیاہ فام غلام کو ساتھ لیے بازار جایا کرتی تھی۔وہ سیاہ فام اس کا بیگ اٹھاتا تھا۔اس کی بگھی چلاتا تھا اور اس کے بید کھاتا تھا۔کارڈیشینز نے سفید مردوں کو چھوڑ کے سیاہ مردوں کو اپنا بوائے فرینڈ منتخب کرنا شروع کیا۔وہ اس خطے کی سب سے بڑی انفلوئنسرز ہیں۔اور ان کو پسند کرنے والی عورتیں...بلکہ عورتوں کی ایک نسل....ان کی نقالی کرتی ہے۔وہ وہی پہننا چاہتی ہیں جو انہوں نے پہنا۔ویسا جسم چاہتی ہیں جیسا ان کا ہے۔اور ان کو بوائے فرینڈز بھی ویسے ہی چاہیے ہیں۔''

اس کی نگاہیں شاپ کے دوسرے رخ تک اٹھتی گئیں۔وہاں قطار میں لگے لوگوں میں ایک سفید فام لڑکی تھی۔یوگا پینٹس اور کراپ ٹاپ پہنے 'وہ فون پہ بات کر رہی تھی۔اس کے ساتھ ایک سیاہ فام نوجوان تھا۔ڈھیلے ڈھالے سوئیٹ پینٹس اور ہڈی پہنے 'الٹی پی کیپ سر پہ چڑھائے' گردن میں سنہری زنجیریں باندھے 'وہ اس لڑکی کے چھوٹے سے کتے کی زنجیر تھامے ہوئے تھا۔

" کارڈیشینز کی دیکھا دیکھی شمالی امریکہ کی سفید فام لڑکیوں نے سیاہ فام مردوں کو چننا شروع کیا۔سیاہ مرد سفید لڑکی کی توجہ ملنے پہ ایسے نہال ہوتا ہے کہ بس۔وہ اس کے لیے سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔اپنا شہر۔اپنا گھر۔اپنی بیوی۔''اس کی بڑی بڑی سیاہ پلکیں بھیگنے لگیں۔''ان پانچ عورتوں کے اس چناؤ کے بعد شمالی امریکہ میں سیاہ فام کپلز میں ریکارڈ طلاقیں ہوئی ہیں۔سیاہ مرد اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑ چھوڑ کے گوری عورتوں کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔وہ ان کا پرس اور بوتل اٹھا رہے ہیں۔گوری عورتیں یہ سب فیشن میں کر رہی ہیں۔گورے مردوں کو پھر بھی مسئلہ نہیں ہے۔ان کو ہمیشہ گوری عورتیں مل جاتی ہیں۔لیکن ہم سیاہ فام عورتیں....''اس نے گیلی آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے صاف کیں۔''ہمیں عموماً سیاہ مرد ہی قبول کرتے تھے۔گنتی کے چند کپلز کے سوا' یہاں تمہیں کہیں بھی سیاہ عورت کے ساتھ گورا مرد نہیں ملے گا۔ہم اپنے بچوں کے ساتھ تنہا ہیں۔اور تنہا بچے پالنا بہت مشکل ہے۔''اس نے سر جھٹکا اور آگے بڑھ گئی۔جے پی اسی طرف آ رہی تھی۔

''مجھے اس انجری لائیر کا دوبارہ فون آیا ہے۔''وہ سنجیدگی سے دھیمی آواز میں بتانے لگی۔مالا تیزی سے سیدھی ہوئی۔

''اس عورت کو پیسوں کی ضرورت ہے۔اس نے ایک آفر بھیجی ہے۔'' جے پی نے ایک پرچی اس کی طرف بڑھائی۔ مالا نے اس پہ لکھی رقم پڑھی۔ایک دفعہ۔ دو دفعہ۔ پھر صفر گنے۔ ذہن میں اس کو پاکستانی روپے میں تبدیل کیا۔اور پھر اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

''جے پی....میرے پاس یہ رقم نہیں ہے۔''

''اس نے ہمیں چار ہفتے کا وقت دیا ہے۔تم مجھے چار ہفتوں میں یہ رقم اکٹھی کر کے دو گی' کشمالہ۔'' وہ اس کو سن ہی نہیں رہی تھی۔

''میرا زیور' میرا بینک بیلینس' سب ملا کے بھی یہ رقم نہیں بنے گی۔''اس کے قدموں کے نیچے سے زمین پھر سے سرکنے لگی۔

''یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔تمہیں بہتر انشورنس کمپنی ڈھونڈنی چاہیے تھی۔'' وہ طنز سے کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ پھر ٹھہری۔ پلٹ کے اسے دیکھا۔

''تمہارا اسائلم کیس کیسا جا رہا ہے؟''

اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹکنے لگا۔اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''میں چار ہفتوں میں رقم اکٹھی کر لوں گی۔''

جے پی نے گردن کو جنبش دی اور ٹھک ٹھک کرتی آگے بڑھ گئی۔

اب اس کی باری آرڈر لینے کی تھی۔ وہ اسکرین کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور قطار میں کھڑی لڑکی کا آرڈر نوٹ کرنے لگی۔ کپ پہ اس کا نام لکھا اور کپ پیٹ کی طرف بڑھا دیا۔لڑکی نے کارڈ ٹیپ کر کے ادائیگی کر دی اور آگے بڑھ گئی۔

" گڈ مارننگ۔آپ کیا لیں گے؟" مالا نے اسکرین سیٹ کرتے ہوئے' چہرہ اٹھایا۔

وہ ایک نوجوان تھا۔سترہ اٹھارہ برس کا۔اس کی آنکھیں بھوری اور رنگت گندمی تھی۔ بال گھنگریالے اور ماتھے پہ بکھرے تھے۔اسے دیکھ کے وہ مسکرایا۔

" چائے ٹی لاتے۔میڈیم۔لائٹ آن آئس۔"

مالا نے مسکرا کے آرڈر نوٹ کیا۔اس نے کارڈ ٹیپ کیا تو وہ مار کر اور کپ اٹھائے ہوئے پوچھنے لگی۔

" آپ کا نام؟"

"بدر۔"

اس نے سر ہلا دیا اور سیاہ مارکر سے کپ پہ بدر لکھا۔ پھر چونکی۔ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ اسی طرح اسے مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ پھیکا سا مسکرائی اور سر کو خم دیا۔ وہ پک اپ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا اور اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ گردن موڑ کے اس لڑکے کی پشت کو دیکھنے لگے۔

جے پی نے گردن کو جنبش دی اور ٹھک ٹھک کرتی آگے بڑھ گئی۔

اب اس کی باری آرڈر لینے کی تھی۔ وہ اسکرین کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور قطار میں کھڑی لڑکی کا آرڈر نوٹ کرنے لگی۔ کپ پہ اس کا نام لکھا اور کپ پیٹ کی طرف بڑھا دیا۔ لڑکی نے کارڈ ٹیپ کر کے ادائیگی کر دی اور آگے بڑھ گئی۔

''گڈ مارننگ۔ آپ کیا لیں گے؟'' مالا نے اسکرین سیٹ کرتے ہوئے' چہرہ اٹھایا۔

وہ ایک نوجوان تھا۔ سترہ اٹھارہ برس کا۔ اس کی آنکھیں بھوری اور رنگت گندمی تھی۔ بال گھنگریالے اور ماتھے پہ بکھرے تھے۔ اسے دیکھ کے وہ مسکرایا۔

''چائے ٹی لاتے۔ میڈیم۔ لائٹ آن آئس۔''

مالا نے مسکرا کے آرڈر نوٹ کیا۔ اس نے کارڈ ٹیپ کیا تو وہ مارکر اور کپ اٹھائے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آپ کا نام؟''

''بدر۔''

اس نے سر ہلا دیا اور سیاہ مارکر سے کپ پہ بدر لکھا۔ پھر چونکی۔ چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ اسی طرح اسے مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ پھیکا سا مسکرائی اور سر کو خم دیا۔ وہ پک اپ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا اور اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ گردن موڑ کے اس لڑکے کی پشت کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں زیادہ سے طلاق نہیں لے رہی۔"

اس صبح وہ چلی ویک گئی تھی۔ وہ ماہی یا عباد سے پیسے نہیں مانگے گی' یہ طے تھا۔ وہ اسے پریگننسی کے بارے میں

بتانے گئی تھی۔لیکن نہیں بتا سکی۔اسے ابھی اس راز کو راز رکھنا تھا۔

''واٹ؟'' ماہی یہ سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئی۔وہ جانتی تھی ماہی کا یہی ردِعمل ہو گا۔وہ اسے کیسے سمجھائے کہ اس حالت میں وہ طلاق کے بارے میں نہیں سوچ سکتی تھی۔اب یہ اتنا آسان نہیں تھا۔اب درمیان میں ایک انسانی جان آ چکی تھی۔ایک زنجیر جس نے ان دونوں کو باندھ دیا تھا۔

" کیا تم نے وہی کہا جو میں نے سنا ہے؟"

وہ بے یقینی سے اٹھ کے اس کے سامنے آئی۔

مالا اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ بہار کی دھوپ میں چمکتی اس کی آنکھیں باہر پھیلے سبزے پہ جمی تھیں۔چہرے پر زخموں کے نشان ابھی مندمل نہیں ہوئے تھے۔

"میں زیاد سے طلاق لینا چاہتی ہوں۔یہ وہ پہلی بات تھی جو تم نے چھے ہفتے پہلے اس وقت کہی تھی جب تم کینیڈا آئی تھیں۔'' ماہی نے اس کو کندھے سے ہلکا سا جھنجھوڑا۔

" تمہیں لگتا ہے وہ بدل جائے گا؟ تمہارے لیے اپنی سیاہ کاریاں چھوڑ دے گا؟"

اس کی آنکھیں باہر اُگے درخت پہ جمی تھیں۔یہ ماہی کے کورٹ یارڈ کا واحد درخت تھا جو ہر موسم میں سبز رہتا تھا۔

"وہ پھر سے تم پہ کوئی جادو کر رہا ہے نا؟ وہ...اُف..." ماہی نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔وہ کچھ اور بھی کہتی لیکن مالا کا فون تھرتھرانے لگا۔

" کہو؟" مالا نے نمبر دیکھ کے بے دلی سے فون کان سے لگایا۔

" کیا تم آج سہ پہر میں فارغ ہو؟" دوسری طرف سے آتی آواز نے اسے چونکا دیا۔

" کیوں؟"

" کوئی ہے جو تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"یہاں کون..." اس کے ابرو الجھن سے اکٹھے ہوئے۔

"وہ وین کوور صرف تمہارے لیے آیا ہے۔اسے تم سے ملنا ہے۔معافی مانگنی ہے یا کیا' مجھے نہیں معلوم۔لیکن کیا تم میرے لیے اس سے مل سکتی ہو؟"

اور ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہ بوجھ سکتی تھی کہ وہ کون ہے۔

بہت سے جذبات ایک ساتھ حلق سے زبان تک آئے۔غصہ۔ بے بسی۔فریب دیے جانے کا احساس

لیکن... لیکن جب ہونٹ کھولے تو بس لبوں سے اتنا سا نکلا۔

''وقت اور لوکیشن بھیج رہی ہوں۔ اس سے کہنا آ جائے۔''

موبائل نیچے کیا تو ماہی انہی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے' مالا؟"

اس نے چہرہ موڑ لیا اور پرس پہ سر جھکا کے کچھ تلاش کرنے لگی۔

"یہ تلاش کر رہی ہو؟"

مالا نے چونک کے سر اٹھایا۔ ماہی ایک ننھی سی ڈبی اٹھائے ہوئے تھی۔

"تمہارا کنسیلر (concealer) جو تمہارے چہرے کے نشان چھپا لیتا ہے۔ کیا تم ان نشانوں کی وجہ بھول گئی ہو؟" ماہی کی آنکھوں میں بہت کچھ جتاتا ہوا تھا۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ ڈبی اس کے ہاتھ سے لی اور پاؤڈر روم کی طرف آ گئی۔

دروازہ بند کیا اور چند گہرے سانس لیے۔ پھر سنک کے ساتھ ٹھہر کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

وہ ماہی کی باتوں کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔ اس کا دماغ اس فون کال میں الجھا تھا۔

وہ اس ملاقات کے لیے کیوں راضی ہوئی؟ اور وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ ان کے درمیان ایسا تھا ہی کیا جس کے بارے میں بیٹھ کے بات کی جائے؟ اور اس کی معافی کا اب وہ کیا کرے؟

اس کا ذہن بہت سے سوالیہ نشان کھڑے کر رہا تھا اور انگلی مہارت سے کنسیلر چہرے کے ہر اس حصے پہ لگا رہی تھی جہاں ابھی بھی کوئی نشان باقی تھا۔

بس۔ چند لمحوں کی بات تھی۔ اس کا چہرہ بے داغ ہو چکا تھا۔

وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟ ذہن نے پھر سے پوچھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح ماہر جاگا تو اس کا جسم قدرے گرم تھا۔ یہ تھکاوٹ تھی؟ یا سرکار کا پھینکا ہوا جادو؟

اپارٹمنٹ کے باہر گرے خون کے قطرے... اس کا خواب... وہ ہر شے کو خاموشی سے نظر انداز کرتا آگے بڑھ گیا۔

وہ سرکار سے نہیں ڈرتا تھا۔ وہ کسی سے نہیں ڈرتا تھا۔

اسے وہ ملاقات کرنی تھی جس کو کرنے کی خواہش لیے وہ یہاں آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جانتی تھی کہ وہ پچھتائے گی۔وہ اس سے ملاقات کر کے' اس کو دوبارہ اپنی زندگی میں شامل کر کے پچھتائے گی۔لیکن جہاں اتنے غلط فیصلے کیے' وہاں ایک اور سہی۔

وہ ہار بر فرنٹ پہ موجود اس کا منتظر تھا۔

جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سپاٹ چہرے والی لڑکی نے قدم اس کی طرف بڑھا دیے۔وہ بالکل سانس روکے کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا۔

" کیف..." وہ عین اس کے سامنے آ کے رکی۔یہ نام لینا بھی تکلیف دہ تھا۔لیکن اس کو یہ تکلیف اٹھانی تھی۔

"کشمالہ...." اس کی آنکھوں میں کشمالہ کو دیکھ کے بہت سے جذبات اترے تھے۔وہ ان کو پہچانتی تھی۔لیکن وہ اس کے کسی جذبے پہ یقین نہیں کرے گی۔

وہ یہ فیصلہ کر کے یہاں آئی تھی۔

کوئی بھی چیز اسے اس فریبی انسان پہ اعتبار کرنے پہ مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ساڑھے تین برس پہلے۔

وہ ایک سبزہ زار سے گھری اونچی عمارت تھی جو کسی قلعے کی مانند تھی۔ایک گلابی scrubs میں ملبوس لڑکی آگے چل رہی تھی۔اور عبدالمالک فرید اس کے پیچھے تھے۔گردن دائیں بائیں گھماتے' تنقیدی نظروں سے اطراف کا جائزہ لیتے وہ اندر داخل ہوئے۔

قلعے کی چھتیں اونچی تھیں۔بہت سے گول گول گھومتے زینے بنے تھے جو اوپر جاتے تھے۔ہر چند قدم بعد ایک الگ سا سٹنگ روم بنا ہوتا۔اونچی کھڑکیوں سے اندر آتی دھوپ۔اور جگہ جگہ آرام دہ صوفوں پہ بیٹھے لوگ۔نوجوان۔بوڑھے۔کوئی خود سے باتیں کر رہا ہے۔کوئی کونے میں بیٹھا رو رہا ہے۔کوئی دھاگے سے کچھ بن رہا ہے۔

"ماہر فرید کی حالت میں ابھی تک کوئی بہتری دکھائی نہیں دی۔" وہ اب زینوں پہ چڑھتی جا رہی تھی۔ وہ بنا کچھ کہے اس کے پیچھے آ رہے تھے۔

"اس کا psych eval اچھا نہیں ہے۔ اسے شدید فٹس پڑھتے ہیں۔ وہ خوفزدہ ہے۔"

وہ اب تیسری منزل کی راہداری سے گزر رہے تھے۔ فاصلے فاصلے پہ اونچی کھڑکیاں بنی تھیں جن سے دن کی روشنی چھن چھن کے اندر آ رہی تھی۔

"مسلسل علاج کے باوجود اس کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آئی۔ وہ خواب میں ڈر جاتا ہے۔ چلاتا ہے۔ روتا ہے۔ پھر دوا دے کر سلانا پڑتا ہے۔"

وہ ایک دروازے کے باہر رکے۔ اس کا نمبر ۵۵۵ تھا۔ لڑکی نے ہینڈل پہ بنے کی پیڈ کا کوڈ پنچ کیا۔ دروازہ کلک کے ساتھ کھل گیا۔

"ماہر... کوئی تم سے ملنے آیا ہے۔"

مالک فرید چوکھٹ پہ رک گئے۔ لیکن اندر داخل نہیں ہوئے۔

اس کمرے میں ایک فرش سے چھت تک اونچی کھڑکی تھی جس کے باہر سلاخیں لگی تھیں۔ دوسری طرف ایک سنگل بیڈ رکھا تھا۔

وہ زمین پہ بیٹھا تھا۔ نیلا ٹراؤزر شرٹ پہنے جو یہاں کے مریضوں کا یونیفارم تھا۔ سینے سے گھٹنے لگائے وہ کھڑکی کے پار دیکھ رہا تھا۔ کھڑکی کے شیشے میں اس کے چہرے کا عکس دکھائی دیتا تھا۔ مالک نے اس عکس کو دیکھا۔

کمزور چہرہ۔ گرا ہوا وزن۔ آنکھوں تلے حلقے۔ بڑھی ہوئی شیو۔ آدھے آستین سے جھلکتے بازوؤں پہ جگہ جگہ نیلے نشان تھے جو آئی وی لائن کی وجہ سے بنے تھے۔

"صبح اور شام میں ایک ایک گھنٹہ ہر مریض کو لاؤنج میں دوسرے مریضوں کے ساتھ گزارنا ہوتا ہے۔ ماہر وہاں بھی خاموش رہتا ہے۔ لان میں بھی وہی حالت رہتی ہے۔"

"کیا اس نے بھاگنے کی کوشش کی؟" وہ پتھرائے چہرے سے کھڑکی میں دکھائی دیتا اس کا عکس دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی طرف سے چہرہ موڑے بیٹھا تھا۔

سسٹر نے چونک کے انہیں دیکھا پھر نفی میں سر ہلایا۔

"کیا آپ اس سے بات کرنا چاہیں گے؟" وہ سامنے سے ہٹنے لگی لیکن وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

"میں پھر آؤں گا۔" وہ اندر نہیں گئے۔ کھڑکی میں اس عکس دیکھتے ہوئے واپس پلٹ گئے۔

وہ اسی طرح بیٹھا شیشے کے پار دیکھے گیا۔ بنا پلک جھپکائے۔

ڈرائیونگ ڈور کھولتے ہوئے مالک فرید کا ہاتھ تیزی سے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔

کال لاگ میں چند دن پہلے آیا نمبر تلاش کیا۔ پھر اسے دبایا۔

"سنو لڑکی... مجھے تم سے ملنا ہے۔" وہ اسی سرد مہری سے بولے۔

پھر جیسے رک کے اس کا نام یاد کیا۔

"سبرینہ۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیسے ہو، شمس الدین؟"

نگینہ بیگم دبئی میں واقع اپنے گھر کی بیسمنٹ میں موجود تھیں۔ ان کا چہرہ اور سارا جسم تر و تازہ تھا۔ بال سیاہ ڈائی کیے ہوئے تھے۔ وہ ایک جوان خاتون لگتی تھیں۔ تندرست۔ چاق و چوبند۔

البتہ لباس وہی تھا جو وہ بیسمنٹ میں پہنا کرتی تھیں۔ گندگی سے آلودہ۔ بدبو اڑاتا چغہ۔ آلتی پالتی کیے، وہ ہاتھ میں کچھ پکڑے ہوئے تھیں۔ کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے۔

"ٹھیک ہوں، سرکار۔" شمس کے جواب میں احترام بادل نخواستہ داخل کیا گیا تھا جیسے وہ بہت ضبط کیے ہوئے ہو۔

"اتنے بجھے بجھے کیوں ہو؟"

نگینہ بیگم نے ہاتھ میں پکڑی شے ذرا اوپر کی تو وہ نیم روشنی میں دکھائی دی۔

وہ ایک پتلا تھا۔ اس کے سر میں پیوست بہت سی سوئیاں پیوست تھیں۔ وہ باری باری ان سوئیوں کو انگلیوں سے گھما رہی تھیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

(کھڑکی کے ساتھ فرش پہ بیٹھے ماہر کے سر میں ایک دم شدید درد اٹھا۔ اس نے بے اختیار سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔)

"میں آپ کی خدمات کے لیے پے کر چکا ہوں۔"

"لیکن برسوں پہلے جو سحرِ عشق تم نے رابیل فرید پہ کروایا تھا، اس کی قیمت ابھی باقی ہے۔" وہ جیسے محظوظ ہوتے

ہوئے سوئیوں کو گھما رہی تھیں۔

(ماہر فرید درد سے چلاتا ہوا زمین پہ گر گیا۔ دونوں ہاتھوں میں اپنے بال نوچے ہوئے تھے۔ جسم کو جیسے بجلی کے جھٹکے لگ رہے تھے۔)

"میں پیسے دے سکتا ہوں۔ جو آپ کہیں میں دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"پیسوں کی بات نہیں ہوئی تھی، شمس۔ اولاد کی بات ہوئی تھی۔" سرکار کا سوئی گھماتا ہاتھ رکا۔ ان کے چہرے پہ غصہ دکھائی دیا۔

"تم نے اپنا پہلا بچہ مجھے دینا تھا۔"

"میں ہلال سے بہت پیار کرتا ہوں۔ میں اس سے الگ نہیں ہو سکتا۔" شمس کی آواز بھیگی ہوئی محسوس ہوئی۔

"سب اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں۔" ان کے ہاتھ سست ہوئے۔ چہرے پہ سایہ سا گزرا۔ پھر سر جھٹکا۔

"ماہر فرید تمہارے راستے سے ہٹ گیا ہے۔ وہ لڑکی سبرینہ بھی ہٹ جائے گی۔ رہی ہلال تو تم اس کو اپنے ہاتھوں سے مجھے دو گے یا ہم خود لیں گے۔ یہ فیصلہ تمہارا ہے۔"

"سرکار... ایک منٹ... میری بات سنیں..." وہ کال کاٹنے لگیں جب شمس کی گڑگڑاتی آواز سنائی دی۔

(وہ وارڈ بوائز نے ماہر کو جکڑ رکھا تھا اور ایک نرس اس کو تیزی سے انجیکشن لگا رہی تھی، لیکن وہ چلاتے ہوئے ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ اس کا چہرہ شدت درد سے سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔)

"بولو۔" انہوں نے پتلا ایک طرف رکھ دیا۔ توجہ اس طرف سے ہٹ گئی۔

(ماہر کا جسم ڈھیلا پڑنے لگا۔ وہ تینوں اس کے سر پہ کھڑے افسوس سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ نیچے زمین پہ لیٹا گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو گرتے ہوئے زمین میں گم ہو رہے تھے۔)

"ٹھیک ہے۔ میں اسے لے آؤں گا۔" شمس کی آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔ "میں ہلال کو لے آؤں گا۔ لیکن مجھے آپ سے کچھ چاہیے۔"

"کیا؟"

"مجھے رات کو برے خواب آتے ہیں۔ ماہر کا باپ.... میں اسے خواب میں دیکھتا ہوں۔ مجھے خوف آتا ہے۔ مجھے کچھ پڑھنے کے لیے بتائیں۔ یا میرے اوپر دم کریں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ سمجھ آ گیا۔" وہ بے زار ہوئیں۔ "ہم تمہیں ایک عمل بتاتے ہیں۔ وہ کرنے سے افاقہ ہوگا۔ غور

سے سنو....'' وہ پروفیشنل انداز میں کہہ رہی تھیں۔

لندن کی ایک مصروف شاہراہ پہ ایک وین کھڑی تھی۔شمس اس وین کے پچھلے حصے میں کھڑا تھا۔فون اسپیکر پہ لگا تھا اور نگینہ بیگم کی آواز سارے میں گونج رہی تھی۔

وین کے اندر بہت سی اسکرینز لگی تھیں۔ایک نوجوان ایک کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تیزی سے کیز دبا رہا تھا۔

''بس یا کچھ اور؟'' وہ اکتائی ہوئی تھیں۔شمس نے نوجوان کو دیکھا۔

اس نے جلدی سے ایک ہاتھ کو گھما کے اشارہ کیا۔(بات کو طول دو۔)

''رابیل کے ساتھ بھی مسائل چل رہے ہیں۔پلیز میرا مسئلہ سن لیں۔میں بہت پریشان ہوں۔'' وہ لہجے میں رقت طاری کیے کہہ رہا تھا۔

نگینہ بیگم اکتاہٹ سے سنے گئیں۔اب وہ اپنے باکس سے کچھ اور نکال رہی تھیں۔انہیں بہت سے کام کرنے تھے۔کچھ کلائنٹس کو کالز کرنی تھیں۔کچھ کے لیے نقش اور تعویذ لکھنے تھے۔اور یہ بات ختم نہیں کر رہا تھا۔

وین میں کھٹ کھٹ کیز دباتے نوجوان کی آنکھیں چمکیں۔مسکرا کے شمس کو دیکھا اور سر کو خم دیا۔

''بہت شکریہ سرکار۔میں وہی کروں گا جو آپ نے کہا ہے۔'' شمس نے جلدی سے خدا حافظ کہہ کے کال بند کی۔پھر تیزی سے اس کی طرف جھکا۔

''کال جتنی لمبی ہوا اتنی آسانی سے ہم پن لوکیشن تک پہنچ جاتے ہیں۔یہ کال ماسک کی گئی تھی لیکن....'' مسکرا کے اس نے ایک چٹ پہ چند الفاظ لکھے۔''ہم کالر تک پہنچ چکے ہیں۔یہ عورت دبئی سے کال کر رہی ہے۔یہ اس کی لوکیشن کے کوآرڈینیٹس ہیں۔'' پرچی اسے تھمائی اور دائیں بائیں دیکھا۔''اب جلدی سے یہاں سے نکلو۔میں اسٹیک آؤٹ پہ ہوں۔'' دبی دبی آواز میں یاد کروایا۔

شمس نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور چٹ تھامے چپکے سے اس پولیس وین سے باہر نکل آیا۔

وہ سرکار جس سے کبھی کوئی نہیں ملا تھا' وہ سرکار جس کو کسی نے نہیں دیکھا تھا....شمس الدین بالآخر اس کی لوکیشن تک پہنچ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سڑک کنارے قطار میں ریستوران اور کیفے تھے جن کے آگے سرخ چھجے بنے تھے۔ان کی چھاؤں میں گول میزیں اور کرسیاں بچھی تھیں۔ایسی ایک میز پہ وہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔سیاہ آنکھوں والی لڑکی جو ادھر ادھر دیکھتی

تو اونچی پونی جھولتی۔

وہ اس سے کافی دور کار پارک کیے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا تھا۔سن گلاسز لگائے' پی کیپ پہنے' وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا جب کار فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

"جی سرکار؟" بٹن دباتے ہی زیادکا لہجہ مودب ہو گیا۔

"اس لڑکی کا کیا بنا؟" نگینہ بیگم کی ناخوش آواز اسپیکر پہ گونجی۔

"وہ میری نگاہ میں ہے۔" وہ اب اپنی جگہ سے کھڑی ہو رہی تھی۔سامنے سے ایک سفید بالوں والا ادھیڑ عمر شخص چلا آ رہا تھا۔اس کو دیکھ کے وہ شناسائی سے مسکرائی تھی۔وہ اس کی مسکراہٹ پہ نگاہیں مرکوز کیے ہوئے تھا۔

"اتنا وقت کیوں لگ رہا ہے؟" ان کی آواز میں ایک کاٹ تھی۔

" قتل ایک آرٹ ہے' سرکار۔ایسی صفائی سے سر تن سے جدا کرنا کہ وہ crime of passion لگے بھی آرٹ ہے۔اور ایسی نفاست سے تمام مہرے اپنی جگہوں پہ رکھ کے بساط الٹانا کہ وہ ایک حادثہ لگے۔ یہ اس سے بڑا آرٹ ہے۔''

''اس کام کو جلد مکمل کرو۔ مجھے شمس کی طرف سے نہ جانے کیوں کچھ کھٹک رہا ہے۔''

''میں اپنی مرضی سے کام کرتا ہوں' سرکار۔ جب وقت ہو گا' کام مکمل ہو جائے گا۔'' اس نے بٹن دبایا۔کال بند ہو گئی۔ایک لمحے کے لیے بھی نگاہ ان دونوں سے نہیں ہٹی تھی۔

وہ یہاں سے سن نہیں سکتا تھا کہ وہ ان سے کیا کہہ رہی تھی۔اسے سننا بھی نہیں تھا۔وہ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔وہ عادتاً کان کے پیچھے بال اڑس رہی تھی۔وہ کتنی خوبصورت تھی۔

" آپ کو میری بات سننی چاہیے تھی۔" سبرینہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔

وہ ٹیک لگائے' خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔سفید بال جیل کے باعث سلور لگ رہے تھے۔

"ماہر ذہنی مریض نہیں ہے۔لیکن آپ نے بھی انہی لوگوں کا اعتبار کیا جو اس کو راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔''

انہوں نے جواب نہیں دیا۔وہ جیسے اس کا چہرہ پڑھ رہے تھے۔سبرینہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''آپ نے جانتے بوجھتے بھی شمس کو یہ عہدہ کیوں لینے دیا؟'' وہ ان کے سامنے بیٹھ کے ان کے بارے میں اندازہ لگا رہی تھی۔

''آپ خود بھی سی ای او کا عہدہ سنبھال سکتے تھے۔لیکن نہیں۔آپ نے بظاہر تمام اختیارات شمس کو دے دیے۔

البتہ وہ اس کے باوجود آپ کے دستخط کا محتاج ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ نے سوچا کہ کچھ ایسا کریں جس سے مسز رابیل کو اپنے شوہر کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ اور ہولڈنگ کا نقصان بھی نہ ہو۔ تاکہ کل کو ماہر آپ کو لالچی نہ سمجھے۔ لیکن....'' چہرہ آگے کو جھکایا اور ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

''وہ رہے گا ہی نہیں تو کیا فائدہ؟''

" کہہ لیا؟" انہوں نے کپ اٹھا کے ہونٹوں سے لگایا۔ سبرینہ نے برہمی سے انہیں دیکھا اور ہاتھ نیچے گود میں رکھ لیے۔ یہ اس کے لیے خاموش رہنے کا اشارہ تھا۔

"میرے لیے یہ باتیں بے معنی ہیں۔ جادو۔ جنات۔ ربش۔'' وہ سپاٹ چہرہ لیے کہہ رہے تھے۔

"ماہر جادو کا مریض ہے' مسٹر فرید۔" اس نے ناخن سے میز پہ دو دفعہ دستک دی۔ چہرہ گلابی ہوا۔ یہ ایسا جرم تھا جس کا کوئی ثبوت تھا نہ گواہ۔ وہ کیسے انہیں یقین دلائے؟

''کہانا۔ بے معنی۔'' انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''پھر آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟ میں آپ کو کوئی دوسرا معنی نہیں سمجھا سکتی۔''

مالک فرید نے کپ نیچے رکھا اور سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ وہ سیاہ آنکھیں چھوٹی کیے غور سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''میں جادو پہ یقین نہیں رکھتا۔ نہ اس کے ڈاکٹرز رکھتے ہیں۔ اور بنا یقین کے اس کا علاج ممکن نہیں۔''

وہ چونکی۔

''یعنی آپ کا یقین اندر سے ڈگمگا رہا ہے لیکن آپ کی اَنا آپ کو اعتراف نہیں کرنے دے گی۔''

''میں پریکٹیکل آدمی ہوں۔ مسائل کا حل نکالنا جانتا ہوں۔''

''اور آپ مجھ سے اس مسئلے کا حل پوچھنا چاہتے ہیں؟''

وہ بنا کچھ کہے اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھے گئے۔

"اللہ تعالیٰ کسی انسان کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اس کو نہ بدلنا چاہے۔ جادو کے مریض کو بھی خود تندرست ہونے کا ارادہ کرنا ہوتا ہے۔ ورنہ وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوتا۔''

''اور وہ یہ ارادہ کیسے کرے گا؟''

وہ رکی۔ چہرے پہ تذبذب ابھرا۔ لب کاٹا۔ چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

''تمہاری جاب بحال کر دی گئی ہے۔ تم کل سے آفس واپس آ سکتی ہو۔'' وہ مزید اس کے بولنے کا انتظار کیے

بغیر جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔وہ چند قدم آگے گئے تھے کہ اس نے پکارا۔

''مسٹر فرید....'' مالک فرید نے پلٹ کے دیکھا۔

''ماہر کو مدد چاہیے۔اس انسان کی مدد۔'' وہ جھکے سر کے ساتھ میز پہ نیپکن رکھے' اس پہ کچھ لکھ رہی تھی۔اونچی پونی دائیں بائیں جھول رہی تھی۔

دور بیٹھا زیاد سلطان اب اس لڑکی کو ایک نیپکن اس بوڑھے آدمی کی طرف بڑھاتے دیکھ رہا تھا۔ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں دلچسپی۔

مالک فرید کے جانے کے بعد وہ وہاں سے اٹھی اور سڑک پہ آگے چلتی گئی۔

پھر کسی احساس کے تحت گردن موڑی۔

سڑک پہ دور دور تک اپنے آپ میں مگن' مصروف ٹریفک رواں دواں تھا۔سبرینہ کی آنکھوں میں بے چینی سی ابھری۔اس نے دائیں بائیں دیکھا۔

یوں لگتا تھا کہ کوئی اس کو دیکھ رہا ہے۔

ایک عجیب سی سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سے گزر گئی۔وہ زیرِ لب آیت الکرسی پڑھتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش تڑاتڑ برستی اس قلعے نما عمارت کو بھگو رہی تھی۔

ماہر کی کھڑکی کے شیشے پر باہر کی طرف سے قطرے چپکے تھے۔موتیوں جیسے۔نہ گرتے تھے۔نہ فنا ہوتے تھے۔بس اپنے اپنے حصے کا شیشہ پکڑے سانس روکے کھڑے تھے۔

وہ اسی انداز میں کھڑکی کی طرف رخ کیے بیٹھا تھا۔نیلے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس' بڑھی شیو اور بکھرے بالوں کے ساتھ۔اس کی آنکھیں خالی تھیں اور گھٹنے سینے سے لگائے ان کے گرد بازو حائل کر رکھے تھے۔ذہن بالکل سیاہ کورے کاغذ کے جیسا تھا۔ویران۔خالی۔

ایسے جیسے ساری دنیا کسی بلیک ہول میں گر چکی ہو۔

"ماہر؟"

تمام مریضوں کی طرح وہ ہفتے میں ایک دن ملاقاتیوں سے مل سکتا تھا۔لیکن وہ یہیں خاموش بیٹھا رہتا۔میٹنگ

روم میں نہیں جاتا۔سوعبدالمالک فرید کی اس ادارے کے لیے ایک خطیر ڈونیشن کے بعد اس کے ملاقاتی کو اس کے کمرے میں آنے کی خصوصی اجازت دے دی گئی تھی۔

وہ اس اجازت اور ملاقاتی سے بے پرواہ وہیں بیٹھا تھا۔بارش کے قطروں کو دیکھتا۔

سبر ینہ اب فرش پہ اس کے قریب بیٹھ رہی تھی۔ماہر نے چہرہ نہیں اٹھایا۔

" کیا آج تم مجھ سے کوئی بات کرو گے؟" وہ آنکھوں میں بہت سی امید اور خوف لیے پوچھ رہی تھی۔اور وہ گیلے موتیوں کو دیکھ رہا تھا جو نیچے گرنے سے خوفزدہ تھے۔

"یہاں آنے سے پہلے تم ایسے نہیں تھے۔چند منٹ کے لیے حواس کھوتے لیکن پھر ٹھیک ہو جاتے تھے۔تمہارا ذہن جاگ جاتا تھا۔اب کیوں نہیں جاگ رہا؟" ماہر کو دیکھتی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

ماہر کی نظر قدرے جھکی۔سبر ینہ نے تعاقب کیا۔ہوا کے رخ بدلنے سے چند قطرے شیشے پہ نیچے کو لڑھکے۔اور کھڑکی کی سل سے ٹکرا کے فنا ہو گئے۔

"یہ ہلال نے تمہارے لیے بھیجا ہے۔"

وہ پہلی دفعہ چونکا۔ہلکی سی گردن موڑی۔سبر ینہ سے نگاہ نہیں ملائی۔بس اس کے ہاتھوں کو دیکھا۔وہ ایک اسکیچ بک اس کے سامنے رکھ کے صفحہ کھول رہی تھی۔ساتھ رنگ برنگے crayons کا ایک پیکٹ تھا۔

"ہلال کو شمس نے میرے ساتھ آنے کی اجازت نہیں دی۔"

وہ چند لمحے اس کورے صفحے اور crayons کو دیکھتا رہا۔دھنک کے سارے رنگ ترتیب سے اس میں لگے تھے۔پھر اس نے اپنا زرد ہاتھ بڑھایا۔انگلیوں میں کپکپاہٹ تھی۔سبر ینہ سانس روکے اسے دیکھے گئی۔

اس کی انگلیاں رنگوں کی قطار پہ ایک سے دوسرے پہ چلتی گئی جیسے پیانو کی کیز ہوں۔درمیان میں وہ رکیں۔رنگوں کے بیچ رکھے ایک ممتاز رنگ پہ۔

دو انگلیوں سے ایک کریون نکالا۔

وہ سرخ رنگ کا تھا۔

" تمہیں یہ اچھا لگا؟" وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی لیکن وہ صرف اس کریون کو دو انگلیوں میں پکڑے دیکھ رہا تھا۔پھر اس نے اسے واپس رکھ دیا اور ایک دفعہ پھر باہر دیکھنے لگا۔سبر ینہ کا چہرہ بجھ گیا۔

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سبر ینہ بیگ کندھے پہ ڈالے سڑک کنارے چلتی جا رہی تھی۔ رخ بس اسٹاپ کی جانب تھا۔ ماہر کے اس قلعے سے اپنے گھر تک اسے دو بسیں بدلنی تھیں۔

ہوا تیز تھی اور مفلر کے باوجود اس کی گردن میں گھس رہی تھی۔ نیچی پونی بنائے' سر پہ ٹوپی اوڑھے' داستانے پہنے وہ تیز تیز چلتی جا رہی تھی جب ایک دم وہی احساس ہوا۔ چونک کے پیچھے مڑی۔ دائیں بائیں دیکھا۔

کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا کیا؟

اس نے سر جھٹکا۔ شاید اس کا وہم ہو۔

وہ آگے بڑھ گئی۔ چند قدم چلنے کے بعد ایک دم واپس گھومی۔

ارد گرد گاڑیوں کی قطاریں سست روی سے چل رہی تھیں۔ سب اپنے کاموں میں مصروف لگتے تھے۔ کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

پھر کون تھا؟ یہ احساس کیسا تھا؟

اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ وہ پہلے سے تیز چلنے لگی۔

بس اسٹاپ پہ رک کے اس نے داستانوں میں مقید ہاتھ چہرے کے قریب کیے۔ ہونٹوں سے بھاپ نکالی۔ لیکن یخ ہوتے ہاتھ گرم ہونے سے قاصر رہے۔ سردی کی لہر اس ہفتے سے شروع ہوئی تھی۔ اور لگتا تھا ہڈیوں میں گھس کے جان لے لے گی۔ اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی اور گال برف۔

وہ بس کے انتظار میں وہیں بنچ پہ بیٹھ گئی۔ اور دھیان بٹانے کے لیے فون پہ کچھ دیکھنے لگی۔

دفعتاً ایک آواز پہ وہ چونکی۔ دائیں بائیں دیکھا۔ آواز بنچ کے نیچے سے آ رہی تھی۔ وہ آدھی جھک گئی۔

دور سڑک کنارے کھڑی ایک کار میں بیٹھے زیاد سلطان نے بھی چونک کے دیکھا۔ وہ بنچ کے نیچے کیا تلاش کر رہی تھی؟

سبر ینہ سیدھی ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بلی کا بچہ تھا۔ وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتا تھا کہ وہ زخمی تھا۔ اور نڈھال بھی۔ شاید سردی سے مرنے والا تھا۔ وہ لڑکی سرخ گلابی ہوتے چہرے کے ساتھ مسکرا کے اس کو سہلاتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر وہ اسے بازوؤں میں اٹھائے اٹھ کھڑی ہوئی۔ زیاد نے ایکسلیٹر پہ ہلکا سا دباؤ رکھا۔

وہ سڑک کنارے چلتی گئی۔ ساتھ ہی وہ موبائل سے گوگل میپس پہ کوئی راستہ تلاش کر رہی تھی۔

چند گلیاں عبور کر کے وہ ایک اینیمل شیلٹر کے باہر رکتی دکھائی دی۔ زیاد نے گہری سانس لی۔ وہ بلی کو جانوروں کے شیلٹر میں داخل کروانے جا رہی تھی۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

اسی پل فون تھرتھرایا۔ نمبر دیکھ کے اس نے بے زاری سے اسے کان سے لگایا۔

"وہ لڑکی ابھی تک زندہ کیوں ہے؟" وہ خفا ہوئیں۔ "جب تک وہ مرے گی نہیں، شمس سے ہمارا حساب کلیئر نہیں ہوگا۔ اور وہ اپنی بیٹی کو ہمارے حوالے نہیں کرے گا۔"

"وہ آج کل گھر سے زیادہ نکل نہیں رہی۔ شاید خوفزدہ ہے۔ تھوڑا وقت لگ جائے گا۔" وہ شیلٹر کی ریسپشن کو دیکھ رہا تھا جو شیشے کی دیوار کے باعث یہاں سے دکھائی دے رہی تھی۔ اب وہ بلی کا بچہ ایک ورکر کے حوالے کر رہی تھی۔ وہ مسکرا بھی رہی تھی۔ وہ یک ٹک اس کو دیکھے گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نگینہ بیگم نے یہ کال اس وقت کی تھی جب وہ کار پارکنگ میں تھیں۔ زیاد کا جواب انہیں قائل نہ کر سکا تھا۔ کچھ تھا جو غلط تھا۔ جو انہیں کھٹک رہا تھا۔ خیر۔ وہ گھر جا کے دیکھیں گی۔ ابھی انہیں چند کام کرنے تھے۔

وہ باہر نکلیں۔ ان کا رخ کارے فور کی طرف تھا۔ انہیں چند ضروری گروسریز خریدنی تھیں۔ سر پہ دوپٹہ، کلف لگا لباس، کانوں اور انگلیوں میں ننھے ہیرے پہنے، وہ تیز قدموں سے چلتی اپنی ٹرالی میں چیزیں بھر رہی تھیں۔ وہ تمام اشیاء صحت افزا تھیں۔ کوئی جنک نہیں۔ کوئی فاسٹ فوڈ نہیں۔ وہ اچھا کھاتیں اور اچھا پہنتی تھیں۔ اسی لیے جوان اور تازہ دم دکھائی دیتی تھیں۔

گروسری کے بیگز اٹھائے وہ کارے فور میں سے نکلیں اور انہیں کار کے ٹرنک میں ڈال دیا۔ پھر ڈرائیونگ سیٹ تک آئیں۔ انہیں ان کاموں کے لیے کسی کی مدد درکار نہیں ہوتی تھی۔

وہ ایک عام سی دوپہر تھی جب وہ گھر میں داخل ہوئیں۔

کار پورچ میں کھڑی کی اور شاپنگ اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔

"اندرانی۔ سامان لے جاؤ۔"

نیم اندھیر گھر ہمیشہ کی طرف نیم اندھیر نہیں تھا۔ ساری بتیاں روشن تھیں۔

انہوں نے چونک کے اطراف میں دیکھا۔ ان کے گھر میں اتنی تیز روشنی؟

وہ چند قدم آگے آئیں۔

اور پھر ان کا سانس رک گیا۔

لاؤنج کے وسط میں ایک کرسی پہ اندرانی بیٹھی تھی۔ اسے نائیلون کی رسیوں سے باندھا گیا تھا۔ منہ پہ ڈکٹ ٹیپ لگی تھی۔ وہ بار بار سر ہلا رہی تھی لیکن ٹیپ کی وجہ سے آواز ''اوں اوں'' سے زیادہ نہ نکلتی تھی۔

شاپنگ کے تھیلے ان کے ہاتھ سے گر گئے۔

وہ پریشانی سے اس طرف بڑھیں جب.....

"یہ ہے تمہاری حقیقت، سرکار؟''

کسی نے انہیں گدی سے دبوچ کے ان کا چہرہ دیوار سے دے مارا۔ ان کے منہ سے چیخ نکلی۔ سر گھوم گیا۔

"میں سرکار کو کیا سمجھتا رہا۔ ایک طاقتور عورت۔ جو اونچی دیواروں سے بنے کسی قلعے میں باڈی گارڈز کی فوج کے پہرے میں رہتی ہوگی۔ اور تم کیا نکلیں؟"

نگینہ کا سر چکرایا۔ جسم دیوار کے ساتھ لڑھک گیا۔ بدقت ہاتھوں کا سہارا لے کر وہ گھومیں۔

پلکیں جھپکائیں۔ دھندلا منظر واضح ہوا۔

شمس الدین ان کے سامنے کھڑا تھا۔ کف اڑاتا، غصے سے سرخ پڑتا چہرہ لیے، وہ جیسے بے یقین تھا۔

"میں اتنے بندے ساتھ لایا تھا۔ لیکن آگے سے کیا نکلیں تم؟''

تیز روشنیوں کے باوجود انہیں چکراتے سر کے باعث لاؤنج اندھیر لگ رہا تھا۔ شمس کا ایک ہیولہ تھا جو دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔

"ایک ہاؤس وائف؟ ایک اسٹوپڈ جاہل سی ہاؤس وائف؟ یہ تھی سرکار؟ اس عورت سے ڈر رہا تھا میں؟"

نگینہ بیگم دیوار کے ساتھ لگیں، زمین پہ بیٹھتی گئیں۔ دھند قدرے چھٹی۔ اب صاف نظر آیا۔

شمس اکیلا نہیں تھا۔ تین ہٹے کٹے آدمی جو دیکھنے میں دیسی لگتے تھے، اس کے ساتھ تھے۔ ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ اور چہروں پہ شمس کی طرح کی مسکراہٹ۔

"میں.... شمس الدین.... ایک ہاؤس وائف سے ڈر رہا تھا؟ وہ جس کی ساری جادوگری ایک تہہ خانے تک محدود ہے؟''

نگینہ بیگم ایک دم چونکیں۔ تیزی سے گردن موڑی۔ بیسمنٹ کی طرف جاتا دروازہ کھلا تھا۔

اوراس دروازے کے قریب بہت سا سامان ڈھیر ہوا پڑا تھا۔

پتلے۔سوئیاں۔زعفران کی شیشیاں۔پتھر۔ہڈیاں۔کھوپڑیاں۔

وہ لوگ نیچے سے چیزیں اٹھا اٹھا کے یہاں پھینکتے گئے تھے۔

''شمس....''وہ غرائیں۔آنکھوں میں گلابی پن اترنے لگا۔

''یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔''ان کی آنکھیں ماتھے سے بہتے خون سے زیادہ سرخ ہو رہی تھیں۔

''اچھا تو وہ نہیں ہے جو میں کرنے جا رہا ہوں'مسز نگینہ سلطان۔''وہ طنز سے چبا چبا کے کہہ رہا تھا۔

''کس عورت کے ہاتھوں میں بے وقوف بنتا رہا؟ایک کارے فور سے گروسری کرنے والی عورت؟''اس نے گرے ہوئے تھیلوں کو دیکھ کے ماتھے کو چھوا۔وہ مسلسل دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔حیرت۔تعجب۔بے یقینی۔طیش۔شمس اس وقت بہت سے جذبات سے گزر رہا تھا۔

پھر وہ ان کے سامنے رکا اور گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکا۔

''وہ جادو بھی تم نے خود کیے تھے یا کسی سے کروائے تھے؟''

وہ وہیں بیٹھی اسے گھورے گئیں۔لب بند کیے۔آنکھوں میں سرخی لیے۔

''مجھے یوں مت دیکھو جیسے تم کچھ کر سکتی ہو۔اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ کوئی جادوگر ایک پکار پہ اپنے موکل نہیں بلا سکتا۔ہم ہیری پوٹر نہیں کھیل رہے۔''طنز سے چبا چبا کے کہتا وہ پنجوں کے بل نیچے بیٹھا۔

''اب میری بات غور سے سنو'سرکار۔''

اس نے پستول نگینہ بیگم کے ماتھے پہ رکھا۔دونوں آنکھوں کے درمیان۔

''آج سے میرے اور تمہارے سارے معاہدے ختم ہوئے۔میری بیٹی کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو۔''

اس کی آواز اونچی ہو رہی تھی۔

''تم اب میرے پیچھے نہیں آؤ گی نہ مجھ سے رابطہ کرو گی۔ورنہ میں اگلی دفعہ تمہاری جان لے لوں گا۔اور اس دفعہ.....اس دفعہ میں تمہیں اس قابل نہیں چھوڑوں گا کہ تم کچھ کر سکو۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔وہ نگاہ اٹھا کے اسی خاموشی سے اسے دیکھے گئیں۔

''میرے جانے کے چند منٹ بعد پولیس یہاں آئے گی۔تم کیا سوچ کے دبئی میں یہ کر رہی تھیں؟ دبئی ایک پولیس اسٹیٹ ہے۔''وہ چلایا۔''پولیس اسٹیٹ۔اس شہر کو پولیس چلاتی ہے۔جادو ایک جرم ہے۔اور دبئی میں جرم

کر کے کوئی نہیں بچ سکتا۔اس لیے ہم تمہیں زندہ چھوڑ رہے ہیں۔'اس نے پستول جیب میں اڑسا۔اور ایک آخری نفرت بھری نگاہ ان پہ ڈالی۔

''میں یو کے واپس جا رہا ہوں اور جب پولیس تمہارے یہ کارنامے دیکھے گی تو تم اگلے کئی سال تک جیل سے نہیں نکل سکو گی۔''

'' کون کہاں جاتا ہے' یہ وقت بتائے گا۔''وہ اسے سرخ آشام آنکھوں سے گھور رہی تھیں۔

شمس ہلکا سا ہنس دیا۔پھر زور سے پستول کا بٹ ان کے سر پہ مارا۔وہ چکرا کے اوندھے منہ گر گئیں۔

اب شمس اس ڈھیر تک گیا جو دروازے پہ رکھا تھا۔اندرانی پھر سے''اوں اوں'' کر کے خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

شمس اس ڈھیر پہ جھکا۔اس سے ایک البم نکالا۔اور اسے کوٹ کے اندر کی طرف چھپا لیا۔

پھر پلٹ کے ان مشٹنڈوں جیسے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

''ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔تم سب بھی غائب ہو جاؤ۔پولیس کے آنے سے پہلے ہمیں یہاں سے دور چلے جانا چاہیے۔''

کوٹ کے بٹن بند کرتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔جاتے جاتے اس نے اس ڈھیر کو ٹھوکر ماری۔

ایک بکرے کی کھوپڑی لڑھکتی ہوئی دور جا گری۔

اس کھوپڑی کے اندر کیڑے رینگ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری میں اونچے ریکس رکھے تھے اور ان میں سجی کتابیں اپنے اندر سینکڑوں داستانیں چھپائے خاموشی سے گزرتے افراد کو دیکھ رہی تھیں۔

لائبریری کی مقدم خاموشی میں ارتعاش سا پیدا ہوا۔بھاری بوٹوں کی آواز۔چند سر اٹھے اور ناگواری سے اس گرے تھری پیس میں ملبوس' سفید بالوں والے آدمی کو دیکھ کے واپس جھک گئے جو سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

بالآخر وہ ایک میز کے قریب رکے۔وہ ایک کتاب پہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔سنہرے بالوں کی چوٹی بنائے' دو لٹیں گالوں کو چھو رہی تھیں۔وہ کتاب سے کچھ پڑھتی' اسے ایک کاغذ پہ اتار رہی تھی جب کسی کی موجودگی کے احساس پہ چونکی۔اور چہرہ اٹھایا۔اس کی آنکھیں نیلے کانچ جیسی تھیں۔اور ان پہ ہم رنگ مسکار لگا تھا۔

"یاسمین پیتروو؟" مالک فرید نے نیپکن پہ لکھا نام دہرایا۔

یاسمین کے ماتھے پہ تعجب کی لکیریں ابھریں لیکن اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

" کیا ہم کہیں بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟"

کچھ دیر بعد وہ باہر ایک حوض کے کنارے رکھے بنچ پہ بیٹھے تھے۔ درمیان میں یاسمین کا بیگ اور کتابیں رکھی تھیں۔ وہ خاموشی سے حوض کے سبز پانی کو دیکھ رہی تھی۔

" آپ نے ایک پیپر لکھا تھا۔ نفسیات اور exorcism کے بارے میں۔ "

(exorcism جادو کے مریض کے جسم سے جن نکالنے کے عمل کو کہتے ہیں۔)

یاسمین نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔ بولی کچھ نہیں۔

" آپ چرچ کے ساتھ بھی منسلک رہی ہیں اور بہت سے exorcisms میں شامل رہی ہیں۔"

" کیا کہہ سکتی ہوں۔ I am a woman of faith" اس نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ دھوپ سے اس کی آنکھیں چمک رہی تھی۔

" مجھے آپ کے اسی faith کی ضرورت ہے۔" وہ اسی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ چہرے پہ کوئی جذبات نہیں۔ برف، روبوٹ جیسا۔

"بتائیے۔ میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟"

" آپ کے بارے میں جو میں نے پڑھا وہ اتنا خوشگوار نہیں تھا۔" وہ حوض کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔" آپ کی ماں امریکی ہے۔ باپ روسی۔ آپ کے سات بھائی ہیں جو روس میں رہتے ہیں۔ اور کوئی بھی آپ کی مالی مدد کے لیے تیار نہیں۔ اس وقت آپ شدید مالی مسائل کا شکار ہیں۔ آپ دو جابز کر رہی ہیں اور اس ملک کو چھوڑ کے روس واپس منتقل ہونے کا سوچ رہی ہیں۔ آپ کے اوپر یونیورسٹی کا بھی بہت سا قرضہ ہے اور آپ کے تین بچے ہیں جن کی اسکولنگ یہاں بہت مہنگی ہے۔"

"میں نے آپ سے پوچھا تھا آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" وہ اسی نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

"میرے پاس آپ کے لیے ایک مریض ہے۔" انہوں نے ایک پتلی سی فائل اس کی طرف بڑھائی۔ یاسمین نے اسے کھولا۔ دھوپ میں چمکتے صفحات پڑھے۔

"میں پرائیوٹ پریکٹس نہیں کرتی۔"

''وہ ایک ذہنی امراض کے ادارے میں داخل ہے۔'' وہ اسے سنے بغیر کہہ رہے تھے۔

''پھر تو میں اس کا علاج بالکل نہیں کر سکتی۔ اس ادارے کے متعین سائیکوتھیراپسٹ ہی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔'' پھر جیسے انہیں یاد دلایا۔ ''آپ اپنی مرضی سے اپنے مریض کا ڈاکٹر منتخب نہیں کر سکتے، سر۔''

''میں آپ کو اس ہسپتال کے بورڈ میں شامل کر سکتا ہوں۔ آپ کو اپنی دونوں نوکریاں چھوڑ کے اس علاقے میں منتقل ہونا پڑے گا۔ وہ یہاں سے قدرے دور ہے۔''

وہ نیلی پلکیں سکوڑ کے انہیں دیکھے گئی۔

''میں اپنی ساری زندگی لپیٹ کے وہاں کیسے منتقل ہو سکتی ہوں؟''

عبدالمالک فرید نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیونکہ میں آپ کو اس کام کے لیے پیسے دوں گا۔ آپ اپنے قرضے اتار لیں گی۔''

''میرا لائسنس بھی کینسل ہو سکتا ہے۔''

''نہیں ہو گا۔ کیونکہ جیسا کہ آپ نے کہا...'' وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

''You are a woman of faith''

یاسمین گردن اٹھا کے اچنبھے سے انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا گارنٹی ہے کہ میرے علاج سے وہ بہتر ہو جائے گا؟''

''کیونکہ کوئی اس کے سچ پہ یقین نہیں کرتا۔ خود میں بھی نہیں۔ آپ وہ واحد شخص ہیں جو اس پہ یقین کریں گی۔ وہ آپ کے یقین سے بہتر ہو گا۔''

''میں پہلے اس سے ملوں گی۔'' وہ بھی ان کے سامنے کھڑی ہوئی۔ ''اور اگر مجھے لگا کہ میں اس کی مدد کر سکتی ہوں، تو میں ضرور کروں گی۔ لیکن اگر اسے میری ضرورت نہ ہوئی تو میں آپ سے کچھ نہیں لوں گی۔ اپنے مالی مسائل جس طرح میں نے پیدا کیے ہیں، ویسے ہی انہیں حل بھی کر سکتی ہوں۔'' وہ فائل سینے سے لگائے نرم سی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

انہوں نے محض سر کو جنبش دی۔ پھر ٹھہرے۔

''اور اسے کبھی معلوم نہیں ہو گا کہ ہم دونوں ملے تھے۔ وہ میری دی ہوئی مدد کبھی قبول نہیں کرے گا۔''

یاسمین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ پلٹنے لگے تو وہ پکار اٹھی۔

''وہ آپ کا بیٹا ہے؟''

وہ اپنی جگہ ٹھہر گئے۔ مڑے نہیں۔ بس ایک گہری سانس لی۔

''کاش ہوتا۔'' وہ بڑبڑائے اور آگے بڑھ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ ٹوپی والی لڑکی' اپنے بیگ میں سے کچھ ڈھونڈتی شیشے کے دروازے کے پار جا رہی تھی۔ یہ فرید ہولڈنگ کے دفتر کی عمارت تھی۔ البتہ اندر جانے سے قبل وہ رکی۔ دائیں بائیں دیکھا۔ چہرے پہ کچھ ہیجان سا تھا۔ پھر سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔

سڑک کے پار بنی کافی شاپ کی کھڑکی سے اسے دیکھتا زیاد سلطان مسکرا دیا۔ سبرینہ اس کا وہ پہلا مارک تھی جس کو تعاقب کا علم ہو چکا تھا۔ کیسے' وہ نہیں جانتا تھا' لیکن وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ یہ کھیل کتنا عرصہ جاری رہے گا' وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا' لیکن وہ اسے ابھی جاری رکھنا چاہتا تھا۔

اور سرکار؟ اس کے چہرے پہ بے چینی ابھری۔ موبائل نکال کے سرکار کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔

دوسری طرف فون آف جا رہا تھا۔ زیاد کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔

اس نے دوسری جیب سے دوسرا موبائل نکالا اور "امی" کے نمبر کو ملایا۔ یہ ریگولر فون تھا۔

وہ نمبر بھی آف تھا۔ ایک لمحے کے لیے پریشانی نے اسے گھیرا لیکن پھر اس نے سر جھٹک دیا۔

سرکار کہیں مصروف تھیں۔ شاید کوئی نیا چلہ شروع کیا ہو۔ وہ ویسے بھی ان کے ساتھ نہیں رہتا تھا اور نہ ہر روز ان کی خبر گیری کرتا تھا۔ اچھا ہے کہ وہ مصروف تھیں۔ اس کی کیفیت کی انہیں خبر نہیں ملے گی۔

اس نے نگاہیں واپس عمارت کے دروازے پہ جما دیں۔

یہ کیفیت بڑے عرصے بعد ہوئی تھی۔

یوں کسی ایک لڑکی پہ اپنی ساری توانائی مرکوز کر دینا۔

وہ کافی کے گھونٹ بھرتا مبہم مسکراہٹ کے ساتھ فرید ہولڈنگ کی عمارت کو دیکھے گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سبرینہ نے جب سے مالک کے اسسٹنٹ کے ساتھ کام کرنا شروع کیا تھا' اس کا فلور بدل چکا تھا۔ اب وہ شمس کے دفتر (ماہر کے پرانے دفتر) سے اوپر والی منزل پہ تھی۔ مالک کا آفس بھی یہیں تھا۔

لفٹ پہ اس نے مطلوبہ نمبر دبایا اور خاموشی سے لفٹ کو اوپر جاتے محسوس کرنے لگی۔

دفعتاً لفٹ رکی۔ دروازے کھلے۔ یہ شمس کا فلور تھا۔ غالباً کسی کو سوار ہونا تھا۔ دو افراد باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ ہاتھ میں کافی کپ پکڑ رکھے تھے۔ ان سے اٹھتا دھواں اور مہک لفٹ کو معطر کر گیا۔

وہ یونہی باہر دیکھنے لگی۔ وہ اس فلور کو مس کرتی تھی۔ وہ شاید اس کو مس نہیں کرتا تھا۔ وہ ویسا ہی تھا۔ ہر روز جیسا۔

لیکن....

نہیں.....

وہاں کچھ مختلف تھا۔

سبرینہ چونک گئی۔ ایڑھیاں اونچی کر کے دور تک دیکھنے کی کوشش کی۔

لفٹ کے دروازے بند ہو رہے تھے۔ اس کا روزن چھوٹا ہوتا گیا۔

شمس کاریڈور سے گزر کے اپنے آفس کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ پھر دروازے بند ہو گئے اور منظر چھپ گیا۔ لیکن سبرینہ نے بے اختیار گلے پہ ہاتھ رکھا۔ عجیب گھٹن سی تھی۔ جیسے کچھ تھا فضا میں۔

لفٹ اس کے فلور پہ کھل گئی۔ وہ افراد باتیں کرتے ہوئے اتر گئے۔ لیکن وہ نہیں اتری۔ تیزی سے واپس اسی فلور کا نمبر دبایا۔

یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ وہ اپنے جسم کے اشارے پہچانتی تھی۔

فضا میں کچھ تھا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی۔ دروازے واپس اسی فلور پہ کھلے تو وہ چوکنے انداز میں دائیں بائیں دیکھتی ہال میں اتری۔ ٹوپی سر پہ تھی اور مفلر گردن میں بندھا تھا۔ اس نے کوٹ بھی نہیں اتارا حالانکہ اندر کافی گرمائش تھی۔ وہ بیگ مٹھیوں میں زور سے دبائے قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پہ وہ کوئی تسبیح پڑھ رہی تھی۔

ہر قدم کے ساتھ وہ احساس بڑھتا جا رہا تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا مقناطیس ہو اور وہ اسے اپنی طرف کھینچ رہا ہو۔

شمس کے آفس کے سامنے جگہ وہ رک گئی۔ دروازہ نیم وا تھا۔ اندر شمس ٹائی کی ناٹ ڈھیلا کرتا فون کان پہ لگائے بات کر رہا تھا۔ اس کی سبرینہ کی طرف پشت تھی۔

پھر دروازہ بند ہو گیا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ ناک سے سانس اندر کھینچی۔ انگلیوں پہ پڑھی جانے والی تسبیح کی رفتار بڑھی۔

وہ احساس بڑھتا جا رہا تھا۔اس آفس کے گرد فضا بوجھل تھی۔ بہت سے راز چھپائے۔

وہ جو بھی تھا' اس آفس کے اندر تھا۔

سبرینہ نے ایک آخری بے چین نگاہ اس پہ ڈالی اور پلٹ گئی۔البتہ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" کیا مطلب وہاں کچھ نہیں تھا؟" شمس دروازہ بند کرتے ہی فون میں چلایا۔

" ہمارے غائب ہونے کے بعد پولیس آئی تھی۔لیکن میرے کو ٹیکٹ کے مطابق انہیں وہاں کچھ نہیں ملا۔"

" کیا مطلب؟ کیا اس عورت نے انہیں گھر کی تلاشی نہیں لینے دی؟"

وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

" نہیں' شمس بھائی۔ پولیس ان کے دروازے پہ گئی اور کہا کہ انہیں اس گھر کے بارے میں شکایت ملی ہے۔مسز نگینہ نے نہ صرف انہیں خود اندر آنے دیا بلکہ سارے گھر کی تلاشی بھی دی۔ان کو کچھ نہیں ملا۔وہ معذرت کر کے چلے گئے۔"

"واٹ دا ہیل۔" شمس کا دماغ گھوم گیا۔

چند منٹوں میں وہ سب جادو والی اشیاء کہاں غائب کر سکتی تھیں؟ وہ ایک نہتی ہاؤس وائف۔اور اس کی ملازمہ۔اتنی دیر میں تو وہ بدقت رسیاں کھول پائی ہوں گی۔

''شمس بھائی....وہ عورت خطرناک ہے۔''

" پتہ نہیں....''اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔''تم لوگ غائب ہو جاؤ۔مجھ سے کچھ دن رابطہ نہ کرو۔"

اس کے چہرے پہ چھایا شاک اب پریشانی میں بدل چکا تھا۔وہ بے چینی سے دائیں بائیں چکر کاٹنے لگا۔پھر احساس ہوا۔رک کے دروازے کو دیکھا۔

ابھی اندر داخل ہوتے ہوئے اس نے سبرینہ کو کاریڈور میں دیکھا تھا۔یہ ابھی تک زندہ تھی۔اس نے اس کو ایکسیڈنٹ میں مارنے کی اتنی بڑی رقم سرکار کے قاتل کو دی تھی۔اس وقت وہ اس کا سب سے بڑا مسئلہ تھی۔وہ کسی نہ کسی طرح ماہر کو واپس لے آئے گی۔اس لڑکی سے اسے ڈر لگتا تھا۔لیکن اب....اب اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔

اسے اپنی بیٹی کو سرکار سے بچانا تھا۔

اور خود کو بھی۔

اس لمحے شمس الدین کو احساس ہوا کہ اس نے دبئی جا کے بہت بڑی غلطی کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کمرے کی کھڑکی سے بہت خوبصورت منظر دکھائی دیتا تھا۔ اونچے درختوں کی اوٹ سے بادلوں کے نارنجی کنارے جھلک رہے تھے۔

ماہر اسی طرح فرش پہ بیٹھا' باہر دیکھ رہا تھا۔ آلتی پالتی کیے۔ سامنے کریونز کا ڈبہ رکھا تھا۔ سرخ کریون ہنوز باہر تھا۔

ایک دم کھڑکی کے آگے رولر بلائنڈ نیچے گرتا گیا۔ ماہر فرید نے پہلی دفعہ چونک کے اس ہاتھ کو دیکھا جس نے بلائنڈ کی ڈوری گھمائی تھی۔ سفید مخروطی انگلیوں والا ہاتھ۔ وہ اس کو دیکھے گیا۔ بلائنڈ گر گئے۔ اب کمرے میں دن کی روشنی کا داخل بند ہو گیا۔ ذرا دیر کو اندھیرا ہوا پھر اسی ہاتھ نے سفید بتیاں جلا دیں۔ اتنی تیز کہ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اس نے سر جھکا لیا۔

" کیا تم مجھ سے بات نہیں کرو گے؟" وہ ایک نرم اور مہربان آواز تھی۔ ماہر نے چہرہ نہیں اٹھایا۔ پلکیں جھکی رہیں۔ وہ یہاں سے فرش دیکھ سکتا تھا۔ اور اس کے جوتے۔

وہ جھک کے ان جوتوں کے اسٹریپ کھول رہی تھی۔ بالآخر سپید گلابی پیر آزاد کیے۔ پھر اسی ہاتھ سے جوتے اٹھا کے سائیڈ پہ رکھے۔ اب وہ اس کے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اسنے دیکھا کہ وہ اس کے سامنے بیٹھ رہی ہے۔ آلتی پالتی کر کے۔

وہ ایک عورت تھی۔ گریبان پہ سلور صلیب جھول رہا تھا۔ وہ ایسی بیٹھی کہ کھڑکی اس کے پیچھے چھپ گئی۔

ماہر نے نظریں مزید جھکا دیں۔ اب وہ صرف اس کے پیر دیکھ سکتا تھا۔ گرے پینٹ سے جھلکتے سفید پیر۔ ایک ٹخنے کے گرد سنہری زنجیر بندھی تھی۔

" تم نگاہیں کیوں نہیں اٹھاتے' ماہر؟"

اس نے سر مزید جھکا لیا۔ اب وہ بس اپنے پیروں کو دیکھ سکتا تھا۔ اس کی ایڑھیوں کی جلد پھٹ گئی تھی اور اس میں خزاں کی زمین کے جیسی دراڑیں تھیں۔

اس عورت کا ہاتھ آگے بڑھا۔ وہی ہاتھ جس نے بلائنڈ بند کیا تھا۔ اور اس نے اسکیچ بک کا صفحہ پلٹایا۔ پہلا کورا

صفحہ اب کورا نہیں تھا۔اس پہ سرخ کریون سے ایک شے بنی تھی۔

ایک عمارت۔سرخ عمارت۔

"کیا یہ تم نے بنائی ہے؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔

"کیا تمہیں سرخ رنگ پسند ہے؟" وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

اس نے اب بھی جواب نہیں دیا۔وہ احساس پھر سے ہونے لگا۔وہ دروازے کے کھلنے کی آواز سن کر سکتا تھا۔

دروازہ چرچرایا۔ماہر نے گھٹنے جلدی سے سینے سے لگا لیے۔بازوان کے گرد لپیٹ لیے۔تھوک نگلا۔

"تم خوفزدہ ہو؟" وہ چونکی۔

ماہر نے ہلکی سی نگاہ دروازے کی سمت اٹھائی پھر جلدی سے سر گرا دیا۔

لیکن وہ دیکھ سکتا تھا۔

دروازے کی سمت سے چار پیر اندر داخل ہوئے تھے۔گندے میلے۔بھورے بالوں والے پیر۔ان پہ خون لگا تھا۔شیشے کی کرچیاں بھی تھیں۔وہ ننگے پیر تھے اور ان کے ناخنوں میں بہت سا گند پھنسا تھا۔اس کا سارا وجود دھیرے دھیرے لرزنے لگا۔

وہ آ گئے تھے۔وہ ایک دفعہ پھر آ گئے تھے۔

"تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے' ماہر؟"

لیکن اس نے سر گھٹنوں پہ رکھ کے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ دیے۔سارا جسم کانپ رہا تھا۔

وہ قریب آ رہے تھے۔

اس کا جسم اکڑنے لگا۔

اس نے اس نسوانی آواز کو چلاتے ہوئے سنا۔وہ کوئی انجیکشن مانگ رہی تھی۔دوڑتے قدموں کی آواز۔اس کا جسم جھٹکے کھا رہا تھا۔سوئی کی چبھن ایسی تھی جیسے تلوار چبھی ہو۔

اور پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔سیاہ مخمل کے جیسا پرسکون اندھیرا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شمس اپنے آفس میں بیٹھا' انٹر کام کان سے لگائے کچھ کہہ رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ اس نے بے زاری سے موبائل اٹھایا۔ کوئی غیر شناسا نمبر تھا۔ یقیناً کوئی ٹیلی مارکیٹر ہوگا۔

"ہیلو؟" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"مسٹر شمس الدین؟ کیا آپ ہلال کے والد ہیں؟"

"یس۔ کیوں؟" وہ ایک دم چونک کے سیدھا ہوا۔

"آپ کی وائف رابیل اور ہلال کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔ ان کو خون کی ضرورت ہے۔ فوراً ہسپتال پہنچیں۔ فوراً۔"

ہسپتال کا نام سنتے ہی وہ کرنٹ کھا کے اٹھا۔ چابیاں اٹھائیں۔ والٹ جیب میں ارسا۔ پھر تیزی سے باہر بھاگا۔ باہر ڈیسک پہ اس کا اسسٹنٹ بیٹھا تھا۔ وہ چلاتے ہوئے اسے ساتھ چلنے کے لیے بولا۔

دونوں باری باری باہر بھاگے۔ ساتھ ہی وہ موبائل پہ نمبر بھی ملا رہا تھا۔ مالک؟ اسے مالک کو کال کرنی چاہیے؟ نہیں۔ بیربل کو؟ اونہوں۔ وہ خود دیکھ لے گا۔

شمس اور اس کا اسسٹنٹ لفٹ کے پیچھے غائب ہوئے تب وہ ستون کی اوٹ سے وہ نکلی۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا برنر فون تھا۔ اسے جیب میں ڈالا۔ اور ایک نظر آفس کے دروازے کے اوپر دیکھا۔ وہاں ماہر نے سی سی ٹی وی کیمرہ لگوایا ہوا تھا جو شمس نے اتروا دیا تھا۔ وہ اپنے اوپر کوئی نظر نہیں چاہتا تھا۔

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ آفس خاموش پڑا تھا۔ شمس کے پرفیوم کی مہک ابھی اندر تازہ تھی۔

سبرینہ نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی۔ کچھ تھا فضا میں۔

میز کے پیچھے ایک کیبنٹ تھا۔ وہ جھک کے بیٹھی اور کیبنٹ کھولا۔ اندر ایک لاکر تھا۔ لاکر کوڈ سے کھلتا تھا۔ ماہر کے جانے کے بعد شمس نے اس لاکر کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ ماہر کے کاغذات مالک کے اسسٹنٹ نے وہاں سے نکال لیے تھے۔ شمس نے لاکر کا کوڈ بدل دیا تھا البتہ وہ ایک شے بھول گیا تھا۔

کہ ہر لاکر کی ایک ماسٹر کی ہوتی ہے۔ اور بطور ماہر فرید کی سیکرٹری اس کو معلوم تھا کہ ماہر چابی کہاں رکھتا تھا۔

اس نے لاکر کے پیچھے ہاتھ ڈالا۔ وہاں ایک چابی ڈکٹ ٹیپ سے چپکی ہوئی تھی۔ تیزی سے چابی اکھیڑی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

شمس پارکنگ تک پہنچا تھا۔ دماغ ایک دم ماؤف ہو چکا تھا۔ اور پھر اسے یاد آیا۔ جس ہسپتال سے کال آئی تھی'

اس کو ان کی انشورنس کور نہیں کرتی تھی۔ وہ تیزی سے گھر کا نمبر ملانے لگا۔ اسے اپنی ہاؤس کیپر سے بات کرنی تھی۔ وہ کاغذات میں سے دیکھ کے بتا سکتی تھی کہ.....

''ہیلو؟'' رابیل کی آواز پہ وہ چونک گیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ اور ہلال؟ وہ کہاں ہے؟"

"ہلال یہیں ہے۔ گھر میں۔ کیوں کیا ہوا؟" وہ الٹا حیران ہوئیں۔

سبر ینہ نے تیزی سے چابی کی ہول میں گھسائی۔ لاکر کا دروازہ کلک سے کھل گیا۔ وہ مسکرائی۔

شمس چند لمحے پارکنگ میں کھڑا حیران پریشان رہا۔ پھر ایک دم سر اٹھا کے عمارت کو دیکھا۔

ذہن میں جیسے خطرے کا الارم بجا۔

وہ تیزی سے واپس بھاگا۔

لاکر کا دروازہ کھولتے ہی دو چھوٹے چھوٹے خانے سامنے آئے۔ بہت سے نوٹوں کے بنڈل، کاغذات... سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے کسی سی ای او کے لاکر میں ہونا چاہیے۔ البتہ وہاں چند قیمتی گھڑیاں بھی تھیں۔ وہ چونکی۔ یہ ماہر کے باپ کی تھیں۔ شمس نے ان پہ بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اُف۔

اور پھر اسے وہ شے نظر آئی۔

سبر ینہ نے گہری سانس لی۔ اس کی حسیات اسی شے کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

سحر زدہ شے جس کی بدبو تسبیح پڑھنے والے کو کئی فٹ دور سے آ جاتی ہے۔

شمس تیزی سے لفٹ میں داخل ہوا۔ بار بار ایک ہی نمبر پریس کیا۔ شاید اس طرح وہ جلدی پہنچ جائے گا۔ چہرہ غیض و غضب سے سرخ ہو رہا تھا۔

مطلوبہ فلور پہ اترتے ہی وہ تیزی سے آفس کی طرف بھاگا۔

دروازہ کھولا تو آفس خالی تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ فوراً لپک کے لاکر تک آیا۔ کیبنٹ کا دروازہ ہلکا سا کھلا

تھا۔اس نے لاکر کا پاسورڈ پنچ کیا۔

دروازہ اسپرنگ کی طرح کھلا۔

وہاں سب کچھ موجود تھا۔سوائے اس البم کے۔

شمس الدین کا چہرہ سفید ہونے لگا۔

"سر کیا ہوا؟" اس کا اسسٹنٹ حیران پریشان کھڑا تھا۔

"کک کچھ نہیں۔" وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔اس کے قدموں سے جان نکل رہی تھی۔

یہ کسی انسان کا کام تھا۔یا شاید کسی جن کا۔یقیناً سرکار نے کسی کو اس کے پیچھے بھیجا تھا۔

وہ سرکار سے بچ کے کہیں نہیں جا سکتا تھا۔

اس نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

جادوگروں کی چوکھٹ پہ جانے والے ہر انسان کی طرح اس کے گرد بھی دیواریں تنگ ہو رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک سفید دیواروں والا کمرہ تھا۔

وہاں ایک بک شیلف کے سامنے آفس ٹیبل رکھی تھی۔

ان سے ہٹ کے دو صوفے رکھے تھے۔ایک دوسرے کے مقابل۔درمیان جگہ خالی تھی۔

ایک پہ وہ بیٹھا تھا۔نیلے لباس میں۔آدھی آستین کی شرٹ اور ٹراؤزر۔اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔چہرہ آج بھی جھکا ہوا تھا۔وہ اپنے گھٹنے دیکھ رہا تھا۔

اسے یہاں سے سامنے بیٹھی عورت کے پیر دکھائی دے رہے تھے۔وہ آج نیوڈ ہیلز میں مقید تھے۔ٹخنے کے گرد سنہری زنجیر اسی طرح جھول رہی تھی۔

"کیا تمہیں وہ نظر آتا ہے جو کسی کو نہیں آتا؟"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔وہ انگلیاں باہم پھنسائے انگوٹھے سے ہتھیلی کو رگڑ رہا تھا۔

"مجھے تمہارا یقین ہے، ماہر۔"

وہ چپ رہا۔اس کا سارا وجود دھیرے دھیرے لرز رہا تھا۔

"کیا وہ اس وقت کمرے میں موجود ہیں؟"

نرم مہربان آواز پوچھ رہی تھی۔

ماہر کی جھکی آنکھیں اٹھیں۔وہ کنکھیوں سے کمرے کے کونے کو دیکھ سکتا تھا۔

چار وجود۔آٹھ پیر۔گندے میلے۔خون سے لتھڑے۔

وہ کونے میں کھڑے تھے۔اس کے منتظر۔

اس نے ایک دم اس کونے سے رخ موڑ لیا۔

یاسمین نے چہرہ موڑ کے کمرے کے دائیں جانب دیکھا۔

وہ خالی تھا۔

وہاں ایک مصنوعی پلانٹ رکھا تھا۔یاسمین نے دو انگلیوں سے ماتھے سے کندھوں تک باری باری چھوا اور صلیب کا نشان بنایا۔پھر واپس ماہر کو غور سے دیکھا۔

"تم اس لیے نگاہ نہیں اٹھاتے کہ کہیں تم ان کو دیکھ نہ لو؟"

پھر وہ جگہ سے اٹھی۔قدم قدم چلتی قریب آئی اور پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی۔وہ اضطرابی انداز میں انگوٹھے کو دوسری ہتھیلی پہ رگڑ رہا تھا۔

یاسمین نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں پہ رکھا۔اس کی حرکت رک گئی۔

"تم نے کبھی ان کو سمجھنے کی کوشش کی؟"

پہلی دفعہ ماہر کی آنکھیں اوپر اٹھیں۔اور اس کے چہرے پہ ٹھہر گئیں۔وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی تھی۔سفید شفاف چہرہ۔نیلی آنکھیں۔اس کی آنکھوں میں ایک شفاف سا تاثر تھا۔گردن میں ایک صلیب جھول رہا تھا۔

"تمہیں ان کی آنکھیں میں دیکھنا ہے' ماہر۔" وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔وہ اس کی آنکھوں میں یک ٹک دیکھے گیا۔

وہ گھٹنے موڑے زمین پہ بیٹھی تھی۔اس کا چہرہ کسی فرشتے جیسا تھا۔"وہ غلام ہیں۔وہ مجبور ہیں۔"

وہ دھیرے سے چونکا۔

ذہن میں جیسے کوئی کوندہ سا لپکا تھا۔

"ان کو سمجھنے کی کوشش کرو۔وہ یہ سب اپنی خوشی سے نہیں کر رہے۔" وہ اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے نرمی سے کہہ

رہی تھی۔''ان کی لگام ایک جادوگر کے ہاتھ میں ہے۔وہ ایک انسان ان سے یہ کروا رہا ہے۔"

وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں ان کی آنکھوں میں دیکھنا ہے۔تمہیں ان کو اس غلامی سے آزاد کرنا ہے۔وہ اداکاری کر رہے ہیں' تمہیں ڈرانے کی۔تمہارا خوف ان کی غذا ہے۔ماہر' ان کو غذا مت دو۔"

وہ بس اس کو دیکھتا رہا۔بنا پلک جھپکائے۔بنا سانس لیے۔

''سر اٹھاؤ اور ان کی آنکھوں میں دیکھو۔ان کو بتاؤ کہ تم ان کو سمجھتے ہو۔ان کو ان کی زندگی واپس کر دو۔وہ تمہارے ساتھ بندھے ہیں۔تمہیں ان کو آزاد کرنا ہے۔''

وہ دھیرے دھیرے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے دہرا رہی تھی۔

''تمہیں ان کو آزاد کرنا ہے۔''

''تمہیں ان کو آزاد کرنا ہے۔''

اس نے نگاہ دائیں جانب اٹھائی۔وہ اب ان کے پیر دیکھ سکتا تھا۔اس نے کوشش کی کہ نگاہ مزید اوپر اٹھتے لیکن آنکھیں خوف کے بوجھ تلے گرتی چلی گئیں۔

لب کپکپا گئے۔

اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

"ان کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ان کی بات سنو۔ان کو آزاد کر دو۔"وہ نرمی سے دہرا رہی تھی۔

وہ پیر اپنی جگہ سے اٹھے اور اس کی طرف بڑھنے لگے۔ان کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ زمین پہ خون گرتا جا رہا تھا۔اس نے سختی سے آنکھیں بند کر دیں۔کانوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔جسم ایک دفعہ پھر کانپنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نگینہ بیگم کے اپارٹمنٹ کی بیسمنٹ میں اندرانی فرش پہ بیٹھی' ایک کارٹن سے چیزیں نکال نکال کے باہر رکھ رہی تھی۔وہاں ایسے ہی چند کارٹن پڑے تھے جن میں جلدی میں سامان پیک کیا گیا تھا۔بیسمنٹ کے کاٹھ کباڑ سے لدے کمرے کی دیوار میں ایک شگاف تھا۔

اندرانی نے آخری کارٹن اندر سے نکالا اور سلائیڈنگ دروازے کو بند کر دیا۔شگاف برابر ہو گیا۔ایسے جیسے کچھ تھا ہی نہیں۔اب اس نے چند پینٹنگز اٹھائیں اور باری باری دیوار پہ لگانے لگی۔ان پہ جالے لگے تھے۔اس نے

احتیاط سے جالے وہیں رہنے دیئے۔

نگینہ بیگم ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھیں۔ ماتھے پہ نیل تھے اور آنکھوں میں تپش۔ وہ عام لباس میں تھیں' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کرسی پہ بیٹھی' مسلسل ایک پاؤں جھلا رہی تھیں۔ اندرانی نے آخری شے بھی سیٹ کر کے رکھی اور ان کی طرف مڑی۔

"جانتی ہیں وہ کیا لے کر گیا ہے؟"

"ہاں لیکن اب وہ اس کے پاس بھی نہیں رہا۔ وہ اس لڑکی کے پاس ہے۔" ان کی آنکھوں سے جیسے بے بسی اور طیش سے شرارے پھوٹنے لگے۔ موبائل نکالا اور ایک ایک نمبر زور سے دبایا۔

"کیا تم کام کرنے کا طریقہ بھول چکے ہو؟"

وہ ان کی غراہٹ پہ چونکا تھا۔

"کہا تھا۔ کچھ وقت لگے گا۔"

"اب وقت کے ساتھ کچھ اور بھی کرنا ہے۔" وہ سامنے دیوار کو دیکھتی سرخ پڑتی آنکھیوں سے کہہ رہی تھیں۔

"شمس کو مارنا ہے اور اس کی بیٹی کو میرے پاس لانا ہے۔"

موبائل بند کر کے وہ ہلکا سا مسکرائیں۔ شمس الدین نے ان کو انڈر ایسٹیمیٹ کیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے مخصوص حلیے میں وہاں تہہ زمین پہ بیٹھی تھیں اور سامنے ایک ہنڈیا ابل رہی تھی۔

شمس کی طرف سے ان کو ایک بہت بڑا جھٹکا لگا تھا۔ اور انہیں اس سے خود کو واپس لانا تھا۔ ان کو اپنی انا اور غرور کو بحال کرنا تھا۔ انہیں اپنی طاقت مزید بڑھانی تھی۔

اور اس کا بہترین طریقہ کسی بھی جادوگر کی نظر میں ایک ہی ہے۔

کسی معصوم انسان کے اوپر سب سے بدترین جادو کرنا۔

ہنڈیا کا کالا جادو۔

اور اگر وہ اس جادو سے ایک ہی رات میں مر جائے تو اس جادوگر کی طاقت کئی گناہ بڑھ سکتی ہے۔

انہوں نے زیر لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے ہنڈیا میں کیلیں ڈالنی شروع کیں۔

انہیں ایک رات میں جادو کے ذریعے ماہر فرید کی جان لینی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ نیند سے ایک دم جاگا جیسے کسی نے جسم میں سلاخ سی گاڑھ دی ہو۔ سینے کے مقام پہ شدید تکلیف ہوئی۔

وہ بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ دائیں بائیں دیکھا۔

رات کا وقت تھا۔ کمرہ اندھیر تھا۔ کھڑکی کے آگے بھی بلائنڈز گرے تھے۔

ایسے میں باہر سے آتی روشنی دروازے کی نچلی درز سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس نے آنکھیں جھپکائیں۔ اب وہ کمرے کو نیم اندھیرے میں دیکھ سکتا تھا۔

کونے میں وہی پیر کھڑے تھے۔

ماہر نے تیزی سے نظریں جھکا دیں۔ بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔ کوئی اسے الٹی چھری سے جیسے کاٹ رہا تھا۔

وہ کراہا۔ چہرے پہ پسینہ آنے لگا۔ پھر وہ چہرے کے بل دوہرا ہوتا گیا۔

اب وہ صرف اپنے گھٹنے دیکھ سکتا تھا جو لحاف میں چھپے تھے۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔

پھر..... بیڈ کے کنارے پہ زور بڑھا۔

جیسے کوئی بیٹھا ہو۔

ہلکا سا قہقہہ گونجا۔

اس نے گھٹنے سینے سے لگا لے سر ان میں چھپا دیا۔ سانس تیز ہو گیا۔ وہ چیخ نہیں سکا۔

خوف۔ خوف اس کے جسم کے ایک ایک بال کو کھڑا کرنے لگا۔

کسی نے ہلکا سا اس کا لحاف کھینچا۔ پھر کوئی ہلکا سا قریب ہوا۔ ماہر کا جسم کانپنے لگا۔ سختی سے آنکھیں میچ لیں۔ چہرہ ابھی تک گھٹنوں میں چھپا رکھا تھا۔

"ماہر..." ایک طنزیہ آواز گونجی۔ وہ قریب آ رہے تھے۔

ان کے قدموں کی چاپ۔ بستر پہ دائیں بائیں ہر طرف ان کا پڑتا بوجھ۔

اس کو لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔ یا دل باہر نکل آئے گا۔

خوف۔ شدید خوف۔

وہ اسے مارنے آ رہے تھے۔

آج وہ اس کی جان لینے آ رہے تھے۔

اور تب . . .

جیسے کسی تاریک جنگل میں . . .

چاندنی سے نہائی

جھیل کے پانی جیسی

آواز گونجی . . .

"انہیں آزاد کر دو۔"

بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ ان کے گرم سانس سن سکتا تھا۔

''وہ غلام ہیں۔ مجبور ہیں۔ تمہارے جیسے قیدی ہیں۔''

وہ قریب آ رہے تھے۔

"انہیں آزاد کر دو۔"

اس نے مٹھیوں میں سختی سے لحاف بھینچ رکھا تھا۔ وہ ان کے ہلتے وجود قریب آتے محسوس کر سکتا تھا۔

"انہیں اپنے خدا کا نام لے کر آزاد کر دو۔"

ایک بوڑھا کھردرا سا ہاتھ اس کی گردن تک رینگتا آیا۔ وہ ہل نہیں سکا۔

"تمہیں ان کو سمجھنا ہے۔"

اس ہاتھ نے دھیرے دھیرے اس کی گردن کے گرد گھیرا تنگ کیا۔ اس نے آنکھیں سختی سے بند کر رکھی تھیں۔

''وہ مجبور ہیں۔''

دو ہاتھوں نے اس کی گردن دبانی شروع کی۔ اس کا سانس گھٹنے لگا۔

"تمہیں ان کی آنکھوں میں دیکھنا ہے۔"

ماہر فرید نے ایک دم آنکھیں کھولیں۔

وہ اس کے سامنے تھا۔ اس کا چہرہ سیاہ تھا۔ اس پہ کتے جیسے بھورے بال تھے۔ آنکھیں سرخ تھیں اور دانت پیلے۔ وہ بھیڑیے اور کتے کی کھال جیسی جلد رکھتا تھا۔ اس کو اپنی طرف دیکھتا پا کے وہ مسکرایا۔ پیلے نوکیلے دانت چمکے۔

"تم غلام ہو۔" اس کے لب پھڑپھڑائے۔ آنکھیں بنا جھپکے اس کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔ اس کو پیچھے تین اور بھی

دکھائی دے رہے تھے۔اپنے دائیں بائیں۔وہ قریب آ رہے تھے۔لیکن وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"تم غلام ہو۔"اس کی آواز حلق سے پھنسی پھنسی سی نکلی۔

"تمہیں اس نے قید کر رکھا ہے۔"وہ جیسے کسی خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا۔پلکیں جھکنا بھول چکی تھیں۔

پہلی دفعہ اسے ان سرخ انگارہ آنکھوں میں کچھ دکھائی دیا۔

کچھ غیر آرام دہ سا۔ایک بے بسی۔

ایک غلام کی بے بسی۔

بس وہ ایک کمزور لمحہ تھا۔وہ لمحہ ماہر فرید نے دیکھ لیا تھا۔

اور اگلے ہی پل اس نے جھپٹ کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

وہ ہاتھ ایسا کھردرا تھا جیسے کریلے کا خول ہو۔اس کے ناخن ماہر کی گردن میں گھس رہے تھے لیکن وہ سختی سے اس کا ہاتھ جکڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تم کچھ بھی نہیں ہو۔تم بس ایک غلام ہو۔"

اس کی آواز اب کے غراہٹ کی صورت نکلی۔

(وہ اپنے آفس میں تھا۔ایک سرخ دھند آنکھوں پہ چھائی تھی اور وہ کچھ اٹھا کے سبرینہ کے سر پہ مار رہا تھا۔)

''تم کچھ بھی نہیں ہو۔''

(وہ اپنے باپ کے ہاسپٹل بیڈ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ان کا ہاتھ تھامے۔وہ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔)

''تم ایک غلام ہو۔''

(وہ اس کو لینے آئے تھے۔وہ چلا رہا تھا۔اور وہ اس کے ہاتھ باندھے اسے ذہنی امراض کے ہسپتال لے جا رہے تھے۔)

''تم تو کچھ بھی نہیں تھے۔''

(وہ کمرہ نمبر ۵۵۵ کے فرش پہ کمر کے بل گرا ہوا تھا۔اس کے جسم میں سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔نشتروں جیسی سوئیاں۔وہ چلا رہا تھا۔آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔)

''تم مجھ سے زیادہ بے بس تھے۔''

پہلی دفعہ.....ماہر نے اس مخلوق کے چہرے کی مسکراہٹ کو الجھن میں بدلتے دیکھا۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ وہ باقی تینوں قدرے خوف سے اپنے بڑے کو دیکھ رہے تھے۔وہ جس کا ہاتھ ماہر کی گردن پہ تھا' اور اس ہاتھ کو ماہر کا ہاتھ دبوچے ہوئے تھا۔

''تم غلام ہو۔''

وہ بولا تو آواز اونچی تھی۔

"اور میں تمہیں اپنے اللہ کے نام کے ساتھ آزاد کرتا ہوں۔"

اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پیچھے کھینچا۔اس مخلوق کے ناخنوں کے ساتھ اس کی گردن کی جلد بھی چھلتی چلی گئی۔شاید خون بھی نکلا تھا۔

''میں تمہیں اپنے اللہ کے نام کے ساتھ آزاد کرتا ہوں۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔اس کا جسم پسینے سے تر تھا۔بال بھیگے ہوئے تھے اور سانس تیز تیز آ رہا تھا۔

"جاؤ تم آزاد ہو۔"

اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ دور پھینکا۔

وہ پیچھے نہیں ہٹا۔

وہ اسے گھورے گیا۔وہ تینوں اس کے کندھوں کے دائیں بائیں اکٹھے ہو گئے۔وہ اس کو خون آشام آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔یہ ان کی اصل شکل نہیں تھی۔یہ سب سے خوفناک شکل تھی جو وہ بنا سکتے تھے۔

لیکن اس کی نظریں نہیں جھکیں۔

"میں اپنے اللہ کے نام کے ساتھ تمہیں آزاد کرتا ہوں۔"

وہ وہیں کھڑے رہے۔جم کے۔وہ اس کو دیکھ رہے تھے۔ہونٹ بھینچے' سرخ آنکھوں سے۔

"اگر تمہیں..."

تیز سانسوں کے درمیان اس کی آواز بلند ہوئی....

''اگر تمہیں اللہ کا ذرا سا بھی خوف ہے' تو آج کے بعد تم میرے قریب نہیں آؤ گے۔"

وہ وہاں سے نہیں ہلے۔وہ بس اسے دیکھے گئے۔عجیب سی نظروں سے۔

اور وہ پسینے میں بھیگا چہرہ لیے....سرخ چھلی ہوئی گردن کے ساتھ واپس ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"میں تمہیں اللہ کے نام کے ساتھ آزاد کرتا ہوں...."

اس کی آواز مزید اونچی ہوتی گئی۔

"تم جہاں سے آئے ہو...وہیں پلٹ جاؤ..."

کچھ تھا جو ان کے چہروں میں بدلا۔

ایک ایسا تاثر جسے وہ کبھی کوئی نام نہ دے سکا۔

خوف۔اس نے پہلی دفعہ ان کو خوفزدہ دیکھا۔

"میں اللہ کے نام کے ساتھ... کہتا ہوں کہ..."

اس کی غراہٹ ٹوٹ ٹوٹ کے نکل رہی تھی۔جسم ابھی تک کپکپا رہا تھا لیکن اب وہ خوفزدہ نہ تھا....

"کہ تم وہیں پلٹ جاؤ جہاں سے آئے تھے...."

وہ ایک قدم پیچھے ہٹے۔ان کے کندھے ڈھیلے پڑنے لگے۔

"میں دعا کرتا ہوں کہ...تمہارا جادو جہاں سے آیا ہے...مجھے تکلیف دیے بنا...وہ وہیں پلٹ جائے...."

ان کے جسم سے دھیرے دھیرے دھواں سا اٹھنے لگا۔

اس کی آواز مزید بلند ہوتی گئی۔

"وہ جس نے میرے باپ کے دماغ پہ جادو کیا تھا..."انگلی اٹھا کے وہ چلا رہا تھا۔

"وہ جس نے میری ماں کے دل پہ جادو کیا تھا...."

وہ خوفزدہ چہروں کے ساتھ پیچھے ہٹ رہے تھے۔

"وہ جس نے میرے اوپر جادو کیا ہے..."

وہ کھڑکی کے ساتھ اکٹھے ہو گئے۔

"میں دعا کرتا ہوں کہ...."

وہ گٹھڑی صورت ایک دوسرے کے ساتھ لگ گئے۔

"کہ تم اپنا جادو لے کر...اسی کے اوپر پلٹ جاؤ۔"

ایک زور کا چھناکہ ہوا۔کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا۔ہر طرف کرچیاں بکھر گئیں۔

تیزی سے بھاگتے قدموں کی آواز آئی۔پھر دروازہ کھلا۔بتیاں جلائی گئیں۔

اسکربز میں ملبوس اسٹاف دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا۔

کمرہ اب روشن تھا۔

وہاں صرف دھوئیں کی بدبو تھی۔اور ٹوٹا ہوا شیشہ۔

وہ جا چکے تھے۔

نرس اسے سرتاسف سے ہلاتی کوئی انجیکشن دے رہی تھی۔اسٹاف اس کی گردن کے زخموں کو دیکھ رہا تھا۔

اور وہ پسینے سے تر چہرہ لیے تیز تیز سانسوں کے درمیان ٹوٹی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ جا چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہزاروں میل دور اپنی بیسمنٹ میں بیٹھی نگینہ بیگم نے مسکرا کے پتلا رکھا۔وہ اس کی گردن کے گرد ڈوری باندھ چکی تھیں۔اس میں پھونک مار چکی تھیں۔اس گرہ کو کوئی نہیں کھول سکتا تھا۔

اب وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔لباس تبدیل کیا۔بالوں کی چوٹی گوندی۔وہ ایک گندی میلی جادوگرنی سے ایک توانا اور جوان نظر آنے والی خاتون دکھائی دینے لگیں۔

پھر ایک ایک زینہ چڑھتی اوپر آئیں۔دروازہ بند کیا۔

لاؤنج میں بیٹھے سلطان صاحب نے کتاب کے پیچھے سے ان کو آتے دیکھا اور طنزیہ مسکرا کے سر جھٹکا۔پھر کچھ بڑبڑا کے کتاب کی طرف مصروف ہو گئے۔

وہ مسکرا کے ان کو نظر انداز کرتی کچن تک آئیں۔کیبنٹ کے شیشے کے دروازے میں اپنا عکس دیکھا۔وہ سرکار تھیں۔

ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔آج رات کے بعد ان کی طاقت مزید بڑھ جائے گی۔شمس الدین جیسوں کو تو وہ سالم نگل سکتی تھیں۔

وہ سنک کے قریب آئیں اور شیلف سے ایک مگ اٹھایا۔

اور اسی وقت ایک دم کسی نے انہیں گردن سے پکڑا۔ان کی کراہ بھی نہ نکل سکی۔وہ بے اختیار دہری ہوئیں۔

مگ ہاتھ سے چھوٹ کے فرش پہ گرا اور چکنا چور ہو گیا۔

کچھ اور بھی فرش پہ گرا تھا۔

ان کے منہ سے نکلی خون کی الٹی۔

وہ بے اختیار معدے پہ ہاتھ رکھے دوہری ہوئیں۔ سارے جسم میں کسی نے برچھیاں چلا دی تھیں۔

ایک سیاہ دھواں سا تھا جو جانے کہاں سے آیا تھا... اور ہوش کھونے سے پہلے نگینہ بیگم ایک لمحے میں جان چکی تھیں کہ... وہ دھواں عین ان کے خون کے اندر شامل ہو گیا تھا۔

وہ چیختے ہوئے کچن کے فرش پہ گری تھیں۔ سلطان صاحب اور اندرانی بھاگتے ہوئے اس طرف آئے۔ ان کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ جسم مرگی کے مریض کی طرح جھٹکے کھا رہا تھا۔

اور اس لمحے وہ جانتی تھیں کہ ماہر فرید پہ کیا جادو الٹا ہو گیا تھا۔

اس جادو نے نہ تو ان کے دماغ کو چھوا تھا نہ دل کو۔ اور نہ ہی کسی دوسرے عضو کو۔

وہ سیدھا ان کے خون میں داخل ہو گیا تھا۔

اور جو جادو خون میں داخل ہو جائے' اس کو نہ کوئی علاج نکال سکتا ہے نہ کوئی تعویز۔

ایک ماہ بعد نگینہ بیگم کو بلڈ کینسر ڈائیگنوز ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن۔

کشمالہ مبین کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تیز قدموں سے چلتی اس طرف آ رہی تھی۔ وہ ایک بحری جہاز کے عرشے جیسی جگہ تھی۔ ایک طرف عمارت۔ دوسری طرف گزرگاہ اور اس کے ساتھ ریلنگ جس کے پار پانی دکھائی دے رہا تھا۔

وہ ریلنگ کے کنارے کھڑا تھا۔ اس کی طرف سے کمر موڑے۔ کہنیاں ریلنگ پہ جمائے وہ پانی کو دیکھ رہا تھا۔

وہ اس کے عین پیچھے جا کے رکی۔ چند لمحے اس فریب کار کی پشت کو دیکھتی رہی۔

"کیف...."

وہ ایک دم پلٹا۔ اسے دیکھ کے جیسے اس کا سانس رک گیا۔ اور پھر چہرے پہ بہت سے جذبات

ابھرے۔ندامت ان میں سرفہرست تھا۔اس نے چہرہ جھکا دیا۔

''کشمالہ....''

"صبح جب صفورا کا میسج آیا کہ تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو تو میں انکار کرنا چاہتی تھی۔لیکن پھر سوچا' کیا حرج ہے۔"

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کو دیکھ رہی تھی۔

''کہو کیف... تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟"

صفورا کا کزن کیف جمال اس کے سامنے کھڑا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید کے تیز قدم اس گھر کے دروازے تک پہنچ کے سست ہو چکے تھے۔وہ باہر لگی سفید باڑ تک رکا۔

گیٹ کھلا تھا۔اندر پورچ میں ایک کار کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔وہ بنا چاپ کے چلتا دروازے تک آیا۔

اور بیل پہ انگلی رکھی۔

اگلے ہی لمحے دروازہ کھلا۔اور وہ نظر آئی۔

سیاہ بالوں کی پونی بنائے لڑکی جس کی سیاہ آنکھیں اسے دیکھ کے جیسے چمک اٹھی تھیں۔

"ماہر....خوش آمدید۔"

سبرینہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ سوم "وین کوور"

قسط نمبر:۱۵

کبھی کبھی تمہاری زندگی
بن جاتی ہے ایک جھولتی ہوئی کشتی کی مانند۔
ایک پرسکون سمندر میں۔
جہاں ہوا کی سرگوشی تک نہیں ہوتی۔
وقت ہے کہ ختم نہیں ہوتا۔
تم اندر کے خالی پن کے ہاتھوں
کوما جیسی غنودگی میں ڈوب جاتے ہو۔
پھر ایک دم سمندر درشت ہو جاتا ہے۔
اور تمہارے جذبات ہلا مارے جاتے ہیں۔
لیکن یہ دو متضاد کیفیات بھی برقرار نہیں رہتیں۔
تمہارے خالی پن میں چھپا ہے ڈر۔
تم پھوٹ پھوٹ کے روتے ہو۔
تم خوف سے بھرے ہو۔
تم چیختے چلاتے ہو۔
خود کو زخمی کرتے ہو۔
اور اس خوف کی گرفت میں،

بدترین طوفان میں،
تم پھر بھی عجیب سا خالی پن محسوس کرتے ہو۔
جیسے ایک گہری تھکاوٹ ہو۔
ایسے میں صرف موت ہے
جو مسلسل تمہارے جذبات کو پرجوش کرتی ہے۔
چاہے اس کے بارے میں سوچنا ہو
جب زندگی محفوظ اور باسی لگتی ہو۔
یا اس سے بچ کے بھاگنا ہو
جب زندگی خطرے میں مزید قیمتی محسوس ہوتی ہو۔
لائف بوٹ (life boat) کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔
یہ شطرنج کی اینڈ گیم جیسی ہے
جس میں چند ہی مہرے باقی ہوں۔
حالات اس سے سادہ نہیں ہو سکتے۔
سب کچھ اس سے زیادہ داؤ پہ نہیں لگا ہو سکتا۔
سب سے مشکل، مار دینے والا وقت۔
اگر تمہیں اپنے بقا کی جنگ لڑنی ہے
تو تمہیں حالات کے مطابق
کچھ فیصلے کرنے ہوں گے۔
بہت کچھ ایسا ہو گا
جس پہ سمجھوتہ کرنا ہو گا۔
بہت کچھ قربان کرنا ہو گا۔
تم اپنی خوشی کشید کرو گے
جہاں سے ممکن ہو گا۔

تم اس مقام تک پہنچ جاؤ گے
جہاں تم جہنم کے نچلے گڑھے میں ہو گے
پھر بھی تم سینے پہ بازو لپیٹے
چہرے پہ مسکراہٹ طاری کیے ہو گے۔
اور تم خود کو محسوس کرو گے
کائنات کا سب سے خوش قسمت انسان۔
کیوں؟
کیونکہ تمہارے
پیر تلے ہو گی۔
ایک چھوٹی سی
مری ہوئی مچھلی۔

(Yann Martel, Life of Pi)

وہ عرشے کی ریلنگ کے ساتھ کھڑی تھی۔ ہوا سے اس کے بال پیچھے کو اُڑ رہے تھے۔ کوٹ کے کالر کھڑ کھڑا رہے تھے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے، وہ آنکھیں مشکوک انداز میں چھوٹی کیے سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھ رہی تھی۔
صفورا کا کزن کیف جمال اس کے سامنے تھا۔
"تم مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟" وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔
کیف بدقت کھنکھارا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ساڑھے تین سال قبل

وہ ایک سفید کمرہ تھا۔ دیواریں بے رنگ اور پھیکی تھیں۔ وسط میں دو آرم چیئرز رکھی تھیں۔

یاسمین ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، گھٹنوں پہ نوٹ پیڈ رکھے، سامنے بیٹھے ماہر کو دیکھ رہی تھی۔ فرنچ چوٹی میں بندھے بال، چند گالوں کو چھوتی لٹیں اور ہمیشہ کی طرح شفاف نیلی آنکھیں۔

" کیسا محسوس کر رہے ہو؟"

سامنے بیٹھا نوجوان اس سے مختلف تھا جسے تم نے چند سطور اوپر دیکھا تھا۔ اس کا لباس صاف تھا۔ چہرہ کلین شیو تھا۔ حلقے ویسے ہی تھے مگر ہونٹوں پہ ایک مسکراہٹ تھی۔

" مجھے اپنے سگارز چاہئیں۔"

وہ اس کے انداز پہ مسکرا دی۔

"میرا خیال تھا اس قید (نگاہیں گھما کے اطراف میں دیکھا) میں تمہیں سگارز کی عادت چھوٹ گئی ہوگی۔"

"عادت چھوٹی نہیں تھی۔ بھول گئی تھی۔ اب سب یاد آنے لگا ہے۔"

"اور وہ چہرے؟" یاسمین نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''کیا وہ اب بھی خوفزدہ کرتے ہیں؟''

ماہر نے نفی میں گردن ہلائی۔

''میں کبھی ان چہروں سے خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔'' وہ گردن موڑ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ دھوپ اس رخ پڑ رہی تھی کہ یاسمین کو اس کی بھوری آنکھیں سائیڈ سے سنہری دکھائی دے رہی تھیں۔

''پھر کیا ڈراتا تھا؟''

''ان کی آوازیں۔''

" آوازیں؟"

ماہر نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اس کے ہونٹوں پہ ایک مغموم سی مسکراہٹ تھی۔

''جانتی ہو آواز کیا ہوتی ہے؟'' اس کی آنکھوں میں تکان تھی۔ ''یہ دنیا آواز سے بنی تھی۔ جب اللہ نے کہا کن۔ اور یہ دنیا آواز سے ختم ہوگی۔ جب صور پھونکا جائے گا۔ آواز ہر خوف کی بنیاد ہے۔''

وہ خاموشی سے نوٹس لیتی اس کو سنے گئی۔

''انسان کو نیند سے کیا چیز جگاتی ہے؟ خوشبو؟ ذائقہ؟ کوئی منظر؟ نہیں۔ نیند میں ڈوبا شخص مردے کے جیسا ہے۔ اس کو نیند سے آواز جھنجھوڑ کے نکالتی ہے۔ کسی انسان کی۔ کسی الارم کی۔ میں ان کے چہروں سے نہیں ڈرتا

تھا۔ میں ان کی آوازوں سے ڈرتا تھا۔''

''اور اب؟'' یاسمین نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ پرسکون تھا۔ لیکن تھکا ہوا بھی تھا۔

''مجھے اس خوف سے نکالنے والی بھی آواز ہی تھی۔ تمہاری آواز۔''

وہ سادگی سے مسکرادی۔

''تمہاری آواز مجھے اس رات سنائی دی تھی۔ اور پھر جیسے ہر شے کی حقیقت سمجھ میں آنے لگی۔''

''اب تم کیا کرو گے؟''

''جب تک مجھے اس ادارے سے کلیئرنس نہیں ملتی' میں اپنے زخم بھروں گا۔ وہ تمام کام جو میں اتنے برس نہیں کرسکا۔ وہ تمام عمارتیں جو میں نہیں بنا سکا کیونکہ میں صرف پیسہ بنا رہا تھا۔ مجھے زبانیں سیکھنے کا شوق تھا۔ کیلی گرافی کا شوق تھا۔ کتابیں پڑھنے کا شوق تھا۔ میں آرٹسٹ تھا۔ میرے باپ نے مجھے بزنس مین بنا دیا۔ مجھے اپنا آرٹ واپس چاہیے۔''

(ماہر اپنے کمرے کے فرش پہ بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے چند کاغذ بکھرے پڑے تھے اور وہ بہت انہماک سے ایک لکیر کھینچ رہا تھا۔ گریفائٹ پنسلز۔ اسکیچ بکس۔ رنگ۔ نقشے۔ وہ ان سب میں گھرا بیٹھا تھا۔)

''اور تمہارے خوف؟''

''ہم صرف ان چیزوں سے ڈرتے ہیں جن کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔''

(زیاد سلطان تیز قدموں سے بھاگتا ہوا ہسپتال کے کاریڈور میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک کمرے کے سامنے وہ ٹھہرا۔ دروازے کے شیشے کے شگاف سے وہ اندر کا منظر دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں نم ہوئیں۔
بیڈ پہ نالیوں سے جکڑی نگینہ بیگم آنکھیں موندے دکھائی دے رہی تھی۔)

''انسان اپنے خوف کو سمجھ جائے تو وہ خوف ہوا ہو جاتا ہے۔''

(زیاد ان کے بیڈ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھامے 'وہ یاسیت سے ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔
نگینہ بیگم نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔وہ چند دنوں میں ہڈیوں کا ڈھیر بن چکی تھیں۔
"یہ سب ایک شخص کی وجہ سے ہوا ہے۔" ان کی آواز کانپی۔"اس نے میرے اوپر جادو کیا ہے۔" تنفس تیز ا تھا۔

"کون؟" زیاد کے اعصاب تن گئے۔آنکھوں میں سرخی سی اتری۔

"ماہر فرید۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔"وہ لڑکی جس کو تم اب تک مار نہیں سکے 'اس کے دل پہ بھی اسی شخص کا قبضہ ہے 'زیاد۔وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

زیاد کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔کنپٹی کی نس ابھرنے لگی۔

یہ وہ پہلی دفعہ تھا جب زیاد سلطان کے دل میں ماہر فرید کی نفرت کا بیج اپنے قدم جمانے لگا تھا۔اس سے پہلے ماہر فرید اس کی ماں کے کلائنٹ کا دشمن تھا۔ایک سائیڈ کریکٹر۔اور اب....اب وہ زیاد سلطان کی کہانی کا ولن تھا۔

"ماہر فرید سے اس سے برا بدلہ کیا ہوگا کہ تم اس کی محبوب لڑکی کو جان سے مار دو؟")

"میں یہ نہیں کہتا کہ میں اب ٹھیک ہوں۔وہ کسی ناسور کی طرح میرے جسم کو چوس رہے تھے۔ان کے جانے سے زخم کا گھاؤ مندمل نہیں ہوگیا۔اس میں وقت لگے گا۔"

(وہ انسٹی ٹیوٹ کے لان میں ٹہل رہا تھا۔اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ارد گرد وہیل چیئرز پہ آتے جاتے مریضوں سے بے نیاز 'سر جھکائے وہ اپنی تسبیح کے دانے گرا رہا تھا۔درختوں کے قریب سے اٹھتی سرگوشیاں کان سے ٹکرائیں لیکن وہ چہرے کے تاثرات سپاٹ رکھے 'سامنے سے گزر گیا۔)

"اب بھی رات کو میرا جسم کانپنے لگتا ہے۔ان کے زہر کا اثر آج بھی محسوس ہوتا ہے۔میں اب بھی ان کی آوازیں سن سکتا ہوں۔جادو ختم ہو جائے تب بھی انسان پہلے جیسا نہیں رہتا۔وہ حساس ہو جاتا ہے۔"

(وہ کمرے میں دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ہاتھ میں ایک کتاب پکڑی تھی جسے وہ پڑھتا جا رہا تھا۔دفعتاً

درختوں کے قریب سے سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے کھلی کھڑکی کو دیکھا۔ پھر کتاب رکھ دی۔ کھڑی کی کنڈی بند کی۔ زیرِ لب اعوذباللہ پڑھا۔ تب ہی دروازہ کھلا۔ گلابی اسکربز والی لڑکی ٹرے اور پانی کا گلاس لیے کھڑی تھی۔ وہ زخمی سا مسکرایا۔ گولیاں ٹرے سے اٹھا کے پھانکیں۔ پانی کا گھونٹ بھرا۔ ایک خاموش نظر کھڑکی پہ ڈالی اور بستر کی طرف بڑھ گیا۔)

''میرا جسم حساس ہو چکا ہے۔ جب میرے قریب سے ارواح خبیثہ گزرتی ہیں، تو میں انہیں محسوس کر سکتا ہوں۔ میں ان کی سرگوشیاں سن سکتا ہوں۔''

(وہ اب کھڑکی کے سامنے کشن کے سہارے فرش پہ بیٹھا تھا۔ ٹوٹا شیشہ اب نئے شیشے سے تبدیل ہو چکا تھا۔ اور اس پر بہت سے کاغذ چپکے تھے۔ نمبرز۔ لکیریں۔ نقشے۔ وہ انہماک سے ایک کاغذ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ پیچھے بستر اور فرش دونوں پہ کتابوں کے انبار لگے تھے۔

دروازے پہ دستک ہوئی۔ اسٹاف نے اندر جھانکا۔

''تمہارا ملاقاتی تمہارا انتظار کر رہا ہے؟''

''کون ہے؟'' وہ کاغذ پہ جھکا رہا۔

''مسٹر مالک فرید۔''

''اس سے کہو وہ میرا کچھ نہیں لگتا۔'' اب وہ گریفائٹ پنسل سے ایک خاکے میں رنگ بھر رہا تھا۔)

''اور مالک؟ کیا تم اسے معاف نہیں کرو گے؟''

''اس نے اس وقت مجھ پہ اعتبار نہیں کیا جب مجھے اس کی ضرورت تھی۔ مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اب مجھے کسی کی بے اعتباری کا خوف نہیں۔''

''خوف کے آگے کیا ہے، ماہر؟''

(نگینہ بیگم اندرانی کا ہاتھ پکڑے، اسٹک کے سہارے گھر میں داخل ہو رہی تھیں۔ وہ چند دنوں میں جیسے بوڑھی

ہوگئی تھیں۔نحیف چہرہ۔جھکی ہوئی کمر۔سفید بال۔

''میری تسبیح لاؤ۔''انہوں نے حکم دیا۔اندرانی نے پریشانی سے انہیں دیکھا۔

''سرکار ابھی آپ کی جسمانی حالت ایسی نہیں کہ.....''

''میری تسبیح لاؤ.....''ان کی آنکھیں سرخ انگارہ ہوئیں۔)

''خوف آگ سے بنا ہے۔اس کی تپش جھلسا دیتی ہے۔مگر ہم انسان پانی سے بنے ہیں۔ہمیں زندہ رہنے کے لیے پانی چاہیے۔''

(اندرانی نے تسبیح تھمائی تو انہوں نے دیکھا۔ان کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

انہوں نے آنکھیں بند کیں اور منتر پڑھنا چاہا۔وہ سب کہاں گئے؟ان کے بہترین موکل۔پہلے آصف اور اب وہ چاروں۔وہ نہیں تھے۔پکارنے پہ بھی نہیں آئے۔وہ بھاگ گئے تھے۔وہ آزاد ہو گئے تھے۔ان کے برسوں کی محنت رائیگاں گئی تھی۔

ان کے جسم سے جیسے ساری توانائی نچڑنے لگی۔تسبیح ہاتھ سے گر گئی۔نڈھال سی پیچھے کو گرتی گئیں۔

ان کا جسم ابھی چند ماہ تک کسی نئے جادو کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ماہر فرید نے نہ جانے کیا کیا تھا' لیکن سب کچھ الٹا ہو گیا تھا۔)

''خوف کے آگے پانی ہے۔ایک گہرا سمندر اور میں تیرتا ایک اکیلا انسان جو سروائیول کی جنگ لڑ رہا ہے۔''

(زیاد کے بیڈ پہ ایک کھلا بیگ رکھا تھا جس میں وہ تیزی سے چند چیزیں ڈال رہا تھا۔آہٹ پہ پلٹا۔اندرانی چوکھٹ میں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

''سرکار اس ہفتے گھر آ جائیں گی۔کیا پھر وہ کوئی....''وہ ہچکچایا۔''کوئی دم یا تعویز نہیں کر سکیں گی؟''

ان کے گھر میں جادو کا لفظ کہنا منع تھا۔نگینہ سلطان نے بچپن سے زیاد کو ایک لفظ سکھایا تھا۔دم' تعویذ' دعا۔بس وہ یہی کرتی تھیں۔اور وہ جانتا تھا۔وہ سب جانتا تھا لیکن اس کی لغت میں بس یہی الفاظ تھے۔

''ان کا دم ان کے اوپر پلٹ کے آیا ہے۔ جب ایک دفعہ دم تعویذ پلٹ کے آئے تو ان کو کرنے والا کئی ماہ تک کچھ اور نہیں کر سکتا۔اب جو کرنا ہے آپ کو کرنا ہے۔''اس نے بیگ کی زپ بند کی۔''میں سرکار کے حکم کی تعمیل کے لیے واپس جا رہا ہوں۔ان کا خیال رکھنا۔''اس کا چہرہ پتھر کے جیسا تھا۔)

''اور اس تاریک سمندر میں تیرتے انسان کو کس شے کی ضرورت ہوتی ہے؟''

''سروائیو کرنے کی تمنا' اپنی سمت کا معلوم ہونا' اور تصور۔''

''تصور؟''

(شمس تیزی سے گھر میں داخل ہوا۔اس کا چہرہ سفید تھا۔وہ سیدھا اپنے کمرے میں آیا۔رابیل پریشانی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تمہیں اور ہلال کو یہاں سے نکلنا ہے۔تم پاکستان جاؤ گی۔میرے بھائی کے گھر۔میں کچھ دن بعد آؤں گا۔ مجھے کچھ کام کرنے ہیں۔"وہ تیزی سے کہتا لاکر سے کچھ نکال رہا تھا۔نوٹوں کے بنڈل۔ پاسپورٹ۔ایک پستول۔رابیل جہاں تھیں وہیں کھڑی رہ گئیں۔)

''ہاں 'تصور۔یہ تصور کرنا کہ میں کبھی اس سمندر کو پار کر لوں گا۔ میں ہر اس شے کے ساتھ سمجھوتہ کر لوں گا جو پچھلے سات ماہ میں ہوئی۔اور اس سے پہلے بھی۔میرے باپ کے جسم کا قتل۔میری ماں کے دل کا قتل۔میری روح کا قتل۔ میں سب کے ساتھ سمجھوتہ کر لوں گا۔''

(ماہر نیلے ٹراوزر شرٹ میں ملبوس قلعے کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔لاؤنج میں آرام دہ صوفوں پہ جگہ جگہ اپنے آپ میں مگن مریض بیٹھے تھے۔آخری زینے پہ وہ رکا۔کھڑکی کے پردے کے ساتھ مالک فرید کھڑے تھے۔سیاہ سوٹ میں ملبوس۔کمر پہ ہاتھ باندھے۔

اس کی پیشانی پہ بل اتر آئے۔وہ خاموشی سے پلٹ گیا۔

''کل کسی نے شمس کو قتل کر دیا ہے۔''

وہ جہاں تھا وہیں ٹھہر گیا۔

''اور ساتھ میں سبرینہ کو بھی۔''

وہ بے یقینی سے ان کی طرف پلٹا۔ آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔

''سبرینہ کے فون پہ کسی نے تمہاری طرف سے میسج بھیجا تھا۔ وہ تم سے ملنے گئی تھی جہاں یہ سب ہوا۔'' وہ کہہ رہے تھے۔

''پولیس تم سے پوچھ گچھ کے لیے آ رہی ہے۔''

وہ چند لمحے ان کو دیکھتا رہا۔ پھر واپس پلٹ گیا۔ تیز تیز قدم اٹھاتا وہ اوپر اپنے کمرے تک آیا۔ روم نمبر ۵۵۵۔ دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوا۔ دروازہ تیزی سے بند کیا۔ اور کھڑکی کے ساتھ فرش پہ بیٹھ گیا۔

باہر درخت دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان کی سرگوشیاں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ ماہر نے سختی سے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے اور سر گھٹنوں میں دے دیا۔ اس کا جسم پھر سے کانپنے لگا تھا۔)

''جن لوگوں کے سینے میں چھریاں گھونپی گئی ہوں' ان سے نہیں پوچھنا چاہیے کہ کیا وہ اپنی خوشی تلاش کر رہے ہیں؟ وہ خوشی کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ وہ سروائیول کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں۔ انہیں سروائیو کرنا ہوتا ہے۔''

(کچن کی کھڑکی کا شیشہ چھناکے سے ٹوٹا۔ پھر سیاہ داستانے والا ہاتھ اندر آیا اور لاک کھولا۔ چند لمحوں بعد زیاد سلطان داخل ہوتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پہ سیاہ ماسک تھا اور آنکھیں دائیں بائیں ہر جگہ کو اسکین کر رہی تھیں۔

وہ گھر خالی تھا۔ شمس اور رابیل کا گھر۔

لاؤنج میں ایک فوٹو فریم تھا جس میں رابیل اور شمس کے ساتھ ایک چھوٹی سی بچی مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھوری اور پلکیں مڑی ہوئی تھیں۔ اور گال میں ڈمپل پڑتا تھا۔

وہ چند لمحے اس فریم کے سامنے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

یہ لڑکی ہر شے کی قصوروار تھی۔ سب اسی کی وجہ سے شروع ہوا تھا۔

زیاد سلطان نے زندگی میں کبھی کسی سے اتنی نفرت نہیں کی تھی جتنی اسے اس لڑکی سے محسوس ہوئی تھی۔)

''اور وہ آوازیں؟''

''میں اب صرف ان کو نظر انداز کرتا ہوں۔ اگر ان کو سننے لگوں کو وہ مجھے پھر سے پاگل کر دیں۔''

''ان کو نظر انداز کرنے کے لیے کیا کرو گے؟''

''مجھے خود کو heal کرنا ہے۔ مجھے اس حالت سے نکلنا ہے۔ انہوں نے میری ہر اس شے کو ایکسپلائٹ کیا جو میری شخصیت کا حصہ تھی۔ میرا غصہ۔ میرا کام کرنے کا شوق۔ مجھے ان سب کو بدلنا ہے۔''

(اس قلعے نما عمارت کا گیٹ کھلا اور وہ پیدل چلتا ہوا باہر نکلا۔ اس نے ابھی تک ہسپتال کا لباس پہن رکھا تھا۔ سورج تیز تھا۔ بہت عرصے بعد بادلوں کی اوٹ سے ایسا سورج نکلا تھا۔

ماہر نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا لیا۔ سامنے ایک کار کھڑی تھی۔ مالک فرید اس کار کی پچھلی نشست پہ بیٹھے تھے۔ ڈرائیور دروازے پہ مستعد سا کھڑا تھا۔ وہ قدم قدم چلتا ان تک آیا۔ مالک نے بٹن دبایا۔ کھڑکی کا شیشہ نیچے ہوا۔ وہ ان کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے ہتھیلی پھیلائی۔

ڈرائیور نے قدرے تامل سے چابی اس کے ہاتھ پہ رکھی۔ وہ ان کو دیکھے بنا پلٹ گیا۔ قریب میں ایک ہارلے ڈیوڈسن (بائیک) کھڑا تھا۔ اس نے بائیک پہ رکھا ہیلمٹ پہنا۔ اور چند لمحوں بعد وہ ان کی کار کے قریب سے زن سے گزر گیا۔

عبدالمالک فرید خاموش نظروں سے اس کو جاتے دیکھے گئے۔ پھر بٹن دبایا۔ شیشہ اوپر اٹھنے لگا۔)

''یہاں سے نکل کے تم کیا کرو گے؟''

''میں اپنے assets کو کمپنی سے علیحدہ کروں گا۔ اور پھر میں یہ ملک چھوڑ دوں گا۔''

(وہ ہوٹل کا ایک کاریڈور تھا۔ کمروں کے دروازوں کی قطاریں تھیں۔ مالک فرید ایک دروازے کے سامنے رکے۔ اس کا نمبر ۵۵۵ تھا۔ وہ تلخی سے مسکرائے۔ پھر انگلی کی پشت سے دستک دی۔

وہ اندر بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ گود میں رکھا تھا اور اسکرین کی روشنی میں چہرہ دمک رہا تھا۔ دستک پہ چونک کے دروازے کو دیکھا۔ پھر لیپ ٹاپ فولڈ کر کے اٹھنے لگا تھا جب آواز سنائی دی۔

''اس میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں۔وہ مجھے یہاں چھوڑ کے بھول گیا تھا۔اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ میں یہاں کس حال میں ہوں۔اور میں اب نہیں چاہتا کہ اسے معلوم ہو۔اسی لیے میں اس سے نہیں ملتا۔نہ مجھے اس کمپنی میں واپس جانا ہے۔''

(زیادا ایک گھر کے سامنے کھڑا تھا۔سایے میں۔اندھیرے میں۔کوئی اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔وہ درختوں میں ایک سایہ لگتا تھا۔گھر کی ایک کھڑکی کا پردہ ہلکا سا ہٹا تھا۔
اس سے جھانکو تو اندر کچن ٹیبل پہ ایک ننھی لڑکی بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔اس کے لمبے گھنگھریالے بال کندھوں پہ بکھرے تھے۔وہ سر جھکائے ایک میوزک باکس کی چابی گھما رہی تھی۔وہ باکس دراصل ایک ٹاور کی شکل کا تھا جس کے اوپر رلہنزل اپنے سرخ سنہرے بال لٹکائے بیٹھی تھی۔
رابیل چولہے کے قریب کھڑی نوڈلز بنا رہی تھیں۔)

''آسمان سے فرشتے بھی اتر کے گواہی دیں' تب بھی یہ لوگ میرا اعتبار نہیں کریں گے۔لوگ مجھے میری کریڈیبلٹی کی وجہ سے بزنس دیتے تھے۔اس جادو نے مجھ سے وہی چھین لی۔''

(رابیل کچھ لینے کے لیے لاؤنج میں آئی تھیں۔ایک دم چونک کے رک گئیں۔وہاں کوئی بیٹھا تھا۔اندھیرے میں۔کوئی سایہ ہو جیسے۔
''ہیلو مسز شمس الدین۔''
آواز پہ وہ ڈر سی گئیں۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ بول سکتیں' اس نے جھکا ہوا ہاتھ اونچا کیا۔اس میں ایک سائلینسر لگا ریوالور تھا۔
''میرے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔میں ہلال کو لینے آیا ہوں۔'' کہتے ہوئے وہ اٹھا۔وہ واپس پلٹیں۔تیزی سے پیچھے کو بھاگیں لیکن وہ اس سے تیز نہیں تھیں۔)

''میں ان لوگوں میں واپس نہیں جاؤں گا جن کے سامنے مجھے میرے باپ کے دفتر سے بے دخل کیا گیا تھا۔اور

وہ لوگ جو مجھ سے ملنے کبھی یہاں نہیں آئے۔میری ماں ان میں سرِ فہرست ہے۔''

(ہلال کھڑکی کی طرف کروٹ لیے لیٹی تھی۔آہٹ پہ اس کی آنکھیں ایک دم کھلیں۔چونک کے اٹھ بیٹھی۔
وہ اس کے سرہانے کھڑا تھا۔اسے دیکھ کے ہلکا سا مسکرایا۔
''ہیلو رابنزل۔تمہیں میرے ساتھ کہیں جانا ہے۔''
ہلال کی آنکھوں میں بہت کچھ ایک ساتھ ابھرا۔بے بسی۔خوف۔اور قبولیت۔
وہ بالآخر اسے لینے آچکا تھا۔
کمرے سے نکلتے ہوئے ہلال نے دیکھا تھا۔رابیل کی لاش لاؤنج کے فرش پہ گری ہوئی تھی۔ان کے قریب ایک پلاسٹک بیگ رکھا تھا۔)

''کیا تم کبھی اپنی ماں کو معاف کرسکو گے؟''
''کس کس چیز کے لیے؟''
''تمہارے بیمار باپ کو چھوڑنے کے لیے۔غلط شادی کے لیے۔''

(وہ ہیلمٹ پہنے' بائیک کے ہینڈلز پہ ہاتھ رکھے' ایک مصروف شاہراہ پہ اسے بھگا رہا تھا۔طویل سڑکیں۔نہ ختم ہونے والی راتیں۔ایسے میں فون بجنے لگا۔اس نے کان میں لگا ائیر پوڈ آن کیا۔
''ماہر.....'' مالک کی آواز گونجی۔وہ کال بند کرنے لگا جب.....
''کسی نے شمس کے بھائی کے گھر کو جلا دیا ہے۔رابیل اور ہلال اس کے اندر تھیں۔''
وہ کچھ اور بھی کہہ رہے تھے لیکن اس کی نگاہوں کے سامنے صرف دھواں بھر رہا تھا۔اس نے اپنے ہاتھ ہینڈل سے سلپ ہوتے دیکھے۔اور بائیک کسی کھلونے کی طرح ایک ٹرک کے اندر جا لگا۔
اب ہر طرف خاموشی تھی۔)

''کیا تم اپنی ماں کو کبھی معاف کرسکو گے؟''

(وہ ہسپتال کے بیڈ پہ آنکھیں بند کیے لیٹا تھا۔ایک ٹانگ پٹیوں میں جکڑی ہوئی تھی۔جسم کے ساتھ کئی نالیاں اور تاریں لگی تھیں۔اس کے سرہانے کھڑے مالک فرید دھیرے دھیرے کچھ کہہ رہے تھے۔اس کی بند آنکھیں گیلی تھیں۔بار بار نفی میں سر ہلاتا۔

''ہلال کہاں ہے؟'')

''کیا تم اپنی ماں کو کبھی معاف کر سکو گے؟''

(''گھر کو جلایا گیا ہے' ماہر۔رابیل کی موت سانس گھٹنے سے ہوئی ہے۔اور ہلال کی لاش نہیں ملی۔''
اس نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔
''لاش نہیں ہے اس کی۔وہ زندہ ہے۔''اس کے چہرے پہ تکلیف تھی لیکن جب وہ بولا تو انداز دوٹوک تھا۔
مالک نے گہری سانس لی۔وہ تھکے تھکے دکھائی دے رہے تھے۔
''پولیس اس کی تلاش میں لگی ہے۔لیکن....اب وہ نہیں ملے گی۔کھوئے ہوئے بچے کبھی نہیں ملتے' ماہر۔''
''وہ ٹھیک ہے۔جس دن اسے کچھ ہوا' مجھے یہاں معلوم ہو جائے گا۔''اس نے آئی وی لائن لگا ہاتھ اونچا کیا اور انگلی سے سینے پہ دستک دی۔پھر گردن موڑ لی۔)

''کیا تم کبھی اپنی ماں کو معاف کر سکو گے؟''

(ہسپتال کے بستر پہ لیٹے ماہر کو بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔بارش میں بھیگتا نوجوان لڑکا۔اپنی ماں کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا' ان کی منت کرتا کہ وہ شمس سے شادی نہ کرے۔پھر ان کی فون کالز کاٹنا۔ان کو دیکھ کے راستہ بدل لینا۔کسی فیملی فنکشن پہ ملاقات ہو تو ان کو سلام کیے بغیر آگے بڑھ جانا۔اور پھر....اس نے آنکھیں بند کیں۔گرم گرم آنسو بلے اور تکیے میں گم ہو گئے۔
پھر ہلال آئی۔اور سب بدل گیا۔وہ ان سے بات کرنے لگا تھا۔وہ اس سے ملنے انسٹی ٹیوٹ میں نہیں آئی تھیں۔وہ ان کا منتظر تھا۔البتہ اس نے سوچا تھا کہ جب وہ باہر آئے گا تو وہ ان سے ملے گا۔ان سے ایک دفعہ بات

کرے گا۔ان کو یاد دلائے گا کہ کس طرح اس نے ان کو شمس سے شادی سے منع کیا تھا۔کیسے شمس نے ان سب کی زندگیوں میں زہر گھولا تھا۔

لیکن اب....سب ختم ہو گیا تھا۔)

''کیا تم کبھی اپنی ماں کو معاف کر سکو گے؟''

''نہیں۔کبھی نہیں۔میں ان کو ان کے غلط فیصلے کے لیے کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے کاریڈور کی دیواریں سفید اور بے رنگ تھی۔امید سے خالی۔مایوس دیواریں۔بیربل ایک بنچ پہ بیٹھا تھا۔یہ جگہ ماہر کے کمرے کے عین سامنے تھی۔

وہاں زارا دائیں بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔اس کے کھلے بال شانوں پہ بکھرے تھے۔اور کانوں میں سنہرے کیکڑے جیسے ائیر رنگز تھے۔

''مجھے یقین نہیں آتا۔''وہ دائیں بائیں ٹہلتی بڑبڑا رہی تھی۔بے بسی۔غصہ۔کیا نہ تھا اس کے انداز میں۔

بیربل نے اکتاہٹ سے اس کو دیکھا۔

''مجھے آ گیا ہے۔''وہ لمبے بالوں کی کس کے پونی بنائے' آستینیں پیچھے موڑے بیٹھا تھا۔پرنٹڈ آدھی استین کی شرٹ اور کلائیوں میں پہنی زنجیریں۔وہ مسلسل اضطراب سے ایک گھٹنا ہلا رہا تھا۔

''پہلے مینٹل ہاسپٹل اور اب ٹانگ کا فریکچر۔کیا ماہر کی زندگی میں کچھ نارمل ہو سکتا ہے؟''

وہ بار بار سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

''جب اس کے اینگر ایشوز شروع ہوئے تو تم اسے چھوڑ کے چلی گئی تھیں۔وہ ہسپتال سے رہا ہوا تو تم اس کی زندگی میں واپس آ گئیں۔اب پھر سے اس کو چھوڑ کے جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہو تو مت ڈھونڈو۔''وہ جل کے کہہ رہا تھا۔''سیدھا کہہ دو کہ میں ہر دفعہ کی طرح کرائسس میں اس کو چھوڑنا چاہ رہی ہوں۔''

زارا نے رک کے اسے گھورا۔

"تم بھی تو اس کے ساتھ نہیں ہوتے۔"

"تب نہیں ہوتا جب اس کو میری ضرورت نہیں ہوتی۔جب پڑتی ہے تو میں آ جاتا ہوں۔" تلخی سے سر جھٹکا۔

مگر زارا نے جھرجھری لی۔

" آئی کانٹ ٹیک اٹ....."

"اینی مور۔" بیر بل نے بڑبڑا کے اس کا فقرہ مکمل کیا۔ وہ غصے سے اس کو دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ وہ واقعی وہاں سے جا رہی تھی۔ کلاسک زارا۔ اس نے ہونہہ میں سر جھٹکا۔ پھر دیکھا۔ مالک فرید سامنے سے چلے آ رہے تھے۔ ایک افسوس بھری نظر زارا پہ ڈالی جو باہر جا رہی تھی۔

وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ماں کہاں ہیں؟'' وہ بے چین سا تھا۔ ''میں پرسوں سے ان کو کالز کر رہا ہوں۔ ان کے سارے نمبر آف ہیں۔''

مالک فرید اس کے عین سامنے آ رکے۔ ان کا چہرہ ویسا ہی تھا۔ کسی روبوٹ کے جیسا۔

البتہ انہوں نے اپنا بھاری ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھا۔ بیر بل کو اچنبھا ہوا۔

ان کے اگلے الفاظ کسی سلوموشن فلم کی طرح ادا ہوئے۔ وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ ان کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ وہ چند لفظ واضح سن سکتا تھا۔ چند لفظ دھندلے تھے۔ بارش میں چلتی کار کی ونڈ اسکرین کی طرح دھندلے جس پہ بار بار وائپر چل رہے ہوں۔

اسلام آباد والا شمس کے بھائی کا گھر۔

پراسرار طور پہ آگ لگنا۔

رابیل کی جلی ہوئی لاش ملنا۔

لاش کو گولی بھی ماری گئی تھی۔

ہلال غائب تھی۔

"ہلال کی گمشدگی کو دو دن گزر چکے ہیں۔ گمشدہ بچے اگر پہلے بارہ گھنٹوں میں نہ ملیں تو...."

"تو وہ کبھی نہیں ملتے۔" بیر بل نے ان کا فقرہ مکمل کیا۔ پھر وہ نڈھال سا بنچ پہ گر گیا۔ گم صم۔ ساکت۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ہسپتال کے کمرے میں لیٹا تھا۔ ایک ٹانگ پٹیوں سے جکڑی تھی۔ دائیں بائیں ہر طرف پھول رکھے تھے۔ وہ سر جھکائے کتاب کھولے اسے پڑھ رہا تھا جب دروازہ کھلا۔ سفید بالوں والا بوڑھا آدمی اندر داخل ہوا۔ ماہر نے نگاہ اٹھا کے انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھ تلے نیل کا نشان تھا۔ پھر چہرہ واپس کتاب پہ جھکا دیا۔ اس کی

آنکھیں سرخ تھیں لیکن اب تک وہ خشک ہو چکی تھیں۔

مالک فرید خاموشی سے کاؤچ تک آئے اور اس پہ بیٹھتے ہوئے جیب سے کچھ نکال کے رکھا۔ ماہر نے چونک کے دیکھا۔ وہ کیوبن سگارز تھے۔ اس نے مالک کے چہرے کو دیکھا۔ وہ جھک کے دو سگار نکال رہے تھے۔ پھر سیدھے ہوئے۔ چاقو سے اسے تراشا۔ پھر ایک اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے کتاب موڑ کے رکھ دی اور سگار تھام لیا۔

وہ اب لائٹر جلا رہے تھے۔ وہ انہیں دیکھے گیا۔ پہلے انہوں نے اپنا سگار سلگایا۔ پھر نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس نے فوراً نگاہ سگار پہ جما دی۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کے اس کے سگار کو شعلہ دکھایا۔

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ کمرے میں دھواں جمع ہونے لگا۔ اس سے پہلے کہ فائر الارم بجتا' مالک فرید اٹھے اور کھڑکی کھول دی۔

''یہ تمہیں کہاں سے ملے؟'' ماہر نے سگار لبوں سے نکالا اور الٹ پلٹ کے اس کا جائزہ لیا۔ یہ ان پرانے سگارز میں سے تھے جو اس کے خیال میں اس کے ملازم غائب کر دیتے تھے۔

''تمہارے ڈائننگ روم کے ریک کے نچلے خانے میں۔''

''وہاں کس نے رکھے؟'' وہ چونکا۔

مالک نے پلٹ کے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ جس کا ہاتھ بس اسی خانے تک جاتا تھا۔''

وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔

''اس کو تمہارے سگار ناپسند تھے۔ وہ جب آتی تھی' ان کو چھپا دیتی تھی۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟'' اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹکا۔

''میں نے اسے یہ کرتے ہوئے کئی دفعہ دیکھا تھا۔''

''مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میں نے کئی ملازم اسی وجہ سے فارغ کیے تھے کہ.....'' اس کی آواز رندھ گئی۔

''میں ہر بات بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔''

ایک کش بھرا۔ اور اس کی طرف پلٹے۔

''تم اب دوبارہ بائیک نہیں چلاؤ گے۔'' ان کا لہجہ حتمی تھا۔

اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مالک فرید نے ایک نگاہ اس کی ٹانگ کی پٹی پہ ڈالی۔ پھر شانے اچکائے۔

''ٹانگ ہی ہے۔ ٹانگیں ٹوٹتی رہتی ہیں۔ جلد ٹھیک ہو کے گھر آؤ۔''

اور باہر نکل گئے۔

اس نے اَدھ پیا سگار ٹریش کین کی طرف اچھال دیا۔ وہ اب ان کو کبھی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا۔

وہ ٹریش کین میں پھینکے سگارز کو دیکھ رہا تھا۔ آنسو آنکھ کے کنارے پہ اٹکے تھے۔ ذہن میں ایک تصویر سی ابھر رہی تھی۔ چاند کے ادوار۔ ہلال سے بدر اور بدر سے ہلال تک کا سفر۔

''جب آپ واپس آؤ گے تو میں یہاں نہیں ہوں گی۔''

''میں انتظار کروں گی۔''

''بدر کا انتظار۔ وہ میرا دوست ہے۔ ہم ساتھ بڑے ہوں گے۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے سگار کے انگارہ ہوئے کنارے کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک سفید ٹوسون سڑک پہ تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ اس کے شیشے سیاہ تھے۔ باہر پھیلے سرسبز کھیت سیاہی کا چشمہ چڑھائے دکھائی دیتے تھے۔

فرنٹ سیٹ پہ وہ بیٹھی تھی۔ گھنگریالے لمبے بال کمر پہ گر رہے تھے۔ سیٹ بیلٹ پہنی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھ زپ ٹائیز سے سامنے کو بندھے تھے۔ اور ان پہ کپڑا رکھا تھا۔

وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

زیاد سلطان نے ایک سلگتی نظر اس پہ ڈالی۔ پھر واپس سامنے دیکھنے لگا۔

اس لڑکی کی وجہ سے اس نے چند دن پہلے اپنے کیریئر کا سب سے تکلیف دہ قتل کیا تھا۔

اس کے پاس اس قتل کے بہت طریقے تھے۔ جیسا کہ اس نے نگینہ سلطان سے کہا تھا۔ قتل ایک آرٹ ہے۔ اور اس قتل کو ایکسیڈنٹ لگنا چاہیے تھا۔ اور پھر اس لڑکی کو مارنا سرکار کا حکم تھا۔ اس کو مارنا ماہر فرید کے ساتھ انتقام تھا۔ وہ اپنی مرضی سے اس لڑکی کو کہیں بھی بلا سکتا تھا۔ وہ کسی اور کے ہاتھوں اس کو ایک نفیس سے حادثے میں مار سکتا تھا۔ کسی کو شک بھی نہ ہوتا کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔

لیکن زیاد نے ایسا نہیں کیا۔

اس نے وہی روایتی طریقہ استعمال کیا۔

اس لڑکی کو ماہر کے نمبر سے میسج بھیجا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟ میں اس ایڈریس پہ تمہارا منتظر ہوں۔ ارجنٹ۔"

اسے امید تھی وہ نہیں آئے گی۔ اس نے اتنی فلمیں دیکھ رکھی ہوں گی کہ وہ اس سازش کو بھانپ جائے گی۔ وہ ماہر کے ہسپتال فون کر دے گی۔ اسے معلوم ہو جائے گا کہ ماہر وہاں سے نہیں نکلا۔ وہ اسے کیسے بلا سکتا ہے؟ اسے سوچنا چاہیے نا۔ وہ سوچے گی۔ وہ نہیں آئے گی۔ اور وہ سرکار سے کہے گا کہ وہ بھاگ گئی ہے۔ کہیں ایسی جگہ چھپ گئی ہے جہاں سے وہ بھی اسے نہیں ڈھونڈ سکتا۔

وہ سرکار کے کچھ احکامات ٹال سکتا تھا لیکن ہر حکم نہیں۔ وہ ان کی طاقت سے بھی واقف تھا۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ جان پائیں کہ اس کے دل میں کیا چل رہا ہے۔ زیاد کو یہ بھول گیا تھا کہ سرکار کو یہ جاننے کے لیے کسی جادو کی ضرورت نہ تھی۔ وہ اس کی ماں تھیں۔ اور اکثر موقعوں پہ وہ اس کو کسی کتاب کی طرح پڑھ سکتی تھیں۔

اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس روز سبرینہ کی سالگرہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شمس اس خالی خالی سے اپارٹمنٹ میں صوفے پہ بیٹھا تھا۔ ایک طرف ایش ٹرے رکھی تھی جس میں گرتی راکھ بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا جب اس کا موبائل بجا۔ وہ ایک دم چونکا۔ اس نے ابھی نمبر تبدیل کیا تھا پھر کیسے....؟ اسکرین کو دیکھ کے گہری سانس خارج کی۔ وہ ای میل تھی۔ ورنہ کسی کو اس کا یہ نمبر کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟

اس نے ای میل کھولی۔ سبرینہ۔ وہ چونکا۔

"میرے پاس آپ کے لاکر سے نکالی گئی ایک شے ہے۔ اس کے علاوہ چند اہم معلومات جو مجھے سرکار کے بارے میں ملی ہیں۔ میں آپ کو سرکار سے بچا سکتی ہوں۔ اور ہلال کو بھی۔ مجھے اور آپ کو ایک معاہدہ کرنا ہے۔ اگر آپ کو اپنی بیوی اور بیٹی کو بچانا ہے تو اس جگہ پہ آ جائیں۔" نیچے لوکیشن اور وقت درج تھا۔ شمس نے تھوک نگلا۔ اس کی رنگت اڑ چکی تھی۔ اسے فیصلہ کرنا تھا۔

کیا یہ ای میل واقعی سبرینہ نے کی تھی؟ کیا سبرینہ ان لوگوں کے ساتھ ملی ہوئی تھی؟ یا وہ ان سے الگ تھی؟

نہیں۔ وہ ان کے ساتھ ملی ہوئی نہیں تھی۔ وہ تو خود اس کو مارنا چاہ رہے تھے۔ لیکن وہ البم۔ وہ اسے چاہیے

تھا۔وہ سرکار کے گناہوں کا ثبوت تھا۔

اس نے کار کی چابی اٹھائی جس پہ رینٹل کا ٹیگ تھا اور صوفے سے اٹھ گیا۔

اگر اس کے پاس ہلال کو بچانے کا کوئی راستہ تھا' تو وہ اس راستے پہ قدم رکھ لے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد سلطان جانتا تھا شمس کہاں چھپا ہے۔اس کی بیوی اور بیٹی کہاں ہیں' وہ ان تک بھی پہنچ جائے گا۔اسے شمس کو صرف اس کے اپارٹمنٹ سے نکال کے باہر سڑک تک لانا تھا۔وہ جانتا تھا کہ شمس آجائے گا۔وہ ایک بے چین روح کی مانند تھا۔اسے سبرینہ کی ای میل کے بعد چین نہیں آئے گا۔

لیکن اسے سبرینہ سے وہاں آنے کی امید نہیں تھی۔

''وہ لڑکی جس کو تم ابھی تک مار نہیں سکے' اس کے دل پہ بھی ماہر فرید کا قبضہ ہے۔''

سو یہ طے ہوا کہ محبت محتاط سے محتاط انسان کو بھی اس کی حفاظتی دیوار نیچے کرنے پہ مجبور کر دیتی ہے۔وہ اس کی محبت میں مبتلا تھی۔وہ اس سے ملاقات کی منتظر تھی۔وہ کیسے نہ آتی ؟ ماہر سے ملنے وہ کئی دفعہ ذہنی امراض کے ادارے گئی تھی۔ہر دفعہ وہ واپس نکلتی تو اس کا چہرہ بجھا ہوا ہوتا۔وہ جانتا تھا کہ وہ سائیکو پیتھ اس سے نہیں ملتا تھا۔پھر اس نے جانا چھوڑ دیا۔وہ اس کو وقت دینا چاہتی تھی۔

اور اب اس کا میسج ملتے ہی وہ مطلوبہ جگہ پہ موجود تھی۔

بس اسٹاپ کے ساتھ کھڑی' گوگل لوکیشن سے جگہ کا تعین کرتی' وہ دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔اس نے لمبا سبز سوئیٹر پہن رکھا تھا۔سیاہ بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔کانوں میں گول سلور ائیر رنگز تھے۔جیسے چوڑیاں ہوں۔وہ اشتیاق سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ایک باکس جس پہ بیکری کا لوگو تھا۔وہ ماہر کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ سڑک کے دوسری جانب ایک گلی کے دہانے پہ ڈمپسٹر کے ساتھ کھڑا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔اس نے سیاہ پی کیپ کے ساتھ سیاہ ماسک پہن رکھا تھا۔گردن کے گرد مفلر بندھا تھا۔جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ بس اسے دیکھے جا رہا تھا۔

پھر اس نے شمس کو اس طرف بڑھتے دیکھا۔وہ شمس کو دیکھ کے حیران ہوئی تھی۔وہ اس کو کچھ کہہ رہا تھا۔اور وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔شمس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔اور وہ پریشان ہو گئی تھی۔

پھر وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ وہ سڑک کراس کرنا چاہ رہی تھی۔ زیادنے کان میں لگے ائیر پوڈز کو دبایا۔ اس نے کسی کو اشارہ دیا۔

اگلے چند لمحے کسی سلوموشن فلم کی طرح گزرے۔ اس جاب کے لیے اس نے سب کانٹریکٹر ہائر کیا تھا۔ دور سے ایک ٹرک تیزی سے آتا دکھائی دیا۔ اندھا دھند ٹرک ایک دم سائیڈ واک پہ چڑھ گیا۔ بہت سے شیشے ٹوٹے۔

دھماکہ سا ہوا۔

چیخیں۔ آگ۔ سیاہ دھواں۔

ٹرک ڈرائیور کے سامنے ائیر بیگز کھل چکے تھے۔ اس نے دروازے سے چھلانگ لگائی اور تیزی سے بھاگتا ہوا ایک گلی میں گم ہو گیا جہاں ایک بائیک اس کا منتظر تھا۔

اور یہاں اس کی جاب ختم ہو چکی تھی۔ پولیس اس سب کانٹریکٹر کا تعاقب کرے گی جس کو اس نے اپنے حصے سے کئی گنا کم رقم ادا کی تھی۔ جس بائیک پہ اس نے فرار ہونا تھا' اس کے ڈرائیور کو حکم تھا کہ وہ چند میل دور جا کے اسے گرا دے گا۔ کسی سڑک پہ اندھی ٹریفک کے درمیان۔ یوں اس قتل کی جاب کے تمام سوراخ بند ہو جائیں گے۔ سبرینہ اور شمس کو مارنے والا ڈرائیور' جو پولیس کے ڈر سے بھاگا تھا' وہیں مر جائے گا۔ تمام ثبوتوں اور شواہد کے ساتھ۔

رہا زیاد سلطان... تو وہ جس اندھیر گلی میں کھڑا اس جاب کو سپروائز کر رہا تھا' اسے وہیں سے واپس پلٹ جانا چاہیے تھا۔ اس نے بہت نفاست سے تمام شواہد ختم کر دیے تھے۔

لیکن وہ سڑک کنارے گری پڑی تھی۔

اس کے سر سے خون ابل رہا تھا۔

وہ رک رک کے سانس لے رہی تھی۔

زیاد سلطان نے خود کو اس کی طرف بڑھتے دیکھا۔

وہ سرخ فون بوتھ کے سامنے سر کے بل گری ہوئی تھی۔ اس کے پیٹ میں شیشے کا ایک بڑا سا ٹکڑا لگا تھا جس سے خون ابل رہا تھا۔ وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے جھکا۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ منظر دھندلا تھا۔ اس نے سیاہ ماسک والے شخص کو اپنے سامنے جھکتے دیکھا۔ دھواں۔ چیخیں۔ شور۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

زیاد نے دستانے والا ہاتھ نکالا۔ اس کی نبض پہ ہاتھ رکھا۔ وہ ابھی جاری تھی۔

اس کے قریب سائیڈ واک پہ بہت سا خون گرا تھا۔اس نے داستانے کی انگلی خون میں ڈبوئی۔اور پتھریلے فرش پہ چند لکیریں کھینچیں۔پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک آخری نظر اس پہ ڈالی۔اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

وہ وہاں سے جانا چاہتا تھا۔اسی پل اس لڑکی نے آنکھیں کھولیں۔اس کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔شاک۔حیرت۔بے یقینی۔آنسو۔

وہ اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔وہ آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

اور تب اس نے دیکھا۔

اس کے ساتھ گرا ڈبہ۔اور اس میں سے باہر نکلی شے۔

وہ ایک کیک تھا۔چھوٹا سا کیک۔حادثے کے باعث وہ بھی مہندم ہو چکا تھا۔البتہ اس کے اوپر لگا پروپ سلامت تھا۔

ایک اسٹک پہ لگا کارڈ۔

ہیپی برتھ ڈے سبرینہ۔

کسی نے اس کے سینے میں برچھی گھونپ دی۔اس نے وہ کاغذ اتارا۔اور اسے جیب میں ڈالتا آگے بڑھ گیا۔

ایمبولینس کے سائرن سنائی دے رہے تھے اور لوگ اس طرف اکٹھے ہو رہے تھے۔

زیاد سلطان اب بھیڑ میں گم ہو چکا تھا۔

وہ ننھا سا کارڈ اس کی جیب میں سانس لے رہا تھا۔

خون آلود سانسیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کارڈ اس وقت بھی اس کے والٹ میں تھا جب وہ ڈرائیو کرتا ہوا ان کھیتوں کے درمیان سے گزر رہا تھا۔

"تم میں اتنا خاص کیا ہے، رلپنزل؟" دفعتاً زیاد نے ایک سلگتی نگاہ اس پہ ڈالی۔

ہلال نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔اس کی آنکھیں ہلکی بھوری اور لمبی پلکیں مڑی ہوئی تھیں۔

"تم نے میری ممی کے ساتھ کیا کیا ہے؟" وہ اس کو چبھتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ان آنکھوں میں خوف تھا نہ آنسو۔ان میں غصہ تھا۔بے بسی تھی۔دکھ تھا۔

"تمہاری ماں ہماری کہانی کا ایکسٹرا کردار تھی۔اس کے ساتھ وہی ہوا جو ایکسٹراز کے ساتھ ہوتا ہے۔لیکن تم...تم اسپیشل ہو۔"

کار فون بجنے لگا۔اس نے ایک انگلی سے قبولیت کا بٹن دبایا تو سارے میں نگینہ بیگم کی آواز گونجنے لگی۔

"وہ لڑکی کہاں ہے زیاد؟" وہ غرائی تھیں۔ہلال پھر سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"جہاں ہونا چاہیے۔" اس کی آواز میں بغاوت تھی۔

"تم نے اس کو میرے پاس لانا تھا۔تم اس کو کہاں لے کر جا رہے ہو؟"

"جہاں میری مرضی۔"

اس نے کال کاٹ دی۔وہ پھر سے کال کرنے لگیں۔لیکن زیاد نے فون آف کر دیا۔

(پپی برتھ ڈے سبرینہ۔) وہ کارڈ اس کے بٹوے کے اندر سے پکار رہا تھا۔

"جانتی ہو میں تمہیں سرکار کے حوالے کیوں نہیں کر رہا؟" اس کا لہجہ کسی سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا تھا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔باہر دیکھتی رہی۔

"کیونکہ میں تمہیں سزا دینا چاہتا ہوں۔اور تمہاری سزا سخت ہونی چاہیے' ہلال۔کیونکہ تمہاری وجہ سے تین خاندان تباہ ہوئے۔تمہارا خاندان۔" وہ انگلیوں پہ گن رہا تھا۔"میرا خاندان کیونکہ تمہارے بھائی نے میری ماں کو بیمار کیا ہے۔" پھر اس کی آواز دھیمی پڑی۔حلق میں گولا سا پھنسا۔

"اور وہ بے قصور لڑکی جس کو میں نے تمہارے لیے مارا تھا۔" اس کے ماتھے کی نسیں ابھرنے لگیں۔ایکسلیٹر پہ پیر کا دباؤ بڑھایا۔کار کی اسپیڈ تیز ہو گئی۔

"تمہارے لیے اتنا خون بہایا گیا ہے۔کیا سزا ہونی چاہیے تمہاری؟"

"تمہاری سزا کیا ہونی چاہیے؟" وہ اب اس کو دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں کچھ تھا۔زیاد کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

"تم جانتی ہو میں تمہارے ساتھ کیا کرنے جا رہا ہوں؟"

"میں جانتی ہوں۔تم نہیں جانتے۔" وہ چہرہ موڑ کے بھاگتے کھیتوں کو دیکھنے لگی۔

زیاد نے پہلے ایک کان کندھے تک لے گیا۔پھر دوسرا کان دوسرے کندھے تک۔جیسے تھکی ہوئی گردن کو ریلیکس کرنا چاہ رہا ہو۔

باقی کا راستہ خاموشی سے کٹا۔

کار ایک عمارت کے سامنے رکی۔

ویرانے میں بنی ایک کئی منزلہ عمارت۔اس نے کار روکی تو بہت سی دھول اڑنے لگی۔وہ تیزی سے باہر نکلا اور فرنٹ سیٹ تک آیا' پھر اس کا دروازہ کھولا۔

(پپی برتھ ڈے سبرینہ)

ہر طرف دھول اڑ رہی تھی اور وہ اندر جمی بیٹھی تھی۔اس نے کہنی سے پکڑ کے اس بچی کو باہر نکالا۔وہ چلتے چلتے رک جاتی۔مزاحمت کرتی۔لیکن وہ اسے کھینچتا ہوا دروازے تک آیا

دلاور سامنے سے چلتا آ رہا تھا۔چہرے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"زیاد....سرکار کا فون آیا ہے۔وہ بہت غصہ...."

زیاد نے اسے کندھے سے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا اور اس بچی کو کہنی سے دبوچے اپنے ساتھ لے جانے لگا۔

دلاور ایک طرف کو گر گیا۔وہ سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا۔

"جانتی ہو تمہاری سزا کیا ہوگی؟" وہ بار بار پیچھے کو بھاگتی لیکن وہ اسے کھینچتا اوپر لے جانے لگا۔

سیڑھیوں کے اختتام پہ ایک لوہے کا دروازہ تھا۔اس نے کنڈی کھولی۔

دلاور سنبھل کے کھڑا ہوا اور بھاگتا ہوا ان کے پیچھے آیا۔

"جانتی ہو؟" وہ چھت کے صحن میں اسے کھینچ لایا۔اور اس سے پہلے کہ دلاور وہاں آتا اس نے لوہے کا دروازہ زور سے بند کیا اور آگے سے کنڈا لگا دیا۔

زنگ آلود لوہے کی چیخیں نکل گئیں۔

"زیاد پلیز ایسا کچھ مت کرنا۔یہ لڑکی قیمتی ہے۔" دلاور دوسری جانب سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔

"کیا ہوگی تمہاری سزا؟"

وہ اس کو کہنی سے پکڑ کے منڈیر تک لایا۔اور ایک جھٹکے سے کہنی چھوڑی۔

اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

چھت کے دہانے۔

ہلال نے دھوپ سے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔اس کے گھنگریالے بال ہوا سے پیچھے کو اُڑ رہے تھے۔

(پیلی برتھ ڈے سبرینہ۔)

''جانتی ہو تمہاری سزا کیا ہے؟'' وہ حلق کے بل چلایا۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں بہت سی چبھن لیے۔ پھر ہونٹ کھولے۔

" کوئی تم سے کبھی محبت نہیں کرے گا۔" اس کی آنکھوں میں ترس در آیا۔

زیاد سلطان کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔

''میں تمہیں....''

''کوئی تم سے محبت نہیں کرے گا۔''

"میری ماں مجھ سے محبت کرتی ہے۔" ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔ دروازہ ہنوز دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔

" مگر وہ مر جائے گی۔" وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

چھت کے کونے میں بنے ایک کمرے کی کھڑکی میں ایک سایہ سا تھا۔ کوئی وہاں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"تمہاری وجہ سے میری ماں مر جائے گی۔ تمہارے بھائی کی وجہ سے۔'' وہ بولا تو اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔ کرب تھا۔'' تمہاری وجہ سے وہ لڑکی اپنی جان سے گئی۔ تم وجہ ہو ہر چیز کی۔ اور آج....'' اس نے آستین سے ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کیا۔

''آج ہم اس وجہ کو ختم کر دیں گے۔"

وہ آگے بڑھا اور اس کو کہنی سے تھاما۔ پھر اسے زبردستی چند قدم گھسیٹ کے منڈیر تک لایا۔ وہ ابھی تک اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے بال اب پیچھے کو اڑ رہے تھے اور آنکھیں دھوپ سے سنہری لگ رہی تھیں۔

زیاد نے گردن جھکا کے نیچے دیکھا۔ زمین کسی کھائی کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔

"ہر رلیز نل کو بچانے کے لیے شہزادہ نہیں آیا کرتا۔" وہ اس کو دیکھتے ہوئے طنز سے کہہ رہا تھا۔

"وہ مجھے بچانے آئے گا۔" وہ اب بھی اس کو دیکھ رہی تھی۔

" یہاں کوئی نہیں ہے جو تمہیں بچانے آئے۔"

"تم اسے نہیں جانتے۔" وہ آخر میں ہلکا سا مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں سارے زمانے کی سوگواریت تھی۔

وہ مسکراہٹ اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

لوہے کے دروازے کے پار کھڑا دلاور مسلسل اسے پیٹ رہا تھا۔

"سرکار اس کے سر پہ خون سوار ہے۔ شاید اس نے اپنی دوا نہیں لی۔ میں یہ دروازہ نہیں توڑ سکتا۔"

زیاد منڈیر کے کنارے کھڑا اس کی کہنی دبوچے اس چھوٹی سی لڑکی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

وہ بھی گردن اٹھائے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سنہری آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔

چبھن۔ ملامت۔ ترس۔

" کوئی تم سے کبھی محبت نہیں کرے گا۔" وہ جیسے اس کو بتا رہی تھی۔

اب اس کی آنکھوں میں کچھ نہ تھا۔ نہ خوف۔ نہ پریشانی۔ بس ایک سوگواریت تھی۔ ترحم۔ افسوس۔

اور اگلے ہی لمحے.... زیاد سلطان نے اس کی کہنی چھوڑ دی۔

پھر اسے دونوں شانوں سے پکڑا

اور

پیچھے کو دھکا دے دیا۔

وہ کسی گڑیا کی طرح اُڑتی ہوئی اونچے چھت سے نیچے جا گری۔

ایک لمحے کے لیے

ساری دنیا ساکن ہو گئی۔

اگلے لمحے

زیاد سلطان نے گردن جھکا کے دیکھا۔

نیچے بہت نیچے..... مٹی پہ وہ سر کے بل گری ہوئی تھی۔

اس کی آنکھیں بند تھیں اور سر کے پیچھے سے خون نکلتا ایک سرخ تالاب بنا رہا تھا۔

ہاتھ سامنے کو ابھی تک زپ ٹائیز میں بندھے تھے۔

اسے اب کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

سوائے ایک آواز کے۔

بیپی برتھ ڈے سبرینہ۔

سینکڑوں میل اور کئی سمندر دور..... ہسپتال کے کمرے میں لیٹا ماہر ایک دم سے اٹھ بیٹھا تھا۔

اس کے اردگرد اندھیرا تھا۔ ٹانگ پٹی میں جکڑی ہوئی تھی۔ ہاتھ پہ آئی وی لائن لگی تھی۔ اس نے بے اختیار ہاتھ چھڑانا چاہا۔ سوئی نکل گئی۔ خون کے قطرے ہاتھ سے گرنے لگے۔

وہ گہرے گہرے سانس لیتا ان قطروں کو دیکھتا رہا۔

ہلال۔

اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ وہاں عجیب سا درد اٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک سرمئی دیواروں والا کمرہ تھا۔ سفید پردے جنہوں نے باہر کی روشنی کا راستہ روک رکھا تھا۔ مدھم بتیاں جنہوں نے کمرے کو مزید تاریک کر رکھا تھا۔

اور سیاہ بالوں والی لڑکی۔

وہ بستر پہ پیر لٹکا کے بیٹھی تھی۔ اس کا ایک بازو پٹیوں میں تھا۔ اور اس نے ہسپتال کا گاؤن پہن رکھا تھا۔

وہ گم صم سی اپنے پیروں کو دیکھ رہی تھی۔

ذہن میں بہت سے مناظر چل رہے تھے۔

سرخ فون بوتھ کے ساتھ وہ گری تھی۔ آسمان پہ اٹھتا دھواں۔ وہ سیاہ ماسک والا آدمی جو اس کے ساتھ جھکا تھا۔

پھر ہسپتال کی چھت۔ وہ اُکھڑے اُکھڑے سانس لے رہی تھی۔ چھت پہ لگی بتیاں اس کے ساتھ چل رہی تھیں۔ شاید وہ کسی اسٹریچر پہ تھی۔

پھر اندھیرا۔

پھر وہ ایک دوسرے کمرے میں تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ اور اس کے سامنے سوٹ میں ملبوس سفید بالوں والا آدمی بیٹھا تھا۔ وہ آگے کو جھکے اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔

''کیا تمہیں مرنے سے خوف آتا ہے، سبرینہ؟''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

پھر ہر طرف اندھیرا تھا۔

اب وہ ایک دوسرے کمرے میں تھی۔ اس کے پیٹ اور سینے پہ پٹیاں بندھی تھیں اور بازو کاسٹ میں تھا۔ ایک آئی وی لائن کا اسٹینڈ ساتھ رکھا تھا۔ وہ کرسی پہ بیٹھی تھی۔ سامنے ایک میز کے پار وہ دونوں بیٹھے تھے۔

سفید بالوں والے مالک فرید۔اور ساتھ بیٹھا آدمی۔

''تم جانتی ہو کالنگ کارڈ کیا ہوتا ہے' سبرینہ؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔اسے سینے سے نیچے شدید تکلیف ہو رہی تھی۔

''ہر پیشہ ور قاتل یا سیریل کلر کا اپنا ایک خاص ایم او ہوتا ہے۔Modus operandi۔یعنی کام کرنے کا خاص طریقہ۔کچھ اپنے شکار کے جسم کو کسی خاص ترتیب سے رکھتے ہیں۔جیسے وہ کوئی پینٹنگ ہو۔کچھ اس کو مارنے کے بعد اس کی تصویر لیتے ہیں یا اس کو کسی خاص طریقے سے ٹھکانے لگاتے ہیں۔کچھ قاتل لاش کے ساتھ اپنا ایک نشان یا کوئی چیز چھوڑتے ہیں۔اس چیز کو کالنگ کارڈ کہا جاتا ہے۔اس کی دو وجوہات ہوتی ہیں۔وہ پولیس پہ طنز کر رہے ہوتے ہیں۔یا وہ اپنے کام کو آرٹ کی طرح کر کے اپنا دستخط وہاں چھوڑتے ہیں جیسے آرٹسٹ پینٹنگ کے آخر میں سائن کرتا ہے۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے سنے گئی۔

''تمہارے کیس میں قاتل نے تمہارے ساتھ اپنا ایک نشان بنایا۔وہ دور مجمع میں کہیں کھڑا تھا۔وہ وہاں سے جا سکتا تھا۔لیکن وہ نہیں گیا۔اس نے خطرہ مول لیا۔''

انہوں نے ایک ٹیب اس کی طرف بڑھایا۔اس پہ ایک تصویر کھلی تھی۔پتھر پہ بنا صلیب جیسا نشان۔

''یہ صلیب نہیں ہے۔یہ کلہاڑے کا نشان ہے جس کے ساتھ دو نقطے بنے ہیں۔''

اس نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

''یہ نشان پچھلے دس سالوں میں یورپ اور مڈل ایسٹ میں تین لڑکیوں کی لاشوں کے ساتھ ملا ہے۔کیا تم اس نشان کو پہچانتی ہو؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔اس کو معدے کے قریب شدید درد اٹھ رہا تھا۔

''یہ Cain (قابیل) کا نشان ہے۔''مالک فرید بولے۔''بائبل کے مطابق جب قابیل نے ہابیل کو مارا تھا' تو سزا کے طور پہ اس کے بازو پہ یہ نشان بنا دیا گیا تھا۔تاکہ وہ دنیا میں پھرتا رہے اور اس نشان کو پہچان کے کوئی اسے قتل نہ کرے۔اس کی سزا ایک طویل اور تکلیف دہ زندگی تھی۔''

''ہر پولیس ڈیپارٹمنٹ ایسے قاتلوں کو ایک نام دیتا ہے۔اس قاتل کا نام ہماری فائلز میں ''کین کلر'' (Cain Killer) ہے۔یقیناً اس نے اور بھی بہت سے قتل کیے ہیں۔لیکن اس نے یہ نشان صرف تین لڑکیوں کی لاشوں کے

ساتھ بنایا تھا۔ ہماری پروفائلنگ کے مطابق وہ ان لڑکیوں سے obsessive قسم کے عشق میں مبتلا تھا۔ وہ دور سے ان کو دیکھتا تھا۔''

''وہ میرا تعاقب کر رہا تھا؟'' وہ ایک دم خوفزدہ سی ہوگئی۔

''یقیناً۔ ایسے قاتل عموماً بچپن میں ابیوز ہوئے ہوتے ہیں۔ اور وہ اس کا بدلہ معصوم انسانوں سے لیتے ہیں۔ ان کو قتل کر کے ویسی ہی خوشی ملتی ہے جیسی ڈرگ ایڈکٹ کو ڈرگز سے ملتی ہے۔''

''اب کیا ہوگا؟ اسے کیسے پکڑا جائے گا؟'' اس نے ہراساں سی ہو کے ان دونوں کو دیکھا۔ ''مجھے تو اس کا چہرہ بھی یاد نہیں۔''

''مسئلہ کین کلر کا نہیں ہے۔ مسئلہ تمہارا ہے۔ اگر اسے معلوم ہوگیا کہ تم زندہ ہو تو وہ تمہیں دوبارہ مارنے آئے گا۔'' وہ خاموش ہوگئے۔ تب مالک فرید کھنکھارے۔

''کیا تمہیں مرنے سے ڈر لگتا ہے' سبرینہ؟''

اور اس کے سارے درد اور تکلیفیں ہوا ہو گئے۔ اب ہر طرف صرف ایک ہی احساس تھا۔ خوف۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تمہیں ایک چوائس کرنی ہے۔''

''کیسی چوائس؟''

''یا تم اپنی زندگی میں واپس چلی جاؤ۔ اور اس کے دوبارہ آنے کا انتظار کرو۔ کوئی بھی سیریل کلر ادھوری جاب کو ایسے ہی نہیں چھوڑ دیتا۔ وہ ضرور واپس آئے گا۔ ہم تمہیں پروٹیکشن دے سکتے ہیں لیکن جو شخص اتنے برس سے پکڑا نہیں گیا' اس کے بارے میں کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ.....'' انہوں نے گہری سانس لی۔

''اور دوسری چوائس؟''

''ہم تمہیں یو کے کی Protected Persons Service کے حوالے کر دیں۔''

''وہ کیا ہوتی ہے؟''

''یہ پولیس یونٹس سے بنا ایک ادارہ ہے جو تمہارے جیسے لوگوں اور حکومت کے گواہوں کو پروٹیکشن دیتا ہے۔ ایک نئی زندگی۔ ایک نیا ملک۔ اور تمہارے اخراجات۔ یہ سب حکومت اٹھائے گی۔''

اس نے کہتے ہوئے گردن موڑ کے مالک فرید کو دیکھا۔

''مسٹر فرید کے بہت اصرار پہ ہم تمہیں پی پی ایس کے حوالے کرنے پہ تیار ہیں۔''

اس نے بھیگی آنکھوں سے مالک فرید کے بے تاثر چہرے کو دیکھا۔ وہ اصرار کا مطلب جانتی تھی۔ انہوں نے پولیس ڈیپارٹمنٹ کو ڈونیشن دی ہوگی۔

''ایک دفعہ پی پی ایس میں جانے کے بعد تم اپنی پرانی زندگی میں واپس نہیں جاؤ گی۔''

اس نے تذبذب سے ان کو دیکھا۔ پھر مالک کو۔

منظر بدلا اور اب وہ اس سرمئی دیواروں والے کمرے میں بیٹھی تھی۔

دروازہ دستک کے ساتھ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئے۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''کیا میں درست فیصلہ کر رہی ہوں؟''

مالک فرید سامنے کاؤچ پہ بیٹھے اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

''کیا تم مرنے سے ڈرتی ہو؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میرا چھوٹا بھائی بیمار ہے۔ مجھے اس کے لیے زندہ رہنا ہے۔''

''پھر تم درست فیصلہ کر رہی ہو۔'' انہوں نے گہری سانس لی۔

''ہم کچھ عرصے تک تمہاری فیملی کو حقیقت نہیں بتائیں گے۔ یہاں تمہاری موت ظاہر کر دی جائے گی۔ حکومت تمہیں ایک نئی آئی ڈی ایشو کرے گی۔ تمہیں یہاں سے بھیج دیا جائے گا۔ وہ ابھی تمہاری فیملی پہ نظر رکھے ہوئے ہوگا۔''

''یہ مجھے کہاں بھیجیں گے؟''

وہ سانس روکے اپنے مستقبل کے بارے میں سن رہی تھی۔

''کسی جزیرے پہ۔ کسی دور دراز کے ملک۔ عموماً یہ لوگ ایسے پرسنز کو کینیڈا بھیجتے ہیں۔'' انہوں نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''پھر کیا ہوگا؟''

''کچھ عرصے بعد یہ تمہاری فیملی کو بھی وہاں منتقل کروا دیں گے۔ تب تک کین کلر بھی آگے بڑھ چکا ہوگا۔''

''پھر؟''

''حکومت ایک عرصے تک ایسے لوگوں کو اخراجات فراہم کرتی ہے۔لیکن وہ اتنے نہیں ہوتے کہ ان سے گزارا ہو سکے۔لیکن میں تم سے رابطے میں رہوں گا۔تمہیں کبھی پیسوں کا مسئلہ نہیں ہوگا۔''وہ میکانکی انداز میں کہہ رہے تھے۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔آنسو آنکھوں سے پھسل رہے تھے۔

''آپ میرے لیے یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟''

''کیونکہ تم نے ماہر کی زندگی بچائی تھی۔میں تمہاری بچار ہا ہوں۔''

اور تب وہ چونکی۔

''ماہر کا کیا ہوگا؟''

اور اس لمحے اسے اپنے فیصلے کی سنگینی کا احساس ہوا۔

''میں اس سے رابطے میں نہیں رہ سکوں گی؟''

''نہیں سبرینہ۔اس کی obsessive نیچر سے تم واقف ہو۔تم نے جس دن اس کو یہ سب بتایا' وہ تمہارے پیچھے آئے گا۔اور اس دن سب خراب ہونا شروع ہو جائے گا۔''

''کیا میں ایک دفعہ اس سے مل سکتی ہوں؟''

''اس صورت میں تمہارا cover ٹوٹ جائے گا کیونکہ وہ تمہیں مردہ ظاہر کر رہے ہیں۔اور یوں حکومت تمہیں پروٹیکٹ نہیں کرے گی۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔وہ گردن اٹھا کے انہیں دیکھنے لگی۔

''کیا میں اس سے کبھی بھی نہیں مل سکتی؟''

''مل سکتی ہو۔''انہوں نے اسی سکون سے اطلاع دی۔وہ چونک گئی۔

''جس دن تمہیں مرنے سے ڈر لگنا ختم ہو جائے' اس دن تم اس سے مل لینا۔''

وہ ٹھہرے۔

''یا جس دن وہ قاتل پکڑا جائے اور اسے سزا مل جائے.....اس دن تم آزاد ہو گی۔''

اور باہر نکل گئے۔وہ تنہا بیٹھی رہ گئی۔اپنے فیصلوں اور ان کے نتائج کی آگاہی کے ساتھ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن۔

وہ دونوں آمنے سامنے کھلی فضا میں کھڑے تھے۔

ایک طرف کنونشن سینٹر کی شیشوں سے ڈھکی عمارت تھی۔

دوسری جانب ریلنگ جس کے پار نیلا پانی پھیلا تھا۔

پانی دور افق پہ جا کے ختم ہوتا اور وہاں سے سرمئی پہاڑ دکھائی دیتے۔ ان کی چوٹیوں کے گرد بادل حائل تھے۔ پہاڑوں کے دامن میں آبادی تھی۔ سڑکیں اور ٹریفک تھا۔ لیکن درمیان میں سمندر حائل تھا۔

وہ یہاں سے بہت چھوٹے دکھائی دیتے تھے۔

عرشے کے کونے میں ایک جگہ ریلنگ کے ساتھ تین چھوٹے بڑے آرائشی ستارے بنے تھے۔ کیف جمال ایسے کھڑا تھا کہ وہ ستارے اس کے آدھے قد کے برابر تھے۔

اس کے قدموں کی آواز پہ وہ چونکا۔ پلٹ کے دیکھا۔ وہ سامنے کھڑی تھی۔

وہ آج کل لمبے اور کھلے کوٹ پہنتی تھی۔ یا کھلے میکسی فراکس۔ جب تک وہ اس راز کو چھپا سکتی تھی' اسے چھپانا تھا۔

اس وقت وہ آنکھوں کو سکوڑے' چبھتی نظروں سے اس فریبی انسان کو دیکھ رہی تھی جس کی ایک پسِ پردہ ڈیل نے اس کی زندگی کو بدل کے رکھ دیا تھا۔

کیا وہ اس کا اعتبار کرے گی؟ کیا وہ اس سے مل کے غلطی کر رہی تھی؟

جہاں اتنی غلطیاں ہوئی ہیں' وہاں ایک اور سہی۔

"کشمالہ...." وہ کھنکھارا۔

"کہو.... کیوں ملنا تھا مجھ سے؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

کیف نے سر جھکا دیا۔ جوتے کی نوک سے فرش مسلا۔ مالا کی نگاہیں اس کے پیروں پہ جمیں۔ جوگرز سیاہ تھے۔ سفید نہیں۔ کچھ یاد آیا لیکن سر جھٹک دیا۔

"کہیں بیٹھ کے بات کر لیں؟"

"نہیں۔"

کیف جمال نے گہری سانس لی۔

"میں آپ سے معافی مانگنے آیا تھا۔ میں نے آپ کے ساتھ..."

"تم کینیڈا میں کیا کر رہے ہو؟" اسے جیسے اس کی معافی میں دلچسپی نہ تھی۔

"مجھے ماہر فرید نے پاکستان میں رہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔"

"کیوں؟ تم دونوں نے ایک اچھی ڈیل کی تھی۔ اتنے اچھے پارٹنرز تھے تم۔ پھر کیا ہوا؟" اس نے پلکیں جھپکا کے سادگی سے پوچھا۔ کیف جمال نے بے اختیار سر جھکا لیا۔

"اس نے صرف آپ کو نہیں، مجھے بھی دھوکہ دیا ہے، کشمالہ۔ اس نے مجھے تین کریڈٹ کارڈز دیے۔"

"اس نے تم سے گن پوائنٹ پہ ڈیل کی تھی، نہیں؟" وہ بنا پلک جھپکائے اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"میں نے خود کو بچانے کے لیے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ اس کے پاس کوئی گن نہیں تھی۔"

"جانتی ہوں۔ آگے؟"

کیف جمال نے ندامت سے سر جھکا دیا۔

"میرے اس جھوٹ کی وجہ سے اس نے ان کارڈز کے بلز ادا نہیں کیے۔ وہ میرے نام پہ بنے تھے۔ میں تین بینکز کا ڈیفالٹر ہوں۔ میں جیل جا سکتا تھا۔ اس سے بچنے کے لیے یہاں بھاگ آیا۔"

"لگتا ہے کینیڈا کا ویزہ بہت آسان ہو گیا ہے۔ سب ہی یہاں بھاگ کے آ رہے ہیں۔"

وہ انہی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ طنز۔ تلخی۔ کیف نے پہلو بدلا۔ بدقت مسکرایا۔

"میں نے یہاں پہ اپنی فوٹوگرافی کمپنی بنائی ہے۔ بس اسی کے ذریعے گزر بسر کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" پھر اس کی مسکراہٹ میں بے بسی سی در آئی۔ "میری ایک غلطی نے مجھے اس حال میں پہنچایا ہے۔ میرا ذرا سا لالچ۔ وہ ایک فریب۔" تاسف سے سر جھٹکا۔ "میں اس دن کے بعد کبھی خوش نہیں رہ سکا۔ اسی لیے مجھے آپ کی معافی چاہیے۔ اپنے دھوکے کی۔ اپنے جھوٹ کی۔"

کشمالہ کے ماتھے کی سلوٹیں برقرار رہیں۔

"میں اس بات سے بہت آگے بڑھ چکی ہوں۔ اب مجھے تم دونوں کی اس ڈیل سے فرق نہیں پڑتا۔"

اس نے سینے میں دبی سانس خارج کی۔ "یعنی آپ نے مجھے دل سے معاف کر دیا ہے۔"

"کہا نا' مجھے فرق نہیں پڑتا۔اس سب میں تم دونوں کا برابر قصور تھا۔اس نے تمہیں خریدا اور تم نے خود کو بیچا۔"

پھر اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

"مجھے اب جانا ہے۔اگر تمہیں...."

"کیا میں آپ کے لیے کام کر سکتا ہوں؟"

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

"کام؟" آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

"اگر آپ کو یاد ہو تو ماہر فرید نے میری شناخت اس لیے خریدی تھی کیونکہ میں نے چند سیکیورٹی کمپنیز میں پارٹ ٹائم بطور باڈی گارڈ کام کیا تھا۔اور اس وقت آپ کو ایک باڈی گارڈ کی ضرورت ہے۔"

"اور مجھے باڈی گارڈ کی ضرورت کیوں ہے؟" وہ سینے پہ بازو لپیٹے پلکیں سکوڑ کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیونکہ صفورا نے مجھے آپ کے اسٹالکر ہزبنڈ کے بارے میں بتایا تھا جو ایک خطرناک آدمی ہے اور اس کی اس شہر میں موجودگی سے آپ عدم تحفظ کا شکار ہیں۔" وہ بہت اعتماد سے کہہ رہا تھا۔

مالا خاموشی سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں اپنی غلطی کا مداوا ایک ہی طریقے سے کر سکتا ہوں۔" وہ سادگی سے مسکرایا۔"کہ میں آپ کی حفاظت کر سکوں۔وہ کام جو میں اس وقت نہیں کر سکا تھا۔"

وہ بھنویں اکٹھی کیے' لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔

"میں ویڈنگ فوٹوگرافر ہوں۔صرف ویک اینڈز پہ کام کرتا ہوں۔پانچ دن فارغ ہوتا ہوں۔وہ پانچ دن میں آپ کو دے سکتا ہوں۔"

وہ ایک دم ہنس پڑی۔

"واٹ اے جوک۔" گردن پیچھے پھینک کے۔سر نفی میں ہلاتی وہ ہنستی جا رہی تھی۔

وہ سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔

"میں مذاق نہیں کر رہا۔مجھے آپ سے کوئی تنخواہ نہیں چاہیے۔میں صرف آپ کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔آپ سوچ بھی نہیں سکتیں کہ پچھلے ایک سال میں میں کس گلٹ سے گزرا ہوں۔" وہ قدرے خفگی سے کہہ رہا تھا۔"میری بھی ایک بہن ہے۔میں ایسا لڑکا نہیں تھا جو کسی لڑکی کے تعاقب کار کو اپنی شناخت بیچے۔میں مجبور

تھا۔ مجھے کسی کے پیسے دینے تھے۔ جب آپ کو کسی کے پیسے دینے ہوں اور آپ کے پاس کچھ نہ ہو' تو آپ کچھ ایسے فیصلے کر لیتے ہیں جن پہ ساری عمر پچھتانا پڑتا ہے۔''

اس کی ہنسی مدھم ہوگئی۔ گہری سانس لی۔

''میں سمجھ سکتی ہوں۔'' اسے جے پی کی گھورتی ہوئی آنکھیں یاد آئیں۔

''میں مزید پچھتانا نہیں چاہتا۔ صفورا آپ کی طرف سے پریشان تھی۔ میں نے آپ کے ساتھ ساتھ اس کا اعتبار بھی توڑا تھا۔ مجھے مداوا کرنے دیں۔''

وہ بہت منت سے کہہ رہا تھا۔ مالا نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ پچیس چھبیس برس کا نوجوان تھا۔ دبلا پتلا۔ بڑھی شیو۔ جینز اور ہڈی پہنے۔ پیروں میں جوگرز۔ ایک ناکام انٹرپرونیئر کا جیتا جاگتا نمونہ۔

"اور تم یہ کام بنا تنخواہ کے کرو گے؟" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی' ابرو اٹھا کے پوچھ رہی تھی۔

کیف جمال نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں نے ایک دفعہ خود کو بیچ کے پیسے کمائے تھے۔ اب پیسے کی تمنا نہیں رہی۔ ویسے بھی فوٹوگرافی سے میرا اچھا خاصا گزارا ہو جاتا ہے۔''

''تھینک یو' کیف جمال۔ لیکن میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔'' وہ سر کو خم دے کر پلٹ گئی۔

وہ تیزی سے گھوم کے اس کے سامنے آیا۔ اسے رکنا پڑا۔

"میرا کارڈ رکھ لیں۔ آپ جب مجھے بلائیں گی' میں حاضر ہوں گا۔ میں اتنا لوز نہیں ہوں جتنا آپ مجھے سمجھتی ہیں۔" وہ اصرار کر رہا تھا۔ وہ چند لمحے متذبذب کھڑی رہی۔ پھر کارڈ تھام لیا۔

سن شائن فلمز۔ کیف جمال۔ ساتھ ایک نمبر۔

اس نے کارڈ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور کچھ کہے بنا آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سبرینہ کے گھر کے عقبی طرف ایک باغیچہ بنا تھا۔ اس میں نیلے رنگ کی کرسیاں رکھی تھیں۔ وہ دونوں اس وقت انہی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔

وہ ایک بیگی شرٹ اور ہم رنگ کھلے ٹراؤزرز میں ملبوس تھی۔ ایسا لباس عموماً نارتھ امریکہ میں عرب عورتیں پہنتی تھیں۔ سر پہ خاکی رنگ کا اسٹول اوڑھے ایک پلو پیچھے کو ڈالے' وہ بال اونچے جوڑے میں باندھے ہوئے

تھی۔ دونوں ہاتھوں میں کانچ کی پیالی پکڑ رکھی تھی جس کے دہانے پہ وہ انگلی پھیر رہی تھی۔ نگاہیں ماہر پہ جمی تھیں۔

''آئی ایم سوری.... میری ماما نے تمہارے سلام کا جواب نہیں دیا۔'' وہ اسے گھر کے اندر سے گزار کے یہاں لائی تھی اور اپنی ماں کے رویے پہ نادم دکھائی دیتی تھی۔

''وہ ابھی تک مجھے ناپسند کرتی ہیں؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''ان کے نزدیک میرے ساتھ وہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔ پھر میری ''موت'' (انگلیوں سے air quotes بنائے) کے بعد تم کئی دفعہ میرے گھر گئے۔ میری چیزوں کو دیکھنے۔ ایسے میں ان کا restraining آرڈر فائل کرنا بنتا تھا۔''

''اور میں ان دنوں کافی.....'' ماہر نے رک کے الفاظ تلاش کرنے چاہے۔

''Agressive'' سبرینہ نے مسکرا کے لقمہ دیا۔

''اگریسو ہوتا تھا۔'' سر کو خم دیا۔ جیسے جرم قبول کیا ہو۔ پھر دائیں بائیں دیکھا۔

وہ ایک پرسکون سا باغیچہ تھا۔ دور دور تک سبزہ پھیلا تھا۔ وہاں سے آس پاس کے گھر اور ان کے باغیچے دکھائی دیتے تھے۔

''تمہارا بھائی کیسا ہے؟''

''ویسا ہی ہے۔ ہر ایک کا جن ایسے نہیں اترتا جیسے تمہارا اترا تھا۔'' وہ اداس ہوئی۔

''اور باقی سب؟''

''ہماری فیملی پروٹیکشن میں ہے۔ ہم اپنے رشتے داروں اور دوستوں سے نہیں مل سکتے۔ یہاں ہم سب نے نئی زندگی شروع کی ہے۔ جب تک کین کلر پکڑا نہیں جائے گا' ہمارے نصیب میں چھپنا ہی ہے۔''

''زیاد۔ اس کا نام زیاد ہے۔'' اس نے تصحیح کی۔

سبرینہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر کپ رکھا اور پیر اونچے کر کے کرسی پہ آلتی پالتی کر لی۔

''تم لندن بھی جا سکتے تھے۔ یہاں کیوں آئے؟'' وہ اب غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اس امید پہ کہ میں تم سے مل سکوں گا۔''

''پھر ملنے میں اتنے دن کیوں لگائے؟''

''ڈر تھا کہ تمہیں کسی مشکل میں نہ ڈال دوں۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ بس مسکرا دی۔

ماہر نے ایک نظر اس کے گھر کو دیکھا۔

''تمہارے گھر والے کیسے ہیں؟''

"مالک فرید کی وجہ سے ہم سب ٹھیک ہیں۔وہ ہر مسئلے پہ ہمارے ساتھ رہے ہیں۔"اس کے لہجے میں بہت کچھ تھا۔احسان مندی۔تشکر۔ماہر نے سر جھٹک کے پیالی میز پہ رکھی۔

"دھیان کرنا۔مالک کا ہر کام میں کوئی چھپا ہوا ایجنڈا ہوتا ہے۔"وہ تلخ ہوا تو سبرینہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"تمہاری مالک سے شکایتیں ابھی ختم نہیں ہوئیں؟"

اس نے بس شانے اچکا دیے۔

"ہم آپس میں ٹھیک ہیں۔لیکن میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ اس نے مجھے اسائلم میں پھینک دیا تھا۔"

"اور اس نے آپ کو وہاں سے نکالا بھی تھا۔"

"لکڑی میں کیل ٹھونک دینے کے بعد نکال لو،تو کیا نشان چلا جاتا ہے؟"

"ہم انسان لکڑی سے تھوڑی بنے ہیں؟ ہم مٹی سے بنے ہیں۔اور مٹی سے نشان چلا جاتا ہے۔"وہ اسی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

وہ بڑبڑا کے رہ گیا۔ٹھنڈی ہوا ساتھ کھڑے درختوں کے درمیان سے گزرنے لگی تو ماہر نے سر اٹھایا۔آسمان پہ بادل اکٹھے ہو رہے تھے۔

''وہ آدمی اب کہاں ہے؟ زیاد سلطان؟''

''ایک ماہ پہلے تک جدہ میں تھا۔اب نہیں معلوم۔''وہ اب اس گھنے درخت کو دیکھ رہا تھا جو گھر کے قریب اُگا تھا۔سبرینہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ایک گلہری اس کے تنے کے ساتھ پھدکتی کچھ ڈھونڈ رہی تھی۔

''اور ہلال؟ اس کا کیا؟''

''میں اس کے بہت قریب پہنچ کے اسے پھر سے کھو بیٹھا ہوں۔''وہ گلہری پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔وہ بار بار سر گھاس میں چھپاتی۔پھر پھدک کے باہر نکلتی۔پھر دائیں بائیں دیکھتی۔

''وہ لاہور کے قریب ایک اسلامک اسکول میں قید تھی۔لیکن ہمارے پہنچنے سے پہلے وہ اسے وہاں سے لے گئے ہیں۔''

"ان کے پاس جنات ہیں۔ وہ انہیں آگاہ کر دیتے ہیں۔"

"اور ہمارے پاس انسان ہیں۔" وہ مسکرا دیا۔ وہ شاید گلہری کے لیے مسکرایا تھا۔ وہ اب تنے سے اوپر چڑھتی درخت کی شاخوں تک پہنچ چکی تھی۔

"اب تم کیا کرو گے؟"

''میں پھر سے سرکار کو ڈھونڈنے کی کوشش کروں گا۔ ہلال اسی کے پاس ہے۔ اور....'' وہ رکا۔ ''ایک دوسرا بچہ بھی ہے۔ وہ ہلال کے ساتھ قید ہوا تھا۔ اگر میں اس کو ڈھونڈ لوں تو میں ہلال تک پہنچ سکتا ہوں۔'' اس نے اضطرابی انداز میں بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

''وہ کون ہے؟'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔

''کوئی ہے۔'' وہ موہوم سا بڑبڑایا۔ وہ اس نام کو ابھی شیئر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ اس کا اور ہلال کا راز تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف سے ملنے کے بعد وہ کافی شاپ میں واپس آ گئی تھی اور اس وقت بے زار سی کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی۔ قطار میں لوگ باری باری سامنے آتے اور اپنے آرڈرز لکھواتے۔ وہ مال تھا۔ ہمہ وقت رش رہتا۔ سر اٹھانے کی فرصت نہ ملتی۔ اور جب فرصت ملی اور مالا نے سر اٹھایا تو اس دن والا لڑکا دکھائی دیا۔ وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

اس کے ساتھ دو اور لوگ بھی تھے۔ ایک لڑکی۔ ایک لڑکا۔ وہ کسی بات پہ ہنستے ہوئے اندر داخل ہو رہا تھا۔ لڑکی بیٹھنا چاہ رہی تھی۔ اس نے اس کے لیے کرسی کھینچی۔ وہ بیٹھ گئی تو وہ قطار کی طرف چلا آیا۔ اپنی باری آنے تک وہ موبائل پہ سر جھکائے رہا۔ جیسے ہی اس کے سامنے والا گاہک ہٹا' اس نے موبائل جیب میں ڈال دیا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''ہیلو مالا....'' اس نے مالا کے ایپرن پہ لکھا نام پڑھا۔ وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

"بدر۔"

وہ چونکا۔ پھر چہرے پہ خوشگوار حیرت در آئی۔

''تم پہلی باریستا ہو جس کو میرا نام یاد ہے۔'' پھر وہ اپنا آرڈر لکھوانے لگا۔

''بدر۔'' وہ کپ پکڑے اس پہ لکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو انگلیاں کپکپائیں۔ دل زور سے دھڑکا۔

وہ اب پک اَپ کاؤنٹر پہ کھڑا تھا۔ پیٹ اس کی کافی بنا رہی تھی۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ البتہ وہ اگلے گاہکوں

کے آرڈرز نوٹ کرتے ہوئے بار بار اس پہ ایک نظر ڈالتی تھی۔

"تم اسے جانتی ہو؟"

وہ اپنے گروپ کے ساتھ کرسیوں پہ بیٹھا کسی بات پہ ہنس رہا تھا اور وہ اسے دیکھ رہی تھی جب پیٹریشیا نے سرگوشی کی۔ وہ بری طرح چونکی۔

"نہیں۔" جلدی سے سنبھلی۔

"پھر ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" وہ سر جھکا کے دراز سے سکے نکالنے لگی۔ حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا تھا۔

اس رات کافی شاپ بند کرنے کے بعد وہ مال سے نکلی تو واٹس ایپ کھولا۔ اس کے وکیل کا آڈیو میسج کافی دیر سے آیا رکھا تھا۔ اس نے بے چینی سے پلے کا بٹن دبایا۔

''کشمالہ.... آپ کا اسائلم کیس قدرے پیچیدہ ہو گیا ہے۔'' اس کی آواز میں مایوسی تھی۔ ''آپ کا شوہر اسی شہر میں رہ رہا ہے۔ مگر اس نے آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ اس سے آپ کا کیس کمزور ہوتا ہے۔ وہ سعودیہ میں ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ آپ کو کینیڈا میں پناہ چاہیے۔ لیکن اب تو وہ یہیں ہے۔ امیگریشن آفیسرز اس کو ایک ڈھکوسلہ بھی سمجھ سکتے ہیں۔ کیونکہ بہت سی پاکستانی عورتیں اسائلم کے لیے شوہر پہ الزام لگاتی ہیں۔ پھر اسائلم ملنے کے بعد میاں بیوی صلح کر لیتے ہیں اور شوہر بھی شہریت کے لیے اپلائی کر دیتا ہے۔''

اس نے احساس بے بسی سے مٹھیاں بھینچ لیں۔ سڑک کنارے چلتے ہوئے ریکارڈ کا بٹن دبایا اور موبائل چہرے کے قریب کر کے کہنے لگی۔

''وہ یہ اس لیے کر رہا ہے تاکہ میرا کیس کمزور پڑ جائے۔ اب میں کیا کروں؟''

موبائل پرس میں رکھا اور کنپٹی سہلاتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ زیاد سلطان کے جرائم ہوں یا اس کے جادو' اس کے پاس اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ تھا۔

اور تب ہی.... وہ احساس پھر سے ہونے لگا۔

کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔

کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ چونک کے گھومی۔ پلٹ کے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔

اس نے باہر پھیلی رات کو دیکھا۔بس اسٹاپ تک کا فاصلہ اسے تنہا عبور کرنا تھا۔اور بس اس کے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کے پاس نہیں رکتی تھی۔وہ وہاں سے سات منٹ کی واک پہ رکتی تھی۔اسے اسٹاپ سے اتر کے سات منٹ تک رات میں چلنا تھا۔اوران ملکوں میں مغرب ساتھ ہی رات ہوجاتی تھی۔ویک ڈے زمیں تو ڈاؤن ٹاؤن تک ویران ہوجاتے۔وہ تو پھر ڈاؤن ٹاؤن سے دور رہتی تھی۔ادھر اندھیرا ہوااور ادھر کینیڈین ساری بتیاں بجھا کے گھر میں دبک گئے۔ایسے میں وہ علاقہ بالکل تنہا اور اندھیر ہوجاتا تھا۔

اب وہ کیا کرے؟

وہ اپنے تعاقب کار کو جانتی تھی۔اور جب تک وہ یوں اس کا تعاقب کرے گا' وہ خود کو غیر محفوظ تصور کرے گی۔

اوراب خود کو محفوظ تصور کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

''کشمالہ.... یہ ایک غلط فیصلہ ہے۔''اس کے اندر کسی نے اسے جھنجھوڑا' لیکن جہاں اتنے غلط فیصلے کیے' وہاں ایک اور سہی۔

اس نے پرس سے کارڈ نکالا اور انگلیاں فون پہ نمبر ملانے لگیں۔

"سنو کیف جمال... میں تمہیں ہائر کرنے کے لیے تیار ہوں۔لیکن میری ایک شرط ہے۔"وہ بس اسٹاپ تک جاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''کیسی شرط؟''

''میں تمہیں کیف کہہ کے نہیں پکاروں گی۔''

''اوہ نو پرابلم۔آپ مجھے KJ (کے جے) کہہ سکتی ہیں۔میرے دوست مجھے یہی کہتے ہیں۔''

وہ جانتی تھی اس کے دوست اس کو کے جے نہیں کہتے اور وہ اس کو صرف کمفرٹیبل محسوس کروانے کے لیے کہہ رہا تھا۔لیکن اس کے لیے یہ کافی تھا۔

''اس دفعہ تم مجھے کوئی دھوکہ نہیں دو گے۔میری پیٹھ پیچھے کچھ نہیں کرو گے۔اور مجھ سے ہمیشہ سچ بولو گے۔''

''میرے اندر ابھی اتنی انسانیت باقی ہے' کشمالہ میم۔آپ بے فکر رہیں۔میں ایک سایے کی طرح آپ کی حفاظت کروں گا۔''اس نے پورے وثوق سے کہا تھا۔

کشمالہ مبین کی کال بند کر کے کیف جمال نے اپنا کال لاگ کھولا۔

پھر ایک نمبر کو دبایا۔

گھنٹی جانے لگی۔

" کیا ہوا؟" زیاد سلطان کی بے زار سی آواز سنائی دی۔

"وہ مجھے باڈی گارڈ رکھنے کے لئے مان گئی ہے' زیاد بھائی۔" وہ خوشگوار حیرت سے کہہ رہا تھا۔" آپ نے درست کہا تھا۔ آپ کی بیوی لوگوں پہ بہت جلد بھروسہ کر لیتی ہے۔"

" گڈ۔" زیاد کا لہجہ بے تاثر تھا۔

" تمہاری رقم تمہارے اکاؤنٹ میں ہر ہفتے پہنچتی رہے گی۔ جس دن اس نے تمہیں فائر کیا' ہماری ڈیل ختم۔ اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم اس جاب کو کتنا طول دے سکتے ہو۔"

زیاد سلطان نے خشک انداز میں کہہ کے کال کاٹ دی۔ کیف جمال نے مسکرا کے موبائل نیچے رکھا۔

کے جے۔ وہ بڑبڑایا۔ وہ کیوں نہیں چاہتی کہ وہ اس کو کیف کہہ کے پکارے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نگینہ بیگم کے نیم تاریک گھر میں عجیب مصالحوں کی بدبو پھیلی تھی۔ وہ لکڑی کے فرش سے بنے ڈائننگ روم میں فرش پہ بیٹھی تھیں۔ آلتی پالتی کیے۔ ننگے سر بال پھیلائے۔ ان کے گرد ایک نارنجی رنگ کے پاؤڈر سے دائرہ کھنچا تھا۔ ہاتھ میں تسبیح تھی۔ اور حصار کے اندر ایک برنر پہ ہنڈیا رکھی تھی۔ اس میں ایک کاڑھا سا پک رہا تھا۔

اندرانی مودب سی حصار کے پار کھڑی تھی۔ بار بار وہ فکرمندی سے ان کے جھکے سر کو دیکھتی۔ وہ آنکھیں موندے کچھ پڑھ رہی تھیں۔

" سرکار.... یہ ضروری ہے کیا؟"

انہوں نے جواب نہیں دیا۔ اپنا منتر بڑبڑاتی گئیں۔

" آپ کا جادو ماہر فرید پہ کبھی اثر نہیں کرتا۔ پہلی دفعہ اس ہلال نے آصف کو آزاد کروا دیا۔ دوسری دفعہ جادو پلٹ آیا۔"

اس کی آواز میں واہمے تھے۔ خدشات تھے۔

" آپ پہلے ہی اتنی بیمار ہیں۔ ایسے میں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"ہماری زندگی اپنے اختتام کے قریب ہے' اندرانی۔" وہ آنکھیں موندے بولیں۔" ہم نے کئی برس سے اپنی قوت بچا کے رکھی ہوئی تھی۔ اس ایک آخری عمل کے لیے۔ سحرالموت۔"

ہنڈیا سے جامنی دھواں سا نکل رہا تھا۔اندرانی نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

ہنڈیا کا جادو سب سے سنگین جادو تھا۔اس کی کوئی کاٹ نہیں تھی۔

سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔

"اس کا مرنا ضروری ہے کیا؟"

"بہت ضروری۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ اس کی وجہ سے کشمالہ اپنا بچہ نہ مار دے۔" انہوں نے آنکھیں کھول کے اسے گھورا تو وہ قدرے سہم گئی۔ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"صرف وہ ہے جو ہماری برسوں کی ریاضت ضائع کر سکتا ہے۔اور ایسا نہیں ہونا چاہیے۔چند ماہ میں زیاد کی بیٹی ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ ہمارا عمل پورا ہونے کو ہے۔اس لیے اس کا مرنا ضروری ہے۔"

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔البتہ وہ اسی طرح فکرمندی سے انہیں دیکھے گئی۔

"وہ اپنی نیند میں مر جائے گا۔ دم گھٹنے سے۔لیکن اسے تکلیف ہوگی' اندرانی۔ میں اس شخص کو اسی اذیت اور کرب سے مارنا چاہتی ہوں جیسی اس نے برسوں سے مجھے اور میرے بیٹے کو دی ہے۔"

پھر انہوں نے آنکھیں بند کیں۔

"ہم عمل شروع کر رہے ہیں۔تم دروازے بند کر دو۔اب ہم کلام نہیں کریں گے۔"

اندرانی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام کھڑکیاں دروازے بند کرنے لگی۔وہ ابھی بلائنڈز نیچے گرا رہی تھی جب ان کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔

"وہ آج رات سے پہلے مر جائے گا۔"

وہ آنکھیں موندے اب ایک سفوف سا ہنڈیا میں ڈال رہی تھیں۔اندرانی کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔

سو ماہر فرید کی کہانی کا اختتام ہونے جا رہا تھا۔وہ ماہر فرید جس نے برسوں اس کی سرکار کو بے چین رکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سبرینہ کے گھر سے نکلا اور سڑک کنارے قدم قدم چلنے لگا۔وہ اپنی کار دور کھڑی کر کے آیا تھا۔اسے خدشہ تھا کہ کوئی اس کا تعاقب نہ کر رہا ہو۔

مغرب اتر رہی تھی۔ ہر طرف جامنی سی روشنی تھی۔اندھیرا اپنے پر پھیلانے کو تیار تھا۔

ایک دم ہوا کا تیز جھونکا آیا۔سرد جھونکا جس میں تپش تھی۔

سائیڈ واک پہ چلتا ماہر فرید رک گیا۔ دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔

لیکن وہ محسوس کر سکتا تھا۔ ان کے قدموں کی چاپ۔

وہ پھر سے چلنے لگا۔ ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے' گردن اٹھائے' سیدھ میں دیکھتا وہ قدم اٹھاتا گیا۔

وہ ان کو سن سکتا تھا۔ سونگھ سکتا تھا۔

وہ تین تھے۔ ان کی سرگوشیاں اس کے پیچھے آ رہی تھیں۔

اندھیرا دھیرے دھیرے پھیل رہا تھا۔

سڑک اب مین روڈ تک پہنچ چکی تھی۔ وہ اسے عبور کر کے اس پتھریلی روش پہ چلنے لگا جس کے ساتھ سبزہ زار بنا تھا۔ سبزہ زار ایک ڈھلان پہ تھا۔ اس میں ایک پارک تھا اور وہاں چند جھولے لگے تھے۔

ڈھلان گھاس سے ڈھکی تھی۔ وہ چند فٹ نشیب میں جا کے سمندر کے پانی سے ملتی تھی۔

وہ وہیں سبز ڈھلان کے سرے پہ کھڑا چند لمحے نیچے پھیلے پانی کو دیکھے گیا۔

وہاں آس پاس کوئی نہ تھا۔ ہر طرف ویرانہ تھا۔ اور بڑھتی تاریکی۔

پارک کے تمام جھولے ساکن تھے جیسے خاموشی سے اسے دیکھ رہے ہوں۔

وہ آگے بڑھنے لگا جب ایک آواز سنائی دی۔ جیسے زنگ آلود لوہے کی ہوتی ہے۔ چیں چیں۔

اس نے پلٹ کے دیکھا۔

ایک جھولا دھیرے دھیرے ہلنے لگا تھا۔ وہ ایک seesaw (سی سا) تھا۔ اوپر نیچے۔ نیچے اوپر۔ ہر حرکت کے ساتھ زنگ کی چیخیں نکلتیں۔

اس سی سا کے قریب سے سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔

وہ چند لمحے سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ پھر ڈھلان سے نیچے اترنے لگا۔ اس کا رخ اس سی سا کی طرف تھا۔

سی سا کی رفتار اب تیز ہوتی جا رہی تھی۔ سرگوشیاں بھی بڑھ گئی تھیں' دھیمی سی ہنسی۔ جیسے کوئی اس پہ طنز کر رہا ہو۔

وہ جوگرز سے گھاس روندتا آیا اور اس سی سا کے قریب آ رکا۔ اب وہ انہیں سن سکتا تھا۔

وہ وہیں تھے۔ اس کے آس پاس کہیں۔

وہ چند ثانیے وہیں کھڑا رہا۔ سی سا اوپر نیچے' نیچے اوپر ہوتا رہا۔ تیز۔ مزید تیز۔

اندھیرا پھیل رہا تھا۔سیاہ بادل سر پہ آ چکے تھے۔اور فضا کا بوجھل پن مزید بڑھ گیا تھا۔

وہ وہیں کھڑا اسی سا کی اس سیٹ کو دیکھتا رہا جو اس کے قریب تھی۔وہ بار بار اوپر جاتی پھر نیچے آتی۔گھاس پہ ایک لمحے کے لیے رکتی اور پھر اوپر اٹھ جاتی۔

اس دفعہ جیسے ہی اس نے زمین کو چھوا' ماہر نے ایک دم اپنا جوگر اس پہ رکھ دیا۔

سی سارک گیا۔

ایک لمحے کے لیے ساری فضا ساکن ہوگئی۔

"اب میری بات غور سے سنو۔" وہ بولا تو آواز میں سارے جہان کی سختی تھی۔

"تم غلام ہو' میں نہیں۔"

اس کے جوگر تلے دبی لوہے کی سیٹ کے اندر سے دباؤ اٹھنے لگا۔اور وہ اتنا ہی دباؤ لگائے اسے زمین بوس کیے رہا۔

" کیا سوچ کے تم لوگ میرے پیچھے آئے تھے؟ مجھے ڈرانے ؟میرے اندر داخل ہونے ؟ مجھے مارنے ؟" اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"تم غلام ہو ایک انسان کے۔اور میں کسی کا غلام نہیں ہوں۔نہ میں کسی سے ڈرتا ہوں۔نہ کسی انسان سے۔نہ کسی جن سے۔"

اس کے جوگر کے نیچے سے مخالف دباؤ بڑھنے لگا۔لیکن وہ پوری قوت کے ساتھ سیٹ کو دبائے ہوئے تھا۔

"اگر تم اس انسان کی غلامی کرنا چاہتے ہو' تو کرتے رہے۔لیکن آج سے تم میرے پیچھے نہیں آؤ گے۔"

سیٹ اوپر اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے دبائے رکھنے میں اسے پسینہ آنے لگا تھا۔مگر چہرے پہ سکون تھا۔بے نیازی تھی۔

"تم....آج سے....میرے پیچھے....نہیں آؤ گے۔" وہ الفاظ توڑ توڑ کے ادا کر رہا تھا۔

"اگر تم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو...."

سیٹ کے اندر سے دبی دبی سی چیخیں نکل رہی تھیں۔

"اور قیامت کے دن پہ یقین رکھتے ہو...."

اس کے کندھوں پہ دباؤ پڑنے لگا۔

''تو آج سے تم میرے پیچھے نہیں آؤ گے۔''

وہ بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔ پسینہ پیشانی سے گرتا' کان سے نیچے لڑھک رہا تھا۔

ایک دم تیز گرم ہوا چلنے لگی۔

پارک کے سارے جھولے زور زور سے اڑنے لگے۔ ان میں غصہ تھا۔ جیسے کوئی اَن دیکھی آندھی ہو۔ جو سمندر کنارے اس اونچی ڈھلوان پہ بنے پارک کے گرد ہی چل رہی تھی۔ اس آندھی میں ریت نہ تھی۔ صرف طیش تھا۔

"میں تمہیں تمہاری غلامی سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔"

اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی فرق نہ آیا۔ گردن جھکائے وہ جوگر تلے دبے لوہے کو دیکھ رہا تھا۔

''تمہارا سرکار نہ تمہیں مار سکتا ہے نہ تمہارا رزق روک سکتا ہے۔''

جھولے اب تیزی سے اڑ رہے تھے۔ زوردار چنگھاڑ کے ساتھ۔ دائیں بائیں۔ اوپر نیچے۔ گول گول۔

صرف وہ سی سا بے بس تھا جس کی ایک سیٹ اس کے جوگر تلے تھی۔

"میں تمہیں اس اللہ کے نام کے ساتھ آزاد کرتا ہوں جو تمہارے رزق اور جان کا مالک ہے۔'' اس نے اب اپنے گھٹنے پہ ہاتھ رکھ دیا تھا۔ پیر میں جیسے سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ کوئی اس کے سارے جسم کو نیچے سے دھکا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

''میں تمہیں اللہ کے نام کے ساتھ آزاد کرتا ہوں۔''

اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا۔

''ہر جادوگر کی قید سے۔ ہر انسان کے شر سے۔''

جوگر تلے دبی سیٹ پوری قوت سے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم آج سے میرے پیچھے آنے کی غلطی نہیں کرو گے بلکہ...."

قریبی سوئنگ ایسے ہوا میں دائیں بائیں اڑ رہا تھا جیسے زنجیر توڑ کے سمندر میں جست لگانا چاہتا ہو۔

"بلکہ تم واپس اسی جادوگر کے پاس جاؤ گے جس نے تمہیں بھیجا ہے۔'' اس کی آواز اب کسی غراتی ہوئی سرگوشی کے جیسی تھی۔

''میں دعا کرتا ہوں کہ تم یہ جادو اسی کے اوپر واپس پلٹا دو جو اس کا اہل ہے..... کیونکہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔"

بادل زور سے گرجے۔بجلی ایسے چمکی جیسے کہیں گرنے والی ہو۔گرم ہوا کے تھپیڑوں میں دبی دبی سی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔وہ تکلیف میں تھے۔

"تم جہاں سے آئے ہو' مجھے تکلیف دیے بنا وہیں پلٹ جاؤ۔وہ اس جادو کا مجھ سے زیادہ اہل ہے۔"

ہوا کا زور ٹوٹ گیا۔

جھولتے ہوئے جھولے دھیمے ہو گئے۔

"تم آج سے میرے پیچھے نہیں آؤ گے۔"

سی سا کی قوت دم توڑ گئی۔

جھولے دھیرے دھیرے ساکت ہونے لگے۔

ہوا اب مکمل خاموش تھی۔

"میں تمہیں اللہ کے نام کے ساتھ اس جادوگر کی قید سے آزاد کرتا ہوں۔"

اس نے دھیرے سے جوگر ہٹایا۔

سی سا اب خاموش تھا۔ساکن۔

سرگوشیاں دم توڑ چکی تھی۔

فضا کا بوجھل پن ایک دم ختم ہو گیا تھا۔سب کچھ ہلکا پھلکا سا تھا۔

وہ وہاں سے پلٹ گیا۔اور دھیرے دھیرے ڈھلان سے اوپر چڑھنے لگا۔

جیب میں ہاتھ ڈال کے نیلی تسبیح نکالی اور زیرِ لب کچھ پڑھتے ہوئے اب وہ سڑک کی طرف بڑھ رہا تھا۔چند کوس دور بنے پارکنگ لاٹ میں اس کی کار اس کی منتظر تھی۔

جھولے اب ساکت تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیسمنٹ کا دروازہ کھلا اور لکڑی کے زینوں پہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔

بیسمنٹ اسی طرح کاٹھ کباڑ سے بھری تھی۔کونے میں ایک ستون کے ساتھ ہتھکڑی لگے ہاتھوں والی ہلال بیٹھی تھی۔سر گھٹنوں پہ رکھے وہ دائیں دیوار پہ آنکھیں جمائے ہوئے تھی۔

اندرانی نے ٹھک سے کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھی۔

" کیسی ہو ہلال؟" اسے غور سے دیکھتی وہ اس کے سامنے چوکڑی مار کے بیٹھی۔

ہلال نے چہرہ نہیں موڑا۔ نہ جواب دیا۔

"اگر تم سرکار کی بات مان لو تو تمہاری قید ختم ہو سکتی ہے۔"

اس نے آگے بڑھ کے چابی سے اس کی ہتھکڑی کھولی۔ اور نرمی سے اسے ہلال کے ہاتھوں سے نکالا۔ اس کی کلائی پہ نشان سا پڑ چکا تھا۔

" تمہیں ہتھکڑی لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ تم نے کون سا بھاگ جانا ہے۔" اس کی آواز میں طنز بھر آیا۔ ہلال نے جواب نہیں دیا۔ وہ چہرہ گھٹنوں پہ رکھے ہوئے تھی۔ اس کی تھوڑی اور کنپٹی پہ زخم کا مندمل سا نشان آج بھی واضح تھا۔

"....ٹوٹ جائے گی۔" وہ بڑبڑائی۔ اب آنکھیں بند تھیں۔

اندرانی چونکی۔

"کیا کہا؟"

"ہنڈیا ٹوٹ جائے گی۔" وہ زیر لب دہرا رہی تھی۔ "ہنڈیا ٹوٹ جائے گی۔"

اندرانی کے سر پہ گویا چھت آن گری۔ وہ ایک دم اٹھ کے بھاگی۔ اپنے بھاری وجود کے باوجود زینے پھلانگتی اوپر آئی۔ دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ اسے کوئی ہوش نہ تھا۔

ڈائننگ روم کو کھلتا دروازہ زور سے بجایا۔ وہ سختی سے بند تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے چابی اندر گھسائی اور ہینڈل زور سے گھمایا۔

نارنجی دائرے کے درمیان نگینہ بیگم گری پڑی تھیں۔ تسبیح کے دانے ٹوٹ چکے تھے۔

وہ چلاتے ہوئے ان کی طرف لپکی۔ لیکن قریب پہنچ کے اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔

ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور جسم جھٹکے کھا رہا تھا۔ جیسے کوئی دورہ سا پڑ رہا ہو۔

لیکن.....وہ ان کے جسم کو نہیں دیکھ رہی تھی۔

وہ ان کے چہرے کے دائیں حصے کو دیکھ رہی تھی۔

وہ جل رہا تھا۔

بنا آگ کے ان کا چہرہ جل رہا تھا۔ اس میں سے بدبو اور دھواں ایک ساتھ اٹھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین برس پہلے

"تم نے ہلال کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟"

یہ وہ پہلا سوال تھا جو اتنے دن بعد اس کو دیکھتے ہی نگینہ بیگم نے پوچھا تھا۔ انداز میں نہ گلہ تھا نہ غصہ۔ صرف نرمی تھی۔

یہ زیاد کا لاہور والا گھر تھا۔ اس کا لاؤنج ہمیشہ کی طرح نیم اندھیر تھا۔

وہ ایک پردے کے ساتھ رکھی آرم چیئر پہ بیٹھا تھا اور پیر لمبے کر کے اوتومن پہ رکھے تھے۔ پردوں کے درمیان سے روشنی باریک جھری کی صورت اندر آ رہی تھی۔ وہ جھری زیاد کے آدھے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ باقی آدھا تاریکی میں تھا۔

''وہ مر بھی سکتی تھی۔''

وہ اسٹک کے سہارے چلتی ہوئیں' اس کے قریب رکھی آرم چیئر پہ بیٹھیں۔

"اس کے گھر والوں نے اس کی تلاش سے ہار مان لی؟"

وہ اس جھری سے باہر دکھائی دیتے لان کو دیکھ رہا تھا۔ ایک آنکھ روشنی اور دوسری اندھیرے میں تھی۔

"بچے کی دفعہ سب ہار مان جاتے ہیں۔'' وہ دھیرے سے مسکرائیں۔ آنکھیں نم ہوئیں۔ ''سوائے اس کی ماں کے۔'' پھر غور سے اس کو دیکھا۔

"کیا ہے اس لڑکی میں ایسا خاص جو اس کے لیے آپ نے...." زیاد نے چہرہ ان کی طرف موڑا۔ اب وہ مکمل تاریکی میں تھا۔ لیکن ان کی آنکھوں کو تاریکی میں دیکھنے کی عادت تھی۔ ''....مجھ سے ایک معصوم لڑکی کا قتل کروایا؟"

"معصوم تو میں بھی تھی زیاد۔ لیکن دنیا نے کیا کیا میرے ساتھ؟" ان کا چہرہ تاریکی میں تھا۔ سپاٹ۔ کسی تاثر کے بغیر۔

اس نے سر جھٹکا۔ ''کیا وہ آپ کے کام آئے گی؟"

"وہ ہمیشہ میرے کام کی رہے گی۔ لیکن اس کا راضی ہونا ضروری ہے۔''

زیاد نے گردن موڑ لی۔ جھری واپس چہرے کو نیم روشن کرنے لگی۔

"میں مزید کسی کا قتل نہیں کروں گا۔ میں اس کام کو چھوڑ رہا ہوں۔"

وہ ایک لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکیں۔

"یہ راستہ آپ نے اپنے لیے خود چنا تھا' میرے بیٹے۔ لیکن اس کو اب آپ کسی اور کی وجہ سے چھوڑ رہے ہو۔"

"میں مزید اس گناہ کی دلدل کا حصہ نہیں بنوں گا۔ میں واپس دبئی جا رہا ہوں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

اب اس کا سارا وجود دو حصوں میں بٹا تھا۔ تاریک اور روشن۔

"وہاں کیا کرو گے؟ ایک عام سی نوکری؟ آپ میرا سب سے قیمتی اثاثہ ہو۔"

"میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں امی۔" وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ "لیکن میں مزید آپ کے اس کھیل کا حصہ نہیں بنوں گا۔ مجھے نجات چاہیے۔"

"اب آپ اس راستے پہ بہت دور آ گئے ہو۔ اب کوئی واپسی نہیں۔"

"مجھے کچھ عرصہ اس کا غم منانے دیں۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ پلٹ کے اسے دیکھنے لگیں۔

"اور وہ لڑکی؟ کشمالہ؟" اضطراب سے اسے پکارا۔

اس کے قدم ٹھہر گئے۔ مگر وہ مڑا نہیں۔

"مجھے صرف ایک لڑکی پسند آئی تھی۔ اور آپ نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔ اب مجھے کسی میں دلچسپی نہیں ہے۔"

وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ گھر سے باہر جا رہا تھا۔

اس کے جانے کے بعد چند ثانیے گزرے تھے کہ کسی کونے سے اندرانی نکل کے اس طرف آئی۔

زیاد کی چھوڑی ہوئی جگہ کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"کیا آپ اسے سبرینہ کی حقیقت نہیں بتائیں گی؟"

نگینہ بیگم چونکیں۔ پھر چہرے پہ ناگواری گزری۔

"نہیں۔" گردن موڑ کے گھور کے اسے دیکھا۔ آنکھوں میں اتنی ٹھنڈک تھی کہ اندرانی کے اندر تک سرد لہر دوڑ گئی۔

"اس کے بارے میں جو میرے موکل بتا چکے ہیں' وہ راز ہی رہے گا۔ زیاد کبھی نہیں جان پائے گا کہ وہ زندہ ہے۔ کینیڈا میں ہے شاید۔ یا جہاں بھی۔" انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔ "اس کو زیاد کی نظروں میں مردہ رہنے

دو۔وہ میرے بیٹے کے لیے اچھی نہیں ہے۔"

"لیکن....وہ کشمالہ؟وہ اس کے لیے بھی راضی نہیں۔"اندرانی کے لہجے میں تشویش تھی۔"اور کبیرہ بھی اپنی بیٹی کے لیے...."

"کبیرہ بے وقوف ہے۔اس وعدے کا مطلب نہیں جانتی۔"انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔"اس کا حل بھی سوچتے ہیں ہم۔"انہوں نے پیچھے کو ٹیک لگالی اور تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔

ابھی وہ کوئی نیا عمل کرنے کے قابل نہیں تھیں۔لیکن جب تک ہوں گی'زیادہ سنبھل چکا ہوگا۔

ان کا ذہن ایک نیا تانا بانا بننے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش اس چھوٹے سے گھر کی لکڑی کو بھگو رہی تھی۔بیربل سڑک کنارے پارک کی گئی کار میں بیٹھا تھا۔ونڈ اسکرین پہ مسلسل وائپرز چل رہے تھے۔وہ یہاں سے ماہر کو دیکھ سکتا تھا۔وہ اس گھر کی چوکھٹ پہ کھڑا بار بار بیل بجا رہا تھا۔

دروازہ ہنوز بند تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس طرف آتا دکھائی دیا۔وہ اسٹک کے سہارے چل رہا تھا۔

"وہ لوگ یہ گھر چھوڑ کے جا چکے ہیں۔"وہ اندر بیٹھا تو مکمل بھیگا ہوا تھا۔لیکن اسے جیسے پرواہ نہیں تھی۔

"چھوڑنا ہی تھا۔جتنے چکر تم نے سبرینہ کے گھر کے لگائے تھے'انہوں نے یہاں نہیں رہنا تھا۔"بیربل خفگی سے کہتے ہوئے کار سڑک پہ ڈال رہا تھا۔

"میں صرف ان سے بیٹھ کے بات کرنا چاہتا تھا۔سمجھانا چاہتا تھا کہ میرا قصور نہیں تھا۔میں نے اس روز سبرینہ کو وہاں نہیں بلایا تھا۔لیکن نہیں۔"اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔"ماہر فرید کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔"

"مالک کہہ رہا تھا کہ انہوں نے تمہارے خلاف ایک injunction فائل کی ہے جس...."

"مجھے مت بتایا کرو کہ مالک کیا کہہ رہا ہے۔"اس نے ایک دم بات کاٹ دی۔بیربل خاموش ہوگیا۔وہ باہر دیکھے گیا اور بیربل چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا۔

"تم میرے ساتھ استنبول چلو۔ہم مالک اور کمپنی....سب سے دور چلے جائیں گے۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"وہ کھڑکی کے باہر بھاگتے گیلے گھروں کو دیکھ رہا تھا۔

"ہمیں ماں اور ہلال کی یاد نہیں آئے گی۔"

"ہلال زندہ ہے۔"

بیربل نے گہری سانس لی۔ چہرے پہ ایک دم بہت سی تکلیف در آئی۔

"جیسے تمہیں مالک کے نام سے تکلیف ہوتی ہے ویسے ہی مجھے ہلال کے ذکر سے تکلیف ہوتی ہے' ماہر۔ وہ مر چکی ہے۔ اور اس بات کو تین ماہ ہو چکے ہیں۔ بار بار وہی جھوٹی امید مت دلایا کرو۔"

"اس نے کہا تھا ہم پھر ملیں گے۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔

بیربل نے نہیں سنا۔ وہ اسی خفگی سے کہہ رہا تھا۔

"وہ مر چکی ہے۔ اگر آگ میں نہیں مری تھی تو اس کے بعد مر گئی تھی۔ اتنی دیر تک کوئی اغوا کیے بچے کو زندہ نہیں رکھتا۔ خدا کے لیے اب یہ ذکر چھوڑ دو۔ ورنہ میں بھی تم سے دور چلا جاؤں گا۔" اس نے کار کی اسپیڈ تیز کر دی۔ وہ خاموشی سے باہر دیکھے گیا۔ بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

ہلال سے بدر۔ اور بدر سے ہلال تک۔ الفاظ.... اشکال.... سب بارش کے پانی میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تم نے سبرینہ کے گھر دوبارہ جانے کی کوشش کیوں کی؟"

یاسمین کے آفس میں صندل وڈ کی خوشبو پھیلی تھی۔ وہ ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی اپنے پیڈ میں کچھ لکھ رہی تھی۔ چہرے پہ خفگی تھی۔

"وہ مجھے کچھ دینا چاہتی تھی۔" وہ سامنے کاؤچ پہ نڈھال سا لیٹا تھا۔ سر ایک آرم ریسٹ' پیر دوسرے تک لمبے کیے۔ وہ دو انگلیوں سے بند آنکھوں کو مسل رہا تھا۔

"اس کی فیملی نے تمہارے خلاف injunction فائل کی ہے' ماہر۔ یہ تمہارے کیریئر اور ریکارڈ کے لیے اچھا نہیں ہے۔"

"مجھے اس ملک میں رہنا ہی نہیں ہے۔"

"پھر کیا کرو گے؟"

"پتہ نہیں۔ مجھے غصہ آتا ہے۔ اس ملک والوں پہ۔ اس شہر والوں پہ۔ آفس والوں پہ۔ ان سب کی نظر میں میں سائیکو پیتھ ہوں۔"

"تمہیں ابھی بھی بہت ضرورت ہے اپنے اوپر کام کرنے کی۔"

وہ نرمی سے یاد دلا رہی تھی۔ پھر اس نے رک کے تھوک نگلا۔ جیسے الفاظ تلاش کیے۔

"تمہیں میرے ایک سینئر سے ملنا چاہیے۔"

وہ ایک دم چونک کے سیدھا ہوا۔ پیر نیچے اتارے۔

"کیوں؟" غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"وہ تمہاری مجھ سے زیادہ مدد کر سکتے ہیں۔"

"تم کہیں جا رہی ہو؟" اس کی ساری حسیات جاگ اٹھیں۔

یاسمین کی آنکھوں میں نمی اور لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

"میں یہ ملک چھوڑ رہی ہوں۔ میرا ورک پرمٹ رینیو نہیں ہو سکا۔"

"کہاں..... کہاں جاؤ گی تم؟ روس؟"

"روس میں کچھ نہیں رکھا۔ میں وہیں جاؤں گی جہاں روس کے لوگ پیسہ کمانے جاتے ہیں۔"

"ترکی۔" وہ ایک دم بولا۔ کمرے کی فضا بوجھل سی ہو گئی تھی۔

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ترکی اس شہر سے سستا ہے۔ وہاں ہم روسیوں کے لیے رہنے کے مواقع بہتر ہیں۔"

"لیکن مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"تم ایک تھیراپسٹ پہ اتنا انحصار نہیں کر سکتے۔"

"میں کسی دوسرے تھیراپسٹ کے پاس نہیں جا سکتا۔ وہ مجھ پہ یقین نہیں کرے گا۔" وہ بے بسی سے مٹھیاں بھینچے ہوئے تھا۔ یاسمین کو لگا اس کے سامنے ایک بچہ بیٹھا ہو جس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"ماہر....."

"وہ سرگوشیاں..... وہ چاپ..... وہ اب بھی سنائی دیتی ہے۔ میں ان کو نظر انداز نہیں کر پا رہا۔" اس نے سر نیچے گرا دیا اور دونوں ہاتھوں میں بال بھینچ لیے۔

"ہم long distance کر سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ میں ایسے یہاں بیٹھے بغیر تمہیں اپنی بات نہیں سمجھا سکتا۔"

''ماہر تمہیں میرے فیصلے کا احترام کرنا ہوگا۔ مجھے خود کو اور اپنی فیملی کو سب سے اوپر رکھنا ہے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔

وہ چند لمحے اسی بے بسی سے اسے دیکھے گیا۔

"میں تمہیں وہاں جانے سے نہیں روک سکتا۔ لیکن تم مجھے وہاں آنے سے بھی نہیں روک سکتیں۔''

اس کا ذہن ایک فیصلہ کر چکا تھا۔

وہاں سے نکلتے ہوئے وہ بیربل کا نمبر ملا رہا تھا۔

"بیربل.... میں تمہاری بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ ایک ہی سانس میں کہتا گیا۔ ''ہم اسی ہفتے استنبول جا رہے ہیں۔"

دوسری جانب بیربل فون رکھتے ہی نم آنکھوں سے مسکرایا۔

اس کا بھائی بالآخر اس کی محبت میں اس کے پسندیدہ شہر میں رہنے آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبدالمالک فرید اسکرین کو دیکھتے ہوئے' دو انگلیوں سے ننھی پیالی چہرے کے قریب لے گئے۔ ایک گھونٹ میں اسپریشو شاٹ حلق میں انڈیلا اور کپ نیچے رکھا۔ چند قطرے پیندے کے ساتھ لگے رہ گئے۔ ان میں بنے نقش و نگار میں چھپی قسمت کی لکیروں سے بے نیاز' کی بورڈ پہ کچھ ٹائپ کرنے لگے۔

دفعتاً یونہی نگاہ اوپر اٹھی اور دیوار پہ لگی سی سی ٹی وی اسکرین پر ٹھہر گئی۔

وہاں ایک فریم میں ماہر لفٹ سے نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔ پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔

ماہر آفس کی طرف جا رہا تھا۔ قاسم فرید کے آفس کی طرف۔ اپنے آفس کی طرف۔

ان کے ہونٹوں کو ایک مسکراہٹ چھو کے معدوم ہوگئی۔ چہرہ واپس بے تاثر ہوگیا اور وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھ گئے۔

بنا دستک کے ماہر کے آفس کا دروازہ کھولا تو وہ بک شیلف کے پاس کھڑا چند کتابیں اٹھا رہا تھا۔

مالک فرید چوکھٹ میں کھڑے رہ گئے۔ چونک کے پہلے اسے دیکھا جو ان سے رخ موڑے ہوئے تھا۔ اور پھر میز کو جہاں ایک باکس رکھا تھا۔ وہ اس میں چیزیں ڈال رہا تھا۔

ان کے سینے پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔

" کہاں جا رہے ہو؟" چہرہ البتہ سپاٹ تھا۔

" یہاں سے دور۔"

" کیوں؟ یہ تمہارا اپنا آفس ہے۔"

وہ کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے ایک صوفے پہ بیٹھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ غور سے اس کی پشت کو دیکھا۔

"وہی آفس جہاں سے تم نے مجھے نکالا تھا؟" ماہر نے پلٹ کے ایک چبھتی ہوئی نگاہ ان پہ ڈالی۔

" تمہاری سیکرٹری کا سر میں نے نہیں پھوڑا تھا۔ تم نے میرے لیے کوئی راستہ چھوڑا تھا کیا؟" ان کا لہجہ تیز تھا۔ ماہر سر جھٹک کے واپس پلٹ گیا۔ ہاتھ تیزی سے اپنی قیمتی چیزیں سمیٹ رہے تھے۔

" کہاں جاؤ گے؟" وہ اس کے ہاتھوں کی حرکات کو دیکھ رہے تھے۔

"استنبول؟"

''ایک ڈوبتی معیشت کے شہر میں؟ چچ۔" انہوں نے جیسے افسوس کیا۔

" تمہیں میری فکر نہیں کرنی چاہیے۔''

''لیکن تمہیں اپنے باپ کی کمپنی کی فکر ہونی چاہیے۔''

''تم کافی ہو اس سب کی فکر کرنے کے لیے۔''

وہ پتلیاں سکوڑ کے غور سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔

''تم کسی بہتر جگہ بھی جا سکتے تھے۔ استنبول کیوں؟ بیر بل کے لیے؟'' انہیں جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

وہ ایک فریم دیوار سے اتار کے سیدھا ہوا اور براہ راست ان کو دیکھا۔

''یاسمین کے لیے۔'' فریم لیے وہ میز تک آیا۔ ''تمہیں شاید معلوم بھی نہ ہو کہ یاسمین کون ہے۔ وہ میری تھیراپسٹ ہے۔ جب تم مجھے اس مینٹل اسائلم میں پھینک کے بھول چکے تھے' تب صرف اس نے میری مدد کی تھی۔"

''تم اس کے ساتھ long distance بھی کر سکتے ہو۔ یہ تمہاری کمپنی ہے۔ میں ہمیشہ اس کا جنرل مینیجر رہوں گا۔ مالک نہیں۔ وہ تم ہو۔''

ماہر نے زور سے باکس کا ڈھکن بند کیا۔ اس کے چہرے پہ اب برہمی در آئی تھی۔

''تم نے مجھے یہاں سے نکالا تھا۔ میں یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ نہ ہی میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں۔'' اس نے باکس اٹھایا اور چلتا ہوا مالک کے صوفے کے قریب آیا۔

''کس نے کہا مجھے تمہاری معافی چاہیے؟'' انہوں نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''آف کورس۔ میں بھی کس پتھر سے مخاطب ہوں۔''

وہ دروازہ زور سے بند کرتا باہر نکل گیا۔

آفس ایک دم ویران ہو گیا۔

وہ تنہا میں بیٹھے رہ گئے۔

ان کے سامنے قاسم فرید کی سیٹ خالی پڑی تھی۔

مالک فرید کی آنکھوں میں زمانے بھر کی تکلیف اتر آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''زیاد۔'' انہوں نے تیسری دفعہ پکارا تھا۔ لیکن جواب ندارد۔ نگینہ بیگم کچھ دیر لاؤنج کے تخت پہ بیٹھی زیاد کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھے گئیں۔ پھر اسٹک کے سہارے قدم قدم چلتی اس طرف آئیں اور دروازہ کھولا۔

کمرہ خالی تھا۔ نیم اندھیر۔ بھاری پردے کھڑکیوں کے آگے برابر تھے۔

"زیاد؟" وہ چونکیں۔ پھر پریشانی سے دائیں بائیں دیکھا۔ باتھ روم بھی خالی تھا۔

کپکپاتے ہاتھوں سے اس کی الماری کھولی۔

وہاں سے بہت کچھ جا چکا تھا۔ بالخصوص اس کا سیاہ سفری بیگ جس کو وہ ہمیشہ ساتھ رکھتا تھا۔

''اندرانی..... میرا فون لاؤ۔'' وہ اس کے بیڈ کے کنارے پہ بیٹھی، اندرانی کو پکارنے لگیں۔ پیشانی پہ پسینے کے قطرے ابھرنے لگے۔

اندرانی بھاگ کے فون لے آئی۔ لیکن زیاد کو کال ملانے سے پہلے وہ ٹھہر گئیں۔

اس کا دو گھنٹے پہلے کا آیا آڈیو میسج جگمگا رہا تھا۔

"میں آج کے بعد آپ کے لیے کوئی کام نہیں کروں گا..... سرکار۔"

انہوں نے فون بستر پہ رکھ دیا۔ زیاد کی آواز سارے میں گونجنے لگی۔

"یہ میری آخری جاب تھی۔ میں مزید اس بوجھ کے ساتھ نہیں رہوں گا۔"

ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"میں اب کسی کا قتل نہیں کروں گا۔ کسی بے گناہ کی جان نہیں لوں گا۔ آپ کے لیے تو کبھی بھی نہیں۔"

اندرانی چوکھٹ میں کھڑی ملال سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے' شکست خوردہ سی بیٹھی تھیں۔

"میں نہیں چاہتا کہ آپ میرے لیے مزید کوئی لڑکی تلاش کریں۔ مجھے اپنی حکم عدولی کرنے پہ مجبور نہ کریں۔ آپ کی تابعداری نے مجھے اس حال تک پہنچایا ہے۔"

ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔

"میں کچھ ماہ آپ سب سے دور رہوں گا۔ اپنے موکلوں کو میری تلاش میں نہ بھیجیے گا ورنہ آپ مجھے کھو دیں گی۔"

آڈیو میسج یہاں ختم ہو گیا تھا۔ پھر چند منٹ بعد ایک دوسرا میسج آیا تھا۔

''میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں' اور میں واپس آ جاؤں گا لیکن ابھی نہیں۔ اور واپسی کے بعد بھی میں مزید اس کھیل کا حصہ نہیں بنوں گا۔ میں اس لڑکی کی آنکھیں نہیں بھول سکتا۔"

فون خاموش ہو گیا۔ سارا گھر جیسے خاموش ہو گیا۔

"اب ہم کیا کریں گے سرکار؟"

" کچھ بھی نہیں۔'' انہوں نے چہرہ اٹھایا تو اس پہ ایک مغموم سی مسکراہٹ تھی۔

''ہم زیادکی واپسی کا انتظار کریں گے۔ وہ آئے گا' اور وہ پھر سے ہمارا اثاثہ بنے گا۔ اس سیاہی کو چھوڑ دینا اتنا آسان ہوتا تو ہر کوئی کر لیتا۔'' ان کی مسکراہٹ میں تلخی در آئی۔

''اور وہ جو آپ نے لاہور میں رشتے داروں میں مشہور کر دیا ہے کہ آپ اس دفعہ زیاد کا رشتہ کر کے جائیں گی؟ اس کا کیا؟''

''ہم کہہ دیں گے کہ ہم نے اس کی منگنی کر دی ہے۔ کچھ عرصے بعد ہم اس کی منگیتر کے مرنے کا اعلان کریں گے۔ اور جب تک زیاد شادی کے لیے راضی نہیں ہوتا' ہم کہیں گے کہ وہ اپنی منگیتر کا سوگ منا رہا ہے۔''

''اس سے کیا ہو گا؟'' وہ سمجھی نہیں تھی۔

''منگنی ٹوٹنے کے بعد ہمارے خاندانوں میں لڑکے کو مزید اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ جو امید لگائے بیٹھے ہوتے ہیں' اردگرد پروانے کی طرح چکر کاٹتے ہیں۔ شاید اس طرح وہ اپنے احساسِ کمتری سے نکل آئے۔''

''اور وہ سبز آنکھوں والی لڑکی؟''

''وہ ایک دن خود آ کے کہے گا کہ ہم اس پہ سحرِ عشق کریں۔ ہم اس وقت کا انتظار کریں گے۔ چلو اندر انی۔'' وہ اسٹک پہ دباؤ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا چہرہ پرسکون البتہ آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

وہ اس دن کا انتظار کریں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن۔

موبائل کی زوں زوں نے اسے چونکایا تھا۔ ماہر نے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کا موبائل کہاں تھا؟

وہ سہ پہر کا وقت تھا۔

آسمان ہلکا نیلا اور بادلوں سے صاف تھا۔ وہاں دور دور تک سبزہ پھیلا تھا جو دم توڑتی دھوپ میں دمک رہا تھا۔ سبزے کے درمیان میں روش اور گزرگاہیں بنی تھیں جن پر کوئی بائیک چلاتا جا رہا تھا تو کوئی پیدل قدم اٹھا رہا تھا۔

اس نیلے سبز منظرنامے کا حسن بڑھانے کے لیے جگہ جگہ چیری بلاسم کے گلابی درخت لگے تھے۔

وہ بھی ایسے ہی ایک درخت کے سایے تلے بیٹھا تھا۔ گھاس پہ ننھی سی فولڈنگ ٹیبل جمائے' وہ اس پہ رکھے ٹیبلیٹ پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔ کافی کی فلاسک' اور بہت سے کاغذ ساتھ رکھے تھے۔ ایسے میں موبائل کی زوں زوں نے اس کے انہماک کو توڑ دیا تھا۔ ماہر کے ماتھے پہ بل پڑے۔ ناگواری سے فون نکالا۔

کیف جمال۔

اس کے ابرو ناسمجھی سے اٹھے۔ وہ اسے فیس ٹائم پہ کال کر رہا تھا۔ یہ اب اتنے عرصے بعد کیوں؟

ماہر نے سبز بٹن دبایا۔ ویڈیو کال آن ہوئی۔

"ہیلو' مسٹر ماہر فرید۔" کیف جمال کا مسکراتا چہرہ اسکرین پہ دکھائی دیا۔

ماہر کے ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہوا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

"مجھے بنا اجازت کسی کا کال کرنا پسند نہیں ہے۔"

" کیا سرپرائز بھی پسند نہیں ہیں؟" وہ مسکرایا۔اس سے پہلے کہ وہ بے زاری سے کچھ کہتا' کیف نے کیمرا flip کیا۔

وہاں ایک منظر دکھائی دینے لگا۔

"میری نئی employer سے ملو۔"

کسی مال کے اندر ایک کافی شاپ کا چوکور احاطہ۔وہاں کاؤنٹر پہ ایک لڑکی کھڑی ساتھ کسی سے کچھ کہہ رہی تھی۔سر پہ پی کیپ۔سامنے ایپرن پہنے۔ویڈیو کال کی کوالٹی بہت اچھی نہ تھی۔لیکن وہ ایک دم سیدھا ہو کے بیٹھا۔ تنے کی ٹیک چھوڑ دی۔

وہ مالا تھی۔

وہ اسے مجمعے میں بھی پہچان سکتا تھا اور بنا چاند کے اندھیری رات میں بھی۔

اور کال کٹ گئی۔

اس کے ماتھے کی ساری شکنیں غائب ہو گئیں۔ٹیبلیٹ 'اسکیچ' کافی فلاسک' سب غیر ضروری ہو گیا۔تیزی سے کال بیک کا بٹن دبایا۔

"سوری' ماہر بھائی۔کال کٹ گئی تھی۔" کیف جمال ڈھٹائی سے مسکرایا۔"میں آج کل کشمالہ مبین کا باڈی گارڈ ہوں۔"

"تم وین کوور میں کیا کر رہے ہو؟" وہ آنکھیں چھوٹی کر کے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اوہ....یعنی آپ جانتے ہیں کہ وہ وین کوور میں ہے۔واہ۔" اس کے ابرو ستائشی انداز میں اٹھے۔آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

"میں نے اس سے معافی مانگ لی ہے اور وہ اب میرا اعتبار کرتی ہے۔اسی لیے مجھے نوکری دی ہے۔"

کچھ تھا اس کے انداز میں جو اس کی پیشانی پہ بل پڑنے لگے۔لیکن بہت ضبط سے لب بھینچ لیے۔

"لیکن وہ کیا ہے کہ....اس نوکری سے میرا گزارا ممکن نہیں۔" وہ تھوڑی کھجاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔"آپ میرے اوپر بہت سے قرض چھوڑ گئے تھے۔"

"کیونکہ تم نے ڈیل توڑی تھی۔تم نے اس سے جھوٹ بولا تھا۔"

"ایک دفعہ پھر بول سکتا ہوں اگر آپ اور میں دوبارہ ڈیل کر لیں۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"مجھے وعدہ خلاف لوگوں کے ساتھ معاہدے کرنا پسند نہیں ہے' کیف۔" اس کی چبھتی نظریں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔ لوزر۔

" کیف...یس...یس....کیف۔" اس نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ "اسی وجہ سے آپ کو کال کر رہا ہوں۔ کیونکہ میری ایمپلائر نے کہا ہے ہے کہ وہ مجھے کیف کہہ کے نہیں پکارے گی۔"

ماہر کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوتی دکھائی دی۔ وہ اسی ڈھٹائی سے کہہ رہا تھا۔

"جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ اس معاملے میں کسی نہ کسی کی فیلنگز انوالوڈ ہیں۔"

"تمہاری ایمپلائر کو معلوم ہے کہ تم مجھے کال کر رہے ہو؟"

"اور جب فیلنگز انوالوڈ ہوں..." اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ "تو قیمت بڑھ جاتی ہے۔"

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"Weekly retainer"

"اور میں تمہیں retainer پہ کیوں رکھوں گا؟"

"بدلے میں میں آپ کو اس کے بارے میں تمام معلومات فراہم کروں گا۔ اس کی حفاظت کروں گا۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"اور اگر میں ایسا نہ کروں تو؟"

"تو میں اس کے شوہر کے ساتھ ڈیل کر کے اسے نقصان بھی پہنچا سکتا ہوں۔ کیا آپ کو بلیک میل بھی نہیں پسند؟"

اس نے گہری سانس لی۔

"میرا خیال ہے تم پہلے سے اس کے شوہر کے retainer پہ ہو۔ اس لیے میں تمہارے ہاتھوں بلیک میل نہیں ہوں گا۔ کسی اور کو ٹرائی کرو۔" چہرہ سپاٹ تھا۔

"اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے' ماہر بھائی۔"

"میرا فائدہ اس میں ہے کہ میں مالا کو تمہاری کال کے بارے میں بتا دوں۔"

"وہ کس کا اعتبار کرے گی؟ وہ آدمی جس نے اسے دھوکہ دیا یا وہ جس پہ اعتبار کر کے اس نے اسے اپنے قریب جاب دی؟"

درمیان میں زیاد کی کال آنے لگی تو کیف جمال نے جلدی سے ماہر کی کال بند کی۔

''تمہارا نمبر کیوں بزی تھا؟''

"سوری....بہن سے فیس ٹائم کر رہا تھا۔" گڑبڑا کے کہا۔ پھر فون کان سے لگائے سنے گیا۔

''جی جی میرا آج جاب کا پہلا دن ہے۔ جی میں اس پہ نظر رکھے ہوئے ہوں۔نہیں ابھی کچھ خاص نہیں ہوا۔اس کی بہن ملنے آئی ہوئی ہے۔''

زیاد کو تمام معلومات فراہم کرنے کے بعد کیف جمال نے فون رکھا۔ کچھ دیر وہاں بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔ وہ کافی شاپ کے سامنے ایک آئس کریم پارلر کی کرسیوں پہ بیٹھا تھا۔ مالا نے اس کو یہیں بیٹھنے کا کہا تھا۔ یہاں سے وہ اس کو ڈسٹرب کیے بغیر اس کے اردگرد نظر بھی رکھ سکتا تھا۔اس وقت وہ کیش کاؤنٹر پہ کھڑی اپنی بہن سے کسی بحث میں مشغول تھی۔ کیف ان کی آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔

کچھ سوچتے ہوئے اس نے کال لاگ میں سے زیاد اور ماہر کو کی جانے والی کال ڈیلیٹ کی۔صرف ماہر کی incoming کال بچائے رکھی۔ پھر وہ جگہ سے اٹھا اور مال کی راہداری عبور کر کے کافی شاپ تک آیا۔

"میم..." وہ کھنکھارا۔

''جلدی بولو۔'' وہ ماہی کو وہیں چھوڑ کے اس کی طرف آئی۔ وہ قدرے بے زار لگ رہی تھی۔

"مجھے ابھی ماہر فرید کی کال آئی ہے۔" اس نے قدرے حیرت سے کہتے ہوئے اسکرین اس کے سامنے کی۔

وہ چونکی۔ پھر ماتھے پہ بل پڑے۔

''کیا چاہتا ہے وہ؟''

"مجھ سے آپ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا آپ کہاں ہیں۔" وہ تعجب سے کہہ رہا تھا۔

" کہہ دیتے میں تمہارے سامنے ہوں۔ جو کرنا ہے کرلو۔'' وہ اُکتا کے بولی اور واپس چلی گئی۔ کیف نے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔اب ماہر اسے کچھ بتا دے، تب بھی وہ اس پہ اعتبار نہیں کرے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہی کاؤنٹر پہ اسی طرح خفا خفا سی کھڑی تھی۔ وہ آج صبح سویرے ہی وین کوور آ گئی تھی۔اس کا مقصد مالا کو طلاق واپس لینے کے فیصلے سے باز رکھنا تھا۔لیکن جب اس نے زیادہ اصرار کیا تو وہ چڑ گئی۔

''میں نے یہ نہیں کہا کہ طلاق نہیں لوں گی۔ یہ کہا ہے کہ ابھی نہیں لے رہی۔''

''لیکن کیوں؟''

اور وجہ سننے کے بعد ماہ بینہ مبین چند لمحے تو کچھ بول ہی نہیں سکی۔

اور اس کے بعد وہ بولنا شروع ہوئی تو اب تک خاموش نہیں ہوئی تھی۔

" تمہیں اس بچے کو دنیا میں نہیں لانا' مالا۔ کسی صورت نہیں۔ تم بندھ جاؤ گی۔''

"اِٹس اے گرل۔" وہ بلینڈر پہ جھکی اس میں کچھ ڈال رہی تھی۔

ماہی سانس لینا بھول گئی۔

" تمہیں ابھی سے کیسے...."

" مجھے معلوم ہے۔" اس نے بلینڈر کا بٹن دبا دیا۔ شور بلند ہوا۔ ماہی اس شور کے باوجود بولتی رہی اور وہ شور پہ توجہ مرکوز کیے رہی۔ بٹن بند کیا تو سنا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

" تمہیں فتویٰ مل جائے گا۔ یقیناً مل جائے گا۔ ابھی اتنا وقت نہیں گزرا۔ پلیز اس سے جان چھڑاؤ۔''

اس نے بنا کچھ کہے بلینڈر سے جگ علیحدہ کیا اور اسے ایک گلاس میں انڈیلا۔ سرخ سمودھی جھاگ سمیت کانچ کے جام میں بھرتی گئی۔

" دیکھو میری بات سنو۔ یہاں ابارشن لیگل ہے۔ ہاں گناہ ہے۔ ٹھیک ہے۔'' اس نے نگاہیں چرائیں۔ ''لیکن فتویٰ لے لیں گے' یار۔ تمہارے آگے تمہاری پوری زندگی پڑی ہے۔ زیاد سے طلاق لو۔ اور کسی اچھے بندے سے شادی...."

مالا نے زور سے گلاس کاؤنٹر پہ رکھا۔ ماہی کے الفاظ دم توڑ گئے۔

" تمہیں لگتا ہے میں اب ساری زندگی شادی کے بارے میں سوچ سکتی ہوں؟" وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتی ہو ماہی؟''

" تمہارا کیا بگڑا ہے' مالا؟"

"امیج۔ امیج بگڑ گیا ہے۔ ساری دنیا کے مردوں کا امیج میری نظروں میں بگڑ گیا ہے۔ سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔" تین پیپر نیپکن باکس سے نکالے اور اسے گھورتے ہوئے تھمائے۔

"اچھے مرد بھی ہوتے ہیں۔" ماہی کی آواز پست تھی۔

" کہاں ہوتے ہیں؟ کم از کم میری دنیا میں نہیں ہوتے۔ میں اب کسی مرد پہ بھروسہ نہیں کر سکتی۔ آئندہ یہ بات مت کرنا۔" سرخ مشروب کے چند چھینٹے کاؤنٹر پہ گرے تھے۔ وہ ایک باریک تولیہ لیے اس جگہ کو صاف کرنے لگی۔ جھکے چہرے پہ خفگی تھی۔

"او کے او کے۔ مت کرو شادی۔ لیکن بچے کی زنجیر...."

اس کا فون بجنے لگا تو اس نے ماہی کو روک دیا۔ غیر شناسا سا نمبر تھا۔ شاید کسی ٹیلی مارکیٹر کا تھا یا اسکام کال جو کینیڈا میں ہر وقت موصول ہوتی تھیں۔ بہانے بہانے سے کریڈٹ کارڈ ڈیٹیلز مانگنا۔

''ہیلو؟'' وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولی۔

" کشمالہ بی بی؟" اندرانی کی آواز پہچاننے میں اسے چند لمحے لگے۔

"بڑی بی بی.... نگینہ بی بی...." وہ رو رہی تھی...

''وہ مر رہی ہیں۔''

اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''پلیز آپ ادھر آ جائیں۔''

اگلے ہی لمحے وہ ایپرن کی ڈوریاں کھول رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف جمال کی کال کے بعد اس نے اسکیچ بک اور ٹیب پرے ڈال دیے تھے۔ وہ تب سے اب تک ایسے ہی بیٹھا تھا۔ درخت کے تنے سے ٹیک لگائے۔ ماتھے پہ بل لیے۔ ناگواری سے کچھ بڑبڑاتا ہوا۔ سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ اس لوزر کو کیسے اپنے پاس جاب دے سکتی تھی؟ وہ اس پہ کیسے اعتبار کر سکتی تھی؟

چیری بلاسمز کا گلابی پن جیسے راکھ بن چکا تھا۔

کتنی ہی دیر وہ برہمی سے ابرو اکٹھے کیے کچھ سوچتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ لیکن وہ کرنے سے پہلے اسے دو انسانوں سے بات کرنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوزین کی لاء فرم کی عمارت کی دیواریں ساؤنڈ پروف تھیں جن کے باعث استنبول کے بے ہنگم ٹریفک کا شور

اندر داخل نہیں ہوتا تھا۔وہ اپنے آفس میں بیٹھی' ایک موٹی سیاہ کتاب کھولے' اس میں کچھ تلاش کر رہی تھی جب دروازہ بجا۔

اس نے تکان بھرا چہرہ اٹھایا۔ادھ کھلے دروازے میں بیربل فرید کھڑا تھا۔

"مرحبا۔"وہ مسکرایا۔

البتہ وہ نہیں مسکرائی۔ماتھے پہ شکن ڈالے' ٹھک سے کتاب بند کی۔بک مارک صفحات کے وزن کے اندر دب گیا۔

"میں بغیر اپائنٹمنٹ کے کسی سے نہیں ملتی۔"

"اچھا؟ میں مل لیتا ہوں۔"وہ ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا آگے آیا اور کرسی کھینچی۔

"اور بنا کہے بیٹھ بھی جاتا ہوں۔"

اطمینان سے ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔مسکراہٹ چہرے سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

سوزین نے تھکاوٹ سے اسے دیکھا۔گھنگریالے بالوں والا' کلائیوں میں زنجیریں اور سیاہ بینڈز پہنے' کان میں بالی پروئے' سوئیٹ پینٹس پہ سفید شرٹ پہنے' وہ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش دکھائی دے رہا تھا۔

"کیوں آئے ہو؟"

"چائے پینے۔"

سوزی نے اسے گھورتے ہوئے انٹر کام اٹھایا۔

"ایک چائے۔شکر کے بغیر۔"پھر ریسیور زور سے رکھا۔

"کیوں آئے ہو؟"سوال دہرایا۔وہ سنجیدہ اور قدرے تھکی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

"ایک بات میرے دل پہ بوجھ ڈالے ہوئے تھی۔سوچا تم سے ڈسکس کرلوں۔"

"میرے آفس کے دروازے پہ وکیل لکھا ہے یا تھیراپسٹ؟"

"مجھے دونوں کی ضرورت نہیں ہے۔صرف ایک سننے والا کان چاہیے۔"وہ اسی ڈھٹائی سے مسکرایا۔

"کہو۔"اس نے پیچھے کو ٹیک لگالی اور انگلیاں باہم پھنسائے غور سے اسے دیکھنے لگی۔خاکی کوٹ میں ملبوس' کانوں میں سنہرے ٹاپس پہنے' وہ بال کیچر میں باندھے ہوئے تھی۔چہرے پہ میک اپ اس پہر بھی نک سک سے موجود تھا۔البتہ پیشانی کے بل بوٹوکس کے باوجود دکھائی دیتے تھے۔

''مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے۔''وہ سنجیدہ ہوا۔

"ایک کے آگے کتنے صفر لگاؤں؟"

وہ بے اختیار ہنس دیا۔وہ بھی ہلکا سا مسکرائی۔پھر چہرے کو دوبارہ سنجیدہ کرلیا۔

"میں ماہر کے جیل جانے کی وجہ سے اَپ سیٹ تھا۔وہ ایک دفعہ پہلے اس ذہنی امراض کے اسائلم میں بھی قید ہوا تھا اور وہ بُرا ما مجھے آج بھی یاد ہے۔''بیربل کی مسکراہٹ اب مدھم ہوگئی تھی۔وہ غور سے سننے لگی۔

اور مجھے لگا ان سارے مسئلوں کی وجہ مالا ہے۔"

"زیاد کی بیوی؟"وہ چونکی۔بیربل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ماہر اور اس کے درمیان ہمیشہ کچھ نہ کچھ رہا ہے۔کبھی یک طرفہ محبت۔کبھی نفرت۔بس مجھے اس پہ بہت غصہ آرہا تھا۔ان دنوں وہ مشکل میں تھی۔اس نے پوچھا کہ وہ ماہر کی کیسے مدد کرسکتی ہے مگر.....''اس نے تھوک نگلا۔

''مگر؟''

''میں نے اس سے کہا کہ وہ ہم سے کوئی رابطہ نہ رکھے۔"

"چچ....چچ....تم شکل سے ایسے ولن تو نہیں لگتے تھے۔"

"کہا نا۔مجھ سے غلطی ہوگئی۔''اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔''اب وہ کینیڈا چلی گئی ہے۔یقیناً وہ اپنے شوہر سے الگ ہو رہی ہے۔لیکن اس نے ماہر سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔شاید میری وجہ سے۔"

"اور تم چاہتے ہو کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے مل لیں تاکہ تمہارا گلٹ کم ہو۔"

"میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ ایک دوسرے سے نہیں ملنا چاہتے تو اس کی وجہ میں نہ بنوں۔"

سوزین نے گہری سانس لی۔

"میں تمہارے لیے کیا کرسکتی ہوں؟"

"سب سے پہلے تم چائے کے ساتھ شکر لانے کے لیے کہہ سکتی ہو۔اس کے بعد تم مجھے کوئی اچھا مشورہ دے سکتی ہو۔"اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

سوزی کے ماتھے کی شکنیں دھیرے دھیرے غائب ہونے لگیں۔

"تم اپنے بھائی کو کال کر کے حقیقت بتا دو۔ویسے بھی وہ دونوں adults ہیں۔اپنی زندگی کے فیصلے اپنی مرضی سے کرسکتے ہیں۔میرا نہیں خیال کہ تم اتنے اہم ہو کہ تمہاری وجہ سے وہ اس سے بات نہیں کرے گی۔''

"ماہر مجھ سے ناراض ہو گیا تو ؟" اس نے کان کھجایا۔

"اس کی ناراضی سے تم پہ اثر پڑے گا؟"

"میرے بینک اکاؤنٹ پہ پڑے گا۔"

سوزی ''اُف'' کر کے رہ گئی۔ پھر آگے کو ہوئی۔

''تم کب اپنے بھائی کے سایے سے نکلو گے؟"

"جب ساڑھے تین سال بعد میرے باپ کی دولت مجھے مل جائے گی جس پہ وہ سانپ بن کے بیٹھا ہے۔" اس کی مسکراہٹ واپس آ گئی۔

"پھر مجھ سے مشورہ لینے ساڑھے تین سال بعد آنا۔"

''اور ابھی کیا کروں؟''

''ابھی جاؤ اور اپنے بھائی کو حقیقت بتاؤ۔"

"اور چائے؟"

سوزی کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''وہ تو میں نے منگوائی ہی نہیں۔'' وہ جھکی اور انٹر کام کی تار اٹھا کے سیدھی ہوئی۔ وہ ساکٹ سے نکلی ہوئی تھی۔

"انٹر کام کافی دن سے خراب پڑا ہے۔"

بیر بل فرید کا منہ بن گیا۔ ہونہہ کر کے بڑبڑاتے ہوئے اٹھا۔ اس کی بڑبڑاہٹ میں ''وٹامن حاتم'' کا لفظ واضح تھا۔

"جیسے تم دوسروں کے نام رکھتے ہو' ویسے ہی سب نے تمہارا بھی کوئی نام رکھا ہوا ہو گا۔'' وہ طنز سے پوچھ رہی تھی۔ بیر بل دروازے پہ ہاتھ رکھے رکھے پلٹا اور ایک تیز نظر اس پہ ڈالی۔

"تمہارے برعکس لوگ مجھے بہت پسند کرتے ہیں۔ اور میرا کوئی نام نہیں بگاڑ سکتا۔ ہونہہ۔" سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کئی ہزار میل دور..... چیری بلاسم تلے بیٹھے ماہر فرید نے فون اسکرین پہ ایک کانٹیکٹ کھولا۔

Pinocchio

اور کال کا بٹن دبایا۔

بیر بل کے ہیلو کے جواب میں وہ بنا تمہید کے بولا۔

''مجھے کیف کی کال آئی تھی۔''

''تمہاری کمپنی کیف؟''

''نہیں یار۔وہ لوزر فوٹو گرافر کیف جس کو میں نے پیسے دیے تھے۔''وہ ساری بات بتاتا گیا۔

بیر بل کو سارا معاملہ جذب کرنے میں چند منٹ لگے۔

''وائی بے.....اسٹوری تو انٹرسٹنگ ہوگئی ہے۔''

"اب میں کیا کروں؟"وہ اسی خراب موڈ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"اس کی کال ریکارڈ کر لیتے اور مالا کو دکھا دیتے۔"

"اس نے اس کا سدِ باب پہلے سے کر رکھا ہوگا۔وہ میرا یقین نہیں کرے گی۔ مجھے شک ہے کہ وہ پہلے سے زیاد سلطان سے کوئی ڈیل کر چکا ہے۔اور اب مجھ سے بھی پیسے کمانے کے چکر میں ہے۔"

''وہ زیاد جیسے سیریل کلر کو ڈبل کراس کرنے کی بے وقوفی کیسے کر سکتا ہے؟''

''کہا نا۔وہ لوزر تھا۔لوزر رہے گا۔اگر تھوڑی سی بھی عقل ہوتی تو مجھے کال نہ کرتا۔''

"تم مالا کو کال کر کے بتا دو۔سمپل۔"

"میں اس کے فون سے بلاک ڈ ہوں۔شاید وہ نمبر بدل چکی ہے۔شاید وہ میری آواز تک نہیں سننا چاہتی۔"

وہ گردن موڑے سامنے ٹریک کو دیکھ رہا تھا جہاں چند سائیکلز چلتے آ رہے تھے۔

"اباؤٹ دیٹ..."بیر بل کھنکھارا۔''مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔"

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔بیر بل نے تھوک نگلا۔

''جب تم جیل گئے تو اس نے مجھ سے رابطہ کیا تھا۔اس نے کہا تھا کہ اگر ماہر کو اس کی کسی مدد یا گواہی کی ضرورت ہے تو اس کے لیے تیار ہے۔''

''واٹ؟تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''کیونکہ میں نے جواب میں اس کو دوبارہ کال کرنے سے منع کر دیا تھا۔''

''تم نے....کیا.....کیا تھا؟''فون میں گونجتی ماہر کی آواز بلند ہوئی تو وہ گڑبڑا گیا۔

''دیکھو پلیز میرا جیب خرچ مت بند کرنا۔ مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔'' وہ جلدی جلدی بول رہا تھا۔

''تم جیل چلے گئے تھے۔اور مجھے ڈر تھا کہ وہ تمہیں پھر کسی مصیبت میں ڈال دے گی۔ میں بس چاہتا تھا کہ وہ ہماری زندگیوں سے نکل جائے۔''

''اُف بیر بل۔'' درخت کے تنے سے ٹیک لگائے ماہر نے تاسف سے آنکھیں میچیں۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ میرے معاملات میں مت پڑا کرو۔تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟''

بیر بل کا منہ بن گیا۔

''تمہیں بلاک کرنے کے لیے میں نے نہیں کہا تھا۔ یہ آئیڈیا اس کا اپنا تھا۔''

مگر وہ افسوس سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''تم ہر چیز پیچیدہ کیوں کر دیتے ہو؟''

''تم آسان بنا دو نا۔اسے کیف جمال کی حقیقت بتا کے۔''

بیر بل سے مزید کچھ کہنا بے سود تھا۔اسے اپنی دوسری کال کرنی تھی۔

''تم مالا سے نہیں ملو گے۔'' یاسمین نے سنتے ہی کہا تھا۔

''ہم لانگ ڈسٹینس بھی کر سکتے تھے' یاسمین۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اسٹینلی پارک کے ٹریک پہ چلتا جا رہا تھا۔ بیک پیک کندھوں پہ پہنے ' کانوں میں ائیر پوڈز لگائے ' وہ جیسے خود پہ تعجب کر رہا تھا۔''میں کتنا desperate تھا ان دنوں کہ اپنی تھیراپسٹ سے دور جانے کا تصور جان لیوا لگتا تھا۔''

''بات مت بدلو۔تم اس سے نہیں ملو گے۔'' وہ خفا نہیں تھی۔ پرسکون اور سنجیدہ تھی۔

''ملنے میں کیا حرج ہے؟''

ٹریک پہ آگے پیچھے بہت سے لوگ اپنے کتوں کی زنجیریں تھامے ٹہل رہے تھے۔ان میں سے اکثر ان کتوں کے مالک نہیں تھے۔ بلکہ dog walkers تھے جن کو ان کتوں کے مصروف مالکان نے اس لیے ہائر کیا تھا کہ ان کے پاس اپنے کتوں کو ٹہلانے کا وقت نہ تھا۔

''کیونکہ میں جانتی ہوں تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔تم اس کی محبت میں مبتلا ہو۔''

''وہ وقت بیت چکا ہے۔اب وہ شادی شدہ ہے۔''

''اور اس کو اپنی شادی کی حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔'' وہ اسی صاف گوئی سے کہہ رہی تھی۔''اور تمہیں دور اندر

امید بندھ رہی ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے گی"۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" اس نے سر جھٹکا۔ البتہ چہرے پہ بے چینی سی نمودار ہوئی تھی۔

"ایسا ہی ہے۔ تمہارے اندر اس وقت یہی سب چل رہا ہے۔ وہ اپنے شوہر کو چھوڑ دے۔ اور تمہارے پاس آجائے۔"

وہ خاموشی سے روش پہ قدم اٹھاتا رہا۔

" کیونکہ معاشرے نے، سطحی لٹریچر اور فلموں نے تمہیں یہی سکھایا ہے کہ تمہاری پسند کی لڑکی اگر تمہیں چھوڑ کے کسی غلط انسان سے شادی کر لے تو جیسے ہی وہ اس سے الگ ہو، تم دونوں کو ایک ہو جانا چاہیے۔"

"میں نے کہا نا ایسا نہیں ہے۔"

" حالانکہ حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا۔ طلاق آسان نہیں ہوتی، ماہر۔"

"چاہے وہ ایک سیریل کلر اور abusive شوہر سے لی گئی ہو؟" وہ تلخ ہوا۔

"چاہے وہ دنیا کے بدترین انسان سے لی گئی ہو۔ کیونکہ وہ حالات جو انسان کو طلاق تک لے کر گئے ہوتے ہیں، وہ اس کی ذات کو بری طرح مسخ کر دیتے ہیں۔"

(کافی شاپ کے سامنے رکھی ایک میز کے ساتھ مالا کھڑی تھی۔ پی کیپ پہنے، سر جھکائے، وہ ایک جگ سے میز پہ رکھے کیکٹس کے گملے کو پانی دے رہی تھی۔ احتیاط سے۔ قطرہ قطرہ۔ پیچھے سے پیٹ نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا تو وہ ڈر کے اُچھلی۔ جگ ہاتھ سے گر گیا۔ سارا پانی فرش پہ بہہ گیا۔

"سوری سوری۔" وہ سنبھل کے معذرت کرتی جلدی جلدی پیپر ٹاول نکالنے لگی۔ شیلڈن پانی سے بھیگا کھڑا تھا۔)

" کوئی بھی رشتہ سیاہ یا سفید نہیں ہوتا۔ ہر طلاق لینے والے میاں بیوی کا آپس میں ایک اچھا وقت بھی گزرا ہوتا ہے۔ وہ اچھی یادیں کسی ناسور کی طرح رستی رہتی ہیں۔"

(وہ ہاربر پہ بنے ایک واٹر فرنٹ پہ بیٹھی تھی۔ تھوڑی گھٹنوں سے ٹکائے، وہ سامنے بہتے پانی کو دیکھ رہی تھی۔ اُفق

پہ نارنجی گیند دھیرے دھیرے پانی میں ڈوبتی دکھائی دے رہی تھی۔اور اس کی زرد روشنی میں بہت سے مناظر ابھر رہے تھے۔

وہ سفید کامدار لباس میں بیٹھی، مسکرا کے نکاح نامے پہ دستخط کر رہی تھی۔

وہ اور زیاد ساتھ ساتھ مالدیپ کے اس ریزورٹ کے پرائیوٹ ساحل پہ بیٹھے تھے۔وہ کچھ کہہ رہا تھا اور وہ ہنس رہی تھی۔

وہ ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی مسکرا کے باہر دیکھ رہی تھی۔وہ زری ستارے والے لباس اور گہرے میک اپ میں ملبوس تھی۔وہ شادی کے بعد ہونے والی کسی دعوت پہ جا رہے تھے۔)

''abusive شادی کو ختم کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔طلاق کی طرف جاتا ہر قدم اٹھاتے وقت عورت گلٹ کا شکار ہوتی ہے۔کیا وہ درست کر رہی ہے؟ کیا وہ بدل نہیں سکتا تھا؟ کیا اسے ایک اور چانس دینا چاہیے؟''

(وہ save on foods کے کاؤنٹر پہ کھڑی، اپنی گروسری کو بیگز میں ڈال رہی تھی۔دفعتاً پلٹ کے دیکھا۔ اس سے قدرے فاصلے پہ کیف جمال کھڑا تھا۔اسے دیکھ کے سر کو اثبات میں جنبش دی۔جیسے تسلی دی ہو کہ وہ قریب ہی ہے۔کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔وہ ہلکا سا مسکرائی اور واپس اپنی ٹرالی کی طرف جھک گئی۔)

"اور طلاق ہونے کے کچھ عرصے بعد تک عورت کے اندر یہی سب چلتا رہتا ہے۔کیا اس نے درست کیا؟ کہیں وہ پچھتائے گی تو نہیں؟ abusive شادیاں لڑکیوں کی سیلف اسٹیم کو تباہ کر دیتی ہیں۔ان کا اپنے اوپر سے اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔''

(رات اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کو سیاہ پردوں میں چھپائے ہوئے تھی۔وہ بتیاں بجھائے، کھڑکی کے پردے برابر کر رہی تھی۔ایک جھری سے باہر جھانکا۔کیف اپنی کار پہ وہاں سے جاتا دکھائی دے رہا تھا۔)

''ایک طلاق کے تجربے سے گزرتی عورت ذہنی طور پہ اتنی توڑ پھوڑ کا شکار ہوتی ہے کہ وہ اگلی شادی یا اگلے مرد

کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔ نہ سوچنا چاہیے۔ جو عورتیں ایک شادی سے نکل کے فوراً کسی دوسرے رشتے میں خود کو داخل کر لیتی ہیں' اس خوف سے کہ کہیں وہ اکیلی نہ رہ جائیں' وہ بہت بڑی غلطی کرتی ہیں۔''

(کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ اس کی روم میٹ اپنے بستر پہ کروٹ لیٹے سو رہی تھی۔
مگر وہ جاگی ہوئی تھی۔ قالین پہ بیٹھے' دیوار سے ٹیک لگائے' وہ اسکیچ بک پہ تیز تیز انگلیاں چلا رہی تھی۔ آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔
ایک پھولوں سے سجی بیکری کا خاکہ سا ابھر رہا تھا۔)

''کسی مرد کو طلاق سے گزرتی عورت کی زندگی میں کچھ عرصے تک بالکل مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ عورت کا ایک vulnerable وقت ہوتا ہے۔ ایسے میں درست فیصلے نہیں کر سکتی۔ وہ خوف اور بے اعتباری کا شکار ہوتی ہے۔ اسے پہلے خود کو heal کرنا ہوتا ہے۔ اپنے زخموں کو بھرنا ہوتا ہے۔ اپنی ذات کا اعتبار واپس حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے کسی نئے تعلق میں جانا چاہیے۔ ورنہ اس کا اگلا تعلق بھی کامیاب نہیں ہوتا۔''

وہ خاموشی سے ٹریک پہ چلتا' کانوں میں گونجتی یاسمین کی آواز سن رہا تھا۔

''طلاق لینے والے اکثر لوگ اکیلے رہ جانے کے خوف سے ایک بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ طلاق نے جو زخم ان کو دیا ہے' جو دکھ اور غم ان کی ذات کے اندر بیٹھ گیا ہے' یہ اگلی شادی سے ٹھیک ہو جائے گا۔ ان کو جیسے ہی کسی نئے شخص سے محبت ہو گی' وہ ان کا زخم بھر دے گا۔''

وہ اب پارک کے دہانے تک آن پہنچا تھا۔ اس کا رخ پارکنگ میں کھڑی اپنی کار کی جانب تھا۔

''حالانکہ اس دنیا کا حساب الٹا ہے۔ انسان کو ایسے نہیں بنایا گیا کہ کوئی دوسرا انسان اس کے ٹوٹے دل کو جوڑ سکے۔ انسان کو break up کے بعد خود کو خود تندرست کرنا ہوتا ہے۔ اپنی ذات پہ فوکس کرنا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ

اپنے آپ میں مطمئن ہو جاتا ہے' خوش اور خود انحصار' تب اسے اگلے تعلق کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وہ زخموں سے بھرا دل لے کر اگلے تعلق میں جائے گا' تو دوسرے انسان کو بھی زخمی کر دے گا۔''

''زیاد نے مالا کے ساتھ یہی کیا تھا۔ وہ پرانے زخم سے خود کو تندرست کیے بغیر نئے تعلق میں بندھ گیا تھا۔ اسی لیے وہ خوش نہیں رہ سکا۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"وہ یقیناً اس میں کسی دوسری عورت کو تلاش کر رہا تھا۔ چونکہ وہ اندر سے ناخوش تھا' تو اسے لگا اس کے کرب کی وجہ مالا ہے۔ اس نے اپنے اندر کی ناخوشی اپنے رشتے میں انڈیل دی۔ اور یوں وہ اسے چھوڑ کے چلی گئی۔''

وہ اب کار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ خاموشی سے اسے سنتا ہوا۔

''اس وقت اس کی زندگی میں واپس جا کے تم اس کو کنفیوژ کرو گے۔ اسے اپنے لیے زیاد کو چھوڑنا ہے۔ تمہارے لیے نہیں' ماہر۔''

''میں اس سے اس لیے نہیں ملنا چاہتا' یاسمین۔'' وہ بے بسی سے ہاتھ اٹھائے کہہ رہا تھا۔ پارکنگ لاٹ میں کھڑا تنہا مرد جسے دور سے دیکھو تو لگے کہ وہ خود سے باتیں کر رہا ہے۔

''وہ مشکل میں ہے۔ میں اسے اس سے نکالنا چاہتا ہوں۔''

''وہ میری کلائنٹ نہیں ہے۔ تم ہو۔ مجھے تمہاری بھلائی سوچنی ہے۔ اور اگر تم اس وقت اس کی زندگی میں گئے' تو تم خود کو اور اس کو' دونوں کو ہرٹ کرو گے۔''

"چچ....اسی لیے میں تمہارے ساتھ long distance نہیں کرتا' یاسمین حاتم۔" افسوس سے سر جھٹکتے ہوئے اس نے ائیر پوڈ کان سے نکالا۔

اسے معلوم تھا اس نے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''زیاد باہر آئے گا تو ہم اندر آئیں گے۔''

ماہی نے نگینہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوتے ہی دوٹوک کہا تھا۔

وہ ایک وسیع اور روشن کمرہ تھا۔ نیلے اور سفید رنگ سے آراستہ جیسے اس شہر کے ہسپتالوں کے کمرے ہوتے تھے۔ نگینہ بیگم بیڈ پہ لیٹی تھیں۔ اور زیاد سامنے ایک کاؤچ پہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

اندرانی انہیں اندر لائی تو اس نے سر اٹھایا۔ مالا کو دیکھتے ہی وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن پھر ماہی کے الفاظ پہ

اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔

وہ مالا کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی جو صرف نگینہ بیگم کو دیکھ رہی تھی۔ ان کے چہرے کے ایک حصے پہ بینڈ یج لگے تھے۔ اور بہت سی نالیاں ان کے جسم کے ساتھ پیوست تھیں۔

''آپ آ جائیں۔ میں باہر جا رہا ہوں۔''

زیاد سنجیدگی سے کہتا دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ دونوں ایک طرف ہٹ گئیں۔ وہ ان کے ساتھ سے نکل کے چلا گیا۔ ماہی البتہ اس کو گھورتی رہی یہاں تک کہ وہ کاریڈور کے دوسرے سرے پہ گم نہ ہو گیا۔

پھر اس نے ناخوشی سے مالا کو دیکھا۔ وہ بہت فکرمندی سے نگینہ بیگم کو دیکھ رہی تھی۔

"ہمیں کیا ضرورت تھی آنے کی؟" ماہی اس کے کان میں گھسی۔

"وہ ایک ماں ہیں۔ مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں' ماہی۔ کبھی ہماری ماں بھی ایسے ہسپتال میں تھیں۔" مالا نے پلٹ کے اسے گھورا۔

ماہی کے ماتھے کے بل قدرے سیدھے ہوئے۔ ندامت سے تھوڑی جھکا دی۔

"اور وہ میرے ساتھ ہمیشہ اچھی رہی ہیں۔ زیاد اور میرا معاملہ ایک طرف' میری انسانیت ابھی ختم نہیں ہوئی کہ میں ان کی بیمار پرسی کرنے نہ آؤں۔" سرگوشی میں کہہ کے وہ نگینہ بیگم کی طرف مڑی۔

وہ ابھی ابھی نیند سے جاگی تھیں۔ بدقت آنکھیں کھول کے انہیں دیکھا۔ پھر گیلی پلکوں سے مسکرائیں۔

"آنٹی.... آپ کیسی ہیں؟" وہ نرمی سے پوچھتی ان کے قریب آئی۔ پیچھے کھڑی ماہی کے ماتھے پہ پھر سے سلوٹیں پڑنے لگیں۔

"بس.... اللہ جس حال میں رکھے.... آپ کیسی ہو؟" وہ اب مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ جواباً کچھ کہنے لگی لیکن ایک دم فضا میں وہی بوجھل پن سا چھانے لگا۔ اس نے چونک کے ماہی کو دیکھا۔ وہ اب بھی ناخوش تھی۔

''میں باہر جا رہی ہوں۔'' اسی برے موڈ سے کہتی وہ باہر نکل گئی۔ مالا نے دائیں بائیں دیکھا۔

کیا تھا اس کمرے میں؟ کسی دوا کی بو؟ یا ہسپتال کی گھٹن؟ یا جیسے.... اس نے بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا.... کوئی سیاہ بادل ہو جو ہسپتال کے کمرے کی فضا میں آن ٹھہرا ہو۔ اس کے اندر اتنا دھواں بھرا ہو کہ سانس لینا دشوار تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ بدقت مسکرائی۔

''کشمالہ....''انہوں نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ مالا کی نظریں اس پہ جھکیں۔

ہاتھ میں آئی وی لائن لگی تھی۔ ہسپتال کے گاؤن کے آدھے آستین تھے۔ وہ کہنی تک ان کا بازو دیکھ سکتی تھی۔

اس بازو پہ ایک نشان تھا۔ صلیب سے ملتا جلتا۔ اور ساتھ دو نقطے۔ اس نے پہلے یہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ پوری آستین کے شلوار قمیض پہنتی تھیں۔

"زیاد سے صلح کرلو۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔

" آنٹی... میں یہ بات نہیں کرنا...."

"میری زندگی کم ہے۔ خدا کے لیے... میرے بیٹے کو مت چھوڑو اور...." وہ اب تکلیف سے سانس لے رہی تھیں۔

''میری پوتی کو مت مارنا۔"

وہ جہاں تھی' وہیں کھڑی رہ گئی۔

" آپ کو کیسے...."

" مجھے خواب آیا تھا' بیٹے۔ میں جانتی ہوں اس بارے میں۔ خدا کے لیے اس کو مت مارنا۔"

انہوں نے اپنے بوڑھے ہاتھ اس کے سامنے جوڑ دیے۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"اور زیاد؟" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''وہ نہیں جانتا۔'' وہ بدقت بول رہی تھیں۔ ''خدا کے لیے اس کو مت مارنا۔ وہ بہت قیمتی ہے۔"

انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں۔ لیکن اس لمحے کچھ اور ہوا۔

اسے کچھ چبھا تھا۔ ہتھیلی پہ۔

اس نے چونک کے اپنا ہاتھ نکالا۔ پھر دیکھا۔

نگینہ بیگم کی انگلی میں ایک انگوٹھی تھی۔ ایک plain انگوٹھی۔ وہ اسے پلین ہی سمجھتی تھی لیکن اس نے آج دیکھا تھا کہ وہ پلین نہیں تھی۔ اس کا سبز نگینہ اندر کی طرف مڑا ہوا تھا۔ وہ قدرے نوکیلا تھا۔ اس کی نوک اسے چبھی تھی۔ زور سے۔ اتنی زور سے کہ اسے کچھ یاد آیا تھا۔

یہی چبھن.... یہ پہلے بھی اسے محسوس ہوئی تھی۔

وہ اس چبھن کو پہچانتی تھی۔ مگر کہاں؟ کب؟

اس نے ہتھیلی کی پشت سے گیلا گال صاف کیا۔

"آپ ریسٹ کریں۔ میں پھر آؤں گی۔"

یہ ان کی باتیں نہیں تھیں جنہوں نے اسے غیر آرام دہ کر دیا تھا۔ یہ فضا کا بوجھل پن تھا۔ کچھ عجیب سا۔ جیسے کوئی آسیب ہو۔

وہ جیسے ہی باہر آئی' تازہ ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی۔ اس نے کھل کے سانس لیا۔ جیسے کسی آگ سے جلتی ہوئی عمارت کے سیاہ دھوئیں سے باہر نکلی ہو۔ جیسے ابھی ابھی اس نے اپنی جان بچائی ہو۔

ماہی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں ابھی راہداری کے سرے تک آئی تھیں جب زیاد سامنے کھڑا دکھائی دیا۔

''کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟'' وہ بے چینی سے ان کے قریب آیا لیکن ماہی نے انگلی اٹھا دی۔

"مجھ سے اور میری بہن سے دور رہو ورنہ میں پولیس کو بلا لوں گی۔ میں اس ملک کی شہری ہوں۔ یہ بات مت بھولنا۔" انگلی اٹھا کے اس کو تنبیہہ کی۔ البتہ مالا نے جیسے نہیں سنا۔ وہ زیاد کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ زیاد سلطان جیسے اس کے لیے اب وجود نہیں رکھتا تھا۔ وہ بس ایک ہاتھ سے دوسری ہتھیلی کو پکڑے اپنے خیال میں آگے بڑھ رہی تھی۔

اس چبھن میں ایسا کیا تھا جو شناسا سا تھا؟

ماہی پارکنگ میں کار لینے گئی تو وہ داخلی لابی میں کھڑی ہو گئی۔ شیشے کی دیوار سے وہ کاؤنٹر کو دیکھ سکتی تھی۔

اندرانی وہاں کھڑی کاغذات پہ سائن کر رہی تھی۔ مالا نے پتلیاں سکوڑ کے اس کو دیکھا۔

اندرانی اب پرس میں سے کچھ نکال رہی تھی۔ کینیڈین ڈالرز کے نوٹ۔ یعنی نگینہ آنٹی کے پاس کسی قسم کی ہیلتھ انشورنس نہیں تھی۔ ورنہ وہ کیش کیوں پے کرتیں؟ اس نے اطراف میں دیکھا۔ یہ اس شہر کا ایک مہنگا ترین ہسپتال تھا۔ وہ بنا انشورنس کے یہاں علاج کیسے افورڈ کر سکتی تھیں؟ زیاد پے منٹ کرتا تو وہ نوٹس نہ کرتی۔ اس کے پاس حرام حلال کا بہت پیسہ تھا۔ لیکن اندرانی۔ وہ اتنا سارا کیش لے کر کیوں گھوم رہی تھی؟ زیاد اسے اتنا پیسہ کیوں دے گا؟ وہ تو کسی کو اپنا بخار تک نہیں دیتا تھا۔

اس کی نگاہوں نے دور تک اندرانی کا پیچھا کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کمرے میں سفید دھواں سا بھرا تھا۔

ایک کورا کینوس اسٹینڈ پہ جما تھا۔ وہ سامنے اسٹول پہ بیٹھی تھی۔ سبز رومال بالوں پہ باندھے' وہ سوکھے برش کو دھیرے دھیرے کورے کینوس پہ رگڑ رہی تھی۔ ہر رگڑ کے ساتھ ایک تصویر سی ابھر رہی تھی۔

سونے کے کنگن پہنی بھری بھری کلائیاں۔ وہ پرات میں رکھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔ ان کی تصویر دیکھتے ہی دیکھتے حرکت کرنے لگی۔ وہ ایک دم پیچھے ہوگئی۔ سانس رک گیا۔ پلکیں جھپکنا بھول گئی۔

وہ سفید دوپٹہ سر پہ جمائے' کانوں کے پیچھے اڑسے' چہرہ جھکائے' کھیرے کاٹ رہی تھیں۔ دفعتاً سبز آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان کی آنکھوں کے گرد جھریاں بہت کم تھیں۔ جلد ملائم تھی۔ وہ جوان دکھائی دیتی تھیں۔

''ماں....'' اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

''تم نے اسے کیوں منع کیا' مالا؟'' وہ غمزدہ نظر آرہی تھیں۔

''کس کو؟''

''تم نے اسے خود کو پکارنے سے کیوں منع کیا؟'' وہ جیسے اس سے مایوس تھیں۔

''ماں.... میری زندگی میں بہت مسئلے چل رہے ہیں۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ ''مجھے پیسے چاہیے ہیں۔ معید مجھے باغ میں میرا حصہ نہیں دے رہا۔ زیاد اس شہر میں ہے۔ اور یہ بچہ۔''

''کسی کو خود کو پکارنے سے منع نہیں کرتے۔'' وہ اس کو نہیں سن رہی تھیں۔

''ماں معید میرا حق نہیں دے رہا۔ مجھے جے پی کو پے منٹ کرنی ہے۔'' وہ رونے لگی تھی۔ زور زور سے۔

''کشمالہ... کشمالہ....'' کسی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

وہ کمرے میں تھی۔ تمام بتیاں روشن تھیں اور اس کی روم میٹ تعجب سے اس کے قریب جھکی' اس کا کندھا ہلا رہی تھی۔

''اٹھو۔ تم رو رہی تھیں۔''

اس نے اپنا چہرہ چھوا۔ وہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔ وہ جلدی جلدی اسے صاف کرنے لگی۔

وہ مالا کو عجیب سی نظروں سے دیکھتی اپنے بیڈ کی طرف چلی گئی۔ شاید اس نے اس کی نیند میں خلل ڈال دیا تھا۔

یہ فجر سے پہلے کا وقت تھا۔ ساری دنیا سو رہی تھی۔ وہ بالکونی میں چلی آئی۔ ہلکی سی شال لپیٹ کے وہاں رکھی آرام کرسی پہ بیٹھ گئی۔ آنکھیں ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں۔

''معید... مجھے میرے حصے کے پیسے چاہیے ہیں۔'' اس نے معید کو کال کی لیکن اس نے نہیں اٹھائی۔ وہ آج کل

اس کی کالز نہیں اٹھاتا تھا۔ پھر اس نے آڈیو میسج بھیجا۔ اس کے سوا چارہ نہ تھا۔

''ابھی میرے پاس نہیں ہیں یار۔ دے دوں گا۔'' ٹائپ شدہ جواب فوراً موصول ہوا۔

''مجھے ارجنٹ چاہیے ہیں۔ مجھے کسی کے پیسے دینے ہیں۔''

''تم ماہی سے مانگ سکتی ہو؟''

''میں تم سے قرض نہیں مانگ رہی جو تم کہہ رہے ہو کہ ماہی سے پوچھ کے دیکھو۔ میں تم سے اپنا حصہ مانگ رہی ہوں۔''

''میں کچھ کرتا ہوں۔'' چند لمحے کے لیے ٹائپنگ کے نقطے بنتے اور مٹتے رہے۔ وہ کچھ لکھ لکھ کے مٹا رہا تھا۔

''تمہارے پاس بہت سے ڈائمنڈز بھی تھے۔''

''وہ زیادہ کے لاکر میں رہ گئے ہیں۔''

لکھنے کے بعد اس کو بری طرح گلٹ محسوس ہوا۔ اس کی تمام جیولری زیادہ کے لاکر میں نہیں رہ گئی تھی۔ کچھ اس کے پاس بھی تھی۔ لیکن زیور آخری راستہ تھا۔ ڈائمنڈز پاکستان میں اسی جیولر کو واپس بیچنا بہتر تھا جس سے خریدے گئے تھے بجائے کینیڈا میں ان کو بیچنے کے۔ یہاں ان کی قیمت بہت کم ملنی تھی۔ سوائے ایک سرٹیفائیڈ ڈائمنڈ کے' کسی کو بیچنے کا فائدہ نہ تھا۔ لیکن وہ معید کو یہ بات نہیں بتا سکتی تھی۔ ورنہ وہ اس کے حصے کی رقم اس کو نہ دیتا۔

ماں کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں اس کو۔ اُفق پہ ابھرتی سرخی کو دیکھ کے اسے یاد آیا۔ اس نے سر جھٹک دیا۔ وہ اس بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ آج اس کا آف تھا۔ آج وہ صرف سوئے گی۔ اور جب سو کے اٹھے گی تو گرین ول آئی لینڈ کی پبلک مارکیٹ جائے گی۔ وہ اپنے لیے گروسری خریدے گی۔ اور وہ گھر آ کے کیک بیک کرے گی۔ اسے بہت میٹھا چاکلیٹ کیک چاہیے تھا۔ اور تازہ بیک شدہ خستہ cookies بھی۔

اسے ماں کی بات کے بارے میں نہیں سوچنا تھا۔ اس کی زندگی میں زیادہ بڑے مسائل تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ جمعے کی سہ پہر تھی۔

وین کوور کی سڑکوں سے گزر کے تم اس پل تک آؤ' تو دیکھو گے کہ سامنے ' پانی کے اس طرف' گرین ول granville آئی لینڈ نامی جزیرہ ہے۔

گرین ول اس خطے کی شاپنگ' آرٹ اور کلچر کا مرکز تھا جس کے اندر ایک نئی دنیا آباد تھی۔ بارش سے گیلی سرمئی

سڑکیں، دکانوں کی مخروطے چھتیں، اور جزیرے کے کناروں پہ بنی sea wall (سی وال) جس کے پار، پانی پہ بگلے اڑتے دکھائی دے رہے تھے۔

مالا اس وقت گرین ول کی پبلک مارکیٹ میں تھی۔ یہ شمالی امریکہ کی عام پبلک مارکیٹس کی طرح ہی تھی۔ بھانت بھانت کی دکانوں سے سجی ایک اِن ڈور مارکیٹ۔ گویا ایک لکڑی کا بڑا سا گھر ہے جس کی مخروطی چھت بے حد اونچی ہے اور اس کو لکڑی کے ستون اٹھائے ہوئے ہیں۔ ہر طرف شاپس کے فرنٹ دکھائی دے رہے ہیں۔ سی فوڈ کی مہک۔ ڈونٹس کی خوشبو۔ کیفے۔ تازہ پھل سبزیوں کے اسٹال۔

وہ ایک سی فوڈ کی دکان کے سامنے کھڑی تھی۔ ایک کہنی پہ پھلوں سے بھرا تھیلا اٹھائے، دوسرے ہاتھ میں ایک گرم خاکی پیکٹ پکڑے (جس میں تازہ بیک شدہ cookies تھے)، وہ جھک کے شوکیس میں سجے سمندری جانوروں کو دیکھ رہی تھی۔

آج ویک اینڈ کے باعث کیف کی چھٹی تھی۔ وہ تنہا تھی۔

اور پھر اسے احساس ہوا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

چونک کے گردن اٹھائی۔

اسے معلوم تھا اسے کس سمت میں دیکھنا ہے۔

دائیں جانب جہاں مارکیٹ کا کونا مڑ رہا تھا۔

وہ جانتی تھی وہاں کوئی ہے۔ وہاں سے کوئی آ رہا ہے۔

ابھی دکھائی نہیں دے رہا لیکن....

ابھی دکھائی دے گا۔

کسی بھی لمحے۔

وہ سانس روکے اس جانب دیکھے گئی۔

اور تب وہ اسے دکھائی دیا۔

وہ اسی طرف سے چلتا آ رہا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، سفید ہائی نیک پہنے (کہ آج بارش کے بعد موسم بہت ٹھنڈا تھا) وہ دائیں بائیں متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بال جیل لگا کے پیچھے کر رکھے تھے اور شیو ہلکی بڑھی ہوئی تھی۔

وہ اسے دیکھتی رہی' یہاں تک کہ ماہر کی نگاہ اس سے ملی۔

وہ وہیں ٹھہر گیا۔اور مالا نے چہرہ شوکیس پہ جھکا دیا جہاں بہت سے کیکڑے' جھینگے اور مچھلیاں اس کی منتظر تھیں۔

وہ چند لمحے کے لیے قدم نہ بڑھا سکا۔

وہ اس مالا سے مختلف لگ رہی تھی جس کو اس نے کیف کی ویڈیو کال میں دیکھا تھا۔

وہ اس سے بھی مختلف لگ رہی تھی جس کو اس نے معید کے نکاح پہ دیکھا تھا۔

وہ سیاہ سفید پھولدار کاٹن فراک میں ملبوس تھی۔سفید ٹائٹس کے ساتھ ہم رنگ جوگرز۔ لمبے بال ہاف کیچر میں بندھے تھے اور چہرہ میک اپ سے بے ریا لگ رہا تھا۔وہ یہاں سے بھی اس کی گردن میں پرویا فاختہ والا لاکٹ دیکھ سکتا تھا۔

چند قدموں کا فاصلہ عبور کرنا اتنا مشکل نہ تھا۔لیکن اتنا آسان بھی نہیں تھا۔

"تمہیں کیسے معلوم کہ میں یہاں ہوں؟"وہ قریب آیا تو وہ شوکیس پہ جھکے چہرے کے ساتھ بولی۔چینی خاتون سیلز وومن اس کی منتظر تھی۔

"ماہ بینہ نے کہا کہ تم پبلک مارکیٹ میں ملو گی۔"

ماہ بینہ نے بالآخر اس کی کال اٹھالی تھی۔وہ پہلے دو دفعہ اس لیے نہیں اٹھا سکی کہ اس کا فون حورعین کے پاس تھا جس پہ اس نے اسے یوٹیوب پہ کارٹونز لگا کے دیے تھے۔حورعین اپنی ننھی انگلی سے کال کاٹ دیتی اور ماہی کو معلوم ہی نہ ہوتا کہ اس کو کسی کی کال آئی ہے۔

''تین پاؤنڈ salmon۔''وہ چینی سیلز وومن کو بتا رہی تھی۔پھر نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا جو ساتھ کھڑا تھا۔اس کے گال پہ زخم کا نشان ویسا ہی تھا۔

"کیوں آئے ہو؟"

"دو جوبات ہیں۔سنو گی؟"

"تمہارے منہ سے کبھی درست وقت پہ سچ نہیں نکلا۔تھینک یو۔''سیلز وومن نے مچھلی کا تھیلا بڑھایا شکریہ کہتے ہوئے مالا نے ہاتھ بڑھایا۔

''کیا ہم بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟''ماہر نے اس سے پہلے تھیلا تھام لیا۔اور ابرو سے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ گہری سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔وہ اس کے ساتھ قدم اٹھانے لگا۔ پبلک مارکیٹ میں بولی جانے والی

بھانت بھانت کی بولیاں کانوں سے ٹکرا رہی تھیں، پھر بھی یوں لگتا تھا ہر طرف خاموشی چھائی ہے۔

وہ مارکیٹ کے عقبی دروازے تک آ رکے۔ یہاں لکڑی اور شیشے کی اونچی کھڑکیاں بنی تھیں جن سے باہر بہتا false creek کا پانی دکھائی دے رہا تھا۔ وہاں لکڑی کی اونچی میزیں کرسیاں رکھی تھیں۔ مالا نے ایک میز پہ اس کے تھیلے رکھے۔ اس نے البتہ دوسرے تھیلے وہاں نہیں رکھے۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے شیشے کی دیوار کی جانب پشت کیے کھڑی ہو گئی۔ ایسے کہ وہ اس کو براہ راست دیکھ رہی تھی اور کلیز کا پیکٹ ہنوز ہاتھ میں دبا تھا۔

''کیسی ہو؟'' وہ اس کے پیچھے، شیشے کے پار، اونچا پل، اور اس کے تلے تیرتی کشتیاں دیکھ سکتا تھا۔ پانی کے دوسری جانب آسمان کو چھوتی عمارتیں کھڑی تھیں۔ عصر کا سورج ان کے نیلے شیشوں پہ زرد روشنی یوں گرا رہا تھا جیسے پگھلا ہوا سونا ہو۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' وہ اسے آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھ رہی تھی جیسے اس کا چہرہ پڑھنا چاہتی ہو۔

"میں جانتا ہوں بیر بل نے تمہیں کہا تھا کہ...."

"میں اپنی زندگی کے فیصلے بیر بل کے کہنے پہ نہیں لیتی۔'' وہ ایک دم تیزی سے بولی۔

ماہر نے لب بھینچ لیے۔ وہ جانتا تھا اس کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے دبا دبا غصہ دیکھ سکتا تھا۔ اب اس نے کیا کیا تھا؟

''تمہیں یاد ہے میں نے استنبول میں تمہیں کچھ بتایا تھا۔'' وہ اسی طرح اسے زخمی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ ''کہ ہلال کہاں ہے۔ وہ کسی مسجد یا مدرسے کے قریب ہے۔''

''اور ہم نے....''

''میں نے اپنے اور تمہارے تمام اختلافات کو بھلا کے تمہاری مدد کرنی چاہی تھی۔ لیکن تم نے کیا کیا؟''

اس نے گہری سانس لی۔ بہت کچھ یاد آیا۔ جھیل کنارے کا ٹیج میں پھیلی رات اور دو نفوس۔

"میں آئی تھی تمہارے پاس۔ معید کے نکاح والے دن۔ میں نے پوچھا تھا تم سے۔ اگر تم زیاد کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔'' اس کی آنکھیں گلابی ہوئیں۔ ان میں دکھ نہیں تھا۔ غصہ تھا۔

''اور تم جانتے تھے اس کی حقیقت۔ تم ملے تھے اس سے۔ لیکن تم خاموش رہے۔''

"تم میرا اعتبار نہ کرتیں۔"

"وہ میرا قصور ہوتا۔ میرا۔'' اس نے سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ ''میں تم سے تمہارے قصور کا پوچھ رہی ہوں۔ تم

نے خاموشی کو چنا۔اور میں اس آدمی کے ساتھ واپس چلی گئیں۔"

"مجھے اس وقت نہیں معلوم تھا کہ وہ کسی انسان کو قتل کر سکتا ہے۔ جب معلوم ہوا تو میں نے تمہیں کالز کی تھیں۔تم نے جواب نہیں دیا۔"

"تب دیر ہو چکی تھی۔"

وہ دونوں شیشے اور لکڑی سے بنی دیوار کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔قریب میں ایک فیملی آ کے کرسیاں سنبھالنے لگی تو مالا نے آواز نیچی کی۔

"جب مجھے تمہاری بہن کے بارے اتنا سا بھی (انگلی اور انگوٹھے کے درمیان خلا بنا کے دکھایا) معلوم ہوا تو میں نے تمہیں کال کی تھی۔معید کے نکاح پہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہارا اعتبار کروں گی۔لیکن تم چپ رہے۔پھر اب کیوں آئے ہو؟"

"اب کچھ بتاؤں تو اعتبار کرو گی؟" ماہر نے اسی سنجیدگی سے ابرو اٹھایا۔مالا نے سر جھٹکا۔

"اب ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتی؟"

"کیف جمال۔تمہارا باڈی گارڈ۔"

"تمہارا مطلب ہے اصلی کیف جمال؟" وہ تلخ ہوئی تو ماہر نے گہری سانس لی۔کیا وہ اس کے ایک فریب کو بھلا نہیں سکتی تھی؟

"ہاں۔وہ لوزر جس کو میں نے پیسے دیے تھے۔وہ تمہیں دھوکہ دے رہا ہے۔"

"اوہ پلیز...." وہ بڑبڑاتے ہوئے اپنے تھیلے اٹھانے لگی۔

"تم اس پر کیسے اعتبار کر سکتی ہو؟" وہ دروازے کی طرف بڑھی تو وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"میں ابھی بات کر رہا ہوں، مالا۔تم ہمیشہ کی طرح جگہ چھوڑ کے نہیں جا سکتیں۔"

لیکن وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گئی۔یہی اس کا ڈیفنس میکنزم تھا۔اور ماہر کا ڈیفنس میکنزم کسی کے پیچھے نہ جانا تھا۔لیکن اس وقت اسے جانا تھا۔

"تم اس پر کیسے اعتبار کر سکتی ہو؟" وہ تیز قدموں سے چلتا اس کے قریب پہنچا۔

"تمہارے اور زیاد کے دیے سبق کے بعد میں کسی پر اعتبار نہیں کر سکتی۔"

وہ رک گیا۔وہ آگے چلتی گئی۔

''تم میرے ایک جھوٹ کو معاف نہیں کر سکتیں؟'' وہ پیچھے سے پکار کے بولا۔

مالا کے قدم رکے۔اس نے پلٹ کے اسے دیکھا۔وہ روش کے کنارے پہ کھڑا جیسے تھک کے اسے دیکھ رہا تھا۔سمندری بگلے اس کے عقب سے اڑتے ہوئے پانی کی طرف جا رہے تھے۔

''زیاد نے مجھ سے کہیں زیادہ جھوٹ بولے۔تم نے اس کو مجھ سے زیادہ چانسز دیے۔'' وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آنے لگا۔اس کی آنکھوں میں بہت سے شکوے تھے۔

''تم ابھی تک اس سے علیحدہ بھی نہیں ہوئیں۔شاید کبھی نہ ہو۔لیکن....'' وہ اس کے عین مقابل آ کے رکا۔اس کے عقب میں پانی کے پار کھڑی اونچی عمارتیں زرد روشنی میں چمک رہی تھیں۔

''لیکن میری ایک غلطی کو تم نے کبھی معاف نہیں کیا۔''

دھوپ کی دم توڑتی کرنیں ماہر کی پشت پہ آ کے رک گئیں۔اب وہ سایے میں کھڑی تھی۔

''کیوں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''کیونکہ تم زیاد سے بہتر تھے۔''

اس کے چہرے پہ کچھ ایسا زخمی کر دینے والا تھا کہ وہ چند لمحے کچھ بول نہ سکا۔اس کے تنے اعصاب ڈھیلے ہو گئے۔

وہ قدم قدم چلتی قریب رکھے بنچ کی طرف بڑھ گئی۔تھیلے درمیان میں رکھے اور دائیں کنارے پہ بیٹھ گئی۔

''تم میرے باڈی گارڈ تھے' کیف۔'' رک کے تصحیح کی۔وہ اب سامنے پانی کو دیکھ رہی تھی۔وہ بنا چاپ کے بنچ کے دوسرے کنارے پہ بیٹھا۔

''میں نے تمہارے ہاتھ میں اپنی زندگی تھمائی تھی۔تمہیں مجھے دھوکہ نہیں دینا چاہیے تھا۔''

پھر چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔وہ اب پانی کو دیکھ رہا تھا۔ایک لگژری بوٹ پل کے نیچے سے گزر کے ان کے قریب آ رہی تھی۔

''ہماری زندگی بہت مختلف ہوتی اگر تم مجھ سے ماہر فرید بن کے ملتے۔''

''تم میری بات کا اعتبار نہ کرتیں۔'' وہ قریب آتی سفید کشتی پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔''لوگوں نے عرصہ ہوا ماہر فرید کا اعتبار کرنا چھوڑ دیا تھا۔تم نے میرا وہ وقت نہیں دیکھا۔''

اس کے چہرے پہ پرانے زخموں کو چھیڑنے سے اُٹھنے والی تکلیف کی لکیریں ابھر رہی تھیں۔وہ چند لمحے اس کا

چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر گردن موڑ لی۔

''میں نے تمہیں عرصہ پہلے معاف کر دیا تھا۔ میں ان باتوں سے بہت آگے بڑھ چکی ہوں۔''

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے' لیکن پھر سر جھٹک دیا۔

''تم نے کیف جمال کو کیوں ہائر کیا؟ وہ تمہیں دھوکہ دے رہا ہے۔''

''تمہیں میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' ماہر۔ میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔''

اس کی آنکھوں میں پہلے تعجب ابھرا اور پھر بے یقینی۔

"یعنی تم جانتی ہو وہ تمہیں دھوکہ دے رہا ہے۔"

''ظاہر ہے میں جانتی ہوں۔ وہ زیاد کے لیے کام کر رہا ہے۔''

ایک بگلہ پھدکتا ہوا اس کے پیروں کے قریب آ رکا۔ اپنی لمبی چونچ اٹھائے' وہ اب مالا کے ہاتھ میں پکڑے کوکیز کے پیکٹ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک گرم تھا۔

''تم نے اسے کیوں ہائر کیا؟''

''کیونکہ زیاد اسی شہر میں ہے۔''

وہ اب بھورے پیکٹ کا کنارہ پھاڑ رہی تھی۔ وہ چونکا۔ پھر اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ وہ پیکٹ کا منہ کھول کے اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔

''میں سمجھا تم اسے کھلانے لگی ہو۔'' بگلے کی طرف اشارہ کیا جو امید سے اس کے قدموں کے قریب بیٹھا تھا۔

''اس کو کھلانا جرم ہے۔'' وہ سادگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے ایک نظر ان بسکٹس کو دیکھا۔ اسے کچھ یاد آیا۔ اندرونِ لاہور کی گلیاں۔ اور ٹوٹی ہوئی نان خطائی۔

''نو تھینکس۔ میں معدے اور چینی سے بنے بیکری آئٹمز نہیں کھاتا۔''

''تمہارا بھائی ایک بیکر ہے۔''

''اور اس کی بیکری سے بالکل نہیں کھاتا۔''

اس نے شانے اچکا دیے اور پیکٹ میں ہاتھ ڈالا۔ ایک گرما گرم خستہ ککی باہر نکالا اور دانتوں سے کترا۔ پرندہ ابھی تک للچائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

" کیف جمال میرے پاس آیا تو اس نے کہا کہ وہ ویک اینڈز پہ فوٹوگرافی کا کام کرتا ہے۔ ویک ڈے زپہ فارغ

ہوتا ہے۔وہ کون سا انسان ہے جو کینیڈا میں رہ کے ہفتے کے چار دن فارغ رہے؟''

''وہ جو کسی کے pay roll پہ ہو۔''وہ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے' آگے کو ہو کے بیٹھا' پانی کو دیکھ رہا تھا۔

''مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔لیکن وہ زیاد نہیں تھا۔زیاد کوئی بھی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے میرا اسائلم کیس مضبوط ہو۔اس نے اس کام کے لیے کسی کو ہائر کیا تھا۔''

پانی کے پار کھڑی اونچی عمارتیں خاموشی سے بنچ پہ بیٹھے دو اجنبیوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''وہ اتنی آسانی سے کینیڈا کیسے پہنچا؟وہ میرے پاس کیوں آیا؟ظاہر ہے زیاد کا اس میں ہاتھ تھا۔وہ چاہتا تھا کہ کیف جمال بہت قریب سے میرے اوپر نظر رکھے۔زیاد جیسا شخص تنہا کام نہیں کرتا۔اس کے پاس ایسے کاموں کے لیے مددگار کمیونٹی ہے۔''

''تم نے اس کا کام آسان کیوں بنایا؟''

'' کیونکہ میں ہر وقت گردن گھما کے اپنے دائیں بائیں کسی غائب تعاقب کار کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئی تھی۔کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ کا دشمن آپ کی نگاہوں کے سامنے رہے تاکہ آپ اس پہ نظر رکھ سکیں؟''

''Keep your enemies closer.''وہ بڑبڑایا۔(اپنے دوستوں کو قریب اور دشمنوں کو قریب تر رکھو۔)

''ویک اینڈز پہ کیا ہوتا ہے؟''

وہ اب تیسرا بسکٹ نکال رہی تھی۔ماہر نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پیکٹ پہ ڈالی۔

''زیاد تب میرا پیچھا خود کرتا ہے۔لیکن آج کل وہ اپنی ماں کی وجہ سے مصروف ہے تو امید ہے کہ اس وقت وہ ہمیں نہیں دیکھ رہا ہوگا۔''

''اس کی ماں کو کیا ہوا؟''

''بلڈ کینسر۔''اس نے جھرجھری سی لے کر سر جھٹکا۔''تم مجھ سے ملنے کیوں آئے ہو؟''سنجیدگی سے یاد دلایا۔ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔کیا اس کو دیر ہو رہی تھی یا وہ بتانا چاہ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ زیادہ دیر نہیں بیٹھنا چاہتی؟وہ فیصلہ نہ کر سکا۔

''مجھے کیف نے کال کی تھی۔وہ میرے ساتھ بھی ڈیل کرنا چاہتا تھا۔میں تمہیں کیف کے دھوکے سے بچانا.....''

''میری طرف دیکھو' ماہر۔تمہیں کیا نظر آتا ہے؟''

وہ رخ موڑ کے اسے براہ راست دیکھنے لگی۔

''میں ایک سائیکو پیتھ قاتل کی بیوی ہوں جو اپنے شوہر سے بچنے کے لیے سات سمندروں کا سفر کر کے یہاں آئی ہے۔وہ آدمی میرے ساتھ کچھ بھی کر سکتا ہے کیونکہ میں اس سے طلاق لے رہی ہوں۔ جب تک وہ آزاد گھومے گا' میری جان خطرے میں رہے گی۔اس لیے مجھے یہ نہ بتاؤ کہ تم مجھے بچانا چاہتے ہو۔کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔میں یہاں اکیلی ہوں اور مجھے اکیلے سروائیو کرنا ہے۔تم میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ نہ میں چاہتی ہوں کہ تم میری زندگی میں مداخلت کرو۔''

''میں تمہاری زندگی میں مداخلت کرنے نہیں آیا۔''اس کی آواز دھیمی تھی۔''وہی بات دہرانے آیا ہوں جو میں نے تمہیں لاہور میں کہی تھی۔''

آہ۔لاہور۔اس شہر کے ذکر سے ایک دم بہت کچھ یاد آیا۔

اندرونِ لاہور کی گلیاں۔ٹوٹی ہوئی نان خطائی۔

''کیا تم میری بہن کو ڈھونڈنے میں میری مدد کر سکتی ہو؟''

"میں نہیں جانتی تمہاری بہن کہاں ہے۔"

''زیادہ جانتا ہے۔''

ایک لمحے کے لیے پانی کے کنارے کھڑی تمام عمارتیں خاموش ہو گئیں۔ بگلے اڑنا بھول گئے اور کشتیاں رک گئیں۔

''اس نے میرے سامنے اعتراف کیا تھا کہ وہ ہلال کی لوکیشن جانتا ہے۔وہ سرکار کا کلائنٹ ہے۔''

''کوچ۔''وہ بڑبڑائی۔وہ کہہ رہا تھا۔

''تم اور زیاد الگ ہو یا نہ ہو' میں تمہارے کسی فیصلے میں مداخلت نہیں کروں گا۔ مجھے اپنی بہن چاہیے۔اور اس وقت صرف زیاد سلطان ہے جو اس کو واپس لا کے دے سکتا ہے۔''

وہ خاموشی سے بغور اس کو دیکھے گئی۔وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''میں نہیں جانتا تمہارا ہلال کے ساتھ کیا تعلق ہے۔لیکن کچھ ہے۔ کچھ ایسا جو میری اور تمہاری سمجھ سے اوپر ہے۔میں انسانوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں ہوتا۔تم میری مدد کر سکتی ہو۔''

وہ ٹھہرا۔

''بدلے میں....''

(مالا نے افسوس سے سر جھٹکا۔ بدلہ۔ یہ طے تھا کہ ماہر فرید لین دین کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتا تھا۔)

''بدلے میں تم جو کہو گی میں کروں گا۔ تم مجھ سے کچھ بھی مانگ سکتی ہو۔''

''میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی۔''

اس کا جواب اتنی تیزی سے آیا تھا کہ چند لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہ سکا۔ بس اسے دیکھے گیا۔

وہ اب اپنے تھیلے اٹھا رہی تھی۔

''مالا۔'' اس کی آواز میں زمانے بھر کی شکایتیں تھیں۔

''میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی کیونکہ تم اپنی بہن کو ڈھونڈنا ہی نہیں چاہتے۔''

وہ تھیلے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ چونک کے گردن اٹھا کے اسے دیکھنے لگا۔

''میں اتنے برس سے اس کو ڈھونڈ رہا ہوں۔''

''تم اس کو نہیں، اس جادوگر کو ڈھونڈ رہے ہو۔''

وہ ناسمجھی سے اسے دیکھتے ہوئے کھڑا ہوا۔

''تم آج تک اسے تلاش نہیں کر پائے کیونکہ تم اس کو تلاش نہیں کر رہے، ماہر فرید۔'' وہ اسی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں بنچ کے ساتھ کھڑے تھے۔ ایک طرف روش پہ چلتے لوگ تھے۔ اور دوسری جانب پانی پہ دم توڑتی نارنجی کرنیں۔

"تم میری زندگی میں کیوں آئے؟ ہلال کے لیے؟ نہیں۔ تم سرکار کی تلاش میں تھے۔ کیونکہ تمہیں کسی نے کہا تھا کہ حورِ جہاں کی بیٹی سرکار کو جانتی ہے۔ کیونکہ سرکار میرے اوپر جادو کر رہا تھا۔ تم سرکار کے ساتھ obsessed ہو، ماہر۔''

"ہلال اس کے پاس ہے۔ اگر میں اس جادوگر کو ڈھونڈ لوں تو....."

''تم اس کو صرف ہلال کے لیے نہیں تلاش کر رہے۔ تمہیں اس سے اپنا انتقام بھی چاہیے۔''

اس نے ککی کے آدھ خالی پیکٹ کا کنارا پھاڑا۔ پھر پرس سے ایک پین نکالا۔ وہ سر جھکائے اس کے ہاتھوں کی حرکت دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک ہتھیلی پہ بھورا کاغذ رکھے، اس پہ پین سے کچھ لکھ رہی تھی۔

''جس دن تمہیں یہ سمجھ آ جائے کہ تمہیں صرف اور صرف اپنی بہن کو ڈھونڈنا ہے' مجھے کال کرنا۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔''

ماہر فرید نے کاغذ تھام لیا۔اس پہ ایک موبائل نمبر درج تھا۔وہ اب تھیلے اٹھائے پبلک مارکیٹ کی عمارت کی طرف جا رہی تھی۔اسے چند چیزیں مزید لینی تھیں۔

وہ دھیرے سے واپس بنچ پہ بیٹھا۔ہاتھ میں پکڑی پرچی کو دیکھا۔

دماغ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔

کیا وہ اسی لیے ہمیشہ اس سے ایک قدم آگے رہا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو دن بعد۔

ویسٹ اینڈ پہ بہت سی اپارٹمنٹ بلڈنگز بنی تھیں۔ان میں سے اپارٹمنٹ ماہر کا بھی تھا۔

سامنے سڑک تھی اور پھر سبزہ زار شروع ہوتا جو ڈھلان کی شکل میں نیچے سمندر کے اس حصے تک جاتا جو اس شہر سے ٹکراتا تھا۔

سبزے اور سمندر کے درمیان ایک پتھریلی روش تھی۔اس شام اس روش پہ وقفے وقفے سے لوگ گزرتے دکھائی دے رہے تھے۔

ایسے میں وہ جوگرز تلے گھاس روندتا' ڈھلان سے نیچے اتر رہا تھا۔دفعتاً اس کے قدم سست ہوئے۔

اس ڈوبتی شام کی روشنی میں وہ اسے یہاں سے دیکھ سکتا تھا۔

وہ sea wall پہ بیٹھی تھی۔پانی اور خشکی کے دہانے پہ۔پیر لٹکائے' وہ حدِ نگاہ تک پھیلے پانی کو دیکھ رہی تھی۔کھلے بال پیچھے کو اڑ رہے تھے۔

''کیا کیف جمال ہمیں دیکھ رہا ہے؟''

وہ اس کے ساتھ آ کے بیٹھا۔جوگرز اسی کے انداز میں نیچے لٹکا لیے۔

''معلوم نہیں۔میں نے اسے چھٹی دے دی تھی۔''مالا نے شانے اچکائے۔اس کے جوتے' پرس اور ایک پانی

کی بوتل منڈیر پہ اس کے ساتھ رکھی تھی۔ نگاہیں اس نارنجی گیند پہ جمی تھیں جو پانی سے ذرا اوپر تیر رہی تھی۔

"تمہاری ٹانگ کیسی ہے؟"

اس کے سوال پہ ماہر چونکا۔ پھر یاد آیا تو شانے اچکا دیے۔

"ٹانگیں تو ٹوٹتی رہتی ہیں۔" پھر اپنے عقب میں اشارہ کیا۔

"میں اس بلڈنگ میں رہتا ہوں۔" جیسے اس کو یہاں بلانے کی وجہ بتائی۔

مالا نے پلٹ کے دیکھا۔ ڈھلان سے اوپر چند عمارتوں کی چوٹیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ یقیناً وہاں بنے اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے دور تک پھیلا سمندر دکھائی دیتا ہوگا۔ "میں شہر کے اس حصے میں رہنا افورڈ نہیں کر سکتی کیونکہ میرے والد نے میرے لیے فرید ہولڈنگ نہیں چھوڑی تھی۔"

"میرے ابا سیلف میڈ آدمی تھے۔"

"میں نے کب کہا نہیں تھے؟"

"تمہیں امیر لوگ ناپسند ہیں؟"

"مجھے اپنے تمام مسئلے پیسے سے حل کرنے والے امیر لوگ ناپسند ہیں۔"

ماہر نے سر کو اثبات میں خم دیا۔ یہ اس کا نیا قصور تھا۔ ذہن میں لکھ لیا۔

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ وہ دونوں اونچی منڈیر پہ بیٹھے تھے۔ دور بہت نیچے' سمندری پانی اس دیوار سے ٹکرا ٹکرا کے واپس پلٹ رہا تھا۔ "تم درست کہہ رہی تھیں۔ میں ہلال کو تلاش نہیں کر رہا تھا۔ میں اپنی ساری توانائی سرکار کو ڈھونڈنے میں صرف کیے ہوئے تھا۔ لیکن میں بھی درست تھا جب میں نے کہا کہ تمہیں کیف جمال سے احتیاط کرنی چاہیے۔ وہ تمہیں کسی مصیبت میں ڈالنے کے لیے تمہارے قریب آیا ہے۔"

"وہ مجھے مصیبت میں ڈال چکا ہے۔" وہ بڑبڑائی تو وہ چونکا۔ وہ اب پانی کی بوتل کھول رہی تھی۔

"میری وجہ سے کافی شاپ میں ایک عورت پھسل گئی۔ غلطی میری تھی۔ مجھے caution board رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن اس بورڈ کو غائب کرنے میں بھی اسی کا ہاتھ تھا۔ اس نے جے پریت کو بھی اپنے ساتھ ملایا ہوگا۔ اسی لیے وہ مجھ پہ دباؤ ڈال رہی ہے۔ وہ اس عورت کے ساتھ معاملہ سیٹل کرے گی اور مجھے پیسے دینے پڑیں گے۔"

"کتنے پیسے؟" وہ اپنی رو میں قدرے تلخی سے بتا رہی تھی جب ماہر فرید کے سوال پہ چونکی۔ پانی کی بوتل ہونٹوں سے لگاتے لگاتے ٹھہری۔ چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''سوچنا بھی مت۔''

''کیا؟''

''کہ تم وہ رقم ادا کر دو گے۔''اس نے تیزی سے بوتل نیچے کی۔آنکھوں میں زمانے بھر کا غصہ اتر آیا تھا۔

''میں صرف پوچھ رہا ہوں کہ کتنی رقم ہے۔''

''تم نے سنا نہیں میں نے ہر مسئلے پہ پیسہ پھینکنے والوں کے بارے میں کیا کہا تھا؟''

''تمہیں ماہر فرید کو ناپسند کرنے کے لیے وجہ نہیں چاہیے۔''اس نے شانے اچکا دیے۔وہ اسی برہمی سے اسے گھور رہی تھی۔

''میں تم سے ملنے اس شرط پہ آئی تھی کہ تم میری زندگی میں مداخلت نہیں کرو گے۔لیکن تم نہیں بدلو گے۔تم ہمیشہ وہی کرو گے جو کرتے آئے ہو۔''

''مثلاً؟''وہ سکون سے سن رہا تھا۔

"تم...."اس سے جیسے غصے سے بولا نہیں گیا۔چند گہرے سانس لیے۔

"تمہارا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے' جانتے ہو؟تم کبھی صاف بات نہیں کرتے ہو۔پسِ پردہ deals کرتے ہو۔ہر انسان کو manipulate کرتے ہو۔میرے ساتھ تم نے یہی کیا۔تم نے خود سے طے کر لیا کہ میں تمہارا اعتبار نہیں کروں گی۔سو تم میری زندگی میں ایک فریب کے ساتھ شامل ہوئے تا کہ مجھے کنٹرول کرو۔تم ایک control freak ہو اور تم ہمیشہ میری زندگی کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے ہو۔میرے لیے خود سے فیصلے لیتے ہو۔''

"واؤ....تم میرے اوپر مضمون لکھ سکتی ہو۔''

"تم اب تک اتنا نہیں سمجھے کہ مجھے اپنی پیٹھ پیچھے کسی کا کچھ کرنا نہیں پسند۔مجھ صاف بات کرنا پسند ہے۔اگر تم ایک سال پہلے میرے پاس آتے اور مجھے حقیقت بتاتے تو میں تمہارا اعتبار کرتی۔ہم مل کے تمہاری بہن کو ڈھونڈتے۔اور شاید سرکار کو بھی۔لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔میں تمہیں پھر کہہ رہی ہوں۔''وہ اب کے دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری مدد کروں' تو تم میری زندگی' میرے مسئلوں اور میرے قرضوں سے دور رہو گے۔تم کسی بھی طرح میرے معاملات کو کنٹرول کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔میں اپنے مسئلے حل کر سکتی

ہوں۔"

"تمام۔تمام۔"اس نے دونوں ہاتھ صلح جو انداز میں اٹھائے۔

وہ اب گردن موڑ کے واپس سورج کو دیکھنے لگی۔اس کے ماتھے کے بل برقرار تھے۔جیسے اسے ماہر فرید پہ ڈھیروں غصہ آیا ہو۔چند ثانیے یونہی خاموشی سے کٹ گئے۔

"کیا اب تم مجھ پہ اعتبار کرتی ہو؟"وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"میں کسی پہ اعتبار نہیں کرتی۔"

وہ اب خفا نہیں تھی۔بس سنجیدہ تھی۔تھکی ہوئی بھی تھی۔

"ہمیں وہ مدرسہ مل گیا تھا جہاں اس نے ہلال کو رکھا تھا۔لیکن جب تک ہم وہاں گئے' بہت دیر ہو چکی تھی۔وہ ہلال کو وہاں سے لے گیا تھا۔"اس نے رک کے اپنی بات پہ زور دیا۔"زیاد جانتا ہے کہ وہ کہاں ہو گی۔"

"زیاد مجھے نہیں بتائے گا۔"اس نے پیر اوپر کر لیے اور گھٹنے سینے سے لگا کے تھوڑی ان پہ جمالی۔وہ اب بھی سورج کو دیکھ رہی تھی۔

"تم کیسے جانتی تھی کہ وہ کہاں ہے؟"

"میں نے اسے دیکھا تھا۔"

وہ چونکا۔

"وہ میوزک بجاتی تھی اور مجھے وہ سنائی دیتا تھا۔میں نے وہ تمام اوقات لکھنا شروع کیے۔"

"نمبرز جھوٹ نہیں بولتے۔"وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔

"وہ لاہور کے فجر کے وقت سے مطابقت رکھتے تھے۔"اس نے سر جھٹکا۔"لیکن میں تنگ آ چکی تھی۔میں ہلال کے میوزک سے تنگ آ چکی تھی۔پھر میں نے اسے دیکھا ایک رات۔اور میں نے اسے منع کیا کہ وہ مجھے نہ پکارا کرے۔اس کے بعد سے میں نے اسے نہیں دیکھا۔وہ بھاگ سکتی تھی لیکن وہ نہیں بھاگی۔"وہ اُفق کو دیکھ رہی تھی اور وہ اسے۔

"وہ تمہیں پکارتی تھی اور تم نے اسے منع کر دیا؟"اس کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا اٹکنے لگا۔

"وہ مجھے نہیں پکارتی۔وہ کسی اور کا انتظار کر رہی ہے۔"

ماہر فرید کو لگا وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گا۔

''میں جانتا ہوں۔''

اس نے چونک کے ماہر کو دیکھا۔

''تم جانتے ہو وہ کس کا انتظار کر رہی ہو؟''

ابھی شام نہیں ڈوبی تھی لیکن پانی کے دوسری جانب' دور بہت دور دکھائی دیتی عمارتوں کی بتیاں جل اٹھی تھیں۔

''ہاں۔اس نے مجھے ایک نام بتایا تھا۔وہ جو اس کو وہاں سے نکالنے آئے گا۔''

''کون؟'' مالا کو تعجب ہوا۔

دور آسمان پہ مدھم سا پورا چاند دکھائی دے رہا تھا۔

"بدر۔"

''بدر کون؟'' اسے ایک لمحے کے لیے حیرت ہوئی۔

اور اگلے ہی لمحے.....اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

"بدر کون ہے' میں نہیں جانتا۔" وہ مالا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ سورج کے ساتھ ایک ہی آسمان پہ تیرتے چاند کو دیکھ رہا تھا۔''ہلال نے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ قید ہوگا۔اور وہ ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔ہلال کو یہ سب کیسے معلوم تھا' میں نہیں جانتا۔میں صرف سرکار کو نہیں ڈھونڈ رہا تھا۔میں اس لڑکے کو بھی ڈھونڈ رہا تھا۔اسی لیے میں کبیرہ کے بیٹے عالیان میں انٹرسٹڈ تھا۔''

وہ اب بھی اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

''وہ لڑکا جو سرکار کی قید میں ہوگا۔کبیرہ کا بیٹا عالیان۔وہ بہت چھوٹا تھا جب اس قید میں گیا۔اب وہ بڑا ہو چکا ہوگا۔سولہ سترہ برس کا۔شاید اس نے نام بدل لیا ہو۔کیا تم کسی بدر نام کے لڑکے کو جانتی ہو؟"

کشمالہ مبین کی رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔اس نے بدقت تھوک نگلا۔

''نہیں۔'' گردن نفی میں ہلائی اور سامنے دیکھنے لگی۔

"تم اور کیا جانتے ہو اس جادوگر کے بارے میں؟" وہ اس سے نگاہ نہیں ملا رہی تھی۔"سوائے اس کے کہ زیاد اس کا کلائنٹ ہے؟'' اس کی آواز میں تلخی تھی۔لیکن مالا نے جواب نہیں دیا۔اس نے ہتھیلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کر دیا تھا تاکہ وہ اس کی انگلیوں کا ارتعاش نہ دیکھ سکے۔"یہی کہ وہ بوڑھا ہے۔اس کے کلائنٹس پیسے والے' بااثر لوگ ہیں۔اور.....'' اس نے اپنی آستین اونچی کی اور بازو پہ ایک جگہ انگلی رکھی۔

''اور اس کے بازو پہ قابیل کا نشان ہے۔''

''کیسا نشان؟'' وہ چونکی۔

''میں نے اسے ایک دفعہ دیکھا تھا۔ خواب تھا یا کیا۔'' اس نے موبائل روشن کیا۔ ڈوبتی شام کے اندھیرے میں اس کی روشنی ماہر کے چہرے کو چمکانے لگی۔ وہ اسکرول کرتا کچھ تلاش کر رہا تھا۔

''یہ نشان۔'' ایک تصویر اس کے سامنے کی۔ وہ صلیب کی طرح کا نشان تھا۔ اور دائیں بائیں دو نقطے۔

''یہ قابیل کا نشان ہے۔ زیادکا کالنگ کارڈ۔ وہ اس نشان کو اپنے شکار کی لاش کے ساتھ بناتا ہے۔'' وہ اب فون واپس جیب میں ڈالتے ہوئے پانی کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ ''اور میں کیا جانتا ہوں اس جادوگر کے بارے میں؟''

وہ بالکل گم صم سی اس کو دیکھ رہی تھی۔ گردن پہ نگینے کی چبھن یاد آئی۔

''اور بس یہی کہ وہ سحرِ عشق سے پیدا ہوئے بچے اغوا کرتا ہے۔''

چاند نے پانی کو اپنی جانب کھینچا۔ لہریں زور سے فضا میں بلند ہوئیں اور پھر نیچے دیوار سے ٹکرائیں۔

''کیا؟'' اسے چند لمحے کے لیے سمجھ میں نہ آیا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"میری ماں اور شمس کی شادی سحرِ عشق سے ہوئی تھی۔ اس نے ہلال کو اغوا کر لیا۔ کبیرہ کی شادی بھی میرے انداز کے مطابق سحرِ عشق سے ہوئی تھی۔ اس کا بیٹا بھی غائب ہوا۔ ان دونوں میں کیا مشترک ہے؟ ان کے ماں باپ کی شادی۔''

کشمالہ کا سانس دھیرے دھیرے بند ہونے لگا۔

''یعنی سرکار سحرِ عشق سے پیدا ہوئے بچے چراتا ہے۔ کیوں؟ میں نہیں جانتا۔ وہ ان کے ماں باپ کو جادو سے ملاتا ہے اور پھر....'' اس کی چاند کو دیکھتی آنکھوں میں گہری سوگواریت ابھری۔

''پھر وہ ان بچوں کے پیچھے آتا ہے۔ اور وہ ساری زندگی ان کا پیچھا کرتا ہے۔''

وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کو سانس نہیں آ رہا تھا۔ شاید وہ پانی سے نکلی مچھلی تھی جس کو ہوا راس نہیں آ رہی تھی۔

" کیا تم نے یہ نشان پہلے کہیں دیکھا ہے؟" ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تو چونکا۔ اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ چاند سے زیادہ سفید۔

''نہیں... میں نے نہیں دیکھا۔ مجھے نہیں یاد۔'' پھر گھڑی دیکھی۔'' مجھے ایک اہم کام کرنا تھا۔ میں بھول گئی۔ ابھی مجھے جانا ہے۔ ہم پھر اس بارے میں بات کریں گے۔'' وہ جوتے زمین پہ رکھتی' ان کو جلدی جلدی پیروں میں گھسیڑ رہی تھی۔

'' کلاسک کشمالہ مبین۔'' اس نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔ وہ گفتگو پیچیدہ ہوتے ہی جگہ چھوڑ کے فرار حاصل کر لیتی تھی۔

وہ اب ڈھلان پہ اوپر چڑھ رہی تھی۔ وہ اسے چڑھتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جو گرز ٹھیک سے نہیں پہنے تھے۔ ان کا پچھلا حصہ اس کی ایڑھیوں تلے دبا ہوا تھا۔

"مالا...." اس نے پکارا لیکن وہ نہیں رکی۔

ہر قدم من من بھر کا ہو رہا تھا۔ ساری دنیا نگاہوں کے سامنے گھومنے لگی تھی۔

انگوٹھی کے نگینے کی چبھن۔

قابیل کا نشان۔

سحرِ عشق سے پیدا ہوئے بچے۔

"میری پوتی کو مت مارنا۔ وہ بہت قیمتی ہے۔" بوڑھے ہاتھ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ رکھا تھا۔

ساری دنیا ایک دم سیاہ اور سفید ہو گئی تھی۔ سارے رنگ غائب ہو گئے تھے۔

سب واضح تھا۔ صاف اور شفاف۔

بس اسٹاپ تک پہنچتے ہی وہ رکی۔ گہرے سانس اندر کھینچے۔ ایک دو تین۔

پھر موبائل اسکرین روشن کی۔ وہ گوگل میپس نہیں کھول رہی تھی۔

وہ ایک نمبر ملا رہی تھی۔

'' مجھے ایک اپائنٹمنٹ چاہیے۔''

اس کی آواز کپکپائی۔

'' ابارشن کے لیے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ)

(قسط ۵ ابقایا صفحہ جات)

"میری پوتی کو مت مارنا۔ وہ بہت قیمتی ہے۔" بوڑھے ہاتھ نے اس کے ہاتھ کو پکڑ رکھا تھا۔

ساری دنیا ایک دم سیاہ اور سفید ہو گئی تھی۔ سارے رنگ غائب ہو گئے تھے۔

سب واضح تھا۔ صاف اور شفاف۔

بس اسٹاپ تک پہنچتے ہی وہ رکی۔ گہرے سانس اندر کھینچے۔ ایک دو تین۔

پھر موبائل اسکرین روشن کی۔ وہ گوگل میپس نہیں کھول رہی تھی۔

وہ ایک نمبر ملا رہی تھی۔

''مجھے ایک اپائنٹمنٹ چاہیے۔''

اس کی آواز کپکپائی۔

''ابارشن کے لیے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید کے کیف جمال بننے سے تین ماہ پہلے

استنبول۔

یہ استنبول شہر کا معروف کاروباری مرکز لیونت تھا۔

لیونت میں جہاں سڑک کے عین اوپر بہت سے کمرشل دفاتر بنے تھے، وہیں بہتیرے کاروباری افراد نے اپنے آفس مین روڈ سے دور، رہائشی کالونیوں کے اندر بنے ولاز میں قائم کر رکھے تھے۔ اس کا ایک مقصد ٹریفک کے بے ہنگم شور اور آلودگی سے خود کو محفوظ رکھنا تھا، بالخصوص ان افراد کے لیے جن کا کام تخلیقاتی نوعیت کا تھا۔

اس کا دوسرا مقصد پرائیوسی تھا۔ یہاں کے کاروباری افراد نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ملاقاتی سرِ عام ان کے دفاتر میں داخل ہوں۔ اس شہر کے باسیوں کو اپنی پرائیوسی میں دراڑ پڑنے کا خوف ہمیشہ لاحق ہوتا تھا۔

ایسا ہی ایک ولا سرمئی چار دیواری سے گھرا تھا اور اس کے سیاہ گیٹ پر اس کا نام جلی حروف میں درج تھا۔

کیف۔ KAIF

یہ "قاسم علی امتیاز فرید" کے نام کے پہلے حروف سے بنایا گیا نام تھا جو اس آرکیٹیکچرل فرم کی پہچان بن چکا تھا۔

قریباً ڈیڑھ برس پہلے ماہر فرید نے اس شہر میں منتقل ہونے کے بعد اس فرم کی بنیاد رکھی تھی۔اور ان ڈیڑھ برس میں اس عمارت کے خدوخال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔پھیکی سرمئی دیواریں جو کسی قسم کے سبزے سے خالی تھیں۔

زارینہ فرید اپنے آفس میں کھڑی، ٹہلتے ہوئے فون پہ بات کر رہی تھی۔شیشے کے دروازے کے باعث باہر سے گزرتی شبنم بنا کسی دقت کے اس کو دیکھ سکتی تھی۔وہ چند ماہ پہلے یہاں آئی تھی۔اور پھر اس نے واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔

شبنم چند کاغذات لیے ماہر کے آفس کی طرف جا رہی تھی۔ایک کینہ توز نظر زارا پہ ڈالی۔پھر آگے بڑھ گئی۔

ہال کے اختتام پر بنا بند دروازہ کھٹکھٹایا۔پھر ہینڈل گھمایا۔دروازہ چوکھٹ سے جدا ہوا اور اندر کا منظر واضح ہوا۔

وہ میز کے کنارے جھکا کھڑا، ایک گرافک ٹیبلیٹ پر انگلی سے سوائپ کر رہا تھا۔نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔اور سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"۱۵ جولائی۔" وہ جتا کے کہتی قریب آئی اور ایک کاغذ اس کے سامنے رکھا۔"ہمیں اپنا ڈیزائن ۱۵ جولائی تک پیش کرنا ہے۔"

ماہر کی نگاہ کیلنڈر کی طرف اٹھ گئی۔جنوری کا صفحہ سامنے تھا۔

"ہمارے پاس پانچ ماہ سے زیادہ وقت ہے۔" پھر غور سے شبنم کو دیکھا۔جیسے اس کی ناگواری کی وجہ نہ سمجھ پا رہا ہو۔

شبنم نے پہلو بدلا۔پلٹ کے بند دروازے کے پار دیکھا۔پھر واپس ماہر کو۔

"تمہیں زارا سے کوئی مسئلہ ہے؟" وہ گہری سانس لے کر سیدھا ہوا۔قلم نیچے رکھا۔

"بیربل کہتا ہے..."

"بیربل کو ہم سنجیدہ نہیں لیتے، شبنم۔" نرمی سے یاد دلایا اور کرسی پر بیٹھا۔

"مگر..." وہ متامل ہوئی۔"زارا ہماری فرم کا حصہ تب بنی ہے جب ہم اسٹیبلیش ہو چکے ہیں۔اس پوزیشن کے لیے بہتر لوگ موجود تھے۔آفس میں کہا جا رہا ہے کہ آپ نے یہ عہدہ اپنی کزن کو دے کر زیادتی کی ہے۔"

"میری کزن یا فارنر؟" وہ اب کف کے بٹن کھول رہا تھا۔

"فارنر۔" اس نے پہلو بدلا۔ وہ ناخوش لگتی تھی۔

"ترکش قوم بہت racist ہے، ماہر بے۔ ان کو صرف وہ فارنر پسند ہیں جن کے پاس ڈالرز ہوتے ہیں۔ یہ قوم ڈالرز کے لیے اپنے ماں باپ کو بھی بیچ سکتی ہے۔"

"پاؤنڈز۔" اس نے تصحیح کی لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔

"زارا جب سے آفس میں آئی ہے، ہمارے آفس کے ماحول میں ڈراما بڑھ گیا ہے۔"

"زارا اپنے کام میں بہت اچھی ہے۔" وہ آستین کے کف پیچھے موڑ رہا تھا۔

"وہ آپ کے بارے میں بہت پوزیسیو ہے۔ آپ سے ملنے آنے والی ہر خاتون انویسٹر کی وہ تحقیق کرتی ہے۔" شبنم خفگی سے کہہ رہی تھی۔ "اور اگر میں اس کو انفارمیشن نہ دوں، تو وہ مجھے دھمکیاں دیتی ہے۔"

ماہر نے گہری سانس لی۔ اور پیچھے کو ہو کے بیٹھا۔

"زارا کو ہمیشہ سے انسانوں کے بارے میں جاننے کا تجسس ہوتا تھا۔ ہمیں فرید ہولڈنگ میں جب بھی کسی کے بارے میں کوئی بھی معلومات چاہیے ہوتی تھی، ہم زارا کو کال کرتے تھے۔ زارا میری بہترین دوست ہے۔ اور وہ یہ سب کیف کے لیے کر رہی ہے۔"

"اونہوں۔" اس نے ناک سکوڑتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ یہ سب آپ کے لیے کر رہی ہے۔ وہ کسی کو آپ کے قریب ہوتے نہیں دیکھنا چاہتی۔"

وہ ٹیک لگائے، دھیرے سے مسکرا دیا۔

"میرے قریب کوئی بھی نہیں ہے۔"

"بیربل کہتا ہے کہ زارا کرائسس میں ہمیشہ چھوڑ دینے والوں میں سے ہے۔ وہ یہاں بھی تب آئی ہے جب آپ اپنے قدم جما چکے تھے۔ اس نے کیف کا وہ وقت نہیں دیکھا جب آپ یہاں نئے تھے اور..."

"اور ترکش انویسٹرز مجھے ایک امیر آدمی خیال کر کے صبح شام اس ولا کا چکر لگایا کرتے تھے۔" وہ یاد کرتے ہوئے مسکرایا۔

اب کی بار شبنم بھی دھیرے سے مسکرائی۔

"اور وہ آپ کی اجازت کے بغیر اوپر اسٹڈی میں چلے جایا کرتے تھے۔ آپ کے سگارز اور گھڑیاں چرا لیتے

تھے۔وہ تو جب ہم نے یہ باتیں مشہور کیں کہ آپ نفسیاتی مریض رہ چکے ہیں،تو ایسے لوگوں سے جان چھٹی۔ورنہ وہ آپ کو یہاں اسٹیبلیش نہ ہونے دیتے۔"اس نے اداس مسکراہٹ کے ساتھ سر جھٹکا۔"میں اپنی قوم سے واقف ہوں،ماہر ہے۔ہم فطرتاً سست اور وعدہ خلاف ہیں۔محنت سے بھاگتے ہیں۔اور ڈالرز کی پوجا کرتے ہیں۔یہاں لندن کی نسبت تعلیم بہت کم ہے اس لیے لوگوں میں بنیادی ورک ethics نہیں ہیں۔پھر بھی..."وہ آگے کو جھکی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔"اس عہدے کے لیے زارا سے بہتر کوئی ترک شخص ہوسکتا تھا۔وہ کیف کے لیے یہاں نہیں آئی۔وہ آپ کے قریب ہونے کے لیے یہاں آئی ہے۔"

"اور میرے قریب کوئی بھی نہیں ہے۔"وہ ہاتھ باہم ملائے،ٹیک لگائے،اسی انداز میں مسکرایا۔

شبنم نے گہری سانس لی۔پھر افسوس سے سر جھٹکا۔ماہر بے کو سچ سننا پسند تھا۔اس آفس میں سچ بولنے پہ پابندی نہیں تھی۔وہ سائیکو پیتھ و ڈالرز مشہور تھا۔اور اسے کچھ بھی سننے سے ڈر نہیں لگتا تھا۔

لیکن زارا پہ اس کا بھروسہ کرنا شبنم کو ایسے ہی بے چین کر دیتا تھا۔

"آپ کی زندگی میں واقعی کوئی نہیں ہے؟"شبنم نے عینک کے پیچھے سے مشکوک انداز میں آنکھیں چھوٹی کیں۔

ماہر نے شانے اچکا دیے۔شبنم انہی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہو کہ وہ واقعی تنہا تھا یا اس کو بتا نہیں رہا تھا کہ کہیں وہ زارا کو نہ بتا دے۔

پھر وہ پلٹنے لگی جب اچانک یاد آیا۔ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"آپ کے آفیشل ای میل پہ ہر ہفتے فرید ہولڈنگ کے اسٹاف کی ای میلز آتی ہیں۔"

"جانتا ہوں۔کوئی نئی بات نہیں ہے۔"ماہر فرید نے ناک سے مکھی اڑائی۔وہ جب سے لندن چھوڑ کے آیا تھا،اس کا پرانا اسٹاف اس کو اکثر میلز لکھتا تھا۔فرید ہولڈنگ کے اکاؤنٹس درست نہیں جا رہے۔کوئی شخص غبن کر رہا ہے۔وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں مالک فرید کی طرف اشارہ کرتے تھے۔وہ چاہتے تھے کہ ان کا اصل باس واپس آجائے۔

"آپ کو یقین ہے نا کہ آپ کے انکل آپ کے ساتھ کسی قسم کا دھوکہ نہیں کر رہے؟"

ماہر نے ایک سخت نگاہ اس پہ ڈالی۔

"مالک بہت کچھ ہوسکتا ہے،بد دیانت نہیں۔یہ لوگ موقع پرست ہیں۔خوشامدی درباریوں کی طرح۔جو کسی ملک بدر ہوئے حکمران کو واپس آنے کی ترغیب صرف اس لیے دیتے ہیں تاکہ وہ موجودہ حکمران کا تختہ الٹ سکے۔

اور وہ تماشہ دیکھ سکیں۔یقیناً مالک ان سے محنت کرواتا ہے۔اسی لیے وہ اس کو پسند نہیں کرتے۔اب میں کام کرلوں؟"

"شیور۔اور ہاں...ایک لڑکی نے مجھے کئی دفعہ آپ کے لیے ای میل لکھی ہے کیف کی ویب سائٹ پہ دیے گئے ایڈریس پہ۔"وہ فون اسکرین پر بٹن دبانے لگی۔''وہ آپ سے ملنا چاہتی ہے۔"

"ایک نئی انویسٹر؟"وہ قدرے اکتا کے کہتے ہوئے سامنے رکھی اسکرین پہ جھکا۔

"اونہوں۔شاید کوئی ٹین ایجر۔عجیب سا نک نیم ہے اس کا۔"شبنم پڑھ کے سنانے لگی۔

''I died on my birthday''

وہ چند لمحے کیز دباتا رہا۔نگاہیں اسکرین پہ مرکوز رہیں۔ذہن نے دھیرے دھیرے اس کو جذب کیا۔

اور پھر ایک دم اس نے سر اٹھایا۔

ساری دنیا جیسے برف کی تہوں میں دب گئی۔اب ہر طرف سفید سا سناٹا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور۔

اس وقت جب ماہر فرید اس گمنام ای میل کو جذب کر رہا تھا،لاہور کے ایک بنگلے میں مہندی کا فنکشن جاری تھا۔

لان کو گیندے کے پھولوں اور جگمگاتی بتیوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔اسٹیج پر ایک گوٹے کناری سے سجا بورڈ آویزاں تھا جس پر "سہیل کی مہندی" درج تھا۔

گھاس پر فرشی نشستیں بچھی تھیں۔زرد مخمل کے گاؤ تکیے۔گلابی اور نارنجی کشن۔گانوں کی آوازیں۔مہندی کی خوشبو۔ایک طرف بچی بفے ٹیبل جن سے حلوہ پوری اور باربی کیو کی مہک اٹھ رہی تھی۔کھانا ابھی کھلا نہیں تھا۔سو وہ جگہ ویران تھی۔مہمان لان میں بیٹھے تھے۔لڑکے لڑکیاں نیچے زرد چادر پر اور بڑی عمر کی خواتین جو اٹھتے بیٹھے گھٹنوں پر ہاتھ رکھتی تھیں،اوپر صوفوں پر براجمان تھیں۔ایک جانب مہندی والی لڑکی کون ہاتھ میں پکڑے،باری باری لڑکیوں کے ہاتھوں پر نقش ونگار بنا رہی تھی۔

"آنٹی،آپ مہندی لگوائیں گی؟"سہیل کی بہن ان معمر خواتین کی طرف آئی اور مسکرا کے نگینہ بیگم سے پوچھا۔

"نہیں،بیٹے۔آپ لوگ لگواؤ۔"نگینہ بیگم نے بھی مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔وہ انہی کرسیوں کے وسط میں بیٹھی

تھیں۔ بار بار ایک خاموش نگاہ حورِ جہاں پہ ڈالتیں جو دور کسی دوسری خاتون سے باتیں کرنے میں مشغول تھیں۔ انہوں نے نگینہ سے سلام کے علاوہ کلام نہیں کیا تھا۔ وہ انہیں پسند نہیں کرتیں۔ وہ جانتی تھیں۔ حورِ جہاں جیسے تسبیحات پڑھنے والے لوگ نگینہ بیگم کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ان لوگوں کو خود بھی اس ناپسندیدگی کی وجہ معلوم نہ تھی۔ بس ایک اَن دیکھی سی قوت تھی جو ان لوگوں کو نگینہ بیگم کے قریب آتے ہی رخ موڑنے پہ مجبور کر دیتی۔ جیسے دو ایک جیسے مقناطیس ایک دوسرے کو repel کرتے ہیں۔

"امی۔"

دفعتاً ساتھ رکھی خالی نشست پر کوئی آ کے بیٹھا۔ نگینہ نے چہرہ موڑا اور پورے دل سے مسکرا دیں۔

"آپ آ گئے؟"

وہ مسکرایا نہیں۔ بس خاموش بیٹھا رہا۔

"آپ نے اتنا اصرار کیا تھا تو..." فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نگاہ اسٹیج پہ جمی تھی۔ دلہا سہیل گردن میں نارنجی دوپٹہ ڈالے، ہنستے ہوئے اپنی کزنز کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا۔ وہ اس سے کسی رسم کے پیسے وصول کرنا چاہ رہی تھیں اور وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ زیاد سلطان کی نظر اس کی دلہن کی طرف اٹھی۔ نارنجی اور گلابی دوپٹہ سر پر جمائے، وہ پیاری سی لڑکی تھی۔ اس کے بال سیاہ تھے اور ہاف بندھے تھے۔ لیکن آنکھوں میں کانچ کے جیسے لینز لگے تھے۔ بے چاری۔ اس کو نہیں معلوم تھا کہ سیاہ آنکھوں سے زیادہ حسین کچھ نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ بال اوپر اونچی پونی کی صورت باندھتی تو شاید... زیاد نے سر جھٹکا۔

"ہر چہرے میں اس کا عکس تلاشنا چھوڑ دو، بیٹے۔ ڈیڑھ سال سے زیادہ ہو گیا ہے۔" انہوں نے اس کے قریب سرگوشی کی۔

"کس کا عکس؟" سہیل کی بہن جو گھوم کے پیچھے سے آ رہی تھی، ایک دم چہک کے بولی تو وہ دونوں چونکے۔ گردن موڑ کے دیکھا۔ زیاد سلطان کی رنگت پھیکی ہوئی البتہ نگینہ بیگم عمر کے اس حصے میں تھیں، جہاں خاندان والوں کی ہر بات کا جواب دینا انہیں آتا تھا۔

"زیاد کی منگیتر کی بات کر رہی ہوں۔ اس کی ڈیتھ ہو گئی تھی نا۔ آپ کو نہیں معلوم؟"

"اوہ سوری۔" وہ شرمندہ ہوئی۔ آگے ہو کے ایک نارنجی دوپٹہ زیاد کو تھمایا اور جلدی سے آگے بڑھ گئی۔

زیاد نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"یہ آپ نے خاندان میں کیا مشہور کر دیا ہے کہ میری منگنی ہوگئی تھی لیکن پھر منگیتر مر گئی تھی۔" وہ قدرے خفا ہوا۔

"یہ مجھ سے پہلے کبیرہ نے مشہور کیا ہے۔اس نے اپنے جادوگروں سے آپ کے بارے میں معلوم کروایا تھا۔" وہ تلخی سے کہہ رہی تھیں۔" جنات کی رپورٹس کچی پکی ہوتی ہیں۔اس کو یہی رپورٹ ملی کہ انگلینڈ کی کسی لڑکی میں آپ دلچسپی رکھتے تھے اور وہ مر گئی۔ہم نے صرف اس کو رسمی شکل دی ہے۔" اب کے ان کی آواز مزید دھیمی ہوگئی تھی۔

"ایک تو کبیرہ..." اس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"جب آپ شادی کا سوچو گے تو سب کے منہ خود بخود بند ہو جائیں گے۔"

نگینہ بیگم ٹھہر گئیں۔گردن ترچھی کر کے کچھ دیکھا۔بلکہ...کسی کو دیکھا۔

"وہ جو میرون لباس والی لڑکی ہے نا... مجھے وہ آپ کے لیے پسند ہے۔"

زیاد سلطان کی نگاہ بے اختیار اس طرف اٹھی۔

اس وقت اس کی پشت اس طرف تھی۔چوڑی دار آستین والے میرون کامدار لباس والی لڑکی، کلائیوں میں گجرہ پہنے، ایک لڑکی کا ہاتھ تھامے اسے اندر لے کر جا رہی تھی۔دوسری لڑکی جس کے چھوٹے بال تھے، چہرے سے خفا دکھائی دے رہی تھی۔

وہ بے اختیار گردن موڑ کے اسے دیکھنے لگا۔نگاہ اس کے پیروں پہ جا رکی۔وہ نازک میرون ہیلز میں مقید تھے۔اب وہ پیرز زینے چڑھ رہے تھے۔پھر وہ برآمدے تک پہنچے۔اور اگلے ہی لمحے دروازہ کھول کے اندر غائب۔

" آپ نے کہا تھا کہ آپ اپنی پرانی زندگی چھوڑنا چاہتے ہو۔اس پیشے کو ترک کرنا چاہتے ہو۔" وہ بند ہوتے دروازے کو دیکھ رہا تھا جو ابھی تک جھول رہا تھا۔اور وہ اس کے کان میں کہہ رہی تھیں۔

"ان ڈیڑھ پونے دو برسوں میں آپ نے کوئی نئی جاب نہیں لی۔بس پرانی jobs مکمل کی ہیں۔" (اس پیشے میں قتل کو job اور جس کا قتل کرنا ہو اس کو mark کہا جاتا تھا۔) اگر واقعی اس دلدل سے نکلنا چاہتے ہو تو آپ کو ایک اچھی لڑکی چاہیے۔وہ آپ کی اصلاح کرے گی۔آپ کا ہاتھ تھام کے، بہت محبت سے آپ کو اس سب سے نکالے گی۔پھر آپ بھی نارمل زندگی گزار سکو گے۔"

جھولتا دروازہ اب دھیرے دھیرے ساکت ہو رہا تھا۔

"یہ ہے وہ لڑکی جس کے لیے سب کچھ چھوڑا جا سکتا ہے۔" ان کی سرگوشی زیاد سلطان کے کان میں کسی نغمے کی طرح گونجی۔

وہ کچھ کہہ نہ سکا۔کوئی ٹرانس سا تھا۔ دھیرے سے اٹھا اور اس دروازے کی جانب بڑھ گیا جس کے پار وہ گم ہوئی تھی۔

گھر کا اندرونی حصہ بھی بتیوں اور گیندوں کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔وہ دونوں لابی میں لگے آئینے کے سامنے کھڑی تھیں۔میرون لباس والی مالا سینے پر بازو لپیٹے افسوس سے ماہی کو دیکھ رہی تھی جو آنکھوں میں آنسو لیے اپنے عکس پہ نظریں جمائے ہوئے تھی۔

"اتنی کیا قیامت آ گئی ہے، ماہی؟" وہ جیسے تھک چکی تھی۔

" کمبخت پارلر والی قیامت ہی تو لے آئی ہے۔سارے بال خراب کر دیے میرے۔" وہ شدید خفا تھی۔

مالا اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔وہ اس سے قدرے دراز قد تھی۔دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے اور آئینے میں ماہی کے عکس کو دیکھا۔ماہی کے بال بہت چھوٹے کٹے تھے۔اس کے بال مختلف تھے۔ لمبے۔ ڈھیلے مصنوعی curls ڈالے۔ایک کندھے پر سامنے کو پڑے تھے۔کانوں میں بڑے بڑے سلور کے جھمکے ان کو مزید دلکش بنا رہے تھے۔

" تین گہرے سانس لو۔شاباش۔"

" سانس نہیں، اس کی جان لینی ہے میں نے۔کینیڈا ہوتا تو اس کو sue کر دیتی۔"

ماہی جب سے کینیڈا جا کے رہنے لگی تھی، expats کی طرح بات بات پہ sue کرنے کی دھمکی دیتی۔وکیل کا خرچہ کتنا ہوتا ہے، اور کسی کو sue کرنے میں کتنی خواری پیش آتی ہے، اس ذکر کو وہ گول کر دیتی۔

" گہرے سانس لو۔اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

" کل اس کے سیلون واپس جاؤں گی اور اس کمبخت کو کافی میں زہر ملا کے دوں گی۔ہاں۔" وہ اس کی سن ہی نہیں رہی تھی۔دفعتاً آئینے میں ایک تیسرا عکس سا ابھرا۔مالا نے چونک کر پیچھے دیکھا۔سلور جھمکا چھن سے بجا۔

ایک آدمی وہاں سے چلا آ رہا تھا۔اندھیرے سے روشنی کی طرف۔

سانولی رنگت، دراز قد، بھورا کرتا۔گردن میں نارنجی دوپٹہ جو تمام لڑکے پہنے ہوئے تھے۔مالا کی نگاہ اس سے ملی تو اس نے سوالیہ ابرو اٹھائے۔

" کیا ہوا؟ خیریت؟" وہ قریب آ رہا تھا۔مالا نے شانے اچکائے۔

"Chop chop" دو انگلیوں کی قینچی بنا کے ماہی کے بالوں کی طرف اشارہ کیا اور جھرجھری لیتی فون کی

طرف متوجہ ہوئی جو مسلسل بج رہا تھا۔

"زیاد بھائی۔" ماہی البتہ فوراً سے سنبھل کے پلٹ گئی۔ پلکوں پر اٹکا آنسو اندر اتار لیا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

"میں اچھا ہوں۔ آپ دونوں کیسی ہیں؟"

"بس یونہی۔" وہ جبراً مسکرائی۔ پھر مالا کو دیکھا۔ وہ موبائل پر بٹن دبا رہی تھی۔ جھکے چہرے پر برہمی تھی۔ ظہیر کسی نئے مسئلے کا بتا رہا تھا۔ دو دن کے لیے وہ ریستوران کیا چھوڑ آتی، کوئی نہ کوئی مسئلہ شروع ہو جاتا۔

"مالا..." اس نے جوتا اس کے پیر پر رکھا۔ مالا نے سر اٹھایا۔ ایک سنجیدہ نظر زیاد پہ ڈالی۔

"فائن۔ ایکسکیوزمی میں ذرا کام کر رہی ہوں۔" سر واپس فون پہ جھکا دیا۔ اب وہ سی سی ٹی وی ایپ کھول کے اوشن کے کیمرا چیک کر رہی تھی۔

"آپ کی کتاب کے بارے میں پڑھا تھا۔ اچھا لگا۔" ماہی برائے بات بولی۔

"اوہ ہاں۔ تم مجھے انسٹا پہ فالو کرتی ہو نا۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ پھر سے ایک نظر مالا کو دیکھا۔ وہ ماتھے پر بل لیے فون پہ جھکی تھی۔

"میں چلتا ہوں۔ انجوائے۔" وہ آگے بڑھ گیا۔ ماہی نے اسے راہداری میں مڑتے دیکھا۔ اور جب وہ نگاہ سے اوجھل ہو گیا تو وہ مالا کی طرف پلٹی۔

"یہ ہمارا کزن ہے۔ سیکنڈ کزن سہی۔ لیکن تم اتنی روڈ کیوں ہو رہی تھیں؟"

مالا نے سبز آنکھیں اٹھا کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"میں کام کر رہی ہوں۔" پھر گہری سانس لے کر فون نیچے کیا۔ "اور مجھے اس سے اچھی وائب نہیں آئی تھی۔"

"مطلب؟" ماہی الجھی۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ آنکھیں بند کر کے ناک سے سانس اندر کھینچا۔ جیسے کچھ سونگھا ہو۔ جیسے فضا میں کچے گوشت کی مہک ہو۔

"ہر انسان کی ایک وائب ہوتی ہے۔ ایک انرجی۔ اور اس کی وائب میں کچھ evil سا تھا۔ اب چلو۔ ماں ناراض ہوں گی۔ پہلے ہی تم نے اتنا وقت سیلون میں لگا دیا۔" وہ اب خفا ہو رہی تھی۔ ماہی کو سیلون کے ذکر پہ اپنا غم پھر سے یاد آ گیا۔

وہ دونوں آگے بڑھ گئیں۔

راہداری کے دہانے پہ ستون کی آڑ میں کھڑا زیاد سلطان جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ ساکت۔ جامد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول۔

"فریدلار" نامی اپارٹمنٹ کے لونگ روم کے سیاہ پردے برابر تھے۔ وہ بے چین سا دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ سیاہ پینٹ پہ ہم رنگ ہائی نیک پہنے، آستین پیچھے کو موڑے، وہ بار بار بالوں میں ہاتھ پھیرتا۔

دفعتاً ڈور بیل بجی۔

ایک لمحے کے لیے وہ بے یقینی سے کھڑا رہ گیا۔ کیا یہ سچ تھا؟

اگلے ہی لمحے وہ تیر کی طرح دروازے کی طرف لپکا۔

"مجھے مرنے سے ڈر نہیں لگتا۔"

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ نم آنکھوں سے مسکراتی ہوئی۔ اونچی پونی اور سیاہ آنکھوں والی۔

"سبرینہ..." بے یقینی سی بے یقینی تھی۔ یہ وہ نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ وہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور۔

سلطان منزل ہمیشہ کی طرح اندھیروں میں ڈوبی تھی۔ اور اس کی فضا بوجھل اور نور سے خالی تھی۔

نگینہ بیگم اپنے تخت پر بیٹھی، دوا کی شیشی سے گولیاں نکال رہی تھیں۔ سامنے کھڑکی کے ساتھ آرم چیئر پر زیاد سلطان بیٹھا تھا۔ وہ خاموش تھا۔ گم صم۔ نگاہیں بند پردوں پہ جمی تھیں۔

اور ان پردوں پہ جیسے ایک فلم سی چل رہی تھی۔

مہندی کا فنکشن۔ رنگوں اور قمقموں سے سجا لان۔ اور اس میں موجود ہر مہمان سے ممتاز وہ میرون لباس والی لڑکی۔ وہ کبھی چند لوگوں کے جھرمٹ میں کھڑی دکھائی دیتی تھی۔ کبھی وہ کرسیوں کے دائرے میں بیٹھی مسکرا کے کسی کے سوال کا جواب دے رہی ہوتی۔ اس کے اردگرد لڑکیوں کا جمگھٹا لگا تھا۔ اس کی گردن اٹھی ہوئی اور چال پر اعتماد تھی۔ وہ سکون سے سب کے سوالات کا جواب دے رہی تھی۔ وہ چند لمحوں میں ہی جان گیا تھا کہ وہ اس خاندان

میں ایک سیلیبریٹی تھی۔ کیونکہ وہ سب سے کامیاب لڑکی تھی۔ وہ اپنا ریستوران چلا رہی تھی۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ وہ وہاں نوکری کرتی ہے۔ البتہ اکثریت کا خیال تھا کہ ریستوران اس کا اپنا ہی ہے۔ بس نظر لگنے کے ڈر سے حورِ جہاں اصل بات بتاتی نہیں ہیں۔ زیاد سلطان کی نگاہیں اس کے تعاقب میں تھیں۔ وہ جہاں بیٹھتی محفل لگ جاتی۔ خاندان کے لڑکے بالخصوص بار بار اس کے پاس آتے۔ یہ پوچھنے کہ وہ کیسے کامیاب ہوں گے۔ کوئی بزنس میں ترقی کرنا چاہتا تھا۔ کوئی انٹرپرونیئر بننا چاہتا تھا۔ کوئی سوشل میڈیا سے پیسے کمانا چاہتا تھا۔ وہ ان سب کے لیے ایک رول ماڈل تھی۔

" کیا سوچ رہے ہو؟"

وہ چونکا۔ پردوں پہ بنا رنگین، چمکتا دمکتا عکس غائب ہو گیا۔ وہ سلطان منزل کے اندھیروں میں لوٹ آیا۔

"سرکار..." دھیرے سے جگہ سے اٹھا اور ان کے قدموں میں آ کے بیٹھ گیا۔ پھر ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھاما۔ اس کو آنکھوں سے لگایا۔

"سرکار۔ مجھے معاف کر دیں۔" اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

" کس چیز کے لیے؟ ہم سے دور بھاگنے کے لیے؟ یا سبرینہ کی موت پہ ہمیں الزام دینے کے لیے؟"

"ہر چیز کے لیے۔"

" آپ اپنے اصل سے بھاگ رہے تھے، زیاد۔" انہوں نے تلخی سے مسکرا کے سر جھٹکا۔ "ہر شخص ایک کام کے لیے بنا ہے۔ آپ کو وہی کام کرنا ہے جس کے لیے آپ بنے ہو۔"

"وہ مجھے کبھی پسند نہیں کرے گی۔" اس کی بھیگی نگاہیں جھک گئیں۔ "وہ خوبصورت ہے۔ مغرور ہے۔ اور وہ مجھے برا سمجھتی ہے۔"

سبرینہ کا چہرہ ذہن سے محو ہونے لگا تھا اور اس کی جگہ اس میرون لباس اور سلور جھمکوں والی لڑکی کا چہرہ نقش ہو رہا تھا۔ کوئی جیسے الٹی چھری سے اس کے دل میں اس کو نقش کر رہا تھا۔ ہر لکیر کے ساتھ دل سے خون بھی رستا تھا۔

" ناپسندیدگی کو پسند میں بدلنا سرکار کے لیے مشکل ہے کیا؟"

زیاد نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے انہیں دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھیں۔

" آپ ایسا کر سکتی ہیں؟"

"ہمارے لیے سب ممکن ہے۔ لیکن سحرِ عشق کی قیمت آپ جانتے ہو۔"

زیاد سلطان نے بہت سا تھوک نگلا۔

چند لمحے اس نیم اندھیر لاؤنج میں خاموشی سے سرک گئے۔

" آپ کو اپنا پہلا بچہ مجھے دینا ہوگا۔"

" آپ جو کہیں گی، میں کروں گا۔" اس کی آواز کپکپائی تھی۔

"میں آپ کی اس سے شادی کروادوں گی، زیاد۔ لیکن اس عمل کے مکمل ہونے تک تم ہمارا حکم مانو گے۔ اور کسی جاب سے انکار نہیں کرو گے۔" وہ قطعیت اور تحکم سے کہہ رہی تھیں۔ زیاد نے سر ہلا دیا۔

"اس کام میں سب سے بڑی رکاوٹ اس کی ماں ہے۔ ہم عمل اس کی ماں سے شروع کریں گے۔" وہ بہت کڑواہٹ سے کہہ رہی تھیں۔ "عمل میں چند ماہ لگیں گے۔ آج کی ملاقات وہ بھول جائے گی۔ جیسے وہ ہوئی ہی نہیں۔"

"جیسے آپ کہیں۔" اس نے ان کا ہاتھ چوما۔ پھر وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس کا کیا بنا؟" اسے یاد آیا۔ "ماہر فرید کا؟"

نگینہ بیگم کے چہرے پر بہت سے رنگ آ کے گزرے۔

"اس کا وقت بھی آئے گا۔ ابھی ہم اس کو چھیڑنا نہیں چاہتے۔" ایک نگاہ اپنی دواؤں پہ ڈالی۔ زیاد شب بخیر کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

"اب آپ وہی کرو گے جو ہم کہیں گے۔" انہوں نے پیچھے سے یاد دلایا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

(نہیں سرکار۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔) کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا۔ (میں کوئی بچہ اس دنیا میں ہی نہیں لاؤں گا جسے آپ چھین لیں۔ میں صرف کشمالہ مبین کو حاصل کروں گا۔ پھر ہم یہاں سے دور چلے جائیں گے۔ کسی پاک صاف شہر میں۔ جہاں ہم اپنی دنیا آباد کریں گے۔ آپ سے دور۔ ان jobs سے دور۔ ایک نئی صاف ستھری زندگی۔)

اس نے آج خاندان کی سب سے کامیاب، سب سے خوبصورت لڑکی دیکھی تھی۔ وہ اس کے ساتھ ایک نارمل زندگی گزارنے کا پلان ترتیب دے چکا تھا۔

مکہ۔ وہ مکہ جا کے رہے گا۔ دنیا کے سب سے مقدس شہر میں۔ اسے اپنی ماں کی ضرورت صرف اپنا کام ہونے تک تھی۔ پھر وہ اس کو روک نہیں سکیں گی۔ انہوں نے سبرینہ کو اس سے چھینا تھا۔ وہ کشمالہ کو کچھ نہیں ہونے دے گا۔

وہ ایک اچھا شوہر بنے گا۔وہ اس کی اصلاح کرے گی۔اس کو اچھے راستے پر لے کر آئے گی۔وہ اس کا ساتھ دے گی۔

وہ اس کے دل پہ لگے سبرینہ نامی زخم کو مندمل کرے گی۔

اتنے عرصے بعد وہ پہلی دفعہ پر امید ہوا تھا۔

وہ بالآخر اس کے ساتھ خوش رہے گا۔کیونکہ...

کشمالہ مبین اس کو heal کرے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول۔

فضا میں گلاب اور عود کی خوشبو تھی۔اس کا منع آتش دان پر رکھی موم بتی کا جار تھا جو آدھی مائع بن چکی تھی۔اس کی پگھلی موم نے بہت غور سے وہ کہانی سنی تھی جو سبرینہ اسے سنا رہی تھی۔

وہ دونوں آتش دان کے ساتھ رکھی سیاہ ونگ چیئرز پر بیٹھے تھے۔اس کا کافی مگ اَن چھوا رکھا تھا جبکہ سبرینہ کا مگ اس کے ہاتھ میں تھا۔وہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر رہی تھی۔

"مالک ہمیشہ میرے ساتھ یہی کرتا ہے۔" وہ دبے دبے غصے سے کہہ رہا تھا۔"اس نے مجھے کیوں کچھ نہیں بتایا؟"

"مالک صاحب نے جو کیا، میری حفاظت کے لیے کیا۔انہوں نے میری مدد کی تھی۔مجھے پروٹیکٹڈ پرسنز میں ڈلوایا۔پھر میری فیملی کو وہاں شفٹ کروایا۔لیکن..." سبرینہ نے گہری سانس لی۔"جیسے جیسے کوئی کیس ٹھنڈا پڑتا جاتا ہے، حکومت اپنے protected persons کی طرف سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔مہنگائی بڑھتی جاتی ہے اور ہمارے وظیفے گھٹتے جاتے ہیں۔پروٹیکشن پروگرام میں ہزاروں گواہ پناہ لیے ہوئے ہوتے ہیں۔حکومت کس کس کا خیال کرے؟ایسے میں مالک فرید تھے جو دو برس سے میرے ساتھ تھے۔انہوں نے مجھے کینیڈا میں اچھی جاب دلوا کے دی۔ہر مالی مسئلے کو حل کیا۔"

"واٹ ایور۔" اس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔"وہ ہمیشہ سچ چھپا لیتا ہے۔"

"انہوں نے مجھے کبھی منع نہیں کیا کہ میں تم سے حقیقت چھپاؤں۔انہوں نے بس اتنا کہا تھا کہ جب تک مجھے

مرنے سے ڈر لگتا ہے، میں تمہیں حقیقت نہ بتاؤں۔"

"اور اب؟"

وہ اداسی سے مسکرائی۔

"اب مجھے مرنے سے ڈر نہیں لگتا۔"

وہ بھی زخمی سا مسکرا دیا۔

"میں ایک اسکول ٹیچر ہوں۔ چھوٹے بچوں کو پڑھاتی ہوں۔ ہم اسکول ٹرپ کے ساتھ استنبول آئے تھے۔ میں تم سے ملنا چاہتی تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس ای میل سے مجھے پہچان لیا۔" وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔ وہ ویسی ہی تھی۔ تروتازہ۔ شفاف۔ سادہ۔

"تم یہاں آ جاؤ۔ میرے پاس کام کرو۔"

"نہیں ماہر۔ جب تک cain killer نہیں پکڑا جاتا، میں غیر محفوظ رہوں گی۔ گمنام۔ اسی شناخت کے ساتھ۔" اس نے سر جھٹکا۔ "تم سے ملنے کا خطرہ بھی میں نے اپنے لیے مول نہیں لیا۔"

اس نے درمیانی میز پر رکھا کینوس بیگ کھولا اور اندر سے کچھ نکالا۔ وہ جو مالک فرید کی شان میں بہت کچھ کہنے والا تھا، رک گیا۔

"مجھے یہ تمہیں بہت پہلے دینا تھا لیکن میں نہیں دے سکی۔" وہ ایک البم اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔

ماہر نے الجھ کے البم تھاما۔ پھر اسے گھٹنوں پر رکھ کے کھولا۔

پہلے صفحے پر اس کی ماں کی تصویر تھی۔

"یہ کیا ہے؟" چونک کر چہرہ اٹھایا۔

"یہ شمس کو اس جادوگر سے ملا تھا جس نے تمہارے اوپر جادو کیا تھا۔ اور میں نے اسے شمس کے لاکر سے چرایا تھا۔ اس میں مختلف عورتوں کی تصاویر ہیں۔ تمہاری ماں۔ اور دوسری چار عورتیں۔"

وہ صفحے پلٹا رہا تھا۔ ہر صفحے پر دو تصاویر ہوتیں۔ ایک خوبصورت عورت کا چہرہ۔ اور نیچے اس کا مردہ یا زخمی چہرہ۔

"اس البم میں صرف ان عورتوں کی اصل تصاویر تھیں۔ یہ مردہ، زخمی چہرے والی تصاویر میں نے لگائی ہیں۔"

"تم ان عورتوں کو ٹریک ڈاؤن کر رہی تھیں۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ وہ عورتیں نہیں ہیں جن کو مارنے کے بعد cain killer نے اپنا نشان بنایا تھا۔ یہ عورتیں اس نے اپنے obsession کے پیچھے نہیں ماری تھیں۔ یہ وہ عورتیں ہیں جو اس نے اس جادوگر کے لیے ماری ہیں۔ میں نے انٹرنیٹ کی مدد سے ہر عورت کو ڈھونڈ لیا ہے۔ ان سب کی شادی، تمہاری ماں سمیت، کسی ایسے مرد سے ہوئی جو ان کے قابل نہ تھا۔"

"سحرِ عشق۔" وہ بڑبڑایا۔ اب وہ تیسرا صفحہ پلٹ رہا تھا۔

"تمہاری ماں کے علاوہ باقی سب کو ان کے شوہروں نے مارا ہے۔"

"Femicide" وہ بڑبڑایا۔

(Femicide عورتوں کے ایسے قتل کو کہتے ہیں جو ان کے عورت ہونے کی بنا پہ کیا جاتا ہے۔ اس میں غیرت کے نام پہ کیے جانے والے قتل بھی شامل ہیں اور محبت کے نام پہ کیے جانے والے بھی۔)

"ان تمام عورتوں کی تصاویر پبلک ریکارڈ کا حصہ ہیں۔ اور ان سب کے بچے پراسرار طریقے سے غائب ہو گئے تھے۔"

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ دل دھڑکنا بھول گیا۔

"ہلال کے سوا دوسرے بچے بھی..." حلق رندھنے لگا۔ چوتھے صفحے پر اس نے البم بند کر دی۔

"تم یہ مجھے کیوں دے رہی ہو، سبرینہ؟"

"کیونکہ مجھے لگتا ہے کہ..." وہ کھنکھاری۔ "ان میں سے ایک لڑکی ابھی زندہ ہے۔"

وہ چونکا۔ پھر سے البم کھولا۔ صفحے پلٹائے۔

آخری تصویر پہ وہ ٹھہرا۔ وہ ایک ہی تصویر تھی۔ نیچے جگہ خالی تھی۔

"یہ وہ واحد لڑکی ہے جس کی تصویر مجھے نہیں مل سکی۔ کیونکہ یہ انٹرنیٹ پہ اپنی تصویر شیئر نہیں کرتی۔ نہ مجھے اس لڑکی کے نام سے کوئی femicide کا کیس ملا ہے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے۔"

"کہ یہ زندہ ہے اور سرکار کا اگلا ٹارگٹ ہے۔"

"یقیناً سرکار اس پہ جادو کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ بھی وہی ہو گا جو دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے... اگر تم نے کچھ نہ کیا۔"

وہ اس چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ سبز آنکھیں۔ مسکراہٹ۔ اعتماد۔

"میں کچھ نہیں کر سکتی۔ سوائے اس کے کہ مرنے سے ڈرنا چھوڑ دوں۔ لیکن تم کر سکتے ہو، ماہر۔"

اس نے تصویر البم سے نکالی اور اسے اوپر لے گیا۔ اب وہ مکمل روشنی میں تھی۔ اس کے پیچھے کچھ ہاتھ سے لکھا تھا۔

"تم اس لڑکی کو بچا سکتے ہو۔ اس کو ڈھونڈ کے اس کے پاس جا سکتے ہو۔ اس کو ساری حقیقت بتا سکتے ہو۔"

ماہر نے تصویر پلٹائی۔

"وہ میرا یقین نہیں کرے گی۔ ماہر فرید کا کوئی یقین نہیں کرتا۔"

تصویر کی پشت پر چند الفاظ درج تھے۔ حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔

اس کی ساری دنیا ایک دم تھم سی گئی۔ ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

"آصف... آصف نے مجھے بتایا تھا کہ حورِ جہاں کی بیٹی سرکار کو جانتی ہے۔"

"آصف کون؟

"کوئی نہیں۔" وہ سر جھکائے تصویر کو واپس البم میں لگانے لگا۔

"اگر حرِ عشق سے پیدا ہونے والے بچے غائب ہو رہے ہیں تو سرکار ان بچوں کو قتل نہیں کر رہا۔ وہ ان کو کسی مقصد میں استعمال کر رہا ہے۔ یعنی... ہلال زندہ ہے۔" اس نے البم بند کر کے ایک طرف رکھا۔

"اور اگر میں سرکار کو ڈھونڈ لوں تو میں ہلال کو ڈھونڈ سکتا ہوں۔"

"اور سرکار تمہیں اسی لڑکی کے آس پاس ملے گا۔ وہ اس پہ جادو کر رہا ہے۔ اور میرا دل کہتا ہے کہ یہ لڑکی ابھی زندہ ہے۔ تم اس کو بچا سکتے ہو۔ میں تمہیں یہی بتانے آئی تھی۔"

اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اس البم کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ میرا یقین نہیں کرے گی۔ کوئی کسی اجنبی کا یقین نہیں کرتا۔" اس کی آنکھوں میں بہت سا کرب اتر آیا۔

"ماہر..." وہ اسی نرمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "اگر تم اسے یہ البم دکھاؤ گے تو وہ تمہارا یقین کرے گی۔ سچ اپنے آپ کو خود منواتا ہے۔ تم اس کو بچا لو گے۔"

اس نے آنکھیں اٹھا کے سبرینہ کو دیکھا۔ وہ امید سے مسکرا رہی تھی۔ اسے اس ظالم دنیا کے بارے میں ہمیشہ اچھی امیدیں ہوتی تھیں۔

"تم اس لڑکی کے ساتھ وہ سب نہیں ہونے دو گے جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا۔ اور ایک دن تم

یہیں اسی کرسی پر بیٹھ کے اسے یہ سب بتاؤ گے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔وہ اس چہرے کو انسانوں کے سمندر میں کہاں ڈھونڈے گا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین ماہ بعد۔

اسلام آباد۔

وہ ایک شاہانہ طرز کا ہوٹل سوئیٹ تھا۔اس میں لیونڈر اور موتیے کی خوشبو پھیلی تھی۔

عبدالمالک فرید ایک بڑے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے تھے۔ایک بازو صوفے کی پشت پر تھا۔

ان کے سامنے کرسی پر ایک آدمی بیٹھا تھا۔فربہی مائل۔سر سے آدھا گنجا۔عینک لگائے۔اور ایسا سرمئی کوٹ پہنے جو اس پر ذرا تنگ تھا۔

"ماہر آنے والا ہے؟"وہ غور سے مالک کو دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔وہ اسی ہوٹل میں ہے۔"

"وہ یہاں کیوں ہے؟"

"وہ اپنی بہن کو تلاش کر رہا ہے۔"

"چچ۔"عینک والے آدمی نے افسوس سے سر جھٹکا۔"اسے کھوئے دو برس ہو گئے ہیں۔اغوا ہوئے بچے دو دن سے زیادہ زندہ نہیں رہتے۔"

جواباً انہوں نے بےزاری سے کندھے اچکا دیے۔

"اس کی عادت ہے ہر شے کو obsession بنا لینا۔"وہ جیسے اس موضوع سے تھک چکے تھے۔

"پھر؟"اس کی سوالیہ نظر پہ مالک فرید نے گہری سانس لی۔

"پھر یہ کہ مجھے ماہر کو واپس لندن آنے کے لیے راضی کرنا ہے۔"

"اور سچ؟وہ تم اسے کب بتاؤ گے؟"

مالک فرید کے چہرے پہ سایہ سا گزرا۔انہوں نے جواب نہیں دیا۔گردن موڑ کے باہر دیکھنے لگے۔وہاں ایک روشن دن طلوع ہو رہا تھا۔

"مالک... تمہیں سچ بولنا ہوگا۔"

"وہ لندن واپس آئے گا تو خود ہی جان لے گا۔" انہوں نے سر جھٹکا۔

"سچ جاننا اس کا حق ہے۔ بہتر ہے وہ ابھی جان لے بجائے اس کے کہ..." اس نے افسوس سے سر نفی میں ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"کہ؟"

"کہ فرید ہولڈنگ ایک دم سے زمین بوس ہو جائے۔ اور ماہر، بیربل، تمہاری بیٹیاں، ان کے سروں کی چھت تک چلی جائے۔ بہتر ہے کہ اسے سچ بتا دو۔ اسے ہولڈنگ میں واپس آ جانا چاہیے۔"

عینک والا شخص جھکا اور میز پر رکھے کاغذات بریف کیس میں ڈالے۔

"اسے ان پیپرز کے بارے میں علم ہونا چاہیے۔" جتا کے کہتے ہوئے بریف کیس کو لاک کیا۔ انہوں نے جواب نہیں دیا۔

وہ کمرے سے نکل رہا تھا جب ماہر راہداری میں ایک دروازے سے باہر آتا دکھائی دیا۔ عینک والا شخص جلدی سے سر جھکا کے آگے بڑھ گیا۔

ماہر نے گردن موڑ کے اسے جاتے دیکھا، پھر اندر داخل ہوا۔ پھر سامنے والے صوفے پر آ کے بیٹھا۔

"یہ کون تھا؟"

"میرا سی ایف او۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟" اس نے غور سے مالک کے چہرے کو دیکھا۔ اسے وہم سا ہوا تھا کہ وہاں ایک سایہ گزرا ہے۔

"ایک... مسئلہ تھا۔ فرید ہولڈنگ کا آڈٹ ہوا تھا اور..." انہوں نے سر جھٹک دیا۔ کچھ غیر آرام دہ سا تھا ان کے انداز میں۔

"کیسا مسئلہ؟"

وہ ہلکا سا مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ میں اداسی تھی۔

"کیا فرید ہولڈنگ کے مالی مسئلے سن کے تم واپس آنے کے لیے تیار ہو جاؤ گے؟"

"میں اس وقت خود مسئلوں میں گھرا ہوں۔" وہ تلخی سے کہتا سامنے بیٹھا۔ بریف کیس میز پر رکھا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگے۔ وہ اندر سے کچھ نکال رہا تھا۔

"میں کسی کو ڈھونڈ رہا ہوں۔" اس نے بالآخر تین ماہ بعد مالک فرید سے مدد مانگنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

انہوں نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے ہو کے بیٹھے۔

"تمہارا competition ہے پندرہ جولائی کو۔ تمہیں ڈیزائن جمع کروانا ہے۔ تم کیف کے بجائے کس پہ فوکس کر رہے ہو؟"

"یہ البم مجھے کہیں سے ملا ہے۔ یہ مت پوچھنا کہاں سے۔" وہ انہیں سنے بغیر اسی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "اس میں اس جادوگر کی ٹارگٹ کردہ عورتوں کی تصاویر ہیں۔"

"آہ... تم اور تمہارا obsession۔" مالک فرید کے چہرے پہ کڑواہٹ بکھر گئی۔ ناگواری سے اسے کھولا۔ پہلے صفحے پر رابیل کی تصویر تھی۔ ان کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آیا۔ ایک ایک کر کے صفحے پلٹاتے گئے۔

"مجھے اس آخری لڑکی کو ڈھونڈنا ہے۔" وہ اٹھ کے کنسول ٹیبل تک چلا آیا۔ لیونڈر اور موتیے کی خوشبو سے بنی موم بتیوں کے جار کھلے رکھے تھے۔ ماہر نے لائٹر نکالا۔

"میرا اندازہ ہے کہ یہ لڑکی اسی شہر میں ہے۔"

پانچویں صفحے پہ وہ ٹھہر گئے۔ نگاہیں ساکت ہو گئیں۔ چونک کر چہرہ اٹھا کے ماہر کو دیکھا۔

وہ اپنی رو میں کہتا، موم بتی کے دھاگے کو شعلہ دکھا رہا تھا۔

"ہلال اسی شہر میں کھوئی تھی۔ اگر میں اس لڑکی کو ڈھونڈ لوں تو مجھے سرکار اس کے پاس ہی کہیں مل جائے گا۔ یہ لڑکی کچھ نہ کچھ جانتی ہے۔"

مالک نے دھیرے سے البم بند کیا۔ ان کا چہرہ اب سپاٹ ہو چکا تھا۔

"مجھے دو دن دو۔ میں اس کو ڈھونڈ لوں گا۔"

وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ اس کے عقب میں رکھی موم بتیاں جل اٹھی تھیں۔

کمرے میں پہلے سے پھیلی ٹھنڈی موم کی مہک میں جلتی موم نے شدت پیدا کر دی تھی۔

"تم اس کو جانتے ہو۔" ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے انہیں دیکھا۔

"دو دن۔" انہوں نے انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔

"اور بدلے میں تمہیں مجھ سے کچھ چاہیے ہو گا؟" ماہر کی آواز میں طنز ابھرا۔ "مالک فرید بغیر پوشیدہ ایجنڈے کے کچھ نہیں کرتا۔"

مالک نے جواب نہیں دیا۔وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے ۔لمبے ڈگ بھرتے وہ کمرے سے باہر نکل گئے ۔ان کے چہرے پہ اب اطمینان تھا۔

ہوٹل لابی میں وہی عینک اور اڑے اڑے بالوں والا شخص ان کا منتظر تھا۔انہیں دیکھتے ہی صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم نے ماہر کو بتا دیا؟" عینک کے پیچھے سے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔

وہ خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھے ۔قیمتی پتھر جڑی سلور انگوٹھیوں والے ہاتھ باہم پھنسا لیے۔

" کیا تم نے ماہر کو یہ پیپرز دکھانے کا فیصلہ کر لیا ہے؟" اس نے اپنی بات دہرائی۔

مالک فرید نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"وہ مجھے معاف نہیں کرے گا۔"

" مگر..."

"وہ پہلے ہی بہت سی باتوں کے لیے مجھے معاف کرنے پہ تیار نہیں ۔میں اس کی فہرست طویل نہیں کرنا چاہتا۔"

"اگر اسے کسی اور سے معلوم ہوا تو وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔اسے خود بتا دو۔"

مالک فرید نے پتھر جیسا چہرہ اس کی طرف موڑا اور بولے تو آواز میں اطمینان تھا۔

"اس کو سچ بتانا ضروری نہیں ہے۔مجھے اس کو واپس لانے کا ایک اور طریقہ مل گیا ہے۔"

" مگر..."

"وہ کسی کو ڈھونڈ رہا ہے۔میں اس کی تلاش میں اس کی مدد کروں گا۔اور بدلے میں اس سے اس کی واپسی مانگوں گا۔پھر اس کو چند دن یا چند ہفتے یہ کھیل کھیلنے دوں گا۔جب وہ تھک جائے گا تو خود ہی واپس آ جائے گا۔"

"سچ بولنا زیادہ آسان تھا، مالک۔" اس آدمی نے ایک افسوس بھری نظر بریف کیس پہ ڈالی جس میں چند کاغذ مقید تھے۔

"ہر شے تمہارے ہاتھ سے نکل رہی ہے۔تمہیں اس کو یہ کاغذات دکھا دینے چاہیے تھے۔"

"یہ کاغذ کوئی نہیں دیکھے گا۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مالک فرید نے انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔"ورنہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہاری جان لے لوں گا۔"

عینک والے آدمی نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔مالک فرید نے انگوٹھیوں والے ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ مزید ڈھیلی

کی۔ایک دم سے ان کا دم گھٹنے لگا تھا۔

"یہ کاغذ کوئی نہیں دیکھے گا۔" انہوں نے دل ہی دل میں دہرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ مبین، جو اسلام آباد میں اپنے ماموں کے گھر بطور پے انگ گیسٹ رہتی تھی، اس وقت لونگ روم میں کھڑکی کے ساتھ رکھی ورک ٹیبل پہ براجمان تھی۔ سامنے ایک اسکیچ بک پھیلائے، وہ پنسل کاغذ پر پھیر رہی تھی۔

ایک گلابی پھولوں سے سجی بیکری کا اسکیچ۔

اسی پل بیکری کے وسط میں ... خون کے چند دھبے آ گرے۔

ایک جھٹکے سے وہ پیچھے کو ہٹی۔ بے یقینی سے چہرہ اٹھایا۔

کھڑکی کھلی تھی۔ اور باہر سے کسی نے خون اندر پھینکا تھا۔

مگر کس نے؟

وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

وہ تیزی سے باہر کی طرف بھاگی۔ ٹیرس ویران تھا۔ دور دور تک کوئی نہ تھا۔

البتہ کھڑکی کے باہر کی طرف دیوار پر وہی چھینٹے نقش تھے۔

وہ ابھی تک گیلے تھے۔

اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔ عجیب سا خوف دل کو جکڑنے لگا۔

(نہیں۔ یہ کوئی جادو جنات نہیں ہیں جیسے ماہی کہتی ہے۔ یہ کوئی انسان ہے جو میرا تعاقب کر رہا ہے۔)

اسے معلوم تھا اسے کیا کرنا ہے۔

"صفورا..." چند لمحوں بعد وہ کمرے میں دائیں بائیں ٹہلتی پریشانی سے فون پہ کہہ رہی تھی۔ "وہ پچھلا باڈی گارڈ میں نے نکال دیا تھا نا۔ کیونکہ وہ سگریٹ بہت پیتا تھا۔ پلیز کسی اور کو بھیج دو۔ مجھے پھر سے ایک گارڈ کی ضرورت ہے۔"

بیکری کے اسکیچ پر گرا خون دھیرے دھیرے خشک ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک سال بعد

موجودہ دن

وین کوور۔

کشمالہ مبین میٹرس پر بیٹھی تھی۔ابھی کچھ دیر پہلے وہ ماہر سے مل کے آئی تھی۔

اس کے سامنے آج بھی آئی پیڈ پہ ایک اسکیچ کھلا دکھائی دے رہا تھا۔البتہ اس دفعہ بیکری کے پھول ہلکے گلابی سے جامنی ہو گئے تھے۔وہ یک ٹک اس اسکیچ کو دیکھ رہی تھی۔

بالکل شل۔ خاموش۔ پلکیں جھپکائے بنا۔چہرہ ایک برس پہلے کی طرح شفاف نہ تھا بلکہ اس پر چند دانے تھے۔آنکھیں لائٹر سے خالی اور لباس سرمئی سا تھا۔اس کی زندگی کی طرح بے رنگ۔

اس ایک برس میں بہت کچھ بدلا تھا۔ماں بیمار ہوئیں۔پھر ان کی موت ہوئی۔اس کی شادی ہوئی۔وہ جدہ چلی گئی۔پھر وہ وہاں سے وین کوور آئی۔اور اس ایک برس میں ہونے والے ہر بڑے واقعے کی کوئی نہ کوئی نشانی اس کے سامنے اس وقت میٹرس پر بکھری تھی۔

زیاد کی دی گئی انگوٹھی۔

وہ کینڈل جو ماہی نے شادی کے تحفے کے طور پہ دی تھی۔

اس بوڑھے جادوگر کا اسکیچ جسے وہ خواب میں دیکھتی تھی۔جو اسکول کے پرانے ملازم شکور کے جیسا تھا۔

فاختہ والا نیکلیس۔

سب کچھ واضح تھا۔

سیاہ اور سفید میں جلی حروف سے لکھا ہوا۔

لیکن یہ سب کیسے ہوا؟

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

سوال یہ تھا کہ...

یہ سب کہاں سے شروع ہوا تھا؟

اسے عمرے پہ آصف ملا تھا۔اس روز شاید اس پہ جادو شروع ہوا تھا کیونکہ اس کو سینے میں تکلیف اٹھی تھی۔

پھر کیا ہوا؟

سحرِ عشق اور ایسے موذی جادوؤں کو میچور کرنے میں ایک عرصہ لگتا ہے۔

دو برس بعد... جب جادو مکمل طور پہ میچور ہو گیا اور وہ ایک کے بعد ایک گارڈ بدلنے لگی... تب وہ براؤنیز آئیں۔

نگینہ آنٹی اسلام آباد آئی تھیں۔زیاد سلطان کے ساتھ۔وہ براؤنیز لائی تھیں۔وہ میٹھا نہیں کھاتی تھی۔لیکن اس نے وہ کھائی تھیں۔ان میں کچھ تھا۔جادو جو اس کے اندر اترتا گیا۔

پھر کیا ہوا؟

اس نے آئی پیڈ اٹھایا اور ایک نوٹ کھولا۔پھر پنسل سے اس پر لکھتی گئی۔ہر شے جواب تک پیش آئی تھی۔

سب سے پہلے ماں بیمار پڑیں۔ماں نگینہ آنٹی کو پسند نہیں کرتی تھیں۔وہ اس رشتے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں۔انہی دنوں وہ بچہ ماہی کو خواب میں دکھائی دینے لگا۔

ظہیر نے اس کا کیریئر ختم کر دیا۔اس کو مالی نقصان ہوا تھا۔اس کو ریستوران بیچنا تھا۔اس کا مالی نقصان سرکار کے جادوؤں کی وجہ سے ہوا یا قسمت کی وجہ سے،اب یہ اہم نہیں تھا۔

پنسل تیزی سے اسکرین پر چلتی تمام واقعات تاریخوں کے ساتھ رقم کر رہی تھی۔نمبرز جھوٹ نہیں بولتے۔

اس کی جاب چلی گئی اور وہ لاہور چلی آئی۔وہ خاندان کی سب سے کامیاب لڑکی ناکام ہو کے گھر بیٹھ گئی۔اس نے کئی جگہوں پہ کام کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ بھی زیادہ عرصہ چل نہ سکا۔زیاد نے اسے پرپوز کیا۔اس نے انکار کیا۔تو اس نے پینترا بدلا۔اس نے کہا کہ وہ کسی اور سے شادی کر رہا ہے۔لیکن وہ سب ایک جال تھا۔زیاد اور اس بوڑھی عورت کا جال۔

وہ سادہ سی بوڑھی عورت جس پہ کوئی شک نہیں کرتا تھا۔

وہ سب اس میں شامل تھے۔

ہلال۔اس کا نیکلیس۔پپی برتھ ڈے۔ہر شے واضح ہو گئی تھی۔

اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

اسے اپنے زمانے کی سب سے بڑی جادوگرنی سے ملنے جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مال میں بنی کافی شاپ اس صبح پر رونق دکھائی دے رہی تھی۔

سامنے بنی ایک دوسری شاپ کی کرسیوں پر کیف جمال اپنا لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔گاہے بگاہے وہ مالا کی شاپ کو بھی دیکھ لیتا۔وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔

دفعتاً کسی نے اس کے ساتھ والی کرسی کھینچی۔کیف نے کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے چہرہ اٹھایا۔نووارد کو دیکھتے ہی کپ گرتے گرتے بچا۔

"ماہر بھائی۔"وہ گڑبڑا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیسے ہو، کیف جمال؟"وہ اس کو سنجیدگی سے دیکھتا سامنے بیٹھا۔ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔

کیف نے دائیں بائیں دیکھا۔چہرہ سفید پڑا۔

"بے فکر رہو۔میں نے مالا کو تمہاری فون کال کے بارے میں نہیں بتایا۔"

وہ اس کے سامنے بہت اعتماد سے بیٹھا تھا۔جینز پہ ہڈی پہنے، ہلکی بڑھی شیو اور سفید جوگرز۔کیف جمال کو بہت کچھ یاد آیا۔ہوٹل سوئیٹ۔اور لیونڈر اور موتیے کی مہک۔اس نے تھوک نگلا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ کیا کہہ رہے ہیں۔آپ نے مجھے کال کی تھی۔اور میں نے آپ کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"وہ کھنکھار کے کہتا واپس بیٹھا۔کیا معلوم ماہر یہ ریکارڈ کر رہا ہو۔

"کہانا... بے فکر رہو۔میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا۔اور تم میرے راستے میں نہیں آؤ گے۔تمام؟"اسی بے تاثر انداز میں کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔اس کا رخ مالا کی شاپ کی جانب تھا۔

کیف نے فوراً سے موبائل نکالا اور انگلیاں تیزی سے ٹائپ کرنے لگیں۔

"ماہر فرید کشمالہ کی شاپ پہ موجود ہے۔"میسج لکھ کے زیاد کو بھیجنے لگا۔پھر رک گیا۔اگر زیاد یہاں آ گیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ اس نے ماہر کے ساتھ بھی ڈیل کرنے کی کوشش کی ہے تو؟ لیکن اگر اس نے زیاد کو نہ بتایا اور زیاد کو کسی دوسرے طریقے سے معلوم ہو گیا تو؟

اس نے میسج مٹا دیا۔ابھی وہ اس بارے میں سوچے گا۔پھر لیپ ٹاپ واپس کھول لیا البتہ نگاہیں اب صرف ماہر فرید پہ جمی تھیں۔

وہ کاؤنٹر تک گیا۔وہاں دو افراد پہلے سے کھڑے تھے۔وہ قطار میں لگ گیا۔سینے پر بازو لپیٹے، خاموشی سے دائیں بائیں دیکھے گیا۔

دفعتاً نگاہ کونے والی میز تک اٹھی۔اس کے پیچھے ایک شیلف بنا تھا جس میں سیل کے لیے اس کافی برانڈ کے کچھ مگ رکھے تھے۔ان کے وسط میں ایک پودا رکھا تھا۔

سفید گملے میں سجا کیکٹس۔

وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"شیلڈن۔"

ذہن میں ایک خیال سا پنپنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ نے بنا دستک کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ہسپتال کے سفید بیڈ پر لیٹی نگینہ بیگم نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔

وہ تنہا نہیں تھیں۔اندرانی ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔اسے دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔نگینہ بیگم بھی مسکرائیں۔ان کا آدھا چہرہ پٹیوں میں بندھا تھا۔

"آؤ بیٹے۔"

وہ کچھ دیر چوکھٹ میں کھڑی رہی۔بال پونی میں بندھے تھے اور دھلا دھلایا چہرہ مسکراہٹ سے عاری تھا۔لمبے کھلے فراک پر ہسپتال کا نیلا حفاظتی گاؤن اور ماسک پہنے،وہ کندھے سے پرس لٹکائے ہوئے تھی۔

"تم باہر جاؤ۔"اس نے ایک سخت نگاہ اندرانی پہ ڈالی۔وہ اسے خاموشی سے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔

مالا نے دروازہ بند کیا۔پھر کپکپاتے ہاتھوں سے اسے لاک کیا۔

نگینہ بیگم چونکیں۔مسکراہٹ غائب ہوئی۔

دروازہ بند کر کے...وہ پلٹی تو اس کا چہرہ...ایسا چہرہ انہوں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

"کیسی ہیں آپ...سرکار؟"وہ دروازے سے پشت لگائے گلابی پڑتی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔

نگینہ سلطان ایک لمحے کے لیے سانس نہ لے سکیں۔

لیکن وہ لمحہ آیا اور گزر گیا۔

انہوں نے دھیرے سے سانس خارج کیا۔چہرہ اسی طرح پرسکون تھا۔

"ہاں۔میں ہوں سرکار۔"

ان کا آدھا چہرہ اور آنکھیں واضح تھیں۔ان میں رعونت تھی۔فخر تھا۔

"یہ سب براؤنیز سے شروع ہوا تھا۔"وہ ماسک نیچے دھکیلتی آگے آئی۔پھر ان کی پائنتی کے قریب ٹھہر گئی۔

"آپ نے جادو میرے اندر براؤنیز سے اتارا تھا۔"

"محبت ویسے بھی ایک جادو ہے،کشمالہ۔الوژن۔نظر کا دھوکہ۔"وہ مسکرا رہی تھیں۔

"اور میری ماں؟"اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔"ان پہ بھی جادو کیا تھا نا آپ نے؟"

"جادو خود سے کسی جسم میں داخل نہیں ہوتا جب تک کہ اس جسم کا مالک اس کو اجازت نہ دے،میری بیٹی۔"وہ ایسے ہی مسکرا رہی تھیں۔

"تمہاری ماں کی ایک بیمار بہن تھی جو برسوں اس کے ساتھ رہی تھی۔اس کی خدمت نے تمہاری ماں کو حفاظتی حصار میں باندھا ہوا تھا۔لیکن جب وہ مری...تو تمہاری ماں ڈپریشن کا شکار ہوگئی۔اور ڈپریشن کسی بھی جادوگر کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔"

وہ وقفے وقفے سے بول رہی تھیں۔جیسے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہوں لیکن وہ ان کو دبا رہی ہوں۔

"ڈپریشن ایک سوراخ ہے۔جس انسان کو لگ جائے،اس کے جسم میں دو چیزیں آسانی سے داخل ہو جاتی ہیں۔موذی مرض اور جادو۔تمہاری ماں کو ڈپریشن ہم نے نہیں دیا تھا۔تم نے دیا تھا۔"

"میں نے؟"آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"کیا تمہیں بھول گیا کہ تم اس کو چھوڑ کے چلی گئی تھیں؟"ان کی آنکھوں میں ملامتی سی مسکراہٹ تھی۔

"تم پانچ سال اس سے دور رہیں۔تمہاری خالہ مر گئی اور وہ ڈپریشن میں چلی گئیں۔تم وہاں ہوتیں تو شاید ان کی زندگی میں جینے کی امید ہوتی۔مگر تمہیں اپنا کیریئر بنانا تھا۔"

اس نے بے اختیار ضبط سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"ہم نے تو تمہارے ساتھ احسان کیا تھا،کشمالہ۔تمہارا کیریئر ختم کر کے تمہیں تمہاری ماں سے ملوا دیا۔یوں اس کے آخری چند ماہ میں تم اس کے ساتھ تھیں۔"

"اپنے گناہ میرے سر مت ڈالیں۔"وہ دبا دبا سا چلائی۔

"آئینہ برا لگتا ہے ہر انسان کو،کشمالہ۔لیکن کیا تم اپنی ماں کو چھوڑ کے نہیں گئی تھیں؟"

آنسو اس کے چہرے پر گرتے تھوڑی سے چپکے ماسک میں جذب ہو رہے تھے۔

"آپ کے جادوؤں نے اوشن کو برباد کیا۔ میری ماں کو بیمار کیا۔"

"لیکن میرے جادو نے اسے نہیں مارا۔" وہ مسکرائیں۔ "اس کی موت اسی طرح لکھی تھی۔"

"اور میرے دل میں زیاد کی محبت؟ وہ کس نے ڈالی؟" مالا کی بھیگی آنکھوں میں سارے زمانے کی نفرت تھی۔ دکھ تھا۔ اس نے مسلسل اپنی مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں۔ وہ اس عورت کا منہ نہیں نوچ سکتی تھی جس کا منہ پہلے سے گل سڑ چکا تھا۔

"کہا نا۔ جادو ایسے اثر نہیں کرتا جب تک اس کو کسی دل میں چور دروازہ نہ مل جائے۔ محبت تو ایک الوژن ہے اور تم خود ایک illusionist ہو، مالا۔ تم دیواروں پر الوژن بناتی ہو۔ ہم دلوں میں بناتے ہیں۔"

"آپ الوژن ز کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔"

لیکن وہ نہیں سن رہی تھیں۔ یہ اعتراف کا مرحلہ تھا۔ اسٹیج پر کرتب دکھاتے جادوگر اس مرحلے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ جب پردہ گرنے سے چند لمحے پہلے، وہ حاظرین کے سامنے سر جھکا کے داد وصول کریں۔

"تمہارے دل میں یہ الوژن تمہارے خوف نے داخل کیا۔ عمر گزر جانے کا خوف۔ اپنی دوستوں کی شادیاں اور بچے دیکھنے کے بعد تنہا رہ جانے کا خوف۔ یہ خوف سحرِ عشق کو پختہ کرتا ہے۔"

"میں سرکار کو ڈھونڈنا چاہتی تھی۔" اس نے اپنی گردن پر ہاتھ رکھا۔ "تو آپ نے مجھے مارنے کی کوشش کی۔"

اسے گنگنے کی چبھن یاد آئی۔

"وہ تو بس ایک ڈراوا تھا۔ ورنہ ہم تمہیں کیوں مارنا چاہیں گے، پیاری بیٹی؟"

"بیٹی۔ ہونہہ۔" اس نے ملامتی نظروں سے انہیں دیکھا۔ "کیسے کر لیتی ہیں آپ؟ ساری دنیا کو دھوکہ کیسے دے لیتی ہیں؟"

"تم اس دھوکے سے بچ سکتی تھیں۔ تمہارے خواب تمہیں تمام hints دے رہے تھے۔ تم تب بھی نہیں سمجھ سکیں۔"

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"شکور۔ میرے اسکول کا چوکیدار شکور ایک ہنٹ تھا۔ جان گئی ہوں۔" اب جب کہ سب واضح ہو گیا تھا، سو کوئی پہیلی پہیلی نہ رہی تھی۔

"وہ ایک ایسا آدمی تھا جس کی سیاہ رنگت پہ اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔ اور وہ لوگوں کی باتوں سے تنگ آ کے دبئی

چلا گیا۔خوابوں میں اصلی جادوگروں کے چہرے نہیں دکھائے جاتے ورنہ انسانوں میں فساد ہونے لگیں۔صرف علامتیں دکھائی دیتی ہیں۔ مجھے شکور دکھائی دیا لیکن مجھے شکور کو نہیں ڈھونڈنا تھا۔ مجھے اپنے اردگرد کسی ایسے انسان کو ڈھونڈنا تھا جس کا اس کی رنگت پہ مذاق اڑایا جاتا تھا۔اور وہ دبئی چلا گیا تھا۔" اس نے آنکھیں بند کیں۔گرم گرم آنسو گال پر گر رہے تھے۔وہ کیوں نہ سمجھ سکی؟

"میں نے تمہارے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا۔کسی کو تم سے نفرت نہیں کروائی۔صرف محبت کروائی۔تمہیں وہ دیا جو تمہارے پاس نہ تھا،میری بیٹی۔ میں نے تمہیں گھر دیا۔شوہر دیا۔"

اس نے آنکھیں کھولیں۔اب کے اس کی آنکھوں میں صرف نفرت نہیں تھی۔افسوس بھی تھا۔

"تمہارا کام تھا اپنے شوہر کو خوش رکھنا۔اپنا گھر بسانا۔اور تم وہ نہ کر سکیں۔قصور کس کا ہے؟"

وہ بوڑھی عورت ٹوٹے سانسوں کے درمیان اطمینان سے بتا رہی تھی۔

"مجھے ترس آ رہا ہے آپ کے اوپر۔" وہ سر نفی میں دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔"اتنے گناہوں کی آگ لے کر کیسے جائیں گی اللہ کے پاس؟"

"آگ تو میرے لیے اس دنیا نے بنائی تھی، کشمالہ۔" وہ زخمی سا مسکرائیں۔"مجھے میری شکل کی وجہ سے دھتکار دیا تھا۔سو میں نے ایک الوژن بنا لیا۔جیسے تم بناتی ہو۔"

"مجھے خود سے مت ملائیں۔"اس کی آواز بلند ہوئی۔

البتہ وہ ویسے ہی لیٹی رہیں۔ان کے جسم سے لگی نالیاں اور تاریں مختلف مانیٹرز میں پیوست تھیں۔جو ان کے وائٹلز بتا رہے تھے۔ان کے دل کی رفتار، بی پی، سب نارمل تھا۔

"مجھے کس آگ سے ڈرا رہی ہو؟ آگ تو یہ دنیا تھی میرے لیے۔آگے تو کچھ بھی نہیں ہے۔نہ جنت نہ جہنم۔ سب ایک الوژن ہے۔میں نے اس دنیا سے اپنا حق کشید کیا ہے۔جیسے سب کرتے ہیں۔"

وہ چند قدم مزید آگے آئی۔سر جھکا کے ترحم سے انہیں دیکھا۔

"اور ہلال؟ وہ کہاں ہے؟"

نگینہ کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ہلال کو نہ تم ڈھونڈ سکو گی،اور نہ تمہارا ماہر فرید۔"ان کی آنکھوں میں کچھ ابھرا جسے وہ پڑھ سکتی تھی۔

"اتنی نفرت ہے اس سے،سرکار؟"وہ بھیگی آنکھوں سے پہلی دفعہ مسکرائی۔"اس پہ جادو نہیں چلتا نا آپ کا؟"

نگینہ بیگم مسکراتی رہیں۔ان کے اطمینان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

" آپ نے زیاد اور میری شادی صرف زیاد کے لیے نہیں کروائی۔آپ کو کچھ اور بھی چاہیے تھا۔"

وہ آنکھوں میں بہت سی نفرت اور افسوس لیے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میری بیٹی...ہے نا؟"

اس لفظ پہ کچھ تھا جو ان کی آنکھوں میں چمکنے لگا۔

"میں زندہ رہوں یا نہ رہوں،تم میری پوتی کو مجھ سے چھین نہیں سکتیں،کشمالہ۔"

وہ ایسی شیطانی چمک تھی کہ کشمالہ مبین کو لگا کوئی اس کی گردن کے گرد آگ کا طوق پہنا رہا ہے۔

"ہاں...میں نے یہ سب اس بچی کے لیے کیا ہے۔"وہ چمکتی آنکھوں سے چبا چبا کے کہہ رہی تھیں۔

"وہ جب اس دنیا میں آئے گی تو وہ میری سب سے بڑی طاقت بنے گی۔اور تم..."انہوں نے تحقیر سے اسے دیکھا۔پہلی دفعہ کشمالہ کو ان کی نظروں میں اپنے لیے حقارت دکھائی دی۔

"اور تم ساری عمر زیاد سے بندھی رہو گی۔تمہارے پاس اب کوئی جائے فرار نہیں ہے۔"

وہ چند لمحے لب بھینچے ان کو دیکھتی رہی۔

پھر ان کے کان کے قریب جھکتی گئی یہاں تک کہ اس کے ہونٹ ان کے بالوں کے قریب آ ٹھہرے۔

" کس نے کہا کہ وہ دنیا میں آئے گی؟"

نگینہ بیگم ایک دم جہاں تھیں،وہیں ساکت رہ گئیں۔

"وہ میرے پیر کی زنجیر نہیں بنے گی۔"

وہ سرگوشی میں کہہ رہی تھی۔

"میں آج اس کو ختم کرنے جا رہی ہوں۔کوئی بھی چیز مجھے آپ سے اور آپ کے بیٹے سے نہیں جوڑے رکھے گی۔میں اس بچے کو قتل کرنے جا رہی ہوں۔"وہ سیدھی ہوئی اور فاتحانہ مسکراہٹ اور بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"نن نہیں...مالا نہیں۔"

ٹوں ٹوں...ان کے مانیٹر پر ایک دم نمبرز بڑھنے لگے۔دل کی دھڑکن۔بی پی۔انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن نہیں اٹھ سکیں۔

"مالا پلیز مت کرو۔اس کو مت مارنا۔" آنسو آنکھوں سے ٹپکتے چہرے کی پٹیوں میں جذب ہونے لگے۔

"مجھے معلوم ہے یہ گناہ ہے،لیکن میں ایک بڑے گناہ کا راستہ روک رہی ہوں۔میں سحرِ عشق سے جنم لینے والی بچی کو اس دنیا میں نہیں لاؤں گی۔کیونکہ میں دنیا کے جس کونے میں بھی چلی جاؤں،زیاد اس بچی کی تلاش میں آجائے گا۔سو میں آج اس وجہ کو ہی ختم کر رہی ہوں۔"

"نہیں پلیز...خدا کا واسطہ..." انہوں نے کپکپاتے،نحیف ہاتھ جوڑے جن سے بہت سی تاریں پیوستہ تھیں۔

"خدا کہاں سے آگیا؟ جنات کو بلائیے،سرکار۔اپنے جنات کو۔" وہ دبا دبا سا غرائی۔"اور اپنے قاتل بیٹے کو بھی بلائیے۔آج کوئی انسان یا جن مجھے یہ کرنے سے نہیں روک سکے گا۔اب یہ فیصلہ میں کروں گی۔میں۔"

سینے پر انگلی سے دستک دی۔آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"نہیں پلیز نہیں۔" وہ چلانے لگیں۔مالا نے بیل پر انگلی رکھ دی۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا اور اسکربز میں موجود اسٹاف بھاگتا ہوا اندر آیا۔

"میں ان کی بہو ہوں۔یہ بہت تکلیف میں ہیں۔" وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے انگریزی میں کہنے لگی۔

"کیا ان کو مزید پین کلر دیے جا سکتے ہیں؟ میں چاہتی ہوں کہ یہ چند گھنٹے تک سوتی رہیں۔"

نگینہ بیگم چلاتے ہوئے سر تکیے پر مار رہی تھیں۔ان کا جسم بھی جھٹکے کھا رہا تھا۔دونوں اسٹاف ممبرز میڈیکولیگو نج میں چلاتے ہوئے کچھ کہہ رہے تھے۔غالباً ان کو کوئی انجیکشن دیا جانے لگا تھا۔

"نہیں پلیز۔مالا یہ مت کرو۔"

وہ آنسو رگڑ کے صاف کر چکی تھی۔اب جذبات سے عاری چہرے کے ساتھ ان کے بیڈ کی پائنتی کے ساتھ کھڑی رہی۔بنا پلکیں جھپکائیں وہ انہیں دیکھ رہی تھی۔

"بلائیں ان کو۔اپنے موکلوں کو۔بلائیں نا۔" وہ دبا دبا سا اردو میں بولی۔ایک نرس اب ان کی آئی وی میں کوئی انجیکشن لگا رہی تھی۔

نگینہ بیگم نے آنکھیں بند کیں۔ہونٹ ہلانے کی کوشش کی۔کچھ پڑھنا چاہا۔لیکن جسم کی طاقت اب ختم ہو چکی تھی۔اوپر سے دوا کا اثر بھی شدید تھا۔ان کا ذہن اندھیروں میں ڈوبنے لگا۔

"نہیں۔پلیز نہیں۔وہ بچی بہت قیمتی ہے۔" وہ بند آنکھوں سے غنودگی میں جاتی بڑبڑا رہی تھیں۔جسم اب ڈھیلا

پڑتا جا رہا تھا۔

کشمالہ مبین نے افسوس سے سر جھٹکا اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔ اس کو اب کسی انسان یا جن کا خوف نہیں رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے اس کمرے کا منظر اب قدرے بدلا ہوا تھا۔ نیم تاریک خاموشی۔ فضا کا بوجھل پن۔ اور نگینہ سلطان کا پرسکون جسم جو دواؤں کے زیرِ اثر غنودہ تھا۔

زیاد سلطان کاؤچ پر بیٹھا تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے۔ دونوں ہاتھوں میں موبائل پکڑے اس پر انگلیاں چلاتا ہوا۔ دفعتاً اسکرین پہ میسج ابھرا۔

''کچھ عجیب سا ہے، زیاد بھائی۔ صبح کشمالہ کام پہ نہیں آئی۔ پھر اس نے مجھے کال کر کے کہا کہ آج میں آف کر لوں۔ وہ آپ کی والدہ سے ملنے ہسپتال جا رہی ہے۔ وہاں سے وہ گھر جائے گی۔ جب تک میں یہاں پہنچا وہ ہسپتال سے نکل رہی تھی۔ میں کافی فاصلے سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ وہ گھر نہیں گئی۔ وہ کیب لے کر ایک کلینک آئی ہے۔ کافی دیر سے اندر ہے۔ میں معلوم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ وہ یہاں کیوں آئی ہے۔''

زیاد ایک دم سیدھا ہو کے بیٹھا۔ کانوں میں ایک گھنٹی سی بجنے لگی۔ جیسے قدیم زمانوں میں جنگ سے پہلے شہر والوں کے لیے بجتی تھی۔ اس کارواں رواں کھڑا ہونے لگا۔

''وہ صبح ہسپتال آئی تھی؟''

''جی۔ میں نے خود اسے یہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔''

زیاد نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ نگینہ بیگم کے غنودہ جسم میں حرکت ہوئی تھی۔

''زیاد؟'' وہ بدقت پلکیں جھپکا کے اسے دیکھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''کشمالہ یہاں آئی تھی؟''

وہ اٹھ کے ان کے سرہانے تک آیا۔ چہرہ سپاٹ تھا۔ اور آواز میں تفتیش۔

''کون؟'' ان کے آدھے چہرے سے پٹی جیسے گھلتی گئی تھی۔ کسی کوڑھ کے مریض کی مانند چہرے کا جلا ہوا حصہ بڑھ کے گردن تک پہنچ چکا تھا۔

''وہ کیوں آئی تھی؟ اور آپ کی طبیعت کیوں خراب ہوئی تھی؟''

''زیاد...'' نگینہ بیگم نے ایک دم چونک کر گھڑی کو دیکھا۔ جیسے دماغ جاگ گیا ہو۔ بے اختیار زیاد کا ہاتھ تھاما۔

''اس کو روکو...''

" کس چیز سے؟"اس کا سانس تھم گیا۔سارے جواب واضح تھے۔

"وہ آپ کی نفرت میں اس کو مار دے گی۔"

زیاد سلطان ہل نہ سکا۔ایسے جیسے نمک کا مجسمہ ہو۔

''کس کو؟''

''آپ کی بیٹی...''ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اس کو بچالو۔وہ اس کو ختم کر دے گی۔''

''بیٹی؟''اسے اپنی آواز کنویں سے آتی سنائی دی۔

"وہ بہت قیمتی ہے۔مجھے اس کی ضرورت ہے۔"انہوں نے اس کا ہاتھ بدقت دونوں ہاتھوں میں پکڑا۔

" آپ کب سے یہ بات جانتی تھیں؟"وہ زخمی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ اس بچی کو مار دے گی۔''

''میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔''ایک دم اس نے زور سے ہاتھ چھڑایا۔چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

" آپ نے ہمیشہ کی طرح اپنا کھیل کھیلا۔اور مجھے اندھیرے میں رکھا۔"وہ ان پہ جھک کے دبا دبا سا غرایا۔

" آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنا بچہ مجھے دو گے۔"

''آپ جانتی تھیں اور مجھے نہیں بتایا۔''وہ ان کی بات نہیں سن رہا تھا۔

"زیاد..."انہوں نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔لیکن وہ نفی میں سر ہلاتا پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''اس بچے کو مت ختم ہونے دینا۔''

وہ رک کے انہی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

"وہ بچہ...آپ کی بیٹی...وہ کشمالہ کو کبھی آپ سے آزادی نہیں لینے دے گی۔وہ اس کو زنجیر کی طرح آپ سے باندھے رکھے گی۔کوئی دوسرا مرد اس سے شادی نہیں کرے گا۔"وہ رک رک کے بول رہی تھیں۔آنسو پھسل پھسل کے مسخ شدہ چہرے میں جذب ہو رہے تھے۔

"اس کو روکو ورنہ وہ اس کو مار دے گی۔"

"مارنے دو۔"اس کا لہجہ برف تھا۔سپاٹ۔سرد۔نگینہ بیگم کچھ بول نہ سکیں۔وہ ان کو اسی حالت میں چھوڑ کے

باہر نکل گیا۔

کیف جمال کی کال آ رہی تھی۔ چند لمحے وہ گہرے سانس لیتے ہوئے خود کو نارمل کرنے لگا۔ پھر فون کان سے لگایا۔

''سنو کیف...''

''ابارشن۔ یہ ابارشن کلینک ہے۔'' اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ پارکنگ میں کار کے ساتھ کھڑا تھا اور ساتھ ایک اسکرب والی لڑکی تھی۔ وہ جیب میں چند رول کیے نوٹ ڈالتے ہوئے دائیں بائیں احتیاط سے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کی بیوی یہاں ابارشن کے لیے آئی ہے۔ اور وہ پروسیجر روم میں ہے۔'' کیف نے اسے اشارہ کیا۔ وہ سر کو خم دے کر آگے بڑھ گئی۔ ''میں نے ایک اسٹاف کو پیسے دیے ہیں۔ اسی نے بتایا ہے کہ...''

''کیف... مزید مداخلت مت کرو۔''

کیف جمال رک گیا۔ بے یقینی سے فون کان سے ہٹا کے دیکھا۔

''کیا آپ...''

''کہا نا... تم کوئی مداخلت نہیں کرو گے۔ اس کے باہر آتے ہی تم مجھے کلینک سے کنفرم کر کے دو گے کہ اس نے پروسیجر کروایا ہے یا نہیں۔ وہ جو کرنے آئی ہے، اسے کرنے دو گے۔''

کیف جمال نے ناسمجھی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان کا تو طلاق کا کیس چل رہا تھا۔ ایسی صورت میں تو طلاق رک جاتی۔ پھر زیاد سلطان کیوں ایسے کہہ رہا تھا؟ خیر۔ اسے کیا۔

وہ کافی دیر پارکنگ میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، اس کلینک کی عمارت کو دیکھے گیا۔ دفعتاً فون پہ میسج ریسیو ہوا۔ یہ اسی اسٹاف کا تھا جس کو اس نے پیسے دیے تھے۔

''اس کا پروسیجر مکمل ہو گیا ہے۔ وہ اس کو کچھ دیر میں ڈسچارج کر دیں گے۔''

اس نے وہ میسج زیاد کو بھیج دیا۔ خود کلینک کی لابی کو دیکھنے لگا جو شیشے کی دیواروں کے باعث اندر دکھائی دے رہی تھی۔

بہت انتظار کے بعد وہ اس کو راہداری میں چلتی دکھائی دی۔ وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتا تھا کہ اس کا چہرہ زرد تھا۔ آنکھوں تلے حلقے واضح تھے۔ اور وہ گم صم سی قدم اٹھا رہی تھی۔ ساتھ ایک لڑکی تھی جو اسکرب پہنے ہوئے تھی اور ایک نسخہ ہاتھ میں لیے اسے کچھ سمجھا رہی تھی۔ دوائیں۔ پوسٹ ابارشن کیئر۔ وہ اسی بے خیالی میں سر ہلا رہی تھی۔

وہ کار وہاں سے دور لے گیا۔ وہ اس کو نہیں دیکھ سکتی تھی نہ وہ اس ذہنی حالت میں تھی کہ اس کی توجہ اس طرف جاتی۔

وہ کافی دیر کلینک کے باہر ایک بنچ پر بیٹھی رہی۔ نسخہ ہاتھ میں پکڑے۔ چپ چاپ۔ سر نیچے گرائے۔ شاید وہ رو رہی تھی۔ پھر بدقت وہ اٹھی۔ موبائل کے بٹن دبائے۔ اب وہ کیب بلا رہی تھی۔

کیف جمال نے زیاد کی ہدایت کے برعکس اس کا تعاقب نہیں چھوڑا۔ وہ یہاں سے فارمیسی گئی۔ اپنی دوائیں خریدیں اور پھر وہاں سے گھر چلی گئی۔ جس لمحے وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کے اندر داخل ہوئی، وہ دور سے دیکھ سکتا تھا کہ اس کو شاید چکر آ رہے تھے اور وہ دیوار پکڑ پکڑ کے چل رہی تھی۔

کام مکمل ہو چکا تھا۔ اس نے زیاد کو میسج پہ اطلاع دے دی۔

''گڈ۔'' جوابی میسج فوری موصول ہو گیا۔

کیف جمال کافی دیر اس میسج کو تکتا رہا۔

پھر اس نے فون گیلری کھولی۔ وہاں موجود ماہر کی تصویر نکالی جو اس نے صبح صبح کھینچی تھی جب وہ مالا کی کافی شاپ کی قطار میں کھڑا تھا۔ یہ تصویر اسے زیاد کو بھیجنی تھی۔ وہ زیاد کی آنکھیں تھا۔ اسے ماہر فرید کی آمد کے بارے میں بتانا چاہیے تھا۔

''گڈ۔'' اس نے پھر سے زیاد کا میسج پڑھا۔

انگلیوں نے حرکت کی۔ انگوٹھے نے ڈیلیٹ کا بٹن دبایا۔ تصویر مٹ گئی۔

''گڈ۔'' وہ تلخی سے بڑبڑاتے ہوئے کار اسٹارٹ کرنے لگا۔ اپنے بچے کے مر جانے پہ گڈ کون کہتا ہے؟

وہ زیاد سلطان کو ماہر فرید کی آمد کے بارے میں نہیں بتائے گا۔ اس دنیا میں سب سے قیمتی شے انفارمیشن ہوتی ہے اور ہر انفارمیشن ایسی نہیں ہوتی کہ وہ اپنے باس کو فراہم کی جائے۔

کیف جمال نے کار سڑک پر ڈال دی۔

ہسپتال کے کاریڈور میں ٹہلتے ہوئے زیاد سلطان نے رک کے کیف کا میسج پڑھا۔ گڈ لکھ کے بھیجا۔ اور تیزی سے کمرے کی طرف آیا۔

نگینہ بیگم اسی طرح بے چین سی لیٹی تھیں۔ وہ جیسے بہت تکلیف میں تھیں۔ اسے دیکھ کے چونکیں۔

"تم نے اسے روکا؟" بھیگی آنکھوں میں امید بھرے پوچھا۔

"وہ بچہ ختم ہو گیا ہے، سرکار۔ اور آپ کا کھیل بھی۔"

اس کے چہرے پر بہت کچھ تھا۔ زخمی پن۔ نفرت۔ طیش۔ اور ڈھیروں ملال۔

''اب میں کبھی اس تکلیف سے نہیں گزروں گا جس سے آپ نے ہلال کے بھائیوں کو گزارا ہے۔''

وہ چبا چبا کے کہتا گیا۔ پھر وہ وہاں رکا نہیں۔ اگلے ہی لمحے دھڑام سے دروازہ بند کر کے وہاں سے چلا گیا۔

نگینہ سلطان نے شکستگی سے سر تکیے پر ڈال دیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

ان کی ساری دنیا جل کے راکھ ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا (نمرہ احمد)

''وین کوور''

حصہ سوم

قسط نمبر:۱۶

اپنے تنہا ٹاور سے رلپنزل بابر دیکھتی تھی

اپنی سچی محبت کی منتظر۔

اس جرم کی سزا کاٹتے ہوئے

جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

وہ نغمے گنگناتے ہوئے

جو کوئی سن نہیں پائے گا۔

بھولے ہوئے پھولوں کی طرح

وہ مرجھا رہی تھی۔

جیسے جیسے سرما اس کے دل میں داخل ہو رہا تھا۔

اور جو دیواریں اس نے خوف سے کھڑی کی تھیں،

وہ گرنے کو تھیں۔

بس کاش کہ وہ تیار ہو ایک نئے آغاز کے لیے۔

صحرا کی ہوا جیسے جیسے

اس کے دروازے کے باہر پھیلی ریت پہ

تصویریں بنا رہی تھی،

وہ قدرت کو اپنا کھیل کھیلتے دیکھ رہی تھی۔

اور جان گئی تھی کہ

اس کی دیواریں کچھ بھی نہیں ہیں

سوائے دیواروں کے۔

اسے امید تھی کہ ایک دن

کوئی آئے گا اس کی طرف

اس کے تکلیف میں گھرے اکیلے ذہن کو نجات دلانے

اسے امید ہے کہ

کبھی کہیں کوئی آئے گا

اس کو یہ بتانے کہ

محبت نہیں ہے صرف

اندھوں کے لیے۔

(Dani Arrow)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کئی برس پہلے

ایک دفعہ کا ذکر ہے...

وہ لکڑی کا کاٹیج جنگل کے درمیان میں خاموشی سے کھڑا تھا۔اطراف میں روئی کے گالوں جیسی برف گر رہی تھی۔چمنی سے دھواں اوپر اٹھ رہا تھا اور کاٹیج کی کھڑکیوں سے سنہری روشنی دکھائی دیتی تھی۔

اندر جھانکو تو اس روشنی کا منبع آتش دان میں سلگتی لکڑیاں تھیں۔وقفے وقفے سے ان کے چٹخنے کی آواز بھی سنائی دیتی۔وہاں کچھ اور بھی سلگ رہا تھا۔کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے بیر بل فرید کی آنکھیں۔

پیالے میں کچھ پھینٹتے ہوئے اس نے سلگتی نگاہیں اٹھا کے اپنے بھائی کو دیکھا۔پھر ہاتھ کی پشت سے پیشانی پر آئی گھنگریالی لٹ پیچھے کی۔ذرا سی چاکلیٹ کنپٹی پر اپنا داغ چھوڑ گئی۔بیر بل کو معلوم نہیں ہو سکا۔بس افسوس سے پونی والا سر ہلایا اور پیالے پہ جھک گیا۔

"ایک بچے کو برادرز Grimm کا ورژن کون سناتا ہے؟" وہ خفگی سے گویا ہوا۔رلپنزل کی کہانی کا اتنا تلخ رخ وہ مزید نہیں سن سکتا تھا۔

وہ آتش دان کے سامنے ونگ چیئر پر نیم دراز تھا۔ایسے کہ پیر اوتومن پر رکھے تھے اور ایک بازو پر ہلال سر رکھے لیٹی تھی۔دونوں کے اوپر کمبل تھا۔وہ ایک گھنگریالی لٹ کو انگلی پر لپیٹتی چھت کو دیکھ رہی تھی اور ماہر کتاب کو۔

"ماہر؟" بیر بل نے ناپسندیدگی سے ٹوکنا چاہا لیکن وہ اسے سنے بغیر کتاب سے پڑھتا جا رہا تھا۔کہانی میں موجود رلپنزل اب بڑی ہو چکی تھی اور اس کے بال اس ٹاور سے بھی لمبے ہو چکے تھے جس میں وہ قید تھی۔

"جب جادوگرنی کو ٹاور میں داخل ہونا ہوتا،تو وہ پکارتی۔رلپنزل رلپنزل۔اپنے بال نیچے گراؤ۔" وہ کتاب سے حرف بہ حرف پڑھ رہا تھا۔"رلپنزل کے بال لمبے اور خوبصورت تھے۔سنہرے ریشمی دھاگوں جیسے۔جب وہ جادوگرنی کی آواز سنتی تو اپنی چوٹی کھول دیتی۔پھر بالوں کو کھڑکی کی hook کے ساتھ ایک گرہ دے کر نیچے گرا دیتی۔یوں جادوگرنی اوپر چڑھ آتی۔پھر کچھ سال یونہی گزر گئے۔"

کھڑکی کے باہر برف کے ننھے ننھے گالے گر رہے تھے۔چند ٹکڑے شیشوں سے چپک جاتے۔پھر پگھل کے دھڑام سے نیچے جا گرتے۔

"ایک دن ایک شہزادہ گھوڑے پر سوار اس جنگل میں سفر کرتا ہوا اس طرف آن نکلا۔"

ہلال نے ایک دم چہرہ اونچا کر کے اسے دیکھا۔

"شہزادہ اس کو بچانے آیا تھا؟" اس کی آنکھوں میں چمک اتری۔

ماہر نے کہانی روکی اور گہری سانس لی۔

"ہاں۔ کہانیوں میں شہزادے بچانے آجاتے ہیں۔"

"اور اصل میں؟"

"اصل میں؟" اس نے رک کے سوچا۔ "ہر ایک کے لیے نہیں آتے۔"

"مگر میرے لیے آئے گا۔" ہلال نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔ وہ بھی مسکرا دیا۔ اور واپس پڑھنے لگا۔

"شہزادے نے وہ نغمہ سنا جو وہ گنگنا رہی تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ وہ ٹاور کے نیچے کھڑا اسے سنے گیا۔ وہ اس ٹاور پہ اوپر چڑھنا چاہتا تھا لیکن کوئی دروازہ نہیں تھا۔"

"اسے دروازہ مل جائے گا۔" وہ بڑبڑائی۔ کچھ تھا عجیب سا جو ماہر نے پہلو بدلا۔ توجہ کہانی پہ مبذول رکھنا چاہی۔

"شہزادہ اس وقت واپس چلا گیا لیکن وہ نغمہ اس کو اتنا پسند آیا کہ وہ ہر روز جنگل میں جا کے اس کو سنتا۔ ایک دفعہ وہ جنگل میں ایک درخت کے پیچھے کھڑا نغمہ سن رہا تھا جب اس نے جادوگرنی کو دیکھا۔ وہ رلپنزل کو بال نیچے گرانے کا کہہ رہی تھی۔ اور پھر شہزادے کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر چڑھتی گئی۔ شہزادے نے سوچا کہ اگر ٹاور میں جانے کی یہ سیڑھی ہے تو کسی دن وہ بھی اپنی قسمت آزمائے گا۔"

وہ جو لبا کچھ بڑبڑائی۔ وہ سن نہیں پایا۔ کتاب سے پڑھتا گیا۔

بیربل کی بڑبڑاہٹ ہنوز جا رہی تھی۔ وہ برادرز Grimm کے آباؤاجداد تک پہنچ چکا تھا۔

"اگلے روز اندھیرا ہونے سے پہلے شہزادہ ٹاور تک گیا اور پکارا۔ رلپنزل رلپنزل اپنے بال نیچے گراؤ۔ بال نیچے آئے اور وہ اوپر چڑھ گیا۔ رلپنزل پہلے تو اس کو دیکھ کے ڈری لیکن وہ اتنا مہربان تھا کہ اس کا ڈر جاتا رہا۔ اس نے طے کیا کہ وہ اس کے ساتھ اس کے ملک چلی جائے گی لیکن اسے ٹاور سے جانے کا راستہ معلوم نہ تھا۔ سو اس نے شہزادے سے کہا کہ وہ اس کو ہر روز ذرا سا ریشم لا دیا کرے تا کہ وہ اس سے ایک سیڑھی گوندھ سکے۔"

آتش دان سے سلگتی لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز ہنوز سنائی دے رہی تھی۔ ہلال گھنگریالی لٹ کے ساتھ کھیلتی دور خلا میں کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔

"جادوگرنی کو کئی روز تک معلوم نہ ہو سکا کہ کیا معاملہ چل رہا ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن جب وہ رلپنزل کے بالوں پہ چڑھ کے اوپر آئی تو غصے میں رلپنزل نے اسے کہہ دیا کہ تم اتنی بھاری کیوں ہو؟شہزادہ تو میرے بالوں سے اوپر چڑھنے میں اتنا وقت نہیں لیتا۔"

بیربل فرید نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

"وہ اتنی اسٹوپڈ کیوں تھی کہ اپنا راز خود ہی بتا دیا؟"

ماہر نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

"کیونکہ جس دور میں یہ لکھی گئی تھی، کہانیوں میں عورتیں سادہ ہوا کرتی تھیں۔ یا شاید..."

"شاید وہ اب ڈرتی نہیں تھی۔"

ہلال کی آواز بہت ہلکی تھی۔ دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔ وہ ابھی تک چھت کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ تھا اس کے انداز میں کہ ماہر نے پہلو بدلا۔

"یہ بس ایک کہانی ہے، ہلال۔" اس نے کتاب بند کی۔ بیربل پینٹری سے کچھ اٹھانے گیا تھا۔

"صرف ایک کہانی۔" اس نے ہلال کو دیکھتے ہوئے زور دیا۔ ہلال نے دھیرے سے دو تین دفعہ پلکیں جھپکائیں۔

"وہ مجھے بچانے آئے گا۔ لیکن پھر میرے ساتھ قید ہو جائے گا۔ ہم دونوں ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔"

"کیا؟" اس کی آنکھیں اچنبھے سے چھوٹی ہوئیں۔ ہلال نے اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔

"وہ مجھے بچانے آئے گا۔" آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

"کون؟"

"اس کا نام بدر ہے۔"

"کون بدر؟" ماہر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"We'll grow up together." وہ ہلکا سا مسکرائی۔ ماہر مسکرا نہیں سکا۔

شاید وہ ہر دوسرے انسان کی طرح خود کو کہانی کا مرکزی کردار تصور کرنے لگی تھی۔ یہ انسانی رویہ ہے۔ اس کو جو کہانی اچھی لگتی ہے وہ خود کو اس میں لے جاتا ہے۔ Maladaptive daydreaming۔ اس نے سر جھٹکا اور کتاب واپس کھولی۔

"جادوگرنی نے غصے میں رلپنزل کے بال کاٹ دیے اور اسے کسی جنگل میں چھوڑ آئی۔پھر..." وہ اب کے قدرے غیر آرام دہ سا کہانی سنا رہا تھا۔باہر برف بنا چاپ کے گر رہی تھی۔ساری دنیا سفید ہو چکی تھی مگر لکڑی کے کاٹیج کی کھڑکیاں ہنوز سنہری تھیں۔

''ماہر بھائی...''اس کی سرگوشی پھر سے بلند ہوئی۔وہ صفحہ پلٹاتے ہوئے رکا۔

''کیا میں آپ سے ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟''

ہم اس برسوں پرانے قصے کو یہیں روک کے واپس اپنی کہانی کی طرف جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن

نگینہ اور زیاد سلطان کے وین کوور والے گھر کی بیسمنٹ اتنی ہی طویل تھی جتنا کہ سارا گھر۔

بیسمنٹ خالی نہیں تھی۔کاٹھ کباڑ سے بھری تھی۔ایک طرف کچھ حصہ صاف کیا گیا تھا۔وہیں ایک لکڑی کے ستون سے زنجیر بندھی تھی جس کا دوسرا سرا ہلال کے پیر میں تھا۔

وہ اسی ستون کے ساتھ کھڑی تھی۔ہاتھ میں ایک نوکیلا سا لکڑی کا ٹکڑا تھا جس سے وہ ستون پر لکیریں کھینچ رہی تھی۔نیم اندھیر کمرے میں اس کی لکیروں کی بدصورت آواز گونجتی تھی۔

زیاد سلطان زینے اترتا نیچے آیا تو اسے ستون کے ساتھ کھڑے دیکھا۔اس کی زیاد کی طرف پشت تھی اور وہ یہاں سے اس کے گھنگریالے بال کمر پر بکھرے دیکھ سکتا تھا۔وہ کافی الجھے الجھے سے تھے۔لیکن اس وقت اس کی زندگی میں ہلال سے بڑے مسائل تھے۔اس کا لباس گزشتہ روز والا اور ملگجا سا تھا۔اور چہرہ ویران۔

اس نے ہلال کے قدموں کے قریب ایک کھانے کی ٹرے رکھی۔پھر ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔اس کی ماں کا پیدا کیا مسئلہ جس کو وہ نہ اگل سکتا تھا نہ نگل سکتا تھا۔

''کھانا کھالو، ہلال۔''

وہ اس کی طرف نہیں مڑی۔وہیں کھڑی ستون پر لکیریں کھینچتی رہی جیسے اس کے سامنے اسینڈ پر رکھا کینوس ہو جس کے آگے کھڑی وہ کوئی پورٹریٹ بنا رہی ہو۔

وہ دھیرے سے پنجوں کے بل زمین پر بیٹھا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے۔ صرف نوکیلی چیز کے رگڑنے کی ناگوار آواز سنائی دیتی رہی۔

"تمہیں اس دن مرجانا چاہیے تھا ہلال۔ جب میں نے تمہیں چھت سے نیچے پھینکا تھا۔ تم میرے لیے ایک بہت بڑا بوجھ ہو۔"

"وہ اسی شہر میں ہے۔" وہ ہلکا سا بولی۔ اس کے جھکے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ شاید وہ مسکرا رہی تھی۔ زیاد دیکھ نہیں سکا۔

"کون؟"

"بدر۔" وہ بڑبڑائی۔ وہ چونکا۔ ابرو مشکوک انداز میں اکٹھے کیے۔ وہ اس کی جانب پشت کیے کھڑی ستون پر کچھ بنا رہی تھی۔

زیاد نے غور سے اس کی پشت کو دیکھا۔ وہ عجیب سی تھی لیکن اس کی باتیں بے معنی نہیں ہوتی تھیں۔ یہ وہ جانتا تھا۔

"بدر کون ہے؟"

"میری ریشم کی سیڑھی۔"

وہ ستون پر ابھرتی لکیریں دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک ٹاور بنا رہی تھی جس سے کچھ لٹک رہا تھا۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہو، ہلال؟"

"وہ مجھے بچانے آئے گا۔"

زیاد سلطان کے چہرے پہ ناگواری اور بےزاری ایک ساتھ اتری۔

"کوئی تمہیں بچانے نہیں آئے گا۔ اگر تم اس بیسمنٹ میں مرجاؤ، تب بھی کسی کو اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکے گا جب تک ہماری چھے ماہ کی لیز ختم نہ ہو جائے۔"

"وہ مجھے بچانے آئے گا۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"اپنے بھاگنے کا پلان مجھے کیوں بتا رہی ہو؟" وہ اکتا کے کھڑا ہوا۔ یہ اچھی مصیبت تھی۔

"کیونکہ ہلال ڈرتی نہیں ہے۔"

زیاد نے سر جھٹکا اور سڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

"وہ تمہیں سب نہیں بتاتی۔" وہ بڑبڑائی۔

زیاد پہلے زینے پر ٹھہرا۔ پلٹ کے اسے دیکھا۔ وہ گردن ترچھی کیے نوکیلے ٹکڑے کو ستون سے رگڑ رہی تھی۔

''کون؟''

''سرکار۔ کچھ ہے جو وہ تمہیں نہیں بتا رہی۔''

زیاد سلطان کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔ اس کا سانس ایک دم اس نیم تاریک بیسمنٹ میں تنگ ہونے لگا۔

''اپنی فکر کرو۔ میری نہیں۔'' اکھڑے انداز میں کہتا وہ اوپر چڑھتا گیا۔ اسے اس بلا سے دور جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح جب وہ اپنی شفٹ پہ مال میں داخل ہوئی تو اینٹرنس پہ بہت سی خوشبوؤں نے اس کا استقبال کیا۔ مال کا سگنیچر ایئر فریشنر۔ پرفیومز۔ کافی بینز کے روسٹ ہونے کی مہک۔ لیکن اسے آج کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ دل بھاری تھا۔ چہرہ بھی دل کا آئینہ بنا ہوا تھا۔ وہ اپنے کافی بار تک آئی تو سنک پہ ایک اسپرے بوتل دھوتی پیٹریشیا نے غور سے اسے دیکھا۔ مالا سر جھکائے سیاہ ایپرن باندھ رہی تھی۔ الجھے الجھے بال۔ چہرے کے واضح دانے۔ اور زرد رنگت۔

''دو تین دن آف کر لیتیں۔'' پیٹریشیا کی آواز میں افسوس تھا۔ مالا نے آنکھیں اٹھائیں تو اس نے دیکھا۔ سبز آنکھوں تلے گہرے حلقے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی ایپرن کی گرہ باندھنے لگی۔ پھر احساس ہوا کہ پیٹ اسے ہی دیکھ رہی ہے۔ سوالیہ انداز میں اسے دیکھا تو اس نے ابرو سے شیلف کی طرف اشارہ کیا۔

مالا نے چونک کر اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔

وہاں اس کا ننھا سفید گملا رکھا تھا۔ وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتی تھی کہ اس کے نیچے ایک زرد نوٹ رکھا دکھائی دے رہا ہے۔

''یہ کس نے رکھا ہے؟''

''تمہارے فرینڈ نے۔ جو سارے اسٹاف کو بھاری tips دے کر گیا تھا۔'' اس نے آنکھیں گھمائیں۔

''ماہر۔'' مالا نے گہری سانس لے کر افسوس سے سر ہلایا۔ پھر گملے تک آئی۔ اور نیچے رکھا نوٹ نکالا۔

''تم لیٹ ہو۔ دوبارہ ہوئی تو جے پی کسی اور کو ہائر کر لے گی۔ وہ جو اس کی بات مانتی ہو گی۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

(ماں بیمار تھیں۔ وہ انہیں دوا دے کے سلا آئی اور باہر لان میں کیف کا انتظار کرنے لگی۔ اسے کام کرتے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا۔ اور وہ آج اپنی شفٹ پہ نہیں پہنچا تھا۔ اسے اس پہ غصہ آ رہا تھا۔ اس روز اس نے اسٹڈی میں کچھ کہا تھا۔ کچھ مبہم سا۔ کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔ اسے مبہم باتوں پہ غصہ آتا تھا۔

پھر گیٹ آہستہ سے کھلا۔ اور وہ اندر آتا دکھائی دیا۔

''تم لیٹ ہو۔'' وہ وسط لان میں چیئر پر بیٹھی خفا لگ رہی تھی۔

''آپ مہمانوں میں بزی تھیں۔ وہ گئے تو میں آ گیا۔''

''اس بات کا لیٹ ہونے سے کیا تعلق؟''

''مجھے کام تھا۔ اسی لیے لیٹ ہو گیا۔''

''دوبارہ مت ہونا۔''

''ورنہ؟'' کیف نے بغور اسے دیکھ کے پوچھا تھا۔

''ورنہ میں کسی اور کو ہائر کر لوں گی۔ وہ جو میری بات مانتا ہو گا۔'')

لاہور اور مبین منزل کی اس چاندنی رات کا فسوں دھیرے سے فضا میں تحلیل ہو گیا۔ وہ اداسی سے مسکرا دی۔ پھر سر جھٹکا اور قلم سے چند الفاظ نوٹ کی پشت پر گھسیڑے۔ اور اسے واپس گملے تلے رکھ دیا۔

''ہیلو۔'' آواز پہ وہ چونکی۔ کافی شاپ کے چوکھٹے کے کونے میں رکھی کرسی میز پہ وہ بیٹھا تھا۔ سبز بھوری آنکھوں والا لڑکا۔ کانوں میں ائیر پوڈز لگائے، لیپ ٹاپ سامنے رکھے، وہ کافی کا گھونٹ بھرتے اسے مسکرا کے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا یا ائیر پوڈز کے ذریعے کسی کال پہ تھا؟ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

''ہیلو کشمالہ...'' اس نے ہاتھ ہلایا۔ ساتھ ہی نگاہ کشمالہ کے ایپرن پر لگے نام پہ ڈالی۔ اس کے گلے میں کچھ پھنس سا گیا۔ آنکھوں میں نمی آ گئی۔ بدقت مسکرا کے سر ہلایا۔ پھر سر فوراً ہی جھکا دیا۔ وہ خود کو کسی غیر ضروری کام میں مصروف کرنا چاہتی تھی لیکن وہ لڑکا... بدر... وہ اپنی میز سے اٹھ کے اس طرف آ رہا تھا۔ اس کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔

"آپ کچھ کہنا چاہتی ہیں، کشمالہ؟"

مالا نے نگاہیں اٹھائیں۔وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''سوری؟''

"مجھے ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔''

اس نے بدقت آنکھوں کو گیلا ہونے سے روکا۔مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں تو۔'' اسے خود بھی معلوم تھا کہ وہ جھوٹ تھا۔وہ کچھ کہنا چاہتی تھی۔لیکن نہیں۔ابھی اس کا وقت نہیں آیا تھا۔

" آپ مجھے جانتی ہیں؟" وہ اسے آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھنے لگا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

آنسو پلکوں پہ اکٹھے ہونے لگے لیکن اس نے سختی سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

" نہیں۔بالکل نہیں۔"

"او کے۔تھینکس۔" وہ مسکرا کے واپس اپنی کرسی تک چلا گیا۔ایک آنسو آنکھ سے لڑھکا لیکن اس نے بے دردی سے ہتھیلی کی پشت سے اسے صاف کیا۔

''مالا...'' خفا آواز پہ وہ چونکی۔جیسے ڈر گئی ہو۔اونچی آوازیں اسے اسی طرح ڈرا دیتی تھیں۔

"امید ہے تم پیسوں کا انتظام کر رہی ہو گی۔" جے پی (شاپ کی سکھنی سپروائزر) ماتھے پر بل ڈالے اس کی طرف آ رہی تھی۔اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں دو ہفتے میں انتظام کر لوں گی۔اور پھر یہ جاب چھوڑ دوں گی۔"

''ہوں۔'' وہ اسے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔اب وہ ریک میں رکھی چیزوں کو الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

وہ جانتی تھی اسے اس مصیبت میں کس نے پھنسایا تھا۔نگاہ اٹھا کے مال کے دوسرے سرے پہ ڈالی۔وہاں ایک دوسری شاپ میں کیف جمال اپنی مخصوص جگہ پر براجمان تھا۔وہ یہاں بیٹھ کے اس پہ نظر رکھتا تھا۔لیکن آج وہ اس طرف متوجہ نہ تھا۔

وہ ایک لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔دیسی خدوخال کی قدرے فربہ سی لڑکی۔وہ اسے کچھ کہہ رہی تھی اور وہ سر ہلا کے سن رہا تھا۔دفعتاً مالا کو اپنی طرف متوجہ پا کے وہ مسکرایا اور اس لڑکی سے کچھ کہا۔

لڑکی نے بھی پلٹ کے اسے دیکھا اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔جیسے سلام کہہ رہی ہو۔

وہ رسماً مسکرائی اور سر کو خم دیا۔والسلام۔

"یہ کون تھی؟"

کچھ دیر بعد کیف اس کے پاس آیا تو وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

"روبی۔ میری کلائنٹ تھی۔ اگلے ہفتے میں اس کی شادی کا فنکشن شوٹ کر رہا ہوں۔"

"میرے بارے میں کیا بتا رہے تھے؟"

"یہی کہ اگر آپ میرے ساتھ شادی پہ آئیں تو وہ برا تو نہیں منائے گی؟"

''میں تمہارے ساتھ کیوں جاؤں گی؟''

''شادی ویک اینڈ پہ ہے۔ آپ فری ہوں گی اور میرا نہیں خیال کہ آپ کو تنہا گھومنا چاہیے۔''

کچھ تھا جو اس کے انداز میں بدلا ہوا تھا۔ کچھ نرم سا۔

''سوچوں گی۔'' وہ سر جھکا کے کام کرنے لگی۔ پھر احساس ہوا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے۔

چونک کر سر اٹھایا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے نا؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں۔ مجھے کیا ہونا ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ کے پلٹ گئی۔ کاؤنٹر پہ ایک گاہک آ کھڑا ہوا تھا۔ اسے اس کا آرڈر لینا تھا۔

کیف جمال نے افسوس سے اسے جاتے دیکھا۔ پھر موبائل اسکرین پہ نگاہ ڈالی۔ زیاد کا میسج آیا ہوا تھا۔ وہ معمول کے مطابق مالا کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ کیف کے ماتھے پر بل پڑے۔

(اب اسے اپنی بیوی کا خیال آ گیا؟ جب وہ کل کلینک میں اکیلی تھی تب وہ کہاں تھا؟) جواب دیے بنا وہ واپس اپنی نشست کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''معید؟''

دوپہر میں اسے جیسے ہی لنچ بریک ملی، وہ موبائل پہ معید کو کال ملاتے ہوئے مال کی راہداری میں آگے چلتی آئی۔

جے پی اور کیف جمال سے دور جہاں وہ اس کی کال نہ سن سکیں۔

"مالا؟" معید نے جمائی لیتے ہوئے جواب دیا۔ ''وقت تو دیکھ لیا کرو۔''

''اہم بات ہے۔''

"تمہارا کیس چل رہا ہے مالا۔ دو تین ہفتوں میں فیصلہ آجائے گا۔ نکاح تنسیخ ہو جائے گا۔ ڈونٹ وری۔" وہ نیند میں تھا۔

"معید مجھے باغ میں سے اپنا حصہ چاہیے۔"

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

''تم نے باغ بیچا تھا۔'' وہ اسے یاد دلا رہی تھی۔ ''ان پیسوں میں میرا حصہ تھا، معید۔" وہ راہداری کے سرے پر کھڑی فون کان سے لگائے ہوئے تھی۔

''تم مجھے آدھی رات کو پیسوں کے لیے فون کر رہی ہو؟''

''مجھے پیسے چاہئیں، معید۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ گال سرخ ہونے لگے۔

''یار میں پیسے لے کر بھاگ تو نہیں رہا۔ اتنا تو سوچا کرو کہ میں تمہارا کام بھی ساتھ کر رہا ہوں۔ وکیل کی فیس دے رہا ہوں۔''

''مجھے کسی کے پیسے دینے ہیں ورنہ میں مسئلے میں پھنس سکتی ہوں۔ پلیز میری بات سمجھو۔''

''تم عباد سے مانگ سکتی ہو۔''

''عباد میرا بھائی نہیں ہے۔ تم ہو۔''

''مالا یار میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ میں کیا کروں؟ خود کو بیچ دوں؟''

"اور تمہاری بیوی جو ہر روز انسٹا پہ اپنا نیا فرنیچر پوسٹ کرتی ہے۔"

"وہ اپنا کماتی ہے یار۔ اس کے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہو تم دونوں؟"

اس کے سر میں درد اٹھنے لگا۔ ایسا شدید کہ لگتا تھا دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ ایک ہاتھ سے کنپٹی سہلاتے ہوئے اس نے بہت ضبط سے خود کو پرسکون کیا۔

''معید...'' وہ بولی تو آواز نیچی تھی۔ ''مجھے پیسے چاہئیں۔''

''تمہارے ڈائمنڈز کہاں گئے؟''

حلق میں بہت سے آنسو اکٹھے ہونے لگے۔ لیکن نہیں۔ اسے روئے بغیر اپنی بات مکمل کرنی تھی۔

''میرے زیادہ تر ڈائمنڈز زیاد کے پاس رہ گئے۔ جو میرے پاس تھے، وہ میں نے کم قیمت پہ یہاں بیچ دیے۔ مجھے ایک میڈیکل پروسیجر کے لیے رقم چاہیے تھی۔'' وہ ایک شاپ کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کی شیشے کی دیوار

میں اسے اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔زرد چہرہ۔ہتھیلی کی پشت پر آئی وی لائن کے بعد پڑنے والا نیل۔

"یار باغ کے پیسے اتنے نہیں تھے کہ تمہارے کام آسکیں۔ جب ہوں گے تو دے دوں گا۔ابھی نہیں ہیں۔پھر تم وہاں رہ کیوں رہی ہو۔واپس آجاؤ۔پاکستان کے خرچے کینیڈا سے کم ہوں گے ۔ویسے بھی خاندان بھر میں باتیں..."

"معید تم مجھے دو ہفتے کے اندر پے منٹ کر سکتے ہو یا نہیں؟"اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

ایک لمحے کے لیے لائن خاموش ہوگئی۔

"نہیں۔"

معید کا انداز قطعی تھا۔پھر وہ کچھ اور بھی کہنے لگا۔لیکن اس نے زور سے سرخ بٹن دبایا۔لائن دم توڑ گئی اور اس کی امید بھی۔

وہ تیزی سے راہداری کے اندر مڑ گئی۔اس کے اختتام پر لیڈیز ریسٹ رومز تھے۔وہ آگے تک نہیں گئی۔اس میں ہمت نہیں تھی۔وہیں ایک جگہ دیوار کا سہارا لے کر ٹھہری۔دل کا وزن اب بڑھتا جا رہا تھا۔اتنا کہ قدم ہلنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

کل سے روکے ہوئے آنسو بے اختیار ابل پڑے تھے۔وہ وہیں راہداری کے کونے میں دیوار کے ساتھ نیچے بیٹھتی چلی گئی۔ بے بسی۔ پریشانی۔خوف۔سب کچھ ایک ساتھ جمع ہوگیا تھا۔ذہن میں ڈھیر ساری آوازوں کا شور جمع تھا۔اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپالیا اور ایک دم بچوں کی طرح رونے لگی۔

ماں ہوتیں تو معید کبھی وہ باغ نہ بیچتا۔ماں ہوتیں تو وہ آج اکیلی نہ ہوتی۔

لیکن ماں ہوتیں تو زندگی بہت مختلف ہوتی۔

ماں ہوتیں تو وہ نگینہ بیگم کے خاندان میں کبھی بیاہی نہ جاتی۔ماں ہوتیں تو اس کی ڈھال بن جاتیں۔اسے اپنے پروں میں چھپا لیتیں۔

چھوٹا بچہ نیند سے جاگتے ہی ایک دم سے خود کو حقیقی زندگی کی تلخی کے لیے تیار نہیں کر سکتا۔اور وہ بے اختیار روتے ہوئے اپنی ماں کو ڈھونڈتا ہے۔ماں اسے سنبھال لیتی ہے۔اسے چپ کروا دیتی ہے۔لیکن جن کی مائیں چلی جاتی ہیں،ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ان کے سارے راستے مسدود ہو جائیں،تو وہ کس کو ڈھونڈیں۔

کس کے پاس جا کے روئیں۔

کیونکہ کوئی ایسا نہیں ہوتا جوان کو ماں کی طرح سنبھال سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر کافی بار تک آیا اور متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ مالا وہاں نہیں تھی۔ اس کی نگاہ فوراً سے شیلف کی طرف اٹھی۔ گملے کے نیچے رکھا نوٹ جھلک رہا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا اور شیلف تک آیا۔ گملہ اٹھایا۔ نوٹ نکالا۔

''جے پی مجھے فائر کرے یا نہ کرے، کم از کم وہ تمہیں ہائر نہیں کرے گی۔ چاہے اس کی جتنی خوشامد کرلو۔''

وہ ایک دم ہنس دیا۔ وہ اس کی دی ہوئی ٹپس کی خبر سن چکی تھی۔

اس نے وہ نوٹ جیب میں رکھ لیا اور ایک نیا نوٹ اس کی جگہ پر رکھ کے اوپر گملہ رکھ دیا۔ پھر پلٹا تو دیکھا۔ پیٹریشیا اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹراؤزرز اور ہڈی میں ملبوس تھا۔ بیک پیک کندھوں پر پہن رکھا تھا۔ ہلکی بڑھی شیو اور ماتھے پر بکھرے بال۔ مسکراتے ہوئے اس نے ایک تہہ شدہ نوٹ پیٹریشیا کی طرف بڑھایا اور بنا آواز کے ہونٹ ہلائے۔

(مالا؟)

پیٹریشیا نے مسکرا کے نوٹ پکڑا اور ایک طرف اشارہ کردیا۔ ماہر نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو خم دیا اور اس کے بتائے راستے پر چل دیا۔

مال کی رونق ہر روز کے جیسی تھی۔ خوشبوئیں۔ باتوں کی آوازیں۔ روشنیاں۔ اسے چند منٹ لگے تھے مالا کو تلاش کرنے میں۔

اور جب اسے دیکھا تو قدم ایک دم زنجیر ہو گئے۔

دائیں ہاتھ ایک راہداری اندر جا رہی تھی۔ وہ اس کے کونے میں بیٹھی تھی۔ زمین پر۔ سر گھٹنوں پر رکھے وہ رو رہی تھی۔

وہ وہیں رک گیا۔ ساکت۔

اس نے مالا کو ایسے روتے ہوئے کب دیکھا تھا؟ شاید کبھی نہیں۔ وہ ایسے بے بسی سے کبھی اس کے سامنے نہیں روئی تھی۔ وہ سر جھکائے بار بار آنسو صاف کرتی۔ وہ پھر سے ابل پڑتے۔

ایک صفائی والی خاتون اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ جھک کے اس سے پوچھ رہی تھی کہ کیا وہ ٹھیک ہے؟

وہ دھیرے سے پیچھے ہٹ گیا۔ قدم مخالف سمت میں اٹھنے لگے۔

''مالا نے جے پی کے پیسے دینے ہیں۔صبح جے پی اس سے تقاضا کر رہی تھی۔شاید اسی لیے وہ اَپ سیٹ ہے۔''

وہ اب کافی کاؤنٹر پہ کھڑا تھا اور پیٹریشیا ساتھ کھڑی دھیرے سے بتا رہی تھی۔وہ خاموشی سے سنتے ہوئے دور فون پہ لگی جے پی کو کاٹ دار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔لیکن کہا کچھ نہیں۔

''کتنے پیسے ہیں؟''

پیٹریشیا نے آہستہ سے رقم بتائی۔وہ چونکا۔

''بس؟''

پیٹریشیا کے تاثرات بدلے۔ماتھے پر بل آئے۔

وہ جلدی سے سنبھلا۔

''میرا مطلب ہے...یہ تمام رقم ہے یا صرف ایک قسط؟''

لیکن وہ پیٹریشیا کی گڈ بکس سے نکل چکا تھا۔وہ ناک سکوڑ کے پلٹ گئی۔وہ مالا کے فرینڈ سے صرف ایک privileged انسان رہ گیا تھا۔تنخواہ سے تنخواہ تک گزارا کرنے والے دوسرے انسانوں کی طرح پیٹریشیا کو بھی دنیا کے سب سے برے انسان یہ پریویلیجڈ لوگ لگتے تھے۔

وہ کچھ دیر وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا۔اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔لیکن وہ ماہر فرید کی مدد کبھی قبول نہیں کرے گی۔ماہی کے پاس شاید یہ رقم نہ ہو۔شاید مالا کی اَنا اس سے مانگنا گوارا نہ کرتی ہو۔ایسے میں وہ اس کے لیے کیا کر سکتا تھا؟

صرف ایک انسان تھا جس کے پاس وہ اس وقت جاتا تھا جب وہ کہیں اور نہیں جا سکتا تھا۔

وہ فون پہ ایک نمبر ملاتے ہوئے کافی شاپ سے دور ہٹ آیا۔

''بولو۔'' مالک فرید کی مصروف سی آواز سنائی دی۔

''تم نے آخری دفعہ مالا کا حال کب پوچھا تھا؟''

ایک لمحے کے لیے دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

''اس کے حال کو کیا ہوا؟'' وہ اسی سپاٹ انداز میں گویا ہوئے۔

''تم بتاؤ، مالک۔تم اس سے رابطے میں رہتے ہو۔میرے آفس میں بنا مجھ سے پوچھے اس سے ملتے بھی ہو۔تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیسی ہے۔اسے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے۔''

''ہوں۔'' مالک فرید نے ہنکارا بھرا۔

''ہوں کیا؟''

''اسے کوئی مسئلہ درپیش ہے۔ اور اس نے تمہاری مدد لینے سے انکار کر دیا ہے۔ اس لیے مجھے فون کر رہے ہو۔''

وہ جیسے محظوظ ہوئے تھے۔

''بتاؤ، ماہر... میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

وہ چند لمحے کھڑا ہونٹ کاٹتا رہا۔ اسے مالک سے درخواست کرنی تھی۔ اور یہ سب سے مشکل کام تھا۔

''تم اس کو کال کر کے اس سے پوچھ سکتے ہو کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟''

''نہیں۔''

ماہر فرید کے سر پہ لگی، تلووں پہ بجھی۔

''کیوں؟''

''میں بنا مانگے کسی کی مدد نہیں کرتا۔''

اس نے فون کان سے ہٹا کے بے بسی بھرے غصے سے اسے گھورا۔

''تم میرے لیے اتنا نہیں کر سکتے کہ اس کو ایک کال کر لو؟''

''نہیں۔ اسے میری مدد چاہیے ہو گی تو وہ مجھے خود کال کر لے گی۔'' پھر انہوں نے قدرے توقف کیا۔

''طلاق مشکل ہوتی ہے۔ اس نے اپنی مشکل خود چنی ہے۔ اسے اس میں سے خود نکلنے دو۔ مجھے یا تمہیں اس کا مسیحا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''تم دنیا کے سب سے بے حس انسان ہو، عبدالمالک فرید۔''

''میں بے حس کے ساتھ خود غرض بھی ہوں۔ کچھ اور کہنا ہے یا میں فون رکھوں؟''

ماہر نے بے زاری سے کال خود ہی کاٹ دی۔ اس انسان کو وہ کبھی نہیں سمجھ سکے گا۔

وہ واپس کافی شاپ کے کاؤنٹر کے ساتھ آ کھڑا ہوا تھا جب مالا اس طرف آتی دکھائی دی۔ اس کا چہرہ دھلا دھلایا اور سپاٹ تھا۔ ایک نظر ماہر پہ ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔

''تمہیں کافی چاہیے؟'' وہ سر جھکائے اپنی چیزیں درست کرنے لگی۔ کارڈ مشین۔ کیلکولیٹر۔ کیش کا دراز۔ اس کی ناک ابھی تک سرخ تھی۔

''نو تھینکس۔ میں اس کافی chain کی کافی نہیں پیتا۔''

مالا نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میں بھول گئی تھی کہ تم coffee snob ہو۔'' آواز میں ناپسندیدگی اور طنز تھا۔

''اگر تم لوگ اصرار کرتے ہو تو پی لوں گا۔'' وہ کہنیاں کاؤنٹر پر جمائے ڈھٹائی سے مسکرایا۔

''میں بالکل نہیں اصرار کر رہی۔''

''جے پی سے کہو۔ وہ پلائے گی تمہیں کافی۔'' پیٹریشیا اپنی سیاہ فام قوم کی طرح اونچی آواز میں بولی تھی۔ مالا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ناک پھلائے ایک کپ پر مارکر سے کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ مسکرا دی۔ ماہر فرید اس کے ناپسندیدہ افراد کی لسٹ میں شامل ہو چکا تھا۔ بہت اچھا ہوا۔

"یہاں کیوں آئے ہو؟" مسکراہٹ دبائے اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اب وہ قدرے بہتر دکھائی دے رہی تھی۔

''تمہیں کہیں لے کر چلنا ہے۔''

''میں نے چھٹی مانگی تو جے پی مجھے فائر کر کے کسی اور کو ہائر کر لے گی۔'' اس کی آواز میں طنز تھا۔

''میں اس سے چھٹی مانگ چکا ہوں۔ چلو۔'' ابرو سے اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے بے بسی بھرے افسوس سے اسے دیکھے گئی۔ وہ ایسا ہی تھا۔ جب کیف جمال بن کے اس کی نوکری کرتا تھا، تب بھی اس کی بات نہیں مانتا تھا۔ اپنی منواتا تھا۔

''میں نہیں جانا چاہتی۔''

لیکن ماہر نے مال کی ایگزٹ کو جاتی راہداری کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔

مالا نے ایپرن کی گرہ نوچنے والے انداز میں کھینچی۔ یہ طے تھا کہ وہ وہاں سے نہیں ہٹے گا۔ وہ اپنا سامان سمیٹنے لگی۔

''بائے کشمالہ۔'' وہ دونوں ایگزٹ کی طرف جانے لگے تھے جب آواز پہ ماہر چونکا۔

کافی بار کی آخری میز پہ ایک لڑکا بیٹھا تھا۔ لیپ ٹاپ سامنے رکھے، کچھ ٹائپ کرتے ہوئے اس نے مسکرا کے کشمالہ کو ہاتھ ہلایا تھا۔ اس کی میز پر رکھے کپ کا رخ یوں مڑا ہوا تھا کہ صرف نام کا پہلا حرف B دکھائی دیتا تھا۔

''بائے۔''

ماہر نے بے اختیار مالا کو دیکھا۔وہ ہلکا سا مسکرا کے اس کو جواباً ہاتھ ہلا رہی تھی۔اس کی مسکراہٹ کچھ مختلف تھی۔کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر گیا۔

''یہ کون تھا؟''

وہ راہداری میں اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''تم سے مطلب؟''

''صرف پوچھ رہا ہوں۔مال میں بیٹھ کے کون کام کرتا ہے۔''

وہ وسط راہداری کے رکی اور سنجیدگی سے اس کی طرف پلٹی۔

''اگر تم میری زندگی میں مداخلت کرو گے تو میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جا رہی۔''

''تمام...تمام۔''اس نے ہاتھ اٹھا دیے۔''میں یونہی پوچھ رہا تھا۔''

وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔البتہ وہ دیکھ سکتا تھا کہ کچھ تھا جو اس کے انداز میں بدلا تھا۔جیسے وہ احتراز برت رہی ہو۔نگاہ چرا رہی ہو۔اس نے پلٹ کے دیکھا۔وہ لڑکا اب وہاں نہیں بیٹھا تھا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"پارکنگ میں پہنچتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''اس لڑکی سے ملنے جس کے بارے میں تم ہر ایک سے پوچھتی آئی تھیں۔سوائے میرے۔''

وہ کار کے دروازے کے ساتھ رک کے ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔سن گلاسز لگاتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''سبرینہ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک وسیع و عریض سبزہ زار پر بنی دو منزلہ عمارت تھی۔لان میں رنگ برنگی سلائیڈز اور دوسرے جھولے نصب تھے۔اس وقت ان پر مختلف رنگ و نسل کے بچے موجود تھے۔کوئی سلائیڈ لے رہا تھا۔کوئی گروہ بنا کے گول گول گھوم رہا تھا۔

عمارت کے عقب میں سرمئی پہاڑوں کی سفید چوٹیاں اور ان پہ اتری شام کی آخری روشنی دکھائی دے رہی تھی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے عمارت کے چھوٹے سے لکڑی کے گیٹ تک آئے۔باڑ کے پار سے وہ جھولوں پر کھیلتے بچوں کو دیکھ سکتے تھے۔لیکن وہ انہیں دیکھنے نہیں آئے تھے۔

''تم نے وہی کیا جو تم ہمیشہ کرتے ہو۔''

وہ ماتھے پر گلاسز ٹکائے، تلخی سے کہتی اندر داخل ہو رہی تھی۔ ٹھنڈ بڑھ گئی تھی اور اس نے کوٹ پہن لیا تھا۔ کھلے بال ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے اور چہرہ شام کی روشنی میں مزید زرد لگ رہا تھا۔

''تم مجھے سبرینہ کے بارے میں بتا سکتے تھے۔ میں نے تم سے پوچھا تھا۔''

"تم نے مالک سے پوچھا تھا۔"

"اس سے پہلے میں تم سے بھی پوچھنے آئی تھی۔" وہ اسے یاد دلا رہی تھی۔ لاہور کے ہوٹل کا منظر آج بھی نگاہوں کے سامنے تازہ تھا۔ جب وہ بیر بل کی مداخلت کے باعث اس سے ملنے آئی تھی۔ جب اس کی ٹانگ زخمی تھی۔

"تم سبرینہ کے بارے میں پوچھنے نہیں آئی تھیں۔ مجھے لاہور سے جانے کے لیے کہنے آئی تھیں تاکہ تم سکون سے زیادہ سے شادی کر سکو۔"

وہ عمارت کے دروازے پہ رک گئی۔ پلٹ کے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر اب کیوں بتا رہے ہو کہ وہ زندہ ہے؟"

ماہر فرید نے ہلکے سے کندھے اچکا دیے۔

''کیونکہ میں تم پہ اعتبار کرتا ہوں۔''

مالا چند لمحے پتلیاں سکوڑے اسے دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھ گئی۔ وہ سر جھٹک کے پیچھے چلنے لگا۔

وہ کسی اسکول کی عمارت تھی۔ یا شاید ڈے کیئر تھا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔ دماغ اس وقت درست طور پہ کام نہیں کر رہا تھا۔

چند قدم کے بعد وہ نامحسوس طریقے سے آگے آ گیا۔ اب وہ اسے راستہ دکھا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سبرینہ انہیں کہاں ملے گی۔

وہ ایک کلاس روم کے قریب رک گئے۔ اس کی ایک دیوار شیشے کی بنی تھی۔ وہ اس کے پار سے اسے دیکھ سکتی تھی۔

وہ بچوں کے ایک گروہ کے وسط میں چھوٹی سی کرسی پر بیٹھی تھی۔ سر جھکائے۔ اونچی پونی ٹیل اور سیاہ آنکھوں والی لڑکی مسکرا کے ایک کتاب پر کچھ لکھ رہی تھی۔ پھر اس نے رک کے سر اٹھایا۔ ان سے کچھ پوچھا۔ وہ سب ایک ساتھ بولنے لگے۔ اس نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔ اور تب ہی اس کی نگاہ ان پہ پڑی۔

شیشے کی دیوار کے پار کھڑا ماہر۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے سنجیدہ سا دکھائی دیتا تھا۔ اور اس کے ساتھ سبز آنکھوں اور گہرے بھورے بالوں والی دراز قد لڑکی جو اسے دیکھ رہی تھی۔ بنا پلک جھپکائے۔ اس نے لمبے کوٹ پر کراس

باڈی بیگ پہن رکھا تھا۔ چہرہ زرد تھا اور آنکھیں...ان میں بہت کچھ تھا۔

وہ مسکرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ان کا انتظار کر رہی تھی۔

"کشمالہ۔" وہ کلاس روم سے نکل کے ان کے سامنے آئی اور ہاتھ بڑھایا۔

مالا نے ہاتھ کوٹ کی جیب سے نہیں نکالا۔ بس پتلیاں سکوڑے اسے دیکھے گئی۔

سبرینہ کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔ ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

''مالا کو تم سے کچھ پوچھنا ہے۔ میں چاہتا تھا وہ براہ راست پوچھ لے۔'' وہ اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا تھا۔ سبرینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ کشمالہ کچھ کہے بنا اسی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ماہر کو وہ البم میں نے دیا تھا۔"

وہ باہر رہ گیا۔ اندر نہیں آیا۔ وہ یہاں سے اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ وہ صرف سبرینہ کو دیکھ رہی تھی۔

وہ دونوں کمرے میں تنہا تھیں۔ یہ بچوں کا کامن روم تھا۔ ایک طرف دیوار گیر شیشے کی کھڑکی تھی۔ فرش پر قالین بچھا تھا۔ سبرینہ نے جوتے ایک طرف اتار دیے تھے۔ اور آلتی پالتی کر کے کھڑکی کی طرف پشت کیے بیٹھ گئی تھی۔ جیسے یوگا کرنے لگی ہو۔

وہ البتہ نہیں بیٹھی۔ سبرینہ کے مقابل دیوار کے ساتھ کمر ٹکائے کھڑی ہوگئی۔ لانگ بوٹس قالین پر دھرے تھے اور نگاہیں اس لڑکی پہ جمی تھیں۔

وہ چند منٹ بولتی رہی تھی۔ اس کی کہانی۔ وہ وہاں کیسے پہنچی۔ اس پر قاتلانہ حملہ کرنے والا شخص کون تھا۔ اور وہ کیسے اس ملک میں سیٹل ہوئی۔

"میں نے ماہر سے کہا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ وہ نہ ہونے دے جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا تھا۔ میں نے اسے کہا تھا کہ وہ تمہاری حفاظت کرے۔"

"کوئی کسی کی حفاظت نہیں کر سکتا۔" وہ تلخ ہوئی۔

سبرینہ نے گہری سانس لی۔ پھر پہلو بدلا۔

''میں کسی زیاد سلطان کو نہیں جانتی۔ نہ وہ کبھی میرا منگیتر رہا ہے۔ لیکن ہاں، جس شخص نے مجھے مارنے کی کوشش کی، پولیس کے پروفائلرز کے مطابق وہ میرے ساتھ آبسیسڈ تھا۔ جیسے وہ ہر اس لڑکی کے ساتھ آبسیسڈ رہا تھا جس کو

اس نے قتل کیا تھا۔"

وہ سینے پر بازو لپیٹے، چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔

"میں نے تمہیں کین کلر Cain Killer کا نشان دکھایا ہے۔" سبرینہ نے اپنے بجھے ہوئے ٹیب کی طرف اشارہ کیا جو قالین پر دھرا تھا جس پہ اس نے چند منٹ پہلے مالا کو وہ تمام تصاویر دکھائی تھیں جو اس کے کرائم سین پہ لی گئی تھیں۔ اس نے ٹیب کو چھوئے بنا بس گردن کو خفیف سا ترچھا کر کے انہیں دیکھا تھا۔

"کیا تم نے یہ نشان اپنے شوہر کے آس پاس دیکھا ہے کبھی؟" سبرینہ اب اس کو بغور دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔" اس نے شانے اچکا دیے۔

"یاد کرو، مالا۔ شاید تم نے..."

"کشمالہ۔ میرا نام کشمالہ ہے۔"

"سوری۔ کشمالہ۔" وہ جھینپ گئی۔ چہرہ سرخ ہوا۔

"میں اس نشان کو نہیں پہچانتی۔" وہ اسی بے نیازی سے کہہ کے دیوار گیر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

باہر لان میں شام ابھی روشن تھی۔ ایک بچی گھاس پر بیٹھی، جھک کے جوگرز کے تسمے بند کر رہی تھی۔

"وہ ایک جادوگر کے لیے قتل کرتا ہے۔ میرا ماننا ہے کہ یہ نشان اس جادوگر سے تعلق..."

سبرینہ کی آواز پس منظر میں جانے لگی۔ وہ اس قاتل کی پروفائلنگ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس کی عادات۔ اس کے خوائص۔ مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔ اس کی سبز آنکھیں اس بچی پہ جمی تھیں۔

(کیا جواس نے کیا وہ درست تھا؟ کیا وہ اپنے عمل کا بوجھ اٹھا سکے گی؟)

سبرینہ اب بھی کچھ کہہ رہی تھی۔ لیکن اسے آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ وہ قدم قدم چلتی کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔

وہ بچی اب جھک کے دوسرا جوگر پہن رہی تھی۔ اس کے گھنگریالے بال نیچے گرتے گھاس کو چھو رہے تھے۔

مالا کو گالوں پر گرم پانی گرتا محسوس ہوا۔ اسے سبرینہ کی آواز بھی سنائی دی۔ وہ اس سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ لیکن اس نے اپنے ہاتھوں کو کھڑکی کی سلائیڈ کھولتے دیکھا۔ کمرے میں گھٹن تھی۔ اسے تازہ ہوا چاہیے تھی۔

"ماہر سے کہو میں اس کا باہر انتظار کر رہی ہوں۔"

بچی تسمہ کس کے سیدھی ہوئی اور دوسرے بچوں کی طرف بھاگ گئی۔ وہ وہیں گھاس پر اکیلی کھڑی رہ گئی۔

سبر ینہ کامن روم سے باہر نکلی تو دیکھا۔وہ راہداری میں دیوار کے ساتھ کھڑا،موبائل پر بٹن دبا رہا تھا۔

''وہ باہر تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

ماہر نے سر کو خم دیا اور موبائل جیب میں ڈالا۔وہ آگے بڑھنے لگا تھا جب وہ پکار اٹھی۔

"ماہر..."

ماہر نے مڑ کے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔وہ الجھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

''وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔''

''ظاہر ہے وہ تمہیں پسند نہیں کرتی۔تم ایک عرصے تک اس کے لیے Rebecca de Winter تھیں۔''

سادگی سے کہہ کے وہ آگے بڑھنے لگا جب وہ بولی۔

''اس پہ اعتبار مت کرو۔وہ تم سے کچھ چھپا رہی ہے۔''

وہ چونکا۔پلٹ کے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''کیا؟''

''میں نہیں جانتی۔بس مجھے ایک...ایک وائب سی آئی ہے۔''وہ جیسے ٹھیک سے بیان نہیں کر پا رہی تھی۔''وہ کچھ جانتی ہے۔لیکن بتا نہیں رہی۔''

''وہ کچھ نہیں چھپا رہی۔''وہ جیسے برا مان گیا۔سبر ینہ نے گہری سانس کھینچی۔

"تم اس کو rose coloured glasses (رنگین چشمے) سے دیکھتے ہو۔اس لیے میں زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔سوائے اس کے کہ..."وہ اس کا راستہ چھوڑ کے ایک طرف ہٹ گئی۔''کہ اس پہ اعتبار مت کرو۔''

ماہر فرید نے ایک نظر کامن روم کے کھلے دروازے کو دیکھا۔وہ شیشے کی کھڑکی کے پار لان میں کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ہوا سے بال پیچھے کو اڑ رہے تھے۔اور نگاہیں ایک درخت پہ جمی تھیں۔

"میں اس پہ خود سے زیادہ بھروسہ کرتا ہوں۔"اس کا انداز قطعی تھا۔پھر وہ رکا نہیں۔باہر نکل گیا۔

''میں جانتا ہوں تم اس کو پسند نہیں کرتیں۔''وہ گیٹ عبور کر کے باہر جا رہی تھی جب وہ اس کے برابر آن پہنچا۔وہ قدرے غائب دماغ لگ رہی تھی۔جیسے ذہن الجھا ہوا سا ہو۔اس کی آواز پہ چونکی۔پھر سر جھٹک دیا۔

"جانتے ہو تو مجھے یہاں کیوں لائے تھے؟"وہ تلخی سے کہتی گزرگاہ پر قدم اٹھانے لگی۔وہاں دو رویہ درختوں سے گھرا ایک طویل راستہ بنا تھا۔ایک طرف عمارتیں تھیں۔اور دوسری طرف سڑک۔وقفے وقفے سے کوئی کار زن

سے ساتھ سے گزرتی۔

''کیونکہ میں تم پہ اعتبار کرتا ہوں۔''

مالا نے جواب نہیں دیا۔ سینے پر بازو لپیٹے آگے بڑھتی گئی۔

"ایک بات پوچھوں؟" کچھ تھا جو اس کے ذہن کے پچھلے خانے میں کھٹکنے لگا۔ سبرینہ کی بات جیسے وہاں اٹک گئی تھی۔

" کیا تم مجھ پہ اعتبار کرتی ہو؟"

"نہیں۔"

ماہر فرید نے گہری سانس لی۔ اسے کشمالہ مبین سے اس سے زیادہ کی توقع کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔

''او کے۔ دوسرا سوال۔ کیا تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟''

وہ درختوں کی قطار کے ساتھ رک گئی۔ اور پھر اس کی طرف گھومی۔ اب وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ سکتا تھا۔ کیا وہ بیمار تھی؟

''میں نے تم سے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ اعتبار کا نہیں۔ اس لیے میں تمہیں ہر بات بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔''

''اور تم میرا اعتبار کب کرو گی؟'' وہ ٹھنڈے پرسکون انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''جس دن تم مجھے خود پہ اعتبار کرنے کی وجہ فراہم کرو گے۔ کیونکہ ابھی تک تم نے مجھے صرف بے اعتباری کی وجوہات تھمائی ہیں۔'' جتا کے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ اس کا رخ پارکنگ میں کھڑی کار کی جانب تھا۔

"ہمیں کبیرہ کے بیٹے عالیان کو ڈھونڈنا ہے۔"

" کیوں؟" وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے ٹھہری۔

''کیونکہ وہی ہے جو ہلال کے ساتھ قید ہوا تھا۔ اور وہی ہے جو اس کی مدد کر سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے کسی وجہ سے اپنا نام بدل لیا ہو۔'' وہ اپنا دروازہ کھول رہا تھا۔ کشمالہ کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔

''بدر۔'' اس نے بنا آواز کے دہرایا۔

"تم نے عالیان کی بچپن کی تصاویر دیکھی ہوں گی۔ کیا اتنے برس بعد اسے دیکھ کے پہچان لو گی؟"

مالا نے بہت سا تھوک نگلا۔

''شاید۔'' نگاہیں جھکا کے وہ کار میں بیٹھی۔ سیٹ بیلٹ پہنتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ کپکپا رہے

ہیں۔

''آر یو اوکے؟'' وہ اپنی بیلٹ پہنتے ہوئے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''ہاں۔ مجھے واپس جانا ہے۔ بہت کام ہیں۔'' وہ رکھائی سے کہہ کے چہرہ کھڑکی کی طرف موڑ گئی۔ وہ سائیڈ مرر میں اس کا عکس دیکھ سکتا تھا۔ کچھ تھا جو وہاں بدلا تھا۔ وہ تاثر جو مال میں اس لڑکے کو بائے کہتے ہوئے اس نے مالا کے چہرے پہ دیکھا تھا۔ کچھ ایسا جو اس نے پہلے کبھی وہاں نہیں دیکھا تھا۔

(وہ لڑکا کون تھا؟) ذہن نے سوال اٹھایا۔ لیکن ہاتھ خاموشی سے کار اسٹارٹ کرنے لگے۔

(اس پہ اعتبار مت کرو۔ وہ تم سے کچھ چھپا رہی ہے۔) وہ لب بھینچے ڈرائیو کرتے ہوئے گاہے بگاہے ایک نگاہ اس پہ ڈال لیتا۔ وہ خاموشی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ انسانوں کو بہت اچھے سے کتاب کی طرح پڑھ لیا کرتا تھا۔ لیکن کشمالہ مبین نے سرورق پر جیسے کوئی کاغذ چڑھا لیا تھا۔

کچھ تھا جو ماہر کو کھٹکنے لگا۔

(وہ لڑکا کون تھا؟)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نگینہ بیگم نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔

کمرے میں کوئی ان دیکھی سی دھند پھیلی تھی۔

جیسے سفید سا دھواں ہو۔

یا شاید ان کی آنکھوں کے سامنے کوئی پردہ تھا۔ نیند۔ دواؤں کا خمار۔ تھکان۔

انہوں نے پلکیں جھپکائیں۔

سامنے کاؤچ پر کوئی بیٹھا تھا۔

ایک ہیولہ سا۔

" کون ہے؟" ان کے ہونٹ ہلے۔ شاید عینک نہ پہننے کے باعث منظر نامہ دھندلا تھا۔

وہ کاؤچ پر ایک ہیولے کو دیکھ سکتی تھیں۔ کھلی خاکی شرٹ اور ہم رنگ ٹراؤزرز۔ گردن میں لپیٹا اسکارف جس کے دونوں سرے سامنے کو گر رہے تھے۔ اور کھلے بال جو کچھ میں آدھے بندھے تھے۔

وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہاں بیٹھی تھی۔ ساتھ ہی دھیرے دھیرے پیر جھلا رہی تھی۔ وہ اس دھند میں بھی

کشمالہ مبین کی سبز آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔

" کشمالہ..." ان کے سینے سے ہوک سی نکلی۔ کیا کچھ نہ تھا اس ہوک میں؟

درد۔ ملال۔ ایسا غم جو کبھی مٹ نہیں سکے گا۔

" کیوں کیا آپ نے ایسے بیٹے؟ اپنے بچے کی جان کون لیتا ہے۔"

''میں دو دن سے سوچ رہی ہوں کہ کیا آپ جانتی تھیں؟''

نگینہ بیگم نے تکلیف سے کروٹ بدلنی چاہی۔ ان کے چہرے کا جلا ہوا حصہ اب پھیل کے گردن اور کان کو لپیٹ میں لے چکا تھا۔ زخم کچے تھے اور ان سے بدبو اٹھ رہی تھی۔ ایسی بیماری لگی تھی جو اب تک ڈائیگنوز نہیں ہو پا رہی تھی۔

''وہ بچی بہت قیمتی تھی۔'' آنسو ان کی آنکھوں سے پھسلنے لگے۔

''آپ جانتی ہیں۔ ہے نا؟'' وہ سوچتی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ پیچھے کو ٹیک لگائے۔ ایک انگلی پر بال لپیٹتی۔ کیا وہ واقعی وہاں تھی یا وہ تصور کر رہی تھیں؟

''کیا؟''

''سبرینہ۔''

نگینہ بیگم نے دھیرے سے آنکھیں بند کیں۔ راستہ ختم ہو چکا تھا۔ آگے بند گلی تھی۔

"وہ ہمیشہ میرے اندر اس کی پرچھائیں تلاش کرتا تھا۔" وہ ان کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کھڑکی کے بلائنڈز پہ جمی تھیں جو آدھے کھلے تھے۔ ان کی درزوں میں سے روشنی اندر داخل ہو رہی تھی۔

"وہ مجھے اونچی پونی باندھنے کو کہتا تھا۔ جب میں آنکھوں میں گہرا کاجل لگاتی تو اسے اچھا لگتا۔ ایک دفعہ اس نے کہا کہ میں سیاہ لینز استعمال کروں تو زیادہ اچھی لگوں گی۔ وہ میرے اندر اسے ڈھونڈتا تھا۔"

نگینہ بیگم کی آنکھیں بند تھیں۔ اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ صرف مشینوں کی بپ بپ سنائی دے رہی تھی یا اس لڑکی کی آواز۔

''وہ اس سے اتنا آبسیسڈ تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ نہ جانتی ہوں کہ وہ کہاں ہے؟''

وہ خاموش اندھیرے میں لیٹی رہیں۔

''وہ پیپر ورک تبدیل کروا سکتی ہے۔ زیادکی نگاہ سے چھپ سکتی ہے۔ مسلسل دعائیں اور اذکار پڑھنے سے آپ

کے موکلوں کی نگاہوں سے بھی چھپ سکتی ہے۔ لیکن کسی دن تو وہ اذکار بھولی ہوگی۔ اتنے برس میں کسی ایک دن تو اس نے ناغہ کیا ہوگا۔ اور آپ کے موکلوں نے اسے ڈھونڈ نکالا ہوگا۔''

"ہم اسی دن سے جانتے ہیں جب وہ اس شہر میں شفٹ ہوئی تھی۔" انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ اب منظر پہلے سے واضح تھا۔ انہیں کشمالہ کے چہرے کو دیکھنے کے لیے عینک کی ضرورت نہ تھی۔

"زیاد جانتا ہے؟" ان پہ جمی اس کی آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔ نفرت تھی۔ افسوس تھا۔

"وہ جانتا ہوتا تو تم سے شادی کیوں کرتا؟"

کشمالہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور ہتھیلیوں کو دائیں بائیں رکھے کاؤچ پر آگے کو ہوئی۔

''جب وہ اس کے عشق میں گرفتار تھا تو اس پہ سحر عشق کیوں نہیں کیا؟ میری زندگی کیوں برباد کی؟'' وہ دبا دبا سا چلائی تھی۔ آنسو گالوں پر ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔

''کیونکہ وہ ماں نہیں بن سکتی تھی۔''

وہ ٹھہر کے انہیں دیکھنے لگی۔ پلکیں وہیں ساکت ہو گئیں۔

''واٹ؟''

''ہمارے مددگار... ہمارے دوست... وہ کہتے تھے کہ وہ ماں نہیں بن سکے گی۔ اور ہمیں زیاد کی اولاد چاہیے تھی۔'' بستر پر لیٹی نحیف اور لاغر سی بوڑھی عورت دھیمی آواز اور دوٹوک لہجے میں بتا رہی تھی۔

"وہ ایک اسائنمنٹ تھی۔ فہرست میں لکھے لوگوں میں سے ایک نام۔ اس کا زیاد کے لیے مر جانا بہتر تھا۔"

''وہ اس کی محبت میں گرفتار تھا۔''

"اگر اسے سبرینہ سے محبت ہوتی تو اس کو نہ مارتا۔ لیکن سبرینہ کی یاد سبرینہ کے اصل سے بڑی ہو گئی۔ وہ اس کا گلٹ تھی۔ اس کا ضمیر۔"

"اور میں؟" آنسو پھر سے گرنے لگے۔

انہوں نے تکیے پر رکھا بوڑھا چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اب ان کی آنکھوں میں صرف ایک ترحم بھرا افسوس تھا۔

"آپ اس کو اولاد دے سکتی تھیں۔ وہ اولاد جسے آپ نے مار دیا، بے وقوف لڑکی۔"

"اور میری ماں؟" وہ بستر کے سرہانے تک آئی۔ بے رونق بال چہرے کے اطراف میں بکھرے تھے۔ اور آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔

"میری ماں اس کھیل میں کیا تھی؟"

''وہ ماں... جس کو آپ... چھوڑ کے چلی گئی تھیں؟'' وہ کھانسنے لگی تھیں۔ تنفس تیز ہو رہا تھا۔

مالا نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑے۔

''مجھے خود کو آپ کے سامنے جسٹیفائی نہیں کرنا۔ میں کچھ اور پوچھنے آئی ہوں۔"

ان کی کھانسی دھیرے دھیرے مدھم ہونے لگی۔ البتہ وہ اب بھی منہ کھول کے گہرے سانس لے رہی تھیں۔

"کبیرہ کا بیٹا عالیان کہاں ہے؟"

''آہ۔ عالیان۔'' ان کے کریلے کے خول جیسے جھریوں زدہ چہرے پر مسکراہٹ امڈ آئی۔

"اس کا نام اب عالیان نہیں ہے۔"

"آپ نے اس کا نام بدل دیا ہے؟ کیوں؟" وہ پتلیاں سکوڑے ان کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس خول تلے چلتی سوچوں کو پڑھنا چاہ رہی ہو۔

"کبھی نہ کبھی آپ جان جاؤ گی۔ لیکن ابھی نہیں۔"

انہوں نے چہرہ دوسری جانب موڑ لیا۔ اب وہ اپنے مانیٹرز کو دیکھ رہی تھیں یا شاید آنکھیں بند کر چکی تھیں۔

"اور ہلال؟" وہ بے چین ہوئی۔ ''وہ کہاں ہے؟''

"آپ اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتیں۔"

وہ چند لمحے جیسے بے بسی سے انہیں دیکھے گئی۔

''وہ ایک چھوٹی بچی ہے جس کو آپ نے اس کے بھائیوں سے الگ کر دیا ہے۔ آپ کو اس پہ ذرا ترس نہیں آتا؟''

''تمہیں آیا تھا ترس میری پوتی پہ؟'' وہ آنکھیں بند کیے ہوئے تھیں۔

کشمالہ مبین نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتی انہیں دیکھتی رہی۔ ان کے سر کے نیچے دو تکیے تھے۔ اس نے اوپری تکیے کو دیکھا۔ پھر ان کے چہرے کو۔ پھر سے تکیے کو۔

اسے ایک چہرہ یاد آیا۔ سبز آنکھوں والا وہ خوبصورت شفاف چہرہ۔ وہ اس کے ساتھ سوئی تھیں۔ اسی کے تکیے پر۔ کروٹ لے کر۔ وہ صبح اٹھی تو وہ نہیں تھیں۔ وہ جا چکی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ تھی۔ بہت کچھ نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا۔ وہ ان کی وہیل چیئر دھکیل رہی تھی۔ وہ ان کے ہاتھ پر دوا رکھ رہی تھی۔ وہ آپریشن

تھیٹر کے باہر کھڑی دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔

اس نے پھر سے تکیے کو دیکھا۔ اور ان کے چہرے کو جو دوسری طرف ڈھلکا تھا۔

''کاش میں آپ سے اپنی ماں کا بدلہ لے سکتی۔''

''لے لو۔ مجھے مرنے سے خوف نہیں آتا۔''

"لیکن مجھے مارنے سے آتا ہے۔" وہ اپنا بیگ اٹھا رہی تھی۔

''اور میں آپ سے کیا بدلہ لوں گی؟ آپ کے حصے کی آگ بہت قریب پہنچ چکی ہے۔''

اب شاید وہ کمرے سے نکل رہی تھی۔ نگینہ بیگم کی پلکیں ایک دوسرے سے جڑی رہیں۔

جب وہ چلی گئی تو انہوں نے آنکھیں کھولیں۔

کمرہ اب بھی دھندلا تھا۔ لیکن وہ کمرے کو نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا بیگ کندھے سے لگائے، آنسو صاف کرتی باہر کاریڈور میں آگے بڑھ رہی تھی جب قدم ٹھہر گئے۔ وہ سامنے تھا۔ زیاد سلطان۔

وہ قطار میں لگی لوہے کی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔ وہ ایک ہال میں بنا ویٹنگ ایریا تھا۔ بہت سے پودے۔ درمیان میں فوارا۔ چھت شیشے کی تھی اور کئی منزلہ اونچی تھی۔ بالائی منزلوں کی گیلریز یہاں سے دکھائی دیتی تھیں۔

''کشمالہ۔'' اسے دور سے آتے دیکھ کے وہ کھڑا ہو گیا۔

وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک گئی۔ کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔ وہ کمزور لگ رہا تھا۔ شکستہ سا۔

" کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟"

وہ دونوں اب آمنے سامنے کھڑے تھے۔ زیاد کا چہرہ اس سے زیادہ پیلا تھا۔ جیسے روح کو یرقان لگا ہو۔

''کیا بات کرو گے اب؟ اپنی ماں کے جادوؤں کا قصہ سناؤ گے؟ یا اپنے قتلوں کا اعتراف کرو گے؟''

''میری ماں...'' زیاد نے تکلیف سے سانس اندر کھینچی۔ ''صرف دم کرتی ہے۔ وہ جادو نہیں ہوتا۔''

" کیا تم خود کو ایسے تسلی دیتے ہو؟" مالا کے چہرے پر افسوس بھری مسکراہٹ اتری۔

پھر وہ دھیرے سے ایک کرسی پر بیٹھی۔ بیگ گود میں رکھ لیا۔ وہ دو کرسیاں چھوڑ کے ساتھ بیٹھ گیا۔

چند لمحے وہ دونوں سامنے چلتے فوارے کو دیکھتے رہے۔اوپر شیشے کی چھت سے آتی سورج کی روشنی پانی کے قطروں پہ قوس قزح بکھیرے ہوئے تھی۔

''کیا تم کچھ دیر کے لیے میری بات سن سکتی ہو؟''

''اب میں تم سے نہیں ڈرتی، زیاد۔ جو کہنا ہے کہو۔''

اس کی آنکھیں پانی کی دھار پہ جمی تھیں۔وہ ہوا میں اوپر اٹھتی۔پھر دھڑام سے نیچے حوض میں جا گرتی۔اوپر۔نیچے۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟" وہ فوارے کے قدموں میں جمع ہوئے پانی کو دیکھ رہا تھا۔وہ نہ کم ہوتا تھا نہ زیادہ۔

''تم کیا کرتے؟ مجھے روکتے؟'' حوض کا پانی اس کی آنکھوں میں بھرنے لگا۔

"مجھے بچے نہیں چاہیے تھے۔" زیاد نے سر جھٹکا۔

"تمہاری ماں کو چاہیے تھے۔وہ کیا کرتی ہے بچوں کے ساتھ؟" مالا نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

وہ نگاہیں جھکائے فوارے کے حوض کو دیکھ رہا تھا۔وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتا تھا، یہ طے تھا۔

''میں نے اپنے بچے کو اس لیے مار دیا کیونکہ تمہاری ماں اس کو مجھ سے چھیننا چاہتی تھی۔اس کا خون تمہاری ماں کے ہاتھ پہ ہے۔'' آواز بھیگ گئی اور آنسو گالوں پر لڑھکنے لگے۔

زیاد نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔

''مجھے کسی بھی قیمت پہ بچہ نہیں چاہیے تھا، کشمالہ۔تمہیں خود سے باندھنے کے لیے بھی نہیں۔''

اسے اس کی آواز بھی بھیگی ہوئی لگی۔وہ افسوس سے اس کے جھکے سر کو دیکھے گئی۔

''اور اگر تم اسے رکھنے کا فیصلہ کرتیں، تب بھی میں اس بچے کی زندگی کا حصہ نہ بنتا۔لیکن...'' اس نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی اور چہرہ اٹھایا تو وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ اسے مارنے کا غم بھی اتنا بڑا ہوگا۔'' وہ اب گردن اونچی کیے چھت سے آتی روشنی کو دیکھ رہا تھا۔اور وہ اس کے چہرے کو۔

"ہلال کہاں ہے؟"

زیاد سلطان نے دھیرے سے چہرہ اس کی طرف واپس موڑا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

اس کی آنکھوں کی نمی اب اندر اتر چکی تھی۔اور پرسکون سا ماسک چہرے پہ چڑھ چکا تھا۔

" کاش تم میری اتنی عزت کرتے کہ مجھ سے سچ بولتے۔ "اس نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے۔اگر میری ماں جانتی ہو تو وہ الگ بات ہے۔'' وہ ٹھہرا۔

''جس تکلیف سے تم خود نہیں گزرنا چاہتے ،اس سے ہلال کے بھائیوں کو کیوں گزار رہے ہو؟''

زیاد کی نگاہوں میں عجیب سا زخمی پن ابھرا۔

" تم اس کے لیے مجھے چھوڑ رہی ہو۔"

مالا نے گہری سانس لی۔اس سانس میں افسوس بھی تھا اور ترس بھی۔

''تم کبھی نہیں بدلو گے ،زیاد۔''اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔اور پھر جب اس کی طرف دیکھا تو چہرہ سنجیدہ تھا۔''میں تمہیں تمہارے لیے چھوڑ رہی ہوں۔کیونکہ تم اچھے شوہر نہیں تھے۔تم نے مجھے ابیوز کیا۔جسمانی، اور ذہنی طور پہ۔تم نے میری ذات کو ایسے مسخ کیا کہ اب میں damage ہو چکی ہوں۔تم مجھے عزت اور محبت سے ٹریٹ نہیں کر سکے ،زیاد۔کسی تیسرے کو درمیان میں مت لاؤ۔اپنے عمل کی ذمہ داری لو۔'' وہ بیگ کا اسٹریپ کندھے پر ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔وہ جگہ سے نہیں اٹھا۔گردن اٹھا کے یاسیت سے اسے دیکھا۔

''کیا تم طلاق لینے کے بعد اس سے شادی کر لو گی؟''

مالا چند لمحے اسے دیکھے گئی۔پہلی دفعہ اسے زیاد سلطان سے نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی۔اسے اس پہ ترس آیا تھا۔

''تم نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں کسی بھی دوسرے مرد پہ بھروسہ کر سکوں ،زیاد۔''

وہ تیزی سے اٹھا۔اس کے چہرے پہ بہت کچھ ایک ساتھ ابھرا۔امید۔بے چارگی۔خوف۔

"میں کروں گا۔تم جو کہو گی میں کروں گا۔"

وہ اداسی سے مسکرائی۔

''اب دیر ہو چکی ہے۔''

''کیا تم مجھے اس حالت میں چھوڑ دو گی جب میری ماں مر رہی ہے؟''

"میری ماں یاد ہے؟وہ بھی مر گئی تھی۔"

زیاد سلطان نے سر جھکا دیا۔چند لمحے وہ لب کاٹتا رہا۔اور وہ اس کے جھکے سر کو دیکھے گئی۔فوارے کا پانی ایسے ہی اوپر سے نیچے گرتا رہا۔

''میں خود کو بدل لوں گا۔'' بہت دیر بعد اس نے چہرہ اٹھایا۔ اس پہ امید تھی۔ ''میں ہر وہ کام کروں گا جو تم کہو گی۔''

وہ بنا پلکیں جھپکائے اسے دیکھے گئی۔

"تم میرے لیے سب کچھ کرو گے؟"

''سب کچھ۔''

بے بسی۔ بے چینی۔ منت۔ اس کی آواز میں سب تھا۔

"پھر ہلال کو اس کے بھائی کے حوالے کر دو۔"

زیاد سلطان کے کندھے ڈھلک گئے۔ چہرہ تاریک ہوتا گیا۔

"تم اب بھی اس کے بارے میں سوچ رہی ہو؟"

''اگر تم چاہتے ہو کہ ہم دوبارہ سے ساتھ زندگی گزاریں تو...'' مالا بیگ کو ایک کندھے سے گزارتے ہوئے دوسرے پر پہن رہی تھی۔ ''ہلال کو چھوڑ دو۔ میں واپس آ جاؤں گی۔''

''تم اب بھی اس کا سوچ رہی ہو؟'' وہ بے یقینی سے اسے جاتے دیکھ رہا تھا۔ وہ اب دروازے کی طرف جا رہی تھی۔

''کشمالہ۔'' اس نے پکارا لیکن وہ نہیں رکی۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

''ہلال کو چھوڑ دو۔ میں واپس آ جاؤں گی۔''

اور یہ اسی وقت تھا جب کیف جمال کا میسج اس کے فون پہ موصول ہوا۔ زیاد نے جھنجھلا کے فون دیکھا۔

"مجھے اس ہفتے کی پے منٹ ابھی تک نہیں ملی، زیاد بھائی۔ اس سے بہتر تھا میں ماہر فرید کے ساتھ ڈیل کر لیتا۔" کیف نے آڈیو میں بہت تلخی سے کہا تھا۔

زیاد سلطان نے جواب نہیں دیا۔ اس نے فون جیب میں ڈال دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا کے جانے کے بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں۔

کمرہ اب بھی دھندلا تھا۔ لیکن وہ کمرے کو نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ کچھ اور دیکھ رہی تھیں۔

جانے سے پہلے وہ انہیں کس آگ کا ڈراوا دے رہی تھی؟ وہ کس اچھائی اور برائی کی بات کر رہی تھی؟

یہ دنیا نگینہ سلطان کے لیے ہمیشہ سے آگ تھی۔

دھندلے کمرے میں قوس قزح کے سارے رنگ بکھرنے لگے۔ ہر روشن ذرے میں ایک تصویری کہانی پنہاں تھی۔ وہ کمرے میں دائیں بائیں گھومنے لگیں۔ ایک کے بعد ایک منظر۔

وہ ایک زرد سا باورچی خانہ تھا۔ ایک طرف سے کھلا۔ چھوٹی چوکی پر بیٹھی روٹی لگاتی عورت اور چولہے سے نکلتا دھواں۔ وہ وقفے وقفے سے بھوری لکڑیوں کو پنکھے سے ہوا دیتی۔ آتش تیز ہو جاتی۔

قریب میں ایک دبلی پتلی سانولی سی لڑکی بیٹھی تھی۔ گیارہ بارہ برس کی۔ وہ انگاروں کو چولہے کے نیچے سے اڑ کے فضا میں غائب ہوتے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً روٹی پکاتی عورت اس کی طرف پلٹی۔

"نگینہ... مجھے وہ پرات اٹھا دے۔"

"جی امی..." وہ اٹھ کے باورچی خانے کے اندرونی حصے میں آئی۔ یہاں کھلے دروازے سے برآمدہ دکھائی دیتا تھا۔ طویل برآمدہ جس کے سامنے کوئی جالی نہ تھی۔ فاصلے فاصلے پر رکھی چارپائیاں اور ان پر دھرے جامنی گاؤ تکیے۔ لڑکی کی نگاہ ان چارپائیوں تک جا پھسلی۔ وہاں تکیے سے ٹیک لگائے، کلف لگے سفید شلوار قمیض میں ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا تھا جس کے سیاہ جوتے چمک رہے تھے۔ وہ ساتھ بیٹھی گلابی پھولدار لباس والی عورت سے بات کر رہا تھا جس کی کلائی میں سونے کے کنگن تھے۔

دبلی پتلی لڑکی کی آنکھیں اس آدمی کے ہاتھوں پہ ٹھہر گئیں۔ چہرے پہ ہراساں سا تاثر ابھرا۔ ہاتھ میں پکڑی سلور کی پرات اٹھائی تو اپنا عکس نمایاں ہوا۔ گردن کے نیچے نیل کے نشان۔ اور ایسے کئی زخم جو دن کی روشنی میں نہیں لگائے جاتے۔ آنکھیں بھرنے لگیں۔ وہ سر جھکائے پرات لیے پلٹ گئی۔

قوس قزح کے رنگ بدلنے لگے۔ ذرات اڑ اڑ کے ایک دوسری شکل بنانے لگے۔

وہ ایک گدلے پانی کی کچی نہر تھی اور اس پر بنا مٹیالا سا پل۔ وہ پل سے ہٹ کے ایک درخت تلے بیٹھی تھی۔ اس کی چوٹی اب قدرے لمبی اور رنگت سانولی تھی۔ دھوپ سے چہرہ سڑ سا گیا تھا۔ دور سامنے ایک مزار دکھائی دے رہا تھا جس کے ساتھ بنے درخت پر مختلف کپڑوں کی کترنیں بندھی تھیں۔ وہاں ایک کمرے کے باہر قطار لگی تھی۔ وہ یہاں سے بھی دیکھ سکتی تھی کہ اس کی ماں وہاں بیٹھی، آنے والوں کو قطار میں لگا رہی تھی۔

"پیر صاحب سب کا مسئلہ سنیں گے۔ تم اندر جاؤ۔ تم یہیں ٹھہرو۔ نہیں پہلے تم ادھر آؤ..."

وہ باری باری کسی کو اندر بھیجتی۔ کسی سے پیسے لے کر ایک ڈبے میں ڈالتی۔

دبلی پتلی لڑکی سوچتی آنکھوں سے عورتوں کے اس غول کو دیکھ رہی تھی۔

قوس وقزح کے رنگ سرمئی ہونے لگے۔ایسے جیسے ایک روشن دن پہ سیاہ بادل چھا گئے ہوں۔

وہ ایک کچا مکان تھا جس کے کمرے میں اندھیرا تھا۔لالٹین کی روشنی دیوار پر اونچے سایے گرا رہی تھی۔وہ چت لیٹی کھلی آنکھوں سے چھت کے لینٹر دیکھ رہی تھی۔

ساتھ لیٹی ماں نے کروٹ بدلی۔اس کی آنکھیں کھلی دیکھ کے ابرو برہمی سے اکٹھے ہوئے۔

"سو جا نگینہ۔کیا سوچیں سوچ رہی ہے؟"

"پیر صاحب کیا کرتے ہیں،امی؟"

''پیر صاحب نہیں کہتے۔سرکار کہتے ہیں۔''ماں نے گھرکا۔آواز میں عقیدت در آئی تھی۔

''سرکار کیا کرتے ہیں؟''

"علاج۔دم۔تعویذ۔"

"اور تم جو لوگوں کے گھر جاتی ہو،تم کیا کرتی ہو؟"

"مجھے علم آتا ہے۔لیکن بس اتنا کہ کسی کا مسئلہ حل ہو جائے،چوری کا سراغ مل جائے۔"

''اور سرکار؟''

''ان کے پاس بڑے جنات ہیں۔وہ سارے مسئلے حل کر سکتے ہیں۔''

''وہ میرا کوئی بھی مسئلہ حل کر دیں گے؟''

"اتنا نہ سوچا کر۔دماغ کو جنات چڑھ جائیں گے۔چل سو جا۔"اس نے کروٹ بدل کے آنکھوں پر بازو رکھ لیا لیکن نگینہ کی آنکھیں کھلی تھیں۔

(سرکار کے قبضے میں جنات ہیں۔وہ جو دکھائی نہیں دیتے۔وہ جو سب کر سکتے ہیں۔)اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

(وہ جو سمندروں کی تہوں میں چھپے خزانے لا سکتے ہیں۔وہ جو آسمانوں سے تارے توڑ کے لا سکتے ہیں۔وہ جو کسی کا دل کسی کے لیے مائل کر سکتے ہیں۔وہ جو انتقام لے سکتے ہیں۔وہ جو چوہدریوں کے گھروں کو آگ لگا سکتے ہیں۔)

"مجھے بھی جنات چاہئیں،امی۔"وہ بڑبڑائی لیکن ماں نے نہیں سنا۔اس کی آنکھیں بند تھیں اور خراٹے گونج رہے تھے۔اس کے خراٹوں میں مشین کی پپ پپ گڈمڈ ہونے لگی۔

نگینہ بیگم نے آنکھیں کھولیں۔قوس وقزح راکھ بن کے ان کے بالوں میں اتر آئی تھی۔وہ دبلی پتلی لڑکی جانے کب جھریوں زدہ چہرے اور سفید بالوں والی یہ نحیف اور لاغر عورت بن گئی تھی،انہیں معلوم ہی نہ ہو سکا۔

زندگی جیسے پلک جھپکنے میں گزر گئی تھی۔

انہوں نے بدقت کروٹ لینا چاہی۔تکلیف سے کراہ نکلی۔

انہوں نے پلکیں بند کیں۔وہ سونا چاہتی تھیں لیکن نیند کسی الوژن کی طرح تھی۔وہ تھی اور وہ نہیں تھی۔کیا وہ سو رہی تھیں؟کیا وہ جاگ رہی تھیں؟

پلکیں کھولیں تو منظر بدل چکا تھا۔وہ ہسپتال کا کمرہ نہ تھا۔

وہ ایک دھول اڑاتی لمبی کار تھی جو اونچے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ایک سنہرا دن۔دھول کا بادل۔ اور وہ دوپٹے کا کونا منہ میں دبائے لڑکی جو دالان میں لگے درخت کے پیچھے سے جھانک رہی تھی۔

دھول کا بادل چھٹا۔کار کا دروازہ کھلا اور وہ باہر نکلا۔گورا چٹا۔لمبا اونچا۔سن گلاسز لگائے۔

کسی ملازم نے پیچھے سے کسی سے سرگوشی کی۔

''یہ بڑے صاحب کا بھتیجا ہے۔سلطان۔دبئی سے آیا ہے۔''

وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ساری دنیا بس اس کی سن گلاسز کے شیشے میں قید ہو چکی تھی۔

دھول چھٹنے لگی۔ہسپتال کے کمرے کی سفیدی واپس آنے لگی۔اسٹاف اور نرس ان کے اردگرد کھڑے تھے۔زیادہ ان کو سہارا دے کر اٹھا رہا تھا۔وہیل چیئر سامنے تھی۔اندرانی ان کو جوتے پہنا رہی تھی۔وہ انہیں کسی ٹیسٹ کے لیے لے جا رہے تھے۔

بھوری دھول ایک دفعہ پھر چھانے لگی۔

قوس وقزح کے سارے رنگ مزار کے سامنے لگے درخت پر بندھی کترنوں میں اترتے گئے۔وہ دم توڑتی شام کی ہوا میں جھول رہی تھیں۔مغرب چھا رہی تھی۔رش اب چھٹ چکا تھا۔آج اس کی ماں وہاں نہیں تھی۔اسی لیے وہ ادھر موجود تھی۔

اندر ہال کمرے میں سرکار اپنے منبر پر براجمان تھے۔ساتھ ایک مرید بیٹھا بے زار سا اسے دیکھ رہا تھا۔وہ دوزانو ہوئے ان کے سامنے بیٹھی تھی۔سیاہ دوپٹہ سر پر لپیٹے،وہ چہرے پہ امید اور بے بسی لیے کہہ رہی تھی۔

''مجھے ایک انسان چاہیے،سرکار۔''

مرید نے خفگی سے کچھ کہنا چاہا لیکن انہوں نے انگوٹھیوں والا ہاتھ اٹھا کے روکا۔ وہ سیاہ لمبے بالوں اور سرمہ لگی آنکھوں والا ہٹا کٹا سا انسان تھا۔ سر پر نارنجی رومال باندھے، ہاتھ میں تسبیح کے دانے گھماتا، وہ چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''انسان کی قیمت ادا کرنی ہوتی ہے، لڑکی۔''

''جو آپ مانگیں، میں دوں گی۔'' اس نے بے اختیار ان کے پیروں پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اوپر بیٹھے تھے اور وہ نیچے۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہے۔ پھر حقے کا گھونٹ بھرا۔ گڑگڑ کی آواز آئی۔ پھر لب کھولے تو بہت سا دھواں ہونٹوں سے نکلا۔

''سحر عشق بہت بھاری جادو ہے۔ کچھ عرصے بعد اترنے لگتا ہے۔ لیکن اس کی قیمت سنگین ہوتی ہے۔''

''میں ادا کروں گی۔''

''ہم سے اپنی روح کا سودا کرو گی؟'' ان کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ نگینہ نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

''جی سرکار۔''

انہوں نے پھر سے ایک کش بھرا۔ حقے کا دھواں بڑھتا گیا یہاں تک کہ وہ سارے منظر پہ چھا گیا۔

جب وہ چھٹا تو انہوں نے خود کو وہیل چیئر پر بیٹھے دیکھا۔ اندرانی اسے دھکیل رہی تھی۔ ساتھ ہی وہ کچھ بول رہی تھی اور ان کے آگے زیاد چل رہا تھا۔ وہ ہسپتال کا کاریڈور تھا۔ زیاد کے ہاتھ میں چند رپورٹس تھیں۔

انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ گردن ایک طرف غنودہ سی ڈھلک گئی۔

یہ وہی باورچی خانہ تھا۔ وہ اس کی چوکھٹ میں کھڑی سینے پر بازو لپیٹے برآمدے اور صحن میں اکٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ وسط میں چارپائی پر کفن میں لپٹی لاش رکھی تھی اور وہ سونے کے کنگن والی عورت اس کے سرہانے بیٹھی اونچی آواز میں بین کر رہی تھی۔ لاش کے چہرے کا ایک حصہ کفن سے اچھی طرح لپیٹا گیا تھا۔

''بے چارے ملک صاحب۔ باتھ روم میں گیزر پھٹنے سے ہلاک ہو گئے۔''

''آدھا چہرہ جل گیا ان کا۔'' دو عورتیں قریب میں کھڑی سرگوشیاں کر رہی تھیں۔

''اسی لیے میرا گھر والا گیزر لگوانے کے خلاف ہے۔''

''تم نے سنا نہیں؟ مولوی صاحب کی بیوی کہہ رہی تھی کہ یہ جنات کا کام لگتا ہے۔ ایسے کیسے اچانک سے

گیزر..."

سیاہ دوپٹے والی لڑکی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ کھڑی، اس منظر نامے کو دیکھے گئی۔ پھر وہ باورچی خانے کی طرف پلٹ گئی۔ دوپٹے کی گرہ سے ایک پڑیا نکالی۔ پسی ہوئی چینی۔ اور ٹرے میں رکھی چائے کی پیالیوں میں سے ایک میں گھول دی۔

کچھ دیر بعد وہ ٹرے لیے مردوں کے ایک گروہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ گورا لمبا سا سلطان وہیں بیٹھا تھا۔ اس نے وہ کپ نکال کے اس کے سامنے کیا۔ سلطان نے کپ تھام لیا اور اسے دیکھے بنا ساتھ والے کزن سے سلسلہ کلام جاری رکھے رہا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔

ان کو نیند میں جیسے جھٹکا سا لگا۔ چونک کر آنکھیں کھولیں۔ وہ اب ہسپتال کے بستر پر لیٹی تھیں۔ سفید کمرہ اب بھی دھندلا تھا۔ اور چہرہ۔ اس کی جلن بڑھ گئی تھی۔ یوں جیسے جسم کے ایک طرف کھولتا ہوا لاوا گرا دیا گیا ہو۔

یوں جیسے اس پر گرم پانی کا گیزر پھٹ گیا ہو۔

منظر بدل چکا تھا۔

وہ ایک نیم تاریک کمرہ تھا۔ کونے میں ایک چارپائی بچھی تھی۔ اس پر نحیف سا بوڑھا آدمی لیٹا تھا۔ لمبے بال جھڑ گئے تھے۔ اور نارنجی رومال ایک طرف رکھا تھا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا اور آدھا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ جیسے اسے کوڑھ کھا گیا ہو۔

نگینہ پانی کا ٹھنڈا گلاس ان کی طرف بڑھائے ہوئے تھی۔

"انھیں سرکار۔ پانی پئیں۔"

"تیری ماں خوش نہیں ہوتی تیرے یہاں آنے سے۔" بوڑھے مرد نے کپکپاتا ہوا ہاتھ بڑھایا۔ پھر گلاس تھام کے لبوں سے لگایا۔ کچھ اندر گیا۔ کچھ چھلک گیا۔ حلق میں ایسی آگ لگی تھی کہ ٹھنڈا پانی اندر جاتے ہی کھولنے لگتا تھا۔ پیاس تھی کہ بجھتی نہ تھی۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اب وہاں نہ رش تھا نہ مرید۔ وہ ایک ویران مزار تھا جہاں اب کوئی نہیں آتا تھا۔ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ سرکار کو کوڑھ ہو گیا ہے۔ لیکن وہ کوڑھ نہیں تھا۔ وہ کچھ اور تھا۔

"امی اس لیے خوش نہیں ہوتی کہ تمہارا کاروبار بند ہو گیا۔ اب وہ خود پیرنی بنی بیٹھی گاؤں کی عورتوں کا علاج کر رہی ہے۔"

اس نے ہونہہ میں سر جھٹکا۔ سرکار نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''تیرا سحر عشق کام کر رہا ہے، نگینہ۔ پھر تو ادھر روز کیوں آتی ہے؟''

''سرکار...'' وہ مسکرا کے ان کی طرف پلٹی۔

''مجھے وہ سکھا دو جو میری ماں کو نہیں سکھایا۔ جو کسی کو نہیں سکھایا۔''

کوڑھی مرد نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کے گلے سڑے چہرے سے بدبو اٹھ رہی تھی لیکن وہ پرواہ کیے بنا وہیں کھڑی تھی۔

''وہ سیکھ کے تو کیا کرے گی؟ میرا انجام نہیں دیکھ رہی؟'' اس نے آنکھیں بند کیں۔ آنسو پھسل کے مسخ شدہ چہرے میں جذب ہو گیا۔

''میرا وقت ختم ہونے والا ہے۔ تو اس چیز سے دور رہ۔ جا کے اپنی زندگی بنا۔''

''میں اپنا انجام اپنی مرضی سے لکھوں گی، سرکار۔ مجھے بس وہ سب دے دو جو تمہارے پاس ہے۔'' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

کمرے کی بتیاں مدھم ہونے لگیں۔ انہوں نے پلکیں جھپکائیں۔ جسم میں شدید درد اٹھ رہا تھا۔ حلق میں انگارے سلگ رہے تھے۔ کسی کروٹ سکون نہ تھا۔

قوس و قزح اب کسی منجھدار کی طرح گول گول گھوم رہی تھی۔ اور وہ اس کے درمیان کہیں پھنس کے رہ گئی تھیں۔ یادوں کا سمندر تھا جو ان کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر سمت سے حملہ آور ہوا تھا۔

وہ اونچا لمبا خوبصورت مرد... وہ کسی پروانے کی طرح اس دبلی پتلی سی لڑکی کے گرد پھر رہا تھا۔ وہ اس کی کار میں بیٹھی تھی۔ اور وہ کھیتوں کے درمیان کچی سڑک پر دور کہیں جا رہے تھے۔

منجھدار کے درمیان سے ایک اور منظر ابھرا۔ وہ اپنے ماں باپ کے سامنے ڈٹ کے کھڑا، بلند آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔ گھر چھوڑنے کی دھمکی۔ خودکشی کی دھمکی۔ اس کی ماں سر کو پکڑے ہوئے تھی۔ باپ زور زور سے ''نوکرانی کی بیٹی ہے وہ'' چلا رہا تھا۔ پھر اس منظر پہ سرخ گلابوں کا چھاتا تن گیا۔ اور اس سے ایک کمرہ ابھرتا دکھائی دیا۔

وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی تھی۔ مسکرا کے آئینے میں دیکھتی بالوں میں برش چلا رہی تھی۔ اور اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا محبت سے کچھ کہہ رہا تھا۔

نگینہ بیگم نے گیلے منجھدار میں بدقت آنکھیں کھولیں۔ مناظر کسی البم کے صفحات کی طرح پلٹتے جا رہے تھے۔

اب وہ دونوں کسی پہاڑی سڑک پر ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ ہاتھوں میں ہاتھ تھے۔ اونچی ہنسی۔ کلائی میں گجرا۔

البم نے ایک اور ورق الٹایا۔

وہ رات کو تنہا کمرے میں بیٹھی، آنکھیں بند کیے تسبیح پر کچھ پڑھ رہی تھی۔ پھر آنکھیں کھولیں اور پہلو میں کروٹ لیے بے خبر سوتے سلطان پر پھونک ماری۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

پھر دھیرے دھیرے قوس قزح سیاہ سفید سی ہو گئی۔

سارے رنگ ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ گئے۔

بہار میں خزاں کی زردی گھل گئی۔

وہ خوبصورت مردلاؤنج میں سیدھا چلتا جا رہا تھا۔ وہ کچن میں اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ وہ مسکرا کے اس کو آواز دینے لگا۔

نگینہ نے بھی مسکرا کے چہرہ موڑا۔ لیکن... وہ ایک دم ساکت رہ گیا۔

اس کا چہرہ... اس کی بیوی کا حسین چہرہ... کسی خونخوار کتے کے چہرے جیسا تھا۔

وہ ایک دم زور سے چلایا۔ اس چیخ نے ان کی زندگی میں صور پھونک دیا تھا۔ قیامت آ چکی تھی۔

جسم کے دائیں حصے میں تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔ زیادان کے اوپر لحاف برابر کر رہا تھا۔ وہ کروٹ بدلنا چاہتی تھیں۔ لیکن کسی کروٹ آرام نہ تھا۔ جسم میں درد تھا۔ روح میں درد تھا۔

وہ ایک بیڈروم تھا جس کا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ سلطان ایک ایک چیز الماری سے نکال کے چیخ رہا تھا۔ ساتھ ہی وہ اونچا دونچا چلا رہا تھا۔ بستر پر لیٹا ایک ننھا بچہ رو رہا تھا۔

وہ خاموش سی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ بالکل خاموش۔ اور بے تاثر۔ جیسے پتھر کا مجسمہ ہو۔

وہ کپڑوں اور کتابوں کے اندر سے چیزیں نکال نکال اس کے قدموں میں پھینک رہا تھا۔ گڑیا۔ سوئیاں۔ پتلے۔ الو کی کھوپڑی۔ کتے کے دانت۔ سوکھے گوشت کے ٹکڑے۔

سلطان زور سے چلایا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال نوچے اور زمین پر بیٹھتا گیا۔ اب وہ رو رہا تھا۔ کسی بچے کی طرح۔

وہ اسی طرح خاموش کھڑی تھی۔

درد کی ایک لہر گردن میں اٹھی۔

آہ۔ان کے لبوں سے کراہ نکلی۔ایک کروٹ بدلی۔جسم تپ رہا تھا۔

کیا وقت قریب تھا؟ کیا مہلت ختم ہونے کو تھی؟

وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کے دروازے پہ لمبی کار کھڑی تھی۔فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھلا تھا۔اور سلطان اس لڑکی کو بازو سے کھینچ کے باہر نکال رہا تھا۔اس کے ہاتھوں میں ایک لحاف میں لپٹا بچہ تھا جو مسلسل رو رہا تھا۔

''جادوگرنی ماں کی جادوگرنی بیٹی۔'' وہ اسے چوکھٹ تک لایا اور وہیں پٹخ دیا۔وہ گری نہیں۔بس دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے روک دیا۔

''میرے ماں باپ ٹھیک کہتے تھے۔تم اور تمہاری ماں کے تعویذوں نے یہ سب کیا ہے۔'' وہ اڑے اڑے بالوں اور کھلے گریبان کے ساتھ چلا رہا تھا۔

وہ بالکل خاموش اور بے تاثر تھی۔برف کی ہو جیسے۔

اسی وقت دروازہ کھلا اور اس کی پریشان سی ماں باہر نکلی۔وہ ابھی تک چلا رہا تھا۔ماں نے ہاتھ جوڑے۔لیکن وہ بکتا جھکتا آگے بڑھ گیا۔کار کا انجن اسٹارٹ کیا۔

''اونہوں۔'' اس نے ماں کے جڑے ہاتھوں پر ایک ہاتھ رکھ دیا۔سلطان کی کار دھول اڑاتی دور جا رہی تھی۔

''وہ واپس آئے گا۔ہم اس کو کھینچ کے واپس لائیں گے۔''

ماں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہم؟ ہم کون؟''

نگینہ نے جواب نہیں دیا۔وہ بچے کو لیے آگے بڑھ گئی۔

بستر میں جیسے لوہے کے نشتر نکل آئے تھے۔جس طرف کروٹ لو،وہ جسم میں اترتے جاتے تھے۔

کیا موت کا فرشتہ آن پہنچا تھا؟ یا ابھی کچھ مہلت باقی تھی؟

یادِ ماضی نے ایک نیا ورق الٹا۔

وہ نیا کلف لگا لباس پہنے،دروازے کے باہر کھڑی تھی۔بچہ گود میں تھا۔اس کی ماں پریشان سی ساتھ کھڑی تھی۔

وہ کار واپس آ گئی تھی۔سلطان چپ چاپ باہر نکلا اور فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔اس کے کندھے ڈھلکے ہوئے تھے۔اور چہرہ گم صم۔

''کہا تھا نا وہ آئے گا۔'' اس نے بس مسکرا کے ماں کو دیکھا۔

''تو نے یہ کیسے کیا نگینہ؟'' ماں کی آنکھوں میں خوف بھر آیا۔

''سحر عشق اتر جاتا ہے۔ لیکن زبان بندی کا جادو برسوں چلتا ہے ماں۔ کاش تو سرکار سے یہ سیکھ سکتی۔'' وہ سرگوشی میں کہہ کے مسکرائی اور آگے بڑھ گئی۔ سلطان کسی معمول کی طرح فرنٹ سیٹ پر بیٹھا کار اسٹارٹ کر رہا تھا۔

وہ بالکل خاموش تھا۔

پھر خاموشی ٹوٹی۔

''میں ساری عمر تم سے نفرت کروں گا۔'' کار سڑک پر ڈالتے ہی وہ بول اٹھا۔

''کرتے رہو۔'' وہ مسکرا کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

سلطان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نمی میں غصہ تھا۔ نفرت تھی۔ اور مجبوری تھی۔ اسے آنکھیں بند کرنے سے خوف آتا تھا۔ پلک جھپکتا تو وہ آجاتے تھے۔ اس کو ڈرانے۔ اس کو جان سے مارنے۔ وہ اس پہ بوجھ ڈالتے تھے۔ اسے نگینہ کو واپس لانا تھا اپنی زندگی میں۔ وہ بے بس تھا۔

منظر تبدیل ہوتا گیا۔ بچہ اب بڑا ہو چکا تھا۔ وہ ایک میز پر کاپی رکھے ہوم ورک کر رہا تھا۔ ساتھ بیٹھا سلطان ہاتھ میں چھڑی لیے اسے گھور رہا تھا۔ گزرتے وقت نے اس کو بوڑھا کر کے وقت سے پہلے ڈھال دیا تھا۔ رنگت کملا گئی۔ شخصیت ماند پڑ گئی۔ ایک ایک کر کے وہ ہر رشتے سے کٹتا گیا۔ وہ اپنی بیوی کا غلام تھا۔ ایسا غلام جو اس سے نفرت کے باوجود اس کے چنگل سے دور نہیں جا سکتا تھا۔

''تیز لکھو۔ تیز۔'' سلطان اس بچے کو دیکھتے ہوئے پھنکارا۔

بچے نے ڈرتے ڈرتے اوپر دیکھا۔ وہ چھڑی بہت قریب تھی۔ اس کا حلق سوکھنے لگا۔ وہ جلدی جلدی کاپی پر پنسل گھسیٹنے لگا۔ کچن سے نکلتی نگینہ بیگم نے خاموشی سے یہ منظر دیکھا اور آگے بڑھ گئیں۔ یہ ان کی پڑھائی کا وقت تھا۔ سرکار کو مرے برسوں گزر چکے تھے اور انہوں نے خود کو سرکار بنا لیا تھا۔ ان کا رخ سیڑھیوں کی جانب تھا۔ نیچے بیسمنٹ میں ان کا کام ان کا منتظر تھا۔

سارے مناظر بجھتے کوئلوں کی طرح ٹھنڈے پڑتے گئے۔ لیکن جسم کے اندر سلگتی آگ بڑھتی جا رہی تھی۔

کیا وقت قریب تھا؟ انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

کیا مہلت ختم ہو چکی تھی؟

نہیں۔انہیں کچھ وقت مزید چاہیے تھا۔

انہیں ایک آخری کام ابھی کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات سیاہ چادر کی مانند سارے پہ چھائی تھی۔طویل دورویہ سڑک کے کنارے بنا وہ ایک گیس اسٹیشن تھا۔اس شہر میں ڈاؤن ٹاؤن سے دور ہٹتے جاؤ تو کمرشل عمارتیں دور دور واقع دکھائی دیتیں۔ایک منزلہ مخروطی چھت والی شاپس۔اور ہر شاپ کئی کئی کینال پہ پھیلی ہوتی۔ ہر عمارت کھلی کھلی سی بنی تھی جیسے شمالی امریکہ میں جگہ بہت اور لوگ کم ہوں۔

ایسے میں اس گیس اسٹیشن کے عقبی طرف دو ہیولے سے آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''مجھے میرے پیسے وقت پہ نہیں مل رہے، زیاد بھائی۔''

ناخوش سا کیف سامنے کھڑے زیاد سلطان سے کہہ رہا تھا۔

''میرے اکاؤنٹ کا تھوڑا مسئلہ چل رہا ہے۔میں خود ایک مفرور کی زندگی گزار رہا ہوں۔ذرا وقت لگے گا لیکن تین دن تک میں تمہاری تمام اجرت کلیئر کر دوں گا۔''

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے بے نیاز سا کھڑا تھا۔

''اس سے بہتر تھا میں ماہر فرید کے ساتھ ڈیل کر لیتا۔'' کیف نے نخوت سے ناک سکوڑی۔وہ جیسے بے زار تھا۔زیاد نے بہت ضبط سے سانس اندر کھینچی۔

''کیف۔'' وہ دانت پہ دانت جما کے کہنے لگا۔''تم نے مجھے ماہر فرید کی موجودگی کے بارے میں نہیں بتایا۔کیوں؟''

''جب پیسے پورے دیں گے تو معلومات بھی پوری ملے گی۔'' وہ اکھڑا اکھڑا سا تھا۔زیاد کے جیبوں میں چھپے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''اگر تم ایک آخری کام کر دو تو میں طے شدہ رقم سے دوگنا ادا کروں گا۔''

کیف جمال چونکا۔زمین کو مسلتا اس کا جوگر رکا۔آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔سڑک پر تیز بھاگتا ایک ٹرک زن سے ان کے ساتھ سے گزرا۔ایک لمحے کے شور اور روشنی کے بعد واپس اندھیرا اور سناٹا چھا گیا۔

''اس آخری کام کے بعد تم آزاد ہو۔چاہے ماہر فرید سے ڈیل کرو۔چاہے شیطان سے۔''

کیف جمال بڑھی ہوئی شیو کو مسلتے ہوئے بغور سننے لگا۔

زیاد کے ہونٹوں سے نکلنے والے اگلے الفاظ پہ اس کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"لیکن کیوں؟" پھر اس نے خود ہی شانے اچکا دیے۔

"خیر... مجھے وجہ نہیں جاننی۔ میں تیار ہوں۔" کہتے ہوئے اس نے موبائل نکالا۔

رات اب تاریک اور بوجھل تھی۔

بارش سے پہلے کے بادلوں کی طرح۔

ٹوٹے دل کی طرح۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلا سورج طلوع ہوا تو اپنے ساتھ ایک نیا دن لایا۔

وہ بظاہر ایک عام سا دن تھا۔

اسی عام سے دن کی طرح جو ایک سال پہلے کشمالہ مبین کی زندگی میں آیا تھا۔

وہ دن جس کی صبح ماہر فرید کے کیف جمال بن کے اس کی زندگی میں داخل ہونے سے ہوئی تھی۔ وہ دن جس کی دوپہر اس کا کیریئر ختم ہونے سے ہوئی تھی۔ اور وہ دن جس کی شام زیاد سلطان کی لائی گئی سحر زدہ براؤنیز سے ہوئی تھی۔

ایسے عام سے دن کسی کی بھی زندگی میں بنا چاپ کے داخل ہو جاتے ہیں۔ بھیس بدل کے۔ خود کو چھپا کے۔ اور پھر ایک دم سے ساری زندگی پلٹ دیتے ہیں۔

اس صبح شاپنگ مال کی رونق معمول کے مطابق اپنے عروج پہ تھی۔ مالا کی کافی شاپ پہ البتہ رش کم تھا۔ وہ سیاہ ایپرن پہنے، سر پر پی کیپ جمائے، سر جھکائے سنک میں گلاس دھو رہی تھی۔ پانی کے چھینٹے اڑا اڑ کے ایپرن کو بھگو رہے تھے۔ ذہن کسی نقطے پہ پھنسا تھا۔ آج کیف بھی نہیں آیا تھا۔ اس کا صبح میں صرف ایک میسج موصول ہوا تھا کہ وہ کچھ دن کام پہ نہیں آ سکے گا۔ کیا زیاد نے اسے ایسا کرنے کو کہا تھا؟ مگر کیوں؟

اس کے ارتکاز کو توڑنے والی آواز میسج ٹون کی تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور ایپرن کی جیب سے موبائل نکالا۔

وہاں ماہر فرید کا میسج جگمگا رہا تھا۔

''تم سبرینہ سے مل کے خوش نہیں ہوئیں، میں جانتا ہوں۔ حالانکہ اس کا اس سب میں کوئی قصور نہیں ہے۔''

کشمالہ کا چہرہ بے تاثر رہا البتہ انگلیاں تیزی سے ٹائپ کرنے لگیں۔

''میری زندگی میں سبرینہ سے بڑے مسائل ہیں، ماہر بے۔''

چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ پھر ٹون بجی۔

''مجھے کبیرہ کے بیٹے عالیان کو ڈھونڈنا ہے۔''

مالا کے چہرے پہ غیر آرام دہ سا تاثر ابھرا۔

''میں نہیں جانتی وہ کہاں ہے۔'' اس نے پی کیپ سے نکلتی لٹ کو بے چینی سے کان کے پیچھے اڑسا۔

''تمہیں لگتا ہے وہ اپنا نام بدل چکا ہوگا؟''

(عالیان کا نام اب عالیان نہیں ہے، کشمالہ۔)

''مجھے نہیں معلوم۔''

''وہی ہے جو ہلال کے ساتھ قید ہوا تھا۔ وہ اس کے ساتھ بڑا ہوا ہوگا۔ مجھے ہلال نے اس کا نام بدر بتایا تھا۔''

''شاید۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اسکرین دھندلی ہونے لگی۔ وہ اس کو بتا سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ جسے وہ تلاش کر رہا ہے، وہ کہاں تھا۔ وہ چند فقروں میں ماہر فرید کی زندگی کی سب سے بڑی مسٹری کھول سکتی تھی۔ سرکار۔ ہلال۔ بدر۔ لیکن نہیں۔

''میں کبیرہ تائی سے بات کروں گی۔'' جلدی جلدی ٹائپ کر کے بھیجا اور سیدھی ہوئی۔ ایک لڑکی اندر داخل ہوتی دکھائی دی تھی۔ مالا تیزی سے کیش کاؤنٹر کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ اور چہرے پر کینیڈین مسکراہٹ سجالی۔

''گڈ مارننگ۔ آپ کیا لیں گی؟''

''کشمالہ مبین؟'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔ وہ چونکی۔ وہ لڑکی کافی فربہ تھی۔ ایک ہاتھ میں چند شاپنگ بیگز تھے۔ دوسرے سے بار بار بال درست کر رہی تھی۔ وہ پریشان تھی۔ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا۔ کہاں؟

''جی۔ آپ کون؟'' اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی اور ابرو اکٹھے ہو گئے۔

''میں روبی ہوں۔ ہیلو۔'' اس نے بدقت مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھا دیا۔ مالا نے اس کا ہاتھ ملایا۔ وہ موٹا اور بے حد نرم سا ہاتھ تھا۔ کسی بچے کے جیسا۔ اس نے غور سے لڑکی کو دیکھا۔ بھرے بھرے گالوں والا چہرہ، بے حد گھنی مڑی ہوئی پلکیں جو غالباً eye lash extensions تھیں۔ نیلا آئی لائنر۔ اور لمبے لمبے acrylic کے

ناخن۔

''میں کیف کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ وہ میری کال نہیں اٹھا رہا۔''

اور ایک جھماکے سے اسے یاد آیا۔ یہ وہ لڑکی تھی جس کی شادی کا شوٹ کیف جمال نے کرنا تھا۔ اس روز اس نے اسے کیف کے ساتھ دیکھا تھا۔ کیف نے بتایا تھا کہ یہ اس کی کلائنٹ تھی۔

''میں نہیں جانتی کیف کہاں ہے۔ اس نے مجھے کہا ہے کہ وہ چند دن تک کام پہ نہیں آئے گا۔'' وہ سر جھکا کے فون کھولنے لگی۔ دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔ جب اس نے چہرہ اٹھایا تو دیکھا، روبی کی آنکھوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔

''کیف بھاگ گیا ہے نا؟'' آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

''میں نہیں جانتی۔ اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔'' اس نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے فون ایک طرف رکھ دیا۔ ''تم کسی اور کو ہائر کر سکتی ہو؟''

روبی نے جواب نہیں دیا۔ وہ شکستہ قدموں سے چلتی ہوئی قریب رکھی ایک کرسی پر جا بیٹھی۔ سر ہاتھوں میں گرا لیا اور ایک دم پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

''سب خراب ہو گیا۔ سب کچھ۔ میری شادی۔ میرا اہم دن۔'' وہ بلک بلک کے رو رہی تھی۔

وہ چند لمحے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی اسے دیکھے گئی۔ وہ شادی کے دن کے خراب ہونے پہ کیوں رو رہی تھی؟ شاید وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا شوہر ایک اذیت دینے والا مرد نکلے گا، اور ایک دن اسے ایک باکس کے ساتھ اپنا گھر چھوڑنا پڑے گا۔ اس شادی کا فوٹو شوٹ اسے کیوں کروانا تھا جس کا انجام طلاق ہی تھا۔ یا سمجھوتہ؟

''روبی... روبی۔'' اس نے سکون سے ایک گلاس میں برف بھری۔ پھر پانی ڈالا۔ اسٹرا رکھا۔ اور کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کر اس کی میز تک آئی۔ گلاس اس کے سامنے رکھا اور مقابل کرسی کھینچی۔

روبی نے بھیگی پلکیں اٹھا کے اس سیاہ پی کیپ والی لڑکی کو دیکھا۔ اس کا نیلا لائنر پھیل چکا تھا اور ناک گلابی ہو رہا تھا۔

''ہفتے کے دن میری شادی ہے۔''

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

''میں اس کو ایڈوانس دے چکی تھی۔ اب میرے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ کسی دوسرے فوٹوگرافر کو ہائر

کروں۔اور ایک دن کے نوٹس پہ کوئی کام نہیں کرتا یہاں۔سب booked ہیں۔بہار کا سارا سیزن booked ہے۔'' ٹھنڈے پانی کا اَن چھوا گلاس خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔اس کی بیرونی سطح پر پسینے کے قطرے گرتے رہے۔وہ لڑکی اسی طرح روئے جا رہی تھی۔

''میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟''

''اس نے تمہارا نام لیا تھا۔'' اس نے بچوں جیسے موٹے ہاتھوں سے گال صاف کیے۔نیلی لکیریں چہرے پر نہروں کی صورت جمی تھیں۔

''میں اس کی کسی فوٹوگرافی کمپنی کا حصہ نہیں ہوں۔'' وہ سکون سے سینے پہ بازو لپیٹے ہوئے تھی۔

''اس نے مجھے رات میں ایک میسج چھوڑا تھا۔کہ اگر کوئی مسئلہ ہو تو میں تمہارے پاس آؤں۔''

آہ زیاد سلطان۔اس نے افسوس سے گہری سانس لی۔اس نے کیف جمال کو غائب ہو جانے کے لیے کہا تھا۔ایسے کہ وہ اپنے کام کا ملبہ مالا پہ ڈال جائے۔لیکن وہ اس کے لیے تیار تھی۔وہ اس دن سے اس کے لیے تیار تھی جب اس نے کیف جمال کو ہائر کیا تھا۔وہ دوسری دفعہ ایک ہی سوراخ سے نہیں ڈسی جائے گی۔کیا کیف جمال، کیا زیاد سلطان، اور کیا ماہر فرید۔یہ تینوں اس کی مشکلات بڑھانے آئے تھے۔کم کرنے نہیں۔اور وہ اب ان میں سے کسی کے ہاتھوں میں استعمال نہیں ہوگی۔

''مجھے تم سے ہمدردی ہے، روبی۔لیکن میں کیف کے لیے لائیبل نہیں ہوں۔میرا اس کے ساتھ ایسا کوئی کانٹریکٹ نہیں ہے جس کے تحت میں تمہاری مدد کر سکوں۔تمہیں پولیس کے پاس جانا چاہیے یا عدالت میں۔میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔''

''میں کیا کروں؟ میری شادی ہے دو دن بعد۔'' وہ پھر سے رو دینے کو تھی۔اس نے گلاس ابھی تک نہیں چھوا تھا۔

کشمالہ اپنی جگہ سے اٹھی اور بے بسی سے شانے اچکائے۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی، پیچھے سے گزرتی جے پی زیر لب بڑبڑائی۔

''وزن کم کرو۔اور کیا۔'' اس نے پنجابی میں کہا تھا۔اور روبی ایک سفید فام لڑکی تھی۔مگر ایک دم وہ تیزی سے کھڑی ہوئی اور زور سے گلاس کو ہاتھ مارا۔پانی اور برف کے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے۔

''تمہیں لگتا ہے یہ اتنا آسان ہوتا ہے؟'' وہ حلق کے بل چلائی۔آنسوؤں سے بھیگا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

جے پی ایک دم بوکھلا گئی۔

''میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔تم غلط سمجھی ہو۔''

لیکن اس ملک میں ہر انسان کو اپنے احساس کمتری کا ترجمہ ہر اس زبان میں آتا تھا جو یہاں بولی جاتی تھی۔

''وزن کم کرنا آسان نہیں ہوتا۔تم نے میری زندگی نہیں گزاری۔''وہ اسی طرح چلا رہی تھی۔

مالا نے ملامتی نظروں سے جے پی کو دیکھا۔وہ بہت زیادہ گھبرا گئی تھی۔پھر وہ روبی کے قریب آئی۔دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما۔

''ریلیکس۔تم غلط سمجھی ہو۔وہ کچھ اور کہہ رہی تھی۔''نرمی سے کہنا چاہا۔روبی نے زخمی نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''میں وزن کم نہیں کر سکی۔اور میرا فوٹو گرافر بھاگ گیا۔میں کیا کروں گی؟''وہ ایک دم رونے لگی۔مالا چند لمحے اسے روتے ہوئے دیکھتی رہی۔پھر اس کے کندھے پر دباؤ دے کر اسے واپس کرسی پر بٹھایا۔

''تم نے کیف کو مکمل رقم ادا نہیں کی تھی؟''ساتھ ہی ٹشو اس کی طرف بڑھایا۔روبی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''نہیں۔ایڈوانس دیا تھا۔''اس نے ٹشو تھام لیا۔

''اگر تم باقی رقم مجھے ادا کر دو تو میں تمہارا فوٹو شوٹ کر دوں گی۔''

آنکھ کے کنارے صاف کرتے ہوئے اس کے ہاتھ ٹھہرے۔

''تم فوٹو گرافر ہو؟''اسے اچھنبا ہوا۔

''نہیں۔لیکن تمہیں فوٹو گرافر نہیں چاہیے۔تمہیں کچھ اور چاہیے۔''

''کیا؟''

''سحر۔''وہ اداسی سے مسکرائی۔''ایک الوژن۔''

روبی کی پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔وہ ٹھہر کے اس کے اگلے الفاظ سننے گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روبی کے جانے کے بعد کئی گاہک آئے اور گئے۔یہاں تک کہ اس کی شفٹ کا وقت ختم ہو گیا۔آج جے پی بھی قدرے ڈھیلی تھی۔اس نے ایک دفعہ جتاتے ہوئے انداز میں دو دن کی چھٹی مانگی تاکہ وہ روبی کی شادی کا فنکشن کور کر سکے اور جے پی نے بلا تامل اسے چھٹی دے دی۔اگر روبی شکایت کر دیتی تو معاملہ کہاں جا پہنچتا، جے پی

تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

''میں کچھ دن میں تمہارے پیسے واپس کر دوں گی۔'' اس نے ایپرن اتارتے ہوئے اسی جتانے والے انداز میں جے پی کو یاد کروایا تھا۔ اس نے محض سر ہلا دیا۔

وہ ٹرینچ کوٹ پہنے، بالوں کو گول مول کر کے کیچر میں لگائے، جس وقت شاپ سے نکلی، ماہر فرید سامنے مال کی راہداری میں آتا دکھائی دیا۔

''آج تمہارا باڈی گارڈ نظر نہیں آ رہا؟''

وہ ہمیشہ کی طرح ہشاش بشاش تھا۔ سیاہ پینٹ۔ سفید شرٹ۔ جیبوں میں ہاتھ۔ ماتھے پر بکھرے بال اور بڑھی شیو۔ کیا اس کے پاس پہننے کے لیے ان دو رنگوں کے سوا کچھ نہ تھا؟

''وہ مجھے دھوکہ دے کر بھاگ گیا ہے۔'' مالا نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں سامنے والی شاپ کو دیکھا جہاں کیف جمال بیٹھا کرتا تھا۔

''لیکن اس نے یہ پہلی دفعہ نہیں کیا۔'' اگلا فقرہ اس نے قدرے اونچا کہا تھا۔

ماہر نے جیبوں سے ہاتھ نکال کے اٹھا دیے۔

''میں کیسے بھول گیا تھا کہ ہر بات میں پہلا قصور ماہر فرید کا ہوتا ہے؟''

وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔ ماہر نے ایک نظر کافی شاپ کے شیلف کو دیکھا۔ شیلڈن کے گملے تلے کوئی نوٹ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اسے مایوسی ہوئی۔

''اس دفعہ کتنا نقصان کر کے گیا ہے؟''

وہ مال کی راہداری میں آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے آیا۔

''اس کا دیا نقصان میں تول یا گن نہیں سکتی۔''

''ہم اس کو ٹریس کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ وہ ملک سے باہر نہیں گیا ہوگا۔ اس جیسا انسان کینیڈا آ کے یونہی واپس نہیں جاتا۔''

''جب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی، بتا دوں گی۔''

وہ دونوں ساتھ ساتھ مال کی راہداری میں آگے بڑھ رہے تھے۔ چند لمحے یونہی پھسل گئے۔ اس کی خاموشی پہ وہ جیسے زچ ہو گئی۔

''کیا سارے شہر کی کافی شاپس بند ہوگئی تھیں جو یہاں آئے ہو؟''

''زیادسلطان!''

وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ ماہر دو قدم پیچھے تھا۔ اس کے ان الفاظ پہ وہ رک گئی۔

''کیا؟'' چونک کر اس کی طرف پلٹی۔

''مجھے زیاد سے ملنا ہے۔'' وہ وہیں کھڑا تھا۔ سنجیدہ۔ قطعی انداز۔ وہ فیصلہ کر کے آیا تھا۔

''کیوں؟'' اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''کیونکہ وہ ہلال کے بارے میں جانتا ہے۔ وہ سرکار کو جانتا ہے۔'' وہ قدم قدم چلتا اس کے سامنے آ رکا۔ ''ارے ہاں۔ تم اس سے پوچھو گے اور وہ فوراً سب سچ بتا دے گا۔'' مالا نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

''پوچھنے پہ سب سچ نہیں بتاتے، جانتا ہوں۔'' وہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ کیا اسے کوئی شک تھا؟

''میں تمہیں اس کا نمبر بھیج دیتی ہوں۔ جو کرنا ہے کر لو۔ میری زندگی میں اس سے بڑے مسائل ہیں۔'' مالا نے چہرہ موڑ لیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کی پلکوں کا ارتعاش دیکھ لے۔

''مثلاً؟'' وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ سامنے ایک چمکتی دمکتی شاپ کی شیشے کی دیوار کو۔

''جانتے ہو ہر وقت کسی کے ریڈار کے نیچے رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے؟'' شیشے کی دیوار میں بہت سے جوتے سجے تھے۔ ہائی ہیلز۔ اسٹائیلیٹو۔ ایک کچے سیب کے رنگ کی بھی تھی۔ اس کی نگاہیں اس پہ جم گئیں۔

''یہ احساس کہ ہر وقت کوئی آپ کا تعاقب کر رہا ہے۔ آپ کو دیکھ رہا ہے۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔ بس غور سے اس کا چہرہ دیکھے گیا۔

وہ مال کی زرد روشنیوں میں مزید زرد دکھائی دیتی تھی۔ کیا وہ بیمار تھی؟ اس کی آنکھوں تلے حلقے تھے۔ چہرہ میک اپ سے پاک تھا اور زخموں کے نشان اب مندمل ہو چکے تھے۔ وہ خوفزدہ نہیں تھی۔ وہ پریشان تھی۔ یا شاید چوکنی۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔ سبرینہ درست کہتی تھی۔ وہ جو سارے زمانے کے انسانوں کو پڑھ سکتا تھا، اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں کا لینز دھندلا جاتا تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' اس نے سنا نہیں کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔ اس نے بس وہی سنا جو وہ پوچھ رہا تھا۔

مالا نے دھیرے سے سر جھٹکا۔

''مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ چلو گے؟''

اگلے چند منٹ خاموشی سے گزرے۔ وہ ایک شاپ میں داخل ہوئی۔ سیدھی ایک ریک تک گئی۔ مطلوبہ شے اٹھائی۔ ایک سفید پیکٹ۔ اور کاؤنٹر تک چلی آئی۔ بل پے کر کے وہ باہر نکل آئی۔ وہ خاموشی سے اس کے بولنے کا انتظار کیے گیا۔

''ونرز'' میں داخل ہونے تک وہ نہیں بولی۔ بس ایک کپڑوں کے سیکشن تک آئی۔ وہاں بہت سے ڈریسز ہینگرز سے آویزاں کیے گئے تھے۔ بیسیوں ڈریسز۔ پھنسے پھنسے سے۔ ایک ایک ہینگر نکالنے میں توانائی لگتی۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیف غائب ہو گیا ہے۔'' وہ ہینگرز الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ وہ مختلف شرٹس اور ٹاپس تھے۔

''تم بتا چکی ہو۔ پھر؟''

''اس نے ایک لڑکی کا اہم دن خراب کر دیا ہے۔ ہفتے کو اس کی شادی ہے۔ وہ اتنی جلدی نیا فوٹو گرافر ارینج نہیں کر سکتی۔''

مالا نے ایک ہینگر نکالا۔ تنقیدی نظروں سے اس پر لٹکا ٹاپ دیکھا۔ پھر واپس لٹکا دیا۔ اور اگلے ہینگرز کھنگالنے لگی۔ وہ اس کے دائیں جانب کھڑا تھا۔ مالا کا نیم رخ اس کے سامنے تھا۔ ماتھے پر بل۔ غصہ۔ بے بسی۔

''پھر؟''

''پھر یہ کہ میں نے اس کا فنکشن کور کرنے کا وعدہ کر لیا ہے۔'' وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف پلٹی۔

''لیکن تم فوٹو گرافر نہیں ہو۔'' وہ چونکا۔

''فوٹو گرافر تو تم بھی نہیں تھے۔'' ایک جتاتی نظر اس پہ ڈال کے وہ واپس ریک کی طرف پلٹ گئی۔ ماہر نے گہری سانس لی۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ ہر بیس منٹ بعد اس کی ایک غلطی کا طعنہ اس کو نہ دے؟

''تم اس کا فوٹو شوٹ کیوں کرو گی؟ وہ اپنا بندوبست کر لے گی۔ چھوڑو۔''

''مجھے پیسے چاہیے ہیں۔ میں نے جے پی کی رقم ادا کرنی ہے۔''

''پیسے کمانے کے اور طریقے بھی ہوتے ہیں، مالا۔''

اس نے ہینگر نکالتے ہوئے ایک خفا نظر ماہر پہ ڈالی۔

''میرے ابا میرے لیے فرید ہولڈنگ چھوڑ کے نہیں گئے تھے، ماہر بے۔'' ہینگر پر آویزاں لباس اونچا اٹھا کے دیکھنے لگی۔ نیلے اور سبز رنگ کا ٹائی اینڈ ڈائی نرم کپڑے کا میکسی ڈریس جس کے گریبان پر قطار میں بڑے بڑے گول

بٹن لگے تھے۔

''لیکن تم فوٹوگرافر نہیں ہو۔''اس نے نرمی سے یاد دلایا۔

''اس کو فوٹوگرافی نہیں چاہیے۔اس کو کچھ اور چاہیے۔''

''کیا؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔وہ اب قد آور آئینے کے سامنے کھڑی، اس نیلے سبز لباس کو کندھوں پر رکھ کے دیکھ رہی تھی۔میکسی کا گھیرا اس کے ٹخنوں کو چھو رہا تھا۔

''یہ لے لوں؟''

وہ چونکا۔وہ ابھی تک آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب اس نے ماہر سے اس کی رائے مانگی تھی۔

''ہوں۔''اس نے کندھے اچکا دیے۔ سیاہ اور سفید کے سوا سارے رنگ ایک جیسے تھے۔البتہ سرخ ہوتا تو۔خیر۔وہ اس کو مزید ناراض نہیں کر سکتا تھا۔

''تمہیں اتنا بڑا رسک نہیں لینا چاہیے۔وہ لڑکی کوئی بھی فوٹوگرافر ڈھونڈ لے گی۔''

وہ کاؤنٹر پہ پے منٹ کر کے، شاپنگ بیگ لیے اس تک آئی تو وہ پھر سے کہنے لگا۔مالا نے بس ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی۔

''مجھے پیسے چاہئیں۔''اپنی بات دہرائی۔وہ کچھ کہنے لگا، پھر رک گیا۔

''مگر تمہیں ایک کیمرہ چاہیے ہوگا۔''اس نے جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے۔زندگی میں کچھ کام بہت مشکل تھے۔کشمالہ مبین کو اس کی مرضی کے خلاف کچھ منوانا ان میں سے ایک تھا۔

''صرف کیمرہ نہیں۔''

وہ لباس کو بازو پر فولڈ کیے اس کی طرف پلٹی۔

''مجھے ایک سیکنڈ فوٹوگرافر بھی چاہیے۔''

اس سارے دن میں پہلی دفعہ وہ ہلکا سا مسکرائی تھی۔

ماہر فرید نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''Let's rent two cameras.''اس نے آگے بڑھ کے شاپ کا دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گیا۔وہ راہداری میں آگے بڑھتی گئی۔

اس کو ہفتے کے دن بہت سے کام کرنے تھے۔لیکن وہ اپنا شیڈیول خالی کر سکتا تھا۔مالا نے اسے پہلی دفعہ ایک کام کہا تھا۔وہ اس کو انکار نہیں کر سکتا تھا۔

شاید وہ اس کی غلطی معاف کرنے کو تیار تھی۔شاید وہ اس پہ اعتبار کرنے کو تیار تھی۔

یا شاید وہ اسے بے وقوف بنا رہی تھی۔اس کی آنکھ کا عدسہ پھر سے دھندلا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روبی کی شادی کا انتظام کھلی فضا میں ایک سبزہ زار پر کیا گیا تھا۔دو قطاروں میں کرسیاں رکھی تھیں۔ایک سفید پھولوں اور سبز پتوں سے سجا پلیٹ فارم تھا۔وہاں بہت سی میڈز آف آنر قطار میں کھڑی دلہن کا انتظار کر رہی تھیں۔مالا ان سے ہٹ کے سبزہ زار پہ کھڑی،منتظر نگاہوں سے داخلہ گاہ کو دیکھ رہی تھی جہاں سے مہمان اندر آ رہے تھے۔کیمرے کا اسٹریپ گردن میں لٹکائے،بالوں کو جوڑے میں باندھے،وہ ہاتھ میں پانی کی بوتل پکڑے ہوئے تھی۔آج موسم قدرے گرم تھا لیکن یہ وین کو ورتھا۔چند منٹ میں ٹھنڈ ہو سکتی تھی۔

''تم لیٹ ہو۔''

جب وہ داخلہ گاہ سے اندر آتا دکھائی دیا تو وہ خفا سی بولی۔اس نے سفید ہڈی پہن رکھی تھی اور کندھوں پر ایک بیک پیک تھا۔آنکھوں پہ سن گلاسز اور چہرے پہ مسکراہٹ۔

''خوش قسمتی سے میرے باپ نے میرے لیے فرید ہولڈنگ چھوڑی تھی۔اور مجھے اس کے کام ختم کرتے کرتے وقت لگ جاتا ہے۔''

وہ اس کے عین سامنے آ کے رکا۔آنکھوں سے گلاسز اتارے۔دھوپ اب ماہر کی پشت پہ تھی۔

''اوہ ہاں۔میں کیوں بھول جاتی ہوں کہ تم ایک ویڈنگ فوٹوگرافر نہیں ہو،جس کا نام کیف تھا۔''اس نے اپنے کیمرے کو سیدھا کرتے ہوئے ماہر کی جانب سے رخ موڑ لیا۔وہ اب بھی دھوپ اور اس کے درمیان کھڑا تھا۔

''تم مجھے اس سب کے لیے معاف نہیں کر سکتیں؟''

ماہر فرید نے گہری سانس لے کر افسوس سے پوچھا تھا۔

''نہیں۔''اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔''روبی ہمارا انتظار کر رہی ہو گی۔''

وہ آگے بڑھ گئی۔اور تب وہ بولا۔

''آئی ایم سوری۔''

مالا نے پلٹ کے اسے دیکھا۔اب وہ دھوپ کی طرف تھی اور وہ سایے میں۔وہ اس کا چہرہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''کیف جمال بن کے تمہاری زندگی میں آنے کے لیے۔تمہیں سچ نہ بتانے کے لیے۔آئی ایم سوری۔''

کشمالہ نے جواب نہیں دیا۔بس سر ہلا دیا۔اور آگے بڑھ گئی۔

''مجھے زیاد سے ملنا ہے۔''وہ دونوں سبزہ زار کے دہانے پر بنی عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے جب وہ بولا۔

''تمہیں میری اجازت چاہیے؟''وہ جیسے اس موضوع سے احتراز برت رہی تھی۔

''مجھے اس کا نمبر چاہیے۔''

''بھیج دوں گی۔''

''بھیجنا ہوتا تو تم کل بھیج چکی ہوتی۔مگر تم نہیں چاہتیں کہ میں اس سے ملوں۔''

''تم اس سے مل کے کیا کرو گے؟''اس نے قلعے نما عمارت کا دروازہ کھولا۔اندر باہر کی نسبت نیم اندھیرا اور ٹھنڈ تھی۔

''وہ جانتا ہے کہ ہلال کہاں ہے۔اور سرکار کون ہے۔زیاد سلطان ہماری کہانی کا وہ واحد کردار ہے جو سب جانتا ہے۔''

''وہ تمہیں کیوں بتائے گا کچھ؟''

''ہر انسان کو کچھ نہ کچھ چاہیے ہوتا ہے۔میں اس سے ہلال کے بدلے میں کوئی ڈیل کر سکتا ہوں۔''

''ہاں۔اس ایک کام میں تم بہت اچھے ہو۔''مالا نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔وہ قلعے کی سیڑھیوں کے ساتھ کھڑی تھی۔سارا وجود اب نیم اندھیرے میں تھا۔

''وہ میرے ساتھ عرصے سے ایک ڈیل کرنا چاہتا ہے۔اس نے مجھے اس مرڈر کیس میں اس لیے پھنسایا کیونکہ میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔''

''کون سی بات؟''وہ چونکی۔

چند لمحے کے لیے سیڑھیوں کے دہانے پہ خاموشی چھا گئی۔لکڑی کے زینوں کے دونوں کناروں پر موم بتیاں جل رہی تھیں۔چھت سے لٹکتا فانوس بھی دمک رہا تھا۔وہ کچھ دیر اس مدھم روشنی میں مالا کے چہرے کو دیکھتا رہا۔وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اس کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اس نے کہا تھا کہ میں تمہاری زندگی سے نکل جاؤں۔''

''مگر تم میری زندگی میں تھے ہی نہیں۔''

کسی کھلی کھڑکی سے ہوا کا جھونکا اندر آیا۔ بہت سی موم بتیوں کے شعلے خوف سے پھڑ پھڑائے۔ اور ماہر فرید نے گہری سانس لی۔

''جانتا ہوں۔ اسی لیے میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔ اب بھی وہ یہی کہے گا۔''

''اگر ہلال کے بدلے میں وہ یہ شرط رکھتا ہے تو تمہیں جلد از جلد میری زندگی سے نکل جانا چاہیے۔'' ہلکے سے شانے اچکا کے وہ زینے چڑھنے لگی۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ اس کے پیچھے ہولیا۔ ہر قدم کے ساتھ زینے سے لکڑی کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔

''میں صرف اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میں جان جاتا ہوں کہ لوگ مجھ سے کب سچ بولتے ہیں اور کب نہیں بولتے۔''

وہ اسی طرح اوپر چڑھتی رہی۔ مڑ کے نہیں دیکھا۔ کیا وہ ایسے ہی کہہ رہا تھا یا اسے کوئی شک تھا؟

''تمہیں زیادہ سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہلال کو واپس کر دے گا۔''

وہ اوپر جا چکی تھی۔ وہ چند زینے نیچے تھا۔ ریلنگ پر جما ہاتھ وہیں ٹھہر گیا۔ چونک کر اس کی پشت کو دیکھا۔

''کیا اس نے ایسا کہا ہے؟'' وہ ایک دم تیزی سے لپک کے اس کے سامنے آیا۔ وہ اس سے نگاہ ملائے بغیر ایک کمرے کے بند دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ اس کی نچلی درز سے روشنی جھانک رہی تھی۔

''وہ کر دے گا۔ وہ میرے لیے یہ کر دے گا۔'' مالا نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔

''کیوں؟ تم تو اس سے الگ ہو رہی ہو، پھر وہ کیوں...'' اور اگلے ہی لمحے کسی نے اس کے دل پہ پیر رکھ لیا۔

''تم واپس اس کے پاس چلی جاؤ گی؟'' وہ بے یقین تھا۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے دروازہ کھول دیا۔ اندر سے بہت سی روشنی باہر آئی۔

وہ ایک ہوادار اونچی کھڑکیوں والا روشن کمرہ تھا۔ ایک کونے میں قد آور آئینہ رکھا تھا جس کے سامنے سفید ریشم کے لباس والی روبی کھڑی تھی۔

وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے سر پر رکھا جالی دار ویل درست کر رہی تھی۔ آہٹ پہ پلٹی۔ انہیں دیکھ کے

مسکرائی۔

''یہ ماہر ہے۔میرا سیکنڈ فوٹوگرافر۔''وہ رسمی مسکراہٹ کے ساتھ کہتی آگے آئی۔وہ جو بہت کچھ کہنا چاہتا تھا،لب بھینچے خاموش ہوگیا۔

''تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا؟ مجھے تصویروں میں پتلا نظر آنا چاہیے۔''روبی کی آنکھوں میں بہت سے ستارے دمک رہے تھے۔مالا مسکرائی۔اس دفعہ اس کی مسکراہٹ خالص تھی۔

''میں پوری کوشش کروں گی۔''

''روبی۔تم ویسے بھی خوبصورت ہو۔''وہ دیوار سے ٹیک لگائے،پیروں کی قینچی بنائے،جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ماتھے کی شکنیں گہری تھیں۔

سفید لباس والی دلہن اس کی طرف گھومی۔تیوریاں چڑھ گئیں۔

''میں ایک موٹی لڑکی ہوں۔ایک plus size لڑکی۔اور بالکل بھی یہ مت کہنا کہ سارے جسم خوبصورت ہوتے ہیں۔کیونکہ یہ وہ بات ہے جو موٹے لوگوں نے اپنے جیسے دوسرے موٹے لوگوں کا دل رکھنے کے لیے گھڑ رکھی ہے۔''اس کا چہرہ تمتمانے لگا۔آنکھوں کے کنارے بھیگ گئے۔

''یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ورنہ کسی موٹے انسان کو اپنا جسم پسند نہیں ہوتا کیونکہ ہمارے اوپر کچھ اچھا نہیں لگتا۔ہر تصویر کے لیے پوز کرتے وقت ہمیں خوف ہوتا ہے کہ ہمارے جسم کی چربی نظر نہ آجائے۔مگر وہ پھر بھی نہیں چھپتی۔''پھر اس نے چہرہ مالا کی طرف موڑا۔"لیکن مالا نے کہا ہے کہ وہ ایک illusionist ہے۔اور وہ بنا فوٹوشاپ کے مجھے پتلا دکھا سکتی ہے۔"وہ بہت امید سے اسے دیکھ رہی تھی۔مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ماہر کی پرواہ نہ کرو۔یہ خود بھی نہ نان خطائی کھاتا ہے نہ بسکٹ۔''بہت سکون سے کہتی اب وہ روبی کا ویل درست کر رہی تھی۔ماہر نے شانے اچکا دیے۔

روبی کی ماں آگئی اور وہ میک اپ آرٹسٹ کے ساتھ اس کے میک اپ کو آخری ٹچز دینے لگے تو وہ اس کے قریب آیا۔

وہ سر جھکائے،کیمرے کے بٹن دباتی ننھی اسکرین میں کچھ دیکھ رہی تھی۔وہ کھنکھارا۔

''Play the man and not the ball''

''ہوں؟''چونک کر چہرہ اٹھایا۔وہ نفی میں دائیں بائیں سر ہلا رہا تھا۔

''جب کھیلنا نہ آتا ہو تو کھیلنے والے کو کھیلنا چاہیے۔ ہے نا؟''

"مطلب؟" وہ واپس کیمرہ پہ جھک گئی۔

"وہ لڑکی اتنی موٹی نہیں ہے۔ تمہیں اس کی اِن سیکیورٹی دور کرنی چاہیے تھی۔ مگر تم اس کی تصدیق کر رہی ہو۔"

میں اس کی تھیراپسٹ ہوں، نہ اس کی ماں۔ یہ میری جاب نہیں ہے کہ میں اس کی ان سیکیورٹی دور کروں۔ ابھی دنیا میں ایسی عورت بنی نہیں ہے جو آئینے میں خود کو دیکھے اور اسے کوئی خامی نہ نظر آئے۔"

ماہر فرید نے دونوں ابرو اٹھائے۔

"تم بھی؟" اس نے استعجاب سے سبز آنکھوں والی خوبصورت لڑکی کو دیکھا جس کے چہرے پر کوئی میک اپ نہ تھا۔ صرف شفافیت اور سادگی تھی۔

"ہاں، میں بھی۔" مالا نے کھڑکی کے شیشے کو دیکھا جس پر اس کا عکس نمایاں تھا۔ چہرے پر دانے تھے۔ آنکھوں تلے حلقے۔ خوبصورتی کی شیلف لائف بہت کم تھی۔ اس نے سر جھٹک دیا۔

"مگر..."

"کہا نا... کوئی عورت اپنے جسم سے خوش نہیں ہوتی۔ بالخصوص اگر وہ یہ سمجھتی ہو کہ وہ موٹی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو اس کے عقیدے سے نہیں ہٹا سکتی۔ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتی سوائے اس کے کہ اس کے اہم دن پہ اس کو ویسے دکھا سکوں جیسا وہ خود کو دیکھنا چاہتی ہے۔"

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے، دیوار سے ٹیک لگائے، خاموشی سے کھڑا اسے دیکھے گیا۔ وہ اب کیمرے پہ چہرہ جھکائے، بٹن پریس کرتی کہہ رہی تھی۔

''وہ اس وقت صرف ویڈنگ فنکشن کا سوچ رہی ہے۔ شادی کے بارے میں ساری لڑکیاں صرف فنکشن تک کا سوچتی ہیں۔ اس ایک دن کے لیے اتنا پیسہ اور توانائی صرف کرتی ہیں۔ حالانکہ شادی تو اگلے دن سے شروع ہوتی ہے۔ جب فلیش لائٹس ماند پڑتی ہیں اور میک اپ اترتے ہیں۔ پھر دن کی روشنی میں اصلی چہرے اور نقلی ہیرے صاف دکھائی دیتے ہیں۔''

اس کی آواز میں کچھ تھا۔ کچھ اداس کر دینے والا۔

''ساری شادیاں ایک جیسی نہیں ہوتیں، مالا۔''

''ہوتی ہیں۔'' اس نے چہرہ اٹھایا۔ اب وہاں کچھ نہ تھا۔ نہ طنز۔ نہ تلخی۔ صرف ویرانی۔ ''کیونکہ سارے مرد ایک

جیسے ہوتے ہیں، ماہر بے۔"

وہ کیمرہ لیے آگے بڑھ گئی۔ روبی اس طرف آ رہی تھی۔

وہ مزید کچھ نہیں بولا۔ ان دونوں عورتوں کو سمجھانا فضول تھا۔ وہ بس خاموشی اور قدرے بے زاری سے سیڑھیوں کے دہانے پر کھڑا وہ سب دیکھتا رہا جو وہاں ہو رہا تھا۔ روبی کو اونچے زینے پر کھڑا کیے، وہ نیچے ایک سیڑھی پر بیٹھی، کیمرہ چہرے پہ لگائے، کلک کلک کر رہی تھی۔ فلیش لائٹس جل بجھ رہے تھے۔ پھر وہ روبی کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ اب وہ اسے ننھی اسکرین پر آئے شاٹس دکھا رہی تھی۔

روشنی اور اندھیرے کا امتزاج۔ زاویوں کا کھیل۔ pose کرنے کا ہنر۔ سب نے مل جل کے جو تصاویر تخلیق کی تھیں، ان کو دیکھ کے روبی کا چہرہ چمک اٹھا۔ حیرت۔ خوشی۔

"ابھی تھوڑی ایڈیٹنگ کے بعد یہ مزید بہتر ہو جائیں گی۔" وہ تصویریں دکھاتے ہوئے مسکرا کے کہہ رہی تھی۔

روبی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"تم نے یہ کیسے کیا، مالا؟"

اس نے مسکرا کے شانے اچکا دیے۔

"کہا نا۔ میں ایک الوژنسٹ ہوں۔"

ماہر اسی طرح دیوار سے لگا کھڑا، سنجیدہ چہرے سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ذہن میں بس ایک فقرہ گردش کر رہا تھا۔

(وہ کر دے گا۔ وہ میرے لیے کر دے گا۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات دین کوور پہ سیاہ بادلوں کی چادر تانے اتری۔ جس وقت ماہر اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول رہا تھا، باہر بادل برسنا شروع ہو چکے تھے۔

وہ چابیاں ریک میں لٹکاتا، جوتے اتارنے لگا۔ پھر ننگے پیر فرش پر چلتا آگے آیا اور قدرے بے زاری سے کیمرے کا اسٹریپ گردن سے نکالا۔ بیک پیک ایک طرف پھینکا۔ وہ نیچے جا گرا۔ ماہر نے گہری سانس لی۔ جھک کے بیک پیک اٹھایا اور درست کر کے رکھا۔ پھر بتیاں روشن کیں۔

یہ اس کا سیاہ سفید سا اپارٹمنٹ تھا۔ اس اپارٹمنٹ سے ملتا جلتا جس میں وہ استنبول میں رہتا تھا۔ دو رنگوں کا ڈیکور۔ دنیا سے باقی سارے رنگ جیسے ختم ہو گئے تھے۔

(وہ یہ کر دے گا۔ وہ میرے لیے ایسا کر دے گا۔)

کھڑکیوں پر تڑاتڑ بوندیں گر رہی تھیں۔ باہر بالکونی کی ریلنگ بھی بھیگ چکی تھی۔ وہ باہر آ کھڑا ہوا اور بازو ریلنگ پر رکھ کے دور نیچے پھیلی رات دیکھنے لگا۔

(وہ کر دے گا۔ وہ میرے لیے یہ کر دے گا۔)

وہ الفاظ تھے یا کوئی پگھلا ہوا سیسہ۔ ماہر نے آنکھیں بند کیں۔ آسمانوں سے برستا پانی اس پر گرتا رہا۔ بال، چہرہ، ہڈی، سب بھیگتا جا رہا تھا۔ لیکن اندر لگی آگ کسی صورت بجھ نہیں پا رہی تھی۔

اسے کسی سے بات کرنی تھی۔

وہ واپس اندر آیا تو گیلے پیروں کے نشان لکڑی کے فرش پر بنتے گئے۔ اس نے نم ہاتھ سے موبائل اٹھایا اور کانٹیکٹ لسٹ کھولی۔

''یاسمین؟'' فرشتے کے لفظ پہ وہ رک گیا۔ اونہوں۔ وہ یاسمین سے بات کر نہیں سکتا تھا۔ اس نے ماہر کو مالا کی زندگی میں واپس جانے اور اسے کنفیوژ کرنے سے منع کیا تھا۔ لیکن وہ کنفیوژ نہیں ہوئی تھی۔ وہ واپس اسی شخص کے پاس جا رہی تھی جس سے وہ اتنی مشکل سے پیچھا چھڑا کے نکلی تھی۔ اس وقت اس میں یاسمین کی ڈانٹ سننے کا حوصلہ نہ تھا۔

وہ کانٹیکٹ لسٹ نیچے کرتا واپس بالکونی تک آیا۔ گیلے قدموں کے نشان اس کے ساتھ باہر تک آئے۔

بیر بل سے بات کرنا فضول تھا۔ وہ ان معاملات میں اچھا ہوتا تو آج سنگل نہ ہوتا۔

وہ بالکونی میں شیڈ تلے رکھی کرسی پر بیٹھا اور پیر قینچی صورت میز پر رکھ لیے۔ ٹھنڈی ہوا گیلے بالوں سے ٹکراتی رہی۔ لیکن اس وقت اسے ٹھنڈ نہیں لگ رہی تھی۔

سبرینہ؟ اونہوں۔ وہ زیاد کی سابقہ محبت تھی۔ اور وہ مالا کو ناپسند کرتی تھی بالکل ایسے جیسے مالا سبرینہ کو ناپسند کرتی تھی۔

اندھیر بالکونی میں سر جھکائے بیٹھا ماہر ایک کے بعد ایک نمبر دیکھ رہا تھا۔ موبائل کی نیلی روشنی چہرے کو چمکا رہی تھی۔

وہ کس سے بات کرے جو اس کی بات سمجھ سکے؟ اسے نہیں چاہیے تھی ہلال کے لیے اس کی قربانی۔ اسے زیاد سلطان سے ایسی کوئی ڈیل نہیں کرنی تھی۔

وہ کس سے بات کرے جو اس کو الزام نہ دے؟ بلکہ اس کو مسئلے کا حل بتائے۔ وہ جو اس کو جج نہ کرے۔ وہ جس پہ اسے یہ بھروسہ ہو کہ وہ اس کے لیے وہ کرے گا جو وہ چاہتا ہو؟

ایک نمبر پر اس کا انگوٹھا ٹھہر گیا۔

صرف ایک شخص تھا جس کے پاس وہ تب جاتا تھا جب سارے دروازے بند ہو جاتے تھے۔

اس نے کال کا بٹن دبایا۔

یہ طے تھا کہ چاہے اسے پسند ہو یا نہ ہو، لیکن ماہر فرید کو ہمیشہ اسی کے پاس واپس جانا پڑتا تھا۔

''ہیلو؟'' عبدالمالک فرید کی سرد، بے تاثر سی آواز اسپیکر پہ سنائی دی۔

''مجھے تمہاری مدد چاہیے۔''

''میں سن رہا ہوں۔''

اس نے گیلے بال انگلیوں سے پیچھے کیے۔ پہلو بدلا۔ یہ ہمیشہ مشکل ہوتا تھا۔

''میں نے مالا سے کہا تھا وہ ہلال کو ڈھونڈنے میں میری مدد کرے۔''

وہ خاموشی سے سنے گئے۔

''زیاد جانتا ہے کہ وہ کہاں ہے۔ مجھے لگا شاید وہ زیاد سے پوچھ سکے یا...'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بالکونی کے سرے پر شیڈ ختم ہوتا تھا اور وہاں بارش کا پانی تڑتڑ برس رہا تھا۔ وہ پانی اور خشکی کی سرحد پہ آن رکا۔

''پھر؟''

''پھر آج اس نے کہا کہ زیاد ہلال کو واپس کر دے گا۔''

''کیوں؟''

''اس کے لیے۔ مالا کو واپس حاصل کرنے کے لیے۔'' وہ ایک ہتھیلی پھیلا کے ریلنگ تک لے گیا۔ پانی کی بوچھاڑ ہتھیلی سے ٹکرائی۔ تڑتڑتڑ۔ جیسے گولیاں سی برس رہی ہوں۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''مجھے اس کی قربانی نہیں چاہیے۔ ایک زندگی کو بچانے کے لیے دوسری بربادنہیں کرنی۔ وہ ایک حیوان ہے۔ وہ اس کے پاس واپس چلی گئی تو وہ اسے مار دے گا۔''

''یہ بات تم نے اس سے کہی؟''

''اس نے کبھی میری بات مانی ہے؟''

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''وہ ایک دفعہ پھر اپنی زندگی خراب کر لے گی۔ وہ دوبارہ اس سے پیچھا کیسے چھڑا...''

''تم کیا چاہتے ہو؟'' انہوں نے تم پہ زور دیا۔

ماہر نے گہری سانس لی۔ ہتھیلی واپس کھینچ لی۔ ٹھنڈی ہوا سے گیلے بال اور لباس سوکھنے لگے تھے۔

''میں زیادے سے ملنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہ مجھے اس سے ملنے نہیں دینا چاہتی۔''

''تمہیں اس کی اجازت چاہیے؟''

''نہیں۔ اسی لیے تمہیں کال کر رہا ہوں۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تم مجھے زیادسلطان کو ڈھونڈ کے دو گے۔ اس کی ماں وین کوور میں کسی ہسپتال میں ایڈمٹ ہے۔ وہ اس سے ملنے آتا ہوگا۔ مجھے اس ہسپتال کا نام وغیرہ معلوم کر دو۔ آگے میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔''

''شیور۔'' بلا تامل کہہ کے مالک فرید نے کال کاٹ دی۔

ماہر نے گہری سانس لے چہرہ اٹھایا۔ ریلنگ کے پار سیاہ رات اسی طرح بھیگ رہی تھی۔ بالآخر اس کے جلتے دل پہ بوجھ اڑ گرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح مالا کی آنکھ فون کی تیز گھنٹی سے کھلی تھی۔

اس نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔

وہ کہاں تھی؟

پلکیں جھپکائیں۔ منظر واضح ہوا۔

وہ اپنے اسٹوڈیو اپارٹمنٹ کے کمرے میں تھی۔ کل شادی کا ایونٹ کور کرنے کے بعد تھکاوٹ ایسی ہوئی تھی کہ رات وہ گھر آ کے سوئی تو اٹھ نہ سکی۔ اسے آج اٹھنا بھی نہیں تھا۔ آج کے دن کے لیے اس نے جے پی سے ویسے بھی آف لے رکھا تھا۔

بدقت کہنیوں کے بل اٹھی اور فون دیکھا۔ کون صبح صبح کال کر رہا تھا؟

روبی۔ چار مسڈ کالز۔

اس کو اب کیا مسئلہ ہے؟ اس نے فون پرے ڈال دیا اور کروٹ بدل دی۔ آنکھیں بند کر کے پھر سے سونے کی کوشش کی۔ روبی کو یقیناً تمام تصاویر چاہیے تھیں۔ لیکن وہ پیسے لیے بنا نہیں دے سکتی تھی۔ ابھی تو ایڈیٹنگ بھی کرنی تھی۔ اف۔ لیکن وہ مطمئن تھی۔

روبی کی تصاویر بہت اچھی آئی تھیں۔ روبی اتنی خوش ہوئی تھی کہ اس نے چند تصاویر فوراً مالا سے واٹس ایپ کروالی تھیں۔ اس نے انہیں پوسٹ کرنا تھا۔ روبی کا دھیان سارا وقت تصاویر پہ لگا رہا تھا۔ خیر اسے کیا۔ لیکن اسے جاگ جانا چاہیے۔ روبی نے اسے ادائیگی کرنی تھی۔ اور وہ پیسے اس کے لیے بہت قیمتی تھے۔

وہ سست روی سے اٹھ بیٹھی۔ فون کھول کے سب سے پہلے زیادکا میسج چیک کیا۔ کوئی پیغام نہیں۔

''تم نے میری آفر کے بارے میں کیا سوچا؟'' الفاظ ٹائپ کر کے بھیجے۔ پھر جمائی روکتے ہوئے روبی کو کال ملائی۔

''مالا...'' اس نے پہلی گھنٹی پہ فون اٹھا لیا۔ اس کی آواز قدرے بدلی ہوئی تھی۔

''ہیلو روبی۔ میں سو رہی تھی جب...''

''تم نے میرے ساتھ کیا کیا؟''

وہ اتنی زور سے چلائی تھی کہ الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے۔ ساری نیند آنکھوں سے بھک سے اڑ گئی۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

''کیا ہوا؟''

''تم نے ساری دنیا میں میرا تماشہ بنا دیا۔'' وہ چلاتے ہوئے رو رہی تھی۔

وہ جیسے بالکل گنگ رہ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

دماغ نے اس سب کو پروسیس کرنے کی کوشش کی۔

رات تک روبی ٹھیک تھی۔ سب اچھے سے ہوا تھا۔ روبی نے کئی دفعہ اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

''تم نے مجھے ایک مذاق بنا دیا۔'' روبی دھاڑیں مار کے رو رہی تھی۔ ''ساری دنیا مجھ پہ ہنس رہی ہے۔'' ''روبی کام ڈاؤن۔ مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے۔''

''وہ دیکھو جو میں نے بھیجا ہے۔'' وہ زور سے چلائی۔

مالا نے تیزی سے فون نیچے کیا۔ انباکس کھولتے ہوئے اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔

روبی کی واٹس ایپ چیٹ میں بہت سے پیغامات آئے رکھے تھے۔اپر کیس لیٹرز میں لکھے پیغامات۔

مجھے کال کرو۔

ارجنٹ۔

واٹ از دس، مالا؟

نیچے چند لنکس تھے۔

اسے وہ سب دیکھنے اور سمجھنے میں چند منٹ لگے۔

گزشتہ رات روبی نے مالا کی کھینچی تصویریں جاتے ساتھ ہی اپنے انسٹاگرام پہ پوسٹ کردی تھیں۔اس کے دوستوں اور رشتے داروں نے تصاویر کے نیچے بہت اچھے کمنٹس دیے تھے۔البتہ فنکشن میں آئے ایک مہمان نے جس کے ٹک ٹاک اکاؤنٹ پہ چند ہزار فالوورز تھے،روبی کی چند تصاویر کھینچی تھیں۔سامنے سے لی گئیں فون کیمرہ کی تصاویر۔ان تصاویر میں روبی موٹی دکھائی دیتی تھی۔ایسے کہ اس کی ڈبل تھوڑی واضح تھی۔پھر اس شخص نے اپنی کھینچی تصاویر اور مالا کی پروفیشنل کیمرے سے لی گئی تصاویر (جو روبی نے پوسٹ کی تھیں) کو ساتھ ساتھ جوڑ کے ٹک ٹاک پہ ایک ویڈیو ڈالی تھی۔

اس ویڈیو پہ لکھی عبارت کچھ یوں تھی۔

فوٹوگرافرز کا کمال۔وہ کسی کو کچھ بھی دکھا سکتے ہیں۔

ایک طرف مالا کی کھینچی تصویر تھی۔روبی سفید گاؤن میں کھڑی پیچھے مڑ کے دیکھ رہی تھی۔پوزنگ کا کمال تھا اور روشنی اندھیرے کے امتزاج کا۔اس جسم اور چہرہ پتلا لگ رہا تھا۔

دوسری جانب سامنے سے لی گئی تصویر تھی جس میں روبی مسکرا بھی نہیں رہی تھی۔اس کا ریسٹنگ فیس قدرے جھنجھلایا ہوا لگ رہا تھا۔فربہ جسم۔ڈبل تھوڑی۔پھولے گال۔مگر وہی لباس اور جیولری۔

یہ ویڈیو تین گھنٹے پہلے پوسٹ ہوئی تھی۔اور اس کو اب تک...مالا نے پلکیں جھپکائیں...دو ملین لوگ دیکھ چکے تھے۔اس کا دل ڈوبنے لگا۔

اس ویڈیو کے کمنٹ سیکشن میں سب اس موٹی لڑکی کو برا بھلا کہہ رہے تھے جو اپنے جسم سے خوش نہیں تھی اور یقیناً اس نے فوٹوگرافر کو خود کو پتلا دکھانے کے لیے کہا تھا۔لوگ اس کو بیوٹی اینڈ دی بیسٹ جیسے القابات دے رہے

تھے۔اور سب سے زیادہ وہ اس فوٹو گرافر کو گالیاں نکال رہے تھے جس نے کسی دلہن کی اِن سیکیورٹی کو استعمال کیا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی رہی۔چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔سوشل میڈیا کی نفرت برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔

کل جب روبی کی تصاویر اچھی آئی تھیں،تو اس کے دل نے خواہش کی تھی کہ کیا معلوم اس کا کام روبی کے دوستوں میں سے کسی کو پسند آئے اور وہ اس کو اپنے کسی ایونٹ کے لیے ہائر کر لیں۔یوں یہ اس کی ایک سائیڈ جاب بن سکتی تھی۔اس ملک میں گزارا کرنے کے لیے اسے ایک دوسری جاب چاہیے تھی۔

لیکن یہ اتنا بھیانک نتیجہ...اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ سب ہوگا۔

ایک بات طے تھی۔یہ مالا کی زندگی کا پہلا اور آخری فوٹو شوٹ تھا۔

''روبی میری بات سنو...''

اس نے کال ملائی لیکن وہ کچھ سننے پہ تیار نہیں تھی۔

''تم نے مجھے غلط گائیڈ کیا۔تم نے مجھے وہ دکھایا جو میں نہیں ہوں۔''وہ رو رہی تھی۔

''روبی،میں نے وہی کیا جو تم نے کہا تھا۔''

''تم نے میرا تماشہ بنا دیا۔میں موٹی ہوں۔تم نے میری اِن سیکیورٹی کے ساتھ کھیلا۔دوبارہ مجھے کال مت کرنا۔''

اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔وہ کہنا چاہتی تھی کہ میرے پیسے؟لیکن اب کوئی بھی شے روبی کو اس کی بات سننے پہ مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے دھیرے سے فون رکھا۔

یہ زیاد سلطان نے نہیں کیا تھا۔یہ دنیا والوں نے کیا تھا۔

اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔سر میں بے انتہا درد اٹھنے لگا تھا۔

وہ کتنی دیر میٹرس پر بیٹھی رہی۔بلی نہیں۔منہ بھی نہیں دھویا۔پردے نہیں ہٹائے۔دن کی روشنی کو اندر نہیں داخل ہونے دیا۔اس کی روم میٹ وہاں نہیں تھی۔نہ جانے کہاں تھی۔اسے پرواہ نہیں تھی۔

وہ گم صم سی گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھی رہی۔نگاہیں دیوار پر مرکوز تھیں۔

اور تب ہی فون بجنے لگا۔وہ جانتی تھی کس کی کال ہوگی۔

''تمہاری کلائنٹ وائرل ہوگئی ہے۔تم نے دیکھا؟''وہ محظوظ سا کہہ رہا تھا۔

''دیکھ چکی ہوں۔پھر کیا کروں؟''اس کی آواز گیلی تھی۔بے اختیار گالوں کو چھوا۔گرم قطرے۔

''تم رو رہی ہو؟''ماہر چونکا۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ہاتھ کی پشت سے گال رگڑے۔

وہ بھی چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

''اس نے مجھے کال کی۔وہ رو رہی تھی۔میں نے اس کا دن برباد کر دیا۔''

''اور اس نے تمہارا۔''

''تم اندر سے خوش ہو رہے ہو گے۔تمہیں وہ سب پسند نہیں آیا تھا۔''

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔وہ فون کان سے لگائے،اپنے سفید کچن میں کھڑا،گرائنڈر میں کافی بینز ڈال رہا تھا۔

''اگر یہ تمہارا بزنس ماڈل ہے تو مجھے اس پہ اعتراض کرنے کا حق نہیں۔وہ صرف میری رائے تھی۔''

''لیکن میں نے اس کو ایک meme بنا دیا۔''اس نے آنکھیں بند کر کے کنپٹی مسلی۔سر درد سے پھٹ رہا تھا۔

''میری فیلڈ میں کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کانٹریکٹ کرنے کے بعد میں کلائنٹ کی ڈیمانڈ کے مطابق ڈیزائن بناتا ہوں۔''وہ سر جھکائے کافی مشین کو دیکھ رہا تھا جس سے نکلتی بھوری دھواں دار دھار کپ میں گر رہی تھی۔

''لیکن کلائنٹ تب تک اپنا ذہن بدل چکا ہوتا ہے۔اسے وہ ڈیزائن پسند نہیں آتا۔''

''پھر تم کیا کرتے ہو؟''

''میں وہی کرتا ہوں جو مجھے میرے باپ نے سکھایا تھا۔وہ ایک چیز جو ایک اچھا بزنس مین بننے کے لیے چاہیے ہوتی ہے۔''

وہ خاموشی سے سنے گئی۔

''بے حسی اور shamelessness۔میں بے حس ہو کے بہت بے شرمی سے کلائنٹ سے اپنے پیسے مانگتا ہوں۔میرا کلائنٹ دوسروں کے سامنے شرمندہ ہو یا اپنی ترجیحات بدل لے،یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔اگر میں نے وہی کیا ہے جو اس نے مانگا تھا تو اس کو میری رقم ادا کرنی ہے۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔

''اگر تمہیں اس دنیا میں پیسے کمانے ہیں تو تمہیں بے حس بن کے shamelessly اپنا پیسہ وصول کرنا ہے۔

لحاظ اور مروت میں رہنے والوں کو ہر فیلڈ میں خسارے کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیا تم سن رہی ہو؟'' اس نے فون کان سے ہٹایا۔ کپ اٹھانے اور دودھ ڈالنے کی کھٹر پٹر میں وہ سن نہیں سکا کہ وہ کب کی کال کاٹ چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح ابھی دوپہر میں نہیں ڈھلی تھی جب روبی کے گھر کے دروازے پہ وہ آن کھڑی ہوئی تھی۔ زور سے گھنٹی پر انگلی رکھی اور پھر نہیں ہٹائی۔ یہاں تک کہ دروازہ کھلا اور ایک فربہ عورت دکھائی دی۔

''تم؟'' ناپسندیدگی سے اسے دیکھنے والی روبی کی ماں تھی۔

''روبی کو بلائیں۔ مجھے اس سے بات کرنی ہے۔'' رک کے اضافہ کیا۔ ''میں جانتی ہوں وہ ہنی مون پہ دو دن بعد جا رہی ہے۔'' وہ انہیں کسی بہانے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔

خاتون گھورتے ہوئے ایک طرف ہٹ گئیں۔

وہ تیز قدموں سے ان کے پیچھے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ لمبا ٹرنچ کوٹ پہنے، بال کیچر میں باندھے، کراس باڈی بیگ ایک کندھے پر لٹکائے، وہ گردن دائیں بائیں گھما کے اسے تلاش کرنے لگی۔ اور پھر وہ اسے دکھائی دے گئی۔

اوپر ایک اجلا اجلا سفید سا لونگ روم تھا۔ بڑے صوفے پر روبی بیٹھی تھی۔ نائٹ سوٹ میں ملبوس۔ چہرہ سرخ گلابی تھا۔ گود میں آئس کریم کا بول رکھا تھا۔ میز پر بہت سے تحفے رکھے تھے۔ کچھ کھلے تھے۔ کچھ ابھی تک پیک شدہ تھے۔ روبی نے آہٹ پہ گردن موڑی۔ اسے دیکھ کے ماتھے پر بل پڑے۔ چمچہ پیالے میں پٹخ کے وہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔

''تم!''

''مجھے اپنی پے منٹ چاہیے، روبی۔''

وہ اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی اور سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ سپاٹ۔ بے حس۔

''تم اب مجھ سے پے منٹ مانگ رہی ہو؟ اور وہ جو تم نے میرے ساتھ کیا؟''

''میری بات غور سے سنو۔ تم نے اور میں نے ایک کانٹریکٹ کیا تھا۔ تم نے مجھ سے جو ڈیمانڈ کیا تھا، وہ میں نے پورا کیا۔ تم نے کہا تھا تم موٹی ہو اور پتلی لگنا چاہتی ہو۔ کیا تم نے نہیں کہا تھا؟''

اس کی آواز پرسکون تھی۔ لیکن بلند تھی۔ روبی لب بھینچے گہرے سانس لیتی اسے گھورے گئی۔

''میرا کیمرہ ہر وقت آن تھا۔ میرے پاس تمہارے ان الفاظ کی ریکارڈنگز موجود ہیں۔ میرا سیکنڈ فوٹوگرافر گواہ

ہے۔تمہاری ماں گواہ ہے۔اگر تم نے مجھے ادائیگی نہ کی تو میں وہی کروں گی جو مجھے کرنا چاہیے۔"

"مثلاً ؟"

"میں تنگ آ گئی ہوں اس شہر کے لوگوں سے یہ سنتے سنتے کہ وہ مجھے عدالت میں لے جا سکتے ہیں۔اس دفعہ عدالت میں جانے کی باری میری ہے۔" ایک انگلی سے سینے پر دستک دی۔

روبی کی ماں اس کے کندھے کے برابر آ کھڑی ہوئی۔اب وہ دونوں اسے ایک ہی جیسی نظروں سے گھور رہی تھیں۔

"تمہارے ساتھ جو ہوا، وہ تمہارے اس مہمان نے کیا۔اگر تمہیں کسی کو sue کرنا ہے تو اس کو کرو۔میں نے وہی کیا جو تم نے کہا تھا۔" بولتے بولتے سانس پھولنے لگا۔آنکھیں بھیگنے لگیں۔شاید وہ ماہر فرید جیسی بے حس نہیں ہو سکتی تھی۔

(ابھی نہیں رونا، مالا۔گھر جا کے رو لیں گے۔ابھی خود کو بے حس رکھنا ہے۔)

"مجھے میرے پیسے چاہئیں۔میری زندگی میں پہلے ہی بہت مسائل ہیں۔اگر تم نے مجھے میرے پیسے ادا نہ کیے تو میرے اندر ابلتا سارا لاوہ تم پہ آ گرے گا، روبی۔میں یہاں سے سیدھی اپنے وکیل کے پاس جاؤں گی۔"

(ابھی نہیں رونا، مالا۔)

پھر اس نے چہرہ اس کی ماں کی طرف موڑا۔

"میرے پاس اس شہر میں کام کرنے کا ورک پرمٹ ہے۔اور مجھے اپنے حقوق معلوم ہیں۔اپنی بیٹی سے کہیں میری رقم ادا کر دے۔" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔دل اوپر نیچے ہو رہا تھا۔وہ وکیل افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔لیکن اسے رونا نہیں تھا۔اس کو خود کو بے حس دکھانا تھا۔ایک اور الوژن ہی سہی۔

روبی کی ماں چپ چاپ وہاں سے چلی گئی۔چند لمحے بعد وہ واپس آتی دکھائی دی۔اس کے ہاتھ میں ایک پھولا ہوا لفافہ تھا۔

بہت سے آنسو اس کے حلق میں جمع ہونے لگے۔لیکن اسے ابھی نہیں رونا تھا۔

"تمہیں صرف اپنے پیسے چاہیے تھے۔کتنی بے حس ہو تم۔" روبی بھیگی گلہ آمیز آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"طلاق لینے والی عورت کو بے حس بننا پڑتا ہے۔" اس نے لفافہ زور سے تھاما اور ٹھک ٹھک سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔آنسو بالآخر آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔لیکن اب روبی اس کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

یہ رقم اس رقم سے کافی کم تھی جو اسے جے پی کو ادا کرنی تھی۔ لیکن کچھ نہ ہونے سے ہونا بہتر تھا۔ ابھی اس کے پاس چند دن تھے۔ وہ کوئی نہ کوئی حل نکال لے گی۔ مالا ہمیشہ راستہ ڈھونڈ لیتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ سیدھی گھر نہیں گئی۔

فون رکھ کے وہ باتھ روم تک آئی۔ کافی دیر چہرے پر گیلے چھینٹے مارتی رہی۔ کچھ پانی پیروں پر بھی گر گیا۔ پھر اس نے اپنا چہرہ دیکھا۔ گلابی۔ رویا رویا چہرہ۔ اس نے برش اٹھایا اور کھینچ کھینچ کے بالوں میں چلانے لگی۔ بہت سا غصہ اور جارحیت اندر سے نکل کے ہاتھوں میں منتقل ہو گئی تھی۔ کس کے اونچی پونی بنائی، پیپر ٹاول سے چہرہ تھپتھپایا اور گیلے پیروں سے چلتی کمرے میں واپس آئی۔

اسے معلوم تھا اسے کیا کرنا ہے۔

وہ تھک گئی تھی ڈرتے ڈرتے۔ انسانوں سے۔ جنات سے۔ لوگوں کی باتوں سے۔ پیسے کے پیچھے بھاگنے سے۔ اس شہر کی عدالتوں سے۔

اس نے کھڑکی کھولی اور اس کے عین سامنے کرسی رکھ کے بیٹھ گئی۔ ایسے کہ سورج کی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ رینٹ والا کیمرہ واپس کر دیا تھا۔ سو موبائل کیمرہ سیٹ کیا۔ بنا کوئی فلٹر لگائے، مالا نے ریکارڈنگ آن کی۔ وہ تھک چکی تھی اپنے ہر عمل پہ فلٹر لگا لگا کے۔ اب فلٹر اتارنے کا وقت تھا۔

''میرا نام کشمالہ مبین ہے۔ اور میں ایک illusionist ہوں۔''

کیمرے کی اسکرین پر اس کا چہرہ روشنی میں سنہری گلابی سا دکھائی دے رہا تھا اور سبز آنکھیں کنچوں جیسی لگ رہی تھیں۔

"میں وہ فوٹوگرافر ہوں جس نے روبی کا فوٹو شوٹ کیا تھا۔ وہ فوٹوگرافر جس کو سب برا بھلا کہہ رہے ہیں، وہ میں ہوں۔"

اس کی آنکھیں خشک تھیں اور چہرہ سپاٹ۔

"میں ویڈنگ فوٹوگرافر نہیں ہوں۔ الوژن بناتی ہوں اور میری کلائنٹ نے مجھے ایک الوژن تخلیق کرنے کے لیے کہا تھا۔ وہ اپنی شادی کی تصاویر میں پتلی دکھنا چاہتی تھی۔ میں نے وہی کیا جو میک اپ آرٹسٹ اور کاسمیٹک سرجن کرتے ہیں۔ وہ عورتوں اور مردوں کی ان سیکیورٹیز کے ساتھ کھیل کے ان کو ویسا دکھا دیتے ہیں جیسا وہ دکھنا

چاہتے ہیں۔"

وہ اسکرین پہ موجود اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ حلقے۔ دانے۔ زرد رنگت۔ کسی ہیرے سے خالی کان اور گردن۔

" کیا میں نے کچھ غلط کیا؟ نہیں۔ میں نے وہ کیا جو اس نے مانگا تھا۔ میں نے اس کا وہ عیب چھپایا جو اس کو عیب لگتا تھا۔ میری نظر میں تمام عورتیں خوبصورت ہیں۔ لیکن آپ کی نظر میں نہیں ہیں۔ آپ لوگ..." اس نے انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ "آپ لوگ ہیں جنہوں نے خوبصورتی کے معیار کا تعین کیا ہے۔ آپ کو میرے جیسے ایکنی سے بھرے چہرے خوبصورت نہیں لگتے۔ آپ کو پھینی ناک، چھوٹے قد، سیاہ رنگت، موٹے جسم اور چھوٹی آنکھیں خوبصورت نہیں لگتیں۔"

اس نے سوچا تھا وہ نہیں روئے گی۔ لیکن آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

" آپ کی نظروں میں خوبصورت لگنے کے لیے عورتیں کاسمیٹک سرجنز کے پاس جاتی ہیں۔ اور نہیں جا سکتیں، وہ میرے جیسے لوگوں کے پاس آ کے عارضی حل تلاش کرتی ہیں۔ آپ ہیں وہ culprit جو کی بورڈ کے پیچھے چھپ کے انسانوں کے چہروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔" آواز رندھ گئی۔ ایک آنسو ٹپ سے گرا اور گال پر لڑھک گیا۔

"میرے اوپر الزام ڈالنے سے پہلے اپنے اندر جھانکیں۔ آپ لوگ دوسری عورتوں کو ان سیکیور کرتے ہیں۔ روبی کے جسم کا مذاق میں نے نہیں، آپ نے بنایا تھا۔ میں نے اس کو خوبصورت دکھایا تھا۔ آپ نے اس کے نام رکھے۔ آپ نے اس کو ہرٹ کیا۔ اگر کوئی اس سب کا ذمہ دار ہے تو وہ آپ لوگ ہیں۔"

اس کے گال تمتما رہے تھے اور آنسوؤں میں غصہ گھل گیا تھا۔

" مجھے اپنے کیے پہ کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ میرے اوپر کوئی debate شروع کرنے سے پہلے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھیں۔ روبی نے یہ سب آپ کے کمنٹس سے بچنے کے لیے کیا تھا۔ تاکہ کوئی اسے یہ نہ کہہ سکے کہ وہ شادی سے پہلے وزن کیوں نہیں کم کر سکی۔ رہی میں..." اس نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا۔

"میں ایک آرٹسٹ ہوں۔ میں وہی الوژن تخلیق کروں گی جو میرا کلائنٹ مجھ سے ڈیمانڈ کرے گا۔ روبی جیسی دس لڑکیاں مجھے کہیں کہ وہ کچھ اور دکھنا چاہتی ہیں، تو میں ان کی بات مانوں گی۔ یہ ان کی چوائس ہے۔ سو اگر آپ نے کسی کا مذاق اڑانا ہے تو آپ لوگ خود اپنا مذاق اڑائیں۔ آپ لوگ جو خود اپنی تصویریں فلٹر لگائے بنا پوسٹ نہیں کرتے۔ میرے لیے تمام انسان خوبصورت ہیں۔ سوائے آپ لوگوں کے جو دوسروں کے جسم کے عیوب تلاش کرتے ہیں۔"

اس نے بازو لمبا کیا۔ بٹن دبایا۔ ویڈیو بند ہو گئی۔

وہ موبائل ہاتھ میں لیے چند بٹن دباتی گئی۔ آنسو ٹپ ٹپ اسکرین پر گرتے گئے۔ اس نے اپنے اکاؤنٹ سے اس ویڈیو کو روبی کی وائرل ویڈیو سے جوڑا اور پوسٹ کر دیا۔ اب اس وائرل ویڈیو کو دیکھنے والے اس کی ویڈیو بھی دیکھ سکیں گے۔

پھر اس نے آنکھیں بند کیں۔ تین گہرے سانس لیے۔

میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ مالا کو اب کسی فلٹر کی ضرورت نہیں ہے۔

موبائل کی ٹون پہ وہ چونکی۔ اسکرین روشن کی۔

زیاد سلطان کا میسج موصول ہوا تھا۔

''میں تمہاری آفر قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

دل نے بے اختیار ایک دھڑکن مس کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیسمنٹ ہمیشہ کی طرح نیم تاریک تھی۔ لکڑی کا فرش۔ کھلا کمرہ۔ جتنا گھر اوپر تھا اتنا ہی نیچے تھا بس دیواریں اور دروازے نہ تھے۔ جیسے ایک طویل ہال ہو۔ ایک کونے میں ٹوائلٹ تھا۔ اور دوسرے میں کچن جو کاٹھ کباڑ سے بھرا تھا۔

ایک لکڑی کے ستون کے ساتھ وہ بیٹھی تھی۔ سر جھکائے، کاپی گھٹنوں پر رکھے وہ کاغذ پر رنگ بھر رہی تھی۔ گھنگریالے بال اس خاکے کو چھو رہے تھے جو کاغذ پہ بنا دکھائی دیتا تھا۔

ہلال کے اوپر چھت پہ کوئی چل رہا تھا۔ ہر قدم کے ساتھ نیچے دھمک سنائی دیتی۔ ایسی اونچی دھمک کہ لگتا چھت ابھی گرنے کو ہے۔ قدموں کی آواز بیسمنٹ کی سیڑھیوں کے دہانے تک آ رکی۔ پھر چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ کھلا۔

سیڑھیوں کے اوپر سے روشنی دکھائی دی۔ لمحے بھر کو بیسمنٹ روشن ہو گئی۔

وہ اندر داخل ہوا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ روشنی کا راستہ رک گیا۔ اب بیسمنٹ میں صرف اس ایک بلب کی روشنی تھی۔

پھر قدم نیچے اترنے لگے۔ دھپ۔ دھپ۔ دھپ۔ ہر قدم کے ساتھ لکڑی چیخنے کی آواز آتی۔ ہلال نے سر نہیں

اٹھایا۔اسی سکون سے صفحے پر پنسل رگڑتی گئی۔

''جانتی ہو، میں نے ہمیشہ تمہیں کیا سمجھا تھا؟''

وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔سیاہ پینٹ شرٹ پہنے، وہ الجھے الجھے بال لیے کھڑا تھا۔

ہلال گردن ترچھی کیے، آنکھیں اس کاغذ پہ جمائے ہوئے تھی۔

''ایک liability''۔زیاد اسی ستون کے دوسری طرف اکڑوں بیٹھ گیا اور ستون سے ٹیک لگالی۔اب اس کی ہلال کی طرف پشت تھی۔

''تم میرے لیے ہمیشہ سے ایک بوجھ تھیں۔''زیاد نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور دوا کی ننھی ڈبی نکالی۔

"ایک ایسا بوجھ جس کو میری ماں ساتھ لیے پھرتی تھی۔"

اس نے پیلی ڈبی کو اونچا اٹھا کے دیکھا۔شفاف پلاسٹک کے پار سفید گولیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

''اس بوجھ کے لیے مجھے ہمیشہ راستے کلئیر کرنے پڑتے تھے۔پاسپورٹس، ویزے، امیگریشن۔کیسے کیسے ہم تمہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے تھے۔اف۔''

اس نے ڈبی کو اوپر نیچے ہلایا۔گولیوں سے چھن چھن کی آواز آئی۔

''میں سوچتا تھا کہ تمہیں اس روز مر جانا چاہیے تھا۔جب میں نے تمہیں چھت سے نیچے پھینکا تھا۔''

ہلال نے جواب نہیں دیا۔وہ گردن ترچھی کیے، ہنوز کاغذ میں رنگ بھر رہی تھی۔

"لیکن تم بچ گئیں۔تم بہت ڈھیٹ تھیں۔"

اس نے "ٹک" کی آواز کے ساتھ ڈبی کا ڈھکن کھولا۔

''میں نے کئی موقعوں پہ تمہیں مارنے کا سوچا۔تم میری ماں کا جنون تھیں۔مگر میں جانتا تھا کہ جو وہ تم سے چاہتی ہیں، وہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔''

اس نے ڈبی ہتھیلی پر انڈیلی۔بہت سی گولیاں باہر آ گئیں۔اس نے انگوٹھے سے تین گولیاں دبائیں، اور باقی واپس ڈبی میں گرا دیں۔

''لیکن آج پہلی دفعہ مجھے تمہارا کوئی استعمال دکھائی دیا ہے۔''

زیاد نے بنا پانی کے گولیوں کو منہ میں رکھا، پھر آنکھیں بند کر کے ان کو نگل گیا۔پھر ہلکا سا مسکرا کے گردن موڑی۔

وہ اسی طرح رنگ بھر رہی تھی۔

''ہم اس راستے کے اختتام پہ آن پہنچے ہیں، ہلال۔ تمہاری قید ختم ہونے والی ہے۔''

وہ مسکرا رہا تھا۔

''I know.'' اس کی آواز سرگوشی کی مانند تھی۔

''میں تمہیں مالا کے بدلے تمہارے بھائی کے حوالے کرنے لگا ہوں۔'' وہ غور سے اس کا جھکا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

ہلال کا قلم رکا۔ لیکن چہرہ نہیں اٹھایا۔

''I know.'' وہ واپس قلم چلانے لگی۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ ایک سرد سی لہر ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔ کچھ تھا اس لڑکی کے بارے میں جو خوفزدہ کرتا تھا۔ اس نے اس کی ایک کلائی کو دیکھا جس میں ہتھکڑی بندھی تھی۔ پھر نگاہ اس کی کاپی تک گئی۔ زیاد نے چہرہ آگے کر کے کاغذ پہ جھانکا۔

وہ ایک لکڑی کا کمرہ بنا رہی تھی۔ ایک کونے میں ایک گھنگریالے بالوں والی ننھی لڑکی بیٹھی تھی جس کا چہرہ جھکا تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک آدمی بیٹھا تھا۔ اس سے رخ موڑے۔ ستون کے دوسری طرف۔ آدمی کا لباس سیاہ تھا اور... اس کا چہرہ بھیڑیے کے جیسا تھا۔

زیاد نے ایک دم کاپی اس کے ہاتھ سے جھپٹی۔ ہلال کو جھٹکا لگا۔ ہاتھ ہوا میں اٹھا دیے۔ پنسل کی نوک اس کی انگلی پر لگ گئی۔ لیکن زیاد سلطان نے نہیں دیکھا۔ اس نے کاپی کا صفحہ پھاڑا اور اس کے دو، پھر چار، پھر آٹھ ٹکڑے کر کے انہیں فضا میں اچھال دیا۔

''میری اسکیچ بک واپس کرو۔'' وہ اس کی جانب آنکھیں اٹھا کے غرائی۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ چہرہ سرخ ہوا۔

زیاد سلطان اٹھا، اور اسکیچ بک دور اچھال دی۔ وہ ہال کے دوسرے کنارے پر جا گری۔

''جاؤ۔ اٹھا لو۔'' اس نے طنز سے ایک نظر ہلال کی ہتھکڑی پہ ڈالی اور اس سے بندھی زنجیر پہ۔ وہ تین میٹر لمبی تھی۔ کیونکہ ٹوائلٹ دو میٹر دور تھا۔ اس سے آگے تک وہ نہیں جا سکتی تھی۔

وہ دھپ دھپ اوپر چڑھتا گیا اور وہ مٹھیاں بھینچے وہیں بیٹھی رہ گئی۔ گرم گرم آنسو گالوں پر لڑھکنے لگے۔

''ماہر بھائی۔'' اس کے لبوں سے بے بس سی کراہ نکلی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند میل دور مالا کی کافی شاپ میں کونے والی کرسی میز پر بیٹھے ماہر فرید کے سینے میں درد کی ہوک اٹھی تھی۔

وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے، ائیر پوڈز کانوں میں گھسائے، ہاتھ ہلاتے ہوئے اسکرین پہ نظر آتے اشخاص کو کچھ سمجھا رہا تھا۔ چند کاغذ اور گرافک ٹیب سامنے رکھا تھا۔ ماتھے پر بل تھے۔ چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی۔ سیاہ ہڈی پہنے، جس کی ٹوپی پیچھے کو گری تھی، بکھرے بالوں اور بڑھی شیو کے ساتھ، وہ قدرے الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

اور اسی وقت... وہ سینے کا درد۔ اس نے بے اختیار ہاتھ دل کے مقام پر رکھا۔ عجیب سا درد تھا۔ جس نے ایک لمحے کے لیے سب کچھ روک دیا ہو۔

"میں کچھ دیر بعد آتا ہوں۔" عجلت میں کہہ کے اس نے اسکرین فولڈ کر دی۔ ضبط سے لب بھینچے، سینے کو مسلتے دائیں بائیں دیکھا۔

اس صبح کافی شاپ ویران پڑی تھی۔ گو کہ چند ایک گاہک آ جا رہے تھے۔ اور کاؤنٹر پر باریستا بھی موجود تھی لیکن جب تک وہ نہیں آتی تھی، ماہر کے لیے وہ جگہ ویران ہی رہتی تھی۔

وہ کرسی دھکیل کے اٹھا اور آگے بڑھ گیا۔ مال کی راہداری عبور کر کے باتھ رومز تک آیا۔ وہاں قطار میں چار پانچ سنک لگے تھے جن کے پیچھے آئینے کی دیوار تھی۔ تازہ پھولوں کی مہک۔ زرد روشنیاں۔ اس نے جھک کے چہرے پر پانی ڈالا۔ پھر سر اٹھا کے اپنا عکس دیکھا۔ وہ ٹھیک تھا۔ کچھ بھی تو نہیں بدلا تھا۔ لیکن وہ درد۔ وہ ہنوز موجود تھا۔

جیسے... جیسے ہلال کو کہیں درد ہوا ہو۔ جیسے وہ اسے بلا رہی ہو۔

اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے ماہر فرید نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ کنپٹی کی رگ واضح ہونے لگی۔ وہ یہیں کہیں تھی۔ اس کے آس پاس۔ شاید اسی ملک میں۔ شاید کسی دوسرے ملک میں۔ اور اپنی تمام تر دولت اور اختیارات کے باوجود وہ ایک جادوگر کو تلاش نہیں کر سکا تھا۔

وہ واپس کافی شاپ تک آیا تو چہرے کے تاثرات مختلف تھے۔ لیپ ٹاپ کھولا اور کام کی تمام ونڈوز بند کیں۔ یہ کام... جس کی وجہ سے وہ بار بار پاکستان نہیں جا سکتا تھا۔ یہ کام جس میں وہ بار بار الجھ جاتا تھا۔ اسے اس کام سے بریک چاہیے تھا۔

کانوں میں ائر پوڈز واپس گھسائے اور ایک کال ملائی۔

ماتھے پر بل لیے، لب بھینچے، وہ اسکرین پہ جاتی گھنٹی دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ کال اٹھا لی گئی اور ایک چہرہ دکھائی دیا۔

بوائے کٹ بالوں، اور کانوں میں سانپ والے ڈائمنڈ ائیر رنگز پہنے، گہری لپ اسٹک اور سیاہ آئی شیڈو والی

مسکراتی آنکھیں لیے کبیرہ سادان اس کے سامنے تھیں۔

''کیوں میرا وقت ضائع کر رہے ہو، ماہر فرید؟ میرے پاس تمہیں بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔''

وہ ڈریسر مرر کے سامنے فون کھڑا کیے، اس سے بات کرتے ہوئے ساتھ ساتھ جیولری اتار رہی تھیں۔ ان کے ہاں رات تھی۔ وہ غالباً ابھی کسی پارٹی سے لوٹی تھیں۔

''مجھے عالیان کو ڈھونڈنا ہے۔'' وہ آگے کو جھکا۔

''جس کو میں اتنے برس سے نہیں ڈھونڈ سکی، اسے تم کیسے ڈھونڈ لو گے؟'' مسکراتے ہوئے وہ بریسلیٹ کھول رہی تھیں۔ آواز میں سب کچھ تھا۔ طنز۔ ملال۔ ہوک۔

"میری طرف دیکھیے، مسز کبیرہ سادان۔"

ائیر رنگز کانوں سے نکالتے ہوئے انہوں نے اسکرین کو دیکھا۔ وہ ہڈی کی ٹوپی پیچھے گرائے، بڑھی شیو اور ماتھے پر بکھرے بالوں والا نوجوان سنجیدہ تھا۔

"میری بہن یہیں کہیں ہے۔ میرے قریب۔ میں اسی درد سے گزر رہا ہوں جس سے آپ اتنے برس گزری ہیں۔ مجھے اس کو ڈھونڈنا ہے۔ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔"

اس کی آنکھوں میں گلابی سی نمی اتر آئی تھی۔ کبیرہ نے دوسرا ائیر رنگ اتارتے ہوئے چچ کی آواز نکالی۔

''تمہاری بہن اب تک مر چکی ہو گی۔''

''عالیان زندہ ہے تو وہ کیوں مر چکی ہو گی؟''

وہ خاموش ہو گئیں۔ پھر مرسلر واٹر کے وائپس کا پیکٹ کھولا اور ایک وائپ نکالا۔

"میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں؟" آنکھیں بند کر کے وائپ ایک آنکھ پر رکھ دیا۔ وہ مسکارے کو گھولنے لگا۔

''آپ نے کہا تھا کہ عالیان آپ کو کسی کی دعا سے ملا تھا۔ میں اس شخص کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''میں نہیں بتا سکتی۔ کچھ باتیں راز ہی رہنی چاہئیں۔'' وہ بند آنکھ پر وائپ رکھے رکھے بولیں۔ ماہر نے بہت ضبط سے پہلو بدلا۔ اس کی کہانی کے تمام کردار اس سے بہت فاصلے پر تھے۔ وہ ان کے پاس جا کے، ان کی کنپٹی پر پستول رکھ کے ان سے اپنی مرضی کا جواب نہیں اگلوا سکتا تھا۔

"پلیز۔ مسز کبیرہ۔" اس نے آواز کو بدقت نرم رکھا۔ ''زندگی میں کبھی آپ کو بھی مجھ سے کام پڑ سکتا ہے۔ میں ماہر فرید ہوں۔ میں احسان کرنے والوں کو بھولا نہیں کرتا۔''

انہوں نے دھیرے سے وائپ ہٹایا۔آنکھ مسکارے اور آئی شیڈو سے صاف تھی اور وائپ سیاہ پڑ چکا تھا۔دوسری آنکھ ویسی ہی تھی۔وہ مختلف آنکھیں ایک ساتھ عجیب سی لگ رہی تھیں۔

''ہماری ایک رشتے دار تھی۔ایک غریب رشتے دار۔وہ ایک زمانے میں کسی کی نوکرانی ہوا کرتی تھی۔''اب وہ دوسری آنکھ پر نیا وائپ رکھ کے دبائے ہوئے تھیں۔

"وہ ایک پیر صاحب کی مریدن تھی۔میں نے ان پیر صاحب کے پاس جا کے دعا کروائی تھی کہ میری شادی سادان سے ہو جائے۔لیکن وہ جادوگر نہ تھا۔نیک آدمی تھا۔"

"وہ کون تھا؟ کہاں رہتا تھا؟ نام کیا تھا اس کا؟"وہ بنا سانس لیے پوچھتا گیا۔

ان کی دونوں آنکھیں صاف ہو چکی تھیں اور اب وہ مرسلر واٹر چہرے پر ٹپکاتے ہوئے باقی سنگھار کو اتار رہی تھیں۔

''لوگ اس کو سرکار کہتے تھے۔''

وہ جہاں تھا سناٹے میں رہ گیا۔ایک لمحے کے لیے ساری شاپ،سارا مال خاموش ہو گیا۔

''سرکار...''وہ بڑبڑایا۔سینے میں اٹکی سانس بحال ہوئی۔

''وہ اس وقت کہاں ہو گا؟''

''وہ مر چکا ہے۔کئی برس پہلے۔عالیان کے پیدا ہونے سے بھی پہلے۔''

''مر چکا ہے؟''اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔آنکھوں میں بے یقینی اتری۔

''اوہ ماہر فرید...'' کبیرہ بیگم ترس سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔اب ان کا چہرہ میک اپ سے عاری تھا۔''میں نے بہت لوگوں پہ جادو کروائے ہیں۔اور مجھے اس پہ کوئی شرمندگی نہیں۔میں نے طلاقیں بھی کروائی ہیں اور رشتے بھی۔لیکن وہ آدمی اللہ کا نیک بزرگ تھا۔اس نے عمل یا جادو نہیں کیا تھا۔اس نے میرے لیے دعا کی تھی۔"

"دعا کے پیسے دیے تھے آپ نے؟"

کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ سمٹی۔''ہاں۔وہ تو ہدیہ ہوتا ہے۔دینا ہی ہوتا ہے۔لیکن انہوں نے مانگا نہیں تھا۔''

"پھر آپ کو کیسے معلوم کہ اس نے دعا ہی کی تھی یا کچھ اور؟"

"وہ...وہ نیک بزرگ تھے اور..."

''کسی کا دل اندر سے چیر کے دیکھا ہے آپ نے کبیرہ بیگم؟''

وہ ایک لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکیں۔

"وہ کہاں رہتا تھا؟ اس کے آستانے پر اب کوئی تو ہوگا۔ اس کی گدی کسی نے سنبھالی ہوگی۔ کوئی شاگرد۔ کوئی مرید۔ جس نے اس کا نام اپنا لیا ہوگا۔"

"میں نہیں جانتی۔ میں کبھی دوبارہ وہاں نہیں گئی۔" انہوں نے شانے اچکا دیے۔ اب وہ انگوٹھیاں ایک ایک کر کے اتار رہی تھیں۔

''وہ رشتے دار جس کے ذریعے آپ اس تک گئی تھیں... وہ کون تھی؟''

''یہ میں نہیں بتا سکتی۔ نہ بتاؤں گی۔ وہ نیک لوگ ہیں۔ اور مجھے نیک لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔'' پھر مسکرا کے چار انگلیاں ہلا دیں۔ ''بائے بائے۔'' اور اسکرین سیاہ ہوگئی۔

اس نے اف کہہ کے مٹھی بھینچ لی۔ سینے کا درد اب عنقا ہو چکا تھا۔ لیکن بے بسی بڑھ گئی تھی۔

لیپ ٹاپ کی اسکرین فولڈ کی تو سامنے دیوار پر لگے شیلف میں موجود شیلڈز دکھائی دیا۔ سفید گملے کے نیچے سے کچھ جھانک رہا تھا۔ وہ چونکا۔ پھر تیزی سے اٹھ کے اس طرف آیا۔ دو انگلیوں سے گملے کے نیچے رکھا نوٹ نکالا۔

مالا کی لکھائی میں تحریر تھا۔

''کیا سارے شہر کی کافی شاپس ختم ہوگئی ہیں جو تم روز یہاں چلے آتے ہو؟''

وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ جیب سے قلم نکال کے اس کاغذ کی پشت پر کچھ لکھا اور اسے گملے تلے رکھ دیا۔

چند منٹ گزرے تھے کہ مخصوص قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ اس کے آنے سے پہلے باخبر ہو جایا کرتا تھا کہ وہ آ رہی ہے۔ وہ سر جھکائے واپس کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ چاپ قریب آ گئی۔ ساتھ ہی اس کا گڈ مارننگ سنائی دیا۔ وہ اس سے نہیں کہہ رہی تھی۔ وہ اندر آتے ساتھ ہی سب کو گڈ مارننگ کہا کرتی تھی۔ ماہر نے نگاہ اٹھا کے دیکھا۔ ایپرن ایک بازو پر دوہرا کر کے ڈالے، وہ مسکرا کے سب کا حال احوال پوچھتی کاؤنٹر تک آ رہی تھی۔ بالوں کو فرنچ چوٹی میں باندھے، وہ تازہ دم لگ رہی تھی۔ اس کی میز کے قریب لمحے بھر کو رکی۔ آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ سوالیہ ابرو اٹھایا جیسے وہی پوچھ رہی ہو جو نوٹ پر تحریر تھا۔

ماہر فرید نے بیٹھے بیٹھے شانے اچکا دیے اور ابرو سے اپنے کافی کے خالی کپ کی طرف اشارہ کیا۔ مالا نے افسوس

سے سر دائیں بائیں ہلایا اور کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔

وہ اپنی چیزیں رکھ چکی اور ایپرن اور کیپ پہن چکی تو وہ اٹھ کے کاؤنٹر تک آیا۔ دونوں کہنیاں سیاہ ماربل ٹاپ پر رکھے، آگے کو جھکے، سادگی سے اپنا آرڈر دہرایا۔

''ایک ڈارک روسٹ۔ میڈیم۔ ون ملک۔ نوشوگر۔''

سر جھکائے، دراز میں کچھ سیٹ کرتی مالا نے آنکھیں اٹھا کے اسے گھورا۔ پھر سر جھٹک کے کی بورڈ پر انگلیاں چلانے لگی۔

"میں نے تمہاری ویڈیو دیکھی۔ اچھی تھی۔"

سر جھکائے اس نے مسکراہٹ ضبط کی۔

"ویڈیو کے نیچے کمنٹس نہیں دیکھے؟ وہ اچھے نہیں تھے۔"

وہ سارا راستہ ان کو پڑھتی آئی تھی۔ گالیاں۔ بددعائیں۔ صلواتیں۔ لوگوں نے اسے بری طرح سے رگڑ دیا تھا جیسے۔ وہ اس فوٹوگرافر کو جو عورتوں کی ذہنی صحت کے ساتھ کھیل رہی تھی، ہر بری بات کہہ چکے تھے جو ڈکشنری میں موجود تھی۔

" کمنٹس سے کیا ہوتا ہے؟ کمنٹ کرنے والے فارغ لوگ ہوتے ہیں جن میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ سامنے آ کے یہی بات کہہ سکیں۔"

" کارڈ یا کیش؟" اس نے نگاہ اٹھا کے پوچھا۔ وہ سنجیدہ لگ رہی تھی۔

" کارڈ۔ اور وہ جھوٹ بول رہا ہے۔" والٹ سے کارڈ نکال کے سامنے کیا۔ ''وہ ہلال کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔ تمہارے لیے بھی نہیں۔''

مالا نے خاموشی سے کارڈ مشین اس کے سامنے کر دی۔ ماہر نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کارڈ اس پر رکھا۔ ٹوں کی آواز آئی۔

"پلیز مالا۔ اس پر بھروسہ کر کے اس سے کوئی ڈیل مت کرنا۔ اغوا کیے بچے کو کوئی نہیں چھوڑتا۔"

''تمہیں رسید چاہیے؟'' بے تاثر آنکھوں کے ساتھ پوچھا۔ ماہر فرید کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''نہیں۔ مجھے انوائرمنٹ کا بہت احساس ہے۔'' اسے غصہ آ رہا تھا۔

مالا نے شانے اچکا دیے۔ اور رسید پرنٹ کیے بنا کاؤنٹر پر آگے کی طرف چلتی گئی جہاں کافی بنانے کی مشینیں،

بلینڈرز اور جگ وغیرہ پڑے تھے۔ دوسری باریستا پیچھے شیلف میں رکھی چیزیں درست کر رہی تھی۔ ماہر کی کافی اسے ہی بنانی تھی۔

''تم ہلال کے لیے اپنی زندگی کا سودا نہیں کر سکتیں۔'' وہ بھی کاؤنٹر پر اسی طرف چلتا آیا جہاں وہ کھڑی تھی۔ ان کے درمیان اب بھی مشینوں، اور سیرپ کی بوتلوں کی باڑ تھی۔

''تم پھر مجھے بتا رہے ہو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔'' مالا نے پلاسٹک کپ ایک مشین کے نیچے کیا اور بٹن دبایا۔ گرم بھوری دھار اندر گرنے لگی۔

" کیونکہ وہ تمہیں مار دے گا۔"

ساری دنیا ایک لمحے کے لیے جیسے ساکن ہو گئی۔ وہ ماہر کی طرف پشت کر کے کھڑی مشین سے کافی نکال رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ دیکھ سکتا تھا۔ وہ کپکپائے تھے۔

"وہ مجھے کبھی نہیں مارے گا۔" اگلے ہی لمحے وہ اسی سکون سے مڑی اور چہرہ جھکائے اس کا کپ اپنے سامنے رکھا۔

"وہ آدمی ایک ذہنی مریض ہے، مالا۔ جس دن اسے موقع ملا، وہ تمہیں مار دے گا۔" اس کے لہجے میں اب فکرمندی تھی۔

کریم ڈالتے اس کے ہاتھ پھر سے لرزے۔ لیکن اس نے ٹھک سے ڈھکن بند کیا، اور آواز کے ساتھ کپ اس کے سامنے رکھا۔

''ون ڈارک روسٹ۔ ون کریم۔ نو شوگر۔'' وہ اب اسے دبے دبے غصے سے دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا، ایک جا رہا تھا۔

''وہ... تمہیں... مار دے گا۔'' کپ اٹھاتے ہوئے ماہر نے اس کی آنکھوں میں جھانک کے کہا تھا۔

وہ پلٹ گئی۔ اور کوئی ایسا کام کرنے لگی جو اس وقت ضروری نہیں تھا۔

وہ واپس اپنی میز پہ آن بیٹھا اور لیپ ٹاپ کھول دیا۔ ذہن البتہ وہیں الجھا تھا۔

وہ کنکھیوں سے دیکھ سکتا تھا کہ وہ اپنی جگہ پر آ کے کھڑی ہوئی تھی۔ پھر کچھ سوچ کے فون نکال کے کسی کو کال ملانے لگی۔ پھر جھنجھلا کے فون کان سے ہٹایا اور دائیں بائیں دیکھا۔ چند لمحے تذبذب سے کھڑی رہی۔ پھر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل کے اس کی طرف آئی۔

"اپنا فون دو۔" رکھائی سے کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔

ماہر فرید نے بہت حیرت سے چہرہ اٹھایا۔

" کشمالہ مبین کو میری مدد کی ضرورت ہے؟"

"پیکج ختم ہو گیا ہے میرا۔ ماہی کو کال کرنی ہے۔ ضروری ہے۔"

اس نے مسکرا کے موبائل اَن لاک کیا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ اسے انہی نظروں سے گھورتی ہوئی فون لیے کاؤنٹر کی طرف چلی گئی۔ وہ اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ بار بار ایک نمبر ملا رہی ہے۔ لیکن شاید رابطہ نہیں ہو سکا۔ چند لمحے بعد اس نے فون واپس اس کی میز پر رکھا۔

''ہمیشہ کی طرح ماہر فرید کے ہونے کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔'' اسی لہجے میں کہہ کے وہ مڑنے لگی تھی جب وہ بول اٹھا۔

''وہ ہلال کو کبھی زندہ واپس نہیں کرے گا۔''

وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

وہ کرسی دھکیل کے اٹھ رہا تھا۔

'' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس لمحے ہلال مجھے ملی...'' سر جھکائے ساتھ ساتھ اپنی چیزیں سمیٹنے لگا۔ ''میں پولیس کے پاس جاؤں گا۔ میں ہلال سے ہر اس شخص کی شناخت کرواؤں گا جو اس جرم میں ملوث تھا۔ اور میں ہر اس شخص کو جیل میں بھیجوں گا، مالا۔'' اس نے تمام چیزیں بیک پیک میں رکھیں۔ اسے کندھوں پر پہنا۔ اور کافی کا گرم کپ ہاتھ میں اٹھایا۔ پھر اس کو دیکھا جو سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''وہ ابھی تک اپنے جرائم کا کوئی نشان چھوڑے بغیر زندگی گزارتا آ رہا ہے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس کی سزا اسے جیل کی صورت میں ملے۔ وہ اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔ تمہیں واپس حاصل کرنے کے لیے بھی نہیں۔'' سنجیدگی سے کہہ کے، کافی کپ لیے وہ آگے بڑھ گیا۔

وہ واپس کاؤنٹر کی طرف بڑھی، لیکن ٹھہر گئی۔ کچھ سوچ کے شیلف میں رکھے شیلڈن تک آئی۔ گملے کے نیچے سے نوٹ نکالا۔

ایک طرف اس کا اپنا پیغام تحریر تھا۔

''کیا سارے شہر کی کافی شاپس ختم ہو گئی ہیں جو تم روز یہاں چلے آتے ہو؟''

مالا نے نوٹ پلٹایا۔ پشت پر لکھا تھا۔

"حالانکہ تم ہمیشہ میری ڈارک روسٹ میں دو شوگر ایکسٹرا ڈالتی ہو۔"

وہ مسکرا دی۔ اور کندھے اچکا کے نوٹ مروڑ کے ایپرن کی جیب میں ڈال دیا۔

مال کی راہداری میں آگے بڑھتے ماہر فرید نے کافی کپ سے گھونٹ بھرا۔ اف۔ وہ میٹھی تھی۔ ہمیشہ کی طرح۔ افسوس سے سر جھٹک کے کپ کو قریب رکھے ٹریش کین میں اچھالا اور ابھی آگے بڑھا ہی تھا کہ موبائل بجنے لگا۔

شاید ماہی کر رہی تھی۔ اس نے مسڈ کال اب دیکھی ہو گی۔ لیکن موبائل نکالا تو مالک کا نام جگمگا رہا تھا۔

"کچھ معلوم ہوا؟" اس نے تیزی سے موبائل کان سے لگایا۔

"ہاں۔ زیاد کی ماں کس ہسپتال میں ہے، یہ معلوم ہو گیا ہے۔"

بالآخر اس کے لبوں پر گہری مسکراہٹ اتر آئی۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد کی ماں کے ہسپتال جانے سے قبل وہ اپارٹمنٹ واپس آیا تھا۔ لباس تبدیل کیا۔ سیاہ پینٹ کے ساتھ ہم رنگ ڈریس شرٹ پہنی۔ اوپر سیاہ کوٹ۔ بال جیل لگا کے سمیٹے۔ اب وہ اس انٹرپرونیر کی بجائے جو کافی شاپ سے کام کرتا تھا، ایک ایسا شخص لگ رہا تھا جو ہسپتال کسی مریض کی عیادت کے لیے جا رہا تھا۔ پھول اس نے راستے سے لے لیے تھے۔ اور نگینہ سلطان کا روم نمبر اس کو ریسپشن سے با آسانی معلوم ہو گیا تھا۔

وہ ایک سفید اور روشن کاریڈور تھا۔ وہاں پرائیوٹ رومز تھے۔ اس نے استعجاب سے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ کافی مہنگا ہسپتال تھا۔ زیاد کے پاس اتنا پیسہ تھا کیا؟ انٹرسٹنگ۔

ایک کمرے کے سامنے رک کے اس نے دستک دی۔

"یس؟" نسوانی آواز سنائی دی۔

اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ وہ عام دھاتی ہینڈلز کی نسبت گرم تھا۔ یا شاید اسے محسوس ہوا تھا۔

ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔

بستر پر ایک نالیوں میں جکڑی بوڑھی عورت آنکھیں موندے سو رہی تھی۔ آکسیجن ماسک۔ نالیاں۔ مشینوں کی بپ بپ۔ سامنے کاؤچ پر ایک دوسری عورت بیٹھی تھی۔ موٹی چوٹی۔ سادہ شلوار قمیص۔ بھرے بھرے جسم والی۔ سانولی رنگت۔ کالی آنکھیں۔ گھنے ابرو۔ اس نے عام سے انداز میں نگاہ اٹھا کے چوکھٹ میں کھڑے ماہر

فرید کو دیکھا۔

اور اگلے ہی لمحے وہ کرنٹ کھا کے اٹھی۔

"جج... جی؟" اس کی رنگت اتنی تیزی سے بدلی جتنی تیزی سے برف باری بھی سبزہ زار کو سفید نہیں کرتی۔ ہونٹ کھل گئے۔ پلکیں جھپکنا بھول گئیں۔

چوکھٹ میں کھڑے ماہر فرید کے چہرے پر ایک معذرت خواہانہ سا تاثر ابھرا۔

''آپ نگینہ سلطان کی کیئر ٹیکر ہیں غالباً؟'' وہ اردو میں پوچھ رہا تھا۔ مہذب۔ شائستہ۔

اندرانی نے بنا پلکیں جھپکائے اثبات میں سر ہلایا۔

''کیسی ہیں مسز سلطان؟'' ماہر نے ایک افسوس بھری نگاہ ان پر ڈالی۔ اندرانی نے اس کی نگاہ کا تعاقب کیا۔ وہ سیدھی لیٹی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں۔ دونوں بازو گاؤن سے باہر تھے۔ جو رخ ماہر کی طرف تھا، وہ بازو صاف تھا۔ قابیل کا نشان دوسری طرف تھا۔ اندرانی بوجھل قدموں سے چلتی تیزی سے دوسری طرف آن ٹھہری۔

''ٹھیک ہیں۔'' لحاف ٹھیک کرتے ہوئے جھکی اور ان کے بازو کو ڈھانک دیا۔ نشان چھپ گیا۔

''سوری میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا۔ مجھے...'' وہ کھنکھارا۔ ''زیاد سے ملنا ہے۔'' وہ اس نشان کو نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ اندرانی کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا جو وہ جھکائے ہوئے تھی۔ جیسے اس سے نگاہیں چرا رہی ہو۔

''وہ... یہاں نہیں ہے۔''

''کب آئے گا؟''

''پپ... پتہ نہیں۔'' اندرانی کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ لحاف درست کر کے وہ ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ ڈرتے ڈرتے ماہر کی طرف نگاہ اٹھائی۔ وہ پتلیاں سکوڑے غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''زیاد کو کال کرو۔ اسے کہو کوئی اس سے ملنا چاہتا ہے۔'' اس کے لہجے میں تحکم در آیا۔

''او کے۔ او کے۔'' اس نے تیزی سے سر ہلایا۔ پھر موبائل نکالا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ کچھ تھا اس کے انداز میں جو وہ کھٹکھا۔ وہ اتنی پریشان کیوں تھی؟ اور شاید خوفزدہ بھی۔

موبائل کان سے لگاتے ہوئے وہ انہی ہراساں نظروں سے ماہر کو دیکھے گئی۔ اسپیکر آن تھا۔ دوسری طرف وائس میل کا میسج سنائی دینے لگا۔ جیسے ہی ٹون بجی۔ وہ میسج ریکارڈ کرنے لگی۔

''زیاد... زیاد صاحب... ہسپتال آ جائیں۔'' تھوک نگلا۔ ''ماہر فرید آپ سے ملنے آیا ہے۔''

ماہر نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔ وہ اس کا نام جانتی تھی۔ وہ اس کو جانتی تھی۔

''میں نے پیغام ریکارڈ کروا دیا ہے۔ اب آپ جائیں۔ پلیز۔'' وہ اسی گھبراہٹ سے کہہ رہی تھی۔ ''مریض ڈسٹرب ہو رہی ہیں۔''

''میں کہیں نہیں جا رہا، بی بی۔ میں باہر بیٹھا ہوں۔ زیاد کو ہر چند منٹ بعد کال کرو اور اسے بتاؤ کہ میں اس کا انتظار کر رہا ہوں۔ بلکہ...'' موبائل نکال کے اسکرین روشن کی۔ ''مجھے اس کا نمبر لکھواؤ۔''

وہ اٹک اٹک کے نمبر بتانے لگی۔ نمبر محفوظ کر کے اس نے کال کا بٹن دبایا۔ وہی وائس میل۔

باہر نکلنے سے پہلے ماہر نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور پھر اس کمرے کو گردن گھما کے دیکھا۔

دائیں بائیں۔ اوپر نیچے۔ کچھ تھا اس کمرے کی فضا میں۔ کچھ تھا جو... اس نے سر جھٹکا۔ زیاد سلطان جادو میں ملوث تھا۔ اس کے اثرات یقیناً اس کے گھر والوں تک آئے ہوں گے۔

وہ باہر نکل گیا۔ اندرانی خوف سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔

کمرے میں مدھم روشنی تھی۔ اس کا چہرہ نیم تاریک سا دکھائی دے رہا تھا۔ باہر اس سے زیادہ تاریکی تھی۔ ایک خاموش پراسرار رات۔

مالا نے ایک نظر اپنے لباس کو دیکھا۔ نیلا اور سبز ٹائی اینڈ ڈائی لمبا فراک نما میکسی۔ کلائی سے آستین تنگ تھے اور ان پر گول گول بٹن لگے تھے۔ گردن میں فاختہ والا نیکلیس تھا۔ بال اونچی پونی میں باندھے تھے۔ کانوں میں ٹاپس پہنے۔ ہلکا میک اپ کیے۔ وہ اب ہونٹوں پر لپ اسٹک لگا رہی تھی۔ پھر پونی کو ہاتھ میں پکڑ کے ہاتھ نیچے تک لائی۔ اسے چھوڑ دیا۔ وہ دائیں بائیں جھول کے ساکت ہو گئی۔

مالا نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

کیا وہ درست کرنے جا رہی تھی؟

کیا اس کے پاس کوئی دوسرا راستہ تھا؟

اپنا عکس دیکھتے ہوئے اس نے تھوک نگلا۔ پھر پرس کا اسٹریپ کندھے پر پہنا۔ ہاتھوں میں لرزش تھی۔

پھر وہ اپنے بیڈ تک آئی۔ تمام چیزوں کی ترتیب جوڑی۔ موبائل پرس میں رکھا۔ ایک کیبن سائز ٹرالی بیگ کا

ہینڈل پکڑا اور اسے اپنے ساتھ چلاتے ہوئے باہر نکلی۔

باہر ٹھنڈی ہوا تھی۔ اس کے بال پیچھے کو اڑنے لگے۔ دور پارکنگ ایریا میں وہ ایک سیاہ کار دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس سے ٹیک لگائے زیاد سلطان کو بھی دیکھ سکتی تھی۔ اس نے سوچا تھا اب اسے اس شخص سے ڈر نہیں لگتا۔ لیکن وہ غلط تھی۔ اسے ڈر لگتا تھا۔ اسے ڈر لگ رہا تھا۔

وہ جو کلائی پر بندھی گھڑی دیکھ رہا تھا، اسے دیکھ کے سیدھا ہوا۔ وہ قدم قدم چلتی اس کے سامنے آ رکی۔ بیگ کے ٹائرز کی زمین پر رگڑنے کی آواز بھی رک گئی۔

تاریک رات میں وہ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

''تم واقعی آ گئیں۔'' وہ جیسے بے یقین تھا۔

''میں نے اپنے حصے کا وعدہ پورا کیا ہے، زیاد۔ اب تم اپنے حصے کا کرو۔'' وہ سنجیدہ تھی۔ پونی دائیں بائیں جھول رہی تھی اور آنکھیں بے تاثر تھیں۔

زیاد نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں تمہیں ہلال کے پاس لے جانے کے لیے تیار ہوں۔ کیا تم میرے اوپر بھروسہ کر کے میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو؟''

اس نے سر کو ہاں میں جنبش دی۔ بہت سا تھوک نگلا۔

"اور اس کے بعد، کشمالہ؟" وہ امید اور خوف کے درمیان اسے دیکھ رہا تھا۔

"وہی جو میں نے کہا تھا۔ تم ہلال کو ماہر کے اپارٹمنٹ کے باہر چھوڑ آؤ گے۔ میں پاسپورٹ ساتھ لائی ہوں۔ ہم دونوں اگلی فلائٹ سے یہاں سے پاکستان چلے جائیں گے۔ اور..." تھوک نگلا۔ "میں خلع کا کیس واپس لے لوں گی۔"

وہ چند لمحے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بازو بڑھایا۔

"تمہارا فون۔"

مالا کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

"میرا فون کیوں؟" دل بری طرح دھڑکا۔

"تمہارا فون ہمارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ کہا نا، تمہیں مجھ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔" وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ البتہ اس کی

آنکھیں اس کی آنکھوں سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔

ایک سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔لیکن اس نے پرس سے فون نکالا اور زیاد کی طرف بڑھایا۔زیاد نے فون پاور آف کیا اور اگلے ہی لمحے اسے قریب رکھے ٹریش کین میں اچھال دیا۔اس کا منہ کھل گیا۔

''زیاد...یہ میرا فون تھا۔''

''میں تمہیں نیا لے دوں گا۔تمہارا ڈیٹا ہمیشہ کلاؤڈ سے بیک اپ ہوتا ہے۔''پھر اس نے غور سے مالا کو دیکھا۔''اگر تمہیں میرے اوپر بھروسہ نہیں ہے تو ہمیں ڈیل کرنے کی ضرورت...''

''ٹھیک ہے۔چلو۔''وہ کار کے دروازے کی طرف بڑھی۔ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ کپکپا رہا تھا۔

"تم خوفزدہ ہو، مجھ سے؟ اس آدمی سے جو تم سے محبت کرتا ہے؟" وہ دھیرے سے بولا۔اس کی آواز زخمی تھی۔''لیکن تم ماہر کے لیے اتنا بڑا خطرہ مول لینے کو تیار ہو۔''

مالا نے گہری سانس لی اور پلٹ کے اسے دیکھا۔

''میں اس کو اتنا ہی ناپسند کرتی ہوں جتنا تمہیں۔تم دونوں دھوکے باز اور manipulative ہو۔میں یہ صرف ہلال کے لیے کر رہی ہوں۔''

زیاد کو شاید ان الفاظ کی توقع نہ تھی۔اس کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

''میں تمہارے ساتھ واپس جا رہی ہوں۔اس لیے نہیں کہ میں تم سے محبت کروں گی، زیاد۔ بلکہ جیسے تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو اپنے ساتھ باندھ کے رکھا ہے، ویسے ہی میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی۔اور تمہارے باپ کی طرح میرے دل میں بھی تمہاری نفرت بڑھتی جائے گی، زیاد۔کوئی بھی چیز اس نفرت کو کم نہیں کر سکے گی۔تم تیار ہو اس کے لیے؟''

زیاد نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی اور ڈرائیونگ ڈور کی طرف بڑھ گیا۔

کار میں بیٹھنے سے پہلے کشمالہ مبین پلٹی اور اپنے پیچھے دیکھا۔اپارٹمنٹ بلڈنگ سامنے کھڑی تھی۔وہ ابھی بھی بھاگ کے اندر جا سکتی تھی۔وہ پولیس کو بلا سکتی تھی۔لیکن نہیں۔ہلال کو اس آدمی کی قید سے نکالنے کا ایک ہی طریقہ تھا۔

وہ کار میں بیٹھی اور دروازہ بند کر دیا۔

ایسے لگا جیسے زندگی کا ایک در بند ہو گیا ہو۔

اس نے سیٹ بیلٹ پہنی۔عجیب گھٹن سی محسوس ہوئی۔

سامنے سڑک تاریک تھی۔

ساری دنیا سو رہی تھی۔

زیاد نے کار کی ہیڈ لائٹس روشن کیں۔اور اسے سڑک پر ڈال دیا۔

مالا نے دونوں ہاتھ باہم پھنسائے گود میں رکھ لیے۔وہ ابھی تک کپکپا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے کاریڈور میں بنا دروازہ کھلا اور اندرانی نگینہ بیگم کے کمرے سے باہر آتی دکھائی دی۔اگلے ہی لمحے وہ دھک سے رہ گئی۔

ماہر فرید سامنے بیٹھا تھا۔خالی کرسیوں کے عین درمیان میں۔ٹانگ پر ٹانگ جمائے،وہ بہت فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ہاتھ میں ایک چھوٹی سی نیلے دانوں والی تسبیح تھی۔اسے دیکھتے ہی اس نے وہ جیب میں ڈال دی۔

''آپ...ابھی یہیں ہیں؟''اندرانی کا چہرہ سفید پڑا۔

''زیاد کب آرہا ہے؟''وہ غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

دور کہیں... جیسے کسی کنویں سے ...وہ سرگوشیاں اٹھتی سنائی دینے لگیں۔وہ اس کے آس پاس تھے۔وہ بھنبھنا رہے تھے۔وہ اس بھنبھناہٹ کو پہچانتا تھا۔ہلکا سا سر جھٹکا۔اسے ان کو نظر انداز کرنا تھا۔

''وہ نہیں آئیں گے۔ان کا نمبر آف جا رہا ہے۔''

وہ دروازے پہ کھڑی تھی۔سفید قمیض اور چوڑی دار پاجامہ۔سیاہ سفید سیاہ بالوں کی چوٹی۔انگلیاں مروڑتی۔کالی بڑی بڑی آنکھیں جن میں عجیب سا ہراس تھا۔

''تم میرا نام کیسے جانتی ہو؟''وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔

''میں...وہ...سنا تھا کہیں۔''اندرانی پلک نہیں جھپک پا رہی تھی۔وہ قریب آیا تو وہ دو قدم پیچھے ہٹتی گئی۔نگاہیں ماہر فرید کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''اندرانی۔''اس نے نامحسوس انداز میں بائیں کہنی سے اوپر دایاں ہاتھ رکھ لیا۔

''کب سے ہو زیاد کی ماں کے ساتھ؟''وہ اس کے عین سر پہ پہنچ چکا تھا۔اس کی آنکھوں میں دیکھتی اندرانی کا

اگلا سانس دو بھر ہو گیا۔

''بہت... بہت برس ہو گئے۔ مجھے جانا ہے جی۔'' وہ دھیرے دھیرے بازو مسل رہی تھی۔ اسے درد ہو رہا تھا۔ جیسے اس کی روح حلق میں اٹکی تھی۔

''زیاد سے کہو، مجھ سے بات کرے۔ ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔'' ابرو اٹھا کے تنبیہہ کی۔ اندرانی نے جلدی سے سر اثبات میں ہلایا۔ اب وہ زور سے بازو مسل رہی تھی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔ دو قدم۔ تین قدم۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیسے جیسے پیچھے جا رہا تھا، اندرانی کا بازو سہلاتا ہاتھ ڈھیلا پڑ رہا تھا۔ شاید اس کا درد کم ہو رہا تھا۔ پھر اس کا جیسے سانس بحال ہونے لگا۔ وہ تیزی سے واپس اندر غائب ہو گئی۔

''مالک... مجھے ایک معلومات چاہیے۔'' وہ موبائل کان سے لگائے پارکنگ لاٹ کی طرف جا رہا تھا۔

''تمہیں اندازہ ہے اس وقت یہاں کیا بجا ہے؟'' مالک فرید کی غراتی آواز سنائی دی۔

''اندرانی... نگینہ سلطان کی ملازمہ۔'' اس کی غراہٹ نظر انداز کر کے وہ کہہ رہا تھا۔ ''یہ کون ہے؟ تم مجھے معلوم کر کے دو کہ نگینہ سلطان کے ساتھ کس نے لاہور سے وین کوور کا سفر کیا ہے۔ اس کا پاسپورٹ چاہیے مجھے۔ تاکہ ہم اس کے بارے میں مزید جان سکیں۔'' کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے کال کاٹ دی۔ پھر سیٹ بیلٹ پہنی اور چند لمحے وہیں بیٹھا کچھ سوچتا رہا۔

مالا۔ اسے مالا سے پوچھنا چاہیے تھا۔ وہ اس گھر کی بہو رہی تھی۔ وہ جانتی ہو گی کہ یہ بنگالی عورت کون تھی۔ کہیں وہ کسی جادو وغیرہ کے معاملات میں ملوث تو نہیں؟ زیاد کی ماں ایک بیمار اور بے ضرر عورت تھی لیکن یہ اندرانی... کچھ تھا اس کے بارے میں۔ کچھ غلط تھا۔

مالا کا نمبر بند جا رہا تھا۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت مال بند نہیں ہوا ہو گا۔ وہ شاپ پہ ہو گی۔

کافی شاپ میں داخل ہوتے ہی اس کی آنکھیں اس شناسا چہرے کی تلاش میں کاؤنٹر تک دوڑیں۔ دائیں بائیں۔ وہ وہاں نہیں تھی۔ کان میں بالی پہنے فربہ سا باریستا وہیں کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کے شناسائی سے مسکرایا تک نہیں۔ وہ تیزی سے کاؤنٹر تک آیا۔

''مالا کہاں ہے؟''

''وہ تو دوپہر میں چلی گئی تھی۔ ایک دم سے کام چھوڑ کے۔ ابھی اس کی جگہ میں شفٹ کر رہا ہوں۔ کیونکہ مادام کا فون آف ہے۔'' اس کا موڈ خراب تھا۔ غصے سے بتایا اور زور سے بلینڈر کا بٹن دبا دیا۔ زوں زوں اتنی اونچی ہوئی کہ

وہ اگلا سوال نہیں پوچھ سکا۔

مالا کا نمبر ملاتے ہوئے وہ اپنی مخصوص کرسی تک آیا۔ چہرے پر الجھن تھی۔ مالا کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں رہتی تھی۔ بلڈنگ معلوم تھی۔ اپارٹمنٹ نمبر نہیں۔ لیکن ایک شخص کو معلوم ہو گا۔

''ماہر بے... لانگ ٹائم۔'' ماہی کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ کچھ کہنے لگا لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔

''میں تم سے کیچ اپ بعد میں کروں گا۔ مالا کہاں ہے؟''

''مال میں ہو گی۔'' ماہی کے پیچھے بچے کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ مصروف لگ رہی تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ ٹھیک ہو گی۔ وہ یقیناً ٹھیک ہو گی۔ وہ ایسے ہی پریشان ہو رہا تھا۔

''کبھی آپ ہمارے پاس چلی ویک آئیں نا۔'' وہ اسے اپنے گھر مدعو کر رہی تھی۔ وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی، بچے کے رونے کی آواز کے باعث وہ سن نہیں پا رہا تھا۔ اور تب ہی کچھ تھا جو اس کی آنکھ میں کھٹکا۔

شیلڈن کے سفید گملے تلے رکھا ایک نوٹ کا کنارہ۔

"ماہی... میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔"

وہ فون نیچے کرتے ہوئے تیزی سے اس طرف آیا۔

ایک سرخ بتی جلنے بجھنے لگی تھی۔

اس نے گملا ہٹایا۔

ایک نیا تکور نوٹ اس کے نیچے چپکا تھا۔

ماہر نے نوٹ نکال کے روشنی کی طرف اٹھایا۔

وہاں دو الفاظ تحریر تھے۔

Find me

ساری دنیا ایک دم ساکت ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس اونچے پردوں والے لونگ روم میں صبح کی روشنی ابھی ٹھیک سے داخل نہیں ہوئی تھی۔ مالک فرید اپنے کمرے سے نکلے تو ٹریک سوٹ میں ملبوس تھے۔ یہ ان کی واک کا وقت تھا۔ لیکن دروازے کی طرف جانے کی بجائے وہ لونگ روم کی ایک ونگ چیئر پر آن بیٹھے۔ بے چینی سے گھڑی دیکھی۔ اسی پل دروازہ کھلا اور ایک نوجوان

نے اندر جھانکا۔

"میں آجاؤں؟"

وہ ٹیب اٹھائے، رف سے ٹی شرٹ اور ٹراؤزرز میں ملبوس ان کا سیکرٹری تھا۔ مالک فرید نے ناپسندیدگی سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ وہ قدرے شرمندہ ہو گیا۔

''سوری سر۔ ابھی آفس جانے میں وقت تھا تو میں تیار نہیں ہو سکا...''

وہ نادم سا سامنے آیا۔ پھر ٹیب کی اسکرین ان کے سامنے کی۔

''نگینہ سلطان نے میڈیکل ویزہ پہ دو لوگوں کے ساتھ ٹریول کیا ہے۔''

اس نے رک کے وقفہ دیا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ جیسے وہ کچھ ایسا جانتا تھا جس سے مالک فرید لاعلم تھے۔

''دو لوگ؟'' مالک فرید نے انگلیوں پر گنا۔ ''زیاد اور کبیر ٹیکرانی؟''

''نہیں۔ زیاد سلطان کینیڈا میں نہیں ہے۔'' پھر جلدی سے وضاحت کی۔ ''یعنی اپنے پاسپورٹ کے مطابق وہ سعودی عرب سے پاکستان چلا گیا تھا اور وہیں ہے۔''

''مطلب اس نے کسی جعلی پاسپورٹ پہ سفر کیا ہے۔ ویری گڈ۔ اس کے اوپر کیس بن سکتا ہے۔'' پھر وہ چونکے۔

"اگر تیسرا فرد زیاد نہیں ہے تو کون ہے؟"

سیکرٹری نے ٹیب کی اسکرین ان کے سامنے کی۔

''ایک گیارہ سال کی بچی۔ ہلال سلطان۔''

عبدالمالک فرید نے کرنٹ کھا کے ٹیب تھاما۔

سامنے ایک پاسپورٹ پکچر کھلی تھی۔ ان کی نگاہیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔

وہ تصویر تازہ تھی۔ وہ بڑی لگ رہی تھی۔ وہ اس لڑکی سے بڑی لگ رہی تھی جسے انہوں نے آخری دفعہ دیکھا تھا۔

اور وہ مسکرا رہی تھی۔

''وہ زندہ ہے۔'' ان کا سانس دھیرے سے بحال ہوا۔

''وہ درست کہتا تھا۔'' ایک آہ سی بھری۔

''اتنے برس سے ماہر فرید درست کہہ رہا تھا۔ وہ واقعی زندہ تھی۔''

ان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔ پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''گڈ جاب۔''

شاید اس لڑکے کے کیریئر کے دوران وہ پہلا موقع تھا جب مالک فرید نے مسکرا کے اسے یہ دو الفاظ کہے تھے۔ لیکن وہ نہیں مسکرا سکا۔ اسے ابھی انہیں کچھ اور بھی بتانا تھا۔

اس نے تھوک نگلا۔

''سر...'' بہت ہمت سے الفاظ مجتمع کیے۔

''یہ گورنمنٹ ایشوڈ پاسپورٹ ہے۔'' وہ غور سے زوم کر کے ہلال کا پاسپورٹ دیکھ رہے تھے۔ ''یعنی زیاد سلطان نے کسی سرکاری اہلکار کے ساتھ مل کے ہلال کا پاسپورٹ حال ہی میں بنوایا ہے۔''

"سر ... ؟"

''اس نے اپنی ماں کا میڈیکل ویزہ ایشو کروایا ہوگا۔ اسی لیے ہلال کو اپنی بہن ظاہر کیا ہے۔ ایک بوڑھی عورت کے علاج کے لیے اس کی کیئر ٹیکر اور بیٹی کو ویزہ مل جانا آسان تھا۔ ویری انٹرسٹنگ۔''

''سر...'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کچھ ہے جو آپ کو جاننا چاہیے۔''

اگلے الفاظ کہنا اس کے لیے بہت دشوار تھا۔

مالک فرید نے ٹیب ایک طرف رکھ دیا۔ پھر گردن اٹھا کے اسے دیکھے گئے۔ وہ بولتا گیا اور وہ اس نوجوان کے ہلتے ہونٹ دیکھتے گئے۔

مالک فرید اس روز صبح کی واک پہ نہیں گئے۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار بھی نہیں ہوئے۔ وہ کافی دیر اسی صوفے پر بیٹھے رہے۔ مٹھی ہونٹوں پر جمائے وہ چپ چاپ کھڑکی سے طلوع ہوتے سورج کو دیکھے گئے۔

سیکرٹری بھی دم سادھے سامنے بیٹھا رہا۔ جیسے سمجھ میں نہ آ رہا ہو کہ کیا کرے۔

پھر وہ کھنکھارے۔ وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ مالک فرید فون نکال کے کال ملا رہے تھے۔

''تم درست کہہ رہے تھے، ماہر۔'' وہ بولے تو ان کی آواز شکستہ تھی۔ ''اندرانی کی تلاش میں ہمیں کچھ اور مل گیا ہے۔ نگینہ اور اندرانی کے ساتھ ہلال نے بھی سفر کیا ہے۔ اس کا پاسپورٹ ریکارڈ پہ ہے۔ اس کی تصویر تازہ ہے۔ وہ زندہ ہے، ماہر۔ اور وہ کینیڈا میں ہے۔''

دوسری طرف سے کچھ سن کے انہوں نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں۔زیاد ساتھ نہیں تھا۔وہ کسی دوسرے پاسپورٹ پر کینیڈا آیا ہے۔ہاں، بالکل۔"سر اوپر نیچے ہلایا۔"اس کو identity theft میں پکڑنا مشکل نہیں ہوگا۔ہاں تم پولیس کو اطلاع کر دو۔"انہوں نے فون رکھ دیا۔سیکرٹری منتظر نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے اسے نہیں بتایا؟"اسے تعجب ہوا۔

مالک فرید نے تھکی ہوئی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"کیا مرنے والے کو وقت سے پہلے موت دینا ضروری ہے؟"

پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کے اٹھ گئے۔

انہیں آفس پہنچنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کار طویل سڑک پر دوڑتی جا رہی تھی۔وہ کھڑکی سے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔اب قدرے پہاڑی علاقہ شروع ہو رہا تھا۔ایک طرف سمندر۔دوسری طرف پہاڑ۔

درمیان میں ایک جگہ زیاد نے کار روکی۔سڑک کنارے ایک نیلی ایس یو وی رکی کھڑی تھی۔

"ہم باہر کیوں نکل رہے ہیں؟"وہ باہر نکلا اور اسے بھی پیروی کا کہا تو وہ چونک گئی۔

"کیا تمہیں مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے؟"وہ اس کی طرف کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔اس نے لب بھینچ لیے اور باہر نکلی۔

"لیکن میرا سامان اس کار میں ہے۔"

"وہ آ جائے گا۔"اس نے ہاتھ سے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔مالا چپ چاپ آگے بڑھ گئی۔

اس نیلی ایس یو وی میں جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو زیاد نے اسے سڑک پر ڈال دیا۔مسافت ایک دفعہ پھر شروع ہو گئی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟"قدرے توقف سے اس نے گردن زیاد کی طرف موڑی۔وہ بالکل خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"میں اپنا وعدہ پورا کرنے جا رہا ہوں۔"اس نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے ایک نظر اسے دیکھا۔اس کی نظروں میں کچھ عجیب سا تھا۔

''تم جانتی ہو کہ میں ایک قاتل ہوں۔'' وہ طنز کر رہا تھا۔ وہ اسے دیکھے گئی۔ ''پھر بھی تم ماہر کے لیے اپنی زندگی کا سودا کرنے کو تیار ہو گئیں۔''

''میں یہ ماہر کے لیے نہیں کر رہی۔''

''تم ماہر کے لیے مجھ سے طلاق لے رہی تھیں۔''

''میں تم سے تمہاری وجہ سے طلاق لے رہی تھی۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''دوسری شادی پہلی جیسی نہیں ہوتی، مالا۔ پہلی شادی جیسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔''

''پھر بحث کیوں کر رہے ہو؟ میں یہاں ہوں۔ تمہارے ساتھ۔ نہیں لے رہی میں طلاق۔'' وہ تلخی سے کہہ کے باہر دیکھنے لگی۔ دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ وہ صرف اپنے دل کی دھڑکن سن سکتی تھی۔ یا اس کے سانس لینے کی آواز۔

''تم نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی۔'' وہ بولا تو آواز میں تکلیف تھی۔ شکوہ تھا۔

''تم نے بھی نہیں کی۔ صرف میرے اندر سبرینہ کو تلاش کیا۔'' وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے۔

''وہ اس قابل تھی کہ اس کو میں دنیا کی ہر عورت میں تلاش کرتا۔''

''وہ صرف تمہارا تصور تھی، زیاد۔ تم صرف اس کو بیٹھ کے دیکھتے تھے۔ وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔'' رک کے تصحیح کی۔ ''کرتی ہو گی۔ یعنی جب وہ زندہ ہو گی تب۔''

زیاد نے ایک نظر اسے دیکھا۔ کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر گیا تھا۔

''تم سبرینہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔''

''کم از کم وہ تمہاری منگیتر نہیں تھی۔'' وہ جتا کے بولی۔

''تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔'' وہ ایک دم غرایا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکا۔ وہ بالکل ساکن ہو گئی۔ پھر زیاد نے سر جھٹکا۔ اور سڑک کی طرف توجہ مرکوز کر دی۔ دھیرے دھیرے مالا کا سانس واپس آنے لگا۔

کار خاموشی سے سڑک پر دوڑتی رہی۔ وہ سڑک کنارے لگے بورڈ پڑھ سکتی تھی۔ وہ ہیریسن ولیج میں داخل ہو رہے تھے۔ اندھیرے میں بس وہ اتنا دیکھ سکتی تھی کہ وہاں درخت تھے۔ پہاڑ تھے۔ دور نیچے بہتا سمندر تھا۔ کنارے پر بنے لکڑی کے مخروطی گھر تھے۔ رات تاریک تھی اور اس ملک میں سورج ڈوبنے کے بعد بتیاں جلانے کا

رواج کم کم تھا۔ یہ گاؤں ایسا اندھیر تھا جیسے کسی سیاہ پرندے نے اسے اپنے پروں تلے ڈھانک لیا ہو۔

قریباً آدھ گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد زیاد نے کار ایک مخروطی گھر کے سامنے روکی۔ سڑک کے کنارے اونچائی پہ بنا گھر جس کی بالکونی سمندر کی طرف کھلتی تھی۔ وہ ایسے دہانے پر بنا تھا کہ جیسے ابھی ذرا سا لڑھکا تو نیچے سمندر میں جا گرے گا۔

''تمہارے بعد۔'' زیاد نے لکڑی کا چھوٹا سا دروازہ کھولا اور اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ گھر بالکل اندھیر تھا۔ ایک بتی بھی نہیں۔ دل بری طرح دھڑکا لیکن بظاہر گردن اکڑا کے وہ آگے بڑھ گئی۔

گھر کے اندر جاتا دروازہ بھی لکڑی کا تھا اور غیر مقفل تھا۔ مالا نے ہینڈل موڑا تو دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ بتی خود بخود جل اٹھی۔

اندر ایک سادگی سے سجایا گیا لونگ روم تھا۔ ساتھ لکڑی کا زینہ جو اوپر جاتا تھا۔ یہ گویا ایک چھوٹا سا ویکیشن ہاؤس تھا۔ کیا یہ زیاد کی ملکیت تھا؟ یا اس نے کسی دوسرے کے گھر پہ چند دن کے لیے قبضہ جمایا تھا؟

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھانے لگی۔ ہر قدم کے ساتھ لکڑی کے چٹخنے کی آواز آتی۔ پھر کمرے کے وسط میں پہنچ کے وہ ٹھہر گئی۔ سر اٹھا کے دیکھا۔ اوپر نازک سا فانوس جھول رہا تھا۔ کھڑکیوں کے ساتھ جالے لگے تھے۔

چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ بند ہوا تو وہ اس طرف گھومی۔ زیاد بند دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔

مالا نے تھوک نگلا۔ پہلو میں گرے ہاتھ کپکپائے۔ لیکن اسے ہمت کرنی تھی۔ جب فیصلہ کر لیا تو کر لیا۔

''ہلال کہاں ہے؟''

''یہاں نہیں ہے۔'' وہ سینے پر بازو لپیٹے، قدم قدم چلتا وہ اس کے سامنے آ رکا۔ اس کا دل بری طرح دھڑکا۔

''تم نے کہا تھا تم مجھے اس کے پاس لے کر آؤ گے۔''

''اور تم نے یقین کر لیا؟'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ اس کے چہرے پر تکلیف تھی۔

وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''تم نے میری آفر قبول...''

''تمہیں واقعی لگا تھا کہ میں اسے زندہ رہا کر دوں گا؟'' وہ جیسے تعجب کا شکار تھا۔

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ بازو سینے پر لپیٹ لیے گویا خود کو تھام لیا ہو۔

''زیاد...'' اس کی آواز کپکپائی۔ بھیگی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔ ''تم نے وعدہ کیا تھا۔''

''تم نے بھی وعدہ کیا تھا۔میرے ساتھ ساری زندگی رہنے کا۔پھر کیا ہوا اس وعدے کا؟''

وہ اب ایک صوفے پر جا بیٹھا اور ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔

''تم ابھی تک میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف ہی نہیں ہو، کشمالہ۔''اس نے افسوس سے سچ کیا۔

"اگر تمہیں ہلال کو نہیں چھوڑنا تھا تو مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"وہ فانوس تلے وسط کمرے میں کھڑی تھی۔کسی مجسمے کی طرح۔آنکھیں بس اس پہ ٹکی تھیں۔

''تم نے میرے اوپر بک شیلف گرایا تھا۔تم مجھے مردہ سمجھ کے چھوڑ آئی تھیں۔کیا تمہیں یاد ہے؟''روشنی کی ایک جھری کھڑکی سے آتی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔باہر کوئی بتی جلی ہوئی تھی۔

''پلیز...ہلال کو جانے دو۔''آنسو آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔

''تمہارا جو بھی مسئلہ ہے،میرے ساتھ ہے۔''

''میں اتنا بے وقوف ہوں جو اس کو جانے دوں تا کہ وہ پولیس کے پاس چلی جائے؟''وہ حیران تھا جیسے۔

''تمہیں واقعی لگا تھا کہ تم آؤ گی اور میں اسے چھوڑ دوں گا؟"

''میں آ گئی ہوں۔اور تمہیں کیا چاہیے؟''

''تم مجھے بے وقوف بنانے آئی ہو۔میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہی تھیں۔تم ہلال کو آزاد کروالو گی۔لیکن میرے ساتھ نہیں جاؤ گی۔تم پولیس بلا لو گی۔پناہ لے لو گی۔وغیرہ وغیرہ۔اور مجھے اس ملک سے بھاگنا پڑے گا۔میں تمہارا پلان سمجھتا ہوں۔اور پھر کیا ہو گا؟''اس نے بہت تکلیف سے کشمالہ کو دیکھا۔

''پھر تم اس شخص کے پاس چلی جاؤ گی۔تم دونوں ہنسی خوشی زندگی گزارو گے۔تم زیاد سلطان سے آزاد ہو جاؤ گی؟''زیاد کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔

''تم کچھ نہیں جانتے،زیاد۔''

''تم کچھ نہیں جانتیں،کشمالہ۔لیکن اب تم جان جاؤ گی۔''وہ آگے بڑھا۔اس کی مٹھی بند تھی۔وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کی مٹھی میں کچھ تھا۔

''تم یہ جان جاؤ گی کہ تم ساری عمر زیاد سلطان سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔''

وہ آگے بڑھتا گیا اور وہ قدم قدم پیچھے ہٹتی گئی۔یہاں تک کہ کمر کے پیچھے لکڑی کی دیوار آ گئی۔پھر اس نے آنکھیں بند کر دیں۔اب ہر طرف اندھیرا تھا۔وہ اس کی آواز سن سکتی تھی۔

"تمہیں تمہارا happily ever after کبھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ میں آج تمہاری زندگی ختم کرنے جا رہا ہوں۔"

اس نے آنکھیں بند رکھیں۔ وہاں کوئی بک شیلف نہیں تھا جو وہ اس کو دے مارتی۔ وہاں کوئی نہیں تھا کیونکہ کوئی کسی کو بچانے نہیں آیا کرتا۔ اسے ماں کا چہرہ یاد آیا۔ اور وہ مری ہوئی فاختہ جو اس نے کچن گارڈن میں دبائی تھی۔ اور وہ بلی کا بچہ جو ماموں کے گھر کی منڈیر پر چڑھ کے روز بیٹھ جاتا تھا۔ اور وہ گلابی ہیئر بینڈ جو اسے ابو نے بچپن میں کسی سالگرہ پہ دیا تھا۔

زیاد نے کوئی شے زور سے اس کے بازو پر دے ماری تھی۔ سوئی کی نوک کی چبھن۔ اور پھر ساری دنیا اندھیر ہونے لگی۔ بلی کا بچہ مر گیا۔ اور فاختہ مٹی تلے چلی گئی۔ ہیئر بینڈ کا رنگ خاکی ہو گیا۔ اور ماں کی آنکھیں بجھ گئیں۔

وہ دیوار کے ساتھ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

لیکن ساری دنیا مکمل طور پہ تاریک نہیں ہوئی تھی۔

وہ کچھ کہہ رہا تھا اور وہ سننے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"تمہیں تمہارا happily ever after کبھی نہیں ملے گا۔ کیونکہ آج میں تمہاری زندگی ختم کرنے جا رہا ہوں۔"

(وہ سرخ اینٹوں سے بنی اونچی عمارت تھی۔ اس کے اندر وسیع ہالز تھے۔ ایسے ہی ایک شیشے کی دیواروں سے بنے ہال میں ماہر فرید کھڑا تھا۔ اس کے سامنے میز کے پیچھے ایک پولیس آفیسر بیٹھا بغور اسے سن رہا تھا۔ وہ دائیں بائیں ٹہلتا، بار بار ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

آفیسر کے سامنے رکھی کرسی پر ماہی بیٹھی تھوڑی ہونٹوں پر جمائے، بے آواز رو رہی تھی۔ فائنڈ می والا نوٹ ان کے درمیان میز پر رکھا تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ اپنی مرضی سے کہیں گئی ہو۔"

"وہ مرضی سے نہیں گئی۔ یہ زیاد نے کیا ہے۔" وہ میز پر ایک ہاتھ رکھ کے جھکا اور ایک ایک حرف پہ زور دے کر کہنے لگا۔)

"تم میری زندگی میں آنے والی واحد عورت تھیں جو میری محرومیاں ختم کر سکتی تھی۔"

(اب وہ ایک بڑے کانفرنس روم کی طرح کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ ماہی چھوٹے بالوں میں ہیئر بینڈ لگائے، مسلسل آنکھیں ٹشو سے صاف کر رہی تھی۔ اس کے کالر کے کنارے پر پاؤڈر ملک لگا تھا۔ ساتھ ہی حورعین اپنے اسٹرالر میں موجود تھی اور کافی چڑچڑی لگ رہی تھی۔ اب وہاں تین آفیسرز بیٹھے تھے۔ ایک سارجنٹ میجر، ایک انسپکٹر اور ایک سپریڈنڈنٹ۔ سارجنٹ میجر ماہی سے سوال کر رہا تھا اور وہ نفی میں سر ہلاتی جواب دے رہی تھی۔ ماہر اس کے ساتھ خاموش بیٹھا تھا۔ ایک ہی سوال کی تکرار پہ اس نے سر دائیں بائیں جھٹکا اور بنا آواز کے ہونٹ ہلائے۔"اف یہ Mounties")

"تم عورت ہو۔ اچھی عورت مسیحا ہوتی ہے۔ ساتھ نبھانے والی ہوتی ہے۔"

(مالک فرید اپنے آفس میں بیٹھے تھے۔ بتیاں گل تھیں اور وہ مزید میٹنگز اٹینڈ نہیں کر سکے تھے۔ وہ بس بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھتے۔ دیوار پر لگی بڑی سی گھڑی جو ہر اس شہر کا وقت بتا رہی تھی جہاں فرید ہولڈنگ آپریٹ کرتی تھی۔ وین کوور کو انہوں نے اس میں حال ہی میں شامل کیا تھا اور اسی کے وقت پہ ان کی نگاہیں جمی تھیں۔
کشمالہ مبین کو کھوئے آٹھ گھنٹے سے زیادہ بیت چکے تھے۔)

"اچھی عورت مرد کی اصلاح کرتی ہے۔ وہ اس کو نرمی سے درست راستے پر لاتی ہے۔"

(دو پولیس آفیسرز ہسپتال کے کاریڈور میں کھڑے تھے۔ ایک ٹیبلیٹ پر پین سے کچھ لکھ رہا تھا۔ دوسرا سامنے کھڑی اندرانی سے ہندی میں سوالات کر رہا تھا۔ وہ مسلسل شانے اچکا رہی تھی۔ اس کا چہرہ بے تاثر سا تھا جیسے اسے کوئی خوف نہ ہو۔
"زیادہ یہاں نہیں ہے۔ میں نہیں جانتی وہ کہاں ہے۔")

"اچھی عورت سے شادی کا کیا فائدہ کشمالہ، اگر اپنے شوہر کو بدل نہ سکے؟"

(وہ ایک سی سی ٹی وی کیمروں سے سجا کمرہ تھا۔ وہ ماہی کے ساتھ وہاں کھڑا تھا۔ آپریٹر کے کندھے پر جھکے، وہ اسکرین دیکھ رہا تھا۔ ساتھ کھڑا پولیس آفیسر اسکرین کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے چہرے بھی دیکھتا تھا۔

اسکرین پر وہ اپارٹمنٹ سے نکلتی دکھائی دے رہی تھی۔ اب وہ ایک کار کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کار کی پلیٹس غائب تھیں۔ ڈرائیور کا چہرہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے سبز اور نیلا ٹائی اینڈ ڈائی لباس پہن رکھا تھا اور اس کی پونی دائیں بائیں جھول رہی تھی۔ آدمی اندھیرے میں تھا۔ وہ ڈرائیونگ ڈور کی طرف چلا گیا۔ پھر اس نے ٹرنک کھولا۔ اس کا بیگ اندر رکھا۔

"وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔" آفیسر نے جتا کے دہرایا۔

فرنٹ سیٹ کے دروازے پر ہاتھ رکھے مالا نے گردن موڑ کے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے ماہر کو لگا وہ اسے دیکھ رہی ہے۔

"وہ مرضی سے نہیں گئی۔ وہ کیمرہ میں دیکھ رہی ہے۔ وہ اسے کسی دباؤ کے تحت لے کر گیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ بعد میں پولیس یہ ویڈیو دیکھے گی۔"

پھر وہ پلٹ گئی۔ اب وہ کار میں بیٹھ رہی تھی۔

"اس آدمی کے پاس کوئی اسلحہ نہیں ہے۔"

"وہ اسے اسلحے کے بغیر بھی طرح بلیک میل کر سکتا ہے۔ واللہ یہ معلوم کرنا تمہاری جاب ہے، وکرم، میری نہیں۔"

وہ جھنجھلا کے سیدھا ہوا۔ سارجنٹ میجر نے گہری سانس لی۔)

"مرد شادی کیوں کرتا ہے؟ تاکہ اس کی زندگی میں ایک ایسی اچھی اور شریف عورت آئے جو اس کی زندگی کو خوبصورت بنا دے۔"

(مالا کے اپارٹمنٹ پہ صبح طلوع ہو رہی تھی۔ ایک کونے میں حور عین اپنے اسٹرولر میں لیٹی تھی۔ پولیس اہلکار ادھر ادھر گھومتے مختلف چیزوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ چند چیزیں وہ پلاسٹک پیکٹس میں ڈال رہے تھے۔ ماہی سائیڈ ٹیبل

کے ساتھ کھڑی تھی۔اسے کچھ دکھائی دیا تھا۔ایک ننھا سا سفید لفافہ جو کتابوں کے درمیان دبا تھا۔کیا وہ کوئی خط چھوڑ کے گئی تھی؟اس نے مڑ کے دیکھا۔کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔اس نے دھیرے سے لفافہ نکالا اور اسٹرولر کے چھجے میں چھپا دیا۔وہ اس خط کو باہر جا کے پڑھے گی۔ان ماؤنٹیز کے سامنے نہیں۔)

"ایسی عورت جو نہ صرف اپنے مرد کو خوش رکھے بلکہ اس کی نرمی سے اصلاح کر کے اس کو بدل بھی دے۔"

(نگینہ بیگم کو آکسیجن ماسک لگا تھا۔وہ آنکھیں جھپکا کے چھت کو دیکھ رہی تھیں۔اندرانی ان کی پائنتی کے ساتھ بیٹھی ہلکی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"پولیس زیادکو ڈھونڈ رہی ہے۔"اندرانی نے اسکرب اور ماسک پہن رکھا تھا۔

"مجھے کاغذ اور قلم لا کر دو۔"انہوں نے دھیرے سے ماسک اتارا۔چہرہ آدھے سے زیادہ گل سڑ چکا تھا اور اس سے بدبو اٹھ رہی تھی۔)

"ایسی اچھی عورت جو اپنے شوہر سے برے کام چھڑوا سکے۔وہ اپنے شوہر کو اپنے جیسا نیک بنا دے۔"

(پولیس کے اہلکار یکے بعد دیگرے اس گھر میں داخل ہو رہے تھے۔یہ وین کوور میں واقع وہ گھر تھا جسے نگینہ بیگم نے کرایے پر لے رکھا تھا۔بیسمنٹ کو جاتا دروازہ کھول دیا گیا تھا۔چند اہلکار چیونٹیوں کی طرح نیچے جا رہے تھے۔
بیسمنٹ کا طویل ہال خالی تھا۔ایک ستون کے ساتھ ایک کھلی ہتھکڑی گری تھی۔وہاں کوئی نہ تھا۔)

"ایسی اچھی عورت جو آخری دم تک اپنے شوہر کا ساتھ نبھائے۔جو اس کی کمی کوتاہی کے باعث اس کو چھوڑ نہ دے۔عورت مشکل میں ہی شوہر کا ساتھ نہ نبھائے تو کیا فائدہ اچھی عورت سے شادی کرنے کا؟"

(یہ ایک سفید سی راہداری تھی جو RCMP (رائل کینیڈین ماؤنٹڈ پولیس) کے مسنگ پرسن ڈیپارٹمنٹ کے باہر بنی تھی۔سنگی کرسیاں قطار میں رکھی تھیں اور وہ دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔حور عین کا اسٹرولر اب وہاں

نہیں تھا۔عباد اس کو لے گیا تھا۔

ماہر نے نگاہ اٹھا کے گھڑی کو دیکھا۔

نو گھنٹے بیت چکے تھے۔)

"میں تمہارے ساتھ وفادار تھا۔آخری دم تک وفادار۔ میں نے تمہیں گھر دیا۔روپے پیسے کی تنگی نہیں ہونے دی۔پھر بھی تم نے مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔"

(نگینہ بیگم بدقت قدرے اٹھ کے بیٹھی،ایک نوٹ پیڈ پر چند الفاظ گھسیٹ رہی تھیں۔پھر انہوں نے قلم چھوڑ دیا۔وہ نیچے جا گرا۔اندرانی اسے اٹھانے کو جھکی۔پھر دیکھا،ان کے بیگ میں خون آرہا تھا۔وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔وہ اب اپنا ماسک واپس لگا رہی تھیں۔اس نے نوٹ پیڈ لیا اور سائیڈ ٹیبل پر الٹا کر کے رکھ دیا۔وہ انگریزی میں لکھا ایک نوٹ تھا۔وہ اسے نہیں سمجھ سکتی تھی۔اسے ڈاکٹر کو بلانا تھا۔)

"عورت تو نسلوں کو سنوار سکتی ہے۔عورت تو انسانیت کو بدل سکتی ہے۔پھر تم مجھے کیوں نہیں بدل سکیں؟"

وہ لکڑی کے گھر میں... دیوار سے لگی نیچے بیٹھ رہی تھی۔زیاد نے اسے کوئی انجیکشن لگایا تھا۔اور ساتھ ساتھ وہ کچھ بول بھی رہا تھا۔مالا نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا،پھر اوپر جھولتے فانوس کو۔

"تم مجھے کیوں نہیں بدل سکیں؟"اس نے دیکھا،زیاد سلطان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

مالا کے خشک ہونٹ دھیرے سے حرکت کیے۔

"جس عورت نے تمہیں بدلنا تھا،وہ تمہاری ماں تھی۔"

اور آنکھیں بند کر دیں۔اب ہر طرف اندھیرا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کی آنکھ ٹھنڈ کے احساس سے کھلی۔بدقت پلکیں جھپکائیں۔اندھیرا چھٹتا گیا۔

وہ کراہ کے سیدھی ہونے لگی۔لیکن زمین ہل رہی تھی۔زلزلہ آرہا تھا کیا؟

مالا چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔ پھر بدقت کہنی کے بل سیدھی ہوئی۔

وہ ایک سرمئی کمرے کے کونے میں فرش پر گری ہوئی تھی۔ یہ کیسا کمرہ تھا؟

سلور دیواروں والا کمرہ۔

اور وہ ہل رہا تھا۔ وہ کیوں ہل رہا تھا؟

اس نے پھر سے پلکیں جھپکائیں۔ منظر مزید واضح ہوا۔

وہ کمرہ چل رہا تھا۔ نہیں۔ وہ کمرہ نہیں تھا۔ وہ کوئی... ٹرک تھا۔ یا شاید کنٹینر۔ وہ سڑک پر دوڑ رہا تھا۔

وہ کسی کنٹینر میں تھی۔

اس نے بدقت دیوار پر ہاتھ مارنا چاہا۔ لیکن ہاتھ۔ میں جان نہیں تھی۔ وہ واپس نیچے گر گیا۔

چند لمحے وہ دیوار سے لگی گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ اس کمرے میں بہت ٹھنڈ تھی۔ اوپر چھت پر ایک وینٹ بھی لگا تھا۔ کیا اس سے ہوا آ رہی تھی؟ کیا باہر بھی اتنی ٹھنڈ تھی؟ آج موسم خوشگوار تھا۔ بلکہ گرمیاں آ رہی تھیں۔ پھر کیوں؟

اس کے سر کے پیچھے دیوار میں ایک ننھی سی جالی تھی۔ ایک ہاتھ جتنی۔ وہ بدقت خود کو گھسیٹ کے اس طرف لے جانے لگی۔ اسے اس جالی کے پار دیکھنا تھا۔ چند قدم دور جا کے اس کے جسم کو جھٹکا لگا۔

اس کا پیر ہتھکڑی سے بندھا تھا۔ اور اس سے ننھی زنجیر دیوار میں لگے لوہے کے کنڈے سے جڑی تھی۔ وہ اس سے آگے نہیں جا سکتی تھی۔

اس نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے جالی کے پار دیکھنا چاہا۔

اس طرف بھی ویسا ہی چھوٹا سا کمرہ تھا۔ کنٹینر کا دوسرا حصہ۔

وہاں ایک اور قیدی موجود تھا۔

ایک گھنگریالے بالوں والی لڑکی۔ اس کے ہاتھ میں بھی ہتھکڑی بندھی تھی۔ اور وہ کروٹ کے بل زمین پر گری تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ کیا وہ زندہ تھی؟

اس نے بغور دیکھنا چاہا۔ اس کا جسم ہل رہا تھا۔ کیا یہ ٹرک کے چلنے کے باعث تھا؟ یا وہ سانس لے رہی تھی؟ نہیں۔ وہ سانس لے رہی تھی۔ وہ زندہ تھی۔ اس کے ہاتھ پیر میلے تھے۔ بہت میلے۔ ناخنوں میں گند پھنسا تھا اور بال الجھے الجھے تھے جیسے عرصے سے سنوارے نہ گئے ہوں۔ البتہ اس کا چہرہ ملائم اور خوبصورت تھا۔ کسی قسم کے زخم

اور خون سے پاک۔ کنپٹی اور تھوڑی پر زخم کے نشان کے سوا وہاں کچھ نہ تھا۔

ایک جھٹکے سے کمرہ ہلا۔ شاید کنٹینر نے کوئی موڑ کاٹا تھا۔ اس نے بدقت خود کو دوسری طرف گرنے سے بچایا۔

دماغ نے بالآخر جاگنا شروع کر دیا تھا۔

وہ زندہ تھی۔

کیونکہ وہ جانتی تھی زیاد سلطان اسے نہیں مارے گا۔

اس کے پاس وقت تھا۔ لیکن کتنا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس اونچی چھت والے سفید کاریڈور میں سوگوار یت چھائی تھی۔ ہر کونے میں ایک نقلی پودا سجا تھا اور فضا میں سیاہی اور تازہ پرنٹ شدہ کاغذوں کی مہک تھی۔

سنگی کرسیوں میں سے ایک پر ماہ بینہ بیٹھی تھی۔ موبائل اسکرین پہ چہرہ جھکائے، وہ اسی ایک ویڈیو کو بار بار دیکھ رہی تھی۔ مالا سبز نیلے لباس میں ملبوس کار میں بیٹھ رہی ہے۔ بیٹھنے سے پہلے اس نے پلٹ کے ایک دفعہ کیمرہ میں دیکھا ہے۔ بار بار آنسوؤں سے اسکرین دھندلی ہو جاتی۔

قدموں کی آواز پہ ماہی نے بھیگا چہرہ اٹھایا۔ وہ سامنے سے چلا آ رہا تھا۔ آستینیں پیچھے موڑے، بڑھی شیو اور رت جگے کے باعث گلابی ہوتی آنکھوں کے ساتھ وہ خاموشی سے ساتھ آ بیٹھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں پولیس آفیسرز؟" ماہی نے امید سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ زیاد کی نہ کار ٹریس ہو رہی ہے نہ فون۔ وہ اس شہر میں کھو گیا ہے کہیں۔ اس کے گھر سے بھی کچھ نہیں ملا۔ بیسمنٹ میں..." اس نے تھوک نگلا۔ "کسی انسان کے رہنے کے نشانات ملے ہیں۔ فارنزک ٹیم اس جگہ سے ملنے والے تمام سیمپل اکٹھے کر رہی ہے۔"

"ہلال۔" ماہی نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ اپنی بہن کو ڈھونڈ رہا تھا اور وہ اپنی۔

"اب انہیں یقین آ گیا ہے کہ مالا اپنی مرضی سے نہیں گئی؟"

"زیاد نے اس کا فون ٹریش کین میں ڈالا ہے۔ ظاہر ہے وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی۔" وہ چڑچڑا لگ رہا تھا۔ کہنیاں گھٹنوں پر رکھے، آگے کو جھک کے بیٹھے، اس نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

''وہ کیسے اس پہ بھروسہ کر سکتی ہے؟''

"آپ نے خود کہا کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں گئی۔"

ماہر نے چہرہ اٹھا کے زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

"لیکن اس نے کسی کو اعتماد میں بھی نہیں لیا۔"

وہ چپ ہو گئی۔ کاریڈور میں دو پولیس آفیسرز آپس میں بات کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔

"وہ کہاں جا سکتا ہے۔" وہ سر ہاتھوں میں گرائے بڑبڑا رہا تھا۔ ''وہ مالا اور ہلال کو لے کر کہاں جائے گا؟ ہم اس کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں جانتے۔''

پھر اس نے چونک کر ماہی کو دیکھا۔ ''کیا اس نے زیاد کے پاس واپس جانے کا ذکر کیا تھا؟''

ماہی نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ وہ گہری سانس لے کر پیچھے ہو کے بیٹھا۔

"مجھ سے کیا تھا۔ زیاد اس کو واپس حاصل کرنے کے لیے ہلال کو آزاد کر دے گا، یہ اس نے کہا تھا۔"

ماہی نے جواب نہیں دیا۔ لب بھنچ گئے اور آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

"مجھے ایسے مت دیکھو۔ میں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔ ایک جان قربان کر کے ہم دوسری کو نہیں بچا سکتے۔"

وہ تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ ماہی کے ماتھے کی سلوٹیں برقرار رہیں۔ بس وہ سامنے سفید دیوار کو دیکھنے لگی۔

"زیاد اسے لے کر کہاں جا سکتا ہے؟" وہ بھی اب سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس سفید دیوار کو جس پر ایک بھی دھبہ نہ تھا۔

"کیا ہم کبھی جان سکیں گے؟"

"نمبرز۔ نمبرز کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔" وہ خود سے بڑبڑایا تھا۔

ماہی نے جیسے چڑ کے اسے دیکھا۔

"ہم سرخ والٹ نہیں ڈھونڈ رہے، ماہر بے، جو نمبرز ہماری مدد کریں۔"

"نمبرز ہمیشہ ساری داستان سنا دیتے ہیں۔ مالا نے کھونے سے پہلے کیا کیا، اگر تم اس کی ایک ٹائم لائن بناؤ تو..."

"میں پولیس کو کئی دفعہ بتا چکی ہوں، میری اس سے چار دن سے کوئی بات نہیں ہوئی۔" وہ بے زار ہوئی۔

اور اس وقت... سفید دیوار پر جمی اس کی نظریں بے اختیار ماہی کی طرف مڑیں۔

"اس نے میرے فون سے تمہیں کال کی تھی۔ دو دن پہلے۔ تم نے کال نہیں اٹھائی تھی۔"

"نہیں تو۔ اس نے مجھے آپ کے نمبر سے کیا، اپنے نمبر سے بھی چار دن سے رابطہ نہیں کیا۔"

لیکن وہ اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ وہ موبائل نکال کے کال لاگ دیکھ رہا تھا۔ وہاں سرخ رنگ میں چند غیر شناسا نمبرز تھے۔ ٹیلی مارکیٹرز کی کالز جو امریکہ و کینیڈا میں مسلسل آتی رہتی تھیں۔ ماہر نے تیزی سے فہرست نیچے کی۔ اس تاریخ میں ماہی کا نمبر کہیں نہیں تھا۔

(وہ شیلڈن کے گملے تلے رکھا نوٹ نکال رہا تھا۔ فائنڈی۔)

''اس کا کریڈٹ نہیں تھا۔ اس نے مجھ سے تمہیں کال کرنے کے لیے فون مانگا تھا۔''

''مالا کبھی کسی کا فون نہیں مانگا کرتی۔'' ماہی کو جیسے برا لگا۔

فون پہ جھکا اس کا چہرہ ساکت ہو گیا۔ انگلیاں ٹھہر گئیں۔

''اور وہ کسی کو شاپنگ پہ ساتھ چلنے کو بھی نہیں کہتی۔'' وہ بڑبڑایا۔ پھر تیزی سے چند بٹن دبائے۔

(وہ شیلڈن کے گملے تلے رکھا نوٹ نکال رہا تھا۔ فائنڈی۔)

اب وہ سی سی ٹی وی ویڈیو اسکرین پر چل رہی تھی جس میں مالا زیادکی کار میں بیٹھتی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے نیلا سبز لباس پہن رکھا تھا۔

''یہ ڈریس... یہ اس نے میرے ساتھ خریدا تھا۔'' وہ غور سے اسکرین دیکھ رہا تھا۔ ''اس نے مجھ سے میری رائے مانگی تھی۔ میں حیران ہوا تھا۔ وہ مجھے شاپنگ پہ ساتھ لے کر گئی تھی۔ کیوں؟'' وہ چہرہ اٹھا کے سفید دیوار کو دیکھنے لگا۔ اور اس کے کونوں میں رکھے نقلی پودوں کے سبز پتوں کو۔

وہ دن کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ وہ دونوں شاپ میں کھڑے تھے۔ مالا ریک پر آویزاں ہینگرز الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ وہ ایک ایک ڈریس باہر نکالتی۔ پھر اس پر ہاتھ سے ٹٹول کے کچھ تلاش کرتی۔ پھر اسے واپس رکھ دیتی۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ وہ ان ملبوسات پر کچھ تلاش کر رہی تھی۔ کیا؟

(وہ شیلڈن کے گملے تلے رکھا نوٹ نکال رہا تھا۔ فائنڈی۔)

سفید دیوار اب سیاہ اندھیرے میں بدل چکی تھی۔ اس نے اپنی یادداشت کو ریوائنڈ کیا۔ مالا کے ہاتھوں نے ہینگر واپس رکھ دیے۔ اب وہ الٹے قدموں اس شاپ سے واپس نکلتے دکھائی دیے۔ وہ پیچھے کرتا گیا۔ اب وہ دونوں مال

کی راہداری میں کھڑے تھے۔

''جانتے ہو ہر وقت کسی کے ریڈار کے نیچے رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے؟'' وہ ایک دکان کی شیشے کی دیوار کے ساتھ کھڑے تھے اور وہ سوگوار سی کہہ رہی تھی۔شیشے کے اس پار میں بہت سے جوتے سجے تھے۔ہائی ہیلز۔اسٹائیلیو۔ ایک کچے سیب کے رنگ کی بھی تھی۔مالا کی نگاہیں اس پہ جمی تھیں۔

''یہ احساس کہ ہر وقت کوئی آپ کا تعاقب کر رہا ہے۔آپ کو دیکھ رہا ہے۔''

اور وہ اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی آنکھوں تلے حلقے تھے۔کیا وہ بیمار تھی؟

"مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔چلو گے؟"

وہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ پہ چلنے کو کہہ رہی تھی۔پھر وہ کہاں گئے تھے؟اس نے اپنی یادداشت کو فاسٹ فارورڈ کیا۔

وہ ونرز گئے تھے۔ملبوسات لینے۔وہاں وہ مینگرز الٹ پلٹ کرتی رہی تھی۔

نہیں۔وہ ٹھہرا۔

اس سے پہلے ...وہ ایک دوسری شاپ میں گئے تھے۔مالا ایک ریک تک گئی تھی۔اس نے ایک سفید پیکٹ اٹھایا تھا۔کاؤنٹر پر بل پے کیا اور اس کی طرف واپس آئی۔

("جانتے ہو ہر وقت کسی کے ریڈار کے نیچے رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے؟یہ احساس کہ ہر وقت کوئی آپ کا تعاقب کر رہا ہے؟")

وہ سفید پیکٹ اس کے سامنے اپنے بیگ میں رکھ رہی تھی۔

("یہ احساس کہ ہر وقت کوئی آپ کو دیکھ رہا ہے۔")

وہ پیکٹ بیگ میں رکھے اب ونرز کی طرف جا رہے تھے۔وہ اب مینگرز الٹ پلٹ کر رہی تھی۔وہ ہر لباس کو باہر نکالتی۔پھر اس پر انگلیوں سے ٹٹول کے کچھ دیکھتی۔اسے کسی شے کی تلاش تھی۔وہ کیا دیکھ رہی تھی۔

"بٹن۔" اس نے آنکھیں کھولیں۔سفید دیوار،نقلی پودے،اور ساتھ حیران سی بیٹھی ماہی...وہ سب اسے دیکھ رہے تھے۔

"وہ ان ملبوسات پر بٹن تلاش کر رہی تھی۔موٹے اور چوڑے بٹن۔"

"مگر کیوں؟"

"کیونکہ اس سے پہلے ... وہ ایک اور اسٹور تک گئی تھی۔ اس نے سفید پیکٹ والی ایک شے خریدی تھی۔" وہ واپس موبائل اسکرین روشن کرنے لگا۔

(وہ شیلڈن کے گملے تلے رکھا نوٹ نکال رہا تھا۔ فائنڈ می۔

فائنڈ می کے "می" کا e ٹیڑھا سا تھا۔ وہ e نہیں تھا۔ اس نے e کے آخر میں ہلکی سی لائن لگا دی تھی۔ وہ y تھا۔)

"کیا؟" ماہی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

"اس نے نوٹ پر فائنڈ می نہیں لکھا تھا۔ اس نے فائنڈ مائی لکھا تھا۔"

وہ تیزی سے موبائل اسکرین روشن کر رہا تھا۔ ماہی نے اچھنبے سے اس کے وال پیپر کو دیکھا جس پر ہلال کی تصویر تھی۔ ماہر کا انگوٹھا اسکرین کو دائیں بائیں کرتا ایک ایپ پر ٹھہر گیا۔ Find My

"اس نے میرا فون تمہیں کال کرنے کے لیے نہیں مانگا تھا۔ اس نے میرے ساتھ اس اسٹور سے ایک ایئر ٹیگ خریدا تھا۔ اس نے وہ ایئر ٹیگ میرے فون پہ ڈالا تھا۔"

(ایئر ٹیگ ایک ننھا سا آلہ ہے جسے لوگ اپنی چابیوں، والٹ اور ایسی چیزوں میں ڈالتے ہیں جن کے کھونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ اور اپنے موبائل سے وہ ان چیزوں کی لوکیشن کو دیکھ سکتے ہیں۔)

"فائنڈ مائی" ایپ کھل گئی تھی۔ سامنے ماہر فرید کی چند ڈیوائسز دکھائی دے رہی تھیں۔ لیپ ٹاپ۔ کمپیوٹر۔ ائیر پوڈز۔ چابیاں۔ وہ فہرست نیچے کرتا گیا۔

وہاں ایک نیا ایئر ٹیگ بھی درج تھا۔ وہ جسے اس نے وہاں درج نہیں کیا تھا۔

اس نئے ٹیگ کا نام "مالا" تھا۔

"وہ زیادہ بھروسہ کر کے اس کی زندگی میں نہیں گئی تھی۔" وہ جیسے خود سے بول رہا تھا۔ بے یقین نگاہیں اسکرین پر جمی تھیں۔

"وہ جانتی تھی، وہ ہلال کو واپس نہیں کرے گا۔ خود اس کے لیے بھی نہیں۔ وہ اس کا موبائل بھی کچرے میں ڈال دے گا۔ پولیس اس کو نہیں ڈھونڈ سکے گی۔ اس لیے اس نے وہ لباس خریدا تھا۔ اس کے بٹن تھے۔ ایئر ٹیگ ایک چوڑے بٹن کے سائز کا ہوتا ہے۔ اس نے ایک بٹن کو ٹیگ سے بدل دیا تھا۔ وہ زیادہ بھروسہ نہیں کرتی تھی۔ وہ زیاد کو دھوکہ دے رہی تھی۔ ہم اس کی لوکیشن معلوم کر سکتے ہیں۔"

وہ موبائل لیے تیزی سے اس طرف بھاگا جہاں وکرم کا آفس تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس سرمئی دیواروں والے کنٹینر کے کونے میں بیٹھی کشمالہ مبین نے بازو گھٹنوں کے گرد پھیلا کے تھوڑی ان پر جمائی ہوئی تھی۔ کمرہ اسی طرح چل رہا تھا۔ وہ سڑک پر آگے بڑھ رہے تھے۔ کہاں؟ وہ نہیں جانتی تھی۔

اس نے دو انگلیوں سے گریبان پر لگے بٹنز کو چھوا۔ وہ قطار میں نیچے تک آتے تھے۔ بڑے بڑے گول بٹن۔ اس نے تیسرے بٹن پر انگلی رکھی۔ اس کے اندر ننھا، گول سا سلور ائیر ٹیگ چھپا تھا۔

کیا وہ اسے تلاش کر لے گا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''یہ مسئلہ ہوتا ہے ان عام شہریوں کے ساتھ جو پولیس کو انوالو کرنے کی بجائے خود ڈیٹیکٹو بن جاتے ہیں۔''

اس کمرے میں چند کمپیوٹر اسکرینز رکھی تھیں۔ دو سارجنٹ میجر ان پر جھکے، ماہر کا فون ساتھ رکھے، کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک کونے میں وکرم کے ساتھ کھڑا تھا۔ بے چینی سے بار بار پہلو بدلتا۔

"ہم اس کو ٹریس کر سکتے ہیں یا نہیں؟" اس نے دوسری دفعہ پوچھا۔

"اگر تمہاری فرینڈ پولیس کے پاس آتی تو زیادہ بہتر تھا۔" وکرم نے افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"ائیر ٹیگ تمہارے فون سے کنیکٹڈ ہے۔ اور ہم اس کی آخری لوکیشن دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ لوکیشن کشمالہ کی بلڈنگ کی ہے۔ کیونکہ...'' اس نے وقفہ دیا۔ وہ ایک بازو سینے پر لپیٹے، دوسرے ہاتھ کے ناخن دانتوں سے کتر رہا تھا۔

''کیونکہ ائیر ٹیگ ایک ایسی ڈیوائس ہے جس کو اپنی لوکیشن تمہیں بھیجنے کے لیے ایک چیز چاہیے۔''

"انٹرنیٹ؟"

"ہاں۔ انٹرنیٹ۔ ائر ٹیگ کے اندر انٹرنیٹ نہیں ہوتا۔ اس کی بیٹری کو چارجنگ نہیں چاہیے ہوتی، بلکہ وہ ایک سال تک چلتی ہے، لیکن اس کے باوجود ائیر ٹیگ اپنی لوکیشن تمہارے فون پہ تب بھیجے گا جب اس کے پاس انٹرنیٹ ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں۔"

مگر وکرم سنے بغیر کہہ رہا تھا۔

"یعنی... اس ائیر ٹیگ کو انٹرنیٹ تب ملے گا جب اس کے قریب کوئی آئی فون یا ایپل ڈیوائس ہوگی۔ وہ خود کو ان

کے انٹرنیٹ سے جوڑ لے گا اور ہمیں اپنی لوکیشن بھیج دے گا۔"

"مالا کا فون اس نے پھینک دیا تھا۔ اپنا فون شاید وہ ساتھ لے کر نہیں گیا۔ لیکن ان کے قریب کسی کا تو فون ہوگا۔ کسی راہ چلتے انسان کا۔"

"کہا نا۔ لوگوں کو خود ڈیٹیکٹو نہیں بننا چاہیے۔" اس نے مایوسی سے شیو کے بال کھجائے۔ "دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ کسی ایسی جگہ پر ہے جہاں اس کے دور دور تک کوئی انسان نہیں ہے جس کے پاس اسمارٹ فون ہو۔"

"اور دوسری؟"

اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"یہ کہ زیاد کو معلوم ہو گیا کہ وہ ائیر ٹیگ ساتھ لیے ہوئے ہے۔ اور اس نے اسے کہیں پھینک دیا ہو۔"

"یعنی اب ہم صرف انتظار کریں گے کہ کوئی اسمارٹ فون اس کے قریب سے گزرے؟"

"ماہر، ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اگر وہ پولیس کے پاس آ جاتی تو بہتر تھا۔"

اس نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلائی۔

"وہ ہر پل اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے کہے الفاظ سن رہے تھے۔ تم نہیں جانتے کہ یہ کیسا ہوتا ہے۔ میں جانتا ہوں۔" وہ شکستگی سے کہہ رہا تھا۔

"کون؟"

ماہر نے کندھے اچکا دیے۔ وکرم نے گہری سانس لی۔

"تمہارا اشارہ ان چیزوں کی طرف ہے جو زیاد کی بیسمنٹ سے ملی ہیں؟" وکرم نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔ اس کی میز پر ان چیزوں کی تصاویر رکھی تھیں۔ زعفران کے کاڑھے۔ پتلے۔ الو کی کھوپڑی۔ سوئیاں۔

"وہ جادو میں ملوث تھا۔"

"میری ماں بھی ان باتوں پہ یقین رکھتی ہے۔" وکرم نے چچ کی آواز نکالی۔ "لیکن ہم ان چیزوں کا کچھ نہیں کر سکتے، ماہر۔ جادو free speech کے تحت آتا ہے۔ اور اس کو اس ملک کے قانون میں پروٹیکشن حاصل ہے۔ ہم کسی کو جادو کرنے پہ گرفتار نہیں کر سکتے۔"

"اسی لیے وہ تمہارے پاس نہیں آئی۔" وہ ایک افسوس بھری نظر اس پہ ڈال کے دروازے کی طرف بڑھا۔ جب

وکرم بول اٹھا۔

"ایک تیسری وجہ بھی ہو سکتی ہے۔"

ماہر چونک کر پلٹا۔ سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"ائیر ٹیگ ایک تیسری وجہ کے باعث بھی اپنی لوکیشن نہیں بھیج پاتا۔"

"کیا؟"

"یہ کہ وہ شدید گرم یا شدید ٹھنڈے درجہ حرارت میں رکھا جائے۔ ایسی صورت میں وہ ضائع ہو جاتا ہے اور اس کو پہننے والے کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔"

ماہر نے میز پر رکھا اپنا موبائل اٹھایا اور اسکرین پر درجہ حرارت دیکھا۔ پھر شانے اچکا دیے۔ آج موسم خوشگوار تھا۔ نہ زیادہ گرم۔ نہ زیادہ ٹھنڈا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کنٹینر کا کمرہ اسی طرح چل رہا تھا۔ بنا کسی جھٹکے کے۔ جیسے وہ کسی خالی سڑک پر بنا مقابلے کے چل رہا ہو۔ وہ کونے میں بیٹھی، گھٹنوں پر چہرہ رکھے ہوئے تھی۔ اس کے عقب میں لگی جالی کے پار وہ لڑکی اسی طرح پہلو کے بل بے سدھ گری ہوئی تھی۔ کیا وہ زندہ تھی؟ ہاں وہ زندہ تھی۔ ایسے مت سوچو، مالا۔ اس نے جھرجھری لی۔ وہ تمہیں ڈھونڈ لے گا۔ اپنی بہن کے لیے ہی سہی، وہ تمہیں تلاش کر لے گا۔

وہ جانتی تھی ائر ٹیگ اپنی لوکیشن تب بھیجے گا جب اس کی رینج میں کوئی آئی فون ہو گا۔ زیادا سے اپنے ساتھ جہاں بھی لے جائے گا، وہاں کوئی تو دوسرا انسان ہو گا۔ اور اس ملک میں ہر دوسرے شخص کے پاس ایپل ڈیوائسز تھے۔ انٹرنیٹ تھا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آس پاس ایک بھی انسان نہ ہو۔ شاید زیادسڑک کنارے اس ٹرک کو روک دے۔ شاید قریب سے گزرتی کوئی کار بھی رک جائے۔ تھوڑا سا وقت مل جائے اور اس کا ٹیگ کسی راہگیر کے فون سے خود کو جوڑ لے۔

وہ جانتی تھی زیادسلطان، جو اپنے خلاف کوئی ثبوت نہیں چھوڑتا، ہلال کو واپس نہیں کرے گا۔ لیکن وہ اسے ہلال کے پاس لے جائے گا۔ اسے بس اتنا سا وقت چاہیے تھا۔ اور تب تک ماہر اسے تلاش کر لے گا۔

اسے زیادسے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا چاہیے تھا۔

اور یہ صرف تب ہو سکتا تھا جب پولیس زیادسلطان کو رنگے ہاتھوں پکڑے۔

وہ تب تک محفوظ نہیں ہوگی جب تک وہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہیں جائے گا۔

اس نے بے چینی سے اپنے تیسرے بٹن کو چھوا۔

ماہر اسے ڈھونڈ لے گا۔اپنی بہن کے لیے ہی سہی، وہ اسے ڈھونڈ لے گا۔

اس نے زور سے بازو اپنے گرد لپیٹ لیے۔اسے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔کیا وہ خوفزدہ تھی؟ کیا خوف ٹھنڈ میں اضافہ کرتا تھا؟

مالا نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔

کنٹینر کی چھت کے قریب ایک وینٹ سا بنا تھا۔اس سے ہوا نکل رہی تھی۔ٹھنڈی ہوا۔

باہر ٹھنڈ تھی کیا؟ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔آج تو موسم درمیانہ تھا۔پھر اسے ٹھنڈ کیوں لگ رہی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہی کافی کا کپ پکڑے کاریڈور میں واپس آئی تو وہ وہاں نہیں تھا۔اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ماہر کہاں گیا؟

اس عمارت کے باہر ایک روشن دن پھیلا تھا۔سڑک کے دوسری جانب تا حد نگاہ سبزہ پھیلا تھا اور وہاں سفید پتھریلے بنچ رکھے تھے۔وہ ایک بنچ پر بیٹھا تھا۔سر ہاتھوں میں گرائے۔خاموش۔

وہ کافی کے دونوں کپ اٹھائے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔پھر ایک کپ اس کی طرف بڑھایا۔

"کافی؟"

ماہر نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔دن کی روشنی میں اس کی آنکھوں تلے حلقے زیادہ نمایاں تھے۔کافی دیکھ کے وہ پھیکا سا مسکرایا اور کپ تھام لیا۔وہ بنچ کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گئی۔اب ان کے سامنے سڑک تھی اور اس کے پاس پولیس اسٹیشن کی عمارت۔اندر باہر لوگ آ جا رہے تھے۔وہ دونوں چند منٹ خاموشی سے انہیں دیکھے گئے۔

"اس نے مجھ پہ بھروسہ کیوں نہیں کیا؟" اس کی آواز زخمی سی تھی۔

"آپ نے خود ہی تو کہا تھا۔اس کو ڈر تھا کہ زیاد کے سرکار کے جنات اس کو دیکھ رہے ہیں۔اس کے کہے الفاظ سن رہے ہیں۔"

"اگر وہ مجھے بتاتی تو ہم شاید کوئی راستہ نکال لیتے۔"

"وہ زیاد کو رنگے ہاتھوں گرفتار کروانا چاہتی تھی۔"

"اور اگر سب ویسا نہ ہوا جیسا اس نے پلان کیا تھا؟ تب؟" ماہر نے چہرہ موڑ کے انہی زخمی نگاہوں سے اسے

دیکھا۔"اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔اور ہلال کی بھی۔زیادہ سے اسے جتنی نفرت ہو،اسے خود کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔"

"محبت اور نفرت ایک سکے کے دو رخ ہیں،ماہر بے۔"وہ بڑبڑائی۔وہ چونکا۔غور سے اسے دیکھا۔

"تم کچھ جانتی ہو؟"

ماہی نے کافی کا گھونٹ اندر اتارا۔کیا وہ اس سفید لفافے کا ذکر کرے؟

"وہ کچھ جانتی تھی۔"وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔سرخ اینٹوں والی روشن عمارت میں لوگ اسی طرح آ جا رہے تھے۔کسی کی زندگی پہ کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"میں نے اس سے کئی دفعہ پوچھا تھا۔کیا وہ کچھ جانتی ہے؟لیکن اس نے مجھ پہ بھروسہ نہیں کیا۔"

"کیا آپ نے اس پہ بھروسہ کیا تھا؟اس کو سب کچھ بتایا تھا؟"

"ہاں۔ہر وہ چیز جو میں Cain killer کے بارے میں جانتا تھا۔میں نے اسے بتائی تھی۔"

"کین کلر کون؟"

"تمہارا بہنوئی۔اور کون؟"وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔ماہی نے ابرو اکٹھے کرتے ہوئے کپ نیچے کیا۔

"اس کو کین کلر کیوں کہتے ہیں؟"

"کیا مالا نے تمہیں نہیں بتایا؟وہ جب کسی کو قتل کرتا تھا تو اس جگہ پر قابیل کا نشان چھوڑتا تھا۔اس کو کالنگ کارڈ کہتے ہیں۔بہت سے قاتل ایسے کالنگ کارڈز چھوڑتے ہیں۔"

"قابیل کا کوئی نشان بھی تھا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔"بائبل کے مطابق خدا نے قابیل کے بازو پر ایک نشان بنایا تھا تاکہ وہ پہچان لیا جائے اور کوئی اسے قتل نہ کرے۔اس کی زندگی اس کی سزا تھی۔"وہ کہہ رہا تھا اور وہ موبائل کھولے گوگل پہ کچھ لکھ رہی تھی۔ماہر نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔وہ سر جھکائے اسکرین پر دکھائی دیتی تصاویر دیکھ رہی تھی۔

"یہ زیاد کا نشان ہے؟"وہ بولی تو اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔

"کیا تم اسے پہچانتی ہو؟یہ نشان سرکار کے بازو پر بھی ہے۔"

ماہ بینہ مبین نے الجھا ہوا چہرہ اٹھایا۔

(وہ دوہا میں اپنے اپارٹمنٹ کے صوفے پر لیٹا تھا۔اس کی آنکھیں غنودگی سے بند ہو رہی تھیں۔کوئی میز پر اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔وہ اس کے ہاتھ دیکھ سکتا تھا۔جھریوں زدہ ہاتھ۔وہ اسے کچھ کہہ رہا تھا۔

"حورِ جہاں کی بیٹی جانتی ہے۔")

"یہ نشان... یہ نگینہ آنٹی کے بازو پر ہے۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔کانوں نے الفاظ سنے۔ذہن نے ان کو پروسیس کیا۔اور دل نے ماننے سے انکار کر دیا۔

"زیاد کی ماں؟"

"ہاں۔یہ میں نے اس روز دیکھا تھا جب میرا والٹ کھویا تھا۔"

وہ اسی طرح اسے دیکھے گیا۔ابرو اکٹھے کیے۔ناسمجھی سے۔

"یہ زیاد کی ماں کے بازو پر کیوں ہوگا؟"اس نے سر جھٹکا۔ذہن میں وہ بوڑھی، ہوش سے بے گانہ عورت آئی۔ایک بے ضرر وجود۔

ماہی نے جواب نہیں دیا۔کبھی وہ اسکرین کو دیکھتی۔کبھی چہرہ اٹھا کے اس کو۔

"مالا نے بھی یہ نشان دیکھا تھا۔کیا اس نے آپ کو نہیں بتایا؟"

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ماہی کے الفاظ آہستہ آہستہ دل میں جذب ہو رہے تھے۔

(وہ استنبول میں ایک ریستوران میں بیٹھے تھے۔ایک میز کے گرد۔معید کی شادی سے پہلے فیملی ڈنر۔

زیاد سلطان طنز سے پوچھ رہا تھا۔

"ایسا دلچسپ جادوگر کہاں پایا جاتا ہے؟"

اور وہ سربراہی کرسی پر براجمان کہہ رہا تھا...

"وہ ایک بوڑھا آدمی ہے،تجربہ کار جادوگر۔اس کی ایک کثیر cult following ہے۔وہ اپنا چہرہ کسی کو نہیں دکھاتا۔اسی لیے وہ کبھی پکڑا نہیں گیا۔")

وہ قدم قدم سبزہ زار پر چل رہا تھا۔ پیچھے سنگی بنچ پر ماہی تنہا بیٹھی رہ گئی۔ وہ اسے پکار رہی تھی لیکن ماہر نے نہیں سنا۔

(''پھر وہی کہانی۔'' کشمالہ بیزار ہوئی تھی۔
'' کیوں کشمالہ بی بی؟ آپ کو یہ سب کہانی لگتا ہے؟'')

اس نے کار کا ڈرائیونگ ڈور کھولا۔ بے جان ہاتھوں سے سیٹ بیلٹ پہنی۔ اسٹارٹ کا بٹن دبایا۔ پولیس اسٹیشن اور ماہی اب بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ کافی کا کپ شاید راستے میں کہیں گر گیا تھا۔

(''تمہارا جادوگر ولن... جس کے کلائنٹس ساری دنیا میں ہیں... اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟'' وہ افسوس سے سر ہلا رہی تھی۔
''جانتے ہو دنیا کے بڑے بڑے cult leaders کی پہچان کیا ہے؟'')

کار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اس کا پیر ریس پر تھا اور دماغ غنودگی میں۔

(''وہ سب نارسیسسٹ مرد ہوتے ہیں جن کی انا ان کو اکساتی ہے کہ وہ اپنے گرد فالوورز اکٹھے کریں۔ مردوں کی انا ان کو گمنام لیڈر بننے کی اجازت نہیں دیتی۔''
وہ بوتل کا ڈھکن کھولتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ الجھن سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے سبز بند گلے کی قمیض پہن رکھی تھی۔ کندھے پر کامدار شال تھی۔ کانوں میں جھمکے۔
''اس لیے یا تو تم ہمیں بے وقوف سمجھ کے ایک ہی کہانی دہراتے ہو۔'' وہ جھکی آنکھوں کے ساتھ بوتل گلاس میں انڈیل رہی تھی۔
''یا تمہارا جادوگر کوئی عورت ہے۔''
گلاس اٹھا کے اس نے شانے اچکائے تھے۔)

ہسپتال کی عمارت کے سامنے وہ کتنی ہی دیر بیٹھا رہا تھا۔ شل۔ سن۔

("ایک لمحے کے لیے میز پہ سناٹا چھا گیا تھا۔
" کوئی مرد اتنا بڑا cult leader بن کے گمنام نہیں رہ سکتا۔ عورت رہ سکتی ہے۔ عورت کو اتنی پذیرائی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی انا جلد سیر ہو جاتی ہے۔"
"ناممکن۔" ماہر فرید نے وثوق سے کہا تھا۔ "وہ مرد ہے۔ میں جانتا ہوں۔ سب مرد ایک جیسے نہیں ہوتے۔"
اور اس نے یہ کیوں کہا تھا؟
کیونکہ ماہر فرید کبھی لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔)

ہسپتال کا کاریڈور اب بھی ویسا ہی ویران تھا۔ اندرانی ایک پولیس آفیسر کو بیان لکھوا رہی تھی۔ نڈر۔ بے پرواہ۔ اکتائی ہوئی۔ پولیس کی مسلسل پوچھ تاچھ کے باوجود اس کے اعصاب پہ کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔
البتہ ماہر فرید کو آتے دیکھ کے وہ چونکی۔ اس کی رنگ بدلنے لگی۔ خوف۔ بے بسی۔ وہ نگینہ سلطان کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اسے نہیں روک سکتی تھی۔
اس کے چہرے پر لکھا تھا کہ وہ سب جانتا ہے۔
کمرے کا سفید دروازہ بنا کسی آواز کے کھلا۔
سامنے بستر پر ایک عورت لیٹی تھی۔ جیسے ہڈیوں کا پنجر ہو۔ بوڑھی۔ کمزور۔ بند آنکھیں اور ناک پر لگا آکسیجن ماسک۔ چہرہ آدھے سے زیادہ مسخ ہو چکا تھا۔ اور اس پر لگی پٹیاں بھی گل سڑ چکی تھیں۔
وہ ماسک نہیں پہن سکا۔ وہ اس کمرے میں پھیلی بو سونگھ سکتا تھا۔ ارواح خبیثہ کی بو۔ موت کی بو۔
"تم سرکار ہو؟"
چوکھٹ میں کھڑا ماہر فرید پلکیں نہیں جھپک پا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بس تعجب تھا۔ الجھن تھی۔
نگینہ بیگم نے آنکھیں کھولیں۔ اس سے نگاہ ملی۔ بڑھی شیو، بکھرے بالوں اور سرخ ہوتی حیران آنکھوں والا ماہر فریدان کے سامنے کھڑا تھا۔
وہ دھیرے سے مسکرائیں۔ کپکپاتے لاغر ہاتھ سے ماسک اتارا۔

''آؤ ماہر فرید۔ بالآخر تم نے ہمیں ڈھونڈ لیا۔''

ساتھ رکھی اسکرین پر ان کی آکسیجن سیچوریشن فوراً سے کم ہوئی لیکن وہ اتنی کم نہیں تھی کہ ان کا سانس اکھڑے۔

وہ بالکل شل سا تھا۔ ساکت۔ کسی روبوٹ کی طرح چلتا وہ ان کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''میں نے اپنی اور تمہاری ملاقات کی تمنا برسوں سے کی تھی۔''

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ان کے بستر کے قریب جا رکا۔

''تم... تم سرکار ہو؟'' وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

(وہ کشمالہ کا ڈرائیور کیف بن کے اس گھر میں آخری دفعہ آیا تھا۔ وہ دن جب اس نے مالا کے سامنے اپنا استعفیٰ رکھا تھا۔ وہ حورِ جہاں کے کمرے کی کھڑکی کے باہر تھا۔ وہ اندر بیٹھی نگینہ بیگم سے بات کر رہی تھیں۔ مالا اور زیاد کے رشتے کی بات۔ کھڑکی کھلی تھی۔ وہ باہر سے سب کچھ سن سکتا تھا۔ پھر نگینہ بیگم نے اسے پکارا تھا۔ تب وہ ہڈیوں کا پنجر نہیں تھیں۔ وہ اس سے بہت بہتر تھیں۔ انہوں نے اسے سلیم کہہ کے پکارا تھا۔ وہ ایک بوڑھی، بے ضرر سی خاتون تھیں۔ وہ اس سے جائے نماز مانگ رہی تھیں۔ وہ جائے نماز لیے ان کے پاس آیا تھا۔ اسے پکڑاتے ہوئے اس کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے ہلکا سا ٹکرایا تھا۔ پھر کیا ہوا تھا؟

وہ مالک کے اپارٹمنٹ واپس گیا تھا۔ اور اس کا سر بوجھل ہو رہا تھا۔ وہ استعفیٰ دینے کا غم نہیں تھا۔ اسے بخار ہو گیا تھا۔ وہ سرکار کے ہاتھ کا لمس تھا۔ اس نے اس پر کچھ پھونکا تھا۔)

وہ مسکرا رہی تھیں۔

''کیا ہم تمہاری توقعات پہ پورا نہیں اترے؟''

وہ ٹکر ٹکر ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"تم سرکار ہو؟"

''دیکھو۔ کیا حال کیا ہے تم نے ہمارا؟''

ماہر فرید کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

"میں نے؟" اس نے سینے پر انگلی رکھی۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہیں اندازہ ہے تم نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟"

"ہاں۔ ہمیں سب یاد ہے۔" وہ مسکرائیں۔ ''ہم نے تمہارے باپ کو برین ٹیومر سے مارا تھا۔ شمس کے کہنے پہ۔''

اس کے پہلو میں گری مٹھیاں بھنچ گئیں۔آنسوؤں کا گولہ سا اس کے حلق میں اٹکنے لگا۔
بہت سے مناظر نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

(وہ دونوں باپ بیٹا مسکراتے ہوئے آفس کاریڈور میں آگے بڑھ رہے تھے۔اس کا نیلے سوٹ میں ملبوس، سفید سیاہ بالوں والا خوبرو سا باپ...ان کے پرفیوم کی خوشبو...ان کی شخصیت کا وقار...اسے سب یاد تھا۔
اور پھر...ہسپتال کے بستر پر لیٹا، زرد چہرے اور کمزور وجود والا اس کا باپ جس کے سر پر پٹی بندھی تھی۔اور وہ نوجوان ان کی پائنتی کے ساتھ بیٹھا، ان کے پیروں پر سر رکھے ہوئے تھا۔)

"میرا باپ..."اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔آواز کپکپائی۔
''اور تمہاری ماں...اس کو بھی عشق سے ہم نے پیار کیا تھا۔''
وہ مسکرا کے بتا رہی تھیں۔وہ ان کے کارنامے تھے۔ان کی سب سے بڑی اچیومنٹس۔وہ بس اس عورت کو دیکھے گیا۔جس کا آدھا چہرہ مسخ تھا۔جس کے جسم سے بدبو اٹھ رہی تھی۔اور وہ مسکرا رہی تھی۔

(وہ بارش میں بھیگتا نوجوان...وہ سڑک کنارے بیٹھا سر جھکائے رو رہا تھا۔اس کی ماں اس کے ٹیومرز دہ باپ کو چھوڑ رہی تھی۔اس کی ماں کسی اور سے شادی کرنے جا رہی تھی۔وہ اس کو سمجھا سمجھا کے تھک گیا تھا۔)

''اور ہلال...وہ جس کو پانے کی ہمیں تمنا تھی۔''

(وہ بالائی منزل پر بنے لونگ روم میں ونگ چیئر پر بیٹھا تھا۔سیاہ لباس پہنے، وہ سوگواریت سے کھڑکی سے نظر آتی شہر کی جلتی بجھتی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔تب وہ ساتھ آ کے بیٹھی تھی۔وہ ننھی سی گھنگریالے بالوں والی لڑکی۔اس نے گردن موڑ کے اسے دیکھا تھا۔اسے نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔اس کی بھوری آنکھیں، مڑی ہوئی پلکیں، اور گال میں بنتا گڑھا۔وہ اس سب کو پہچانتا تھا۔وہ اس کا عکس تھی۔)

"ہلال کہاں ہے؟"

"وہ ہمارے پاس تھی۔ اتنے برس سے۔ اور تم اسے نہیں ڈھونڈ سکے۔"

وہ جیسے کسی ٹرانس سے نکلا۔ تیزی سے ان کے سرہانے تک آیا۔

"ہلال کہاں ہے؟" وہ بولا تو بھیگی آواز ایسی تھی جیسے سانس چڑھ گیا ہو۔

''اسے زیاد لے گیا ہے۔ کہاں؟ ہم نہیں جانتے۔ لیکن تم اسے کبھی نہیں ڈھونڈ پاؤ گے، ماہر۔''

ماہر نے تھوک نگلا۔ بہت سے آنسو جیسے اندر ہی دبا لیے۔ پھر وہ دھیرے سے ان کے سرہانے پر جھکا۔

"تم سرکار ہو؟" اب وہ حیران نہیں تھا۔ اب اس کی آنکھوں میں طیش تھا۔ نفرت تھی۔ افسوس تھا۔

"ہاں۔ ہم سرکار ہیں۔" مسخ چہرے والی عورت مسکرائی۔

"اور ہم تمہیں برسوں سے جانتے تھے۔ تم ہی ہمیں نہیں جان سکے۔" پھر ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ جلے ہوئے ہونٹوں والی مسکراہٹ۔

"ہم یہ بھی جانتے تھے کہ سبرینہ زندہ ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اسی شہر میں ہے۔ ہم ہمیشہ تم سے ایک قدم آگے رہے ہیں۔"

''کیا مل گیا تمہیں یہ سب کر کے؟'' وہ ترحم اور دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چہرہ ابھی تک ان کے اوپر جھکا تھا۔

''ملے گا۔ ابھی ملے گا۔ لیکن تم نہیں سمجھو گے۔''

''تمہیں ہلال سے کیا چاہیے؟''

وہ ہلکا سا ہنس دیں۔ پھر تکلیف سے کراہ نکلی۔ ہنسنے سے ان کی جلی ہوئی جلد میں جیسے درد کی ٹیسیں اٹھتی تھیں۔

"زیاد کہاں ہے؟ مجھے بتا دو۔ شاید تمہاری اٹکی ہوئی روح کو نجات مل جائے۔"

"وہ ہمارا بیٹا ہے، ماہر۔ ہم اس کی آخری دم تک حفاظت کریں گے۔" اسے لگا ان کی آنکھوں کا کنارہ بھیگنے لگا ہے۔ پھر اس کی نگاہ ان کے سر تلے رکھے تکیے تک دوڑ گئی۔

فائبر بالز سے بھرا تکیہ۔ پھولا پھولا اور بھاری۔ کسی کے منہ پر رکھ دو تو اس کی کراہ تک نہ نکلے۔

اسے بہت کچھ یاد آیا۔ اس کے مرتے ہوئے باپ کے سر تلے بھی ایسا ہی تکیہ تھا۔ اس کی ماں کی لاش تلے بھی یہی تھا۔ سائیک وارڈ میں اس کے قید خانے میں بھی ایسے تکیے تھے۔

''میں چاہوں تو ایک پل میں تم سے اپنی زندگی کے تمام بدلے لے لوں، نگینہ بیگم۔'' وہ سیدھا ہوا۔ اور نفی میں

سر ہلایا۔ ''لیکن ماہر فرید قاتل نہیں ہے۔'' اسے افسوس اور ترحم سے دیکھتا وہ پیچھے ہٹنے لگا۔

''میں نہیں چاہتا کہ تم مرو۔ میں چاہوں گا کہ تم زندہ رہو، سرکار۔ اور تم جان کنی کی ساری تکلیفیں جھیلو۔ تم موت کو بار بار دیکھو اور اس کی تمنا کرو۔ لیکن وہ تمہیں قبول کرنے سے انکار کر دے۔'' وہ نفی میں سر ہلاتا پیچھے ہٹ رہا تھا۔ وہ ابھی تک مسکرا رہی تھیں۔ تکلیف سے ان کی آنکھوں میں پانی آ رہا تھا۔

سائیڈ ٹیبل پر وہ نوٹ پیڈ اسی طرح الٹا رکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لوہے کا کمرہ ساکن ہو چکا تھا۔ چند لمحے وہ گہرے سانس لیتی رہی۔ ہر سانس کے ساتھ ہر آہٹ گنتی رہی۔

اور پھر ایک کنڈا کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ بازو مزید اپنے گرد لپیٹ لیے۔

آنکھیں دروازے پہ مرکوز تھیں۔

دروازے میں شگاف ابھرا اور تیز روشنی اندر داخل ہوئی۔ مالا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پھر پلکیں جھپکائیں۔

روشنی غائب ہو گئی۔ زیاد سلطان اوپر چڑھتا کنٹینر کے اندر آیا اور اپنے عقب میں دروازہ بند کر دیا۔

''تم نے سمجھا تم مجھے بے وقوف بنا لو گی؟''

وہ کونے میں بیٹھی، کمر دیوار سے لگائے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے نہیں مارے گا۔ نہیں مارے گا۔ دل نے تسلی دی۔

''کتنی ہی دفعہ ہم اس پوزیشن میں آئے ہیں، کشمالہ؟'' وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا اور افسوس سے اس کے سفید چہرے کو دیکھا۔ پھر اس کی کلائی کو۔

''تم۔ میں۔ اور زنجیریں۔''

وہ سانس روکے اس کو دیکھے گئی۔

''لیکن یہاں کوئی بک شیلف نہیں ہے جس کو تم گرا سکو۔ کوئی پولیس نہیں ہے جسے تم مدد کے لیے بلا سکو۔'' وہ نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ ہلال ہے نا؟"

ابرو سے پیچھے بنی جالی کی طرف اشارہ کیا۔ زیاد نے افسوس سے سر جھٹکا۔

"تم اب بھی اس کی بہن کا سوچ رہی ہو؟"

''تمہارا مسئلہ میرے ساتھ ہے۔ مجھے رکھ لو۔اس کو جانے دو۔''اس نے زنجیروں والے ہاتھ اکٹھے کیے۔

"پلیز، زیاد۔وہ ایک چھوٹی سی بچی ہے۔"

''میں تم سے اپنی اور تمہاری بات کرتا ہوں، اور تم اس کو سوچ رہی ہوتی ہو؟''زیاد کے چہرے پر زخمی سا تاثر ابھرا۔

''جب میں اپنی اور تمہاری بات کرتی تھی تو تم کس کو سوچتے تھے؟''وہ ہاتھ نیچے کر کے ایک دم چلائی۔چہرہ سرخ ہوا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

''تم سبرینہ کو سوچتے تھے۔تم میرے اندر اس کو ڈھونڈتے تھے۔''اس نے خود کو چلاتے سنا۔یہ اسکرپٹ کا حصہ نہیں تھا۔اسے زیاد کے سامنے چیخنا نہیں تھا۔اسے اس کی منت کرنی تھی۔مگر...اسے ٹھنڈ لگ رہی تھی۔اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

''مت ظاہر کرو کہ تم جیلیس تھیں۔تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو تم جیلیس ہوتیں۔''زیاد نے ہونہہ میں سر جھٹکا۔

''جیلیس؟ میں جیلیس نہیں ہوں۔یہ انکشاف ہے۔''اس کی آواز اونچی ہوئی۔کیا کوئی اس کی آواز سن سکے گا؟ کیا کوئی باہر سڑک سے گزر رہا ہوگا؟

''میں جان گئی ہوں کہ تم میرے اندر کس کو تلاش کرتے تھے۔''

زیاد سلطان نے جیسے اس کو سنا ہی نہیں۔وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم نے غلط انتخاب کیا، کشمالہ۔تم نے میرے اوپر اس کی بہن کا انتخاب کیا۔''

اس نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا۔پھر کلائی پر بندھی گھڑی کو۔

"چار سے پانچ گھنٹے۔بس اتنا وقت ہے تمہارے پاس۔"

اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔وہ اسی سپاٹ انداز میں کھڑا جیسے فیصلہ سنا رہا تھا۔

''تم اس وقت آبادی سے بہت دور ہو۔اور یہ..." نگاہیں گھما کے دائیں بائیں دیکھا۔''یہ ایک فریزنگ ٹرک ہے۔چار سے پانچ گھنٹے میں یہ تمہارے جسم کا درجہ حرارت اتنا کم کر دے گا کہ تمہارا سانس بند ہو جائے گا۔''وہ اب دروازے کے قریب لگے ایک سرمئی بورڈ کے بٹن دبا رہا تھا۔ایک دم وینٹ سے تیز سرد ہوا نکلنے لگی۔مالا نے بے اختیار اپنی زنجیر کو دیکھا۔وہ بہت چھوٹی تھی۔وہ اس بورڈ تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

"یہ بورڈ پاسورڈ پروٹیکٹڈ ہے۔تم چاہو بھی تو اس کا درجہ حرارت کم نہیں کر سکتیں۔"وہ واپس پلٹا اور دیکھا کہ وہ اپنی زنجیروں کی لمبائی دیکھ رہی تھی تو گہری سانس لے کر بتایا۔

''یہ ٹرک اس وقت ایک untouched لینڈ میں ہے۔ایک جنگل جہاں آج تک انسانوں نے قدم نہیں رکھے۔یہاں دور دور تک کوئی نہیں ہے۔''وہ جیسے اسے خبر نامہ پڑھ کے سنا رہا تھا۔

''تم مجھے یہاں مرنے کے لیے چھوڑ کے جا رہے ہو؟''اس نے بے یقینی سے زیاد سلطان کو دیکھا۔

یہ نہیں ہو سکتا تھا۔وہ اسے نہیں مار سکتا تھا۔وہ اس پر ہاتھ اٹھا سکتا تھا،اس کا دل توڑ سکتا تھا،اس پہ جادو کر سکتا تھا، لیکن زیاد سلطان اس کی جان نہیں لے سکتا تھا۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تم ابھی میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف ہی نہیں ہو،کشمالہ۔''اور اسی سرد مہری سے وہ پلٹ گیا۔ دروازے کا لاک کھولتے ہوئے وہ رکا۔

''تم نے سمجھا تھا تم مجھے دھوکہ دے کر اس کے ساتھ چلی جاؤ گی۔لیکن تم اپنی آخری سانس تک مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔''طنز۔افسوس۔جیسے اسے مالا کی عقل پہ حیرت ہو۔

گرم آنسو اس کے سرد چہرے پر پھسلتے رہے۔وہ اب پلٹ کے لاک کھول رہا تھا۔وہ اب جانے لگا تھا۔وہ شاید آخری دفعہ اسے دیکھ رہی تھی۔

''سبرینہ زندہ ہے۔''اس نے خود کو کہتے سنا۔لبوں سے سرد دھواں سا نکلا۔

زیاد کے ہاتھ ٹھہر گئے۔پلٹ کے اسے ایسے دیکھا جیسے سردی نے اس کے ذہن پر اثر کر دیا ہو۔

''کون؟''

''تمہاری سبرینہ مری نہیں تھی۔اسے وٹنیس پروٹیکشن مل گئی تھی۔میں اس سے بات کر چکی ہوں۔وہ زندہ ہے۔''

وہ بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا جیسے وہ اس کی دماغی حالت کا اندازہ کر رہا ہو۔

''نہیں یقین آیا؟ جب وہ زخمی ہو کے سڑک کنارے گری تھی،اور اس کے پاس نیلے اور زرد رنگ کا کیک گرا تھا۔اور تم نے قابیل کا نشان بنایا تھا۔اس نے تب آنکھیں کھول کے تمہیں دیکھا تھا۔تمہاری نگاہ ملی تھی۔تم نے ماسک پہن رکھا تھا۔ہے نا؟ یہ کسی پولیس فائل میں نہیں لکھا۔یہ اس نے مجھے بتایا تھا۔''

وہ پلک نہیں جھپک سکا۔سانس جم گئی تھی جیسے۔

کشمالہ مبین سے پہلے وہ برف کا مجسمہ بن گیا تھا۔

''اور تمہاری ماں... تمہاری جادوگرنی ماں... وہ برسوں سے یہ بات جانتی ہے۔ اس نے تم سے یہ بات چھپائی تھی۔ اس کے جنات اس کو خبر دے چکے تھے۔ لیکن وہ تمہیں سبرینہ سے دور کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ سبرینہ اس ایکسیڈنٹ کے بعد ماں نہیں بن سکتی تھی اور سرکار کو تمہارا بچہ چاہیے تھا۔" ایک نگاہ جالی کے پیچھے ڈالی۔ گھنگریالے بالوں والے وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ شاید اٹھ رہی تھی۔

''جاؤ... زیاد... اور اگر میں جھوٹ بول رہی ہوں تو جو میری سزا میں قبول کروں گی۔ لیکن تم اپنی ماں کا سچ جاننے کے بعد ایک دفعہ میرا سامنا ضرور کرو گے۔'' ہر لفظ کے ساتھ منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔

زیاد سلطان نے جواب نہیں دیا۔ وہ چند لمحے گم صم سا اسے دیکھے گیا۔ پھر پلٹ گیا۔

''زیاد... میری بات سنو۔'' وہ زور سے چلائی۔ لیکن وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے اسے لاک کر رہا تھا۔

"زیاد۔" وہ زور سے چلائی۔ آواز بھیگنے لگی۔

کیا یہ آخری دفعہ تھا جب وہ اس کی قید میں آئی تھی؟

کیا صیاد اور پرندے کا کھیل ختم ہونے جا رہا تھا؟

اس نے گہرا سانس لیا اور خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ وہ مزید توانائی نہیں خرچ کر سکتی تھی۔ ابھی موسم ٹھنڈا تھا لیکن اتنا نہیں کہ اس کا خون جمنے لگے۔ اس کے پاس وقت تھا۔

اور تب اس نے وہ آواز سنی۔

وہ باریک آہستہ آواز۔

''میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

مالا نے چونک کر گردن موڑی۔ جالی کے پار وہ اس لڑکی کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھ رہی تھی۔

''تم جانتی تھیں کہ میں آؤں گی، ہلال؟''

''میں تم سے بات نہیں کر رہی، مالا۔'' وہ بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑس رہی تھی۔

"میں اس سے کہہ رہی ہوں جو ہمارے ساتھ موجود ہے۔"

کشمالہ مبین کا سانس منجمد ہو گیا۔

اس نے بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہاں ایک دھڑکن تھی۔

اور اس سے نیچے۔

ایک دوسری دھڑکن بھی تھی۔

"مجھے معلوم تھا بدر آئے گا۔" وہ لڑکی کہہ رہی تھی۔

"تمہارا بیٹا... بدر۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹرک کو ایک جنگل ویرانے میں چھوڑ کے زیاد سلطان چند کوس تک پیدل چل کے آیا۔ یہاں ایک رکی ہوئی کار سڑک کنارے کھڑی اس کی منتظر تھی۔ چونکہ چابی اس کی جیب میں تھی، اس لیے قریب جاتے ہی کار کے لاکس کھل گئے۔ وہ اندر بیٹھا اور اسٹارٹ کا بٹن دبایا تو انگلی کانپی تھی۔ اس کا سارا وجود کانپ رہا تھا۔

وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کہانی گھڑ رہی تھی۔ وہ مہلت چاہ رہی تھی۔ تاکہ اس کا ہیرو آئے اور اس کو بچا لے۔ ورنہ سبرینہ زندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ سبرینہ مر چکی تھی۔ اس نے اپنی پوری تسلی کی تھی۔ مردہ خانے کی رپورٹ۔ اس کے گھر والے۔ پولیس کی اسٹیٹمنٹ۔ ہر شے سے واضح تھا کہ وہ مر چکی تھی۔ اس نے سبرینہ کی قبر بھی دیکھی تھی۔ اس پر پھول بھی رکھے تھے۔ وہ اب بھی یوکے جاتا تو اس کی قبر پر ضرور جاتا تھا۔

پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا؟

ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نگینہ بیگم نے پلکیں جھپکائیں۔ نرس کمرے سے باہر جا رہی تھی۔ انہوں نے کروٹ بدلنی چاہی لیکن جسم سے شدید ٹیسیں اٹھیں۔ چہرے کے جلے ہوئے حصے سے تعفن زدہ بدبو اٹھ رہی تھی۔ باجود احتیاط کے کمر پر bed sores بن گئے تھے اور ان میں کیڑے پڑنے لگے تھے۔ یہ گزشتہ رات ہی ہوا تھا اور ڈاکٹرز ان کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھے۔ اسٹاف کی لاکھ کوششوں کے باوجود بدبو ختم ہو رہی تھی نہ کیڑے۔ ان کے وارڈ کو چند گھنٹوں قبل قرنطینہ کر دیا گیا تھا۔ زخموں کے سیمپل پبلک ہیلتھ ایجنسی کو بھجوائے گئے تھے کہ کہیں یہ کوئی وبا تو نہیں۔ لیکن اب تک کسی اسٹاف یا ملاقاتی میں اس کے symptoms ظاہر نہیں ہوئے تھے۔

نگینہ بیگم نے آہٹ پہ چونک کے دروازے کو دیکھا۔

کوئی اندر داخل ہوا تھا۔ نیلے اسکرب میں ملبوس۔ چہرے پر ماسک اور سر پر جالی دار ٹوپی پہنے۔ ہاتھوں پر

دستانے۔کوئی ڈاکٹر تھا شاید۔اب ان کے کمرے میں جو بھی داخل ہوتا وہ حفاظتی لباس پہن کے آتا تھا۔

"پپ... پانی..." انہوں نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔حلق خشک تھا۔انہیں پانی چاہیے تھا۔

وہ قریب آیا۔ماسک نیچے کیا۔نہ بھی کرتا تب بھی وہ اس کی آنکھیں دیکھ کے ٹھہر گئی تھیں۔آواز حلق میں اٹک گئی تھی۔

یہ وہ آنکھیں تھیں جنہوں نے پہلی دفعہ کھلنے پہ ان ہی کا چہرہ دیکھا تھا۔

''زیاد؟'' وہ حیران تھیں۔پھر چہرے پر بے چینی نمودار ہوئی۔

وہ پولیس کو مطلوب تھا۔وہ یہاں کیسے...؟

''سبرینہ زندہ ہے؟'' وہ قدم قدم چلتا ان کے سرہانے آیا۔اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''زیاد... پلیز بیٹے یہاں سے چلے جاؤ۔پولیس والے رات سے تمہارا پوچھ رہے ہیں۔'' وہ پریشانی سے بدقت بول پا رہی تھیں۔

"یعنی وہ زندہ ہے۔" وہ شل رہ گیا۔ساری دنیا ساکت ہو گئی۔

''زیاد... پلیز... وہ تمہیں گرفتار...'' ان کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''وہ سچ کہہ رہی تھی۔'' وہ اپنی ماں کے آنسو پہچانتا تھا۔

''وہ واقعی زندہ تھی اور آپ جانتی تھیں؟'' اس کی بھیگی آواز میں غراہٹ نمودار ہوئی۔

''ہاں۔میں جانتی تھی۔لیکن وہ تم سے نفرت کرتی تھی۔'' انہوں نے بے چینی سے دروازے کو دیکھا۔شیشے کی دیوار کے آگے بلائنڈز برابر تھے لیکن کوئی کسی بھی وقت اندر آ سکتا تھا۔

''پلیز تم چلے جاؤ۔'' انہوں نے اپنے ہاتھ اس کے سامنے جوڑے۔ایک ہاتھ کو ڑھ زدہ گل سڑ چکا تھا۔دوسرا تندرست تھا۔وہ جانتی تھیں وہ کیا کرنے آیا ہے۔وجہ معلوم نہیں تھی۔اب ہو گئی تھی۔سبرینہ وجہ تھی۔لیکن وہ اس کے لیے تیار تھیں۔

زیاد کے لیے کچھ بھی۔

"سرکار..." وہ دھیرے سے ان کے اوپر جھکا۔

''میں نے اپنی زندگی کا ایک حصہ سبرینہ کے غم پہ تعمیر کیا تھا۔کشمالہ سے شادی سبرینہ کی امید کھو دینے پہ کی تھی۔ہلال کو دھکا اسی کے لیے دیا تھا۔میں نے بہت کچھ سبرینہ کو مارنے کے جرم کے گلٹ میں کیا تھا۔''

وہ سیدھا ہوا اور نفرت سے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

"میرے بیٹے... میں نے یہ سب تمہارے لیے کیا تھا۔" ان کے ہاتھ جڑے تھے۔اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے جلے ہوئے چہرے کے گڑھوں میں گم ہو رہے تھے۔

"تمہاری محبت میں..."

''وہ زندہ تھی اور تم نے مجھ سے یہ چھپایا۔''

اس کی آواز میں سرگوشی بھری غراہٹ تھی۔ایک سرخ دھند تھی جو اس کے سامنے چھائی تھی۔

''زیادہ خود کو خطرے میں مت ڈالو۔'' نگینہ بیگم نے پریشانی سے دروازے کو دیکھا۔

''ایک سچ آج تمہیں میں بھی بتاتا ہوں، سرکار۔'' وہ ان کے کان کے قریب جھکا کہہ رہا تھا۔

''میں نے کبھی تم سے محبت نہیں کی۔ مجھے تم سے بھی اتنی ہی نفرت تھی جتنی میرے باپ کو تم سے تھی۔ میری محبت دکھاوا تھی کیونکہ میں تمہارے جادوؤں سے ڈرتا تھا۔اپنے باپ کی طرح۔لیکن آج... آج کے بعد میں نہیں ڈروں گا۔''

وہ سیدھا ہوا۔انہوں نے پریشانی سے اس کو دیکھا، پھر دروازے کو۔

پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھے الٹے نوٹ پیڈ کو۔

"آج کے بعد مجھے کسی کا خوف نہیں۔کسی کی پرواہ نہیں۔ کیونکہ تم تینوں... کشمالہ تم اور ہلال... تم تینوں جو میری زندگی کے فیصلے کرتی آئی ہو... تم تینوں آج اپنی اپنی قبر میں اتر جاؤ گی۔" اس نے جھپٹ کے ایک تکیہ ان کے سر کے نیچے سے نکالا اور اگلے ہی لمحے اسے ان کے کوڑھ زدہ چہرے پر رکھ دیا۔

ان کے کمزور ہاتھ پیروں میں تیزی سے مزاحمت ہوئی۔دائیں بائیں۔

جسم میں قید روح پھڑ پھڑائی۔

اس نے آخری کوشش کی۔

دروازہ دھاڑ سے کھلا۔

بہت سی آوازیں سنائی دیں۔پولیس مین پستول اس کی طرف بلند کیے اسے پیچھے ہٹنے کو کہہ رہا تھا۔دو افراد اس کے بازو کھینچ رہے تھے لیکن وہ پوری قوت سے تکیہ اس بوڑھی جادوگرنی کے چہرے پر دبائے ہوئے تھا۔

کسی نے زور سے اسے پیچھے کھینچا۔لیکن تب تک تکیے تلے پھڑ پھڑاتی روح کی مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔

نرس اور اسٹاف چلاتے ہوئے مریض کا تکیہ اٹھا رہے تھے۔

زیاد سلطان قدم قدم پیچھے ہٹتا گیا اور دونوں بازو فضا میں اونچے اٹھا لیے۔

نگاہیں اس بوڑھے چہرے پہ جمی تھیں۔

کسی نے پیچھے سے اس کا بازو مروڑا۔ کسی نے اسے کندھوں پر دباؤ دے کر نیچے بٹھایا۔

وہ گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ اب دو افراد اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی پہنا رہے تھے۔

نگینہ سلطان کا چہرہ بے جان سا پڑا تھا۔ آنکھیں کھلی تھیں اور روح کب کی پرواز کر چکی تھی۔ آنکھ سے ایک آنسو نکل کے گال پر لڑھک رہا تھا۔

"زیاد سلطان.... تم ہماری حراست میں ہو۔ تمہیں خاموش رہنے کا حق حاصل ہے۔ تمہارا کہا کوئی بھی لفظ تمہارے خلاف عدالت میں استعمال ہو سکتا ہے۔"

وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے بندھے تھے۔ ایک آفیسر اس کو اس کے حقوق پڑھ کے سنا رہا تھا۔ اور وہ... وہ مسکرا رہا تھا۔

وہ جس شے کی اس نے برسوں سے تمنا کی تھی۔

وہ آج پوری ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کیسا ہوتا ہے اپنی کھوئی ہوئی بہن کو ڈھونڈنا؟''

وہ سفید دیوار کے سامنے رکھی سنگی کرسی پر بیٹھی تھی۔ اور ماہر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے، فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ شیشے کی دیواریں دھوپ اندر لا رہی تھیں۔ وہ بے چینی سے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا جب ماہی بولی۔

ماہر کے ہاتھ تھمے۔ گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں۔ متورم۔ سرخ۔ پانی سے بھری۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''سرخ والٹ ڈھونڈنے جیسا۔ اس کے ملنے کی امید ہاتھ سے نہیں جانے دینی ہوتی۔''

وہ واپس اسکرین پہ جھک گیا۔ وہ ایک ہی وقت میں بہت سے لوگوں سے بات کر رہا تھا۔ کافی کا ادھ بھرا کپ ساتھ فرش پر رکھا تھا۔ پولیس اسٹیشن کی ڈرپ کافی ہوٹلز کے بریک فاسٹ بفے کے جیسی تھی۔ کم کڑوی اور کم اثر۔

''اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ میری بہن نے مجھ پہ اعتبار کیوں نہیں کیا؟'' وہ آنسو صاف کر رہی تھی۔ مالا ایسے کیسے کر سکتی تھی؟

''اس نے مجھ پہ بھی بھروسہ نہیں کیا۔'' ماہر نے دھیرے سے فون پرے ڈال دیا۔ اس کے چہرے پہ زمانوں کی تکان تھی۔

''وہ سرکار کے نشان کے بارے میں جانتی تھی؟'' وہ اس سوال کا جواب جانتا تھا۔ لیکن اسے تسلی چاہیے تھی۔ شاید ماہی کہہ دے کہ نہیں۔ شاید وہ اسے شک کا فائدہ...

''ظاہر ہے، وہ جانتی تھی۔ وہ اس کی ساس تھی۔ پہلے دیکھا ہو یا نہیں، میرے سامنے اس روز ہسپتال میں بھی اس نے وہ نشان دیکھا تھا۔''

ماہر نے دھیرے سے سر جھٹکا۔ وہ جانتی تھی لیکن اس نے ماہر کو نہیں بتایا۔ وہ اب بھی اس کے اعتبار کا اہل نہیں تھا۔ کیا وہ کبھی کشمالہ مبین کو معاف کر پائے گا؟

کتنے ہی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

''میں اس کا نشان جانتی تھی۔ اس روز دوہا ائیر پورٹ پہ میں نے وہ نشان دیکھا تھا۔ میں آپ کو بتا سکتی تھی۔ مگر کیوں نہیں بتا سکی؟'' وہ خود بھی حیران تھی۔ کیا وہ بھول گئی تھی؟ یا گفتگو کبھی اس نہج تک پہنچی ہی نہیں؟

"یہ ایسے ہی مکتوب تھا۔" ماہر نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو چکا تھا۔

''تم نے دیکھا... وہ عورت سرکار تھی۔ وہ عورت جس کو میں مکھی مارنے کا اہل بھی نہیں سمجھتا تھا۔''

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ نگینہ آنٹی یہ سب کر سکتی ہیں۔ وہ تو ایک عام سی عورت تھیں۔ انہوں نے یہ کیسے کیا؟"

"شاید اس لیے کہ سب اس کو عام عورت سمجھتے تھے۔ شاید وہ عام عورت پیدا ہوئی تھی۔ لیکن وہ عام عورت مرنا نہیں چاہتی تھی۔" وہ دھیرے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا رخ وکرم کے آفس کی جانب تھا۔ وہی ایک مشق بار بار دہرائی جا رہی تھی۔ وہ وہاں جا کے ان سے پوچھتا تھا کہ کوئی اپ ڈیٹ ملی؟ اور وہ نفی میں سر ہلا کے کہتے تھے کہ نہیں۔

وہ ابھی راستے میں تھا جب پیچھے سے آوازیں بلند ہوئیں۔ ماہر فرید چونک کر پلٹا۔

دو آفیسرز ایک آدمی کو ہتھکڑی لگائے سامنے راہداری سے گزر رہے تھے۔ اس آدمی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ بس ایک لمحے کے لیے اسے دیکھ سکا۔ اور وہ موڑ مڑ کے آگے گم ہو گئے۔

زیاد سلطان۔اس کے لب بے یقینی سے پھڑ پھڑائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لوہے کے پنجرے میں ٹھنڈ دھیرے دھیرے بڑھ رہی تھی۔اس نے اپنے بازو اپنے گرد لپیٹ رکھے تھے۔ لباس پتلا تھا اور ٹھنڈ روکنے میں ناکام تھا۔

''میں اس سے کہہ رہی ہوں جو ہمارے ساتھ ہے۔تمہارا بیٹا، بدر۔''

ہلال اسی کنٹینر کے دوسرے پنجرے میں تھی۔ان دونوں کے درمیان دیوار تھی جس میں بنی ننھی سی کھڑکی میں وہ ہلال کی جھلک دیکھ سکتی تھی۔زیادہ دیر تک گردن موڑتی تو وہ درد کرنے لگتی۔سو وہ سامنے بند دروازے کو دیکھے گئی جس سے کافی دیر پہلے زیاد سلطان باہر نکلا تھا۔

"بدر۔"

ایک سرد سی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی سے گزر گئی۔

''سب سمجھتے ہیں میں نے اسے مار دیا۔'' آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے۔

''لیکن میں اسے کیسے مار سکتی تھی؟ وہ میرا بیٹا ہے۔''

بہت سے لمحے یونہی گزر گئے۔دوسرے پنجرے میں خاموشی چھائی رہی۔

''مجھے اس کی حفاظت کرنی تھی۔مجھے اس کو بچانا تھا۔اس کے اپنے باپ سے۔اس کی دادی سے۔'' وہ بند آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔گرم آنسو گال سے لڑھک کے گردن پر پھسل رہے تھے۔

جس روز ماہر فرید نے اسے بتایا تھا کہ سرکار سحر عشق سے پیدا ہوئے بچوں کو چھین لیتا ہے، اس روز اس نے ایک فیصلہ کیا تھا۔بس اسٹاپ تک جاتے ہوئے اس نے درگاہ کا نمبر ملایا تھا۔

"مجھے ایک اپائنٹمنٹ چاہیے۔ابارشن کے لیے۔"

درگاہ کا اشتہار اس نے ڈارک ویب پر دیکھا تھا۔جیسے سرکار ایک جادوگر تھی اور اپنی شناخت چھپا کے لوگوں کی زندگیوں میں سحر گھولتی تھی، ویسے ہی درگاہ ایک الوژنسٹ تھی۔الوژنسٹ جادو نہیں کرتے۔ بلکہ وہ ایک الوژن (سراب) تخلیق کرتے ہیں۔ان کے کلائنٹس کسی کو دھوکہ دینے کے لیے ان سے ایک الوژن تخلیق کرنے کا کہتے ہیں۔کوئی بہت عرصے بعد اپنی فیملی سے ملنے جا رہا ہے اور سوالات سے بچنا چاہ رہا ہے، تو الوژنسٹ اس کو ایک جعلی بیوی مہیا کریں گے جو اس کے ساتھ جا سکے۔کسی کو اپنے باس کو دکھانے کے لیے جعلی فیملی چاہیے۔کسی کو اپنی منگیتر

کے سامنے یہ ثابت کرنا ہے کہ وہ ایک بہت بڑی فرم میں کام کرتا ہے تو الوژنسٹ چند گھنٹے کے لیے ایک عمارت ہائر کر کے، وہاں اداکار بٹھا کے، اس کی منگیتر کو یہ تاثر دے سکتے ہیں کہ وہ آدمی اس سے سچ بول رہا ہے۔

اور اسے زیاد اور نگینہ سلطان کے جنات کو یقین دلانا تھا کہ وہ اپنے بچے کو مار چکی ہے۔

اس کا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ یہ اللہ کے سوا کوئی جان نہیں سکتا تھا۔ صفورا نے برائے بات کہا تھا کہ وہ لڑکی ہو سکتی ہے۔ اور سرکار کے جنات... وہ اس کی جاسوسی کر رہے تھے۔ جب نگینہ بیگم نے کہا کہ وہ ان کی پوتی ہے تو وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس کی زبان سے نکلے ہر لفظ کو پکڑ رہے ہیں۔ اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتے تھے نہ جان سکتے تھے۔ وہ انسانی عقل کی معراج تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

آن لائن پے منٹ۔ کوڈ ورڈز میں گفتگو۔ اور درگاہ کی بتائی جگہ پر پہنچنا۔ بس اتنا سا کام اس کو کرنا تھا۔ یہ اتنا مشکل نہیں تھا جتنا اسے لگا تھا۔ اگر وہ بسم اللہ پڑھ کے اس جعلی ابارشن کلینک کا دروازہ کھولے گی، تو کوئی موکل سرکار کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اندر کیا چل رہا تھا۔ تھوڑی سی اداکاری۔ چند دستخط۔ وہ جانتی تھی کیف جمال اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ زیاد کو اس کے اپارٹمنٹ کا پتہ جنات سے نہیں اس کے کریڈٹ کارڈز سے معلوم ہوا تھا۔ وہ اپنی ماں کے موکلوں سے زیادہ اپنے ذرائع پر بھروسہ کرتا تھا۔ سرکار بیمار تھی۔ وہ اس وقت اس پوزیشن میں نہ تھی کہ مالا پہ جادو کروا سکتی۔ وہ صرف اپنے موکلوں سے معلومات لے سکتی تھی۔ اور اگر وہ ہر شے سے پہلے اللہ کا نام لے گی، تو کوئی جن، کوئی شیطان کسی جادوگر کو اس کے اقدام کی خبر نہیں دے گا۔

"میں اس بچے کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ شروع میں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ لیکن پھر..."

وہ سرد دیوار سے ٹیک لگائے، زنجیروں میں بندھے ہاتھ باہم پھنسائے، مقفل دروازے کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ہلال سن بھی رہی تھی یا نہیں، اسے نہیں معلوم تھا۔

"لیکن پھر وہ میری شاپ پر آیا۔ ایک لڑکا۔ اس کا نام بدر تھا۔" وہ خود سے باتیں کر رہی تھی۔ کیونکہ دوسری جانب خاموشی تھی۔ "اس نے مجھے اس بچے کو ختم نہیں کرنے دیا۔"

آنسو آنکھوں سے گرم گرم نکلتے اور گردن تک پہنچ کے ٹھنڈے ہو جاتے۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔

"اس کی سبز آنکھیں تھیں۔ وہ عورتوں کی عزت کرتا تھا۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کون تھا لیکن وہ ہر عورت کے لیے کرسی کھینچتا تھا۔ وہ نرمی سے بات کرتا تھا۔ تب میں نے سوچا کہ میں اس بچے کو کیوں ماروں؟ اگر یہ بیٹا ہوا تو کیوں نہ میں اس کو وہ سکھاؤں جو زیاد کی ماں اس کو نہیں سکھا سکی تھی۔ میں اس کو ایسا لڑکا بناؤں جس سے کسی عورت کو بھاگنا

نہ پڑے۔ میں اس میں اپنا بیٹا دیکھتی تھی۔''

پھر اس نے گردن پیچھے کو موڑی۔ وہ یہاں سے ہلال کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔ گردن میں تکلیف ہونے لگی۔

''تمہیں کیسے معلوم تھا کہ میرے بیٹے کا نام کیا ہوگا؟''

ہلال نے دھیرے سے شانے اچکائے۔ وہ دوسری جانب کچھ دیکھ رہی تھی۔

''میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔ کیونکہ ہم ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔''

کچھ تھا اس کی آواز میں۔ کچھ سرد سا۔ مالا کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سرد سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔ جس کا فریزنگ یونٹ سے تعلق نہ تھا۔

اس نے اپنے بٹن کو ٹٹولا۔ پھر بے چینی سے بند دروازے کو دیکھا۔ کوئی کیوں نہیں آ رہا تھا؟ اس نے تمام کلیوز چھوڑے تھے۔ یہ اس کا اپنا ملک نہ تھا۔ یہ کینیڈا تھا۔ یہاں کی پولیس اسے ابھی تک کیوں نہیں ڈھونڈ سکی تھی؟ ماہر نے فائنڈ مائی ایپ کھول لی ہوگی۔ اب تک وہ ایئر ٹیگ کو تلاش کر چکا ہوگا۔ اسے انہیں تلاش کر لینا چاہیے تھا۔

یا کیا وہ کسی ایسے ویرانے میں تھے جہاں دور دور تک کوئی انسان موجود نہیں تھا؟ یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔

''تمہارا بھائی مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔'' اس نے آنسو پونچھے اور اب بولی تو لبوں پر تلخ مسکراہٹ تھی۔ ''مگر مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اس کو صرف تمہیں ڈھونڈنا تھا۔ اور مجھے اپنے بچے کو اس کے باپ سے بچانا تھا۔''

''تمہیں لگتا ہے وہ تمہیں نہیں مارے گا؟'' وہ بولی تو آواز آہستہ تھی۔

''اگر اسے مارنا ہوتا تو مجھے گولی مار دیتا۔ وہ مجھے اذیت دینا چاہ رہا ہے۔ وہ واپس آئے گا۔''

اس کے لہجے میں ذرا سا بھی شک نہ تھا۔ ''میں اس کی بیوی تھی۔ وہ مجھے کبھی نہیں مارے گا۔ محبت میں بھی نہیں۔ نفرت میں بھی نہیں۔''

وہ دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ ہونٹ بار بار دہرا رہے تھے۔ زیاد مجھے کبھی نہیں مارے گا۔ اسے امید تھی ابھی دروازہ ٹوٹ جائے گا۔

کوئی انہیں بچانے آ جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''اسے غلط فہمی ہے کہ وہ اسے نہیں مارے گا۔''

وہ شیشے کی دیواروں سے بنے ایک ویٹنگ ہال میں بیٹھے تھے۔ ماہی نے سر ہاتھوں میں گرایا ہوا تھا جب ماہر کی آواز پہ چونک کے گردن اٹھائی اور تکان سے اسے دیکھا۔ وہ دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ بار بار بالوں میں ہاتھ پھیرتا۔ اضطراب سے سر جھٹکتا۔ ماہی کی آنکھیں ٹینس بال کی طرح اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ دائیں سے بائیں۔ بائیں سے دائیں۔

''وہ اسے مار دے گا۔ اور وہ ہلال کو بھی مار دے گا۔ میں انسانوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں ہوتا۔''

''سوائے سرکار کے۔'' وہ تلخ ہوئی۔ ماہر نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

''اس ایک غلط اندازے کی سزا بھگت رہا ہوں۔ لیکن...'' بات ادھوری رہ گئی۔ یونیفارم میں ملبوس وکرم سامنے سے چلتا آ رہا تھا۔ ماہی بے اختیار کھڑی ہوئی۔ دل زور سے دھڑکا۔

''کچھ کہا زیادو نے؟'' اس کی آنکھیں بھیگیں۔

وہ شخص جو جانتا تھا کہ مالا اور ہلال کہاں ہیں، وہ ان سے چند گز کے فاصلے پر ایک انٹیروگیشن روم میں بیٹھا تھا۔

''زیادو سلطان خاموش ہے۔'' اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''اس کا وکیل آ چکا ہے اور وہ کچھ بھی کہنے سے انکاری ہے۔ ہم اس کو چوبیس گھنٹے سے زیادہ یہاں ہولڈ نہیں کر سکتے۔ پھر اسے عدالت میں پیش کر کے جیل بھیج دیا جائے گا۔''

''آپ کسی طرح اس کی زبان نہیں کھلوا سکتے؟'' ماہی نے تیزی سے کہا تو وکرم نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا۔

''یہ انڈیا نہیں ہے جہاں ہم اسے الٹا ٹانگ کے ٹارچر شروع کر دیں۔ وہ اس ملک کا شہری ہو یا نہ ہو، اس کے کچھ حقوق ہیں۔ اور خاموش رہنے کا حق اسے قانون نے دیا ہے۔'' وہ اطلاع دے کر آگے بڑھنے لگا تھا جب...

''کیا میں اس سے بات کر سکتا ہوں؟''

وکرم نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر گہری سانس لی۔

''وہ تمہیں کیوں کچھ بتائے گا؟''

''یہ میرے اوپر چھوڑ دو۔ بس مجھے اس کے ساتھ دس منٹ چاہئیں۔''

اس نے سر دائیں بائیں ہلایا۔ ''یہ آسان نہیں ہے۔''

''میری بہن اور اس کی بہن (ماہی کی طرف اشارہ کیا) اس وقت کہیں قید ہیں۔ وہ دونوں مر سکتی ہیں۔ اگر وہ مر

گئیں تو ان کا خون صرف زیاد کے سر نہیں ہوگا۔" وہ انگلی اٹھا کے کہہ رہا تھا۔ اس کے ماتھے کی لکیر کھنچی ہوئی تھی۔

"صرف دس منٹ۔" اس کی آنکھوں میں غصہ بھی تھا اور منت بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کمرہ تاریک تھا۔ ماہر فرید ایسے کمرے میں پہلے آ چکا تھا۔ جب اس نے استنبول میں ایک رات لاک اپ میں گزاری تھی۔ کمرے کی ایک دیوار آئینے کی بنی لگتی تھی جو کہ دوربیہ شیشہ تھا۔ اس کے دوسری طرف وکرم کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔ چھت پر ایک بلب جل رہا تھا۔ وسط کمرے میں ایک میز رکھی تھی۔ اور اس کے پار دو دو کرسیاں۔ زیاد وہاں براجمان تھا۔ ہاتھ میز پر جمائے، وہ خاموش تھا۔ پرسکون۔ ساتھ ایک سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا تھا۔

وہ اندر داخل ہوا تو زیاد سلطان نے چہرہ اٹھایا۔ ماہر پہ نگاہ پڑی تو اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"ماہر فرید۔" محظوظ انداز میں دونوں ابرو اٹھائے۔ ہاتھ باہم پھنسا کے میز پر جمائے، کمر سیدھی رکھے، وہ بالکل شانت تھا۔

ماہر نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور قدم قدم چلتا میز کے دوسرے کنارے تک آیا۔ ایک نظر وکیل کو دیکھا۔

"کیا آپ ہمیں اکیلا چھوڑ سکتے ہیں؟"

"نہیں۔"

"چھوڑ سکتے ہیں۔" زیاد نے وکیل کو تاکیدی نظروں سے گھورا۔ وکیل نے ناخوشی سے اسے دیکھا۔ چند منٹ وہ اس کے کان میں سرگوشی کرتا رہا۔ پھر اٹھ گیا۔

وہ اس تمام دورانیے میں زیاد کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا رہا تھا۔ بلب کی روشنی سے زیاد کا چہرہ آدھا روشنی اور آدھا اندھیرے میں تھا۔ کمر بالکل سیدھی تھی۔ گردن اٹھی ہوئی تھی گویا سر یا ہو۔

"مالا کو ایک غلط فہمی ہے۔" وکیل چلا گیا اور وہ کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھ گیا تو زیاد نے غور سے اسے دیکھا۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں گلابی تھیں اور آستین پیچھے کو موڑے ہوئے وہ بیمار لگ رہا تھا۔ بے چین۔ شکستہ۔ قدرے غصے میں۔

"کہ تم اسے نہیں مارو گے۔"

زیاد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس نے ہاتھ باہم ملا کے میز پر رکھ دیے۔ اس کے ہاتھوں اور زیاد سلطان کے گریبان کے درمیان چند فٹ اور بہت سے قوانین کا فاصلہ تھا۔

''لیکن مجھ سے پوچھو تو جس دن تمہیں یقین ہو گیا کہ تم اسے دوبارہ حاصل نہیں کر سکو گے، تم اسے مار دو گے۔''

زیاد سلطان نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسی مبہم مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھے گیا۔

نیم تاریک کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ چند لمحے ریت کی طرح انگلیوں سے پھسل گئے۔

''ہلال کہاں ہے، زیاد؟'' اس کی آواز میں ہلکا سا ارتعاش تھا۔

''کون ہلال؟'' زیاد نے نا سمجھی سے ابرو اچکائے لیکن اس کی آنکھوں میں ایک طنز تھا۔ ماہر کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ عجیب بے بسی سی بے بسی تھی۔

سامنے بیٹھا شخص سب جانتا تھا۔ وہ اس کی برسوں کی تلاش کا کلائمکس تھا۔ اس کے دو عزیز ترین لوگوں کی جان اس کی زبان سے بندھی تھی۔ اس کے لبوں سے نکلنے والا ایک لفظ ان کو بچا سکتا تھا۔

''کیا وہ دونوں زندہ ہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ زیاد نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔

''میں نہیں جانتا، تم کیا کہہ رہے ہو۔'' البتہ اس کی مسکراہٹ ہنوز قائم تھی۔

غصہ۔ طیش۔ ایک لاوا سا اس کے اندر ابلنے لگا۔ بہت ضبط سے سانس کھینچی۔

''خود کو دیکھو، زیاد۔ تم نے اپنی ماں کو مارا ہے۔ گواہ موجود ہیں۔ تم کینیڈا کی ایک جیل میں ڈال دیے جاؤ گے۔ تم ساری عمر قید رہو گے۔ ایک جیل سے دوسری جیل۔ دنیا کے بڑے بڑے کرمنلز کے ساتھ۔ تمہیں کوئی چیز یہاں سے نہیں نکال سکتی۔ تمہارا انجام لکھا جا چکا ہے۔''

زیاد کا خاموش چہرہ آدھا تاریک، اور آدھا روشن تھا۔

''لیکن اگر تم ہلال اور مالا کی لوکیشن بتا دو تو شاید تمہاری سزا میں نرمی کر دی جائے۔ پولیس خود کہہ چکی ہے۔ تم استغاثہ کے ساتھ ڈیل کر کے جلد رہا ہو سکتے ہو۔''

وہ اسے اسی طرح دیکھتا رہا۔

''میں تم پر کوئی کیس نہیں کروں گا۔ میں اپنی بہن کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔''

خاموشی۔

''کوئی نہیں جانے گا کہ تمہاری ماں کون تھی۔ اس کے پاکستان میں رشتے دار، اس کا خاندان، کوئی اس کی سیاہ کاریوں سے واقف نہیں ہو گا۔ یہ بات یہیں دب جائے گی۔ تمہاری ماں کے سارے جادو اس کے ساتھ دفن ہو جائیں گے۔''

زیاد اب گردن ہلکی سی ترچھی کیے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ خاموش۔ بالکل خاموش۔

''لیکن اگر میری بہن مرگئی تو تم اس جیل میں سکون سے نہیں رہو گے۔ میں تمہیں زندہ نہیں رہنے دوں گا۔ نہ میں تمہیں مرنے دوں گا۔'' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس میں بے بسی تھی۔ غصہ تھا۔

زیاد کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ رینگ گئی۔

''اور تمہاری ماں... پوری دنیا اس کا راز جان جائے گی۔ تمہاری مری ہوئی ماں کی عزت ختم ہو جائے گی۔''

زیاد سلطان نے بالآخر مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"ہو جائے۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟"

آدھی روشنی اور آدھی تاریکی میں اس کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔

ماہر پیچھے کو ہوا۔ پہلو بدلا۔ چند لمحے بغور اس کو دیکھے گیا۔ اس کے دس منٹ ختم ہونے کے قریب تھے۔

''تمہیں کیا چاہیے؟'' اب کے بولا تو لہجہ دھیما تھا۔ سنجیدہ تھا۔ ''ہر انسان کو کچھ چاہیے ہوتا ہے۔ تمہیں کیا چاہیے؟''

زیاد اسی طرح مسکراتا رہا۔

''میں وہ کروں گا جو تمہیں چاہیے۔'' اس کو لگا اس کی آواز کپکپائی ہے۔ اس کی پلکیں بھیگی ہیں۔ اگر ہلال ابھی زندہ ہے اور چند گھنٹوں میں وہ زندہ نہ رہی تو یہ اس لیے ہوگا کہ ماہر فرید زیاد سلطان کی زبان نہ کھلوا سکا۔ وہ ماہر فرید جس کی people's skills کی وجہ سے لوگ اس کو بزنس دیتے تھے، وہ جو بہترین negotiator تھا۔ وہ زیاد سلطان سے ایک ڈیل نہ کر سکا۔

"میں جانتا ہوں تمہیں کیا چاہیے۔" اب کے وہ بولا تو اس کی آواز شکستہ تھی۔

"میری زندگی۔ تم میری زندگی لے لو۔"

زیاد نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"تم مالا اور ہلال کو جانے دو۔ بدلے میں میری زندگی لے لو۔ تمہارے بہت سے دوست ہوں گے جو تمہارے کہنے پہ کسی انسان کی جان لے سکتے ہوں گے۔ تم جیل میں رہ کے بھی مجھے مروا سکتے ہو۔ تمہارے لیے یہ کیا مشکل ہے؟"

زیاد آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے ماہر کو دیکھنے لگا۔

"ہم ایک ڈیل کر لیتے ہیں۔تم ان کو چھوڑ دو۔اگر کسی کو مارنا ہے تو مجھے مار دو۔"

"جانتے ہو مجھے کیا چاہیے؟" زیاد آگے کو جھکا۔چہرہ اب مکمل روشنی میں آیا۔مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔اور آنکھوں میں سرد سی آگ تھی۔

"کیا؟" اس کا سانس تک رک گیا۔

"کہ تم ساری زندگی اذیت میں زندہ رہو۔" وہ مسکرا کے واپس پیچھے ہوا۔چہرہ پھر سے تاریکی میں چلا گیا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری منت کروں تو اپنی بہن کی زندگی کے لیے میں یہ کرلوں گا۔تمہارا مسئلہ میرے ساتھ ہے۔مجھ سے انتقام لے لو۔"

وہ ماہر فرید جو کسی انسان کے سامنے نہیں جھک سکتا تھا،آج اسے زیاد سلطان کے سامنے جھکنا تھا۔

"مجھے بتا دو ہلال اور مالا کہاں ہیں۔" اس نے منت کی تھی۔اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"کون ہلال؟" زیاد نے ناسمجھی سے ابرو اچکائے۔

"تمہارے دس منٹ گزر چکے ہیں۔" دروازہ کھول کے کسی نے اطلاع دی۔وہ کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑا ہوا۔اس کے سینے میں درد اٹھنے لگا تھا۔

اگر ہلال مر گئی تو اس کا خون صرف زیاد سلطان کے ہاتھ پہ نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔اس نے گھٹنے سینے سے لگا کے اپنے گرد بازو لپیٹ رکھے تھے۔

"وہ آجائیں گے۔وہ ہمیں بچانے آجائیں گے۔" وہ بار بار دہرا رہی تھی۔اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔لیکن اسے جاگنا تھا۔اسے اپنے ذہن کو جگائے رکھنا تھا۔

"سرکار...سرکار نے تمہیں کیوں قید کیا،ہلال؟" اس نے گردن موڑنی چاہیے لیکن جسم مڑنے سے قاصر تھا۔

وہ خاموش رہی۔

"اسے تم سے کیا چاہیے تھا؟ وہ بچوں کے ساتھ کیا کرتی تھی؟"

چند لمحے یونہی گزر گئے۔

"اور عالیان؟ کیا وہ بھی تمہارے ساتھ قید تھا؟"

ہلال کے اندر ذرا سی جنبش ہوئی۔ لیکن کوئی آواز سنائی نہ دی۔ وہ بدقت چہرہ موڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ جالی کے پار وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ گھنگریالے بال چہرے کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔

''ماہر سمجھتا ہے کہ عالیان بدر ہے۔ تم نے اسے کئی برس پہلے میرے بیٹے کا نام بتایا تھا۔ میں اسے نہیں بتا سکی کہ وہ کون تھا۔ میں نے اسے وہ سمجھنے دیا جو وہ سمجھتا تھا۔ مجھے اپنے بیٹے کی حفاظت کرنی تھی۔ کیا تم کبھی عالیان سے ملی تھیں؟''

''مالا...'' اس نے جھکے چہرے کے ساتھ ہونٹ کھولے۔ اس کی آواز باریک تھی۔ کسی اداس بلبل کے جیسی۔

''کیا تم عالیان کو...'' وہ پوچھ رہی تھی لیکن ہلال نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کچھ ایسا ہے جو تمہیں نہیں معلوم۔'' کچھ تھا اس کی لالی کی جیسی آواز میں جو اسے ساکت کر گیا۔

''کچھ ایسا جو ماہر بھائی کو نہیں معلوم۔''

وہ دم سادھے سنتی گئی۔ نگاہیں ہلال کے جھکے سر پہ جمی تھیں۔

''کچھ ایسا جو تمہیں جاننا چاہیے۔''

ساری دنیا ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

ہلال کے ہونٹوں سے نکلنے والے اگلے الفاظ اس کے سینے کے اندر کسی خنجر کی طرح گھپ گئے۔ وہ شل بیٹھی رہ گئی۔ سارے در وفا ہو گئے۔ بس وہ ایک درد ہر شے پہ حاوی ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کافی کی مہک پہ اس نے سر اٹھایا۔

وہ دیوار سے لگا فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔ سر جھکائے۔ تھکا ہارا ہوا۔ جب ماہی نے جھک کے کپ اس کی طرف بڑھایا۔ ماہر نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر بدقت مسکرایا۔

''تو تھینکس۔ میرے اندر مزید کیفین پینے کی ہمت نہیں ہے۔''

اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ ہار چکا ہے۔

''وہ نہیں بولا، بینہ۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ میں اس سے کچھ نہیں اگلوا سکا۔'' وہ سر دیوار سے ٹکائے اب سامنے شیشے کی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

''کوئی کلیو۔ کوئی ہنٹ نہیں۔''

ماہی ساتھ رکھے بنچ پر بیٹھی۔ دونوں کپ خالی کرسی پر رکھ دیے۔ وہ بھی سامنے دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو یقین ہے کہ وہ زندہ ہیں؟''

''شاید۔'' آنسو اس کے حلق میں گولا سا بنا گئے۔ اس نے تھوک نگلا۔

''میں زیاد سے بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''وہ تمہیں کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ سائیکو پیتھ ہے۔ وہ ہمیں اذیت میں دیکھ کے خوش ہو رہا ہے۔ اس سے مل کے اپنا دماغ مت خراب کرو۔ اس سے کچھ پوچھنے کا فائدہ نہیں۔''

''مجھے اس سے کچھ پوچھنا نہیں ہے۔ کچھ بتانا ہے۔'' ماہر نے چونک کر سر اٹھایا۔ کچھ تھا ماہ بینہ کی آواز میں جو پہلے وہاں نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریک لاک اپ سلاخوں سے بنا تھا۔ اندر ایک چوکی سی تھی جس کے ساتھ فرش پر زیاد سلطان بیٹھا تھا۔ خالی کمرہ۔ سلاخیں۔ وہ خاموشی سے سر دیوار سے ٹکائے چھت کو دیکھ رہا تھا۔ چہرہ کسی قسم کے تاثر سے خالی تھا۔

''جب میں نے تمہیں پہلی دفعہ دیکھا تھا تو مجھے کچھ کھٹکا تھا۔'' آواز پہ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ماہ بینہ سلاخوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسے ابھی ابھی ایک آفیسر یہاں چھوڑ کے گیا تھا۔ دونوں ہاتھوں میں ایک ایک سرد سلاخ تھامے وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔ ترحم سے۔ نفرت سے۔

''مجھے تمہاری فیلنگز سننے میں دلچسپی نہیں ہے۔'' زیاد نے بے زاری سے سر جھٹک دیا۔

"''میں حیران تھی کہ مالا تمہیں ہینڈسم کیوں سمجھتی ہے۔ لیکن پھر تمہاری چاکلیٹس درمیان میں آ گئیں۔ اور انہوں نے میری بصارت دھندلا دی۔''

زیاد نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح اکتاہٹ سے سامنے دیکھتا رہا۔

''کتنی ہی دفعہ مجھے ریڈ فلیگز نظر آئے۔ تمہیں دیکھ کے ایک بے چینی سی ہوتی تھی۔ لیکن تمہاری ماں کے جادو جیتتے گئے۔''

"ہوں۔ انٹرسٹنگ۔" وہ کوفت سے تبصرہ کر رہا تھا۔

''میرے بچے کو بھی تمہاری ماں نے مارا تھا۔ میرے دوسرے بچے کو۔''

"اونہوں؟" زیاد نے سرد سا ہنکارا بھرا۔

''میں ان سے ملی تھی۔ائیر پورٹ پر۔انہوں نے کچھ پھونکا تھا مجھ پر۔یا ان کی نظر بد تھی۔جو بھی تھا۔انہوں نے کیوں مارا میرے بچے کو؟ میں نہیں جانتی۔شاید جادوگروں کو بچے مار کے طاقت ملتی ہے۔لیکن میں اس بچے کے لیے بہت روئی تھی۔''

''سوسیڈ۔''اس نے تلخی سے سر جھٹکا۔

''حالانکہ مجھے لگا تھا کہ میں نہیں روؤں گی۔میں پہلے بچے کے لیے ایسے نہیں روئی تھی۔اس کی دفعہ میں اپنے غم سے روئی تھی۔ مجھے اولاد چاہیے تھی۔لوگ کیا کہیں گے کہ ماہی ماں نہیں بن سکی۔کہیں عباد دوسری شادی کا نہ سوچے۔کہیں میں ساری عمر بے اولاد نہ رہ جاؤں۔''وہ سلاخیں پکڑے کھڑی اس کو دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

"لیکن اس دوسرے بچے کے لیے میں ایک عمر روتی رہی۔وہ مجھے ہمیشہ یاد رہتا ہے۔حورعین کو کھانا کھلاتے، اس کے کپڑے خریدتے، مجھے اپنا وہ دوسرا بچہ ہمیشہ یاد آجاتا ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے پنجوں کے بل نیچے بیٹھتی گئی۔اب وہ اس کے عین سامنے تھی۔

"جانتے ہو کیوں؟"

چند لمحے ہوا ساکن رہی۔

" کیونکہ میں نے اسے دیکھ لیا تھا۔"

زیاد نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ آنسوؤں سے بھرا چہرہ لیے کہہ رہی تھی۔

"اس مردہ فیٹس کو دفنانے سے پہلے انہوں نے مجھے وہ دکھا دیا تھا۔وہ چند ماہ کا تھا۔ بہت چھوٹا۔لیکن اس کا جسم بنا ہوا تھا۔اور جب میں نے اسے دیکھ لیا تو وہ مجسم ہو گیا۔وہ میرے دل میں کھب گیا۔"اس نے بند مٹھی دو بار سینے پر ماری۔

''سارا مسئلہ اس نظر کا ہے،زیاد۔ جو اس میں سما گیا،وہ دل سے نہیں نکل سکتا۔''

زیاد آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہیں بچے نہیں چاہیے تھے۔مالا نے مجھے بتایا تھا۔پھر جب اس نے ابارشن کروایا تو تم خوش تھے، یہ بھی جانتی ہوں۔''

وہ رکی۔

''لیکن اس نے ابارشن نہیں کروایا تھا۔''

زیاد نے چونک کر اسے دیکھا۔ کندھے سیدھے ہوئے۔

''مالا نے جھوٹ بولا تھا۔ مجھے اس کے کمرے سے یہ ملا ہے۔'' اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ ایک سفید لفافہ۔

"اسے ڈر تھا کہ تم اس کے بچے کو مار دو گے۔ کیونکہ تمہیں بچے نہیں چاہیے تھے۔"

وہ ایک لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکا۔ پھر گہری سانس لی۔

"یعنی وہ اب بھی پریگننٹ ہے؟ اور تمہیں لگتا ہے یہ سن کے میں تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتا دوں گا؟" اس کے انداز میں کچھ نہ تھا۔ کوئی رحم نہیں۔ کوئی خوف نہیں۔

" کیا تم اب بھی اسے مرنے دو گے؟"

زیاد سلطان نے دھیرے سے شانے اچکا دیے۔ اس کے چہرے پہ کچھ بدلا تھا لیکن جب وہ بولا تو آواز ہموار تھی۔

''مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے۔ لیکن مجھے اس کے مرنے کا کوئی افسوس نہیں ہوگا۔'' اس نے چہرہ پھیر لیا۔ اب وہ سرمئی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

''میں جانتی ہوں۔ تم یہی چاہو گے کہ مالا کے ساتھ وہ بھی مر جائے۔ اسی لیے میں تم سے مالا کی لوکیشن نہیں پوچھوں گی۔ میں تمہیں صرف اس اذیت میں ڈالنے آئی ہوں جس میں تمہاری ماں نے مجھے ڈالا تھا۔'' اس نے لفافے سے ایک ننھا سا کارڈ نکالا اور اس کی طرف سلائیڈ کیا۔ زیاد چونکا۔ پھر اس نے کارڈ اٹھایا۔ اور اسے الٹا کے دیکھا۔

اگلے ہی لمحے اس کا سانس رک گیا۔

وہ ایک سیاہ سفید تصویر تھی۔

گیارہ ہفتے کا فیٹس۔

ایک ننھا سا بے بی جو اپنا سر اپنے پیروں میں دیے ہوئے تھا۔

اس کی آنکھیں اس تصویر پر جم گئیں۔

سانس تھم گیا۔

ساری دنیا رک گئی۔

سارا مسئلہ اس نظر کا تھا۔

جو اس میں سما گیا۔

وہ دل سے نکل ہی نہ سکا۔

چند منٹ بعد ماہ بینہ مبین باہر آئی تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔

''یہ مالا اور ہلال کی لوکیشن ہے۔ وہ ایک فریزنگ یونٹ میں ہیں۔ اور ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں وہ مر جائیں گی۔''

"یہ جگہ یہاں سے دور ہے۔ ہمیں لوکل پولیس کی مدد لینی ہوگی۔" وکرم وہ کاغذ لیے تیزی سے ایک طرف بھاگا۔

اور وہ جہاں تھا، وہیں کھڑا رہ گیا۔

''اس نے تمہیں بتا دیا؟''

ماہی نے بھیگے چہرے کے ساتھ شانے اچکائے۔

''ایک تصویر ہزار الفاظ پہ بھاری ہوتی ہے، ماہر بے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جالی سے سر ٹکائے، نیم وا پلکوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

دروازہ بند تھا۔

فریزر کی یخ بستہ ہوا میں ہلال کے الفاظ منجمند ہو گئے تھے۔

اب ہر طرف خاموشی تھی۔

مالا نے پلکیں جھپکائیں۔

اس نے شور سنا تھا۔

کوئی آ گیا تھا۔

دروازہ اب ٹوٹ رہا تھا۔

بہت سے لوگ اندر داخل ہوئے تھے۔ ساتھ ہی سورج کی تیز روشنی بھی آئی تھی۔

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

کوئی اسے بازوؤں سے اٹھا رہا تھا۔

پھر پلکیں جھپکائیں۔

اب کوئی اسے اسٹریچر پر لٹائے آگے بڑھ رہا تھا۔ اسے آسمان نظر آ رہا تھا۔ درخت۔ اونچے درخت اور ان کے درمیان سے جھانکتا آسمان۔

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

اب اسے سفید چھت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ہسپتال کے کمرے میں تھی اور اس کے جسم سے نالیاں لگی تھیں۔

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

سرد رات ختم ہو چکی تھی۔

ایک روشن دن طلوع ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید کے لیے وہ دن عام نہ تھا۔ وہ ڈرائیو اس کی زندگی کی سب سے طویل ڈرائیو تھی۔

راستے میں کار فون سے اس کو سب معلوم ہوتا رہا تھا۔

لوکل پولیس پہنچ چکی ہے۔

ان کو فریزنگ ٹرک مل گیا تھا۔

وہ دونوں زندہ تھیں۔

انہیں ہسپتال لے جایا گیا تھا۔

مطلوبہ ہسپتال تک کا راستہ پل صراط کے جیسا تھا۔

راستے میں بارش شروع ہو چکی تھی۔ کار کے وائپرز بار بار چل رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ بار بار ناک سے گیلی سانس کھینچتا۔

اتنے برس سے وہ کہتا آ رہا تھا کہ ہلال زندہ ہے۔ کوئی اس کا یقین نہیں کرتا تھا۔

آج وکرم نے کال پہ بتایا تھا کہ اس کی بہن ہلال واقعی زندہ تھی۔ اور اسے آج خود بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہ کار پارکنگ میں روک کے تیزی سے باہر بھاگا۔ ہسپتال کی عمارت میں داخل ہونے تک بارش نے اسے بھگو دیا تھا۔ لیکن آج اسے پرواہ نہ تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ ایک طرف پولیس آفیسرز دکھائی دے رہے تھے۔ وہ ان کی جانب بھاگا۔ یقیناً ہلال بھی وہیں کہیں ہوگی۔

''ماہر...'' وہ چونک کر پلٹا۔

وہ مالا تھی۔ وہ مخالف سمت ایک دوسرے کاریڈور میں کھڑی تھی۔ اس نے ہسپتال کا لباس پہن رکھا تھا۔ بال پونی میں بندھے تھے۔ اور ہاتھ کی پشت پر آئی وی لگی تھی۔

مالا کو دیکھ کے بہت کچھ یاد آیا۔ اس نے تھوک نگلا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' پھر بے چینی سے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ کسی اور سے ملنے آیا تھا۔

''ماہر میری بات سنو۔'' وہ تیزی سے اس کے قریب آئی۔ اس کے انداز میں کچھ تھا۔ بے چینی۔ پریشانی۔

''ہلال... ہلال کہاں ہے؟'' اس کی آواز کپکپائی۔ وہ دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔

''وہ ٹھیک ہے۔ وہ اندر ہے۔ مگر پہلے بیٹھ کے میری بات سنو۔'' وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس کا انداز... کچھ پریشان سا تھا۔

''میں تم سے بات کروں گا۔ لیکن بعد میں۔ مجھے ہلال کو دیکھنا ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ اس کے راستے میں کھڑی تھی۔ وہ اسے سامنے سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔

''پہلے میری بات سنو۔'' اس نے اپنا بازو دیوار پر رکھ دیا تاکہ وہ گزر نہ سکے۔

''بعد میں۔'' وہ تیزی سے دوسری طرف سے نکل گیا۔ وکرم اس طرف تھا۔ ایک کمرے کے باہر۔ اسے دیکھ کے سر کو خم دیا اور اس کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

''ماہر...'' وہ بے بسی سے اس کی طرف گھومی۔ لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔ آج اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔

اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو ساری دنیا جیسے رک گئی۔

ماہر فرید نے کئی برس اس منظر کا تصور کیا تھا۔ کسی دن وہ ہسپتال کے کمرے کا دروازہ کھولے گا اور ہلال اسے کسی بستر پر لیٹی دکھائی دے گی۔ پٹیوں سے جکڑا وجود ہوگا۔ یا شاید... وہ کسی سرد خانے میں داخل ہوگا اور وہ اس کے سامنے ایک لاش سے کپڑا ہٹائیں گے۔ اور وہ ہلال کا چہرہ ہوگا۔

لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ نہ وہ زخمی تھی نہ اس کے چہرے پر کوئی نشان تھا۔

وہ بستر پر بھی نہیں لیٹی تھی۔ وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی باہر آنکھیں جمائے ہوئے تھی۔ گھنگریالے بال کھلے تھے۔

وہ بڑی ہو گئی تھی۔ لمبی بھی۔ کمزور بھی لیکن زیادہ خوبصورت بھی۔

وہ ہلال ہی تھی۔ بیربل اور اس کی لالی۔

''ہلال۔''اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

''ماہر بھائی۔''ہلال نے چونک کر گردن موڑی۔

وہ تیزی سے اس تک آیا۔وہ رو رہا تھا۔وہ ہنس رہا تھا۔اس نے اسے گلے سے لگایا۔کیا وہ واقعی ہلال تھی؟

وہ یقین کرنا چاہ رہا تھا کہ یہ اس کی ہلال ہے۔

وہ اس سے الگ ہوا۔وہ وہی تھی اور وہ مسکرا رہی تھی۔

یہ اس کی ہلال تھی۔وہ زندہ تھی۔وہ ٹھیک تھی۔اب وہ اس کے ہاتھ چوم رہا تھا۔منظر بار بار اس کے آنسوؤں سے دھندلا جاتا۔وہ ہنس رہا تھا۔وہ رو رہا تھا۔

''ماہر بھائی...''وہ مسکرا رہی تھی۔پھر اس نے اپنا دایاں ہاتھ نرمی سے ماہر کی گرفت سے نکالا۔

ماہر نے بھیگی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

آنسوؤں کی دھند درمیان میں حائل تھی۔

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

منظر قدرے واضح ہوا۔ہلال مسکرا رہی تھی۔

لیکن...

لیکن کچھ غلط تھا۔

''ماہر بھائی... یہ آپ ہو؟''وہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کے چہرے کو چھو رہی تھی۔

وہ اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔

اس کی آنکھیں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔

وہ منجمند ہو گیا۔

''You have a beard now.''وہ مسکرا کے دوسرے ہاتھ سے اس کے ماتھے کو ٹٹول رہی تھی۔

اس کی آنکھیں...

اس کی بھوری خوبصورت آنکھیں خلا میں دیکھ رہی تھیں۔

اس کی آنکھیں بے نور تھیں۔

وہ کرنٹ کھا کے پیچھے ہٹا۔

کسی نے اس کا دل الٹی چھری سے ذبح کر دیا تھا۔

ہلال دیکھ نہیں سکتی تھی۔

اس کی کنپٹی کے قریب ایک زخم کا مندمل سا نشان تھا۔

ہلال... اندھی ہو چکی تھی۔

وہ قدم قدم پیچھے ہٹتا گیا۔

بے یقینی سے۔خوف سے۔

ہلال دائیں بائیں ہاتھ کرتی، اسے ڈھونڈنا چاہ رہی تھی۔ایک سفید چھڑی اس کے ساتھ رکھی تھی۔

وہ پیچھے ہٹتا گیا یہاں تک کہ وہ دیوار سے جا لگا۔اس کی آنکھیں ساکت تھیں۔

"ماہر بھائی؟ آپ کہاں ہو؟"

وہ پوچھ رہی تھی۔گردن دائیں بائیں گھماتی۔

وہ کسی مجسمے کی طرح دیوار سے لگا تھا۔

اس کی ساری دنیا بے نور ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باہر کاریڈور میں ایک بنچ پہ بیٹھی مالا نے افسوس سے اس کمرے کے بند دروازے کو دیکھا تھا۔

''اسے میری بات سننی چاہیے تھی۔'' وہ ساتھ بیٹھی ماہی سے کہہ رہی تھی جو اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔

''یہ کیسے ہوا؟''

''اسے زیاد نے چھت سے دھکا دیا تھا۔اس کی جان بچ گئی لیکن اس کی آنکھیں ڈیمیج ہوئی تھیں جس کے باعث اس کی بصارت چلی گئی۔جو آنکھیں اب ہیں، وہ پروسٹھیٹک آئی بالز ہیں۔وہ بظاہر دیکھنے میں ٹھیک لگتی ہیں لیکن وہ بے نور ہیں۔''

''ماہر کے پاس اتنا پیسہ ہے۔وہ اس کا علاج کروا لے گا۔شاید اس کو کوئی آنکھیں ڈونیٹ کر دے تو.....'' ماہی نے امید باندھنے کی کوشش کی۔

''اس کے نابینا پن کا کوئی علاج نہیں ہے' ماہی۔ دنیا کی ساری دولت بھی اس کی آنکھیں واپس نہیں لا سکتی۔چھت سے گرنے کے باعث اس کی آنکھوں میں نوکیلی چیزیں چبھ گئی تھیں۔آنکھ کا اسٹرکچر ختم ہو چکا

ہے۔آپٹک نرو ڈیمیج ہو چکی ہے۔''

''اگر وہ دیکھ نہیں سکتی تو اس نے وہ ڈرائینگز کیسے بنائیں جو پولیس کو زیادکی بیسمنٹ سے ملی تھیں؟''

''چونکہ وہ ایک زمانے میں دیکھ سکتی تھی اور وہ آرٹ بناتی تھی، سو اس کے ہاتھ کام کرتے ہیں۔ دنیا میں بہت سے بلائنڈ آرٹسٹ اور پینٹرز ہوتے ہیں، ماہی۔ وہ بھی انہی کی طرح تھی۔'' وہ بار بار اس بند دروازے کو دیکھتی تھی۔

"اور تم؟" ماہی نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم ٹھیک ہو؟"

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ اور میرا بے بی بھی۔"

ابھی ماہی کے دوسرے سوال بھی شروع ہونے تھے لیکن اس میں ان کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔

" کشمالہ مبین؟"

کسی نے اسے پکارا تو وہ پلٹی۔ پیچھے سفید سوٹ میں ملبوس ڈاکٹر کھڑی تھی۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔''

وہ اس کے پیچھے چلتی اس کے آفس تک چلی آئی۔ اور سفید دروازے بند کر دیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہلال کے کمرے میں وہ ابھی تک دیوار سے لگا کھڑا تھا۔ اور وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی اس کو پکار رہی تھی۔

پھر وہ وہیں نیچے بیٹھ گیا۔ اور سر گھٹنوں میں دے کر ایک دم رونے لگا۔

وہ سفید چھڑی سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ پھر پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی۔ ہاتھوں سے اسے ٹٹولا۔ وہ سر جھکائے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"ماہر بھائی؟" اس نے نرمی سے اس کا کندھا چھوا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

ماہر نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اٹھایا۔

''تم مجھے دیکھ نہیں سکتیں، لالی۔ تم مجھے کبھی نہیں دیکھ سکو گی؟'' وہ بے یقین تھا۔ قسمت اس کے ساتھ ایسا مذاق کیسے کر سکتی تھی؟

ہلال نے اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔

''جو میں دیکھ سکتی ہوں، وہ کوئی نہیں دیکھ سکتا۔''

ماہر نے اپنے بازو اس کے گرد پھیلا دیے۔ وہ زمین پر بیٹھے بیٹھے اس کے گلے لگ گئی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی بے نور آنکھیں دور کہیں کسی منظر نامے پہ جمی تھیں۔ اور وہ اس کے گھنگریالے بالوں میں چہرہ چھپائے رو رہا تھا۔

وہ اس کا چھوٹا بھائی تھا۔

اور وہ اس کی بڑی بہن تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک ہفتے بعد۔

ماہر نے کار سڑک کنارے بنے پارکنگ ایریا میں روکی۔ پھر باہر نکلا اور متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھا۔

وہ اسے جلد ہی دکھائی دے گئی۔

اس خالی احاطے کے سرے پہ وہ ایک بنچ پر بیٹھی تھی۔ اس کی ماہر کی جانب کمر تھی۔ بال کھلے تھے اور وہ گردن اٹھائے روشن آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ گھاس پہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اوپر دیکھ رہی تھی۔ مالا کے عین سامنے ایک باڑ بنی تھی اور اس کے پار ایک کھلے سبزہ زار میں بہت سے رن وے بنے تھے۔ وہ ائیر پورٹ کا احاطہ تھا۔ جہاز اتر رہے تھے۔ جہاز اڑ رہے تھے۔ جہاز فضا میں تیر رہے تھے۔

"تمہیں plane landings اچھی لگتی ہیں؟" وہ اس کے قریب بنچ پہ بیٹھا۔ مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر اسی مسکراہٹ کے ساتھ شانے اچکا دیے۔

"بہت۔ میں اکثر یہاں آتی ہوں۔" پھر دائیں بائیں گردن گھمائی۔ "اکثر لوگ اپنے بچوں کے ساتھ یہاں آتے ہیں۔ آج کوئی نہیں ہے۔"

زیاد جیل میں تھا۔ سرکار مر چکی تھی۔ اور اس کے چہرے کے تینوں دانے اس ایک ہفتے میں غائب ہو چکے تھے۔

وہ بالآخر پرسکون لگ رہی تھی۔

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ وہ سر جھکائے جوتے سے گھاس کے تنکے کو مسلتا رہا۔ اس کا چہرہ ایک ہفتے پہلے

پولیس اسٹیشن میں رات گزارنے والے ماہر فرید سے بہتر لگ رہا تھا۔ بظاہر تازہ دم۔ صاف لباس۔ تراشیدہ شیو۔ لیکن اس کی آنکھیں ویران تھیں۔

''تم نے مجھے نہیں بتایا کہ سرکار کون تھی۔ بدر کون تھا۔'' وہ بولا تو اس کی آواز میں کرب تھا۔ ''تم نے مجھ پہ اعتبار کیوں نہیں کیا؟''

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں تم پہ اعتبار نہیں کرتی' ماہر۔ اور یہ بھی کہ میں تمہیں سب نہیں بتاؤں گی۔"

وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔ دور سے ایک جہاز گڑگڑاتی آواز کے ساتھ ان کی طرف آ رہا تھا۔

"تم بتا سکتی تھیں۔"

''جیسے تم بتا سکتے تھے جب تم لاہور آئے تھے۔'' اس نے چہرہ موڑ کے ماہر کو دیکھا۔ ''اب تمہیں معلوم ہوا ماہر فرید کہ کسی کو دھوکہ دینا کیسا ہوتا ہے؟''

ماہر نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ کوئی ملال نہ تھا۔

"چلو.... ہمارا حساب برابر ہوا۔ لیکن...." اس کی آواز میں گلہ در آیا۔ ''تم مجھ پہ بھروسہ کر سکتی تھیں۔''

"تم نے کبھی ہمارے درمیان بھروسے کا رشتہ بننے ہی نہیں دیا۔ پھر میں کیسے تم پہ بھروسہ کرتی؟" وہ سامنے دیکھنے لگی۔ وہ جہاز عین ان کے سروں کے اوپر سے گزر کے رن وے کی طرف چلا گیا تھا۔

"اپنے بچے کی محبت مختلف ہوتی ہے' ماہر۔ اس میں کچھ حیوانی سا ہوتا ہے۔ مجھے اپنے بچے کو بچانا تھا۔ مجھے معلوم تھا اس کا نتیجہ دو ہی صورتوں میں نکلے گا۔ یا میں مر جاؤں گی۔ یا تم لوگ مجھے ڈھونڈ لو گے اور زیادگرفتار ہو جائے گا۔ مجھے ایسی زندگی نہیں چاہیے تھی جس میں وہ آزاد پھرتا رہے۔"

"وہ تمہیں مار سکتا تھا۔"

"وہ مجھے کبھی نہ مارتا۔ ماہی اسے وہ سب نہ کہتی' تب بھی اس نے ہماری لوکیشن بتا دینی تھی۔ اگر اسے مجھے مارنا ہوتا تو گولی مار دیتا۔ اتنی لمبی مہلت نہ دیتا۔ اسے امید تھی کوئی ہمیں بچا لے گا۔" دور سے جہاز کا شور سنائی دینے لگا۔ مالا نے سر اٹھایا۔ شمال سے ایک نیلا جہاز اس طرف آ رہا تھا۔

''مجھے تمہارے اوپر بہت غصہ ہے' مالا۔'' وہ دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''تم نے مجھ پہ بھروسہ نہیں کیا۔ تم نے مجھ سے سچ چھپایا۔ میں اس کے لیے شاید تمہیں کبھی معاف نہ کر سکوں۔''

جہاز عین ان کے سر پر سے گزر رہا تھا۔ اتنا بڑا۔ اتنا قریب۔ ہوا سے اس کے بال پیچھے کو اڑنے لگے۔ وہ

مسکرا دی۔

''لیکن میں تمہارا احسان مند بھی ہوں۔تم نے ہلال کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈالی۔''

جہاز زن سے بنچ پہ بیٹھے دو نفوس کے اوپر سے گزرا اور سیدھا رن وے پہ جا کے اترا۔

''یاد ہے میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔لاہور میں۔''

''مجھے یاد ہے۔''ایک دوسرے جہاز کی آواز پہ بے اختیار اس نے گردن موڑی۔آنکھوں میں اشتیاق اور ایکسائٹمنٹ تھی۔دل جوش سے بھر گیا تھا۔اسے لگا تھا وہ بہت عرصے بعد خوش ہوئی تھی۔

''اگر تم ہلال کی مدد کرو گی' تو تم مجھے خرید لو گی۔تم بدلے میں مجھ سے جو مانگو گی' میں دوں گا۔''وہ رکا اور تنبیہہ میں ابرو اٹھائی۔''سوائے معافی کے۔میں تمہیں اس چیز کے لیے معاف نہیں کروں گا۔''

جہاز اتر گیا تو اس نے مسکرا کے ماہر کو دیکھا۔

''مجھے تمہاری معافی چاہیے بھی نہیں۔''

وہ بھی ہلکا سا مسکرا دیا اور سر جھٹکا۔

''اگر تمہیں کچھ چاہیے....''

''مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے' ماہر۔میں نے کہا تھا نا' بنا مانگے تم میری مدد نہیں کرو گے۔اور مجھے خوشی ہے کہ تم نے زندگی میں پہلی دفعہ میری بات مانی۔''

ماہر چپ ہو گیا۔چند لمحے وہاں خاموشی چھائی رہی۔ائرپورٹ کی فضا بھی ساکن رہی۔جیسے سارے جہاز یہاں کا راستہ جیسے بھول بیٹھے ہوں۔

''ہلال کیسی ہے؟''اس نے دھیرے سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔''ماہر نے سر جھکا دیا۔''میں اس کا کیس اس ایک ہفتے میں بہت سے ڈاکٹرز کو بھیج چکا ہوں۔نگینہ سلطان نے مجھ سے پہلے ہر طرح سے ہلال کا علاج کروانے کی کوشش کی تھی۔اس کی مسخ شدہ آنکھوں میں پروستھیٹک آئی بالز تک لگوا دیے تھے۔اب کچھ نہیں ہو سکتا۔زیادہ سلطان نے جو ظلم میرے ساتھ کیا ہے' اس کا کوئی مداوا نہیں ہو سکتا۔''

''اور بیربل؟تم نے اسے بتایا؟''

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔وہ اب سر جھکائے جوتے سے گھاس مسل رہا تھا۔

"جب مالک کو معلوم ہوا کہ نگینہ سلطان کے ساتھ سفر کرنے والی بچی کی پروستھیٹک آئیز تھیں، یعنی وہ نابینا تھی، تو اس نے مجھے نہیں بتایا۔ ویسے ہی میں نے ابھی بیربل کو نہیں بتایا۔ تاکہ اس کی تکلیف کے دن کم ہوں۔ واپس جا کے بتاؤں گا۔"

"واپس؟" وہ چونکی۔ ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"میں ہلال کو لے کر استنبول جا رہا ہوں۔ سرکار مر چکی ہے۔ زیاد جیل میں ہے۔ میں واپس جا کے گرفتاری دے دوں گا۔"

اور تب اسے یاد آیا۔ وہ استنبول میں پولیس کو مطلوب تھا۔

اس کے تاثرات دیکھ کے وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "ڈونٹ وری۔ میں چند دن میں باہر آ جاؤں گا۔ میری وکیل بہت اچھی ہے۔"

"اور تمہارے پاس اتنا پیسہ ہے کہ تم جج خرید سکو۔" وہ مسکرا کے شانے اچکا کے رہ گیا۔

"اور تم؟ تم کیا کرو گی؟"

اب کے اس نے غور سے مالا کو دیکھا۔

وہ اب گردن اٹھائے آسمان کو اشتیاق سے دیکھ رہی تھی۔ افق سے ایک زرد رنگ کا جہاز طلوع ہو رہا تھا۔

"میرا اسائلم کیس مزید مضبوط ہو گیا ہے۔ میرا وکیل خوش ہے۔ مجھے جلد پی آر مل جائے گا اور چند سال بعد نیشنیلٹی۔ باقی مسئلے بھی میں ہینڈل کر لوں گی۔" وہ مسکرائی۔ وہ جانتی تھی کہ اسے اپنا اسائلم کیس مضبوط کرنے کے لیے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ اس کو اپنے شوہر سے جان کا خطرہ ہے۔ اور یہ بات اب پتھر پہ لکھی جا چکی تھی۔

"کیا تم زیاد سے ملیں؟"

"نہیں۔ اس نے کسی سے بھی ملنے سے انکار کر دیا ہے۔ اس کی ماں نے مرنے سے پہلے ایک خط چھوڑا تھا جس میں اس نے ہلال کے اغوا کی ذمہ داری لی تھی۔ اور اپنے بیٹے کو بری الذمہ قرار دیا تھا۔ اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے سے کہا ہے کہ وہ اسے euthanize کر دے۔ (یعنی اس کو مار کے زندگی کی اذیت سے بچا لے)"

"جانتا ہوں۔ تمہیں لگتا ہے وہ جلد رہا ہو جائے گا؟"

"زیاد نے ہماری لوکیشن پولیس کو بتا دی تھی۔ پھر اس کی ماں کا خط۔ ہاں۔ وہ چند سالوں میں رہا ہو جائے

گا۔لیکن اس کے وکیل نے مجھے کہا ہے کہ زیادمیرے بچے سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔اور وہ اس کی ذمہ داری نہیں لے گا۔"

"اور؟" وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور وہ آسمان کو۔

"اس نے مجھے طلاق دینے سے انکار کیا ہے۔لیکن پاکستان میں ہمارا کیس چل رہا ہے۔اس کے پیش نہ ہونے کی وجہ سے چند دن میں مجھے خلع مل جائے گی۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔چند دن بعد وہ زیاد سلطان سے آزاد ہوگی۔اور بچے کی پیدائش کے بعد اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔

"اور ماہی؟ وہ تم پہ غصہ ہے؟"

اس نے آنکھیں کھولیں۔دنیا زیادہ خوشگوار لگ رہی تھی۔

"نہیں۔وہ بس یہ سمجھتی ہے کہ میں اس بچے کو دنیا میں لا کے غلطی کر رہی ہوں۔" اس نے چہرہ موڑ کے سوچتی نگاہوں سے ماہر کو دیکھا۔

"تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں غلط ہوں۔"

اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"تمہیں یہ حق نہیں ہے مالا کہ تم باپ کے جرم کی سزا اس کے بچے کو دو۔"

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

صفورا' ماہی' ثمر خالہ... سب نے کہا تھا اب بھی وقت ہے۔وہ اس بچے کو ختم کر دے۔لیکن وہ پہلا انسان تھا جس نے اس کے فیصلے کا ساتھ دیا تھا۔

اتنے عرصے بعد پہلی دفعہ اسے ماہر فرید برا نہیں لگا تھا۔

''تم اس سرد ملک میں کیوں رہنا چاہتی ہو؟'' وہ اب سامنے دیکھ رہا تھا۔دور سے ایک جہاز اڑتا ہوا ان کی طرف آ رہا تھا۔

''تم استنبول آ سکتی ہو۔تم وہاں بھی اپنی نئی زندگی شروع کر سکتی ہو۔''

مالا نے گردن موڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے استنبول کی امید پر اپنی نئی زندگی نہیں شروع کرنی' ماہر۔مجھے اپنے اور اپنے بچے کے لیے اپنی زندگی شروع

کرنی ہے۔"

وہ کیا کہہ رہی تھی، وہ سمجھ سکتا تھا۔ وہ ابھی تک زیاد کی بیوی تھی۔ اور وہ اس سے طلاق کسی دوسرے مرد کی امید پہ نہیں لے رہی تھی۔ یاسمین درست کہتی تھی۔ اسے مالا کی زندگی سے نکل جانا چاہیے تھا۔ وہ ایک طلاق کے ٹراما سے گزرتی لڑکی کو کنفیوژ نہیں کر سکتا تھا۔

"کیا تم ہمیں سی آف کرنے آؤ گی؟" وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

اس ایک لمحے میں مالا کے اس شخص سے سارے گلے شکوے دور ہو گئے۔ وہ صرف ایک بھائی تھا جس کو اپنی بہن کی تلاش تھی۔ اس نے جو کچھ کیا، اپنی بہن کے لیے کیا۔ جیسے اس نے جو کچھ کیا، اپنے بچے کے لیے کیا۔

"میں آؤں گی۔" وہ ہلکا سا مسکرائی۔

"اور اگر.... "وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ "کبھی میں تمہیں ٹیکسٹ کروں تو کیا تم جواب دو گی؟"

وہ اپنی امید زندہ رکھنا چاہتا تھا۔

اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں جواب دوں گی۔"

وہ بھی مسکرا دیا۔ شاید یاسمین غلط تھی۔ شاید اسے ایک کوشش کرنی چاہیے۔ ابھی نہیں۔ جب تک وہ زیاد کی بیوی ہے اور وہ اس کیس میں پھنسا ہوا ہے، تب تک نہیں۔ اس کے بعد۔ شاید۔ اگر وہ مختلف حالات میں ملے... تب شاید...

وہ اسے خدا حافظ کہہ کے اب اٹھ گئی تھی۔ ماہر خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ بس اسٹاپ تک جا رہی تھی۔ وہ اسے ڈراپ کرنے کی پیشکش نہیں کر سکتا تھا۔

وہ اس کی وہ مدد قبول نہ کرتی جو اس نے مانگی نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پلین لینڈنگ ایریا سے وہ سیدھی بس اسٹاپ تک آئی تھی۔ اور اس وقت وہ بس میں بیٹھی موبائل اسکرول کر رہی تھی جب خیال آیا۔ کیا لوگ ابھی تک اس کو ٹک ٹاک پہ گالیاں دے رہے تھے؟ اسے وہ ویڈیو مٹا دینی چاہیے۔ اس وقت جوش میں بنا لی۔ اب شرمندگی ہونے لگی۔

اس نے ٹک ٹاک فون سے مٹا دیا تھا۔ اب دوبارہ انسٹال کیا۔ اپنی ویڈیو کھولی۔ شرمندگی بڑھ گئی۔ ہزاروں کمنٹس آ چکے تھے۔ گالیاں۔ باڈی شیمنگ۔ وہ لوگ اس کے اوپر چڑھ دوڑے تھے۔ اف۔ اس نے سر اٹھایا۔ بس

میں موجود سواریاں روبوٹس کی طرح باہر دیکھ رہے تھے۔کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔شکر ہے وہ اس کو نہیں پہچانتے تھے۔

اس نے ڈیلیٹ کا بٹن دبایا۔پھر وہ رک گئی۔لائیکس اور فالوورز کافی بڑھ چکے تھے۔

اس کی انگلی انباکس پر رینگ گئی۔

وہاں بھی میسیجز کی بھرمار تھی۔وہی گالیاں۔وہی باتیں۔اف اتنے ٹاکسک میسیجز۔اس کے سر میں درد ہونے لگا۔سوشل میڈیا شدید ٹاکسک تھا۔وہ اس ایپ کو پھر سے ڈیلیٹ کر دے گی۔میسیجز پہ اس کی انگلی نیچے جا رہی تھی۔یہ لوگ جو اس کو اتنے ہفتے سے گالیاں دے رہے تھے' وہ نہیں جانتے تھے کہ چند دن پہلے وہ ایک فریزنگ یونٹ میں تھی۔وہ مرنے والی تھی۔اگر وہ مر جاتی تو یہی لوگ اس کو femicide victim قرار دے کر اس کے لیے شمعیں جلاتے۔دورخ والے منافق۔

اس کا ہاتھ ٹھہر گیا۔

ایک میسیج مختلف تھا۔

"میری ایک ماہ بعد شادی ہے اور مجھے موٹا نہیں لگنا۔کیا آپ میری تصویریں کھینچ سکتی ہیں جیسے اس موٹی لڑکی کی کھینچی تھیں؟"

وہ بالکل ساکت ہو گئی۔اور پھر اس کی آنکھوں نے میسیجز کو اسکین کرنا شروع کیا۔جیسے ریت سے سیپ چنتے ہیں۔

''میری ناک درست نہیں۔''

''میرے شوہر کا قد مجھ سے چھوٹا ہے لیکن وہ تصاویر میں لمبا لگنا چاہیے۔''

''آپ جو پیسے مانگیں گی میں دوں گی۔میں پریگننٹ ہوں لیکن میری شادی کی پکچرز ایسی ہوں کہ انڈیا بھیجوں تو پریگننٹ نہ لگوں۔''

میسیجز ہی میسیجز۔وین کوور اور کینیڈا کے دوسرے شہروں کے کتنے ہی لوگوں کے میسیجز تھے۔

اِن سیکیورٹیز کا شکار خوفزدہ لوگ۔وہ تصاویر میں وہ لگنا چاہتے تھے جو وہ حقیقت میں نہیں تھے۔اور اگر لوگوں کی انسیکیورٹیز اس کے bills پے کر سکتی تھیں' جیسے پلاسٹک سرجنز اور میک اپ آرٹسٹ کے کرتی ہیں' تو اس کی آراء اور دلیوز ایک طرف چلے جانے چاہیے تھے۔اسے اس سرد ملک میں سروائیو کرنا تھا۔اسے اپنا بچہ پالنا تھا۔

وہ تلخی سے مسکرا دی۔ اور اس کی انگلیاں تیزی سے کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوموار کی صبح وہ مسکراتے ہوئے جے پی کے دروازے کی بیل بجا رہی تھی۔ وہ نکلی تو اس کا چہرہ حیران تھا۔

''مالا؟ تم اس وقت؟'' پھر جے پی کے چہرے پہ شرمندگی اتری۔ ''آئی ایم سو سوری جو تمہارے ساتھ ہوا۔''

''نیور مائنڈ۔ یہ رہے تمہارے پیسے۔'' اس نے ایک پھولا ہوا لفافہ اس کی طرف بڑھایا جس میں زیادہ تعداد ان نوٹوں کی تھی جو اس انڈین دلہن نے دیے تھے جو وقت سے پہلے پریگننٹ ہو چکی تھی۔ اور اسے اپنی شادی کی تصاویر سارے خاندان کو انڈیا میں بھیجنی تھیں۔

''اب تم اس عورت کے ساتھ سیٹل منٹ کر سکتی ہو۔ باقی میں تمہاری جاب چھوڑ رہی ہوں۔ مجھے باریستا بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ایک دوسرا کیریئر چن لیا ہے۔'' وہ تمتماتے چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ وہ آزاد تھی۔ وہ بالآخر آزاد تھی۔

جے پی نے لفافہ تھامنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھائے۔ اس کے چہرے پہ ندامت تھی۔

"مالا تم رہنے دو پلیز۔ تم پہلے ہی اتنے پرابلم سے گزری ہو۔ پھر تم پریگننٹ ہو۔"

''میں جانتی ہوں تمہیں کیف جمال نے یہ کرنے کو کہا تھا۔ لیکن خیر۔ یہ میری غلطی تھی۔ میری وجہ سے ایک عورت سلپ ہوئی۔ سو مجھے پیسے دینے ہیں۔ اب تمہارا میرا معاملہ ختم۔'' اس نے جتا کے کہتے ہوئے لفافہ دوبارہ بڑھایا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے مالا۔ آگے تمہارے بہت اخراجات ہوں گے۔ اس ملک میں بچہ پالنا آسان نہیں ہے۔'' اس نے اس کا ہاتھ واپس پلٹا دیا۔

کشمالہ ٹھہر گئی۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"لیکن جے پی... تم نے اس عورت کو پیسے دینے ہیں نا۔ تو یہ اس کو دے دو۔ بات ختم۔"

جے پی نے نگاہیں جھکا لیں۔ جے پی پیسے کیوں نہیں لے رہی تھی؟

وہ ٹھہر گئی۔ ایک دم جیسے دماغ میں جھماکہ ہوا۔

''کسی نے تمہیں پہلے ہی ادائیگی کر دی ہے۔ ہے نا؟'' وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔

"مالا..." جے پی نے خشک ہونٹوں پہ زبان پھیری۔

''کوئی میری جگہ پیسے ادا کر چکا ہے۔ اسی لیے تم نے اتنے دن سے اصرار نہیں کیا۔''

اس کے جسم کا سارا خون آنکھوں میں اتر آیا تھا۔

"کس نے دیے ہیں پیسے؟ کس نے؟" وہ لفافے بھینچے بلند آواز میں پوچھ رہی تھی۔

گو کہ اسے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جانتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر گیلے بال تولیے سے رگڑتا کمرے سے نکلا ہی تھا جب ڈور بیل بجی۔ اور اگلے ہی لمحے دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ جیسے کوئی اپنی مٹھی اس پہ مار رہا ہو۔ وہ چونکا۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔ تولیہ ایک طرف اچھالا اور سیدھا دروازے تک آیا۔ میجک آئی سے باہر جھانکا۔ اس کا چہرہ دیکھ کے تعجب ہوا۔

''مالا؟ سب خیریت ہے؟''

دروازہ کھولا تو دیکھا... وہ سرخ چہرہ لیے چوکھٹ میں کھڑی تھی۔

''تم خود کو کیا سمجھتے ہو؟ بہت پیسہ ہے تمہارے پاس؟'' اس نے دونوں ہاتھوں سے ایک لفافہ اس کے سینے پہ اچھالا تھا۔ وہ بے اختیار دو قدم پیچھے ہوا۔ ایک نظر ان نوٹوں کو دیکھا جو لفافے سے نکل کے بکھر گئے تھے۔ اور پھر اس کے چہرے کو۔

اس کے گال گلابی اور آنکھیں گیلی تھیں۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ منع کیا تھا کہ تم میری زندگی میں مداخلت نہیں کرو گے۔'' وہ دبا دبا سا چلا رہی تھی۔

''بیٹھ کے کرتے ہیں۔'' اس نے نرمی سے کہنا چاہا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔

''تم نے پھر سے وہی کیا جو تم کرتے آئے ہو۔ تم نے پھر سے اپنا پیسہ استعمال کیا۔ تم سمجھتے کیا ہو خود کو؟''

''کیونکہ تم رو رہی تھیں۔'' وہ دونوں ہاتھ اٹھا کے ایک دم بولا تو اس کی آواز میں بے بسی تھی۔ ''میں تم سے ملنے آیا اور تم رو رہی تھیں۔ باتھ روم کے فرش پہ۔ اور اس میں تمہارا قصور نہیں تھا۔ زیادتی تمہیں اس میں پھنسایا تھا۔''

''اور تمہارا گاڈ کمپلیکس زندہ ہو گیا اور تم نے سمجھا کہ تم مجھے بچا لو گے؟'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں میری اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آئی، ماہر فرید؟ تمہیں میری خواہش کا ذرا سا احترام نہیں آیا؟"

"پھر تم کیا کرتیں؟" اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

"جو بھی کرتی، میں تمہارے پاس پیسوں کے لیے نہ آتی۔" وہ دکھ سے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔

"میں تمہیں آزما رہی تھی۔ میں دیکھنا چاہ رہی تھی کہ تم وہی ہو یا بدل گئے ہو۔ لیکن تم نے وہی کیا جو تم ہمیشہ کرتے ہو۔ تم نے پھر سے مجھے دھوکہ دیا۔"

دروازہ ابھی تک آدھا کھلا تھا۔ چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ وہ چوکھٹ میں کھڑی چند لمحے گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔

''آئی ایم سوری۔'' وہ شکستہ سا بولا۔ گیلے بال اس کی شرٹ کے کندھوں کو بھگو رہے تھے۔

''مجھے تمہاری مدد چاہیے ہوتی تو میں مانگ لیتی۔'' وہ اب کے بولی تو اس کی آواز آہستہ تھی لیکن سانس ہنوز پھولا ہوا تھا۔ ''پیسے میں اپنی بہن سے بھی لے سکتی تھی۔ تم دنیا کے واحد پیسے والے شخص نہیں تھے۔ مگر مجھے یہ پیسے خود کمانے تھے' ماہر۔ مجھے اپنے پیروں پہ کھڑا ہونا تھا۔ اور میں نے وہ کر کے دکھایا۔ مجھے اپنے آپ پہ مان تھا کہ میں کسی مرد کی مدد کے بغیر خود اس مسئلے سے نکل آؤں گی۔ اسی لیے میں نے تمہیں مداخلت کرنے سے منع کیا تھا۔ لیکن تم نے مجھ سے میرا مان بھی چھین لیا کہ میں اپنے بل پہ کچھ کر سکتی ہوں۔ تم نے مجھے یہ احساس دلایا کہ مجھے ہمیشہ ایک مرد کی ضرورت رہے گی۔''

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن نہیں کہہ سکا۔ یاسمین درست کہتی تھی۔ اسے اس مرحلے میں کشمالہ سے دور رہنا چاہیے تھا۔

''تم میری ایک خواہش کا احترام نہیں کر سکے۔'' وہ زخمی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اب بتاؤ میری کیا سزا ہے؟'' وہ شکستگی سے پوچھ رہا تھا۔ اس کا سر درد کرنے لگا تھا۔

''مجھے تمہیں کوئی سزا نہیں دینی۔'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے اور فرش پہ بکھرے کاغذوں کو دیکھا۔ ''یہ رہے تمہارے پیسے۔ اب ہمارا حساب برابر ہوا۔''

پھر وہ رکی۔

وہ جانتا تھا وہ کیا کہنے والی ہے۔ وہ مالا کو بہت اچھے سے جانتا تھا۔

''میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ میں تمہارے کسی میسج کا جواب نہیں دوں گی۔ نہ میں تم سے رابطہ رکھنا چاہوں گی۔ ہلال سے میری طرف سے معافی مانگ لینا۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ جانتا تھا' وہ اس کا اعتبار پھر سے کھو چکا تھا۔

"کیونکہ تم ہمیشہ یہی کرو گے۔ تم میری زندگی اسی طرح کنٹرول کرنے کی کوشش کرو گے۔ تم ہمیشہ اپنے پیسے سے

سب فکس کرنے کی کوشش کرو گے۔اور میں تمہاری ان گیمز سے تھک چکی ہو۔میں تمہاری manipulation سے تھک چکی ہوں۔تم ایک بزنس مین ہو اور رہو گے۔"اس کا دل بری طرح زخمی ہو چکا تھا۔

''ہلال اندر ہے۔وہ سب سن رہی ہے۔بتاؤ میں اسے کیا کہوں گا؟''

''یہی کہ وہ اور بدر ایک دوسرے سے کبھی نہیں ملیں گے۔''

وہ اسے شکوہ کناں نظروں سے دیکھتی پلٹ گئی۔ماہر تیزی سے اس کے پیچھے آیا۔

''مالا....''اس نے پکارا۔''میرا وعدہ قائم ہے۔''

وہ لفٹ کے دروازے کے قریب کھڑی تھی۔چہرہ نہیں موڑا۔

''میں تمہارا مقروض ہوں۔تمہارا احسان ہے میرے اوپر۔تم جب مجھے پکارو گی میں تمہارے لیے آؤں گا۔لیکن تمہارے پکارے بنا نہیں آؤں گا۔''

کشمالہ نے پلٹ کے اسے دیکھا۔اس کے چہرے پہ افسوس بھی تھا اور ملال بھی۔

''اور میں قسم کھا کے کہتی ہوں' ماہر فرید' کہ میں نہ کبھی تمہیں مدد کے لیے پکاروں گی' اور نہ کبھی تمہارے پاس آؤں گی۔تم زندگی میں دوبارہ میری شکل نہیں دیکھو گے۔''

لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ اس کے اندر چلی گئی۔وہ آزردگی سے اسے دیکھے گیا۔وہ بھی بھیگی آنکھوں میں ملامت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

دھاتی دروازے آپس میں مل گئے۔وہ ان کے پیچھے غائب ہو گئی۔

وہ کافی دیر چوکھٹ میں کھڑا رہا۔پھر زور سے دیوار کو ٹھوکر ماری۔اتنے زور سے کہ پیر کا انگوٹھا درد کرنے لگا۔

اور یہ وہ دن تھا جب کشمالہ مبین ماہر فرید کی زندگی سے چلی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چار سال بعد۔

استنبول۔

ائیر پورٹ کے باہر ٹیکسی زکی لائن لگی تھیں۔ایک بوڑھا اہلکار جو وردی میں ملبوس تھا' باری باری قطار میں کھڑے

لوگوں کو arrivals کے دروازے سے نکال کے ٹیکسی میں بٹھا رہا تھا۔

اس نے ایک بوڑھے کپل کو بٹھا کے ٹیکسی روانہ کی۔ پھر چہرہ موڑا تو اب اس لڑکی کی باری تھی جو قطار میں سب سے سامنے کھڑی تھی۔ سن گلاسز بالوں پہ ٹکائے' کانوں میں ایئر پوڈز لگائے' ایک ماتھ سے مسلسل موبائل پہ کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے سلور کیری آن بیگ کا ہینڈل تھام رکھا تھا جس کے راڈ کے ساتھ ڈیزائنر بیگ اٹکا تھا۔ اس نے کہنی تک آتے آستین والا سفید منی کوٹ پہن رکھا تھا اور نیچے ٹخنوں سے ذرا اونچا سیاہ ڈریس تھا جو ہوا کے باعث پھڑ پھڑا رہا تھا۔ پیروں میں سفید ہائی ہیلز تھیں۔

''حانم آفندی....'' اس نے اسے پکارا۔ اس نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں۔ کانوں میں ڈائمنڈز تھے۔ بیگ پر بزنس کلاس کا ٹیگ لگا تھا۔ اس نے ٹیکسی کی طرف اشاری کر دیا۔ وہ شکریہ کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ ڈرائیور نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور اس کا بیگ لے لیا۔ وہ اسی طرح موبائل پہ جھکی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی۔

نوجوان ڈرائیور نے کار سڑک پہ ڈالتے ہوئے بیک مرر میں اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے بال کندھوں تک آتے تھے اور بالکل سیدھے تھے۔ ہلکا میک اپ۔ سیٹ پہ رکھے بیگ کے اندر ایک کیمرہ جھلک رہا تھا۔

''کہاں جائیں گی؟''

''فور سیزنز۔''

وہ خاموشی سے کار ڈرائیو کرنے لگا۔ کار ایئر پورٹ سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔ یہ پون گھنٹے کی ڈرائیو تھی۔

"ہاں۔ ابھی ٹچ داؤن کیا ہے۔" وہ اب کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے فون پہ کسی سے کہہ رہی تھی۔

''نہیں ابھی نہیں۔ مجھے ہوٹل میں چیک ان کرتے ہی کہیں جانا ہے۔ وہاں سے میں تمہارے پاس آجاؤں گی۔ ۴ بجے تک۔" رک کے کچھ سنا۔ ''نہیں مجھے سات بجے تک فری ہونا ہے۔ میری ایک اہم میٹنگ ہے سات بجے۔ میں نے کسی کو وقت دے رکھا ہے۔'' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''ں' کہا نا ابھی مجھے کسی جگہ پہنچنا ہے۔ بہت اہم ہے۔'' سپاٹ لہجے میں کہہ کے فون رکھ دیا۔ اب وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی سبز آنکھوں کے گرد مدھم سی لکیریں تھیں۔ نوجوان ڈرائیور نے آئینے میں اسے دیکھا۔

''آپ سیاح ہیں؟''

''نہیں۔''

''کیا کرتی ہیں؟''

''تمہارا نام کیا ہے؟''اس نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''بلنت۔''

''بلنت، میں فوٹوگرافر ہوں۔الوژن فوٹوگرافر۔''وہ نرمی سے مسکرائی۔

''وہ کیا ہوتا ہے؟''

''فوٹوگرافرز کے جادوگر۔وہ ایسا الوژن کری ایٹ کرتے ہیں جو exist نہیں کرتا۔وہ دکھاتے ہیں جو حقیقت نہیں ہوتی۔''

اس نے نہ سمجھنے کے باوجود اثبات میں سر ہلا دیا۔کار ہوٹل کے سامنے رکی تو وہ جلدی سے بولا۔

''آپ کو کہیں جانا ہے؟''اسے اس کی کال کی تھوڑی بہت سمجھ آئی تھی۔

''ہاں۔میں چیک اِن کر کے آتی ہوں۔تم میٹر آن رکھو بے شک۔''

وہ بے نیازی سے کہہ کے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ہوٹل کے داخلی دروازے پہ ویلے نے اس کا سامان لے لیا تھا۔

وہ پارکنگ میں اس کا انتظار کرتا رہا۔میٹر چلتا رہا۔

قریبا پندرہ منٹ بعد وہ واپس آتی دکھائی دی۔اب اس کے پاس بس وہی ہینڈ بیگ تھا۔وہ واپس پیچھے بیٹھی اور ڈرائیور سے اس کا موبائل مانگا۔پھر اس کے گوگل میپس پہ ایک لوکیشن کھولی۔

''مجھے یہاں جانا ہے۔''

بلنت نے سر ہلایا اور کار سڑک پہ ڈال دی۔یہ لیونت کی ایک عمارت تھی۔

کیف آرکیٹیکچرل فرم۔

کار استنبول کے ونچے نیچے راستوں سے گزرتی رہی۔کئی گلیاں پار کیں۔کئی دکانوں اور قہوہ خانوں کے سامنے سے گزری۔اس شہر کے رنگ ویسے ہی تھے۔وہی خوشبو۔وہی رونق۔وہی قہقہے۔

وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھے گئی۔چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔

کار اس ولانما عمارت کے سامنے رکی تو ڈرائیور نے کارڈ مشین سامنے کر دی۔

''کیا میں آپ کا انتظار کروں؟''

''نہیں۔مجھے دیر ہو جائے گی۔''اس نے کارڈ مشین پہ کارڈ ٹیپ کیا اور اس کو دیکھے بنا باہر نکل آئی۔

سیاہ جنگلے کے سامنے رک کے مالا نے گہری سانس لی۔

("میں قسم کھا کے کہتی ہوں' ماہر فرید' کہ میں نہ کبھی تمہیں مدد کے لیے پکاروں گی' اور نہ کبھی تمہارے پاس آؤں گی۔تم زندگی میں دوبارہ میری شکل نہیں دیکھو گے۔")

اس نے سفید ہیلمٹ سے قدم اندر رکھے۔ایک ایک قدم بھاری تھا۔لیکن اب فرق نہیں پڑنا ختم ہو چکا تھا۔

لابی میں داخل ہوتے ہی وہ ریسپشن تک آئی۔ریسپشنسٹ چار سال پہلے والی نہیں تھی۔بدل چکی تھی۔وقت بھی بدل چکا تھا۔

''مجھے ماہر فرید سے ملنا ہے۔''

''کیا آپ کے پاس اپائنٹمنٹ ہے؟''اس نے میکانکی انداز میں مسکرا کے پوچھا۔

''نہیں۔''

''کیا وہ جانتے ہیں کہ آپ آ رہی ہیں؟''

''نہیں۔''وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔

''آپ کا نام؟''

''میں اس کو خود بتاؤں گی۔''وہ اسی طرح اٹل کھڑی تھی۔ریسپشنسٹ نے گہری سانس لے کر صوفے کی طرف اشارہ کیا۔مالا بنا کسی احتجاج کے سامنے دیوار سے لگے کاؤچ پہ بیٹھ گئی۔ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

ریسپشنسٹ نے انٹر کام اٹھایا۔

انٹر کام کی گھنٹی کانفرنس روم میں بجی۔

کانفرنس روم اس وقت خالی تھا۔طویل میز کے گرد بہت سی کرسیاں رکھی تھیں۔

وہ سربراہی کرسی پہ تنہا بیٹھا تھا۔گرے سوٹ میں ملبوس۔سامنے کھلی اسکرین کو دیکھتا' وہ کچھ سوچ رہا تھا۔بال جیل سے پیچھے تھے۔چہرے پہ زیادہ کچھ نہیں بدلا تھا۔سوائے کلین شیو ہونے کے۔البتہ گال کا زخم ویسا ہی تھا۔

انٹر کام بجا تو ماہر نے ناگواری سے اس کو دیکھا۔پھر ہاتھ بڑھا کے فون اٹھایا۔

''میں نے کہا تھا مجھے ڈسٹرب مت کرنا۔''

''ایک خاتون آپ سے ملنے آئی ہیں۔''ریسپشنسٹ نے کہتے ہوئے مسکرا کے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔وہ بھی

اسے دیکھ کے رسماً سا واپس مسکرائی۔

''اس کے پاس اپائنٹمنٹ ہے؟''

''نہیں۔''

''کیا تم نے اسے پہلے کبھی مجھ سے ملتے دیکھا ہے؟''

''نہیں۔''

''پھر مجھے ڈسٹرب مت کرو۔''

رکھائی سے کہہ کے اس نے ریسیور واپس رکھا۔ پھر اسے قدرے ٹیڑھا کر کے رکھا تاکہ وہ انگیج ہو جائے۔ اور واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

نیچے ریسپشن کے کاؤنٹر پہ بیٹھی مالا خاموشی سے سامنے دیکھتی رہی۔ دیوار پہ لگے وال کلاک کی سوئی آگے بڑھتی گئی۔ ایک گھنٹہ۔ سوا گھنٹہ۔ وہ وہیں بیٹھی رہی۔ ورکرز اس کے سامنے باہر سے لابی تک آتے۔ لفٹ کے دروازے کھولتے۔ اندر جاتے' کارڈ سوائپ کرتے۔ لفٹ چل پڑتی اور انہیں اوپر لے جاتی۔ ریسپشنسٹ وہیں بیٹھی اسے نظرانداز کیے کام کرتی رہی۔

تین بج گئے جب وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ ایک آرکیٹیکٹ لفٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ اسی سکون سے چلتی اس کے ساتھ سوار ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ ریسپشنسٹ اسے روک سکتی۔ وہ وہیں کھڑی ہو گئی۔ آرکیٹیکٹ نے اپنا کارڈ سوائپ کیا۔ پھر بٹن پریس کیا۔ اور سوالیہ نظروں سے مالا کو دیکھا۔

''ماہر فرید۔'' اس نے مسکرا کے بتایا۔ اس کے انداز میں رعب تھا۔ حاکمیت تھی۔ آرکیٹیکٹ نے سر ہلا دیا۔ دروازے بند ہو گئے۔ ریسپشنسٹ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھی لیکن تب تک لفٹ کے دروازے باہم مل رہے تھے۔ مالا نے مسکرا کے اسے ہاتھ ہلا دیا۔

لفٹ نے اسے جس ہال میں اتارا' وہ اسے پہچانتی تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ بھرا ہوا تھا۔ ڈیزائنر فرنیچر۔ بدلا ہوا انٹیریئر۔ چھت کی فالس سیلنگ بھی ہو چکی تھی۔ وہ دائیں بائیں دیکھتی اندر داخل ہوئی۔ ایک ڈیسک کے پاس رکی۔

''ماہر فرید کہاں ہے؟'' سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''وہ میٹنگ میں ہیں۔ آپ....'' ایک لڑکا بوکھلا کے اٹھا لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ وہ رک گیا۔ اب وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ اس کی نگاہوں کے زاویے سے دیکھ چکی تھی کہ وہ کہاں ہے۔ اسے آگے کا راستہ

معلوم تھا۔

زینے آدھے ہوئے جب دیوار پہ لگا آئینہ دکھائی دیا۔ اندر لگا نیلا مخملیں پردہ ویسا تھا۔ وہ ہٹا ہوا تھا۔ سامنے ایک کانفرنس ٹیبل کے گرد بہت سے افراد دکھائی دے رہے تھے۔

مالا دو زینے اوپر چڑھی۔

اور تب وہ اسے دکھائی دیا۔

وہ سربراہی کرسی کے پیچھے کھڑا' ناخوشی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ چڑچڑا سا' اکتایا ہوا۔ ایک لڑکی نے سر اٹھا کے کچھ کہنا چاہا لیکن اس نے اسے ڈپٹ کے چپ کروا دیا۔

تین زینے اوپر۔

وہ ہاتھ میں پین پکڑے اسے ہلاتے ہوئے' اپنی بات سمجھاتا دائیں بائیں ٹہل رہا تھا۔ سفید شرٹ۔ سیاہ پینٹ۔ شرٹ کے کف موڑے۔ وہ بار بار بالوں میں ہاتھ پھیرتا۔ وہ مضطرب تھا۔ ناخوش۔ پھر وائٹ بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ پلٹا۔ نگاہ سیڑھیوں کے وسط میں لگے آئینے پہ پڑی۔

وہ ٹھہر گیا۔

ساری دنیا ٹھہر گئی۔

وہ قدم قدم چلتی اوپر آ رہی تھی۔

وہ ہاتھ میں قلم لیے... بالکل منجمند سا کھڑا تھا۔

وہ نیلے پردوں کے ساتھ آ رکی۔

انگلی کی پشت سے دستک دی۔ شیشے کا دروازہ کھولا۔

آواز پہ سب نے گردن موڑ کے دیکھا۔

سیاہ سفید لباس والی لڑکی ان کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ ماہر کو دیکھ رہی تھی اور وہ اسے۔ پھر وہ ہلکا سا مسکرائی اور ان تمام افراد کو دیکھا۔

"Can you give us a minute?" وہ انگریزی میں شائستگی سے بولی۔ سب کی نگاہیں ماہر فرید کی طرف اٹھیں۔ سوائے عبدالمالک فرید کے' آج تک اس کی میٹنگ میں کسی نے خلل نہیں ڈالا تھا۔

ماہر نے دھیرے سے سر کو جنبش دی۔ ایک ایک کر کے تمام افراد اٹھ گئے۔ جلدی جلدی چیزیں سمیٹی گئیں۔ وہ

کب وہاں سے گئے۔ اسے کچھ معلوم نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دروازے بند ہو گئے۔ اور وہ اس کے دائیں ہاتھ رکھی کرسی تک آئی۔

وہ ابھی تک اسے دیکھ رہا تھا۔ بے یقین۔ ششدر۔ کیا یہ سچ تھا؟ کیا وہ جاگا ہوا تھا؟ ''میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔'' وہ سنجیدہ تھی۔ اس کا چہرہ برف کے جیسا تھا۔ وہ کرسی پہ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ پرس میز پہ رکھا۔

وہ جیسے ہوش میں آیا۔ بہت کچھ یاد آیا۔

''مالا؟''

اس ایک لفظ میں بہت سے سوال تھے۔ تعجب تھا۔ بے یقینی تھی۔

''میں فور سیزنز میں ٹھہری ہوئی ہوں۔ شام ۷ بجے میں وہاں تمہارا انتظار کروں گی۔ تب تک تم آفس سے فارغ ہو چکے ہو گے۔ تمہیں وہاں آنا ہے اور ہم بیٹھ کے بات کریں گے۔'' وہ جیسے اس کو اس کا شیڈیول سنا رہی تھی۔

وہ ابھی تک کھڑا تھا۔ بس یک ٹک اسے دیکھتے ہوئے۔ یہ وہی تھی۔ کشمالہ مبین۔ بال چھوٹے تھے۔ چہرہ قدرے میچور تھا۔ لیکن یہ وہی تھی۔

''میں تمہارا انتظار کروں گی۔''

''کیوں؟'' اسے دیکھتے ہوئے ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑیں۔ اس کا ذہن دھیرے دھیرے جاگ رہا تھا۔

''کیونکہ مجھے تمہاری مدد چاہیے۔'' وہ ایسے بتا رہی تھی جیسے اسے اس کے سوال پہ حیرت ہوئی ہو۔ ''کیا تمہیں بھول گیا کہ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا؟ تمہارے اوپر میرا ایک احسان ہے۔'' کچھ جتاتا ہوا سا تھا اس کے لہجے میں۔

''اور تم نے قسم اٹھائی تھی کہ تم کبھی مجھے نہیں پکارو گی۔'' اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ ایک دم سارے اعصاب تن گئے۔ پیشانی پہ بل آ گئے۔

''میں اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دوں گی' ڈونٹ وری۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شام سات بجے۔'' ابرو اٹھا کے یاددہانی کروائی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

اور اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

''میں نہیں آؤں گا۔'' وہ بولا تو اس کی آواز میں زمانوں کی سختی تھی۔

کشمالہ نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ پھر اس کی طرف پلٹی۔ اسی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ میں زندگی میں آگے بڑھ چکا ہوں' کشمالہ بی بی۔'' وہ اسی سختی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سی شکایتیں تھیں۔ زخم تھے۔ ملال تھا۔

''میں نے تمہیں پہلے سال ای میل لکھی تھیں۔ تم نے جواب نہیں دیا۔ پھر میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ اور جسے چھوڑ دیا اسے چھوڑ دیا۔ اب تم یوں اچانک میری زندگی میں نہیں آسکتیں۔'' اس کی آواز میں غصہ در آیا۔ بے بسی بھرا غصہ۔

''نہ میں اب تمہارے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔''

وہ انہی بے تاثر نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ انسان تھی؟ یا برف کا مجسمہ؟

غصہ۔ بہت سا غصہ اس کے اندر ابلنے لگا۔

''تم نے میری بہن کی جان بچائی۔ تمہارا شکریہ۔ لیکن میں اب تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ نہ کروں گا۔''

وہ رکا۔ ہلکا سا کھنکھارا۔

''میں شادی کر رہا ہوں۔ اور اس وقت میں نہیں چاہتا کہ ہمارے راستے ٹکرائیں۔''

وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔

پھر اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا۔ کچھ مٹھی میں دبایا اور قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی۔

''شادی کر رہے ہو تو میری مبارک باد قبول کرو۔ مر رہے ہو تو فاتحہ۔'' ساتھ ہی اس نے مٹھی میں رکھی شے اس کی میز پہ رکھی۔

''لیکن تم آؤ گے ماہر فرید۔ تم آؤ گے اور میری بات سنو گے۔ اور تم میری مدد بھی کرو گے۔ کیونکہ میں نے تمہاری مدد کی تھی۔'' برف جیسے لہجے میں ارتعاش پیدا ہوا تھا۔ اسے لگا کشمالہ کی آواز بھیگی تھی۔

ماہر کی نظریں میز پہ جھکیں۔ مالا نے اس چیز سے ہاتھ ہٹایا۔

وہ ایک تصویر تھی۔

ایک تین سال کے بچے کی تصویر۔

''یہ بدر ہے۔میرا اور زیاد کا بیٹا بدر۔''

مابرا اس تصویر کو دیکھ رہا تھا۔

''دو ماہ پہلے ایک حادثے میں بدر کی ڈیتھ ہوگئی تھی۔''

اس نے بے یقینی سے چہرہ اٹھا کے مالا کو دیکھا۔اس کی سبز آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

''یعنی پولیس کہتی ہے کہ وہ مر گیا تھا۔لیکن....میں جانتی ہوں کہ وہ نہیں مرا۔''

وہ بنا پلک جھپکے ان بھیگی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ کھو گیا ہے۔کسی نے اس کو مجھ سے چھین لیا ہے۔میں نے اسے بہت ڈھونڈا ہے لیکن وہ مجھے نہیں ملا۔''

وہ برف کا مجسمہ نہیں تھی۔وہ ایک ماں تھی جو اپنی عزت نفس پہ پیر رکھ کے وہاں آئی تھی۔

''اور تم....''اس نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا۔اور جب بولی تو آواز ویسی ہی پتھر تھی۔

''تم مجھے میرا بیٹا ڈھونڈ کے دو گے جیسے میں نے تمہیں تمہاری بہن ڈھونڈ کے دی تھی۔مجھے نہیں پرواہ کہ تم اپنی زندگی میں کیا کر رہے ہو۔لیکن تم...''اس نے پرس اٹھایا اور پلٹنے سے پہلے آخری دفعہ تنبیہہ کی۔

''تم آؤ گے۔تم مجھ سے ملنے آؤ گے۔اور تم مجھے میرا بیٹا واپس لا کر دو گے۔''اس نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ جہاں تھا۔وہیں کھڑا رہ گیا۔ساکت۔جامد۔

وہ جیسے آئی تھی،ویسے ہی چلی گئی۔

اس نے بہت دفعہ سوچا تھا کہ کشمالہ مبین سے دوبارہ ملنا کیسا ہوگا۔لیکن آج...اس نے نفی میں سر ہلایا۔اور میز پہ رکھی تصویر دیکھی۔

کاش وہ مختلف حالات میں ملے ہوتے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(مالا کے آخری حصے ''استنبول'' کی پہلی قسط انشاءاللہ آئندہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ ۴ ''استنبول''

قسط نمبر: 17

محبت کا اپنا انداز ہے
کسی عجیب
انتہائی غیر متوقع وقت پہ
مرجھانے کا
یا کھل اٹھنے کا۔
ایسی ہی ہوتی ہے محبت۔
ایک بے قابو حیوان کے جیسی
جو ہوتا ہے کسی پھول کے جسم میں۔
سورج ہمیشہ اس پر نہیں چمکتا۔
نہ ہی بارش ہر بار اس پر گرتی ہے۔
نہ ہی وہ ہمہ وقت طوفان کی زد میں آتا ہے۔
محبت ہمیشہ سب سے میٹھی
سب سے خوبصورت خوشبو سے معطر نہیں ہوتی۔

اور کبھی کبھی یہ اپنے کانٹوں سے لہولہان بھی کر دیتی ہے۔

سو تم...

اس کو پانی دو۔

ڈھیروں روشنی دو۔

اس کا خیال رکھو۔

اور محبت کا پھول

تم سے زیادہ جیے گا۔

اس کو نظر انداز کرو گے

یا اس کو کاٹتے رہو گے

تو اس کی پتیاں مرجھا کے مر جائیں گی۔

ایسی ہی ہوتی ہے محبت۔

کاملیت ایک سراب ہے۔

سو محبت کرو اس سے

جو تم سے محبت کرتا ہو

غیر مشروط۔

اور چھوڑ دو اس کو

جو تم سے محبت کرے

صرف اچھے وقتوں میں۔

(Suzy Kassem)

کئی برس پہلے...

ایک دفعہ کا ذکر ہے...

برفیلی چادر جیسی زمین پر سیاہ درخت یوں کھڑے تھے کہ ان کے پتوں پر سفید کمبل چڑھا تھا۔ ہوا کا جھونکا آتا اور

سفید ذرے تھرتھرا کے نیچے گر کے فنا ہو جاتے۔

درختوں کے وسط میں لکڑی کا کاٹیج خاموش بیٹھا، خود پر برف کو گرنے دے رہا تھا۔اس کی کھڑکیاں اندر جلتی آگ کی حدت سے زرد ہو رہی تھیں۔

''جادوگرنی نے غصے میں راپنزل کے بال کاٹ دیے....''

اندر آگ اور ہیٹر کی گرمائش تھی۔ماہر ونگ چیئر پر نیم دراز، پیر اوتومن پر رکھے، کمبل خود پر ڈالے ہوئے تھا۔ہلال پہلو میں لیٹی، سر اس کے کندھے پر جمائے گھنگریالی لٹ انگلی پر لپیٹ رہی تھی۔بڑی بڑی بھوری آنکھیں چھت سے جھولتے سادہ فانوس پہ جمی تھیں۔

''اور اسے کسی جنگل میں چھوڑ آئی۔'' ماہر کی آواز غیر آرام دہ انداز میں خاموش ہوئی۔نگاہوں نے اگلے پیراگراف کو اسکین کیا۔کہانی نے ایک تلخ موڑ لے لیا تھا۔

''پھر کیا ہوا؟''

باہر برف بنا چاپ کے گر رہی تھی۔ساری دنیا سفید ہو چکی تھی مگر لکڑی کے کاٹیج کی کھڑکیاں ہنوز سنہری تھیں۔

''فاسٹ فارورڈ پلیز۔'' اوون کے روشن دروازے سے اندر جھانک کے کیک کی سطح کا جائزہ لیتا بیربل بے زار ہوا۔

ماہر کھنکھارا۔

''اس شام جب شہزادہ واپس آیا تو جادوگرنی نے راپنزل کی کٹی ہوئی چوٹی کو کھڑکی سے باندھ دیا۔جب شہزادے نے پکار کے کہا کہ 'راپنزل! راپنزل! اپنے بال نیچے گراؤ!' تو جادوگرنی نے چوٹی نیچے پھینک ڈالی۔''

''چچ۔'' ہلال نے ماتھے کو چھوا۔

''شہزادہ اوپر آیا تو دیکھا کہ جادوگرنی اس کو غصے سے گھور رہی تھی۔وہ اس کو دیکھ کے بولی۔''تم اپنی شہزادی کے لیے آ گئے۔لیکن افسوس۔وہ خوبصورت پرندہ اب اس گھونسلے میں نہیں ہے، نہ وہ یہاں گنگنا رہی ہے۔اس کو بلی کھا گئی ہے اور وہ تمہاری بھی آنکھیں نوچ ڈالے گی۔تم راپنزل کو کھو چکے ہو۔اب تم اسے کبھی نہیں دیکھ پاؤ گے۔''

''آنکھوں والی بات سینسر کر دو ماہر....'' بیربل کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا ایک باؤل میں فوسٹنگ تیار کرتے ہوئے آنکھ سے اشارہ کر رہا تھا، لیکن ماہر کی نگاہیں کتاب پہ جمی تھیں۔

''شہزادہ اتنا غمزدہ ہوا کہ اس نے....'' ماہر رکا۔اس کی آواز ہچکچائی۔''اس نے ٹاور کی چھت سے... چھلانگ

لگالی۔''

نگاہیں اٹھا کے کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے بیربل کو دیکھا۔ بیربل پیالے میں ہاتھ دیے ملامتی نظروں سے اسے دیکھتا نفی میں سر ہلا رہا تھا۔(ایک بچے کو Brothers grimm کا ورژن کون سناتا ہے ماہر بے؟)

''شہزادے کی جان بچ گئی، لیکن اس کی آنکھوں میں کانٹے چبھ گئے۔ اور وہ....'' وہ کھنکھارا۔ تھوک نگلا۔

''وہ اندھا ہو گیا۔'' کنکھیوں سے ہلال کو دیکھا۔ وہ ابھی تک چھت کو دیکھتی انگلی پر بال لپیٹ رہی تھی۔ چہرے پہ افسوس تھا۔

''پھر؟'' وہ چند لمحے خاموش رہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

ماہر نے سر جھٹکا اور کتاب بند کی۔

''پھر کچھ نہیں۔ جنگل میں بھٹکتے بھٹکتے، ایک دن اس کو راپنزل مل گئی۔ راپنزل کے آنسو اس کی آنکھ میں پڑے تو وہ تندرست ہو گیا اور دیکھنے لگا۔ پھر دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے۔'' اس نے تکلیف اور رنج کے حصے کو دو سطور میں بیان کر دیا۔ ہلال نے ابرو بھینچ کے خفگی سے اسے دیکھا۔ پھر جیسے ناراضی دکھانے کا ارادہ بدل کے سر جھٹکا۔

''کیا میں آپ سے ایک سوال پوچھ سکتی ہوں، ماہر بھائی؟'' لانبی پلکیں جھپکائیں۔

''ہوں؟'' اس نے بے دلی سے کتاب ایک طرف ڈال دی۔ بیربل ابھی تک ''میں نے کہا تھا'' والی فاتحانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ فیری ٹیلز کے اولین ورژن، بالخصوص برادرز Grimm کے تحریر شدہ ورژن تاریک، تلخ اور تکلیف سے بھرے تھے۔ بعد میں نئے لکھاریوں اور پھر ڈزنی نے ان کو خوبصورت اور فینٹیسی سے بھرپور بنا دیا۔

''اگر شہزادے کو جنگل میں بھٹکتے ہوئے راپنزل نہ ملتی تو کیا ہوتا؟'' وہ اس کے کندھے پر رکھا چہرہ موڑ کے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''معلوم نہیں۔''

''میں بتاؤں؟''

''بتاؤ۔''

''راپنزل خود کو ٹاور سے گرا لیتی اور اس کی آنکھیں چلی جاتیں۔'' کہتے ہوئے اس نے دھیرے سے پلکیں جھپکائیں۔ ماہر تھوڑی جھکا کے اس کی آنکھوں کو ہی دیکھ رہا تھا۔ لانبی پلکوں والی بھوری چمک دار آنکھیں۔ ایک وہم

ساذ ہن کے کسی تاریک گوشے میں ابھرا۔ایسے کہ وہ ایک دم جھرجھری لے کر سیدھا ہوا۔

''بی درست کہہ رہا تھا۔ہم Tangled دیکھ لیتے ہیں کیونکہ....''

وہ کمبل پیروں سے ہٹا کے اب اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اس میں کوئی ٹاور سے نہیں گرتا،کوئی اندھا نہیں ہوتا،اور شہزادہ بروقت پہنچتا ہے۔''

اس نے ہاتھ ہلال کی جانب بڑھایا اور مسکرا دیا۔اس کی آنکھوں میں بھی مسکراہٹ چمکی۔اس نے ماہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

باہر سیاہ درختوں پر گرتی برف کی تہہ بھاری ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ دن...

کانفرنس روم خالی تھا۔نیلا مخملیں پردہ ٹھہر چکا تھا۔اس کے پار سیڑھیوں پر لگا آئینہ بے عکس تھا۔وہاں کوئی نہ تھا۔

وہ اپنی بات کہہ کے جا چکی تھی۔سبز آنکھوں اور کندھوں تک آتے بالوں والی لڑکی۔

ماہر فرید تنہا میز کے سرے پہ کھڑا تھا۔ساکت،جامد۔

میز پر وہ تصویر اسی طرح رکھی تھی۔پولرائڈ کیمرے سے لی گئی۔

وہ لمحے آئے اور گزر گئے۔پھر وہ قدرے جھکا۔دو انگلیاں تصویر پر رکھیں۔اور اسے دھکیلتا گیا،یہاں تک کہ تصویر ٹیلی فون ریسیور اور سینٹر پیس تک جا رکی۔ماہر نے سینٹر پیس اٹھا کے اس پر رکھا۔وہ چھپ گئی۔نگاہ سے اوجھل۔ذہن سے اوجھل۔

''میری مہمان جا چکی ہے۔'' وہ اب سربراہی کرسی پر براجمان انٹرکام پہ کہہ رہا تھا۔اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔''ہم میٹنگ کو وہیں سے شروع کریں گے۔اس خلل کے لیے معذرت۔''

چند لمحوں میں کمرہ واپس بھر گیا۔چند خاموش نگاہوں نے اس کرسی کو دیکھا جس کے قریب وہ چند منٹ پہلے کھڑی تھی،کہ ماہر کی میٹنگ میں ایسے کبھی کوئی خلل نہیں ڈال سکتا تھا۔لیکن سب چہرے اپنے کام میں واپس مصروف ہو گئے۔بے تاثر۔پروفیشنل۔جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ایک نوجوان اٹھ کے اب کچھ بتا رہا تھا۔قلم ہاتھ میں پکڑے دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے۔

ماہر خاموشی سے کرسی پر بیٹھا اس کو سنے گیا۔کنکھیوں سے وہ وال کلاک کو دیکھ سکتا تھا۔سات بجنے میں کئی گھنٹے حائل تھے۔اور شاید کئی صدیوں کا فاصلہ تھا۔

ٹک ٹک...

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹک...

ہوٹل کے اس لاؤنج کی دیوار پر بھی ایک گھڑیال آویزاں تھا،جس کی سوئیاں وقت کو پیچھے چھوڑے آگے بڑھ رہی تھیں۔

مالا نے پلٹ کے ایک نظر سوئی کے منہ سے ٹکراتے ہند سے پہ ڈالی۔چھے۔ابھی ایک گھنٹہ رہتا تھا۔اور واپس گھوم گئی۔چہرے پر رسمی مسکراہٹ سجائے وہ لاؤنج کے دہانے پر کھڑی اپنے مہمانوں کو الوداع کہہ رہی تھی۔

''صبح ملتے ہیں۔''اس نے نوجوان لڑکے اور لڑکی کو باری باری مسکرا کے دیکھا۔''اور یاد رہے،ہم نے گزشتہ ایونٹ والی غلطیاں نہیں دہرانی ہیں۔''

لڑکی جھینپ کے ہنس دی۔پھر اس نے مالا سے مصافحہ کیا اور اپنے آئی پیڈ کی اسکرین بجھاتے ہوئے پلٹ گئی۔وہ دونوں راہداری میں آگے بڑھ گئے۔ان کے ساتھ ساتھ ایک کنسئیرج،سنہری ٹرالی میں کسی سیاح کے سوٹ کیس دھکیلتا جا رہا تھا۔مخالف سمت سے چند خواتین کا گروپ آتا دکھائی دے رہا تھا۔پچاس،پچپن کے لگ بھگ عورتیں،سینے پر کسی ایشائی خدوخال کے سنگر کے فوٹوز کے اسٹکرز لگائے،وہ یقیناً کسی کانسرٹ میں جا رہی تھیں۔

وہ سامنے سے ہٹیں تو مالا نے متلاشی نگاہوں سے راہداری کو دیکھا۔وہاں کوئی شناسا چہرہ نہیں تھا۔

وہ لاؤنج اور راہداری کے دہانے پر کھڑی تھی۔اسے بیٹھ جانا چاہیے۔ابھی وقت تھا۔

چھے بج کے دس منٹ۔

گھڑیال کو دیکھتے ہوئے وہ بے چینی سے دیوار سے لگے صوفے تک آئی۔یہاں سے اسے داخلی دروازہ دکھائی دیتا تھا۔وہ جیسے ہی آئے گا وہ اسے دیکھ لے گی۔

لیکن کیا وہ آئے گا؟

وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔پیچھے ٹیک لگالی۔بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

مٹھیاں یوں بھینچ رکھی تھیں کہ ناخن ہتھیلی میں پیوست ہو رہے تھے۔

کیا وہ آئے گا؟

وہ جس کی آنکھوں میں اس کے لیے ناپسندیدگی اور بے اعتنائی تھی۔

یہ سب کہاں سے شروع ہوا تھا؟

ساڑھے تین ماہ قبل۔ جب وہ اس شہر میں آئی تھی۔ اس محبت کے شہر میں۔

اس کی نظریں گھڑیال پہ جمی تھیں۔ سوئی دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔

لیکن پھر.... سوئی پیچھے کو سرکنے لگی۔

کھڑکیوں کے باہر پھیلے آسمان اور گھاس کی رنگت بدلنے لگی۔

خزاں چھٹتی گئی اور موسم گرما سارے میں پھیلنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ساڑھے تین ماہ قبل)

وہ بہار کی ایک روشن صبح تھی۔

یہ ایک پتھروں سے بنی گلی تھی، جس کے دونوں کناروں پر کیفے، ریستوران اور دکانیں بنی تھیں۔ ابھی سورج ٹھیک سے نہیں نکلا تھا۔ آسمان سفید تھا، سنہرا نہیں۔ البتہ فوٹو گرافرز کی صبح کئی گھنٹے پہلے سے شروع ہو گئی تھی۔

سنہری گھڑی کی تلاش میں مالا ایک بیکری کے سامنے کھڑی تھی، جس کے شیشے کے پار ایک لڑکی ٹرے میں کچے کروسنٹ سجائے، اوون میں رکھتی دکھائی دے رہی تھی۔ اکثر دکانیں بند تھیں، سوائے ایک دو کافی شاپس کے، جن سے ترکش قہوے کی بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی۔

جس گلی میں وہ اس وقت موجود تھے، وہ اونچائی کی سمت جاتے ہوئے گلاطہ ٹاور پہ ختم ہوتی تھی۔ وہ اپنا سونی A7iv اونچا اٹھائے، ننھی اسکرین پر گلاطہ کا اونچا مینار دیکھ رہی تھی۔ سر پر سلک کا سبز رومال باندھے، جس کی پشت سے اس کے کمر پر گرتے بال دکھائی دے رہے تھے۔ خاکی فراک پہنے، جو ٹخنوں تک آتا تھا، وہ رومال سے ہم رنگ آنکھیں چھوٹی کر کے بغور فریم کو دیکھ رہی تھی۔ چہرہ ویسا ہی تر و تازہ تھا۔ البتہ صبح جلدی اٹھنے کے باعث آنکھیں قدرے خوابیدہ تھیں۔

دفعتاً وہ رکی۔ سبز آنکھوں میں متلاشی سا تاثر ابھرا۔ گردن دائیں بائیں گھمائی۔

اور پھر لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

ایک دکان کے سرخ چھجے تلے بچھی کرسیوں میں سے ایک پر وہ بیٹھا تھا۔

سر جھکائے، میز پر کلرنگ بک رکھے، وہ کریونز سے اس میں کوئی رنگ بھر رہا تھا۔

''بدر۔'' وہ اس کے قریب چلی آئی۔ پنجوں کے بل اس کی کرسی کے ساتھ پتھریلی زمین پر بیٹھی۔

وہ سر جھکائے رنگ بھرتا رہا۔

''بدر۔'' نرمی سے اسے دیکھتے ہوئے مالا نے پھر سے پکارا۔

بدر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ تین، ساڑھے تین سال کا بچہ تھا۔ اس کی رنگت میں خوبصورت سا سانولا پن تھا۔ اور آنکھیں سبز تھیں۔ بال ماتھے پر کٹے تھے۔

''کچھ کھاؤ گے؟''

وہ سبز آنکھوں میں سادگی لیے مالا کو دیکھتا رہا۔

''کچھ کھاؤ گے؟'' وہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیے پوچھ رہی تھی۔

بدر نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر وہ رکا۔ نگاہیں میز تک گئیں جہاں مالا کا بیگ رکھا تھا۔ بیگ کے کھلے دہانے سے ایک بوتل جھانک رہی تھی۔ بدر نے پہلے بیگ کو دیکھا۔ پھر مالا کو۔

''پانی چاہیے؟''

بدر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ مالا اٹھ کھڑی ہوئی اور بوتل نکالی۔ ساتھ ایک نیلے رنگ کا کپ بھی تھا۔ وہ اس میں پانی بھرنے لگی تو بدر پانی کی دھار کو دیکھے گیا۔ اس نے کپ اسے تھما دیا۔ بدر نے کپ لے کر میز پر رکھ دیا۔ اور سرخ کریون اٹھا لیا۔ اس کی ننھی انگلیوں پر بھی کریون کا رنگ آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ کچھ دیر بعد پانی پیے گا۔

وہ سیدھی کھڑی ہوئی جب سنبل قریب آئی۔ اس کی گردن میں اسٹریپ کے ساتھ ایک فوجی فلم کا کیمرہ لٹک رہا تھا۔ اور وہ چیونگم چبا رہی تھی۔ ایک نگاہ کلرنگ بک پہ جھکے بدر پہ ڈالی۔

''آپ بدر کو ساتھ لائی ہیں؟''

''ہوٹل میں تو نہیں چھوڑ سکتی تھی نا۔'' وہ واپس اپنی جگہ پر آن کھڑی ہوئی۔ اور مسکرا کے اس جوڑے کو ہاتھ ہلایا جو گلی کے دہانے پر یوں کھڑے تھے کہ ان کی پشت پہ گلاطہ تھا۔ ایک خوبصورت جوڑا۔ سیاہ ٹکسن پہنے مرد۔ سفید گاؤن

پہنے عورت۔

''میرا مطلب ہے آپ اسے کینیڈا اسے ساتھ لائی ہیں؟''

اس نے چہرہ موڑ کے اسی سادگی سے سنبل کو دیکھا۔

''میں سفر میں اس کو ساتھ ہی رکھتی ہوں۔''

''نہیں.. یعنی آپ کی بہن بھی ہے نا کینیڈا میں تو...''

''اس کے اپنے بھی دو بچے ہیں۔'' وہ اب کیمرے کے فریم میں اس کپل کو دیکھ رہی تھی۔ مرد سر جھکائے فون پہ لگا تھا اور ایک میک اپ آرٹسٹ احتیاط سے ایک ننھی پیڈ کی مدد سے لڑکی کے چہرے پر پاؤڈر درست کر رہی تھی۔

''بدر بہت کیوٹ ہے۔ تین سال کا ہو گیا ہے نا؟''

''ساڑھے تین۔''

''ماشاء اللہ۔'' سنبل قریب آ کے کھڑی ہوئی۔ پھر وقفہ دیا۔ ہلکا سا کھنکھاری۔ وہ جانتی تھی یہ اس کی بات کا اختتام نہیں ہے۔

''مگر بولتا نہیں ہے شاید۔''

''.Speech delay'' وہ کیمرے کی ننھی اسکرین کے چوکھٹے میں اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔ دلہا کلائی پر بندھی گھڑی بار بار دیکھتا، اکھڑا اکھڑا لگتا تھا۔ لڑکی چہرہ میک اپ آرٹسٹ کے سامنے سیدھا رکھے، آنکھیں اوپر اٹھائے خاموشی سے گالوں پر پاؤڈر لگوا رہی تھی۔

''آپ نے چیک کروایا؟ شاید autism....''

''Autism نہیں ہے۔ speech delay ہے۔'' وہ ایک دم سختی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔ سنبل نے نہیں دیکھا، لیکن اس کے چہرے کی رنگت گلابی اور گال تمتمائے تھے۔ آنکھوں میں نمی در آئی تھی۔

(''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

چار سال پہلے وہ اس ہسپتال کے کاریڈور میں کھڑی تھی۔ ماہر فرید ابھی ابھی اپنی بہن سے ملا تھا۔ اور اس کو ابھی معلوم ہوا تھا کہ ہلال دیکھ نہیں سکتی۔ وہ ماہی کو ان کے اداس کمرے کے باہر چھوڑ کے ڈاکٹر کے پیچھے آئی تھی۔

''تمہارے شوہر نے تمہارے اندر نارکوٹکس انجیکٹ کیے تھے۔''

''مجھے بے ہوش کرنے کے لیے۔ جانتی ہوں۔''

''اتنی ہائی ڈوز کے بعد ہوسکتا ہے تمہارے بچے پر اس کا اثر پڑے۔ کسی قسم کی ایب نارمیلٹی آ سکتی ہے۔'' اس نے توقف کیا۔ ''تم اب بھی اس بچے کو ابارٹ...''

''نہیں۔ میرا بچہ ٹھیک ہوگا۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے گیلا تھوک نگلا تھا۔)

(بدر ٹھیک ہوگا۔) اس نے گلا طہٰ ٹاور کو دیکھتے ہوئے دہرایا۔ آنکھوں میں نمی تھی۔

(میں نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ میں نے بدر کو خطرے میں نہیں ڈالا تھا۔ جو کیا زیادنے کیا۔ بدر ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ بولنے لگے گا۔ وہ بولنے لگے گا۔ وہ بولنے لگے گا۔)

دلہا اب اپنی دلہن کے قریب آ کے کچھ کہنے لگا تھا۔ ناگوار تاثرات۔ اکھڑی اکھڑی آوازیں۔

''کیا خیال ہے، ان کی طلاق کتنے دن میں ہوگی؟'' قریب کھڑی سنبل نے بے زاری سے تبصرہ کیا۔

''ایسے نہیں کہتے۔'' اس نے خفگی سے اسے دیکھا۔ سنبل ایک لوکل فوٹو گرافر تھی جس کے ساتھ وہ اکثر استنبول میں کولیب کرتی تھی۔

''ہم پہلی دفعہ ساتھ کام نہیں کر رہے مالا۔'' وہ اکتائی ہوئی تھی۔ ہر دوسرے کپل کی البم پرنٹ ہونے سے پہلے طلاق ہو جاتی ہے۔

''تم البم دینے میں دیر کر دیتی ہوگی۔'' وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑی تھیں اور کافی فاصلے پر وہ موم کے مجسموں جیسا جوڑا اب کسی بات پہ بحث کر رہا تھا۔

''البم تیار کرنے میں تین چار ماہ تو لگ ہی جاتے ہیں۔ ان کو ہی طلاق کی جلدی ہوتی ہے۔'' پھر سنبل نے چہرہ گھما کے اسے دیکھا۔ ایک سوچ آنکھوں میں امڈ آئی۔

''آپ کپل شوٹ کیوں کر رہی ہیں؟ آپ تو الوژنسٹ ہیں نا۔ ان کو تو کوئی الوژن نہیں چاہیے تھا۔''

''لیکن مجھے پیسے چاہئیں۔ جانتی ہو کینیڈا میں ایک سنگل مدر کے لیے بچے کو پالنا کتنا مشکل....'' چہرہ گھما کے بدر کی میز کو دیکھا۔ الفاظ ٹوٹ گئے۔

بدر میز پر نہیں تھا۔

مالا نے چونک کر دائیں بائیں دیکھا۔

بدر وہاں کہیں بھی نہیں تھا۔ میز پر کلرنگ بک کھلی تھی اور سرخ کریون پتھریلی سڑک پر گرا تھا۔

اس کے قدموں تلے سڑک لرزنے لگی۔ وہ اپنے پیروں پہ دائیں بائیں گھومی۔ آسمان بھی ساتھ ہی گھوما۔

''بدر!'' اس نے خود کو چلاتے سنا۔ ساری آوازیں خاموش ہوگئی تھیں۔ ساری خوشبوئیں دم توڑ گئی تھیں۔

''بدر....'' اس کے قدم بھاگتے ہوئے اٹھ رہے تھے۔ کیمرہ گردن میں اسٹریپ سے جھول گیا۔ وہ اب دکانداروں سے، راہ چلتے لوگوں سے، بدحواسی سے پوچھ رہی تھی۔ ''میرا بیٹا.... چھوٹا سا....'' وہ ہاتھ کے اشارے سے اس کا قد بتا رہی تھی۔ چہرہ سفید اور خوف سے بھری آنکھوں میں پانی تھا۔

وہ خوف جو ساڑھے تین برس سے کسی آسیب کی طرح اس کا پیچھا کرتا رہا تھا۔

وہ خوف حقیقت بن چکا تھا۔

کوئی اس کے بدر کو لے گیا تھا۔

کوئی اس کے بیٹے کو....

''مالا! یہ ہے بدر۔'' سنبل کسی سمت سے چلائی تھی۔ وہ چونک کے اس طرف مڑی۔ اور پھر ڈھیر سارے آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے۔

وہ گلی کے موڑ پر کھڑا تھا۔ سنبل اس کو کندھوں سے تھامے مالا کو آواز دے رہی تھی۔ وہ گیلے چہرے اور دوڑتے قدموں سے اس تک آئی۔

''اف بدر! تم کہاں تھے؟'' پنجوں کے بل نیچے بیٹھے اس نے زور سے اسے بھینچ کے گلے سے لگا لیا۔

"تم ایسے کہاں چلے گئے تھے؟"

سانس ابھی تک تیز تھی اور دل بے قابو۔ مالا نے اسے خود سے الگ کیا اور گیلی خفا آنکھوں سے بدر کو دیکھتے ہوئے کچھ کہنے لگی لیکن.... پھر وہ ٹھہر گئی۔

بدر کے ہاتھ میں ایک اسٹک تھی جس پر نیلی روئی کے گال جیسی کاٹن کینڈی تھی۔ وہ اس کو دانتوں سے کتر رہا تھا اور وہ اس کے منہ میں گھل کے غائب ہو رہی تھی۔

''یہ تم نے کہاں سے لی؟'' وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔ آنکھیں ہتھیلی کی پشت سے پونچھیں۔ دائیں بائیں دیکھا۔ اردگرد چند ایک لوگ تھے۔ آ جا رہے تھے۔ بہت سے لوگوں کی صبح ہو چکی تھی۔

''بدر، یہ تمہیں کس نے دی؟'' اس نے تیزی سے پوچھا۔ ذہن میں کہیں ایک الارم بجنے لگا تھا۔

''یہاں کوئی 'کاٹن کینڈی مین' ہے تو نہیں۔''سنبل نے حیرت سے دائیں بائیں دیکھا۔

بدر چونکا۔گردن اٹھا کے سنبل کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔وہ غور سے اپنے بیٹے کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کاٹن کینڈی مین؟اس نے دیا یہ تمہیں؟''

بدر کی سبز آنکھیں مالا کے چہرے تک گئیں۔پھر اس نے گردن ہاں میں ہلائی۔

''کون تھا وہ؟ کیا ہم اسے جانتے ہیں؟''

وہ اب دانت سے میٹھی روئی کتر رہا تھا۔

''بدر،ہم اسٹرینجرز سے کچھ لے کر نہیں کھاتے۔''اس نے اسٹک بدر سے لینی چاہی،لیکن اس نے اسے سختی سے پیچھے کر لیا۔آنکھوں میں خفگی در آئی۔مالا نے گہری سانس لی۔پھر اس کی انگلی تھام کے آگے بڑھنے لگی۔اب اسے تمام شوٹ اسے اپنی نظروں کے سامنے رکھنا تھا۔دو دن بعد اس کی کینیڈا واپسی تھی۔وہ تب تک بدر کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دے گی۔

''البتہ....''اس نے پلٹ کے گلی میں آتے جاتے انجان لوگوں کو دیکھا۔

وہ احساس پھر سے واپس آ گیا تھا۔

کوئی تھا جو اسے دیکھ رہا تھا۔

بہت برسوں بعد۔

گھڑیال نے گھنٹے کی سوئی آگے بڑھائی۔ٹن کی آواز آئی۔وہ چونکی۔وہ ہوٹل کے لاؤنج میں بیٹھی تھی،اور وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

کیا وہ آئے گا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خزاں کی وہ شام کیف کی عمارت پر سوگوار سی اتری تھی۔

بیرونی سیاہ گیٹ کے باہر زور سے ہارن ہوا،تو چوکی میں بیٹھے گارڈ نے ناپسندیدگی سے اسکرین کو دیکھا۔

وہاں ایک الیکٹرک بلیو رنگ کی کھلی چھت والی کار کھڑی تھی اور ڈرائیور گویا ہارن پر ہاتھ رکھ کے اٹھانا بھول گیا تھا۔گارڈ نے بٹن دبایا تو گیٹ کھلتا چلا گیا۔کار اندر داخل ہوئی۔گارڈ نے چوکی کی کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ڈرائیونگ

سیٹ پر بیٹھے بیربل فرید نے مسکراتے ہوئے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر ہاتھ باہر کی طرف بڑھایا۔ ہتھیلی میں کسی کاغذ کی جھلک دکھائی دی۔ شاید کوئی گلابی نوٹ تھا۔

گارڈ نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر نوٹ لینے کو چوکی سے جھکا، لیکن جیسے ہی اس کا ہاتھ قریب آیا، بیربل نے بازو اندر کرلیا اور کار آگے بڑھا دی۔ گارڈ برہمی سے بڑبڑاتا ہوا سیدھا ہوا۔

''اللہ کسی شیخی خورے کو دولت نہ دے۔''

بیربل لفٹ سے مین ہال میں اترا تو دیکھا شبنم کا ڈیسک خالی تھا۔ وہ انگلی میں کار ریموٹ گھماتے ہوئے آگے آیا، مسکرا کے چند سلام ادھر ادھر پھینکے، پھر ایک کیبن کے سامنے رکا۔

''آج شبنم خانم نہیں آئیں؟''

''وہ ماہر بے کے کام سے شہر سے باہر گئی ہے۔''

''تب ہی آفس میں سکون ہے۔'' وہ ہنسا۔ چند چہرے ساتھ ہی مسکرائے اور واپس کام پہ جھک گئے۔

بیربل زینے چڑھتا اوپر آیا۔ راستے میں آئینے کے سامنے رکا۔ ایک نگاہ خود پہ ڈالی۔ گھنگریالے بال چھوٹے کٹے تھے۔ کھلے سفید سوئیٹ پینٹس پر ٹائی اینڈ ڈائی رنگوں کی اوورسائزڈ جیکٹ، گردن میں سنہری زنجیریں پہنے، کلائیوں میں بینڈز اور بریسلیٹ باندھے، وہ خود کو دیکھ کے مسکرایا۔ پھر نیلا مخملیں پردہ ہٹا کے کانفرنس روم میں داخل ہوا۔

ماہر سامنے سربراہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ خاموش۔ شرٹ کے آستین موڑے۔ طویل میز کے وسط میں رکھے سرخ ماڈل کو دیکھتا۔

''سلام۔'' بایاں ہاتھ ماتھے تک لے جا کے بیربل نے سلام کیا۔ پھر اس کے قریب پہلی کرسی کھینچی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔ پھر بائیں ہاتھ کے ناخنوں سے میز بجانے لگا۔

ماہر فرید نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ اور ابرو جھکا کے والسلام کہا۔

''ویسے... کتنی قیمت ہوگی اس آفس کی؟'' بیربل نے اسی ہاتھ سے شیو کھجاتے ہوئے در و دیوار کو دیکھا۔

ماہر نے جواباً خاموش نظروں سے اسے گھورا۔

''ڈرو نہیں۔ میں اسے خرید کے تمہیں آؤٹ آف مارکیٹ نہیں کروں گا۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

ماہر نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''یہ رینٹل ہے۔''

''کیا رینٹل اور کیا اونرشپ۔'' بیربل فرید نے بائیں ہاتھ سے ناک سے مکھی اڑائی۔ ماہر نے ایک نظر وال کلاک کو دیکھا اور پھر واپس ماڈل کو۔

''اور کیا چل رہا ہے؟'' بیربل نے قدرے بے چینی سے پہلو بدلا۔

بائیں ہاتھ کی انگلیاں ڈیسک بجانے لگیں۔

''اپنے ہاتھ کو آرام دو۔ میں تمہاری نئی گھڑی دیکھ چکا ہوں۔'' ماہر نے ناپسندیدگی سے اس کی بائیں کلائی میں بندھی رولیکس کو دیکھا۔

بیربل ایک دم تیزی سے سیدھا ہوا۔ جوش سے چہرہ کھل اٹھا۔

''میں ابھی ابھی ڈیلرشپ سے آ رہا ہوں۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے مجھے کتنے کی ڈیل ملی ہے۔''

''ناٹ انٹرسٹڈ بی۔'' وہ بے زاری سے اٹھ کھڑا ہوا۔

بیربل بولتے بولتے رک گیا۔ خفگی سے اسے دیکھا جو ایک بک شیلف کے سامنے جا ٹھہرا تھا۔

''کچھ ہوا ہے کیا؟'' بیربل فرید کی چھٹی حس جاگی۔

''کچھ خاص نہیں۔''

سانس لینے کا وقفہ۔

''کشمالہ آئی تھی۔'' وہ اب ایک کتاب شیلف سے نکال رہا تھا۔

''اوکے۔ پھر؟''

بیربل نے سوالیہ ابرو اچکائے۔ لیکن اگلے لمحے وہ الفاظ کانوں میں جذب ہوئے تو وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

''ایک منٹ۔ کون کشمالہ؟'' اس کی آنکھیں بے یقینی سے کھل گئیں۔

''تمہاری مالا؟''

کتاب کے صفحے پلٹتی ماہر کی انگلیاں ایک لمحے کو تھمیں۔

پھر وہ لمحہ آ کے گزر گیا۔

''ہم اس نام کی کتنی لڑکیوں کو جانتے ہیں بی؟'' تلخی سے چند اوراق الٹائے۔

''وائی بے۔ آخری دفعہ ہم اس سے کب ملے تھے؟ میری غربت والے سالوں میں سے ایک تھا وہ۔'' رک کے

انگلیوں پر گننا چاہا۔

''دو...تین...نہیں چار سال ہو گئے، جب اس نے....'' اس نے گڑبڑا کے زبان کو بریک لگائی۔

''جب اس نے میرا دل توڑ کے، مجھے ریجیکٹ کر کے اپنی زندگی سے نکل جانے کو کہا تھا۔''

اس نے کھڑے کھڑے کتاب دھپ سے بند کی۔ بیربل کچھ بول نہیں سکا۔ کانفرنس روم کی نیم مدھم روشنیوں میں وہ ماہر کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔ وہاں تلخی تھی۔ بے زاری۔ اور عجیب سی بے اعتنائی۔

کتنے برس سے مالا کا ذکر ختم ہو چکا تھا۔ لیکن کیا اس ذکر سے جڑے جذبات بھی ختم ہو چکے تھے؟

''وہ کیوں آئی؟ اتنے عرصے بعد؟''

وہ بائیں کلائی کو بھول کے اب حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

ماہر نے شانے اچکائے۔

''کوئی کام ہے اسے مجھ سے۔'' اب وہ کتاب واپس بک ریک میں رکھ رہا تھا۔ بیربل نے اس کا ہاتھ دیکھا جس میں کتاب تھی۔ اس کی تیسری انگلی میں ایک سلور بینڈ (انگوٹھی) جگمگا رہی تھی۔

''تم سے کیا کام؟ اسے تو تمہارا اس کے لیے کچھ بھی کرنا ناپسند تھا۔'' بیربل نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

دونوں کے درمیان آخری لڑائی کس بات پہ ہوئی تھی؟ اب تو اس نے حساب رکھنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

''جو بھی ہے۔ میرے لیے اہم نہیں ہے۔'' وہ واپس کرسی پر بیٹھا اور پنسل انگلیوں میں تھام لی۔ بیربل کی نگاہیں ابھی تک اس کی انگوٹھی پہ جمی تھیں۔

''اور کیا کہا اس نے؟'' محتاط نظروں سے ماہر کا چہرہ دیکھا۔ پھر انگوٹھی۔

''حکم دے کر گئی ہے کہ میں سات بجے فورسیزنز میں آؤں۔ اس سے ملنے۔'' رک کے وضاحت دی۔ ''وہ وہاں ٹھہری ہوئی ہے۔''

بیربل کے ابرو استعجاب میں اٹھے۔ ''مالا فورسیزنز افورڈ کر سکتی ہے؟''

''مجھے کیا معلوم۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کرتی ہے۔ میں نے اتنے سال اس کی خبر نہیں رکھی۔'' وہ چڑ کے کہہ رہا تھا۔ اس کے وجود سے ایک جھنجھلاہٹ بھرا غصہ جھلکتا تھا۔

''تم جاؤ گے؟'' بیربل اب اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''کہا نا۔ اس کا مسئلہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔'' سر جھٹک کے اس نے ٹیبلیٹ کھینچا اور اسکرین پر انگلی سے دستک

دی۔اسکرین آن ہوئی تو ماہر کے چہرے پہ روشنی پڑنے لگی۔

''کیا اس نے شادی کر لی؟'' بیربل کی زبان پہ کھجلی ہوئی۔

ماہر فرید نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔نگاہیں اسکرین پہ تھیں۔

''تمہارے دل میں اس کے لیے واقعی کوئی احساس نہیں بچا؟''

وہ مشکوک نظروں سے ماہر کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

ماہر نے آنکھیں اٹھا کے اسے گھورا۔

''اس بات کو چار سال بیت گئے بی۔ میں آگے بڑھ چکا ہوں۔اب وہ میری زندگی میں آ کے مجھے صرف ڈسٹرب کرے گی۔''

''ٹھیک ہے۔تمہیں اس سے محبت نہیں رہی۔لیکن اگر ایک پرانا دوست کوئی کام لے کر آتا، تو تم اس کا کام کرتے۔پھر....''

''وہ میری پرانی دوست نہیں ہے۔اس نے میرا دل توڑا تھا۔میری توہین کی تھی۔اور ماہر فرید اپنی بے عزتی نہیں بھولتا۔''

''شکر ہے میں بھول جاتا ہوں۔ورنہ تمہاری طرح آج ایک روبوٹ ہوتا۔'' وہ ہنس دیا۔پھر اپنی گھڑی یاد آئی تو اب کے قدرے خفا انداز میں بائیں ہاتھ سے میز بجائی۔ایک۔دو۔تیسری دفعہ پہ ماہر نے اکتا کے اسے دیکھا۔

''ان چیزوں کو اپنی کشش بناؤ گے تو تمہارے قریب وہی آئیں گے جن کو یہ چیزیں اپنی جانب کھینچتی ہیں۔''

''بس، جل جایا کرو دو منٹ میں۔ہونہہ۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''کتنے کی ڈیل ملی؟''

ماہر کی تکان زدہ آواز پہ بیربل مسکرا دیا۔پھر الٹے قدموں واپس آیا۔

ماہر اب ٹیبلیٹ پرے ڈال چکا تھا اور ٹیک لگائے، مدھم مسکراہٹ کے ساتھ، اس کی روداد سننے کا منتظر تھا۔بیربل تیزی سے اسی کرسی پر واپس بیٹھا اور پھر ہاتھ ہلا کے، جوش سے، تمتماتے چہرے کے ساتھ، جلدی جلدی بتانے لگا۔ڈیلر شپ پہ کیا ہوا۔اسے کیسے ایک جاننے والا مل گیا۔اور کیسے اس نے ایک دوسری رولیکس کو ٹریڈ اِن کیا۔

ماہر اسے دیکھتا اور سنتا گیا۔جب وہ خاموش ہوا تو اس نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔بیربل فرید برامانے بنا، کسی فاتح کی طرح مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

چوکی کے قریب سے کارگزارتے ہوئے اس نے پھر سے گارڈ کی طرف ہاتھ باہر نکالا۔اب کی بار وہ اس کے زیادہ قریب تھا۔گارڈ چند لمحے سوچتا رہا، پھر گلابی رنگ کی جھلک نے اسے جھکنے پہ مجبور کر دیا۔نیم اندھیرے میں مڑا تڑا نوٹ تھام کے وہ سیدھا ہوا اور اسے کھولا۔

وہ ایک پارکنگ ٹکٹ تھا۔اس نے چونک کر بیربل کو دیکھا۔

''میرا ٹکٹ جمع کروا دینا۔بائے۔'' وہ ڈھٹائی سے مسکراتا ہوا کار زن سے آگے لے گیا۔

''گستاخ۔'' گارڈ کا چہرہ سرخ گیا۔اس نے داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔

''اللہ جہنم کے دروازے پہ مجھے ہی تمہارے لیے داروغہ بنائے گا۔ان شاءاللہ۔''

اندر کانفرنس روم اب خالی تھا۔ماہر اپنے آفس میں واپس آ چکا تھا۔وہ میز کے اوپر سے اپنی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔اب کے وہ گھڑی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔پھر وہ رکا۔تیسرے نمبر کے دراز تک ہاتھ لے کر گیا۔پھر ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

گھڑی کی سوئیاں سست روی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل کے ویٹنگ لاؤنج کی سفید دیواریں زرد روشنیوں سے دمک رہی تھیں۔دیوار پر جگہ جگہ شیشے لگے تھے۔پھولوں کی تازہ مہک اور بہت سے لوگوں کے پرفیوم نے ماحول کو معطر کر رکھا تھا۔

لاؤنج میں فاصلے فاصلے پر بہت سے صوفہ سیٹ رکھے تھے۔سرمئی تھری سیٹر صوفہ۔سامنے ایک جامنی مخملیں کرسی۔اور درمیان میں میز۔وہ ایسے ہی ایک تھری سیٹر پر تنہا بیٹھی تھی۔میز کے پار رکھی جامنی کرسی خالی تھی۔لیکن وہ کب تک خالی رہے گی؟

سات بجنے میں کم وقت رہ گیا تھا۔

وہ نہیں آیا تھا۔

میز پر گلابی پھولوں کا گلدستہ رکھا تھا۔وہ ان کی پنکھڑیوں کو دیکھے گئی۔شاید پھول دن کی روشنی میں توڑے گئے تھے۔پنکھڑیوں کے کنارے مرجھانے لگے تھے۔ماں ہمیشہ کہتی تھیں کہ سورج کی روشنی میں پودوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہیں کرتے۔نہ انہیں ذبح کرتے ہیں، نہ محبت کا پانی دیتے ہیں۔کیونکہ سورج ہر تبدیلی کو جھلسا دیتا ہے۔پودے کو چھاؤں چاہیے۔کاٹنے کے لیے بھی۔آبیاری کے لیے بھی۔

وہ آگے کو جھکی اور دو انگلیوں سے ایک پھول نکالا۔ وہ گلاب کی ایک قسم تھی۔ اس نے تین انگلیوں میں اس کی سبز ٹہنی گھمائی۔ ننھا سا کانٹا چبھا۔ لیکن اتنا نہیں کہ انگلی زخمی کر سکے۔

چبھن نے جیسے اسے جگایا۔ آنکھوں کے سامنے منظر بدلا۔

وہ ایک جامنی شام میں گلاطہ ٹاور کے نیچے کھڑی تھی۔ اطراف کی تمام گلیاں خالی تھیں۔ ویران۔

اس نے گردن اٹھائی۔ آسمان بوجھل بادلوں سے بھرا ہوا تھا۔ سرد ہوا چل رہی تھی۔ برف کے ننھے ننھے گالے گر رہے تھے۔

''بدر؟ بدر؟'' وہ دائیں بائیں گھومتی پکار رہی تھی۔ اس کی آواز ٹاور کی چھت سے ٹکرا کے پلٹ رہی تھی۔ آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

پھر اسے لگا کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ مالا نے گردن اٹھائی۔

ٹاور کی چھت پر بالکونی سے کوئی جھانک رہا تھا۔

ایک سیاہ چغہ پہنے کھڑا وجود جس کا چہرہ واضح نہ تھا۔ بدر اس کے آگے کھڑا تھا، یوں کہ اس کے دونوں ہاتھ بدر کے کندھوں پر سختی سے جمے تھے۔ بدر خوفزدہ نگاہوں سے نیچے دیکھ رہا تھا۔ مگر ہونٹ بند تھے۔

''بدر؟'' وہ چلائی۔ پھر خوف سے دائیں بائیں دیکھا۔ ٹاور کی طرف جانے والا دروازہ بند تھا۔ ایسے کہ وہاں اینٹیں لگی تھیں۔ وہ کیسے اوپر جائے؟ دفعتاً ایک اینٹ سے آواز آئی۔ وہ بھاگ کے اس تک آئی۔ اینٹ اپنی جگہ سے سرکی تھی۔

مالا نے چہرہ اینٹ کے خالی خانے تک جھکایا۔ اندر ایک نیم اندھیر کمرہ تھا۔

اور وسط میں کوئی کھڑا تھا۔

بڑے سر، چمکتی آنکھوں اور چھوٹے جسم والا بچہ۔

شیطانی مسکراہٹ والا بچہ۔

the changeling

وہ خوف سے ایک دم پیچھے ہٹی۔

اسی پل اس کی آنکھ کھلی۔

وہ گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔ لیمپ جلایا۔ جسم پسینے میں تر تھا اور ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

مالا نے دائیں بائیں دیکھا۔

بیڈ پر اس کے ساتھ بدر سو رہا تھا۔

وہ وین کوور میں تھی۔ اپنے اپارٹمنٹ میں۔

استنبول سے واپس آئے اور کاٹن کینڈی مین والے واقعے کو دو ہفتے بیت چکے تھے۔

شاید یہ اسی واقعے کا اثر تھا۔ گلاطہ ٹاور۔ وہیں بدر چند لمحوں کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہوا تھا۔ اسی لیے وہ جگہ اس کو بار بار خواب میں آتی تھی۔ اس کو شاید کسی راہ چلتے کاٹن کینڈی مین نے کاٹن کینڈی دے دی ہوگی۔ یہ کوئی ایسی بات نہ تھی۔

بدر اس کے پاس ہے۔ محفوظ۔ اس نے اس کے گرد اپنے بازو حمائل کر لیے لیکن ایسے کہ وہ نیند سے اٹھ نہ جائے۔

وہ محفوظ ہے۔ کوئی اسے مالا سے دور نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن وہ سیاہ چغے والا آدمی؟

اس نے سر جھٹکا اور آیت الکرسی پڑھنے لگی۔ زیاد جیل میں ہے۔ سرکار مر چکی ہے۔ کوئی اس کے بچے کو اس سے نہیں چھین سکتا۔ وہ سلسلہ نگینہ بیگم کے ساتھ ختم ہو گیا۔

منظر دھندلا گیا۔ وہ صوفے پر منتظر بیٹھی پھول انگلیوں میں گھما رہی تھی۔

گھڑی کی سوئی ٹک ٹک آگے بڑھ رہی تھی۔

وہ نہیں آیا تھا۔ کیا گارنٹی تھی کہ وہ آئے گا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مغرب کا جامنی پن فنا ہو کے اندھیرے میں بدل چکا تھا۔ شہر کی روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ ماہر کی کار اس گھر کی پتھریلی دیوار کے باہر رکی کھڑی تھی۔ اور خود وہ ننھے جنگلے والا گیٹ عبور کر کے اندر داخل ہو رہا تھا۔

اندرونی دروازے کے دائیں بھی گملے رکھے تھے۔ ایک بتی جل رہی تھی۔ وہ چوکھٹ تک آیا اور انگلی بیل پر رکھنے ہی لگا تھا جب....

''ماہر؟''

وہ چونک کر پلٹا۔

وہ باغیچے میں کھڑی تھی۔ٹراؤزر اور جیکٹ پہنے، بالوں کی فرنچ چوٹی باندھے، نیلی آنکھوں والی یاسمین۔

ان آنکھوں میں باغیچے کے پھولوں سے زیادہ حیرت بھری تھی۔

''ماہر فرید؟'' وہ درانتی اور قینچی پکڑے ہوئے تھی۔گارڈن بوٹس پہنے شاید وہ تھوڑی دیر پہلے تک تراش خراش کر رہی تھی۔ دونوں چیزیں ایک طرف رکھیں اور آنکھوں کی پتلیاں تعجب سے سکوڑے ،قدم قدم چلتی اس کے سامنے آئی۔

''.Guilty as charged۔''اس نے سر کو ہلکا سا خم دیا۔

''اتنے عرصے بعد؟ وہ بھی بنا اپائنٹمنٹ کے؟'' یاسمین نے شفاف آنکھوں سے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''مسئلے بتا کے نہیں آتے۔'' ماہر نے کندھے اچکائے۔چہرے پہ کوئی معذرت نہیں تھی۔

''مگر کلائنٹس بتا کے آتے ہیں۔آج میرا آف ہے۔'' وہ خفا نہیں تھی۔بس پروفیشنل مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

ماہر نے ایک نظر پیچھے گھاس پر رکھی درانتی کو دیکھا۔

''مگر تم فارغ ہو۔''

یاسمین نے گہری سانس لی۔اور اندرونی دروازے کی جانب اشارہ کر دیا۔

''قہوہ؟''

وہ اب اس کے آفس کے اندر تھے۔ وہ کاؤچ پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا اور وہ اسٹڈی ٹیبل کے پیچھے کھڑی کافی مشین کا بٹن دبا رہی تھی۔ ماہر نے سوال پہ نفی میں سر ہلایا۔یاسمین کی اس طرف پشت تھی۔اس نے دیکھا نہیں۔اسی طرح کافی بینز مشین میں ڈالنے لگی۔

''اتنے عرصے بعد کیا چیز تمہیں کھینچ کے واپس لے آئی؟''

وہ ایک بھاپ اڑاتا مگ لیے اس کے سامنے آئی اور اسے میز پر رکھا۔پھر شوگر کیوبز کا شیشے کا جار کپ کے قریب دھکیلا۔ماہر کی نگاہ اس پہ جم گئی۔کپ سے نکلتا دھواں مرغولوں کی صورت اوپر اٹھ رہا تھا۔

''آج کشمالہ آئی تھی۔چار سال بعد۔''

وہ ہلکا سا چونکی۔پھر سامنے کرسی پر بیٹھی۔ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور ٹیک لگا لی۔وہ اپنی کافی بنا کے نہیں لائی تھی۔

''پھر؟''

''اسے مجھ سے ایک کام ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں سات بجے اس سے ملوں۔''

''سات بج چکے ہیں۔''

''وہ انتظار کر لے گی۔ کرنا بھی چاہیے۔'' تلخی سے کہتا وہ شکر کے چوکور کیوبز کو دیکھ رہا تھا۔ اجلے سفید کیوب۔

''اسے کیا کام ہے؟''

ماہر فرید نے سر جھٹکا۔ ''ایک غیر اہم کام۔''

''تم جاؤ گے؟''

اس نے شاکی نظریں اٹھا کے یاسمین کو دیکھا۔

''مجھے جانا چاہیے؟ اس سب کے بعد جو اس نے کیا؟''

''جہاں تک مجھے یاد ہے....'' اس نے آنکھیں چھوٹی کر کے یاد کرنے کی کوشش کی۔ ''تمہارا اس سے آخری اختلاف تب ہوا تھا جب اس کی طلاق ابھی فائنل نہیں ہوئی تھی۔ اور تم نے میرے منع کرنے کے باوجود اس کے لیے کوئی رقم ادا کی تھی اور....''

ماہر کا چہرہ سرخ ہوا۔

''اگر تم نے اس کا یہ قدم جسٹفائی کیا، تو میں یہاں سے اٹھ جاؤں گا، یاسمین۔''

''جسٹفائی نہیں کر رہی۔ یاد دلا رہی ہوں کہ میں نے تمہیں اس وقت منع کیا تھا کہ اس کے قریب مت جاؤ۔ طلاق سے گزرتی عورت اتنی ولنریبل خوفزدہ اور ذہنی طور پہ unstable ہوتی ہے کہ وہ درست فیصلے نہیں کرتی۔ مجھے معلوم تھا وہ تمہیں ہرٹ کرے گی، اور وہی ہوا۔''

ماہر نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے چچ کی آواز نکالی۔

''وائی بے، تم عورتوں کا سسٹر ہڈ کتنا مضبوط ہوتا ہے۔ ہمیشہ ایک دوسرے کا دفاع کرتی ہو۔''

یاسمین ہلکا سا ہنس دی۔ ''میں سسٹر ہڈ نہیں....''

''میں تمہیں یاد کرواتا ہوں کہ کیا ہوا تھا۔'' اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو ہو کے بیٹھا۔

وہ سنجیدہ تھا۔ اور تکلیف میں بھی۔

''اس نے میری مدد لینے سے انکار کیا تھا۔ لیکن میں نے پھر بھی اس کی مدد کی تھی۔ کیا غلط کیا تھا میں نے؟''

یاسمین خاموش رہی۔

''میں نے اسے ہرٹ نہیں کیا۔ تکلیف نہیں دی۔ بلکہ تکلیف دور کرنے کی کوشش کی۔ جب اس کے پاس پیسے ہوں گے، وہ مجھے واپس کر دے گی۔ وہ مجھے وہ پیسے آرام سے بھی واپس کر سکتی تھی۔ ہم دوست بھی رہ سکتے تھے۔ لیکن نہیں۔ اس نے میری توہین کی۔ یوں جیسے میں نے کوئی جرم کیا ہو۔ اتنی سی بات کو اتنا بڑا ایشو بنا دیا۔''

یاسمین بس اس کو دیکھتی رہی۔ اس کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

''میں کبھی نہیں مانوں گا یاسمین، کہ میں نے کچھ غلط کیا تھا۔ ماہر فرید ہر موقع پہ پیسہ استعمال کرتا ہے تو ٹھیک کرتا ہے۔ میں ایسا ہی ہوں۔ لیکن اس نے خود کیا کیا؟''

وہ سانس لینے کو رکا۔

''اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ میری بہن کو خطرے میں ڈالا۔ میں نے اس دھوکے کو ایشو نہیں بنایا۔ میں بھی بنا سکتا تھا۔ مگر نہیں بنایا۔ اس نے یوں ظاہر کیا جیسے میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ حالانکہ میرے اس عمل نے اس کو کوئی تکلیف نہیں دی تھی۔''

''تمہیں کس نے کہا کہ صرف غلط کام ہی تکلیف دیتے ہیں؟''

''اللہ کے لیے یاسمین، تم اپنا سسٹر ہڈ بھلا کے....''

''ماہر میری بات سنو۔'' یاسمین نے ہاتھ اٹھا کے سنجیدگی سے ٹوکا، تو وہ جو جھنجھلا کے کہہ رہا تھا، خاموش ہو گیا۔

''اگر تم میرے پاس آئے ہو تو تمہیں میری بات سننی ہو گی۔ وہ میری کلائنٹ نہیں ہے۔ تم ہو۔ مجھے صرف اپنے کلائنٹ کی حفاظت کرنی ہے۔''

وہ پیچھے کو ہو کے بیٹھا اور انہی مشکوک نظروں سے یاسمین کو دیکھے گیا۔

''میں نے تمہیں اس کے قریب جانے سے روکا تھا۔ کیونکہ میں جانتی تھی یہی ہو گا۔ میں اس لڑکی کو نہیں جانتی۔ لیکن اس جیسی درجنوں لڑکیاں روز میرے پاس آتی ہیں۔ اور تمہارے جیسے مرد بھی۔ کیا تم ابھی تک نہیں سمجھے کہ وہ خود بھی جانتی ہے کہ تم نے کچھ ایسا نہیں کیا تھا، لیکن اسے تم سے دور جانے کا ایک بہانہ چاہیے تھا؟''

وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔

''جب اس نے ایک حد کھینچی تھی تو تمہیں بھی اس کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم نے کچھ غلط کیا۔ تم نے اس کی حد توڑی لیکن اس کو اپنا سمجھ کے۔ تم نے اس کی مدد کی۔ اس نے جو کیا تمہارے ساتھ، وہ اس سے

کہیں زیادہ غلط تھا۔لیکن تمہیں اس سے اور کس چیز کی توقع تھی؟''

وہ کچھ کہنے لگا۔لیکن الفاظ دم توڑ گئے۔

''ہم سائیکولوجی میں اس کو سیلف سبوتاژ کہتے ہیں۔جس میں ایک انسان اپنے غلط یقین کو پختہ کرنے کے لیے غلط فیصلے لیتا ہے۔اس کو ایک بہانہ چاہیے تھا،اس بات پہ یقین کرنے کے لیے کہ ماہر کے بارے میں اس کی رائے درست تھی۔ماہر نے مجھے دھوکہ دیا تھا،میری زندگی کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی تھی،اب بھی وہ وہی کرے گا۔تم پیسے نہ دیتے،تب بھی چند دن بعد کوئی ایسی بات ہو جاتی جس سے اس کو موقع مل جاتا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ تم ایک برے انسان ہو۔اور سارے مرد زید جیسے ہوتے ہیں۔''

''زیاد۔''تلخی سے تصحیح کی۔

''ہاں زیاد۔بنا اپائنٹمنٹ کے آئے ہو۔میں تمہاری فائل نہیں کھول سکی۔خیر۔''یاسمین نے سر جھٹکا۔

''طلاق کا ٹراما بہت شدید ہوتا ہے۔یہ فیصلہ لیتے ساتھ ہی کوئی عورت اس ٹراما سے باہر نہیں نکل آتی۔کچھ مہینے یا کچھ سال لگتے ہیں اپنی ذات کو heal کرنے میں۔دوبارہ کسی پہ بھروسہ کرنے میں۔اس نے تمہیں کہا تھا نا کہ وہ تم پہ بھروسہ نہیں کرتی۔اسی لیے میں نے تمہیں اس سے دور رہنے کے لیے کہا تھا،کیونکہ ایسی عورت بہت vulnerable ہوتی ہے۔وہ درست فیصلے نہیں کرتی۔تم اپنی محبت غلط جگہ ضائع کر رہے تھے۔''

وہ خاموش سی ناپسندیدگی سے اسے دیکھے گیا۔

''ہرٹ ہوئے لوگ ہی دوسروں کو ہرٹ کرتے ہیں۔تم ایک ہرٹ ہوئی عورت سے توقع کیسے کر سکتے ہو کہ وہ تمہاری محبت سمجھے گی؟''

دونوں کے درمیان رکھے کپ سے نکلتا دھواں اب تھمتا جا رہا تھا۔

''پیچھے جاؤ۔لاہور میں کیا ہوا تھا؟تم نے اس کو دھوکہ دیا۔پھر اس کو بتائے بنا آ گئے۔کیوں؟کیونکہ تم ہرٹ تھے۔تم جانتے تھے تم اس کو ہرٹ کرو گے۔تم محبت دینے کے اہل نہیں تھے اس وقت۔پھر ایک سال گزرا۔تم بہتر ہوئے۔تم دونوں وین کوور میں ملے۔تمہیں لگا کہ شاید اب تم اس کو محبت دے سکتے ہو۔لیکن کیا وہ محبت وصول کرنے کی اہل تھی؟محبت دینا بھی تندرست روحوں کا کام ہے اور محبت وصول کرنا بھی۔عورت وہی محبت وصول کرتی ہے جس کو وہ پہچانتی ہے۔عورت کو ملنے والا پہلا لائف پارٹنر اس کی محبت کا پیمانہ سیٹ کر دیتا ہے۔''

''یعنی؟''وہ انہی مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یعنی اس نے صرف زیاد کی محبت دیکھی ہے۔اس محبت میں تکلیف ہے، ابیوز ہے، پھر معافی تلافی ہے، پھر سے تکلیف۔ یہ ایک chaotic محبت ہے۔اس کو تندرست محبت کی پہچان نہیں ہے۔جن لڑکیوں کو باپ کی محبت نہ ملی ہو، ان کو تندرست محبت کی پہچان ہوتی بھی نہیں ہے۔''

ماہر نے پیچھے ہو کے ٹانگ پر ٹانگ جمالی اور خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔چہرے سے یہ واضح نہ تھا کہ اسے یاسمین کی باتیں پسند آ رہی ہیں یا ناپسند۔

''مرد کا کام ہوتا ہے Protect کرنا اور provide کرنا۔اپنے گھر کی عورت کی حفاظت کرنا اور اس کو ضروریات زندگی مہیا کرنا۔جتنا تم نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا اس کا باپ جلد مر گیا تھا۔وہ بڑی بہن تھی۔ایسے بچے فکسرز بن جاتے ہیں۔ وہ خود کو خود پروٹیکٹ کرتے ہیں اور اپنی ضروریات کو خود پورا کرتے ہیں۔ایسی لڑکیوں کو ہمیشہ کامیابیاں چاہیے ہوتی ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ ان کی قدر و قیمت ان کی achievements سے بڑھتی ہے اور ان کے بے روزگار یا ناکارہ ہو جانے سے گھٹتی ہے۔اس کو کبھی ایسا مرد ملا ہی نہیں جو اس کو یہ دونوں چیزیں فراہم کر سکے۔زیاد اس سے محبت کا دعویدار تھا۔اس نے شاید روپے پیسے فراہم کیے ہوں لیکن وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکا۔وہ اسے خود اپنے آپ سے نہیں بچا سکا۔جس لڑکی نے ساری جنگیں اکیلے لڑی ہوں اس کو تندرست محبت کی پہچان کیسے ہوگی؟''

''سسٹر ہڈ۔'' وہ افسوس سے نفی میں سر ہلا کے بڑبڑایا۔

''اگر اس کو غلط کہنے سے تم خوش ہوتے ہو تو میں کہہ دیتی ہوں۔ مالا نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا۔جیسے تم نے غلط کیا۔اس کے ساتھ نہیں۔اس کے ساتھ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔خود اپنے ساتھ غلط کیا۔اور میں تمہیں اسی چیز سے بچانا چاہتی تھی۔جب تک اس کی ذات کی healing نہیں ہوگی، اسے درست مرد کی محبت کی پہچان نہیں ہوگی۔اسے وہ محبت کنٹرولنگ ہی لگے گی۔اور اسے زیاد جیسے مرد ہی پسند آئیں گے۔''

ماہر نے ناسمجھی سے ابرو اکٹھے کیے۔

''کیا مطلب؟''

''جب عورت صرف ایک طرح کی محبت کو پہچانتی ہو، تو وہ کسی دوسرے مرد کے اسی پیٹرن کو دیکھ کے محبت کا یقین کرتی ہے۔اسے تمہارے جیسے مرد کے جذبات محبت نہیں، فریب لگتے ہیں۔''

''یعنی اگر انسان کسی ٹاکسک پارٹنر کے ساتھ رہا ہو، اور بھلے اسے معلوم ہو کہ وہ ٹاکسک تھا، اس کو اگلی دفعہ ویسا ہی

انسان اٹریکٹ کرے گا؟'' وہ اچھنبے سے پوچھ رہا تھا۔

''بالکل۔تمہارے بھائی کی مثال تمہارے سامنے ہے۔اس کو ہمیشہ ایک ہی طرح کی لڑکیاں کیوں ملتی ہیں؟ جب تک وہ خود اپنا پیٹرن نہیں توڑے گا، اس کا ہر نیا تعلق تاریخ دہرائے گا۔''

ماہر فرید نے سر جھٹکا۔ہاتھ سے جیسے مکھی سی اڑائی۔

''ہر شخص کے ساتھ ٹراماز جڑے ہوتے ہیں۔بچپن کے۔رشتوں کے۔کوئی بھی چیز اس انسلٹ کو جسٹفائی نہیں کرسکتی جو اس نے میری کی تھی۔''

یاسمین پیچھے ہو کے بیٹھی۔ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی اور بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

''کیا اس انسلٹ نے اسے تمہارے دل سے اتار دیا؟''

''سو فیصد۔'' وہ گردن سیدھی رکھے بہت سکون سے بولا تھا۔

''کیا اس نے شادی کر لی؟''

ماہر نے بے پرواہی سے کندھے اچکائے۔''مجھے نہیں معلوم۔میں نے کبھی اس کی خبر نہیں رکھی۔''

یاسمین نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔وہاں اسے صداقت دکھائی دی تھی۔

''اتنے برس گزر گئے۔شاید اس کی زندگی میں کوئی اور آ گیا ہو۔''

اس سوال پہ بھی ماہر فرید کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

''اچھی بات ہے۔گڈ فار ہر۔''

''یعنی تم اب اس کی محبت سے موو آن کر چکے ہو۔اور اپنی شادی کی تیاری میں ہو۔'' یاسمین نے ایک اطمینان بھری گہری سانس خارج کی۔

''پھر اس کے آنے سے اتنا ڈسٹرب کیوں ہو؟''

''اس کے آنے سے میری زندگی (انگلی میں پہنی انگوٹھی گھمائی) پہ کوئی اثر پڑے، یہ میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔''

''اگر محبت نہیں رہی تو اس کا کام کر دو، تاکہ وہ چلی جائے۔''

''جب محبت نہیں رہی تو کچھ بھی نہیں رہا۔'' وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔یاسمین نے آج کی شام اسے پہلی دفعہ مسکراتے دیکھا تھا۔اس تلخی میں اداسی نہ تھی۔صرف بے زاری تھی۔

''میں نہیں چاہتا کہ وہ اس شہر میں رہے۔''

''تمہیں ڈر ہے کہ تم دوبارہ اس کی طرف مائل نہ ہو جاؤ؟''

''ایسا نہیں ہوسکتا اب۔ کیونکہ جسے ماہر نے چھوڑ دیا اسے چھوڑ دیا۔'' اس کی مسکراہٹ میں ایک افسوس سا ابھرا۔ اپنے آپ پہ نہیں۔ اس سبز آنکھوں والی لڑکی پہ۔

''میں بس یہ نہیں چاہتا کہ لوگ باتیں کریں۔ بیربل، شبنم، یہ لوگ اس کو جانتے تھے۔'' اس نے پھر سے انگوٹھی گھمائی۔

''تم اپنی منگیتر کے بارے میں کانشس ہو۔ اچھی بات ہے۔ یعنی تم واقعی مالا سے موو آن کر چکے ہو۔ بات ختم۔''

''میں اسے اس شہر سے کیسے بھیجوں؟'' وہ ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے سیدھا ہوا۔ قدرے آگے کو۔ وہ یہی سوال پوچھنے یاسمین کے پاس آیا تھا۔

''وہ تمہارا انتظار کر رہی ہے، ہے نا؟'' یاسمین نے وال کلاک کو دیکھا۔ سوئی سات سے کافی آگے نکل چکی تھی۔

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''وہ ملاقات کرنے سے چلی جائے گی؟ یا ملاقات نہ کرنے سے؟''

شیشے کی دیوار سے جھانکتا باغیچہ، رات کی سیاہی میں مکمل طور پہ ڈوب چکا تھا۔ ماہر نے ہاتھ بڑھا کے کپ کو چھوا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

فیصلہ تمہارا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل لاؤنج میں پھیلی گلابوں کی مہک باسی ہو چکی تھی۔ وہ صوفے پر اسی طرح بیٹھی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے اضطراب سے ایک پیر جھلاتی۔ ایک ہاتھ گود میں رکھے پرس کے اندر تھا۔ اس میں کوئی شے تھی جو اس نے تھام رکھی تھی۔ مضبوطی سے۔ یوں لگتا تھا کچھ لینے کے لیے پرس میں ہاتھ ڈالا تو نکالا نہیں۔

وہ اس کو انتظار کروائے گا۔ وہ جانتی تھی۔ اسے فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اپنی انا پہ پیر رکھ کے آئی تھی۔ وہ انتظار کر لے گی۔ لیکن کیا وہ آئے گا؟

اس کی نظریں داخلی دروازے پہ جمی تھیں۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو رہی تھی۔

سفید چوکھٹ پر سنہری لکڑی کا کام ہوا تھا۔ وہ لب کاٹتے ہوئے لکڑی کے نقش و نگار دیکھے گئی۔

ان کے پیچ و خم میں ایک منظر دھیرے دھیرے ابھر رہا تھا۔

وہ ایک سنہری دوپہر تھی۔ سورج بادلوں کی اوٹ سے نکل کے آج کھل کے چمکا تھا۔ کینیڈا میں بس دو موسم ہوتے تھے۔ سرما کا موسم۔ اور کنسٹرکشن کا موسم۔

اور یہ کنسٹرکشن کا موسم چل رہا تھا۔ سڑک کنارے جگہ جگہ پر تعمیراتی کام شروع تھے۔ کہیں روڈ بلاک تھے، کہیں ایسکیویٹرز کھڑے تھے۔

وہ کار لاک کر کے ڈے کیئر کے داخلی دروازے تک آئی اور بیل پر انگلی رکھی۔ ہوا سے اس کے لمبے بال اُڑ رہے تھے۔ چہرہ شفاف اور مطمئن مسکراہٹ لیے ہوئے تھا۔

''کشمالہ؟'' دروازہ کھلا اور ایک ہندوستانی خدوخال کی عورت کا چہرہ نمایاں ہوا۔ اس پہ حیرت تھی۔

''ہیلو۔'' وہ مسکرائی۔ ''میں بدر کو لینے آئی تھی۔''

گلی کے دوسرے سرے پر کام کرتے مزدوروں کے آلات کی تیز آواز یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔

''لیکن....'' اس نے اچھنبے سے اسے دیکھا، پھر اپنے پیچھے۔ ''شیوا کہہ رہی تھی کہ تم بدر کو لے گئی ہو۔''

اسے چند لمحے لگے تھے بات سمجھنے میں۔

''نہیں، میں تو ابھی...'' اور ایک دم اس کی ساری حسیات جاگ گئیں۔

''بدر کہاں ہے؟''

''مالا ایک منٹ۔ شیوانئ انٹرن ہے۔ میں اسے بلاتی...''

''بدر کہاں ہے؟'' بیگ وہیں چوکھٹ پر گر گیا۔ وہ اسے پرے دھکیل کے جوتوں سمیت اندر بھاگی۔

وہاں تین کلاس روم بنے تھے۔ چند بچے بیٹھے تھے۔ کھلونے۔ کلرنگ بکس۔ رنگ برنگی پنسلز۔

وہ ایک کمرے سے دوسرے میں بھاگ رہی تھی۔ آنکھوں کے سامنے دھند چھا رہی تھی۔

''میرا بیٹا کہاں ہے؟'' اس نے اپنے آنسو بہتے دیکھے۔ کوئی اس کا ہاتھ تھام رہا تھا۔ کوئی اس کو پانی لا کے دے رہا تھا۔

وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''شیوا کہاں ہے؟''

شیوا نہیں مل رہی۔ وہ نہ جانے کہاں چلی گئی۔

منظر بدلا تھا۔

وہ پولیس اسٹیشن کی کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں رو رو کے متورم ہو رہی تھیں۔ عباد اور ماہی ساتھ کھڑے تھے۔ اسے عباد کے ہلتے ہونٹ اور ماتھے کی تیوری دکھائی دے رہی تھی۔ وہ تیز آواز میں آفیسر سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس نے سننے کی کوشش کی۔ منظر دھندلا سا تھا۔

سی سی ٹی وی فوٹیج کے مطابق شیوا بچے کو لے کر گئی تھی۔

شیوا کا آئی ڈی کارڈ جعلی تھا۔ وہ بنگالی تھی۔

''ہم بچے کو ڈھونڈ رہے ہیں۔''

''لیکن اگر اڑتالیس گھنٹے میں بچہ نہ ملے...''

آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

منظر بدلتا گیا۔

''ہمیں مورگ (مردہ خانے) جانا ہوگا۔ ایک بچے کی لاش ملی ہے۔ اس کو پہچاننا ہے۔''

کوئی اسے کہہ رہا تھا۔ ماہی اس کا پرس اٹھا رہی تھی۔ عباد نے اس کو کہنی سے تھام رکھا تھا۔ وہ گیلے چہرے کو ہتھیلی سے صاف کرتی زور سے بولی تھی۔

''وہ بدر نہیں ہوگا۔''

''اس لاش کے ساتھ بدر کا اسکول بیگ ملا ہے۔ اس میں وہ سب چیزیں ہیں جو بدر کے پاس تھیں۔''

''وہ بدر نہیں ہوگا۔'' وہ دہرا رہی تھی۔ چہرے پر دانے نکل آئے تھے اور آنکھوں میں بے تحاشا خوف تھا۔

اب وہ ایک سفید سے کاریڈور میں تھی۔ اس کے سرے پر دروازہ تھا۔ اسے اس دروازے کے پار جانا تھا۔ وہ لاش وہاں ان کی منتظر تھی۔

منظر دھندلا گیا۔

سنہری لکڑی سے مزین چوکھٹ سامنے آئی۔

وہ چونک کر حال میں واپس آئی۔ وہ ہوٹل لاؤنج میں بیٹھی تھی اور چوکھٹ خالی تھی۔

لیکن وہ اس شے کو پرس میں گرا کے تیزی سے اٹھی۔ وہ جانتی تھی، ابھی اگلے ہی لمحے وہ اس کو وہاں دیکھے گی۔

ایک لمحہ آ کے گزرا۔

اور...

پھر ماہر فرید چوکھٹ میں نمودار ہوا۔

(وہ اوشن ریستوران میں اپنے آفس میں بیٹھی تھی۔ چہرہ اٹھا کے دیکھا تو ایک اجنبی چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ نیا باڈی گارڈ۔ ملٹری گرین شرٹ۔ پینٹ۔ سفید جوگرز۔

''میں کیف ہوں۔ صفورا کا کزن۔ ایک فوٹو گرافر۔'')

وہ سانس روکے بنا پلک جھپکے اسے آتے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ دائیں بائیں متلاشی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کیا وہ اسے تلاش کر رہا تھا؟ یا وہ اس کو تلاش کرنا نہیں چاہتا تھا؟

(وہ سیاہ سفید ٹائلز سے مزین فرش پر چلتی آگے آ رہی تھی۔ وہ ہوٹل کی لابی میں بچھے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کی بیساکھی کا کام دیتی اسٹک ساتھ رکھی تھی۔ اسے دیکھ کے وہ کھڑا ہوا۔ اسٹک دھیرے سے پیر سے دھکا دے کر نیچے گرا دی۔)

چند قدم کے فاصلے پر وہ رکا۔ پھر اس کی متلاشی نگاہ مالا پہ پڑی۔ وہ تھم گیا۔ البتہ چہرہ ویسا ہی رہا۔ سپاٹ۔ سنجیدہ۔ برف کے جیسا۔

ماہر نے اس کی جانب قدم بڑھائے۔

(وہ وین کوور کی فارمرز مارکیٹ میں کھڑی تھی۔ لکڑی کی مخروطی چھت والی مارکیٹ۔ وہ جھک کے شاپنگ بیگ میں کچھ رکھ رہی تھی جب اس نے کسی خیال کے تحت سر اٹھایا۔ مارکیٹ کی راہداری ایک طرف مڑ رہی تھی۔

اور وہاں سے اگلے لمحے وہ چلتا آتا دکھائی دیا۔ ہڈی پہنے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔)

وہ اس کے عین سامنے آ کے رکا۔ ہلکا سا سر کو خم دیا۔ اس نے صبح والا سوٹ پہن رکھا تھا۔ جوتے ویسے ہی چمک دار اور بال جیل سے پیچھے کو سمٹے تھے۔ مالا نے بھی سر کو جنبش دی۔ یہ سلام تھا یا تشکر؟ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

وہ دونوں ایک ساتھ آمنے سامنے بیٹھے۔

''تم آ گئے۔'' اس نے چہرے کو سنجیدہ رکھا۔ البتہ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ایک امید کا سرا....

''مجھے آنا تھا۔'' کچھ تھا ماہر فرید کے انداز میں۔ ایک لاتعلقی۔ ٹھنڈک۔

''جیسا کہ میں نے بتایا....'' وہ کھنکھاری۔ گلا صاف کیا۔ وہ اس کی گردن میں پرویا سیاہ فاختہ والا نیکلیس دیکھ

سکتا تھا۔

ویٹران کے قریب آنے لگا تو ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ برامان کے واپس پیچھے ہٹ گیا۔

''میرا بیٹا بدر....'' اس نے الفاظ جوڑنے چاہے لیکن...

''ناٹ انٹرسٹڈ، کشمالہ حانم۔'' ماہر کے چہرے پہ زمانوں کی لاتعلقی تھی۔

''مجھے یہاں آنا تھا۔ اس لیے نہیں کہ تم نے بلایا۔ بلکہ اس لیے کہ میں تمہیں یاد کروا سکوں کہ میں کون ہوں۔ اور ہمارے درمیان کیا ہوا تھا۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہر لفظ چبا چبا کے ادا کر رہا تھا۔

''کچھ یاد آیا میں کون ہوں؟'' اس کی آنکھوں میں ہلکا سا طنز ابھرا۔ مالا کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے اور اس نے ہاتھ گود میں دھر لیے تھے۔ وہ اس کے آفس میں بول آئی تھی جو اسے بولنا تھا۔ اب اس کی باری تھی۔

''میں ماہر فرید ہوں۔ جووین کوور میں تمہارے پاس مدد مانگنے آیا تھا۔ اور تم نے کیا کیا تھا؟''

ان کے درمیان میز تھی۔ اس پر رکھے باسی پھول تھے۔ اور برسوں کی مسافت تھی۔

''تم جانتی تھیں میری بہن کہاں ہے۔ لیکن تم نے مجھے نہیں بتایا۔ تم نے میری بہن کو خطرے میں ڈالا۔ اور خود کو بھی۔''

''میں نے کسی کو خطرے میں نہیں ڈالا۔''

''ڈالا تھا۔ تم نے غلط فیصلے کیے تھے۔ لیکن تم یہ کبھی نہیں مانو گی۔ کیونکہ کشمالہ مبین ہمیشہ درست ہوتی ہے۔'' دونوں ہاتھ اٹھا کے جتا کے کہا۔

وہ خاموش رہی۔

''میں نے تمہارے لیے ایک رقم کی ادائیگی کی تھی، جو تم مجھے بعد میں واپس کر سکتی تھیں۔ میں نے وہی کیا جو انسان اپنے دوستوں کے لیے کرتا ہے۔ لیکن تم نے کیا کیا؟ تم نے میری توہین کی۔ یوں جیسے میں نے کوئی جرم کیا ہو۔ تم نے مجھے اپنی زندگی سے یوں نکال باہر کیا جیسے میری کوئی وقعت ہی نہیں۔''

وہ غصے میں نہیں تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا البتہ آواز میں تلخی تھی۔

''میں یہاں تمہاری مدد کرنے نہیں آیا۔ یہ بتانے آیا ہوں کہ ہر دفعہ تم یہ فیصلہ نہیں کر سکتیں کہ کون کس کی زندگی

میں رہے گا۔''

اس نے کہتے ہوئے انگلیوں سے میز پر دستک دی۔اس ہاتھ میں پہنی انگوٹھی دمکی۔

''میں تمہیں اور تم سے جڑی ہر شے کو بھلا کے موو آن کر چکا ہوں۔میرے پاس نہ اتنا وقت ہے، نہ توانائی کہ میں تمہارے مسئلے حل کروں۔میں ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہا ہوں۔تم مبارک دو یا فاتحہ پڑھو۔میں تمہاری مدد کرنے میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔''

''اور میرا بیٹا؟'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے کشمالہ کی آنکھوں میں سرخی ابھرنے لگی۔

(ابھی نہیں رونا، مالا۔اس شخص کے سامنے نہیں۔)

ماہر نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور کندھے اچکائے۔

'' مجھے پرواہ نہیں۔''اس کے چہرے پہ سرد مہری تھی۔

مالا نے بہت سا تھوک نگلا۔ابھی نہیں رونا۔

''تمہیں میرے بچے پہ ذرا بھی ترس نہیں آتا؟''

''نہیں۔''

مالا نے گود میں رکھی مٹھیاں بھینچ لیں۔اتنی زور سے کہ ناخن جلد میں پیوست ہو گئے۔

''جس شخص کو آنا چاہیے، وہ اس بچے کا باپ ہے۔تمہیں میرے پاس نہیں، زیاد سلطان کے پاس جانا چاہیے تھا۔'' اب کہ ماہر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ عود آئی۔اس میں ملامت تھی۔طنز تھا۔

اس نے گہری سانس لی۔ہوا ناک سے اندر داخل ہوئی اور حلق میں اٹکے آنسوؤں میں پھنس گئی۔

''میرا بیٹا گمشدہ ہے۔کیا تم اس تکلیف کو نہیں سمجھتے؟''

''سو؟ میں کیا کروں؟ پولیس کے پاس جاؤ۔''ٹانگ پر ٹانگ جمائے شخص نے کندھے اچکا دیے۔

''گئی تھی۔پولیس نے ایک لاش دکھا دی۔وہ میرے بیٹے کی لاش نہیں ہے۔''اس نے زور سے انگلی سے میز بجائی۔آنکھیں سرخ پڑ رہی تھیں۔لیکن آنسوؤں کو چھلکنے کی اجازت نہ تھی۔اس شخص کے سامنے نہیں۔

''کیا تمہیں اس سب سے کچھ یاد نہیں آتا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔''اگر بدر محفوظ نہیں ہے تو ہلال بھی محفوظ نہیں ہے۔''

''یا شاید....'' ماہر فرید پہ کوئی اثر نہ ہوا۔وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا۔

''پولیس درست کہہ رہی ہے اور تمہارا بیٹا واقعی مر چکا ہے۔''

وہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔ میز پر رکھے گلاس کو ہاتھ لگا۔ وہ ایک طرف کو لڑھک گیا۔ پانی میز پر جا گرا۔ چند چھینٹے ماہر کی کلائی میں بندھی گھڑی پر گرے۔

''تم میری مدد نہیں کرنا چاہتے، نہ کرو۔ لیکن دوبارہ میرے بیٹے کے بارے میں یہ مت کہنا۔ جس دن وہ مرے گا مجھے یہاں سے معلوم ہو جائے گا۔'' سینے پر انگلی رکھی۔

ماہر نے اسی اطمینان سے اسے دیکھا۔ جو تمتماتے چہرے اور بھیگی آنکھیں لیے بہت غصے سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''جیسا کہ میں نے کہا....'' ماہر نے جھک کے ڈبے سے ٹشو پیپر کھینچا۔

''ناٹ انٹرسٹڈ۔'' ٹشو سے گھڑی کا شیشہ نرمی سے صاف کیا۔ پھر اس ٹشو کو میز پر رکھا۔ اور پلٹ گیا۔

''تم نے وعدہ کیا تھا۔''

وہ چند قدم آگے گیا تھا۔ ان الفاظ پہ اس کے بوٹ تھمے۔

''لاہور میں... وین کوور میں... تم نے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر میں تمہاری بہن کی مدد کروں تو تم میرے لیے کچھ کرو گے۔ میرا احسان ہوگا تمہارے اوپر۔ اس وعدے کا کیا ماہر فرید؟''

ماہر فرید دھیرے سے پلٹا۔ وہ آنکھوں میں بہت سی ملامت لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہاں، کیا تھا۔'' وہ سوگواریت سے مسکرایا۔

''مگر میں ٹھہرا وعدہ خلاف۔''

پھر وہ واپس مڑ گیا۔ وہ جانتی تھی اب وہ نہیں پلٹے گا۔ وہ وہیں کھڑی اسے جاتے دیکھتی رہی۔ شیشے کے دروازے میں وہ راہداری میں آگے بڑھتے ماہر کا عکس دیکھ سکتی تھی۔ دروازے کے قریب وہ رکا۔ ایک بوڑھی عورت اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھا اور اس کے لیے دروازہ کھول کے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ وہ مسکرا کے اس کا شکریہ کہتی اندر چلی آئی۔ پھر وہ باہر نکل گیا۔

مالا گرنے کے سے انداز میں صوفے پر گر گئی۔ آنسوؤں کے ریلے کو بہنے کی اجازت مل گئی۔ وہ زار و قطار گالوں پر گرنے لگے۔ دور کھڑے دو ویٹرز نے اس کو دیکھتے ہوئے آپس میں سرگوشی کی۔ پھر افسوس سے نفی میں سر ہلاتے پلٹ گئے۔

ان عالیشان دیواروں کے اندر انہوں نے اکثر خوبصورت لڑکیوں کو روتے دیکھا تھا۔ کوئی نئی بات نہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لفٹ کے دروازے کھلے تو راہداری کے سرے پر ''فرید لاز'' کی تختی دکھائی دی۔ باہر سے دیکھنے میں ماہر فرید کا ڈپلیکس اپارٹمنٹ ویسا ہی تھا۔ لیکن ایک اضافہ ہو چکا تھا۔ دروازے کے باہر ایک سوٹ میں ملبوس گارڈ کھڑا تھا۔

ماہر کو آتے دیکھ کے اس نے سر کو خم دیا۔ ماہر نے ایک تکان بھرا جوابی سلام اس کی جانب اچھالا اور کی پیڈ پر کوڈ پنچ کیا۔ دروازے کا لاک زوں کی آواز سے کھل گیا۔

وہ کوٹ بازو پر ڈالے قدرے تھکا تھکا سا اندر داخل ہوا۔ جھک کے جوتے اتارے۔ پھر جرابوں میں مقید پیروں سے راہداری میں آگے چلتا آیا۔ ایک ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ بلاشبہ وہ ایک تھکا دینے والا دن تھا۔

لونگ روم کی دیوار گیر کھڑکیوں کے سیاہ پردے ہٹے تھے۔ چار سال میں اس اپارٹمنٹ میں انٹیریئر ڈیکور کی چند ایک تبدیلیوں کے سوا زیادہ کچھ نہ بدلا تھا۔ شیشوں سے باہر پھیلی رات اور بوسفورس کا پانی دکھائی دے رہا تھا۔ کنارے پر بندھی کشتیاں بھی ویسی ہی تھیں۔ رنگ برنگی روشنیوں سے مزین۔

ماہر لونگ روم کے دہانے پر رک گیا۔

اونچی کھڑکیوں کے قریب ایک ٹیپسٹری کا فلورا سٹینڈ رکھا تھا۔ اس کے چوکور فریم پر ایک موٹا کپڑا لگا تھا جس کے وسط میں مختلف رنگ کے دھاگوں سے کام کیا گیا تھا۔ چند ایک دھاگے نکل رہے تھے، گویا کام ادھورا تھا۔ ساتھ اسٹول رکھے وہ بیٹھی تھی۔ جھک کے انگلیوں سے ٹول ٹول کے سوئی چلاتی وہ کچھ بُن رہی تھی۔

دراز قد دبلی سی لڑکی جس کے لمبے گھنگریالے بال کمر پر بکھرے تھے۔ اس نے سفید لمبا فراک پہن رکھا تھا اور نیچے ٹخنوں تک آتی سفید ٹائٹس تھیں۔ پیر ننگے تھے۔ بنا کسی جراب کے۔ اس کے پیروں کے قریب ایک گولڈن ری ٹریور بیٹھا تھا۔ سنہرے لمبے بالوں والا کتا، جس کی گردن میں بندھے کالر پر جلی حروف میں "guide dog" لکھا تھا۔ (گائیڈ ڈوگ ایسے تربیت یافتہ کتے ہوتے ہیں جو اندھے لوگوں کا خیال کرنے اور ان کو راستہ بتانے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔) ماہر کو دیکھ کے کتے نے سر اٹھایا، پھر واپس نیچے رکھ لیا۔

''ماہر بھائی؟'' اس نے ہاتھ روکے بنا پوچھا تھا۔ ہاتھوں کی حرکت بہت سست تھی۔

''کیسی ہو ہلال؟'' وہ تکان سے کہتا قریب سیاہ ایل شیپ صوفے کے سرے پر گر سا گیا۔ کوٹ اور بیگ ایک طرف ڈال دیا۔

''کیا ہوا؟'' ہلال نے چونک کر چہرہ اس طرف موڑا۔اب اس کا نیم رخ واضح ہوا۔گھنگریالے بالوں کے ہالے میں اس کا چہرہ پہلے سے دلکش ہو گیا تھا۔ پندرہ سولہ سالہ لڑکیوں کی نزاکت اور بھوری سنہری آنکھوں کی کشش۔ابرو تعجب سے اکٹھے کیے،آنکھیں کھڑکی پہ جمی تھیں،لیکن وہ اس کی طرف متوجہ تھی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ ناک کی ہڈی کو مسلتے ہوئے آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔

''کچھ ہوا ہے۔'' اس کے دھاگوں میں لپٹے ہاتھ رک گئے۔''آپ اپ سیٹ ہیں۔شاید غصے میں ہیں۔کسی نے غصہ دلایا ہے آپ کو۔''

ماہر اب سر پیچھے کو گرائے،آنکھیں بند کیے،صوفے پر نیم دراز تھا۔

''آج کشمالہ آئی تھی۔''

''مالا؟'' وہ چونکی۔

''اس کا بیٹا کھو گیا ہے۔اسے میری مدد چاہیے تھی۔''

''بدر؟'' ہلال کے لب پھڑ پھڑائے۔ماہر نے آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔وہ کسی مجسمے کی طرح اسٹول پر بیٹھی تھی۔لمبی گردن۔مومی چہرہ۔آنکھوں میں اچھنبا۔

''تم کچھ جانتی ہو ہلال؟''

مومی مجسمے نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

''بدر کو کیا ہوا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔شاید وہ مر چکا ہے اور وہ یقین نہیں کرنا چاہ رہی۔''

''آپ اس کی مدد نہیں کریں گے؟''

''نہیں۔کیونکہ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔'' پھر سیدھے ہوتے ہوئے ایک تنبیہی نگاہ اس پہ ڈالی۔

''نہ ہی یہ تمہارا مسئلہ ہے۔''

''مگر بدر...''

''میں اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا،اس لیے یہ قصہ ختم ہوا۔وہ جلد واپس چلی جائے گی۔'' وہ کوٹ اٹھائے اٹھ کھڑا ہوا۔ہلال سے زیادہ اس نے خود کو تسلی دی تھی۔''اور تم ہلال... تم اس بارے میں مجھے کچھ نہیں کہو گی۔''

ہلال نے اثبات میں گردن ہلا دی۔چہرہ واپس موڑ لیا۔انگلیاں پھر سے دھاگے کو لپیٹنے لگیں۔وہ قدم قدم چلتا

اس کے قریب آ رکا۔اس کے کندھے کے پیچھے سے جھک کر اس کا سر چوما۔ پھر چہرہ سیدھا کر کے اس کی ٹپسٹری دیکھی۔اوپر سے نیچے تک تین رنگ کے دھاگے فریم میں بھرے تھے۔ایک تصویر سی ابھر رہی تھی۔لیکن رنگوں کے امتزاج سے یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کیا بنا رہی تھی۔ ماہر آگے بڑھ گیا۔ وہ ایک ہاتھ سے کپڑے کو ٹٹولتی، دوسرے میں سوئی پکڑے، اس جگہ رکھنے لگی جہاں آخری ٹانکا لگایا تھا۔

سنہری کتا قدموں میں بیٹھا اپنے پنجے زبان سے چاٹ رہا تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی جب دروازہ کھلا۔ چابیاں اچھالنے کی آواز آئی۔ پھر سیٹی بجی۔ کتا ایک دم تیزی سے اٹھا اور دم ہلاتا ہوا دروازے کی طرف لپکا۔

''ہیلو Luna۔'' بیربل کی کھنکتی آواز سنائی دی۔ دھاگے سے ٹانکے لگاتی ہلال کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔

چند لمحوں بعد وہ دونوں ساتھ ساتھ واپس آئے۔ وہ سنہری کتا دراصل مادہ تھی اور اس کا نام Luna تھا۔

بیربل نے اب اس کے پیچھے کھڑے ہو کے جھک کے اس کی ٹپسٹری دیکھی۔

''آر یو شیور تم درست رنگ استعمال کر رہی ہو؟''

''اوں ہوں۔'' وہ مبہم سا مسکرائی۔

''تمہیں کیسے معلوم ہوتا ہے کہ کون سا رنگ نیلا ہے اور کون سا سبز؟'' وہ مشکوک نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''ہر رنگ کا دھاگہ الگ ہوتا ہے، بی۔ ہر دھاگے کی خوشبو الگ ہوتی ہے۔ ہر انسان کی بھی۔ جیسے....'' اس نے آنکھیں بند کیں۔ اور ناک سے سانس اندر کھینچی۔

''جیسے آپ نے کچھ نیا پہنا ہوا ہے۔ چین؟ انگوٹھی؟''

بیربل فرید کے چہرے کی ساری بتیاں جل اٹھیں۔

''واچ۔'' اس نے جھٹ کلائی آگے کر دی۔ وہ آنکھیں کھول کے مسکرا دی۔ وہ اب اس کے قریب ایک اسٹول کھینچ کے بیٹھ رہا تھا۔ چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا اور اب وہ اسے اس گھڑی کی تمام خصوصیات بتا رہا تھا۔

لونا ان دونوں کے قدموں کے قریب پھیل کے بیٹھ گئی تھی۔

''ماہر بھائی اپ سیٹ ہیں۔'' کچھ دیر بعد وہ قدرے اداسی سے بولی۔

''ماہر بھائی ساری عمر ہی اپ سیٹ رہے ہیں۔''موضوع بدلنے پہ بیربل کا منہ جیسے کڑوا ہو گیا۔پھر کچھ یاد آیا۔ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔

''سو؟ میرے اندر کوئی دوسری تبدیلی بھی آئی ہے؟ سوائے گھڑی کے؟''

وہ دونوں ٹیسپٹری کے فریم کے سامنے اونچے اسٹولز پر بیٹھے تھے۔سفید فراک والی لڑکی اس کی طرف رخ کیے ہوئے تھی،البتہ اس کی سنہری آنکھیں دور کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

''معلوم نہیں بیربل بھائی۔میں کسی کا aura سینس کر سکتی ہوں۔آپ کے سارے دن کی روداد آپ کو نہیں بتا سکتی۔''اس نے جیسے بہت تحمل سے کئی دفعہ کی بات دہرائی۔

''اچھا تو وہ....''وہ کھنکھارا۔کان کھجایا۔''اس دن میں ایک لڑکی کو تمہارے پاس لایا تھا۔''

''یاد ہے۔''

''تم نے کیا محسوس کیا؟''وہ بہت اشتیاق سے اسے دیکھتا،بظاہر سرسری انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''میں نے محسوس کیا کہ....''وہ سادگی سے بتانے لگی۔

''ایک کمزور aura۔جلدی دب جانے والی پرسنالٹی۔اسے بچپن میں نظر انداز کیا گیا تھا۔اس کو محبت کی تلاش ہے۔لیکن اس کو بہت سی شکایتیں بھی ہیں۔اپنے مرے ہوئے باپ سے۔''

''لیکن اس لڑکی کا باپ تو زندہ ہے۔''

''میں اس کی بات نہیں کر رہی۔''وہ مسکرائی۔بیربل کو چند لمحے لگے سمجھنے میں۔پھر برا مان کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ویری فنی۔''منہ بگاڑ کے اس کی نقل اتارتا وہ کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ساتھ ہی بڑبڑا رہا تھا۔

''آج تک تمہاری سپر پاورز کا مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔کیا ہو جائے گا اگر تم مجھے لڑکیوں کے بارے میں پہلی ملاقات میں ہی بتا دیا کرو؟ مگر نہیں۔''اس کی بڑبڑاہٹ دھیمی پڑ رہی تھی۔اب وہ شاید کمرے میں چلا گیا تھا۔

ہلال مسکرا کے واپس ٹیپسٹری کی طرف متوجہ ہو گئی۔لونا اب فرش پر لیٹی آنکھیں موندے ہوئے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو دن بعد

تیسری صبح طلوع ہوئی اور مالا اپنے کیری آن بیگ کے ساتھ ہوٹل ریسپشن پر کھڑی دکھائی دی۔پچھلے دو دن وہ

شوٹ میں مصروف رہی تھی۔ ذہن بھی مصروف رہا تھا۔ آج صبح سے وہ فارغ تھی۔ اور ذہن خالی۔

کارڈ واپس کرتے ہوئے اس نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ ریسپشن کلرک کی بات سننی چاہی، لیکن الفاظ سنائی نہیں دے رہے تھے۔ تین ماہ سے کچھ بھی ٹھیک سے سنائی نہیں دیتا تھا۔ شاید سننے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہوگی۔ سفر اچھا گزرے۔ دوبارہ ٹھہرنے کی یاددہانی۔ یہ وہ۔

اس نے کلرک کے پیچھے دکھائی دیتی شیشے کی دیوار میں اپنا چہرہ دیکھا۔ گلابی سپید چہرہ۔ بے خوابی کے باعث ذرا سی سوجی آنکھیں جن کو آج اس نے کنسیلر سے درست نہیں کیا تھا، کہ اب ان آنکھوں کی عادت ہو چکی تھی۔

البتہ اب وہاں کچھ تھا جو تین دن پہلے استنبول آتے ہوئے نہیں تھا۔ ایک بجھی ہوئی امید۔

موبائل بیگ میں ڈالنے کے لیے اسے کھولا تو وہ شے دکھائی دی۔ کیا اسے ماہر کو اس کے بارے میں بتانا چاہیے تھا؟ اونہوں۔ ضرورت ہی نہیں تھی۔ جس شخص نے....

''مجھ سے ملے بغیر تم کیسے واپس جا سکتی تھیں؟''

مالا کی سوچ ٹوٹ گئی۔ چونک کے ایڑیوں پر گھومی۔ کیری آن بیگ بھی اپنے ٹائرز پر گھوما۔

اگلے ہی پل اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلے۔

بیربل فرید بہت سی مصنوعی ناراضی لیے سامنے کھڑا تھا۔

''کس نے کہا میں جا رہی ہوں؟''

اب کے چونکنے کی باری اس کی تھی۔

سوئیٹ پینٹس اور زرد ڈیزائنر لوگو والی جیکٹ پہنے بیربل نے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ وہ ویسا ہی تھا۔ گھنگریالے بال۔ گردن میں چینز۔ سفید جوگرز۔ کلائیوں کے بریسلیٹ اور چمکتی گھڑی۔ چہرہ پہلے سے ذرا دلکش ہو گیا تھا۔

''مجھے ایک اڑتی چڑیا نے بتایا تھا کہ تم میرے روبوٹ بھائی سے مدد مانگنے آئی تھیں، لیکن اس نے تمہیں انکار کر دیا۔''

''چڑیا یہ بتانا بھول گئی کہ مالا اتنی جلدی ہار نہیں مانا کرتی۔''

وہ دونوں اب ہوٹل لاؤنج کے صوفوں پر بیٹھے تھے۔ یہ وہ صوفے نہیں تھے جہاں اس روز اس نے گھنٹوں اس شخص کا انتظار کیا تھا۔ وہ ان کے دائیں جانب رکھا سیٹ تھا، جو اب خالی تھا۔

آج میز پر رکھے پھول تازہ تھے۔اس دن کے جیسے باسی اور مرجھائے ہوئے نہ تھے۔

''ویسے تمہیں کس چیز نے کاٹا تھا جو تمہیں لگا تم ماہر بے سے اپنی بات منوا سکتی ہو؟''

ویٹر چائے کی پیالی رکھ کے گیا تو بیربل نے بہت سنجیدگی سے پوچھتے ہوئے شکردان اٹھایا۔

''مجھے لگا وہ میرا درد سمجھے گا۔''

''وہ آج تک اپنا درد نہیں سمجھا۔تمہارا کیا خاک سمجھے گا۔'' بیربل کی انگوٹھیوں والی انگلیاں ایک ایک کر کے شکر کی تین ڈلیاں چائے میں ڈال چکی تھیں۔مالا نے اس کے چہرے کی دمکتی جلد کو دیکھا۔وہاں ایک دانہ بھی نہ تھا۔سوائے شیو کے چند مندمل ہوئے کٹس کے۔

''تم سناؤ ... کیسے ہو؟ اچھے حال میں لگ رہے ہو۔''

''ترکش میں کہتے ہیں صبر سے دن درویش مراد نا ارمیش۔(صابر درویش کو بالآخر اپنی مراد مل ہی گئی)

''اور اردو میں کہتے ہیں اللہ گنجے کو ناخن نہ دے۔'' اس نے افسوس سے دائیں بائیں سر ہلایا۔بیربل فرید کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''کہہ کون رہا ہے۔''

''میں ویسی ہی ہوں۔''

''بہت کمفرٹیبل لگ رہی ہو۔'' اس نے آنکھیں گھما کے ہوٹل لاؤنج کو دیکھا۔مالا دھیرے سے ہنس دی۔

''یہ میرے کلائنٹ نے بک کروایا تھا، بیربل۔ہوٹل، فلائٹس، سب وہ پے کرتے ہیں۔میں یہاں سے چیک آؤٹ کر کے واپس نہیں جا رہی۔ایک سستی رہائش کی طرف جا رہی ہوں۔''

بیربل آگے کو جھکا اور بہت رازداری سے سرگوشی کی۔

''میرا انکم ٹیکس ڈیپارٹمنٹ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''

وہ پھر سے ہنس دی۔''میں تمہاری طرح امیر نہیں ہوں، بیربل۔میں صرف کمفرٹیبل ہوں۔جانتے ہو وین کوور میں سنگل مدر کے لیے بچہ پیدا کرنا اور پالنا کتنا مشکل ہوتا ہے؟ میں ایک شوٹ سے دوسرے تک گزارا کرتی ہوں۔'' پھر اس نے سر جھکا کے اپنی انگلیوں کو دیکھا۔ننھے ہیرے۔ساتھ ڈیزائنر بیگ۔

چہرہ اٹھایا اور اس خالی کرسی کو دیکھا جہاں اس روز وہ بیٹھا تھا۔

''یہ سب تو ایک ملمع ہے تاکہ لوگ ہماری عزت کریں۔شمالی امریکہ میں اکثر لوگ یہ چیزیں خرید سکتے ہیں۔''

بیربل فرید جیسے بدمزہ ہو کے پیچھے ہوا۔اس کا یہ تاثر کہ شاید وہ مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سی دولت کی مالک بھی بن گئی تھی، زائل ہو گیا۔

''تم بتاؤ، کام کیسا جا رہا ہے؟''

اس نے کندھے اچکائے۔

''کام چلتا رہتا ہے۔'' مبہم سا کہتے ہوئے وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا۔مالا نے بغور اسے دیکھا۔

''بیکری کیسی ہے؟''

''تم نے کہا تم سنگل مدر ہو۔'' وہ جیسے چونک کر یاد کرنے لگا۔یا شاید موضوع بدل دیا۔

''تمہارا وہ ولن ایکس ہز بنڈ تمہاری مدد نہیں کرتا؟''

''مجھے اس کے خون میں ڈوبے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔'' وہ برا مانے بغیر گہری سانس لے کر بولی۔بیربل وہ پہلا شخص نہیں تھا جس نے اسے ان چار برسوں میں یہ بات یاد کروائی تھی۔ماہی نے ایک دو دفعہ دبے الفاظ اور ثمر خالہ نے کھلم کھلا کہا تھا کہ اسے زیاد سے بچے کے لیے پیسے مانگنے چاہئیں۔لیکن یہ وہ لکیر تھی جس کو وہ کبھی عبور نہیں کر سکتی تھی۔بدر اس کا بیٹا تھا۔زیاد کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا، نہ ہی وہ بننے دے گی۔

''وہ اس کا بھی بیٹا ہے مالا۔اور یہ چیز کبھی نہیں بدلے گی۔'' آخری دفعہ ماہی نے بس اتنا کہا تھا۔یہ موضوع پھر زیر بحث نہیں آیا۔

''ہلال کیسی ہے؟'' اس نے کنکھیوں سے پھر سے خالی کرسی کو دیکھا۔اس پر بیٹھے شخص کا ہیولہ سا وہاں اب بھی موجود تھا۔اس کی آنکھوں کا غصہ۔لاتعلقی۔میز کو بجاتی اس کی انگلیاں۔

''وہ اچھی ہے۔بہت اچھی۔'' بیربل کا چہرہ چمک اٹھا۔''اس نے ہماری زندگی بدل دی۔ورنہ پہلے ہمارے گھر میں ایک انسان اور ایک روبوٹ تھا۔اب دو انسان ہیں اور ایک روبوٹ ہے۔''

چند لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔اس کی چائے ویسی ہی رکھی تھی جبکہ بیربل اپنی چائے سے وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہا تھا۔

''وہ دیکھ نہیں سکتی۔'' اب کے وہ اداسی سے بولا۔''لیکن جو وہ دیکھتی ہے، وہ کوئی نہیں دیکھ سکتا۔''

''وہ کیسے جانتی ہے وہ سب کچھ جو وہ بتاتی ہے؟''

بیربل نے دھیرے سے شانے اچکائے۔''یہ اس کا گفٹ ہے۔ایسے لوگوں کو Seer کہتے ہیں۔اس کو بہت

سی ایسی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔لوگوں کی اصلیت،ان کی انرجی۔وہ خود سے بتاتی ہے۔پوچھو تو نہیں بتاتی۔میں اکثر اس سے سوال پوچھتا ہوں...(کھنکھارا)....لوگوں کے بارے میں۔''

''لڑکیوں کے بارے میں۔''وہ مسکرائی۔بیربل نے آنکھیں گھمائیں۔

''اچھا بابا،لڑکیوں کے بارے میں۔لیکن وہ نہیں بتاتی۔اور ماہر کو یہ بات ناپسند ہے۔وہ کہتا ہے کہ اگر ہلال اپنا تحفہ سب کو دکھائے گی تو یہ کھو جائے گا۔ایسے لوگ اگر اپنی صلاحیت کا اسرار ظاہر کر دیں تو اسے کھو دیتے ہیں۔''

مالا نے کانچ کی پیالی اٹھا کے ایک گھونٹ بھرا۔ترکش چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔اسے ویسے بھی یہ پسند نہ تھی۔

''تم نے فوٹو گرافی کے سوا کیا کیا ان چار برسوں میں؟''بیربل نے سرسری سا سوال کیا،البتہ آنکھوں کا تجسس ظاہر ہو رہا تھا۔وہ مسکرا دی۔

''نہیں۔میری زندگی میں کوئی نہیں آیا۔''

وہ قدرے جھینپ گیا۔پھر افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''کاش تم دونوں....''لیکن بات ادھوری چھوڑ دی۔اس بات کو مکمل نہیں ہونا چاہیے تھا۔

''اور تم نے کیا کیا؟''اس نے جواباً پوچھا۔بنا تجسس کے۔صرف خلوص سے۔

''میری زندگی ویسی ہی بے رونق ہے۔''بیربل نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔اس کے سانس میں چائے کے پتوں کی مہک تھی۔

''بہت سی لڑکیاں آئیں اور چلی گئیں۔شروع میں جن کے ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھے،وہ ایک دم سے مجھے ghost کر دیتی ہیں۔ہلال کے ہونے کا بھی مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔اس وقت بھی میں ایک situationship میں ہوں۔''

''سچوئیشن شپس صحت کے لیے اچھی نہیں ہوتیں۔''اس نے مسکرا کے تنبیہ کی۔بیربل کے ماتھے پر بے زاری سے بل پڑے۔

''میں محبت کے معاملے میں شدید بدقسمت ہوں۔حالانکہ وہ جو میری دولت پہ سانپ بن کے بیٹھا تھا،اس کا پتا بھی صاف ہو گیا ہے۔میرا خیال تھا اب میں کامیاب ہو جاؤں گا۔لیکن نہیں۔''

وہ پیچھے ہو کے بیٹھا اور اسی اداسی سے چھت سے لٹکتے فانوس کو دیکھنے لگا۔

''پتہ ہے،میں کیا چاہتا ہوں،مالا؟''اس کی آنکھوں میں قمقموں کی روشنی واپس جھلکتی دکھائی دی۔

''مجھے محبت کرنی ہے۔ rom com مووِیز والی محبت۔کرسمس سیزن اور سرما کی محبت۔ hate to love اسٹوریز والی محبت۔ بھلے پہلے ہم ایک دوسرے سے نفرت کریں، خوب لڑائیاں ہوں، لیکن پھر وہ نفرت، محبت میں بدل جائے۔''

پھر بہت امید سے مالا کو دیکھا۔

''ایسا ہوتا ہے کیا؟''

''نہیں۔'' اس نے مسکراہٹ دبائے گردن ہلائی۔''ساری مووِیز اور کتابیں جھوٹ بولتی ہیں۔اب لوگوں کو ایسی محبتیں نہیں ہوتیں۔لوگ بہت جلد موو آن کر لیتے ہیں۔'' ایک نظر ہمسائے صوفہ سیٹ پہ ڈالی۔ جامنی کرسی خالی تھی۔

بیر بل نے برا منہ بنا کے اسے دیکھا۔وہ اسے ایک بھی بات ایسی نہیں کہہ رہی تھی جس سے اس کا دل خوش ہو۔

پھر جیسے اسے کچھ یاد آیا۔

''محبت تو ہوئی ہے ماہر بے کو۔ایسی طوفانی دھواں دھار محبت کہ تم سوچ نہیں سکتی۔''

مالا نے شکر دان اٹھایا۔لیکن اسے ٹھنڈی چائے میں چینی نہیں ڈالنی تھی۔سو اسے واپس رکھ دیا۔

''اوں ہوں؟'' پیالی اٹھا کے ہونٹوں سے لگائی۔بدمزہ ٹھنڈا شربت۔

''واللہ....'' بیر بل نے انگلی اور انگوٹھے سے کان کی لو کو چھوا۔''ایسی محبت تم نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔نہ سنی ہوگی۔''

(ماہر فرید موبائل پر بٹن دباتا کیف کی عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔سرمئی سوٹ گہری ٹائی اور جیل سے پیچھے کو سمٹے بال۔ریسپشنسٹ کے قریب وہ ٹھہرا۔استفساریہ انداز میں ابرو اٹھا کے ایک نام لیا۔

''کیا وہ آفس میں ہے؟'')

''چند ماہ قبل ماہر کو ایک دم سے محبت کا بخار چڑھا اور ابھی تک نہیں اترا۔''

(''یس سر۔وہ آپ کے آفس میں موجود ہیں۔'' ریسپشنسٹ نے سر ہلا کے اطلاع دی۔''آپ کا انتظار کرتے ہوئے انہیں کافی دیر ہوگئی ہے۔''

ماہر کے چہرے پر تفکر اور ندامت ایک ساتھ ابھری۔روشن موبائل اسکرین پر وقت دیکھا۔

''مجھے دیر ہوگئی۔'' وہ پشیمانی سے کہتا لفٹ کی جانب لپکا۔)

''اسے ماہر کی اتنی پرواہ نہیں ہے جتنی ماہر کو اس کی ہے۔ وہ اس کا پروانہ بن چکا ہے۔ اس کے دائیں بائیں گھومتا ہے۔''

(لفٹ اوپر تھی۔ ماہر نے کال کا بٹن دبایا اور بے چینی سے گھڑی دیکھی۔ وہ دیر سے جاگا تھا۔ آفس آنے میں بھی دیر ہوگئی۔

لفٹ نیچے آ کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ چمکتے بوٹ قدم قدم زینے عبور کرنے لگے۔ وہ اسے کیسے اتنا انتظار کروا سکتا تھا؟)

''وہ اس کی محبت میں بہت... بہت غیر فطری انداز میں ڈوب چکا ہے۔ وہ اس کی ہلکی سی ناراضی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہر وقت اس کو خوش کرنے میں لگا رہتا ہے۔''

(وہ تیزی سے زینے طے کر رہا تھا۔ ساتھ ہی لب کاٹ رہا تھا۔ اسے گھر سے جلدی نکلنا چاہیے تھا۔ وہ پورے پچیس منٹ لیٹ تھا۔ اور وہ کبھی اتنا لیٹ نہیں ہوتا تھا۔)

''اگر وہ کہے یہ دن نہیں رات ہے، تو ماہر ساری دنیا کو یہ ثابت کر کے دکھائے گا کہ یہ رات ہے۔ وہ کہے مجھے تارے توڑ کے لا دو، تو ماہر بے اگلی فلائٹ سے آسمان پہ چلے جائیں گے۔''

(مین ہال میں بنے کیبنز میں آرکیٹیکٹس اور ڈیزائنرز کام میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ وہ تیزی سے کیبنز کے درمیان سے گزرنے لگا۔ بہت سے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ سلام۔ ویلکم۔ شبنم بھی اپنے ڈیسک سے تعظیماً اٹھی۔ وہ کچھ کہنے لگی لیکن ماہر نے ہاتھ اٹھا دیا۔

''بعد میں۔'' پھر اپنے دروازے تک وہ رکا۔ گردن موڑ کر شبنم کو دیکھا۔

''دو ترکش قہوے۔ ہم دونوں کے لیے۔''

اور آفس کا دروازہ کھولا۔

''تم چھبیس منٹ لیٹ ہو۔'' خفا سی آواز نے اس کا استقبال کیا۔)

''میں تو ماہر اور اس کی محبت کے نظارے دیکھ کے شدید اذیت میں مبتلا ہوں۔ یعنی کوئی کیسے اچانک کسی کی محبت میں اتنا ڈوب سکتا ہے؟ Such cringe۔'' بیربل نے جھرجھری لی۔

وہ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ خاموش ہوا تو مالا نے پیالی رکھی۔ کانچ کے چینی کی پرچ سے ٹکرانے کی چھنک بلند ہوئی۔

''اچھا ہے نا۔ وہ اس لڑکی کے ساتھ خوش رہے گا۔''

''کون سی لڑکی؟''

"جس کی تم بات کر رہے ہو۔''

بیربل شیطانی انداز میں مسکرایا۔

''ماہر بے کو کسی لڑکی سے محبت نہیں ہوئی۔''

اس نے ناسمجھی سے بیربل کو دیکھا۔ پیالی نیچے رکھ دی۔

وہ آگے کو جھکا اور ایک ایک لفظ پہ زور دے کر بولا۔

''ماہر آفندی کو لڑکی کے باپ سے عشق ہو گیا ہے۔''

(''سوری... میں دیر سے جاگا تھا۔'' وہ معذرت کرتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

عبدالمالک فرید اس کی کرسی پر بیٹھے تھے۔ ہمیشہ کی طرح سرد تاثرات والا چہرہ لیے، جس کی لکیروں میں چار برسوں نے اضافہ کر دیا تھا۔ گھنے سفید بال جیل سے پیچھے کو جمے تھے اور وہ ایک ہاتھ میں ننھا سا پتھر گھما رہے تھے جو میز کے وسط میں رکھا تھا۔ انگلیوں میں نگینوں اور قیمتی پتھروں والی سلور انگوٹھیاں ویسی ہی دمک رہی تھیں۔

''پھر آج ٹریفک بہت تھا۔ خدا کرے دن اچھا گزرے۔'' وہ خود کو ملامت کرتا، سامنے والی کرسی کھینچ کے بیٹھا۔

مالک فرید نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ چہرے پہ ناگواری عود آئی تھی۔

''تم نے میرا آدھا گھنٹہ ضائع کیا۔''

''سوری۔'' وہ اس کرسی پر قدرے غیر آرام دہ سا بیٹھا تھا۔ اسے اس کی عادت نہ تھی۔ لیکن بنا اعتراض کیے وہ اپنے فولڈر سے کاغذات نکال کے سامنے رکھنے لگا۔

مالک فرید اب اسی خفگی سے کچھ کہہ رہے تھے۔)

''مالک فرید؟ تمہارے چچا؟''

''ہمارے خاندان کا بڑا روبوٹ۔'' وہ تنک کے کہہ رہا تھا۔ ''منگنی اس نے زارا سے کی ہے، لیکن رشتہ اس کا جیسے مالک سے بدل گیا ہے۔''

(مالک فرید اسی چڑچڑے انداز میں کچھ کہہ رہے تھے جب وہ نرمی سے بولا۔

''ٹھیک ہے۔ تم جیسے کہہ رہے ہو ویسے کر لیتے ہیں۔''

عبدالمالک فرید رک گئے۔ابرو اکٹھے کر کے بغور اسے دیکھا۔

''تم نے میری لکھی گئی ریکمنڈیزنشز پڑھی بھی ہیں؟''

ماہر نے پرنٹ شدہ صفحہ دو انگلیوں سے اٹھا کے اونچا اٹھایا، جس پر سرخ قلم سے جگہ جگہ پوائنٹس لکھے تھے اور پھر اسے مالک کے سامنے رکھا۔

''ٹریفک میں پھنسا میں یہی کر رہا تھا۔ یہ شبنم نے مجھے کل شام ہی بھیج دی تھیں۔ہم ویسے ہی کریں گے جیسے تم کہہ رہے ہو۔'' وہ اسی تحمل اور تابعداری سے کہہ رہا تھا۔

دونوں بازو کرسی کے ہتھ پر جما کے بیٹھے مالک فرید نے بغور اس کو دیکھا۔ماہر کا چہرہ بے تاثر تھا۔یا شاید مطمئن۔ وہ کسی بحث کے بغیر مان گیا تھا۔

''شیور؟'' وہ اس کو مشکوک نظروں سے دیکھتے غیر ارادی طور پہ اس پتھر کو میز کے کنارے سے رگڑ رہے تھے۔دائیں بائیں۔دائیں بائیں۔

''شیور۔'' وہ جبراً مسکرایا۔ پتھر رگڑنے سے چیں چیں کی ناگوار ترین آواز اٹھ رہی تھی۔کنارے کی لکڑی قدرے بھربھر کے نیچے بھی گرنے لگی تھی۔ماہر کی کرسی کے ہتھ پر جمی ہتھیلیاں بھنچ گئیں۔لیکن چہرے پر وہی مسکراہٹ قائم رہی۔

شبنم کافی کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی اور باری باری دونوں کے سامنے پیالیاں اور پانی کے گلاس رکھے۔مالک سوچ میں ڈوبے ابھی تک پتھر میز کے کونے سے رگڑ رہے تھے۔ناگوار آواز پہ شبنم کے ابرو اکٹھے ہوئے۔بے اختیار ماہر کو دیکھا۔اس نے نفی میں آنکھیں ہلائیں۔وہ ضبط کر کے خاموش رہی۔)

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ جیسے مالک نے ماہر پہ سحرِ عشق کر دیا ہے۔'' بیربل نے ایک نئی تھیوری پیش کی تو وہ دھیرے سے ہنس دی اور پیالی نیچے رکھی۔کانچ شیشے سے ٹکرایا۔چھن بلند ہوئی۔

''ہر کوئی ہر ایک پر سحرِ عشق نہیں کر رہا۔عبدالمالک فرید ایک اچھے انسان ہیں اور تمہارے بھائی کو بالآخر ان کی قدر معلوم ہو گئی ہے۔''

بیربل کا منہ بن گیا۔

''میں بھی کس سے پوچھ رہا ہوں۔جس کو انسانوں کی پہچان میں سرٹیفیکیٹ حاصل ہے۔ماشاءاللہ۔'' سر دائیں بائیں ہلاتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا اور اشارہ کرتے ہوئے ویٹر کو بلانے لگا۔

''ہوں۔سو وہ مالک صاحب کی بیٹی سے شادی کر رہا ہے۔انٹرسٹنگ۔''اس نے پیالی لبوں سے لگاتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔''کیا کرتی ہے وہ؟''

اور بیربل اسی شیطانی انداز میں مسکرایا۔اس موضوع پہ بولنے کے لیے اس کے پاس بہت سا مواد تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اکتوبر کی سرد صبح میں سورج کی کرنیں پگھل رہی تھیں۔بوسفورس کنارے بنے اس اونچے اوپن ائیر ریستوران کے کچھ حصے پر دھوپ پڑ رہی تھی اور کچھ چھایا تلے تھے۔ایک کاؤچ پر زارینہ فرید بیٹھی تھی۔ٹانگ پر ٹانگ جمائے، بل دار لمبے بالوں کی ایک لٹ انگلی پر لپیٹتی، وہ گردن موڑے حدنگاہ تک پھیلے پانی کو دیکھ رہی تھی۔ایک اونچا پل بھی یہاں سے دکھائی دیتا تھا۔رات میں یہ پل سرخ بتیوں سے جگمگا اٹھتا تھا۔اس وقت اس کی روشنی ماند پڑی تھی۔دور پانی میں چند کشتیاں اور فیریز تیرتی دکھائی دے رہی تھیں۔بگلے ان کے اوپر سے پرواز کرتے، ریستوران کے دہانے تک چکر کاٹ رہے تھے۔

زارینہ نے سفید فرکوٹ پہن رکھا تھا اور ہوا سے بال ہولے ہولے اُڑ رہے تھے۔سامنے میز پر انواع اقسام کے چھوٹے چھوٹے برتنوں میں ہر رنگ کی چیزیں سجی تھیں۔کروسونت۔ٹماٹر۔ترکش شکشوکا۔بریڈ۔سبز پتے۔بینگن۔ساتھ ہی اس کا سیاہ کیلی بیگ رکھا تھا۔

''جانتی ہو میں نے اطالیہ میں سب سے زیادہ کیا مِس کیا؟''

زارا چونک کر واپس اپنے مہمان کی طرف متوجہ ہوئی۔وہ اسی کی عمر کی لڑکی تھی۔چھوٹے بال ادرک رنگ کے تھے اور ماتھے پر بینگز کی صورت میں کٹے تھے۔وہ مسکرا کے کروسنٹ کا ٹکڑا توڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''کہ میں سمندری بگلوں کو جرمانے کے ڈر سے کھانا نہیں ڈال سکتی تھی۔''

کہتے ہوئے اس نے وہ ٹکڑا پیچھے فضا میں اچھا دیا۔ہوا میں اڑتے بگلوں کے ایک غول نے غوطہ کھایا اور سب اس ٹکرے کی طرف لپک گئے جو اڑتا ہوا پانی پر جا گرا تھا۔

زارا مسکرا دی۔اس کی آنکھوں کے گرد کا crow's feet (جھریاں) غائب تھیں۔

''تم کہہ رہی ہو کہ تم نے مجھے مس نہیں کیا؟''مصنوعی خفگی سے ابرو اکٹھے کیے۔پیشانی اور ابرو کے درمیان بننے والی لکیریں بھی ندارد تھیں۔ملائم برابر جلد۔

''مِس بھی کیا اور پر تجسس بھی تھی۔یہ سب کیسے ہوا؟''بھورے بالوں والی عذرا نے قدرے اشتیاق اور قدرے

شک سے اس کی انگلی کی طرف اشارہ کیا۔ٹیک لگا کے بیٹھی زارا نے گردن جھکا کے تیسری انگلی دیکھی جس میں ایک آنسو کی شکل کا ہیرا دمک رہا تھا۔

''تھری کیرٹ؟''

''فور۔'' تفاخر سے مسکرا کے چہرہ اٹھایا۔ہونٹوں کے گرد laugh lines بھی غائب تھیں۔وہ چار سال پہلے والی زارا سے مختلف تھی۔ناک کی نوک pig nose میں بدل چکی تھی۔گالوں کا سیب بھرا بھرا تھا اور نیچے سے چہرہ بالکل بیضوی۔ ہونٹ قدرے پھولے پھولے تھے۔ eye lids اب اونچے ہو چکے تھے اور آنکھیں پہلے سے بڑی دکھائی دیتی تھیں۔

اس کا چہرہ پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو چکا تھا۔

اس خوبصورت چہرے کی طرح جواب دنیا میں بہت عام ہو چکا تھا۔

''ماہر نے خود خریدی تھی؟'' عذرا غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

زارینہ کے حلق میں کچھ اٹکا۔لیکن وہ مسکرا دی۔

''آف کورس۔اسی نے پروپوز کیا ہے۔اسی نے خریدنی تھی۔''

اس نے پیالی کے حلقے کو دو انگلیوں سے اٹھایا۔فرنچ مینی کیور شدہ ناخنوں کے سفید کنورے کانچ سے ٹکرائے۔

''میرا مطلب تھا کہ خود لے کر آیا، یا تمہیں کارڈ پکڑا دیا؟'' وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہم نے ایک ساتھ جا کے لی تھی۔'' وہ بھی مسکرا دی۔اور کپ لبوں سے لگایا۔

''ہوں۔گڈ۔'' عذرا نے توقف کیا۔اپنی پیالی سے ایک گھونٹ بھرا۔ہوا سے اس کے ماتھے کے بینگز اُڑ رہے تھے۔

''میں تم سے اِن پرسن ساری کہانی سننا چاہتی تھی۔کیسے ہوا یہ سب اچانک سے؟''

''سچ کہوں تو میں ماہر کی طرف سے مایوس ہو چکی تھی۔'' زارا نے جھرجھری لے کر کندھے اچکائے۔اس کے مصنوعی چہرے پہ پہلی دفعہ کوئی قدرتی تاثر دکھائی دیا۔خوشی۔حیرت۔

''میں لندن چلی گئی تھی۔میں نے فرید ہولڈنگ میں کام شروع کر دیا تھا،تمہیں یاد ہوگا۔''

''یہ بھی یاد ہے کہ تمہارے بابا نے وہاں تمہیں چند اچھے لوگوں سے ملوایا تھا۔''

زارا کے چہرے پہ ناپسندیدگی ابھری۔سر دھیرے سے جھٹکا۔

''ہاں۔اچھے تھے وہ سب۔ ہر کچھ ماہ بعد کسی دوست کا قابل بیٹا۔''اس نے جھک کے پیالی میز پر واپس رکھی اور پھر ٹیک لگالی۔انگلیوں سے گردن میں پہنی لمبی سنہری زنجیر لپیٹنے لگی۔

''لیکن ان میں سے کوئی ماہر کے جیسا نہ تھا۔''

''اور ماہر؟''

''اس نے شروع میں کوئی رابطہ نہیں رکھا۔لیکن پھر چار ماہ پہلے وہ لندن آیا۔اپنی قسم توڑ کے۔ہم ڈنر پہ ساتھ گئے۔وہ مجھے بتاتا رہا کہ کیسے اس کو اس پراجیکٹ نے تھکا دیا ہے۔''رک کے وضاحت کی۔

''یونو اس کا سرخ....''

''ماہر فرید کی قرمزی (سرخ) عمارت۔اسے کون نہیں جانتا۔''عذرا کی آواز میں ہلکا سا طنز ابھرا۔''فائق منسٹری آف انوائرمنٹ اور اربنائزیشن میں ہوتا ہے۔وہ... '' کچھ کہتے کہتے وہ رک گئی۔سر جھٹکا۔''پھر؟''اسے کہانی سننے میں دلچسپی تھی۔

''بس وہ ایک ہفتہ لندن میں رہا۔ہم تین دفعہ ڈنر کرنے ساتھ گئے۔اور اس نے کہا کہ وہ سیٹل ہونا چاہتا ہے۔شادی کرنا چاہتا ہے۔اور میں اس کی بیسٹ فرینڈ ہوں۔ ہمیشہ سے تھی۔اسے میری ضرورت ہے۔اور تیسرے ڈنر پہ اس نے مجھے پروپوز کر دیا۔''وہ مسکرادی۔آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

''اور دو ماہ بعد تم شادی کر رہے ہو۔ماشاءاللہ۔''عذرا رکی۔ایک گھونٹ بھرا۔پھر دوسرا۔زارا بغور اسے دیکھ رہی تھی۔مسکراہٹ اب مدھم ہو چکی تھی۔

عذرا نے کپ نیچے رکھ دیا اور گردن موڑے بگلوں کو دیکھنے لگی۔

''کہہ دو۔وہ مزید برداشت نہیں کر سکتی تھی۔''

''کیا؟''

''جو کہنا چاہتی ہو۔کافی عرصے سے۔''زارا کے چہرے پہ بے چینی در آئی۔

عذرا نے گہری سانس لی۔

''چار ماہ پہلے ماہر نے اچانک سے تمہیں پروپوز کیا۔جیسے وہ ایک دم بدل گیا ہو۔''

زارا آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھے گئی۔

''تمہیں حیرت نہیں ہوئی کہ اچانک سے اس نے ایک سواسی ڈگری کا ٹرن کیسے لیا؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے؟''

''چار پانچ ماہ پہلے... ایک واقعہ اور بھی ہوا تھا زارا۔'' وہ اسے یاد دلا رہی تھی۔

''کیا؟''

''ماہر نے اپنے بھائی بیربل کا ٹرسٹ فنڈ ریلیز کیا تھا۔یعنی اس کے حصے کے اثاثے اس کے حوالے کر دیے تھے۔'' کچھ جتاتا ہوا سا تھا اس کے انداز میں۔

''برا مت ماننا، لیکن ماہر فرید کو ہم سب جانتے ہیں۔وہ کلاسک manipulator ہے۔ یہ اس کی ریپو ہے۔اس نے اپنی قرمزی عمارت کو جنون بنا کے کیسے کنسٹرکشن پرمٹ منظور کروائے تھے، فائق بھی جانتا ہے اور تم بھی۔''

''یہ ترکی ہے۔ یہاں پیسے پھینکے بغیر پرمٹ منظور نہیں ہوتے عذرا۔اور ماہر فارنر ہے۔''

''یہی تو میں بتا رہی ہوں۔شروع میں ایک yambis نمبر (اسٹرکچر نمبر) لینے کے لیے بھی اس نے بے دریغ پیسہ لگایا تھا۔کنسٹرکشن اتھارائزیشن سرٹیفکیٹ کے لیے اس نے کیا کیا نہیں کیا تھا۔زوننگ اسٹیٹس ڈاکومنٹ۔لیکن...'' عذرا کی آنکھیں چمکیں۔ایک پرتجسس وقفہ دیا۔

''لیکن اس نے ابھی تک بلڈنگ اکوپنسی پرمٹ building occupancy permit نہیں اپلائی کیا۔''

''اپلائی کر چکا ہے، ملا نہیں ہے۔''

عذرا آگے کو ہوئی اور پورے وثوق سے اسے دیکھا۔

''اپلائی نہیں کیا اس نے۔وہ فائق کے ہاتھ سے گزر کے جانا تھا۔''

زارا نے غیر آرام دہ انداز میں پہلو بدلا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟''

''قرمزی عمارت وہ کنواں ہے جس میں ماہر فرید اپنی ساری دولت پھینکتا آیا ہے۔عمارت تیار ہے۔مگر وہ بلڈنگ اکوپنسی پرمٹ نہیں پلائی کر رہا۔''

''تم کہہ رہی ہو کہ ماہر کے پاس.... پرمٹ پہ خرچ کرنے کے لیے پیسے نہیں ہیں؟''

''شاید نہ ہوں۔اوپر سے اس نے بیربل کا حصہ بھی الگ کر دیا ہے۔''

زارا گردن پیچھے پھینک کے ہنس دی۔

''ماہر کے پاس پیسے نہیں ہیں؟'' ہنستے ہوئے اس نے سر جھٹکا۔''ماہر کے پاس کب پیسے نہیں ہوتے عذرا؟ اس کے اثاثے، سیونگز، پراپرٹی...''

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ وہ بینک رپٹ ہو چکا ہے۔لیکن اس کو فنانشل مسئلے درپیش ہیں۔کیف نے اس کو ہمیشہ گھاٹے میں رکھا ہے۔پھر وہ بیربل کا حصہ الگ کرتا ہے۔قرمزی عمارت بھی مالی مسئلوں کی وجہ سے رکی ہوئی ہے۔ ایسے میں اچانک سے وہ لندن آجاتا ہے۔تم سے منگنی کر لیتا ہے۔اور دو ماہ بعد شادی۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ، کیا تمہارے بابا نے اس کو منگنی پہ کوئی تحفہ دیا تھا؟''

زارا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ظاہر ہے۔بابا ریٹائرمنٹ چاہتے ہیں...''

''کیا انہوں نے ماہر کو کچھ دیا ہے؟''

زارا کے حلق میں کچھ اٹکا۔

''بابا نے... بابا نے اپنے آدھے شیئرز اس کے نام کر دیے تھے۔''

عذرا کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔''اور باقی آدھے شیئرز؟''

''وہ بابا مجھے شادی پہ گفٹ کریں گے۔دونوں بہنوں کو وہ حصہ دے چکے۔لیکوئیڈ اثاثے۔لیکن....''

زارا نے تھوک نگلا۔پہلو بدلا۔

''میں... میں شادی کے بعد کام نہیں کرنا چاہتی۔ میں سیٹل ہونا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ میرا شوہر میرا خیال رکھے۔میں ریلیکس کروں۔ٹریول کروں۔''

''یعنی تمہارے شیئرز بھی ماہر کے اور تمہارے بابا کا سب کچھ بھی اس کا۔وہ تو فائدے میں رہا۔'' عذرا ہاتھ جھاڑ کے پیچھے ہوئی۔

زارا کی رنگت گلابی ہونے لگی۔

''وہ مجھ سے دولت کے لیے شادی نہیں کر رہا۔''

''پھر وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں ہوتا؟ تم سے جب بھی بات ہوتی ہے تم شادی کی شاپنگ اکیلے کر رہی ہوتی

ہو۔''

''وہ مصروف ہے۔قرمزی بلڈنگ میں۔اس نے مجھ سے اس پروجیکٹ کی تکمیل تک کا وقت مانگا تھا۔''

''کیا وہ تمہیں ہر روز ٹیکسٹ کرتا ہے؟''

''ہم ایک ہی شہر میں رہتے ہیں۔میں اس کے لیے واپس آ گئی ہوں۔شادی کے بعد ہم لندن چلے جائیں گے۔''

''کیا وہ تمہیں روز ٹیکسٹ کرتا ہے؟''

زارا نے گہری سانس لی۔''نہیں،لیکن ہم ہفتے میں ایک دفعہ ڈنر پہ جاتے ہیں۔اور...''

''جو مرد کسی عورت میں انٹرسٹڈ ہوتا ہے،وہ اس کو روز ٹیکسٹ کرتا ہے۔اور جو مرد روز ٹیکسٹ نہیں کرتا،وہ انٹرسٹڈ نہیں ہوتا۔''

بگلے پھڑ پھڑاتے ہوئے آئے اور ریستوران کے دہانے پر لگی گرل پر بیٹھ گئے۔زارا چند لمحے ان کے سفید مٹیالے پروں کو دیکھے گئی۔

''یعنی کوئی مجھ سے میرے لیے محبت نہیں کر سکتا؟''

''زندگی ایک بزنس ڈیل ہے زارا۔یہاں ہر شخص ٹیبل پر کچھ لاتا ہے،جس کی وجہ سے دوسرا اس کے ساتھ ڈیل کرتا ہے۔میں یہ نہیں چاہتی کہ ماہر فرید تم سے اس لیے شادی کرے کہ اس کو تمہاری دولت تمہاری ذات سے زیادہ پسند ہو۔''

''مگر... میرا دل نہیں مانتا کہ...'' زارا نے نفی میں سر ہلایا۔

''مگر کیا تمہارا دل تفریق کر سکتا ہے؟'' ویٹر فولڈر ان کے سامنے رکھنے لگا تھا جب عذرا نے اسے پہلے ہی تھام لیا۔کھول کے بل دیکھا اور پرس میں ہاتھ ڈال کے کارڈ نکالا۔وہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ خیال ہی نہیں آیا۔

''کیسی تفریق؟''

''کہ اس نے تمہیں انگوٹھی دی تھی یا پلاسٹک کا ایک کارڈ؟'' کارڈ فولڈر میں رکھ کے اسے بند کیا۔اور جتاتی نظروں سے زارا کو دیکھتے ہوئے فولڈر ویٹر کو تھمایا۔

زارا بے چینی سے انگوٹھی انگلی پر گھمانے لگی۔دانتوں سے وہ لب بھی کتر رہی تھی۔لپ اسٹک ہونٹوں کے درمیان سے پگھلتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام ابھی پوری طرح نہیں ڈھلی تھی جب ''فرید لار'' کے سامنے لفٹ کے دروازے کھلے۔ ماہر فرید باہر نکلتا دکھائی دیا۔ کوٹ بازو پر تھا، ٹائی ڈھیلی اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ دروازے پہ وہ رکا۔ ایک نظر سوٹ میں ملبوس کھڑے گارڈ کو دیکھا۔ گارڈ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''فیضی حانم گروسری کرنے گئی ہیں۔ اور ہلال اندر ہے۔ بیربل ابھی نہیں آیا۔'' اس نے مشینی انداز میں دہرایا۔

وہ خاموشی سے اپنا کوڈ پنچ کرنے لگا۔ دروازہ کھلا تو وہ اندر داخل ہوا اور جھک کے جوتے اتارنے لگا۔ راہداری گرم تھی، لیکن اپارٹمنٹ اندر سے گرم نہیں تھا۔ جوتے اتار کے وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ کہیں سے ٹھنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔

''ہلال؟'' وہ پکارتے ہوئے ننگے پیروں سے آگے بڑھنے لگا۔ زمین بھی سرد تھی۔ راہداری میں رک کے اس نے تھرموا سٹیٹ کنٹرولر کو دیکھا۔ وہ درست کام کر رہا تھا۔ پھر ٹھنڈ کیوں تھی؟

''ہلال؟'' ماہر آگے آیا۔ لاؤنج ویران تھا۔

کچھ تھا اس اپارٹمنٹ کی سرد فضا میں۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''ہلال؟'' زور سے آواز دی۔ خاموشی۔

کھڑکی کے ساتھ ہلال کا اسٹینڈ فریم اور اس پر نصب ٹیپسٹری ویسی ہی رکھی تھی۔ البتہ پردہ پھڑ پھڑا رہا تھا۔

کیا وہ ٹھنڈ میں باہر بیٹھی تھی؟

وہ تیزی سے کھڑکی تک آیا۔ پردہ ہٹایا۔

کھڑکی کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ کانچ کے ٹکڑے بالکونی میں بکھرے ہوئے تھے۔ ریلنگ کے ساتھ سنہری بالوں والی لونا بیٹھی تھی۔ اپنے پنجوں پر آگے ہو کے۔ وہ نیچے جھانک رہی تھی۔

کسی نے اس کے دل پہ پیر رکھ دیا تھا۔

''لونا؟ ہلال کہاں ہے؟'' وہ تیزی سے باہر آیا۔ جھک کے لونا کو چھوا۔ وہ ایک دم مڑی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ پھر زور زور سے بھونکنے لگی۔

''لونا.... ہلال کہاں ہے؟'' اس نے خود کو چلاتے ہوئے سنا۔ لونا کی آنکھیں وہ نہیں پڑھ پا رہا تھا۔ وہ کبھی ماہر کو دیکھتی کبھی نیچے۔ وہ کرچیوں کے ایک طرف سے گزرتا ریلنگ تک آیا۔ پھر نیچے جھانکا۔ وہاں کچھ غیر معمولی نہ تھا۔

لونا زار زار سے بھونک رہی تھی جب وہ واپس اندر آیا۔ ہلال کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ کمرہ۔ باتھ روم۔ سب خالی تھا۔ اس کی سفید اسٹک بھی وہیں رکھی تھی۔

ماہر فرید کے پیروں تلے زمین گھومنے لگی تھی۔

(''اگر بدر محفوظ نہیں ہے تو ہلال بھی محفوظ نہیں ہے۔'')

اگلے چند منٹ میں بہت کچھ ہوا۔ اس نے دھاڑ سے خود کو بیرونی دروازہ کھولتے دیکھا۔ پھر وہ گارڈ پہ چلا رہا تھا۔ ڈرائیور بھی بھاگا آیا تھا۔ وہ سب گھر کے کمرے اوپر نیچے چیک کر رہے تھے۔

''کھڑکی ٹوٹی اور تمہیں آواز بھی نہ آئی؟'' وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ چیخ رہا تھا۔ فیضی حانم واپس آ چکی تھیں۔ گروسری کے بیگز وہیں داخلی دروازے پر ہی گرے پڑے تھے۔ بلڈنگ سیکیورٹی آفیسرز بھی پہنچ چکے تھے۔ کون آ رہا تھا، کون جا رہا تھا، تمام مناظر کسی سلوموشن فلم کی طرح چل رہے تھے۔

وہ لاؤنج کے وسط میں کھڑا، سن ہوئے دماغ کے ساتھ انہیں دیکھ رہا تھا۔

کوئی اوپر جا رہا تھا۔ کوئی بالکونی سے نیچے جھانک رہا تھا۔ سیکیورٹی آفیسر ٹیبلیٹ پر کیمرا زکی فوٹیج چیک کر رہا تھا۔

اور وہ ننگے پیر اسی طرح کھڑا تھا۔

چار سال۔ چار سال اس نے ہلال پہ پہرے رکھے۔ یہاں تک کہ اب اس کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ محفوظ ہے۔ اب کوئی اسے ماہر فرید سے جدا نہیں کر سکتا تھا۔

اور اب یوں اچانک.... نہیں۔ اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

(وہ اپنی ماں کے گھر میں تھا۔ وہ اسے زبردستی پکڑے راہداری میں آگے لے کر جا رہے تھے۔ ذہنی امراض کے ہسپتال میں۔ ایک دیوار پر مون فیزز کے اسٹکرز لگے تھے۔ ہلال سے بدر اور بدر سے ہلال۔

اور وہ کونے میں کھڑی اس کو دیکھ رہی تھی۔ آخری دفعہ جب اس نے اپنی آنکھوں سے ماہر کو دیکھا تھا۔)

وہ کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل پر نمبر ملا رہا تھا۔ پولیس۔

(وہ کشمالہ کا ڈرائیور تھا۔ وہ اس کو ایک بچی کی تصویر دکھا کے کچھ پوچھ رہا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ وہ اس کو نہیں جانتی تھی۔)

وہ موبائل کان سے لگائے، بکھری سانسوں کے درمیان مدعا بیان کر رہا تھا۔

(وہ پیٹر مسیح نامی عامل کے سامنے میز کے کنارے پر بیٹھا تھا۔ اسے گریبان سے پکڑے وہ اس سے ہلال کے

بارے میں پوچھ رہا تھا۔)

چند مزید سیکیورٹی اہلکار بھی اب اپارٹمنٹ کے لاؤنج میں آن کھڑے ہوئے تھے۔ وہ ترحم سے ننگے پیر کھڑے اس مرد کو دیکھ رہے تھے، جس کو اس موسم میں بھی ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے اور وہ فون کان سے لگائے بے ربط سا کچھ بولے جا رہا تھا۔

(وہ اسلام آباد میں ایک مردہ خانے میں کھڑا تھا۔ سامنے ایک جلی ہوئی لاش تھی۔ وہ اس لاش کو ہلال کی لاش کہہ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ایک بیگ ملا تھا۔ ایک اسٹرابری والی سرخ کینڈل۔ وہ کینڈل کے ٹھنڈے جار کو انگلیوں میں گھما کے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دھاگہ سیاہ تھا۔ وہ مسکرایا۔)

لونا بالکونی میں کھڑی مسلسل بھونک رہی تھی۔ تین افراد ریلنگ سے نیچے جھانک کے اس سمت کا تعین کرنا چاہ رہے تھے جہاں وہ دیکھ رہی تھی۔

وہ بے جان قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ سر گھوم رہا تھا۔ نہیں۔ پھر سے نہیں۔ اب نہیں۔

(''اگر بدر محفوظ نہیں ہے تو ہلال بھی محفوظ نہیں ہے۔'')

کسی نے لونا کو کالر سے پکڑ کے وہاں سے ہٹانے کی کوشش کی۔ اسے نیچے لے جانا تھا۔ لیکن وہ نہیں ہٹی۔ اسے وہیں بالکونی میں بیٹھنا تھا۔ کیا وہ خوفزدہ تھی؟ یا وہ کچھ ایسا دیکھ رہی تھی جسے وہ نہیں دیکھ سکتے تھے؟

(وہ وین کوور کے ہسپتال کے کمرے میں زمین پر بیٹھا تھا۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے رو رہا تھا۔ وہ اندھی لڑکی اس کے بالوں کو دھیرے سے تھپک رہی تھی۔ اس دن وہ اس کی بڑی بہن تھی۔)

ماہر زینے عبور کر کے اوپر آیا۔ بالائی منزل پر تمام کمروں کے دروازے کھلے تھے۔ وہ سب لوگ چیک کر چکے تھے۔ وہ کہیں بھی نہیں تھی۔

اس نے ٹائی گردن سے نوچ کے اتارنی چاہی لیکن وہ اسے ذرا سا ڈھیلا ہی کر سکا۔ ہاتھوں میں جیسے جان نہیں تھی۔ رنگت سفید ہو رہی تھی۔

(''اگر بدر محفوظ نہیں ہے تو ہلال بھی محفوظ نہیں ہے۔'')

دفعتاً وہ ٹھہر گیا۔ اسٹور روم کو جاتا دروازہ کھلا تھا۔

''ہم دیکھ چکے ہیں۔ وہ اندر نہیں ہے۔'' ڈرائیور نے گزرتے ہوئے وہاں کی بتی بند کی۔ اندر اندھیرا ہو گیا۔ باہر سے آتی روشنی ایک خاص زاویے سے فرش پر پڑنے لگی۔ وہاں ایک کارٹن پر نیلا کمبل گول مول کر کے رکھا تھا۔

وہ تیزی سے اندر آیا۔اس نے بتیاں نہیں جلائیں۔باہر سے آتی روشنی کافی تھی۔وہ اس میں بھی دیکھ سکتا تھا۔ وہاں مختلف باکسز اور زائد فرنیچر رکھا تھا۔اور ایک الماری۔وہ کمبل اس الماری میں ہوتا تھا۔اسے یاد تھا۔

یہ کسی نے باہر نکالا تھا کیونکہ....

ماہر فرید نے زور سے الماری کھولی۔

وہ اندر بیٹھی تھی۔دیوار سے کمر لگائے۔گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے۔لمبے سفید فراک اور گھنگریالوں بالوں والی لڑکی۔

''ہلال!''اس نے زور سے چلانا چاہا،لیکن آنسو آنکھوں سے چھلک پڑے۔

ہلال شمس نے دھیرے سے ملائم چہرہ اٹھایا۔بھوری آنکھیں دور اندھیرے میں کہیں جمی تھیں۔

''کیوں ہلال؟ کیوں؟''اس نے رندھی آواز سے خود کو چلاتے سنا۔

الماری کا دروازہ واپس بند ہونے لگا۔اس نے اپنے پیر سے اس کو روک دیا۔

''آپ بھول گئے تھے کہ کسی کو کھونا کیسا ہوتا ہے۔''

وہ نڈھال سا وہیں بیٹھتا چلا گیا۔کمر الماری سے لگالی۔سرخ آنکھیں اب شکووں سے گیلی تھیں۔

''تم نے یہ سب...اس کے لیے کیا؟''وہ افسوس اور بے یقینی سے سر دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔دل کی دھڑکن ابھی تک ناہموار تھی۔

''اس کا نام بدر ہے۔اور وہ میرا دوست تھا۔''وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

''آپ نے مالا سے وعدہ کیا تھا۔آپ کو اپنے وعدے نہیں توڑنے چاہئیں۔''

''اور لونا؟ وہ تمہارے لیے مجھے بھی دھوکہ دے گی؟''اس نے آنکھیں رگڑیں۔اب چہرے پہ غصہ در آیا تھا۔

نیم اندھیرے میں بیٹھی ہلال نے کندھے اچکائے اور مسکرا دی۔

''لونا وہ کرتی ہے جو میں کہتی ہوں۔کیا آپ وہ کر سکتے ہیں جو میں کہتی ہوں؟''

''I am not a guide dog.''وہ اٹھ کھڑا ہوا۔نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔وہ سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔اوپر سے کوئی چیز پھسل کے نیچے گری۔ماہر نے اسے ہوا میں ہی دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیا۔اس کی گرد ہلال کے فراک کے کندھوں پر گری تھی۔

''دوبارہ میرے ساتھ یہ مت کرنا۔کبھی بھی نہیں۔''

نرمی سے کندھے کی گردن جھاڑتا وہ بولا تو آواز میں سختی تھی۔خوف بھی تھا۔سانس ابھی تک ٹھیک سے بحال نہیں ہوئی تھی۔

نیچے فیضی حانم پکار رہی تھیں۔پولیس آ چکی تھی۔اب ان کو بھی بھیجنا ہوگا۔اف۔اس نے کوفت سے سر جھٹکا۔

وہ جانتا تھا یہی ہوگا۔وہ اس کی زندگی میں دوبارہ آئے گی اور اس کی زندگی ایسے ہی پیچیدہ ہو جائے گی۔

یہ سب اس کا کیا دھرا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کی روشنی سارے شہر پہ سنہری افشاں کی طرح بکھری تھی،لیکن جب یہی روشنی بلت Balat میں بکھرتی تو قوس وقزح کے ذروں میں تبدیل ہو جاتی۔

بلت ایک رنگ برنگا سا علاقہ تھا۔عمارتیں کندھے ملائے کھڑی تھیں اور سب کے اپنے اپنے رنگ تھے۔سرخ، نیلے،گلابی،نارنجی،سبز۔

گول پتھروں سے بنی گلیوں کے دونوں جانب بنی قوس وقزح کے رنگوں کو خود پر لپیٹے عمارتیں۔وہ گھر بھی تھے، اپارٹمنٹس اور سیاحوں کے لیے ہوٹلز بھی۔اکثر عمارتوں کے دامن میں کیفے بنے تھے جن کے فرنٹ کھلے تھے۔ سامنے کو چھجے لٹکائے،باہر کرسیاں میزیں بچھائے،بھاپ اڑاتی چائے کی خوشبو میں بسے۔

ان میں ایک فیروزی عمارت بھی تھی،جس کی دیواریں اور چھت اپنی ہمسائیوں سے ملتی تھی۔وہ چار منزلہ تھی۔اور ہر منزل کی سلاخ دار کھڑکی کے باہر کی طرف خوشنما پھولوں کے گملے دکھائی دیتے تھے۔

چوتھی منزل کی کھڑکی میں مالا کھڑی تھی۔دونوں پٹ کھولے۔صبح کی ٹھنڈی ہوا کو اپنے چہرے پر محسوس کرتی۔

یہاں سے اسے نچلی گلی اور رنگ برنگی عمارتیں دکھائی دیتی تھیں۔گلیوں میں ٹہلتے لوگ۔ہلکا پھلکا ٹریفک۔آوارہ بلیاں اور کتے۔اس نے گہرا سانس لیا۔ایک۔دو تین۔ایک نیا دن اس کے سامنے تھا۔

بدر کے جانے کے بعد ہر نیا دن شروع کرنا مشکل ہوتا تھا۔ہر نئی رات تکلیف دہ تھی۔ایک مشکل اور سہی۔ایک تکلیف اور سہی۔

وہ اس نئے دن میں،اس نئے شہر میں تنہا تھی۔اسے بدر کو تنہا ہی ڈھونڈنا تھا۔وہ وعدہ خلاف شخص اس کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔

اس نے کھڑکی بند کی۔چٹخنی چڑھائی۔پردہ کھلے رہنے دیا کہ اندر کی طرف وہ اپنے سرسبز گملے سیٹ کر چکی

تھی۔ان کو روشنی درکار تھی۔

پھر پلٹ کے کمرے کو دیکھا۔

وہ چھوٹا سا کمرہ تھا۔دیواروں پر چند آرائشی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ایک کوئین سائز پلنگ۔لکڑی کا فرش۔ایک کرسی میز۔دیوار پر نیلی ترکش آنکھ کا وال ہینگنگ۔

باہر ایک چھوٹا سا لونگ روم تھا جس میں ایک اوپن کچن بنا تھا۔یہ اگلے چند ہفتے کے لیے اس نے کرایے پہ لیا تھا، کہ وہ ہوٹل میں رہنا افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

اس اسٹوڈیو اپارٹمنٹ سے اسے اسلام آباد میں ماموں کا گھر یاد آیا۔جہاں وہ چند برس بطور پے انگ گیسٹ رہی تھی۔جہاں وہ ماں کو چھوڑ کے گئی تھی۔کیا یہی اس کی سزا تھی؟ اس نے ماں کو چھوڑا، تو بدر...اف مالا! ایسے مت سوچو۔اس نے نفی میں سر ہلایا اور سنگھار میز کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

آئینے میں اس کے سامنے ایک صاف رنگت اور شفاف جلد کی لڑکی کھڑی تھی۔اس کا چہرہ پرسکون تھا۔سیاہ ہائی رائز پینٹس پر سفید بلاؤز۔گردن میں بندھا سفید سیاہ سلک اسکارف اور بازوؤں پر تہہ کر کے ڈالا سفید کوٹ، کہ باہر اب ٹھنڈ زیادہ ہونے لگی تھی۔اس نے بالوں میں انگلیاں پھیر کے نادیدہ گرہیں سلجھائیں۔

پھر انگلیاں ٹھہر گئیں۔

آئینے میں ایک اور منظر ابھرنے لگا۔کسی سفید دھوئیں کی طرح، یہاں تک کہ وہ سارے پہ چھا گیا اور وہ سفید مرغولوں میں گم سی ہو گئی۔

(ڈھائی ماہ پہلے۔
بدر کی گمشدگی کے دو ہفتے بعد۔)

وہ ایک سرمئی دیواروں والا کمرہ تھا۔قطار میں بوتھ بنے تھے۔ہر بوتھ کے وسط میں ایک شیشے کی دیوار تھی اور دونوں جانب ٹیلیفون ریسیور اپنے کریڈلز پر رکھے تھے۔ہر بوتھ کے ایک طرف ایک انسان بیٹھا تھا۔کوئی روتے ہوئے، کوئی سپاٹ چہرے سے، دوسری جانب بیٹھے نارنجی لباس والے قیدی سے ملاقات کرتے ہوئے، ریسیور کان سے لگائے کچھ کہہ رہا تھا۔

مالا ایک بوتھ پر بیٹھی یک ٹک شیشے کی دیوار کے پار خالی کرسی کو دیکھ رہی تھی۔اس کی آنکھیں سرخ گلابی تھیں۔ گیلی۔آنسو پلکوں پر ٹھہرے تھے اور چہرے پر دائیں بائیں بہت سے دانے ابھر رہے تھے۔دونوں ہاتھ گود میں تھے۔

بار بار برقی دروازوں کے پینلز پر کارڈ سوائپ ہونے کی آواز سنائی دیتی تھی۔دروازے کھلتے۔کبھی اس طرف۔ کبھی اس طرف۔

یہ قید خانے اور باہر کی آزاد دنیا کے درمیان کا ایک برزخ تھا، جہاں ملاقات کروائی جاتی تھی۔

سامنے والی کرسی پر سانولا ہاتھ رکھا گیا۔اسے ذرا پیچھے کیا۔پھر وہ بیٹھا۔سپاٹ چہرہ۔نارنجی جمپ سوٹ۔بڑھی ہوئی داڑھی۔چھوٹے بال۔آنکھ کے نیچے نیل کا نشان۔بازوؤں پر چند ٹیٹو بنے تھے جو پہلے وہاں نہ تھے۔آستینیں اونچی تھیں، جن سے وہ دکھائی دیتے تھے۔

بے تاثر چہرے کے ساتھ اس کو دیکھتے ہوئے، زیاد سلطان نے ریسیور اٹھایا۔پھر ریسیور میں بولا۔آواز سنائی نہ دی۔ہونٹ ہلتے دکھائی دیے۔

مالا آگے بڑھی۔شیشے کے پار سے اس کو اپنی زخمی آنکھوں سے دیکھا۔

''تم نے کیا ہے یہ سب؟'' آنسو گلے میں پھنسنے لگے۔زیاد نے ریسیور کی طرف اشارہ کیا۔وہ پیچھے ہوئی۔ ریسیور اٹھایا اور کان سے لگایا۔

''کیسے خیال آیا میرا اتنے عرصے بعد؟'' آواز میں طنز تھا۔لیکن شیشے کے پار دکھائی دیتا چہرہ سپاٹ تھا۔

''یہ تم نے کیا ہے؟''

''اب کیا کیا ہے میں نے؟'' اس نے ابرو اکٹھے کیے۔

''بدر....'' الفاظ آنسوؤں اور غصے میں ٹوٹ گئے۔

ساتھ والے بوتھ پہ ایک لڑکی آن بیٹھی تھی۔ریسیور کان سے لگائے وہ فرانسیسی زبان میں تیز تیز کچھ کہہ رہی تھی۔آواز میں خوشی کی رمق تھی۔

یاد کے تاثرات ہلکے سے بدلے۔ایک سایہ سا چہرے سے گزرا۔کندھے ڈھیلے ہوئے۔

''ہاں۔میرے وکیل نے بتایا تھا۔'' اس نے سر جھٹکا۔''دنیا میں کیوں لائی تھیں اس کو جب اس کا خیال نہیں کر سکتی تھیں؟''

''زیاد مجھے بتاؤ۔ یہ تم نے کیا ہے نا؟''

زیاد سلطان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''دنیا کا ہر جرم میرے اوپر مت ڈالا کرو کشمالہ۔ وہ میرا بیٹا نہیں تھا، نہ میں اسے دنیا میں لانا چاہتا تھا۔ لیکن اگر اس کو مارنا ہوتا تو تمہارے ساتھ مرنے دیتا۔''

''مرا نہیں ہے وہ۔'' اس نے زور سے شیشے پر ہاتھ مارا۔ سرخ آنکھوں سے آنسو سے زیادہ اب شعلے نکل رہے تھے۔ کسی گارڈ نے پیچھے سے شش کہا۔ مالا نے ہاتھ نیچے کر لیا۔

زیاد چونکا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔

''میرے وکیل نے کہا تھا کہ تمہیں لاش بھی....'' وہ ٹھہرا۔ آواز دھیمی ہوئی۔ ''یعنی اس کی....''

''جھوٹ ہے وہ۔ وہ اس کی لاش نہیں تھی۔ میں اپنے بیٹے کو پہچانتی ہوں۔'' اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

ساتھ والی کرسی پر بیٹھی لڑکی اب آنسوؤں اور خوشی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ ایک ہاتھ وہ گلاس اسکرین پر جمائے ہوئے تھی۔ اس کے مقابل بیٹھے مرد نے بھی اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ درمیان میں شیشے کی دیوار حائل تھی۔

زیاد چند لمحے پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھے گیا۔ ''کیا مطلب؟''

''یہ تم نے کیا ہے نا۔ تمہارا کوئی نیا گیم۔ مجھے ہرٹ کرنے کے لیے۔ مجھے سزا دینے کے لیے۔ اگر ایسا ہے تو میں تمہیں جان سے مار دوں گی زیاد۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔'' وہ قدرے بے زار ہوا، لیکن غیر آرام دہ سا تاثر آواز سے گیا نہیں۔ ''وہ میرا بیٹا نہیں تھا، نہ مجھے اس سے کوئی سروکار ہے۔ میں تمہاری دنیا سے بہت دور آ چکا ہوں۔ میں اس کی زندگی میں تھا، نہ ہونا چاہتا ہوں۔ اسے تم سے لینا ہوتا تو قانونی طریقے ہیں اس کے۔ دن کی روشنی میں لیتا۔ یوں نہیں۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ لب بھینچے۔ گہرے سانس لیتی۔ کیا سچ تھا کیا جھوٹ۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

''وہ مر چکا ہے اور تم یقین نہیں کرنا چاہ رہی۔ نہ کرو۔ لیکن میرا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔'' پھر وہ رکا۔

''تمہیں یقین ہے وہ نہیں مرا، اور کسی نے اسے اغوا کیا ہے؟'' کہتے ہوئے اس کے چہرے پہ پہلی دفعہ ایک سایہ ابھرا تھا۔ ایک بے چینی۔

''مجھے یقین ہے۔ وہ تم ہو یا کوئی اور۔ میں اسے ڈھونڈ لوں گی زیاد۔''

وہ سایہ آ کے گزر گیا۔ زیاد سلطان نے سر جھٹک دیا۔

''ڈھونڈ و یا جو بھی کرو۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ تمہارا بچہ تھا۔ تم نے اس کی حفاظت نہیں کی۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ کبھی ہوگا۔''

''اور تمہاری ماں؟''

وہ چونکا۔ پھر چہرہ سرخ ہوا۔

''مر چکی ہے وہ۔ معاف کر دو اس کو۔'' ریسیور پر جمی گرفت مضبوط ہوئی، جیسے انگلیاں اندر دھنس جائیں گی۔

''اور اس کی جگہ؟ وہ خالی ہے یا کوئی اسے لے چکا ہے؟''

زیاد کے تنے کندھے ایک دم ڈھیلے پڑے۔ لمحے بھر کے لیے جیسے اس کا سانس رک گیا۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔

''ناممکن۔ وہ سلسلہ اس کے ساتھ ختم ہو گیا۔ میں نے....'' انگلی نارنجی جمپ سوٹ کے گریبان پر رکھی۔ ''میں نے بچوں کو اغوا کرنے کا سارا کھیل ختم کر دیا ہے۔ اور وہ بچہ جس کو میں نے نہ دیکھا ہے، نہ چھوا ہے، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔'' اس نے زور سے ریسور واپس کریڈل پر رکھا۔ مالا نے ایک شے اوپر اٹھائی۔ زیاد ٹھہر گیا۔ ایک ننھا کارڈ ہتھیلی میں رکھے، شیشے کی دیوار سے لگایا۔ ایسے کہ کارڈ کے ایک طرف بنی تصویر اب زیاد کے سامنے تھی۔

تین سال کا بچہ۔ جو گود میں خرگوش اٹھائے ہوئے کیمرے میں دیکھ کے مسکرا رہا تھا۔

سانولی رنگت اور سبز آنکھوں والا بچہ۔

''اب دیکھ لیا؟''

زیاد سلطان جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ کرسی سے اٹھتے اٹھتے جسم جیسے بے جان ہو گیا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''یہ بچہ کھو گیا ہے زیاد۔ اور اگر اس میں تمہارا ہاتھ ہے تو میں اس کا انتقام تم سے لوں گی۔''

وہ یک ٹک تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ اسے وہم سا ہوا کہ زیاد کی آنکھوں کے کنارے بھیگے ہیں۔

''اور اگر تم کچھ جانتے ہو اس شخص کے بارے میں، جس نے تمہاری ماں کی گدی سنبھالی ہے، تو بتا دو۔ ورنہ تمہارے بچے کا خون بھی تمہارے ہاتھوں پہ ہوگا۔''

وہ لمحہ آ کے گزر گیا۔ وہ ریسور کان سے لگائے اٹھ کھڑا ہوا۔

''کہا نا۔ یہ نہ میرا بچہ ہے، نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے۔'' ٹھک سے ریسیور رکھا اور پلٹ گیا۔

وہ بے جان قدموں سے اپنی کرسی سے اٹھی۔ساتھ بیٹھی لڑکی آنسوؤں سے بھیگا چہرہ لیے ایک چھوٹی سی تصویر اس آدمی کو دکھا رہی تھی۔سیاہ سفید تصویر۔الٹرا ساؤنڈ۔وہ منہ پر ہاتھ رکھے گلابی چہرے کے ساتھ رو رہا تھا۔اس نے ایک بے جان سی نگاہ ان پہ ڈالی۔گارڈ پیچھے کھنکھارا۔وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گئی۔

''کیا وہ کچھ جانتا ہے؟'' وہ کریکشنل فیسلیٹی کے پارکنگ سے کار نکالتے ہوئے ،کارفون آن کیے ہوئے تھی۔اسکرین پرسنل.. لائیر لکھا آرہا تھا اور ایک مرد کی آواز گونج رہی تھی۔

''معلوم نہیں۔وہ اچھا اداکار ہے۔''

''بدر کے قتل...اغوا (جلدی سے تصحیح کی) کے وقت زیاد جیل میں تھا۔''

''وہ باہر کسی سے بھی یہ کروا سکتا ہے۔اس کے پاس بہت ری سورسز ہیں۔''

''آپ کو یہ ممکنات دیکھنے ہوں گے کہ کرمنل جتنا ری سورس فل ہو جائے ،جیل سے بیٹھ کے ہر چیز مینیج نہیں کرسکتا۔دوسرا زیاد سلطان کی جیل سے جو خبریں ملتی ہیں،ان کے بعد میرا نہیں خیال کہ اس کو اس دنیا سے دلچسپی رہی ہے۔''

''مثلاً؟''

''وہ عجیب سا ہو گیا ہے۔وہ کسی سے لڑتا نہیں ہے۔کوئی اس کو مار دے،تو بھی اپنا دفاع نہیں کرتا۔وہ خود کو سزا دے رہا ہے۔وہ صرف دو کام کرتا ہے۔خاموش رہتا ہے یا اپنی کتاب لکھتا ہے۔وہ واقعی ایک کتاب لکھ رہا ہے جس کو وہ اپنے وکیل کے حوالے کرتا جا رہا ہے۔وہ اپنے وکیل کے سوا کسی سے نہیں ملتا۔اور میں نے سنا ہے کہ....'' آواز دھیمی ہوئی۔''اس کو حکومت کی طرف سے ایک پیشکش کئی ماہ سے موصول ہو رہی ہے۔''

''کیسی پیشکش؟''

وہ چونکی۔

''آپ جانتی ہیں یہ نارتھ امریکہ ہے۔یہاں حکومتی استغاثہ کسی بھی مجرم کے ساتھ ڈیل کرسکتا ہے معلومات کے بدلے میں۔زیاد کے پاس ایک اہم کرمنل کے بارے میں معلومات ہیں۔اگر وہ اس انفارمیشن کو استغاثہ کو بتا دے دے،اور انفارمیشن درست نکلے،تو حکومت زیاد کے ساتھ ڈیل کر لے گی۔اور اس کی سزا کے آخری دو سال معاف ہو جائیں گے۔وہ کل ہی رہا ہو سکتا ہے۔''

''کیا ایسے ہو سکتا ہے؟'' اس کا سانس تک رک گیا۔آج بھی وہ آدمی اس کے اعصاب پہ ایک عجیب سا خوف

طاری کرتا تھا۔شیشے کے بوتھ کے پیچھے بیٹھا آدمی نہیں۔آزاد ہوا زیاد سلطان۔

''یہ آئے دن ہوتا ہے۔کرمنلز پولیس کے انفارمنٹ بن جاتے ہیں۔اور ایسے ہی اپنی سزا کم کروا لیتے ہیں۔''

''پھر زیاد ایسا کیوں نہیں کر رہا؟''

''کیونکہ وہ دنیا سے بے زار ہے،اور خود کو سزا دے رہا ہے،شاید نادم بھی ہے۔''

''وہ کبھی نادم نہیں ہوسکتا۔'' وہ اسے جانتی تھی۔

''بہر حال وہ بے وقوف نہیں ہے۔بہت سے مجرم سزا کاٹنا پسند کرتے ہیں، بجائے انفارمنٹ بننے کے، کیونکہ جن کی وہ مخبری کرتے ہیں، باہر نکلتے ہی وہ لوگ ان کو مار دیتے ہیں۔اسی لیے حکومت ان کے ساتھ ڈیل کر لیتی ہے، کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادہ دن نہیں جئیں گے۔''

وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتی رہی۔ذہن الجھ سا گیا تھا۔

''اگر زیاد سلطان نے بچے کو اغوا کرنا ہوتا، بالفرض آپ کو تکلیف دینے کے لیے،تو وہ سب سے پہلے آزاد ہونے کا انتظار کرتا۔یا انفارمنٹ بن کے خود کو آزاد کرواتا۔یہ سب کر کے اس کو کیا حاصل ہوتا ہے؟ ابھی تو اس کی دو سال کی میعاد رہتی ہے۔''

آئینے میں پھیلا دھواں چھٹنے لگا۔مالا نے سر جھٹکا۔ماضی غائب ہو گیا۔

وہ بلت کے اپارٹمنٹ میں آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔تیزی سے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔کوٹ پہنا۔ایک نگاہ خود پہ ڈال کے وہ باہر نکل گئی۔دروازہ لاک کیا۔ایک ہمسایہ سیڑھیاں چڑھتا آ رہا تھا۔اسے دیکھ کے مسکرایا۔وہ بھی مسکرا کے سر کو خم دیتی زینے اترنے لگی۔اس عمارت میں لفٹ نہیں تھی۔

باہر ایک روشن صبح اس کی منتظر تھی۔

سرمئی پتھروں سے بنی سڑک نیچے ڈھلان کی طرف جاتی تھی۔چند لوگ فٹ پاتھ پر چل رہے تھے۔ڈاگ واکرز کتوں کو ٹہلانے نکلے تھے۔وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے سڑک کنارے چلنے لگی۔رنگ برنگی عمارتوں کی بالکونیوں پر کھڑکیاں کھل رہی تھیں۔اندر سے آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ہر تیسری چوتھی عمارت کے گراؤنڈ فلور کے فرنٹ پر ایک کیفے بنا تھا۔

گلی کے موڑ پر ایک نارنجی عمارت تھی۔اس کا ایک حصہ گلی کے اس جانب تھا اور دوسرا حصہ ایل شیپ میں مڑتے موڑ کے دوسری جانب۔فرنٹ پر نارنجی کیفے بنا تھا۔نارنجی میز کرسیاں، ایک نارنجی اسکوٹر، ساتھ ہی نارنجی روڈ بلاک کا

سائن۔اس کے مالک کو نارنجی رنگ بہت پسند تھا شاید۔

شیشے کے دروازے اندر کی طرف پورے کھلے تھے۔نارنجی چوکھٹ جامنی بوگن ویلیا کے پھولوں سے سجی تھی۔وہ اس کے سامنے رک گئی۔اسے ماں کے گھر کے درخت یاد آئے۔وہ بھی ایسے ہی تھے۔

شاپ اندر سے گرم تھی۔ترکش قہوے، کروسنٹ اور سمت کی خوشبو ناک سے ٹکرائی۔

ابھی وہ قطار میں کھڑی اپنے ناشتے کے آرڈر کے انتظار میں تھی جب موبائل تھرتھرایا۔مالا نے اسے جیب سے نکال کے سامنے کیا۔روشن اسکرین پر غیر شناسا ترکش نمبر تھا۔

''کشمالہ حانم؟''ایک تیز، مگر ناخوش سی نسوانی آواز سنائی دی۔

''بول رہی ہوں۔''

''آپ اس وقت کہاں ہیں؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند منٹ بعد وہ باہر ایک نارنجی کرسی میز پر بیٹھی تھی۔ناشتے کے نام پہ ایک کافی لیے، وہ اس کا آخری گھونٹ پی رہی تھی۔سامنے آئی پیڈ کھلا رکھا تھا۔بار بار وہ گھڑی دیکھتی اور پھر نگاہیں آئی پیڈ کی جانب مرکوز کر دیتی۔اس پر ایک رپورٹ کھلی تھی۔

چند لمحے کے لیے بلت کی رنگ برنگی اسٹریٹ نگاہوں کے سامنے سے اوجھل ہوگئی۔نارنجی اسکوٹر فضا میں گھل گیا اور اس کی جگہ ایک سرمئی سفید کمرے نے لے لی۔

(ایک ماہ پہلے۔بدر کی گمشدگی کے دو ماہ بعد۔)

ماہ بینہ مبین نے دروازہ کھولا اور چند لمحے چوکھٹ پر کھڑی رہی۔کوٹ پہنے، کہنی پہ گروسری کے بیگز لیے، وہ یک ٹک اس کمرے کو دیکھے گئی۔یہ مالا کا لونگ روم تھا۔اس میں ہر شے بکھری ہوئی تھی۔لانڈری تہہ شدہ نہیں تھی۔ڈرائیر سے نکال کے ایک صوفے پر رکھی تھی۔کارپٹ پر بدر کے کھلونوں کا باسکٹ الٹا رکھا تھا۔اس کی کارز ہر طرف پھیلی تھیں۔

ایک صوفے پر ٹیک آؤٹ باکس رکھا تھا۔دوسرے پر وہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔نائٹ شرٹ اور کھلے پاجامز

پہنے، بالوں کو کیچر میں باندھے، چہرے پر دانے لیے۔ وہ کھٹا کھٹ لیپ ٹاپ کی کیز دبا رہی تھی۔

ماہی چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ پھر گہری سانس لے کر اندر آئی۔ جوتے اور کوٹ اتار کے کیبنیٹ میں رکھے۔ دروازہ بند کیا۔ کچن تک آئی۔ گروسری کے بیگز کاؤنٹر پر رکھے۔

مالا نے آہٹ پہ نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر واپس اسکرین پہ جھک گئی۔

''تم کام شروع کرنے لگی ہو؟'' ماہی سرسری سا پوچھتے ہوئے جھک کے کارز سمیٹنے لگی۔

''میں نے تمام جابز بیک اپ فوٹو گرافر کو دے دی ہیں۔ مجھے صرف بدر کو ڈھونڈنا ہے۔''

ماہی کے ہاتھ بدر کی ٹرین ٹریک کے ٹکڑوں کو سمیٹتے ہوئے تھمے۔ پھر گہری سانس لی۔ چہرہ اٹھا کے ملامت سے اسے دیکھا۔ کہا کچھ نہیں۔

''میں نے CBSA (کینیڈین بارڈر سروسز ایجنسی) کو ایک ماہ پہلے ای میل کی تھی۔'' وہ خود سے بتانے لگی۔ آواز میں جوش تھا۔ ''بدر کی گمشدگی سے پہلے، جب میں ایک جاب کے لیے استنبول گئی تھی، وہاں سے واپسی پہ بدر کا پاسپورٹ کھو گیا تھا۔''

''تم نے بتایا تھا۔'' ماہی جھک کے کارپٹ سے تمام ٹوائز اٹھا رہی تھی۔

''یقیناً کسی نے اسے میرے گھر سے چرایا تھا۔ یقیناً۔''

ماہی نے ایک گلہ آمیز نگاہ اس پہ ڈالی، لیکن بولی کچھ نہیں۔ ٹوکری کو پردے کے پیچھے رکھا اور خاموشی سے ٹیک اوے باکس اٹھانے لگی۔

''سو میں نے بارڈر سروسز کو ای میل لکھی۔ پرائیوسی ایکٹ کے تحت میں اپنے بیٹے کی ٹریول ہسٹری معلوم کر سکتی ہوں۔ مجھے ایک فارن BSF745 دینا تھا۔ وہ میں نے فل کر کے دے دیا۔''

ماہی اب کشن درست کر رہی تھی۔ پھر ہاتھ سے صوفوں کی شکنیں جھاڑ کے برابر کیں۔ ایک ریموٹ گدی کے اندر پھنسا ہوا تھا۔ اسے نکال کے میز پر رکھا۔

''اور آج مجھے ۳۰ دن بعد بالآخر ان کی رپورٹ مل گئی ہے۔ بدر کی ٹریول ہسٹری رپورٹ۔''

''اچھا۔'' ماہی جو لانڈری اٹھانے جا رہی تھی، ایک دم رکی۔ لمبے صوفے کے کنارے سائیڈ ٹیبل پر دو خالی کافی مگ رکھے تھے۔ ایک میں تازہ گھونٹ بچا تھا۔ دوسرے کے کنارے پر کافی کے چند قطرے باسی ہو کے سوکھ چکے تھے۔ ماہی نے ان دونوں کو اٹھایا اور سنک میں جا کے رکھا۔

''بدر نے اپنی گمشدگی والے دن کینیڈا سے ایگزٹ کیا ہے۔اپنے ہی پاسپورٹ پر۔'' مالا گردن اٹھائے اسے دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

ماہی نے جھک کے ڈش واشر کھولا۔وہ برتنوں سے بھرا ہوا تھا۔شاید مالا اسے چلانا بھول گئی تھی۔وہ ڈش واشر بند کر کے سیدھی اٹھ کھڑی ہوئی تو ٹھٹکی۔مالا لیپ ٹاپ رکھ کے اب اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ننگے پیروں کی وجہ سے اسے چاپ نہیں سنائی دی تھی۔

''بدر نے کینیڈا سے ایگزٹ کیا ہے، ماہی۔'' وہ خوشی اور بے یقینی سے دہرا رہی تھی۔

''اور سات دن بعد ہمیں اس کی باڈی ملی تھی، مالا۔''

''اس کا ڈی این اے میچ نہیں کرتا تھا ماہی۔''

''رزلٹ inconclusive تھا۔انہوں نے کہا تھا دوبارہ ٹیسٹ کرنا ہوگا، لیکن تم نے منع کر دیا تھا۔''

''وہ میرا بچہ نہیں تھا۔میرا بچہ...''

''ہر بچہ ہلال نہیں ہوتا، مالا۔'' وہ زور سے گ رکھ کے چلائی۔''ہر بچہ کھونے کے بعد نہیں ملتا۔اڑتالیس گھنٹے تک بچہ نہ ملے تو وہ مر چکا ہوتا ہے۔''

وہ جہاں تھی وہیں ساکت رہ گئی۔ماہی اس کے عین سامنے آئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''بچے مر بھی جاتے ہیں مالا۔میرے دو بھی مرے تھے۔دو۔'' انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔''ہر بچہ کھونے کے بعد نہیں ملتا۔تمہیں اس حقیقت کو قبول کرنا ہے۔''

اس کی آنکھیں ویسی ہی رہیں۔خشک۔البتہ لب بھنچ گئے۔اس نے انگلی اٹھا کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''چلی جاؤ میرے گھر سے۔'' وہ غرائی۔

ماہی کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''میں نے ان کے نام بھی رکھ لیے تھے۔میں نے بھی الٹراساؤنڈ کی اسکرین پر ان کو دیکھا تھا۔ان کی قبریں بھی ہیں۔تین سال ان کو نہیں پالا میں نے۔لیکن ان کا غم بھی ویسا ہی ہے۔بچہ بڑا ہو یا چھوٹا۔اس کو کھونے کا غم کبھی نہیں جاتا مالا۔اس غم کو پروسیس کرو۔اس delusion سے نکل آؤ کہ....''

''گیٹ آؤٹ!'' وہ چلائی۔

ماہی خاموشی سے پلٹی اور کوٹ کیبنٹ کی طرف بڑھی۔چپ چاپ اپنا کوٹ نکالا۔جوتے پہنے اور باہر نکل گئی۔

''مجھے تمہاری ہیلپ نہیں چاہیے۔ یہ سب بھی لے جاؤ۔'' اس نے گروسری کے بیگز کھولے اور سامنے ہاتھ لگا پہلا ٹن اٹھا کے زور سے دروازے پر مارا۔ تب تک ماہی دروازہ بند کر چکی تھی۔ وہ لکڑی کے دروازے میں دراڑ ڈالتا زمین پر آ گرا۔

''مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیے۔'' اس نے ہاتھ مار کے بیگز نیچے لڑھکا دیے۔ سب کچھ نیچے بکھر گیا۔

(بچے مر جاتے ہیں مالا۔)

''نہیں۔ میرا بچہ نہیں مرا۔'' آنسو آنکھوں سے بہنے لگے۔ وہ نفی میں سر ہلاتی لونگ روم میں آئی۔ پردے کے پیچھے سے بدر کی ٹوکری جھانک رہی تھی۔ اس نے ٹوکری اٹھائی اور زور سے الٹ دی۔

''وہ واپس آئے گا۔ اور وہ یہیں بیٹھ کے ان سے کھیلے گا۔''

وہ چند لمحے اس سب کو دیکھے گئی۔ بکھرے کھلونے۔ بہت سی ننھی ننھی کارز۔

''اور autistic نہیں ہے۔ بس speech delay ہے۔''

اگلے ہی لمحے اس نے زور سے لکڑی کے شیلف کو دھکا دیا۔ آئیکیا کا ہلکا سا ڈیکور شیلف اوندھا نیچے گر گیا۔ اس پر رکھی کتابیں، گملے، ڈیکور پیسز، سب کارپٹ پر آن گرے۔

ایک شے لڑھکتی ہوئی کچن کے فرش تک چلی گئی جہاں کارپٹ نہیں تھا۔ وہ اس پر سلائیڈ ہوتی بیسمنٹ کو کھلتے دروازے پہ جا لڑھکی۔ چھناکے کی آواز آئی اور سیڑھیوں پر وہ ٹوٹ گئی۔

وہ وہیں کارپٹ پر بیٹھ گئی۔ بکھری چیزوں اور ٹوٹی ہوئی امیدوں کے درمیان۔

دھیرے دھیرے وہ تمام چیزیں نارنجی میز میں تبدیل ہوتی گئیں۔

روشن استنبول کی صبح۔ کافی کا خالی کپ۔ اور سامنے سڑک پہ رکتی چمک دار سیاہ کار۔

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

وہ تنہا نہیں تھی۔

فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کے شبنم باہر نکلی۔ وہ اس کو پہچانتی تھی۔ ماہر کی سیکرٹری۔ چھوٹے قد۔ اونچے جوڑے اور عینک والی۔ اس نے بلاک ہیلز پہن رکھی تھیں۔ اور چہرے پہ ایک ایسا تاثر بھی پہن رکھا تھا جس میں پسندیدگی نہیں تھی۔

ٹھک ٹھک پتھریلی سڑک پر چلتی وہ اس کے قریب آئی۔

''کشمالہ حانم! جیسا کہ میں نے فون پہ بتایا، ماہر بے نے ہمیں آپ کو لینے بھیجا ہے۔''

مالا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ کپ اٹھایا اور آخری چند قطرے اندر انڈیلے۔ پھر وہ اٹھی۔ آئی پیڈ اور سن گلاسز بیگ میں رکھے۔

''میں خود بھی آسکتی تھی۔ ماہر بے کو (انگلی سے کار کی طرف اشارہ کیا) اس زحمت کی ضرورت نہیں تھی۔''

شبنم ماتھے پر بل لیے اسے کار کی طرف بڑھتے دیکھے گئی۔

ڈرائیور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ شبنم کے برعکس اس نے خوش اخلاقی سے سر جھکا کے سلام کیا۔ وہ مسکرا کے جواب دیتی کار میں بیٹھی۔

کار اندر سے معطر تھی۔ مدھم سا کار فریشنر جس میں (اس نے آنکھیں بند کر کے محسوس کرنا چاہا) صندل کی خوشبو تھی۔

راستہ خاموشی سے کٹا۔ شبنم سر جھکائے ٹھک ٹھک آئی پیڈ پر کام کرتی رہی۔ ماہر کا آفس زیادہ دور نہ تھا۔ قریباً پندرہ منٹ میں وہ وہاں پہنچ گئے۔ شبنم کے ساتھ وہ لفٹ میں اوپر آئی۔ لفٹ کے دروازے کھلے اور مرکزی ہال دکھائی دیا تو شبنم نے اسی سپاٹ انداز میں ایک طرف رکھے صوفوں کی جانب اشارہ کیا۔

''ماہر بے ابھی مصروف ہیں۔ آپ انتظار کریں۔''

''وہ اپنے آفس میں ہیں یا اوپر اسٹڈی میں؟'' اس کا اشارہ نیلے پردوں والے اسٹڈی نما کانفرنس روم کی جانب تھا۔

''آفس میں۔'' وہ لفٹ سے باہر نکل چکی تھیں اور شبنم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ مالا اور ماہر کے آفس کو جاتے راستے کے درمیان حائل۔

''کتنی دیر لگے گی ان کو؟'' وہ سادگی سے پوچھ رہی تھی۔

شبنم پہلی دفعہ مسکرائی۔

''قریباً ایک گھنٹہ۔ اور میرا نہیں خیال کہ آپ احتجاج کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔''

کشمالہ مسکرا دی۔ پھر دھیرے سے اس کا کندھا تھپکا۔

''ماہر بے سے کہو، ایک کی جگہ دو گھنٹے لے لیں۔ مجھے ایک اہم ٹیم میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔'' پھر ابرو سے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یقیناً اسٹڈی خالی ہوگی۔ میں وہیں کام کروں گی۔ تمام؟'' پلکیں جھپکا کے کہا۔ پھر سے شبنم کا کندھا تھپکا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

شبنم بے بسی بھرے غصے سے اسے جاتے دیکھے گئی۔

وہ ماہر کے آفس میں آئی تو وہ کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا تھا۔ نگاہیں اسکرین پہ تھیں لیکن توجہ کہیں اور تھی۔ اسے دیکھ کے چونکا۔ پھر گہری سانس لی۔

''وہ آ گئی؟'' لہجہ سپاٹ تھا۔

شبنم نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''ٹھیک ہے۔ اسے کچھ دیر انتظار کرواؤ۔ اور تم...''

''ایک گھنٹہ انتظار کا کہا تھا۔ اس نے کہا ماہر بے سے کہو دو گھنٹے لے لیں۔ اس کی ٹیم میٹنگ ہے۔ اب وہ اوپر کانفرنس روم میں چلی گئی ہے۔'' شبنم ناگواری سے کہہ رہی تھی۔ ''وہاں اسٹاف میٹنگ ہونی ہے کچھ دیر میں۔''

ماہر نے بے زاری سے سر جھٹکا۔ ''کہیں اور کر لو میٹنگ۔ اتنی کیا ضروری ہونی ہے تمہاری میٹنگ۔''

پھر کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''تم بیٹھو۔ اور وہ لکھو جو میں لکھوا رہا ہوں۔''

شبنم تابعداری سے آئی پیڈ سامنے رکھے بیٹھ گئی۔ ایک نظر غور سے ماہر کو دیکھا۔ سفید شرٹ کے آستین موڑے، وہ بظاہر ہمیشہ کی طرح تیار تھا۔ لیکن چہرے کی تروتازگی غائب تھی۔ وہ کچھ الجھا الجھا لگ رہا تھا۔ ناخوش سا۔

''آپ نے فیصلہ کیا تھا کہ اس کی مدد نہیں کریں گے۔'' پھر رک کے اضافہ کیا۔ ''جیسا کہ مجھے بیربل نے بتایا تھا۔ پھر اب کیوں؟''

اس کا سورس آف انفارمیشن بیربل تھا، کیونکہ اس اہم دن جب مالا آئی تھی، شبنم شہر میں نہیں تھی۔ اس بات کا قلق اس کو ابھی تک تھا۔

''لکھو۔'' وہ سوچتے ہوئے بول رہا تھا۔ جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد شبنم زینے عبور کرتی اوپر آئی اور نیلا مخملیں پردہ ہٹایا۔ وہ واقعی سامنے آئی پیڈ رکھے، کانوں میں ائرفونز لگائے کچھ کہہ رہی تھی۔ اسکرین پر زوم میٹنگ کے چوکھٹے بنے تھے، جن میں مختلف چہرے تھے۔ شبنم

نے گلاس ڈور کھٹکھٹایا۔ مالا نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور رسمی مسکراہٹ کے ساتھ چار انگلیاں دکھائیں۔ چار منٹ یا چالیس۔ شبنم فیصلہ نہیں کر سکی۔ واپس پلٹ گئی۔

قریباً دس منٹ بعد وہ پھر سے کانفرنس روم کے پردے تک آئی۔ اس کا آئی پیڈ بجھا ہوا تھا اور وہ بک ریک کے ساتھ کھڑی تھی۔ ایک شیلف پر چند ملائم پتھر رکھے تھے۔ وہ ایک کو ہاتھ میں گھما کے بغور دیکھ رہی تھی۔

آہٹ پہ سر اٹھایا۔ پھر تعجب سے پتھر اونچا کیا۔

''یہ کیا ہے؟''

''یہ ماہر بے کی چیزیں ہیں۔ وہ ان کو تراشتے ہیں۔'' شبنم تیزی سے آگے آئی اور پتھر اس کے ہاتھ سے لے کر واپس رکھا۔ کشمالہ کندھے اچکا کے آگے بڑھ گئی۔

شیلف پر رکھے پتھر یونہی پڑے رہ گئے۔ ہر ایک کے اوپر چند حروف کندہ تھے۔

ماہر کے آفس کا دروازہ شبنم نے کھولا اور ایک طرف ہوئی۔

وہ اندر داخل ہوئی تو ایک خوشبوناک سے ٹکرائی۔ گلاب اور اود۔

وہ اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا۔ بے تاثر سا۔ ٹیک لگائے، ہاتھ باہم پھنسائے، سفید شرٹ اور جیل سے پیچھے کو جمے بال۔

اسے دیکھ کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سر کو ہلکا سا خم دیا۔

''بیٹھو، کشمالہ۔''

وہ ایک کرسی پر بیٹھی۔ دوسری کرسی پر بیگ رکھنے لگی، لیکن شبنم نے وہ ڈھٹائی سے کھینچ لی۔ اور اس پر براجمان ہو گئی۔

مالا کا بیگ رکھتا ہاتھ رک گیا۔ پھر اس نے بیگ قدموں کے ساتھ رکھ دیا۔

''بتائیے۔ آپ نے مجھے کیوں بلوایا؟''

سامنے کرسی پر بیٹھی لڑکی سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔ کندھوں تک آتے بال کانوں کے پیچھے اڑسے تھے۔ فاختہ والا نیکلیس سفید بلاؤز پر واضح دکھائی دیتا تھا۔

''کیونکہ تم چار دن پہلے میرے پاس آئی تھیں۔ میں نے تمہاری بات پہ غور کیا ہے۔''

''اچھا؟'' مالا نے مسکرا کے ابرو اٹھایا۔ وہ بھی اس کے بعد اس کے پاس آیا تھا، لیکن اس ملاقات کو شاید وہ

یادداشت سے مٹا چکا تھا۔

''یہ وہ تمام معلومات ہیں جو مجھے تمہارے بیٹے کے کیس کے بارے میں ملی ہیں۔'' اس نے میز پر رکھے چند پرنٹ شدہ کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔ مالا اسی طرح بیٹھی رہی۔ ان کی طرف نہیں جھکی۔

''میں تمہاری مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' وہ اسی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ ''لیکن میرے تین سوال ہیں۔ اور ایک شرط۔''

''پوچھیے۔'' وہ تیار تھی۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ تلخ ہو چکا تھا۔ لیکن وہ اس کی تلخی کے لیے خود کو تیار کر کے آئی تھی۔

''ان ریکارڈز کے مطابق...'' اس نے کاغذات کی طرف اشارہ کیا۔ ''تمہارے بیٹے کی جلی ہوئی لاش ملی تھی۔ پھر تمہیں کیوں لگتا ہے کہ وہ زندہ ہے؟''

''کیونکہ ڈی این اے کے مطابق وہ لاش میرے بچے کی نہیں تھی۔''

''ڈی این اے inconclusive تھا۔ تم نے دوبارہ نہیں کروایا۔''

''ضرورت نہیں تھی۔ وہ بدر کی لاش نہیں تھی۔ میں اپنے بیٹے کو پہچانتی ہوں۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ پرسکون۔ ٹھنڈی مسکراہٹ۔

''تمام۔'' اس نے سر کو خم دیا۔ چند لمحے کے لیے گلاب اور اود کی مہک میں ڈوبے آفس میں خاموشی چھائی رہی۔

''دوسرا سوال۔ تمہارا بیٹا وین کوور میں کھویا تھا۔ تم اسے ڈھونڈنے استنبول کیوں آئی ہو ... میرے پاس؟''

''کیونکہ میں نے اس کی ٹریول ہسٹری نکلوائی تھی۔ اس نے اپنے پاسپورٹ پہ اپنی گمشدگی والے دن استنبول کا سفر کیا تھا۔ یہ تمہارا شہر ہے۔ صرف تم میری مدد کر سکتے ہو، کیونکہ میں یہاں کسی اور کو نہیں جانتی جس کے اوپر میرا احسان ہو۔''

ماہر کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ چونک کر ان کاغذات کو دیکھا۔ ''اس بات کا یہاں ذکر نہیں ہے۔'' اس نے مالا کی آخری بات نظر انداز کی تھی۔

''کیونکہ پولیس اور باقی دنیا کو یہ لگتا ہے کہ وہ لاش اسی کی تھی۔ اس لیے انہوں نے اس کی ٹریول ہسٹری چیک نہیں کی۔''

''کوئی اس کا پاسپورٹ استعمال بھی کر سکتا ہے۔ کوئی کسی دوسرے بچے کو اس پاسپورٹ پہ اسمگل بھی کر سکتا ہے۔''

مالا نے کھنکھار کے گلا صاف کیا۔

''میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ یہیں استنبول میں ہے۔اور اس کا ہاتھ جس شخص نے تھام رکھا تھا، اس نے نگینہ بیگم کی انگوٹھی پہن رکھی تھی۔''

''کیا ہم تمہارے خوابوں پہ بھروسہ کر سکتے ہیں کشمالہ؟'' اس کی آنکھوں میں طنز ابھرا۔وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔گال میں کوئی گڑھا نہیں بن رہا تھا۔

مالا نے گہری سانس لے کر کندھے اچکائے۔

''کوئی ہے جو نگینہ بیگم کی جگہ لے چکا ہے۔وہ اسی طرح بچے اغوا کر رہا ہے۔اور میرا بیٹا اسی کے پاس ہے۔'' وہ ٹھہری۔اس کی آنکھوں میں جھانکا۔''اگر بدر محفوظ نہیں ہے تو ہلال...''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے برہمی سے بات کاٹی۔

چند ثانیے کے لیے تناؤ بھری خاموشی چھا گئی۔

''میرا آخری سوال۔'' اب کے وہ ہاتھ باہم پھنسائے، قدرے آگے کو ہوا۔آنکھوں میں ایک تاثر سا ابھرا۔اور وہ جانتی تھی کہ وہ کیا کہنے جا رہا ہے۔''وہ اس تاثر کو پہچانتی تھی۔ایک پرانی رقابت۔''

''تمہیں یہ خیال نہیں آیا کہ تمہارے بچے کو زیاد سلطان بھی اغوا کر سکتا ہے؟''

''زیاد نے یہ نہیں کیا۔وہ جیل میں ہے۔''

''آف کورس۔'' ماہر نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔''وہ ایک رائٹر ہے۔وہ جیل میں رہتے ہوئے یہ کیسے کرے گا؟ مگر ایک منٹ...'' جیسے یاد کرتے ہوئے چٹکی بجائی۔

''تم نے ایک کرائے کے قاتل سے شادی کی تھی۔'' اس کے چہرے پہ طنز تھا۔شبنم زیرِ لب مسکرائی اور گردن موڑ کے کشمالہ کو دیکھا۔

وہ اسی سنجیدگی سے ماہر کو دیکھ رہی تھی۔

''شادی کرتے وقت انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ اگلا انسان کیسا نکلے گا۔لوگ جیسے ہوتے ہیں، ویسے نظر نہیں آتے۔جب مجھے معلوم ہوا کہ اس کی اصلیت کیا ہے، تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ناکام شادیوں کے بارے میں ایک دو باتیں تو تمہیں بھی معلوم ہوں گی ماہر فرید۔تمہارے ماں باپ کی شادی کا اختتام بھی طلاق میں ہوا تھا نا۔''

شبنم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔گڑبڑا کے ماہر کو دیکھا۔اس کی رنگت بدلی تھی۔طنز غائب ہوا۔لب بھنچ گئے۔

ضبط سے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ وہ اسی سکون سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یعنی زیاد اس معاملے میں بے قصور ہے؟'' کچھ دیر بعد وہ بولا۔

''میں نہیں جانتی کہ وہ کیا جانتا ہے۔ لیکن یہ اس نے نہیں کیا۔ یہ اس نئے سرکار نے کیا ہے جس کو میں نے اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑے دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کی رنگت سفید تھی۔ وہ زیاد نہیں تھا۔ وہ کوئی اور ہے، وہ اسی شہر میں ہے اور میرا بیٹا اسی کے پاس ہے۔''

وہ قطعیت سے کہہ رہی تھی۔ شبنم نے کینہ توز نظروں سے اسے دیکھا، پھر سر جھٹک کے خاموش رہی۔

''تمام۔'' ماہر فرید نے پیچھے کو ٹیک لگائی۔ چہرہ اب بے تاثر ہو چکا تھا۔ وہی چہرہ جو مالا نے اندر داخل ہوتے دیکھا تھا۔

''میری ایک شرط ہے۔''

''سن رہی ہوں۔''

''میرے پاس دو ماہ ہیں۔ اس کے بعد میں اس شہر کو چھوڑ کے لندن واپس جا رہا ہوں۔ ان دو ماہ میں، میں تمہاری مدد کروں گا۔ مجھ سے جو ہو سکا، میں کروں گا۔ لیکن اگر تب تک میں اس بچے کو نہ ڈھونڈ سکا، تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا، اور میرا تمہارا حساب برابر ہو جائے گا۔ لیکن....'' وہ رکا۔

اب کے وہ مسکرایا۔ گال کا گڑھا واضح ہوا۔

''لیکن تم ایک کانٹریکٹ سائن کرو گی۔''

کشمالہ مبین پہلی دفعہ چونکی۔ بے اختیار شبنم کو دیکھا۔ اس نے آئی پیڈ کے اوپر چند پرنٹ شدہ کاغذ پکڑ رکھے تھے۔

''کیسا کانٹریکٹ؟''

''تم دو ماہ تک استنبول چھوڑ کے نہیں جاؤ گی۔''

اس کی آنکھیں اچھنبے سے چھوٹی ہوئیں۔

''کیا مطلب؟ میرا کام ہے۔ مجھے ایونٹس کے لیے ٹریول کرنا ہوتا ہے۔'' لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔

''وہ وقت گیا جب تم یہ فیصلے کرتی تھیں کہ کون کس کی زندگی سے کب نکلے گا۔ اب یہ میں طے کروں گا۔''

شبنم نے بے اختیار نگاہیں جھکا دیں اور کانٹریکٹ کے کنارے ناخن سے رگڑنے لگی۔ بات ذاتی حدود میں

داخل ہو چکی تھی۔

''اور ہاں، چونکہ میں ایک جھوٹا manipulator ہوں، اس لیے اگلے دو ماہ تک میں تمہیں ہر بات کا جواب سچ میں دینے کا پابند نہیں ہوں۔ میں وہی بتاؤں گا جو میرا دل چاہے گا۔ مجھ سے کسی سچائی اور ایمانداری کی توقع مت رکھنا۔''

''میں دو ماہ یہاں نہیں رہ سکتی۔ میرا ویزہ...''

''تمہارا ریزڈنٹ پرمٹ میری کمپنی اپلائی کرے گی۔ اسی لیے....'' اس نے ابرو سے شبنم کو اشارہ کیا۔ شبنم نے مسکرا کے ہتھیلی اس کی طرف بڑھائی۔

''پاسپورٹ؟''

کشمالہ نے اس کی ہتھیلی کو دیکھا۔ پھر ماہر کو۔

''تم لوگ میرا پاسپورٹ رکھنا چاہتے ہو؟''

''اگر تم یہ کانٹریکٹ سائن کرتی ہو، تو ہم رکھیں گے۔ ورنہ نہیں۔ تم اگلی فلائٹ سے واپس وین کوور جا سکتی ہو۔'' وہ ٹیک لگائے، ہاتھ باہم پھنسائے، پرسکون دکھائی دیتا تھا۔

وہ چند لمحے لب کاٹتی اس کانٹریکٹ کے پہلے صفحے کو دیکھتی رہی۔ پھر آگے بڑھی۔ وہ کاغذ کا ٹکڑا شبنم کے ہاتھ سے کھینچنے والے انداز میں لیا۔ ہولڈر میں رکھا سرخ پین نکالا۔ اور پین کی نوک دستخط والی جگہ تک لائی۔

''پڑھ لو پہلے۔'' وہ بے اختیار بولا تھا۔

مالا نے اپنے نام کے نیچے پین رگڑا۔ وہ نہیں چلا۔ اس نے ایک شکایتی نگاہ ماہر پہ ڈالی۔ وہ آگے کو جھکا اور دوسرا پین نکالنے لگا، لیکن تب تک وہ اسی سرخ پین کو دوبارہ رگڑنے لگی۔ وہ چل گیا تھا۔ ماہر نے سبز پین اس کے سامنے رکھا۔ اس نے اسے دیکھا تک نہیں۔ سرخ دستخط کر کے کاغذ اس کی طرف دھکیلے۔

''پاسپورٹ؟'' شبنم نے پھر سے دہرایا۔

''تمہارا خیال ہے میں پاسپورٹ بیگ میں رکھ کے گھوم رہی ہوں گی؟'' وہ قدرے اکتائی تھی۔

شبنم نے بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ بات تو درست تھی۔

''کشمالہ خانم...'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تم بلت کے جس اپارٹمنٹ میں رہ رہی ہو، اس بلڈنگ میں لاکرز مہیا نہیں کیے جاتے۔ اس لیے تمہارا پاسپورٹ تمہارے بیگ میں ہی ہے۔ پلیز...'' مصالحتی انداز میں اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے

اسے دیکھتی رہی۔آنکھیں چھوٹی کیے، جیسے اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔پھر جھک کے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔اور واپس سیدھی ہوئی تو ایک پاسپورٹ انگلیوں میں دبا تھا۔

''تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' پاسپورٹ پٹخنے والے انداز میں شبنم کے ہاتھ پر رکھا۔''کیونکہ وہ میں نہیں ہوں جو چھوڑ کے جاتی ہوں۔یہ وطیرہ تمہارا ہے۔مجھے دو ماہ کیا، دو سال بھی اس شہر میں رہنے پہ اعتراض نہیں ہے۔ہاں اگر تمہیں لگتا ہے کہ اس طرح شاید میں آؤٹ آف بزنس ہو جاؤں گی ،تو تم غلط ہو۔سرما آ رہا ہے۔یورپ اور امریکہ میں لوگ سرما میں نہ شادیاں کرتے ہیں نہ شوٹس۔میں فارغ ہی تھی۔'' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کچھ اور یا میں جاؤں؟''

شبنم ''وطیرے'' تک سن کے ہی جلدی جلدی کاغذ سمیٹتی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

''ہاں۔ایک بات۔'' وہ وہیں بیٹھے بیٹھے بولا تھا۔مالا رک کے سننے لگی۔

''دوبارہ کبھی میری ماں کا ذکر مت کرنا۔''

''ذکر تو ہوگا۔جب جب تم میری ناکام شادی مجھے یاد کرواؤ گے،تمہیں اپنے والدین کی ٹوٹی ہوئی شادی کا ذکر سننا پڑے گا۔دوسروں کی غلط شادیوں پہ انگلیاں اٹھانے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے اپنے خاندان میں بھی ایسی مثالیں موجود ہوتی ہیں۔'' کندھے اچکائے بیگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اس نے بے اختیار مٹھی بھینچ لی۔

وہ جانتا تھا وہ اپنی زندگی پیچیدہ کرنے جا رہا ہے۔لیکن ہلال۔اف۔

وہ جھکا اور تیسرے نمبر کا دراز کھولا۔

دروازہ واپس کھلا اور شبنم تیزی سے اندر آئی۔

ماہر نے سیدھے ہوتے ہوئے نامحسوس انداز میں دراز واپس دھکیل دیا۔

''ہم یہ کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ بے چین سی سامنے آ کھڑی ہوئی۔عینک کے پیچھے آنکھیں ناخوشی سے چھوٹی کیے۔

''ہم نہیں۔میں۔'' وہ سکون سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔اور شرٹ کے مڑے آستینوں کی تہیں کھولنے لگا۔

''تمہیں اس سے کیا مسئلہ ہے؟'' کف کا بٹن بند کرتے ہوئے ایک سنجیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔

''میں نہیں چاہتی آپ کو دوبارہ تکلیف ملے۔''

''یہ میرا مسئلہ ہے شبنم۔ تمہیں اس آفس میں آئے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔''

''آپ کے اوپر اس کی مدد کرنا فرض نہیں ہے۔ پھر کیوں؟'' وہ اب کے الجھ گئی تھی۔

دوسرے کف کا بٹن بند کر کے وہ مڑا اور ہینگر سے کوٹ اٹھایا۔ شبنم بے چینی سے اسے کوٹ پہنتے دیکھے گئی۔ وہ اس کا سوال نظر انداز کر گیا تھا۔

''ہم نے اسے دو ماہ کے لیے استنبول میں کیوں روکا ہے؟'' وہ ماہر فرید کو جانتی تھی۔ وہ ایسا قدم کبھی بھی کشمالہ کو تنگ کرنے یا اسے آؤٹ آف بزنس کرنے کے لیے نہیں اٹھائے گا۔

وہ خاموشی سے کوٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔

''کیا واقعی کوئی نیا سرکار ہو سکتا ہے؟''

ماہر نے موبائل میز سے اٹھا کے جیب میں ڈالا۔ پھر فرصت سے شبنم کو دیکھا۔

''کوئی نیا سرکار نہیں ہے۔ وہ سلسلہ ختم ہو چکا۔'' وہ پر یقین تھا۔

''پھر؟''

''میں جانتا ہوں اس کا بچہ کہاں ہے۔''

شبنم پلک جھپکنا بھول گئی۔

''وہ بچہ اپنے باپ کے پاس ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دیتا میز کے پیچھے سے نکلا۔

''اس بچے کو زیاد سلطان نے خود اغوا کیا ہے۔ وہ اب تک زندہ ہے یا نہیں، یہ صرف زیاد جانتا ہے۔''

''آپ کو کیسے...؟''

''کیونکہ میں زیاد کو جانتا ہوں۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''اس نے یہ سب صرف کشمالہ کو واپس حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔ وہ بچہ ان دونوں کو جوڑتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ اس کے پاس آئے، وہ دونوں مل کے اپنا بچہ تلاش کریں، اور پھر وہ اس کو ایک دفعہ پھر سے حاصل کر لے۔''

''اور ہم؟ یہ کانٹریکٹ؟'' وہ پھر سے الجھی۔

''زیاد سلطان نے یہ کھیل شروع کیا ہے۔ اس دفعہ اسے میں ختم کروں گا۔ اس کے پلان کے مطابق کشمالہ کو اس کے پاس جانا چاہیے تھا۔ لیکن وہ میرے پاس آئے گی، اسے توقع نہیں تھی، کیونکہ...'' اس نے ہاتھ اٹھا کے

دکھایا۔تیسری انگلی میں سلور انگوٹھی دمک رہی تھی۔''کیونکہ اس کے خیال میں، میں اس کھیل سے نکل چکا تھا۔''

شبنم بالکل ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''کشمالہ، زیاد کے لیے سب سے قیمتی انسان ہے۔اور میں نے...''اس نے پاسپورٹ دو انگلیوں سے اٹھا کے شبنم کی ہتھیلی پر رکھا۔''اس کی سب سے قیمتی شے کو قید کر لیا ہے۔''

''زیاد اس کے پیچھے آئے گا۔''وہ چونکی۔

''اب تم سمجھ رہی ہو۔''وہ مسکرایا۔''میں زیاد سلطان کی قید ختم ہونے کا منتظر تھا۔وہ ہلال کا مجرم ہے۔اس کی طرف میرے بہت سے حساب نکلتے ہیں۔اس کو جیسے ہی معلوم ہوگا کہ وہ میرے پاس آئی ہے، وہ کسی نہ کسی طرح اس قید سے نکل آئے گا۔''

مسکرا کے کہتا وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''کیا معلوم واقعی کوئی نیا سرکار رنگینہ کی جگہ لے چکا ہو؟''شبنم ایڑھیوں پر گھومی۔ ماہر نے پلٹ کے اسے دیکھا۔ہاتھ ڈورناب پر تھا۔

''وہ بچہ کسی خطرے میں نہیں ہے۔وہ اپنے باپ کی پناہ میں محفوظ ہے۔کوئی نیا سرکار نہیں ہے شبنم۔نہ کسی جادوگر میں اتنی ہمت ہے کہ وہ زیاد سلطان کے بیٹے کو اغوا کرے۔''

''کیا معلوم آپ غلط ہوں؟''

''ماہر فرید انسانوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں ہوتا۔''وہ استہزایہ مسکراہٹ کے ساتھ باہر نکل گیا۔شبنم نے انگلیوں پر وہ تمام اوقات یاد کرنے چاہے جب وہ غلط ثابت ہوا تھا۔لیکن اسے جاتے دیکھ کے زور سے پکار اٹھی۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''ایک پرانے دوست کا کھوج لگانے۔''

شبنم کو اس کے جوتوں کی آواز دور جاتی سنائی دے رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بلت کی وہ فیروزی عمارت دوسری عمارتوں سے کندھے ملائے کھڑی تھی۔ناشتوں اور قہووں کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔البتہ بادلوں نے آج سورج کا راستہ روک رکھا تھا۔ ہر چند منٹ بعد بوندا باندی شروع ہو جاتی، جو بارش میں تبدیل نہ ہو سکتی تو دم توڑ جاتی۔

ٹوں کی آواز پہ وہ چونکی۔ وہ اس وقت اپنے اسٹوڈیو اپارٹمنٹ کے لونگ روم کی میز پر لیپ ٹاپ رکھے، سامنے آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ بہت سی ای میلز کھلی رکھی تھیں۔ ماہر فرید کو اس نے طنطنے سے کہہ دیا تھا کہ یورپ اور امریکہ میں کوئی سرما میں شادی نہیں کرتا۔ لیکن اب اسے مڈل ایسٹ اور فار ایسٹ میں ہونے والے ایونٹس اور شوٹس بیک اپ فوٹو گرافرز کے حوالے کرنے تھے۔ بہت سے پیسے واپس کرنے تھے۔ سارا کام الجھ گیا تھا۔ اسی وقت ٹوں سنائی دی۔ میز پر رکھے فون کی اسکرین روشن ہوئی۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ ابرو بے اختیار استعجابیہ انداز میں اٹھے۔

ماہر فرید۔

کل اس نے شبنم سے فون کروایا تھا اور آج خود واٹس ایپ کیا تھا۔

اس نے اتنے برس نمبر نہیں بدلا تھا اور نہ ماہر نے۔ بس اس نے استنبول آنے کے بعد ماہر کو اپنے واٹس ایپ سے ان بلاک کر دیا تھا۔ انا پہ ایک قدم اور سہی۔

''میں پانچ منٹ میں تمہاری اپارٹمنٹ بلڈنگ پہنچ رہا ہوں۔ ہمیں کہیں جانا ہے۔''

ساتھ ہی اگلے میسیج میں تصحیح موصول ہوئی۔

''چار منٹ میں۔''

وہ لیپ ٹاپ فولڈ کر کے تیزی سے اٹھی۔ وہ گھر سے نکلنے سے پہلے بھی بتا سکتا تھا، لیکن نہیں۔ کل آفس میں ملاقات کے بعد سے اب تک اس نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اور اب اچانک۔ جلدی میں لباس تبدیل کیا۔ چہرے پر چند چھینٹے مارے۔ میک اپ کا وقت نہیں تھا۔ ٹنٹ کافی تھا۔ بال برش کر کے اونچی پونی میں باندھے۔ پھر اپنا عکس دیکھا تو یونہی سبرینہ کی اونچی پونی یاد آئی۔ نفی میں سر جھٹکا اور پونی کھول دی۔ انگلیوں سے بالوں کو سیدھا کیا۔ موبائل بجنے لگا تھا۔ وہ اسکرین دیکھے بنا تیزی سے بیگ اور کوٹ اٹھائے نیچے کی طرف بھاگی۔

وہ آخری زینے پر تھی جب کھلے دروازے کے باہر وہ اسے دکھائی دیا۔

وہ رنگین عمارتوں کی قطار کے سامنے سڑک کنارے موجود تھا۔ کار کے ڈرائیونگ ڈور کے ساتھ کھڑا، پیروں کی قینچی بنائے، سر جھکائے موبائل پر بٹن پریس کر رہا تھا۔ لباس وہی کل کے جیسا تھا۔ گہرا سرمئی سوٹ۔ سفید شرٹ۔ ٹائی ندارد۔ البتہ اس نے اوپر کوئی زائد کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔ شاید اسے ٹھنڈ نہیں لگ رہی تھی۔

''صبح بخیر۔'' وہ زینے اترتی چوکھٹ سے باہر نکلی۔ ماہر نے چونک کر چہرہ اٹھایا۔ وہ قدرے ناخوش نظر آتی تھی۔

کوٹ بازو پر ڈالے۔سفید ہائی نیک پہنے۔جس کے گریبان پر سیاہ فاختہ جگمگا رہی تھی۔ماتھے پر مبہم سا بل۔

''آج تم نے ڈرائیور نہیں بھیجا؟'' پلکیں جھپکا کے بظاہر سادگی سے پوچھا تھا۔

''میرے ڈرائیور کے پاس کرنے کے لیے زیادہ اہم کام ہیں۔''خشک روی سے کہہ کے اس نے اپنا دروازہ کھولا تو مالا فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولنے لگی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' کار کے اندر وہی بھینی بھینی سی خوشبو تھی۔لیکن یہ کل والی خوشبو سے مختلف تھی۔بلکہ نہیں۔یہ کار بھی مختلف تھی۔خیر۔اسے کیا۔وہ بیگ اور کوٹ پچھلی سیٹ پر رکھ کے اب سیٹ بیلٹ پہن رہی تھی۔

''جہاں تمہیں استنبول آتے ہی جانا چاہیے تھا۔''وہ اسے دیکھے بنا کار اسٹارٹ کر رہا تھا۔ایک سرد مجسمہ ہو جیسے۔بے زار۔ناخوش۔

ہاتھ بیک ویو مرر کی طرف بڑھا،لیکن جلدی سے اسے کھینچ لیا۔ایک بھولی بسری عادت یاد آئی تھی۔جب وہ اس کا ڈرائیور تھا۔وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتی تھی اور وہ مرر اوپر کی طرف اٹھا دیتا تھا۔

مالا مزید کچھ پوچھے بنا آئینے کے باہر دیکھنے لگی۔وہ صبح اٹھتے ساتھ ہی کافی نہیں پیتی تھی۔کچھ دیر انتظار کرتی تھی۔بدر کے کھونے کے بعد ہر روز صبح خود کو بستر سے نکالنا بہت مشکل ہونے لگا تھا۔آج بھی سستی سے بیٹھی ای میلز چیک کرتی رہی تھی۔کافی لینے نیچے آنے کی ہمت ابھی اس نے کرنی تھی۔اپارٹمنٹ میں کافی مشین نہ تھی۔لیکن وہ اس سے پہلے ہی آن وارد ہوا تھا۔

کار مختلف سڑکوں سے گزر رہی تھی۔دائیں بائیں بہت سے کیفے اور قہوہ خانے گزرے۔بند شیشوں کے باعث کافی بینز کی خوشبو اندر نہیں آ رہی تھی۔لیکن وہ سیاحوں اور مقامی لوگوں کے ہاتھوں میں پکڑی پیالیوں سے اڑتی بھاپ دیکھ سکتی تھی۔کیفین کی کمی کے باعث سر میں درد اٹھنے لگا تھا۔

ڈرائیو کرتے ماہر نے کنکھیوں سے دیکھا تھا۔وہ گردن اس کی جانب سے موڑے،دو انگلیوں سے کنپٹیوں کو دبائے ہوئے تھی۔کیا اس کے سر میں درد تھا؟ لیکن پوچھا نہیں۔وہ اس کا مسئلہ نہیں تھی۔وہ اس کو بہت سے سر درد دے چکی تھی۔

کار ایک عمارت کے سامنے رکی تو وہ چونکی۔ترکش میں لکھے الفاظ عام فہم تھے۔

''پولیس اسٹیشن؟'' بے اختیار ماہر کو دیکھا۔وہ سیٹ بیلٹ کھول رہا تھا۔بس ایک نگاہ اس پہ ڈالی،جیسے کہہ رہا ہو (ہاں،تو؟) اور دروازہ کھول لیا۔

''میں نے پولیس کو ای میل لکھی تھی۔'' وہ کہنے لگی لیکن وہ متوجہ نہیں نظر آ رہا تھا۔ کار لاک کرتے ہوئے اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ بوندا باندی اب رک چکی تھی۔ اسٹیشن کے سامنے کی زمین گیلی تھی۔ وہ کوٹ پہنتے ہوئے اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ وہ رک کے انتظار کرنے لگا۔ نگاہیں مالا کے جوتوں پہ ٹھہر گئیں۔ وہاں پانی تھا۔ کیا وہ پھسل سکتی تھی؟ یہ جوتے مناسب نہ تھے۔ شاید اس نے جلدی میں پہنے تھے۔ اس کو گھر سے نکلنے سے پہلے بتانا چاہیے تھا۔

وہ قریب آ گئی اور پانی پیچھے رہ گیا تو وہ چلنے لگا۔ دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔

اسٹیشن اندر سے گرم تھا۔ سفید دیواریں۔ لمبی راہداریاں۔ بہت سی آوازیں۔ یونیفارم میں پھرتے لوگ۔

چند راہداریوں سے گزر کے وہ ایک جگہ آن رکے۔ ماہر نے ایک بنچ کی طرف اشارہ کیا۔

''تم بیٹھو۔ میں پہلے کو مسار بے سے الگ ملوں گا۔''

''کیوں؟'' وہ بیٹھی نہیں۔ ابرو اکٹھے کر کے مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ بس آگے بڑھ گیا۔ ایک پولیس افسر اسی کی طرف آ رہا تھا۔ وہ رک کے غیر شناسا زبان میں اس سے کچھ کہنے لگا۔ وہ سر ہلا کے اسے ایک طرف لے گیا۔ وہ وہیں بیٹھ گئی۔ مشکوک نگاہیں ہنوز اس راہداری پہ جمی تھیں جہاں سے وہ مڑا تھا۔ وہ اس کو کیوں ساتھ نہیں لے کر گیا؟ اسے ایسی کیا بات کرنی تھی پولیس کمشنر سے جو مالا کے سامنے نہیں ہو سکتی تھی؟ اوہ ماہر فرید۔ تم اور تمہاری آدھا سچ چھپانے کی عادت۔

اور تب اس کی نگاہ دوسرے کونے پہ پڑی۔

بے اختیار لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

کافی مشین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماتحت نے دستک کے بعد دروازہ دھکیلا تو ایک روشن دفتر کا منظر کھلتا چلا گیا۔

مرکزی کرسی پر بیٹھا پولیس کمشنر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سنجیدہ نگاہیں ماہر کے چہرے پہ تھیں۔ وہ دراز قد اور کسی باڈی بلڈر جیسے بازوؤں والا شخص تھا، جس کے چہرے پر سیاہ مونچھیں تھیں۔

''باش کو مسار چنگیز۔'' ماتحت نے اطلاع دی۔ پھر بازو بڑھا کے اسے اندر جانے کو کہا۔ ماہر نے اندر قدم رکھا تو ماتحت باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو راہداری سے آتا شور بھی تھم گیا۔

''جی ماہر بے۔ بیٹھیے۔'' اس نے جذبات سے عاری انداز میں سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور خود واپس

بیٹھا۔

''آپ نے اپائنمنٹ لی تھی۔آپ کوکوئی اہم کام تھا؟''

ماہرابھی تک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔بیٹھانہیں۔

''چنگیز...'' وہ دھیرے سے بولا۔

''میں سن رہاہوں۔'' وہ ٹھہرا۔''چائے،قہوہ؟''

''میں ایک پرانے دوست کے پاس آیاہوں چنگیز۔''اس کی آواز دھیمی تھی۔انا پہ دونوں قدم رکھ دیے۔

جواباً چنگیز کے تاثرات میں دراڑ پیدا ہوئی۔دونوں ابرواستعجاب سے اٹھادیے۔

''آپ مجھے جانتے ہیں؟''

''چنگیز۔پلیز۔''

''دلچسپ بات یہ ہے،کہ میرا ڈیپارٹمنٹ بھی آپ کو جانتا ہے ماہر بے۔'' اس کی آنکھوں میں زخمی پن ابھرا۔''میراوہ دوست جسے میں نے گرفتارکیا۔وہ دوست جس نے مجھ سے اہم باتیں چھپاکے مجھے استعمال کیا۔اور پھرجج کوخرید کے مجھے رسوا کیا۔''

''مبینہ طور پہ۔'' وہ ہلکا سامسکرایااورکرسی کھینچی۔

چنگیز کی رنگت قدرے سرخ ہوئی۔پھرلب بھینچ کے بہت ساضبط کیا۔

''کیاچیز آپ کومجھ ناچیز کے پاس کھینچ لائی؟''

''حیات۔(زندگی)'' وہ مسکراکے بیٹھا۔کندھے اچکائے۔ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔چنگیزانہی کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔

''تم اور میں دونوں جانتے ہیں کہ حکومتوں کی ریڈ ٹیپ عبورکرنے کے لیے ہمیں کچھ کام کرنے پڑتے ہیں۔جہاں تک اس کیس کی بات ہے،تومیں نے وہ کیامبینہ طور پہ(زوردیا)،جومجھے اپنی جان بچانے کے لیے کرنا تھا۔تم نے وہ کیاجوتمہیں اپنے کیریئر کے لیے بہترلگا...''

''میں صرف اپنی جاب کررہاتھا۔''

''اوراپنے ہی دوست کوگرفتارکرنا،بجائے اس پہ بھروسہ کرنے کے،تمہاری جاب کے لیے اچھاتھا۔یہ مت کہنا تمہیں اس شے کا خیال نہیں آیاتھا۔'' ماہرنے قدرے بے پروائی سے ناک سے مکھی اڑائی۔چنگیزضبط سے اسے

دیکھے گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''میں نے وہ کیا جو میرے لیے ضروری تھا۔ تم نے وہ کیا جو تمہارے لیے ضروری تھا۔ زندگی ناانصاف ہے۔ اور سفاک بھی۔ آج مجھے مدد کی ضرورت پڑی تو تمہارے پاس آیا ہوں۔''

''حالانکہ تمہارے پاس بہت پیسہ ہے۔ تم کسی کے پاس بھی جا سکتے ہو۔''

''لیکن کیا وہ تفتیشی افسر اتنا جرأت مند ہوگا کہ اپنے ہی دوست کو گرفتار کر سکے؟ اونہوں۔''

چنگیز نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے سامنے بیٹھے شخص کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی۔ وہ ویسا ہی تھا۔ سوشل میڈیا پہ کبھی کبھی وہ اسے دیکھ لیتا تھا۔ کبھی کسی محفل میں اس کا ذکر سن لیتا تھا۔ چنگیز کو ان چار برسوں میں ترقی نہیں ملی تھی۔ البتہ تبادلے بہت ہوئے تھے۔ لیکن ایک سال سے وہ استنبول واپس آ چکا تھا۔ البتہ اس نے نمبر چند ماہ پہلے بدلا تھا۔ ماہر نے اس سے کبھی دوبارہ رابطہ نہیں کیا۔ نیا نمبر نہیں تھا اس کے پاس۔ لیکن انسٹاگرام پہ ڈی ایم کر سکتا تھا۔ اب اچانک وہ اس کے سامنے تھا۔ کیا یہ اس کا اصلی چہرہ تھا یا بزنس فیس؟

''اور میں تمہاری مدد کیوں کروں گا؟'' وہ اس کو پڑھنے میں ناکام ٹھہرا تھا۔

ماہر فرید ہلکا سا مسکرایا۔ کندھے اچکائے۔

''کیونکہ میں پولیس ڈیپارٹمنٹ کا ایک اہم ڈونر ہوں۔''

چنگیز کے حلق تک میں کڑواہٹ گھل گئی۔ البتہ اس نے سر کو خم دیا۔

''کہیے۔ ماہر بے۔ کیا مسئلہ ہے؟''

ماہر فرید نے گہری سانس لی۔ ''میں کسی کو ساتھ لایا ہوں۔ اس کا بیٹا کھو گیا ہے۔ یہیں استنبول میں۔ وہ اپنے بیٹے کو ڈھونڈ رہی ہے۔''

''کون؟''

ماہر نے بظاہر چہرہ پرسکون رکھتے ہوئے تھوک نگلا۔

''کشمالہ مبین۔''

چنگیز کے چہرے پہ چونکنے کا تاثر ابھرا۔ لب اوہ میں سکڑے۔ وہ قدرے پیچھے ہوا۔ میز سے کہنیاں اٹھا دیں۔

''تم میرے پاس اس لیے نہیں آئے کہ میں جرأت مند ہوں۔ بلکہ اس لیے کہ میں زیادہ سوال نہیں پوچھوں گا۔''

وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔ الفاظ میں کاٹ تھی۔

''میں تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں کیونکہ تم بہت سے جوابات جانتے ہو۔ جو نہیں جانتے وہ ہم مل کے تلاش کر لیں گے۔''

چنگیز بغور اسے دیکھنے لگا۔ جیسے اس کا چہرہ پڑھنے کی سعی کر رہا ہو۔

''تم زارا سے شادی کر رہے تھے نا؟''

''کر رہا ہوں۔''

''پھر اس کی مدد کیوں؟''

''کیونکہ اب مجھے اس کے اپنے قریب ہونے یا نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔''

باش کو مسار چنگیز نے بغور سامنے بیٹھے شخص کا چہرہ دیکھا۔ کیا وہ سچ کہہ رہا تھا۔ کیا وہ واقعی اپنی یکطرفہ محبت سے موو آن کر چکا تھا۔ وہ اس کا بات کا فیصلہ صرف تب کر سکے گا جب وہ اس لڑکی کو اس کے ساتھ بیٹھے دیکھے گا۔ کوئی مرد اپنی محبت یوں نہیں چھپا سکتا تھا۔

''تمہارے خیال میں کس نے اٹھایا ہے اس کا بیٹا؟'' ریسیور اٹھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''زیاد سلطان نے۔ یعنی بچے کے باپ نے۔''

وہ چونکا۔ ''پھر تم پولیس کے پاس...''

''میں نے کئی برس پہلے اس سے مدد کا وعدہ کیا تھا۔ اس کو اس کے شوہر کی حقیقت سمجھانے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ میں جانتا ہوں اس کیس کا انجام کیا نکلے گا۔ وہ بچہ اپنے باپ کے پاس ہے۔ وہ اسی کے پاس سے برآمد ہوگا۔ میں یہ صرف کشمالہ کی تسلی اور اپنے وعدے کے لیے کر رہا ہوں۔''

وہ نام لیتے ہوئے ماہر فرید کے تاثرات نہیں بدلتے تھے۔ چنگیز کو اس کے تاثرات یاد تھے۔ ہسپتال کے کمرے میں لیٹے، ٹانگ کی تکلیف کے دوران بھی۔ بیربل کے قصوں کے دوران بھی۔ اس ایک نام پہ اس کی آنکھوں میں کچھ دکھائی دیتا تھا۔ اب وہ وہاں نہیں تھا۔ کیا وہ واقعی آگے بڑھ چکا تھا؟

اس نے ریسیور پہ چند الفاظ کہے۔ تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ دکھائی دی۔

زیاد سلطان کی بیوی جس کی تصویر وہ کئی دفعہ مختلف مواقع پہ دیکھ چکا تھا۔ جس کے قصے وہ بیربل سے سن چکا تھا۔ وہ پہلے جیسی تھی۔ بال چھوٹے تھے۔ چہرے پہ شفافیت تھی۔ اور ہاتھوں میں ایک ڈسپوزیبل کپ جس سے بھاپ اڑ رہی تھی۔

''میں کشمالہ مبین ہوں۔'' وہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھی اور کپ سامنے رکھا۔ ماہر نے ایک نگاہ کپ پہ ڈالی اور پھر نگاہیں ترچھی کر کے اس کا نیم رخ دیکھا۔ کنپٹی مسلسل سہلانے سے ابھی تک سرخ تھی۔ وہ سامنے دیکھنے لگا۔

''جانتا ہوں۔'' چنگیز نے ایک ذومعنی نگاہ ماہر پہ ڈالی اور پھر واپس اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''اگر بچہ وین کوور میں کھویا ہے، تو آپ اسے یہاں کیوں ڈھونڈ رہی ہیں؟''

''کیونکہ اس نے اپنے پاسپورٹ پہ استنبول کا سفر کیا ہے۔ میں نے پولیس ڈیپارٹمنٹ کو ای میل لکھی تھی۔ انہوں نے وین کوور میں لاش ملنے کے واقعے کے باعث اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا کہ بچہ یہاں کھویا ہے۔ اس لیے مجھے یہاں آنا پڑا۔'' ایک نظر ماہر کو دیکھا۔ جو سامنے دیکھ رہا تھا۔ ''اور ماہر بے کی مدد لینی پڑی۔'' کچھ ناگوار سا تھا اس کے لہجے میں۔ چنگیز نے غور سے ان دونوں کی آنکھوں کو دیکھا۔ پھر ماہر کی انگلی میں پہنی انگوٹھی کو۔

وہ سچ کہہ رہا تھا۔ وہ اس عورت کی طرف سے پتھر کا بن چکا تھا۔ کوئلے جیسا پتھر جس میں کوئی چنگاری نہ تھی۔

اگلے چند منٹ وہ مالا سے سوالات پوچھتا رہا۔ وہ کافی کے گھونٹوں کے درمیان جواب دیتی رہی۔ آدھے کپ پہ اس نے کافی چھوڑ دی۔ پھر اسے نہیں چھوا۔

''ہمارے پاس اب تک جتنی معلومات اور ڈاکومنٹس ہیں، وہ سب میں تمہیں بھیج رہا ہوں۔'' ماہر موبائل اسکرین پر بٹن دباتا کہہ رہا تھا۔ چنگیز نے گہری سانس لی۔

''میرا نمبر تبدیل....''

ساتھ رکھے موبائل کی اسکرین روشن ہوئی تو وہ چونکا۔ وہاں ماہر کا نام جگمگا رہا تھا۔

''تمہارے پاس میرا نیا نمبر تھا؟'' اس کی آنکھوں میں پہلی دفعہ کچھ ابھرا۔ زخمی پن۔ شکوہ۔ مالا نے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھا اور پھر ماہر کو۔ وہ موبائل جیب میں ڈالتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہر چیز نمبرز کے گرد ہی گھومتی ہے نا، کومسار بے؟'' وہ ہلکا سا مسکرایا اور اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

''میں آپ سے خود رابطہ کر لوں گا۔'' چنگیز کی آنکھوں کا تاثر غائب ہو گیا۔ اب اس کی جگہ رسمی سنجیدگی نے لے لی۔ جب وہ باہر نکل گئے تو اس کا ماتحت اندر آیا۔ آدھا خالی کپ اٹھایا جس کے دہانے پر لپ اسٹک کا نشان تھا اور ایک نظر چنگیز پہ ڈالی۔

''یہ ماہر فرید تھا نا؟ وہی دوست جس کو آپ نے گرفتار کیا تھا؟''

''ہوں۔'' اس نے کمپیوٹر اسکرین آن کی اور وہاں دکھائی دیتے اپنے واٹس ایپ ویب پہ وہ فائل کھولنے لگا جو ماہر نے اسے بھیجی تھی۔

''پھر وہ آپ کے پاس کیوں آیا ہے؟''

''کیونکہ اسے لگتا ہے وہ اب بھی مجھے کنٹرول کر سکتا ہے۔''

''پھر آپ اس کی مدد کیوں کر رہے ہیں؟ وہ بھی ایک سردیس کے لیے؟''

''کیونکہ وہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کا ڈونر ہے۔'' لاتعلقی سے کہتے ہوئے وہ کی بورڈ پر چند کیز دبانے لگا۔

باہر دھوپ کی چند کرنیں کسی نہ کسی طرح بادلوں کا حلقہ توڑ کے زمین تک آن پہنچی تھی۔ شام سی صبح میں چند سنہری دھاریں آسمان سے گرتی دکھائی دیتی تھیں۔ ایک دھار ماہر کی سیاہ کار پر بھی پڑ رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول رہا تھا جب مالا قریب آتے ہوئے بول اٹھی۔

''وہ تمہارے ساتھ اتنا تلخ کیوں تھا؟''

ماہر نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ہاتھ ہینڈل پر رک گیا۔

''کیونکہ اس نے زیاد کے بنائے کیس میں مجھے گرفتار کیا تھا۔''

''ناراض تو تمہیں ہونا چاہیے۔ مگر وہ تھا۔'' سبز آنکھیں مشکوک انداز میں چھوٹی کیے ہوئے تھی۔ ماہر نے ضبط سے گہرا سانس لیا۔ جب تک وہ جواب نہیں دے گا، وہ کار میں نہیں بیٹھے گی۔

''میں نے کیس کے دوران اس سے چند معلومات چھپائی تھیں۔ اور پھر عدالتی کارروائی میں بھی چند باتیں ہوئی تھیں۔''

''اوہ۔'' کشمالہ مبین کے چہرے پر خوشگوار حیرت بھری مسکراہٹ ابھری۔

''یعنی دنیا میں دوسرے لوگ بھی ہیں جو تمہارے حقیقت چھپانے کو غلط خیال کرتے ہیں؟'' اس نے پلکیں جھپکائیں۔

''ہاں۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو مجھ پہ بھروسہ نہ کرنے کی غلطی کرتے ہیں۔''

''کسی کو کسی پہ بھروسہ کرنا بھی نہیں چاہیے۔''

وہ اندر بیٹھ چکی تھی جب وہ کہہ اٹھا۔

''ہم کافی کے لیے رک سکتے تھے۔ اگر تم مجھے بتاتیں۔''

''مجھے بدر کے لیے تمہاری مدد کے سوا تم سے کچھ نہیں چاہیے۔'' وہ اسی سنجیدگی سے کہتے ہوئے سیٹ بیلٹ بند کرنے لگی۔ ماہر نے سر جھٹکا اور بٹن دبایا۔ انجن میں حرارت پیدا ہوئی۔

''میں تمہیں بلت ڈراپ کر کے آفس چلا جاؤں گا۔ چنگیز خود...''

''کیا تم مجھے بیربل کی بیکری پر ڈراپ کر سکتے ہو؟''

''میں تمہارا ڈرائیور نہیں ہوں۔''

''اوکے۔ میں ٹیکسی لے لیتی ہوں۔'' مالا نے سیٹ بیلٹ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن اس نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔

ان کے درمیان سارا راستہ کوئی بات نہیں ہوئی۔ بیکری یہاں سے بارہ منٹ کی ڈرائیو پر تھی۔ مگر رش کے باعث زیادہ وقت لگا۔ کار پارکنگ لائن میں روکتے ہوئے ماہر نے انجن آف کیا۔ ''مجھے مالک سے ملنا تھا۔ وہ یہیں ہے۔'' جیسے اپنے عمل کی وضاحت دی۔ وہ اس کے لیے یہاں نہیں آیا تھا۔ لیکن اسے کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ اس کی مدد کر رہا تھا۔ یہی بہت تھا۔

نشانتاشی میں بنی وہ گلابی پھولوں سے سجی بیکری پہلے سے قدرے مختلف تھی۔ وہ شیشے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوئی تو خوشبودار گرم ہوا چہرے سے ٹکرائی۔ صوفے بدلے ہوئے تھے۔ براس کا نیا اور قیمتی فرنیچر۔ نیا ڈیکور۔ وہی رنگ۔ ایک زینہ جو اوپر کو جاتا تھا۔ مالا نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ وہاں اوپر بھی ایک سٹنگ ایریا بنا تھا جو پہلے وہاں نہ تھا۔ وہاں سے مدھم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ جگہ یقیناً اب بنی تھی۔ توسیع۔ نئی تعمیر۔ دلچسپ۔

''مرحبا۔'' اسی وقت بیربل زینے اترتا دکھائی دیا۔ سفید جوگرز۔ سوئیٹ پینٹس۔ اوپر ہڈی پہنے۔ کوئی بہت تیز سا پرفیوم لگائے وہ مسکراتا ہوا آ رہا تھا۔ ان دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھ کے اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''میں سمجھا تم اکیلی ہو گی۔ لیکن ماشاءاللہ ڈرائیور بھی ساتھ آیا ہے۔''

ماہر پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ ابرو اٹھا کے یک لفظی استفسار کیا۔

''مالک؟''

بیربل کا منہ قدرے بن گیا۔

''تمہارا محبوب اوپر میٹنگ کر رہا ہے۔ نوے منٹ کے لیے بیکری بند کروا دی ہے۔ سارا بل اس کے کھاتے سے

کٹے گا۔'' مالا کو ایک صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ بتا رہا تھا۔ اچھا یہ وجہ تھی خالی بیکری کی۔

''میں انتظار کرلوں گا۔'' ماہر کہتے ہوئے ان صوفوں کی جانب بڑھ گیا۔ وہ نہیں بڑھی۔ وہیں کاؤنٹر پہ کھڑی رہی۔ وہ کہہ رہا تھا اسے آفس جانا ہے۔ لیکن وہ مالک کے لیے انتظار کرلے گا۔ بہت دلچسپ۔

''سو کیسے راضی کیا تم نے ماہر بے کو اپنا ڈرائیور بننے پہ؟'' وہ دونوں کاؤنٹر پہ ساتھ ساتھ کھڑے تھے، جب بیربل تجسس بھری مسکراہٹ سے پوچھنے لگا۔ آواز دھیمی تھی۔ بیکری میں میوزک بھی چلا تھا۔

''مجھے تمہارے بھائی کو ڈرائیور بنانے کا شوق نہیں ہے، بیربل۔'' مالا نے گہری سانس لی۔ ''میں اس کے پاس اس لیے آئی ہوں کیونکہ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔'' پلٹ کے ایک نظر دور بیٹھے موبائل پہ سر جھکائے، ٹانگ پر ٹانگ جمائے آدمی کو دیکھا۔ وہ ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔ ''اور چاہے میں اسے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کروں، صرف وہی میرے بیٹے کو ڈھونڈ سکتا ہے۔''

بیربل نے کہنی کاؤنٹر پر جمائی اور آگے کو جھک کے مسکرایا۔

''تم اس کو ناپسند اس لیے کرتی ہو کیونکہ تم اسے جانتی نہیں ہو۔''

''اچھا۔ کون ہے وہ؟''

بیربل نے آواز دھیمی کی۔

''روبوٹ۔'' اور وہ دونوں بے اختیار ہنس دیے۔

سیڑھیوں سے اترتے افراد کے آگے چلتے مالک فرید نے ان کا قہقہہ سنا تھا۔ چونک کر اس طرف دیکھا۔ کاؤنٹر کے گرد بیربل کے ساتھ وہ کھڑی تھی۔ سبز آنکھوں اور کندھے تک آتے بالوں والی لڑکی۔ اسی پل اس کی نظر بھی ان پہ پڑی۔ وہ شناسائی سے مسکرادی۔

عبدالمالک فرید ہلکا سا مسکرائے۔ اور تبھی ماہر موبائل جیب میں ڈالتا، اٹھ کے اس طرف آیا۔

''مالک...'' وہ سنجیدہ تھا۔ پرسکون سا۔ ''کشمالہ...'' ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا، جیسے اس کا تعارف کروا رہا ہو۔ وہ ہلکا سا مسکرائے اور پھر مسکراہٹ غائب ہوگئی۔ ایک گہری نظر ماہر پہ ڈالی اور کاؤنٹر کی طرف آئے۔ ماہر بھی ساتھ ہی اس طرف آیا۔

''مالا؟ اتنے عرصے بعد۔'' وہ قدرے حیران تھے۔

وہ بہت زیادہ نہیں بدلے تھے۔ رنگت قدرے کملا گئی تھی۔ اور وزن کم تھا۔ لیکن ذات کا وقار اور بالوں کا سلور

پن ویسا ہی تھا۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کے۔'' وہ دل سے مسکرائی۔

''تم یہاں کیسے؟'' انہوں نے بیربل کو سوالیہ اور ماہر کو مشکوک نگاہ سے دیکھا۔

''کشمالہ کا بیٹا کھو گیا ہے۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔ مالا کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ یہ ذکر ہر روز نئے سرے سے تکلیف دیتا تھا۔

''وہ اس کو ڈھونڈنے آئی ہے۔ ہم اس کی مدد کر رہے ہیں کیونکہ اس نے ہلال کے لیے ہماری مدد کی تھی۔'' وہ نرم سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔ جیسے وہ ایک پرانی فیملی فرینڈ تھی۔

''یہ کیسے ہوا؟'' وہ چونک کر پوچھنے لگے۔ آواز میں ہمدردی تھی۔ وہ مختصراً وہی روداد سنانے لگی جو ابھی چنگیز کو سنائی تھی۔ مالک فرید خاموشی سے سنے گئے۔ ان کی نگاہ مالا کی ہائی نیک پر جھولتی سیاہ فاختہ پہ چند ایک دفعہ پڑی۔

''مجھے نکلنا ہے۔ پھر ملاقات ہو گی۔ ابھی تو تم یہیں ہو نا؟'' اسی بے تاثر انداز میں پوچھا۔ اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ وہ آگے بڑھ گئے اور ماہر کو اشارہ کیا۔ (میرے پیچھے آؤ۔) وہ تابعداری سے ان کے پیچھے چل پڑا۔ وہ بیکری کے شیشے کے دروازے سے باہر نکل گئے۔

مالا پلٹ کے انہیں دیکھنے لگی۔ اب وہ دونوں باہر ٹھنڈ میں کھڑے، کوئی بات کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ماہر کے چہرے پہ بے زاری بھری اکتاہٹ تھی، البتہ محسوس ہوتا تھا کہ آواز دھیمی تھی۔ وہ نگاہوں میں تشویش لیے انہیں دیکھے گئی۔

''وہ یہاں کیا کر رہی ہے؟''

باہر ٹھنڈی فضا میں کھڑے مالک فرید نے غور سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

ماہر نے گہری سانس لی۔ بے زار سی سانس۔

''اس سے پہلے کہ تم مجھ سے وہی پوچھو، جس کی وضاحت دے دے کر میں تنگ آ چکا ہوں.... ہلال کو... بیربل، چنگیز یا سمین، غرض ہر شخص کو، میرے اور اس کے درمیان کچھ نہیں ہے۔ وہ ایک ماں ہے۔ اپنا بچہ ڈھونڈ رہی ہے۔ اور میں اس معاملے سے منہ نہیں موڑ سکتا۔ میں وہ انسان نہیں ہوں جو کسی کے پیچھے بھاگتا ہے، یا کسی کا روگ لے کر کئی برس گزار دیتا ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔

''ہوں۔'' وہ غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''جسے ماہر نے چھوڑ دیا، اسے بس چھوڑ دیا۔ میں نے اتنے برس اس کی خبر تک نہیں رکھی۔ وہ کیا کرتی ہے، کیسے اور کہاں رہتی ہے، مجھے معلوم نہیں تھا۔ پانچ دن پہلے وہ خود اچانک سے میرے آفس آئی اور اس نے مدد مانگی۔ ہلال کی خاطر میں نے اس کی بات مان لی۔''

''اور اس کے آنے سے تمہاری زندگی پیچیدہ نہیں ہوگی؟'' وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں ایسا مرد نہیں ہوں، مالک۔ کچھ محبتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یا ہم ان کو outgrow کر دیتے ہیں۔ اس کی محبت مر گئی تھی اور اس کا غم بھی۔ وہ میرے لیے صرف بدر کی ماں ہے۔ وہ بدر جس کی ہلال کو بہت پرواہ ہے۔ میرے پاس چھپانے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کچھ غلط سمجھو۔'' سکون سے کہتے ہوئے وہ انگلی میں پہنی سلور انگوٹھی کو مروڑ رہا تھا۔ مالک فرید نے اطمینان سے گہری سانس لی۔ ہلکا سا اس کے کندھے کو تھپکا اور آگے بڑھ گئے۔

''شام کو آفس آؤں گا۔ تم ابھی جاؤ۔''

وہ کچھ کہنے لگا پھر رک گیا۔ پلٹ کے دیکھا۔ بیربل کافی بنا رہا تھا۔ یقیناً پولیس اسٹیشن کی ڈرپ کافی اس کو پسند نہیں آئی تھی۔ وہ البتہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر یہیں سے پلٹ جانا چاہتا تھا لیکن مالا نے ابرو سے اشارہ کیا۔ (اندر آؤ۔)

اس کی پیشانی پر لکیریں ابھریں۔ لیکن پھر وہ گلاس ڈور کھول کے اندر آیا۔ بیربل کی اس طرف پشت تھی۔ وہ اب اسے آنکھوں سے اشارہ کر رہی تھی۔ (کہیں چل کے بات کرتے ہیں۔)

ماہر نے قدرے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ (ایسی کیا بات؟) پھر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بیربل کو ''میں ابھی آتی ہوں'' کہہ کے اس کے پیچھے ہو لی۔

زینے عبور کر کے ایک طرف سٹنگ روم بنا تھا، جہاں سے ایک ویٹرس مالک کے مہمانوں کے خالی برتن چن رہی تھی۔ دوسری جانب راہداری تھی۔ وہ ایک دروازے پہ ختم ہوتی تھی۔ ماہر نے دروازہ کھولا۔ اندر ایک شوخ رنگوں سے سجا آفس تھا۔ یقیناً بیربل کا تھا۔ یہ بھی نیا بنا تھا۔

''تم مالک سے کیا کہہ رہے تھے؟'' ماہر نے دروازہ بند کیا تو وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ بازو سینے پر لپیٹے، وہ آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہی کہ تمہارے بیٹے کو زیاد نے اغوا کیا ہے، لیکن تم یقین نہیں کرنا چاہتیں۔'' اس نے بے پرواہی سے شانے

اچکائے۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ مالا تک ان کی آوازیں پہنچی ہوں۔

''اس کیس کا یہی انجام نکلے گا، کیونکہ میں لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔'' ایک افسوس بھری نظر اس پہ ڈالی۔ ''البتہ کشمالہ مبین کو انسانوں کی پہچان نہیں ہے۔''

وہ اسی طرح سینے پر بازو لپیٹے تیکھی نظروں سے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔

''انسانوں کی پہچان ہو یا نہ ہو، مجھے ایک چیز کی پہچان ضرور ہے۔''

اس کی آواز دھیمی تھی۔ وہ چونکا۔

''زرد رنگت۔ اور بیماری کی خوشبو۔''

وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ ساکت۔ جیسے اگلا سانس نہیں لے سکے گا۔

وہ اب وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مالک فرید بیمار ہیں۔ ہے نا؟''

ماہر بہت دھیرے سے، شکست خوردہ سا، کاؤچ کے کنارے پر بیٹھا اور سر ہاتھوں میں گرا دیا۔

چند لمحے خاموشی سے کٹ گئے۔

''میں ماں کے ساتھ ایک عرصہ رہی ہوں۔ بیماری کی ایک اپنی بو ہوتی ہے۔ وہ میرے جیسوں کو دور سے آ جاتی ہے۔ انہیں کیا ہوا ہے؟'' وہ اب نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

اس نے سر جھکائے کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے سہلائیں۔

''برین ٹیومر۔'' پھر چہرہ اٹھا کے دیکھا تو یہ وہ چہرہ نہیں تھا جسے وہ پانچ دن سے دیکھ رہی تھی۔ یہ ایک تکان شدہ شخص کا چہرہ تھا۔

''ایک سرجری ہو چکی ہے۔ چند سال پہلے۔ اس نے مجھے یا کسی کو نہیں بتایا۔ وہ تندرست ہو رہا تھا۔ پھر چند ماہ پہلے یہ ٹیومر دوبارہ سے اگنا شروع ہو گیا۔ اب سرجری ناممکن ہے۔''

''کتنا وقت...؟'' الفاظ حلق میں ٹوٹ گئے۔

ماہر نے کلائی پر بندھی اسمارٹ واچ پر تاریخ دیکھی۔

''چار ماہ۔ شاید اس سے بھی کم۔''

لمحے خاموشی سے گزرتے رہے۔ بنا چاپ کے۔ بنا سانس لیے۔

''اور علاج؟''

''میں اس کے ساتھ جاتا ہوں۔ زارا اور بیربل کو نہیں معلوم۔ وہ الگ گھر میں رہتا ہے۔ ملازم ہیں اس کے پاس۔ اس کا ڈاکٹر اس کے پاس آتا تھا۔ جن دنوں یہ کیف والا معاملہ شروع ہوا تھا۔'' وہ تلخی سے ہلکا سا ہنسا۔ وہ خاموش کھڑی رہی۔ ''اس نے مجھے کہا کہ وہ اس کا اکاؤنٹنٹ ہے، حالانکہ وہ اس کا ڈاکٹر تھا۔ وہ اس کو کہتا رہا کہ وہ مجھے حقیقت بتادے۔ اس نے نہیں بتائی۔ وہ اسی لیے چاہتا تھا کہ میں لندن واپس آجاؤں تاکہ فرید ہولڈنگ سنبھال لوں۔ اگر اسے کچھ ہوجاتا تو ساری کمپنی ہمارے سروں پہ گر جاتی۔ کمپنی میں بہت سے مسئلے ہیں۔ وہ میرے باپ کی امانت تھی اس کے پاس۔''

''اسی لیے تم واپس جارہے ہو؟''

ماہر نے جھکے سر کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

''مجھے چند ماہ پہلے علم ہوا۔ وہ بہت انا اور وقار والا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ کسی کو علم ہو۔ اور لوگ اسے مختلف طریقے سے ٹریٹ کریں۔ اسے اپنی کمزوری دکھانا پسند نہیں ہے۔'' پھر وہ گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک گہری سانس لی۔

''یہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ اس کو راز رکھنا۔ بیربل کو نہیں معلوم۔''

ہلکی سی تنبیہ کرکے وہ پلٹنے لگا جب...

''یہ راز رکھنے والی بات نہیں ہے۔''

ماہر چونک کر پلٹا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

''میں نے ایک بات تم سے شیئر کی ہے۔ تو تم اس کو...''

''شیئر نہیں کی۔ میں نے خود بھانپ لی تھی کہ مالک ٹرمینل پیشنٹ ہے۔'' وہ ایک ابرو اٹھا کے سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔ ''تم اتنی بڑی بات بیربل سے کیسے چھپا سکتے ہو؟''

اور اس لمحے ماہر فرید کو اس پہ ڈھیروں غصہ آیا تھا۔

''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔'' چند لمحے پہلے کی شکستگی چہرے سے غائب ہوگئی۔ غصے اور درشتی سے وہ بولا تھا۔ ''یہ ہمارا فیملی میٹر ہے۔ اس میں مداخلت مت کرو۔''

''بیربل کو بھی یہ جاننے کا اتنا ہی حق ہے جتنا تمہیں۔ تم کب تک دوسروں کی زندگی کا سچ ان سے چھپاتے رہو گے؟''

''بیربل کو grief کو پروسیس کرنا نہیں آتا۔تم اس کو نہیں جانتیں۔'' ماہر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''خدا کے لیے دوسرے انسانوں کو اتنی عزت دینا سیکھو ماہر، کہ ان کے حصے کا سچ ان کو بتا دیا کرو۔ بیربل کا حق ہے جاننا۔''

''کیا میرا حق ہے جاننا؟''

بیربل نے اسی لمحے دروازہ کھولا تھا۔ ہاتھ میں کافی کی ٹرے تھی۔اس نے دستک نہیں دی تھی۔شاید وہ ان کی گفتگو کے درمیان مخل ہونا چاہتا تھا۔لیکن مالا کے الفاظ نے اسے مبہوت کر دیا۔ چونک کر ماہر کو دیکھا۔

''کیا ہوا ہے؟''

ماہر نے بے اختیار پیشانی چھوئی۔ پھر بہت ضبط سے مالا کو دیکھا۔

''بہت شکریہ تمہارا۔'' دانت پیس کے وہ بولا۔

''بتاؤ اس کو۔'' وہ ملامتی انداز میں کہہ کے آگے بڑھی اور ٹرے لے لی۔ پھر دروازے کی طرف جانے لگی جب بیربل نے بازو لمبا کر کے اسے روکا۔

''ایک منٹ۔تم یہیں رہو۔تم ایسے کیسے جا سکتی ہو؟'' وہ کچھ الجھا ہوا اور کچھ خفا لگ رہا تھا۔ وہ گڑبڑا کے وہیں رک گئی۔ یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔

''کیا جاننا چاہیے مجھے؟ کیا چھپا رہے ہو تم مجھ سے؟'' وہ سنگین لہجے میں کہتا ماہر کے سامنے آن رکا۔

ماہر نے بے بسی سے گہری سانس لی۔ پھر کنپٹی سلائی۔سر میں درد اٹھنے لگا جس کی وجہ کیفین کا نہ ملنا نہیں تھا۔

''بی....''

''بتاؤ مجھے۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔

ماہر خاموشی سے لب کاٹتا رہا۔ مالا نے اسے ایسے لب کاٹتے نہیں دیکھا تھا۔

''بیٹھ کے میری بات سنو، بی۔''

''کوئی نئی شرط چھوڑی ہے نا میرے باپ نے وصیت میں؟ یہ سب مجھ سے واپس چھین لیا جائے گا... ہے نا؟'' اس کی آواز بے بسی بھرے طیش سے بلند ہوئی۔

''نہیں۔ یہ سب تمہارا ہے۔'' ماہر نے کراہ کے ماتھا چھوا۔ پھر گہری سانس لی۔اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ کنکھیوں سے اسے وہ دکھائی دے رہی تھی۔ٹرے پکڑے، ساکت کھڑی۔قدرے کنفیوزڈ۔

''مالک... مالک بیمار ہے۔''

بیربل کی آنکھوں میں اٹھتا طیش تھم گیا۔اس کی جگہ ناسمجھی نے لے لی۔

''یعنی؟'' ابرو اٹھایا۔

''مالک کو... برین ٹیومر ہے۔ چار ماہ ہیں اس کے پاس۔شاید پانچ۔''

چند لمحوں کے لیے بیربل بس اس کو دیکھے گیا۔وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا اور مالا ان دونوں کو۔ٹرے کے کناروں پر جمے ہاتھ سختی سے ٹرے میں گویا دھنسے جا رہے تھے۔

''کیا مطلب وہ بیمار ہے؟'' بیربل نے پھر سے ابرو اٹھائے۔چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔

''بی...''

''نہیں تم کہہ کیا رہے ہو؟'' اس کی آواز پھر سے بلند ہونے لگی۔

''مالک مر رہا ہے۔'' ماہر نے زور دیا۔آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔

بیربل پلٹ گیا۔میز کے کنارے ہاتھ رکھے رکا، سر جھکا کے جیسے کچھ دیر سوچا۔

''کیا مطلب وہ مر رہا ہے؟'' پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے پلٹا۔''مالک نہیں مر سکتا۔''

''بیربل...''

''تم درمیان میں مت بولو۔'' اسے دیکھے بنا ہاتھ اٹھا کے تنبیہ کی۔وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

''تم کہہ رہے ہو کہ...'' وہ اب ماہر کے سامنے آیا۔گھنگریالے بالوں تلے پیشانی سرخ اور بل دار تھی۔

''کہ مالک... عبدالملاک فرید... مر رہا ہے؟'' اس کی آنکھوں میں غصے سے لکیریں ابھر رہی تھیں۔

ماہر نے اثبات میں گردن ہلائی۔ایک برہم خاموش نگاہ اس کے پیچھے کھڑی مالا پہ ڈالی۔

''وہ... وہ روبوٹ مر رہا ہے؟'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔وہ نہیں مر سکتا۔میں نہیں مانتا۔''

اس نے زور سے پیچھے دیوار پر ہاتھ مارا۔

''وہ... وہ بے حس بوڑھا... وہ یوں نہیں مر سکتا۔'' اس نے دوبارہ دیوار پر ہاتھ مارا۔اب وہ ماہر کے دائیں جانب کھڑا تھا۔

''اس نے ساری زندگی.... ساری زندگی اس نے مجھے کہا کہ میں کسی قابل نہیں ہوں۔وہ... وہ مجھے کسی قابل

سمجھتا ہی نہیں ہے۔''

اس نے دیوار سے ہاتھ ہٹا کے دیکھا۔ وہ سرخ پڑ رہا تھا۔

''اس نے ہمیشہ مجھے ماہر سے کمتر سمجھا ہے۔ نہ میں پڑھائی میں ماہر جیسا تھا، نہ کاروبار میں۔ مالک بھی، میرا باپ بھی، وہ سب.... وہ سب مجھے کمتر سمجھتے تھے۔'' اس نے پھر سے دیوار پر ہاتھ مارا۔

''اور اب... اب مجھے میرے اثاثے ملے تھے۔ اب میں اپنی بیکری ایکسپینڈ کر رہا تھا۔ اور تم یہ کہہ رہے ہو کہ...'' اس کی سرخ آنکھوں میں زمانوں کی حیرت تھی۔ ''کہ وہ مر رہا ہے؟''

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔

''وہ چالاک بوڑھا ... وہ کیا سمجھتا ہے، کہ وہ یوں مر سکتا ہے؟'' وہ نفی میں گردن ہلا رہا تھا۔ آنکھیں گلابی پانی سے بھر رہی تھیں۔

''وہ نہیں مر سکتا ہوں۔ وہ ابھی نہیں مر سکتا۔'' وہ سرخ ہاتھ کی انگلی اٹھا کے گویا اسے وارن کر رہا تھا۔

''وہ پہلے دیکھے گا... اپنی آنکھوں سے... مجھے کامیاب ہوتے ہوئے... وہ میرے سامنے آ کے اعتراف کرے گا کہ میں...'' سینے پر اسی انگلی سے دستک دی۔ ''میں ماہر سے بہتر ہوں..... کہ میں کچھ ہوں.... کچھ ہوں اس کے لیے... پہلے وہ یہ مانے گا... پھر مرے گا وہ۔ ایسے نہیں مر سکتا وہ۔ میں نہیں مانتا۔'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ پیچھے کو ہٹنے لگا۔ ایک اوتومن کو جوگر سے ٹھوکر ماری۔ وہ دور جا لڑھکا۔

''بیربل....'' اس نے تاسف سے بیربل کے چہرے کو دیکھا۔ اس پر آنسو گر رہے تھے، لیکن وہ ابھی تک نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

''ایسے نہیں مرنے دوں گا میں اس کو۔'' وہ پلٹ کے گلاس ڈور کی طرف بڑھ گیا جو بالکونی کی جانب کھلتا تھا۔ اسے کھولا تو ٹھنڈی ہوا کا تیز جھونکا اندر آیا۔ وہ باہر نکلا اور دھڑام سے اپنے پیچھے دروازہ بند کیا۔

ماہر اس کی طرف پلٹا۔ وہ ٹرے ہاتھ میں لیے، گردن موڑے افسوس سے بالکونی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نگاہیں محسوس کر کے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ اس بات کو خود تک رکھنا اور تم....'' شدت غیض سے اس نے مٹھی بھینچ لی۔ بہت عرصے بعد اسے کسی پہ اتنا شدید غصہ آیا تھا۔

''مالک اس کا بھی چچا ہے۔ یہ سچ جاننا اس کا حق تھا۔''

''یہ تمہارا فیصلہ نہیں تھا۔''

''درست، ماہر بے۔ درست۔'' میز پر زور سے ٹرے رکھی۔ ''یہ تمہارا فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔ اسے یہ سچ تم سے سننا چاہیے تھا، جیسے تمہارا سچ مجھے تم سے سننا چاہیے تھا۔ کیف یا صفورا سے نہیں۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ وہ لمحے بھر کو اس کشمالہ سے مختلف لگی تھی جسے وہ گزشتہ پانچ دن سے دیکھ رہا تھا۔

''میں تمہارے اوپر کبھی اعتبار نہیں کر سکتا۔'' اسے دیکھتے ہوئے افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

'' .Makes the two of us'' کشمالہ مبین نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور آگے بڑھ گئی۔ اس کا رخ بالکونی کی جانب تھا۔ وہ افسوس اور برہمی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ بالکونی کا دروازہ کھول رہی تھی۔ سرد ہوا پھر سے اندر آئی لیکن وہ اس ہوا کے لیے نہیں رکا۔ دوسری طرف سے باہر نکل گیا۔ آفس خالی رہ گیا۔

بالکونی سرد تھی اور ہوا ٹھنڈی۔ وہ زمین پر بیٹھا، دیوار سے ٹیک لگائے، سر ہاتھوں میں گرائے رو رہا تھا۔ اس کا سارا وجود ہچکیوں سے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

مالا چند لمحے تاسف سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر نرمی سے پکارا۔

''بیر بل...''

''مجھے اکیلا چھوڑ دو۔'' سر اٹھائے بغیر گیلی آواز میں کہا۔

''او کے۔'' وہ واپس مڑ گئی۔

''کوئی رو رہا ہو تو اسے اکیلا نہیں چھوڑتے۔'' اس نے بھیگا چہرہ اٹھا کے ناراضی سے کہا تھا۔

وہ گہری سانس لے کر پلٹی۔

''پھر کیا کرتے ہیں؟''

''ٹشو پکڑاتے ہیں۔''

چند ثانیے بعد وہ اس کے سامنے ٹشو کا ڈبہ رکھ کے وہیں بیٹھ رہی تھی۔ صاف ٹائل شدہ فرش پر۔ وہ چھوٹا سا پیٹیو بنا تھا جس میں کین کا فرنیچر رکھا تھا اور ریلنگ کے ساتھ چند گملے سجے تھے۔

"''تھینک یو۔'' بیر بل نے بھاری آواز میں کہتے، سر جھکائے چند ٹشو نکالے۔ پھر چہرہ صاف کیا۔ ناک رگڑا۔

''تمہارے پاس کبھی کوئی پالتو جانور تھا بیر بل؟''

''نہیں۔''

''جب میرے ابا کی ڈیتھ ہوئی تو میں بہت چھوٹی تھی۔''

وہ چہرہ اٹھا کے گیلی گلابی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ اس کے سامنے آلتی پالتی کیے زمین پر بیٹھی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

''اس وقت مجھے اپنی ماں سے ایک ہی شکوہ تھا۔ کاش انہوں نے کبھی مجھے ایک پالتو جانور لے کر دیا ہوتا۔ بلی۔ کتا۔ خرگوش۔ ایک جانور ہر بچے کے پاس ہونا چاہیے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ جانور کچھ عرصے بعد مر جاتے ہیں۔ اور یوں بچے کو معلوم ہوتا ہے کہ موت کیا ہوتی ہے۔ پھر اسے grief کو پروسیس کرنے کا فن آنے لگتا ہے۔''

بیربل نے سر دیوار سے ٹکا کے چند گہرے سانس لیے۔

''وہ کب سے بیمار ہے؟ مجھے کیوں علم نہیں ہو سکا؟'' وہ حیران تھا۔ شاک میں تھا۔ پھر چونکا۔ ''تمہیں کیسے معلوم؟'' پھر چہرے پہ خفگی در آئی۔ اس نے سوال بدلا۔ ''تمہیں کب سے معلوم ہے؟''

''چند منٹ پہلے سے۔''

''اسی لیے وہ زارا سے شادی کر رہا ہے۔ اسی لیے وہ مالک کی ہر بات مانتا ہے۔ وہ اس کا اتنا تابعدار ہے، کیونکہ وہ اس کو کھونے سے ڈرتا ہے۔''

آنسو پھر سے اس کی آنکھ کے کنارے سے پھسلنے لگے۔

''اور میں... میں نے ہمیشہ اس کو disappoint کیا ہے، مالا۔ میں کبھی اس قابل نہیں بن سکا کہ مالک میری تعریف کرتا۔''

وہ اداسی سے مسکرائی۔

''اپنے بڑوں کا... approval ان کی تعریف... کتنا ترستے ہیں ہم اس سب کو بیربل۔ بڑے سمجھتے ہی نہیں ہیں۔''

''میں اس کے لیے کبھی ماہر نہیں بن سکوں گا۔ میں نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا۔ ہمیشہ اس کو برا بھلا کہا۔''

''بیربل۔'' وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ ''تم جس تکلیف میں ہو، وہ میں نے تمہیں دی ہے۔ میں چاہتی تھی کہ تم جان جاؤ کہ مالک بیمار ہیں۔ ماہر تمہیں اس سے بچا رہا تھا۔ لیکن ہر انسان کو اپنے حصے کی تکلیف کاٹنی

چاہیے۔آئی ایم سوری۔لیکن اگر تمہیں چار ماہ بعد معلوم ہوتا تو تمہارے پاس مہلت نہ ہوتی۔''

''مہلت؟'' بیربل نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ اداسی سے مسکرائی۔

''ہاں۔مہلت۔اب تمہارے پاس وقت ہے۔''

''کس چیز کے لیے؟'' اس نے ابرو اٹھائے۔''اس کی خدمت خیال وغیرہ...''

مالا نے نفی میں گردن ہلائی۔

''اس کو یہ بتانے کے لیے کہ تم اس سے کتنی محبت کرتے ہو۔''

بیربل نے شرٹ کے کف سے آنکھیں رگڑیں۔اور سر جھٹکا۔

''میں اس سے کوئی محبت وغیرہ نہیں کرتا۔ہونہہ۔'' چند گہرے سانس لیے۔ناک سے بلغم اندر کھینچا۔بالوں میں انگلیاں پھیر کے انہیں درست کیا۔ایک ٹشو مزید نکالا۔وہ غور سے اسے دیکھے گئی۔

''تم اس سے محبت نہیں کرتے؟''

''نہیں۔اور نہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔'' اس نے زخمی نگاہوں سے مالا کا چہرہ دیکھا۔''ورنہ اپنی تکلیف میرے ساتھ شیئر کرتا۔لیکن نہیں۔اس نے مجھے اس لائق بھی نہیں سمجھا۔'' وہ کپڑوں سے نادیدہ گرد جھاڑ کے اٹھ رہا تھا۔وہ بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

''Mahir is the son he never had.'' وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔''بیربل اس کے لیے کچھ نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے۔مگر اس کے پاس جاؤ۔اس سے یہ سب کہو جو تم اس کے لیے محسوس کرتے ہو۔باتیں کہہ دینی چاہئیں۔دل میں نہیں رکھنی چاہئیں۔'' وہ اس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی اور وہ سر جھکائے ادھر ادھر کی چیزیں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

''میں اب رو نہیں رہا۔تم مجھے اکیلا چھوڑ سکتی ہو۔'' وہ اس سے نگاہیں نہیں ملا رہا تھا۔پلکیں ہنوز بھیگی ہوئی تھیں۔

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اوکے۔میں پھر آؤں گی۔''

وہ آفس کی طرف بڑھ گئی۔

''مالا...''

وہ بالکونی کا دروازہ کھول رہی تھی جب وہ پکار اٹھا۔اس نے پلٹ کے دیکھا۔وہ اب اسے ہی دیکھ رہا تھا۔آنکھیں پھر سے بھیگی ہوئی تھیں۔

''تھینک یو۔''

وہ مسکرادی۔سر کو خم دیا۔اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کی عمارت پہ دن غروب ہونے لگا اور شام کے سایے اترنے لگے تھے۔ماہر فرید کے آفس میں کئی گھنٹے سے بتی نہیں جلی تھی۔نہ ہی وہ باہر نکلا تھا۔اندر نیم اندھیرے میں صرف کھڑکیوں سے آتی روشنی تھی۔وہ سیٹ پر بیٹھا آنکھیں بند کیے مسلسل کنپٹی مسل رہا تھا۔آج صبح بیربل کے دفتر میں ہوا واقعہ بار بار نگاہوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔اس نے بیربل کو دوپہر میں کال کی تھی لیکن اس نے کاٹ دی۔پھر اس کا فون آف ہو گیا۔

دروازہ بنا دستک کے کھلا۔روشنی اندر آئی۔اس نے آنکھیں چندھیانے والے انداز میں چھوٹی کیں۔

عبدالمالک فرید چوکھٹ میں کھڑے تھے۔

''شبنم کہہ رہی تھی تم صبح سے باہر نہیں نکلے۔'' وہ عام سے انداز میں کہتے اندر داخل ہوئے۔دروازہ بند کیا۔ماہر تکان سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔لیکن مالک فرید کا رخ کھڑکی کے سامنے رکھی دو اونچی کرسیوں کی طرف تھا جن کے درمیان ایک چھوٹی میز تھی۔وہ ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔

''میں... تھوڑی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔'' وہ قدرے تھکا ہوا، قدرے بے زار لگتا تھا۔

''میرے لیے بھی ایک۔'' انہوں نے اشارہ کیا۔

ماہر نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔مدھم روشنی میں بھی وہ ان کا چہرہ دیکھ سکتا تھا۔

''ایک کیا؟''

''وہی جو تمہارے دراز میں ہے۔'' وہ ہلکا سا مسکرائے۔بس ایک لمحے کو۔پھر مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

ماہر چونکا۔پھر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ ابھر آئی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم جانتے ہو۔'' اس نے جھک کے دراز کھولا۔ایک باکس نکال کے میز پر رکھا۔

''تمہاری تھیراپسٹ جانتی ہے؟'' وہ بغور اس کو دیکھ رہے تھے۔

''میں نے اس کے پاس جانا چھوڑ دیا تھا۔اب ضرورت نہیں رہی۔یہ بہت ہے میرے لیے۔'' اس نے باکس

کھولا۔اندر کیوبن سگارز سجے تھے۔یہ اس کی واحد تھیراپی تھی۔

''صرف ایک۔'' مالک کو نگاہ اٹھا کے تنبیہی انداز میں دیکھا۔انہوں نے سر کو خم دیا۔اب وہ میز کے پیچھے کھڑا چاقو نکال رہا تھا تاکہ سگار کو چھیل سکے۔

''آج عرصے بعد مالا سے مل کے اچھا لگا مجھے۔''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔خاموشی سے سگار چھیلے گیا۔

''میں نے اسے گوگل کیا تھا۔اس کی فوٹو گرافی کمپنی کافی مشہور ہے۔''

''ہوں۔'' وہ اب سگار کو لپیٹ رہا تھا۔

مالک فرید کا ہاتھ میز تک رینگ گیا۔نگاہیں ماہر پہ جمی تھیں اور انگلیاں ایک تار کو تلاش کر رہی تھیں۔

''البتہ گوگل سرچ میں بار بار سلیم صابر کا نام سامنے آتا تھا۔اس نے مالا کی کمپنی کو برا بھلا کہا ہے۔معلوم نہیں کیوں۔''

مالک کے ہاتھ بٹن تلاش کر کے وہیں تھم گئے۔اسے دبایا نہیں۔

''وہ اس کا کلائنٹ تھا۔اس کی شادی کا پرائیوٹ شوٹ غلطی سے وائرل ہو گیا تھا۔اسی لیے۔بعد میں وہ معاملہ ختم ہو گیا تھا۔''

وہ سر جھکائے اسی بے زاری سے کہتے ہوئے سگار بنا رہا تھا جب...

''تمہیں کیسے معلوم؟ تم تو اس کی خبر نہیں رکھتے تھے۔''

ماہر نے تیزی سے سر اٹھایا۔اسی پل مالک نے بٹن دبایا۔کمرے کے سارے فلورلیمپس جل اٹھے۔ہر طرف زرد روشنی بکھر گئی۔

وہ دیکھ سکتے تھے کہ ماہر بالکل ساکت گنگ سا کھڑا تھا۔ہاتھ تھم گئے تھے۔

''یہ سلیم صابری والا قصہ سوشل میڈیا پہ دب گیا تھا۔مجھے بھی تلاش کرنے سے نہیں ملا۔لیکن تمہیں معلوم ہے۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھے۔

وہ اسی طرح انہیں دیکھ رہا تھا۔سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

''تم سب سے جھوٹ بول سکتے ہو۔ہلال، بیربل، یاسمین .... خود اپنے آپ سے بھی....'' وہ اس کے عین سامنے رکے۔نگاہیں اس پہ جمی تھیں۔درمیان میں میز اور چند سگارز حائل تھے۔

''لیکن مجھ سے نہیں۔ میں تمہاری روح کے اندر جھانک سکتا ہوں، ماہر۔''

ماہر کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔ تھوک نگلا۔

''میں...'' کوئی بہانہ، کوئی جواز... ذہن ہر شے سے قاصر تھا۔ پانچ دن سے چہرے پہ چڑھایا ملمع ایک دم سے چٹخ کے گر گیا تھا۔

''تم نے یہ سگار ہلال کے ساتھ ہونے والے واقعے پہ نہیں شروع کیے تھے۔ تم نے یہ اس کے فراق میں کیے تھے۔ تم نے اس کو کبھی اپنے ذہن اور دل سے نہیں نکالا۔ نہ تم نے موو آن کیا تھا۔'' وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔

''اس نے تمہیں ریجیکٹ کیا، تمہارا دل توڑا، لیکن وہ تمہارے دل سے نہیں نکلی۔ تم اتنے دن سے سب کے ساتھ اداکاری کرتے آ رہے ہو۔ میں تمہیں جانتا ہوں ماہر۔ تم آج بھی اس کی محبت میں گرفتار ہو۔''

''مالک...'' وہ کھنکھارا۔ لیکن الفاظ ختم ہو چکے تھے۔

''تم نے اتنے برس اس کی خبر رکھی۔ وہ کیا کر رہی تھی، تمہیں سب معلوم تھا۔ کیونکہ تم اسے بھول نہیں پائے تھے۔ اس کے بیٹے کے کھونے کا بھی تمہیں علم تھا۔''

''مجھے اس کے بیٹے کے کھونے کا علم نہیں تھا۔'' وہ تیزی سے بولا۔ پھر تھوک نگلا۔ ''میں نے زارا سے منگنی کے بعد اس کی خبر رکھنی چھوڑ دی تھی۔'' کندھے شکستہ انداز میں گرا دیے۔ سر جھکا لیا۔

''مگر اب وہ تمہاری زندگی میں واپس آ چکی ہے۔'' اسے ان کی آنکھوں میں ہلکی سی مایوسی دکھائی دی۔ افسوس۔ غم۔ یا شاید اس کا وہم تھا۔ وہ آنکھیں اگلے ہی لمحے بے تاثر ہو گئیں۔

''اور اب سب کچھ پیچیدہ ہو جائے گا۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ''میں نے زارا کو کوئی دھوکہ نہیں دیا، نہ دوں گا۔''

''اگر تم زارا سے میری ہمدردی میں شادی کر رہے ہو تو ایسا مت کرو۔ مجھے تمہاری ہمدردی نہیں چاہیے۔ وہ ناخوش رہے گی، تو میں بھی ناخوش رہوں گا۔ جہاں بھی رہوں۔'' ایک نظر اوپر دیکھا اور پھر ماہر کو۔

''ایسا کچھ نہیں...''

''میرا سگار!'' انہوں نے ہاتھ بڑھایا۔ اس نے بنا ہوا سگار ان کی ہتھیلی پر رکھا۔ وہ لائٹر نکالتے ہوئے اسے لیے واپس پلٹ گئے۔ اگلے لمحے وہ آفس سے باہر نکل گئے تھے۔ اس کی کسی قسم کی وضاحت سنے بغیر۔

وہ نڈھال سا کرسی پہ گر گیا۔اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔

میز کے وسط میں رکھے تین ملائم پتھر خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول شہر کے درمیان سے گزرتی پیلی اوتو بس کی کھڑکی والی سیٹ پہ مالا بیٹھی تھی۔شیشے کے پار بھاگتا شہر، عمارتیں، مسجدیں اور کہیں کسی جھروکے سے بوسفورس کا پانی دکھائی دیتا تھا۔اس نے باہر دیکھتے ہوئے پرس میں ہاتھ ڈالا۔ہاتھ ایک ٹھنڈی شے سے ٹکرایا۔اس نے اسے باہر نکالا۔

(ایک ماہ قبل۔)

ماہی ابھی ابھی اپارٹمنٹ سے گئی تھی۔

"بچے مر جاتے ہیں مالا۔میرے بھی دو مرے تھے۔ "ماہی نے انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی تھی۔وہ وی اس کے دل میں کھب گئی تھی۔اس نے غصے سے بدر کے کھلونوں کی ٹوکری الٹ دی تھی۔پھر ڈیکور شیلف گرا دیا تھا۔بہت سی چیزیں زور سے نیچے آ گریں۔

سب سے زیادہ زور سے وہ ایک شے گری۔کانچ کے جار میں جمی کینڈل۔

وہ لڑھکتی ہوئی بیسمنٹ کے کھلے دروازے تک گئی اور نیچے جا گری۔چھناکے کی آواز آئی اور وہ ٹوٹ گئی۔

وہ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی رہی۔پھر آنسو صاف کر کے اٹھی۔ویکیوم اٹھایا۔کھلونے سمیٹے۔کچرا نکالا۔اور جب تک وہ خاموشی سے گھر کو درست حالت پہ واپس لائی، اسے بیسمنٹ یاد آئی۔کھلے دروازے سے جھانکا۔کینڈل ٹوٹ چکی تھی اور موم کے بڑے بڑے ٹکڑے ہر طرف بکھرے تھے۔وہ کینڈل اسے ماہی نے شادی پہ دی تھی۔اس نے اسے کبھی نہیں جلایا تھا۔یہ سعودی سے واپسی پہ اس کے سامان کے ساتھ آئی تھی جو حکومتی اہلکاروں نے اس کے لیے پیک کیا تھا۔

وہ قدم قدم زینے اترتی آئی۔اور موم کے ٹکڑے چنے۔کچھ موم انگلیوں پہ لگنے لگی۔اونہوں۔اسے کوفت ہوئی۔

آخری زینے پہ کچھ تھا۔اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔وہ پنجوں کے بل ادھر بیٹھی۔پھر جھک کے وہ شے اٹھائی۔

موم میں لتھڑا ایک تین انچ کا ملائم پتھر۔اتنا چھوٹا کہ ہتھیلی میں پورا آ جاتا۔کمفرٹ اسٹون۔(ایسے پتھر جن کو مٹھی میں دبانے سے ٹھنڈک اور سکون ملتا ہے۔)

اس نے اس پر لگی موم صاف کی۔ وہ غالباً اس جار کے اندر مقید تھا۔

بیسمنٹ کی مدھم روشنی میں بھی وہ دیکھ سکتی تھی۔

اس پہ چند الفاظ کندہ تھے۔

"میں ہمیشہ تمہاری مدد کے لیے موجود ہوں گا۔ ماہر۔"

آنسو بے یقین آنکھوں میں اٹک گئے۔

ماہر فرید... بہت زمانے بعد وہ اسے یاد آیا تھا۔

(بچے مرجاتے ہیں مالا۔ میرے بھی دو مر گئے تھے۔)

(میں ہمیشہ تمہاری مدد کے لیے موجود ہوں گا۔)

اس کی انگلیاں تیزی سے فون پہ نمبر ملا رہی تھیں۔ ماہی کی خفا سی آواز سنائی دی۔

''دیکھو مالا میں...''

"یہ Jo Malone کی کینڈل جو تم نے مجھے شادی پہ دی تھی... یہ تم نے کہاں سے لی تھی؟ "وہ تیزی سے بولی۔

ماہی ایک دم چپ رہ گئی۔

"ماہر فرید نے دی تھی۔ وہ ان دنوں لاہور میں تھا نا۔"

ان باتوں کو چھپانے اور بتانے کا وقت پیچھے رہ گیا تھا۔

اس نے فون رکھ دیا۔ پھر واپس اوپر آئی اور بدر کے کھلونوں کی ٹوکری ایک دفعہ پھر سے لاؤنج کے وسط میں الٹا دی۔ وہ پتھر مٹھی میں دبائے ہوئے تھی۔ اس کی ٹھنڈک ہتھیلیوں سے ہوتی سارے وجود میں سرایت کر رہی تھی۔ اس کے اندر جلتی آگ ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

اگر ساری دنیا میں صرف ایک شخص اس کی بات کا یقین کرے گا تو وہ ماہر فرید ہوگا۔

بس میں بیٹھی کشمالہ نے مٹھی میں دبا پتھر دیکھا۔ ملائم سرمئی پتھر جو شاید ماہر نے کسی ساحل سے چنا تھا۔ اس نے اسے ہاتھ میں دبا کے مٹھی بند کر دی۔ وہ ہتھیلی میں غائب ہو گیا۔

یہ اس کا کمفرٹ اسٹون تھا۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

شہر اسی خاموشی سے اسے دیکھتا پیچھے کی سمت بھاگ رہا تھا۔

"میں ہمیشہ تمہارے لیے موجود ہوں گا۔ ماہر۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کا پراسرار اندھیرا استنبول کو اپنے پروں تلے دبائے ہوئے تھا۔

ٹیکسی نے اس رات ایلا نامی لڑکی کو ایک ایسی سڑک پہ اتارا جہاں تین سڑکیں مختلف سمتوں میں مڑتی دکھائی دیتی تھیں۔ اس نے کارڈ ٹیپ کیا پے منٹ بپ کی آواز کے ساتھ کٹ گئی۔ وہ ایک ہراساں سی مسکراہٹ ڈرائیور کی طرف اچھالتی باہر نکلی۔ عینک ناک پہ جمائے، اونی ٹوپی سر پہ کیے، جس سے کھلے بال نکل رہے تھے، وہ سرمئی کوٹ میں ملبوس باہر نکلی اور احتیاط سے دائیں بائیں دیکھا۔

اندھیر سڑک کی سیاہ سطح پہ زرد روشنیوں کا عکس جھلملا رہا تھا۔ سڑک گیلی تھی۔ دوپہر میں اس علاقے میں بارش ہوتی رہی تھی۔ ایلا نے موبائل اسکرین روشن کی۔ وہاں گوگل میپس کھلے تھے اور ابھی دو منٹ کی واک کا راستہ رہتا تھا۔ وہ ارادتاً جلدی اتر گئی تھی۔

قریباً سو میٹر عبور کر کے وہ اس جنگلے نما گیٹ کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ ایک پرانا گھر تھا۔ اجڑا ہوا۔ جلا ہوا۔ شاید کسی زمانے میں جل گیا تھا اور مالک مکان نے تالا لگا دیا تھا۔ وہ جانتی تھی اس کی میٹنگ لوکیشن ایسا ہی کوئی اجڑا ہوا گھر یا کوئی ویران وئیر ہاؤس ہوگا۔

سرکار اپنے کلائنٹس سے ایسی ہی جگہوں پہ ملا کرتا تھا۔

ان کی پہلی ملاقات ایک وئیر ہاؤس میں ہوئی تھی۔ تب ایلا ایسی نہیں تھی۔ وہ سرخ چہرے اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ گئی تھی۔ وہ بات بات پہ روتی تھی۔ اس کا دل زخمی تھا۔

اب دو ماہ گزر چکے تھے۔ اب اس کے غم کو قرار آنے لگا تھا۔

وہ باڑ عبور کر کے اندر آئی۔ گھر خاموش اور ویران تھا۔ ای میل میں لکھی ہدایات کے مطابق اسے فرنٹ دروازے پہ لگے پرانے تالے کو نہیں چھیڑنا تھا بلکہ بیک ڈور سے اندر جانا تھا۔

اس نے ایسا ہی کیا۔ کچن کا دروازہ کھولا تو چرچراہٹ سنائی دی۔ ایک عجیب سی ہیبت تھی اس گھر پہ۔ جیسے وہاں ان دیکھے سایے گردش کر رہے ہوں۔

گھر اندر سے گرم تھا۔ کسی بھی ہیٹنگ سسٹم کے بغیر۔ ادھ جلی دیواریں۔ کوئی روشنی نہیں۔ وہ کچن سے گزر کے

لونگ روم میں آئی۔

چھت پہ کہیں کوئی بلب جل رہا تھا۔اس کی روشنی مدھم سی لونگ روم میں آتی تھی۔وہ خالی تھا،سوائے دو کین کی کرسیوں کے، جو فاصلے پہ آمنے سامنے رکھی تھیں۔جیسے اس نے فلموں میں دیکھ رکھا تھا۔

وہ اپنا بیگ سنبھالے ایک کرسی پہ جا بیٹھی۔اس کے گھٹنے کپکپا رہے تھے اور وہ بار بار بے چین نگاہیں اطراف میں دوڑاتی تھی۔

اور پھر وہ اسے نظر آ گیا۔

سامنے لکڑی کا ایک زینہ اوپر جاتا تھا۔اس کے سرے پہ طویل ریلنگ تھی جو بالائی منزل کے کمروں کے سامنے بنی تھی۔نیم اندھیرے میں بھی وہ اس کا ہیولہ دیکھ سکتی تھی۔

وہ ویسا ہی تھا جیسا اس نے دو ماہ پہلے دیکھا تھا۔

اس نے سیاہ لبادہ پہن رکھا تھا۔لیدر پینٹ۔سلک شرٹ۔کندھوں سے پیروں تک آتا ایک چغہ یا گاؤن سا۔اس کی گردن لمبی تھی۔رنگت ایسی سفید تھی جس میں پیلاہٹ زیادہ تھی نہ کہ گلابی پن۔سنہری بال (جو یقیناً ڈائی شدہ تھے) جیل سے کس کے پیچھے کو جما رکھے تھے،جس سے اس کی پیشانی چوڑی لگتی تھی۔کسی کین ڈول کی طرح۔

وہ کہنیاں ریلنگ پہ جمائے، جھک کے اسے دیکھ رہا تھا۔اندھیرے کے باعث وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔لیکن ایک رعب سا اس پہ طاری ہونے لگا۔

''ہیلو۔'' بدقت وہ مسکرائی۔گود میں رکھے بیگ کو مٹھیوں میں بھینچ رکھا تھا۔

''کیسی ہو ایلا؟'' اس کی آواز بھاری تھی۔لیکن نرم۔ہلکی۔وہ بہت دھیرے سے بولتا تھا۔

پھر وہ سیدھا ہوا اور زینے اترنے لگا۔اس کے جوتوں میں بلاک ہیلز لگے تھے جن کے باعث ہر زینے پہ ٹھک ٹھک کی آواز آتی۔اس کے پیچھے بھی کوئی کھڑا تھا۔فربہ سا وجود جو تابعداری سے سر جھکائے سرکار کی معیت میں اتر رہا تھا۔ایک سیاہ رنگت کی عورت۔وہ ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی تھی۔بنگالی یا انڈین۔وہ فیصلہ نہ کر سکی۔

سیاہ لبادے والا دراز قد سرکار نیچے اتر آیا۔اور سامنے رکھی خالی کرسی پہ آن بیٹھا۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔اپنے لمبے لبادے کو ہاتھ سے نزاکت سے جھٹکا۔وہ اس کے دونوں اطراف پھیل کے زمین پہ پھیل کے گر گیا۔اس کی ہیبت اور رعب میں اضافہ ہو گیا۔

اب ایلا مدھم روشنی میں اس کا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

وہ کم عمر نوجوان تھا۔شاید بیس بائیس برس کا۔شاید اس کی looks دھوکہ دیتی تھیں۔آنکھیں کانچ کے جیسی تھیں۔رنگت سفید پیلی سی۔اور چہرے پہ ایک ایسی مسکراہٹ جو اس نے کہیں اور نہ دیکھی تھی۔شرٹ کے آستین کلائیوں تک تھے۔صرف اس کے سپید ہاتھ دکھائی دیتے جن میں اس نے مختلف انگوٹھیاں پہن رکھی تھیں۔سبز نوکیلے نگینے والی انگوٹھی سب سے منفرد تھی۔

فربہ عورت اس کے عقب میں آ کھڑی ہوئی۔اس کی گھورتی نظریں ایلا پہ جمی تھیں۔ایلا نے تھوک نگلا۔

''ایس کے۔'' وہ بدقت بول پائی۔وہ خود کو ایس کے کہلواتا تھا۔

''ایلا۔'' وہ مسکرایا اور ابرو اٹھائے۔اس کے ابرو ہلکے بھورے تھے۔

''میں....میں بات کرنا چاہتی تھی۔''

''بات تو تم نے پچھلی دفعہ کہہ دی تھی۔'' وہ کہنی کرسی کے ہتھ پہ جمائے انگلیاں تھوڑی تلے رکھے دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔''جب تم ہم سے ملی تھیں۔''

ایلا نے بہت سا تھوک نگلا۔

''اس وقت میں غصے میں تھی۔فیروز نے مجھے دھوکہ دیا تھا۔وہ میرا شوہر تھا۔اور اس نے اس عورت کے لیے مجھے چھوڑا۔'' اس نے سر جھٹکا۔آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

''لیکن اب میں بہتر ہوں۔میں نے اس کے ساتھ کرنے کے لیے جو کہا...'' ایلا کی پلکیں کانپیں۔''یعنی فیروز کو تکلیف دینے کے لیے....تباہ کرنے کے لیے ...وہ اب اب میں نہیں کرنا چاہتی۔مجھے..مجھے گلٹ ہوتا ہے۔''

وہ انگلیاں تھوڑی تلے رکھے مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔

ایلا کی ہمت بڑھی۔وہ اب قدرے اعتماد سے بولی۔

''میں نے آدھی پے منٹ کر دی تھی لیکن..میں چاہتی ہوں کہ ہم اس معاملے کو ختم کر دیں۔یعنی...'' اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑیں۔

''وہ میرے بچے کا باپ ہے۔میں نے ایک کامن فرینڈ سے سنا ہے کہ وہ آج کل بیمار ہے اور ہسپتال میں ہے۔مجھے تکلیف ہوئی ہے۔'' وہ واقعی نادم تھی۔

"بس اب میں چاہتی ہوں کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔اس کی بیماری جو بھی ہے ریورس ہو جائے۔بات پے منٹ کی

نہیں ہے لیکن کیا یہ سبیہ سب ختم ہوسکتا ہے؟'' اس کا حلق خشک ہو گیا۔ تھوک نگلا لیکن وہ بھی خشک حلق کو تر کرنے میں ناکافی تھا۔

اس نیم اندھیر گھر میں تپش تھی۔ اتنی تپش کہ اس کی جلد خشک ہو رہی تھی۔

''یعنی...'' سرکار کو خاموش پا کے اس نے دہرایا۔ ''میں نے جو کہا تھا کہ فیروز کو تکلیف ہو جیسی اس نے مجھے دی، وہ اب میں نہیں...''

''نونونونو...'' انگشت شہادت نفی میں ہلاتے ہوئے سرکار نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

''تم نے یہ نہیں کہا تھا ایلا۔'' اس کی آواز خوبصورت تھی، مدھم۔ نرم۔ ہر لفظ الگ۔ آہستہ۔

''اندرانی!'' اس نے پیچھے کھڑی عورت کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ گردن نہیں موڑی۔ آنکھیں ایلا پہ جمی تھیں۔

''کیا ایلا نے یہ کہا تھا؟''

''نہیں۔''

ایلا کی رنگت سفید ہونے لگی۔ اس نے زبان پھیری تا کہ خشک لب تر ہوں، لیکن اندر تک سب کچھ ابل ہو رہا تھا۔

''ایس کے...''

''میں تمہاری یادداشت کو تازہ کرتا ہوں میری پیاری ایلا۔'' اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ بوٹ کے زمین سے لگنے کی آواز پیدا ہوئی۔ وہ چغہ جھٹکتے ہوئے اٹھا۔ قدم قدم چلتا ایلا کے قریب آنے لگا۔ اس کی دھڑکن تیز ہوئی۔ اس نے گھٹنوں کی کپکپاہٹ روکنے کے لیے انہیں سختی سے ایک دوسرے سے ملایا۔

وہ ایک اسٹول کھینچ کے ایلا کے سامنے بیٹھا۔ اب وہ اس سے ایک فٹ کے فاصلے پہ تھا۔ کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے گردن اس کی طرف جھکائے۔

''مائی ڈیئر ایلا... چچ...'' انگلیاں اٹھا کے اس نے ایلا کی ٹوپی سے نکلتے بالوں کو دھیرے سے چھوا۔

وہ ہل بھی نہیں سکی۔

''تم میرے پاس آئی تھیں۔ تم رو رہی تھیں۔ تم ہرٹ تھیں۔'' وہ نرم آواز میں کہہ رہا تھا۔

وہ سانس روکے بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم فیروز کو تکلیف دینا چاہتی ہو۔''

ایلا نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ حلق میں دب گئے تھے۔ وہ نرمی سے اس کے گال سے بال ہٹا رہا تھا۔

''تم میرے پاس آئی تھیں کیونکہ تم نے میرے بارے میں سنا تھا۔ میں وہ ہوں جو اس دنیا کا توازن درست کرتا ہوں۔ اب وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ جیسے کسی چھوٹے بچے کو سمجھا رہا ہو۔''

''اس دنیا میں انسانوں نے سارے توازن بگاڑ رکھے ہیں۔ میں اس توازن کو فکس کرنے والا ایک فکسر ہوں۔ میں تمہارا انتقام ہوں ایلا۔ تم تکلیف میں تھیں اور تمہیں اپنی زندگی کا توازن درست کرنا تھا۔''

''مم.. میں غصے میں تھی اور....''

''اور تم نے مجھے بتایا تھا مائیلو کے بارے میں تمہارا لیبراڈرار۔ تمہارا کتا۔ وہ کارتلے آ گیا تھا کیونکہ فیروز نے اس کا خیال نہیں کیا۔ وہ اس عورت کے ساتھ مصروف تھا۔''

ایک آنسو ایلا کی آنکھ میں اٹک گیا لیکن آنسو میں نیچے گرنے کی ہمت نہیں تھی۔

''تم نے مجھے بتایا تھا کہ...'' وہ بھی بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔'' .. کہ کیسے فیروز نے تمہیں اتنا مجبور کیا کہ تم نے اس سے بھیک مانگی۔ اس شادی کو بچانے کی۔ اپنے بچے کی۔ اس عورت کو چھوڑنے کی۔ اور پھر کیا کیا فیروز نے؟ اپنے الفاظ یاد کرو۔''

ایلا کے ہونٹ کپکپائے مگر ہل نہ سکے۔ وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے آگے کو جھکے ہوئے تھا۔ وہ اس کے پرفیوم کی مہک محسوس کر سکتی تھی۔

''تم نے کہا تھا.. کہ فیروز نے تم سے اتنی دفعہ وہ بھیک منگوائی کہ جیسے. جیسے اس نے تمہیں ایک کتا بنا دیا ہو۔ مائیلو جیسا کتا۔ تم اس کے ہڈی ڈالنے کی منتظر رہتی تھیں۔ اور پھر وہ تمہیں چھوڑ کے چلا گیا۔ ہے نا؟''

آنسو ابھی تک خوف سے ایلا کی آنکھ میں جما تھا۔

''اور میں نے تم سے ایک سوال وچھا تھا.... جو میں اپنے ہر کلائنٹ سے پوچھتا ہوں۔'' ایس کے نے ہاتھ ہٹا کے ایلا کی کرسی کے ایک ہتھ پہ رکھ دیا۔ وہ ایک طرف سے ٹریپ تھی۔

''یہ کہ تمہارے دل کو کیا چاہیے؟'' وہ مسکرایا۔ وہ ہر طرف سے ہی ٹریپ ہو چکی تھی۔

''اور تم نے کہا تھا ایلا کہ میں چاہتی ہوں...'' اس کی آنکھیں چمکیں۔

''کہ فیروز بھی ایک کتا بن جائے۔''

''مم.. میں غصے...''

''اندرانی...!'' وہ سیدھا ہوا اور تحکم سے اشارہ کیا۔ اندرانی نے ایک ٹیب اس کے سامنے کیا۔ اسکرین روشن تھی۔

''فیروز کی فیملی تم سے چھپائے ہوئے ہے لیکن میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ وہ ہسپتال میں کیوں ہے؟''

ایلا نے چونک کے گردن اس طرف موڑی۔ آنسو پھسل پڑا۔

اندرانی نے اسکرین اس کے سامنے کی۔ اس پہ ایک ویڈیو چل رہی تھی۔

وہ ایک ہسپتال کا کمرہ تھا۔ ایک نیلے لباس میں موجود مریض کو دونوں طرف سے ہتھکڑیوں سے باندھ رکھا تھا۔ اور وہ سر بار بار جھٹکتا غراتا ہوا گردن نیچے پھینکے منہ سے آوازیں نکال رہا تھا۔ دو اسٹاف اور نرس اس کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس کی آواز وہ سر نیچے کر کے غرانا وہ بھونکنے کی آواز تھی۔ کتے کے جیسے بھونکنے کی۔

ایلا برف کا مجسمہ بن گئی۔ بے یقینی سے اس نے گردن موڑی۔ وہ اسی طرح نرمی سے مسکرا رہا تھا۔

''تم نے اسے تکلیف دینے کے لیے نہیں کہا تھا میری پیاری ایلا تم نے اسے کتا بنانے کے لیے کہا تھا۔ میں نے بنا دیا۔ "انگلیوں سے چٹکی بجائی۔ اندھیر گھر میں آواز گونج کے واپس پلٹی۔

"میں اپنی زبان کا پابند ہوں۔ کیا تم اپنی زبان کی پابند ہو؟''

''نہیں، نہیں...'' اس نے خوف سے نفی میں سر ہلایا۔ اسکرین پہ موجود منظر کسی لوپ میں چل رہا تھا۔ ہڈیوں کا پنجر بنا فیروز۔ اس کی غیر انسانی آواز۔ اب نرس اسے انجیکشن دے رہی تھی۔ اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ گال پہ رکھ لیے۔

''میری ایک ماں تھی ایلا۔'' وہ ابھی تک اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ ایلا سے ایک فٹ کے فاصلے پہ۔ اندرانی اسکرین بجھا کے اب پیچھے ہٹ چکی تھی۔

''ایک ظالم انسان نے اسے مجھ سے چھین لیا۔'' اس نے انگلی میں پہنی سبز نگینے والی انگوٹھی گھمائی۔ ''وہ میری اصلی ماں نہیں تھی لیکن اس نے مجھے سکھایا تھا کہ اس دنیا کا توازن کیسے قائم کرنا ہے۔ اور جب وہ مجھ سے دور ہو گئی تو مجھے ایک لمبا عرصہ بھاگنا پڑا۔ جانتی ہو میں کہاں گیا؟'' مسکرا کے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

آنسوؤں سے بھیگا چہرہ لیے وہ ابھی تک نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''میں جنوبی پنجاب کے ایک گاؤں میں گیا۔ اس گاؤں کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ وہاں ہر انسان کو چاہے وہ بچہ ہو یا بڑا جادو آتا ہے۔ اور وہ دنیا میں سب سے زیادہ ماہر ہیں اس جادو میں جو انسان کو جانور

کے جیسا کر دیتا ہے۔ میں ایک سال اس گاؤں میں رہا۔ اور میں نے سیکھا کہ اس دنیا کا توازن واپس کیسے قائم کرنا ہے۔''

''نہیں پلیز. اس کو ریورس کر دو۔'' وہ رو رہی تھی۔ اس نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے تھے لیکن سرکار کی آواز وہ سن سکتی تھی۔

''ایسے جادو ریورس نہیں ہوتے۔ ان کی کاٹ نہیں ہوتی۔ یہ تمہارے دل کی مانگ تھی ایلا۔ اس کے ساتھ تم جئو گی میں نہیں۔''

''میں صرف چاہتی تھی کہ وہ ایموشنل تکلیف سے گزرے۔ پلیز کچھ کرو۔ وہ میرے بچے کا باپ ہے۔''

''اور میں صرف ایک چیز میں دلچسپی رکھتا ہوں میری پیاری ایلا۔'' اس نے اپنی لمبی انگلیوں سے اشارہ کیا۔ ایلا کے بیگ کی طرف۔ ''تمہاری بقایا پے منٹ میں۔''

وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ آنسو زاروقطار گر رہے تھے۔

''میں یہ نہیں چاہتی تھی۔''

''پے منٹ ایلا۔'' جھک کے اس کے گال پہ آئے آنسو کو پونچھا۔ ''ورنہ میں اپنے دل سے پوچھوں گا کہ ایلا کیا بننا چاہتی ہے؟ ایک کتا؟ یا ایک بلی؟''

اس کے آنسو رک گئے۔ سانس بھی تھم گیا۔ خوف سے ایک دم پیچھے ہوئی۔ نفی میں سر ہلایا۔

''میں میں ساتھ لائی ہوں۔'' اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا۔ ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ اندرانی نے جھٹ وہ کھینچ لیا۔

سرکار اسی طرح مسکرایا اور چار انگلیاں ہلا کے "بائے " کہا۔

وہ بیگ پکڑے باہر کی طرف بھاگی۔ اس تپش شدہ گھر سے دور۔ ان سایوں سے دور۔ اپنے اندر اٹھتے احساس گناہ کے آتش فشاں سے دور۔ لیکن اس سے دوری ممکن نہ تھی۔

وہ خاموشی سے مسکراتے ہوئے اسے بھاگتے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے چٹکی بجائی۔ سناٹے میں چٹکی کی گونج سنائی دی۔ اندرانی اسی طرح کھڑی رہی۔ وہ چٹکی اس کے لیے نہیں تھی۔

''اس کے ساتھ چلے جاؤ۔ اس کو بار بار میرے دروازے پہ آنا ہوگا۔ اس کو مجھے retainer پہ رکھنا ہوگا۔'' وہ خلا میں کسی ان دیکھی مخلوق سے تحکمیہ مخاطب تھا۔ پھر چغہ جھاڑ کے وہ اٹھا اور سیدھا کھڑا ہوا۔ اب کے اندرانی کی

طرف چہرہ کیا تو وہ سنجیدہ تھا۔ مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

"تم اس کے آنے سے پہلے کیا کہہ رہی تھیں؟"

اندرانی نے گہری سانس لی۔

"ایک مسئلہ ہو گیا ہے عالیان۔"

''اب کیا ہوا ہے؟'' وہ ابرو اٹھا کے ناگواری سے پوچھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆.

(باقی آئندہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ ۴: ''استنبول''

قسط نمبر: 18

''لوگ سمجھتے ہیں کہ
تمہارا soul mate ہوتا ہے
تمہارا بہترین جوڑ۔
اور سب کو وہی چاہیے۔
لیکن دراصل
ایک سچا روح کا ساتھی ہوتا ہے
ایک آئینے کے جیسا۔
وہ تمہیں ہر وہ شے دکھاتا ہے
جو تمہیں آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہے۔
وہ تمہیں خود تمہاری اپنی توجہ دلواتا ہے
تاکہ تم اپنی زندگی بدل سکو۔
تمہاری روح کا ساتھی
وہ سب سے اہم شخص ہوگا

جس سے تم زندگی میں ملو گے...

کیونکہ وہ تمہارے گرد کھڑی دیواریں توڑ کے

تمہیں جگائے گا۔

جھنجھوڑے گا۔

تمہاری انا کو ضرب لگا کے توڑے گا۔

تمہیں تمہاری رکاوٹیں اور بری لتیں دکھائے گا۔

پھر تمہارے دل کو چیر کے کھول دے گا۔

تا کہ اس میں نئی روشنی داخل ہو سکے۔

وہ تمہیں اتنا بے چین اور بے قابو کر دے گا

کہ تم جان جاؤ گے

کہ تمہیں اپنی زندگی بدلنی پڑے گی۔

لیکن

ایک روح کے ساتھی کے ساتھ ہمیشہ رہنا؟

نہیں۔

یہ بہت تکلیف دہ ہوگا۔

روح کا ساتھی تمہاری زندگی میں آتا ہے

صرف تمہیں

تمہاری شخصیت کی ایک تہہ دکھانے

اور پھر وہ تمہاری زندگی سے

نکل جاتا ہے۔

(الزبتھ گلبرٹ کی کتاب "Eat. Pray. Love" سے ماخوذ)

یاسمین پیتروا کے لائبریری نما آفس کی ایک دیوار شیشے کی بنی تھی۔ اس کے پار باغیچے کے پودے زرد روشنیوں

میں دمک رہے تھے۔ آسمان اندھیرا اور صاف تھا۔ شہر کے اس حصے میں بارش نہیں تھی۔

آفس میں ہلکی بتیاں جلی تھیں۔ یاسمین اپنی مخصوص کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھی ابرو اکٹھے کیے اسے دیکھ رہی تھی جو کاؤچ پر براجمان تھا۔ ایک بازو پشت پر پھیلائے ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ متلاشی نظروں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔

''تم اپنے آفس میں کینڈلز نہیں رکھتیں؟''

''ماہر بے!''

''ہمیں اس گفتگو کے ساتھ چنبیلی سے بنی کینڈل جلانی چاہیے تھی جس میں ہلکا سا لیونڈر کا نوٹ شامل...''

"Do you know the first rule of therapy?"

ماہر فرید نے بات روک کے ابرو اٹھایا۔

"That we do not talk about therapy?" پھر ڈھٹائی سے مسکرایا۔

''ناٹ فنی۔'' وہ ہنسی نہیں۔ چہرہ سنجیدہ رہا۔

''یہ کہ اپنے تھیراپسٹ سے کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔''

آفس میں سناٹا چھا گیا جو شیشے کی دیوار سے اونچا تھا۔ بند دروازوں کے پار کسی کمرے سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی۔ نیوز بلیٹن کا میوزک۔ یقیناً گھڑی نے نیا گھنٹہ بجایا تھا۔

''میں خود سے جھوٹ بول رہا تھا۔'' اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور سیدھا ہو کے بیٹھا۔ چہرے پہ ایک دم تکان در آئی تھی۔

''تمہیں بہت اچھے سے معلوم تھا کہ تم کیا کہہ رہے تھے جب تم نے مجھے یہ تاثر دیا کہ تم اسے ناپسند کرتے ہو۔''

سینٹر ٹیبل کے وسط میں لکڑی کی گول ٹرے رکھی تھی۔ اس میں ایش ٹرے، لکیز کے جار اور سجاوٹی کتاب کے ساتھ ایک beige رنگ کے موٹے دانوں کی لڑی رکھی تھی جس کے دونوں سروں سے دھاگے لٹک رہے تھے۔ جیسے کسی دیو کی تسبیح ہو۔

''اگر تم مجھ سے سچ نہیں کہو گے تو میں کیسے تمہاری مدد کروں گی، ماہر؟'' اس کا لہجہ اب نرم تھا۔

ماہر آگے جھکا اور لکی جار اٹھایا۔ اس کا شیشہ ٹھنڈا تھا۔ اس نے ڈھکن کھولا تو تازہ بیک ہوئے چاکلیٹ چپ کی مہک ناک سے ٹکرائی۔

''تم اب بھی اس کی محبت میں مبتلا ہو؟''

ماہر نے ہاتھ اندر ڈال کے ایک بسکٹ نکالا۔ سنہری خستہ بسکٹ آدھے راستے میں ٹوٹ گیا۔

''کچھ محبتیں بھلائی نہیں جا سکتیں۔''

وہ دو انگلیوں میں پکڑے ٹوٹے بسکٹ کو دیکھنے لگا۔ پس منظر میں اسے دھندلی سی یاسمین دکھائی دے رہی تھی۔

''کیا پسند تھا تمہیں اس میں؟''

''اس کا سچا ہونا۔ سیدھی بات کرنا۔ وہ بیک ڈورز استعمال نہیں کرتی تھی۔ غصہ نہیں کرتی تھی، مہربان تھی۔ اس کا ریستوران اس سے چھن گیا۔ اس نے بس احتجاج کیا۔ اور پھر چپ چاپ واپس چلی آئی۔''

''اس میں وہ سب تھا جو تم میں نہیں تھا۔''

اس نے دانتوں سے بسکٹ کو کترا۔ چند ذرے کالر پر گرے۔ منہ میں چاکلیٹ اور میٹھے معدے کا ذائقہ گھل گیا جس میں جلا ہوا پن بھی تھا۔ وہ غالباً اوور بیکڈ تھے۔ شاید یاسمین نے خود بنائے تھے۔ یقیناً وہ کچن میں اچھی نہیں تھی۔ اسے اس کے شوہر اور بچوں پہ افسوس ہوا۔

"تم ایک workaholic تھے۔ غصے کے تیز انسان جو خود کو ٹھنڈا اور پرسکون رکھنا سیکھ رہا تھا۔ جو سچ نہیں بول سکتا تھا۔ وہ تمہارا اُلٹ تھی۔ اس کا کام اس سے چھن گیا تو اس نے زندگی کو pause کر دیا۔ وہ اپنی ماں کے پاس چلی آئی۔ مگر تم بس ہر وقت کام کرتے تھے۔ اس کی جاب کے ساتھ ساتھ اپنی سرخ عمارت پہ کام۔ تم chaos تھے اور وہ پرسکون ٹھہری ہوئی زندگی کی مالک۔''

''شاید۔'' اس نے سر جھٹکا۔ بسکٹ میز پر رکھ دیا۔ چند ذرات بھربھرا کے میز کی لکڑی پر گرے۔

''لیکن پھر وہ تلخ ہو گئی۔ اس کی زندگی تلخ ہو گئی۔ اس نے غلط فیصلے کیے۔ وہ سچ بولتی تھی لیکن اس نے مجھ سے جھوٹ بولے۔''

''اور تم نے اسے معاف نہیں کیا، جیسے تم نے اپنی ماں کو کبھی معاف نہیں کیا۔''

''میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے یا نہ کرنے والا۔'' اس نے تلخی سے سر جھٹکا اور پیچھے ہو کے ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔ ناخنوں سے کاؤچ کے ہتھ کور کُرنے لگا۔

''مگر تم اس کی خبر رکھتے رہے؟'' وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''وقفے وقفے سے میں اس کا سوشل میڈیا دیکھتا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ زندگی میں کیا کر رہی ہے۔ گو کہ اس نے

سوشل میڈیا پہ اپنا بیٹا نہیں دکھایا لیکن میں جانتا تھا وہ اتنی محنت اسی کے لیے کر رہی ہے۔"

"تم نے اس سے رابطے کی کوشش کی؟"

ماہر نے پھر سر کو اوپر نیچے حرکت دی۔

"بتایا تھا نا۔ شروع میں چند ایک دفعہ۔ مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ جیسے میں کوئی برا انسان ہوں۔ پھر میری عزت نفس نے مزید رابطے کی اجازت نہیں دی۔"

"اور زارا؟ اس سے شادی کشمالہ سے انتقام ہے کیا؟"

"نہیں۔ مجھے کسی سے انتقام نہیں چاہیے، یاسمین۔ زارا اچھی لڑکی ہے۔ مجھے پسند کرتی ہے۔ اور میں نے ایک عرصہ مالک کو بہت ستایا ہے۔ اب میں اسے خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور خود بھی سیٹل ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے بہت سوچ سمجھ کے فیصلہ لیا ہے۔" اس نے اسی تکان سے شانے اچکا دیے۔

"لیکن اب کشمالہ واپس آ گئی ہے۔"

وہ دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ خاموشی ارد گرد سانس لیتی رہی۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" اس نے شکست تسلیم کی۔

"دیکھو ماہر... میں تمہیں یہ بتا سکتی ہوں کہ تمہیں کیا نہیں کرنا۔ مثلاً... تمہیں اپنی منگیتر کو دھوکہ نہیں دینا۔"

"میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔"

"ایسا آدمی بنتے انسان کو دیر نہیں لگتی۔" اس کی آواز میں تنبیہ تھی۔ "تمہیں یہ یاد رکھنا ہے کہ کشمالہ نے تمہیں ریجیکٹ کیا تھا۔ وہ اب بھی تمہارے لیے یہاں نہیں آئی۔ اور ہو سکتا ہے اس کی زندگی میں کوئی اور آ چکا ہو۔"

اسے اپنے جسم کے سارے اعصاب تنے ہوئے محسوس ہوئے۔ بدقت تھوک نگلا۔

"جیسے وہ اپنا بیٹا سوشل میڈیا پہ نہیں دکھاتی ویسے ہی ہو سکتا ہے کوئی اس کی زندگی میں۔ اس کی طلاق کو ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ وہ یہاں اپنے بیٹے کے لیے آئی ہے۔ تمہارے لیے نہیں۔"

اس نے سر کو خم دیا۔

(ہو سکتا ہے اس کی زندگی میں کوئی اور موجود ہو۔) اس کے جبڑے کی رگیں تن گئیں۔ اوور بیک ہوئے بسکٹوں کی جلی ہوئی مہک فضا میں گھلتی جا رہی تھی۔

"انسان کسی کے پیچھے دیوانہ ہو کے تب بھاگتا ہے جب وہ دوسرے کی "حقیقت" بھول کے اپنی "خواہش"

کو اس کی حقیقت سمجھنے لگتا ہے۔"

"یعنی؟"

"کشمالہ نے تمہیں ریجیکٹ کیا تھا اور وہ یہاں اپنے بیٹے کے لیے آئی ہے۔ یہ اس کی حقیقت ہے۔ وہ تمہیں ریجیکٹ کرنے پہ پشیمان ہے اور پھر سے کوئی رشتہ استوار کرنا چاہتی ہے یہ تمہاری خواہش ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک عقلمند انسان دوسرے کی حقیقت ہر پل خود کو یاد دلاتا ہے۔ وہ خواہش کے بہکاوے میں نہیں آتا۔ تمہیں بھی نہیں آنا۔"

"وہ پشیمان ہو یا نہ ہو لیکن وہ کبھی بھی میری محبت میں مبتلا نہیں تھی۔"

"ویری گڈ۔ تم اس کے ساتھ ایک پروفیشنل تعلق رکھو گے۔ اور کسی بھی موقع پہ کچھ بھی ایسا نہیں کرو گے جس سے تمہاری منگیتر کو تم پہ شک ہو۔ اگر وہ کسی شک کا شکار ہوتی ہے تو تم اس کو سب کچھ سچ سچ بتاؤ گے۔ تم ہمیشہ کمیونیکیٹ کر کے اس معاملے کو..."

وہ نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے سنے گیا۔ میز پر ادھ کھایا بسکٹ اور چند ذرے چپ چاپ انہیں دیکھتے رہے۔ دور پس منظر میں نیوز بلیٹن کی بھنبھناہٹ جاری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایلا نامی لڑکی جا چکی تھی۔ بنا فرنیچر کے تاریک گھر خاموش رہ گیا تھا۔ چھت سے لٹکتا بلب وسط میں روشنی ڈال رہا تھا یوں کہ ایک دیوار پہ ان دونوں کے سائے لمبے ہو کے پڑ رہے تھے۔

"ایک مسئلہ ہو گیا ہے، عالیان۔" فربہ سائے نے دونوں ہاتھ باہم پھنسائے۔

"اب کیا ہوا ہے؟" دراز قد سائے کی آواز میں چڑچڑاپن تھا۔ پھر وہ سایہ پلٹا اور کچن کی طرف بڑھ گیا۔ اندرانی اس کے پیچھے لپکی۔

"کشمالہ پولیس اسٹیشن گئی تھی۔"

عالیان نے کچن کے دروازے کے ساتھ لگی کھونٹی سے ایک سیاہ طویل کوٹ اتارا اور پیچھے گھما کے دونوں بازو اس میں ڈالے۔

"اسے جانا ہی تھا۔" کوٹ کے بٹن سامنے سے بند کیے۔ چغہ اندر چھپ گیا۔ کھونٹی پر لٹکا مفلر اتارا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھولا۔ ٹھنڈی ہوا چہرے سے ٹکرائی۔ اس نے مفلر گردن کے گرد لپیٹا۔ کھردری اون تھوڑی کی ملائم جلد سے رگڑی۔

''وہ ماہر فرید کے ساتھ تھی۔''

باہر نکلتے عالیان کے قدم ٹھہرے۔ پلٹ کے اندرانی کو دیکھا۔ ابرو بھنچ گئے۔

''وہ کہاں سے آیا؟''

''وہ شاید اس کے لیے یہاں آئی ہے۔ آج کل اسی کے ساتھ نظر آتی ہے۔''

عالیان کی پیشانی کے بل گہرے ہو گئے۔ واپس پلٹا اور تیز ڈگ بھرتا ویران باغیچہ عبور کرنے لگا۔ اختتام پہ لکڑی کا ننھا گیٹ تھا جو کھلا تھا۔ کیل اُکھڑے ہوئے تھے اور باغیچے کی گھاس جل کے سیاہ ہو چکی تھی۔ کونے میں لگے واحد درخت کے زرد چرمرپتے باڑ کے اندر اور باہر سڑک پر گرے تھے۔

''کیا وہ بدر کو تلاش کرنے میں اس کی مدد کر رہا ہے؟''

کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے عالیان اس سے چند قدم آگے چل رہا تھا۔ سڑک پر گرے اکڑے ہوئے پتے جو بارش کے پانی سے سایے کی وجہ سے بچ گئے تھے اس کے جوتوں تلے آ گئے۔ چرچراہٹ بلند ہوئی۔

''یقیناً وہ اور ہلال بدر کی وجہ سے اس کی مدد کر رہے ہوں گے۔'' وہ عالیان کی رفتار سے ملنے کی ناکام کوشش کرتی انہی پتوں پر قدم رکھ رہی تھی۔ اب کی دفعہ وہ نہیں چرچرائے۔ وہ مر چکے تھے۔

''وہ کہاں سے آ گیا درمیان میں؟'' مفلر ہونٹوں تک چہرے کو ڈھانکے ہوئے تھا سو اس کی آواز دبی دبی سی تھی۔ وہ دونوں اس سمت سے مخالف سمت میں جا رہے تھے جہاں سے ایلا آئی تھی۔

''اب ہم کیا کریں؟'' اندرانی کی آواز میں اندیشہ تھا۔

''ہم وہی کریں گے جو کر رہے تھے۔'' وہ بڑبڑایا۔ رات گہری تھی اور سڑک گیلی۔ چند اسٹریٹ پولز روشن تھے۔ مین روڈ ابھی دکھائی نہیں دی تھی۔ فضا میں ٹریفک کا دھواں اور سگریٹوں کی مہک تھی۔

ایک جانب چند دکانیں کھلی تھیں جن کی شیشے کی دیواریں روشن تھیں۔ عالیان کے قدم اس جانب بڑھ گئے البتہ اب وہ قدرے سست رو تھے۔

''اب کیا کرنا چاہیے؟'' اس نے پوچھا لیکن عالیان نے سپید ہاتھ اٹھایا جس کی پشت اور کلائی بالوں سے پاک تھی۔ اندرانی کی زبان تھم گئی۔ وہ خاموشی سے ایک دکان تک گیا۔ شیشے کے دروازے کا ہینڈل پکڑ کے دھکیلا۔ وہ ٹھنڈا تھا۔

البتہ دکان اندر سے گرم تھی۔ تیز پینٹ اور مٹی کے تیل کی بو نتھنوں سے ٹکرائی۔ عالیان نے ناگواری سے ناک

سکوڑی۔

ایک دیوار کے ساتھ شیٹس بچھی تھیں۔ایک اونچی سیڑھی۔ پینٹ کی بالٹیاں۔ نیلا جمپ سوٹ اور دستانے پہنے پینٹ کرتا آدمی۔ان دونوں کو دیکھ کے چہرہ موڑا۔ بے زاری سے برش رکھا اور دستانے اتارتا ہوا اس طرف آیا۔

''ہم ایک خط لکھیں گے۔'' عالیان نے آگے بڑھتے ہوئے کندھے ٹیڑھے کیے تاکہ گیلی دیوار سے سیاہ کوٹ ٹکرا نہ جائے۔

''کس کو؟'' اندرانی اپنے خیال میں آگے بڑھی۔اس کے کوٹ کے کندھے دیوار سے مس ہوئے۔سفید چونا اپنا نشان چھوڑ گیا۔قریب آتے دکاندار نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''زیاد سلطان کو۔'' وہ سافٹ ڈرنکس سے بھرے chiller کا دروازہ کھولے جھکا۔گردن دائیں بائیں موڑی۔نگاہیں مختلف شیلفوں میں رکھے رنگ برنگے کینز پہ دوڑائیں۔

''زیاد کو؟ مگر کیوں؟'' وہ تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔عالیان نے بازو لمبا کر کے ایک سرخ کین نکالا اور واپس سیدھا ہوا۔پھر کاؤنٹر پہ جا کے کین رکھا۔

''ہمیں اس کو جیل سے نکالنا ہے۔وہ جب تک گیم میں واپس نہیں آئے گا ہمیں مزہ نہیں آئے گا۔''

مفلر سے دبی آواز میں کہتے عالیان نے جیب میں ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو اس میں ایک نوٹ تھا۔دکاندار نے نوٹ پکڑا تو اس نے دیکھا اس کے ہاتھ پینٹ میں لتھڑے تھے۔داستانوں کے باوجود بھی۔

''شاپنگ بیگ چاہیے؟'' دکاندار نے بل پنچ کرتے ہوئے نگاہ اٹھا کے اس دراز قد نوجوان کو دیکھا۔

''تمہیں انوائرمنٹ کا خیال نہیں ہے کیا؟'' درشتی سے کہتے ہوئے کین اس کے ہاتھ سے لیا۔دکاندار نے شانے اچکائے اور دراز کھولا۔ سکے کھنکنے کی آواز آئی۔دو انگلیوں سے چند سکے نکالے اور عالیان کی مٹھی پر رکھے۔

''مگر خط کی کیا ضرورت...''

''ہم خط میں اسے بتائیں گے کہ اس کا بیٹا ہمارے پاس ہے۔'' وہ سکے انگوٹھیوں والے ہاتھ سے جیب میں ڈالتے ہوئے پلٹا۔پھر کین کا ڈھکن کھینچ کے کھولا۔ پھشش کی آواز آئی۔

''مگر ایسے تو...''

''وقت کم ہے میرے پاس۔''

مفلر دو انگلیوں سے نیچے کیا۔ہونٹ واضح ہوئے۔اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کین لبوں سے لگایا۔میٹھا

اسپارکلنگ سا انرجی ڈرنک گلے میں اترا اور جیسے کانوں اور ناک تک میں جا گھسا۔

''مگر ہمیں ایسے نہیں کرنا تھا۔ ہر شے کا وقت....'' وہ الجھی ہوئی اس کے پیچھے لپکی۔ وہ باہر جا رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا نے ان کا استقبال کیا اور پینٹ سے بھری دکان اور مٹی کے تیل کی بو زائل ہونے لگی۔

''میں امپروائز کر رہا ہوں، اندرانی ڈیئر۔'' دکان کے باہر کھڑے کھڑے اس نے چند گھونٹ بھرے۔

وہ اچھنبے سے اسے دیکھنے لگی۔ لب بھینچ لیے۔ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

''اس نے پولیس سے کیا کہا؟'' کچھ سوچتے ہوئے اس نے کین نیچے کیا۔ وہ دکان کے سامنے رکے کھڑے تھے۔ شیشے کا دروازہ بند ہو چکا تھا اور اس کے پار دکاندار دستانے چڑھائے سیڑھی کی طرف واپس جا رہا تھا۔

''وہ سب کچھ جو وہ اتنے عرصے سے کہتی آئی ہے۔ کہ وہ لاش اس کے بچے کی نہیں تھی اور ...''

''کاٹن کینڈی مین ... کیا اس نے اس کا ذکر کیا؟''

اندرانی نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

''شاید اسے وہ واقعہ بھول گیا ہو۔''

''بھولنا نہیں چاہیے۔ اسے یاد ہونا چاہیے۔'' پھر رکا اور غور سے اندرانی کو دیکھا۔ ''تمہیں یقین ہے نا کہ وہ نہیں جانتی کہ بدر کو کاٹن کینڈی کس نے دی تھی؟''

''نہیں۔ وہ نہیں جانتی۔ اس نے نہیں دیکھا۔''

''وہاں کسی اور نے بھی نوٹس نہیں کیا ہوگا۔'' اس نے کین ٹریش کین میں اچھال دیا۔

''کیا بھی ہو تو اتنی پرانی بات کسے یاد رہے گی۔ سی سی ٹی وی فوٹیج ویسے ہی مٹائی جا چکی ہے۔''

''ہم زیاد کو ایک خط لکھیں گے۔'' اب کے وہ ہلکا سا مسکرایا تھا۔ چہرے کے تنے ہوئے پٹھے نرم پڑے۔

''مگر کیوں عالیان؟''

''تاکہ ہم اسے بتا سکیں کہ اس کے بیٹے کو کاٹن کینڈی کس نے دی تھی۔''

''ہیں؟'' اندرانی نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ وہ آگے بڑھ گیا تو وہ چند لمحے پریشان سی کھڑی رہی۔ پھر اس کے پیچھے لپکی۔

''پاگل ہو گئے ہو؟ ہم اسے کیسے یہ کہہ سکتے ہیں؟''

وہ دونوں تاریکی میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ آوازیں مدھم پڑ گئی تھیں۔

اندر برش اٹھاتے دکاندار نے پلٹ کے شیشے کے پار دیکھا۔ وہ دونوں اب دور جا رہے تھے۔ اس نے واپس اپنے پینٹ اور برشز کو دیکھا۔

چند لمحے پہلے تک وہ باقی ماندہ دونوں دیواریں صبح سے پہلے تک پینٹ کرنے کے لیے پرجوش تھا۔ لیکن اب ... دکان میں ایک عجیب سی یاسیت چھا گئی تھی۔ اس کی توانائی اور جوش ایک دم ماند پڑ گیا تھا۔ وہ کس کے لیے کر رہا تھا یہ سب؟ اس کے تو بچے بھی نہیں تھے۔ اور اس کا قرضہ جو ادا ہونا تھا۔ اور کاموں کی ایک طویل فہرست جو ذہن کو بوجھل کیے ہوئے تھی۔ کیا فائدہ ابھی برش کرنے کا؟ سوکھنے میں کئی گھنٹے لگنے ہی تھے۔ وہ کل کر لے گا۔ کون سا دکان کی شکل بدلنے سے سیلز بڑھ جائیں گی۔ اس کے تو بچے بھی نہیں تھے۔ کس کے لیے کرے یہ سب؟

اس نے بے دلی سے برش رکھ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شمالی امریکہ میں جیل کا دوسرا نام کریکشنل فیسیلیٹی (اصلاحی ادارہ) تھا کیونکہ امریکیوں کو گمان تھا کہ صرف اچھی اصطلاحوں کے استعمال سے دنیا بدلی جا سکتی تھی۔

ایسے ہی ایک اصلاحی ادارے کا وہ سرمئی سفید دیواروں والا کمرہ تھا جس میں دو طرف شیشے کے دروازے لگے تھے۔ اور فاصلے فاصلے پر چند سرمئی میزیں بچھی تھیں۔ ہر میز پہ آمنے سامنے دو افراد بیٹھے تھے۔ ایک فرد قیدیوں والا جمپ سوٹ پہنے۔ اور دوسرا آزاد انسانوں کے لباس میں ملبوس۔ فضا میں باتوں کی بھنبھناہٹ اور لانڈری ڈٹرجنٹ سے لگے موپ کی مہک تھی۔

زیاد سلطان ایک کونے میں رکھی میز پہ بیٹھا تھا۔ سامنے براجمان ادھیڑ عمر وکیل ناک پہ عینک پیچھے دھکیلتے ہوئے چند کاغذ الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

''اگر تم آج بھی اس ڈیل کو قبول کر لو تو دو ہفتے میں تم باہر ہو گے۔''

اس نے کہتے ہوئے چہرہ اٹھا کے زیاد کو دیکھا۔ زیاد کے بال اب چھوٹے کٹے تھے۔ آنکھ تلے نیل کا نشان زرد ہو چکا تھا۔ آدھی آستینوں سے نکلتے بازو تنومند تھے۔ البتہ چہرہ سپاٹ تھا۔

''میں چھے ماہ میں ویسے بھی باہر ہوں گا۔'' زیاد نے شانے اچکا کے دائیں جانب دیکھا۔ ایک میز خالی تھی۔ اس پہ بیٹھا ملاقاتی متلاشی نگاہوں سے شیشے کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا قیدی نہیں آیا تھا۔

''تمہارے پاس ایک چانس ہے یہاں سے جلد نکلنے کا۔''

''مجھے نکلنے کی کوئی تمنا نہیں ہے۔ میں سکون سے اپنی کتاب لکھ رہا ہوں اور اپنے گناہوں کی سزا بھگت رہا ہوں۔'' وہ بے پروائی سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ پیچھے رکھی میز دھکیل کے ایک تنومند آدمی اٹھا اور بڑبڑاتا ہوا ان کے قریب سے گزرا۔ اس کے جسم سے باسی پسینے کی بدبو لہر کی صورت اٹھی اور ان کی میز تک آئی۔ وکیل نے ناک سکوڑی۔

''تمہارا سکون میں دیکھ رہا ہوں۔'' وکیل نے ابرو سے اس کی نیلگوں آنکھ کی جانب اشارہ کیا۔ زیاد نے پھر سے شانے اچکائے۔

''اگر میں کسی کے خلاف مخبر بن کے باہر نکلا تو دو دن میں وہ لوگ مجھے مار دیں گے۔ میں باہر نکل کے اپنی زندگی بنانا چاہتا ہوں، دوبارہ ان کاموں میں...'' زیاد ٹھہر گیا۔ وکیل نے کوٹ کا بٹن کھولا۔ اور اس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ کوٹ کھلنے سے کسی سستے کولون اور آفٹر شیو کی ملی جلی مہک باہر کی طرف آئی۔ جیل کی اس ساکن بند ہوا میں وہ مزید ناگوار گزری۔

''مجھے صبح یہ ای میل موصول ہوئی ہے۔'' دو پرنٹ شدہ کاغذ اس کے سامنے رکھے۔ پھر نگاہ اٹھا کے قریب کھڑے گارڈ کو دیکھا جس سے وہ پہلے اجازت لے چکا تھا۔ گارڈ نے اثبات میں آنکھوں کو جھپکایا۔

زیاد نے دو انگلیوں میں کاغذ کا کنارہ چھوا اور اسے ترچھا کیا۔ اب وہ اس پر چھپے الفاظ پڑھ سکتا تھا۔

''تمہارا بیٹا میرے پاس ہے۔ جلد باہر آؤ اور وہ کرو جو میں تم سے چاہتا ہوں۔ کیونکہ تمہارے بیٹے کے پاس وقت کم ہے۔

دی کاٹن کینڈی مین۔''

زیاد نے اگلا صفحہ پلٹنا چاہا۔ وہ پچھلے کاغذ سے چپک کے رہ گیا تھا۔ وہ انگشت شہادت لبوں تک لے گیا، تھوک سے اسے گیلا کیا اور پھر سے صفحہ پلٹا تو وکیل نے دیکھا اس کے ہاتھ میں لرزش تھی۔

دوسرے صفحے پر ایک پرنٹ شدہ تصویر تھی۔ ایک مدھم سی تصویر۔ بیڈ پر آنکھیں موندے لیٹا بچہ۔ ساتھ لگی آئی وی لائن اور ڈرپ۔ اور بچے کے سینے پر رکھا ایک روز پہلے کا اخبار۔ حریت نیوز۔

اس نے چونک کر نگاہیں اٹھائیں۔ وکیل انہی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہمیں یہ پولیس کو دینا چاہیے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمہارا بیٹا زندہ ہے۔''

زیاد نے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ بے تاثر نہیں تھا۔ وہاں عرصے بعد کوئی تاثر دکھائی دیا

تھا۔ اگلے لمحے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا شیشے کے دروازے کے سامنے جا کھڑا ہوا اور گھنٹی بجائی۔ گارڈ نے دروازہ کھول دیا۔ پیچھے سے وکیل افسوس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔

کاٹن کینڈی مین... کاٹن کینڈی مین....

ایک لمحے میں وہ جان گیا تھا کہ یہ ای میل کس کی طرف سے آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کا سورج ابھی بادلوں کے پیچھے چھپا رنگ برنگی عمارتوں سے بنے ''بلت'' کے علاقے کو سرمئی سایے میں کھڑے دیکھ رہا تھا۔ مالا کے اسٹوڈیو اپارٹمنٹ کے لونگ روم جمع کچن کی بتیاں روشن تھیں۔ وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس کھڑی الیکٹرک کیٹل میں پانی ڈال رہی تھی۔ بال چھوٹی پونی میں بندھے تھے اور آنکھیں ابھی تک نیند سے بھری تھیں جب موبائل بجا۔

کیٹل کا بٹن آن کر کے وہ لونگ روم کے واحد تھری سیٹر تک آئی۔ کشن ادھر ادھر کیا۔ پہلے ریموٹ برآمد ہوا جو کل بہت تلاش کرنے پہ بھی نہیں ملا تھا۔ پھر گدیوں کے درمیان میں پھنسا موبائل نکالا جو تھرتھرا رہا تھا۔ اسکرین پہ روشن نام دیکھ کے گہری سانس لی۔

''ہیلو؟''

''تمہاری بیربل سے بات ہوئی ہے؟'' ماہر کی آواز سے وہ اس کی کیفیت کا اندازہ نہیں کر پائی۔ وہ خفا تھا یا تھکا ہوا؟

''نہیں۔'' وہ ٹھہر گئی۔ ''کیا وہ رات بھر گھر نہیں آیا؟''

گزشتہ شام آفس میں ہونے والا واقعہ اس کی یادداشت میں تازہ تھا۔

''کہا تھا نا۔ اس کو صدمے کو پروسیس کرنا نہیں آتا۔'' وہ اب اس کا لہجہ پڑھ سکتی تھی۔ جھنجھلاہٹ۔ دبا دبا غصہ۔ اور فکرمندی کا سایہ۔

''کیا اس نے کوئی میسج وغیرہ...''

''کچھ کاغذات ہیں جو چنگیز نے تم سے سائن کروانے کے لیے کہا ہے تاکہ درخواست پہ کام شروع ہو۔'' اس نے سنا ہی نہیں۔

''مجھے پولیس اسٹیشن جانا ہوگا؟''

''نہیں۔ وہ مجھے بھیج دے گا۔ میں بلت سے ہوتا ہوا آفس جاؤں گا۔''

وہ پوچھنے لگی کہ اگر اسے لمبا چکر پڑنا ہے تو وہ پولیس اسٹیشن جا سکتی تھی۔ لیکن ماہر نے کال کاٹ دی۔ اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ پھر بڑبڑ کی آواز پہ چونکی۔ کیٹل میں رکھے پانی میں بلبلے ابھر ابھر کے چھلانگیں لگا رہے تھے۔ وہ بھاگ کے آگے آئی اور جلدی سے بٹن بند کیا۔

بلبلے تھم گئے اور دھیرے دھیرے مرتے گئے۔

وہ کہاں رہتا تھا جو بلت اسے راستے میں پڑتا تھا؟ انسٹنٹ کافی پانی میں گھولتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔

ماہر نے موبائل کان سے ہٹا کے نیچے کیا۔ وہ لاؤنج کے سیاہ طویل صوفے پر بیٹھا تھا۔ اونچے سیاہ سفید پردے کھڑکیوں کے آگے برابر تھے۔ اسی پل لونا (ہلال کا گائیڈ ڈوگ) کمرے سے بھاگتی ہوئی باہر آئی۔ اسے دیکھ کے ٹھہر گئی۔ پہلے دم ہلائی۔ پھر اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی یہاں تک کہ اس نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھ نہ لیا۔ مگر ماہر کی نگاہ کی سنجیدگی پہ لونا کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔ پھر گردن گھما کے بیربل کے کمرے کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔

''وہ نہیں آیا۔'' ماہر نے قدرے بے زاری سے پکارا۔ مگر بھوری سنہری سی لونا دم ہلاتی بیربل کے دروازے کی درز سے اندر گھس گئی۔ ماہر نے پلٹ کے دیکھا۔ اب وہ باری باری ہر شے کو سونگھ رہی تھی۔

اس نے سر جھٹکا اور موبائل اسکرین روشن کی۔ چنگیز کا نیا میسیج آیا تھا۔

''چند کاغذات پر سائن کروانے ہیں۔ کشمالہ کے۔''

''مجھے بھیج دو۔ کروا دوں گا۔''

''اس کے ایڈریس پہ بھیجنا بہتر ہے۔''

''کہا نا مجھے بھیج دو۔''

''کیا وہ تمہارے ایڈریس پہ رہ رہی ہے؟'' باقی گفتگو مالا کی کال سے پہلے ہوئی تھی۔ یہ آخری میسیج کال کے دوران موصول ہوا تھا۔ اس کی انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

''ہاں۔ وہ یہیں ہے۔''

''آپ اپ سیٹ ہیں؟''

آہٹ پہ وہ چونکا۔ گردن پھر سے موڑی۔ لونا اب بیربل کے بیڈ پر جا کے لمبی لیٹ گئی تھی۔ اور ہلال پیچھے کھڑی

تھی۔ نائٹ سوٹ میں ملبوس اس کے لمبے گھنگریالے بال کمر پر گر رہے تھے۔ وہ بنا کسی چھڑی سے چلتی ہوئی سامنے خلا میں دیکھتی آگے بڑھ رہی تھی۔ ہر قدم کو پہچان تھی کہ وہ کہاں پڑے گا۔ صوفے کے کنارے وہ رکی۔ ہاتھ سے اسے ٹٹولا۔ اس کا سپید گلابی چہرہ پڑھا نہیں جا سکتا تھا۔

''کیونکہ... کیونکہ بیربل بھائی گھر نہیں آیا؟'' وہ رک رک کے سوچتی ہوئی بول رہی تھی۔

''وہ کچھ وقت گھر نہیں آئے گا۔ اسے...'' وہ رکا۔ ''اسے مالک کے بارے میں علم ہو گیا ہے۔''

''اوہ۔'' ہلال کے ہونٹ گول ہوئے۔ اس کے تاثرات دوسرے انسانوں کی نسبت مدھم سے ہوتے تھے۔ وہ حیران تھی یا افسردہ وہ فیصلہ نہ کر سکا۔

''اس کو مت بتانا کہ تم جانتی تھیں۔ وہ مزید اپ سیٹ ہو گا۔'' وہ جانتا تھا کہ وہ جانتی تھی۔ وہ ہلال سے بہت کم کچھ چھپا نہیں سکتا تھا۔ مگر ہلال سب کچھ چھپا سکتی تھی۔

''آپ اپ سیٹ ہونے کے ساتھ ساتھ...'' وہ رکی۔ آنکھیں کسی سوچ سے چھوٹی ہوئیں۔ وہ اس کے کندھوں کے عین پیچھے کھڑی تھی۔ دھیرے سے قریب آئی۔ پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ سر جھکائے موبائل کو دیکھ رہا تھا۔

''پریشان بھی ہیں۔ جیسے کسی نے... آپ کو کچھ کرتے دیکھ لیا ہو۔'' وہ جیسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ماہر نے سر جھٹکا۔

''کچھ نہیں۔ زیادہ نہ سوچا کرو۔ میں آفس کے لیے تیار ہونے جا رہا ہوں۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید اس کو پڑھنے لگ جائے۔

''کیا میں مالا سے مل سکتی ہوں؟''

وہ جو اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا وہیں ٹھہر گیا۔ سیڑھیوں سے چند قدم کے فاصلے پر۔

''وہ صرف اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے آئی ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم اسے اپنے گھر اور معاملات سے دور رکھیں؟'' سختی سے کہا تھا۔

''اس کا نام بدر ہے۔'' وہ پیچھے سے پکار اٹھی۔ ماہر آگے بڑھتا گیا۔

''آپ اس کا نام کیوں نہیں لیتے؟'' وہ دھیمی آواز میں پوچھ رہی تھی۔ ماہر نے ان سنا کر دیا۔ وہ اب کمرے کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ صبح کی روشنی میں نیم اندھیرا لاؤنج ویران رہ گیا۔

لونا ابھی تک اداس سی بیر بل کے بستر پر لیٹی تھی۔

اس کی دم مسلسل ہل رہی تھی۔ دائیں بائیں۔ دائیں بائیں۔

ان سے کئی میل دور اپنے آفس میں بیٹھے چنگیز نے ریسیور اٹھا کے ایک بٹن دبایا۔ "وہ کاغذ ماہر بے کے گھر بھیج دو۔ "رک کے بات سنی۔ "نہیں کشمالہ حانم وہاں نہیں رہتیں لیکن ماہر بے ہمیں نہیں بتانا چاہتے کہ وہ کہاں رہتی ہیں۔ "رک کے گہری سانس لی۔ "کیا مطلب کیوں؟ کیا تمہیں سمجھ نہیں آیا؟ وہ ابھی تک خود کو اس کا محافظ سمجھتا ہے۔ "افسوس سے سر جھٹک کے ریسیور رکھا اور جمائی روکی۔ وہ رات سے کسی دوسرے کیس کی وجہ سے تھانے میں تھا اور اب گھر جا کے آرام کرنا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورج بالآخر بلت پہ چھائے بادلوں کی درز سے جھانکنے لگا تھا۔ رنگ برنگی عمارتوں کے درمیان گلیوں میں رونق جاگ گئی تھی۔

نارنجی اسکوٹر والے کیفے میں رش لگا تھا۔ باہر بچھی نارنجی میز کرسیاں بھی بھری ہوئی تھیں۔ کیفے دو گلیوں کے دہانے پہ تھا جو دائیں بائیں سے ''وی'' کی صورت میں اوپر جاتیں۔ سامنے سڑک تھی جو ڈھلان کی صورت نیچے جاتی۔ سڑک کے اختتام پہ سمندر تھا۔ کیفے کی کرسی پر بیٹھے دیکھو تو یوں لگتا سڑک نیچے سمندر میں گم ہو رہی ہے۔

لیکن اس میز پہ بیٹھی ان دونوں لڑکیوں کے پاس سر اٹھا کے دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔

مالا سر جھکائے آئی پیڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔ کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑس کے چہرے پر آنے سے روک رکھے تھے۔ ساتھ بیٹھی سنبل لیپ ٹاپ میز پر رکھے انگلیاں تیز تیز چلا رہی تھی۔ وہ ایک مقامی فوٹو گرافر تھی جس کے ساتھ وہ استنبول میں کولیب کرتی تھی۔ سیاہ بالوں کی اونچی پونی بنائے، سیاہ جیکٹ پہنے وہ موٹر سائیکل چلاتی تھی۔ ہیلمٹ خالی کرسی پر رکھا تھا۔ اور میز پر دو کافی کپ جن کے ڈھکن لگے تھے رکھے تھے۔ اور ادھ کھائے کروسنٹ۔

''کتنا مشکل ایونٹ تھا یہ۔'' دفعتاً سنبل نے جھرجھری لی۔ مالا نے چہرہ اٹھایا۔ پھر گردن آگے جھکا کے سنبل کی اسکرین کو دیکھا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔

''اونہوں، سنبل۔''

''ایونٹ مشکل نہیں تھا؟''

''گریڈنگ ایسے مت کرو۔ دلہن کی اسکن ٹون یا میک اپ کا رنگ نہیں بدلنا چاہیے۔ دیکھو یہاں...'' اس نے انگلی سے اسکرین کو چھوا۔ ''اس کی لپ اسٹک کا رنگ بدل گیا ہے۔''

سنبل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''ہر فوٹو گرافر کے اپنے رنگ ہوتے ہیں، مالا۔ یہ میرے رنگ ہیں۔''

''لیکن وہ میری کلائنٹ ہے اور مجھے سختی سے اسی بات کی تاکید کر چکی ہے۔'' نرمی سے مسکرا کے یاد دلایا۔ سنبل نے گہری سانس لے کر سر ہلا دیا۔ انگلی کرسر پر تیز تیز گھمانے لگی۔

''سنو یہ شاٹ کیسا ہے؟ انسٹا پہ پوسٹ کرنے کے لیے؟'' مالا نے آئی پیڈ اس کے سامنے کیا۔ وہ کافی دیر سے ایونٹ کی تصویروں میں سے منفرد اور چونکا دینے والے زاویے ڈھونڈ رہی تھی جو پوسٹ کیے جا سکیں۔

''بہترین۔'' وہ جھجکی۔ ''آپ شادیاں کیوں کور کرتی ہیں؟ ان میں کوئی آرٹ کوئی الوژن نہیں ہے۔'' اس کا انداز شکایتی بھی تھا اور مایوسانہ بھی۔

''شادی ہی تو سب سے بڑا الوژن ہے۔'' مسکرا کے سر جھٹکا۔ ''اور مجھے بلز بھی پے کرنے ہوتے ہیں، سنبل۔ پھر اس کلائنٹ کو اکتوبر کے سرمئی موسم میں شادی کر کے اسے بہار کا رنگ دینا تھا۔ کیونکہ دلہن کو spring wedding چاہیے تھی۔'' شانے اچکا کے واپس اسکرین پر انگلی پھیرنے لگی۔

''ہمیں اگلے ایونٹ کے لیے ڈرون سے شوٹ کرنے کا پرمٹ بھی چاہیے۔ وہ آپ کا ورک پرمٹ بنوا دے گا؟''

''کون؟''

''وہ آدمی... آپ کا پرانا فیملی فرینڈ...'' (مالا کی انگلیاں سست ہوئیں... اور سنبل کا لہجہ کڑوا...) ''ویسے عجیب انسان ہے۔ اس شرط پہ آپ کی مدد کر رہا ہے کہ آپ کا پاسپورٹ رکھ لے گا۔''

''اس بہانے ورک پرمٹ مل جائے گا۔ اور ہم دوسرے فوٹو گرافرز کی طرح سیاح بن کے ایونٹ کور نہیں کریں گے۔''

''آپ کو اس کی مدد نہیں لینی چاہیے تھی۔ پتہ نہیں وہ آپ کے پاسپورٹ کے ساتھ کیا کرے۔''

''مجبوری انسان سے سب کرواتی ہے۔'' سر جھکائے ایک ہاتھ سے کپ اٹھایا۔ ڈھکن کی درز کو ہونٹوں سے لگایا۔ پھر کپ واپس رکھا تو لپ اسٹک کا نشان ڈھکن کے دہانے پر رک گیا۔

''وہ ماہر فرید جو بھی ہے، آپ کی مجبوری سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ کھڑوس۔'' سنبل نے زور دے کر دہراتے

ہوئے کافی کپ اٹھایا۔ ''دو سال سے اسٹڈی ویزہ پہ ہوں یہاں۔ یہ استنبول کے لوگ نا بہت ہی مادہ پرست اور دھوکے باز ہیں۔ مشینی۔ خودغرض۔ ڈالرز کے لیے یہ اپنے...''

''...ماں باپ کو بھی بیچ سکتے ہیں۔''

جہاں مالا نے چونک کر سر اٹھایا وہاں سنبل گڑبڑا کے پلٹی۔ کافی چھلک گئی۔ چند قطرے اسکرین پر گرے۔

وہ شخص ان کی میز کے دہانے آ رکا تھا۔ دور سڑک کنارے پارکنگ میں ایک سیاہ چمکتی ہوئی کار کھڑی تھی جو چند منٹ پہلے وہاں نہیں تھی۔

مالا نے آئی پیڈ بجھا کے نیچے رکھا۔ اور زبردستی مسکرائی۔

''ماہر... یہ سنبل ہیں میری کولیبریٹر۔ اور سنبل یہ ہیں (اس نے بہت وقت سے خود کو کھڑوس کہنے سے روکا۔) ماہر فرید ... میرے فیملی فرینڈ جن کا ہم ابھی ذکر کر رہے تھے۔''

سنبل کی کافی حلق سے نہ نگلی گئی نہ اگلی گئی۔ وہ گھبراہٹ میں جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہیلو۔'' نروس سا مسکرائی۔

''ہیلو، سنبل۔ بیٹھو۔'' وہ سنجیدہ چہرے اور سرمئی سوٹ والا کلین شیو آدمی تیسری کرسی کھینچ رہا تھا۔ وہ کرسی مالا کے مقابل تھی۔ وہ اسی طرح پرسکون سی بیٹھی رہی تھی۔

''ہم استنبول میں ساتھ کام کرتے ہیں۔ وقت کم ہے ہمارے پاس۔ امید ہے آپ کو سنبل کے یہاں ہونے پہ اعتراض نہیں ہوگا۔'' وہ اسی سادگی سے ماہر کو دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے بس سر کو خم دیا اور کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے بیٹھا۔ اس کا پرفیوم تیز تھا۔ غالباً نوٹ woody تھا یا شاید کچھ اور ٹینٹل سا۔ وہ فیصلہ نہ کر سکی۔ اس آدمی کے پاس سے ہر دفعہ مختلف خوشبو آتی تھی۔

''تھینکس۔'' سنبل خوامخواہ بولی۔ پھر احساس ہوا کہ صرف وہی کھڑی ہے تو جلدی سے بیٹھی۔

''آپ کا ذکر سنا تھا۔ اچھا ہوا آج ملاقات بھی ہوگئی۔'' وہ پھیکا سا مسکرائی۔ وہ ایسے بیٹھی تھی کہ ان دونوں سے نوے کے زاویے پہ تھی۔

(اس نے کتنا سنا تھا؟ بس کھڑوس نہ سنا ہو۔)

کیفے کے باہر نارنجی چھجے تلے رکھی اس میز پہ چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ اس دوران ماہر کرسی پر بیٹھ گیا اور ایک سرسری نگاہ میں اس لڑکی کا جائزہ لے لیا۔

اس کے بال۔ کپڑے۔ بیگ کی حالت۔ فون کا ماڈل۔ نگاہ جوتوں تک گئی۔ (اسٹوڈنٹ۔ فری لانسر۔ بنا ورک ویزے کے کام کر رہی تھی۔ اور مالا نے اسے صرف اسی لیے بلایا تھا تاکہ میں اس کو پھر سے بیربل کے لیے موردالزام نہ ٹھہرا سکوں۔ اسمارٹ۔)

''نائس ٹو میٹ یو، سنبل۔'' بظاہر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''آپ.. آپ کچھ لیں گے؟'' سنبل ابھی تک نروس تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھے شخص کی ایک گہری نظر اور مسکراہٹ سے اسے لگا وہ اس کے اندر باہر دیکھ چکا ہے۔

''اوں ہوں۔'' مبہم سا کہہ کے گردن موڑی۔ وہ ہاں تھا یا نہیں وہ سمجھ نہیں سکی۔ پھر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ ایک لفافہ نکال کے مالا کے سامنے رکھا۔ پھر بنا کچھ کہے اٹھ گیا۔ اب وہ کیفے کے اندر جا رہا تھا۔ یعنی یہ ہاں تھا۔

ماہر فرید گلاس ڈور کھول کے اندر چلا گیا تو وہ فوراً اس کی طرف مڑی۔

''یہ ہے وہ کھڑوس آدمی؟'' آنکھیں پھیلائے دبا دبا سا چلائی۔

مالا نے ہوں کہہ کے کاغذ کھولے۔ (وہ اسے کوریئر بھی کر سکتا تھا۔ ایک دستخط ہی تو تھا۔)

اس نے چوتھی کرسی پر سنبل کے ہیلمٹ کے ساتھ رکھے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ پین کہاں رکھا تھا؟

''کیا یہ سنگل ہے؟'' سنبل دلچسپی سے گلاس وال کے پار کھڑے ماہر کو دیکھ رہی تھی جو کاؤنٹر پر جھکا باریستا سے کچھ کہہ رہا تھا۔

''نہیں۔ شادی ہونے والی ہے۔''

سنبل کے چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔ پھر دوبارہ سے تجسس جاگا۔

''ویسے یہ کون سا والا امیر ہے؟ old money یا سیلف میڈ؟''

''ایک زمانے میں میرا ڈرائیور ہوتا تھا۔ خود سوچ لو۔''

سنبل نے پہلے مالا کو دیکھا جو کاغذات کو دیکھ رہی تھی۔ پھر سڑک کے کنارے کھڑی اس سیاہ کار کو۔ پھر ہنس کے سر جھٹک دیا۔ مالا مذاق بھی سنجیدگی سے کر لیتی تھی۔

''کیا اس درخواست کے بعد وہ کام شروع کریں گے؟''

جب تک وہ اپنا کپ لیے واپس آیا وہ قلم ڈھونڈ کے دستخط کر چکی تھی۔

''ہاں۔'' ماہر نے کپ کا ڈھکن اتار کے میز پر رکھا۔ جہاں گہرے روسٹ شدہ کافی بینز کی مہک ابھری وہاں

چند قطرے میز پوش کو بھگو گئے۔ اب وہ شکر دان سے کیوبز نکال کے کافی میں ڈال رہا تھا۔ ایک، دو، تین... مالا کی نگاہیں کیوبز سے ہوتی ہوئیں ہیلمٹ کے ساتھ رکھے بیگ پہ گئیں جس کا منہ کھلا تھا۔ البتہ ماہر کی نگاہ ابھی وہاں نہیں پڑی تھی۔

اوہ نو۔

اس نے تیزی سے بیگ اٹھایا اور قدموں کے ساتھ رکھ لیا۔ ماہر نے چونک کر بیگ کو دیکھا، پھر ایک نظر اسے۔ لیکن وہ اب کاغذات کو دیکھ رہی تھی۔ (اس نے وہ کمفرٹ اسٹون نہیں دیکھا ہوگا۔ یقیناً۔ اللہ کرے۔)

وہ کچھ نہیں بولا۔ کافی میں شکر مکس کرتا رہا۔ (اس نے بیگ کیوں نیچے رکھا؟ وہ کچھ چھپا رہی تھی۔ مگر کیا؟)

''کیا بدرمل جائے گا؟'' سنبل کھنکھاری۔ وہ مسکرا بھی رہی تھی۔ (بس اس نے کھڑوس کا لفظ نہ سنا ہو۔ باقی خیر تھی۔)

''دیکھتے ہیں۔'' وہ اب ٹانگ پر ٹانگ جمائے کپ کو ہونٹوں سے لگا رہا تھا۔

ایک تناؤ بھری خاموشی اس نارنجی میز پہ چھا گئی۔ ورنہ آس پاس بہت شور تھا۔ ایک آدمی مالٹے کی ریڑھی دھکیلتا اس طرف آ رہا تھا۔ نارنجی گیندیں مینار کی صورت کھڑی تھیں۔ پکے رسیلے مالٹے جن کی خوشبو ماہر کی کافی کی مہک میں شامل ہو گئی تھی۔

''اب مزید کیا کرنا ہے مجھے؟''

مالا غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

(اگر وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا تو کہہ دے۔ یا پھر جائے۔ بیٹھا کافی کیوں پی رہا تھا؟)

''درخواست میں کسی چیز کا اضافہ کرنا ہے تو بتا دو۔'' وہ مالٹے کی ریڑھی کو دیکھ رہا تھا جو قریب آ رہی تھی۔

(اسے اس سنبل کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟)

''کس قسم کا اضافہ؟'' اس کے ماتھے پر بل پڑے۔ کیا وہ سنبل کی وجہ سے غیر آرام دہ تھا؟ مگر مالا نے اسے نہیں بلایا تھا۔ کام بہت تھا۔ وہ خود ہی آ گئی تھی۔

''یعنی...'' ماہر نے شانے اچکائے اور اس سے نگاہ ملائی۔ ''اگر تم نے پولیس سے کوئی بات چھپائی ہے تو... بتا دو۔'' اس کی آنکھوں میں طنز کی جھلک تھی۔ کشمالہ مبین کی پیشانی سلوٹ زدہ ہوئی۔

''باتیں چھپانا میرا شیوہ نہیں ہے۔ جو جانتی تھی بتا دیا۔ اگر یہ چاہتے ہو کہ زیادکو نامزد کروں تو...''

''کاٹن کینڈی مین۔آپ نے اس کے بارے میں بتایا پولیس کو؟''

وہ جو برہمی سے کہہ رہی تھی سنبل کی بات پہ رک گئی۔ماہر نے گردن پوری سنبل کی جانب موڑی۔

''کاٹن کینڈی مین؟'' باری باری دونوں کو دیکھا۔

''ہاں نا... میں وہیں تھی... گلاطہ ٹاور کے قریب... جب وہ کاٹن کینڈی مین آیا تھا...'' سنبل رک گئی۔مالا کو دیکھا۔ابرو اٹھایا۔(کیا یہ نہیں بتانا تھا؟)

''کون کاٹن کینڈی مین؟'' ماہر نے کپ نیچے رکھ دیا۔

''شاید یہ اتنی اہم بات نہیں ہے۔شاید میرا وہم ہو۔'' مالا کی آواز ہلکی تھی۔

''کون کاٹن کینڈی مین؟'' وہ ابرو اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

کشمالہ نے پہلو بدلا۔پھر گہری سانس لی۔

''ہم گلاطہ کے پاس شوٹ کر رہے تھے۔آج سے کوئی تین چار ماہ پہلے۔وہ چند منٹ کے لیے نظروں سے غائب ہوا تھا۔پھر مل گیا...''

''میں بتاتی ہوں۔''

وہ رک رک کے بتا رہی تھی جب سنبل نے بے چینی سے بات اچک لی۔مالا نے گود میں رکھی مٹھی بھینچ لی۔

''ہم شوٹ کر رہے تھے...'' وہ ماہر کی طرف پوری گھوم کے قدرے جوش سے بتانے لگی۔وہ ان لوگوں میں سے تھی جو خاندان کی گیدرنگز میں سب سے زیادہ لطیفے اور قصے سناتے ہیں۔

''علی الصبح کا شوٹ تھا۔اور دلہا دلہن ایک دوسرے سے ناراض لگتے تھے۔خیر اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں۔شادی تب کرتے ہیں جب ایک دوسرے سے بور ہو چکے ہوتے ہیں۔اچھا خیر... بدر ہمارے ساتھ ہی تھا۔''

''تمہارا بیٹا شوٹ پہ تمہارے ساتھ تھا؟'' ماہر نے دونوں ابرو اٹھائے۔

''ہوں۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا۔بھنچی ہوئی مٹھی مزید سخت کر لی۔ناخن ہتھیلی میں کھب گئے۔

(کیا وہ اس کی مامتا کو جج کر رہا تھا؟)

''ہاں نا۔بدر ہمیشہ ساتھ ہوتا ہے۔سو پھر یہ ہوا کہ وہ اچانک گم گیا۔ہم نے اسے آگے پیچھے بہت ڈھونڈا۔کچھ دیر بعد وہ مل گیا۔لیکن اس کے ہاتھ میں کاٹن کینڈی تھی۔اسے کسی کاٹن کینڈی مین نے دی تھی۔''

کشمالہ مبین نے بہت ضبط سے سنبل کے نیم رخ کو دیکھا۔وہ ماہر کی طرف گھومی تیز تیز بول رہی تھی۔دائیں

جانب کیفے کی شیشے کی دیوار میں اسے ایک دوسری سنبل ایک دوسرے ماہر کو وہی سب بتاتی دکھائی دے رہی تھی۔

''ٹھہرو... ٹھہرو...'' ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ انگلی میں پہنی انگوٹھی دمکی۔ ''تمہیں کیسے معلوم کہ وہ کاٹن کینڈی مین تھا؟ وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔''

مالا نے تھوک نگلا۔ ہونٹ بھینچے خاموش بیٹھی رہی۔ وہ جانتی تھی وہ کیا پوچھے گا۔ اسی لیے وہ اسے یہ بات نہیں بتانا چاہتی تھی۔

ادھر سنبل نے پورے وثوق سے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں نا۔ وہ کوئی جاننے والا نہیں تھا۔ میں نے بدر سے پوچھا تھا کہ کیا وہ کوئی کاٹن کینڈی مین تھا۔ اس پہ بدر نے...'' سنبل کی زبان کو ایک دم بریک لگی۔ جیسے ٹھوکر کھا کے گر گئی ہو۔

''پھر؟''

سنبل نے بے اختیار مالا کو دیکھا جس کی رنگت قدرے پھیکی تھی۔ (اوہ نو۔)

چند لمحے نارنجی میز پہ خاموشی چھا گئی۔

''پھر؟ تم نے کشمالہ کے بیٹے سے پوچھا... تو اس نے کیا کہا؟'' ماہر نے سنبل کو غور سے دیکھتے ہوئے ہاتھ گھمایا۔ آگے بتاؤ۔

سنبل پیچھے ہوئی۔ تھوک نگلا۔ پہلے مالا کو دیکھا پھر ماہر کو۔

''میں نے... میں نے پوچھا وہ کاٹن کینڈی مین تھا؟ تو... اس نے... اس نے سر ہلایا۔''

''صرف سر ہلایا؟ یا کچھ کہا؟''

''سر ہلانے کا یہی... یہی مطلب ہے نا...'' سنبل نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

''نہیں مگر اس نے کچھ تو کہا ہوگا۔ کہ کاٹن کینڈی دینے والا کون تھا۔ مرد تھا؟ عورت تھی؟ وہ ساڑھے تین سال کا بچہ تھا... ہے۔ اپنی بات سمجھا سکتا ہوگا... نہیں؟'' اچھنبے سے کشمالہ کو دیکھا۔ اس کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔

''وہ کینڈی کھا رہا تھا نا۔ پھر ہم نے نہیں پوچھا۔'' سنبل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیسے اس بات کو کور کرے۔

''یعنی ایک اجنبی نے تمہارے بچے کو کینڈی دی۔ اور تم نے اسے وہ کھانے دی؟ اور تم نے اپنے بچے سے اس کا حلیہ تک نہیں پوچھا؟'' اس نے ملامتی انداز میں مالا کو دیکھا۔

وہ بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ لب بھینچے۔

''اور تم لوگوں نے خود ہی سے فرض کر لیا کہ وہ کوئی کاٹن کینڈی مین تھا؟ وہ کوئی جاننے والا بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا اغوا کار بھی ہو سکتا ہے۔ تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟''

اسے جیسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

''مجھے لگا شاید یہ اہم نہیں ہے۔'' کشمالہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اکثر لوگ گزرتے ہوئے بچوں کو کینڈیز پکڑا دیتے ہیں۔ اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ میں کافی لے لوں۔'' وہ اٹھ کے کیفے کی طرف بڑھ گئی۔

شیشے میں اسے ایک دوسری مالا میز پہ بیٹھے اشخاص کے قریب سے گزرتی دکھائی دی۔ دروازہ کھولا اور وہ اندر غائب ہو گئی۔

میز پر رکھی اس کی ادھ پی کافی ویسی ہی پڑی رہی۔

''نہیں مگر یہ بات پولیس کو بتانی چاہیے تھی۔ ایک اجنبی انسان ایسے کیسے...'' وہ اکتاہٹ سے کہہ رہا تھا جب...

''بدر بول نہیں سکتا۔''

سنبل کی آواز دھیمی تھی لیکن اس میں ہلکا سا جوش بھی تھا۔ کسی انجان شخص کو ایک بری خبر سنانا اور اس کے تاثرات دیکھنا۔

وہ بولتے بولتے ٹھہر گیا۔

''کیا مطلب؟'' ناسمجھی سے سنبل کو دیکھا۔

''کہا نا نہیں بول سکتا۔ اس کو autism ہے لیکن...'' سنبل نے بے چین نگاہ شیشے کی دیوار پہ ڈالی۔ ''لیکن مالا نہیں مانتیں۔ ان کو لگتا ہے وہ بچہ نارمل ہے۔ لیکن وہ نارمل نہیں ہے۔ میں اس سے ملی ہوں۔ وہ کبھی نہیں بولا۔''

ماہر اسی طرح ناسمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''کیا مطلب بول نہیں...''

''اوہو بتا رہی ہوں نا وہ آٹسٹک ہے۔'' سنبل نے زچ ہو کے آواز سرگوشی میں بدلی۔ بار بار گلاس ڈور کو بھی دیکھتی۔ مالا اب کاؤنٹر سے کافی لیے پلٹ رہی تھی۔

''کچھ بچے نہیں بول سکتے نا۔ جیسے کچھ بچے دیکھ نہیں سکتے یعنی اندھے...''

''تمام... تمام...'' اس نے تیزی سے ہاتھ اٹھایا۔ کنپٹی کی رگیں تن گئیں۔

سنبل اب پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔ مالا اب دروازہ کھول کے اس طرف آ رہی تھی۔

وہ جب تک گرم کپ لیے میز تک واپس پہنچی تو سنبل کہنیاں میز پر جمائے سادگی سے مسکرا رہی تھی۔ اور ماہر... اس کا چہرہ بے تاثر تھا اور ایک ہاتھ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔

اسے دیکھ کے ماہر نے نگاہ اپنی کافی پہ جھکا لی۔

''تم...'' وہ کھنکھارا۔ اب الفاظ کا نکلنا مشکل تھا۔

مالا نے بغور اسے دیکھا اور پھر سنبل کو۔ (وہ اسے بتا چکی تھی۔)

''تم اپنے بیٹے کو اچھے سے جانتی ہو۔ کیا اس نے پہلے کبھی کاٹن کینڈی مین دیکھے ہیں؟''

''ہاں۔ ہم ایک دفعہ سٹی فیئر میں گئے تھے۔ چند ہفتے پہلے۔ وہاں ایک یونیفارم میں کاٹن کینڈی مین تھا۔ ہو سکتا ہے اس آدمی کا بھی ویسا ہی حلیہ ہو۔''

''ہو سکتا ہے۔ تمہیں وہ تاریخ اور وقت یاد ہے؟'' اپنے کپ کو دیکھتے ہوئے ماہر نے پوچھا۔ وہ اس کی جھکی آنکھوں میں کچھ اور بھی دیکھ سکتی تھی۔ کچھ غیر آرام دہ سا۔ شکست خوردہ سا۔ اُف سنبل۔

''بالکل۔ ہم اس وقت شوٹ کر رہے تھے۔ تصاویر پر ٹائم اسٹیمپ ہے۔''

''گڈ۔ ہم ویک اینڈ پہ اسی جگہ جائیں گے۔'' وہ کپ لیے اٹھ کھڑا ہوا گو کہ اس کا کپ خالی تھا۔ وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

(کیا وہ صرف پیپرز سائن کروانے آیا تھا؟ یا وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا؟)

''بس؟ یا کچھ اور؟'' اس نے سادگی سے پوچھا تھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ماہر کی نگاہ اٹھی۔ چند لمحے وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر سر کو نفی میں جنبش دی۔

''بیربل سے رابطہ ہو تو مجھے بتانا۔''

مالا کی پیشانی کی سلوٹیں ڈھیلی ہو گئیں۔ اثبات میں سر ہلایا۔

وہ صرف کاغذات سائن کروانے نہیں آیا تھا۔ وہ بیربل کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ پریشان تھا۔

اب وہ پلٹ کے کار کی طرف جا رہا تھا۔ سنبل بیٹھے بیٹھے دلچسپی سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

''آپ اس بندے کو کیسے جانتی ہیں؟''

''ڈرائیور تھا میرا۔''

سنبل نے اب کے بدمزہ ہو کے اسے دیکھا۔

''آف کورس۔ڈرائیور۔'' آنکھیں گھما کے بڑبڑائی۔

جب وہ بیٹھ گئی اور اپنا آئی پیڈ دوبارہ روشن کرلیا تو سنبل کھنکھاری۔

"He likes you."

مالا نے رک کے اسی سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''اس وقت وہ سب سے زیادہ مجھے ناپسند کرتا ہے۔تم نہیں جانتیں۔''

''چچ...''سنبل نے ترکوں کے انداز میں تھوڑی اوپر اٹھائی۔پھر ہاتھ جھلا کے لیپ ٹاپ اسکرین کھول لی۔جیسے اسے سمجھانا فضول ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کی عمارت کے اندر وہ ایک عام سا دن تھا۔مین ہال میں سینٹ ڈفیوزر کی خوشبو اور پرنٹر کی انک کی مہک مکس ہوگئی تھی۔شبنم اپنی کرسی پر براجمان کی بورڈ پر کچھ ٹائپ کر رہی تھی جب کنکھیوں سے اسے لفٹ کے کھلتے دروازے دکھائی دیے۔

اگلے ہی لمحے اس کے اعصاب تن گئے۔نگاہیں بالکل اسکرین پہ ایسے فوکس کرلیں جیسے اردگرد کا کوئی ہوش نہ ہو۔

زارینہ فرید اسی طرف آرہی تھی۔شبنم کی انگلیاں مزید تیزی سے چلنے لگیں۔حلق خشک ہوگیا۔

آدھا سفید آدھا سیاہ مڈی ڈریس پہنے سفید لانگ بوٹس کی جھلک۔ٹھک ٹھک قریب آتے قدم۔بہت سے سر اٹھے۔مرحبا۔سلام گونجا۔شبنم کو اپنے ہینڈز فری یاد آئے جو اوپری دراز میں رکھے تھے لیکن اب تک دیر ہوچکی تھی۔

''ماہر اندر ہے؟''

شبنم نے بھرپور چونک کر چہرہ اٹھایا۔پھر چہرے پر خوشگوار مسکراہٹ طاری کی۔

''ارے زارینہ حانم۔کیسی ہیں آپ؟'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

لمبے بل دار بالوں والی زارینہ جو پہلے ہی دراز قد تھی، وہ لانگ بوٹس کی ہیلز کے باعث شبنم سے بہت اونچی دکھائی دیتی تھی۔شبنم کو پوری گردن اٹھانی پڑی تھی۔

''گڈ۔'' وہ رسماً مسکرائی۔ملائم چہرہ ہر لکیر سے پاک۔آنکھوں میں ہلکا سا مسکارا۔نیچرل میک اپ۔رنگت

مزید ٹین تھی۔ وہ خود کو خود سا نولا کرتی تھی۔

''ماہر؟'' آنکھیں گھما کے اسے یاد دلایا۔

شبنم نے تھوک نگلا۔

''وہ... ابھی آفس نہیں آئے۔''

زارا کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑیں۔

''لیکن اردل تو باہر کھڑا ہے۔''

''یعنی... وہ صبح آفس آئے تھے لیکن پھر چلے گئے۔ انہیں کہیں جانا تھا۔''

''اردل کے بغیر؟ خود ڈرائیو کر کے؟ مگر کہاں؟''

شبنم نے مسکرا کے کندھے اُچکائے۔

''مجھے بتاتے تھوڑی ہیں۔'' پھر شبنم واپس بیٹھی۔ اسکرین روشن کی اور چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔

''اس پہر کی ٹریفک میں وہ خود ڈرائیو کر کے کہاں جائے گا؟'' اس نے پوچھا نہیں۔ صرف سوچا۔ پھر آگے بڑھ گئی۔ ماہر کے آفس کا دروازہ کھولا اور اندر گم ہو گئی۔

آفس خاموش تھا۔ صندل وڈ کی خوشبو سے معطر۔ شاید کل شام ماہر نے یہی کینڈل جلائی تھی۔ میز کو دیکھ کے نہیں لگتا تھا کہ وہ اندر آیا تھا۔

(کیا اس نے تمہیں انگوٹھی دی تھی؟ یا پلاسٹک کا ایک کارڈ؟)

زارا قدم قدم چلتی ماہر کی سیٹ تک آئی۔ پھر پورے استحقاق سے اس پر بیٹھی۔ کندھے ڈھیلے پڑے۔ چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔ ہاتھ اونچا کر کے انگوٹھی کو دیکھا۔

(اسے عذرا کی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ ماہر خود اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے خود شادی کی بات کی تھی۔)

ماہر کی میز میں تین دراز تھے۔ بند۔ خاموش۔ جیسے رازوں سے بھرے ہوں۔ ایک زمانے میں اسے وہاں ایک ٹوٹی ہوئی نان خطائی ملی تھی۔ غیر ضروری کاربز۔ ہونہہ۔

وہ چند لمحے ان کو دیکھتی رہی۔ پھر جھکی اور ایک ایک کر کے دراز کھولے۔ چیک بکس۔ کاغذات۔ چند پتھر۔ آخری دراز میں ایک باکس تھا۔ اس نے باکس نہیں کھولا۔ ہلکا سا مسکرا دی۔ وہ سگار پھر سے پینے لگ گیا تھا لیکن سمجھتا تھا کہ کسی کو معلوم...

وہ رک گئی۔ باکس کے نیچے کچھ تھا۔ نیلا سا...

دو انگلیوں سے اس نے وہ شے نکالی۔

وہ ایک پاسپورٹ تھا۔

اس نے صفحے پلٹائے۔

کشمالہ مبین۔

سبز آنکھوں والی لڑکی۔

گو کہ پاسپورٹ کی تصویر اتنی اچھی نہیں آتی لیکن وہ اس میں بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ زارینہ ابرو بھینچے اسے دیکھے گئی۔ اس نے اس لڑکی کا نام کہاں سنا تھا؟ وہ اس نام کو پہچانتی تھی۔ لیکن یاد نہیں آ رہا تھا۔

اس نے موبائل نکالا اور پاسپورٹ کی تصویر کھینچی۔ پھر اسے واپس رکھ دیا۔ اندر اضطراب کی لہر اٹھی تھی۔

کسی لڑکی کا پاسپورٹ اس کے دراز میں کیوں تھا؟

کیا وہ واقعی ماہر فرید کو جانتی تھی؟

چند لمحے گزرے تھے جب دروازے پہ آہٹ ہوئی۔ زارا چونک کر سیدھی ہوئی۔ چہرے پر مسکراہٹ جمائی۔ وہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کے ہلکا سا چونکا۔ پھر دوستانہ انداز میں مسکرایا۔

''بیٹھو بیٹھو۔'' وہ کھڑی ہونے لگی تو اس نے ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''نہیں۔ تمہیں کام کرنا ہوگا۔ میں اپنی کچھ چیزیں لینے آفس آئی تھی۔ سوچا تم سے مل لوں۔ لیکن...'' وہ میز کے پیچھے سے نکل کے سامنے آ گئی۔

''تم تھے نہیں۔'' وہ مسکرا کے غور سے ماہر کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''تم کال کر دیتیں۔ میں ایک کام سے نکل گیا تھا۔'' وہ کوٹ اتارتے ہوئے اسٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔

''خیریت؟ تم ایسے بنا ڈرائیور کے چلے گئے؟'' وہ اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔

''ڈرائیور کو خود ہی نہیں لے کر گیا۔ یہ لوگ اتنے اعتبار والے نہیں ہیں۔'' کوٹ لٹکا کے وہ کرسی تک آیا۔ اسے کھینچ کے بیٹھا۔ ساتھ ہی کف کے بٹن کھولنے لگا۔ اس کا چہرہ مطمئن تھا۔ شفاف۔

''کسی خاص جگہ گئے تھے؟'' زارا اس سے نگاہ ہٹائے بغیر سامنے کرسی پر بیٹھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔ ہاتھوں کا حلقہ گھٹنوں کے گرد بنایا۔

ماہر نے کرسی سنبھالتے ہوئے اسے دیکھا۔

''کشمالہ سے پیپرز سائن کروانے گیا تھا۔'' توقف کیا۔ ''تمہیں یاد ہے کشمالہ؟''

''نہیں۔کون؟''

''مالک نے نہیں بتایا؟ کل بیربل کی بیکری پہ وہ ملا تھا اس سے۔'' ماہر کے چہرے پر ہلکا سا تعجب ابھرا۔اس کا انداز عام سا تھا۔

''بابا مجھے ملتے ہی کہاں ہیں۔'' اس کی آواز میں شکوہ ابھرا۔پھر سر جھٹکا۔ ''کون ہے یہ؟''

''زیاد کی بیوی۔جس نے مجھے اس قتل کیس میں پھنسایا تھا۔'' وہ اب میز پر رکھے چند کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔

''اوہ۔'' ایک دم سے اسے یاد آیا۔زیاد سلطان جس کے بارے میں ماہر نے اسے کئی برس پہلے تحقیق کرنے کے لیے کہا تھا۔اسے جس انسان کے بارے میں کھوجنا ہوتا وہ زارا کو کہتا تھا۔زارا اپنی نیٹ ورکنگ استعمال کر کے کسی کو بھی ڈھونڈ سکتی تھی۔

''کشمالہ کا بیٹا کھو گیا ہے۔تین چار سال کا بچہ ہے۔ٹریول ہسٹری کے مطابق وہ استنبول آیا تھا۔اسی لیے وہ یہاں آئی ہے۔شاید ہلال کے اغوا کاروں نے اسے اغوا کیا ہو۔ہم اس کے بیٹے کے لیے اس کی مدد کر رہے ہیں۔''

زارا کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

''اوہ اچھا۔'' اس نے ہم میں کون کون شامل ہے پوچھنا غیر ضروری سمجھا۔بیٹا۔زیاد کی بیوی۔ایک نامعلوم سا خطرہ جیسے ٹل گیا ہو۔

''لیکن تم کیسے مدد کرو گے؟''

''اس نے ہلال کے لیے ہماری مدد کی تھی نا۔ پولیس اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔پھر کل اسے لے کر میں پولیس اسٹیشن گیا تھا۔میرے کہنے پہ اب وہ تعاون کر رہے ہیں۔''

زارا نے اثبات میں سر ہلایا۔کنکھیوں سے میز کے اس حصے کو دیکھا جہاں دراز تھے۔ماہر نے نہیں دیکھا۔وہ اب ایک فائل کھول کے کچھ پڑھ رہا تھا۔

''وہ ابھی تک اس سیریل کلر کے ساتھ کیوں ہے ویسے؟''

ماہر نے نگاہیں جھکائے صفحے پہ کچھ تلاش کرتے ہوئے ورق الٹایا۔

''نہیں۔اس نے تو کافی سال پہلے طلاق لے لی تھی۔مزید مجھے نہیں معلوم۔''

زارا چونکی۔

''اوہ۔اچھا۔'' وہ بدقت مسکرائی۔البتہ سینے میں کسی چیز نے جکڑا تھا۔وہ صرف ماں نہیں تھی۔وہ سنگل مدر تھی۔

''بہت وقت دینا پڑے گا تمہیں اس لڑکی کو۔''

ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''میں یونہی کسی کے لیے وقت نہیں نکالتا۔اس نے ہلال کو تلاش کیا تھا۔میری مجبوری ہے اس کی مدد کرنا۔مالک، بیربل، ہلال سب چاہتے ہیں کہ میں اس کی مدد کروں۔اوہ..یاد آیا...'' اس نے ماتھے کو چھوا پھر انٹر کام اٹھایا اور ریسیور کان سے لگایا۔''شبنم... کشمالہ کا ورک ویزہ اپلائی کرنا ہے آج۔اس کا پاسپورٹ مجھ سے لے جاؤ۔''

پھر ریسیور رکھتے ہوئے اس نے اسی عام انداز میں اطلاع دی۔

''میں نے اس سے دو ماہ کا کہا ہے۔تب تک اسے یہاں رہنے کا پرمٹ لے کر دینا ہوگا۔دو ماہ تک میں اس کی مدد کروں گا۔اس کے بعد اس کے بچے کا سراغ نہ ملا تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔'' شانے اچکائے اور چہرہ فائل پر جھکائے مزید ورق پلٹنے لگا۔وہ جیسے کچھ تلاش کر رہا تھا۔

زارا چند لمحے آنکھیں سکوڑ کے اسے دیکھتی رہی۔وہ بالکل مطمئن تھا۔اس کی آنکھیں اور چہرہ شفاف تھا۔

لیکن وہ ماہر فرید تھا۔

اور وہ مالک فرید کی بیٹی تھی۔

اس نے آفس کے کونے میں لگے کیمرے کو دیکھا۔یہ چند برس پہلے لگا تھا۔کیا ماہر نے اسے کیمرے میں پاسپورٹ اٹھاتے دیکھ لیا تھا؟ کیا اس شبنم نے اسے میسیج کر دیا تھا؟ کیا وہ تمام جوابات کے ساتھ تیار آیا تھا؟

مگر نہیں۔وہ عذرا کی باتوں کو زیادہ ہی سوچ رہی تھی۔جھوٹ بولنے والوں کا چہرہ ایسا شفاف تو نہیں ہوتا۔وہ مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کسی دن ڈنر پہ چلتے ہیں۔''

ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''شیور۔ویک اینڈ پہ۔''

''لیکن جگہ میں منتخب کروں گی۔''

اس کی آنکھیں مسکرا اٹھیں۔ پھر وہ پلٹی۔ مطمئن۔ خوش۔ ہلکی پھلکی۔

کنسول ٹیبل پر سرخ عمارت کا ماڈل رکھا تھا۔ یہ ماڈل اسٹڈی روم میں رکھے ماڈل سے چھوٹا تھا۔

عذرا نے اسے ایک بات اور بھی کہی تھی۔

(ماہر نے ابھی تک بلڈنگ اکوپنسی پرمٹ کے لیے اپلائی نہیں کیا۔ میرے شوہر کے ہاتھ سے گزر کے ہی فائل آگے جاتی ہے۔)

مالک فرید کی بیٹی اس کی طرف واپس گھومی۔

''تم نے بلڈنگ اکوپنسی پرمٹ اپلائی کر دیا؟''

لہجہ سرسری تھا۔ اور آنکھیں... وہ اس پہ سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہٹی تھیں۔

ماہر کی کاغذ پہ جھکی پلکیں اوپر اٹھیں۔

پھر اس نے زارا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

''ہاں۔ کب کا۔'' الوداعی انداز میں مسکرایا۔ اور چہرہ واپس جھکا لیا۔

زارینہ فرید کے دل پہ گھونسہ سا پڑا۔ البتہ چہرے کی مسکراہٹ برقرار رہی۔

وہ اسی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ باہر آئی۔ لفٹ سے نیچے لابی تک کا سفر طے کرتے ہوئے اس کا چہرہ تاریک ہو چکا تھا۔

کار گیٹ سے نکالتے ہوئے وہ سیکیورٹی کی کینوپی پہ رکی۔ اردل کو اشارہ کیا جو گارڈ کے ساتھ بیٹھا تھا۔ پھنسے ہوئے سوٹ میں ملبوس فربہ سا ڈرائیور اردل، تیز تیز چلتا کار تک آیا۔ تیز چلنے سے وہ ہانپنے لگا تھا۔ کھڑکی پر جھکا اور خوش اخلاقی سے اسے سلام کیا۔

زارا نے سر کو خم دیا۔

''علیکم سلام۔'' وہ اس شہر کے باسیوں کی طرح جوابی سلام کا ''و'' نہیں بولتی تھی۔ بس ایک تیز نگاہ اردل پہ ڈالی۔

''یہ کشمالہ مبین کہاں رہتی ہے؟ تم گئے ہو گے نا ماہر بے کے ساتھ اس کی طرف؟''

اردل نے جھٹ سر ہلایا۔

''ماہر بے کے ساتھ نہیں۔ شبنم خانم کے ساتھ گیا تھا۔ چند دن پہلے۔ ان کو آفس لانا تھا۔''

''ایڈریس اردل۔ایڈریس۔''

''ایڈریس نہیں معلوم۔مگر بلت میں جو مشہور سا کیفے ہے نارنجی اسکوٹر والا...وہاں...''

''لکھ کے بتاؤ۔''زارا نے انگوٹھے اور انگلی سے قلم بنا کے ہوا پہ لکھا۔''یا ٹیکسٹ کرو۔مجھے کیا معلوم بلت میں کیا ہے۔''

وہ استنبول کے شہریوں کی طرح بلت اور سلطان احمت جیسی جگہوں پہ جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی۔یہ سیاحوں کے لیے تھیں۔اس کا حلقہ احباب نشانتشی،اتیلئر اور بیک جیسے علاقوں کے ریستورانوں میں ملنے کو ترجیح دیتا تھا۔

''جی جی۔میں بھیجتا ہوں۔''اردل پھنسے ہوئے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالتے ہوئے پیچھے ہوا۔وہ کار زن سے آگے بڑھا گئی۔

اسے میسج کرنے سے پہلے اردل نے ایک ٹیکسٹ ماہر کو بھیجا تھا۔

''زارا حانم کشمالہ مبین کا ایڈریس مانگ رہی تھیں۔بلت کیفے کا ایڈریس دے دوں؟ مجھے وہی معلوم ہے۔''

اگلے ہی منٹ اسے ماہر کا آڈیو میسج موصول ہوا تھا۔

''زارا حانم میری ہونے والی بیوی ہیں۔وہ جو پوچھیں انہیں بتانا تمہارا فرض ہے۔مجھے رپورٹ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

تیز لہجہ۔جیسے وہ غصے میں ہو۔اردل نے جلدی سے زارا کو پیغام بھیج دیا۔اسے شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار بننے کی ضرورت نہیں تھی۔

ماہر فریداب کسی فائل سے کچھ تلاش نہیں کر رہا تھا۔وہ ٹیک لگائے بیٹھا ماتھے پر سلوٹیں لیے،بند دروازے کو گھور رہا تھا۔

پھر نگاہ اٹھا کے اوپر لگے کیمرے کو دیکھا۔اس نے فوٹیج نہیں دیکھی تھی لیکن زارا کو اپنی کرسی پر بیٹھے دیکھ کے وہ جان گیا تھا کہ وہ اس کا پاسپورٹ دیکھ چکی ہوگی۔وہ اسے لاکر میں بھی رکھ سکتا تھا۔یہاں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس نے جھنجھلاہٹ سے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی۔اس کا سارا موڈ آف ہو چکا تھا۔

وہ جانتا تھا یہی ہوگا۔وہ اس کی زندگی میں آئے گی اور سب کچھ پیچیدہ ہو جائے گا۔

اوپر سے سنبل کی آواز اس کے دماغ میں بج رہی تھی۔

(وہ بولتا نہیں ہے.... جیسے کچھ بچے دیکھ نہیں سکتے ویسے ہی....)

''شبنم...'' اکتاہٹ سے ریسیور اٹھایا۔''میری ٹیبل پر گرد کیوں ہے؟ کلینرز آج آئے تھے یا نہیں؟ ہم انہیں کس چیز کی تنخواہ...''

باہر بیٹھی شبنم تحمل سے سنے گئی۔ یہ طے تھا کہ سی ای او کا غصہ آج آفس اسٹاف کو بھگتنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گہری نیند میں تھی جب موبائل کی ٹرن ٹرن سماعت میں گونجی۔ مالا نے آنکھیں کھولنی چاہیں لیکن وہ بھاری تھیں۔ ذہن کہیں دور تھا۔

وہ بدر کے ساتھ تھی۔ وہ آئسکریم کھا رہا تھا۔ وہ ہنس رہی تھی۔ وہ ایک گلی میں کہیں جا رہے تھے۔ پھر ایک موڑ مڑنے پہ وہ غائب ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے آئسکریم گر گئی۔ وہ پریشانی سے گلی میں بھاگنے لگی لیکن قدم بھاری ہو گئے۔ وہ اٹھ ہی نہیں رہے تھے۔ اور پھر...

فون ہنوز بج رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ اپارٹمنٹ کی چھت واضح ہوئی۔

بے زاری سے بازو بڑھا کے موبائل اٹھایا۔ کالر کے نمبر سے پہلے وقت دیکھا۔ وہ آج دیر تک سوتی رہی تھی۔ دن چڑھ آیا تھا۔

''ہیلو؟'' خمار آلود آواز میں کہتے ہوئے جمائی روکی۔

''کشمالہ... آپ کیسی ہیں؟'' وہ اس کا وکیل تھا۔ اب وہ اس کے ریٹینر پہ نہیں تھا۔ لیکن کبھی کبھی وہ اس کو زیاد کی پیش رفت بتانے کے لیے کال کر لیتا تھا۔ آخری دفعہ ان کی بات تب ہوئی تھی جب وہ زیاد سے ملنے گئی تھی۔ اس وقت وہ کیوں کال کر رہا تھا؟ کینیڈا میں کیا وقت ہوا ہوگا؟ وہ چونک کے اٹھ بیٹھی۔ اس وکیل کی کالز اسے پسند نہیں تھیں لیکن ان کو سننا اس کی مجبوری تھی۔ وہ زیاد اور اس کے درمیان ایک پل تھا۔

''مجھ تک ایک خبر پہنچی ہے۔'' رسمی علیک سلیک کے بعد وہ کھنکھارا۔

''کیسی خبر؟'' اس کا ذہن اسی تاریک گلی میں تھا۔ بدر وہاں نہیں تھا اور اس کے پیر نہیں اٹھ رہے تھے۔ جب سے وہ کھویا تھا سارے خواب ایک جیسے تھے۔ سارے خدشے نئے تھے۔

''زیاد سلطان نے استغاثہ کے ساتھ ڈیل کر لی ہے۔''

اس نے دھیرے سے پلکیں جھپکائیں۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ وہ ایک یا دو ہفتے میں باہر ہوگا۔''

''اس کی سزا میں تو... چند ماہ رہتے تھے۔'' وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ الٹے U کی شکل کا طویل قامت آئینہ بیڈ کے مقابل کھڑا تھا۔ زمین سے لگا ٹیڑھا کر کے دیوار سے ٹکایا۔ اس کے ساتھ کیلے کے بڑے بڑے پتوں والا گملا رکھا تھا۔

''اس کے پاس یہ آپشن بہت پہلے سے تھا۔ اس نے خود نہیں لیا تھا۔''

وہ اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ ایک سفید بیڈ پر ملگجے لحاف میں بیٹھی، کندھوں تک آتے بالوں والی لڑکی جس کا خوابیدہ چہرہ قدرے زرد پڑ چکا تھا۔

''اس پر سوائے رحم دلانہ قتل کے کچھ بھی ثابت نہیں ہوا تھا۔ اچھے بی ہیوئیر پہ سزا کم ہوگئی تھی۔ لیکن اب بالکل ختم کر دی گئی ہے۔ یقیناً اس نے کسی مجرم کے خلاف پولیس کی مدد کی حامی بھری ہے۔ مگر ایسے کھیل خطرناک ہوتے ہیں۔ ہوسکتا ہے باہر آتے ہی وہ قتل کر دیا جائے۔ میں نے سوچا آپ کو اطلاع دے دوں۔ یہ اندر کی خبر ہے۔''

اس نے بدقت وکیل کا شکریہ ادا کیا۔ اور موبائل بجھا کے نیچے رکھا تو محسوس ہوا اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔

فون دوبارہ بجا تو وہ چونکی۔ تیزی سے پلٹایا۔ دل ایسے دھڑکا کہ جیسے زیاد سلطان کی کال نہ ہو۔

ماہر فرید کا نام دیکھ کے گہری سانس ہونٹوں سے خارج ہوئی۔

''تمہاری بیربل سے بات ہوئی؟''

تیز خشک لہجہ۔

''نہیں۔'' وہ عکس کو دیکھ رہی تھی۔ بیڈ پر بیٹھی لڑکی ایک ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھی۔ ہاتھ تلے دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ کیا وہ اب بھی زیاد سلطان سے ڈرتی تھی؟ جب وہ سلاخوں کے پار تھا تب اس سے ملنے میں اسے خوف نہیں آتا تھا۔ کیا یہ اس کی زنجیریں تھیں جو کشمالہ مبین کو بہادر بنائے ہوئے تھیں؟

''تم نے سائن کرتے وقت کانٹریکٹ پڑھا تھا؟''

وہ چونکی۔ وہ اس کانٹریکٹ کا ذکر کیوں کر رہا تھا؟ کیا کل صبح وہ بلت اسی لیے آیا تھا؟

''تم نے پڑھنے کا وقت دیا تھا؟''

ماہر کچھ کہنے لگا۔ پھر رک گیا۔

''تم گھر پر ہو؟''

''ہاں لیکن میں دو بجے تک فری ہوں۔ کیا ہم آج اس کاٹن کینڈی مین والی جگہ جا سکتے ہیں؟''

''کہانا ویک اینڈ پہ جائیں گے۔'' خاموشی۔ گہری ضبط بھری سانس۔

''دو بجے کے بعد تم کہاں ہو گی؟''

''اور تکوئے۔''

''کب تک؟''

''طویل شوٹ ہے۔ روشنی اور اندھیرے دونوں میں کرنا ہے کیونکہ کلائمٹ کو...''

''تمام.. تمام۔ اور تکوئے میں کس جگہ؟'' بے زاری سے ٹوکا جیسے اس کے کام کے بارے میں سننے میں دلچسپی نہ ہو۔

''اور تکوئے میں شوٹ کس جگہ ہوتے ہیں، ماہر بے؟'' اسے اس کا ٹوکنا برا لگا تھا۔

ماہر کی ایک اور ضبط بھری سانس سنائی دی۔

''میں آفس سے واپسی پہ آؤں گا۔ مجھے بات کرنی ہے۔'' اور کال کٹ گئی۔

مالا نے فون نیچے گرا دیا۔ وہ ابھی تک آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔ آدھی آستین کی سیاہ ٹی شرٹ سے نکلتا بازو موڑ کے ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔ دل کے مقام پہ۔ دھڑکن ابھی تک نارمل نہیں ہوئی تھی۔

زیاد سلطان رہا ہونے جا رہا تھا۔

اور وہ جو سمجھی تھی وہ اب اس سے خوفزدہ نہیں ہے تو وہ غلط تھی۔ وہ زیاد سلطان کی زنجیریں تھیں جو اس کا خوف سلب کر لیتی تھیں۔ اب وہ کیا کرے گی؟

اور اگلے ہی لمحے ایک اور سوال نے دل پہ دستک دی۔

کیا اسے ماہر کو یہ بات بتا دینی چاہیے تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور تکوئے کی مشہور زمانہ مجید یے مسجد ساحل کنارے یوں کھڑی تھی جیسے پانی پر تیر رہی ہو۔

عصر کا سفید آسمان ابھی روشن تھا۔ ٹھنڈی ہوا اور باربی کیو کی مہک نے سارے کو معطر کر رکھا تھا۔ مسجد کا عکس شفاف پانی پر دکھائی دیتا تھا۔ اور مسجد کے پیچھے پس منظر میں اونچا سرخ لہر دار پل کھڑا تھا۔ مسجد کے سامنے ایک

چبوترہ بنا تھا جس پر کھڑے سیاح پوز کر کے تصویریں بنوا رہے تھے۔

جہاں ایک طرف پانی تھا وہیں دوسری جانب ریستورانوں کے کھلے فرنٹ تھے۔ درمیان میں ایک خالی میدان سا تھا جس کے وسط میں ایک گھنا بوڑھا درخت اُگا تھا۔ اس کے تنے کے گرد گولائی میں بیٹھنے کے لیے پتھر کی نشستیں بنی تھیں۔

اس پتھر پر اس وقت سنبل بیٹھی اپنے کیمرے سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔

تنے کے ساتھ ایک فولڈنگ کرسی پر ایک سرخ تنگ گاؤن پہلے پاکستانی لڑکی براجمان تھی۔ گردن سیدھی رکھے آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائے وہ کسی روبوٹ کی طرح بیٹھی تھی۔ اور ایک میک اپ آرٹسٹ سامنے کھڑی جھک کے اس کے چہرے پر پاؤڈر نرمی سے لگا رہی تھی۔ ایک ٹکسیڈو میں ملبوس نوجوان سر جھکائے موبائل پہ لگا قریبی ریستوران کے باہر رکھی کرسیوں پر بیٹھا تھا۔

مالا کی ان کی طرف پشت تھی۔ وہ ساحل کے کنارے کھڑی شام کے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ ٹھنڈ بڑھ رہی تھی۔ اس نے لمبا اونٹ کے رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا اور سر پر سفید گرم ٹوپی تھی جس سے گہرے بھورے بال نکل کے کندھوں کو چھو رہے تھے۔

اس کے ہاتھ اب نہیں کپکپا رہے تھے۔ وہ بالکل پرسکون اور کمپوزڈ کھڑی مسجد کو دیکھ رہی تھی۔ ایک مسجد اوپر کھڑی تھی۔ ایک پانی پہ جھلملا رہی تھی۔ ڈے لائٹ شوٹ مکمل ہو چکا تھا اور اب انہیں اندھیرے کا انتظار تھا۔ وہ ایک انفلوئنسر کا پروپوزل شوٹ تھا۔ اس انفلوئنسر کا تعارف اس کے انسٹاگرام پہ بارہ لاکھ فالوورز تھے۔ جس دن پاکستان میں انسٹاگرام ڈاؤن ہوتا اس دن وہ exist کرنا ختم ہو جاتی تھی۔

ساحل کنارے کھڑی مالا نے کسی احساس کے تحت پلٹ کے دیکھا۔ دائیں بائیں گردن موڑی۔ یونہی لگا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔ یہ اس کا وہم تھا۔ زیادہ کی رہائی کا سن کے وہ اندر سے ڈسٹرب ہوئی تھی۔

''میں اپنے لیے ڈرنک لے کر آتی ہوں۔'' وہ درخت تک چلی آئی اور کلائنٹ کو خبر دی۔ اس نے اوں ہوں کہا۔ وہ چہرے کو حرکت نہیں دے سکتی تھی۔ البتہ اس کے گال گلابی ہو رہے تھے اور آنکھوں میں پانی تھا۔

وہ پوچھنے لگی کہ وہ ٹھیک تھی، پھر ٹھہر گئی۔ اگر وہ ٹھیک نہ ہوئی تو رو دے گی۔ وہ دلہن نہیں تھی، پھر بھی کسی برائیڈزلا bridezilla سے کم نہیں تھی۔ مالا نے ذہن میں جمع تفریق کی۔ رونے سے میک اپ خراب ہوگا جس کو فکس کرنے میں وہ روشنی اور اندھیرے کے درمیان کی وہ گھڑی کھو دیں گے جس میں شوٹ ہونا تھا۔

اونہوں۔ وہ آگے بڑھ گئی۔

ریستورانوں کے درمیان سے ایک گلی میں چلتی آگے گئی تو ایک میدان سامنے آیا۔ طویل مربع کی صورت کا اسکوائر جس کے چاروں اطراف شاپس کی قطاریں تھیں۔ وافلز اور کمپیر کی خوشبو اُڑاتی شاپس۔ جیسے فوڈ اسٹالز ہوں۔ لیکن قریباً ہر شاپ پر ایک ہی جیسی اشیاء دستیاب تھیں۔ یہ اورتکوئے کی وافلز اسٹریٹ تھی۔ سیاحوں کی پسندیدہ۔

وہ ابھی پہلے اسٹال کے قریب ہی آئی تھی کہ دائیں بائیں ہر طرف سے جس دکاندار کی نظر اس پہ پڑی، اس نے جوش سے نعرہ لگاتے ہوئے اسے اپنی طرف بلایا۔ وہ مسکرادی۔ وہ سب بازو لمبے کر کر کے ترکش میں بولتے ہوئے اسے پکار رہے تھے۔ وہ ان کا طریقہ تھا۔ وہ اسٹریٹ میں داخل ہونے والے ہر سیاح کو یوں ہنستے ہوئے اونچی آواز میں بھرپور توجہ دیتے ہوئے پکارتے کہ سیاح خود کو سپاٹ لائٹ میں محسوس کرتا۔

اور تب وہ احساس ہوا۔ چند لمحے پہلے والے احساس سے مختلف۔ یہ کسی کے دیکھنے کا احساس نہیں تھا۔ یہ ایک پرانا شناسا سا احساس تھا۔

اس نے چونک کر اسٹریٹ کے دہانے پہ دیکھا۔ ایک سیکنڈ۔ دو۔ چار۔

وہ دیکھتی رہی اور بالآخر وہ اسے نظر آ گیا۔ وہ ابھی ابھی موڑ مڑ کے اس طرف داخل ہوا تھا۔ سنجیدہ چہرہ اور متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھتا وہ اسے ہی ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے اپنے ٹوپیس پر لمبا گرے اُونی کوٹ پہن رکھا تھا۔

وہ ٹھہر کے اسے دیکھے گئی۔

اسے برسوں سے اس کے آنے سے پہلے اس کی آمد کا احساس ہو جاتا تھا۔

وہ وین کوور میں فارمرز مارکیٹ میں تھی۔ سی فوڈ کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ اس نے نگاہ اٹھا کے دیکھا تو وہ چلتا ہوا آ رہا تھا۔

اب مہک بدل گئی تھی۔ وافلز اور دارچینی کی اشتہا انگیز خوشبو۔ دم توڑتا عصر کا آسمان۔

وہ اسے دیکھے گئی یہاں تک کہ ماہر کی نگاہ اس سے آملی۔ ایک گہری سانس اور پھر تیز قدموں سے چلتا وہ اس کے قریب آیا۔ سر کو خم دیا۔ جیسے سلام کیا ہو۔ اس نے بھی جواباً محض گردن کو جنبش دی۔

''میری بیربل سے بات نہیں ہوئی۔'' وہ جانتی تھی وہ کیا پوچھے گا۔ ''میں نے اسے ٹیکسٹ کیا ہے۔ اگر وہ خود

مناسب سمجھے گا تو مجھے کال کر لے گا۔"

"جانتا ہوں۔" وہ اس کے عین مقابل آن رکا۔

جانتا تھا تو کیوں آیا تھا؟ کیا اور تکوئے اس کے راستے میں تھا؟ وہ کہاں رہتا تھا جو ہر جگہ اس کو راستے میں پڑتی تھی؟

"موبائل۔" ماہر نے اس کے کوٹ کی طرف اشارہ کیا۔ مالا ٹھہر گئی۔ موبائل جیب سے باہر نکالا۔ اور نا سمجھی سے اس کی طرف بڑھایا۔ ماہر نے اسے نہیں تھاما۔

"کال کرو بیربل کو۔ ابھی میرے سامنے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

"تم اس لیے یہاں آئے ہو؟ تاکہ زبردستی مجھ سے اس کو کال کرواؤ۔"

"تمہیں شوق تھا نا ہمارے آپس کے مسئلوں میں پڑنے کا۔ اس کو ہرٹ کرنے کا۔ یہ اس کا نتیجہ ہے۔ وہ تمہاری وجہ سے دور گیا ہے۔ تم اس کو واپس لاؤ گی۔ کال کرو۔" اس کا لہجہ دھیما لیکن دوٹوک تھا اور آنکھوں میں شدید برہمی تھی۔

سفید ٹوپی والی لڑکی نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"کر لیتی ہوں۔" چہرہ جھکایا۔ چند بٹن دبائے۔ گھنٹی جاتی سنائی دیتی رہی۔ پھر خاموش ہو گئی۔

"وہ مسڈ کال دیکھ کے کال بیک کر لے گا۔"

"تمام۔ تب تک میں یہیں ہوں۔"

"شیور۔ چاہو تو میرا فون رکھ لو۔ پاسورڈ بتاؤں؟" اس نے فون اس کی طرف بڑھایا۔ ماہر نے ایک تیز نگاہ اس پہ ڈالی اور سامنے دیکھنے لگا۔ مالا نے کندھے اچکائے اور فون جیب میں ڈالا، پھر قدم آگے بڑھائے۔ اس کے دائیں طرف وافلز کی دکانیں تھیں۔ اور بائیں جانب ماہر۔

"تم نے کانٹرکٹ پڑھا تھا؟"

"ای میل کر دیتے تو پڑھ لیتی۔"

"تم کب سے میری ای میلز پڑھنے لگیں؟" وہ کہہ کے پچھتایا۔ اسے پرانے گلے شکوے نہیں کرنے تھے۔ یاسمین کی باتیں ذہن میں گونجیں۔

مالا کی رفتار کم ہوئی۔ لیکن پھر اس نے یوں ظاہر کیا جیسے سنا نہیں تھا۔ وافلز کی دکانوں والے سیلز مین اس کی طرف

متوجہ تھے۔خوش دلی اور جوش سے نعرے لگاتے اسے پکار رہے تھے۔وہ مسکرا کے نفی میں سر ہلاتی آگے بڑھتی گئی۔دکانیں یوں بنی تھیں گویا اونچائی پہ ہوں۔اور دکاندار شوکیسز کے پیچھے کسی چبوترے پر کھڑے تھے تاکہ انہیں دور سے آتے گاہک بھی دکھائی دیں۔شوکیسز کے اندر طرح طرح کے وافلز کمپیر (ایک طرح کے ترکش بیکڈ آلو) اور ڈونٹس سجے تھے۔لیکن اسے کسی اور شے کی تلاش تھی۔

''تمہیں وہ کرنا ہے جو کانٹریکٹ میں لکھا تھا۔''

''اب مزید کیا کرنا ہے؟ میرا پاسپورٹ تمہارے پاس ہے۔میں شہر چھوڑ کے نہیں جا سکتی۔میرے کام کا حرج ہو رہا ہے۔اور یہی تم چاہتے تھے۔'' وہ ایک دکان کے سامنے رکی۔گردن آگے کی اور اونچی آواز میں بولی۔''ایک سالپ۔''

ہر طرف دکاندار با آواز بلند نعرے لگاتے اور ہاتھ کے اشارے کرتے سیاحوں کو پکار رہے تھے۔ایک شور سا لگا تھا۔لیکن دکاندار کی سمجھ میں آ گیا۔وہ مسکرایا اور ڈسپوزیبل کپس کے ایک مینار سے ایک کپ اٹھایا۔وہ بھی دوسرے دکانداروں کی طرح شیشوں کے کام والی جیکٹ اور مراشی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔(کاہرامن مراش جنوبی ترکی کا ایک علاقہ تھا جہاں کی anti gravity آئسکریم "دوندرما" نہ پگھلتی تھی نہ گرتی تھی اور اسی آئسکریم سے ترک دکاندار آئسکریم تھامنے اور چھیننے والا کرتب کھیلتے تھے۔)

''تم نے واقعی کانٹرکٹ نہیں پڑھا؟'' اب کے وہ حیران ہوا تھا۔

''خود بتا دو۔کیا کرنا ہے مجھے؟''

دکاندار نوجوان اب کپ میں کوئی شے گھول رہا تھا۔گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے سفید ٹوپی والی لڑکی کو بھی دیکھتا جس کے ساتھ لمبے کوٹ والا آدمی سنجیدگی سے کچھ کہہ رہا تھا۔

''خود بتا دو۔'' ماہر نے شور میں سنا نہیں تو وہ اس کی طرف گھومی اور اونچا بولی۔اندر سے دل بری طرح دھڑکا۔کیا اس کو اس مدد کے لیے کوئی رقم ادا کرنی پڑے گی؟ ماہر فرید سے کچھ بعید نہیں تھا۔مالا نے اپنا بینک بیلنس یاد کرنے کی کوشش کی جس کے صفر گھٹ رہے تھے۔سرما کی شادیاں جو مالدیپ یا دبئی میں ہونی تھیں وہ اس کو اچھا خاصا منافع دے دیتیں لیکن اس کا پاسپورٹ....

''تمہیں کام کرنا ہے۔میری کمپنی کے لیے۔''

اسے لگا اس نے غلط سنا ہے۔

''مجھے کام کرنا ہے؟'' اس نے پوری آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔

دکاندار سر جھکائے کپ میں اسٹک سے کچھ گھول رہا تھا۔ گرم مائع سے دھواں اور اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی۔

''یہ کانٹرکٹ میں لکھا تھا، مادام۔ آپ کے اس پولیس کیس کی وجہ سے میرا وقت اور میری کمپنی کی لاگت لگے گی۔ دونوں قیمتی ہیں۔''

اس کے ہونٹ بے یقینی سے کھل گئے۔ وہ ناسمجھی سے اسے دیکھے گئی۔ دکاندار نے بازو لمبا کر کے کپ بڑھایا۔ ماہر آگے بڑھا، کپ تھاما اور ایک نوٹ اسے تھمایا۔ وہ جو شاک میں کھڑی تھی ایک دم ہوش میں آئی۔

''میں خود پے کر سکتی ہوں۔''

''میں تمہارے ورکنگ آورز سے کاٹ لوں گا۔ ڈونٹ وری۔'' ماہر نے ہاتھ سے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ چند لمحے لب بھینچے اسے دیکھتی رہی۔ بہت عرصے بعد اسے شدید غصہ آیا تھا۔

دکاندار نے شیشوں کی جیکٹ کی جیب میں نوٹ اڑسا اور ڈھٹائی سے کھڑا انہیں دیکھے گیا۔ وہ بڑا نوٹ تھا۔ اور ایسے دکھائی دینے والے مرد اگر کسی خوبصورت عورت کے ساتھ ہوں تو وہ چینج نہیں مانگتے۔ اس کا اندازہ درست تھا۔ وہ چینج کے لیے نہیں رکا۔ مالا نے اس سے اپنا گرم کپ لیا اور آگے بڑھ گئی۔ ایک دم وہ تمام دکانداروں کے لیے غیر اہم ہو چکی تھی۔ اب اسے کوئی آواز نہیں لگا رہا تھا۔ وہ کسی اور سیاح کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''میں تمہاری کمپنی کے لیے کیسے کام کر سکتی ہوں؟'' تھوڑی دور آگے جا کے وہ رکی اور زچ سی ہو کے اس کی جانب گھومی۔

''مجھے اپنا بھی کام کرنا ہے۔ میں نے اس شہر میں پہلے ہی چند ایونٹس کے لیے commit کر لیا ہے۔ مجھے اس پیسے سے اپنے بلز پے کرنے ہوتے ہیں، ماہر۔''

وہ آمنے سامنے کھڑے تھے اور سالپ کا دھواں دونوں کے درمیان چھاتا اور غائب ہوتا جا رہا تھا۔

''ڈونٹ کیئر۔'' جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے ماہر فرید نے کندھے اچکائے۔

''میرا سارا کیریئر ختم ہو جائے گا ایسے۔'' اس کی گیلی آواز بلند ہوئی۔

''سیریئسلی ڈونٹ کیئر۔''

اس کے اندر ایک لاوا سا ابھرا۔ جسے اس نے گہری سانس لے کر دبایا۔ سالپ کے کپ کو ہونٹوں تک لے گئی۔ ایک گھونٹ بھرا۔ میٹھا خوشگوار ذائقہ اندر تک اتر گیا۔ مگر وہ لاوا نہیں بجھ رہا تھا۔

''تمہاری آرکیٹیکچرل فرم میں میں کیا کروں گی؟''

''جب تم آفس آنا شروع کرو گی تو سمجھا دوں گا۔'' وہ بنا اثر لیے کہہ رہا تھا۔

مالا نے آنکھیں چھوٹی کر کے بغور اسے دیکھا۔ وہ یہ کیوں کر رہا تھا؟ کیا وہ اس کو اتنا ناپسند کرتا تھا کہ اس کا کیریئر تباہ کرنے کے لیے یہ کر رہا تھا؟ یا اتنے برس پہلے اس کا ماہر فرید کو اپنی زندگی سے نکل جانے کا کہنا ایک ایسا ریجیکشن تھا جو اس کی انا کو آج تک زخمی کیے ہوئے تھا؟

سنبل اس کو بلا رہی تھی۔ غالباً شوٹ کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

''اگر تمہاری اجازت ہو تو میں اپنی اس جاب کو مکمل کر لوں؟'' طنز سے اس کو دیکھا۔ ماہر نے کندھے اچکا دیے اور آگے بڑھ گیا۔ بیر بل کی کال بیک تک وہ یہیں بیٹھا تھا، یہ طے تھا۔

لیکن سنبل اس کو شوٹ کے لیے نہیں بلا رہی تھی۔ ماوی نامی انفلوئنسر نے رونا شروع کر دیا تھا اور میک اپ آرٹسٹ بھی پریشان ہو گئی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ تیزی سے درخت تک آئی۔ درخت تلے رکھی کرسی پر بیٹھی گوری سی لڑکی گلابی گیلی آنکھوں کے ساتھ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

''سب کچھ خراب ہو جائے گا۔ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا۔''

''ماوی... میری بات سنو۔'' مالا اس کے سامنے پنجوں کے بل زمین پر بیٹھی۔ اس کے گود میں رکھے دونوں ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔

"Please don't hug me. I am not a hugsy person." وہ ہاتھ چھڑا کے چلا اٹھی۔

''او کے او کے... میں تمہیں hug نہیں کر رہی۔ صرف بات کر رہی ہوں۔''

اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ پھر سے تھامے۔ اس دفعہ ماوی نے انہیں نہیں چھڑایا۔

''میری طرف دیکھو۔ صرف ایک منٹ کے لیے۔ او کے؟''

ماوی کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھے وہ گردن اٹھائے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

ماوی کا آنسو ٹوٹ کے گال پر گرا۔ مسکارے کی لڑی بنتی گئی۔ میک اپ آرٹسٹ کے منہ سے کراہ نکلی۔

''صرف میری طرف دیکھو، او کے؟''

ماوی نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''یہ تمہارا پہلا شوٹ نہیں ہے۔ ہم نے 80 فیصد شوٹ کر لیا ہے۔ بس چند شاٹس رہتے ہیں۔''

''مگر...'' بھیگی آواز ٹوٹ گئی۔

''شش... آنکھیں بند کرو۔''

ماوی نے گیلی پلکیں بند کیں تو حلقوں تلے سیاہ خاکہ بنتا گیا۔ میک اپ آرٹسٹ روہانسی ہو کے کبھی سنبل کو دیکھتی، کبھی اس لمبے کوٹ والے آدمی کو جو درخت سے ٹیک لگائے ان کے قریب کھڑا خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ بازو سینے پر لپیٹے تھے اور چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔

''گہری سانس لو۔ ناک سے اندر۔ شاباش۔ اب منہ سے باہر نکالو۔ ایک۔ دو۔ تین۔'' وہ اس کے ہاتھ تھامے اسی طرح بیٹھی تھی۔

''اب اس بارے میں سوچو جو تم چاہتی ہو کہ...'' (دور ایک ریستوران کے سامنے لاتعلق سے نوجوان کو دیکھا۔)''... کہ تمہارا فیانسی تمہارے لیے کرے۔''

ماوی کی بند پلکیں لرزیں۔ چند سیاہ دھاریاں ٹوٹ کے بہہ گئیں۔

''وہ کیا ہے جو تم چاہتی ہو کہ وہ تمہارے لیے کرے؟ کوئی ایک کام، ایک gesture...''

''میٹیلک برکن... مجھے metallic berkin چاہیے۔ میرا اپنا برکن۔''

اگر اس کی آنکھیں کھلی ہوتیں تو وہ مالا کے چہرے پہ آئی افسوس کی لہر دیکھ سکتی۔ مگر اس نے اپنی آواز ہموار رکھی۔

''اوکے۔ گڈ۔ اس... اس برکن بیگ کو تصور کرو۔ تب تم کیسا محسوس کرو گی؟''

''میں... میں خوش ہوں گی۔''

''سوچو وہ ابھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اب آنکھیں کھولو۔''

لرزتی ہوئی پلکیں جدا ہوئیں۔ اس کی آنکھیں اندر سے گلابی تھیں۔

''اگر تم یہ شوٹ اچھا کر لو تو ایک دن تمہیں تمہارا برکن مل جائے گا۔''

ماوی ہلکا سا مسکرائی۔

''اب تم صرف اس برکن کے بارے میں سوچو گی۔ ہر تصویر میں تم اس کے لیے مسکراؤ گی۔ اوکے؟'' اس نے نرمی سے لڑکی کا ہاتھ دبایا۔ اس نے گیلی آنکھوں سے تھوڑی اثبات میں ہلائی۔

''اوکے۔ اوکے۔ میٹیلک برکن۔ میٹلک برکن۔'' وہ بڑبڑانے لگی۔

مالا اٹھ کھڑی ہوئی۔ میک اپ آرٹسٹ کو اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے برائیڈ زلا کی طرف لپکی۔ روشنی جا رہی تھی۔ وقت کم تھا۔

وہ پلٹی تو دیکھا وہ درخت کے ساتھ کھڑا سینے پر بازو لپیٹے اسے دیکھ رہا تھا۔ مالا نے شانے اچکائے۔

''ایسا ہوتا رہتا ہے۔''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح اسے دیکھے گیا۔ وہ جب تک اس کے قریب آئی سنبل بھی ان دونوں کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی موبائل اسکرین روشن تھی۔ مالا جانتی تھی اس نے ابھی ابھی Hermes کے اس خاص میٹیلک برکن بیگ کو گوگل کیا تھا۔

''سوا کروڑ پاکستانی روپے کا ہوتا ہے یہ بیگ۔'' اس کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا تھا۔ ''یہ اس کو کہاں سے میٹیلک برکن دلا کے دے گا؟'' ناپسندیدگی سے اس نوجوان کی طرف اشارہ کیا جو بے زار سا دور بیٹھا تھا۔ وہ ایک یوٹیوبر تھا اور اس کی ساری پرسنالٹی اس کے دو ملین سبسکرائبرز تھے۔

''دلا دے گا ایک دن۔'' مالا مسکرا دی۔ درخت کے پیچھے ایک بچہ آ کے بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وائلن تھا اور وہ مدھم سروں میں اسے بجانے لگا تھا۔

''ویسے مالا....'' سنبل رک کے سوچنے لگی۔ ''کیا وہ یہ بیگ حاصل کرنے پہ خوش ہو جائے گی؟''

''نہیں۔ ایسی چیزیں ملنے کے چوبیس گھنٹوں کے اندر اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں۔''

''پھر خوشی کس سے ملتی ہے؟''

''کم از کم hermes کے بیگ سے نہیں ملتی۔'' وہ کنکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ وہ ابھی تک یونہی کھڑا اسے دیکھ رہا ہے۔ شاید وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ شاید اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔ تبھی جیب میں تھرتھراہٹ ہوئی۔ اس نے موبائل باہر نکالا۔ بیربل فرید کالنگ۔ ماہر تیزی سے سیدھا ہوا۔

''تم بات کرنا چاہتے ہو؟'' اس نے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔

سنبل نے دونوں کو باری باری دیکھا اور چپ چاپ وہاں سے ہٹ گئی۔

''اونہوں۔'' ماہر نے صرف ابرو سے کال اٹھانے کا اشارہ کیا۔

''ہیلو، بیربل۔'' اس نے فون اسپیکر پہ لگا دیا۔ وہ اب اس کی ہتھیلی پر تھا۔ وہ فون کو دیکھ رہی تھی اور ماہر اسے۔

''کیسی ہو، مالا؟'' اس کی آواز خراب گلے جیسی تھی۔

''اپنا بتاؤ۔تم کیسے ہو؟'' رک کے ماہر کو دیکھا۔''کہاں ہو؟''

''میں...'' وہ ٹھہرا۔پھر آواز میں خفگی ابھری۔''ماہر نے تمہیں کہا ہے نا مجھے فون کرنے کے لیے؟''

ماہر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔جیسے وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کہتی ہے۔

''ہاں۔اور وہ میرے ساتھ ہے۔'' وہ رکی۔نگاہ اٹھا کے ماہر کو دیکھا۔''اور وہ تمہارے لیے پریشان ہے۔بات کرو گے؟''

''اس سے کہو... میرے لیے پریشان نہ ہو۔میں اس سے اور اس شہر سے بہت دور چلا گیا ہوں۔وہ مجھے نہیں ڈھونڈ سکتا۔''

''بیربل... یہ میری وجہ سے ہوا ہے۔میں نے...''

''یہ اس کی وجہ سے ہوا ہے، مالا۔فون اسپیکر پہ ہے نا؟''

''ظاہر ہے ورنہ تمہارا بھائی کسی بھی لمحے میری مدد کرنے سے انکار کر سکتا ہے۔'' ماہر کو محسوس ہوا کہ اس کو دیکھتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرائی ہے۔وہ بنا مسکرائے اسے دیکھے گیا۔

''اس سے کہو میرے پیچھے نہ آئے۔مجھے اکیلا چھوڑ دے۔''

''بیربل، ایک دفعہ...''

''کہا نا وہ اب مجھے کبھی نہیں ڈھونڈ سکے گا۔''

اور کال کاٹ دی گئی۔مالا نے شانے اچکائے۔

''اب میں اپنا کام کرلوں؟'' سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔

ماہر نے گہری سانس لی۔انگلی سے کنپٹی مسلی۔سر کو ہوں میں خم دیا اور پلٹ گیا۔

اسے سنبل اور ماوی کی طرف واپس جانا تھا۔لیکن وہ یونہی رک کے اسے جاتے دیکھنے لگی۔

ڈوبتے سورج میں سرمئی اوورکوٹ والا شخص سر جھکائے ساحل کے کنارے چلتا جا رہا تھا۔وہ ایک ہاتھ سے کنپٹی بھی مسل رہا تھا۔اس کے ساتھ پانی پر مسجد کا عکس جھلملا رہا تھا۔روشنیاں جل اٹھی تھیں۔آسمان مزید جامنی ہو گیا تھا۔اور اس شخص کی اداسی اس پانی میں گھلتی جا رہی تھی۔

وہ چند لمحے لب کاٹے اسے جاتے دیکھتی رہی۔پھر ایک دم وہ اس کے پیچھے لپکی۔

''ماہر...''

وہ رکا۔ سیاحوں کے شور میں جیسے اسے معلوم نہ ہوا کہ آواز کس طرف سے آئی تھی۔ پھر پلٹا۔ تب تک وہ اس تک پہنچ چکی تھی۔

''کیا تم نے اسے ہر جگہ تلاش کر لیا ہے؟''

''اس شہر میں ہر جگہ جہاں وہ جا سکتا تھا۔''

''اس نے کہا ہے وہ شہر سے چلا گیا ہے۔''

''وہ برصہ گیا ہوگا۔ وہاں ایک ویکیشن ہاؤس ہے ہمارا جہاں....'' وہ کنپٹی مسلتے ہوئے تھکاوٹ سے کہہ رہا تھا۔

''مگر اس نے یہ بھی کہا کہ تم اسے ڈھونڈ نہیں سکتے۔ وہ ایسے ویکیشن ہاؤس کیوں جائے گا جس کے بارے میں تم جانتے ہو؟''

وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔ آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔

''وہ ایسی جگہ گیا ہے جہاں تم اسے ڈھونڈ نہیں سکتے۔'' وہ نرمی سے دہرا رہی تھی۔ ''وہ کون سی جگہ ہے جس کے بارے میں بیربل کو اتنا اعتماد ہے کہ تم اسے نہیں ڈھونڈ سکتے؟''

''میں...'' وہ رک گیا۔ وہ ہر جگہ گیا تھا۔ ہر جگہ فون کیا تھا۔ اس کے دوستوں کو۔ ان ریستورانوں اور کلبز میں جہاں وہ جاتا تھا۔ سوائے....

''ایسا اعتماد انسان کو صرف ایک جگہ کے بارے میں ہوتا ہے جسے وہ کنٹرول کرتا ہے۔ جب میں ماں سے ناراض ہوتی تھی تو اسی جگہ جا کے چھپتی تھی جو میرے کنٹرول میں ہوتی تھی۔ یعنی میرا آفس۔''

''بیکری... میں صرف بیکری نہیں گیا۔ مگر وہ وہاں نہیں ہے۔ وہ کار وہاں کھڑی کر کے خود غائب ہو گیا ہے۔ وہ جیسے ہی آئے گا اسٹاف مجھے اطلاع....''

''اس کے اسٹاف کی تنخواہ کون دیتا ہے؟ تم یا بیربل؟''

اور ماہر فرید نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ پھر زور سے بوٹ زمین پر مارا۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے پلٹ گیا۔

اس کا رخ کار کی جانب تھا۔ چند لمحوں بعد وہ پلٹا۔ وہ اسے شکریہ کہنا چاہتا تھا لیکن تب تک وہ وہاں نہیں تھی۔ وہ اپنی برائیڈز لا کی طرف واپس جا چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیربل فرید کی پھولدار بیکری پہ اندھیرا اتر آیا تھا اور گلاس وال سے اندر جلی بتیاں دکھائی دے رہی تھیں جب ماہر

دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا۔ کاؤنٹر پہ کھڑی پی کیپ والی لڑکی رسماً مسکرا کے سیدھی ہوئی۔

''خوش آمدید، ماہر بے۔''

''بیر بل آیا ہے؟'' وہ اس کے عین سامنے آرکا۔ کافی بینز اور تازہ بیک ہوئے بسکٹس کی مہک ناک سے ٹکرائی۔

''نہیں، ماہر بے۔'' چہرے پہ مایوسی اتری۔ گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''اس روز کار باہر کھڑی کر کے مجھے چابی تھمائی اور ٹیکسی میں چلے گئے کسی لڑکی کے ساتھ۔ پھر واپس نہیں آئے۔'' اس نے دیوار پر لگی کھونٹیوں کی طرف اشارہ کیا۔ بیر بل کی کار کا ریموٹ وہیں لٹکا تھا۔

''اچھا۔ بیر بل بیکری میں نہیں ہے؟'' ماہر کہنی کاؤنٹر ٹاپ پر رکھ کے اس کی طرف جھکا۔ نگاہیں اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''نہیں، سر۔'' اس نے پلکیں جھپکائیں۔

''کیا وہ جانتا ہے کہ میں اس کے لیے کئی دفعہ بیکری فون کر چکا ہوں؟''

''معلوم نہیں، سر۔''

''اور کیا وہ یہ جانتا ہے کہ تم لوگ اس کو pinnochio کہتے ہو؟''

لڑکی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ کچے لکیز کی ٹرے اٹھائے سفید لباس والا شیف جو اوون کی طرف جا رہا تھا، رک گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''اسے معلوم ہوگا تو اسے کتنا دکھ ہوگا۔ ہے نا؟'' سنجیدگی سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

نوجوان کی گردن میں گلٹی اُبھر کے معدوم ہوئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا وہ بول اٹھی۔

''وہ اوپر ہیں۔ آفس میں۔'' نگاہیں جھکا لیں۔

''اف!'' نوجوان شیف نے بے اختیار ماتھا چھوا۔

ماہر فرید زینوں کی طرف بڑھا۔ پھر ایک ہی جست میں دو دو زینے عبور کرتا اوپر آیا۔ دروازہ ناک کیا۔ ایک۔ دو۔ تین۔ پھر ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔

آفس نیم اندھیر تھا۔ ماہر نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا۔ بتیاں جل اٹھیں۔ اس کی نگاہیں پہلے میز تک گئیں۔ خالی ٹیک اوے باکسز۔ ان کے کھلے ڈھکنوں پر پنیر کے باسی ٹکڑے۔ کوک کے پچکے ہوئے کین۔ ایک اوندھے پڑے ڈبے سے جھلکتی چاپ اسٹکس۔ گول مول کر کے پھینکے گئے ٹشو پیپر۔

نگاہیں لمبے کاؤچ تک جا پہنچیں۔ آنکھوں پر بازو رکھے کانوں میں ائیر فونز گھسائے بیر بل فرید لیٹا تھا۔ ائیر فونز سے میوزک کی مدھم سی آواز یہاں تک سنائی دیتی تھی۔ اس کے کانوں میں وہ بہت تیز ہوگا۔

ماہر اس کے سر تک جا پہنچا اور جھک کے ائیر فون باہر کھینچا۔

''کیا مسئلہ...'' بازو ہٹا کے جھنجھلا کے کہتا وہ ہکلا سا گیا۔ شاک سے پورا اٹھ سکا نہ واپس لیٹ سکا۔

''اب اپنے اسٹاف سے جھوٹ بلواؤ گے؟'' برہمی سے کہتے ہوئے وہ سامنے رکھی آرم چیئر پر بیٹھا۔ انگلیاں باہم پھنسائیں ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور سیاہ بوٹ جھلانے لگا۔ ماتھے پر لکیریں تھیں۔

بیر بل دھیرے سے سیدھا ہوا۔ پیر نیچے رکھے۔

''جھوٹ بولنا کس نے شروع کیا تھا؟'' شاکی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میں تمہیں تکلیف سے بچا رہا تھا۔''

''نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں ٹریجڈی کو ہینڈل نہیں کر سکتا۔''

''کر سکتے ہو؟'' ماہر نے انگلی سے دائیں بائیں اشارہ کیا۔

بیر بل نے کہنیاں گھٹنوں پر رکھے سر جھکائے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''میں نہ تمہارے لیے اہم ہوں نہ مالک کے لیے۔''

''مالک نے خود مجھے نہیں...'' وہ رکا۔ بے زاری سے سر جھٹکا۔ ''پہلے یہ سب سمیٹو۔ میں اس کچرا کنڈی میں نہیں بیٹھ سکتا۔''

بیر بل نے خفا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''مالک نے میرے اوپر اعتبار...''

''یہ سب سمیٹو، بیر بل فرید۔'' اس کی آنکھوں کی سختی اور تیز لہجہ۔ بیر بل کے کندھے ڈھلک گئے۔ خاموشی سے اٹھا اور جھک کے کارپٹ پر بکھری چیزیں اٹھانے لگا۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

''مالک نے خود مجھے نہیں بتایا تھا۔ مجھے خود شک ہوا تھا کیونکہ وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔''

جب بیر بل نے سب کچھ سمیٹ کے جگہ کو قدرے بہتر کر دیا تو ماہر نے نرمی سے بات کا آغاز کیا۔

بیر بل انہی شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھتا واپس بیٹھا۔

''میں نے زارا کو بھی نہیں بتایا کیونکہ یہ میرا راز نہیں تھا۔ کس کو کب بتانا ہے یہ مالک کا فیصلہ ہونا چاہیے تھا۔''

''مالک کے اس اسسٹنٹ عمار کو معلوم ہوگا۔ اسے وہ ہم سے زیادہ عزیز ہے۔''

''وہ مالک کے بوٹ بھی پالش کرتا ہے، بی۔ اس سے اپنا مقابلہ کرو گے؟''

بیر بل نے ہونہہ میں سر جھٹکا اور کچھ بڑبڑایا۔

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ ٹیک اووے باکسز اب کونے میں رکھے ٹریش کین میں جا چکے تھے لیکن ہر ڈبے میں کچھ نہ کچھ بچا ہوا تھا جس کے باعث بند آفس میں باسی پنیر اور پاستا کی ناگوار سی مہک اٹھ رہی تھی۔

''تم ہمیشہ یہ سمجھتے ہو کہ میں کسی قابل نہیں ہوں۔'' کچھ دیر بعد بیر بل بولا تو لہجے کا شکوہ کم نہیں ہوا تھا۔

''میں ایسا کچھ نہیں سمجھتا۔ تم خود اپنے بارے میں یہ سوچتے ہو، بی۔''

بیر بل نے گلہ آمیز نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''تم سمجھتے ہو میرے اندر عقل نہیں ہے۔''

''کب سمجھا میں نے ایسے؟ ثبوت دو۔''

''جب میں نے تمہیں عائلہ سے ملوایا تھا۔''

''نام مت بتایا کرو۔ تاریخ بتایا کرو۔ مجھے ان کے نام یاد نہیں رہتے۔''

بیر بل کے ابرو مزید خفگی سے اکٹھے ہوئے۔ چہرہ سرخ ہوا۔

لیکن بولا تو بس اتنا۔ ''جنوری میں۔''

(وہ جنوری کی ایک سرد شام تھی۔

ماہر فرید لمبے خاکی کوٹ میں ملبوس ریستوران میں داخل ہوا تھا۔ نیم تاریک خوابیدہ سا ماحول۔ میتر ے دے نے اس کا کوٹ فوراً اس سے لیا۔ نیچے اس نے گہری بھوری ہائی نیک خاکی پینٹس کے ساتھ پہن رکھی تھی۔ بنا مسکرائے وہ ایک میز کی طرف چلا آیا۔ وہاں بیر بل ایک سرخ بالوں والی لڑکی کے ساتھ ایک میز پہ موجود تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ کھڑا ہوا۔ لڑکی بھی مسکرا کے اٹھی۔ ان کے مقابل دو کرسیاں خالی تھیں۔ ماہر نے بیٹھتے ہوئے ایک نظر میں اس لڑکی کا جائزہ لیا۔ انگلیوں اور کلائی میں چمکتے ہیرے۔ گردن میں نازک نیکلیس۔ اور سفید ٹیبل کلاتھ پر واضح کر کے رکھا ایک ننھا سا کیلی بیگ۔)

''مس جنوری۔ وہ جس کی ساری پرسنالٹی اس کا کیلی بیگ تھا؟'' بیر بل کے سامنے ٹیک لگائے بیٹھا ماہر فرید یاد

کر کے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔"وہ ایک gold digger تھی، بی۔" اسے بے اختیار آج کی شام اور وہ انفلوئنسر یاد آئی جو ایک بیگ کے لیے اس آدمی سے شادی کر رہی تھی۔

"اس کے پاس کیلی بیگ تھا، ماہر۔ وہ غریب نہیں تھی۔" اس کی بے بس آواز اونچی ہوئی۔

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ اس نے وہ بیگ کہاں سے لیا؟ دس ہزار ڈالر (اٹھائیس سے تیس لاکھ روپے) کا بیگ اس کو اس کا باپ لے کر نہیں دے سکتا۔ نہ وہ کوئی سیلف میڈ انٹر پرونیئر تھی۔"

"یعنی؟"

"یعنی اس لائف اسٹائل سے اس کو کسی دوسرے مرد نے متعارف کروایا تھا۔ اسے اس لائف اسٹائل کی عادت ہو گئی تھی مگر وہ مرد اب نہیں رہا سو اسے اس لائف اسٹائل کو برقرار رکھنے کے لیے تمہاری ضرورت تھی۔"

بیر بل لب بھینچے خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"اور مس اپریل؟"

ماہر نے ذہن پہ ہلکا سا زور دیا۔ بہار کے موسم میں بیر بل نے اسے کس لڑکی سے ملوایا تھا؟

(یہ بھی ایک ڈنر ہال تھا۔ کھڑکیوں سے باہر ایک خوشگوار شام اتری تھی۔ اونچی چھت والا ریستوران۔ میز پر بچھا کورا سفید میز پوش۔ طویل قامت موم بتیاں جن کے شعلوں سے خوشبو اٹھ رہی تھی۔

وہ دونوں ماہر کے سامنے بیٹھے تھے۔ سنہرے بالوں والی لڑکی مسکرا کے بہت محبت سے ساتھ بیٹھے بیر بل کو دیکھ رہی تھی جو پرجوش سا اس لڑکی کی تعلیمی کامیابیاں بتا رہا تھا۔ البتہ بار بار غور سے ماہر کے تاثرات بھی دیکھتا تھا۔ وہ بس سنجیدگی سے دونوں کو دیکھتے ہوئے سفید نیپکن گود میں بچھا رہا تھا۔ بیر بل اور مس اپریل کے عقب میں آئینے کی دیوار تھی۔ ماہر کو اپنا عکس اور ان دونوں کی پشت اس آئینے میں دکھائی دے رہی تھی۔)

"وہ سنہرے بالوں والی مس اپریل جس نے تمہارے تین کارڈ خالی کرائے تھے؟ پھر تم سے بریک اپ کے بعد اس نے مجھ سے پیسے مانگے تھے خاموش رہنے کے لیے۔ جانتے ہو میں نے اسے کتنی مشکل سے ہینڈل کیا تھا؟"

"اتنی مشکل نہ ہوتی اگر ڈنر پہ تم اس کی بے عزتی نہ کرتے۔"

"میں نے بے عزتی نہیں کی تھی۔ اس نے کہا تھا وہ نیوزی لینڈ سے پڑھ کے آئی ہے۔ میں نے اس سے نیوزی

لینڈ کا کیپٹل پوچھ لیا تھا۔"

ایک لمحے کی خاموشی۔

اور پھر وہ دونوں ایک دم ہنس پڑے۔

"اور میں... میں اس کے فون کی اسکرین کو پیچھے آئینے کی دیوار میں دیکھ رہا تھا۔" ماہر گردن پیچھے پھینکے ہنستا جا رہا تھا۔ "وہ نیوزی لینڈ کا کیپٹل... وہ نیوزی لینڈ کا کیپٹل گوگل کر رہی تھی۔ ہاہاہا..."

بیربل ایک ہاتھ ران پر مارتا زور سے ہنستا جا رہا تھا۔ اس کی ہنسی میں شرمندگی بھی تھی اور اطمینان بھی۔ وہ کافی دن بعد ایسے ہنسے تھے۔

"میں تمہیں کم عقل نہیں سمجھتا، بی۔" کچھ دیر بعد وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔ "لیکن جن لڑکیوں سے تم مجھے ملواتے ہو وہ دولت کے لیے تمہاری طرف آتی ہیں۔ ان سے شادی کے بعد کیا ہوگا؟ میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

بیربل کی ہنسی اب مدھم پڑ چکی تھی۔ فضا کا تناؤ البتہ ختم ہو چکا تھا۔

"شادی کے بعد ایسی لڑکی کو تم دنیا بھر کی دولت لا کے دو گے، جس سے وہ شروع میں خوش ہوگی۔ لیکن اس کی خواہشات بڑھتی جائیں گی۔ ان کو پورا کرنے کے لیے تمہیں زیادہ کام کرنا ہوگا۔ تم کام میں مصروف ہو گے۔ اور وہ تمہارے سوشل سرکل میں۔ اور اس سرکل میں اسے تم سے کہیں ہینڈسم اور eligible بیچلرز ملیں گے جن تک پہلے اس کی رسائی نہیں تھی۔ وہ چند دن بعد تم سے بور ہو کے ان کی طرف نکل پڑے گی۔ پھر کیا کرو گے؟ وہ تکلیف زیادہ بڑی ہوگی۔"

بیربل نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔

"یعنی کوئی مجھ سے میرے لیے محبت نہیں کر سکتا؟"

"کر سکتا ہے۔ لیکن کہتے ہیں ایک عورت کو حقیقی محبت میں گرفتار ہونے کے لیے کم از کم بھی 150 دن لگتے ہیں۔ 150 دن جو اس نے اس مرد کے ساتھ گزارے ہوں۔ اس سے پہلے جو ہوتا ہے وہ طوفانی سا crush یا خواہش ہوتی ہے۔"

بیربل نے استعجاب سے ابرو اٹھائے۔

"اور ایک مرد کو؟"

"کم از کم بھی 80 دن۔"

''اللہ اللہ۔ شکر ہے میں ایک روبوٹ نہیں تھا ورنہ ایسے حساب کتاب رکھ رہا ہوتا۔'' بیر بل نے جھرجھری لی۔ پھر کچھ سوچ کے اسے دیکھا۔

''تمہیں مالا سے محبت میں کتنے دن لگے تھے؟''

ماہر ایک دم چپ ہو گیا۔ بالکل چپ۔

''وہ خوبصورت ہے۔ تمہیں بھی تو اس کی خوبصورتی سے محبت ہوئی تھی، جیسے ان لڑکیوں کو میری دولت سے محبت ہوتی ہے اور...'' چہرہ گھما کے کھڑکی کے شیشے کو دیکھا جس میں اس کا عکس دکھائی دیتا تھا۔''.... شکل کا بھی اچھا ہوں۔'' بالوں میں انگلیاں چلا کے انہیں سیٹ کیا۔ دائیں طرف۔ اونہوں۔ دوبارہ انہیں بکھیرا۔

''مجھے اس کی خوبصورتی سے محبت نہیں ہوئی تھی۔''

بالوں میں انگلیاں چلاتا بیر بل رکا۔ چونک کے اسے دیکھا۔ وہ دور دیوار پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

''وہ مہربان تھی۔ نرم تھی۔ میں اس کو بچانا چاہتا تھا۔ اس کے گرد ایک ہالہ تھا۔ ایک مثبت سا دائرہ جو سچے لوگوں اور سبز پودوں کے گرد ہوتا ہے۔ مگر پھر اس نے مجھ سے جھوٹ بولا۔'' اس نے سر جھٹکا۔''اور پھر وہ باب ختم ہو گیا۔''

وہ نہیں کہہ سکا کہ آج اس نے عرصے بعد وہ سب دوبارہ دیکھا تھا۔ وہ جھلک۔ جب وہ اس برائیڈ زلا کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی اس کے ہاتھ تھامے اسے سانس لینے کو کہہ رہی تھی۔ وہ اتنے عرصے سے اس کا وہ روپ دیکھتا آیا تھا جو وہ ماہر فرید کے ساتھ رکھتی تھی۔ تیز لہجہ، شاکی نگاہیں، ہر لفظ میں شک اور ملامت۔

آج اس نے دیکھا تھا کہ وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ نہیں بدلی تھی۔ وہ اب بھی ویسی تھی۔ صرف وقت بدل گیا تھا۔

''پتہ ہے کیا، ماہر آفندی.... مجھے ملنے والی ہر لڑکی تمہیں گولڈ ڈگر لگتی ہے۔''

''وہ گولڈ ڈگرز ہوتی ہیں۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ تم نے کبھی مجھے بتائے بنا ان سے شادی کا نہیں سوچا۔ کاش تم ہمیشہ میرے اوپر اتنا اعتبار کرو، بی۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر اُبلتے ہوئے ٹریش کین پہ ڈالی۔

''اب نکلو یہاں سے۔ گھر آؤ۔ ہلال تمہارے لیے اداس ہے۔ اور لونا بھی۔'' بیر بل کے کندھے کو تھپکا۔''پھر مالک سے مل کے آؤ اور اسے خود بتاؤ کہ تمہیں اس سے کتنی محبت ہے۔''

''مجھے اس روبوٹ سے کوئی محبت وغیرہ نہیں ہے۔'' بیر بل ایک دم بلبلا اٹھا۔

''واٹ ایور، بی۔ اٹھو۔'' ادھر اس کی تحکم بھری آواز بلند ہوئی، ادھر بیربل بڑبڑاتا ہوا اٹھا۔

چند لمحے بعد بیکری کی ریسپشنسٹ نے دونوں بھائیوں کو آگے پیچھے زینے اترتے دیکھا۔ سوئیٹ پینٹس اور جوگرز میں ملبوس برا سا منہ بنائے بیربل آگے تھا۔ اور لمبے سرمئی کوٹ والا ماہر پیچھے۔ بیربل نے بس اپنے ملازموں کو ایک نظر دیکھا، شیو پر ہاتھ پھیرا اور گھورتے ہوئے باہر نکل گیا۔

البتہ ماہر ریسپشن پہ رکا اور ایک تیز نظر دونوں پہ ڈالی۔

''آئندہ مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔ تمہیں اپنے مالک سے نہیں مجھ سے ڈرنا چاہیے۔''

چیخ کے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

لڑکی بے اختیار شیف کی طرف پلٹی۔

''ہمیں کس سے ڈرنا چاہیے؟''

شیف نے جواباً ہاتھ اتنی زور کے جوڑے کہ تالی بجنے کی آواز آئی۔

''خدا سے ڈرو بہن اور اپنا کام کرو۔'' جھلا کے کہا اور واپس کچن کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر نے رات میں اسے ایک میسیج بھیجا تھا۔

''میں نے بیربل کو ڈھونڈ لیا۔ وہ بیکری میں تھا۔''

''گڈ۔'' اس نے جواب لکھا۔

''صبح تم کام پہ آؤ گی۔ شارپ آٹھ بجے۔''

اور ایک لمحے میں وافلز کی مہک والی گلی ذہن سے عنقا ہوگئی۔ کشمالہ مبین کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے نظر آنے والا بکھرا اداس انسان غائب ہو چکا تھا۔ اور اس کی جگہ اس سنگدل سخت مزاج ماہر فرید نے لے لی تھی جس کی زندگی کا مقصد اس کو اذیت دینا تھا۔

اگلی صبح کیف کی عمارت تک کا سفر اس نے اوتو بس میں بہت سی کیفیات کے درمیان میں سے گزرتے ہوئے کیا۔ بے بسی غصہ اور مجبوری۔ وہ سارا راستہ انگلیاں مروڑتی رہی۔ کبھی گردن میں جھولتی فاختہ کو مٹھی میں دبا لیتی۔ کبھی ناخن چباتی۔

آج گراؤنڈ فلور کی ریسپشنسٹ نے اس کو اوپر جانے سے نہیں روکا۔ اس کے لیے چپ چاپ کارڈ ٹیپ کیا اور

ٹاپ فلور کا بٹن دبایا۔ لفٹ اسے اوپر لیے پہنچی تو مالا نے گہرے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔ وہ اس کو ستا رہا تھا۔ پرانے انتقام لے رہا تھا۔ بس یہ چاہتا تھا وہ یہاں سے چلی جائے۔ لیکن وہ نہیں جائے گی۔ اس کا بیٹا اسی شہر میں تھا۔ اور وہ اسے اس کا بیٹا ڈھونڈ کے دے گا۔ صبر مالا۔ صبر۔

دھاتی دروازے جدا ہوئے اور مرکزی ہال دکھائی دیا۔

پرنٹر کی انک کی مہک اور عود کی خوشبو نے اس کا استقبال کیا۔ مرکزی ہال میں بہت سے کیبن بنے تھے۔ ان کی نیچی دیواروں سے کام کرنے والوں کے صرف سر دکھائی دیتے تھے۔ چند ایک کے سوا تمام کیبن خالی تھے۔ شبنم کا ڈیسک البتہ ماہر کے دروازے کے قریب ایک مرکزی مقام پر تھا۔ وہ وہاں بیٹھی موبائل پہ جھکی تھی۔ اسے دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ موبائل الٹا کر کے میز پر رکھا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔ ایک سرسری نظر اس پہ ڈالی۔

وہ کانوں کے پیچھے بال اڑستی دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ لمبا اونٹ کے رنگ کا کوٹ پہنے کندھے پر بیگ کی اسٹریپ بار بار درست کرتی جو پھر سے پھسل جاتی۔ مالا کی سبز آنکھیں کسی شناسا چہرے کی تلاش میں تھیں۔ پھر شبنم پہ نگاہ پڑی تو وہ مسکرائی۔ شبنم نہیں مسکرائی۔ اسی سنجیدگی سے اسے دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ ہیلز سے چلتی ہوئی اس کے عین سامنے آ رکی۔ وہ اب بھی مسکرا رہی تھی اور قد میں اس سے لمبی تھی۔ لیکن ذرا کے برعکس شبنم کو گردن پوری نہیں اٹھانی پڑ رہی تھی۔ نہ وہ اٹھانا چاہتی تھی۔

''سلام۔'' مسکرا کے سر کو خم دیا۔ ہلکے میک اپ اور کانوں میں ننھے ہیرے پہنے وہ تروتازہ لگ رہی تھی۔

''ماہر بے اندر ہیں۔'' شبنم نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ اس کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔ پھسلتے اسٹریپ کو پھر سے کندھے پر جمایا۔

''آج مجھے وہ انتظار نہیں کروائیں گے؟'' وہ طنز نہیں کر رہی تھی۔ تکان سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ اپنے ایمپلائز کو انتظار نہیں کرواتے۔'' شبنم کی آنکھوں میں کچھ جتاتا ہوا تھا۔ مالا بدقت مسکرائی اور دائیں بائیں نگاہ دوڑائی۔

''اتنا خالی خالی کیوں ہے آفس؟'' پھر سے دوستانہ انداز میں اسے دیکھا۔

''آج اکثریت کا ورک فرام ہوم ہے۔ لگتا ہے آپ نے کوویڈ کے بعد کسی کارپوریٹ آفس میں کام نہیں کیا۔'' وہ اب بھی نہیں مسکرائی۔ بس سامنے سے ہٹ گئی اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

مالا نے گہری سانس لی۔ وہ شمالی امریکہ سے آئی تھی۔ اس نے بہت سے کارپوریٹ کلائنٹس کے ساتھ کام کیا تھا

اور اسے معلوم تھا کہ کرونا وائرس نے دنیا کی تمام بڑی کمپنیوں کو ورک فرام ہوم کا تحفہ دیا ہے۔ اسے خیال نہیں آیا تھا کہ یہ تحفہ استنبول تک پہنچ چکا تھا۔ تین دن آفس۔ دو دن ورک فرام ہوم۔ دو دن چھٹی۔ یوں بہت سا خرچہ اور توانائی بچ جاتی۔

وہ اس بارے میں بہت کچھ کہہ سکتی تھی لیکن اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ماہر کی سیکرٹری اپنے باس کی طرح اس کو شدید ناپسند کرتی ہے۔ اسے اس کو نظر انداز کرنا چاہیے۔

ماہر کے آفس میں صندل وڈ کی مہک پھیلی تھی البتہ کوئی کینڈل جلتی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ اپنی مرکزی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ویسا ہی جیسا کل شام اورتکوئے میں تھا۔ سوٹ کا رنگ بھی اسی سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے پاس شاید سیاہ اور گرے کے کئی شیڈ تھے۔

وہ البتہ ویسی نہیں تھی۔ ماہر کو دیکھتے ہی اس کی ساری خوشگواریت ہوا ہوگئی۔ اوتو بس میں وہ جن جذبات سے گزرتی آئی تھی وہ کسی لاوے کی طرح اندر اُبلنے لگے۔ پھٹنے کو تیار۔

''بیٹھو۔'' ماہر نے اسے اور شبنم دونوں کو اشارہ کیا۔ شبنم چپ چاپ بیٹھ گئی تو اس نے کرسی کھینچی۔

''جی، ماہر بے۔ کیا کر سکتی ہوں میں آپ کے لیے؟'' وہ اس کے سامنے کرسی پر بیٹھی۔ کوٹ ابھی تک پہنا ہوا تھا۔ مانگ نکال کے دونوں طرف برابر سیدھے بالوں والا چہرہ سنجیدہ تھا۔

''وہی جو کانٹریکٹ میں لکھا تھا۔ تمہیں کمپنی میں کام کرنا ہے۔ پانچ دن۔ نائن ٹو فائیو۔''

وہ بالکل برف چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا۔ کل شام روشنیوں سے جھلملاتی مسجد کے سامنے کھڑا اداس شخص غائب ہو چکا تھا۔

''کیا مجھے معاوضہ ملے گا؟''

''میرا وقت معاوضہ ہے۔'' ماہر نے پیچھے کو ٹیک لگالی۔

اس کے اندر بہت سا غصہ اُبلا لیکن اس نے تھوک نگلا۔ غصہ اندر دب گیا۔ بدر کے لیے۔ بدر کے لیے۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر میں اس کمپنی میں کیا کر سکتی ہوں؟''

''تم مورالز اور پینٹنگز بناتی تھیں۔''

''اب نہیں بناتی۔''

''بنا سکتی ہو۔''

''مجھے بھول گیا ہے۔''

''مجھے یاد ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ایک لمحے کے لیے مالا کو لگا اس نے اس چہرے میں کیف کو دیکھا ہے۔وہ نوجوان انٹر پیرٹیئر ،جینز اور سفید جوگرز والا۔چھوٹی بڑھی ہوئی شیو۔ماتھے پر بکھرے بال۔وہ اس کی کار ڈرائیو کرتا تھا اور اس نے اپنی جان اس کی امان میں دی تھی۔

پھر وہ غائب ہو گیا۔کسی رنگین بلبلے کی طرح جو ذرا سا اُڑ کے پھٹ جاتا ہے۔اور دنیا پھر سے بلیک اینڈ وائٹ رہ جاتی ہے۔

''اگر میں نہ کرنا چاہوں تو؟''

''ہم تمہارا پاسپورٹ واپس کر دیں گے۔'' سوٹ میں ملبوس کلین شیو آدمی انگلیوں میں قلم گھماتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''اور تم جا سکتی ہو۔درست شبنم؟ شبنم؟'' اس کی آواز اونچی ہوئی۔شبنم جو دیوار پہ کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی چونکی۔سر ہلایا۔

''جی جی۔ماہر ہے۔درست۔''

پھر وہ کھنکھاری۔اور مالا کی طرف گھومی۔

''ہمیں قرمزی عمارت کے لیے...'' انگلی سے پیچھے کنسول ٹیبل پر رکھے سرخ ماڈل کی طرف اشارہ کیا۔''ایک آرٹسٹ کی ضرورت ہے۔ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس کے لیے ایک وال مورال بنائیں۔''

مالا نے گردن موڑ کے ماڈل کو نہیں دیکھا۔وہ ماہر کو دیکھ رہی تھی۔

''استنبول میں آپ کو بہت سے آرٹسٹ مل جائیں گے۔''

''اور یقیناً تم سے بہتر ملیں گے۔مگر مجھے تمہیں پے نہیں کرنا پڑے گا۔''

اس نے گہری سانس لی۔اندر اُبلتا لاوا بدقت نیچے دبایا۔پھر گردن موڑ کے اس ماڈل کو دیکھا۔وہ بے جان سا رکھا تھا۔

(وہ اس کی کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ناکام انٹر پیرونیئر ،کیف جمال۔اور وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھی اس سے پوچھ رہی تھی۔

''بتاؤ کہاں پھنسے ہوئے ہو؟ شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔''

وہ بدقت تھوڑا سا کھلا تھا۔

''بطور آرٹسٹ آپ کو رنگ کیوں اچھے لگتے ہیں؟''

''کیونکہ رنگوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ ہر رنگ بات کرتا ہے۔''

''آپ کا فیورٹ رنگ کون سا ہے؟''

''سرخ۔''

''سرخ؟ کیوں؟'' اس نے تیزی سے گردن موڑنی چاہی۔ سیٹ بیلٹ کے باعث رک گیا۔

''کیونکہ سرخ رنگ گفتگو کرتا ہے۔''

''اور کیا کہتا ہے سرخ رنگ؟''

''سرخ کہتا ہے کہ مجھے یاد رکھو۔ یہ رنگ توجہ کھینچتا ہے۔ یہ تاریخ میں لکھا جاتا ہے۔'' وہ کہہ رہی تھی۔ ''انسان کو وہی رنگ پہننا چاہیے جس کے لیے اس کا دل چاہے۔ لیکن تمہارے بزنس پلان کا اس سے کیا تعلق؟''

''نہیں۔ بزنس کے لیے نہیں پوچھ رہا تھا۔ کسی کو کچھ گفٹ کرنا تھا۔'' وہ بات ٹال گیا تھا۔)

مالا نے گردن واپس اس کی طرف موڑی۔ وہ اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں میں کچھ بدلا تھا۔

''میں دو ماہ میں کیا کرلوں گی؟''

''ایک دیوار پینٹ کر ہی سکتی ہو۔'' اسے لگا وہ اب محظوظ ہو رہا ہے۔

''میں شروع کر سکتی ہوں لیکن ختم کرنے کا وعدہ نہیں کرتی۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ آرٹ کی ڈیڈلائن نہیں ہوتی۔ یہ ٹوٹے دل سے بنتا ہے۔''

''تمہارا دل جڑا ہوا ہے کیا؟''

وہ چند لمحے کچھ کہہ نہ سکی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ بالکل اس کی آنکھوں میں۔ وہ کیف کی آنکھیں تھیں۔

شبنم اپنے موبائل پہ سر جھکائے ہوئے تھی۔ جیسے اس نے کچھ نہ سنا ہو۔

مالا نے سر جھٹکا۔ وہ اس کو ستا رہا تھا۔

''دو ماہ میں ایک دیوار بھی مکمل نہیں ہوگی۔ کانسپٹ بنانے میں بھی کئی دن لگیں گے۔''

''اضافی گھنٹے لگالو۔''

اس نے گود میں رکھی مٹھی بھینچ لی۔ صبر مالا۔ صبر۔

''یعنی جو وقت میرے پاس میرے کام کے لیے بچے، وہ بھی میں تمہیں دے دوں؟'' رنگت کو گلابی پڑنے اور

آواز کو بلند ہونے سے وہ نہیں روک سکی تھی۔

''ہم اضافی گھنٹوں کا معاوضہ دیں گے۔'' ماہر نے اسی ڈھٹائی سے کندھے اچکائے۔ وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھے گئی۔ وہ کیوں اسے اس آفس میں مقید کرنا چاہتا تھا؟ ماہر فرید ایک ماسٹر manipulator تھا۔ وہ کوئی لمبی چال چل رہا تھا۔ مگر کیا؟

''میں کام سے کبھی نہیں گھبرائی۔ کرلوں گی۔ فکر نہ کریں۔ لیکن کیا تم واقعی اضافی گھنٹوں کا پے کرو گے؟''

''آف کورس۔ باقی سب شبنم سمجھا دے گی۔''

وہ سیدھا ہوا۔ اپنا ٹیبلیٹ سامنے کیا۔ پھر مہذب انداز میں دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ مگر وہ نہیں اٹھی۔

''ایک آخری بات۔''

''ایک منٹ۔ تم کانٹریکٹ سائن کر چکی ہو۔ اب کوئی شرط....''

''مجھے ہلال سے ملنا ہے۔''

ماہر کے ماتھے کی لکیریں گہری ہوئیں۔

''میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔'' وہ جیسے غیر آرام دہ ہوا تھا۔

''پوچھ نہیں رہی۔ بتا رہی ہوں۔ تم نہیں ملواؤ گے تو ہلال کے دوسرے بھائی سے کہہ دوں گی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہر فرید کی شکل دیکھ کے اندر اُبلتا لاوا قدرے ٹھنڈا ہوا۔

وہ دروازے تک گئی تھی جب وہ بولا۔

''صرف ایک جگہ۔''

وہ ہلکا سا مسکرا کے پلٹی۔

''بیر بل کی بیکری پہ۔ آج لنچ بریک میں۔ وہ اپنے گارڈ کے ساتھ آئے گی۔ تم اسے وہاں سے کہیں اور نہیں لے جاؤ گی۔''

''گارڈ؟ اچھا... ہلال کی حفاظت کے لیے ہوگا؟'' سمجھتے ہوئے سر ہلایا تو ماہر نے ''ہوں'' میں گردن کو جنبش دی۔

''کبھی تم نے سوچا، ماہر... ایک دن وہ باڈی گارڈ بھاگ جائے اور تمہیں کوئی تیسرا شخص آ کے بتائے کہ اس کا نام بھی جھوٹا تھا اور شناخت بھی.... دوبارہ ملنے پہ کیا حال کرو گے تم اس کا؟''

ماہر فریدا گلا سانس نہیں لے سکا۔

''سوچو، ماہر... بھلے وہ ہلال کو نقصان نہ پہنچائے... لیکن کیا کبھی دوبارہ اس کو ہلال کے نزدیک آنے دو گے؟'' وہ زخمی سا مسکرائی۔ شبنم نے چونک کے اسے دیکھا۔

ماہر نے بہت سا تھوک نگلا اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''پلیز۔ مجھے کام کرنا ہے۔''

مالا کندھے اچکا کے پلٹ گئی۔

''یہ آپ کا کیبن ہے۔'' شبنم نے اپنی میز سے تین فٹ کے فاصلے پر بنے پہلے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔

یہ طے تھا کہ اسے ورک فرام ہوم نہیں ملے گا۔ اسے پانچ دن اس آفس میں آنا پڑے گا۔ وہ بیگ رکھ کے وہاں بیٹھی۔ کوٹ اتار کے کرسی کے پیچھے لٹکایا۔ شبنم اب جیب سے موبائل نکال رہی تھی۔

''لنچ بریک کے بعد ہم سائٹ وزٹ کے لیے کرتال جائیں گے۔'' اس نے اسکرین روشن کرتے ہوئے جھکی نگاہوں سے اطلاع دی۔ اس کی عینک میں اسکرین کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

مالا نے ایک نظر اس عکس کو دیکھا۔ پھر اپنی میز پر رکھے کمپنی کے گرافک ٹیبلیٹ کو۔ سر جھٹک کے اسے آن کیا تو "KAIF" کا لوگو ابھرا۔ دل میں ایک کسک سی اٹھی۔

اس نے پھر سے نگاہ اٹھائی۔ شبنم کی عینک میں پیلے رنگ کی نوٹس ایپ کھلی تھی۔ وہ بار بار کچھ لکھ کے مٹا رہی تھی۔

''میں نے ایک دفعہ تھائی لینڈ میں ایک شادی کا ایونٹ کور کیا تھا۔'' وہ کھنکھاری۔ شبنم نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ اب کیف کا گرافک ٹیب دھکیل کے اپنا آئی پیڈ اس کی جگہ رکھ رہی تھی۔

''دلہن شادی پہ خوش نہیں تھی۔ اپنے فون پہ لگی تھی۔ بے چین اور اداس۔'' وہ اب بیگ سے چارجر نکال کے سیٹ کر رہی تھی۔ ''میں نے شوٹ کے دوران اس کی بہن کو سنا۔ وہ اسے کہہ رہی تھی کہ مائی ڈیئر ... اگر کسی سے بات کرنے سے پہلے نوٹس ایپ کھولنی پڑے....'' چہرہ گھما کے شبنم کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تو وہ نمبر اپنی فون بک سے مٹا دینا چاہیے۔''

شبنم کی رنگت فق ہوئی۔ اس نے تیزی سے موبائل بجھایا۔

''مجھے اپنے کام کے لیے بہت سی ایپس کھولنی پڑتی ہیں۔ یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔'' چیخ کے کہتی وہ اس کی طرف

سے مکمل رخ موڑ گئی۔ کشمالہ نے افسوس سے سر جھٹکا اور آئی پیڈ کی اسکرین روشن کی۔ مجیدیے مسجد کے ساتھ لی گئیں کل کی تصاویر کھل گئیں۔ اسے ابھی ان کو ایڈٹ کرنا تھا۔ کیف کا آرٹ ورک بنائے گی اس کی جوتی۔ وہ آرام سے اس آفس میں بیٹھ کے اپنا کام کرے گی۔ یہاں چائے کافی فری تھی۔ گڈ۔ خرچہ بچ جائے گا۔ ماحول بھی پرسکون تھا۔

وہ ایک تصویر پہ رکی۔ یہ سنبل کے کارڈ سے ٹرانسفر ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ اس نے نہیں لی تھی۔

سرمئی کوٹ والا آدمی سر جھکائے پانی کے ساتھ چلتا جا رہا تھا۔

اس نے نیکسٹ کلک کیا۔ سفید ٹوپی والی لڑکی اس کے پیچھے گئی تھی۔

نیکسٹ۔

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

نیکسٹ۔

وہ واپس آ رہی تھی اور وہ جاتے جاتے اس کی طرف پلٹا تھا۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔

نیکسٹ۔

وہ واپس پلٹ گیا تھا۔ دونوں مخالف سمتوں میں جا رہے تھے۔ پیچھے مسجد جگمگا رہی تھی۔

اس نے سر جھٹکا اور دوسرا فولڈر کھول لیا۔

یہ آدمی کیف نہیں تھا۔ یہ اس کا اصل روپ تھا۔ سرد کٹھور ماہر فرید جس کو ایک کھوئے ہوئے بچے سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ اسے اپنے وقت کا معاوضہ چاہیے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نشاستشی میں بنی بیربل کی بیکری اس صبح ویسی ہی تھی۔ چند گاہک نچلی منزل کے کاؤنٹر پہ کھڑے تھے۔ چند وہاں بچھے گلابی مخملیں صوفوں پر بیٹھے تھے۔ بیربل فرید سفید جوگرز اور رنگ برنگی شرٹ ٹراؤزرز میں ملبوس زینے چڑھتا اوپر آ رہا تھا۔ ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں رکھے کپ سے دھوئیں کے ساتھ روسٹ شدہ کافی بینز کی مہک اٹھ رہی تھی۔

بالائی منزل پہ ریلنگ کے ساتھ ایک محفل جمی تھی۔ تین میزیں ملا کے ایک طویل میز بنی تھی جس کے گرد کرسیوں پر چند افراد بیٹھے تھے۔ سوٹس میں ملبوس۔ مینی کیورڈ ہاتھوں اور چمکتے بوٹس والے۔ سربراہی کرسی پر مالک فرید

براجمان تھے۔ بیربل ان کے قریب آیا۔ بغور ان کا جائزہ لیا۔

اب وہ بتا سکتا تھا کہ ان کے سفید بال نقلی تھے۔ وہ اتنی اچھی کوالٹی کے تھے کہ اسے شک بھی نہ گزرا تھا۔ وہ کمزور ہو گئے تھے۔ بھنویں بھی نقلی تھیں یا اصلی، وہ فیصلہ نہ کر سکا۔ ہاتھوں کی جلد بھی کھنچ سی گئی تھی۔ زردی مائل۔ البتہ ان کا بنا شکن کے سوٹ، پرفیوم، چمکتے جوتے اور چہرے پہ چڑھا برف کا خول ویسا ہی تھا۔ یہ اس کا قصور نہیں تھا کہ وہ ان کی بیماری پڑھ نہیں سکا۔ وہ واقعی روبوٹ تھے۔

''گرم کافی۔'' بیربل نے مسکرا کے ان کے سامنے گرم کافی رکھی اور ٹھنڈا پڑتا کپ اٹھا لیا۔ عبدالمالک فرید جو کسی بات کے درمیان میں تھے، قدرے کوفت سے اسے دیکھا۔ پھر واپس اپنی بات مکمل کرنے لگے۔

وہ ٹرے لیے چند لمحے کھڑا رہا۔

''مالک... تمہیں کچھ اور چاہیے؟'' مسکرا کے پوچھا۔

انہوں نے اب کے چہرہ اٹھا کے غور سے اسے دیکھا۔ پھر نفی میں گردن ہلائی۔

''میں میٹنگ مکمل کر لوں؟'' خار کھاتا لہجہ سن کے بھی بیربل کی پیشانی پر بل نہ پڑا۔

''شیور۔ شیور۔'' وہ مسکرا کے پلٹا اور دھپ دھپ زینے اترتا گیا۔

پھر کافی دیر تک اوپر میٹنگ جاری رہی۔ بیربل اپنے مخصوص صوفے پر ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا موبائل سے کھیلتا رہا۔ توجہ اوپر لگی تھی۔ پھر باری باری وہ افراد نیچے اترنے لگے۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بے چینی سے زینوں کو دیکھا۔ مالک ان کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ کچھ سوچتا رہا۔ تین دفعہ کافی کے لیے چکر لگا چکا تھا۔ اب کیسے جائے؟ پھر کاؤنٹر سے پانی کی بوتل اٹھائی اور اوپر چلا آیا۔ مالک کو دیکھ کے رکا۔

''پانی... پانی چاہیے؟ میں اپنے لیے لا رہا تھا سوچا...'' سرسری انداز میں کہتے ہوئے ایک ہاتھ سے پانی اس کے سامنے رکھا۔ دوسرے سے موبائل کے بٹن دباتا وہ آفس کی طرف جانے لگا جب...

''ماہر نے بتایا ہے تمہیں؟''

مالک فرید کی پرسکون آواز گونجی۔ بیربل کا دل دھک سے رہ گیا۔ بہت سا تھوک نگلا اور پلٹا تو چہرے پہ حیرت تھی۔

''کیا؟'' ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔ اسے تو کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔

مالک نے پانی کی بوتل اٹھائی۔ انگلیوں سے ڈھکن گھمایا۔ کڑک کی آواز کے ساتھ وہ کھلا۔

''زارا کو مت بتانا۔ میں ابھی اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا۔''

سامنے دیکھتے ہوئے انہوں نے گھونٹ بھرا۔

''میں... میں سمجھا نہیں۔'' بیربل نے اسی اچھنبے سے انہیں دیکھا۔

مالک فرید نے بوتل نیچے کی۔ ڈھکن بند کیا۔ اسے میز پر رکھا۔

پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ کوٹ کا بٹن بند کیا اور چہرہ اوپر کر کے اسے دیکھا۔ عین اس کی آنکھوں میں۔

''دو مہینے تک symptoms شدید نہیں ہوں گے۔ تیسرے مہینے کے بعد میری یادداشت کھونے لگے گی۔ چوتھے مہینے تک میں bedridden ہو جاؤں گا۔ زارا کو تب بتانا جب میری یادداشت کام نہ کرے۔ تاکہ میں اس کی تکلیف دیکھوں تو بھول جاؤں۔''

بیربل نے ہونٹ کھولے۔ وہ انکار کرنا چاہتا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔

لیکن بہت سے آنسو حلق میں اکٹھے ہو گئے۔ اس کا گلا بند ہو گیا۔

''او کے۔'' اس نے خود کو گیلی آواز میں کہتے سنا۔

وہ قدم قدم چلتے اس کے عین سامنے آ رکے۔ وہ ان کا چہرہ نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کے بوٹ دیکھ رہا تھا۔ چمکتے۔ پالش شدہ۔ عمار نے کیے ہوں گے۔

''ایک کلینکل ٹرائل ہو رہا ہے۔ اس ماہ کے اختتام پہ۔''

بیربل نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں گلابی تھیں۔

''میں اس میں رجسٹر ہو رہا ہوں۔ ایک نئی میڈیسن ہے۔ اگر وہ کام کر گئی تو ٹیومر شرنک ہو جائے گا۔''

وہ آنسو جو وہ بدقت روکے ہوئے تھا آنکھوں میں بھرتے گئے۔

''رئیلی؟'' اس کی پلکیں گیلی ہو گئیں۔

ایک امید تھی۔ بالآخر۔

مالک فرید نے جواب نہیں دیا۔ وہ اس کے کندھے کے ساتھ کھڑے تھے۔ بس ہلکا سا اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

پھر آگے بڑھ گئے۔

اب وہ زینے اتر رہے تھے۔

وہ پلٹ کے انہیں دیکھنے لگا۔ آنسو آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے۔

وہ بوڑھا آدمی زینے اس تیزی سے نہیں اتر رہا تھا جیسے پہلے اترتا تھا۔ اب ان کے قدموں میں احتیاط تھی۔ اپنا امیج برقرار رکھنے کا جنون۔ اپنی بیماری کا احساس۔ وہ پہلے کیوں نہیں بھانپ سکا؟

اس کا دل بھر آیا۔ جیسے ایک دریا بہنے کو تیار تھا۔ وہ اپنے آفس میں چھپ کے رونا چاہتا تھا۔ مالک کے لیے۔ اپنے باپ قاسم فرید کے لیے... اسے بہت سا رونا تھا.....

''بیرمل بے... کچن میں ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔...'' نیچے سے شیف نے بے بس سی آواز لگائی۔

''ایک تو تم لوگ مجھے فرصت سے رونے بھی نہیں دیتے۔''

بے بسی بھرے غصے سے پیر پٹخا آنکھیں رگڑیں اور زینے اترنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لنچ بریک میں شبنم اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ اس کے پاس آئی اور اسے آگاہ کیا کہ وہ اسے خود بیکری لے کر جائے گی۔ غالباً ماہر بے کو اس پہ اتنا بھروسہ نہ تھا کہ وہ اکیلے ہلال سے مل سکتی۔ سارا راستہ شبنم نے خاموشی سے ڈرائیو کی۔

جب کار بیکری کے باہر رکی اور شبنم نے بٹن آف کر دیا اور انجن کی آواز اور ہیٹر کی حرکت دم توڑ گئیں تو وہ بولی۔

''میں اندر نہیں آؤں گی۔ مجھے ہلال سے ملنا... غیر آرام دہ کر جاتا ہے۔'' وہ اسٹیرنگ وہیل پر دونوں ہاتھ رکھے سامنے دیکھ رہی تھی۔

مالا نے سیٹ بیلٹ کے بٹن پر ہاتھ رکھے بغور اس کی عینک کے پیچھے سے جھلکتی آنکھوں کو دیکھا۔

''آئی ایم سوری۔ صبح جو میں نے کہا۔ مجھے تمہیں نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ میں نے اپنی حد کراس کی۔ اس کے لیے معذرت۔''

بٹن دبایا تو سیٹ بیلٹ ایک جھٹکے سے جدا ہوئی۔ مالا نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ.....

''اس کا نام حلیل ہے۔''

وہ چونک کے واپس گھومی۔ شبنم ونڈ اسکرین کے پار بیکری کی گلاس وال کو دیکھ رہی تھی۔

''اونچا لمبا۔ خوبصورت۔ امیر۔ ترکش ڈراموں کے ہیروز جیسا۔''

وہ اسٹیئرنگ وہیل پر اتنی سختی سے انگلیاں جمائے ہوئے تھی کہ رگیں کھنچ گئی تھیں۔

''میں ڈھائی سال سے اسے جانتی ہوں۔ ہم کئی دفعہ ملے ہیں۔ دوستوں کے درمیان۔ چند ایک دفعہ کافی پینے بھی ساتھ گئے ہیں۔''

''کیا تم دونوں ایک ریلیشن شپ میں ہو؟''

''سچوئیشن شپ situationship کہہ لو۔''

مالا نے گہری سانس خارج کی۔ انگریزی زبان کی خاص بات یہ تھی کہ جن چیزوں کو نام نہیں دیا جاتا تھا یہ ان کو بھی نام دے ڈالتی تھی۔

''میں اس کو پسند کرتی ہوں لیکن مجھے نہیں معلوم کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچتا ہے۔''

ہیٹر بند ہونے کے باعث سانسوں کی دھند شیشوں پر چھانے لگی۔

''تم اس کو کیوں پسند کرتی ہو؟''

شبنم باہر دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

''بس کچھ ہے اس میں جو مجھے اس کی طرف کھینچتا ہے۔ جب وہ مجھ سے بات کرتا ہے تب میں سب سے زیادہ خوش ہوتی ہوں۔ اس کا ایک میسیج.... ایک میسج میرا موڈ بدل دیتا ہے۔ اور جب اس کا میسیج نہیں آتا تو اس کا انتظار کرنا اتنا تکلیف دہ ہوتا ہے کہ بس۔ وہ درمیان میں کئی کئی دن غائب ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے وہ بزی ہوتا ہے لیکن....''

''لیکن تم بار بار فون چیک کرتی ہو۔ اس کے میسیج نہ کرنے پہ تمہیں اینگزائٹی ہونے لگتی ہے۔ تم نے اس کے نمبر پہ مخصوص ٹون لگا رکھی ہے۔ اس کے بجنے پہ تمہارا دل کھل اٹھتا ہے۔ تم بھاگ کے جواب دیتی ہو۔ لیکن پھر... وہ کچھ دیر لیتا ہے ریپلائی کرنے میں۔ اور تمہارا انتظار پھر سے شروع ہو جاتا ہے۔ تم چاہتی ہو کہ تم دونوں کی گفتگو کبھی ختم نہ ہو۔''

شبنم نے گردن اس کی جانب موڑی۔ آنکھیں پوری کھل گئیں۔

''تمہیں کیسے....''

''لیکن پھر تمہارا انتظار بڑھتا جاتا ہے۔ تم ہر دن کی روداد اس کو سنانا چاہتی ہو لیکن وہ ہر وقت دستیاب نہیں ہوتا۔ اس کا ایک میسیج پانے کے لیے تم گھنٹوں انتظار کرتی ہو۔ یا شاید...'' مالا نے چہرہ موڑ کے اسے غور سے

دیکھا۔''... شاید تم اس کو رپلائی پہ مجبور کرنے کے لیے بھی کچھ کرتی ہوں گی۔ دعا۔ یا کوشش۔ کوئی ایسی چیز پوسٹ کی جس سے وہ تمہیں ڈی ایم کرے۔ کوئی وجہ ڈھونڈی۔ یا گھڑ لی۔ کیونکہ اس کا ایک میسج تمہارے دن بھر کی کمائی ہوتا ہے۔''

شبنم کی آنکھیں پانی سے بھرتی گئیں۔ ہونٹ کپکپائے۔ لیکن الفاظ پھنس گئے۔

''یہ محبت نہیں ہے، شبنم۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔

''اگر محبت ہوتی تو تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہیں اس میں کیا پسند ہے۔ مگر تم نے مجھے اس کی صرف تین خوبیاں بتائیں۔ خوبصورت، لمبا، امیر۔ کیونکہ تم ان چیزوں کی وجہ سے اس کی طرف کھنچی۔ تمہارے ذہن نے اس کے لیے ایک الوژن بنایا۔ ایک سراب۔ پھر اس کو اپنی مرضی کی شخصیت پہنا دی۔ تمہیں اس الوژن والی شخصیت سے محبت ہے۔ مگر کیا تم اس کی ''حقیقت'' کو جانتی ہو؟''

''کیا مطلب؟''

''اگر یہ محبت ہوتی تو تم مجھے بتاتی کہ وہ سچا انسان ہے۔ وعدے کا پابند۔ وفا کرنے والا۔ اس کی ویلیوز کیا ہیں۔ اس کا اخلاق کیسا ہے۔ محبت ان چیزوں سے ہوتی ہے۔ لیکن تمہیں اس توجہ سے محبت ہے جو وہ تمہیں دیتا ہے کیونکہ تمہیں توجہ نہیں مل رہی۔ تمہیں اس کے انہی اوصاف سے محبت ہے جن کی تمہیں اپنے اندر کمی لگتی ہے۔''

شبنم کا چہرہ سرخ ہوا۔

''یعنی میں ایک... ایک چھوٹی، کم صورت، غریب لڑکی ہوں؟''

''نہیں۔ تم خود کو ایک چھوٹی کم صورت غریب لڑکی سمجھتی ہو۔ تمہیں اپنے قد، شکل اور مالی حالات کا کمپلیکس ہے، اسی لیے جس کے پاس وہ چیزیں ہوں گی تمہیں وہ اپنے سے برتر لگے گا اور تم اس کی طرف کھنچو گی۔ تمہیں چھوٹا قد نہیں پسند سو تمہیں کوئی پستہ قامت مرد نہیں پسند آئے گا۔''

شبنم کی پلکوں سے آنسو بنا آواز کے ٹوٹتے گئے۔ عینک کے شیشے بار بار دھندلے ہو رہے تھے۔

''اس کا میسج کرنا تمہیں خوش نہیں کرتا، شبنم۔ صرف تمہیں ایک ڈوپامین hit دیتا ہے۔ تمہارا ذہن بار بار اس فیلنگ کو محسوس کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ اگلے میسج کا انتظار کرتا ہے۔ تمہارے ذہن کو وہ اچھا لگتا ہے کیونکہ وہ ایک غیر دستیاب مرد ہے۔''

مالا رکی۔ تھوک نگلا۔ بہت ہمت سے اگلے الفاظ کہے۔

''شاید تمہارے باپ جیسا؟''

شبنم بری طرح چونکی۔ رنگت مزید سرخ ہوئی۔ وہ جیسے بلبلا کے انکار کرنا چاہتی تھی مگر آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔

''میرے بابا کا کیا ذکر؟''

''کیا تمہارے بابا تمہیں توجہ دیتے تھے؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔ شبنم سامنے دیکھنے لگی۔ تنفس تیز ہو گیا۔

''میرے بابا بہت اچھے ہیں۔ انہوں نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ مجھے پڑھایا لکھایا، اس قابل بنایا۔ میرے بابا بہت اچھے ہیں۔'' اس نے بھیگی آواز میں زور سے دہرایا۔

''ظاہر ہے وہ اچھے ہیں۔ لیکن وہ مصروف رہے، شبنم۔ unavailable۔ دور۔ وہ موجود تھے، لیکن نہیں تھے۔ ہر بچہ مختلف ہوتا ہے۔ تمہیں اپنے باپ کی محبت، توجہ اور تعریف بہت زیادہ چاہیے تھی۔ وہ تمہیں نہیں ملی۔ اس لیے تمہارا دل انہی کے جیسے غیر دستیاب مردوں میں اٹکتا ہے۔''

''میرے بابا کا اس میں کیا قصور ہے؟''

''جو بچے ٹرامازلے کر بڑے ہوتے ہیں، وہ اپنے ماں باپ جیسے لوگوں کو ہی چنتے ہیں۔ بڑے ہوتے ہوئے تم نے اپنے باپ کو ہمیشہ مصروف دیکھا۔ غیر دستیاب۔ unavailable۔ دور۔ سو تم نے خود کو ایک ٹروفی ہنٹر بنایا۔ تم اپنی کامیابیوں سے، اپنے پرفیکٹ بی ہیویئر سے کسی طرح اپنے باپ کا approval جیت سکو۔ تمہیں اپنے باپ کا پیار ویسے چاہیے تھا جیسے تم چاہتی تھیں۔''

ونڈ اسکرین مزید دھندلی ہو چکی تھی اور اب انہیں بیکری دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

''تمہیں ایسا مرد نہیں اٹریکٹ کرے گا جس کے پاس تمہارے لیے وقت ہو، توجہ اور محبت ہو۔ تمہیں دور رہنے والا مصروف اور غیر دستیاب انسان پرکشش لگے گا۔ کیونکہ وہ تمہارے ذہن کو تمہارے باپ کی یاد دلاتا ہے۔ وہ ایک چیلنج ہے۔''

شبنم نے عینک اتاری اور سامنے رکھے باکس سے ایک، دو، تین ٹشو کھینچے۔

''کیونکہ تمہیں اگر ایک غیر دستیاب انسان مل جائے اور کسی طرح تم اس کو اپنے لیے ''دستیاب'' کر لو، اس کو اپنی طرف پھیر لو، اس کو محبت کرنا سکھا دو، تو وہ خلا جو تمہارے باپ نے تمہارے اندر چھوڑا ہے وہ بھر جائے گا۔''

شبنم نے مسکارے سے بھیگی آنکھیں رگڑیں۔ حلقے سیاہ ہوتے گئے۔

''اگر ایک غیر دستیاب انسان خود کو بدل کے تم سے محبت کرنے لگ جائے تو تم اپنے باپ سے جیت جاؤ گی۔''

ٹشو مٹھی میں بھینچے شبنم نے اس کی طرف چہرہ موڑا تو اس پہ شکست تھی۔

''لیکن حقیقت یہ ہے شبنم، کہ غیر دستیاب لوگ نہیں بدلتے۔ وہ ہمارے لیے دستیاب نہیں بن جاتے۔ ہم نے اپنے ٹراما کا زخم خود بھر کے خود کو ''دستیاب محبت'' کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے۔''

''کیا وہ کبھی مجھ سے محبت نہیں کرے گا؟''

مالا نے نفی میں گردن ہلائی۔

''ہر مرد کے پاس دن کے چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں میسج کرنے کے لیے۔ مرد کو جس عورت کی چاہ ہوتی ہے وہ اس کو انتظار نہیں کرواتا۔ وہ جتنا مصروف ہو عورت کے لیے اس کے پاس ہمیشہ وقت ہوتا ہے۔ اور جس عورت کے لیے نہیں ہوتا وہ اس میں انٹرسٹڈ نہیں ہوتا۔''

شبنم نے سر جھکا دیا۔ اب وہ ٹشو سے ناگ رگڑ رہی تھی۔

''وہ کہیں غائب نہیں ہوتا۔ نہ وہ مصروف ہوتا ہے۔ وہ وہیں ہے۔ اپنی زندگی گزار رہا ہے۔ تم اس کی ترجیح نہیں ہو۔ تم اس کو اس کی ظاہری خصوصیات کی وجہ سے پسند کرتی ہو یا اس توجہ کی وجہ سے جو تمہیں اس سے چاہیے؟''

''پھر میں کیا کروں؟ میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے پوچھے کہ میں کیسی ہوں میرا آج کا دن کیسا گزرا؟''

''کبھی تم نے خود سے پوچھا ہے کہ تم کیسی ہو؟''

شبنم ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

''خود سے.... کیا مطلب؟ مجھے معلوم ہے کہ میں کیسی ہوں؟''

''وہ تمہیں جتنی توجہ دے ڈالے تمہارا دل نہیں بھرے گا۔ کیونکہ جب تک تم خود کو توجہ نہیں دو گی، ساری دنیا کے لوگوں کی توجہ بھی تمہارے لیے کافی نہیں ہے۔ جانتی ہو میں ہر دن کے اختتام پہ کیا کرتی ہوں؟''

وہ اداسی سے مسکرائی۔ اور شبنم بس دم سادھے اسے دیکھے گئی۔

''میں تین گہرے سانس لیتی ہوں۔'' اس نے آنکھیں بند کیں۔ اور دل پہ ہاتھ رکھا۔ ''پھر میں اپنے آپ سے پوچھتی ہوں کہ مالا، تم کیسی ہو؟ اور اگر میں خوش ہوتی ہوں تو میں خود کو بتاتی ہوں۔ اگر میں تکلیف میں ہوتی ہوں تو میں خود سے پوچھتی ہوں کہ مجھے کہاں تکلیف ہے؟ کیا وہ چھوٹی ہے؟ یا بڑی ہے؟ کھوکھلی ہے یا چبھتی ہوئی؟ اور اس درد کا رنگ کیا ہے؟''

وہ آنکھیں بند کیے کہہ رہی تھی۔ شبنم کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''پھر میں خود سے کہتی ہوں کہ سب ٹھیک ہو جائے گا، مالا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں نے غلط فیصلے کر کے کئی برس تمہیں تکلیف دی لیکن اب میں تمہیں تکلیف نہیں ہونے دوں گی۔'' اس نے آنکھیں کھولیں اور مسکرائی تو شبنم نے دیکھا اس کی پلکیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔

''ہم سب اندر سے تنہا بچے ہیں۔ ہمیں اپنی تنہائی کو اپنانا سیکھنا ہے۔ اس سے لڑنا نہیں ہے۔ تم اس کے الوژن سے نکل آؤ گی تو زندگی آسان ہو جائے گی۔ جو آدمی تمہیں انتظار کرواتا ہے وہ تمہاری عزت نہیں کرتا۔ تم اس کا مزید انتظار کیوں کرنا چاہتی ہو؟''

اس نے پیروں میں رکھا بیگ اٹھایا اور ہینڈل کھینچا۔ دروازہ کھل گیا۔ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اندر آیا۔

''جب تم اپنے کمپلیکسز سے نکلو گی تو تمہیں کسی کی ظاہری خوبصورتی متاثر نہیں کرے گی۔ انسان کا جسم اس کا سب سے جلدی گھٹنے والا اثاثہ ہے۔ اونچے قد ڈھلک جائیں گے۔ اور خوبصورت چہرے جھریوں زدہ ہو جائیں گے۔ اگر کچھ باقی رہے گا تو یہ کہ ہم اندر سے کیسے انسان تھے۔ اس لیے...'' باہر نکل کے دروازہ بند کیا۔ پھر کھڑکی پر دستک دی۔ شبنم نے بٹن دبایا۔ شیشہ نیچے ہوتا گیا۔

''اس لیے اس کو ہلاک کر دو۔''

اس کی آنکھوں میں نرم سی تنبیہ تھی۔ شبنم کے دل کو دھکا سا لگا۔ وہ سر بھی نہ ہلا سکی۔ بس اسے بیکری کے اندر جاتے دیکھے گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اندر تازہ بیک ہوئی بنانا بریڈ کی مہک پھیلی تھی۔ ایک بیکر اوون کے سامنے جھکا دستانے والے ہاتھ سے ایک ٹرے باہر نکال رہا تھا جس میں گرم گرم بنانا بریڈ رکھی تھی۔ آج وہاں رش لگا تھا۔ شاید کوئی ڈیل چل رہی تھی۔

مالا کو وہ اندر داخل ہوتے ہی دکھائی دے دی تھی۔ شیشے کی دیوار کے ساتھ بیٹھی لمبے گھنگریالے بالوں والی لڑکی جو باہر کسی غیر مرئی نقطے پہ بے نور آنکھیں جمائے ہوئے تھی۔ کھلا سا سفید سوئیٹر اور ٹائٹس پہنے وہ دراز قد ہو چکی تھی۔ بچی سے لڑکی بن چکی تھی لیکن وہ معصومیت آج بھی چہرے پہ ویسی ہی تھی۔ کچھ شفاف سا۔ کچھ پراسرار سا۔

''ہلال۔''

وہ قریب آئی تو ہلال چونکی۔ پھر سامنے دیوار کو دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہونٹ مسکرائے۔

''گلاب اور اود۔ تم مالا ہو۔'' اس نے دایاں ہاتھ بڑھایا۔ وہ مالا کے بائیں کندھے کے قریب رکا۔ اس نے

مصافحہ کرنے کی بجائے نرمی سے دونوں ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اور تم ہلال ہو۔'' اس کا ہاتھ پتلا اور نرم تھا۔ اس میں اس نے باریک سی رنگز پہنی ہوئی تھیں۔

ساتھ والی سیٹ سے ایک بھورا کتا تیزی سے اٹھا اور مالا کے قدموں تک جا کے رکا۔ اس نے جیکٹ پہن رکھی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا وہ سروس ڈوگ ہے۔

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئیں اور مالا اپنی کافی آرڈر کر کے ہلال سے اس کی طبیعت اور حال احوال پوچھ چکی تب کہیں جا کے وہ کتا مالا کے گرد چکر کاٹنا روک کے فرش پر جا بیٹھا۔ جیسے اب وہ مطمئن تھا۔ یا شاید تھی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ مادہ ہے۔ اور اس کے کالر پر اس کا نام لکھا تھا۔ Luna لونا۔

لاطینی زبان میں لونا چاند کو کہتے تھے۔

''کیا بدر کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

ہلال کی آنکھیں مالا کے پیچھے دیوار پہ جمی تھیں اور ہونٹ مسکرا رہے تھے۔ دونوں ہاتھ میز پر باہم ملا کے رکھے تھے۔

''پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔ مگر زندہ ہے۔ جہاں بھی ہے۔'' وہ شبنم سے گفتگو کر کے تھک گئی تھی۔ اس سوال پہ دل مزید بوجھل ہوا۔ بہت دن بعد کسی نے اس سے بدر کا پوچھا تھا۔ ماہی سے جب بات ہوتی وہ اس موضوع سے اعراض برتتی۔ اور ماہر اس کے بیٹے کا نام نہیں لیتا تھا۔

''مجھے لگا ہم ساتھ بڑے ہوں گے۔ لیکن کیا میں غلط تھی؟''

''کیا تم کبھی غلط ہوتی ہو؟''

ہلال نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ مسکرانے سے گال میں گڑھا بنا۔

''کبھی کبھی۔ جیسے میں ماہر بھائی یا بیربل کو نہیں پڑھ سکتی۔ مالک کو بھی نہیں۔ جو میرے دل کے قریب ہوتا ہے اس کی طرف سے میری آنکھیں بند ہو جاتی ہیں۔ ہے نا عجیب بات؟''

مالا نے اس کے گال کے گڑھے کو دیکھا۔ پھر مڑی ہوئی پلکوں کو۔ یہ اس نے پہلی دفعہ پانچ سال پہلے دیکھا تھا۔ جب وہ اوشن کی بالائی منزل پر اپنے آفس میں تھی۔ دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا تھا۔ نیا باڈی گارڈ۔ اونہوں۔ اس نے سر جھٹکا۔ صبح سرخ عمارت والی بات سے بار بار ذہن پانچ سال پیچھے جا رہا تھا۔

''کیا تم مجھے پڑھ سکتی ہو؟'' وہ بظاہر مسکرائی۔ کیا ہلال جان سکتی تھی کہ وہ کیا سوچ رہی تھی؟ خدا نہ کرے۔

''تم تھکی ہوئی ہو، مالا۔ کسی کے مسئلوں نے تمہاری توانائی جذب کر لی ہے۔'' پھر اس نے ہاتھ سے میز کو ٹٹولا۔ دائیں بائیں، یہاں تک کہ اس کے ہاتھ نے مالا کے ہاتھ کو چھوا۔ پھر ہلال نے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھے۔ چہرے پہ فکرمندی بھری سنجیدگی ابھری۔

''تم بدر کو ڈھونڈ رہی ہو، مالا۔ دوسروں کو اپنی توانائی جذب کرنے دو گی تو تھک جاؤ گی۔''

مالا نے ایک نظر شیشے کی دیوار کے پار کھڑی شبنم کی کار کو دیکھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ جو غلطی میں نے کی ہے وہ دوسری کوئی عورت نہ کرے۔''

''ہر شخص کو اپنے حصے کی غلطی کرنی ہوتی ہے۔ یہ ماہر بھائی کہتے ہیں۔''

اس سے پہلے کہ وہ ماہر بھائی کے اقوال زریں پہ غور کرتی ویٹر نے مگ سامنے رکھا۔ ایسے کہ کانچ کے سنگ مرمر سے ٹکرانے کی آواز آئی۔ مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ ویٹر سپاٹ چہرے کے ساتھ اب ہلال کے سامنے بنانا بریڈ کا سلائس رکھ رہا تھا۔ پھر وہ پلٹ گیا۔

''وہ اداس ہے۔'' وہ تھوڑی دیر بعد بولی۔

''کون؟ یہ ویٹر؟''

''ہاں۔ وہ بہت محنت کر رہا ہے۔ اپنی بیوی کے لیے۔'' ٹٹول کے پلیٹ اپنے قریب کھسکائی۔ اب چہرہ جھکا ہوا تھا۔ دور سے معلوم نہ ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں بے نور ہیں۔

''مگر وہ اندر سے اداس ہے۔ اور تنہا بھی۔ اور ایسا بہت عرصے سے ہے۔''

وہ چھری اور کانٹے سے سلائس کو کاٹ رہی تھی۔ مالا نے گردن موڑ کے اس ویٹر کو دیکھا۔ وہ اب کونے میں ایک اسٹول پر بیٹھا گم صم سا خلا میں دیکھ رہا تھا۔

''کیا یہ چیز تمہارے ذہن کو نہیں تھکاتی؟'' اس نے مگ اٹھاتے ہوئے بغور ہلال کو دیکھا۔ اس نے تھوڑی اٹھائی۔ پھر اسی سادگی سے مسکرا دی۔

''تھکاتی ہے۔ اس لیے میں زیادہ باہر نہیں نکلتی۔ لوگوں کی توانائیاں مجھے ڈسٹرب کرتی ہیں۔'' کچھ تھا اس کی آنکھوں میں۔ اداس سا۔ الگ ہونے کا غم۔ عام نہ ہونے کا ملال۔

''ہلال...'' وہ کھنکھاری۔ لہجے میں احتیاط تھی۔ ''تم بدر کے بارے میں کچھ جانتی ہو؟''

وہ نہیں چاہتی تھی کہ ہلال یہ سمجھے کہ وہ اس سے صرف بدر کے لیے ملنے آئی ہے۔

''ہاں۔'' ہلال نے چہرہ بنانا بریڈ پہ جھکاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

مالا ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگی۔ ساکن۔

''ہم ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔''

اس نے رکی ہوئی سانس بحال کی۔ ایسا نہیں ہوسکتا تھا۔

''اور کچھ؟''

اس نے چھری رکھ دی۔ اس ہاتھ کو پھر سے میز پر آگے بڑھایا یہاں تک کہ وہ مالا کے ہاتھ پر آن ٹھہرا۔

''وہ تمہیں مل جائے گا۔ مجھے یقین ہے۔''

''مجھے بھی۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''اور وہ بولنے لگے گا۔''

اس کا سانس تھم گیا۔ بالکل ساکت۔

ہلال نے ہاتھ واپس کھینچ کے چھری اٹھالی تھی۔ سر جھکائے بریڈ میں کانٹا میں پھنسائے وہ ایک ٹکڑا کاٹ رہی تھی۔

''کیا وہ واقعی بولنے لگے گا؟''

''اونہوں۔'' ہلال نے بس سر ہلا دیا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے۔

''آئی ایم سوری، ہلال۔''

ہلال چونکی۔ چہرہ اوپر کیا۔ نگاہیں دیوار پہ تھیں۔

''کیوں؟''

''میں نے تمہارے بھائی کو تمہارے بارے میں نہیں بتایا جب مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں نے تمہاری زندگی خطرے میں ڈالی تھی۔ میں نے...''

''تم نے مجھے بچایا تھا۔'' ساتھ ہی ہلال نے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے پہ کچھ غیر آرام دہ سا ابھرا۔

''کیا ہوا؟''

''پیچھے والا انسان.... اس کی اینگزائٹی بہت زیادہ ہے۔ یہ مجھے تکلیف دے رہا ہے۔''

مالا نے گردن اونچی کر کے ہلال کے کندھے کے پیچھے دیکھا۔ وہاں ایک مرد اور عورت آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ مرد کی پشت ہلال کی طرف تھی۔ وہ تیز تیز بولتا جا رہا تھا۔ عورت مسکرا کے اسے سنتی بیگ میں چیزیں ڈال رہی تھی۔

''پھر میں نے سوچا کہ کیوں نا ہم ویک اینڈ پہ...''

وہ کہتا جا رہا تھا جب عورت ایک دم بولی۔

''چلیں؟''

''ہاں چلیں۔'' وہ اپنی بات بھول کے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایسا صرف وہ شخص کر سکتا تھا جس کی اینگزائٹی بہت زیادہ ہو۔

''وہ جا رہا ہے۔'' سرگوشی میں اطلاع دی۔ ہلال نے گہری سانس لی۔ جیسے اسے سکون ملا ہو۔ وہ جیسے جیسے دور ہوتا گیا وہ ریلیکس ہوتی گئی۔

''تم اسکول جاتی ہو؟''

''نہیں۔ میں ہوم اسکولنگ کرتی ہوں۔ ایک دفعہ اسکول ٹرائی کیا تھا۔ وہاں مجھے سب تنگ کرتے تھے۔''

''دوسرے بچے؟''

''نہیں۔ کیمپس میں درخت تھے نا۔ اور استنبول کے درختوں پہ اداس روحیں بیٹھی ہوتی ہیں۔ وہ پکارتی تھیں۔ پھر ماہر بھائی میری سیفٹی کے لیے پریشان...''

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ آنکھیں الجھن سے چھوٹی ہوئیں۔

''یہ کون ہے؟''

مالا نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر اسے۔

''کون؟''

''کوئی ہے ادھر۔'' وہ جیسے بے چین ہوئی۔

بیکری میں معمول کا رش تھا۔ آرڈرز کی پکار کاؤنٹر پہ لگی قطار۔

''وہ دور جا رہا ہے۔''

مالا نے پلٹ کے دیکھا۔

بیکری کا گلاس ڈور کھول کے کوئی باہر نکل رہا تھا۔ دراز قد لڑکا۔ ہڈی پہنے۔ سر کو ڈھکے۔ اسے دروازے کے شیشے میں اس کے عکس کی جھلک دکھائی دی۔ گلاسز۔ سنہرے بال۔ وہ مزید نہیں دیکھ سکی۔ وہ باہر چلا گیا اور جیسے کہیں

غائب ہو گیا۔

''کوئی لڑکا ہے۔ یہ اسی کونے میں بیٹھا تھا جب میں آئی تھی۔ کیوں؟''

ہلال نے جواب نہیں دیا۔ وہ الجھی ہوئی نظر آتی تھی۔

''تمہیں اس کے بارے میں کچھ محسوس ہوا؟'' اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ شبنم کیوں غیر آرام دہ ہوتی تھی۔

''نہیں۔ کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ وہ جیسے اونچی دیواروں کے اندر تھا۔ بلا کڈ۔ بالکل بلا کڈ۔'' وہ جیسے ڈسٹرب ہو گئی تھی۔ بنانا بریڈ اسی طرح اَن چھوئی رکھی رہی۔

''اتنا مت سوچو۔'' وہ پھر سے کھنکھاری۔ وہ اب اسے بتا رہی تھی کہ وہ ہلال کو کوئی خط کیوں نہیں لکھتی تھی۔ وہ کتنی ڈسٹرب تھی۔ وہ بدر کو اس سب سے بچانا چاہتی تھی۔ اسے ہلال کو بدر سے ملنے دینا چاہیے تھا۔ وہ اس کو سوری کہہ رہی تھی مگر ہلال نہیں سن رہی تھی۔ وہ بے چین تھی۔

''میں اسے جانتی تھی۔ کچھ شناسا تھا اس میں۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔

وہ واپس آ کے کار میں بیٹھی تو دیکھا شبنم کی ناک سرخ تھی اور آنکھیں گیلی۔ اسے دیکھ کے اس نے ٹشو سے ناک رگڑی۔ وہ خاموشی سے سیٹ بیلٹ پہننے لگی۔

''ہم کرتال جا رہے ہیں۔ کنسٹرکشن سائیٹ پر۔ اور میں نے اسے بلاک کر دیا ہے۔'' سڑ کی آواز سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

''لیکن اگر اس نے مجھ سے رابطہ کرنا چاہا تو کیسے کرے گا؟''

''جب فون نہیں تھے تو مرد اپنی پسندیدہ عورت سے کیسے رابطہ کرتے تھے؟ میدان جنگ سے خط لکھتے تھے۔ پرندوں کے پیروں میں رقعے تک باندھ دیتے تھے۔ جس نے رابطہ رکھنا ہو وہ بنا پتے کے بھی تلاش کر لیتا ہے۔''

کرتال ایک انڈسٹریل سا علاقہ تھا اور اس کا آسمان سرمئی تھا۔ سورج آج ناراض تھا اور بادلوں کو درمیان میں حائل کیے ہوئے تھا۔ لیکن چند ایک کرنیں جو نگاہ بچا کے بادلوں کے جھروکوں سے زمین تک آ پہنچی تھیں وہ ایسے خاص زاویوں سے اس قرمزی عمارت پر پڑتیں کہ اس کی سرخی چمک اٹھتی۔

وہ ایک عجیب سی عمارت تھی۔

مالا کافی دیر گردن ترچھی کیے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اس باسی دوپہر میں اسے دیکھے گئی۔

ایک چوکور سرخ legos جیسی عمارت۔ لیکن چھت برابر نہ تھی۔ کہیں اونچی۔ کہیں نیچی۔ چوکور کی ایک سائیڈ کی

سات منزلیں۔ایک سائیڈ کی آٹھ۔درمیان میں خالی چوکور میدان۔

دیواروں کی بیرونی سطح برابر نہ تھی۔اس پر سرخ پینٹ نہیں تھا بلکہ سرخ فائبر گلاس کے چوکور ڈبیوں جیسے پینل لگے تھے۔دور سے لگتا بہت سے سرخ کاغذ کے ٹکڑے دیواروں پر چپکے ہوں۔کہیں ہلکے سرخ۔کہیں تیز سرخ۔جگہ جگہ شفاف کھڑکیاں۔درمیان میں چوکھٹے جیسے خالی روزن۔

''یہ درمیانی حصہ خالی کیوں چھوڑا؟''اس نے اچھنبے سے شبنم سے پوچھا تھا۔اس نے بے زاری سے کندھے اچکا دیے۔اس کے چہرے پہ ''کٹ آف'' کرنے کے بعد کی اذیت کے پہلے آثار دکھائی دینے لگے تھے اور اس وقت اسے سب سے بری کشمالہ مبین لگ رہی تھی۔(کیا ضرورت تھی اس کی سننے کی؟)

اس نے جلدی سے موبائل کھولا۔پھر حلیل کا ڈی ایم دیکھا۔کچھ دیر پہلے ایک جلا کٹا آخری ڈی ایم بھیج کے اس نے حلیل کو بلاک کیا تھا۔ڈی ایم seen ہو چکا تھا۔یعنی اب حلیل جانتا تھا کہ وہ اسے بلاک کر چکی تھی۔اب واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔اسے رونا آنے لگا۔

''ماہر چاہتا ہے کہ میں یہ.... یہ سب پینٹ کروں؟''

اس نے ایک اکتائی ہوئی نگاہ کشمالہ پہ ڈالی جو ایڑھیوں پر گھوم کے اس چوکور صحن کو دیکھ رہی تھی جس کی گھاس جلی ہوئی تھی۔اردگرد ابھی زرد ٹوپیوں والے مزدور لگے تھے۔جگہ جگہ بجری کے ڈھیر اور ٹائلز رکھی تھیں۔

چوکور صحن کو چاروں طرف سے عمارت نے گھیر رکھا تھا۔یہاں سے اسے تمام منزلوں کے برآمدے ریلنگز اور لفٹس دکھائی دیتی تھیں۔سرمئی اوپن ائیر کاریڈور جن کی اونچی دیواریں جو بیرونی سرخ دیواروں کے برعکس ابھی تک سیمنٹ زدہ تھیں۔

وہ یہ سب کیسے پینٹ کر سکتی تھی؟اس کا دماغ درست تھا؟آخر وہ اس سے کیا چاہتا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ویک اینڈ آیا تو اس نے ماہر کو میسج بھیجا۔وہ منتظر تھی کہ کب وہ اس کے ساتھ کاٹن کینڈی مین کی کھوج میں اسی گلی میں جائے گا جہاں بدر چند منٹ کے لیے کھویا تھا۔

''ابھی نہیں۔میں مصروف ہوں۔''

''پھر کب؟''

''بتاؤں گا۔''

سوموار کی صبح اسے معلوم ہوا کہ ماہر شہر میں نہیں تھا۔ وہ اس قرمزی عمارت کے کسی کام سے ازمیر گیا تھا۔ وہ تین دن بعد واپس آیا۔ مگر اس کا موڈ کسی بات سے خراب تھا۔ ان کا آمنا سامنا نہیں ہوا۔ وہ خاموشی سے کام کرتی رہی۔ لیکن اب وہ اپنا کام نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ وہ مزید کام لے ہی نہیں رہی تھی۔ کوئی شوٹ کوئی ایونٹ نہیں۔

ماہر نے محض اسے ستانے کے لیے قرمزی عمارت والا کام اسے سونپا تھا، اسے یقین تھا۔ لیکن وہ اس سے زبردستی کام نہیں کروا سکتا تھا نہ ہی یہاں کوئی اس سے اس کی پروگریس پوچھتا تھا۔ البتہ اس عجیب سی عمارت میں کچھ تھا جو وہ کوراٹیبلیٹ لے کر بیٹھی تو ذہن میں خود بخود آئیڈیاز ابھرنے لگے۔ ایک پینٹنگ گزشتہ دنوں اس کی نگاہوں سے گزری تھی جس نے اسے ایک تخیل تھمایا تھا۔ اگلے دو دن وہ صبح شام آفس میں دکھائی دیتی۔ سر جھکائے ٹیبلیٹ پر پنسل سے اسکیچ بناتے ہوئے۔ بہت عرصے بعد اس نے دل سے کچھ بنایا تھا۔

جمعرات کی رات تک اس کا خاکہ تیار تھا۔ مالا کو اندازہ تھا کہ اسے اذیت دینے کے لیے ماہر اس میں بہت سے نقص نکالے گا۔ وہ اس سے ایسے سوال پوچھے گا جو ثابت کریں کہ وہ اپنا کام نہیں جانتی۔ وہ اسے اُکسائے گا یا طنزیہ چوٹ کرے گا۔ لیکن وہ تیار تھی۔ یہ اس کا آرٹ ورک تھا۔ وہ اس کا دفاع کر سکتی تھی۔ اکثر مشکل کلائنٹس خود کو عقلمند ثابت کرنے کے لیے ڈیزائن میں تبدیلیاں کرواتے تھے۔ وہ جتنی تبدیلیاں کہے گا وہ کر دے گی۔ بس اس کے ڈیزائن کی روح متاثر نہ ہو۔

جمعے کی صبح کیف کی عمارت پہ خوشگوار سی اتری تھی۔

مالا لفٹ سے باہر نکلی تو شبنم نے کرسی اس کی جانب گھمائی۔ مسکرا کے دور سے ہاتھ ہلایا۔

وہ اس کو بالآخر آج مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی ورنہ اس ایک ہفتے میں کئی دفعہ شبنم کام کے دوران ہاتھ روک کے اس کو بے چین نظروں سے دیکھتی۔ پھر موبائل کی بجھی اسکرین کو۔ پھر مالا کو۔ اور وہ نفی میں سر ہلا دیتی۔ شبنم اسی تکلیف سے واپس پلٹ جاتی۔ مٹھی بھینچ لیتی۔

لیکن آج وہ ہلکی پھلکی دکھائی دے رہی تھی۔ مالا اپنے کیبن تک آئی تو شبنم کرسی کھینچ کے ادھر ہی آ گئی۔ دونوں ہاتھوں میں کافی کے لمبے کپس تھے۔ ایک اس کے سامنے رکھا۔

''فاصلہ کتنی نعمت ہے۔ کل رات مجھے احساس ہوا کہ وہ کتنا عام سا انسان تھا۔ میں کیوں اس کے پیچھے اتنی دیوانی تھی؟''

''تمہارے الوژن اور توجہ نے اسے خاص بنایا تھا ورنہ دنیا عام مردوں سے بھری پڑی ہے۔ تھینکس۔'' ابرو سے

کپ کی طرف اشارہ کیا۔ بیگ ڈیسک پر دھرا۔ٹیبلیٹ ساتھ جمایا۔ پھر کوٹ اتار کے کرسی کی پشت پر ٹھہرایا۔

''مجھے لگتا ہے حلیل برسوں پرانا قصہ تھا۔اتنی جلدی ..I am over him'' وہ خود بھی حیران تھی۔ پھر جھرجھری لی۔ "بہت ہی ٹاکسک انسان تھا ویسے۔ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں تھا تو بتا دیتا۔ میرا اتنا وقت ضائع نہ کرتا۔''

''مگر وہ اپنے عمل سے تمہیں بتا رہا تھا، شبنم۔ مرد الفاظ سے نہیں عمل سے بتاتے ہیں۔ عورت کا ذہن خود سے کہانیاں گھڑ لیتا ہے۔''

''جی نہیں۔اس نے جان بوجھ کے مجھے استعمال کیا۔اتنے کام کیے ہیں میں نے اس کے۔'' شبنم اس وقت حلیل کی برائی کے موڈ میں تھی۔ وہ مسکرا کے سر جھٹک کے رہ گئی۔ کرسی کھینچی اور اپنا ٹیبلیٹ آن کیا۔اسے اسکرین کے ساتھ نتھی کیا۔تب احساس ہوا کہ ایک تیسری کرسی بھی ان کے قریب آ چکی ہے۔

''مالا... اس سے ملو۔ یہ افرح ہے۔اسے تمہاری کاؤنسلنگ کی ضرورت ہے۔''

مالا نے کرسی پہیوں پر گھمائی۔ وہ ایک گھنگھریالے بالوں والی فربہ اور اداس سی لڑکی تھی۔اسے دیکھ کے نگاہیں جھکا دیں اور اپنا کپ مالا کے ڈیسک پر رکھ دیا۔

''کاؤنسلنگ؟'' اس نے ناسمجھی سے شبنم کو دیکھا۔

''اس کی شادی ٹاکسک ہو چکی ہے۔اس کو سمجھاؤ کہ یہ کیسے اس میں سے نکلے۔'' شبنم قدرے جوش سے دبی آواز میں کہہ رہی تھی۔ وہ تینوں اب ایک کیبن کے درمیان میں تھیں۔

''تمہاری شادی ٹاکسک کیوں ہے؟''

اگلے چند منٹ وہ خفا خفا سی لڑکی بولتی رہی۔اس کی پسند کی شادی تھی اور ایک بچہ تھا۔لیکن وہ خوش نہیں تھی۔ جس خوشی کا اس کے نارسیسسٹ شوہر نے شادی سے پہلے وعدہ کیا تھا وہ اسے نہیں ملی۔ وہ اپنے ماں باپ کے شہر ازمیر میں رہنا چاہتی تھی مگر وہ استنبول سے موو کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ آگے پڑھنا چاہتی تھی۔ جاب نہیں کرنا چاہتی تھی۔اور وہ کہتا تھا کہ وہ یونیورسٹی افورڈ نہیں کر سکتا۔ وہ اس سے بات کرتی تو وہ آگے سے اسے گیس لائٹ کرتا۔

''گیس لائٹ.. نارسیسسٹ... ٹاکسک... یہ اصطلاحات تمہیں گوگل نے سکھائی ہیں؟'' وہ سنجیدگی سے اس اداس لڑکی سے پوچھ رہی تھی۔

افرح نے شبنم کو دیکھا۔ پھر اسے۔

''اس میں نارسیسسٹ والی ساری صفات ہیں۔''

''کیا اس نے شادی سے پہلے وعدہ کیا تھا کہ تم ازمیر میں رہو گی؟''

''نہیں لیکن تب مجھے لگا تھا کہ....''

''یا یونیورسٹی میں پڑھانے کا وعدہ بھی کیا تھا؟''

''نہیں۔مگر...''

''یعنی اس نے کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔''

''مگر... میں خوش نہیں ہوں۔اس کو سمجھنا چاہیے کہ اگر میں پڑھائی شروع کر دوں تو میں اس ڈپریشن سے نکل آؤں گی۔مگر نہیں... شاید مجھے اس سے طلاق لے لینی چاہیے۔''

''طلاق کے بعد کیا کرو گی؟''

افرح نے پھر سے شبنم کو دیکھا۔وہ قدرے بدمزہ ہوئی تھی۔

''کم از کم دوبارہ کسی مرد پہ بھروسہ کر کے شادی نہیں کروں گی۔''

اس نے پیچھے ٹیک لگائی اور کہنی کرسی کے ہتھ پر جمائے ایک ہاتھ گال تلے رکھا۔

''یہ تو تم اب کہہ رہی ہو۔مگر طلاق آسان نہیں ہوتی۔چند ماہ گزریں گے۔وہ کسی اور سے شادی کر لے گا۔اور تم تنہا ہو گی۔تمہاری شامیں تنہا ہونے لگیں گی۔عمر بڑھے گی۔جھریاں آئیں گی۔تم اکیلی ہو گی۔پھر سے ایک نئے انسان کی تلاش بہت مشکل ہو گی۔نیا انسان مل جائے تب بھی کیا ہو گا؟ جیسے طلاق مشکل ہے ویسے شادی بھی مشکل ہے۔اسے کامیاب کرنے کے لیے بہت محنت چاہیے۔جس سے بھی شادی کرو گی اس کے اور اپنے رشتے میں تمہیں ''محنت'' ڈالنی پڑے گی جس سے تم ابھی بھاگ رہی ہو۔یونیورسٹی تمہارا فرار ہے۔تم یونیورسٹی جا کے بھی ناخوش ہی رہو گی۔''

شبنم ابرو اکٹھے کیے ناپسندیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔اس کا سارا جوش ماند پڑ گیا تھا۔

''شادی محنت مانگتی ہے، افرح۔کوئی ریلیشن شپ محنت کے بغیر مضبوط نہیں ہوتا۔بالکل جیسے بزنس محنت کے بغیر ترقی نہیں کرتا۔ایکسرسائز کے بغیر جسم ٹون نہیں ہوتا۔''

وہ شبنم کی بدمزگی نظر انداز کیے اسی انداز میں کہہ رہی تھی۔افرح دم سادھے سن رہی تھی۔

''طلاق ہر مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔پھر تمہارا بچہ بھی ہے۔طلاق کا ٹراما بہت بڑا ہوتا ہے۔اس سے گزرنا آسان نہیں ہوتا۔اپنے اور اس کے تعلق کو گوگل مت کرو۔نارسیسٹ ہونا ایک کلینکل تشخیص ہے۔ایک سائیکوتھیراپسٹ ہی

کسی کو نارسیسسٹ قرار دے سکتا ہے، میں یا تم نہیں۔اس سے بات کرو۔اس کو بھی تم سے شکایات ہوں گی۔مل کے اپنے رشتے پہ کام کرو۔اوکے؟''

اس کے جانے کے بعد وہ فرصت سے شبنم کی طرف گھومی جو سخت خفا دکھائی دیتی تھی۔

''میرا بریک اپ کروادیا اور اس کو کہا کہ اس آدمی کو نہ چھوڑے؟''

''اس نے محبت کی شادی کی ہے، شبنم۔اور اس کا بچہ بھی ہے۔تم یک طرفہ الوژن کا شکار ایک سچوئیشن شپ میں تھیں۔دونوں میں فرق ہے۔''

''لیکن... تم نے بھی طلاق لے لی تھی، مالا۔اسے کیوں منع کیا؟''

''کیونکہ نہ وہ مالا ہے اور نہ اس کا شوہر زیاد۔'' وہ مسکرا کے اپنی کرسی موڑ گئی۔

اسی پل لفٹ کے دروازے کھلے۔کیبن زمیں ایک نامحسوس سی خاموشی چھائی۔مانوس پرفیوم کی مہک۔وہ سیدھ میں چلتا ہوا اس طرف آرہا تھا۔بوٹ قریب آتے سنائی دیے۔ان کے پاس وہ تھمے۔مالا نے کرسی موڑی۔

ماہر رک کے ڈیسک پر رکھے تین کافی کپس دیکھ رہا تھا۔

''یہاں کیا ہو رہا تھا؟'' شبنم کو دیکھ کے سوالیہ ابرو اٹھائے۔

''گرل ٹاک۔'' عینک کے پیچھے سے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔وہ کچھ کہنے لگا لیکن پھر گہری سانس لے کر ضبط کر گیا۔کیا کہتا؟ وہ ان کو منع نہیں کر سکتا تھا۔

''ماہر بے...'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔وہ رک کے اسے دیکھنے لگا۔جیسے جانے کی جلدی ہو۔

''میں پچھلے دو دن سے اس پر کام کر رہی تھی۔آپ ایک نظر دیکھ لیں۔'' لہجے کو شائستہ اور پروفیشنل رکھا۔وہ بہت تحمل اور صبر سے اس کے منفی کمنٹس اور تنقید برداشت کرے گی۔زیادہ سے زیادہ وہ اس کے کام کو برا کہے گا؟ کہہ دے۔

ماہر آگے بڑھا۔میز پر جمے ٹیبلیٹ پہ قدرے جھکا۔وہاں ایک سفید سیاہ ڈیزائن دکھائی دے رہا تھا۔کہیں کہیں رنگ تھے۔اس نے انگلی سے صفحہ سلائیڈ کیا۔مختلف variations۔مختلف رنگ۔

وہ غور سے جھکے ہوئے ماہر کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

ماہر کی انگلی نے اسکرین واپس سلائیڈ کی۔پھر اس کی انگلی صفحے کے کونے میں اٹھی۔

مالا جو اس کو کانسپٹ کی وضاحت دینے لگی تھی رک گئی۔

اس کی انگلی نے ''ڈیلیٹ'' کے نشان کو چھوا۔

فائل ردی کی ٹوکری میں چلی گئی۔

وہ واپس سیدھا ہوا اور اسی بے تاثر چہرے کے ساتھ مالا کو دیکھا۔

''اس ڈیزائن کی جگہ صرف ٹریش کین میں ہے۔''

کہہ کے وہ آگے بڑھ گیا۔ رخ آفس کی جانب تھا۔

وہ ساکت رہ گئی۔ شل۔ لب بے یقینی سے کھلے تھے۔

اس نے دو سیکنڈ میں اس کی محنت ضائع کر دی تھی۔ کیا اس نے ڈیزائن غور سے دیکھا بھی تھا؟

کشمالہ مبین کا چہرہ گلابی پڑا۔ اگلے ہی لمحے وہ اس کے پیچھے لپکی۔

''تم چاہتے کیا ہو مجھ سے ہاں؟ میں کیا کروں جو....''

وہ جھٹکے سے دروازہ کھول کے اندر آئی تھی۔ مگر زبان رک گئی۔

ماہر آفس میں اکیلا نہیں تھا۔ اور یہ بات ماہر کو بھی اندر جا کے معلوم ہوئی تھی۔

دروازے کی طرف پشت کیے ایک لڑکی بیٹھی تھی۔ لمبے بل دار بال۔ ماہر اس کے ساتھ کھڑا کچھ کہہ رہا تھا۔ آہٹ پہ دونوں نے چہرہ گھمایا۔ آفس میں کینڈلز کی خوشبو سے زیادہ اس لڑکی کا فلورل پرفیوم غالب تھا۔

''سوری میں بعد میں آتی ہوں۔'' وہ ایک قدم پیچھے ہوئی۔

''اوہ نو... پلیز اندر آؤ۔ میں جانے والی تھی۔''

زارینہ فرید مسکرا کے اپنی جگہ سے اٹھی۔ اور پوری اس کی طرف گھوم گئی۔ اب وہ ماہر کے کندھے کے برابر کھڑی تھی۔ اتنی دراز قد تھی کہ اس کے قریب قریب آتی۔ سفید مڈی ڈریس جو گھٹنوں تک آتا تھا۔ نیچے سیاہ ٹائٹس اور چیلسی بوٹس۔ بازو پر کوٹ دھرا کر کے ڈالے۔ کانوں میں چمکتے سنہری ائیر رنگز۔ اور مسکراتی مسکراتی آنکھیں۔

کوئی اتنی صبح اتنی تفصیل سے کیسے تیار ہو سکتا ہے؟

''یہ کشمالہ مبین ہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا۔'' ماہر نے سرسری سا تعارف کروایا البتہ اس کے جسم کے سارے اعصاب تن چکے تھے۔

''کشمالہ... یہ زارا ہے۔''

''خوشی ہوئی آپ سے مل کے، زارا۔'' وہ جبراً مسکرائی۔ زارا کی انگوٹھی کی دمک یہاں تک دکھائی دیتی تھی۔

''میں پھر آتی ہوں۔'' ماہر کو دیکھ کے کہا۔

''اوہ کشمالہ... تمہارا بیٹا کھو گیا تھا۔ مجھے ماہر نے بتایا.....'' زارا کی زبان رک گئی۔ آنکھیں جو چوکھٹ میں کھڑی کندھوں تک آتے بالوں اور خاکی سوئیٹر والی لڑکی کا سر سے پیر تک جائزہ لے رہی تھیں، کہیں ٹھہری تھیں۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔ ماہر نے غور سے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

''یہ تم نے کہاں سے لیا؟'' زارا قدم قدم چلتی قریب آئی۔ چیلسی بوٹس کی ٹھک ٹھک لکڑی کے فرش پر سنائی دی۔ فاصلہ کم ہوا تو زارا کا چہرہ مزید واضح ہوا۔ اس چہرے پر بہت سے کام کیے گئے تھے جو اس کو خوبصورت بنا رہے تھے۔ البتہ بھرے بھرے ہونٹوں کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔

''میری دادی کے پاس تھا۔ ایسا کچھ۔'' وہ مالا کے خاکی سوئیٹر کے گریبان پر چمکتی سیاہ فاختہ کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھیں مزید چھوٹی ہوئیں۔ پھر جیسے وہ چونکی۔ انکشاف سا ہوا۔

''بلکہ یہ وہی ہے۔'' اس نے گردن موڑ کے ماہر کو دیکھا۔ آنکھوں میں غصے سے زیادہ حیرت غالب تھی۔

''تم نے یہ اسے دے دیا؟'' اسے جیسے اچھنبا ہوا تھا۔ شاید وہ تردید کر دے۔

''یہ ہلال کا تھا، زارا۔ اور یہ ہلال کے لیے ماں کی نشانی تھا۔'' ماہر ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہا تھا۔ ''کشمالہ نے ہلال کو تلاش کیا تھا اگر تمہیں یاد ہو۔ اسی لیے ہلال نے....''

وہ تردید نہیں کر رہا تھا۔ مالا ماہر فرید کے اس روپ کو جانتی تھی۔ جب وہ ذہن میں جمع تفریق کر کے جواب جوڑتا تھا۔

بہت سا غصہ اس کے اندر لاوے کی طرح ابھرنے لگا۔

''مجھے یہ ہلال نے نہیں مالک صاحب نے دیا تھا۔ اور یہ کئی برس پرانی بات ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ کوئی فیملی heirloom ہے۔'' اس نے تیزی سے بات کاٹی۔ ساتھ ہی زخمی نگاہوں سے ماہر کو گھورا۔ اس نے بس افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ جیسے اب کچھ کہنے کا فائدہ نہ تھا۔

''بابا نے؟'' اور اس لمحے کچھ تھا جو زارا کے چہرے پہ ٹوٹ سا گیا تھا۔ اس کا غصہ بجھ کے راکھ بن گیا۔

''آف کورس۔ بابا نے دیا ہوگا۔ اٹس اوکے۔'' وہ بدقت مسکرائی۔ آنکھوں میں نمی تھی۔ ''تم اس کو رکھو۔ تم پہ اچھا لگ رہا ہے۔'' پھر ماہر کو ایک نظر دیکھا۔ ''میں چلتی ہوں۔''

اس کا جواب سنے بغیر وہ بیگ سے سن گلاسز نکالتی آگے بڑھ گئی۔ مالا ایک طرف ہٹ گئی اور وہ چوکھٹ عبور

کر گئی۔

''تم اس سے جھوٹ کیوں بولنے جا رہے تھے؟'' اسے اس آدمی پہ رہ رہ کے غصہ آ رہا تھا۔

''تم نے سچ بول کے اس کا اس کے باپ سے ریلیشن خراب کر دیا نا۔ مبارک ہو۔'' وہ اکتاہٹ سے کہتا اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''کب تک تم لوگوں سے ان کے حصے کا سچ چھپاتے رہو گے؟''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پر لٹکا رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر لکیریں تھیں۔

مالا نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ یہاں کیوں آئی تھی لیکن اب وہ بے معنی تھا۔

''ویک اینڈ شروع ہو رہا ہے۔ تم نے میرے ساتھ کاٹن کینڈی مین والی جگہ پہ جانا تھا۔'' اس نے یاد دلایا۔

''میں آج شام مصروف ہوں۔'' وہ اس سے نگاہ ملائے بنا کف کے بٹن کھول رہا تھا۔

''لیکن تم نے کہا تھا ہم جمعے کو...''

''جھوٹ بولا تھا میں نے کیونکہ میں یہی کرتا ہوں۔ او کے؟'' سر اٹھا کے برہمی سے کہا اور کرسی کھینچی۔ ''میری ایک ذاتی زندگی بھی ہے، کشمالہ۔ مصروف ہوں تو مصروف ہوں۔ جب جانا ہوگا بتا دوں گا۔''

وہ چند لمحے لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔

پھر سر کو اثبات میں خم دیا۔ بنا آواز کے ہونٹ او کے میں گھمائے اور واپس پلٹ گئی۔

جاتے جاتے اس نے دروازہ زور سے بند کیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نے کیبن میں واپس بیٹھنے کے بعد کوئی کام نہیں کیا۔ بس بگڑے تاثرات کے ساتھ بیٹھی انگلیوں میں قلم میں گھماتی ماہر کے بند دروازے کو دیکھتی رہی۔

پھر کچھ سوچ کے اس نے موبائل اٹھایا۔ اور ایک نمبر ملایا۔

''اتنی کالز مجھے آج تک میری ماں نے نہیں کیں جتنی تم پچھلے دنوں میں کر چکی ہو، مالا۔''

بیربل فرید کی ہشاش بشاش آواز سنائی دی۔

''مصروف ہو؟''

''اس وقت ہر شریف انسان مصروف ہی ہوتا ہے۔''

''تم بالکل بھی شریف نہیں ہو۔ بلکہ...'' ایک درزیدہ نگاہ اس بند دروازے پہ ڈالی۔ ''کوئی مرد شریف نہیں ہوتا۔''

''تم دنیا کے سارے مردوں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے گولی کیوں نہیں مار دیتیں؟ ابتدا میرے بھائی سے کرنا۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

''ایک کام ہے تم سے۔''

''گولیوں کا بندوبست کرنا ہے؟'' رازداری سے پوچھا۔

''بیربل، پلیز... ایک ایڈریس چاہیے۔'' اب کی دفعہ وہ سنجیدگی سے سنے گیا۔ پھر ہلکا سا ہنس دیا۔

''جہاں تمہیں جانا ہے وہ جگہ کافی دور ہے۔ دو بسیں بدلنی پڑیں گی۔'' پھر وہ رکا۔ ''اگر تم چاہو تو میں تمہارا ڈرائیور بننے کے لیے تیار ہوں۔ اتوار کو اکٹھے چلتے ہیں۔''

''مجھے آج جانا ہے۔ ڈونٹ وری۔ میں چلی جاؤں گی۔ ایڈریس بھیجو۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ساحل سمندر کا علاقہ تھا اور یہاں ویکیشن ہاؤسز بنے تھے۔

ایسا ہی ایک چھوٹا سا گھر طویل و عریض لان میں گھرا ہوا کھڑا تھا۔ ڈرائیوے میں دو کارز کھڑی تھیں۔ ایک ملازم پودوں کی کٹائی کر رہا تھا۔ گھر کا دروازہ شیشے کا بنا تھا جس سے اندر جھانکا جا سکتا تھا۔ لکڑی کا فرش۔ سامنے راہداری۔ ایک طرف کچن۔ دوسری جانب آتش دان سے مزین لونگ روم۔ ایک اوپر جاتا بل دار زینہ۔

راہداری سیدھ میں جاتی اور گھر کی پشت پہ ایک باغیچے میں کھلتی۔

باغیچے کے کناروں پر سفید باڑ لگی تھی۔ اس کے دہانے پہ کھڑے ہو کے دیکھو تو چند فٹ نیچے پتھروں کا ساحل تھا۔ اس کے پار ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ چند آوارہ بگلے پانی پہ اڑان بھر رہے تھے۔

باغیچے میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اور دو سفید کرسیاں آمنے سامنے رکھی تھیں۔

''کیوں رہتے ہیں آپ یہاں؟'' ایک کرسی پر زارا بیٹھی تھی۔ سفید چیلسی بوٹس والی ٹانگیں ایک دوسرے پر جمائے وہ گردن موڑے پانی کو دیکھ رہی تھی جو ان کے چوٹی پر بنے گھر سے کافی نیچے تھا۔ لیکن پھر بھی بہت قریب

دکھائی دیتا۔

''پرسکون جگہ ہے۔'' سامنے مالک فرید براجمان تھے۔ سفید براق شرٹ اور گرے پینٹس پہنے، اوپر گرم کوٹ اوڑھے وہ گھٹنوں پر ایک کتاب رکھے ہوئے تھے۔ کوٹ ان پہ کھلا معلوم ہوتا تھا۔

زارا نے ان کی بات پہ تبصرہ نہیں کیا۔ وہ شہر میں اس کے ساتھ نہیں رہیں گے، یہ طے تھا۔ کچھ کہنا فضول تھا۔

''آج میں کشمالہ سے ملی۔'' وہ اب بھی پانی کو دیکھ رہی تھی۔ دور اُفق پہ ایک کشتی کا سفید بادبان اُبھر رہا تھا۔

مالک فرید نے نگاہ کتاب سے اٹھائی۔ اور بغور اسے دیکھا۔

''کہاں؟''

''ماہر کے آفس میں۔ وہ کام کرتی ہے اب وہاں۔'' اس نے چہرہ ان کی طرف گھمایا۔

''اچھا۔'' نگاہ واپس جھکالی۔

''اس کی گردن میں آپ کی ماں کی فاختہ تھی۔'' ان پہ نگاہیں جمائے اس کی آواز کانپی۔ آنکھوں میں سرخ نمی ابھری۔

''تو؟'' وہ کتاب پڑھتے رہے۔

''اسے وہ آپ نے دی تھی؟'' آنسوؤں کی گیند زارا کے حلق میں پھنسی۔

''ہاں۔ پرانی بات ہے۔''

''میرے لیے نئی ہے۔'' زارا نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ جوتے برابر گھاس پر رکھے آگے ہوئی۔

''وہ فاختہ مجھے چاہیے تھی۔ میں نے بہت دفعہ آپ سے مانگی۔''

مالک فرید نے کتاب بند کی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''جب تم نے مانگی وہ میرے پاس نہیں تھی۔ جس دن رابیل نے مجھے وہ دی، میں مالا کے ریستوران میں تھا۔ وہاں ایک واقعہ ہوا تھا۔ مجھے اس کی جرأت اچھی لگی۔ میں نے وہ اسے دے دی۔ یہ اتنی اہم بات نہیں تھی۔''

''کیسی جرأت؟''

مالک فرید نے گہری سانس لی۔ چہرے کی لکیریں مدھم ہوئیں۔

''یہی کہ وہ بہادر لڑکی ہے۔ درست بات کرتی ہے۔ چاہے درست بات کرنا عقلمندی ہو یا بے وقوفی۔''

زارا نے بازو سینے پر لپیٹے اور آنکھیں چھوٹی کر کے انہیں غور سے دیکھا۔

''اور ماہر کو کیا نظر آتا ہے اس میں؟''

''اس کا جواب وہی دے سکتا ہے۔'' انہوں نے توقف کیا۔ ''زارا...''

''مت کہیں جو کہنے جا رہے ہیں۔''

''میں پھر سے کہوں گا کیونکہ میں درست بات کہتا ہوں۔ تمہیں لگتا ہے تم اس کے ساتھ خوش رہو گی؟'' ان کی آنکھوں میں برف پگھلی۔ ایک تفکر ابھرا۔

''مجھے معلوم ہے میں اس کے ساتھ خوش رہوں گی۔''

''کیا وہ تمہیں وقت دیتا ہے؟''

''ہم آج شام ڈنر پہ جا رہے ہیں۔ میں نے دو ہفتے پہلے ریزرویشن کروائی تھی۔ اور ماہر کو یاد تھا۔ میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔'' وہ بیگ اٹھا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک نظر انہیں دیکھا۔ پھر گردن اٹھا کے سمندر کو۔ بادبان والی کشتی اب ایک نقطے سے بڑی ہو کے سکے کے برابر ہو چکی تھی۔

''آپ اندر چلے جائیں۔ یہاں ٹھنڈ ہے۔'' پھر وہ ہچکچائی۔ ''آپ کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔''

''تم جانتی ہو مجھے گردوں کا مسئلہ ہے۔ مگر دوا لے رہا ہوں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ان کے انداز میں چڑچڑا پن تھا۔ کہہ کے کتاب واپس کھول لی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ اپنی صحت کے بارے میں فکرمندی دکھانے کو کمزوری سمجھتے تھے۔ سو اس موضوع پہ بات کرنے کی اسے اجازت نہ تھی۔

''ٹرن.....''

اسی پل دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک اٹھی۔ اس وقت کون؟

گو کہ کچن میں کام کرتی ہیلپر فورا سے باہر گئی تھی لیکن وہ تجسس میں اپنی جگہ سے اٹھ آئی۔ یہاں ماہر یا بیربل کے سوا کوئی نہیں آتا تھا۔ پھر کون؟

وہ گھر کے اندر آئی تو راہداری میں ملازمہ کھڑی تھی یوں کہ دروازہ اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر ملازمہ ایک طرف ہٹی تو اسے بیرونی چوکھٹ پہ نووارد کا چہرہ دکھائی دیا۔ سفید کوٹ۔ خاکی سوئیٹر۔ سیاہ فاختہ۔ وہ قدرے جھجک بھری مسکراہٹ سے ملازمہ سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ ایک ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ تھا۔

''کشمالہ؟ ایک دن میں دوسری دفعہ؟'' وہ سینے پر بازو لپیٹے قریب آئی۔ لکڑی کے فرش پر ٹھک ٹھک سنائی دی۔

ملازمہ سے بات کرتی مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ لمحے بھر کے لیے وہ ٹھٹھکی۔ پھر مسکرا کے ہیلو کہا۔ (بیربل

نے کہا تھا زارا وہاں کم ہی جاتی ہے۔ مگر بیر بل نے یہ بھی کہا تھا کہ اسے دو بسیں بدلنی پڑیں گی مگر اسے تین بسیں بدلنی پڑی تھیں۔) ''میں مالک صاحب سے ملنے آئی تھی۔'' رسمی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے وضاحت دی۔

زارا اس کے عین سامنے آ کے رک گئی۔ مسکرا کے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ اونچے اسٹیپ پر تھی۔ مزید دراز قد لگ رہی تھی۔

''تم تو ہر جگہ ہو، مالا۔'' وہ مسکرا رہی تھی مگر اس کی آواز میں کچھ تھا۔ مالا نے بدقت مسکراہٹ برقرار رکھی۔ زارا نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے جلدی سے پھول اسے تھمائے۔

''قاسم پتی؟'' زارا نے گیندے کے گلدستے کو چہرے کے قریب لے جا کے سونگھا۔

''تھینک یو۔'' اس نے گلدستہ دور کیا۔ ''لیکن میرے بابا قاسم پتی (گیندے) سے الرجک ہیں۔''

اور دروازے کے ساتھ رکھے ٹریش کین میں گلدستہ گرا دیا ایسے کہ آنکھیں مالا پہ جمی تھیں۔ پھول سر کے بل ٹوکری میں جا گرے۔

مالا نے ایک نظر پھولوں کو دیکھا۔ دوسری نظر اس کو۔ ایک دن میں دوسری دفعہ ٹریش کین....؟

''سوری، مجھے معلوم نہیں تھا۔''

''تمہیں کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟ وہ میرے بابا ہیں۔''

پھر مسکرا کے ایک طرف ہوئی اور بازو لمبا کر کے عقبی باغیچے کی جانب اشارہ کیا۔

''ہیلپ یور سیلف۔''

فضا میں ایک تناؤ سا گھر آیا تھا۔ وہ ایک اسٹیپ اوپر چڑھی۔ رسمی مسکراہٹ سے اسے شکریہ کہا۔ پھر آگے بڑھ گئی۔

چند قدم دور جا کے مالا رکی۔ پلٹ کے زارا کو دیکھا۔ وہ اب دروازے کے قریب بنی کوٹ وارڈروب سے اپنا کوٹ نکال رہی تھی۔ شاید وہ واپس جا رہی تھی۔ اگر وہ قدرے نائس ہوتی تو وہ اسے کہہ دیتی کہ تھوڑی دیر رک جائے اور اسے بھی شہر لے جائے۔ اسے واپسی پہ بس کی جگہ ٹیکسی کرنی پڑتی۔ لیکن... اونہوں.... اس تیور والی لڑکی سے وہ ایسی توقع نہیں رکھ سکتی تھی۔

مالا باغیچے کی جانب بڑھ گئی جس کے پار سمندر دکھائی دے رہا تھا۔

''تم تو ہر جگہ ہو، مالا۔'' کوٹ پہنتے ہوئے زارا بڑبڑائی۔ پھر مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔

سبز آنکھوں والی لڑکی اب باغیچے میں اتر گئی تھی۔ شیشے کے دروازے سے وہ منظر دیکھ سکتی تھی۔ مالک فرید اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔

زارا کی بادامی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔

(تمہارے بابا بہت اچھے ہیں۔ لیکن وہ مصروف رہے، شبنم۔ غیر دستیاب۔ unavailable۔ دور۔)

زارا ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھے گئی۔ وہ گھاس پر ان کے سامنے کھڑی تھی اور مالک فرید اسے بیٹھنے کا اشارہ کر رہے تھے۔

(وہ موجود تھے، لیکن نہیں تھے۔ ہر بچہ مختلف ہوتا ہے۔ تمہیں اپنے باپ کی محبت، توجہ اور تعریف بہت زیادہ چاہیے تھی۔ وہ تمہیں نہیں ملی۔ اس لیے تمہارا دل انہی کے جیسے غیر دستیاب مردوں میں اٹکتا ہے۔)

وہ اب ان کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔ اور وہ غور سے اس کو سن رہے تھے۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ اُلجھی ہوئی۔ ہاتھ ہلا کے اپنی بات بیان کرتی۔

(جو بچے ٹراماز لے کر بڑے ہوتے ہیں وہ اپنے ماں باپ جیسے لوگوں کو ہی چنتے ہیں۔ بڑے ہوتے ہوئے تم نے اپنے باپ کو ہمیشہ مصروف دیکھا۔ غیر دستیاب۔ unavailable۔ دور۔ سو تم نے خود کو ایک ٹروفی ہنٹر بنایا۔)

وہ یہاں سے ان کی آوازیں نہیں سن سکتی تھی۔ نہ سمندر کے پانی کا شور۔ نہ کشتی کے بادبان کی پھڑ پھڑاہٹ۔

(تاکہ تم اپنی کامیابیوں سے، اپنے پرفیکٹ بی ہیوئیر سے کسی طرح اپنے باپ کا approval جیت سکو۔ تمہیں اپنے باپ کا پیار ویسے چاہیے تھا جیسے تم چاہتی تھیں۔)

وہ دونوں اب ایک ساتھ بول رہے تھے۔ مالک فرید آگے کو ہوئے بار بار اسے ٹوک رہے تھے۔ اور وہ بولتی جا رہی تھی۔

نہ جانے کیا بات تھی۔

(تمہیں ایسا مرد کبھی نہیں اٹریکٹ کرے گا جس کے پاس تمہارے لیے وقت، توجہ اور محبت ہو۔)

زارا نے بھیگی آنکھوں سے موبائل نکالا۔ ماہر کا میسج جگمگا رہا تھا۔ وہ وقت پہ ریستوران پہنچ جائے گا۔ وہ زخمی سا مسکرائی۔ کم از کم وہ پہنچ جائے گا۔ دو دفعہ کینسل کرنے کے بعد تیسری دفعہ پلان بن ہی گیا تھا۔

(تمہیں دور رہنے والا مصروف اور غیر دستیاب انسان پرکشش لگے گا۔ کیونکہ وہ تمہارے ذہن کو تمہارے باپ

کی یاد دلاتا ہے۔ وہ ایک چیلنج ہے۔)

اس نے نگاہ اٹھائی۔ باغیچے میں بیٹھے دو نفوس اسی طرح کسی بحث میں لگے تھے۔

(کیونکہ تمہیں اگر ایک غیر دستیاب انسان مل جائے اور کسی طرح تم اس کو اپنے لیے ''دستیاب'' کر لو، اس کو اپنی طرف پھیر لو، اس کو محبت کرنا سکھا دو، تو وہ خلا جو تمہارے باپ نے تمہارے اندر چھوڑا ہے وہ بھر جائے گا۔)

زارا نے کچن کاؤنٹر پر رکھے فوٹو فریم کو دیکھا۔ مالک فرید کا مدھم مسکراہٹ والا چہرہ۔ اور دائیں بائیں ان کی تینوں بیٹیاں۔

(اگر ایک غیر دستیاب انسان خود کو بدل کے تم سے محبت کرنے لگ جائے تو تم اپنے باپ سے جیت جاؤ گی۔)

وہ جانتی تھی مالک فرید نے اسے وہ فاختہ کیوں دی تھی۔

"She is the daughter you never had." وہ رُندھی ہوئی آواز میں بڑبڑائی۔ ''سچی، بہادر، authentic۔"

آنکھوں میں تپش اور ناپسندیدگی اُبھری۔ پھر سر جھٹکا اور باہر نکل گئی۔

اس گھر میں کسی کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

باغیچے میں سمندر کی لہروں کا شور اور نمکین پانیوں کی خوشبو ویسی ہی پھیلی تھی۔

وہ ان کے سامنے بیٹھ گئی اور ان کی طبیعت پوچھی تو وہ اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے کھنکھارے۔

''یعنی تم نے بتایا تھا بیر بل کو؟'' ان کا لہجہ سپاٹ تھا۔ کوئی گلہ نہیں کوئی الزام نہیں۔

''سوری۔'' اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ پھر توقف کے بعد آنکھیں اٹھائیں۔

''مگر میں اب بھی سمجھتی ہوں کہ ہر ایک کو اس کے حصے کا سچ معلوم ہونا چاہیے۔''

پھر قدرے جھجکی۔

''آپ نے زارا کو بتایا؟''

وہ کنکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ راہداری میں کوٹ پہنتی زارا ایک ٹک یہیں دیکھ رہی ہے۔ اس کی نگاہوں کے شعلوں کی حدت یہاں تک پہنچ رہی تھی۔

''ابھی نہیں۔ وہ مجھے اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ تینوں بیٹیوں میں سب سے زیادہ۔ میں اسے دکھی

نہیں دیکھنا چاہتا۔"

وہ اب گردن موڑ کے پانی کو دیکھ رہے تھے۔ان کا چہرہ کمزور ہو چکا تھا۔لیکن اس کا بے تاثر برف پن برقرار تھا۔

"چونکہ آپ سچ بولتے اور سچ کو پسند کرتے ہیں اس لیے ایک سچ کہوں گی۔آپ کو اسے بتا دینا چاہیے تھا۔"

مالک فرید اسی طرح قریب آتی کشتی کو دیکھتے رہے۔اس کے بادبان پر جلی حروف میں کسی کا نام لکھا تھا۔البتہ یہاں سے پڑھا نہ جاتا تھا۔

"تمہارے بیٹے کی تلاش کا کیا بنا؟"

کشمالہ نے پہلو بدلا۔اس کی خاموشی میں کچھ تھا جو وہ گردن گھما کے غور سے اسے دیکھنے لگے۔

"تم اسے ڈھونڈ رہی ہو نا؟"

"ماہر نے مجھ سے وعدہ کیا تھا لیکن اب...."

"لیکن اب؟"

"اب وہ مجھے جان بوجھ کے اذیت دے رہا ہے۔اس نے مجھے اپنے آفس میں کام کرنے کو کہا ہے۔اس...اس قرمزی عمارت کے لیے۔" ناپسندیدگی، بے بسی بھرا غصہ، جھنجھلاہٹ، سب ایک ساتھ چہرے پہ امڈ آیا۔

"واقعی؟" انہوں نے استعجاب سے ابرو اٹھایا۔

"اور وہ میرے کام کو اپنی مدد کا معاوضہ سمجھے گا۔اسے میرے بچے پہ ترس نہیں آتا ٹھیک ہے۔لیکن وہ مجھے کام بھی نہیں کرنے دے رہا۔میں نے اتنی محنت سے آرٹ ورک بنایا۔اس نے دوسری نظر ڈالے بغیر اسے ضائع کر دیا۔وہ مجھے ستا رہا ہے۔مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اسے یہ کر کے کیا ملے گا؟"

مالک فرید ٹیک لگائے بیٹھے اسے سوچتی نظروں سے دیکھے گئے۔

"اس نے کہا یہ اس کی مدد کا معاوضہ ہے؟ یعنی وہ تمہیں پے نہیں کرے گا؟"

"نہیں۔اور وہ چاہتا ہے کہ میں ایکسٹرا گھنٹے لگاؤں تاکہ میں اپنا کوئی کام نہ کر سکوں۔"

"ایکسٹرا گھنٹوں کا پے کرے گا وہ؟"

"آپ کو برا لگے گا کیونکہ وہ آپ کا بھتیجا ہے۔لیکن اس طرح میرا اور میرے بیٹے دونوں کا وقت ضائع ہو رہا ہے۔سوری آپ نے کیا پوچھا؟" وہ بولتے بولتے رکی۔

''ایکسٹرا گھنٹوں کا پے کرے گا وہ؟''

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اس نے کہا کرے گا۔ مگر بات پیسے کی نہیں...''

''ماہر کے لیے بات عموماً پیسوں کی ہوتی ہے۔ وہ پیسے ضائع نہیں کرتا۔ اگر وہ ایکسٹرا آورز کا پے کرے گا تو وہ تم سے کام لینا چاہتا ہے۔ اگر تم کمفرٹیبل ہو تو کرتی رہو۔ مصروف رہو گی۔''

مالا کے ابرو خفگی سے اکٹھے ہوئے۔ ظاہر ہے وہ اس کی طرف داری کریں گے۔ مگر خیر... وہ اس لیے ان کے پاس نہیں آئی تھی۔

''ایک اور بات بھی تھی۔'' اس نے گہری سانس لی۔ الفاظ مجتمع کیے۔

''مجھے میرے وکیل نے بتایا ہے کہ زیاد رہا ہونے والا ہے۔''

وہ چونکے۔ پھر ماتھے پر لکیریں ابھریں۔

''کیسے؟'' لہجہ تیز تھا۔

''اس نے استغاثہ سے ڈیل کر لی ہے۔ پھر اس کے وکیل نے بھی کیس اچھے سے لڑا تھا۔ اس کی ماں کا خط۔ اس کا گڈ بی ہیویئر۔ mercy killing، وغیرہ وغیرہ...'' اس نے جھرجھری لی۔ ''مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ....''

اس کی زبان رک گئی۔

مالک فرید نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔

''کہیں وہ کیا؟''

''ماہر سمجھتا ہے زیاد نے بدر کو اغوا کیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔''

''کہیں وہ کیا؟''

''اگر ایسا ہے بھی تو یہ الگ معاملہ ہے۔ وہ مجھے یا بدر کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میرا وکیل کہتا ہے کہ جیل میں وہ بدل گیا ہے لیکن لوگ نہیں بدلتے۔''

''کہیں وہ کیا، مالا؟'' ان کی آواز بلند ہوئی۔ وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہے تھے۔

اس نے گہری سانس خارج کی۔

''کہیں وہ میرے پیچھے نہ آ جائے۔ اور.... وہ ماہر کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔''

مالک فرید کی آنکھوں میں کچھ ابھرا۔ جیسے ایک خدشے کی تصدیق ہوئی۔ جیسے وہ جانتے تھے وہ کیا کہنے جا رہی تھی۔

جب وہ بولے تو آواز سرد تھی۔

''وہ ماہر کے قریب بھی آیا تو میں اس کی جان لے لوں گا۔''

کچھ تھا ان کی آواز میں جو ایک یخ بستہ لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔

''کیا میں نے ماہر کو خطرے میں ڈال دیا ہے؟''

''ہاں۔''

وہ ایک دم چپ ہو گئی۔ پلکیں جھکا دیں البتہ پیشانی پر خفا سا بل پڑا تھا۔

''تم چاہتی ہو میں تم سے جھوٹ بولوں؟''

وہ جو گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جھکے سر کو نفی میں ہلایا۔ چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ صرف بگلوں کی آوازیں یا لہروں کا شور سنائی دیتا رہا۔

'' میں نے اسے ابھی تک زیاد کی رہائی کے بارے میں نہیں بتایا۔''

''تم نے کہا تمہیں سچ پسند ہے۔ میں تمہیں دو تین سچ بتاتا ہوں، مالا...'' ان کا چہرہ سنجیدہ تھا البتہ آواز میں نرمی تھی۔ مالا نے نگاہیں اٹھائیں۔

''اتنے مہینے تک کھوئے ہوئے بچے زندہ نہیں ملا کرتے۔''

''آپ کا یہی خیال ہلال کے لیے بھی تھا۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ مگر وہ سنے بغیر کہہ رہے تھے۔

''لیکن بالفرض وہ زندہ ہے.... اور تم اس کی تلاش کے لیے ماہر کو خطرے میں ڈال ہی چکی ہو تو تمہیں ایک سچ یاد رکھنا ہوگا۔''

کشتی اب قریب آ چکی تھی۔ وہ ایک لگژری یاٹ تھی۔ اور اس میں اونچا میوزک بج رہا تھا۔ چند نوجوان عرشے پر چڑھے تصاویر بنا رہے تھے۔

''کہ ماہر تمہارا دشمن نہیں ہے۔ اگر اس نے تمہاری مدد کی حامی بھری ہے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ وہ زبان پوری کرتا ہے۔ لیکن اگر تم اس سے باتیں چھپاؤ گی تو وہ تمہاری مدد کیسے کرے گا؟''

''وہ مجھے مسلسل اذیت دے رہا ہے کیونکہ وہ مجھ پہ اعتبار نہیں کرتا۔''

''کیا تم اس پہ اعتبار کرتی ہو؟''

وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

''یا تمہیں اس پہ اعتبار کرنا ہو گا یا اس سے دور چلے جانا ہو گا تا کہ اس کی زندگی خراب نہ ہو۔ آگے تمہاری چوائس ہے۔''

ملازمہ چائے لے آئی تو اس نے خاموشی سے چند گھونٹ بھرے۔ پھر پیالی رکھ دی۔

سمندر کی لہریں بھی تھم گئیں۔ شور مچاتے پرندے بھی جیسے گم صم ہو گئے۔ چائے ٹھنڈی ہو گئی۔ اور فضا برف جیسی۔ وہ کچھ دیر اُلجھی ہوئی ان کی بات پہ غور کرتی رہی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ اسے اب نکلنا چاہیے تھا۔ وہ اٹھنے لگی تو وہ کہہ اٹھے۔

''زارا شہر جا رہی ہے۔ وہ تمہیں چھوڑ دے گی۔''

''میرا خیال ہے...'' اس نے راہداری کی طرف دیکھا۔ ''وہ جا چکی ہے۔ میں ٹیکسی لے لوں گی۔''

اس نے ذہن میں ہوتی ٹیکسی کے کرایے کی جمع تفریق کو بالکل نظر انداز کیا۔

''پھولوں کے لیے شکریہ۔''

مالا نے بے اختیار شیشے کے دروازے سے جھلکتی راہداری کو دیکھا۔ کیا انہوں نے ڈسٹ بن میں الٹے پھول دیکھ لیے تھے؟

''لیکن میں واقعی قاسم پتی سے الرجک ہوں۔''

اس کی نگاہ اطراف میں دوڑی۔ وہاں جگہ جگہ گملوں میں اُگے سبز پودے تھے۔ وہ بیج جو ماہی کو ایک مہربان انسان نے ائیر پورٹ پہ دیے تھے۔ جنہیں برسوں پہلے اس نے اُگایا تھا۔ وہی پودے۔ کیا انہیں قاسم پتی (گیندے) سے واقعی الرجی تھی یا اس کے ترکش نام سے انہیں اپنا بھائی یاد آتا تھا؟

وہ دروازے تک پہنچی تھی جب باغیچے کی سردی میں تنہا بیٹھے مالک فرید کی آواز گونجی۔

''میں نے جو کہا ہے وہ میں کروں گا۔''

وہ رک گئی۔ پلٹی نہیں۔

''اگر زیاد نے ماہر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں اس کی جان لے لوں گا۔ یہ سوچے بغیر کہ وہ تمہارے بچے کا باپ ہے۔''

اس کی گردن کے پشت کے بال کھڑے ہو گئے۔ بدقت سر ہلایا۔ پھر بنا پلٹے آگے بڑھ گئی۔

زیاد سے نفرت، غصہ، بے زاری سب اپنی جگہ۔ اس پر بک شیلف گرانا، اس کو قید میں دیکھ کے پرسکون ہونا سب اپنی جگہ۔ لیکن وہ اس کے بیٹے کا باپ تھا۔ اگر اس نے ماہر کو نقصان پہنچایا تو اس کی ذمہ دار وہ ہوگی۔ اور اگر جواب میں مالک فرید نے کچھ کیا تب بھی وہی ذمہ دار ہوگی۔ کیا بڑے ہو کے بدر اسے معاف کر پائے گا؟ کیا وہ خود کو معاف کر پائے گی؟

وہ مالک فرید کے پاس تسلی اور جواب ڈھونڈنے گئی تھی، لیکن اس کا دل مزید بوجھل ہو گیا تھا۔

ہر وقت سچ سننا اچھا نہیں لگتا تھا۔ کشمالہ مبین کو بھی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زارینہ فرید نے ریستوران میں داخل ہونے سے پہلے وقت لیا تھا۔ چند منٹ وہ کار میں بیٹھی خود کو کمپوز کرتی رہی۔ بدقت ذہن سے آج ہونے والے تمام واقعات اور سیاہ فاختہ کو جھٹکا اور خود کو چند گہرے سانس لے کر پرسکون کرنا چاہا۔ جیسے اس نے اپنے باپ کو کرتے دیکھا تھا۔ لیکن عمل کبھی نہیں کیا تھا۔ اب بھی دوسرے سانس پہ دھیان بٹ گیا۔ اور وہ سر جھٹک کے باہر نکل آئی۔

یہ خوبصورت ریستوران ''ترک فاتح تو تک'' تھا۔ دو میشیلین اسٹار جیتنے والا ریستوران جہاں آج کی بکنگ چند ہفتے پہلے کروانی پڑتی تھی۔ زیادہ معاوضہ دے کر بھی اکثر بکنگ نہیں ملتی تھی۔ البتہ اسے مل گئی تھی۔ اور سب سے اچھی بات.... ماہر اس سے پہلے پہنچ چکا تھا۔

وہ مسکرا دی۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ ایک میز پہ بیٹھا سر جھکائے موبائل کے بٹن پریس کر رہا تھا۔

ریستوران میں ہر جگہ سنہری مائل بھوری لکڑی کا کام غالب تھا۔ اور یہی رنگ سارے ڈیکور میں استعمال کیا گیا تھا۔ بھوری میز، بھوری کرسیاں، سرمئی گلدانوں میں رکھے سوکھے ہوئے خاکی پھول۔ چھت یوں تھی گویا رتن کی بنی ہو۔ جگہ جگہ گملوں میں سرسبز پتوں والے پودے دکھائی دیتے تھے۔

ایک دیوار اوپر سے نیچے تک شیشے کی بوتلوں سے سجی تھی۔ بار کاؤنٹر کے ساتھ قطار میں اونچی کرسیاں لگی تھیں۔ لیکن اسے اس طرف نہیں جانا تھا۔

وہ ہال کے دوسری طرف چلی آئی جہاں وہ ایک چار افراد کی میز پہ بیٹھا تھا۔ پورے آستین والی سفید ہائی نیک۔ سیاہ پینٹ۔ اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ وہ بھی یقیناً اس ڈنر کے لیے۔ وہ اسے اہمیت دے رہا تھا۔ زارا

کے دل پہ چھائے بادل ہٹنے لگے۔

اس کے جوتوں کی آواز پہ ماہر نے سر اٹھایا۔ اسے دیکھ کے مسکرایا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ میز کے قریب رکی۔ خاکی کوٹ اتارا جو کہ ایک ویٹر نے بہت ادب سے لے لیا۔ نیچے وہ شیمپئین رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی جو بھوری لکڑی سے بنے ریستوران سے میل کھا رہا تھا۔ کانوں میں سنہرے گول ٹاپس تھے۔ گردن خالی تھی۔ آج گردن میں وہ کچھ نہیں پہننا چاہتی تھی۔ اونہوں زارا۔ نہیں سوچنا وہ سب۔

''میں تمہیں پک کر سکتا تھا۔'' ماہر نے پہلے اس کے لیے کرسی کھینچی۔ وہ بیٹھ گئی تو وہ واپس بیٹھا۔

''مجھے بابا کے پاس جانا تھا۔ دیر ہو گئی۔''

اب وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز پر سفید اور خاکی رنگ کے رومال اور نیپکن سجے تھے۔ فضا میں سی فوڈ کی خوشبو تھی جو ناگوار نہ گزرتی تھی۔ اوپن کچن میں شیف کام کرتے دکھائی دیتے تھے۔

''مالک کے ساتھ سب ٹھیک رہا؟'' ماہر نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ فاختہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ لیکن نہیں۔ وہ اس بارے میں نہیں سوچے گی۔

''ہاں۔ وہ ٹھیک تھے۔ ہم آرڈر کر لیں؟'' اس نے مسکراہٹ برقرار رکھی۔

پس منظر میں مدھم میوزک بج رہا تھا۔ اردگرد بہت سی خوشبوئیں پھیلی تھیں جو ہر سانس کے ساتھ اس کے اندر جاتی اسے ریلیکس کر رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ ریلیکس ہو بھی گئی۔ کیونکہ بالآخر وہ خوش تھی۔ اس کے پاس ماہر فرید تھا۔ وہ اس کے لیے وقت نکال کے آیا تھا۔ اس کے گلاس میں پانی ڈال رہا تھا۔ وہ خوش تھی کیونکہ اس نے ماہر کو اپنے لیے دستیاب کر لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گلاطہ ٹاور پہ شام پھیل چکی تھی اور آسمان سیاہ ہو رہا تھا۔ یہ ایک مصروف سیاحوں سے بھری گلی تھی جہاں دونوں طرف دکانیں بنی تھیں۔ کشمالہ مبین ایک دونر شاپ کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے بال پونی میں باندھ لیے تھے اور سفید کوٹ کے بٹن بند کر رکھے تھے کہ سردی بڑھ گئی تھی۔

مالک فرید کے ہاں سے واپسی پہ وہ گھر نہیں گئی تھی۔ سیدھی یہیں آ گئی۔

اسے ماہر کی ضرورت نہیں تھی۔ اب اسے جو کرنا تھا خود کرے گی۔

''ایک دونر۔ ایک۔'' شاپ کا دہانہ کھلا تھا۔ وہ والٹ سے نوٹ نکالتے ہوئے اونچی آواز میں اپنا آرڈر دہرا رہی

تھی۔ کنکھیوں سے قریبی کافی شاپ کو دیکھا۔ وہ عین اس جگہ تھی جہاں بدر اسے چند ماہ پہلے ملا تھا کاٹن کینڈی کے ساتھ۔ اس کی نگاہیں شاپ کے دروازے پر لگے سی سی ٹی وی کیمرہ پہ رینگ گئیں۔

''حانم آفندی؟ کیچپ؟'' دونر والا دکان دار اسے پکار رہا تھا۔ چونک کے پلٹی۔ سر نفی میں ہلایا۔ پھر دیکھا وہ کسی دوسرے گاہک کا آرڈر پیک کر رہا ہے۔ پلاسٹک شاپر میں۔ اس نے شاپر کو ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''کیا تم لوگوں نے ابھی تک پلاسٹک کا استعمال بند نہیں کیا؟''

دکاندار نے لاپرواہی سے تھوڑی اونچی کر کے سر کو جھٹکا دیا۔ یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔

''ان لوگوں کو انوائرمنٹ کا بالکل خیال نہیں ہے۔'' اس گاہک نے انگریزی میں کہا۔ اب وہ دوکاندار سے اپنا شاپر پکڑ رہا تھا۔

''ایسا ہی ہے۔'' اس نے افسوس سے والٹ پرس میں واپس ڈالا۔ اس سیاہ لمبے کوٹ والے نوجوان نے اپنا آرڈر لیا اور پلٹ گیا۔ سر پر اُونی ٹوپی۔ ماتھے پر سنہری بالوں کی جھلک۔

مالا نے مڑ کے اسے جاتے دیکھا۔ آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ ذہن میں ایک خیال جاگا تھا۔

''حانم آفندی؟'' پکار پہ وہ چونکی۔ وہ اس کی طرف ایک شاپر بڑھائے ہوئے تھا۔ اس میں ایک دونر رول ایلومینیم فوائل میں لپٹا تھا۔ ساتھ چند شوز اڑ سے تھے۔ اس نے شاپر تھاما۔ وہ نیچے سے گرم تھا۔ ذہن میں اُبھرا خیال اندر کسی سمندر میں گم ہو گیا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنا شاپر اٹھائے اس کافی شاپ میں داخل ہو رہی تھی۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔

''جی آپ کو کیا چاہیے؟'' کاؤنٹر والا نوجوان متوجہ ہوا۔

وہ ایک دو منزلہ شاپ تھی۔ نیچے ایک سیٹنگ ایریا بنا تھا۔ ایک گول زینہ اوپر بھی جاتا تھا جہاں یقیناً مزید کرسیاں میزیں ہوں گی۔ بیربل کی بیکری کی طرح، لیکن یہ اس سے کہیں چھوٹی تھی۔

''مجھے کچھ مدد چاہیے۔''

وہ نوجوان توجہ سے سننے لگا۔

''تین ساڑھے تین ماہ پہلے ایک واقعہ ہوا تھا۔ میرا بیٹا اس گلی میں کھو گیا تھا۔ وہ بعد میں مل گیا تھا لیکن...''

کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ کاؤنٹر کے قریب کھڑے دو افراد اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک کی مونچھیں تھیں اور ہاتھ میں ننھی تسبیح تھی۔

''لیکن اگر میں وہ تاریخ اور وقت آپ کو بتاؤں تو کیا آپ مجھے سی سی ٹی وی فوٹیج دکھا سکتے ہیں؟'' مڑ کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ یہیں سے ملا تھا۔ آپ کے دروازے کے قریب۔ آپ کے کیمرہ کی رینج میں۔''

نوجوان نے بے اختیار ان دو آدمیوں کو دیکھا۔ پھر واپس مالا کو۔

''کیا بچہ ابھی تک نہیں ملا؟''

''نہیں۔ یعنی... وہ مل گیا تھا۔'' جلدی سے وضاحت دی۔ چند الفاظ میں اس داستان کو سمونا بہت مشکل تھا۔ ''مگر اس کو کوئی اس طرف لے کر آیا تھا۔ میں صرف دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کون تھا۔ کیا آپ کے پاس تین ماہ پرانا ریکارڈ ہوگا؟''

تسبیح والے آدمی نے مقامی زبان میں کچھ کہا۔ کاؤنٹر والے نوجوان نے سر ہلایا۔ پھر مالا کی طرف متوجہ ہوا۔

''جی ہمارے پاس ریکارڈ ہے۔ آپ اوپر بیٹھیں۔ کافی پئیں۔ ہم تب تک ویڈیو نکالتے ہیں۔ لیکن ہمیں آپ کی آئی ڈی چاہیے۔''

''آف کورس۔'' ایک سکون آمیز سانس ہونٹوں سے خارج ہوئی۔ اس نے والٹ کھولا اور اپنا ڈرائیورز لائسنس نکال کے ان کے سامنے رکھا۔ کینیڈا میں یہ بطور شناختی کارڈ استعمال ہوتا تھا۔

''آپ تشریف رکھیں۔ مجھے کچھ وقت لگے گا۔'' نوجوان نے کارڈ دو انگلیوں میں پکڑ کے دیکھا۔ پھر مالا کو۔ پھر کارڈ کو۔ جیسے شکل کی تصدیق کی۔ ''میں یہ ویڈیو کے ساتھ آپ کو دے دوں گا۔ میں بس تھوڑا سا کام مکمل کرلوں پھر آپ کا کام کرتا ہوں۔ آپ چائے قہوہ کچھ لیں گی؟'' اس نے زینوں کی طرف اشارہ کیا۔ لکڑی کا تنگ زینہ اوپر جاتا تھا۔ وہاں مخروطی چھت تھی اور چند میزیں۔

''نہیں، شکریہ۔ مجھے صرف ویڈیو دیکھنی ہے۔'' وہ زینوں کی طرف بڑھ گئی۔ اب وہ قدرے بہتر محسوس کر رہی تھی۔ یہ اتنا مشکل نہیں تھا۔ اسے ماہر کا انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ وہ صرف اس کا وقت ضائع کر رہا تھا۔ اسے اپنی انا اور اس کی زندگی دونوں کو سبوتاژ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ یہ سب کچھ خود بھی کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ایک بات پوچھوں؟''

سنہری ریستوران کی مدھم زرد بتیاں اور ہلکی موسیقی ماحول کو مزید خوبصورت بنائے ہوئے تھی۔ ماہر چہرہ جھکائے ابھی تک مینیو دیکھ رہا تھا۔ اور زارا اسے۔

ماہر نے نگاہیں اٹھائیں۔تکان سے مسکرایا۔

''آف کورس۔''

''تم نے بلڈنگ اکوپنسی پرمٹ اپلائی کر دیا؟''

ماہر نے مینیو بند کر کے سامنے ڈالا۔غور سے اسے دیکھا۔

''تم یہ پہلے بھی پوچھ چکی ہو۔''

''کیونکہ میں نے سنا تھا کہ تم نے نہیں کیا۔''اس کی زبان پہ شکوہ در آیا۔ذہن میں کسی نے سرگوشی کی۔متنازعہ موضوع کو مت چھیڑو زارا۔اس خوبصورت شام کو گزر جانے دو۔وہ تمہارے ساتھ ہے۔اسے غصہ مت دلاؤ۔وہ ناراض ہو گیا تو....

"Guilty as charged."ماہر فرید ہلکا سا مسکرایا۔سر کو خم دیا۔

''میں نے پرمٹ اپلائی نہیں کیا۔''اسے غصہ نہیں آیا تھا بلکہ وہ مسکرا رہا تھا۔

زارا کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔اسے برا نہیں لگا تھا۔

''پھر تم نے مجھے کیوں کہا کہ...''

''کیونکہ میں شرمندہ تھا۔''وہ پیچھے کو ہو کے بیٹھا۔ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔

''ایک دوستوں کی گیدرنگ میں میری کسی آدمی سے تلخ کلامی ہو گئی تھی۔تمہیں تو معلوم ہے مجھے کبھی کبھی غصہ آجاتا ہے۔میں نہیں جانتا تھا وہ کون ہے۔مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ منسٹری میں کام کرتا ہے۔میں اسی لیے ابھی تک پرمٹ کے لیے نہیں گیا۔کیونکہ مجھے بہت سے پیسے لگانے ہوں گے۔اور اگر ہمارے راستے ٹکرائے تو وہ اسے میرے خلاف استعمال کرے گا۔میں ابھی تک پرمٹ جلد حاصل کرنے کا قانونی طریقہ ڈھونڈ رہا ہوں۔یا کسی ایسے شخص کو جس کی پہنچ اس آدمی سے اوپر تک ہو۔''

''تو تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''کیونکہ میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔تم نے ایک طویل عرصہ کیف کے تمام مسئلے حل کیے ہیں۔کسی کو تلاش کرنا ہو،کسی کے بارے میں معلومات چاہیے ہوں،یا کسی بھی قسم کی نیٹ ورکنگ ہو،میں نے ہمیشہ تمہیں ہی پہلی کال کی ہے۔لیکن اب مجھے تمہارا خیال رکھنا ہے۔تم نے میرے مسئلے حل نہیں کرنے۔میں مینیج کر لوں گا۔ڈونٹ وری۔''وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

زارا نے مسکرا کے سر اثبات میں ہلایا۔ بہت سا بوجھ اس کے کندھوں سے اتر گیا۔

سفید باوردی شیف ان کے پاس چلا آیا۔ وہ ان کے ساتھ کھڑا اب ان کی ترجیحات پوچھ رہا تھا۔ ماہر مینو کارڈ کھولے اس سے کچھ پوچھنے لگا۔ زارا نے موبائل نکالا اور اس کی تصویر کھینچی۔ سفید ہائی نیک والا ماہر، شیف سے سوال کرتے ہوئے۔ وہ اس کو ''ڈیٹ نائٹ'' کے کیپشن کے ساتھ انسٹا پہ پوسٹ کرے گی۔

''تم کیا لوگی؟'' وہ تصاویر بنا رہی تھی جب ماہر نے پوچھا۔

زارا نے فون ایک طرف رکھ دیا۔

''تم میرے لیے آرڈر کرو۔ تمہیں معلوم ہے مجھے کیا پسند ہے۔''

وہ مسکرا دیا۔ اور شیف کی طرف متوجہ ہوا۔

ہر شے مکمل تھی۔ وہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کے لیے دستیاب۔ بابا غلط کہتے تھے کہ وہ.....

اور اسی لمحے ماہر کا فون بجا۔

فون میز پر الٹا رکھا تھا۔ ٹون ہلکی تھی۔ ماہر نے دیکھے بنا سائیڈ بٹن دبا کے اسے خاموش کر دیا۔ وہ اب زارا کے لیے کچھ آرڈر کر رہا تھا۔

فون خاموش ہو گیا۔ البتہ وہ کلائی میں پہنی گھڑی سے کنیکٹڈ تھا۔

اور گھڑی اس ہاتھ میں تھی جس میں اس نے کارڈ پکڑ رکھا تھا۔ ایسے کہ زارا گھڑی کی اسکرین دیکھ سکتی تھی۔

''گرین آئیز کالنگ...''

گھنٹی دوبارہ بجنے لگی تو ماہر نے قدرے اکتاہٹ سے کلائی گھمائی۔ مگر نام دیکھ کے وہ چونک گیا۔

پھر اس نے شیف سے معذرت کی۔ اسے چند منٹ بعد آنے کو کہا۔ اور تیزی سے موبائل اٹھا کے کان سے لگایا۔

وہ بالکل خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' وہ اب موبائل کان سے لگائے کہہ رہا تھا۔ انداز چونکا ہوا تھا۔ جیسے ساری حسیات الرٹ ہوں۔

''تم کہاں ہو؟''

زارینہ فرید فون میں کہے جانے والے الفاظ نہیں سن سکتی تھی۔ وہ صرف ماہر کے چہرے کے تاثرات پڑھ رہی تھی۔

پہلے اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ آنکھوں میں پریشانی ابھری۔ وہ کچھ دیر سنتا رہا۔

''گلاطہ یہاں سے... (کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی) آٹھ دس منٹ کی ڈرائیو پہ ہے۔ میں آ رہا ہوں۔'' وہ رکا۔ ''ڈونٹ وری۔'' یہ دو الفاظ زیر لب کہے تھے۔ وہ اس کے ہونٹوں کی حرکت دیکھ رہی تھی۔

اب وہ فون جیب میں ڈالتا اس سے معذرت کر رہا تھا۔ وہ فکرمند تھا۔ اسے ابھی جانا تھا۔ وہ اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ کسی مشکل میں تھی۔ اس نے ہلال کی مدد کی تھی۔ اسے اس کی مدد کرنی تھی۔ لیکن وہ اس کا مداوا کرے گا۔

''اٹس اوکے۔ پلیز تم جاؤ۔'' زارا نے جبری مسکراہٹ کے ساتھ خود کو کہتے سنا۔

وہ تب تک نیپکن میز پر رکھ چکا تھا۔ وہ جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ وہ اس سے اجازت نہیں مانگ رہا تھا۔ اب وہ اپنا کوٹ مانگ رہا تھا۔ وہ پریشان تھا۔ زارا گردن گھما کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ ڈرائیور کو کال کر رہا تھا۔

پھر زارا نے اردل کو اندر آتے دیکھا۔ اس نے ماہر کو کار ریموٹ تھمایا۔ وہ ایک کارڈ نکال کے اسے تھماتے ہوئے ہدایات دے رہا تھا۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ زارا کی کار ڈرائیو کر کے اسے گھر چھوڑ کے آئے گا۔

زارا بالکل خاموشی سے اس کارڈ کو دیکھے گئی جو اس نے اردل کو بل ادا کرنے کے لیے دیا تھا۔ پلاسٹک کا ننھا سا ٹکڑا۔

ہر چیز کسی سلوموشن فلم کی طرح ہو رہی تھی۔ وہ اب اسے کہہ رہا تھا کہ وہ اکیلے گھر نہیں جائے گی۔ اردل ساتھ جائے گا۔ اس نے بدقت سر ہلایا۔ اب وہ کوٹ پہنتا تیزی سے باہر جا رہا تھا۔ پھر ریستوران کے دروازے بند ہو گئے۔

ماہر فرید جا چکا تھا۔

گلاطہ کے ٹاور کی طرف۔

وہ جہاں محبوب ملا کرتے تھے۔

وہ جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس مینار کے پتھروں پر اگر دو محبت کرنے والے اپنا نام لکھ دیں تو انہیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔

اس کی آنکھیں خشک رہیں۔ ان میں پانی نہیں بھرا۔ اس نے دھیمی آواز میں اردل کو باہر انتظار کرنے کے لیے کہا۔ وہ کھانا کھا کے باہر آ جائے گی۔ اسے تسلی سے ڈنر کرنا تھا۔ اور دونوں پلیٹس کی تصاویر انسٹا پہ پوسٹ کرنی تھیں۔

وہ ایسے ہار نہیں مانے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ کو انتظار کرتے ہوئے بیس منٹ ہو گئے اور اس دوران وہ دو دفعہ نیچے چکر لگا آئی اور ہر دفعہ کاؤنٹر والے لڑکے نے جب ''کچھ دیر اور'' کہا تو اسے احساس ہونے لگا کہ کچھ غلط ہے۔

''کیا آپ واقعی مجھے فوٹیج دکھا سکتے ہیں یا میں جاؤں؟'' وہ تیسری دفعہ نیچے آئی اور سنجیدگی سے ریسپشنسٹ کو مخاطب کیا۔ تکلفاً اس نے کافی کا ایک کپ ان سے خرید کے پیا تھا۔ البتہ فوائل میں لپٹا دونر یونہی اوپر ایک میز پر رکھا تھا۔

''آپ تھوڑی دیر انتظار کریں، پلیز۔'' ریسپشنسٹ نے انگلی اور انگوٹھے کو ملا کے اشارہ کیا۔

''نہیں۔ آپ مجھے میرا ڈرائیورز لائسنس واپس کریں۔ میں جا رہی ہوں۔''

جواباً وہ نوجوان خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

''میرا ڈرائیورز لائسنس؟'' اس نے ہتھیلی سامنے پھیلائی۔

''وہ تو میں نے بھائی کو دے دیا۔''

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی لیکن بظاہر چہرہ اسی طرح برہم رکھا۔

''کیوں؟''

''وہ ابھی آ جائے گا۔ لے آئے گا۔'' وہ بار بار دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

''وہ کہاں گیا ہے؟'' سینے میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔

''میرے ایک کزن کو لینے گیا ہے۔''

''اور تمہارا کزن پولیس میں ہے نا؟''

نوجوان ہلکا سا چونکا۔ پھر شانے اچکا دیے اور واپس کمپیوٹر کی طرف پلٹ گیا۔

وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ اس نے کوشش کی کہ وہ بظاہر بالکل پرسکون رہے۔ اور اندر ہوتی گھٹن کا احساس چہرے پہ نہ آئے۔ مگر اس کی رنگت بدلنے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں اوپر انتظار کر رہی ہوں۔'' درشتی سے کہہ کے وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی، البتہ دل... وہ اسی طرح تنگ ہو رہا تھا۔

میز پر دونر کا شاپر اسی طرح رکھا تھا۔ ساتھ دیوار میں بنی چوکور کھڑکی تھی۔ اس نے باہر جھانکا۔

نیچے پررونق گلی سیاحوں کی آوازوں اور قہقہوں سے بھری تھی۔ رات اتر چکی تھی اور دور گلاطہ سنہری روشنیوں میں دمکتا کھڑا تھا۔ اس کا ایک حصہ یہاں سے دکھائی دیتا تھا۔

اور پھر... سڑک کے دہانے پر اسے وہ دکھائی دے گیا۔ مونچھوں والا ترکش آدمی جو کچھ دیر پہلے کاؤنٹر کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کا ساتھی بھی ساتھ تھا۔ اور دو پولیس مین سامنے کھڑے تھے۔ وہ انہیں ہاتھ ہلا کے کچھ بتا رہا تھا۔

ریسپشنسٹ اسے کیمرے میں دیکھ رہا ہوگا۔ یہ سوچ کے وہ واپس سیدھی ہو بیٹھی۔ اسے گھبراہٹ ظاہر نہیں کرنی تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ اسے خود کو پرسکون رکھنا تھا۔

یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے، مالا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ تم کسی بھی وقت سر اٹھائے بنا ڈرے اس شاپ سے نکل کے گھر جا سکتی ہو۔ کوئی تمہیں نہیں روک سکتا۔ انہوں نے تمہارا ڈرائیورز لائسنس صرف تمہیں اسکیم scam کرنے کے لیے رکھا ہے۔ وہ پولیس کو بلوا کے تمہیں خوفزدہ کریں گے۔ پھر دباؤ ڈالیں گے۔ اور پیسے مانگیں گے۔ ٹھیک ہے وہ تمہاری شناخت ہے۔ لیکن تم یہاں سے نکل سکتی ہو۔ تم لائسنس بعد میں بھی بنوا سکتی ہو۔ تم ان ترکوں کی پولیس سے تھوڑی ڈرتی ہو؟ تم کسی بھی وقت اپنی ایمبیسی کو کال کر سکتی ہو۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

مگر اس کا جسم اس کے کہے الفاظ نہیں سن رہا تھا۔

اس کے جسم کی گھڑی مختلف تھی۔ اور اس پہ ایک ہی وقت کا گھنٹہ بجتا سنائی دے رہا تھا۔ کسی الارم کی طرح۔

تم باہر نہیں نکل سکتیں۔ تم trapped ہو۔

Trapped.

Trapped.

اس نے ہاتھ سینے پر رکھ لیا۔ دل گھٹ رہا تھا۔

اتنے برس کی تھیراپی، کاؤنسلنگ، اور خود کو اپنے پیروں پہ کھڑا کرنے کے بعد اگر اسے لگا تھا کہ وہ تندرست ہو چکی ہے، تو وہ غلط تھی۔

وہ ٹریپ ہو جانے کا خوف... وہ آج بھی ویسا ہی تھا۔

وہ زخم کبھی بھرا ہی نہیں۔

وہ زیاد کے ساتھ شادی میں قید تھی۔

وہ زیاد کی اسٹڈی میں قید تھی۔

وہ وین کوور میں اس ٹھٹھرتے ہوئے کنٹینر میں قید تھی۔

سارے دروازے بند تھے۔ نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

وقت گزرتا جا رہا تھا۔ گلی میں کھڑے افراد اب کافی شاپ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ہر گزرتے پل اس کے گرد گھیرا تنگ ہو رہا تھا۔ اور اسے معلوم تھا اسے کیا کرنا ہے۔

صرف ایک انسان تھا جو اس وقت اس کی مدد کر سکتا تھا۔

ماہر نے اس کی پہلی کال کاٹ دی تھی۔ اس نے کپکپاتی انگلی سے دوبارہ بٹن دبایا۔ اب کے اس نے دوسری گھنٹی پہ فون اٹھا لیا تھا۔

''ماہر...'' اس نے اپنی کمزور آواز سنی۔ ''میں... ایک جگہ پھنس گئی ہوں۔''

حلق رندھ گیا۔

''کیا ہوا؟''

''میں صرف سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنا چاہتی تھی، لیکن انہوں نے پولیس بلا لی ہے۔ ان کے پاس میرا ڈرائیورز لائسنس...''

''تم کہاں ہو؟''

''گلاطہ کے قریب...''

وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ کہ وہ قریب ہے۔ وہ آ رہا ہے۔ الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔ پھر آخر میں اس نے دو مدھم الفاظ سنے۔

''ڈونٹ وری۔''

اس نے گہری سانس لے کر فون نیچے کیا۔

(ڈونٹ وری) دل نے دہرایا۔

ڈونٹ وری۔ ڈونٹ وری۔

چند منٹ گزرے اور پھر اسے وہ زینے چڑھتے دکھائی دیے۔ وہی پولیس والے۔ وہ نیچے یہ کام نہیں کر سکتے تھے کہ دکان کے گاہک برا مانتے اور رش گھٹ جاتا۔ سو وہ مونچھوں والا آدمی انہیں اوپر لے آیا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے نہیں اٹھی۔ ڈھٹائی سے بیٹھی رہی۔ وہ اس سے فاصلے پر ایک میز پہ بیٹھ گئے۔ البتہ مونچھوں والا آدمی اس کی میز تک آیا۔

''مجھے میرا ڈرائیورز لائسنس واپس چاہیے۔'' اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔

''آپ نے فوٹیج مانگی تھی۔ ہم پولیس کو مطلع کیے بغیر...'' وہ اب اس کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ آوازیں آنا بند ہوگئی تھیں۔ وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں اسے بتا رہا تھا کہ کیسے اس کی وجہ سے انہیں پولیس بلوانی پڑی ہے۔ کلاسک ترکش اسکام۔ پولیس کو فاصلے پر بٹھا کے اعصاب پہ دباؤ ڈالنا۔ تاکہ جب تک پولیس آفیسر اس سے مخاطب ہو، اس کے اعصاب جواب دے چکے ہوں اور وہ جرمانہ بھرنے کو تیار ہو۔

نیچے کافی شاپ سے شور اور کافی بینز کی مہک اسی طرح اٹھ رہی تھی۔ بار بار دروازہ کھلتا، سرد ہوا کا جھونکا نئے گاہک کے ساتھ اندر آتا۔ اور پھر دم توڑ جاتا۔

مگر اس بار جب دروازہ کھلا تو وہ جانتی تھی کہ کون تھا۔ وہ بے اختیار سیڑھیوں کو دیکھنے لگی۔ سانس روکے۔ زرد چہرے کے ساتھ۔ اس کی نگاہوں کے تعاقب میں مونچھوں والے آدمی نے بھی دیکھا۔

بوٹس کی چاپ لکڑی کے زینوں پر سنائی دی۔ اور پھر وہ دکھائی دیا۔ لمبے سرمئی کوٹ میں ملبوس۔ وہ متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کے سیدھا اس طرف آیا۔

اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ مگر وہ اس پہ دبا دبا غصہ دیکھ سکتی تھی۔

وہ بے اختیار کھڑی ہوئی۔

''میں نے ان سے فوٹیج...''

''میری کار کا نمبر معلوم ہے؟'' مٹھی میں دبا کار ریموٹ اس کی جانب بڑھایا۔

''ماہر، میں نے صرف فوٹیج دیکھنے....''

''تھری فور... ایم ایچ آر... ٹرپل فائیو.. اسٹریٹ پارکنگ اسپاٹ نمبر ۸۔'' اس کے ہاتھ پر ریموٹ زور سے رکھا۔ اور بازو لمبا کر کے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''جا کے کار میں بیٹھو۔ میں آ رہا ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی تھی لیکن اس کی آنکھیں۔ اس نے چپ چاپ پرس اٹھایا اور تیزی سے زینوں کی طرف لپکی۔

کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ تینوں بھی اس طرف دیکھ رہے تھے، لیکن وہ ان کو نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ دل

ابھی تک بری طرح دھڑک رہا تھا۔

''ہاں بھئی۔ کیا مسئلہ ہے؟ مجھ سے بات کرو۔''

ماہر کی بلند آواز پہ وہ زینوں کے درمیان میں رکی۔ پلٹ کے دیکھا۔ اس نے مالا کی کرسی کھینچ کے ان کے سامنے رکھی۔ پھر اس پر بیٹھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔

''خاتون کا ڈرائیورز لائسنس کس کے پاس ہے اور کیوں ہے؟''

پھر مونچھوں والے کو اشارہ کیا۔

''بیٹھو نا۔ اپنا ہی گھر سمجھو۔''

وہ آگے نہیں سن پائی۔ تیزی سے زینے عبور کرتی نیچے چلی گئی۔ ریسپشنسٹ نوجوان کو بھی نہیں دیکھا۔

دروازہ کھولا تو باہر گلی کی سرد ہوا نے استقبال کیا۔ لیکن اس کا سانس تب تک بحال نہ ہوا جب تک اسے ماہر کی کار نہ مل گئی۔

اس نے بیٹھتے ہی دروازہ لاک کر دیا۔ پھر چند گہرے سانس لیے۔ کار میں عود اور گلاب کی مہک تھی۔ اور کسی باسی سگار کی بھی۔ لیکن اس کا ذہن اس وقت صرف ایک ہی نقطے پہ جما تھا۔

زیادکا برفیلا کنٹینر۔ ٹوٹا ہوا بک شیلف۔ زنجیر میں جکڑا ہاتھ۔

قید ہو جانے کا خوف... بے بس ہو کے ٹریپ ہو جانے کا ڈر... یہ ٹراما شاید ذہن سے نکل گیا تھا لیکن جسم سے نہیں نکلا تھا۔ جسم کچھ بھی نہیں بھولتا۔ کبھی لفٹ کا دروازہ دیر سے کھلتا یا کبھی کوئی انسان اس کی آزادی سلب کرنے کی بات کرتا یا کبھی کسی شادی کا ایونٹ کور کرتے ہوئے دلہا کو دلہن کو بری طرح ٹریٹ کرتے دیکھنا پڑتا، ایسے میں ہر دفعہ یہ ٹراما باہر آتا تھا۔

وہ خوف کبھی جسم سے الگ ہوا ہی نہیں تھا۔ شبنم کو نصیحتیں کرنا الگ بات تھی۔ اپنے خوف کو مجسم صورت میں دیکھنا الگ۔

دروازہ زور سے کھلا تو وہ چونکی۔

وہ اندر بیٹھ رہا تھا۔ پھر اس نے دروازہ بند کیا۔

چند لمحے وہ کچھ نہیں بولا۔ لیکن اس نے سیٹ بیلٹ بھی نہیں پہنی۔ ایک ننھا کارڈ ڈیش بورڈ پر رکھا۔ اس کا ڈرائیورز لائسنس۔

وہ ماہر کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ بس ونڈ اسکرین پہ نگاہیں مرکوز کر رکھی تھیں۔ وہاں بارش کی ننھی بوندیں گر رہی تھیں۔ یہ کب گرنا شروع ہوئیں، اسے معلوم نہ تھا۔

بالآخر اس نے ہمت کی۔

''ماہر...''

''کہاں ڈراپ کروں تمہیں؟'' وہ بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔ آواز میں بہت ضبط تھا۔

''میں صرف ان سے....''

''کیا کہا تھا میں نے؟'' وہ اس کی طرف گھوما تو اس نے دیکھا۔ اس کے چہرے پہ ڈھیروں غصہ تھا۔

''کہ تم بزی ہو۔ نہیں آسکتے۔ اسی لیے میں خود...''

''میں نے کہا تھا جب جانا ہوگا تو بتاؤں گا۔ اس میں کیا مشکل تھا سمجھنا؟'' اس کی آواز بلند ہونے لگی۔ غصے سے نہیں، افسوس اور حیرت سے۔

وہ خاموشی سے لب کاٹنے لگی۔ نگاہیں ونڈ اسکرین پہ جما دیں۔

''جانتی نہیں ہو تم اس قوم کو؟ یہ کتنے اسکامرز ہیں۔ کیا ضرورت تھی تمہیں خود جانے کی؟''

''مجھے لگا ایک فوٹیج ہی ہے۔ وہ مجھے دے دیں گے۔''

''پھر میں کس لیے ہوں، مالا؟ "اس نے بند مٹھی اسٹیئرنگ پر ماری۔

وہ چونکی۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب اس نے اسے مالا کہا تھا، ورنہ استنبول آنے کے بعد سے وہ اس کو کشمالہ کہتا تھا۔

''سب خود کرنا تھا تو مجھ سے مدد کیوں مانگی؟'' اسے جیسے رہ رہ کے اس پہ غصہ آرہا تھا۔

''تم میری مدد نہیں کر رہے تھے۔'' اس کا خوف اب کم ہو چکا تھا۔ اور آواز بلند۔

''میں مدد نہیں کر رہا تھا؟'' جھٹکے سے ماہر نے سیٹ بیلٹ کھینچی۔ اسے کلپ کیا۔ پھر انجن کا بٹن دبایا۔ کار میں حرارت پیدا ہوئی۔

''تم مجھے اول دن سے اذیت دینے کے سوا کچھ نہیں کر رہے تھے۔''

''میں تمہیں اذیت دے رہا ہوں؟'' وہ اسٹیئرنگ گھما کے کار ریورس کر رہا تھا۔ ایک نظر بیک مرر میں دیکھا۔ ایک اسکرین میں۔

''کیا نہیں دے رہے؟ جب سے میں آئی ہوں تم بس مجھے سزا دے رہے ہو کیونکہ میں نے وین کوور میں تم پہ

اعتبار نہیں کیا تھا۔ تمہیں میرے بیٹے سے اتنی سی بھی انسانی ہمدردی نہیں ہے۔''

بہت سے جذبات ایک ساتھ مل گئے تھے۔ اسے اپنی آواز رندھی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ ہر جگہ ٹریپ تھی۔ استنبول میں بھی۔ وہ اس کا پاسپورٹ رکھ چکا تھا۔ اور وہ واپس نہیں جا سکتی تھی۔ وہ کام نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کیف کی عمارت میں بھی ٹریپ تھی۔

''تم میری مدد کرنا ہی نہیں چاہتے۔ تم صرف مجھ سے بدلہ لے رہے ہو۔''

وہ اس کو دیکھ رہی تھی اور ماہر بیک ویو مرر میں۔ بس افسوس سے سر جھٹکا۔ پھر کسی نا آشنا زبان میں بڑبڑایا۔

''جو کہنا ہے میری زبان میں کہو۔ میرے منہ پہ کہو۔''

''اس کو کہہ رہا ہوں جو اپنی کار نہیں نکال رہا۔'' اس نے گردن موڑ کے پیچھے دیکھا۔ کار روک دی تھی۔ اسی پل پیچھے والی کار زن سے نکل گئی۔ ماہر سر جھٹک کے کار ریورس کرنے لگا۔ وہ اسی طرح بولے جا رہی تھی۔

''تم صرف یہاں مجھے ٹریپ کر کے اذیت دینا چاہتے ہو۔ مجھے سب نظر آ رہا ہے۔''

''میں نے تمہیں ٹریپ کر رکھا ہے؟''

''کیا نہیں کیا؟ میں تمہاری زندگی پیچیدہ کر رہی ہوں۔ یہی سمجھتے ہو تم۔ تمہاری منگیتر جس طرح مجھے دیکھ رہی تھی وہ بھی نظر آتا ہے مجھے۔ اسی لیے میں خود چلی آئی۔ تاکہ کل کو تم مجھے الزام نہ دو۔''

ماہر نے صرف افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ اور کار سڑک پر ڈال دی۔ اس شہر میں parallel parking عذاب تھا۔

''میں تم سے ایک ہفتے سے کہہ رہی ہوں کہ ہم کب یہاں آئیں گے اور تم مجھے ٹال رہے تھے۔''

''کیونکہ میری ایک ذاتی زندگی بھی ہے، مالا۔'' وہ ایک ہاتھ اٹھا کے زور سے بولا۔

''اسی لیے اکیلی آئی تھی میں۔'' وہ بھی اتنا ہی اونچا بولی۔

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ کار اب مین روڈ پر ٹریفک کے ساتھ شامل ہو گئی تھی۔ ونڈ اسکرین پر ٹپ ٹپ قطرے گر رہے تھے۔ وائپر بار بار ان کو صاف کرتے۔ منظر دھندلا ہوتا، پھر صاف ہو جاتا۔ پھر سے آسمان کے آنسو گرتے جاتے۔

''میں نے تمہیں اپنی مدد کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔ صرف اتنا کہا تھا کہ ہوٹل آؤ اور بات کرو۔ تم آئے۔ اور میری مدد سے انکار کیا۔ میں نے دوبارہ ایک کال نہیں کی تمہیں۔ تین دن بعد خود تم نے شبنم کو بھیج کے مجھے بلوایا تھا۔ تم نے

کا نٹریکٹ سامنے رکھا۔ پھر جو تم نے کہا میں نے کیا۔ تمہاری ساری شرائط مانیں۔ آفس بھی آنا شروع کیا۔"

وائپر تیز تیز چل رہے تھے۔ بارش بھی تیز ہو چکی تھی۔ کار کسی پل پر سے گزر رہی تھی۔ دائیں بائیں اندھیرے میں جگمگاتا شہر دکھائی دے رہا تھا۔

"لیکن تم صرف مجھے ٹالتے رہے۔ نہیں مدد کرنا چاہتے ہو تو نہ کرو۔ میں خود کر لوں گی جو کرنا ہے۔"

"جیسے ابھی کیا تھا؟"

کشمالہ مبین نے سلگ کے اسے دیکھا۔

"تم نہ آتے تب بھی کچھ نہ ہوتا۔ میں panic کر گئی تھی، ورنہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔ وہ اسکام کر رہے تھے۔ زیادہ سے زیادہ پولیس اسٹیشن لے جاتے؟ میں اپنی ایمبیسی کو کال کر لیتی۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔"

وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اب اسے احساس ہوا کہ باہر صرف بارش نہیں ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ آج دل دُکھا ہوا تھا۔ صبح سے۔ آج اس شخص کے سامنے رونا ہو یا اس کے پیچھے، پرواہ نہ تھی۔

پھر سے صبح والا واقعہ یاد آیا۔

"اور جو تم نے صبح کیا..."

"کیا کیا میں نے صبح؟" وہ چونکا۔ چہرہ گھما کے اسے دیکھا۔

"کیا تمہیں واقعی نہیں یاد؟" اس ایک لمحے اسے ماہر فرید پہ اتنا غصہ آیا کہ مٹھیاں بھینچ لیں۔

"دو دن، ماہر..." دو انگلیاں دکھائیں۔ وہ مڑ کے غیر آرام دہ زاویے پر بیٹھی تھی۔ "دو دن میں نے انتھک محنت سے ایک ڈیزائن بنایا تھا جسے تم نے دو سیکنڈ دیکھے بغیر ٹریش کین میں ڈال دیا۔ میں نہیں مان سکتی کہ میرا ڈیزائن اس قابل نہیں تھا کہ اس پہ غور نہ کیا جائے۔"

آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

"میں نے تم سے تمام شکوے بھلا کے صرف ایمانداری سے کام کیا تھا۔ وہ دو دن میں اپنے بیٹے کے لیے صرف کر سکتی تھی۔ اپنا کام کر سکتی تھی۔ لیکن میں نے تمہارے کام کو ترجیح دی۔ اور تم نے دو سیکنڈ میں اسے ردی میں ڈال دیا۔ دو سیکنڈ میں۔"

"دو دن؟" اس نے ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر واپس سڑک کو۔

"ہاں دو دن۔ اڑتالیس گھنٹے ہوتے ہیں دو دنوں میں۔ میں نے چند بریکس کے سوا مسلسل کام کیا۔ میں یہ نہیں

کہہ رہی کہ اس کو ہی تم فائنل کرتے۔ بے شک نہ کرتے۔ لیکن دوسری نظر تو ڈالتے۔ اس پہ بات تو کرتے۔ میں نہیں مان سکتی کہ تم دو سیکنڈ میں ایک ڈیزائن کا فیصلہ کر سکتے ہو۔ لیکن نہیں۔'' افسوس اور ملامت سے اسے دیکھا۔

''تمہیں صرف مالا کو اذیت دینی تھی۔''

''دو دن ہاں؟ دو دن؟'' ماہر نے پہلے اسے دیکھا اور واپس سڑک کو دیکھا۔ وائپر اسی طرح ہل رہے تھے۔ البتہ جس علاقے میں سے کار گزر رہی تھی وہاں بارش مدھم تھی۔

مالا نے ہاتھ کی پشت سے گال رگڑے۔ ''مجھے کہیں اتار دو۔ میں خود چلی جاؤں گی۔''

''دو دن۔ واؤ۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ کشمالہ نے دائیں بائیں دیکھا۔

''ہم پل کے اس طرف کیوں جا رہے ہیں؟ بلت پیچھے ہے۔''

''مالا، دو منٹ خاموشی سے مجھے ڈرائیو کرنے دے سکتی ہو؟'' وہ اب کے برہمی سے بولا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس انسان سے بات کرنا فضول تھا۔ شکوہ کرنا اس سے بھی زیادہ فضول۔

چند منٹ خاموشی سے کٹے۔ وہ کچھ نہیں بولی۔ رات میں جگمگاتا شہر بارش سے اسی طرح بھیگتا گیا۔ کچھ علاقوں میں بارش تیز تھی۔ کچھ میں محض پھوار کے جیسی۔ کار جس راستے پر جا رہی تھی وہاں بوندا باندی مدھم ہوتی جا رہی تھی۔

وہ اس راستے کو پہچانتی تھی۔

یہ کرتال ڈسٹرکٹ تھا۔

اس بھیگی اندھیری رات میں سرخ عمارت ویران کھڑی تھی۔ وہ انڈسٹریل ایریا تھا۔ ارد گرد سڑک اور ٹریفک کے شور کے سوا کوئی ذی نفس نہ تھا۔ البتہ گارڈز اور نائٹ واچ مین موجود تھے۔

ماہر ایک چوکی کے قریب کار لایا سر کے خم سے واچ مین کو سلام کیا۔ اس نے بیریئر ہٹا دیا۔ وہ کار اندر لے گیا۔ پھر اسے عمارت کے دہانے پر جا کھڑا کیا۔ ماہر نے بٹن دبایا، سیٹ بیلٹ ڈھیلی ہوئی۔

''باہر آؤ۔''

''باہر بارش ہے۔''

''نہیں پگھلو گی تم۔ باہر آؤ۔'' وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔

اس نے آنکھوں کے بھیگے کنارے پونچھے اور ایک بے بس نگاہ اپنے سفید کوٹ پہ ڈالی۔

پھر باہر نکلی تو دیکھا نیچے زمین کچی تھی۔ بارش بھلے ہلکی تھی لیکن زمین کو کیچڑ بنا چکی تھی۔ وہ سفید اسنیکرز سے چلتی

اس کے پیچھے آئی۔ جوتوں کے کنارے گدلے ہوتے گئے۔ چہرے پر پھوار گرنے لگی۔

وہ عمارت کی بیرونی سرخ دیوار کے ساتھ جا رکا تھا۔ وہ ناخوشی سے ابرو بھینچے اس کے سامنے ٹھہر گئی۔ آنکھیں ابھی تک روئی روئی تھیں اور بال بوندا باندی سے گیلے ہونے لگے تھے۔

''یہ کون سا رنگ ہے؟''

دیوار پر چوکور سرخ پینلز چسپاں تھے۔ کچھ چھوٹے۔ کچھ بڑے۔ وہ ایک بلاک پر انگلی رکھے ہوئے تھا۔

''سرخ۔''

''گڈ۔'' ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند قدم آگے بڑھا۔ ایک دوسرے بلاک پر انگلی رکھی۔

''یہ بھی سرخ ہے؟''

وہ کہنا چاہتی تھی کہ یہ ہلکا سرخ ہے۔ روشنی مدھم تھی۔ لیکن اس نے بس سر ہلا دیا۔ اسے ماہر فرید سے کوئی بحث نہیں کرنی تھی۔

''یہ بھی سرخ ہوگا؟'' وہ مزید آگے بڑھا۔ اوپر سے گرتے قطرے ماہر کو بھگو رہے تھے۔

''سرخ ہی ہے۔'' بہت ضبط سے کہا۔

''اور وہ اوپر۔ تیسری قطار میں پانچواں بلاک؟''

اس نے گردن اٹھائی۔ بوندیں ناگوار گزر رہی تھیں۔ عمارت کے باہر کم روشنی تھی لیکن وہ دیکھ سکتی تھی۔

''وہ بھی سرخ ہے۔ رائٹ؟''

مالا نے اب کے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں طنز تھا۔ پھر وہ اس کے سامنے آ رکا۔ اس کے بال پانی سے بھیگ چکے تھے اور چہرے اور گردن پر قطرے ٹھہرے تھے۔ اور آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔ طنز۔ صدمہ۔ افسوس۔

''ان میں سے کوئی بھی رنگ سرخ نہیں ہے، کشمالہ بی بی۔ وہ اسکارلٹ ہے۔ یہ برگنڈی۔ وہ سامنے والا کرمسن۔ اس کے اوپر میرون۔ یہ دائیں طرف رسٹ ہے۔ اس کے ساتھ fire brick۔ اور وہ تیسرا بلاک رس بھری رنگ کا ہے۔''

مالا نے واپس دیوار کو دیکھا۔ پھر اسے۔

''اندھیرے میں سب ایک جیسے...''

''اٹھائیس شیڈز ہیں اس عمارت میں سرخ کے۔ اٹھائیس طرح کا فائبر گلاس لگا ہے یہاں۔ کرتال کے لوگ کہتے ہیں یہ عمارت ایک دن میں بنی ہے۔ جانتی ہو کیوں؟''

مالا نے جواب نہیں دیا۔ وہ بازو سینے پر لپیٹے اسے دیکھے گئی۔

''جس دن فائبر گلاس کے اوپر سے شیٹس اتری تھیں اور عمارت کا سرخ رنگ نمایاں ہوا تھا تو علاقے والے پریشان ہو گئے تھے۔ ان کا کہنا تھا کل رات تک یہ عمارت یہاں نہیں تھی۔''

بارش میں تیزی آ گئی تھی۔ مگر وہ پرواہ کیے بنا بوچھاڑ میں بھیگتا اسی زخمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''اتنا رقبہ نہیں تھا کہ آٹھ منزلوں سے اونچی عمارت بنا سکتا۔ اتنے فٹ پرنٹ پہ اس سے اونچی عمارت نہیں بنتی۔ اور عمارت اونچی نہ ہو تو نگاہ میں نہیں آتی۔ سو میں نے اس کو سرخ رنگ دیا تاکہ وہ نگاہ میں آئے۔ مگر اس جانب ہائی وے ہے۔'' انگلی سے چوڑی سڑک کی جانب اشارہ کیا جس کے اوپر سے ٹریفک گزر رہا تھا۔

''ان آٹھ منزلوں پہ مختلف سائز کے آفس بنے ہیں۔ ٹریفک کے شور میں کون کام کر سکتا ہے؟ سو ہائی وے کی طرف عمارت کے چہرے میں روزن کم سے کم رکھے تاکہ شور اندر نہ پہنچے۔ اور یہ... یہ اندرونی صحن کے چاروں طرف... جو اوپن ائیر کاریڈور چھوڑے... یہ اس لیے کہ بجلی کی بچت ہو۔ ائیر کنڈیشنگ، وینٹ، ہیٹنگ، ہر شے کی بچت ہو گی۔ جنوبی حصے نیچے رکھے تاکہ شمالی حصوں اور کورٹ یارڈ میں زیادہ روشنی ہو۔''

وہ کہتے ہوئے چلتا جا رہا تھا۔ دائیں بائیں اشارے کرتا اور وہ چپ چاپ اس کے پیچھے آ رہی تھی۔

''مجھے ڈیڑھ سال لگا اس عمارت کا آئیڈیا کاغذ پر لانے میں۔ قطر میں اس کو pitch کرنا چاہا تو ریجیکٹ ہو گیا۔ ان کو رنگ پسند نہیں آیا اور میرے لیے رنگ سب کچھ تھا۔ وہاں جگہ زیادہ تھی یہاں کم۔ سو مجھے چار سال لگے اس عمارت کو یہاں کھڑا کرنے میں۔'' پھر وہ اس کی طرف گھوما۔

''اور تم کہتی ہو کہ تمہارے دو دن کی محنت ضائع چلی گئی؟''

ماہر کے گیلے بال ماتھے پر چپکے تھے اور تنے ابرو برہمی سے اکٹھے تھے۔ آنکھوں میں زخمی پن تھا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

وہ دونوں اب اندرونی صحن کے دہانے پر کھڑے تھے۔ ماہر بارش میں بھیگتا جلی ہوئی گھاس کے اوپر پیر رکھے ہوئے تھا۔ اور وہ ایک ستون کے سایے میں تھی۔

''یہ میرا آرٹ پیس ہے، مالا۔ زندگی کے پانچ چھے سال دیے ہیں میں نے اسے۔ اس کے لیے میں ایسا آرٹ

ورک قبول کر لیتا جو دو دن میں بنا ہے؟''

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ سامنے کھڑا شخص صرف ایک آرٹسٹ تھا۔

اور آرٹسٹ سے کوئی بحث نہیں کر سکتا۔

''ایسی عمارت کے لیے دو دن میں آرٹ ورک نہیں بنتا۔ کیونکہ آرٹ کی کوئی ڈیڈ لائن نہیں ہوتی۔ آرٹ بنتا ہے ٹوٹے دل سے۔ اور اسی لیے....'' اس کی آواز مدھم ہوئی اور آنکھوں کا زخمی پن بڑھا۔

''اسی لیے تمہیں یہ کام سونپا تھا۔ کیونکہ تمہارا دل سب سے زیادہ ٹوٹا ہوا ہے۔''

وہ جیسے تھک گیا تھا۔ بولتے بولتے۔ پھر بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ ہاتھ بھی نم ہو گیا۔

''اذیت نہیں دے رہا تھا۔ ستا نہیں رہا تھا۔ میں دو سیکنڈ میں اپنی عمارت کے لیے بنے آرٹ کو جج کر سکتا ہوں۔''

پھر وہ وہیں ستون کے ساتھ بنے اسٹیپ پر بیٹھ گیا۔ پیر جلی گھاس پر رکھ لیے۔ بالوں میں دو تین دفعہ ہاتھ چلایا۔ آستین سے چہرے پر آیا پانی صاف کیا۔ اس کے کوٹ پر سارے قطرے یوں جذب ہوئے تھے کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ گیلا ہوا ہے۔ البتہ کشمالہ کا سارا کوٹ نم ہو چکا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ مان لیا۔ میرا کام اس عمارت کے قابل نہیں تھا۔ لیکن اس سے پہلے....'' وہ ستون کے ساتھ کھڑی تھی۔ اور وہ برآمدے کے دہانے پر بیٹھا تھا۔ ''تم مجھے مسلسل برا محسوس کرواتے رہے ہو۔''

''تم مجھ سے کس چیز کی توقع رکھتی ہو؟'' اس نے چہرہ اٹھا کے اسی برہمی سے پوچھا۔ ''میں کیا کروں؟ کیونکہ میں جو بھی کروں گا آخر میں تمہارے لیے ایک جھوٹا اور چالباز انسان ہی رہوں گا۔ اور تمہیں ایسے کرنے پہ کوئی افسوس نہیں ہوگا۔''

ماہر نے انگلی اٹھا کے اسی ملال سے بات دہرائی۔

''تمہیں کبھی افسوس ہوا ہی نہیں ہے، مالا۔''

''مجھے افسوس نہیں ہے؟ مجھے؟'' اس نے سینے پر انگلی رکھی۔

''میں تمہارے سامنے کھڑی ہوں اور تم کہتے ہو کہ مجھے افسوس نہیں ہے؟''

نیم اندھیرے میں چاند کی روشنی اور سفید بلب کی دمک میں وہ اس کے چہرے پہ آئی سرخی دیکھ سکتا تھا۔

''کبھی تم نے خود کو میری جگہ پہ رکھ کے دیکھا ہے، ماہر؟''

وہ نیچے اس کے ساتھ برآمدے کے دہانے پر بیٹھی۔ آنکھوں میں افسوس بھری بے بسی تھی اور انگلی سینے پر جمی تھی۔

''کبھی تم نے اپنے 'میں ہمیشہ درست ہوتا ہوں' سے نکل کے سوچا ہے؟ شادی، طلاق، بچے کا معذور ہونا..''

حلق رندھ گیا۔ ''یہ نہیں سمجھ آتا جب تک اپنے ساتھ نہ ہو، ماہر۔ طلاق نہیں سمجھ آتی جب تک خود کی نہ ہو، ماہر۔ تمہاری نہیں ہوئی۔''

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر مالا نے ہاتھ اٹھا دیا۔

''بریک اپس جتنے بھی ہوں، وہ طلاق جیسے نہیں ہوتے۔ تمہیں نہیں معلوم انسان کس ٹوٹ پھوٹ سے گزرتا ہے، بھلے سامنے زیاد سلطان ہی کیوں نہ ہو۔''

وہ لب بھینچے اسے دیکھنے لگا۔

''کوئی خوشی سے طلاق نہیں لیتا۔ عورت اپنا گھر بناتی ہے تاکہ وہ ایک فیملی build کرے۔ اور جب گھر ٹوٹتا ہے تو لگتا ہے آپ کی ساری زندگی ناکام ہوگئی۔ پھر مستقبل تاریک اور خوفناک لگتا ہے۔''

وہ رخ اس کی طرف موڑے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''غلطی ہوئی مجھ سے۔ بہت سے لوگوں سے ہوتی ہیں۔ ہم غلط شخص کا انتخاب کرتے ہیں۔ پھر اس غلطی کو درست کرنا چاہا میں نے۔ لیکن تم ہمیشہ مجھے اس ایک غلط فیصلے پہ جج کروگے۔ کبھی سوچا ان دنوں... وین کوور میں... میں کس بے یقینی سے گزر رہی تھی؟ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں تھا۔ نہ خود پہ نہ تم پہ۔ اسی لیے میں نے وہ کیا جو مجھے درست لگا۔ لیکن تمہیں اب بھی لگتا ہے مجھے افسوس نہیں ہے؟'' وہ دکھ اور حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

''افسوس نہ ہوتا تو میں تمہارے سامنے نہ ہوتی۔ میں اپنی انا پہ پیر رکھ کے یہاں نہ آتی کیونکہ تم نہیں جانتے کہ اپنے بچے کا نہ بولنا کیسا لگتا ہے۔''

بھیگی رات میں کچھ چھن سے ٹوٹا تھا۔ ماہر چہرہ موڑ کے سامنے دیکھنے لگا۔ نچلا لب دانتوں کے درمیان دبا لیا۔

''میرا بچہ بول نہیں سکتا۔ بتایا ہوگا نا سنبل نے؟ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ اس کی ماں نے اس کو خطرے میں ڈالا تھا۔ کیونکہ میں نے تم پہ اعتبار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ میں شاید مرنا چاہتی تھی۔ شاید زیاد کو سزا دینا چاہتی تھی۔ میں ٹھیک سے سوچ نہیں رہی تھی اس وقت۔ میرا دماغ بہت سے خوف اور نفرت کے درمیان پھنسا تھا۔ میں جسٹفائی نہیں کر رہی، ماہر۔ لیکن میں نے یہ کیا ہے اپنے بیٹے کے ساتھ۔ میرے اس عمل کی وجہ سے زیاد نے مجھے کوئی انجیکشن دیا تھا۔ ڈاکٹرز کہتے ہیں شاید وہ وجہ نہ بنی ہو۔ لیکن مجھے معلوم ہے سب اسی وجہ سے ہوا ہے۔ میرا بیٹا میری وجہ سے

نارمل نہیں ہے۔ مجھے ہر صبح یہی بات یاد آتی ہے۔ اور تمہیں لگتا ہے مجھے افسوس نہیں ہے؟''

ماہر نے سر جھکا کے انگلی سے بند آنکھوں کو مسلا۔ بارش اسی طرح جلی ہوئی گھاس کو بھگو رہی تھی۔

''افسوس ہے مجھے، ماہر۔ بہت سے پچھتاوے بھی ہیں۔ سزا مل رہی ہے نا مجھے اس سب کی۔ اور کتنی سزا کاٹنی ہے ایک غلط انسان سے شادی کی؟ تم غلط عورت سے شادی کرو، سب معاف کر دیں گے۔ عورت کو کوئی معاف نہیں کرتا۔ ساری زندگی اس غلط فیصلے کے طعنے ملتے ہیں۔ کیا کروں میں؟ ماضی نہیں بدل سکتی۔ بیٹا کھو دیا میں نے۔ اب اور کیا کروں جس سے تمہیں یقین ہو کہ ہاں مجھے افسوس ہے؟''

ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔

''کیا چاہتے ہو؟ میں تم سے معافی مانگوں؟ مانگ لیتی ہوں۔ جب تم نے معافی مانگی وین کوور میں، کیف بننے کے لیے، تو میں نے تمہیں معاف کر دیا تھا نا۔ کیا تم مجھے معاف کر سکتے ہو؟ تم مجھے جج کرنا چھوڑ سکتے ہو؟ یا تم چاہتے ہو کہ مجھے مزید سزا ملے تاکہ تمہیں اپنا آپ درست لگے؟''

بار بار سامنے بیٹھا ماہر دھندلا پڑ جاتا۔ پھر پلکیں جھپکتی تو وہ صاف دکھائی دیتا۔

''مجھے معلوم ہے کہ میرے سارے فیصلے درست نہیں تھے۔ کیونکہ میں انسان ہوں، ماہر۔ میں تمہارے جتنی عقلمند نہیں ہوں۔ اسی لیے تمہارے پاس آئی ہوں کیونکہ ہم سب میں... ہم سب میں ... تم سب سے اسمارٹ ہو۔ کیونکہ تم ہمیشہ درست ہوتے ہو۔ اسی لیے میں تمہارے پاس آئی ہوں کیونکہ مجھے یقین تھا اگر ایک انسان مجھے میرا بیٹا ڈھونڈ کے دے گا تو وہ تم ہو گے۔''

ماہر نے سر دھیرے سے دائیں بائیں ہلایا۔ اس کی پلکیں گیلی تھیں۔

''تم نے میرا بہت نقصان کیا ہے، مالا۔ تم نے میرے اور اپنے کئی سال ضائع کیے ہیں۔''

وہ پھر سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ سرمئی دیواروں سے بنی اونچی عمارت کو۔ جلی ہوئی بھیگی گھاس کو۔ ماضی کو۔

''تمہارے ضائع ہوئے تو میرے پاس بھی کچھ نہیں رہا۔'' مالا نے رخ قدرے موڑا۔ اب وہ اسی کی طرح بیٹھی تھی اور نگاہیں گھاس پہ تھیں۔

''تم نے وین کوور میں میرا دل بہت بری طرح توڑا تھا۔ پھر بھی میں تمہیں ای میل کرتا تھا۔ تم جواب نہیں دیتی تھیں۔ تم اس تکلیف کو سمجھ سکتی ہو جو تم نے مجھے دی؟''

وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز رندھی ہوئی تھی اور گیلے بال ماتھے پر چپکے ہوئے تھے۔

''اس کا رنگ کیا تھا؟''

''کس کا؟''

''اس تکلیف کا جو میں نے تمہیں دی۔''

ماہر نے چہرہ گھما کے اسے دیکھا۔ایک لمحے کا وقفہ کیا۔

''پرپل۔'' پھر وہ رکا۔

''اور جو میں نے تمہیں دی... وہ کس رنگ کی تھی؟''

''براؤن۔'' وہ سوچے بغیر بولی۔

''براؤن کیوں؟''

''پرپل کیوں؟'' اس نے چہرہ موڑ کے ماہر کو دیکھا۔

چند لمحے وہ دونوں اس اندھیرے میں خاموشی سے بیٹھے رہے۔پھر ماہر نے سر جھکا دیا اور جوتے سے گیلی گھاس کو مسلا۔

''میں تمہیں جج نہیں کرتا۔'' اس کی آواز اب کے ہلکی تھی۔کوٹ کے آستین سے اس نے آنکھیں رگڑ لی تھیں۔

''ججمنٹ اور کس کو کہتے ہیں، ماہر؟ نہیں سمجھ آئی مجھے زیاد کی اصلیت اس وقت۔اٹھائیس کی ہو رہی تھی میں۔ہر لڑکی کی طرح خوف تھا کہ تنہا رہ جاؤں گی۔جھریاں آ جائیں گی۔بظاہر اچھا پروپوزل تھا۔''

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ تمہیں ہرٹ کرے گا۔''

''اور تم کون تھے، ماہر؟ تم وہ تھے جو اپنی اصلیت بتائے بغیر فرار ہو گئے تھے۔تم وہ تھے جو ہمیشہ چھوڑ کے چلے جاتے تھے۔تم کبھی کچھ بھی نہیں تھے۔سوائے ایک... ایک...'' وہ لفظ تلاش کرنے لگی۔

''ایک جھوٹے انسان کے؟'' اس نے مدد کی۔مالا نے گہری سانس لی۔

''نہیں تم جھوٹے نہیں ہو۔مگر تم سچ بھی نہیں بولتے۔''

''یعنی؟''

''تم پورا سچ نہیں بولتے۔سچ پہ فلٹر لگاتے ہو۔''

''سچ پہ فلٹر؟'' اس نے ابرو اٹھایا۔

''تم مجھے استنبول میں... معید کی شادی کے وقت... زیاد کی حقیقت بتا سکتے تھے۔تم نے نہیں بتایا۔تم ہمیشہ ناپ

تول کے سچ بولتے ہو۔اور مجھے یہی بات بری لگتی ہے۔مگر تم سمجھتے ہو کہ مجھے افسوس نہیں ہے۔جیسے میں کسی سنگدل مجسمے کی طرح رہ رہی تھی۔تم جانتے بھی ہو کہ میں ان سالوں میں کس اسٹرگل سے گزری ہوں جب تم اپنی... اپنی یہ اٹھارا شیڈز کی عمارت بنا رہے تھے۔"

"اٹھائیس، مائنڈ یو۔"

ایک لمحے کا توقف ہوا اور وہ ہنس دی۔

وہ اس کے مدھم روشن چہرے کو دیکھے گیا۔لائنر بہنے سے آنکھوں کے کنارے سیاہ تھے اور چہرہ رونے کے باعث گلابی تھا۔لیکن اس کی ہنسی ایسی تھی جیسے بارش کے بعد مدھم سی قوس وقزح دکھائی دے۔وہ اب واپس سنجیدہ ہوتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھی لیکن ماہر نے اس کی بات کاٹی۔

"تم نے کہا میں سچ پہ فلٹر لگاتا ہوں؟"

"ہاں۔کہا۔"

"تم بھی لگاتی ہو۔"

"کب؟"

"جانتی ہو اس صبح میں بلت کیوں آیا تھا؟ جب تم نے وہ annoying فوٹوگرافر بلوائی تھی؟"

"ہم کام کر رہے تھے۔میں نے اسے تمہاری وجہ سے نہیں بلوایا تھا۔"

"اور میں اورتکوئے کیوں آیا تھا؟ جانتی ہو؟"

وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

"کیونکہ مجھے زیاد کی رہائی کے بارے میں معلوم ہو گیا تھا۔اور میں انتظار کر رہا تھا کہ تم کب مجھے بتاؤ گی۔"

اس کی آنکھوں میں گلہ تھا۔مالا کے لب اوہ میں سکڑے۔

"مجھے اورتکوئے والے دن معلوم ہوا تھا۔اس سے پہلے نہیں پتہ تھا۔تمہیں کس نے..."

"چنگیز نے مجھے بتایا تھا جب اس نے کاغذ سائن کروانے کا کہا تھا۔اسی لیے یہ کیس میں نے اس کو دیا تھا کیونکہ وہ مجھے تفصیل سے ہر شے کے بارے میں آگاہ رکھے گا۔آج جب تم نے مجھے فون کیا تو مجھے پہلا خیال زیاد کا آیا تھا۔وہ اب تک رہا ہو چکا ہوگا اور وہ تمہارے پیچھے ضرور آئے گا۔"

"ماہر...."

''نہیں میری بات سنو۔ میں تمہارے بیٹے کو تمہارے ساتھ تلاش کروں گا، مالا۔ لیکن تم مجھ سے پورا سچ بولو گی۔ جیسے جواب میں کہنے جا رہا ہوں وہ بنا فلٹر کے سچ ہے۔'' وہ رکا۔ وہ جانتی تھی وہ کیا کہنے لگا ہے۔

''یہ کہ کوئی نیا سرکار نہیں ہے۔ اور تمہارا بیٹا زیاد کے پاس ہے۔ یہ سب اسی نے کیا ہے۔ کیسے کیا ہے، مجھے نہیں معلوم۔ لیکن یہ اسی نے کیا ہے۔''

''مجھے نہیں پتہ، ماہر۔ لیکن میں تم سے پورا سچ بول سکتی ہوں۔ اگر تم مجھے جج کرنا چھوڑ دو۔''

''اوکے۔ تمام۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"No filters. No judgements."

مالا نے سر اوپر نیچے ہلایا۔ ایک گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔ سردی بڑھ گئی تھی اور بارش تھم چکی تھی۔ ماہر کا کوٹ سوکھا بے داغ تھا۔ البتہ اس کا سفید فاسٹ فیشن کوٹ تباہ ہو چکا تھا۔

''تمہارے نزدیک زیاد مجرم ہے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن تم زیاد سے اپنے grudge میں یہ نہیں بھلاؤ گے کہ ایک نیا سرکار exist کر سکتا ہے۔''

ماہر کے چہرے پہ اکتاہٹ ابھری۔ لیکن پھر اس نے گہری سانس کھینچی۔

''اوکے۔ میں اس امکان کو ذہن میں رکھوں گا۔ ٹھیک؟''

پھر وہ رکا۔ جیسے کچھ سوچا۔

''براؤن کیوں؟''

وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''پرپل کیوں؟''

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ سر دائیں بائیں ہلایا اور کھڑا ہو گیا۔

''سوری... اس لیے کہ میں اکیلی گئی۔ مجھے تمہاری بات مان کے انتظار کرنا چاہیے تھا۔'' وہ دونوں اب ستون کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ''پتہ نہیں تم کیا کر رہے تھے۔ کہاں تھے۔ مجھے خیال نہیں آیا کہ تم مصروف ہو گے۔'' اس کے چہرے پہ پچھتاوا ابھرا۔

''تمہیں سوری کرنی بھی چاہیے۔'' مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ اب موبائل نکال کے اسکرین روشن کر رہا تھا۔ نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ گوگل میپس کھولے ہوئے تھا۔

''مجھے بھوک لگی تھی مگر تمہاری وجہ سے میں ایک مشیلین اسٹار ریستوران سے کھانا کھاتے کھاتے رہ گیا۔'' پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔'' کچھ کھاؤ گی؟''

اس نے گردن اوپر نیچے ہلائی۔ اتنا رونے اور بولنے سے وہ شدید تھک چکی تھی۔ اوپر سے دونر اور اس کے چکنے شاپر کو وہ کافی شاپ میں بھول آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بوسفورس کنارے بنے پتھروں کے ساحل پر جگہ جگہ فوڈ ٹرکس کھڑے تھے۔ رات گہری ہو چکی تھی اور سیاہ پانی پہ شہر کی بتیوں کا عکس جھلملا رہا تھا۔ دور ایک سرخ جگمگاتا پل دکھائی دے رہا تھا۔

وہ دونوں ایک فوڈ ٹرک کے سامنے کھڑے تھے۔ اس علاقے میں بارش نہیں تھی اور ہوا سے اس کے بال اور کوٹ سوکھنے لگے تھے۔ البتہ ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔ فوڈ ٹرک کی کھڑکی سے ایک اسکارف والی عورت نے ٹرے باہر کی جانب بڑھائی تو ماہر نے وہ تھام لی۔ اس میں ایک ریپ تھا۔ اس نے وہ مالا کی طرف بڑھایا۔ عورت اب اس کا ریپ بنا رہی تھی۔ اور وہ مسلسل اس کو ہدایات دے رہا تھا۔ نہیں فرنچ فرائز نہیں ڈالنے۔ مایو بھی نہیں۔ لیٹس بھی نہیں۔ اونہوں آئل کم ڈالو۔ بس اسپرے کرو۔ نہیں ریگولر سوڈا نہیں۔ ڈائٹ سوڈا۔ مالا کو وہ خطائی یاد آئی جو اس نے نہیں کھائی تھی۔

''مجھے جج مت کرو۔ میں سوائے مجبوری کے یہ جنک نہیں کھاتا۔'' اس کی ملامتی نگاہیں دیکھ کے وہ خفگی سے بولا تھا۔

''انسان کو اپنی صحت کے لیے اتنا بھی کانشس نہیں ہونا چاہیے۔''

پانی کے کنارے لکڑی کی میزیں کرسیاں رکھی تھیں۔ جب وہ دونوں وہاں آمنے سامنے بیٹھ گئے اور وہ سر جھکائے پیپر پلیٹ میں اپنا ریپ کھولنے لگا، تو وہ بولی تھی۔ اس کی خفگی دیکھ کے شانے اچکائے۔'' بنا فلٹر کے سچ سہہ سکتے ہو؟''

''مجھے بیمار ہونے کا شوق نہیں ہے۔ میری دو دفعہ ٹانگ ٹوٹی ہے۔''

''ایک ہی ٹانگ؟''

''نہیں۔ الگ الگ۔'' وہ اپنا ریپ کھول رہا تھا۔ ان کے بائیں جانب سیاہ پانی اب پرسکون دکھائی دیتا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ اس آدمی کی زندگی میں کتنا کچھ تھا جسے وہ نہیں جانتی تھی۔

''کیا تمہیں افسوس ہے؟''

ماہر نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''یہ کیسا سوال ہے؟''

مالا سر جھکائے اپنے ریپ کا پیپر اتارنے لگی۔ گرل چکن اور تلے ہوئے آلوؤں کی خوشبو ناک سے ٹکرائی۔ اس میں میز کی گیلی لکڑی کی مہک بھی شامل تھی۔ تلے آلو اس کو ایکنی نہیں دیتے تھے، سو اسے پرواہ نہ تھی۔

وہ چند لمحے اس کی وضاحت کا انتظار کرتا رہا۔ پھر شکست خوردہ سانس بھری۔

''ہاں مجھے افسوس ہے۔ کہ میں نے تمہیں وقت پہ بہت سے سچ نہیں بتائے۔''

اس نے خاموشی سے سر جھکائے ایک لقمہ توڑا۔

''اور میں نے تمہیں دھوکہ دیا۔''

وہ رکا تو مالا نے حوصلہ افزا انداز میں ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"Keep going."

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔

''میں معافی مانگ چکا ہوں۔ وین کوور میں۔ اور تم نے مجھے معاف کر دیا تھا۔''

''اور یہاں جو تم اتنے دن سے میرے ساتھ کر رہے تھے؟''

''اذیت نہیں دے رہا تھا۔ ستا نہیں رہا تھا۔'' رک کے ریپ کے کھلے حصے کو دانتوں سے توڑا، بند ہونٹوں سے چبایا۔ پھر بات جاری رکھی۔

''میں نے آفس آنے کی شرط صرف اس لیے رکھی تھی تاکہ تم میری نظروں کے سامنے رہو۔ کیونکہ وہ جیسے ہی سنے گا تمہارے پیچھے آئے گا۔ تمہارا میری مدد مانگنا اس کے پلان کا حصہ نہیں تھا۔ وہ اب گھبرا گیا ہے۔ اور وہ غلطی کرے گا۔ میں اس کی غلطی کے انتظار میں ہوں۔ اور وہی ہے جس نے....'' وہ رکا۔ چہرے پہ ناگواری ابھری۔ منہ میں کچھ آیا تھا۔ دو انگلیوں سے ریپ میں سے کچھ سبز سا کھینچا۔ بند گوبھی کا ٹکڑا۔ اس نے ایک ملامتی نگاہ فوڈ ٹرک پہ ڈالی اور ریپ ڈسپوزیبل پلیٹ پر رکھ دیا۔ اب وہ اس کی تہیں کھول رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اس خاتون کی قوم کی شان میں کچھ کہا تھا۔

''تمہیں اس شہر کے لوگ پسند نہیں ہیں ہے نا؟''

ماہر نے بے زاری سے کندھے اچکائے۔ وہ ریپ کے اندر سے مزید ایسے ٹکڑے نکال رہا تھا۔

''یہاں سیاح بن کے آنا اور بات ہے۔ اس قوم کے ساتھ کام کرنا الگ بات ہے۔ یہ سست ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں۔ ڈالرز کے پیچھے یہ کریزی ہو جاتے ہیں۔ دراصل یہاں تعلیم کی کمی ہے۔ میں اسی لیے واپس جا رہا ہوں۔ وہ شہر جیسا بھی تھا، وہاں لوگوں میں ورک ایتھکس تھے۔ اور کم از کم وہ سست نہیں تھے۔''

''کیا تم صرف اس لیے واپس جا رہے ہو؟''

اس نے سوڈا کا ٹن کھولا تو سس کی آواز آئی۔ اب وہ ٹن ہول میں اسٹرا پھنسا رہا تھا۔

''مالک کے لیے جا رہا ہوں۔ کچھ ماہ بعد واپس آ کے بلڈنگ اکوپنسی پرمٹ اپلائی کروں گا۔''

''ابھی تک نہیں کیا؟ تمہاری عمارت تو مکمل ہونے والی ہے۔''

ایک نوجوان جوڑا ان کے قریب ٹہلتے ہوئے گزر رہا تھا۔ وہ سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔ ماہر نے ان کے گزر جانے کا انتظار کیا، پھر چہرہ اٹھایا تو اس پہ آزردگی تھی۔

''ابھی نہیں کر سکتا۔''

''کیوں؟''

''یہاں پرمٹ لینے کے لیے بہت سے پیسے منسٹری والوں کو دینے پڑتے ہیں۔''

''اور mighty ماہر فرید کو پیسہ ایسے استعمال کرتے ہوئے کبھی مسئلہ تو نہیں ہوا۔''

مگر وہ نہیں مسکرایا۔ سوڈا کا گھونٹ بھرا۔ پھر کین نیچے کیا۔

''جس آدمی کو پیسے دینے ہیں اس کی بیوی کو ٹیومر ہے۔ مالک کے جیسا۔ اور وہ اسی کلینکل ٹرائل کا حصہ بننے جا رہی ہے جس میں ہم مالک کو داخل کروا رہے ہیں۔ تمہیں پتہ ہے ان ٹرائلز میں کیا ہوتا ہے؟''

اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ ماں کے وقت ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

''ایک فارما کمپنی نے اس ٹیومر کا علاج نکالا ہے۔ ایک نیا ٹریٹمنٹ۔ وہ ٹرائل کے لیے چند مریضوں کو لیں گے۔ ان کو دوا دی جائے گی۔ لیکن ایسے ٹرائلز میں شرط یہ ہوتی ہے کہ آدھے مریضوں کو اصلی دوا لگتی ہے اور آدھے کو placebo یعنی خالی پانی۔ مریضوں کو نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو دوا لگ رہی ہے اور کس کو پانی تاکہ رزلٹس authentic ہوں۔''

''اس کا تمہارے پرمٹ سے کیا تعلق؟''

''اگر اس آدمی کو معلوم ہوا کہ میرا چچا بھی اس ٹرائل کا حصہ ہے اور میں پیسے دے کر کام کرواتا ہوں، تو وہ شور مچا دے گا کہ میں ٹرائل کے اسٹاف کو پیسے دے کر مالک کو اصلی دوا الگوا رہا ہوں۔ ویسے میں نے یہ سوچا تھا۔''

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔ تھوڑا بہت وہ جانتی تھی اس آدمی کو۔

''مگر میں پرمٹ کے لیے یہ رسک نہیں لے سکتا۔ ابھی نہیں۔ ٹرائل کے بعد دیکھیں گے۔''

ایک لمحے کے لیے اس میز پہ خاموشی چھا گئی۔

''مالک صاحب کی ہمدردی میں شادی کر رہے ہو زارا سے؟''

ماہر نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''تاکہ جان سکوں کہ تم بنا فلٹر کے سچ سہہ سکتے ہو یا نہیں۔''

ماہر نے دھیرے سے ریپ رکھ دیا۔ ٹشو سے ہونٹ صاف کیے۔ پھر کین لے کر پیچھے ہو کے بیٹھا اور گردن موڑ کے پانی کو دیکھنے لگا۔

یہ کھانا مشیلین اسٹار یافتہ ریستوران سے کئی گنا بہتر تھا۔

''ہمدردی نہیں ہے صرف۔ لاجکل فیصلہ ہے۔ اگر اس فیصلے سے مالک کو میں خوشی دے سکتا ہوں تو...''

کندھے اچکائے اور اسٹرا ہونٹوں سے لگایا۔ وہ اب بھی پانی کو دیکھ رہا تھا۔

''ترس کھا کے شادی کرنا ایک غلط وجہ ہے شادی کی۔ میں نے بھی کی تھی۔''

ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''تمہیں زیادہ پہ ترس آتا تھا؟''

''خود پہ آتا تھا۔ کہ کہیں اکیلی نہ رہ جاؤں۔ مگر..... ماہر بے....'' اس نے ٹشو سے ہاتھ صاف کیے۔ ''ترس کھا کے شادی نہیں کرتے لیکن خیر۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ تم اپنی زندگی کے فیصلے خود کر سکتے ہو۔ میں صرف بدر کے لیے یہاں ہوں۔ پھر چلی جاؤں گی۔'' اب وہ اپنا موبائل نکال رہی تھی۔ یقیناً وہ وقت دیکھ رہی تھی۔

وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے شادی کیوں نہیں کی۔ یاسمین کی باتیں ذہن میں ابھریں۔ لیکن نہیں۔ یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔

''ویسے تم کہاں رہتے ہو؟'' وہ گوگل میپس کھولے پوچھ رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ بلت ہو یا اورتکوئے، ہر جگہ اس کے راستے میں کیسے پڑتی تھی۔

''سریار۔'' ایک بازو کرسی کے پیچھے جمائے وہ ٹیک لگائے، سوڈا کا گھونٹ بھر رہا تھا۔

''اوہ...'' وہ میپس پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ یقیناً فاصلے۔ چند الفاظ ماہر کے حلق سے ہونٹوں تک آئے۔ وہ اسے کبھی گھر آنے کی دعوت دے سکتا تھا۔ اگر وہ ہلال کو ملنا.... اونہوں۔ اس نے خود کو روک لیا۔ (کشمالہ کی حقیقت یاد رکھو۔ الوژن نہیں۔)

ابھی اسے آج کا ملبہ صاف کرنا تھا۔ زارا سے معذرت کرنی تھی۔

''پھر تم مجھے ڈراپ نہیں کرو گے۔ میں یہاں سے ٹیکسی لے لوں گی۔ تمہیں بلت جانا اور واپسی بہت طویل پڑے گی۔'' وہ قدرے تشویش سے کہہ رہی تھی۔ کوئی جگہ ماہر فرید کے راستے میں نہیں پڑتی تھی۔ وہ اس کے لیے طویل راستہ چنا کرتا تھا۔

''ہاں۔ مجھے صبح جلدی اٹھنا ہے۔ ورنہ ...'' ماہر نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ پھر فون نکالا۔

''میں اوبر بلا رہا ہوں۔'' اب وہ چند بٹن دبا رہا تھا۔

چند ساعتوں بعد ایک سفید کار سڑک کنارے آ رکی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کار تک آئے۔ ماہر نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ بیٹھی تو وہ کھلے دروازے کو پکڑے کھڑا رہا۔

''یہ پن کوڈ ڈرائیور کو بتاؤ تاکہ میں تمہیں ٹریک کر سکوں۔''

مالا نے ایک نظر اسے دیکھا جو فون پہ سر جھکائے ایک کوڈ پڑھ کے بتا رہا تھا۔ اس کا چہرہ تکان زدہ تھا اور بال ابھی تک نم تھے۔ اس نے کوڈ آگے بیان کر دیا۔ ڈرائیور نے اسے پنچ کر دیا۔ اب وہ اس کی رائیڈ کو ٹریک کر سکتا تھا۔

''سوموار کو ملتے ہیں۔'' ماہر نے اس کا دروازہ بند کیا۔ پھر ہلکا سا اس دروازے کو تھپکا اور چند قدم پیچھے ہو گیا۔ فون ہاتھ میں لیے وہ اس کار کو دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ سڑک کا موڑ مڑ گئی۔

اب اسے اپنی کار کی طرف جانا تھا۔ وہاں سے گھر۔ صبح وہ زارا سے معذرت کرے گا۔ وہ ناراض ہو گی، وہ جانتا تھا۔ لیکن ساری زندگی ایسے ہی گزرنی تھی۔ آج مالا وجہ تھی۔ کل کو اس کا کام وجہ بنے گا۔ زارا کو اس کو معاف کرنے کی عادت ڈالنی ہو گی۔ اور اسے اس شے پہ پریشان نہ ہونے کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوموار کی صبح استنبول پہ اتری تو اس میں کچھ مختلف سا تھا۔ سکون۔ ہلکا پن۔ خوشگواریت۔

آفس جانے سے قبل وہ اپنا سفید کوٹ جو اب مٹیالا سا ہو چکا تھا، ڈرائی کلینر پہ دینے کے لیے نکلی۔ لیکن غلطی سے

جس کلینز کی لوکیشن اس نے میپ پہ ڈالی اور اسی مناسبت سے پیلی اوتو بس پکڑی، وہ وہاں سے کافی دور تھا۔ اب بس بدلنا فضول تھا۔

اس نے کوٹ ان کے حوالے کیا اور باہر واپس بس اسٹاپ تک چلی آئی۔ ابتدائی نومبر کی ٹھنڈی ہوا کینیڈا کے جیسی نہیں تھی۔ اسے وہ خوشگوار لگ رہی تھی۔ وہ اپنے دوسرے کوٹ جو کیمل رنگ کا تھا پہنے ہوئے تھی۔ اور چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ ایک بوجھ سا دل سے اتر چکا تھا۔

پیلی بس آ کے ہی نہیں دے رہی تھی۔ شاید بس ڈرائیورز کی کوئی ہڑتال تھی۔ اس کی خوشگواریت اب بے چینی میں بدلتی جا رہی تھی۔ تب ہی وہ چونکی۔ جیسے کوئی مراد بر آئی۔

سامنے ایک اونچی شیشوں سے ڈھکی عمارت تھی جس کے باہر اسٹریٹ پارکنگ میں ایک نیلی اسپورٹس کار کھڑی تھی۔ الیکٹرک بلیو۔ اور نمبر پلیٹ میں BB آتا تھا۔

اس نے موبائل نکالا اور تیزی سے اس کا نمبر ڈائل کیا۔

''ہیلو؟ مالا؟''

''تمہاری میرا ڈرائیور بننے کی آفر برقرار ہے؟''

''کیا ہوا؟'' اس کی چونکی ہوئی آواز سنائی دی۔

''تم اپنی کار کے قریب ہو؟''

''کیوں؟ تم ... تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''میں بس اسٹاپ پہ ہوں۔ میری بس نہیں آ رہی۔ اور تمہاری کار سامنے کھڑی ہے۔ اگر تم یہاں سے بیکری جا رہے ہو تو مجھے راستے میں...''

''مالا، سوری میں ذرا بزی ہوں۔ پھر بات کرتا ہوں۔ اوکے بائے۔'' عجلت میں کہہ کے کال کاٹ دی۔

اس کے ماتھے پہ لکیریں ابھریں۔ تعجب کی۔ نہ کہ خفگی کی۔ اسے کیا ہوا؟ پھر اسے احساس ہوا۔ شاید وہ کسی لڑکی کے ساتھ ہو۔ اوہ۔ کوئی بات نہیں۔

اب وہ اگلی بس کا انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سمندر کی نمکین مہک میں رچا وہ گھر اس دوپہر بہت سے تناؤ میں گھرا تھا۔

لونگ روم کے آتش دان کے ساتھ کرسی پر مالک فرید بیٹھے ٹانگ پر ٹانگ جمائے خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے، جو پنڈولم کی طرح دائیں بائیں چکر کاٹ رہی تھی۔ موبائل ہاتھ میں تھا۔

''صبح اٹھتے ہی اس نے سوری بول دیا۔ مگر میں اس کا وہ چہرہ نہیں بھول سکتی جو اس.... اس کی کال پہ میں نے دیکھا تھا۔'' اس کے گال تمتما رہے تھے اور وہ بار بار نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''بیٹھ جاؤ، زارا۔'' مالک فرید کی رنگت زرد تھی اور آواز میں نقاہت۔

''میں نہیں مانتی کہ ان دونوں کے درمیان کچھ نہیں ہے۔'' زارا دوسرے ہاتھ سے ایک لٹ لپیٹ رہی تھی۔

''وہ ایک لمحے میں مجھے چھوڑ کے چلا گیا۔ جانتے ہیں کتنی مشکل سے ریزرویشن ملی تھی۔ وہ کیسے مجھے چھوڑ کے جا سکتا تھا؟''

وہ دائیں جاتی۔ پھر چند قدم واپس بائیں طرف آتی۔ سر نفی میں دائیں بائیں ہلاتی۔ آنکھیں نم نہیں تھیں۔ ان میں تپش تھی۔ غصہ تھا۔

''صبح اس نے ایک ٹیکسٹ کیا۔ ایک ٹیکسٹ۔ اور پھر پھول بھیج دیے۔ وہ بھی شبنم نے بھیجے ہوں گے۔ کون ہے یہ کشمالہ؟ کیوں ہوتی ہے وہ ہر جگہ؟ کیوں بابا؟''

''تمہیں یہ سوال ماہر سے پوچھنا چاہیے۔ اگر تمہیں شک ہے تو اس سے بات کرو۔ اور مت کرو یہ شادی۔''

وہ اب ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''آپ جانتے ہیں اور آپ مجھے نہیں بتا رہے۔''

''میرے خیال میں ان کے درمیان اب کچھ نہیں ہے۔ دل کا حال نہیں پڑھ سکتا میں۔'' وہ انہی کمزور نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ گھٹنوں پر میگزین فولڈ کیا رکھا تھا اور ریڈنگ گلاسز سائیڈ ٹیبل پر دھرے تھے۔ جیسے آج پڑھنے سے دل بے زار تھا۔

''میں نہیں مانتی۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی ان کی طرف سے پلٹ گئی۔

''میں.... بے وقوف نہیں ہوں۔ میں زارا ہوں۔ میں جان کے رہوں گی کہ...''

اسے ایک آواز آئی تھی۔ اپنے عقب میں۔ گھگھیانے کی جیسی۔ وہ رک گئی۔ پھر ایڑھیوں پہ گھومی۔

مالک فرید کا منہ قدرے کھلا تھا اور وہ جیسے کچھ کہنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''بابا؟'' وہ ششدر رہ گئی۔ پھر بھاگ کے ان کے پاس آئی۔

مگر وہ منہ سے الفاظ نہیں نکالنے لگے تھے۔

ان کی گردن کو جھٹکا سا لگا اور ایک دھار کی صورت میں خون باہر نکلا۔ زارینہ فرید کا سفید ڈریس سامنے سے خون کی دھار سے سرخ ہو گیا۔

اس نے زور سے چیخ ماری۔

پروجیکٹائل قے۔ برین ٹیومر کے حد سے بڑھ جانے کی نشانی۔

''بابا.....'' وہ مبہوت سی گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھتی گئی۔ ملازم بھاگتے ہوئے آئے۔ کسی نے ان کے دہرے وجود کو سیدھا کیا۔ کسی نے انجیکشن لگایا۔ عمار ہسپتال کال کر رہا تھا۔

وہ بنا پلک جھپکے اس مشق کو دیکھ رہی تھی جو ان کے لیے شناسا تھی۔ وہ سب اس سے واقف تھے۔ کیا ہو رہا تھا؟ کیوں ہو رہا تھا؟ کیا کرنا تھا؟ انہیں سب معلوم تھا۔

مالک فرید نیم غنودگی کے عالم میں نڈھال تھے اور عمار انہیں سنبھالے ہوئے فون پہ کچھ کہہ رہا تھا۔

وہ بنا پلک جھپکے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر خون تھا۔ چہرے پر بھی چند چھینٹے پڑے تھے۔

کوئی ان کا دواؤں کا باکس اٹھا لایا تھا۔ ہر روز کے چوکھٹے میں چند گولیاں تھیں۔

اور اس لمحے وہ جان گئی تھی کہ وہ نہ گردوں کی دوا تھی نہ لیکوز کی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسے بس نہیں ملی۔ ٹیکسی کرنی پڑی۔ بیربل سے بہت سے شکوے کے ساتھ وہ کیف کی عمارت میں دیر سے پہنچی۔

کیبن آدھے بھرے تھے۔ بہت سوں کا آج ورک فرام ہوم ڈے تھا۔ ماہر پہلے ہی اپنے آفس میں گم تھا۔ اس کی ویک اینڈ پہ اس سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ صرف چنگیز کا فون آیا تھا جس نے بتایا تھا کہ وہ گلاطہ والی گلی والے معاملے کو پہلے ہی دیکھ رہے ہیں۔ وہاں کسی شاپ کے پاس سی سی ٹی وی فوٹیج نہیں تھی۔ جو بھی معلوم ہو گا وہ اسے بتائیں گے۔ وہ کال نہ کرتا تب بھی وہ مطمئن تھی۔ اگر ماہر نے کہا تھا کہ انتظار کرنا ہے تو اسے اس پر اعتبار تھا۔

وہ ماہر فرید پہ اعتبار کرنا سیکھ رہی تھی۔

لنچ بریک سے گھنٹہ پہلے اسے ماہر باہر نکلتا دکھائی دیا۔ وہ اوپر اسٹڈی کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو ماہر اس کے قریب رکا۔ سوالیہ ابرو اٹھایا۔ چہرہ سنجیدہ تھا۔

مالا نے اپنی اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔

''ایک کانسپٹ ہے۔صرف کانپسٹ ہے۔اگر آپ صرف دو سیکنڈ کے لیے دیکھ لیں؟''

ماہر آگے آیا۔ جھک کے اس کی اسکرین دیکھی۔وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔دو سیکنڈ بعد وہ سیدھا ہوا۔

''اسے ٹریش کین میں تم ڈالو گی یا میں؟''

کشمالہ مبین کی ساری خوشگواریت عنقا ہو گئی۔مسکراہٹ غائب ہوئی اور کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔

''خود ڈال دوں گی۔بہت شکریہ۔''

وہ جواب سنے بنا آگے بڑھ گیا۔اس نے کینہ توز نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔شکر ہے وہ اس کی مستقل ایمپلائی نہیں تھی۔

''شکر کرو ٹریش کہا ہے۔دروازہ نہیں کہا۔'' شبنم نے مسکراہٹ دبائے تبصرہ کیا۔اس آفس میں ماہر کے کمنٹس سب بہت ان جوائے کرتے تھے،شرط یہ کہ وہ کسی دوسرے کے بارے میں ہوں۔

''دروازہ کیا؟'' ناسمجھی سے اسے دیکھا۔شبنم نے ''کچھ نہیں'' کہہ کے جھرجھری لی اور واپس اسکرین کی طرف مڑ گئی۔

وہ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ موبائل بجنے لگا۔ماہر فرید۔اس نے دائیں بائیں دیکھا۔وہ اسے اوپر اسٹڈی میں بھی بلا سکتا تھا لیکن شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ باتیں کریں۔اس نے فون کان سے لگایا۔

''ایک خبر ہے۔چنگیز کی کال آئی تھی۔''

اس کا سانس تھم گیا۔

''انہیں ائیر پورٹ سے ایک فوٹیج ملی ہے۔اسی تاریخ میں ایک...ایک بچے کی۔'' وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔اس نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔دل ایک دم بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

''اپنی امیدیں زیادہ اونچی مت کرنا۔وہ کوئی اور بچہ بھی ہو سکتا ہے۔وہ پہچان کے لیے بلوا رہے ہیں۔'' رک کے لہجے کو سرسری بنایا۔''اور فوٹیج ملنے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔'' مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔وہ اس کا ہلتا سر نہیں دیکھ سکتا تھا،نہ آنکھوں میں بھرتے آنسو۔

''میری ساڑھے بارہ بجے ایک میٹنگ ہے۔اس سے فری ہو کے چلیں گے۔''

نرمی سے کہہ کے وہ رکا۔

''مالا؟'' جیسے تسلی کی کہ وہ سن رہی ہے۔

''ہوں۔ او کے۔'' اس کی آواز گیلی تھی۔ فون رکھا اور تیزی سے اٹھ کے واش رومز کی طرف آ گئی۔ وہاں کوئی نہ تھا۔

تین سنک قطار میں گے تھے اور ائیر فریشنر کے باعث فضا میں چنبیلی کے پھولوں کی مہک تھی۔ سفید تیز بتیاں روشن تھیں۔ وہ سنک پر دونوں مٹھیاں رکھ کے کھڑی ہوئی۔ ٹھنڈا سنگ مرمر ہاتھ سے مس ہوا لیکن سارے جسم کو ٹھنڈا کرنے میں ناکام رہا۔ اندر بہت کچھ ابلنے کو بے تاب تھا۔

(انہیں ایک بچے کی فوٹیج ملی ہے...)

آئینے میں نظر آتی اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

ایک دم سے بہت کچھ یاد آیا۔ پولیس کا اسے بلوانا۔ مردہ خانے میں بچے کی لاش کی تصدیق۔

ماہی کے الفاظ۔

''بچے مر جاتے ہیں، مالا۔ میرے بھی دو مرے تھے۔''

آنسو زاروزار بہنے لگے۔

وہ بالآخر ٹریپ نہیں تھی۔ وہ سعودی عرب کے اس گھر میں قید نہیں تھی۔ وہ بک شیلف گرا کے وہاں سے بھاگ سکتی تھی۔ وہ اس فریزنگ کنٹینر میں قید نہیں تھی۔ دروازہ کھل چکا تھا۔ وہ اس جلی ہوئی لاش کے ساتھ مردہ خانے میں قید نہیں تھی۔ وہ کافی شاپ میں اپنے ڈرائیورز لائسنس کے بغیر قید نہیں تھی۔

ہر قید میں ایک روزن تھا۔ روشنی اور امید کی جھری۔

ہر قید خانے میں ایک دروازہ تھا۔

اس نے پانی کا نل کھولا۔ ٹھنڈے چھینٹے چہرے پر مارے۔ مسکرا بہنے لگا۔ اس کو وائپ سے صاف کیا۔ اور چہرہ درست کر کے وہ واپس ڈیسک پہ آئی۔

لیکن اب وہ کوئی کام نہیں کر سکتی تھی۔ نہ کیف کا۔ نہ اپنا۔ سنبل کی کالز اور کلائنٹ کے میسجز نظر انداز کیے۔ اس کی بے چینی عروج پہ تھی۔ مگر اسے انتظار کرنا تھا۔

اور وہ اسے جان بوجھ کے انتظار نہیں کروا رہا تھا۔ اس کی واقعی میٹنگ تھی۔ وہ مصروف تھا۔ پہلی دفعہ اسے ماہر فرید کی نیت پہ شک نہیں ہوا تھا۔ وہ اسے اذیت نہیں دے رہا تھا۔ اس کا کام بہت تھا۔ اس کی عمارت اب صرف

سرخ عمارت نہیں تھی۔ وہ اٹھائیس شیڈز والی سرخ عمارت تھی جس نے ماہر کی روح کو بہت تھکا دیا تھا۔

ماہر فرید کی تمام مجبوریاں سمجھنے کے باوجود اس سے وقت نہیں گزر رہا تھا۔

ماہر کی میٹنگ ختم ہونے اور پولیس اسٹیشن جانے تک کا وقت بہت دقت سے کٹا۔ ہر لمحہ ایک صدی کے برابر تھا۔

وہ سارا راستہ خاموش رہی۔

ماہر نے ڈرائیو کرتے ہوئے اسے چند ایک دفعہ دیکھا۔ بولا نہیں۔ وہ کہنی کھڑکی پر ٹکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ انگلیاں ہونٹوں پر جمی تھیں۔ آنکھیں بار بار بھر رہی تھیں۔ گھٹن تھی۔ ہر طرف گھٹن تھی۔

چند منٹ بعد ہی اس نے اپنی طرف کا شیشہ کھول دیا تو ماہر نے بنا کچھ کہے ہیٹر آف کر دیا۔ سرد ہوا اندر آنے لگی۔

''مالا...''

کار اسٹیشن کے باہر رکی اور وہ بیلٹ کھولنے لگی جب وہ بولا۔ وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔

''تمہارے بیٹے کے بولنے یا نہ بولنے میں تمہارا قصور نہیں ہے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

وہ بیلٹ پر ہاتھ رکھے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ پھر سر ہلا دیا۔ مگر وہ جانتا تھا مالا کو اس بات پہ یقین نہیں آیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''آپ کے بیٹے کے پاسپورٹ کی انٹری کے وقت کے ساتھ یہ فوٹیج میچ کرتی ہے۔''

وہ ایک میز کے سامنے بیٹھی تھی۔ آنکھوں میں بار بار دھند چھاتی تھی۔

سامنے بڑی اسکرین پہ ایک فوٹیج دکھائی دے رہی تھی۔ ساتھ والی کرسی پر چنگیز بیٹھا اسکرین کی طرف قلم سے اشارہ کرتا کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔ ماہر پیچھے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں کافی کا ڈسپوزیبل کپ تھا۔

وہ چنگیز کو نہیں سن رہی تھی۔ گود میں ہاتھ ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے تھے جیسے کانپنے سے روک سکیں۔

اسکرین پہ ائیر پورٹ کے پاسپورٹ کنٹرول کا منظر چل رہا تھا۔ کاؤنٹر کے سامنے قطار میں لوگ آ رہے تھے۔ ان کے پس منظر میں اونچی شیشے کی دیوار سے آتی روشنی دکھائی دیتی تھی۔

''یہ بچہ...'' چنگیز کی ٹریک پیڈ کو دائرے میں چھوتی انگلی تھمی۔ انگلی اور انگوٹھے سے نادیدہ چٹکی کاٹی۔ تصویر بڑی ہوئی۔

وہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔ بچے کو کندھے پہ اٹھائے وہ ڈیسک تک آیا۔ آفیسر کے کہنے پہ اس نے بچے کو کندھے سے قدرے نیچے کیا۔ اس کے چہرے سے ٹوپی اتاری۔ وہ سو رہا تھا۔ لیکن وہ اس چہرے کو سوتے ہوئے بھی پہچان سکتی تھی۔

''کیا یہ آپ کا بیٹا ہے؟''

اس نے بے اختیار ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ بہت دقت سے آنسو ضبط کیے سر ہلایا۔

چنگیز نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''اس آدمی کو پہچانتی ہیں؟''

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اسے پہلی دفعہ دیکھ رہی تھی۔

''کاغذات کے مطابق اس کا نام معید تھا اور یہ اس بچے کا ماموں ہے۔''

اس نے چونک کے اسے دیکھا۔ ''یہ میرا بھائی معید نہیں ہے۔''

''جانتا ہوں۔ یہ ایک پروفیشنل کوریئر ہے۔ یورپ میں اکثر ایسے ہی کام کرتا ہے۔ کسی خاص ڈاکومنٹ یا انسان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک پہنچانے کا کام۔ اس کو کسی نے یہ ٹاسک دیا تھا۔''

''اب یہ کہاں ہے؟''

''یہ دس گھنٹے بعد استنبول سے نکل گیا تھا۔ البتہ اس دفعہ بچہ اس کے ساتھ نہیں تھا۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔ دو ہفتے میں پولیس کو یہی ملا تھا کیا؟

''ہم اس کوریئر کو تلاش کر رہے ہیں، لیکن اس کا ملنا بے سود ہے۔ اغوا کار نے اس کو اپنا اصل نام نہیں بتایا ہوگا۔ یقیناً کسی گمنام ذریعے سے رقم ٹرانسفر کی ہوگی تاکہ...'' اس کے تاثرات دیکھ کے چنگیز جلدی سے بولا۔ ''مگر ہم اسے تلاش کر رہے ہیں۔''

اس نے سر ہلایا اور گیلی سانس اندر کھینچی۔ پھر اسکرین کو دیکھا۔ وہ ایک لمحے کی جھلک تھی۔ ایک لمحہ۔ بدر نے وہی لباس پہن رکھا تھا جس میں وہ اغوا ہوا تھا۔ جلی ہوئی لاش کا لباس بھی جل گیا تھا۔ وہ جلا ہوا بچہ ایک changeling تھا۔ اس کا بچہ نہیں تھا۔

اور یہ بچہ.... یہ اس کا بچہ تھا۔ وہ اسے مجمع میں بھی پہچان سکتی تھی۔

وہ درست تھی اور ماہی غلط۔

ہر کسی کا بچہ نہیں مر جاتا۔اس کا بچہ زندہ تھا۔

''اس فوٹیج سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا بچہ آج بھی زندہ ہے۔یہ اس کے اغوا کے چوبیس گھنٹے بعد کی فوٹیج ہے۔اڑتالیس گھنٹے بعد اکثر بچے زندہ نہیں رہتے۔اس لیے آپ کو دونوں چیزوں کے لیے تیار رہنا چاہیے۔''

چنگیز نے اسی انداز میں کہتے کہتے نگاہ اٹھا کے پیچھے کھڑے ماہر کو دیکھا جو دیوار سے ٹیک لگائے پیروں کی قینچی بنائے ہوئے تھا۔

پھر چنگیز کھنکھارا۔

''ایک اچھی خبر بھی ہے۔''

وہ چونکی۔سانس پھر سے رکا۔

''کاٹن کینڈی مین کا سراغ ملا ہے۔''

ماہر نے کپ نیچے رکھا اور چند قدم آگے آیا۔مالا کی کرسی کے عین پیچھے وہ رک گیا۔

''جیسا کہ میں نے آپ کو کال پہ بتایا تھا کہ کسی دکان کے پاس فوٹیج نہیں ہے۔اس کافی شاپ کے پاس بھی نہیں۔''قدرے زور دے کر کہا۔وہ اس رات کی کارگزاری سے واقف تھا غالباً۔مگر وہ شرمندہ نہیں ہوئی۔رات گئی بات گئی۔

''میرے آدمیوں نے چند لوگوں سے پوچھ تاچھ کی ہے۔اور ایک دکاندار کا سراغ ملا ہے جو کاٹن کینڈی بیچتا ہے۔یعنی دکان میں دوسری کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ان دنوں وہ کاٹن کینڈی بھی رکھتا تھا۔''

''کیا اس نے بدر کو دی تھی کاٹن کینڈی؟یا کسی نے اس سے خریدی تھی؟''

''وہ شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔پرسوں تک آجائے گا۔میرا ایک اہلکار اس سے مل کے پوچھ....''

''میں ساتھ جاؤں گی۔''وہ بے چینی سے بولی۔چنگیز نے نگاہ اٹھا کے ماہر کو دیکھا۔اس نے اثبات میں سر کو خم دیا۔

''اوکے۔آپ ساتھ چلی آئیں۔اس سے فون پر بات ہوگئی ہے۔وہ پرسوں صبح تک پہنچ جائے گا۔''چنگیز نے اٹھتے ہوئے گہری سانس لی۔

''بدر کو کاٹن کینڈی اس نے دی تھی یا کسی نے اس سے خریدی تھی...یہ صرف وہی بتا سکتا ہے۔اگر اسے اتنی پرانی بات یاد ہو۔وہ کافی بوڑھا ہے۔البتہ وہ ہم سے بات کرنے کے لیے تیار ہے۔اس کا کہنا ہے کہ اسے ایک

بچے کے کھونے اور کچھ دیر بعد مل جانے والا واقعہ یاد ہے اور تفصیل وہ خود بتائے گا۔"

ایک اور روزن۔ ایک اور ٹریپ ڈور۔

"وہ آج کیوں نہیں آ سکتا؟"

"کشمالہ حانم... میں جانتا ہوں کہ فلموں اور کتابوں میں تفتیش جلد ہو جایا کرتی ہے۔ تمام گواہ موقع پہ موجود ہوتے ہیں۔ پولیس افسران جاتے ہیں اور پوچھ گچھ کر لیتے ہیں۔ لیکن حقیقی زندگی میں ہر شخص ہر وقت موقع پہ موجود نہیں ہوتا۔ ایسے کیسز بہت وقت لیتے ہیں۔ آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔"

مالا نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ پرسوں صبح میں کتنا وقت تھا؟ کتنی گھڑیاں، کتنی صدیاں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پرسوں صبح کے آنے میں کئی گھنٹے اور کئی آنسو صرف ہوئے۔

وہ نہ کوئی کام کر سکی نہ اس نے ماہر سے بات کی۔ وہ صرف خاموش تھی۔ ماہی کی کالز بھی نہیں اٹھائیں۔ بیربل کے میسیج بھی نظر انداز کیے۔ وہ صرف کمرے میں ٹہلتی کبھی انگلیوں پر تسبیح پڑھتی، کبھی بلت کی گلیوں میں واک پہ نکل جاتی۔ رک کے کسی آوارہ بلی کو کھانا ڈالتی۔ اور اس سے کہتی کہ وہ اس کے لیے دعا کرے۔ بلی کھانا چاٹ کے جواب دیے بنا آگے بڑھ جاتی۔ خود اس نے دو دن ٹھیک سے کچھ کھایا بھی نہیں۔

دو سورج ڈوبے اور دو طلوع ہوئے۔

کئی تارے ٹوٹ کے گم ہوئے۔

اور چاند کا ورق ہر دن گھٹتا گیا۔

اور پھر بالآخر وہ صبح آن پہنچی جب وہ گلاطہ کے سامنے والی گلی میں موجود تھی۔

ماہر اور ایک پولیس اہلکار اس کے ہمراہ تھا۔ آج اس نے کسی میٹنگ کو ترجیح نہیں دی تھی۔ وہ دو دن سے اسے صرف خاموش دیکھ رہا تھا۔ لمبا بھورا کوٹ پہنے کالر اونچے کیے، وہ اس کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔ کوٹ پہنتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ براؤن کیوں؟ لیکن پھر اسے جامنی رنگ کا جواب دینا پڑتا۔ اور آج وہ مالا سے ایسا سوال نہیں پوچھ سکتا تھا۔

اس کافی شاپ سے دو دکانیں چھوڑ کے یہ دکان تھی۔ کریانے اور قہوے کی دکان۔

وہ قریب پہنچے تھے کہ مالا کا فون تھرتھرایا۔ اس نے بے زاری سے فون نکال کے دیکھا۔ پھر کال کاٹ دی۔ بالوں

کوہاف کیچر میں باندھے وہ کیمل کوٹ کے نیچے سفید ہائی نیک پہنے ہوئے تھی۔ چند لٹیں کیچر سے نکل رہی تھیں۔ چہرہ سردی سے گلابی ہو رہا تھا اور اس نے میک اپ کا ذرہ بھی نہیں لگایا تھا۔ آج کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''یہی ہے وہ دکان۔'' ساتھ چلتے پی کیپ والے پولیس افسر نے بتایا جو بنا آستین کے سرمئی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ مالا کا فون پھر تھرتھرایا۔ اب کے ماہر نے دیکھا۔ اسکرین بجھانے سے پہلے اس پہ بیربل کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس کے ابرو استعجاب سے اکٹھے ہوئے۔

''بیربل؟''

مالا نے گردن موڑ کے اسے معذرت خواہانہ نظروں سے دیکھا۔

''سوری۔ بعد میں کال کرلوں گی اس کو۔ ابھی میں بات نہیں کر سکتی۔''

''آف کورس۔'' وہ رکا۔ ''لیکن وہ بار بار کیوں کال کر رہا ہے؟''

''اس روز اس کی کار دیکھی میں نے ایک جگہ۔ اسے کال کر کے پوچھا کہ وہ مجھے ڈراپ کر سکتا ہے تو وہ گھبرا گیا۔ جلدی میں کال کاٹ دی۔ اب معذرت کرنی ہوگی۔''

ماہر نے افسوس سے سر دائیں بائیں جھٹکا۔

''ہوگا کسی لڑکی کے ساتھ۔''

مالا نے گردن موڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''لڑکی کے ساتھ دیکھے جانے پہ تمہارا بھائی گھبراتا ہے کیا؟''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ گال میں گڑھا سا بنا۔

''خیر... گھبراتا تو نہیں ہے۔ مگر یہ منحصر ہے کہ تم نے اسے کس لڑکی کے ساتھ دیکھا، یا....''

اگلے الفاظ حلق میں رک گئے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ مالا نے بے صبری سے اسے دیکھا۔ پولیس اہلکار بھی اس کے رکنے پہ ٹھہر گیا تھا۔

''یا؟''

''یا...'' ماہر فرید نے تھوک نگلا۔ ذہن کے ایک گوشے میں ایک سرخ بگل بجنے لگا تھا۔

''یا تم نے اسے کس جگہ دیکھا۔''

''کسی ایسی جگہ نہیں دیکھا۔'' وہ خفا ہوئی۔ ''ایک بس اسٹاپ پہ دیکھا تھا۔'' اس نے جلدی جلدی لوکیشن

بتائی۔اور اس عمارت کا نام جس کے سامنے بیر بل کی کار تھی۔پھر وہ آگے بڑھ گئی۔اسے اس بوڑھے دکاندار سے بات کرنی تھی۔

اس نے نہیں دیکھا کہ ماہر فرید کی رنگت سفید ہوئی ہے۔وہ تیزی سے فون نکال کے میپس کھولنے لگا۔(نہیں... یہ نہیں ہونا چاہیے۔بیر بل وہاں نہیں جا سکتا۔)

استنبول کا نقشہ سامنے کھلا تھا۔یہ وہی لوکیشن تھی۔اس کے دل کو کسی نے زور سے جکڑ لیا۔

(ناممکن۔)

مالا اس اہلکار کے ساتھ اب دکان کے دہانے پہ کھڑی تھی۔وہ بے جان قدموں سے چلتا ان کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ذہن ایک دم بالکل کورا ہو گیا تھا۔

(ناممکن۔)

کاؤنٹر پہ ایک فربہ ترک عورت کھڑی تھی۔سر پر رومال باندھے وہ سوکھے کپڑے سے شیشے کے کپ صاف کر کے ریک میں لگا رہی تھی۔انہیں دیکھ کے رکی۔ابرو ناگواری سے بھینچ لیے۔

اہلکار تعارف کروانے لگا۔ابھی اس کی بات درمیان میں تھی کہ...

''میرے بابا بہت بوڑھے ہیں اور ان کی یادداشت بھی کمزور ہے۔اتنے ماہ قبل انہوں نے کس کو کیا بیچا، انہیں کیسے یاد ہو سکتا ہے؟'' کھٹ سے ایک کپ رکھا۔اور دوسرا اٹھا لیا۔

''کیا وہ واپس آ گئے ہیں؟''

''ہاں لیکن....''

''ہمیں ان سے ملنا ہے۔''

اس نے ایک سلگتی نگاہ اہلکار پہ ڈالی۔پھر رکی۔

''ان کی طبیعت خراب ہے۔''

''کس نے کہا میری طبیعت خراب ہے؟'' دکان کی پشت سے بھاری آواز سنائی دی اور پھر وہ بوڑھا آدمی باہر آتا دکھائی دیا۔وہ فربہ تھا لیکن اتنا بوڑھا نہیں جتنا وہ سمجھی تھی۔بال سفید تھے اور جلد چکنی سفید۔سپر ماریو کے جیسی مونچھیں اور بڑی بڑی نیلی آنکھیں۔عینک کے پیچھے سے خفگی سے بیٹی کو دیکھا جو بے اختیار ایک طرف ہوئی۔

''مرحبا۔خوش آمدید۔'' بوڑھے نے خوشدلی سے اہلکار سے ہاتھ ملایا۔

''ہماری فون پہ بات ہوئی تھی نا۔ آؤ ادھر بیٹھو۔'' پھر بیٹی کو گھورا۔ ''چائے بناؤ ان کی۔'' گو کہ اس نے ترکش میں کہا لیکن وہ سمجھ گئی تھی۔

پھر وہ ان کو ایک طرف بچھی میز کرسیوں کی طرف لے آیا۔

''میں ایک منٹ آتا ہوں۔'' ماہر نے دھیرے سے معذرت کی۔ کوئی متوجہ نہ تھا۔ مالا صرف بے چینی سے اس آدمی کو اپنا تعارف کروا رہی تھی۔ وہ ہولے سے وہاں سے دور ہٹ آیا۔ موبائل نکالا۔ ایک نمبر ملایا۔

''ادریس... ہاں... سنو... ایک چیز چیک کرنی ہے۔'' الفاظ پھنسے پھنسے سے نکل رہے تھے۔

اپنی بات سمجھاتے ہوئے اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ چند لمحے گہرے سانس لیے۔ سگار یاد آیا۔ مگر اس وقت وہ بھی اثر نہ کرتا۔

پھر وہ واپس چلا آیا۔ اب تک وہ چاروں ایک میز کے گرد بیٹھ چکے تھے۔ بیٹی اور بوڑھا دکاندار ایک طرف۔ مالا اور اہلکار دوسری جانب۔ چائے سے لبالب بھری چار پیالیاں سامنے رکھی تھیں۔ لیکن کسی نے ان کو نہیں چھوا تھا۔ ماہر کی نہ کرسی تھی نہ پیالی۔

''بالکل، میں کاٹن کینڈی رکھتا ہوں۔ کبھی کبھی بچے لے جاتے ہیں۔...''

ماہر نے پانچویں کرسی قریبی میز سے کھینچی اور ان چاروں سے نوے کے زاویے پر بیٹھا۔

''بابا... آپ نے کب کاٹن کینڈی رکھی ہے؟ ایک دو دفعہ ہی لائے تھے۔ بھول جاتے ہیں آپ۔''

وہ پوری باپ کی طرف گھوم کے بولی۔ دانت پر دانت جمائے۔ آنکھوں میں انہیں گھورا۔

''مگر رکھتا تو ہوں۔ وہ یہی پوچھ رہے ہیں۔''

''بیرام بے۔'' وہ بے چینی سے ان کو نام سے مخاطب کر کے بولی اور ایک تصویر نکال کے میز پر رکھی۔ آنکھیں ان کی آنکھوں پہ لگی تھیں۔

''یہ میرا بیٹا بدر ہے۔ تین ماہ پہلے یہ میرے ساتھ تھا۔'' ماہر نے پولیس اہلکار کے سامنے رکھی پیالی اپنی جانب کھسکائی۔ اہلکار نے نظر بھر کے اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔ اب وہ شکردان اپنے قریب کر رہا تھا۔

''ہم علی الصبح شوٹ کر رہے تھے جب...''

''علی الصبح تو بابا دکان پہ نہیں آتے۔ بہت دیر سے آتے ہیں۔''

''ہم شوٹ کر رہے تھے جب...'' مالا نے آواز ان کی بیٹی سے اونچی کر لی۔ ''میرا بیٹا کھو گیا تھا۔ آپ کو کوئی ایسا

واقعہ یاد ہے جب....''

''یہاں ہر روز بہت سے لوگ شوٹ کرتے ہیں۔ بابا کو اتنی پرانی بات کیسے یاد ہو سکتی ہے؟''

مالا نے پوری توجہ بیرام بے کی طرف رکھے بات مکمل کرنی چاہی۔

''جب میں کیمرہ ہاتھ میں لیے اسے ڈھونڈ رہی تھی۔ میرے ساتھ ایک اور لڑکی بھی تھی۔ دلہا دلہن اس طرف.....''

''انسٹاگرام تو چل ہی اسی لوکیشن کے باعث رہا ہے۔'' وہ پیالی سے گھونٹ بھرتی کہہ رہی تھی۔ مالا نے بدقت ضبط کیا۔

''بیرام بے، میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ آپ کو کچھ یاد ہے؟'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''ہاں۔ مجھے یاد ہے.... یعنی....'' انہوں نے کندھے اچکائے۔ ''مکمل شکل نہیں یاد۔ لیکن ہاں ایک بچہ کھویا تھا اور اس کی ماں کسی دلہن کا شوٹ کر رہی تھی۔ شاید وہ تم ہی تھیں۔''

''بابا، جب آپ کو شکل نہیں یاد تو کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہی بچہ تھا؟'' وہ اب پوری باپ کی طرف مڑی۔

''خاتون... آپ کو ان کو بات کرنے دیں پلیز۔'' اہلکار کے صبر کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا۔ ادھر ماہر اس کی پیالی میں ایک کے بعد ایک شکر کی ڈلی ڈال رہا تھا۔ اس کو آج بہت ساری شوگر چاہیے تھی۔

''میں اپنے حقوق جانتی ہوں، سر۔ میرا باپ انڈر اریسٹ نہیں ہے۔ اس لیے وہ کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں...''

''چچ... اللہ اللہ جیلان... وہ ایک ماں ہے۔ اس کا جواب دینے میں حقوق کہاں سے آ گئے؟'' بوڑھے بیرام نے ماتھے کو چھوا۔ ''مجھے جواب دینے دو۔''

جیلان نامی خاتون نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔

''مگر آپ کو بچے کی شکل یاد نہیں۔ اس لیے...''

''مجھے اس آدمی کی شکل یاد ہے جس نے مجھ سے کاٹن کینڈی لی تھی۔''

میز پہ سناٹا چھا گیا۔ مالا پلک جھپکنا بھول گئی۔ البتہ ماہر اسی طرح چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ شکر کم تھی۔ اسے مزید درکار تھی۔ قاسم فرید کی برسوں کی محنت... اس کی ساری کمائی... سب کچھ داؤ پہ لگا تھا...

''کون آدمی؟''

''وہ میرے پاس آیا۔اس نے کافی دیر چیزیں دیکھیں جو بچوں کے لیے تھیں۔پھر اس نے کاٹن کینڈی لی۔اور پھر وہ اس جگہ...'' اشارہ کیا۔''اس جگہ کھڑا ہو گیا۔وہ وہاں سے دور کسی کو اشارہ کر رہا تھا۔''

''بدر کو...اس نے بدر کو اشارے سے بلایا ہوگا۔'' اس کی آنکھیں بھر آئیں۔دل پہ مٹھی رکھ لی۔

''پھر میں کام کرنے لگا۔دھیان نہیں دیا۔اس دن ایک میچ تھا۔میں اس کے لیے صبح سے جاگا ہوا تھا۔تبھی مجھے وہ تاریخ یاد ہے۔وہ میرے کلب کا میچ....''

''وہ آدمی... آپ اس کے بارے میں بتا رہے تھے۔''

''ہاں... پھر میں نے دیکھا تو ایک بچہ اس کے ساتھ کھڑا تھا۔'' بوڑھے بیرام نے ہاتھ سے زمین سے تین فٹ اوپر کا اشارہ کیا۔''اتنا بڑا بچہ۔وہ اس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا...''

''وہ کوئی اور بچہ بھی ہو سکتا ہے۔ضروری نہیں...'' جیلان کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔

''میں کہہ رہا ہوں نا یہ اسی میچ کی تاریخ والا دن تھا۔میں اتنا بوڑھا نہیں ہوا کہ...''

''پھر کیا ہوا؟'' مالا نے تیزی سے بات کاٹی۔انہیں اس آدمی سے تھانے میں ملنا چاہیے تھا۔

''ہاں...وہ بچے کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا کچھ کہہ رہا تھا۔یہ یاد ہے مجھے۔بچے نے کاٹن کینڈی لے لی۔پھر وہ وہاں سے ہٹ گیا۔پھر میں نے شور مچتے دیکھا۔شاید کوئی عورت آئی تھی۔وہ بچے کو ڈھونڈ رہی تھی۔شاید تم تھیں ... لیکن....'' انہوں نے تنقیدی نظروں سے مالا کو دیکھا۔''اس کے بال تم سے لمبے تھے۔''

''یعنی یہ وہ نہیں تھی۔'' جیلان کا چہرہ چمکا۔

''میرے بال ان دنوں لمبے تھے۔'' اس نے سنجیدگی سے بات کاٹی۔جیلان جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

''بھئی مجھے نہیں یاد کس کی کیا شکل تھی،لیکن مجھے وہ شخص یاد ہے۔کیونکہ وہ...وہ مختلف تھا۔''

''کیسے مختلف؟''

اہلکار نے ایک تصویر سامنے رکھی۔مالا نے چونک کے دیکھا۔وہ زیاد کی تصویر تھی۔یقیناً یہ چنگیز کا حکم تھا۔اس نے خفگی سے ماہر کو دیکھا لیکن وہ اس طرف متوجہ نہ تھا۔گھونٹ بھرتا کسی اور سوچ میں تھا۔

''نہیں۔یہ نہیں تھا۔''

''اتنے مہینے گزر گئے،بابا۔ہو سکتا ہے یہی ہو۔دوبارہ دیکھیں...''

''وہ نوجوان تھا۔چھوٹی عمر کا نوجوان۔طویل قامت۔اس نے سیاہ لمبا ٹرنچ کوٹ پہن رکھا تھا۔گرما میں

کوٹ۔اس دن بارش بھی نہیں تھی۔ ہے نا عجیب بات تھی۔ اور اس کے بال سنہرے تھے۔جیل سے گیلے کر کے کھوپڑی سے چپکائے۔پیلی سی رنگت تھی اس کی۔ مجھے اس کا چہرہ کبھی نہیں بھولے گا۔"

"آپ اس وقت بولے کیوں نہیں؟" اہلکار درشتی سے بولا۔"اس ماں کو کیوں نہیں بتایا کہ اس کا بیٹا کس کے ساتھ کھڑا تھا؟"

بوڑھے نے بے بسی سے کندھے جھٹکے۔

"میں... گم صم ہو گیا تھا۔کیونکہ.. جاتے جاتے اس نوجوان نے مجھے دیکھا تھا۔پھر وہ مسکرایا تھا۔اور اس نے ایک آنکھ دبائی۔اور.... اور ہونٹوں پر انگلی رکھی۔وہ مجھے خاموش رہنے کا کہہ رہا تھا۔اور میں کچھ نہ بول سکا۔کوئی ہیبت تھی اس کی۔رعب سا۔میری زبان واقعی بند ہو گئی جیسے وہ کوئی.... کوئی...."

"کوئی جادوگر ہو۔" وہ دھیرے سے بولی۔پھر ماہر کو دیکھا۔اس کا فون بجا تھا اور وہ اٹھ کے جا رہا تھا۔

"کیا جادوگر؟ عجیب بات کر رہے ہیں۔آپ نے خواب دیکھا ہوگا۔" جیلان سرنفی میں سر ہلاتی ترکش میں بڑبڑاتی اٹھ گئی۔کوئی گاہک آیا تھا۔وہ اب اس کی مطلوبہ شے شاپر میں ڈال کے دے رہی تھی۔

یہ شاپر استنبول کی ہر دوسری دکان میں تھے۔ترکوں کو واقعی انوائرمنٹ کا احساس..... نہیں تھا۔

اس نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔

سنہری بال۔نوجوان چہرہ۔

وہ ہلال کے ساتھ بیٹھی تھی جب ہڈی والا نوجوان باہر نکل رہا تھا۔شیشے کے دروازے کے عکس میں اس کا چہرہ دکھائی دیا تھا۔سنہری بالوں کی جھلک۔

وہ دونر خرید رہی تھی جب ساتھ کھڑے شخص نے شاپرز پہ تبصرہ کیا تھا۔ٹوپی سے نکلتے سنہری بال۔ایسے بال ہر ایک کے نہیں ہوتے۔اسے شاپر کو تھامے اس نوجوان کے ہاتھ یاد آئے۔ان میں انگوٹھی تھی۔سبز نگینے والی۔اس انگوٹھی نے اسے چونکایا تھا۔لیکن وہ اپنا آرڈر لینے لگی۔اس کے ذہن کو بھول گیا۔اوہ نو۔

وہ جہاں تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

پزل کے بہت سے ٹکڑے ایک ساتھ مل رہے تھے۔

ماہر فرید کان سے فون لگائے ان سے دور جا رہا تھا۔

"بتاؤ۔کیا معلوم ہوا؟"

ٹائی مزید ڈھیلی کی۔ سینے میں گھٹن ہو رہی تھی۔اس کے بدترین خدشے کی تصدیق ہونے والی تھی۔

''آپ کا خدشہ درست تھا۔''

اس کا وکیل رکا۔

''بیربل نے میرج لائسنس کے لیے اپلائی کیا ہے۔''

''ایڈیٹ۔''اس نے بوٹ سے ٹریش کین کو ٹھوکر ماری۔ایک بلی دبک کے دور بھاگی۔

''ایک دوست نے اسے پرسوں دیکھا ہے بلدیے (میونسپلٹی) کی عمارت کے باہر۔''

''اس کو کب تک لائسنس مل جائے گا؟''

وہ گھڑی دیکھتے ہوئے بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔کتنا وقت تھا اس کے پاس اس ایڈیٹ کو انسان بنانے کے لیے؟اسے نہ صرف بیربل کو اس کام سے باز رکھنا تھا بلکہ اس لڑکی کو بھی کھوجنا تھا جو اس کے باپ کی برسوں کی کمائی میں نقب زن کی طرح داخل ہو رہی تھی۔مس نومبر۔

''اب دیر ہو چکی ہے، ماہر بے۔''

اس کا جمع تفریق کرتا ذہن تھم گیا۔

''بیربل فرید پرسوں لائسنس کے لیے بلدیے نہیں گیا تھا۔لائسنس اسے پہلے ہی مل چکا تھا۔''

وہ بالکل ساکت رہ گیا۔

''وہ میرج سرٹیفکیٹ جمع کروانے گیا تھا۔''وکیل کی آواز میں پشیمانی تھی۔

''بیربل دو دن پہلے شادی کر چکا ہے۔''

اسٹریٹ پول سے ٹیک لگائے ماہر نے سڑکا کے آنکھیں بند کر لیں۔

جس شے سے وہ برسوں سے اس کی حفاظت کرتا آیا تھا، بیربل اس میں کود پڑا تھا۔

''کس سے؟''

نام اس کے لیے اہم نہیں تھا۔وہ سب ایک جیسی تھیں۔

''آپ اسے جانتے ہیں۔''

''کون؟''اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔

''یہ نام سن کے آپ خوش نہیں ہوں گے، ماہر بے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کا سفید کمرہ خاموش اور بے رونق تھا۔

مالک فرید بستر پر یوں لیٹے تھے کہ سرہانے والی جگہ اونچی تھی اور گردن کو تکیوں کا سہارا ملا ہوا تھا۔ان کے ساتھ چند نالیاں لگی تھیں۔البتہ وہ بہتر دکھائی دیتے تھے۔کھانے کی ٹرے نرس سمیٹ رہی تھی۔

زارا سامنے کاؤچ پر گھٹنے ملائے بیٹھی تھی۔جینز پہ ٹی شرٹ پہنے۔بال پونی میں باندھے وہ بے رونق لگ رہی تھی۔

انہوں نے نقاہت سے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔اور ہلکا سا مسکرائے۔

''ماہر کو نہیں بتایا؟''

زارا نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ہوں نا۔اس کی ضرورت نہیں ہے آپ کو۔'' وہ مسکرائی مگر اس مسکراہٹ میں شکوہ تھا۔

''آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟''

''میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔''ان کے چہرے پہ افسوس سا اترا۔

''چاہتا تھا تم سکون سے شادی کرلو۔''

اس نے دائیں بائیں سر ہلایا۔اس کی آنکھیں خشک تھیں اور وہ شاک سے باہر آ چکی تھی۔ان دو دنوں میں وہ جتنی ریسرچ کر سکتی تھی کر چکی تھی۔ڈاکٹرز سے ملنا،رپورٹس دیکھنا۔وہ سب کر چکی تھی۔

''ماہر اور بیربل جانتے تھے۔صرف میں بے خبر تھی یا میری بہنیں۔''

''بیربل کو میں نے نہیں بتایا تھا۔اسے مالا نے...''ان کے منہ سے پھسلا۔

زارا دنگ رہ گئی۔

''وہ بھی جانتی تھی؟''اس کے لہجے میں پھنکار تھی۔آنکھوں میں غصہ۔

''وہ کیوں جانتی تھی؟''

''میں نہیں جانتا۔اس نے شاید اندازہ کرلیا تھا۔اس کی ماں کو بھی یہ مرض رہا ہے۔'' انہوں نے کندھے اچکا دیے۔دو دن میں وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔

زارا نے مٹھیاں بھینچ لیں۔وہ ہر جگہ تھی۔وہ کیوں ہر جگہ تھی؟

''وہ کیسے اندازہ کر سکتی ہے؟ میں آپ کی بیٹی تھی۔'' (وہ نہیں) اس نے بہت مشکل سے ''وہ نہیں'' کے الفاظ لبوں میں دبائے۔ کچھ باتیں نہیں کہنی چاہئیں، کہ کہیں وہ حقیقت نہ بن جائیں۔

''یہ اہم نہیں ہے، زارا۔ اہم یہ ہے کہ تم ماہر سے اب بھی شادی کرنا چاہو گی؟'' وہ یاسیت سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''ماہر کا اس سے کیا تعلق؟''

''کیا تم ابھی بھی نہیں سمجھیں؟'' انہوں نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''اس نے تمہیں پروپوز تب کیا جب اسے میری بیماری کا علم ہوا۔ وہ لاکھ اس بات سے انکار کرتا رہے، میں اسے ہمیشہ سے جانتا ہوں۔''

زارینہ فرید پلک جھپکنا بھول گئی۔

''کیا مطلب؟'' وہ کرنٹ کھا کے اٹھی۔

''وہ مجھ سے اس لیے شادی کر رہا ہے کیونکہ آپ بیمار ہو گئے؟''

''شاید وہ مجھے خوش کرنا چاہتا ہے۔ شاید تمہیں۔ اور وہ تمہارے ساتھ مخلص بھی ہے۔ لیکن کیا تم دونوں خوش رہو گے؟ کیونکہ ایسے....''

''وہ مجھ سے اس لیے شادی کر رہا ہے کیونکہ آپ بیمار ہو گئے؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ صوفے پر سختی سے ہاتھ جما کے خود کو جیسے سہارا دیا۔

''زارا...'' انہوں نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''وہ کوئی ترس کھا کے یہ نہیں کر رہا نہ ہی...''

''آپ.... آپ کی بیماری وجہ ہے؟ وہ اس لیے.... اوہ میرے خدایا...'' اس نے بے اختیار چیخ روکنے کے لیے ہونٹوں پر دونوں مٹھیاں رکھ لیں۔ آنسو زاروقطار گرنے لگے۔ شاک، خوف، بے یقینی، وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''وہ ایسا نہیں کر سکتا، بابا۔ وہ ایسے کیسے ....''

''زارا، میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس نے ایسا ہمدردی میں کیا..'' وہ الفاظ تلاش کر رہے تھے جس سے زارا کو اپنی ذات بے وقعت نہ لگے، لیکن وہ نفی میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ میں... مجھے اس سے بات کرنی ہے۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔'' اس نے بھیگے چہرے اور

حلق سے نکلتی چیخوں کو دباتے ہوئے موبائل اٹھایا۔

''مجھ سے ملو۔ ابھی اسی وقت۔ ورنہ میں بہت بری پیش آؤں گی۔'' وہ آڈیو میسج میں چلائی تھی۔ وہ ملال سے اسے دیکھے گئے۔

''میں ابھی نہیں آ سکتا۔ کہیں پھنسا ہوا ہوں۔'' باہر نکلتے ہوئے اس نے جوابی آڈیو میسج سنا۔

''ابھی ملو مجھے۔ لوکیشن بھیج رہی ہوں۔ تم نہ آئے تو یا تمہاری جان لے لوں گی یا اپنی۔'' وہ فون میں دھاڑی تھی۔

اسکرین دھندلی ہو رہی تھی اور دنیا بلیک اینڈ وائٹ۔ انہوں نے اسے آواز دی۔ وہ ماہر کو غلط نہ سمجھے لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ ہسپتال کے کاریڈور میں تیزی سے بھاگ رہی تھی۔ مسلسل سر نفی میں ہلا رہی تھی۔

وہ ایسے کیسے کر سکتا ہے؟ وہ اس کے ساتھ یہ کیسے کر سکتا ہے؟

وہ ڈرائیو کر رہی تھی۔ ونڈ اسکرین دھندلی تھی۔ وائپر بار بار چل رہے تھے۔ لیکن شاید آنکھیں دھندلی تھیں۔

وہ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ نہیں۔ یہ غلط ہے۔ وہ اس سے ملے گی۔ وہ انکار کر دے گا۔

ایسا کچھ نہیں ہے۔

ماہر صرف اس سے اس کی محبت میں شادی کر رہا تھا۔ مالک فرید کی بیماری وجہ نہیں تھی۔

وہ کار سے نکلی تو اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ بنا کسی جیکٹ یا سوئیٹر کے وہ ٹھنڈ میں چلتی ہوئی سیدھی دروازے تک آئی۔

وہ ایک ویئر ہاؤس تھا۔ کاٹھ کباڑ سے بھرا۔ اندر چند بلب جل رہے تھے۔

وہ ہمیشہ ایسی ہی جگہوں پہ ملتے تھے۔

''ہیلو، زارا۔''

وہ سامنے ایک کرسی پر بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو؟'' وہ چلاتی ہوئی اس کی طرف لپکی۔

عالیان نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ لب اوہ میں سکڑے۔

"Oops"

''تم نے... تم نے کیا کیا ہے میرے باپ کے ساتھ؟''

''نہ نہ نہ نہ...'' عالیان نے چچ کہتے ہوئے انگشت شہادت اٹھا کے دائیں بائیں ہلائی۔

''تم لوگ کیوں بھول جاتے ہو کہ تم نے مجھ سے کیا کہا تھا؟''

وہ اس کے عین سامنے آ کے رکی۔ بے یقینی، خوف، غصہ۔ اس کی آنکھوں میں سب کچھ تھا۔ وہ کسی بھی لمحے اس پہ حملہ کر سکتی تھی۔ لیکن... اسے امید تھی.... وہ انکار کر دے گا۔

''تم میرے پاس آئی تھیں، زارینہ... میں تمہیں یاد کرواتا ہوں۔'' نرمی سے مسکراتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

''میں نے کہا تھا وہ مجھ سے محبت کرے۔ وہ میرا ہو جائے۔''

"Wrong answer." وہ اس کے گرد دائرے میں چلتے ہوئے انگلی ہلا کے بولا۔

''تم نے کہا تھا تمہیں اس کی بیوی بننا ہے۔''

''ایس کے.... تم نے کیا کیا ہے میرے باپ کے ساتھ؟'' اس کی چیخ میں نڈھال پن تھا۔

''اور میں نے کہا تھا کہ ماہر فرید سے میرے ہیلپرز کی بنتی نہیں ہے۔ اس کے اوپر میرا جادو اثر نہیں کرتا۔ نہ میری ماں کا جادو اثر کرتا تھا۔'' وہ دھیرے دھیرے کہتا اس کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ وہ آنکھیں بے یقینی سے کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں ہر قیمت پہ اس کی بیوی بننا تھا۔ اور تم تفصیل میں نہیں جانا چاہتی تھیں۔ سو میں نے سوچا ہم ٹیکنیکل گراؤنڈز پہ کھیل سکتے ہیں۔''

زارا نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔

''میں نے تم سے پوچھا تھا... کیا تم اس جادو کی قیمت سننا چاہو گی۔ تم نے انکار کیا تھا۔''

زارا گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی۔

''میں ماہر فرید پہ جادو کرنے کا رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ لیکن میں اس کو مجبور کر سکتا تھا کہ وہ تم سے شادی کر لے۔ کیسے؟'' عالیان اس کے سامنے ایک پنجے کے بل بیٹھا۔ اور چٹکی بجائی۔

''اگر مالک فرید بیمار ہو جائے...''

''ایس کے...'' وہ چلائی۔ لیکن آنسوؤں نے آواز دبا لی۔

''دیکھو ...اس کا ٹیومر میں نے نہیں پیدا کیا تھا۔ وہ اس کی اپنی بیماری تھی۔ البتہ وہ چلا گیا تھا۔ وہ تندرست ہو رہا تھا۔ میں نے صرف اتنا کیا کہ اس کو....'' (پھر سے چٹکی بجائی) ...دوبارہ بڑھنے کا موقع فراہم کیا۔ وہ اتنا بڑھ جائے کہ ماہر گلٹ میں آ کے تم سے شادی کر لے۔''

''میرا باپ مر رہا ہے اور تم.... اوہ مائی گاڈ...'' اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ عالیان وہاں سے اٹھ گیا۔ چند لمحوں بعد وہ واپس آیا اور ایک ڈسپوزیبل کپ اس کی طرف بڑھایا۔

''زارا... مائی ڈیئر، زارا... ایسے تم ڈی ہائیڈریٹ ہو جاؤ گی۔ ابھی تمہیں بہت رونا ہے۔'' وہ اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔

زارا نے چہرہ اٹھایا۔ زور سے اس کا ہاتھ جھٹکا۔ کپ دور جا گرا۔ مٹیالے فرش پر پانی کی ندی بہہ گئی۔

"Dehydration it is then."

عالیان نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔ اور اٹھ کھڑا ہوا۔

''اس کو ریورس کرو۔ اس بیماری کو ختم کرو۔ ان کو ٹھیک کر دو۔ پلیز۔'' چند لمحوں بعد وہ سر اٹھا کے بولی۔ مٹھیاں زمین پر جمی تھیں۔

''اللہ اللہ....'' اس نے چیخ کہہ کے سر جھٹکا۔

''تم جو مانگو گے میں دوں گی۔ ہر قیمت...''

''مرتے ہوئے آدمی کو زندگی دینا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسے کام ہم اوپر والے پہ چھوڑتے ہیں۔'' انگلی اٹھا کے ادب سے اوپر اشارہ کیا۔ ''اور اس کے کاموں میں ہم مداخلت نہیں کرتے۔''

''ایس کے... پلیز.. تم میرے باپ کے ساتھ یہ کیسے کر سکتے ہو؟''

''مگر یہ میں نے نہیں کیا، زارا۔ یہ تم نے کیا ہے۔ تمہارا باپ وہ قیمت ہے جو تمہیں ادا کرنی تھی۔ ہر جادو کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ مجھے پیسے چاہیے تھے، مل گئے۔ تمہیں ماہر چاہیے تھا، مل گیا۔'' اس نے اپنے سیاہ کیپ کا زمین کو چھوتا کنارہ جھٹکا۔ وہ گرے ہوئے پانی سے ذرا سا چھو کے گیلا ہو گیا تھا۔

''اپنے باپ کو تم نے قتل کیا ہے، زارا۔ میں نے نہیں۔ وہ پیسے خرچ کر کے میں تمہیں بھول جاؤں گا۔ لیکن یہ تم ہو جسے ساری عمر اس درد کے ساتھ رہنا ہے۔ دوبارہ کبھی مجھے ایسے دھمکی دے کر مت بلانا۔ میں ہر دفعہ نہیں آؤں گا۔''

''ایس کے.... پلیز کچھ کرو....'' وہ زور سے چلائی۔ عالیان وئیر ہاؤس کے دروازے کے قریب رکا۔ کچھ سوچ کے پلٹا۔

''اور ہاں۔ تم سب سے پوچھ رہی ہو کہ مالا کون ہے۔ میں بتاتا ہوں۔''

زارا کے آنسو تھم گئے۔ چونک کے اسے دیکھا۔ دروازے کے باہر تیز روشنی تھی اور وئیر ہاؤس کے اندر سرمئی سا

اندھیرا۔

عالیان کسی سیاہ ہیولے کی طرح روشنی میں کھڑا تھا۔

''مالا، ماہر فرید کی سب سے خاص محبت ہے۔ وہ اس جیسی محبت کسی عورت سے نہیں کر سکے گا۔ تم سے بھی نہیں۔ وہ جب اس کو بلائے گی وہ اس کے پاس چلا جائے گا۔ ڈنر تو کیا، وہ اس کے لیے کچھ بھی چھوڑ دے گا۔''

پھر وہ رکا۔ چند الفاظ تولے۔

''اور اس کا بیٹا میرے پاس ہے۔ چاہو تو اسے بتا دو۔''

چغہ جھٹکا اور باہر نکل گیا۔

اب وہ وہاں تنہا تھی۔

اپنے آنسوؤں کے ساتھ۔

ایک لڑھکے ہوئے کپ اور بہے ہوئے پانی کے ساتھ، جو سوکھی سیمنٹ میں مل کے مٹیالے رنگ کا ہو گیا تھا۔

اسے وہ خون کے رنگ کے جیسا لگ رہا تھا۔ وہ خون جو دو دن پہلے اس کے براق سفید لباس پر گرا تھا۔

وہ خون جو زارینہ فرید کے ہاتھوں پر تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ چہارم: ''استنبول''

قسط نمبر: 19

"لوگ ہوتے ہیں غیر منطقی نامعقول اور خودغرض۔
پھر بھی ان سے محبت کرتے رہو۔
تمہاری اچھائی پہ وہ تمہیں شک سے دیکھیں گے۔
پھر بھی اچھا کرتے رہو۔
اگر کامیاب ہوگے تو نقلی دوست اور اصلی دشمن بناؤ گے۔
پھر بھی کامیاب ہوتے رہو۔
تمہاری آج کی نیکی کل بھلا دی جائے گی۔
پھر بھی نیکی کرتے رہو۔
سچائی اور بے تکلفی تمہیں غیر محفوظ کرے گی۔
پھر بھی سچے اور بے تکلف رہو۔
عظیم ترین انسان اپنی بڑی سوچ کے باوجود چھوٹے ذہنوں والے انسان سے مات کھائیں گے۔
پھر بھی بڑا سوچتے رہو۔
جو برسوں میں تعمیر کرو گے اسے لمحوں میں کھو بھی سکتے ہو۔

پھر بھی تعمیر کرتے رہو۔

تم ان کی مدد کرو تب بھی وہ تم پہ الزام لگائیں گے۔

پھر بھی ان کی مدد کرتے رہو۔

دنیا کو تم اپنا بہترین دو گے اور دنیا تمہاری پیٹھ میں خنجر گھونپے گی۔

پھر بھی دنیا کو اپنا بہترین دیتے رہو۔

(Kent M. Keith)

"فرید لار " کے لونگ روم میں موتیے کی مہک تھی۔ سیاہ پردے ہٹے تھے اور روشنی کھڑکیوں سے اندر چھن کے آ رہی تھی۔

ہلال شمس کی ٹیپسٹری (tapestry) کا چوکھٹا اسٹینڈ پہ نصب تھا۔ وہ اسٹول پر بیٹھی تھی، چہرہ کھڑکی کے رخ پہ تھا۔

اس وقت وہ گردن جھکائے کچھ تلاش کر رہی تھی۔ ساتھ رکھی ٹرالی کے خانے رنگ برنگے دھاگوں سے بھرے تھے۔ ہر گولے پر ایک اسٹکر چسپاں تھا۔ ہلال کے ٹٹولتے ہاتھ ایک گولے پہ رکے۔ پوروں سے اسٹکر پہ ابھرے نقطے پڑھے۔ پھر اس کو اٹھا کے وہ سیدھی ہوئی۔ اب وہ دھاگے کو انگلیوں پر لپیٹ رہی تھی۔ آنکھیں سامنے دیکھ رہی تھیں۔ فریم کو؟ کھڑکی کو؟ یا اس کے پار پھیلے شہر کو؟ یہ معلوم نہ ہوتا تھا۔

سنہری مائل بھوری سی Luna لونا اس کے قدموں میں لمبی لیٹی تھی۔ آنکھیں بند اور دم ہل رہی تھی۔

"تم کیا بنا رہی ہو، ہلال؟"

اوپن کچن میں فیضی حانم نے گریپ فروٹ کاٹتے ہوئے اسے دیکھا۔

"ٹیپسٹری۔ "وہ ہلکا سا مسکرائی۔ انگلیاں اس دھاگے کو سوئی میں پرو رہی تھیں۔

"وہ تو میں جانتی ہوں۔" فیضی حانم قدرے خفا ہوئیں۔" مگر اس میں ہوگا کیا؟ "

ہلال نے جواب کے لیے لب کھولے اسی لمحے فیضی حانم نے جوسر کا بٹن دبا دیا۔ وہ زوں کی آواز سے چل پڑا۔ شور تھما تو وہ گویا ہوئی۔

"ایک تخیل۔"

" مگر یہ تو صرف رنگ ہیں۔ "فیضی حانم نے جگ ایک شیشے کے مگ میں انڈیلا۔سطح پہ جھاگ کے بلبلے آ گئے۔پھر اسے لیے ہلال کے ساتھ آ کھڑی ہوئیں۔

"یہ الٹا امیج ہے،فیضی حانم۔ٹیسپٹری الٹی بنتی ہے۔بنانے کے بعد سیدھا کروں گی تو دکھائی دے گا کہ کیا بنایا۔"

فیضی حانم ناسمجھی سے فریم کو دیکھے گئیں۔

فریم پہ اوپر سے نیچے تک سفید دھاگے لگے تھے۔انڈیا میں بننے والی چارپائی کے پایوں کے جیسے۔اب ہلال نیچے سے دائیں سے بائیں رنگین دھاگے بھر رہی تھی۔یوں کہ ٹیپسٹری اپنی base سے چند انچ اوپر تک بھری ہوئی تھی۔سبز، نیلا اور مٹی کا رنگ دکھائی دیتا تھا۔کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وہ پلٹ گئیں۔

ہلال کی آنکھیں اندھیر تھیں لیکن وہ تمام آوازیں سن سکتی تھی۔فیضی حانم کی آواز۔وہ اسے بتا رہی تھیں کہ انہیں گروسری کرنے جانا ہے۔کچن میں ہوتی کھٹ پٹ۔کھونٹی کے اوپر سے تھیلا اتارنے کی آہٹ۔ان کے دور جاتے قدموں کی چاپ۔کوڈ پنچ کر کے دروازہ لاک ہونے کی بپ۔پھر دروازہ بند اور خاموشی۔

اب ہلال کا اندھیرا خاموش تھا۔

اس نے دھاگے رکھے۔اندازے سے ہاتھ ٹرالی تک لے گئی۔شیشے کے مگ کو چھوا۔وہ ٹھنڈا تھا۔بیرونی سطح پہ پانی کے قطرے تھے۔وہ اسے ہونٹوں تک لائی۔اس کے پسندیدہ سٹرس فروٹس۔ایک گھونٹ پیا۔اندر تک ترش رس اترتا گیا۔مسکرا کے مگ رکھا۔

پھر پیر پہ کچھ نرم سا آن لگا۔لونا نے اسے دم ماری تھی۔

" کیا ہوا،لونا؟"

پھر .... لونا کے اٹھنے کی آہٹ۔اس کے پنجوں کے دور جانے کی چاپ۔اب وہ کہیں رک گئے۔پھر پنجے شیشے پہ دستک دینے لگے۔ساتھ ہی لونا نے مانوس آواز نکالی۔

وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ لونا بالکونی کے دروازے کے ساتھ کھڑی اسے کچھ دکھانا چاہ رہی ہے۔ہلال نے گلاس احتیاط سے ٹرالی پر رکھا۔کانچ کے لکڑی سے ٹکرانے کی آواز آئی۔پھر وہ اٹھی۔ٹرالی کے ایک طرف سے نکل کے وہ دروازے تک آئی۔ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔لوہے کا ہینڈل سرد تھا۔اسے گھمایا۔پھر دروازہ ایک طرف سلائیڈ کیا۔سرد ہوا کا جھونکا تیزی سے اندر آیا۔اور اسی تیزی سے لونا باہر بھاگی۔پھر اسے محسوس ہوا وہ اسی تیزی سے واپس اس کے قدموں میں آن بیٹھی ہے۔کوئی شے وہ ہلال کی پنڈلی سے رگڑ رہی تھی۔

وہ نیچے جھکی۔ ہاتھ سے لونا کا چہرہ ٹٹولا۔ وہ دانتوں میں کچھ دبائے ہوئے تھی۔

ہلال نے اس شے کو نرمی سے باہر نکالا۔ وہ تہہ شدہ کاغذ تھا۔ لونا کے دانتوں میں اس کے سانس کی مہک تھی۔ بیربل نے اس کو ٹوتھ برش نہیں کروایا تھا۔ جب وہ آئے گا تو وہ اسے یاد کروائے گی۔ نہ جانے وہ کہاں رہ گیا تھا۔

ہلال نے سلائیڈنگ دروازہ بند کیا۔ پھر واپس اسٹول پر بیٹھی۔ اور کاغذ کی تہیں کھولیں۔

اس کی سطح پہ انگلی پھیری تو چونکی۔ وہاں نقطے ابھرے تھے۔ اس کے پورے نقطوں کو ٹٹولنے لگے۔ وہ اسے الٹا پکڑے ہوئے تھی۔ پہلے اسے سیدھا کیا۔ پھر انگلیوں سے اسے پڑھنے لگی۔

الفاظ ذہن میں بنتے گئے۔

وہ بریل میں لکھا تھا۔

آنکھوں والے اسے نہیں پڑھ سکتے تھے۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟"

اس نے کاغذ مروڑ کے ٹراؤزرز کی جیب میں ڈال دیا۔ انگلیوں نے پھر سے ریشمی دھاگہ اٹھایا لیکن اب ان میں کپکپاہٹ تھی۔ اور ابرو بھنچے ہوئے تھے۔

لونا بار بار بالکونی کے دروازے تک جا کے بھونکتی پھر واپس اس کے پاس آتی۔ کچھ دیر بعد اس نے ہمت ہار دی اور اپنی جگہ پہ پھیل کے لیٹ گئی۔ ٹھنڈے فرش پہ تھوڑی رکھی اور آنکھیں موند لیں۔

فیضی حانم جس لمحے گھر میں واپس داخل ہوئیں ہلال اپنی ٹیپسٹری بننے میں لگی تھی۔

البتہ بالکونی کو کھلتے دروازے میں پردے کا کنارہ پھنسا تھا۔ وہ چونکیں۔ پھر تعجب سے ہلال کو دیکھا۔ اس کا گلاس خالی ہونے والا تھا۔ گروسری کے تھیلے رکھ کے وہ پردے تک آئیں۔ دروازہ کھولا، پردہ درست کیا۔ پھر دروازہ بند کیا۔

رک کے ایک نظر ہلال کو دیکھا۔ پھر سر جھٹک دیا۔ وہ کیوں جائے گی بالکونی میں؟ شاید صفائی کے دوران ان سے ہی ایسا ہوا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بیربل نے شادی کر لی ہے۔"

"کس سے؟"

"آپ اس کا نام سن کے خوش نہیں ہوں گے۔"

ماہر فرید گلی کے دہانے پہ کھڑا تھا۔ٹریش کین کے ساتھ۔موبائل والا ہاتھ پہلو میں گرائے۔گم صم۔اس کی ٹھوکر سے دبک کے بھاگنے والی بلی اب گلی کے موڑ پہ کھڑی جھانک رہی تھی۔ٹریش کین میں کچھ ایسا تھا جس کی خوشبو اسے تاک میں بیٹھنے پہ مجبور کیے ہوئے تھی۔

"میں نے کہا تھا ایک دوسرا سرکار موجود ہے۔میں نے کہا تھا۔ "دور کسی کنویں سے آواز سنائی دے رہی تھی۔

ماہر دھیرے سے پلٹا۔ذہن جاگنے لگا۔

مالا اس طرف آ رہی تھی۔ماتھے پہ بل۔آنکھوں میں جھنجھلاہٹ۔

"اور وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔اس کا وہی حلیہ تھا جو بیرام بے نے بتایا۔ایک دفعہ بیکری پہ۔ایک دفعہ اس رات دونر لیتے ہوئے۔"

وہ ایک طرف کو چلنے لگا۔سیدھ میں دیکھتا ہوا۔لمبا سرمئی کوٹ اس سردی کو روکنے میں ناکام تھا جو اس کے سارے جسم کو منجمند کر چکی تھی۔

"ماہر؟ تم سن رہے ہو؟"

اس نے سر ہلا دیا۔وہ ساتھ ہی تھی کہیں۔اس کے دائیں۔یا شاید بائیں۔

"ہمیں ان سے پولیس اسٹیشن میں ملنا چاہیے تھا۔ان کی بیٹی انہیں بولنے ہی نہیں دے رہی تھی۔ماہر...ماہر...!"

آواز بلند ہوئی تو ماہر نے قدم روکے۔

"کیا ہوا ہے؟ "مالا اس کے سامنے آئی۔راستہ روکا۔آنکھیں ناسمجھی سے چھوٹی ہوئیں۔

"ایک ورک ایمرجنسی ہے۔مجھے جانا ہے۔تم اوبر کر لو گی؟"

"بالکل کر لوں گی۔مگر کیا تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو گے؟"

وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

"سارا دن آفس میں دیکھتی ہوں تمہاری ورک ایمرجنسیز۔ان پہ تمہارا چہرہ ایسا نہیں ہوتا۔کچھ اور ہوا ہے نا؟ "وہ تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔"نہیں بتانا تو کہہ دو ... مالا، میرا کوئی ذاتی مسئلہ ہے۔بس ادھورے سچ کہنا چھوڑ دو۔"

"بیربل نے واقعی شادی کر لی ہے؟ "

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور تمہیں نہیں بتایا؟ "

ماہر نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ایک انگلی وہ سرخ رومال کے سفید چیک پرنٹ پہ پھیر رہا تھا۔

"خیر...یعنی...وہ ایک...ایک adult ہے..."وہ سنبھل کے ذرا احتیاط سے کہنے لگی۔" سمجھدار ہے۔ اپنے فیصلے خود کر سکتا ہے۔کچھ سوچ کے ہی...کچھ سوچ کے ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا۔"

ماہر نے پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"وہ غم کو ہینڈل نہیں کر سکتا۔مالک کی بیماری کا سن کے اسے لگا میں نے اسے ایک اہم بات سے محروم رکھا ہے سو اس کے پاس بہانہ آ گیا مجھ سے کچھ چھپانے کا۔"

مالا نے غور سے اس کے تاثرات دیکھے۔

" تمہیں دکھ پہنچا ہے؟"

"بات دکھ سے آگے کی ہے۔اس بے وقوف کو اندازہ ہی نہیں ہے کہ وہ کتنی بڑی حماقت کر چکا ہے۔"

" تمہیں خدشہ ہے کہ وہ..."

"مجھے یقین ہے کہ اس لڑکی نے بیربل سے صرف اس کی دولت کے لیے شادی کی ہے۔وہ صرف ایک gold digger ہے۔ "ماہر کے تاثرات سخت ہو گئے۔ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔البتہ انگلیاں سرخ رومال کے کنارے کو مسلسل مسل رہی تھیں۔

"ماہر...اٹس اوکے۔"وہ بولی تو آواز نرم تھی۔

"اٹس اوکے؟"

"مانا کہ اس نے غلط کیا۔اسے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔تمہاری فیلنگز جائز ہیں۔لیکن وہ چھوٹا ہے اور تم بڑے ہو۔ بڑے کو بڑا بن کے دکھانا ہوتا ہے۔"

ماہر فرید فرصت سے اس کو دیکھے گیا۔آنکھیں چھوٹی کیے۔بنا تاثر چہرے کے ساتھ۔

"اس نے اپنے لیے ایک فیصلہ لیا ہے۔جو شاید درست ہو۔شاید نہ ہو۔لیکن تمہارا سخت ردعمل اسے تم سے مزید دور کر دے گا۔"

"اچھا؟ "ماہر ایک ہاتھ گال تلے جمائے اسی انداز میں اسے دیکھتا رہا۔

"اور ضروری نہیں کہ ہر لڑکی بیربل کی دولت کے پیچھے ہی ہو۔تم منفی مت سوچو۔ہوسکتا ہے وہ ایک اچھی لڑکی ہو۔اور بیربل کب سے ایک اچھی لائف پارٹنر کی تلاش میں تھا۔ہوسکتا ہے وہ اس سے واقعی محبت کرتی ہو۔ہر ایک کو سچی محبت نہیں ملتی۔شاید ان دونوں کو مل گئی ہو۔"

ماہر کے تاثرات سے بے پرواہ وہ کہہ رہی تھی۔

"ہوسکتا ہے وہ بیربل کے لیے اچھی ثابت ہو۔وہ اس کی زندگی میں ڈسپلن لے آئے۔ایک اچھا پارٹنر آپ کو آپ کا بہترین ورژن بننے میں مدد دیتا ہے۔آپ کو سپورٹ کرتا ہے۔بیربل اتنا بے وقوف بھی نہیں ہے۔کچھ تو دیکھا ہوگا اس نے۔ہوسکتا ہے وہ بیربل کی زندگی سنوار دے۔"

"لوگ شادی کے بعد بدلتے نہیں ہیں، مالا۔وہ جو ہوتے ہیں مزید وہی بنتے جاتے ہیں۔"

"لیکن اگر وہ اچھی ہوئی تو بیربل کو ایک anchor مل جائے گا۔ایک گھر۔وہ سیٹل ڈاؤن ہو جائے گا۔"

"ہوں۔ٹھیک کہہ رہی ہو۔ "

مالا کا حوصلہ بڑھا۔

" تمہیں اس موقع پہ اس کو اسپیس دینی چاہیے۔اس کو خود سے مزید دور نہ کرو۔میرے بھائی معید نے بھی اپنی پسند سے شادی کی تھی...اور ماہی اور میں، اس کے انتخاب سے ہم خوش نہیں تھے۔لیکن میں نے پھر بھی اس کو سپورٹ کیا تھا۔"

"اور اب تمہارا بھائی تم سے خوش ہے؟"

مالا ایک دم چپ ہوگئی۔

"وہ الگ معاملہ ہے۔"

بیرا چائے کی پیالیاں اور شکر کی ڈلیاں لیے آیا۔ایک ایک چیز میز پوش پر رکھی تو ماہر کی انگلیوں نے کپڑے کا کنارہ چھوڑ دیا۔

"بیربل اور تمہارا معاملہ مختلف ہے۔تم اس کے باپ نہیں ہو۔بلکہ اس کا تو باپ ہے ہی نہیں۔وہ مالک کی وجہ سے پہلے ہی اسٹریس میں ہے۔ایسے میں تمہیں ایک مہربان بھائی کی طرح اس کو سپورٹ کرنا چاہیے۔"

" ٹھیک کہہ رہی ہو۔ "وہ ایک نوٹ چائے کی ان چھوٹی پیالیوں کے ساتھ رکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہو۔

مالا نے امید سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"یعنی تم اس کو سپورٹ کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

''ماہر!'' وہ جھنجھلا گئی۔ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

" کیونکہ میں ایک مہربان بھائی نہیں ہوں۔ میں قاسم فرید کا بیٹا ہوں۔ جب میں نے شمس کو اپنے باپ کی کمائی پہ نقب لگانے نہیں دیا تو اس لڑکی کو کیسے اجازت دے دوں؟"

" کیا مطلب؟ کیا کرو گے تم؟ "وہ بیگ اٹھائے اس کے پیچھے لپکی جواب گلی میں آگے قدم بڑھا رہا تھا۔

"تم ہمیشہ کہتی ہو نا کہ ماہر فرید ایک ماسٹر manipulator ہے۔ اب دیکھنا میں اس معاملے کو کیسے ہینڈل کرتا ہوں۔"

پھر چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ "دیکھو اور سیکھو۔"

"دیکھو اور سیکھو۔ ہونہہ۔"

وہ دونوں گلی میں دور جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ خاموش تھا اور وہ سر دائیں بائیں ہلاتی بحث کر رہی تھی۔

پیچھے گلاطہ کا اونچا مینار دوپہر کی روشنی میں نہایا کھڑا تھا۔ اور چند سمندری بگلے اس کی بالکونی کے گرد چکر کاٹ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زارینہ فرید نے اپارٹمنٹ کا دروازہ دھاڑ سے کھولا۔ پھر اسی جارحانہ انداز میں اسے واپس پٹخا۔ بولٹ اڑسا۔ ڈبل لاک بند کیا۔ پھر دروازے سے پشت ٹکائے کتنی ہی دیر وہیں کھڑی رہی۔

اس کا چہرہ آنسوؤں اور لباس گدلے پانی سے تر تھا۔

البتہ اپارٹمنٹ صاف ستھرا تھا۔ راہداری خالی تھی سوائے ایک کنسول ٹیبل اور اس کے آئینے کے۔

وہ نڈھال قدموں سے چلتی آئینے تک آئی۔ وہ بادل کی شکل کا تھا۔ سلور کنارے اوپر نیچے گولائی میں کٹے تھے۔

آبگینے کے بادل میں اس کا عکس ابھرا۔ بے جان چہرہ۔ بے یقین آنکھیں۔

بادل میں دیکھتے ہی دیکھتے روئی بھرنے لگی یہاں تک کہ وہ مکمل کورا ہو گیا۔

اوراس پہ سیاہ سفید روشنائی سے ایک منظر لکھا جانے لگا.....

وہ ساحل سمندر تھا۔دوپہر کی نرم گرم ریت۔جو بن پہ چمکتا ٹھنڈا سورج۔

اورایک چھتری تلے بچھے سن لاؤنجرز پہ نیم دراز دولڑکیاں۔

زارا کے چہرے پہ ہیٹ تھا اور ساتھ والی لڑکی کی آنکھوں پہ سن گلاسز۔وہ کہنی کے بل اس کی جانب کروٹ لیے اڑتے بالوں کو بدقت سمیٹتی ناخوشی سے کہہ رہی تھی۔

"اتنا عرصہ ہوگیا تمہیں اس کا شہر چھوڑے ہوئے۔لیکن اب بھی وہ تمہارے دل میں ہے۔"

"دل سے نہیں جاتا۔کیا کروں؟"

" کتنے مردوں سے ملوایا تمہیں ہم سب نے۔"

"وہ ماہر نہیں ہیں۔"

"تم اس سے بات کیوں نہیں کرتیں؟"

" کرنی چاہی تھی۔کئی دفعہ۔وہ جان بوجھ کے گفتگو کو اس مقام پہ آنے ہی نہیں دیتا اور میں ڈیسپریٹ نہیں لگنا چاہتی۔"

"پھر یہ سب کیسے ہوگا، زارا؟ کوئی جادو کی چھڑی تو ہے نہیں جو گھماؤ اور کسی کے اوپر love magic کردو۔"

زارا نے ہیٹ اٹھا کے ریت پہ رکھی تو دھوپ سیدھی آنکھوں میں پڑی۔پلکیں سکڑ گئیں۔

"ایسے جادو ہوتے ہیں۔"

" کم آن، زارا۔"

"ماہر نے بتایا تھا۔ "اس نے شانے اچکائے اور واپس ہیٹ چہرے پہ رکھ لیا۔"وہ زیادسلطان والا کیس۔جس آدمی نے اس کی بہن کو اغوا کیا تھا۔اس نے اپنی بیوی سے شادی ہی love magic کی وجہ سے کی تھی۔"

"پھر اس جادوگر کا پتہ کرو جس نے وہ جادو کیا تھا۔ہم بھی اس کے کلائنٹ بن جاتے ہیں۔ "وہ مذاق میں بات اڑا کے ہنسی۔زارا بھی مسکرادی۔

"وہ اس کی ماں تھی۔جو مرگئی تھی۔اب ہمیں کوئی ایسا جادوگر نہیں مل سکتا۔افسوس۔"

" کسی کو تو اپنا علم ورثے میں دے کر گئی ہوگی نا۔میں بھی اپنے شوہر پہ کوئی عمل ...."وہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔"ہم نے اس دن یہی ڈیئسا ئیڈ کیا تھا۔نو جج منٹ۔نو فلٹرز۔مگر تم پھر سے وہی کرر ہے ہو۔"

" کیا کرر ہا ہوں؟"ایک دم سے وہ بہت تھک گیا تھا۔

"جو تم ہمیشہ کرتے ہو۔پوری بات بتائے بنا جگہ چھوڑ کے چلے جاتے ہو۔"

"تم بھی یہی کرتی ہو۔"

"اب نہیں کرتی۔نہ کروں گی۔مگر تم...؟"

ٹریش کین سے کھڑ پٹر کی آوازیں آرہی تھی۔بلی واپس آچکی تھی اور کوڑے میں سے اپنے ناشتے کو تلاش کرر ہی تھی۔

"تم نہیں سمجھو گی۔"

"تم سمجھاؤ گے نہیں تو میں کیسے سمجھوں گی، ماہر بے؟"

ماہر چند قدم آگے گیا۔ایک شاپ کے سامنے بچھی کرسی کھینچی۔اور اسے دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

دھوپ اب نکل آئی تھی اور اس ایش ٹرے پہ پڑ رہی تھی جو دونوں کے درمیان حائل میز کے سرخ رومال پہ رکھا تھا۔

"اب بتاؤ۔کیا ہوا ہے؟"

"بیر بل نے شادی کر لی ہے۔"

"او کے۔بہت مبارک ہو۔اب اصل بات بتاؤ۔"

اس کی سنجیدگی پہ ماہر سوگوار سا مسکرایا۔

"مذاق نہیں کرر ہا۔یہی ہوا ہے۔بی اس دن بلدیے کی عمارت کے باہر اسی لیے تھا۔میرج لائسنس کے لیے۔"

مالا کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

"واٹ؟"

نوعمر بیرا تیزی سے ان کے پاس آیا۔ماہر نے دو چائے کہا۔وہ اسی طرح دانت نکالے واپس پلٹ گیا۔

اسے شاک سے نکلنے کا وقت دینے کے لیے ماہر نے دائیں بائیں دیکھا۔پولیس اہلکار کہاں تھا؟ شاید وہ مالا کو آگاہ کر کے جا چکا تھا۔شاید وہ بیرام بے کی دکان پہ ان کا انتظار کرر ہا تھا۔اسے پرواہ نہ تھی۔

اورزارانے ایک دم سے ہیٹ دوبارہ ہٹایا۔اب وہ بنا جھجکے سورج کی جانب دیکھ رہی تھی جو چھتری کے چھجے کے کناروں سے لپک لپک کے اس کی آنکھوں میں گھسا جا رہا تھا۔

ذہن میں ایک خیال جنم لے رہا تھا....

بادل کی شکل کا آئینہ شفاف ہو گیا۔

وہ بے جان آنکھوں کے ساتھ وہیں کھڑی تھی۔

آہستگی سے کار ریموٹ اور پرس کنسول ٹیبل پہ رکھے۔بیڈروم دائیں ہاتھ تھا۔

خاموش۔صاف ستھرا۔بیڈ پہ سفید بیڈکور بچھا تھا۔بنا شکن کے۔اجلا اجلا۔کونے میں ڈریسر مرر کھڑا تھا۔الٹے یو کی شکل کا۔زمین سے لگا دیوار سے ٹیک لگائے۔

وہ اس کے سامنے جا رکی۔وہ آئینہ اتنا طویل قامت تھا کہ اس کو سر سے پیر تک دکھا رہا تھا۔آلودہ آنسوؤں سے تر چہرہ۔سفید شرٹ کے گدلے داغ۔اور جوتوں پہ پڑے مٹیالے چھینٹے۔

یکا یک آئینے کی سطح دھندلی ہونے لگی۔

زارانے اس پہ لکھا منظر پڑھنے کی کوشش کی....

وہ فرید لارکا اپارٹمنٹ تھا۔لمبے ایل کی صورت بچھے سیاہ صوفے۔اونچے سیاہ پردے۔نیچے قالین پہ بہت سے دھاگے پھیلائے ہلال بیٹھی تھی۔لمبے بال کمر پہ بکھرے تھے اور وہ سر جھکائے ایک موٹی سوئی میں دھاگہ پرو رہی تھی۔

"میں کر دوں؟ "وہ جو کافی دیر سے صوفے پہ لمبی لیٹی میگزین چہرے کے آگے پھیلائے ہوئے تھی بالآخر سیدھی ہو بیٹھی۔میگزین ایک طرف رکھا۔پیر آلتی پالتی کیے۔اس کے بال آج سے کہیں ہلکے بھورے تھے۔ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے وہ جیسے چھٹیاں گزارنے یہاں آئی تھی۔

"ہو گیا۔ "سر جھکائے ہلال نے دھاگہ پرو لیا تھا۔

" کوئی بات بتاؤ مجھے، ہلال۔میں تمہارے لیے آئی ہوں۔ "وہ بغور اس کے جھکے سر کو دیکھ رہی تھی۔

" کیا بتاؤں؟ "ہلال اب دھاگے کی گرہ لگا رہی تھی۔

"یہ تمہیں انہوں نے اس....اس قید میں سکھایا تھا؟"

ہلال کے ہاتھ رکے۔سر دائیں بائیں ہلایا۔"وہاں یہ نہیں سکھاتے تھے۔"

زارا چونکی۔آنکھوں میں چمک سی ابھری۔جلدی سے نیچے قالین پہ آئی اور اس کے ساتھ آلتی پالتی کر کے بیٹھی۔اب وہ ہلال کے سامنے تھی۔اس کی جھکی آنکھیں دیکھ سکتی تھی۔

"پھر کیا سکھاتے تھے وہاں؟"

ہلال نے بس سر دائیں بائیں ہلایا۔چہرے پہ تکلیف کے آثار نمایاں ہوئے،جیسے وہ اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"جادو سکھاتی تھی وہ بڑھیا تمہیں؟"

"میں نہیں سیکھتی تھی۔"

"پھر کون سیکھتا تھا؟"

"عالیان۔"

"وہ کون تھا؟"

ہلال کے لبوں سے سس نکلی۔سوئی اس کی انگلی میں چبھی تھی۔خون کی بوند نکلی۔

"پتہ نہیں،زارا۔مجھے نہیں یاد۔ "جھکی پیشانی پہ بل پڑے۔

زارا بدمزہ ہو کے پیچھے ہوئی۔پھر زور سے آواز دی۔

"فیضی حانم... فرسٹ ایڈ باکس لائیں۔ہلال کا زخم ہوا ہے۔ادھر لاؤ۔میں اس پہ بینڈ ایج لگاتی ہوں۔ "اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑا۔میز پہ رکھے باکس سے ایک ٹشو کھینچا اور بوند پہ رکھ کے دبایا۔خون رک گیا۔ننھا قطرہ اندر ہی اندر جمنے لگا۔

"عالیان تمہارے ساتھ قید تھا؟ "وہ بغور ہلال کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔قید خانے کا ذکر ہلال سے کرنا منع تھا۔یہ ماہر کی ہدایت تھی۔لیکن ماہر کے آنے سے پہلے وہ جا چکی ہوگی۔

"مجھے نہیں یاد،زارا۔ "وہ جھنجھلائی۔زارا غور سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی....

قد آور آئینے کی دھند چھٹی۔وہ گدلے جوتوں کے ساتھ اپنے عکس کے سامنے کھڑی تھی۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ "اس نے پھر سے ابلتے آنسو گرے۔

"میری وجہ سے ایسا کچھ نہیں ہوا۔"الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے وہ دہرا رہی تھی۔

اب وہ باتھ روم مرر کے سامنے کھڑی تھی۔گیلے بال۔خشک آنکھیں۔اجلی سفید ویسٹ اور ہائی ویسٹ پینٹس

پہنے وہ ڈرائیر رسے بالوں کو سکھا کے اسٹائل کر رہی تھی۔ نگاہیں گول آئینے کے گرد روشن وینیٹی لائٹس پہ جمی تھیں۔

ان لائٹس میں لکھا منظر صاف پڑھا جا رہا تھا.....

وہ ورک ٹیبل پہ آگے کو جھکے بیٹھی تھی۔ کمر میں درد اٹھ رہا تھا لیکن وہ بے چینی سے انگلیاں کی بورڈ پہ چلا رہی تھی۔

" کہاں گئی وہ ای میل؟ " جھنجھلا کے بار بار سرچ بار میں کچھ الفاظ لکھتی۔ ماہر نے اس کو ایک شخص کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے کہا تھا۔ جن دنوں کو پاکستان چلا گیا تھا۔ کیونکہ جب بھی ماہر کو کسی کے بارے میں معلومات چاہیے ہوتیں وہ اس کے پاس آتا تھا۔ بس انہی چیزوں کے لیے اسے زارا چاہیے ہوتی تھی۔ مگر اس ای میل کا جواب کہاں گیا؟

اس نے ماہر کو عالیان کی معلومات ای میل کی تھیں اور واٹس ایپ بھی۔ اتنی پرانی چیٹ اس کے پاس نہ تھی لیکن ای میل ہونی چاہیے تھی۔

" آہا..." بالآخر اس کی آنکھیں چمکیں۔ مطلوبہ ای میل سامنے تھی۔

"یہ کبیرہ کے بیٹے عالیان کے بارے میں پولیس رپورٹ ...." وہ لب دانت سے دبائے پڑھے گئی۔

زارینہ فرید انسانوں کو ڈھونڈنے میں اچھی تھی کیونکہ وہ کسی کا نام نہیں بھولتی تھی۔ اور یہ نام اسے یاد تھا۔

اس نے موبائل اسکرین روشن کی اور ایک نمبر ملایا۔

"میں آپ کو ایک شخص کا نام اور دیگر تفصیلات بھیج رہی ہوں۔ آپ نے اس کو تلاش کرنا ہے۔"

وینیٹی لائٹس بٹن دبانے سے ٹھک سے بند ہوئیں۔ اب اس کا روشن عکس مدھم ہو چکا تھا۔ چہرے کی باریک لکیریں چھپ گئی تھیں۔ زارا تیار تھی۔ بال بل دار اسٹائل کیے، نو میک اپ لک مسکارے کے چار پانچ کوٹ لگائے، آنکھیں بالکل خشک تھیں۔

وہ باہر آئی تو سنسان لونگ روم اس کا منتظر تھا۔ سامنے ٹی وی اسکرین نصب تھی۔ اس کی سیاہ آئینے جیسی سطح میں سفید سیاہ روشنائی سے لکھا منظر اسے رک کے پڑھنا ہی تھا۔ اس نے بدقت اپنے تاثرات ہموار رکھے اور وہ تحریر پڑھنے لگی....

وہ ایک نیم روشن پارکنگ لاٹ تھا۔ لمبے سرمئی کوٹ اور بلاک ہیلز پہنے لڑکی موبائل پہ سر جھکائے چلتی جا رہی تھی۔ بل دار بال کمر کو چھوتے تھے اور انگلیوں میں سنہری انگوٹھی والے انگوٹھے سے وہ موبائل اسکرین پہ بٹن دبا رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکی۔ اسکرین پہ چمکتے الفاظ پڑھے۔

" آپ کے کہنے پہ آج اپنا آخری سورس بھی آزما لیا۔عالیان سادان نامی بچے کی واقعی ڈیتھ ہوگئی تھی۔وہ وجود نہیں رکھتا۔صرف پیسے کا زیاں ہے۔پھر بھی اگر آپ مصر ہیں تو میں ایک دوسرا پرائیوٹ سراغ رساں ہائر کر کے کوشش کر لیتا ہوں۔"

زارا کے ابرو بے زاری سے اکٹھے ہوئے۔فون چہرے کے قریب لے کر گئی۔

"رہنے دو۔کوئی ضرورت نہیں ہے۔"زبانی پیغام ریکارڈ کر کے بھیجا۔فون جیب میں ڈالا اور تیز قدم اٹھاتی ایک ایس یووی کے قریب آئی۔ڈرائیونگ ڈور کے ہینڈل پہ سنہری انگوٹھیوں والا ہاتھ رکھا۔پھر وہیں جم گئی۔

ایک دم چونک کے مڑی۔

پیچھے کوئی نہ تھا۔پارکنگ لاٹ خالی تھا۔آسمان اندھیرا اور دور دور تک کھڑی کارز خاموش تھیں۔

اس نے سر جھٹکا۔شاید وہم تھا۔اور واپس پلٹی۔

اگلے ہی پل ایک جھٹکے سے دو قدم پیچھے ہٹی۔

کار کے بونٹ کے سامنے کوئی کھڑا تھا۔

لمبا سیاہ لبادہ پہنے۔سر پہ اونی ٹوپی۔جیبوں میں ہاتھ۔

زارا نے آنکھیں چھوٹی کر کے دیکھنا چاہا۔وہ اندھیرے میں تھا۔روشنی کا پول چند قدم آگے تھا اور اس کی روشنی کا ہالہ جہاں زارا کی آنکھوں کو چندھیا رہا تھا وہیں نووارد کا چہرہ بالکل تاریک بنائے ہوئے تھا۔

" کون؟ "اس کی چوکنی آواز بلند ہوئی۔ہاتھ سست روی سے بیگ کی طرف رینگا۔اس کا ریپ الارم اور پیپر اسپرے دونوں بیگ میں تھے۔

"جس کو تم تلاش کر رہی ہو،مائی ڈیئر زارینہ۔"

وہ ٹھہر گئی۔بالکل ساکت۔

" کون؟"

"عالیان۔"

وہ قدم قدم چلتا آگے آیا۔اس کے بوٹس کی ٹھک ٹھک سنائی دی۔یہاں تک کہ وہ روشنی کے ہالے میں آ رکا۔اب اس کا چہرہ واضح تھا۔

زارا کا بیگ کو بھنچا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔سر سے پیر تک نووارد کا جائزہ لیا۔ابرو ناگواری سے اکٹھے ہوئے۔

" کون عالیان؟"

"تم بتاؤ کون عالیان؟ زارا ہر ایک کو تلاش کر لیتی ہے۔ ہے نا؟"

وہ نرمی سے بولتا تھا۔مسکراتے ہوئے۔سفید رنگت۔سنہری بال جو ٹوپی سے جھلکتے تھے۔اور ایک مسکراہٹ جو ہونٹوں سے چپکی تھی۔

"میں کیسے یقین کروں تم عالیان ہو؟ "زارا نے بازو سینے پہ لپیٹ لیے۔عالیان کو دیکھتی نگاہوں میں تنقید در آئی۔

" کیوں ڈھونڈ رہی ہو مجھے؟"

زارا نے لب کھولے۔پھر سر دائیں بائیں ہلایا۔

"تم کوئی جادوگر نہیں ہو۔جادوگر ایسے نہیں ہوتے۔"

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

" کتنے جادوگروں کو جانتی ہو تم؟"

" کامن سینس۔ "

"زمانہ بدل گیا ہے، مائی ڈیئر۔ہم بھی بدل گئے ہیں۔تم بتاؤ، کیا چاہیے تمہارے دل کو؟"

زارا کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔"تم واقعی زیاد کی ماں کے شاگرد ہو؟"

سفید چہرے والے نوجوان کی آنکھوں میں سایہ سا ابھرا۔مسکراہٹ ہلکی ہوئی۔اس نے سر کو خم دیا۔

"ہلال نے کہا تھا تم اس سے جادو سیکھتے تھے۔کیا واقعی؟"

وہ غیر متاثر تھی۔قدرے بے زار۔

"تمہارے دل کو کیا چاہیے؟"

مگر زارا نے نفی میں سر ہلایا۔

"چچ... تم کوئی جادوگر نہیں ہو۔تم ایک کون آرٹسٹ ہو۔لوگوں سے پیسے وصول کر کے ان کو اسکام کرتے ہو۔ان کا کام نہیں ہوتا ہوگا لیکن وہ تمہارے خلاف کیا کریں گے؟ قانونی کارروائی؟ ہونہہ۔"اسے مایوسی ہوئی تھی۔یہ تو کوئی کم عمر سا لڑکا تھا۔

"تمہارے دل کو کیا چاہیے؟"

زارا نے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ جھٹکا اور کار کا دروازہ کھولا۔ اندر بیٹھ کے سیٹ بیلٹ پہنی تو وہ الٹے قدموں اندھیرے میں واپس جا رہا تھا۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے انجن بٹن دبانے لگی۔ اتنا پیسہ برباد ہوا۔ اتنے دن ضائع ہوئے۔ یہ تو کوئی اسکامر تھا۔ بے وقوف سمجھا ہے کیا مجھے؟

ٹی وی کی سیاہ اسکرین تاریک ہوگئی۔ منظر غائب ہو گیا۔

وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ گم صم۔

ہر طرف آئینے تھے۔ سیاہ سفید آئینے۔ اور ہر آئینے میں ایک منظر تھا۔

کس آئینے میں اس نے ابھی تک اپنا عکس نہیں دیکھا تھا؟

وہ ایڑھیوں پہ چاروں طرف گھومی۔ ڈوروتھی کی طرح۔ لیکن اس کی دنیا نہیں بدلی۔ صرف آئینہ بدل گیا۔

دیوار گیر کھڑکی اس کو اس کا عکس دیکھنے کی دعوت دے رہی تھی۔ زارا اس کے ساتھ آ ٹھہری۔ شیشے میں چند الفاظ تحریر تھے۔ اس نے انہیں پڑھنے کی کوشش کی۔

وہ نیند میں تھی۔

آنکھیں بند تھیں۔ اور جسم ....بالکل ساکت۔ اس نے ہلنے کی کوشش کی لیکن جیسے سینے پہ کوئی چیز بیٹھی ہے۔ بھاری۔

زارا نے بدقت آنکھیں کھولنی چاہیں لیکن ان پہ بوجھ تھا۔ ہونٹ حرکت دینے چاہے۔ وہ پتھر بن چکے تھے۔

سینے پہ بوجھ بھاری ہوتا جا رہا تھا۔ کوئی بلا تھی جو پنجے گاڑھے بیٹھی تھی۔

اسے ٹھنڈا پسینہ آنے لگا۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ پتھر ہونٹ کپکپانے لگے۔ اسے اٹھنا تھا۔ صبح تھی یا رات، وہ نہیں جانتی تھی۔ ابھی آفس جانے کا وقت نہیں ہوا تھا لیکن اسے جاگنا تھا۔ اسے اس بوجھ سے آزادی چاہیے تھی۔

سینے پہ بیٹھے وجود میں حرکت ہوئی۔ وہ بند آنکھوں سے بھی محسوس کر سکتی تھی۔ ایک نوکیلے ناخن والا ہاتھ رینگتا ہوا اس کے بازو تک آیا۔ پھر چبھن ہوئی۔ جیسے ناخن سے لکیر کھینچی گئی ہو۔ وہ چیخ بھی نہ سکی۔ آنسو اندر ہی گھٹ گئے۔

ایک دم سے اس کی آنکھ کھلی۔

وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

اب وہاں کوئی نہ تھا۔ کوئی بوجھ۔ کوئی وجود نہیں۔ وہ اکیلی تھی۔

سانس بے ترتیب تھا اور کمرے میں اندھیرا۔ جلدی سے لیمپ جلایا۔ پھر بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ گہرے سانس لیے۔

پانی کی بوتل اٹھائی اور غٹا غٹ پی گئی۔ پانی کا ذائقہ کڑوا سا محسوس ہوا۔ یا اندر تک تلخی اتری تھی۔

وہ صرف ایک برا خواب تھا۔ شاید اس کا معدہ رات کو دیر سے کھانا کھانے کی وجہ سے اپ سیٹ تھا۔ اسی لیے....

اسے بازو پہ چبھن ابھی تک محسوس ہو رہی تھی۔ آستین ہٹا کے بازو اونچا کیا۔ کلائی اور کہنی کے عین وسط میں تین لکیریں کھنچی تھیں جن سے خون رس رہا تھا۔

وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔ چہرہ ایک دم سفید پڑنے لگا۔

دیوار پہ آویزاں گھڑیال کی سوئیاں آگے بڑھنے لگی۔

اب وہ اس زخم پہ مرہم لگا رہی تھی۔ ہر آواز پہ وہ چونکتی۔ سارے اپارٹمنٹ کی بتیاں روشن کیے۔

اب وہ تیار ہو رہی تھی۔ آج اس نے فل سلیو پہننے تھے۔ وہ آفس میں کسی کو اپنا بازو نہیں دکھا سکتی تھی۔

اب وہ آفس جا رہی تھی۔ بار بار اپنے پیچھے دیکھتی۔ کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ مگر دکھائی نہ دیتا تھا۔

یہ فرید ہولڈنگ کا مے فیئر آفس تھا۔ وہ اپنی سیٹ پہ بیٹھی گم صم سی کام کر رہی تھی۔ ہر آہٹ پہ چونک کے سر اٹھاتی۔ آج میک اپ بھی ہلکا تھا۔ بال کیچر میں بندھے تھے۔ بار بار آستین ہٹا کے ان لکیروں کو دیکھتی۔ سینے پہ ابھی تک اس بوجھ کا احساس باقی تھا۔

اب وہ کانفرنس روم میں ایک میٹنگ میں بیٹھی تھی۔ سربراہی کرسی پہ مالک فرید براجمان اکتائے انداز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ ہتھیلی گال تلے رکھے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔

تب ہی اس کا موبائل تھرتھرانے لگا۔ اس نے اسکرین سامنے کی۔ غیر شناسا نمبر۔

مالک فرید نے سرزنش کے انداز میں اسے گھورا۔ لیکن وہ جانتی تھی یہ کس کی کال تھی۔

اسے اس کال کا انتظار تھا۔

" کیسا تھا میرا ڈیمو؟ "

فون کان سے لگائے اپنے آفس میں پہنچنے تک وہ خاموش رہی۔

" کیا کیا ہے تم نے؟ " دروازہ بند کرتے ہی وہ دبا دبا سا چلائی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

" تمہارے دل کو یقین چاہیے تھا اور مجھے ایک نیا کلائنٹ۔"

وہ چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔ساری بحث، بے یقینی سب دم توڑ گیا تھا۔

"اب بتاؤ زارینہ فرید... تمہارے دل کو کیا چاہیے؟"

کھڑکی میں اس کا عکس تحریر پہ غالب آ گیا۔وہ وہاں سے ہٹ آئی۔مینٹل شیلف تک رکی۔اس پہ رکھا سنہری اور سفید لیمپ دمک رہا تھا۔لیمپ کے سنہری براس میں اس کا عکس تھا۔لیکن الٹا۔وہ الٹی تحریر پڑھنے لگی۔

وہ ایک کاٹھ کباڑ سے بھرا وئیر ہاؤس تھا۔گرد اور ترپنٹائن آئل کی بو سارے میں پھیلی تھی۔وسط میں دو گدلی کرسیاں رکھی تھیں جن پر وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔زارینہ کا چہرہ پارکنگ لاٹ کے جیسا نہ تھا۔کندھے پست اور پلکیں جھکی تھیں۔

"مجھے ماہر چاہیے۔"

"Be specific."

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔مسکراتی آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔

"بس مجھے وہ چاہیے۔ specifically کیسے بتاؤں؟"

" کس صورت میں چاہیے؟ غلام بنانا ہے،محبوب یا شوہر؟"

وہ ٹھہر گئی۔تھوک نگلا۔

"مجھے اس کی محبت چاہیے۔اتنی محبت کہ وہ مجھ سے شادی کر لے۔"

"ماہر فرید اور میری ماں کے تنازعے کے بارے میں تم واقف ہوگی۔اس پہ جادو کرنے سے جادو الٹا ہوا تھا اور میری ماں بیمار ہوئی تھی۔"

" نگینہ بیگم؟"

"میری ایک ہی ماں ہے،زارا۔ "اس کی آنکھیں سنجیدہ تھیں۔زارا نے سر اثبات میں ہلایا۔اس نوجوان کا فیملی ٹری اس کا مسئلہ نہ تھا۔

"میں اس پہ سحر عشق نہیں کروں گا۔لیکن میں ٹیکنکل گراؤنڈز پہ تمہاری اس سے شادی کروا سکتا ہوں۔"

"یعنی جادو کے ذریعے؟"

"ہاں۔جادو کے ذریعے۔لیکن اس کی قیمت...''

"میں اپنا بچہ نہیں دوں گی۔ "وہ تیزی سے بولی۔ چہرہ سرخ ہوا۔"مجھے ماہر کے ساتھ ایک فیملی بنانی ہے۔"

عالیان گردن پیچھے پھینک کے ہنس دیا۔

"مجھے کسی کے بچے نہیں چاہئیں۔ میں نے کیا کرنا ہے بچوں کا؟"

"تمہاری ماں کیا کرتی تھی؟ "پھر سر جھٹکا۔"سوری۔ یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔"

"میں اس کام کے بدلے میں ایک بھاری رقم لوں گا لیکن ..."وہ رکا۔ جیسے سوچا۔"لیکن ہر جادو کی ایک اور قیمت بھی ہوتی ہے جو ساری زندگی ادا کرنی ہوتی ہے۔ کسی پچھتاوے کی صورت میں۔ ادا کرلوگی، زارا؟"

"ماہر سے شادی کر کے میں کبھی نہیں پچھتاؤں گی۔"

"تمہیں ہر قیمت پہ وہ چاہیے؟ "وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہر قیمت پہ۔"

"اور تمہارے بابا؟ کیا وہ رکاوٹ نہیں بنیں گے؟"

زارا کے ابرو ناسمجھی سے اکٹھے ہوئے۔ پھر سمجھ کے سر ہلایا۔

"جانتی ہوں۔ وہ نہیں چاہتے کہ میں ماہر کی وجہ سے دوسرے ایلیجبل بیچلرز کو انکار کروں۔ لیکن میں ان کو منالوں گی۔"

"یعنی تمہیں ہر قیمت پہ ماہر سے شادی کرنی ہے اور اگر مالک فرید رکاوٹ بنیں تو میں اس رکاوٹ کو ختم کرسکتا ہوں۔ "وہ مسکرا رہا تھا۔

"جو بھی کرو۔ مجھے تفصیلات نہیں چاہئیں۔"

"Plausible deniability."اس نے سمجھ کے سر ہلایا۔

"مجھے ماہر فرید کی بیوی بننا ہے۔ آگے میں سب خود سنبھال لوں گی۔ کتنا عرصہ لگے گا؟"

"مجھے چھے ماہ دو۔ میں حالات ایسے بنادوں گا کہ وہ خود چل کے آئے گا اور تمہیں پرپوز کرے گا۔ اور تمہاری شادی تک میں تمہارے ری ٹینر پہ رہوں گا۔"

زارا نے شانے اچکا دیے۔ جو رقم اس نے کوٹ کی تھی وہ اس کی توقع سے کم تھی۔

ٹرن ٹرن۔ موبائل کی اولڈ فون رنگ ٹون پہ وہ ایک دم ڈر گئی۔ اف۔

وہ اپنے اپارٹمنٹ میں کھڑی تھی۔سارے عکس اوران کی تحریریں ختم ہوگئی تھیں۔

وہ تھی اوراس کے سایے۔

"مالک کوکیا ہوا ہے؟ "دوسری جانب ماہر تھا۔پریشان۔فکرمند۔

اس نے گہری سانس لی۔

"تین دن سے ہاسپٹل میں ہیں۔میں وہیں جارہی ہوں۔"

"میں آرہا ہوں۔تم پہنچو۔"

اس نے فون نیچے کیا۔کنسول ٹیبل کے آئینے میں خودکو دیکھا۔چہرہ بے تاثر اور آنکھیں خشک تھیں۔

کسی کی محبت حاصل کرنے کے لیے جادو کرنا کوئی گناہ نہ تھا۔اس نے اپنے باپ کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔جو کیا ہے عالیان نے کیا ہے۔وہ ذمہ دار نہیں ہے۔نہ ہی وہ کسی کو خود کو ذمہ دار سمجھنے دے گی۔

جھپٹ کر کار ریموٹ اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید اسے دور سے ہسپتال کی راہداری میں دکھائی دے گیا۔سر جھکائے موبائل کے بٹن دباتا کچھ الجھا ہوا۔

زارا کے قدم سست ہوئے۔گہرا سانس لیا۔ہسپتال کی مخصوص مہک نتھنوں سے ٹکرائی جو اینٹی سیپٹک دواؤں کے جیسی تھی۔

"مجھے اتنی دیر سے کیوں بتایا،زارا؟"

وہ تیزی سے اس کی جانب آیا۔آنکھوں میں شکوہ تھا۔

"مجھے اتنی دیر سے کیوں بتایا،ماہر؟ "آواز بلند اور ماتھے پہ بل تھے۔ماہر کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔

"یہ میرا راز تھا نہ میرا فیصلہ۔ "ابرو سے بند دروازے کی جانب اشارہ کیا۔"لیکن آئی ایم سوری۔"

زارا نے گلہ آمیز نظروں سے اس دروازے کو دیکھا جس کے پار مالک فرید تھے۔

"بابا نے مجھے کبھی اتنا مضبوط سمجھا ہی نہیں کہ.... خیر۔تم کیسے ہو؟ "غور سے اسے دیکھا۔ماہر کے چہرے پہ پھر سے ندامت ابھری۔

"اس دن کے لیے پھر سے معذرت۔مجھے تمہیں چھوڑ کے نہیں جانا چاہیے تھا۔"

"اٹس اوکے۔ "وہ جبراً مسکرائی۔مگر وہ کہے جا رہا تھا۔

" مگر میری مجبوری تھی۔ مالا ایک مسئلے میں تھی۔ پولیس کیس بن سکتا تھا۔ جانتی ہو نا میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس کے بیٹے کو ڈھونڈوں گا۔ میں اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔"

مالا۔ پھر مالا۔لیکن بظاہر وہ مسکرا دی۔

" آف کورس۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔ "ہلکا سا اس کی کہنی کو چھوا۔"اس نے بھی ہلال کے لیے بہت کچھ کیا تھا۔ ویسے"... لہجے کو سرسری بنایا۔" کچھ پتہ چلا اس کے بیٹے کا؟"

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔انگلی اور انگوٹھے سے وہ ناک کی اوپری ہڈی مسل رہا تھا۔

" کسی پہ شک؟"

"اسے لگتا ہے کہ ..."اس نے سر جھٹک دیا۔جیسے بات کرنا مناسب نہ ہو۔

"بتاؤ نا۔"وہ بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم جانتی ہو نگینہ بیگم... جو زیاد کی ماں تھیں۔زیاد یعنی کشمالہ کا..."

"میں سب کو جانتی ہوں، ماہر۔ مجھے نام نہیں بھولتے۔"

"وہ سمجھتی ہے کہ نگینہ کے مرنے کے بعد کوئی نیا جادوگر اس کی جگہ لے چکا ہے۔"

زارا نے بہت سا تھوک نگلا۔

"اور تم بھی یہی سمجھتے ہو؟"

" کم آن۔کوئی نیا سرکار نہیں ہے۔ہم وہ سب پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔ "اس نے بے زاری سے ناک سے مکھی اڑائی۔

"یہ سب زیاد سلطان نے کیا ہے۔"

زارا کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔" مگر وہ تو جیل میں ہے۔"

"واٹ ایور۔"

وہ چند لمحے آنکھیں چھوٹی کیے اسے دیکھتی رہی۔

" تمہیں لگتا ہے بابا کی بیماری کسی جادو کا نتیجہ ہو سکتی ہے؟"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔پھر اس کے تاثرات میں بے زاری کے ساتھ خفگی بھی در آئی۔

"بے کار مت سوچو۔ مالک کا ٹیومر بہت پرانا تھا۔ ایسے کیسز میں چند سال بعد ٹیومرز واپس آ جاتے ہیں۔ کوئی اسے جادو سے یوں بیمار نہیں کر سکتا۔"

"شمس نے تمہارے باپ کو کیا تھا نا۔"

"وہ اور بات تھی۔ مالک کا کوئی ایسا دشمن نہیں ہے جو یہ کرے۔ فضول وہم نہ پالو۔"

"میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ ..."اس نے تھوک نگلا۔ "اگر کسی جادوگر کے پاس بیمار کرنے کی طاقت ہو تو کیا تندرست کرنے کی...''

"زارا! "اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

زارا کا سانس بھی تھم گیا۔

"ایسی بات سوچنا بھی مت۔ نہ ایسا کچھ انٹرنیٹ پہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنا۔ "وہ دبا دبا سا غرایا۔ "ورنہ میں ساری عمر تمہارا چہرہ نہیں دیکھوں گا۔"

اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں سوری، میں تو بس ایسے ہی .... مجھے ایک دم مالا کی باتوں سے خیال آیا مگر...''

ماہر کے تاثرات بدل چکے تھے۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ زارا کے کندھے کے پیچھے کسی کو دیکھ رہا تھا۔

زارا چونک کے گھومی۔

سامنے سے بیربل فرید چلا آ رہا تھا۔ ماہر پہ نگاہ پڑی تو اس کی رفتار مزید سست ہو گئی۔

"آیئے، بیربل بے.... ہم آپ کا ہی انتظار کر رہے تھے۔"

بیربل کو ایکس رے کرتی اس کی آنکھوں میں چبھن تھی۔

بیربل نے تھوک نگلا اور پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی جانب قدم بڑھانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بلت کی رنگ برنگی عمارت میں واقع مالا کے فلیٹ کی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے۔ اندر جھانکو تو سرسبز پودے جگہ جگہ رکھے تھے۔ لونگ روم کے ساتھ ملحقہ کچن میں وہ کھڑی تھی۔ کاؤنٹر پہ آئی پیڈ رکھا تھا اور وہ اس کی روشن اسکرین کو انگلیوں سے زوم کر رہی تھی۔

"بس؟ اتنے ہی خدوخال یاد ہیں بیرام بے کو؟ " کانوں میں لگے ائر پوڈز کے ذریعے پولیس اہلکار سے پوچھا۔ چہرے پہ مایوسی تھی۔

"اتنے مہینے گزر گئے۔ انہیں جتنا یاد تھا بتا دیا۔"

"لیکن اس مبہم اسکیچ سے ہم اس کو تلاش نہیں کر سکتے۔ میں نے بھی ٹھیک سے شکل نہیں دیکھی تھی اس کی۔ "اس نے اسکرین بجھا دی۔ کندھے ڈھلک گئے اور جوش ماند پڑ گیا تھا۔

"ہم کوشش کریں گے۔ "اسکیچ کی طرح کی مبہم خالی خالی سرکاری تسلی۔ اس نے رسمی کلمات کے بعد کال کاٹ دی۔ کاٹن کینڈی مین کو تلاش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ایسے وہ اسے کہاں ڈھونڈیں گے؟

اس نے ماہر کو کال کرنے کا سوچا، پھر سر جھٹک کے ائر پوڈز کانوں سے نکال لیے۔

"ماہر کو نہ ہی چھیڑا جائے تو بہتر ہے۔" خود سے کہتے ہوئے فریز رکھولا۔ قیمے کا جما ہوا پیکٹ نکالا۔

"وہ ذہن میں کوئی اسکیم بنا رہا ہوگا بیربل کی شادی تڑوانے کی۔ اتنا نہیں کرے گا کہ دل بڑا کر کے اس کو تسلیم کر لے۔"

پیکٹ سرد تھا۔ ہاتھ یخ ہونے لگے۔ مالا نے اسے پیالے میں ڈال کے نل تلے رکھ دیا۔ اب وہ سبزیاں چن رہی تھی۔ آج چھٹی کا دن تھا اور اسے اگلے تین چار دن کا کھانا بنا کے فریز کرنا تھا کیونکہ سوموار سے بورنگ آفس ویک شروع ہو رہا تھا۔

"جوان بھائیوں پہ زبردستی کہاں کی جا سکتی ہے؟ ماننی پڑتی ہے ان کی بات۔ لیکن نہیں۔ ماہر بے ہار تھوڑی مانیں گے۔"

وہ اب خود سے بڑبڑاتے ہوئے ٹوکری میں اکٹھی کی گئی سبزیاں پانی سے گزار رہی تھی۔

"ماہر اپنی زندگی خود پیچیدہ بناتا ہے۔ پتہ نہیں اب کیا کرے گا بے چارے بیربل کے ساتھ۔"

ڈور بیل بجی تو اس نے نل بند کیا۔ پانی کی دھار جو سبزیوں پہ گرتی بلبلے بنا رہی تھی دم توڑ گئی۔

مالا کی بلڈنگ کے دروازے پہ چار گھنٹیاں لگی تھیں۔ ہر گھنٹی الگ فلیٹ میں بجتی تھی۔ یقیناً کسی نے اس کے فلیٹ کی گھنٹی بجائی تھی۔ مالا ٹوکری اٹھائے دیوار پہ لگے انٹر کام کے سامنے رکی۔ بٹن دبایا۔

"ہیلو؟"

چند لمحوں کی خاموشی۔ پھر اسپیکر میں آواز گونجی۔

"کشمالہ؟"

سبزیوں کی ٹوکری اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ٹماٹر اور سبز پتے فرش پہ بکھر گئے۔

وہ اس آواز کو بھرے مجمع میں بھی پہچان سکتی تھی۔

وہ دوڑ کے کھڑکی تک آئی۔ پردہ نوچ کے ایک طرف کیا اور نیچے جھانکا۔

بلڈنگ کے دامن میں سڑک کنارے وہ کھڑا تھا۔

اسی لمحے اس نے چہرہ اٹھایا۔ یوں کہ اس کی نگاہیں مالا سے ملیں۔

برسوں پہلے ایک رات وہ ماموں کے گھر کے ٹیرس پہ کھڑی تھی اور وہ نیچے یونہی کھڑا تھا۔تب بھی اس نے یونہی چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔وہ رات جس میں چاکلیٹ براؤنیز کی تلخی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کی راہداریوں کے برعکس اس پرائیوٹ سوئیٹ میں اینٹی سیپٹک اور اسپرٹ کی مہک نہ تھی۔ بلکہ وہ پھولوں کی خوشبو سے معطر تھا۔ یہ وہی ہسپتال تھا جہاں ایک زمانے میں ماہر فرید روم ۵۵۵ میں ٹانگ ٹوٹنے کے ایکسیڈنٹ کے بعد داخل ہوا تھا۔

بیڈ کی ٹیک اونچی کیے عبدالمالک فرید تکیوں کے سہارے بیٹھے تھے۔عینک ناک پہ جمی تھی۔ڈیجیٹل پنسل سے وہ ٹیب کی اسکرین پہ دستخط کر رہے تھے جو عمار (سیکرٹری) جھک کے سامنے کیے ہوئے تھا۔

بیربل نے افسوس سے انہیں دیکھا۔

"تم اتنا کام کیوں کر رہے ہو، مالک؟ "

مالک نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

"تم کر سکتے ہو میری جگہ؟ جاؤ،عمار۔اس کے سامنے رکھو یہ فائل۔ یہ کر لے گا۔"

"میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔"

"تم تینوں میں سے کوئی ایک بھی میرے کام سنبھالنے کے قابل ہوتا تو مجھے یہ کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔" درشتی سے کہہ کے واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئے۔

عمار نے ظاہر کیا کہ اس نے مالک فرید کے تینوں وارثوں کی یہ بے عزتی لائیو نہیں سنی۔

سنی تو ماہر نے بھی نہیں تھی۔ وہ کھڑکی کے ساتھ رکھی لمبی سیٹ پہ بیٹھا تھا۔ نگاہیں مسلسل بیربل پہ جمی تھیں جو کونے میں کرسی پہ براجمان تھا اور ماہر سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔

"خیر یہ دونوں تو بہت قابل تھے آپ کی نظروں میں۔ اسی لیے ان کو بتایا۔ مجھے نہیں۔"

زارا انہی سلگتی نظروں سے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ بلائنڈز اٹھے ہوئے تھے اور دوپہر کی روشنی زارا کی پشت سے اندر آتی کمرے کو منور کر رہی تھی اور اس کے چہرے کو مزید تاریک۔ مالک فرید نے جواب نہیں دیا۔ وہ یہ بحث اس سے ان چار دنوں میں کئی دفعہ کر چکے تھے۔

"زارا، بس کرو یار۔ یہ مالک کا فیصلہ تھا۔"

بیربل نے بے زاری سے نہیں کہا۔ بلکہ سوچ سوچ کے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

"اور ہر عاقل بالغ انسان کی طرح مالک اپنے فیصلوں میں آزاد ہے۔"

وہ اب بھی ماہر کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سائیڈ ٹیبل پہ دھرے پھولوں کے ڈھیر پہ نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔ وہ ہر رنگ کے پھول تھے لیکن ان پہ ان دیکھی نیلاہٹ بکھری تھی۔

مالک فرید نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا، پھر واپس اسکرین سوائپ کرنے لگے۔ ان کے وجود کی ٹھنڈ نے وہ سارے پھول جما دیے تھے۔

"تمہیں معلوم ہو سکتا ہے اور مجھے نہیں؟" وہ پھنکاری۔

"مالک کی مرضی، زارا۔ اور دیکھو... مالک ایک... ایک adult ہے۔ اور ایک اڈلٹ انسان اپنے... اپنے فیصلے کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔"

"ہوں... بالکل۔" ماہر فرید نے بہت توجہ سے سنتے ہوئے سر ہلایا۔ چبھتی نظریں بیربل پہ جمی تھیں۔

"ہمیں مالک کے فیصلے سے لاکھ اختلاف ہو سکتا ہے لیکن... لیکن یہ اس کی زندگی ہے۔ وہ اس کے ساتھ جو بھی کرے۔"

"درست۔"

"اپنی زندگی کے فیصلے اس نے کس کو کب بتانے ہیں یہ اس نے طے کرنا ہے۔ ہمیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" بہت سا تھوک نگلا۔ بالآخر نگاہیں ماہر سے ملائیں۔

"درست۔ ہر انسان آزاد ہے۔ جس کی جو مرضی آئے وہ کرے۔"

بیر بل پھیکا سا مسکرایا۔ پھر کھنکھارا۔ باری باری سب کو دیکھا۔

"میں آپ لوگوں سے کچھ بات کرنا..."

ماہر کا فون بجنے لگا تو اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ فون کان سے لگایا۔ ہوں، ہاں، میں آ رہا ہوں، جیسے مبہم الفاظ کہے۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے ابھی کہیں پہنچنا ہے۔ مگر تمہیں کچھ کہنا ہے؟ "رک کے بیر بل کو دیکھا۔ اس نے جھٹ نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں ... کوئی بات نہیں۔ پھر سہی۔"

ماہر اس کے قریب سے گزر کے باہر نکل گیا۔ بیر بل اب بھی اس سے نگاہ نہ ملا سکا تھا۔

زارینہ فرید خاموشی سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ ان تاثرات کو پہچانتی تھی۔ وہ جانتی تھی کس کا فون تھا۔ وہ اسے جب پکارے گی وہ جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کشمالہ؟ کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟"

انٹر کام میں آواز ابھری۔ مالا کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی۔ سہارے کے لیے دیوار پہ ہاتھ رکھ لیا۔

"میں اوپر نہیں آؤں گا نہ آنا چاہتا ہوں۔ ہم باہر کسی پبلک پلیس پہ بات کر سکتے ہیں۔ ساری دنیا کے درمیان۔" اس کی آواز میں تکان تھی۔

"مجھے بدر کے بارے میں بات کرنی ہے۔"

وہ بہت دیر بعد کچھ کہنے کے قابل ہوئی۔

"کہاں؟"

"یہاں قریب میں ایک کیفے ہے، نارنجی موٹر سائیکل والا۔ اس کے"...

"وہاں نہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔ وہ زیادہ سلطان سے اس جگہ مل کے اس کیفے کو ہمیشہ کے لیے آلودہ نہیں کر سکتی تھی۔

"اس کے سامنے ایک کباب شاپ ہے۔ وہاں آ جاؤ۔ میں انتظار کروں گا۔ "وہ رکا۔" تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اب کسی کو مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

آواز خاموش ہوگئی۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ بے یقین۔ شل۔ پھر کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ وہ گلی میں دور چلتا جا رہا تھا۔ رخ متعین کردہ کباب شاپ کی جانب تھا۔ گردن جھکی اور چال سست تھی۔

پھر اس نے موبائل اٹھایا۔ انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ ماہر کے نمبر پہ انگلی رکھی۔

("میں نے جو کہا ہے وہ میں کروں گا۔ "مالک فرید کی آواز سماعت میں گونجی۔ "اگر زیاد نے ماہر کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو میں اس کی جان لے لوں گا۔ یہ سوچے بغیر کہ وہ تمہارے بچے کا باپ ہے۔")

مالا نے جھرجھری لی۔ اسے ماہر کو اس سب میں ملوث نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ اس کی جنگ تھی۔ اسے خود لڑنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نارنجی موٹر سائیکل اور پھولوں سے سجا کیفے معمول کی طرح پر رونق تھا۔ اس کے سامنے ایک کباب ریستوران تھا۔ فاصلہ اتنا نہ تھا لیکن ہر قدم بھاری تھا۔ ہر سانس بوجھل تھی۔ وہ کتنی ہی دیر ریستوران کے دہانے پہ کھڑی رہی۔ گہرے سانس لیتی تنفس نارمل کرتی رہی۔ لمبا بھورا کوٹ پہنے، سر پہ اونی ٹوپی جمائے وہ ایک ہاتھ سینے پہ رکھے ہوئے تھی۔ دھڑکن بے قابو تھی۔

اسے لگا تھا اب وہ اس سے نہیں ڈرتی تھی۔ لیکن وہ نڈر پن جو اتنے برسوں سے زیاد سلطان کے سلاخوں کے پیچھے ہونے کے باعث اس کی شخصیت کا حصہ بن گیا تھا وہ غائب ہو چکا تھا۔

ریستوران اوپن ائیر تھا۔ کھڑکیوں کے نام پہ بڑے بڑے چوکھٹے بنے تھے جن سے بوسفورس کا پانی دکھائی دیتا تھا۔ چھت ندارد تھی۔ البتہ ٹھنڈ کے باعث چھت کی جگہ پلاسٹک کی شفاف شیٹ ڈالی گئی تھی جو لٹک کے کھڑکیوں کو بھی ڈھانکے ہوئے تھی۔ شیٹ مسلسل استعمال سے قدرے گدلی ہوگئی تھی اور باہر کا منظر دھندلا دکھا رہی تھی۔

دروازے کی جگہ بھی شیٹ کا پردہ لٹک رہا تھا۔ مالا نے اسے اٹھا کے دیکھا تو منظر واضح ہوا۔

دور ایک کھڑکی کے ساتھ میز پر زیاد سلطان موجود تھا۔ مالا اندر آئی۔ شیٹ چھوڑ دی۔ وہ کھڑکتی ہوئی لہرا کے نیچے آن گری۔

اب وہ اس پلاسٹک کی دیواروں والے ڈھابے نما ریستوران میں قید تھی۔

زیاد اسے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ درمیان میں چند میزیں تھیں۔ اور لکڑی کے ستون جن کو بنانے کی ضرورت نہ تھی کہ انہوں نے کسی چھت کو سہارا نہ دے رکھا تھا۔ دو تین انگیٹھیاں راستے میں رکھی تھیں۔ ان میں کوئلے دہک رہے

تھے۔ان کی وجہ سے اندر کا موسم نسبتاً گرم تھا۔

وہ ویسا ہی تھا۔ یا شاید نہیں تھا۔ چھوٹی چھوٹی داڑھی۔ پہلے سے دبلا چہرہ۔آنکھوں تلے حلقے۔ایک تھکا ہارا انسان۔اسے دیکھ کے سر جھکا دیا۔

وہ خوف جو زیاد کی آواز سننے سے یہاں آنے تک اس کے دل کو جکڑے ہوئے تھا وہ ایک دم زائل سا ہو گیا۔

یہ تو ایک شکست خوردہ مرد تھا۔ایک انسان کی پرچھائیں۔وہ اس سے ڈر رہی تھی؟

دھڑکن خود بخود ہموار ہو گئی۔اور تنفس نارمل۔وہ تیز تیز چلتی میز تک آئی۔

"میرے پاس تمہارے لیے صرف پندرہ منٹ ہیں۔جو کہنا ہے اسی میں کہو۔"وہ سامنے بیٹھی۔کوٹ کا بٹن بھی نہیں کھولا۔نہ بیگ کندھے سے اتارا۔گردن سیدھی رکھی اور چہرہ سپاٹ۔

زیاد نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

" کیسی ہو؟"

"تم یہ سوال نہیں پوچھ سکتے۔تم نے مجھے بدر کے لیے بلایا ہے۔اس کے بارے میں بتاؤ۔"

زیاد نے گردن جھکا دی۔

''ہمارا بیٹا...''

"میرا بیٹا۔وہ صرف میرا بیٹا ہے کیونکہ تم تو اپنی طرف سے اس کی جان لے چکے تھے۔"

"میں اسی لیے میں اس کو دنیا میں نہیں لانا چاہتا تھا۔کیونکہ مجھے معلوم تھا میرے گناہ اس کا تعاقب کرتے رہیں گے۔ "وہ زخمی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔آواز ہلکی تھی۔اور چہرے پہ تاریکی۔

"تمہارے گناہ ہم سب کا پیچھا کرتے رہیں گے،زیاد۔"

میز پہ رکھے گلدان کے پھول ایک دم مرجھا گئے تھے۔گردن جھکائے کسی سوگوار مریض کی طرح۔

" کیا جانتے ہو تم بدر کے بارے میں؟"

" کسی نے مجھے جیل میں خط لکھا تھا...کہ وہ اس کے پاس ہے۔"

وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھے گئی۔

"وہ ایک پرانا دشمن ہے۔اور وہ کوئی چال چل رہا ہے۔ "وہ اسی پست آواز میں کہہ رہا تھا۔"شاید بدر اس کے پاس ہے۔شاید نہیں۔میں اس شخص کا اعتبار نہیں کر سکتا۔وہ بہت شاطر اور مکار ہے۔ "زیاد نے نفی میں سر ہلایا جیسے

اس سے زیادہ خود کو یقین دلا رہا ہو۔"بدر اس کے پاس نہیں ہوسکتا۔وہ تمہیں مزید پھنسا سکتا ہے۔تم....''

" کون ہے وہ؟"

"عالیان۔"

ہوا کا تیز جھونکا آیا۔کھڑکیوں پہ لٹکی شیٹ کھڑکتی ہوئی اونچی اٹھی اور واپس گر گئی۔

" کون عالیان؟"

" کبیرہ بیگم کا بیٹا۔وہ بھی میری ماں کے پاس قید تھا۔ "اس نے نگاہیں جھکا دیں۔

"ہلال کی طرح؟"

زیاد نے سر جھکائے گردن ہلائی۔

"اور اب وہ نیا سرکار بن چکا ہے؟"

"میں نے سنا ہے وہ ایسا دعویٰ کر رہا ہے۔مجھے نہیں معلوم۔لیکن وہ خطرناک آدمی ہے۔تمہیں اس سے احتیاط کرنی ہوگی۔"

"اور تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کب سے ہوگئی،زیاد؟"

" کشمالہ ...."وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔"میں بدر کو ڈھونڈ لوں گا۔اس کا ڈھونڈنا میرے گناہوں کا کفارہ ہے میرے لیے۔"

وہ انہی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

"میں صرف ایک ماہ یہاں ہوں۔ایک اسائنمنٹ پہ۔تب تک اسے تلاش کرلوں گا۔عالیان سے بھی میں نمٹ لوں گا۔میں تمہیں ہمارا .... تمہارا بیٹا واپس دے کر ہی جاؤں گا۔اور جب جاؤں گا تو پلٹ کے کبھی نہیں آؤں گا۔تمہیں مجھ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

وہ خاموش رہی اور وہ بولتا رہا۔

"میں وہ انسان نہیں ہوں جو جیل گیا تھا۔اپنی ماں کو اپنے ہاتھوں سے مارنے کا بوجھ بہت بڑا ہوتا ہے،چاہے ماں نگینہ سلطان ہی کیوں نہ ہو۔اس بوجھ نے مجھ سے بہت سے کام چھڑوا دیے۔میری زندگی میری سب سے بڑی سزا ہے۔مجھے ایک طویل عمر اب خود اپنے پچھتاووں کے ساتھ گزارنی ہے۔عمر قید۔میں تمہیں یہاں نقصان پہنچانے نہیں آیا۔صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ میں بدر کو تمہیں واپس لا دوں گا۔"

ایک بیرا انگیٹھیوں کے درمیان سے گزرتا ان تک آیا۔آرڈر کا پوچھنے لگا کہ مالا نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔وہ منہ بنائے واپس پلٹ گیا۔

"یعنی تم بدل گئے ہو؟"

"پتہ نہیں، کشمالہ۔ "اس نے سر جھٹکا۔" مگر میں ان کاموں کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں۔ "پھر چہرے پہ ایک رمق سی ابھری۔"میں اپنی کتاب لکھ رہا ہوں۔بس وہی میرا کفارہ ہے۔ "

پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ایک دم کشمالہ کے سارے اعصاب تن گئے۔

لیکن ہاتھ جب واپس آیا تو اس میں ایک خط کا لفافہ تھا۔نہ کہ پستول۔ مالا کے لبوں سے گہری سانس آزاد ہوئی۔

"میں نے کبھی تمہیں چائلڈ سپورٹ پے نہیں کی کیونکہ تمہیں میری کمائی نہیں چاہیے تھی۔ "

اس نے لفافہ مالا کے سامنے رکھا۔

"یہ وہ پیسے ہیں جو مجھے تمہیں دینے چاہیے تھے۔بدر کے لیے۔"

مالا نے چبھتی نظروں سے لفافے کو دیکھا، پھر اسے۔

"یہ میری blood money سے نہیں ہیں۔میں نے لاہور والا گھر بیچ دیا ہے۔یہ اس کے پیسے ہیں۔"

کشمالہ نے سینے پہ بندھے بازو کھولے۔دو انگلیاں اس لفافے پہ جمائیں۔

"اس گھر کی دیواروں میں تمہاری ماں کے کالے دھاگوں کی گرہیں بندھی ہیں، زیاد۔ "انگلیوں سے اسے زیاد کی طرف واپس دھکیلا۔

"تم نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں یہ پیسے لوں گی؟"

زیاد کی گردن مزید ڈھلک گئی۔

" کیا تم مجھے کسی طرح کفارہ نہیں ادا کرنے دو گی؟"

وہ ہلکا سا مسکرائی۔

" کفارہ؟ گناہوں کی سزا؟ میں بدل گیا ہوں؟ ہونہہ۔ "اس نے سر جھٹکا۔" مجھے تمہارے ایک لفظ پہ بھی اعتبار نہیں ہے۔یہ سب تمہارا کوئی نیا فریب ہے۔مجھ سے دور رہو زیاد۔دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ "

کرسی دھکیل کے وہ کھڑی ہوئی۔ابھی آگے بڑھی تھی کہ وہ پیچھے سے پکار اٹھا۔

"کیا تم مجھے کبھی معاف کر سکو گی؟"

وہ کوئلوں کی دہکتی انگیٹھی کے ساتھ رک گئی۔ دھواں اٹھ اٹھ کے فضا میں گم ہو رہا تھا۔

"خدا بھی انسان کو معاف کر دیتا ہے، کشمالہ۔ پھر انسان کیوں نہیں معاف کر سکتا؟ جانتا ہوں میرے گناہ بہت بڑے ہیں۔ لیکن کیا تم کبھی مجھے معاف کر پاؤ گی؟ میں قسم کھاتا ہوں میں کبھی تمہارے سامنے نہیں آؤں گا۔ مجھے اپنی ماں کی معافی بھی نہیں ملے گی۔ لیکن کیا تم ..."اس کی رندھی ہوئی آواز ٹوٹ گئی۔

مالا نے پلٹ کے اسے دیکھا۔ وہ ہوا سے کھڑکتی پلاسٹک کی کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔

"جو تم نے میرے ساتھ کیا اس کی کوئی معافی نہیں ہے، زیاد۔ دور رہو مجھ سے۔"

اور انگیٹھی کے ایک طرف سے نکل کے آگے بڑھ گئی۔ شیٹ کا پردہ ہٹایا۔ ٹھنڈی ہوا نے سڑک پہ اس کا استقبال کیا۔ وہ اب مزید قید نہیں تھی۔ وہ رہا ہو چکی تھی۔

سڑک پہ چلتے ہوئے وہ بار بار پیچھے پلٹ کے دیکھتی تھی۔ وہ دھندلی شیٹ کے پار وہیں بیٹھا تھا۔ اس کے پیچھے نہیں آیا تھا۔ البتہ اپارٹمنٹ پہنچتے ہوئے اس کا سانس پھول چکا تھا۔

کوٹ اتارنے سے پہلے اس نے موبائل نکالا اور اس نمبر پہ انگلی رکھ دی۔

جب یہ طے تھا کہ وہ اسے سب بتائے گی تو وہ اسے سب بتائے گی۔ مالک فرید کو اچھا لگے یا برا۔

"ہیلو؟" سرسری سے ہیلو سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگوں کے درمیان بیٹھا ہے۔

"زیاد میرے اپارٹمنٹ آیا تھا۔" اس نے پھولے سانسوں کے درمیان بس اتنا کہا۔

ماہر نے ایک لمحے کا توقف کیا۔ "ہوں... ہاں.... میں آ رہا ہوں۔"

جب تک اس نے کوٹ اتارا ماہر کا میسیج موصول ہوا۔

"دروازہ لاک کرو۔ باہر مت نکلنا۔ میرا ETA چودہ منٹ ہے۔"

اس نے بھیگی آنکھوں سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ایک تحفظ کا احساس ہر شے پہ غالب آ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دھپ سے کسی نے میز پر کتاب رکھی تو وہ اچھلا۔ ایک کان سے ہینڈز فری پھسلا اور فرش پہ لڑھک گیا۔ وہ جلدی سے جھکا۔ ہینڈز فری اٹھایا۔ پھر سیدھا ہوا تو دیکھا سامنے زرد رنگت اور بھورے بالوں والی لائبریرین اس کو گھور رہی

تھی۔

"ایک گھنٹے سے تیرہ کتابیں لے کر بیٹھے ہو اور ابھی تک ..."میز پہ پھیلی کتابوں کی گنتی کی۔"چار کا ڈیٹا بھی انٹر نہیں ہوا۔"

" کر رہا ہوں ،میم۔کر رہا ہوں۔ "اس نے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کر دی اور جلدی سے کتابیں ترتیب سے رکھنے لگا۔

"بہت سست ہو تم۔اگر یہی حال رہا تو میں جلد تمہاری ری پلیسمنٹ تلاش کر لوں گی۔" گھور کے اسے دیکھتی وہ پلٹ گئی۔

"سوری میم۔مجھے اس جاب کی ضرورت ہے۔آئندہ شکایت نہیں ہوگی۔"

"دیکھیں گے۔ "اس نے پلٹے بغیر ہاتھ جھلا دیا۔

سنہری بالوں والے نوجوان نے سر جھکائے کتابیں سمیٹیں۔پھر واپس بیٹھا۔سوئیٹ پینٹس، ہڈی اور اسنیکر ز میں ملبوس آنکھوں پہ عینک لگائے ،اس کے بال روکھے پھیکے سے ماتھے پہ بکھرے تھے۔

لائبریرین کے دور جاتے ہی اس کے نادم تاثرات سپاٹ ہو گئے۔اسکرین واپس کھولی۔سامنے لائبریری کا پورٹل کھلا تھا جس میں اسے ایک ایک کر کے تمام کتابوں کلا اندراج کرنا تھا۔اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ ونڈو بند کی اور ایک دوسری ونڈو کھولی۔سیاہ اسکرین۔اس پہ میسیجز کی قطار۔ساتھ ہی ہینڈز فری کان میں دبایا۔

"تم لائن پہ ہو؟ "چہرے پہ مٹھی رکھے اتنی آہستہ آواز میں بولا کہ اس کے فرشتوں اور جنات دونوں کو سنائی نہ دی ہوگی۔

"ظاہر ہے۔ "اندرانی کی بے زار آواز گونجی۔"تم نے ہمیں پھنسا دیا ہے، عالیان۔پولیس کے پاس تمہارا اسکیچ ہے۔"

"اس اسکیچ سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔"

''مگر...''

"زیادشہر میں آ گیا ہے۔"

اندرانی کچھ بول نہ سکی۔

" کیا اس نے رابطہ کرنے کی کوشش کی؟"

"وہی دیکھ رہا ہوں۔ نئے میسیجز میں اس کا کوئی میسیج نہیں ہے۔"

"اتنا عرصہ جیل میں رہا ہے وہ۔ اس کو کیا معلوم کہ تمہارے ساتھ انٹرنیٹ پہ کیسے رابطہ کرنا ہے۔"

"میں نے اسے خط پہنچایا تھا اندرانی، کہ اس کا بیٹا میرے پاس ہے۔ اسے مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔ "ابرو اکٹھے کیے وہ قدرے جھنجھلایا ہوا تھا۔ عینک میں اسکرین کا عکس جھلک رہا تھا۔ ٹچ پیڈ پہ انگلی پھیرتا وہ میسیجز نیچے کیے جا رہا تھا۔ یہ عام عوام کے میسیج تھے۔ جہاں جہاں تک اس گمنام جادوگر کی خبر پھیلتی وہاں سے میسیج آنے لگتے۔ کسی کو کسی کی خوشیوں سے حسد تھا، کسی کو اپنے لیے دنیا کمانی تھی اور کسی کو محبت حاصل کرنی تھی۔ ہر میسیج کرنے والا اس شخص کا ریفرنس ضرور دیتا تھا جس نے اسے سرکار کے پاس بھیجا ہوتا تھا۔ وہ ریفرنس شدہ شخص کے نام سے بتا سکتا تھا کہ کون زندگی میں کتنا آگے تھا۔ کتنا پڑھا لکھا تھا۔ کتنی دنیا خرید چکا تھا۔ اور اسے ایسے ہی کلائنٹس چاہیے تھے جن کے لیے پیسہ مسئلہ نہ ہو۔ وہ یونہی ہر کلائنٹ نہیں لیتا تھا۔ بے زاری سے وہ فالتو میسیجز کو آرکائیو کرتا جا رہا تھا۔

"میں نے تمہیں منع کیا تھا، عالیان۔ یہ بچے والا کھیل نہ کھیلو۔ ہم زیادکی دشمنی نہیں مول لے سکتے۔"

"ریلیکس۔ سب ٹھیک جا رہا ہے۔"

"جو کرنا ہے جلدی کرو۔ ہمیں اس بچے والے معاملے سے نکلنا ہے، عالیان۔"

عالیان نے کال کاٹ دی۔ پھر ٹیک لگائی۔ انگلیاں مروڑتے ہوئے انگڑائی لی۔ دائیں بائیں فرصت سے دیکھا۔ دور دور تک کتابوں کے ریک تھے۔ لکڑی کا فرش۔ مدھم روشنی۔ پرسکون خاموشی۔ اردگرد کی تمام میزیں خالی تھیں۔ اس نے چہرہ واپس اسکرین پہ جھکایا اور ونڈو اسکرول کرنے لگا۔

دفعتاً وہ ٹھہرا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔ تیزی سے اندرانی کو واپس کال ملائی۔

"اسکرین شیئر کر رہا ہوں۔ یہ دیکھو۔ کس کا میسیج آیا ہے۔"

"دکھاؤ۔ "اندرانی کی چوکنی آواز سنائی دی۔ اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے ''ہا'' نکلا۔

"دنیا گول ہے، عالیان۔ "وہ بس اتنا کہہ سکی۔

عالیان نے جواب نہیں دیا۔ وہ منہ پہ مٹھی رکھے آنکھیں چھوٹی کیے اس میسیج کو گھورے گیا۔

"میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے۔ میری ایک دوست نے آپ سے کام کروایا تھا۔ (ریفرنس کا نام بھی درج تھا۔) اور اس کی باتوں سے میں بھی آپ کی اور آپ کے جدید طریقوں کی معتقد ہوگئی ہوں۔ مجھے ایک رشتے دار پہ جادو کروانا ہے۔ ایسا عمل جس سے اس کی دنیا جل کے راکھ ہو جائے۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟

کبیرہ سا دان۔"

"اس کا میسج ڈیلیٹ کر دو۔ہم نے اس کے قریب بھی نہیں جانا۔ "اندرانی کی آواز اس کے کان میں گونج رہی تھی۔لیکن وہ اسکرین کو دیکھے جا رہا تھا۔

" کیا یہ جانتی ہے کہ میں کون ہوں؟"

''ناممکن۔میں کہہ رہی ہوں اس کو ڈیلیٹ...''

مگر اس کی انگلیاں ٹائپ کر رہی تھیں اور اندرانی دم سادھے اپنے موبائل پہ نظر آتے اس کے الفاظ پڑھ رہی تھی جو شیئر شدہ اسکرین کی وجہ سے اس کو دکھائی دے رہے تھے۔

"میں آپ کی مدد کے لیے تیار ہوں۔مجھے آپ کے دشمن کا نام،ایڈریس اور تصویر چاہیے۔"

"عالیان،کیا کر رہے ہو؟ "اندرانی کا احتجاج مدھم ہوتا جا رہا تھا۔اس کی کیز دباتی انگلیوں کی آواز غالب آ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کال بیل نہیں بجی۔نچلا دروازہ شاید کھلا تھا۔ماہر سیڑھیاں چڑھ کے اوپر آیا اور ٹھک ٹھک ہاتھ کی پشت سے دروازہ بجایا۔وہ جو لونگ روم میں دائیں بائیں ٹہل رہی تھی بھاگ کے دروازے تک آئی۔

"تم ٹھیک ہو؟ "چوکھٹ میں کھڑے ماہر نے پہلے اسے،پھر اس کے کندھے کے پیچھے دیکھا۔

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔اور راستہ چھوڑ دیا۔

وہ چند قدم اندر آیا پھر زمین پر پھیلی سبزیوں کو دیکھ کے چونکا۔بوٹ اوندھی گری ٹوکری کے قریب رک گئے۔

" کیا اس نے اندر آنے کی کوشش کی؟"

"اوہ نہیں۔سوری۔یہ مجھ سے ہوا تھا۔سمیٹنا بھول گئی۔"وہ آگے بڑھی لیکن وہ اس سے پہلے جھک گیا اور گرے ہوئے سبز پتے اٹھانے لگا۔

"اس نے کہا اسے بدر کے بارے میں بات کرنی ہے۔میں نے اسے کباب شاپ پہ بلایا تھا۔وہاں ملی میں اس سے۔"

"میں نے کہا تھا باہر مت نکلنا۔ "ماہر نے گردن اٹھا کے افسوس سے اسے دیکھا۔

"میں نے تمہیں کال اس سے ملاقات کے بعد کی تھی، ماہر۔ مجھے اس کا سامنا کرنا تھا۔میں اس سے نہیں ڈرتی۔"

ماہر سبزی سمیٹ کے سیدھا ہوا۔وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی انگلی پر فاختہ والا نیکلیس لپیٹ رہی تھی۔دوسرے ہاتھ سے بار بار کانوں کے پیچھے بال اڑستی۔

"دکھائی دے رہا ہے۔کیا کہا اس نے؟"

اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ماہر نے کوٹ نہیں اتارا۔گویا رکنے کا ارادہ نہ تھا۔

"یہی کہ وہ بدل گیا ہے، معافی مانگی، مجھے پیسے دینے کی کوشش کی، اور یہ کہ عالیان جو کہ کبیرہ تائی کا بیٹا تھا، اس کی ماں کے پاس قید تھا اور اب وہ نیا سرکار بن چکا ہے..." وہ کسی روبوٹ کی طرح بولتی ساری روداد سناتی گئی۔وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔اس کی پلکوں کی لرزش کو۔اس کی انگلیوں کو جو نیکلیس کی زنجیر لپیٹ رہی تھیں۔گول گول۔

"اس نے کہا وہ خود کو بدل رہا ہے۔کیا وہ واقعی بدل سکتا ہے؟ "اس کی آنکھوں میں امید بھری ہچکچاہٹ تھی۔

ماہر فرید تلخی سے مسکرایا۔نگاہ گھما کے ہر کونے میں رکھے سرسبز پودوں کو دیکھا۔

"انسان اپنی فطرت نہیں بدل سکتے، مالا۔زیاد سلطان بھی کبھی نہیں بدلے گا۔"

مالا کی زنجیر لپیٹتی انگلی گر گئی۔کندھے ڈھلک گئے۔

"جانتی تھی۔" سر جھٹکا۔تلخی سے۔ایک امید سی بندھی تھی۔وہ بدر کا باپ تھا۔اگر کبھی وہ ایک اچھا انسان بن جائے تو کل کو بدر... مگر نہیں۔

"اس نے کہا وہ بدر کو ڈھونڈنے میں مدد...."

"تمہارا بیٹا اسی کے پاس ہے۔"

مالا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"جانتا ہوں۔تم نہیں مانو گی مگر مجھے ایسے مت دیکھو۔یہ سب زیاد نے..."

"تم اس کا نام کیوں نہیں لیتے؟"

وہ بولتے بولتے ٹھہر گیا۔الفاظ ایک دم ذہن سے خطا ہو گئے۔

"اسے ہمیشہ "تمہارا بیٹا " کہتے ہو۔اس کا نام بدر ہے۔بدر۔ "پھر مالا کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا۔"یا

شاید اس لیے کہ اس کا پورا نام بدر زیاد سلطان ہے۔تمہارے لیے وہ ہمیشہ زیاد کا بیٹا رہے گا۔"

وہ چند لمحے اس کی زخمی آنکھوں میں دیکھتا رہا، پھر گردن گھما کے دائیں بائیں دیکھا۔

"ایک کمرہ ہے اپارٹمنٹ میں؟"

"ہاں۔"اس کا انداز دفاعی تھا۔

" کمرے میں کتنی الماریاں ہیں؟"

"ایک مگر..."

" گڈ۔کتنی دیر میں اپنا سامان پیک کرلوگی؟"

"سامان؟ کیوں؟"

" کیونکہ تم یہاں نہیں رہوگی۔تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔میں نے تمہارے لیے ایک دوسری جگہ کا بندوبست کرلیا ہے۔اور... "انگلی اٹھا کے تنبیہ کی۔"میں پوچھ نہیں رہا۔بتا رہا ہوں۔"

" مگر میں نے دو ماہ کا کرایہ دیا ہوا ہے۔"

" کتنے ملین؟"

مالا کے کندھے خفگی اور شرمندگی سے ڈھلک گئے۔

"وہ مجھے ہر جگہ تلاش کرلے گا۔ "جتا کے یاد دلایا۔

"تمہاری مدد کروں سامان پیک کرنے میں یا خود کرلوگی؟"

" تمہیں سامان پیک کرنا آتا ہے؟ میں سمجھی تمہارے ملازم یہ کام کرتے ہوں گے۔"

"ٹیکنکلی تم بھی میری ملازمت کرتی ہو،سو خود کرلوگی۔گڈ۔میں ادھر انتظار کررہا ہوں۔یہ ٹی وی چلتا ہے؟"

" نہیں۔"وہ چیخ کے کہتی آگے بڑھ گئی۔ماہر نے لونگ روم کی میز سے ریموٹ اٹھایا اور بٹن دبایا۔اسکرین روشن ہوگئی۔اس نے سوالیہ نظروں سے کمرے کو دیکھا جس کا دروازہ زوردار آواز سے بند ہوا تھا۔

"تم مجھے کہاں لے جارہے ہو؟"

وہ صوفے پر ٹیک لگائے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا اور نگاہیں ٹی وی اسکرین پہ جمی تھیں جب وہ باہر آئی۔اس دوران وہ کئی دفعہ اندر باہر آتی رہی تھی لیکن اس دفعہ شاید وہ آخری دفعہ باہر آئی تھی کیونکہ ایک سوٹ کیس اور ایک ہولڈآل بیگ ساتھ تھا۔ماہر نے پیالی رکھی۔اور فرصت سے بیگ کو دیکھا۔

(براؤن کیوں؟)

وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ گردن اٹھا کے اسے منتظر سی دیکھنے لگی۔

" کیا تم مجھ پہ بھروسہ کر سکتی ہو کہ محفوظ ترین جگہ ہی لے کر جاؤں گا؟"

"میں کتنا بھاگوں گی اس سے؟ اور "مجھے "اس سے خطرہ نہیں ہے۔"

" بھروسہ ہے یا نہیں؟"

وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ حلق میں گیلی گیند سی اٹک گئی۔

"ضروری سامان اٹھایا ہے بس۔ اپنے ملازموں سے کہنا میرے پودے لیتے آئیں گے۔"

مرد ذات سے بھروسہ ٹوٹنے کے بعد ایک دوسرے مرد پہ اعتبار کرنے کی عادت ڈالنا کتنا مشکل تھا۔ خوفزدہ کر دینے والا۔ تکلیف دینے والا۔ اس کے اندر ڈری سہمی عورت بار بار اپنے بازو پھیلائے اوپر اٹھتی۔ کہ کسی طرح تکلیف ملنے سے پہلے ہی اس کو بچا لے۔ لیکن اسے اس عورت کو خاموش رہنے کو کہنا تھا۔ اگر وہ خود کو حفاظتی قلعوں میں قید کر دے گی تو زندگی میں کبھی کچھ نیا نہیں کر سکے گی۔ کوئی خطرہ مول نہیں لے سکے گی۔

وہ اپنا کوٹ اٹھائے باہر آئی تو ماہر نے دیکھا اس کا رنگ بھی بھورا تھا۔ اونٹ جیسا بھورا۔ مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔ وہ ایک ہی سوال بار بار نہیں دہرا سکتا تھا۔

" بھروسہ ہے تم پہ۔ لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

ماہر نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے پھر سر جھٹک کے سیڑھیاں اترنے لگا۔ یہ طے تھا کہ وہ اسے وہاں پہنچنے سے پہلے نہیں بتائے گا۔

مالا کے ذہن میں بہت سی جگہیں آئیں۔ جہاں وہ اسے لے جا سکتا تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے اس جگہ لے جا رہا تھا جو اس کے ذہن میں کبھی آ ہی نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" کس چیز کی خواہش ہے آپ کے دل کو؟"

اندھیر کمرے میں لیپ ٹاپ کی اسکرین کی روشنی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ وہ روشنی بھی اتنی ہی تھی کہ کرسی پر ٹانگیں لمبی کر کے نیم دراز عالیان کے چہرے کو چمکا رہی تھی۔ اب عینک غائب تھی اور بال پیچھے کر رکھے تھے۔ ٹی

شرٹ اور جینز میں ملبوس وہ کسی لونگ روم میں بیٹھا تھا جو کہ اندھیرے کے باعث ٹھیک سے دکھائی نہیں دیتا تھا۔

اسکرین پہ کبیرہ بیگم کا چہرہ تھا۔ وہ غالباً موبائل اونچا پکڑے ہوئے تھیں۔ پیچھے چیسٹر فیلڈ صوفے کی اونچی پشت اور پردے دکھائی دیتے تھے۔ چھوٹے کٹے بال، میک اپ سے سیاہ آنکھیں اور کانوں میں بڑے نگینوں والے ٹاپس۔

اسکرین پہ عالیان کا کیمرہ آف تھا۔ وہ انہیں دیکھ سکتا تھا لیکن کبیرہ کو صرف اس کا نام دکھائی دے رہا تھا۔

اس کاروبار کی سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ کلائنٹ یہ فرض کر کے آتا تھا کہ عامل کو اس کا اگلا پچھلا سب معلوم ہے۔ سو وہ عامل سے اپنا نام، پتہ، حسب نسب کچھ نہیں چھپاتا تھا۔

"کیا تم ہر کلائنٹ سے ویڈیو کال کرتے ہو؟"

"پہلے سوال میں نے پوچھا ہے۔ کیا چاہیے آپ کے دل کو؟"

وہ سانس لینے کو رکیں۔ چند لمحے آنکھیں چھوٹی کیے اسکرین کو دیکھے گئیں۔

"مجھے کسی کی زندگی جلا کے راکھ کرنی ہے۔"

"ویری بولڈ۔" وہ ستائش سے مسکرایا۔ "ورنہ میرے کلائنٹس اپنی خواہشات کو ضرورت کے پتوں سے لپیٹتے ہیں۔ مجھے انتقام لینا ہے کیونکہ میرے ساتھ برا ہوا، مجھے محبت خریدنی ہے کیونکہ اس سے میری زندگی بہتر ہو جائے گی، مجھے انصاف تب ملے گا جب وہ تباہ ہو گا وغیرہ وغیرہ۔ مگر آپ بہت ڈائریکٹ ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کو کسی کی زندگی تباہ کرنی ہے اور وہ بھی جادو سے۔ ویری بولڈ۔"

وہ ہلکا سا مسکرائیں۔ "مجھے تمہاری جج منٹ سے فرق نہیں پڑتا۔"

"جج نہیں کر رہا۔ تعریف کر رہا ہوں۔ بتائیے۔ کس کی زندگی تباہ کرنی ہے؟"

"میری ایک رشتے دار تھی۔ حور جہاں۔ اس کی بیٹی کی۔"

"بیٹی کا نام۔ اس کی ماں کا نام۔ تصویر۔ اور اس وقت وہ جہاں موجود ہے وہاں کا ایڈریس چاہیے ہو گا۔"

"ماہ بینہ مبین۔ وہ کینیڈا میں..."

"ایسے نہیں۔ مجھے میسیج کریں۔ مگر کرنا کیا ہے اس کے ساتھ؟"

وہ لمحے بھر کو خاموش ہوئیں۔

"وہ زندگی میں ترقی کر رہی ہے۔ اس کا گھر ہے۔ بچے ہیں۔ جاب ہے۔ یہ سب کچھ عنایہ... میری بیٹی کے

پاس بھی ہوسکتا تھا لیکن یہ ماہی کو مل گیا۔یعنی ماہ بینہ کو۔بس کچھ ایسا کرو کہ یہ سب اس سے چھن جائے۔"

" چھن کے آپ کی بیٹی کو پھر بھی نہیں ملے گا۔"

ان کی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔

"اسے کیسے ملے گا؟"

"دینا اوپر والے کا کام ہے۔اور چھیننا میرا۔ "

وہ مسکرا دیں۔البتہ اس مسکراہٹ میں زخم تھے۔

" کیا دشمنی ہے آپ کی اس لڑکی سے؟ "وہ بغور اسکرین کو دیکھ رہا تھا جیسے ان کی آنکھوں کو پڑھ رہا ہو۔

"اس کی انسٹاگرام پوسٹس مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں۔وہ ہر روز کچھ پوسٹ کرتی ہے۔کبھی اپنے بچوں کی تصویریں۔کبھی جاب کی کامیابیاں۔کبھی اپنے شوہر کے ساتھ ٹریول پہ لی گئی ویڈیوز۔جب میں وہ دیکھتی ہوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ جب اس کے پاس یہ سب نہیں رہے گا تو مجھے تکلیف نہیں ہوگی۔اتنی سی خواہش ہے میری۔کیا یہ غلط ہے؟"

"اونہوں۔غلط تو وہ ہے جو تصویریں لگا رہی ہے۔اسے اتنا احساس نہیں کہ دنیا محروم لوگوں سے بھری پڑی ہے۔" پھر وہ مسکرایا۔" بے فکر رہیں۔ہم اس کو بھی محروم کر دیں گے۔میں عمل شروع کروا دیتا ہوں۔لیکن عمل کو میچور ہونے میں ایک ماہ لگے گا۔"

"ویری فاسٹ۔عموماً عامل تین سے چھے ماہ کا وقت لیتے ہیں۔"

"بتایا نا۔جدید دور۔جدید طریقے۔گڈ نائٹ۔ "اس نے اسکرین فولڈ کر دی۔

اب ہر طرف اندھیرا تھا۔چند لمحے صرف عالیان کے سانس لینے کی آواز سنائی دیتی رہی۔

پھر موبائل اسکرین روشن ہوئی۔ایک دفعہ پھر اس کا چہرہ نیلی روشنی میں چمکا۔اب وہ ایک نمبر ملا رہا تھا۔

" کیا چاہتے ہو تم؟ "زارینہ فرید کی غراتی ہوئی آواز اسپیکر پہ سنائی دی۔

وہ ہنس دیا۔

"ایک سافٹ ریمائنڈر دینا تھا۔تم نے مجھے اس ماہ کی پے منٹ نہیں کی۔شادی تک ہر ماہ پے منٹ کرنی تھی۔میں تمہارے ری ٹینر پہ ہوں، مائی ڈیئر۔"

"میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے، نہ میں جانتی ہوں کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"میں کال ریکارڈ نہیں کر رہا۔اس لیے ایسے مت بولو۔میرا دل برا ہو رہا ہے۔"

"میں تمہیں نہیں جانتی۔اس لیے دوبارہ مجھے کال مت کرنا۔"

"اور وہ پے منٹس جو تم مجھے کرتی آئی ہو؟"

" کوئی بینک ٹرانسفر، کوئی وائر، کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

عالیان ایک لمحے کو چپ ہو گیا۔سر کھجایا۔

"اسی لیے تم کیش پے منٹس کرتی تھیں۔تمہیں اس دن کا ڈر تھا جب میں تمہیں بلیک میل کروں گا۔"

"میں تم سے کبھی ملی ہی نہیں۔پتہ نہیں تم کون ہو۔"

"میرے پاس ہماری ملاقاتوں کی ویڈیو اور آڈیو ریکارڈنگز ہیں، زارا۔میں وہ..."

"جب میں تم سے ملی ہی نہیں تو یقیناً وہ تم نے deepfake کی ہوں گی۔آج کل AI سے ہر چیز ممکن ہے۔"

زارا کا لہجہ بالکل پرسکون تھا۔

عالیان کے چہرے پہ تناؤ در آیا۔ماتھے پہ بل پڑے۔

"دو ماہ بعد تمہاری شادی ہے۔پے منٹ کرنے کی بجائے تم مجھ سے الجھ رہی ہو۔ "دبا دبا سا غرایا۔

"جب میں تمہیں جانتی ہی نہیں تو کس چیز کی پے منٹ کروں؟ "زارا کے لہجے میں حیرانی تھی۔

عالیان نے گہری سانس لی۔

" ٹھیک ہے۔ری ٹینر نہ سہی۔تم مجھے یک مشت ادائیگی کرو۔ایک رقم کا فگر بھیج رہا ہوں۔ مجھے صبح تک یہ چاہیے۔اگر نہ ملی تو کل صبح دس بجتے ہی میں تمہاری حقیقت کھول دوں گا۔"

" تمہیں مجھ سے ایک پاؤنڈ نہیں ملے گا۔اور جہاں تک بات ہے ماہر کی... وہ تمہارا کبھی یقین نہیں کرے گا۔"

" کس نے کہا میں ماہر کے پاس جاؤں گا؟"

دوسری جانب سناٹا چھا گیا۔

" صبح دس بجے تک کا وقت ہے تمہارے پاس۔بائے مائی ڈیئر۔ "مسکرا کے کال بند کی۔موبائل اسکرین بجھ گئی۔ایک دفعہ پھر سے اندھیرا چھا گیا۔اب صرف وہ تھا اور اس کی سوچیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے اپارٹمنٹ کے لونگ روم میں بیٹھی زارا تیزی سے فون پھینک کے اٹھی۔ دوڑ کے بیڈ روم میں گئی۔ الماری کھولی۔ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی اور جلدی جلدی لاکر کا کوڈ پنچ کیا۔ اندر بہت سے کاغذات، چیک بکس اور کیش کی گڈیاں ترتیب سے رکھی تھیں۔ کچھ جیولری باکسز بھی تھے۔ اس نے چیک بک نکالی۔ صفحے پلٹائے۔

" کب کب پے منٹ کی تھی میں نے اسے؟ "اس نے ان چیکس کی نقلیں نکالیں جب اس نے پیسے نکلوائے تھے۔ ساتھ ہی پرنٹ شدہ انوائس رکھے تھے جن پہ کسی کمپنی کا نام درج تھا۔ یہ تمام رقم اس نے بیگز کے لیے نکالی تھی۔ کاغذوں پہ یہی درج تھا۔ وہ بیگز خرید کے اس نے بعد میں بیچ دیے تھے۔ کاغذی ٹریل مکمل اور شفاف تھا۔

وہ کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتا۔ کچھ بھی نہیں۔ ماہر کبھی یقین نہیں کرے گا۔ زارا ماڈرن لڑکی تھی۔ اسے کیا پتہ جادو ٹونے کی باتوں کا۔ وہ کہاں یقین کرتی ہے ان باتوں پہ۔

الماری بند کر کے وہ اٹھی اور بڑبڑاتی ہوئی لباس کی سلوٹیں درست کرنے لگی۔ اس کی رنگت پھیکی تھی اور پیشانی پہ قطرے تھے۔

کس نے کہا میں ماہر کو کچھ بتاؤں گا؟"

پھر کون؟ اوہ۔ بابا۔ وہ بابا کے پاس جائے گا۔ ہونہہ۔ بابا کو تو ویسے ہی جادو پہ آج تک یقین نہیں آیا۔ بابا کبھی اس کا یقین نہیں کریں گے۔ اور... اور اس نے یہ نہیں کیا بابا کے ساتھ۔ اس نے کچھ نہیں کیا۔

کسی تسبیح کی طرح وہ بار بار دہرا ہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سہہ پہر ڈھل رہی تھی جب کار ایک سیاہ جالی دار گیٹ کے سامنے رکی۔ گیٹ کھلتا گیا اور ماہر کار اندر لے آیا۔ باہر نکل کے مالا نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔

سامنے تین دراز قد عمارتیں ساتھ ساتھ کھڑی تھیں۔ جیسے ٹاورز ہوں۔ ابھی اسے اس شہر کے راستوں کی اتنی سمجھ نہ تھی کہ وہ بنا جی پی ایس کے جان پاتی کہ یہ کون سا علاقہ تھا۔

اس نے اپنے بیگ کا ہینڈل تھامنا چاہا لیکن ماہر نے وہ اس سے لے لیا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ ابھی اس سے کچھ پوچھنا بے کار تھا۔

ریسپشن سے گزرتے ہوئے ماہر نے کاؤنٹر پہ بیٹھی لڑکی کو سر کے خم سے سلام کیا تھا۔ یعنی وہ یہاں آتا جاتا رہتا

تھا۔

لفٹ میں تمام راستہ خاموشی سے کٹا۔ وہ چپ چاپ کھڑی رہی۔ دھاتی دروازوں میں ان دونوں کا عکس دکھائی دے رہا تھا اور درمیان میں مالا کے بیگز تھے۔ بھورے بیگز۔

دروازے جدا ہوئے اور وہ کسی جانی پہچانی سمت کی طرف بڑھ گیا۔ یہ نیم خوابیدہ سی بتیوں سے روشن راہداری تھی۔

ایک دروازے کے سامنے ماہر رکا۔ وہاں پہلے ہی سوٹ میں ملبوس دو آدمی کھڑے تھے۔ ایک نے تیزی سے اس کا بیگ لے لیا۔

تب ہی اس کی نگاہ دروازے کی تختی پہ پڑی۔ دل دھک سے رہ گیا۔

فریدلار۔

چونک کے اسے دیکھا۔ وہ کوڈ پنچ کر رہا تھا۔ دروازہ کلک سے کھل گیا۔

ماہر ایک طرف ہٹا اور اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

"میرے گھر میں خوش آمدید۔"

کشمالہ مبین نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر گھر کے دروازے کو۔

وہ اسے اپنے گھر لے آیا تھا؟ کیا سوچ کے؟ اس کا دماغ ایک دم بھک سے اڑ گیا تھا۔

"مالا؟ "وہ اسے چلنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ وہ سر کو خم دیتی آگے بڑھی۔

ایک روشن کاریڈور سامنے تھا۔ لیونڈر کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ اس کی سیاہ kitten heels کی ٹھک ٹھک سنائی دینے لگی۔

(کیا وہ اسے یہاں رہنے کو کہنا چاہتا تھا؟ اس کا دماغ درست تھا؟)

وہ اس کے ساتھ اندر نہیں آیا تھا۔ وہ پیچھے مڑ کے نہ دیکھ سکی۔ دروازہ بند ہو گیا۔ شل ذہن کے ساتھ وہ لونگ روم تک پہنچی۔

وہ سیاہ سفید سا ڈپلیکس (دو منزلہ) اپارٹمنٹ تھا۔ اونچے سیاہ پردے سمٹے ہوئے تھے اور سفید شفون کے پردے کھڑکیوں کے آگے برابر تھے۔ سیاہ ایل شیپ صوفہ۔ سیاہ، سفید اور سرمئی سا اوپن کچن۔ اس بلیک اینڈ وائٹ منظر نامے میں رنگین شے صرف ایک پستہ قد ہاؤس کیپر تھی جو اس کی طرف بڑھی اور خوش اخلاقی سے اپنی زبان میں کچھ

کہنے لگی۔اس نے ہلکا سا سر ہلایا۔سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

دوسری رنگین شے ایک اسٹینڈ پہ جما چوکھٹا فریم تھا۔اس پہ کچھ بنا ہوا تھا۔ساتھ ٹرالی میں رنگین دھاگے رکھے تھے۔ہاؤس کیپر اب اس کو بیٹھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔اسے مینٹل شیلف کے ساتھ رکھی ونگ چیئرز دکھائی دیں۔وہ جوتوں سے چلتی ایک چیئر تک آئی۔اور غیر آرام دہ انداز میں اس پر بیٹھی۔

(اس کا دماغ درست تھا؟)

ایک سنہری کتا نہ جانے کہاں سے زینے پھلانگتا نیچے آیا۔پہلے لاؤنج کے کنارے کھڑے ہو کے خوب بھونکا۔پھر دیکھا کہ وہ متوجہ نہیں ہے تو چپ چاپ کھڑکی کے ساتھ لمبا لیٹ گیا اور تھوڑی زمین پر رکھ لی۔

وہ بالکل الجھی ہوئی سی بیٹھی تھی۔اس نے نہیں دیکھا ہلال کب اپنے کمرے سے نکلی ہے، کب ناپ تول کے قدم رکھتی وہاں تک آئی ہے۔اس نے ہاؤس کیپر کی آواز سنی۔وہ ہلال کو کچھ بتا رہی تھی۔ہلال سنے بغیر صوفے تک آئی۔صوفہ شال اٹھا کے عجلت میں ٹیپسٹری کے اوپر پھیلانے لگی یہاں تک کہ وہ ڈھک گئی۔

مالا تب چونکی جب ہلال اس کے قریب آ چکی تھی۔

" کیسی ہو، مالا؟ "ہلال اس کے گلے سے لگ کے علیحدہ ہوئی۔بھوری آنکھیں مالا کے پیچھے کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

" ٹھ... ٹھیک۔سب ٹھیک۔"

"تم پریشان ہو، مالا۔ریلیکس۔تم یہاں محفوظ ہو۔فیضی حانم.. مالا کے لیے پانی لائیں۔ "وہ اسی نرمی اور سکون سے کہہ رہی تھی۔اس کا ہاتھ پکڑ کے وہ اس کے قدموں کے قریب کشن کے سہارے بیٹھ گئی۔

" تھینکس۔ "وہ پھیکا سا مسکرائی۔پہلو بدلا۔

ذہن جاگنے لگا۔سیاہ سفید اپارٹمنٹ۔کچھ یاد آیا تھا۔لاہور میں... جب وہ کیف کے پیچھے گئی تھی... اس کے اپارٹمنٹ.... وہ بھی انہی دو رنگوں میں آراستہ تھا۔وہ انہی رنگوں کے کپڑے عموماً پہنتا تھا۔کیا اسے یہی دو رنگ پسند تھے؟

پھر پرپل کیوں؟

آہٹ پہ وہ چونکی۔ماہر اب اندر آیا تھا۔جرابوں سے چلتا ہوا وہ لاؤنج کے دہانے پہ رکا۔

وہ سامنے ونگ چیئر پر بیٹھی تھی۔پیروں میں جوتے تھے۔ماہر نے بے اختیار فیضی حانم کو دیکھا جوان جوتوں کو ہی

دیکھ رہی تھیں۔ماہر کے دیکھنے پہ جھینپ کے کچن کی طرف چلی گئیں۔

"ماہر.... یہ تمہارا گھر ہے؟ "وہ بے چین سی کرسی کے بالکل کنارے پر بیٹھی تھی۔جیسے بھاگ جانے کو تیار۔

"....So basically" وہ ساتھ والی ونگ چئیر پر بیٹھا۔"میں چاہتا ہوں کہ تم یہیں رہو۔دروازے پہ میرے گارڈز ہیں۔عمارت سیکیور ہے۔اور تم میری نظروں کے سامنے ہوگی۔"

کشمالہ نے بے یقینی سے پلکیں دو بار جھپکائیں۔(اس کا دماغ درست تھا؟)

"ادھر؟ تمہارے گھر میں؟ "انگلی سے زمین کی طرف اشارہ کیا۔

"میرے گھر میں نہیں۔ساتھ والے اپارٹمنٹ میں۔ "اس نے پیشانی چھوئی۔"نیکسٹ ڈور کی بات کر رہا ہوں۔"

"اوہ... "اس کے تنے اعصاب ایک دم سے ڈھیلے ہوئے۔

"وہ بھی ہمارا ہی ہے۔اسی کا ٹوئن اپارٹمنٹ ہے اور ڈپلیکس ہے۔ basic سا فرنیچر ہے اس میں۔ہم نے رینٹ پہ چڑھانے کے لیے لیا تھا۔ابھی خالی ہے۔بس دو ماہ کی بات ہے۔تم آرام سے وہاں رہو... "ہاتھ اٹھا کے اسے بولنے سے روکا۔ "یہ مت کہنا تم رینٹ ادا کرو گی۔تم اس کو افورڈ نہیں کر سکتیں۔ "

مالا کے لب بھنچ گئے۔آنکھیں چھوٹی کر کے اسے گھورا۔

"میں کرایہ دوں گی بھی نہیں کیونکہ میں اپنی مرضی سے یہاں نہیں آئی۔"

" گڈ۔اردل تمہارا سامان اور پودے لے آئے گا۔تمہیں گروسری میں جو چاہیے ہو فیضی حانم (کچن میں کام کرتی روبوٹ نما عورت کی طرف اشارہ کیا) سے لے سکتی ہو۔"

اس کے سینے میں ایک عجیب سا احساس اٹھا۔(ٹھنڈا کنٹینر۔بند دروازہ۔)

"میں قید ہوں کیا؟"

ماہر کے تاثرات نرم ہوئے۔

"میں تمہیں قید کیوں کروں گا؟ تم جب اور جہاں چاہے آ جا سکتی ہو۔بس احتیاط سے۔باقی یہاں رہنے سے تمہاری حفاظت پہلے سے بہتر ہوگی اور مجھے سکون رہے گا کہ تم محفوظ ہو۔کیا تم مجھ پہ بھروسہ کر کے یہاں رہ سکتی ہو؟" وہ آگے کو جھکا اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

اس کے چہرے کی لکیریں ڈھیلی پڑیں۔وہ اس کی حفاظت چاہتا تھا۔وہ اس کو اپنا اتنا قیمتی اپارٹمنٹ دے رہا تھا

کیونکہ اسے اس کا خیال تھا۔ اسے اس کی نیت پہ شک نہیں کرنا چاہیے۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ماہر فرید کے احسانات بڑھتے جا رہے تھے۔

"مالا؟ "بیربل کی آواز پہ وہ چونکی۔ وہ ابھی کمرے سے باہر نکلا تھا۔ اسے دیکھ کے خوشگوار حیرت چہرے پہ آئی۔

"مالا آج ڈنر ہمارے ساتھ کرے گی۔ "ماہر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت اچھا۔ "بیربل نے پہلے مالا کے جوتوں کو دیکھا۔ پھر ونگ چیئر کو۔ پھر واپس ماہر کو۔ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ عود آئی۔ ابرو اٹھایا۔

"اچھا لگا تمہیں یہاں بیٹھے دیکھ کے، مالا۔ "مسکرا کے اونچا سا بولا۔ پھر باہر کی طرف جاتے ماہر کے پیچھے لپکا۔

"مجھے تم سے بات کرنی..."

"میں ابھی کام سے جا رہا ہوں۔ ڈنر پہ ملاقات ہوگی۔ "وہ سنے بنا آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ کمرے کی جانب تھا۔

بیربل نے سوچتی نظروں سے مالا کو دیکھا۔

"یہ زیادہ بہتر ہے۔ اب ڈنر پہ بات ہوگی۔ تم ہوگی نا؟ "قدرے امید سے اسے دیکھا۔ مالا کے سامنے ماہر خود پہ قابو رکھ لے گا۔

وہ تکان سے مسکرا دی۔ وہ تھک گئی تھی۔ زیادہ سے ملاقات، پیکنگ، ذہنی الجھن۔

بیربل کے چہرے پہ تھکی ہوئی پھیکی سی مسکراہٹ در آئی۔

ماہر کے باہر آنے تک بیربل جا چکا تھا۔ اس نے تادیبی نظروں سے ماہر کو دیکھا۔

"کیا تم نے ابھی تک اس سے بات نہیں کی؟"

"بات کر کے اس کے لیے اعتراف آسان کر دوں؟ "آستین پیچھے موڑتے ہوئے ابرو اٹھایا۔

مالا نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"تم کیوں اس کے ساتھ..."

"دیکھو اور سیکھو۔ "مسکرا کے وہ آگے بڑھ گیا۔ گزرتے ہوئے ہلال کے بالوں پر ہاتھ پھیرا جو خاموشی سے وہاں بیٹھی تھی۔ یوں جیسے اس محفل کا حصہ نہ ہو۔

جب فیضی حانم مالا کے ساتھ اس کا سامان سیٹ کرنے وہاں سے چلی گئیں تو ہلال اٹھی اور بدقت ٹیپسٹری کو

اسٹینڈ سے اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔مگر وہ بنا آنکھوں کے ان پیچ وخم کو نہیں دیکھ سکتی جوان دونوں کو آپس میں جوڑے ہوئے تھے۔تھک کے اس نے اسے چھوڑ دیا۔اوراس کو ڈھانکی ہوئی شال کی گرہیں لگانے لگی تاکہ وہ ہوا سے پھسل نہ جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وین کوور میں دو ہی موسم ہوتے تھے۔سرما کا موسم اور کنسٹرکشن کا موسم۔

صد شکر کہ نومبر کی آمد سے بہت پہلے ہی کنسٹرکشن سیزن ختم ہو چکا تھا۔اور ماہ بینہ مبین کے سفید اجلے اجلے سے گھر کے باہر ٹھنڈی سی خزاں اپنے خوبصورت رنگ بکھیرے ہوئے تھی۔جگہ جگہ گھروں کے باغیچوں میں نارنجی حلوہ کدو رکھے تھے۔خزاں حلوہ کدو (pumpkins) کا موسم تھا۔اور ماہی اس وقت کچن میں کھڑی pumpkin spice کے ساتھ ایک گرم ڈرنک بنارہی تھی۔بچوں کے کمرے سے ان کے بولنے اور کارز سے کھیلنے کی آوازیں آرہی تھیں۔کاؤنٹر پر ان کا بچا ہوا کھانا رکھا تھا جو اب اسے ہی کھانا تھا کیونکہ ماں کا معدہ ہوتا ہی ڈسٹ بن ہے۔اس کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرنک بن گیا تھا۔

یہ وقت تھا جو جاب اور بچوں کے کاموں میں الجھی ماہی کو قدرے فارغ ملتا تھا۔

گرما گرم ڈرنک اس نے مگ میں انڈیلی۔آنکھیں بند کر کے اس کو سونگھا۔واہ۔

پھر وہ کھڑکی کے ساتھ رکھی آرام دہ کرسی پہ آ گئی۔کتاب اٹھا کے گود میں رکھی۔شال ٹانگوں پر ڈالی اور پیراتو من پر رکھے۔مگ اور کتاب کو ساتھ ساتھ رکھے تصویر کھینچی۔مگ ایک طرف رکھا اور چند منٹ فلٹر اور میوزک سیٹ کر کے اسٹوری پوسٹ کی۔پھر ایک گھونٹ بھرا۔واہ۔شاندار۔

باہر خزاں کے زرد نارنجی رنگ بکھرے تھے اور سامنے کتاب کھلی تھی۔سائیڈ ٹیبل پر رکھے مگ سے بھاپ اُڑ رہی تھی۔بچے مصروف تھے۔آج کے کام مکمل تھے۔یہ ایک آئیڈیل دن تھا۔

زندگی خوبصورت تھی۔

اس نے مسکرا کے کتاب سامنے کی۔ابھی ڈھائی صفحے ہی پڑھے تھے کہ.....

اچانک سے....

کچھ زور سے کھڑکی پہ آن گرا۔

وہ ڈر کے اچھلی۔ کتاب چھوٹ گئی۔ مگ اوندھا ہو گیا۔

کھڑکی کے شیشے پر خون کی دھاریں تھیں۔

جیسے کسی نے خون سے بھرا جگ وہاں انڈیل دیا ہو۔

ماہی نے چیخ روکنے کے لیے منہ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

مگ سے بہتا ڈرنک کارپٹ کو بھگو چکا تھا۔ اور وہ خوفزدہ سی کھڑی بے یقینی سے سرخ شیشے پہ دیکھ رہی تھی۔

بوندیں ٹپک ٹپک کے نیچے جا رہی تھیں اور باہر فرش میں جذب ہو رہی تھیں۔

ماہ بینہ کی ٹانگوں سے جان نچڑنے لگی۔

اتنے برس بعد..... کیا پھر سے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ مبین کا نیا اپارٹمنٹ فریدلار کی نقل تھا۔ وہی آرکیٹیکچر ۔ ویسی ہی کمروں کی ترتیب۔ درمیان میں سیڑھیاں۔ البتہ رنگ اور فرنیچر بالکل مختلف تھے۔ جہاں فریدلار سیاہ سفید رنگوں سے پر تعیش انداز میں سجایا گیا تھا، وہاں اس اپارٹمنٹ میں نام کے سفید پردے تھے اور واجبی سا آئیکیا کا فرنیچر۔ صرف ایک بیڈروم فرنیشڈ تھا۔ باقی خالی خالی تھا۔ البتہ فریدلار کی نسبت یہاں روشنی زیادہ تھی۔ کھلا۔ ہوادار۔ اردل شام میں اس کے پودے لے آیا تو انہوں نے سارے میں سبز رنگ بھر دیا۔

البتہ اس اپارٹمنٹ کی فضا میں ماہر فرید کے بڑھتے ہوئے احسانات کا بوجھ بھی تھا جس کے باعث وہ چند منٹ بعد ہی برا محسوس کرنے لگی تھی۔

اسے عبدالمالک فرید کی نگاہیں اور ان میں پنہاں تشویش یاد آئی۔ کیا وہ اپنی حفاظت کے لیے ماہر کو غیر محفوظ کر رہی تھی؟

مگر وہ اور کیا کرتی؟ ایک ہائپر انڈیپنڈنٹ (شدید خودمختار) عورت کی طرح اتنے برس اپنا خیال خود رکھ رکھ کے اب وہ تھکنے لگی تھی۔ کم از کم کوئی تھا جسے اس کی حفاظت کا خیال تھا۔

یہ وہ پہلا فیملی ڈنر نہیں تھا جس میں ماہر اور وہ ایک میز پہ بیٹھے تھے۔ اسے معید کی شادی سے پہلے والا ڈنر یاد آیا۔ البتہ امید تھی کہ آج کا ڈنر آکورڈ نہیں ہوگا۔

ڈنر ڈائننگ ہال میں سجایا گیا تھا۔ یہ ہال لونگ روم کا دوسرا حصہ ہی تھا، البتہ درمیان میں سیڑھیوں کی وجہ سے یہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہاں کھڑکی نہ تھی۔ بس دیوار گیر آئینہ لگا تھا جس میں مالا کو ایک دوسری ڈائننگ ٹیبل اور اس پہ براجمان تین افراد دکھائی دے رہے تھے۔ ایک سیاہ لانگ ڈریس میں بیٹھی سبز آنکھوں والی لڑکی جس کے بال بندھے تھے اور کانوں میں ننھے موتی تھی۔ ایک مقابل بیٹھی گھنگریالے بالوں اور جھکے سر والی لڑکی۔ اور ایک سربراہی کرسی پر براجمان سیاہ شرٹ اور پینٹس والا آدمی جو مسلسل اپنے فون پہ لگا تھا۔

اس ڈنر کی چوتھی شریک خاموشی تھی۔ وہ خاموشی جس سے وہ بیربل کے منتظر تھے۔

بیربل کی جگہ ہلال کے ساتھ تھی۔ اس پہ چارجر، پلیٹس، کٹلری، نیپکن سب بچھا تھا۔

فیضی حانم کچن میں خاموشی سے منتظر تھیں۔ کب وہ آئے۔ کب سروس شروع ہو۔

یہ خاموشی چند لمحے بعد مالا کو مزید بوجھل محسوس کروانے لگی۔ شاید اسے ماہر کے فیملی ڈنر پہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ کچھ غیر آرام دہ سا تھا اس میز پہ۔ شاید وہ خود کو چھوٹا محسوس کر رہی تھی۔ وہ پولیس والے معاملات میں اس کی مدد کر رہا تھا۔ اب اس نے اسے اپنا اپارٹمنٹ دے دیا تھا۔ اس کے احسان بڑھتے جا رہے تھے۔ شاید اسے اپارٹمنٹ لینا ہی نہیں چاہیے تھا۔

"تمہارا سامان آ گیا؟" ماہر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ پھر واپس موبائل اسکرین کو۔

وہ بدقت مسکرائی۔ "ہوں۔ سب آ گیا۔"

خاموشی پھر سے چھا گئی۔ ہلال سر جھکائے پلیٹ پر انگلی پھیر رہی تھی۔ جیسے کچھ ان دیکھا سا لکھ رہی ہو۔ طویل میز کے وسط میں پھول رکھے تھے اور اونچی موم بتیاں جل رہی تھیں۔

بالآخر بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو اس نے جیسے سکون کا سانس لیا۔ جوتوں کی آوازیں۔ بیربل جوتے اتار رہا تھا۔ ہیلز کی ٹک ٹک۔ وہ چونکی۔ بے اختیار ماہر کو دیکھا۔

اس نے بالآخر اپنا موبائل ایک طرف رکھ دیا تھا۔

قدم لاؤنج عبور کر کے اس طرف آتے سنائی دے رہے تھے۔ مالا کمر سیدھی رکھے چوکنی سی بیٹھی تھی۔

پہلے بیربل کا چہرہ دکھائی دیا۔

"آؤ، بیربل۔" ماہر فرصت سے ان کی طرف متوجہ تھا۔

"شام بخیر۔ مجھے آپ لوگوں کو کچھ بتانا ہے۔" وہ ماہر کے مقابل سربراہی کرسی کے پیچھے جا رکا۔ "میں کافی دن

سے ایک بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن تم سننا نہیں چاہتے تھے۔ جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ تم جانتے ہو۔ اس لیے... اب یہ سرپرائز نہیں رہا۔" اب وہ ماہر کو دیکھ رہا تھا۔ تھوک نگلتا۔ رک رک کے کہتا ہوا۔

"میں تم سے سننا چاہتا ہوں۔"

مالا نے بیربل سے نگاہ ہٹا کے ماہر کو دیکھا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔ پھر واپس بیربل کو۔ وہ کرسی کی پشت کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے بار بار ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا۔

"میں نے شادی کر لی ہے۔ "

"واٹ؟ "ہلال نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ ناسمجھی کی لکیریں ماتھے پہ ابھریں۔ صرف وہی ناواقف تھی۔

"اور تم اسے جانتے ہو۔ "اس نے گردن موڑ کے کسی کو اشارہ کیا۔ ہیل کی ٹک ٹک قریب آنے لگی۔

"بالکل۔ میں اسے جانتا ہوں۔ لیکن کیا تم اس کو جانتے ہو، بی؟"

مالا نے دیوار گیر آئینے کو دیکھا تا کہ اسے گردن موڑنے کی ضرورت نہ ہو۔ آئینے کے کونے سے وہ آتی دکھائی دے رہی تھی۔

کندھوں تک آتے بھورے بالوں والی لڑکی۔ پوری آستین کا سفید فٹڈ ڈریس پہنے جو جو پنڈلیوں کے درمیان میں ختم ہوتا تھا۔ کانوں میں سنہرے ٹاپس۔ کہنی پہ ایک مٹیلک برکن بیگ جس کے لیے چند دن پہلے اس کی کلائنٹ اور تکوئے کی مسجد کے سامنے رو رہی تھی۔ اب وہ بیربل کے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔ مالا نے آئینے سے نگاہ ہٹا کے اس کے اصلی وجود کو دیکھا۔ اس کی انگلیوں میں بہت سی انگوٹھیاں تھیں۔ ایک میں تین کیرٹ کا ڈائمنڈ واضح دمک رہا تھا۔

ان سب کو اپنی طرف دیکھتے پایا تو سادگی سے مسکرائی۔

"سوزین۔ "سر کے خم سے تعارف کروایا۔

"سوزی اور میں نے شادی کر لی ہے۔ "وہ ساتھ آ کھڑی ہوئی تو بیربل نے کرسی کا کنارہ چھوڑ دیا۔ گردن قدرے تن گئی۔

مالا کی نگاہیں کورٹ میں دائیں بائیں جاتی ٹینس بال کی طرح ان دونوں سے ماہر کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ پیچھے کو ٹیک لگائے بالکل سنجیدہ بیٹھا تھا۔

"کب؟"

"پانچ دن پہلے۔ہم نے اچانک سے فیصلہ کیا۔ spur of the moment۔ہمیں لگا یہ ہمارے لیے ٹھیک ہے۔ "وہ کہہ رہا تھا۔پھر رکا۔مالا کو دیکھا۔

"سوزی... سوزین... ماہر کی وکیل تھی۔اس نے ماہر کا کیس لڑا تھا اور اس کو جیل سے نکالا تھا۔وہ کیس جس میں..."وہ ہچکچایا۔"زیاد نے اسے پھنسایا تھا۔"

"یاد کروانے کے لیے شکریہ۔ "وہ جبراً مسکرائی۔سوزی کو سر کے خم سے سلام کہا۔وہ بھی دوستانہ انداز میں مسکرائی۔پھر واپس ماہر کو دیکھا۔

"جانتی ہوں آپ لوگ خفا ہوں گے کہ ہم نے آپ کو نہیں بتایا۔"

" کیوں نہیں بتایا، بیربل بھائی؟ "ہلال ابھی تک پریشان بیٹھی تھی۔بیربل کے چہرے پہ ملال ابھرا۔

" آئی ایم سوری۔مگر ہم نے وہ کیا جو ہمیں اپنے لیے بہتر لگا۔سوری ہلال۔"واپس ماہر کو دیکھا۔"سوری ماہر۔"

ماہر اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے صرف سوزی کو دیکھ رہا تھا۔

"ماہر بے... "وہ کھنکھاری۔"مجھے اندازہ ہے کہ آپ کو بیربل اور میرے فیصلے سے افسوس ہوا ہوگا..."

"درست اندازہ ہے۔"

"اور یہ بھی کہ آپ بیربل کی چوائس پہ بھروسہ نہیں کرتے۔کیونکہ ماضی میں بیربل کے ساتھ ایسے واقعات ہو چکے ہیں۔میں اور بی ایک عرصہ دوست رہے ہیں،سو میں جانتی ہوں کہ اس کی زندگی میں..."

" آگے بولو۔ "اس نے ہاتھ کو گھمایا۔جلدی کا اشارہ کیا۔سوزی کے چہرے کی جوت بجھ گئی لیکن وہ جلدی جلدی کہنے لگی۔

"میرا مطلب ہے.... آپ کو یقیناً کچھ خدشات ہوں گے۔سو آپ کی تسلی کے لیے کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ "وہ اسی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ماہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔

"میں نے اور بیربل نے ایک پری نپ سائن کیا ہے۔"

(پری نپچوئل ایگریمنٹ اس معاہدے کو کہتے ہیں جو شادی سے پہلے میاں بیوی سائن کرتے ہیں جس کے مطابق طلاق کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کی دولت یا جائیداد میں حصے دار نہیں بن سکتے۔یہ عموماً تب سائن کیے جاتے ہیں جب دونوں میں سے کم از کم ایک فرد بے تحاشا دولت کا مالک ہو۔)

مالا کی آنکھیں واپس ماہر تک آئیں۔اس کے چہرے کی لکیروں میں فرق نہیں آیا تھا۔

"اس پری نپ کی کاپی میں آپ کو ای میل کر دوں گی۔آپ اپنی تسلی کر لیں۔میں نے بیربل سے شادی ایک گھر بنانے کے لیے کی ہے۔اس کی دولت میں حصہ دار بننے کے لیے نہیں۔ "پھر اس نے چہرہ موڑ کے بیربل کو دیکھا۔آنکھوں میں نرمی تھی۔

"وہ چیزیں جن کی وجہ سے عورتیں بیربل کے پیچھے بھاگتی ہیں، میں وہ چیزیں بچپن سے دیکھتی آ رہی ہوں۔" واپس ماہر کو دیکھا اور جیسے اداسی سے مسکرائی۔"یہ بیگز، یہ جواہرات، یہ گھر اور لگژری تعطیلات، یہ میرے لیے نیا نہیں ہے۔میرا اپنا سوشل سرکل ہے۔ایک کامیاب کیریئر ہے۔مگر میری زندگی میں صرف ایک چیز کی کمی تھی۔" ساتھ کھڑے بیربل کا ہاتھ تھاما۔ "Companionship کی کمی۔اس کی تلاش میں، میں بہت سے لوگوں سے ملی ہوں۔بیربل سے امیر۔بیربل سے کم پیسے والے۔مگر پیسہ میرے لیے اہم نہیں ہے کیونکہ میں یہ خود کما سکتی ہوں۔لیکن بیربل وہ واحد شخص ہے جو مجھے سمجھتا ہے۔جس کے ساتھ میں نے خود کو اتنا seen اور heard محسوس کیا ہے۔"

اس کی مسکراتی آنکھوں میں گلابی نمی ابھری۔

"اسی لیے جب اس نے مجھے پروپوز کیا تو میں نے ہاں کر دی۔اور ہم نے فوراً شادی کر لی۔کچھ سوچا نہیں۔کچھ دیکھا نہیں۔"

"سوائے پری نپ کے۔"

سوزی نے گہری سانس لی۔"میں وکیل ہوں، ماہر بے۔دس منٹ میں معاہدہ بنوا سکتی ہوں۔کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ آپ مجھے لالچی عورتوں کی کیٹگری میں ڈالیں۔ہم نے پیسے کو پہلے دن سے ہی اپنے تعلق سے نکال لیا ہے۔آپ نے میرے ساتھ کام کیا ہے۔آپ مجھے جانتے ہیں۔میں ان چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگتی جن کے پیچھے دوسری عورتیں بھاگتی ہیں۔میں ورکنگ وومن ہوں۔اپنی محنت سے اپنی لگژریز افورڈ کر سکتی ہوں۔بیربل اپنا کام کرے گا اور میں اپنا کام۔ہم اپنی زندگی شیئر کریں گے اور ایک دوسرے کے ساتھی بنیں گے۔لیکن ہم پیسے شیئر نہیں کریں گے۔یہ ہمارا پہلے دن سے معاہدہ ہے۔"

ماہر بالکل خاموشی سے سن رہا تھا۔وہ خاموش ہوئی تو ہال میں سناٹا چھا گیا۔

"کیا آپ ہم سے ناراض ہونے کی بجائے ہمیں اپنی blessings (دعا) دے سکتے ہیں؟"

وہ دونوں آنکھوں میں فکرمندی اور امید لیے سامنے کھڑے تھے۔

"اور تمہارے گھر والوں کی blessings؟ "

سوزی کے چہرے پہ پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔"ماں ناراض ہیں۔میں نے انہیں آج بتایا ہے۔وہ امریکہ میں ہیں اور فی الحال میری کالز نہیں لے رہیں۔ "اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے لیکن اس نے جیسے آنسو نگل لیے۔"مجھے احساس ہے کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے۔ہم نے اپنے لیے ایک فیصلہ لے کر کچھ غلط نہیں کیا۔لیکن آپ لوگوں کو اعتماد میں نہ لے کر غلط کیا ہے۔اگر آپ اس فیصلے کو قبول کر لیں تو وہ بھی ٹھیک ہو جائیں گی۔ "وہ رکی۔پھر دہرایا۔"وہ میری ماں ہیں۔مجھے ان کو منانے کے لیے بھی آپ کی مدد چاہیے۔"

مالا کے دل کو کچھ ہوا۔اس نے بے اختیار ماہر کی طرف گردن موڑی۔

ماہر کے تاثرات نہیں بدلے تھے۔

"میرے پاس قبول کرنے کے سوا کیا آپشن ہے،سوزین حانم؟ فیصلہ تم لوگ کر چکے ہو۔میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ.... فیضی حانم... "زور سے آواز دی۔بیربل اور سوزی کا سانس رک گیا۔

فیضی حانم بھاگتی ہوئی آئیں۔قدرے ڈر کے اسے دیکھا۔

" آپ سوزین حانم کے برتن لگا دیں۔وہ آج سے اس گھر کی ممبر ہیں۔"

سنجیدگی سے کہتے ہوئے اس نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

سوزین مسکرا دی۔بے اختیار بیربل کو دیکھا۔وہ بھی نروس سا مسکرایا۔البتہ کرسی پر بیٹھنے اور برتن لگنے تک وہ بار بار پریشانی سے ماہر کو دیکھتا تھا جو اب گود میں نیپکن بچھا رہا تھا۔

کھانا خاموشی سے سرو ہوا۔خاموشی سے کھایا جانے لگا۔اسے اپنا آپ بس ایک تماشائی لگ رہا تھا۔ماہر نے اسے کیوں بلایا؟ بیربل تو چاہتا تھا کہ وہ موجود ہو تا کہ اس کی بے عزتی نہ کی جائے۔وہ بے دلی سے کھانے لگی۔البتہ دیکھ سکتی تھی کہ بیربل اور سوزین نے تھوڑا تھوڑا کھایا ہے۔ڈائننگ ہال کی فضا ابھی تک تناؤ سے بھری تھی۔ماہر نے یہی الفاظ اگر خوشدلی سے مسکرا کے کہے ہوتے تو وہ سب ریلیکسڈ ہوتے۔لیکن نہیں۔کلاسک ماہر فرید۔

"ہم کل ہنی مون کے لیے نکل رہے ہیں۔ "بیربل نے کھانے کے اختتام پہ اطلاع دی۔

" کہاں جاؤ گے تم لوگ؟ "وہ مسکرا کے گفتگو میں شریک ہوئی۔شاید ماحول کا تناؤ کم ہو۔

"مونٹینیگرو۔"وہ قدرے جوش سے بتانے لگا۔"ابھی تک ہم ہوٹل میں تھے۔وہیں سے ائیر پورٹ جائیں گے۔مگر صرف چار دن کے لیے کیونکہ پھر...(سوزی کو دیکھا۔محبت اور فخر سے)... سوزی کی ایک اہم عدالتی

سماعت ہے۔"

"زیادہ دن کام سے آف بھی نہیں لے سکتی نا۔ "وہ مسکرائی۔

بیربل نے بات جاری رکھی۔"واپس آ کے پھر ہم..."

"جو بھی کرنا ہے کرو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ "وہ کانٹے میں پاستا کا ٹکڑا پھنساتا اسی اکتاہٹ سے بولا تھا۔میز پہ ایک دفعہ پھر سے سناٹا چھا گیا۔پھر ماہر نے چہرہ اٹھایا۔

"جب میں نے کہا کہ میں تمہارے فیصلے کو قبول کر چکا ہوں تو کر چکا ہوں۔ "پھر انہی نظروں سے سوزی کو دیکھا۔" قاسم فرید کے گھر میں خوش آمدید۔اس گھر کو اپنا سمجھو۔فیضی حانم کلکنگ کرتی ہیں۔تم ان سے اپنی مرضی کا جو بھی بنوانا چاہو بنوا سکتی ہو۔" پھر اطراف میں دیکھا۔"اس گھر کا انٹیریئر میں نے بنایا ہے۔لیکن تم چاہو تو تبدیلیاں کر سکتی ہو۔جیسے چاہو رہو۔میری طرف سے کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔"

"نہیں، ماہر۔اٹس اوکے۔ "بیربل نے بے اختیار بات کاٹی۔

"اب ہمیں اپنی الگ جگہ پہ شفٹ ہو جانا چاہیے۔ "اس کا انداز نارمل تھا کہ یہی اس شہر کا اصول تھا۔شادی شدہ جوڑے کو جلد از جلد اپنی خود مختار جگہ چاہیے ہوتی تھی۔

ہلال نے چونک کے سر اٹھایا۔" آپ... یہاں سے چلے جائیں گے؟"

"دور نہیں۔ "بیربل مسکرایا۔"ساتھ والے اپارٹمنٹ میں۔"

کشمالہ مبین نے بہت آہستہ سے چمچ کانٹا نیچے رکھا اور نگاہیں اٹھا کے ماہر کو دیکھا۔

اسے بالآخر سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ یہاں کیا کر رہی تھی۔

"ساتھ والے اپارٹمنٹ میں؟ "ماہر نے ناسمجھی سے بیربل کو دیکھا۔

"ہاں۔وہ بھی تو ہمارا ہی ہے۔یوں ہم قریب بھی رہیں گے اور ہماری اپنی space بھی ہوگی۔"

ایک ابال سا مالا کے سینے میں اٹھا۔مگر ابھی اسے ضبط کرنا تھا۔

" مگر وہ تو میں نے مالا کو دے دیا ہے۔"

بیربل اور سوزی نے چونک کے مالا کو دیکھا۔وہ صرف ماہر کو دیکھ رہی تھی۔لب بھینچے۔ضبط کیے۔آنکھوں میں چنگاریاں لیے۔

"مالا کو؟"

"ہاں مالا کو۔اس کا ایکس ہز بنڈ واپس آ گیا ہے شہر میں۔اسے ایک محفوظ جگہ چاہیے تھی۔میں اسے بلت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ "ماہر کے تاثرات بگڑے۔"اگر تم فیصلہ لینے سے پہلے مجھے بتا دیتے تو میں یہ نہ کرتا۔لیکن تم نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

کشمالہ بہت سے جذبات حلق سے نیچے دھکیلے بدقت کھنکھاری۔"میری وجہ سے آپ..."

"ہم بھائی بات کر رہے ہیں۔ہمیں بات کرنے دو۔ "ہاتھ اٹھا کے روکا۔"میں نے دو مہینے بعد ویسے بھی لندن چلے جانا ہے۔مالا بھی ایک دو ماہ تک چلی جائے گی۔دونوں اپارٹمنٹ تمہارے ہوں گے۔تب تک یہیں رہو یا کہیں اور شفٹ ہو جاؤ۔تمہاری مرضی ہے۔ "وہ رکا۔تاثرات مزید برہم ہوئے۔"اب میں مالا کا سامان یہاں سے اٹھوا تو نہیں..."

"نہیں نہیں۔"

"بالکل بھی نہیں۔"

بیربل اور سوزی ایک ساتھ بولے تھے۔نفی میں سر ہلاتے۔فکرمندی سے۔

"مالا،تم آرام سے وہاں رہو۔یہ میرا ہی گھر ہے۔ڈونٹ وری۔"

"جی۔ویسے بھی اچھا ہے نا۔مجھے تو ماہر اور ہلال کے ساتھ رہنا زیادہ اچھا لگے گا۔ایک فیملی کی طرح۔ "سوزی نے کہتے ہوئے بہت امید سے ماہر کو دیکھا۔مگر وہاں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

" گڈ۔بات ختم۔ "وہ واپس اپنی پلیٹ پہ جھک گیا۔اب صرف ماہر فرید کے چمچ کانٹے کی آواز آ رہی تھی۔

وہ دونوں معذرت کر کے جلد ہی اٹھ گئے۔انہیں ہوٹل جا کے پیکنگ کرنی تھی۔ان کے جانے کے بعد ہلال بھی اسی خاموشی سے اٹھ گئی۔اس نے بھی کھانا ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔

کھانا صرف ایک شخص نے ٹھیک سے کھایا تھا۔اور ابھی تک کھا رہا تھا۔

خاموشی پہ چہرہ اٹھا کے دیکھا۔وہ کہنیاں میز پر رکھے اس کی طرف پوری گھوم کے بیٹھی اسے گھور رہی تھی۔

" کیا؟"

"اور میں سمجھی تم میری حفاظت کے لیے مجھے یہاں لائے ہو۔تمہارا ایک اور احسان بڑھ گیا تھا مجھ پہ۔لیکن نہیں۔ "سر دائیں بائیں ہلایا۔" تمہیں بیربل کو اس اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے سے روکنا تھا۔اتنی جلدی تمہیں کرایہ دار مل نہیں سکتا تھا۔سو تم نے مجھے استعمال کیا۔"

" کہا تھا نا۔ دیکھو اور سیکھو۔ "وہ مسکرایا۔ یہ اس کی اس شام پہلی مسکراہٹ تھی۔

"اُف، ماہر.... اُف۔"اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ الفاظ ختم ہو گئے۔

"حیرت ہے تم نے احتجاج نہیں کیا۔ میں سمجھا مجھے تمہیں اپارٹمنٹ خالی کرنے سے بذورقوت روکنا پڑے گا۔"

مالا نے گہری سانس لی۔ پھر اسی کے انداز میں مسکرائی۔

" کیوں احتجاج کرتی؟ دوپہر سے تمہارے احسان کے نیچے بوجھل تھی۔ مگر اب تم میرے احسان تلے ہو۔ اچھا لگا جان کر۔"

اس کے کندھے اس بوجھ سے آزاد ہو چکے تھے۔ وہ نکل جاتی تب بھی وہ ان کے ہنی مون سے لوٹنے سے پہلے تک کسی اور کو وہاں لے آتا۔ کرایہ دار بنا کے۔ پھر اسے بھی اپنے بارے میں سوچنا چاہیے تھا۔

" کچھ کچھ سمجھنے لگ گئی ہو تم مجھے۔ "وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔

" کیوں سوزین کو اس گھر میں رکھنا چاہتے ہو؟"

"Keep your enemies closer."

"وہ دشمن نہیں، تمہارے بھائی کی بیوی ہے۔ تم ایک فیملی بن کے بھی رہ سکتے ہو۔ ویسے بھی وہ لالچی نہیں ہے۔ وہ سر سے پیر تک امارت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس نے تمہاری تسلی کے لیے پری نپ سائن کر لیا ہے۔ تم خلوصِ دل سے اس کو ایک چانس دے سکتے ہو۔ کیا معلوم وہ بیربل کی زندگی سنوار دے؟ تم میری بات سن رہے ہو؟"

"میں کھانا کھا رہا ہوں۔"

مالا نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"ایسے مت کرو، ماہر۔ بیربل کو اس سے دور کرنے کے لیے کوئی نئی پلاننگ مت کرو۔ تم اپنا بھائی کھو دو گے۔"

ماہر نے پلیٹ پرے دھکیلی۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

"دیکھو اور سیکھو۔" پھر رکا۔ "چائے؟"

"نو تھینکس۔ مجھے بلانے کا مقصد پورا ہو گیا؟ گڈ نائٹ۔"رکھائی سے کہتی وہ اٹھ گئی۔ وہ اٹھنے لگا لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کے ماہر کو روک دیا۔

"میں خود جا سکتی ہوں۔"

کچن میں کام کرتی فیضی حانم نے پلٹ کے اسے دیکھا جو کاریڈور میں آگے جا رہی تھی۔ پھر گہری سانس

لی۔اس گھر میں نئے نئے کام ہونے لگے تھے۔بیربل ایک بیوی لے آیا تھا اور ماہر ایک لڑکی کے جوتے برداشت کرنے پہ مجبور تھا۔اللہ اللہ۔

مالا کے جانے کے بعد فرید لا ر پھر خاموش ہو گیا۔

وہ اپنے کمرے کی بجائے ہلال کی جانب آیا۔دروازہ ادھ کھلا تھا اور وہ بیڈ کے کنارے بیٹھی تھی۔

"لالی؟ "وہ اس کے قریب آیا۔ایک ننھا اسٹول کھینچا جو ڈریسنگ ٹیبل کا حصہ تھا اور اس کے سامنے بیٹھا۔

وہ گردن سیدھی رکھے کھڑکی پہ آنکھیں جمائے ہوئے تھی۔ابرو اکٹھے بھینچ رکھے تھے۔

"بیربل بھائی نے ہمیں شادی پہ کیوں نہیں بلایا؟"

"اس کو لگا ہم اسے یہ نہیں کرنے دیں گے۔"

وہ غور سے ہلال کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہا تھا۔

"وہ اچھی ہے۔پھر آپ اس سے ایسے بات کیوں کر رہے تھے؟"

"وہ ہمارے لیے اچھی نہیں ہے۔"

"اس کی انرجی بری نہیں تھی۔مختلف تھی۔وہ بیربل بھائی کے ساتھ آنے والی لڑکیوں سے مختلف تھی۔وہ واقعی اس گھر میں فیملی کی طرح رہنا چاہتی ہے۔پھر آپ کیوں...؟"

"میں چھٹی حس سے زیادہ اپنی پانچ حسیات پہ بھروسہ کرتا ہوں، ہلال۔"

"اب کیا ہمارے گھر کا ہر ڈنر ایسے ہی ہوگا؟ ٹینشن میں؟"

وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔"میں کچھ اور پوچھنے آیا ہوں۔"

ہلال اسی طرح چہرہ کھڑکی کی طرف موڑے بیٹھی رہی۔اس زاویے سے باہر صرف آسمان دکھائی دے رہا تھا۔

"تم نے مالا سے اپنی ٹپسٹری کیوں چھپائی؟"

ہلال کے ابرو چونکنے والے انداز میں اٹھے۔اسی پل پرندوں کا ایک غول کھڑکی کے قریب سے گزرا۔مدھم سی غٹرغوں سنائی دی۔پھر خاموشی۔

" کچھ چیزیں وقت سے پہلے نہیں دیکھنی چاہئیں۔"

" کیا کوئی چیز تم سے پھر سے باتیں کرنے لگی ہے؟ کوئی آواز؟ کوئی وژن؟"

وہ غور سے اس کے برف جیسے چہرے کو پڑھنا چاہ رہا تھا۔

"میں عادی ہوں۔"

ہلال باہر دیکھتی رہی۔ یا شاید اپنے اندر۔ وہ فیصلہ نہ کر سکا۔

" تمہیں ان چیزوں کو بلاک آؤٹ کرنا ہوگا، لالی۔ یہ زندگی مشکل بنا دیتی ہیں۔ مجھے دیکھو۔ میں نے ایک عرصہ ہوا یہ آوازیں سننا چھوڑ دی ہیں۔ ان کی طرف جتنی توجہ کرو، یہ اتنی بڑی ہو جاتی ہیں۔ توجہ ہٹاؤ تو غائب ہونے لگتی ہیں۔ "وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ البتہ ایک غیر آرام دہ سا احساس پر پھیلائے ماہر فرید کے کندھوں پہ دباؤ ڈال رہا تھا۔

یہ احساس کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔

اور اس سے بہتر کون جانتا تھا کہ جب ہلال نے کچھ نہیں بتانا تو اس نے کچھ نہیں بتانا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خزاں سڑک کے دونوں کنارے اُگے درختوں پہ اتری تھی۔ وین کوور کے یہ درخت اس موسم میں رنگ بدل لیتے تھے۔ نارنجی سرخ اور بھورے مائل کے درمیان۔ گھاس پہ جگہ جگہ کرارے پتے گرے تھے۔

ایک گھر کے ڈرائیووے پہ آرائشی کدور کھے تھے جو غالباً ہالووین کی رات سے اب تک پڑے تھے۔

اس گھر کے مقابل ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ باہر رکھے بنچ کے ساتھ وہیل چیئر تھی جس پر ایک بوڑھا آدمی بیٹھا تھا۔ پینٹس پہ لمبا کوٹ پہنے۔ گردن میں مفلر۔ سر پر ٹوپی۔ چھوٹی داڑھی۔ عینک۔ جھریوں زدہ استخوانی ہاتھ کی پشت پر آئی وی لائن کی باقیات موجود تھیں۔ اور چہرے پر مسکراہٹ۔

" کیا چیز تمہیں یہاں لے آئی، ماہ بینہ؟"

وہ وہیل چیئر کا رخ بنچ کی طرف موڑے ہوئے تھے جس پر ماہی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ڈاکٹر رائد کے لیے افسوس اور ہمدردی تھی۔

" آپ ٹھیک ہیں؟"

" کینسر کا یہی مسئلہ ہے۔ ایک دفعہ لاحق ہو جائے تو بس... ہر گفتگو اسی بارے میں ہوتی ہے۔ "وہ مسکرائے۔ چہرے کی جھریوں میں اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر رائد کی بیٹی نے اسے بتایا تھا کہ دو سال پہلے ان کو کینسر ہوا تھا۔ آخری چند ماہ کی مہلت دی گئی تھی۔ اس مہلت کو ختم ہوئے ڈیڑھ سال ہو چکا تھا۔ اور وہ اب تک جی رہے تھے البتہ بہت کمزور اور

لاغر ہو گئے تھے۔ کیمو کے تازہ ترین سیشن کو چند ہفتے گزر چکے تھے، سو داڑھی اور بال واپس آنے لگے تھے۔ اور مسکراہٹ تو کبھی جدا ہی نہیں ہوئی تھی۔

"میں دنیا کی نظر میں ایک اچھی زندگی گزار رہی ہوں، شیخ۔یعنی "....اس نے سر جھکا دیا۔"میرے بچے ہیں۔ شوہر ہے۔گھر ہے۔شاید دوسروں کو لگتا ہے کہ میرے پاس سب کچھ ہے۔لیکن صبح شام میرے کیا چیلنجز ہیں، یہ میں جانتی ہوں۔کبھی کبھی بچے مجھے ایسا پاگل کر دیتے ہیں کہ میں باتھ روم میں چھپ کے زور زور سے روتی ہوں۔ کبھی میری اور عباد کی ایسی لڑائی ہوتی ہے کہ ہمسائے تک سنتے ہیں۔اور کبھی یہی بچے مجھے بہت ہنساتے ہیں۔عباد اور میں ٹھیک ہو جاتے ہیں اور ہم ساتھ ٹریول پلان کرتے ہیں۔جاب میں کامیابیاں بھی ملتی ہیں اور ساتھ ہی ایسے ایسے فنانشل مسئلے درپیش آتے ہیں کہ میں چکرا کے رہ جاتی ہوں۔ساتھ رہتے رہتے تو جانور بھی ایک دوسرے سے عاجز آ جائیں، ہم چاروں تو پھر انسان ہیں۔ہم مختلف موڈز سے گزرتے ہیں۔زندگی میں سب کچھ پرفیکٹ نہیں ہے۔لیکن دوسروں کو لگتا ہے کہ ماہی سیٹلڈ ہے۔"

"اور؟"

ماہی نے اداس پلکیں اٹھائیں۔

"اتنے عرصے بعد پھر سے وہی چیزیں شروع ہو رہی ہیں۔میری کھڑکی پہ خون پھینکا گیا ہے جو کسی انسان کا کام نہیں ہے۔پولیس کو بھی سمجھ نہیں آیا کہ وہ کہاں سے آیا ہے۔"

وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھے گئے۔

"اور تمہیں کیا محسوس ہوا؟"

"خوف۔بے بسی۔کوئی جادو کر رہا ہے مجھ پہ پھر سے۔ "اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"میں کیا کروں؟ میں کیسے اس سب سے نکلوں؟ آپ مجھے کچھ پڑھنے کے لیے بتائیں۔پکا وعدہ میں نمازیں بھی پوری پڑھوں گی۔دعائیں بھی مانگوں گی۔اذکار اور تسبیحات بھی مس نہیں کروں گی۔ "وہ جلدی جلدی دہرا رہی تھی۔

"اور اگر کسی دن بھول گئیں تو؟"

ماہی گنگ سی انہیں دیکھنے لگی۔

" کسی دن بھول جاؤ گی۔کسی دن دعا مس ہو جائے گی۔اس دن جادو نقب لگا کے تمہاری زندگی میں داخل

ہو جائے گا۔ پھر کیا کرو گی؟"

ماہی نے ہاتھ باہم پھنسا لیے۔ لب کاٹے۔ وہ اس کے بدترین خدشات کو زبان دے رہے تھے۔ وہ انہیں روکنا چاہتی تھی، لیکن وہ کہہ رہے تھے۔

"اور اگر اذکار کو پڑھتے ہوئے کمی کوتاہی ہو گئی؟ ان کا اثر دوسرے گناہوں جیسے جھوٹ غیبت کی وجہ سے زائل ہو گیا اور جادو تمہاری فیملی کو نقصان پہنچا گیا.... تو؟ اس کے بعد کیا کرو گی، ماہ بینہ؟"

آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے۔

"ایسے مت کہیں۔ عورت اپنا خون بہا کے اپنا گھر بناتی ہے۔ بچے پالتی ہے۔ یہ خیال کہ کسی کا جادو اور حسد میری خوشیوں کو نظر لگا سکتا ہے.... اُف ... ایسے مت کہیں۔" دل خزاں کے پتوں کی طرح کانپا تھا۔

"تمہارا سب سے بڑا خوف کیا ہے؟"

ماہی کے ذہن میں چھپے سارے خوف سامنے لہرانے لگے۔ بڑے بڑے ڈیمنٹرز جو الماری سے باہر آ گئے تھے۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ ان کو زبان نہیں دے سکتی تھی۔

"میں بتائے دیتا ہوں۔ یہی کہ شوہر چھن جائے گا، بچے چھن جائیں گے، رزق چھن جائے گا، گھر چھن جائے گا۔ نعمتوں کے چھننے کا خوف، ہے نا؟"

اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔ سر اوپر نیچے ہلا دیا۔

"ہمیں جادو سے خوف نہیں آتا۔ ہمیں جادو کی وجہ سے اپنی نعمتوں کے چھن جانے کا خوف ستاتا ہے۔ جادو ہم سے ہر وہ شے چھین لے گا جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔"

وہ اب کے سر بھی نہ ہلا سکی۔ کیا کینسر انہیں مزید دانا بنا گیا تھا یا سنگدل؟ وہ ایسے کیوں کہہ رہے تھے؟

"کیا کرو گی اگر جادو نقب لگا کے تمہاری دنیا میں داخل ہو گیا؟"

اس نے بس نفی میں سر ہلایا۔ ہوا کا سرد جھونکا قریب آیا اور ان کے گرد بھورے پتے بکھیر گیا۔ اونچے، نارنجی درخت چپ چاپ کھڑے اپنے آسیبوں سمیت ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ آنکھیں ناک کٹے ہوئے حلوہ کدو (pumpkins) بھی انہی کو دیکھ رہے تھے۔

"میں نے کئی برس پہلے بھی تمہیں ایک نصیحت کی تھی۔ آج دہراتا ہوں۔ جادو توڑنے کے بہت طریقے ہیں۔ کچھ جادو کے ذریعے۔ کچھ قرآن اور مسنون اذکار کے ذریعے۔ دونوں طریقوں سے جادو کٹ جاتا ہے۔ مگر جادو کے

خلاف انسان کا سب سے پہلا ہتھیار یہ سب نہیں ہوتا۔"

اسے کچھ یاد آ رہا تھا۔ کیا کہا تھا انہوں نے؟

"جادو کے خلاف تمہارا پہلا ہتھیار ہے، یہ یاد رکھنا کہ ..... جادو کس کی اجازت سے ہوتا ہے۔"

انہوں نے انگشت شہادت اوپر اٹھائی۔

"جادو صرف اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے۔ وہ اجازت نہ دے تو جادو اثر نہیں کرتا۔ اور وہ جادو کو اجازت دے دے تو تم صبح شام کتنے ہی اذکار کیوں نہ پڑھو، جادو اثر کر جائے گا۔ جو مصیبت تمہیں پہنچنی ہے وہ پہنچ جائے گی۔"

"پھر میں کیا کروں؟ اذکار نہ پڑھوں۔"

"ضرور پڑھو۔ وہی تو تمہیں جادو سے محفوظ رکھیں گے۔ مگر یاد رکھو..... پہلا ہتھیار یہ یقین ہے کہ جادو جس کی اجازت سے ہوتا ہے، وہی تمہیں اس سے نکالے گا۔ جادو سے ڈرنے کی بجائے اس کا سامنا کرنے کو تیار رہو۔ ہر انسان کو اپنے حصے کی مصیبت کاٹنی ہے۔ اگر تمہارے گھر، شوہر یا بچوں کو نقصان پہنچنا ہے تو وہ پہنچ کے رہے گا۔ مگر..."

"مگر؟" درختوں کے پتے بھی سانس روک کے سننے لگے۔ اور ان پر بیٹھے جنات بھی۔

"مگر اس نقصان کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہوگا جو تمہیں سنبھال لے گا۔ اس کو ایمان کہتے ہیں۔ انسان کا اتنا پختہ یقین رکھنا کہ بھلے میرے اوپر سو جادوگر بھی جادو کریں، جب تک اللہ میرے ساتھ ہے، اول تو جادو اثر نہیں کرے گا، اور اگر کر گیا اور مجھ سے کچھ چھن گیا تو اللہ مجھے وہ لوٹا دے گا۔ مجھے مصیبت پہنچ بھی گئی تو اللہ مجھے سنبھال لے گا۔ یہ یقین جب دل میں پختہ ہو جائے تو انسان جادو کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس کی سوچ جادوگروں کے خوف سے اوپر اٹھ جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے تم لوگ ڈالو اپنی رسیاں۔ اور لگاؤ اپنا کھیل تماشہ۔ مجھے پرواہ نہیں کیونکہ میرا رب میرے ساتھ ہے۔ پھر مجھے کوئی مصیبت پہنچے یا میرا کوئی نقصان ہو... یا کوئی بیماری مل جائے... تو وہ میرے لیے میرے رب کے تحفے ہیں۔"

"بیماری تحفہ کیسے ہوتی ہے؟" اس کی نگاہیں ان کے بوڑھے ہاتھ کی پشت پہ لگی آئی وی لائن تک اٹھیں۔

"ہر چیز اس کا تحفہ ہے۔ ٹریجڈی بھی۔ خوشی بھی۔ اللہ آپ کو دونوں تحفے تھمائے گا۔ اپنے ہاتھ بڑھائے رکھو۔ وہ کسی وقت کچھ بھی تھما سکتا ہے۔ جو بھی تھمائے اسے قبول کر لو۔ ہاتھ نیچے نہ کرو۔ خوف سے خود کو بند نہ کر لو۔ ہاتھ

پھیلائے رکھو۔اگر ٹریجڈی ملے تو اس سے نکلنے کی کوشش کرو۔اگر خوشی ملے تو اس کا شکر ادا کرو۔لیکن شکوہ نہیں کرو۔ انسانوں کو الزام نہ دو۔جادوگروں یا جنوں سے خوف نہ کھاؤ۔یہ تو بس ایک ذریعہ ہیں اس مصیبت کو تم تک پہنچانے میں جو برسوں پہلے تمہاری قسمت میں لکھ دی گئی تھی۔مکتوب تحفے۔"

" مکتوب تحفے۔ "وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔"یعنی جو ہونا ہے میرے ساتھ وہ ہو کر رہے گا۔کوئی جادو کرے یا نہ کرے،نظر لگے یا نہ لگے۔جو مصیبت میری زندگی میں لکھی ہے،وہ مجھے ڈھونڈ لے گی۔"

"اور جو خوشی تمہاری قسمت میں لکھی ہے،اسے تم تک پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔نہ کسی کی بددعا،نہ کسی کا جادو،نہ کسی کی سازش۔"

اس نے گیلے چہرے اور مسکراہٹ کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔

"یعنی میں اس امید کے ساتھ اذکار،نمازیں اور قرآن کثرت سے پڑھوں کہ یہ جادو کے خلاف میری حفاظت کریں گے۔اور اگر ان کے باوجود بھی جادو کے اثر سے مجھ سے کچھ چھن بھی گیا تو اللہ ہے نا۔وہ میرے اندر کوئی خیر دیکھے گا تو مجھے لوٹا دے گا ہر وہ چیز جو مجھ سے چھینی گئی تھی۔"

وہ ان سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی۔بار بار نگاہوں کے سامنے خون آلود شیشے کی دیوار آ جاتی اور کیسے اس نے اسکرب کر کر کے اس خون کو صاف کیا تھا۔یہ واقعات ہوتے رہیں گے۔اسے ان سے ڈرنا چھوڑنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے جیسے کیلنڈر نومبر کے دن آگے گزار رہا تھا استنبول کی فضا میں خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔سریار کی اس سڑک کے کنارے کشمالہ مبین چل رہی تھی۔پس منظر میں اپارٹمنٹ بلڈنگ کے اونچے ٹاورز کھڑے تھے۔فون کان سے لگا رکھا تھا۔لمبے بھورے کوٹ کے اوپر کراس باڈی بیگ پہنے وہ ماہی کا آڈیو میسج سن رہی تھی،جس میں اس نے کھڑکی پہ خون پھینکے جانے کی داستان اتھل پتھل سانسوں کے درمیان سنائی تھی۔

میسج سنتے ہوئے مالا کے ابرو بھنچے ہوئے اور دانت بے دردی سے ہونٹ کچل رہے تھے۔فون نیچے کر کے اس نے جوابی میسج ریکارڈ کرنا چاہا کہ احساس ہوا ایک سیاہ کار اس کے قریب آ کے رکی ہے۔وہ چونک کے پلٹی۔کار کی پلیٹ دیکھ کے ماتھے کے بل ڈھیلے ہوئے۔گہری سانس خارج کی۔وہ اس گفتگو کے لیے تیار تھی۔

پچھلی سیٹ کا شیشہ نیچے ہوا اور ماہر فرید کا چہرہ دکھائی دیا۔

"میں نے کہا تھا ہم آفس ساتھ جائیں گے۔"اس کا اشارہ صبح والے ٹیکسٹ کی جانب تھا۔

"اور میں نے جواب میں کہا تھا کہ میں اپنی عادتیں خراب نہیں کرنا چاہتی۔"وہ موبائل والا ہاتھ نیچے کیے مسکراہٹ دبائے بولی۔

"ہم نے ایک ہی جگہ جانا ہے۔"ماہر نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔یعنی اندر بیٹھ جاؤ۔

"تم نے کہا تھا میں قید نہیں ہوں۔اپنی مرضی سے گھوم پھر سکتی ہوں۔"

"اس سردی میں صبح صبح گھوم پھر کر تم نے کیا کرنا ہے؟"

" کہیں بھی رک کے کافی اور ڈونٹ خرید سکتی ہوں۔تمہاری جج منٹل نظروں کے خوف سے آزاد ہو کے۔"

"آخری دفعہ پوچھ رہا ہوں۔تمہیں میرے ساتھ آفس چلنا ہے؟"

"تاکہ تمہارے آفس والے مجھے بھی تمہاری طرح سمجھیں۔سائیکو پیتھ وڈ الرز۔"آنکھیں گھمائیں۔

ماہر دھیرے سے ہنس دیا۔ڈرائیور اردل کی مسکراہٹ بھی بیک ویو مرر میں دکھائی دی۔

"یہ اس نام سے بہتر ہے جو بیربل کی بیکری کے ملازموں نے اس کا رکھا ہے۔"

" کیا؟"

"Pinocchio. "

کشمالہ کھلکھلا کے ہنس دی۔

"واقعی۔تمہارا نک نیم زیادہ بہتر ہے۔"وہ ابھی تک ہنس رہی تھی۔سڑک کنارے کھڑی،گردن کار کی کھڑکی پہ جھکائے۔

"تم نے کبھی آفس والوں کی تصحیح نہیں کی؟"

" کس چیز کی تصحیح؟"

"انہوں نے تمہیں گوگل کیا ہوگا اور وہ افواہ پڑھی ہوگی نا تمہارے بارے۔وہ insane asylum والی۔"

"وہ افواہ نہیں ہے۔"

مالا چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔اچھنبے سے پیچھے کو ہوئی۔کیا وہ مذاق کر رہا تھا؟

"تمہاری کار کا نمبر ٹرپل فائیو کیوں ہے؟ "بنا سوچے سمجھے پوچھا۔ہر دفعہ اس کی کار دیکھ کے وہ یہ سوچتی تھی،لیکن پوچھنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔

"کیونکہ یہ میرا نمبر ہے۔"

"تمہارا لکی نمبر؟"

"نہیں۔صرف نمبر۔"اس نے بٹن دبایا۔شیشہ اوپر اٹھتا گیا اور دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔کشمالہ کو اس میں اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔اس کے سر پر جمی ٹوپی میں سے چند بال نکل رہے تھے۔بے اختیار بال ٹوپی میں اڑسے۔تب تک کار آگے بڑھ گئی۔

وہ آنکھیں چھوٹی کیے اسے دور جاتے دیکھتی رہی۔

اس نے یہ بات گزشتہ ماہ وسال میں چند ایک دفعہ سنی تھی۔اصلی کیف جمال سے۔انٹرنیٹ پہ کی گئی سرچ سے۔ اور شاید کسی مقام پہ زیادہ سے بھی۔اسے ٹھیک سے یاد نہیں تھا۔لیکن تب زندگی میں اتنا کچھ چل رہا تھا کہ بیٹھ کے سوچنے کا موقع ہی نہیں ملا۔اس وقت اس نے یقین بھی کر لیا تھا۔لیکن اب جہاں بہت ساری دھند چھٹ چکی تھی، اس کا ذہن یہ ماننے سے انکاری تھا کہ ماہر فرید جیسا انسان کبھی کسی ذہنی امراض کے ہسپتال میں داخل ہو سکتا ہے۔ سائیکو پیتھ ایسے نہیں ہوتے۔

یا ہو سکتے ہیں؟

کیا وہ واقعی ماہر فرید کو جانتی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کی عمارت آج کچھ زیادہ ہی بے رونق تھی۔شاید آج بہت سے ورکرز کا ورک فرام ہوم تھا۔یا شاید اس کے ٹیب کی خالی اسکرین اس کا منہ چڑا رہی تھی۔کیا بنائے وہ؟ کوئی چیز انسپائر نہیں کر پا رہی تھی۔

اسکرین کو دیکھتے دیکھتے جب اس کی آنکھیں تھک گئیں تو مالا نے انہیں مسلا۔پھر انگلیوں کو دیکھا تو پوروں پہ مسکارے کے دھبے تھے۔اُف۔وہ کوفت سے اٹھی اور مین ہال کی بغلی راہداری کی طرف آئی جہاں واش رومز بنے تھے۔

"ماہر بے کا نمبر ٹرپل فائیو کیوں ہے؟ "

واش روم ایریا کی روشنیاں تیز سفید اور فضا آرکڈ کی خوشبو سے معطر تھی۔دیوار گیر آئینے کے سامنے چند سنک بنے تھے۔ایک ستون سے شبنم ٹیک لگائے ہوئے تھی۔گردن موبائل پہ جھکی تھی۔مالا نے نل کھولتے ہی سوال داغا۔

"یہ ان کا نمبر ہے۔" وہ بے چینی سے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔

مالا نے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے گیلے ٹشو کی نوک سے آنکھ کے کنارے صاف کیے۔

" لکی نمبر ہے کیا؟ فون نمبر، کار کی نمبر پلیٹ، ہر جگہ وہ اتنے سارے فائیو کیوں استعمال کرتا ہے؟ "جوتے سے ٹریش کین کا لیور دبایا۔ اس کا منہ کھل گیا۔ ٹشو اس میں پھینکا۔ ٹریش کین نے فوراً اسے ہڑپ کر کے منہ بند کر دیا۔

"ان کی ڈیٹ آف برتھ ہے نا۔ پانچ مئی۔"

"اوہ۔ "مالا چونک کے اس کی طرف گھومی۔ لیکن شبنم وہاں متوجہ نہیں تھی۔ وہ انگوٹھے کا ناخن دانت سے کتر رہی تھی۔

"اسے unblock تو نہیں کر دیا؟"

شبنم نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔

" کون، حلیل؟ نہیں۔ وہ تو بلا کڈ ہے لیکن..." گلابی پڑتے گنجے ناخن والا انگوٹھا نیچے کیا اور سر جھکا دیا۔

"لیکن اب کوئی اور ہے؟ "مالا آئینے کی طرف پشت کیے یوں کھڑی تھی کہ دونوں ہتھیلیاں دائیں بائیں واش بیسن پہ جمی تھیں۔

شبنم کے دانتوں نے اب ہونٹ کو کترنا شروع کر دیا۔

" کیا یہ حلیل سے بہتر ہے؟"

"بات یہ نہیں ہے کہ وہ بہتر تھا یا یہ۔ "شبنم نے آنکھیں اٹھائیں تو عینک کے شیشوں کے پار نمی تھی۔ "یہ اچھا ہے۔ میرے سٹینڈرڈز پہ پورا اترتا ہے۔ لیکن مسئلہ وہ نہیں ہے۔ مسئلہ میں ہوں۔"

"یعنی؟"

"یعنی میں ایک دفعہ پھر اس سے obsessed ہو چکی ہوں۔ حلیل کو بلاک کرنے کے بعد مجھے لگا تھا میں آزاد ہو گئی ہوں اور دوبارہ کوئی مرد مجھے ایسے محسوس نہیں کروائے گا۔ لیکن اب..." اس نے موبائل اسکرین مالا کے سامنے لہرائی۔ چہرہ روہانسا ہو گیا۔ "وہی بے چینی۔ وہی تکلیف۔ گھنٹوں اس کے میسج کا انتظار۔ وہ میسج نہ کرے تو مجھے پریشانی ہونے لگتی ہے۔ میں کیا کروں؟ کیا یہ ہمیشہ ہوتا رہے گا؟"

"ہاں۔ یہ ہمیشہ ہوتا رہے گا کیونکہ..." کشمالہ پلٹی اور نل کے کنارے سے دو چیزیں اٹھائیں۔ ایک نقلی آرکڈ کا گملہ اور ایک ہینڈ واش کی بوتل۔ شبنم چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ گملہ حلیل ہے۔وہ مرد جو زندگی سے نکل گیا۔" گملہ زور سے سنک کے سنگ مرمر پر رکھا۔

"اور یہ ہینڈ واش تمہارا اگلا ریلیشن شپ ہے۔وہ مرد جو آگے آئے گا۔"

ہینڈ واش کی بوتل گملے سے ایک فٹ کے فاصلے پہ رکھی۔

"ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ تمہاری نارمل زندگی ہے۔جب حلیل تمہاری زندگی میں تھا تو تم ہر وقت بے چین اور بے قرار رہتی تھیں۔اس کے ایک ایک میسج کا انتظار کرتی تھیں۔لیکن اس کے جانے کے بعد..." مالا نے انگلی سے درمیانی فاصلے کی جانب اشارہ کیا۔"تم بالکل پرسکون ہوگئی تھیں۔تمہیں کسی کے میسج کا انتظار نہیں رہتا تھا اور تمہیں لگتا تھا کہ تم خوش ہو۔لیکن پھر..."

انگلی ہینڈ واش پہ رکھی۔

"ایک نیا شخص آیا اور تم اسی بے چینی کا شکار ہوگئیں۔ "

شبنم نے دھیرے سے سر ہلایا۔

"ایسا ہی ہے۔"

"اور یہ ہمیشہ ہوتا رہے گا۔زندگی میں نئے نئے لوگ آئیں گے....اور..." مالا اب مزید چیزیں اٹھانے لگی۔سینیٹائزر۔ٹشو باکس۔ایک اور گملہ۔اور انہیں قطار میں ہینڈ واش کے آگے رکھتی گئی۔

"یہ وہ تمام مرد ہیں جو تمہیں زندگی میں ملیں گے۔ان میں سے کسی کو تم پسند نہیں آؤ گی،کوئی تمہیں پسند نہیں آئے گا۔لیکن شادی کرنا چاہتی ہو تو بہت سے لوگوں سے ملنا تو ہوگا۔ہر دو انسانوں کے درمیان ایک گیپ ہوگا۔"

شبنم غور سے اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"ہر گیپ کے درمیان تم خود کو اچھا محسوس کرو گی۔آزاد۔خوش۔لیکن جیسے ہی کوئی مرد زندگی میں آئے گا تم دوبارہ سے اس کے آگے بے بس ہو جاؤ گی۔"

" مگر کیوں؟"

" کیونکہ یہ بے چینی اور پریشانی جو تمہیں کسی کے میسج کا انتظار کرتے وقت محسوس ہوتی ہے،وہ دراصل تمہاری زندگی کا حصہ ہے۔تمہیں وہ ریلیشن شپ میں بہت بڑی ہو کے دکھائی دیتی ہے۔لیکن جب کوئی مرد نہیں ہوتا اور تم gap period میں ہوتی ہو،تب یہ مرد کی طرف سے نہیں ملتی تو تم خوش ہو جاتی ہو کہ یہ ختم ہوگئی۔مگر یہ دوسرے معاملات میں ضرور ظاہر ہوتی ہے۔تمہارے کام میں۔کسی آن لائن آرڈر کے انتظار میں۔کسی دوست کی ادھوری

بات کو مکمل جاننے کے تجسس میں۔ یہ اینگزائٹی تمہاری ذات کا حصہ بن چکی ہے۔"

"یعنی جیسے ہی کوئی مرد میری زندگی میں آئے گا، یہ اینگزائٹی اس رشتے میں داخل ہو جائے گی۔"

"اور جب وہ مرد چلا جائے گا تو یہ دوسرے معاملات میں گھسی رہے گی۔ اگر تمہیں اس فیلنگ سے نجات چاہیے تو..."

"تو مجھے گیپ کے دوران اپنی اینگزائٹی پہ کام کرنا ہوگا۔"

"بالکل۔ جب تم عام زندگی میں اس اینگزائٹی پہ قابو پا لوگی اور خود کو صابر اور ریلیکس رکھنا سیکھ لوگی تو یہ اینگزائٹی اگلے رشتے میں داخل نہیں ہوگی۔ ورنہ یہ ساری زندگی ہر معاملے میں تمہارا پیچھا کرتی رہے گی۔ کل کو تمہاری شادی ہوگئی تو یہ تمہارے اور تمہارے بچوں کے رشتے کے درمیان بھی آ جائے گی۔ اس لیے..." وہ آگے بڑھی اور چیزیں واپس اپنی جگہوں پہ رکھنے لگی۔ "ابھی سے اس پہ کام کرو۔"

"اور کیسے کام کروں؟ "

کشمالہ نے مڑ کے گھور کے اس کو دیکھا۔

"جیسے میں نے پہلے بتایا تھا۔ خود سے پوچھو کہ تم کیا محسوس کر رہی ہو۔ تمہارے جسم میں درد کہاں ہے۔ اور اس درد کا..."

"درد کا رنگ۔ یاد ہے، یاد ہے۔ خود سے پوچھوں۔ self check-in۔" شبنم کسی سبق کی طرح دہرانے لگی۔ پھر یاد آیا۔

"تمہارے کام کا کیا ہوا؟"

"تمہارے باس کے اس بورنگ آفس نے دماغ مزید بند کر دیا ہے۔ اس لیے میں ایسی جگہ جا رہی ہوں جہاں شاید مجھے کوئی انسپائریشن مل جائے۔"

"ماہر بے نے پوچھا تو....؟"

" کہہ دینا مالا اپنی مرضی کی مالک ہے۔ " مسکرا کے کندھے جھٹکے اور آگے بڑھ گئی۔

اسے اس قرمزی عمارت کی دیواروں پہ ایک بہت خوبصورت سا منظر پینٹ کرنا تھا۔ کیوں نا وہ ایک ایسی جگہ جائے جس کی دیواروں پہ کسی نے ایک شاہکار پینٹ کر رکھا ہو؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا جب پینو راما میوزیم پہنچی تو آسمان بادلوں سے سیاہ ہو چکا تھا لیکن نجانے کیوں وہ برس نہیں رہے تھے۔ ہر وقت بھیگا رہنے والا استنبول آج پانی کو ترسا ہوا تھا۔

یہ ایک ایسا میوزیم تھا جہاں سیاح کم تھے اور مقامی افراد زیادہ۔ یہ اس قوم کے لیے ایک حب الوطنی سے جڑا میوزیم تھا۔ نیچے گیلری میں آویزاں فریم 1453 کی جنگ کی داستان سنا رہے تھے۔ البتہ اس کی دلچسپی کی جگہ بالائی منزل تھی۔ وہاں ایک پینو راما بنا تھا۔ پینٹ شدہ آسمان۔ ہال کی گولائی میں گھومتی دیواریں بھی پینٹ شدہ تھیں۔ ان پہ جنگ کا تھری ڈی منظر بنا تھا۔ گولے بارود کی زوردار آوازیں۔ آسمان کی گرج۔ جنگی میوزک۔ کہیں جرنیلوں کی للکار۔ دیواروں کے سامنے رکھی توپیں اور اصلی جنگی ساز و سامان۔

وہ کسی ایکسائٹڈ سے بچے کی طرح گھوم پھر کے سارے کو دیکھنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی جنگ کے میدان میں ہو۔ قدیم زمانوں کی وہ جنگ جس نے اس شہر کو فتح کروایا تھا۔ تب استنبول کا نام قسطنطنیہ....

"تم مجھے ڈھونڈ رہی تھیں۔" کسی نے اس کے کان کے قریب اردو میں کہا۔ وہ ایک دم ڈر کے دور ہٹی۔ پھر ایڑیوں پہ گھومی۔

اگلے ہی پل وہ ساکت رہ گئی۔

سنہری بالوں والا نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ چہرے پہ مسکراہٹ۔ ہڈی کی ٹوپی سر پر گرائے۔

"میرا اسکیچ بنوانے کی کیا ضرورت تھی؟ تم ہوا کے دوش پہ کہہ دیتیں (انگلی گول گول گھمائی) کہ عالیان.... مجھ سے ملنے آجاؤ اور میں آجاتا۔" سینے پر ہاتھ رکھ کے سر جھکایا۔ پھر سیدھا ہوا۔

وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم بھی میرا اسکیچ بنا سکتی تھیں۔ لیکن شاید تم نے اس روز مجھے ٹھیک سے دیکھا نہیں تھا۔ دونر لیتے وقت۔ ہم نے انوائرمنٹ کے بارے میں بات کی تھی۔ بھول گئیں؟"

مالا نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔ لیکن الفاظ حلق میں اٹک گئے۔ کچھ تھا جس نے اس کے سارے وجود کو پکڑ لیا تھا۔

"تم سے بولا نہیں جا رہا۔ ہے نا؟ تمہاری گردن کو کوئی پکڑ رہا ہے جیسے۔"

عالیان ریلنگ کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔ وہ ریلنگ جس کے عقب میں جنگ کا منظر تھا۔ اور وہ اس سے دو فٹ کے فاصلے پہ ساکت کھڑی تھی۔ بے یقینی سے ساکت۔

کیا یہ سرکار تھا؟ اس کا ذہن منجمند تھا۔ کسی قسم کا کنارہ ملانے سے قاصر۔

"میں..."

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن شاید شور تھا یا اس شخص کا اثر، الفاظ حلق میں پھنس گئے۔

"ہم کزنز ہیں۔ کیا تمہیں ہلال نے نہیں بتایا؟"

"ہلال؟" وہ چونکی۔ اپنی آواز مختلف سی سنائی دی۔

"بدر میرے پاس ہے۔"

ایک دم جیسے بہت سا خون مالا کے چہرے پہ سمٹ آیا۔ اسے لگا وہ اس پہ جھپٹ پڑے گی لیکن قدم ہلنے سے انکاری تھے۔

"اگر تم نے اس جگہ کوئی ری ایکشن دکھایا تو بدر تمہیں زندہ نہیں ملے گا۔"

اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ ضبط سے سانس اندر کھینچی۔

"میں... میں کیسے مانوں کہ تم سچ بول رہے ہو؟" اس نے خود کو غراتے سنا۔ وہ مجمع کے درمیان اس کے ساتھ تنہا کھڑی تھی۔ اسے چلانا چاہیے۔ پولیس۔ سیکیورٹی۔ کسی کو بلانا چاہیے۔ وہ کیوں نہیں بلا پا رہی تھی؟

"اگر بدر میرے پاس نہ ہوتا تو میں کیوں یہ دعویٰ کرتا، کزن؟ چچ چچ..." افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر آواز دھیمی کی۔

"میں نے تمہیں زارا کے ہاتھ پیغام بھجوایا تھا کہ بدر میرے پاس ہے۔ اس نے نہیں بتایا؟"

"کون زارا؟" اس نے اچھنبے سے اس نوجوان کو دیکھا۔ وہ کس زارا کی بات کر رہا تھا؟ اس کی تو کسی فرینڈ یا رشتے دار کا نام زارا نہ تھا۔

"بدر میرے پاس بالکل محفوظ ہے۔ میں کوئی برا آدمی نہیں ہوں۔ بس تھوڑا..." انگلی اور انگوٹھے کے درمیان فاصلہ بنا کے دکھایا۔ "...تھوڑا شر پسند ہوں۔ مجھے پرسکون دنیا اچھی نہیں لگتی۔ میں جان بوجھ کے chaos پیدا کرتا ہوں۔ پھر اسے خود ہی توازن پہ لے آتا ہوں۔ سائیڈ ہابی۔" ہاتھ نیچے گرایا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

وہ انہی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیا وہ حیران زیادہ تھی؟ یا بے یقین؟

"عالیان۔میرا نام عالیان ہے۔ہوسکتا ہے ہلال نے تمہیں نہ بتایا ہو۔سوئیٹ گرل۔ہم ایک ساتھ قید تھے۔" پھر رک کے تصیح کی۔"میں قید نہیں تھا۔میری قید اس وقت ختم ہوگئی تھی جب میں نے نگینہ بیگم کو اپنی ماں تسلیم کر لیا تھا۔حالانکہ میری بائیولوجیکل مدر..."اس کی طرف اشارہ کیا۔"تمہاری آنٹی کبیرہ تھیں۔"

پسِ منظر میں کوئی گولہ پھٹا۔چیخوں کی آوازیں گونجیں۔

"اور رہی ہلال تو.....چچ چچ .....وہ اپنے بھائی کی طرح ضدی نکلی۔اگر وہ نگینہ بیگم کی سن لیتی تو اس کی زندگی بھی میری طرح آسان ہوتی۔ "

عالیان کو شور کے باعث اونچا بولنا پڑ رہا تھا۔

وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔وہ اثر جس کے زیر ہو کے وہ چند لمحے پہلے بولنے سے معذور ہو چکی تھی، وہ دھیرے دھیرے زائل ہونے لگا۔اب وہاں صرف حیرت تھی۔اچھنبا تھا۔(یہ تھا سرکار؟اس شخص نے اس کا بچہ اغوا کیا تھا؟)

"اگر میرا تعارف ہضم ہو گیا ہو تو ہم کام کی بات کریں؟"

"میرا بیٹا تمہارے پاس ہے؟ "وہ اب غصے میں نہیں تھی۔وہ جیسے الجھن سے سوال پوچھ رہی تھی۔

" کہا نا وہ میرے پاس ہے۔تم ٹھیک تھیں، مالا۔ایک نیا سرکار اپنا وجود رکھتا ہے۔میں نے اپنی ماں کی legacy کو آگے بڑھایا ہے۔تم ٹھیک تھیں اور تمہارے خواب بھی... جن میں تم مجھے دیکھتی آئی ہو۔"

وہ اگلا سانس نہ لے سکی۔

" تمہیں کیسے...؟"

"میں سرکار ہوں اور سرکار بننے کے لیے جو قیمت چکانی پڑتی ہے،اس کے بدلے میں مجھے بہت سی آنکھیں ملی ہیں جو میرے دوستوں اور دشمنوں کا پیچھا کرتی ہیں۔"

"بدر سے کیا دشمنی تھی تمہاری؟"وہ ابھی تک آنکھوں میں شک اور الجھن لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس کا قصور یہ ہے کہ وہ زیادہ سلطان کا بیٹا ہے اور زیادہ میرا دشمن ہے۔لیکن... "عالیان نے ٹوپی کے نیچے سے بال کھجائے۔ "آئی ایم رئیلی سوری۔اس ساری مشکل کے لیے جو میری وجہ سے تمہیں اٹھانی پڑی۔"

"سوری؟ "اس نے پلکیں جھپکائیں۔کیا وہ اپنے ہوش میں تھا؟یا کسی ڈرگ کے زیر اثر تھا؟

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ وہ آخری تکلیف ہے جو تمہیں میری طرف سے ملی ہے۔کیونکہ میں تمہیں بدر

واپس کر دوں گا اگر..."

مالا کا سانس رک گیا۔

"اگر کیا؟ "وہ اس کی آنکھوں سے نگاہیں نہیں ہٹا پا رہی تھی۔

"اگر تم وہ کرو جو میں چاہتا ہوں۔"عالیان نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

اور اس لمحے کشمالہ مبین کو احساس ہوا کہ اگر وہ اسے گلاطہ کی چھت سے کود جانے کو کہے تو وہ بنا سوچے سمجھے یہ کر دے گی۔اگر وہ اس سے اس کی ساری عمر کی کمائی سے دوہری رقم بھی مانگ لے تو وہ خود کو گروی رکھوا کے رقم ادا کر دے گی۔وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھی۔

" کیا چاہتے ہو؟ کیا کروں میں؟"

عالیان نے جواب نہیں دیا۔اپنا سفید ہاتھ جیب میں ڈالا اور جب وہ باہر آیا تو اس میں ایک موبائل تھا۔ اسکرین اپنی طرف کیے وہ اب ایک نمبر ملا رہا تھا۔شاید ویڈیو کال کیونکہ رابطہ ملنے کی ٹون سنائی دی۔وہ موبائل کی پشت دیکھ سکتی تھی۔اور مدھم سی آواز بھی سن سکتی تھی۔

" کیوں کال کر رہے ہو مجھے؟ اگر مجھے بلیک میل کر کے... "ایک ناگوار سی نسوانی آواز گونجی۔

"دس کب کے بج گئے، زارا۔تمہاری مہلت ختم ہوگئی۔دیکھو میں کس کے ساتھ ہوں۔" کہتے ہوئے عالیان نے رخ موڑا، یوں کہ اب وہ کشمالہ کے ساتھ کھڑا تھا اور موبائل سیلفی کے انداز میں اٹھا رکھا تھا۔

اسکرین پہ زارینہ فرید کا بگڑا بگڑا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔وہ غصے میں کچھ کہہ رہی تھی۔

اس کی نگاہ مالا پہ پڑی۔

یکدم اس کا چہرہ منجمند ہوگیا۔اگلے ہی لمحے اسکرین سیاہ ہوگئی۔

عالیان نے ہنس کے سر جھٹکا اور موبائل جیب میں ڈالا۔پھر اس کی طرف پلٹا۔

اب وہ اس کے بہت قریب تھا۔وہ اس کے آفٹر شیو کی خوشبو بھی سونگھ سکتی تھی۔

"میں بدر کو تمہارے حوالے کر دوں گا اگر تم ایک سچ بولنے پہ تیار ہو جاؤ۔"

" کیسا سچ؟ "اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔زارا؟ یہ والی زارا کیسے....؟

" تمہیں ماہر کو وہ بتانا ہوگا جو میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں۔"

ارد گرد پھیلے سیاح اور گولے بارود سے لیس منظر نامہ سب جیسے غائب ہوگیا تھا۔بس وہ تھی اور ساتھ سرگوشی میں

کہتا ہڈی والا نوجوان۔

"زارینہ فرید میری کلائنٹ ہے اور اس نے اپنے باپ پہ جادو کروا کے اس کو ٹیومر کا شکار کیا ہے۔ "

کشمالہ ٹکر ٹکر اسے دیکھے گئی۔ ایسے جیسے کسی دیوانے کا چہرہ دیکھتے ہیں۔

"ٹیکنیکلی اس نے مجھے ماہر پہ جادو کرنے کا کہا تھا تا کہ ان دونوں کی شادی ہو جائے۔ مگر میں ماہر کے ریڈار پہ نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے اس کے بجائے مالک فرید پہ عمل شروع کر دیا جس سے ان کا ٹیومر recurring ہو کے واپس آ گیا۔ اور rest is history۔" وہ اسی انداز میں مسکرایا۔

وہ ابھی تک جیسے سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ کوئی کیسے اس طرح مسکرا کے یہ سب کہہ سکتا ہے؟

" کیا مطلب...؟ زارا کیوں...؟"

اس دراز قد سنہری بالوں والے نوجوان کے الفاظ اس سے ٹکرا کے واپس پلٹ رہے تھے۔

" کیا تمہیں سمجھ میں نہیں آیا؟ "عالیان نے اس کے چہرے کے سامنے چٹکی بجائی۔

"زارا کی ماہر سے منگنی میرے جادو کا نتیجہ ہے۔ مالک فرید کی بیماری بھی میرے جادو کا نتیجہ ہے۔ اور اس کے لیے زارا نے مجھے ایک خطیر رقم ادا کی ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"تم نے ابھی اسے ویڈیو کال پہ دیکھا ہے۔ کیا وہ بھی جھوٹ تھا؟"

مالا نے کچھ کہنا چاہا لیکن کچھ تھا فضا میں۔ الفاظ حلق تک پھنس گئے۔

"اور یہ وہ سچ ہے جو تم جا کے ماہر فرید کو بتاؤ گی۔ جس دن تم ماہر کو یہ سچ بتا دو گی اس رات بدر تمہارے گھر پہنچ جائے گا۔ گھر یعنی ماہر کے اپارٹمنٹ میں جہاں تم رہ رہی ہو۔ فیصلہ تمہارا ہے۔"

وہ مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے قدم قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ پھر پیشانی تک دو انگلیاں لے جا کر سلام کیا اور پلٹ گیا۔

وہ اسی طرح وہاں کھڑی رہی۔ کتنی ہی دیر۔ ساکت۔ جامد۔ پھر بدقت قریب بنے زینے پر بیٹھی۔ گہرے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی کیونکہ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

یہ کیسا احساس تھا جس نے اسے جکڑ لیا تھا؟ اس نے سیکیورٹی کو کیوں کال نہیں کی؟ اس نے پولیس کیوں نہیں بلوائی؟ وہ اپنا فون تک نہیں نکال سکی۔

اس کا سارا خون سمٹ کے چہرے میں آ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا اس نے بدر کو اغوا کیا ہے۔ اتنے مہینوں کی تکلیف۔ کسی بچے کی جلی ہوئی لاش، بدر کو کسی کوریئر کے ہاتھوں استنبول پہنچانا۔ سب اس کا کام تھا۔ اُف۔ اس نے اس کا منہ کیوں نہیں نوچ لیا؟

وہ سحر اب ٹوٹ چکا تھا۔ وہ بے اختیار زینے اترنے لگی۔ اسے اس کے پیچھے بھاگنا تھا۔

سیاحوں کا سمندر اس طرف آ رہا تھا۔ اسکول کا گروپ ٹور۔ وہ بہت سے لوگوں سے ٹکرائی۔ بہت سے سوری کہے۔ لیکن جب تک وہ ایگزٹ تک پہنچی وہ نوجوان کہیں نہیں تھا۔

زینوں سے اوپر.... جنگ اسی زور و شور سے جاری تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ واپس آفس نہیں گئی۔ اس نے ماہر کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ بادل بھی نہیں برسے۔ دونوں ہی تیار نہیں تھے۔ اوپر سے بیربل کی کال آ گئی۔ وہ پہلی دفعہ اس سے فیور مانگ رہا تھا۔ وہ ہنی مون پہ تھا اور چاہتا تھا کہ مالا بیکری جا کے آج کے اکاؤنٹس دیکھ لے اور پیسوں کا حساب کتاب کر لے کیونکہ کل بیکری کے پاس ایک کیٹرنگ آرڈر تھا۔ عام حالات میں وہ بیربل کو ضرور جتاتی کہ وہ فارغ نہیں ہے لیکن اس وقت یہ غنیمت تھا۔ وہ ماہر کا سامنا کرنے سے بچ جائے گی۔

ابھی اسے اس سب کو جذب کرنا تھا جو عالیان نے اسے بتایا تھا۔

"یعنی عالیان کے بارے میں میری ساری تھیوریز غلط ثابت ہوئیں۔" ماہی نے سنتے ہی مایوسی کا اظہار کیا تھا۔

وہ اس وقت بیکری کے کاؤنٹر کے اونچے اسٹول پر بیٹھی تھی اور کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے۔ سامنے اسکرین پہ بیکری کا پورٹل کھلا تھا۔

"ویسے کیا وہ واقعی عالیان تھا؟ وہ لڑکا جس کے بارے میں بچپن سے ہم سنتے آئے ہیں کہ .... افففف.... کبیرہ تائی سے اِن ٹچ ہوگا وہ کیا؟"

"تمہیں اس کی پڑی ہے۔ تم وہ نہیں سن رہیں جو میں بتا رہی ہوں۔ بدر... ماہی... بدر اس کے پاس ہے۔" وہ غرائی۔ سارا غصہ اور فرسٹریشن اب ماہی پہ نکلنی تھی۔

گزرتے ہوئے اسٹاف نے گھور کے اسے دیکھا۔ وہاں کسی کو بھی اس کی مداخلت پسند نہیں آئی تھی۔ وہ جب

سے آ کے بیٹھی تھی وہ لوگ اس کے ساتھ تعاون نہیں کر رہے تھے۔عجیب قوم تھی یہ۔زبان نہیں سمجھتے تھے یا نہ سمجھنے کی اداکاری کرتے تھے۔اور حد درجے کے سست۔

"ہاں مگر... "ماہی دھیمی ہوئی۔"اس نے کیوں کیا بدر کو اغوا؟"

وہ کہنا چاہتی تھی کہ دیکھو ماہی، میرا بدر زندہ ہے۔سب کے بچے نہیں مرجاتے۔دیکھو میں درست تھی۔ لیکن....اس نے گہری سانس لے کر سب کچھ اندر دبا دیا۔

"پتہ نہیں۔زیادہ سے دشمنی شاید۔"

"اور وہ صرف اس لیے بدر کو چھوڑ دے گا اگر تم ماہر اور زارا کی منگنی تڑوا دو؟"

"منگنی تڑوانے کا نہیں کہا۔صرف بتانے کا کہا ہے۔"

"اس بتانے کا انجام یہی ہوگا نا۔ "دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔وہ لب کاٹتی اسکرین کو دیکھے گئی۔

"تمہیں ماہر کو بتا دینا چاہیے۔"

"ایسے کیسے بتا دوں؟ کیا معلوم وہ جھوٹ بول رہا ہو۔"

"پھر زارا نے اس کی ویڈیو کال کیوں اٹھائی؟ ظاہر ہے وہ ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔"

"میں ان دونوں کے درمیان نہیں آنا چاہتی۔"

"یعنی تم ان دونوں کے درمیان آ سکتی ہو؟"ماہی چونکی۔پھر اس کی آواز میں تشویش در آئی۔"مالا، تمہارے اور ماہر کے درمیان کیا چل رہا ہے؟"

"پہلے غلط فہمیاں تھیں۔اب وہ نہیں رہیں۔باقی وہ میری مدد کر رہا ہے اور کچھ نہیں۔"

اس کے دوٹوک انداز پہ ماہی مزید کچھ نہ کہہ سکی۔

"اب تم کیا کرو گی؟"

"وہی سوچ رہی ہوں۔"باہر سے بادلوں کے زور سے گرجنے کی آواز آئی تو اس نے چہرہ اٹھایا۔بیکری پہ رش آج معمول سے بہت کم تھا۔اکا دکا لوگ آتے اور چلے جاتے۔گلاس والز کے باہر مغرب پھیل چکی تھی اور آسمان بادلوں سے سیاہ تھا۔مگر نہ جانے انہیں کس چیز نے روک رکھا تھا۔

اور نہ جانے اسے کس چیز نے روک رکھا تھا۔

اس نے کئی دفعہ موبائل اٹھایا اور ماہر کے نمبر پہ انگوٹھا رکھا۔پھر اسے نیچے کر دیا۔وہ اسے کیا بتائے؟ کتنا بتائے؟

نوفلٹر، نو ججمنٹ کا دعویٰ کرنا آسان تھا۔ پورا کرنا بہت مشکل۔

" کیا عجیب حساب کتاب ہے۔ "وہ اب اپنی جھنجھلاہٹ پورٹل پہ نکال رہی تھی۔ ٹھک ٹھک کیز دباتی۔ ماتھے پہ بل لیے۔ موبائل چہرے کے قریب کیے وہ بیربل کو میسیج بھی ریکارڈ کر کے بھیج رہی تھی۔

اس دوران دروازہ بہت دفعہ کھلا اور بند ہوا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ لیکن اس دفعہ اس نے دروازہ کھلنے سے پہلے ایک دم چہرہ اٹھایا۔ جانتی تھی اگلے ہی لمحے...

وہ چوکھٹ پہ نمودار ہوا۔ مالا کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ انگلیاں کی بورڈ سے ہٹائیں اور پیچھے کو ہوئی۔ جیسے کندھوں کا تناؤ ایک دم سے ختم ہو گیا ہو۔

" کیا شہر میں کوئی دوسری کافی شاپ نہیں ملی؟ "وہ مسکرا کے کھڑی ہوئی۔

"اس وقت تک ساری اچھی کافی شاپس بند ہو چکی ہوتی ہیں۔ "وہ ٹائی ڈھیلی کرتا مسکراتے ہوئے کاؤنٹر کے قریب چلا آیا۔

باریستا تیزی سے آگے بڑھی لیکن مالا نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔

"ڈارک روسٹ۔ میڈیم۔ ون ملک۔ نو شوگر؟ "اسے اس کا کافی آرڈر یاد تھا۔ کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔ وہ کینیڈا کے اس مال کی کافی شاپ میں کیپ پہنے کھڑی تھی اور وہ اس کے سامنے کھڑا کافی کا آرڈر دے رہا تھا۔

"اس وقت صرف ڈی کیف decaf۔ لیکن اچھی بنانا۔ "ابرو اٹھا کے تنبیہہ کی۔

وہ کافی مشین کی طرف جاتے جاتے چونکی۔ پہلے وہ شام میں ڈی کیف نہیں لیتا تھا۔ صرف وقت بدلا تھا یا کافی پینے والا بھی؟

"سنا ہے آج تم انسپائریشن کے لیے سٹی ٹور پہ نکلی تھیں۔ کچھ انسپائر کیا؟"

بھاپ اُڑاتا کپ کاؤنٹر پر رکھا تو وہ جو اونچے بار اسٹول پر بیٹھا تھا، کپ اپنی طرف کھسکاتے ہوئے بولا۔ مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔

" تمہیں کس نے بتایا؟ "ساتھ ہی تھوک نگلا۔

" شبنم نے۔ "ماہر نے کافی کی بھوری سطح کو دیکھا اور پھر اسے۔ "براؤن کیوں؟"

وہ مسکرا دی۔

"پرپل کیوں؟"

کے سر پر فٹ کر رہی تھی۔اور بالآخر وہ فٹ آ گئی۔

"یہ اپنے لیے نہیں لی۔بدر کے لیے لی ہے۔"

ماہر کی مسکراہٹ تھم گئی۔نگاہ شاپنگ بیگ پہ ڈالی۔اس میں سے چند سوئیٹرز اور ایک جیکٹ جھلک رہی تھی۔بچے کے سائز کے۔وہ واپس سائیڈ واک پہ چلنے لگی تو ماہر نے دیکھا ٹوپی کے پیچھے ٹیگ بھی لٹک رہا تھا جسے مالا نے نہیں دیکھا تھا۔

"تم اس کے لیے شاپنگ کرتی رہتی ہو؟ "

"آج کی ہے۔کیونکہ..."مالا نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔"آج مجھے میوزیم میں عالیان ملا۔سرکار عالیان۔"

پھر چہرہ موڑ کے ماہر کو دیکھا جو بیچ سائیڈ واک کے رک گیا تھا اور اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"کیا مطلب؟"

کشمالہ مبین نے گہری سانس لی۔اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ایک طرف سے ٹریفک تیزی سے گزر رہا تھا۔پانچ کارز،دو بائیکس اور ایک واٹر ٹرک کے گزرنے تک وہ تمام قصہ سنا چکی تھی۔

سوائے اس آخری بات کے۔

"نہیں۔میں سمجھا نہیں۔اس لڑکے نے اعتراف کیا کہ وہ سرکار ہے اور تمہارا بیٹا اس کے پاس ہے؟"

"ہاں۔ "اس نے شانے جھٹکے۔"میں کہتی تھی نا۔سرکار وجود رکھتا ہے۔"

"نہیں مگر.... کیوں؟ وہ کیا چاہتا تھا؟"

اس نے تھوک نگلا۔"پتہ نہیں۔"

"اس نے کوئی مطالبہ کیا ہوگا۔کوئی تاوان کوئی شرط؟"

"نہیں۔ "اس نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"پھر وہ تم سے ملنے کیوں آیا؟ صرف اپنی شکل دکھانے؟ "وہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔اس کا دل بری طرح دھڑکا۔

"اس نے....اس نے بس یہی بتایا کہ بدر کا قصور زیاد کا بیٹا ہونا ہے۔اس لیے اس نے اسے اغوا کیا۔اور..."

پھر سے تھوک نگلا۔"وہ اسے واپس کر دے گا۔"

"کب؟"

"اس نے اور کچھ نہیں بتایا۔بس ایسی ہی عجیب سی باتیں کر کے وہ چلا گیا۔میں اتنی شاکڈ تھی، یا اس نے کچھ کیا تھا میرے ساتھ کہ میں اسے روک نہیں سکی۔"

لیکن ماہر نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"نہیں۔وہ صرف یہ بتانے نہیں آیا تھا۔اس کا کوئی مقصد ہوگا۔ "پھر رک کے اسے دیکھا۔یوں کہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ رکھی تھیں۔"آر یو شیور اس نے اور کچھ نہیں کہا؟"

"نہیں۔ "اس نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

ماہر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔وہ چند لمحے بہت بھاری تھے۔اسے اپنا چہرہ بالکل مطمئن رکھنا تھا، البتہ اس کی پلکیں لرزی تھیں۔

"اوکے۔تمام۔اس کا مقصد سامنے آجائے گا۔"

وہ اب خاموشی سے چلنے لگا۔کنکھیوں سے وہ اس کی ٹوپی کے پیچھے لٹکتا ٹیگ دیکھ سکتا تھا۔ایک دفعہ کچھ کہنے لگا لیکن وہ سڑک عبور کر رہی تھی۔سامنے شور لائن تھی اور اس کے پار بوسفورس کا سیاہ پانی جو عمارتوں کی روشنی میں جھلملا رہا تھا۔

"شاید وہ زیاد کا ساتھی ہو۔"وہ دونوں پانی کے کنارے رکھے اونچے پتھروں پر بیٹھ گئے تو وہ استنبول کی اسکائی لائن کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"ساتھی ہوتا تو زیاد کے بیٹے کو کیوں اغوا کرتا؟ "وہ اسی تیزی سے بولی۔پھر گہری سانس لی اور آواز دھیمی کی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہی کہ زیاد بدل گیا ہے یا ایک دم سے اچھا ہو گیا ہے۔نہیں۔لیکن ایک دفعہ... تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔تم ہر دفعہ درست ہوتے ہو گے۔لیکن اس دفعہ میں بھی غلط نہیں ہوں۔سرکار ہے۔اور بدر اسی کے پاس ہے۔"

ماہر نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"شاید وہ تم سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرے۔"

اس کے ذہن کی جمع تفریق جیسے پوری نہیں پڑ رہی تھی۔کچھ تھا جو غلط تھا۔مسنگ تھا۔

"تم نے کہا تھا میں تم سے ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟"

وہ چونکا۔ پھر اسے دیکھا جو ساتھ پتھر پر بیٹھی تھی اور اس کی سبز آنکھوں میں دور روشن عمارتوں کا عکس جھلملا رہا تھا۔

"پوچھو۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔

مالا چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"تم بدر کا نام کیوں نہیں لیتے؟"

ماہر کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ چہرہ واپس پانی کی طرف پھیر لیا۔

"کیا اس لیے کہ وہ زیاد کا بیٹا ہے؟"

پانی پہ دور سے ایک فیری تیرتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کے عرشے پہ میوزک اور شور کی آوازیں تھیں۔ غبارے بھی لگے تھے۔ جیسے کوئی پارٹی عروج پہ تھی۔

"تمہیں میرا کافی آرڈر یاد تھا۔"

بہت دیر بعد وہ بولا۔ وہ خاموشی سے سنہری چادر میں ڈوبے پانی کو دیکھے گئی۔

"مگر آج میری کافی بناتے ہوئے تم وہ نہیں تھیں جیسی وین کوور میں ہوتی تھیں۔ وہ لڑکی تلخ تھی۔ خوفزدہ۔ غصے میں۔ تم بدل گئی ہو بلکہ .... تم اس مالا جیسی بن چکی ہو جس سے میں پہلی دفعہ ملا تھا۔ اوشن میں جاب انٹرویو کے وقت۔"

"کرائسس سے پہلے کی مالا۔" وہ مسکرائی۔ وہ اس کی پرسکون زندگی کو بدلنے والے دن سے پچھلی صبح کی بات کر رہا تھا۔

"وہ مالا ٹھنڈے مزاج کی تھی۔ مسکرانے والی اور مہربان۔ اس کے اندر امن تھا جو میرے اندر نہیں تھا۔ شاید میں اسی امن کو تلاش کر رہا تھا۔ کرائسس ہمیں بدل دیتا ہے لیکن اگر ہم اس کو ہرا دیں تو اپنے اصل کی طرف واپس پلٹ جاتے ہیں۔"

"تم مجھے یہ کیوں بتا رہے ہو؟"

"میں بھی ویسا نہیں تھا جیسا شمس نے مجھے بنا دیا۔"

"شمس؟"

"میرے باپ کا باڈی گارڈ جس نے میری ماں پہ (کرب سے آنکھیں بند کیں) سحر عشق کیا تھا۔ وہ نگینہ بیگم کا

کلائنٹ تھا۔"

"اوہ۔"

"اس نے میرے باپ پہ سحر مرض کیا تھا جس سے ان کو ٹیومر ہو گیا۔ یا شاید ٹیومر ان کی قسمت میں تھا۔ جادوگر یونہی گناہگار رہوا۔"

"اور تمہاری ماں نے ان کی ڈیتھ کے بعد..."

"نہیں۔ ڈیتھ سے پہلے۔ جب وہ بیمار تھے۔ تب ماں نے انہیں چھوڑ دیا۔ اور شمس سے شادی کر لی۔"

اس کا منہ کھل گیا۔ پھر سنبھل کے جلدی سے بولی۔

"آئی.... آئی ایم سوری۔"

"بیربل نے سمجھوتہ کر لیا۔ میں نہیں کر سکا۔"

"آئی ایم سو سوری، ماہر۔ "وہ اسے دیکھ رہی تھی اور وہ اپنے جوتوں کو۔ اس کی ماں نے اس کی گردن جھکا دی تھی۔

"ابا نے ماں کو اپنی دولت سے محروم نہیں کیا۔ لیکن میں جانتا تھا شمس کی نظر اسی دولت پہ ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح ہماری کمپنی کا حصہ بننا چاہتا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی۔ مگر ابا کے بعد.... مالک اور میں ایک page پہ رہے۔ ہم نے ماں کو بہت سے قانونی طریقوں سے اس دولت کو ضائع کرنے سے روکے رکھا۔"

فیری کے عرشے پہ شور مچاتے نوجوانوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ خوش تھے یا شاید دنیا کو یقین دلانا چاہ رہے تھے کہ وہ خوش تھے۔

"اس وقت ہم میں سے کوئی جادو جنات پہ یقین نہیں کرتا تھا۔ جب شمس کسی قانونی طریقے سے کمپنی میں داخل نہ ہو سکا تو اس نے روحانی طریقے اپنا لیے۔ اس نے میرے اوپر کچھ کروایا۔ مجھے آوازیں آنے لگیں اور میرا paranoia شروع ہو گیا۔ خوف ان چیزوں کی غذا ہے۔ ماں کے اس عمل سے پہلے میں ٹھنڈے مزاج کا انسان تھا۔ لیکن شمس کے آنے کے بعد.... کرائسس کے بعد.... میں تلخ ہو گیا۔ غصے والا۔ میرا غصہ قابو نہیں ہوتا تھا اور وہی میری کمزوری بن گیا۔ غصہ اور خوف۔ جنات ان دو چیزوں کو استعمال کرتے ہیں۔"

اس نے گھٹنے سینے سے لگا لیے اور تھوڑی ان پر رکھے اسے دیکھے گئی۔ وہ آہستہ آہستہ بولتا اب سامنے دیکھ رہا تھا۔ عمارتوں کی روشنیاں اس کی آنکھوں میں بھی جھلملانے لگی تھیں۔

"سبرینہ نے مجھے احساس دلایا کہ روحانی طاقتیں وجود رکھتی ہیں۔مگر میں ان چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکا۔میں نے سبرینہ پہ بھی حملہ کیا۔"

"سبرینہ ٹھیک ہے؟ "اس نے نگاہیں چرالیں۔دل میں قلق سا ابھرا۔

"ڈونٹ وری۔وہ محفوظ ہے۔زیاد اس کو کبھی نہیں تلاش کر سکے گا۔"

پانی اب پرسکون ہونے لگا تھا کیونکہ فیری اپنا چکر مکمل کر کے ان سے دور جا رہی تھے۔

"مالک ہمیشہ میرے ساتھ کھڑا رہا تھا۔وہ چاہتا تو ابا کے مرنے کے بعد ہماری دولت میں نقب لگا سکتا تھا۔اس دولت میں اس کا حصہ بہت کم تھا۔لیکن اس نے امانت کا حق ادا کیا۔اس نے کمپنی کو بچائے رکھا.... مگر..."

" مگر؟"

" مگر ماں اور شمس نے اس کو بھی کنفیوذڈ کر دیا۔میرا سائیکوسس اسے دکھائی دے رہا تھا۔مالک جادو کو نہیں مانتا تھا۔علاج کو مانتا تھا۔اس نے مجھے ماں کے ساتھ مل کے ذہنی امراض کے ہسپتال داخل کروا دیا۔"

ماہر نے گردن اٹھا کے سیاہ آسمان کو دیکھا۔بادل ہر طرف پھیلے تھے۔اندھیرے پہ اندھیرا۔درمیان میں کہیں سے چاند جھلک رہا تھا۔آدھا چاند۔

"میں اس دن کو کبھی نہیں بھول سکتا جب مالک کے رپورٹ کرنے پہ وہ مجھے لینے آئے تھے۔کسی مجرم کی طرح انہوں نے مجھے گرفتار کیا تھا۔پھر وہ مجھے راہداری میں زبردستی آگے لے جا رہے تھے۔"

وہ چاند کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تب ہلال نے مجھے روکا تھا۔اور اس نے کہا تھا کہ جب میں واپس آؤں گا تب وہ وہاں نہیں ہوگی۔ہلال ایسی پراسرار باتیں کیا کرتی تھی۔لیکن تب اس نے وہ نام لیا تھا۔کہ وہ اس کا انتظار کرے گی۔وہ اسے بچا لے گا۔"

"بدر؟"

ماہر نے اثبات میں گردن ہلائی۔

"اگلے چند ماہ جو اسائیلم میں گزرے.... یہ نام میرے ذہن پہ دستک دیتا رہا۔کون بدر؟ وہ کس کی بات کر رہی تھی؟ جب میں اپنے خوف کا مقابلہ کر کے تندرست ہو کے باہر آیا تب تک بہت سا نقصان ہو چکا تھا۔زیاد نے میری ماں کو مار دیا تھا۔ہلال غائب تھی۔پھر میں نے اپنی زندگی کی ٹوٹی کرچیاں سمیٹیں اور اپنے اصل کی طرف واپس لوٹا۔خود ساختہ جلاوطنی اختیار کی اور ہلال کو ڈھونڈنے لگا۔لیکن یہ نام ہمیشہ ذہن میں رہا۔یہ نام واحد lead تھا جو

مجھے ہلال تک لے جا سکتا تھا۔ درمیان میں کئی نام آئے۔ کشمالہ مبین۔ عالیان سادان۔ کبیرہ بیگم۔ مگر بدر کو کوئی نہیں جانتا تھا۔"

اب کے اس نے گردن موڑ کے مالا کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"میں اس لیے اس کا نام لینے سے نہیں ہچکچاتا کیونکہ وہ زیاد کا بیٹا ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ میرا ایک ٹراما ہے۔ مجھے وہ دن یاد آتا ہے جب وہ مجھے کسی قیدی کی طرح ایمبولینس میں ڈالنے لے جا رہے تھے اور راہداری کی دیوار پر مون فیئرز کے اسٹکر زلٹک رہے تھے۔ بدر سے ہلال اور ہلال سے بدر تک۔"

چند ثانیے خاموشی سے کٹ گئے۔ فیری دور جا چکا تھا اور آوازیں دم توڑ گئی تھیں۔

" کیا تم کبھی مکمل طور پہ heal ہو سکو گے، ماہر؟ "

" کوئی بھی مکمل طور پہ کبھی heal نہیں ہو سکتا، مالا۔ میں بھی نہیں۔ تم بھی نہیں۔ اس عمر میں تو کبھی نہیں۔ بس ہر وقت خود پہ کام کرنا پڑتا ہے۔ اپنے اصل سے قریب ترین جانے کے لیے۔"

"تم نے کبھی اپنی ماں کو معاف نہیں کیا؟"

"معاف کرنے سے healing کہاں ہوتی ہے۔"

پھر وہ اس کی طرف گھوما اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

"اب بتاؤ... میری دی ہوئی تکلیف کا رنگ براؤن کیوں تھا؟"

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

"تمہاری دی گئی تکلیف جب بھی یاد آئی تمہارا چہرہ یاد آیا۔ اور... "

اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ابرو سے اشارہ کیا۔

ایک لمحے کے لیے ماہر نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"اوہ۔ "پھر وہ بے اختیار ہنس دیا۔

وہ اس رنگ کو مالا سے جڑی چیزوں میں ڈھونڈتا آ رہا تھا۔ وہ رنگ تو اس کے اندر تھا۔

"اب تم بتاؤ، پرپل کیوں؟"

"یہ ڈیل نہیں ہوئی تھی۔ میں اپنے حصے کا جواب دے چکا ہوں۔ "وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑا ہو رہا تھا۔

"ہم ایک نئی ڈیل کر سکتے ہیں۔"

مگر وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ وہ اٹھ کے اس کے پیچھے آئی۔

"تم نے زارا سے منگنی کیوں کی؟"

وہ وہیں پانی کے کنارے رک گیا۔ گہری سانس لے کر سوچا۔

"نوفلٹر؟ "جیسے اس سے اجازت مانگی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مالک بیمار تھا۔ اور میں گلٹی۔ میں اسے اس کی زندگی کی آخری خوشی دینا چاہ رہا تھا۔"

"پھر تم اس سے اتنا detached کیوں ہو؟"

ماہر نے ابرو اٹھا کے دیکھا۔

"یعنی؟"

"تمہاری شادی ہونے والی ہے۔ اس وقت تمہیں اس کے ساتھ ہونا چاہیے۔ لیکن تم نہیں ہو۔ "وہ رک رک کے کہہ رہی تھی۔ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے۔ ان کے تعلق کی گہرائی کتنی تھی؟

" تمہیں ایک دم سے زارا کا خیال کیوں آیا؟"

" کیونکہ وہ مجھے پسند نہیں کرتی۔ اور تم نے مجھے اپنے ساتھ والا اپارٹمنٹ دے دیا ہے۔ کیا وہ یہ بات جانتی ہے؟"

"وہ یہ جانتی ہے کہ میں نے تم سے تمہاری مدد کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے لیے مجھے جو کرنا ہوا میں کروں گا۔ باقی اس نے مجھ سے منگنی مجھے جانتے ہوئے کی تھی۔ میرا لائف اسٹائل، میرا کام اس کو سب معلوم ہے۔"

" کیا تم اس کے ساتھ بھی یہاں واک کرنے آتے ہو؟"

وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایک طرف سڑک تھی۔ دوسری جانب پانی۔ دونوں ہی تاریک تھے۔

" نہیں۔ ہم بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ ہم نے بہت سی پکنکس اور ویکیشنز ایک ساتھ کی ہیں۔ کچھ بھی نیا... "وہ رک گیا اور سر جھٹکا۔ "تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

" کیونکہ مجھے تمہارے اور زارا کے ریلیشن شپ کی فکر ہے۔"

"تم زارا کے لیے فکر مند ہو یا اپنے لیے؟"

"اپنے لیے؟ "مالا نے دو بار پلکیں جھپکائیں۔

وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"ایک ڈیل کرتے ہیں۔" گھونٹ بھر کے کپ نیچے رکھا۔"اگر میں تمہیں بتادوں کہ میرا نمبر ۵۵۵ کیوں ہے تو کیا تم بتادوگی کہ براؤن کیوں؟"

"اب دیر ہوچکی ہے۔ میں شبنم سے پوچھ چکی ہوں۔ یہ تمہاری ڈیٹ آف برتھ ہے۔"

ماہر نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"میں کیا کروں جو تم بتاؤ گی؟"

"ایک سوال۔"اس نے انگشت شہادت اٹھا کے دکھائی۔"ایک سوال کا جواب دو گے؟"

"شیور۔"

ماہر نے مسکراہٹ دبائے ایک اور گھونٹ بھرا۔ پھر دائیں طرف دیکھا جہاں اسٹاف ٹھکا ٹھک کھڑکیاں بند کر رہا تھا۔

وہ کچھ کہنے لگا، پھر رک کے اسے دیکھا۔

"تم یہاں بیٹھنا چاہتی ہو یا...؟"

"نہیں۔ان کو کلوزنگ کرنے دیں۔"ایک تیز نگاہ باریستا لڑکی پہ ڈالی جو کھٹا کھٹ درازوں میں چیزیں درست کر کے انہیں بند کر رہی تھی۔اور جھک کے اپنا بیگ اور ایک کھڑکتا ہوا شاپنگ بیگ اٹھالیا۔

"مجھے تم سے ایک اور بات بھی کرنی تھی۔اس کے بعد میں گھر جاؤں گی۔"

ماہر نے ایک گھونٹ میں کافی ختم کی۔ کپ کاؤنٹر پر رکھا۔ باریستا کو اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ کپ اٹھایا۔ کاؤنٹر پر گرا ایک قطرہ پونچھا۔ مسکرا کے ماہر کو شب بخیر کہا۔ واپس مالا کو دیکھا اور مسکراہٹ سمٹ گئی۔ ایک اچٹتی نگاہ اس پہ ڈال کے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے۔ ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی مگر آسمان ابھی تک ضبط کیے ہوئے تھا۔ کہیں کہیں بجلی چمکتی اور سارے کو روشن کر دیتی۔ پھر اندھیرا چھا جاتا۔ خشک اندھیرا۔

"اپنا سوال پوچھو۔ "وہ سڑک کنارے چل رہے تھے جب ماہر نے اسے یاد دلایا۔ اس کی خاموشی پہ گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ شاپنگ بیگ سے کچھ نکال رہی تھی۔ ہاتھ باہر آیا تو ایک نیلی گرم ٹوپی تھی جس کے اوپری سرے پہ اون کی گیند (pompom) تھی۔

"یہ ٹوپی تمہیں بیس پچیس سال پہلے لینی چاہیے تھی۔ "وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہا تھا جو ٹوپی کو زبردستی کھینچ

"شاید تمہیں یہ خوف ہے کہ اگر تم ماہر فرید کی شخصیت کو قریب سے جان لو تو تمہیں اس سے محبت نہ ہو جائے؟"

مالا نے گہری سانس کھینچی۔

"اگر مجھے تم سے محبت ہوئی تو تمہاری شخصیت کی وجہ سے نہیں ہو گی۔"

وہ چونکا۔ سانس رک گیا۔

"پھر کس لیے ہو گی؟"

"تمہارے پیسے کے لیے ہو گی نا۔ بہت پسند ہے مجھے پیسہ۔ زندگی بدل جائے گی میری۔ " آنکھیں گھما کے کہا اور سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی۔

وہ زور سے ہنس دیا۔ وہ آگے جا رہی تھی اور اس کی ٹوپی کی گیند دائیں بائیں جھول رہی تھی۔

"میری کار اس طرف پارکڈ ہے۔" وہ بیکری سے مخالف سمت میں جا رہی تھی جب ماہر نے پکارا۔

"اور میری بس یہاں سے آئے گی۔" مڑے بغیر بازو لمبا کر کے اشارہ کیا۔

"ہماری ایک ہی منزل ہے، مالا۔" وہ جیسے تھک گیا تھا۔

"راستے الگ ہیں۔" اٹھے ہاتھ کی تین انگلیاں ہلائیں اور آگے بڑھتی گئی۔

وہ وہیں کھڑا کتنی ہی دیر اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ اس کی کہی بات سے چہرے پہ آئی مسکراہٹ ابھی تک موجود تھی۔ پھر سر جھکایا اور انگلی میں پہنی انگوٹھی دیکھی تو مسکراہٹ تھمی۔

حقیقت نے جیسے دماغ کے چودہ طبق کھول دیے تھے۔

ماہر نے دوبارہ چہرہ اٹھایا۔ وہ دور چلتی جا رہی تھی۔ پہلو میں شاپنگ بیگ اٹھائے جس میں اس کے بچے کے کپڑے تھے۔ وہ بچہ جس کو لے کر وہ یہاں سے چلی جائے گی۔

یہ کشمالہ مبین کی حقیقت تھی۔

اور وہ پھر سے وہی غلطی کر رہا تھا۔ وہ اس کی حقیقت کو بھولنے لگا تھا۔

اور اپنی بھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر سے اس کی اگلی ملاقات صبح آفس کی لفٹ میں ہوئی۔ وہ باہر نکل رہا تھا اور وہ عجلت میں اندر جانے لگی تھی۔

"ماہر... پولیس کمشنر نے بلایا ہے۔ عالیان کا اسکیچ بنوانے۔ تم چلو گے؟ "اس نے چنگیز کی کال کے بعد ماہر کو میسیج بھی چھوڑے اور کالز بھی کیں لیکن جواب ندارد۔ اب دکھائی دیا تو چھوٹتے ہی پوچھا۔

"نہیں۔ بزی ہوں۔" وہ اس سے نگاہ ملائے بنا آگے بڑھ گیا۔

"میں پھر... اکیلی چلی جاؤں؟ "وہ لفٹ کے دروازوں کے درمیان کھڑی ایڑیوں پہ گھومی کیونکہ وہ مخالف سمت میں آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

"ہوں۔ "سر کو خفیف سا خم دیا۔ مالا نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ وہ ایک دفعہ بھی نہیں پلٹا۔ کان میں ہینڈز فری بھی نہیں تھے۔ شاید اس کی طبیعت خراب ہو۔ یا کسی سوچ میں ہو۔

اور اس کے کام بھی تو بہت ہوں گے۔ وہ فارغ تھوڑا ہی تھا۔ یقیناً سرخ عمارت کا کوئی نیا مسئلہ ہوگا۔ وہ پہلے ہی اس کا بہت وقت لیتی تھی۔ اور اس ملاقات میں ماہر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ خود کو تسلیاں دیتی لفٹ میں سوار ہوئی۔

دھاتی دروازے آپس میں ملنے سے پہلے مالا نے دیکھا ماہر ایک آرکیٹیکٹ کے کیبن پہ جھکا اس کی اسکرین کو دیکھتا کچھ کہہ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دیوار گیر کھڑکی سے آتی روشنی باش کو مسار چنگیز کے آفس کو چمکائے ہوئے تھی۔ ٹیبل پر حسب معمول فائلز، کاغذ اور رسیدوں کے انبار لگے تھے۔ فضا میں کولون اور باسی سگریٹ کی مہک تھی۔

چنگیز رسیور کان سے لگائے مقامی زبان میں کسی سے کچھ کہہ رہا تھا، ایسے کہ ماتھے پہ تیوریاں تھیں۔

دروازہ کھٹکا تو اس نے رسیور کندھے پہ رکھا اور اُکھڑے انداز میں آ جاؤ کہا۔ لیکن دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی نووارد کا چہرہ دیکھ کے اس کے تاثرات بدلے۔ آنکھوں میں استعجاب اترا۔ اپنے کالر سے معذرت کی، ریسیور کریڈل پر واپس رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ماہر بے؟"

ساتھ ہی اس نے دیوار پہ لگی گھڑی کو دیکھا۔ یہ یقیناً اس کی لنچ بریک کا وقت تھا۔

"کشمالہ خانم کچھ دیر پہلے ہی یہاں سے نکلی ہیں۔" اس نے بیٹھتے ہوئے اچھنبے سے ماہر کو دیکھا۔ وہ کوٹ کا بٹن

کھولتے ہوئے کرسی کھینچ رہا تھا۔ چہرہ سنجیدہ اور بے تاثر تھا۔صبح وہ مالا کے ساتھ اسٹیشن نہیں آیا۔اور اب اس کے جانے کے بعد آ رہا تھا۔کیوں؟

"ہم نے عالیان نامی شخص کا اسکیچ بنوالیا ہے۔ بلکہ حانم نے خود ہی بنا کے دیا ہے۔ میں اس کے بارے میں انکوائری کھول چکا ہوں۔جیسے ہی کچھ معلوم ہوتا ہے، بتاؤں گا۔"چنگیز آخر میں "فون پر" کہتے کہتے رک گیا۔

(اسے آنے کی کیا ضرورت تھی؟)

"جانتا ہوں۔"ماہر ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"تم خیریت سے آئے ہو؟ کوئی کام تھا؟ "چنگیز بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"میری سرخ عمارت کی کنسٹرکشن چل رہی ہے،تم جانتے ہو۔وہ بھی اس موسم میں۔"

چنگیز ہاتھ باہم پھنسائے آگے کو ہوا،تشویش سے اسے دیکھے گیا۔

"اور میرا اوپر نیچے بہت خرچہ ہو چکا ہے۔"

چنگیز کے ماتھے کی لکیریں گہری ہوئیں۔سینے میں تنگی اٹھی۔

اور میں چھ سو ڈالر بچانا چاہتا ہوں۔"

"یعنی؟"

"میری تھیراپسٹ ایک سیشن کے چھ سو ڈالر لیتی ہے۔"

چنگیز چند لمحے ناسمجھی سے اسے دیکھے گیا۔

"لیکن... تم بنا پیسے لیے میری بات سن سکتے ہو۔"

چنگیز کے ابرو استعجاب سے اوپر اٹھے۔وہ اسی انداز میں کہے جا رہا تھا۔

"میں کسی اور دوست کے پاس جاتا لیکن تم سے زیادہ objectively کوئی بھی میری سچوئیشن کو نہیں دیکھے گا۔"

"اور میں آبجیکٹیو کیوں ہوں گا؟"

" کیونکہ تم مجھے پسند نہیں کرتے،اس لیے بے رحم سچ بول سکو گے۔"ماہر فرید مسکرایا۔

چنگیز چند لمحے آنکھیں چھوٹی کیے غور سے اسے دیکھتا رہا۔سامنے بیٹھا سوٹ میں ملبوس مسکراتا ہوا آدمی وہی تھا جس کی وجہ سے اسے سارے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑی تھی۔اس نے کورٹ میں اسے نادان

ثابت کیا تھا۔اور پھر اگلے چھے ماہ جب اس کا کیس چلا،تب کیسے چنگیز اس سے نگاہ پھیر کے گزر جاتا تھا۔

لیکن وہ ایک لمحہ جب چنگیز کو محسوس ہوا کہ وہ مالی تنگی کا شکار ہے تو اسے اپنے سینے میں بھی وہی تنگی محسوس ہوئی تھی۔

"اور میں یہ کیوں کروں گا؟ "اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔اور پھر ماہر کو۔اس کا وقت تھیرا پسٹ سے زیادہ قیمتی تھا۔

ماہر نے جیب سے کچھ نکال کے میز پہ رکھا تو چنگیز کے چہرے پہ مسکراہٹ امڈ آئی۔

"Cohiba Behike 56" کا باکس سامنے تھا۔یہ اس برانڈ کے کیوبن اسگارز کی Bentley تھے۔

جب تک ماہر نے سگارز دونوں کے سامنے رکھے، چنگیز ریسیور اٹھا کے اپنے اسسٹنٹ کو اگلے نوے منٹ تک مخل نہ ہونے کا کہہ چکا تھا۔اور ساتھ ہی کھڑکی کا شیشہ سلائیڈ کر کے کھول دیا تھا۔ایسے کہ ٹھنڈی ہوا اندر آنے لگی تھی۔

" کہو جو کہنا ہے۔"

ماہر کا چہرہ اب پہلے جیسا بے تاثر نہیں تھا بلکہ اس پہ شدید ہیجان اور تذبذب تھا۔

"میں سب کے بارے میں درست ہوتا ہوں۔سوائے اپنے۔"

"بولتے رہو۔"چنگیز نے شعلہ سگار کو دکھاتے ہوئے اسے ہونٹوں کے درمیان رکھا۔دھوئیں کا مرغولہ اٹھا اور تیزی سے اوپر کو اٹھا۔پھر چھت سے ٹکرا کے وہ کھڑکی کی جانب لپکا۔

دھوئیں کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا کہ اگر کشمالہ وہاں ہوتی تو اسے سخت ناپسندیدگی سے دیکھتی۔لیکن وہ وہاں نہیں تھی۔نہ اسے وہاں ہونا چاہیے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

.

پولیس اسٹیشن سے نکل کے وہ سیدھا بس اسٹاپ تک آئی تھی۔وہاں پہنچ کے یاد آیا کہ اپنا ڈرائیورز لائسنس وہ اسٹیشن میں بھول آئی ہے۔سیکیورٹی کے لیے ایک اہلکار نے ہر دفعہ کی طرح وہ اس سے لے لیا تھا۔واپسی پہ وہ اسے لینا بھول گئی۔وہ اگلی بس لے لے گی، یہ سوچ کے الٹے قدموں واپس آئی۔اپنا کارڈ لیا، اہلکار کو جتایا کہ اسے یہ بات خود یاد رکھنی چاہیے تھی (جس پہ اس نے ترکش انداز میں کندھے اچکا دیے۔)اور جب باہر نکلی تو ایک دم رک

گئی۔

پولیس اسٹیشن کے سامنے کارز پارک کرنے کی ایک ہی جگہ تھی۔اور وہاں کھڑی سیاہ کار اور اس کی نمبر پلیٹ وہ دور سے پہچان گئی تھی۔

ماہر؟ ادھر؟ اس نے فوراً فون نکالا اور دیکھا۔شاید وہ اس کے پیچھے آیا ہو۔شاید کوئی پیغام یا مسڈ کال ہو۔لیکن ندارد۔

یعنی وہ اس کے لیے مصروف تھا۔اپنے کسی کام سے آیا تھا۔

کشمالہ کی پیشانی پہ بل پڑ گئے۔واپس بس اسٹاپ تک جاتے ہوئے وہ بل اسی طرح قائم رہے۔

پھر وہ آفس نہیں گئی۔سیدھی گھر جانے والی بس پکڑ لی۔

گھر؟ اس نے تلخی سے سوچا تھا۔وہ تو خانہ بدوش تھی۔لاہور سے مکہ اور وین کوور سے استنبول تک۔اس کا گھر کہیں نہیں تھا۔بہت سے کرایے کے مکان تھے اور بہت سے عارضی مکین تھے۔

نشانتشی سے گزرتے ہوئے وہ بس سے اتر گئی حالانکہ یہ اس کا اسٹاپ نہ تھا۔اسے ایک دکان کے چمکتے شیشوں کے پار بچوں کے جوتے دکھائی دیے تھے۔

بدر کا سائز اسے ازبر تھا۔وہ جوتا ہاتھ میں پکڑ کے بتا سکتی تھی کہ اسے پورا آئے گا یا نہیں۔لیکن کیا ان گزرے چار ماہ میں اس کا پیر بڑا ہوا ہوگا؟ کیا اس کے اغوا کاروں نے اس کو خوراک ٹھیک سے دی ہوگی؟ اسے خالص دودھ ملا ہوگا؟ چار ماہ میں اس کا پیر کتنا بڑھ سکتا تھا؟

وہ ایک ایک جوتے کو ہاتھ میں لیے دیکھ رہی تھی۔کیا وہ جب اسے ملے گا تو ویسا ہی ہوگا؟ کیا وہ اپنے ہی بیٹے کو پہچان جائے گی یا وہ قدیم داستانوں کی طرح changeling بن جائے گا؟ وہ جعلی بچہ جسے پریاں اس کے پنگھوڑے میں اصلی بچے کی جگہ رکھ آتی تھیں۔وہ چینجلنگ جس کی آنکھوں کی چمک عالیان کی آنکھوں جیسی تھی۔وہ اسکیچ آرٹسٹ کو اس کے خدوخال سمجھا سکتی تھی لیکن اس چمک کو لفظوں میں بیان کرنا ناممکن تھا۔

موبائل تھرتھرایا تو اس کے ماتھے کے بل واپس آ گئے۔اس وقت عموماً ماہر ہی کال کر سکتا تھا۔کیا وہ ظاہر کرے کہ اسے معلوم تھا وہ پولیس اسٹیشن آیا تھا یا....؟

چمکتی اسکرین پہ آتا نمبر "بلاکڈ نمبر" تھا۔اس کی ساری حسیات جاگ اٹھیں۔

" کون؟ " وہ وسط دکان میں کھڑی جوتے ہاتھ میں لیے بالکل ساکت تھی۔

" لگتا ہے تمہیں میری بات پہ یقین نہیں آیا۔"اس کی دھیمی آواز مالا کے کانوں میں گونجی۔

"تم نے ماہر کو حقیقت نہیں بتائی، حالانکہ یہ بدر کا get out of jail free card تھا۔چچ چچ..."

"مجھے بالکل بھی یقین نہیں ہے کہ تم اسے چھوڑ دو گے۔تم صرف مجھے ستا رہے ہو۔"

" کم آن، کزن۔میں اتنا برا نہیں ہوں۔اپنے قول کا پابند ہوں۔تم جیسے ہی ماہر کو بتاؤ گی، میں بدر کو تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔زارا تمہاری کلائنٹ نہیں تھی۔میں جھوٹی باتیں آگے نہیں پہنچا سکتی۔میں تمہیں کسی اور طریقے سے تلاش کر لوں گی۔"

"پولیس کو میرا اسکیچ دے کر؟"وہ ہنسا۔"اگر مجھے اس کا ڈر ہوتا تو ماسک پہن کے تم سے ملتا۔"پھر وہ سنجیدہ ہوا۔"سنو، مالا... تمہارے بیٹے کے پاس وقت کم ہے۔اس کو ضائع مت کرو۔میں زیادہ دیر اس کا خیال نہیں رکھ سکتا۔اگر تم نے دیر کی تو میں اس سے چھٹکارا پا لوں گا۔"

کسی نے اس کا دل پیر تلے کچل دیا جیسے۔

"تم..."شدت جذبات سے چہرہ سرخ ہوا۔"تم... کیا ثبوت ہے کہ وہ زندہ ہے؟"

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

"مجھے تمہارے سوال پہ حیرت ہوئی ہے۔تمہیں ہی سب سے زیادہ یقین تھا کہ وہ زندہ ہے۔تم کیوں بے یقین ہونے لگیں؟"

"مجھے ثبوت دو کہ وہ زندہ ہے۔پھر میں کچھ کروں گی۔"

" کیا چاہتی ہو؟ آج کے اخبار کے ساتھ اس کی تصویر بھیجوں تاکہ تم بیک گراؤنڈ میں موجود چیزوں میں سے کلیوز ڈھونڈ کے اس تک پہنچ جاؤ۔ناں ناں۔نیٹ فلکس نہیں چل رہا یہاں۔تمہیں بیٹا چاہیے تو وہ کرو جو میں نے کہا ہے۔ورنہ نتائج کا ذمہ دار میں نہیں ہوں گا۔"

ٹوں ٹوں سنائی دی اور کال کٹ گئی۔وہ جوتے ہاتھ میں لیے بھیگی آنکھوں کے ساتھ کھڑی رہ گئی۔

وہ کیسے ماہر اور زارا کے درمیان آ سکتی تھی؟

اور کیا گارنٹی تھی کہ عالیان اپنی بات پہ قائم رہے گا؟

وہ واپس اپارٹمنٹ آ گئی۔جوتے نہیں لیے۔وہ اب بدر کے سائز کے بارے میں پہلے جیسی پر یقین نہیں رہی

تھی۔ وہ کسی بھی چیز کے بارے میں پر یقین نہیں تھی۔

یہ اپارٹمنٹ پہلے روز کی نسبت ہرا بھرا لگ رہا تھا کیونکہ ہر کھڑکی میں جہاں جہاں سے سورج جھانکتا، مالا نے وہاں ایک گملا سجا دیا تھا۔ سبز سبز پتے سفید اپارٹمنٹ کو تازگی کا احساس دے رہے تھے۔

اس وقت بھی وہ جگ سے ایک گملے میں پانی ڈال رہی تھی جب ڈور بیل بجی۔

کیا وہ بھی پولیس اسٹیشن سے واپس آ گیا تھا؟ کیا وہ اس سے صبح کے رویے کے لیے معذرت کرے گا؟ یا یہ ظاہر کرے گا کہ....

چوکھٹ میں ہلال کھڑی تھی۔ مسکراتے ہوئے ایک ڈسپوزیبل باکس پکڑے۔

"چیز کیک۔ فیضی حانم نے گھر میں بنایا ہے۔ میں تمہارے لیے لے آئی۔"

نیلی جینز پہ ڈھیلا ڈھالا سا سفید سوئیٹر پہنے، لمبے گھنگریالے بالوں والی ہلال مسکرا رہی تھی۔

وہ بھی مسکرا دی۔ ہلال کو دیکھ کے ساری کلفت دور ہو گئی۔

"تم چیز کیک بنا سکتی ہو، ہلال؟"

"کیا جن کی آنکھیں نہیں ہوتیں وہ چیز کیک نہیں بنا سکتے؟"

وہ ہنس دی۔ اب وہ صوفے پر ساتھ ساتھ بیٹھی تھیں، ایسے کہ دونوں کا رخ ایک دوسرے کی جانب تھا۔ باکس وہ فریج میں رکھ چکی تھی یہ کہہ کر کہ بعد میں کھائے گی۔ وہ ہلال کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی لیکن اتنے میٹھے سے اس کے دانے واپس آ سکتے تھے۔

"تم اپ سیٹ ہو، مالا؟" کچھ دیر بعد ہلال کے ابرو تشویش سے اکٹھے ہوئے۔ بھوری آنکھیں مالا کے کندھے کے پیچھے دیکھ رہی تھیں۔ کسی دوسری دنیا میں۔

"نہیں۔" وہ پھیکا سا مسکرائی اور آواز کو تازہ دم بنانے کی کوشش کی۔ "بس تھک گئی ہوں۔"

"کنفیوژڈ ہو تم جیسے۔ دو راستوں کے درمیان۔"

مالا پیر اوپر کیے کشن گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ گہری سانس لی اور دکھتی کنپٹی دبائی۔

"اگر انسان دو راستوں میں کنفیوژڈ ہو تو کیا کرنا چاہیے؟"

ہلال سادگی سے مسکرائی۔

"جو دل کہے۔ دل سچ بولتا ہے۔"

پھر اس کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔

" کیا ماہر بھائی کبھی سوزی کو قبول کرے گا؟"

"وہ اسے پہلے ہی قبول کر چکا ہے۔اور اب تو بیربل اور سوزی واپس آ چکے ہیں۔صبح فلائیٹ تھی نا ان کی؟"

ساتھ ہی دل میں گلٹ ابھرا۔اس کی وجہ سے وہ دونوں الگ اپارٹمنٹ میں نہیں رہ سکتے تھے۔لیکن خیر.... اگر انہیں الگ رہنا ہوتا تو کہیں کرایے پہ گھر لے لیتے۔وہ اب دوسرے دفعہ ان کے لیے شفٹنگ نہیں کرے گی۔

" نہیں۔وہ ان سے خفا ہے۔صبح جب وہ آئے تو ماہر بھائی ان سے کوئی بات کیے بنا ہی باہر نکل گیا۔وہ انہیں جب بھی دیکھتا ہے،اس کی انرجی ایک دم بہت closed up ہو جاتی ہے۔"

مالا نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے۔وہ ٹھنڈے تھے۔برف جیسے۔

"ماہر ایڈجسٹ کر لے گا۔مجھے تو وہ بری نہیں لگی۔تمہیں کیسی لگی؟"

"میں انسانوں میں برائی نہیں ڈھونڈتی، مالا۔ "ہلال اداسی سے مسکرائی۔

مالا چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔اس کی کنپٹی کا زخم۔تھوڑی کا نشان۔وقت کے ساتھ سب مندمل ہو گیا تھا لیکن ختم نہیں ہوا تھا۔

"مجھے ماہر نے بتایا تھا.... تمہاری ماں کے بارے میں۔اور کس طرح زیاد نے... "اس نے افسوس سر جھٹکا۔

"وہ سب ماضی میں ہے، مالا۔"

"تم سے ایک بات پوچھوں، ہلال؟"

"پوچھو۔"

کیا تم کبھی زیاد کو معاف کر سکو گی؟"

اس بات پہ ہلال شمس مسکرا دی۔

" کب کا کر دیا، مالا۔"

کشمالہ نے بے یقینی سے دونوں ابرو اٹھائے۔

" کیا تم نے واقعی اسے معاف کر دیا ہے؟ زیاد؟ اور... اور نگینہ بیگم؟ سب کو؟ ہر اس چیز کے باوجود جو انہوں نے تمہارے ساتھ کی؟"

اس نے سادگی سے سر اوپر نیچے ہلایا۔

" مگر کیوں؟"

"دل بہت چھوٹا سا ہوتا ہے، مالا۔اس میں پرانی نفرتیں بھرتے رہیں گے تو نئی محبتوں کی جگہ کیسے بنے گی؟ "

کشمالہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

" کیا واقعی انسان اتنے زیاں کے بعد کسی کو معاف کر سکتا ہے؟"

" کر سکتا ہے۔"

"اور جو نہ کر سکے؟"

"جو معاف نہیں کرتے وہ دوسروں کے دیے زخموں سے خود کو بھرتے رہتے ہیں۔کسی کے گناہ کا بوجھ ہم کیوں اٹھائیں؟"

اس کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے۔وہ کچھ کہنے لگی تھی کہ ڈور بیل بجی۔

"ہلال کی کال ہے۔" دروازے پہ فیضی حانم کارڈلیس فون ہاتھ میں لیے کھڑی تھیں۔مالا نے آنکھیں رگڑتے ہوئے انہیں اندر آنے کا رستہ دیا۔وہ صوفے تک گئیں اور فون ہلال کو تھمایا۔

"اس نے کہا کہ وہ کچھ دیر بعد دوبارہ کال کرے گا۔میں واپس جا رہی ہوں۔میرا کھانا اوون میں ہے۔" وہ عجلت میں باہر نکل گئیں۔

کشمالہ جب تک واپس آ کے بیٹھی تو دیکھا ہلال کے چہرے پہ کچھ بدلا ہوا تھا۔کارڈلیس سختی سے ہاتھ میں پکڑے وہ بے چین نظر آئی۔

" کس کا فون تھا؟"اس نے غور سے ہلال کا چہرہ دیکھا۔

"ایک دوست کا۔" وہ بڑبڑائی۔

" تمہارے دوست ہیں یہاں، ہلال؟"

ہلال نے جواب نہیں دیا۔فون پہ اپنی گرفت سخت کر لی۔اب وہ پیر نیچے اتار چکی تھی، جیسے جانے کو بے تاب ہو۔

"میں اصل میں تمہیں کچھ اور کہنے کے لیے آئی تھی۔" وہ عجلت میں بتانے لگی۔

"مالک ہاسپٹل سے گھر آ چکا ہے۔اور بیربل بھائی لوگ واپس۔تو سوزی نے کہا کہ سب کہیں ڈنر کرتے ہیں۔ماہر بھائی نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں بھی انوائیٹ کر لوں۔"

" مجھے؟"اس نے سینے پہ انگلی رکھی، حالانکہ وہ اس کی انگلی نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"میں کیا کروں گی فیملی ڈنر پہ؟"

"تمہاری موجودگی سے شاید وہ دونوں لڑنے سے باز رہیں۔ ورنہ مجھے ڈر ہے ماہر بھائی ایک دم اس پہ پھٹ پڑے گا۔ پلیز تم ضرور آنا۔"

اسے پچھلے ڈنر کی آکورڈنس یاد تھی۔ اور پھر اس دفعہ ماہر نے اسے خود نہیں بلایا۔ ہلال سے کہہ دیا۔ خود بھی کہہ سکتا تھا۔ لیکن صبح سے اس کا رویہ بدلا بدلا سا تھا۔ ایسے میں وہ بالکل بھی ان کے کسی فیملی ڈنر میں شرکت نہیں کرے گی۔

"زارا بھی ہوگی۔"

وہ جو انکار کے لیے الفاظ جمع کر رہی تھی، چونک گئی۔

"زارا بھی ہوگی؟"

"ہاں۔ تم اس سے ملی ہو کیا؟"

اسے زارا سے آخری ملاقات یاد آئی جو عالیان کے فون کے توسط سے ہوئی تھی۔ دو سیکنڈ کی یادگار ملاقات۔

"تم آؤ گی نا، مالا؟"

مالا نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ ہلال منتظر بیٹھی رہی تو وہ جلدی سے بولی۔ "ہاں ہاں۔ میں ضرور آؤں گی۔"

ہلال کارڈلیس فون لیے واپس اپنے اپارٹمنٹ میں آئی۔ فیضی حانم کچن میں مصروف تھیں۔ وہ چپ چاپ بالکونی کا دروازہ کھول کے باہر آ بیٹھی۔

باہر ٹھنڈ تھی۔ سرد ہوا سے بال اڑنے لگے جنہیں وہ بار بار کان کے پیچھے اڑستی تھی۔ چہرے پہ بے چینی تھی۔ دفعتاً کارڈلیس فون تھرتھرایا۔ اس نے جلدی سے انگلیوں سے بٹن ٹٹولے۔ کال کا بٹن پریس کیا۔ پھر فون کان سے لگایا۔

"تم نے میرے خط کا جواب نہیں دیا، ہلال۔" ایک سرد مگر ہلکی آواز سماعتوں میں گونجی۔

ہلال شمس کی پیشانی پہ بل پڑے۔

"مجھ سے دور رہو۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔" فون نیچے کیا اور بٹن دبا دیا۔ اسے امید تھی کہ وہ دوبارہ بجے گا لیکن وہ بالکونی کی کرسیوں کی طرح سرد رہا۔ سرد اور خاموش۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھڑکی کھلی ہونے کے باوجود دھواں پوری طرح سے پولیس کمشنر کے آفس سے باہر نہیں نکل رہا تھا۔ چنگیز پیچھے

ٹیک لگائے سگار انگلیوں میں دبائے سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یعنی وہ سب جھوٹ تھا۔ کہ میں مالا سے موو آن کر چکا ہوں۔ میں اسے بھلا چکا ہوں وغیرہ وغیرہ۔"

ماہر نے جھک کے سگار کی راکھ ایش ٹرے میں جھٹکی۔

"جھوٹ تھا۔"

"یعنی تم اسے ابھی تک دل سے نہیں نکال سکے؟"

"نہیں نکال سکا۔"

"اور اب تمہیں ڈر ہے کہ وہ تمہارے اور زارا کے درمیان آ جائے گی؟"

"مجھے ڈر ہے کہ ہر چیز پیچیدہ ہو جائے گی۔" اس کی آنکھوں میں شکست تھی اور پیشانی پہ لکیریں۔

"میں زارا کے ساتھ زیادتی کر رہا ہوں۔"

"کر رہے ہو۔"

ماہر نے ملامتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کیا؟ بے رحم سچ سننا چاہتے تھے تو سنو، ماہر بے۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "تم ایک one woman man ہو۔ اس لیے ایک عورت کے ہوتے ہوئے اگر تم دوسری عورت کی طرف متوجہ ہو گے تو تمہارا دل ہمیشہ گلٹ کا شکار رہے گا۔ اس لیے تمہارے پاس صرف دو آپشنز ہیں۔"

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ پھر ماہر نے بچا ہوا سگار ایش ٹرے میں رکھ دیا۔

"بتاؤ۔" ٹیک لگائے بیٹھا اب وہ جیسے چنگیز کا بے رحم سچ سننے کے لیے تیار تھا۔

"پہلا آپشن۔ مالا سے دور رہو۔ اور زیادہ سے زیادہ وقت زارا کے ساتھ شادی کی تیاری میں صرف کرو۔ دھیان بٹ جائے گا۔ مالا اپنے بیٹے کو لیے بنا یہاں سے وین کوور جائے یا نہ جائے، تم نے چند ہفتے بعد ویسے بھی لندن چلے جانا تھا۔ تم وہاں چلے جاؤ۔ اپنا گھر سیٹ کرو۔ شادی کی تیاری کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔"

"آنکھ سے اوجھل۔ دماغ سے اوجھل۔" وہ زخمی سا مسکرایا۔

"دوسرا آپشن؟"

چنگیز نے گہری سانس لی اور کندھے اچکائے۔

"دوسرا آپشن تم پہلے سے جانتے ہو۔ میرے پاس اس لیے آئے ہو کہ میں تمہیں کہہ سکوں کہ وہ آپشن آسان

ہوگا۔تا کہ تم اس پہ غور کرو۔"

ماہر کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری،مگر بولا کچھ نہیں۔

"دوسرا آپشن آسان نہیں ہوگا، ماہر بے۔تمہارا چچا مرنے والا ہے۔اس موقع پہ اس کی بیٹی کو چھوڑو گے تو خود کو کبھی معاف نہیں کر سکو گے۔مالک فرید تمہیں کتنا ہی اپنا بیٹا سمجھے،کتنی ہی محبت کیوں نہ کرے تم سے، وہ اس کی بیٹی ہے۔اور وہ ہے بھی کافی جذباتی۔"اس نے جھرجھری لی۔"وہ بہت بری طرح ری ایکٹ کرے گی۔مالک مرجائے گا۔اور تم ہمیشہ گلٹ میں رہو گے۔"

"میں مالک کو دکھ نہیں دے سکتا۔"اس کے چہرے پہ شکست لکھی تھی۔"میں مسلسل گلٹی محسوس کر رہا ہوں۔رات مجھے مالک اور زارا کے ساتھ ڈنر پہ جانا ہے۔اور مجھے اپنا آپ مجرم لگ رہا ہے۔"

"شادیوں میں سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں۔تم نے کچھ سوچ کے ہی زارا سے منگنی کی تھی۔اب اس کو قائم رکھو۔چپ چاپ وہی کرو جس سے مالک کو دکھ نہ پہنچے۔"

"یاسمین مجھے یہ مشورہ نہ دیتی۔وہ مجھے کہتی کہ میں اپنے دل کی سنوں۔ "افسوس سے چنگیز کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"اسی لیے تم اس کے پاس نہیں گئے۔اور چھے سو ڈالر کے سگارز لیے میرے پاس چلے آئے۔"

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔چنگیز بھی مسکرا دیا۔کمرے میں صرف سگار نہیں جلے تھے۔بہت سی رنجشیں بھی راکھ ہوگئی تھیں۔

"ویسے... "چنگیز نے سگار نیچے کیا اور سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"بالفرض تم مالک کو دکھ دے کر زارا سے رشتہ توڑ دو.... تب بھی.... کیا مالا اور تم ایک ہو سکتے ہو؟"

ماہر نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے، پھر رک گیا۔اس کے پاس اس بات کا جواب نہ تھا۔

" کیا اسے تمہارے اندر دلچسپی ہے؟ یا تم صرف اس کا ایک سپورٹ سسٹم ہو جو اس کے بیٹے کی تلاش میں اس کی مدد کر رہا ہے؟"

اس نے سر جھکا دیا۔سارے جواب واضح تھے۔

"یاسمین حانم تمہیں یہ ضرور کہتی کہ اپنے دل کی سنو۔لیکن وہ یہ بھی یاد دلاتی کہ دل کی وہاں سنی جائے جہاں دوسری جانب سے فیلنگز برابر کی ہوں۔مجھے وہ صرف ایک پریشان عورت لگتی ہے جس کے دل و دماغ میں صرف اس کا بچہ

ہے۔ ہونا بھی چاہیے۔"

ماہر کھلی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ دھوئیں کے بادل اب کم ہو گئے تھے اور اصلی بادل دکھائی دینے لگے تھے۔

"وقتی طور پہ شاید وہ تم سے اٹیچڈ ہو جائے۔ جیسے انسان ٹرین میں کسی ہم سفر سے ہو جاتا ہے۔ اچھی گپ شپ۔ ہنسی مذاق۔ ایک دوسرے کا خیال کرنا۔ لیکن منزل آنے پہ ہم سفر کو الوداع کہنا بہت آسان ہوتا ہے۔"

"وہ چلی جائے گی اور میں اپنے گلٹ کے ساتھ تنہا رہ جاؤں گا۔"

"اور یاسمین حانم تمہیں یہ ضرور کہتی کہ زارا یا مالا کو چننے کی بجائے اپنا چناؤ کرو۔"

اور ماہر فرید نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔ بے رحم سچ تکلیف دہ تھا لیکن سچ تھا۔ وہ اس سے منہ نہیں موڑ سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹیکسی نے اسے ریستوران کے دہانے پہ اتارا جہاں ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مالا نے سر اٹھا کے پہلے آسمان کو دیکھا جو صاف تھا۔ اور پھر ریستوران کی گلاس وال میں اپنے عکس کو۔ وہ سادگی سے تیار ہوئی تھی۔ سفید گرم کوٹ کے نیچے لمبا سبز لباس جھلک رہا تھا۔ بال کھلے تھے اور کانوں میں ننھے زمرد تھے۔ سبز رنگ آنکھوں کو مزید اٹھا رہا تھا۔

خود پہ ایک تنقیدی نگاہ ڈال کے کشمالہ دروازے کی طرف بڑھی جب کلچ میں رکھا موبائل تھرتھرایا۔

واٹس ایپ پہ کسی دوسرے ملک کے نمبر سے میسیج آیا تھا۔

"تم ہی کہتی تھیں نا کہ ہر شخص کو اس کے حصے کا سچ جاننا چاہیے۔ کیا آج تم فریدلار کے فیملی ڈنر پہ سچ بول پاؤ گی، مائی ڈیئر مالا؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اس نمبر کے بارے میں چنگیز کو نہیں بتا سکتی تھی، کہ ایسی صورت میں اسے میسیج کا اسکرین شاٹ بھیجنا پڑتا۔ اُف۔

وہ ڈنر ہال میں داخل ہوئی تو چہرے پہ جھنجھلایا ہوا تاثر تھا، جسے وہاں بیٹھے لوگوں کی خود پہ اٹھتی نگاہوں کے باعث اسے جلدی سے درست کرنا پڑا۔

چھت سے لٹکتے فانوس اور دیواروں پہ لگے قمقموں کے باعث وہ جگہ خوب روشن تھی۔ عموماً شام کے وقت ریستوران ایسے روشن نہیں ہوتے تھے، لیکن شاید میزبان نے خود ہی ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں روشنی تیز ہو اور سب عیاں ہو جائے۔

طویل میز بھر چکی تھی۔شاید وہی دیر سے پہنچی تھی۔سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں تو اس نے رسمی مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔

سربراہی کرسی پر مالک فرید براجمان تھے۔وہ اس روز سے کمزور دکھائی دیتے تھے۔البتہ سوٹ بے شکن تھا اور بال جیل سے پیچھے جمے تھے۔نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔موہوم سا مسکرائے اور کرسی کی طرف اشارہ کیا جو عین ان کی سیدھ میں تھی۔

میز کی دوسری سربراہی کرسی۔

باوردی بیرے نے وہ کرسی کھینچی تو اس نے کوٹ اتارا، جسے بیرے نے فوراً تھام لیا اور پھر کرسی پر بیٹھی۔پھر فرصت سے میز پہ موجود نفوس کا جائزہ لیا۔

مالک فرید کے بائیں ہاتھ زارا بیٹھی تھی۔اس نے کشمالہ سے نگاہ نہیں ملائی تھی۔وہ فون کان سے لگائے کسی سے بات کر رہی تھی۔جیسے ورک کال ہو۔مالا کی گہری نظریں اس سے ہوتی ہوئی بیربل اور سوزی کی طرف اٹھیں جو زارا کے بائیں جانب بیٹھے تھے۔سوزی نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سلام کا جواب دیا اور واپس بیربل کو کچھ بتانے لگ گئی۔

ہلال نے بھی چہرہ اٹھا کے اس کو سلام کیا۔پھر سر جھکا دیا۔اس کی گود میں کوئی کتاب تھی جسے وہ انگلیوں سے پڑھ رہی تھی۔شاید ڈنر ٹیبلز پہ کتابیں لے آنا اس کی عادت تھی اور کوئی اسے اس بات پہ ٹوکتا نہیں تھا۔

وہ مالک فرید کے دائیں ہاتھ براجمان تھا۔زارا کی سیدھ میں۔اپنے موبائل پہ جھکا۔کشمالہ کے سلام کا جواب اس نے سر کے خم سے دیا تھا لیکن نگاہ نہیں اٹھائی تھی۔

کچھ تھا فضا میں جو پھر سے آکورڈ تھا۔ایک دم ہی اسے افسوس ہونے لگا۔وہ یہاں کیوں آئی؟ لیکن نہیں۔اسے آنا تھا۔اسے زارا کی آنکھوں میں ایک دفعہ دیکھنا تھا۔تاکہ وہ یہ جان سکے کہ اس روز عالیان کے موبائل پہ دکھائی دینے والی زارا اصلی تھی یا کسی AI کی پیداوار۔

"تمہارے والد اچھے انسان تھے۔ان کی موت کا بہت افسوس ہوا۔" مالک فرید بے تاثر چہرے اور مشینی انداز میں سوزی سے مخاطب ہوئے،تو وہ جو بیربل سے بات کر رہی تھی،فوراً مؤدب سی ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"بابا کی ڈیتھ بہت اچانک ہوئی۔بہت بڑی ٹریجڈی۔"

سوزی کے چہرے پہ ملال ابھرا۔نگاہیں جھکا دیں۔

مالا نے پانی کا گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اس کو دیکھا۔ٹیبل پہ موجود تمام افراد سیاہ سفید پہنے ہوئے تھے۔ زارا کا ڈریس بھی سیاہ تھا۔البتہ سوزی نے خون جیسے رنگ کا سرخ لباس پہن رکھا تھا۔اس کا کیلی بیگ میز پر جما تھا۔

"تمہاری باقی فیملی...؟" مالک فرید نے سوالیہ انداز میں فقرہ ادھورا چھوڑا۔ان کی آنکھیں سوزی کو اسکین کر رہی تھیں۔

"بابا کی ڈیتھ کے بعد ماما بہت ڈس ہارٹ ہوئیں اور امریکہ شفٹ ہو گئیں۔میرا چھوٹا بھائی بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے۔چھوٹی سی فیملی ہے میری۔ "وہ اداسی سے مسکرائی۔پھر ٹیبل پہ موجود افراد کو باری باری دیکھا۔

"لیکن اس فیملی کا حصہ بننے کے بعد اب میری فیملی چھوٹی نہیں رہی۔مجھے ہمیشہ سے بڑی فیملیز اچھی لگتی تھیں۔ "

بیربل نے بھی مسکرا کر اسے دیکھا۔وہ آج پہلے سے زیادہ معتبر اور سوبر لگ رہا تھا۔اسے شاید ہی کبھی مالا نے اتنے فارمل ڈنر سوٹ میں دیکھا ہو۔

"تو تمہاری چھوٹی سی فیملی ہم سے ملنے کب آئے گی؟" ماہر نے ایک دم چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تو سوزین کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔

"میں نے آپ کو بتایا نا.. ہمارے اس فیصلے سے..." اس نے دانت سے نچلا لب کاٹا۔"وہ لوگ مجھ سے ناراض ہیں۔ "پھر بے اختیار مالک فرید کو دیکھا۔

"میں چاہتی تھی کہ اگر آپ ماما سے بات کریں اور انہیں یہاں انوائیٹ کریں،تو شاید وہ نرم پڑ جائیں۔"

مالک فرید نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ...

"بالکل نہیں۔یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔اس کو خود حل کرو۔ "ماہر نے بات کاٹ دی۔

مالک فرید نے ناگواری سے ماہر کو دیکھا،لیکن بولے نہیں۔

میز پہ عجیب سا تناؤ در آیا تھا۔جہاں سوزی کے چہرے کی جوت بجھ گئی،وہاں بیربل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میں بات کروں گا۔وہ جب ہم سے ملیں گی تو ٹھیک ہو جائیں گی۔ "اس نے نرم آواز میں بیوی کو تسلی دی۔

سوزی نے بے اختیار بیربل کو دیکھا اور مسکرائی تو اس کی آنکھوں میں پانی تھا۔

اس نے انگلی کی نوک سے آنکھ کا کنارہ صاف کیا اور سر اثبات میں ہلایا۔

مالا کی نگاہ زارا کی طرف اٹھی جو اب فون نیچے کر چکی تھی۔وہ اب ماہر کو دیکھ رہی تھی۔کشمالہ مبین جیسے اس کے

لیے invisibility cloak پہنے ہوئے تھی۔اسے دکھائی ہی نہ دی۔

"آپ کا کلینیکل ٹرائل کب شروع ہو رہا ہے؟ "سوزی نے مالک فرید سے بات کرنے کی کوشش کی تو ایک دم سب نے چونک کے اسے دیکھا۔

وہ پزل سی ہوگئی۔فوراً بیربل کی طرف اشارہ کیا۔

"سوری۔مجھے بیربل نے بتایا تھا۔میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ "

مالک فرید نے بس ہوں کہہ کے نیپکن اٹھایا اور گود میں بچھانے لگے۔ان کے ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش تھی۔

میز پہ ایک دفعہ پھر سے خاموشی چھا گئی۔آکورڈ سی خاموشی۔ہر شخص جیسے اپنے ہی کسی خیال میں تھا۔

"آپ کا ہنی مون کیسا گزرا؟ "ہلال کی مدھم آواز نے خاموشی کو توڑا۔وہ چہرہ ان دونوں میاں بیوی کی طرف کیے ہوئے تھی۔مگر وہ اداس لگتی تھی۔یا کسی تفکر بھری سوچ میں گم۔

"بہت اچھا۔ "بیربل قدرے پر جوش سا بتانے لگا۔وہ کہاں کہاں گئے۔انہوں نے کیا کیا۔مونٹینیگرو کا موسم کیسا تھا۔

وہ بول رہا تھا اور مالا بار بار ماہر کو دیکھ رہی تھی۔کچھ تھا اس کے انداز میں جو بدلا ہوا تھا۔اس نے ایک دفعہ بھی نگاہ اٹھا کے اسے نہیں دیکھا تھا۔کیا اس نے کچھ کیا تھا؟ کیا وہ اس سے خفا تھا؟ یا کہیں.....

اس کا دل زور سے دھڑکا۔

اوہ نو.... کہیں عالیان نے اس سے رابطہ کر کے کچھ کہہ تو نہیں دیا؟

کیا وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ مالا ایک دفعہ پھر اس سے حقیقت چھپا رہی ہے؟

اتنی مشکل سے وہ دونوں ایک دوسرے پہ بھروسہ کرنے لگے تھے۔اُف۔

"آپ کو اپنے بیٹے کا کچھ پتہ چلا؟ "

سوزی نے ایک دم اسے مخاطب کیا تو وہ اپنے خیال سے چونکی۔

سب اس کی طرف متوجہ تھے۔زارا بھی۔دونوں کی نگاہ ملی۔

زارا واپس ماہر کو دیکھنے لگی۔لیکن وہ ایک نظر.... بظاہر بہت پرسکون، لاتعلق سی نظر تھی....

لیکن وہ نظر اسے سمجھا گئی کہ ان کی دو سیکنڈ کی آخری ملاقات اصلی تھی۔

مالا نے نگاہ واپس سوزی کی طرف موڑی۔پھیکا سا مسکرائی۔

"میرے بیٹے کا اغوا کار مجھ سے ملنے آیا تھا۔"

سب اسے دیکھ رہے تھے۔سوائے ماہر فرید کے۔وہ موبائل سامنے کیے بٹن دبا رہا تھا۔وہ کنکھیوں سے اسے دیکھ سکتی تھی۔

" کون؟" مالک فرید چونکے تھے۔

"اس کا نام عالیان ہے اور وہ witchcraft میں ملوث ہے۔مجھے خود ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ میری extended فیملی کا حصہ ہے۔"

"تمہاری فیملی میں بہت زیادہ ہی witchcraft نہیں ہوتا، مالا؟ کبھی ساس...کبھی شوہر...اور کبھی کزن..." زارینہ فرید نے اسے پہلی دفعہ مخاطب کیا۔دونوں کی نگاہ پھر ملی۔

"ہر فیملی میں ہوتا ہے، زارا۔ "

"ہر فیملی میں نہیں ہوتا۔" زارا کی آواز اونچی ہوئی۔تنبیہی نظریں مالا پہ جمی تھیں۔

"ہوتا ہے۔ہر فیملی میں ایک شخص ہوتا ہے جو ان چیزوں میں ملوث ہوتا ہے۔لیکن اس کا راز کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔" وہ اسی سنجیدگی سے زارا کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

زارا کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔لیکن اس نے کندھے اچکا کے چہرہ سامنے کرلیا۔

پھر ایک دم وہ مسکرائی اور کھنکاری۔چمچ کو کانچ کے گلاس سے تین دفعہ ٹکرایا۔

"بائی داوے...مجھے آپ سب کو کچھ بتانا تھا۔"

ماہر نے چونک کے فون سے چہرہ اٹھایا۔

"بابا اور میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم شادی کی تاریخ کو پیچھے لے آئیں۔"

ماہر کے ابرو ناسمجھی سے اکھٹے ہوئے۔

" کیا مطلب؟" پہلے اس نے مالک کو دیکھا، پھر زارا کو، جس نے اس کا سوال سنا ہی نہیں تھا۔

"...اور بابا کے کلینیکل ٹرائل شروع ہونے سے پہلے ہماری شادی کا ایونٹ رکھا جائے۔یعنی آج سے..." اس نے کلائی پر بندھی سمارٹ واچ دیکھی۔"دو ہفتے بعد۔ "

اور مالا کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔اتنے زور سے کہ سانس آنا رک گیا۔

ماہر نے آہستہ سے فون میز پر رکھا۔مٹھی بھینچ لی، جیسے وہ بہت ضبط کر رہا ہو۔

پھر جب بولا تو لہجہ دھیما مگر دوٹوک تھا۔

"ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے، زارا۔"

"شیور۔ ویسے میں نے وینیو پسند کر لیا ہے اور دو ہفتے بعد کی تاریخ میں وہ available ہے۔ "وہ مسکرا کے اسی انداز میں اسے کہہ رہی تھی۔

ماہر نے پھر سے پہلو بدلا۔

"ہم بعد میں بات کریں گے۔" زارا کو دیکھتی اس کی بھوری آنکھوں میں تنبیہہ تھی۔

"یہ تو بہت اچھا فیصلہ ہے۔ "سوزین ایک دم سے چہکی۔ "فیملی ویڈنگ۔ سو ایکسائٹنگ۔ زارا... آپ کو جہاں میری ضرورت ہو بتایئے گا۔ وینیو سلیکشن، کیک ٹیسٹنگ... جہاں بھی مجھے ساتھ لے جانا ہو میں..."

زارا نے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"I can manage."اور واپس سیدھی ہو گئی۔

سوزی کا چہرہ بجھ گیا۔ اس نے ماہر کو دیکھا۔ شاید وہ اس کے لیے کچھ بولے۔ لیکن اس کا چہرہ تناؤ کا شکار لگتا تھا۔

سوزی کے کندھے ڈھلک گئے۔

"ہم دونوں ساتھ شاپنگ پہ جا سکتے ہیں۔" ہلال کی آواز پہ سوزی نے چہرہ اٹھایا۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی در آئی۔ مسکرا کے سر ہلایا۔ پھر بے اختیار کشمالہ کو دیکھا۔

"آپ بھی ہمارے ساتھ چلنا۔ "اس نے جیسے رسماً پیشکش کی۔

مالا نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"سوری۔ مجھے پولیس اسٹیشن اور دوسرے کاموں سے اتنی فرصت ہی نہیں ملے گی کہ..." بدقت وہ کہنے لگی کیونکہ سینے میں عجیب سی گھٹن ہو رہی تھی۔ جیسے متلی ہو۔ مگر...

"لیکن دوسروں کے فیملی ڈنرز میں شرکت کے لیے آپ کے پاس بہت وقت ہے۔ "

زارا نے اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"زارا۔" ماہر نے پہلے اسے گھورا... اور پھر... بے اختیار مالا کو دیکھا۔ یہ پہلی دفعہ تھا جب اس نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ سبز لباس والی لڑکی کی رنگت زرد ہو رہی تھی اور وہ شدید غیر آرام دہ دکھائی دیتی تھی۔ کھانا ابھی تک سرو نہیں ہوا تھا اور وہ یوں کنارے پر بیٹھی تھی گویا بھاگ جانا چاہتی ہو۔ زارا کے الفاظ پہ وہ کچھ بول نہ سکی۔ ہونٹ کھولے ہی

تھے کہ....

"میں نے سنا ہے بیربل نے بھی تمہارے ذمے زائد کام لگا دیے۔ "مالک فرید کی آواز گونجی۔

ساتھ ہی انہوں نے ایک تنبیہی نظر بیربل پہ ڈالی جو قدرے بجھا ہوا بیٹھا تھا۔اس بات پہ پھیکا سا مسکرایا اور ممنون نظروں سے مالا کو دیکھا۔

"مجھے معلوم تھا آپ یہ کام انجوائے کریں گی۔ "پھر رک کے اضافہ کیا۔"میرا اسٹاف آپ کو اتنا پسند نہیں کرتا۔ جس کا مطلب ہے کہ آپ نے ان پہ ٹھیک سختی کی تھی۔اب تک انہوں نے یقیناً آپ کے بہت سارے نام رکھ لیے ہوں گے۔"

زارا کی بات کا اثر زائل ہونے لگا۔وہ مسکرا دی اور بوتل سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے بولی۔

"وہ میرا جیسا بھی نام رکھ لیں، وہ Pinocchio جیسا کیوٹ نہیں ہوگا۔ "

پانی کا گھونٹ بھرا۔پھر گلاس نیچے رکھا تو دیکھا ... سب اس کو دیکھ رہے تھے۔حتیٰ کہ ماہر بھی۔بے یقینی سے۔

ایک لمحے کے لیے اس کو سمجھ میں نہ آیا کہ اس نے ایسا کیا کہا ہے۔پھر اس نے بیربل کا چہرہ دیکھا۔اس پہ ناسمجھی تھی۔

"Pinocchio کون؟"

"یعنی جو تمہارا اسٹاف تمہیں... "وہ رک گئی۔ماہر کو دیکھا۔اس نے بے اختیار ماتھے کو چھوا تھا۔

اور تب اسے احساس ہوا کہ اس نے کیا کر دیا ہے۔

بیربل کا چہرہ ایک دم سفید ہوا تھا۔

"میرے اسٹاف نے میرا کوئی نام نہیں رکھا۔کبھی بھی نہیں۔ "اس نے نیپکن مروڑ کے آہستہ سے میز پر رکھا۔وہ بے یقینی سے کشمالہ کو دیکھ رہا تھا۔بنا پلک جھپکے۔

سوزی نے بے اختیار اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔لیکن بیربل نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ایک کانٹا چھری زور سے زمین پر گرے۔

"میں اپنے اسٹاف کے ساتھ کسی....کسی....(ماہر اور مالک کو دیکھا) روبوٹ یا مشین کی طرح بی ہیو نہیں کرتا۔ میں ان کا خیال کرتا ہوں۔ان کے ساتھ....ان کے ساتھ اچھے سے بات کرتا ہوں۔وہ کبھی بھی....وہ کبھی بھی میرا کوئی نام نہیں رکھ سکتے۔ "سفید چہرہ اب سرخ ہونے لگا تھا۔

"نہیں... سوری.. میرا مطلب... "وہ گھبرا کے کہنے لگی لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔

"وہ لوگ مجھے..."بیر بل نے تھوک نگلا۔آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "وہ مجھے Pinocchio کہتے ہیں؟ وہ میری پیٹھ پیچھے میرا نام رکھتے ہیں؟"اس نے گردن موڑ کے باری باری سب کو ملامتی نظروں سے دیکھا۔

"اور آپ سب جانتے تھے۔"وہ کرسی دھکیل کے اٹھا۔

"بیر بل... بی...!"ماہر پیچھے سے چلایا۔لیکن وہ لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل چکا تھا۔

مالا کا چہرہ گلابی ہونے لگا۔بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ہونٹ سوری میں گول ہوئے۔لیکن ماہر نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"وہ sensitive ہے۔اس کو ہر بات نہیں کہی جا سکتی۔وہ sensitive ہے۔ "اس نے پھر دہرایا۔یہ وہ پہلی بات تھی جو اس نے مالا کو دیکھ کے کہی تھی۔

سوزی فوراً سے اٹھنے لگی تو ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔

"تم یہیں ٹھہرو۔"اس کا انداز سخت تھا۔وہ وہیں رک گئی۔

وہ مالا پہ ایک افسوس بھری نظر ڈال کے اٹھا اور تیزی سے باہر آیا۔

بیر بل ریستوران کی گلاس وال کے باہر دکھائی دیا۔سڑک کنارے جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔اس نے اپنا کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔ماہر نے دروازہ کھولا تو سرد تھپیڑا چہرے سے ٹکرایا۔اس وقت وہ اپنا کوٹ نہیں مانگ سکتا تھا۔نہ اسے سردی کی پرواہ تھی۔

"اٹس اوکے، بی۔ہر اسٹاف اپنے مالک کا نام رکھتا ہے۔"

بیر بل نے گردن موڑی تو گیلی آنکھوں میں شکوہ تھا۔

"نہ میں کوئی سائیکو پیتھ ہوں، نہ کوئی سخت باس۔میں ان کا خیال رکھتا ہوں۔کسی فیملی ممبر کی طرح۔"

وہ دونوں اب آمنے سامنے سڑک کنارے کھڑے تھے۔اور تاریک گلاس وال میں ان کا عکس بھی ایسے ہی موجود تھا۔

"جس کو جتنے پیسے چاہئیں، دے دیے۔جس کو چھٹی چاہیے، اس کو ریلیکس کر دیا۔اور وہ لوگ..."وہ سر دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔

"کارپوریٹس کسی کی فیملی نہیں ہوتیں۔وہ لوگ کام کے لیے آتے ہیں۔کام کر کے چلے جاتے ہیں۔تم ان کو پے

کرتے ہو۔آپ کا اسٹاف کبھی بھی آپ کی فیملی نہیں ہوتا۔نہ بن سکتا ہے۔سو ان چیزوں پہ اتنا sensitive ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ایک مذاق ہے یہ،بی۔چلتا رہتا ہے۔"

بیربل نے سر ہلایا۔گہری سانس لی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو۔جہاں فیملی ہی آپ کے خلاف ہو جائے،وہاں اسٹاف کا کیا گلہ کرنا۔"

ماہر کے لب بھنچ گئے۔وہ جانتا تھا بات کس طرف جا رہی ہے۔

ایک سرد سا تناؤ دونوں کے درمیان پھر سے حائل ہو گیا۔

"تم نے دل سے سوزی کو قبول... "

"میں اس بارے میں اگر کچھ بولوں گا تو تمہیں برا لگے گا۔کیا تم واقعی چاہتے ہو کہ میں کچھ بولوں؟ "اس کا لہجہ ایک دم سخت ہو گیا۔

بیربل چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔پھر سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔درست۔ "ساتھ ہی موبائل نکالا۔ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔وہ کال ملا کے فون کان سے لگائے ہوئے تھا لیکن دیکھ وہ ماہر کو رہا تھا۔اس کی آنکھوں میں۔

"تم کس کو کال کر رہے ہو؟ "اس کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجی۔

بیربل نے جواب نہیں دیا۔اس کو دیکھتا رہا۔یہاں تک کہ سلسلہ کلام جڑ گیا۔

"شیف۔ "وہ ماہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "تم سمیت پورا اسٹاف اس نوکری سے فارغ ہے۔کل سے کام پہ مت آنا۔شب بخیر۔"ماہر کو دیکھتے ہوئے اس نے فون نیچے کیا۔

"ٹھیک کہا تم نے۔یہ میری فیملی نہیں ہے۔اس لیے sensitive ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مت کروایسے۔وہ غریب لوگ ہیں۔ایسے کسی کو تم نوکری سے نہیں نکال سکتے۔"

مگر بیربل نے چند بٹن دبائے اور ریستوران اسٹاف کی گروپ چیٹ کھولی۔موبائل چہرے کے قریب لے گیا اور پیغام ریکارڈ کیا۔

"میں تم سب کو جاب سے فائر کر رہا ہوں۔پورے مہینے کی تنخواہ صبح سے پہلے کلیئر کر دی جائے گی۔کل سے کوئی بیکری میں داخل نہ ہو۔ "فون نیچے کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اندر سب انتظار کر رہے ہوں۔چلیں؟ "طنزیہ نگاہ ماہر پہ ڈال کے وہ ریستوران کے اندر چلا گیا۔ماہر تیزی

سے پیچھے لپکا۔

"ڈیلیٹ کروا اپنا میسیج۔کہو یہ ایک مذاق تھا۔وہ تمہاری ساری بیکری رن کرتے ہیں، بی۔"

وہ لابی میں آگے پیچھے چلتے جا رہے تھے۔

" مگر وہ میری فیملی نہیں ہیں۔ "اس کا چہرہ زخمی تھا۔

"یہی ہوتا ہے۔یہی ہوتا ہے جب تم غلط پارٹنر چنتے ہو... وہ تمہیں تمہارے اصل سے دور کر دیتا ہے۔"

بیربل نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"تم کبھی اس کو قبول نہیں کرو گے۔مجھے مزید تمہارا اپرووَل نہیں چاہیے۔ "

وہ ابھی اس بات کا اچھا سا جواب دیتا لیکن ہال کے دہانے پہ اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔

مالک فرید کی سیدھ میں سربراہی کرسی اب خالی تھی۔

"مالا کہاں ہے؟ "اس نے بے اختیار پوچھا۔

زارا نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے نہیں سنا۔سوزی بے اختیار بیربل کی طرف بڑھی تھی۔جواب خود کو پرسکون کر چکا تھا۔البتہ مالک فرید نے بغور اسے دیکھتے ہوئے بس اتنا کہا۔

"اسے کہیں جانا تھا۔کوئی کال آ گئی تھی اسے۔"

ایک دم سے ہال کی ساری رونق ختم ہو گئی۔

وہ کس راستے سے گئی تھی؟ اس نے تو اسے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔کیا وہ ابھی تک ریستوران کے اندر تھی؟ شاید باتھ رومز میں؟ اس انتظار میں کہ ماہر اور بیربل سامنے سے ہٹیں تو وہ باہر نکلے؟ اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔کیا وہ رو رہی ہو گی؟

کیا اسے مالا کے پیچھے جانا چاہیے؟

یا اسے بیکری کے ملازموں کے بارے میں کچھ کرنا چاہیے؟

وہ ہمیشہ کی طرح دو راستوں کے دہانے پہ کھڑا تھا۔

بیرے پکوان ہتھیلیوں پہ اٹھائے ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ہلال اسے پکار رہی تھی۔وہ سر جھٹک کے واپس اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔اور آ کورڈ ڈنر وہیں سے شروع ہو گیا جہاں سے ٹوٹا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

پونی میں بندھے بال اور سوئیٹ شرٹ کے سینے پر گیلی انگلیوں کے نشان لیے وہ جیسے بھری ہوئی کھڑی تھی۔

"میری زندگی میں پہلے ہی بہت مسئلے ہیں۔ پلیز ان میں اضافہ مت کرو۔"

"اوکے۔" ماہر نے آہستہ سے کہا اور اپنے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

کشمالہ مبین کے سر پہ لگی تلووں پہ بجھی۔

اوکے؟ اوکے کیا ہوتا ہے؟

پہلے اس نے کل سارا دن اس کے ساتھ عجیب سا رویہ رکھا۔ اور اب اتنا بھی نہیں کہا کہ اٹس اوکے مالا، بیر بل والے معاملے میں تمہاری غلطی نہیں تھی۔

اوکے؟ صرف اوکے؟

اس نے زور سے دروازہ بند کیا۔ بہت سا غصہ اُبل اُبل کے باہر آنے کو بے تاب تھا۔ وہ کاؤنٹر ٹاپ کے ساتھ جا رکی۔ آنکھیں بند کیں۔ چند گہرے سانس لیے۔

اسے غصہ نہیں کرنا تھا۔ اسے اپنی صفائی مکمل کرنی تھی۔

وہ بالکونی میں چلی آئی۔ پہلے دیوار گیر کھڑکیوں کے شیشے پر اسپرے کیا۔ پھر مائیکرو فائبر کپڑے سے انہیں صاف کرنے لگی۔ باہر ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ چند لمحوں میں ہی اس کے ہاتھ جمنے لگے۔ اس وقت صفائی کا فیصلہ...

"تم خود سے کیسے اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی ہو؟ اور وہ بھی ایک فیملی ڈنر پہ انا ؤنسمنٹ کی صورت میں؟"

مالا کا سارا وجود ساکت ہو گیا۔ بے یقینی سے وہ پلٹی۔ اس کی بالکونی خالی تھی۔ لیکن ہوا مشترک تھی۔ ساتھ والی بالکونی سے آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ قدموں کی آواز۔ جیسے دو لوگ یکے بعد دیگرے باہر آئے ہوں۔

"خود سے کچھ نہیں کیا میں نے۔ بابا کے ساتھ ڈیسائڈ کیا ہے۔"

مالا نے کپڑا مٹھی میں بھینچ لیا۔ بنا چاپ کے وہ اس مشترکہ دیوار تک سرکتی گئی جس نے دونوں بالکونیز کے درمیان پردہ کر رکھا تھا۔ لیکن ہوا تو سانجھی تھی۔ اور آسمان بھی۔ سو وہاں ہونے والی گفتگو یہاں صاف سنائی دیتی تھی۔

"تمہیں پہلے مجھ سے پوچھ لینا چاہیے تھا۔ میں بہت سے مسئلوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ اگر میں نے جنوری کی تاریخ طے کی تھی تو کسی وجہ سے کی تھی۔"

"تب میں بابا کی بیماری کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ Thanks to all of you." زارا کی آواز

میں بھی اتنا ہی غصہ تھا۔

"وہ میرے بابا ہیں۔ کچھ فیصلے مجھے ان کے لحاظ سے لینے پڑیں گے، ماہر۔ کلینیکل ٹرائل میں جانے کے بعد ہمیں نہیں معلوم ان کی حالت کیا ہوگی۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ اس شادی کو اپنے ہوش وحواس میں دیکھ سکیں۔ نہ کہ بعد میں جب وہ.... جب وہ...." اس کی آواز بھیگنے لگی۔

"تم مجھ سے بات کر سکتی تھیں۔" مردانہ آواز دھیمی ہوئی۔

"بات کرنا چاہتے ہو تو پہلے میری بات سنو۔ "

مالا سانس روکے دیوار سے پشت لگائے کھڑی تھی۔ وہ اگر اس وقت اندر جاتی تو کھڑکی سلائیڈ کر کے کھولنی پڑتی۔ آواز سے وہ دونوں سمجھ جاتے کہ ساتھ والی بالکونی میں کوئی موجود ہے۔

"تم نے اسے ساتھ والے اپارٹمنٹ میں کیوں لا بسایا ہے؟"

"مالا؟ اس کا کیا تعلق ہے اس سب سے؟"

"میں اس سے ان کمفرٹیبل ہوں، ماہر۔ وہ سارا دن آفس میں تمہارے ساتھ ہوتی ہے۔ میں نے کہا اٹس اوکے۔ لیکن اب وہ گھر میں بھی تمہارے ساتھ ہوگی۔"

"زارا.... اس کا بیٹا..."

"اس کا بیٹا... اس کا بیٹا... کب سے ایک ہی بات سن رہی ہوں میں۔ مجھے اب یقین بھی نہیں ہے کہ اس کے بیٹے کو کچھ ہوا بھی ہے۔ "وہ زور سے چلائی تھی۔" وہ ساتھ والے اپارٹمنٹ میں کیوں رہتی ہے؟ وہ ہمارے فیملی ڈنرز میں کیوں شریک ہوتی ہے؟"

"تم اس سے اِن سیکیور کیوں ہو رہی ہو؟"

" کیونکہ تم دونوں کی ایک ہسٹری ہے۔ جانتی ہوں میں سب۔ "وہ پھنکاری۔

چند لمحے کی خاموشی۔

وہ دم سادھے کھڑی رہی۔ پیروں سے سردی گھستی سارے وجود کو منجمند کر رہی تھی۔

" تمہیں کیا لگا تھا، زارا کو کچھ نہیں معلوم؟ سب جانتی ہوں میں۔"

اسے کرسی کھینچنے کی آواز آئی۔ دونوں میں سے کوئی ایک بیٹھا تھا۔

"میری اور اس کی کوئی ہسٹری نہیں ہے۔ وہ مختلف حالات تھے، زارا۔ ہم دونوں موو آن کر گئے تھے۔ اور

اب... اب وہ وہ مجبوری کے تحت یہاں آئی ہے۔ہم اچھے acquaintances ہیں۔اچھے دوست۔تمہارا بھی تو ایک زمانہ دوست ہے۔مگر مجھے تم پہ بھروسہ ہے۔اس لیے اعتراض نہیں کرتا۔ "وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا جیسے تھک گیا تھا۔

" گیس لائٹ مت کرو مجھے۔"

"زارا... "اس کی آواز دھیمی مگر دوٹوک تھی۔"اگر تم... اس سے اتنی اِن سیکیور ہو.... تو ہم اس رشتے کو یہیں ختم کر دیتے ہیں۔میں ایسے نہیں چل سکتا۔"

خاموشی۔خوفناک سرد خاموشی۔

" کل گیارہ بجے ... وینیو مینیجر کے ساتھ میری اپائنٹمنٹ ہے۔ "وہ گہرے سانسوں کے درمیان کہہ رہی تھی۔

"زارا... میں کچھ اور کہہ رہا ہوں۔"

" نہیں، ماہر۔اب تم میری سنو گے۔ساری زندگی میں نے تمہاری سنی ہے۔ایک عرصہ تم دونوں بھائیوں نے میرے باپ کو اپنا دشمن سمجھا ہے۔اب ڈیتھ بیڈ پہ تم میرے باپ کو تکلیف نہیں دو گے۔صبح گیارہ بجے۔تمام؟"

ٹھک ٹھک دور جاتے قدم۔دروازہ سلائیڈ ہونے کی آواز۔پھر بند ہونے کی ٹھاہ۔

وہ دیوار سے لگی دھیرے دھیرے ٹھٹھر رہی تھی۔ہونٹ جامنی پڑ رہے تھے۔وہ اس کنٹینر میں تھی۔ہاتھ پیر زنجیروں میں تھے۔اور سردی بڑھتی جا رہی تھی۔

پھر دروازہ دھیرے سے سلائیڈ ہوا۔پھر آرام سے بند ہوا۔لاک کی آواز۔پھر خاموشی۔

وہ اندر چلا گیا تھا۔اس کے لبوں سے گہری سانس خارج ہوئی اور دھوئیں کی صورت اوپر اٹھ گئی۔

" گیارہ بجے !"وہ لاؤنج میں ہیٹر کے سامنے کھڑی ہاتھ رگڑتی کانپ رہی تھی۔

" صبح گیارہ بجے۔"اس نے خود سے دہرایا۔

اسے معلوم تھا اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔وہ گیارہ بج کے دس منٹ بجا رہی تھی۔

اس نے ہاتھ نیچے کیا اور بظاہر پوری توجہ سے سامنے دیکھا۔

ایک سرد اور روشن صبح ان کے آس پاس پھیلی تھی۔قدموں تلے تا حد نگاہ گھاس تھا۔ایک قلعے جیسی اونچی عمارت سامنے تھی۔اور بہت سے باوردی ملازم کام کرتے اندر باہر آ جا رہے تھے۔

وہ کھلی فضا تلے بچھی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔زارا اس کے ساتھ تھی اور وینیو مینجر سامنے۔درمیان میں میز پر بہت سے سیمپل رکھے تھے۔نیپکن۔نیپکن رنگز۔پھولوں کی اقسام۔ربن۔ربن کس چیز کے لیے تھے؟ اس نے سوچتے ہوئے زارا کو دیکھا جو پرجوش سی ہاتھ ہلاتے ہوئے مینیجر کو کچھ سمجھا رہی تھی۔

مینیجر مسکراتے ہوئے سر ہلا کے سن رہی تھی۔چند چیزیں نوٹ بھی کرتی جا رہی تھی۔مینیجر کی آنکھیں لانبی تھیں۔بادامی شکل کی۔گال کی ہڈی اونچی اور ہونٹ بھرے بھرے۔ماہر نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔پھر واپس زارا کو۔ان دونوں کی شکل ملتی تھی۔

اس نے ٹائی کی ناٹ ہلکی سی ڈھیلی کی۔پہلو بدلا۔گھڑی دیکھی۔(یہ ربن کس چیز کے لیے تھا؟)

"آپ کی رنگوں کے حوالے سے ترجیحات؟ "مینیجر اب ماہر کو مخاطب کیے ہوئے تھی۔وہ جبراً مسکرایا اور ابرو سے زارا کی طرف اشارہ کیا۔پھر دائیں طرف دیکھنے لگا۔زارا نے ایک سلگتی نگاہ اس پہ ڈالی اور واپس مینیجر کی طرف متوجہ ہوئی۔کل رات کی لڑائی کے زخم ابھی باقی تھے۔

دائیں جانب سے ایک دوسرا ایونٹ مینیجر ایک کپل کے ساتھ چلتا آ رہا تھا۔گھاس پر قدم بڑھاتے ہوئے وہ ہاتھوں کے اشارے سے ان کو کچھ سمجھا رہا تھا۔ماہر کی نگاہ اس جوڑے کی متوقع دلہن پہ جا ٹکی۔گال کی اونچی ہڈی۔بادامی آنکھیں۔کس کے بنائی اونچی پونی ٹیل۔اس کی شکل بھی ویسی ہی تھی۔زارا جیسی۔مینیجر جیسی۔

وہ خوبصورت چہرہ اب بہت عام ہو چکا تھا۔عام اور سستا۔

اس نے پھر سے پہلو بدلا۔مسکراہٹ اب مکمل عنقا ہو چکی تھی۔

"جیسے ہی آپ ڈیپازٹ کروا دیں گے میں وینیو... "اس نے مینیجر کو کہتے سنا۔ڈیپازٹ کے لفظ پہ وہ ایک دم سیدھا ہوا۔

زارا ابھی اسے دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں اشارہ کیا۔

"ڈیپازٹ؟"

"میں ابھی ڈیپازٹ نہیں جمع کرواؤں گا۔پہلے ہم شادی کی ڈیٹ ڈسکس کریں گے۔"

زارا کے لب بھنچ گئے۔"ہم کل رات ڈسکس کر چکے ہیں۔"

"نہیں۔کل رات ہم نے یہ طے کیا تھا کہ ہم گیارہ بجے یہاں ملیں گے۔میں آ گیا ہوں۔لیکن ڈیٹ وہی ہو گی جو ہم نے پہلے طے کی تھی۔جنوری۔"

زارا نے مینیجر کو دیکھا جو دونوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔اور مسکرا کے آواز کو دھیما کر کے کہا۔

"آپ ہمیں ایکسکیوز کریں گی؟"

اس کے اٹھ کے جانے کے بعد وہ اس کی طرف گھومی۔ضبط سے گہرے سانس لیے۔وہ اسی طرح پرسکون ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"ماہر... "وہ بولی تو لہجہ نرم تھا۔"میں یہ بابا کے لیے کر رہی ہوں۔میری پوزیشن سمجھو۔"

"تمہیں اس وقت ان کے ساتھ ہونا چاہیے۔کلینکل ٹرائل تکلیف دہ عمل ہوتا ہے۔تمہیں شادی میں مصروف ہونے کے بجائے ان کو وقت دینا چاہیے۔"

وہ لب بھینچے اسے دیکھے گئی۔

"میں تب تک ڈیپازٹ نہیں جمع کروں گا جب تک یہ میرا فیصلہ نہیں ہو گا۔تم مجھے بچپن سے جانتی ہو۔تم ماہر کو کسی کام کے لیے مجبور نہیں کر سکتیں۔"وہ سنجیدہ تھا۔

"اگر تم ڈیپازٹ نہیں دو گے تو میں دے دوں گی۔"

"پھر چودہ دن بعد تم یہاں اکیلی کھڑی ہو گی۔ "وہ کوٹ کا بٹن بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔گھاس پر چلتی متوقع دلہن قریب آ رہی تھی۔وہ کسی بات پہ ہنستے ہوئے اپنے منگیتر سے کچھ کہہ رہی تھی۔اس کا سائیڈ پوز بالکل زارا کے جیسا تھا۔ماہر نے پھر سے ٹائی ڈھیلی کی۔

"تم کیا چاہتے ہو؟ "زارا نے بیٹھے بیٹھے گردن اٹھا کے اسے دیکھا تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"میں اس طرح جذباتی فیصلے نہیں کر سکتا۔مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔تم تاریخ کے بارے میں سوچ..."

"مجھے اس رشتے کے بارے میں سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔"

وہ پلک تک نہ جھپک سکی۔

"اگر میری حیثیت اس رشتے میں صرف چیک کاٹنے والے ٹروفی ہز بنڈ کی ہے تو مجھے وقت چاہیے، زارا۔ "وہ ایک شکوہ کناں نگاہ اس پہ ڈال کے پلٹ گیا۔زارا بھیگی آنکھوں سے اسے گھاس پہ دور جاتے دیکھے گئی۔سب کچھ

واپس اپارٹمنٹ میں آتے ساتھ ہی کشمالہ مبین نے جوتے اور پرس دائیں بائیں پھینک دیے۔ دل بہت خراب ہو رہا تھا۔ بار بار آنکھیں بھر آتیں اور وہ انہیں رگڑ دیتی، جس سے سارا مسکارا بہہ گیا تھا۔

اسے سب سے زیادہ برا کیا لگا تھا؟ وہ لاؤنج میں صوفے پر لیٹ گئی اور چھت پر لٹکے فانوس کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ یہ ان گزرے برسوں میں بنائی اس کی عادت تھی۔ self check-in۔ خود سے پوچھنا۔ اب بھی وہ خود سے پوچھ رہی تھی۔ تمہیں سب سے زیادہ کیا برا لگا ہے، مالا؟

زارا کے الفاظ؟ بیربل کو دکھ دینا؟ ماہر کی سرد مہری؟ یا یہ کہ دو ہفتے بعد وہ زارا سے شادی کر رہا تھا۔

اسے عالیان کا میسیج یاد آیا۔ فیصلہ کتنا آسان تھا۔ وہ عالیان کی بات مان کے زارا کا تاش کے پتوں سے بنا گھر بہت آرام سے ملیامیٹ کر سکتی تھی۔ اور اس کے بدلے میں اس کا بیٹا اس کو واپس مل جائے گا۔

لیکن اگر وہ ایسا کرتی تو وہ مالا نہ ہوتی۔

اُف ... وہ کیا کرے؟

پھر وہ اٹھی۔ رگڑ رگڑ کے چہرہ دھویا۔ کانوں سے زمرد کے ٹاپس نوچ اتارے اور سویٹ پینٹس اور ہڈی پہن کے گھر سمیٹنے لگی۔ ایک ایک کمرے کا فرش صاف کیا۔ ایک ایک کھڑکی کا شیشہ چمکایا۔ وہ کچن کا کاؤنٹر ٹاپ صاف کر رہی تھی جب گھنٹی بجی۔ دستانے کھینچ کے اتارے۔ جانتی تھی کون ہوگا۔ اس دفعہ وہ درست ہوگی۔

پہلے سنک کا نل کھولا۔ ہاتھ دھوئے۔ چند چھینٹے ہڈی کے اوپر پڑے۔ گھنٹی پھر سے بجی۔ اس نے ہڈی سے ہی گیلے ہاتھ پونچھے۔ اور جا کے دروازہ کھولا۔

وہ چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ ایسے کہ کوٹ بازو پر تہہ کر کے ڈالا تھا۔ ساتھ والے اپارٹمنٹ کا دروازہ ابھی ابھی بند ہوا تھا۔ آوازیں آ رہی تھیں۔ بہت سے افراد کے اندر جانے کی۔ جوتے اتارنے کی۔ وہ سب ابھی ابھی واپس آئے تھے۔

"تم ڈنر چھوڑ کے کیوں آ گئیں؟" وہ تکان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کیا معلوم تھا کہ تمہاری فیملی کے درمیان اتنے راز ہوتے ہیں۔ آئندہ نہ میرے ساتھ اپنا کوئی فیملی سیکرٹ شیئر کرنا نہ مجھے اپنے آکورڈ فیملی ڈنرز پہ مدعو کرنا۔" مالا نے چہرہ سپاٹ رکھنا چاہا لیکن وہ سرخ ہوتا گیا اور آواز غصے سے کپکپا گئی۔

اس کے ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ نے کلائی اونچی اٹھائی۔گھڑی سوا گیارہ بجا رہی تھی۔

سامنے مالک فرید بیٹھے تھے۔اسی کرسی پہ۔اسی گھاس پہ۔اسی کاٹیج کے باغیچے میں جس کے ساتھ سمندر کا پانی ٹھاٹھیں مارتا ہوا ٹکرا رہا تھا۔

اس دن کی نسبت موسم بہت سرد تھا۔وہ بھورا کوٹ پہنے ہوئی تھی اور ہوا سے بال بار بار پیچھے کو اُڑ رہے تھے۔سر پر ٹوپی تھی جو اس کے اپنے سائز کی تھی۔اور اس پہ کوئی پوم پوم نہیں لگا تھا۔

" کل والے واقعے میں تمہاری غلطی نہیں تھی۔"وہ اسی میکانکی انداز میں کہہ رہے تھے۔انہوں نے کوٹ کے اوپر شال بھی لے رکھی تھی اور سفید بال اُونی ٹوپی میں چھپے تھے۔وہ آج کل رات سے بھی زیادہ کمزور لگ رہے تھے۔اور اس گھر میں آتے ہوئے مالا کو لونگ روم میں ایک وہیل چیئر بھی دکھائی دی تھی۔شاید ان کے ذاتی وقار نے ابھی تک اس وہیل چیئر کو استعمال کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔لیکن وہ سمجھ سکتی تھی کہ یہ ان کا مستقبل تھا۔

"بیربل کچھ زیادہ ہی حساس ہے۔اوپر سے وہ جس لڑکی کو اٹھا لایا ہے..."

"میں اس بارے میں بات کرنے نہیں آئی۔ "وہ تیزی سے بولی۔اسے اپنی بات زارا کے واپس آنے سے پہلے مکمل کرنی تھی۔اس سے بہتر موقع اس کو نہیں ملے گا۔

"اگر تم زیاد کے بارے میں..."

"آپ جادو پہ یقین رکھتے ہیں؟"

مالک فرید کے چہرے پہ ہلکی سی اکتاہٹ ابھری۔سر افسوس سے دائیں بائیں ہلایا۔

"بالکل بھی نہیں۔"

وہ گھر ایک چٹان پہ بنا تھا۔باغیچے کے دہانے پہ کھائی تھی۔اور نیچے سمندر کی لہریں زور وشور سے چٹان سے ٹکرا رہی تھیں۔ایسے میں مالا کو اپنی آواز اونچی کرنی پڑی۔

"لیکن جادو ایک حقیقت... "

"جادو کچھ نہیں ہوتا۔سوائے ایک scam کے۔یہ کسی کی زندگی یا قسمت نہیں بدلتا۔"

مالا کی نگاہ ان کی ہتھیلی کی پشت پہ لگے کینولا پہ جا ٹکی۔

"اور اگر تم کہنا چاہتی ہو کہ میری بیماری کسی جادو کا نتیجہ ہے تو اپنے الفاظ بچا کے رکھو۔ "وہ جیسے ڈانٹ کے بولے تھے۔

البتہ کشمالہ مبین کے ابرو چونکنے والے انداز میں اٹھے۔ وہ آگے کو ہوئی۔

"یعنی آپ کو شک ہے کہ آپ کی بیماری کسی جادو کا نتیجہ ہے۔"

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔"

مالا نے سوچتے ہوئے دائیں بائیں دیکھا۔

لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکی کے اندر کھڑا عمار غور سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کو وہاں دیکھتا پا کے اس نے گردن موڑ لی۔ مالا واپس ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

"یعنی آپ کو علامتیں نظر آئی ہیں؟ خون کا گرنا۔ برے خواب۔ کچھ تو دکھائی دیا ہے آپ کو، مالک صاحب۔"

مالک فرید نے بے زاری سے شانے اچکائے۔

"میں پھر بھی جادو پہ یقین نہیں رکھتا۔ ہر چیز کی ایک لوجیکل وجہ ہوتی ہے۔ میری کھڑکیوں پر آنے والے خون کے قطرے کسی زخمی پرندے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہاں اکثر پرندے کھڑکیوں سے ٹکرا کر مر جاتے ہیں۔ برے خواب اور sleep paralysis سب کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اگر تم مجھے جادو کے بارے میں کنوینس کرنے آئی ہو تو اپنا وقت ضائع کر رہی ہو۔"

"آپ جادو پر یقین نہیں رکھتے۔ جادوگروں پہ رکھتے ہیں؟"

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئے۔

"یہ ایک پوری انڈسٹری ہے scammers کی۔ وہ پیسے لے کر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کسی پہ جادو کر رہے ہیں۔ placebo effect۔ "یہ آخری لفظ ادا کر کے وہ گردن موڑ کے دور افق کو دیکھنے لگے۔

وہ جانتی تھی اس لفظ سے ان کا ذہن کس طرف گیا ہے۔ اس کا بھی وہیں گیا تھا۔ کلینکل ٹرائل۔ کیا ان کو لگنے والی دوا اصلی ہو گی یا placebo؟ کیا جس ٹرائل سے وہ سب اتنی امیدیں لگائے ہوئے تھے، وہاں ان کو دوا کی جگہ پانی لگایا جائے گا؟

"یعنی آپ یہ مانتے ہیں کہ جادوگر وجود رکھتے ہیں، جیسے کہ عالیان، جس کے بارے میں کل میں نے آپ کو بتایا

تھا۔"

مالک نے اب کے جیسے بیزاری سے اسے دیکھا۔

"ظاہر ہے وہ ایک اسکامر ہے اور اپنے کلائنٹس کو دھوکہ دے کر پیسے بٹور رہا ہے۔شاید اسے لگتا ہو کہ وہ لوگوں کی زندگیوں کو خراب کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔لیکن میں بالکل بھی یقین... "

"زارا عالیان کی کلائنٹ ہے۔"

مالک فرید کے الفاظ لبوں میں ٹوٹ گئے۔وہ چند لمحے پلک جھپکے بنا اس کو دیکھے گئے۔

پھر ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔کمر سیدھی کی۔آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے اسے دیکھا۔

"کیا تم میری بیٹی زارا کی بات کر رہی ہو؟"

"آپ کی بیٹی کی بات ہے اسی لیے صرف آپ سے کر رہی ہوں۔"

سمندر کی آوازیں اور بگلوں کا شور ختم ہو چکا تھا۔پتھروں نے جیسے چٹانوں سے سر پٹخنا چھوڑ دیا۔

سب دم سادھے سننے لگے۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟ "ان کی آواز ہلکی تھی۔

"عالیان مجھ سے اس روز ملا۔یعنی وہ نوجوان جس نے اپنا نام عالیان بتایا اور کہا کہ میرا بیٹا اس کے پاس ہے۔اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ زارا اس کی کلائنٹ ہے۔بہت دفعہ اس کے پاس آئی ہے۔اس کو پیسے دیے ہیں۔ماہر سے شادی کا جادو کروانے کے لیے۔عالیان کا کہنا تھا کہ اس نے ماہر کے اوپر جادو نہیں کیا۔بلکہ آپ کو بیمار کر دیا۔تاکہ ماہر جذباتی طور پہ مجبور ہو کے زارا سے شادی کر لے۔ "وہ بالکل عام سے انداز میں کہے جا رہی تھی۔اس نے سارا رستہ ٹیکسی میں اس تقریر کی مشق کی تھی۔لیکن مالک فرید کی آنکھوں میں دیکھ کر ان کی بیٹی کے بارے میں یہ کہنا آسان نہیں تھا۔دل دھک دھک کر رہا تھا اور ہاتھ سختی سے بیگ پر جمے تھے۔اگر انہوں نے عمار کو حکم دیا کہ وہ اس لڑکی کو گھر سے نکال دے تو وہ اس کے لیے تیار تھی۔

"عالیان چاہتا ہے کہ میں یہ بات ماہر کو بتا دوں اور اس کے بدلے میں وہ میرے بیٹے کو واپس کر دے گا۔اس نے مجھ سے کوئی تاوان نہیں مانگا۔صرف یہ عجیب سا مطالبہ رکھا۔"

"تم نے ماہر کو کیوں نہیں بتایا؟ "ان کا چہرہ روبوٹ جیسا تھا۔بے تاثر۔وہ غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔مالا کو لگا وہ اسے اندر تک اسکین کر رہے ہیں۔

" کیونکہ مجھے عالیان کا مقصد نہیں معلوم۔ایسی بات ماہر کو بتانے کا ایک ہی مقصد ہوسکتا ہے۔اس کی زندگی میں شر پیدا کرنا۔اور میں شر پیدا کرنے والی نہیں ہوں۔"

وہ آنکھوں چھوٹی کر کے اسے دیکھے گئے۔اب واپس ٹیک لگالی تھی اور ٹانگ پر ٹانگ جمالی تھی۔

کیا انہیں اس کی بات کا یقین آیا تھا؟

"اور... اور مجھے نہیں معلوم یہ بات سچ ہے یا جھوٹ۔اگر جھوٹ ہے تو میں ماہر اور زارا کے درمیان نہیں آنا چاہتی۔اور اگر سچ ہے تو یہ میرا راز نہیں ہے۔اس کو کھولنے کی ذمہ داری بھی مجھ پر نہیں ہے۔"

"مجھے کیوں بتا رہی ہو؟"

" کیونکہ میں بہت عقلمند نہیں ہوں، مالک صاحب۔میں ہمیشہ درست فیصلے نہیں کرتی۔میں انسانوں کو پڑھنے میں بھی اچھی نہیں ہوں۔لیکن میں جھوٹ نہیں بولتی۔میں باتیں سچی اور صاف کرنے کی قائل ہوں۔آپ نے خود ہی کہا تھا کہ میں بہادر ہوں۔"وہ گردن میں جھولتی فاختہ کو انگلیوں میں لپیٹ رہی تھی۔"اور میں اس راز کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔میں ماہر کو بتا کے عالیان کا مقصد بھی پورا نہیں کر سکتی۔نہ مجھے اس کے ہاتھوں بلیک میل ہونا ہے۔"

وہ اسی طرح آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھے گئے۔ان کے رعب، ان کی ایکس رے کرتی نظریں، اور ان کے خوف کے باوجود وہ گردن کڑائے کہہ رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم مجھے اس انفارمیشن کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔لیکن اگر عالیان زارا کے ساتھ کوئی دشمنی نکالنا چاہتا ہے تو اس کا حل بھی صرف آپ کے پاس ہوگا۔میں اس راز کو کسی امانت کی طرح آپ کے حوالے کرنے آئی ہوں۔حقیقت کیا ہے، اس کو جاننا آپ کی ذمہ داری ہے۔لیکن میں... میں ایک ماں ہوں۔ "اس کی آنکھیں پانی سے بھرنے لگیں۔

"میرا بچہ اس آدمی کے پاس ہے۔اور وہ بار بار مجھ سے ایک ہی ڈیمانڈ کر رہا ہے۔میں اب تھک گئی ہوں۔اسی لیے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔ "اس نے انگلیوں کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔

"میری باتیں آپ کو تکلیف پہنچائیں گی۔مگر آپ جادو پہ یقین نہیں رکھتے۔اس لیے آپ کو شاید اپنی بیماری والی بات سے کوئی فرق نہ پڑے۔ہوسکتا ہے یہ سب جھوٹ ہو۔عالیان نے زارا کو صرف اسکام کیا ہو۔لیکن ایک چیز حقیقت ہے۔اس نے میرے سامنے زارا کو کال کی تھی....ویڈیو کال....اور میں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔وہ دونوں

دکھا دیے تھے۔"

" کیا اس نے یہ رقم منگنی کے بعد نکالنی شروع کی تھی؟"

" نہیں۔اس سے بھی کئی ماہ پہلے سے۔میں آپ کو تمام تاریخیں..."

"تم نے کسی عالیان کا نام سنا ہے؟ "وہ اسی بگلے کو دیکھ رہے تھے۔

عمار چونکا۔ابرو اکٹھے ہوئے۔اس نے موبائل نکالا۔چند بٹن دبائے۔

"پچھلے سال زارا نے مجھے اس شخص کو ڈھونڈنے کا کہا تھا۔میں نے پرائیوٹ انویسٹی گیٹر بھی ہائر کیا لیکن یہ نہیں ملا۔یہ کوئی بچہ تھا جو کئی سال پہلے مر گیا تھا اور..."

"ہوں۔ٹھیک ہے۔"مالک فرید نے ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔وہ ابھی تک بگلے کو دیکھ رہے تھے جو توازن قائم کرتا ہوا باڑ سے گر گیا تھا۔پھر گھاس پہ جلدی سے سنبھلا اور ڈرتے ڈرتے ان کی میز کے قریب آنے لگا۔وہ لنگڑا کے چل رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری کے ریکس خاموشی سے اپنے اندر بہت سی داستانیں سمیٹے کھڑے تھے۔دائیں بائیں میزیں بچھی تھیں۔ٹیبل لیمپس جلے تھے اور بہت سے جھکے سر کتابوں میں غرق تھے۔

ایسی ہی ایک میز پہ ہلال بیٹھی تھی۔ایک کتاب کھولے وہ انگلیاں صفحے پر لکیر در لکیر پھیرتی جا رہی تھی۔آنکھیں میز پہ کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔قریبی میز پہ اس کا گارڈ قدرے بیزار بیٹھا تھا۔موبائل پہ کوئی گیم کھیلتے ہوئے وہ گاہے بگاہے نگاہیں اٹھا کے ہلال کو دیکھ لیتا۔پھر واپس اسکرین پہ جھک جاتا۔

دفعتاً گیم کی اسکرین پہ کال آنے لگی۔نام دیکھ کر گارڈ اشتیاق سے مسکرایا۔ایک نظر ہلال کو دیکھا جو اپنی Braille کتاب میں مصروف تھی۔گارڈ چپ چاپ اٹھا اور ہینڈز فری کانوں میں ٹھونستا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

چند لمحے خاموشی سے سرک گئے۔انگلیوں سے پڑھتے ہوئے ہلال ایک دم رکی۔چونک کے سر اٹھایا۔چہرہ دائیں بائیں کیا۔دیکھ نہیں سکتی تھی لیکن محسوس کر سکتی تھی۔

" کون؟ "اس نے مدھم سا پکارا۔کوئی اس کے ساتھ کرسی کھینچ کے بیٹھ رہا تھا۔

اس کا سانس تھم گیا۔انگلیاں رک گئیں۔

"تم سے ملنا کتنا مشکل ہے، ہلال۔ "

وہ آہستہ سے پیچھے ہو کے بیٹھی۔

" کیوں ملنے آئے ہو مجھ سے؟"

ہلال نے کتاب بند کر دی۔ٹیک لگائے اب وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

" کیونکہ تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ خاموشی سے نگاہیں سامنے جمائے بیٹھی رہی۔

" کیا تم بدر کے لیے میری مدد کرو گی؟ "

ہڈی والا نوجوان اس کی طرف جھکا دھیمی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

ہلال کے ابرو چونکنے والے انداز میں اٹھے۔

"تم نے اسے کیوں اغوا کیا ہے؟ "اس کی آواز ہلکی تھی۔

نوجوان نے شانے اچکائے۔

"یونہی۔"

"یونہی؟ "اس کی آواز میں افسوس در آیا۔"تم نے مالا کو توڑ کے رکھ دیا ہے۔"

"مجھے بس تمہاری توجہ چاہیے تھی، ہلال۔تم بدر کو واپس لینے کے لیے میری مدد کرو گی؟"

ہلال کے ابرو ڈھیلے ہو گئے۔چہرہ اسی طرح سپاٹ ہو گیا۔وہ کچھ نہیں بولی اور وہ بولتا جا رہا تھا۔

"ہم دوست تھے، یاد ہے تمہیں؟ میں تمہیں ماں کی سزا سے بچایا کرتا تھا۔تم تب بھی ضدی تھیں۔اب بھی ہو۔ لیکن میں ماں جیسا نہیں ہوں۔میں چاہتا ہوں تم میرے ساتھ مل کے کام کرو۔ہفتے میں ایک دن صرف مجھے دے دیا کرو۔تمہارا گفٹ... تمہاری صلاحیت ضائع جا رہی ہے۔اسے درست جگہ استعمال ہونا چاہیے۔"

ہلال برف کا مجسمہ بنی بیٹھی رہی۔لب ایک دوسرے میں پیوست رہے۔

عالیان بغور اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اگر تم ہاں کہہ دو تو میں آج ہی بدر کو واپس کر دوں گا۔"

"غصہ۔"وہ آنکھیں دور کسی بک ریک پہ جمائے ہوئے تھی۔"تمہارے اندر غصہ بھرا ہے۔انتقام۔تم اندر سے

ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔میں بس اتنا جانتی ہوں۔ "اس کے گھٹنوں سے جان نکل چکی تھی۔دل زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔وہ بیگ پکڑے اٹھ کھڑی ہوئی۔

مالک فرید نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا۔ان کا روبوٹ جیسا چہرہ بے تاثر تھا۔

کیا وہ شاک میں تھے... یا حیرت زدہ تھے؟

وہ کبھی ان کا چہرہ پڑھ نہیں سکتی تھی۔

" آئی ایم سوری۔اگر اس بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے تو اس کے لیے بھی میں معافی مانگتی ہوں۔میں غلط موقع پہ سچ بول دیتی ہوں ہمیشہ۔اور میرا سچ ہمیشہ دوسروں کو تکلیف دیتا ہے۔لیکن میں خود کو نہیں بدل سکتی۔میرا ماننا اب بھی یہی ہے کہ ہر انسان کو اس کے حصے کا سچ معلوم ہونا چاہیے۔میں... میں چلتی ہوں۔ "ان کی طرف دیکھے بنا وہ تیزی سے قدم اٹھانے لگی۔گھاس گیلی تھی۔جو گرز کے کنارے گدلے ہونے لگے۔وہ تیزی سے گھر کے اندر آئی اور جوتوں سمیت چلتی راہداری عبور کر کے باہر نکل گئی۔

عمار نے غور سے اس کو جاتے دیکھا۔پھر سیدھا مالک فرید کے پاس آیا۔وہ بالکل خاموش بیٹھے تھے۔نگاہیں باغیچے کی سفید باڑ پہ جمی تھیں۔

وہ چپ چاپ ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔وہ خاموش رہے تو وہ کھنکھارا۔

"سر؟مس زارا نے کہا تھا کہ اگر یہ لڑکی دوبارہ گھر آئے تو انہیں انفارم کروں۔"

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔"تم اسے نہیں بتاؤ گے۔"

اس نے سر کو جنبش دی۔وہ ابھی تک باغیچے کی باڑ کو دیکھ رہے تھے جہاں ایک بگلا آ بیٹھا تھا۔اس کے پنجے بار بار پھسلنے لگتے،لیکن وہ بدقت نوکیلی لکڑی پہ اپنا توازن برقرار رکھے ہوئے تھا۔نگاہیں مالک فرید کی میز پر رکھے بسکٹس پہ تھیں۔

"تم نے دو دفعہ مجھے آگاہ کیا تھا کہ زارا کمپنی کے فنڈز سے ہر مہینے ایک خطیر رقم نکال رہی ہے۔"

عمار نے سر اثبات میں ہلایا۔

"یس،سر۔وہ ہمیشہ کیش لیتی ہیں۔"

"اور وہ اس کیش کا کیا کرتی ہے؟"

" آڈٹ میں ان سے پوچھا گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ بیگز خریدتی رہی ہیں۔انہوں نے تمام رسیدیں اور بلز

فرسٹریٹڈ ہو۔تم معاف نہیں کر سکتے۔تمہیں بدلہ چاہیے۔"

عالیان کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔پھر وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"بالآخر تم مجھے پڑھنے لگ گئی ہو۔ "احتیاط سے داخلی سمت میں دیکھا۔گارڈ ابھی واپس نہیں آیا تھا۔

"تمہارے اندر روشنی کم ہے اور اندھیرا زیادہ۔وہ اندھیرا تمہیں نگل لے گا، عالیان۔اور رہا بدر، تو وہ واپس آ جائے گا۔ہم دونوں ساتھ بڑے ہوں گے۔"

عالیان چند لمحے ضبط سے اسے دیکھتا رہا۔

"میں نے تمہاری جان بچائی تھی۔"اس کا لہجہ بدل گیا۔"جس روز زیاد نے تمہیں دھکا دیا تھا، وہ میں تھا جو کھڑکی سے دیکھ رہا تھا۔وہ میں تھا جو تمہارے ساتھ ایمبولینس میں ہسپتال گیا تھا۔کیا تم میرے لیے کچھ بھی نہیں کرو گی؟"

"تم غلط دروازے پہ دستک دے رہے ہو۔ "اس نے کتاب واپس کھول لی۔

"یہ بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔"اس نے ہڈی سر پہ درست کی اور ایک تیز نگاہ اس پہ ڈال کے وہاں سے اٹھ گیا۔

وہ اندھیرے میں محسوس کر سکتی تھی کہ اس کے اردگرد بہت سی سرخ توانائی کم ہوئی ہے۔

اب ہر طرف سکون تھا۔کسی خاموش جھیل جیسا۔

ہلال کی انگلیاں ابھرے ہوئے لفظوں پہ سطر بہ سطر چلنے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ساری رات سریار میں طوفانی بارش ہوتی رہی تھی۔بجلی کڑکتی اور بادل گرجتے تو ساتھ کھڑکیاں دروازے بھی لرزتے۔وہ صبح اپارٹمنٹ بلڈنگ سے باہر نکلی تو مطلع صاف لیکن زمین گیلی تھی۔اور ہوا برفیلی۔

مالا کو لگ رہا تھا کہ اس کی ٹوپی اور بھورا کوٹ سردی روکنے میں ناکام ہیں۔اسے زیادہ گرم کوٹ چاہیے تھا۔

وہ سڑک عبور کر کے سائیڈ واک پہ چلنے لگی جس کے ساتھ بوسفورس بہہ رہا تھا۔بہت سے لوگ جاگنگ یا واک کے لیے نکلے ہوئے تھے۔پانی کے کنارے رنگ برنگی کشتیاں بھی پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔رات کو اسے یہ اپنے ٹیرس سے نظر آتی تھیں اور ان میں قمقمے جلے ہوتے تھے۔

چند قدم بعد وہ ایک دم ٹھہر گئی۔

سائیڈ واک پہ نصب ایک بنچ پر وہ بیٹھا تھا۔ٹراؤزرز اور گرم اسپورٹس جیکٹ میں ملبوس وہ سر جھکائے جوگرز کے تسمے بند کر رہا تھا۔ یہ یقیناً اس کی صبح کی رن کا ٹائم تھا۔ وہ اس سے ملنے کی توقع نہیں کر رہی تھی۔اس کے اوپر دروازہ بند کرنے کے بعد سے اس کی ماہر سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔اور کل وہ آفس بھی نہیں گئی تھی۔اپارٹمنٹ کی راہداری میں نکلنے سے پہلے بھی جھانک لیتی کہ وہ آس پاس تو نہیں ہے۔

اس لیے ایک لمحے کے لیے تو سمجھ نہ آیا کہ کیا کرے۔جلدی سے ایڑھیوں پہ واپس گھومی۔اور الٹی سمت میں چلنے لگی تاکہ...

"مالا!"

اُف۔مالا نے آنکھیں زور سے میچیں۔پھر گہری سانس لے کر اس کی جانب پلٹی۔

"ماہر؟ "سپاٹ چہرے سے اسے دیکھا۔

وہ اٹھ کے اس کی طرف آ رہا تھا۔اب ایک طرف پانی تھا۔دوسری جانب سڑک۔اور سامنے ماہر فرید۔ماتھے پہ بکھرے بال پسینے سے گیلے تھے اور رنگت بھاگنے کے باعث گلابی ہو رہی تھی۔

"تم ناراض ہو مجھ سے؟"

کشمالہ نے دو دفعہ پلکیں جھپکائیں۔

"میں ناراض ہوں؟"زور"میں "پہ ڈالا۔

"تم مجھے اوائڈ کر رہی ہو۔"

اور کشمالہ مبین نے جو دو دن سے یہ طے کیا تھا کہ اگر وہ دکھائی دے گیا تو اس کے سامنے وہ خود کو مالک فرید کی طرح روبوٹ چہرے والی بنا لے گی۔بس کام کی بات کرے گی اور کوئی گلہ شکوہ منہ سے نہیں نکالے گی، جیسے اسے فرق ہی نہیں پڑا تھا....اس کے سارے ارادے بھک سے اڑے اور پانی میں جا ملے۔

"میں تمہیں اوائڈ کر رہی ہوں؟ یا تم مجھے سائیلنٹ ٹریٹمنٹ(silent treatment)دے رہے ہو؟ "وہ ایک دم اتنی اونچی آواز میں بولی کہ ساتھ چلتے ایک بوڑھے آدمی نے گردن موڑ کے تادیبی نظروں سے اسے گھورا تھا۔مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔

"مجھے ابھی تک یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ تم مجھ سے چاہتے کیا ہو۔کبھی تم کسی دوست کی طرح بن جاتے ہو۔اور کبھی بالکل اجنبی۔کتنی دفعہ کہا ہے میں نے ماہر... کہ جب کوئی بات ہوا کرے تو بتا دیا کرو۔کمیونیکیٹ کیا کرو۔لیکن

نہیں..." اس نے ہاتھ جھاڑنے کے انداز میں ملے۔ "یہ تمہاری پرانی عادت ہے۔تم ہمیشہ باتیں ادھوری چھوڑ کے چلے جاتے ہو۔"

وہ لب بھینچے خاموشی سے سنے گیا۔

"ایک دن تم میرے ساتھ میرے بیٹے کی تلاش میں نکلتے ہو۔ دوسرے دن تم یوں ظاہر کرتے ہو جیسے تم مجھے جانتے ہی نہیں ہو۔ اور میں کنفیوژڈ ہو جاتی ہوں کہ شاید مجھ سے کچھ غلط ہوا ہے ۔ میں نے کسی طرح تمہیں offend کیا ہے۔اور اس سب میں... "اس کی آنکھیں گلابی پانی سے بھرنے لگیں۔ "اس سب میں میرا ذہن مزید اسٹریس کا شکار ہو رہا ہے۔تمہیں اندازہ بھی ہے کہ میں کس تناؤ سے گزر رہی ہوں؟ میرا بیٹا... "اس نے سینے پہ انگلی سے زور زور سے دستک دی۔

"میرا بیٹا میرے پاس نہیں ہے۔کہاں ہے؟ میں نہیں جانتی۔اسی شہر میں ہے۔میرے قریب۔مگر میں اسے دیکھ نہیں سکتی۔مل نہیں سکتی۔اس کو کسی بھی خطرے سے بچا نہیں سکتی۔ میری صبح اس کی تصویر دیکھ کر ہوتی ہے۔ میری رات اس کے لیے رو کے گزرتی ہے۔ میں تھک گئی ہوں گہری سانسیں لے کر خود کو کمپوزڈ کر کر کے ...اس سب میں اگر تم میرے ساتھ اس طرح کا رویہ رکھو گے تو میرے لیے چیزیں مشکل ہوں گی یا آسان؟"

ماہر کی آنکھوں میں بہت سا ملال اترا۔ چند لمحے وہ اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"آئی ایم سوری۔"

مالا کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑتے گئے۔ وہ بہت سا غصہ جو اتنے دن سے اندر لاوے کی طرح ابل رہا تھا دھیرے دھیرے نیچے بیٹھتا رہا۔

"تم میرے ساتھ ایک دفعہ پھر وہی کر رہے ہو جو ہمیشہ کرتے تھے۔حالانکہ ہم نے طے کیا تھا، نو فلٹر، نو ججمنٹ۔"

"تم نے بھی فلٹر لگایا ہے، مالا۔ "اس کی آنکھوں اور الفاظ دونوں میں شکایت تھی۔

وہ چونک گئی۔پلکیں گیلی تھیں مگر اس نے انہیں رگڑنے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

"اس عالیان نامی لڑکے نے تمہیں کچھ اور بھی کہا تھا جو تم نے مجھے نہیں بتایا۔"

اس کا سانس تھم گیا۔

"میں نے بہت سوچا کہ وہ تم سے کیوں ملا۔اغوا کار ہمیشہ تاوان مانگتا ہے۔پھر مجھے تمہارا چہرہ یاد آیا۔تم جھوٹ بولنے میں اچھی نہیں ہو۔اس نے کچھ ایسا کہا تھا جو تم بتا نہیں سکتی تھیں۔اس لیے تم نے مجھ سے چھپا لیا تھا۔کیا؟ میں

نہیں جانتا۔اور میں اسے تمہارے چہرے پہ پڑھ بھی نہیں سکتا۔"

کشمالہ کے ہونٹوں پہ زخمی مسکراہٹ ابھری۔

"تم تو کہتے تھے تم ہر ایک کو پڑھ سکتے ہو۔"

"تمہیں نہیں پڑھ سکتا۔تم میرا بلائنڈ اسپاٹ ہو، مالا۔"

وقت تھم گیا۔ساری کائنات رک گئی۔سمندر کا پانی بھی۔بگلوں کے پر بھی۔اور سڑک پر گزرتا ٹریفک بھی۔وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

اپنی بات کہہ کے ماہر نے چہرہ موڑ لیا۔اب وہ اس سڑک کو دیکھ رہا تھا جس کے پار عمارت میں ان دونوں کے اپارٹمنٹس تھے۔

"یہاں ہوا تھا میرا ایکسیڈنٹ۔ "ماہر نے بازو لمبا کر کے سڑک کی طرف اشارہ کیا۔"تمہاری اور زیاد کی شادی سے پہلے۔عین اسی جگہ پہ۔زیاد کے بھیجے آدمی نے مجھے ٹکر ماری تھی۔تب میں تمہیں میسیج کر رہا تھا۔"

وہ ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ملال سے۔بے یقینی سے۔وہ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کیسے کہہ سکتا تھا؟

"کیا لکھ رہے تھے تم مجھے؟"

وہ زخمی سا ہنسا۔وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔

"یہی کہ کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔ "

وہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔آنکھوں میں پھر سے پانی بھرنے لگا۔وہ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کیسے کہہ سکتا تھا۔

پھر ماہر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔"میں چلتا ہوں۔مجھے آفس کے لیے تیار ہونا ہے۔"

وہ آگے بڑھا تو وہ اپنی ایڑھیوں پہ گھومی۔

"تم کہیں نہیں جا رہے، ماہر فرید۔ "اس نے زور سے پکارا۔آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔

وہ واپس اس کی طرف پلٹا۔

"تم مجھ سے بات کیے بغیر ایسے نہیں جا سکتے۔"

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔تکان سے۔شکست سے۔پھر سر کو خم دیا۔

"ایک شرط پہ۔ "

"کیا؟"

"تم مجھے بات کرنے کے ساتھ ناشتہ بھی کرنے دو گی۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

وہ بھی کافی کی تلاش میں ہی باہر نکلی تھی۔ ماہر شاید کہیں اور سے کافی لیتا تھا۔ کیونکہ جس قریبی کافی شاپ میں وہ اسے لے آئی، اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ اس کو پسند نہیں آئی تھی۔ البتہ اس نے تبصرہ نہیں کیا۔

شاپ اندر سے گرم تھی۔ ہیٹر تیز چل رہے تھے۔ اور روسٹ ہوئے کافی بینز کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔

"اور تمہارے لیے؟ "اپنا آرڈر باریستا کو بتانے کے بعد ماہر نے اسے دیکھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ کاؤنٹر پہ کھڑے تھے۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی اپنی کافی کا آرڈر دینے لگی۔ ماہر کے ساتھ اب وہ "اپنے پیسے میں خود دوں گی "والی بحث نہیں کیا کرتی تھی۔

مالا نے شوکیس میں سجے ڈونٹ پر انگلی رکھی تو ماہر نے افسوس سے اسے دیکھا اور پھر ڈونٹ کو۔ لیکن جب آرڈر دیا تو دو ڈونٹس کا دیا۔ کشمالہ مبین نے استعجاب سے ابرو اٹھائے۔

"تم بھی کھاؤ گے؟ تم تو نان خطائی اور ککیز (cookies) دونوں ادھورے چھوڑ دیتے ہو۔"

وہ سوگواریت سے مسکرا دیا۔ بہت کچھ یاد آیا تھا۔

" کھاؤں گا۔ "اور اپنا آرڈر دہرانے لگا۔

باریستا نے مسکرا کے آرڈر پنچ کیا۔ ٹیبلیٹ کی اسکرین جس کا رخ ان دونوں کی طرف تھا، اس پر رقم ابھری۔

535 لیرا۔

ماہر فرید اس کی طرف مڑا۔

"تم پیسے دے دو گی؟ "

کشمالہ نے ایک لمحے کے لیے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"والٹ گھر بھول گیا ہوں۔ واپس کر دوں گا۔ "وہ سنجیدہ تھا۔

"آف...آف کورس۔ "وہ جلدی سے سنبھلی۔ کوٹ کی جیب سے والٹ نکالا۔ زپ کھولی اور چند نوٹ باریستا کو پکڑائے۔

"میں اپارٹمنٹ میں جاتے ہی واپس کر دوں گا۔"

" کم آن، ماہر۔اب میں تم سے 535 لیرا واپس لوں گی؟ "وہ ہنس دی۔(کتنی ہی دفعہ ماہر نے ہر چیز کا بل پے کیا تھا۔ایک دفعہ اس نے کر دیا تو کیا ہو گیا؟)

"مجھے باتیں کلیئر پسند ہیں، ماہر۔صاف اور شفاف۔ "

وہ دونوں اب آمنے سامنے ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔کافی کپس اور ڈونٹس درمیان میں رکھے تھے۔ماہر کا ڈونٹ ابھی تک بھورے پیکٹ میں تھا۔اس شاپ میں بہت سی چیزیں بھورے رنگ کی تھیں۔جامنی کچھ بھی نہ تھا۔

"میں تمہیں سائیلنٹ ٹریٹمنٹ نہیں دے رہا تھا۔میں اپنے کچھ مسئلوں سے گزر رہا تھا۔ " کپ دونوں ہاتھوں میں پکڑے ماہر کی گردن جھکی تھی۔

"تم سو چیزوں سے گزرو، لیکن اس کی سزا مجھے نہیں ملنی چاہیے۔تمہیں اتنا تو سوچنا چاہیے کہ میں اپنی خوشی سے یہاں نہیں آئی ہوں۔"

وہ کہہ رہی تھی اور وہ گردن موڑے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔چھت سے لٹکتے بلب۔دیواروں کا انٹیریئر۔

"تمہارا خواب تھا بیکری بنانا۔اور میرے ایک دستخط سے وہ خواب چھن گیا۔"

وہ بہت پرانی بات کر رہا تھا۔شاید اسے نان خطائی سے یاد آیا تھا۔شاید اسے کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔

"اس میں تمہارا قصور نہیں تھا۔"

"جانتا ہوں۔میں نے بنا دیکھے اوشن کی ڈیل پہ سائن کیے تھے۔اور میری کمپنی اس ڈیل کا حصہ بن گئی تھی جس کے تحت تمہارا ریستوران بکا تھا اور تم جاب لیس ہو گئی تھیں۔میں نے غور ہی نہیں کیا۔ان دنوں میں بہت سی چیزوں پہ غور نہیں کرتا تھا۔کیونکہ میرا ذہن ہر وقت ہلال کی تلاش پہ لگا رہتا تھا۔جیسے اب تمہارا ذہن... "اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔پھر اس کی طرف دیکھا۔

"تم اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کیسے کہہ سکتے ہو، ماہر؟ "وہ بے بسی اور ملال سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ماہر نے جواب نہیں دیا۔وہ انہی سوگوار نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

"مجھے تمہارا بلائنڈ اسپاٹ نہیں ہونا چاہیے۔تم ایک دوسری عورت سے شادی کرنے جا رہے ہو۔وہ بھی دو ہفتے بعد۔"

ماہر نے تصحیح کے لیے ہونٹ کھولے، پھر سر جھٹک دیا۔

"جانتا ہوں۔مگر میں نے تمہیں کہا تھا مالا...جس لمحے تم میرے آفس میں آئی تھیں.... کہ اب ہر چیز پیچیدہ

ہو جائے گی۔"

" کیا اس میں میرا قصور ہے؟"

ماہر نے سوگوار مسکراہٹ سے نفی میں سر ہلایا۔

" نہیں۔ میرا قصور ہے۔ میں تم سے کبھی موو آن نہیں کر سکا۔ "اس نے خود کو کہتے سنا۔

" مجھے لگا تھا میں موو آن کر جاؤں گا۔ لیکن اب میں تھک گیا ہوں۔ میں یہ آنکھ مچولی نہیں کھیل سکتا۔ میں زارا کو بھی ہرٹ کر رہا ہوں۔ یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے۔ میں نے تمہیں اوائڈ کر کے بھی دیکھ لیا۔ مگر میں کیا کروں، مالا؟"

اسے لگا ماہر کی آنکھوں میں پانی چمکا ہے۔

"It is what it is." اس نے جیسے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

"میں نے کوشش کی ہے۔ اپنا دھیان بٹانے کی۔ مالک کے بارے میں سوچنے کی۔ مگر اب میرا دم گھٹنے لگا ہے۔ میں تھک گیا ہوں۔ میں کیا کروں؟ میں کبھی مالا جیسی لڑکی سے ملا ہی نہیں زندگی میں۔ میرے اردگرد موجود لڑکیاں... وہ سب ایک جیسی ہیں۔ اب ان کی شکلیں بھی ملنے لگی ہیں۔" تلخی سے ہنس کے سر جھٹکا۔" مجھے معلوم تھا یہی ہوگا۔ جب تم میرے آفس میں داخل ہوئی تھیں، مجھے معلوم تھا یہی ہوگا۔"

وہ اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

" کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے، مالا۔"

" لیکن نہیں ملے۔ اوکے؟ "اس نے کافی کپ نیچے رکھا اور جب بولی تو آواز نرم مگر دوٹوک تھی۔

"میں تمہاری زندگی میں پیچیدگیاں پیدا کرنے نہیں آئی، ماہر۔ میرے لیے یہاں آنا آسان نہیں تھا۔ تمہیں میری پوزیشن کو بھی سمجھنا ہوگا۔ میں تمہیں کئی بار بتا چکی ہوں۔ ہمارے رستے الگ ہیں۔ میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گی جو تمہاری زندگی کو پیچیدہ کرے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

" مگر تم بھول جاتے ہو۔ اس لیے آج پھر سے سنو۔ میرا ایک بیٹا ہے۔ میری ایک زندگی ہے۔ وین کور میں۔ وہاں میرا گھر ہے۔ میں یہاں ایک مسافر ہوں۔ اپنے بیٹے کو لے کر چلی جاؤں گی۔ شاید اس کے بعد ہم زندگی میں

کبھی نہ ملیں۔شاید ملیں تو کسی اجنبی کی طرح۔کیونکہ ہمارے رستے الگ ہیں۔"

ماہر نے تکان سے سر ہلا دیا۔یاسمین یا چنگیز یہ بات کہتے تو اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی اس کے الفاظ سے ہوئی تھی۔

"میں چاہتی ہوں تم میری طرف سے کسی بھی غلط فہمی کا شکار نہ رہو۔تمہاری زندگی میں زارا ہو یا نہ ہو، مالا کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ میں اس وقت ایک شدید ٹراما سے گزر رہی ہوں۔میرے اندر کسی نئی چیز کے لیے جگہ ہی نہیں ہے۔اس لیے میں جتنا وقت یہاں ہوں،تم میرے ساتھ آنکھ مچولی مت کھیلو۔جب یہ ممکن ہی نہیں ہے تو پھر بھاگ کیوں رہے ہو؟ تم مجھے ایک دوست کی طرح بھی ٹریٹ کر سکتے ہو۔تاکہ اگر تمہیں کچھ پریشان کرے تو تم مجھے کہہ سکو اور میں اس بات کو کلئیر کر سکوں۔"

وہ رکی۔پھر گہری سانس لی۔

"جیسے عالیان والی بات۔ہاں اس نے مجھے کچھ اور بھی بتایا تھا۔آئی ایم سوری میں نے تم سے چھپایا۔لیکن وہ میرا راز نہیں تھا۔اس کا تعلق مالک صاحب کی بیماری سے تھا۔"

"مالک کی بیماری اس کے کسی جادو کا نتیجہ ہے؟"

"کہانا۔وہ میرا راز نہیں تھا۔سچ تھا یا جھوٹ۔میں نے اس راز کو مالک صاحب کے حوالے کر دیا ہے۔میں اب بھی تمہیں نہیں بتاؤں گی کیونکہ اس طرح میں ایک مشکل پوزیشن میں آجاؤں گی۔کیا تم مجھے مشکل میں ڈالنا چاہو گے؟"

وہ چند لمحے سوچتی نگاہوں سے اسے دیکھے گیا۔

"نہیں۔" پھر رک کے اضافہ کیا۔"میں مالک سے پوچھ لوں گا۔"

"یہ تمہارا اور ان کا معاملہ ہے۔میں اس سے دور رہنا چاہتی ہوں۔" اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔"عالیان چاہتا تھا میں وہ راز دنیا کے سامنے آشکار کر دوں۔اس کے بدلے میں وہ بدر کو چھوڑ دے گا۔"

وہ بری طرح چونکا۔"پھر؟"

"میں نے ایسا نہیں کیا۔کیونکہ اتنے تگ و دو سے اغوا کیے بچے کو کوئی اتنی آسانی سے کیسے چھوڑ سکتا ہے؟"

"نہیں۔وہ ایسے اسے نہیں چھوڑے گا۔وہ bluff کر رہا تھا یقیناً۔"

"جانتی ہوں۔" وہ بہت دیر بعد مسکرائی،ایسے کہ آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

"اب مجھے واقعی آفس کے لیے تیار ہونا ہے۔تمہارے 535 لیرا ادھار ہیں۔واپس کروں گا۔"

وہ بے اختیار ہنس دی۔

"اگر تم مجھے میرے 535 لیرا واپس نہیں کرو گے تو میں غریب ہو جاؤں گی۔ "

وہ بھی ہنس دیا۔وہ ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ایک وزن تھا جو کندھوں سے اتر گیا تھا۔

مالا وہیں بیٹھی رہی اور ماہر واپس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں آ گیا۔

کافی کا ڈسپوزیبل کپ اور بھورے پیپر میں لپٹا ڈونٹ وہ ساتھ لایا تھا۔جوتے اتار کے لونگ روم تک آیا ہی تھا کہ ٹھٹھک کے رکا۔

سوزین اس کی جانب پشت کیے چولہے کے ساتھ کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی۔ماہر نے پیر سے ڈسٹ بن کا لیور دبایا۔ڈھکن کھلا۔اس نے کافی کپ سمیت ڈال دی۔ڈھکن بند ہوا۔

ٹھک کی آواز پہ سوزی پلٹی۔اسے دیکھ کے مسکرائی۔

" گڈ مارننگ! "

وہ جواب دیے بنا آگے آیا۔فیضی حانم پینٹری میں کھڑی پھل نکال رہی تھیں۔اس نے ڈونٹ کا لفافہ ان کے سامنے رکھا۔

" کھا لیجیے گا۔ "اور پھر فریج کی جانب بڑھ گیا۔

"میں اپنے لیے ناشتہ بنا رہی ہوں۔آپ کے لیے بناؤں؟"سوزی نے بہت امید سے پکارا۔

ماہر نے پلٹ کے اسے دیکھا، پھر اپنے ہاتھوں کو، پھر واپس اسے، اور پھر فریج کی طرف مڑ گیا۔

سوزی کے چہرے کی جوت بجھ سی گئی۔

البتہ اس نے دوبارہ کوشش کی۔

"میں بہت اچھی کافی بناتی ہوں۔ "

"میرے پاس تین کافی مشینز ہیں۔ "رکھائی سے کہہ کے فریج سے چند سبز چیزیں نکال کے کاؤنٹر تک آیا۔

سوزی گھوم کے اس کے سامنے آئی۔

اب ان دونوں کے درمیان کچن آئی لینڈ کی سیاہ گرینائٹ ٹاپ کے سوا کچھ نہ تھا۔

"میں ایسا کیا کروں جو آپ مجھے قبول کر لیں گے؟"

ماہر نے بیزاری سے چہرہ اٹھایا۔

"سیریئسلی ؟اس وقت؟" گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔پھر اپنی سبزیوں اور پھلوں کو دیکھا۔

"میں ایسا کیا کروں جو آپ میرے اوپر اعتبار کرنے لگ جائیں؟ میں اپنی صفائی دے دے کر تھک چکی ہوں۔ میں بیربل کی زندگی میں کسی ایجنڈے کے تحت نہیں آئی۔ہم نے ایک دوسرے سے محبت کی شادی کی ہے۔ مانا کہ غلطی ہوئی۔آپ کو بتانا چاہیے تھا۔اعتماد میں لینا چاہیے تھا۔لیکن کیا کریں نہیں لے سکے۔ spur of the moment تھا۔بس جو دل نے چاہا، وہ کر ڈالا۔مگر تب بھی مجھے آپ کی فکر تھی۔اسی لیے prenup سائن کر لیا، کہ کہیں آپ کو اعتراض نہ ہو۔کیا میں آپ کو ایسی عورت لگتی ہوں جس کو روپے پیسے کی کمی ہے؟"

ماہر سر جھکائے کٹنگ بورڈ پر سبزیاں کاٹتا جا رہا تھا۔ٹھک ٹھک ٹھک۔

"بیربل کو لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ نہ مجھے مردوں کی۔لیکن وہ پہلا آدمی ہے جس نے مجھے عزت دی۔ مجھے احساس دلایا کہ آج کے دور میں بھی مردوں میں chivalry باقی ہے، honor باقی ہے۔اس کے ساتھ زندگی خوبصورت لگتی ہے۔کم از کم میں اسے کبھی ہرٹ نہیں کروں گی۔مگر آپ شاید کبھی میرا یقین نہیں کریں گے۔"

وہ اب بلینڈر کے جگ میں اپنی الا بلا سبزیاں ڈال رہا تھا۔سوزی کی آنکھیں بھیگتی گئیں۔

" کس نے آپ کو اتنا ہرٹ کیا ہے جو محبت سے آپ کا اعتبار اٹھ گیا ہے؟ اور آپ کو ہر عورت gold digger لگتی ہے؟"

ماہر کے ہاتھ بلینڈر پر رکے۔ایک تیز نگاہ اس پہ ڈالی۔پھر واپس بلینڈر کا بٹن دبایا۔زوں کی آواز سوزی کی آواز پہ غالب آ گئی۔جب شور تھما تو اس نے سنا وہ کہہ رہی تھی۔

"میں ایسا کیا کروں جو آپ مجھے دل سے قبول کر لیں؟"

"صرف ایک کام!"

سوزی سانس روکے اسے دیکھے گئی۔

"جب میں کچن میں آیا کروں تو مجھے ڈسٹرب نہ کیا کرو۔ "

سوزی کی آنکھ سے آنسو ٹوٹ کے گرا اور گال پہ پھسل گیا۔اس نے سر ہلا دیا۔دھیرے سے ناشتے کا ٹرے اٹھایا اور چپ چاپ پلٹ گئی۔ماہر اپنی سمودی گلاس میں ڈال کے پلٹا تو دیکھا،فیضی حانم بہت افسوس سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

" کیا؟ اس کا شوہر اندر بیٹھا سن رہا ہے۔اسی لیے وہ اداکاری کر رہی تھی۔ " تلخی سے کہتے ہوئے اسٹول کھینچا اور کاؤنٹر پر مگ رکھا۔پھر بیٹھنے سے پہلے ٹراؤزرز کی جیب میں موجود چیزیں نکال کے کاؤنٹر پہ رکھیں۔

موبائل۔اور والٹ۔جس کے اندر سے نوٹ اور کارڈز جھلک رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے اس پہر سمندر کی لہروں کا شور لکڑی سے بنے گھر کے اندر تک سنائی دیتا تھا۔عبدالمالک فرید کا کمرہ سیاہ سفید رنگوں سے سجا تھا۔لکڑی کے فرش پر کھڑکی کے ساتھ آرام کرسی پر شال لپیٹے بیٹھے وہ گم صم سے شیشے کے باہر دیکھ رہے تھے۔سامنے ایک خالی کرسی رکھی تھی۔جیسے کسی کی منتظر ہو۔

دفعتاً دروازہ کھلا۔ٹھک ٹھک ٹھک۔ہیل کی آواز آئی۔مالک فرید نے تب تک گردن نہیں موڑی جب تک کہ وہ سامنے آ کر بیٹھ نہ گئی۔

" کیا ہوا، بابا؟ آپ نے اتنی عجلت میں بلوایا۔ "اس کی آواز میں فکرمندی تھی۔

مالک فرید نے گردن موڑی۔چند لمحے وہ اس کو دیکھتے رہے۔

زارا کی شکل ان کی ماں کے جیسی تھی۔یا شاید ان کی بیوی کے جیسی۔یا شاید آج کل کی بہت سی لڑکیوں کے جیسی۔انہوں نے اسے بہت دفعہ ٹوکا تھا کہ ایک کے بعد ایک پروسیجر نہ کروائے،لیکن اس کے ہر نئے پروسیجر کے بعد اس کی دوستیں اس کو کہتیں کہ وہ پہلے سے زیادہ حسین لگ رہی ہے،اور وہ چند ماہ بعد پھر سے سرجن کی چھری تلے لیٹ جاتی۔انہوں نے ایک دفعہ اس سے بحث کی تھی کہ کیا ہے جو وہ ان سرجریز اور پروسیجرز میں ڈھونڈتی ہے۔اور اس نے کہا تھا...

"جیسے آپ اپنی توانائی اور پیسہ فرید ہولڈنگ میں صرف کرتے ہیں کیونکہ آپ کو رئیل اسٹیٹ میں کامیابیاں حاصل کرنا پسند ہے، ویسے ہی مجھے وہ خوبصورت چہرے اور جسم پسند ہیں جو میں میگزینز میں دیکھتی آئی ہوں۔آپ جائیداد خریدتے ہیں اور میں جسم۔"

لیکن آج اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے انہیں اندازہ ہوا کہ شاید وہ اس چہرے کو نہیں پہچانتے تھے۔بس اپنی بیمار آنکھوں سے اس کی آنکھوں کو دیکھتے رہے۔اس کے لمبے بل دار بال کندھوں پر بکھرے تھے۔اور وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔یا شاید تشویش سے۔لیکن باوجود کوشش کے وہ ابرو اکٹھے نہیں کر سکتی تھی۔کیونکہ بوٹوکس کی

وجہ سے ماتھے اور ابرو کے درمیان لکیریں نہیں پڑتی تھیں۔سو یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ فکرمند ہے یا پریشان۔

" کیا ہوا، بابا؟ "

"اس مسئلے کا نتیجہ دو صورتوں میں نکلے گا۔"

" کون سا مسئلہ؟"

"مسئلہ تم جانتی ہو۔صورتیں بھی سن لو۔ "وہ بولے تو ان کی آواز میں ٹھنڈک تھی اور آنکھوں میں گلیشیئرز۔

زارا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی خیز لہر دوڑ گئی۔

"پہلی صورت۔ایسے راز کبھی نہیں چھپتے۔اور چونکہ مالا کا بیٹا اس کے پاس ہے اور ماہر کبھی نہ کبھی اسے ڈھونڈ لے گا،تو آج یا کل وہ جان ہی لے گا کہ تم اس اسکامر کی کلائنٹ تھیں۔"

بوٹوکس کے باوجود زارینہ کے چہرے پہ شاک زدہ ہونے کا تاثر اتنا شدید تھا کہ چند لمحے وہ پلک نہ جھپک سکی۔

"اگر ماہر کو یہ بات شادی کے بعد معلوم ہوئی تو وہ ایک سانس میں تمہیں طلاق دے ڈالے گا۔اور پھر وہ ساری عمر تمہاری شکل نہیں دیکھے گا۔بیربل بھی وہی کرے گا جو وہ کہے گا۔تمہاری بہنیں، ماہر اور بیربل میرے بعد تمہاری واحد فیملی ہیں۔بہنیں معاف کر دیں گی، وہ دونوں نہیں کریں گے...اور تم اپنی فیملی سے محروم ہو جاؤ گی۔ "

زارینہ کی آنکھیں گیلی ہونے لگیں۔ہونٹ کپکپائے...

" کس نے.... کس نے کہا ہے آپ کو یہ....؟ "

مالک فرید نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔وہ آج بھی اتنے بارعب تھے کہ زارا کی زبان سرد ہو گئی۔

"دوسری صورت۔تم ماہر کو یہ انگوٹھی واپس کر دو اور اپنے راستے الگ کر لو۔کل کو اگر اسے معلوم ہو گیا، اور اسے معلوم ہو جائے گا،تو وہ تمہیں معاف کر دے گا۔اور بطور فیملی ہمیشہ تمہاری سپورٹ بنا رہے گا۔"

وہ اسی مشینی انداز میں کہہ رہے تھے۔نگاہ زارا سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہٹ رہی تھی۔

"بابا!" اس نے نفی میں گردن ہلائی۔ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"یہ خیال کہ میرے بعد تم طلاق یافتہ ہو جاؤ اور سب تمہیں چھوڑ دیں، یہ میرے لیے قابل قبول نہیں ہے۔دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔اس میں تمہارا دل ٹوٹے گا لیکن فیملی نہیں چھوٹے گی۔فیملی انسان کا پردہ رکھ لیتی ہے۔کل کو تم جہاں بھی شادی کرو گی، تمہاری فیملی تمہاری سپورٹ بنے گی۔اس لیے... "

"وہ آئی تھی کیا؟ اس نے کہا ہے نا یہ سب؟"

انہوں نے انگلی سے اس کی انگوٹھی کی جانب اشارہ کیا۔

"میرے لیے تمہارے دل کا ٹوٹ جانا اتنا بڑا سانحہ نہیں ہوگا جتنا تمہارا اکیلا رہ جانا۔"

"بابا... "وہ ایک دم گھٹنوں کے بل ان کے قدموں میں گر گئی۔ان کے بوڑھے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

"وہ جھوٹ بول رہی ہے۔میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔"

وہ بھیگا چہرہ اٹھائے ٹوٹے پھوٹے لفظ بول پا رہی تھی۔

"چونکہ تم نے اس جادوگر کو دینے کے لیے پیسے کمپنی سے لیے ہیں،اس لیے جلد یا بدیر ان پیسوں کا حساب ماہر تک پہنچ جائے گا۔پیسوں کے معاملے میں وہ کسی کو نرمی نہیں دکھاتا۔تم جتنا چھپالو،یہ بات کھل جائے گی،زارا۔اس لیے کل تم اس کے پاس جاؤ گی۔"

"بابا... نہیں... "وہ روتے ہوئے سر دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔ان کے ہاتھ اسی طرح پکڑ رکھے تھے۔

"اور تم اس کو انگوٹھی واپس کرو گی۔"

"میں ایسا نہیں کروں گی۔ہماری شادی ہونے والی ہے۔ "وہ بچوں کی طرح بلک رہی تھی۔وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گئے۔

"پھر میں ماہر کے پاس جاؤں گا۔اور اس کو بتادوں گا کہ تم عالیان کی کلائنٹ تھیں۔اور میں تمہاری طرف سے اس سے معافی مانگوں گا۔وہ منگنی خود توڑ دے گا لیکن وہ میری وجہ سے تمہیں معاف کر دے گا۔اور یہ وہ صورت ہے جو مجھے قابل قبول ہے۔تمہاری فیملی بچی رہے گی۔"

زارا کے ہاتھ نیچے گر گئے۔بے یقینی سے انہیں دیکھے گئی۔

"آپ کیسے باپ ہیں؟ آپ میرے ساتھ کیوں نہیں کھڑے؟ کیا زندگی میں ایک دفعہ... ایک دفعہ آپ مجھے سپورٹ نہیں کر سکتے؟"

"مجھے اس وقت تم سے Father of the year کا ایوارڈ نہیں چاہیے،زارینہ فرید۔ "وہ اتنی زور سے غرائے کہ اس کے آنسو تھم گئے۔

"تم کل اس سے نہیں ملیں تو میں اسے خود سب بتادوں گا۔تم مجھے جانتی ہو۔میں اپنی بات سے نہیں پھرتا۔ "ان کا چہرہ سپاٹ تھا۔سخت۔برف کے جیسا۔اس پہ رحم کی کوئی لکیر نہ تھی۔

زارا نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔نفی میں سر ہلایا۔اس کا ناک گلابی ہو رہا تھا۔پھر وہ کھڑی ہوئی۔

"میں ماہر سے دستبردار نہیں ہوں گی۔ "

وہ دروازے تک گئی جب مالک فرید کی آواز سنائی دی۔

" کیا میری بیماری اس جادو کا نتیجہ ہے؟"

زارا کا ہاتھ ہینڈل پر جم گیا۔ سارا وجود پتھر ہو گیا۔ وہ پلٹ سکی۔ نہ آگے بڑھ سکی۔ اسے جیسے کسی نے الٹی چھری سے ذبح کر دیا تھا۔

"وہ....وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں... "وہ بدقت پلٹی۔ ٹوٹے پھوٹے الفاظ سے اپنی وضاحت دینے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ کھڑکی کے باہر دیکھ رہے تھے۔ ان کا چہرہ ویسا سخت نہ تھا۔ بلکہ..... ان کی آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے تھے۔

اس نے کبھی مالک فرید کی پلکوں کو بھیگے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ دادی کی موت پہ بھی نہیں۔ ماں کی موت پہ بھی نہیں۔ اپنی بیماری کے دوران بھی نہیں۔ ہر دفعہ جب وہ ان کے سامنے آ کر ماہر کے لیے روئی تھی، تب بھی نہیں۔

زارا کو معلوم تھا سے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

" کیف " کی چھت پر بنے کیفے ٹیریا کی لفٹ کے سامنے کھڑی کشمالہ مبین بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ کب سے لفٹ کا بٹن دبایا تھا۔ وہ اوپر ہی نہیں آ رہی تھے۔ لنچ بریک کے دوران ورکرز اوپر نیچے آتے رہتے تھے، جس کے باعث لفٹ مصروف ہو جاتی تھی۔ ماہر کو اس عمارت میں ایک دوسری لفٹ بھی لگوانی چاہیے۔ اس نے کڑھتے ہوئے سوچا۔ پھر یاد آیا کہ یہ تو کرایے کی عمارت تھی۔

دروازے کھلے تو دیکھا ماہر لفٹ میں تھا۔ ساتھ دو افراد تھے جن سے بات کرتے ہوئے وہ باہر نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کے ہلکا سا مسکرایا اور بنا آواز کے ہونٹ ہلائے۔ (پانچ سو پینتیس لیرا)۔

مالا مسکراہٹ دبائے لفٹ میں چلی گئی۔ اچھا مذاق تھا۔

اس کی مسکراہٹ عارضی تھی۔ کیونکہ اپنے مطلوبہ فلور پہ اترنے سے پہلے ہی موبائل بجنے لگا تھا۔

اسکرین پہ آتا نمبر غیر شناسا تھا۔ اس نے تیزی سے فون کان سے لگایا۔ وہ اس نوجوان جادوگر کی طبیعت درست.....

" کیسی ہو، کشمالہ؟ "زیاد سلطان کی آواز نے اسے منجمند کیا۔لفٹ کے دھاتی دروازے کھل چکے تھے لیکن وہ باہر نہ نکل سکی۔دروازے دوبارہ بند ہونے لگے تو اس نے چوکھٹ پہ ہاتھ رکھا۔دروازے گھبرا کے رک گئے۔

"میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔بس بدر کے بارے میں پوچھنا تھا۔کچھ معلوم ہوا؟"

وہ دروازوں کو روکے وہیں کھڑی رہی۔

"میں تمہاری زندگی میں کوئی مشکل پیدا کرنے نہیں آیا۔ہم اپنے بیٹے کو ڈھونڈ لیں، اس کے بعد تم کبھی میری شکل نہیں دیکھو گی۔مجھے اندازہ ہے کہ یہ سب کس نے کیا ہے۔اور میں بہت جلد..."

" کیا تم مجھ سے مل سکتے ہو، زیاد؟ "

زیاد سلطان کو اس فقرے کی توقع نہ تھی۔وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکا۔

" تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ "اس کی آواز میں زخمی پن تھا۔

"ایک ایڈرس بھیج رہی ہوں۔وہاں آ جاؤ۔چالیس منٹ تک۔ "قطعیت سے کہہ کے اس نے فون نیچے کیا۔اور پھر اپنی چیزیں سمیٹنے لگی۔

اس نے نہیں دیکھا کہ لفٹ دوبارہ کھلی ہے اور ماہر فرید باہر نکلا ہے۔اس کے چہرے پہ سنجیدگی تھی اور قدرے جھنجھلاہٹ بھی۔وہ کال پہ ڈرائیور کو کار تیار کرنے کا کہتے ہوئے آفس کی طرف جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

.

یہ زارا کا پسندیدہ ریسٹورنٹ تھا۔ٹیرس میں بچھے لمبے صوفے اور رنگ برنگے کشنز۔ریلنگ سے دور تک پھیلا شہر، بوسفورس کا پانی، اور اُڑتے ہوئے بگلے دکھائی دیتے تھے۔

ایسے ہی ایک صوفے پہ زارینہ بیٹھی تھی۔بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے، وہ دور دکھائی دیتے سرخ پل کو دیکھ رہی تھی، جس کے نیچے سے تین کشتیاں ایک ساتھ گزر رہی تھیں۔اس شہر میں ایسے پل ایک سے زیادہ تھے، لیکن سارے ایک جیسے لگتے تھے۔

ماہر دور سے اسے دیکھ کر ٹھٹکا۔بہت عرصے بعد اس نے زارا کو دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ دیکھا تھا۔ڈھیلا ڈھالا سوئیٹر اور ٹائٹس پہنے وہ بال کیچر میں باندھے، پانی کو دیکھ رہی تھی۔

خطرے کا سرخ الارم اس کے ذہن میں جلنے بجھنے لگا۔وہ تشویش سے اس کو دیکھتا قریب آیا۔

"سب ٹھیک ہے، زارا؟ تم نے اتنی جلدی میں بلایا۔ "

زارا نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔اس کی آنکھیں متورم تھیں اور ناک سرخ۔شاید وہ روتی رہی تھی۔

ماہر کا سانس رک گیا۔

"مالک ٹھیک ہے؟ "اس کا پہلا دھیان اسی طرف گیا۔

زارا مسکرائی۔آنکھوں میں نمی تھی۔

"انہیں کچھ نہیں ہوا۔"

"پھر؟ خیریت؟ "وہ کرسی کھینچ کے سامنے بیٹھا۔غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے کچھ بات کرنی تھی۔"

"دوپہر میں؟ وہ بھی پبلک پلیس پہ؟ ہم شام کو آرام سے گھر پہ..."

"زندگی میں ایک دفعہ تم اپنا ورک ڈے میرے لیے قربان کر سکتے ہو، ماہر بے؟ "وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔ماہر نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"تمام۔تم بولو۔میں سن رہا ہوں۔"

ٹیک لگائی، ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھا اور آنکھیں چھوٹی کیے بغور اسے دیکھنے لگا۔

کچھ تھا اس کے انداز میں۔کچھ عجیب سا۔

"میں چاہتی ہوں کہ آج تم میری بات سنو۔درمیان میں مت بولنا۔کیونکہ میں ایک فیصلہ کر کے آئی ہوں۔"

ماہر نے ہونٹ کھولے، پھر واپس بند کر دیے۔سر کو خم دیا۔وہ سن رہا تھا۔لیکن سننے سے زیادہ وہ اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"میری فرینڈز کہتی ہیں کہ ماہر فرید تمہارے لیے ایک ریڈ فلیگ ہے۔ "وہ بھیگی آنکھوں سے ہنسی۔وہ تکلیف میں لگتی تھی۔

" مگر میں... میں یہ مان ہی نہیں سکتی تھی کہ ماہر فرید ایسا ہو سکتا ہے۔لیکن وہ ٹھیک تھیں۔تم شاید کسی اور عورت کے لیے گرین فلیگ ہو گے، لیکن میرے لیے تم سرخ جھنڈوں کا ایک carnival ہو۔ "

"ویل... تھینک یو۔"ماہر کے تاثرات نہیں بدلے۔

"ہمارا ساتھ برسوں کا ہے۔ہم کزنز بھی ہیں اور دوست بھی۔لیکن پتہ ہے، میری ایک تھیراپسٹ کہتی تھی کہ یہ

دوستی صرف میرے دماغ میں ہے۔ ورنہ تم ہمیشہ میرے پاس صرف اپنے کام کے لیے آتے تھے۔ کسی کو لوکیٹ کرنا ہے، تو زارا ہے ناں۔ کسی سے پبلک ریلیشن قائم کرنا ہے، تو زارا اس میں اچھی ہے۔ زارا میری کمپنی کا فیس ہے۔ زارا اور زارا کا سوشل نیٹ ورک۔ " گردن افسوس سے دائیں بائیں ہلائی۔ "میں ایک یکطرفہ دوستی کے الوژن میں اتنے برس سے زندگی گزار رہی تھی۔ کیونکہ مجھے لگتا تھا تم ایسے ہی ہو۔ تم انسانی جذبات کے اہل ہی نہیں ہو۔ جیسے بیربل کہتا ہے مشین، روبوٹ..."

وہ پھر سے ہنسی۔ اب وہ گردن موڑ کے پانی کو دیکھنے لگی تھی۔ آنسو پلکوں پہ ٹکے تھے۔ لیکن ابھی گرے نہیں تھے۔

"بیربل کہتا ہے کہ جب بھی تمہارے اوپر کرائسز آتا ہے، میں تمہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہوں۔ میں کرائسز سے ڈیل نہیں کر سکتی۔ وہ بھی درست کہتا ہے۔ جب تم asylum میں گئے، میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ کیونکہ میں... پتہ نہیں... شاید میں یہی کرتی ہوں۔ کرائسز میں، میں ہمیشہ تم سے اسپیس لے لیتی ہوں۔"

"اور تم اب بھی یہی کرنے جا رہی ہو۔ "اسے معلوم تھا بات کس طرف جا رہی تھی۔

زارا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی رو میں کہے جا رہی تھی۔

"لیکن میں تمہارے لیے آ بھی جاتی تھی۔ اپنا شہر چھوڑا۔ اپنی کمپنی چھوڑی۔ کیف کو جوائن کیا۔ مگر پھر... پھر تم پاکستان چلے گئے۔ جب تم واپس آئے تو تم بدلے ہوئے تھے۔ میں سمجھی یہ سب کچھ ہلال کے لیے ہے۔ اور شاید یہ تب ہلال کے لیے ہی تھا۔ لیکن پھر ... تم اس کے لیے جیل بھی گئے۔ اس کے شوہر سے بھی مقابلہ کیا۔ میں تب بھی سمجھی یہ سب ہلال کے لیے ہے۔ پھر تم کینیڈا گئے اور میں سمجھی تم پولیس سے بھاگ رہے ہو۔ لیکن تم ہمیشہ اس کے پیچھے جاتے تھے۔"

ماہر نے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ چہرہ بالکل سپاٹ ہو چکا تھا۔

"مجھے لگا یہ میرا وہم ہے۔ تم ایسے انسان ہو ہی نہیں جو کسی کے لیے emotionally available ہو سکتا ہے۔ میری دوستیں کہتی رہیں کہ تم میرے لیے دستیاب مرد نہیں ہو۔ لیکن میں نے ہمیشہ کہا کہ تم مصروف ہو۔ تم ایسے ہی ہو۔ تمہارے پاس کیف کے سوا کسی کے لیے وقت نہیں ہوتا۔ اور مجھے تم ایسے بھی قبول تھے۔ تم میرے پاس آئے۔ تم نے مجھے پروپوز کیا۔ میں نے پروپوزل قبول کیا۔ مجھے لگا شادیاں ایسے ہی ہوتی ہیں۔ "

اس نے چہرہ موڑ کر ماہر کو دیکھا۔ آنسو سرخ آنکھوں سے ٹوٹ ٹوٹ کے گرنے لگے تھے۔

"لیکن پھر میں نے تمہیں اس کے ساتھ دیکھا۔"

ماہر کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے ڈوب گئی۔

"جب وہ کمرے میں آتی ہے، تو تمہاری شخصیت بدل جاتی ہے۔تمہاری آنکھوں میں چمک آتی ہے۔تم اس کو دیکھتے ہو تو تمہیں آس پاس کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔وہ جو کہتی ہے تم دھیان سے سنتے ہو۔اس کے لیے تمہارے پاس وقت ہی وقت ہے۔"

"مالا کا اس سب میں... "

"میں تمہیں کنفرنٹ نہیں کر رہی۔کوئی الزام بھی نہیں لگا رہی۔میں جانتی ہوں تم ایسے آدمی نہیں ہو جو کسی عورت کے ساتھ cheat کرے۔لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ مردوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔ان میں ایک ساتھ ایک سے زیادہ عورتیں سما سکتی ہیں۔لیکن میں اب تھک گئی ہوں، ماہر۔ "آنسو آنکھوں سے بہہ رہے تھے اور گود میں رکھے ہاتھ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔

"میں نے جب تمہیں اس کے ساتھ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ تم کوئی مشین نہیں ہو۔تم ایک عورت کے لیے اس حد تک دستیاب ہو سکتے ہو کہ تم مجھے ڈنر پہ چھوڑ کے اس کی ایک آواز پہ چلے جاؤ۔وہ ہمیشہ تمہیں بلائے گی اور تم ہمیشہ اس کے پیچھے جاؤ گے۔"

پھر اس نے ہتھیلیوں کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

"اور اب تو میں یہ بھی جان گئی ہوں کہ تم مجھ سے شادی صرف بابا کو خوش کرنے کے لیے کر رہے تھے۔پلیز انکار مت کرنا۔میں دس سال کی بچی نہیں ہوں۔مجھے سب دکھائی دیتا ہے۔"

ماہر نے تھوڑی جھکا دی۔بے اختیار دانتوں سے لب کاٹے۔

"ہم غلط وجہ کے لیے شادی کر رہے ہیں۔میں ایک الوژن کے پیچھے بھاگ رہی ہوں جو کبھی پورا نہیں ہوگا، اور تم میرے بابا کو خوش کرنے کے لیے خود پہ ایک ایسا بوجھ ڈال رہے ہو جس کو تم اٹھا نہیں سکتے۔ہم دونوں ناخوش رہیں گے۔"

چند لمحے خاموشی سے کٹ گئے۔

"اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ... "اس نے تھوک نگلا۔اگلے الفاظ حلق سے باہر آنے کو تیار ہی نہیں تھے۔لیکن آج اگر اسے انگلی حلق میں ڈال کے بھی ان کو باہر کھینچ کے نکالنا پڑتا تو وہ اس کے لیے تیار تھی۔

"کہ... "زارا نے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی سے انگوٹھی اتاری اور میز پر رکھی۔

ہیرے کے لکڑی سے ٹکرانے کی آواز پہ وہ چونکا۔ چہرہ اٹھایا۔ انگوٹھی کو دیکھ کے چہرے پہ زخمی پن ابھرا۔

"زارا...."

"میں ایسے نہیں چل سکتی۔ میں ایسے نہیں چل سکتی۔ "وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ آنسو برابر گرتے ہوئے گردن پہ لڑھک رہے تھے۔

"میں نے یہ رشتہ پوری ایمانداری سے کیا تھا، زارا۔ لیکن تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میں تمہیں تکلیف دے رہا تھا۔ ہم غلط وجہ کے لیے شادی کر رہے تھے۔ "پھر وہ رکا۔ جیسے ذہن نے کچھ سوچا۔

"اس سب کی وجہ صرف یہی ہے؟ میرا رویہ؟ "آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس کا چہرہ دیکھا۔

زارا کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔

" کیا یہ وجہ کم ہے؟ "نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز بلند ہوئی۔

"یعنی... کچھ اور تو نہیں ہے جو تم...."

"میں یہ فیصلہ اپنے لیے لے رہی ہوں، ماہر۔ مجھے اپنے بابا کے ساتھ ان کی زندگی کے آخری چند مہینے گزارنے ہیں۔ میں اس وقت نہ تو شادی کر سکتی ہوں نہ کچھ اور۔ تم نے ہی کہا تھا یہ۔"

وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

" کیا تمہاری male ego کو ٹھیس پہنچی ہے؟ کہ تم نے نہیں، ایک لڑکی نے تم سے رشتہ توڑا ہے؟"

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ میں بس تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

زارا نے سر جھٹکا اور میز پر رکھے باکس سے چند ٹشو نکالے۔ چونکہ چہرے پر کچھ لگا نہیں تھا اسی لیے بے دردی سے آنکھیں رگڑتی گئی۔

"اور مالک؟ "

زارا نے جواب دینے کی بجائے بیگ اٹھایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

" کچھ دیر بیٹھو، زارا۔ اس بات کو..."

"مجھے جانا ہے۔ تمہارے ورک ڈے سے بہت سا وقت لے لیا میں نے۔ "اس نے سن گلاسز آنکھوں پہ لگا لیے اور میز کے پیچھے سے نکل کے آگے بڑھ گئی۔

اگر وہ کچھ دیر اور بیٹھی رہتی تو شاید وہ اس کے اندر تک جھانک لیتا۔

کار میں بیٹھنے سے پہلے زارا نے سیاہ شیشوں کے پار دکھائی دیتے ریستوران کو دیکھا۔

اگر بابا سمجھتے تھے کہ وہ ماہر سے اتنی آسانی سے دستبردار ہو جائے گی تو وہ بھول گئے تھے کہ وہ صرف زارا نہیں تھی۔

وہ عبدالمالک فرید کی بیٹی تھی۔ اور اس کی ضد انہی کے جیسے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

.

اس پارک کے سارے درختوں پہ خزاں اتری تھی۔ جلی ہوئی گھاس پہ جگہ جگہ چرمر کرتے بھورے پتے گرے تھے۔ کشمالہ ان پتوں پر پیر رکھتی قدم قدم آگے بڑھ رہی تھی۔

پارک کے سرے پہ ایک سنگی میز بنی تھی جس کے دونوں اطراف بینچ تھے۔

وہ دور سے زیاد کو وہاں بیٹھے دیکھ سکتی تھی۔ وہ کہنیاں میز پر رکھے سر ہاتھوں میں گرائے ہوئے تھا۔

وہ اس سے چند میٹر دور تھا۔

ہر قدم کے ساتھ مالا کا ذہن کسی البم کی طرح یادوں کے اوراق پلٹ رہا تھا۔

وہ ٹیرس پہ کھڑی براؤنی کھا رہی تھی اور وہ نیچے اپنی ماں کے ساتھ کھڑا تھا۔

وہ نکاح نامے پہ دستخط کر رہی تھی۔

وہ مالدیپ کے ساحل پہ ننگے پیر چل رہے تھے۔

زیاد نے زور سے اس کا بازو جکڑا تھا اور اسے دیوار تک دھکا دیا تھا۔

وہ سرد کنٹینر کے فرش پر بیٹھی تھی اور وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

وہ اس کے عین سامنے آ کے رکی۔ کوئی پتہ جوتے تلے آ گیا۔ چرمر کی آواز آئی۔

زیاد نے چونک کے سر اٹھایا۔ اسے دیکھ کے بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ زیاد نے نظریں جھکا دیں۔ ہاتھ سے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ پہلے سے کمزور لگ رہا تھا۔ داڑھی بھی بڑھ گئی تھی۔

مالا نے کراس باڈی بیگ کندھے سے نہیں اتارا۔ نہ ہی کوٹ کا بٹن کھولا۔ بس اسی طرح سامنے بیٹھ گئی، جیسے زیادہ وقت کے لیے نہ آئی ہو۔

"آنے کے لیے شکریہ! "

"میں تمہارے کہنے پہ نہیں آئی۔تم میرے کہنے پہ آئے ہو۔ "وہ سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

زیاد نے سر اثبات میں ہلایا۔

"بدر کا کچھ پتہ چلا؟ "

"میں بدر کے بارے میں بات کرنے نہیں آئی۔اس کو میں ڈھونڈ لوں گی۔میں اپنے اور تمہارے بارے میں بات کرنے آئی ہوں۔ "

زیاد کے لیے اس کے الفاظ غیر متوقع تھے۔وہ بس ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

" کیا مطلب؟"

"تم نے اس روز مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں تمہیں کبھی معاف کر سکوں گی؟ اور مجھے لگا تھا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔کیونکہ تم نے مجھے اذیت دی ہے، زیاد۔"

زیاد کا سر جھک گیا۔ایسے جیسے وہ کبھی اس کے سامنے چہرہ نہیں اٹھا سکے گا۔

"تم میری ماں کے بھی قاتل ہو اور میری sanity کے بھی۔تمہارے دیے ہوئے زخموں کی وجہ سے میں پچھلے پانچ سال سے شدید ٹراما کا شکار ہوں۔شوہر تو بیوی کو مار کے آگے بڑھ جاتا ہے، لیکن abused ہوئی عورت کو کئی برس لگتے ہیں heal ہونے میں۔تمہاری وجہ سے میں نئی زندگی شروع نہیں کر سکتی۔کیونکہ ہر مرد کو دیکھ کر مجھے یہ خوف آتا ہے کہ کہیں وہ زیاد سلطان جیسا نہ نکل آئے۔تمہاری وجہ سے میں کسی مرد پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔ "وہ کسی غصے یا نفرت سے نہیں کہہ رہی تھی۔وہ بہت آرام سے، سادگی سے بتا رہی تھی۔

زیاد نے چہرہ اٹھایا۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"میرے الفاظ تمہارے زخم نہیں بھر سکتے۔لیکن میں دل سے پشیمان ہوں۔میری زندگی بہت تاریک ہے۔پچھتاووں میں گھری ہوئی۔میں اپنے کیے کی سزا کاٹ رہا ہوں اور کاٹتا رہوں گا۔تمہیں کبھی بھی مجھے معاف نہیں کرنا چاہیے۔"

مالا نے سر نفی میں ہلایا۔

"میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔کیونکہ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد معافی بنتی ہی نہیں ہے۔لیکن... "وہ دھیرے سے مسکرائی۔اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔

"پھر مجھے کسی نے یہ سمجھایا کہ دوسرے کے گناہ کا بوجھ میرے دل کو نہیں اٹھانا چاہیے۔ہم پرانے زخم یاد رکھیں گے تو نئی محبتوں کی جگہ دل میں کیسے بنے گی؟"

وہ بول رہی تھی اور اس خزاں آلود دوپہر میں زیاد سلطان بیٹھا بس اسے سن رہا تھا۔

"میں تمہارے دیے زخموں کو جب تک معاف نہیں کروں گی وہ بھریں گے نہیں۔ میں پانچ سال سے تمہارے دیے بوجھ اٹھا رہی ہوں۔ اور اب میں ان کو اپنے دل سے اتارنا چاہتی ہوں۔ میری healing کی کنجی یہی ہے۔"

آنسو زیاد کے چہرے پہ پھسل کے بڑھی ہوئی شیو میں گم ہو رہے تھے۔

"اس لیے آج میں تمہارے پاس آئی ہوں۔ مجھے نہیں معلوم تم واقعی بدل گئے ہو یا یہ بھی تمہاری کوئی نئی چال ہے۔لیکن میں تمہارے عمل کی جواب دہ نہیں ہوں۔ میں صرف... "مالا نے ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔"اپنے دل کے لیے ذمہ دار ہوں، اور مجھے اپنے دل کو خالی کرنا ہے۔ ہر قسم کے grudge سے، بغض سے، نفرت سے، دکھ سے۔ "

اس نے ہاتھ نیچے گرایا۔ وہ ابھی تک اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔لیکن کسی ملامت سے نہیں۔صرف ترس سے۔ ہمدردی سے۔

" آج میں تمہیں دل سے معاف کرتی ہوں، زیاد۔ ہر اس چیز کے لیے جو تم نے میرے ساتھ کی۔ کیونکہ میرا دل پرانے دکھوں کا بوجھ مزید نہیں اٹھا سکتا۔تم نے باقی دنیا کے ساتھ جو بھی کیا وہ تمہارا اور اللہ کا معاملہ ہے۔لیکن جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا، اس کے لیے میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔"

زیاد کا چہرہ پھر سے جھک گیا۔آنسو بہتے ہوئے تھوڑی سے میز پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔اسے نہیں یاد اس نے ایسے خاموش انداز میں کبھی زیاد سلطان کو روتے دیکھا ہو۔

"بس یہی بتانا تھا۔تم میری کسی بد دعا کا حصہ نہیں ہو گے۔ مجھے تمہیں کوئی سزا ملتے نہیں دیکھنی۔ نہ میں چاہتی ہوں کہ میرا اور تمہارا کوئی حساب باقی رہے۔"

پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بالکل نارمل تھی۔ پرسکون۔ چند لمحے کے لیے بھیگی آنکھیں واپس خشک ہو چکی تھیں۔

زیاد نے گیلا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔اس کے سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"تمہارے لیے ایک نصیحت ہے۔ اگر تم واقعی دل سے نادم ہو تو خود کو بدل لو۔ زندگی پھر سے شروع کرو۔ اور اب کی بار اسے بہتر طور پہ گزارنا۔"

ملاقات کا وقت ختم ہو چکا تھا۔ وہ پلٹ گئی تو وہ بے اختیار کھڑا ہوا۔

"میں تمہاری زندگی سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ بدر کے ملتے ہی۔ تم مجھے کبھی نہیں دیکھو گی۔ لیکن..."

گھاس پر چلتی کشمالہ رکی۔ پلٹ کے نہیں دیکھا۔

"لیکن میں واقعی اپنی زندگی کا ایک نیا صفحہ الٹا رہا ہوں۔ clean slate۔ میں اپنی کتاب لکھ رہا ہوں۔ "وہ جیسے ہچکچایا۔

" کیا تم میری کتاب پڑھو گی؟"

"نہیں۔" کشمالہ مبین بہت سکون سے اس کی طرف پلٹی۔ انہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ان نگاہوں میں کچھ بھی نہیں تھا۔

"میں نہیں پڑھوں گی۔ تمہارے زخموں کو دل سے اس لیے نکالا تا کہ تم میری کسی یاد یا کسی حساب کتاب کا حصہ نہ رہو۔"

زیاد کے چہرے سے لگتا تھا کسی نے دوسری دفعہ اسے قید خانے میں ڈال دیا ہو۔

"لوگ غلط کہتے ہیں کہ محبت کا الٹ نفرت ہوتی ہے۔ محبت کا الٹ indifference ہوتا ہے۔ فرق نہ پڑنا۔ ایک دوسرے کے لیے بے معنی ہو جانا۔ جب تک نفرت تھی، تم میری بد دعاؤں کا حصہ تھے۔ اب نہیں رہو گے۔ میرا دل آج سے تمہارے دیے دکھ سے خالی ہے۔ خدا حافظ، زیاد سلطان! " اور وہ پلٹ گئی۔

اب گھاس پر تیز تیز چلتی وہ اس سے دور جا رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے نہیں آیا۔ وہ وہیں بینچ پر بیٹھ گیا اور سر میز پر رکھ دیا۔

پارک کے کنارے کشمالہ رکی اور مڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سر ہاتھوں دیے رو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ لیکن اس نے نفی میں سر ہلایا۔

پانچ سال بعد جیسے اس کا دل آزاد ہو گیا تھا۔

اتنا آزاد کہ اس لمبے چوڑے مرد کو روتے دیکھ کر بھی اسے کچھ محسوس نہ ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لکڑی کے گھر کے اس کمرے میں ایک واحد زرد لیمپ جلا تھا۔

مالک فرید آنکھیں موندے بستر پر لیٹے تھے۔ان کے بیڈ کو حال ہی میں ہسپتال کے بیڈ سے تبدیل کیا گیا تھا۔ ہاتھ کی پشت پر آئی وی لائن لگی تھی اور اسٹینڈ سے لٹکی ڈرپ قطرہ قطرہ جسم میں اتر رہی تھی۔

آہٹ پہ انہوں نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔چوکھٹ میں ماہر کھڑا تھا۔کوٹ بازو پر ڈالے، بنا جوتوں کے، وہ یاسیت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔انہوں نے ابرو سے اشارہ کیا۔اندر آ جاؤ۔

وہ سر جھکائے قدم قدم چلتا اندر آیا۔اس کے قدم سست تھے۔جیسے نڈھال ہو۔شکست خوردہ ہو۔

نیم اندھیر کمرے میں بھی وہ اس کے چہرے پہ پھیلی ویرانی دیکھ سکتے تھے۔

وہ ان کے قریب کرسی کھینچ کے بیٹھا۔گھٹنوں پر کہنیاں رکھیں،اور مٹھی ہونٹوں پر رکھے سر جھکا دیا۔

وہ سامنے دیوار کو دیکھتے رہے۔

چند لمحے اسی طرح گزر گئے۔پھر ماہر سیدھا ہوا۔

"زارا نے...."

"جانتا ہوں۔ "ان کی سرد آواز پہ اس نے بے اختیار ان کا چہرہ دیکھا۔اس چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔سوائے ہلکی سی اکتاہٹ کے۔جو شاید تکلیف کا نتیجہ تھی۔

"یہ فیصلہ تم لوگوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔تب بھی کسی نے مجھ سے نہیں پوچھا۔اب بھی اپنی مرضی سے توڑ رہے ہو۔"

ماہر نے زخمی نظروں سے ان کو دیکھا۔

"یہ اس کا فیصلہ ہے۔"

انہوں نے جواباً ایک سخت نظر اس پہ ڈالی۔

"میں نے تمہیں وارن کیا تھا۔تم جب اس کو اپنی زندگی میں دوبارہ شامل کرو گے تو تمہاری زندگی پیچیدہ ہو جائے گی۔تم زارا سے اور کس چیز کی توقع کرتے تھے؟"

ماہر کے کندھے ڈھلک گئے۔اس نے سر جھکا دیا۔آنکھیں بند کیے ہاتھ سے آنکھیں مسلنے لگا۔وہ جیسے تھک چکا تھا۔

"زارا کو یہ فیصلہ نہ کرنا پڑتا اگر تم چند مہینے پہلے ایک غلط فیصلہ نہ کرتے۔"

ماہر نے دکھتی کنپٹی سہلاتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے فیصلے نے تمہیں ناخوش کیا ہے، مالک؟"

"خوش تو میں اس فیصلے پہ بھی نہیں تھا جو تم لوگوں نے مجھ سے پوچھے بنا کیا تھا۔ "وہ اسی تلخی سے کہہ کے سامنے دیکھنے لگے۔ وہ ناخوش نہیں تھے۔ تکلیف میں تھے۔

چند لمحے اسی پژمردہ سی خاموشی کی نذر ہو گئے۔

"میں ہمیشہ زارا کا خیال رکھوں گا۔"

مالک فرید کے آئی وی لائن لگے ہاتھ میں ہلکی سی لرزش ہوئی۔ انہوں نے زور سے مٹھی میں چادر بھینچ لی۔ چہرہ البتہ پرسکون رہا۔

"میں تم سے صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جو بھی ہو، تم ہمیشہ اس کی فیملی بنے رہو۔ "

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ کندھے بوجھل تھے۔ دل بوجھل تھا۔ وہ مالک کا سامنا کیسے کرے گا، یہی سوال اس کو صبح سے کھائے جا رہا تھا۔ لیکن یہ ملاقات اس کی توقع سے بہتر تھی۔ اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو رہا تھا۔

"زارا میری فیملی ہے اور میں اس کی فیملی ہوں۔ ہم کبھی جدا نہیں ہوں گے۔"

مالک فرید نے اس بات پہ تبصرہ نہیں کیا۔ وہ اسی طرح دیوار پہ گرتے سایے دیکھتے رہے۔

"میں زارا کے لیے..."

"میرا مسئلہ اس وقت زارا نہیں، زیاد ہے۔ "انہوں نے ایک تیز نگاہ اس پہ ڈالی۔

" کیا اس نے تم سے رابطہ کیا؟"

ماہر نے اکتا کے کندھے اچکائے۔

"ابھی تک تو نہیں۔ لیکن کرے گا۔"

پہلی دفعہ مالک فرید کی آنکھوں میں تشویش سی ابھری۔

"مالا اس کے بارے میں کیا کہتی ہے؟"

"یہی کہ وہ نادم ہے، اسے پچھتاوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔"

" تمہیں اس کے وغیرہ وغیرہ پہ یقین ہے؟"

ماہر نے جیسے بدمزہ ہو کے ناک سے مکھی اڑائی۔

"لوگ نہیں بدلتے۔"

مالک فرید نے غور سے اس کو دیکھا۔

"لوگ بدل بھی سکتے ہیں۔لیکن شاید تم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ تلخ ہوتے جا رہے ہو۔"

ماہر نے پیچھے کو ہو کے ٹیک لگائی۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور بہت فرصت سے ان کو دیکھا۔

"زیاد کبھی نہیں بدلے گا۔مالا اس کی ندامت پہ یقین کر سکتی ہے۔میں نہیں۔"

"اور اگر تم غلط ہوئے؟ جیسے شاید تم سوزین کے بارے میں ہو۔وہ اتنی بری نہیں ہے۔"

"جیسے میں کل پیدا ہوا تھا۔ہونہہ! "ماہر فرید کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

مالک صاحب نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔یہ طے تھا کہ وہ خود کو ہمیشہ انسانوں کا بہترین جج سمجھتا تھا۔وہ اس کی رائے کو نہیں بدل سکتے تھے۔

"اگر زیاد واقعی نہیں بدلا تو اپنا انتقام لیے بغیر اس شہر سے نہیں جائے گا۔"

"میں زیاد سے نہیں ڈرتا۔"

ماہر بے زاری سے کچھ کہتے کہتے رکا۔ایک دم چونک کے مالک کو دیکھا۔

"تمہیں اس کے بارے میں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ میرا اور زیاد کا معاملہ ہے۔تم مالک... "اس نے تنبیہی ابرو اٹھایا۔"تم زیاد والے معاملے سے دور رہو گے۔ "

عبدالمالک فرید اکتاہٹ سے کندھے اچکائے۔

"میں کیوں اس معاملے میں پڑوں گا؟ یہ تمہاری اپنی پیدا کردہ پیچیدگیاں ہیں۔ "ساتھ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائے۔ان کی تکلیف جسمانی بھی تھی اور وہ بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک گہری سانس ماہر کے ہونٹوں سے خارج ہوئی۔کندھے نیچے گر گئے۔پھر اسے یاد آیا۔

"تمہارا کلینیکل ٹرائل جلد شروع ہونے جا رہا ہے۔ "اس کی آواز پست ہو گئی۔

ہاں دیکھتے ہیں۔ "عبدالمالک فرید بڑبڑائے۔اکتاہٹ۔بیزاری۔

"ہو سکتا ہے یہ دوا ٹیومر کو شرنک کر دے۔"

"اگر مجھے دوا لگی۔کیا معلوم وہ مجھے placebo لگا دیں۔"

پھر اچانک سے چونک کے ماہر کو دیکھا۔ماتھے پر لکیریں ابھریں۔

"اور میں تمہیں تنبیہہ کر رہا ہوں، ماہر فرید....تم کسی بھی طرح میرے ٹرائل میں مداخلت نہیں کرو گے۔"

"میں ایسا کیوں کروں گا؟ ایسا سمجھتے ہو تم مجھے؟ چچ... "اس نے تعجب اور افسوس سے مالک کو دیکھا تھا۔

وہ چند لمحے اسے گھورتے رہے، پھر اطمینان سے سر ہلا دیا۔

وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا رہا۔ چند روٹین کی باتیں کرتا رہا۔ وہ زارا کے موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتے تھے، وہ سمجھ گیا تھا۔

جب وہ جانے کے لیے اٹھا تو انہوں نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں اسی تشویش کی رمق دوبارہ دکھائی دی تھی۔

"احتیاط کرنا، ماہر۔ "وہ زیاد کی بات کر رہے تھے۔

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ زیاد سلطان سے نہیں ڈرتا تھا۔

ماہر کی کار کے انجن کی آواز انہیں کمرے میں سنائی دی تھی۔ پھر کار دور ہوتی گئی۔ تب انہوں نے گھنٹی بجائی۔ عمار تیزی سے کمرے میں آیا۔

"جی، سر؟" عمار نے پہلے کرسی درست جگہ پہ رکھی۔ پھر مؤدب سا ان کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

" کیا تم زیاد سلطان کو لوکیٹ کر رہے ہو؟ "

عمار نے اثبات میں سر ہلایا۔

"جلد ہمیں اس کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔"

"مجھے ٹرائل شروع ہونے سے پہلے زیاد سلطان اپنے سامنے چاہیے۔ زندہ سلامت۔ "وہ بے چینی سے کہہ رہے تھے۔

عمار نے سر تسلیم خم کیا۔ پھر وہ جھجکا۔

"ماہر نے جاتے ہوئے مجھے تنبیہہ کی تھی کہ اگر آپ کہیں تب بھی میں زیاد سلطان کی تلاش میں نہ نکلوں۔ وہ نہیں چاہتا کہ ہم اس معاملے میں مداخلت کریں۔"

عبدالمالک فرید نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"مجھے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ "پھر ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر کی کار اس پہاڑی سے نیچے اتر کے سنسان سڑک پر تیز دوڑ رہی تھی۔رات گہری ہو رہی تھی اور وہ علاقہ ویران تھا۔

ایک مخصوص مقام پہ پہنچ کے وہ کار رکی۔وہاں پہلے سے ایک چھوٹی نیلی کار کھڑی تھی۔ڈرائیور اردل باہر نکلا اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔نیلی کار کے ساتھ کھڑا شخص تیزی سے ماہر کے ساتھ والی خالی سیٹ پر بیٹھا اور دروازہ بند کیا۔باہر سردی تھی اور کار اندر سے گرم تھی۔

"تمہاری امانت۔"ماہر نے پیروں کے قریب پڑا چرمی بیگ اپنے اور نووارد کے درمیان رکھا۔داڑھی والا نوجوان قدرے ہچکچایا۔ایک نظر بیگ کو دیکھا جو بھرا ہوا تھا۔اور پھر ماہر کو جو اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ قانوناً جرم ہے۔میرا میڈیکل لائسنس معطل ہو سکتا ہے۔"

"لیکن اس کے بدلے میں تم ساری عمر کے لیے مجھے خرید لو گے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔بیگ کے سٹریپ پر ہاتھ رکھے۔پھر تھوک نگلا۔

"میں اس بات کو یقینی بناؤں گا کہ عبدالمالک فرید کو placebo نہیں،اصل دوا لگے گی۔لیکن ماہر بے...."

وہ ہچکچایا۔ "یہ دوا کا ٹرائل ہے۔کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ یہ اثر بھی کرے گی۔ "

ماہر کے چہرے پہ زخمی سا تاثر ابھرا۔

"جانتا ہوں۔لیکن مجھے آخری کوشش کرنی ہے۔"

"اور اگر میں پکڑا گیا؟"

" کیسے پکڑے جاؤ گے؟ کیش دے رہا ہوں۔کوئی ثابت نہیں کر سکے گا کہ ہمارے درمیان لین دین ہوا ہے۔"

میل نرس نے سر ہلایا،بیگ تھاما اور دروازہ کھولنے لگا جب ماہر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

وہ چونک کے پلٹا۔

"اگر دوا نے کام نہ کیا اور مالک مر گیا،تب بھی....تب بھی میں تمہارا مقروض رہوں گا۔ "وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پورے یقین سے کہہ رہا تھا۔

نرس نے اثبات میں سر ہلایا۔اگلے ہی لمحے وہ بیگ لے کر کار سے باہر جا چکا تھا۔

"مالک بے ایسا نہیں چاہتے تھے۔ "فربہ ڈرائیور اردل نے کار واپس اسٹارٹ کرتے ہوئے افسوس سے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔

"مجھے کسی کی اجازت نہیں چاہیے، اردل۔ "وہ اب کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

سیاہ آسمان دھیرے دھیرے برسنے لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش ابھی ابھی تھمی تھی۔ بالکونی شدید سرد تھی۔ لیکن وہ پھر بھی ڈھٹائی سے وہاں بچھے کاؤچ پر بیٹھی تھی۔ اس روز کی نسبت آج اس نے گرم کپڑوں کی تہیں پہن رکھی تھیں۔ پیر میز پہ جمار کھے تھے اور اُونی کمبل کندھوں کے گرد لپٹا تھا۔ وہ چھت پہ جھولتے بلب کی روشنی میں ایک کتاب پڑھ رہی تھی ... جب برابر میں دروازہ سلائیڈ ہونے کی آواز آئی۔

مالا کی توجہ کتاب سے ہٹ گئی۔ رک کے آواز سننی چاہی۔ اگر آج بھی ماہر کے ساتھ کوئی تھا تو وہ پہلی آواز سنتے ہی اندر چلی جائے گی۔

دروازہ سلائیڈ کر کے بند ہوا اور خاموشی۔ کرسی کھینچنے کی آواز۔ وہ بھی شاید بارش کے بعد کا آسمان، پانی اور اس کے کنارے کھڑی کشتیاں دیکھنا چاہتا تھا۔

چند لمحے خاموشی کی نذر ہو گئے۔

وہ دونوں دیوار کے آر پار بیٹھے تھے۔ ایسے کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ دیوار سے آگے ریلنگ تھی۔ وہ چند قدم چل کے آگے جاتی تو اس کو دیکھ پاتی۔ لیکن وہ وہاں سے نہیں اٹھی۔

" کیسے ہو؟ "اونچا سا پکارا۔

کرسی دھکیلی گئی۔ اٹھنے کی آواز۔ تیز قدم۔ پھر وہ ریلنگ کے ساتھ دکھائی دیا۔ گردن نکال کے جھانکتا۔ چہرے پہ حیرت تھی۔

"یہاں سے آواز اس طرف جاتی ہے؟ مجھے نہیں معلوم تھا۔ کوئی ہمسایہ نہیں تھا اتنے عرصے سے۔ "

وہ ٹراؤزرز پہ سوئیٹر پہنے کھڑا خوشگوار حیرت سے بالکونی کی ساخت دیکھ رہا تھا۔ وہ کاؤچ پر یوں نیم دراز تھی کہ پیر میز پر تھے اور کمبل سارے وجود کے گرد۔

"میں نے پوچھا، کیسے ہو؟"

ریلنگ پر بازو رکھے کھڑا ماہر مسکرایا۔

" کیسا لگ رہا ہوں؟"

"افسردہ۔دکھی۔ "اس نے کتاب نیچے کی۔پھر پیرا تارے۔

"زارا نے مجھے انگوٹھی واپس کر دی۔"

وہ جو کتاب رکھ کے اٹھ رہی تھی،ایک دم ششدر رہ گئی۔لمحے بھر کے لیے کچھ کہہ نہ سکی۔

" کیا مطلب؟"

"اس نے رشتہ توڑ دیا ہے۔ "وہ اب مالا کی طرف سے پلٹ گیا تھا۔اور اپنی ریلنگ پہ کہنیاں جمائے یوں کھڑا ہو گیا کہ پشت اپارٹمنٹ کی طرف تھی اور چہرہ سامنے پانی کی طرف۔

" کیوں؟"

وہ اسی کے انداز میں آ کھڑی ہوئی۔کہنی ریلنگ پہ رکھی لیکن رخ ماہر کی جانب موڑ لیا۔

دونوں کی بالکونیوں کے درمیان ایک فٹ کا خلا تھا۔ادھر پیر پھسلا اور نیچے کھائی۔

ایسا خلا جس کو پار کیا تو واپس آنا ممکن نہ تھا۔

"اس نے چند وجوہات بتائیں۔اس وقت مجھے یقین آ گیا۔اب سوچوں تو لگتا ہے کچھ مسنگ ہے۔ "

مالا نے تھوک نگلا۔

"اور مالک صاحب؟"

"وہ اتنا دکھی نہیں تھا جتنی مجھے توقع تھی،جس کا مطلب ہے... "ماہر نے گردن موڑ کے اسے غور سے دیکھا۔

" کچھ ایسا ہے جو میں نہیں جانتا۔شاید اس کا تعلق اس بات سے ہے جو تم نے مالک کو کہی تھی۔لیکن میں تم سے نہیں پوچھوں گا۔سارے سچ اپنے وقت پہ کھل ہی جاتے ہیں۔"

مالا نے کندھے اچکائے اور سامنے دیکھنے لگی۔

پانی کے کنارے بندھے کشتیوں میں لگے قمقمے روشن تھے اور فولڈنگ چیئرز پہ دو بوڑھے آدمی بیٹھے پیالیوں میں قہوہ انڈیل رہے تھے۔

"میں آج زیاد سے ملی۔"

ماہر کے ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

" کیا اس نے تمہیں.... "تیزی سے کہنے لگا جب...

"میں نے اسے بلایا تھا، ماہر۔ مجھے اس سے بات کرنی تھی۔"

"بدر کو ڈھونڈنے کے لیے؟"

"اس کی معافی قبول کرنے کے لیے۔ "وہ اب کے پوری اس کی جانب گھوم گئی۔

"اس نے پچھلی ملاقات میں مجھ سے معافی مانگی تھی۔لیکن میں نے اسے اس کے لیے معاف نہیں کیا تھا۔مگر آج.... آج میں نے اسے اپنے لیے معاف کر دیا۔"

ماہر فرید کے چہرے پہ کڑواہٹ سی ابھری۔

"ہاؤ سوئیٹ .... یعنی تمہیں لگتا ہے وہ بدل گیا ہے؟"

"وہ بدلے یا نہ بدلے۔ وہ اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے اور میں اپنے دل کے لیے۔ مجھے اپنا دل ہلکا کرنا تھا کیونکہ میں ایک بوجھ لیے جی رہی تھی۔ دوسروں کے لیے نفرت، غم، ان کے دیے ہوئے زخم یاد رکھنا، یہ سب بوجھ ہیں جو ہمیں موو آن نہیں کرنے دیتے۔ جب تک میں زیاد کو معاف نہیں کروں گی، میرا دل سیاہ رہے گا۔"

ماہر نے افسوس سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"touching....لیکن وہ نہیں بدلے گا۔ یاد رکھنا۔ میں انسانوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔"

"تم ایک دفعہ اس کے بارے میں غلط ہو چکے ہو۔ جب تم نے کہا تھا کہ اس نے بدر کو اغوا کیا ہے۔اور کوئی نیا سرکار نہیں ہے۔"

وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اوکے۔ایک دفعہ غلط ہو سکتا ہوں۔ مانا کہ اس نے بدر کو اغوا نہیں کیا۔لیکن ہر دفعہ میں غلط نہیں ہوں گا۔"

وہ دونوں اب اپنی اپنی بالکونی پہ ایک دوسرے کی طرف رخ کیے کھڑے تھے۔

"اگر تمہیں اس کو معاف کرنا خوش کرتا ہے، تو ٹھیک ہے۔لیکن وہ نہیں بدلے گا۔"

"تمہیں ایک نصیحت کروں، ماہر؟"

"پلیز مت کہنا جو کہنے جا رہی ہو۔"

"یہ کہ تم بھی معاف کر دو...."

ماہر کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور ماتھے پہ تیوریاں در آئیں۔

"سوری، مالا۔لیکن میں زیاد کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔میرے باپ کی تکلیف، میری ماں کا قتل، ہلال کی

آنکھیں، میرے وہ اسائیلم میں گزرے مہینے... میں کچھ نہیں بھولا... اور... اور اتنا سب ہونے کے بعد تم مجھے یہ نہیں کہہ سکتیں کہ میں نگینہ یا زیاد کو معاف کر دوں، کیونکہ میرا زیاد سے حساب...."

"میں ان کو معاف کرنے کے لیے نہیں کہہ رہی۔"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ آنکھوں میں تعجب ابھرا۔

"پھر کس کو؟"

"اپنی ماں کو معاف کر دو۔"

ایک لمحے کے لیے دونوں بالکونیاں منجمند ہو گئیں۔ جیسے ان دیکھی برفباری نے انہیں مجسم کر دیا ہو۔ وہ کتنی ہی دیر کچھ بول نہ سکا۔

"اپنی ماں کو معاف کر دو، ماہر۔" وہ اسی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

ماہر نے چہرہ پانی کی طرف پھیر لیا۔ حلق میں گیلی گیند اکٹھی ہونے لگی جسے اس نے نیچے دھکیل دیا۔

"سب انسان اتنے عقلمند نہیں ہوتے کہ ریڈ فلیگز وقت پہ دیکھ سکیں۔ نہیں نظر آئے تمہاری ماں کو شمس کے ریڈ فلیگز۔ انہوں نے وہ کیا جو ان کو اپنے لیے بہتر لگا۔ جیسے میں نے کیا تھا۔ جیسے اکثر عورتیں اور مرد کرتے ہیں۔ مانا کہ انہوں نے تمہیں دکھ دیا۔ تمہارے باپ کو دکھ دیا۔ لیکن... تم ان کو معاف نہ کر کے اپنے ساتھ زیادتی کر رہے ہو۔"

"مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں ہے۔ معافی کی کیا بات ہے پھر؟"

اس نے سر جھٹکا۔ وہ اب بھی کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"گلہ ہو یا نہ ہو، تم نے انہیں معاف نہیں کیا۔ جس دن کر دو گے، تمہارا دل بھی اتنا ہلکا ہو جائے گا جتنا میرا۔"

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ تب وہ کھنکھاری۔

"پرپل کیوں؟"

ماہر نے چہرہ نہیں موڑا لیکن وہ اس کی بے ساختہ مسکراہٹ دیکھ سکتی تھی۔

"اور میں کیوں بتاؤں گا؟"

"کیوں نہیں بتاؤ گے؟"

"مادام۔" وہ اس کی طرف گھوما اور سوچ سوچ کے لفظ ادا کرنے لگا۔ "آپ نے ابھی تک میری قرمزی عمارت کے لیے کچھ اچھا نہیں بنایا۔"

کمبل لپیٹے کھڑی سرخ ناک والی لڑکی نے ابرو بھینچ لیے۔

"ہر چیز تمہارے لیے بزنس ڈیل کیوں ہوتی ہے؟"

"اور آپ کو چاہیے کہ اپنے سائز کی ٹوپی خریدیں۔" اس کی تنگ ٹوپی کی جانب اشارہ کیا جس کا پوم پوم ہوا میں کھڑا تھا۔ البتہ ٹیگ شاید وہ اتار چکی تھی۔

"خرید لوں گی، جب تم میرے پانچ سو پینتیس لیرا واپس کرو گے۔ " آنکھیں گھما کے بولی اور گڈ نائٹ کہہ کے پلٹ گئی۔

وہ ہنس دیا اور جیب تک ہاتھ لے کر گیا۔ لیکن وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ واپس نہیں آنے والی۔ دروازہ سلائیڈ ہو گیا اور وہ بالکونی میں تنہا رہ گیا۔

پانچ سو پینتیس لیرا۔ وہ مسکراتے ہوئے واپس ریلنگ پہ جھک گیا۔

بارش سے گیلا شہر اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کیف کی ایک بے رونق اور مصروف صبح تھی۔ آفس کیبن زمیں نظر آتے سروں کی تعداد آج پہلے سے کہیں زیادہ تھی کیونکہ آج کسی کا بھی ورک فرام ہوم ڈے نہیں تھا۔ آج کے دن سب آفس آئے تھے۔

سوائے ماہر فرید کے۔

وہ کسی کو صبح سے دکھائی نہیں دیا تھا۔ چند چہ مگوئیاں البتہ آفس میں گردش کر رہی تھیں۔ فنانس والی اسمارا نے کہا کہ زارینہ فرید سے منگنی ٹوٹنے کے بعد وہ دل برداشتہ ہے۔ اور کچھ عرصے کے لیے دنیا سے کنارہ کش ہو چکا ہے۔ لیڈ آرکیٹیکٹ بارش کا کہنا تھا کہ وہ مالک بے کی بیماری کے باعث مصروف ہے۔ البتہ کافی بوائے اوزان نے ایک ایک شخص کو دانت نکالتے ہوئے خبر دی کہ ان کے سائیکو پیتھ باس کو بیربل کی بیکری پہ کسی لڑکی کے ساتھ زارا نے دیکھ لیا تھا۔ اور پھر کسی ریستوران میں جا کے منگنی کی انگوٹھی واپس کر دی اور کہا کہ دروازہ اس طرف ہے۔ غصے میں ماہر نے ساری بیکری کے عملے کو جاب سے فارغ کر دیا۔

"اگر زارا نے اسے بیکری پہ دیکھا تھا، تو منگنی ریستوران میں کیوں توڑی؟"

کسی نے سنجیدگی سے اوزان سے پوچھا تو وہ ٹرے اٹھائے منہ بناتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

"سارے آفس کو اس کی منگنی ٹوٹنے کا کیسے علم ہوا؟ "وہ جب اپنی خالی اسکرین کو دیکھ دیکھ کے بے زار ہو گئی تو کرسی کے پہیے دھکیل کے شبنم کے قریب لے گئی۔

اس نے عینک کے پیچھے سے مالا کو گھورا۔

"بادشاہ کو اپنی اتنی خبر نہیں ہوتی جتنی درباریوں کو ہوتی ہے۔ "پھر سوچ کے پین دانتوں میں دبایا۔" تمہیں معلوم ہے وہ کہاں ہیں؟"

"میں اس کی سیکرٹری نہیں ہوں۔ "بدمزہ ہو کے وہ واپس اپنے ڈیسک پہ چلی گئی۔ زارا سے منگنی ٹوٹنے پہ سب کی گوسپ اسے بری نہیں لگ رہی تھی۔ ہر قسم کی رائے اور اندازے سن سن کے وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ پھر خود کو سرزنش کی۔ اُف مالا۔ کتنی بری بات ہے۔

تب ہی فون زوں زوں کرنے لگا۔ بلاکڈ نمبر۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"یہی چاہتے تھے نا تم۔ کہ ان دونوں کی منگنی ٹوٹ جائے۔ "کان میں ائر پوڈ گھساتے ہوئے اس نے سیٹ پہ ٹیک لگائی۔

"نہیں، مالا۔ میں چاہتا تھا کہ تم اس کو بتاؤ۔"

"ایک ہی بات ہے۔ تم نے کہا تھا تم بدر کو..."

"ناں ناں ناں.... "وہ جیسے مسکرا رہا تھا۔"ایسے صلح صفائی سے منگنی نہیں تڑوانی تھی میں نے۔ مجھے chaos چاہیے تھا۔ ڈرامہ۔ زارا کی ہتک۔ مگر تم نے... چچ چچ ... تم نے اپنے حصے کی ڈیل پوری نہیں کی۔"

"مجھے معلوم تھا تم یہی کرو گے۔ تم اسے خود سے نہیں چھوڑو گے۔"

"تم بدر کی اتنی فکر نہ کرو۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ ایک نرس اور نینی اس کے ساتھ ہیں۔"

وہ تیزی سے سیدھی ہو کے بیٹھی۔ چہرے پہ بے قراری امڈ آئی۔

"وہ... کھانا کھاتا ہے ٹھیک سے؟" آنکھیں بھیگ گئیں۔

"کھانا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ بس بولتا نہیں ہے۔ چچ...."

آنسوؤں کا گولہ اس نے جبراً حلق سے نیچے دھکیلا۔ پھر آواز دھیمی کی۔

"یعنی تم اس کو نہیں چھوڑو گے؟"

"اوں ہوں۔ تم نے میری بات نہیں مانی۔"

"جب وہی ہوا ہے جو تم چاہتے تھے تو..."

"تم نے کچھ نہیں کیا۔ "وہ درشتی سے کہہ رہا تھا۔"زارا کو ڈر تھا کہ تم ماہر کو بتا دو گی۔اس نے یہ اس لیے کیا ہے تا کہ تمہارے پاس ماہر کو بتانے کی وجہ نہ رہے۔"

وہ جیسے اس سے مایوس ہوا تھا۔

اور کشمالہ مبین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھری۔

"ایک ماں کو اس کے بچے سے الگ کرنا بہت بڑا گناہ ہے، عالیان۔جانتے ہو ماں کس تکلیف سے گزرتی ہے؟"

"اوہ پلیز.... تم مجھے کسی گلٹ ٹرپ پہ نہیں بھیج سکتیں۔"

"اور میں یہ گناہ نہیں کر سکتی۔"

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

"میں ایک ماں کو اس کے بیٹے سے جدا نہیں کر سکتی۔اسی لیے میں نے کل کبیرہ تائی کو کال کر کے بتا دیا کہ میں نے ان کے بیٹے کو ڈھونڈ لیا ہے۔"

وہ سانس تک نہ لے سکا۔

"پہلے تو انہوں نے یقین نہیں کیا۔مجھے جھوٹا اور پتہ نہیں کیا کیا کہا۔لیکن جب میں نے ان کو تمہارا اسکیچ دکھایا تو وہ پہچان گئیں۔اور وہ اتنی خوش ہوئیں کہ میری مامتا کو بھی سکون آ گیا۔گیس واٹ.... وہ پہلی فلائیٹ سے استنبول آ رہی ہیں۔"

خاموشی۔گہری خاموشی۔اور پھر...

"واٹ؟ "اسے اس کی دبی دبی غراہٹ سنائی دی۔

"تمہارے پاس میرا بیٹا ہے تو میرے پاس تمہاری ماں ہے، عالیان۔"

مسکرا کے فون نیچے کیا اور کال کاٹ دی۔

کرسی پہ ٹیک لگائے اس نے اسے دائیں بائیں گھمایا۔بہت دن بعد آج وہ ایسے کھل کے مسکرائی تھی۔

اور تب ہی میسیج ٹون بجی۔ماہر فرید۔بالآخر۔اس نے گہری سانس لے کر میسیج کھولا۔

وہ باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک خستہ حال اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی۔ پشت پہ کھڑکیاں تھیں جہاں تاروں پہ رنگ برنگے کپڑے لٹکتے دکھائی دے رہے تھے۔ بلڈنگ کے دامن میں کوڑے کے سیاہ بورے نما شاپر بھرے ہوئے رکھے تھے اور دو تین بلیاں ان کے گرد منڈلا رہی تھیں۔ ایک گاربیج ٹرک قریب میں رکا کھڑا باری باری کچرا دانوں کو اٹھا کے اندر انڈیل رہا تھا۔

ایک سفید ایس یو وی تیزی سے باہر پارک ہوتی دکھائی دی۔ نیلے کوٹ والی سوزین تیزی سے باہر نکلی، ریموٹ سے کار لاک کی اور بھاگتے ہوئے بلڈنگ میں داخل ہوئی۔ ٹھک ٹھک ٹھک۔ وہ عجلت میں زینے چڑھ رہی تھی۔

مطلوبہ فلور تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ پرس کھنگالنے لگی۔ ایک چابیوں کا گچھا باہر نکالا۔ تین زینے مزید عبور کیے.... اور پھر رک گئی۔

زینوں کے درمیان۔ ساکت۔ جامد۔

وہ بالائی زینے پر بیٹھا تھا۔ لمبا گرے کوٹ پہنے۔ فرصت سے۔ ایک بوٹ نچلے اور ایک بوٹ اس سے نچلے زینے پر جما تھا۔ کمر دیوار سے لگائے، انگلیوں میں سلگتا ہوا سگار تھا۔

"ماہر بے؟ آپ؟ "سوزین کی رنگت سفید ہونے لگی۔

"ہاں۔ میں۔ اوہ سوری۔ "اس نے سگار کا جلتا حصہ ننھی ڈبی میں جھٹکا۔ "تمہیں شاید گیس کمپنی نے کال کی تھی۔ گیس لیکیج کی بدبو آئی تھی انہیں۔ ڈونٹ وری۔ غلط فہمی ہوئی تھی ان کو۔"

سوزین کا چہرہ گلابی ہونے لگا۔

"آپ یہاں.... کیا کر رہے ہیں؟ "اس کی آواز حلق سے غراہٹ کی صورت نکلی۔

"رئیل اسٹیٹ۔ "سیڑھیوں پر بیٹھا آدمی مسکرایا۔

سوزی نے لب بھینچ لیے اور سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔

"تمہارے اندر بہت صبر ہے، سوزین۔ لیکن میرے بھائی کا وقت قیمتی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ہم کھل کے بات کر لیں۔" اس نے گردن موڑ کے پیچھے دکھائی دیتے اپارٹمنٹ کے دروازے کو دیکھا۔

"یہ تمہارا اصل اپارٹمنٹ ہے۔ کرایے کا اپارٹمنٹ، کیونکہ اس سے زیادہ تم افورڈ نہیں کر سکتی تھیں۔ تمہاری پریکٹس تمہارا لائف اسٹائل قائم رکھنے کے لیے ناکافی ہے۔ تمہارے باپ نے ساری عمر ایمانداری سے نوکری کی۔ اس

نے کچھ نہیں چھوڑا تمہارے لیے۔"

سوزی آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھتی خاموشی سے سنتی گئی۔

"لیکن مجھے یقین ہے کہ تم نے یہ اپارٹمنٹ بیربل کو نہیں دکھایا۔ بیربل کو تم ہمیشہ اپنی دوست کے اپارٹمنٹ لے کر جاتی ہو۔ وہی دوست جو کمیشن پہ ہائی اینڈ بیگز بیچتی ہے۔ اس اپارٹمنٹ میں تمہارے دو بیگز ہیں صرف۔ اصلی بیگز۔ لاکھوں کی مالیت کے بیگز۔ اسی لیے تم گیس لیکیج کا سن کے چلی آئیں۔ ان بیگز کے سوا تمہارے سارے بیگز اور جیولری رینٹ کی ہوتی ہے۔"

"آپ یہ ثابت نہیں کر سکتے۔"

"مجھے ثابت نہیں کرنا۔ نہ میں اس گفتگو کو ریکارڈ کر رہا ہوں۔ مجھے صرف تمہیں یہ بتانا تھا کہ میں تمہاری اصلیت جانتا ہوں۔ کیونکہ اب میں تمہارے ڈرامے سے تنگ آنے لگا تھا۔ اور جانتی ہو مجھے کیسے معلوم ہوا؟"

وہ اسی طرح دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہارے باپ کی وجہ سے۔ وہ مالک کا دوست تھا۔ اچھا آدمی تھا۔ وہ تمہارا یہ لائف اسٹائل افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ اس لائف اسٹائل سے تمہیں کسی مرد نے متعارف کروایا تھا۔ بعد میں اس مرد نے تمہیں چھوڑ دیا ہوگا۔ سو تمہیں پھر سے ایک مرد چاہیے تھا جس کی وجہ سے تمہارا لائف اسٹائل قائم رہ سکے۔"

سوزین نے پرس میں ہاتھ ڈالا۔ ایک چیونگم نکالی اور لبوں میں رکھی۔ پھر اسے چباتے ہوئے ماہر کی آنکھوں میں خاموشی سے دیکھے گئی۔

"انسان نہیں بدلتے۔ تم وہی سوزین ہو جس نے میرا کیس لڑا تھا۔ اور مجھے یاد ہے.... ہم کیس کے لیے کئی کئی گھنٹے کام کرتے تھے۔ لیٹ نائٹ میٹنگز۔ اگلی پیشی کی تیاری۔ میں کچھ بھی نہیں بھولا۔ تم مجھے بھی ہنٹس دیتی تھیں۔ اور میں نے بہت شائستگی سے معذرت کر لی تھی۔ کیونکہ میں وہ مرد نہیں بن سکتا تھا۔ سو تم کسی اور کی طرف چلی گئیں۔ اس وقت بیربل کے پاس اس کی دولت نہیں آئی تھی۔ تب وہ کسی کام کا نہیں تھا۔ اب ہے۔"

"سو واٹ اگر میں امیر نہیں ہوں؟ "وہ چیونگم چبانا روک کے مسکرائی۔"بیربل کو مجھ سے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔ اور میں نے پری نپ سائن کیا ہے۔"جیسے یاد دلایا۔

"اور اسی سے میں سمجھ گیا تھا کہ تم کیا چاہتی ہو۔ تمہیں طلاق لے کر دولت کے دو حصے نہیں کرنے۔ تمہیں اس شادی کے دوران ہی زیادہ سے زیادہ اثاثے اپنے نام کروانے ہیں۔ اگر پری نپ سائن نہ کیا ہوتا تو بیربل کو

چھوڑنے کے بعد تمہیں ہر اس چیز کے دو حصے کرنے ہوں گے جو وہ بے وقوف تمہارے نام لگاتا جائے گا۔"

" کون کس کے اثاثوں کے پیچھے ہے، یہ وقت بتائے گا۔ "وہ بہت تیزی سے سنبھل گئی تھی۔البتہ اس کا لہجہ بدل گیا تھا۔ " آپ کو اس کیس کی باتیں یاد ہیں تو مجھے بھی یاد ہے کہ کیسے آپ نے بیربل کے نام پر اپرٹی خریدی ہوئی ہے ٹیکس بچانے کے لیے۔خود اس کو بھی نہیں معلوم کہ اس کے نام کیا کیا ہے۔"

ماہر کی مسکراہٹ سمٹی۔سگار کا سرا زمین سے مسلا۔

"یقیناً شادی سے پہلے تم نے اس کی تمام پراپرٹی کی تفصیلات نکلوائی ہوں گی۔"

"A girl has to do her homework."اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"اور وہ میرا شوہر ہے۔آپ ہمیں الگ نہیں کر سکتے۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میرے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے۔اور جانتے ہیں وہ سب سے پہلے کیا کرے گا؟"

" کیا؟"

"اگلے ہفتے میری برتھ ڈے ہے۔اور اس نے مجھ سے کچھ دن پہلے پوچھا تھا کہ مجھے کیا چاہیے۔ "وہ اب ایک لٹ کو انگلی پر لپیٹ رہی تھی۔"اور میں نے اسے بتایا کہ مجھے نشانتشی میں ایک پریمیم لوکیشن پہ اپنا آفس بنانا ہے۔ میری اپنی لاء فرم۔"

ماہر نے تحسین سے ابرو اٹھائے۔"ویل ڈن۔اسی لیے اسے بیکری کے اسٹاف کو فارغ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ نہیں ہوئی۔"

سوزی نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔وہ دونوں ابھی تک زینوں کے درمیان کھڑے تھے۔

"اس میں غلط کیا ہے، ماہر بھائی؟ وہ اپنی بیکری مجھے گفٹ کر رہا ہے اور میں اس میں اپنی لاء فرم بنانے جا رہی ہوں۔اب صرف انٹیریئر کے لیے مجھے ایک اچھا سا نقشہ چاہیے۔آپ کی فرم کا کوئی آرکیٹیکٹ ہیلپ کر دے گا نا؟ فیملی ڈسکاؤنٹ؟"دو دفعہ پلکیں جھپکائیں۔

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔اس کی ٹون، اس کے کھڑے ہونے کا انداز سب بدل گیا تھا۔یہ وہی عورت تھی جو اس کی وکیل تھی اور جس کی شخصیت کو وہ بہت اچھے سے سمجھ چکا تھا۔

"تم نے کبھی inattentional blindness کے بارے میں سنا ہے؟"

" آپ بتا دیں۔"

"جب انسان دور کی چیزوں پہ اتنا فوکس کرے کہ سامنے کی شے دکھائی نہ دے۔ "وہ سگار قریب رکھے ٹریش کین میں اچھالتا اٹھ کھڑا ہوا۔کوٹ جھاڑا۔

"میں جانتا تھا شادی سے پہلے تم نے بیربل کے نام موجود تمام اثاثوں کی لسٹ نکلوائی ہوگی۔ساری کیلکولیشن کر کے شادی کی ہوگی۔لیکن تمہاری inattentional blindness(عدم توجہی کے باعث اندھے پن) نے تمہیں ایک چیز کے بارے میں کبھی سوچنے ہی نہیں دیا۔"

زینے اتر کے وہ اس سے ایک زینہ نیچے جا رکا۔اب وہ دونوں برابر کھڑے تھے۔

" کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟"

" بیکری بیربل کی نہیں ہے۔"

سوزین کے ابرو ناسمجھی سے اکٹھے ہوئے۔

" کیا مطلب؟ وہ اس کی بیکری..."

" بیکری میرے نام پہ تھی کیونکہ وہ بیربل نے اس وقت بنائی تھی جب اس کو اس کے حصے کی جائیداد نہیں ملی تھی۔اس میں ابتدائی انویسٹمنٹ میں نے کی تھی اور اسے اپنے نام پہ رکھا تھا۔اس کا خسارہ بھی کئی دفعہ میں نے پورا کیا تھا۔"

سوزی پلک تک نہ جھپک سکی۔

"تم نے ہر چیز چیک کر لی سوائے بیکری کے۔کیونکہ اس کا نام "بیربل کی بیکری " ہے۔تمہیں لگا وہ قانونی طور پہ بھی اسی کے نام ہوگی۔"

سوزی نے تھوک نگلا۔جبراً مسکرائی۔

"پھر کیا ہوا؟ آپ بیربل کے سامنے برے نہیں بننا چاہیں گے۔آپ کے ایک دستخط سے وہ اس کی ہو جائے گی۔"

"اچھا؟"

"ہاں نا۔وہ آپ کے سامنے کاغذات رکھے گا اور اگر آپ نے سائن نہ کیے تو اس سے کیا ثابت ہوگا؟ یہی کہ بیربل کی دولت کا لالچ آپ کو ہے۔"

"میں نے بیکری بیچ دی ہے۔"

سوزین کا منہ کھل گیا۔شاک۔صدمہ۔

" کیا مطلب؟ "اس کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

لیکن وہ زینے اترتا نیچے جا رہا تھا۔

"وہ....وہ اتنی پریمیئم لوکیشن پہ تھی۔آپ اسے ایسے کیسے بیچ سکتے ہیں؟ "وہ تیورا کے گھومی۔

"بیچ دی۔بات ختم۔خلاص۔ "اس نے مکھی اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلایا اور زینے اترتا گیا۔

وہ بے جان سی اسی زینے پہ بیٹھتی گئی۔آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں۔سر بار بار نفی میں ہلا رہی تھی۔

وہ اپنی سیاہ کار کا ڈرائیونگ ڈور کھول رہا تھا جب احساس ہوا کہ پیچھے کوئی ہے۔ایک دم سے وہ گھوما۔

بلڈنگ کے ٹریش کین کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگائے زیاد سلطان کھڑا تھا۔جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، سر پر پی کیپ پہنے، بڑھی شیو کے ساتھ وہ مختلف لگ رہا تھا۔

"فائنلی۔ "وہ ہلکا سا مسکرایا۔

"مجھ سے بھی معافی مانگنے آئے ہو؟ "طنزیہ اونچا سا پکارا۔

زیاد قدم قدم چلتا اس کے عین سامنے آ رکا۔پھر مسکرا دیا۔وہ اس مسکراہٹ کو پہچانتا تھا۔

"وعدہ یاد کروانے آیا ہوں، ماہر بے۔ "ایک ایک لفظ پہ زور دیا۔وہ ان آنکھوں کی چمک بھی پہچانتا تھا۔

" کون سا وعدہ؟ "وہ ادھ کھلے کار ڈور پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔

"برسوں پہلے اس کاٹیج کے کنارے میں نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا۔کہ تمہاری زندگی میرے ہی ہاتھوں ختم ہوگی۔یاد رکھنا۔ "اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹ گیا۔

" تمہیں میرے سارے ایڈریسز معلوم ہیں، زیاد۔میں یہیں ہوں۔جو کرنا ہے کر لو۔ "اس نے پیچھے سے پکارا تھا۔زیاد رکا نہیں۔تیز تیز قدم چلتا آگے بڑھ گیا۔

وہ زخمی سا مسکرا دیا۔

" کہا تھا نا، مالا۔ماہر فرید لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔ "

اب اسے مالا کو میسیج کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ نیچے لابی میں آئی اور دائیں بائیں دیکھا۔ ماہر وہاں نہیں تھا۔ مگر وہ اسے جلد ہی دکھائی دیا۔ شیشے کی دیوار کے پار اس کی سیاہ کار پارکڈ تھی اور وہ اس سے ٹیک لگائے کھڑا آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ سرمئی کوٹ کی جیبوں میں تھے اور آج شیو قدرے بڑھے ہوئے تھی۔

"ماہر؟ "وہ کوٹ پہنتے ہوئے باہر نکلی۔ بال پیچھے سے کوٹ کے اندر چھپ گئے۔

ماہر نے چونک کے اس کی طرف دیکھا۔ پھر مسکرایا۔ اسے ہاتھ سے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

" کیا ہوا؟ "وہ مفلر کو گردن کے گرد لپیٹ رہی تھی۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی اور دوپہر کے باوجود شام کا گمان ہوتا تھا۔ اوپر سے سردی۔

" آج میں ایک دن میں دو دفعہ درست ثابت ہوا ہوں۔"

"اور یقیناً اس وقت تمہاری ego آسمان کو چھو رہی ہوگی۔"

وہ ہنس دیا۔ پھر سر جھٹکا۔ "نیور مائنڈ۔"

"مجھے باہر کیوں بلایا؟ میں اندر اتنی اچھی گوسپ انجوائے کر رہی تھی۔"

"ہوں... معلوم ہو گیا ان سب کو؟ "افسوس بھری نگاہ کیف کی عمارت پہ ڈالی۔

" کیا تم بھی سارے عملے کو اب معطل کر دو گے؟"

اس نے ہنس کے سر جھٹکا۔ "مجھے فرق نہیں پڑتا۔ خیر... میں نے تمہارے پانچ سو پینتیس لیرا دینے تھے۔"

"اُف، ماہر۔ بہت ہو گیا۔ اب بس... "

وہ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ کار کا دروازہ کھولے ڈیش بورڈ سے کچھ نکال رہا تھا۔

ایک ربن میں لپٹی فائل۔

"یہ کیا ہے؟ "اس نے اچھنبے سے فائل پکڑی۔

"میں نے پانچ سو پینتیس لیرا کے بدلے... تمہیں بیکری بیچ دی ہے۔"

مالا نے کرنٹ کھا کے اسے دیکھا۔ آنکھیں بے یقینی سے کھلی رہ گئیں۔

" کیا؟"

"میرے ایک دستخط نے تم سے تمہاری بیکری کا خواب چھین لیا تھا۔ میں تمہیں وہ واپس کر رہا ہوں۔"

وہ سنجیدہ تھا۔

وہ یخ ہوتے ہاتھوں میں فائل پکڑے ششدر سی کھڑی تھی۔

اس فائل کا رنگ جامنی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(جاری ہے)

(''مالا'' کی second last قسط آپ اگلے ماہ پڑھ سکیں گے۔انشاءاللہ!)

مالا

حصہ چہارم: "استنبول"

باب20

کہتے ہیں کہ

انسان کو

خوش رہنے کے لیے

چاہیے ہوتی ہیں

صرف تین چیزیں۔

کوئی انسان محبت کے لیے...

کوئی کام کرنے کے لیے...

اور کوئی شے امید دلائے رکھنے کے لیے...

(Tom Bodett)

سرمئی بادل چاروں اطراف سے تیرتے ہوئے آسمان پہ جمع ہو رہے تھے۔ عین اس کے سر کے اوپر۔ وہ گردن اونچی اٹھائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ طویل سیڑھیوں کے وسط میں بیٹھی۔ گھٹنے ملائے۔ ان پہ جامنی فائل رکھے۔ مالا کی پشت پہ زینے اونچے ہو کے مڑ جاتے تھے۔ ہر زینہ مختلف رنگ کا تھا۔ سرخ، زرد، فیروزی، نیلا۔

یہ بلت کی مشہور رنگ برنگی سیڑھیاں تھیں۔ دو پتھریلی دیواروں کے درمیان بنی سیڑھیاں۔ اوپر تار سے رنگین لالٹین لٹک رہے تھے۔ یہاں عموماً سیاحوں کا رش ہوتا تھا۔ آج بھی اوپر نیچے دائیں بائیں لوگ ان پہ پوز کر کے تصاویر بنوا رہے تھے۔ البتہ بادلوں کے اکٹھے ہوتے ہی رش ماند پڑنے لگا۔

ماہر کے دن کی طویل داستان سننے کے لیے انہیں یہاں آنا پڑا تھا۔ وہ واپس آفس نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ آج کے دن کیف میں گوسپ اور افواہیں عروج پہ تھیں۔ اس وقت وہ کافی لینے قریبی کیفے کی طرف گیا تھا اور وہ زینوں کے رنگ دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ نہ جانے ان پر کتنے لوگوں کی تکلیفوں کا رنگ تھا۔ بلت کی رنگ برنگی عمارتوں کے درمیان واپس آ کے مالا کو شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اس جگہ کو بہت مس کیا تھا۔ مانا کے ماہر بے کی اپارٹمنٹ بلڈنگ میں دنیا کی ہر سہولت میسر تھی اور وہ شہر کا ایک بہت پوش علاقہ تھا جہاں امرا، رؤسا اور سفارتی اہلکار بستے تھے۔ لیکن بلت کی پتھریلی گلیوں، رنگین عمارتوں اور پر رونق کیفے زمیں عام زندگی کی خوشبو قہوے اور قہقہوں کے درمیان سے کہیں اٹھتی تھی اور اس خوشبو جیسا کچھ نہ تھا۔

"تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں یہ فائل رکھ لوں گی؟"

وہ نیچے گلی کی سمت سے آتا دکھائی دیا، یوں کہ ہاتھ میں دو پیپر کپ تھے تو مالا کی خفگی واپس آ گئی۔

"تم نے سنا نہیں جو میں نے بتایا؟ کہ سوزی بیکری کے ساتھ کیا کرنے جا رہی تھی؟"

ایک گرم کپ مالا کو تھمایا اور دوسرا لیے مالا کے زینے پر دوسری طرف آ بیٹھا۔ وہ دونوں ایک ہی زینے پر مخالف دیواروں سے ٹیک لگائے یوں بیٹھے تھے کہ درمیان میں سات آٹھ فٹ کا رنگین فاصلہ تھا۔

"سوزین کچھ غلط کرنے جا رہی تھی۔ مگر تم نے بھی ٹھیک نہیں کیا۔ تم اپنے بھائی کو کھو دو گے، ماہر۔"

"میں اسے پہلے ہی کھو چکا ہوں۔ وہ بچا رہا ہوں جو بچا سکتا ہوں۔"

اوپر سے دو چینی خدوخال کے سیاح تیز قدموں سے اترتے نیچے آئے اور ان کے درمیانی خلا کو کاٹتے ہوئے گزر گئے۔

"تم کسی دوسرے طریقے سے بھی بیکری کو بچا سکتے تھے۔ وہ تمہارے نام تھی۔ مجھے درمیان میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اب بیربل میرے بارے میں کیا سوچے گا؟"

مالا اپنی آواز سے جھلکتی پریشانی چھپا نہیں سکی۔

"ہر بات میں میرا کوئی چھپا ہوا ایجنڈا نہیں ہوتا، مالا۔ میں تمہیں واقعی یہ بیکری دینا چاہتا تھا۔ یہ تمہارا خواب تھا اور میری وجہ سے..."

"تمہاری وجہ سے میری بیکری کا خواب چکنا چور ہوا وغیرہ وغیرہ والی جسٹی فکیشن مجھے مت دو۔ تمہیں معلوم ہے میں یہ بات نہیں مانوں گی۔" پھر گرم کپ ہونٹوں سے لگایا۔ تازہ کافی۔ چینی اور دودھ کا مناسب توازن۔ بلت کی رنگین خوشبو اور بارش سے پہلے کا موسم۔ اس کی خفگی جیسے خود بخود ہلکی ہونے لگی۔

"اگر تم یہ رکھ لو گی تو مجھے خوشی ہو گی۔" ماہر نے کہنے کے بعد گھونٹ بھرا۔ مسکراہٹ سمٹی۔ ماتھے پر لکیریں اُبھریں۔

"اب یہ مت کہنا کہ تمہیں کافی پسند نہیں آئی۔" اس نے پہلے ہی ٹوک دیا۔ ایک تو اس کے coffee snobs والے تاثرات وہ الفاظ میں ڈھلنے سے پہلے ہی پہچان جاتی تھی۔

ماہر فرید اس وقت کشمالہ کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے اس نے بدقت اس کافی کی شان میں بہت کچھ کہنے سے خود کو روکا۔ بینز اچھی کوالٹی کے نہیں تھے نہ ہی ان کا روسٹ اس کے معیار کے مطابق تھا۔ وہ متوقع بارش کے باعث زیادہ دور نہیں جانا چاہتا تھا اسی لیے اس کیفے پہ سمجھوتا کر لیا۔ لیکن آئندہ وہ یہاں سے کافی نہیں لے گا۔ اس نے ذہن میں اس کیفے کو ان تمام کیفے ز کی لسٹ میں ڈال دیا جنہیں وہ کینسل کرتا آیا تھا۔

"تم نے بیربل کو بتایا ہے اس بارے میں؟"

"ابھی نہیں۔" وہ گردن اٹھائے لالٹین دیکھ رہا تھا جو ہوا سے جھولنے لگے تھے۔ ماہر نے سرمئی کوٹ کے کالر کھڑے کر لیے۔ وہ زیادہ دیر یہاں نہیں بیٹھ سکیں گے، وہ جانتا تھا۔

"وہ مجھے ایک ولن سمجھے گا۔ میں نے پہلے اس کے اپارٹمنٹ پہ قبضہ کیا پھر اس کی بیکری پہ۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کیا سمجھتا ہے؟"

"تم سوزی کے بغض میں بھول رہے ہو کہ وہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے جو اس عمل سے ہرٹ ہو گا۔"

"اب تو ہو گیا جو ہونا تھا۔" اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ مالا آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے چند لمحے اسے دیکھے گئی۔

"یعنی تم سوزین کے ارادے کو ناکام کرنے کے لیے مجھے استعمال کر ہی ہو چکے ہو تو اب ہر جگہ یہی کہو گے کہ بیکری تو میں نے مالا کو دے دی ہے۔"

"بالکل۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرایا۔ کپ اب زینے پر رکھ دیا تھا۔

"اوکے۔" وہ کچھ دیر بعد سوچ کے بولی تھی۔

"اوکے کیا؟"

"میں بیکری کو رکھنے پہ تیار ہوں۔"

اب کے ماہر نے غور سے اسے دیکھا۔

"واقعی؟"

"اگر میں نے نہ رکھی تو تم کسی اور کو بیچ دو گے۔ بیربل کے سامنے بری میں بن چکی ہوں۔ اس لیے ٹھیک ہے۔ میں جب تک یہاں ہوں، اس بیکری کا خیال رکھوں گی جیسے اسے اون کرتی ہوں۔"

کچھ تھا جو ماہر کے دل میں چبھ گیا۔

"جب تک تم یہاں ہو؟"

"ہاں۔ ہماری ڈیل ہوئی تھی نا۔ دو ماہ کی۔" مالا نے کلائی پہ بندھی اسمارٹ واچ دیکھی۔ "اور دو ماہ مکمل ہونے میں چند دن ہی رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" وہ رکی اور اضافہ کیا۔ "بدر کو لے کر۔" جیسے وہ ماہر سے زیادہ خود کو یقین دلا رہی تھی کہ تب تک اسے بدر مل جائے گا۔

آسمان پہ بادل زور سے گرجے لیکن ماہر نے گردن نہیں اٹھائی۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ حقیقت اسے اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی۔

"تم... کیا واقعی چلی جاؤ گی؟"

"ظاہر ہے، ماہر۔ یہی طے ہوا تھا۔ میں جانے سے پہلے بیکری تمہیں واپس کر دوں گی۔ یہ فائل تم رکھ لو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" مالا نے کھڑے ہوتے ہوئے فائل اس کی جانب بڑھائی۔ وہ اپنا کپ اٹھائے دھیرے سے اٹھا اور دوسرے ہاتھ سے فائل تھام لی۔ ایک دم سے بلت کی سیڑھیاں، اور وہ تمام عمارتیں بے رنگ ہو گئی تھیں۔ سیاہ سفید۔ سرمئی۔ پھیکی۔ اس کے اپارٹمنٹ کے جیسی۔ مالا کے پودوں کے آنے سے پہلے والی کیف کی عمارت کے جیسی۔

یہ طے تھا کہ وہ چلی جائے گی۔ اور یہ بھی طے تھا کہ وہ اپنی زندگی مزید پیچیدہ بنا دے گا۔ جب سب طے تھا تو حیرت کس بات کی؟ ملال کیسا؟

"تمہیں یاد ہے نا، تم نے قرمزی عمارت کے لیے آرٹ ورک بنانا تھا۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ زینے اتر رہے تھے۔ اور وہ ہر اس وجہ کو یاد کر رہا تھا جس سے وہ اسے اس شہر میں روک سکے۔

"میں اس پہ کام کر رہی ہوں۔"

"مجھے دکھائی نہیں دے رہا۔"

"آرٹسٹ اگر خاموشی سے بیٹھا ہو، تب بھی وہ کام کر رہا ہوتا ہے۔"

"یہ رائٹرز کے بارے میں کہتے ہیں۔"

وہ بے ساختہ ہنس دی۔ ماہر نے گلی میں قدم رکھتے ہی ٹریش کین میں اپنا بھرا ہوا کپ خاموشی سے گرا دیا۔ ٹریش کین کے دہانے پر دو بلّیاں ڈھٹائی سے کھڑی تھیں۔ انہیں دیکھ کر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلیں۔

رائٹر سے یاد آیا، زیاد ملا تھا آج مجھے۔"

کشمالہ چونک کے اس کی طرف گھومی۔

"زیاد؟ کیوں؟ کہاں؟"

خطرے کی گھنٹی دور کہیں بجنے لگی تھی۔

"وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔ ایک جگہ بالآخر سامنے آیا اور اس نے مجھے وہ دھمکی یاد کروائی جو اس نے کئی سال پہلے مجھے دی تھی۔ مجھے قتل کرنے کی دھمکی۔" وہ زخمی سا مسکرایا تھا۔ اس مسکراہٹ میں بے پروائی بھی تھی۔

"مگر... وہ اس دن مجھے ملا تھا۔ اور... اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ بدل گیا ہے۔"

"زیاد نہیں بدلے گا، مالا۔"

کشمالہ نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"وہ رو رہا تھا۔ مجھے لگا وہ واقعی... شاید... کوئی ایک امید..." اس نے سر جھٹکا۔

"کیا تمہیں یقین نہیں آیا؟"

ماہر نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ آف کورس مجھے... مجھے تمہارا یقین ہے۔ میں بس حیران ہوں۔"

"کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ تم زیاد کو جاننے کے باوجود اس کے evil پن کی انتہا پہ یقین نہیں کرتیں۔ تمہیں لگتا ہے وہ ایک حد سے آگے نہیں بڑھے گا۔ لیکن یاد رکھنا، وہ ہمیشہ تمہیں غلط ثابت کرے گا۔"

"فی الحال تو تم غلط ثابت ہوئے ہو۔ عالیان کے معاملے میں۔ پہلے تم اس کی موجودگی سے انکاری تھے۔ اور اب بھی تم اس پہ فوکس نہیں کر رہے۔" ماہر کی بات اسے زور سے لگی تھی۔ زیاد کی حد کیا ہو سکتی تھی، مالک فرید اسے باور کروا چکے تھے۔ اسی لیے ضوع بدل دیا۔

"تم نے عالیان کی ماں کو اس کے بارے میں کیوں بتایا؟"

وہ دونوں گلی میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اور اوپر بادلوں کا رنگ گہرا ہو رہا تھا۔

"وہ مسلسل مجھے ستا رہا تھا۔ میں نے سوچا کیوں نا اسے ستایا جائے۔ defensive کی بجائے offensive ہو کے کھیلا جائے۔"

"اور وہ تمہیں کس طرح ستا رہا تھا؟"

"میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ وہ میرا راز نہیں تھا نہ میں اسے بنا تصدیق کے کسی کو بتا سکتی ہوں۔ وہ مالک صاحب کی بات تھی، ان کو بتا دی۔ قصہ ختم۔" پھر رک کے غور سے ماہر کو دیکھا۔

"اور تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم مالک صاحب سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھو گے۔"

ماہر فرید نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ جامنی فائل ایک ہاتھ میں تھی۔

"وعدہ! میں مالک سے اس بارے میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔ خوش؟"

مالا نے اطمینان سے سر کو جنبش دی اور قدم آگے بڑھا دیے۔

"تمہیں سوزین کو کنفرنٹ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ ابھی تک جیسے بیکری والے معاملے پہ ناخوش تھی۔

"وہ بہت وقت لگا رہی تھی۔ میری خوشامدوں میں، میرے ساتھ اچھا تعلق استوار کرنے میں۔ میں چاہتا تھا حالات فاسٹ فارورڈ ہو جائیں۔ وہ جلدی خود کو ایکسپوز کر دے۔"

"تمہارے اس عمل سے بیر بل تم سے مزید بد دل ہو گا۔"

"میرے اس عمل سے سوزین خود کو ایکسپوز کرے گی۔"

وہ دونوں گول پتھروں والی گلی میں آگے بڑھتے جا رہے تھے اور ماہر کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

(نیلے کوٹ میں ملبوس سوزین تیز تیز قدموں سے اپارٹمنٹ بلڈنگ کی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں میں پانی۔)

"لوگ شادی کے بعد نہیں بدلتے۔ جو وہ ہوتے ہیں، مزید وہی بنتے جاتے ہیں۔ اس نے بیر بل سے شادی صرف اس کی دولت کے لیے کی ہے۔ اسے وہ ساری دولت چاہیے۔ کمپنی میں حصہ بھی۔ بیکری بھی۔"

(سوزی نے ڈرائیو کرتے ہوئے چہرہ دائیں جانب موڑا۔ سڑک کنارے بیکری کی عمارت دکھائی دی۔ بلائنڈز بند تھے اور دروازے پہ کلوزڈ کا سائن لگا تھا۔ آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں اور پیشانی کی رگیں تن گئیں۔)

"جس چیز کو ہم اپنی طاقت بناتے ہیں، اسی کے چاہنے والے ہماری طرف کھنچ کے آتے ہیں۔ بیر بل نے اپنی شخصیت کو ہمیشہ پیسے سے سجایا ہے۔ اس کی طرف جو بھی کھنچے گا، وہ امارت کا چاہنے والا ہو گا۔ اور میں سوزی کو جانتا ہوں۔ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو بیر بل کی کسی دوسری خوبی کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوئی ہو۔"

(سوزین دھاڑ سے دروازہ کھول کے بیڈ روم میں داخل ہوئی۔ بیر بل بیڈ کے ایک کنارے لیٹا موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ چونک کے اسے دیکھا جس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔)

"چونکہ وہ دولت کے لئے آئی ہے، اس لیے وہ جلدی جلدی نقب لگانے کی کوشش کرے گی۔ میرے اس عمل نے چیزوں کو صرف فاسٹ فارورڈ کیا ہے تاکہ ان کا ہنی مون فیز ختم ہو اور حقیقت سامنے آئے۔"

(بیر بل بیڈ کے کنارے بیٹھا تھا اور سوزین ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑی کانوں سے نوچ کے ائیر رنگز اتار رہی تھی۔ ساتھ ہی ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ تیز تیز کچھ کہہ رہی تھی۔)

"اس کا پہلا قدم تھا مجھے شیشے میں اتارنا تاکہ بیر بل اس سے خوش ہو جائے۔ لیکن وہ یہ نہیں کر سکی۔ اب وہ اپنا پینترا بدلے گی اور بیر بل کو میرے خلاف کرے گی۔ میں نے صرف اسے اپنے خلاف بولنے کی وجہ تھمائی ہے۔"

(وہ اب اسٹول پر بیٹھی بیر بل کی طرف رخ کیے بھیگے سرخ چہرے کے ساتھ اونچی آواز میں بول رہی تھی۔ سنگھار میز کے آئینے میں بیر بل کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔)

"ٹاکسک عورتیں وہ ہوتی ہیں جو اپنے پارٹنر کے سامنے اس کے قریبی چاہنے والوں کے خلاف باتیں کرتی ہیں۔ اور کمزور مرد وہ ہوتے ہیں جو ان باتوں کو چپ چاپ سنتے ہیں۔ اب یہ بیر بل کا امتحان ہے۔ اسی لیے میں نے تمہیں کہا نا، میں اسے پہلے ہی کھو چکا ہوں۔ جو بچا سکتا تھا، وہ بچا رہا ہوں۔"

(بیر بل خاموشی سے سنتا، ایک ہاتھ سے کنپٹی سہلا رہا تھا۔ وہ بولتی جا رہی تھی اور اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری میں مقدس خاموشی پھیلی تھی۔ میزوں پر جگہ جگہ سبز روشنی والے لیمپس جلے تھے۔ چند نوجوان کتابیں کھولے ان میں غرق دکھائی دیتے تھے۔ جیسے کوئی گروپ اسٹڈی چل رہی ہو۔

ایسے میں عالیان اپنی مخصوص میز پہ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا اسکرین کو بیزاری سے اوپر اسکرول کر رہا تھا۔ ہڈی کی ٹوپی سر پہ ڈال رکھی تھی جس سے سنہرے بال جھلکتے تھے اور ماتھے پہ اکتاہٹ بھرے بل تھے۔

دفعتاً وہ چونکا۔ اسکرین پہ نیا پیغام ابھرا تھا۔

عالیان نے رک کے پڑھا۔ پھر کنپٹی کی رگیں تن گئیں۔

"مجھے کشمالہ نے بتایا ہے کہ تم میرے بیٹے ہو۔ کیا یہ درست ہے؟ میں استنبول میں ہوں اور تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ پلیز مجھے جواب دو۔"

کبیرہ سادان کا میسج اسکرین پہ چمک رہا تھا۔ اس نے ضبط سے مٹھی بھینچ لی۔ چند گہرے سانس لے کے خود کو جیسے ٹھنڈا کیا، پھر موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملا کے کان سے لگایا۔ نگاہیں ایک پل کے لیے بھی اسکرین سے نہیں ہٹی تھیں۔

"ہیلو؟"

"کیا کہا ہے تم نے کبیرہ سے میرے بارے میں؟" وہ دبا دبا سا غرایا۔

"یہی کہ تم ان کے بیٹے ہو، ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ تم سرکار کے نام سے اس فیلڈ میں بہت مشہور ہو۔ کیا انہوں نے تمہیں تلاش کر لیا؟" وہ خوشگوار حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ "ارے ہاں! میں تو بھول ہی گئی۔ وہ بھی تو اس انڈسٹری کی بہت پرانی کلائنٹ ہیں۔ دنیا کتنی چھوٹی ہے، مائی ڈیئر کزن۔" وہ جیسے محظوظ ہو رہی تھی۔

چند لمحے لائن پہ صرف عالیان کے سانس لینے کی آواز سنائی دیتی رہی۔

"وہ میری ماں نہیں ہے۔ میری ماں نگینہ تھی جو مر چکی ہے۔"

"نگینہ تمہاری ماں نہیں تھی۔ وہ ماؤں سے ان کے بچے چھیننے والی عورت تھی۔" مالا ٹھہری۔ "ویسے کیا کرتی تھی وہ ان بچوں کا؟ مجھے آج تک اس بات کا جواب نہیں ملا۔"

"تم مجھ سے سوال پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں ہو، مالا۔" عالیان کی ٹون بدل گئی۔ "اس عورت کو بتاؤ کہ تم نے اس سے جھوٹ بولا ہے اور اس کو میرے پیچھے سے ہٹاؤ۔ ورنہ..."

"ورنہ کیا؟ میرے بیٹے کو مار دو گے؟ جس کو کئی ماہ سے سنبھال کے بیٹھے ہو؟"

عالیان چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر جب بولا تو اس کی آواز قدرے پر سکون تھی۔

"صرف تمہارا بیٹا تمہاری کمزوری نہیں ہے۔ اگر تم کبیرہ کو فون کر سکتی ہو تو میں بھی پاکستان بہت سے لوگوں کو کال گھما سکتا ہوں۔ تمہارے رشتے دار اور خاندان والے پہلے ہی تمہارے اوپر انگلیاں اٹھاتے ہیں کیونکہ تم ایک مغربی ملک میں اکیلی رہتی ہو۔"

کشمالہ اپارٹمنٹ کے اوپن کچن میں فریج کے سامنے کھڑی کچھ نکال رہی تھی۔ فون کان سے لگا رکھا تھا۔ عالیان کے ان الفاظ پہ وہ بالکل منجمند ہو گئی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی گھر آئی تھی۔ ماہر اسے ڈراپ کر کے اپنے اپارٹمنٹ میں چلا گیا تھا۔

"سوچو... اگر میں تمہارے خاندان میں یہ مشہور کر دوں کہ تم ماہر کے اپارٹمنٹ میں رہ رہی ہو، تو تمہاری ریپوٹیشن کو کتنا نقصان پہنچے گا۔" وہ شاید مسکرا رہا تھا۔

مالا نے زور سے جمے ہوئے مٹروں کا پیکٹ کاؤنٹر ٹاپ پہ رکھا۔

"اور کوئی تمہاری بات پہ کیوں یقین کرے گا، عالیان؟"

"صرف بات؟ اونہوں۔ میں ثبوت بھیجوں گا نا۔ تمہاری اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں جاتے ہوئے کوئی تصویر... ماہر کے ساتھ کسی ریستوران میں تمہاری تصویر.... سوچو میں اگر یہ سوشل میڈیا پہ ڈال دوں.... تھوڑی بہت مشہور تو تم ہو... ایک آدھ اسکینڈل تو بن ہی جائے گا جب دنیا کو معلوم ہو گا کہ تم اور ماہر ایک چھت تلے رہتے ہو۔ چچ چچ... کیا سوچیں گے وہ تمہارے بارے میں۔"

کشمالہ کا ہاتھ جمے ہوئے پیکٹ پہ تھا۔ وہیں ٹھہر گیا۔ وہ چونکی تھی۔

"تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو، عالیان؟"

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ میں اس کے ساتھ ایک چھت تلے رہتی ہوں۔ یہ جان کے تم نے میرے بارے میں کیا سوچا تھا؟"

وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا جیسے یہ سوال غیر متوقع تھا۔ پھر کندھے اچکا دیے۔

"تم نے مجھے مایوس کیا ہے، مالا۔ اتنا عرصہ ماہر فرید سے دشمنی نبھائی اور پھر اس کے ساتھ اسی کے گھر میں رہنا قبول کر لیا۔ خیر... میرا پروول تمہیں نہیں چاہیے۔ لیکن تمہارے خاندان والے.... چارسدہ کے گاؤں والے..... سب کیا کہیں گے؟"

وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"خاندان والے کبیرہ بیگم کے کھوئے ہوئے بیٹے کے ملنے کی خبر پہ زیادہ فوکس کریں گے۔ اس لئے جو کہنا ہے کہہ دو۔ مالا کسی سے نہیں ڈرتی۔" اس نے کال کاٹ کے موبائل نیچے کیا اور مسکرا کے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں۔

وہ ماہر کے اپارٹمنٹ میں اس کے ساتھ ایک چھت تلے نہیں رہتی تھی۔

وہ ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔

دونوں کی چھت مختلف تھی لیکن عالیان کو یہ بات معلوم نہیں تھی۔

اس کا مطلب تھا کہ عالیان کے جاسوسی نیٹ ورک میں بھی جھول تھا۔ اس کے جنات یا اس کے انسان... وہ سب کچھ نہیں جانتے تھے۔ کوئی کتنا بڑا سرکار ہی کیوں نہ بن جائے، وہ سب کچھ نہیں جان سکتا تھا۔ اور بالآخر کشمالہ مبین کے ہاتھوں میں اس کی کمزوری آ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا کی عالیان سے گفتگو سے پہلے ماہر نے اسے اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے اتارا تھا۔ وہ اتر کے اوپر چلی گئی اور وہ کار میں بیٹھا کچھ دیر چند ضروری کالز کرتا رہا۔ پھر فرنٹ سیٹ پر رکھی جامنی فائل اٹھائی اور خود بھی اندر چلا آیا۔

مطلوبہ فلور کی راہداری زرد لیمپس سے نیم روشن تھی اور ماہر کے اپارٹمنٹ کے سامنے گارڈ مستعد کھڑا تھا۔ وہ فون کان سے لگائے، دوسرے ہاتھ میں فائل تھامے لفٹ سے باہر نکلا اور اپارٹمنٹ کی جانب آیا۔

"وہ آج مجھے ملا ہے۔ زیادہ سلطان۔ دھمکی دے رہا تھا۔"

"میں پولیس کی ایک کار کو تمہارے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا کر دیتا ہوں۔ وہ کچھ نہیں کرے گا۔" چنگیز حسب توقع اس سے زیادہ پریشان ہو گیا تھا۔

"یہ ٹھیک ہے۔ میرے گارڈز بھی موجود ہیں۔" اس نے گارڈ کو سر کے خم سے سلام کیا، اور دروازے کے کی پیڈ پہ کوڈ پنچ کرنے لگا۔ بپ بپ سنائی دی۔ اور پھر دروازہ کھلنے کی کلک۔

"مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ ہلال کی ہے... اور مالا کی۔" ایک نظر ساتھ والے اپارٹمنٹ کے بند دروازے پہ ڈالی۔ "کیا تم یہ چیک کر سکتے ہو کہ زیاد واقعی اس ملک میں کسی سرکاری اسائمنٹ پہ آیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کے ہینڈلر سے بات کی جا سکتی ہے۔ صرف وہی اس کو باز رکھ سکتے ہیں۔"

"یہ چیک کرنا مشکل ہو گا، ناممکن نہیں۔ میں دیکھتا ہوں۔" رابطہ منقطع ہوا تو ماہر اندر داخل ہوا۔ جوتے اتارے۔ اپارٹمنٹ میں سناٹا تھا۔ البتہ وہ جانتا تھا آگے کس قسم کا منظر اس کا منتظر ہو گا۔

سرمئی کوٹ اتار کے تہہ کر کے بازو پر ڈالا، ایسے کہ جامنی فائل اس کے اندر چھپ گئی۔ پھر آگے آیا۔

لاؤنج کی ساری بتیاں روشن تھیں اور سیاہ صوفوں پر بیربل اور سوزین بیٹھے اسے آتے دیکھ رہے ہیں۔

سوزین کا چہرہ اب سرخ نہیں تھا بلکہ وہ چبھتی نظروں سے اس کے استقبال میں بیٹھی تھی۔ بیربل کے ساتھ۔

بیربل کا چہرہ سوزی سے مختلف تھا۔ اس کی نگاہیں ماہر سے ملیں تو وہ دیکھ سکتا تھا کہ ان میں کچھ ٹوٹا ہوا تھا۔

"کیا تم لوگ ڈنر کے لیے میرا انتظار کر رہے ہو؟ میں کھانا کھا کے آیا ہوں۔"

وہ کمرے کی طرف جانے لگا جب...

"آپ ہم سے بات کیے بغیر نہیں جائیں گے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ ٹھہر گیا۔

سینے پر بازو لپیٹے وہ آنکھیں چھوٹی کیے اسے گھور رہی تھی۔ بیربل بھی زخمی نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور واپس آیا، ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا، ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور کوٹ ساتھ رکھ دیا۔ ایسے کہ فائل اس کے اندر ڈھکی رہی۔

"تم نے بیکری بیچ دی؟" بیربل کی ملامت بھری نظریں اس پہ جمی تھیں۔

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میری چیز تھی۔ بیچ دی۔ کوئی پرابلم ہے کیا؟"

سوزی نے مٹھی میں صوفے کی مخمل کو بھینچا اور ہونٹ کھولے ہی تھے کہ بیربل نے اس کی مٹھی پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"مجھ سے پوچھا بھی نہیں؟"

"تم نے شادی سے پہلے مجھ سے پوچھا تھا؟"

لونگ روم میں سناٹا چھا گیا۔

"تم نے شادی کر کے مجھے اطلاع دی تھی کیونکہ یہ تمہاری زندگی کا فیصلہ تھا۔ اور تم اس کو لینے میں بااختیار تھے۔ ایسے ہی بیکری میری ملکیت تھی۔" سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ "اسے بیچنے کے لیے مجھے کسی کی اجازت نہیں چاہیے۔"

بیربل کی آنکھوں میں کرچیاں ابھریں۔

"ہر چیز تمہاری ہی ہوتی ہے، ماہر۔ کمپنی بھی، شیئرز بھی، میرے باپ کی محبت بھی... لیکن کیا میں اس قابل بھی نہیں تھا کہ مجھ سے مشورہ کیا جاتا؟"

ماہر نے نامحسوس انداز میں ہاتھ تہہ شدہ کوٹ پر رکھ دیا۔ چہرے کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"ہر چیز تمہیں تمہارے وقت پہ مل گئی تھی۔ رہی بیکری تو اگر تمہیں یاد ہو تو اس میں انویسٹمنٹ میں نے کی تھی۔ اس کے خسارے کئی دفعہ میں نے برداشت کیے۔ اس کا پرافٹ میں نے کبھی وصول نہیں کیا۔ بہت سال تمہارے کہے یا بنا کہے میں تمہیں پیسے دیتا رہا، جس کا میں نے کبھی حساب نہیں مانگا۔ آج اگر مجھے ضرورت تھی اور میں نے وہ بیکری بیچ دی جو میری ملکیت تھی، جس کے تمام سٹاف کو تم فائر کر چکے تھے، جس کو چلانے میں تمہیں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا، جو کئی دن سے خالی پڑی تھی، تو کیا تم اس بات پہ مجھ سے خفا ہو گے؟"

"مشورہ، ماہر... مشورہ بھی نہیں کیا تم نے مجھ سے۔" بیربل کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا اور پلکیں گیلی۔

"کیا تم انکار کر دیتے؟"

بیربل نے ملامتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"میں جانتا ہوں تم نے یہ کیوں کیا ہے۔"

"مجھے پیسوں کی ضرورت..."

"تم نے یہ پیسوں کے لیے نہیں کیا۔ میں شبنم سے پوچھ چکا ہوں۔"

ماہر کا ہاتھ تہہ شدہ کوٹ پہ دباؤ دیے ہوئے تھا جب بیربل بولا۔

"تم نے بیکری مالا کے نام کی ہے۔ گفٹ۔"

کوٹ پر رکھا ماہر کا ہاتھ ڈھیلا پڑ گیا۔

سوزین کو سمجھنے میں چند لمحے لگے اور پھر اس کی آنکھوں میں جیسے انگارے اتر آئے۔

"آپ.... آپ کیسے اتنی پرائم لوکیشن کسی کو گفٹ..."

"میں اپنے بھائی سے بات کر رہا ہوں۔" ماہر نے تنبیہاً ہاتھ اٹھایا۔

"حالانکہ اپنے بھائی سے آپ کو پہلے بات کرنی چاہیے تھی۔" اب وہ پیچھے ہو کے بیٹھی، ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور بازو سینے پر لپیٹ لیے۔ اس کی نگاہیں اب ایک بھائی سے دوسرے بھائی تک ٹینس بال کی طرح سفر کر رہی تھیں۔

"میں مالا کا مقروض تھا۔ اس کی بیکری کا خواب میری وجہ سے چکنا چور ہوا تھا۔ کم سے کم میں اس کے لئے یہی کر سکتا تھا۔ اور تم اسے بند کر چکے تھے..."

"بات یہ نہیں ہے کہ میری بیکری فلاپ تھی یا میں سارے عملے کو فائر کر چکا تھا۔ بات یہ ہے ماہر... کہ تم مجھ سے پوچھ سکتے تھے، مجھے بتا سکتے تھے۔ میں نے..." اس نے ساتھ بیٹھی بیوی کی طرف اشارہ کیا۔ "سوزی سے وعدہ کر لیا تھا وہ عمارت اسے دینے کا۔"

"یعنی تم بیکری چلانے میں مزید انٹرسٹڈ نہیں تھے؟ گڈ!"

بیر بل لب بھینچے ملال سے اسے دیکھے گیا۔

"میں اس خوش فہمی میں تھا کہ تم کبھی بھی اپنی انویسٹمنٹ واپس نہیں مانگو گے۔ لیکن نہیں، ماہر بے کو سارے حساب یاد ہیں۔ تم ہمیشہ کہتے ہو کہ فلاں اور فلاں میری دولت کے پیچھے ہے۔ اس واقعے کے بعد میں کیا سوچوں گا؟ کہ اصل میں کون میری دولت کے پیچھے ہے؟"

ماہر کے ماتھے پر بل پڑے۔ ہونٹ کھولے کچھ سخت کہنے کے لئے، پھر نگاہ سوزی پہ پڑی۔ وہ زیر لب مسکرا رہی تھی۔ باری باری دونوں کو دیکھتے ہوئے جو آمنے سامنے تھے۔

ماہر نے گہری سانس لی۔ بہت کچھ اپنے اندر دھکیلا۔ پھر ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی، تہہ شدہ کوٹ اٹھایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"جو چیز میرے نام پہ ہے، اسے بیچنے کے لئے مجھے کسی کی اجازت نہیں چاہیے۔ البتہ میری بہت ساری پراپرٹی تمہارے نام ہے۔ یقیناً تمہاری وکیل... سوری، بیوی نے اب تک تمہیں آگاہ کر دیا ہو گا۔ تم جب چاہو اس میں سے کچھ بھی بیچ کے سوزی کو دے سکتے ہو۔ کیونکہ سوزی کو مہنگے تحفے پسند ہیں۔ گڈ نائیٹ!"

"ماہر..." وہ خفگی سے بولا تھا لیکن ماہر کوٹ اور فائل لیے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا دروازہ بند ہوتے ہی سوزین اس کی طرف گھومی۔

"تمہارے بھائی نے صرف مجھے نیچا دکھانے کے لئے اتنی قیمتی جگہ اپنی اس پرانی محبوبہ کو گفٹ کر دی۔ وہ جگہ تمہاری تھی، بیر بل۔ کاغذات میں بے شک اس کا نام ہو، لیکن اتنے برس اس پہ محنت تم نے کی تھی۔ پھر وہ کیسے..."

وہ دھیمی آواز میں تیز رفتاری سے بولے جا رہی تھی اور بیر بل ٹیک لگائے بیٹھا خاموشی سے سن رہا تھا۔

اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح وہ اپنا ایک پارسل وصول کرنے اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لابی تک آئی تھی جب مرمریں دیوار میں نصب لفٹس میں سے ایک کے دروازے کھلے۔ اندر سے نکلنے والے شخص کو دیکھ کے کشمالہ کے قدم وہیں جم گئے۔ پھر وہ تیزی سے اس کی جانب لپکی۔

"بیر بل۔"

بیر بل فرید اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ گریبان میں اٹکے سن گلاسز اتار کے کھولتا ہوا وہ دوسرے ہاتھ سے موبائل دیکھتا داخلی دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

"بیر بل! سنو... رکو..." وہ عین اس کے سامنے آئی تو وہ چونک کے رکا۔

پھر مالا کے چہرے پہ نظر پڑتے ہی چہرہ مزید سنجیدہ ہو گیا۔ سن گلاسز آنکھوں پر لگا کے تاثرات چھپا لیے لیکن وہ ان تاثرات کو دیکھ چکی تھی۔

"بیربل، پلیز میری بات سنو۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔"

بیربل نے جواب نہیں دیا۔ وہ داخلی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

"کیا ہم بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟"

بیربل جواب دیے بنا چلتا گیا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

وہ لابی کے وسط میں کھڑی زور سے بولی تھی۔ چند گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ تادیبی نظریں اٹھیں۔

بیربل بھی رک گیا۔ پلٹ کے اسے دیکھا۔ پھر سن گلاسز اتاریں تو چہرہ سنجیدہ تھا۔ قدم قدم چلتا واپس اس کے قریب آیا۔

"تمہارا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، مالا۔ میں جانتا ہوں۔ ہم سب مہرے ہیں ماہر بے کی شطرنج کی بساط پہ۔ وہ جس کو جب چاہے اپنے مقصد کے لئے استعمال کرے۔"

"ایسی بات نہیں ہے، بی۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہارے لئے پروٹیکٹو ہے۔"

بیربل کے چہرے پر استہزایہ مسکراہٹ ابھری۔ نفی میں سر ہلایا۔

"ماہر بے کو صرف ایک چیز سے محبت ہے۔ پیسے سے۔"

"اب تم exaggerate کر رہے ہو۔ مانا کہ تمہیں اس کے فیصلے سے دکھ پہنچا ہے۔ تمہاری جگہ میں بھی ہوتی تو مجھے بھی پہنچتا۔ بلکہ میں تو تھی۔ یاد ہے اوشن کے ساتھ کیا ہوا تھا؟"

"اور مجھے یہ بھی یاد ہے، مالا... کہ میں نے کئی برس پہلے تمہیں یہ پیشکش کی تھی کہ تم میرے ساتھ چلو اور ہم اس بیکری کو مل کے چلائیں۔ میں واقعی تمہارے ساتھ کام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس طرح نہیں۔" اس نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "اس طرح نہیں۔"

"میں جو کچھ بھی کہہ لوں، تمہاری بدگمانی ابھی دور نہیں کر سکتی۔ اس وقت تمہاری نظر میں میں ولن ہوں۔ لیکن اتنا سن لو کہ میں نے وہ بیکری قبول نہیں کی۔ میں نے ماہر سے اس کی فائل بھی نہیں لی۔ میں جلد یا بدیر تم لوگوں کی زندگی سے نکل جاؤں گی۔ لیکن اگر میں اس کو نہ لیتی تو ماہر شاید کسی اور کو بیچ دیتا۔ سو جب تک میں یہاں ہوں، میں کسی امانت کی طرح اس کا خیال رکھوں گی۔ اور جانے سے پہلے تمہارے حوالے کروں گی اسے۔ یہ بیکری تمہاری تھی اور تمہاری ہی رہے گی۔ چاہے کاغذ پہ نام ماہر کا ہو یا مالا کا۔"

بیر بل کی آنکھوں میں زخمی سا تاثر ابھرا۔ اس نے سن گلاسز واپس آنکھوں پر لگائے۔

"مجھے بیکری میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے، مالا۔ یہ تمہیں مبارک ہو۔"

"ماہر صرف تمہارے لیے پوزیسو ہے۔ وہ تمہاری حفاظت کرنے کے لئے..."

"ماہر کے بارے میں مجھ سے بات مت کرو۔" وہ درشتی سے کہتا آگے بڑھ گیا۔ مالا نے افسوس سے اسے جاتے دیکھا۔ بہت سا فاصلہ تھا جو ان کے درمیان آ گیا تھا۔

"اف ماہر، اف!"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دو دن بیر بل کی ماہر سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ دونوں ایسے اوقات میں گھر آتے تھے جب دوسرا موجود نہ ہوتا تھا یا کم از کم سامنے نہ ہوتا۔ ہلال زیادہ وقت اپنے کمرے میں رہی۔ فیضی حانم الگ سہمی ہوئی تھیں۔ گھر کے ماحول میں مسلسل ایک تناؤ کی کیفیت تھی۔ صرف ایک سوزی تھی جو ریلیکس سی کھا پی رہی تھی، ٹی وی

دیکھ رہی تھی یا باہر گھوم پھر رہی تھی۔ اس کے اوپر سے منوں بوجھ اتر گیا تھا۔ اب اسے کسی قسم کا دکھاوا کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اب وہ کھل کے کھیل سکتی تھی۔

ماہر سے بیر بل کی ملاقات تیسرے دن ہسپتال میں ہوئی۔

عبد المالک فرید کا کلینکل ٹرائل ایک پرائیویٹ سیٹ اپ میں ہو رہا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا مگر جدید آلات سے لیس ہسپتال تھا جس کی عمارت میں جگہ جگہ دیوار گیر شیشے استعمال کیے گئے تھے۔ جس ہال میں مالک فرید کو رکھا گیا تھا، اس کی شیشے کی دیوار ایک zen سے سن روم میں کھلتی تھی۔ یہ اوپن ٹو اسکائی سن روم تھا۔ اس کی چھت شیشے کی تھی اور اس میں بہت سے پودے رکھے گئے تھے۔ جگہ جگہ کین کے آرام دہ کاؤچ رکھے تھے جن پر مریضوں کے اٹینڈینٹ اور فیملیز بیٹھ کے شیشے کی دیوار کے پار اپنے مریض کو دیکھ سکتے تھے۔

ماہر اور بیر بل دو کرسیوں پر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ سامنے شیشے کی دیوار کے پار قطار میں بیڈ دکھائی دیتے تھے۔ ہر بیڈ پر ایک مریض لیٹا تھا اور اس کو نالیوں کے ذریعے آئی وی بیگ میں ایک پانی کی طرح شفاف رنگ کی دوا لگی تھی۔ مالک فرید عینک آنکھوں پہ لگائے موبائل پہ جھکے تھے۔ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھے یا شاید جان بوجھ کے انہیں دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

ماہر نے چہرہ گھما کے اسے دیکھا۔

چھوٹے گھنگریالے بالوں والا بیر بل آنکھوں پہ سن گلاسز جمائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"ابھی بتاؤ گے یا فیصلے پہ عمل کرنے کے بعد؟"

بیر بل نے چشمہ اتار کے نیچے رکھا۔ نگاہیں سامنے جمی رہیں۔

"میں سوزین کی لاء فرم میں انویسٹ کرنے جا رہا ہوں۔" ماہر کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ چند لمحے کے لئے وہ کچھ بول نہ سکا۔

"اور اس کے لئے میں اپنی کچھ پراپرٹی بیچنے لگا ہوں۔"

"کیا تمہیں یہ یاد ہے کہ تم کبھی کسی لاء اسکول نہیں گئے؟"

"انویسٹمنٹ کرنے کے لیے میرا وکیل ہونا ضروری نہیں ہے۔ میں انویسٹمنٹ کروں گا۔ ہم چند اچھے لائیرز ہائر کریں گے اور باقی معاملات سوزین دیکھے گی۔ ہم مل کے لاء فرم کو چلائیں گے۔"

ماہر فرید نے بہت ضبط سے بظاہر سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ اس شہر کی پہلی لاء فرم ہو گی جس کا مالک وکیل نہیں ہو گا۔"

"میں اپنا ریسرچ کر چکا ہوں۔ بہت سی لاء فرمز کے مالک وکیل نہیں ہوتے۔"

"یہ ریسرچ تمہاری بیوی نے لکھا ہو گا یقیناً۔"

بیربل نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"پہلے میں سمجھا تھا کہ تم میرے اور اس کے رشتے کو قبول کرنے میں وقت لو گے۔ لیکن نہیں۔ تم وقت لینا ہی نہیں چاہتے۔ تم اس رشتے کو سبوتاژ کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہو گے کیونکہ تم ایک کنٹرول فریک ہو، ماہر۔ اور تمہیں میرا انڈیپنڈنٹ ہونا اور تمہارے کنٹرول سے نکل جانا بے چین کر رہا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اپنی زندگی پہ فوکس کرو اور مجھے اور سوزین کو اپنے حال پہ چھوڑ دو۔"

"میں کب کا تم لوگوں کو تمہارے حال پر چھوڑ چکا ہوں۔ تمہاری جو مرضی تم کرو۔"

"مجھے پیپرز چاہئیں۔ اس کاٹیج کے جو تم نے میرے نام پہ لے رکھا ہے۔ میں اسے بیچنے لگا ہوں۔" وہ پوچھ نہیں رہا تھا، بتا رہا تھا۔

ماہر نے شیشے کے پار مالک فرید کو دیکھتے ہوئے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"کل میرا وکیل پیپرز تمہارے حوالے کر دے گا۔ شوق سے بیچو اس گھر کو، بلکہ اپنے نام کی گئی ہر چیز کو ۔جب وہ تمہیں کنگال کر کے چھوڑ جائے تو میرے پاس آ جانا۔ میں یہیں ہوں گا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"فکر مت کرو۔ میں تمہارے پاس کبھی نہیں آؤں گا۔"

"واٹ ایور۔" وہ آگے بڑھ گیا اور شیشے کی دیوار کے قریب آ کھڑا ہوا جہاں زارا کھڑی تھی۔ اس کی نگاہیں عبدالمالک فرید پہ جمی تھیں جو اب قدرے اکتاہٹ سے پہلو بدل رہے تھے۔ تکلیف کے آثار ہر مریض کے چہرے پہ تھے، چاہے اسے placebo لگ رہا تھا یا اصل دوا۔

"بابا ٹھیک ہو جائیں گے نا؟" وہ قریب آیا تو زارا نے پوچھا۔ کندھوں پر شال لپیٹے وہ گلابی ہوتی ناک اور گیلی آنکھوں سے مالک فرید کو دیکھ رہی تھی۔ شال سے اس کے آدھے بال چھپ گئے تھے۔ میک اپ بھی نہیں کر رکھا تھا۔ وہ اداس تھی۔

"ہم اپنی ہر ممکن کوشش جاری رکھیں گے، زارا۔ تم دعا کرو۔" وہ نرمی سے بولا۔ زارا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ چند لمحے وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے رہے۔ اسی پل ماہر کی کلائی پر بندھی گھڑی تھرتھرانے لگی۔ ماہر نے موبائل نکالا۔ گرین آئز کالنگ۔ زارا کی نگاہ بھی اسکرین پہ جھکی۔

"ماہر... اگر کوئی ضروری کام نہیں ہے تو کیا تم کچھ دیر یہاں رک سکتے ہو؟"

فون دو گھنٹیوں کے بعد خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے چہرہ اٹھا کے زارا کو دیکھا۔

"اصل میں میں کبھی بھی بابا کے علاج کا حصہ نہیں بنی تھی۔ تم ہمیشہ ان کے ساتھ رہے ہو۔ آج پہلی دفعہ میں ان کو یوں ایک دوا لگتے ہوئے تکلیف میں دیکھ رہی ہوں اور مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔" آنسو اس کی پلکوں پہ اٹکے تھے۔ انگلیاں کسی بھی قسم کی انگوٹھی سے خالی تھیں۔ ایک گلٹ سا تھا جو ماہر کے دل کو بوجھل کرنے لگا۔

"میں یہیں ہوں، ڈونٹ وری۔" اس کی تسلی پہ زارا مسکرا دی اور سامنے دیکھنے لگی۔

"کیا کچھ ارجنٹ ہے، مالا؟"

کال بیک کی بجائے اس کی انگلیاں میسیج ٹائپ کرنے لگیں۔ چند لمحے بعد ہی جواب موصول ہوا تھا۔

"No. By mistake."

وہ چند لمحے مالا کے میسیج کو دیکھے گیا۔ اگر کوئی اہم بات ہوتی تو وہ دو گھنٹیوں بعد کال نہ کاٹتی۔ شاید واقعی غلطی سے کال کی ہو۔ صبح صبح وہ کہاں کال کر سکتی تھی۔

اس نے موبائل جیب میں ڈال دیا، پھر دوبارہ سے تسلی آمیز انداز میں بولا۔ "میں یہیں ہوں۔ ڈونٹ وری۔"

اب وہ دونوں خاموشی سے ساتھ ساتھ کھڑے دیوار کے پار دیکھ رہے تھے۔ پیچھے بیر بل کرسی پر بیٹھا تھا اور ایک کونے میں عمار کھڑا تھا۔ سب کی نگاہیں مالک فرید کے چہرے پہ جمی تھیں، وہ مالک فرید جنہیں وہ بچپن سے شئیر کرتے آرہے تھے۔ جن سے ان کا love-hate ریلیشن شپ ہمیشہ قائم رہا تھا۔ اور وہ سب جانتے تھے کہ اگر مالک فرید اس بیماری کا مقابلہ نہ کر سکے، تو ان کا غم ان کی محبت سے بڑھ جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

گھنٹی کی مدھم کھنک۔ باریک مردانہ آواز۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

وہ ایک طویل گلی تھی جس کے دونوں اطراف میں legos کی طرح رنگ برنگی عمارتیں کھڑی تھیں۔ فیروزی، زرد، جامنی، سرخ، سبز۔

گلی ایک بند سرے پہ ختم ہوتی تھی۔ وہاں اینٹوں سے بنی ایک دیوار تھی۔ وہ دور سے اس دیوار کو دیکھ سکتی تھی۔

اس کے ساتھ بدر بیٹھا تھا۔ چھوٹا سا بچہ۔ سر گھٹنوں پر رکھے۔

مالا نے قدم اٹھانے کی کوشش کی مگر قدم اٹھ نہیں پا رہے تھے۔

اس نے حلق سے آواز نکالنے کی کوشش کی لیکن بہت زور لگانے کے باوجود وہ ایک لفظ بھی بول نہیں پا رہی تھی۔

کسی کی موجودگی کے احساس کے تحت اس نے گردن گھمائی۔

دوسری جانب بھی گلی ایک دیوار تک ختم ہو جاتی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر گلی کے دونوں اطراف میں دیواریں ہیں تو وہ اس میں کیسے داخل ہوئی؟

کیا وہ حقیقت تھی یا کیا وہ کسی خواب میں تھی؟

اور اگر وہ کوئی خواب ہے تو وہ اس کو ختم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے خواب کے اندر رہنا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

گھنٹیوں کی کھنک کہیں دور سے سنائی دے رہی تھی۔

گلی کا دوسرا سرا سنسان نہ تھا۔ وہاں کوئی تھا۔

وہ اس جانب قدم بڑھانا چاہتی تھی لیکن وہ حرکت نہیں کر رہے تھے۔

دھندلا منظر واضح ہونے لگا۔ ایک فربہ عورت اپنی سبز آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شال سر پہ اوڑھے، بوڑھی کلائیوں میں سونے کے کنگن پہنے۔

اس کے حلق میں پانی جمع ہونے لگا۔

"ماں!" پلکیں بھیگنے لگیں۔

انہوں نے جواب نہیں دیا۔ وہ بس اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی بوڑھی آنکھوں میں کچھ تھا۔ ایک پریشانی، ایک فکر مندی بھرا تاثر۔

"ماں؟"

لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس کے کندھے کے پیچھے دیکھ رہی تھیں۔

مالا نے گردن موڑی۔

دوسرے سرے پہ وہی بچہ تھا۔ سر گھٹنوں پر رکھے۔

"ماں..." اس نے کہنے کی کوشش کی لیکن الفاظ نکل نہیں رہے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ایک خواب تھا ۔ لیکن اس خواب میں کچھ اور بھی تھا۔ کسی سوال کا جواب۔ ایک گھنٹی۔ ایک آواز۔

وہ ماں سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کیوں پریشان تھیں۔ اور وہ بچہ... وہ بدر تھا... وہ اس کو ایسے کیوں دیکھ رہی تھیں؟

وہ ان دونوں کے وسط میں کھڑی تھی۔ وہ ان میں سے کسی کی طرف قدم نہیں بڑھا سکتی تھی۔

بچے نے گھٹنوں پر رکھا سر ابھی تک نہیں اٹھایا تھا۔ وہ ہر پل اس سے دور ہو رہا تھا۔ درمیان میں فاصلے بڑھتے جا رہے تھے اور رنگ برنگی عمارتیں اونچی ہوتی جا رہی تھیں۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

ایک جھٹکے سے کشمالہ کی آنکھیں کھلیں۔ وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔ دائیں بائیں دیکھا۔

وہ کہاں تھی؟ اپنے کمرے میں۔

رات دیر تک جاگنے کے بعد صبح نہ جانے وہ کس وقت سوئی تھی۔ دن نکل آیا تھا۔

اس نے خالی خالی نظروں سے اپارٹمنٹ کی سفید دیواروں کو دیکھا۔

یہ اس کا بلت کا اپارٹمنٹ نہیں تھا۔ لیکن وہ عمارتیں جو اس نے خواب میں دیکھی تھیں، وہ بلت کی ہی تھیں۔ رنگ برنگی۔ اسے وہ عمارتیں کیوں دکھائی دیں؟ کیا اس لیے کہ اس روز وہ ماہر کے ساتھ وہاں گئی تھی؟ رنگین سیڑھیوں پہ؟

کیا اس لئے کہ چند ہفتے اس نے ان عمارتوں کے درمیان گزارے تھے؟ اور ماں اس خواب میں کیوں تھیں؟

(تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہو گی۔)

برسوں پہلے ایک ہمسائے میں رہنے والی آنٹی کا کہا فقرہ یاد آیا۔ ان گزشتہ ماہ و سال میں ماں سے اس کا ایک نیا تعلق بنا تھا۔ وہ خوابوں میں آتی تھیں۔ کسی مشکل سے پہلے۔ کسی خوشی سے پہلے۔ وہ اسے وارن کر جاتی تھیں۔ یا وہ اسے اچھی خبر سنا دیتی تھیں۔ کبھی وہ ان کے لیے صدقہ کرتی تو وہ اسے خوش دکھائی دیتی تھیں کہ جیسے انہیں اس کا بھیجا تحفہ مل گیا ہے۔ اور کبھی کسی مصیبت سے پہلے آتیں تو اسے کوئی اشارہ دے جاتیں۔ جیسے کوئی بڑا سمجھا رہا ہوتا ہے۔

لیکن ایسی پریشان تو وہ کبھی نہیں دکھائی دی تھیں۔

وہ کیوں پریشان تھیں؟

اس کا سارا جسم پسینے سے تر تھا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ آواز ہیپی برتھ ڈے ٹو یو، وہ بہت عرصے بعد سنائی دی تھی۔ کیا ہلال اب بھی اپنے میوزک باکس کی چابی کو گھماتی تھی؟ وہ میوزک باکس کہاں گیا؟ سوال ہی سوال اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ شور اتنا زیادہ تھا کہ اس نے گھبرا کے فون اٹھایا۔ انگوٹھے نے خود بخود فون بک کھولی اور بنا سوچے سمجھے ماہر فرید کو چھوا۔ دو گھنٹیاں گئی تھیں کہ اس نے جلدی سے کال کاٹ دی۔ دن پوری طرح روشن تھا۔ یہ ماہر کا مصروف وقت ہوتا تھا۔ اسے اس کو کال نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ اس کے لئے کیا کر سکتا تھا؟

وہ چند منٹ فون ہاتھ میں لیے دم سادھے بیٹھی دیکھتی رہی۔ کبیرہ سادان کے کئی میسیجز موصول ہوئے رکھے تھے لیکن مالا نے ابھی ان کو نہیں کھولا۔ اسے ماہر کی کال کا انتظار تھا۔ جانتی تھی وہ کال بیک کرے گا۔ پھر وہ اسے کیا کہے گی؟ کہ اسے ایک برا خواب آیا اور اس نے ڈر کے ماہر کو فون کر دیا؟ لیکن کیا وہ خواب برا تھا یا وہ اسے کچھ بتانا چاہ رہا تھا؟

"کیا کچھ ارجنٹ ہے، مالا؟" میسج موصول ہوتے ہی اس کے کندھے ڈھلک گئے۔ وہ یقیناً اس کے کام کا وقت تھا۔ وہ کسی میٹنگ میں، کسی کنسٹرکشن کے معاملے میں مصروف کھڑا ہو گا اور مالا ایسے ہی اس کا وقت ضائع کرے گی۔ وہ اس کا ہر مسئلہ نہیں حل کر سکتا تھا۔ جتنا کر چکا تھا وہ بہت تھا۔ اس کی انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

"نہیں۔ غلطی سے۔" اور فون بے دلی سے پرے ڈال دیا۔ ذہن ابھی تک خواب کے درمیان پھنسا تھا۔

اور وہ گھنٹی کی آواز۔ وہ کیا تھی؟

جیسے قدیم زمانوں میں دروازوں کے ساتھ باندھی جانے والی گھنٹیاں ہوں... جو چھونے پہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں اور بج اٹھیں۔ یہ آواز اس نے پہلے کہیں نہیں سنی تھی۔ یہ کہاں سے اس کے لاشعور میں گھس آئی تھی؟

سوال در سوال۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا کے کمرے کی دیوار کے پار.... ہلال کے کمرے کی بتیاں بجھی تھیں۔ کھڑکی کھلی تھی جس کی روشنی نے سارے کمرے کو منور کر رکھا تھا۔ وہ اسٹول پر بیٹھی اسٹینڈ پر رکھی ٹیپیسٹری کے دھاگے انگلیوں سے بُن رہی تھی۔ بال اونچی پونی میں بندھے کسی گھنگریالی آبشار کی طرح نیچے گر رہے تھے۔

اس نے ایک گرہ لگائی، جھک کے دانت سے گانٹھ کو مضبوط کیا، پھر سیدھی ہوئی۔ آنکھیں دور کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں اور دونوں ہاتھ ٹیپیسٹری کے اسٹینڈ کو اٹھا رہے تھے۔

وہ کمرے میں تنہا تھی، پھر بھی رک کے محسوس کیا۔ نہیں۔ کوئی نہیں تھا وہاں۔

اس نے احتیاط سے چوکھٹا اٹھایا۔ پھر اسے پلٹایا۔

اصل تصویر پیچھے کی جانب بن رہی تھی۔ ٹیپسٹری کو الٹانے سے وہ دکھائی دیتی تھی۔ سامنے سے تو یوں لگتا تھا کہ رنگین دھاگوں کی گانٹھوں کا ملغوبہ ہے۔

لیکن جب الٹا کے دیکھو تو ایک تصویر کا دامن نمایاں ہو رہا تھا۔ اس کا نچلا حصہ جہاں کڑھائی کی طرح رنگ ایک تصویر بنا رہے تھے۔

بھوری زمین۔ اور اس کے اوپر ایک جامنی گھنٹی گری تھی۔ قدیم زمانوں کی چرچ بیل کے جیسی۔ ہلال کی انگلیوں نے ابھری ہوئی گھنٹی کو چھو کے اس کے کناروں کو انگلی سے جیسے ٹریس کیا۔ پھر تسلی سے سر ہلایا اور ٹیپیسٹری کو اُلٹا دیا۔ اب وہ پھر سے رنگین دھاگوں کا ایک ملغوبہ لگ رہی تھی۔ تصویر چھپ گئی تھی۔

ہلال نے سوئی اٹھالی اور اس کے اوپر جھک گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کے اس پہر بلت کی روشنیاں مدھم ہو چکی تھیں۔ گلی میں چند دکانیں ہی روشن تھیں اور اکا دکا راہگیر سڑک سے گزر رہے تھے۔ رنگین سیڑھیاں البتہ نیم اندھیرے میں ویران پڑی تھیں۔ اسٹریٹ پولز کی روشنی چند زینوں کو منور کیے ہوئے تھی۔ باقی جگہ اندھیرا تھا۔

ایسے ہی ایک اندھیر زینے پر وہ بیٹھی تھی۔ پتھریلی دیوار سے ٹیک لگائے، سینے پہ بازو لپیٹے، گرم کوٹ میں ملبوس، بال پونی میں باندھے، وہ مٹھی میں کچھ دبائے ہوئے تھی۔ دفعتاً وہ قدموں کی آواز پہ چونکی۔ گردن ترچھی کر کے دیکھا۔

گلی کی سمت سے کوئی چلتا آ رہا تھا۔ سایہ سا سڑک پہ دکھائی دیتا تھا۔ مالا کے کندھے ڈھلک گئے۔ گہری سانس خارج کی۔ وہ اس سایے کو پہچانتی تھی۔

وہ بنا کچھ کہے اس سے تین زینے نیچے بیٹھا۔ سرمئی گرم کوٹ میں ملبوس۔ گردن کے گرد لپٹا مفلر۔ اسٹریٹ پول کی روشنی اس کے اوپر پڑ رہی تھی۔ مالا البتہ اندھیرے میں تھی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہوا میں یہاں ہوں؟" وہ حیران نہیں ہوئی تھی۔ بس بجھی بجھی تھی۔

"کیا تم بھول گئیں؟ میں نے تمہارے فون میں ٹریکنگ ایپ ڈال رکھی ہے جس سے ہم دونوں ایک دوسرے کو ٹریک کر سکتے ہیں۔" ماہر فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ "تم نے صبح دو گھنٹیاں دے کر کال کاٹ دی۔ میں سمجھا واقعی غلطی سے کی ہو گی۔ لیکن تب سے تم نے سارے دن میں میری کسی کال کا جواب نہیں دیا۔ میں پریشان ہو گیا تھا۔"

مالا دیوار سے سر ٹکائے اسے دیکھے گئی۔

"تم بیکری بھی نہیں گئیں، آفس بھی نہیں آئیں۔ کچھ تو ہوا ہے نا۔" وہ غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ گالوں پہ دو دانے نمایاں ہو رہے تھے۔ مگر ان کے علاوہ بھی کچھ تھا جو اس نے گزشتہ ڈیڑھ ماہ میں اس کے چہرے پہ نہیں دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے، مالا؟" وہ اسٹریٹ پول کی روشنی میں تھا اور وہ اندھیرے میں۔ ان دونوں کو نیم تاریک منظر ناموں میں بیٹھنے کی پرانی عادت تھی۔

"میں نے ماں کو خواب میں دیکھا۔ بہت دن بعد۔"

مالا آنکھیں اٹھائے سیاہ آسمان کو دیکھے گئی۔ رنگ برنگے لالٹین اوپر لڑی میں پروئے تھے لیکن بجھے ہوئے تھے۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ کیا دیکھا تم نے؟"

مالا نے نفی میں سر دائیں بائیں ہلایا۔ "وہ پریشان تھیں۔ بدر کو دیکھ کے۔"

"ہر خواب حقیقت نہیں ہوتا۔ ضروری نہیں ہے کہ..."

"کیا معلوم میں غلط ہوں؟"

ماہر نے ناسمجھی سے ابرو اٹھائے۔

"کس بارے میں؟"

"عبد المالک فرید کہتے ہیں کہ اتنے عرصے تک کھوئے گئے بچے نہیں ملتے۔ چنگیز نے بھی یہی کہا تھا۔ ماہی نے بھی۔ عباد نے بھی۔ ہر ایک نے مجھے یہی کہا۔ اس لاش کا پوسٹ مارٹم کرنے والوں نے۔ پولیس نے۔ یہاں تک کہ تم نے بھی۔ مگر میں نے یقین نہیں کیا۔ مجھے ضد تھی کہ جیسے ہلال مل گئی تھی، ویسے ہی بدر بھی مل جائے گا۔ لیکن کیا معلوم میں غلط ہوں۔"

اس نے نگاہیں آسمان سے ہٹا کے ماہر کی طرف موڑیں تو وہ اس تاثر کو پہچان گیا جو اس نے عرصے بعد ان آنکھوں میں دیکھا تھا۔ شکست۔ مایوسی۔

"لوگوں کے بچے مر جاتے ہیں، ماہر۔ ہو سکتا میرا بھی مر گیا ہو اور مجھے معلوم نہ ہو۔ صرف اس لئے کہ ہلال زندہ نکلی، ضروری نہیں ہے کہ ہر بچہ زندہ مل جائے۔"

"مالا..."

"میں کسی کی بات نہیں سنتی۔ میں کسی کی بات نہیں مانتی۔ ساری دنیا نے مجھے کہا کہ کھوئے ہوئے بچے نہیں ملتے۔ کم از کم زندہ نہیں۔ جو آخری فوٹیج ہم نے اس کی دیکھی، وہ کئی ماہ پہلے کی تھی۔ کیا گارنٹی ہے کہ انہوں نے اب تک اس کو زندہ رکھا ہو گا؟"

"مالا...."

"اگر وہ زندہ ہوتا تو عالیان مجھے کوئی ثبوت دکھاتا۔ کوئی ویڈیو۔ کوئی تصویر۔ لیکن اس نے مجھے ایسا کچھ نہیں دکھایا۔" آنسو ٹپ ٹپ چہرے پہ گر رہے تھے۔ "میں اپنی ضد کے پیچھے یہاں آئی ہوں کہ میں غلط نہیں ہو سکتی۔ مالا غلط نہیں ہو سکتی۔ لیکن میں زندگی میں بہت دفعہ غلط ثابت ہوئی ہوں۔ پھر بھی مجھے یقین تھا کہ وہ زندہ ہے۔ سو میں نے کسی کی نہیں سنی۔ ماہی کی بھی نہیں۔ زیاد کی بھی نہیں۔ لیکن میں اپنی ماں کی کیسے نہ سنوں؟"

آنسو لڑھک کے گردن تک پھسل رہے تھے۔ وہ جو اسے درمیان میں بار بار ٹوکنے کی کوشش کر رہا تھا، ٹھہر گیا۔

"ماں پریشان تھیں۔ میرے لیے نہیں۔ بدر کے لیے۔ ان کی آنکھوں میں غم تھا۔ جیسے کچھ برا ہو چکا ہو اور وہ کچھ نہ کر سکتی ہوں۔ مجھے ایک ہی خیال آ رہا تھا خواب میں۔ کہ میں اور بدر ایک دنیا میں نہیں ہیں۔ شاید وہ ماں کی دنیا میں چلا گیا ہے۔ اور میں ایک الوژن کے پیچھے بھاگ رہی ہوں۔"

گلی سے گزرتے دو سیاحوں نے گردن موڑ کے انہیں دیکھا پھر آگے بڑھ گئے۔ ان کے سایے ان کے پیچھے چلتے گئے۔

"شاید میرا بیٹا مر چکا ہے اور چونکہ میں اس کو بچا نہیں سکی، سو اپنے گلٹ کو کم کرنے کے لئے میں سب سے جھوٹ بول رہی ہوں۔ خود سے بھی۔ تاکہ کوئی مجھے الزام نہ دے سکے کہ میں اپنے بیٹے کی حفاظت نہیں کر سکی۔ میں ایک ماں کے طور پہ فیل ہو گئی ہوں، ماہر۔"

آنسو گرتے جا رہے تھے اور الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کے ادا ہو رہے تھے، یہاں تک کہ اس سے بولنا مشکل ہو گیا۔ لیکن وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"سب نے کہا وہ مر چکا ہو گا۔ اب تو میرے خواب نے بھی کہہ دیا ہے کہ وہ میری دنیا میں نہیں ہے۔ وہ ماں کی دنیا میں ہے۔"

"اور تمہارا دل؟ وہ کیا کہتا ہے؟"

مالا نے ایک ہاتھ سے آنسو رگڑنے چاہے لیکن وہ مسلسل ابلتے جا رہے تھے۔ دوسری مٹھی ہنوز بند تھی۔

"میں اپنے بیٹے کا خیال نہیں رکھ سکی۔ اس کی حفاظت نہیں کر سکی۔ اس کا کوئی قصور نہیں تھا اس سب میں۔ میں نے اس کو فیل کیا ہے۔ سب کہتے تھے کہ وہ مر چکا....."

"میں پوچھ رہا ہوں کہ تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ مالا کا منظر بار بار دھندلا رہا تھا۔ پلکیں جھپکنے سے وہ صاف ہوتا اور پھر ہر طرف بارش کا سماں ہوتا۔

"میرا دل نہیں مانتا، ماہر۔ میرا دل کہتا ہے کہ جس دن وہ مرے گا، مجھے یہاں..." اس نے بند مٹھی سینے پر رکھی۔ "یہاں معلوم ہو جائے گا۔"

وہ رکی۔ نفی میں سر ہلایا۔

"لیکن شاید میں صرف ایک الوژن کے پیچھے..."

"جب ہلال کھوئی تھی تو مجھے سب نے کہا تھا کہ وہ واپس نہیں ملے گی۔ کھوئے ہوئے بچے واپس نہیں آتے۔ لیکن میں نے کسی کی نہیں سنی۔ مالک سمجھتا تھا کہ میں سرکار سے انتقام کے لیے یہ سب کر رہا ہوں۔ اس نے مجھے کئی دفعہ وارن کیا کہ انتقام کے سفر پر نکلنے والے کو دو قبریں کھودنی چاہئیں۔ لیکن میں کسی انتقام کے لئے نہیں نکلا تھا، مالا۔ میں یہ یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ ہلال مر چکی ہے۔ کیونکہ مجھے یہاں..." اس نے سینے پر انگلی سے دستک دی۔ "یہاں معلوم تھا کہ وہ زندہ ہے۔ جب تک تمہاری امید یہاں باقی رہے گی کوئی اس کو تم سے چھین نہیں سکتا۔"

وہ کتنی ہی دیر کچھ نہ کہہ سکی۔ لمحے خاموشی سے گزرتے گئے۔ وہ اپنے اندھیروں میں بیٹھی رہی اور ماہر اپنی روشنی میں۔

"تمہیں لگتا ہے وہ زندہ ہو گا؟" بہت دیر بعد مالا نے پوچھا تو اس کی آنکھوں میں امید اور خوف ایک ساتھ کسی طوفان کی زد میں آئے دیئے کی طرح ٹمٹمار ہے تھے۔ پوچھنے کے بعد اس نے جیسے سانس روک لیا۔ جیسے ماہر کی زبان سے نکلنے والا اگلا لفظ اس کی امید توڑ کے اس کے خوف کو سچ ثابت کر دے گا۔

"مجھے یہ یقین ہے کہ تمہارا دل تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ جب تک تمہارا دل کہے گا کہ وہ زندہ ہے، ہم اس کی تلاش جاری رکھیں گے۔"

آنسو زار و قطار آنکھوں سے گرنے لگے۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور گردن جھکا دی۔

وہ چند لمحے اس کے آنسوؤں کو تھوڑی سے نیچے گرتے اور کوٹ میں جذب ہوتے دیکھتا رہا۔ پھر نگاہ مالا کی بند مٹھی پہ ٹھہر گئی۔ آنکھوں میں چونکنے کا سا تاثر آیا۔

"یہ کیا ہے؟"

مالا نے بند مٹھی اس کے سامنے کی۔

"جس روز میری فیملی نے، یعنی ماہی نے، عباد نے، سب نے بدر کے معاملے میں ہار مان لی تھی اور مجھے کہا تھا کہ میں تسلیم کر لوں کہ بچے مر جاتے ہیں، اس روز یہ مجھے ملا تھا۔"

اس نے مٹھی کھولی۔ نیم اندھیر سیڑھیوں میں بیٹھے دونوں افراد کے درمیان اس کی پھیلی ہوئی مٹھی تھی اور اس پہ چمکتا پتھر، جس پر کھدے الفاظ چاند کی روشنی میں دمک رہے تھے۔

"میں ہمیشہ تمہاری مدد کے لیے موجود ہوں گا۔ ماہر۔"

ماہر فرید سانس نہیں لے سکا۔ وہ بس اس پتھر کو دیکھے گیا۔ اس نے ہاتھ پتھر کی طرف نہیں بڑھایا لیکن آنکھیں بھی نہیں اٹھائیں۔

"تمہیں یہ مل گیا تھا؟" اس کی آواز میں ملال سا تھا۔ آنچ سی۔ اسی آواز میں وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ کاش وہ مختلف حالات میں ملے ہوتے۔

"یہ پتھر میرا کمفرٹ سٹون بن گیا تھا، ماہر۔ اس نے مجھے ہمت دی استنبول آنے کی۔ اپنی انا پہ پیر رکھ کے تمہارے آفس تک مجھے یہ لایا تھا۔ اس نے مجھے حوصلہ دیا۔ مجھے یاد دلایا کہ کوئی تھا جس نے اپنے کھوئے ہوئے بچے کی زندگی پہ ہار نہیں مانی تھی۔ اور آخر میں اس کو وہ بچہ مل گیا تھا۔" اس نے مٹھی بند کر دی تو ماہر نے نگاہیں اٹھائیں۔ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

مالا نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

"یہ تب سے میرے پاس ہے۔ میرے پرس میں۔ میری مٹھی میں۔ مجھے اس سے کمفرٹ ملتی ہے۔ اگر تم میرے ساتھ یہ ڈیل نہ کرتے اور مجھے اپنے آفس سے ناامید کر کے بھیج دیتے، تب بھی یہ میرے ساتھ رہتا۔"

وہ اداسی سے مسکرایا۔ "میں کبھی کبھی یہ بناتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"میں تمہارے لئے ایک اور بنا سکتا ہوں۔"

"میرے لئے ایک ہی کافی ہے۔" وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"جانتا ہوں کشمالہ حانم کو مجھ سے فیورز لینا پسند نہیں ہے۔"

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ پھر مالا کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ طوفان میں ٹمٹماتا دیا واپس آنکھوں میں دکھائی دیا۔

"تمہیں واقعی یقین ہے کہ ہم بدر کو ڈھونڈ لیں گے؟"

"مجھے یقین ہے کہ تمہارا دل تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

وہ پورے دل سے مسکرا دی۔ بہت سارے بوجھ جیسے ہٹ گئے تھے۔ اس نے پتھر کوٹ کی جیب میں ڈالا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی میکانکی عمل کے تحت وہ بھی جیسے ساتھ ہی اٹھا۔ مالا ایک زینہ اتری۔ مگر وہ اب بھی اس سے دو زینے اوپر تھی۔ قد کے فرق کے باعث وہ دونوں برابر کھڑے تھے۔

"پرپل کیوں؟"

ان کے اوپر تار میں پروئے لالٹین ایک دم جل اٹھے۔ دونوں نے گردن اٹھا کے دیکھا۔ ہر رنگ کی روشنی ان سے پھوٹ رہی تھی۔ گلی سے گزرتے راہگیروں نے بھی رک کے دیکھا۔ پھر آگے بڑھ گئے۔

"تمہیں یاد ہے ہماری کہانی کہاں سے شروع ہوئی تھی؟"

مالا نے لالٹینوں سے نگاہ ہٹا کے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"تمہاری ماں اور شمس کی کہانی سے؟"

ماہر نے نفی میں گردن ہلائی۔

"ہوٹل کے اس سوئیٹ سے جہاں میں نے کیف جمال کو بلایا تھا۔"

"اوہ ہاں۔"

"اس روز نگینہ بیگم کی وہ البم دیکھتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ میں اس سبز آنکھوں والی لڑکی کو بچالوں گا اور اس کے ساتھ وہ نہیں ہونے دوں گا جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ میں تب تمہیں نہیں جانتا تھا، نہ تم سے ملا تھا۔ لیکن وہ دن... وہ ملاقات جس میں میں، مالک، کیف اور بیربل اکٹھے تھے، وہ ملاقات میرے لئے ہر چیز کی ابتدا تھی۔ جب ماہر فرید کیف جمال بنا، اور جب کشمالہ مبین میری زندگی میں آئی۔"

سیڑھیوں پر کھڑا آدمی کہہ رہا تھا۔ اب وہ دونوں روشنی میں تھے۔ سات رنگوں کی مدھم روشنی میں۔

"اس روز جو کینڈل میں نے ہوٹل سوئیٹ میں جلا رکھی تھی، اس میں ٹاپ نوٹ لیونڈر (استخدوس نامی جھاڑی جو جامنی رنگ کی ہوتی ہے۔) کا تھا۔ اس کے بعد جب بھی مجھے لیونڈر کی خوشبو آتی .. وہ ملاقات، وہ البم سب کچھ یاد آجاتا۔ اسی سوئیٹ میں چند روز پہلے مالک نے مجھے بتایا تھا کشمالہ مبین کون ہے۔ اسی سوئیٹ میں، میں نے کیف جمال بننے کا فیصلہ کیا تھا۔ تمہاری دی ہوئی تکلیف جب بھی یاد آتی، اپنا کیف جمال بننے کا فیصلہ یاد آتا۔ سب کچھ وہیں سے شروع ہوا تھا۔ لیونڈر کی خوشبو کے ساتھ۔"

"جامنی موم بتی۔" وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

"جامنی موم بتی۔" ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اگر تم وہ البم لے کر میرے پاس آجاتے اور کہتے کہ تمہیں میری مدد چاہیے، تو شاید آج ہماری کہانی مختلف ہوتی۔"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ اب اپنی چوائسز پہ رنج کرنے کا زمانہ بیت چکا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ زینے اترنے لگے۔ دفعتاً وہ رکی۔ چہرہ اس کی طرف موڑا تو ماہر نے دیکھا اس کی متورم آنکھوں میں ایک چمک ابھری تھی۔

"تم نے ٹھیک کہا، ہم بدر کو ڈھونڈ لیں گے۔ کیونکہ مجھے عالیان کے بارے میں ایک اور بات معلوم ہوئی ہے۔"

"کیا؟"

"وہ جتنا بڑا جادوگر ہو جائے، وہ ہر چیز جادو کے بل بوتے پر نہیں کرتا۔"

"یعنی؟"

"اس نے مجھے کہا کہ میں اور تم ایک اپارٹمنٹ میں رہتے ہیں۔"

"مگر تم تو ساتھ والے اپارٹمنٹ میں..."

"میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اس کو ہمارے ہر پل کی خبر اس کے جنات نہیں دیتے بلکہ انسان دیتے ہیں۔ اس نے انسان ہمارے پیچھے لگا رکھے ہیں۔ اور ان انسانوں نے مجھے اس اپارٹمنٹ بلڈنگ میں داخل ہوتے دیکھا ہو گا۔ لیکن چونکہ وہ اندر نہیں آسکتے تو وہ نہیں جانتے کہ میرے اپارٹمنٹ کا دروازہ کون سا ہے۔ یعنی ہمیں عالیان کو ناقابل تسخیر جادوگر نہیں سمجھنا چاہیے۔ وہ ایک عام انسان ہے جس کے جنات ضروری نہیں ہے کہ اسے ہر بات درست بتاتے ہوں۔"

وہ دونوں ساتھ ساتھ گلی میں آگے بڑھ رہے تھے۔

"مانا کہ تمہیں برا خواب آیا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم کام سے بنا بتائے چھٹی کر لو۔"

"آرٹسٹ خاموشی سے بیٹھا ہو، تب بھی وہ کام کر رہا ہوتا ہے۔"

"میرا کام نہ سہی، تم بیکری پہ کچھ تو کر سکتی ہو۔"

"صبح بیکری پہ ہی جاؤں گی۔ اور میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"بیکری کا نام بدل دو گی؟"

"کچھ اور بدلوں گی۔ وہ جو سب سے اہم ہوتا ہے۔"

ان کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں اور وہ دو سایوں کی طرح دور جا رہے تھے۔

سیڑھیوں کے سامنے والی گلی میں چند رنگین عمارتیں ساتھ ساتھ کھڑی تھیں۔

ان میں سے ایک عمارت پستے کے جیسی سبز رنگ کی تھی۔

اس کی بالائی ترین منزل کی کھڑکی سے کوئی انہیں دور جاتے دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح آسمان پہ بادل ٹکڑوں کی صورت بکھرے تھے ،ایسے کہ ان کے کنارے سورج کی روشنی سے دہک رہے تھے۔ دھوپ چھایا کا سا موسم تھا۔

ماہر فرید کی سیاہ کار نشانتشی کی پر رونق سڑک سے گزر رہی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ پر براجمان کھڑکی کے باہر گزرتی دوکانوں کے فرنٹ بے توجہی سے دیکھ رہا تھا جب ایک دم ابرو اکٹھے ہوئے۔

"اردل، ریورس کرو۔"

"کافی چاہیے، سر؟" اردل کو یہی سمجھ میں آیا کہ شاید وہ بیر بل کی بیکری پہ رکنا چاہتا ہے۔

"اونہوں!"

کار کے بیکری کے سامنے رکتے ہی ماہر نے دروازہ کھولا اور باہر نکلا تو سرد ہوا نے استقبال کیا جو کار کے ہیٹر کی گرمائش کے باعث ذہن سے محو ہو گئی تھی۔ آج اس نے سوٹ کے اوپر لمبا بھورا کوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ آفس کے لیے تیار تھا اور اس اسٹاپ سے اس کو دیر ہو جانی تھی لیکن رکنا بھی ضروری تھا۔

بیکری کے فرنٹ پر لگا گلابی پھولوں کا چھجا نیچے اترا پڑا تھا۔ ایک ورکر سیڑھی رکھے کھڑا باقی ماندہ پھول اتار رہا تھا۔ شیشے کی دیوار سے وہ اندر جاری کاروائی دیکھ سکتا تھا۔ آنکھوں میں اچنبا لیے اس نے دروازہ دھکیلا۔

ایک جمپ سوٹ میں ملبوس پینٹر دیوار سے وال پیپر اتار رہا تھا۔ دوسری جانب ایک سویٹ پینٹس میں ملبوس لڑکی فرش پر بیٹھی بہت سے نقلی پھول سامنے سجائے چن چن کے vase میں ڈال رہی تھی۔ دروازہ کھلتے دیکھ کے سر اٹھایا۔ وہ اسے پہچانتا تھا۔ مالا کی annoying فوٹو گرافر دوست۔ سر کے خم سے اسے سلام کیا اور نگاہیں ان پھولوں پہ پھسل گئیں جو سنبل کے ہاتھ میں تھے۔ لیونڈر کے جامنی پھول۔

"مالا۔" سنبل نے اس پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر پکارا۔ اور ماہر کی متلاشی نگاہوں کو بالآخر وہ دکھائی دے گئی۔

سیڑھیوں کے ساتھ دیوار پہ سینڈ پیپر رگڑتی مالا کی اس جانب پشت تھی۔ پکار پہ وہ چونکی اور ان کی طرف پلٹی۔ اسے دیکھ کے مسکرا دی۔ بال اونچی پونی میں باندھے، ایپرن پہنے، آستین اوپر چڑھائے ہوئے مالا پرسوں رات کی نسبت فریش دکھائی دیتی تھی۔ اس کے گال پر پینٹ کے چند دھبے لگے تھے جن سے یقیناً وہ بے خبر تھی۔ اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"قرمزی عمارت پہ کام کرنے کے لیے تمہارے پاس وقت نہیں، لیکن اس بیکری کی رینوویشن کے لئے وقت بھی ہے اور پیسہ بھی۔" انداز سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ متاثر ہوا ہے یا طنز کر رہا ہے۔

"آرٹسٹ اگر خاموشی سے بیٹھا ہو، تب بھی...."

"پلیز یہ بے کار ڈائیلاگ دوبارہ مت دہرانا۔" وہ جیسے خفا ہوا۔ پھر ناقدانہ نگاہوں سے دائیں بائیں گردن گھمائی۔

"بیکری کا انٹیریئر اچھا بھلا تھا۔ اس کو بدلنے کی کیا ضرورت تھی؟" تبصرہ کرتے کرتے وہ ٹھہر گیا۔ ایک دیوار پہ پینٹر نے پینٹ شروع کر رکھا تھا۔ گہرا جامنی پینٹ۔ ماہر کی نگاہیں خود کو مسلسل مسکرا کے گھورتی فوٹو گرافر تک گئیں۔ لیوندڑ کے پھول۔ واز کا رنگ ہلکا بھورا تھا۔ ایک دوسری دیوار پہ اسی ہلکے بھورے رنگ کا وال پیپر چڑھایا جا رہا تھا۔

"پرپل اور براؤن؟"

"بیربل کی بیکری میں سارا مسئلہ یہ تھا کہ یہ گلابی رنگ کی تھی۔ اور یہ شہر گلابی پھولدار بیکریوں سے بھرا پڑا ہے۔ میں اس کو کوئی مختلف رنگ دینا چاہتی تھی اور یہ دونوں رنگ کلر wheel پہ ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ ان کا کنٹراسٹ اچھا بنتا ہے لیکن پرپل کو deep ہونا چاہیے اور براؤن کو ہلکا۔" مالا نے اسے دیکھے بغیر بے پروائی سے کندھے اچکا کے بتایا۔ جیسے ان رنگوں کا کوئی دوسرا معنی نہ ہو۔ جیسے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس کی تکلیف گہری اور کس کی ہلکی ہے۔

"پرپل اور براؤن۔"

ماہر پہلی دفعہ مسکرایا۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ماہر کا فون تھرتھرانے لگا۔اس نے موبائل نکال کے دیکھا،انگشت شہادت اٹھا کے ایک منٹ کا اشارہ کیا اور فون کان سے لگایا۔

"ہاں،زارا؟"

کشمالہ کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔اس نے بال کان کے پیچھے اڑسے اور دائیں بائیں کچھ تلاش کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے،میں وہیں آجاتا ہوں۔نہیں کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔آفس بعد میں چلا جاؤں گا۔"

ماہر نے فون جیب میں رکھا اور معذرت خواہانہ انداز میں اسے دیکھا۔

"ہم اس انٹیریئر کے بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ابھی مجھے مالک کے پاس ہسپتال جانا ہے۔زارا اکیلی ہے۔"

"آف کورس۔اچھی بات ہے کہ تم دونوں ابھی تک آپس میں civil ہو۔"مالا بظاہر سرسری انداز میں کہتی برش اٹھا کے پینٹ کے ڈبے پہ جھک گئی۔برش کے بالوں کو گیلے رنگ میں ڈبویا۔

"آف کورس۔زارا فیملی ہے۔"

مالا نے نگاہ اٹھا کے دیکھا۔وہ سر جھکائے تیز تیز موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔یقیناً شبنم کو بتا رہا تھا کہ وہ دیر سے آئے گا کیونکہ زارا کو اس کی ضرورت تھی۔

"تم جاؤ،تمہیں دیر ہو رہی ہے۔"

ماہر خدا حافظ کہتا موبائل پہ سر جھکائے پلٹ گیا۔

وہ وہیں کھڑی اسے جاتے دیکھتی رہی۔ایک سایہ سا تھا جو جامنی رنگ سے گہرا تھا اور اس کے دل پہ بیٹھ سا گیا تھا۔

پھر سنبل کے کھنکھارنے کی آواز پہ وہ چونکی۔

"زارا کون ہے؟" وہ فرش پر ہنوز بیٹھی تھی۔ پھول آدھے ہاتھ میں تھے۔ جیسے ماہر کو آتے دیکھ کے اس نے خود کو وہیں pause کر دیا تھا۔

"اس کی ایکس فیانسی۔ اور کزن۔" برش کو ڈبے کے کنارے سے رگڑنے لگی تاکہ زائد پینٹ بہہ جائے۔ خوامخواہ نیا برش اس پینٹ میں ڈال دیا جب کہ ابھی اسے رنگ شروع ہی نہیں کرنا تھا۔ ابھی تو اس کی surface prep بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

"تب ہی آپ کے چہرے پہ جیلسی دکھائی دے رہی ہے۔"

"اوہ پلیز..." اس نے بے زاری سے چہرہ اٹھایا۔ "اور اب یہ مت کہنا کہ وہ مجھے پسند کرتا ہے۔"

"میں یہ کہنے والی تھی کہ اب آپ بھی اس کو پسند کرنے لگی ہیں۔"

"اف، سنبل۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔"

"کیا نہیں ہے؟" سنبل نے vase سامنے رکھا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھے جوابدہ انداز میں اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اس گفتگو سے بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔

"ہمارے درمیان کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ مجھ سے بہت مختلف ہے۔ اس کی اپنی ایک زندگی ہے۔ یہ سب کچھ بہت پیچیدہ ہے۔ اور... اور میرا ایک بچہ ہے جس کو لے کر میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ چھوڑو سنبل، ان باتوں میں مت پڑو۔" سر جھٹک کے نگاہیں چرائے وہ دیوار کی طرف پلٹ گئی۔ سنبل اسی طرح پیچھے کھڑی رہی۔ مالا اپنی پشت پہ اس کی نظریں محسوس کر سکتی تھی۔

"زندگی اتنی پیچیدہ نہیں ہوتی جتنی ہم اسے بنا لیتے ہیں۔ یا شاید آپ کو تنہا رہنے کی اتنی عادت ہو گئی ہے کہ کسی دوسرے شخص کے بارے میں سوچنا ہی ان کمفرٹیبل لگتا ہے۔"

مالا نے مڑے بغیر ہاتھ کو گول گول گھمایا۔(بولتی رہو)۔اور تب اسے احساس ہوا کہ یہ حرکت ماہر کیا کرتا تھا۔

کیا وہ اس کی عادتیں اپناتی جارہی تھی؟ جلدی سے ہاتھ نیچے گرا دیا۔

"مگر یاد رکھیں، نئی چیز ہمیشہ شروع میں uncomfortable (غیر آرام دہ) لگتی ہے کیونکہ گروتھ ان کمفرٹیبل ہوتی ہے۔ لیکن زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے تھوڑی تھوڑی سی discomfort قبول کر لینی چاہیے "۔

جتانے والے انداز میں کہہ کے وہ پلٹ گئی۔مالا نے گہری سانس لی۔وہ کیا چیز تھی جو اسے غیر آرام دہ کر رہی تھی؟ زارا کی کال؟ یا ماہر کا اس سے یوں بات کرنا جیسے وہ کسی شے پہ نادم ہو، جیسے وہ زارا کو مزید کسی قسم کا دکھ نہ پہنچا سکتا ہو۔زارا اس کی فیملی تھی۔وہ ہمیشہ اس کی زندگی میں رہے گی۔وہ کبھی وہاں سے نہیں نکلے گی۔اف! وہ بھی کیا سوچنے لگی تھی۔

سر جھٹکا اور پلاسٹک بیگ میں برش کو سیل کرنے لگی۔اچھا بھلا برش جلد بازی میں ضائع کر دیا۔ہونہہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے zen سے سن روم میں آج پھر مریضوں کے اٹینڈنٹ جگہ جگہ کاؤچز پر بیٹھے تھے۔بیر بل آج نہیں آیا تھا۔ماہر شیشے کی دیوار کے سامنے رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا تھا۔نگاہیں سامنے دکھائی دیتے دوسرے نمبر کے بیڈ پہ تھیں جس پر مالک فرید آنکھیں موندے لیٹے تھے۔سر پہ گرم ٹوپی تھی اور چہرے سے وہ تکلیف میں دکھائی دیتے تھے۔جسم سے نالیاں اسی طرح لگی تھیں اور قطرہ قطرہ دوا رگوں میں سرایت کر رہی تھی۔ہر طرف ایک پر امید اور پر خوف سی خاموشی تھی۔

ساتھ والی کرسی پر زارا بیٹھی تھی۔اس روز کے برعکس آج اس نے نفیس سا سفید مڈی ڈریس پہن رکھا تھا۔کرسی کی پشت پر سفید سیاہ دھاریوں والا کوٹ لٹکا تھا۔بلو ڈرائی بال سیٹ تھے اور ہلکا میک اپ چہرے پر موجود

تھا۔ آج اس کی آنکھیں بھی خشک تھیں اور وہ بظاہر سنبھلی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ خاموشی سے مالک فرید کو کئی منٹ دیکھنے کے بعد اس نے ماہر کی طرف چہرہ موڑا۔

"کیوں نا آج ہم سب رات ڈنر ساتھ میں کریں؟"

ماہر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا؟" وہ جیسے کسی خیال میں گم تھا۔

"میں کہہ رہی ہوں کہ آج رات تم اور بیربل بھی بابا کی طرف آجاؤ۔ میں پاستا بناؤں گی اور ہم ایک فیملی کی طرح ساتھ ڈنر کریں گے۔" وہ پرجوش انداز میں پلان بنا رہی تھی۔ مالک فرید کو ہر ایک دن چھوڑ کے دوا لگتی تھی اور چند گھنٹوں بعد ہی گھر بھیج دیا جاتا تھا۔ زارا آج کل ان کے ساتھ انہی کے گھر میں رہائش پذیر تھی۔

"وہ سوزین کو چھوڑ کے نہیں آئے گا۔ اور اگر وہ آئی تو یہ فیملی ڈنر نہیں ہو گا۔"

"میں اسے کہہ دوں گی۔ فکر مت کرو۔ ہم چار فریدز ایک ساتھ، ایک چھت تلے۔" وہ مسکرائی۔ مسکرانے سے اس کے چہرے پر کہیں کوئی لکیر نہیں پڑتی تھی۔

"اوکے۔" ماہر نے اثبات میں سر ہلایا اور نرمی سے مسکرا کے واپس سامنے دیکھنے لگا۔

"تھینک یو تمہارے آنے کے لیے۔ میں اکیلے صبح گھبرا گئی تھی۔ اب چلتی ہوں۔ پہلے کیف جاؤں گی۔ مجھے اپنے پرانے آفس سے اپنی کچھ چیزیں لینی ہیں۔"

ماہر نے سوال نہیں پوچھا۔ وہ خود سے بتانے لگی۔

"میں اپنی مارکیٹنگ فرم کھولنے جا رہی ہوں۔ میں مزید کیف میں کام نہیں کروں گی۔ ویسے بھی میں کافی عرصے سے بریک پہ تھی۔ اب میں کچھ اپنا کرنا چاہتی ہوں۔" وہ رکی اور پھر مسکرائی۔

"مجھے خوشی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ..." وہ رک کے جیسے لفظ تلاش کرنے لگی۔

"civil۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ civil ہیں۔" اس نے شیشے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے مدد کی۔ زارا کھل کے مسکرادی۔ سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ کوٹ پہنتے ہوئے اس نے ایک نظر ماہر کو دیکھا جو ابھی تک بیٹھا مالک فرید کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی ہیلز کی آواز دور جا کے معدوم ہو گئی، تب بھی وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔

شیشے کی دیوار میں ماہر کو دکھائی دے رہا تھا۔ عمار پیچھے ایک کرسی پر بیٹھا انہی نگاہوں سے مالک فرید کو دیکھ رہا تھا۔ ماہر کے عکس پہ اس کی نگاہ پڑی تو ماہر نے اشارہ کیا۔ وہ فوراً اٹھ کے سامنے آیا۔ اور زارا کی کرسی پر بیٹھا۔

"جی، سر؟"

"میرا کاٹیج یاد ہے؟"

"جی۔ کل مجھے بروکر نے بتایا تھا کہ بیربل نے اسے فروخت کرنے کے لیے کہا ہے۔" عمار خاموش ہو گیا جیسے کسی بات نے بے چین کیا ہو۔

"جانتا ہوں۔ اور؟"

"وہ مارکیٹ پرائس سے کم قیمت مانگ رہا ہے۔ وہ اتنی قیمتی جگہ ہے، سر۔"

"کیونکہ وہ haunted ہے۔"

عمار نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"نہیں تو... ایسی کوئی بات...." پھر وہ ٹھہر گیا۔ ماہر کو غور سے دیکھا۔

"اچھا... وہ haunted ہے۔" آنکھوں میں چمک ابھری پھر ہونٹوں پہ مسکراہٹ۔

"سمجھ گیا۔" سر کو خم دیا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ ماہر نے غور سے اسے اٹھتے دیکھا۔ کل رئیل اسٹیٹ مارکیٹ میں اس کاٹیج کے بارے میں افواہیں کس انداز میں پھیلتی ہیں، اور بیربل کو افواہ شروع کرنے والے کی خبر

ہوتی ہے یا نہیں، اس کا نتیجہ ایک دو دن میں سامنے آجائے گا۔ اور اس نتیجے سے وہ جان پائے گا کہ وہ عمار پہ کتنا بھروسہ کر سکتا ہے۔

کیونکہ ایک سوال ایسا تھا جس کا جواب اسے صرف عمار دے سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس دوپہر کیف کی عمارت میں بے چینی اور ہلچل سی پھیلی تھی۔ دو گھنٹے قبل اچانک سے بارش شروع ہوئی تھی اور ایسے تواتر سے برستی گئی کہ پانی بیسمنٹ میں داخل ہو گیا تھا۔ ایک اہم کلائنٹ اس وقت کانفرنس روم میں لیڈ آرکیٹیکٹس کے ساتھ موجود تھا اور کیف کے آدھے عملے کی یہ کوشش تھی کہ کسی بھی طرح اس کلائنٹ کو بیسمنٹ میں آئے پانی کے بارے میں علم نہ ہو سکے۔ اور باقی آدھا عملہ پانی کو خاموشی سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ بارش تیز تھی۔ وہ ہلکی تھی لیکن ڈھٹائی سے مسلسل برسے جا رہی تھی۔ مالا نے بیکری سے بس کی بجائے ٹیکسی پکڑی تھی۔ اسے کچھ پیپرز کاپی کروانے تھے اور اس بارش میں وہ کسی کاپیئر کے پاس جانے کی خواری سے بچنے کے لیے کیف میں چلی آئی تھی۔ مگر جب بیسمنٹ میں کاپی مشین کے لیے آئی تو دیکھا، نیلے مخملیں پردوں کے نچلے کنارے پانی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کوئی وائپر لگا رہا ہے تو کوئی موپ۔

وہ افسوس سے سر دائیں بائیں ہلاتی واپس زینے چڑھنے لگی۔ پہلا خیال یہی آیا کہ ماہر جیسے آرکیٹیکٹ کی عمارت میں پانی کا گھس آنا عمارت کے نقشے اور ڈیزائن میں نقص کی نشاندہی کرتا تھا۔ پھر یاد آیا کہ یہ تو کرایے کی عمارت تھی، اس کو ماہر نے تھوڑی ڈیزائن کیا تھا۔ دل نے فوراً ہی اس کا دفاع کیا تھا۔

دوسرا کاپیئر زارا کے آفس کے سامنے رکھا تھا۔ اس پہ عموماً رش ہوتا تھا مگر مالا کو ان ڈاکومنٹس کی نقلیں بنانے کی اشد ضرورت تھی۔ ان کی مدد سے اس نے بیکری میں ایک اسٹینسل پینٹ کرنا تھا۔

وہ اس کاپیئر کی قطار میں کھڑی ہو گئی اور تازہ انک کی مہک کو اندر اتارتے ہوئے گردن موڑی تو زارا کے شیشے کے پنجرے نما آفس میں کوئی دکھائی دیا۔ وہ ٹھٹکی۔

زارا چند چیزیں درازوں سے نکال کے ایک باکس میں ڈال رہی تھی۔ اس کی مالا کی جانب پشت تھی۔ بل دار لمبے بال کمر پہ بکھرے تھے اور دراز کھنگالتے ہاتھوں میں سنہرے بریسلیٹ اور انگوٹھیاں دمک رہی تھیں۔ وہ اب آفس نہیں آتی تھی۔ عرصے بعد دکھائی دی تھی۔

مالا نے کاغذوں کا پلندہ وہیں رکھا اور اس کے آفس تک آئی۔ شیشے کے دروازے میں اپنا عکس دکھائی دیا۔ کندھوں تک آتے بالوں کے سروں کو چھوا۔ بال کٹوانے کے فیصلے پہ دل میں کہیں افسوس ہوا۔ ایک تو لڑکیوں کا یہ بہت مسئلہ تھا کہ جیسے ہی کرائسس آیا، بال کٹوا دیے۔ اونہوں۔ سر جھٹک کے انگلی سے دستک دی اور دروازہ کھول لیا۔ جب تک زارا پلٹی وہ اندر آ کے دروازہ بند کر چکی تھی۔

"مالا؟ ہیلو۔" اس پہ ایک اچٹتی نگاہ ڈال کے زارا واپس اپنے باکس پہ جھک گئی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"سن رہی ہوں۔" زارا نے میز پر رکھا فریم اٹھایا، اونچا کر کے دیکھا، پھر اسے پلٹایا۔

"آپ جانتی ہیں کہ میں جانتی ہوں۔ اس لئے کھل کے بات کرتے ہیں۔"

"کس بارے میں ؟" فریم کو کھولتے زارا کے ہاتھ رکے۔ ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ مالا نے گہری سانس لی، سینے پر بازو لپیٹے اور جب بولی تو آواز میں آنچ سی تھی۔

"عالیان کے بارے میں۔ میں نے اس کی ویڈیو کال پہ آپ کو دیکھا تھا۔ اور آپ نے مجھے۔"

زارینہ فرید کی آنکھوں میں شدید الجھن کا سا تاثر ابھرا۔

"کون عالیان؟ کیسی ویڈیو کال؟"

"زارا، پلیز..." اس کے ضبط کا پیمانہ بس لبریز ہونے کو تھا۔ "ایک لمحے کے لیے خود کو میری جگہ پر رکھ کے سوچیں۔ میرا بیٹا لاپتہ ہے۔ وہ ایک چھوٹا سا بچہ ہے جس کو نہ جانے اس شخص نے کس حال میں رکھا ہے۔ اور صرف آپ ہیں جو عالیان کو ڈھونڈ سکتی ہیں۔"

زارا نے فریم باکس میں رکھا، اس کی طرف پلٹی، میز سے ٹیک لگا کے دونوں ہاتھ دائیں بائیں جما لیے اور جیسے فرصت سے مالا کو دیکھا۔

" مجھے تم سے ہمدردی ہے ۔لیکن شاید تمہیں بھی اپنے بیٹے کا دھیان رکھنا چاہیے تھا۔ اگر مائیں attentive ہوں تو ان کے بچے نہیں کھوتے۔"

اس کے سینے میں ایک ابال سا اٹھا جسے بہت ضبط سے اس نے نیچے دھکیل دیا۔

"کیا آپ عالیان کے بارے میں کوئی ایسی بات بتا سکتی ہیں جو پولیس کو اسے ڈھونڈنے میں مدد دے؟"

"میں بالکل بتا سکتی ہوں اگر تم پہلے یہ بتاؤ کہ عالیان کون ہے۔"

"زارا، پلیز..." اس کی آواز بلند ہونے لگی۔ "میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں۔ اگر چاہتی ہیں منت کروں تو وہ بھی کر لوں گی۔ وہ میرے بیٹے کا اغوا کار ہے اور آپ اس کو جانتی ہیں۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔"

زارا آنکھوں میں اچنبا لیے اسے دیکھے گئی، جیسے کسی ناسمجھ بچے کی بات پہ انسان اسے غور سے دیکھتا ہے۔

"وہ ایک خطرناک آدمی ہے، زارا۔ وہ آپ کو بھی نقصان دے سکتا ہے۔ اور ہمیں نہیں معلوم وہ کب تک میرے بیٹے کو زندہ رکھے گا۔ ہمیں جلد از جلد اس کو ڈھونڈنا ہے۔ اگر آپ میری مدد کریں گی تو یہ آپ کا میرے اوپر احسان ہو گا۔"

زارا نے اب بازو سینے پر لپیٹ لیے۔ میز سے ٹیک لگائے، پاؤں ایک دوسرے کے اوپر رکھ لیے۔

مالا نے آواز دھیمی کی۔

"کبھی نا کبھی آپ بھی ماں بنیں گی۔ اس وقت آپ میرے احساسات کو بہتر طور پہ سمجھ سکیں گی۔ اس وقت میں آپ سے صرف انسانی ہمدردی کی امید رکھتی ہوں۔ کیا آپ میرا بیٹا ڈھونڈنے میں میری مدد کر سکتی ہیں؟"

"مگر میں کسی عالیان کو نہیں جانتی۔ کیا یہ وہ شخص ہے جس نے تمہارے بیٹے کو اغوا کیا ہے؟"

مالا نے گہری سانس لی، افسوس سے سر جھٹکا۔ ایک لمحے کے لیے تو اس کو بھی شک ہوا تھا کہ کہیں عالیان جھوٹ نہ بول رہا ہو۔ ویڈیو کال پہ اس روز زارانہ ہو، کوئی جعلی ویڈیو ہو۔ مگر نہیں۔

"آپ اچھی طرح جانتی ہیں میں اس روز مالک صاحب کے پاس کیوں آئی تھی اور..."

"تمہیں میرے باپ سے ملنا کیوں پسند ہے؟"

مالا چند لمحے کے لئے کچھ بول نہ سکی۔

"شاید یہ تمہارا ٹراما ہے، مالا۔ تمہارے فادر کی بچپن میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔ میں نے سنا ہے ایسی لڑکیاں ہمیشہ کسی بااثر انسان میں اپنا فادر فگر تلاش کرتی ہیں۔ شاید میرے باپ میں بھی تم وہی ڈھونڈ رہی ہو۔ لیکن میں تمہیں بتاتی چلوں کہ انہیں صرف تم سے ہمدردی ہو سکتی ہے، لیکن وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کو اپنا باپ سمجھنے کی غلطی کرو گی تو تمہارا دل ہی ٹوٹے گا۔"

وہ چچ چچ کرتی افسوس سے سر دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔

آنسوؤں کا ایک گولا اس کے حلق میں پھنسا لیکن ابھی نہیں۔ ابھی اس نے نہیں رونا تھا۔

"میں ایسا کچھ نہیں سمجھتی۔ وہ ایک مہربان انسان ہیں اور میں جب بھی ان کے پاس گئی ہوں، خالی ہاتھ لوٹ کے نہیں آئی۔ مجھے آپ سے بھی یہی امید ہے۔ اسی لیے آپ سے ریکوئیسٹ کر رہی ہوں۔ کیا آپ میری مدد کریں گی؟"

"میں ضرور کرتی، اگر میں کسی عالیان کو جانتی ہوتی۔ آئی ایم سوری۔" زارا نے کندھے بے چارگی سے اچکائے اور واپس میز کی طرف پلٹ گئی۔

"ایک دن آپ بھی کسی سے شادی کریں گی... ماں بنیں گی... آپ کا بھی کوئی بچہ ہو گا اور تب آپ میری فیلنگز..." زارا اسی تیزی سے پلٹی۔ اس کی آنکھوں میں اچانک سے شرارے دوڑنے لگے تھے۔

"وہ واحد شخص جس سے میں کبھی شادی کروں گی، وہ ماہر فرید ہو گا۔ میری یہ بات بھولنا مت۔"

وہ ایسے غرائی تھی کہ مالا پلک تک نہ جھپک سکی۔ سارے الفاظ جیسے کھو گئے۔ نا سمجھی سے زارا کو دیکھا۔ وہ واپس مڑ چکی تھی اور ہاتھ سے اسے باہر نکلنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ مالا کی آنکھوں نے اس کے ہاتھ میں پہنی سنہری انگوٹھیوں کو دیکھا۔ منگنی کی انگوٹھی اب وہاں نہیں تھی۔ لیکن وہ کہہ رہی تھی کہ وہ ماہر سے شادی کرے گی؟

وہ انہی قدموں سے واپس پلٹ گئی۔ البتہ اس کا دل عجیب خراب سا ہو رہا تھا۔ فوٹو کاپیئر پہ ابھی تک رش لگا تھا۔ وہ چپ چاپ اس قطار میں کھڑی ہو گئی، البتہ گردن موڑ کے بار بار اس شیشے کی دیوار کو ضرور دیکھتی جہاں زارا اپنا سامان پیک کر رہی تھی۔

آفس سے باہر آ کے زارا نے شبنم کے ڈیسک پر اس باکس کو رکھا۔ شبنم جو لیپ ٹاپ پہ مصروف تھی، ہڑبڑا کے سیدھی ہوئی۔ باکس کو دیکھ کے گہری سانس لی۔

"یہ آپ کے اپارٹمنٹ میں پہنچانا ہے، میم؟"

"اونہوں! بابا کے گھر پہ۔ میں آج کل وہیں رہ رہی ہوں۔"

وہ مالا سے چند فٹ کے فاصلے پر ہی کھڑی تھی۔ مالا اس کو بخوبی سن سکتی تھی۔

"اور یہ ماہر کی چیزیں ہیں۔" ایک چھوٹا باکس ساتھ رکھا۔ "یہ بھی بابا کی طرف پہنچانی ہیں۔ رات ماہر وہیں آ رہا ہے ڈنر پہ۔ میں اسے دے دوں گی۔"

شبنم کا کندھا تھپک کے وہ آگے بڑھ گئی۔ شبنم نے اچھنبے سے ان دونوں باکسز کو دیکھا۔

"میں ڈائریکٹ ماہر بے کو پہنچا دیتی۔ اب یہ باکس پہلے شہر کے دوسرے کنارے جائے گا۔ پھر واپس سریار آئے گا۔ یہ کیا بات ہوئی؟" اسے زارا کی منطق سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن کاپی مشین میں اپنے کاغذ ڈالتی کشمالہ مبین کو آچکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لکڑی اور پتھروں سے بنے اس گھر میں سمندر کی لہروں کا شور اس شام سنائی دے رہا تھا۔ لونگ روم اور اوپن کچن کے درمیان رکھی ڈائننگ ٹیبل کے گرد تین کرسیاں لگی تھیں۔ ایک پر عبد المالک فرید بیٹھے تھے۔ نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا، اونی ٹوپی سر پہ تھی، اور چہرہ مزید کمزور دکھائی دیتا تھا۔ اپنے استخوانی ہاتھ سے وہ سوپ میں بریڈ بھگو کے لقمہ لے رہے تھے۔

دوسری کرسی پر ماہر موجود تھا۔ اس نے سیاہ پینٹس پہ سرمئی ہائی نیک سوئیٹر پہن رکھا تھا اور آستین پیچھے کو چڑھائے وہ مسلسل موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ چھت سے لٹکتا زرد بلب والا لیمپ ان کے سروں سے ذرا سا اوپر تھا اور اس کی روشنی سارے کو ایک خوابناک سا تاثر دے رہی تھی۔ فضا میں سمندر کے نمکین پانی کی خوشبو تھی اور پارمیسان پنیر کی مہک۔ اس گھر میں خوشبودار موم بتیاں جلانے کا رواج نہ تھا۔

زارا کی کرسی خالی تھی۔ وہ کچن کاؤنٹر پہ کھڑی پاستا ڈش میں نکال رہی تھی۔ اس کے بل دار بال اونچی پونی میں بندھے تھے، یوں کہ لہروں کی صورت کمر پہ گرتے تھے۔ اس نے بھی سیاہ پینٹس پہ ہائی نیک پہن رکھی تھی اور بلاک ہیلز لکڑی کے فرش پہ ٹھک ٹھک آواز پیدا کر رہی تھیں۔ پھر وہ ڈش لئے میز تک آئی اور کرسی کھینچی۔ لکڑی کے لکڑی سے رگڑنے کی آواز سنائی دی اور اشتہا انگیز صورت والا پاستا درمیان میں رکھا۔ پھر مسکرا کے ماہر کو دیکھا۔

"تھینک یو کہ تم آئے۔"

ماہر ہلکا سا مسکرا دیا، ساتھ ہی مالک کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تشویش تھی۔وہ جیسے بار بار ان کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔

"آج کا سیشن کیسا رہا؟" وہ بظاہر لہجے کو سرسری بنا کے پوچھ رہا تھا۔ جانتا تھا مالک فرید کو اپنی بیماری سے متعلق بات کرنا نہیں پسند۔ انہوں نے بس ایک کٹیلی نگاہ اس پہ ڈالی اور پھر زارا کو دیکھا۔

"بیربل کیوں نہیں آیا؟"

زارا نے شانے اچکا دیے۔

"بلایا تھا۔ کہہ رہا تھا وہ اور اس کی بیوی ڈنر پہ جا رہے ہیں۔ میں نے اصرار نہیں کیا۔"

ماہر کے چہرے پہ بدمزگی سی پھیلی لیکن بولا کچھ نہیں۔ پاستا کی ڈش مالک کے سامنے کی۔ انہوں نے بے زاری سے اسے پرے کرنے کا اشارہ کیا۔ آج کل ان سے کچھ کھایا نہیں جاتا تھا۔

"تم نے آفس سے اپنی چیزیں لے لیں؟" چند لمحے خاموشی سے گزرے تو ماہر نے چمچ میں پاستا بھرتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ چیزیں لی ہیں۔ باقی کسی اور دن۔" زارا نے چمچ کانٹا نیچے رکھا اور جیسے یاد آنے پہ بتانے لگی۔

"تمہاری کچھ نوٹ بکس غلطی سے میرے سامان میں آ گئیں۔ وہ میں نے عمار سے کہہ کے تمہاری کار میں رکھوا دی ہیں۔"

"اوکے۔" وہ پلیٹ میں چمچ ہلا رہا تھا۔ زارا اب مالک فرید سے مخاطب تھی۔ وہ انہیں ان کے کسی فیملی فرینڈ کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ماہر ان لوگوں کو جانتا تھا جن کی بات کی جا رہی تھی لیکن اس کا ذہن یکسوئی سے اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ اس کی نگاہ بار بار پلیٹ کے ساتھ رکھے موبائل کی بجھی ہوئی اسکرین کی طرف اٹھتی تھی۔

اس وقت وہ کیا کر رہی ہو گی؟ صبح بیکری میں ان کی گفتگو ادھوری رہ گئی۔ مالا کو اتنی رینویشن کروانے کی کیا ضرورت تھی؟ اتنا خرچہ خوامخواہ میں کیا ہو گا۔ کیا اس کے پاس اتنی سیونگز تھیں؟ اس نے بیکری اسے دے دی

تھی لیکن اگر وہ واقعی واپس چلی گئی تو وہ اتنے کم عرصے میں اسے کیسے چلائے گی؟ مگر یہ کس کو معلوم تھا کہ بدر اسے کب ملے، اور وہ کب تک یہاں رکے؟

اون کی گھنٹی بجی تو زارا کو جیسے یاد آیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کے اون کی طرف گئی۔ شاید وہ اندر کچھ رکھ کے بھول گئی تھی۔ ماہر نے ایک دم موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ انگلیاں تیزی سے کی پیڈ پر چلنے لگیں۔

"رینوویشن کہاں تک پہنچی؟" میسج لکھ کے بھیجا اور موبائل رکھ دیا۔ ابھی چمچہ اٹھایا ہی تھا کہ ٹون بجی۔ اس نے تیزی سے موبائل واپس اٹھایا۔ گرین آئیز لکھا دیکھ کے مسکرایا۔

"ابھی بیکری پہ ہوں۔ پینٹ کر رہی ہوں۔"

"دکھاؤ!"

عبدالمالک فرید نے بغور ماہر کے جھکے چہرے کی مسکراہٹ دیکھی جس پہ موبائل کی نیلی روشنی پڑ رہی تھی۔

"تم نے بیکری مالا کو دے دی؟"

ماہر نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ پھر تاثرات سنجیدہ کرتے ہوئے موبائل میز پر الٹا کے رکھا۔

"جی۔"

"کیوں؟"

"کیوں؟" دوسرا کیوں زارا کی طرف سے آیا تھا جو دستانوں سے ایک گرم پین پکڑے میز کی طرف آ رہی تھی۔ شاک اتنا بڑا تھا کہ وہ راستے میں رک گئی۔

"بیربل اس کو تباہ کر رہا تھا۔ مالا اسے بہتر کر سکتی ہے۔"

"مگر...." زارا کچھ کہہ ہی نہ سکی۔ حیرت سے زیادہ اسے صدمہ پہنچا تھا۔

"اس بیکری کو دوبارہ کھڑا کرنے کے لئے اس کو ایک انویسٹر کی ضرورت ہو گی۔" مالک فرید جیسے سوچتے ہوئے بول رہے تھے۔

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"یہ اس کا مسئلہ ہے۔ خود مینیج کر لے گی۔" انداز سرسری تھا۔ البتہ وہ زارا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ الٹا رکھا موبائل پھر سے تھرتھرایا۔ البتہ وہ ابھی اسے اٹھانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

"تم اتنی قیمتی جگہ اس کو کیسے دے سکتے ہو؟ اس نے تو اس شہر سے چلے جانا ہے۔ نہیں؟" زارا نے جیسے بہت ضبط سے آواز کو ہموار رکھا۔

"کہانا، یہ اس کا مسئلہ ہے۔" ماہر کی آواز میں ہلکی سی بیزاری تھی۔ عبد المالک فرید نے اس بیزاری کو بہت واضح محسوس کیا تھا۔

"اور زیاد؟"

ماہر نے چونک کے انہیں دیکھا۔ وہ اسی تشویش سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"وہ مجھے ملا تھا۔ ہمیشہ کی طرح مجھے دھمکی دی۔ لیکن کیا فرق پڑتا ہے؟"

"فرق پڑتا ہے، ماہر۔ وہ اس شہر سے اپنا انتقام لیے بغیر نہیں جائے گا۔ ہمیں اس کا کچھ کرنا ہو گا۔"

ماہر کے ابرو ناگواری سے تن گئے۔

"ہم زیاد سلطان جیسے نہیں ہیں۔ نہ ہی ہم قانون کو ہاتھ میں لیں گے۔ ایسا کچھ مت سوچنا، مالک۔" اس کی آواز میں تنبیہہ تھی۔

عبد المالک فرید نے ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔

"مجھے جو کرنا ہے وہ میں کروں گا۔ نہ پہلے تمہاری اجازت مانگی ہے نہ اب مانگوں گا۔" اکھڑے لہجے میں کہہ کے وہ اپنے باؤل پہ جھک گئے۔ اس سے پہلے کہ ماہر کچھ کہتا...

"اگر تم نے بیکری کو پھر سے اٹھانا تھا تو تم مجھے بتا سکتے تھے۔ ہم ایک ٹیم بنا کے اس پہ کام کرتے، اس کے لیے انویسٹر ڈھونڈتے اور..." زارا بے چینی سے تیز تیز بول رہی تھی جب ماہر نے ہاتھ اٹھایا۔

"میرا اس پہ قرض تھا، زارا۔ مجھے یہ بیکری اسی کو دینی تھی۔ یہ باب بند ہوا۔" دھیمے مگر دوٹوک انداز میں کہہ کے اس نے موبائل اٹھالیا۔ اسکرین روشن کی۔

وہاں ایک دیوار کی تصویر موصول ہوئی دکھائی دے رہی تھی جو آدھی پینٹنگ سے بھری تھی اور آدھی پہ چند نیلی tapes آڑھی ترچھی کر کے لگا رکھی تھیں۔ ماہر نے انگلیوں کی چٹکی کھول بند کر کے زوم کیا اور اس تصویر کو ہر زاویے سے دیکھا۔ نہ جانے وہ کیا بنا رہی تھی لیکن اچھا ہی بنائے گی۔ چہرے پر مسکراہٹ پھر سے آگئی تھی۔

"میں گھر جاتے ہوئے چکر لگاؤں گا۔ ابھی مالک کی طرف ہوں۔" اس نے پیغام لکھ کے بھیجا اور موبائل الٹا کر کے رکھا۔ چہرہ اٹھایا تو وہ دونوں اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ ماہر نے پھر سے مسکراہٹ کو سنجیدگی میں بدلا۔

مالک فرید نگاہیں موڑ کے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے اور زارا سے نظریں اس نے خود ہی چرا لیں۔

البتہ اس کی مسکراہٹ ابھی تک ہونٹوں پہ موجود تھی۔

زارا کھنکھار کے اب کچھ اور کہہ رہی تھی۔ اپنی بہن کی بات... بہنوئی کا قصہ... لیکن ماہر کا ذہن کہیں اور لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں گھر جاتے ہوئے چکر لگاؤں گا۔ ابھی مالک کی طرف ہوں۔"

اسکرین پر الفاظ دمک رہے تھے اور کشمالہ مبین کی آنکھوں کے دیئے بجھ گئے تھے۔ اس نے بے دلی سے اسکرین بجھائی اور موبائل پرے ڈال دیا۔ کچھ تھا جس نے سارا موڈ خراب کر دیا تھا۔

وہ ابھی تک زارا کے ساتھ تھا۔ وہ اس کی زندگی سے کبھی نہیں جائے گی۔

وہ فرش پر آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ بیکری کی ساری بتیاں جلی تھیں۔ البتہ اس وقت وہاں کوئی دوسرا ذی نفس نہیں تھا۔ صرف وہ تھی، اس کے رنگ اور ماہر کے میسج سے حلق میں امڈتی کڑواہٹ۔

(خیر، مجھے کیا! وہ جس کے ساتھ بھی ہو۔ کزن ہے وہ اس کی۔) سر جھٹک کے مالا نے پھر سے برش اٹھا لیا۔ وہ ایپرن پہنے ہوئے تھی، چھوٹے بال پونی میں مقید تھے اور سر پر سفید ریشمی رومال باندھ کے گردن کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی۔ زمین پر بیٹھے بیٹھے وہ دیوار کے اس حصے پر باریک برش سے لکیر کھینچ رہی تھی جو فرش سے مل رہا تھا۔ دائیں بائیں جابجا ادھ کھلے کارٹن اور پینٹ کے ڈبے رکھے تھے۔ پلاسٹک شیٹس اور پینٹرز ٹیپ جگہ جگہ چسپاں تھیں اور فضا میں مٹی کے تیل اور تازہ پینٹ کی مہک تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

مالا نے چونک کے گردن موڑی۔ دائیں دیکھا پھر بائیں۔ وہاں پہ کوئی نہ تھا۔ کیا یہ اس کا وہم تھا؟ وہ دیوار کی طرف پلٹی لیکن ذہن بکھر سا گیا تھا۔ بدقت اس آواز کو دماغ سے جھٹکا اور برش کے بالوں کو سرمئی پینٹ میں ڈبویا ہی تھا کہ...

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

مدھم مردانہ آواز۔

برش اس کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ بیکری کے بالائی حصے میں تھی۔ چند قدم دوڑ کے ریلنگ تک آئی اور نیچے جھانکا۔ بیکری خالی تھی۔ سیڑھیاں سنسان تھیں۔ دروازہ لاکڈ تھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔

اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ رنگت قدرے پھیکی پڑی۔ وہ آواز حقیقت میں نہیں تھی۔ یہ اس کا ذہن تھا جو اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا تھا، یا پھر عالیان کا بھیجا کوئی جن۔

وہ واپس آ کر بیٹھی ہی تھی کہ موبائل ٹرن ٹرن بجنے لگا۔ ایک دم وہ ڈر گئی۔ اف ہو۔ پھر گہری سانس لے کر فون اٹھایا۔ عبد المالک فرید کالنگ۔ اچھنبے سے ابرو اکٹھے ہوئے۔ (شاید ماہر ڈنر کے بعد ان کی طرف سے نکل پڑا تھا اور اب وہ اسے کال کر رہے تھے۔)

"ہیلو؟" فون کان سے لگایا۔

"جی، میں ٹھیک ہوں۔ تھینک یو!" رک کے سنا۔

"جی... (گہری سانس) ماہر نے یہ سفید ہاتھی میرے نام کر دیا ہے۔ (آنکھیں گھما کے اطراف میں دیکھا) اس کو رینوویٹ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ نہیں آپ صحیح کہہ رہے ہیں، مجھے انویسٹر کی ضرورت ہے۔ بالکل! لیکن اس شہر میں میں اتنے لوگوں کو جانتی نہیں ہوں۔ کیسے ڈھونڈوں انویسٹر؟"

دوسری طرف سے کہے جانے والے الفاظ سن کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔ پھر چہرے پہ مسکراہٹ اتر آئی۔

"اوہ... مجھے یہ خیال نہیں آیا۔ کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے.....؟" اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ "اگر ایسا ہو جائے تو انویسٹمنٹ کا مسئلہ ہی حل ہو جائے....."

کال بند کی ہی تھی کہ زور سے ڈور بیل بجی۔ وہ ایک دم ڈر کے اچھلی۔ پھر تیزی سے سیڑھیوں کے دہانے تک آئی۔

گلاس ڈور کے باہر کھڑے شخص کا چہرہ دیکھ کے سانس میں سانس آیا۔

"کیا ہوا؟"

دروازہ کھلتے ہی ماہر چونک گیا۔ اس کی رنگت اڑی ہوئی تھی اور مسکراہٹ پھیکی۔

"کچھ نہیں۔ میں اپنے دھیان میں تھی۔ سوچا اتنی رات کو کون ہو گا۔"

اندر داخل ہوتے ہوئے ماہر نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ "ساڑھے نو بجے ہیں۔ اتنی رات نہیں ہوئی۔" وہ کوٹ کو دوسرے بازو پہ تہہ کیے ہوئے تھا اور سرمئی ہائی نیک کے آستین پیچھے چڑھا رکھے تھے۔ مالا نے جواب نہیں دیا۔ اپنے تاثرات چھپاتی پلٹ کے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

ماہر دائیں بائیں دیکھتا سست قدموں سے اس کے پیچھے آیا۔ بیکری کو اوپر نیچے سے اکھاڑ دیا گیا تھا جیسے۔

"ری ماڈلنگ کہاں تک پہنچی؟"

وہ دونوں اب زینوں کے اختتام پر آ چکے تھے۔ مالا آلتی پالتی کیے دیوار کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئی تھی، البتہ رخ دیوار کی بجائے ماہر کی طرف تھا۔ ماہر نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی کرسی نہیں تھی۔ صرف ایک میز تھی جس پر بہت سا سامان رکھا تھا۔ اس نے اپنا کوٹ ریلنگ پر ڈال دیا اور نیچے مالا کے سامنے فرش پر بیٹھا۔ فرش ٹھنڈا تھا۔ ہیٹنگ سسٹم کے باوجود۔

"مشکل ہے... لیکن ناممکن نہیں۔ میں سوچ رہی ہوں سارا فرنیچر بھی بدل دوں۔ نئی تھیم کے لحاظ سے۔"

ماہر نے نگاہیں اطراف میں گھمائیں۔ دیواروں پر جگہ جگہ پینسل سے اسکیچ بنے تھے لیکن ایسے کہ کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ کیا ہیں۔ اس نے واپس مالا کو دیکھا۔ آنکھوں میں تشویش تھی۔

"تم اتنا خرچہ کیسے کرو گی؟ میری رائے میں بیکری ویسے ہی ٹھیک تھی۔ تمہیں صرف اس کو چلانا تھا۔ یوں ساری لُک تبدیل کرنے پہ لاکھوں کا خرچہ آتا ہے اور..."

"خرچے کی فکر نہیں ہے۔ مجھے انویسٹر مل گیا ہے۔" اس کی ٹون ہی بدل گئی تھی۔ وہ ایک دم جیسے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

ماہر فرید کے دونوں ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"انویسٹر...؟ کون... کیسے...؟" اس نے مالا کو یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

کشمالہ نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ ”بس مل گیا ہے۔ سارا خرچہ وہی کرے گا۔ میرا صرف دماغ استعمال ہو گا۔ آئیڈیاز۔ مارکیٹنگ۔ یونو۔" اس کا چہرہ جوش سے گلابی ہو رہا تھا۔ وہ خوش لگ رہی تھی۔ آج اس کے چہرے پر پینٹ کا ایسا کوئی داغ نہ تھا جس کے بارے میں وہ چپ رہتا۔

”لیکن تم اس شہر میں کسی کو نہیں جانتیں۔"

کشمالہ نے جیسے برا مان کے اسے دیکھا۔

”یہ شہر صرف تمہارا نہیں ہے۔ کئی دفعہ آئی ہوں یہاں اپنے شوٹس کے لئے۔ میں فوٹو گرافر ہوں اور ہم لوگوں کے گھروں میں جاتے ہیں۔ بہت سے کنکشنز بن جاتے ہیں۔ کئی اچھے لوگوں کو جانتی ہوں میں... اور کئی برس سے جانتی ہوں۔"

ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

”مجھے یقین نہیں آتا۔ لیکن خیر..... آر یو شیور تمہارا انویسٹر (آواز میں کڑواہٹ تھی) اتنا سارا خرچہ کرے گا؟"

اس نے پھر سے مسکرا کے شانے اچکائے۔

”سب کچھ کرے گا۔ میں نے صرف اسے بل تھمانا ہے۔"

ماہر نے لب بھینچ لیے۔ غیر آرام دہ سا پہلو بدلا۔ (وہ اتنا بڑا فیصلہ لینے سے پہلے اس سے پوچھ سکتی تھی۔ مشورہ کر سکتی تھی۔ لیکن نہیں۔)

”کیا گارنٹی ہے کہ بل تھمانے پہ وہ یہ ساری پے منٹ کرے گا؟ کوئی کانٹریکٹ کیا ہے کیا؟" پھر اس نے لہجے کو قدرے نرم کیا۔ ”دیکھو اس شہر میں لوگ بڑے بڑے scams بہت آسانی سے کر لیتے ہیں۔ یہ کینیڈا نہیں ہے جہاں لوگوں کو پولیس کا خوف ہو۔ یہاں پہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے تمہیں یوں آنکھیں بند کر کے کسی پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ پہلے پیسے لے لو اور اس کے بعد..." ماہر نے اطراف میں ہاتھ ملایا۔ ”یہ سارے خرچے کرو۔"

لیکن وہ اسی طرح مسکرا رہی تھی۔ ”کہا نا وہ پیسے دے دے گا۔ میں سارے بلز آخر میں اس کو تھما دوں گی۔" وہ مطمئن تھی، لاپروائی کی حد تک۔

ماہر نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ اس بیکری میں یہ پہلی دفعہ نہیں تھا جب وہ کسی کو کاروبار کے اصول سمجھا رہا تھا۔ لیکن یہ طے تھا کہ ماہر فرید کی بات کوئی آسانی سے نہیں مانتا تھا۔

”کیا معاہدہ ہوا ہے تمہارا انویسٹر کے ساتھ؟ پرافٹ کی شرح کیا ہو گی؟" وہ اسی سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ آواز میں ناپسندیدگی تھی۔

”پہلے انویسٹمنٹ تو ہو جائے، پھر دیکھ لیں گے پرافٹ وغیرہ کو، ماہر بے۔" وہ لاپرواہ تھی یا خوش، وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔ یہ طے تھا کہ اس کی ابھی ابھی کسی انویسٹر سے بات ہوئی تھی۔ پیسے کی امید دلانے کے پہلے چند گھنٹوں میں ہر خیالی پلاؤ پکانے والے کی یہی حالت ہوتی ہے۔ وہ سمجھ سکتا تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اسے نہیں بتائے گی۔ جیسے اس نے عالیان کی کہی بات اس سے چھپالی تھی جو اس نے صرف مالک کو بتائی تھی۔

”تم میرے گھنٹی کرنے پہ ڈر کیوں گئی تھیں؟"

مالا کے چہرے کی جوت بجھی۔ لب کھولے جیسے تردید کرنا چاہتی ہو، پھر رک گئی۔ نو فلٹر اور نو ججمنٹ کا دعویٰ کیا تھا۔ اسے نبھانا بھی تھا۔

”مجھے وہ آواز سنائی دی تھی پھر سے۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

وہ دونوں پینٹ کے ڈبوں اور خاکی باکسز کے درمیان فرش پر آمنے سامنے بیٹھے تھے اور وہ رک رک کے بول رہی تھی۔

”کئی برس پہلے مجھے یہ آواز سنائی دیتی تھی... ہلال کی آواز.... بعد میں اس نے مجھے بتایا تھا کیسے وہ میوزک باکس کی چابی گھماتی تھی اور ساتھ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کہتی تھی تو آواز کسی طرح مجھ تک پہنچ جاتی تھی۔"

”لیکن ہلال کے پاس وہ باکس نہیں ہے، نہ ہلال..."

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”اب مجھے ہلال کی آواز نہیں سنائی دے رہی۔"

"پھر کس کی آواز؟"

"اس روز خواب میں اور ابھی بھی مجھے مردانہ آواز سنائی دی ہے۔ایک آواز جس کے پیچھے بہت سی آوازیں ہیں۔ ظہیر کی آواز۔"

ماہر کو چند لمحے لگے یاد کرنے میں کہ ظہیر کون تھا۔

"وہ اوشن کا مالک جس نے اوشن بیچ کے تمہیں نکال دیا تھا؟"

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ کہاں سے آ گیا؟اس کا اس سب سے کیا تعلق؟"

"پتہ نہیں... لیکن ایک دفعہ ان سب نے میری برتھ ڈے یوں منائی تھی۔ مجھے کہا کہ اوشن میں آگ لگ گئی ہے اور میں پہنچی تو سارا اسٹاف کیک لیے کھڑا تھا۔ ظہیر کی آواز ان میں سب سے واضح تھی۔ وہ سب تالیاں بجا رہے تھے۔ میں بہت panic میں وہاں گئی تھی۔ مجھے panic کی وہ کنڈیشن کبھی نہیں بھولے گی۔ خوف۔ پریشانی۔ آفس کے لاکر میں میرے ڈاکومنٹس اور چند قیمتی چیزیں تھیں۔ مجھے لگا سب کچھ جل جائے گا لیکن میں وہاں پہنچی تو ایک سرپرائز میرا انتظار کر رہا تھا۔"

"اور کیا تمہیں وہ سرپرائز اچھا لگا تھا؟"

مالا اداسی سے مسکرا دی۔"ان کے سامنے میں نے ظاہر کیا کہ میں بہت خوش ہوئی ہوں، لیکن سچ کہوں تو مجھے وہ سرپرائز اچھا نہیں لگا تھا۔ کیونکہ میں ڈر گئی تھی۔ اور اب وہ ہیپی برتھ ڈے کی آواز دوبارہ سن کے میرے دل میں وہی احساس پھر سے جنم لینے لگا ہے۔panic۔خوف۔پتا نہیں..."اس نے جھرجھری لے کے سر جھٹکا۔

وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا برتھ ڈے کئی ماہ دور ہے۔ میرا نہیں خیال اس آواز کا تعلق تمہارے برتھ ڈے سے ہے۔ شاید یہ آواز تمہیں کچھ بتانا چاہ رہی ہو۔"

کشمالہ نے کندھے اچکا دیے۔ "پتہ نہیں۔ میں غور نہیں کرنا چاہتی۔ میں صرف..."اس نے تھکی ہوئی سانس بھری اور گردن اٹھا کے اوپر دیکھا۔"بدر کو لے کے واپس جانا چاہتی ہوں.... اپنی زندگی میں۔"

ایک اداسی سی بیکری پہ پھیل گئی۔ایسی اداسی جس نے ساری روشنیاں گل کر دیں۔ امید کے سارے دیئے بجھا دیے۔ وہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہ سکا۔ پھر سر جھٹک دیا۔نہ موقع تھا نہ دستور۔ دائیں بائیں دیکھا ۔ادھ کھلے کارٹنز، برش، پینٹ کے ڈبے۔

"میری مدد چاہیے؟"

اس نے جھٹ سے سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔"صرف ایک چیز کے لیے۔"

وہ میز تک گئی۔ ایک کھلے کارٹن میں ہاتھ ڈالا اور ایک چیز باہر نکالی جو نکلتے ساتھ ہی کھنکھنائی تھی۔ ماہر نے اچھنبے سے اس طرف دیکھا۔ وہ ہاتھ میں ایک بیل (گھنٹی) لیے ہوئے تھی۔ جامنی رنگ کی بیل۔ جیسے چرچ بیل ہوتی ہے۔

وہ مسکرا دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ دروازے پر لگانی ہے تاکہ جب کوئی دروازہ کھولے تو مجھے معلوم ہو۔ سیکیورٹی بھی ہو گی اور خوبصورتی بھی۔"وہ گھنٹی اٹھائے کھڑی مسکرا رہی تھی۔"لیکن میرا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچ رہا۔ یہ کام میں نے تمہارے لئے رکھ دیا تھا۔"

ماہر کہنا چاہتا تھا کہ اپنے انویسٹر کو کہہ دیتی، شاید وہ لگا دیتا گھنٹی۔ لیکن خیر...وہ مسکرا کے اٹھا، گھنٹی ہاتھ سے لی اور زینے اترنے لگا۔ ہر اترتے قدم کے ساتھ وہ گھنٹی جھنجھنا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر بیکری سے گھر ہی جارہا تھا۔ اسے ساتھ چلنے کے لیے صرف ایک دفعہ کہا۔ جانتا تھا وہ نہیں مانے گی ۔اسے اپنی بس پسند تھی۔ وہ کچھ دیر مزید کام کرے گی پھر بس پکڑ لے گی۔ ماہر نے مزید اصرار نہیں کیا۔ اسے گھر کے راستے میں ایک جگہ رکنا تھا۔

وہ ہائی وے پہ تھا جب احساس ہوا کہ بیک ویو مرر میں ایک کار کی لائٹس بہت تیز روشن دکھائی دے رہی ہیں۔ اس نے چوکنے انداز میں چند ایک دفعہ مرر میں دیکھا، پھر رفتار تیز کی۔ اس کار کی رفتار بھی تیز ہو گئی۔ ماہر نے اچانک رفتار آہستہ کی، تو وہ کار بھی سست ہو گئی۔ وہ مسلسل اس کے پیچھے تھی۔

ایک موڑ پہ ماہر ایک دم کار پارکنگ لین میں لے گیا۔

تعاقب کرتی کار رک نہ پائی۔ وہ اسی رفتار سے زن سے سامنے نکل گئی۔ وہ ڈرائیور کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ اس نے کالا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ وہ کچھ دیر پارکنگ لین میں کار روکے کھڑا رہا۔ پھر اسے دوبارہ سڑک پر ڈال دیا۔

چند لمحے گزرے تھے جب موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ نمبر غیر شناسا تھا۔ اس نے کار فون کا اسپیکر آن کیا اور کچھ نہیں بولا۔ خاموشی۔ پھر مردانہ آواز گونجی۔

"میں صرف تمہیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ تم میری نظر میں ہو۔"

وہ اسی آواز کی توقع کر رہا تھا۔

"اور میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے تمام ایڈریسز تمہیں معلوم ہیں۔ میں اسی شہر میں ہوں، کہیں جاؤں گا نہیں۔"

چند لمحے کے لیے اسپیکر خاموش رہا اور پھر...

"کشمالہ سے دور رہو، ماہر۔ میں تمہیں آخری دفعہ بتا رہا ہوں۔ اس کی زندگی میں تمہاری کوئی جگہ نہیں ہے۔"

زیاد سلطان کی آواز میں طیش تھا۔

ماہر فرید کی کنپٹی کی رگ تن گئی۔

"مجھے مالا سے دور کرنے کے لئے تمہیں میری جان لینی پڑے گی، زیاد۔" بٹن دبایا اور کال کاٹ دی۔ پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور تیزی سے مالا کا نمبر ملانے لگا۔

"کہاں ہو تم؟"

"بس میں۔"

"کہیں رکنا مت۔ مجھے اپنی لائیو لوکیشن بھیجو، میں تمہیں راستے سے پک کر لوں گا۔"

"میں نے کہا نا، ماہر.... میری عادتیں خراب...."

"مالا، بحث نہ کیا کرو ہر دفعہ... لائیو لوکیشن بھیجو..."

بس ہر تین چار منٹ کے بعد کسی نہ کسی اسٹاپ پر رکتی تھی۔ ماہر کی کار متعین کردہ اسٹاپ تک آئی تو مالا نیچے اتر آئی۔ حیرت اور اچھنبے سے وہ اسے دیکھ رہی تھی جو دروازہ کھول کے تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔

"اندر بیٹھو۔" وہ دائیں بائیں بھی دیکھ رہا تھا۔ مالا ایک دم چونک گئی۔

"کیا کوئی خطرہ ہے؟"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ سر کے خم سے اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ کار میں بیٹھ گئی۔ سیٹ بیلٹ پہنی لیکن ابھی تک ناسمجھی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ واپس اندر بیٹھا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔

"تمہیں رات دیر تک بیکری پہ نہیں رہنا چاہیے۔ وقت پہ گھر آجانا چاہیے۔"

"تم نے کہا تھا میں قید نہیں ہوں۔ اب یہ کیا ہے؟"

"میں نے پہلے بھی کہا تھا اور ایک دفعہ پھر کہہ رہا ہوں..." وہ کار سڑک پر ڈالتے ہوئے سخت لہجے میں کہہ رہا تھا۔ "زیاد سلطان ایک خطرناک آدمی ہے۔ وہ اسی شہر میں ہے اور وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"میں اس کے بیٹے کی ماں ہوں، ماہر۔ وہ مجھے نہیں مارے گا۔ اس کے پاس مجھے مارنے کے بہت سے مواقع تھے۔ مجھے زیادہ سے نہیں عالیان سے خطرہ ہے۔"

ماہر نے گہری سانس لی۔ تنے اعصاب قدرے ڈھیلے ہوئے۔

"جانتا ہوں وہ تمہیں نہیں مارے گا۔ اس کی ہٹ لسٹ پہ کوئی اور ہے۔" آخری سطر وہ زیر لب بڑبڑایا ۔ پھر سر جھٹکا۔ "مارنا واحد طریقہ نہیں ہوتا انتقام لینے کا۔ وہ کچھ اور بھی کر سکتا ہے۔ وہ پہلے بھی کئی دفعہ بہت کچھ کر چکا ہے۔ تم آئندہ احتیاط کرو گی۔"

وہ گردن موڑے غور سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا اس نے پھر تمہیں کوئی دھمکی دی ہے؟"

"مجھے اپنی پرواہ نہیں ہے، مالا۔ مجھے تمہاری فکر ہے۔"

"کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا، ماہر... اور میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔ مجھے سچ سچ بتاؤ... اس نے پھر سے کچھ کیا ہے نا؟"

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "وہ یہ دھمکی کئی برس سے دے رہا ہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔" ایکسیلیٹر پر اس کے پیر کا دباؤ بڑھ گیا تھا۔ کار کی رفتار تیز تھی۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ وہ پریشان تھا لیکن بولی کچھ نہیں۔ بس کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

دل میں عجیب بے چینی سی اٹھ رہی تھی۔

بدر کو لیتے ہی اسے یہاں سے چلے جانا چاہیے کیونکہ زیاد سلطان سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ اس شہر میں صرف ایک شخص کی جان لینے آیا تھا۔ اور مالا اس شخص کی جان کو مزید اپنی وجہ سے خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ بیگم نے اسے اسی ہوٹل میں بلایا تھا جہاں ڈیڑھ ماہ قبل استنبول آنے کے بعد مالا ٹھہری تھی اور جہاں اس نے ماہر کو مدعو کیا تھا۔ اس کے ریستوران کی کرسیوں کا رنگ جامنی تھا۔ اس روز اس نے اس رنگ کو ایسے محسوس نہیں کیا تھا جیسے وہ آج کر رہی تھی۔ اس روز انہی کرسیوں پر مالا اور ماہر بیٹھے تھے اور تین دن بعد بیربل اس سے یہیں ملنے آیا تھا۔ یہ وہ ہوٹل تھا جو اس کے کلائنٹ نے اس کے لیے بک کیا تھا۔ اپنی ذاتی کمائی سے وہ ایسا ہوٹل افورڈ نہیں کر سکتی تھی اور اگر پیسے ہوتے تب بھی یہ فضول خرچی نہ کرتی۔ لیکن کبیرہ بیگم کا معیار الگ تھا۔ ان کا اسٹیٹس اور ذرائع آمدن کشمالہ مبین سے کہیں زیادہ تھے۔

وہ جب ہال میں داخل ہوئی تو کبیرہ سادان اس کو دور سے دکھائی دیں۔ جن کرسیوں پر ایک دفعہ وہ ماہر کے ساتھ بیٹھی تھی وہ اس میز پہ موجود نہیں تھیں بلکہ ہال کے دوسرے سرے پر ایک آئینے سے ڈھکی دیوار کے ساتھ رکھے سرمئی صوفے پر براجمان تھیں۔ بوائے کٹ بال جیل سے سیٹ تھے۔ کانوں اور گردن میں ہیرے جگمگا رہے تھے اور وہ آنکھیں موبائل اسکرین پر جمائے ہوئے تھیں۔ سفید براق بلاؤز پہنے جس کے گریبان پہ جھولتے لاکٹ میں کم از کم تین کیرٹ کا ہیرا دمک رہا تھا۔

مالا جیسے جیسے ان کے قریب آتی گئی، اسے کبیرہ کے سر کے پیچھے آئینے میں اپنا عکس بھی نزدیک آتا دکھائی دیا۔

کندھوں تک آتے بال، ہلکا میک اپ، سفید کوٹ (جو بار بار ڈرائی کلین ہونے کے باعث پہلے جیسا نہیں رہا تھا) اور گردن میں جھولتی فاختہ۔ گالوں پہ دو تین دانے بھی تھے اور ہاتھ پینٹ کرنے اور بار بار دھونے کے باعث مسلسل خشک ہو رہے تھے۔

ہر بڑھتے قدم کے ساتھ کبیرہ بیگم کے پرفیوم کی مہک تیز ہوتی گئی۔ وہ ان کے عین سامنے پہنچی تو انہوں نے مسکراتی آنکھیں اٹھائیں، سر سے پیر تک اس کا جائزہ لیا، پھر فون رکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کشمالہ!" انہوں نے اس کو یوں گلے لگایا جیسے اس پہ ڈھیروں پیار آ رہا ہو۔ جیسے ایک عرصہ وہ اس کی ماں پہ جادو نہ کرواتی رہی ہوں۔ جیسے ایک زمانے میں مالا کے ایکنی زدہ چہرے کو انہوں نے نشانہ نہ بنایا ہو۔

مالا سیدھی کھڑی رہی۔ وہ خود ہی اسے گلے لگا کے الگ ہوئیں۔ مالا نے ہاتھ بھی نہیں ہلایا۔

"مجھے ایک نمائش کے لیے استنبول آنا ہی تھا۔ تمہاری بات نے مجھے تجسس میں مبتلا کر دیا۔ سوچا چانس لینے میں کیا حرج ہے۔" وہ بے نیازی بھری مسکراہٹ کے ساتھ واپس بیٹھیں اور ٹیک لگالی۔ کبیرہ بیگم کی شخصیت میں ایک رعونت اور رعب تھا۔ اور انداز سے یوں ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں عالیان والی بات نے کچھ خاص متاثر نہیں کیا۔

"میں نے جو کہا تھا سچ کہا تھا۔" وہ جامنی کرسی کھینچ کے بیٹھی۔ دونوں کے درمیان میز پر رکھے گلدان میں آج بھی باسی گلابی پھول تھے۔

"پہلے یہ بتاؤ تم کیسی ہو؟ تم تو کینیڈا میں ہوتی تھیں۔" وہ آنکھیں چھوٹی کر کے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کی چمک اس چینجلنگ changeling سے مختلف نہ تھی جسے وہ خواب میں دیکھا کرتی تھی۔ شاید شیطانی چمک ایک جیسی ہوتی ہے۔

"میں اپنے بیٹے کو ڈھونڈنے استنبول آئی ہوں۔"

کبیرہ بیگم کے چہرے پر مصنوعی افسوس ابھرا۔ ہونٹ اوہ میں سکڑے۔

"اوہ ہاں۔ افسوس ہوا اس کے بارے میں سن کے۔ مجھ سے بہتر تمہارا غم کون سمجھ سکتا ہے؟ خیر ... تمہاری فوٹو گرافی اور سوشل میڈیا..."

"ہم small talk کو اسکپ کر کے کام کی بات کر لیتے ہیں، کبیرہ تائی۔" مالا مسکرا نہیں رہی تھی۔ وہ سنجیدہ تھی۔ گھٹنے ملا کے بیٹھی ہاتھ گود میں رکھے اس کے چہرے پر کسی قسم کی اپنائیت موجود نہیں تھی۔

"میں سن رہی ہوں۔" کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ البتہ ہونٹوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

"میرا نہیں خیال آپ کسی نمائش کے لیے آئی ہیں۔ آپ میری کال پہ ہی آئی ہیں کیونکہ دور اندر آپ کو معلوم تھا کہ میرا دعویٰ درست ہے۔"

ان کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

"میں نے آپ کو صرف یہ نہیں بتایا تھا کہ آپ کا بیٹا عالیان زندہ ہے اور میں اس کو جانتی ہوں... بلکہ یہ بھی بتایا تھا کہ وہ سرکار یا ایس کے کے نام سے اس انڈسٹری میں آپریٹ کر رہا ہے جس سے آپ شناسا ہیں۔"

"مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تم کس انڈسٹری کی..."

"کبیرہ تائی، مجھے آپ کے moral compass سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ آپ اپنی زندگی میں کیا کرتی ہیں، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن اتنا مجھے یقین ہے کہ کسی نہ کسی ذریعے سے آپ سرکار کو جانتی ہیں یا پھر اس کے بارے میں معلوم کروا چکی ہیں۔ اسی لئے آپ اگلی فلائٹ لے کر یہاں میرے سامنے موجود ہیں... کیونکہ آپ جانتی ہیں میں سچ بول رہی ہوں۔ سرکار عالیان ہے۔"

پہلی دفعہ کبیرہ بیگم کے چہرے پہ دراڑ سی ابھری۔ گردن میں کچھ ابھر کے معدوم ہوا۔

"پتہ نہیں تم لوگ مجھے کیا سمجھتے ہو۔ اس سے پہلے وہ بھی میرے پاس مدد کے لئے آیا تھا۔" ہاتھ کو گھمایا، جیسے یاد کیا۔ "ماہر علی فرید۔" ساتھ ہی دوسرے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے میز کے قریب لے گئیں جیسے لاٹھی ٹیکنے کا اشارہ کر رہی ہوں۔ مالا کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔ پھر اسے یاد آیا۔ شاید وہ اس زمانے میں ان سے ملا تھا جب اس کی ٹانگ ٹوٹی تھی اور وہ اسٹک استعمال کرتا تھا۔

"میں نے اس کو بھی بتایا تھا اور تمہیں بھی بتا رہی ہوں، میرا ایسے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک بات ہے میری شادی کی، وہ..."

"آپ کی شادی جادو سے ہوئی تھی۔ وہ جادو جس کو آپ دعا سمجھتی ہیں۔ نگینہ بیگم کی والدہ نے..."

کبیرہ بیگم نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔

"نگینہ بیگم کے بارے میں تم نے بہت سی باتیں پھیلائی ہیں خاندان میں۔"

"میں نے کوئی بات نہیں پھیلائی۔ صرف سچ..."

"مجھے افسوس ہے تمہاری طلاق کا۔ تمہارے ساتھ جو ہوا اس کا۔ اور زیاد بھلے ایک سیریل کلر ہی کیوں نہ ہو..." انہوں نے جھرجھری لی۔ "لیکن نگینہ بیگم ایک پارسا اور نیک خاتون تھیں۔ تمہیں ان پہ الزام نہیں لگانا چاہیے تھا۔"

مالا نے گہری سانس خارج کی۔ یہ صفائیوں اور وضاحتوں کا وقت نہیں تھا۔

"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ آپ ان کے بارے میں کیا سوچتی ہیں۔ لیکن یہ سچ ہے کہ جس چیز کو آپ دعا سمجھتی ہیں وہ نگینہ بیگم اور ان کے پیر کا آپ کے ساتھ ایک کانٹریکٹ تھا، جس کے تحت آپ نے ان کو اپنا پہلا بچہ دینا تھا۔ آپ یہ سمجھتی رہیں کہ وہ پہلا بچہ آپ کی بیٹی عنایہ ہے۔ آپ اس کی شادی اسی لیے زیاد سے کرنا چاہتی تھیں کیونکہ آپ کے نزدیک پہلا بچہ دینے کا مطلب اپنی بیٹی کی شادی نگینہ کے بیٹے سے کرنا تھی۔ لیکن..." وہ سانس لینے کو رکی۔ اسے احساس ہوا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور وہ تیز تیز بول رہی ہے۔

"لیکن وہ پہلا بچہ سادان صاحب سے شادی کے بعد ہونے والا بچہ تھا جو کہ عالیان تھا۔ اور نگینہ بیگم نے وہ بچہ موقع ملتے ہی آپ سے چھین لیا۔"

"میں ایک دفعہ نگینہ کے گھر گئی تھی۔ وہ کچن سنک پہ کھڑی اپنے برتن دھو رہی تھی۔ تم یہ کہتی ہو کہ ایک ہاؤس وائف دراصل ایک بہت بڑی جادوگرنی تھی؟" ٹیک لگا کے بیٹھی کبیرہ بیگم انگلی میں لاکٹ کی چین گھما رہی تھیں۔ چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"یہی تو کمال ہے اس انڈسٹری کا۔ یہاں کام کرنے والے بڑے بڑے پاور ہاؤسز ہم سب کے سامنے plain sight میں چھپے ہیں۔ ایسے کہ کوئی ان پہ انگلی بھی نہیں اٹھا سکتا۔ خیر... میں اس بارے میں بحث کرنے نہیں آئی۔ مجھے آپ کی مدد چاہیے۔"

کبیرہ بیگم کے چہرے پہ خوشگوار حیرت ابھری۔

"کہو۔"

"میرا غم آپ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا اور آپ کا غم مجھ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ عالیان آپ کا بیٹا ہے۔ میں اس سے مل چکی ہوں اور وہ یہ بات جانتا ہے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ اس نے آپ کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ وہ نگینہ بیگم کو اپنی ماں مانتا ہے، جس کا مطلب ہے نگینہ بیگم نے آپ کے خلاف اس کی برین واشنگ کی ہے۔ ورنہ اس وقت نگینہ بیگم کہیں موجود نہیں ہیں۔ عالیان آزاد ہے لیکن وہ اپنی ماں کے پاس کیوں نہیں آیا؟"

کبیرہ بیگم کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی ابھری جسے وہ بہت مہارت سے اپنے اندر اتار گئیں۔ البتہ مالا دیکھ سکتی تھی کہ ان کا خول چٹخنے لگا ہے۔ اس کی ہمت بڑھی۔

"انہوں نے اس لڑکے کی تربیت کی ہے۔ وہ بہت سمارٹ ہے۔ اس کی آنکھیں آپ کے جیسی ہیں۔ اس کے پاس پیسہ بھی ہے اور انفلوئنس بھی۔ اس کے باوجود وہ اپنی ماں سے ملنے نہیں آیا کیونکہ وہ آپ کو کوئی ولن سمجھتا ہے۔ یقیناً نگینہ بیگم نے اس کو آزاد کرنے سے پہلے اس کے ذہن پہ قبضہ کر لیا تھا۔"

کبیرہ بیگم اسی طرح اسے دیکھے گئیں۔ لب بھینچے۔ مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔

"آپ مجھے جانتی ہیں۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ میں اس سے مل چکی ہوں اور یقیناً مستقبل میں دوبارہ بھی ملوں گی۔ وہ مجھے کال بھی کرتا ہے کیونکہ وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ میرا بیٹا اس کے پاس ہے۔ میرا بیٹا..." وہ رکی۔ اور پہلی دفعہ اسے اندازہ ہوا کہ آج اپنی ماں کی سب سے بڑی دشمن کے سامنے اسے ہاتھ پھیلانا تھا۔ اس نے حلق میں آئے آنسو نیچے دھکیلے اور کرسی پر آگے کو ہوئی۔

"میرا بیٹا آپ کے بیٹے کے پاس ہے۔ پولیس اس کو نہیں ڈھونڈ سکی۔ کوئی اس کو نہیں ڈھونڈ سکا۔ صرف آپ ہیں جو کسی طرح اس تک پہنچ سکتی ہیں۔ اور میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ آپ اس کو راضی کر لیں کہ وہ میرے بیٹے کو چھوڑ دے۔ میں آپ سے ریکویسٹ کر رہی ہوں۔"

اس ہفتے میں دوسری دفعہ اس نے ایک ناپسندیدہ عورت کے سامنے درخواست کی تھی۔ حلق آنسوؤں سے بھر چکا تھا۔ انا مٹی مٹی ہو چکی تھی لیکن کیا فرق پڑتا تھا؟ اسے اپنا بچہ واپس چاہیے تھا۔

"تمہارے کہنے کے مطابق اگر میرا بیٹا زندہ ہے..." کبیرہ بیگم نے تھوک نگلا البتہ لہجہ ہموار تھا۔ "اور نگینہ اس کا ذہن میرے خلاف بھر چکی ہے، تو وہ میری بات کیوں مانے گا؟ وہ تو مجھ سے نفرت کرتا ہو گا۔" میز پر رکھا ان کا انگوٹھیوں والا ہاتھ ہلکا سا لرزا تھا۔

"وہ آپ سے جتنی نفرت کر لے، آپ اس کی ماں ہیں اور خون کی کشش کوئی نہیں ختم کر سکتا۔ اگر آپ اس سے ملیں اور اس کو اپنی طرف کی کہانی بتائیں تو وہ آپ کی بات سن لے گا... کیونکہ وہ ایک چھوٹا سا لڑکا ہے۔ بائیس سال کا شاید..."

"اکیس سال، تین ماہ اور اٹھارہ دن۔"

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔ "اس اکیس سال کے لڑکے کی نفرت اتنی پختہ نہیں ہو سکتی کہ اس کی اصلی ماں اس کو پگھلا نہ سکے۔"

وہ اسی طرح اسے دیکھے گئیں۔ اب چہرے پہ مسکراہٹ نہیں تھی۔ صرف سوچ تھی۔ شک تھا۔

"میں آپ کو پسند نہیں کرتی، کبیرہ تائی۔ اور میں آپ کی عزت بالکل نہیں کرتی۔ میری ماں اور میری بہن کا آپ نے ہمیشہ برا چاہا ہے۔ مجھے وہ کالے کام بھی نہیں پسند جن میں آپ ملوث ہیں اور پورا خاندان جانتا ہے۔ نہ میں ایسے لوگوں میں سے ہوں جنہیں آپ سے تعلق رکھنے کا شوق ہے۔ لیکن ایک بات میں جانتی ہوں۔"

وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

"آپ سے لاکھ اختلاف کے باوجود میں جانتی ہوں کہ آپ عالیان کے لئے نگینہ بیگم سے بہتر ماں ہیں۔ وہ آپ کا بیٹا ہے اور آپ کی اس سے محبت پہ کوئی شک نہیں کر سکتا۔ آپ نے کئی برس اپنے بیٹے پہ give up نہیں

کیا۔ آپ کے اعمال میری نظر میں غلط ہو سکتے ہیں، لیکن آپ کی مامتا کو کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ اس لئے پلیز..." اس نے دونوں ہاتھ باہم پھنسا کے میز پر رکھے۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا تھا۔

"میری مدد کریں۔ وہ آپ سے رابطہ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا... یا میں اسے آپ سے ملوانے کی کوشش ضرور کروں گی۔ آپ میرے لئے صرف اتنا کیجیے کہ جب آپ کی اس سے ملاقات ہو تو کسی طرح اس کو راضی کر لیں کہ وہ میرا بیٹا مجھے واپس کر دے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ میری ماں، میری بہن، بلکہ ہم سب کو ناپسند کرتی ہیں اور ہمیں خوش دیکھ کے آپ کو اچھا نہیں لگتا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی مکمل طور پہ خوش نہیں ہے۔ آپ کی ہم سے نفرت اور بغض ایک طرف، میرا غم آپ کا اپنا غم ہے اور میں جانتی ہوں کہ آپ کے اندر ایک ماں آج بھی موجود ہے جو دوسری ماں کی تکلیف سمجھ سکتی ہے۔ بس مجھے یہی کہنا تھا۔"

آنسو اس کی آنکھوں سے پھسل رہے تھے۔ البتہ اس نے انہیں صاف کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ کبیرہ بیگم نے آنکھیں اٹھا کے اسے جاتے دیکھا۔ ان کا چہرہ ویسا نہیں تھا جیسا مالا کے آنے پہ تھا۔ کچھ تھا جو وہاں بدل چکا تھا۔ انہوں نے بس سر کو جنبش دی۔ وہ ہاں تھا، ناں، یا پتہ نہیں... وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

البتہ وہ یہ جانتی تھی کہ ان کے خول میں دراڑ پڑ چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرید لار کے کچن میں اس شام لیموں کے ساتھ روسٹ ہوئے چکن کی خوشبو پھیلی تھی۔ یہ خوشبو اون سے آ رہی تھی جس کے قریب کاؤنٹر پہ کھڑی فیضی حانم دراز کھولے چیزیں الٹا پلٹا رہی تھیں۔ چہرے پہ پریشانی تھی۔ کاؤنٹر پر دو پرس الٹے ہوئے تھے۔ پرچیاں، کارڈز، چند کرنسی نوٹ... سب کچھ سامنے بکھرا تھا۔ وہ بار بار پلٹ کے اس ڈھیر تک آتیں، ایک ایک کاغذ کو اٹھا کے دیکھتیں، پھر سر جھٹکتیں۔

ہیلز کی ٹک ٹک سنائی دی اور شاپنگ بیگز کی کھڑ کھڑاہٹ۔ فیضی حانم نے چونک کے سر اٹھایا۔ سوزین راہداری سے چلتی ان کے سامنے آ رکی۔ بلوڈرائی ہوئے بال، تیز پرفیوم اور دونوں کہنیوں پر اٹھائے شاپنگ بیگز۔

"اسے تلاش کر رہی ہیں؟" دو انگلیوں میں پکڑا ایک کارڈ ان کی طرف بڑھایا۔

فیضی حانم کے چہرے پہ ایک دم روشنی بکھری۔ تیزی سے وہ کارڈ پکڑا، پھر چونک گئیں۔

"یہ آپ کے پاس...؟" نگاہیں اس کی کہنیوں سے لٹکتے بیگز پہ گئیں۔ دل کو دھکا لگا۔

"ہاں، مجھے شاپنگ پہ جانا تھا۔ کوئی اعتراض؟"

فیضی حانم نے ایک نظر کارڈ کو دیکھا، دوسری نظر سوزین پہ ڈالی۔

"یہ ماہر بے کا کارڈ ہے۔ صرف گروسری کے لئے انہوں نے مجھے....." وہ منمنائیں۔

"میں بھی گروسری کر کے آئی ہوں۔" کندھے اچکا کے وہ آگے بڑھ گئی۔

فیضی حانم نے درزیدہ نگاہوں سے اسے جاتے دیکھا۔

(Sephora سے کون سی گروسری ہوتی ہے؟ ہونہہ!)

سوزی کمرے میں داخل ہوئی تو بیر بل آرام کرسی پر خاموشی سے بیٹھا تھا۔ پیر اوتومن پر رکھے ہوئے تھے اور وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے پھیکا سا مسکرایا۔ سوزی نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا، پھر بیگز ڈریسنگ ٹیبل کے دائیں بائیں زمین پر رکھے اور اس تک آئی۔ بیر بل نے اوتومن سے پیر ایک طرف سرکائے ،اس کے لئے جگہ بنائی۔ وہ وہاں بیٹھی، ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔

"پریشان لگ رہے ہو۔"

"بروکر سے بات کر رہا تھا۔ کاٹیج کے لیے اچھی آفر نہیں آ رہی۔ وہاں کے لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ haunted ہے۔"

"یقیناً تمہارے بھائی نے مشہور کیا ہو گا۔"

"وہ کیوں مشہور کرے گا، سوزی؟ ہر چیز ماہر نہیں کرتا۔ یہ قوم...." وہ ایک دم زور سے بولا۔ پھر آواز دھیمی کی۔ "یعنی... ترکش قوم... توہم پرست ہے۔"

"کیا تم صرف اس لیے پریشان ہو؟" سوزی اپنی قوم کی شان میں تبصرہ نظر انداز کر گئی۔

بیر بل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"وہ میرا کاٹیج نہیں ہے، سوزی۔ وہ ماہر کی چیز ہے۔ اس نے اپنی کمائی سے لی ہے۔ میں اس کو بیچ دوں لاء فرم میں انویسٹمنٹ کے لیے؟" اس نے بے بسی سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ "مجھے برا لگ رہا ہے۔"

"میں جانتی ہوں تمہیں برا لگ رہا ہے۔ کیونکہ تم ایک اچھے انسان ہو۔ تم ہر وقت اپنے بھائی کا سوچتے ہو۔ لیکن کیا تم نے کبھی یہ سوچا، بیر بل... کہ کیا تمہارے بھائی کو تمہارا خیال ہے؟"

بیر بل نے بے اختیار دانت سے نچلا لب کاٹا۔ نگاہیں چھت پہ جمی تھیں۔

"تم مجھے جانتے ہو۔ میرا لائف سٹائل بھی۔ مجھے ان پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تم اپنے لئے کر رہے ہو۔ اپنی عزت کے لیے۔ ماہر نے تمہاری بیکری بنا بتائے بیچ دی۔ اور بالکل بھی مت کہنا کہ وہ اس کی چیز تھی۔ اتنے برس اس میں محنت تم نے کی۔ ماہر کے پاس زمین کی کمی نہیں تھی بیچنے کے لئے۔ لیکن اس نے وہی کیا جو اسے درست لگا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے بھائی کی نظر میں تمہاری عزت نہیں ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کی سب عزت کریں۔ اس کو کوئی روند کے نہ چلا جائے۔" وہ دھیمی آواز میں آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔

بیر بل لب کاٹتے ہوئے چھت کو دیکھے گیا۔

"ہماری لاء فرم ان پیسوں کے بغیر بھی چل جائے گی، بیر بل۔ تم اس لاء فرم کے مالک ہو گے۔ میں انویسٹمنٹ کے لیے پیسے اپنی ماما سے مانگ لوں گی۔ مجھے پیسے نہیں چاہئیں۔ پیسہ تو ہاتھ کی میل ہوتا ہے۔ لیکن اگر تم یہ کاٹیج نہیں بیچو گے تو تمہیں کیسے معلوم ہو گا کہ ماہر تمہاری دل سے عزت کرتا ہے یا نہیں؟"

بیر بل نے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ لب کاٹتے ہوئے سر جھکا لیا۔ اب وہ اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا جو قینچی صورت اوتو من پر لمبے کر کے رکھے تھے۔

"ماہر نے یہی کہا تھا نا کہ جو چیز جس کے نام ہوتی ہے، وہ اس کو بیچ سکتا ہے۔ اور اس کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ کاٹیج کو بیچ کے تم یہ ثابت کرو گے کہ تم اور ماہر برابر ہو۔ ایک عرصے تک تمہارے ابا نے تم دونوں بھائیوں میں فرق کیا ہے اور اس چیز نے تمہاری پرسنالٹی کو بہت حد تک مسخ کیا ہے۔"

بیر بل نے بے اختیار کنپٹی مسلی۔ سر میں درد اٹھنے لگا تھا۔

"لیکن اگر تم اپنے بھائی کے ساتھ اپنی برابری کا تعین کر لو گے تو تم دونوں کا ریلیشن شپ مزید بہتر ہو جائے گا۔ تم ایک دوسرے کے برابر آ جاؤ گے۔ پھر تمہیں اس سے یہ گلہ نہیں ہو گا کہ وہ تمہیں کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں تمہاری اور ماہر دونوں کی بھلائی ہے۔" پھر وہ پیچھے ہوئی اور ہلکے سے شانے اچکائے۔ "ورنہ میرا کیا ہے۔ مجھے یہ پیسے نہیں چاہئیں۔ مجھے صرف اپنے شوہر کی عزت اور اس گھر میں برابری کا مقام چاہیے... بس!"

پھر وہ مسکرائی۔ "اچھا اب اپنا موڈ ٹھیک کرو۔ میں دکھاتی ہوں میں کون سے ڈریسز لائی ہوں... بلکہ پہن کے دکھاتی ہوں۔" وہ پرجوش انداز میں کہتی اٹھی تو وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ سر کو جنبش دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایسی ایک صبح تھی جب آسمان سورج نکلنے کے بعد بھی جامنی تھا اور فضا میں خنکی تھی۔ کیف کی عمارت کے اندر ہیٹنگ سسٹم کے باعث گرمائش تھی۔ مالا kitchenette میں داخل ہوئی تو دیکھا ہاٹ پلیٹ کے سامنے کھڑی شبنم کچھ پکا رہی تھی۔ مالا نے اپنے پرنٹ شدہ کاغذ ایک طرف رکھے جن میں تازہ انک کی مہک تھی۔ اور اوپری کیبنٹ کھول کے ایک صاف مگ نکالا۔ پھر شبنم کے قریب آئی تو وہ جو موبائل پہ لگی تھی، چونک کے سیدھی ہوئی۔

"مالا؟ اتنی صبح صبح؟"

"ہاں۔ مجھے ماہر سے کام تھا۔ وہ ابھی تک نہیں آیا؟ اور یہ کیا بنا رہی ہو؟" اس کی حیران نگاہیں ہاٹ پلیٹ تک جا رکیں جس پہ ننھے ساس پین میں کوئی شے دھیمی آنچ پہ کھول رہی تھی۔ الائچی کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔

"ماہر بے کی کڑک چائے۔"

کشمالہ کے ابرو نا سمجھی سے اکٹھے ہوئے۔ "میں سمجھی وہ صبح میں کافی پیتا ہے۔"

"گھر سے کافی پیتے ہیں اور جس وقت گھر سے نکلتے ہیں، میں ان کی کڑک چائے کھولنے کے لیے چڑھا دیتی ہوں۔ اسی لیے میں آفس سب سے پہلے آتی ہوں۔ جب تک وہ یہاں پہنچیں گے ان کی چائے تیار ہو گی۔ جس دن میں لیٹ آئی اس دن وہ مجھے دروازہ دکھا دیں گے۔"

شبنم سر جھکائے موبائل پہ تیز تیز بٹن دبا رہی تھی۔

خالی مگ پکڑے مالا نے جھرجھری لی۔

"کتنا مشکل ہے اتنا high-maintenance باس۔"

شبنم نے عینک کے پیچھے سے گھور کے اسے دیکھا۔

"نہ صرف high-maintenance بلکہ سائیکو پیتھ بھی۔"

مالا بے اختیار ہنس پڑی۔ شبنم کا فون تھرتھرانے لگا تو اس نے بے چارگی سے چہرہ اٹھایا۔ "وہ مجھے کال کر رہا ہے۔"

"کون؟ تمہارا موجودہ کرش؟"

شبنم نے سادگی سے پلکیں دو تین دفعہ جھپکائیں۔

"تم اس سے بات کرو، میں چائے بنا دوں گی۔"

شبنم کی آنکھوں میں خوشگوار حیرت اتری۔ "تمہیں کڑک چائے بنانا آتی ہے؟"

کشمالہ نے کندھے اچکائے اور خالی مگ ایک طرف رکھا۔

"میں اپنے گھر میں سب سے اچھی کڑک چائے بناتی ہوں۔ مجھے میری ماں نے سکھائی تھی۔ اپنے لیے بھی بنالوں گی۔ جاؤ تم۔" اسے تسلی دے کر اس نے ایک بڑا سا سپ پین نکالا۔ شبنم کا چہرہ کھل اٹھا۔ ایک ہی سانس میں کئی دفعہ تھینک یو کہہ کے وہ تیزی سے ایک طرف بھاگ گئی۔ اچھا ہے شبنم اس شخص سے بات کرلے۔ چند دن بعد اس نے بلاک ہی ہونا ہے۔

چائے دو mugs میں انڈیل کے اس نے دونوں کو ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ ٹرے نہیں رکھی۔ وہ کوئی اس کی سیکرٹری نہیں تھی۔ پھر دونوں مگ اٹھائے وہ ماہر کے آفس تک آئی (جانتی تھی وہ آچکا ہے) اور کہنی سے ڈور ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلا تو وہ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکاتا دکھائی دیا۔ آہٹ پہ مڑا۔ اسے دیکھ کے مسکرایا۔ پھر دونوں مگ دیکھے تو آنکھوں میں تعجب اترا۔

"شبنم کہاں ہے؟"

"تمہیں بھی گڈ مارننگ۔" وہ مسکرا کے آگے آئی تو وہ جلدی سے بولا۔

"صبح بخیر۔" وہ اس کے بیٹھنے سے پہلے ہی دونوں mugs جگہ پر رکھ کے اپنی کرسی سنبھال چکی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمالی اور بازو کے نیچے پکڑا کاغذ میز پر رکھ دیا۔

ماہر نے کھڑے کھڑے اپنا مگ اٹھایا۔ ایک گھونٹ بھرا۔ تاثرات نہیں بدلے۔ مگ نیچے رکھا اور بس سادگی سے اتنا پوچھا۔

"یہ شبنم نے بنائی ہے؟"

مالا نے اسی مسکراہٹ کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

"اس کی کوئی فیملی ایمرجنسی ہوگئی تھی۔ اس لیے میں بنالائی۔"

وہ گہری سانس لے کے کرسی پر بیٹھا۔ تاثرات ابھی تک نہیں بدلے تھے۔

مالا نے بغور اسے دیکھا۔ "ٹھیک بنی ہے؟"

"It's perfect." وہ ہلکا سا مسکرایا تو وہ بھی مسکرا دی۔ ظاہر ہے وہ خاندان میں سب سے اچھی کڑک چائے بناتی تھی۔

"صبح صبح اپنی بیکری کو چھوڑ کے آپ نے کیف کو رونق کیوں بخشی؟" ٹیک لگائے ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسائے وہ اسی مسکراہٹ سے پوچھ رہا تھا۔

"ہماری رینوویشن مکمل ہونے والی ہے اور پرسوں سے ہم بیکری کو اوپن کر دیں گے۔ میں نے مینیو میں تبدیلی کی ہے اور ایک نیا پیسٹری شیف ہائر کیا ہے۔"

"اور یقیناً اس پیسٹری شیف کی تنخواہ بھی تمہارا انویسٹر دے گا۔" ماہر فرید کے حلق میں کڑواہٹ سی گھل گئی۔

"نہ صرف تنخواہیں مگر رینوویشن کا سارا خرچہ بھی وہی اٹھا رہا ہے۔"

ماہر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کے بغور اسے دیکھا۔

"تمہیں کس نے ملوایا ہے اس انویسٹر سے؟"

"یہ آئیڈیا مالک فرید کا تھا۔"

ماہر نے اوہ کہہ کے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"آف کورس۔ میں جانتا تھا کہ یقیناً مالک نے ہی اپنے کانٹیکٹس استعمال کر کے کچھ کیا ہو گا۔ لیکن یاد رکھنا، اس شہر کے انویسٹرز بہت ہی..."

وہ اس شہر کے باسیوں کی شان میں کچھ غیر مہذب کہنے کے لئے مہذب ترین الفاظ تلاش کر رہا تھا جب کشمالہ نے مگ نیچے رکھا اور پرنٹ شدہ کاغذ ماہر کی طرف دھکیلے۔

وہ ٹھہر گیا۔ پھر کاغذ اٹھائے ۔ ایک ایک کر کے انہیں پلٹایا۔ ان پر لکھے تمام ہندسے آنکھوں سے گزارے اور واپس مالا کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ وہ تمام بلز ہیں جو آپ کو ادا کرنے ہیں، ماہر بے۔" وہ اسی طرح ٹیک لگائے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

"میں تمہارا انویسٹر ہوں؟ میں؟" بے یقینی سے سینے پر انگلی رکھی۔

مالا نے گردن اوپر نیچے ہلائی۔

"مالک صاحب کا کہنا تھا کہ تم سے اچھا انویسٹر مجھے کبھی نہیں ملے گا کیونکہ تم نے ہی مجھے اس بیکری میں پھنسایا ہے۔"

اس کے ماتھے پر بل پڑے۔ مٹھیاں ضبط سے بھینچ لیں۔

"اور میں کیوں انویسٹمنٹ کروں گا اس بیکری میں؟"

"تم انویسٹمنٹ کیوں نہیں کرو گے؟"

"مالا..." وہ سنجیدہ تھا۔ "میں یہ بلز ادا نہیں کروں گا۔ تم مجھ سے پوچھے بغیر یہ ...یہ ساری خریداری اور رینوویشن نہیں کروا سکتیں۔ ایسا دنیا میں کہاں ہوتا ہے؟"

"ایک ڈونٹ اور کافی کے بدلے اس دنیا میں کوئی کسی کو بیکری بھی نہیں دیتا، ماہر بے۔"

ماہر نے خفگی سے لب بھینچ لیے۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا۔

"میں بالکل بھی یہ بلز نہیں ادا کر رہا۔"

کشمالہ مبین نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"سوچ لو۔ 535 لیرا میں جو بیکری مجھے ملی ہے، وہ 600 لیرا میں سوزی اور بیربل کو فروخت بھی کر سکتی ہوں۔ میرا کیا جائے گا... بلکہ... (انگلیوں پہ گنا) 65 لیرا کا منافع ہی ہو گا۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔ "میں یہ بیکری انہیں آگے بیچ دوں...؟ یا تم انویسٹمنٹ کرو گے؟"

ماہر چند لمحے خفگی سے ابرو بھینچے اسے دیکھے گیا۔

"تم مجھے manipulate کر رہی ہو۔"

مالا نے پھر سے کندھے اچکائے۔ ہونٹوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

"Learning from the best."

ماہر فرید نے زیر لب کچھ بڑبڑاتے ہوئے کاغذ اٹھائے اور میز پر رکھی ایک ٹرے میں ڈال دیے۔

"یہ آخری دفعہ ہے۔ اس کے بعد تم کوئی انویسٹمنٹ مجھ سے پوچھے بغیر نہیں کرو گی۔"

"جو ضروری ہو گا وہ میں کروں گی۔ کیونکہ تمہارے برعکس مجھے یقین ہے کہ یہ بیکری چل سکتی ہے۔ اور ہاں..." اٹھتے ہوئے اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ "پرافٹ آدھا آدھا۔"

ماہر نے اسی خراب موڈ سے ہاتھ کو گھمایا، جیسے اسے جانے کا اشارہ کیا ہو۔

وہ چلی گئی تو ماہر نے انٹر کام اٹھایا۔

"سوری سر، میری ایک فیملی ایمرجنسی آ گئی تھی تو...."

"اپنے فیملی ایمرجنسی سے کہو، آفس ٹائم میں تمہیں کال نہ کیا کرے کیونکہ تمہارا فوکس بٹ جاتا ہے۔"

شبنم چند لمحے کچھ بول نہ سکی۔

"اور آئندہ مالا کو میری چائے مت بنانے دینا۔"

"اوہ... کیا بہت بری تھی؟"

"حد سے زیادہ۔" اس میں نے برے موڈ کے ساتھ ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

"میری چائے کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا؟" وہ شبنم کے ڈیسک پہ کھڑی غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ شبنم نے چہرے کی مسکراہٹ برقرار رکھتے ہوئے فون آرام سے نیچے رکھا اور مسکرائی۔

"ہاں، کہہ رہے تھے، بہت اچھی بنی تھی۔"

مالا طمانیت سے مسکرادی۔ اسی وقت کسی کی آمد کا احساس ہوا۔ کن انکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ لفٹ کے دروازے کھلے ہیں۔ ایک دراز قد وجود، شناسا پرفیوم کی مہک، لانگ بوٹس کی ٹک ٹک۔ زارا اس جانب سے چلتی آرہی تھی۔ سفید کوٹ اس کے کندھوں پر تھا لیکن ایسے کہ بازوؤں میں پہن نہیں رکھا تھا۔ وہ ان دونوں کے قریب رکی۔

"کیسی ہو، شبنم؟" اس کے شائستگی سے پکارنے پہ شبنم بادل نخواستہ جگہ سے اٹھی۔ مسکرا کے عینک کے پیچھے سے اسے دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں، میم۔ تھینک یو۔"

"میں نے HR میں کسی سے سنا تھا کہ تمہارے بھائی کا کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ ہوا تھا؟" وہ نرمی سے پوچھتی شبنم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کے کھڑی تھی۔ رخ مکمل شبنم کی جانب تھا۔

"اس بات کو تین ہفتے گزر چکے ہیں۔ اب وہ ٹھیک ہے۔ تھینک یو۔"

زارا چند لمحے تسلی سے وہاں کھڑی شبنم سے اس کی ساری فیملی کا حال احوال پوچھتی رہی۔ اس نے ایک دفعہ بھی مالا کو نہیں دیکھا۔ اسے اپنا آپ وہاں غیر ضروری اور بے وقعت سا لگنے لگا لیکن ایک دم سے پلٹ کے آ جانا بدتہذیبی شمار ہوتا تھا۔ وہ بادل نخواستہ تب تک کھڑی رہی جب تک زارا شبنم کا گال تھپک کے آگے ماہر کے آفس کی طرف نہ بڑھ گئی۔

"مجھے زارینہ حانم سے یہ ہائی اسکول کی mean girls والی حرکت کی توقع نہیں تھی۔" شبنم کو اب غصہ آرہا تھا۔ وہ مالا کا بجھا ہوا چہرہ دیکھ سکتی تھی۔

"چونکہ میں ہائی اسکول میں نہیں ہوں اس لیے مجھے فرق نہیں پڑتا، شبنم۔" وہ زبردستی مسکرائی اور کندھے اچکا دیے۔ پھر اپنے ڈیسک کی طرف پلٹ آئی۔ سوچا تھا سکون سے بیٹھ کے کچھ حساب کتاب کرلے گی۔ کیونکہ بیکری میں ورکرز کی اٹھاپٹخ اور شور میں وہ کام نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن دل زار کی اس حرکت سے عجیب سا ہو گیا تھا۔ کن انکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ ماہر کے آفس کی طرف گئی ہے اور ابھی تک باہر نہیں نکلی۔

وہ ہمیشہ اس کی زندگی میں موجود رہے گی۔ کسی سائے کی طرح۔

ماہی کی کال آرہی تھی۔ اس نے ائیر پوڈز کانوں میں گھسائے۔

"تم اس وقت کیوں جاگ رہی ہو؟"

"نیند نہیں آرہی تھی۔ سوچا تمہیں کال کرلوں۔" پھر ماہی کی آواز سنجیدہ ہوئی۔ "تم ٹھیک ہو؟ تمہاری آواز بھیگی ہوئی لگ رہی ہے۔"

"ہاں ٹھیک ہوں۔ آفس میں ہوں۔" ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

"اور بیکری کا کیا بنا؟"

"اس کو سیٹ کر رہی ہوں تاکہ میرے جانے تک وہ ٹھیک سے چل پڑے۔"

"یعنی تم واپس آؤ گی نا، مالا؟" ماہی کی آواز میں تشویش تھی۔

"ظاہر ہے میں واپس آؤں گی۔ وین کوور میں میرا گھر ہے۔ تم ہو۔ مجھے آنا ہی ہے۔"

"تم نے ماہر کو بتایا...؟ زارا کی اصلیت...؟"

مالا نے نفی میں سر ہلایا گو کہ ماہی اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"کیا مجھے بتانا چاہیے تھا؟" اس نے گردن موڑ کے ماہر کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ نہ جانے وہ دونوں اس کے پیچھے کیا بات کر رہے تھے۔

"زارا جانتی ہے کہ میں اس کی حقیقت جانتی ہوں۔ اور وہ تب سے میرے ساتھ برے طریقے سے بی ہیو کر رہی ہے۔ پتا نہیں وہ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔"

"دیکھو، مالا... میں جو بات کہوں گی وہ پریکٹیکل بھی ہو گی اور سچ بھی۔" ماہی بالکل سنجیدہ تھی۔ "زارا ماہر فرید کا مسئلہ ہے، تمہارا نہیں۔ اور میں ماہر کو بہت پسند کرتی ہوں۔ ہماری ایک ہسٹری رہی ہے۔ بہت مشکلوں موقعوں پہ وہ میرے کام آیا ہے۔ میں دل سے اس کی عزت کرتی ہوں۔ لیکن..."

"لیکن...؟" اس کا دل جیسے ڈوبا۔ اسے ماہی سے ماہر کے بارے میں کسی "لیکن" کی توقع نہیں تھی۔

"لیکن ماہر ایک پیچیدہ انسان ہے اور اس کی زندگی میں بہت سی پیچیدگیاں ہیں۔ جب وہ تمہاری زندگی میں آیا تھا کیف بن کے تو اپنے ساتھ بہت سے مسئلے بھی لے کر آیا تھا۔ زیاد پہلے دن سے جانتا تھا کہ ماہر فرید کون ہے اور اس کی بہت ساری پلاننگ ماہر کا مقابلہ کرنے کے لیے تھے۔ وہ دونوں تمہاری زندگی میں موجود کسی ان دیکھی جنگ کا حصہ تھے اور تم اس سے واقف نہیں تھیں۔"

"تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہی کہ ماہر کا تمہاری زندگی میں آنا ہمیشہ پیچیدگیاں لائے گا۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ ایک وقت میں تمہیں پسند کرتا تھا لیکن اس وقت کو گزرے زمانہ بیت چکا ہے۔ میرا نہیں خیال کہ تمہیں اپنی زندگی ماہر کی وجہ سے مزید پیچیدہ بنانی چاہیے۔ اب ہم جانتے ہیں کہ بدر زندہ ہے اور جلد یا بدیر وہ تمہیں مل جائے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم جتنی جلدی ممکن ہو ماہر کی زندگی سے نکل کے واپس اپنی دنیا میں آجاؤ۔ کیونکہ تمہارے وہاں رہنے سے نہ صرف تمہاری زندگی مشکل ہو گی بلکہ ماہر کی زندگی کو بھی خطرہ ہے۔ کوئی معلوم نہیں زیاد جیلسی میں آ کے اس کی جان لینے کی کوشش نہ کرے۔"

"اف، ماہی۔ ایسے مت کہو۔"

کسی نے اس کے دل کو مٹھی میں لے کر مسل دیا تھا۔ اس نے بدقت اثبات میں سر ہلایا۔ ماہی کچھ اور بھی کہہ رہی تھی۔ لیکن اس کے ذہن میں کچھ رجسٹر نہیں ہو رہا تھا۔ فون بند کرنے کے بعد کتنی ہی دیر وہ گم صم بیٹھی لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ شبنم اس کے پیچھے کھنکھاری تو اس نے چونک کے گردن اٹھائی۔ پھر سر جھٹکا۔ وہ تکان زدہ لگ رہی تھی۔

"قرمزی بلڈنگ والا کام کہاں تک پہنچا؟" شبنم کی نگاہیں اس کی اسکرین تک اٹھیں۔ پھر وہ چونک گئی۔ وہاں کھلی ویب سائٹ پر نظر پڑتے ہی اس نے بے اختیار مالا کو دیکھا۔

"تم اسکول دیکھ رہی ہو؟ وین کوور کے اسکولز؟"

مالا نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "یہ سوچ رہی ہوں کہ جب بدر مجھے مل جائے گا اور ہم واپس چلے جائیں گے تو جلد یا بدیر مجھے اس کو اسکول میں داخل کرانا ہو گا۔ ابھی سے اپلائی کروں گی تو اگلے سال میں جگہ ملے گی۔ اسکولنگ بہت مہنگی ہے اور مجھے اس کے لئے پیسے اکٹھے کرنے ہیں۔"

شبنم نے اسکرین کو دیکھا پھر واپس اسے۔ پھر اسکرین کو۔

"مالا..." وہ دھیرے سے اپنی کرسی اس کے قریب کھینچ لائی اور جب بولی تو اس کی آواز سرگوشی کی مانند تھی۔

"تم اپنے بیٹے کے ملتے ہی یہاں سے چلی جاؤ گی؟"

مالا نے اسے دیکھے بنا اثبات میں سر ہلایا۔

"اور ماہر بے...؟"

"میرا اس سے کانٹریکٹ صرف دو مہینے کا تھا۔ دو مہینے ختم ہونے والے ہیں۔ اس کے بعد میں تب تک یہاں رہوں گی جب تک مجھے میرا بیٹا نہیں مل جاتا۔ ملے گا تو چلی جاؤں گی۔ یہی پلان تھا۔ ماہر نے ویسے بھی لندن چلے جانا تھا۔"

"لیکن ماہر اور زارا کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔ اب وہ لندن کیوں جائے گا؟ ویسے بھی قرمزی عمارت کا بہت کام پڑا ہے۔ میرا نہیں خیال وہ اگلے چند مہینے اس شہر سے نکل سکے گا۔ تم کیا واقعی چلی جاؤ گی؟ ماہر کو چھوڑ کے؟"

اس نے بے بسی سے چہرہ اٹھایا۔ آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

"شبنم... میرے پاس اس شہر میں رکنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ میں یہاں سے جانے کے لیے ہی تو آئی تھی۔"

شبنم کا چہرہ بجھ گیا۔ اس نے منہ بسور کے مالا کو دیکھا۔

"دو ماہ پہلے نہ تم ایسی تھیں نہ ماہر بے۔ وہ بدل گئے ہیں۔ تمہارے آنے سے۔ ان کے گرد ہر چیز بدل گئی ہے۔ ایسا پہلے تب ہوا تھا جب وہ لاہور گئے تھے۔ اور واپس آتے ہی اس آفس میں پودے رکھوا دیے تھے۔"

"پودے؟"

"ہاں یار۔ چھوڑو اس بات کو۔ ہم آفس والے دن کے کئی گھنٹے ان کے ساتھ گزارتے ہیں، مالا۔ ہمیں سب نظر آرہا ہے۔ تمہیں کیوں نظر نہیں آتا؟"

اس نے بہت ضبط سے آنسو اندر اتارے۔ چند گہرے سانس لیے اور جب بولی تو اس کی آواز سنجیدہ تھی۔

"میں نے کہا نا، شبنم... میرے پاس اس شہر میں رکنے کے لئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ نہ ہی میرے اندر اتنی توانائی ہے کہ میں اپنی زندگی کے فیصلے کسی دوسرے انسان کے لیے کروں۔ میرے یہاں آنے سے صرف ماہر کی زندگی ہی پیچیدہ نہیں ہوئی، بلکہ میری بھی ہو جائے گی۔"

"لیکن مالا..."

وہ کن انکھیوں سے دیکھ سکتی تھی کہ ماہر کے آفس کا دروازہ کھلا ہے۔ وہ اور زارا آپس میں بات کرتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔ وہ بار بار گھڑی کو دیکھتا موبائل پہ بٹن دبا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے چہرہ موڑا، جیسے مالا کو تلاش کرنے کے لئے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ تیزی سے واپس گھوم گئی۔ ایسے کہ اگر وہ دیکھتا بھی تو اسے مالا کے سر کی پشت دکھائی دیتی۔

"لیکن مالا..."

ان کے لفٹ میں سوار ہونے کے بعد شبنم نے دھیمی آواز میں دوبارہ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن تب تک وہ اٹھ کے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

"ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے، شبنم۔ چھوڑو، جانے دو۔" وہ شبنم کو دیکھے بنا چیزیں سمیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ پلکوں پہ آنسو پھر سے آ ٹکے تھے۔

وہ ہمیشہ اس کی زندگی میں رہے گی۔ وہ اس کی کزن تھی۔ اس کی فیملی۔ وہ کبھی اس کی زندگی سے نہیں نکلے گی۔ دو ماہ ختم ہوتے ہی وہ بلت والے اپارٹمنٹ میں واپس چلی جائے گی۔ بدر ملے یا نہیں' وہ ماہر کی زندگی میں مزید نہیں رہے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوپہر کا سورج شہر پہ روشن تھا لیکن بادل اس کو کھل کے چمکنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔ ایک پارک کے کنارے روش پہ ہڈی والا نوجوان چلتا جا رہا تھا۔ کانوں میں ایئر پوڈز تھے اور وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کچھ گنگنا رہا تھا جب اس کے پسندیدہ میوزک میں خلل پڑا۔ Siri نے کان میں اعلان کیا کہ اسے کبیرہ سادان کی طرف سے ایک نیا پیغام موصول ہوا ہے۔ وہ بیچ روش کے ٹھہر گیا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ جیب سے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ پورٹل پہ کبیرہ سادان کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟ صرف ایک دفعہ۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتی ہوں اور ان باتوں پہ یقین کرنا چاہتی ہوں جو کشمالہ نے مجھے کہیں ہیں۔"

عالیان کے ماتھے پہ پڑے بلوں میں اضافہ ہوا۔ اس روز سے کبیرہ سادان اسے کئی میسج بھیج چکی تھیں۔ اس نے کسی کا جواب نہیں دیا تھا۔ اس پورٹل پہ وہ اسے کال کر سکتی تھیں لیکن صرف تب جب وہ آن لائن ہوتا۔ اس کے پاس کبیرہ کا نمبر موجود تھا لیکن ابھی تک اس نے انہیں کال کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ مالا نے اسے برا پھنسایا تھا۔

وہ ایک درخت تلے رکا، تنے سے ٹیک لگائی اور کچھ سوچ کے اپنی فون بک کھولی۔ کبیرہ سادان کا نمبر واٹس ایپ پہ ملایا اور فون جیب میں ڈال دیا۔ کانوں میں لگے ایئر پوڈ پہ گھنٹی جاتے ہوئے سنائی دینے لگی۔ تیسری ہی گھنٹی پہ بے قرار سا ہیلو سنائی دیا۔ وہ شاید کسی غیر شناسا نمبر سے آنے والی کال کی منتظر تھیں۔ عالیان چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔

کبیرہ کا دوسرا ہیلو چوکنا سا تھا۔ جیسے وہ امید اور خوف کے درمیان ہیں۔

"کشمالہ مبین نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔ میں آپ کا کھویا ہوا بیٹا نہیں ہوں۔ آپ یہاں صرف اپنا وقت ضائع کر رہی ہیں۔"

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟" وہ جیسے اسے سن ہی نہیں رہی تھیں۔ بے قراری سے بولیں تو عالیان کے ابرو بھنچ گئے۔

"اپنا وقت ضائع کرنے کے ساتھ آپ مجھے annoy بھی کر رہی ہیں ۔ میں آج سے آپ کو اپنے clientele سے فائر کرتا ہوں۔ اب آپ میری کلائنٹ نہیں رہیں۔ اس لیے نہ مجھے کال کریں نہ مجھ سے کوئی توقع رکھیں۔ میں آپ کو نہیں جانتا نہ میرا آپ سے کوئی تعلق ہے۔"

فون نیچے کیا اور کبیرہ کا نمبر پورٹل پہ بلاک کر دیا۔ اب وہ اسے کال نہیں کر سکے گی نہ اس سے کسی قسم کا رابطہ کر سکے گی۔ اسے قدرے سکون محسوس ہوا۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ پھر سے روش پہ چلنے لگا اور سماعت میں میوزک گونجتا گیا۔ اس موسیقی کی دھن میں بہت سی آوازیں شامل تھیں۔ یادوں کا ایک سمندر تھا جس کے دروازے میں سوراخ تھے۔ اور ہر سوراخ سے جھانکنے پہ ایک نیا منظر دکھائی دیتا تھا۔

وہ چھوٹا سا لڑکا ایک سنگل بیڈ پر بیٹھا تھا اور نگینہ اس کے بالوں میں برش پھیر رہی تھیں۔ ساتھ ہی محبت سے اس کو کچھ کہہ رہی تھیں.....

وہ دونوں ایک کمرے میں چٹائی پہ بیٹھے تھے اور نگینہ چھری سے سیب کاٹ کاٹ کے اس کی پلیٹ میں رکھ رہی تھیں.....

وہ ایک اندھیر درختوں والی سنسان جگہ پہ تنہا بیٹھا تھا۔ اسے خوف بھی آرہا تھا اور چہرے پہ پسینہ تھا۔ ساتھ کسی کی قبر تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور وہ پڑھنا شروع کیا جو نگینہ نے بتایا تھا۔ دھیرے دھیرے اس کا خوف جاتا رہا.....

وہ وہیل چیئر پہ تھیں، اور کچھ کہہ رہی تھیں۔ اور وہ لڑکا جس کا قد اب دراز ہو چکا تھا ان کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے ادب سے سن رہا تھا.....

"میری ماں ایک ہی تھی، کبیرہ سادان۔ اور اسے زیاد سلطان نے مار دیا تھا۔ تم اب مجھے claim نہیں کر سکتیں۔" وہ موسیقی سنتے ہوئے تیز تیز چلتا خود سے بڑبڑا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زارا کا ارادہ کیف سے اپنا باقی ماندہ سامان لینے کا تھا لیکن مالا کو دیکھ کے اس نے ارادہ بدل دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ مالا اسے اور ماہر کو ایک ساتھ باہر نکلتے دیکھے۔ سو وہ ماہر کے ساتھ ہسپتال آگئی۔ کچھ دیر وہ وہاں بیٹھی دوا کو قطرہ قطرہ مالک فرید کے اندر انڈیلتے دیکھتی رہی۔ پھر ماہر سے اجازت طلب کر کے واپس کیف کی طرف روانہ ہو گئی۔ ہسپتال کیف سے زیادہ دور نہ تھا۔ چند منٹ کی ڈرائیو تھی۔ ماہر نے البتہ کہا تھا کہ وہ لنچ بریک تک وہیں رہے گا۔ وہ مالک کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

"بیر بل نہیں آیا؟" سورج کی روشنی میں نہائے ویٹنگ روم میں بیٹھے ماہر نے گردن موڑ کے پیچھے کھڑے عمار کو دیکھا جو فوراً قریب چلا آیا۔

"وہ تب آتا ہے جب آپ یہاں نہیں ہوتے۔" عمار جھجھکا۔ پھر اضافہ کیا۔ "وہ مجھ سے پہلے کنفرم کر لیتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ تلخی سے کہہ کے سامنے دیکھنے لگا۔ عمار بھی کین کی کرسی کھینچ کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

اب خاموشی تھی، کسی مصنوعی چشمے کے گرتے پانیوں کی آواز اور مشینوں کی مدھم بپ بپ۔ وہ دونوں کتنی ہی دیر بیٹھے مالک فرید کو دیکھتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے بھتیجے اور وفادار ملازم کی جانب سے کروٹ موڑلی۔ شاید انہیں ان لوگوں کا کسی تماشے کی طرح ان کو دیکھنا پسند نہیں تھا۔

"مالک صاحب دن میں کئی دفعہ میری بے عزتی کرتے ہیں۔"

"کتنی دفعہ؟"

"جب تندرست تھے تو پانچ دفعہ۔ بیماری کے بعد دو دفعہ۔"

ماہر کے ہونٹوں پہ اداس سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ اس نے رخ عمار کی جانب موڑ لیا جو شیشے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے بولتا جارہا تھا۔

"شروع شروع میں میں سوچتا تھا کہ اتنے تلخ باس کے ساتھ کون گزارا کر سکتا ہے۔ پہلے لگتا تھا شاید انہیں کوئی ڈپریشن ہے۔ پھر سمجھ آئی کہ یہ تو ان کی شخصیت ہے۔ کوکونٹ جیسی۔"

ماہر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا، گال تلے انگلیاں رکھے، دلچسپی سے اسے سنے گیا۔

"اب میں ان کی پانچ وقت کی بے عزتی کو مس کرتا ہوں۔ جس دن صرف ایک دفعہ ڈانٹیں تو جان لیتا ہوں کہ آج وہ بالکل ٹھیک نہیں ہیں۔"

"ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں، عمار۔ مالک ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اس ہال میں پندرہ مریض ہیں، ماہر بے۔ آدھوں کو اصل دوا لگی ہے اور آدھوں کو placebo لگایا جارہا ہے۔" عمار نے اب کے ماہر کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بے بسی بھی تھی اور دبا دبا غصہ بھی۔

ماہر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"ہم نے مالک صاحب کی زندگی کو ففٹی ففٹی کے چانس پہ چھوڑ دیا ہے، ہمیں چانس نہیں لینا چاہیے تھا ۔ہمیں کچھ کرنا چاہیے تھا۔ یہ کلینیکل ٹرائل ان کی آخری امید تھی۔"

"کیا میں تمہیں چیزیں چانس پہ چھوڑنے والا انسان لگتا ہوں، عمار؟"

عمار ایک لمحے کے لیے سانس نہ لے سکا۔ چونک کے دور مالک کو لگے آئی وی بیگ کو دیکھا۔ پھر ساتھ سے گزرتے نرسز کو۔

اگلے ہی پل جیسے ذہن نے سارا معاملہ بھانپ لیا۔

"واقعی؟" وہ قدرے جوش سے اونچا سا بولا۔ پھر دائیں بائیں دیکھا اور آواز دھیمی کی۔ چہرہ ماہر کے قریب کیا۔ "کیا آپ نے ہینڈل کر لیا؟" جوش سے اس کی آواز کپکپائی۔

"آف کورس۔" ماہر نے سر کو جنبش دی۔

عمار کے چہرے پہ سرخی سی دوڑ گئی۔ مٹھیاں بھینچ لیں جیسے وہ بدقت ضبط کر رہا تھا۔

"شاید دوا اثر کر جائے۔" پھر اس کے چہرے پر کچھ بجھا۔ "یا شاید اثر نہ کرے۔"

"دونوں صورتوں میں، ہم نے کسی چیز کو چانس پہ نہیں چھوڑا، عمار۔ ہم اتنی آسانی سے مالک کو مرنے نہیں دیں گے۔"

شیشے کی دیوار کو دیکھتے ہوئے عمار نے سر ہلایا۔ اس کی پلکوں کے کنارے بھیگ گئے تھے۔

"اور اگر مالک زندگی ہار گیا تو یاد رکھنا، زارا کے پاس ایک سیکرٹری پہلے سے موجود ہے۔"

عمار نے چونک کے گردن موڑی۔ ناسمجھی سے بھنویں اکٹھی کیں۔

"یعنی؟"

"تمہیں مالک کا کوئی حریف صرف اس صورت میں جاب دے گا کہ تم اسے مالک کے کاروباری راز بتاؤ ۔اور تم ایسا نہیں کروگے۔یوں مالک کے مرنے کے بعد تم جاب لیس ہو جاؤ گے۔"

عمار آنکھوں میں الجھن لیے اسے دیکھے گیا۔

"اس لیے میں تمہیں گارنٹی دے رہا ہوں کہ مالک کے اس دنیا سے جانے کے بعد بھی میرے پاس تمہارے لئے ہمیشہ جگہ ہو گی۔تم ہماری فیملی کا حصہ ہو۔تم ہمیشہ ہمارے لئے کام کروگے۔"

عمار نے ممنونیت سے سر کو خم دیا۔لیکن وہ ابھی تک ماہر کو غور سے دیکھ رہا تھا۔وہ کئی برس سے ماہر فرید کو جانتا تھا۔اسے معلوم تھا یہ تمہید تھی۔

"اور؟"ماہر کی خاموشی پہ عمار پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

جواب میں ماہر نے کرسی کا رخ موڑ دیا یوں کہ وہ اب عمار کے عین سامنے تھا۔نگاہیں اس سے ایک پل کے لیے بھی نہیں ہٹ رہی تھیں۔

"اب تم مجھے بتاؤ گے.... کہ مالا مالک سے ملنے کیوں آئی تھی؟"

عمار نے گہری سانس لی۔

"یہ بات مجھ سے زارا نے بھی پوچھی تھی کہ کیا وہ آئی تھی؟مالک صاحب نے اس کو بھی بتانے سے منع کیا تھا لیکن وہ پہلے سے جانتی تھیں کہ مالا آئی تھی۔"

"اور دونوں کے درمیان کیا بات ہوئی؟"اس نے مالا سے وعدہ کیا تھا کہ وہ مالک سے اس بارے میں نہیں پوچھے گا۔اور اسے مالک سے پوچھنا بھی نہیں تھا۔اس کے سایے سے پوچھنا تھا۔

"سچ کہوں تو میں خود بھی نہیں جانتا کہ وہ کیوں آئی تھی۔میں گھر کے اندر تھا۔کھڑکیاں ساؤنڈ پروف ہیں ۔وہ دونوں لان میں بیٹھے چند منٹ باتیں کرتے رہے۔"عمار آنکھیں چھوٹی کیے جیسے یاد کر کر کے بتا رہا تھا ۔کنکھیوں سے وہ مالک کا آئی وی بیگ دیکھ سکتا تھا جس میں اصل دوا لگائی جا رہی تھی۔

"وہ تھوڑی دیر ہی بیٹھی... مگر کرسی کے کنارے پہ... جیسے بھاگنے کو تیار ہو، جیسے کسی بات سے خوفزدہ ہو۔"

"کیا کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا؟"

"نہیں... یعنی.... جیسے مالک صاحب سے خوفزدہ ہو۔ اس لیے اس نے جلدی جلدی اپنی بات کہی۔ مالک صاحب زیادہ نہیں بولے۔ بس اس کو سنتے رہے۔ پھر وہ تیزی سے اندر کی طرف آئی۔ مجھے دیکھا بھی نہیں مڑ کے۔ جیسے ڈر گئی ہو... اور تقریباً بھاگتے ہوئے گھر سے نکل گئی۔ بس یہی ہوا تھا۔ مالک بے نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ کیوں آئی تھی۔"

اس نے ماہر کو وہی بتایا جو وہ جانتا تھا۔ جو اس نے زارا کو بھی بتایا تھا۔

"اس کے بعد کیا ہوا؟" ماہر غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"بعد میں؟" عمار نے چونک کے اسے دیکھا۔ "بعد میں یعنی؟"

"مالا کی بات سننے کے بعد مالک نے پہلا کام کیا کیا تھا؟"

عمار بالکل ٹھہر گیا۔

"انہوں نے مجھے بلایا تھا۔ وہ..." وہ رک گیا۔ اس کی زبان ہکلا گئی۔ ماہر بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہا تھا۔ عمار نے ایک نظر شیشے کی دیوار کو دیکھا، اس آئی وی بیگ کو اور پھر ماہر کو۔

"ماہر بے..."

"بولتے رہو، عمار۔ میں نے کہا نا، تم ہمیشہ ہماری فیملی کے ساتھ رہو گے۔"

عمار نے قدرے تامل سے الفاظ جوڑے۔

"وہ مجھ سے اس رقم کے بارے میں پوچھ رہے تھے جو زارا ہر مہینے نکلواتی رہی ہے۔"

ماہر ایک دم سیدھا ہوا، ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ آنکھوں میں نا سمجھی تھی۔

"کون سی رقم؟"

"زارا کمپنی اکاؤنٹس سے ہر مہینے ایک مخصوص رقم پچھلے چند ماہ سے نکلوا رہی ہیں۔ مجھے سی ایف او نے انفارم کیا تھا سو میں نے مالک صاحب کو دو تین دفعہ آگاہ کیا کیونکہ مجھے فنانشل رپورٹس بھی دیکھنی ہوتی ہیں۔ آڈٹ کے دوران سی ایف او نے زارا سے پوچھا بھی تھا کہ وہ رقم کہاں گئی۔"

"اور؟"

"انہوں نے کہا کہ اس رقم سے انہوں نے بیگز لیے تھے۔ ان کے پاس تمام رسیدیں تھیں۔ یہ ان کا پرسنل expense تھا اور آپ سب کزنز ایسے expenses کرتے ہیں سو یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی۔"

"پھر تم نے یہ بات بار بار مالک کو کیوں بتائی؟ زارا پیسے لے سکتی ہے، اس میں کیا مسئلہ ہے؟"

"کیونکہ....." وہ رکا۔ خشک لبوں پر زبان پھیری۔ "کیونکہ وہ اکثر ملک سے جاتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ کی چابیاں مجھے دے جاتی ہیں۔ سیکیورٹی کے لیے۔"

"اور؟"

"اور وہ بیگز ان کے اپارٹمنٹ میں نہیں تھے۔ انہوں نے ہمیں تمام رسیدیں دکھائی تھیں لیکن بیگز کہاں گئے؟ وہ بہت قیمتی بیگز ہیں۔ ہزاروں پاؤنڈز کے۔ ان کے اپارٹمنٹ میں صرف ان کے آٹھ بیگز ہیں جن کی حفاظت کے لیے وہ مجھے ہمیشہ کہتی ہیں۔ مگر نئے بیگز میں نے کبھی نہیں دیکھے۔"

ماہر کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ عالیان نے مالا کو کچھ بتایا تھا جو اس نے مالک کو بتایا۔ زارا کمپنی سے پیسے لے رہی ہے، یہ بات عالیان کو کیسے معلوم ہوئی؟ اور اگر ہوئی بھی تو یہ ایسی بات نہیں تھی کہ مالا اسے یوں چھپاتی۔ یا مالک سے کہنے سے ڈرتی۔

"کتنی رقم تھی؟"

عمار نے رقم بتائی۔ پھر جھجھکا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آپ نے ابھی تک نوٹس نہیں کیا۔"

"نہیں مجھے بھی سی ایف او نے کہا تھا لیکن... وہ اس کے پرسنل ایکپنسز تھے۔ وہ کر سکتی ہے یہ۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی۔" وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ "یہ معاملہ کب سے شروع ہوا تھا؟"

"آپ کی منگنی سے چند مہینے پہلے سے۔ وہ رقم ہمیشہ ایک راؤنڈ فگر ہوتا ہے۔ ایک ہی اماؤنٹ ہر مہینے... ایک ہی تاریخ پہ۔ اور وہ کیش لیتی ہیں۔ ایسے جیسے کسی چیز کی قسط ادا کرنی ہو، یا..." عمار رک گیا۔

"یا جیسے کسی کو retainer پہ ہائر کر رکھا ہو۔" ماہر بڑبڑایا۔ پر سوچ نگاہیں سن روم کے سرسبز گملوں پہ جمی تھیں۔ قریبی کاؤچ پہ ایک بوڑھے میاں بیوی آ کے بیٹھ چکے تھے۔ ان کی کم سن بچی یہاں داخل تھی۔

"مالا اور مالک کی ملاقات کے بعد مزید کیا ہوا؟"

عمار نے کندھے اچکائے۔ "کچھ غیر معمولی نہیں ہوا۔ بس اس رات زارا آئی تھی۔ میں نہیں جانتا کہ مالک صاحب کی اس سے کیا بات ہوئی تھی لیکن وہ واپس جاتے ہوئے رو رہی تھی۔ شاید ان کی آپس میں کوئی لڑائی..." وہ رک گیا۔ کہتے کہتے چونکا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

"اور ہاں... مالک صاحب نے مجھ سے عالیان کے بارے میں پوچھا تھا۔"

ماہر نے گردن اتنی تیزی سے موڑی کہ ہڈی کے چٹخنے کی آواز آئی۔

"عالیان...؟"

"جی۔ مالا کے جانے کے بعد مالک صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا میں کسی عالیان کو جانتا ہوں۔ دراصل عالیان ایک بچہ تھا جو کھو گیا تھا اور...."

"میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔ تم اسے کیسے جانتے ہو؟"

"زارا اسے ڈھونڈ رہی تھی نا۔ چند ماہ پہلے ہی زارا نے مجھ سے عالیان کو تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ میں نے بہت تلاش کیا۔ ایک پرائیویٹ ڈیٹیکٹو بھی ہائر کیا، لیکن بہت سا پیسہ خرچ کرنے کے بعد بھی وہ نہیں ملا۔ پھر زارا نے خود ہی مجھے اسے تلاش کرنے سے روک دیا۔"

سن روم میں اب خاموشی تھی۔ ارد گرد لوگوں کے ہونٹ ہلتے ہوئے دکھائی دیتے تھے لیکن عمار کے سوا سب کی آوازیں بند ہو چکی تھیں۔

"وہ رقم زارا نے عالیان کی تلاش ختم کرنے کے بعد نکلوانی شروع کی تھی؟ یا پہلے؟"

عمار کے ابرو سوچنے والے انداز میں اکٹھے ہوئے۔ ایک لمحے کے لیے دماغ میں حساب کیا۔

"بعد میں۔ بالکل۔ میں کلیئر ہوں۔ بعد میں۔" پھر اس نے شیشے کی دیوار کو دیکھا اور دوبارہ ماہر کو۔

"ماہر بے، یہ باتیں کوئی اتنا بڑا راز نہیں تھیں جو میں آپ کو نہ بتاتا۔ ان کو بتانے کا مقصد مالک صاحب سے بد دیانتی..." وہ کچھ کہہ رہا تھا اپنی صفائی میں، اپنی اخلاقیات کے بارے میں۔ لیکن ماہر نہیں سن رہا تھا۔

وہ دھیرے سے کھڑا ہوا، ہاتھ سے اس کا کندھا تھپکا اور آگے بڑھ گیا۔ عمار بھی ساتھ ہی اٹھا۔ وہ پیچھے سے اسے پکار رہا تھا لیکن ماہر نہیں سن رہا تھا۔ وہ چلتا جا رہا تھا۔

سن روم کے سارے پودے ایک دم سے سیاہ ہو گئے تھے۔ سورج کی روشنی کوئلے کی سیاہی میں بدل گئی تھی۔ اس کا اٹھتا ہر قدم خلا میں پڑ رہا تھا۔ ذہن شل تھا۔ آنکھیں جھپک رہی تھیں یا نہیں، اس کو نہیں معلوم۔ بس وہ چلتا رہا تھا۔

کاریڈور کے اختتام پر ریسپشن تھی۔

اس کے اختتام پر ایک سنہرا دن۔

اس کے اختتام پر پارکنگ لاٹ۔

اس کے کہیں وسط میں اس کی کار۔

ایک ایک مرحلہ عبور کرنا دشوار تھا۔

اس کا سانس تیز ہو چکا تھا۔

کار میں بیٹھتے ہی اس نے اسٹارٹ کا بٹن دبایا لیکن آج انجن کے حرکت کرنے کی آواز نہ آئی۔ ساری آوازیں دم توڑ چکی تھیں۔

"کال شبنم۔" دو الفاظ میں کار کو حکم دیا اور اسے سڑک پر ڈال دیا۔ پارکنگ لاٹ کے کسی کونے سے اردل تیزی سے اس کی جانب بھاگا تھا، لیکن ماہر نے ڈرائیور کا انتظار نہیں کیا۔ وہ ڈرائیور کو دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ چونکہ دوسری چابی اس کے پاس تھی، سو کار آگے بڑھ چکی تھی۔

اسپیکرز پہ رنگ ٹون سنائی دی اور پھر شبنم کی آواز۔

"جی، ماہر بے؟"

"زارا کہاں ہے؟" اسے اپنی آواز میں غراہٹ محسوس ہوئی۔

"وہ....وہ اپنے آفس میں ہیں۔ اپنا سامان اکٹھا کر رہی ہیں۔ کیا میں انہیں کال پہ بلاؤں؟" اس کی آواز نے شبنم کو ایک دم پریشان کر دیا تھا۔

"نہیں، بالکل نہیں۔ اس کو میرے آنے تک وہاں روکے رکھو۔" کپکپاتی انگلی سے اس نے بٹن دبا دیا ۔کال کٹ گئی۔ اب سامنے سڑک تھی اور اس پر بہتا ٹریفک۔ اور اس کے درمیان تیزی سے زگ زیگ کر کے کار نکالتا ماہر فرید۔ قریب سے گزرتی گاڑیوں کے ہارن...لوگوں کی اونچی اونچی آوازیں، اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ کبھی دائیں اور کبھی بائیں کار موڑتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال سے کیف کی عمارت کا سفر کتنا لمبا تھا اسے یاد نہیں۔ درمیان میں کتنی دفعہ اسے ہارن پڑے اور کتنے لوگ کار کے آگے آتے آتے بچے۔ وہ گنتی نہیں رکھ پایا۔ دماغ پہ سرخ دھواں سا چڑھا تھا۔

ایسا دھواں جو اس وقت غالب آتا تھا جب گھوڑے کے مجسمے کے اندر رہنے والا ذی روح اس کے دماغ پہ قبضہ کر لیتا تھا۔

برسوں بعد اسے اپنے اندر وہ ماہر فرید نظر آیا تھا جو کسی کا سر دیوار پہ دے مار سکتا تھا۔ جو اپنی بائیک کو فٹ پاتھ پر چڑھا کے خود کو بھی ختم کر سکتا تھا۔

کار کیف کی عمارت کے باہر روکی اور دروازہ ٹھاہ بند کر کے وہ باہر نکلا۔ اسے اندر داخل ہوتے دیکھ کے ریسپشنسٹ تیزی سے اٹھی۔

"زارا اوپر ہے؟" وہ غرایا تھا۔

ریسیپشنسٹ نے گھبرا کے جلدی سے سر اثبات میں ہلایا۔

ماہر لفٹ کے قریب گیا۔ پھر رکا۔ دیوار پہ سرخ رنگ کا فائر الارم لگا تھا۔ اس نے تیزی سے ساتھ رکھی ننھی کلہاڑی اتاری اور اسے فائر الارم کے شیشے پر دے مارا۔ کرچیاں سی نیچے گریں۔ شیشہ ٹوٹ گیا اور الارم نمایاں ہوا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے زور سے الارم کھینچ دیا۔

عمارت میں زور زور کا بگل بجنے لگا۔ وہ مڑا تو ریسیپشنسٹ ہکا بکا سی اسے دیکھ رہی تھی۔

"بلڈنگ خالی کراؤ۔ Fire drill۔"

پھر وہ لفٹ کی بجائے سیڑھیوں کی جانب لپکا۔ تیزی سے زینے پھلانگے۔ آدھے رستے میں ہی انسانوں کا سمندر اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ ماہر دیوار کے ساتھ ہو گیا مگر زینے چڑھتا گیا۔ فائر الارم مسلسل بج رہا تھا اور لوگ کام چھوڑ کے اپنی چیزیں سنبھالتے حیران پریشان سے نیچے کی طرف دوڑ رہے تھے۔

جب تک وہ ہال میں پہنچا، آدھے سے زیادہ ہال خالی ہو چکا تھا۔ کوئی پوچھ رہا تھا کہ آگ کہاں لگی ہے اور کوئی پوچھ رہا تھا کہ کیا یہ drill ہے۔

"باہر نکلو سب...! آؤٹ...! آؤٹ...!" ماہر نے اونچی آواز میں دروازے کی جانب اشارہ کیا تھا۔

اور پھر اس نے زارا کو دیکھا۔

دور ہال کے دوسرے سرے پہ... وہ اپنا بیگ اور باکس اٹھائے تیزی سے شیشے کے پنجرے سے باہر نکل رہی تھی۔ ماہر پہ نگاہ پڑی۔ ماہر نے دور سے اسے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ تھم جاؤ۔ زارا وہیں رک گئی۔

وہ دونوں ہال کے دو مخالف سروں پہ کھڑے تھے۔ان کے درمیان بہت سے کیبن ز اور بہت سے گھبرائے ہوئے لوگ تھے جو جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹ کے باہر کو بھاگ رہے تھے۔

زارا باکس لیے پتھر بنی کھڑی تھی۔اس کی نگاہیں ماہر کے چہرے پہ جمی تھیں۔

وہ بچپن سے اسے جانتی تھی۔اور وہ اس چہرے کو بھی جانتی تھی۔

باکس اس کے ہاتھ سے گر گیا۔ہلکی سی دھپ سے قدموں کے قریب زمین بوس ہوا۔وہ ماہر کے چہرے سے نگاہ نہیں ہٹا پا رہی تھی۔وہ جانتی تھی آگ عمارت میں نہیں لگی۔اس کی زندگی میں لگی ہے۔وہ اس چہرے کو پہچانتی تھی۔ان آنکھوں کے زخمی پن کو بھی۔

وہ جان گیا ہے۔وہ سب کچھ جان گیا ہے۔

اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔وہ اپنی جگہ سے نہیں ہل سکی۔

ایک ایک کر کے ہر شخص نیچے بھاگ گیا۔ہال خاموش ہو گیا۔فائلز اور کاغذ زمین پر بکھرے رہ گئے۔کسی کا والٹ گرا تو کسی کا کپ۔

مگر اب ہر طرف خاموشی تھی۔

تب وہ آگے آیا۔قدم قدم چلتا۔زارا سے نگاہ ہٹائے بغیر۔وہ اس کے قریب آ رہا تھا۔ٹائی ڈھیلی تھی اور گرم کوٹ نہیں پہن رکھا تھا۔وہ کوٹ ہسپتال میں بھول آیا تھا۔اس وقت کچھ بھی اہم نہیں تھا۔کچھ تھا تو بس ماہر کے چہرے پہ ایک تاثر۔

زخمی تاثر۔غصہ۔صدمہ۔

وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔یہاں تک کہ وہ زارا کے آفس کے دروازے تک آ رکا۔پھر انگلی سے اشارہ کیا۔

"اندر۔"

کسی معمول کی طرح زارا پلٹی۔ دروازہ کھولا۔ ایک ایک قدم بھاری ہو رہا تھا۔ وہ میز تک آئی۔ پھر ماہر کی طرف گھومی۔ وہ اپنے چہرے پر گیلا پن محسوس کر سکتی۔ نہ جانے پانی کہاں سے نکل رہا تھا؟ آنکھوں سے آنسوؤں کی صورت میں؟ یا دل سے رستے خون کی طرح؟

"بیٹھو!" وہ سرخ چہرے کے ساتھ بہت ضبط سے بولا تھا۔

زارا دھیرے سے کرسی پر بیٹھی۔ یہ وہ کرسی تھی جس پر اس کے مہمان بیٹھتے تھے۔ وہ گھٹنے ملا کے کسی مجرم کی طرح اس کرسی پر بیٹھی۔ کپکپاتے ہاتھ گود میں رکھے۔ سر جھکا ہوا تھا۔

ماہر نہیں بیٹھا۔ وہ شیشے کی دیوار کے ساتھ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ زارا نے لرزتی ہوئی گیلی پلکیں اٹھائیں۔

"اس نے بتایا ہے نا؟ مالا نے؟" اس کی آواز زخمی شیرنی کے جیسی تھی۔

ماہر فرید کے دونوں ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

"وہ بھی جانتی تھی؟ کمال ہے!" اس نے زور سے شیشے کی دیوار پہ ہاتھ مارا۔

"میں ایکسپلین کر سکتی ہوں۔" اس کی آواز کپکپائی۔ بہت سے بہانے، بہت سی توجیہات ہونٹوں تک آئیں، لیکن ماہر کا چہرہ... اس کی سرخ رنگت... اس کی آنکھوں کا طیش، کچھ بھی اسے بولنے نہیں دے رہا تھا۔

"تم عالیان کی کلائنٹ تھیں؟" وہ غرایا تھا۔ غصے سے۔ بے یقینی سے۔

"عالیان نے مجھے ٹریپ کیا تھا۔ اس نے میرے ساتھ کچھ کیا جس کی وجہ سے..." وہ آنسوؤں کے درمیان بولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں ساری عمر ان جادوگروں کے خلاف لڑتا رہا اور تم... میری کزن... میری فیملی... تم بھی اس کی کلائنٹ نکلیں، زارا۔" وہ چاہنے کے باوجود اپنی آواز کو نیچے نہ رکھ سکا۔

"میں کیا کرتی؟" وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔ "میں تھک گئی تھی تمہاری اٹینشن کے لئے... تمہارے پیچھے بھاگ بھاگ کے... مجھے صرف محبت چاہیے تھی۔ تمہاری محبت۔"

روتے روتے اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔

"تم ہمیشہ سے جانتے تھے کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں۔ میں اتنے برس انتظار کرتی رہی کہ تم میرے پاس آؤ گے۔ کیا تمہیں میرا انتظار دکھائی نہیں دیتا تھا؟ کیا تمہیں میری محبت کبھی دکھائی نہیں دی؟ تم ہمیشہ اس موضوع کو بدل دیتے تھے۔ تم ہمیشہ مجھے اوائیڈ کرتے تھے۔ میں نے تم سے کئی دفعہ اس بارے میں بات کرنے کی کوشش کی، لیکن تم نے مجھے جواب نہیں دیا۔"

"نور سپانس بھی ایک رسپانس ہوتا ہے، زارا۔" وہ زور سے چلایا تھا۔ "میں نے تمہیں کئی دفعہ بتایا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ پھر تم..." ماہر نے بے یقینی سے ماتھے کو چھوا۔ "تم ایک جادوگر کے پاس چلی گئیں؟ میرے لئے؟"

"میں کیا کرتی؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا کچھ ہو گا۔ اس نے مجھے امید دلائی تھی۔ کہ میں ایک.... ایک اچھا کام کر رہی ہوں۔ میں کسی کو ہرٹ نہیں کر رہی۔ مجھے... مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اپنے بابا کو ہرٹ کروں گی۔ مجھے لگا وہ کوئی وظیفہ کرے گا... کوئی... کوئی دعا وغیرہ... مجھے نہیں معلوم تھا میں جادو کر رہی ہوں۔ آئی ایم سوری۔ آئی ایم سو سوری!"

ماہر ایک ہاتھ بالوں میں پھنسائے نفی میں سر ہلاتا کمرے میں دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ چہرہ سرخ تھا اور پسینے سے اس کے بال بھیگ چکے تھے۔ یعنی مالک کی بیماری بھی عالیان کے جادو کا نتیجہ تھی؟ اوہ خدایا۔

"آئی ایم سو سوری، ماہر۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ دوبارہ ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے اس غلطی کو فکس کرنا چاہا۔ میں نے تمہیں اسی لیے اس رشتے سے آزاد کر دیا۔"

وہ رکا۔ سرخ پڑتی آنکھوں اسے دیکھا۔

"تم نے یہ میرے لئے نہیں کیا۔ مالک کو معلوم ہو گیا تھا۔ یقیناً اسی نے تم پہ زور ڈالا ہو گا۔ "Unbelievable Zara, unbelievable.

زارا نے بے اختیار کانوں پر ہاتھ رکھ لیے حالانکہ ماہر کی آواز اتنی اونچی نہ تھی۔

"آئی ایم سو سوری۔ آئی ایم سو سوری۔ میں ایسی نہیں ہوں۔ آئی ایم سو سوری۔" وہ بار بار ایک ہی چیز کسی منتر کی طرح بڑبڑا رہی تھی۔

وہ نفی میں سر ہلاتا دائیں بائیں چکر کاٹتا رہا۔ کسی پنڈولم کی طرح۔ اور وہ آئی ایم سو سوری بولتی گئی۔ شاید وہ مان جائے۔ شاید وہ اسے معاف کر دے۔ شاید وہ دوبارہ اس کی طرف ان نظروں سے نہ دیکھے۔ اس سے منگنی ٹوٹنے کا غم اتنا بڑا نہیں تھا جتنا اس کی زخمی آنکھوں میں دیکھنا تھا۔

"میں اتنے دن تمہاری ہر بات مانتا رہا کیونکہ میں گلٹی تھا۔ مجھے لگتا تھا میں نے تمہارا دل دکھایا ہے۔ مگر وہ سب کچھ ایک دھوکہ تھا۔ ایک الوژن۔ تم زارا... تم میری فیملی تھیں۔ میں ساری عمر جن جادوگروں سے لڑتا رہا، تم بھی ان کی چوکھٹ پر جا بیٹھیں۔"

زارا نے بھیگی آنکھیں اٹھائیں۔ پلکیں جھپکیں۔ دھندلا منظر واضح ہوا۔ ماہر فرید اسے زخمی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ یہ نگاہیں ساری عمر نہیں بھلا سکتی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ میں کیا کروں کہ سب ٹھیک ہو جائے؟ تم مجھے بتاؤ۔ میں کروں گی۔ جو تم کہو گے۔ آئی ایم سو سوری۔ وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا... ابھی بھی... مگر میں اس کی بلیک میلنگ میں نہیں آئی۔"

ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ زارا کی زبان کو بریک لگا۔ اب وہ گھوم کے میز کے پیچھے گیا۔ زارا کی خالی پاور سیٹ تک۔ وہاں رکھا ایک نوٹ پیڈ اٹھایا۔ زور سے قلم ہولڈر میں سے کھینچا اور میز کے سامنے آیا۔ قلم اور نوٹ پیڈ اس کی گود میں پٹخ کے رکھا۔

"لکھو!"

زارا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ پھر چہرہ نوٹ پیڈ پہ جھکایا۔ دو آنسو ٹپک کے کاغذ پر گرے اور گیلے داغ چھوڑ گئے۔

"کیا لکھوں؟"

"ہر اس جگہ کا نام جہاں تم اس سے ملی ہو۔ اس شہر میں۔ لکھو۔"

زارا قلم ہاتھ میں لیے چند لمحے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ آنسو تھوڑی سے ٹپک ٹپک کے کاغذ کو بھگو رہے تھے۔

"زارا، اگر تم چاہتی ہو کہ ہم ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے قابل رہ جائیں تو وہ لکھو جو میں کہہ رہا ہوں۔ ورنہ یہاں سے چلی جاؤ۔"

زارا نے چہرہ جھکایا۔ بائیں ہاتھ سے آنکھیں صاف کیں۔ بھیگا کاغذ پھاڑ کے پھینکا اور صاف کاغذ پر قلم کی نوک رکھی۔

اس نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں لیا تھا۔

زارا نے چہرہ جھکایا۔ بائیں ہاتھ سے آنکھیں صاف کیں۔ بھیگا کاغذ پھاڑ کے پھینکا اور صاف کاغذ پر قلم کی نوک رکھی۔

اس نے فیصلہ کرنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں لیا تھا۔

وہ دائیں ہاتھ سے لکھتی گئی اور بائیں سے بار بار آئے آنسو صاف کرتی گئی۔ چند قطرے پھر بھی اس کاغذ پر جا گرے لیکن وہ اس کے لکھے الفاظ کو بھگو نہیں سکے۔ ایک فہرست سی بنتی گئی۔ آخر میں اس نے قلم اور نوٹ پیڈ ماہر کی طرف بڑھا دیا۔

"میں نے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ یہ وہ تمام جگہیں ہیں جہاں اس شہر میں، میں اس سے ملی ہوں۔"

ماہر نے کاغذ نوچ کے پھاڑا، اونچا کر کے دیکھا، ان تمام جگہوں پہ ایک نگاہ دوڑائی۔ پھر کاغذ نیچے کیا تو دیکھا، وہ امید اور خوف کے درمیان بھیگے چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

"تم اسے نہیں بتاؤ گی کہ تم یہ سب مجھے بتا چکی ہو۔"

زارا کی آنکھوں میں زخمی پن ابھرا۔

"ماہر، میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ وہ خود فون کر کے مجھے بلیک میل..."

ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے بولنے سے روک دیا۔

"مجھے تمہاری کسی بات پہ یقین نہیں ہے لیکن..." اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ "اگر اس گفتگو کے بارے میں تم نے اسے بتا دیا تو میں جان جاؤں گا۔ اور تم ساری عمر بیربل اور میری شکل نہیں دیکھو گی... نہ ہی فرید ہولڈنگ کی۔" کاغذ مٹھی میں دبائے وہ پلٹا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ فائر الارم ابھی تک زور زور سے بج رہا تھا۔ زارینہ فرید اسی طرح نڈھال سی کرسی پر بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کا ذہن اس وقت سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ لیکن ایک خیال کسی سانپ کی طرح اندر پھنکار رہا تھا۔

کشمالہ... یہ سب کشمالہ مبین نے کیا تھا۔

اس کی زندگی کو آگ کشمالہ مبین نے لگائی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پولیس کمشنر چنگیز کے آفس کی کھڑکی آج بھی کھلی تھی لیکن اس کے باوجود فضا میں باسی سگریٹوں اور سستے کولون کی مہک کم نہ ہو سکی تھی۔ اس آفس میں اس وقت کوئی بھی کرسی پر نہیں بیٹھا تھا۔ ماہر دائیں بائیں چکر کاٹ رہا تھا۔ بار بار نفی میں سر ہلاتا، دانت سے نچلا لب کاٹتا۔ چنگیز دیوار کے ساتھ کھڑا بڑی اسکرین پر پنسل سے دائرے لگا رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی لسٹ سے رک رک کے پڑھتے ہوئے وہ ایک ایک دائرے کا اضافہ کرتا گیا۔

اسکرین پہ شہر کا نقشہ بنا تھا۔ اس کا ماتحت آفیسر دوسرے کونے میں مؤدب سا ٹیبلٹ پکڑے کھڑا تھا۔ آخری دائرہ لگا کے چنگیز نے دو انگلیوں سے دیوار گیر اسکرین کو زوم کیا۔ پھر پلٹ کے ماہر کو دیکھا جو اسی طرح دائیں بائیں بے چینی سے چل رہا تھا۔

"کیا گارنٹی ہے کہ ان جگہوں پہ عالیان کو دیکھا گیا ہے؟"

ماہر نے رک کے اسے دیکھا۔

"اپنے سورس کا نام نہیں بتا سکتا لیکن وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان جگہوں پہ وہ اپنے کلائنٹ سے ملتا رہا ہے۔"

چنگیز نے ماتحت کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ وہ سر کو ادب سے خم دیے الٹے قدموں باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوا اور فضا میں خاموشی اور سگریٹ کی مہک باقی رہ گئی تو چنگیز اس کے سامنے آیا۔ پینسل رکھ کے اب وہ جیب سے ایک تازہ پیکٹ نکال رہا تھا۔

"میں نے زیاد کے بارے میں بھی پتا کروایا تھا۔"

پنڈولم کی طرح چکر کاٹتے ماہر کے قدم رک گئے۔ تیزی سے مڑ کے اسے دیکھا۔

"پھر...؟"

"انٹیلی جنس کمیٹی میں کام کرنے والے ایک آفیسر نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ زیاد واقعی ان کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ وہ کانفیڈنشل انفارمنٹ ہے۔ کب، کہاں اور کس نوعیت کا کام، یہ وہ نہیں بتا سکتا۔ لیکن اس سے زیاد کی کہانی کی تصدیق ہوتی ہے۔ شاید وہ واقعی بدل گیا ہو اور اب اپنی زندگی کو درست راستے پر لانے کی کوشش کر رہا ہو۔"

ماہر فرید کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ ابھری۔

"وہ نہیں بدل سکتا۔ مگر خیر.... کون سا آفیسر ہے یہ؟"

"ہے ایک آفت نما آفیسر۔" چنگیز بات گول کرنے کے انداز میں پلٹ گیا۔

"آفت علاؤالدین؟ ہے نا؟ میں اسے جانتا ہوں۔ اس کا بیٹا میرے جم میں جاتا ہے۔" وہ سمجھ کے سر جھٹکتا اسکرین کی طرف چلتا آیا۔ قریب آنے پہ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے اور شرٹ پہ پڑنے لگی۔

"تمہیں واقعی یقین ہے کہ عالیان ان جگہوں پہ تمہارے سورس سے ملتا رہا ہے؟"

چنگیز اس کے کندھے کے ساتھ کھڑا سگریٹ سلگا رہا تھا۔ نیلی روشنی ماہر کی سفید شرٹ کو نیلا اور چنگیز کی سیاہ ویسٹ کو سرمئی دکھا رہی تھی۔

"اگر وہ واقعی کہ ان جگہوں پر اپنے کلائنٹ سے ملتا ہے تو نوٹ کرو..." چنگیز نے بازو لمبا کر کے اسکرین پہ نادیدہ دائرہ کھینچا۔ "یہ تمام جگہیں پانچ کلو میٹر کے radius میں آتی ہیں۔ ایک دائرے کی صورت میں۔"

"میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنے کلائنٹ سے صرف اسی علاقے میں ملتا ہے۔ مگر کیوں؟"

"کیا وہ کلائنٹ اسی علاقے میں رہتا ہے؟ شاید عالیان اس کی آسانی چاہتا ہو۔"

"نہیں... میرا سورس یہاں سے بہت دور رہتی... رہتا ہے..."

"ہوں، انٹر سٹنگ۔ یعنی ہمارا جادوگر اپنی آسانی کے لیے اس علاقے کا انتخاب کرتا ہے۔ شاید وہ یہیں رہتا ہے۔"

"اور اس کے پاس کار نہیں ہے۔" ماہر اسکرین کو دیکھ کے بڑبڑایا۔ "یہ تمام جگہیں ایک دوسرے سے پانچ سے دس منٹ کی ڈرائیو پہ ہیں اور وہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتا ہے۔ ایک بس میں بیٹھتا ہے اور اگلی سے اتر جاتا ہے۔"

"پبلک ٹرانسپورٹ سے وہ شہر کے دوسرے کنارے پر بھی جا سکتا ہے، ماہر۔ اسے اپنے رہائشی علاقے میں ہی کلائنٹ کو بلانے کی کیا ضرورت ہے؟"

اور یہیں آ کے اس کا ذہن پھنس گیا تھا۔ وہ کچھ دیر سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھے گیا۔

"کیونکہ اسے واپس پہنچنے کی جلدی ہوتی ہے۔" پھر وہ چونکا۔ "یعنی وہ اس علاقے میں نہیں رہتا۔ وہ یہاں...."

"وہ یہاں کام کرتا ہے۔" چنگیز جوش سے بولا۔ ماہر کے چہرے پہ پہلے دفعہ مسکراہٹ ابھری۔

"اس کی کوئی ڈے جاب ہے۔ اپنا کور قائم رکھنے کے لیے۔"

"اتنے بڑے جادوگر کو جاب کی کیا ضرورت ہے؟"

"آج کل ایسے جادوگر عموماً plain sight میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے کہ کوئی ان پہ شک نہ کر سکے۔ وہ یقیناً کہیں جاب کرتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کہاں؟"

چنگیز نے اسکرین کو انگلیوں کی چٹکی سے زوم کیا۔ اس دائرے کے وسط میں ایک عمارت کا نام واضح دکھائی دے رہا تھا۔

"یہ ایک coworking space جو اس علاقے کے بالکل وسط میں ہے۔ اور یہ تمام جگہیں جہاں وہ کلائنٹ سے ملتا رہا ہے، اس coworking space سے دس منٹ کی واک پہ ہیں۔ وہ یقیناً یہاں کام کرتا ہے۔ اس coworking space میں۔"

"کوورکنگ اسپیسز میں عموماً فری لانسرز کام کرتے ہیں، چنگیز۔ اپنا اسٹارٹ اپ رن کرنے والے۔"

"یعنی؟"

"اگر وہ اپنے لیے کام کرتا ہے تو اسے واپس پہنچنے کی جلدی کیوں ہوتی ہے؟" ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ کسی اور کے لیے جاب کرتا ہے۔ اگر میں ایسا جادوگر ہوتا تو ایسی جگہ کا انتخاب کرتا جو خاموش ہو۔ پرسکون ہو۔ جہاں روشنیوں سے زیادہ اندھیرے ہوں۔ جہاں میں یکسوئی سے نادیدہ کام کر سکوں۔ جیسے کہ..." اس نے انگلی نقشے کے وسط میں رکھی۔

چنگیز نے اس کی انگلی کے تعاقب میں دیکھا۔

لائبریری۔

"لائبریری۔" چنگیز کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے ماتحت کو اونچی آواز سے پکار رہا تھا۔

"مجھے اس لائبریری میں کام کرنے والے تمام ایمپلائز کی فہرست چاہیے۔ ساتھ ہی میں بیک اپ کے ساتھ اس لائبریری کی طرف جا رہا ہوں۔ اگر وہ واقعی یہاں کام کرتا ہے تو اسے بھاگنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔"

ماہر ابھی تک اسکرین پہ بنے نقشے میں لائبریری کے icon کو دیکھ رہا تھا۔

یہ وہی لائبریری تھی جہاں اکثر ہلال جایا کرتی تھی۔

اس کے اندر کچھ مضطرب سا کروٹیں بدلنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری کا وہ کونا ہمیشہ کی طرح نیم تاریک اور پر سکون تھا۔ میز پر لیپ ٹاپ رکھے، کانوں میں ہیڈ فونز لگائے بیٹھا عالیان لیپ ٹاپ کی کیز دبا رہا تھا جب کسی احساس کے تحت اس نے چہرہ اٹھایا۔

سامنے سے چند باوردی پولیس اہلکار چلتے آ رہے تھے۔ زرد رنگت اور بھورے بالوں والی لائبریرین ان کے ساتھ تھی۔ عالیان کی سمت میں بازو لمبا کر کے اس نے اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اس کی جانب لپکے۔ سب سے آگے سادہ لباس والا پولیس کمشنر چنگیز تھا۔

عالیان سادان نے پہلے دائیں کان سے ایئر پوڈ نکالا۔ پھر بائیں کان سے۔ پھر انہیں ان کی ڈبی میں ڈالا۔ لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی اور ٹیک لگا کے تسلی سے انہیں آتے دیکھتا رہا۔

وہ اس کے قریب آئے۔ دو اہلکاروں نے اپنے اسلحے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا جیسے الرٹ ہوں۔ اور سیاہ ویسٹ والا پولیس کمشنر اسے گھورتا ہوا عین اس کے سر پہ پہنچا اور اپنا چمکتا ہوا بیج لہرایا۔

"عالیان سادان یا پھر..." چنگیز نے اس کی گردن میں جھولتے لائبریری کے کارڈ کو دیکھا جس پر اس کا نام عالیان خان درج تھا۔ "آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہو گا۔"

"کس سلسلے میں؟" کرسی پر بیٹھے نوجوان نے اطمینان سے پوچھا۔

"یہ بات ہم پولیس اسٹیشن چل کے کریں گے۔"

"تو آپ مجھے کال کر دیتے، پولیس کمشنر صاحب۔" عالیان کی آنکھیں اس کے بیج پہ دوڑیں۔ پھر واپس اس کی آنکھوں تک آئیں۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں خود آجاتا۔ اتنی بھاری نفری لے کر یہاں آنے میں tax payers کا کتنا پیسہ خرچ ہوا ہو گا۔ اور پولیس کارز سے پھیلتی آلودگی۔ چچ چچ..." وہ افسوس سے سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر لیپ ٹاپ اور ایئرپوڈز کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا انہیں بھی آپ ساتھ لے کر جائیں گے، یا یہ میں لائبریری میں رکھ سکتا ہوں؟"

چنگیز نے اسے گھورتے ہوئے ابرو سے اپنے ماتحت کو اشارہ کیا۔ اس نے تمام چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں۔ عالیان نے کندھے اچکائے اور سامنے کی طرف اشارہ کیا۔

"After you."

اور میز کے پیچھے سے نکل کے ان کے ساتھ چلنے لگا۔ اس کی گردن اٹھی ہوئی اور کندھے بالکل سیدھے تھے۔

چنگیز جس جوش کے ساتھ لائبریری میں داخل ہوا تھا اور اپنے مطلوبہ شخص کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پہ جو فاتحانہ چمک آئی تھی، اب وہ مدھم ہو چکی تھی۔

کچھ تھا اس نوجوان میں جو اسے بے بس محسوس کروا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"پولیس نے عالیان کو گرفتار کر لیا ہے۔ وہ لاک اپ میں ہے۔ میں پولیس اسٹیشن میں ہوں۔ اردل تمہیں یہاں لے آئے گا۔"

وہ کچن میں کھڑی سنک صاف کر رہی تھی جب اسے ماہر کا آڈیو پیغام ملا۔ ڈٹرجنٹ کی بوتل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ اسپنج گر گیا۔ داستانے کہاں پھینکے، اسے یاد نہیں۔ بدقت اس نے جوتے پہنے، کوٹ اٹھایا، پرس کندھے پر اڑسا اور باہر کو بھاگی۔ ماہر کا ڈرائیور نیچے اس کا انتظار کر رہا تھا۔

چنگیز نے اسے شیشے کی یک رویہ اسکرین کے پیچھے سے عالیان کو دیکھنے کا موقع دیا تھا۔

وہ ایک نیم تاریک کمرے میں کرسی پر ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ پاؤں لمبے کر کے میز کے نیچے سے دوسری کرسی پر جمار کھے تھے اور دائیں بائیں گردن گھماتا اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ آئینہ یک رخ تھا۔ عالیان انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا مگر وہ اس کو ٹھیک ٹھیک دیکھ سکتے تھے۔

"یہی ہے۔" مالا نے دیکھتے ہی اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایسے کہ ابھی سینہ توڑ کے باہر آجائے گا۔

"یہ وہی نوجوان ہے جو مجھ سے ملا تھا۔ اسی کے پاس میرا بیٹا ہے۔" اس نے بے چینی سے چنگیز کی طرف چہرہ موڑا۔

"اب کیا ہو گا؟"

"ہمارے پاس کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہے اس نوجوان کو گرفتار رکھنے کی۔" چنگیز مالا کی طرح پر جوش نہیں تھا۔ اس کا انداز قدرے دھیما تھا۔

"میں زیادہ سے زیادہ اس کو چوبیس گھنٹے کے لئے لاک اپ میں رکھ سکتا ہوں۔ اس کے بعد مجھے اس کو چارج کرنا پڑے گا یا چھوڑ دینا ہو گا۔"

"وجہ کیسے نہیں ہے؟ اس نے میرے سامنے اعتراف کیا تھا کہ..."

"اس اعتراف کا کوئی ثبوت نہیں ہے، کشمالہ حانم۔ میوزیم کے سی سی ٹی وی فوٹیج میں عالیان کا چہرہ ٹھیک سے دکھائی بھی نہیں دے رہا۔ اور اس کا وہاں آپ سے ملنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اس نے واقعی آپ کو وہی باتیں کہی تھیں جن کا آپ دعویٰ کر رہی ہیں۔"

مالا نے سینے پر بازو لپیٹ لیے اور ناگواری سے لب بھینچے چنگیز کو دیکھے گئی۔

"ہم نے اس لڑکے کے تمام ڈاکومنٹس چیک کیے ہیں۔ اس کا نام عالیان خان ہے۔ اس کے تمام کاغذات پورے ہیں۔ یہ ایک لائبریری میں کام کرتا ہے۔ آن لائن کلاسز لے رہا ہے۔ اس کے لیپ ٹاپ اور موبائل سے بھی کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی جو اس کا اس کیس سے تعلق ظاہر کرے۔ سوائے..." وہ ٹھہرا۔

مالا کا سانس رکا۔

"سوائے اس کے کہ اس نے اپنے انسٹاگرام سے بیربل فرید کو کئی دفعہ اسٹاک کیا ہے۔"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر واپس چہرہ موڑ کے شیشے کی دیوار کے پار نظر آتے عالیان کو دیکھے گیا۔

"لیکن وہ پورٹل... وہ ڈارک ویب... وہ طریقے جن سے وہ مجھے کال کرتا ہے... وہ نمبرز...؟"

"اس کے پاس سے جو فون اور لیپ ٹاپ برآمد ہوا ہے وہ کلین ہے۔ یا تو اسے پہلے سے معلوم تھا کہ ہم اس کی تلاش میں آرہے ہیں، اور اس نے ہمارے آنے سے پہلے ہی اپنا اصل لیپ ٹاپ اور فون کہیں چھپا دیا تھا۔"

مالا نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

ماہر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا خاموشی سے ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھے گیا۔ اس نے ابھی تک کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ایک خاکی رنگ کا گرم کوٹ پہن رکھا تھا جو اس نے اردل سے کہہ کے گھر سے منگوایا تھا۔

"ہم نے اس کے بتائے گئے ایڈریس پہ موجود اس کے گھر کا بھی جائزہ لیا ہے۔ وہ ایک کمرے کے فلیٹ میں بہت کسمپرسی کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کے فلیٹ سے کوئی ایسی چیز نہیں ملی جو اس کے اور بدر کے درمیان تعلق ظاہر کرے۔ یا اس کے جادوگر ہونے کو ثابت کرے۔"

"لیکن اس نے میری آنکھوں میں دیکھ کے کہا تھا کہ میرا بیٹا اس کے پاس ہے۔"

"اور یہ ثابت کرنے کے لیے ہمارے پاس صرف چوبیس گھنٹے ہیں جن میں سے پانچ گھنٹے گزر چکے ہیں۔" چنگیز نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور چہرہ اٹھایا تو اس پہ قدرے مایوسی تھی۔ "میرے آفیسرز کافی دیر اس کے ساتھ مغزماری کر چکے ہیں۔ لیکن یہ لڑکا بہت ڈھیٹ ہے۔ ہر چیز سے انکاری ہے۔ اور ہم کچھ بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ اس کے پاس سے یہ چیزیں ملی ہیں۔ ائیر پوڈز۔ والٹ۔ بینک کارڈ۔ کرنسی۔ اور...." چنگیز ٹھہرا۔ ایک پلاسٹک کا پیکٹ اٹھا کے ان کے سامنے رکھا۔ ماہر دیوار چھوڑ کے ان کے قریب آیا۔

"اور یہ شیشے کی نلی۔" چنگیز نے قدرے تعجب سے پیکٹ میں موجود نلی نکالی۔ مالا کی آنکھوں میں اچھنبا ابھرا۔

"کیا یہ چیز جادو وغیرہ میں استعمال ہوتی ہے؟"

"یہ گلاس اسٹرا ہے، کومسار بے۔" ماہر کے ہونٹوں پہ استہزایہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ چنگیز نے تعجب سے اسے دیکھا پھر نلی کو۔

"کوئی نارمل انسان جیب میں گلاس اسٹرا لے کر کیوں گھومے گا؟"

ماہر نے جواب دینے کی بجائے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس سے ملتی جلتی ایک شیشے کی نلی نکال کے چنگیز کے سامنے کی۔

چنگیز کے چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔

"ایک پلاسٹک اسٹرا سے ماحول کو کتنا ہی نقصان پہنچ سکتا ہے؟ ہونہہ۔" اس نے نلی واپس پیکٹ میں ڈال دی۔ ایک تو یہ environmentalists اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ گلاس اسٹرا لے کر گھر سے نکلتے۔ پلاسٹک کے کپ میں کولڈ کافی یا ڈرنک لیتے مگر پلاسٹک کا اسٹرا استعمال کرنے سے انکار کر دیتے۔ ہونہہ۔ بھرے پیٹ کے مسئلے۔

"کیا میں اس سے بات کر سکتی ہوں؟" وہ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

"Be my guest" چنگیز نے شانے اچکا دیے۔ وہ اب جیسے اُکتانے لگا تھا۔ جب سے یہ نوجوان تھانے میں آیا تھا سارے ماحول کی فضا عجیب سی ہو گئی تھی۔

چنگیز کے جانے کے بعد وہ ماہر کی طرف مڑی۔

"پولیس کو کیسے معلوم ہوا کہ عالیان کہاں...؟" اس کی بات ابھی درمیان میں تھی کہ ماہر پورا اس کی طرف گھوما۔

"تم جانتی تھیں زار کے بارے میں...؟ اور تم نے مجھے نہیں بتایا...؟"

مالا چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکی۔

"زارا نے اس کی لوکیشن بتائی ہے؟" اسے یقین نہیں آیا تھا۔

"میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں، مالا۔" اس کے چہرے پہ زخمی پن تھا۔

"یہ میرا راز نہیں تھا۔"

"لیکن اگر تم اس راز کو پہلے کھول دیتیں تو ہم اس کے پاس پہلے پہنچ جاتے۔ اب تک شاید وہ تمام ثبوت مٹا چکا ہو۔" ماہر نے خفگی سے چہرہ موڑ لیا۔

"تم مجھے زارا والے معاملے کے لیے مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ میرے حق میں اس کا راز کھول دینا بہتر تھا۔ لیکن اگر میں نے اپنی بہتری نہیں چنی تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے کہ میں ایسا کیوں کر رہی تھی۔" وہ سنجیدگی سے کہہ کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ کم از کم آج کے دن وہ ماہر فرید سے کسی قسم کی بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس وقت اس کا سب سے بڑا مسئلہ اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیم روشن کمرے کی چھت سے ایک بلب جھول رہا تھا۔ میز کے گرد تین کرسیاں رکھی تھیں۔ ایک طرف عالیان بیٹھا تھا، ٹیک لگائے چمکتی آنکھوں سے مسکراتا ہوا۔ باری باری سامنے بیٹھے دونوں نفوس کو دیکھتا ہوا۔

دوسری جانب وہ دونوں تھے۔ ماہر ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ بالکل خاموش۔ اس کی نگاہ ایک لمحے کے لیے بھی عالیان سے نہیں ہٹی تھی۔ اور مالا کہنیاں میز پر جمائے آگے کو ہوئے بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کھیل ختم ہو چکا ہے، عالیان۔ تم پولیس کی کسٹڈی میں ہو۔ کیا تم اب بھی نہیں بتاؤ گے کہ میرا بیٹا کہاں ہے؟"

"اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں ضرور بتاتا۔ کیا ہوا تمہارے بیٹے کو؟" وہ قدرے حیرانی اور ہمدردی سے پوچھنے لگا۔ ایک گال تلے تین انگلیاں رکھے وہ بالکل پر سکون بیٹھا تھا۔

"تم صرف ایک راز کھولنے کے بدلے بدر کو میرے حوالے کرنے پر راضی تھے۔ تمہیں بدر سے کچھ بھی نہیں چاہیے سوائے ایک شرارت اور chaos برپا کرنے کے۔ پھر کیوں نہیں بتا دیتے ہو کہ وہ کہاں ہے؟ میری تکلیف کیوں نہیں ختم کر سکتے تم؟" اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔

"میں کر دیتا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ کہاں ہے۔ میں نہ کبھی تمہارے بیٹے سے ملا ہوں نہ تم سے۔"

"ہمارے پاس سی سی ٹی وی فوٹیج ہے۔ میوزیم میں جب تم مجھ سے ملے تھے۔"

"ایسے تو دن میں میں بہت سے لوگوں سے ٹکراتا ہوں۔ شاید ایک خوبصورت لڑکی دیکھ کے میں نے رک کے بات کر لی ہو۔ لیکن اتنی سی ملاقات میں کہاں کسی کا چہرہ یاد رہتا ہے۔" وہ اسی ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

مالا نے مٹھیاں ضبط سے بھینچ لیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس نوجوان کی گردن دبوچ لے۔

"تمہیں کیا چاہیے؟ میں کیا کروں کہ تم مجھے میرے بیٹے کا پتہ بتا دو گے؟"

عالیان نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح مسکراتے ہوئے اسے دیکھے گیا۔

"میں پولیس میں کوئی شکایت نہیں کروں گی۔ کسی قسم کا کیس نہیں کروں گی۔ اپنے بیٹے کو لے کے میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔ مجھے کسی قانونی معاملے کا حصہ نہیں بننا۔ تمہارا کیا جاتا ہے؟ مجھے میرا بیٹا دو اور اپنی زندگی گزارو۔" اس کے لہجے میں منت در آئی اور آنکھوں میں آنسو۔

"مجھے تمہاری حالت دیکھ کے بہت دکھ ہو رہا ہے، کشمالہ۔ لیکن میں کیا کروں؟ میں تمہارے بیٹے کو نہیں جانتا۔"

مالا بے بسی سے پیچھے ہوئی۔ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر گردن موڑ کے شکایتی نظروں سے ماہر کو دیکھا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ (تم بھی اس تفتیش میں اپنا حصہ ڈال سکتے ہو۔) وہ تادیبی نظروں سے اسے کہہ رہی تھی۔

ماہر نے واپس اس نوجوان جادوگر کو دیکھا۔

"تم بیربل کو کیوں اسٹاک کر رہے تھے؟" کھنکھار کے بولا۔

عالیان ہلکا سا ہنسا اور شانے اچکا دیے۔ "وہ مشہور ہے۔ دلچسپ reels بناتا ہے۔ میں اسے فالو کرتا ہوں۔ اس کے کپڑے پہننے کا اسٹائل مجھے پسند ہے۔" وہ رکا۔ پھر جیسے یاد کر کے بتایا۔ "اس کے انسٹاگرام پر میں نے آپ کو بھی دیکھا تھا، ماہر بے۔ ایک دفعہ اس نے ایک reel شیئر کی تھی۔ اپنے اپارٹمنٹ کے کچن میں کھڑا وہ آپ کے لئے سمودی بنا رہا تھا۔ میں نے اس کی ریسیپی سے وہی سمودی بنانے کی کوشش کی لیکن..." عالیان کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔ "اس کا ذائقہ اتنا اچھا نہیں تھا جتنا بیربل فرید نے بڑھا چڑھا کے بیان کیا تھا۔ کسی کو انسٹاگرام پہ اسٹاک کرنا جرم ہے کیا؟"

مالا بے چینی سے مزید آگے ہوئی۔

"تمہیں کیا چاہیے میرے بیٹے کے بدلے میں؟ بتاؤ... نام لو کسی بھی چیز کا... اور میں وہ کروں گی۔"

"کیا تم مجھے یونیورسٹی میں اچھے گریڈز دلوا سکتی ہو؟" عالیان نے ابرو اٹھایا۔ چمکتی آنکھوں میں چیلنج تھا۔

مالا کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ پیچھے ہوئی۔ وہ ذہنی طور پہ تھک چکی تھی اور وہ شخص ٹس سے مس ہی نہیں ہو رہا تھا۔

کمرے سے باہر آتے ہوئے ماہر اسی طرح خاموش تھا۔ دروازہ بند ہوا اور وہ دونوں راہداری میں تنہا رہ گئے تو وہ اس کی طرف گھومی۔

"تم نے اس سے کیوں کچھ نہیں پوچھا؟ کیا معلوم وہ تمہیں کچھ بتا دیتا۔" اسے اس وقت ماہر پہ غصہ آ رہا تھا۔

"وہ کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ بہت ڈھیٹ ہے۔" ماہر فرید نے کندھے اچکائے۔

مالا نے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اس پر بٹن دبانے لگی۔

"ہمیں نہیں بتائے گا لیکن کوئی ہے جس کے سامنے شاید وہ اتنی ڈھٹائی نہ دکھا سکے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل کی لابی سے اسٹیشن تک کا سفر.... پھر اسٹیشن کے داخلی دروازے سے اس نیم روشن تفتیشی کمرے تک کا سفر.... اس سارے سفر میں کبیرہ سادان سے پیر نہیں اٹھائے جا رہے تھے۔

برسوں سے عالیان کے نام کے ساتھ وہ ایک ہی بات سنتی آ رہی تھیں۔

"وہ مر چکا ہو گا۔"

"کھوئے ہوئے بچے کہیں نہیں ملتے۔"

"اس کی لاش مل چکی ہے۔ تم اس کو کیوں تلاش کر رہی ہو؟"

"کبیرہ کو اس کی اکڑ اور غرور کی سزا ملی ہے۔ ایک ہی بیٹا تھا۔ وہ بھی مر گیا۔"

کئی برس تک وہ اس فون کال کا انتظار کرتی رہی تھیں جو ان کو موصول ہو گی اور کوئی شخص بھاری آواز میں کہے گا کہ تمہارا بچہ ہمارے پاس ہے، ہمیں اتنے کروڑ تاوان کے طور پہ ادا کرو اور اپنے بچے کو لے جاؤ۔ اور پھر وہ اپنی ساری جمع پونجی بیچ کے اس تاوان کی رقم کو ادا کر دیں گی اور اپنے چھوٹے سے بیٹے گھر لے آئیں گی۔

آج برسوں بعد انہیں وہ کال موصول ہوئی تھی اور اس لڑکی کی طرف سے جو ان کی دشمن کی بیٹی تھی۔ یہ دشمنی یک طرفہ تھی اور کئی برس سے کبیرہ بیگم نے اسے تنہا ہی نبھایا تھا۔

وہ جانتی تھیں کہ اس فون کال کے بعد بھی یہ دشمنی ختم نہیں ہو جائے گی۔ کشمالہ حور جہاں کی بیٹی ہی رہے گی جس کو وہ سخت ناپسند کرتی تھیں۔ اور ماہ بینہ اس کی بہن ہی رہے گی جس کی ہر نعمت سے ان کو حسد محسوس ہوتا تھا۔ جس کی ہنستی بستی زندگی دیکھ کے انہیں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا تھا۔

آج کا دن گزر جانے کے بعد بھی وہ دشمنی، حسد اور ناپسندیدگی اسی طرح برقرار رہنی تھی جیسی آج سے پہلے تھی۔

لیکن آج کے دن کسی شے سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

بس آج کے دن کے لیے کبیرہ بیگم نے اپنے عناد پہ pause کا بٹن دبا دیا تھا۔

آج ساری کائنات رک گئی تھی کیونکہ آج... انہوں نے ٹھنڈا ڈور ناب گھمایا اور دروازہ دھکیلا...

آج ان کی تلاش ختم ہوئی تھی۔

دروازے سے کرسی تک کا سفر صدیوں کا تھا۔

ان کے قدم بھاری تھے اور ان کی بصارت بار بار دھندلا رہی تھیں۔

میز کے پار بیٹھا نوجوان وہ چھوٹا سا بچہ نہیں تھا جس کے بال انہوں نے آخری دفعہ برش کیے تھے۔ اس کی شرٹ کا کالر بند کیا تھا۔ اس کے چہرے پر رگڑ کے لوشن لگایا تھا جس سے وہ ہمیشہ چڑتا تھا اور منہ پیچھے کر لیتا تھا۔

وہ بچہ کہیں نہیں تھا۔

اس کی جگہ ایک نوجوان بیٹھا تھا۔ سنہرے الجھے بالوں والا۔ کہنیاں میز پہ جمائے، سر ان پہ گرائے۔

آہٹ پہ اس نے چہرہ اٹھایا۔ اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ ابھرا۔

سیاہ پینٹس اور ہم رنگ کوٹ میں ملبوس کبیرہ سادان اس کے سامنے کھڑی تھیں۔

عالیان پیچھے ہوا، ٹیک لگائی، ٹانگ پر ٹانگ جمائی، اور فرصت سے ان کا جائزہ لیا۔

سیاہ بوائے کٹ بالوں والی خوبصورت خاتون جو مختلف طریقوں سے اپنی بڑھتی عمر کو روکنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کانوں میں دمکتے نگینے، انگلیوں میں چمکتے ہیرے، کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی... عالیان کی نگاہیں واپس ان کے چہرے تک اٹھیں۔

ان کی آنکھیں ضبط سے گلابی پڑ رہی تھیں۔ وہ اسی طرح انہیں دیکھے گیا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔ وہ ایک پل کے لیے بھی اس پر سے نگاہ نہیں ہٹا رہی تھیں۔ وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھیں۔

اس نوجوان کو پہچاننا ان کے لئے مشکل نہ تھا۔ وہ ایک لمحے میں پہچان سکتی تھیں کہ یہ وہی بچہ تھا جو انہوں نے کھویا تھا۔ بھلے اس کا قد چھ فٹ سے اونچا ہو گیا ہو، بھلے اس کے بالوں کا رنگ ڈائی ہو کے بدل گیا ہو، بھلے اس کے چہرے پہ ان کے لئے کوئی شناسائی یا اپنائیت نہ ہو، لیکن وہ اس کو پہچانتی تھیں۔ وہ بھرے مجمع میں بھی اس کو پہچان سکتی تھیں۔

وہ سادان اور ان کی صورت کا مکسچر تھا۔ وہ انہی کا بیٹا تھا۔

انہیں کسی ڈی این اے، کسی بلڈ ٹیسٹ کی ضرورت نہ تھی۔

"کیسے ہو؟" ان کے ہونٹ کپکپائے۔ آنکھیں بدستور اس پہ جمی تھیں۔

نوجوان نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"چند گھنٹے گزر چکے ہیں، چند گھنٹے رہ گئے ہیں۔ یہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ مجھے حراست میں نہیں رکھ سکتے۔" اس کی آواز میں کوئی تاثر نہ تھا۔ آنکھوں میں البتہ بے زاری تھی۔

"کیا تم نے مجھے پہچانا؟"

"اوہ پلیز... کیا ہم یہ فارمیلیٹیز ختم کر سکتے ہیں؟ میں جانتا ہوں کہ آپ کبیرہ سادان ہیں۔ ایک عرصہ میں نگینہ خاتون کے ساتھ رہا ہوں اور انہوں نے مجھے آپ کے بارے میں سب بتا دیا تھا۔ لیکن..."

عالیان نے چہرہ شیشے کی دیوار کی طرف اٹھایا جس کے پار پولیس افسران کھڑے تھے اور آواز بلند کی۔

"لیکن کسی اور ملک میں اغوا ہو کے رہنا اور کسی جادوگر کی پرورش میں بڑے ہونا کوئی جرم نہیں ہے۔ اس لیے تم لوگ مجھے اس کے اوپر حراست میں نہیں رکھ سکتے۔"

پھر چہرہ واپس ان کی طرف موڑا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں جانتا ہوں آپ میری بائیولوجیکل مدر ہیں اور میں آپ کے چہرے سے واقف ہوں۔ لیکن مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔ میں محنت کر کے اپنا گزر بسر خود چلا سکتا ہوں۔"

وہ جیسے اس کو سن نہیں رہی تھیں۔ بس اسے دیکھ رہی تھیں۔ آنکھوں سے اس کا ایک ایک نقش اپنے اندر جذب کر رہی تھیں۔

"کیسے ہو؟" انہوں نے دوبارہ پوچھا۔ عالیان ایک لمحے کے لئے ٹھہرا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"میں پولیس کی اس کارروائی کی وجہ نہیں جانتا۔ سنا ہے آپ کی کسی رشتہ دار نے مجھے اپنے بچے کے اغوا کے جرم میں پھنسانے کی کوشش کی ہے۔ شاید اسی لیے آپ کو بھی یہاں بلایا ہے تاکہ آپ میرے اوپر کچھ پریشر ڈال سکیں۔ حالانکہ..."

"کیسے ہو، عالیان؟"

وہ بولتے بولتے رک گیا۔ آنکھیں کبیرہ بیگم پہ جمی تھیں۔ آواز مدھم ہوئی۔

"ٹھیک ہوں۔"

شیشے کی دیوار کے پار کھڑے چنگیز نے بے اختیار ساتھ موجود مالا کی طرف دیکھا۔ وہ بھی عالیان کے چہرے کے بدلتے تاثرات پہ چونکی تھی۔ پھر اس کے چہرے پہ امید ابھر آئی۔ خوف سے لپٹی امید۔

"کیا اس کے بعد تم کبھی مجھ سے ملنا چاہو گے؟" آنسو ان کی پلکوں پہ ٹھہرے تھے اور عالیان بس انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میرے اور آپ کے درمیان کوئی اٹیچمنٹ نہیں ہے۔ میری یہاں ایک زندگی ہے، پڑھائی ہے، جاب ہے۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔"

"لیکن مجھے تمہاری موجودگی چاہیے اپنی زندگی میں۔ کیا تم میرے لئے وقت نکال سکو گے؟" آنسو ان کے چہرے پہ پھسل رہے تھے۔ میک اپ کی تہیں ہلکی ہلکی پگھلنے لگیں۔

وہ بس انہیں دیکھتا رہا۔ وہ اس کے چہرے کو نہیں پڑھ پا رہی تھیں۔

"تمہیں یہاں سے (آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔ پھر واپس عالیان کو) میں نکلوالوں گی۔ میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد کیا ہو گا، عالیان؟ کیا تم میری زندگی کا حصہ بننا چاہو گے؟" وہ آگے کو ہوئیں، بہت امید سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ چپ رہا۔ البتہ ان کی آنکھوں سے نگاہیں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

"میں تم سے زیادہ کچھ نہیں مانگوں گی۔ جانتی ہوں تمہاری ایک زندگی ہے۔ جیسے عنایہ کی ایک زندگی ہے۔ جیسے ہر شخص اپنی زندگی میں مصروف ہے۔ لیکن کیا مہینے میں ایک دفعہ، میں اور تم کہیں بیٹھ کے ایک اچھا سا ڈنر کر سکیں گے؟ کیا کبھی میں تمہارا ہاتھ پکڑ سکوں گی؟ کبھی میرا دل گھبرائے تو میں تمہیں کال کر سکوں گی؟"

عالیان خاموش بیٹھا رہا۔ البتہ اس کی گردن میں بار بار تھوک نگلنے سے گلٹی ابھر کے معدوم ہوتی تھی۔ شیشے کے پار کھڑی مالا کو وہم سا ہوا کہ عالیان کی آنکھیں بھیگی ہیں۔

"میں تم سے زیادہ کچھ نہیں مانگوں گی۔ صرف تمہاری زندگی کے چند لمحے۔ کیا تم اتنا کر سکو گے میرے لئے؟"

سامنے بیٹھا نوجوان ان کا بیٹا تھا اور اگر وہ اپنی زندگی ان کے ساتھ شیئر کرنا شروع ہو جائے تو شاید ان کو ہر چیز مل جائے۔ ان کی زندگی میں خوشی واپس آجائے۔ پھر کسی کی ہنستی مسکراتی زندگی دیکھ کے انہیں حسد محسوس نہیں ہو گا۔ پھر شاید وہ کسی جادوگر کی چوکھٹ پہ نہیں جائیں گی۔ پھر شاید وہ کسی کی زندگی کو آگ لگانے کے خواہش نہیں کریں گی۔ کیونکہ ان کی کھوئی جنت ان کے سامنے تھی۔

عالیان نے دھیرے سے سر کو خم دیا۔ البتہ بولا کچھ نہیں۔

کبیرہ بیگم کی بھیگی آنکھیں ہلکی سی مسکرائیں۔

"میں نے کہا نا... میں تمہیں یہاں سے نکال لوں گی۔ تمہاری ماں آگئی ہے اور وہ تمہارے لئے سب کچھ کر سکتی ہے اور..." انہوں نے گہری سانس لی۔

"کشمالہ سے بھی میری بات ہو گئی ہے۔ وہ تمہارے اوپر کوئی مقدمہ، کوئی چارج شیٹ دائر نہیں کرے گی۔ تمہیں کوئی اعتراف کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اگر تم صرف اس کے بچے کے بارے میں کچھ بتا دو۔ کیونکہ وہ بھی ایک ماں ہے اور میں اس کا غم سمجھ سکتی ہوں۔ تو ہم سب ایک نئی زندگی شروع کریں گے۔"

عالیان اسی طرح انہیں دیکھے گیا۔

"کیا تم اپنی ماں کے لیے اتنا کر سکتے ہو؟" آنسو ان کی آنکھوں سے گر رہے تھے اور وہ دونوں مٹھیاں باہم پھنسائے بیٹھی تھیں۔

عالیان نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔ نگاہیں ان کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

"کیا صرف اس جگہ کا نام بتا سکتے ہو جہاں وہ بچہ ہے، عالیان؟"

عالیان نے پھر سے اثبات میں سر ہلایا اور چہرہ جھکا لیا۔

"کیا تم اس کاغذ پر لکھ سکتے ہو؟" انہوں نے عالیان کے سامنے رکھے کاغذ قلم کی طرف اشارہ کیا۔

عالیان نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں پانی تھا۔

"اگر میں ایسا کر دوں تو کیا ہم ایک فیملی بن جائیں گے؟" اس کی آواز گیلی تھی۔

"آف کورس ... آف کورس ... میرے بیٹے، ہم ایک فیملی بن جائیں گے" وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرائیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اٹھ کے اس کو گلے سے لگا لیں۔

"اوکے..." وہ کھنکھارا۔ چہرہ ان کے قریب کیا۔ "مالا کا بیٹا...."

مالا اور چنگیز.... دونوں کا جیسے سانس رک گیا۔

"....جہنم میں ہے۔"

سارے میں سناٹا چھا گیا۔

"کم آن، کبیرہ سادان..." عالیان ایک دم سر پیچھے پھینک کر ہنسا۔

"آپ کو لگا مجھے آپ کی فیملی بننے میں دلچسپی ہے؟ ایکسکیوز می؟" وہ ابھی تک ہنستا چلا جا رہا تھا۔

کبیرہ بیگم کے آنسو بیچ چہرے کے رک گئے۔ شاک اور صدمے سے۔

"آپ نے کیسے سوچا کہ آپ کی یہ ایموشنل بلیک میلنگ میرے اوپر اثر کر جائے گی...؟ جس مٹی سے میں بنا ہوں، وہاں پہ اس کا کوئی چانس نہیں ہے۔" وہ بدقت ہنسی روک کے سیدھا ہوا اور چہرہ اٹھا کے شیشے کی دیوار کو دیکھا۔

"I got you for a second." اس نے ایک آنکھ دبائی اور با آواز بلند کہا۔ وہ شیشے کے پار کھڑے چنگیز اور مالا سے مخاطب تھا۔

چنگیز بدمزہ ہو کے پیچھے ہوا تھا اور کشمالہ کے کندھے ڈھلک گئے تھے۔ چہرے کی جوت بجھ گئی تھی۔ وہ عالیان کی ان کی آنکھوں کو پہچانتی تھی۔ چینجلنگ والی آنکھیں۔ جن کو کئی برس سے وہ اپنے خوابوں میں دیکھتی آئی تھی۔

"میرا خیال تھا وہ اپنی ماں کو بتا دے گا۔"

"یہ کچھ نہیں بتائے گا۔" چنگیز نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ "صبح ہمیں اس کو ریلیز کرنا ہو گا۔ تب تک اگر آپ کے ترکش میں کوئی آخری تیر بچا ہے تو اس کو آزما لیں۔ اس کے بعد میں کچھ نہیں کر سکوں گا۔"

وہ جیسے اب اس ساری کاروائی سے بے زار ہو چکا تھا۔

مالا نے شکستگی سے سر ہلا دیا۔ اس کا ترکش خالی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر کو ایک میٹنگ کے سلسلے میں پولیس اسٹیشن سے جانا پڑ گیا۔ جب وہ واپس آیا تو وہ اسٹیشن کے سامنے بنے پارک کے بینچ پر بیٹھی تھی۔ تاریکی دھیرے دھیرے اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ اسٹریٹ پولز کی بتیاں روشن

ہونے لگی تھیں۔ اس نے ایک کافی کارٹ سے کافی کے دو کپ لیے اور مالا کی طرف چلا آیا۔ بینچ پر اس کے ساتھ بیٹھا تو وہ چونکی، ایسے جیسے کسی گہری نیند سے جاگی ہو اور دماغ ابھی تک شل ہو۔

"کافی۔" ماہر نے کپ اس کی طرف بڑھایا۔ "یہ پولیس اسٹیشن کی ڈرپ کافی سے بہتر ہو گی۔"

وہ پھیکا سا مسکرا دی۔ اسے یاد آیا دو ماہ پہلے جب وہ اس کے ساتھ پہلی دفعہ پولیس اسٹیشن آئی تھی تب ان دونوں کے درمیان کتنے فاصلے تھے۔ تب کا ماہر فرید آج والے ماہر فرید سے مختلف تھا... یا شاید وہ بدل گئی تھی... یا شاید وقت بدل گیا تھا۔

بینچ ایک درخت تلے تھا۔ اس کی اوپری شاخوں پر کوئی پرندہ بیٹھا چونچ رگڑ رہا تھا جس کے باعث پتوں میں بار بار جھنجھناہٹ پیدا ہوتی تھی۔

وہ دونوں خاموشی سے بینچ پر ساتھ ساتھ بیٹھے سامنے پھیلی گھاس اور اس کے پار بنی سڑک کو دیکھے گئے۔

زن سے گزرتی گاڑیاں ان کے اور پولیس اسٹیشن کے درمیان ایک لمحے کے لیے حائل ہو جاتیں۔ اور پھر منظر صاف ہو جاتا۔

"کیا معلوم وہ بدر کو اب تک مار چکا ہو۔"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ ان چھوئے مگ کو ہاتھوں میں پکڑے سامنے دیکھ رہی تھی۔ ان گزشتہ چند ہفتوں میں یہ دوسری دفعہ تھا جب اس نے مالا کی آواز میں بدر کے بارے میں بات کرتے ہوئے مایوسی دیکھی تھی۔

"ہم اسے ڈھونڈ لیں گے، مالا۔"

لیکن کشمالہ مبین نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔

"اس نے کبھی بھی ہمیں پروف آف لائف نہیں دیا۔ چند ماہ پہلے بدر واقعی استنبول میں آیا تھا۔ ہم نے ائیر پورٹ کی فوٹیج میں دیکھا تھا۔ لیکن کیا اس کے بعد وہ اسی شہر میں رہا؟ کیا عالیان نے اس کا ٹھیک سے خیال رکھا؟ اگر وہ زندہ ہوتا تو عالیان مجھے اس کی تصویر یا ویڈیو ضرور دکھاتا۔"

" آج کل اغواکار ایسے کام نہیں کرتے کیونکہ تصویر یا ویڈیو میں پیچھے موجود بیک گراونڈ سے کوئی بھی clue لے کر ان کو ڈھونڈا جا سکتا ہے۔"

مگر کشمالہ نے سر جھٹک دیا۔

"کیا پتا اس کے ہاتھوں سے میرے بیٹے کی زندگی چلی گئی ہو... جان بوجھ کے بھی نہیں تو غلطی سے... اور وہ میرے اوپر لیور یج قائم رکھنے کے لیے مجھے بتا نہ رہا ہو۔ یا کیا معلوم اس نے بدر کو اسی مقصد کے لئے استعمال کیا ہو جس کے لئے نگینہ بیگم بچوں کو اغوا کیا کرتی تھیں۔"

اس کی آواز میں کپکپاہٹ تھی اور وہ بدقت بول پا رہی تھی۔

"ہم شاید کبھی نہ جان سکیں کہ نگینہ بیگم بچے کیوں اغوا کرتی تھیں۔"

"کیا ہلال نے تمہیں کبھی نہیں بتایا؟" مالا نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ماہر نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"بس اتنا بتایا تھا کہ وہ انہیں جادو سیکھنے کے لئے مجبور کرتی تھیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ صرف اس مقصد کے لیے نگینہ بیگم بچے اغوا نہیں کرتی تھیں۔ اس کا کوئی اور مقصد بھی تھا۔"

ماہر کا ذہن لائبریری کی جانب چلا گیا۔ وہاں ہلال بھی جاتی تھی۔ کیا وہ عالیان سے ملی تھی؟ اگر ہاں، تو اس نے ماہر کو کیوں نہیں بتایا؟

ہلال وہ معمہ تھی جسے شاید وہ تمام عمر نہیں سمجھ پائے گا۔

"تم بھی سارا وقت خاموش رہے۔" مالا کی آواز پہ وہ چونکا۔ وہ اسے شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تم اس سے کچھ پوچھ سکتے تھے۔ اپنا چارم استعمال کر کے، یا جیسے... جیسے تم اپنی... اپنی باتوں کے ذریعے لوگوں کے ذہن میں گھس جاتے ہو۔ مجھے لگا شاید تم اپنی کوئی تکنیک اس پہ بھی استعمال کرو گے۔ لیکن تم..." مالا نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ "تم نے اس کو کچھ بھی بتانے کے لئے مجبور نہیں کیا۔"

ماہر مسکرا دیا۔ ہلکے سے کندھے اچکائے۔

"تم، چنگیز اور کبیرہ بیگم اس سے وہ کہلوانے کی کوشش کر رہے تھے جو وہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔"

"اور تم؟"

"میں وہ سن رہا تھا، جو وہ بتا رہا تھا۔"

مالا کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔ "اس نے کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"کافی پیو۔"

وہ چند لمحے نا سمجھی سے اسے دیکھے گئی۔ پھر کپ چہرے تک لے گئی لیکن دل نہیں چاہا۔ دل کسی چیز کے لیے نہیں چاہ رہا تھا۔ اس نے کپ نیچے کر دیا۔

"کیا معلوم میں غلط ہوں اور باقی ساری دنیا ٹھیک کہتی ہو۔ ماہی... مالک صاحب... شاید وہ سب ٹھیک کہتے ہوں۔"

"ہم اسے ڈھونڈ لیں گے، مالا..." وہ رکا۔ "اگر وہ زندہ ہوا تو ہم اسے ڈھونڈ لیں گے۔"

"اور اگر وہ زندہ نہ ہوا؟" کشمالہ نے بے اختیار تڑپ کے اسے دیکھا۔ اپنے منہ سے یہ کہنا آسان تھا، کسی کے منہ سے سننا بہت مشکل۔

"اگر وہ زندہ نہ ہوا تو بھی ہم اس کا سراغ حاصل کر لیں گے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔"

مالا نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ سر اثبات میں ہلایا۔ چند لمحے اسی طرح خاموشی سے گزر گئے۔ سوائے اس پرندے کی چونچ کی آواز کے جو مسلسل لکڑی پر کچھ رگڑ رہا تھا۔

"کیا بدر کے ملنے کے بعد تم واپس چلی جاؤ گی؟"

مالا نے چہرہ موڑ کے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ پولیس اسٹیشن کی جگمگاتی عمارتوں کو دیکھے گئی۔ اندھیرا گہرا ہونے کے باعث اس کی ساری بتیاں جل اٹھی تھیں۔ چنگیز کے دفتر کی کھڑکی بھی روشن تھی، البتہ اس زاویے سے وہ اندر بیٹھے افسران کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"میں واپس جانے کے لیے ہی آئی تھی۔"

"لیکن تم رک بھی تو سکتی ہو۔"

مالا نے بے اختیار چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ اس کو اسی طرح دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بہت سے سوال تھے جنہیں وہ زبان پہ نہیں لا رہا تھا۔

"میرے پاس یہاں رہنے کے لیے کوئی وجہ نہیں ہے، ماہر۔ اور وہاں میری پوری زندگی ہے۔ میں نے بہت محنت سے وہ زندگی بنائی ہے۔ پھر مجھے اپنے بیٹے کا سوچنا ہے۔ اپنی فیملی کا سوچنا ہے۔ میں یوں ہی اچانک سے ری لوکیشن کے فیصلے نہیں کر سکتی۔ اور پھر اس شہر میں میں کیا کروں گی؟" وہ اب بینچ پہ اس کی طرف پوری گھومی سنجیدگی سے کہنے لگی۔ جو بات تھی وہ سامنے ہو جائے تو بہتر ہے۔

"یہاں میری کوئی شناخت نہیں ہے۔ میرے پاس ویزہ نہیں ہے۔ چلو میرا ورک ویزہ لگ جائے تب بھی یہاں ہر چیز مجھے نئے سرے سے شروع کرنی پڑے گی۔ یہ مت کہنا کہ بیکری کی وجہ سے میں ایک دم stable ہو جاؤں گی۔ وہ بیکری میں ویسے بھی بیربل کو واپس کر دوں گی۔"

وہ بولتی گئی اور وہ سنے گیا۔

"میں نے جو کچھ کرنا ہے، اپنی فیلڈ میں رہتے ہوئے اپنے لیے کرنا ہے۔ جیسے میری فوٹو گرافی، میرے کلائنٹس۔ وہاں پہ میرا ایک سیٹ اپ ہے۔ یہاں پر مجھے نئے سرے سے ہر چیز شروع کرنی پڑے گی۔ گھر، ہیلتھ انشورنس، گاڑی، کلائنٹس، بزنس لائسنس، مارکیٹنگ، سب کچھ اسکریچ سے شروع کرنا پڑے گا۔ اور میں پہلے ہی اس فیز سے گزر چکی ہوں۔ میں نے تنکا تنکا جوڑ کے اپنی زندگی تنہا وہاں کھڑی کی تھی۔ میں دوبارہ اسی فیز سے نہیں گزر سکتی جب مجھے پھر سے ایک ایک تنکا جوڑنا پڑے۔"

"تم کیوں سمجھتی ہو کہ تمہیں سب کچھ تنہا کرنا پڑے گا؟"

پرندے کی چونچ ایک دم ٹھہر گئی۔ ساری آوازیں جیسے خاموش ہو گئیں۔

وہ بس اس کو دیکھ کے رہ گئی۔

" جانتا ہوں کہ تم نے ہر چیز اکیلے کی ہے۔ لیکن ہمیشہ اکیلے ہی کرنی ہو گی، یہ کیوں فرض کر لیا ہے تم نے؟"

پولیس اسٹیشن کی بتیاں جیسے ایک دم تیز ہو گئی تھیں۔ یا شاید گزرتے ٹریفک کی ہیڈ لائٹس تھیں۔ اسے لگا یکایک پارک میں بہت سی روشنی اتر آئی ہے۔ یا شاید وہ ماہر کی بھوری آنکھوں کی چمک تھی۔

وہ بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔

"تم اپنی زندگی کا ہر فیصلہ یہ سوچ کر لیتی ہو کہ تمہیں یہ تنہا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ تم ایک ہائیپر انڈیپنڈنٹ عورت ہو۔ اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ حالات نے تمہارے پاس کوئی چوائس نہیں چھوڑی تھی۔ تم اکیلی تھیں۔ تمہاری شادی ٹوٹی تھی۔ تمہیں دنیا کے کسی مرد پہ اعتبار نہیں تھا اور تم بہت سے ٹراما سے گزر رہی تھیں۔ میں سمجھ سکتا ہوں لیکن..." وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"لیکن اب تم تنہا نہیں ہو۔ اب وہ فیز گزر گیا۔ زندگی چار پانچ سال پہلے وین کوور کی سردی میں منجمند نہیں رہی۔ زندگی آگے بڑھ گئی ہے۔ تم بہت سی چیزوں سے گزر آئی ہو۔ تم وہ انسان نہیں ہو جو پانچ سال پہلے تھیں، نہ تم وہ انسان ہو جو ایک سال پہلے تھیں۔ ہر انسان وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے۔ میں بھی وہ نہیں ہوں جو چند ماہ یا چند سال پہلے تھا۔ ہم دونوں نے اپنی زندگیوں میں بہت کچھ کھویا ہے اور اس سے بہت کچھ سیکھا ہے۔"

وہ بول رہا تھا اور وہ بس اس کو سن رہی تھی۔

"ایک چیز جو میں نے سیکھی ہے، وہ یہ ہے کہ اپنی زندگی کا ہر فیصلہ یہ سوچ کے نہیں لیتے کہ ہمیں یہ سب اکیلے کرنا پڑے گا۔"

ماہر کا روشن چہرہ دھندلا پڑتا جا رہا تھا۔ مالا نے پلکیں جھپکیں، آنسو ٹوٹ کے گالوں پہ گرے۔

"کیا تم ایک لمحے کے لیے یہ سوچ سکتی ہو کہ تمہیں کچھ بھی اکیلے نہیں کرنا پڑے گا؟ میں تمہارے ساتھ ہوں گا؟ کیا تب تمہارے لیے یہ فیصلہ آسان ہو گا؟"

وہ مزید اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے رخ موڑ لیا۔ وہ اب واپس پولیس اسٹیشن کو دیکھ رہی تھی جس کی دیواروں کے اندر ایک جادوگر قید تھا۔

"ابھی... ابھی میں کوئی فیصلہ لینے کی کنڈیشن میں ہوں کیا؟"

"ابھی کی بات نہیں کر رہا۔ کہانا، ہم بدر کو ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن اس کے بعد میں چاہتا ہوں کہ تم واپس جانے یا نہ جانے کا فیصلہ یہ سوچ کے مت کرو کہ تم تنہا ہو گی۔ میں پہلے بھی تمہارے ساتھ تھا اور اب بھی تمہارے ساتھ ہوں گا۔ پتھر پہ لکیر کھنچ کے بتا چکا ہوں۔"

مالا نے چہرہ موڑ کے اسے نہیں دیکھا۔ البتہ کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتی تھی کہ خاکی کوٹ والا مرد اپنی جگہ سے اٹھ رہا تھا۔ پھر وہ ایک ٹریش کین تک گیا اور کپ اس میں گرا دیا۔ وہ جانتی تھی اس نے آدھا کپ بھی نہیں پیا ہو گا۔ اس کے کافی snob دماغ کو اس طرح کی کافی ہرگز گوارا نہیں تھی۔ وہ اسے بہت ٹھیک سے سمجھنے لگی تھی... یا شاید وہ اس کو اب تک نہیں سمجھتی تھی۔ وہ واپس اس کے قریب آ رہا تھا۔ اس کے عین سامنے۔ یہاں تک کہ اس کے پیچھے پولیس اسٹیشن کا منظر بلاک ہو گیا۔ مالا نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ جواب مانگنے نہیں آیا تھا۔ وہ اسے گھر چلنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

وہ ساری رات پولیس اسٹیشن میں نہیں گزار سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا اس رات نہیں سوئی۔ وہ بالکونی میں کمبل لیے سردی میں بیٹھی رہی۔ جانتی تھی کہ دوسری جانب وہ بھی بیٹھا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ اس سے کچھ پوچھ لیتا تھا۔ کبھی وہ جواب دیتی۔ کبھی خاموش رہتی۔ آنسو بار بار ابل کے آ رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ چنگیز اور ساری پولیس کی شان میں غصے سے کچھ بولنے لگ جاتی۔ تب وہ تسلی سے سنتا اور جواب میں بس اتنا کہتا۔

"پولیس والوں کو کسی سے کچھ اگلوانا نہیں آتا، مالا۔"

"تمہیں آتا ہے؟ بولے تو تم بھی ایک لفظ نہیں تھے۔"

دیوار کے پار خاموشی چھا گئی۔

"میں اور کیا کرتا؟"

"کچھ نہیں۔" وہ مزید کچھ نہیں بولی۔ درمیان میں کسی پل اسے اونگھ آ گئی۔ جیسے بہت رونے کے بعد آتی ہے۔

اس کی آنکھ فون کی مسلسل بیل سے کھلی۔ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ ماہر کال کر رہا تھا۔

وہ اب ہمسائے میں موجود بالکونی میں نہیں تھا۔ صبح کی روشنی پھیل چکی تھی اور وہ نیچے لابی میں اس کا منتظر تھا۔

عالیان کی رہائی کا وقت قریب تھا۔ اگر انہوں نے عالیان سے بات کرنی تھی تو ان کے پاس ایک آخری موقع تھا۔

ٹریفک کے باعث انہیں دیر ہو گئی۔ جب تک وہ دونوں پولیس اسٹیشن میں داخل ہوئے، عالیان کی رہائی کا پروانہ جاری ہو چکا تھا۔

داخلی راہداری کے بائیں طرف ایک ہال سا بنا تھا۔ ماہر اس طرف مڑ گیا تو وہ اس کے پیچھے آئی۔ وہاں جالی دار ونڈو تھی جس کے سوراخ میں سے ایک آفیسر ایک ٹرے آگے کو دھکیل رہا تھا۔

سامنے کھڑے عالیان نے ٹرے اپنی طرف کھینچی، اس پر رکھی گھڑی کلائی پر پہنی، والٹ جیب میں ڈالا، اسٹر ادوسری جیب میں۔ پھر لیپ ٹاپ اٹھا کے پلٹا ہوا تو ان دونوں کو دیکھا۔ بے اختیار مسکرا دیا۔

"مسٹر اینڈ مسز سمتھ! آ گئے آپ لوگ؟"

اس کی آنکھیں اسی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ دونوں اس کے عین سامنے آ رکے۔ اس نے باری باری ان کے چہرے دیکھے جو شدید سنجیدہ دکھائی دیتے تھے۔

"قانون کے مطابق پولیس مجھے مزید قید نہیں رکھ سکتی۔ اگر آپ دونوں کو برا نہ لگے تو کیا میں جا سکتا ہوں؟ کل میرا ٹیسٹ ہے۔"

"کیسے انسان ہو تم؟" وہ مزید ضبط نہیں کر سکتی تھی۔ "تمہیں ایک ماں پہ ترس نہیں آتا؟"

"نہ اپنی ماں پہ آیا نہ تم پہ آئے گا۔ جب میرا اس کیس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو میں ترس کس پہ کھاؤں؟" پھر اس نے ماہر کو دیکھا اور اسی طرح مسکرایا۔

"اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ میرا تعاقب کروائیں گے، اور اپنے بندے میرے پیچھے لگائیں گے کہ شاید میں آپ کو اس جگہ لے جاؤں جہاں میں نے اس بچے کو رکھا ہوا ہے، تو آپ غلط ہیں۔ میں یہاں سے سیدھا لائبریری جا رہا ہوں۔ مجھے وہاں بیٹھ کے پڑھنا ہے۔ اس لیے کوشش کیجیے گا کہ اپنے تعاقب کاروں کو میرے پیچھے مت بھیجیں۔ اگر مجھے معلوم ہوا کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے تو میں آپ لوگوں پہ ہراسمنٹ کا دعویٰ بھی کر سکتا ہوں۔ مجھے اپنے رائٹس معلوم ہیں۔"

اس کی مسکراہٹ ایک لمحے کے لئے بھی چہرے سے جدا نہیں ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ سے گزر کے وہ باہر نکل گیا۔ مالا بے اختیار اس کے پیچھے گئی۔

"مالا..."

ماہر نے اسے پکارا۔ لیکن وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ وہ سڑک کے کنارے پہنچا تھا جب وہ اس کے عین پیچھے آ کے رکی۔

"اب ہم پولیس اسٹیشن میں نہیں کھڑے۔ تم مجھے صرف اتنا بتا سکتے ہو کہ وہ زندہ ہے یا نہیں؟"

سڑک کے دہانے کھڑا نوجوان جادوگر تسلی سے اس کی طرف پلٹا۔

"میں نے کوئی وائر نہیں پہن رکھی نہ میں تمہاری ریکارڈنگ کر رہی ہوں۔" وہ امید اور خوف کے درمیان اسے دیکھ رہی تھی۔ "پلیز مجھے اتنا بتادو.... کیا وہ زندہ ہے؟"

عالیان چند لمحے مسکرا کے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اثبات میں گردن کو خم دیا۔

پھر اس نے ماہر کی طرف دیکھا جو قریب پہنچ چکا تھا اور جیسے نگاہوں میں اجازت چاہی۔

"میں جاؤں؟"

"صرف ایک بات۔"

عالیان ٹیکسی کو پکارتے پکارتے ٹھہر گیا۔

" Kale."

عالیان نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

"میں اپنی سمودی میں kale ڈالتا ہوں۔ بیر بل نے اپنی ریسیپی میں اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔"

"Noted." عالیان نے مسکرا کے دو انگلیاں ماتھے تک لے جا کے سلام کیا اور پلٹ گیا۔ تیز قدموں سے چلتا اب وہ ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جا رہا تھا۔ آزاد۔ بے پرواہ۔

اس لمحے کشمالہ کا دل چاہا کہ کوئی گاڑی تیزی سے آئے اور اسے روند کے نکل جائے۔ لیکن وہ ایسی خواہش نہیں کر سکتی تھی۔ اس صورت میں وہ کبھی یہ نہیں جان پائیں گے کہ اس کا بیٹا کہاں تھا۔

وہ تب تک وہاں کھڑی رہی جب تک عالیان ٹیکسی میں بیٹھ نہیں گیا۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے اس نے ہاتھ باہر نکال کے اسے الوداعی انداز میں ہلایا تھا۔ مالا نے مٹھیاں اتنی زور کی بھینچ لیں کہ ناخن ہتھیلی میں پیوست ہو گئے۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے بیٹے کا اغوا کار اس کے سامنے جا رہا تھا... اپنی زندگی جاری رکھنے... اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"اسے جانے دو۔ ہم اسے ڈھونڈ لیں گے... اور بدر کو بھی۔" وہ دھیرے سے اس کے ساتھ بولا تھا۔

مالا نے سر جھکا دیا۔ وہ ابھی اس کو بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ ساری دنیا سے خفا تھی۔ چپ چاپ وہ کار کی طرف بڑھ گئی۔ آج اس نے ماہر سے بس پہ جانے کی ضد نہیں کی تھی۔

اسے بس گھر جانا تھا اور بہت سارا رونا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عالیان نے ٹیکسی ڈرائیور کو مطلوبہ لوکیشن سمجھا دی اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی تو اس نے احتیاط سے پیچھے دیکھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے کوئی کار اس کے تعاقب میں دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن اگر پولیس یا ماہر کے بندے اس کا تعاقب کر رہے تھے تو وہ اتنی آسانی سے نمایاں نہیں ہوں گے۔ اس نے ڈرائیور کو اسی علاقے کے چند چکر کاٹنے کے لیے کہا۔ اس کے بعد وہ ٹیکسی بدل لے گا۔ پھر موبائل کی اسکرین روشن کی۔ بیٹری کم رہ گئی تھی۔ وہ جانتا تھا اب اس کی تمام کالز ریکارڈ ہو رہی ہوں گی۔ لیکن اس کو پولیس سے نبٹنے کے سارے طریقے آتے تھے۔

"سیٹ بیلٹ پہن لیں۔" مسلسل ہوتی ٹوں ٹوں پہ ڈرائیور نے اکتا کے کہا۔

عالیان نے کھینچ کے سیٹ بیلٹ نکالی اور بکل میں اڑائی۔ لیکن وہ لگی نہیں۔ واپس کھنچ گئی۔ اس نے زور سے اسے دوبارہ کھینچا اور بکل میں پیوست کرنا چاہا۔

"تمہاری سیٹ بیلٹ خراب ہے۔" اکتا کے کہا۔

ڈرائیور نے جواباً بڑبڑا کے کار آہستہ کی اور پیچھے مڑا۔

"میں لگا کے دیتا ہوں۔ ایک منٹ۔" ڈرائیور بازو لمبا کر کے اس کی طرف جھکا۔ عالیان نے دونوں ہاتھ پیچھے کر دیے۔ ڈرائیور نے سیٹ بیلٹ کا سرا پکڑا اور اسے مزید کھینچا۔ عالیان سر جھکائے بکل کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک منٹ... تمہارے بکل کے اندر تو..." اس نے ٹوٹے بکل کو دیکھ کے چونک کے چہرہ اٹھایا۔

اسی پل ڈرائیور نے ہاتھ میں پکڑی سرنج زور سے اس کی ران میں گھونپ دی۔ عالیان نے تیزی سے اس کے بازو میں ناخن پیوست کیے اسے اپنے اوپر سے دھکیلنا چاہا، لیکن انجیکشن میں موجود کیمیکل کا اثر بہت تیز تھا ۔چند ہی لمحے میں اس کے ہاتھ بے جان ہو گئے۔ وہ حرکت نہ کر سکا۔ صرف ایک لفظ اس کی زبان پہ اٹک گیا۔

"زیاد..."

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کا ذہن کسی دور تاریک وادی میں تھا۔

جیسے وہ کسی سیاہ سمندر کے وسط میں ڈوبے ہوئے جہاز کا کوئی تختہ ہو، جو آہستہ آہستہ پانی کی سطح پہ ابھر رہا ہو۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ ہر طرف سیاہی تھی۔ کچھ کھردرا سا تھا جو چہرے سے ٹکرا رہا تھا۔

عالیان نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے چہرے پر شاید کوئی سیاہ بوری نما کپڑا تھا جو اس کی جلد سے مسلسل رگڑ کھا رہا تھا۔ اس کپڑے کے ننھے ننھے سوراخوں سے اسے ایک دھندلا سا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ سرمئی دیواریں، ارد گرد ٹہلتے لوگ۔ عالیان نے چہرہ دائیں بائیں جھٹکا۔

قدموں کے قریب آنے کی آواز آئی۔ کسی نے گردن پر بندھی رسی کی گرہ کھولی۔ جیسے اس کی گردن کسی طوق سے آزاد ہوئی۔ کسی اور نے کھینچ کے وہ کپڑا چہرے سے اوپر کھینچا۔ وہ اس کی جلد سے رگڑ کھاتا اترا تو اس کے منہ سے سسکاری نکلی۔

"اونہوں!" اس نے بے زاری سے پلکیں جھپکائیں۔ ایک دم سے تیز روشنی کے باعث آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔

اس کی بصارت ماحول کی روشنی کے لحاظ سے ایڈجسٹ ہوئی تو اس نے دیکھا، سامنے ایک خالی کرسی رکھی تھی۔

وہ خود ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے پیر اور ہاتھ وائر سے بندھے تھے۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا، جس حد تک گردن مڑ سکتی تھی۔ یقیناً اس کے پیچھے اسلحہ لیے چند افراد کھڑے تھے۔ اس نے چہرہ واپس خالی کرسی کی طرف موڑا۔ اب وہ خالی نہیں تھی۔ کوئی تھا جو اس پر بیٹھ رہا تھا۔

نوجوان جادوگر بے اختیار مسکرا دیا۔ پھونک مار کے آنکھوں پر آئے بال ہٹائے۔ پھر سر کو جھٹکا۔ ماتھے کے بال مزید ایک طرف ہوئے۔ اب اس کی بصارت مکمل صاف تھی اور وہ سامنے بیٹھے شخص کو دیکھ سکتا تھا۔

"میرا خیال تھا مجھے اغوا کرنے کی غلطی زیاد کرے گا۔ لیکن آپ بھی پیچھے نہیں رہے، ماہر بے!"

خاکی کوٹ والا ماہر فرید اس کے سامنے ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ یوں کہ کہنی کرسی کے ہتھ پر رکھے، دو انگلیاں گال تلے ٹھہری تھیں۔ وہ بہت اطمینان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"پانی مل سکتا ہے؟ میں کافی ڈی ہائیڈریٹڈ محسوس کر رہا ہوں۔" عالیان نے کہتے ہوئے کہنی کے اندر والی طرف اپنے پہلو سے رگڑی۔

ماہر نے پیچھے کسی کو اشارہ کیا۔ جب تک اس کا پانی آیا وہ دائیں بائیں گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لے چکا تھا۔ یہ سرمئی دیواروں والا کوئی کاٹھ کباڑ سے لیس کمرہ تھا۔ جیسے کسی فیکٹری کا ویئرہاؤس ہو۔

ایک شخص نے اسٹرا والی بوتل اس کے سامنے کی۔ اس نے ہونٹوں میں اسٹرا رکھ کے دو گھونٹ بھرے۔ پھر چہرہ پیچھے کیا۔ ناپسندیدگی سے پلاسٹک کے اسٹرا کو دیکھا اور پھر واپس ماہر کو۔

"جی ماہر بے، اب بتایئے۔ آگے کیا ہو گا؟"

وہ مسکرا رہا تھا۔

ماہر اسی خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ جب چند لمحے یونہی گزر گئے تو عالیان نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"آپ کی وجہ سے میرا ایگزام رہ گیا۔ چلیں کوئی بات نہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آگے کیا ہو گا۔" اس نے نگاہیں دائیں بائیں گھمائیں۔

"یہ یقیناً آپ کی کسی انڈر کنسٹرکشن سائٹ کا ایک کمرہ ہے۔ آپ کوئی گینگسٹر یا مافیا باس نہیں ہیں جو آپ کے ڈسپوزل پہ ایسی گمنام عمارتیں ہوں۔ زیادہ دیر آپ مجھے یہاں رکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ آپ قانوناً کوئی غلط کام کرنا نہیں چاہتے۔ ہاں مالا کے لئے..." اس کی مسکراہٹ معنی خیز ہو گئی۔ "آپ نے آج قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اچھی تبدیلی ہے۔ لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آگے کیا ہو گا۔"

ماہر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ اسی دلچسپی سے اسے دیکھے گیا۔

"اب آپ مجھے یہ کہیں گے کہ آپ کے یہ minions میرے اوپر ٹارچر کریں گے۔ میرے ناخن اکھاڑیں گے... یا مجھے ماریں پیٹیں گے... یا پانی میں مجھے ڈبکیاں دیں گے... اور اس ٹارچر سے گھبرا کے میں آپ کو بدر کی لوکیشن بتا دوں گا۔ آپ کا پلان اچھا ہے لیکن اس میں دو مسئلے ہیں۔ پہلی بات..."

وہ اسی ڈھیٹ مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔

"میں ہر قسم کا ٹارچر برداشت کر سکتا ہوں کیونکہ آپ کی طرح میں ناز و نعم میں نہیں پلا۔ نہ ہی ایک شاندار لائف کا عادی ہوں۔ میں گلیوں میں بڑا ہوا ہوں اور میں نے بہت بھوک اور کسمپرسی کے حالات دیکھے ہیں۔ میں لکڑ ہضم پتھر ہضم ہوں۔ بہت محنت سے میں نے اپنی یہ زندگی بنائی ہے۔ اس لیے آپ کے ٹارچر سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن آپ کو پڑے گا۔" اس کی مسکراہٹ مزید ہوئی۔

"آپ کوئی مافیا باس نہیں ہیں جو بے رحمی سے کسی دوسرے انسان کے اوپر ہوتا ظلم دیکھ سکیں۔ آپ کا ضمیر آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس لئے اول تو آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔ دوسرا آپ فلموں کی طرح مجھے گھٹنے میں گولی مار سکتے ہیں اور مجھے جسمانی تکلیف دے کر چند لمحے مجھ سے کچھ اگلوانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر میرا خون زیادہ بہہ گیا اور میں مرنے کے قریب ہوا تو آپ کے ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور آپ خود مجھے ہسپتال بھیج دیں گے۔ اور میں ہوش میں آتے ہی پولیس کے پاس چلا جاؤں گا۔ آپ مشکل میں پڑ جائیں گے کیونکہ آپ اس ملک میں فارنر ہیں۔ اس لئے اب آپ جو بھی کریں، سوچ سمجھ کے کریں۔ کیونکہ مجھے اغوا کر کے آپ ایک جرم تو کر ہی چکے ہیں۔"

ماہر انہی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر گہری سانس لی۔

"پولیس اسٹیشن میں، میں نے تم سے کوئی بات نہیں کی کیونکہ میں تم سے اس طرح ون آن ون بات کرنا چاہتا تھا۔"

"اچھا ہاں... سمجھ گیا۔" عالیان نے سمجھ کے سر ہلایا۔ "آپ مجھے ٹارچر نہیں کریں گے۔ پہلے آپ مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کریں گے۔ میرے کسی راز کو منظر عام پہ لانے کی دھمکی دیں گے... جس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یا میرے کسی قریبی شخص کی جان لینے کی دھمکی دیں گے۔ اس سے بھی مجھے فرق نہیں پڑتا ۔کیونکہ میرے قریب کوئی ہے ہی نہیں۔ نہ میری زندگی میں کوئی رشتہ ہے نہ کوئی محبت نہ کوئی انسان۔ میں اپنی ایسی کوئی کمزوری رکھتا ہی نہیں ہوں جو میری لائیبلٹی بنے۔ آپ میری کسی کمزوری، کسی محبت یا کسی ذاتی مفاد سے واقف ہی نہیں ہیں، نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے میں پہلے سے بتادوں، یہ طریقہ میرے اوپر کارگر ثابت نہیں ہو گا۔"

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ریلیکس، kid.... میں نہ تمہیں ٹارچر کروں گا، نہ ہی بلیک میل۔ میں تم سے صرف ایک دفعہ پوچھوں گا۔ وہ بچہ کہاں ہے؟"

عالیان مسکرا دیا۔ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

"وہ جہاں بھی ہے، آپ اسے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ وقت آنے پہ وہ خود ہی اپنی ماں کے پاس پہنچ جائے گا۔ آپ درمیان میں کیوں پڑتے ہیں؟ تھوڑا اور پانی مل سکتا ہے؟" کہنے کے بعد عالیان نے دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ نہ ہی ماہر نے اس دفعہ کسی کو پانی لانے کا حکم دیا۔

اس نے شانے اچکا دیے۔

"خیر... مجھے ڈی ہائیڈریٹڈ رکھ کے آپ مجھ سے کچھ اگلوا نہیں سکتے۔"

"پولیس اسٹیشن میں ہر شخص تم سے کچھ اگلوانے کی کوشش کر رہا تھا۔ صرف میں تھا جو تمہیں سن رہا تھا ۔"

کرسی پہ بندھا عالیان گردن سیدھی اٹھائے اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں لگتا ہے، عالیان... کہ تم سے کوئی کچھ اگلوا نہیں سکا۔ لیکن مجھے جو چاہیے تھا وہ تم نے مجھے اپنے منہ سے بتا دیا۔"

عالیان نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"اس دنیا میں سب سے قیمتی چیز انفارمیشن ہوتی ہے۔ تم نے مجھے خود ہی وہ انفارمیشن دے دی جس کی مجھے تلاش تھی۔"

"ویری انٹرسٹنگ۔ مثلاً؟"

"میری سمودی کی ریسیپی۔"

عالیان دھیرے سے ہنس دیا۔

"اگر آپ کے narcissistic ذہن کو لگتا ہے کہ میں آپ سے یا بیربل سے متاثر ہو کے آپ کو اسٹاک کرتا ہوں یا آپ کے لائف سٹائل کو..."

ماہر نے ہاتھ اٹھا دیا۔ اس کی بولتی زبان خاموش ہو گئی۔

"مجھ سے متاثر ہونے والا شخص میرے لائف اسٹائل کو "صرف" اسٹاک کر سکتا ہے۔ لیکن صرف ایک شخص ہے جو اس سمودی کو بنا کے پینے کی زحمت کرے گا۔" ماہر نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور قدرے آگے کو جھکا۔ ان دونوں کے درمیان کوئی میز نہیں تھی۔ صرف خلا تھا۔ اور خاموشی۔

"ایسا شخص جو میرے جیسا ہو۔ یعنی...health freak۔"

عالیان کے ابرو نا سمجھی سے اکٹھے ہوئے۔

"تم ایک health freak ہو۔ تمہیں اپنے انوائرمنٹ کی فکر ہے۔ تم ڈرنک نہیں کرتے۔ ڈرگز نہیں لیتے۔ کیونکہ تمہیں اپنی صحت کا خیال ہے۔"

"اور اس انفارمیشن سے آپ کو کیا حاصل ہو گا؟"

"تم نے درست کہا، میں کوئی مافیا باس نہیں ہوں۔ نہ ہی میرے ڈسپوزل پہ..." ماہر نے ہاتھ سے پیچھے کھڑے آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "نہ ہی میرے ڈسپوزل پہ گینگسٹر زیا کرائے کے غنڈے ہوتے ہیں جو کسی شخص کو اغوا کر کے اس پر ٹارچر کریں۔ میں زیاد سلطان نہیں ہوں جو کسی کو جسمانی اذیت دوں۔ میں ماہر فرید ہوں۔ میں زندگیاں لیتا نہیں ہوں۔ ان کو بچاتا ہوں۔ لوگ میرے پاس اپنے مسئلے لے کر آتے ہیں اور میں اپنی people's skill سے ان کے مسئلے حل کرتا ہوں۔ اور آج میرے پاس ایک شخص کا مسئلہ حل کرنے کا موقع ہے۔"

"مالا کا مسئلہ؟"

"اونہوں!" ماہر نے سر دائیں بائیں ہلایا۔ "لیانہ اور ایلف کا مسئلہ۔"

"وہ کون ہیں؟" عالیان نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

"لیانہ اور ایلف دو جڑواں لڑکیاں ہیں۔ ٹین ایج ہیں۔ ان کا باپ انقرہ میں ایک اہم سرکاری آفیسر ہے۔ کچھ عرصہ قبل وہ میرے پاس ایک مسئلہ لے کر آیا تھا۔"

عالیان ٹھہر کے اسے سننے لگا۔ خطرے کی گھنٹی دور کہیں بج رہی تھی۔ نامحسوس انداز میں اس نے اپنی کہنی پھر سے پہلو سے رگڑی۔

"تمہاری کہنی پر خارش اس لیے ہو رہی ہے کیونکہ یہ انجکشن سائٹ ہے۔"

عالیان نے چونک کے اپنے بازو کو دیکھا۔ کہنی پر ننھا سا بینڈ ایج لگا تھا۔

"لیکن مجھے ٹرینکولائیزر تو ٹانگ میں لگا تھا۔"

"ہاں، ٹرینکولائیزر ٹانگ میں لگا تھا۔ لیکن تمہارا بلڈ سیمپل ہم نے تمہارے بازو سے لیا تھا۔"

"بلڈ سیمپل؟"

"کہانا، لیانہ اور ایلف کو میری مدد کی ضرورت ہے۔ ان کے گردے ایک ایکسیڈنٹ میں ضائع ہو گئے تھے۔ وہ دو لڑکیاں زندگی اور موت کے درمیان لٹکی ہوئی ہیں۔ ان دونوں کو ایک ایک گردہ چاہیے۔ ٹرانسپلانٹ کمیٹی ان کو گردہ نہیں دے گی کیونکہ وہ لسٹ پہ بہت نیچے آتی ہیں۔ اور آج کل آرگن مافیا کے اوپر کافی سختی ہے، اس لئے ان کو بلیک میں بھی کڈنی نہیں مل رہا۔"

عالیان کے چہرے کی رنگت بدلنے لگی۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکا۔

"ایسے میں میں نے سوچا کہ وہ کون ہے جس کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ جس کی زندگی میں کوئی محبت، کوئی کمزوری نہیں ہے۔ اگر اس کے دونوں گردے نکال لیے جائیں تو کوئی اسے مس نہیں کرے گا۔ اور میرے اوپر کسی کی جان لینے کا گناہ بھی نہیں ہو گا کیونکہ میں دو زندگیاں بچا رہا ہوں۔ باقی رہے تم ...تو تمہاری زندگی ڈائیلاسز پہ چل جائے گی۔ اب تک اپنی سیاہ کمائی سے تم نے اتنا مال تو اکٹھا کر لیا ہو گا کہ ساری زندگی کے لیے ڈائیلاسز افورڈ کر سکو۔ بہت سے لوگ رہتے ہیں ڈائیلاسز پہ۔ کئی کئی برس۔ تم بھی رہ لو گے۔ لیکن اس کے بدلے تم دو لڑکیوں کی زندگی بچاؤ گے۔ میرے جیسے باضمیر آدمی کے لئے اس سے اچھا سودا کیا ہو گا۔ اور ہاں، یہ تو میں کہنا بھول گیا کہ اس سرکاری آفیسر نے میری بلڈنگ کا پرمٹ بھی جاری کرنا ہے۔ یوں بہت سے لوگ جو میری کنسٹرکشن سائٹ کے ساتھ جڑے ہیں، ان کے رزق میں کسی قسم کی تنگی نہیں آئے گی۔"

عالیان نے اب کی دفعہ چہرہ گھمایا تو دائیں جانب لہراتا پردہ دکھائی دیا۔ اس کی نگاہوں کا تعاقب دیکھ کر ایک شخص آگے بڑھا اور وہ پردہ ہٹایا۔ وہ پلاسٹک کی شیٹ تھی جس کے پیچھے ایک عارضی آپریشن تھیٹر قائم تھا۔ دو نیلے سکرب میں موجود افراد سر پر ٹوپی اور چہرے پر ماسک پہنے وہاں کھڑے تھے۔ عالیان نے بے اختیار واپس ماہر کو دیکھا۔

"تم بلف کر رہے ہو۔"

"میں مالا کے بچے کے لیے صرف بلف کروں گا؟"

عالیان سادان کی رنگت ایک دم زرد پڑ گئی۔ عارضی آپریشن تھیٹر میں دکھائی دینے والے آلات جراحی تیز روشنیوں میں دمک رہے تھے۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"درست کہہ رہے ہو۔ اگلے نوے منٹ تک میں ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ..." ماہر نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ "وہ سرکاری آفیسر انقرہ میں رہتا ہے۔ میرے اطلاع دینے کے بعد اس کے آدمی وہاں سے نکل پڑے تھے۔ وہ ایک کولنگ کنٹینر میں تمہارے گردے یہاں سے انقرہ لے کر جائیں گے جہاں سرجری ہو گی۔ البتہ ان کے یہاں پہنچنے میں نوے منٹ باقی ہیں۔ پولیس اور دوسرے معاملات بھی وہ خود ہی ہینڈل کریں گے۔ میرا کام صرف ان کو گردے صحیح سلامت پہنچانا ہے۔ یعنی..." ماہر نے گھڑی والا ہاتھ نیچے کیا۔

"تمہارے پاس نوے منٹ ہیں نہ صرف مجھے یہ بتانے کے لئے کہ وہ بچہ کہاں ہے، بلکہ تمہاری بتائی معلومات ان نوے منٹ کے اندر درست ثابت ہونی چاہیے۔ ورنہ میں تمہیں ان کے حوالے کر دوں گا۔ کیونکہ جس لمحے وہ یہاں پہنچ جائیں گے، معاملہ میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

عالیان نے چہرہ دائیں بائیں موڑا۔ ساتھ کھڑے آدمیوں کے سنجیدہ تاثرات، ان کے اسلحے، وئیر ہاؤس کی اونچی دیواروں اور پھر پلاسٹک کے پھڑ پھڑاتے پردے کو دیکھا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔"

"میرے ایسا کرنے سے ایک جادوگر اس قابل نہیں رہے گا کہ وہ دوبارہ کسی پہ جادو کر سکے۔ میں انسانیت کے ساتھ ایک بھلائی کرنے جا رہا ہوں۔"

عالیان کی رنگت لٹھے کی مانند سفید ہو چکی تھی۔ وہ چند لمحے دائیں بائیں دیکھتا جیسے اس حقیقت کو پراسیس کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم نے درست کہا تھا۔ تمہارے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ تم نے صرف جنات میں دوست بنائے۔ اب ان کو بلاؤ اور ان سے کہو کہ وہ انسانوں سے لڑیں اور تمہیں یہاں سے نکالیں۔"

اس نے بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک ویران ہو چکی تھی۔

وہ دونوں جانتے تھے کہ ایسے موقعوں پہ سب سے پہلے جنات دور بھاگتے ہیں۔

"اگر تم مجھے بتا دو کہ وہ بچہ کہاں ہے تو میں تمہیں جانے دوں گا۔ سرکاری آفیسر کے آدمیوں کو کال کر کے کہہ دوں گا کہ پولیس کی ریڈ کا خطرہ تھا، اس لئے مشن ناکام ہو گیا اور تم بھاگ گئے۔ بدلے میں میری عمارت کے پرمٹ کو نقصان پہنچے گا لیکن کوئی بات نہیں، تمہارے گردے بچ جائیں گے اور مالا کا بیٹا۔"

عالیان چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"تمہارے پاس 88 منٹ ہیں۔ اس کے بعد ایک طویل زندگی جو ڈائیلاسز پہ...."

"وہ بلت میں ہے۔"

ماہر ایک لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکا۔

"بلت کی رنگین سیڑھیوں کے سامنے جو عمارتیں ہیں..... ان میں فیروزی رنگ کی عمارت کے.... سب سے ٹاپ فلور پہ جو اپارٹمنٹ ہے۔" وہ رک رک کے بتا رہا تھا۔ "اس اپارٹمنٹ میں وہ اس وقت موجود ہے۔ تم پولیس کو بھیج کے اسے بازیاب کرا سکتے ہو۔"

ماہر چند لمحے بے یقینی سے اسے دیکھے گیا۔ جیسے اسے خود بھی یقین نہ آ رہا ہو کہ اتنی جلدی وہ بتا دے گا۔

"اگر یہ انفارمیشن غلط نکلی تو تم جانتے تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔"

عالیان نے تیزی سے سر ہلایا۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ وہیں ہے۔ میں نے اسے خود وہاں چھوڑا تھا۔ اور اس کے ساتھ صرف ایک نینی ہے۔ کوئی اسلحہ اٹھائے انسان نہیں ہے۔ پولیس کو کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

ماہر نے موبائل نکالا۔چنگیز کا نمبر ملانے سے پہلے اس نے ایک دفعہ پھر عالیان کا چہرہ دیکھا۔

"اگر یہ انفارمیشن غلط ہوئی..."

"میں کیوں غلط انفارمیشن دوں گا؟میری زندگی داؤ پہ لگی ہے۔جلدی کرو۔"وہ دبادبا سا چلایا تھا۔

گھڑی کی ہر گزرتی ٹک ٹک اس کا خون خشک کر رہی تھی۔وہ جانتا تھا ماہر فرید مذاق نہیں کر رہا۔وہ آپریشن تھیٹر بھی اصلی تھا اور اس کی دھمکی بھی۔

"چنگیز...."وہ فون کان سے لگائے ایک طرف آ گیا۔"تمہیں ایک جگہ فوری ریڈ کرنا ہے۔بلت کی رنگین سیڑھیوں کے سامنے...."

وہ واپس عالیان کے سامنے آ کے بیٹھا تو نوجوان خاموش رہا۔کوئی کچھ نہ بولا یہاں تک کہ کئی منٹ گزر گئے۔

بالآخر فون کی گھنٹی بجی۔عالیان کا سانس رک گیا۔ماہر نے تیزی سے موبائل کان پہ لگایا۔

"کیا ہوا؟"

"ہم نے فیروزی عمارت پہ ریڈ کیا ہے۔"

"اور؟"

"یہاں کوئی نہیں ہے،ماہر۔"

ماہر نے چونک کے کرسی پہ بندھے ہوئے عالیان کو دیکھا۔

"یہاں ایک نوجوان کپل رہ رہا ہے۔سیاح ہیں وہ۔تمہاری انفارمیشن غلط تھی۔"

"ایک منٹ۔"اس نے کال بند کی اور تیزی سے عالیان تک آیا۔ایک دم زور سے اس کا چہرہ مٹھی میں دبوچ لیا۔

"کون سا گیم کھیل رہے ہو تم میرے ساتھ؟"وہ زور سے غرایا تھا۔

"آؤچ... نہیں... میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اس کی پھنسی پھنسی آواز نکلی تو ماہر نے جھٹکے سے اس کا چہرہ چھوڑا۔ وہ گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

"فیروزی عمارت خالی ہے۔ وہاں کوئی نہیں ہے۔ تمہیں ابھی تک یقین نہیں آیا کہ میں تمہارے جسم کا ہر عضو نکال سکتا ہوں اور...."

"میں نے فیروزی نہیں کہا تھا۔" عالیان اتنی ہی اونچی آواز میں بولا تو ماہر بولتے بولتے رک گیا۔

"واٹ؟"

"میں نے سبز کہا تھا۔ پستہ رنگ کی سبز عمارت۔"

"تم....." طیش کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی لیکن ابھی اس کا وقت نہیں تھا۔ اس نے کال ملا کے فون کان سے لگایا۔

"ساتھ میں کوئی پستہ رنگ کی سبز عمارت ہے؟"

"ہاں۔ بالکل سامنے والی۔" چنگیز چونکا۔

"بچہ اس عمارت میں ہے۔"

"لیکن پہلے تم نے فیروزی کیوں....."

"جلدی جاؤ، چنگیز۔"

اب کے وہ عالیان کے سامنے بیٹھا تو نوجوان جادوگر نے کندھے اچکا دیے۔

"میں نے سبز کہا تھا۔ فیروزی نہیں۔"

"میں جانتا ہوں تم انہیں بھاگنے کا موقع فراہم کر رہے تھے۔ پولیس کی کارز کے سائرن سن کے وہ خبردار ہو گئے ہوں گے۔"

"میں نے سبز ہی کہا تھا، dude۔ تمہاری سماعت میں مسئلہ ہے۔" اس کا کھویا ہوا اعتماد واپس آ رہا تھا۔

ماہر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

چند لمحے بعد موبائل بجنے لگا۔ماہر نے ایک نظر جلتی بجھتی اسکرین پہ ڈالی، اور دوسری عالیان پہ۔

"اگر سبز عمارت سے بچہ نہ ملا، تو میں تمہارے گردوں کے ساتھ تمہارا ہارٹ بھی ڈونیٹ کروادوں گا۔"

"کال اٹھاؤ۔" عالیان نے ابرو سے اشارہ کیا۔

ماہر نے موبائل کان سے لگایا۔

وہ جانتا تھا کہ...

ایک فون کال...

سب کچھ بدل سکتی تھی۔

کیونکہ بس اتنی سی دیر لگتی ہے ہمیں...

ایک بالکل مختلف انسان بننے میں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(مالا کی آخری قسط ان شاءاللہ آئندہ ماہ)

مالا(نمرہ احمد)

حصہ چہارم: "استنبول"

قسط نمبر:21

آخری قسط

"بس ایک کار کریش...

کسی مرض کی تشخیص...

ایک غیر متوقع فون کال...

کوئی نیا دریافت شدہ عشق...

یا ایک ٹوٹا ہوا دل...

بس اتنی سی دیر لگتی ہے ہمیں

ایک بالکل مختلف انسان بننے میں...

کتنی خوبصورتی سے

نزاکت بھری ہے ہمارے اندر

کہ یہ سب چیزیں

بس ایک پل میں

بدل ڈالتی ہیں اس حقیقت کو

کہ ہم کون ہیں۔"

(سیموئیل ڈیکر تھامپسن)

وئیر ہاؤس میں تناؤ بھری فضا قائم تھی۔ دو کرسیوں پر آمنے سامنے وہ دونوں اسی طرح بیٹھے تھے۔ ماہر کا موبائل بج رہا تھا اور عالیان کی چمک دار آنکھیں اس پہ جمی تھیں۔

"فون اٹھاؤ۔"

ماہر نے اس پر سے نگاہ ہٹائے بغیر موبائل کان سے لگایا۔

"ماہر"... دوسری جانب چنگیز کا سانس پھولا ہوا تھا۔ "پستہ بلڈنگ میں... پستہ بلڈنگ میں..."

ماہر بنا پلک جھپکائے عالیان کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ بچہ پستہ بلڈنگ میں ہے۔ وہ ہمیں مل گیا ہے۔ مالا کا بیٹا ہمیں مل گیا ہے۔"

خوشی، جوش، حیرت.... بہت کچھ تھا چنگیز کی آواز میں۔ وہ جیسے چلا رہا تھا۔ ماہر کے سینے میں دبی سانس خارج ہوئی البتہ تاثرات نہیں بدلے۔ دھیرے سے موبائل نیچے کر دیا۔

"مل گیا بچہ ؟ ہے نا؟" عالیان غور سے اس کی آنکھیں پڑھ رہا تھا۔

"ہاں۔ مل گیا۔"

عالیان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ تشفی بھری سانس لے کر پیچھے ہوا۔

"اب اگر آپ کی اجازت ہو تو..." نگاہیں دائیں بائیں گھمائیں "...میں جاؤں؟ ایگزام کی تیاری کرنی ہے۔" پلکیں سادگی سے جھپکائیں۔

"تم نے پہلے فیروزی کیوں کہا؟" ماہر کے چہرے پہ کوئی دوسرا تاثر نہیں تھا، سوائے سوال کے۔

"میں نے فستک (fistik) (پستہ) کہا تھا۔ تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہو گی۔"

"اگر مجھے سننے میں غلطی ہوئی تھی تو جب میں پولیس کو کال کر کے فیروزی بلڈنگ کہہ رہا تھا تو تم نے مجھے ٹوکا کیوں نہیں؟"

"تم دور جا کے بات کر رہے تھے۔ مجھے نہیں سنائی دیا۔ میں نے پستہ ہی کہا تھا۔"

ماہر اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور ایڑھیوں پہ گھوما۔ پیچھے ہاتھ باندھے اس کا ایک آدمی کھڑا تھا۔ سوٹ میں ملبوس۔ کسی مجسمے کی طرح۔

"اس لڑکے نے کیا کہا تھا؟" ماہر اس مجسمے کے ساتھ رکا۔ غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ مجسمے نے ایک نظر ماہر کو دیکھا، دوسری عالیان پہ ڈالی۔

"سر...اس نے پہلی دفعہ بھی پستہ ہی کہا تھا۔" عالیان سے نگاہ ہٹائے بغیر وہ بولا تھا۔ ماہر نے چونک کے پیچھے دیکھا۔ عالیان چمکتی مسکراتی آنکھوں سے اس کے آدمی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

کچھ تھا... عجیب سا... غیر آرام دہ سا.... جو کسی چیونٹی کی طرح ماہر فرید کی کمر پہ رینگنے لگا تھا۔ اس کی گردن کے پیچھے کے بال کھڑے ہونے لگے۔

"چچ چچ... ماہر بے... اب آپ اونچا سننے لگ گئے ہیں۔"

ماہر چند لمحے وہیں کھڑا اسے دیکھے گیا۔ بغض سے۔ ملامت سے۔ اور... اور الجھن سے۔

پھر ابرو سے اشارہ کیا۔ اس اشارے کی دیر تھی کہ دو لوگ فوراً آگے بڑھے اور عالیان سادان کی وائرز کاٹنے لگے۔ عالیان کی کلائیاں آزاد ہوئیں تو اس نے ان کو دائیں بائیں موڑ کے ریلیکس کیا۔ پھر کالر جھٹکتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ مسکرا کے ماہر کو دیکھا۔

"کیا آپ واقعی میرا گردہ بیچنے والے تھے؟"

"دوبارہ اگر تم نے اس بچے کی جانب دیکھا تو جان جاؤ گے کہ میں کیا کرنے والا تھا۔"

عالیان ہلکا سا ہنس دیا۔

"میں نے بچے کو آزاد کر دیا ہے۔ دوبارہ اسے کچھ نہیں کہوں گا۔ آپ سے دشمنی نہیں مول لینا چاہتا۔ مالا سے کہیے گا اس کا بیٹا اب محفوظ ہے۔ کوئی اسے اغوا نہیں کرے گا۔ وہ ریلیکس کر سکتی ہے۔"

"کیا تم اس کے سوا کسی بچے کو بھی اغوا نہیں کرو گے؟"

"میں بچے اغوا نہیں کرتا۔"

"نگینہ بیگم کرتی تھیں۔ تم کیوں نہیں؟"

عالیان اس کی آنکھوں میں دیکھ کے مسکرائے گیا۔ بولا کچھ نہیں۔

"نگینہ بچوں کا کیا کرتی تھیں؟"

جواباً عالیان نے اس شخص کو دیکھا جس نے پستہ کہنے کی گواہی دی تھی، اور انگلیوں سے ہوا میں لکھنے کا اشارہ کیا۔

"پین؟"

وہ کسی معمول کی طرح آگے بڑھا اور ایک پین عالیان کو تھمایا۔ عالیان نے جیب سے ایک کارڈ نکالا۔ کسی ڈرائی کلینر کا کارڈ جو جیسے یونہی کسی نے اسے دے دیا ہو اور جیب میں رہ گیا ہو۔ میز پر کارڈ رکھا۔ جھکا۔ اور اس کی پشت پر چند الفاظ گھسیٹے۔ پھر سیدھا ہو کے ماہر کے قریب آیا۔

"میرا نمبر۔ کیونکہ مجھے نہیں لگتا یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔"

وہ کارڈ ماہر کے فرنٹ پاکٹ میں ڈالنے کے لیے آگے بڑھا تو ماہر نے تیزی سے ہاتھ اٹھایا۔

"ڈونٹ ٹچ می!"

"تمام تمام!" اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ پھر کارڈ میز پر رکھا۔ اور ماتھے تک لے جا کر انگلیوں سے سلام کیا۔

اب وہ سیٹی بجاتا داخلی دروازے کی جانب جا رہا تھا۔

ماہر فرید نے ایک نظر وہاں کھڑے تمام افراد کو دیکھا۔ کیا اسے ہر ایک سے پوچھنا چاہیے کہ عالیان نے فیروزی کہا تھا یا پستہ؟ کیا ایسا کر کے وہ اپنی بے عزتی کروائے گا؟ یا کیا عالیان نے اس کے گارڈ پہ اپنا سحر کر دیا تھا جس کے باعث وہ اس کا معمول بن گیا تھا؟ جیسے کاٹن کینڈی بیچنے والے نے بتایا تھا کہ... ایک منٹ.... کیا بتایا تھا اس نے؟ ماہر نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ اس دن جب وہ اور مالا اس کاٹن کینڈی والے بوڑھے کے پاس گئے تھے تو اس کا دھیان بٹا ہوا تھا۔ وہ بیر بل کی شادی کا سوچ کے اپ سیٹ تھا۔ کاٹن کینڈی والا بوڑھا کچھ بتانے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کی بیٹی اس کو

روک رہی تھی۔ اسے ٹکڑوں میں یاد تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس سنہرے بالوں والے نوجوان نے جیسے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے، لبوں پہ انگلی رکھ کے اس کی قوت گویائی چھین لی تھی۔ اور مالا نے کہا تھا کہ...

اوہ مالا... اسے یاد آیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ اسے مالا کے پاس جانا تھا۔ بلکہ مالا کو بدر کے پاس لے کر جانا تھا۔

پھر وہ رکا۔

میز پر رکھا کارڈ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس پر لکھے نمبرز ایک دعوت دے رہے تھے۔ ماہر نے کارڈ اٹھایا اور بریسٹ پاکٹ میں ڈال لیا۔ وہ جیسے کوئی سلگتا ہوا انگارہ تھا۔ اس کی تپش اسے اپنے سینے پہ دل کے قریب محسوس ہوئی تھی۔ وہ اونچی آواز میں اپنے آدمیوں کو وہ سب سمیٹنے کی ہدایت دے رہا تھا۔

البتہ دور اندر کسی نے ماہر فرید سے سرگوشی کی۔ اس کارڈ کو وہ یہیں پڑا رہنے دے۔ اس کو نہ اٹھائے۔ اس راستے کو بند رکھے جو کسی پینڈورا باکس کو کھولنے کے مترادف تھا۔ اپنے تجسس کو چھوڑ دے۔

لیکن وہ اس انگارے کو کوٹ کی جیب میں ڈالے آگے بڑھ گیا۔

ماہر فرید کو اپنے جواب ہمیشہ چاہیے ہوتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس سہ پہر بلت کی legos جیسی عمارتوں کے گرد بہت سے رنگ بکھرے تھے جو ان عمارتوں کے نہیں تھے۔

پولیس کی کارز جو پستہ رنگ عمارت کے سامنے کھڑی تھیں، سفید رنگ کی تھیں اور ان پر نیلے رنگ سے Polis لکھا تھا۔ کارز کی سرخ بتیاں جل بجھ رہی تھیں۔

ماہر فرید کے لمبے کوٹ کا رنگ سرمئی تھا۔اور اس وقت وہ پستہ رنگ عمارت کے باہر کھڑا تھا۔ سامنے ایک سفید ایمبولینس کی کھلی پشت دکھائی دیتی تھی۔چنگیز نیلی سلیولیس جیکٹ پہنے پیرامیڈکس سے کچھ کہہ رہا تھا اور ایمبولنس کے دہانے پر ایک ننھا بچہ کمبل لپیٹے بیٹھا تھا۔کمبل کا رنگ نیلا اور سرخ تھا۔اور اس بچے کے بالوں کا رنگ بھورا مائل۔ماہر کی نظریں اس کے جھکے سر پہ جم گئیں۔

بچے کے کندھے پر چنگیز کا حفاظتی ہاتھ جما تھا۔ساتھ کھڑی پیرامیڈک اس کے بالوں کو نرمی سے سہلاتے ہوئے اس کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی۔وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔کسی بات پہ چہرہ اٹھایا اور خاتون پیرامیڈک کو دیکھا تو ماہر دیکھ سکتا تھا کہ اس کی آنکھیں کسی ہلکے رنگ کی تھیں اور پھولے پھولے گال گندمی مائل۔مالا اور زیاد کی رنگت کے درمیان کا رنگ۔

چنگیز نے ماہر کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں چمک ابھری۔وہ بچے کو وہیں چھوڑ کے ماہر کی جانب آیا۔وہ کچھ کہہ بھی رہا تھا۔اس کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن ماہر فرید اس کو نہیں سن رہا تھا۔وہ اس بچے کو دیکھ رہا تھا جس نے سر واپس جھکا لیا تھا۔وہ بالکل خاموش تھا۔جیسے کمبل کے باوجود سردی سے ٹھٹھر رہا ہو۔سرمئی سردی سے جس میں بلت کا کوئی رنگ شامل نہ تھا۔

"...ماہر؟میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔"

ماہر نے چونک کے دیکھا۔چنگیز اس کے شانے کو ہلا کے بولا تھا۔اس نے بدقت توجہ دینے کی کوشش کی۔

"اغوا کار تب تک بھاگ چکے تھے۔کیونکہ ہم پہلے غلط عمارت میں چلے گئے۔تم نے پہلے فیروزی کیوں کہا؟"

"اس لڑکے نے کہا تھا۔فیروزی۔پھر اس نے کہا fistik(پستہ)۔"

چنگیز نے تعجب سے اسے دیکھا۔"فیروزی اور fistik۔" پھر ہلکے سے کندھے اچکائے۔"یہ دونوں الفاظ ملتے جلتے ہیں۔کیا تمہیں سننے میں غلطی ہوئی تھی؟"

ماہر نے گردن اٹھا کے پستہ رنگ عمارت کو دیکھا اور پھر ساتھ کھڑی فیروزی عمارت کو، جس کی بالائی ترین بالکونی میں ایک مرد اور عورت کھڑے برہمی سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ یقیناً ان کے اپارٹمنٹ پہ پولیس نے پہلا چھاپہ مارا تھا۔

"ویسے وہ عجیب creepy سا لڑکا تھا۔ میں دوبارہ کبھی اس کے ساتھ ایک کمرے میں نہیں بیٹھنا چاہتا۔ لیکن تمہاری ایک غلطی کی وجہ سے ہم اغواکاروں کو نہیں پکڑ سکے۔" چنگیز نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی۔

ماہر کی اٹھی گردن ابھی تک فیروزی عمارت کی بالائی منزل کو دیکھ رہی تھی۔

"یا شاید وہ اغواکاروں کو بھاگنے کا موقع دینا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے فیروزی کہا۔" چنگیز خود سے تبصرہ کیے جا رہا تھا۔

اس کی عدم توجہی کے باعث گہری سانس لی۔

"کہانا میں دوبارہ کبھی اس نوجوان کے ساتھ ایک کمرے میں نہیں بیٹھنا چاہتا۔"

"تمہارے خیال میں، میں اپنی خوشی سے اس کے ساتھ اس وئیر ہاؤس میں بیٹھا تھا اور..."

چنگیز نے دونوں ہاتھ فوراً اٹھا دیے۔

"میں نہیں سننا چاہتا۔ میں نہیں جاننا چاہتا۔ میں رپورٹ میں یہی لکھوں گا کہ یہ ایک گمنام ٹپ تھی۔" آنکھوں میں اس کو گھورا۔ ماہر اچھا کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ اب کن انکھیوں سے اسے فیروزی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔

وہ بالکل پستہ رنگ عمارت کے جتنی اونچی تھی۔ اپارٹمنٹس کی تقسیم بھی انہی کے برابر تھی۔ لیکن دونوں عمارتوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ فیروزی عمارت سے کوئی جست لگا کر پستہ عمارت میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔

اس دوران بلت کے آسمان پہ پھیلے بادلوں اور ان کے کناروں سے جھانکتے سورج نے کئی رنگ بدلے۔ یہاں تک کہ ماہر نے ایک زرد ٹیکسی کو وہاں رکتے دیکھا جو پولیس کی کارز کے باعث قدرے دور ٹھہر گئی تھی۔

ماہر پستہ عمارت کے داخلی زینوں پر بیٹھا تھا۔ وہ ایمبولینس کے کھلے دہانے پر بیٹھے بچے کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اس زرد کیب کو دیکھ رہا تھا جس سے وہ نکل رہی تھی۔ سر پر ٹوپی پہنے جس سے بال نکل کے باہر کو اُڑ رہے تھے۔ وہ قدرے الجھی ہوئی اور حیران تھی۔ ماہر اس کو دیکھے گیا۔ وہ شاید کرایہ دینا بھول گئی تھی، تب ہی ٹیکسی والے نے اس کو واپس بلایا۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے پلٹی۔ بازو لمبا کر کے کارڈ ٹیپ کیا۔ ٹیکسی والا اس دوران دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے مسلسل اول فول بولتا جا رہا تھا۔

("میں نے فیروزی نہیں کہا۔ میں نے فستک کہا تھا۔ تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔")

گاڑیوں کی قطار کے ساتھ کھڑی مالا کے چہرے پہ اس وقت بہت سے رنگ تھے۔ حیرانی کے رنگ۔ اچھنبے کے رنگ۔ ماہر کی نظریں اس کے بھورے بوٹس پہ جمی تھیں جو چھوٹے قدموں کی صورت سڑک پر آگے کو بڑھ رہے تھے۔

وہ جیسے کسی پل صراط پہ چلتی جا رہی تھی۔ سہج سہج کے۔ خوف سے۔ اس کی نگاہ ماہر پہ نہیں پڑی۔ اس کی نگاہ ایمبولنس پہ پڑی۔ شاید چنگیز اشارہ کرتے ہوئے اونچی آواز میں اس کو وہاں بلا رہا تھا۔ بازو لمبا کر کے اسے ہلاتا۔

ماہر کی نگاہ واپس اس کے چہرے تک آئی۔

وہ بیچ سڑک کے ٹھہر گئی تھی۔ دائیں بائیں چلتے راہ گیر جو پولیس کی کارز کے باعث کوفت کا شکار ہو رہے تھے، قہوہ خانوں کے کھلے فرنٹس میں بیٹھے لوگ جو دلچسپی سے تماشہ دیکھ رہے تھے، اور ہمسایہ عمارتوں کی بالکونیوں سے لٹکتی عورتیں جو ایک دوسرے سے یا فون پہ مسلسل ادھر ادھر اس واقعے کی رپورٹ دیے جا رہی تھیں۔

ان سب سے بے نیاز وہ ٹوپی والی لڑکی وسط سڑک کے رک گئی۔

اس کی نگاہیں ایمبولنس کے دہانے پر بیٹھے سر جھکائے بچے پہ تھیں۔

("میں نے فیروزی نہیں کہا۔ میں نے فستک کہا تھا۔ تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔")

ماہر اپنی جگہ سے نہیں اٹھا۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گیا۔ اس کی سبز آنکھیں ڈھلتی دھوپ سے نارنجی ہو رہی تھیں۔ پہلے ان میں شاک ابھرا۔ پھر بے یقینی۔ لیکن کوئی آنسو نہیں اترا۔ وہ بس حیران تھی۔ ٹکر ٹکر چنگیز کا چہرہ دیکھتی، پھر اس بچے کو۔ اس نے شاید کئی دفعہ یہ منظر تصور کیا تھا۔ اتنا زیادہ کہ اس کا ذہن تخیل اور حقیقت میں فرق نہیں کر پا رہا تھا۔

پھر اس کے بھورے بوٹ قدم قدم آگے بڑھنے لگے۔ وہ ایمبولینس کے دہانے تک آئی اور گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھی۔ کمبل میں لپٹے بچے نے چہرہ اٹھایا۔ اگلے ہی لمحے وہ بچہ فوراً سے اپنے بازو اپنی ماں کی گردن کے گرد پھیلا کے اس سے لگ گیا تھا۔ جیسے خوفزدہ ہو۔ یا جیسے اسے سرمئی ٹھنڈ لگی ہوئی ہو۔

("میں نے فیروزی نہیں کہا۔ میں نے فستک کہا تھا۔ تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔")

وہ کافی دیر بعد اپنی جگہ سے اٹھا۔ دھیرے دھیرے چلتا وہ اس کے قریب آرکا۔ وہ ابھی تک زمین پر گھٹنے لگائے بیٹھی اپنے بیٹے کو گلے سے لگائے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آنکھیں بند کیے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ شاید وہ کہہ رہی تھی اٹس اوکے۔ اٹس اوکے۔ شاید وہ کچھ پوچھ رہی تھی۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کے گر رہے تھے۔ ان آنسوں میں بلت کی کسی رنگین عمارت کا عکس دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ بالکل شفاف تھے۔ بے رنگ آنسو۔

پھر اس نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔ گردن اٹھائی۔ پہلی نگاہ ماہر پہ پڑی۔ وہ گیلے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔ ماہر بدقت مسکرایا۔ سر کو خم دیا، جیسے اسے کچھ بھی کہنے سے منع کر رہا ہو۔ پھر گردن اٹھا کے دوبارہ سے اس عمارت کو دیکھا۔

پستہ رنگ کو نہیں بلکہ فیروزی عمارت کو۔

("میں نے فیروزی نہیں کہا۔ میں نے فستک کہا تھا۔ تمہیں سننے میں غلطی ہوئی ہے۔")

"ماہر بے نے کہا تھا کہ وہ آپ کے بیٹے کو ڈھونڈ دیں گے۔ انہوں نے آپ کے بیٹے کو ڈھونڈ دیا ہے۔" چنگیز خوشگوار لہجے میں مالا سے کہہ رہا تھا۔ وہ بھی جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔ لیکن ماہر ابھی تک اسی فیروزی عمارت کو دیکھ رہا تھا۔

مالا اب پیرامیڈک کے ساتھ کھڑی اپنے بیٹے کا کمبل اتارتے ہوئے اس کو کچھ ہدایات دے رہی تھی۔ ساتھ ہی ہتھیلی کی پشت سے وہ اپنے آنسو صاف کر رہی تھی۔ ایسے میں چنگیز اس کے ساتھ آن کھڑا ہوا۔ وہ دونوں اب ایمبولینس کے دوسرے سرے پہ تھے۔ مالا سے دور۔

"تم نے اپنا وعدہ پورا کیا، ماہر۔ تم نے اس کو اس کا بچہ لوٹا دیا۔ اب وہ بچہ محفوظ ہے اور بہت جلد وہ اپنے ملک واپس جا سکیں گے۔"

ماہر نے "ہوں" میں سر ہلایا۔ گردن فیروزی عمارت کی جانب اٹھی ہوئی تھی۔

"جہاں تک تعلق ہے زیاد سلطان کا، تو وہ بھی جلد یہاں سے چلا جائے گا۔" ماہر فرید نے چونک کر اسے دیکھا۔ چنگیز نے پلکیں جھکا کے اٹھائیں۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ وہ جانتا ہے۔

"تم کیسے جانتے ہو؟"

"کیونکہ جس کے ساتھ وہ اسائنمنٹ کر رہا تھا، اس نے مجھے بتایا تھا کہ اسائنمنٹ کی مدت دو ماہ طے ہوئی تھی۔ اور زیاد سلطان جس روز مالا سے پہلی دفعہ ملا تھا، اس بات کو ڈیڑھ ماہ گزر چکا ہے۔ اس سے زیادہ وہ یہاں رہ نہیں سکے گا کیونکہ اسے حکومت کے سامنے اپنا کلین ریکارڈ ثابت کرنا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ اب..." چنگیز نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تم کچھ دن کے لیے کام سے چھٹی لو، اپنی قرمزی عمارت کو ذہن سے نکالو اور..." چنگیز نے کن انکھیوں سے اس طرف اشارہ کیا جہاں وہ پھر سے پنجوں کے بل زمین پر بیٹھی بھیگی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے اس ننھے بچے سے کوئی بات کر رہی تھی اور وہ بچہ جواب میں بالکل خاموش تھا۔ نہ وہ مسکرا رہا تھا نہ وہ رو رہا تھا۔

"اور ان کے ساتھ وقت گزارا کرو کیونکہ اس وقت ان کو سب سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے۔"

ماہر نے واپس گردن اسی فیروزی عمارت کی جانب موڑی تو چنگیز نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ پھر چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔

"ہو سکتا ہے تمہیں واقعی سننے میں غلطی ہوئی ہو۔ عالیان نے fistik ہی کہا ہو اور تمہیں فیروزی لگا ہو۔ ہر بات کے پیچھے پہیلی نہیں ہوتی۔ اب جب سب درست ہونے جا رہا ہے تو اپنے دماغ کو کسی نئی گتھی کو سلجھانے کی طرف لگانے کے بجائے اپنے حال پہ غور کرو۔ یہ میرا ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں مشورہ ہے۔"

"نہ فیروزی اور fistik ایک جیسے الفاظ ہیں اور نہ یہ عمارتیں ایک جیسی ہیں۔ اس نے فیروزی کہا تھا۔ مجھے سننے میں کوئی غلطی نہیں ہوئی۔"

وہ چنگیز کی آنکھوں میں دیکھ کے اسی یقین سے بولا تھا جو اس کے اندر قدم جمائے بیٹھا تھا۔

"سوال یہ نہیں ہے کہ اس نے غلط عمارت کیوں بتائی، چنگیز بے۔ سوال یہ ہے کہ میں نے اس کا پہلی دفعہ میں یقین کیوں کیا؟"

اس نے ایک آخری نگاہ فیروزی عمارت پہ ڈالی۔ سورج اب ڈوب رہا تھا اور جامنی اندھیرا ہر طرف پھیلنے کو بے تاب تھا۔ کچھ دیر بعد وہ عمارت بھی اپنے سارے اسرار اپنے اندر دبائے اس اندھیرے میں ڈوب جائے گی۔

لیکن وہ اس پہیلی کو ڈوبنے نہیں دے گا۔

وہ جانتا تھا اس نے کیا سنا تھا۔

کچھ تھا اس فیروزی عمارت میں۔ کچھ ایسا جو اسے کھوجنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک ہفتے بعد

ہوٹل سوئیٹ میں تازہ قاسم پتی پھولوں کی مہک تھی۔ دیوار گیر کھڑکی کے پردے ہٹے تھے اور باہر پھیلے منظر نامے میں مسجدوں کے مینار اور دور بہتا بوسفورس کا پانی نمایاں تھا۔

کھڑکی کے ساتھ کبیرہ سادان کھڑی تھیں۔ ایسے کہ سلیپنگ گاؤن پہن رکھا تھا، سر پر اونی ٹوپی تھی اور انگلیاں اضطراب سے مروڑتیں موبائل اسکرین کو تیزی سے اسکرول کر رہی تھیں۔ چند لمحے بعد انگلی رکی، ابرو ناپسندیدگی سے اکٹھے ہوئے۔ اسکرین پہ ایک تصویر رکی ہوئی دکھائی دی۔ ماہ بینہ کا انسٹاگرام۔ دو بچوں کے ننھے ننھے ہاتھ اور ان دونوں میں ایک ایک انگلی جو یقیناً ماہ بینہ کی تھی۔ ماہ بینہ نظر سے بچنے کے لیے اب اپنے بچوں کے چہروں کی تصویر نہیں لگاتی تھی۔ لیکن وہ ہاتھ کافی تھے۔

ایک لاوا سا کبیرہ سادان کے سینے میں اٹھنے لگا۔ اتنا شدید کے جیسے ان کے سارے جسم کو جلا کے راکھ کر دے گا۔ انہوں نے مٹھی بھینچ کے اپنے سینے پر رکھی، گہرے سانس لے کر خود کو نارمل کرنے کی کوشش کی، لیکن آنکھیں

بھری آئیں۔ پچھلی رات مسکارا ٹھیک سے اتارا نہ تھا۔ سو جیسے ہی آنکھوں میں پانی آیا، حلقوں والی جگہ مزید سیاہ ہوتی گئی۔ انہوں نے فون زور سے صوفے پر مارا اور پھر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں۔ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

اسی وقت موبائل کی ٹرن ٹرن اتنے زور سے بجی کہ وہ ڈر کے اچھلیں۔ تیزی سے فون اٹھایا۔ اسکرین پہ بلاکڈ نمبر لکھا آرہا تھا۔ ان کے دل نے ایک دھڑکن مس کی۔ انگلیوں پہ لگا سیاہ پانی اسکرین پہ بھی لگ گیا لیکن انہیں پرواہ نہ تھی۔

گزشتہ ایک ہفتے میں چند ایک دفعہ اس نمبر سے کال آئی تھی۔ انہوں نے دو تین دفعہ ہیلو ہیلو کہا لیکن کال کرنے والے نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ چند سیکنڈ بعد ہی وہ کال کاٹ دیتا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے۔

پولیس کے بتائے گئے اس پتے پہ جہاں عالیان رہتا تھا، وہ کئی دفعہ گئی تھیں۔

لیکن اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

مالا کے بچے کو پولیس کے حوالے کرنے کے بعد سے عالیان کا کچھ پتہ نہیں تھا۔ نہ وہ اس یونیورسٹی میں آتا تھا جس کے بارے میں اس نے بتایا تھا۔ نہ وہ اس ایگزام میں شریک ہوا تھا جس کا وہ ڈھنڈورا پیٹتا رہا تھا۔ وہ یوں غائب ہو گیا تھا جیسے جنات ہو جاتے ہیں۔

موبائل اسکرین ابھی تک زور زور سے بج رہی تھی۔ کبیرہ بیگم نے بھیگی انگلی سے اسپیکر کا بٹن دبایا۔ دوسری جانب خاموشی تھی۔ اس دفعہ وہ بھی خاموش رہنا چاہتی تھیں لیکن چند لمحے سے زیادہ ایسا ہو نہ سکا۔

"میں جانتی ہوں یہ تم ہو۔" ان کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ "بس یہ نہیں جانتی کہ جب بات نہیں کرنی تو کال کیوں کرتے ہو۔ جب نہیں چاہتے کہ تمہیں ڈھونڈا جائے تو اپنا پتہ کیوں بتاتے ہو۔"

انہیں شک گزرا کے دوسری جانب سانس لینے کی آواز آئی ہے۔ پہلے یہ بھی نہیں آتی تھی۔ انہوں نے پھر سے آنسو رگڑے۔

"عالیان، میرے بیٹے! تمہیں ایک دفعہ بیٹھ کے میری طرف کی کہانی سننی چاہیے۔ میں نہیں جانتی اس نگینہ نے تمہیں کیسے برین واش کیا تھا۔ اور میں تمہارے ذہن میں اس کی یاد کو خراب بھی نہیں کرنا چاہتی۔ شاید وہ مجھ سے بہتر ماں ثابت ہوئی تھی۔ لیکن کوئی بھی چیز اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی کہ میں تمہاری ماں ہوں۔ کیا تم مجھے ایک چانس دے سکتے ہو؟"

دوسری جانب مکمل خاموشی تھی۔ البتہ سانس لینے کی آواز ویسی ہی تھی۔

"میں نے سنا ہے تم نے مالا کے بیٹے کو پولیس کے حوالے کر دیا ہے۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نہیں چاہتے کہ ہم میں سے کوئی تم سے رابطہ کرے۔ لیکن پھر بھی تم مجھے کال کرتے ہو کیونکہ خون پانی سے گاڑھا ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ تمہیں میری طرف کھینچتا رہے گا۔ کیا تم ایک دفعہ اس خون کی سن سکتے ہو؟ کیا ہم مل سکتے ہیں؟"

"آج شام۔ آپ کے ہوٹل کے باہر۔ بنچ پہ۔" اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

کبیرہ سادان دھک سے رہ گئیں۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھیں۔ مگر اس لہجے کو نہیں۔ یہ لہجہ اب بے رخی اور کھردرے پن سے بھرا ہوا نہیں تھا۔ سرد اور لاتعلق بھی نہیں۔ بلکہ اس لہجے میں انہیں کوئی جذبہ محسوس ہوا تھا۔ بے چینی، کپکپاہٹ، خون کی کشش۔

وہ مسکارے سے لتھڑی بھیگی آنکھوں سے مسکرائیں۔ عالیان کی شام کتنے بجے سے کتنے بجے تک ہوتی تھی، ان کو نہیں معلوم تھا۔ لیکن وہ ساری دوپہر اور ساری شام ہوٹل کے باہر سردی میں بنچ پر بیٹھنے کو تیار تھیں۔

وہ ضرور ان سے ملنے آئے گا۔

کئی برس بعد ان کا بیٹا ان سے ملنے آئے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام جامنی اندھیرے کی صورت سریار کی اپارٹمنٹ بلڈنگ پہ پھیل رہی تھی۔ سڑک کنارے بندھی کشتیوں کے رنگ برنگے قمقمے اندھیرا ہوتے ہی جھلملانے لگتے اور ان میں بیٹھے کپتان اور اس کے ساتھیوں کے قہوے کے دور چلنے لگتے۔ ایسے میں اگر کشتی میں بیٹھا کوئی فرد گردن اٹھا کے اوپر دیکھتا تو اسے دو بالکونیاں روشن دکھائی دیتیں۔

مالا کی بالکونی کا بلب جل رہا تھا البتہ وہ خالی تھی۔ شیشے کے دروازے سے اندر جھانکو تو وہ کچن کاؤنٹر کے ساتھ کھڑی قینچی سے ایک پودے کے مرجھائے پتے کاٹ رہی تھی۔ بار بار نگاہ اٹھا کے صوفے پر کروٹ کے بل سوئے بچے پہ ڈال لیتی جس کے سر پر ٹوپی تھی اور اس نے دو کمبل اوڑھ رکھے تھے۔ ہر نگاہ کے ساتھ وہ مسکرا دیتی اور واپس اس پودے کی جانب متوجہ ہو جاتی جس کو اس نے دوسرے پودوں کی طرح گزشتہ ایک ہفتے سے مسلسل نظر انداز کیا تھا۔

یہ ایک ہفتہ عجیب بے یقینی میں گزرا تھا۔

بدر کے واپس آتے ہی چند گھنٹے تک تو اسے یقین نہیں آیا کہ وہ آ چکا ہے اور وہ زندہ ہے۔ حالانکہ وہ ہمیشہ کہتی تھی کہ وہ زندہ ہو گا۔ لیکن دور اندر وہ خوف کسی تلوار کی طرح سر پہ منڈلاتا رہتا تھا کہ شاید وہ غلط ہو۔ اور اب جب بدر گھر آیا تو پہلا دن وہ ٹھیک سے خوش بھی نہ ہو پائی۔ بس حیرت تھی۔ گم صم۔ آہستہ آہستہ ذہن نے اس سب کو پروسیس کیا لیکن خوشی کے بجائے جو پہلا احساس اسے ہوا، وہ خوف تھا۔

ایک دفعہ پھر سے وہی خوف کندھوں پر کسی پرندے کے پنجوں کی طرح دباؤ دینے لگا۔ اگر عالیان نے دوبارہ اس کے بیٹے کو اغوا کر لیا... اب کی بار وہ کیا کرے گی؟

وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس کو اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں کر رہی تھی۔ اپارٹمنٹ کے باہر ماہر کا گارڈ موجود تھا اور بلڈنگ کے باہر چنگیز کے دو پولیس اہلکار۔ ہر ایک نے اس کو تسلی دلائی تھی کہ اب وہ بچے کو دوبارہ اغوا نہیں کرے گا۔

دو تین دن کے بعد وہ جیسے نارمل ہونے لگی۔ اسے بالآخر یقین آنے لگا تھا کہ اب زندگی میں سب کچھ ٹھیک ہونے جارہا ہے۔ لیکن بدر کو وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے سامنے سے ہٹنے نہیں دے سکتی تھی۔

اس ایک ہفتے میں صرف وہ پودے نہیں تھے جن کی طرف وہ توجہ نہیں دے سکی تھی اور وہ مرجھانے لگے تھے۔

ماہر فرید بھی اس کے دھیان سے اوجھل تھا۔

مالا نے پودے کا جار کاؤنٹر ٹاپ پر رکھا اور اس صوفے تک آئی۔ احتیاط سے اس کے کنارے بیٹھی۔ بند آنکھوں سے سویا بدر ہلکا سا کسمسایا۔ مالا کا دل زور سے دھڑکا۔ کہیں وہ اٹھ نہ جائے۔ لیکن وہ سوتا رہا۔ اس نے سکون کا گہرا سانس لیا ۔بدر ٹھیک تھا۔ اس کی صحت اچھی تھی۔ مگر وہ بولتا نہیں تھا۔ ایک امید سی تھی کہ شاید جب وہ واپس آئے گا تو بولنے لگے گا۔ لیکن وہ ویسا ہی تھا۔ لمبا ہو گیا تھا۔ بالوں کا رنگ قدرے گہرا ہو گیا تھا۔ بظاہر بدر ویسا ہی تھا، لیکن کچھ تھا جو بدل گیا تھا۔ کیا یہ ان دونوں کے درمیان گزرا وقت تھا؟ یا کیا وہ ایک changeling تھا؟ مالا نے جھرجھری لی جیسے ذہن میں آئے منفی خیالات کو جھٹکا۔ وہ اس کا بیٹا ہی تھا۔ کوئی بھی ٹیکنالوجی یا جادو اس کے بچے کو کسی دوسرے بچے کی صورت میں لا کے اس کے سامنے نہیں کھڑا کر سکتا تھا۔ تصدیق کے لیے پولیس نے ان کے ڈی این اے ٹیسٹ بھی کروائے تھے۔ گو کہ اسے ان کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اپنے بچے کو پہچانتی تھی۔

لیکن کچھ تھا جو بدر میں مختلف تھا۔ جیسے وہ پہلے سے زیادہ خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن نہیں۔ ایک خاموش بچہ مزید کتنا خاموش ہو سکتا ہے۔ یا شاید وہ ڈرا ہوا تھا۔ اس دوران بدر کے تمام labs بھی ہوئے تھے اور ان کے مطابق اس کو کسی بھی قسم کی دوا یا زہریلا کیمیکل نہیں دیا گیا تھا۔ اس کی صحت بالکل ٹھیک تھی۔ بظاہر کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔

پھر کیا تھا جو اسے تنگ کرتا تھا؟

یا شاید وہ ماہر کی طرح ان سوالوں کے جواب ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی جن کا نہ پوچھے جانا ہی بہتر تھا۔

موبائل آس پاس کہیں تھر تھرانے لگا تو وہ چونکی۔ وہ صوفے کی گدی میں گھسا ہوا تھا۔ اس نے کھینچ کر اسے باہر نکالا۔ غیر شناسا نمبر دیکھ کے دل کی دھڑکن مس ہوئی۔ عالیان نے اس کے بعد کبھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ پھر آج کیوں؟ کہیں وہ جادوگر دوبارہ ان کی زندگیوں میں نہ آجائے۔ نہیں۔ اس دفعہ وہ اس کی جان لے لے گی۔ تیزی سے فون کان سے لگایا۔

"کشمالہ!"

اوہ۔ مالا کے ہونٹ سکڑے۔ وہ اس فون کال کی توقع پچھلے کئی دن سے کر رہی تھی۔ لیکن یوں لگتا تھا کہ زیاد سلطان کو اس کال کی ہمت کرنے میں ایک ہفتہ لگا تھا۔

"کہو، زیاد۔" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"میں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ اب تک تم جان ہی چکی ہو گی کہ میں کچھ دن بعد اس شہر سے چلا جاؤں گا اور بہت عرصے تک شاید یہاں دوبارہ نہ آسکوں۔ میری تم سے ایک ریکویسٹ ہے۔" کشمالہ خاموشی سے سنے گئی۔ وہ جانتی تھی وہ کیا کہنے والا تھا۔

"تم نے مجھے معاف کر دیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ تم میرے بارے میں برا نہیں سوچو گی، چاہے کوئی تمہیں کیسی ہی کہانی کیوں نہ سنائے۔"

کشمالہ نے گردن موڑ کے بالکونی کی سمت دیکھا۔ ایک سایہ سا وہاں دکھائی دیا تھا جو دوسری بالکونی سے اس جانب گر رہا تھا۔ ایک پورے قد کا آدمی ریلنگ پہ جھک کے پانی کو دیکھا۔ ہاتھ میں پکڑا مگ۔

"میں جانے سے پہلے صرف ایک دفعہ اپنے بیٹے سے ملنا چاہتا ہوں۔ تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس سے پہلے کبھی اس کی زندگی کا حصہ نہیں بنا اور نہ اس کے بعد حصہ بننا چاہوں گا۔ میں تمہاری اور بدر کی زندگی سے نکل جاؤں گا۔ لیکن ایک دفعہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ اگر تم اجازت دو تو۔"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں، زیاد، کہ مجھے تم سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔ اور یہ وہ بچہ ہے جس کو نہ تم دنیا میں لانا چاہتے تھے، نہ اس کو بازیاب کروانے کے لیے تم نے کوئی مدد کی تھی۔"

"میرے ہاتھ میں کچھ نہیں تھا۔ مگر اس کے ساتھ جو بھی ہوا وہ عالیان نے میری دشمنی میں کیا۔ میں اس کا کفارہ ادا نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا ایک دفعہ اپنے بیٹے سے مل سکتا ہوں؟" اس کی آواز تھکی اور ٹوٹی ہوئی تھی۔ کشمالہ نے پھر سے بالکونی کی سمت دیکھا۔ وہ سایہ وہیں تھا۔ مگ چہرے تک لے جاتے ہوئے۔ وہ جیسے کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

"مجھے اس وقت ڈسٹرب مت کرو، زیاد۔" مزید کچھ سنے بغیر مالا نے فون رکھ دیا۔ پھر بالکونی کی سمت آئی۔ دروازہ کھولا۔ ٹھنڈ کے تھپیڑے تیزی سے اندر آئے۔ احتیاط سے دروازہ بند کیا تو دوسری جانب کھڑا سایہ چونکا۔ گردن مڑی۔

وہ قدم قدم چلتی بالکونی کے سرے تک آئی۔ اب وہ ساتھ والی بالکونی کو دیکھ سکتی تھی اور وہاں کھڑا شخص اس کو۔

پھر وہ مسکرایا تھا۔ تکان سے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ قہوے کا بھاپ اڑاتا مگ ہاتھ میں لیے ریلنگ پر جھکا ہوا تھا۔ آہٹ پہ اس کی جانب گھوما۔ وہ دروازہ بند کر کے اس کی طرف آ رہی تھی۔ اپنی ریلنگ کے قریب آ ٹھہری۔ رخ ماہر کی جانب تھا۔ وہ اسے دیکھ کے تکان اور آزردگی سے مسکرایا۔

پچھلے ایک ہفتے میں اس نے کشمالہ مبین کو ہر چیز کو بھول جاتے دیکھا تھا۔ شاید خود اپنے آپ کو بھی۔ وہ گھر سے باہر نہیں نکلی تھی۔ جو کچھ چاہیے تھا فیضی حانم اسے لا دیتیں یا وہ ڈیلیوری کروا لیتی۔ اس وقت بھی وہ ڈھیلے ڈھالے لاؤنج

وئیر میں ملبوس تھی۔ کندھوں کے گرد اُونی شال تھی اور سر پر ٹوپی جس سے بال نکل کے نیچے گر رہے تھے۔ شفاف چہرہ دو تین دانوں کے سوا ویسا ہی تھا۔

البتہ ایک مسلسل مسکراہٹ تھی جو اس ایک ہفتے سے پہلے اسے وہاں دکھائی نہیں دی تھی۔ اور اس ایک ہفتے میں وہ وہاں سے ہٹی نہیں تھی۔

وہ ریلنگ کے اس کنارے پر آ کھڑی ہوئی جو ماہر کے قریب تھا۔

"بدر ٹھیک ہے؟" اس نے مسکرا کے پوچھا۔ مالا نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک نظر شیشے کے دروازے کو دیکھا۔ ماہر جانتا تھا کہ اس نے بدر کو صوفے پر ایسی جگہ سلا رکھا ہو گا جو اسے یہاں سے دکھائی دے۔

"اتنی فکر مند نہ رہا کرو۔ اب اس کو کچھ نہیں ہو گا۔" اس نے جیسے تسلی دی۔ مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

" جانتی ہوں۔ لیکن کچھ چیزیں میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ شاید میں اگلے کئی برس تک اس کے معاملے میں اِن سیکیور رہوں گی۔"

ماہر نے ایک نظر اپنے لاؤنج کی جانب دیکھا جس کے پار ہلال کے کمرے کا بند دروازہ تھا۔

" سمجھ سکتا ہوں۔" اس نے یہ وقت گزارا تھا۔ وہ سمجھ سکتا تھا۔

وہ دونوں اب ریلنگ سے ٹیک لگائے یوں کھڑے تھے کہ نگاہیں اپنے اپنے لاؤنج میں کھلتے شیشے کے دروازوں پہ جمی تھیں اور دونوں ہی ایک دوسرے کا دروازہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"کیا پولیس کو عالیان کے بارے میں مزید کچھ پتہ چلا؟"

"نہیں۔ وہ بالکل غائب ہو چکا ہے اور پولیس اس کو ڈھونڈنے کی کوشش بھی نہیں کر رہی، کیونکہ جائے وقوعہ سے کوئی ایسی شے نہیں ملی جس پر عالیان کا فنگر پرنٹ موجود ہو۔ جو فنگر پرنٹس ملے ہیں وہ inconclusive ہیں۔ پولیس نے ویسے بھی اس کو کلیئر کر دیا تھا۔"

"اگر پولیس پہلے فیروزی عمارت کی طرف نہ جاتی تو شاید وہ بدر کے اغوا کاروں کو پکڑ لیتے۔"

ماہر خاموش ہو گیا۔ ذہن پھر وہیں چلا گیا۔ اس کی خاموشی پہ کشمالہ نے غور سے اسے دیکھا۔

"اٹس اوکے، ماہر۔ اس نے fistik کہا ہو گا، تمہیں فیروزی لگا ہو گا۔"

ماہر نے نفی میں سر دائیں بائیں ہلایا۔ "میں جانتا ہوں میں نے کیا سنا تھا۔"

یہ کہتے ہوئے کچھ تھا جو ماہر کے چہرے پہ بدل جاتا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی، ایک شکست۔

"اٹس اوکے۔ اس نے اپنے اغوا کاروں کو الرٹ کرنے کے لیے کہا ہو گا کیونکہ اسی وجہ سے انہیں بھاگنے کا موقع مل گیا۔ اب اس بات کو چھوڑ دو۔"

ماہر نے سر پھر سے نفی میں ہلایا۔ "نہیں چھوڑ سکتا۔ کچھ ہے جو میں مس کر رہا ہوں۔"

اب کے کشمالہ پوری اس کی جانب گھومی۔ سینے پر بازو لپیٹے اور سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"تمہیں ہمیشہ جاننا ہوتا ہے کہ سب کیوں ہوا، کیسے ہوا، لیکن کیا تم ایک دفعہ اس سب کو چھوڑ سکتے ہو؟ اب سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔ عالیان دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ مجھے بھی یقین آنے لگا ہے۔ زیاد اس شہر سے چلا جائے گا۔ بدر مجھے واپس مل چکا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہم اس سکون کو محسوس کریں جو زندگی کا ایک برا باب ختم ہونے کے بعد انسان کے حصے میں آتا ہے؟"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے، پھر خاموش ہو گیا۔

شاید وہ جانتی تھی وہ کیا پوچھنا چاہتا تھا۔

"ہاں، زیاد نے مجھے کال کی ہے آج۔ وہ بھی وہی کہہ رہا تھا جو چنگیز نے کہا تھا۔ وہ کچھ دن بعد اس شہر سے چلا جائے گا ۔ اور وہ بدر سے ملنا چاہتا ہے۔"

ماہر فرید کے جسم کے سارے اعصاب تن گئے۔ خالی ہاتھ کی مٹھی بھنچ گئی۔

"تم نے کیا کہا؟" وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ناپسندیدگی چھپا نہیں سکا تھا۔

"میں نے ابھی جواب نہیں دیا لیکن..." مالا کی نگاہیں روشن لاؤنج میں بے نیاز سوئے بدر پہ جمی تھیں۔ "وہ اس کا باپ ہے، ماہر۔ میں اس کو اس کے باپ سے دور نہیں کر سکتی۔ وہ ہمیشہ اس کی زندگی کا حصہ رہے گا۔"

بہت سی تلخی ماہر فرید نے اندر ہی اتار لی۔ بدقت سر ہلایا۔

"آف کورس! وہ اس کا باپ ہے۔" مگ ریلنگ کے دہانے پر رکھ دیا۔ قہوے کا سارا ذائقہ کڑوا ہو چکا تھا۔

"بہت دفعہ نفرت میں اور غصے میں، میں نے سوچا تھا کہ میں زندگی بھر زیاد سلطان کو اپنے بیٹے کی شکل نہیں دیکھنے دوں گی۔ لیکن وہ اس کا باپ ہے اور میں اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔"

"ہم ماضی کو نہیں بدل سکتے۔"

"اس لیے سوچ رہی ہوں کہ اس سے چند شرائط طے کر لوں۔ وہ یوں ہر دوسرے دن میری زندگی میں داخل نہیں ہو سکتا بدر کے لیے۔ اسے کچھ شرائط کا پابند ہونا پڑے گا۔" وہ دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتے ہوئے سوچ سوچ کے کہہ رہی تھی۔

"تم اس سے اکیلے ملنے نہیں جاؤ گی۔ میں ساتھ جاؤں گا۔" مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ کچھ کہنے لگی، پھر ٹھہر گئی۔ وہ پوچھ نہیں رہا تھا، بتا رہا تھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"شیور۔ ویسے بھی میں چاہتی ہوں کہ اس سے اسی ہفتے کے دوران مل لوں تاکہ یہ بات کلیئر ہو جائے کیونکہ پھر..."

"ہاں پھر وہ اس شہر سے چلا جائے گا۔" ماہر بے دھیانی میں بڑبڑایا۔ پھر ایک دم چونکا۔ دھڑکن مس ہوئی۔ بے اختیار مالا کو دیکھا۔ "اور تم؟"

"بدر کے پاس اس کا پاسپورٹ نہیں ہے۔ نہ اس فلیٹ سے برآمد ہوا تھا۔ پاسپورٹ اپلائی کر دیا ہے۔ اگلے ہفتے ہمیں مل جائے گا اور..." وہ آگے کچھ نہیں کہہ سکی۔

نیم روشن بالکونی میں کھڑا ماہر فرید چند لمحے کے لیے اس کو دیکھ کے رہ گیا۔ جیسے کچھ بول نہ سکا ہو۔

"پاسپورٹ ملنے کے بعد تم اور بدر چلے جاؤ گے؟"

وہ دیکھ سکتا تھا کہ مالا کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی ہے، جیسے اس نے بہت سا تھوک نگلا ہو۔ پھر چہرے پہ بظاہر مسکراہٹ سجائے ماہر کو دیکھا۔

"یہی طے ہوا تھا۔"

"اور... اور... بیکری کا کیا؟"

وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ "ماہر کا کیا؟" لیکن الفاظ حلق میں رک گئے تھے۔

مالا نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔ "کم آن، ماہر۔ وہ بیکری بیربل کی تھی۔ اسی کی ہونی چاہیے۔"

وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ کیا اس کو پولیس اسٹیشن کے باہر ہونے والی گفتگو یاد تھی؟ کیا اسے یاد تھا کہ ماہر نے اسے رکنے کے لیے کہا تھا؟ یا اپنے بیٹے کے ملنے کی خوشی میں وہ سب کچھ بھول گئی تھی؟ کیا ماہر فرید صرف ایک مددگار انسان تھا جس نے بدر کو اس سے ملوایا؟ اور اب وہ اپنے بیٹے کو لے کے یہاں سے چلی جائے گی؟

لیکن یہی طے ہوا تھا۔ وہ اس کی مدد کرے گا اور وہ دو مہینوں کے ختم ہوتے ہی یہاں سے چلی جائے گی۔

لیکن کیا ان دو مہینوں میں جو کچھ ہوا، کوئی بھی شے کشمالہ مبین کے دل میں اپنی جڑ نہیں جما سکی تھی؟

وہ بس اسے دیکھ رہا تھا۔ اور مالا بالکونی کے دروازے کے پار اپنے سوئے ہوئے بیٹے کو۔

ایک دم سے ماہر فرید کو اپنا آپ غیر ضروری لگا۔

مالا، زیاد اور بدر۔

وہ اس تکون کا حصہ کبھی بھی نہیں تھا۔ نہ بن سکتا ہے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یہی طے ہوا تھا۔" اس نے ریلنگ سے مگ اٹھایا۔ وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"ہم نے یہی طے کیا تھا کہ دو مہینے میں بدر مجھے ملے یا نہ ملے، مجھے واپس جانا ہو گا۔ اور مجھے نہ صرف اب بدر مل گیا بلکہ..." وہ کچھ اور بھی کہہ رہی تھی لیکن ماہر کا فون تھرتھرانے لگا۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

ماہر ایکسکیوزمی کہہ کے فون جیب سے نکالتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ نمبر جس کولیگ کا تھا، اس سے اس وقت بات کرنے کے موڈ میں وہ نہیں تھا۔ البتہ بالکونی کے اندر آتے ہی اس نے دروازے کو لاک کیا (وہ جانتا تھا لاک ہونے کی آواز مالا تک چلی جائے گی) اور جھٹکنے والے انداز میں پردہ سامنے برابر کر دیا۔

شاید اس طرح وہ جان لے کہ وہ کال کے بعد واپس نہیں آئے گا۔

کال کاٹ کے فون جیب میں ڈالا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ ہی رہا تھا کہ...

کچن کاؤنٹر کے ساتھ کھڑی سوزین نے ہیلو کہہ کے مخاطب کیا۔ ماہر نے رک کے بادل نخواستہ اس کو دیکھا۔ سوالیہ ابرو اٹھایا۔

"کیا؟"

سوزین کسی پارٹی سے آئی تھی۔ اس نے ستاروں والا نیلا مڈی ڈریس پہن رکھا تھا اور آنکھوں پہ گہرا میک اپ تھا۔ بال یوں بنے تھے جیسے گیلے ہوں۔ مسکرا کے وہ اس کے سامنے آئی۔ پلکیں جھپکائیں۔ وہ لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔ نیلا شاید اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔

"ماہر بے۔ آپ کو مطلع کرنا تھا کہ "کسی" کی پھیلائی آسیب زدہ گھر والی باتوں کے باوجود اس کاٹیج کے لیے ہمیں گاہک مل گیا ہے اور کل ہم اس کو بیچ رہے ہیں۔"

"اوکے۔ پھر؟" ماہر فرید کے چہرے پہ ایسا کوئی تاثر نہ آیا جس کی سوزین کو توقع تھی۔ البتہ اس نے اپنی مسکراہٹ برقرار رکھی۔

"پھر یہ کہ کوشش کیجیے گا کل ہماری ڈیل کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں۔ گاہک بیعانہ پہلے ہی دے چکا ہے، اس لیے اب ڈیل کو روکنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"میں تو چاہتا ہوں کہ تم اس کاٹیج کو بیچ دو۔ سب کچھ جتنا جلدی ہونا ہے، ہو جائے۔"

سوزین کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"کیا کچھ؟"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ وہ سوچتی نظروں سے اس کی پشت کو گھورے گئی۔ سارا موڈ جیسے غارت ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شام ابھی ٹھیک سے جامنی نہیں ہوئی تھی جب کبیرہ سادان ہوٹل کے باہر بنے بنچ پر آ بیٹھی تھیں۔ کسی جانور کی کھال والا بھورا کوٹ پہنے، گردن کے گرد مفلر اوڑھے ہوئے تھیں البتہ سر پہ ٹوپی نہیں تھی۔ ٹھنڈ ہر گزرتے پل کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن آج کے دن کی ترجیحات میں ٹوپی پہننا آخری نمبر پہ تھی۔

وہ گردن دائیں بائیں موڑتیں، طویل سڑک کے گرد ٹہلتے سیاحوں کے ہجوم میں ایک چہرہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہی تھیں جس کی شام نہ جانے کس وقت شروع ہونی تھی۔ یہ علاقہ سیاحوں کا مرکز تھا۔ دورویہ سڑک کے درمیان tramway بنا تھا جہاں پہ ایک سانپ جیسی طویل tram دونوں سمتوں میں چلتی دکھائی دیتی تھی۔ بار بار ان کے سامنے رکتی، دروازے کھلتے، بہت سے لوگ اندر داخل ہوتے اور بہت سے باہر نکلتے۔ ہر ایک کی اپنی منزل تھی جس کی جانب جانے کی اسے اتنی جلدی تھی کہ وہ سفر سے لطف اندوز نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اور کبیرہ سادان کو اپنی منزل ان چہروں میں کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

ہوا مزید یخ بستہ ہوتی گئی۔ سڑک کنارے بنی شاپس اور ریسٹورنٹس کی بتیاں روشن ہونے لگیں۔ آسمان سیاہ ہوتا گیا لیکن وہ نہیں آیا۔ وہ بازو سینے پر سختی سے لپیٹے بار بار بے چینی سے گھڑی دیکھ رہی تھیں۔ انہیں چالیس دن اور چالیس راتیں بھی اس جگہ پر ٹھہرنا پڑتا تو وہ تیار تھیں۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ آنے کا وعدہ کرے اور ان کو بیچ راہ میں اکیلا چھوڑ دے۔ اتنے برس کبیرہ سادان اس کے ملنے سے ناامید نہیں ہوئی تھیں۔ آج کیسے ہو جاتیں؟

"سوری، میں لیٹ ہو گیا۔"

ایک لمحے کے لیے ان کو لگا کہ یہ ان کا وہم ہے یا ذہن کی اختراع۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں انہوں نے چہرہ اٹھایا ۔وہ بنچ کے دہانے پر کھڑا تھا۔ لمبا کوٹ پہنے، کانوں پہ earmuffs لگائے، ہڈ سے سر کو ڈھکے، وہ سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔ گو کہ اس نے سوری کہا تھا لیکن وہ نادم دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ بے اختیار اپنی جگہ

سے اٹھیں، بے قرار آنکھوں نے اس کا چہرہ دیکھا۔ہاں وہ نادم نہیں تھا لیکن اس روز پولیس اسٹیشن والے عالیان کی طرح بے زار اور سرد بھی نہیں تھا۔وہ اس کے درمیان کہیں تھا۔

"کوئی بات نہیں۔" ان کے الفاظ کپکپاہٹ کی صورت میں باہر نکلے۔ہاتھ اس کی طرف بڑھایا لیکن وہ اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا رہا۔کبیرہ بیگم کا ہاتھ دھیرے سے بیچ رستے میں نیچے گر گیا۔ابھی فاصلے بہت تھے۔ابھی انہیں بے بی اسٹپس لینے تھے۔وہ جست نہیں لگا سکتی تھیں۔

"تم نے مالا کے بیٹے کو واپس کر دیا۔"

وہ دنوں ساتھ ساتھ بنچ پر بیٹھے تھے، ایسے کہ درمیان میں فاصلہ تھا اور سامنے tram رکی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ Tram میں داخلے کا رستہ ان سے چند فٹ دور تھا،اس لیے وہ مجمعے سے بچے ہوئے تھے۔البتہ بار بار ان کے آگے پیچھے سے لوگ تیزی سے ٹولیوں کی صورت میں گزرتے اور سڑک کے پار کا منظر چھپ جاتا۔

"ماہر بے نے گیم ہی ایسی کھیلی کہ میرے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا۔"

ٹرام پہ نگاہیں جمائے بیٹھے عالیان کے لہجے میں تلخی نہیں تھی۔جیسے وہ ہلکا سا محظوظ ہوا تھا۔کبیرہ نے گردن موڑ کے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"تم نے کیوں اغوا کیا تھا اس کے بیٹے کو؟ میں تمہیں جج نہیں کر رہی۔پوچھ رہی ہوں۔"

"زیاد نے اس عورت کو مارا تھا جو ساری عمر میرا سایہ بن کے رہی تھی۔مجھے زیاد سلطان سے بدلہ لینا تھا۔لیکن ہر دفعہ کی طرح ماہر بے نے معاملہ خراب کر دیا۔"

"کیا وہ ایک اچھی ماں تھی؟"

عالیان نے پہلی دفعہ چہرہ پورا موڑ کے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھیں سادان جیسی تھیں یا ان آنکھوں کے جیسی جنہیں وہ روز آئینے میں دیکھتی تھیں؟ وہ فیصلہ نہ کر سکیں۔

"وہ پروٹیکٹو تھیں۔ میرا خیال رکھتی تھیں۔ مجھے طاقتور دیکھنا چاہتی تھیں۔ اور کیسی ہوتی ہیں مائیں؟"

آنسو کبیرہ کی پلکوں کو بھگونے لگے۔ سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ میرے بارے میں کیا کہتی تھیں؟"

"یہی کہ آپ نے وہی کیا جو راپنزل کے ماں باپ نے کیا تھا۔ جادوگرنی سے ڈیل کر لی۔ ہونہہ!" اب کے عالیان کی آواز میں تلخی در آئی۔ آنسو کبیرہ کی آنکھوں سے پھسلنے لگے۔

"کیا وہ یہ کہتی تھی کہ میں نے ڈیل کی تھی؟" انہوں نے بھیگا چہرہ دائیں بائیں ہلایا۔ "تمہارے باپ سے میری شادی اس کی ماں کی دعا کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جس کو وہ ڈیل کہتی تھی وہ ایک وعدہ تھا جو اس نے مجھ سے لیا تھا کہ میں اپنا پہلا بچہ اس کو دوں گی۔ میں ایک عمر سمجھتی رہی کہ وہ پہلا بچہ میری بڑی بیٹی عنایہ تھی۔ اور نگینہ کی فیملی کو عنایہ دینے کا مطلب تھا زیاد سے اس کی شادی کروانا۔ اس لیے میں نے ایک عمر تگ و دو کی کہ زیاد اس سے شادی کر لے۔ میں نے نگینہ بیگم سے کوئی ڈیل نہیں کی تھی۔ اس نے بھی کبھی مجھے دوبارہ یہ وعدہ یاد نہیں دلایا کیونکہ اس کا ارادہ خاموشی سے میرے بچے کو اغوا کرنا تھا۔ تمہارے لیے شاید وہ ایک پروٹیکٹو ماں ہو، لیکن اس نے میری مرضی کے بغیر مجھ سے میرا بچہ چھینا تھا۔ میں یہ کبھی نہیں بھول سکتی۔"

عالیان نے ہلکا سا سر کو اثبات میں خم دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ Tram تیزی سے بگل بجاتی سامنے سے گزر گئی۔ اس کی تیز گامی سے ہوا کے جھونکے ان کے چہروں پہ آئے۔

"کیا کرتی تھی وہ ان بچوں کا؟ تم، ماہر کی بہن۔ اور بھی بچے اغوا کیے تھے اس نے۔"

عالیان کے چہرے پر ایک استہزایہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"وہ ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔ وہ بچے ان کی مدد کر سکتے تھے لیکن..." اس نے سر جھٹک دیا۔ کبیرہ نے ہتھیلیوں کی پشت سے آنسو صاف کیے اور غور سے اسے دیکھا۔

"لیکن؟" عالیان نے چہرہ پھر سے ان کی طرف موڑا۔ اب کے اس کی آنکھوں میں مسکراہٹ تھی۔

"اس سوال کا جواب میں آپ کو نہیں دینا چاہتا۔ مالا کا بچہ اس کو واپس مل گیا۔ بات ختم۔"

کبیرہ نے تیزی سے سر ہلایا۔ وہ اس کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"آف کورس۔ اس کا بچہ اس کو مل گیا۔ قصہ ختم۔"

"قصہ نہیں ختم ہوا۔ قصہ ابھی جاری ہے۔ اس کے پاس میرا کارڈ ہے۔" وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔ ایسے جیسے کوئی راز شیئر کر رہا ہو۔ کبیرہ بیگم کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"کس کے پاس؟"

"ماہر بے۔ اس نے میرا کارڈ رکھ لیا ہے۔ وہ آئے گا میرے پاس۔"

"وہ کیوں آئے گا تمہارے پاس؟"

"کیونکہ مسز کبیرہ سادان ...لوگ غلط کہتے ہیں کہ دنیا میں محبت اور نفرت کے بعد سب سے بڑا جذبہ جیلیسی ہے۔ او نہوں!" نوجوان جادوگر نے چمکتی آنکھوں کے ساتھ انگشت شہادت دائیں بائیں نفی میں ہلائی۔

"دنیا کا تیسرا بڑا جذبہ جو انسان سے ازل سے ابد تک سارے اچھے اور برے کام کرواتا آیا ہے وہ ہے curiosity (تجسس)۔ اور ماہر بے کا تجسس اس کو ایک دفعہ پھر میرے پاس لے کر آئے گا۔ میں اس ملاقات کا منتظر ہوں۔" وہ

مسکرا کے پھر سے سامنے دیکھنے لگ گیا۔ جیسے کوئی سوچ اس کو محظوظ کر رہی ہو۔ پھر جیسے خیال آیا ہو کہ وہ کہاں بیٹھا ہے۔ چہرہ واپس سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ مت سمجھیے گا کہ میں نے آپ کو پھر سے اپنی ماں تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن میں آپ کو ابھی ایسے جانے بھی نہیں دے سکتا۔ مجھے آپ کی سائیڈ کی کہانی سننی ہے۔ اور میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم اپنی کہانی ایک نئے سرے سے لکھ سکتے ہیں۔"

کبیرہ بیگم کے چہرے پہ ایک دم اتنی روشنی ابھری کہ پوری رات چمک اٹھی۔ ان کی خوشی جیسے سنبھالے نہیں جا رہی تھی۔ تیزی سے مسکرا کے سر ہلایا۔

"کسی کافی شاپ میں چلیں؟ یا ریسٹورنٹ؟ ایک ڈنر ساتھ کرتے ہیں اور بہت ساری باتیں۔" عالیان چند لمحے سوچتا رہا پھر دھیرے سے اٹھا۔ وہ اس کے ساتھ ہو لیں۔ ابھی وہ اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتی تھیں۔ ابھی وہ اس کے بازو میں ہاتھ بھی نہیں ڈال سکتی تھیں۔ البتہ یہ معلوم تھا کہ صبح سے کچھ نہ کھانے کے باعث ان کی ٹانگوں میں جو کمزوری تھی، اس کے باعث اگر کہیں وہ لڑکھڑا گئیں، تو وہ انہیں تھام لے گا۔ ان کا بیٹا جو ان کے قد سے بڑا تھا، ان کے ساتھ قدم بہ قدم چل رہا تھا۔ اس خوبصورت شہر میں، محبت کے شہر میں، جہاں لوگ بچھڑی محبتوں کو ڈھونڈنے آتے تھے۔ کبیرہ بیگم کو سب کچھ مل گیا تھا۔

ایک دم سے حورِ جہاں کی بیٹیوں کی ساری نعمتیں اس ایک نعمت کے سامنے ہیچ لگنے لگی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار کی اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کی وہ صبح ہر ویک ڈے جیسی مصروف اور جھنجھلاہٹ سے بھری تھی۔ اس فلور پر موجود ہر لفٹ کے دروازے بار بار کھل اور بند ہو رہے تھے۔ کافی کے فلاسک پکڑے اور لیپ ٹاپ بیگز اٹھائے لوگ اپارٹمنٹس سے نکل نکل کے نیچے جا رہے تھے۔ ماہر البتہ نیچے سے واپس اوپر آ رہا تھا۔ وہ کچھ بھول گیا تھا۔

اپنے فلور پر اترتے ہوئے وہ سیدھا مالا کے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑے گارڈ تک آیا۔ گارڈ نے اس کے سوال کے جواب میں سر ہلایا اور جیب سے ایک بند لفافہ نکال کے اسے دیا۔ اس کی میل جو ابھی ڈیلیور ہوئی تھی اور جسے وہ گارڈ سے وصول کرنا بھول گیا تھا۔ اندر ایک بینک کارڈ تھا جسے وہ آفس میں جا کے کھولے گا۔

لفافہ کوٹ کی جیب میں ڈالتے ہوئے وہ لفٹ تک واپس آیا۔ ابھی لفٹ کے اندر کھڑا ہوا ہی تھا کہ کاریڈور سے ہیل کی آواز سنائی دی اور پھر تیز پرفیوم کا جھونکا آیا۔ ایسی ہیل جو راہداری کے کارپٹ کے باوجود سنائی دیتی تھی اور سماعت کو سخت ناگوار گزری تھی۔ ماہر نے جلدی سے دروازے بند ہونے کا بٹن دبایا۔

لفٹ کے دروازے آپس میں ملنے کے لیے ایک دوسرے کے قریب آنے لگے لیکن درمیان میں سے ایک مینی کیورڈ ہاتھ نظر آیا جس نے دروازوں کو روک لیا۔ دروازے واپس جدا ہوئے اور سامنے بھورے بالوں والا مسکراتا چہرہ دکھائی دیا۔

"گڈ مارننگ، ماہر بے!" سوزین کندھوں پر کیپ کوٹ پہنے ٹھک ٹھک چلتی لفٹ میں داخل ہوئی۔ ایک کہنی پہ بیگ ٹنگا تھا اور دوسری کے ساتھ شوہر۔

ماہر نے ایک ناپسندیدہ نظر بیر بل پہ ڈالی جو ماہر کو دیکھ کے ایک دم ٹھٹکا تھا۔ پھر نگاہ ملائے بغیر اندر آ گیا۔ اب وہ درمیان میں تھا اور وہ دونوں اس کے دائیں بائیں۔ سوزین نے لمبے ناخن سے لابی کا بٹن دبایا اور سیدھی کھڑی ہو گئی۔ دروازے بند ہوئے تو وہ ان دونوں کا عکس ان میں دیکھ سکتا تھا۔ لفٹ میں اس کا تیز پرفیوم بھر گیا تھا جیسے۔ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ ماہر نے دعا کی کہ وہ چند سیکنڈ کا یہ سفر خاموشی سے گزار دے لیکن...

"ہم ڈیلر شپ پہ جا رہے ہیں۔ کاٹیج کا سودا فائنل ہو گیا ہے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گے، ماہر بے؟" سوزین نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔ ماہر نے گہری سانس لی۔ جیسے بہت ضبط کیا ہو۔ چہرہ اس کی طرف موڑا اور اسی کے انداز میں مسکرایا۔

"جب اگلی پراپرٹی بیچو گی تب آؤں گا۔ تمہارے لیے تو اب یہ روز کی بات ہو گی۔"

سوزین کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ"Wish us good luck" کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ کیپ والا لمبا کوٹ پیچھے سے پھڑ پھڑا رہا تھا اور وہ دور جاتی دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن وہ اکیلی تھی۔ اور تب ماہر کو احساس ہوا کہ بیر بل اس کے ساتھ نکلا تھا مگر وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

وہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس تھا۔ گھنگھریالے بال جیل سے پیچھے جما رکھے تھے۔ شیو بھی ٹھیک سے بنائی تھی۔ نگاہیں البتہ بیوی کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ ماہر کی نظروں کو محسوس کر کے اس نے اس کی جانب دیکھا۔

"کیا تم ساتھ چلنا چاہو گے؟" سوزی کے برعکس اس کے لہجے میں طنز نہیں تھا۔ سوال تھا۔ اور ایک چھپا ہوا خوف بھی۔

"میں اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے باپ کی محنت کو یوں ضائع ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم دونوں خود کرو جو بھی کرنا ہے۔"

"میں یہ کاٹیج نہ بیچتا اگر تم بیکری نہ بیچتے۔" بیر بل کے چہرے پہ زخمی سا تاثر ابھرا اور گال گلابی ہوئے۔ ماہر نے جواب میں ابرو اچکا دیے۔ وہ آگے بڑھنے ہی والا تھا کہ...

"تمہیں لگتا ہے ہماری لاء فرم کامیاب نہیں ہو گی، ہے نا؟"

ماہر فرید نے بہت ضبط سے جیسے ایک تلخ گھونٹ بھرا اور واپس اس کی جانب گھوما۔ سنجیدہ نظروں سے سر سے پیر تک بیر بل کو دیکھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہ رقم لاء فرم میں ہی انویسٹ ہو گی؟"

"تم مجھے اتنا بے وقوف کیوں سمجھتے ہو، ماہر؟ کیا تم اس وقت کو بھول گئے ہو جب تم کیف بنا رہے تھے اور مالک سمیت سب نے تمہیں منع کیا تھا اور کہا تھا کہ تم ناکام ہو جاؤ گے۔ لیکن تم نے ٹھان لی تھی کہ تم اس آرکیٹکچرل فرم کو

کامیاب کر کے دکھاؤ گے۔ آج بھی تمہاری فرم اتنی کامیاب نہیں ہے جتنی تم اسے بنانا چاہتے تھے۔ کسی کو تم پہ یقین نہیں تھا۔ سوائے میرے۔"

ماہر کے تنے تاثرات ڈھیلے ہوئے۔

"جب مالک کو بھی تم پہ یقین نہیں تھا تب میں نے... بیر بل نے تم پہ یقین کیا تھا۔ مالک کے برعکس مجھے لگتا تھا کہ تم اس کو کامیاب کر لو گے۔ کیا تم میرے اوپر اتنا سا بھی یقین نہیں کر سکتے؟"

بیر بل فرید کی آنکھوں میں تھکان بھی تھی اور گلہ بھی۔ اس کا زخمی پن، ہرٹ، گلہ آمیز لہجہ۔ ماہر کے کندھے جیسے ڈھلک گئے۔

"تم نے، ہمارے باپ نے، مالک نے، کسی نے آج تک مجھ پہ اتنا بھروسہ نہیں کیا کہ وہ سمجھے کہ میں بھی کامیاب ہو سکتا ہوں۔ سوزین نے مجھ پہ بھروسہ کیا ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں اس پروجیکٹ کو لیڈ کروں۔ بہتر ہوتا کہ اس وقت تم سوزی سے اپنے اختلافات بھلا کے میرا ساتھ دیتے۔" وہ چند لمحے امید اور گلے سے ماہر کو دیکھتا رہا۔ پھر جیسے دکھی دل سے سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔

ماہر نے ایک دم ہاتھ سے اس کی کہنی پکڑی۔ بیر بل ٹھٹھک کے رکا۔

"2580"

"کیا؟" بیر بل کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"یہ سوزی کے فون کا پاس کوڈ ہے۔ تمہیں حقیقت اس کے فون میں مل جائے گی۔"

بیر بل نے تیزی سے اپنی کہنی چھڑائی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"تمہیں اس کا پاس کوڈ کیسے معلوم؟"

"وہ ڈائننگ ہال کی آئینے کی دیوار کے سامنے ٹائپ کر رہی تھی۔ میں نے عکس میں دیکھا تھا۔"

بیر بل کے کانوں سے جیسے دھوئیں نکلنے لگے۔

"یہ انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے، ماہر۔"

"اور میں ٹھہرا ایک غیر اخلاقی آدمی۔" وہ اسی اطمینان سے کہہ رہا تھا۔ "اخلاقیات کا پلندہ سینے سے لگا کر اپنے کئی برس ضائع کرنے کے بجائے انسان کو وہ سچ معلوم کر لینا چاہیے جو اس کا حق ہے۔ پاس کوڈ تمہیں بتا دیا ہے۔ آگے تمہاری مرضی۔" اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا اور آگے بڑھ گیا۔

"تم... تم..." بیر بل کی مٹھیاں ضبط سے بھنچ گئیں۔ چہرہ ابھی تک سرخ تھا جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ وہ ایسی بات کیسے کر سکتا تھا۔

ماہر کو اب اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ دور جا چکا تھا۔ لابی سے نکلتے ساتھ ہی اس کی کار سامنے کھڑی تھی۔ valet نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولا۔ وہ کوٹ کا بٹن کھولتے ہوئے اندر بیٹھا۔ ایسے کہ چہرے کے زاویے بگڑے ہوئے تھے۔ ڈرائیور اردل نے بیک ویو مرر میں اس کا چہرہ دیکھا اور چپ چاپ کار سڑک پر ڈال دی۔

ماہر کتنی ہی دیر شیشے سے باہر دیکھتا رہا۔ دانت سے لب کاٹتے ہوئے ایک مٹھی ضبط سے بھینچے ہوئے تھا، ایسے کہ ناخن جلد میں پیوست ہو رہے تھے۔

("یہ انتہائی غیر اخلاقی حرکت ہے۔")

("بدر کا پاسپورٹ ایک ہفتے میں آ جائے گا۔")

("میں نے فیروزی نہیں، پستہ کہا تھا۔")

("بدر کا پاسپورٹ ایک ہفتے میں آ جائے گا۔")

("یہی طے ہوا تھا۔")

("کاٹیج کا سودا فائنل ہو گیا ہے۔ کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گے، ماہر بے؟")

ماہر نے جھرجھری لی۔ بہت سی سوچوں کو ذہن سے جیسے جھٹکا۔ رات سے موڈ عجیب خراب سا تھا اور دل بوجھل۔ پہلے موبائل اسکرین روشن کی۔ مالا کی چیٹ تک انگلی گئی، پھر ٹھہر گیا۔

کیا فائدہ؟ کسی بھی چیز کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ شاید وہ فیصلہ کر چکی تھی۔ کیا اب اسے مزید کچھ کہنا چاہیے؟ لیکن کیا وہ بہت کچھ کہہ نہیں چکا تھا؟ کافی شاپ میں اس نے مالا کو بتایا تھا کہ وہ کبھی اس سے موو آن نہیں کر سکا۔ اس رات پولیس اسٹیشن کے باہر اس نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا وہ ٹھہر نہیں سکتی۔ لیکن وہ پھر بھی واپس جانے کا سوچ رہی تھی۔ پاسپورٹ ملتے ہی وہ اگلی فلائٹ لے لے گی۔ وہ اپنی دنیا میں واپس چلی جائے گی۔ اپنی فیملی کے پاس۔ جیسا کہ طے ہوا تھا۔

لیکن اسے مالا پہ کیوں غصہ تھا؟ اس نے تو کبھی ٹھہرنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ یہ تو اس نے خود سوچ لیا تھا کہ شاید وہ ٹھہر جائے۔ شاید وہ دونوں ایک ساتھ کچھ تعمیر کر سکیں۔ یاسمین نے اسے کہا تھا کہ وہ اس کی حقیقت دیکھے۔ اپنا الوژن نہیں۔ لیکن انسان کا دل اپنی نہیں سنتا، تھیراپسٹ کی کیا سنے گا۔

"یوں کرو، بلت کی طرف چلو۔" ایک ارادہ سا اس کے ذہن میں بن رہا تھا۔

اردل نے تعجب سے مرر میں اسے دیکھا۔

"بلت؟ لیکن اس طرح تو آفس سے دیر ہو جائے گی۔"

"آفس کا مالک میں ہوں یا تم؟"

اردل نے گڑبڑا کر سر اثبات میں ہلایا اور کار کا رخ اس جانب موڑ دیا جہاں آفس کا مالک اسے ہدایت دے رہا تھا۔

فیروزی اور پستہ رنگ کی عمارتیں ساتھ ساتھ اسی طرح کھڑی تھیں جیسے آٹھ روز پہلے وہ انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔ اردل نے کار قریب ہی روک لی تھی اور بنا کسی تبصرے کے ماہر فرید کو باہر جاتے دیکھے گیا تھا۔

وہ لمبا سرمئی کوٹ پہنے گردن اونچی اٹھائے بالائی منزل کو دیکھتے ہوئے قدم قدم چلتا فیروزی عمارت کے دہانے تک آیا ۔گھنٹی بجائی۔لابی کے فلور میں کسی نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا تو وہ اندر داخل ہوا۔

یہ عمارت پستہ عمارت سے خستہ حال تھی۔ زینہ گولائی میں اوپر جاتا تھا اور ہر فلور پر ایک راہداری سی دکھائی دیتی جو کسی اپارٹمنٹ کے دروازے تک جاتی۔ وہ اوپر چڑھتا گیا، یہاں تک کہ آخری اپارٹمنٹ کے سامنے جا رکا۔

یہ اتنی تنگ عمارتیں تھیں کہ ہر فلور پر صرف ایک ہی اپارٹمنٹ تھا۔ اس نے گھنٹی بجائی۔ شاید وہ خراب تھی۔ انگلی کی پشت سے دروازہ ٹھک ٹھک کیا۔ چند لمحے گزرے اور لاک کھلنے کی آواز آئی۔ پھر دروازہ چوکھٹ سے چار انچ جدا ہوا ۔ایسے کہ اندر سے زنجیر ابھی تک چڑھا رکھی تھی۔ اس درز سے ایک عورت نے چہرہ نکال کے جھانکا۔ سیاہ بال کس کے پونی میں باندھے، ابرو اکٹھے کیے وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کون؟"

"میرا نام ماہر فرید..."

"میں پہچان گئی ہوں۔ تم وہی ہو نا؟ اس دن پولیس کے ساتھ آئے تھے۔" ناپسندیدگی سے وہ جیسے پھنکاری تھی۔ ماہر کے ابرو بے اختیار اٹھے۔

"ہم پولیس کو اپنا بیان کئی دفعہ دے چکے ہیں۔ ہم نے کبھی ساتھ والی عمارت میں نہیں جھانکا، نہ ہم جانتے ہیں کہ وہاں کون تھا۔ اب تم کیا لینے آئے ہو؟"

ماہر سادگی سے مسکرایا۔

"میں پولیس کی ہر اسمنٹ سے واقف ہوں۔ میں خود بھی اس کا شکار رہ چکا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ ہم اس بات کو آرام سے چائے کے ایک کپ کے ساتھ کریں گے۔"

عورت کے تنے تاثرات قدرے ڈھیلے پڑے۔ چند لمحے جیسے وہ سوچتی رہی۔ پھر زنجیر کھول دی۔ دروازہ پیچھے کیا اور ابرو سے اس کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"کون ہے؟" پیچھے سے کسی مرد کی آواز آئی۔

ماہر نے جوتے دروازے پر اتارنے چاہے تو وہ بولی۔ "نہیں ٹھیک ہے۔"

وہ ٹھہر گیا۔ پھر جوتوں سمیت چلتا اس کے پیچھے آیا۔ تب تک باتھ روم کا دروازہ کھل چکا تھا اور ایک سفید ٹی شرٹ اور پاجامہ میں ملبوس مرد گردن میں تولیہ لیے باہر نکل رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ٹھٹھکا۔ بے اختیار بیوی کو دیکھا۔ اس نے آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا تو مرد کے تاثرات قدرے نرم ہوئے۔

"وہ بچہ جو ساتھ والی بلڈنگ سے ملا، ان کا کچھ لگتا تھا۔ اسی بارے میں بات کرنے آئے ہیں۔ میں چائے بناتی ہوں۔ بیٹھیں۔" اس نے لونگ روم کے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

یہ اپارٹمنٹ مالا کے بلت کے اپارٹمنٹ سے زیادہ بڑا نہ تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے ایک ہی اوپن کچن اور لاؤنج ہو۔ ساتھ ایک بیڈروم اور ایک ہی باتھ روم۔ آگے چھوٹا سا ٹیرس۔ البتہ مالا کے اپارٹمنٹ کے برعکس یہ اپارٹمنٹ قدرے اندھیر تھا۔ ساری کھڑکیاں بند تھیں۔ بلائنڈز گرے تھے۔ فرنیچر بھورے رنگوں کا تھا اور ہر صوفے پر الگ رنگ کی چادریں تھیں جو قدرے گدلی تھیں۔ ایک صوفے پر لانڈری والے کپڑوں کا ڈھیر تھا جو یقیناً صاف تھے لیکن انہیں تہہ کر کے الماری میں رکھنے کا تکلف نہیں کیا گیا تھا۔

ماہر نے بڑے صوفے کے ایک کونے کو دیکھا جہاں چادر قدرے صاف دکھائی دیتی تھی۔ پھر وہاں بیٹھا۔ البتہ چہرے پر مسکراہٹ برقرار رکھی۔ سفید شرٹ والا مرد اس کے سامنے آ کے بیٹھ گیا۔ اس کے بال سر سے اڑے اڑے تھے

اور سپر ماریو جیسی مونچھیں تھیں جو اس کے ہم وطنوں کے چہرے کی خاص علامت تھیں۔ وہ ابھی تک اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہم پولیس کو اپنا بیان دے چکے ہیں۔ پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"چائے پینے۔" وہ اسی انداز میں مسکرایا۔ آدمی کے تاثرات قدرے بہتر ہوئے۔ سر کو خم دیا۔

"آف کورس۔ میرا مطلب تھا کہ..." وہ جیسے گڑبڑایا۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔ ہمیں اغوا کار نے پستہ رنگ عمارت بتایا تھا۔Fistik اور فیروزی ایک جیسے الفاظ ہیں۔ پولیس کو غلطی ہوئی۔ اور انہوں نے آپ کو خواہ مخواہ تنگ کیا۔" کہنے کے ساتھ اس کی آنکھیں دائیں بائیں اپارٹمنٹ کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کیا تھا اس اپارٹمنٹ میں جو عالیان نے پہلے اس کا ذکر کیا تھا؟ کیا وہ چاہتا تھا کہ ماہر اس اپارٹمنٹ تک آئے؟ کیا وہ اس کے ساتھ کوئی مائنڈ گیم کھیل رہا تھا؟ کیا کوئی راز تھا جو اس اپارٹمنٹ میں دفن تھا؟

"بس آپ دونوں ہی یہاں رہتے ہیں؟" وہ عورت ٹرے لے کر واپس آئی جس میں تین شیشے کی پیالیاں سرخ چائے سے بھری تھیں اور ایک چاندی کی کٹوری میں چینی کی ڈلیاں تھیں، تو ماہر نے اپنی چائے میں ڈلی ڈالتے ہوئے پوچھا۔

وہ دونوں میاں بیوی ساتھ ساتھ ایک صوفے پر بیٹھے تھے۔ اس سوال پہ عورت کے تاثرات چائے بنانے سے پہلے والے ہو چکے تھے۔ بے زار۔ مشکوک۔

"ہمارے بچے نہیں ہیں۔ اس لیے ہم ہی ہیں۔"

ماہر نے سر کو خم دیا جیسے کوئی مہذب الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔ اس سے پہلے ہی وہ بول اٹھی۔

"ہمارے بچے ہو نہیں سکتے۔ ایک ٹیومر تھا میرا۔ hysterectomy ہوئی تھی۔ اب ہم بے اولاد ہی ہیں۔" اس نے چونک کے عورت کا چہرہ دیکھا۔ پھر چہرے پہ بہت سی معذرت ابھری۔ وہ اسی ناگوار لہجے میں بتا رہی تھی۔ جیسے اس تفصیل کو دہراتے ہوئے اسے بہت عادت ہو گئی ہو۔

"آئی ایم سوری۔" وہ قدرے خفیف ہوا۔ پھر چائے کا گھونٹ بھرا۔ وہ بدمزہ تھی۔ البتہ اس وقت وہ ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ پیالی نیچے کی اور غور سے ان دونوں کو دیکھا۔

"کیا کبھی آپ نے پستہ عمارت میں جھانکا؟ یعنی وہاں کوئی نظر آیا؟"

آدمی نے نفی میں سر ہلایا۔

"جیسا کہ ہم نے پولیس کو بتایا، اس عمارت کی کھڑکیاں بھلے اس طرف کھلتی تھیں لیکن ان کے اندر بلائنڈز تھے۔ ہم نے کبھی ٹیرس میں یا کھڑکی کے پار کسی کو نہیں دیکھا۔ اس عمارت میں کون آتا جاتا تھا، کسی کو کبھی دکھائی ہی نہیں دیا ۔نہ کسی نے نوٹ کیا۔ پستہ بلڈنگ والوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو گروسری بیگز لیے اوپر نیچے آتے جاتے دیکھا تھا۔ اس کے سوا کسی نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔"

"کیا کبھی اس اپارٹمنٹ سے کسی بچے کے رونے کی آواز بھی نہیں آئی؟"

آدمی نے کندھے اچکا دیے۔ "ہم نے نہیں سنی۔ ویسے بھی یہ پرانی عمارتیں ہیں۔ ان کی دیواروں کی چوڑائی عام عمارت سے زیادہ ہے۔ ان میں کنکریٹ بھی ہے اور میرا نہیں خیال کہ کسی بچے کے رونے کی آواز دیوار سے پار جاتی ہو گی۔"

ماہر گھونٹ بھر کے پیالی نیچے کر ہی رہا تھا کہ وہ چھلک پڑی۔ گرم چائے کے چند چھینٹے اس کی ٹائی پر آ گرے۔ ایک دم تیزی سے اس نے ٹرے پرے کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دونوں بھی ساتھ ہی کھڑے ہوئے۔ آدمی کے چہرے پہ

بوکھلاہٹ ابھری۔ البتہ عورت کی آنکھیں مزید مشکوک انداز میں سکڑ گئیں۔ ماہر نے ٹائی اور شرٹ پر لگے داغوں کو دیکھا پھر سادگی سے عورت کا چہرہ۔

"سوری۔ کیا میں یہ واش کر سکتا ہوں؟"

"باتھ روم clog ہوا پڑا ہے۔ یہیں کچن سے کر لیں۔" وہ اسی انداز میں اسے گھورتے ہوئے بولی۔ وہ اتنی فلمیں دیکھ چکی تھی کہ اسے معلوم تھا کہ ایک اجنبی کو اپنے گھر کے اندرونی کمروں یا باتھ روم میں گھسانا حماقت تھی۔ وہ سر ہلا کے اوپن کچن تک آیا۔ عورت بھی تیزی سے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ (ابھی تو تمہارا شوہر باتھ روم سے نکلا ہے۔ خیر۔)

اس کی ایک ایک حرکت کو وہ غور سے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے سنک کی ٹونٹی کھولی۔ ٹائی آگے کی۔ دھیان سے اس داغ کو دھویا۔ نل بند کیا تھا کہ آدمی نے چند پیپر ٹاولز اس کی طرف بڑھائے۔

"تھینکس۔" اس نے کھردرے پیپر ٹاول سے شرٹ اور ٹائی کا گیلا حصہ صاف کیا۔ کن انکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا سنک کے ساتھ ایک ٹوکری رکھی تھی۔ اسٹیل کے چمچ کانٹوں سے بھری۔

اس ٹوکری میں ایک سبز رنگ کی جھلک بھی تھی۔ عورت کی تیز عقابی نگاہیں اس پہ جمی تھیں۔ وہ اس طرف نگاہ نہیں موڑ سکا۔ البتہ شکریہ کہہ کے ڈسٹ بن تک آیا۔ پیپر ٹاول مروڑ کے اندر ڈالے اور پھر واپس اس عورت کو دیکھا۔

"سوری میں نے آپ لوگوں کا اتنا وقت لیا۔ میں دوبارہ آپ لوگوں کو زحمت نہیں دوں گا۔ البتہ..." اس نے سرسری سے انداز میں اطراف میں دیکھا۔ "آپ کو چاہیے کہ ایک pet پال لیں۔ کتا یا بلی۔ وہ نیچرل اینٹی ڈپریسنٹ ہوتے ہیں۔"

"تھینک یو۔ لیکن مجھے الرجی ہے۔" عورت اسی لہجے میں پھنکاری۔

ماہر نے معذرت خواہانہ انداز میں سر کو خم دیا اور آگے بڑھ گیا۔ زینے اترتے ہوئے اس کا ذہن واپس اسی جمع تفریق میں لگ گیا تھا۔ کچن میں موجود وہ سبز رنگ کی شے۔ ڈسٹ بن کی جھلک جو اس نے پہلے دیکھی۔ ایک شک سا تھا جو ذہن میں ابھر رہا تھا۔ ایک ایسا شک جس کو وہ کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔

کار میں واپس بیٹھتے ہی اس نے پہلی بات جو اردل سے کہی وہ یہ تھی۔

"گلاطہ ٹاور والے ایریا میں چلو۔" اب کے اردل نے پیچھے مڑ کے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"وہاں تو سیاحوں کا بہت رش ہو گا۔"

"تو؟"

اردل "تمام" کہتے ہوئے گڑبڑا کے واپس مڑا اور کار ریورس کرنے لگا۔ شاید ماہر بے کا آج آفس جانے کا ارادہ نہ تھا اور شبنم کی کالز پہ کالز آ رہی تھیں۔ لیکن وہ اسے ان کے بارے میں مطلع نہیں کر سکتا تھا۔

اردل نے کار گلاطہ ٹاور کے قریب بنی اس کاٹن کینڈی والے کی شاپ سے کافی فاصلے پر روکی کیونکہ آگے پارکنگ کی جگہ نہ تھی۔ ماہر کچھ کہے بنا باہر نکلا اور اردل اپنے باس کو سڑک کی ڈھلان اوپر چڑھتے دیکھے گیا۔ اس نے آج بھی وہی سرمئی کوٹ پہن رکھا تھا جو اس روز کشمالہ کے ساتھ یہاں آتے ہوئے پہنا تھا۔

غالباً اس کا سرمئی کوٹ تھا، یا شاید اس کا چہرہ، یا اس کی شخصیت جو آسانی سے بھلائی نہیں جا سکتی تھی۔ کیونکہ دکان میں موجود چائے بناتی عورت اسے دیکھتے ہی ٹھٹک کے رک گئی۔ ایک ہی نظر میں وہ اسے پہچان گئی تھی۔ ماہر نے کیسے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے نہیں پہچانے گی؟ یہ وہ خود تھا جو اس دن قدرے بٹے ہوئے ذہن کے ساتھ بیٹھا تھا کیونکہ بیر بل کی شادی والا معاملہ کھل رہا تھا۔ باقی تمام لوگ تو اپنی متوجہ حسیات کے ساتھ ہی وہاں موجود تھے۔ اور اگلے لمحے وہی ہوا جس کی اس نے توقع کی تھی۔

شاپ کے شوکیس کے پیچھے کھڑی فربہہ عورت جو بیرام بے کی بیٹی تھی، ایک دم سے کیتلی رکھ کے اس کی جانب آئی۔ ماتھے پر بل تھے اور آنکھوں میں چبھن۔

"کیا چاہیے آپ کو؟" ماہر اس وقت تک شاپ کے دہانے پر پہنچ چکا تھا۔ درمیان میں دو اسٹیپس تھے اور اوپر شاپ۔ وہ اونچائی پر کھڑی تھی اس لیے اس کا قد ماہر سے اونچا لگ رہا تھا۔

"مجھے بیرام بے سے بات کرنی ہے۔" وہ سنجیدہ تھا۔ کوئی تمہید نہیں۔ کوئی تعارف نہیں۔

"وہ یہاں نہیں ہیں۔" الفاظ ابھی اس کے منہ میں ہی تھے کہ پیچھے کسی ڈرٹی کچن سے فربہہ سا بیرام آفندی نکلتا دکھائی دیا۔ عورت نے چہرہ نہیں موڑا۔ آہٹ پہ سمجھ گئی کہ جھوٹ پکڑا گیا ہے۔ بس آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی اور پھر سینے پر بازو لپیٹ کے ماہر کو انہی تند نگاہوں سے دیکھے گئی۔

ماہر نے سر کے خم سے ان کو سلام کیا۔ فربہہ آدمی قدم قدم چلتا اپنی بیٹی کے برابر آن کھڑا ہوا۔ ایک نظر ماہر کو دیکھا اور جیسے فوراً ہی پہچان گیا۔ خوشگوار مسکراہٹ سے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ماہر اس آدمی پر سے نگاہیں ہٹائے بغیر اندر آیا، کرسی کھینچی، ٹانگ پر ٹانگ جما کے بیٹھا۔ اس دوران نظر مسلسل ان پہ جمی تھی جو بار بار اپنی بیٹی کو دیکھتا تھا۔

"میں اس آدمی کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں جس کو آپ نے مالا کے بچے کے ساتھ دیکھا تھا۔" وہ دونوں اب لوہے کی کرسیوں پر اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ کرسی سخت اور غیر آرام دہ تھی اور ان دونوں کے تاثرات اس سے بھی کہیں زیادہ غیر آرام دہ تھے۔

"میں بوڑھا ہو رہا ہوں۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔ اور وہ پرانی بات ہو چکی ہے۔"

کہتے ہوئے بیرام بے نے چہرہ موڑ کے اپنی بیٹی کو دیکھا پھر واپس ماہر کو۔ بیٹی اسی طرح ماہر کو گھورے جا رہی تھی۔

"کم از کم مجھے وہی بات دوبارہ بتا دیجئے جو آپ نے اس روز کشمالہ کو بتائی تھی۔"

آدمی نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ تھوک نگلا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔ شاید میں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ شاید وہ میرے ذہن کی اختراع تھی۔"

"لیکن آپ نے..."

"بابا نے کہا نا، انہوں نے کچھ نہیں دیکھا۔ انہیں کچھ یاد نہیں۔ کیا آپ کے لیے یہ کافی نہیں ہے؟ اب آپ ہمارا پیچھا چھوڑ سکتے ہیں؟"

"محترمہ، میں چاہتا ہوں کہ آپ کے باپ سے بات کروں اور اس دوران آپ خاموش رہیں۔ کیا آپ اتنا کر سکتی ہیں؟"

"میرے بابا نے جو بھی کہا، اٹینشن لینے کے لیے کہا۔ اب وہ اس پہ شرمندہ ہیں۔" (ساتھ ہی باپ کو گھورا جس نے نگاہیں جھکا دیں اور واپس ماہر کو دیکھا۔) "اور وہ حلفیہ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے اس روز کچھ نہیں دیکھا تھا۔"

ماہر غور سے بیرام بے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بار بار نگاہیں جھکاتے، پھر ڈرتے ڈرتے اپنی بیٹی کو دیکھتے، پھر ماہر کو۔ آنکھوں میں بے چارگی تھی۔ بے بسی۔

"آپ نے کہا تھا کہ آخری دفعہ جب آپ نے اس آدمی کو دیکھا، سنہرے بالوں والے دراز قد لڑکے کو، تو اس نے آپ کو دیکھ کر کوئی اشارہ کیا تھا۔ جس سے آپ کو یوں لگا جیسے اس نے آپ پہ کوئی جادو کیا ہے۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ اس نے ایسا کچھ کیا تھا؟" ماہر کی آواز میں بے تابی در آئی۔ "میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ کیا وہ لڑکا کسی کے اوپر آنکھوں ہی آنکھوں میں، چٹکی بجا کے جادو کر سکتا ہے یا نہیں۔"

بیرام بے نے تھوک نگلا۔ بیٹی اب گردن موڑ کے انہیں گھورے جا رہی تھی۔ ڈرتے ڈرتے ماہر کو دیکھا۔ "مجھے کچھ یاد نہیں۔ میں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ میں نے یوں ہی توجہ لینے کے لیے کہانی بنائی تھی۔"

"میں جانتا ہوں آپ نے کہانی نہیں بنائی تھی۔ نہ آپ اس شخص کو بھولے ہیں کیونکہ وہ شخص بھلایا نہیں جا سکتا۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کی بیٹی... (تیز نظر اس عورت پہ ڈالی) اسی آدمی کے کہنے پہ ڈری ہوئی ہے یا کسی لالچ میں ہے۔ لیکن..." ماہر نے جیب سے کارڈ نکالا اور بیرام بے کے ہاتھ میں دینے لگا۔ عورت نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر اسے جھپٹنا چاہا لیکن ماہر نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ "یہ کارڈ میں بیرام بے کو دے رہا ہوں اور ان کے نمبر پہ اپنا نمبر بھی بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ کو کچھ یاد آئے تو آپ نے مجھے اس نمبر پہ کال کرنی ہے۔ اور ہاں..." کارڈ زور سے ان کی مٹھی میں اڑسا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ کوٹ کا کالر درست کیا۔

"میں آپ لوگوں کا پیچھا تب تک نہیں چھوڑوں گا جب تک مجھے مکمل سچ معلوم نہیں ہو جاتا۔"

اب کے عورت نے کارڈ جھپٹنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے جانے کے بعد وہ ایسا ہی کرے گی۔ اور وہ یہی چاہتا تھا۔

بیرام بے اس کو سچ نہیں بتائے گا کیونکہ وہ اپنے حصے کا سچ پہلے ہی بول چکا تھا۔ البتہ وہ عورت شاید کسی مقام پہ اسے سچ بتا دے۔ کیونکہ وہی تھی جس کو یقیناً عالیان نے اپروچ کر کے اتنا ڈرا دھمکا دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کو سچ بولنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ اسے کارڈ دیتا تو وہ نہ رکھتی۔ البتہ باپ کی نگاہوں سے کارڈ اوجھل کرنے کے لیے وہ اسے کہیں چھپا کے رکھے گی۔

وہ واپس کار میں بیٹھا تو اس کا موڈ کافی حد تک خراب تھا۔

("بدر کا پاسپورٹ ایک ہفتے میں آ جائے گا۔")

("میں نے فیروزی نہیں، پستہ کہا تھا۔")

"کہاں چلیں، سر؟" اردل نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"کہاں جائیں گے؟ ظاہر ہے آفس چلنا ہے۔" وہ جواب میں اتنی برہمی سے بولا کہ اردل نے جلدی سے اسٹارٹ انجن کا بٹن دبایا۔ یہ کبھی کبھی ہوتا تھا کہ ماہر فرید اتنے خراب موڈ میں دکھائی دیتا۔ عام طور پہ اس کے سنجیدہ ایٹی ٹیوڈ کو آفس میں کوئی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں لوگ سرگوشیوں میں اسے سائیکو پیتھ ود ڈالرز بھی کہہ دیتے اور ماہر بے کو پرواہ ہی نہ ہوتی۔ لیکن کبھی کبھی اس کے چہرے کی رنگت دیکھ کے سب سہم جاتے۔ ایسے کہ کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوتی۔ اردل جانتا تھا کہ آج وہی دن ہے۔ اسی لیے کار کو سڑک پر ڈالتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے شبنم کو ریڈ الرٹ کا میسج کر دیا۔

"اس طرف رش ہے۔ کیا میں... (اردل نے تھوک نگلا اور بیک ویو مرر میں اسے دیکھا) جہانگیر سے چلا جاؤں؟"

"ڈرائیو کرو، اردل۔ جہاں سے بھی کرو۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے ٹائی ڈھیلی کرتا بے زار ہوا تھا۔

اردل نے جلدی سے سر ہلایا اور اپنے بھرے بھرے ہاتھوں کو سختی سے سٹیئرنگ پر جما لیا کیونکہ اس مقام پہ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔

کار کتنے ہی منٹ رہائشی کالونیوں کے اندر سے بہتر راستہ ڈھونڈتے ہوئے کیف کی عمارت کی طرف بڑھتی گئی۔ جہانگیر ایک خوبصورت علاقہ تھا۔ ریزیڈنشل۔ پرسکون۔ اردل کسی شارٹ کٹ کے چکر میں ایک اسٹریٹ سے گزرا جہاں مختلف رنگوں کے سنگل سٹوری گھر بنے تھے جن کے چھوٹے باغیچوں کے باہر سفید picket fence لگی تھی۔ اسٹریٹ کے دہانے تک آتے ہوئے گوگل میپ نے اردل کو بتانا چاہا کہ وہ غلط رستے سے جا رہا ہے۔ اردل نے کار کی رفتار سست کر دی اور فون پر جھکا میپ کو زوم آؤٹ کر کے درست رستہ دیکھنے لگا۔

ماہر کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ کار کے پہیے سست ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ چڑ کے اردل سے کچھ کہتا، نگاہ وہیں ٹھہر گئی۔

گلی کے دہانے کا گھر اس کے سامنے تھا۔

سفید باڑ تین اطراف میں لگی تھی۔ ایک باغیچہ جس کے کونے میں بوگن ویلیا کا ایک درخت تھا۔ جامنی پھولوں والا درخت جس نے جھک کے باغیچے کے کونے پر سایہ کر رکھا تھا۔ گھر کی عمارت لکڑی کی تھی۔ دیوار گیر سفید کھڑکیاں۔ بہت سے سبز گملے۔

اردل جلدی جلدی میپ میں راستہ درست لگائے فون سیٹ کرنے لگا۔ ڈرتے ڈرتے بیک ویو مرر میں ماہر کو دیکھا۔ جانتا تھا کہ ابھی اسے ڈانٹ پڑے گی۔ لیکن خلاف توقع ماہر فرید کہیں اور گم تھا۔ کہنی کھڑکی پر جمائے، مٹھی لبوں پر رکھے اس کی آنکھیں باہر لگی تھیں۔ اردل نے کار آگے بڑھادی لیکن وہ دیکھ سکتا تھا کہ ماہر گردن ترچھی کیے اس گھر کو پیچھے جاتے دیکھ رہا تھا۔

("بدر کا پاسپورٹ ایک ہفتے میں آجائے گا۔")

("مجھے واپس جانا تھا۔ یہی طے ہوا تھا۔")

کار کیف کی عمارت میں داخل ہوئی تو آج وہ ماہر کو پہلے سے کہیں زیادہ سرمئی لگی۔ جیسے اس کے سارے رنگ ہی فنا ہو چکے ہوں۔ جیسے بلت کی ان پراسرار عمارتوں نے سارے شہر کے رنگ چوس لیے ہوں۔

ریسیپشن کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ رکا۔ کونے میں رکھے گملے میں سجے پودے کو دیکھا۔

"کیا کوئی اس کو پانی نہیں دیتا؟" ریسپشنسٹ جو ڈیسک کے پیچھے اونچے اسٹول پر بیٹھی تھی، گڑبڑا کے کھڑی ہوئی۔ اس سے پہلے کہ ہاں یاناں کرتی، وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ جس وقت وہ مرکزی ہال میں داخل ہوا، وہاں کام کرتے ہر شخص کا سر کچھ زیادہ ہی اپنے کام پہ جھک گیا۔ شبنم بالکل دم سادھے الرٹ سی کھڑی ہو گئی۔ اسے اردل کا پیغام مل چکا تھا اور وہ اسے کیف کے تمام اندرونی واٹس ایپ گروپس میں پھیلا چکی تھی۔ وہ شبنم کو دیکھے بغیر آفس کی طرف بڑھ گیا۔ البتہ اس کے ماتھے کی تیوریاں وہ دیکھ سکتی تھی۔ ٹیبلیٹ اٹھائے بے اختیار اس کے پیچھے چلی آئی۔

"چائے لاؤں، سر؟"

"کیا مجھے روز بتانا پڑے گا کہ مجھے اس ٹائم چائے چاہیے ہوتی ہے؟" وہ کوٹ اتارتے ہوئے اپنی میز کی طرف جا رہا تھا۔

"نہیں، نہیں۔ میں لاتی ہوں۔" وہ الٹے قدموں مڑ گئی۔ جب تک وہ بھاپ اڑاتی کڑک چائے کی پیالی لیے آفس میں داخل ہوئی، ماہر اپنی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ٹائی ڈھیلی کیے، آستین اونچے چڑھائے، وہ ٹشو کو میز کے شیشے سے لگا کے دیکھ رہا تھا۔ شبنم نے پیالی میز پر رکھی تو ماہر نے نگاہیں اٹھائیں۔

"میرے آفس کی صفائی کس کی ذمہ داری ہے، شبنم؟"

شبنم نے ٹشو پیپر کو دیکھا جس پر لگی گرد ایسے ہی نادیدہ تھی جیسے ماہر بے کے خراب موڈ کی وجہ۔ لیکن پھر بھی نگاہیں جھکا دیں۔

"میں ابھی دوبارہ صفائی کروا دیتی ہوں۔"

"یعنی میں کام نہ کروں اور کلینرز اپنا کام دوسری دفعہ کریں؟"

"نہیں نہیں، سر۔ آپ میٹنگ کے لیے جائیں گے تو میں کروا دوں گی۔"

"کون سی میٹنگ؟"

شبنم ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گئی۔ وہ بگڑے بگڑے تاثرات سے پوچھ رہا تھا۔ کیا اس نے آج اپنا کیلنڈر نہیں دیکھا تھا؟

"یہ تمام میٹنگز آج کے لیے لائن اپ ہیں۔" اس نے ٹیبلیٹ کی روشن اسکرین سامنے کی۔ ماہر نے ایک نظر اس کو دیکھا اور سر ہلا دیا۔ اس کا موڈ جتنا خراب ہو، وہ میٹنگز بنا کسی وجہ کے کینسل نہیں کر سکتا تھا۔ ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ جلدی سے وہاں سے پلٹ گئی۔ ماہر نے ٹائی مزید ڈھیلی کی۔ کمپیوٹر اسکرین آن کی۔ پھر جھک کے تیسرا

دراز کھولا۔ سگار باکس کو ایک نظر دیکھا اور دراز واپس اتنی زور سے بند کیا کہ ٹھک کی آواز آئی۔ بے اختیار کنپٹی مسلی اور چائے کا گھونٹ بھرا۔ بدمزہ تھی وہ۔ شدید بدمزہ۔ ماہر نے بے زاری سے اسے پرے کر دیا۔

("بدر کا پاسپورٹ ایک ہفتے میں آجائے گا۔")

("میں نے فیروزی نہیں، پستہ کہا تھا۔")

("مجھے واپس جانا تھا۔ یہی طے ہوا تھا۔")

دستک ہوئی اور دروازہ کھلا تو ماہر نے اکتایا ہوا چہرہ اٹھایا۔ چوکھٹ میں عمار کھڑا دکھائی دے رہا تھا اور اس کے پیچھے بوکھلائی ہوئی سی شبنم جو شاید اسے اندر جانے سے روک رہی تھی۔

"آجاؤ، یار۔" اس نے بے زاری سے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ عمار شبنم کو ناسمجھی سے گھورتا اندر چلا آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ ماہر نے کی بورڈ پرے دھکیلا۔ اب ہو گئے تھے اس کے سارے کام۔ ہونہہ۔ ٹیک لگائی اور اسی ناپسندیدگی سے عمار کو دیکھا۔

"کیا ایمرجنسی تھی؟" بہت ضبط سے پوچھا۔

"نہیں سوری، سر۔ ایمرجنسی نہیں تھی لیکن..." عمار سامنے بیٹھتے ہوئے قدرے خفیف ہوا۔ "ایک بات آپ کے علم میں لانی تھی۔ دراصل..." اس کے تلخ تاثرات دیکھ کے عمار جلدی جلدی بتانے لگا۔ "مالک صاحب نے مجھے ایک کام کہا تھا اور میں آپ کے علم میں لائے بغیر وہ کرنا نہیں چاہتا۔"

"سسپنس مت کرئیٹ کرو۔ جلدی بولو۔ مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔" ماہر نے میز پر رکھا ایک کمفرٹ اسٹون اٹھا کے مٹھی میں دبایا اور انگوٹھا اس پر کھدے الفاظ پر پھیرنے لگا۔

"انہوں نے مجھے زیاد سلطان کی لوکیشن معلوم کرنے کا ٹاسک دیا ہے۔"

"پھر؟"

"وہ زیاد کو کسی بھی صورت میں ڈھونڈنا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ زیاد سے آپ کی جان کو خطرہ ہے۔"

"واٹ ایور۔" انگوٹھا تیزی سے ٹھنڈے اور ملائم اسٹون پر رگڑے جا رہا تھا۔ چہرے پہ مزید ناپسندیدگی پھیل گئی۔

"میرا خیال ہے..." عمار کھنکھارا۔ "میرا خیال ہے مالک صاحب چاہتے ہیں کہ ہم زیاد سلطان کا قصہ ختم کر دیں۔"

ماہر کا انگوٹھا رک گیا۔ ٹھنڈا پتھر مٹھی میں دبا رہ گیا۔ بے اختیار دونوں ابرو اٹھائے۔

"قصہ ختم؟ مطلب؟" عمار نے اثبات میں آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"تم مجھے شکل سے قاتل تو نہیں لگتے، عمار۔" اس نے زور سے پتھر میز پر رکھا۔ شیشے کے پتھر سے ٹکرانے کی بلند آواز آئی۔

"قاتل نہیں ہوں آف کورس، لیکن کسی کو ہائر کرنا ہو گا اس کام کے لیے۔"

ماہر نے بے زاری سے ٹائی کی ناٹ مزید ڈھیلی کی۔ پہلے ہی ذہن میں اتنا شور تھا اور اب جیسے سر میں درد اٹھنے لگا تھا۔

"میری بات کان کھول کے سنو، عمار۔" وہ آگے ہوا اور دونوں مٹھیاں میز پر رکھیں۔ "تم زیاد سلطان کو تلاش کرو، ضرور تلاش کرو۔ لیکن مجھ سے پوچھے بغیر تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ ہم قاتل نہیں ہیں۔"

عمار نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ہچکچایا۔

"مالک صاحب اس کی طرف سے بہت فکر مند ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ زیاد نام کے تھریٹ کو ہمیں نیوٹرلائز کر دینا چاہیے۔"

"جو میں نے کہا وہ تم نے سنا ہے؟ تم کسی کو مجھ سے پوچھے بغیر ہائر نہیں کرو گے۔ جب اس کی لوکیشن معلوم ہو جائے تو مجھے بتا دینا۔ مالک کو میں خود دیکھ لوں گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے، سر۔ ہمیں زیاد سلطان کو نہیں چھیڑنا چاہیے۔ اگر وہ اپنی بیوی اور..." ماہر کے تاثرات دیکھ کے گڑبڑا کے تصحیح کی۔ "اپنی ایکس وائف اور بچے کے لیے اس شہر میں موجود ہے، تو ان کے جاتے ہی وہ ان کے پیچھے چلا جائے گا۔" پھر رک کے پوچھا۔ "کیا مالا واپس چلی گئی؟"

کچھ تھا جو ماہر کے سینے میں زور سے ڈوب کے ابھرا۔ دل تھا یا کوئی امید۔ وہ اندازہ نہ کر سکا۔ البتہ تاثرات مزید کڑوے ہو گئے۔

"ایسے کیسے جا سکتی ہے؟ پاسپورٹ چاہیے اس کو۔ پاسپورٹ آئے گا تو جائے گی نا۔" عمار کے ابرو تشویش سے اکٹھے ہوئے۔

"مالا کا پاسپورٹ بھی گم ہو گیا؟"

ماہر کے جیسے سر سے لگی تو تلووں میں بجھی۔ بہت ضبط سے مٹھی بھینچی۔ (اسٹوپڈ۔)

"اس کا پاسپورٹ کیوں گم ہو گا؟ میں بچے کے پاسپورٹ کی بات کر رہا ہوں۔" ساتھ ہی ہاتھ جھلا کے اشارہ کیا۔ "اگر تمہاری اجازت ہو تو میں کام کر لوں؟"

عمار نے ایک لمحے کے لیے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ ماہر نے پھر سے دروازے کی طرف بازو لمبا کیا تو عمار گڑبڑا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی جی، سر۔ آپ کام کریں۔"

"شکریہ۔" وہ زہر خند سا کہتا اسکرین کو دوبارہ روشن کرنے لگا۔

عمار دروازے تک آیا۔ڈورناب پر ہاتھ رکھا۔ماتھے پہ ابھی تک ناسمجھی اور الجھن بھری لکیریں تھیں۔

پھر ایک دم وہ واپس پلٹا۔اور اس سے پہلے کہ ماہر میز پر رکھا کوئی پتھر اٹھا کے اسے مار دے،وہ جلدی سے بولا۔

"میں سمجھا نہیں۔انہیں بچے کا پاسپورٹ کیوں چاہیے؟"

اور ماہر فرید کا جیسے آج کے دن کا سارا کام حرام ہو گیا تھا۔زور سے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کی۔ٹھپ کی آواز آئی۔

"پاسپورٹ کیوں چاہیے ہوتا ہے،عمار؟"اس کی آواز طیش سے بلند ہوئی۔

"ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرنے کے لیے انسان کو پاسپورٹ چاہیے ہوتا ہے۔تمہاری کامن سینس کہاں ہے؟"ایک لاوا سا تھا جو باہر نکلنے کو بے تاب تھا۔لیکن یہ اس کا آفس تھا۔اسے ضبط کرنا تھا۔

"سر،میں یہی تو پوچھ رہا ہوں کہ بچے کو پاسپورٹ کیوں چاہیے؟جبکہ اس کے پاس ٹریول ڈاکومنٹ ہے۔"

ایک لمحے کے لیے ہر شے خاموش ہو گئی۔اس کا ہاتھ لیپ ٹاپ کی فولڈ ہوئی اسکرین پر جم گیا اور آنکھیں عمار پہ۔

"کون سا ٹریول ڈاکومنٹ؟"شہر کی ساری آوازیں،ماضی کی ساری کہانیاں سب ایک دم خاموش ہو گئیں۔

"نیا پاسپورٹ تو دیر سے ہی ملے گا۔لیکن ایمرجنسی ٹریول کے لیے ڈاکومنٹ تو سفارت خانے نے اس کو بنا کے دے دیا تھا۔"

"کس کو؟"وہ ٹکر ٹکر عمار کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"مالا کو۔میں خود دے کر آیا تھا۔چار دن پہلے۔مالک صاحب نے اپنے کانٹیکٹس استعمال کر کے مجھے ہی یہ کام دیا تھا کہ میں بچے کا ڈاکومنٹ بنوا دوں۔مالا نے شاید ان سے کہا تھا۔"

اس کے سارے اعصاب ایک دم سے تن گئے۔ہر شے وہیں رک گئی۔

"کیا وہ اس پیپر پہ ٹریول کر سکتا ہے؟"

"آف کورس وہ ٹریول کر سکتا ہے۔مالا حانم کو پاسپورٹ کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ ان کو کینیڈا میں بھی ڈیلیور ہو جائے گا۔بلکہ یہاں تو زیادہ دیر لگے گی۔وہ آج بھی واپس جا سکتی ہیں۔"

"وہ آج بھی واپس جا سکتی ہے۔"اس نے غائب دماغی سے سر کو خم دیا۔عمار چند لمحے نا سمجھی سے اسے دیکھے گیا۔ماہر نے ایک دفعہ پھر بازو دروازے کی طرف لمبا کیا تو عمار جلدی سے خدا حافظ کہتا باہر نکل گیا۔

وہ البتہ وہیں بیٹھا رہ گیا۔شل۔سُن۔

وہ آج بھی واپس جا سکتی تھی۔

اس کی روح تک سن ہو گئی تھی۔

چار دن سے اس کے پاس ٹریول ڈاکومنٹ موجود تھا جس پہ وہ اپنے بیٹے کو واپس لے کر جا سکتی تھی۔

لیکن وہ نہیں گئی۔

اس نے چائے کی ٹھنڈی پیالی ہونٹوں سے لگائی۔اب وہ بہت بدمزہ نہیں رہی تھی۔

دوسرے ہاتھ سے لیپ ٹاپ کی اسکرین اونچی کی۔وہ روشن ہوئی تو جیسے بہت کچھ روشن ہو گیا۔

(چار دن سے اس کے پاس ٹریول ڈاکومنٹ تھا لیکن وہ واپس نہیں گئی تھی۔)

وہ میٹنگ کے لیے اٹھ کے کانفرنس روم میں جا رہا تھا جب شبنم کلینر کو لیے آفس کے دروازے تک آئی۔اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

"کل کروالینا۔ ابھی ضرورت نہیں ہے۔" شبنم نے تعجب سے ماہر کو دیکھا۔ اس کے ماتھے کی شکنیں اب زائل ہو چکی تھیں اور ایک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ موجود تھی۔

مغرب کے قریب جب شہر پہ جامنی اندھیرا پھیل رہا تھا اور وہ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ رہا تھا، تو اردل نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ پر سکون تھا۔ روشن۔

"اسی راستے سے چلو جس سے ہم صبح آئے تھے۔"

اب کے اردل نے پوری گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

"جہانگیر سے؟" ذہن میں اس نے جمع تفریق کی۔ "یوں واپسی کا سفر بہت طویل ہو جائے گا، سر۔"

"واپسی کا سفر طویل نہیں ہوتا۔"

جب کار اسی کالونی میں پہنچی تو اردل نے خواہ مخواہ رفتار سست کر دی۔ ساتھ ہی وہ گاہے بگاہے بیک ویو مرر میں ماہر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ پوری توجہ سے اس گھر پہ آنکھیں جمائے ہوئے تھا جس کے جامنی پھول دم توڑتی شام میں بھی دمک رہے تھے۔ صبح اس گھر کو دیکھتے ہوئے اس کی نگاہوں میں وہ نہیں تھا جو اس وقت موجود تھا۔ اردل نے رفتار بڑھا دی۔ اتنے سال سے وہ ماہر فرید کا ڈرائیور تھا۔ جانتا تھا کہ واپسی کے سفر میں جہانگیر سے گزرنا اس گھر کے لیے ضروری تھا۔

کیوں ضروری تھا؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

نہ اسے جاننے کی اجازت تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے اس zen سے سن روم میں آتی سورج کی روشنی دم توڑ چکی تھی اور رات اپنے پر پھیلا چکی تھی۔ شیشے کی دیوار مریضوں کے ہال اور سن روم میں بیٹھے لوگوں کے درمیان حائل تھی۔ اس میں زارینہ فرید کو اپنا عکس اپنے باپ کے عکس میں خلط ملط ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

وہ کین کے کاؤچ پر بیٹھی ٹانگ پر ٹانگ جمائے لونگ بوٹ والا پیر مسلسل جھلا رہی تھی۔ شیشے کی دیوار کے پار عبدالمالک فرید بستر پر تکیوں کے سہارے نیم دراز موبائل استعمال کرتے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ ان کے کان کے قریب کھڑا عمار کچھ کہہ رہا تھا جس کے جواب میں وہ ناخوشی سے غالباً اس کو ڈپٹ رہے تھے۔ ہال کی بتیاں مدھم تھیں، اسی لیے زارا کا عکس شیشے کی دیوار پہ زیادہ گہرا تھا۔

لیدر کوٹ کی جیب میں تھرتھراہٹ ہونے لگی تو زارا کا پیر رک گیا۔ ہاتھ ڈال کے موبائل باہر نکالا۔ بلاکڈ نمبر کالنگ کو دیکھ کے چہرے پر استہزایہ مسکراہٹ بکھری۔

"میرا شکریہ ادا کرنے کے لیے کال کر رہے ہو؟"

اس کے انداز میں عجیب سا نڈر پن تھا۔ بغاوت ہو جیسے۔

جواب میں عالیان دھیرے سے ہنس دیا۔

"کس چیز کا شکریہ؟"

"اگر اس روز میں تمہیں کال کر کے نہ بتاتی کہ میں نے ماہر کو تمہاری اور اپنی ملاقات کی جگہوں کے بارے میں بتا دیا ہے اور وہ یقیناً پولیس لے کر آئے گا، تو تم کیسے اپنا اصل لیپ ٹاپ اور فون چھپا کر پولیس کے لیے تیار ہوتے؟"

"میں پولیس کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہوں۔ البتہ تم نے جو کیا وہ خود کو بچانے کے لیے کیا۔ خیر، پھر بھی تھینک یو، مادام۔" وہ جیسے محظوظ ہو رہا تھا۔

"میں تمہاری ساری بد تمیزی اور بلیک میلنگ بھلا کر دوبارہ تمہارے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

عالیان نے جواب میں ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

"زاراڈیئر...ماہر نے بچہ بازیاب کروالیا اس لڑکی کے لیے۔ وہ اس کو نہیں چھوڑے گا۔ بھول جاؤ اس کو۔"

"نہیں بھولوں گی۔ اب یہ میری ضد ہے۔ مجھے مالا کو اس کی زندگی سے نکالنا ہے۔"

"مجھے اس سب سے دور رکھو۔ میں ماہر سے مزید کوئی معاملہ خراب نہیں کرنا چاہتا۔"

"ڈر گئے ہو تم اس سے؟" زارا کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ڈرا نہیں ہوں۔ امید رکھ رہا ہوں۔ تمہارے مقابلے میں وہ بہتر کلائنٹ ثابت ہو سکتا ہے۔"

جواب میں زارا زور سے ہنسی۔ ہنسنے سے چہرے پہ کہیں بھی کوئی لکیر نہیں پڑتی تھی۔

"ماہر کبھی تمہارا کلائنٹ نہیں بنے گا۔ وہ ایسے دروازوں پہ نہیں جاتا۔"

"تجسس انسان سے کیا کچھ کروا سکتا ہے، زاراڈیئر۔"

زارا کی مسکراہٹ مدھم ہوئی اور اپنے عکس کو دیکھتی آنکھیں سوچنے والے انداز میں چھوٹی ہوئیں۔

"یعنی تم میری مدد نہیں کرو گے؟"

"جو شخص تمہاری مدد کر سکتا ہے، وہ میں نہیں ہوں۔" زارا بے اختیار چونکی۔

"اور کون ہے؟"

"ماہر اور مالا کے ایک ہونے سے کس کو سب سے زیادہ فرق پڑتا ہے؟"

زارینہ چند لمحے نا سمجھی سے ذہن میں جمع تفریق کرتی رہی۔ پھر ایک دم سے چونکی۔

"زیاد سلطان!"

دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔ زارا کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔

"میں زیاد کو کیسے ڈھونڈ سکتی ہوں؟"

"وہ میرا دشمن ہے۔ اس نے میری ماں کو مارا تھا۔ اس کے لیے میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔"

"پھر مجھے اس کے بارے میں بتا کیوں رہے ہو؟"

"کیونکہ مجھے دنیا میں chaos پسند ہے۔ چھوٹی موٹی شرارت۔ آگے تم جانو اور تمہارا کام۔"

ہنس کے اس نے کال کاٹ دی تھی۔ زارا نے لب کاٹتے ہوئے فون نیچے کیا۔

"زیاد سلطان۔" وہ بڑبڑائی۔ لانگ بوٹ والا پیر پھر سے جھلانے لگی۔

وہ اسے کیسے ڈھونڈ سکتی تھی؟

لیکن کیا کوئی شخص تھا جس کو زارا نہیں ڈھونڈ سکتی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو راہداری سے خوشبو آتی محسوس ہوئی۔ شاید فیضی حانم نے تازہ پھول آج ہر گلدان میں سجائے تھے۔ یا شاید اپارٹمنٹ کی ساری بتیاں بہت روشن تھیں۔ یا شاید یہ شہر آج پہلے سے زیادہ خوبصورت ہو گیا تھا۔

اس نے جوتے اتارے، پھر جرابوں سے چلتے ہوئے وہ لونگ روم تک آیا، ایسے کہ کوٹ تہہ کر کے بازو پر ڈال رکھا تھا اور اپنے کمرے کی طرف جانے ہی لگا تھا کہ ٹھٹھک کے رکا۔

لاؤنج کے وسط میں بچھے قالین کے ٹکڑے پر وہ دونوں بیٹھے تھے۔ چوکڑی مارے بیٹھی ہلال۔ اور اس کے سامنے اسی کے انداز میں بیٹھا چھوٹا سا بچہ۔ ماہر وہیں رک کے انہیں دیکھے گیا۔

"مالا کو کہیں جانا تھا کام سے تو وہ بدر کو یہاں چھوڑ کے گئی ہے۔"

فیضی حانم کسی کونے سے نکل کے اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئیں۔ ان کے ہاتھ گیلے تھے اور ان سے ڈیٹرجنٹ کی خوشبو آ رہی تھی جو کچن کاؤنٹر پر رکھے پھولوں کی مہک سے مکس ہو رہی تھی۔ البتہ وہ ان کی طرف متوجہ نہ تھا۔ بس "ہوں" کہہ کے سر ہلایا اور دھیرے سے قالین کی طرف آیا۔ بنا چاپ کے چلتے ہوئے وہ ان دونوں کے قریب آ رکا۔

ہلال سر جھکائے بلا کس اٹھا اٹھا کے بدر کے ہاتھ میں دے رہی تھی۔ اور وہ ننھا بچہ انہیں پکڑ کے ایک عمارت کی صورت میں جوڑ رہا تھا۔ اس کا سر جھکا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ البتہ جیسے ہی ماہر قریب آ کے رکا، اس نے سر اٹھایا اور اتنا اونچا اٹھایا کہ اس کی آنکھیں ماہر کی آنکھوں سے جا ملیں۔ بس ایک لمحے کے لیے۔ اور پھر اس نے سر واپس جھکا دیا۔ وہ البتہ وہیں ٹھہر گیا۔

اس کی آنکھیں مالا کے جیسی تھیں۔ سبز۔ بڑی۔ مہربان۔

ایک موہوم سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری۔

وہ آڑ نہیں تھا۔ رکاوٹ نہیں تھا۔ وہ کوئی ایسی چٹان نہیں تھا کہ جس کے پیچھے مالا کو ماہر فرید نہ دکھائی دیتا۔ اس لمحے اس کے جھکے سر کو دیکھتے، ماہر فرید کو احساس ہوا کہ وہ مالا سے الگ نہیں تھا۔ وہ اس کا حصہ تھا جس کے بغیر وہ ادھوری تھی۔

"کیا کھیل رہے ہو تم لوگ؟"

ہلال نے سر اٹھایا۔ البتہ اس کی آنکھیں سامنے کہیں دیکھ رہی تھیں۔

"بدر کو یہ پسند ہیں۔ بلا کس۔"

اس نے مسکرا کر سر ہلا دیا۔ پھر صوفے کے کنارے پر بیٹھا۔ بھاری کوٹ ساتھ رکھا۔ آگے کو جھک کے بغور ہلال کو دیکھا۔

"کیا تم دوبارہ لائبریری گئیں؟"

ہلال دھیرے سے چونکی۔ پھر گہری سانس لی۔ نفی میں سر ہلایا اور چہرہ واپس بلاکس پہ جھکا دیا۔ وہ ابھی تک غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ ہلال کا چہرہ پڑھنا اس کے لیے بہت مشکل تھا۔

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا، ہلال، کہ وہ لائبریری آتا ہے؟"

ہلال نے دھیرے سے شانے اچکائے۔

"میرا بتانا ضروری نہیں تھا۔ آپ نے اس کو ویسے بھی تلاش کر لینا تھا۔"

ماہر ایک دم چونکا۔ ابرو نا سمجھی سے اکٹھے ہوئے۔

"میں نے بہت مشکل سے اسے تلاش کیا ہے۔"

"آپ اسے تلاش کر لیتے۔ کیونکہ وہ تلاش ہونا چاہتا تھا۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟"

ہلال نے اسی طرح کندھے اچکا دیے۔

"پتا نہیں۔ بس جو آیا میں نے کہہ دیا۔" ماہر نے گہری سانس لے کے سر اثبات میں ہلایا۔ اس چیز کی کوئی وضاحت نہ تھی۔ ہلال کو جو باتیں آتی تھیں وہ کہہ دیتی تھی۔ ان کا مطلب جانے بغیر۔

وہ کوٹ اٹھا کے کھڑا ہونے لگا جب وہ چہرہ جھکائے بولی۔

"آپ غلط نہیں تھے۔ اس نے وہی کہا تھا جو آپ نے سنا تھا۔"

ماہر کے قدم وہیں منجمد ہو گئے۔ گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے۔

"یعنی اس نے فیروزی کہا تھا۔ میں نے غلط نہیں سنا تھا۔"

ہلال نے ایک دفعہ پھر کندھے اچکائے جیسے قدرے بے زار ہو۔

"مجھے نہیں معلوم..." اور واپس بلاکس اٹھانے لگی۔ وہ چند لمحے ان دونوں کے جھکے سروں کو دیکھتا رہا۔ سینے میں عجیب سی کھلبلی ہو رہی تھی۔ بہت دن بعد کسی نے اس کی تصدیق کی تھی۔ وہ غلط نہیں تھا۔ اس نے غلط نہیں سنا تھا۔ ایک پہیلی تھی جو حل نہیں ہو رہی تھی۔

وہ سیڑھیوں کے اوپر چڑھتا جا رہا تھا جب ایک دم رک گیا۔ سیڑھیوں کے دہانے پر بیر بل کھڑا تھا۔ پہلوؤں پر ہاتھ رکھے۔ دبے دبے غصے سے اسے گھورتا ہوا۔ ماہر نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

2586"اس کا پاسورڈ نہیں ہے۔" بیر بل دبا دبا سا غرایا۔ ماہر کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"جانتا ہوں۔ مجھے اس کا پاسورڈ کیسے معلوم ہو سکتا تھا؟"

بیر بل چند لمحے کے لیے صدمے سے کچھ بول نہ سکا۔

"پھر تم نے مجھے غلط پاسورڈ کیوں بتایا؟"

"تاکہ یہ دیکھ سکوں کہ تم اپنی بیوی کا فون کھولنے کی جرأت کرتے ہو یا نہیں۔ اور چونکہ..." وہ دو زینے اوپر آیا اور بیر بل کے کندھے پر تھپ کر کے ہاتھ رکھا۔ جواب میں بیر بل نے بے زاری سے اپنا کندھا چھڑایا۔ (ہونہہ!)

"...چونکہ تم نے اتنی جرأت کر لی ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے۔ تمہارے دل میں اپنی بیوی کے لیے اتنا سا..." ماہر نے انگلی اور انگوٹھے کے درمیان ایک سینٹی میٹر جتنا فاصلہ بنا کے دکھایا۔ "اتنا سا شک موجود ہے۔"

"اُف... میں نے تمہارے کہنے پہ اتنی غیر اخلاقی حرکت کی۔"

"اور میں ٹھہرا غیر اخلاقی آدمی۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ تم آنکھوں پر پٹی باندھ کے بیٹھے رہو، یا حقیقت تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ اور ہاں..." پھر بیر بل کے کندھے کے قریب جھک کے ہلکی سی سرگوشی کی۔

"تمہاری بیوی میک بک استعمال کرتی ہے نا؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"اس کے فون کا پاسورڈ معلوم کرنا مشکل ہو گا، مگر میک بک اس کے فون سے synced ہو گی۔ اور یقینا اس کے فنگر پرنٹ سے کھولی جا سکتی ہو گی۔"

"میں ایسی حرکت کبھی نہیں کروں گا۔" بیر بل تڑپ کے بولا تھا۔ لیکن ماہر "واٹ ایور" کہتے ہوئے آگے بڑھ چکا تھا۔ بیر بل دانت کچکچاتے ہوئے بے بسی سے اسے جاتے دیکھے گیا۔ اس کے سر میں اٹھتا درد اب شدید ہو رہا تھا۔

ماہر کو البتہ پروا نہیں تھی۔ اسے فریش ہو کے، چینج کر کے واپس نیچے پہنچنا تھا۔ کیونکہ وہ کچھ ہی دیر میں اپنے بیٹے کو لینے کے لیے وہاں موجود ہو گی۔

بدر کا ٹریول ڈاکومنٹ چار دن سے اس کے پاس تھا اور وہ نہیں گئی تھی۔

مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا نے بس شاپنگ بیگز اپنے اپارٹمنٹ میں رکھے اور دروازہ بند کر کے تیزی سے ماہر کا دروازہ بجایا۔ بظاہر مطمئن سی لیکن اندر سے نروس ہوتے ہوئے سیکیورٹی گارڈ کو دیکھا جس نے اس کو دیکھ کر سر کو خم دیا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ اندر سب ٹھیک ہے۔ البتہ وہ دروازہ کھلنے تک انگلیاں مروڑتی کھڑی رہی۔ ایک خوف سا تھا جو دل سے جاتا ہی نہیں تھا۔ ابھی دروازہ کھلے گا اور نہ جانے کیا دکھائی دے۔

لیکن دروازہ کھلتے ہی راہداری میں بھاگتا بدر دکھائی دیا جو فیضی حانم سے کچھ لے کر واپس ہلال کی طرف بھاگ رہا تھا۔ مالا کے سینے میں رکی سانس اطمینان سے بحال ہوئی اور وہ مسکرا کے اندر چلی آئی۔ بدر بیچ رستے میں رک گیا۔ اسے دیکھ کے چہرہ کھل اٹھا۔ بھاگ کے آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

وہ وہیں پنجوں کے بل بیٹھی اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس سے سرگوشی میں بات کرنے لگی۔ اس نے کھانا کھایا؟ اس نے اتنی دیر کیا کیا؟ وہ باتیں جن کا وہ کبھی بھی جواب نہیں دیتا تھا۔ بس مسکرا کے اسے سنے گیا۔ ہاتھ مالا کے ہاتھوں میں تھے۔ اس کے سوالوں کا جواب پیچھے قالین پر بیٹھی ہلال مسکرا کے دے رہی تھی جب مالا نے کسی احساس کے تحت گردن پیچھے موڑی۔ حالانکہ ابھی پیچھے سے کوئی اس جانب نہیں آیا تھا۔ سیڑھیاں ویران تھیں۔ لیکن وہ احساس جو ہمیشہ اس کے آنے سے چند لمحے پہلے ہو جاتا تھا، اس وقت بھی اس کو بتا رہا تھا کہ ابھی وہ دکھائی دے گا۔

وہ سیڑھیوں کی طرف دیکھے گئی۔ تب ہی اوپر دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔

اگلے ہی لمحے سیڑھیوں کے اوپر اس کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ وہیں دیکھ رہی تھی۔ سوئیٹ پینٹس اور پورے آستین کی پولو میں ملبوس، گیلے بالوں والا ماہر اسے دیکھ کے مسکرا دیا۔ وہ بھی اسی انداز میں مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ بدر اب اس کے گھٹنوں سے لگا ہوا تھا، یوں کہ مالا کے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر تھے۔

"مجھے دیر ہو گئی۔ امید ہے بدر نے فیضی حانم کے کاموں کو زیادہ ڈسٹرب نہیں کیا ہو گا۔" وہ جیسے شرمندہ تھی۔

فیضی حانم جواب میں خفا ہوتے ہوئے کوئی وضاحت دینے لگیں۔ تب تک ماہر چلتا ہوا ان کے قریب آ پہنچا تھا۔

"بدر کا پاسپورٹ آ گیا؟" مالا اس سوال پہ چونکی۔ بے اختیار اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کا انداز سرسری تھا اور وہ مالا کو نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ بدر کی طرف متوجہ تھا۔ چہرے پر مسکراہٹ برقرار تھی۔

"ابھی تک نہیں آیا۔" وہ تھوک نگل کے جبراً مسکرائی۔ دل نے ایک دھڑکن مِس کی۔ کہیں اسے معلوم تو نہیں ہو گیا کہ بدر کا ٹریول ڈاکومنٹ پہلے سے ہی اس کے پاس موجود تھا؟ وہ کیا سوچے گا کہ وہ یہاں سے کیوں نہیں جا رہی؟

لیکن وہ کیسے جا سکتی تھی؟ اس روز پولیس اسٹیشن کے باہر ماہر نے اپنی بات ادھوری چھوڑی تھی اور اسے مکمل نہیں کیا تھا۔ اور جب تک وہ یہ گفتگو مکمل نہ کر لیتے، وہ کیسے کہیں جا سکتی تھی؟ اسے ماہر کی طرح چیزوں کو ادھورا نہیں چھوڑنا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ آ جائے گا۔" ماہر نے واپس اس کو دیکھا۔ وہ اسی مطمئن انداز میں مسکرا رہا تھا۔ شاید اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ شاید اس کا موڈ ویسے ہی اچھا تھا اور وہ بس اسے تسلی دے رہا تھا۔ یقیناً آفس میں اس کے سارے کام ٹھیک سے ہو گئے ہوں گے۔

مالا بدر کو لیے باہر آئی، تو وہ انہیں سی آف کرنے ساتھ آیا تھا۔ وہ اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول رہی تھی اور وہ ساتھ کھڑا تھا۔ تب اچانک سے وہ بولا۔

"اس روز میں نے تم سے کچھ پوچھا تھا۔"

کوڈ پنچ کرتی ہوئی مالا کی انگلیاں ٹھہر گئیں۔ دل نے پھر سے ایک دھڑکن مس کی۔ بے اختیار چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر دونوں دروازوں پہ کھڑے پہرے داروں کو۔

اُف۔ وہ بیچ راہداری کے ان کی موجودگی میں ایسا سوال کیسے پوچھ سکتا تھا؟

"کیا بات؟"

"فیلڈ ٹرپ کے بارے میں۔"

مالا کو چند لمحے کے لیے سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پھر جیسے یاد آیا۔

"ہاں، سوری مجھے بھول گیا تھا۔ تم نے کہیں جانا تھا؟"

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ دروازہ کھول چکی تھی اور بدر تیزی سے اندر جانے لگا تھا جب سکیورٹی گارڈ نے بے اختیار دروازے میں ہاتھ دے کر انہیں روکا۔ مالا نے بدر کو نرمی سے کہنی سے تھاما۔ اس نے سر اٹھا کے ماں کو دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اسی اثنا میں گارڈ اندر چلا گیا۔ اس نے پہلے اپارٹمنٹ کو چیک کرنا تھا۔

"میں نے بتایا تھا نا، میں نے اغوہ جانا ہے ایک آرٹ پیس خریدنے کے لیے۔ مگر وہ عورت مجھے اتنی آسانی سے وہ آرٹ پیس دے گی نہیں۔ میں چاہ رہا تھا کہ تم میرے ساتھ چلو۔ شاید تم اس کو کنونس کر سکو۔"

گارڈ واپس باہر آیا اور اثبات میں سر ہلایا۔ "آل کلیئر۔"

مالا نے بدر کو اندر جانے دیا۔ وہ دونوں چند قدم چل کر اندر راہداری تک آئے۔ یہاں تک کہ لاؤنج کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

"کب جانا ہے؟"

"پرسوں صبح۔"

مالا نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔ "اوکے۔ میں آجاؤں گی لیکن..." ایک بے بسی بھری نظر بدر پہ ڈالی۔

"وہ ٹھیک رہے گا۔ میرے اپارٹمنٹ میں کیمرا زہیں۔ تم مسلسل اس کو دیکھتی رہو گی۔ پولیس باہر موجود ہے اور گارڈز ہر وقت اندر رہوں گے۔ ویسے بھی عالیان دوبارہ یہ حرکت نہیں کرے گا۔"

مالا پھیکا سا مسکرادی۔ اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔" اس شخص کے اس پہ اتنے احسان تھے کہ اگر اس کے لیے اسے کسی کو راضی کرنا تھا، ایک آرٹ پیس دینے کے لیے، تو اسے ایسا کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ماہر اس کو شب بخیر کہہ کے پلٹ رہا تھا جب چونک کے رکا۔ آنکھیں بے اختیار چھوٹی ہو گئیں۔ مالا نے محسوس کیا وہ اس کے کندھے کے پیچھے کچھ دیکھ رہا تھا۔

مالا نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔

ماہر کی نظریں کچن کاؤنٹر پہ جمی تھیں جہاں دوپہر کے چند برتن رکھے تھے جن کو وہ جلدی میں دھو نہیں سکی تھی۔ کیا وہ اس کے سلیقے اور صفائی کو جج کر رہا تھا؟

وہ خفیف سی ہو کے کچن کی طرف آئی۔ مگر ماہر ابھی تک وہیں دیکھ رہا تھا۔

"یہ زرد رنگ کا چمچ..."

"یہ؟" وہ حیران ہوئی۔ پھر آگے آئی اور پیالے میں سے ایک نرم silicone کا چمچ اٹھا کے دکھایا۔ "یہ بدر کا چمچ ہے۔ وہ اس سے دہی وغیرہ کھاتا ہے۔ کیوں، کیا ہوا؟"

ماہر کے تاثرات ایسے تھے جیسے چونک گیا ہو۔

"اس فیروزی عمارت میں بھی ایسا ہی ایک چمچ تھا۔ سبز رنگ کا۔ جب کہ اس عمارت میں کوئی بچہ نہیں تھا۔"

"ماہر!" مالا نے گہری سانس لے کے چمچ واپس رکھا۔

"بدر واپس پہنچ چکا ہے۔ اور تم خود کہتے ہو کہ وہ دوبارہ اس کو اغوا کرنے والی حرکت نہیں کریں گے۔ اس لیے تمہیں اب اس معاملے کو چھوڑ دینا چاہیے۔ عالیان نے فیروزی عمارت کہی تھی یا پستہ، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

ماہر بدقت مسکرایا اور سر ہلا دیا۔ اس کو شب بخیر کہہ کے وہ باہر نکلا اور راہداری سے اندر جانے کے بجائے لفٹ کی طرف آ گیا۔ اس کی انگلیاں تیزی سے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھیں۔

"چنگیز، تمہیں اس فیروزی عمارت والے اپارٹمنٹ کو چیک کرنا ہو گا۔"

"یہ شریف انسانوں کے آرام کا وقت ہوتا ہے، ماہر بے۔"

چنگیز کی بے زار سی آواز سنائی دی۔ لیکن اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"میں آج اس گھر گیا تھا۔ وہاں ایک silicone کا سبز چمچ تھا جو عموماً بچے استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ اس گھر میں کوئی بچہ نہیں تھا۔"

"تمہیں تمہارا مطلوبہ بچہ مل چکا ہے، یار۔ اور وہ اغوا کار جادوگر تم سے اتنا خوفزدہ ہے کہ دوبارہ یہ حرکت نہیں کرے گا۔ پھر اب اس معاملے کے پیچھے پڑنے کا فائدہ؟"

"ایک دفعہ اس گھر کو چیک کرو۔ کچھ ہے وہاں پہ۔ عالیان نے جان بوجھ کے پہلے اس کا نام لیا تھا۔ شاید ان میاں بیوی کا عالیان سے کوئی تعلق ہے۔ اس نے بچہ پہلے انہی کے پاس رکھوایا ہو گا۔ ایک دفعہ چیک کرو۔"

جواب میں چنگیز ناگواری سے کچھ کہہ رہا تھا لیکن ماہر کال کاٹ چکا تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا سوچتا رہا۔ پھر موبائل اسکرین روشن کی اور فون بک کھولی۔ وہ نمبر اس نے کارڈ سے اپنے فون میں اسی روز منتقل کر لیا تھا۔

وہ نمبر جس پہ وہ ابھی تک کال نہیں کر سکا تھا۔

لیکن اب اسے کرنی چاہیے تھی۔ اب وقت آ گیا تھا۔

"وائی وائی، ماہر بے۔ جانتا تھا آپ کال ضرور کریں گے۔"

عالیان سادان نے دوسری ہی گھنٹی پہ فون اٹھالیا۔ اس کی آواز میں چہک سی تھی۔

"میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ کب اور کہاں؟"

"میں جانتا ہوں۔ انتظام کر رکھا ہے۔ اسی لائبریری میں جہاں سے آپ نے مجھے گرفتار کروایا تھا۔ کل شام سات بجے۔ مگر اکیلے آیئے گا۔" وہ جیسے تیار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلا دن ڈھل گیا اور رات اتر آئی۔ چونکہ کل ایک ورکنگ ڈے ہونا تھا اس لیے اس اپارٹمنٹ بلڈنگ کی گہما گہمی بڑھتی رات کے ساتھ ماند پڑ رہی تھی۔ جیسے تمام کام کرنے والے افراد اپنے اپنے کمروں میں جا چکے ہوں۔ بچوں کو زبردستی سلایا جا چکا ہو۔ کچن صاف کر کے بتیاں گل کر دی گئی ہوں۔

ایسے میں فرید لار کے سیاہ سفید لونگ روم کی مدھم بتیاں جلی تھیں اور لمبے صوفے پر کمبل ٹانگوں پر ڈالے بیر بل فرید سیدھا لیٹا تھا۔ بازوؤں کا تکیہ سر کے نیچے بنائے وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔ میز پر رکھا موبائل بار بار سوشل نوٹیفکیشنز کے باعث زوں زوں کرتا۔ وہ بے زاری سے ایک نظر ڈالتا اور واپس چھت کو دیکھنے لگتا۔ سوزین کا بھی کل ورک ڈے تھا اور وہ بھی سونے جا چکی تھی۔ گھر خاموش تھا۔

ایسے میں دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو بیر بل چونکا۔ گردن اونچی کر کے دیکھا۔ ایک خوف سا لاحق ہوا۔ سوزی ابھی تیزی سے دھپ دھپ کرتی باہر آئے گی اور اس کے سر پہ کھڑے ہو کر کسی چیز کی شکایت کرنے لگے گی، مگر وہ سوزی نہیں تھی۔ وہ ماہر تھا جو اپنے کمرے سے باہر آ رہا تھا۔

"تم سوئے نہیں؟" ماہر زینے اتر تا نیچے آیا۔ اسے دیکھ کے ٹھٹھک کے رکا۔

بیر بل نے آنکھیں چھوٹی کر کے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ وہ لمبا بھورا کوٹ پہنے، گردن کے گرد مفلر لپیٹے جیسے تیار تھا۔

"تم اس وقت کہاں جا رہے ہو؟" بیر بل نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ وہ وقت نہیں تاریخ دیکھ رہا تھا۔ کیا کل واقعی ورکنگ ڈے تھا؟

" ایک کام ہے جو دن کی روشنی میں نہیں ہو سکتا تھا۔ سو جاؤ۔" ایک گہری نظر اس پہ ڈالتا ماہر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ بیر بل واپس اسی پوزیشن میں لیٹ گیا۔ قدموں کی چاپ دور چلی گئی اور پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

فرید لار میں اب پھر سے سناٹا تھا۔

ایسے میں بیر بل فرید بنا چاپ کے اٹھا اور اسی خاموشی سے اپنے کمرے کے اندر آیا۔

سوزی بیڈ پر لیٹی آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے تھی۔ وہ سوتے وقت ہونٹوں پر ٹیپ لگاتی تھی۔ بیر بل اس کے سرہانے کھڑا چند لمحے اسے دیکھے گیا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھی نیند کی گولیوں کی ڈبی بھی دیکھی۔ اس شہر میں سوزین جیسی عورتیں اور مرد، جن کا لائف اسٹائل ہائی فنکشنگ تھا، نیند لانے اور اینگزائٹی بھگانے کی گولیوں کو معمول میں لیتے تھے۔ پانی کا گلاس آدھا خالی تھا۔ یعنی اس نے نیند کی گولی لے رکھی تھی اور اب وہ سکون سے سوئے گی۔ صبح اس نے بھی کام پہ جانا تھا۔

کیا وہ واقعی لاء فرم بنا رہی تھی، یا وہ پیسے کہیں اور جا رہے تھے؟

بیر بل کاؤچ پر بیٹھ گیا۔ دونوں مٹھیاں لبوں پہ جمائے وہ خاموشی سے سوتی ہوئی سوزی کو دیکھے گیا۔

پھر ایک نظر الماری کو دیکھا جس میں وہ لیپ ٹاپ بیگ رکھتی تھی۔ واپس سوزی کو دیکھا۔ اس کا دایاں ہاتھ بے پرواہی سے آنکھوں پر رکھا تھا، ایسے کہ انگوٹھے کی لکیروں کا پرنٹ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

بیر بل بے چینی سے ناخن دانتوں سے کترنے لگا۔ دل ایک دم زور سے دھڑکنے لگا۔ ایک نظر الماری کو دیکھا۔ دوسری نظر سوزی کے ڈھیلے پڑے انگوٹھے پہ ڈالی۔

ماؤتھ ٹیپنگ کے باوجود سوزی کے سانس کی آواز ہلکے ہلکے خراٹوں کی صورت میں ابھر رہی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھی۔

بیر بل فرید نے بہت سا تھوک نگلا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں معمولی سی لرزش تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لائبریری اس وقت بند ہو چکی تھی جب ماہر وہاں پہنچا۔ اس کو پہلے سے اندازہ تھا کہ اس وقت لائبریری کھلی نہیں ہو گی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ عالیان کے پاس کوئی پلان بی ہو گا۔ اس کا شک درست نکلا کیونکہ جیسے ہی وہ داخلی دروازے تک آیا، ایک ستون کے پیچھے سے کوئی نکل کے اس کے سامنے آیا۔ وہ چونک کے اس جانب گھوما۔

وہ ایک کم عمر لڑکا تھا جس نے ایک ہاتھ میں نیلی آنکھ والے چند سووینئیرز پکڑ رکھے تھے جنہیں شاید وہ بیچ رہا تھا۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایک پرچی تھی۔ خاموشی سے ماہر کو دیکھتے ہوئے پرچی اس کی ہتھیلی میں ٹھونسی اور آگے بڑھ گیا۔

ماہر نے مڑی تڑی پرچی کھولی۔ اس کے اوپر ایک پتہ درج تھا۔ وہ تلخی سے مسکرایا۔ سانس دھوئیں کی صورت خارج ہوا۔

وہ لائبریری سے چند بلاکس دور بوسفورس کے پانی کے قریب ایک فش ریستوران کا پتہ تھا۔ اسے گاڑی میں بیٹھنے کی ضرورت نہ تھی۔ بس چند منٹ کی واک سے ہی وہ یہاں پہنچ گیا تھا۔

عالیان اسے دور سے ہی دکھائی دے دیا۔ ساحل پہ لکڑی کی میزیں اور بنچ رکھے تھے۔ اس سے ملتی جلتی جگہ پر ایک دفعہ اس نے اور مالا نے سرخ عمارت سے واپسی پہ کھانا کھایا تھا، جو ایک مشیلین اسٹار ریسٹورنٹ سے کہیں بہتر تھا۔ آج کے کھانے کے بارے میں وہ ایسا کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

ایسے ایک بنچ پہ عالیان بیٹھا تھا۔ اوور سائز وول کوٹ پہنے، سنہرے بالوں کو beanie سے ڈھانکے، وہ فرنچ فرائز کھا رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔ منہ بھرا ہوا تھا۔ ماہر فرید بنا مسکرائے ریت پر بوٹس کے ساتھ چلتا لکڑی کے بنچ تک آیا۔ ایک تنقیدی نگاہ عالیان کے سامنے رکھی ٹرے پہ ڈالی جس میں بھنی ہوئی مچھلی کے ساتھ بہت سے فنگر چپس رکھے تھے۔ واپس عالیان کا چہرہ دیکھا۔

"چیٹ ڈے۔" عالیان نے مسکرا کے ایک آنکھ دبائی پھر ٹشو سے ہاتھ پر لگی چکنائی صاف کی اور مصافحے کے لیے بڑھایا۔ ماہر سیدھا کھڑا رہا۔

"میں جادوگروں سے ہاتھ نہیں ملاتا۔"

"لیکن میں گردہ چوری کرنے والوں سے ہاتھ ملا سکتا ہوں۔ بیٹھیے، ماہر بے۔"

اپنا ہاتھ واپس کھینچ کے سامنے اشارہ کیا۔ ماہر فرید ایک پر تپش مگر خاموش نگاہ اس پہ ڈال کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کچھ پوچھنے آیا ہوں تم سے۔"

وہ دونوں اب آمنے سامنے لکڑی کے بینچ پر بیٹھے تھے اور درمیان میں ایک میز تھی۔ اوپر پورا چاند چمک رہا تھا جس نے لہروں کو بے چین کر رکھا تھا اور وہ بار بار پتھروں کے کناروں سے سر پٹختی پیچھے ہٹ جاتی تھیں۔ بھنی مچھلی اور نمکین پانی کی خوشبو جیسے اس کے ناک میں گھس رہی تھی۔

ماہر نے اسی سنجیدگی سے عالیان کو دیکھے گیا، جو چہرہ جھکائے مچھلی کا آخری ٹکڑا کھا رہا تھا۔

"تمہیں ہلال سے کیا چاہیے؟"

لقمہ چباتے ہوئے عالیان نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ آنکھوں میں تعجب ابھرا۔

"آپ ہلال کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں؟"

"میں بہت سی باتیں کرنے آیا ہوں۔ اور ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ تم ہلال سے دور رہو گے۔"

"ماہر بے..." اس نے مسکرا کے ٹشو سے ہونٹ تھپتھپائے اور قدرے پیچھے ہو کے بیٹھا۔ اب کے جیسے فرصت سے ماہر کا چہرہ دیکھا۔

"آپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟"

".Part magician, part scammer"

جواب میں عالیان بے اختیار ہنس دیا۔ اس کی ہنسی کبیرہ بیگم جیسی تھی۔

"میں ایک انٹر پیرونئیر ہوں، ماہر بے۔ آپ کی طرح۔ جو کرتا ہوں پیسے کے لیے کرتا ہوں۔ میرے جیسے لوگ اگر اس دنیا میں نہ ہوں تو آپ جیسے لوگ کیا کریں گے؟ آپ کی زندگیاں تو بہت آسان ہو جائیں گی۔ یہ جو تسبیح آپ ہاتھ میں لے کر گھومتے ہیں..." اس نے ابرو سے ماہر کے اس ہاتھ کی جانب اشارہ کیا جو کوٹ کی جیب میں تھا۔ "آپ کو اس کی اہمیت ہماری وجہ سے معلوم ہوئی ہے۔ ہمارا آپ کے اوپر احسان ہے۔"

"یعنی تمہارے تمام اعمال کی جسٹی فیکیشن تمہارے پاس موجود ہے۔ ویری انٹرسٹنگ۔"

عالیان نے مسکرا کے ماہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ڈائیٹ سوڈا کا کین ہونٹوں سے لگایا۔ وہ دونوں ایک لمحے کے لیے بھی اب ایک دوسرے سے نگاہ نہیں ہٹا رہے تھے۔

"میں اور آپ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ میری طرح آپ بھی اپنی غلطی نہیں مانتے۔ اور آپ کا تجسس آپ کو آج ایک جادوگر کی چوکھٹ پر لے ہی آیا ہے۔"

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ صرف لہروں کا شور تھا۔ اور دور کسی فیری کی آواز۔

"تم نے پہلے فیروزی عمارت کیوں کہا تھا؟"

"اللہ اللہ، ماہر بے۔" عالیان نے جیسے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ "آپ کی انا اتنی بلند کیوں ہے کہ آپ اپنی سماعت کی غلطی نہیں تسلیم کر سکتے؟ جس چیز کے پیچھے آپ اتنے دن سے پڑے ہیں، وہ کچھ نہیں ہے سوائے ایک غلط فہمی کے۔"

"میں جانتا ہوں میں نے کیا سنا تھا۔"

"میں نے fistik کہا تھا، آپ فیروزی سمجھے۔ قصور آپ کا ہے۔ لیکن آپ کی ego آپ کو یہ تسلیم نہیں کرنے دے رہی۔ ورنہ آپ جانتے ہیں نا، Occam's razor... درست جواب وہی ہوتا ہے جو سب سے سادہ ہو۔"

"اور سب سے سادہ جواب یہ ہے کہ مجھے سننے میں غلطی ہوئی۔ رائٹ؟"

عالیان نے مسکرا کے اثبات میں سر کو خم دیا۔

"میں آپ کو غلط عمارت کیوں بتاؤں گا، جب کہ میرا گردہ داؤ پہ لگا ہوا تھا؟"

"یہی پوچھنے آیا ہوں، کہ جب تمہاری سب سے قیمتی چیز داؤ پہ لگی تھی، تو تم نے مجھے غلط بات بتانے کا رسک کیوں لیا؟"

"میں نے غلط نہیں بتایا۔ آپ نے غلط سنا تھا۔ سمپل۔" اس نے سوڈا کا کین ہونٹوں سے لگایا۔ سڑ سڑ کر کے دو گھونٹ بھرے، پھر کین نیچے کیا۔ چند قطرے ہونٹوں پر لگے جنہیں ہتھیلی کی پشت سے پونچھ لیا۔ اس دوران ایک لمحے کے لیے بھی اس نے ماہر کی آنکھوں سے آنکھیں نہیں ہٹائی تھیں۔

"تم نے بدر کو کیوں اغوا کیا تھا؟" وہ آنکھوں میں شک اور تفتیش لیے اس نوجوان جادوگر کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ مجھ سے ایسے سوال پوچھنے آئے ہیں جن کے جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں؟"

"یعنی تم نے بدر کو صرف زیاد کے بغض میں اغوا کیا تھا؟"

"بغض نہیں، دشمنی کہیے۔" عالیان کا چہرہ ایک دم جیسے سخت ہو گیا۔ ٹھک سے کین رکھا۔

"زیاد سلطان نے میری ماں کو مارا تھا۔ وہ عورت جس نے مجھے نہیں چھوڑا جب ساری دنیا نے عالیان پہ give up کر دیا ۔"

"تمہاری اصل ماں نے تمہارے اوپر کبھی بھی give up نہیں کیا تھا۔"

جواب میں عالیان نے منہ میں کچھ بڑبڑا کے سر جھٹک دیا۔

"بدر کو اغوا کر کے تمہیں کیا ملا؟ زیاد کا کیا بگڑا؟"

"کہا نا، مجھے دنیا میں تھوڑا سا chaos، تھوڑی سی شرارت پسند ہے۔ میں صرف زیاد کو پریشان کرنا چاہتا تھا۔ بچے کو نقصان پہنچانا میرا مقصد نہیں تھا۔"

"اور مالا کی تکلیف؟"

عالیان کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

"اس تکلیف کا احساس کرنے کے لیے بہت سے لوگ پہلے ہی موجود ہیں۔"

ماہر فرید نے گہری سانس لی۔ سمندر کی نمی اور بھنی مچھلی کی خوشبو اندر اترتی گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ جیبوں سے نکال کے میز پر رکھے اور عالیان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کے بولا۔

"اگر تم نے دوبارہ اس بچے کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو اس دفعہ میں تمہاری جان بھی لے لوں گا۔"

"لیکن آپ تو کہتے ہیں کہ آپ قاتل نہیں ہیں۔"

ماہر ایک دم چونکا۔ عالیان انہی چمکتی مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماہر کے دل میں کچھ ڈوب کے ابھرا۔ کیا اس کے جاسوس سب کچھ سن رہے تھے؟

"اب آپ مجھ سے وہ سوال پوچھیں جو کئی برس سے آپ کو بے چین کیے ہوئے ہے۔ میں یہاں آپ کو جواب دینے کے لیے ہی بیٹھا ہوں۔"

میز پر جمی ماہر کی مٹھیاں ایک دوسرے میں پیوست ہوئیں۔

اس نے بالآخر الفاظ جوڑے۔

"نگینہ بیگم بچے کیوں اغوا کرتی تھیں؟"

جواب میں نوجوان جادوگر دھیرے سے ہنس دیا۔

"اس ایک سوال کے لیے آپ کو اتنا لمبا انتظار کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ آپ مجھے ٹیکسٹ میسیج بھی کر دیتے تو میں آپ کو بتا دیتا۔ کیونکہ ہماری دنیا میں یہ کوئی سیکریٹ نہیں ہے۔"

اس نے محظوظ انداز میں کہنا شروع کیا۔

ماہر فرید کے جسم کا ہر عضو کان بن گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیڈ روم میں مدھم ٹیبل لیمپ روشن تھا۔ سوزین اسی طرح بے سدھ سوئی ہوئی تھی۔ بیر بل فرید فیصلہ کر کے دبے قدموں اٹھا۔ الماری کھولی۔ لیدر بیگ نکالا۔ پنجوں کے بل کارپٹ پر بیٹھا۔ بنا آواز کے آہستہ سے زپ کھولی۔ اس کی ہتھیلیوں پر پسینہ در آیا تھا۔

اندر گلابی میک بک رکھی تھی۔ اس نے احتیاط سے پیچھے دیکھا۔ وہ اسی طرح سو رہی تھی اور مدھم خرخر کی آواز گونج رہی تھی۔ بیر بل نے لیپ ٹاپ نکال کے اس کی تہہ کھولی تو ہلکا سا میوزک بجا۔ سسٹم آن ہوا تھا۔ اس نے گھبرا کے سوزین کو دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے سانس رک گیا۔ لیکن وہ ہنوز گہری نیند میں تھی۔

اس کو چند لمحے لگے اپنا تنفس بحال کرنے میں۔ پھر توجہ روشن اسکرین کی طرف کی۔

وہاں ایک چوکٹھا بنا تھا جس پہ سوزین فرید لکھا تھا۔ دل نے ایک دھڑکن مس کی۔ جس عورت کو اس نے اپنا نام دیا تھا، کیا وہ اس کی پرائیویسی میں یوں مخل ہو گا؟ بہت سا غصہ اسے خود پہ آیا۔ اور اس سے زیادہ ماہر فرید پہ جس نے یہ کیڑا اس کے دماغ میں گھسایا تھا۔

چند لمحے کے لیے وہ سوچتا رہا۔ اسے یہ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ایسا انسان نہیں تھا۔ وہ ایسی غیر اخلاقی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ سر جھٹکا۔ خود کو ملامت کی اور اسکرین بند کر دی۔

لیپ ٹاپ واپس رکھنے ہی لگا تھا کہ زوں کی آواز آئی۔ چونک کے اٹھا۔ لیپ ٹاپ ہاتھ میں لیے سوزی کے سرہانے آیا۔

اس کے موبائل کی اسکرین لمحے بھر کے لیے روشن ہوئی تھی۔ جیسے نوٹیفکیشن آیا ہو۔ (اسکرین پہ سبز رنگ میں "ایک نیا واٹس ایپ میسج" لکھا آ رہا تھا۔) بیر بل کی آنکھیں بے اختیار چھوٹی ہوئیں۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ اتنا تو وہ جانتا تھا کہ اس کی لاکڈ اسکرین پہ بھی میسجز کا پری ویو آیا کرتا تھا۔ سو اگر صرف One New Notification لکھا آ رہا تھا تو اس کا ایک ہی مطلب تھا۔

یہ کسی لاکڈ چیٹ کا نوٹیفکیشن تھا۔

یعنی سوزین اپنے واٹس ایپ میں کچھ چیٹس لاک بھی رکھتی تھی۔

اس نے بے اختیار پہلو میں دبائی میک بک کو دیکھا۔ پھر سوتی ہوئی سوزین کو۔

اگلے ہی لمحے بیر بل نے اسکرین واپس کھولی۔ ایک دفعہ پھر میوزک بجا۔ لیکن اس دفعہ اس کے دل کی دھڑکن مس نہیں ہوئی۔ وہ آہستہ سے میک بک کے کی بورڈ کے ٹچ بٹن کو سوزی کے بے سدھ انگوٹھے تک لے کر آیا۔ نرمی سے اسے چھوا۔ ہلکے سے میوزک کے ساتھ قفل کھل گیا۔ وہ بے اختیار پیچھے ہوا۔ ایک لمحے کے لیے سانس رک گیا۔ مگر سوزین اسی طرح بے خبر سوتی رہی۔

بیر بل تیزی سے لیپ ٹاپ لیے کمرے سے باہر نکل گیا۔ اسے کوئی پر سکون گوشہ تلاش کر کے اس لیپ ٹاپ پہ وہ سب دیکھنا تھا جو اس سے خفیہ رکھا گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آسمان پہ چاندی کے تھال جیسا چاند چمک رہا تھا اور اس کی روشنی ساحل کی ریت کے ذروں کو منور کیے ہوئے تھی۔ ایسے میں وہ دو انسان آمنے سامنے لکڑی کے بنچ زپر بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"ہماری دنیا میں یہ کوئی سیکریٹ نہیں ہے۔" عالیان کی چمکتی آنکھوں میں محظوظ ہونے کا تاثر تھا۔

"کیا گارنٹی ہے کہ جو تم مجھے بتاؤ گے وہ سچ ہو گا۔"

"میں بنا ضرورت کے جھوٹ نہیں بولتا۔ اور آپ سے جھوٹ بولنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو تو انسانوں کی پہچان ہے، ماہر ہے۔ کیا آپ میرے چہرے پہ سچ اور جھوٹ کو پہچان نہیں جائیں گے؟"

ماہر کچھ کہے بنا آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھے گیا۔

عالیان نے گہری سانس لی اور کہنا شروع کیا۔ وہ بولتا گیا اور ماہر سنتا گیا۔ اس کے کہے ہر لفظ کے ساتھ ماہر کی آنکھوں میں بہت سے تاثرات ابھرے۔ تعجب۔ بے یقینی۔ الجھن۔ ناپسندیدگی۔

اور آخر میں صرف افسوس۔

"کیا نگینہ سلطان نے اپنی ساری زندگی اسی ایک شے کی تلاش میں ضائع کر دی؟"

عالیان نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"جس کو آپ ضائع کرنا کہتے ہیں، ان کے نزدیک وہ ان کی زندگی کی سب سے بڑی جستجو تھی۔ اور بہت سے جادوگر آج بھی اسی جستجو میں مبتلا ہیں۔"

"اور تم؟ کیا یہ تمہاری بھی جستجو ہے؟ کیا یہی چاہیے تمہیں ہلال اور بدر سے؟"

عالیان دھیرے سے ہنس دیا۔ "میں بچے اغوا نہیں کرتا۔ کرنا چاہتا تو ہلال کو اغوا کرنا میرے لیے مشکل نہیں تھا۔"

"بی کیئر فل۔" اس نے انگلی اٹھائی۔

عالیان نے دونوں ہاتھ مصالحتی انداز میں اٹھائے۔

"سوری سوری... کہا نا، میں جادوگروں کے مقاصد کے لیے بچے اغوا نہیں کرتا۔ بدر کا اغوا صرف زیاد کی دشمنی کے باعث تھا۔ باقی جو میں کرتا ہوں پیسے کے لیے کرتا ہوں۔"

"اور کیا تم نگینہ بیگم کی جستجو پہ یقین رکھتے ہو؟"

عالیان جواب میں ہنس پڑا۔

"نہیں۔ مجھے ان سے بہت محبت تھی۔ لیکن میں ان کی ہر بات نہیں مان سکتا۔ کہانا، میں ایک انٹر پرینیور ہوں۔ لوگوں کے مسئلے حل کرتا ہوں۔ بدلے میں ان سے پیسے لیتا ہوں۔ جیسے آپ کرتے ہیں۔"

"پیسے کمانے کے بہت سے طریقے ہیں۔ جنات اور جادو کو استعمال کیے بغیر۔ لیکن ان طریقوں میں محنت لگتی ہے۔ اور یہ شارٹ کٹ ہے۔" وہ طنز سے مسکرا دیا۔

عالیان پھر سے ہنس دیا۔ سر دائیں بائیں ہلایا۔

"اس کام میں بھی بہت محنت لگتی ہے۔ جسم پہ اتنا زور آتا ہے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اس کام میں ایک طاقت ہے۔ اَن دیکھے کو دیکھ لینے میں اپنا ہی ایک مزہ ہے۔"

"میں اَن دیکھا نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن تمہارا انجام ابھی سے دیکھ سکتا ہوں۔" ماہر افسوس سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ "کئی برس بعد تم بھی نگینہ بیگم کی طرح دنیا کی ساری دولت اور پاور کے ہوتے ہوئے بھی اسی تکلیف میں مبتلا ہو گے، جو تمہارے جادو نے بہت سے لوگوں کو دی ہے۔ اور..." ماہر نے انگلی اوپر آسمان کی طرف اٹھائی۔ "اس دوسری دنیا میں جو آگ تم اپنے لیے جمع کر رہے ہو، وہ الگ ہے۔"

عالیان نے اسی ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے چپس کا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔

"دوسری دنیا کوئی نہیں ہے، ماہر بے۔ نہ کوئی جنت ہے نہ کوئی جہنم ہے۔ مرنے کے بعد ہم سب فنا ہو جائیں گے۔ جو ہے یہیں ہے۔ You only live once۔ یہی میرا موٹو ہے۔ YOLO۔" ہونٹ گول کر کے کہا۔

"تمہارا رنگین بلبلہ بہت افسوس سے توڑ رہا ہوں، عالیان۔ لیکن دوسری دنیا موجود ہے۔ اور اپنے ہر عمل کے ساتھ تم اپنے لیے ایک بہت بڑی کھائی میں انگارے بھرتے جا رہے ہو۔ اِس دنیا کی تکلیف ختم ہو جائے گی جو تم لوگوں کو دیتے ہو۔ لیکن اُس دوسری دنیا کی تکلیف کبھی ختم نہیں ہو گی۔ اور وہاں تمہاری یہ جسٹی فیکیشنز اور تمہارا YOLO کام نہیں آئے گا۔"

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ عالیان نے چہرہ اٹھا کے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

"مانا کہ آپ قاتل نہیں ہیں، مگر یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کے ارد گرد کے لوگ زیاد سلطان کو مارنے کی پلاننگ کر رہے ہیں۔"

"تمہارے جنات نے تمہیں خبر دے دی؟"

عالیان اسی انداز میں مسکراتا رہا۔

"ایک مشورہ دوں، ماہر بے؟ زیاد سلطان کے لیے قاتل بن جایئے۔ کیونکہ آپ کی ہیپی اینڈنگ کے راستے میں صرف وہی رکاوٹ ہے۔"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ اسی طرح پلکیں سکیڑے اسے دیکھے گیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"وہ اس شہر میں آپ سے اپنا انتقام لینے آیا ہے۔ جب تک آپ کی جان نہیں لے گا اسے سکون نہیں آئے گا۔ آپ نہیں ہوں گے تو اس کے خیال میں وہ تینوں ساتھ ہو سکتے ہیں۔ زیاد، مالا اور بدر۔ پرفیکٹ تکون۔ میں آپ کی جگہ ہوتا تو اسے مار دیتا۔"

"تو تم مار دو۔ تمہارا بھی وہ دشمن ہے نا؟"

"مگر میں آپ کی جگہ پر نہیں ہوں۔ اس کو مارنے سے مجھے کیا ملے گا؟ میں تو چاہتا ہوں کہ وہ ایک لمبی تکلیف دہ زندگی گزارے۔ قابیل کی طرح اپنے بازو پر اپنے خون کو قتل کرنے کا نشان لیے ہر جگہ گھومے پھرے۔" اب وہ ٹھنڈے ہوئے چپس دانتوں سے کتر رہا تھا۔

ماہر فرید نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا اور پلٹ گیا۔

"Occam's razor۔ یاد رکھیے گا۔" عقب سے عالیان نے پکارا تھا۔

ماہر نے مڑے بنا ہاتھ جھلایا اور آگے بڑھتا گیا۔ ایک احساس اسے لائبریری سے یہاں آتے ہوئے اور واپس اپنی کار کی طرف جاتے ہوئے مسلسل ہو رہا تھا۔

کوئی اس کے تعاقب میں تھا۔ خاموشی سے اس پہ نظر رکھے ہوئے۔ اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا تھا۔

ابھی وہ کار میں بیٹھا ہی تھا کہ اس کا فون بجنے لگا۔

"کیا ہوا، چنگیز؟" وہ ایک دم الرٹ ہو گیا تھا۔

"ہم نے فیروزی عمارت والا اپارٹمنٹ چیک کیا ہے۔"

"اور؟"

"تم درست کہہ رہے تھے۔ بچہ واقعی فیروزی بلڈنگ میں موجود تھا۔"

وہ جیسے سناٹے میں رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بہت تیزی سے ڈرائیو کرتے ہوئے پولیس اسٹیشن آیا تھا۔ دائیں بائیں گردن گھماتے کسی شناسا چہرے کی تلاش میں راہداری میں آگے بڑھتا گیا اور پھر ایک دم ٹھٹھک کے رکا۔

راہداری میں نصب بنچ پر وہ دونوں بیٹھے تھے۔ وہی دونوں میاں بیوی جن سے وہ دو روز پہلے ملا تھا۔ عورت کے بال گیلے تھے۔ کندھوں پر شال تھی۔ اور شوہر اس کو تسلی دیتے ہوئے کافی کا کپ تھما رہا تھا۔ رونے سے اس کی آنکھیں اور ناک سرخ ہو چکے تھے اور وہ مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

دفعتاً اس کی نگاہ راہداری کے وسط میں کھڑے لمبے بھورے کوٹ والے مرد پہ پڑی۔ ایک دم سے اس کی آنکھوں میں جیسے شرارے ابھرنے لگے۔ کپ پرے دھکیلا اور تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا بگاڑا تھا ہم لوگوں نے تمہارا؟ ہماری زندگی تباہ کر دی تم نے۔" وہ زور سے چلائی تھی۔

وہ وہیں پر کھڑا رہ گیا۔ اس کی آواز پہ آفس کا دروازہ تیزی سے کھلا اور چنگیز باہر آیا۔ ایک اور پولیس اہلکار اس کی معیت میں نکلا اور عورت کو دھیمی آواز میں خاموش کروانے لگا۔ لیکن وہ مسلسل چیخے جا رہی تھی۔

"میں نے تمہیں اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ میں نے تمہیں عزت دی۔ اور تم نے کیا کیا ہمارے ساتھ ؟"

چنگیز بے زار اور تھکا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ماہر کو اس عورت کو نظر انداز کرنے کا کہا اور اندر لے آیا۔ پھر آفس کا سلائیڈنگ ڈور بند کیا (عورت کے چیخنے چلانے کی آواز مدھم پڑ گئی) اور اس کی طرف مڑا۔ ماہر بیٹھا نہیں تھا۔ بس میز کے ساتھ کھڑا رہا۔

"بچہ واقعی وہاں موجود تھا۔ لیکن وہ بدر نہیں تھا۔"

اس نے فون پہ کہی بات اسی تھکے ہوئے انداز میں دہرائی۔

ماہر کے دونوں ابرو استعجاب سے اوپر اٹھے۔

"پھر وہ کون تھا؟"

"ایک Syrian بچہ جس کو ان دونوں نے ایڈاپٹ کیا تھا۔ لیکن بچہ غیر قانونی طور پہ یہاں آیا تھا۔ یقیناً کسی نے اسے ان کے دروازے پر چھوڑ دیا اور انہوں نے اسے اپنا لیا۔ لیکن قانوناً یہ اس کو ایڈاپٹ نہیں کر سکتے تھے۔"

"وہ عدالت میں جا سکتے تھے۔"

"اس عورت کو شدید اینگزائٹی اور ڈیپریشن کے دورے پڑتے ہیں جس کے باعث ایڈاپشن کمیٹی نے ان کو بچہ دینے سے انکار کیا تھا۔ اس سے چند سال پہلے انہوں نے ایک بچہ ایڈاپٹ کیا تھا۔ لیکن اس عورت کے سائیکوٹک رویے اور

بچے کے بارے میں اوور پروٹیکٹو ہو کے غلط فیصلے لینے کے باعث، ایڈاپشن کمیٹی نے وہ بچہ اس سے واپس لے لیا تھا اور اس کو مزید ایڈاپشن کے لیے نااہل قرار دے دیا تھا۔ سو یہ کسی بھی صورت میں بچہ رجسٹر نہیں کروا سکتی تھی۔ اسی لیے انہوں نے بچے کو چھپا کے رکھا۔"

"اب وہ بچہ کہاں ہے؟"

چنگیز آگے بڑھا اور سلائیڈنگ ڈور کھول دیا۔ اندر آتے ہوئے ماہر نے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ سامنے رکھے ڈیسکس کی قطار میں ایک خاتون پولیس آفیسر بیٹھی تھی جس کے ساتھ کرسی پر ایک ننھا بچہ بیٹھا تھا۔ عمر تقریباً تین چار سال تھی۔ بال گھنگریالے اور سنہری تھے اور وہ کندھوں پر کمبل لپیٹے ڈرا سہما ہوا تھا۔ وہ پولیس آفیسر نرمی اور پیار سے اس سے باتیں کرتے ہوئے اس کو فنگر چپس کھلا رہی تھی، جن کا رنگ عالیان کے فنگر چپس سے زیادہ زرد اور کچا کچا سا تھا۔

"اب اس بچے کا کیا ہو گا؟"

چنگیز اور وہ ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ چنگیز نے اسی تکان سے کندھے اچکائے۔

"سوشل سروسز والے اس کو لے جائیں گے اور اسے کسی فوسٹر ہوم میں ڈال دیں گے۔ اب یہ بچہ کسی بھی صورت میں ان دونوں میاں بیوی کو واپس نہیں ملے گا۔"

ماہر نے بے اختیار دانتوں سے ہونٹ کاٹ لیے۔ کچھ کہنے کو بچا ہی نہیں تھا۔

"میں نے ایک ماں سے اس کا بچہ جدا کر دیا۔"

اب کے چنگیز اس کی جانب گھوما۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اس میں تمہاری غلطی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے اسی میں اس بچے کے لیے بہتری ہو کیونکہ اس عورت کا سائیکو سز مستقبل میں بچے کو نقصان دیتا۔ شاید اس کو بہتر پیرنٹس مل جائیں۔"

ماہر نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔چنگیز نے خفگی سے ہاتھ نیچے کیا۔

"ہاں، تم نے ایک ماں سے اس کا بچہ جدا کر دیا کیونکہ تمہارا تجسس تمہیں چین نہیں لینے دے رہا تھا۔"

ماہر نے جواباً گلہ آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"دیکھو، ماہر.... تم مجھے میری سچائی کے باعث پسند کرتے ہو تو سچ سنو۔مالا کا بچہ اس کو مل چکا ہے۔اغوا کار نے خود ہی بچہ واپس کر دیا۔اور تمہارے بقول اغوا کار، یعنی وہ... وہ جادوگر (چنگیز کے جیسے حلق میں کڑواہٹ گھل گئی) دوبارہ اس کو اغوا کرنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ایسے میں تمہیں اس فیروزی عمارت کا پیچھا کرنے کے بجائے اپنی زندگی پہ فوکس کرنا چاہیے۔یا شاید تمہارے ذہن کو اتنی عادت ہو چکی ہے کسی نہ کسی چیز کی تلاش کی... کوئی نہ کوئی پہیلی سلجھانے کی... کہ جب ہر چیز ٹھیک ہو رہی ہے، تب بھی تم سکون کا سانس نہیں لے رہے۔"

"میں صرف..."

"تم صرف اپنی زندگی پہ توجہ دو۔تمہارا دشمن اس شہر میں موجود ہے۔اپنا خیال رکھو۔مالا اور اس کے بچے کی حفاظت کرو۔اور..." چنگیز ٹھہرا۔ہلکا سا کھنکھارا۔ماہر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اور ایک نئی زندگی تعمیر کرنے کا سوچو۔"

ماہر فرید نے دونوں ابرو استعجابیہ انداز میں اٹھائے۔جواباً کو مسار بے نے بدقت ایک تھکے ہوئے دن کے باوجود ابھرتی مسکراہٹ چھپائی۔

"تمہارے خیال میں ہمیں نہیں معلوم؟ سب کو دکھائی دے رہا ہے۔میرے تھانے کے اہلکاروں کو بھی۔روز پوچھتے ہیں مالا اور ماہر کی کہانی میں کوئی ڈیویلپمنٹ ہوئی یا نہیں؟ بہتر ہے کہ تم اور مالا اپنے مسئلے حل کرو اور نئی پہیلیوں میں مت الجھو۔"

ماہر فرید خفگی سے بڑبڑا کے آگے بڑھ گیا۔ اسے واپسی کا سفر اسی راہداری میں سے گزر کے کرنا تھا۔

حسب توقع وہ عورت جسے اس کا شوہر بدقت پر سکون کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اس کے باہر نکلتے ہی ایک دم سے بپھر کے اٹھی۔

"تم نے میرے بچے کو مجھ سے جدا کر دیا۔ تمہیں ایک ماں کی بد دعا لگے گی۔ تمہیں کبھی بھی زندگی میں سکون نہیں ملے گا۔"

وہ ہذیانی انداز میں زور زور سے چلا رہی تھی۔ ساتھ کھڑے پولیس اہلکار نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا اور اس کے قریب سرگوشی کی۔

"اس عورت کے ساتھ اگر وہ بچہ پلتا تو نفسیاتی مریض بن جاتا۔ کوئی وجہ تھی جو اس کو ایڈاپشن کمیٹی نے..."

لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ ترحم سے اس عورت کو روتے چلاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ چنگیز درست کہتا تھا۔ وہ بچے تلاش کرنے والا تھا۔ وہ بچے ان کی ماؤں سے چھیننے والا انسان نہیں تھا۔ اس کے بلاوجہ کے تجسس نے ایک پرفیکٹ تکون کو خراب کر دیا تھا۔ ماہر نے سر جھٹکا۔ اسے اپنی زندگی پہ فوکس کرنا تھا۔

شاید عالیان درست کہہ رہا تھا۔ اس سے سننے میں غلطی ہوئی تھی۔

وہ مزید اس پہیلی کے پیچھے نہیں پڑے گا۔ وہ مزید اب کسی کا نقصان نہیں کرے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرید لار خاموش تھا جب ماہر واپس پہنچا۔ مدھم بتیاں لاؤنج میں روشن تھیں اور کمبل کارپٹ پر گرا ہوا تھا۔ شاید بیربل سونے چلا گیا تھا۔ اس نے دھیرے سے کوٹ اتار کے اینٹرنس کی کیبنٹ میں لٹکایا اور اپنے کمرے کی طرف آیا۔

کمرے میں مدھم ٹیبل لیمپ جلا تھا۔ ماہر بیڈ کے کنارے پر بیٹھا۔ جھک کے جرابیں اتاریں اور نفاست سے ان کو کونے میں رکھی لانڈری باسکٹ میں ڈالا۔ پھر ہائی نیک سوئیٹر کو نیچے سے پکڑا کہ جیسے اتارنا چاہتا ہو کہ ایک دم ٹھٹھک گیا۔

کہیں کسی کونے سے ایک آواز آ رہی تھی۔ جیسے چوہا کسی سطح کو کھرچ رہا ہو۔ یا جیسے کوئی سرگوشی میں کچھ کہہ رہا ہو۔ اس نے سوئیٹر نہیں اتارا۔ تعجب سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ آواز پہ غور کیا۔ کوئی لفظ سنائی نہیں دیتا تھا۔ لیکن دبی دبی سی کوئی غیر شناسا زبان تھی جیسے۔

عرصہ ہوا اسے ایسی آوازیں نہیں آئی تھیں۔ لیکن یہ آواز کسی نادیدہ مخلوق کی نہیں تھی۔ کسی انسان کی تھی۔

کس کی؟

باتھ روم کا دروازہ بند تھا اور آواز وہیں سے آ رہی تھی۔

وہ محتاط قدموں سے آگے آیا۔ ڈورناب گھما کے دروازہ دھکیلا۔ آواز اونچی ہوتی گئی۔ وہ رونے کی آواز تھی۔

گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز۔

اس نے سوئچ بورڈ پر ہاتھ مارا۔ ایک دم سے باتھ روم زرد روشنیوں سے منور ہو گیا۔

اندر کا منظر دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا۔

فرش پر بہت سا پانی گرا تھا۔ درمیان میں کہیں ایک لیپ ٹاپ کھلا رکھا تھا۔ اس پر بھی چند قطرے تھے۔ باتھ ٹب کے سامنے پردہ گرا تھا اور آواز وہیں سے آ رہی تھی۔ وہ تیزی سے آگے آیا اور پردہ کھینچ کے ہٹایا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکا۔

اندر شاور مدھم سا چلا تھا۔ پانی کی دھاریں نیچے گر رہی تھیں۔ ٹب آدھا بھرا ہوا تھا اور اس کے کونے میں دیوار سے ٹیک لگائے، گھٹنے سینے سے ملائے بیر بل بیٹھا رو رہا تھا۔

"بی...!"

وہ شل سا کچھ بول نہ سکا۔ پھر ایک دم واپس پلٹا۔ فرش پر رکھا لیپ ٹاپ اٹھایا۔ اس کی اسکرین روشن تھی۔ بیر بل نے اس کی سیٹنگ بدل دی تھی شاید۔ وہ اسٹینڈ بائی موڈ میں نہیں جا رہا تھا۔ ماہر نے تولیے سے لیپ ٹاپ پر گرے پانی کے قطرے پونچھے۔ اسے سنک کے سلیب پر رکھا۔ پھر شاور بند کیا اور باتھ ٹب کے ساتھ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھا۔

"بیر بل، کیا ہوا ہے؟" جبراً اس کے دونوں کندھوں سے اس کو سیدھا کرنا چاہا۔ لیکن وہ گیلا سر گھٹنوں میں دیے روئے جا رہا تھا۔

"بی! اٹس اوکے۔ ریلیکس... ریلیکس۔" وہ اس کے گیلے بالوں میں ہاتھ پھیرتا دوسرے ہاتھ سے کندھا تھپک رہا تھا۔ لیکن بیر بل سر نفی میں ہلائے اسی طرح روئے جا رہا تھا۔

"اٹس اوکے۔ ٹس اوکے۔ مجھے بتاؤ۔ اٹھو، میری طرف دیکھو۔ بیر بل... بیر بل..." اس نے زور سے اسے کندھوں سے جھنجھوڑا۔ بیر بل نے چہرہ اٹھایا۔ وہ پانی کے بجائے آنسوؤں سے بھیگا تھا۔ سرخ ناک۔ اور سوجی ہوئی آنکھیں۔ گیلے گھنگریالے بال۔ وہ سوئیٹ پینٹس اور ہڈی سمیت باتھ ٹب میں بیٹھا تھا۔ ٹب آدھا بھرا تھا لیکن بیر بل کا لباس پورا بھیگا ہوا تھا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا وہ ایسا کرے گی۔"

ماہر نے گہری سانس لی۔ اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے پونچھا۔ وہ سر واپس جھکانے لگا لیکن ماہر نے زبردستی اس کی تھوڑی اوپر اٹھائی۔

"پہلے مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے؟ ریلیکس! اٹس اوکے۔ بتاؤ؟"

"وہ مجھے چیٹ کر رہی ہے۔"

ماہر ایک دم سانس نہ لے سکا۔

"کیا؟"

"وہ مجھے چیٹ کر رہی ہے۔" وہ دبا دبا سا چلایا تھا۔

ماہر نے ایک دم چونک کے پیچھے دیکھا۔ دروازہ کھلا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھا۔ دروازہ بند کیا۔ پھر واپس اس کے پاس آیا ۔اسی انداز میں گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھا۔

"وہ اس وقت کہاں ہے؟" اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"کمرے میں۔ سو رہی ہے۔" وہ نفرت اور بے بسی سے غرایا تھا۔

"تم نے کیا دیکھا ہے؟"

بیر بل نے سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر گیلی ہتھیلی سے آنسو پونچھے۔ چند گہرے سانس لیے۔

"بتاؤ، بیر بل؟ تم نے کیا دیکھا ہے؟"

"اس کے فون میں کچھ چیٹس لاک تھیں۔ لیکن میک بک میں لاکڈ چیٹس لاک نہیں ہوتیں بلکہ سامنے نظر آ جاتی ہیں۔ میں نے صرف وہی چیٹ دیکھی ہے۔ وہ براق اور اس کی گفتگو ہے۔"

"براق کون؟" اسے یاد آ گیا۔ "وہ جو ٹینس کھیلتا ہے؟ جو گھوڑوں کی ریس میں بھی اکثر..."

"ہاں ہاں، وہی۔" بیر بل تیزی سے بولا۔ وہ براق کے ملٹی ٹیلنٹس کی فہرست نہیں سن سکتا تھا۔

بیر بل نے سر اثبات میں ہلایا۔ آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے ٹپکنے لگے تھے۔

"وہ بہت عرصے سے ایک ساتھ ہیں۔ وہ سانپ والا بلگاری کا بریسلٹ جو وہ پہنتی ہے، جو اس نے مجھے کہا تھا کہ اس کی ماں نے اسے گفٹ کیا، وہ بھی اس کو براق نے گفٹ کیا تھا۔ میں نے ان کی ساری چیٹ پڑھی ہے۔ وہ میرے ساتھ ایسے کیسے کر سکتی ہے؟"

ماہر اس کو ابھی تک دونوں کندھوں سے تھامے ہوئے تھا۔ بے اختیار ایک نظر لیپ ٹاپ پہ ڈالی۔ اس شے کی توقع اس نے نہیں کی تھی۔ اس کا خیال تھا بیر بل سوزی کے فنانشل ریکارڈز نکالے گا۔ روپے پیسوں کا ہیر پھیر۔ کچھ نہ کچھ اسے معلوم ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ کسی گرل گروپ چیٹ میں وہ اپنی دوستوں کو بتا رہی ہو گی کہ اس کا شوہر کتنا بیوقوف ہے اور کیسے وہ اس کو کنگال کر رہی ہے۔ لیکن اس شے کی توقع اس نے بھی نہیں کی تھی۔

"میری بات سنو۔ ادھر دیکھو، میری بات سنو۔" وہ ایک ہاتھ سے اس کا کندھا پکڑے دوسرے سے اس کے گالوں سے آنسو صاف کر رہا تھا۔

"مجھے دیکھو۔ ادھر دیکھو، بیر بل۔"

بیر بل نے متورم سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ ماہر کو نہیں سن رہا تھا۔

"میں نے اسے کس چیز کی کمی دی؟ میں نے سب کچھ کیا اس کے لیے۔ اپنی فیملی کے خلاف گیا۔ پھر اس نے میرے ساتھ یہ کیوں کیا؟"

"کیونکہ سوزین کے لیے یہ سب کافی نہیں تھا۔ کچھ عورتوں کے لیے یہ سب کافی نہیں ہوتا۔"

بیر بل نے ایک جھٹکے سے اپنا کندھا چھڑایا۔ ماہر نے ہاتھ نیچے گرا دیے۔ وہ اب شاور کی سفید دیوار سے ٹیک لگائے چھت کو دیکھتے ہوئے گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

چند لمحے خاموشی میں گزرے۔ اسے احساس ہوا کہ اس کے سوئیٹر کا گریبان اور آستین بھیگ چکے ہیں۔ اور پینٹس گھٹنوں سے گیلی ہو چکی ہیں۔

"بالآخر تمہاری جیت ہو گئی، ماہر۔ جیسا تم نے کہا تھا ویسے ہی ہوا۔ تم تو بہت خوش ہو گے یہ سب دیکھ کر۔" وہ چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہاری تکلیف میں میں خوش کیوں ہوں گا؟"

"یہی تو سارا مسئلہ ہے۔ تم نے پہلے دن سے اس کی مخالفت کی تھی۔ لیکن میں نے کہا تھا مجھے اس پہ اعتبار ہے۔ اور پھر تم نے کیا کیا؟ تم نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ تم نے مجھے دور دھکیلنا شروع کر دیا۔ تم یہی چاہتے تھے کہ تم درست ثابت ہو جاؤ۔ اور دیکھو، آج تمہاری بات صحیح ثابت ہوئی۔ اس نے کاٹیج بھی بیچ دیا۔ وہ ایک دوسرے آدمی کے ساتھ مجھے چیٹ بھی کرتی رہی۔ اور میں تنہا رہ گیا۔ خالی ہاتھ۔ اور اب..."

وہ تلخی سے جیسے خود پہ ہنسا اور نگاہیں چھت سے ہٹا کے ماہر کو دیکھا تو ان میں زمانے بھر کے شکوے تھے۔

"اور اب میں تمہارے پاس بھی واپس نہیں آ سکتا۔ میں تم سے بھی مدد نہیں مانگ سکتا۔ کیونکہ تم آگے سے یہی کہو گے کہ میں نے جو کہا تھا وہی ہوا ہے۔ Mighty ماہر فرید ہمیشہ درست ہوتا ہے۔"

ماہر اب مخالف دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ یوں کہ وہ ٹب سے باہر تھا اور بیر بل اندر۔

"تمہاری تکلیف پہ میں کبھی خوش نہیں ہوں گا، بیر بل۔ دیکھو... ہم دونوں بھیگے ہوئے ہیں۔"

بیر بل نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بہت سا پانی ان سے پھر سے ابلنے لگا۔

"لیکن اب میں کیا کروں گا، ماہر؟ میں ایک دفعہ پھر غلط ثابت ہوا۔ بیوقوف بیر بل۔ ناکام بیر بل۔ فیلئیر بیر بل۔ ہمیشہ سے سب میرے بارے میں جو کہتے تھے وہ درست ثابت ہوا۔"

"تم میرے بھائی ہو، بی۔" بیر بل کو دیکھتی اس کی آنکھوں میں دکھ تھا۔ "میں اس شادی کے خلاف تھا۔ میں ہمیشہ سے سوزی کے خلاف تھا۔ لیکن تمہارا دل ٹوٹنے پہ خوش میں کبھی نہیں ہوں گا۔ اسی لیے میں چاہتا تھا کہ تم یہ شادی نہ کرو، تاکہ تمہارا دل..."

"ہاں اسی لیے تم یہ چاہتے تھے۔ اسی لیے تم یہ کہتے تھے۔ اسی لیے تم درست ثابت ہوئے۔ جانتا ہوں تم سب کیا کہو گے۔ جانتا ہوں اب میں تمہارے پاس مدد کے لیے نہیں آسکتا۔ اس لیے..." اس نے باتھ ٹب کو دونوں کناروں سے پکڑ کے اٹھنا چاہا تو ماہر تیزی سے اٹھ کے آگے بڑھا اور کندھوں سے دباؤ دے کے اسے واپس نیچے بٹھایا۔

بیر بل نے بے اختیار اس کو دیکھا۔ ماہرہ کے ماتھے پر لکیریں تھیں۔

"مجھے درست ثابت ہونے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں ہمیشہ ہی درست ہوتا ہوں۔ لیکن تم، بیر بل، تم کان کھول کے میری بات سنو۔" وہ اب ٹب کے کنارے اونچا بیٹھا تھا۔ بیر بل کو کہنی سے زبردستی نیچے بٹھانے کی کوشش میں پانی کے چھینٹے اس کے سوئیٹر کو مزید بھگو گئے تھے۔

"جو میں کہہ رہا ہوں اس کو غور سے سنو۔"

بیر بل ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ جیسے قدرے سہم گیا ہو۔

"ہم ایک فیملی ہیں۔ اور فیملیز میں بہت سی زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں۔ جانتا ہوں ہمارے باپ نے تمہارے ساتھ زیادتی کی۔ انہوں نے ایک ہی پیمانے پہ مجھے اور تمہیں تولا۔ حالانکہ ہر بچہ مختلف ہوتا ہے۔ تم مختلف تھے۔ تم پیسہ بنانے کی مشین نہیں تھے۔ لیکن ہمارے باپ نے، مالک نے، سب نے ہمیشہ تمہیں ماہر سے کمپیئر کیا۔ تم ایک شیف تھے۔ تم ان کاموں کے لیے بنے تھے جن کو کر کے تمہیں خوشی ملتی ہو۔ تم خوش رہنے اور خوشی بکھیرنے کے لیے بنے تھے۔ تمہاری زندگی کا عزم کبھی بھی بہت سا پیسہ کمانا نہیں تھا۔ مگر ہمارے باپ نے تمہارے حصے سے تمہیں محروم کر کے واقعی زیادتی کی۔ وہ اپنی محنت سے کمائی دولت بچا رہے تھے۔ لیکن اس سب میں انہوں نے تمہاری پرسنالٹی کو نقصان دیا۔ وہ ٹف لوtough love پہ یقین رکھتے تھے۔ مالک بھی ایسا ہے۔ اور میں بھی ایسا ہوں۔ ہم سب کا طریقہ غلط تھا یا درست، اس بحث سے قطع نظر، ہم سب زبردستی تمہیں وہ بنانا چاہتے تھے جو تم نہیں بن سکتے تھے۔"

وہ کہتا جا رہا تھا اور بیر بل کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔

"ہم سب نے جو بھی کیا تمہیں اس چوٹ سے بچانے کے لیے کیا جو آج تمہیں لگی ہے۔ لیکن سارا مسئلہ یہی ہے، بیر بل، کہ ہر بچے کو اس کے حصے کی چوٹ لگنی ہوتی ہے۔ اس لیے لوگوں کو ان کے حصے کی غلطی کرنے دینی چاہیے۔ اسی لیے میں نے تمہیں سوزی سے الگ کرنے کی کوئی پلاننگ نہیں کی۔ نہ میں چاہتا تھا کہ ایسا کچھ ہو جس سے تمہارا دل ٹوٹے۔ میں نے تمہیں پیچھے نہیں دھکیلا۔ میں تم سے نفرت نہیں کرنے لگا۔ نہ مجھے درست ثابت ہونے کا شوق تھا۔ میں نے صرف تمہیں تمہارے حال پہ چھوڑ دیا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ جلد یا بدیر سوزین کا سچ کھل جائے گا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کون سا سچ کھلے گا۔ بس یہ جانتا تھا کہ وہ ایک فیک عورت ہے۔ اور فیک چیز بہت دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی۔"

بیر بل نے سر جھکایا اور ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ اس کا پورا چہرہ رونے کے باعث سرخ ہو چکا تھا۔

"لیکن یہ کبھی مت سوچنا کہ غلط فیصلے کا غلط نتیجہ دیکھنے کے بعد تم اپنی فیملی کے پاس واپس نہیں جا سکتے۔ تم ہمیشہ اپنی فیملی کے پاس واپس آ سکتے ہو۔ ہر انسان واپس آ سکتا ہے۔ بھلے تم نے غلطی اکیلے کی ہو۔ لیکن اس غلطی کو سدھارنا ایک فیملی نے مل کر ہوتا ہے۔ جو غلطی تم نے کی، اس کو ہم undo نہیں کر سکتے۔ لیکن ہم ڈیمج کنٹرول کر سکتے ہیں۔ ادھر دیکھو، میری طرف۔"

بیر بل نے گلہ آمیز گیلی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔ تمہیں میرے اوپر بہت سی چیزوں کا بہت سا غصہ ہے۔ لیکن اپنے سارے غصے اور شکوے کے باوجود میں تم سے ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔"

ماہر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"کیا تمہیں میری ججمنٹ پہ بھروسہ ہے؟"

بیر بل نے دانت سے لب کاٹے۔ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

"کیا تمہیں ماہر فرید پہ اتنا بھروسہ ہے کہ تم وہی کرو جو میں کہنے جا رہا ہوں؟"

چند لمحے ایسے ہی خاموشی سے گزرے۔

"مجھے معلوم ہے مجھے کیا کرنا ہے، ماہر۔ میں ابھی کمرے میں واپس جاؤں گا۔ میں اسے نیند سے جگاؤں گا۔ اور میں اسے اسی وقت اپنی زندگی سے نکال دوں گا۔ اور پھر..." وہ جذبات سے تیز تیز کہہ رہا تھا کہ ماہر نے زور سے اس کا کندھا دبایا۔

"کیا تمہیں میری ججمنٹ پہ بھروسہ ہے؟" اس کی آواز قدرے بلند ہوئی۔

بیر بل رک کے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ماہر کی آنکھوں میں اتنی سختی تھی کہ اس نے دھیرے سے سر اثبات میں ہلایا۔

"بھروسہ ہے۔"

"میں تم سے صرف ایک سوال پوچھوں گا۔"وہ ٹب کے کنارے پر بیٹھا ایک کے بعد ایک سوال پوچھ رہا تھا۔

"تم سوزین کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا نہیں؟"

بیر بل کا چہرہ پھر سے سرخ ہونے لگا۔ سختی سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"پھر تم وہی کروگے جو میں کہوں گا۔"ماہر نے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر ایک ہتھیلی اس کی جانب بڑھائی۔

"اپنا موبائل دو۔"

بیر بل نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔ پھر دائیں بائیں۔ پھر واش بیسن کے کنارے رکھا موبائل دکھائی دیا۔

"وہ رکھا ہے۔"

ماہر نے موبائل اٹھایا۔ پاور کا بٹن دبایا اور جب اس کی اسکرین بجھ گئی تو اسے جیب میں ڈال لیا۔ پھر لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا۔ وہیں سنک کے کنارے کھڑے کھڑے چند بٹن دبانے لگا۔ پھر اندر جا کے واپس آیا تو ہاتھ میں ایک فلیش تھی۔

"کیا کر رہے ہو؟"

"بتاتا ہوں۔" بیر بل نے دوبارہ نہیں پوچھا۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ ماہر کیا کر رہا تھا۔

چند ثانیے گزرے۔ پھر ماہر نے لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا۔ ٹشو سے اسے ایک دفعہ پھر سے پونچھا اور اپنے فون پہ ایک نمبر ملانے لگا۔ بیر بل نا سمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آنسو رک چکے تھے۔

"عمار، ابھی اسی وقت ہمارے گھر آؤ۔ تم نے بیر بل کو کہیں لے کے جانا ہے۔"

بیر بل کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے پانی سے بھرے ٹب میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بہت سی چھینٹیں دائیں بائیں گریں۔ سوئیٹ شرٹ گیلی ہو کے نیچے لٹک رہی تھی۔

"کیا مطلب؟ میں کہاں جا رہا ہوں؟"

ماہر نے فون نیچے کیا اور انہی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کیا تمہیں مجھ پہ بھروسہ ہے؟"

"مجھے ہے۔ لیکن مجھے سوزی سے بات..."

"تم اس سے کوئی بات نہیں کرو گے۔ جب تک میں نہیں کہوں گا تم اس سے کچھ نہیں کہو گے۔ تم بودرم جا رہے ہو۔ وہاں تمہارے دوست کا ہوٹل ہے۔ تم کچھ دن وہیں رہو گے۔ کسی سے بات نہیں کرو گے سوائے میرے۔ اور اس سب کو پراسیس کرنے کی کوشش کرو گے جو ہوا ہے۔"

"لیکن..." بیر بل نے ہونٹ دانت سے کاٹا۔ پھر سر کو خم دیا۔ "اوکے۔" اس کے اندر جیسے مزید توانائی نہیں تھی۔ سر درد کر رہا تھا اور جسم جیسے نچڑ چکا تھا۔ وہ ننگے پیر باتھ ٹب سے نکلا تو پانی کی دھاریں ٹراؤزر سے گرتی ہر جگہ بہتی گئیں۔

"تم اپنے کمرے میں بھی واپس نہیں جاؤ گے۔ فیضی حانم یہ لیپ ٹاپ واپس رکھ آئیں گی۔ اور تم..." وہ لیپ ٹاپ ہاتھ میں لیے باہر کمرے میں آیا۔ پھر اپنی وارڈروب کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے کپڑے پہنو اور عمار کے آتے ہی تم اس کے ساتھ یہاں سے چلے جاؤ گے۔ تمہارے ڈاکومنٹس فیضی حانم نکال لائیں گی۔"

اب وہ فیضی حانم کو اٹھانے جا رہا تھا۔ چند منٹ بعد جب وہ لیپ ٹاپ رکھ کے سوتی ہوئی سوزین کے کمرے کا دروازہ بند کر کے واپس کمرے تک آئیں، تو دیکھا... بیر بل سفید چہرے اور گیلے بالوں کے ساتھ صاف پینٹس اور سوئیٹر پہنے بیٹھا تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور کمرے کے فرش پر جگہ جگہ پانی تھا جو باتھ روم سے یہاں تک آیا تھا۔ عمار باہر پہنچ چکا تھا اور ماہر اب بیر بل کو ساتھ لیے راہداری کی طرف جا رہا تھا۔ وہ بار بار مڑ کے اپنے کمرے کی جانب دیکھتا لیکن ماہر اسے کہنی سے پکڑ کے باہر کی جانب لے گیا۔

"تم نے اس سے کوئی بات نہیں کرنی۔ اب جو بات کروں گا وہ میں کروں گا۔"

بیر بل نے شکست خوردہ انداز میں سر ہلایا۔ فیضی حانم دونوں کو افسوس سے جاتے دیکھتی رہیں۔ یہاں تک کہ وہ دروازے کے پار غائب ہو گئے۔ چند لمحوں بعد ماہر اکیلا آتا دکھائی دیا۔ اپنے کمرے کی چوکھٹ پہ کھڑے ہو کر اس نے ناپسندیدگی سے اندر گرے پانی کو دیکھا اور پھر ہاتھ کو گھما کے اشارہ کیا۔

"پلیز۔"

فیضی حانم نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ جانتی تھیں کہ جب تک اس کا باتھ روم اور کمرہ مکمل طور پہ خشک نہیں ہو گا، وہ دوبارہ اس میں قدم نہیں رکھے گا۔ وہ چپ چاپ صفائی کا سامان لینے اسٹور کی جانب بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح بہت ٹھنڈی سی طلوع ہوئی تھی۔ سورج کہیں بادلوں کے پیچھے تھا اور درجہ حرارت مزید گر چکا تھا۔ استنبول کی مسجدوں کے پیالہ نما گنبدوں کے اوپر سے بگلے پھڑ پھڑا کے اُڑ رہے تھے۔ ایسے ہی چند بگلے اس ہوٹل کے ڈائننگ ہال کی کھڑکیوں پہ آ بیٹھے تھے جہاں سے اندر کا منظر دکھائی دیتا تھا۔

قطار در قطار سفید میز پوش والی میزیں بچھی تھیں۔ اونچی مخملیں کرسیاں۔ نفیس کراکری اور چمکتی کٹلری۔ ایسی ہی ایک میز پہ کبیرہ سادان بیٹھی تھیں۔ ریشمی کافتان پہنے۔ کانوں اور انگلیوں میں بہت سے ہیرے زیب تن کیے۔ بوائے کٹ بال اور سمو کی آئی شیڈو سے مزین آنکھوں سے مسکراتی ہوئی وہ سامنے بیٹھے نوجوان کو دیکھ رہی تھیں۔

عالیان بفے سے اپنا ناشتا ڈال کے ابھی ابھی ان کے سامنے آ کے بیٹھا تھا۔ وہ جینز اور ہڈ والی جیکٹ میں ملبوس تھا۔ سنہرے بال کنگھی کر کے آج سمیٹ رکھے تھے۔ گوری رنگت صبح کی سردی کے باعث گلابی ہو رہی تھی۔ کبیرہ سادان نے مسکرا کے ایک نظر اپنی پلیٹ میں رکھے کروسونٹس اور ککیز کو دیکھا اور دوسری نگاہ اس کی پلیٹ پہ ڈالی جس میں ابلے ہوئے چند انڈے، اوا کاڈو، ملٹی گرین بریڈ اور پھل رکھے تھے۔ ساتھ ہی گلاس میں سبز رنگ کی کوئی سمودی تھی جو وہ اپنے ساتھ فلاسک میں لایا تھا۔ ابلے انڈے کو اب وہ میش کر کے توس پر لگا رہا تھا۔ بفے میں انواع و اقسام کی اشیاء موجود تھیں۔ اس کے باوجود وہ صرف یہی اٹھا کے لایا تھا۔

کبیرہ سادان کی گردن فخر سے مزید اونچی ہوئی۔

"مجھے تمہاری صحت کے لیے ویلیوز اچھی لگتی ہیں۔"

عالیان نے دانت سے ٹوسٹ کترتے ہوئے چہرہ اٹھا کر انہیں دیکھا اور واپس خاموشی سے کھانے لگا۔ چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ دائیں بائیں میزوں پر چھری کانٹے چلنے کی آواز، قہوے کی خوشبو اور ہلکی پھلکی گفتگو جاری تھی۔ سفید اجلی وردی میں ملبوس ویٹر ان کے قریب آیا اور نیپکن میں لپٹی کانچ کی بوتل سے ان کے گلاسز میں پانی بھرنے لگا۔ وہ چلا گیا تو وہ کھنکھاریں۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ سے ملنے آئے۔ تم نے کہا تھا کہ تمہیں کچھ پوچھنا ہے۔"

عالیان نے سمودی کا گھونٹ بھرا اور پھر انہیں دیکھنے لگا جیسے کنفیوزڈ ہو۔ نہ جانے کیوں لیکن بہت دن بعد کبیرہ سادان کو محسوس ہوا تھا کہ جب وہ ان کے قریب ہوتا تھا تو بھلے وہ خفا ہو یا بے زار، اس کی شخصیت بدل جاتی تھی۔ وہ پولیس اسٹیشن میں ملنے والے جادوگر جیسا نہیں تھا جس نے خود کو خول میں بند کر رکھا تھا۔ اور چاہنے کے باوجود وہ اس خول کو توڑ نہیں پائی تھیں۔ اب اس کا خول چٹختا دکھائی دے رہا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا، ماہر فرید میرے پاس آئے گا۔ وہ آیا تھا۔" وہ سادہ سے انداز میں بتانے لگا۔ کبیرہ کو لگا کہ وہ جو کہنے آیا تھا وہ نہیں کہہ رہا، بلکہ بات بدل دی ہے۔ وہ کروسونٹ کا ٹکڑا دانتوں سے کترتے ہوئے غور سے اسے دیکھے گئیں۔

ایک توقف کے بعد عالیان پھر سے کھنکھارا۔

"وہ مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ نگینہ بیگم بچوں کا کیا کرتی تھیں۔"

"کیا کرتی تھیں؟"

عالیان نے کندھے اچکائے۔ "میں یہ ڈسکس کرنے یہاں نہیں آیا۔"

"پھر کیا ڈسکس کرنے آئے ہو؟"

اس نے جیسے تھوک نگلا۔ شاید وہ کوشش کر رہا تھا کہ اس کا خول نہ چٹخے۔ لیکن کچھ تھا جو بار بار اس خول میں دراڑ ڈال رہا تھا۔ اور ہر دراڑ کے ساتھ کبیرہ سادان کی مسکراہٹ اور ان کا اعتماد بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ جتنا خود کو مضبوط اور بے نیاز ظاہر کر لے، وہ ایک چھوٹا سا لڑکا ہی تھا۔

"بتاؤ عالیان، کیا جاننا چاہتے ہو؟"

عالیان نے آنکھیں اٹھا کے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"جب میں نے ہلال کا ذکر کیا تو ماہر فرید کے چہرے پہ ایک تاثر ابھرا۔ اس تاثر نے مجھے یہ باور کرایا کہ اگر میں کبھی ہلال کے قریب گیا تو وہ واقعی مجھے جان سے مار دے گا۔"

کبیرہ کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"تمہارا ہلال سے کیا لینا دینا؟"

ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہلال کا ذکر ان سے کیوں کر رہا تھا۔

"بات ہلال کی نہیں ہے۔ اس تاثر کی ہے جو میں نے ماہر فرید کی آنکھوں میں دیکھا تھا اپنی بہن کے لیے۔"

ایک لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکیں۔

"میری بھی ایک بہن ہے۔ ہے نا؟"

کبیرہ سادان کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ انہوں نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"وہ پاکستان میں ہے۔ گھر پہ۔"

عالیان خاموشی سے بلیک کافی کے گھونٹ بھرنے لگا۔ اور وہ اسی امید سے اسے دیکھے گئیں۔

"کیا تم کبھی اس سے ملنا چاہو گے؟"

"نہیں۔" وہ ایک دم تیزی سے بولا۔ پھر ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "میری کوئی جذباتی وابستگی نہیں ہے آپ کی بیٹی کے ساتھ۔ میں اس سے مل کے کیا کروں گا؟ لیکن..." اس نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔ جیسے ان کے چہرے پہ کچھ کھوج رہا ہو۔

"آپ اس کی شادی زیاد سے کیوں کروانا چاہتی تھیں؟ کیا اس سے بہتر کوئی انسان آپ کو نہیں ملا تھا؟"

عالیان اور ماہر فرید کی ملاقات کے وقت کبیرہ سادان وہاں موجود نہیں تھیں۔ اس کے باوجود وہ جانتی تھیں کہ عالیان کی آنکھوں میں وہی تاثر تھا جو اس نے ماہر کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ پورے دل سے مسکرا دیں۔

"اس وقت مجھے وہی مناسب لگتا تھا۔ اچھا ہی ہوا ایسا نہیں ہوا۔"

"پھر؟ کیا بنا اس کی شادی کا؟" وہ بظاہر سرسری انداز میں بولا تھا۔ کبیرہ بیگم نے شانے اچکا دیے۔

"کوئی اچھا رشتہ ملے گا تو کروں گی۔"

عالیان نے آنکھیں چھوٹی کر کے غور سے انہیں دیکھا۔

"آپ جس سوشل کلاس سے تعلق رکھتی ہیں اور جتنی دولت آپ کے پاس ہے، کیا آپ کو کبھی اپنی بیٹی کے لیے کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں ملا؟" وہ جیسے حیران ہوا تھا۔

کبیرہ سادان نے ایک دفعہ پھر کندھے اچکائے۔

"کوئی اس قابل نہیں تھا۔ سمپل۔ اور ویسے بھی..." انہوں نے جیسے تھوک نگلا۔ "وہ گھر کا خیال کرتی ہے۔ میرا خیال کرتی ہے۔"

کافی کا کپ ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے عالیان ٹھہرا۔ رک کے ان کا چہرہ دیکھا۔

"آپ کو خیال کی کیا ضرورت ہے؟ آئی مین، آپ بیمار تو نہیں ہیں۔"

کبیرہ سادان نے پھر سے تھوک نگلا۔ "میں کسی اور کے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں کرتی۔ نہ ہی میرے کمرے کی صفائی ملازم کر سکتے ہیں۔ اور میرے برتنوں کو کوئی اور ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ وہ یہ سب چیزیں دیکھتی ہے۔ اور اب ویسے بھی میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس کا رشتہ کسی نامعلوم انسان سے کر دیا اور وہ زیاد سلطان جیسا نکلا تو میں کیا کروں گی۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی ماں کے ساتھ رہے۔ حفاظت میں۔"

عالیان بہت دھیرے سے پیچھے ہوا۔ آنکھیں چھوٹی کر کے تعجب سے وہ ابھی تک ان کو دیکھ رہا تھا۔

"لیکن یہاں پہ آپ ریسٹورنٹ کا بنا ہوا کھا رہی ہیں۔"

"ریسٹورنٹ کی بات الگ ہے۔ پاکستان میں ملازموں کو رشوت دینا بہت آسان ہے۔ وہ کسی کے کھانے میں کوئی بھی تعویذ یا پھونکی ہوئی جادو کی شے ملا سکتے ہیں۔ اس لیے کافی عرصے سے میں نے یہ ڈپارٹمنٹ عنایہ کو دے دیا ہے۔"

عالیان کے ابرو حیرت سے اونچے ہوئے۔

"یعنی آپ اپنی بیٹی کی شادی اسی لیے نہیں کر رہیں کیونکہ وہ آپ کو جادو سے بچاتی ہے اور آپ کو کسی ملازم پہ بھروسہ کر کے خود کو جادو کا شکار نہیں کرنا؟"

کبیرہ سادان نے غیر آرام دہ انداز میں پہلو بدلا۔

"ایسی بات نہیں ہے۔ وہ میرا خیال کرتی ہے۔ اور میں نے کہا نا، ابھی تک کوئی ایسا رشتہ ملا ہی نہیں جو اس کے قابل ہو۔" پھر وہ آگے کو ہوئیں اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا کے میز پر رکھے۔ غور سے اس کو دیکھا۔ "کیا تم عنایہ سے ملنا چاہو گے؟ میری بہت خواہش ہے کہ ہم تینوں ایک ساتھ ایک میز پہ بیٹھیں۔"

عالیان نے دھیرے سے نیپکن میز پر رکھا۔

"میں اس ملک سے اتنی آسانی سے نہیں نکل سکتا جتنا آپ سمجھتی ہیں۔" وہ بولا تو اس کے لہجے میں تناؤ تھا۔ "ماہر فرید نے نہ جانے آپ کے سامنے میرا کیا امیج بنایا ہے، لیکن حقیقت وہی ہے جو میں نے پولیس کو بتائی ہے۔ میرے بہت سے کلائنٹس پڑھائی کی وجہ سے مجھ سے چھوٹ گئے ہیں۔ میں ان کو اتنا ٹائم نہیں دے سکتا۔ اور ابھی تک میرے اوپر وہ قرضے موجود ہیں جو میں نے ان برسوں میں لیے تھے جب نگینہ بیگم نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ یعنی ان کا کام ٹھپ ہو گیا

تھا۔ ان کی ساری دولت زیاد سلطان کے پاس چلی گئی اور میں خالی ہاتھ رہ گیا۔ میں نے خود کو یہاں تک اپنی محنت سے پہنچایا ہے۔ اس لیے جب تک میرے قرضے نہیں اترتے، میں اس ملک سے نہیں نکل سکتا۔"

"کتنے قرضے ہیں؟ میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں۔"

عالیان کے ابرو تلخی سے اکٹھے ہوئے۔ اس نے بے اختیار مگ پرے دھکیلا۔

"مجھے آپ کے پیسے نہیں چاہئیں۔ میں صرف اپنی بہن کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔ باقی جو بھی کرنا ہے میں خود کرلوں گا۔ میں نے کرپٹو میں انویسٹمنٹ کر رکھی ہے۔ کچھ عرصے میں اس کو بیچ دوں گا۔ پھر اپنے قرضے اتار کے اگر کبھی مجھے موقع ملا تو شاید آپ کے گھر آؤں اور شاید ہم تینوں ایک ساتھ بیٹھ سکیں۔" اس نے نیپکن سے ہونٹ تھپتھپائے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

کبیرہ سادان نے گیلی آنکھوں سے مسکرا کے اسے اٹھتے دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس سے زیادہ اس کو اپنے ساتھ نہیں بٹھا سکتی تھیں۔ جانتی تھیں کہ وہ کسی سپرنگ کی طرح اچھل کے دور چلا جائے گا۔ اپنی مرضی سے وہ ان سے جتنا تعلق رکھنا چاہتا تھا ان کے لیے یہی بہت تھا۔

بالآخر وہ تینوں ایک ساتھ ایک میز پہ بیٹھنے کے قریب تھے۔ کبیرہ، عنایہ اور عالیان۔ ان کی ہیپی اینڈنگ کی تکون۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار کی اپارٹمنٹ بلڈنگ پہ بھی وہ صبح ویسے ہی سرد طلوع ہوئی تھی۔ سوزین جس وقت اپنے کمرے سے نکلی اس کے بال گھنگریالے اور میک اپ مکمل تھا۔ البتہ لونگ روم کا منظر دیکھ کر بہت سے تاثرات ایک ساتھ چہرے پہ آئے۔ بھنویں اکٹھی کر کے کچن کاؤنٹر تک آئی اور ادھر ادھر بھاگتی فیضی حانم کو روکا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

فیضی حانم نے ایک سرسری سی نظر لونگ روم پہ ڈالی جہاں صوفے پر ایک سلیو لیس جیکٹ میں ملبوس مونچھوں والا آدمی ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا تھا اور چائے کی پیالی کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ اس کی نگاہ ہلال کے کمرے کے دروازے پہ جمی تھی۔

"مالا کو کہیں جانا ہے۔ وہ اپنا بچہ چھوڑ کے جا رہی ہے۔ اس لیے ایک پولیس اہلکار یہاں رہے گا اور باقی باہر۔"

"گھر نہ ہوا فوسٹر ہوم ہو گیا۔" سوزین نے ناک سکوڑا۔ بے زاری سے سر جھٹکا اور اپنا مگ اٹھایا۔

"بیر بل کہاں ہے؟"

"معلوم نہیں۔" فیضی حانم کندھے اچکا کے اوون کی طرف بڑھ گئیں تو سوزی نے سوچتی نظروں سے ان کی پشت کو دیکھا۔

"کیا وہ رات بھر گھر نہیں آیا؟"

"اس کے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔"

جواب فیضی حانم کے بجائے ماہر کی طرف سے آیا تو سوزی بے اختیار اپنی ہیلز پہ گھومی۔ سیڑھیوں سے اتر کے نیچے آتے ماہر کو دیکھ کر اس نے چہرے کے تاثرات درست کیے۔

"اوہ۔ کون سا دوست؟"

"شعیب۔"

"شعیب کون؟"

"جتنی خبر تمہیں اس کی پراپرٹی کی ہے اتنی دوستوں کی بھی ہونی چاہیے تھی۔ بہر حال اسے جلدی میں لندن جانا پڑا ہے۔ کافی دیر وہ تمہیں اٹھاتا رہا۔ لیکن غالباً تم کوئی دوا لے کر سو رہی تھیں۔" ایک ناپسندیدہ نظر سوزین پہ ڈال کے وہ آگے بڑھ گیا۔ رخ ہلال کے کمرے کی جانب تھا۔ سوزی نے مگ رکھا اور اس کے پیچھے آئی۔

ادھ کھلے دروازے سے اندر کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ ہلال بیڈ کے ایک کنارے پر بیٹھی تھی۔ ساتھ ننھا بدر تھا۔ مالا سامنے پنجوں کے بل بیٹھی بدر کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی کچھ کہہ رہی تھی۔ سوزی کو یہاں سے مالا کی پشت دکھائی دیتی تھی۔ ماہر بھی ان کے قریب جا رکا تھا۔

"میں شام تک آ جاؤں گی۔ تب تک تم ہلال کے ساتھ رہو گے۔ اوکے؟" وہ بچہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ مالا نے گردن موڑ کے لاؤنج میں بیٹھے پولیس اہلکار کی جانب اشارہ کیا۔ (چوکھٹ میں کھڑی سوزی کو سر کے اثبات سے سلام کیا)

"وہ اچھا آدمی ہے۔ اوکے؟" اس نے نرمی سے کہا تھا لیکن بدر نے ایک دم تیزی سے سر اٹھایا اور اس طرف دیکھا۔ پھر واپس مالا کو۔ پھر اوپر ماہر کو۔ دوبارہ دروازے کی درز سے دکھائی دیتے پولیس آفیسر کو۔

پھر اس کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے اور سر واپس جھکا لیا۔

ماہر نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں پولیس اہلکار کو دیکھا اور پھر واپس بدر کو۔ البتہ مالا اسی طرح کہے گئی۔

"بدر کا ناشتا بنا پڑا ہے۔ اورنج جوس بھی۔ بدر ناشتا کرے گا۔ ٹھیک؟" وہ اپنی بے بی لینگویج میں اس کو ہدایات دے رہی تھی۔

ماہر نے ایک دفعہ پھر پولیس اہلکار کو دیکھا اور واپس بچے کو۔ وہ چونکا کیوں تھا؟ کیا اس نے پہلے اس اہلکار کو دیکھ رکھا تھا؟ یا کیا وہ کچھ اور دیکھ رہا تھا؟ لیکن نہیں، مالا کو تو کچھ محسوس نہیں ہوا۔ وہ اس کی ماں تھی۔ شاید وہ بچہ بار بار ایسے ہی چونکتا تھا۔ اگر اس کی ماں کے لیے یہ غیر معمولی نہیں تھا تو اسے فضول نہیں سوچنا چاہیے۔

وہ ہلکا سا کھنکھارا۔

"میں کوٹ لے کر آرہا ہوں۔" اس کو اطلاع دی۔ مالا نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے بیٹے کو واپس اسی طرح ہدایات دیتی رہی۔ ماہر چوکھٹ میں سے گزر کے آگے بڑھ گیا۔ سوزی نے خاموشی سے اسے جاتے دیکھا اور پھر واپس مالا کو۔

جب وہ بالآخر بدر کو فیضی حانم کے حوالے کر کے اور ان کی بہت سی تسلی کے بعد وہاں سے پلٹی تو دیکھا سوزین کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی۔ مالا رسمی سا مسکرائی اور گزر کے آگے جانے لگی تھی جب...

"تم اپنے بیٹے کا بہت خیال کرتی ہو۔ اس سے بہت پیار کرتی ہو۔ سو سوئیٹ۔"

مالا نے اسی طرح مسکرا کے سر کو خم کر دیا۔ سوزین کافی مشین میں بینز ڈالتے ہوئے آنکھیں اسی پہ جمائے ہوئے تھی۔

"لیکن سنو، جب بھی شادی کرنا.... کسی ایسے آدمی سے کرنا جو تمہیں تمہارے بچے کے ساتھ قبول کرے۔"

وہ جو راہداری کی طرف پلٹ رہی تھی، ان الفاظ پہ ٹھہر گئی۔ الٹے قدموں گھومی اور ٹھک ٹھک چلتی اس کے سامنے آئی۔

"اگر میں نے کبھی کسی مرد کو اپنی زندگی میں آنے دیا، تو اس مرد کو میرا احسان مند ہونا چاہیے کہ میں اپنے بیٹے کے معاملے میں اس پہ بھروسہ کر رہی ہوں۔ میرا بیٹا میری ذات کا حصہ ہے۔ کوئی مجھے میرے بیٹے کے ساتھ کیا قبول کرے گا؟ میں اپنے بیٹے کے لیے کسی مرد کو قبول کروں گی نا، تو اس کو شکر ادا کرنا چاہیے کہ میں نے اپنے بیٹے کو اس کی امان میں دیا ہے۔"

"اوکے۔ لیکن اتنا ہائپر ہونے کی کیا ضرورت ہے؟" سوزین نے ناسمجھی سے کندھے اچکائے۔ مالا نے ضبط سے مٹھی بھینچ لی۔

"کوئی مرد کسی بچے کی ماں سے شادی کر کے ،اس بچے کو قبول کر کے اس پہ احسان نہیں کرتا۔ بلکہ عورت اگر اس مرد کو اپنے بچے کے قریب آنے دیتی ہے تو اس پہ احسان کرتی ہے۔ یاد رکھنا میری بات۔" ضبط سے ایک ایک لفظ چبا کے کہا، ایسے کہ چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔

اس گفتگو سے بے خبر ماہر اوپر اپنے کمرے میں کھڑا الماری سے کوٹ نکال رہا تھا۔ ائیر پوڈز کانوں میں لگے تھے۔

"بیر بل کو ایک دوسرا نمبر لے کر دیا ہے۔ ابھی اس سے بات ہو گئی تھی۔ وہ بودرم پہنچ گیا ہے۔ کچھ دن وہیں رہے گا۔"

"گڈ۔" مالک فرید کی مشینی آواز ابھری۔ "اس کو سوزی سے بات تو نہیں کرنے دی؟"

"ہر گز نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میک شیور کرنا کہ وہ اس سے بات نہ کرے۔"

"نہیں کرے گا۔"

"چچ چچ..." مالک فرید کے لہجے میں افسوس ابھر آیا۔ "براق اور سوزین؟ مجھے اس سے یہ امید نہیں تھی۔"

وہ جب تک نیچے آیا سوزین اپنا ناشتا کرتی کسی فون کال پہ مصروف تھی۔ یا شاید وہ بار بار بیر بل کو فون کر رہی تھی۔ پھر کندھے اچکا کے سر جھٹکا اور کسی اور کو فون ملا لیا۔ اس کا لیدر بیگ اس کے ساتھ تھا۔ غالباً وہ کام پہ جانے کے لئے تیار تھی۔ نیچے اترتے ماہر کو ایک نظر دیکھا۔ وہ اُونی کوٹ بازو پر ڈالے بلیک پینٹس پہ سفید ہائی نیک پہنے ہوئے تھا۔

"Have a nice day." وہ راہداری کی جانب مڑ رہا تھا جب سوزین نے پیچھے سے مسکرا کے کہا۔ اس نے ڈے کہا تھا یا ڈیٹ، ماہر فیصلہ نہ کر سکا۔ البتہ اس وقت وہ سوزین کے منہ نہیں لگ سکتا تھا۔

جب تک وہ مالا کے دروازے پہ پہنچا وہ باہر نکل رہی تھی۔ اس نے لمبا بھورا جرسی ڈریس اور اوپر سفید رنگ کا ہی اوور سائیزڈ سوئیٹر پہن رکھا تھا جس کے گریبان پہ سیاہ فاختہ جھولتی دکھائی دیتی تھی۔ بال کھلے تھے اور ہاتھ میں ٹوپی تھی۔ چہرے پر دو تین دانے نکلے تھے اور اس نے کوئی خاص میک اپ بھی نہیں کیا تھا۔ ابرو اکٹھے کیے وہ سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔

"چلیں؟"

"ہوں۔" وہ اس کی طرف دیکھے بنا آگے بڑھ گئی۔ کوٹ اور بیگ ہاتھ میں اٹھا رکھا تھا۔ ماہر نے غور سے اس کی پشت کو دیکھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" وہ اس کے پیچھے لفٹ تک آیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" وہ اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوئی۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ بس لب بھینچے ہوئے تھے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ ابھی چند منٹ پہلے بدر کے کمرے میں اس کو تسلی دیتی ہوئی، اس کو مسکرا کے دیکھ کے سر ہلاتی ہوئی مالا کا چہرہ مختلف تھا۔ اور اب جیسے کچھ ہوا تھا۔ لیکن چند منٹ میں ایسا کیا ہو سکتا تھا؟

لفٹ نیچے جا رہی تھی اور اس میں ایک تناؤ بھری خاموشی پھیلی تھی۔

"ویدر فورکاسٹ دیکھ لی تھی؟" اس نے برائے بات پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ ناسمجھی سے اس کے پیچھے آیا۔ Valet اس کی کار عمارت کے سامنے لا چکا تھا۔ اس دوران مالا خاموش تھی۔ نہ کوئی مسکراہٹ۔ نہ چہرے پہ نرمی۔ بس کار کی طرف آئی۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ بیگ اور کوٹ وہاں رکھا اور فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سیٹ بیلٹ باندھی اور اپنی کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" کار سڑک پر ڈالتے ہوئے وہ کھنکھارا تھا۔

"نہیں۔" وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ ٹوپی گود میں رکھے ہوئے تھی۔

آج شہر خزاں آلود اور بے رونق تھا۔ کار میں ہیٹر آن تھا۔ البتہ باہر دسمبر کا سرمئی پن ہر جگہ پھیلا تھا۔ ماہر نے فون ہولڈر میں اپنا موبائل کھڑا کیا، میپ آن کیا اور کار ہائی وے پر ڈال دی۔ اس دوران چند ایک دفعہ اس نے کن انکھیوں سے کشمالہ کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ اسی طرح باہر دیکھے جا رہی تھی۔ کار میں صرف خاموشی تھی یا صندل کے کار فریشنر کی خوشبو۔

سڑک پہ نگاہیں جمائے ماہر فرید کے ذہن نے جمع تفریق شروع کی۔ ابھی بدر کو ڈراپ کرنے سے پہلے اس نے ماہر کو ٹیکسٹ کیا تھا کہ وہ کبھی استنبول سے باہر لانگ ڈرائیو پہ نہیں گئی اور وہ ایکسائٹڈ ہے۔ اور پھر جب وہ بدر کو چھوڑنے آئی تو ایکسائیٹڈ لگ بھی رہی تھی۔ اسی ایکسائٹمنٹ میں اس نے پوچھا تھا کہ چونکہ ڈرائیو لمبی ہے، تو کیا وہ راستے کے لئے سینڈوچز رکھ لے؟ اور جواب میں ماہر نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

"بالکل رکھ لو، شہر کے سارے ریسٹورنٹس تو ہڑتال پہ ہیں نا۔"

"اچھا؟ کیوں؟" پھر اگلے ہی لمحے سمجھ آنے پہ آنکھیں گھما کے آگے بڑھ گئی تھی۔

کیا اس نے اس بات کا برا منایا تھا؟ لیکن نہیں، اس کے بعد وہ ٹھیک تھی۔ پھر وہ اوپر اپنا کوٹ لینے گیا تھا۔ وہ واپس آیا تو وہ جا چکی تھی اور سوزی وہاں کھڑی تھی۔

اچانک سے ایک خیال اس کے ذہن میں کوندا۔

سوزی۔

"سوزی نے کچھ کہا ہے؟" اس نے چونک کے مالا کو دیکھا۔

"کہانا، کسی نے کچھ نہیں کہا۔" وہ جیسے چڑ کے بولی۔ لیکن وہ سمجھ چکا تھا۔ ان چند منٹ میں یقیناً سوزی کی طرف سے کچھ ہوا تھا۔ اسٹیئرنگ پر جمے اس کے دونوں ہاتھوں کی رگیں تن گئیں۔

"سوزی کو نظر انداز کرو۔ اس کی مدت اس گھر میں گنی جا چکی ہے۔"

مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

"بیر بل اسے ڈائیورس دے رہا ہے۔"

کشمالہ ایک دم اس کی طرف پوری گھوم کے بیٹھی۔ ایسے کہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

"کیا مطلب؟ یہ کب ہوا؟"

"بیر بل کو بالآخر سوزی کی اصلیت معلوم ہو چکی ہے اور اسی لیے وہ یہاں سے دور چلا گیا ہے۔ تب تک میں ڈائیورس پیپرز تیار کروں گا اور..."

"ایک منٹ... ایک منٹ۔ کیسی حقیقت؟ شروع سے بتاؤ۔" وہ جیسے اپنی ساری ناراضی بھول کے پوری اس کی طرف گھوم چکی تھی۔ ماہر فرید کو سوزی اور بیر بل کی ڈائیورس کی خوشی پہلی دفعہ دل سے محسوس ہوئی تھی۔

کار میں پھیلا تناؤ ایک دم سے عنقا ہو چکا تھا۔

"بیر بل کو اس پہ شاید شک تھا۔ اس لیے اس نے اس کی میک بک کھولی۔ واٹس ایپ پہ ایک لاک چیٹ تھی جس کو اس نے پڑھ لیا۔ اور اس چیٹ کے مطابق سوزی اس سے بے وفائی کر رہی تھی۔"

"مائی گاڈ!" وہ جیسے ششدر رہ گئی۔ سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر چونکی۔

"لیکن بیر بل تو اس کے بہت آگے پیچھے پھرتا تھا۔ پھر اس نے اچانک اپنی بیوی کی جاسوسی کرنے کا کیسے سوچا؟" اسے جیسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

ماہر علی فرید نے سادگی سے کندھے اچکا دیے۔

"پتہ نہیں یہ آئیڈیا اسے کیسے آیا۔"

"اور اس نے سوزی کا فون نہیں کھولا بلکہ اس کی میک بک کھولی۔ یقیناً اس کے فنگر پرنٹ سے۔ یہ بھی کوئی اچھی حرکت نہیں تھی۔"

"بالکل۔ کافی غیر اخلاقی حرکت ہے۔" ماہر نے اس کی تائید کی۔

وہ ابھی تک افسوس سے سر دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔

"لیکن پھر وہ یہاں سے چلا کیوں گیا؟ اس سے بات تو کرتا۔"

"پتہ نہیں۔ اس کی مرضی۔ وہ رکنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے کہا کچھ دن میں واپس آ جائے گا۔ تب تک میں پیپرز وغیرہ بنوا لوں۔"

" لیکن بیر بل ایسے اس کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ وہ اس کی بیوی ہے۔ اسے ایک دفعہ سوزین سے بات کرنی چاہیے۔ کنفرنٹ کرنا چاہیے۔ یا وضاحت مانگنی چاہیے۔"

"اس چیز کے بعد وہ ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں؟"

"نہیں رہ سکتے۔ مجھے معلوم ہے۔ اور میں بالکل نہیں کہہ رہی کہ بیر بل کو اس کے ساتھ رہنا چاہیے۔ لیکن اس کو ایک دفعہ اپنی بیوی سے بیٹھ کے بات کرنی چاہیے۔ آخر ان دونوں نے شادی کی ہے۔ وہ اس کی گرل فرینڈ نہیں ہے۔ بیوی ہے۔"

"تم جانتی ہو یہ شادی کیسے ہوئی تھی اور کیوں ہوئی تھی۔ بیر بل کی desperation اور سوزین کا لالچ۔ اگر یہ شادی ختم ہو رہی ہے تو بیر بل کو چاہیے کہ جتنی جلدی ہو اسے ختم کر دے۔ تاکہ وہ اس چیز سے نکلے۔"

"مگر یہ شادی ہے، ماہر۔ جب انسان شادی کرتا ہے تو میاں بیوی مل کے ایک خیمہ لگاتے ہیں۔ پھر اس خیمے کی میخیں زمین میں اتنی مضبوطی سے گاڑتے جاتے ہیں کہ بھلے آندھی آئے یا طوفان، انہیں اپنے خیمے کو اڑنے نہیں دینا ہوتا ۔باہر جو کچھ ہوتا رہے، برف باری آئے یا کوئی جنگ چھڑ جائے، میاں بیوی اپنے خیمے کو تباہ ہونے سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک اگر آندھی کے پہلے ہی جھونکے پہ خیمہ چھوڑ کے چلا جائے گا، تو یہ کمٹمنٹ تو نہ ہوئی۔ کم از کم اس سے بات تو کرتا۔ اس کی بات تو سنتا۔"

وہ افسوس سے کہتی باہر دیکھنے لگی۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ ہائی وے پر ایگزیٹ لے رہا تھا۔ مالا کے پوچھے بنا بتایا۔

"فیول ڈلوانا ہے۔"

چند منٹ تک کار فیول اسٹیشن پر رکی رہی۔ وہ باہر نکل گیا۔ پھر فیول بھروا کے وہ مالا کی کھڑکی کی طرف آیا اور انگلی سے اس پر دستک دی۔ وہ جو سر پیچھے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی، چونک کے اٹھی۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔

"کافی پیو گی؟"

"ہاں لیکن میں تمہارے ساتھ آؤں گی۔" وہ سیٹ بیلٹ کھولنے لگی۔ پھر باہر نکل کر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو اس کے کوٹ کے ساتھ ماہر کا کوٹ بھی رکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ماہر کے کوٹ کو پکڑ کے ہٹاتی، وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"میں کر دیتا ہوں۔" جلدی سے اپنا کوٹ سائیڈ پہ کیا اور اس کا کوٹ اٹھا کے اسے دیا۔

"میں صرف اپنا بیگ لے رہی تھی۔" وہ اس کے ایک دم سے آگے بڑھنے پہ بے اختیار پیچھے ہوئی۔ ماہر نے جھک کے اس کا بیگ نکالا اور اس کے ہاتھ میں دیا۔ پھر دروازہ بند کر دیا۔ وہ کافی شاپ کی جانب بڑھ گئی۔

البتہ ماہر نے اپنے کوٹ کو دوبارہ سے تہہ کیا اور سیٹ کے دوسرے کنارے پر رکھ دیا تاکہ وہ مالا کے کوٹ سے دور ہے۔ پھر اس کے پیچھے آیا۔

جب تک وہ کافی شاپ کے اندر پہنچا وہ کافی کا آرڈر دے چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ پے منٹ کی۔ اور جب باریستا نے دونوں کپ ان کے سامنے رکھے اور ماہر نے اپنی کافی کی طرف ہاتھ بڑھایا تو مالا نے اس کے کپ پر ہاتھ رکھ دیا۔

اس نے چونک کے مالا کو دیکھا۔ سر پہ سفید ٹوپی پہنے وہ سنجیدہ سبز آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا؟"

"تم یہ کافی پوری ختم کرو گے۔ نہ گراؤ گے، نہ بچاؤ گے۔"

اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ بکھر گئی۔

"یس میم۔"

وہ انہی گلہ آمیز نظروں سے اس کافی snob کو دیکھے گئی۔ ہاتھ ابھی تک کافی کپ کے سامنے رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

"نہیں گراؤں گا۔" ماہر کو پھر سے تسلی دینی پڑی۔ تب اس نے اپنا ہاتھ ہٹایا۔ بنا کوٹ کے چند لمحے کے لئے نکلنے پہ بھی، تھرمل اور سوئیٹر کی تہیں پہننے کے باوجود اسے شدید سردی لگنے لگی تھی۔ انہیں واپس کار میں بیٹھنا تھا۔

کافی ویسی ہی تھی جیسی کسی فیول اسٹیشن کی کافی مشین کی ہو سکتی تھی۔ ڈرائیو کرتے ماہر کے کپ میں کافی کی سطح تھوڑی ہی نیچے ہوئی تھی جب اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی اترنے لگی۔ البتہ کن انکھیوں سے مالا کا چہرہ دیکھا جو بار بار اس کے کپ کو دیکھتی اور پھر سامنے دیکھتی اپنا گھونٹ بھرتی تھی۔ اسے یہ ختم کرنی تھی۔ وہ اس کا موڈ دوبارہ خراب ہونے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

بادل نخواستہ اس نے بڑے بڑے چند گھونٹ بھر کے وہ کڑوا سیال مائع اپنے اندر اتارا۔ سفر خاموشی سے جاری تھا۔ اب کار کے ایک طرف پانی دکھائی دینا شروع ہو گیا تھا۔ البتہ آبادی کے ابھی کوئی آثار نہیں تھے۔

"پھر سے بتاؤ، ہم اغوہ کیوں جا رہے ہیں؟" وہ کھڑکی سے باہر پانی کو دیکھتی پوچھنے لگی۔

"وہاں ایک بوڑھا کپل رہتا ہے جو ٹیپیسٹری بناتے ہیں۔" مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔

"ٹیپیسٹری؟" ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہلال کو بھی انہوں نے سکھائی تھی۔ ہم چھٹیوں میں یہاں آتے تھے۔ وہ شیلے کے کپڑے سے ٹیپیسٹری اور پینٹنگز بناتے ہیں۔ یہ اغوہ کا مشہور کپڑا ہے جو ہاتھ سے بُنا ہوتا ہے اور اس میں سے سمندر کی خوشبو آتی ہے۔"

"انٹرسٹنگ۔" وہ سامنے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"ان کے پاس ایک ٹیپسٹری ہے۔ گھوڑوں کی۔ مجھے وہ بہت پسند ہے۔ وہ شیلے کے کپڑے پہ ہاتھ سے بنی ہوئی ہے۔ میں اس کو قرمزی عمارت میں اپنے آفس میں رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہ کسی قیمت پہ مجھے یہ دینے پہ تیار نہیں ہیں۔"

"اور تم چاہتے ہو کہ میں ان کو کنوینس کروں کہ وہ تمہیں یہ ٹیپسٹری دے دیں۔ کیا تم نے پیسے آفر کرنے کی کوشش نہیں کی؟"

جواب میں ماہر نے جیسے برا مان کے اسے دیکھا۔

"ہر چیز پیسے سے نہیں خریدی جا سکتی، کشمالہ حانم۔ اس ٹیپسٹری کے ساتھ ان کی جذباتی وابستگی ہے۔"

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔ مجھے کچھ بتاؤ ان کے بارے میں۔ وہ دونوں کون ہیں؟"

(وہ اغوہ کا ایک خوبصورت گھر تھا۔

قاسم پتی کے پھولوں سے مزین باغیچہ۔ پتھریلی روش۔ اختتام پہ زینے اور پھر دروازہ۔ چوکھٹ پہ بیلوں کی آرائش تھی۔

اندر جاؤ تو لکڑی کا ایک لونگ روم بنا تھا جس کی اونچی کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے اور ایک آرام کرسی پر قدرے بھاری سی عورت یوں بیٹھی تھی کہ پیر اوتومن پر رکھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں اُون کی سلائیاں تھیں اور ناک پہ عینک لگائے وہ انگلیوں کو سست روی سے گھماتی اُون کا سوئیٹر بُنتی جا رہی تھی۔ باب کٹ بال سلکی اور سفید تھے اور کانوں میں موٹی موٹی سونے کی بالیاں تھیں۔ وہ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کے نیلی آنکھوں سے گھڑی کو دیکھتی تھیں۔ پھر پیچھے کہیں کسی کو آواز دی۔

"ماہر ابھی تک نہیں پہنچا؟"

پیچھے کچن سے ایک بوڑھا آدمی آتا دکھائی دے رہا تھا۔ ڈریس پینٹ اور شرٹ پہ سوئیٹر پہنے وہ دھیرے دھیرے چلتا دو کپ اٹھائے ہوئے تھا جن سے بھاپ اُڑ رہی تھی۔ ہاتھوں میں لرزش تھی۔ اس کی گردن عمر رسیدگی کے باعث قدرے جھکی ہوئی تھی اور بال اپنی بیوی کی نسبت اڑے اڑے تھے۔ عام ترکش مردوں کے برعکس وہ بالکل کلین شیو تھا۔ لونگ روم میں آتے ہوئے گھڑی پہ ایک نگاہ ڈالی۔ پھر سر دائیں سے بائیں ہلایا۔

"نہیں۔ ابھی تک نہیں پہنچا۔"

سامنے کھڑکی کے ساتھ ایک چار بٹا پانچ فٹ کا فریم رکھا تھا جس کے اوپر موٹی سفید چادر ڈلی تھی۔)

"آغا اور بانو۔ وہ آرٹسٹ لوگ ہیں۔ بوڑھے ہیں۔ بیمار ہیں۔ اور ایک زمانے میں شیلے کے کپڑے کو ایکسپورٹ کرتے تھے۔ انہوں نے بہت سے ورکرز رکھے ہیں جو دریا کے کنارے جوق در جوق کھڑے آج بھی ہاتھوں سے شیلے کا کپڑا

بنتے ہیں۔ آغا کے ہاتھ میں رعشہ ہے جس کے باعث اسے ایک ٹیپسٹری بنانے میں کئی مہینے لگ جاتے ہیں۔اس لئے ان کی ہر ٹیپسٹری ان کے لیے بہت قیمتی ہوتی ہے۔"

"پھر تمہیں ان سے ان کی ٹیپسٹری نہیں لینی چاہیے۔"

ماہر نے مزید برامان کے اسے دیکھا۔

"تم کس کی سائیڈ پہ ہو؟"

مالا نے شانے اچکا دیے اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

سورج کہیں بادلوں کے اوپر سے چمکنے کی کوشش کر رہا تھا اور سرمئی دن میں ہلکا سا سنہری پن اچھا لگ رہا تھا۔البتہ مکمل طور پہ دھوپ نہیں نکلی تھی۔

کار اس بل کھاتی سڑک پہ آگے بڑھ رہی تھی جب وہ کھنکھارا۔

"وہ جو تم نے کہا خیمہ لگانے کے بارے میں..."

"خود سے نے نہیں کہا۔ کہیں پڑھا تھا۔" وہ گردن پوری موڑے باہر دیکھے گئی۔

"جو بھی تھا۔ کیا تم خود بھی اس پہ یقین رکھتی ہو؟"

"کس پہ؟"

"یہی کہ شادی ایک خیمہ لگانے کے جیسی ہوتی ہے۔وہ خیمہ جس کو طوفان اور آندھی میں تھام کے بیٹھنا ہوتا ہے۔"

مالا نے چہرہ پورا موڑ کے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

"تم کیا پوچھنا چاہ رہے ہو؟"

اسٹیئرنگ پر جمے ماہر کے ہاتھوں کی رگیں مزید تن گئیں۔

"کیا تم نے کبھی دوبارہ اس خیمے کو لگانے کی کوشش نہیں کی؟"

مالا نے چہرہ ونڈ اسکرین کی جانب موڑ لیا۔

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ ایسی خاموشی کہ ماہر کو لگا وہ جواب نہیں دے گی۔ اور پھر...

"کی تھی۔"

اس نے چونک کے مالا کو دیکھا۔ وہ عام سے انداز میں سیدھ میں سڑک کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"چند ایک دفعہ مجھے ماہی نے اور کچھ فرینڈز نے ملوایا... کچھ لوگوں سے۔ اچھے، پڑھے لکھے، ہائی اچیونگ مرد۔ اچھی فیملیز کے۔ ان میں سے ایک وین کوور میں انویسٹمنٹ بینکر تھا۔ اور اس نے مجھے..."

"اٹس اوکے۔" وہ جلدی سے بولا۔ اس کا جیسے حلق تک کڑوا ہو چکا تھا۔ مالا نے بات وہیں چھوڑ دی۔ چہرہ موڑ کے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

کار کے اندر اب کے جو خاموشی چھائی اس میں شدید تناؤ تھا۔ اس نے غلط سوال پوچھ کے غلط جواب سن لیا تھا۔

پھر تناؤ دھیرے دھیرے کم ہوتا گیا۔ وہ چھوٹی موٹی باتیں کرتے آئے۔ اس طرف کون سا علاقہ ہے؟ اوہ، دھوپ نکل آئی ہے۔ اس شخص نے ایسا لباس کیوں پہن رکھا ہے؟ کتنا راستہ رہ گیا ہے؟

یہاں تک کہ آبادی دکھائی دینے لگی۔ وہ دو دریاؤں کے درمیان بنا شہر تھا۔ اغوہ کا معنی بھی دو دریاؤں کے درمیان تھا۔ پانی کے کنارے ماچس کی ڈبیوں جیسے بہت سے اونچے نیچے گھر بنے تھے۔ اس شہر میں تقریباً ہر شے ہی پانی کے کنارے تھی۔

ماہر نے کار روکی تو وہ باہر نکلی۔ اپنا کوٹ نکالا۔ اسے پہنا۔ ٹوپی ٹھیک سے سر پر جمائی اور فرصت سے اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ سڑک کنارے ایک ایسی گزرگاہ کے قریب تھے جس کے آگے پانی تھا اور ایک جانب لمبی روش بنی تھی جس پر جگہ جگہ میز کرسیاں رکھی تھیں اور رنگ برنگے لالٹین اوپر سے لٹک رہے تھے۔ اسے یوں ہی بلت یاد آیا۔

"یہاں رہتے ہیں وہ دونوں؟" حیرت سے ماہر کو دیکھا کیونکہ وہ کسی گھر کی توقع کر رہی تھی۔

"نہیں۔ پہلے ہم لنچ کر لیں۔"

مالا نے پوری آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔

"ہم ان سے ملنے آئے ہیں یا لنچ کرنے؟"

"ان سے ملنے آئے ہیں۔ لیکن میں نے ناشتا نہیں کیا تھا۔ صرف وہ کافی پی تھی جو..." بہت مشکل سے فیول اسٹیشن کی کافی کی شان میں کچھ کہنے سے خود کو روکا۔

"اور جو لوگ مجھے ٹیپسٹری دینے پہ تیار نہیں ہیں، تمہارے خیال میں وہ کچھ کھلائیں گے؟"

کشمالہ نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا اور میزوں کی جانب بڑھ گئی۔ وہ کار کو لاک کرتا اس کے پیچھے ہو لیا۔

"میں نے جو تم سے پوچھا کار میں..."

وہ دونوں آمنے سامنے لکڑی کی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ اوپر رنگ برنگے قمقمے لٹک رہے تھے اور سامنے پرسکون پانی بہہ رہا تھا۔ یہاں پانی ندی کی صورت بہتا تھا۔ اس کے دوسرے پار بھی ایسی ہی میزوں کی قطار تھی اور کوئی دوسرا ریستوران تھا۔ دونوں کے درمیان پلیٹس رکھی تھیں جن میں مچھلی اور چند چٹنیوں کی ننھی کٹوریاں تھیں۔ ساتھ بریڈ کے ٹکڑے۔ گرم مچھلی۔ ٹھنڈی بریڈ۔

"اگر تمہیں برا لگا ہو تب بھی میں شرمندہ نہیں ہوں۔" وہ کہنیاں میز پر رکھے لقمہ لیتے ہوئے اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دی۔

"میں تو بتانے کو تیار تھی۔ تم سننا ہی نہیں چاہتے تھے۔"

"میں ان آدمیوں کی تفصیل نہیں پوچھ رہا تھا جن کو کبھی تم نے اس قابل سمجھا کہ تم ان کو اپنی زندگی میں شامل کرو۔"

سفید ٹوپی اور سبز آنکھوں والی لڑکی مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر کے پیچھے ندی کی صورت پانی بہہ رہا تھا۔ دھوپ اس کی پشت پہ تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ دھوپ اور مالا کے درمیان تھا۔ کسی آڑ کی طرح۔

"میں یہ پوچھ رہا تھا کہ کیا تمہارے اندر دوبارہ اس خیمے کو لگانے کا حوصلہ ہے؟"

مالا کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ اس نے بہت سا تھوک نگلا۔ آنکھیں البتہ ماہر پہ جمی تھیں۔

"تم جانتے ہو میں کس تکلیف سے گزری ہوں۔ یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے پہلی شادی کتنی امید سے کی تھی۔ جیسے ہر لڑکی کرتی ہے۔ لیکن وہ نہیں چل سکی۔ اس کے بعد دوبارہ یہ قدم اٹھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ خود کو تیار کرنا۔ لیکن یہی فرق ہوتا ہے مردوں اور عورتوں میں۔"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ بریڈ تورٹی انگلیاں تھم گئیں۔

"عورت بھلے کمٹمنٹ کے لیے تیار نہ ہو، لیکن اسے کوئی بھروسے کے قابل مرد ملے تو وہ خود کو تیار کر لیتی ہے۔ لیکن مرد جب تک تیار نہیں ہوتے، وہ کمٹمنٹ نہیں کرتے۔ چاہے سامنے دنیا کی خوبصورت ترین لڑکی ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب تیار ہو جائیں تو پہلی ہی دستیاب لڑکی سے شادی کر لیتے ہیں۔ چاہے وہ جیسی بھی ہو۔"

"جیسے بیربل... جب وہ تیار تھا تو اس نے سوزی سے..."

"نہیں، ماہر۔ میں بیر بل کی بات نہیں کر رہی۔ میں تمہاری بات کر رہی ہوں۔ تم تیار نہیں تھے جب تم لاہور چھوڑ کے آئے تھے۔"

دریا کنارے رنگین قمقموں کے درمیان ایک لمحے کے لئے بالکل سناٹا چھا گیا۔

"ہر چیز اتنی پیچیدہ نہ ہوتی اگر تم اس وقت کچھ کہے بنا لاہور چھوڑ کے نہ جاتے۔ لیکن تم تیار نہیں تھے۔ تمہارے اندر اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ تم مجھے اپنا سچ بتا سکو۔ اگر تم مجھے اپنے منہ سے سچ بتا دیتے تو آج ہم ادھر نہ ہوتے۔ یا کم از کم میں نے تمہاری بات سنی ہوتی زیاد کے معاملے میں۔" وہ افسوس سے کہہ رہی تھی۔

"سارا قصور میرا ہے کیا؟"

"نہیں، میرا بھی ہے۔ غلط شخص پہ بھروسہ کیا۔ جس پہ کرنا چاہیے تھا اس پہ نہیں کر سکی۔" اس نے جھرجھری لے کے سر دائیں بائیں ہلایا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

"اب کر سکتی ہو بھروسہ؟"

مالا نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں لاہور چھوڑ گیا تھا۔ لیکن تم استنبول چھوڑ کے نہیں گئیں۔ حالانکہ تمہارے پاس بدر کا ٹریول ڈاکومنٹ بھی ہے۔"

شاید اس کو لگا تھا کہ اس بات پہ وہ حیران ہو جائے گی۔ یا شاید شرمندہ۔ البتہ وہ اسی سنجیدگی سے اسے دیکھے گئی۔

"میں کیسے چھوڑ کے جا سکتی تھی؟ جب کہ ابھی ہماری گفتگو مکمل نہیں ہوئی تھی۔ وہ گفتگو جو تم نے پولیس اسٹیشن کے باہر شروع کی تھی۔"

ماہر کا سانس ایک لمحے کے لیے تھم گیا۔ اوہ۔ تو وہ اتنے دن سے اس کے گفتگو مکمل کرنے کی منتظر تھی۔ اور وہ اس کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔

وہ دھیرے سے پیچھے کو ہوا۔ باکس سے چند ٹشو کھینچ کے نکالے۔ ہاتھوں اور ناخنوں کو خواہ مخواہ رگڑ کے صاف کرنے لگا ۔ پھر نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا تو وہ اسی سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"پولیس اسٹیشن کے باہر میں نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس شہر میں ٹھہر سکتی ہو۔ میں جانتا ہوں تمہارے لیے زندگی دوبارہ شروع کرنا بہت مشکل ہے۔ لیکن تم یہ کیوں سوچتی ہو کہ تمہیں ہر چیز اکیلے کرنی پڑے گی؟ ہر مرد اس ایک مرد کی طرح نہیں ہوتا جس کو تم نے اپنی زندگی کا پیمانہ بنالیا ہے۔"

"میں جانتی ہوں کہ ہر مرد اس جیسا نہیں ہوتا۔"

"تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں نے کبھی تم سے موو آن نہیں کیا۔ کوشش کے باوجود نہیں کر سکا۔ زارا سے شادی کر رہا تھا کسی اور وجہ سے۔ مگر تمہارے بعد زندگی میں کوئی نہیں آیا۔ اور اب مجھے لگتا ہے کہ کوئی آ بھی نہیں سکے گا۔"

وہ کہہ رہا تھا اور وہ بس اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے پیچھے سے آتی دھوپ کا راستہ رک گیا تھا۔ صرف وہ تھا، اوپر نیچے لٹکتے قمقمے تھے اور ندی جیسا پانی۔

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہاری زندگی میں پہلے ہی بہت مسئلے ہیں۔ اور میں یہ بالکل نہیں کہہ رہا کہ اگر تم اس شہر میں رہ جاؤ، میرے لئے... میرے ساتھ... تو تمہارے سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ زیاد کبھی تمہارا پیچھا نہیں کرے گا۔ یابدر سے جڑے تمام اندیشے دور ہو جائیں گے۔ میں یہ بالکل نہیں کہہ رہا۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ..."

اس نے دونوں مٹھیاں میز پر رکھیں اور آگے کو ہوا۔

"میں نے اور تم نے اپنی اپنی انا میں، غصے میں، غلط فہمی میں، بہت سا وقت ضائع کیا ہے۔ لیکن میرے ساتھ تم اکیلی نہیں ہو گی۔ جو خیمہ ہم نے لگانا ہے وہ ہم ایک ساتھ لگائیں گے۔ میں یہ وعدہ نہیں کرتا کہ کبھی کوئی آندھی نہیں آئے گی، یا طوفان ہم سے نہیں ٹکرائے گا۔ لیکن میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ تمہیں اور بدر کو میں ہمیشہ پروٹیکٹ کروں گا ۔ میں جانتا ہوں میری بہت سی چیزوں سے تمہیں بہت سے مسئلے ہیں۔ لیکن ایک چیز جس پہ تم کبھی شک نہیں کر سکتی، وہ میری فیلنگز ہیں۔ یہ پہلے دن سے اب تک نہیں بدلیں۔ حالانکہ درمیان میں تم نے بہت سے موقعوں پہ مجھے بہت غصہ بھی دلایا، بہت ہرٹ بھی کیا اور مایوس بھی۔ بہت دفعہ میں نے کوشش کی کہ میں کشمالہ مبین سے موو آن کر جاؤں۔ میں نے تمہاری ساری بری باتیں یاد کیں۔ اور ہاں، تمہارے اندر بہت سی بری باتیں ہیں، جن میں سے سب سے سرفہرست تمہارا ضدی پن ہے اور دوسروں کو بالکل shut out کر دینا۔ تم ہمیشہ جگہ چھوڑ کے چلی جاتی ہو ۔ تمہیں کنفرنٹ کرنے سے زیادہ فرار بہتر لگتا ہے۔ اور یہی بری باتیں میرے اندر بھی ہیں۔ میں نے بھی بہت دفعہ یہی کیا ہے۔ اس سب کے باوجود میں یہ جانتا ہوں کہ کوئی مجھے تم سے زیادہ سمجھ نہیں سکتا۔ اور تمہیں مجھ سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ تمہیں مجھ سے اچھے لوگ بھی مل سکتے ہیں۔ لیکن اگر تم نے کبھی کسی کے اوپر دوبارہ بھروسہ کرنا ہی ہے، اور تمہیں لگتا ہے کہ تم زندگی دوبارہ شروع کرنا چاہتی ہو، تو کیا تم میرے اوپر بھروسہ کر سکتی ہو؟"

اس کو دیکھتی مالا کی سبز آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ اس کے ہونٹ بند تھے۔

"کیا تمہیں میں ایسا انسان لگتا ہوں جس پہ بھروسہ کیا جا سکے؟"

مالا اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ کچھ نہیں بولی۔

"تمہارے خیال میں، میں کون ہوں؟ کیسا انسان ہوں؟" ماہر کی آواز میں اب زخمی پن تھا۔ وہ جیسے تکلیف سے پوچھ رہا تھا۔ وہ کیا کہے گی؟ کلاسک مینو پولیٹر؟ جھوٹ اور سچ کو خلط ملط کرنے والا؟ فریب کار انسان؟ وہ کیا کہے گی اس کے بارے میں؟ وہ کیا رائے رکھتی تھی اس کے لیے؟ اور وہ کچھ کہہ کیوں نہیں رہی تھی؟

مالا نے پلکیں جھپکیں۔ بہت سے آنسو اندر اتارے۔ پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

"ہمیں واپس بھی پہنچنا ہے، ماہر۔ چلو۔"

وہ بیگ اٹھا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ کچھ تھا جو اس کے اندر ڈوب کے ابھرا۔ پھر اس نے سر ہلا دیا۔ خاموشی سے چابی اٹھائی اور کچھ کہے بنا کار کی طرف چل دیا۔

وہ گفتگو مکمل کرنا چاہتی تھی اور اس دفعہ وہی گفتگو ادھوری چھوڑ رہی تھی۔ اب وہ دوبارہ اس گفتگو کو کیسے شروع کرے گا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم پتی کے پھولوں سے مزین باغیچہ ان کا منتظر تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ البتہ ٹھنڈ اتنی تھی کہ اس باغیچے میں بیٹھنا ناممکن تھا۔ سو وہ دونوں لکڑی کے لونگ روم کے اندر لیدر کے صوفے پر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے اونچی کرسی پر بیٹھی بھاری بھرکم چھوٹے سفید بالوں والی بانو بیٹھی تھیں۔ ان کو دیکھ کے سلائیاں اور اُون گود میں رکھ لیا تھا۔ عینک اتار دی تھی اور ایکس رے کرتی نگاہوں سے پہلے ماہر کو دیکھا پھر مالا کو۔ سر سے پیر تک۔ پھر ماہر کو۔ وہ اسی طرح مسکرائے گیا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"ٹیپسٹری کے لیے آئے ہو؟" ابرو اٹھا کے پوچھتی بوڑھی بانو کا چہرہ سپاٹ تھا۔ نہ مسکراہٹ تھی نہ ہی کوئی خفگی۔ ماہر نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ وہ اپنی بزنس اسمائل چہرے پہ سجائے ہوئے تھا۔

"یہ مالا ہے۔" اس نے تعارف کروایا۔ مالا نے مسکرا کے سر اثبات میں ہلایا۔ بانو رسمی سا مسکرائیں۔ پھر واپس ماہر کو دیکھا تو مسکراہٹ کی جگہ سنجیدگی نے لے لی۔

"اور اس کو اپنی وکالت کرنے کے لیے ساتھ لائے ہو؟"

"Guilty as charged." وہ ہنوز مسکرا رہا تھا۔ مالا نے اپنا کوٹ اتار دیا تھا۔ البتہ ماہر گرم لونگ روم کے باوجود اپنے لمبے کوٹ میں ملبوس تھا۔

"خوش آمدید، مالا۔"

بوڑھا آدمی ٹرے اٹھائے اندر داخل ہوا تو ٹرے ہاتھوں کی کپکپاہٹ کے باعث ہلکی ہلکی ہل رہی تھی اور پیالیاں چھنک رہی تھیں۔ مالا تیزی سے اٹھی اور ان سے ٹرے لینی چاہی۔ لیکن انہوں نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا اور بدقت جھک کے ٹرے میز پر رکھی۔ اس میں چائے کی پیالیاں تھیں اور کپکپاہٹ کے باعث ذرا ذرا سی چائے باہر گری تھی۔

بانو نے افسوس سے آغا کو دیکھا پھر پیالیوں کو۔ آغا کسی عادت کی طرح ایک ٹشو باکس کی طرف جھکا، بدقت تین ٹشو نکالے اور پرچوں کے کناروں کو صاف کیا۔ پھر ٹشو ڈسٹ بن میں ڈالنے گیا۔ بانو کی نگاہوں نے تب تک اس کا تعاقب کیا جب تک وہ ساتھ رکھی کرسی پر آ کے بیٹھ نہیں گیا۔ اب وہ دونوں بوڑھے ان کے سامنے ایک جیسی کرسیوں پر خاموشی سے بیٹھے تھے۔ لیکن ایسی خاموشی جس میں بہت سا سکون تھا۔

"آپ دونوں کتنے عرصے سے ساتھ ہیں؟" مالا نے دلچسپی سے ان کو دیکھا تھا۔ اور ماہر نے اسے۔

بانو ہلکا سا مسکرائیں۔

"پینتالیس سال سے۔ ہمارے بچے اپنی اپنی یونیورسٹی، شادیوں اور اپنے بچوں میں مصروف ہو کے جا چکے ہیں۔ چھٹیوں اور تہواروں میں آتے ہیں۔ ایک کیئر ٹیکر ہے جو ہمارا خیال رکھتی ہے۔" ابرو سے کچن کی طرف اشارہ کیا جہاں سے کھٹ پٹ سنائی دے رہی تھی۔

ان دونوں کو ساتھ دیکھ کے کچھ تھا جو اس کے چہرے پہ لہرایا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

"آپ کی انگلش بہت اچھی ہے۔ حالانکہ اس ملک میں لوگوں کی انگلش زیادہ اچھی نہیں ہوتی۔"

"میں ایک لمبا عرصہ انگلش ٹیچر رہی ہوں۔" بانو مسکرا کے بولیں۔ ان کا لہجہ برطانوی انگریزی کے جیسا تھا۔

"اگر میں آپ سے پوچھوں کہ زندگی نے آپ کو وہ کون سا سبق دیا جو آپ ہر ایک کو دینا چاہیں گی؟"

جواب میں بانو کی آنکھوں میں سوگواریت اتری۔

"زندگی نے مجھے ایک بات سکھائی ہے۔"

وہ جیسے سانس روکے سنے گئی۔

"کہ کوئی کسی کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہتا۔"

لکڑی کے لونگ روم میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔

پھر ماہر کھنکھارا۔

"جیسے یہ ٹیپسٹری۔ یہ بھی آپ کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ اس لئے میں اسے لینے آیا ہوں۔" وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

بانو نے اسی تیکھی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

"اور ہم یہ تمہیں کیوں دے دیں؟ تا کہ تم اس کو اپنے دفتر میں ٹانک کے بھول جاؤ؟ ہاں، تمہارا کوئی فارنر مہمان آئے گا تو تم فخر سے دو منٹ کے لیے رک کے اسے کہو گے کہ یہ شیلے کے دھاگوں سے بنی ہے۔ اس میں سے سمندر کی خوشبو آتی ہے۔ پھر تم ان کو بتاؤ گے کہ اغوہ کے شہر میں ابھی تک لوگ ہاتھ سے کپڑا بنتے ہیں۔ یہ کہہ کے تم دونوں آگے بڑھ جاؤ گے۔ تمہارے اس چند سیکنڈ کے فخر کے لیے، کیا ہم یہ ٹیپسٹری تمہیں یونہی اٹھا کے دے دیں؟"

ماہر نے گہری سانس لی۔ پیچھے ہو کے بیٹھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جمالی اور سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ جیسے اس کے بولنے کے لئے اب کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ ابرو سے مالا کو اشارہ کیا۔

بانو اور آغا نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اسی دلچسپی سے کشمالہ کو۔ چائے کی پیالیوں کو کسی نے چھوا تک نہ تھا۔

"تم چاہتی ہو کہ ہم یہ ٹیپسٹری اس کو دے دیں؟ اس روبوٹ کو؟ جو کسی دن اچھی قیمت ملنے پہ اس کو بیچ بھی سکتا ہے؟"

"کیا آپ نے پہلے کبھی ماہر کو کوئی ٹیپسٹری نہیں دی؟"

بانو نے نفی میں سر ہلایا۔

"اس نے کبھی مانگی ہی نہیں۔"

"اور اب وہ مانگ رہا ہے۔"

"کیونکہ ہمارا آرٹ ورک قیمتی ہے۔ اس کو اپنی عمارت میں لگانے سے اس کے آفس کی شان بڑھ جائے گی۔ لیکن ماہر فرید اس آرٹ کو اپنے تک محدود کر کے رکھنا چاہتا ہے۔"

"اور آپ کیا چاہتے ہیں؟"

دونوں بوڑھوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اسے۔

"ہم اس کو اغوہ کے میوزیم میں رکھنا چاہتے ہیں تا کہ لوگ دور دور سے جب اس شہر میں آئیں تو وہ اس ٹیپسٹری کو دیکھیں اور انہیں اس سے سمندر کی خوشبو آئے۔"

مالا نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ صوفے پر قدرے آگے کو ہوئی۔ اس دوران ٹیک لگائے بیٹھے ماہر کی نگاہیں مالا اور اس بوڑھے کپل کے درمیان ٹینس بال کی طرح گھوم رہی تھیں۔

"میں آپ کی بات سمجھ سکتی ہوں۔ آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے آرٹ کی قدر کی جائے۔ اس کو بھلایا نہ جائے۔ یقینا اغوہ کے میوزیم میں اس کو بہت عزت دی جائے گی۔ سیاح آئیں گے۔ وہ اس کو دیکھیں گے۔ اس کے ساتھ لگی پلیٹ پر لکھی چند سطور پڑھیں گے۔ کوئی گائیڈ کھڑا ہوا تو وہ انہیں اس کے بارے میں مزید آگاہی دے گا۔ اور پھر وہ وہاں سے چلے جائیں گے۔ اور آپ کی پینٹنگ صرف اس چھوٹے سے شہر میں آنے والے سیاحوں تک محدود ہو جائے گی۔"

بوڑھی بانو خاموشی اور دلچسپی سے گال تلے انگلیاں رکھے مالا کو دیکھے گئی۔

وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ بولتے ہوئے ایک کان کے پیچھے بال اڑس رہی تھی۔ کان ٹوپی نے چھپا رکھا تھا۔ بال سامنے سے ہٹے تو ان میں پہنی ننھی بالی واضح ہوئی۔ کھڑکی سے دھوپ اس بالی پہ لپکی اور ساتھ ہی اس کی سبز آنکھوں کو سنہرے رنگ میں تبدیل کرتی گئی۔

"لیکن اگر یہی پینٹنگ ماہر فرید کے آفس میں لگی ہو گی تو کیا ہو گا؟" وہ اسی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ بالی چمک رہی تھی اور وہ اس کے نیم رخ کو دیکھے جا رہا تھا۔

" اس آفس میں سیاح نہیں آتے۔ وقت گزارنے، کھانے پینے اور شغل میلے کے لیے لوگ اس جگہ کا رخ نہیں کرتے۔ بلکہ وہاں دنیا بھر سے کاروباری افراد آتے ہیں۔ اپنی اپنی زندگیوں میں کامیاب اور ہائی اچیونگ لوگ۔ وہ وقت ضائع کرنے نہیں آتے۔ کسی مقصد کے لیے آتے ہیں۔ جب وہ اس آرٹ ورک کو ماہر فرید کے آفس میں دیکھیں گے تو وہ دیوار پر لگی پلیٹ پہ درج چند سطور نہیں پڑھیں گے۔ نہ ہی وہ کسی گائیڈ سے اس کے بارے میں رٹی رٹائی باتیں دریافت کریں گے۔ بلکہ وہ ماہر فرید سے اس کی کہانی پوچھیں گے۔ اور اس کہانی کو سنانے والا شخص ماہر بے سے بہتر کون ہو سکتا ہے، جو کئی گھنٹوں کی مسافت طے کر کے یہاں اس آرٹ کو آپ سے لینے آیا ہے۔ ورنہ وہ کسی بھی کاروباری شخص کی طرح پیسوں کا لفافہ تھما کے اس کو آرام سے اٹھا کے لے جا سکتا تھا۔"

بوڑھے آغا نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ بانو نے اپنا استخوانی ہاتھ اس کے لرزتے گھٹنے پر رکھا۔ وہ پہلو بدل کر خاموش ہو گیا۔

ماہر نے ایک پیالی اٹھالی۔ ٹیک لگائے گھونٹ بھرتے وہ مسکراہٹ دبائے اسے بولتے سنتا گیا۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ ماہر بے کو کیا سمجھتے ہیں۔ اور کچھ غلط بھی نہیں سمجھتے۔" وہ ماہر کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھی۔ یہ وہی مہربان اور نرم چہرہ تھا جو اس نے اوشن میں پہلی دفعہ اپنے سامنے دیکھا تھا ۔ جب وہ وہاں جاب انٹرویو کے لیے گیا تھا۔ جب وہ کیف تھا۔ اور وہ صرف مالا۔ جب زندگی اتنی پیچیدہ نہیں تھی۔ اور جب حالات مختلف تھے۔

"ماہر بے واقعی ایک روبوٹ ہے۔ مشینی انسان۔ اس کو پیسے سے محبت ہے اور وہ بہت سے فیصلے پیسے بچانے یا پیسے جمع کرنے کے لیے لیتا ہے۔ ماہر چیزوں اور انسانوں کو manipulate بھی کرتا ہے۔ ہمیشہ سچ نہیں بولتا۔ اور پورا سچ تو شاید کبھی نہیں بولتا۔"

ماہر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ دھوپ تیز ہو چکی تھی اور اس کا نیم رخ سے دکھائی دیتا چہرہ مکمل دمک رہا تھا۔

"جس ماہر فرید کو میں جانتی ہوں اس کے اندر یہ ساری مشینی خصوصیات موجود ہیں۔ لیکن وہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ وہ مہربان بھی ہے اور قدردان بھی۔ وہ اپنی بات سے پھرنے والا مرد نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ اپنی سب سے قیمتی چیز کے لئے اس پہ بھروسہ کرنا آپ کو بہت مشکل لگ رہا ہے۔ کیونکہ شاید آپ کے ساتھ زندگی نے پہلے کچھ ایسے دھوکے کیے ہوں گے کہ آپ ہر رسی کو سانپ سمجھتے ہوں اور دوبارہ بھروسہ کر کے بھروسہ ٹوٹنے کی تکلیف نہیں اٹھانا چاہتے۔"

ماہر نے پیالی کا ہینڈل دو انگلیوں سے تھام رکھا تھا البتہ اسے ہونٹوں تک نہیں لے کر جا رہا تھا۔ نگاہیں بس اس پہ جمی تھیں۔

"لیکن سارا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ہم سب اپنی اپنی کمفرٹ زون میں بیٹھے رہیں گے اور بھروسہ کرنے کا رسک نہیں لیں گے، تو ہم ٹھہرے ہوئے پانی کی طرح متعفن ہو جائیں گے۔ بھروسہ تو کرنا ہو گا۔ Leap of faith تو لینا ہو گا۔ بھروسہ کر کے ایک جست تو لگانی ہو گی۔ اور اگر آپ کے سامنے ایک ایسا انسان موجود ہے جس سے آپ کو بہت سے گلے رہے ہوں، بہت مسئلے بھی درمیان میں آئے ہوں، اور آپ شاید اس کی ہر بات سے راضی نہ ہوں، تب بھی میں آپ سے کہوں گی کہ اس ایک انسان پہ آپ بھروسہ کر کے دیکھ لیں۔ یہ آپ کا دل نہیں دکھائے گا۔ اور یہ آپ سے کیا وعدہ بھی نہیں توڑے گا۔ کیونکہ ماہر اپنے سے جڑے لوگوں کے مان کو ہمیشہ رکھتا ہے۔ ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ان کے لیے جو کر سکتا ہے، وہ کرتا ہے۔ اور اگر کبھی نہ کبھی آپ کو اس ٹیپسٹری کے لیے کسی پہ بھروسہ کرنا ہی ہے، تو پھر ماہر فرید کیوں نہیں؟"

ماہر کو لگا ایک گیلی سی گیند تھی جو اس کے حلق میں پھنس گئی تھی۔ شاید وہ ٹیپسٹری کی بات کر رہی تھی۔ شاید وہ ٹیپسٹری کی بات نہیں کر رہی تھی۔ لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ ابھی تک ان دونوں بوڑھوں سے کچھ کہے جا رہی تھی۔ لیکن جو اس کو سننا تھا وہ سن چکا تھا۔ اسے لگا اس کی اپنی آنکھوں میں پانی آ رہا ہے تو اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی، انگلی کی نوک سے اسے صاف کیا۔ اتنی مہارت سے کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ پھر سیدھا ہو کے بیٹھا اور اپنی بزنس اسمائل واپس چہرے پر سجائے گفتگو کی طرف متوجہ ہوا۔ بوڑھی بانو مسکراتے ہوئے سر ہلا رہی تھیں۔

"تم لوگ یہ ٹیپسٹری لے جا سکتے ہو۔" آغا نے ایک نظر اپنی بیوی کو دیکھا۔ وہ کسی بات سے غیر آرام دہ تھا۔ پھر کندھے اچکائے۔ ساتھ ہی وہ سر دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔ جیسے وہ مزید کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔

مالا نے مسکرا کے اس کی جانب چہرہ موڑا تو وہ مسکرایا۔ مالا کی آنکھیں بھیگی ہوئی نہیں تھیں۔ لیکن ان میں ایک گلابی پن تھا جس کو وہ پہچانتا تھا۔

آغا اٹھا اور جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ کھڑکی تک آیا۔ ماہر تیزی سے ساتھ کھڑا ہوا اور اس کے ہمراہ کپڑے میں لپٹی ٹیپسٹری اٹھائی۔

اب وہ تینوں ماہر کی کار کے ساتھ کھڑے تھے۔ ٹرنک میں ٹیپسٹری کو احتیاط سے رکھ کے ماہر نے ٹرنک بند کیا۔ وہ آغا کو مسکرا کے الوداع کہتی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ رہی تھی۔ ماہر اس کی کھڑکی کے پاس جھکا۔

"میں بانو کو خدا حافظ کہہ آؤں۔" مالا نے سر اثبات میں سر ہلایا اور سیٹ بیلٹ پہننے لگی۔ وہ تیز قدموں سے چلتا لکڑی کے زینے عبور کرتا اندر آیا۔ ہر قدم کے ساتھ لکڑی کا فرش چٹختا تھا۔

بانو ونگ چیئر پر اسی طرح پاؤں اونچے کیے بیٹھی تھیں۔ ابھی تک انہوں نے سلائیاں نہیں اٹھائی تھیں۔ ہاتھ صوفے کے ہتھ پر جمائے وہ مسکرا کے اسے آتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ان کے قریب آیا۔ پھر دونوں ہاتھ باہم ملائے سر کو خم دیا۔

"بہت شکریہ۔"

"یہ اچھی لڑکی ہے۔اس کو کھونا مت۔"

ساتھ ہی بانو نے اپنی لکڑی کی اسٹک اٹھائی۔اسے اونچا کیا یہاں تک کہ اس کا دوسرا سرا ماہر کی کہنی تک پہنچا۔کہنی کو ہلکا سا چھوا اور پھر اسٹک کو میز تک لے گئیں۔میز پر دو دفعہ نرمی سے اسے مارا۔

"ڈرامہ ختم ہوا تمہارا؟اب پیسے رکھو۔"گھور کے کہا تھا۔

ماہر نے تابعداری سے سر کو خم دیا۔کوٹ کی جیب میں سے پھولا ہوا لفافہ نکالا اور میز پر رکھا۔

"تھینک یو۔آغا کو سنبھال لینا۔اس کے منہ سے کچھ نکلنے ہی والا تھا۔"

بانو نے مسکرا کے سر جھٹکا اور ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔وہ انہی تیز قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔

اب آغا برآمدے میں کھڑا ان کی کار کو پیچھے ریورس ہو کے سڑک پر جاتے دیکھ رہا تھا۔ساتھ ہی وہ سر افسوس سے دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔

"دھوکے باز... مینو پولیٹر..."ساتھ ہی وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

واپسی کا سفر اتنا طویل نہیں تھا جتنا صبح آتے ہوئے لگا تھا۔سرما کا دن چھوٹا اور جلد دم توڑ دینے والا تھا۔روشنی کم ہو رہی تھی اور ان کی کار خاموشی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی جب باہر دیکھتی مالا کو احساس ہوا کہ ماہر نے رفتار سست کر دی ہے ۔اس نے چونک کے ماہر کو دیکھا۔وہ سڑک کنارے ایک جگہ پارکنگ تلاش کر رہا تھا۔مالا کچھ پوچھنے لگی پھر ہونٹ واپس سی لیے۔وہ جانتی تھی کہ وہ کار کیوں روک رہا تھا۔

وہ گفتگو ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی اور ماہر فرید ادھوری چیزوں کو مکمل کرنا سیکھ رہا تھا۔

یہ ڈھلان کے اوپر کا ایک مقام تھا۔ سڑک کنارے ایک گھنا درخت تھا جس کے نیچے چند پتھر رکھے تھے۔ وہاں کھڑے ہو تو چند قدم دور سے کھائی شروع ہوتی تھی۔ نیچے پانی بہہ رہا تھا اور دائیں جانب کئی میل کے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی ڈبیوں کی صورت اغوہ کے گھر دکھائی دیتے تھے جن کو اب وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

وہ چپ چاپ درخت تلے جا کھڑا ہوا تھا۔ چند لمحے وہ کار میں بیٹھی رہی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ اس کے جواب کا منتظر تھا۔ مالا نے سیٹ بیلٹ کھولی۔ کار سے نکلی۔ ایک نظر بیک سیٹ کو دیکھا جہاں لاپروائی سے رکھا کوٹ اب کی دفعہ ماہر نے نہیں اٹھایا تھا۔ شاید اسے اتنی ٹھنڈ نہیں لگ رہی تھی۔

اس نے البتہ اپنا کوٹ نکالا۔ پہلے اسے سست روی سے پہنا۔ پھر بہت سا تھوک نگلا۔ ٹوپی کو مزید کانوں سے نیچے سرکایا۔ اور سینے پر بازو لپیٹے اس کے پیچھے آئی۔

وہ وہیں ڈھلان کے کنارے کھڑا دور نیچے پھیلی آبادی دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے عین ساتھ آ رکی۔ اس کی نگاہیں بھی آبادی پہ جمی تھیں۔ افق پہ سورج کی روشنی دم توڑ رہی تھی اور آسمان پہ جامنی روشنائی پھیلنے لگی تھی۔

"کیا تم ٹیپسٹری کی بات کر رہی تھی؟"

"میں ٹیپسٹری کی بات نہیں کر رہی تھی۔"

ماہر نے رخ اس کی طرف موڑا۔ پھر اس کے پیروں کو دیکھا اور ڈھلان کے کنارے کو۔ وہ بالکل کونے پر کھڑی تھی۔ اس نے ابرو سے پتھروں کی طرف اشارہ کیا اور خود پیچھے چلا آیا۔ ایک پتھر کے کنارے پر بیٹھا۔ مالا دوسرے پتھر پر آ کے بیٹھی۔ یوں کہ رخ اس کی جانب موڑ رکھا تھا۔ اب وہ اس کا نیم رخ نہیں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ وہ اس کے سامنے تھی۔ وہاں آغا اور بانو کے گھر کی طرح دھوپ نہیں تھی۔ بلکہ جامنی اندھیرا پھیلنے کو بے تاب تھا۔ اس کے باوجود اسے مالا کی آنکھیں اپنے لئے اس سے پہلے اتنی شفاف نہیں لگی تھیں۔

"تم جانتے ہو کہ میرا دل کتنی بری طرح ٹوٹ چکا ہے۔"

"جانتا ہوں۔"

"لیکن میں دنیا کی وہ واحد انسان نہیں ہوں جس کا دل ٹوٹا ہے۔ سب کا دل ٹوٹتا ہے۔ سب دھوکہ کھاتے ہیں۔ سب کو برے انسان ملتے ہیں۔ لیکن اگر میں اس خوف سے خود کو اونچے قلعے میں محفوظ رکھنے کی کوشش کروں گی کہ کہیں کوئی پھر سے نقب لگا کے اندر داخل نہ ہو سکے تو میں تو قید ہو گئی نا۔"

ماہر خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ سردی سے اس کی ناک سرخ پڑ رہی تھی اور آنکھوں کا گلابی پن واپس آ گیا تھا۔

"کچھ لوگ خود کو ایک برے واقعے کے بعد قلعے میں بند کر لیتے ہیں۔ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں لیکن مزید نہیں ہونا چاہتی۔ مجھے خود کو اس قلعے میں سے نکالنا ہے۔ لیکن میں ہر دوسرے انسان کے لیے خود کو اس قلعے میں سے نہیں نکال سکتی۔ مجھے نہیں لگتا میں زندگی میں کبھی کسی پہ بھروسہ کر سکتی ہوں، چاہے وہ ماہر فرید ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر کسی ایک انسان پہ میں دوبارہ بھروسہ کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں، تو وہ تم ہو۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا کہ تم میرا دل نہیں دکھاؤ گے۔ کیونکہ سب انسان ایک دوسرے کا دل دکھاتے ہیں اور..."

ماہر نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن مالا نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرا دیا۔

"اور ایسا بھی کبھی نہیں ہو گا کہ تم اور میں تلخ نہیں ہوں گے۔ اگر ہم ایک خیمہ ایک ساتھ لگاتے ہیں تو آندھی بھی آئے گی، طوفان بھی ہو گا اور کبھی نہ کبھی اس خیمے کو کوئی جلتا ہوا انگارہ چھو کے آگ بھی لگانے کی کوشش کرے گا۔ ہر انسان دوسرے کا دل کبھی نہ کبھی دکھا دیتا ہے۔ تلخ باتیں بول دیتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے جب ہم انسان ایک دوسرے سے بے زار بھی ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے مجھے کہ تم مجھ سے ہمیشہ سچ نہیں بولو گے۔ کیونکہ سارے مرد کہیں نہ کہیں جھوٹ ضرور بولتے ہیں۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ تم جتنا بھی کہہ لو، تم ہمیشہ میری اور میرے بچے کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ نہ ہی تم میری زندگی کے باقی پرابلم حل کر سکتے ہو۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کے بول رہی تھی۔ سبز آنکھوں سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔ عقب میں پہاڑیوں پہ دور دور تک اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔

"ایسا نہیں ہو گا کہ تمہارے ساتھ ہونے سے میرے ماضی کے ٹراماز heal ہو جائیں گے، یا میں خود کو بدر کی مجرم سمجھنا چھوڑ دوں گی، یا بدر کبھی بولنے لگے گا، یا ہمارا خیمہ اس دنیا کا سب سے پرفیکٹ گھر ہو گا۔ مجھے یہ سب معلوم ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی ایک انسان پہ میں بھروسہ کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں، تو وہ تم ہو۔ کیونکہ میں یہ جانتی ہوں کہ ماہر کبھی اگر میرا دل بھی دکھائے گا، تو وہ اس دل کو واپس جوڑنے کی کوشش بھی کرے گا۔ اگر کبھی وہ مجھ سے حقیقت چھپائے گا تو میری حفاظت کرنے کے لئے۔ اس کے ساتھ لگایا گیا خیمہ بے شک دنیا کا بہترین خیمہ نہیں ہو گا لیکن وہ ایک ایسا انسان ہو گا جو عزت دینا جانتا ہو گا۔ خفا ہو گا تو بھی عزت دینا نہیں چھوڑے گا۔ غصہ ہو گا تب بھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ جانے یا انجانے میں دل دکھائے گا لیکن پھر بات کو کلیئر بھی کرے گا۔ تمہارے اوپر میں زندگی کی ہر چیز کا بھروسہ نہیں لا دسکتی۔ لیکن اتنا اعتماد مجھے تمہارے اوپر ہے کہ جو بھی مسئلہ راستے میں آئے گا، تم اس کو حل کرنے کی کوشش کرو گے اور بنا بات کیے جگہ کو چھوڑ کے نہیں جاؤ گے۔ کیا تم بھی مجھ پہ اتنا بھروسہ کر سکتے ہو؟"

مالا کی آواز میں تکان تھی۔ جیسے ایک لمبے سفر کے بعد وہ تھک چکی تھی۔ اس کو احساس بھی نہیں ہوا اور آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کے تھوڑی پر لڑھک رہے تھے۔ وہ چند لمحے آزردگی سے اسے دیکھے گیا۔ دانت سے ہونٹ کاٹتے ہوئے ماہر کو احساس نہیں ہوا کہ نچلے ہونٹ سے خون رسنے لگا تھا۔

"میں جانتا ہوں کوئی انسان کسی کی حفاظت نہیں کر سکتا نہ اس کے سارے مسئلے حل کر سکتا ہے۔ اور اگر میں تمہارے سارے مسئلے حل نہ بھی کر سکا، تب بھی میں کوشش کروں گا۔ مجھے تمہارے اوپر مکمل بھروسہ نہیں ہے کہ تم آندھی کے پہلے جھونکے پہ جگہ چھوڑ کے نہیں چلی جاؤ گی۔ لیکن میں بھروسہ کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں کہ تم فرار کے بجائے مجھ سے ہمیشہ بات کرو گی۔ اور جو بھی مسئلہ ہو گا اس کو میرے سامنے رکھو گی۔ تم ہر مسئلے کو اکیلے حل کرنے کی کوشش نہیں کرو گی۔ بلکہ مجھے واقعی میں اپنا ساتھی سمجھ کے اپنے مسئلے میرے سامنے رکھو گی۔ اور ہم کبھی بات کیے بنا جگہ چھوڑ کے نہیں جائیں گے۔ ایک ساتھ خیمہ لگانے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خیمے کی زمین میں کوئی کنکر، کوئی کرچیاں ہمیں زخمی نہیں کریں گی۔ لیکن کم از کم ہم ایک ساتھ ہوں گے۔ میں تمہارے اوپر یہ بھروسہ کرنے کی کوشش کر سکتا ہوں، اگر تم "ہمیں" ایک چانس دے سکو۔"

مالا نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ اس کے گال اور ناک سرخ ہو چکے تھے۔ پھر وہ ہلکا سا مسکرائی۔ اثبات میں سر ہلایا۔

"میں تمہیں اپنا جواب بتا چکی ہوں۔"

ماہر نے انگلی سے اپنے ہونٹ کو چھوا۔ پھر پورے کو دیکھا تو اس پر خون لگا تھا۔ اس نے ہتھیلی کی پشت سے ہونٹ رگڑ دیا۔ اسے لگا اس کی آنکھوں میں پھر سے نمی تھی۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہم کل سے ہی ایک نئی زندگی شروع کر دیں۔ نہ ہی مجھے کسی بھی چیز کی جلدی ہے۔ لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ ہم نے ایک بہت لمبا وقت ضائع کیا ہے۔ اپنی انا میں، جگہ چھوڑ کے چلے جانے والی عادت میں، اور دوسرے کی بات نہ سننے کی غلطی کرنے میں۔ جہاں اتنا وقت ضائع کر دیا ہے، وہاں تھوڑا سا وقت اور لگا لیتے ہیں۔ اور کوشش کرتے ہیں کہ آہستہ آہستہ زندگی کو ایک ساتھ تعمیر کریں۔ میں، تم، بدر اور ہلال۔"

مالا نے گہری سانس لی اور گردن اوپر نیچے ہلائی۔

"میں، تم، بدر اور ہلال۔"

پھر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی اور ارد گرد پھیلتا جامنی اندھیرا۔

"ہمیں بہت دیر ہو گئی ہے۔ یہ باتیں اب ہم شہر واپس جا کر بھی طے کر سکتے ہیں۔ لیکن بدر میرا انتظار کر رہا ہو گا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

دور نیچے پھیلی بستی کی ماچس کی ڈبیوں جیسے گھروں میں دھیرے دھیرے روشنیاں جلنے لگی تھیں۔ ایک مایوس سی شام میں امید کے قمقمے جگمگانے لگے تھے۔ اور ان دونوں مسافروں کو بالآخر اپنی منزل کی طرف واپس جانا تھا۔

وہ کار کا دروازہ کھول رہی تھی جب دور کہیں فضا میں ایک گنگناہٹ سی گونجی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

مالا نے چونک کے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر ماہر کو۔ وہ خاموشی سے اندر بیٹھ رہا تھا۔

"کیا تم نے سنا؟"

ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔

"کیا؟" شاید اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"یہ میوزک۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ یہ مجھے بار بار سنائی دیتا ہے۔"

وہ اب ناگواری سے سیٹ بیلٹ کھینچ کے باندھ رہی تھی۔

"عالیان۔"

"اٹس اوکے۔ اگنور کرو۔ وہ کوئی نئی چال چل رہا ہو گا۔" ماہر کار اسٹارٹ کر رہا تھا۔ وہ البتہ غیر آرام دہ ہو گئی تھی۔ میوزک ابھی تک بج رہا تھا۔ اور بہت سے لوگ کورس میں گنگنا رہے تھے۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ظہیر کی آواز سب سے اونچی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس وقت ماہر فرید کی سیاہ کار اونچی نیچی گھاٹیوں والی سڑک پر دوڑتی استنبول کی جانب بڑھ رہی تھی، اس وقت شہر کے وسط میں ایک سڑک کنارے ایسی ہی ایک سیاہ کار کھڑی تھی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا سوٹ میں ملبوس شخص ایئر پوڈز کان میں لگائے سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"وہ ابھی تک میری نگاہ میں ہے، کبیرہ حانم۔"

"اس وقت وہ کہاں ہے؟" اپنے ہوٹل روم میں کسی پنڈولم کی طرح دائیں بائیں ٹہلتی کبیرہ بیگم فون کان سے لگائے بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔

ڈرائیور نے ونڈ اسکرین کے پار سڑک کو دیکھا جو ایک گلی کے دہانے پہ مڑ رہی تھی۔ یہاں اِکا دُکا ٹریفک کی آمد تھی۔ ایک سپر مارکیٹ کھلی تھی اور گلی اندر مڑتے ہوئے ایک کلب کی طرف جا رہی تھی جس کے باہر معمولی سا رش تھا۔ یہ تنگ و تاریک مشتبہ قسم کی گلیوں والا neighborhood تھا جہاں ایک ٹریش کین کے ساتھ سنہرے بالوں والا عالیان کھڑا تھا۔ بال ہڈی میں ڈھکے ہوئے تھے اور اس کی کبیرہ بیگم کے ڈرائیور کی جانب پشت تھی۔ وہ الجھے ہوئے انداز میں بحث کرنے کے انداز میں سامنے کھڑے آدمی سے کچھ کہہ رہا تھا۔

"وہ چند بسیں بدل کے اس علاقے تک آیا ہے۔ اسے کسی سے ملنا تھا شاید۔"

"کس سے مل رہا ہے؟"

"میں نے آپ کو تصویریں واٹس ایپ کی ہیں۔ کوئی عرب نوجوان ہے۔"

ڈرائیور کے ہونٹ ایک دم اوہ میں سکڑے۔

عالیان کے مخاطب دراز قد آدمی نے غصے سے اس کے کندھے کو دو انگلیوں سے دھکا دیا تھا۔ خلاف توقع اس نے جواب میں کچھ نہیں کیا۔ بس کندھا چھڑایا اور پیچھے کو ہٹ گیا۔ وہ عرب آدمی اب انگشت شہادت سے اشارہ کرتا کچھ کہہ رہا تھا۔ اتنی دور سے ڈرائیور کو آواز نہیں آتی تھی۔ البتہ وہ عالیان کے ملاقاتی کے تاثرات پڑھ سکتا تھا۔ یہ تاثرات یونیورسل تھے۔ کوئی بھی ملک ہو، کوئی بھی قوم ہو، کوئی بھی زبان ہو، ایسے تاثرات صرف ایک صورت میں کسی شخص کے چہرے پہ آتے تھے۔

"اس نے اس آدمی کے پیسے دینے ہیں۔ ادھار ہے یا شاید کسی کی پے منٹ۔" ڈرائیور دھیرے سے مسکرایا۔ وہ اس ساری کاروائی میں کبیرہ بیگم کے ساتھ گواہ رہا تھا۔ پہلی دفعہ عالیان کو اضطراب سے انگلیاں مروڑتے دیکھ کر اسے جیسے خوشی ملی تھی۔

"کسی بھی طرح پتہ لگاؤ کہ معاملہ کیا ہے۔ وہ کس چیز میں پھنسا ہوا ہے اور اس نے کس کے پیسے دینے ہیں۔" کبیرہ بیگم اس کی طرح خوش نہیں تھیں۔ اضطرابی انداز میں نیکلس کو انگلی پر مروڑتی وہ ہدایات دے رہی تھیں۔

نہ وہ کھلے دل سے ان کو ماں تسلیم کر رہا تھا نہ وہ اپنے مسئلے ان کے سامنے رکھ رہا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کا دل جیتیں تو کیسے جیتیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا کے اپارٹمنٹ کے ٹیرس سے شہر کا جو حصہ دکھائی دیتا تھا وہ اس صبح سرمئی پن میں ڈوبا تھا۔ سرمئی پانی، سرمئی کشتیاں، سرمئی درخت، لیکن بہت عرصے بعد کشمالہ مبین کی زندگی سرمئی نہیں تھی۔

وہ بالکونی پر کہنیاں جمائے کافی کا کپ ہاتھ میں لئے مسکرا کے دور تک پھیلے نظارے کو دیکھ رہی تھی۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی اور ہر جانب ٹھنڈی چھایا تھی۔ البتہ پھر بھی اس کا دل باہر ٹیرس پہ کھڑے ہونے کو چاہ رہا تھا۔ کوٹ، دستانے اور اُونی ٹوپی پہنے وہ کافی لیے وہیں آ کھڑی ہوئی تھی۔ بہت عرصے بعد دل جیسے ہلکا ہوا تھا۔

اسے اب کچھ بھی اکیلے نہیں کرنا ہو گا۔ بالآخر وہ اس ٹریپ سے نکل آئے گی جس میں وہ ہمیشہ خود کو محسوس کرتی تھی۔ وہ پھندا جو کبھی پوری طرح سے اس کی گردن کے گرد سے ڈھیلا نہیں ہوا تھا۔ بالآخر وہ خود کو اس میں سے نکال رہی تھی۔

موبائل بجنے لگا تو اس نے اسکرین کو دیکھ کے گہری سانس لی۔ ماہی کی کال آ رہی تھی۔ اس نے دستانے والا ہاتھ جیب میں ڈالا، ایئر پوڈز نکالے، ٹوپی تلے انہیں کانوں میں گھسایا، کپ ایک طرف رکھا اور گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔

"کیا بتانا تھا تم نے؟" ماہی کی آواز میں تجسس تھا۔ وہ علیک سلیک اور رسمی حال احوال کے بعد فوراً سے مدعے پہ آ گئی تھی۔ رات کو مالا نے اس کو میسج کیا تھا اور ماہی نے جواب میں کئی میسیجز بھیجے لیکن اس نے ابھی تک ریپلائی نہیں کیا تھا۔ وہ اس بات کو فون پہ کرنا چاہتی تھی۔

"کل ماہر نے مجھ سے بات کی ہے۔ ڈائیریکٹ بات۔"

دوسری جانب سے آتا شور، ماہی کے بچوں کی آوازیں، برتنوں کی کھٹ پٹ، ایک دم ہر چیز جیسے خاموش ہو گئی۔ جیسے ماہی کی ساری حسیات اس طرف متوجہ ہو گئیں۔

"کیسی بات؟"

"اس نے مجھے پروپوز کیا ہے۔"

چند لمحے کے لیے ماہ بینہ مبین کچھ نہیں بول سکی۔

"اور تم نے کیا کہا؟"

اس سے پہلے کہ مالا کچھ کہتی، ماہی تیزی سے بولی۔ "تم نے فوراً جواب تو نہیں دیا نا؟ ابھی تمہارے پاس سوچنے کے لئے وقت ہے۔"

"وہ یہ سوال پہلے بھی پوچھ چکا تھا۔ بدر کے ملنے سے پہلے۔ میں نے جواب سوچنے کے لیے بہت وقت لیا تھا۔" اس نے گہری سانس لی۔ دور نیچے بہتے سرمئی پانی کو دیکھ کے وہ مسکرائی۔ اس کا چہرہ روشن تھا اور گلابی۔

"میں نے ماہر کو ہاں کہہ دی ہے۔"

دوسری جانب خاموشی چھائی رہی۔ یہاں تک کہ مالا کو لگا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔

"ہیلو؟" اسے جیسے تعجب ہوا۔

"مبارک ہو۔ میں تمہارے لئے خوش ہوں۔" ماہی نے توقف کیا۔ مالا کے ابرو نا سمجھی سے اکٹھے ہوئے۔

ماہر فرید کی ان تمام برسوں میں سب سے بڑی مداح ماہ بینہ مبین تھی۔ وہ اس کا ون ان ففٹی تھا۔ جس نے برسوں پہلے اس کو بیج دیے تھے۔ اور ساتھ ایک امید بھی، کہ جو مکتوب ہے اسے انسان سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ پھر وہ خاموش کیوں ہو گئی تھی؟

"لیکن کیا؟"

"لیکن یہ کہ کیا تم واقعی ماہر جیسے انسان کے ساتھ زندگی شروع کرنا چاہتی ہو؟"

"تم ماہر کی سب سے بڑی فین تھیں، ماہی۔" اسے جیسے برا لگا تھا۔

"میں اب بھی اس کی سب سے بڑی فین ہی ہوں۔ اور میرے خیال میں ماہر فرید ایک بہت اچھا دوست ہے۔ ایک سمجھدار انسان ہے۔" وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں اب بھی اس کی سب سے بڑی فین ہی ہوں۔ اور میرے خیال میں ماہر فرید ایک بہت اچھا دوست ہے۔ ایک سمجھدار انسان ہے۔"

(کیف کی لفٹ کے دروازے ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو سوزین کو سامنے کا منظر دکھائی دیا۔ قطار در قطار کیبن۔ بہت سے جھک کے کام کرتے سر۔ وہ ہیلز سے چلتی آگے بڑھی تو ٹک ٹک کی آواز پہ بہت سی گردنیں اس کی جانب گھومیں۔ سفید ڈریس پہ مخملیں نیلا لمبا کوٹ پہنے، کہنی پہ بیگ جمائے، ماتھے پہ سن گلاسز۔ وہ بگڑے ہوئے تاثرات کے ساتھ ماہر کے آفس کی طرف چلتی جا رہی تھی۔ وہ تمام سر جو اس کی جانب مڑے تھے، وہ آفس کی جانب مڑ گئے۔ جہاں ماہر فرید دروازے سے باہر آ رہا تھا۔ چارکول گرے سوٹ میں ملبوس، پالش ہوئے جوتوں کے ساتھ مسکرا کے اس نے سیڑھیوں کی جانب اشارہ کیا۔ سوزی درمیان میں رک گئی۔ ناپسندیدگی سے زینوں کو دیکھا اور اس جانب بڑھ گئی۔ ماہر بھی اسی طرف بڑھنے لگا۔ ہال میں موجود تمام آنکھوں نے ان دونوں کا پیچھا کیا۔)

"ماہر فرید ایک بہت اچھا دوست ہے۔ بہت اچھا مشورہ دینے والا۔ محنت کرنے والا۔ ایک اچھا کاروباری انسان۔ مجھے اگر کبھی کام کے سلسلے میں کوئی مدد چاہیے ہوئی تو میں سب سے پہلے ماہر بے کے پاس ہی جاؤں گی لیکن..."

(نیلا مخملیں پردہ ہٹا کے سوزین ٹھک ٹھک کرتی اندر داخل ہوئی۔ ماہر اس کے پیچھے اندر داخل ہوا۔ شیشے کا دروازہ بند کیا۔ کلک کی آواز سے لاک کیا اور سربراہی کرسی کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ سوزین اس کو سخت نگاہوں سے دیکھتی ایک کرسی تک آئی۔ بیگ ٹھک سے میز پر رکھا مگر بیٹھی نہیں۔ بازو سینے پر لپیٹے۔

"بیر بل کہاں ہے اور وہ مجھ سے بات کیوں نہیں کر رہا؟")

"لیکن ماہر نے زندگی میں کبھی کوئی ریلیشن شپ کامیابی سے چلایا نہیں ہے۔ اپنی کزن سے منگنی کی، وہ بھی کسی اور وجہ سے، جیسا کہ تم نے مجھے بتایا ہے۔ اور پھر اس کو بھی چھوڑ دیا۔ ریلیشن شپس کے معاملے میں اس کا ٹریک ریکارڈ کچھ اچھا نہیں ہے۔ اتنی عمر اور کامیابیاں ہو جانے کے باوجود اگر ایک آدمی سیٹل ڈاؤن نہ ہو سکے تو اس کا مطلب ہے کہ اس کو کوئی عورت پسند تو آسکتی ہے، لیکن کسی عورت کے ساتھ گھر بنانا، فیملی بنانا، اس کے لیے بہت مشکل ہو گا۔"

("بیر بل تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔" سوٹ میں ملبوس آدمی کھڑا اسی اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"آپ نے کچھ کیا ہے اس کے ساتھ۔ زبردستی اس کو مجھ سے دور کر دیا ہے۔ یقیناً اس کا فون بھی لے لیا ہے تاکہ وہ مجھ سے بات نہ کرے۔" وہ پھنکاری تھی۔

"بیٹھو، سوزی۔ بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔ تم سے یہ بات کھڑے ہو کے نہیں سنی جائے گی۔")

"شادی کے لئے انسان کا بہت اچھا ہونا، بہت خوبصورت یا دولت مند ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اس کے اندر ایموشنل انٹیلی جنس کا ہونا ضروری ہے۔ اسے رشتوں کو نبھانا آنا چاہیے۔ وہ پہلی ہی مشکل پہ چھوڑ کے نہ چلا جائے۔ اور ماہر نے آج تک کسی عورت کے ساتھ ریلیشن شپ کو زیادہ دیر نہیں چلایا۔ کم از کم ہم نے نہیں سنا۔ اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ بھلے بہت اچھا انسان ہو، لیکن وہ ایک کلاسک manipulator ہے۔ وہ کبھی بھی پورا سچ نہیں بولتا۔ ہمیشہ چیزوں کو دائیں بائیں گھماتا رہتا ہے۔"

("بیر بل تم سے اس لیے نہیں ملنا چاہتا کیونکہ اسے تمہارے اور براق کے بارے میں سب معلوم ہو گیا ہے۔"

سوزی کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ ابھرا۔ وہ سرد رہا۔ البتہ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"میرے اور براق کے بارے میں کیا؟" میز پر رکھی اس کی مٹھی بھنچ گئی۔ البتہ گردن کڑا کے بولی تھی۔

" سب کچھ۔ تمہاری واٹس ایپ چیٹ بھی اور..." ماہر نے میز پر رکھا زرد لفافہ چاک کیا اور اس کے سامنے رکھا۔ سوزی نے لفافے کو ذرا سا کھولا۔ اندر اے فور سائز کے پرنٹ آؤٹس تھے۔ تصویریں۔

"میرے پرائیوٹ انویسٹی گیٹر نے یہ فوٹو گراف لیے تھے۔ تمہارے اور براق کے۔"

سوزی نے نیل پالش لگی انگلیوں سے فوٹو گراف نکالے، سرسری سا ان کو دیکھا اور ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ فوٹو گراف میرے اور براق کے ڈنر کے ہیں۔ اس ڈنر میں اور لوگ بھی تھے۔ لیکن شاید آپ کے فوٹو گرافر نے جان بوجھ کے صرف ہماری ہی تصاویر لی ہیں۔ اس سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ آپ بیر بل کو یہ دکھا بھی دیں تو اس سے وہ مجھے بے وفا نہیں سمجھے گا۔" ساتھ ہی وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔)

" تمہیں ایسا مرد چاہیے، مالا، جو زندگی کی دھوپ میں تمہارے لیے سایہ بن سکے۔ نہ کہ تمہیں اپنا سایہ بنائے۔ کیا تم واقعی شیور ہو کہ تم ماہر جیسے پیچیدہ انسان کے ساتھ زندگی شروع کرنا چاہتی ہو؟ میں ہر فیصلے میں تمہارا ساتھ دوں گی ۔ لیکن ماہر کے ساتھ بہت سے مسئلے جڑے ہیں۔ اور اگر تم اس کی زندگی میں داخل ہوتی ہو تو وہ تمام مسئلے تمہاری زندگی کا بھی حصہ بن جائیں گے۔"

(کانفرنس روم میں بیٹھا ماہر فرید اسی انداز میں مسکرایا تھا۔

"میں نے یہ تصاویر بیر بل کو دکھانے کے لیے نہیں بنوائیں۔ بیر بل پہلے ہی تمہاری حقیقت جان چکا ہے۔ اس لیے وہ تم سے ملنا نہیں چاہتا۔ اور اس کی طرف سے ہم نے ڈائیورس پیپرز فائل کر دیے ہیں۔ چونکہ تم نے prenuptial ایگری منٹ سائن کیا تھا، اس لئے طلاق بہت آسان ہو گی۔"

سوزی کے چہرے پہ بہت سے رنگ ابھرے۔ غصے سے مٹھی بھنچ گئی۔

"میں نے کہا نا، ان تصاویر سے آپ کچھ ثابت نہیں کر سکتے۔ نہ عدالت میں نہ بیر بل کے سامنے۔"

"یہ تصاویر نہ میں نے عدالت کے لیے لی ہیں، نہ بیر بل کے لیے۔"

سوزی ایک دم بالکل ٹھہر کے اس کو دیکھنے لگی۔ اس کی ٹون میں کچھ ایسا تھا جو مختلف تھا۔)

"مسئلے تو سب کے ساتھ جڑے ہیں، ماہی۔ کوئی بھی انسان ایمو شنل انٹیلی جنس میں پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ میں ایک یونیک انسان ہوں۔ ماہر یونیک انسان ہے۔ ہم دوسروں کو اپنے رویے سے خود سکھاتے ہیں کہ ہم سے محبت کیسے کی جانی چاہیے۔ ہمیں کیا بات پسند ہے اور کیا بات نہیں۔ پہلے ہی دن سے نہ اس کو سمجھ میں آجائے گا کہ مجھے کیسے ٹریٹ کرنا ہے اور نہ مجھے سمجھ آئے گا کہ اسے کیسے ٹریٹ کرنا ہے۔ لیکن زندگی سے میں نے اتنا سیکھا ہے کہ دو لوگ ایک رشتے کو مضبوط ہی تب کر سکتے ہیں جب وہ اس کے لئے محنت کریں۔ جیسے جم میں محنت کیے بغیر باڈی نہیں بنتی۔ کاروبار میں محنت کیے بغیر کامیابی نہیں ملتی۔ ویسے ہی ریلیشن شپ میں بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ کیا تم ماہر فرید کے لیے وہ محنت کرنے پہ تیار ہو؟"

"ہاں، میں نے خود کو تیار کر لیا ہے۔ کیونکہ ہم دونوں زندگی میں جب بھی ایک دوسرے کو کھوتے ہیں ہم ہمیشہ ایک دوسرے کی طرف واپسی کا راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔"

("میں نے یہ تصاویر نہ عدالت کے لیے لی ہیں، نہ بیر بل کو دکھانے کے لئے۔" وہ سگار اٹھا کے ہونٹوں میں دبا رہا تھا۔ پھر رک کے پوچھا۔ "ڈو یو مائنڈ؟"

سوزی نے ناک سے مکھی کے انداز میں ہاتھ جھلایا۔ ماہر نے لائٹر سے سگار سلگایا۔ ایک سانس اندر کھینچی۔ سگار باہر نکالا۔ چہرہ ایک طرف موڑ کے دھواں ہونٹوں سے خارج کیا۔ پھر اسی انداز میں بات جاری رکھی۔

"عدالت میں تو کچھ خاص نہیں ہونا۔ ایک ہی پیشی ہو گی۔ تم آؤ گی، سائن کرو گی اور واپس چلی جاؤ گی۔ عدالت میں مجھے کچھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تصاویر..." اس نے سگار والا ہاتھ نیچے کیا اور فوٹو گرافس واپس اس کی جانب دھکیلے، یوں کہ وہ بکھر کے سوزی کے سامنے میز پر پھیل گئے۔

"یہ فوٹو گرافس میں نے ایوننگ tabloids کے لیے بنوائے ہیں۔"

سوزی نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا سانس رک گیا۔

"بیر بل تمہارے ساتھ اب نہیں رہے گا۔ میں اپنے بھائی کو جانتا ہوں۔ لیکن ان فوٹو گرافس کے ریلیز ہونے کے بعد شہر کے سارے tabloids تمہاری بات کریں گے۔ تم اگلے ایک ہفتے کے لیے ان چیپ اخباروں کی سب سے بڑی خبر ہو گی۔ اور اس کے بعد کیا ہو گا، سوزی؟"

سوزین نے تھوک نگلا۔ اس کی رنگت بدلی تھی۔

"بیر بل تمہاری زندگی کا کبھی فل ٹرم پلان نہیں تھا۔ وہ ایک تھوڑے عرصے کا پلان تھا۔ میں اور تم یہاں اکیلے ہیں۔ کوئی فلٹر نہیں لگا ہوا درمیان میں۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم نے کچھ عرصہ کے بعد بیر بل کی بہت سی دولت کو اپنے نام کر کے اس کو چھوڑ ہی دینا تھا اور کسی دوسرے مرد کی طرف موو کر جانا تھا۔ لیکن اگر میں اس طلاق کی اصل وجہ اخبارات میں دے دوں، تو کیا ہو گا؟ کیا تم کسی دوسرے امیر آدمی کی طرف موو آن کر سکو گی؟")

"مسئلے صرف اس کے ساتھ نہیں جڑے، ماہی۔ مسئلے میرے ساتھ بھی جڑے ہیں۔ میرا ایک ایکس ہز بینڈ ہے جو ایک سائیکو پیتھ اور سیریل کلر ہے۔ اور اس وقت دنیا میں اس کا سب سے بڑا دشمن ماہر فرید ہے۔ اور میرا وہ ایکس ہز بینڈ میری زندگی سے کبھی نکل نہیں سکتا کیونکہ وہ میرے بچے کا باپ ہے۔ سو اگر کوئی انسان میرے ساتھ تعلق جوڑنے پہ خطرے میں ہے تو وہ ماہر ہے۔ اس کے باوجود وہ اس ریلیشن شپ کو ایک چانس، بلکہ کئی چانسز دینے پہ تیار ہے۔"

(کانفرنس روم میں سگار کی مہک صندل وڈ کی موم بتی کے ساتھ مل گئی تھی۔ ماہر نے سلگتے سگار کو ہونٹوں سے نیچے کیا اور اسی انداز میں بات جاری رکھی۔

"تمہارے پاس ایک چانس ہے۔ بیر بل کو تم پہلے ہی کھو چکی ہو۔ جو دولت تم نے لے لی، وہ تمہاری ہوئی۔ ہم اس کے اوپر کوئی دعویٰ نہیں کریں گے۔ تم اس پیسے سے ایک سوشلائٹ کے طور پہ ایک ٹاکسک ڈائیوورسی بن کے ایک اچھی زندگی گزار سکتی ہو۔ تم ہر محفل میں جا کے ہمدردی والا کارڈ کھیل سکتی ہو۔ اور لوگوں کو بتا سکتی ہو کہ تمہارے اوپر ایک نارسسٹ آدمی نے کتنے ظلم کیے اور کیسے تم نے ایک ٹاکسک رشتے سے خود کو آزاد کیا۔ بہت سے مرد اس کہانی سے امپریس ہو جاتے ہیں۔ یوں تمہیں بہت جلد ایک اور امیر زادہ مل جائے گا۔ لیکن اگر تم اس طلاق کو میسی بناؤ گی تو میرے وکلاء کی ٹیم تمہارے مقابلے میں کھڑی ہو جائے گی۔ ہم نہ صرف تمہاری زبردستی اپنے نام کرائی ہوئی ہر پراپرٹی کو چیلنج کریں گے، بلکہ یہ تصاویر بھی عام کر دیں گے۔ اور براق کی فیملی کو تم جانتی ہو۔ وہ لوگ اس بدنامی کو افورڈ نہیں کر سکتے۔ اگر تم غیر شادی شدہ ہوتیں تو الگ بات تھی۔ لیکن اس معاشرے میں شادی شدہ عورت کا ایسا کرنا بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ فیصلہ تمہارا ہے۔ مجھے اور بیر بل کو دونوں آپشنز میں کسی سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

اس نے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے ایک کاغذ سامنے دھکیلا۔ سوزین چند لمحے اس کاغذ کو دیکھے گئی۔ پھر ہاتھ بڑھایا۔ ماہر نے پین اس کی جانب بڑھایا لیکن اس نے نفی میں سر ہلایا۔ دوبارہ ہاتھ بڑھایا۔

اس نے سگار اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ سوزی نے اسے ہونٹوں سے لگایا۔ ایک کش بھرا۔ دوسرا۔ پھر تیسرا۔ چند گہرے سانس لیے۔ پین اٹھایا اور کاغذ پر دستخط کیے۔ پھر بیگ لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ سگار اونچا کر کے دکھایا۔

"ڈو یو مائنڈ؟"

"نو پرابلم۔" وہ جبراً مسکرایا۔ جہاں وہ اتنا کچھ رکھ چکی تھی وہاں یہ سگار بھی اس کا ہوا۔)

"سو بھلے وہ کلاسک manipulator ہو، یا آدھا سچ بولنے والا انسان، یا اس کو رشتے نبھانے نہ آتے ہوں، یا مجھے رشتے کامیاب کرنے نہ آتے ہوں، ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اس چیز کو چانس ضرور دیں گے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اغوہ کے دن کے بعد ان دونوں کے درمیان اس بارے میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ شے جو عرصے سے ماہر فرید کے اندر اسے بے چین کر رہی تھی، وہ غیر یقینی کی سی صورت حال، وہ ایک دم شانت ہو گئی تھی۔ تحفظ کا احساس کہ وہ کہیں نہیں جا رہی۔ وہ یہیں ہے۔ اور وہ بھی یہیں رہے گا۔

اور جیسا کہ ہلال ہمیشہ کہتی تھی کہ بدر اور وہ ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔

اور آج ہلال نے کہا تھا کہ وہ پمپکن پائی بنائے گی اور وہ لوگ مالا اور بدر کے ساتھ ڈنر کریں گے۔ سو اس وقت وہ دیوار کے پار مالا کے اپارٹمنٹ میں تھے۔ کھانا کھایا جا چکا تھا اور فیضی حانم، مالا کے ساتھ برتن سمیٹ رہی تھیں۔

یہاں فرید لار کی طرح کا فرنیچر نہیں تھا۔ چند آئیکیا کے صوفے اور خالی خالی سا لونگ روم۔ وسط میں ایک سستا سا کارپٹ شاید مالا نے بچے کے لیے لا کر بچھایا تھا۔ اس پر اس وقت بدر اور ہلال آلتی پالتی کیے بیٹھے تھے۔ بدر سر جھکائے سامنے بکھرے بلاکس کو ایک دوسرے پر جوڑ رہا تھا۔

ماہر بالکونی کی کھڑکی کے ساتھ کھڑا قہوے کے گھونٹ بھرتا خاموش مسکراہٹ کے ساتھ ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ مالا ڈھیلا ڈھالا سوئیٹر پہنے آستین اونچے چڑھائے کچن میں برتن سیٹ کر رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ ایک نگاہ ماہر پہ ڈال لیتی اور مسکرا دیتی۔ اس کی ایک مسکراہٹ ہر چیز کو جیسے شانت کر دیتی تھی۔ ماہر کی نگاہ بار بار کاؤنٹر پر رکھے مالا کے مگ تک جاتی۔ اس کا قہوہ ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ اس نے اسے چھوا نہیں تھا۔ لیکن وہ مسلسل دیکھ رہا تھا کہ وہ ایک گھونٹ بھرنے لگتی، پھر بدر کو کچھ چاہیے ہوتا، اور وہ بھاگ کر اس کے پاس جاتی۔ واپس آتی، مگ کہیں اور رکھ دیتی، اور یوں اس کا کپ بنا پیے ہی سرد ہوتا جا رہا تھا۔ یا شاید وہ اس کو بھول گئی تھی۔ شاید مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ ان کی کافی ٹھنڈی اور کھانے باسی ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اس سب میں خوش ہوتی ہیں۔

اسے دور کسی دوسرے ملک میں کھدی ہوئی ایک قبر یاد آئی اور اس کا کتبہ۔ اس کتبے پر اس کی ماں کا نام لکھا تھا۔ لیکن وہ جب بھی اس کتبے کو دیکھتا تھا اسے بہت کچھ یاد آتا تھا۔ مالا کہتی تھی کہ وہ اپنی ماں کو معاف کر دے۔ لیکن کیا وہ واقعی کبھی کر سکے گا؟ مالا سمجھتی تھی کہ معاف کرنے سے انسان heal ہو جاتا ہے۔ شاید وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ نئے رشتے میں جانے سے پہلے انسان کا heal ہونا ضروری ہے۔ لیکن ایسا کچھ نہیں تھا۔ Healing تو ایک پراسس تھا۔ ہر روز صبح اٹھ کے اس کو کرنا تھا۔ یاجوج ماجوج کی دیوار کی طرح ہر شام اس کو ادھورا چھوڑ کے سو جانا تھا۔ ہر نیا دن اپنے ساتھ ایک دفعہ پھر بہت ساٹر اما لاتا تھا۔ یہ ہر روز کی مشق تھی۔

اور بالآخر وہ اس کو مالا کے ساتھ کرنے جا رہا تھا۔

وہ اب ہلال اور بدر کے ساتھ گھٹنوں کے بل اس سستے کارپٹ پر بیٹھی تھی۔ مسکرا کے وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ چھوٹے بالوں کی اونچی پونی بنائے اس کا سر دائیں بائیں ہلنے سے پونی بار بار جھولتی تھی۔ وہ خوش تھی۔ ماہر گھونٹ بھرتے ہوئے خاموشی اور اطمینان سے اسے دیکھے گیا۔

دفعتاً کچھ تھا جس نے اسے چونکایا۔ بدر بلا کس بناتے بناتے چہرہ اٹھا کر دیکھنے لگا تھا۔ لاؤنج کی ایل سی ڈی کو مالا نے ایک ڈیجیٹل فوٹو فریم کے ساتھ کنیکٹ کر کے ماہی، اس کے بچوں اور بدر کی تصاویر کا سلائیڈ شو لگا رکھا تھا۔ یہ سلائیڈ شو کافی دیر سے چل رہا تھا اور کسی کی توجہ اس طرف نہ تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ اکثر وہ گھر میں دائیں بائیں تصاویر لگا لیتی۔ شاید وہ چاہتی تھی کہ اس کا بچہ اپنے کزنز اور رشتوں کو پہچانے۔ لیکن نہ جانے کیا ہوا تھا کہ سلائیڈ شو ختم ہو کے کوئی دوسرا سلائیڈ شو شروع ہو چکا تھا۔ شاید مالا کے آئی کلاؤڈ کی تصویروں کا ڈیٹا تھا جو اس کا فون خود سے اس کو دکھا رہا تھا۔ کیونکہ اسکرین پہ نظر آتی تصویر مالا اور زیاد کی تھی۔ مالدیپ میں برسوں پہلے وہ دونوں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا اور وہ ہنس رہی تھی۔

ماہر نے چونک کے مالا کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے کچھ کہتے ہوئے بدر کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو دیکھا بدر اسکرین پہ ر کی تصویر کو دیکھے جا رہا تھا۔ شاید وہ اپنی ماں کے ساتھ نظر آتے اس اجنبی شخص کو حیران ہو کے دیکھ رہا تھا۔

ماہر صرف اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسکرین اس کے لیے اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ نہ ہی وہ تصویر۔ وہ صرف مالا کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

مالا کی نگاہ اسکرین پہ پڑی تو اس نے گہری سانس لی۔ چہرے پہ کوئی تاثر نہ آیا۔ اس نے بازو لمبا کر کے انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کیا اور بدر کے کان کے قریب جھکی۔ وہ یہاں سے ان کی آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔ مگر وہ اس کے ہونٹ پڑھ سکتا تھا۔ وہ انگریزی میں کہہ رہی تھی۔

".This man is your father"

اور وہ اس بات کو بار بار دہرا رہی تھی۔ بدر کو ذہن میں رجسٹر ہوا یا نہیں، اس نے سر واپس بلاکس پہ جھکا لیا۔

ماہر کو لگا تھا کہ شاید وہ عجیب آکورڈ محسوس کرے گا۔ لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ وہ تحفظ کا احساس جو وہ اس کو اغوہ میں دے چکی تھی، کوئی بھی چیز اس کو زائل نہیں کر سکتی تھی۔ کچھ چیزیں حقیقت تھیں۔ جیسا کہ زیاد، بدر کا باپ تھا۔

انگلی سے اسکرین کی طرف اشارہ کرتی مالا کی نگاہ اس پہ پڑی۔ پھر اس نے بازو نیچے کیا اور مسکرا دی۔ ماہر نے مسکرا کے سر کو اثبات میں خم دیا۔ انسان اپنا ماضی نہیں بدل سکتا۔ اس سے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ بھی ان کے ساتھ جا کے بیٹھے۔ تبھی فون بجنے لگا۔ ماہر نے ان تینوں کو کارپٹ پر بیٹھے دیکھتے ہوئے فون کان سے لگایا۔

"سر، زیاد سلطان جس بار میں جاتا ہے، ہمیں اس کا پتہ معلوم ہو گیا ہے۔"

ماہر فرید کے تمام اعصاب جیسے ساکت ہو گئے۔ عمار کہہ رہا تھا۔

"مالک بے چاہتے ہیں کہ ہم اس کو وہیں پہ ختم کر دیں۔ باریستا کی جگہ ہمارا آدمی اس کی ڈرنک میں کچھ ملا دے گا۔ ایسا خاموش زہر جس سے علامتیں ہارٹ اٹیک کی آئیں گی۔"

"واٹ؟"

"وہ ویسے بھی ایک ناپسندیدہ شخص ہے۔ اس کے مرنے کا کسی کو افسوس نہیں ہو گا۔ نہ ہی کسی کو اس شہر میں اس کی کمی محسوس ہو گی۔ اگر ہمیں یہ کام کرنا ہے تو ہمیں ابھی کرنا ہے۔ اگلے ایک گھنٹے کے دوران۔ کیونکہ اگر وہ یہاں سے چلا گیا تو معلوم نہیں وہ دوبارہ آئے یا نہیں۔"

"تم لوگ ایسا کچھ نہیں کرو گے۔"

"مالک صاحب کا میرے اوپر بہت پریشر ہے۔ اور وہ بہت خفا ہوں گے اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں نے آپ کو بتا دیا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص انہیں روک سکتا ہے تو وہ آپ ہیں۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ کیا کرنا ہے؟ کیونکہ مجھے آخری حکم انہی کا ماننا ہو گا۔"

عمار کہتا جا رہا تھا اور وہ کارپٹ پر بیٹھے بچے کو دیکھ رہا تھا۔ بچہ تصویر سے بے نیاز واپس اپنے بلاکس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مالا اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی مسکرا کے کچھ بتا رہی تھی۔ بچے نے صرف سر اثبات میں ہلایا۔ وہ مگن سا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے ایک بلاک کو دوسرے پر رکھ رہا تھا۔

"سر، آپ بتائیں کیا کرنا ہے؟"

(کسی کو اس شہر میں زیاد سلطان کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔)

(کسی کو اس شہر میں زیاد سلطان کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔)

(کسی کو اس شہر میں زیاد سلطان کی کمی محسوس نہیں ہو گی۔)

"تم وہیں رکو۔ میں آ رہا ہوں۔ میرے آنے سے پہلے کچھ مت کرنا۔" وہ فون تیزی سے نیچے کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔

دور بیٹھی کشمالہ نے تعجب سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ جبراً مسکرا کے جلدی جلدی معذرت کرتا باہر کو بھاگا تھا۔

اسے مالک کو روکنا تھا۔ وہ قاتل نہیں تھا۔ اور ایک بچے سے اس کا باپ نہیں چھین سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ٹھاٹھیں مارتے سمندر کے کنارے اونچائی پر واقع اس لکڑی کے گھر کے اندر زرد بتیاں جلی تھیں۔ مالک فرید بیڈ پر نیم دراز تھے۔ چند نالیاں ان کے ہاتھوں میں پیوست تھیں۔ چہرہ مزید نحیف ہو چکا تھا۔ البتہ اس پہ غصہ ویسا ہی تھا جیسا ماہر نے ساری عمر دیکھا تھا۔ عمار ہاتھ باندھے ایک طرف کھڑا تھا۔ ایسے کہ اس کا سانس رکا ہوا تھا۔ نگاہیں ٹینس بال کی طرح ماہر سے مالک پہ جاتیں، جو کنپٹی مسلتا دائیں بائیں ٹہل رہا تھا۔ دفعتاً وہ رکا۔ مڑ کے مالک کو دیکھا۔

"وہ مالا کے بچے کا باپ ہے۔ میں اس کو نہیں مار سکتا۔ میں قاتل نہیں ہوں۔"

عبدالمالک فرید کے ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔

"وہ اس شہر سے نہیں جائے گا تمہیں مارے بنا۔ تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟"

ان کی آنکھیں غصے سے سرخ تھیں۔

ماہر بیڈ تک آیا۔ اس کے قریب بیٹھا۔

"مالک۔" اس کی آواز دھیمی تھی اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ "میری زندگی جتنی لکھی ہے، اس سے ایک دن نہ بڑھ سکتی ہے نہ کم ہو سکتی ہے۔ لیکن میں کسی کا خون اپنے ہاتھ پہ لے کر نہیں مرنا چاہتا۔"

"وہ ایک قاتل ہے۔ اس نے بہت سے لوگوں کو مارا ہے۔ اور میں تمہیں نہیں کہہ رہا کہ تم اس کو مارو۔ یہ گناہ میرے سر سہی۔ میرا تو ویسے بھی وقت ختم ہو چکا ہے۔ کسی کو معلوم بھی ہو جائے تو مجھے فرق نہیں پڑتا۔" ان کی آواز درشت تھی۔ بے زار۔ غصے میں۔ بار بار عمار کو دیکھتے۔ جیسے کچا کھا جانا چاہتے ہوں۔

"میں تمہیں یہ نہیں کرنے دے سکتا۔ میں بدر کے باپ کو نہیں مار سکتا۔"

"اگر تم نے زندگی مالا کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو اس بچے کے باپ تم ہو گے۔ تم اس کو پالو گے۔ تم اس کا خیال کرو گے۔ تم ہمیشہ اس کے ساتھ ہو گے۔ وہ اس بچے کی زندگی میں صرف زہر گھولے گا۔ وہ خطرناک انسان ہے۔ وہ کبھی مالا اور بدر کو سکون سے نہیں رہنے دے گا۔" مالک کی غصے سے کانپتی آواز میں جیسے منت تھی۔

ماہر نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"نہیں۔ میں اس بچے کی ساری زندگی حفاظت کروں گا۔ اس کا خیال کروں گا۔ اور ہر وہ کام کروں گا جو کسی باپ کو کرنا چاہیے۔ لیکن مالک، وہ میرا بچہ نہیں ہے۔ اس کا باپ زیاد سلطان ہی ہے۔ اور کسی بچے سے اس کے باپ کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ میں اس گلٹ کے ساتھ نہیں رہ سکوں گا کہ میں نے اس بچے کے باپ کو مارا ہے۔ زیاد سلطان کسی ٹرک کے نیچے آ کر مر جائے، مجھے پرواہ نہیں۔ لیکن میرے ہاتھ پہ، یا تمہارے ہاتھ پہ، اس کا پلیت خون نہیں لگے گا۔"

"ماہر..."

"بدر اس کا بیٹا ہے، مالک۔"

"اور تم میرے بیٹے ہو۔ میں تمہیں اس بچے کے پیچھے نہیں کھو سکتا۔"

ان کی آواز کانپی تھی۔ وہ چند لمحے سانس نہیں لے سکا۔

عبدالمالک فرید کی بوڑھی آنکھوں میں نمی تھی۔ خوف تھا۔ بے بسی تھی۔ یہ سب اس نے عرصے بعد وہاں دیکھا تھا۔

اس نے دھیرے سے اپنا ہاتھ مالک کے استخوانی کمزور ہاتھ پر رکھا، جس میں جگہ جگہ سوئیاں پیوست ہونے سے نیل پڑے تھے۔

"تم مجھے نہیں کھوؤ گے۔ لیکن اگر تم نے مجھے قاتل بنا دیا، تو میں خود کو کھو دوں گا۔"

مالک فرید نے گہری سانس لی۔

"یہ بہت آسان تھا، ماہر۔ اس سے اچھا موقع ہمارے پاس نہیں ہو گا۔ ایک قاتل کو قتل کرنا بہت آسان تھا۔ لیکن یاد رکھنا، آج تم نے خود یہ موقع گنوایا ہے۔" پھر اس نے عمار کو دیکھا۔ اثبات میں سر ہلایا۔ عمار نے سر کو جنبش دی اور فون کان سے لگایا۔ اب وہ اپنے آدمی کو منع کر رہا تھا۔

وہ لوگ زیادہ سلطان کو نہیں چھوئیں گے۔ یہ طے ہو چکا تھا۔

"تم میری وجہ سے زیاد کو نہیں مارو گے۔ مالک، مجھ سے وعدہ کرو۔" ماہر کو اس پہ اعتبار نہیں تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے کہہ رہا تھا۔ مالک نے بے زاری سے ہاتھ چھڑایا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔ جب کہا ہے تمہارے لیے اس کو نہیں ماروں گا تو نہیں ماروں گا۔ جاؤ، مجھے ریسٹ کرنے دو۔"

اب کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔ کتنے ہی لمحے گزر گئے۔ عمار اور ماہر آہستہ آہستہ کمروں سے نکل گئے۔ بتیاں بجھ گئیں۔ گھر خاموش ہو گیا۔

اور اپنے کمرے میں بیٹھی زارا دھیرے سے باہر نکلی۔ وہ ننگے پیر تھی۔ لکڑی کے گھر کی ڈرائی وال سے آوازیں صاف اندر باہر سنائی دیتی تھیں۔ اسے معلوم تھا اس نے کیا کرنا ہے۔

اس نے آہستہ سے باپ کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ ہلکی سی چرچراہٹ سنائی دی۔ البتہ وہ جانتی تھی کہ مالک فرید اس وقت نیند کی دوا لے کے سوتے ہیں۔ ان کا جاگنا ناممکن تھا۔ وہ بلی کی چال چلتی ان کی سائیڈ ٹیبل تک آئی۔ چارجنگ پہ لگا فون اتارا۔ اپنے باپ کا پاس کوڈ ہر بیٹی کی طرح اس کو معلوم تھا۔ وہیں کھڑے کھڑے فون کھولا۔ عمار کی چیٹ کھولی۔ وہ ہوٹل جہاں زیاد رہ رہا تھا، وہ بار جہاں وہ آتا تھا، اور وہ اوقات جن میں وہ آتا تھا، سب وہاں درج تھا۔ ایک اچھے وفادار ملازم کی طرح عمار نے ہر چیز ڈاکومنٹ کر کے مالک فرید کو بھیجی تھی۔ اسے کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔ صرف اپنے فون سے مالک کے فون کی تصویر لی، فون لاک کر کے واپس رکھا، اور انہی دبے قدموں سے باہر نکل گئی۔

کیا کوئی ایسا تھا جس کو زارا ابھی نہ ڈھونڈ سکے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سنہری دھوپ Kadikoy کے اس ہوٹل کی کھڑکیوں سے اندر چھلک رہی تھی۔ ریسیپشن لکڑی کے فرش اور اینٹیک فانوسوں سے مزین تھی۔ لکڑی کا زینہ اتر کے بنا آواز کے چلتا ہوا زیاد سلطان نیچے آ رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹس پہ بھوری جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے آنکھیں دائیں بائیں گھما کے وہ اطراف کا جائزہ لے رہا تھا جب آخری زینے پر ٹھہر گیا۔

لابی کے صوفے پر زارینہ فرید بیٹھی تھی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے اس کے سفید لانگ بوٹس گھٹنوں کے قریب ختم ہوتے تھے۔ وہ مسلسل اسی کو دیکھ رہی تھی۔ ہونٹوں پہ مسکراہٹ تھی۔ زیاد سلطان اس پہ ایک نظر ڈال کے آگے بڑھ گیا جیسے پہچانا نہ ہو۔ البتہ وہ تیزی سے اٹھی اور اس کے پیچھے آئی۔ اس کے ہر قدم کے ساتھ لکڑی کے فرش پہ دھمک کی آواز آتی تھی۔

"زیاد سلطان۔"

زیاد ایک دم پلٹا۔ وہ جو قریب آ رہی تھی، جھٹکے سے رکی۔

"کیا چاہتی ہو؟" اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھوں میں ایسا تاثر تھا جیسے وہ زارینہ کو اوپر سے نیچے تک اسکین کر رہا ہو۔

زارا نے بل دار بالوں میں انگلیاں چلا کے انہیں گردن کے ایک طرف آگے لا پھینکا۔ وہ جیسے بہت پر سکون اور شانت تھی۔

"ہم بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟"

"کیا بات؟"

"اگر میں نے تمہیں ڈھونڈ ہی لیا ہے تو بات بھی اہم ہو گی۔"

وہ دیکھ سکتی تھی کہ زیاد کے چہرے پہ ایک غیر آرام دہ سا تاثر آیا تھا۔ چونک جانے والا۔ جیسے وہ یہاں محفوظ نہ ہو۔

"کیا چاہتی ہو؟"

"جو تم چاہتے ہو۔"

ریسیپشنسٹ نے میز پر رکھی گھنٹی پر زور سے دو تین دفعہ ہاتھ مارا۔ ٹرن ٹرن کی آواز آئی۔ دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ وہ برہمی سے ان کو گھورتے ہوئے سامنے سے ہٹنے کو کہہ رہی تھی۔ وہ چوکھٹ کا رستہ روک کے کھڑے تھے اور باہر سے آتی سیاحوں کی ٹولی اندر آنا چاہ رہی تھی۔ زیاد نے ابرو سے اشارہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ ہوٹل سے باہر نکلے۔ سامنے ایک سڑک تھی جو نشیب کی طرف جاتی تھی۔ دائیں بائیں دکانیں کھلی تھیں۔ سیاحوں اور مقامی لوگوں کا ایک رش تھا۔

"تم کیا جانو میں کیا چاہتا ہوں؟"

"تم مالا اور ماہر کو ایک ساتھ نہیں دیکھ سکتے۔ میں بھی نہیں دیکھ سکتی۔ ماہر اگر میرا نہیں ہو گا تو اور کسی کا نہیں ہو گا۔"

وہ اس سے تیز چل رہا تھا۔ باہر ٹھنڈ تھی۔ البتہ زارا کے پاس ٹوپی پہننے کا ٹائم نہیں تھا۔ وہ اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟"

"کہا نا، ماہر نے مجھے نہیں اپنایا لیکن وہ مالا کو بھی نہیں اپنائے گا۔ یہ میں چاہتی ہوں۔"

زیاد سڑک کنارے رک گیا۔ پلٹ کے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے پیچھے سڑک نشیب کی طرف جاتے ہوئے پانی کے کنارے دم توڑ دیتی تھی۔ وہاں سے بہت سے بگلے اڑ اڑ کے اس طرف آ رہے تھے۔ زارا بگلوں کے پروں کی پھڑ پھڑا

ہٹ نہیں سن رہی تھی۔ نہ ہی ارد گرد کا شور۔ وہ زیاد کی آنکھوں میں امید اور بے چینی سے دیکھتے ہوئے اس کا جواب ڈھونڈ رہی تھی۔

"میں تمہیں اور ماہر کو ایک دوسرے سے نہیں ملا سکتا۔ یہ میرا مسئلہ بھی نہیں ہے۔"

"لیکن تم اس شہر میں کسی وجہ سے ہو۔ تم کچھ ایسا سوچ رہے ہو جو کرنے سے وہ دونوں الگ ہو جائیں گے۔"

"جو میں سوچ رہا ہوں وہ تمہیں پسند نہیں آئے گا۔"

زارا چونکی۔ ابرو اکٹھے کر کے اسے دیکھا۔

"میرا نہیں خیال تم ماہر کو مارنے کی کوشش کرو گے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اس کو مارو بلکہ..." اس نے تھوک نگلا۔ "کچھ ایسا کرو کہ مالا اور وہ ایک نہ ہو سکیں۔"

"جو میں کروں گا اس کے بعد تم اور ماہر بھی ایک نہیں ہو سکو گے۔"

زارا کے چہرے پہ ایک دم سے جیسے بہت سی لکیریں ابھریں۔ بنجر زمین کی دراڑیں جس پر برسوں سے پانی نہ ڈالا گیا ہو۔ پھر وہ جبراً مسکرائی۔

"بے شک میرا نہ ہو، لیکن اس کا نہیں ہونا چاہیے۔"

زیاد سلطان کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"وہ اس کا نہیں ہو گا۔ کبھی بھی نہیں۔ بلکہ وہ کسی کا بھی نہیں ہو گا۔"

زارا نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے، پھر بند کر دیے۔ وہ یقیناً کوئی چال سوچ رہا تھا۔ کوئی ایسی چال جس سے وہ مالا کو دوبارہ سے اپنی باتوں میں پھنسا کے ماہر سے دور کر دے۔ بنا خون خرابے کے۔ بنا کسی کی جان لیے۔ زیاد سلطان یقیناً یہی

سوچ رہا ہو گا۔ اس نے جیسے خود کو تسلی دی۔ وہ ماہر کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ صرف اپنی ایکس وائف پہ فوکس کرے گا۔

"تم جو بھی کرنے جا رہے ہو، میں اس میں تمہاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

زیاد نے طنزیہ مسکراہٹ سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"تم کون ہو جو میری مدد کر سکو؟"

"میں وہ ہوں جس نے تمہیں تلاش کر لیا۔ حالانکہ اپنی طرف سے تم بہت خفیہ جگہ پر رہ رہے تھے۔"

زیاد نے ہونٹ بھینچ لیے۔ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" اور پلٹ کے آگے بڑھ گیا۔

"میں تمہاری کال کی منتظر ہوں گی۔" زارا نے پیچھے سے آواز دی۔ ٹھنڈی ہوا سے اس کے بال اڑنے لگے تھے۔

زیاد سلطان دور جا رہا تھا اور بوسفورس کے بگلے اڑ اڑ کے اس جانب آ رہے تھے۔

وہ کبھی بھی ماہر فرید کو مارنے کا رسک نہیں لے گا۔ وہ یقیناً اپنی بیوی کو کسی طرح شیشے میں اتار کے واپس لے جانے کا سوچ رہا ہو گا۔ وہ اس کی مدد کر سکتی تھی۔ وہ دونوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر سکتی تھی۔

"میں کچھ غلط نہیں کر رہی۔ میں کسی کی جان نہیں لے رہی۔ صرف ماہر کو مالا سے دور کر رہی ہوں۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے پلٹ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک عام سی صبح تھی۔

ہر شے روٹین کے مطابق ہو رہی تھی۔ عدالت کا ایک کاریڈور تھا جس کے باہر بینچز پر بہت سے لوگ اپنی اپنی باریوں کے انتظار میں خاموشی سے بیٹھے تھے۔ وہ کاریڈور سرد تھا۔ خاموش تھا۔ ہر دو تین لوگوں کے ساتھ ایک گاؤن میں ملبوس وکیل بیٹھا تھا۔ ساتھ کمروں کے بند دروازے تھے جن کے اندر سے اردلی باری باری سب کو بلاتا تھا۔

ایسے ہی ایک دروازے کے باہر دونوں دیواروں کے ساتھ لگے بینچز پر آمنے سامنے وہ بیٹھے تھے۔ سوزین سفید کیپ کوٹ اور سیاہ مڈی ڈریس پہنے ٹانگ پر ٹانگ جمائے سامنے والے بنچ کو دیکھ رہی تھی۔ جہاں ماہر فرید اپنے بھائی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ماہر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ البتہ بیر بل سر جھکائے ہوئے تھا۔ وہ گھنگھریالے بالوں کی کس کے پونی بنائے، جیل سے انہیں سمیٹے، گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ گاہے بگاہے وہ دائیں بائیں دیکھتا۔

"میری طرف دیکھو، بیر بل۔" سوزی نے شاید چوتھی دفعہ دبی دبی غراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخ سی نمی تھی۔ اب کی دفعہ بیر بل نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ ہمیشہ کی طرح خوبصورت۔ تیار۔ البتہ غصے میں۔ بیر بل نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔ اس کے کندھے کے قریب کھڑے وکیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"عدالت کا احترام کریں۔ یہاں شور کرنا منع ہے۔"

سوزی نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر ماہر کو۔ ماہر انہی نظروں سے اسے مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائے۔ اپنے بھائی کے ساتھ۔ اس کا ہاتھ بیر بل کے گھٹنے کے قریب تھا۔ جیسے ابھی بیر بل اٹھا تو وہ اسے گھٹنے پر دباؤ دے کر واپس بٹھا دے گا۔ سوزین نے لب بھینچ لیے۔

معمول کی کارروائی معمول کے مطابق ہو گئی۔ میاں بھی راضی تھا اور بیوی بھی۔ سو قاضی کو اعتراض نہ تھا۔

اس خاموش سرد کمرے میں چند کاغذات دستخط ہوئے۔ سیاہی کی مہک، مہر کے لگنے کی ٹھپ ٹھپ، چند سرگوشیاں ،اور جج کا آخری اعلان۔ پھر کاغذات لفافوں میں ڈالے گئے۔ اس دوران سوزی نے کئی دفعہ انہی خاموش گلہ آمیز

نظروں سے بیر بل کو دیکھا تھا۔ وہ ابھی تک اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اگر کبھی نگاہ مل جاتی تو اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگتی۔ جسے وہ تھوک نگل کے اندر اتار لیتا۔ وکیل نے لفافہ سوزین کی طرف بڑھایا تو اس نے نوچنے والے انداز سے اسے کھینچا اور ایک افسوس بھری نظر بیر بل پہ ڈال کے پلٹی۔ ہیلز سے ٹھک ٹھک چلتی وہ اپنے وکیل کے ہمراہ باہر نکل گئی۔

"کیا مجھے اس سے ملنا چاہیے تھا؟ اس کی بات سننی چاہیے تھی؟"

وکیل آگے بڑھ چکے تھے جب بیر بل نے ماہر کے ساتھ راہداری میں واپس باہر آتے ہوئے کہا تھا۔ وہ دور اس کو جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"اس کا فائدہ نہیں تھا۔"

بیر بل نے رک کے ماہر کی طرف چہرہ موڑا۔

"کیوں؟ کیوں تم نے مجھے اس سے نہیں ملنے دیا؟ کیوں تم نے مجھے اس سے بات نہیں کرنے دی؟ میں اس کو بہت کچھ سنانا چاہتا تھا۔ اس کو لعن طعن کرنا چاہتا تھا۔ برا بھلا کہنا چاہتا تھا۔ شاید مجھے اس سے کوئی کلوژر closure مل جاتا۔ میں اس کا سارا دھوکہ، اس کا جھوٹ اس کے چہرے پر لانا چاہتا تھا۔" اس کی آواز ہلکی سی بلند ہونے لگی اور آنکھوں میں سرخ نمی واپس آ گئی۔

"اس نے میرا دل توڑا ہے، ماہر۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ میں نے اس کو سب کچھ دیا۔ لیکن میں اس کے لئے کافی نہیں تھا۔ وہ بہتر سے بہتر کی تلاش میں آگے بڑھ گئی۔ تم نے کیوں مجھے اس پہ غصہ نہیں کرنے دیا؟ تم نے کیوں میرے اندر ابلتا لاوا اس وقت نہیں نکالنے دیا؟"

اس نے ماہر کی کہنی پکڑی۔ پھر اسے جیسے بھینچا۔

"تم نے کیوں مجھے اس سے بات نہیں کرنے دی؟"

"کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اس سے بات کرو۔"

وہ دونوں راہداری میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ دائیں بائیں سے سیاہ گاؤن والے لوگ اور پریشان شکلوں والے افراد آگے پیچھے جا رہے تھے۔

"کیوں؟ تم کیوں چاہتے تھے میں اس سے بات نہ کروں؟"

سوزین کی ہیلز کی ٹک ٹک اب دم توڑ چکی تھی۔ ماہر نے یاسیت سے بیر بل کو دیکھا اور جب بولا تو اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"کیونکہ اگر تم اس سے بات کرتے تو اسے معاف کر دیتے۔"

بیر بل فرید سناٹے میں رہ گیا۔ شل۔ گنگ۔

"تمہیں لگتا ہے میں اتنا کمزور انسان ہوں؟" ماہر کی کہنی کو پکڑے ہاتھ ڈھیلا ہو کے نیچے گر گیا۔

"مجھے لگتا نہیں ہے، بیر بل۔ مجھے معلوم ہے۔ اس وقت اگر تم اس سے بات کرتے، تو وہ ایک دفعہ پھر تمہیں اپنے شیشے میں اتار لیتی۔"

"تم میرے بارے میں یہ سوچ بھی کیسے سکتے ہو کہ میں اس کی بے وفائی جاننے کے بعد بھی اس کے ساتھ رہوں گا؟ یا اس کو معاف کر دوں گا؟" بیر بل کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا بھائی اس کو اتنا بے غیرت سمجھتا تھا؟

"تمہیں اس کی بے وفائی کا علم اس کے لیپ ٹاپ سے نہیں ہوا تھا، بیر بل۔ بے وفا عورتوں کے ریڈ فلیگز پہلے دن سے دکھائی دے دیتے ہیں۔ تم نے اس سے پہلے بھی بہت سے ایسے فلیگ دیکھے ہوں گے۔ لیکن ہر دفعہ تم نے ان کو نظر انداز کیا۔ ہر دفعہ تم نے اس کو معاف کیا۔ دائیں بائیں کسی سے تھوڑا سا فلرٹ۔ کسی کا کارڈ رکھ لینا۔ کسی کے ساتھ ڈنر پہ

چلے جانا۔ بہت سی چیزیں تم نے دیکھی ہوں گی۔ جب وہ تمہیں ملی تھی تب بھی وہ کسی اور کے ساتھ تھی۔ کسی اور سے اس نے تمہارے لئے بے وفائی کی۔ تم ہمیشہ سے جانتے تھے کہ وہ بے وفا عورت ہے۔ لیکن تمہیں لگا تمہارے ساتھ وہ ایسا نہیں کرے گی۔ اور اس نے کیا۔ اسی لئے مجھے ڈر تھا کہ اگر تم اس سے ملے تو تم اس کو معاف کر دو گے۔ اور میں چاہتا تھا کہ تم اس دلدل سے ایک ہی دفعہ نکل آؤ۔"

اس نے بیر بل کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ بیر بل نے غصے سے اپنا کندھا چھڑایا۔ افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سر دائیں بائیں ہلایا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔

ماہر کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن وہ پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے چلا گیا۔ سوزین جا چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیر بل کی بیکری کے باہر کنسٹرکشن جاری کے سائن ابھی تک لگے ہوئے تھے۔ البتہ اس صبح وہاں کوئی ورکر دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سورج ابھی ٹھنڈا تھا اور صبح سفید تھی۔ آس پاس چند ہی دکانوں کے شٹر کھلے تھے اور اکثریت ابھی بستروں میں تھی جب کشمالہ مبین بیکری کے دروازے کا لاک کھول رہی تھی۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے بدر کی انگلی تھام رکھی تھی۔ جو ہڈ والی گرم جیکٹ میں ملبوس تھا۔ ہاتھوں پر دستانے چڑھے تھے جو ماں نے زبردستی پہنائے تھے اور وہ سر جھکائے اپنے جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔

ڈبل لاک کھول کے اس نے دروازہ دھکیلا تو حسب معمول جامنی گھنٹی ٹرن سے بجی۔ جب تک وہ بدر کو لیے اندر آئی، دروازے بند کیے، بتیاں جلائیں، تو گھنٹی کی ٹرن ٹرن دھیرے دھیرے دم توڑتی گئی۔ درجہ حرارت سیٹ کر کے وہ زینہ چڑھ کے اوپر آئی۔ ایک کاؤچ پر بدر کو بٹھایا۔ اس کی کلرنگ بکس اس کے سامنے رکھیں۔ کوٹ اتار کے صوفے پر رکھا ۔ اس نے ڈھیلا ڈھالا سوئیٹر اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ آستین اونچے چڑھائے۔ سارے بال دونوں ہاتھوں میں سمیٹے اور کس کے اونچی پونی باندھنے لگی۔ ابھی پونی کا آخری بل تھا جب کھٹک کی آواز آئی۔

مالا ڈر کے پلٹی۔ ایک بند دروازے کے پیچھے کچھ کھٹکا تھا۔

ایک لمحے کے لیے اس کا سانس ساکت رہ گیا۔ گھبرا کے بدر کو دیکھا۔ کتنا کہا تھا اس کو ماہر نے کہ جب وہ بیکری جایا کرے تو اسے فیضی حانم کے پاس چھوڑ جایا کرے۔ پولیس کا بندہ، ماہر کا گارڈ، خود فیضی حانم اور ہلال۔ اتنے سارے لوگ تو تھے اس کے پاس۔ لیکن اس کی اپنی اِن سیکیورٹی۔ وہ بدر کو اپنی نظروں سے دور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور اس بیکری میں جو بھرے بازار کے بیچ میں تھی، بدر کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ یہ اس کا خیال تھا۔

"کون ہے؟" اس نے پکارا تو حلق خشک ہو رہا تھا۔ پھر سے کچھ کھٹکا۔ اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ دائیں بائیں دیکھا۔ ایک پانی کی خالی شیشے کی بوتل رکھی تھی جو وہ کل چھوڑ کے گئی تھی۔ ابھی پینٹرز نہیں آئے تھے ورنہ شاید وہ ایسے نہ گھبراتی۔ بوتل کو مٹھی میں تھاما تو اس کا شیشہ ٹھنڈا محسوس ہوا۔ قدم قدم چلتی وہ اس دروازے تک آئی اور پھر ایک دم اسے کھول کے دھکیلا۔ اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

"اف، بیر بل۔ تم؟" دوسرا ہاتھ سینے پر رکھے مالا نے بدقت چند گہرے سانس لیے۔ جہاں اعصاب واپس ڈھیلے ہوئے وہاں ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

وہ دروازہ بیر بل فرید کے آفس میں کھلتا تھا اور اس وقت وہ فرش پر بیٹھا کاؤچ کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ ایک باکس سامنے رکھا تھا جس میں چند فریمز تھے۔ کچھ چیزیں۔ کف لنکس۔ ٹائی۔ مگ۔ وہ ہر شے اس میں سے نکال نکال کے باہر رکھ رہا تھا۔ شاید اسی کا کھٹکا رہوتا تھا۔ کوٹ پیچھے کہیں پھینک رکھا تھا۔ آستین اونچے چڑھے تھے اور گریبان کے بٹن کھلے تھے۔ پونی سے بال نکل نکل کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔ اس نے مالا کے پکارنے پہ محض آنکھیں اٹھا کے دیکھا۔

"تم اندر کیسے آئے؟ لاک تو میں نے ابھی کھولا ہے۔"

"یہ میری بیکری تھی، مالا۔ اس میں داخلے کے چور راستے میں نے بنا رکھے ہیں۔" وہ بے زاری سے بولا تھا۔

مالا نے تعجب سے دائیں بائیں دیکھا۔

"کہاں سے؟"

بیر بل نے ابرو سے بالکونی میں کھلتے دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ "یہاں سے راستہ ہے۔"

"وہ میں نے دیکھا تھا لیکن اس پہ پاس کوڈ لگا ہوا ہے۔"

"اور وہ پاس کوڈ صرف مجھے ہی معلوم ہے۔ ڈونٹ وری۔ اس کو میرے سوا کوئی نہیں کھول سکتا۔" وہ مزید بے زار ہوا تھا۔

مالا نے بوتل ایک طرف رکھی۔ کانچ کے لکڑی سے ٹکرانے کا کھٹکار ہوا۔ وہ قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی۔ پھر پلٹ کے دیکھا۔ بدر باہر صوفے پر بیٹھا کتاب میں رنگ بھر رہا تھا۔ وہ بیر بل کے سامنے فرش پر بیٹھی۔ آلتی پالتی کیے۔ اس کا جھکا سر غور سے دیکھا۔

"کل تمہاری کورٹ ہیئرنگ تھی۔ ہو گئی؟"

بیر بل کے ہاتھ باکس میں سے چیزیں نکالتے ہوئے ٹھہر گئے۔ جھکے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"پچھتا رہے ہو؟"

گھنگھریالے بالوں والا سر دائیں بائیں ہلا۔

"پچھتا نہیں رہا۔ جو کیا بالکل ٹھیک کیا۔ اس نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ وہ ایک ٹاکسک لڑکی تھی اور اس سے شادی کر کے میری زندگی مزید اجیرن ہو گئی تھی۔ مجھے اس پہ غصہ ہے۔ اور ماہر... ماہر سمجھتا ہے کہ میں اتنا کمزور انسان ہوں

کہ اس کو معاف کر دیتا۔" اس نے گلہ آمیز آنکھیں اٹھا کے مالا کو دیکھا۔ جیسے سمجھ نہ پا رہا ہو کہ اسے ماہر پہ زیادہ غصہ تھا یا سوزین پہ۔

"اپنے بھائی کو تو تم چھوڑ ہی دو۔ وہ تو سرٹیفائیڈ روبوٹ ہے۔"

بیر بل کے چہرے پہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ آ گئی۔ پھر دوسرا دکھ یاد آیا۔

"مگر مالک بھی یہی سمجھتا ہے کہ مجھے سوزی سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ورنہ وہ پھر سے مجھے شیشے میں اتار لیتی۔"

"اور مالک کون ہے؟"

اب کی دفعہ بیر بل کھل کے مسکرا دیا۔

"اس سے بھی بڑا روبوٹ۔"

مالا نے گہری سانس لی۔ باکس کو نرمی سے ایک طرف دھکیلا۔ ایسے کہ وہ ان دونوں کے درمیان میں سے ہٹ گیا۔

"بیر بل، میری طرف دیکھو۔ میں تمہاری دوست بھی ہوں نا؟"

بیر بل کی شکوہ کناں نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

"ایک زمانے میں تم میری دوست تھیں۔ اب صرف ایسٹ انڈیا کمپنی ہو۔" نگاہیں گھما کے بیکری کے درودیوار کو دیکھا۔

"وہ تو اس روبوٹ کا قصور ہے۔ میں تو تمہاری دوست ہوں نا؟"

بیر بل نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے فرش پر بیٹھے تھے اور جب ان کے درمیان خاموشی چھا جاتی تو باہر سے بدر کی پنسل کے کاغذ پر رگڑنے کی آواز سنائی دینے لگتی۔

"تمہاری دوست ہونے کے علاوہ میں ایک ڈائیورسڈ عورت بھی ہوں۔ مجھے پتا ہے کہ طلاق کیا ہوتی ہے۔ اس کا ٹراما کیا ہوتا ہے اور اس سے خود کو نکالنا کتنا ضروری ہوتا ہے۔"

"مگر وہ کیسے سمجھ سکتا ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں گا؟" وہ شاید اس کی بات نہیں سن رہا تھا۔ "میں اس سے نفرت کرنے لگ گیا ہوں۔ اور میں ہرٹ بھی ہوں کہ وہ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔ اوپر سے ماہر..."

"میری بات سنو۔" اس نے نرم مگر اونچی آواز میں اس کو متوجہ کیا۔ "اگر میں تم سے سچ نہیں بولوں گی تو پھر میں تمہاری صحیح والی دوست نہیں ہوں گی، بی۔"

"تم یہ چاہتے ہو کہ میں تم سے ہمدردی کروں۔ تم اپنے تمام دوستوں سے یہی توقع کرتے ہو۔ وہ تمہارے پاس آئیں۔ وہ تمہیں بتائیں کہ تمہارے ساتھ کتنا برا ہوا ہے۔ وہ تمہیں تمہارے غم سے نکلنے میں مدد دیں۔ لیکن یہ سچ نہیں ہے۔"

بیر بل نے چونک کے اسے دیکھا۔

"تمہارے ساتھ جو ہوا وہ غلط تھا۔ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ طلاق ایک بہت بڑا ٹراما ہوتا ہے۔ ماہر کے لیے تم سے دستخط کروانا، تمہیں کورٹ میں لے کر جانا، اور ہر چیز بظاہر فکس کر دینا بہت آسان تھا۔ لیکن ماہر کبھی ڈائیورس سے نہیں گزرا۔ اس کو نہیں پتا کہ یہ انسان کو کیسے توڑ کے رکھ دیتی ہے۔ چاہے اس کا ساتھی کتنا ہی ٹاکسک کیوں نہ ہو۔ چاہے طلاق انسان کو کسی قید سے آزاد کیوں نہ کر دے۔ وہ کتنا ہی بڑا ریلیف کیوں نہ ہو۔ طلاق انسان کو ایسا ٹراما دیتی ہے جس کو بھرنے میں ایک لمبا عرصہ لگتا ہے۔"

بیر بل نے گھٹنے سینے سے لگا لیے۔ ان کے گرد بازو لپیٹے اور تھوڑی ان پر رکھ کے آزردگی سے اسے دیکھے گیا۔

"کیا سوزی کا دیا زخم کبھی بھر سکے گا؟"

"سوزی کا دیا زخم بہت جلد بھر جائے گا، بیر بل۔ لیکن کیا بیر بل کا دیا زخم بھر سکے گا؟"

بیر بل کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

سامنے بیٹھی پونی باندھے شفاف چہرے والی لڑکی کہہ رہی تھی۔

"میں تم سے سچ بولوں گی اور سچ یہ ہے کہ سوزی نے تمہیں زخم نہیں دیا۔ بیر بل نے بیر بل کو زخم دیا ہے۔"

بیر بل کے لب ناپسندیدگی میں بھنچے۔ البتہ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

"بہت سے لوگ طلاق یا دھوکہ ملنے پہ یہی کہتے ہیں کہ دوسرے شخص نے ہمارے ساتھ یہ کیا۔ دوسرا شخص ٹاکسک ہے، برا ہے، ولن ہے۔ لیکن بیر بل، سوال یہ ہے کہ اس شخص کو منتخب کس نے کیا تھا؟ اس شخص کی طرف اٹریکٹ کون ہوا تھا؟"

"اس نے خود کو ایسا بنا رکھا تھا کہ مجھے لگا وہ ایک بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"نہیں۔ اس نے خود کو ان چیزوں سے آراستہ کر رکھا تھا جو تمہاری کمزوری ہیں۔ کیونکہ وہ چیزیں تمہارے اپنے اندر بھی موجود ہیں۔ تمہیں وہ چیزیں پسند آتی ہیں۔ برینڈز، امارت، خوبصورتی، دکھاوے والی چیزیں۔ یہ سب سطحی چیزیں ہیں۔ تم اس چمک دمک سے متاثر ہو کے اس کے قریب گئے تھے اور پھر تم نے اپنا اسٹینڈرڈ اتنا low رکھا کہ ان چیزوں کی چمک دمک نے وہ سارے سرخ جھنڈے چھوٹے کر کے دکھائے جو تمہیں پہلے دن سے نظر آ رہے تھے۔ سوزین بدلی نہیں تھی۔ وہ وہی رہی جو وہ ہمیشہ سے تھی۔ ٹاکسک عورتیں پہلے دن سے اپنے ٹاکسک ہونے کے ثبوت دکھا دیتی ہیں۔ ایسے ہی ٹاکسک مرد خود کو چھپا کے نہیں رکھتے۔ پھر بھی ہم ان کو منتخب کر لیتے ہیں کیونکہ ہمارے اپنے اندر کمی ہوتی ہے۔"

"یعنی سوزی سے شادی میری غلطی تھی؟"

تمہیں برا لگے گا لیکن یہی حقیقت ہے۔ یہ تمہاری غلطی تھی۔ تمہاری چوائس تھی۔ کیونکہ ہم دوسروں کی اسی چیز سے اٹریکٹ ہوتے ہیں جس کی یا ہمیں خود کمی ہوتی ہے یا ہم نے اپنے اندر اس کو پال رکھا ہوتا ہے۔ ہم اپنی ویلیوز کو دوسروں میں تلاش کرتے ہیں اور یوں ہم لوگوں سے کنیکٹ ہوتے ہیں۔ اگر تمہیں ایک اچھی، سچی اور authentic عورت چاہیے، تو تمہیں سطحی چیزوں سے متاثر ہونے کے بجائے، اپنے اسٹینڈرڈ کو اتنا اونچا کرنا ہو گا کہ تم لوگوں کے سطحی پن کے پار جھانک سکو۔ کسی کی دولت تمہیں متاثر نہ کرے۔ تم جب کسی لڑکی سے ملو، اور آگے تم بہت سی لڑکیوں سے ملو گے، تو میں چاہتی ہوں کہ تم اس لڑکی کی پرسنالٹی سے کچھ چیزیں مائنس کر دو۔ ان کی چمکتی دمکتی شکل، ان کی دولت، ان کی دل رُبا باتیں مائنس کر کے دیکھو کہ پیچھے کیا بچتا ہے۔ کیا اس میں اخلاقی اقدار ہیں؟ کیا وہ سچ بولتی ہے؟ کیا اس کے اندر بہت سی اِن سیکیورٹیز اور احساس کمتری تو نہیں ہے۔ کیا اس نے اپنی کشش دولت اور نمائشی چیزوں کو بنا رکھا ہے؟ جب تک تم اپنے اندر موجود اس چیز کو heal نہیں کرو گے، جو نمائشی چیزوں کی طرف لپکتی ہے، تب تک بیر بل، تم غلط لڑکیوں کا انتخاب کرتے رہو گے۔"

وہ بہت غور سے اس کو سن رہا تھا۔ وہ اسی نرمی سے کہے جا رہی تھی۔

"ماہر تمہاری چوائس کے خلاف نہیں تھا۔ وہ ان لڑکیوں کے خلاف بھی نہیں تھا جن کو تم پسند کرتے ہو۔ بلکہ ماہر تمہارے اندر موجود اس چیز سے واقف ہے جو ہمیشہ ایک ہی جیسی لڑکیوں کی طرف اٹریکٹ ہوتی ہے۔ اگر تم اپنی زندگی میں آنے والی تمام لڑکیوں کا ایک فلو چارٹ بناؤ، تو تم دیکھو گے کہ ان میں بہت کچھ مشترک ہے۔ سوزین سمارٹ تھی۔ اس نے صرف ریلیشن شپ نہیں رکھا بلکہ شادی بھی کی تاکہ اس کو اس ریلیشن شپ کی قیمت مل جائے۔ آج تم سوزین سے بچ کے نکل گئے ہو۔ لیکن کل کو اگر تم نے اپنے آپ کو درست نہ کیا تو تم پھر سے اسی طرح کی کسی لڑکی کے ساتھ پھنس جاؤ گے۔"

"اور میں کیسے بہتر کا انتخاب کروں گا؟"

"خود کو بہتر بنا کے۔ وہ کہتے ہیں نا کہ تمہیں جو خوبیاں اپنے لائف پارٹنر میں چاہئیں، ان کی فہرست بناؤ اور پھر خود وہی فہرست بن جاؤ۔ تم بہتر لڑکیاں اٹریکٹ کرو گے اور خود بھی بہتر لڑکیوں کی طرف اٹریکٹ ہو گے۔ پھر یہ سطحی، چمکتی دمکتی لڑکیاں، جن کی ویلیوز نہیں ہیں، جو جھوٹ بولتی ہیں، اپنے اصل سے دور بھاگتی ہیں، اپنے احساس کمتری کو چھپا کے رکھتی ہیں، یہ لڑکیاں پھر تمہیں پسند نہیں آئیں گی۔ تم ان سے دور بھاگو گے۔"

"لیکن مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ کوئی لڑکی سچی اور authentic ہے؟ کیونکہ لڑکیاں ایکٹنگ کرتی ہیں۔ خود پہ ملمع چڑھا کے رکھتی ہیں۔"

"جب تم خود اندر سے سچے بن جاؤ گے، اپنے احساسِ کمتری سے نکل کر اپنی ذات پہ محنت کرو گے نا، اپنی ویلیوز کو اونچا کرو گے، تب بھرے مجمعے میں سے بھی ایک خالص اچھی لڑکی کو تم دور سے پہچان لو گے۔ تمہیں لوگوں کا سچ اور جھوٹ صاف صاف دکھائی دے گا۔ وہ لڑکی نہ تمہاری دولت سے متاثر ہو گی، نہ ان چیزوں سے جن کو پیسے سے کوئی بھی خرید سکتا ہے۔ وہ تمہاری ذات کو جاننے کی کوشش کرے گی۔ وہ تم سے ان سطحی چیزوں کی وجہ سے محبت نہیں کرے گی بلکہ اس کو تمہارے اندر وہ سب نظر آئے گا جو ہمیں نظر آتا ہے۔ مجھے، ماہر، مالک، ہم سب کو بیربل کی دولت سے یا اس کے برانڈز والے کپڑے جوتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ہم بیربل کو اس کے اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ تمہارا سینس آف ہیومر۔ تمہارا نرم دل۔ ہم اس سب کے لیے تمہیں پسند کرتے ہیں۔ جب اپنے اوپر سے یہ تہیں اتارو گے، تب خالص لڑکیاں خود ہی تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں گی۔ سمجھ رہے ہو؟"

بیربل نے سر جھکا لیا اور گردن اثبات میں ہلائی۔

"میں کوشش کروں گا۔"

"طلاق کے بعد سب سے اہم چیز تھیراپی ہوتی ہے۔ دوستوں کے پاس جا کے اگر اپنا غم نکالو گے تو وہ تمہیں صرف تمہاری مرضی کی بات کہیں گے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تھیراپسٹ کے پاس جاؤ۔ وہ تم سے ناگوار سچ بولے گا۔ اگر تم سچ سننے کی تاب نہیں رکھتے ہو گے تو ایک دو سیشنز کے بعد بھاگ جاؤ گے۔ لیکن یاد رکھو، تھیراپی بہادر لوگوں کا کام ہے۔ جو خود کو فیس کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں۔"

بیربل نے سر پھر سے ہلایا۔ ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تو آنکھوں میں ممنونیت تھی۔

"تھینک یو، مالا۔ تھینک یو۔"

وہ مسکرا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں اپنا مورال بنانے جا رہی ہوں۔ اگر تم اپنے غم سے نکل آؤ تو میری مدد کروا دو کیونکہ پینٹرز کو آنے میں کافی دیر لگے گی۔"

بیر بل نے مٹھی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور گردن اونچی کر کے اسے دیکھا۔

"میں خود پہ محنت کروں گا اور ایک بہتر انسان بنوں گا۔ لیکن کل سے۔ آج میں کسی محنت کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اوکے لیکن میں دوپہر میں چلی جاؤں گی۔ مجھے ایک کام سے جانا ہے۔ میرے کچھ پارسل آئیں گے۔ تم ان کو میرے لیے سائن کر دو گے؟"

"کر دوں گا۔" وہ قدرے اکتاہٹ سے بولا۔ پھر چونک کے اسے دیکھا۔ "تمہیں دوپہر میں کہاں جانا ہے؟"

مالا ہلکا سا مسکرائی۔ "سوزین بہت ٹاکسک تھی لیکن اس نے مجھے ایک پتے کی بات بتائی تھی۔ اسی کے بارے میں کچھ کرنے جا رہی ہوں۔"

"کیا؟" وہ بے قراری سے بولا۔ اس کا ذکر ابھی تک اس کو ڈسٹرب کر دیتا تھا۔

مالا جواب دیے بنا مسکراہٹ اچھالتی باہر ہال کی طرف چلی گئی۔ وہ کچھ دیر خفگی اور تجسس سے سوچتا رہا پھر واپس اپنے باکس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سوزین کی یادیں۔ تحفے۔ ہر شے ایک کوزے میں بند ہو کے اس کے سامنے پڑی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہائی وے سے نظر آتی قرمزی عمارت کا فائبر گلاس سرما کی دھوپ میں چمک رہا تھا۔ سرخ رنگ کے اٹھائیس شیڈز سے بنی عمارت کے وسط میں صحن نما جگہ تھی۔ اوپر سے کھلی۔ دائیں بائیں سیمنٹ کی دیواریں جن کے ساتھ بہت سے ورکرز کام کر رہے تھے۔ ایک برآمدے کے کونے میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی رکھی تھی۔ ایک ستون جیسے بنانے کے بعد گرایا گیا تھا۔ اور اس کے ساتھ تین لوگ کھڑے کسی بحث میں مصروف تھے۔ ان میں سے ایک ماہر فرید تھا۔ وہ جینز پہ جیکٹ

اور سر پہ زرد ہیلمٹ پہنے، ہاتھ پہلوؤں پر رکھے بے زاری سے کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ تینوں افراد بار بار گردن اٹھا کر اوپر دیکھتے۔ ماہر افسوس سے سر نفی میں دائیں بائیں ہلاتا۔ پھر انگلی سے ان کو تنبیہ کرتا۔ بار بار وہ گھڑی دیکھتا۔

تب ہی ایک گلابی شرٹ اور زرد ہیلمٹ والا لڑکا جو مخنی سے وجود اور چھوٹے قد کا مالک تھا، بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

"سر، اندر ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔ جونیئر انجینئر کی ایک مزدور سے لڑائی ہو گئی ہے۔"

ماہر تیورا کے اس کی جانب گھوما۔ ماتھے کی شکنوں میں اضافہ ہوا۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے کچھ کہتا، نگاہ لڑکے کے کندھے کے پیچھے courtyard کے وسط پہ پڑی۔ اور وہ وہیں ٹھہر گیا۔

دھوپ سے چمکتے صحن کے وسط میں وہ کھڑی تھی۔ کیمل رنگ کا لمبا کوٹ پہنے۔ بازو سینے پر لپیٹے۔ کندھوں تک آئے کھلے بال اور چہرے پہ مسکراہٹ۔ ایک دم سے جیسے اس زیرِ تعمیر عمارت کے پتھروں کی دھول اور پلستر کی مہک سارے سے عنقا ہو گئی۔ ماہر کے وجود پہ چھائی کلفت دور ہوتی گئی۔

وہ ان سے معذرت کرتا ہوا تیزی سے اس کی طرف آیا۔ عمارت کے وسط کا یہ صحن جس میں چاروں طرف دیواریں تھیں جن میں اونچی راہداریاں اور برآمدے بنے تھے، کسی بھی رنگ سے بے نیاز ابھی تک سرمئی دکھائی دیتا تھا۔ البتہ جیسے ہی مالا اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی، سرخ عمارت میں اٹھائیس سو رنگ بھر گئے تھے۔

وہ اس کے عین سامنے جا رکا۔ دونوں کے درمیان شاید چار فٹ کا فاصلہ تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں ایک دفعہ بارش میں وہ لڑے تھے اور بہت بولے تھے۔ بہت سا غبار اپنے اندر سے نکالا تھا۔ اور آج جب عمارت مکمل ہونے جا رہی تھی، تو ان کی توڑ پھوڑ بھی بہت حد تک مکمل ہو چکی تھی۔

"کیسی ہو؟" اسے دیکھ کے ماہر کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔ ایک بات کرنے آئی تھی۔ تم آفس میں نہیں تھے اور فون آف تھا۔ شبنم نے بتایا کہ یہاں گئے ہو۔"

"اوہ ہاں۔" اس نے پیشانی کو چھوا۔ "کام میں بزی تھا۔ دھیان نہیں دے سکا۔"

پھر گردن موڑ کے اونچی عمارت کو دیکھا۔

"تم نے تو آرٹ ورک نہیں بنایا۔" گلہ آمیز مسکراہٹ سے واپس مالا کو دیکھا۔ "اس لیے ہم بغیر آرٹ ورک کے ہی افتتاح کرنے جا رہے ہیں۔"

"کم از کم تم لوگ وقت پہ افتتاح کر رہے ہو۔ یہی بہت ہے۔" وہ گردن اونچی کر کے عمارت کو دیکھتی مسکرا رہی تھی۔

"ماہر بے... وہ لوگ لڑ رہے ہیں اندر۔" گلابی شرٹ والے لڑکے نے جیسے اس کی معذرت نہیں سنی تھی۔ وہ بھاگتا ہوا پریشان سا ان کی طرف آیا تھا۔ ماہر نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ آنکھوں میں گھور کے اشارہ کیا۔ اور پھر واپس مالا کی طرف متوجہ ہوا۔

"اندر آجاؤ۔"

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ایک دوسرے برآمدے میں آ رکے۔ یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں وہ لڑے تھے۔ وہ برآمدہ اس کے مقابل تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ وہ اس عمارت کے کسی دوسرے حصے میں کھڑا ہوتا کہ یہاں کا ہر پتھر، ہر اینٹ، ہر کونا اس کے ساتھ گزارے لمحوں کا گواہ بن جائے۔

"ہماری اس دن کے بعد ٹھیک سے بات ہی نہیں ہوئی۔" وہ مسکرا کے کہہ رہی تھی۔ وہ درست تھی۔ وہ ایک دم سے بہت مصروف ہو گیا تھا۔ یا شاید وہ مالا کو ہر چیز پر اسیس کرنے کا وقت دے رہا تھا۔ پھر عمارت کا افتتاح بھی عین سر پہ تھا۔

"سوری۔ میں بزی ہو گیا تھا۔"

"اسی لئے میں نے سوچا کہ تمہارے پاس آ کے تم سے ایک بات دوٹوک پوچھ لوں۔"

"اوکے؟"

ماہر نے جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیے۔ غور سے اس کو سننے لگا۔ برآمدے میں تازہ پلستر اور کیروسین آئل کی مہک تھی۔ دائیں بائیں دو مزدور پلاسٹک کی شیٹ لے کر جا رہے تھے۔ ان کی کھڑکھڑاہٹ کم ہوئی تو مالا نے کہنا شروع کیا۔

"اس دن اغوہ میں جو تم نے کہا، میں اس کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی۔"

ماہر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ جانتا تھا وہ کیا کہنے جا رہی ہے۔ اور اس نے اس موقع کے لئے کچھ سوچ کے رکھا تھا۔ اسے جیولرز پہ جانا تھا۔ اسے ایک انگوٹھی خریدنی تھی۔ اور اسے ہر وہ چیز کرنی تھی جو روایتی تھی۔

"ہم اس بارے میں بات کریں گے، مالا۔" اس کا فقرہ ابھی منہ میں ہی تھا جب گلابی شرٹ والا لڑکا جسے وہ حیران پریشان سا صحن میں چھوڑ آیا تھا اس برآمدے میں دوڑتا چلا آیا۔

"سر، وہ میری بات نہیں مان رہے۔ آپ ان کو سمجھائیں۔" وہ قدرے جھنجھلایا ہوا بھی تھا۔ ماہر نے دانت پیس کے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔

"پانچ منٹ صبر کرو۔ میں آتا ہوں۔"

وہ برا سا منہ بنا کے پیچھے ہٹ گیا۔

وہ واپس مالا کی طرف متوجہ ہوا۔ تناؤ بھری مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ وہ البتہ اطمینان سے مسکرا رہی تھی۔ وہ جیسے سوچ کے آئی تھی کہ اسے بات کرنی تھی۔

"کیا تم اس بات کو ٹال رہے ہو؟"

"نہیں نہیں۔ میں صرف ان چیزوں میں پھنسا ہوا ہوں۔ اور میں چاہتا تھا کہ تم اس سب کو پراسیس کر لو۔"

"میں نے پراسیس کر لیا ہے۔ لیکن مجھے تھوڑی سی کلیرٹی clarity چاہیے۔"

دور کہیں زور سے دھپ کی آواز آئی تو دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ مغربی دیوار کے ساتھ زمین پر چند بوریاں گری تھیں جو اوپر لگے مزدوروں کے لفٹر سے شاید پھسلی تھیں۔

(اف)ماہر واپس اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ہم بیٹھ کے بات کر لیتے ہیں۔" اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں بیٹھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ البتہ مالا جیسے طے کر کے آئی تھی۔ وہ اپنے کوٹ سمیت ایک ستون کے کنارے زینوں پر بیٹھی۔ یوں کہ کمر ستون سے لگالی اور گھٹنے اس کی طرف تھے۔ وہ بدقت سامنے آ کے بیٹھا۔ کن انکھیوں سے دیکھ سکتا تھا کہ چار فٹ کے فاصلے پر کھڑا مخنی نوجوان ناراضی سے اسے دیکھتا فون پہ بات کر رہا ہے۔

"جب تم نے کہا کہ ہم ایک ساتھ اپنا خیمہ لگائیں یعنی (کسی کمرے سے ویلڈنگ مشین کے چلنے کی سیٹی جیسی آواز سنائی دی۔ مالا کو آواز اونچی کرنی پڑی۔) یعنی ہم اپنی زندگی ساتھ تعمیر کریں۔ تو اس سے مراد..."

"سر... سر... ماہر بے!" گلابی شرٹ والا نوجوان بازو لہراتا اس کو بلا رہا تھا۔ ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا اور بہت ضبط سے واپس مالا کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم کہہ رہی تھیں؟"

"جب تم نے کہا کہ ہم اپنی زندگی ساتھ شروع کریں..."

ماہر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ تم بھی یہیں ہو۔ میں بھی یہیں ہوں۔ میں تم پر کچھ مسلط نہیں کرنا چاہتا۔ تم وقت لے سکتی ہو۔ اور میں کسی بھی چیز کو بہت رش نہیں کرنا چاہتا۔ جب تم ذہنی طور پہ تیار ہو، تب ہم اس بارے میں بات..." کن انکھیوں سے گلابی شرٹ قریب آتی دکھائی دی۔ ماہر فرید مٹھیاں بھینچ کے اس کی طرف پلٹا۔

"کیا ہے؟" کھا جانے والے انداز میں اسے گھورا۔

"ماہر بے... انہیں سنبھالیں... وہ میری نہیں سن رہے۔"

"صبر کرو۔ میں آرہا ہوں۔" وہ واپس مالا کی طرف مڑا اور زبردستی مسکرایا۔

"مالا ہم بعد میں بیٹھ کے..."

"ہمیں بیٹھ کے بات کرنے کا ٹائم نہیں مل رہا، ماہر۔ اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ مجھے بس تم سے آمنے سامنے بات کرنی تھی تاکہ مجھے کلیئر ہو کہ تم کیا چاہتے ہو۔"

"مالا، تمہیں جتنا وقت چاہیے..."

"مجھے وقت نہیں چاہیے، مجھے کلیرٹی چاہیے۔" وہ جھنجھلائی ہوئی نہیں تھی۔ سنجیدہ تھی۔ پرسکون۔ "تم کس طرح چاہتے ہو کہ ہم اپنی زندگی ایک ساتھ شروع کریں؟"

ویلڈنگ کی آواز میں ایک دم تیزی آگئی۔ دوسری دیوار کے ساتھ کھڑا الفٹر دو مزدوروں کو اٹھائے نیچے اتر رہا تھا اور چار مزدور اونچی پکار کے ساتھ کچھ کہہ رہے تھے۔ ماہر فرید کو دھول اور پلستر کی مہک حلق میں اترتی محسوس ہوئی۔ اس نے ہیلمٹ اتار کے نیچے رکھی۔ وہ یہ گفتگو اس طرح نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ تم ہمیشہ سے جانتی تھیں، مالا۔"

"مجھے تمہارے منہ سے سننا ہے تاکہ میں کلیئر ہوں اور اپنی فیملی کو کچھ بتا سکوں۔"

"ماہر بے..." گلابی شرٹ اب پانچ فٹ کے محفوظ فاصلے پر کھڑا اب دو مزید آدمیوں کے ساتھ اس کو پکار رہا تھا۔ ماہر فرید نے بدقت ان سب کو نظر انداز کیے اپنی توجہ سامنے بیٹھی لڑکی پہ مرکوز کیے رکھی جس کو دائیں بائیں کسی شے کی پرواہ نہیں تھی۔

".I want you to be my wife"

وہ یہ سب اس طرح نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اڑتے ہوئے چونے اور پینٹ کی مہک۔ ویلڈنگ کی آواز اور چنگاریوں کے درمیان۔ مزدوروں کے شور اور سرمئی دیواروں سے گھرے احاطے کے درمیان۔

وہ اس بات کو کسی ریسٹورنٹ میں، اونچی موم بتیوں، مدھم روشنیوں، پھولوں کی مہک اور ایک انگوٹھی کے ساتھ کہنا چاہتا تھا۔

کشمالہ چند لمحے اس کو دیکھتی رہی۔ پھر ہلکا سا مسکرا دی۔

"اوکے۔" اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"تم چاہتے ہو کہ ہم شادی کر لیں۔" وہ مسکراہٹ دبائے پوچھ رہی تھی۔ آنکھیں سرما کی دھوپ سے سنہری مائل لگ رہی تھیں۔

"ماہر بے..." مزدوروں کی لڑائی کا شور اندر سے کہیں سے اٹھ رہا تھا۔ گلابی شرٹ اسے غصے سے پکار رہا تھا۔ لیکن وہ صرف ان آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ تم اور بدر میری فیملی بن جاؤ۔ اور میں اور تم ایک ساتھ اپنا گھر بنائیں۔ ہم نے ایک لمبی زندگی غلط ضد، انا، غلط فہمیوں کی وجہ سے ضائع کی ہے۔ ہم مختلف حالات میں نہیں مل سکتے تھے۔ ہمیں انہی حالات میں ملنا تھا۔ اور اس وقت ہم اپنے حالات مختلف کر سکتے ہیں۔ سو..."

لفٹر دھپ سے زمین پر رکا۔ مزدور نیچے اترے۔ ترکش زبان میں زور زور سے بولتے وہ زرد ٹوپیوں کے دوسرے گروہ کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ ویلڈنگ کی آواز بھی تیز ہو گئی تھی۔ جیسے اندر کسی کمرے میں چنگاریاں نکل رہی ہوں۔ ماہر کو اپنی آواز اونچی رکھنی پڑی۔

"سو کشمالہ حانم، کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟" اس نے کہتے ہوئے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کسی بوتل کا ڈھکن بھی نہیں۔ موم بتی کا دھاگہ بھی نہیں۔ پھر بے چارگی سے واپس اس کو دیکھا۔

ستون سے ٹیک لگائے بیٹھی مالا، جس کی ٹوپی سے بال نکل کے کندھوں پر گر رہے تھے، مسکرا رہی تھی۔

"اوکے۔" اس نے پھر سے سر اثبات میں ہلایا۔

"کب؟" وہ خالی ہاتھ بیٹھا تھا۔ دنیا کی ساری دولت ہونے کے باوجود اس وقت اس کے پاس کچھ نہیں تھا اس کو دینے کے لیے۔ بے چارگی اور بے بسی سے صرف مسکرا کے پوچھا۔ یکدم ساری آوازیں، شور، دھول مٹی، ہر چیز محسوس ہونا بند ہو گئی تھی۔

"میں اپنی فیملی سے پوچھتی ہوں کہ وہ کب آ سکتے ہیں۔ ماہی اور معید۔ اور پھر میں تمہیں بتاؤں گی۔ اور..." مالا رکی۔ ماہر کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ اتنے برسوں میں کشمالہ مبین کو وہ اتنا تو جان گیا تھا کہ ایک دم اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔ یہ کشمالہ کی تمہید تھی۔ وہ کچھ اور کہنے آئی تھی۔

"اور؟" وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔ گلابی شرٹ پھر سے اس کی طرف لپکا۔ ماہر نے بازو لمبا کر کے اسے روکا۔ وہ چار فٹ کے فاصلے پر رک گیا۔ معلوم تھا اب وہ پٹے گا۔

"سوزین۔"

"سوزین کیا؟"

"سوزین نے مجھے ایک بات کہی تھی جو میرے دل سے نکل نہیں سکی۔ تم نے کہا اب ہمارے حالات مختلف ہو چکے ہیں۔ لیکن میرے اندر کی عورت مکمل طور پہ heal نہیں ہوئی۔ میرے اندر ابھی بھی اِن سیکیورٹیز موجود ہیں۔"

اندر کمرے سے آتی ویلڈنگ کی آواز خاموش ہو گئی تھی۔ نہ ہوتی تب بھی وہ اس کا ایک ایک لفظ سن سکتا تھا۔ وہ کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کے کچھ نکال رہی تھی۔ گریبان پہ جھولتی سیاہ فاختہ دھوپ میں دمک رہی تھی۔

"مجھے تم سے ایک سیکیورٹی چاہیے۔"

ماہر نے خاکی لفافے کو دیکھا اور پھر اسے۔

"Prenup؟" اسے جیسے تعجب ہوا تھا۔

"نہیں، ماہر۔ مجھے کسی قسم کا پری نپ سائن نہیں کرنا لیکن..." اس نے جیسے تھوک نگلا اور لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"میں نے اپنے وکیل سے بدر کی گارڈین شپ کے پیپرز بنوائے ہیں۔ اور میں چاہتی ہوں کہ تم ان کو سائن کرو۔ اور بے شک زیاد اس کا باپ ہے، لیکن زیاد ایک unstable انسان ہے۔ جلد یا بدیر وہ کسی جرم کی پاداش میں یا جیل چلا جائے گا، یا کسی مفرور کی طرح زندگی گزارے گا۔ وہ کبھی بدر کے پاس موجود نہیں ہو گا۔ اگر تم اور میں اپنی زندگی ایک ساتھ شروع کرنے جا رہے ہیں، تو میں چاہتی ہوں کہ تم بدر کے گارڈین بن جاؤ۔ میں تمہیں یہ نہیں کہہ رہی کہ تم اس کے باپ بنو۔ اس کا باپ صرف ایک تھا، ہے اور رہے گا۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم میرے ساتھ اس کا خیال رکھو۔ اس کی حفاظت کرو۔ اور بس۔" اس نے تھوک نگلا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ اس سے محبت کرو۔ شاید یہ ماہر فرید کے لئے ممکن نہ ہو۔ شاید وقت کے ساتھ یہ ممکن ہو سکے۔

ماہر نے دو انگلیوں سے گلابی شرٹ کو اشارہ کیا۔ وہ بھاگتا ہوا اس کی طرف آیا۔

"ماہر بے... آپ جلدی سے..."

"پین دو۔" اس نے لفافہ چاک کرتے ہوئے کاغذ نکالا۔ ایک نظر اس کو پڑھا۔ تب تک لڑکا پین اس کی طرف بڑھا چکا تھا۔ ماہر نے گھٹنے پر کاغذ رکھے۔ دستخط کیے۔ پھر لفافہ اسے واپس کیا۔ کچھ کہنے لگا، پھر گلابی شرٹ کو گھورا۔

"تم کیوں کھڑے ہو؟ واپس جاؤ۔" وہ منہ بناتا واپس پلٹ گیا۔ تب وہ مالا کی طرف متوجہ ہوا۔

"بدر تمہارا حصہ ہے۔ مالا بدر کے بغیر ادھوری ہے۔ تم اگر مجھ سے یہ پیپر سائن نہ کرواتیں، تب بھی میں اس کا گارڈین ہوں اور رہوں گا۔ لیکن یہ کاغذ اگر تمہیں یہ سیکیورٹی دیتا ہے، تو مجھے اس کو سائن کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے نرمی سے کہہ رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ سبز آنکھوں میں نمی آنے لگی۔

"تھینک یو۔"

ماہر اب پھر سے اس کاغذ پہ نگاہیں دوڑا رہا تھا۔

"کسی دس ڈالر فی گھنٹہ والے آن لائن وکیل سے بنوایا ہے یہ پیپر؟"

وہ شرمندہ ہو گئی۔

"پچیس ڈالر فی گھنٹہ۔"

ماہر نے چچ کہہ کے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"میں یہ گارڈین شپ پیپرز اپنے وکیل سے بنوا کے ان کو پراپر طریقے سے لیگلائز کر کے دو دن میں تمہارے حوالے کروں گا۔ تم مجھے بتا دیتیں تو تمہارے یہ پچیس ڈالر ضائع نہ ہوتے۔ میرے ہوتے ہوئے تمہیں ان چیزوں کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ اپنا کوٹ جھاڑتے ہوئے ساتھ ہی اٹھی۔

"ہاں، میں نے کہا تھا نا، تم سے شادی میں تمہاری دولت کے لیے ہی کروں گی۔"

ماہر ایک دم ہنس پڑا۔ مالا لفافہ جیب میں ڈالتے ہوئے اب واپس پلٹ رہی تھی۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔ وہ چند قدم دور ہی گئی تھی کہ گلابی شرٹ بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔

ماہر فرید نے گہری سانس لی اور اس کی طرف گھوما۔

اب وہ اس کی فاتحہ پڑھنے کے لیے تیار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گو کہ وہاں سے جاتے ہوئے کشمالہ مبین کے چہرے پر مسکراہٹ تھی، لیکن ماہر کے دل سے وہ قلق ختم ہی نہیں ہو رہا تھا۔ سارا دن بے زاری سے اس سرخ عمارت میں گزر گیا۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسے افسوس ہو رہا تھا۔ وہ یہ سب کچھ ویسے نہیں کر سکا جیسے اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ اس گفتگو کو پلستر اور چونے کے ڈھیر کے درمیان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن گزشتہ چند دنوں میں وہ اتنا مصروف ہو گیا تھا، یا شاید مالا کو اس سب کو پراسیس کرنے کا وقت دے رہا تھا۔ دونوں صورتوں میں غلطی اسی کی تھی۔

مغرب کا اندھیرا پھیل رہا تھا جب وہ سرخ عمارت سے نکلا۔ اردل سے کار کی چابی لے لی۔ چہرے پر جھنجھلاہٹ تھی۔ ڈرائیو کرتے ہوئے کار سڑک پر ڈال دی۔ ساتھ ہی کار فون پہ مالا کو کال ملانے لگا۔ پھر رک گیا۔ نہیں۔ وہ یہ فیصلہ خود کرے گا۔ اس معاملے میں اس کو محنت اور کوشش خود کرنی ہو گی۔ کیونکہ وہ مرد تھا۔

کار آگے بڑھتی جا رہی تھی اور شہر کی سڑکوں پر رش ویک اینڈ کے باعث زیادہ تھا۔ رات دھیرے دھیرے پھیل رہی تھی اور وہ سرخ پل کے اوپر ڈرائیو کر رہا تھا جب کار فون پہ ایک نمبر جگمگانے لگا۔ ون ان ففٹی۔ عموماً اس نمبر کو دیکھ کے ماہر فرید کے چہرے پر مسکراہٹ آتی تھی۔ ذہن میں مالا کا کہا فقرہ گونجنے لگا۔ وہ اپنی فیملی کو انفارم کرنا چاہتی تھی۔ ماہی سے اس کا ہمیشہ ایک دوستانہ تعلق رہا تھا۔ اور وہ جانتا تھا کہ اگر کوئی شخص اس نئے تعلق پہ بہت خوش ہو گا تو وہ مابینہ مبین تھی۔ ماہر کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ انگلی سے بٹن دبایا تو کار میں ماہ بینہ کی آواز گونجی۔

"کیسے ہیں آپ، ماہر بے؟"

اس نے ایکسلیٹر پہ پیر کا دباؤ بڑھایا۔ ایک کار کو اوورٹیک کیا اور بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"میں ٹھیک ہوں، ماہی۔ تم کیسی ہو؟ بچے کیسے ہیں؟ اور تمہارا ہزبینڈ؟" (اس نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ ماہی کے شوہر کا کیا نام تھا۔ لیکن وہ بھول گیا تھا۔ اس کا شوہر عموماً پکچر میں نہیں ہوتا تھا۔ اس لیے اسے یاد نہیں رہتا۔)

"ہم سب ٹھیک ہیں۔" خاموشی چھا گئی۔ پہلے اسے لگا اس کا وہم ہے۔ لیکن خاموشی کا دورانیہ بڑھا تو وہ کھنکھارا۔

"یقیناً مالا نے تم سے بات کی ہو گی۔"

"جی، اس نے بات کی تھی۔ مبارک ہو آپ دونوں کو۔ میں آپ کے لیے خوش ہوں۔" اس کی آواز میں خوشی نہیں تھی۔ اس کی آواز سپاٹ تھی۔ ماہر کو اپنی گردن کے پیچھے کچھ رینگتا ہوا محسوس ہوا۔

"تھینک یو، ماہی۔" وہ الفاظ کا چناؤ احتیاط سے کر رہا تھا۔ خاموشی پھر چھا گئی۔

"میں جانتی ہوں آپ نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کے کیا ہو گا۔ لیکن کیا میں آپ سے چند باتیں پوچھ سکتی ہوں؟"

"پوچھو، ماہی۔" اس نے پھر سے بیک ویو مرر میں دیکھا۔ پیچھے ایک کار کے ہیڈ لائٹس چمکے تھے۔ نیلی جیپ۔ اور پھر ایک دوسری کار اس کے سامنے آ گئی۔ اسے لگا اس نے اس کار کو صبح بھی اپنے آس پاس دیکھا تھا۔

"آپ کی منگنی تو کچھ عرصہ پہلے تک اپنی کزن سے ہوئی تھی۔ کیا وہ ختم ہو گئی؟"

"کیا مالا نے اس کے بارے میں نہیں بتایا؟" اس کا لہجہ مزید محتاط ہو گیا۔ دونوں کے درمیان ایسا تناؤ چھایا جو استنبول سے وین کو ورتک پھیل گیا تھا۔

"بتایا تھا لیکن میں آپ سے سننا چاہتی ہوں۔ اپنی کزن سے کمٹمنٹ کرنے کے بعد آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اور مالا کے آتے ہی اس سے کمٹمنٹ کر لی۔ کیا یہ بات مناسب ہے، ماہر بے؟

ماہر نے گہری سانس لی۔ ایکسلیٹر سے پاؤں ڈھیلا کیا۔ رفتار سلو ہوئی۔ وہ کار کو آخری لین میں لے گیا۔

"ماہی، یہ سب اتنا آسان نہیں ہے کہ میں دو فقروں میں اس کی وضاحت کر دوں۔"

"میں آپ سے وضاحت نہیں مانگ رہی۔ بلکہ میں آپ کو کچھ یاد دلانا چاہتی ہوں۔"

"میں سن رہا ہوں۔" اس کے سارے اعصاب تن گئے تھے۔ دوسرے ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"آپ کی شادی کی ساری تیاریاں ہو چکی تھیں۔ جس لڑکی سے آپ کی شادی ہونی تھی وہ آپ کی کزن تھی۔ چچا کی بیٹی۔ آپ نے ایک لمحے میں اس سے کی ہوئی کمٹمنٹ توڑ دی۔ کیا گارنٹی ہے کہ آپ مالا کو بیچ راستے میں نہیں چھوڑ دیں گے؟"

"تمہیں کیوں لگتا ہے میں مالا کو چھوڑ دوں گا؟ کیا تم مجھے جانتی نہیں ہو؟" وہ جیسے حیران ہوا تھا۔

"میں آپ کو جانتی ہوں۔ اور آپ مجھے۔ آپ نے بڑے بڑے موقعوں پہ ہماری مدد کی ہے۔ یہاں تک کہ بدر کو واپس لانا بھی آپ کا ہی کمال تھا۔ آپ کے ہم دونوں بہنوں پہ بہت احسان ہیں۔ لیکن میں احسانوں کی بات نہیں کر رہی۔ میں کمٹمنٹ کی بات کر رہی ہوں۔ مالا سے آپ نے اگر کمٹمنٹ کی ہے، تو کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ اس کمٹمنٹ کو نبھائیں گے؟"

اس کے حلق میں جیسے بہت سے کانٹے اُگ آئے۔ بہت دفعہ ہونٹ کھولے اور پھر بند کیے۔

"تم میری اور مالا کی کہانی سے واقف ہو۔ ہمارا ساتھ برسوں کا ہے۔ ہم الگ نہیں ہو سکتے۔ ہم ہمیشہ ایک دوسرے کو واپس ڈھونڈ لیتے ہیں۔ میں نے اس سے کیا ہوا وعدہ کبھی نہیں توڑا۔"

"آپ لاہور سے بھی چلے گئے تھے۔ اس کو کچھ بتائے بغیر۔"

"تب حالات مختلف تھے۔"

"لیکن آپ تو وہی ہیں، ماہر بے۔ کیا گارنٹی ہے کہ اس دفعہ آپ میری بہن کو بیچ راستے میں نہیں چھوڑ دیں گے؟"

اس نے اسٹیئرنگ کا رخ گھمایا۔ کار ایک دوسری سڑک پر ڈالی۔ بیک ویو مرر میں پھر سے نیلی جیپ کی جھلک دکھائی دی۔ ماہر نے ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھا دیا۔

"تمہیں کس چیز کا خوف ہے، ماہی؟"

"میری بہن نے بہت دکھ دیکھے ہیں۔ اس نے اپنی طرف سے ایک درست فیصلہ کیا تھا۔ وہ درست نہیں نکلا۔ ایک مرد نے اس کو اندر باہر سے توڑ کے رکھ دیا۔ اس نے اپنے بچے کو اکیلے پالا ہے۔ میں نے اس کو بہت عرصہ بہت سے لوگوں سے ملوانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کو ہر شخص کے بارے میں دور اندر یہی خوف ہوتا تھا کہ وہ اسے بیچ راستے میں چھوڑ دے گا۔Abandonment کی اِن سیکیورٹی۔ آپ کے بارے میں وہ مطمئن ہے۔ اس کو لگتا ہے کہ آپ اس کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ لیکن مجھے آپ کے منہ سے سننا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ میری بہن کو دوبارہ تکلیف ملے۔ اگر آپ اپنی کزن سے کمٹمنٹ توڑ سکتے ہیں، تو آپ مالا سے کمٹمنٹ بھی توڑ سکتے ہیں۔ اور اگر آپ نے میری بہن کو بیچ راستے میں چھوڑا، تو آپ کو مجھے جواب دینا ہو گا۔" بولتے بولتے ماہی کا سانس پھول گیا تھا۔

ماہر فرید نے گہری سانس لی۔ بیک ویو مرر میں دکھائی دیتی نیلی جیپ اب بہت دور رہ گئی تھی۔ اس کے چہرے پہ بہت سا تناؤ اور تشویش تھی۔ البتہ جب وہ بولا تو آواز پر سکون تھی۔

"میں اسے کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ نہ اسے کبھی اکیلا کروں گا۔ چاہے زندگی میں جو بھی مقام آئے۔ میں اس کے ساتھ تھا، ہوں اور رہوں گا۔ سوائے اس صورت میں کہ..." اس نے بہت کچھ حلق میں اتارا۔

"کہ؟"

"کہ میری زندگی ختم ہو جائے اور موت ہمیں جدا کر دے۔ اس کے علاوہ میں کبھی اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ میں تمہیں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ بس وعدہ کر سکتا ہوں۔"

دوسری طرف پھر سے خاموشی چھا گئی۔ البتہ دو برا عظموں کے درمیان پھیلا تناؤ جیسے کم ہوا تھا۔

"مجھے آپ ہمیشہ سے اچھے لگتے تھے۔ آپ میرے دوست بھی ہیں، محسن بھی۔ لیکن مجھے اپنی بہن آپ سے کہیں زیادہ پیاری ہے۔ اور میں صرف یہ نہیں چاہتی کہ اس کو پھر سے تکلیف ملے۔ اس لیے..." وہ جیسے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اس کی آواز بھیگ چکی تھی۔

"آپ ہر روز اس عہد کو دہرائیں گے کہ آپ مالا کو کبھی بیچ رستے میں اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔"

"نہیں چھوڑوں گا۔"

رابطہ منقطع ہو گیا۔ آواز سرد پڑ گئی۔ اور کار خاموش ہو گئی۔ اس نے دل میں دہرایا۔

"نہیں چھوڑوں گا۔ سوائے اس کے کہ موت ہمیں جدا کر دے۔" پھر اسپیڈ بڑھا دی۔ البتہ اس کی آنکھیں بار بار بیک ویو مرر کی طرف اٹھتی تھیں۔ وہ جیپ اب اس کا تعاقب نہیں کر رہی تھی۔

جیولری اسٹور کے اندر چکا چوند روشنیاں پھیلی تھیں۔ وہ پارکنگ سے نکلا اور ایک دفعہ دائیں بائیں دیکھا۔ دور دور تک کہیں بھی اس نیلی کار کا نام و نشان نہیں تھا۔ ماہر نے سر جھٹکا۔ جو وقت مکتوب تھا اس سے نہ کوئی ایک لمحہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے۔ پھر اسے کس چیز کی پرواہ تھی؟ ڈر کیسا؟

وہ اسٹور میں داخل ہوا تو سوٹ میں ملبوس ایک لڑکی اس کے سامنے آئی۔

"خوش آمدید، ماہر بے! آپ کی اپائنٹمنٹ بیرین حانم کے ساتھ ہے۔ آپ بیٹھیں۔ وہ آتی ہوں گی۔"

وہ مسکرا دیا۔ تنے اعصاب جیسے ڈھیلے کرنے کی کوشش کی۔ البتہ ذہن کے پچھلے کسی خانے میں خطرے کی گھنٹی بار بار بج رہی تھی۔

جب تک وہ ان مخملیں صوفوں پر بیٹھا اور بیرین حانم آئیں اور ایک کے بعد ایک جیولری ڈش اس کے سامنے رکھتی گئیں، وہ نیلی جیپ اس کے ذہن سے محو ہو چکی تھی۔ جیولری کیسز میں چمکتی دمکتی بہت سی انگوٹھیاں رکھی

تھیں۔Solitaires۔baguettes۔ آڑی ترچھی شکلوں والے ہیرے۔ اس کی نگاہ ان تمام آنکھیں خیرہ کرتے پتھروں پہ پھسلتی گئی۔ زارا کو اس نے پلاسٹک کا ایک ٹکڑا تھما دیا تھا۔ وہ اپنے لیے انگوٹھی خود لے آئی تھی۔ اور اس کے لئے ایک بہت بڑا کریڈٹ کارڈ بل چھوڑ گئی تھی۔ مگر کشمالہ زارا نہیں تھی۔ ماہی نے سوچ بھی کیسے لیا کہ وہ اسے چھوڑ دے گا؟ وہ زارا کی مثال دے رہی تھی۔ مالا اور زارا کا کیا مقابلہ تھا؟ اف! اس نے ذہن کو واپس ان سخت ترین کاربن کے پتھروں پہ مرکوز کرنے کی کوشش کی۔

سیلز مینیجر ٹویئزر میں ایک آنسو شکل والی انگوٹھی اٹھا کے اس کو اس کی خصوصیات بتا رہی تھی۔ ڈائمنڈ کی کلیرٹی، کٹ، اس کا رنگ۔ ماہر فرید نے پہلو بدلا۔ یہ ساری انگوٹھیاں زارا جیسی عورتوں کے لیے تھیں۔ مالا کے لئے وہ کیا لے سکتا تھا؟ جب وہ ہر انگوٹھی پہ نفی میں سر ہلاتا گیا تو وہ بیرین حانم ساتھ والے صوفے پر بیٹھیں۔ بازو سے مخملیں ڈش کو پرے دھکیلا اور ماہر فرید کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ کو کس طرح کی انگوٹھی چاہیے؟"

وہ چند لمحے بے بسی سے سوچتا رہا۔

"ایسی چیز جو اس کو اچھی لگے۔"

"کیا آپ ان کو اپنے ساتھ لا سکتے ہیں؟"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں اپنی پسند سے اس کی پسند کی چیز لینا چاہتا ہوں۔"

سیلز مینیجر نے سمجھتے ہوئے سر اوپر نیچے ہلایا۔

"یہ صرف تب ہی ہو سکتا ہے جب آپ اس کو اچھے سے جانتے ہوں۔ کیا آپ اس کو اچھے سے جانتے ہیں، ماہر بے؟"

ایک لمحے کے لیے ماہی کی باتیں، نیلی جیپ کا تعاقب، اور چونے اور پلستر سے بھری سرخ عمارت کی مہک، ہر شے جیسے اس کے وجود سے اتر گئی۔ وہ مسکرا دیا۔ تنے اعصاب ڈھیلے ہو گئے۔

"میں اس کو بہت اچھے سے جانتا ہوں۔"

سیلز مینیجر اسی دلفریب انداز میں مسکرائی۔

"پھر بتایئے، اس کو اس دنیا میں سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟"

"اس کا بیٹا۔"

سیلز مینیجر نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"مادی چیزوں میں۔ انسانوں میں نہیں۔"

اس نے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ پھر کندھے اچکا دیے۔

"شاید اس کا کیمرہ۔ وہ فوٹو گرافر ہے۔ شاید اس کا پینٹ برش۔" اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ وہ کیا چیز اپنے ساتھ رکھتی تھی؟ اپنی ہر قید سے نکلتے ہوئے۔ ایک نئی قید میں جاتے ہوئے۔ ایک ملک سے فرار ہوتے ہوئے۔ دوسرے ملک میں جاتے ہوئے۔ ایک گھر کو چھوڑ کے۔ دوسرے گھر میں آتے ہوئے۔ وہ کیا چیز ہے جو مالا سے کبھی جدا نہیں ہوتی تھی؟

وہ ایک دم چونکا۔

"اس کے پودے۔"

سیلز مینیجر کھل کے مسکرائی۔

"ایک منٹ۔" وہ کہہ کے اٹھی اور جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک سیاہ مخملیں کیس تھا جس کے اوپر ایک انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ اس نے دو انگلیوں سے پکڑ کے انگوٹھی ماہر کے سامنے کی۔

روز گولڈ رنگ کی انگوٹھی پہ ننھے ہیروں سے ایک پتا بنا تھا۔ ماہر فرید نے بالآخر مسکرا کے گہری سانس لی۔

"اس کو یہ پسند آئے گا۔"

آج کے سارے دن میں سب سے اچھا یہی ہوا تھا۔

جیولری اسٹور کے مقابل سڑک کے کنارے وہ نیلی جیپ کھڑی تھی۔ ہیڈ لائٹس بجھی تھیں اور ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا زیاد سلطان اسٹور کی گلاس وال کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں سے اسے ماہر فرید نہیں دکھائی دے رہا تھا لیکن وہ جانتا تھا وہ یہاں کیوں آیا تھا۔

اس نے ایکسلیٹر پر پیر رکھا اور جیپ کو زن سے بھگا کے آگے لے گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ نیلی جیپ اگلے تین دن تک ماہر کو دکھائی نہ دی۔ وہ جانتا تھا وہ اس کا وہم نہیں تھی لیکن کام نے واپس اس کو اسی طرح الجھا دیا تھا۔

اس شام وہ آفس سے واپسی پہ نشانتشی آ گیا۔

بیر بل کی بیکری کے باہر اندھیرا اترا تھا۔ اسٹریٹ کے سارے ریستوران اور شاپس کی بتیاں جگمگا رہی تھیں۔ بارش کے باعث سڑک گیلی تھی اور اس پہ ان بتیوں کا زرد عکس پڑتا تھا۔

ایسے میں بیکری کے اندر جاؤ تو جگہ جگہ تعمیراتی میٹیریل رکھا تھا۔ دیواروں کے نیچے فرش پر پلاسٹک شیٹس بچھی تھیں۔ زینے چڑھ کے اوپر آؤ تو ایک دیوار کے سامنے شیٹ پر بہت سے برش، پینٹ اور لکڑی کے ٹکڑے رکھے تھے۔ پہلے کی

نسبت تعمیراتی کام کی شکل کافی حد تک نکل آئی تھی۔ البتہ وہ دیوار ابھی تک نامکمل تھی۔ سامنے لمبے کاؤچ پر بدر بیٹھا تھا۔ پیروں پر کمبل اور ہاتھ میں موبائل تھا جس پہ کوئی ویڈیو چلی تھی۔ ساتھ ہلال بیٹھی تھی اور وہ چہرہ ان دونوں کی طرف موڑے ہوئے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔

بیربل فرید پہلوؤں پر ہاتھ رکھے کھڑا، ناقدانہ نظروں سے اس مورال کو دیکھ رہا تھا جو کشمالہ نے آدھا پینٹ کیا تھا اور اس وقت وہ ساتھ کھڑی اسے اس پینٹنگ کا مطلب سمجھا رہی تھی۔ جب بیربل نے بور سا ہو کر چہرہ اس کی طرف موڑا۔

"پہلے یہ ڈیسائڈ کر لو کہ یہ بیکری میری ہے یا تمہاری؟"

مالا مسکرا دی۔ بھورا سوئیٹر پہنے جس کے آستین اونچے چڑھے تھے اور بال چھوٹی پونی میں بندھے تھے، اس سوال پہ اس کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"بیکری تمہاری تھی اور تمہاری ہی رہے گی، بیربل۔"

"تو ماہر بے کے اس stunt کا کیا جو انہوں نے تمہارے نام بیکری لگا کر کیا تھا؟"

بیربل نے انگلیوں سے فضا میں دستخط کرنے کا اشارہ کیا۔ پھر ہونہہ میں سر جھٹکا۔

مالا نے بے اختیار مسکراہٹ روکی۔

" اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ بیکری کس کے نام ہے؟ یہ تمہاری تھی اور تمہاری ہی رہے گی۔ اور تم ہی اس کو چلاؤ گے۔"

بیربل نے سینے پر بازو لپیٹ لیے۔ اس نے اوور سائز سفید سوئیٹر کے ساتھ ٹراؤزرز پہن رکھے تھے۔ کان میں بالی اور بال کس کے پونی میں بندھے تھے۔ بوریت سے دائیں بائیں دیکھا۔

"جہاں تک مجھے یاد ہے، میری بیکری گلابی رنگ کی تھی۔"

"اور جہاں تک مجھے یاد ہے تم اب گلابی رنگوں کا پیچھا کرنے والی عمر سے نکل چکے ہو۔"

بیربل نے خفگی سے اسے گھورا۔ بولا کچھ نہیں۔

"رنگ بہت اہم ہوتے ہیں، بی۔ میں نے بیکری کو ایک زیادہ باوقار لک دینے کی کوشش کی ہے۔"

"پرپل اور براؤن؟ ان دونوں رنگوں کو آپس میں مکس اینڈ میچ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ چڑچڑا سا لگ رہا تھا۔ گزشتہ آدھے گھنٹے میں جب سے وہ لوگ یہاں موجود تھے، بیربل نے ہر چیز پہ اعتراض کیا تھا۔

"وہ رنگ مالا کے لئے اہم ہوں گے، بیربل بھائی۔ اٹس اوکے۔" ہلال نے پیچھے سے کہا تو مالا نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ ہلال کے بال فرنچ چٹیا میں بندھے تھے اور وہ کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ اندر آنے کے باوجود اس نے کوٹ نہیں اتارا تھا۔ بھوری شفاف آنکھیں بس سامنے کسی نقطے کو دیکھ رہی تھیں۔ مالا نے احتیاطاً ایک دوسری نظر بدر پہ ڈالی۔ ہر چند منٹ بعد اسے بدر کی طرف دیکھنے کی عادت تھی۔ وہ ہلال کے ساتھ کافی اٹیچ ہو چکا تھا۔ وہ محفوظ تھا۔ اس نے اطمینان سے چہرہ واپس بیربل کی طرف موڑا، جو اب اس کی پینٹ کردہ کسی شے پہ تبصرہ کر رہا تھا۔

بیربل ابھی کچھ کہہ رہا تھا جب مالا کسی خیال کے تحت ریلنگ پہ جھکی۔ نیچے جھانکا۔ نیچے کوئی نہیں تھا لیکن اس کی نگاہیں دروازے پہ جمی تھیں۔ وہ جانتی تھی وہ ابھی کھلے گا۔ اسے ماہر کے آنے سے پہلے ہمیشہ معلوم ہوتا تھا۔

ایک لمحہ۔ دوسرا۔ وہ مسکراہٹ دبائے دیکھے گئی۔

تیسرے ہی لمحے دروازہ کھلا۔ دروازے کا کونا گھنٹی سے ٹکرایا۔ چھن چھناہٹ گونجی۔ چوکھٹ سے اندر داخل ہوتے ماہر نے پہلے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر اوپر۔ اسے دیکھ کے وہ مسکرا دیا۔

"ماہر آیا ہے۔" مالا نے مڑ کے ان سب کو بتایا۔ بیربل نے ایک نظر اس کے چہرے کو دیکھا جس پہ بے انتہا خوشی تھی۔

"پھر کیا ہوا؟ روز ہی دیکھتے ہیں ہم ماہر بے کو۔" ناک سے مکھی اڑا کے وہ دوسری دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ البتہ وہ اسی طرح وہیں کھڑی ماہر کو دیکھے گئی۔ جب تک کہ وہ زینے چڑھتا اوپر نہ آ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کے مسکرا رہے تھے۔ ماہر کے پیچھے شبنم بھی آئی پیڈ پکڑے اوپر آ رہی تھی لیکن مالا نے تو اسے دیکھا ہی نہیں تھا۔

"کہاں پہنچا تمہارا کام؟" وہ اس کے عین سامنے آ رکا تھا۔ اس نے بھی شاید وہاں موجود کسی دوسرے فرد کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی صرف مالا کو دیکھ رہا تھا۔

"کچھ دن سے کام سست ہو گیا ہے۔ لیکن ہم اس مہینے کے آخر تک بیکری کو اوپن کر لیں گے۔" وہ مسکرا کے بتا رہی تھی۔

بیربل نے مڑ کے ان دونوں کو دیکھا۔ نگاہوں نے ٹینس بال کی طرح ماہر سے مالا اور واپس ماہر تک کا سفر کیا۔ پھر چہرے پہ مزید بے زاریت اتر آئی۔ سر جھٹک کے واپس دیوار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"یہاں آنے کی زحمت کیوں کی، ماہر بے؟ گھر میں آپ سے ملاقات ہو ہی جانی تھی۔"

ماہر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جو ان کی جانب پشت کیے، اکھڑا اکھڑا سا کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لی اور کھنکھارا۔ ایک نظر ان سب کو دیکھا۔ پھر ریلنگ سے نیچے جھانکا۔ وہاں چندور کرزا بھی تک لگے تھے۔ شبنم ہلال کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ مسکرا کے سب کو سلام کیا۔ پھر استفہامیہ نظروں سے ماہر کو دیکھا، جیسے فیملی کے درمیان خود کو ساتھ لائے جانے کی وجہ جاننا چاہتی ہو۔ مالا بھی ماہر کو ہی دیکھ رہی تھی۔ ہلال کی توجہ بھی یہیں تھی۔ صرف بیربل فرید تھا جو اس وقت اس وال مورال پہ تنقید کرنے میں مصروف تھا۔ جب ماہر ایک دفعہ پھر کھنکھارا۔ بیربل اسی بے زاری سے پلٹا۔

"کیا ہے؟" سینے پر بازو لپیٹ لیے۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ بھورے سوئیٹر والی لڑکی۔ اور گرے لمبے کوٹ والا ماہر۔ وہ کھنکھار کے جیسے ان سب کی توجہ حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔

"کہیے۔" بیربل نے بادل نخواستہ سننے پہ آمادگی ظاہر کی۔

"ہمیں آپ کو کچھ بتانا تھا۔"

شبنم بیٹھے بیٹھے ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ہمیں" پہ پلکیں زور سے جھپکائیں۔ فوراً سے بیربل کو دیکھا۔ بیربل البتہ حیران نہیں ہوا تھا۔

"بتایئے؟" وہ صرف بے زار تھا۔

ایک لمحے کے لیے بیکری کی بالائی منزل پہ پلاسٹک شیٹس اور پینٹ کے ڈبوں کی مہک کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ پھر ماہر کھنکھارا۔ اٹھی گردن اور چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ اس نے باری باری سب کے چہرے دیکھے۔

"میں اور مالا شادی کر رہے ہیں۔"

"واٹ؟" شبنم کا منہ ایک لمحے کے لئے کھل گیا۔ پھر جلدی سے اس پہ ہاتھ رکھا۔ اگلے ہی لمحے سب سے پہلے اس کی چہک گونجی۔

"بہت مبارک ہو، سر۔" وہ ایک کان سے دوسرے کان تک مسکرا رہی تھی اور بدقت اپنی خوشی چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کیا واقعی؟" ہلال خوشگوار حیرت سے اٹھی اور جا کے ماہر کے گلے لگ گئی۔ پھر اس سے الگ ہو کے اس نے ٹٹول کے مالا کے بازو کو تھاما۔ وہ بھی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

"مجھے معلوم تھا... بدر اور میں ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔" وہ مالا کے ہاتھ پکڑ کے جوش سے کہہ رہی تھی۔ اور سامنے کھڑا بیربل فرید بازو سینے پر لپیٹے اکتاہٹ سے باری باری سب کو دیکھ رہا تھا۔ ہلال مالا کی طرف گئی تو ماہر نے بیربل کو دیکھا۔ ایک ابرو اٹھایا۔

"اصولاً تو مجھے بھی کہنا چاہیے کہ مجھ سے مشورہ کیوں نہیں کیا گیا۔" وہ اسی انداز میں بولا، لیکن وہاں موجود کسی پہ اس کی اس خفگی کا اثر نہیں ہوا تھا۔ شبنم نے بس اسے گھورا۔ مالا ہنس دی اور ماہر اسی طرح اسے دیکھے گیا۔

بیربل نے خود ہی کندھے اچکا دیے۔

"لیکن چونکہ میں ایک مشینی دل کا کنٹرول فریک نہیں ہوں، اس لئے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم لوگوں نے شادی کا فیصلہ مجھے بتائے بغیر کیا ہے۔ جو چاہو کرو۔" پھر آنکھیں گھما کے بڑبڑایا۔ "جیسے ہمیں تو پتہ ہی نہیں تھا کہ یہ شادی ہونے والی ہے۔"

شبنم نے اسے بری طرح گھورا۔ لیکن وہ اسی ڈھٹائی اور بے رخی سے کہتا جا رہا تھا۔

"ویسے بھی تم لوگوں کی خوشی چار دن کی ہو گی۔ اس کے بعد ایک دوسرے سے بے زار ہو جاگے اور لڑائیاں کرو گے۔ یہ ٹوتھ برش کس نے رکھا ہے؟ اور یہ تولیہ کس کا ہے؟ یہی بن جائے گی زندگی۔"

"کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے کسی کی خوشی میں خوش ہو سکتے ہیں، بیربل بھائی؟" اب کے ہلال بھی خفا ہوئی تھی۔

مالا نے مسکراہٹ بدقت روکی۔

"تمہیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بیربل۔ کیونکہ ہم ہمیشہ سے لڑائی کرتے آئے ہیں۔"

"اوکے اوکے۔ مبارک ہو۔ واٹ ایور۔ کب ہونی ہے فیری ٹیل ویڈنگ؟" وہ بادل نخواستہ آگے بڑھا۔ ماہر کے کندھے سے اپنا کندھا اور بازو ملا کے جیسے اسے مبارک باد دی اور فوراً الگ ہو کے اس وال مورال کی طرف چلا گیا۔ ماہر نے بس مسکرا کے جیسے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"پرپل اور براؤن بھی کوئی کلرز ہیں؟ ہونہہ!" ساتھ ہی ساتھ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

"ہم ایک چھوٹا سا ایونٹ کریں گے۔ صرف فیملی کے لئے۔ اور شبنم، تم سارے انتظامات دیکھو گی۔ کیونکہ مجھے قرمزی عمارت کے افتتاح تک کسی شے کا وقت نہیں ملے گا۔" وہ شبنم کو ہدایات دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ہلال اب واپس ماہر کے کندھے سے جا لگی تھی اور اس کا دوسرا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ اس کی بے نور آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

ہلال کے گرد بازو پھیلائے کھڑے اور شبنم کو ہدایات دیتے ماہر نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ مالا کاؤچ تک گئی ہے۔ پنجوں کے بل اپنے بیٹے کے سامنے بیٹھی ہے اور نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے ہیں۔ بدر نے چہرہ اٹھا کے مالا کو دیکھا کیونکہ وہ اس کی ویڈیو روک چکی تھی۔

"Mama is marrying this man." وہ نرمی سے اسے بتا رہی تھی۔

ماہر رک کے بے اختیار اس طرف دیکھنے لگا۔ ایک دم سے اس کا دل زور سے دھڑکا۔ جیسے اس چھوٹے سے بچے نے اپنی ماں کی اس چوائس کو اپروو کرنا ہو۔ جیسے اگر وہ انکار کر دے گا تو یہ سب نہیں ہو سکے گا۔

بدر نے ایک دم چونک کے چہرہ اٹھایا۔ پہلے اس نے ماہر کو دیکھا اور پھر سیڑھیوں کو۔ پھر واپس ماہر کو۔ اور پھر اپنی ماں کو دیکھنے لگا۔ وہ بار بار شاید وہی بات دہرا رہی تھی۔ اس امید پہ کہ اسے سمجھ میں آ جائے گی۔

ماہر فرید بالکل ٹھہر کے اسے دیکھے گیا۔ بدر نے دو دفعہ دوبارہ سیڑھیوں کو دیکھا۔ ماہر نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ نیچے ورکرز کے کام سمیٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ لیکن زینوں پہ اس وقت کوئی نہیں تھا۔

کیا وہ بچہ کچھ ایسا دیکھ رہا تھا جو ماہر نہیں دیکھ سکتا تھا؟

اس صبح اغوہ جانے سے پہلے بھی اس نے یہی منظر دیکھا تھا۔ بدر چونکا تھا۔ وہ کیوں چونکا تھا؟

اس کی کمر پر جیسے چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ بہت سی پہیلیاں واپس ذہن میں سر اٹھانے لگیں۔ جنہیں وہ حل نہیں کر سکا تھا۔ پستہ اور فیروزی۔ پولیس اسٹیشن میں بیٹھی وہ عورت جو اپنے ایڈاپٹڈ بچے کے بارے میں بتا رہی تھی۔ کاٹن کینڈی مین اور اس کی شدید annoying بیٹی۔ بہت سے مناظر اس کے سامنے لہرائے۔ ان سب میں سب سے واضح آواز عالیان سادان کی تھی۔

("نگینہ بیگم بچے کیوں اغوا کرتی تھیں؟"

وہ دونوں سمندر کنارے بینچ پر بیٹھے تھے۔ آمنے سامنے۔ فضا میں نمکین پانی کی مہک تھی اور اوپر پورا چاند۔ جو اس گفتگو کا گواہ تھا۔

"نگینہ بیگم اس قدیم داستان کی ماننے والی تھیں جو سحر عشق سے پیدا ہوئے بچوں سے جڑی ہے۔"

"کیسی داستان؟" وہ دم سادھے سن رہا تھا۔

برسوں سے جس سوال نے اسے الجھا رکھا تھا عالیان سادان کے پاس اس کا جواب موجود تھا۔

"سحر عشق کی ابتدا کب ہوئی، ہم نہیں جانتے۔ لیکن یہ بادشاہ سلیمان کے زمانے میں بہت عروج پہ تھا۔ تب سے اب تک اس کی کئی شکلیں بدل چکی ہیں۔ اور برصغیر کے ہندو جادوگروں نے اس سے متعلق ایک لوک داستان بنا رکھی ہے۔ جس کے مطابق..."

عالیان ٹھہرا۔ چمکتی آنکھوں سے سانس روکے بیٹھے ماہر کو دیکھا۔

"جس کے مطابق سحر عشق سے پیدا ہونے والے بچے، جنات کے بچے ہوتے ہیں۔ یعنی وہ جن جس نے یہ جادو کرنے میں مدد دی ہوتی ہے، اس کا اس اولاد میں حصہ ہوتا ہے۔ اور وہ بچے خصوصی حسیات کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ وہ مستقبل دیکھ سکتے ہیں۔ اور شاید ماضی بھی۔ ایسے بچے بڑے ہو کے بہترین جادوگر بنتے ہیں۔ ذرا سا جادو سکھانے پہ ان کی اسکلز بہت حد تک پالش ہو جاتی ہیں۔ اور اپنی طاقت کے ذریعے وہ اس جادوگر کو ہمیشہ کی زندگی فراہم کر سکتے ہیں۔"

"ہمیشہ کی زندگی؟ یعنی immortality؟"

عالیان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"نگینہ بیگم کو یہی چاہیے تھا نا بچوں سے۔ immortality۔ انہیں یقین تھا کہ سحر عشق سے پیدا ہوئے بچے اگر ان کی طاقت بن جائیں، تو وہ ہمیشہ زندہ رہیں گی۔"

"لیکن ان کو کینسر تھا۔"

"زندہ رہنے کے بہت سے طریقے ہیں، ماہر بے۔ ہندو جادوگروں کے مطابق ہمیشہ کی زندگی کسی جسم کے اندر نہیں ملتی ۔ بلکہ روح کو مل جاتی ہے۔ اسی لیے نگینہ سلطان کو اپنی موت کا خوف نہیں تھا کیونکہ انہوں نے جتنا جادو پریکٹس کیا تھا، اس کے مطابق ان کی روح کو جسم سے نکلتے ہی ہمیشہ کی آزادی مل جائے گی۔ اور یوں وہ اس دنیا میں جب تک چاہیں رہ سکیں گی۔ جو چاہیں کر سکیں گی۔ کوئی انہیں دیکھ نہیں سکے گا۔ اور وہ جسم کی کمزوری اور قید سے آزاد ہوں گی۔ اور اس ہمیشہ کی زندگی کے ساتھ، یعنی اپنی روح کے ساتھ، وہ ان گنت جنات پہ حکومت کر سکتی ہیں۔ لیکن اس کے لیے انہیں ان بچوں کی روحیں چاہیے تھیں۔"

"کیا یہ سچ ہے؟"

عالیان دھیرے سے ہنس دیا۔

"اگر یہ سچ ہوتا تو آج ہمارے گرد بہت سی روحیں منڈلا رہی ہوتیں، جو ہماری زندگیاں خراب کر رہی ہوتیں۔ سوری ماہر بے، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ ایک الوژن تھا جس کے پیچھے بہت سے جادوگر بھاگے ہیں اور اب تک بھاگ رہے ہیں۔ اور یہ اس لیے سچ نہیں ہے کیونکہ سحر عشق سے پیدا ہوئے بچے غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک نہیں ہوتے۔ نہ زیاد سلطان ایسا تھا۔ نہ عالیان سادان ایسا ہے۔ ہم سب نارمل بچے تھے۔ نگینہ سلطان نے اپنے پاس جتنے بچے قید کیے تھے، وہ سب نارمل تھے۔ ان میں سے کچھ نے جادو سیکھا اور کچھ کند ذہن ہی رہے۔ صرف ہلال تھی جو ان خصوصیات کی مالک تھی۔ لیکن یہ خصوصیات اس کو پیدائشی ملی تھیں۔ خدا کا تحفہ۔ جو کسی کو بھی مل سکتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو یہ تب ملتی ہے جب وہ شدید دکھ سے گزرتے ہیں۔ نگینہ سلطان نے سمجھا کہ وہ ان کے جادو کا نتیجہ ہے۔ اور اسی الوژن کے پیچھے بھاگتے ہوئے انہوں نے ہم سب کو جادو سکھایا۔"

"اسی لیے تم ہلال کے پیچھے جاتے ہو؟ تم اسے استعمال کرنا چاہتے ہو؟"

"کہا نا، میں اب اس کے پیچھے کبھی نہیں جاؤں گا۔ ماضی میں جو ہوا، اس کو میں بدل نہیں سکتا۔ لیکن میں کسی بھی immortal زندگی کے الوژن کے پیچھے نہیں بھاگ رہا۔ میں اس دنیا میں صرف ایک کام کرنے آیا ہوں۔ اور وہ ہے پیسہ بنانا۔ جادوگری نے اس کام میں میری مدد کی ہے۔ اور اگر ہلال میرے ساتھ مل جاتی تو ہم مل کے اپنی اس ایمپائر کو بڑھا سکتے تھے۔ لیکن وہ آپ کی ہی بہن ہے۔ وہ ایسے کسی کام پہ راضی نہیں ہوگی۔ اس لیے میں اس کا پیچھا نہیں کر رہا۔"

"اور مالا کا بیٹا؟ بدر؟ کیا تم نے اسے اس لیے اغوا کیا کیونکہ تم اس کی غیر معمولی صلاحیتیں چیک کرنا چاہتے تھے؟"

عالیان دھیرے سے ہنس دیا۔

"بدر میں کوئی غیر معمولی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ ایک autistic بچہ ہے جس کی ماں یہ ماننے پہ تیار نہیں ہے کہ وہ آٹسٹک ہے۔ وہ بول نہیں سکتا۔ اور وہ ایک عام ذہن کا عام بچہ ہے۔ مجھے بدر سے کچھ نہیں چاہیے تھا، سوائے تھوڑے

سے chaos کے۔ تھوڑی سی شرارت کے۔ اسی لیے میں نے آپ کو کہا نا، میں دوبارہ اس بچے کے قریب نہیں جاؤں گا۔ ریلیکس، ماہر بے۔ ریلیکس۔")

ہلال اس کے کندھے سے لگی کچھ کہہ رہی تھی۔ شبنم بھی ان کے ساتھ کھڑی تیز تیز بول رہی تھی۔ اور بیر بل جواب میں بے زاری سے چند لقموں کا اضافہ کرتا تھا۔ البتہ ماہر فرید صرف اور صرف کاؤچ پر بیٹھے بچے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اب اکیلا بیٹھا تھا۔ وہ ویڈیو نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ گاہے بگاہے گردن موڑ کے خالی زینوں کو دیکھتا۔ پھر واپس ماہر کو۔

ماہر نے ایک دفعہ پھر ان زینوں کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

کیا واقعی عالیان ٹھیک کہہ رہا تھا؟ کیا وہ ایک عام ذہن کا عام بچہ تھا؟

یا وہ کچھ ایسا دیکھ رہا تھا جسے وہاں موجود کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا؟

خود ہلال بھی نہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے سن روم میں اس وقت مریضوں کے ملاقاتیوں کا رش نہیں تھا۔ اندر ہال میں اپنے بیڈ پر مالک فرید ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ بازو سے لگی نالیوں میں بے رنگ دوا قطرہ قطرہ اتر رہی تھی۔ وہ عینک لگائے آئی پیڈ پہ کچھ دیکھ رہے تھے جب آہٹ پہ سر اٹھایا۔ بیڈ کی پائینتی کے ساتھ کوئی آ کے کھڑا ہوا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

کشمالہ مبین کو دیکھ کے ان کے ہونٹوں پر ایک موہوم سی مسکراہٹ ابھری۔ پھر ماند ہو گئی۔ آئی پیڈ کی اسکرین بجھا دی۔ اسی مشینی چہرے کے ساتھ اسے ساتھ رکھے اسٹول پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ اپنا کیمل کوٹ پہنے ہوئی تھی۔ البتہ ٹوپی سر پہ موجود نہیں تھی۔ سارا دن ٹوپی میں بال بندھے رہنے کے باعث قدرے فلیٹ ہو گئے تھے اور اس نے انہیں کیچر میں باندھ لیا تھا۔ وہ اسٹول پر بیٹھی جو مالک فرید کے گھٹنوں کے قریب رکھا تھا۔ چند لمحے وہ اسے خاموشی سے دیکھے گئے۔ غور سے۔

"ماہر اور میں شادی کر رہے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے مالا کو اپنا لہجہ اجنبی سا لگا۔ ماہر اور شادی کا لفظ ایک ہی فقرے میں بہت عجیب اور مختلف سا تھا۔ لیکن برا نہیں تھا۔

"جانتا ہوں۔ اس نے مجھے اسی دن بتا دیا تھا جب تم دونوں اغوہ گئے تھے۔" انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔ چہرہ بے تاثر تھا اور آنکھیں کشمالہ کو پڑھ رہی تھیں۔ مالا نے تھوڑی جھکا دی۔ اپنے گھٹنے سے ناخن رگڑتی رہی۔ پھر چہرہ اٹھایا تو وہ اسی طرح اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا آپ اس کے فیصلے سے خوش ہیں؟" وہ ان کی آنکھوں میں کچھ تلاش کرنا چاہ رہی تھی۔

"یہ اس کی زندگی ہے۔ اس کا فیصلہ ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اگر تمہیں میری blessings چاہئیں، تو وہ تمہارے ساتھ ہیں۔"

"لیکن اس نے زارا کو چھوڑا ہے اور زارا آپ کی بیٹی ہے۔ اگر میں آپ کو وہ سب نہ بتاتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔" وہ رک رک کے بول رہی تھی۔ مالک فرید اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے جن میں نمی آ گئی تھی۔

"تم جو کہنا چاہتی ہو وہ کھل کے کہو۔ مجھے باتیں صاف اور ڈائریکٹ پسند ہیں۔"

"میں دو باتیں کہنے آئی ہوں۔" اس نے گہری سانس لی۔ جیسے بہت سے آنسو نیچے دھکیلے۔ "میں نہیں چاہتی کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں نے زارا کے بارے میں وہ سب آپ کو اس لیے بتایا تھا کیونکہ میں خود ماہر کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔"

"کیا تم نے زارا کے بارے میں مجھے وہ سب اس لیے بتایا تھا کیونکہ تم ماہر کو حاصل کرنا چاہتی تھیں؟"

"بالکل بھی نہیں۔" اس نے سر دائیں بائیں ہلایا۔ نگاہیں ان کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ امید اور خوف کے درمیان۔ اس ایک شخص کو وہ ناراض کر کے نئی زندگی نہیں شروع کرنا چاہتی تھی۔

"جب تم نے ایسا کچھ کیا نہیں تو پریشان کیوں ہو؟"

ان کا چہرہ آج بھی کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔ بوڑھا نحیف چہرہ جس پہ بیماری کا چڑچڑاپن اور عادتاً ناگوار تاثرات موجود تھے۔ شاید یہ بھی کشمالہ کا وہم تھا لیکن اسے لگتا تھا کہ جب وہ ان کے سامنے ہوتی تھی تو اس جھریوں زدہ چہرے میں ایک نرمی آجاتی تھی۔ وہ روبوٹ جیسا نہیں لگتا تھا۔

"میں بس یہ نہیں چاہتی کہ آپ مجھے غلط سمجھیں۔"

"میں تمہیں غلط نہیں سمجھتا، مالا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ "لیکن میں سچ بولتا ہوں۔ اور سچ یہ ہے کہ میں ماہر کے لئے پریشان ہوں۔"

مالا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے شادی کر کے اس کی زندگی مشکل میں پڑ جائے۔"

"اس کی زندگی پہلے ہی مشکل میں پڑ چکی ہے۔ زیاد سلطان... اس کا کچھ کرنا ہو گا۔" انہوں نے نحیف مٹھی بھینچ لی۔

کشمالہ نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

"زیاد سلطان میری زندگی کا ایسا باب ہے جس کا میں کچھ نہیں کر سکتی، مالک صاحب۔ میں اس آسیب سے شاید کبھی پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔ وہ میرے بچے کا باپ ہے۔" پھر وہ ہلکا سا کھنکھاری۔ انگلی پہ فاختہ والے نیکلیس کو لپیٹتے ہوئے بہت سی ہمت مجتمع کی۔

"اور جہاں تک بات ہے زیاد سلطان کی، تو اب میں اس دوسری بات کی طرف آتی ہوں جس کے لئے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔"

اس نے ٹھہر ٹھہر کے کہنا شروع کیا۔

عبد المالک فرید قدرے چونکے اور پھر غور سے اسے سننے لگے۔

وہ جو کہنے جا رہی تھی، وہ ان کے لیے غیر متوقع تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سلطان احمت کی مسجد سے چند بگلے اڑتے ہوئے، ہوا میں اپنے پر پھڑ پھڑاتے، قریبی عمارتوں کی کھڑکیوں میں جا جا کے بیٹھ رہے تھے۔ ایسا ہی ایک بگلہ اس ہوٹل کی بالائی ترین منزل کی کھڑکی میں آ کے بیٹھا اور لوہے کی سلوں کے درمیان سے چونچ گزار کے شیشے پر دستک دی۔ البتہ اندر موجود منظر نامے پہ اس کی دستک نے کوئی اثر نہ ڈالا۔

اندر ہوٹل سوئیٹ صاف ستھرا اور روشنی سے بھرا تھا۔ بستر بنا دیا گیا تھا اور کمرے میں تازہ پھولوں کی مہک تھی۔ کبیرہ سادان کرسی پہ بیٹھی تھیں، ایسے کہ لمبے کاؤچ کے ساتھ کھڑا نوجوان ان کے عین سامنے تھا۔ وہ پی کیپ پہنے ہوئے تھا۔ ہڈی اور ٹراؤزر کے نیچے سفید جوگرز پہنے احتیاطاً دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے چوکنے انداز کو دیکھ کے وہ مسکرائیں۔

"تم مجھ پہ بھروسہ کر کے ریلیکس ہو کے بیٹھ سکتے ہو، عالیان۔ کم از کم میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گی۔"

عالیان نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔ جیسے بے پرواہی ثابت کی اور پھر صوفے کے کنارے بیٹھا۔ سنجیدگی سے ان کو دیکھتے ہوئے پی کیپ کا رخ موڑ دیا۔ اب پچھلا حصہ ماتھے پہ تھا اور وہ اس کا چہرہ بنا کسی سائے کے دیکھ سکتی تھیں۔

"بتایئے، کیا مدد کر سکتا ہوں میں آپ کی؟"

کبیرہ سادان نے انگوٹھیوں والی انگلیوں سے میز پر رکھے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔ جس کے ساتھ ایک کھلا ہوا بیگ اور بہت سے کاغذ رکھے تھے۔

"چونکہ تم فائنانسز میں اچھے ہو اور یہی پڑھ رہے ہو، تو میں نے سوچا کہ اگر تم میری تھوڑی سی مدد کر دو، تو میرا کام بہت آسان ہو جائے گا۔"

"آپ نے فون پہ کہا تھا کہ آپ کو مالی نقصانات پیش آرہے ہیں۔ بہت سے leakages ہیں جن کو آپ روکنا چاہتی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ کبیرہ بیگم نے اثبات میں سر ہلایا۔ کھڑکی کے شیشے پہ بگلہ چونچ سے ٹھک ٹھک کر رہا تھا۔ لیکن اندر آواز اتنی مدھم ہو کے سنائی دیتی تھی کہ ان دونوں کو محسوس تک نہ ہوئی۔

"اگر تم ایک نظر دیکھ لو تو شاید تم اس لیکیج کی نشاندہی کر سکو۔"

عالیان نے اثبات میں سر ہلایا۔ قدرے جھجھکتے ہوئے لیپ ٹاپ سامنے کیا۔ پھر کاغذات اٹھائے۔

بگلہ کچھ دیر کوشش کرتا رہا۔ پھر مایوس ہو کے چونچ سے اپنے جسم کو رگڑنے لگا۔ اس دوران کمرے میں کافی کا دور چل چکا تھا اور عالیان اپنی پیالی خالی کر کے ایک طرف رکھ رہا تھا۔

"آپ کے سارے مسئلے آپ کی اِن وائسنگ میں ہیں۔ اس کے باوجود مجھے بہت بڑے لیکیجز نظر نہیں آرہے۔"

کبیرہ بیگم غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس بات پہ مسکرائیں۔

"مجھے پیسے کی کمی نہیں ہے۔ پیسہ بہت ہے میرے پاس۔ بس یہ نہیں چاہتی کہ وہ خواہ مخواہ میں ضائع ہو۔"

عالیان نے آنکھیں اٹھا کے انہیں دیکھا۔ پھر قدرے بے دلی سے لیپ ٹاپ پرے دھکیلا۔

"آپ اس پیسے سے ایک ملازم بھی ہائر کر سکتی ہیں جو آپ کے گھر کھانا بنائے۔ آپ کو عنایہ کی شادی کر دینی چاہیے۔"

ان کی مسکراہٹ میں مزید نرمی آئی۔

"تمہیں اس کی فکر ہے، عالیان؟"

"مجھے نہیں پتہ۔" اس نے سر جھٹکا۔ "لیکن اگر آپ چاہتی ہیں تو میں اپنے کسی کلائنٹ کو اس کے ساتھ سیٹ اپ کر سکتا ہوں۔ تھوڑا سا love magic۔ اور اس کی زندگی سیٹ ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اس بارے میں دیکھیں گے۔" وہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے گردن میں پڑا نیکلیس انگلیوں میں گھما رہی تھیں۔

"یہ سب کیسے آتا ہے تمہیں؟ جادو۔ جنات۔"

عالیان نے کندھے اچکائے اور واپس لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا۔ بے زاری سے چند کیز دبائیں۔

"آرٹ ہے یہ۔ سیکھنا پڑتا ہے۔ نگینہ بیگم نے مجھے بچپن سے سکھایا تھا۔ میں گفٹڈ نہیں ہوں، ہلال کی طرح۔ لیکن بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ پھر اس کا اسکوپ بہت ہے۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی سے بدلہ لینا ہے۔ ہر کسی نے کسی کا دل دکھایا ہے۔ میں اس دنیا کا توازن واپس قائم کر رہا ہوں۔"

پھر ایک دم اس نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ چند لمحے سوچتی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔

"وہ کہاں ہوتا ہے؟"

کبیرہ بیگم کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"کون؟"

"میرا باپ۔ سادان۔" نوجوان جادوگر کے چہرے پہ عجیب تلخی سی پھیل گئی تھی۔

کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ میں زخمی پن ابھر آیا۔ وہ کھڑکی کو دیکھنے لگیں جہاں بیٹھا بگلہ ان سے مایوس ہو کے اب دور تک پھیلے پانی اور مسجدوں کے اونچے گنبدوں کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ انگلینڈ میں ہوتا ہے۔ اپنی دوسری بیوی اور اس کے بچوں کے ساتھ۔ وہ میری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

"اور آپ کیا چاہتی ہیں؟"

کبیرہ بیگم نے چونک کے اسے دیکھا۔ آنکھیں سوچنے والے انداز میں چھوٹی کیں۔

"تم کیا کر سکتے ہو؟" ان کی آواز دھیمی ہوئی۔

"میں تکلیف دے سکتا ہوں۔ ایسی تکلیف جو انسان کو جانور بننے پہ مجبور کر دے۔ اتنی تکلیف کہ وہ تڑپتا رہے گا اور اس کو پناہ نہیں ملے گی۔" اس کی آواز میں سرد مہری تھی۔ سنگدلی۔

ایک سنسنی خیز لہر کبیرہ سادان کی ریڑھ کی ہڈی سے دوڑ گئی۔ پھر وہ جیسے کھل کے مسکرائیں۔

"اس کو تکلیف نہیں دینی۔ اس کے لیے آج بھی میرے دل میں ایک نرم گوشہ ہے۔ مگر اس کی بیوی کو تکلیف دینی ہے۔ اور اس کے بچوں کو۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ خوش رہیں۔" پھر تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اپنے موبائل فون کو دیکھا۔ "مجھے انہوں نے انسٹاگرام، فیس بک، ہر جگہ سے بلاک کر رکھا ہے۔ اپنی تصویریں تک باہر نہیں جانے دیتے۔ انہیں لگتا ہے میں انہیں نظر لگا دوں گی۔ لیکن مجھے ان کی خبریں مل جاتی ہیں۔ وہ آج کل ویکیشن پہ گئے ہوئے ہیں۔ مرو کو Morocco۔"

"وہ المغرب میں چلے جائیں یا المشرق میں، میں ان تک اپنی انرجی پہنچا دوں گا۔ آپ جو چاہتی ہیں مجھے بتا دیجئے گا۔"

"میں تمہیں اس کے لیے پے کروں گی۔" ان کا لہجہ حتمی تھا۔

عالیان پہلی دفعہ مسکرایا۔

"اس کی فکر مت کریں۔ فرینڈز اینڈ فیملی ڈسکاؤنٹ۔" مسکرا کے اس نے آنکھ دبائی تو وہ کھل کے مسکرا دیں۔

"اچھا کما لیتے ہو اس کام سے؟"

عالیان کے تاثرات بدلے۔ ہلکے سے شانے اچکائے۔

"کما لیتا تھا۔ لیکن جب سے ماہر فرید اور مالا کے بچے والا مسئلہ شروع ہوا ہے، پولیس نے میری ڈارک ویب کی ویب سائٹ پہ نظر رکھنا شروع کر دی ہے۔ مجھے کچھ عرصے کے لیے اپنی سرگرمیاں روکنی پڑ گئی ہیں۔ بس اسی وجہ سے..." وہ ایک دم کہتے کہتے رکا۔

کبیرہ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ دل بے قراری سے دھڑکا۔

"اسی لیے تم آج کل مالی مشکلات کا شکار ہو؟"

عالیان کے چہرے پہ ایک پتھریلا سا تاثر در آیا۔ چند لمحے پہلے والی بے تکلفی اور مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ تھپ سے لیپ ٹاپ اسکرین بند کی۔

"میرے معاملات میرے ہیں۔ ساری زندگی میں نے انہیں خود ہی ڈیل کیا ہے۔ اپنے پیسے خود کمائے، خود خرچ کیے۔ آپ کو میرے مالی معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔" پھر اس نے ایک نظر بند لیپ ٹاپ کو دیکھا۔ ساتھ رکھے کاغذوں کو۔ اور دوبارہ سے کبیرہ سادان کو۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تبدیل ہوا تھا۔

"کیا آپ نے مجھے اپنے فائنانسز یہ بتانے کے لئے دکھائے ہیں کہ آپ کے پاس بہت پیسہ ہے اور آپ میری مدد کر سکتی ہیں؟"

"نہیں، عالیان۔ تم غلط..."

اس نے ہاتھ اٹھا کے روک دیا۔

"اٹس اوکے۔ لیکن مجھے آپ کی مدد نہیں چاہیے۔ آپ کے مسئلوں کی نشاندہی کر کے میں نے لکھ دی ہے۔ دیکھ لیجئے گا ۔" اس کے چہرے پہ کچھ تھا۔ ہرٹ ہونے کا سا تاثر۔

وہ گھبرا کے اٹھیں۔ لیکن وہ موبائل جیب میں ڈالتا تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ دروازہ بند ہوا تو وہ تنہا رہ گئیں۔ خالی ہاتھ۔ ایک دم بے جان سی۔

انہوں نے اسے ناراض کر دیا تھا۔ کیا اب وہ انہیں کال کرے گا؟ کیا اب وہ ان سے ملنے آئے گا؟ وہ تو صرف اس کی مدد کرنا چاہ رہی تھیں۔ لیکن کہاں سے سیکھی تھی اس نے یہ ہٹ دھرمی؟ شاید اپنے باپ سے۔ وہ بھی ایسا ہی تھا۔

وہ بے جان سی کرسی پر واپس گر سی گئیں۔ وہ کیسے اسے یقین دلائیں کہ وہ ان کی فیملی تھا؟

وہ کیسے اس کی مدد کریں اور اسے اس مشکل سے نکالیں جس میں اس نوجوان جادوگر نے اوور سمارٹ بنتے ہوئے خود کو پھنسا لیا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد سلطان ہسپتال کی عمارت کے باہر کھڑا تھا۔ سیاہ پینٹ پہ ہم رنگ جیکٹ پہنے۔ مفلر گردن کے گرد باندھے۔ سن گلاسز لگائے۔ وہ گھڑی کو دیکھتے ہوئے چوکنا انداز میں دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ ہر سانس کے ساتھ ہونٹوں سے دھواں نکل کے فضا میں غائب ہوتا۔

ہسپتال کے عقبی طرف ایک باغیچہ بنا تھا۔ دھوپ نکلی ہوئی تھی۔ اس لیے کچھ مریض وہاں بیٹھے تھے۔ وہاں ایک فوارہ بھی تھا جس کا پانی موسم کے باعث یا کسی تکنیکی مسئلے کی وجہ سے سوکھا ہوا تھا۔

اس فوارے کی منڈیر پر کشمالہ بیٹھی تھی۔

وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ دائیں بائیں اُگے سرسبز پودے اور اونچے درخت جن کے پتے بھورے ہو چکے تھے۔ آسمان پر اڑتے پرندے اور سوکھا ہوا فوارہ۔ ہر شے ایک لمحے کے لیے پس منظر میں چلی گئی تھی۔ صرف کشمالہ مبین تھی جو وہاں بیٹھی تھی۔ کیمل کوٹ۔ سر پہ ٹوپی لیے۔ دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتی۔ اور اس کے ساتھ وہ

بیٹھا تھا۔ سر جھکائے ایک بچہ۔ بھاری سی جیکٹ اور ٹراؤزرز میں۔ ٹوپی اور مفلر سے گردن اور سر کو ڈھکے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں موبائل پکڑے کوئی ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ ہر سانس کے ساتھ دھواں اس کے منہ سے نکلتا اور فضا میں گم ہوتا۔

زیاد سلطان کے حلق میں گلٹی سی ابھری جسے اس نے بہت کچھ نگلتے ہوئے نیچے دھکیل دیا۔ پھر قدم قدم ان کی طرف بڑھتا آیا۔ کشمالہ نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ سیدھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اس کے قریب آیا۔ چند قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ وہ بچے کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہم یہاں کیوں مل رہے ہیں؟" یہ اس کا پہلا سوال تھا جس کا جواب فون پہ کشمالہ نے نہیں دیا تھا۔

"کیونکہ یہاں میں ہوں۔"

آواز پہ زیاد نے چونک کے دائیں جانب دیکھا۔ فوارے کے عقب سے ایک نوجوان وہیل چیئر دھکیلتا اس طرف آرہا تھا۔ وہیل چیئر پر سفید بالوں والے نحیف اور لاغر سے مالک فرید بیٹھے تھے۔ انہوں نے سوئیٹر، کوٹ، مفلر، دستانے، ہر شے پہن رکھی تھی۔ اس کے باوجود سردی سے ان کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔ آئی وی لائن لگی ہوئی تھی اور بوتل وہیل چیئر کے ڈنڈے کے ساتھ کھڑی تھی۔

زیاد نے چونک کے واپس کشمالہ کو دیکھا اور پھر انہیں۔

"آپ؟"

نوجوان نے وہیل چیئر کشمالہ کے عین ساتھ روک دی تھی۔ اب وہ تینوں ایک لائن میں تھے۔ وہیل چیئر۔ کھڑی ہوئی کشمالہ۔ بیٹھا ہوا ویڈیو دیکھتا بچہ۔ اور ان کے پیچھے سوکھا ہوا فوارہ۔

وہ اکیلا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"یہ ہم دونوں کا آپس کا معاملہ ہے۔" زیاد کی آواز میں سانپ کی سی پھنکار تھی۔

"یہ تم دونوں کا معاملہ نہیں ہے۔ یہ ہماری فیملی کا معاملہ ہے۔"عبد المالک فرید عین اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ بیماری اور کمزوری کے باوجود ان کے چہرے کا رعب اور آواز کا دبدبہ ویسا ہی تھا۔

"فیملی؟"زیاد نے چونک کے کشمالہ کو دیکھا۔ایک لمحے کے لیے جیسے وہ سانس نہیں لے سکا۔

"مالا ہماری فیملی ہے اور ہم اس کی۔ تم اس فیملی کا حصہ نہیں ہو، زیاد سلطان۔ تم اپنے بیٹے سے ملنے آئے ہو۔ مل سکتے ہو۔ لیکن تم اس کی زندگی میں نہیں رہو گے۔ اور یہ آج ہم یہیں پہ طے کریں گے۔"

جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑے زیاد نے جواب نہیں دیا۔لب بھینچے خاموشی سے عبد المالک فرید کو دیکھے گیا۔

"میں تم سے کوئی کانٹریکٹ سائن نہیں کرواؤں گا کیونکہ تم کسی معاہدے کی پاسداری نہیں کر سکتے۔ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مالا اکیلی نہیں ہے۔ ہم سب اس کے ساتھ ہیں۔ اور تم یوں بنا اجازت اس کی زندگی میں دوبارہ داخل نہیں ہو سکتے۔"

زیاد نے مالا کو دیکھا۔وہ سینے پر بازو لپیٹے اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ لڑکی نہیں تھی جس کو وہ عرصے سے جانتا تھا۔ کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔ایک بے نیاز سا نڈر پن۔

"تم اپنے بیٹے سے ملو۔ اس کے ساتھ وقت گزارو۔ اور جب میری گھڑی کی سوئیاں بارہ پہ پہنچ جائیں، تو تم یہاں سے چلے جاؤ گے۔ تم تین مہینے کے بعد اپنے بیٹے سے ملنے آسکتے ہو۔ اس سے کم نہیں۔ اس سے زیادہ نہیں۔"

زیاد قدم قدم اس بچے کی طرف بڑھا۔ سینے پر بازو لپیٹے کشمالہ نے زور سے مٹھی سے کہنی بھینچ لی۔ البتہ چہرہ سپاٹ ہی رکھا۔

"اس کو تم ایک زبانی معاہدہ سمجھو یا میری وارننگ، لیکن تم اب مالا کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرو گے۔ کیونکہ وہ اکیلی نہیں ہے۔"

زیاد گھٹنوں کے بل اس بچے کے قریب بیٹھا۔ دھیرے سے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔ مالا کے ناخن کہنی میں پیوست ہو گئے۔ البتہ دانت پہ دانت جمائے وہ خود کو ضبط سے کھڑے کیے رکھی۔ وہ پہلی بار اپنے بیٹے سے مل رہا تھا۔ وہ بیٹا جو اس کو نہیں چاہیے تھا۔ وہ بیٹا جس کو ڈھونڈنے میں اس نے مالا کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔ وہ بیٹا جس کو وہ مار دینا چاہتا تھا۔ آنسو اس کے حلق میں پھنسنے لگے۔ لیکن چہرہ اسے پتھر جیسا ہی رکھنا تھا کیونکہ وہ اکیلی نہیں تھی۔

زیاد نے بچے کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ چند لمحے خاموش نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ پھر فوراً سے ماں کی طرف چہرہ اٹھایا۔

"This man is your father."وہ دھیمی آواز میں بولی تھی۔ بہت سے آنسو اندر اتار کے۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی جسے کوئی نہیں بدل سکتا تھا۔ ماہر کا سائن کیا کاغذ بھی نہیں۔

بدر نے واپس اس آدمی کو دیکھا۔ اس کی سن گلاسز میں اسے اپنا عکس دکھائی دیا تھا شاید۔ اور پھر اس نے چہرہ فون پہ جھکا دیا۔

"کیا تم اسے کہہ سکتی ہو کہ یہ مجھے ایک دفعہ بابا کہہ دے؟"زیاد نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا تو مالا کو وہم سا ہوا کہ اس کی آواز بھیگی ہوئی ہے۔ البتہ سن گلاسز کے باعث وہ اس کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"میں اسے نہیں کہہ سکتی، کیونکہ وہ نہیں بولتا۔"

زیاد سلطان چند لمحے اسے دیکھے گیا۔ پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ چند قدم پیچھے ہوا۔ پھر عبد المالک فرید کو دیکھا۔

"آپ لوگ ایک فیملی کی طرح رہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میرا اس بچے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ میں اس کی زندگی میں دوبارہ آنا چاہتا ہوں۔"

ایک بوجھ سا تھا جو کشمالہ کے کندھوں سے اترنے لگا۔اس نے بے اختیار مالک صاحب کو دیکھا جو گردن اٹھائے آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اگر تمہیں دوبارہ بچے سے ملنا ہو گا تو تم اس کے لئے سیدھا راستہ اپناؤ گے۔اگر تم نے ٹیڑھے راستوں سے آنے کی کوشش کی، تو یاد رکھنا، صرف تم نہیں ہو جسے آگ اور بارود کے کھیل آتے ہیں۔"

زیاد نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نے کہا نا، میں اس بچے سے دوبارہ نہیں ملنا چاہتا۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹا تھا۔

"یاد رکھنا کہ تم میری نظر میں ہو۔تمہارا ایک غلط قدم تمہاری زندگی ختم کر دے گا۔میری بات مت بھولنا۔میں مر گیا تب بھی میری روح تم پہ نظر رکھے گی، زیاد سلطان۔" وہ اسی بھاری اور اونچی آواز میں کہہ رہے تھے۔

زیاد نے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔سپاٹ چہرے والی لڑکی جس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔اور وہیل چیئر پر بیٹھا بوڑھا آدمی۔پھر ایک نظر اس کے پیچھے کھڑے نوجوان پہ ڈالی۔بچے کو دوبارہ دیکھنے کی جیسے اس میں ہمت نہیں تھی۔اس نے سر اثبات میں ہلایا اور پلٹ گیا۔

وہ دور چلا گیا تو کشمالہ کے ہونٹوں سے گہری سانس نکلی۔بہت سادھواں بھی ٹھنڈی فضا میں غائب ہو گیا۔وہ بے اختیار مالک فرید کی طرف مڑی۔

"تھینک یو۔تھینک یو سو مچ۔" آنسو اس کی آنکھوں سے پھسلنے لگے تھے۔

"امید ہے وہ مجھے اب تنگ نہیں کرے گا۔"

عبد المالک فرید نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے۔پھر بند کر دیے۔پھر سر کو اثبات میں ہلایا۔

"امید ہے۔" پھر عمار کو اشارہ کیا۔وہ کال پہ کسی کو بلانے لگا جو مالا کو گھر چھوڑنے جا رہے تھے۔

جب وہ اور بدر وہاں سے چلے گئے، تو عمار واپس ان تک آیا۔ وہیل چیئر پیچھے سے تھامی اور اسے آگے دھکیلنے لگا۔ ان کا رخ ہسپتال کی عمارت کے اندرونی حصے کی جانب تھا۔

"کیا وہ واقعی اب اپنے بچے سے دستبردار ہو جائے گا؟"

"نہیں۔ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ وہی کرے گا جو اس نے کرنا تھا۔ لیکن میں مالا کی خواہش پوری کرنا چاہتا تھا۔"

عمار نے چونک کے انہیں دیکھا۔

"پھر آپ نے اسے یہ کیوں کہا کہ آپ کو امید ہے وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا؟"

عبدالمالک فرید نے گہری سانس لی۔ اس سانس میں آزردگی بھی اور یاسیت بھی۔

"کیونکہ وہ برسوں بعد خوش ہوئی ہے۔ میں اس کی خوشی خراب نہیں کرنا چاہتا۔" پھر گردن کندھے تک لے کر گئے۔

"عمار، اس آدمی پہ نظر رکھنا۔ یہ ماہر کو نقصان پہنچائے بغیر اس شہر سے نہیں جائے گا۔"

عمار نے سر اثبات میں ہلایا۔

"اس نے وہ ہوٹل چھوڑ دیا ہے۔ لیکن میں اسے ڈھونڈ لوں گا۔"

وہ وہیل چیئر دھکیلتا اندر لے کر جا رہا تھا۔ دور اندر پہلی دفعہ عمار کو اس روز ماہر کو اس معاملے کا حصہ بنانے پہ افسوس ہوا تھا۔ یہ آدمی جس کو آج اس نے دیکھا تھا، اس کو اس روز انہیں ختم کر دینا چاہیے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرید لار میں اس صبح چہل پہل سی تھی۔ بظاہر کچھ نہیں بدلا تھا۔ فیضی حانم کچن میں اپنے کام نپٹا رہی تھیں۔ ہلال لونگ روم میں بیٹھی ٹیپسٹری کے تانے بانے بُن رہی تھی۔ بدر اندر کمرے میں سو رہا تھا۔ اور کچن کاؤنٹر کے اسٹول پر شبنم

بیٹھی تھی۔ بظاہر کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ لیکن اس گھر کے تمام مکینوں کے چہروں پہ رونق، جوش اور ایکسائٹمنٹ تھی۔ فیضی حانم بار بار امڈ کے آتی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرتیں۔ پھر ہر تھوڑی دیر بعد شبنم کے قریب جا کے زور سے آہ بھرتیں۔

"اتنا انتظار کیا میں نے اس دن کا، کہ جب ماہر بے کو اپنی خوشی ملے گی۔"

میز پر بہت سے کارڈز اور رِبن پھیلائے بیٹھی شبنم نے مسکرا کے چہرہ اٹھایا۔ جوڑے کے ساتھ عینک لگائے اس کا چہرہ بھی ویسا ہی کھلا ہوا تھا۔

"ہم نے بھی اس دن کا بہت انتظار کیا ہے، فیضی حانم۔ جب ماہر بے ایک دن کے لیے روبوٹ نہیں ہوں گے۔"

بالکونی کے دروازے کے ساتھ کھڑا عمار فون پہ بات کر رہا تھا۔ فون رکھ کے ان کی طرف آیا۔ اسی سنجیدگی سے شبنم کو دیکھا۔

"ماہر بے نے کہا تھا کہ وینیو کے تمام انتظامات آپ کریں گی۔"

شبنم نے بنا پلک جھپکائے اسے دیکھتے ہوئے سر اوپر نیچے ہلایا۔ عمار اب اسی سنجیدگی سے اپنے آئی پیڈ کی اسکرین پہ اسے کچھ دکھا رہا تھا۔ گیسٹ لسٹ۔ ایک چھوٹا سا ایونٹ۔ پھولوں کا ڈیکور۔ سیکیورٹی کے انتظامات۔ شبنم گال پہ ہاتھ رکھے اس کو دیکھتے ہوئے پلکیں تھوڑی تھوڑی دیر بعد جھپکاتی تھی۔ چند لمحے گزرے۔ عمار نے اسی مشینی انداز میں اپنی بات کا خلاصہ بیان کیا اور پھر خدا حافظ کہہ کے راہداری کی طرف بڑھا۔

راستے میں وہ رکا کیونکہ بیربل فرید اسی پل اپنے کمرے سے باہر آتا دکھائی دیا تھا۔ ٹراؤزرز پہ ڈھیلا ڈھالا سوئیٹر پہنے اس نے ایک نظر عمار کو دیکھا۔ سر کے اثبات سے اس کے سلام کا جواب دیا اور آگے آیا۔ گھنگھریالے بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے ربر بینڈ ان پہ باندھا۔ ایک نظر شبنم پہ ڈالی اور پھر دھپ سے کرسی کھینچ کے ساتھ بیٹھا۔ سوالیہ نگاہوں سے میز پر رکھے سیمپلز کو دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

شبنم گردن موڑ کے عمار کو جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ چونک کے اس کی طرف مڑی۔ پھر مسکرائی۔ پلکیں دو تین دفعہ جھپکائیں۔

"ہمارے باس کی شادی ہو رہی ہے۔ اور ہمارا کام ہے اس کو پرفیکٹ فیری ٹیل ویڈنگ بنانا۔"

بیر بل کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ ہونہہ میں سر جھٹکا۔

"فیری ٹیل وغیرہ کچھ نہیں ہوتا۔ دیکھنا ہنی مون پیریڈ گزرے گا تو یہ دونوں بھی لڑ رہے ہوں گے۔"

شبنم نے بہت مشکل سے ہونٹوں پہ آئی مسکراہٹ روکی۔

"تمہاری جیلسی ابھی تک ختم نہیں ہوئی؟"

بیر بل نے جواب میں ایک نظر اسے گھورا اور پھر فیضی حانم کو اپنا ناشتا کہنے لگا۔

"اچھا سنو، مجھے ماہر بے کے لیے سوٹ منتخب کرنا ہے۔" شبنم نے چند کپڑوں کے سیمپل اس کی طرف دھکیلے۔ "وہ اتنے مصروف ہیں قرمزی عمارت میں کہ انہوں نے ہر چیز میرے اوپر چھوڑ دی ہے۔ سوٹ، رومال کا رنگ، شرٹ، ٹائی۔ سب مجھے ہی چوز کرنا ہے۔"

"وہ ڈارک گرے پہنے گا۔"

شبنم اور بیر بل نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ اسٹول پر بیٹھی ہلال کی ان کی جانب پشت تھی اور جھک کے وہ دھاگوں کی گرہ لگا رہی تھی۔

"وہ ڈارک گرے پہنے گا۔ اور مالا سفید پہنے گی۔ مالا کے پھولوں کا رنگ جامنی ہو گا۔ جامنی سفید اور سبز پتے۔ اور ماہر کے ہاتھ میں بھی پھول ہوں گے۔ سفید رنگ کے۔ وہ دونوں خوش ہوں گے۔ اور میں پستہ رنگ پہنوں گی۔" وہ

آنکھیں سامنے خلا میں جمائے دھاگوں کو انگلیوں پر لپیٹتی کہہ رہی تھی۔ شبنم تھوڑی پہ ہاتھ رکھے سحر زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ ہلال کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

"اور پھر ہم سب ساتھ رہیں گے۔ میں اور بدر ایک ساتھ بڑے ہوں گے۔" وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے کوئی فلم سی اس کے سامنے چل رہی ہو۔

فیضی حانم نے کافی بیربل کے سامنے رکھی تو تھپ کی آواز پہ وہ دونوں چونکے۔ بیربل گردن موڑ کے تنقیدی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور وہ مالا کا سیریل کلر شوہر؟ وہ ہونے دے گا یہ سفید اور جامنی پھولوں والی شادی؟" منہ بگاڑ کے وہ بولا تھا۔

ہلال نے کندھے اچکائے۔

"پتہ نہیں۔ اندھیرا ہے اس کے سامنے۔ وہ اس شہر سے بہت جلدی چلا جائے گا۔"

ساتھ ہی ہلال نے جیسے جھرجھری سی لی۔

بیربل نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"یہ تمہارا mojo میری دفعہ کام کیوں نہیں آیا جو میں اس چڑیل کے ساتھ پھنس گیا تھا؟"

ہلال نے بے بسی سے شانے اچکائے۔ ابھی تک اس کی ان کی طرف پشت تھی۔

"مجھے نہیں پتا یہ کیسے کام کرتا ہے، بیربل بھائی۔ میں اس کو کنٹرول نہیں کر سکتی۔ جو سمجھ آتا ہے وہ کہہ دیتی ہوں۔"

"جو سمجھ آتا ہے وہ کہہ دیتی ہوں۔" بیربل نے نقل اتارتے ہوئے چہرہ واپس موڑا تو شبنم آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہے؟"

شبنم قدرے آگے کو ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک سی تھی۔

"یہ مالک صاحب کا سیکریٹری عمار..."

"دیکھ رہا ہوں بہت نظر رکھنے لگی ہو تم اس پہ۔"

"سنگل ہے عمار؟"

بیر بل نے کافی کا گھونٹ بھر کے زور سے اسے میز پر رکھا۔

"نہ صرف سنگل ہے بلکہ اپنے سنگل ہاتھوں سے بندوں کو کچا چبا بھی جاتا ہے۔"

شبنم بدمزہ سی ہو کے پیچھے ہوئی۔

"میں سنجیدہ ہوں۔"

"تمہاری دال عمار کے ساتھ نہیں گلے گی۔ وہ مالک کا صرف دایاں ہاتھ نہیں ہے بلکہ اس کے سارے زیر زمین کاموں کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ بہتر ہے تم اس سے دور رہو اور اپنے جیسا کوئی nerd ڈھونڈو۔"

شبنم کے چہرے پہ بہت سی ناراضی اتری۔ ٹھک ٹھک کر کے سارے سیمپلز اکٹھے کیے اور انہیں تھیلے میں ڈالنے لگی۔

"تم سوزین کے ساتھ اس لیے پھنسے تھے کیونکہ تمہیں عورتوں کی پہچان ہی نہیں ہے۔"

"اب ہو چکی ہے۔ بہت شکریہ۔" وہ اسی جلے کٹے انداز میں بولا اور کافی کے بڑے بڑے گھونٹ بھرنے لگا۔ اس سے پہلے کہ شبنم کچھ کہتی...

"عمار تمہارے لیے نہیں ہے، شبنم۔"

شبنم کا ایک لمحے کے لیے سانس رک گیا۔ چونک کے اسے دیکھا۔ وہ اب دانتوں سے ایک دھاگے کی گانٹھ لگا رہی تھی۔

"بیربل بھائی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ اور طرح کا آدمی ہے۔ تم اس کے ساتھ کبھی خوش نہیں رہو گی۔ اور ابھی تم کسی کے بھی ساتھ خوش نہیں رہو گی۔ کیونکہ تم بہت جلدی مردوں کے ساتھ obsessed ہو جاتی ہو۔ پھر ان کے ہر عمل کے بارے میں بہت دفعہ سوچتی رہتی ہو۔ ہر بات کو over-analyze کرتی ہو۔ ابھی کچھ عرصہ کے لیے ان سے دور رہو۔ پانچ چھ سال تک انتظار کرو۔ پھر تمہارے راستے کسی سے ٹکرائیں گے۔ وہ ہو گا تمہارے لئے۔"

ہلال ایک لمحے کے لیے رکی۔ پھر گہری سانس لی۔

"شاید۔"

شبنم جو بالکل مسحور سی ہو کے سن رہی تھی، دونوں ابرو اٹھائے۔

"شاید؟"

"شاید اس لیے کیونکہ میں خدا نہیں ہوں۔ کوئی بھی مستقبل نہیں جانتا۔ مجھے جو بتایا جاتا ہے، بس وہی بتا دیتی ہوں۔"

شبنم جیسے دل مسوس کر رہ گئی۔ پھر بے اختیار بیربل کو دیکھا جو پہلی دفعہ مسکرا رہا تھا۔

"یعنی اگلے پانچ چھ سال تک تم اکیلی ہی رہو گی... ہاہاہاہا..." سوزین سے طلاق کے بعد وہ پہلی دفعہ کھل کے ہنسا تھا۔ شبنم کے ماتھے پر بل پڑے۔ غصے سے اپنی چیزیں سمیٹیں۔ اپنا Stanley کپ اٹھایا۔ اسٹرا ہونٹوں میں ڈال کے دو گھونٹ بھرے۔ اور اس دوران وہ غصے سے بیربل کو گھورتی رہی تھی۔

"مل جائے گا مجھے بھی کوئی۔"

بیربل اسی طرح ہنستا جا رہا تھا۔

"پانچ چھ سال۔ہاہاہا..."

شبنم کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اسے گھورتے ہوئے وہ فیضی حانم کو آخری ہدایات دے کے راہداری کی طرف بڑھ گئی۔

بیر بل اب ٹوسٹ پر پینٹ بٹر لگا رہا تھا۔ فیضی حانم نے رک کے پہلے اسے دیکھا۔ پھر پینٹ بٹر کی موٹی تہہ کو۔ پھر واپس بیر بل کو۔ وہ ان کی نگاہوں کو دیکھ کے کندھے اچکا کے رہ گیا۔

"پھر کیا کروں؟ طلاق ہوئی ہے میری۔ کچھ دن تو کاربز کھاؤں گا نا۔" بے پروائی سے دانت ٹوسٹ میں گاڑے۔ فیضی حانم گہری سانس لے کر رہ گئیں۔ اگر ماہر فرید نے اس کو یہ سب کھاتے دیکھا ہوتا تو اگلے ہی لمحے اسے عاق کر دیتا۔

"لیکن ہم یہاں نہیں رہیں گے۔"

ہلال کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔ بیر بل نے بے زاری سے مستقبل کا خبر نامہ سننے کی کوشش کی۔

"وہ یہ گھر نہیں ہو گا جہاں مالا، میں، بھائی اور بدر رہیں گے۔ وہ کوئی اور گھر ہو گا۔ اس گھر میں جامنی بوگن ویلیا کے پھول ہوں گے۔ اور باغیچے میں ایک بینچ رکھا ہو گا۔ اس کے ساتھ مرمریں بطخیں بنی ہوں گی۔ اور ایک پتھر کا خرگوش۔"

وہ بولتی جا رہی تھی اور بیر بل بے توجہی سے ٹوسٹ کی بائٹ لیتا جا رہا تھا۔

دفعتاً کسی احساس کے تحت ٹھہرا۔ جگہ سے اٹھا اور ہلال کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ لقمہ چباتے ہوئے غور سے اس ٹیپسٹری کو دیکھا۔

"یہ گھنٹی... یہ کیا بنا رہی ہو، لالی؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ وہ غور سے اس گھنٹی کو دیکھ رہا تھا۔ ٹیسپٹری الٹی تھی لیکن وہ گھنٹی کو الٹے ہونے کے باوجود بھی پہچان سکتا تھا۔

"ایک سین ہے... مجھے نظر آتا ہے... بار بار... وہی بنا رہی ہوں۔" وہ اب دھاگوں کو ٹٹولتی ہوئی ٹانکہ لگا رہی تھی۔

"یہ تو مالا کی گھنٹی..."

"شش... اس کو نہیں دکھانی یہ۔" وہ ایک دم بولی تو بیر بل نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟"

"پتہ نہیں۔ بس اس کو نہیں دیکھنا چاہیے۔ اسے دکھ ہو گا۔"

بیر بل چند لمحے الجھن سے اسے دیکھے گیا جو واپس اپنے دھاگوں میں مصروف ہو گئی تھی۔ پھر کندھے اچکا کے "اف تمہارا موجو" کہتا توس کی بائٹ لیتا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسٹریٹ کے کونے والا گھر آج بھی اسی طرح تھا۔ اردل نے سیاہ کار سفید باڑ کے باہر روکی، تو مالا باہر نکلی۔ تعجب سے پہلے اس گھر کو دیکھا جس کے باغیچے میں جامنی بوگن ویلیا کا درخت تھا۔ پھر اردل کو جس نے مسکرا کے سر کو خم دیا تھا۔

"ماہر بے نے یہیں بلایا ہے آپ کو۔"

مالا نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ اس کو شکریہ کہا۔ پھر کندھے پر بیگ گا اسٹریپ درست کرتی قدم قدم آگے بڑھنے لگی۔ اس کے بوٹس کی ہیلز سڑک پر ٹھک ٹھک بجنے لگی تھیں۔ پھر آگے گھاس شروع ہو گئی۔ باغیچے کے گرد سفید لکڑی کی باڑ تھی۔ چھوٹا دروازہ جو اس کی ٹانگوں تک آتا تھا۔ اس نے ہاتھ سے آگے دھکیلا اور اندر داخل ہوئی۔ وہ ایک خوبصورت گھر تھا۔ نہ بہت بڑا، نہ بہت چھوٹا۔

باغیچے میں ایک درخت تھا جو دونوں اطراف میں پھیلا ہوا تھا۔ سبز پتوں کے درمیان جامنی پھول جو استنبول کے اس سرمئی موسم میں بھی اپنے رنگ بکھیر رہے تھے۔ درخت کے نیچے ایک بینچ رکھا تھا۔ ساتھ گھاس کے کنارے

مرمریں بطخوں کی شکلوں کے گملے تھے۔ مقابل سمت میں کچھ گملے سفید خرگوشوں کی صورت میں بنے ہوئے تھے اور ہر ایک میں سرسبز پودے لگے تھے۔ اس گھر میں موجود ہر پودا اور درخت سدا بہار تھا۔ باہر پھیلے موسم اور سردی کی شدت کا جیسے اس پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

وہ ابھی تک داخلی روش پر کھڑی تھی۔ تعجب سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی جب اندرونی دروازہ کھلا اور وہ دکھائی دیا۔ مالا کو دیکھ کے اس کے قدم وہیں رک گئے۔

سفید باڑ کے ساتھ کھڑی لڑکی جس نے کیمل رنگ کا لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ سر پر ٹوپی تھی جس کے اوپر بنی فر کی بال پیچھے کو لٹک رہی تھی۔ شاید وہ آج بھی جلدی میں بدر کی ٹوپی پہن آئی تھی۔ بال کندھوں تک گر رہے تھے اور سبز آنکھیں خوشگوار حیرت سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھیں۔ تب ہی اس کی نگاہ ماہر پہ پڑی۔ وہ مسکرا دی۔ اور بھورے بوٹس سے چلتی روش پر آگے بڑھنے لگی۔

وہ موسم کی شدت کے باوجود کوٹ نہیں پہنے ہوئے تھا۔ بلکہ ایک گرے اُونی سوئیٹر پہنے ہوئے تھا جس کے آستین پیچھے چڑھے تھے۔ اسے دیکھ کر مسکرا کے باغیچے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کس کا گھر ہے؟" وہ بوگن ویلیا کے درخت تلے بینچ پر بیٹھ گئی۔ بیگ اتار کے گود میں رکھ لیا۔ بھورے بوٹس کی ہیلز سبز گھاس میں پیوست ہو گئیں۔

"مجھے ماہی کی کال آئی تھی۔" ماہر نے جیسے اس کی بات سنی نہیں تھی۔ وہ بینچ کے دوسرے کنارے پر بیٹھا۔ ایسے کہ رخ اس کی جانب تھا۔ اسے بے اختیار اغوہ کی پہاڑی کے وہ پتھر یاد آئے۔

"کیا کہہ رہی تھی؟" مالا نے غور سے مسکراہٹ دبائے اسے دیکھا۔ ماہر نے جھرجھری لی۔

"دھمکی دے رہی تھی مجھے۔"

مالا بے اختیار ہنس دی۔ گردن پیچھے پھینک کے۔ وہ چند لمحے اسے ہنستے ہوئے دیکھتا رہا۔

"کس قسم کی دھمکی؟" وہ جیسے بہت محظوظ ہوئی تھی۔

"یہی کہ اگر میں نے تمہیں چھوڑا تو وہ سات براعظموں تک میرا پیچھا کرے گی۔ چڑیل نہ ہو تو۔"

مالا ہنستی جا رہی تھی اور وہ مسکرا کر اسے دیکھے گیا۔ شاید یہ بات ہنسنے والی نہیں تھی۔ یا شاید وہ بالآخر کھل کے ہنسنا چاہتی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے وہ سات براعظموں تک آئے گی تمہارے پیچھے؟"

"پہلے ہی ائرپورٹ پہ پھنسی بیٹھی ہو گی۔" اس نے ہونہہ میں سر جھٹکا تھا اور وہ پھر سے ہنس دی۔

"میرا خیال تھا ماہی تمہیں پسند کرتی ہے۔" وہ اب انگلی کی نوک سے آنکھ کے کنارے صاف کر رہی تھی جو ہنسنے کے باعث بھیگ گئے تھے۔

"کچھ دن پہلے تک میرا بھی یہی خیال تھا۔" اس دفعہ وہ ہنسی لیکن آہستہ سے۔ جیسے ہنستے ہنستے تھک گئی ہو۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"لیکن وہ تمہارے معاملے میں بہت حساس ہے اور اسے بالکل بھی یقین نہیں ہے کہ میں کمٹمنٹ پوری کر سکتا ہوں۔ اس لیے اسے بہت مشکل سے یقین دلایا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ کے کہیں نہیں جاؤں گا۔"

"کیا اسے یقین آ گیا؟"

ماہر نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"میرا نہیں خیال میں اسے صرف باتوں سے یقین دلا سکتا ہوں۔"

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ وہ مسکراتی بھیگی سبز آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ پھر ابرو سے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

"ہم یہاں کیوں مل رہے ہیں؟"

ماہر نے گردن اٹھا کے بوگن ویلیا کے درخت کو دیکھا۔

"کیونکہ یہ ہمارا خیمہ ہے۔"

وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہ سکی۔

"ہمارا خیمہ؟" آنکھوں میں خوشگوار حیرت اور بے یقینی اتری۔

"جب میں نے یہ گھر دیکھا تھا تو میں جان گیا تھا کہ مجھے ایسے ہی گھر میں تمہارے ساتھ زندگی شروع کرنی ہے۔ ایسا گھر جس میں وہ درخت ہوں جو تمہاری ماں اپنے گھر میں لگایا کرتی تھیں۔"

مالا کی انگلی ابھی بھی حیرت سے سینے پر جمی تھی۔(ہمارا خیمہ؟)اس بات پہ چونک کے سر اٹھایا۔ دائیں بائیں دیکھا۔ سدا بہار درخت۔ سدا بہار پودے۔ یہ اس کی ماں کے آنگن جیسا آنگن تھا۔ اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ لیکن اس دفعہ ان کی وجہ ہنسی نہیں تھی۔

"تمہیں یاد تھا؟" ایک لمحے کے لئے اس کی ساری زندگی کسی فلم کی طرح سامنے چلی تھی۔ اور اس فلم کا پہلا باب کیف تھا۔

"میں کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔" اس نے گردن اونچی اٹھائی اور ایک کمرے کی جانب اشارہ کیا جس کی شیشے کی کھڑکی تھی۔

"یہاں تمہارا اسٹوڈیو ہو گا۔"

مالا نے گردن موڑ کے اس کمرے کو نہیں دیکھا۔ وہ بس اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور فریدلار؟"

"وہاں بیر بل رہے گا۔ وہ دونوں اپارٹمنٹس اسی کے ہوں گے۔ یا جیسے اس کی مرضی۔" اس نے کندھے اچکائے۔

ماہی کو لگتا تھا کہ وہ اسے چھوڑ کے چلا جائے گا۔ حالانکہ وہ تو ایک فیملی بنانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ مالا، ماہر، ہلال اور بدر۔ آنسو اس کے گال پر خود بخود لڑھک گیا۔ البتہ وہ مسکرا رہی تھی۔

"یعنی یہ ہمارا خیمہ ہے۔"

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پیپرز میں یہ تمہارا ہو گا۔"

مالا کے آنسو رک گئے۔ ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

"کیا مطلب؟"

پھر ایک دم سمجھ آنے پہ تیزی سے کچھ بولنے لگی۔ لیکن ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرا دیا۔

"پہلے میری بات سنو۔ ماہی کی کال سے مجھے احساس ہوا کہ کچھ چیزیں طے ہونی چاہئیں۔"

مالا کے ابرو خفگی سے اکٹھے ہو چکے تھے۔ پیشانی پہ بل تھے جو ٹوپی کے باعث چھپ گئے تھے۔ البتہ وہ خود کو کچھ کہنے سے روکے ہوئے تھی۔

"نہیں، میں بالکل یہ نہیں کہہ رہا کہ ماہی کے پریشر میں، میں نے یہ فیصلہ لیا ہے۔ لیکن میں ایک فیملی مین ہوں، مالا۔ اور اگر میں نے اپنی فیملی بنانی ہے تو مجھے اس فیملی کو کچھ سکیورٹی دینی ہو گی۔"

"پیسہ اور جائیداد سکیورٹی نہیں ہوتا، ماہر۔"

"سیکیورٹی نہیں ہوتا، لیکن یہ ایک کوشش ہوتی ہے جو ایک مرد اپنی فیملی کے لیے کر سکتا ہے۔ میں نے اپنی کمپنی کے شیئرز، یہ گھر اور کچھ چیزیں تمہارے نام منتقل کی ہیں۔ میں تمہیں چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گا لیکن..." اس نے جیسے تھوک نگلا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"لیکن اگر کسی صورت میں ہم الگ ہو گئے، ایسی صورت جس پہ میرا کوئی کنٹرول نہ ہوا، تو میں چاہتا ہوں کہ تمہیں مالی تحفظ دے کر جاؤں۔"

کسی چیز نے زور سے کشمالہ مبین کے دل کو مٹھی میں لے کے بھینچ دیا تھا جیسے۔

"تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟" اس کی رنگت سفید پڑنے لگی تھی۔

"میں حقیقت پسندانہ بات کر رہا ہوں۔ میں اپنی طرف سے تم سے یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ میں تمہیں کبھی بیچ راستے کے نہیں چھوڑوں گا۔ اپنی کمٹمنٹ نہیں توڑوں گا۔ لیکن زندگی زندگی ہے۔ کچھ چیزیں انسان کے لئے لکھی ہوتی ہیں۔ مکتوب۔ اگر مجھے کچھ ہوا تو میں نہیں چاہتا کہ تم اور بدران چیزوں کی وجہ سے مشکل میں رہو، جو میرے ایک دستخط سے تمہاری ہو سکتی تھیں۔"

مالا نے بے اختیار ہونٹ دانتوں سے کاٹا۔ اس کی آنکھیں پھر سے بھرنے لگی تھیں۔

"میں نے تمہاری زندگی مشکل بنا دی ہے، ماہر۔ میری وجہ سے تم خطرے میں ہو۔"

وہ زخمی سا مسکرایا اور نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی کسی کی وجہ سے خطرے میں نہیں ہوتا، مالا۔ جیسے کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا، ویسے ہی کوئی کسی کو مار بھی نہیں سکتا۔ سب لکھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ صرف ایک انشورنس ہے۔ میری اپنی تسلی کے لیے۔"

مالا نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی اور سر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں تھی۔"

"لیکن مجھے تھی۔ جیسے تمہیں بدر کے گارڈین شپ کی انشورنس چاہیے تھی۔ ویسے ہی مجھے اپنی فیملی کے لئے ایک انشورنس چاہیے۔ تمہیں بس کچھ پیپرز سائن کرنے ہوں گے۔ کل آفس میں۔"

مالا نے مٹھی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور سر اثبات میں ہلا دیا۔ پھر گردن موڑ کے اس باغیچے کو دیکھا جس پہ موسم کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"اس روز کنسٹرکشن سائیٹ پہ میں تمہیں پروپوز نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

اس نے سنا ماہر کہہ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ماہر کی ساری دل کو اداس کر دینے والی باتیں بھلا کے وہ مسکرا دی۔

"آئی ایم سوری میں نے تمہیں بہت push کیا۔"

ماہر نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

"غلطی میری ہے۔ مجھے پہلے سے کچھ ارینج کرنا چاہیے تھا۔"

"اٹس اوکے، ماہر۔ ہم نہ اس عمر میں ہیں نہ اس سٹیج میں جب پھولوں اور انگوٹھیوں کی اہمیت ہو۔ ہمیں intentions چاہیے ہوتی ہیں۔"

"جانتا ہوں۔ لیکن مجھے انگوٹھی لینی چاہیے تھی جو کہ میں نے لے لی ہے۔"

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، مالا نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔

"وہ انگوٹھی تم مجھے ہمارے ایونٹ پہ دو گے۔ ابھی نہیں۔ کیونکہ ہمارے کلچر میں انگوٹھی اسی روز پہنائی جاتی ہے۔"

"تمہیں افسوس نہیں ہو گا کہ میں وہ سب کچھ نہیں کر سکا؟ فیری ٹیل پرپوزل۔ انگوٹھی۔ پھول۔"

"ہم ایک خیمہ ساتھ لگانے جا رہے ہیں۔ کیا تمہیں لگتا ہے مجھے ایسی چیزوں کی پرواہ ہو گی؟" وہ کھل کے مسکرا رہی تھی۔ آنسو بھی چہرے پہ لڑھک رہے تھے۔ سردی سے اس کی ناک اور گال سرخ پڑ رہے تھے۔

اور اس لمحے جامنی پھولوں تلے رکھے بھورے بنچ پر بیٹھے ماہر فرید کو لگا کہ اسے کچھ بھی پرفیکٹ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہر چیز ویسی ہی ہو رہی تھی جیسی ہونی چاہیے تھی۔

مکتوب۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان سے کئی میل دور زارینہ فرید ایک نیل سیلون پر بیٹھی تھی۔ ایک ہاتھ مینیکیور آرٹسٹ کے ہاتھوں میں تھا جس کا وہ نرمی سے مساج کر رہی تھی۔ اس کے بالوں میں رولرز لگے تھے اور وہ دوسرے ہاتھ سے موبائل کی اسکرین اسکرول کر رہی تھی جب ایک غیر شناسا نمبر جلنے بجھنے لگا۔

زارا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ در آئی۔ اس نے بے اختیار فون کان سے لگایا۔

"تم نے کہا تھا کہ تم مالا کو ماہر سے دور رکھنے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو۔"

زیاد سلطان کی آواز اس کی سماعت میں گونجی تو زارا کے چہرے پر مسکراہٹ در آئی۔

"تمہیں کیا چاہیے؟"

"بس ایک چھوٹا سا کام۔" وہ کہہ رہا تھا اور زارا غور سے سن رہی تھی۔

اتنی سی بات تھی۔ وہ یہ با آسانی کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان دونوں اپارٹمنٹس کی بالکونیاں رات کے اس پہر خاموش پڑی تھیں۔ نیچے بہتے پانی کے کنارے بندھی کشتیوں میں سے اٹھتی موسیقی کی مدھم بازگشت بالکونی سے ٹکرا کے فضا میں گم ہو جاتی تھی۔ آسمان سیاہ اور دھندلا تھا۔

ایسے میں ریلنگ کے دہانے کھڑی مالا گرم مگ کو دونوں ہاتھوں میں پکڑے کھڑی تھی۔ کمبل نما شال لپیٹے، ٹوپی سر پہ تھی۔ گھونٹ بھر کے مگ نیچے کرتی تو ہونٹوں سے دھواں سا نکل کے آسمان کے دھندلے پن میں شامل ہو جاتا۔ دفعتاً آہٹ ہوئی تو اس نے آہستہ سے چہرہ موڑا۔ جانتی تھی کون ہو گا۔

وہ اپنی بالکونی سے نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے جیکٹ اور سر پر ٹوپی پہن رکھی تھی جس سے کان ڈھکے ہوئے تھے۔ ناک چند سیکنڈز میں ہی سردی سے سرخ پڑنے لگی تھی۔ اپنی ریلنگ کے دہانے وہ رکا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ مسکرانے سے گال میں گڑھا سا بنتا تھا جس سے وہ برسوں سے شناسا تھی۔

"تمہاری بالکونی کی روشنی دیکھی تو سوچا پوچھ لوں کہ ابھی تک کیوں جاگ رہی ہو؟"

مالا نے کمر ریلنگ کی طرف موڑ دی۔ یوں کہ رخ ماہر کے سامنے تھا۔ پھر ابرو سے دہانے کی طرف اشارہ کیا۔ ماہر کی نگاہ اس طرف اٹھی۔

"یہ تم لائی ہو؟"

وہاں ایک گملہ رکھا تھا جس میں جامنی رنگ کا پودا اگا تھا۔ لیونڈر۔

"کیا یہ اس موسم میں سروائیو کر سکے گا؟" اس نے تعجب سے مالا سے پوچھا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے کندھے اچکا دیے۔

"جنگلی پودا ہے۔ ہر موسم میں سروائیو کر لے گا۔" پھر کپ ہونٹوں کے قریب کیا تو اس میں سے نکلتا دھواں ایک لمحے کے لئے بالکونی کی کھڑکیوں اور مالا کے درمیان چھا گیا۔ اس نے چونک کے مگ نیچے کیا۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ ایک آئیڈیا آیا تھا۔ بتاتی ہوں۔" پھر جیسے یاد آیا۔ "تم نے شام میں ٹیکسٹ کیا تھا کہ مجھے صبح آفس آنا ہے۔"

ماہر نے گہری سانس لی اور رخ پانی کی جانب موڑ لیا۔ شاید وہ یہ سب کہتے ہوئے اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"بتایا تھا نا، کچھ کاغذات پر تمہارے دستخط چاہئیں۔ کچھ چیزیں تمہارے نام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ اپنی بالکونی کے بالکل سرے پہ آ کھڑی ہوئی۔ گردن ترچھی کر کے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"مجھے تمہاری دولت اور اثاثے نہیں چاہئیں۔"

ماہر کہنیاں ریلنگ پر رکھے جھکا۔ اب وہ نیچے لنگر انداز کشتیوں کو دیکھ رہا تھا جو ہولے ہولے سے پانی میں دائیں بائیں جھول رہی تھیں۔

"صرف ایک انشورنس ہے، مالا۔ اگر میں نہ رہا تو کم از کم تمہارے پاس کچھ ہونا چاہیے۔"

"اگر تم نہیں رہے تو..." اس کی آواز گیلی ہو گئی۔ "تو ان چیزوں کا کیا فائدہ ہو گا؟"

"نقصان بھی نہیں ہو گا۔" وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ نیچے دیکھ رہا تھا۔

"ہم نے زیاد سے بات کی تھی۔ میں نے۔ مالک صاحب نے۔ وہ چلا جائے گا اس شہر سے۔ وہ کچھ نہیں کرے گا۔" وہ اس سے زیادہ جیسے خود کو تسلی دے رہی تھی۔ ماہر کے ہونٹوں پہ تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ کہنیاں ریلنگ سے ہٹا کے سیدھا ہوا اور اس کا چہرہ دیکھا۔ دونوں کے درمیان چند فٹ کا خلا تھا۔ یقیناً مالک صاحب اسے بتا چکے تھے۔

"میں زیاد سلطان سے نہیں ڈرتا۔ اس نے جو کرنا ہے کر لے۔ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ میں تمہیں چھوڑ کے نہیں جانا چاہتا۔ ہم نے بہت سے برس اپنی انا اور غلط فہمیوں میں ضائع کیے ہیں۔ میں اب مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیا تمہیں پچھتاوا ہے؟"

"کس چیز کا؟" وہ رکا اور پھر ہونٹوں پر اداس مسکراہٹ ابھری۔ "کس کس چیز کا؟"

وہ بھی اسی اداسی سے مسکرا دی۔

"لاہور میں مجھے چھوڑ کے آنے کا۔ مجھے اپنی حقیقت خود نہ بتانے کا۔ زیاد کو میرے سامنے ایکسپوز نہ کرنے کا۔ ہمیشہ آدھا سچ بولنے کا۔"

ماہر نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔

"ہے افسوس۔ پچھتاوا بھی۔ اسی لیے تو میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔" پھر جیسے کچھ سوچ کے وہ چونکا۔

"کیا تمہیں کوئی پچھتاوا ہے؟"

کشمالہ مبین نے بالکونی کے دروازے کو دیکھا۔

پھر ہاتھ میں پکڑے مگ کو جس سے دھواں اٹھ اٹھ کے اوپر جا رہا تھا اور شیشے کی کھڑکیوں کو لمحے بھر کے لیے دھندلا کر دیتا تھا۔

پھر اس نے ننھے گملے کو دیکھا جس میں لیونڈر کا تن تنہا پودا اگا تھا۔

پھر اس نے ماہر کو دیکھا۔

پھر اس کے اوپر دھندلے آسمان کو جہاں اِکا دکا تارے چمک رہے تھے۔

پھر اس نے نیچے پر سکون بہتے پانی کو دیکھا اور اس کے کنارے پہ لرزتی کشتیوں کو۔

ان کے رنگ برنگے قہقموں کو۔

اور اس میں بیٹھے کپتان اور اس کے ساتھیوں کے قہووں کی پیالیوں کو۔

اور پھر اس نے کہنا شروع کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر نے اسے صبح گیارہ بجے آفس پہنچنے کے لئے کہا تھا اور اردل کو بھیج بھی دیا۔ وہ کیب کر کے بھی آسکتی تھی۔ لیکن جب سے ماہر نے فیملی میں اناؤنس کیا تھا کہ وہ دونوں شادی کر رہے ہیں، اس کا رویہ تھوڑا سا بدل گیا تھا۔ وہ ہر جگہ اس کے لیے ڈرائیور بھیجتا تھا۔ کبھی کسی ملازم کو ساتھ کر دیا۔ کبھی کسی کو مدد کے لیے بھیج دیا۔ مالا کو اپنے سارے کام خود کرنے کی عادت تھی۔ لیکن زندگی میں پہلی دفعہ کسی مرد کی مدد لیتے ہوئے برا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے ان چیزوں کی عادت ڈالنی پڑے گی۔ لیکن عادت ڈالنا ناپسندیدہ نہیں رہا تھا۔

اردل البتہ سارا راستہ زیر لب مسکراتا آیا تھا۔ گو کہ اس نے مرریوں اونچا کر رکھا تھا کہ وہ مالا کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ (ایک بھولا بسرا ڈرائیور یاد آیا تھا) لیکن وہ اس کا نیم رخ دیکھ سکتی تھی۔ اس کو دیکھتے ہوئے پہلے جہاں اردل اس کی خوش اخلاقی کے باعث صرف مسکراتا تھا، اب اس کی مسکراہٹ ایک کان سے دوسرے تک پھیلی ہوئی تھی۔ بات بات پہ پوچھتا اس کو کچھ چاہیے تو نہیں۔ وہ جانتی تھی وہ اسے دل میں زارا سے کمپیئر کرتا ہے۔ اور اس موازنے میں وہ اردل کی نگاہوں میں زارا سے جیت چکی تھی۔

وہ کیف کی عمارت میں داخل ہوئی تو سورج بادلوں کے پیچھے تھا۔ اس نے لابی میں آتے ہی ٹوپی اتار دی۔ بال قدرے چارج ہو گئے تھے۔ انگلیوں سے انہیں سیدھا کیا۔ کیمل کوٹ اور بوٹس پہنے وہ ریسیپشن تک آئی تو وہاں موجود لڑکی تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں آپ کو اوپر تک چھوڑ کے آتی ہوں۔"

مالا نے صرف اس سے کارڈ ایکسس مانگی تھی۔ لیکن وہ اسٹول سے اتری اور بھاگ کے اس کے لیے لفٹ کھولی۔ اسے بے اختیار اس بلڈنگ میں تین مہینے پہلے اپنا پہلا دن یاد آیا تھا جب اسے کئی گھنٹے بٹھایا گیا تھا۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑی مسکرا کے اس ریسپشنسٹ کو لفٹ کے بٹن دباتے، کارڈ ٹیپ کرتے، اور تمام ہدایات دیتے ہوئے سنتی رہی۔ یقینا شبنم کی اس لڑکی سے دوستی ہو گی اور اس نے اس کو بتا دیا ہو گا۔ حالانکہ ماہر نے کہا تھا کہ وہ اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں کوئی خبر اسٹاف کو نہیں دینا چاہتا۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ مالا نے شبنم کو گوسپ کا مارجن دے دیا۔ ایک ریسپشنسٹ ہی تو تھی۔ اس کو معلوم ہو بھی گیا تو کیا ہوا؟

لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ مرکزی ہال میں داخل ہوئی تو بہت سے سر اس کی طرف اٹھے۔ ایک ایک چہرے پر اس کی نگاہ پڑی تو اس نے بہت سے رنگ وہاں اترتے دیکھے۔ مسکراہٹیں۔ معنی خیز نظریں۔ ایک دوسرے کی طرف جھکتے سر۔ سرگوشیاں۔ چند لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پورے جوش سے اس کو سلام کیا گیا۔

مالا کی گردن کے پیچھے کے بال کھڑے ہونے لگے۔ گال دہکنے لگے اور وہ چہرہ بظاہر پرسکون رکھے قدم قدم آگے بڑھتی گئی۔ شبنم اپنے ڈیسک سے فوراً سے اٹھی اور مسکرا کے سامنے آئی۔ اس کا انداز، طوار، کن انکھیوں سے دکھائی دیتے بہت سے چہرے، اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔ (اف۔ شبنم نے سب کو بتا دیا تھا۔)

ایک دم ہر طرف سے سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ وہ بظاہر رسمی مسکراہٹ کے ساتھ ماہر کے آفس کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ ابھی وہ دروازے کے قریب ہی تھی کہ وہ اندر سے کھل گیا۔

شاید اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ آ گئی ہے۔ اب وہ اس کے سامنے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ شرٹ کے آستین پیچھے چڑھائے، مسکرا کے اس کو ویلکم کہہ رہا تھا۔

مالا کن انکھیوں سے ہال کے کیبن زمیں سے نکلے سر اور اٹھی گردنیں اس طرف متوجہ دیکھ سکتی تھی۔ شیشے کی ایک دیوار میں ماہر کا دروازہ کھولے کھڑا عکس سب کو دکھائی دے رہا تھا۔ اف۔ وہ تیزی سے اندر آئی۔ (دروازہ تو وہ کھول ہی سکتی تھی۔ اس کو اٹھ کے دروازہ کھولنے کی کیا ضرورت تھی؟ سب نوٹس کر رہے تھے۔)

آفس میں پہلے سے ہی دو لوگ موجود تھے۔ سامنے کچھ کاغذ پڑے تھے۔ وہ جب تک کرسی پر بیٹھی، اس کا چہرہ سرخ اور ہاتھ پسینے سے نم ہو چکے تھے۔ پھر توجہ ان کی طرف مرکوز کی۔

ماہر اپنی سیٹ پر واپس بیٹھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ہم یہ کاغذات اوپر کانفرنس روم میں بھی سائن کر سکتے ہیں۔ وہاں ذرا بہتر ہو جائے گا۔" شاید وہ جگہ کی کمی کی وجہ سے کہہ رہا تھا کیونکہ میز چھوٹی تھی اور اس کے گرد رکھی کرسیاں اس جگہ کو تنگ کر رہی تھیں۔

"نہیں، یہیں پہ کر لیتے ہیں۔" وہ تیزی سے بولی۔ ایک دفعہ پھر اس ہال سے گزر کے اوپر جانا اور ان گردنوں اور معنی خیز نظروں اور شرارتی مسکراہٹوں کو دیکھنا؟ نہیں، وہ یہیں ٹھیک تھی۔

ماہر نے ریسیور اٹھاتے اٹھاتے رک کے اسے دیکھا۔ پھر ابرو اٹھایا۔

"آر یو شیور؟" کوٹ پیچھے رکھا تھا اور وہ شرٹ ٹائی میں ملبوس ہمیشہ کی طرح تیار اور مصروف لگ رہا تھا۔

اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ گال ابھی تک سرخ تھے۔

اس کا وکیل اب چند مخملیں فولڈرز والی فائلز اس کے سامنے رکھ رہا تھا۔ پھر کچھ جگہوں پر انگلی سے دستک دے کے اس سے دستخط مانگ رہا تھا۔ اس نے قلم اٹھایا تو ہاتھوں میں ذرا سی لرزش تھی۔ شاید وہ ٹھنڈے تھے۔

سماعت بالآخر پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اس prenuptial کے مطابق ماہر بے کو کچھ ہونے کی صورت میں آپ ان کے ساٹھ فیصد اثاثوں کی مالک ہوں گی۔"

قلم ہاتھ میں پکڑے کشمالہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ماہر سنجیدہ چہرہ لئے ہتھیلیاں میز پر رکھے آگے کو جھکا بیٹھا تھا ۔جیسے ایک روٹین کی کاروائی ہو۔

مالا نے واپس وکیل کو دیکھا۔

"کچھ ہونے کی صورت میں ؟" پھر سے ماہر کا چہرہ دیکھا۔انشورنس اور سکیورٹی کی حد تک یہ بات ٹھیک تھی۔لیکن کیا وہ کسی چیز کی تیاری کر رہا تھا؟

"طلاق اور موت... دونوں صورتوں میں یہ کمپنسیشن آپ کو ملے گی۔"

اس نے دھیرے سے قلم نیچے رکھ دیا۔لوہے کے کاغذ سے ٹکرانے کی آواز آئی۔

"طلاق؟" باری باری دونوں کا چہرہ دیکھا۔ماہر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"صرف روٹین کی کارروائی ہے،مالا۔"

"ہم شادی کر رہے ہیں یا ٹریجڈی کی تیاری؟" اسے اپنی آواز پھنسی پھنسی سی لگی۔ایک دم سے اس آفس کی دیواریں قریب آچکی تھیں۔اتنی قریب کہ تمام لوگ دھندلے ہو گئے تھے۔یا شاید وہ تمام لوگ دیواروں میں چن دیے گئے تھے۔صرف وہ تھی۔میز۔اس پر رکھا کاغذ قلم۔اور چار دیواریں۔اس کا سینہ تنگ ہونے لگا۔سانس گھٹنے لگا۔

"مالا...مالا..." وہ اسے پکار رہا تھا۔

اس نے ایک دم فائل پرے دھکیلی۔پھر کھڑی ہوئی۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے۔ میں آتی ہوں۔" کسی سے نگاہ ملائے بغیر وہ تیزی سے باہر نکلی۔ اس نے دیکھا کہ وہ اس کے پیچھے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ لیکن شاید اس کے وکیل نے اس کے ہاتھ کو پکڑا تھا۔ تبھی وہ رک گیا۔

اب کی دفعہ وہ آفس سے نکلی تو اسے دائیں بائیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نہ گردنیں۔ نہ جوش والی سرگوشیاں۔ نہ شرارتی مسکراہٹیں۔ وہ تیزی سے ہال عبور کرتی ہے بغلی راہداری میں بڑھتی گئی۔

ریسٹ روم کا دروازہ کھولا تو سامنے آئینے سے ڈھکی دیوار سے آگے تین سنک لگے تھے۔ وہ وسطی سنک کے سامنے آ رکی۔ سنگ مرمر پر دونوں ہاتھ رکھے اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ پھر اپنا عکس دیکھا تو چہرہ سفید تھا۔ سرخی بھی ساری ختم ہو چکی تھی۔

اب وہاں صرف سفیدی تھی۔

وہ ایک دفعہ پھر trapped تھی۔

وہ اپنا خیمہ لگانے جا رہی تھی۔ لیکن ماہر اس دن کا سوچ رہا تھا جب وہ خیمہ اکھڑ جائے گا۔ وہ موت اور طلاق کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یا شاید وہ طلاق کو بھول گئی تھی۔ یہ رشتہ تو تین الفاظ میں کسی دن ختم ہو سکتا تھا۔

وہ ایک دفعہ پھر اس کمرے میں قید تھی جس میں ایک بک شیلف رکھا تھا۔ اسے یہ بک شیلف اپنے صیاد پہ گرا کے گھر سے باہر نکلنا تھا۔

وہ میرج مارکی کے باتھ روم میں کھڑی تھی۔ اس کی گردن کو کسی نے زور سے دبایا تھا۔ انگوٹھی کا نگینہ اس میں پیوست ہوا تھا۔

وہ برفیلے کنٹینر کے اندر زمین پر بیٹھی تھی۔ سردی اس کی رگوں میں گھس رہی تھی اور وہ برف کا مجسمہ بننے جا رہی تھی۔

وہtrapped تھی۔

وہ کچن گارڈن کی مٹی پر گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔ انگلی کے ناخنوں سے زمین کھودتی وہ اس فاختہ کو اس کے اندر ڈال رہی تھی۔ فاختہ کا سانس بند تھا۔ جیسے اس کا سانس بند تھا۔

وہ گلاطہ کے قریبی کافی شاپ کی بالائی منزل پہ بیٹھی تھی۔ انہوں نے اس کا ڈرائیونگ لائسنس لے لیا تھا۔ وہ اس کو وہاں سے جانے نہیں دے رہے تھے۔ وہ ماہر کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ ایک دفعہ پھر ٹریپ ہو چکی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

وہ آواز کہیں دور سے سنائی دی تھی۔ وہ چونک کے گھومی۔ دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ یہ آواز اسے کیوں سنائی دے رہی تھی؟ یا شاید کوئی تھا جو اس آواز کو اس کی طرف بھیجتا تھا؟

ظہیر کی آواز۔ کورس میں بہت سے لوگوں کے گنگنانے کی آواز۔

سنگ مرمر کے واش بیسن پر ہاتھ رکھے اپنے عکس کو دیکھتے کشمالہ مبین نے چند گہرے گہرے سانس لیے۔

ایک۔ دو۔ تین۔ اسے خود کو کمپوز کرنا تھا۔ اس کا سانس اسے واپس کمپوز کرے گا۔ جیسے ایک بوڑھے مہربان نے کبھی اس کو سکھایا تھا۔

اس نے نل کھولا۔ پھر پانی چہرے پر ڈالا۔ مسکارہ بہہ گیا تھا۔ اسے نفاست سے صاف کیا۔ بالوں میں انگلیاں چلائیں۔ اور راہداری سے نکلی۔ اب کی دفعہ ہال عبور کرتے ہوئے اس کی گردن بالکل سیدھی تھی۔

وہ دوبارہ جب ماہر کے آفس میں داخل ہوئی تو وہ فکرمندی سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مالا پھیکا سا مسکرائی۔

"آر یو اوکے؟" وہ جیسے پریشان ہوا تھا۔

اس نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا اور کرسی کھینچ کر واپس بیٹھی۔

"سوری، جینٹل مین۔" پھر فائل اپنے قریب کی۔ "کہاں دستخط کرنے ہیں؟"

"مالا۔" اس نے قلم اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ماہر نے قلم پہ ہاتھ رکھ دیا۔ مالا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اسی فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اگر تمہیں یہ ڈسٹرب کر رہا ہے تو ہمیں یہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے اردو میں کہا تھا۔

وہ اسی اداسی سے مسکرائی اور نفی میں سر ہلایا۔

"میں ایک traumatized عورت ہوں، ماہر۔ اور میں مکمل طور پہ heal نہیں ہوئی۔ بہت سی چیزیں مجھے ڈسٹرب کریں گی اور مجھے trapped محسوس کروائیں گی۔ لیکن میں اپنی عقل پہ بھروسہ کرنے کے بجائے تمہارے اوپر بھروسہ کرنا چاہتی ہوں۔ اگر تم کہہ رہے ہو یہ کیا کرنا ہے، تو پھر یہ کیا کرنا ہے۔"

ماہر ہلکا سا مسکرا دیا۔ قلم سے ہاتھ اٹھایا۔ مالا نے قلم پکڑ لیا اور اسی سنجیدگی سے ان سے پوچھنے لگی۔

"کہاں دستخط کرنے ہیں؟"

وہ اس کو بتاتے گئے اور وہ دھڑا دھڑ سائن کرتی گئی۔

دور ذہن کے کسی نہاں کونے میں ظہیر کی ہیپی برتھ ڈے ٹو یو کی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔

اس کا خیمہ ایک دفعہ اُکھڑا تھا۔ دوبارہ خیمہ بناتے ہوئے ہر قدم پہ وہ یونہی منجمند ہو گی۔ خوفزدہ ہو گی۔

وہ trapped ہو جائے گی۔ اور شاید وہ ہمیشہ trapped رہے گی۔

لیکن وہ اس ٹریپ سے نکلنے کی کوشش نہیں چھوڑے گی۔

وہ ایک کے بعد ایک کاغذات پہ سائن کرتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اور بالآخر وہ دن آن پہنچا تھا۔

یہ استنبول کی ان صبحوں میں سے ایک صبح تھی جب بادل آسمان پہ کسی دھمکی کی طرح پھیلے ہوتے تھے۔ نہ برستے تھے۔ نہ پیچھے ہٹتے تھے۔ کبھی کبھی سورج کو درزوں میں سے چمکنے کا موقع دیتے اور پھر اس کا راستہ روک دیتے۔ ایسے میں اس شہر کے باسی اس کشمکش میں ہی رہتے کہ آج وہ چھتریاں لے کر نکلیں یا بھیگنے کا خطرہ مول لیں۔

اپنے سفید اور خالی خالی سے اپارٹمنٹ کی کھڑکی سے کشمالہ مبین نے آسمان کا رنگ دیکھا۔ پھر افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

آج ماہر کے لیے ایک بہت بڑا دن تھا۔ آج اس کی برسوں سے بنائی جانے والی عمارت کا افتتاح تھا۔ آج کے دن بادلوں کو نہیں برسنا چاہیے تھا۔ آج کے دن انہیں سورج کو قرمزی عمارت کے اٹھائیس شیڈز پہ چمکنے کا موقع دینا چاہیے تھا۔

آج کے دن انہیں ماہر فرید کو کسی کشمکش میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا۔

وہ کھڑکی سے ہٹی اور بیڈروم کے کونے میں کھڑے آئینے کے سامنے آئی۔ ایک نظر خود پہ ڈالی۔ اس نے سفید ہائی نیک سوئیٹر پہن رکھا تھا جو ہاتھ سے بنا تھا۔ اور نیچے بھورے رنگ کی اسکرٹ تھی۔ عادتاً سوئیٹر کے آستین پیچھے کو چڑھائے۔ ایسے کہ کلائیوں کے بریسلیٹ اور انگوٹھیاں دکھائی دینے لگیں۔ پھر بالوں میں انگلیاں چلاتے ہوئے تنقیدی نظروں سے اپنا عکس دیکھا۔ وہ ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی۔ بال ڈرائی کر لیے تھے لیکن ان میں نمی موجود تھی۔

ابھی تقریب میں کافی وقت تھا۔ سو وہ جانے سے پہلے انہیں اسٹائل کر لے گی۔ تقریب دوپہر میں تھی اور اس کی ساری اس تیاری اس نے پچھلی رات کر رکھی تھی۔

بیڈ پر کپڑے، کوٹ، لئیرز، بیلٹ، جیولری، سب کچھ بچھا تھا۔ نیچے جوتے سجے تھے۔ وہ آج نیلے رنگ کا لباس پہن رہی تھی۔ نیلا اور سفید۔ سرخ عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے وہ بہت اٹھے گا۔ موتیوں کی جیولری بھی نیلے گاؤن کے اوپر رکھی تھی۔ آج اسے میک اپ کرنا تھا اس لئے (اس نے پلٹ کے آئینے میں چہرہ دیکھا) اس نے صبح کے وقت اسکن کو سانس لینے دینا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل سے ایک سیریم اٹھایا۔ ڈراپر نکالا اور تھوڑی اونچی کر کے چند قطرے ماتھے اور گالوں پر ٹپکائے۔ پھر انگلیوں سے انہیں نرمی سے جلد میں مل لیا۔ اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔ گردن دائیں بائیں موڑی۔ ایک بھی دانہ نہیں تھا۔ اس کی اسکن بالکل صاف تھی۔ مسکرا کے اس نے خود کو دیکھا۔

دو دن بعد اس کا اور ماہر کا نکاح تھا۔ بس تب تک کوئی پمپل واپس نہیں آنا چاہیے۔

ہلکا سا موائسچرائزر لگایا اور پھر اسے ہاتھوں پر بھی مل لیا۔ ایک دم سے خود سے وینیلا کی خوشبو آنے لگی تھی۔ اونی ٹوپی سر پر پہنی۔ بیگ اٹھایا۔ ایک نظر سوتے ہوئے بدر پہ ڈالی۔ اور اپنی ٹوپی کانوں کے نیچے اڑستے ہوئے وہ باہر نکل آئی۔ گارڈ کو ایک دفعہ پھر سے ہدایت کی۔ وہ ہدایت جو وہ ہر دو منٹ کے لئے بدر کو چھوڑتے وقت کرتی تھی۔ گارڈ نے اپنے ازلی صبر سے اسے یقین دہانی کرائی کہ وہ یہاں سے نہیں ہٹے گا اور اپارٹمنٹ کی بالکونی پر لگے کیمرا زکو وہ مسلسل دیکھ رہا ہے۔

وہ لفٹ سے نیچے آئی اور لابی سے باہر نکلی تو ٹھنڈی ہوا نے استقبال کیا۔

مالا نے ایک دفعہ پھر گردن اونچی کر کے آسمان کے رنگ کو افسوس سے دیکھا۔ آج ان کو نہیں برسنا چاہیے۔ آج کے دن میں کوئی خلل نہیں آنا چاہیے۔ ماہر نے کئی برس اس دن کا انتظار کیا تھا۔

اپارٹمنٹ بلڈنگ کے قریب چند سو قدموں کے فاصلے پہ اس کی پسندیدہ کافی شاپ موجود تھی۔ اسی کافی شاپ سے ڈونٹ اور کافی کی خریداری کے بدلے میں ماہر فرید نے اسے بیکری دی تھی۔

جب وہ کاؤنٹر پہ کھڑی ہوئی تو وہ واقعہ یاد آیا۔ مسکرا کے اس نے موبائل نکالا۔ماہر کا کوئی میسج نہیں آیا تھا۔ وہ یقینا اپارٹمنٹ میں ہو گا اور تیار ہو رہا ہو گا۔ حالانکہ تقریب میں ابھی کافی وقت تھا۔ لیکن وہ ماہر کو جانتی تھی۔ اس کی anticipation anxiety اس کو وقت سے پہلے قرمزی عمارت پہنچنے پر مجبور کرے گی۔ جب تک وہ خود سر پہ نہیں کھڑا ہو گا اس کے خیال میں کچھ درست نہیں ہو گا۔ کنٹرول فریک نہ ہو تو۔

اس میں کال کا بٹن دبایا اور فون کان سے لگایا۔ گھنٹی جا رہی تھی اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ باریستا نے کافی بناتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کسی خاص شخص کو کال کر رہی ہے۔

"صبح بخیر۔"

"میری صبح کافی پہلے ہو گئی تھی۔" وہ اسی خوشگوار انداز میں کہہ رہی تھی۔

باریستا نے کافی مشین چلا دی۔ زور سے آواز آئی۔ دھواں اٹھنے لگا اور ساتھ ہی روسٹ ہوئے کافی کے دانوں کی مہک فضا کو معطر کرتی گئی۔

"میں تو شاید رات میں سویا ہی نہیں۔"

"معلوم تھا۔ میں نیچے آئی ہوں کافی لینے۔ تمہارے لئے کچھ لے آؤں؟"

"ان کے پاس کوئی ایسی کافی ملتی ہے جس سے اینگزائٹی کم ہو جائے؟"

مالا دھیرے سے ہنس دی۔

"معلوم تھا۔ خود کو ریلیکس رکھو۔ ایک افتتاح ہی تو ہے۔ تمہیں شوگر رش چاہیے۔"

جواب میں ماہر فرید نے شوگر کی سات نسلوں کی شان میں کچھ بڑبڑا کے کہا تھا۔

"جو بھی کہنا ہے میری زبان میں کہو۔"

"اٹس اوکے۔ جو اپنے لیے لا رہی ہو، میرے لیے بھی لے آؤ۔"

کشمالہ نے بے اختیار مسکراہٹ دبائی۔

"کھالو گے؟"

"سو فیصد۔"

کال کاٹ کے اس نے فون نیچے کیا اور چہرہ اٹھایا تو باریستا اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ شوکیس پہ آگے آئی۔ اس میں لگے بہت سے میٹھے لوازمات کو دیکھا۔ وہ لوازمات جو ماہر فرید نے کبھی مکمل نہیں کھائے تھے۔ چاہے وہ لاہور میں ٹوٹی ہوئی نان خطائی ہو۔ وین کوور کی فارمرز مارکیٹ کا چاکلیٹ ککی ہو۔ یا اسی بیکری کا ڈونٹ۔ وہ ہمیشہ ان چیزوں کو آدھا ادھورا چھوڑ دیتا تھا۔ اس کا دل رکھنے کے لیے بھی نہیں کھاتا تھا۔ وہ شوکیس پہ جھکی۔ شیشے میں مدھم سا اپنا عکس دکھائی دیا۔ وہ عکس ابھی تک شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ ایک جگہ شیشے پہ انگلی سے دستک دی۔

"ان کا پورا باکس چاہیے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید کے سفید سیاہ کمرے کی کھڑکی سے دکھائی دیتے بادل اس کی اینگزائٹی کم کرنے میں بالکل بھی مددگار ثابت نہیں ہو رہے تھے۔ ویدر فورکاسٹ کے مطابق آج مطلع صاف ہونا تھا۔ پھر یہ بادل کہاں سے چلے آئے تھے؟

قد آور آئینے کے سامنے کھڑے ٹائی کی گرہ باندھتے ماہر نے ناپسندیدگی سے سوچا تھا۔ سفید بے داغ شرٹ، ڈارک گرے پینٹس، اور کنٹراسٹنگ ٹائی۔ اس نے تنقیدی نظر سے ٹائی کے رنگ کو دیکھا۔ پھر دو انگلیوں سے گرہ نوچ کے

کھول دی۔ ٹائی کو پیچھے اچھالا اور وارڈروب تک آیا۔ تبھی فون بجنے لگا۔ کان میں لگے ائیر پوڈ کو چھوا تو مالا کی آواز سنائی دی۔ وہ شاید ناشتا لینے نیچے گئی تھی۔

"صبح بخیر۔" وہ وارڈروب تک آیا دراز کھولا۔ وہاں رول شدہ بہت سی ٹائیز رکھی تھیں۔

"میں تو شاید رات میں سویا ہی نہیں۔" ایک ٹائی نکالی۔ اسے پیچھے اسٹینڈ پہ آویزاں کوٹ کے ساتھ لے جا کے رکھا۔

"ان کے پاس کوئی ایسی کافی ملتی ہے جس سے اینگزائٹی کم ہو جائے؟" اس نے سنگھار میز کا دراز کھولا۔ بہت سی گھڑیاں چمک رہی تھیں۔ وہ ایک سلور سیاہ گھڑی نکالنے لگا۔ پھر ٹھہر گیا۔

"اٹس اوکے۔ جو اپنے لیے لا رہی ہو، میرے لیے بھی لے آؤ۔" دراز مزید آگے کھینچا۔ پیچھے کونے میں ایک گھڑی پہ نگاہ ٹھہر گئی۔ اس کے چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ قاسم فرید کی گھڑی۔ آج کے دن اسے ایک گڈ لک چارم چاہیے تھا۔ اس نے وہ گھڑی اٹھالی۔

"کھالوگے؟" مالا پوچھ رہی تھی۔

"سو فیصد۔"

اب وہ بالوں کو ہیئر موز سے سیٹ کر رہا تھا۔ کال بند ہوئی تو اس نے ایئر پوڈ پہ انگلی رکھی۔

"کال چنگیز۔" دو الفاظ میں Siri کو حکم جاری کیا۔ چند لمحوں بعد چنگیز کی آواز سماعتوں میں گونجی۔

"کیا کر رہے ہو؟"

"تمہارے ایونٹ کی سکیورٹی کو یقینی بنا رہا ہوں۔" چنگیز اس وقت اس صحن میں کھڑا تھا جو قرمزی عمارت کے وسط میں تھا۔ چاروں طرف عمارت کے اونچے برآمدے اور راہداریاں تھیں جن کی دیوار ابھی تک سرمئی تھی اور اس پر کوئی

آرٹ ورک نہیں بنا تھا۔اس صحن میں بہت سے ورکرز دائیں بائیں پھر رہے تھے۔ ایک اسٹیج لگایا جارہا تھا۔ لائٹنگ ۔ پھول۔ آرائش۔ ایسے میں چنگیز گردن اٹھا کے آسمان کو افسوس سے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

" جس جگہ تم نے کھڑے ہونا ہے، وہ مجھے ہائی رسک لگ رہی ہے۔ اوپر عمارت کی کسی بھی راہداری سے کوئی بھی اسنائیپر تمہارا شاٹ لے سکتا ہے۔"

"کم آن، چنگیز۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میرا آج کا دن سکیورٹی کی وجہ سے خراب مت کرو۔"

"تم بار بار بھول جاتے ہو کہ ایک سیریل کلر اس شہر میں موجود ہے جس کی ایکس وائف سے تم شادی کرنے جارہے ہو۔ اس کی فیملی مکمل ہونے میں صرف تم رکاوٹ ہو۔ سو ایسا ہو نہیں سکتا کہ وہ کوشش نہ کرے۔ اس لیے میں تمہارا سٹیج موو کروا رہا ہوں۔"

"وہ سیریل کلر اتنا تربیت یافتہ ہے کہ اگر اس نے مجھ پر گولی چلانی ہوئی تو بند کمرے میں بھی چلا دے گا۔ میرے اسٹیج کی جگہ کو تم نہیں چھیڑو گے۔ بجائے مجھے کسی ڈربے میں بند کرنے کے اپنی سکیورٹی پہ محنت کرو۔"

"محنت کر رہے ہیں، یار۔ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں۔"

"ہم دفاعی اپروچ کیوں استعمال کر رہے ہیں، چنگیز؟ اسے اس شہر میں کھلا کیوں چھوڑا گیا ہے ؟ تمہیں اس کے ہینڈلر سے بات کرنی چاہیے تھی۔ انہوں نے تمہیں کہا تھا نا وہ دو مہینے کے لئے آیا ہے اور واپس چلا جائے گا؟ تو وہ ابھی تک واپس کیوں نہیں گیا؟ اس کے دو مہینے کب مکمل ہوں گے ؟"کف لنکس پہنتے ہوئے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے ماہر کو چہرے پر بہت سی جھنجھلاہٹ دکھائی دی تھی۔

"مجھے کیا معلوم اس کے دو مہینے کب مکمل ہوں گے۔ تاریخیں تو نہیں بتائیں انہوں نے مجھے۔"چنگیز بھی اکتا کے بولا تھا ۔"بہت مشکل سے اتنا اگلوایا ہے کہ وہ واقعی آفیشل اسائنمنٹ پہ موجود ہے۔ اس کا ہینڈلر مزید کوئی انفارمیشن دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ زیاد سلطان کی زندگی کی حفاظت بھی اس کے ہینڈلر نے کرنی ہے۔"

"واٹ ایور۔ بس میرا دن خراب مت کرنا۔" اس نے کال کاٹ دی۔ پھر خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے چند گہرے سانس لیے۔ سنگھار میز پر رکھی موم بتی کا جار اٹھایا۔ ڈھکن کھولا اور چہرے کے قریب لے جا کے سونگھا۔ آنکھیں بند کیں۔ لیونڈر اور موتیے کی ملی جلی خوشبو اندر تک اتر گئی۔ اس خوشبو سے بہت کچھ یاد آیا تھا۔ اس خوشبو سے بہت کچھ جڑا تھا۔ آج کے دن اسے اس خوشبو کی ضرورت تھی۔

ابھی وہ کوٹ پہن رکھا تھا جب چنگیز کی دوبارہ کال آنے لگی۔

"تمہاری جگہ تبدیل نہیں کر رہا۔ لیکن تم بالکل آخر میں پہنچو گے۔"

ماہر فرید کے چہرے پہ بہت سی بے زاری ابھری۔

"میں آخر میں نہیں پہنچ سکتا۔ مجھے بہت سے انتظامات دیکھنے ہیں۔"

"میری سیکیورٹی خراب کرنے کے بجائے اپنی ٹیم سے کہو کہ وہ محنت کریں۔" چنگیز نے اسی کی بات طنز سے اس کو لوٹائی۔ "تمہارا یہاں اوپن میں بہت دیر ہونا ٹھیک نہیں ہے۔ ایونٹ کے قریب قریب پہنچنا۔"

ماہر نے جواب دیے بغیر کال کاٹ دی۔ اب چنگیز اسے بتائے گا کہ کیا کرنا ہے؟ یہ اس کی قرمزی عمارت تھی۔ کوئی اس کو نہیں بتا سکتا تھا کہ اس نے عمارت میں کب پہنچنا ہے، یا اس کا رنگ کیا رکھنا ہے۔

اس نے کوٹ پہن کے ایک آخری نگاہ خود پہ ڈالی اور باہر نکل آیا۔ اسے فیضی حانم کو ہدایات دینی تھیں کہ وہ اس کا دوسرا سوٹ بھی گاڑی میں رکھوا دیں۔ ہو سکتا ہے اسے لباس ایک دفعہ پھر تبدیل کرنا پڑے۔ آج کے دن اس کے لباس پر شکن نہیں دکھائی دینی چاہیے تھی۔

وہ باہر آیا تو الفاظ منہ میں رہ گئے۔

مالا لونگ روم میں کھڑی تھی۔ ٹوپی پہنے۔ بھورے اسکرٹ پہ سفید ہاتھ سے بنا سوئیٹر پہنے سے وہ کاؤنٹر پر کچھ رکھ رہی تھی۔ آہٹ پہ چہرہ اس کی طرف موڑا اور مسکرائی۔

ایک دم سے ماہر کی ساری اینگزائٹی وجود سے خارج ہو گئی۔ کندھے ہلکے پھلکے ہو گئے۔ چنگیز، زیاد، سیکیورٹی انتظامات ،ہر شے جیسے منظر نامے سے ہٹ گئی۔ وہ سامنے تھی اور جیسے کوئی مشکل، مشکل نہیں لگ رہی تھی۔

"کیا لائی ہو؟" وہ مسکرا کے کاؤنٹر تک آیا۔

مالا نے کافی کا کپ اس کی طرف دھکیلا اور باکس کی طرف اشارہ کیا۔ ماہر نے بیکری کے باکس کا اسٹیکر اتارا اور احتیاط سے اسے کھولا۔ اندر بقلاوہ کے چار ٹکڑے اس کا منہ چڑا رہے تھے۔ اس نے نگاہیں اٹھا کے مالا کو دیکھا۔ پھر بقلاوہ کو۔ پھر واپس مالا کو۔

" بقلاوہ؟ سیریئسلی؟"

مالا نے زبردستی مسکراہٹ روکتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"شوگر رش۔" یاد دلایا۔

ماہر نے جبراً مسکراتے ہوئے ڈھکن بند کیا۔ اثبات میں سر ہلایا۔

" تم جانتی ہو اس شہر میں فارنرز کے علاوہ کوئی اس چیز کو نہیں کھاتا؟" اس نے بہت دقت سے اس ڈبے کو ڈسٹ بن میں ڈالنے سے جیسے خود کو روکا تھا۔

"اور ہم فارنرز ہی ہیں۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کھانا۔"

ماہر نے جیسے تھوک نگلا۔ڈھکن دوبارہ کھولا۔ ایک دفعہ پھر مالا کو دیکھا۔ وہ انہی مسکراتی نظروں سے جیسے اس کے کھانے کی منتظر تھی۔ اس نے دو انگلیوں سے ایک ٹکڑا اٹھایا۔ بقلاوہ کا گھی اور شیرہ انگلیوں پر لگ گیا۔ بہت دقت سے ماہر فرید نے چہرے کے تاثرات نارمل رکھے۔ ایک ذرا سی بائٹ لی کیونکہ کشمالہ مبین سے کچھ بعید نہیں تھا۔ وہ پرسوں کا فنکشن کینسل ہی نہ کر دے۔ لیکن ایک بائٹ سے زیادہ وہ اس میٹھے زہر کو اندر نہیں اتار سکتا تھا۔ اس نے ادھ کھایا بقلاوہ واپس ڈبے میں رکھا۔ اسے چباتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ بدقت نگلا۔ اور جبری مسکراہٹ کے ساتھ بہت ضبط سے الفاظ جوڑے۔

"تھینک یو، میرے لیے یہ لانے کے لئے۔"

ڈبہ بند کیا اور ٹشو کے لئے ہاتھ بڑھایا تو مالا نے کاؤنٹر پر رکھا ٹشو باکس اس کے سامنے کیا۔ وہ اسی طرح مسکراہٹ دبائے اسے دیکھ رہی تھی۔

"پورا باکس ختم کرنا۔" انگلی اٹھا کے نصیحت کی اور دروازے کی طرف مڑنے لگی۔ پھر رک کے واپس پلٹی۔

"ہم نے ایونٹ پہ کس وقت جانا ہے؟"

"میں ابھی نکل رہا ہوں۔ تم لوگ آرام سے آنا۔ اردل مجھے ڈراپ کر کے تمہارے پاس آ جائے گا۔ وہ تمہیں اور فیضی حانم کو لے آئے گا۔" پھر رک کے جیسے اس سے پوچھا۔

"بدر اور ہلال بھی آئیں گے، رائٹ؟"

مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آف کورس۔ ہم سب کو وہاں ہونا چاہیے۔"

"میں ابھی اردل کو لے کے جارہا ہوں۔ جب تمہیں ڈرائیور چاہیے ہو تو اس کو بلوالینا۔ یہ تم لوگوں کو لے جائے گا ۔"ماہر نے پھر سے جیسے تاکید کی تھی۔

"ہیلو؟ میں بھی اس گھر میں رہتا ہوں۔ میرے پاس بھی ایک کار ہے۔"

کسی کونے سے آواز آئی تو ان دونوں نے گردن موڑی۔ لاؤنج کے صوفے پر آلتی پالتی کیے بیر بل فرید نائٹ سوٹ میں کمبل اوڑھے بیٹھا تھا۔ بال اور چہرے سے لگتا تھا کہ اس نے صبح اٹھنے کے بعد منہ نہیں دھویا۔ گود میں پلیٹ لیے، وہ ٹوسٹ پر کچھ لگائے کھا رہا تھا۔

"تم ایونٹ تک جاگ جاؤ، یہی بہت ہے۔" ماہر نے ناپسندیدگی سے اس کے ٹوسٹ پر لگی شے کو دیکھا اور افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ بیر بل نے اس کی نظریں دیکھ لی تھیں۔ اس نے پر اسیسڈ کریم چیز کا جار اٹھایا، چمچ بھر کے اندر سے نکالا، اور ماہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسے ٹوسٹ کے اوپر گرادیا۔ پھر چمچ کی پشت سے اسے پھیلانے لگا۔

"ماہر بے، آپ جائیں۔ اپنی عمارت کا خیال کریں۔ اپنے مزدوروں کو ہراس کریں۔ ہم لوگ ایک ساتھ آجائیں گے۔"

ماہر نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے کہ بیر بل نے ہاتھ اٹھادیا۔

"ماہر یار... تم جتنی جلدی اس گھر سے چلے جاؤ گے، ہمارا یہ وقت سکون سے گزرے گا۔ کیونکہ تمہاری اینگزائٹی اور ڈانٹ ڈپٹ سے ہم سب کی مینٹل ہیلتھ بہت بری طرح متاثر ہونے والی ہے۔" پھر ماہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ٹوسٹ کی بائٹ لی۔

اف۔ ماہر نے ضبط سے دانت پہ دانت جمائے۔ سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن ان سب کو وقت پہ لے آنا۔" پھر مالا کو دیکھا جو اب تیار ہونے کا کہہ کے واپس جا رہی تھی۔ وہ فیضی حانم کو اپنے سوٹ کا بتانے لگا۔ چند ہدایات دیں۔ چند کچن میں بکھری چیزوں پہ تنقید کی۔

پھر ائیر پوڈز کو چھوا اور ایک کے بعد ایک کال ملانے لگا۔ لاؤنج میں دائیں بائیں چکر کاٹتے ہوئے اس نے تین چار لوگوں کو فون پہ چند باتیں سنائیں۔ یہاں تک کہ بیربل فرید کا ناشتا حرام ہو چکا تھا۔ وہ ٹوسٹ کے بائٹ لیتے ہوئے کینہ توز نظروں سے اسے لونگ روم میں دائیں بائیں ٹہلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ فون بند ہوا تو بیربل نے نوالہ نگلتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"یار، تم وہیں چلے جاؤ۔ ہمارے سر پہ کیوں کھڑے ہو؟"

پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے کھڑے مضطرب سے ماہر فرید نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

"تم ابھی شروع کرو گے تو ایونٹ تک تیار ہو گے۔ مگر تمہارا ناشتا ہی ختم نہیں ہوا۔"

"میرے ناشتے کو نظر مت لگاؤ۔ میں نے کہا میں وقت پر پہنچ جاؤں گا اور سب کو پہنچا دوں گا، تو مسئلہ کیا ہے؟"

"مجھے تمہاری ٹائم مینجمنٹ پہ بھروسہ ہوتا تو آج ہم یہاں نہ ہوتے۔" وہ درشتی سے بولا۔

بیربل فرید پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اطمینان سے نوالہ نگلا اور پھر سوچتی نظروں سے ماہر کو دیکھا۔

"شبنم بتا رہی تھی تم نے اپنی وصیت تیار کر لی ہے۔ میرے نام کچھ لگایا ہے، یا سب کچھ مالا کے نام کر دیا ہے؟"

کچن میں کام کرتی فیضی حانم نے ایک دم پریشانی سے ان دونوں کو دیکھا۔ پھر گڑبڑا کے سر نیچے کر لیا۔ بیربل اسی طرح لقمہ چباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"کر تو ویسے تم بھی وہی رہے ہو جو میں نے کیا۔ ہر چیز اپنی پسندیدہ عورت کے نام کر دی۔ لیکن تم کرو گے، تو ٹھیک ہو گا۔ بیر بل نے کیا، تو غلط تھا۔ ڈبل اسٹینڈرڈز۔" پھر سے ایک بائیٹ لی۔ ماہر چند لمحے ضبط سے اسے گھورے گیا، پھر سر جھٹکا۔

اسی پل ہلال کے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اس سے پہلے کہ ہلال کی آواز آتی، لونا بھاگتی ہوئی اندر سے نکلی اور بھونکتی ہوئی ان کے قریب آئی۔ ماہر فوراً سے پیچھے ہوا۔

"ہلال، اس کو سائیڈ پہ کرو۔ مجھے اپنے کپڑوں پہ اس کے بال نہیں چاہئیں۔" وہ کوفت سے اونچا چلایا تھا۔ فیضی حانم بھاگ کے اس کی طرف آئیں اور لونا کو کالر سے پکڑا۔ وہ نیچی آواز میں "کاؤں کاؤں" بھونکتی ماہر کے پیروں کے گرد چکر کاٹنے کی کوشش کر رہی تھی۔ فیضی حانم نے بدقت اسے پکڑا اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کو پیار سے کچھ کہنے لگیں۔ لیکن لونا اسی طرح بے چین تھی۔

"پتا نہیں اس کو کیا ہوا ہے، بھائی۔ یہ صبح سے ایسے ہی بے چین ہے۔" ہلال دروازے کے ساتھ کھڑی کہہ رہی تھی۔ چہرے پہ پریشانی تھی اور آنکھیں دور دیوار پہ جمی تھیں۔ وہ بھی شاید ابھی اٹھی تھی۔

"وہ کہتے ہیں نا، کتوں کو وقت سے پہلے مستقبل کی خبر ہو جاتی ہے۔"

ماہر نے گھور کے بیر بل کو دیکھا جو اب کریم چیز کا بھرا ہوا چمچ زبان سے چاٹ رہا تھا۔

"کسی کو وقت سے پہلے مستقبل کی خبر نہیں ہوتی۔" پھر راہداری کی سمت بڑھ گیا۔

گارڈ مالا کے دروازے کے باہر اسی طرح کھڑا تھا۔ ماہر نے گھنٹی بجائی۔ ایک گھنٹی۔ پھر دوسری۔ اگلے ہی لمحے مالا نے دروازہ کھولا۔ ایسے کہ اس کے ایک کان پہ فون تھا۔ فون کے اسپیکر پہ ہاتھ رکھے اس نے سوالیہ ابرو اٹھائے۔

"بیر بل کہہ رہا ہے کہ وہ تم لوگوں کو لے آئے گا۔ لیکن میں بیر بل کو جانتا ہوں۔ وہ دیر کر دے گا۔" وہ کہنے لگا۔ اسی پل ائیر پوڈز کے اندر Siri کی آواز سنائی دینے لگی۔ وہ اسے ایک آنے والی کال کا بتا رہی تھی۔

"اگر بیر بل دیر کرے تو تم اردل کو بلوا لینا۔ اوکے؟" کال مسلسل آ رہی تھی۔ اس نے ڈپٹ کے Siri کو کہا۔

".Answer it"

اب کان میں عمار کچھ کہہ رہا تھا۔

اس کی بات سنتے ہوئے اس نے دروازہ کھولے کھڑی مالا کو دیکھا، جو ماہر کو اثبات میں سر ہلا کے فون پہ اوکے اوکے کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اسے ہاتھ سے ایک اشارہ کیا۔ ماہر نے ابرو تعجب سے اکٹھے کیے۔

"کیا؟"

"ٹھیک ہے۔ نو پرابلم۔" بات جاری رکھتے ہوئے مالا نے فون کان اور کندھے دونوں کے درمیان رکھا اور دونوں ہاتھوں کو اکٹھا کر کے اشارہ کیا۔ پھر جیسے مکھی اڑاتے ہوئے ہاتھ سے جھٹکا۔ جیسے کہہ رہی ہو، چھوڑو کوئی بات نہیں۔ اب وہ واپس مڑ گئی تھی۔ وہ فون پہ بات کر رہی تھی۔ اوپر سے عمار اس کے کان میں ایک نیا مسئلہ سنا رہا تھا۔

مالا واپس پلٹ گئی تھی اور دروازہ چوکھٹ کے قریب جا رہا تھا۔

ایک درز سی تھی جس سے وہ اسے دکھائی دے رہی تھی۔ ٹوپی سے نکلتے ہوئے بالوں کی پشت۔

وہ عمار کی بات سنتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی؟ وہ کس چیز کا اشارہ کر رہی تھی؟ وہ اسے کوئی بات یاد کروا رہی تھی۔

دروازہ واپس جگہ پہ آ رہا تھا اور ماہر فرید کا روزن چھوٹا ہو رہا تھا۔ اوپر سے کان میں بولتا ہوا عمار۔ وہ پلٹ گیا۔

کسی نے جیسے دل میں کہا کہ اسے نہیں پلٹنا چاہیے۔ اسے یہ بات ادھوری نہیں چھوڑنی چاہیے۔ لیکن عمار کی بک بک مسلسل جاری تھی۔

"آرہا ہوں میں۔ دیکھ لوں گا سارے مسئلے۔ دو منٹ کے لیے تم لوگ کوئی چیز ہینڈل نہیں کر سکتے۔" وہ برہمی سے کہتا لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔

سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ اردل نیچے اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ کار میں بیٹھنے سے پہلے ماہر نے رک کر اسے دیکھا۔

"فون آن رکھنا۔ بیر بل نے کہا ہے کہ وہ ساری فیملی کو لے آئے گا۔ لیکن مجھے معلوم ہے وہ دیر کر دے گا۔ ایونٹ شروع ہونے سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے مالا کو کال کر کے پوچھ لینا کہ اسے تمہاری ضرورت ہے یا نہیں، اور وقت سے چلے جانا۔" اس نے سنجیدگی سے ہدایات دیں۔ فربہہ سے اردل نے سر اثبات میں ہلایا۔ وہ اندر بیٹھا اور فون کی اسکرین روشن کر کے سامنے کی۔ ایک کے بعد ایک مسئلے۔ آخری منٹ کرنے والی چیزیں۔ پھر وہ مہمان جنہوں نے آنا تھا۔ کچھ جو نہیں آسکتے تھے۔ اوپر سے یہ بادل۔

کار آگے بڑھنے لگی۔ آج ٹریفک بہت تھا۔ یا شاید ہر چیز وقت کی مناسبت سے ہوتی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ ذرا ذرا دیر بعد کار ٹھہرتی تو وہ چڑچڑے انداز میں باہر دیکھتا۔ پھر ضبط سے واپس اسکرین کی طرف متوجہ ہو جاتا۔

چند لمحے کے لیے جب ساری کالز تھم گئیں اور کوئی مزید مسئلہ سامنے نہیں آیا، تو ماہر نے فون رکھا۔ ائیر پوڈز کان سے نکالے۔ کھڑکی کے باہر سڑک اور اوپر سرمئی آسمان کو دیکھا۔

وہ اسے کیا کہہ رہی تھی؟ وہ دونوں ہاتھوں کا چوکور بنائے کس چیز کی طرف اشارہ کر رہی تھی؟ وہ اسے کیا یاد کروا رہی تھی؟ اسے یہ گفتگو ادھوری نہیں چھوڑنی چاہیے تھی۔ وہ ہر چیز ادھوری چھوڑ دیتا تھا۔ نان خطائی بھی۔ ککیز بھی۔ ڈونٹ بھی۔ بہت سی باتیں بھی۔ اسے یہ گفتگو مکمل کرنی چاہیے تھی۔ اسے رک کے مالا کی کال مکمل ہونے کا انتظار کرنا

چاہیے تھا۔ لیکن ماہر فرید کو ہمیشہ جلدی ہوتی تھی۔ لندن چھوڑ کے جانے کی۔ قرمزی عمارت بنانے کی۔ لاہور سے واپس جانے کی۔

بہت سے خیالات ایک دم سے آپس میں خلط ملط ہونے لگے۔ اس نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ اسے جیسے گھٹن ہو رہی تھی۔ شاید ہیٹر تیز تھا۔ شاید اسے مالا کی بات سننی چاہیے تھی۔ شاید اسے رک کے اسے آخری نظر دیکھنا چاہیے تھا۔ لیکن آخری نظر کیوں؟ ابھی ایونٹ پہ وہ دونوں ساتھ ہوں گے۔ اردل اسے وقت پہ لے آئے گا۔ پھر کیا مسئلہ تھا؟ اس نے بیک ویو مرر میں اردل کا چہرہ دیکھا۔ پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ وقت کی سوئیوں کا ذہنی کیلکولیٹر پہ حساب کیا۔

اسے چیزیں ادھوری نہیں چھوڑنی چاہئیں تھیں۔ اسے لاہور سے واپس نہیں جانا چاہیے تھا۔ اسے وین کوور کے بعد مالا کو مزید ای میلز کرنی چاہیے تھیں۔ اسے اس کا غصہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ اسے اتنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"کار واپس موڑو۔"

اردل نے بے اختیار گردن پوری موڑ کیا سے دیکھا۔

"سر، واپس؟"

"ابھی ایونٹ میں کافی ٹائم ہے۔ ویسے بھی چنگیز نے کہا تھا کہ میں دیر سے آؤں۔ واپس موڑو۔ مجھے اپارٹمنٹ جانا ہے۔
"وہ جیسے جلدی میں تھا۔ کوئی چیز تھی جو ذہن میں چبھ سی گئی تھی۔ کسی کانٹے کی طرح۔

برفیلے پہاڑوں کے درمیان کسی شگاف کی طرح۔

کچی برف پر پاؤں رکھا اور پہاڑ نے انسان کو نگل لیا۔ کوئی ایسی خلش سی تھی۔

اپارٹمنٹ بلڈنگ کی لابی سے لفٹ اور لفٹ سے اوپر تک کا سفر اس نے عجیب بے چینی میں گزارا تھا۔ عمار کی پھر سے کال آرہی تھی لیکن اس نے کاٹ دی۔ راہداری میں تیز قدموں سے بڑھتا وہ مالا کے اپارٹمنٹ تک آیا۔ بیل بجائی۔ ایک گھنٹی۔ دوسری گھنٹی۔ تیسری دفعہ گھنٹی پر ہاتھ رکھنے لگا کہ قریب کھڑا گارڈ کھنکھارا۔

"وہ گھر پہ نہیں ہیں۔"

ماہر نے چونک کر اسے دیکھا ہے۔

"کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ وہ ابھی باہر نکلی تھیں۔"

"تو پہلے بتاؤنا۔" اسے جھڑک کے وہ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف آیا۔ لاؤنج میں سامنے کا منظر اب قدرے تبدیل ہوتا نظر آیا۔ بیر بل لمبے کاؤچ پر لیٹا ریموٹ سے ٹی وی کے چینل بدل رہا تھا۔ قالین پر بہت سے بلاکس بکھرے تھے۔ بدر اور ہلال وہیں چوکڑی مارے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ اور ہلال بلاکس اٹھا اٹھا کے اس کے ہاتھوں میں دے رہی تھی۔ بدر نے بس چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ بدر واپس مسکرایا اور سر نیچے کر لیا۔ اس کا اور ماہر کا تعلق بس اتنا ہی تھا۔ ایک نرم مسکراہٹ جیسا۔ وہ واپس فیضی حانم کی طرف متوجہ ہوا۔

"مالا کہاں ہے؟"

"وہ کسی ضروری کام سے گئی ہے۔ بیس منٹ تک آ جائے گی۔" وہ تیزی سے ہاتھ چلاتی کچھ بنا رہی تھیں۔ انڈے ،ٹوسٹ، اوا کاڈو، اورنج جوس۔ اس نے کاؤنٹر پر پھیلی چیزوں کو دیکھا۔ یہ بدر کا ناشتا تھا۔ وہ اس کو ناشتا نہیں کرا کے گئی تھی۔ کیوں؟ وہ اتنی جلدی میں کیوں گئی تھی؟ وہ بات ادھوری چھوڑ کر کیوں گئی تھی؟ وہ کیا کہہ رہی تھی؟

"اس نے کوئی پیغام دیا تھا؟" وہ فون نکالتے ہوئے بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔ فیضی حانم نے نفی میں سر ہلا دیا اور اواکاڈو کا گودا چمچ سے نکالنے لگیں۔ ماہر نے موبائل پر اس کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔ ائیر پوڈز تب تک وہ نوچ کے اتار چکا تھا۔ گھنٹی جا رہی تھی۔ پھر مالا کا ہیلو سنائی دیا۔

"کہاں ہو، مالا؟"

"میں بس آتی ہوں۔ ایک ضروری کام سے گئی تھی۔" اس کی آواز سن کے اسے جیسے اطمینان سا ہو گیا تھا۔

"کتنی دیر ہے؟" ماہر نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔ "میں بھی نہیں گیا۔ تم واپس آ کر تیار ہو جاؤ۔ ہم ساتھ میں جائیں گے۔"

لمبے صوفے پر بیٹھے بیربل فرید نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا اور پھر افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"یعنی میرے اوپر کسی کو اعتبار ہی نہیں؟" اونچی آواز میں بولا تھا۔ ماہر نے ہاتھ سے اسے چپ ہونے کا اشارہ کیا اور واپس فون کی طرف متوجہ ہوا۔

"اوکے نو پرابلم۔ میں بس آتی ہوں کچھ دیر میں۔" وہ جلدی میں لگ رہی تھی۔ مصروف سا انداز۔

ماہر نے فون نیچے رکھ دیا۔ اب اسے انتظار کرنا تھا۔ بیس پچیس منٹ کی ہی بات تھی۔ بیس پچیس منٹ کے لئے وہ مالا کا انتظار کر سکتا تھا۔ جہاں اتنے برس اس نے انتظار کیا تھا، وہاں چند منٹ اور سہی۔

چند منٹ اسی طرح گزر گئے۔ بیربل لمبا لیٹا ڈھٹائی سے ٹی وی دیکھے گیا۔ اس سے بات کرنا ہی فضول تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے بلاکس جوڑتے گئے۔ فیضی حانم کی کچن میں کٹنگ کی آواز آتی رہی۔ اور ماہر فرید اسی طرح مضطرب اور بے چین ونگ چیئرز کے سامنے دائیں بائیں ٹہلتا فون پہ بہت سے لوگوں کو بہت سی باتیں سناتا گیا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے بار بار ٹی وی کی اسکرین کے سامنے آ جاتا تھا۔ اور ہر دفعہ بیربل فرید کے چہرے کے زاویے بگڑتے۔ لونا جو کھڑکی کے قریب جا

بیٹھی تھی، ماہر کے آنے کے بعد بار بار لپک کیاس کے قریب بھاگتی۔ اور فیضی حانم کو پھر سے کچن چھوڑ کے اس کی طرف آنا پڑتا۔ کال کے درمیان ماہر نے برہمی سے اس کو دیکھا جو ایک دفعہ پھر بھونکنے لگی تھی۔

"ہلال، خدا کے لئے اس کو کنٹرول کرو، ورنہ میں اسے کسی ڈاگ شیلٹر میں چھوڑ آؤں گا۔" اس کا ضبط جواب دے چکا تھا۔

"چچ چچ۔" بیر بل کی جانوروں کے حقوق کی رگ پھڑک اٹھی۔ کسی طنز کے لئے منہ کھولا کہ ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کرایا۔ پھر اتنی ہی درشتی سے فون میں کہا۔

"میں یہاں سے بیٹھ کے الیکٹرک سپلائی کے مسئلے کو حل نہیں کر سکتا، عمار۔ کسی ٹیکنیکل آدمی کو کال کرو اور اس سے کہو کہ وہاں پہنچے۔"

اس ساری بے چینی، مالا کا انتظار، بلڈنگ کے مسئلے، اور بیر بل کی بک بک کے درمیان کن انکھیوں سے اسے دکھائی دیا تھا کہ.....

بلا کس جوڑتے بدر نے ایک دم چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔ پھر راہداری کو۔

ساری آوازیں ایک دم سے جیسے بند ہو گئیں۔ عمار کچھ کہہ رہا تھا لیکن ماہر نے فون نیچے کر دیا۔

وہ رک کے بدر کو دیکھنے لگا۔ لونا کی کاؤں کاؤں بھی اب جیسے سنائی نہیں دے رہی تھی۔

بدر کی سبز آنکھیں بنا پلک جھپکائے راہداری پہ جمی تھیں۔ پھر اس نے واپس ماہر کو دیکھا۔ پھر دوبارہ راہداری کو۔ ان آنکھوں میں کچھ تھا۔

ماہر نے ان کے تعاقب میں راہداری کو دیکھا۔ وہ خالی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

کیا بدر کو کچھ نظر آ رہا تھا جو وہ نہیں دیکھ سکتا تھا؟

وہ ایک دم اس کے سامنے آیا۔ بلا کس ہاتھ سے پرے کیے۔ پنجوں کے بل بیٹھا اور نرمی سے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے۔

"بدر، ادھر دیکھو میری طرف۔"

بدر جو ابھی تک راہداری کو دیکھ رہا تھا، چہرہ ماہر کی طرف اٹھایا۔ اس کی معصوم بڑی بڑی سبز آنکھیں کچھ کہہ رہی تھیں۔ کچھ تھا ان میں۔ ایک تاثر جو وہ کبھی کبھی دیکھتا تھا۔

"وہاں کوئی ہے؟" وہ جانتا تھا وہ بچہ نہیں بولے گا۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بدر نے پھر سے راہداری کو دیکھا۔ پھر چہرہ واپس موڑ لیا۔ سر جھکا کے وہ اپنے بلا کس اٹھانے لگا۔ ماہر نے اس کے کندھوں سے ہاتھ ہٹا دیے۔

وہ ایسے کیوں کرتا تھا؟ ایسا کیا تھا جو وہ دیکھ رہا تھا؟ جسے نہ ماہر فرید محسوس کر سکتا تھا، نہ ہلال شمس۔

"کیا ہوا، بھائی؟" ہلال بھی اچھنبے سے پوچھ رہی تھی۔

"بدر کبھی کبھی ایسے چونک جاتا ہے۔ جیسے وہ کچھ دیکھتا ہے۔ کچھ ہے جو میں سمجھ نہیں پا رہا۔"

"ڈونٹ ٹیل می کہ اس بچے کے پاس بھی سپر پاورز ہیں۔" بیر بل جلدی سے پیر سمیٹ کے اٹھ بیٹھا۔ چہرے پہ ایک دم ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ "تم خود تو چلے جاتے ہو، مجھے سارا دن ان دو creepy بچوں کے ساتھ گزارنا پڑتا ہے۔ پلیز مجھے بتاؤ، اس کو بھی تو کوئی چیزیں نظر نہیں آتیں؟"

ماہر نے جیسے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ راہداری کی طرف دیکھا۔ بدر کی طرف۔

کیا ہوا تھا اس لمحے جب بدر نے وہاں دیکھا تھا؟ کیا ہوا تھا ان تمام لمحوں میں جب اس نے بدر کو یوں ہی چونکتے دیکھا تھا؟

کیا ہوا تھا؟

"وہ کیا دیکھتا ہے، بھائی؟" ہلال الجھن سے پوچھ رہی تھی۔

"یار ایک تو سب ہی سائیکو ہیں اس گھر میں۔ کوئی دیکھتا ہے۔ کوئی سنتا ہے۔ میں کہیں اور شفٹ ہوتا ہوں۔"

"سنتا ہے۔ شاید وہ دیکھتا نہیں ہے۔ سنتا ہے۔" وہ جیسے خود سے بڑبڑایا۔

ایک پزل تھا جو آنکھوں کے سامنے تھا۔ بہت سے ٹکڑے جو اپنی جگہوں پر نہیں تھے۔

اور ایک ٹکڑے کی جگہ خالی تھی۔

ایک مقناطیسی پزل، جس میں اگر وہ ایک ٹکڑا فٹ کر لے، تو سارے ٹکڑے کھنچ کے اپنی جگہوں پر آ جائیں گے۔

"کیا سنتا ہے؟"

لونا بھونکنا چھوڑ چکی تھی۔ ٹی وی کی آواز خاموش تھی۔ فیضی حانم کے کچن سے بھی چاپ سنائی نہیں دیتی تھی۔ اور ماہر فرید اپنے سوٹ کی پروا کئے بغیر اس بچے کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔

"وہ کیا سنتا ہے؟"

اس نے ایک نگاہ اپنے فون پہ ڈالی۔

"کسی ٹیکنیکل آدمی کو بلاؤ۔" ماہر بڑبڑایا تھا۔ "ٹیکنیکل آدمی۔"

"کیا؟" ہلال کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن اس کی سمجھ میں آنا ضروری بھی نہیں تھا۔

وہ دونوں اغوہ جا رہے تھے اور مالا جانے سے پہلے بدر کو ہدایات دے رہی تھی۔ وہ اس پولیس والے کے بارے میں بتا رہی تھی جس کو وہ اس کی حفاظت کے لیے چھوڑ کے جا رہی تھی۔

"وہ ایک اچھا آدمی ہے، بدر۔ He is a good man."

بدر نے چونک کے راہداری کو دیکھا تھا۔

وہ بیکری میں کھڑے تھے۔ اور وہ کاؤچ پہ بیٹھے بچے کے سامنے بیٹھی تھی۔

"Mama is marrying this man."وہ نرمی سے اسے بتا رہی تھی۔

بدر نے چونک کے بیکری کی سیڑھیوں کو دیکھا تھا۔

ماہر کچھ دیر پہلے دائیں بائیں ٹہلتا فون پہ کہہ رہا تھا۔

"کسی ٹیکنیکل آدمی کو بلاؤ۔"

اور بدر نے فوراً سے دروازے کی سمت میں دیکھا تھا۔

"آدمی۔"ماہر پھر بڑبڑایا۔"Man۔"

اگلے ہی لمحے بدر نے کرنٹ کی طرح سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں وہی تاثر تھا۔ ماہر فرید بنا پلک جھپکائے اسے دیکھے گیا۔

"Man."اس نے دہرایا۔ بدر سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے راہداری کو دیکھا۔

کمرے میں سناٹا تھا۔

ایک منظر ساذہن کے پردے پہ لہرایا۔

وہ بالکونی کے دروازے کے ساتھ کھڑا تھا۔ ہاتھ میں بھاپ اڑاتا مگ تھا۔ سامنے صوفے پر مالا ایک تصویر دکھاتے ہوئے اس کو کہہ رہی تھی۔

"This man is your father."

"Man."وہ بڑبڑایا اور بدر پلک جھپکائے بنا اسے دیکھے گیا۔

پزل کا ٹکڑا اسے مل گیا تھا۔ اسے صرف اس کو خالی چوکھٹے میں رکھنا تھا اور مقناطیسی قوت سے سارے ٹکڑے کھنچ کے اپنی اصل جگہوں پر آجانے تھے۔

"وہ زیاد کو اس کے نام سے نہیں پہچانتا۔ وہ زیاد کو باپ کے لفظ سے بھی نہیں پہچانتا۔ مالا ہمیشہ اسے کہتی تھی کہ وہ "آدمی" تمہارا باپ ہے۔ وہ اس کو man کے لفظ سے پہچانتا ہے۔" وہ دھیرے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو پھر؟" بیربل کی آواز کہیں سے سنائی دی۔

"جب تم لوگ man کا لفظ استعمال کرتے ہو، تو وہ سمجھتا ہے کہ اس کا باپ آگیا ہے، اور وہ اس لئے دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔"

"مطلب؟"

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔ اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور ہاتھ برف۔

"وہ اسے man کے نام سے پہچانتا ہے۔" وہ بڑبڑا رہا تھا۔ دو انگلیوں سے اس نے وہ آخری مسنگ ٹکڑا خالی چوکھٹے میں رکھا۔

بس ایک لمحے کا کھیل تھا اور سارے ٹکڑے دوڑتے ہوئے اپنی اپنی جگہوں پر آگئے۔ فٹ۔ مکمل۔ Occam's razor۔ سب سے سادہ جواب درست جواب ہوتا ہے۔

"وہ اپنے باپ کو man کہتا ہے۔" اس نے چہرہ ان سب کی طرف موڑا۔ ہلال کی بے نور آنکھیں دیوار پہ جمیں تھیں اور بیربل اسی ناسمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"گلاطہ ٹاور کے سامنے جب وہ چند لمحے کے لئے کھویا تھا، تو مالا کی دوست نے اس سے پوچھا تھا کہ اسے کاٹن کینڈی کس نے دی؟ کاٹن کینڈی مین نے؟ اور بدر نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔"

چند لمحے کوئی کچھ بول نہ سکا۔

"کاٹن کینڈی مین کوئی نہیں تھا۔ اسے وہ کاٹن کینڈی زیاد نے دی تھی۔ اس نے اپنے باپ کو دیکھا تھا۔ وہ مین کے لفظ پہ سر ہلا رہا تھا۔"

اب پزل دیوار پر اس کے سامنے تھا۔ ہر ٹکڑا اپنے چوکھٹے میں بالکل درست طریقے سے فٹ ہو چکا تھا۔ ایسے کہ ساری تصویر سامنے تھی۔ روز روشن کی طرح عیاں۔

"بدر کو عالیان نے نہیں زیاد نے اغوا کیا تھا۔ میں درست تھا۔"

"لیکن زیاد سلطان اس وقت جیل میں تھا۔ اور تم نے خود ہی کہا کہ وہ جادوگر عالیان، اس نے وہ کاٹن کینڈی بچے کو دی تھی۔"

"کاٹن کینڈی مین کوئی نہیں تھا۔ عالیان اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ اس بوڑھے دکاندار کی بیٹی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ اپنے باپ کو جھوٹ بولنے سے روک رہی تھی۔ عالیان نے اس کو جھوٹ بولنے کے لیے کہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہم یقین کر لیں کہ اس وقت وہاں عالیان موجود تھا۔ عالیان نے کبھی بدر کو اغوا کیا ہی نہیں تھا۔ میں درست تھا۔ میں ہمیشہ سے درست تھا۔"

اس نے چہرہ ان کی طرف موڑا تو اس کی رنگت سفید تھی۔

"بدر کو اس کے باپ نے ہی اغوا کیا تھا۔ بدر اتنے مہینے زیاد سلطان کے پاس ہی تھا۔"

اور اس لمحے فیروزی اور پستہ عمارت کی پہیلی اس پزل کی طرح سامنے آ گئی تھی۔

"پھر عالیان کو کیسے معلوم ہوا کہ بچہ کس عمارت میں ہے؟"

"اسے بالکل ٹھیک سے نہیں معلوم تھا۔ اس نے پہلے کہا تھا فیروزی۔ اور میں نے اس پہ یقین کر لیا کیونکہ وہ درست کہہ رہا تھا۔ اپنی طرف سے عالیان سچ بول رہا تھا کیونکہ اس کو اس کے جنات نے بتایا تھا کہ بچہ فیروزی عمارت میں ہے۔ کیونکہ وہاں ایک اور بچہ بھی تھا جسے غیر قانونی طور پہ وہاں رکھا گیا تھا۔ اور عالیان کے جنات نے ہمیشہ کی طرح غلطی کر دی تھی۔ جیسے انہیں لگا تھا کہ مالا اور میں ایک چھت تلے رہتے ہیں۔ ویسے ہی انہوں نے عالیان کو غلط خبر دی تھی۔ میں نے اس کا یقین اس لیے کیا کیونکہ اس کی آنکھوں میں سچ تھا۔"

وہ دائیں بائیں ٹہل رہا تھا۔ سارے تانے بانے اس کے ہاتھ میں آ چکے تھے۔

"لیکن جب پولیس کو بچہ فیروزی عمارت سے نہیں ملا، تو عالیان نے اپنے موکل سے کسی طرح کمیونیکیٹ کیا۔ وہیں ہمارے سامنے بیٹھے۔ اور اس کے موکل نے تصحیح کر دی کہ بچہ ساتھ والی عمارت میں ہے۔ جنات ایسی غلطیاں کرتے ہیں۔ عالیان میرے سامنے یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کی انا کو یہ گوارا نہیں تھا اور وہ اس شرارت کو جاری رکھنا چاہتا تھا۔"

"مگر وہ ایسا کیوں کر رہا تھا؟"

لیکن ماہر اس کو نہیں سن رہا تھا۔ سارے سوالات کے جواب اس کے سامنے تھے۔

"میں درست تھا۔ ماہر فرید ہمیشہ درست ہوتا ہے۔ میں نے پہلے دن سے کہا تھا کہ اس بچے کو زیاد سلطان نے ہی اغوا کیا ہے۔ اس کا ایک ہی مقصد تھا کہ بچے کو ڈھونڈنے کے لئے مالا اور وہ ایک ہو جائیں گے۔ لیکن پھر عالیان کو اس اغوا کے بارے میں علم ہو گیا۔ اور زیاد کی دشمنی میں اس نے وہی کیا جو وہ ہمیشہ کرتا تھا۔ اس نے تھوڑا سا chaos برپا کیا۔ تھوڑی سی شرارت کی۔ تاکہ زیاد اور مالا اکٹھے نہ ہو سکیں۔ یہ اس کا زیاد سلطان سے انتقام تھا۔ اس نے بچے کے اغوا کا

الزام اپنے سر لے لیا۔ اس نے مالا کو ایسے خواب دکھائے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ایک نیا سرکار استنبول میں موجود ہے جس کے پاس اس کا بچہ ہے۔ جبکہ عالیان کے پاس وہ بچہ نہیں تھا۔ وہ ہمیشہ سے اپنے باپ کے پاس ہی تھا۔"

"لیکن تم بھول رہے ہو کہ زیاد سلطان اس وقت جیل میں تھا۔"

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہ اس وقت جیل میں نہیں تھا کیونکہ ہمیں وہ تاریخیں نہیں معلوم جن میں وہ استنبول آیا تھا۔ چنگیز نے کہا کہ اس کے ہینڈلر کے مطابق اس کو دو مہینے کا ایک اسائنمنٹ ملا تھا۔ ایسے اسائنمنٹس کی تاریخوں کا تعین تو نہیں کیا جاتا۔ پھر ان کو دو مہینے کا وقت کیسے معلوم تھا؟ صرف اس صورت میں جب دو مہینے پہلے ہی مکمل ہو چکے تھے۔ زیاد سلطان نے واقعی یہاں پہ ایک اسائنمنٹ کیا تھا۔ لیکن گرمیوں میں۔ آج سے کئی مہینے پہلے۔ وہ اپنا اسائنمنٹ کر کے واپس جیل چلا گیا تھا ۔اور پھر دنیا دکھاوے کے لیے چند مہینوں کے بعد اس کو ریلیز کیا گیا۔ وہ سب کچھ جسے ہم حال میں ہوتا ہوا سمجھ رہے تھے، وہ ماضی میں ہو چکا تھا۔ اس وقت وہ اس شہر میں کسی اسائنمنٹ کے لئے موجود نہیں ہے۔ وہ آزاد ہے۔ اور وہ یہاں ایک ہی مقصد کے لیے آیا ہے۔"

اس نے چونک کے بدر کو دیکھا۔ وہ اب واپس اپنے بلاکس جوڑ رہا تھا۔

مالا اس کے باپ کا نام نہیں لیتی تھی۔ وہ اس کو مین کہتی تھی۔ اسی لئے اس نام سے اس کی کوئی انسیت نہیں تھی۔ نہ وہ اس نام پہ چونکتا تھا۔

"تمہیں نقصان پہنچانے۔" بیربل نے پریشانی سے اسے دیکھا۔ "وہ اس شہر میں صرف تم سے انتقام لینے آیا ہے، ماہر ۔"

ماہر اسی طرح لونگ روم کے وسط میں کھڑا تھا۔ آنکھیں چھوٹی کر کے وہ دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ نقطہ بڑا ہو کے ایک کاٹیج بن گیا تھا۔ پانی اور درختوں کے درمیان ایک کاٹیج۔ اور وہ دونوں اس کے باہر آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"تم ابھی میرے کام کرنے کے طریقے سے واقف نہیں ہو۔" زیاد سلطان نے برسوں پہلے کہا تھا۔

"تمہاری زندگی میرے ہاتھوں ہی ختم ہو گی۔"

ماہر فرید زیر لب بڑبڑایا۔

"میری زندگی اس کے ہاتھوں ختم ہو گی۔"

اور پھر سارے سوالیہ نشان ختم ہو گئے۔ اس کے دل پہ جیسے کسی نے بھاری بوٹ رکھ دیا۔

"میری زندگی..." اس نے تیزی سے موبائل نکالا۔

"وہ مجھے نہیں مارنا چاہتا۔" مالا کا نمبر ملا کے اس نے فون کان سے لگایا۔

"وہ مالا کو مار دے گا۔ وہ میری زندگی ہے۔" اس نے خود کو خوف اور بے یقینی سے کہتے سنا تھا۔

"وہ اس شہر میں مالا کو مارنے آیا تھا۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ مبین نے شیشے کے شوکیس پر انگلی رکھی۔ باریستا نے گردن ترچھی کر کے دیکھا۔ وہ مسکراہٹ دبائے بقلاوہ کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

وہ جانتی تھی وہ بقلاوہ نہیں کھائے گا۔ اتنا خستہ، چکنائی اور میٹھے سے بھرا بقلاوہ، ماہر بے کے حلق سے نہیں اترے گا۔ وہ بہت سی چیزوں کی طرح اس کو بھی ادھورا چھوڑ دے گا۔ لیکن آزمانے میں کیا حرج تھا؟

وہ جب بقلاوہ اور کافی لئے اس کے اپارٹمنٹ میں آئی اور کچن کاؤنٹر پر رکھا، تب وہ باہر نکل رہا تھا۔ سوٹ، ٹائی اور بوٹس، سب پرفیکٹ تھا لیکن وہ قدرے جھنجھلایا ہوا، قدرے مضطرب تھا۔ مالا نے بہت مشکل سے خود کو مسکرانے سے روکے رکھا اور سنجیدگی سے بقلاوہ کی پیشکش کی۔ وہ اس کا ضبط دیکھ سکتی تھی۔ اسے امید نہیں تھی کہ وہ ایک بھی بائٹ لے گا۔ لیکن کم از کم ایک لقمہ اس نے ماہر کو اپنے سامنے حلق سے اتارتے دیکھ لیا تھا۔ گڈ۔

اس کے بعد ماہر اور بیربل کسی بحث میں پڑتے دکھائی دیے، تو وہ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف آگئی۔ بدر اٹھ چکا تھا۔ اسے اس کو ناشتا کروانا تھا اور پھر ایونٹ کی تیاری کرنی تھی۔ وہ بعد میں ٹیکسی سے بھی جاسکتی تھی۔ لیکن ماہر چاہتا تھا اس کو ذرا سی بھی تکلیف نہ ہو۔ ویسے بھی آج بارش ہونی ہی ہونی تھی۔ اور بارش میں استنبول میں ٹیکسی بہت مشکل سے ملتی تھی۔

وہ ابھی فریج سے ناشتے کی چیزیں نکال رہی تھی، جب فون بجنے لگا۔

"کشمالہ حانم؟ آپ کی کال آئی تھی، پارسل کے لیے۔"

"میں کل سے کال کر رہی ہوں۔ میرا پیکیج ابھی تک مجھے ڈیلیور نہیں ہوا۔ دو دن بعد میری شادی کا فنکشن ہے اور مجھے اپنا ڈریس چاہیے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز تلخ ہو گئی۔ اتنا بڑا برانڈ جو ماہر کے کہنے پر اس نے لیا تھا۔ کیونکہ شبنم کا ماننا تھا کہ اس سے نیچے کسی ٹیگ سے اسے شاپنگ نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن وہ وقت پہ اسے اس کا ڈریس نہیں پہنچا سکے تھے۔

"آپ کا پیکیج آج صبح ہی ڈیلیور ہو گیا تھا۔"

مالا نے چونک کے دروازے کی سمت میں دیکھا۔

"مگر مجھے کوئی پیکیج نہیں ملا۔"(کہیں انہوں نے ساتھ والے اپارٹمنٹ میں تو نہیں دے دیا؟)وہ ایک دم پریشان ہوئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ماہر اس ڈریس کو دیکھے۔ وہ سرپرائز تھا۔ اس شہر کے کلچر نے تھوڑا بہت اس کے اوپر اثر کر دیا تھا۔

"مجھے چیک کرنے دیں۔" سیلز مینیجر مصروف سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ چند کیز پریس کرنے کی آواز آئی۔ دوسری طرف گھنٹی بجی۔ وہ فون کان سے لگائے دروازے کی طرف گئی۔

"آپ کا پیکیج کل شام بیر بل کی بیکری میں ڈیلیور ہوا ہے۔ نشانتشی میں۔"

"واٹ؟" وہ جھنجھلا کے بیچ راستے میں رکی۔ "وہاں کیوں؟"

"آپ نے یہی ایڈریس دیا تھا۔"

"اف۔" اس نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ وہ سارا وقت بیکری پہ ہوتی تھی۔ شاید اسی لیے اس نے وہ ایڈریس دے دیا تھا۔

"آپ کے نمبر پہ میں پیکیج کی تصویر بھیج رہی ہوں۔ وہ بیکری کے دروازے پر پڑا ہے۔"

اس شہر کے رائیڈرز کا اصول تھا کہ پیکیج ڈیلیور کر کے وہ دروازے پر اس کی تصویر کھینچ کے بھیجتے تھے۔ اس نے فون کان سے ہٹا کر اسکرین دیکھی۔ تصویر سامنے تھی۔ اتنا بڑا ڈبہ دروازے پر پڑا تھا۔ ابھی بارش آئی تو سب بھیگ کے تباہ ہو جائے گا۔ اس نے بے اختیار فون کان سے لگایا۔

"آپ کو مجھے انفارم تو کرنا چاہیے تھا۔"

دوسری گھنٹی بجی تو اس نے جلدی سے آگے بڑھ کے دروازہ کھولا۔ سیلز مینیجر کچھ کہہ رہی تھی لیکن مالا نے فون قدرے نیچے کر کے اس کی بات سننی چاہی۔ وہ چوکھٹ میں کھڑا اسے کچھ بتا رہا تھا۔

"میں جارہاہوں۔بیر بل تمہیں لے آئے گا۔ورنہ گاڑی منگوالینا۔"

اس نے جلدی جلدی ساری بات سنی۔کان پر لگے فون میں ساتھ ہی بولی۔ پھر ایک دم کچھ یاد آیا۔ ہاتھ ہلا کے ماہر کو ایک آخری تاکید کی۔وہ سمجھ جائے گا۔اور پھر پلٹ گئی۔

"سوری ہمیں پیکج یوں نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔میں آپ کی طرف سے شکایت ریکارڈ کروادیتی ہوں۔"

"نہیں ٹھیک ہے۔نو پرابلم۔"وہ فون کان سے لگائے پلٹ گئی۔"لیکن کیا آپ مجھے وہ گھر پر ڈیلیور کرواسکتے ہیں؟"

"میم،اس وقت تو مشکل ہو گی۔کیا آپ وہ خود پک کر سکتی ہیں؟"

ویک اینڈ شروع ہونے والا تھا۔جمعے کی نماز کے ساتھ اس شہر کے سارے سست لوگ کام کرنا بند کر دیتے تھے۔ دروازہ پیچھے بند ہو چکا تھا۔مالا نے فون کان سے ہٹایا۔اسے خود ہی کچھ کرنا تھا۔بیکری زیادہ دور نہیں تھی۔بیس منٹ کی ڈرائیو۔اس نے جلدی جلدی بدر کی چیزیں اٹھائیں۔اس کو بستر سے نکالا۔جب تک وہ باہر آئی،ماہر جا چکا تھا۔بدر کو فیضی حانم کے پاس چھوڑا۔اس کا ناشتا سمجھایا۔بہت سی تاکید کی۔اور سوئیٹر اور اسکرٹ کے اوپر کوٹ پہنتی ، اونی اسکارف گردن کے گرد لپیٹتی،وہ تیزی سے لفٹ کی طرف بھاگی۔

ٹیکسی آسانی سے مل گئی تھی۔ابھی بادل برسنا شروع نہیں ہوئے تھے۔وہ جانتی تھی کہ پہلی بوند کے ساتھ جہاں زمین کے سارے کیڑے باہر آجائیں گے،وہیں ساری ٹیکسی زیر زمین چلی جائیں گی۔

آج سڑکوں پر رش معمول سے زیادہ تھا۔وہ مسلسل کھڑکی کے باہر دیکھتی،پریشانی سے انگلیاں چٹخ رہی تھی۔دروازے کے اوپر پیکیج کون رکھتا ہے؟بارش آگئی یا کسی نے فٹ پاتھ پر پانی گرادیا،تو وہ بھیگ جائے گا۔اس کا کامدار لباس تباہ ہو جائے گا۔پہلے ہی ماہر کا اتنا خرچہ ہوا تھا اس پہ۔اف۔

ٹیکسی آگے بڑھ رہی تھی۔ بہت سے ہارن۔ وائیپر چلنے کی آواز۔ ٹپ ٹپ گرتے قطرے۔ اور سب میں دور کسی کونے سے آواز سنائی دینا شروع ہوئی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹویو۔" کورس میں جیسے بہت سے لوگ بولے تھے۔ ظہیر کی آواز ان میں سب سے نمایاں تھی۔

مالا نے چونک کے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ ٹیکسی میں اکیلی تھی۔ شیشے دھندلے ہو رہے تھے اور پانی ٹپ ٹپ گرتا جا رہا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹویو۔"

ظہیر کی آواز اسے کیوں سنائی دیتی تھی؟ اور یہ آواز پہلی دفعہ کب آئی تھی؟

برسوں پہلے جب اسے کال کر کے بتایا گیا تھا کہ اوشن میں آگ لگ گئی ہے۔ وہ اپنے قیمتی ڈاکومنٹس اور ڈائمنڈز بچانے کے لیے جو اوشن کے لاکر میں پڑے تھے، بھاگ کے وہاں آئی تھی۔ اور راستے میں اس نے کسی کو گاڑی تلے دے دیا تھا۔

کیا کوئی اس کی گاڑی کے نیچے آنے والا تھا؟ اس نے چونک کے ڈرائیور کو دیکھا۔

"دھیان سے چلانا۔" وہ بے اختیار بولی۔

کچھ تھا جو اس سب میں غلط تھا۔ وہ جب تک اوشن میں پہنچی تھی، تو اندر اندھیرا تھا۔ کوئی آگ نہیں تھی۔ اور پھر ایک دم سے ساری بتیاں جل اٹھی تھیں۔ اس کی سالگرہ کا کیک اس کے سامنے تھا۔ ظہیر سمیت بہت سے لوگ تالیاں بجاتے ہوئے ہیپی برتھ ڈے کہہ رہے تھے۔ وہ ٹھیک سے مسکرا بھی نہیں سکی۔ وہ جلدی میں ایکسیڈنٹ کر آئی تھی۔ اور وہ لوگ اس کو پرینک کر رہے تھے۔

"مادام؟ مادام؟" ٹیکسی ڈرائیور کے پکارنے پہ وہ چونکی۔

وہ ٹیکسی بیکری کے دہانے پر روک چکا تھا اور اب مشین سامنے کیے اسے کارڈ ٹیپ کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ مالا نے گم صم سی ہو کر دروازے کے باہر دیکھا۔ شیشہ بار بار پانی کے باعث دھندلا ہو رہا تھا۔

کیا یہ کوئی پرینک تھا؟

کیا کوئی اس کی میموریز کے ساتھ کھیل رہا تھا؟

"مادام؟" ٹیکسی ڈرائیور کی آواز طیش سے بلند ہوئی۔ اس نے جلدی سے کارڈ ٹیپ کیا اور باہر نکلی۔ بوٹس سے ٹھک ٹھک چلتی وہ چند قدم آگے آئی۔ بیکری کے بند شیشے کے دروازے کے سامنے کارٹن رکھا تھا۔ وہ بھاگ کے اس کے قریب آئی۔ پنجوں کے بل اس کے سامنے رکی۔ اس کی سطح پر ہاتھ لگایا۔ وہ گیلا تھا۔

"اوہ نو۔" اس نے پرس سے چابیاں نکالیں۔ گلاس ڈور کھولا اور کارٹن دونوں ہاتھ میں اٹھائے دروازہ دھکیل کے اندر داخل ہوئی۔ دروازے کا کونا جامنی گھنٹی سے ٹکرایا۔ چھن چھن چھن۔ سناٹے میں گھنٹیاں سی بج اٹھیں۔

اندر نیم اندھیرا تھا۔ وہ کارٹن لیے سیڑھیاں چڑھتی اوپر سٹنگ ایریا میں آئی۔

یہاں پہ کھڑے ہوئے چند دن پہلے ماہر نے اپنی فیملی کے سامنے اعلان کیا تھا کہ وہ شادی کر رہے ہیں۔ اس نے ایک نظر اپنے ادھورے وال مورال کو دیکھا۔ ابھی بیکری چالو نہیں ہوئی تھی لیکن کام تقریباً مکمل ہو چکا تھا۔ لیبر اپنا کام کر کے جا چکے تھے۔ اب صرف اس کا کام رہتا تھا جس کو وہ شادی کے بعد کمپلیٹ کرے گی۔

اس نے ساری بتیاں روشن کیں۔ کوٹ اتار کے ایک طرف رکھا۔ درجہ حرارت سیٹ کیا۔ پھر جلدی سے کارٹن تک آئی۔ ایک پین کی نب سے ٹیپ کو چیرا۔ دائیں بائیں۔ اوپر نیچے۔ کارٹن کا منہ کھولا۔

اندر ایک اور باکس تھا۔ شکر۔ یقیناً لباس گیلا نہیں ہوا ہو گا۔ مالا نے باکس نکال کے سامنے رکھا۔ گہرا جامنی رنگ کا مخملیں باکس۔ اس نے کیسے سوچ لیا کہ ان کی پیکیجنگ اتنی بری ہو گی؟ اطمینان سا اس کے اندر اتر آیا۔

باکس کا ڈھکن کھولا تو اندر بٹر پیپر میں لپٹا لباس نظر آ رہا تھا۔ کسی پرفیوم کی مہک اس سے اٹھ رہی تھی۔ اس نے کھڑ کھڑاتا ہوا بٹر پیپر الگ کیا اور دونوں ہاتھوں سے آئیوری سلک کے گاؤن کو اٹھایا۔ وہ صاف اجلا سا سفید رنگ کا گاؤن تھا۔ پورے آستین اور بہت ہلکا سا کام۔ اور ساتھ اس کا veil۔ بہت خوبصورت، نفیس اور باوقار۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ اتر آئی اور آنکھوں میں پانی۔

سفید رنگ دلہنوں کے لئے خاص تھا۔ عرب، مغرب اور افریقہ میں ہر جگہ دلہنیں سفید پہنا کرتی تھیں۔ سوائے برصغیر پاک وہند کے۔ جہاں دلہنوں نے سرخ رنگ کو اپنایا تھا۔ زیادہ سے شادی پہ بھی اس نے سفید رنگ پہنا تھا۔ لیکن وہ ایک مختلف لباس تھا۔ اس دفعہ وہ کچھ اور پہننا چاہتی تھی۔ اس دفعہ ہر چیز وہ مختلف کرنا چاہتی تھی۔ اس نے بٹر پیپر احتیاط سے واپس اندر ڈالا۔ ڈھکن بند کیا۔

اور اسی پل ایک کھٹکا سا ہوا۔

مالا نے چونک کے گردن پیچھے موڑی۔

ہر طرف خاموشی تھی۔ سناٹا۔ وہ اکیلی وہاں کھڑی تھی۔

آواز بیر بل کے کمرے سے آئی تھی۔

"بیر بل؟ یہ تم ہو؟" اس نے پکارا تو اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

دور پس منظر میں مدھم سا ظہیر کا ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سنائی دیا تھا۔

خطرے کا سرخ الارم اس کے اندر جلنے بجھنے لگا تھا۔

"کون ہے؟"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فریدلار میں ایک شل سا سناٹا تھا۔ کوئی کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا اور سب ماہر کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ وہ فون پہ چلاتے ہوئے چنگیز سے وہ سب کہہ رہا تھا۔ پھر فون نیچے کر کے فیضی حانم کو دیکھا۔

"وہ کہاں گئی تھی؟ کیا اس نے بتایا وہ کہاں ہے؟"

فیضی حانم نے نفی میں سر دائیں بائیں ہلایا۔

"اس نے کہا وہ اپنا پیکیج پک کرنے جا رہی ہے۔"

"وہ اپنا پیکیج کہاں سے پک کرنے گئی تھی؟ ریسیپشن سے؟ پھر وہ اوپر کیوں نہیں آئی؟"

"اس نے کہا وہ ایک گھنٹے تک آ جائے گی۔"

ماہر نے جھنجھلا کے فون کان سے نیچے کیا۔ اب وہ اس ایپ کو کھول رہا تھا جو اس نے مالا کے فون میں ڈال رکھی تھی۔ اس سے وہ دونوں ایک دوسرے کو ٹریک کر سکتے تھے۔

"اس کی لوکیشن چند منٹ پہلے کی آ رہی ہے۔ سریار کے قریب۔ شاید اس کا انٹرنیٹ آف ہے۔ کیا مصیبت ہے۔" وہ جھنجھلا کے مالا کو دوبارہ کال کر رہا تھا۔ اس کا فون آف تھا۔

"بیکری۔" بیربل ایک دم بولا۔ ماہر کے ہاتھ نمبر ملاتے رک گئے۔

"وہ بیکری گئی ہو گی۔ وہ اکثر اپنے پیکجز کے لیے بیکری کا ایڈریس دیتی تھی کیونکہ سارا دن وہ وہیں ہوتی تھی۔ اس روز میرے سامنے بھی اس کو پیکجز ڈیلیور ہوئے تھے۔" بیربل سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

"بیکری۔ آف کورس بیکری۔ صرف وہیں سے وہ بیس منٹ میں واپس آ سکتی تھی۔" اس نے ماتھے کو چھوا۔ پھر تیزی سے باہر کو بھاگا۔ اوور کوٹ نہیں اٹھایا۔ سوٹ کا کوٹ بھی نہیں پہنا۔ اسی طرح سفید شرٹ اور ٹائی میں وہ باہر کو بھاگا تھا۔ اس وقت موسم، بارش، کسی چیز کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

صرف ایک بات اس کو یاد تھی۔

زیاد سلطان اس شہر میں ماہر فرید کی زندگی لینے آیا تھا۔ اور اس کی زندگی کشمالہ مبین تھی۔ وہ اس کی نہیں ہو سکی، تو وہ اسے کسی کا نہیں ہونے دے گا۔

اردل باہر لابی میں ہی کھڑا تھا۔ اسے بغیر کوٹ کے نیچے آتے دیکھ کے بوکھلا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چابی؟" وہ اتنی زور سے چلایا تھا کہ اردل نے بنا کچھ پوچھے گھبرا کے چابی اس کے ہاتھ میں رکھیں۔ وہ بیرونی دروازے کی طرف دوڑ گیا۔ اگلے ہی لمحے اردل نے دیکھا کہ لفٹ کے دروازے کھلے اور ٹراؤزر شرٹ پہ کوٹ پہنتا بیر بل تیزی سے اس کے پیچھے دوڑتا ہوا آیا تھا۔

"میں بھی آ رہا ہوں۔" اس نے پکارا تھا۔ لیکن ماہر اس کو نہیں سن رہا تھا۔ وہ اپنی کار میں بیٹھا اور زن سے اسے آگے نکال کے لے گیا۔

"اردل، میری کار لاؤ۔" بیر بل نے اونچی آواز میں اسے پکارا، تو اردل کو جیسے ہوش آیا۔ وہ valet کی طرف بھاگا۔ کچھ ہوا تھا۔ کیا ہوا تھا؟ اسے نہیں معلوم۔ لیکن کچھ بہت برا ہوا تھا۔

فرید لار کے لونگ روم میں لونا بالکونی کی کھڑکی کے ساتھ کھڑی زور زور سے بھونکنے لگی تھی۔ اس کی آواز میں یاسیت بھی تھی اور رنج بھی۔ ہلال بالکل شل سی گھٹنے موڑے زمین پر بیٹھی تھی۔ گم صم۔ پریشان۔ بدر البتہ ابھی تک اپنے بلاکس کو جوڑ رہا تھا۔ پھر دفعتاً اس نے چہرہ اٹھایا۔ نگاہیں ہلال کے سفید چہرے پہ ٹھہر گئیں۔

"ماما!" اس کے منہ سے نکلا تھا۔

فیضی حانم دوڑ کے اس کے پاس آئیں۔ بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ہلال بھی چونکی تھی۔ پھر اس کے ہونٹوں پہ بے یقین سی مسکراہٹ ابھری۔

"کیا یہ بدر نے کہا ہے؟"

فیضی حانم اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھیں اور خوشگوار حیرت سیاس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیا۔

"دوبارہ کہو، بدر۔"

وہ پھولے پھولے گالوں والا بچہ اب پلکیں جھپکاتا ان کو اسے طرح دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر گزری اور پھر وہ دوبارہ بولا۔

"ماما!"

لیکن اس کی آواز میں تکلیف تھی۔ وہی تکلیف جو لونا کے بھونکنے میں تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کون ہے؟" اس نے باکس ایک طرف رکھ دیا۔ موبائل نکالا۔ سگنل نہیں تھے۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا؟ موبائل جیب میں ڈالا اور سہج سہج کے چند قدم آگے آئی۔

سامنے راہداری تھی جہاں بیر بل کے آفس کا دروازہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں تھیں۔ اگر بیر بل کے علاوہ کوئی آفس میں موجود تھا تو اسے فورا یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ لیکن سیڑھیوں کا دہانہ اس آفس کے سامنے ہی تھا۔

نیچے جانے کے لیے بھی اسے اس کے قریب سے گزرنا تھا۔

ایک دم سے بہت سا خوف اس کے وجود میں سرایت کرنے لگا۔ اس نے ریلنگ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ زیادہ ٹھنڈی تھی یا مالا کا ہاتھ۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

"کوئی ہے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔ آواز کو اپنی طرف سے ہموار رکھا۔ دوسری جانب سناٹا تھا۔ شاید یہ اس کا وہم تھا۔ وہ ایک دم تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ ابھی تین فٹ کا فاصلہ عبور کیا تھا کہ...

"کشمالہ۔"

مالا وہیں پہ جم گئی۔ برف کے مجسمے جیسی۔

یہ نام، یہ آواز، یہ لہجہ، وہ اس سب کو پہچانتی تھی۔

وہ اس سب کو کیسے بھول سکتی تھی؟

اس کے قدم آگے نہیں بڑھ سکے۔

دھیرے سے بیر بل کے آفس کا دروازہ کھلا۔ چرچراہٹ کی آواز آئی۔ یہاں تک کہ وہ پورا کھلتا گیا۔ وہ بے یقینی سے ساکت اس جگہ کو دیکھے گئی۔

اندھیر آفس سے ایک ہیولہ سا نمودار ہوا۔ پھر وہ دو قدم آگے آیا۔

سیاہ پینٹس، سیاہ جیکٹ اور سر پر سیاہ ٹوپی پہنے، ہلکی بڑھی شیو والا زیاد سلطان اور اس کا سپاٹ چہرہ۔

یہ وہ چہرہ نہیں تھا جو اس دن ہسپتال کے فاؤنٹین کے سامنے اسے دکھائی دیا تھا۔

ہ وہ چہرہ تھا جو کینیڈا میں اس فریزنگ کنٹینر میں اسے اکیلا چھوڑ کے چلا گیا تھا۔

یہ وہ چہرہ رہا تھا جس نے جدہ میں اسے قید کر کے رکھا تھا۔

وہ بے اختیار تین قدم پیچھے ہوئی۔ ہونٹ بے یقینی سے کھلے تھے اور آنکھیں وہیں ٹھہر گئی تھیں۔ ان میں الجھن تھی۔ ایک نظر اس باکس کو دیکھا۔ پھر زیاد کو۔

"میں نے اپنے اپارٹمنٹ کا ایڈریس ہی دیا تھا، لیکن تم نے یہ کیا ہے۔ تم نے مجھے یہاں بلوایا ہے؟" وہ تعجب سے پوچھ رہی تھی۔ اسے جیسے یقین نہیں آرہا تھا۔

زیاد نے آفس کا دروازہ بند کیا اور چوکھٹ سے ٹیک لگائے، بازو سینے پر لپیٹے کھڑا اسے دیکھے گیا۔ اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ بغل کے قریب۔ کچھ سیاہ سا۔

"زیاد، ہم ہر چیز کلیئر کر چکے تھے۔ پھر تم نے یہ کیوں کیا؟ تم نے اس طرح مجھے یہاں کیوں بلایا ہے؟"

"تمہارے خیال میں، میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟"

مالا نے نفی میں سر ہلایا۔ ایک قدم پیچھے ہٹی۔ پھر دوسرا قدم۔ یہ نہیں ہو سکتا تھا۔

"اگر تمہیں مجھ سے بات کرنی تھی تو تم مجھے کال کر سکتے تھے۔"

"باتوں کا وقت ختم ہو گیا۔" اس کی آواز گیلی تھی۔ بھرائی ہوئی۔ اور آنکھیں بہت سی نفرت اور دکھ لیے ہوئے تھیں۔

"کیا مطلب باتوں کا وقت ختم ہو گیا؟ ہم ہر چیز ڈیسائیڈ کر چکے تھے۔"

"میں نے اتنے برس تمہارے لئے اتنا سب کچھ کیا، لیکن کبھی تمہیں میری محبت نظر نہیں آئی۔"

حقیقت کسی سرد لہر کی طرح دھیرے دھیرے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کرنے لگی۔ لیکن نہیں۔ وہ یقین نہیں کر سکتی تھی۔

زیاد سلطان کچھ بھی کر سکتا تھا، لیکن وہ اپنے بیٹے کی ماں کو نہیں مار سکتا تھا۔

وہ ایک قدم مزید پیچھے ہوئی۔ ریلنگ کے دہانے پہ۔

"ہم ان باتوں سے آگے نکل آئے ہیں، زیاد۔ میں اپنی نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہوں۔"

"کون سی زندگی؟ میری اور تمہاری زندگی ایک ساتھ جڑی ہے۔ یا یہ ایک ساتھ چلے گی۔ یا یہ ایک ساتھ ختم ہو گی۔"

مالا نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کے ابرو ابھی تک تعجب اور الجھن سے اکٹھے تھے۔ وہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟ تم کیا کرنے آئے ہو؟"

اگر وہ اپنے منہ سے بھی کہتا کہ وہ کیا کرنے آیا تھا، تو شاید وہ یقین نہیں کر سکتی تھی۔

"میں تمہارے لئے جتنا کر سکتا تھا میں نے کر لیا۔ تمہیں بدر کو میرے ساتھ ڈھونڈنا تھا۔ ہمیں ایک فیملی بننا تھا۔ لیکن تم بدر کو ڈھونڈنے کے لئے اسی آدمی کے پاس چلی گئیں۔"

وہ آنکھوں میں بہت سا دکھ اور تپش لئے پوچھ رہا تھا۔

مالا کی نگاہیں اس کے سینے پر لپٹے بازوؤں تک گئیں۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور اس کے آگے سائیلنسر لگا تھا۔ اس نے بے یقینی سے آنکھیں زیاد کے چہرے تک اٹھائیں۔

"تم نے بدر کو اغوا کیا تھا؟"

ماہر کہتا تھا ہمیشہ کہ بدر اپنے باپ کے پاس ہے۔ وہ واحد آدمی جس کو بدر کے اغوا سے فائدہ تھا، وہ زیاد سلطان تھا۔ لیکن وہ تو اس وقت جیل میں تھا۔

یا شاید کشمالہ مبین کبھی تسلیم نہیں کر سکتی تھی کہ اس سے محبت کا دعویٰ کرنے والا شخص اس حد تک جا سکتا ہے۔

"میں نے تمہارے لئے اتنا سب کچھ کیا۔ اس حد تک گیا کہ مجھے اپنا ہی بیٹا خود اغوا کرنا پڑا۔ اور اس عالیان نے سب کچھ خراب کر دیا۔ اگر وہ نہ کرتا، تب بھی تم ماہر فرید کے پاس چلی جاتیں۔ تم نے مجھے کیوں نہیں بلایا؟ میں بھی تمہاری مدد کر سکتا تھا۔"

"تم نے بدر کو اغوا کیا تھا؟" مالا نے بے یقینی سے پلکیں جھپکائیں۔ پھر وہ سب کیا تھا؟ اس کے خواب۔ نیا سرکار۔ وہ کاٹن کینڈی مین۔ کیا وہ سب الوژن تھا؟ نظر کا دھوکہ؟

"تمہیں کبھی مجھ سے محبت تھی ہی نہیں۔ تمہارا پسندیدہ مرد ہمیشہ سے وہی تھا۔ کیف۔ ماہر۔" وہ چوکھٹ سے ٹیک لگائے کھڑا ملامت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو، زیاد؟" مالا کی نگاہ اس کے ہاتھ پہ جم گئی۔ بغل کے قریب آدھا چھپا پستول اسے دکھائی دے رہا تھا۔

"میں نے ماہر سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی زندگی میرے ہاتھوں ہی ختم ہو گی۔ اور میں اپنا وعدہ پورا کرنے آیا ہوں۔"

اس کی آنکھیں زیاد کی آنکھوں تک اٹھیں۔ زیاد کی آنکھوں میں پانی تھا۔ بے بسی۔ نفرت۔ رنج۔

وہ ابھی تک حیران تھی۔

"تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟"

"میں تمہیں اس سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارے بچے کی ماں ہوں، زیاد۔" اس نے بے یقینی سے یاد دلایا تھا۔ زیاد نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"لیکن ماہر سے شادی کر کے تم صرف اس کی بیوی بن جاؤ گی۔ میں تمہیں کھو دوں گا۔ اس لیے بہتر نہیں ہے کہ میں تمہیں ابھی کھو دوں۔" اس نے سینے پر لپٹے بازو کھول دیے۔ اب دایاں ہاتھ سامنے تھا۔ سائیلنسر لگا پستول۔

مالا اس پستول کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ اسی حیرت اور بے یقینی سے زیاد کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"تم اپنے بچے کی ماں کو مار دو گے؟"

"میں ماہر فرید کی زندگی کو ختم کرنے جارہا ہوں۔ کیونکہ تم نے میرے پاس کوئی چوائس ہی نہیں چھوڑی۔ تم یہ سب کچھ ٹھیک کر سکتی تھیں۔"

"تم اپنے ہی بچے کی ماں کو مار دو گے؟" اس کی آواز بلند ہوئی۔ تعجب کے ساتھ اس میں غصہ بھی تھا۔

"تمہارے پاس چوائس تھی، کشمالہ۔ تم، میں اور بدر، ہم ایک نئی زندگی شروع کر سکتے تھے۔ لیکن تم نے اس کو میرے اوپر چنا۔"

"تم مجھے ایک فریزنگ کنٹینر میں مرتا ہوا چھوڑ آئے تھے۔ تم مجھے ذہنی اور جسمانی طور پہ ابیوز کر چکے تھے۔ تم نے اور تمہاری ماں نے اپنے جادوؤں سے میری زندگی اجاڑ کے رکھ دی۔ میری ماں کو مار دیا۔ کیا اب بھی تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہوں گی؟"

"میں نے جو بھی کیا، محبت میں کیا۔ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے۔"

"نہیں جائز ہوتا۔ کچھ بھی جائز نہیں ہوتا۔" وہ بھی اسی کے انداز میں زور سے چلائی تھی۔ آنسو کب اس کی آنکھوں سے گرنے لگے، اسے معلوم نہیں تھا۔

"مجھے کسی بھی چیز پہ افسوس نہیں ہے، زیاد۔ میں نے تم سے طلاق لی۔ اپنے بچے کو خود پالا۔ اور پھر میں نے اپنی زندگی نئے سرے سے شروع کرنے کا سوچا۔ اور اب تم گن لے کر میرے سامنے آ گئے ہو اور چاہتے ہو کہ میں تمہیں منتخب کر لوں؟" وہ جیسے حیران تھی۔ بے یقین تھی۔ صدمے میں تھی۔

زیاد کے چہرے پہ بہت سی بے بسی ابھری۔

"تم اب بھی چوائس کر سکتی ہو۔"

مالا نے نفی میں سر دائیں بائیں ہلایا۔

"میں بے وقوف بھی ہوں اور بہادر بھی۔ میں کبھی بھی تمہیں منتخب نہیں کروں گی۔ میں اگلی سات زندگیوں میں بھی ماہر کو ہی منتخب کروں گی۔ کیونکہ وہ اصل مرد ہے۔ جیسے ایک مرد کو ہونا چاہیے۔ تم نے نہ مجھ سے محبت کی، نہ میری عزت کی، نہ تم نے کبھی مجھے اپنی فیملی سمجھا۔ میں صرف ایک ٹرافی تھی تمہارے لیے۔ رہا ماہر، تو وہ واقعی ہمیشہ سے میرا پسندیدہ مرد ہی تھا۔ کچھ تو تھا اس میں..." اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ زیاد نے ایک دم پستول والا بازو اس پہ تان لیا۔

مالا دو قدم پیچھے ہوئی۔ بے اختیار دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

"اوکے... آئی ایم سوری... آئی ایم سوری۔" اس نے تھوک نگلا۔ "میں جانتی ہوں جو میں نے کیا اس پر تمہیں دکھ ہے۔" آواز ٹوٹ ٹوٹ کے حلق سے نکل رہی تھی اور آنکھیں پستول پہ جمی تھیں۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔

"تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ تم مجھے ماہر کا ہوتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے۔ لیکن اگر تم مجھے مار دو گے تو بدر کا کیا ہو گا؟ وہ ہمارا بیٹا ہے۔ وہ اکیلا رہ جائے گا۔"

آنسو ٹپ ٹپ اس کے چہرے پہ پھسل رہے تھے اور دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑی تھی۔

زیاد کا بازو اسی طرح لمبا تنا ہوا تھا اور ہاتھ ٹریگر پر تھا۔

"تم ایک سیریل کلر ہو۔ عادی قاتل۔ تم مجھے مار کے بہت آسانی سے یہاں سے بچ کے نکل جاؤ گے۔ لیکن بدر کو تم کبھی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکو گے۔ وہ اپنی ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کوئی بھی بچہ اپنی ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ماں چھوڑ کے چلی جائے تو زندگی آدھی ختم ہو جاتی ہے۔ تم میری اور ماہر کی نفرت میں اپنے بچے کو اس کی ماں سے محروم کر دو گے؟"

مالا کے ہوا میں اٹھے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ چمکتے ہوئے پستول کی نال اس پہ جمی تھی۔ زیاد بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتا پستول اس پہ تانے ہوئے تھا۔

"تم اب بھی چوائس کر سکتی ہو۔"

"میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ موت کے خوف سے بھی مالا جھوٹ نہیں بولے گی۔ تم مجھے چھوڑ دو تب بھی میں تمہارا انتخاب نہیں کروں گی۔ میں اور تم کبھی ایک ساتھ نہیں ہو سکیں گے۔ لیکن اگر تم نے مجھے مار دیا تو بدر اکیلا رہ جائے گا۔ تمہاری زندگی ناپائیدار ہے، زیاد۔ تم ایک ملک سے دوسرے ملک بھاگتے پھرتے رہو گے۔ تم کبھی بھی ایک بچے کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ ہمارا بچہ یتیم خانے میں پلے گا۔ کیا تم یہی چاہتے ہو؟"

اسے لگا کہ زیاد کا پہلو میں گرا دوسرا ہاتھ ہلکا سا لرزا ہے۔ بے اختیار مٹھی بھینچ لی۔

اس کی ہمت بڑھی۔

"بدر کا سوچو۔ تمہیں اپنے بچے کی ذرا سی پرواہ تو ہو گی۔ جیسے تم نے ایک ابیوزو بچپن گزارا۔ تمہیں مارا گیا۔ ڈانٹا گیا۔ بے عزت کیا گیا۔ وہی سب بدر کے ساتھ ہو گا اگر وہ کسی کی یتیم خانے میں بڑا ہو گا۔ اس کو محبت نہیں ملے گی۔ اور وہ پہلے ہی آٹیسٹک ہے۔" آنسو گرتے جا رہے تھے۔ اور وہ گیلی آواز میں تیز تیز بولتی جا رہی تھی۔ اس نے پہلی دفعہ اپنے منہ سے اعتراف کیا تھا کہ وہ آٹسٹک ہے۔

"میرا بیٹا بول نہیں سکتا۔ تمہاری اور میری وجہ سے۔ اس نے کبھی ماما نہیں کہا۔ میں نے کبھی اس کے منہ سے اپنا نام نہیں سنا۔ ایسے بچے کو اگر ہم دونوں چھوڑ دیں گے تو وہ کیا کرے گا، زیاد؟"

دونوں ہاتھ اٹھائے اسے محسوس ہوا کہ اس کی ہتھیلیاں کپکپا رہی ہیں۔

"تم مجھے مارنا چاہتے ہو، تو مار دو۔ تمہاری جیت ہو جائے گی۔ لیکن ہمارا بچہ ہار جائے گا۔ وہ ماں کے بغیر سروائیو نہیں کر سکے گا۔ ماں کے بغیر سروائیو کرنا آسان نہیں ہوتا۔" اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ آنسو اتنی تیزی سے ابل رہے تھے کہ لفظ بولے نہیں جا رہے تھے۔

اس نے زیاد کی آنکھ سے آنسو نکلتے دیکھا۔ البتہ بازو اسی طرح سیدھا تنا رہا اور انگلی ٹریگر پر۔

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، کشمالہ۔"

"ٹھیک ہے، میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا۔ لیکن میں نے تمہیں معاف بھی کر دیا تھا۔ میں نے اپنی طرف سے دل صاف کر لیا تھا۔ میں تم سے نفرت نہیں کرتی، زیاد۔ میں نے تمہیں ہر چیز کے لئے معاف کر دیا تھا۔ اور اب میں اپنی زندگی بنانے جا رہی ہوں۔"

وہ بازو لمبا کیے ٹریگر پہ انگلی رکھے اسے سرخ بھیگی آنکھوں سے دیکھے گیا۔

"اگر.... اگر تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہے، تو تمہیں میری خوشی اور میری healing کا خیال ہونا چاہیے۔ تمہیں یہ دیکھنا چاہیے کہ میں کس چیز میں خوش ہوں۔ ہم مل کے اپنے بچے کی کو پیرنٹنگ بھی کر سکتے ہیں۔ تم اس بچے کی زندگی کا حصہ رہو گے۔ اور ایک طرح سے میری زندگی کا بھی۔ چوائس تمہارے پاس ہے۔ لیکن مجھے مارنے کا گلٹ تمہیں زندہ نہیں رہنے دے گا۔ ہر چیز تمہارے لیے ختم ہو جائے گی۔ تم جب جب بدر کو دیکھو گے، تمہیں میرا چہرہ اور میرے اٹھے ہوئے ہاتھ یاد آئیں گے۔ زیاد، کیا تم اتنے بوجھ کے ساتھ زندگی گزار سکو گے؟"

وہ رو رہی تھی۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ وہ مرنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر ٹریپ تھی۔ اسے بالآخر زندگی جینی تھی۔ اس جامنی بوگن ویلیا اور پتھر کے خرگوشوں والے گھر میں۔ اسے اپنا خیمہ لگانا تھا۔ اپنے پسندیدہ مرد کے ساتھ۔ اب تو ہر چیز ٹھیک ہونے جا رہی تھی۔ پھر وہ کیوں ٹریپ ہو چکی تھی؟

زیاد راستے میں کھڑا تھا۔ سیڑھیوں کے راستے میں۔ جہاں سے گزر کے اسے بیکری سے باہر بھاگنا تھا۔ یا اگر وہ کسی طرح بیربل کے آفس میں چلی جائے تو اس کی بالکونی کے دروازے سے وہ باہر بھاگ سکتی تھی۔ اسے اس دروازے کا کوڈ نہیں معلوم تھا۔ کوڈ تو صرف بیربل کو معلوم تھا۔

پھر زیاد اندر کیسے آیا؟

کس نے غداری کی تھی؟

"تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا، کشمالہ۔"

اس نے زیاد کی آنکھوں سے آنسو گرتے ہوئے دیکھے۔ وہ حرکت نہیں کر سکی۔ بس وہ اسے دیکھے گئی۔ بھیگی آنکھوں اور اٹھے ہاتھوں کے ساتھ۔

"زیاد، ایسے مت کرو۔ بدر اکیلا رہ جائے گا۔ بدر کا کیا ہو گا؟"

وہ چند لمحے بھیگی آنکھوں سے اسید یکھے گیا۔

پھر بہت آہستہ سے اس نے پستول والا ہاتھ نیچے گرا دیا۔

مالا کا سانس رک گیا۔ وہ پلک تک نہیں جھپک سکی۔

زیاد نے پستول کو اپنی بیلٹ کے ساتھ اٹکایا اور زینوں کی طرف بڑھ گیا۔ ٹھک ٹھک ٹھک۔ اس کے بوٹس کی چاپ نیچے جاتی سنائی دے رہی تھی۔

وہ برف کا بھیگا مجسمہ بنی کھڑی تھی۔ دھیرے سے ہاتھ پہلو میں گرے۔ ریلنگ سے سر نکال کے جھانکا۔ بے یقینی سے۔ خوف سے۔

وہ دروازہ کھول رہا تھا۔ دروازے کی گھنٹی سے ٹکرانے کی آواز آئی۔ چھنچھناہٹ فضا میں گونجی۔ پھر دروازہ بند ہوا۔

زیاد سلطان جا چکا تھا۔

وہ اس کی جان بخش چکا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر بے یقینی سے وہیں کھڑی رہی۔

وہ درست تھی۔ وہ اسے کبھی نہیں مار سکتا تھا۔ ماہر غلط کہتا تھا۔

جلدی جلدی اس نے ہتھیلیوں سے آنسو صاف کیے۔ باکس اسے بھول چکا تھا۔ موبائل نکال کے دیکھا۔ سگنل نہیں تھے۔ شاید زیاد نے کوئی جیمر لگایا تھا۔

وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف دوڑی۔ قدموں میں جان نہیں تھی۔ ایسا لگتا تھا وہ اس کی جان نکال کر لے گیا ہے۔ بدقت ریلنگ کا سہارا لیا۔

اسے ماہر کے پاس جانا تھا۔ وہ اسے بچا لے گا۔ وہ اس کے قریب ہو گی تو زیاد اسے کچھ نہیں کر سکے گا۔

وہ ڈگمگاتے قدموں سے زینے اترنے لگی۔ ایک۔ دو۔ تین۔

دروازہ قریب تھا۔

اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ جا چکا ہے۔

وہ اس کی جان بخش چکا تھا۔

کیا درست تھا اور کیا غلط؟ سب کچھ آپس میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔

لیکن وہ trapped تھی۔

وہ اس بیکری کے اندر ایک دفعہ پھر trapped تھی۔

وہ فریزنگ کنٹینر میں تھی۔ اور اسے باہر نکلنا تھا۔

اسے بک شیلف گرا کے باہر نکلنا تھا۔

وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

کپکپاتے ہاتھوں سے ڈورناب کھولا۔ دروازہ گھنٹی سے ٹکرایا۔ وہ سوگوار سی جھنجھناہٹ پھر سے گونجی۔

ٹھنڈی ہوا کا تھپیڑا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

مالا نے بے جان قدم باہر نکالے۔

دروازہ واپس پیچھے کو آیا اور بند ہو گیا۔

وہ چوکھٹ میں ٹھنڈ میں کھڑی تھی۔ پلکیں جھپکا کے باہر دیکھا۔ بارش تیز برس رہی تھی۔ قطرے سڑک پر گر رہے تھے۔ یہ کب شروع ہوئی اسے اندر آواز نہیں آئی تھی۔

چند گاڑیاں تیزی سے سامنے سے گزر رہی تھیں۔

زیادوہاں پہ کہیں نہیں تھا۔ وہ جا چکا تھا۔ وہ اس کی جان بخش کے جا چکا تھا۔

مگر ماہر کہاں تھا؟

وہ جانتی تھی وہ آئے گا۔ وہ اسی سمت میں دیکھ رہی تھی۔ اسے ہمیشہ پہلے سے معلوم ہو جاتا تھا۔ آج بھی ہو گیا تھا۔

شیشے کے دروازے کے سامنے کھڑی ٹوپی پہنے کھڑی لڑکی نے دیکھا۔

دور سامنے پارکنگ میں ماہر کی سیاہ کار تیزی سے رکتی دکھائی دی تھی۔

سڑک کے پار وہ دروازہ کھول کے باہر نکلا۔ بنا کوٹ کے سفید شرٹ پہنے۔ اس نے بیکری کو دیکھا۔ چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ مالا پہ نگاہ پڑی تو جیسے سکون کا سانس ہونٹوں سے خارج ہوا۔ اس نے ماہر کے ہلتے ہوئے ہونٹ دیکھے۔ آنسو پھر سے آنکھوں سے ٹپکنے لگے۔ وہ اس کا نام لے رہا تھا۔ اب وہ اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

بیکری گلی کے کارنر پر تھی۔ تین سڑکیں وہاں تین طرف سے نکلتی تھیں۔

بائیں طرف سے ماہر اس کی طرف آ رہا تھا۔

اور تب کشمالہ نے دیکھا۔

ایک لمحے کے لیے۔

سامنے سیدھ میں ایک نیلی جیپ کھڑی تھی۔

اس کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں۔

اسے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا سیاہ ٹوپی والا زیاد سلطان دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ اسٹیئرنگ وہیل پر تھے۔

مالا کے آنسو تھم گئے۔ آنکھیں پلک جھپکنا بھول گئیں۔

وہ شیشے کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ بالکل ساکت برف کے مجسمے کی طرح۔

بس ایک لمحے کی بات تھی۔

ایک لمحہ لگتا ہے ہر چیز پلٹنے میں۔

اس نے تیز ہیڈ لائٹس دیکھیں۔

اس نے تیزی سے جیپ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔

اتنی تیزی سے کہ وہ ہل نہیں سکی۔

اور اس نے دور کہیں سے ماہر کو پکارتے سنا۔

نیلی جیپ کسی طوفان کی طرح اس سمت میں آئی تھی۔

کشمالہ نے دونوں بازو چہرے کے آگے کر لیے۔

اگلے ہی لمحے وہ جیپ اسے روندتی ہوئی بیکری کے اندر داخل ہو گئی۔

چھناکے سے بہت شیشے ٹوٹے۔

جامنی گھنٹی زور سے فرش پر آ گری۔

ہر طرف کرچیاں تھیں۔

چیخیں تھیں۔

اور بہت سا خون۔

بس ایک کار کریش۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر نے کار بیکری سے دور سڑک کے کنارے کھڑی کی تھی۔

آگے پارکنگ نہیں تھی اور اس وقت اسے کار اٹھائے جانے کی پرواہ نہیں تھی۔

وہ تیزی سے ڈرائیونگ ڈور سے باہر نکلا۔ نگاہ بیکری کے دروازے تک گئی۔

رستی بارش اور گیلی سڑک کے پار وہ دیکھ سکتا تھا۔

مالا دروازے پہ کھڑی تھی۔ ٹوپی پہنے، سفید سوئیٹر اور بھورے اسکرٹ والی لڑکی۔

اس کا چہرہ آنسوؤں سے ترگلابی ہو رہا تھا۔

اس کی نگاہ بھی وہیں اٹھی تھی۔

ماہر کو دیکھ کے آنسو تیز ہو گئے تھے۔

وہ ٹھیک تھی۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ بس چند فٹ کے فاصلے پر۔

اور وہ رو رہی تھی۔

اس کو دیکھ کے لگا کہ جیسے اس کی ساری زندگی مکمل تھی۔

ایک سکون کا سانس اس کے ہونٹوں سے خارج ہوا۔ اس نے مالا کے ہلتے ہونٹ دیکھے۔ بنا آواز کے اس نے پکارا تھا ۔ماہر۔ وہ رو رہی تھی۔ اور جیسے وہ تھک چکی تھی۔

اسے لگا اگر وہ آگے نہیں بڑھے گا تو وہ وہیں کھڑے کھڑے نڈھال سی گر جائے گی۔

اس نے دروازہ بند کیا اور تیزی سے اس طرف قدم بڑھائے۔

آسمان سے برستا پانی اس کے بالوں اور سفید شرٹ کو لمحوں میں بھگو گیا تھا۔

ابھی اس نے چار قدم بڑھائے ہی تھے کہ اس ایک لمحے میں کچھ ہوا۔

ایک تیزی سے آتی نیلی جیپ۔

اسے صرف کن انکھیوں سے جھلک دکھائی دی۔

ایک لمحہ۔ ایک لمحہ کچھ نہیں ہوتا۔

اور ایک لمحہ بہت کچھ ہوتا ہے۔

ماہر نے اگلا قدم بڑھایا بھی نہیں تھا جب کسی بے مہار ہاتھی کی طرح وہ دیو ہیکل جیپ فل اسپیڈ سے مالا تک آئی۔

اس ایک لمحے میں اس نے صرف مالا کا چہرہ دیکھا۔ جو اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی تھی۔ بس اس کے جسم نے ریفلیکس ایکشن کے طور پہ دونوں بازو چہرے کے آگے کر لیے تھے۔

وہ چلا بھی نہیں سکا۔

ایک چیخ تھی جو حلق میں گھٹ گئی تھی۔

وہ سڑک کے وسط میں تھا۔ قدم زنجیر ہو چکے تھے۔

اور شیشوں کے ٹوٹنے کا دھماکہ ہر شے پہ بھاری تھا۔

اس نے جیپ کو شیشے کے دروازے میں گھستے دیکھا۔ ایسے کہ دروازہ چھناکے سے ٹوٹ گیا۔

اس نے جیپ کے کھلتے ہوئے ائیر بیگز دیکھے۔

اس نے اپنے قدموں کو تیزی سے بیکری کے ٹوٹے ملبے کی طرف بھاگتے دیکھا۔

کرچیاں۔ لکڑی کے ٹکڑے۔ چیخوں کی آواز۔

وہ دوڑتے ہوئے بیکری کے کھلے دہانے سے اندر آیا۔ گردن دائیں بائیں موڑی۔ ہر طرف دھواں تھا جو شاید جیپ کے انجن سے نکل رہا تھا۔ وہ وہیں رکی کھڑی تھی۔

ٹوٹی ہوئی گھنٹی اس کے پیر سے ٹکرائی۔ وہ لڑکھڑا کے گرا۔ گھٹنے زمین پر لگے اور دونوں ہاتھ بھی۔ بہت سی کرچیاں جلد میں پیوست ہوتی محسوس ہوئیں۔ لیکن اس کا جسم بھی ویسے ہی شل تھا جیسے ذہن۔ اسے لگا وہ دوبارہ اٹھ نہیں سکے گا۔ لیکن اسے اٹھنا تھا۔

اسے اس کو ڈھونڈنا تھا۔

سفید سوئیٹر اور بھورے اسکرٹ والی لڑکی کو۔

وہ ہتھیلیوں سے زمین پر زور دیے اٹھ کھڑا ہوا۔ کرچیاں ہاتھوں میں پیوست ہوئیں۔ خون بہنے لگا۔ وہ لنگڑاتا ہوا چند قدم آگے آیا۔ اور وہیں وہ اسے نظر آگئی۔ وہ سر کے بل زمین پر گری تھی۔

ماہر کی حلق میں دبی چیخ دوبارہ نہیں نکل سکی۔

وہ اسی طرح بے یقینی سے، حیرت سے قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا۔

پھر گھٹنوں کے بل وہیں بیٹھتا چلا گیا۔

وہ پلک نہیں جھپک پا رہا تھا۔ حیران، شل نگاہیں اس کے وجود پہ جمی تھیں۔

وہ سر کے بل گری تھی۔ ٹوپی کہیں دور جا گری تھی۔ سفید سوئیٹر کے وسط میں بہت سا خون تھا۔ اور ایک ٹوٹا شیشے کا ٹکڑا جو اس کی گردن میں لگا تھا۔ اس کے باعث وہ تھوڑی سیدھی نہیں کر سکتی تھی۔ دھیرے دھیرے سانس لیتی وہ چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے انہی شل نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ گھٹنوں کے بل اس کے سر کے قریب بیٹھا تھا۔ اس کا جسم کچھ بھی کرنے سے انکاری تھا۔ نہ ہاتھ ہل رہے تھے۔ نہ حلق سے آواز نکل رہی تھی۔

وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس لڑکی کے سر کے پیچھے سے خون نکل کے ارد گرد ایک تالاب بنا رہا تھا۔ خون کہاں کہاں سے نکل رہا تھا؟ وہ کہاں کہاں ہاتھ رکھ کے اس کا بہاروک سکتا تھا؟ اس کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔ ذہن بالکل سن تھا۔ اور ہاتھ اٹھنے سے انکاری تھی۔

وہ سبز آنکھیں چھت پہ جمی تھیں۔ پلکیں جھپکاتی اس کی سانس سے خراہٹ کی سی آواز آ رہی تھی۔ ہونٹ بار بار کپکپاتے تھے۔ اس نے نگاہیں دھیرے سے موڑی تھیں۔ ساکت سا ماہر فرید گھٹنوں کے بل اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔ سفید شرٹ اور ہاتھوں پہ خون تھا۔ اور وہ کسی برف کے مجسمے کی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔

اس کی سبز آنکھوں میں پانی بھر رہا تھا۔ اس نے ہونٹ بدقت ہلائے۔ لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔ بس آنکھ میں پانی جمع ہوتا گیا۔ ایک آنسو آنکھ سے نکل کنپٹی سے لڑھکتا بالوں سے رستے خون میں گم ہو گیا۔

اس آنسو میں بہت کچھ تھا۔

وہ تین بہن بھائی ایک فربہہ عورت کے ساتھ لگے کھڑے تھے۔ اور وہ آدمی پاسپورٹ اور بیگ لیے ائیر پورٹ پر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا باپ اسے چھوڑ کے رزق کی تلاش میں سعودی عرب چلا گیا تھا۔ اور پھر وہ اس فیملی کا باپ بن گئی تھی

وہ تیزی سے کار ڈرائیو کر رہی تھی... اوشن میں آگے لگی تھی اور اسے اپنی قیمتی چیزوں کے لیے اوشن پہنچنا تھا... جب سامنے ایک آدمی بونٹ سے آ ٹکرایا تھا...

وہ مری ہوئی فاختہ اس کے ہاتھوں میں تھی اور وہ ناخنوں سے مٹی کھود رہی تھی...

وہ تینوں ایک ہی رضائی میں ماں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ درمیان میں مونگ پھلی رکھی تھی۔ اس نے جرابیں نہیں پہن رکھی تھیں اور پیر ٹھنڈے تھے، اور ماہی کے پیر گرم تھے...

ماں کروٹ کے بل سوئی تھیں۔ وہ صبح اٹھ کے ان کی طرف آئی تھی۔ ان کا چہرہ سفید تھا۔ وہ جا چکی تھیں۔

اس نے بک شیلف اس آدمی پر زور سے دھکیلا تھا۔ وہ اس کے سر پر ٹوٹا تھا۔ ہر طرف لکڑی کے ٹکڑے تھے...

وہ ناخنوں سے مٹی کھود رہی تھی۔ انگلیاں گرد آلود ہو چکی تھیں۔

ٹھنڈی فاختہ کو اس نے گڑھے میں ڈال دیا تھا۔

اب وہ اس کے اوپر مٹی ڈال رہی تھی۔

بالآخر وہ trapped نہیں تھی۔

بالآخر فاختہ آزاد تھی۔

اس نے مالا کی آنکھ سے لڑھکتا آنسو بالوں میں گم ہوتے دیکھا۔ بہت سی آوازیں پس منظر میں آ رہی تھیں۔ پولیس کے سائرن جو اس کی اطلاع پہ ایمبولینس سے پہلے آئے تھے۔ کہیں بیر بل کی آواز بھی تھی۔ لوگ چیخ رہے تھے۔ دوڑتے قدم اندر آ رہے تھے۔ اور وہ اسی طرح بیٹھا تھا۔ شل۔ بے یقین۔ الجھن بھرا چہرہ لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"فارنر... فی میل... ارلی تھرٹیز... کارکریش..." پیرامیڈک پولیس والے کو اطلاع کر رہی تھی۔ دو لوگ کشمالہ کے اوپر جھکے تھے۔ وہ اس کو اسٹریچر پر ڈال رہے تھے۔ کسی نے گردن میں پیوست شیشے کا بڑا سا ٹکڑا کھینچ نکالا تھا۔ خون کا فوارہ ماہر کے اوپر آیا تھا۔ اس کے چہرے پر۔ شرٹ پر۔

"کیا وہ زندہ ہے؟" ایک پولیس اہلکار اونچی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

پیرامیڈک نے ہاتھ سے اس کی نبض کو چھوا۔

ایکدو اس نے ہر نبض کو چھوا تھا۔

پھر چہرہ اٹھا کے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں۔ وہ مر چکی ہے۔" پھر کلائی پر بندھی گھڑی دیکھی۔

"ٹائم آف ڈیتھ... ایک بج کر چالیس منٹ۔"

اب وہ اس کے خون آلود وجود کو اٹھا کے اسٹریچر پر ڈال رہے تھے۔

"مجھے ایک باڈی بیگ چاہیے۔" پیرامیڈک اسی طرح چلا کے ہدایات دے رہی تھی۔

اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا انہی شل نظروں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی شرٹ پانی اور خون سے بھیگی تھی۔ کسی نے اس کے کندھوں پر کچھ ڈالا تھا۔ گرم کمبل۔ یا شاید کوٹ۔ لیکن سردی، پانی، ہر چیز کا احساس ختم ہو چکا تھا۔

"اٹھو، ماہر۔" کوئی اس کو بازو سے پکڑ کے اٹھا رہا تھا۔ بہت سا شور تھا۔ آوازیں۔ ایمبولینس کے سائرن۔

اس نے ششدر سا چہرہ اٹھا کے اس شخص کو دیکھا۔ گھنگھریالے بالوں والا، گردن میں چین پہنے، کان میں بالی والا نوجوان ساتھ ہی کچھ کہہ رہا تھا۔

"ہم اس کے ساتھ ہاسپٹل جائیں گے۔" پیچھے سے کسی نے پکارا تھا۔

"وہ مر چکی ہے۔ لیکن ڈیڈ باڈی کی تصدیق کے لیے آپ کو ہمارے ساتھ چلنا..."

"اٹھو، ماہر۔"

اس نے خود کو کھڑے ہوتے دیکھا۔ پنڈلیوں میں بھی بہت سی کرچیاں چبھی تھیں۔ کوٹ کندھوں سے پھسل کے نیچے گر گیا۔ کسی اور نے اس کا کوٹ پھر سے درست کیا تھا۔

وہ اجنبی نظروں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ بھی ذہن میں رجسٹر نہیں ہو رہا تھا۔ فرش پر خون تھا۔ پولیس والے گھٹنوں کے بل جھکے تصویریں لے رہے تھے۔ جگہ جگہ نمبرز لگا رہے تھے۔ نمبرز جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔

وہ اس کے وجود کو باڈی بیگ میں ڈال رہے تھے۔

پھر کسی نے زور سے زپ کھینچی۔

سیاہ بیگ کی زپ پیروں سے بند کرنا شروع کی۔ ماہر کی نگاہیں زپ پہ ٹھہر گئیں۔ زپ اوپر آتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے چہرے کے اوپر سے بیگ بند کرتی کونے تک چلی گئی۔ بھورے بالوں کی ایک لٹ زپ میں پھنس گئی تھی۔ جو بیگ سے باہر نکل رہی تھی۔ وہ اس کو دیکھے گیا۔ بیگ اسٹریچر پر ڈالے وا اسے دھکیل رہے تھے۔ وہ بالوں کے اس پھنسے ہوئے ٹکڑے کو دیکھ رہا تھا جس سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

ہر چیز سلو موشن میں ہو رہی تھی۔ کسی گونگی فلم کی طرح۔

ایک دھند سی تھی جو ماہر کی آنکھوں کے آگے چھائی تھی۔

ہر طرف دھواں تھا۔

وہ دھواں چھٹا تو اس نے سر جھکا کے خود کو دیکھا۔

وہ ایک سرد کاریڈور میں بینچ پر بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھوں پر بینڈ یج بندھے تھے۔ آستینوں سے لگتا تھا اس نے کوٹ پہن رکھا ہے۔ اس نے چہرہ اٹھا کے دائیں بائیں دیکھا۔

کاریڈور میں بہت سے لوگ تھے۔ دیواروں سے ٹیک لگائے۔ بینچ پر بیٹھے۔ دائیں بائیں ٹہلتے۔

وہ ان میں سے کسی کا چہرہ نہیں پہچانتا تھا۔ شاید وہ ان میں سے سب کو پہچانتا تھا۔

ایک دیوار سے گھنگھریالی پونی والا نوجوان ٹیک لگائے چہرہ ہاتھوں میں گرائے کھڑا تھا۔ بار بار نفی میں سر ہلاتا۔

پھر دور سے کوئی آتا دکھائی دیا۔ قدموں کی چاپ۔ ماہر نے اس طرف نہیں دیکھا۔ وہ سامنے دیکھتا رہا۔ ایک اہلکار چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

گھنگھریالی پونی والا نوجوان آگے بڑھا۔ اہلکار کو بازو سے تھاما اور ایک طرف لے گیا۔

وہ اسی طرح شل سامنے دیکھے گیا۔ سماعتوں میں آوازیں گونج رہی تھیں۔

"مجھے بتائیں۔ اس سے بات مت کریں۔ وہ شاک میں ہے۔"

آواز قدموں کی چاپ کے ساتھ دور جا رہی تھی۔ پلاسٹک کے پیکٹ کی کھڑ کھڑاہٹ کی آواز آئی۔

"یہ وکٹم کے پرسنل effects ہیں۔ ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔"

بیر بل نے پیکٹ تھاما۔ اس میں کچھ چیزیں دکھائی دے رہی تھیں۔ کراس باڈی بیگ۔ ٹوٹا ہوا فون۔ اور ایک فاختہ والا لاکٹ۔

"تھینک یو۔" کسی نے زور سے بیر بل کے ہاتھ سے وہ پیکٹ کھینچا۔ اس نے چونک کے دیکھا۔ زارا پولیس والے کو شکریہ کہتی تیزی سے پیکٹ کی زپ لاک کھول رہی تھی۔ مٹھی اندر ڈالی۔ نوچ کے فاختہ والا لاکٹ نکالا۔ پیکٹ بند کیا اور اسے بیر بل کے ہاتھوں میں تھمایا۔ وہ انہی نظروں سے اسے دیکھے گیا تو زارا نے کندھے اچکائے۔

"جو میرا ہے وہ میرا رہے گا۔"

"تم چلی جا یہاں سے۔ اس سے پہلے کہ میں ماہر کو بتا دوں تم نے کیا کیا ہے۔"

اس کی دبی دبی غصے والی آواز اس شل بیٹھے مجسمے کو کہیں نہ کہیں سنائی دے رہی تھی۔

"میں نے کیا کیا ہے؟ یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا۔"

"میرے کمرے کا پاس کوڈ صرف فیملی کو معلوم تھا۔ تمہیں معلوم تھا۔ اور مالا نے کس ڈیزائنر کو ڈریس دیا تھا، وہ بھی تمہیں معلوم تھا۔ تم نے اس کے پیکیج کی ڈلیوری چینج کروائی تھی۔"

"اوہ پلیز۔ تمہیں لگتا ہے زیاد سلطان جیسے ماہر سیریل کلر کو میری مدد کی ضرورت ہو گی اور وہ چیزیں خود سے نہیں کر سکے گا؟"

Exactly"۔اسے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں تھی، زارا۔وہ صرف تمہیں اس خون میں شریک کرنا چاہتا تھا۔ ".Please leave

مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز اسے سنائی دے رہی تھی۔

وہ کندھوں پر کمبل ڈالے گیلے بالوں اور خون آلود شرٹ کے ساتھ بینچ پر بیٹھا سامنے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ہیلز کی آواز سنی۔ لانگ بوٹس والی ٹانگیں قریب آئیں۔ اس کے ساتھ بینچ پر وہ بیٹھی۔ اس کا پرفیوم فضا کو معطر کر گیا۔ وہ اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کے کہہ رہی تھی۔

" ماہر، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ آئی ایم سو سوری جو بھی ہوا۔ میں پھر آؤں گی۔"زارا نرمی سے کچھ کہہ رہی تھی۔ہاتھ اس کے گھٹنے پر تھا جہاں کرچیاں چبھی تھیں۔ اسے بالآخر درد محسوس ہونے لگا تھا۔ مگر وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی۔ پھر لانگ بوٹس اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کی دور جاتی چاپ سنائی دینے لگی۔

دوسری طرف سے کوئی اور اس کے قریب آ کے بیٹھا تھا۔ سلیولیس جیکٹ اور مونچھوں والا آدمی۔ کیا وہ اس کو پہچانتا تھا؟

"تم درست تھے۔زیاد سلطان نے اسائنمنٹ اپنی قید کے دوران ہی مکمل کر لی تھی۔ جن دنوں بدر کو گلاطہ ٹاور میں کینڈی مین ملا تھا، ان دنوں زیاد سلطان استنبول میں ہی تھا۔بدر کو اغوا کرنے کے بعد وہ حکومتی معاہدے کے مطابق جیل واپس چلا گیا۔ ایسی ڈیلز حکومتیں وقت پہ ظاہر نہیں کرتیں۔ جب اس کی رہائی کا وقت آن پہنچا تو اس نے ظاہر کیا کہ وہ اب اسائنمنٹ کرنے لگا ہے۔ حالانکہ ہر چیز وہ وقت پہ پہلے ہی کر چکا تھا۔ اس نوجوان جادوگر نے ہمیں بدراہ کیا اور ہم غلط سمت میں چل پڑے۔ اگر ہم سارا فوکس تمہاری حفاظت پہ نہ لگاتے تو شاید ہم مالا کو بچا لیتے۔"

"کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔"ماہر نے خود کو کہتے سنا۔ بھوری آنکھیں سامنے دیوار پہ جمی تھیں۔ پھر اسے محسوس ہوا کہ اس آدمی کا بھاری ہاتھ اس کے کندھے کو تھپک رہا ہے۔

"جیپ سے بیکری پہ چڑھائی کرنے کے بعد سی سی ٹی وی فوٹیج کے مطابق اس کی کار کے ایئر بیگز کھل گئے تھے، جن کے باعث وہ زیادہ زخمی نہیں ہوا تھا۔ چند لوگوں نے اسے کار سے نکل کے پچھلی گلی کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔ اس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن وہ اتنا زخمی نہیں تھا کہ بھاگ نہ سکتا۔ تب سے اس کا کوئی پتا نہیں ہے۔ اس کی کار سے صرف ایک جیمر ملا ہے، جس کی وجہ سے مالا وقت پہ کسی کو کال نہیں کر سکی تھی۔ کار رینٹل تھی۔ اس نے جعلی شناخت استعمال کی تھی۔ اس کے علاوہ اس کا کوئی نام و نشان نہیں ملا۔ ہر دفعہ کی طرح زیاد سلطان پھر سے غائب ہو چکا ہے۔"

وہ دھند پھر سے چھانے لگی۔ کسی سلو موشن بنا آواز کے فلم کی طرح۔ دنیا پھر سے گونگی ہو گئی۔

دور کہیں ایک اور عمارت میں وہیل چیئر پر بیٹھا بوڑھا شخص عینک لگائے ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ عمار تیزی سے بھاگتا اس کے قریب آیا۔ ہاتھ میں فون تھا جس پہ کال جاری تھی۔

عبد المالک فرید نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ دھیرے سے عینک اتاری۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکے۔ وہ پھولی سانسوں کے درمیان رک رک کے بتا رہا تھا۔ عینک ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ گود میں جا گری۔ کتاب بند کر دی۔ ہاتھ سے پیشانی کو چھوتے ہوئے آنکھیں بند کر کے چہرہ جھکا دیا۔ پلکیں بھیگ گئیں۔ عمار پنجوں کے بل سامنے بیٹھا بوکھلائے ہوئے انداز میں تفصیلات بتا رہا تھا۔ تب انہوں نے چہرہ اٹھایا۔ کریلے کے خول جیسی جھریوں والا چہرہ۔

"تمہیں معلوم ہے تم نے کیا کرنا ہے۔" انہوں نے خود کو کہتے سنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دھند بڑھتی جا رہی تھی۔

ماہر نے پلکیں جھپکائیں۔

اب کے وہ چھٹی تو سامنے دور تک پھیلا سبزہ زار تھا۔ گھاس پر بنی اونچی نیچی قبریں۔

اور وہ ایک کے سامنے کھڑا تھا۔ اس پہ کچی مٹی تھی اور تازہ جامنی پھول رکھے تھے۔ جامنی پھول اور سبز پتے۔

وہ گرے سوٹ میں ملبوس تھا۔ بال جیل سے پیچھے سمیٹتے تھے۔ چہرہ پہلے سے کمزور اور بے رونق تھا اور آنکھیں اس کے کتبے پہ لگی تھیں۔

اس کے پیچھے لوگ مڑ مڑ کے واپس جا رہے تھے۔ ایک طرف گھنگھریالے بالوں والی لڑکی ایک بچے کا ہاتھ پکڑے وہاں سے پلٹ رہی تھی۔ ایک بوڑھی ملازمہ ان کے ساتھ تھی۔

ایک وہیل چیئر پر بیٹھا بوڑھا آدمی قبر سے رخ موڑے درختوں کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اس کا سوٹ میں ملبوس ملازم اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

ماہر ان سب کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ صرف ہاتھ باندھے کھڑا اس قبر کے کتبے کو دیکھ رہا تھا۔ اس پر لکھا نام۔ اس پر درج تاریخیں۔

ٹائم آف ڈیتھ۔ ایک بج کر چالیس منٹ۔

اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا ہے۔ ماہر فرید نے چہرہ اس طرف موڑا۔

وہ گرے بھاری کوٹ والی لڑکی تھی۔ چھوٹے باب کٹ بال، رو رو کے متورم آنکھیں اور سرخ ہوتی ناک، گرم اسکارف چہرے اور گردن کے گرد لپیٹے، وہ قبر کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ بہت سی ملامت لیے اس کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ کو میری بہن کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ آپ کو اسے بچانا تھا۔ آپ نے اس کو بچانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن آپ نے اس کے لیے کچھ نہیں کیا۔"

وہ انہی بے تاثر آنکھوں سے اسے دیکھے گیا۔

"کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا، ماہی۔"

لڑکی نے گیلی سانس ناک سے کھینچی۔ نفی میں سر ہلایا۔

"اس نے آپ کی زندگی پیچیدہ نہیں بنائی تھی۔ آپ نے اس کی زندگی پیچیدہ بنادی۔ آپ کی ضد میں زیادنے یہ سب کچھ کیا ہے۔ میری بہن کا مجرم صرف اور صرف ماہر فرید ہے۔"

اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس اسے دیکھے گیا۔ وہ اب گیلی بلند آواز سے کہہ رہی تھی۔

"میں بدر کو یہاں نہیں رہنے دوں گی۔ میں اس کو واپس لے کر جاؤں گی۔"

"مالا نے مجھے اس کا گارڈین مقرر کیا تھا۔ وہ میرے ساتھ رہے گا۔" اس نے خود کو کہتے سنا۔ اس کی آواز کسی پتھر کی طرح سخت تھی۔

وہ لڑکی مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں دنیا کی ہر عدالت میں جاؤں گی۔ اور میں اپنے بچے کو اس کی فیملی کے پاس واپس لے کر جاؤں گی۔ آپ مالا کے کچھ نہیں لگتے۔ آپ کا اس بچے پر کوئی حق نہیں ہے۔ وہ ہمارا بچہ ہے۔ وہ میرے بچوں کے ساتھ بڑا ہو گا۔" وہ چلا رہی تھی۔

ماہر چند لمحے اسے اسی طرح دیکھے گیا۔ پھر چہرہ واپس قبر کی طرف موڑ لیا۔

"میں بدر کو نہیں دوں گا۔"

وہ ابھی تک غصے سے کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر وہ پلٹ گئی۔ تب اس نے گھاس پہ بے چاپ قدموں کی آواز سنی۔ ہر آواز اب بہت بڑی ہو کے سنائی دیتی تھی۔ لمبے گھنگھریالے بالوں اور بے نور آنکھوں والی لڑکی اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔

"وہ کیوں کہہ رہی ہے کہ وہ بدر کو ساتھ لے جائے گی؟" اس کی آواز میں پریشانی تھی۔

"کیونکہ وہ غصے میں ہے۔" وہ قبر کے کتبے کو دیکھ رہا تھا۔ اس پر مالا کے نام کے اوپر ایک فاختہ بنی تھی۔

"غصے میں؟"

"Grief کے پانچ stages ہوتے ہیں۔ انکار۔ غصہ۔ سودا۔ ڈپریشن۔ اور قبولیت۔ وہ دوسرے اسٹیج پہ ہے۔"

قبرستان میں خاموشی چھا گئی۔ دور کہیں پرندوں کا کوئی اداس غول اڑ رہا تھا۔

"میں سمجھی تھی بدر اور میں ساتھ بڑے ہوں گے کیونکہ آپ دونوں ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ آئی ایم سوری، ماہر بھائی، میں اپنے اشارے کو غلط سمجھی تھی۔"

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔

"کوئی مستقبل نہیں جانتا، ہلال۔"

دھند پھر سے چھانے لگی۔ یہاں تک کہ وہ قبرستان کے سارے درختوں اور قبروں کے کتبوں کے اوپر کسی کمبل کی طرح بیٹھ گئی۔

اس نے پلکیں جھپکائیں۔

دھند چھٹ گئی تھی۔

وہ تیز قدموں سے ایک راہداری میں چل رہا تھا۔ عمار اس کے ساتھ تھا۔ وہ ایک پرانا ویئرہاس تھا۔ جس کے دروازے کے قریب رک کے عمار اس کی جانب پلٹا تھا۔

سوٹ میں ملبوس پتھریلے چہرے والے ماہر فرید کو دیکھ کے عمار نے گہری سانس لی۔

"یہ مالک صاحب کا حکم تھا۔ جب تک وہ زندہ ہیں، میں ان کا حکم نہیں ٹال سکتا۔" اس نے جیسے ماہر کو متنبہ کیا تھا۔ ماہر نے ابرو اٹھایا۔

"دروازہ کھولو۔"

عمار نے ڈور ناب گھمایا اور دروازہ کھولا۔

سامنے ایک کمرہ تھا۔ بہت بڑا نہیں۔ سرمئی دیواریں۔ کاٹھ کباڑ۔ ایک وہیل چیئر کمرے کے وسط میں رکھی تھی۔ تین باوردی مسلح آدمی دائیں بائیں کھڑے تھے۔

وہیل چیئر پر عبدالمالک فرید بیٹھے تھے۔ ان کا رخ سامنے کی جانب تھا۔ ماہر نے ان کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ مالک فرید سے چند فٹ کے فاصلے پر گھٹنوں کے بل ایک آدمی بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کو بندھے تھے اور شاید پیر بھی۔ اس کے منہ پر ٹیپ تھی اور وہ سر جھکائے ہوئے تھا۔

ماہر کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا۔ وہ قدم قدم چلتا عبدالمالک فرید کے ساتھ والی خالی کرسی تک آیا۔

سوالیہ نظروں سے پہلے ان کو دیکھا۔ پھر سامنے بندھے ہوئے بے بس آدمی کو۔ نظریں اس کی ٹانگ تک گئیں۔ اس پر پٹی تھی۔ شاید اس کا زخم بھر گیا تھا۔ آہٹ پہ اس نے چہرہ اٹھایا۔ نگاہیں ماہر سے ملیں۔ ان آنکھوں میں بہت کچھ تھا۔

"بیٹھو، ماہر۔" عبدالمالک فرید نے سپاٹ چہرے سے ساتھ والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چپ چاپ وہاں بیٹھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جمالی۔ اس کے بوٹ مدھم روشنی میں بھی چمک رہے تھے۔

"مالا کی جان لینے کے بعد یہ اسی بار میں بیٹھا تھا جہاں سے ہم نے اس کو پہلے ڈھونڈا تھا۔ نہ بھی ہوتا تو میں اس کو اس شہر میں کہیں سے بھی ڈھونڈ نکالتا۔"

اب زیاد سلطان کو دیکھتے ہوئے عبد المالک فرید کا لہجہ برف جیسا نہیں رہا تھا۔ اس میں تپش تھی۔ غصہ تھا۔ انگارے تھے۔

ماہر اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ اس آدمی کو دیکھے گیا۔ زخمی۔ بے بس۔ بندھے ہوئے ہاتھ پیر۔ وہ نفی میں چہرہ ہلا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ایک آدمی نے جھک کے اس کے منہ سے ڈکٹ ٹیپ کھینچی۔ شڑپ کی آواز آئی اور وہ اس کے ہونٹ چھیلتی ہوئی الگ ہوئی۔

"میں یہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ آئی ایم سوری۔ میں یہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔" وہ نفی میں سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ "میں نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اس کی جان بخش دی تھی۔ میں واپس جا رہا تھا۔ پھر میں نے تمہیں دیکھا۔" بھیگی آنکھیں پتھر ہوئی آنکھوں سے جا ملیں۔ ماہر اسی طرح ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا رہا۔ چہرے پہ کوئی تاثر نہ ابھرا۔

"میں نے دیکھا وہ کس طرح تمہیں دیکھ رہی تھی۔ تم اس کے لیے سب کچھ تھے۔ اس کی safe place۔ ہر چیز۔ پتہ نہیں پھر مجھ سے کیسے وہ سب ہو گیا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں یہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔"

عبد المالک فرید نے گود میں رکھا ایک پستول اٹھایا جس کے آگے سائیلنسر لگا تھا اور ماہر کی طرف بڑھایا۔

"اپنی جان بچانے کے لئے اس وقت یہ ہر چیز کہنے کو تیار ہو گا۔"

وہ ماہر کو دیکھ رہے تھے۔

"میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ اس کو مار دو۔ اس کے نہ ہونے سے یہ دنیا ایک بہتر جگہ ہو گی۔ لیکن نہیں، تم نے میری نہیں سنی۔" ان کی آواز کپکپائی تھی۔ غصے سے۔ صدمے سے۔ پستول والا ہاتھ بڑھا ہوا تھا۔

"لیکن اب یہ تمہارے سامنے ہے۔ جان کے بدلے میں جان۔ اب اس کو چھوڑو گے تو یہ واپس وہی کرے گا جو اس نے کیا۔"

زیاد سلطان زور زور سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"پلیز۔ میں نے خود سے نہیں کیا۔ مجھ سے ہو گیا۔ مجھے نہیں معلوم کیسے ہو گیا۔ تم لوگ مجھے نہیں مار سکتے۔ بدر اکیلا رہ جائے گا۔"

ماہر نے مالک فرید کی بڑھی ہوئی ہتھیلی دیکھی۔ چمکتے پستول پر لگا سائلنسر۔ پھر نگاہ اٹھا کے زیاد سلطان کو دیکھا۔ پھر واپس پستول کو۔

"میں بدر کا باپ ہوں۔ تم مجھے قتل کر کے میرے بچے کو کیسے فیس کرو گے؟" وہ سر دائیں بائیں مارتا روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

ماہر نے نظریں اس کے چہرے تک اٹھائیں۔

"اور میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا، مالک کہ میں قاتل نہیں ہوں۔ میں اس کو نہیں ماروں گا۔" پھر اس نے گہری سانس لی۔ "اس کی سزا یہی ہے کہ اس کو پولیس کے حوالے کر دو۔"

"یہ ہر جیل کو توڑ کے باہر نکل جائے گا، ماہر۔" ان کے لہجے میں ملامت تھی۔

"یہ جو کرتا ہے اس کو کرنے دو۔ قابیل کی طرح یہ اس گناہ کا بوجھ اپنے بازو پہ کسی نشان کی صورت لیے دنیا میں مارا مارا پھرے گا۔ اس کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔"

ماہر فرید نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"اس کو زندہ رہنے دو، مالک۔ اس کی زندگی اس کی سب سے بڑی سزا ہو گی۔"

عبد المالک فرید نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔"

پستول والا ہاتھ پیچھے کھینچا اور اگلے ہی لمحے

کلک کلک کلک۔

انہوں نے زیاد سلطان کے سر پہ پستول تانا اور تین دفعہ ٹریگر دبایا۔

تین گولیاں اس کی گردن، ماتھے اور آنکھوں کے بیچ سوراخ کرتی گئیں۔

اس کی آوازیں ختم ہو گئیں۔

وہ سر کے بل پیچھے کو جا گرا۔

خون کا ایک فوارہ سا اٹھا اور ماہر کے جوتے پر آ گرا۔ عبد المالک فرید نے رومال سے پستول صاف کیا۔ پھر چہرہ اٹھا کے انہی ملامتی نظروں سے اسے دیکھا، جو اپنے جوتے پر لگے خون کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ اتنا آسان تھا، ماہر۔"

ماہر نے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ سے رومال نکالا۔ جھکا۔ جوتے پر لگے چھینٹے صاف کیے۔ اچھی طرح رگڑے۔ یہاں تک کہ وہ پھر سے چمکنے لگا۔ رومال کی تہیں لگائیں۔ اسے زیاد کی لاش پہ اچھال دیا۔

اور پلٹ گیا۔ اس کا چہرہ اسی طرح سپاٹ اور بے تاثر تھا۔ کمرے میں موجود افراد تیزی سے ایک باڈی بیگ لا رہے تھے۔ فرش پر پلاسٹک شیٹ پہلے ہی بچھی تھی۔ ہر چیز کی تیاری مکمل تھی۔ عمار، مالک فرید کی وہیل چیئر پیچھے کر رہا تھا۔ اور زمین پر کنپٹی کے بل گرے زیاد سلطان کی آنکھیں کھلی تھیں۔ خون کا تالاب اس کے سر کے بالوں سے نکل کے پلاسٹک شیٹ کو بھگو رہا تھا۔

دھند پھر سے ہر چیز پہ چھا گئی۔ سرخ گدلی دھند۔ ہر شے ایک دفعہ پھر سے بے معنی ہو گئی۔ اور دنیا سرد۔

دھند ایک دفعہ پھر سے چھانے لگی تھی۔ دھند چھٹی تو وہ ایک چوکھٹ پر کھڑا تھا۔

دروازہ کھلا تھا۔ اندر طویل سٹڈی تھی جس کی اونچی کھڑکیاں تھیں۔ کھڑکیوں کے پار سے باغیچہ دکھائی دیتا تھا۔

لمبا کاؤچ خالی رکھا تھا۔ اس کا منتظر۔

ماہر فرید نے سٹڈی ٹیبل کی طرف دیکھا۔ اس کے پیچھے کرسی پر بیٹھی یاسمین اسے دیکھ کر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پہ بہت سا افسوس اور ملال تھا۔ وہ میز کے پیچھے سے نکلی۔ نیلی شفاف آنکھیں ابھی تک ماہر پہ جمی تھیں۔ پھر دھیرے سے بازو لمبا کر کے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھو، ماہر۔"

وہ قدم قدم چلتا اس لمبے کاچ تک آیا۔ اس پر بیٹھا۔ کاچ کے لیدر سے چٹخنے کی آواز آئی۔

وہ گھٹنوں پر کہنیاں رکھے سر جھکائے وہیں بیٹھا رہا۔

خاموش۔

اسی دھند میں لپٹا جو آج کل ہر چیز پہ چھائی تھی۔

یاسمین اسی خاموشی سے کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے، نوٹ بک ہاتھ میں لیے بیٹھی رہی۔

کتنی ہی دیر وہ اس کی خاموشی کو سنے گئی۔

وہ اس کے پاس آ گیا تھا، یہی بہت بڑی بات تھی۔

کبھی نہ کبھی وہ کہنا بھی شروع کر دے گا۔

آج اسے صرف ماہر بے کی خاموشی سننی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سوشل میڈیا پہ ایک ویڈیو گردش کر رہی تھی۔ کشمالہ کی کسی فرینڈ کی طرف سے بنائی گئی ویڈیو جس میں اس کی زندگی کے کچھ لمحات تھے۔ زیاد سلطان اور اس کی شادی کی تصویر۔ اس کی اس کے بچے کے ساتھ تصویر۔ بہن بھائیوں کے ساتھ چھوٹی موٹی ویڈیوز۔ کیمرہ اٹھائے وین کوور میں کوئی ایونٹ شوٹ کرتے ہوئے تصویر۔ اور اس ویڈیو پہ کیپشن لگا تھا۔

"فوٹو گرافر اور آرٹسٹ کشمالہ مبین کو اس کے ایکس ہز بینڈ نے کار کریش میں مار دیا۔"

اس ویڈیو کے نیچے طرح طرح کے کمنٹس تھے۔

"ہمیں کشمالہ مبین کے لیے انصاف چاہیے۔"

"کتنا ظالم انسان تھا۔"

"میں نے کہیں پڑھا تھا کہ وہ پاکستان چھوڑ کے کینیڈا میں اسائلم لے کر اکیلی رہ رہی تھی۔ عورتیں اکیلی رہیں گی، تو یہ تو ہو گا۔"

"بھئی اگر اتنا ہی سائیکو انسان تھا تو اس سے شادی کیوں کی ؟اس کے ساتھ اتنا عرصہ کیوں گزارا؟ پہلے ہی دن اسے چھوڑ کیوں نہیں دیا؟"

"یقینا لڑکی کا کوئی افیئر ہو گا۔ شوہر کو چھوڑ کے کسی اور مرد کی طرف جاگے تو پھر کوئی بھی غیرت والا شوہر خود پہ قابو نہیں رکھ سکے گا۔"

"بیچاری لڑکی۔ اس کے بچے کا کیا ہو گا؟ ہمیں اس کے لیے آواز اٹھانی چاہیے۔"

"شیم آن زیاد سلطان۔"

"کچھ تو کیا ہو گا اس لڑکی نے۔ وہ کیوں اس مرد کو اس مقام پر لائی کہ وہ اسے مارنے کی کوشش کرے؟"

"ایک طرف یہ لڑکیاں کہتی ہیں کہ شوہر ابیوزو ہے۔ پھر اس کا بچہ پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ کوئی اور بات ہو گی یقینا۔"

"میں نہیں مان سکتی کہ ایک پڑھی لکھی، خود مختار عورت کو شادی میں کوئی یوں ابیوز کر سکتا ہے۔ ایسی لڑکیاں تو ایک دن ایسے مرد کے ساتھ نہ رہیں۔ تو اس نے اتنے مہینے کیسے اس شادی میں گزار لیے؟ ضرور کوئی اور بات ہے۔"

"جس آدمی سے وہ شادی کر رہی تھی وہ اس کو شادی سے پہلے سے جانتی تھی۔ یقینا اس کے شوہر کو اس کے ماضی کے بارے میں علم ہو گیا ہو گا۔"

اس ویڈیو کے کیپشن پہ کلک کرو تو ایک رپورٹ کھلتی تھی۔

اس رپورٹ میں لکھا تھا۔

"کشمالہ مبین استنبول میں femicide کا شکار ہونے والی ایک وکٹم تھی۔ لیکن وہ اس شہر یا اس دنیا کی پہلی وکٹم نہیں تھی۔ ہر سال پچاسی ہزار سے زیادہ لڑکیاں یا عورتیں اپنے قریبی مرد کے ہاتھوں ماری جاتی ہیں۔ نوے فیصد کیسز میں مارنے والا شوہر، ایکس یا بوائے فرینڈ ہوتا ہے۔ اعداد و شمار کے مطابق ہر دس منٹ بعد دنیا میں ایک لڑکی کا قتل ہوتا ہے۔ وہ بھی اس مرد کے ہاتھوں جس نے کبھی اس سے محبت کا دعوی کیا ہوتا ہے۔ ہر روز 140 عورتیں ماری جاتی ہیں۔ یورپ اور امریکہ میں ماری جانے والی عورتوں میں سے 64 فیصد عورتیں اپنے شوہر یا بوائے فرینڈ کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔ ہمیں بہتر قوانین بنانے کی ضرورت ہے جو ان عورتوں کو تحفظ"

اس رپورٹ کے نیچے بھی اسی طرح کے کمنٹس ایک کے بعد ایک ابھرتے جا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تین ہفتے بعد

ہوٹل سوئیٹ کی اونچی کھڑکی کے باہر بالکونی میں سمندری بگلہ اسی طرح اداس بیٹھا تھا۔ کھڑکی کے شیشے پر چونچ سے بار بار دستک دیتا وہ اندر موجود ذی نفوس کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ناکام رہا تھا۔

اس پر تعیش سوئیٹ میں اونچی ونگ چیئر پر کبیرہ سادان بیٹھی تھیں۔ سلک کا کافتان پہنے ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ مسکرا کے کافی کا کپ عالیان سے تھام رہی تھیں جو وہ جھک کے انہیں تھما رہا تھا۔ ایک گھونٹ بھرا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

"میری فیورٹ کافی۔ تھینک یو۔ تمہیں یاد رہا۔" ان کی آنکھوں میں مسکراتی ہوئی چمک تھی۔

کریم اونی سوئیٹر اور سنہری بالوں والا عالیان سادان کندھے اچکا کے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اپنی کافی کے چند گھونٹ بھرے۔ وہ مسکرا کے خاموشی سے اسے دیکھتی گئیں۔

"زیاد سلطان کا کچھ پتہ چلا؟"

عالیان نے کندھے اچکائے اور کافی کا کپ میز پر رکھا۔

"وہ اس دن سے روپوش ہے۔ کچھ علم نہیں ہو سکا۔"

"تمہارے موکلات کیا کہتے ہیں؟"

"وہ اسے تلاش نہیں کر پا رہے۔ بعض دفعہ انسان جس کو چھپا دے، اسے جنات بھی نہیں ڈھونڈ سکتے۔"

"سو یہ درست ہے کہ بچے کو زیاد نے اغوا کیا تھا، تم نے نہیں۔" ان کی مسکراتی آنکھوں میں کچھ تھا۔ جیسے ایک فخر جو کم ہو گیا ہو۔ جیسے انہیں یہ بات پسند نہ آئی ہو کہ اتنے ماسٹر کرائم کے پیچھے ان کا بیٹا نہیں تھا۔

عالیان نے پیچھے ٹیک لگائی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور اسی بے پرواہی سے ابرو اچکائے۔

"کہانا، مجھے دنیا میں تھوڑا سا chaos، تھوڑی سی شرارت پسند ہے۔ میں تو یونہی زیاد کے پلان کے ساتھ میس اپ کر رہا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ مالا کو مار ہی دے گا۔" پھر جھرجھری لے کے سر جھٹکا۔

کبیرہ سادان نے افسوس بھری سانس خارج کی۔

"مجھے اس کا افسوس ہے۔"

عالیان نے نگاہیں اٹھا کیا نہیں دیکھا۔ وہ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے بالکل بھی کسی افسوس کا شکار نہیں لگ رہی تھیں۔

"آپ کو واقعی افسوس ہے؟" اس کی آواز میں ہلکا سا طنز تھا۔

کبیرہ سادان کے تاثرات میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"وہ اپنی ماں کو بہت یاد کرتی تھی۔ کم از کم وہ اپنی ماں کے پاس خوش ہو گی۔ دنیا ویسے بھی بہت ان فیئر جگہ ہے۔" انہوں نے جھرجھری لی تھی۔

عالیان آنکھیں چھوٹی کیے انہیں دیکھے گیا۔

"ہر لڑکی اپنی ماں کے پاس خوش نہیں ہوتی۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ عنایہ کی شادی کریں گی۔ میں نے کچھ پوٹینشل میچز اکٹھے کیے ہیں۔ میرے کلائنٹس ہیں۔ پیسے والے۔"

کبیرہ سادان نے ہاتھ جھلا کے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔

"میں نے کہانا، میری بیٹی میرے ساتھ خوش ہے۔ تم اس کی ٹینشن کیوں لیتے ہو؟"

وہ جیسے بار بار اس ذکر سے تنگ آ گئی تھیں۔ پھر بے دلی سے کپ نیچے رکھ دیا۔ شروع شروع میں انہیں عالیان کا عنایہ کے لیے فکر مند ہونا اچھا لگا تھا۔ لیکن اس کی بار بار کی تکرار، کبھی ان کو پوٹینشل میچز دکھانا، کبھی ان امیر مردوں کی پروفائلز دکھانا، اب ان کو یہ چیز تنگ کرنے لگی تھی۔ وہ کیسے اپنی بیٹی کو جانے دیں؟ وہی تو تھی جو انہیں جادو سے بچائے ہوئی تھی۔

عالیان نے جواب نہیں دیا۔ ٹیک لگائے بیٹھا ٹانگ پر ٹانگ جمائے خاموشی سے انہیں دیکھے گیا۔

"ٹھیک ہے، میں آپ کو دوبارہ تنگ نہیں کروں گا۔ جتنا تنگ کرنا تھا، کر لیا۔"

کچھ تھا اس کی آواز میں۔ کبیرہ بیگم نے چونک کے اسے دیکھا۔

اور پھر اس پہ نگاہ جمی تو جم ہی گئی۔ جیسے منجمد ہو گئی ہو۔

عالیان ان کی آنکھوں سے آنکھیں نہیں ہٹا رہا تھا۔

بنا پلک جھپکائے انہیں دیکھتے ہوئے اس نے دھیرے سے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ صوفے پر آگے ہو کے بیٹھا۔ غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ بالکل ساکت پلک جھپکے بنا اسے دیکھ رہی تھیں۔

عالیان نے ایک چٹکی ان کے چہرے کے سامنے بجائی۔ وہ پلک تک نہ جھپک سکیں۔

"اس دنیا کی سب سے بری ایجاد جانتی ہیں کیا ہے؟" اس نے تیزی سے ہڈی کی زپ کھولی۔ دونوں حصے علیحدہ ہوئے۔ اندر ہاتھ ڈال کے جیب سے چند چیزیں نکال کر میز پر رکھتا گیا۔ وہ بالکل ساکت سی اسے دیکھ رہی تھیں۔ نہ پلک جھپک پا رہی تھیں۔ نہ جسم کا کوئی عضو حرکت کر پا رہا تھا۔ آواز بھی ہونٹوں سے نہیں نکل رہی تھی۔

"فیس آئی ڈی۔ سب سے بڑی مشکل ہے یہ فیس آئی ڈی۔" عالیان نے ان کا لیپ ٹاپ کھولا۔ جلدی جلدی اس میں چند تاریں پیوست کیں۔ پھر آگے آیا۔ ان کا موبائل اٹھایا۔ اسکرین روشن کی اور ان کے چہرے کے سامنے لے گیا۔ کلک کی آواز کے ساتھ وہ کھل گیا۔ وہ اسی طرح پتھر کا بت بنے بیٹھی تھیں۔

"بے فکر رہیں۔ کچھ خاص نہیں دیا میں نے آپ کو۔ صرف ایک عارضی طور پہ مفلوج کرنے کی دوا۔ کچھ دیر میں آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔" وہ سر جھکائے تیزی سے ان کے موبائل پر انگلیاں چلا رہا تھا۔ ایک ایپ کھولی اور ان کی ونگ چیئر کے بازو تک آیا۔ جھک کے اسکرین ان کے سامنے کی۔ فون کیمرہ نے ان کے چہرے کی تشخیص کی اور ایپ کھل گئی۔ یہ ایک بینکنگ ایپ تھی۔

"اس فیس آئی ڈی نے مجھے کافی دن بڑی مشکل میں ڈالا ہے۔ اتنی دفعہ آپ کے لیپ ٹاپ میں فلیش ڈرائیوز ڈالیں۔ آپ کی بینکنگ ایپس کو ہیک کروانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ آپ کی two-factor authentication ہر جگہ آڑے آجاتی تھی۔ میں نے وہ مقروض ہونے کا ڈرامہ بھی اسٹیج کیا لیکن پھر بھی آپ نے صرف پیسوں کی آفر کی یہ نہیں کیا کہ نوٹوں سے بھرا بریف کیس میرے سامنے رکھ دیا ہو۔ کیا فائدہ امیر ماں کا۔"

وہ تیزی سے بٹن دبا رہا تھا۔ وہ کسی بت کی طرح بیٹھی تھیں۔ ہونٹ ہلکے سے کپکپائے۔ لیکن وہ حرکت کرنے سے انکاری تھے۔

"آپ کے لیپ ٹاپ کا سارا ڈیٹا بھی کاپی کیا۔ کچھ خاص نہیں ملا۔ سوائے ان ویڈیوز کے جو آپ پرائیوٹ انویسٹی گیٹرز کو ہائر کر کے سادان صاحب اور ان کی فیملی کی بنواتی رہتی تھیں۔"

اب وہ دوسری بینکنگ ایپ کھول کے ان کے چہرے کے سامنے لا رہا تھا۔ کلک کی آواز کے ساتھ دوسرے خزانے کا منہ کھل گیا۔ وہ مسکرا کے واپس بیٹھا اور ٹھک ٹھک بٹن دباتا گیا۔

"میں ان ویڈیوز کو آج آپ کے تمام فیملی گروپس اور سوشل میڈیا پہ ریلیز کرنے جارہا ہوں۔ کیونکہ آپ کے بینک اکانٹس خالی کرنے کے بعد مجھے آپ سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ البتہ وہ ویڈیوز منظر عام پہ آنے کے بعد سادان صاحب آپ کے سب سے بڑے دشمن بن جائیں گے۔ اور آپ کی ساری کوششیں ان سے اپنا دفاع کرنے میں لگ جائیں گی۔ کہانا، مجھے دنیا میں تھوڑا سا chaos پسند ہے۔"

وہ پھر سے اٹھا اور تیسری ایپ ان کے سامنے کی۔

"رہیں آپ اور آپ کی بیٹی، تو مجھے آپ لوگوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں یہاں آپ کے پاس آکر آپ سے کوئی بونڈنگ کرنا چاہتا ہوں۔ ہونہہ!"

سر جھکائے ٹھک ٹھک بٹن دباتے اس کے چہرے پہ موبائل کی نیلی روشنی پڑ رہی تھی۔

"ارے واہ! آپ کے پاس تو کرپٹو والٹ بھی ہے۔ زبردست۔" عالیان کے چہرے پہ بے پناہ خوشی تھی۔ انگوٹھے اور انگلیاں کھٹا کھٹ ٹائپ کر رہے تھے۔ پھر وہ اٹھا اور الماری تک گیا۔ دروازہ کھولا۔ اندر ایک لاکر تھا جس کا پاسورڈ وہ کئی دفعہ دیکھ چکا تھا۔ ٹھک ٹھک ٹھک کر کے پاسورڈ ٹائپ کیا۔ لاکر کا دروازہ کھلا۔ اندر موجود دو تین نیکلس اور بریسلیٹ اٹھائے۔ پھر مایوسی سے واپس ان کو دیکھا۔

"ٹریول پہ اپنے ساتھ صرف اتنی سی جیولری لائی ہیں؟ چلیں خیر، پاکستان میں آپ کے پاس بہت کچھ رکھا ہو گا۔ جس سے آپ کا گزارا چل جائے گا۔ تھینک یو فار دس۔"

ہڈی کے اندر ہر چیز ڈالتا گیا۔ پھر ان کا موبائل ان کے سامنے رکھا۔ ہڈی کی زپ بند کی اور ان کے سامنے آ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کے جھکا۔ یوں کہ ان کی آنکھوں میں دیکھ سکتا تھا۔

"ایک گھنٹے تک آپ کا جسم کام کرنے لگ جائے گا۔ لیکن اس کے بعد آپ کا کوئی بینکنگ کارڈ ورک نہیں کرے گا۔اور آپ خود کو ویسے ہی تنہا محسوس کریں گی جیسے ایک زمانے میں آپ نے اس چھوٹے سے بچے کو چھوڑ دیا تھا۔"اس کی آنکھوں میں سنگینی تھی۔ سرد مہری تھی۔

"میری ماں صرف ایک عورت تھی۔ میں اسی کو اپنی ماں مانتا ہوں۔ وہی میری فیملی تھی۔ رہیں آپ اور آپ کی بیٹی، تو مجھے آپ لوگوں سے جو چاہیے تھا، وہ مل گیا۔" وہ سیدھا کھڑا ہوا۔ ماتھے تک ہاتھ لے جا کے مسکرا کے سلام کہا ۔اور پھر وہ ان کے منظر نامے سے نکل گیا۔

وہ اس کے دور جاتے قدموں کی آواز سن سکتی تھیں۔ ساکت۔ جامد۔ کسی مجسمے کی طرح بیٹھیں۔ جیسے کسی قبر میں ہوں اور لوگ مٹی ڈال کے دور جا رہے ہوں۔ عالیان کا دور جاتا ہر قدم ان کے سینے پہ کسی دھمک کی طرح لگ رہا تھا۔ وہ اسے پکارنا چاہتی تھیں۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھیں۔ لیکن وہ دروازہ بند کر کے جا چکا تھا۔

انہی اندھیروں میں جہاں سے وہ اسے کبھی نہیں ڈھونڈ سکیں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک سفید دیواروں والا کمرہ تھا۔ صاف ستھرا۔ چند آلات اور مشینیں کونوں میں رکھی تھیں۔ وسط میں ایک سفید شیٹ والا بیڈ تھا۔ اس پر ہسپتال کا گاؤن پہنے زارینہ فرید بیٹھی تھی۔ گردن میں چین سے لٹکی سیاہ فاختہ دمک رہی تھی ۔چہرہ بالکل صاف شفاف تھا۔ ہر قسم کے میک اپ اور پروڈکٹ سے پاک۔ بال بندھے تھے اور وہ ہاتھ میں پکڑے آئینے سے چہرہ دائیں بائیں گھماتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

ساتھ اسکربز scrubs میں کھڑی لڑکی نے قدرے فکر مندی سے اسے دیکھا۔

"زارینہ میڈم..."

"ایک منٹ۔ "وہ آئینہ نیچے رکھ کے ایک طرف جھکی۔ موبائل روشن کیا۔بابا نام کی چیٹ کھولی۔ اس کے تمام میسجز کے آگے نیلے ٹک تھے۔ لیکن کوئی جواب نہیں تھا۔وہ ہسپتال جاتی تھی تو وہ ملنے سے انکار کر دیتے تھے۔بس ایک نظر اس کی گردن میں جھولتی سیاہ فاختہ کو دیکھا تھا۔ پھر دوبارہ اس سے کوئی بات نہیں کی۔بس چہرہ موڑ لیتے۔

"کوئی بات نہیں۔وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔خون پانی سے گاڑھا ہوتا ہے۔"

اس نے دوسری چیٹ کھولی۔ماہر۔اس کے نام کے ساتھ ایک ہارٹ بنا تھا۔ سرخ خون کے جیسا ہارٹ۔وہاں بھیجے گئے تمام میسیجز کے آگے سنگل گرے ٹک تھے۔دل ڈوب کے ابھرا۔اس نے فون نیچے رکھ دیا۔ پھر اس نیلے اسکربز والی لڑکی کی طرف متوجہ ہوئی، جو اسی فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

"آر یو شیور، آپ یہ سرجری کروانا چاہتی ہیں؟ آپ کی آنکھیں پہلے ہیalmond-shaped۔۔"

"میں فیصلہ کر چکی ہوں۔مجھے یہاں سے یہ لائن یوں چاہیے۔"وہ آنکھوں کے قریب اشارہ کر کے بتا رہی تھی۔ ہر چیز پہلے ہی ڈاکٹر سے ڈسکس کی جا چکی تھی۔ پھر پتہ نہیں اس لڑکی کو کیا تکلیف تھی جو بار بار اس کا موڈ خراب کر رہی تھی؟

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن آپ کی تھوڑی میں اتنے یونٹس اگر ہم نے لگا دیے تو..."

"مجھ سے بحث مت کرو۔جو میں نے کہا ہے وہی کرو۔ آخر میں تم لوگوں کو پے کر رہی ہوں۔"

لڑکی نے گہری سانس لی۔ پھر جبراً مسکرائی۔

"ہم اپنی پوری کوشش کریں گے۔"

اس کا کیا جا رہا تھا؟ وہ کانٹریکٹ سائن کر چکی تھی۔وہ ربڑ کے سینڈلز کے ساتھ چلتی آگے بڑھ گئی اور انٹر کام اٹھا کے کسی کو اطلاع کرنے لگی۔

"پیشنٹ کی پریپ کروا رہی ہوں۔ وہ تقریباً تیار ہیں۔" رسیور رکھ کے ایک افسوس بھری نظر اس پہ ڈالی جو ابھی تک آئینے میں دائیں بائیں چہرہ گھما کے خود کو دیکھ رہی تھی۔

اس کو کیا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیر بل کی بیکری کے اندر زرد بتیاں جلی تھیں۔ جامنی اور بھورے رنگوں سے سجی خوبصورت بیکری۔ جس کی ہر دیوار پر آرٹ ورکس کیے گئے تھے۔ صرف ایک دیوار تھی بالائی منزل پہ، جو ادھوری تھی۔ اسے کسی نے مکمل نہیں کیا تھا۔ بہت سی چیزوں کی طرح اسے بھی ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔ البتہ اوپر نیچے کرسیوں پر بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ سب کے آگے اسنیکس اور ڈیزرٹ رکھے تھے۔

گرم کافی کی بھاپ اڑتی خوشبو' باتوں کی کھنک میں گم ہو رہی تھی۔ چہل پہل۔ رونق۔

یہ بیکری کو کھلے تیسرا دن تھا اور گاہکوں کی آمد کم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

کاؤنٹر کے پیچھے کھڑا بیر بل فرید کیشیئر پہ جھکا اسکرین پہ موجود فگرز دیکھ رہا تھا۔ وہ سوئیٹ پینٹس پہ ڈھیلا سوئیٹر پہنے، گھنگھریالے بالوں کی کس کے پونی بنائے، کان کی بالی اور گردن کی زنجیروں کے ساتھ ہمیشہ جیسا بیر بل ہی لگ رہا تھا۔

کاؤنٹر کی داخلی دیوار پر ایک فریم لگا تھا جس میں بالائی منزل کی ادھوری دیوار کا مورال دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھی لڑکی، جس کے ماتھے پہ سبز رومال بندھا تھا اور وہ اس کو پینٹ کر رہی تھی۔ یہاں سے اس لڑکی کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ البتہ سوشل میڈیا کے باعث بیکری میں آنے والے تمام لوگ اس لڑکی کو پہچانتے تھے۔

"تمہیں مالا نے ہائر کیا تھا۔" بیر بل مینیجر کے قریب جھکا قدرے سختی سے کہہ رہا تھا۔ "اور اس نے تمہیں سارا بزنس پلان سمجھایا تھا۔ تم ویسے ہی کرو گے جیسے اس نے کہا تھا۔"

مینیجر نے سر ہلایا۔ جی سر کہہ کے کی بورڈ پہ بٹن دباتا گیا۔

بیر بل گہری سانس لے کے وہاں سے ہٹا۔ ایک نظر مسکرا کے دیوار پر آویزاں فریم کو دیکھا۔

وہ بالکل ویسا ہی کرے گا جیسے مالا نے کہا تھا۔ وہ اس سے سمجھدار تھی۔ اس میں اس سے کہیں زیادہ بزنس سینس تھی۔ وہ مالا کی کوئی نصیحت نہیں بھلائے گا۔ ان آخری دنوں میں جب وہ بیکری میں پینٹ کر رہی ہوتی تھی اور بیر بل کبھی کبھار ادھر آتا تھا، تو وہ بیٹھ کے اس کو سمجھاتی تھی کہ اس نے کیسے زندگی کو سیریس لینا ہے۔ کیسے اس نے کام کرنا ہے۔ وہ اس کی سب سے خالص اور authentic دوست تھی۔ بیر بل فرید اس کی کسی نصیحت کو نہیں بھلائے گا۔ اور زندگی کو ویسے ہی گزارنے کی کوشش کرے گا جیسے مالا نے اس کو سکھایا تھا۔

وہ سوئیٹ پینٹس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے گردن اونچی کیے اس بڑے سے فریم کو دیکھ رہا تھا۔ گھٹنوں کے بل بیٹھی پینٹ کرتی لڑکی اس کو زندگی گزارنے کا گُر تھما گئی تھی۔ اس کو دیکھتا بیر بل کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔

اور پھر... اس فریم کے شیشے میں پیچھے کا عکس دکھائی دینے لگا۔ بیر بل کی آنکھیں اچھنبے سے اکٹھی ہوئیں۔ چونک کر گردن موڑی۔ دروازہ کھلا تھا۔ جامنی گھنٹی دروازے سے ٹکرائی اور چھنچھناہٹ گونج اٹھی۔ اس منحوس جامنی گھنٹی کو اس نے رینوویشن کے بعد واپس لگا دیا تھا۔ لیکن اس وقت اس کی نگاہیں اس گھنٹی پہ نہیں، اندر داخل ہونے والی لڑکی پہ مرکوز ہو گئی تھیں۔

وہ اپنی دو دوستوں کے ساتھ اندر وارد ہوئی تھی۔ اونچی ہیلز۔ سفید کوٹ۔ اندر سے جھانکتی Chanel کے لوگو والی بیلٹ۔ کہنی سے ٹنگا Birkin۔ انگلیوں اور کانوں میں دمکتے پتھر۔ ایک ہاتھ میں موبائل لیے وہ مسکرا کے انگریزی میں اپنی دوستوں کو کچھ کہتی ایک سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ ٹانگ پر ٹانگ جمائی۔ لمبے بھورے بالوں میں انگلیاں

چلائیں۔ پھر نزاکت سے تھوڑی تلے مٹھی رکھے وہ دائیں بائیں نگاہیں گھمانے لگی۔ خوبصورت، طرح دار لڑکی، جس کی کلائی میں دمکتی رولیکس کی چمک بیر بل فرید کو یہاں تک دکھائی دے رہی تھی۔

اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔

مالا کے پورٹریٹ کی طرف سے دھیرے سے رخ موڑ لیا۔

ویٹر ان سے آرڈر لے کے اس طرف آ چکا تھا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑا رہا۔ اس دوران لڑکی نے ایک دو دفعہ اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکرائی تھی اور اپنی دوستوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ بیر بل تیزی سے کچن کی طرف گیا۔

چند لمحوں بعد جب وہ شیف کے ساتھ باہر نکلا تو اس ٹیبل کی طرف اشارہ کر کے کچھ کہا۔ شیف اور وہ، دونوں ساتھ ساتھ اس ٹیبل تک آئے تھے۔ شیف نے ڈیزرٹ کی پلیٹس باری باری ان کے سامنے رکھیں۔ طرح دار لڑکی نے نگاہیں اٹھا کے پہلے شیف کو دیکھا اور پھر بیر بل فرید کو۔ جو مسکراتا ہوا ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"This is on the house." اس نے مسکرا کے صرف اسی لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

اس کی دوستوں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پہلے اپنی طرح دار فرینڈ کو دیکھا اور پھر بیر بل فرید کو۔

لڑکی نے دلچسپی سے تھوڑی تلے مٹھی رکھی اور پلکیں دو تین دفعہ جھپکائیں۔

"اور کیا ہاؤس ہمارے ساتھ بیٹھنا پسند کرے گا؟"

بیر بل دھیرے سے ہنس دیا۔ ایک لمحے کے لئے سوچا۔ پھر مالا کے پورٹریٹ کی طرف سے رخ مکمل موڑے چوتھی کرسی کھینچ لی۔ وہ چمک اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرمزی عمارت اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ کھڑی تھی ۔

اس کی راہداریوں اور بر آمدوں میں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ عمارت کارپوریٹ آفسز کے لیے کھل گئی تھی۔ البتہ چوکور صحن کے وسط میں مزدور ابھی تک لگے اپنا کام مکمل کر رہے تھے۔ تعمیراتی کام ختم ہو چکے تھے۔ صرف ایک کام رہتا تھا۔ ان دیواروں کا آرٹ ورک، جو اس صحن کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھیں۔ ہر دیوار کے ساتھ ایک آرٹسٹ اونچی نیچی سیڑھی پر بیٹھا برش کے ساتھ پینٹ کر رہا تھا۔ کسی آرٹسٹ کو اپنا دماغ نہیں لگانا پڑ رہا تھا کیونکہ ان کے پاس آرٹ ورک کی ریفرنس فوٹوز پہلے سے موجود تھیں۔ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ انہیں کیا پینٹ کرنا ہے۔

آنسو۔

وہ دیواروں پر شفاف ویکس کے آنسو بنا رہے تھے۔ ایسے کہ اطراف کا منظر الٹا ہو کے ان آنسوؤں میں منعکس ہو رہا تھا ۔ چھوٹے بڑے آنسو جو پانی کے قطروں کی طرح لگتے تھے۔ جیسے عمارت بارش میں بھیگی ہوئی ہو اور موتیوں جیسے قطرے دیواروں پر ٹھہر گئے ہوں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جامنی بوگن ویلیا کے درخت والا گھر اسٹریٹ کے کارنر پہ اسی طرح کھڑا تھا۔ البتہ اس کا گھاس پہلے سے بہتر تراشیدہ تھا۔ سفید پتھر کے خرگوش اور بطخوں والے گملوں میں تازہ پودے اُگے تھے۔ صرف ایک گملہ باغیچے کے وسط میں رکھا تھا اور وہ مٹی سے خالی تھا۔ دائیں بائیں باغبانی کے چند آلات، مٹی کے پیکٹ، اور بیج کے پاؤچ رکھے تھے۔ آج موسم قدرے بہتر تھا۔ سورج نکلا ہوا تھا اور باغیچے کا آدھا حصہ دھوپ میں نہایا ہوا تھا۔

ایسے میں اندرونی دروازہ کھلا اور باہر برآمدے سے ماہر باہر آتا دکھائی دیا۔ سیاہ سوئیٹر اور سفید پینٹس پہنے، آستین پیچھے چڑھائے، وہ پانی کا برتن لیے باہر آ رہا تھا۔ ہاتھوں کے زخم اب مندمل ہو کے غائب ہو چکے تھے۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور دھوپ کے باعث اس نے بھوری آنکھیں چھوٹی کر لی تھیں۔

جو گرز سے چلتا وہ باغیچے کے وسط میں آیا اور پنجوں کے بل نیچے بیٹھا۔ پانی کا برتن ساتھ رکھا اور گملے کو اپنے قریب کیا۔ مٹی کا پیکٹ اٹھانے لگا۔ پھر ٹھہرا۔ جیب میں ہاتھ ڈالا اور موبائل نکالا۔ اسکرین روشن کی۔ سامنے چند میسیجز تھے۔

ماہر نے انہیں چھوا۔ پہلا میسیج قرمزی عمارت کے پراجیکٹ مینیجر کی طرف سے تھا۔ وہ اسے آنسوؤں سے بھری دیوار کی تصویر بھیج کے پراگریس دکھا رہا تھا۔ اس نے جواب میں صرف thumbs up کا نشان بنا کے بھیج دیا۔

دوسرا میسیج سبرینہ کی طرف سے تھا۔ ماہر نے کھولے بغیر چیٹ آرکائیو کر دی۔

پھر ون اِن ففٹی کی چیٹ کھولی۔ کل اس نے بدر اور ہلال کی تصویریں اسے بھیجی تھیں۔ پہلے کی طرح ان تصویروں کے جواب میں کوئی غصے بھرا میسیج، عدالت میں جانے کی دھمکی، یا ایسا کچھ بھی موصول نہیں ہوا تھا۔ ماہی نے صرف تصویروں پہ ہارٹ ری ایکٹ کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ خاموشی تھی۔

ماہر نے فون جیب میں ڈال دیا اور مٹی کا پیکٹ کھولنے لگا۔

یہ اسی پودے کے بیج تھے جو ایک زمانے میں اس نے ماہی کو دیے تھے۔ وہ پودا جو اس کا باپ ہر جگہ لگایا کرتا تھا ۔ پودے جو مالا کو پسند تھے۔ وہ اس گھر میں ایک ایک کر کے سارے پودے لگانے جا رہا تھا۔ اور جب وہ پودے لگا کے تھک جائے گا تو وہ کچھ اور کرے گا۔

یاسمین نے کل اس سے پوچھا تھا کہ وہ grief کی کون سی اسٹیج پہ ہے۔ کم از کم اتنا ہوا تھا کہ ان تین ہفتوں میں وہ یاسمین سے بات کرنے لگ گیا تھا۔

اس نے اس سوال کے جواب میں کافی دیر سوچا تھا۔ وہ denial سے نکل چکا تھا۔ غصہ ختم تھا۔ بارگیننگ کے بارے میں اس نے بہت سوچا تھا۔ لیکن کچھ بچا ہی نہ تھا جس سے وہ بارگین کر سکے۔

اب صرف ڈپریشن تھا۔اس کے بعد قبولیت شروع ہو گی۔لیکن ڈپریشن کی غار بہت طویل تھی۔ اس میں صرف اندھیرا تھا۔ زندگی کی ہر خوبصورتی ختم ہو چکی تھی۔ کوئی شے اب خوشی نہیں دے سکتی تھی۔ بس ہر طلوع ہوتے سورج کے ساتھ اٹھنا تھا۔ اور ہر غروب ہوتے سورج کے ساتھ سو جانا تھا۔چند دوائیں تھیں جن کا خود کو عادی کرنا تھا تا کہ دن گزر سکے۔ایک ایک دن کر کے ہر دن کاٹنا تھا۔

بس اتنا ہوا تھا کہ اس نے اپنی ماں کو معاف کر دیا تھا۔ جیسا کہ وہ چاہتی تھی۔اس کے علاوہ اسے کسی کو معاف کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔نہ مالا کو۔نہ خود کو۔

وہ اس روز جلدی پہنچتا، یا وہ اس روز مالا کی بات پوری سن لیتا، تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ جو ہونا تھا وہ ہو کے رہنا تھا ۔البتہ وہ ہر ایک سے پوچھتا تھا، ہلال سے بھی، یاسمین سے بھی، کہ اس آخری ملاقات میں فون کان پر لگائے، وہ ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے کیا کہہ رہی تھی؟ انگلیوں سے چوکور مربع کا خاکہ بناتی، وہ اسے کیا بتا رہی تھی؟ کوئی ہدایت۔ کوئی کام۔وہ جو بھی کہہ رہی تھی، وہ اسے کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

گملے میں مٹی بھرے' وہ انگلیوں سے جیسے اسے گوندھ رہا تھا۔وہ ابھی اس چیز میں اچھا نہیں تھا۔ لیکن ہو جائے گا۔ایک عمر پڑی تھی پودے لگانے کے لیے۔

اس نے گزرتے دنوں میں کئی بار یہ سوچا تھا کہ اس روز بیکری کے ٹوٹے دہانے کے ملبے کے ساتھ بیٹھے، وہ اس سے کچھ کہہ کیوں نہیں سکا تھا؟ نہ وہ 'جو گردن میں شیشہ پیوست ہوئے زمین پر گری ہوئی تھی، اس کو کچھ کہہ سکی تھی۔(مٹی لگاتے اس کے ہاتھ سست ہو گئے ۔بے اختیار کرب سے آنکھیں بند کیں۔وہ منظر نگاہوں سے جاتا ہی نہیں تھا۔) موویز کی طرح وہ ایمبولینس میں جانے تک زندہ کیوں نہیں رہی تھی ؟اس نے آخری سانسوں میں اسے بہت سی ہدایات کیوں نہیں دیں؟ یہ کیوں نہیں کہا کہ وہ اس کے بیٹے کا خیال رکھے ؟ یہ کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے ؟لوگ تو

آخری سانسوں میں بہت سی باتیں کر لیتے ہیں۔ عہد و پیمان باندھ لیتے ہیں۔ وصیت کر جاتے ہیں۔ پھر وہ دونوں کچھ کہہ کیوں نہیں سکے؟

اس نے جھرجھری لے کے آنکھیں کھولیں۔ بیج والا پیکٹ اٹھایا تو ناخنوں میں مٹی بھری تھی۔

ان کی وہ ملاقات بھی ادھوری رہ گئی تھی۔ شاک میں۔ بے یقینی میں۔ نہ وہ کچھ کہہ سکا۔ نہ مالا کو مہلت ملی۔

زندگی میں ہر چیز اس ٹوٹی نان خطائی کی طرح ادھوری کیوں رہ جاتی تھی؟ کلوژر کیوں نہیں ملتا تھا؟ یا شاید ایسے ہی سب لکھا تھا؟

مکتوب؟

وہ بیج انگلیوں میں اٹھائے دھیرے دھیرے انہیں گیلی مٹی پر پھینکتا گیا۔ ننھے ننھے دانے موتیوں کی طرح دھوپ میں چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

تب ہی گھاس پہ جوتوں کی مدھم سی آواز سنائی دی۔ ماہر نہیں پلٹا۔ وہ اپنے پیچھے کھڑا دراز قد سایہ اور ہڈی دیکھ سکتا تھا۔ نووارد کے ہاتھ جیبوں میں تھے اور وہ اس کے قریب آ رکا تھا۔

"مجھے مالا کا افسوس ہے۔ دل سے۔"

عالیان کھنکھارا تھا۔ ماہر نے ایک نظر سایے کو دیکھا، جس کے سر پہ پی کیپ تھی۔ پھر واپس مٹی کے پیکٹ میں مٹھی ڈالی۔

"لیکن اس سب میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تو ذرا سی شرارت کر رہا تھا۔ آپ کو ماننا پڑے گا کہ میری وجہ سے آپ کو اور مالا کو اتنا وقت ایک ساتھ گزارنے کا موقع ملا۔"

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسی طرح مٹی کی تہہ بیجوں کے اوپر لگاتا گیا۔

پیچھے کھڑے عالیان نے گہری سانس لی۔

"میں اس شہر سے جارہاہوں۔ صرف ایک یقین دہانی کروانے آیاہوں کہ بدر، ہلال اور آپ لوگ مجھ سے محفوظ رہیں گے۔ مجھے آپ لوگوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس شہر میں اپنا آخری کام کر چکا ہوں اور اب اپنی بزنس ایمپائر لاہور منتقل کر رہاہوں۔ وہاں ایک بہت بڑی کلائنٹیج میری منتظر ہے۔"

ماہر نے پانی کی صراحی اٹھائی۔ گردن ترچھی کیے، صراحی سے پانی گملے پر گرانے لگا۔ مٹی بھیگتی گئی اور بیج اس مٹی تلے دفن ہو گئے۔

"مجھے مالا کے لیے واقعی افسوس ہے۔"

"جاؤ یہاں سے، عالیان۔" وہ اسی بے زاری سے بولا تھا۔ نیچے رکھی اور ہاتھ سے مٹی کو دبانے لگا۔ عالیان نے کندھے اچکائے۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑتا، ماہر کے ہاتھ رکے۔ پلٹ کے گردن اونچی اٹھا کے اسے دیکھا۔ سورج کا رخ اس طرف تھا، سو ماہر فرید کی آنکھیں چھوٹی ہو گئیں۔

"خود بھی چلے جاؤ اور اپنے ساتھ ان تینوں کو بھی لے جاؤ۔"

اس کے کندھوں کے پیچھے اشارہ کیا تھا۔

عالیان کے ابرو استعجاب سے اٹھے۔ چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ امڈ آئی۔

"ارے واہ! میں نے سنا تھا لیکن آج دیکھ بھی لیا۔ جتنی تکلیف سے گزرو، اتنی یہ والی سینس شارپ ہو جاتی ہے۔ پہلے آپ کو سنائی دیتے تھے۔ اب دکھائی بھی دینے لگ گئے؟" وہ محظوظ سا ہو کے مسکراہٹ دبائے پلٹنے لگا۔ پھر ایک دم ٹھہرا۔ چونک کے ماہر کو دیکھا۔

"دو۔" اس نے انگلیوں کی وکٹری بنا کے دکھائی۔ "میرے ساتھ دو ہیں۔"

دھوپ سے آنکھیں چھوٹی کیے ماہر فرید پہلی دفعہ مسکرایا تھا۔ نفی میں سر دائیں بائیں ہلایا۔

"تین ہیں، عالیان۔ اور یہ تیسرا تمہارا کارما بنے گا۔ شاید اسے کسی نے تمہارے لئے بھیجا ہے۔"

عالیان نے چونک کے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر اس کو۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ چہرے پہ ایک دم سفیدی سی چھائی۔ ماہر فرید تب تک پلٹ کے اپنے گملے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

عالیان نے پھر سے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر واپس ماہر کو۔ اس کی آنکھوں میں شک تھا۔ پھر اس نے جھرجھری سی لی۔ نہیں۔ وہ اس کے ذہن کے ساتھ کوئی گیم کھیل رہا تھا۔ اس کے ساتھ دو تھے۔ ابھی کسی جن میں اتنی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ سرکار سے ٹکر لے۔

وہ پلٹ گیا۔

اس کے دونوں موکل خاموشی سے اس کے ساتھ پلٹ گئے۔ ہاتھ باندھے۔ اس کا ہر کام کرنے کے لئے تیار۔

وہ دور جاتے گئے۔

اور وہ تیسرا فضا میں تیرتا ہوا کسی سائے کی طرح ان کے پیچھے اڑتا گیا۔

وہ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ اسے محسوس بھی نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن وہ ان کے ساتھ تھا۔

آصف۔

اس نے بہت کوشش کی تھی مالا کو وارن کرنے کی۔ وہ اسے بار بار ہیپی برتھ ڈے ٹو یو سنواتا تھا۔ شاید وہ جان جائے کہ مستقبل میں کوئی اس کو بیکری پہ بلا کے اس کو ٹریپ کرنے لگا ہے۔ بس اتنی ہی خبر تھی اس کو۔ لیکن وہ نہیں سمجھ سکی۔ جنات اشارے دینے میں نالائق تھے یا انسان سمجھنے میں۔ آصف فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ البتہ اس نے ایک طویل

عمر گزاری تھی اور ایک طویل عمر باقی تھی۔ چند سال وہ اس نوجوان جادوگر پہ صرف کر ہی سکتا تھا۔ سو چپ چاپ خاموشی سے ان کے پیچھے فضا میں تیرتا گیا۔

وہ اب ٹشو سے گملے کے دہانے سے گیلی مٹی صاف کر رہا تھا۔ سفید خرگوش اجلا نکل آیا تو ماہر نے دونوں ہاتھوں سے اسے تھاما اور اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس کی جگہ پر جا کے اس کو رکھا۔ ہاتھ جھاڑے۔ ایک نظر جامنی بوگن ویلیا تلے رکھے بھورے بینچ کو دیکھا۔ پرپل اور برائون۔ ایک وقت تھا جب وہ دونوں یہاں ساتھ بیٹھے تھے۔ اب وہ بنچ خالی تھا۔ اس شہر کے ہر پتھر، ہر درخت اور ہر آسمان تلے بہت سی یادیں بکھری تھیں۔ ابھی ایک عرصہ لگے گا۔ وہ جانتا تھا۔ ابھی یہ غار بہت لمبی تھی۔

وہ گھر کے اندر چلا آیا۔ ایک کمرے سے ہلال کی آواز آ رہی تھی۔ وہ بدر کو کچھ کہہ رہی تھی۔ لاؤنج کے وسط میں ابھی تک چند کارٹنز اسی طرح رکھے تھے، جو شفٹنگ کے وقت سے یہاں پڑے تھے۔ وہ ان آوازوں کو نظر انداز کر کے کچن کی طرف آ گیا۔ جانتا تھا وہ کیا کہہ رہے ہوں گے۔ ہلال اس کو کوئی کہانی سنا رہی ہو گی۔ اور وہ جواب میں صرف ایک ہی لفظ کہتا تھا۔

"ماما۔"

لیکن صبح فیضی حانم نے اسے بتایا تھا کہ بہت دن بعد اس نے ٹھیک سے کھانا شروع کیا ہے۔ ابھی یہی بہت تھا۔ بے بی اسٹیپ۔ کم از کم بدر نے ٹھیک سے کھانا شروع کر دیا تھا۔ اس نے ابھی تک نہیں کیا تھا۔ مالا اور اسکی محبت کی داستان بدر اور مالا کی کہانی سے کہیں طویل عرصے پہ محیط تھی۔ ابھی ایک عرصہ لگنا تھا اس کو مدھم ہونے میں۔

وہ چولہے تک آیا۔ پانی رکھا۔ اسی بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے گرم کیا۔ چند پتے اندر ڈالے۔ پانی کھولتا گیا اور ماہر ان بلبلوں کو دیکھے گیا۔ انگلیوں سے گردن کو ٹٹولا۔ گردن میں وہ ایک باریک زنجیر پہنے ہوئے تھا جس میں روز گولڈ پتے

والی ایک انگوٹھی تھی۔ اس نے چین کو سوئیٹر کے اندر ڈال دیا۔ یہ اس کی قید تھی۔ اسے ایک عرصہ اس زنجیر کو پہننا تھا۔

پھر اس نے چولہا بند کیا۔ قہوہ مگ میں انڈیلا اور مگ اٹھائے باہر آ گیا۔ سرما کی دھوپ اسی طرح پھیلی تھی۔

وہ برآمدے میں رکھے کین کے کاؤچ پر بیٹھا۔ پاؤں لمبے کر کے اسٹول پر رکھ دیے اور بھاپ اڑاتی چائے کا کپ تھامے بوگن ویلیا کے درخت کو دیکھے گیا۔ جس کے جامنی پھول دھوپ سے چمک رہے تھے۔

ابھی سرما تھا۔ ہر طرف سرمئی پن تھا۔ ابھی بہار کی رونق واپس آنے میں ایک لمبا عرصہ لگنا تھا۔ ابھی یہ سرد مردہ سا موسم کاٹنا تھا۔ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

لیکن جیسے اس سرمئی منظر نامے میں بوگن ویلیا کے جامنی پھول رنگ بکھیرتے تھے...

ویسے ہی اس کی یادوں میں .... ان بہت سے سرمئی مناظر میں .... ٹوٹی بیکری کے ملبے، خون میں لیٹی لڑکی، ہسپتال کا مردہ خانہ، قبر کے سامنے کھڑا ماہر فرید.... ان سب خوفناک مناظر میں..... ایک منظر ایسا بھی تھا.... جو ان جامنی پھولوں کی طرح تھا۔

رنگین۔ روشن۔

اس ایک منظر کو یاد کر کے..... ذہن میں بار بار کسی فلم کی طرح ری پلے کر کے.... یہ مدت کاٹی جا سکتی تھی۔

شاید۔

ماہر نے مگ ہونٹوں سے لگایا۔ دھیرے دھیرے گھونٹ بھرنے لگا۔ چائے سے اٹھتی بھاپ نگاہوں کے سامنے چھانے لگی۔ موسم کا سارا سرمئی پن غائب ہو گیا۔ اور وہ ایک جامنی پھول ہر شے پہ چھا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا تمہیں پچھتاوا ہے؟"

وہ دونوں بالکونی میں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ ہاتھ میں بھاپ اڑاتے مگ تھے۔ اور لیونڈر کا جامنی پھول والا پودہ خاموشی سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

"کس چیز کا؟" وہ رکا اور پھر ہونٹوں پر اداس مسکراہٹ ابھری۔ "کس کس چیز کا؟"

وہ بھی اسی اداسی سے مسکرا دی۔

"لاہور میں مجھے چھوڑ کے آنے کا۔ مجھے اپنی حقیقت خود نہ بتانے کا۔ زیاد کو میرے سامنے ایکسپوز نہ کرنے کا۔ ہمیشہ آدھا سچ بولنے کا۔ نان خطائی ختم نہ کرنے کا۔"

ماہر نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔

"ہے افسوس۔ پچھتاوا بھی۔ اسی لیے تو میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔" پھر جیسے کچھ سوچ کے وہ چونکا۔

"کیا تمہیں کوئی پچھتاوا ہے؟"

کشمالہ مبین نے بالکونی کے دروازے کو دیکھا۔ پھر ہاتھ میں پکڑے کپ کو جس سے دھواں اٹھ اٹھ کے اوپر جا رہا تھا اور شیشے کی کھڑکیوں کو لمحے بھر کے لیے دھندلا کر دیتا تھا۔ پھر اس نے ننھے گملے کو دیکھا جس میں لیونڈر کا تن تنہا پودا اُگا تھا۔ پھر اس نے ماہر کو دیکھا۔ اس کے اوپر دھندلے آسمان کو جہاں اِکا دکا تارے چمک رہے تھے۔ پھر اس نے نیچے پرسکون بہتے پانی کو دیکھا اور اس کے کنارے پہ لرزتی کشتیوں کو۔ ان کے رنگ برنگے قمقموں کو۔ اور اس میں بیٹھے کپتان اور اس کے ساتھیوں کے قہووں کی پیالیوں کو۔ اور پھر اس نے کہنا شروع کیا۔

"آنسو۔" اس کی آنکھیں ایکسائٹمنٹ سے چمکی تھیں۔ "ہم قرمزی عمارت کی دیواروں پر آنسو بنائیں گے۔"

"آنسو؟" ماہر نے الجھ کے اس کو دیکھا۔ اب وہ اس کی طرف رخ موڑ چکا تھا۔ مالا کے پس منظر میں سیاہ آسمان اور نیچے روشن کشتیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

"جیسے میں نے لاہور والے گھر کے اوپر اسٹوڈیو کی کھڑکی پر بنائے تھے۔ ان آنسوؤں میں سارا منظر الٹا ہو کے دکھائی دیتا تھا۔ نہ بھلائی جانا والا آرٹ۔" وہ مسکرا رہی تھی۔

بالآخر ماہر فرید کھل کے مسکرایا۔ اس کی اٹھائیس شیڈز کی عمارت کے لیے اس سے بہتر آئیڈیا کوئی نہ تھا۔

"لیکن کیا تم میرا دس سیکنڈ میں پیش کیا آئیڈیا قبول کر لو گے؟" مالا نے پوچھا تو سبز آنکھوں میں امید اور آئیڈیا رد ہونے کا خوف دونوں موجود تھے۔ وہ اسی طرح مسکراتا رہا۔

"کر لوں گا۔" پھر اس نے جیسے تحسین سے اس کو دیکھا تھا۔ "جب ہماری آنکھیں آنسوئوں سے بھری ہوتی ہیں تو ساری دنیا کسی inverted image کی طرح الٹی دکھائی دیتی ہے۔ دنیا کو ٹھیک سے سیدھا دیکھنے کے لیے آنسو پونچھنا ضروری ہوتا ہے۔" اسے وہ کانسیپٹ یاد تھا۔ لیکن مالا شاید اس کا سوال بھول چکی تھی۔

"کیا تمہیں کوئی پچھتاوا ہے؟" ماہر کو اسے یاد کروانا پڑا۔

کشمالہ نے گہری سانس لی۔

"کس چیز کا؟"

"غلط انسان سے شادی کرنے کا۔ میرے ایک دھوکے پہ مجھے زندگی سے مائنس کر دینے اور میری بات نہ سننے کا۔ ماہر کو ہمیشہ غلط سمجھنے کا؟"

وہ دونوں اب اپنی اپنی بالکونیوں میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ ایک دوسرے کی طرف چہرہ کیے۔

"نہیں۔" سبز آنکھوں والی لڑکی مسکرائی۔ ماہر فرید کے ابرو تعجب سے اٹھے۔

"نہیں؟"

"نہیں، ماہر۔ مجھے کسی چیز کا پچھتاوا نہیں ہے۔"

"اچھا؟" وہ مسکرا کے جیسے دلچسپی سے اسے سنے گیا۔

ٹوپی والی لڑکی چمکتی آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔

"میں نے زندگی میں بہت غلط فیصلے کیے۔ غلط لوگوں پہ اعتبار کیا۔ درست لوگوں پہ بھروسہ نہیں کیا۔ مجھے افسوس ہے۔ لیکن پچھتاوا نہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ میں آج جو بھی ہوں، انہی غلط فیصلوں کی وجہ سے ہوں۔ وہی تو میرے استاد تھے جنہوں نے مجھے سکھایا تھا کہ اکیلے زندگی کیسے گزارنی ہے۔ اپنے لیے کیسے لڑنا ہے۔ وہی غلط فیصلے تو مجھے آج اتنا مضبوط بنا چکے ہیں۔ سب مجھے کہتے ہیں، کہ زیاد سلطان اس وقت میری ہیپی اینڈنگ کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ وہ اس شہر میں ماہر فرید سے انتقام لیے بغیر نہیں جائے گا۔ لیکن پتہ ہے کیا؟"

"کیا؟" وہ اسی مسکراہٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میری ہیپی اینڈنگ یہ نہیں تھی کہ مجھے ایک اچھا آدمی مل جائے جس کے ساتھ میں دوبارہ ایک خیمہ لگا سکوں۔ زیاد سلطان سے نجات میری ہیپی اینڈنگ تھی، ماہر، جو مجھے ساڑھے چار سال پہلے مل گئی تھی۔۔ ایک ٹاکسک رشتے سے نکل آنا، یہ میری جیت تھی۔ میں ساڑھے چار سال سے اپنی ہیپی اینڈنگ جی رہی تھی۔ ہر انسان کی ہیپی اینڈنگ اسی دن شروع ہو جاتی ہے، جب وہ خود کو ایک ٹاکسک رشتے سے نکال کے موو آن کرنا سکھا دیتا ہے۔ میں نے اپنی زندگی خود تعمیر کی تھی۔ کل تمہارے آفس میں تمہارے ساتھ ایک پری نپ سائن کرتے ہوئے مجھے میری نئی زندگی نہیں ملے

گی' ماہر۔ یہ تو بس ایک تسلسل ہے اس زندگی کا جس کو میں خود عرصے سے اپنے لیے بہتر بنانے میں لگی ہوں۔ زیاد سلطان کچھ بھی کر لے' تمہیں مار دے' مجھے مار دے' یا عالیان بدر کو ہم سے دوبارہ چھین لے' کوئی بھی مجھ سے میری healing نہیں چھین سکتا۔ ہماری healing ہماری ہیپی اینڈنگ ہوتی ہے۔ جس کو یہ مل جائے' اسے اس سے بڑی کوئی اور نعمت مل نہیں سکتی۔"

مالا کی آنکھوں میں نیچے ٹھہری کشتیوں کے قمقموں کا عکس تھا۔ وہ اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس عکس کو دیکھے گیا۔

"بدر نہ کھوتا' میں یہاں نہ آتی' تم اور میں دوبارہ نہ ملتے' تب بھی میری زندگی ختم نہ ہو جاتی۔ جب تک میری healing جاری رہتی' میری زندگی کسی بھی مرد کے بغیر بھی پر سکون رہتی۔"

"مجھے پھر بھی ایک پچھتاوا ہے۔" وہ کچھ دیر بعد بولا تو اس کی آواز میں یاسیت تھی۔

"جب میں نے وہ البم اپنے سامنے رکھا تھا... برسوں پہلے جب لیوندڑ اور موتیے کی خوشبو والے سوئیٹ میں میں نے کیف جمال کو بلوایا تھا... تب میں چاہتا تھا کہ اس سبز آنکھوں والی لڑکی کے ساتھ وہ سب نہ ہو جو البم میں موجود دوسری عورتوں کے ساتھ ہوا۔ میں تمہیں بچانا چاہتا تھا اس سب تکلیف سے' اس ظلم سے جس سے تم گزریں۔"

"کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا' ماہر۔" اس کے الفاظ سرد دھوئیں کی طرح ہونٹوں سے نکلے تھے۔

اب وہ دونوں بالکونی کی ریلنگز سے ٹیک لگا چکے تھے۔ اس سرد رات میں ساتھ ساتھ کھڑے۔ آسمان کو دیکھتے ہوئے جس پہ چند تارے بکھرے دکھائی دیتے تھے۔

مالا نے تھوڑی اونچی کر کے ان تاروں کو گنا۔

"یعنی تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں؟" وہ بھی اس کی نگاہوں کے تعاقب میں انہی تاروں کو گن رہا تھا۔

"صرف ایک ہے۔"

"کیا؟" ماہر نے بے اختیار اس کا چہرہ دیکھا۔

ٹوپی والی لڑکی گردن اونچی کیے' ستاروں پہ نگاہیں دوڑائے بولی تھی۔

"کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ختم شد)